
صلی اللہ علیہ وسلم
رسول نمبر
نقوش

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد دہم

شمارہ نمبر ۱۳۰

جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

مدیر:

محمد طفیل

ادارۂ فروغ اردو • لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۰۰ روپے

ترتیب

مقالات

(۱) نعت (لغوی مفہوم) — ڈاکٹر ریاض مجید — ۹
(۲) اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات — ڈاکٹر شاکر علیمی — ۶۴
(۳) اردو کے نعتیہ گلدستے — ڈاکٹر فضل حق خورشید — ۹۳
(۴) عربی زبان میں نعتیہ کلام — حکیم محمد یحییٰ خاں شفا — ۱۲۱
(۵) فارسی زبان میں نعتیہ کلام — ڈاکٹر عبدالحمید یزدانی
(۶) اردو زبان میں نعتیہ کلام — حفیظ تائب

انتخابِ نعت (عربی)

(۱) روضۂ رسالتمآبؐ پر کندہ اشعار،
(۲) ہمزیۃ البوصیری، ۱۹۴
(۳) ابن حجۃ الحموی، ۱۹۵
(۴) شیخ عبدالرحیم البرعی، ۱۹۷
(۵) ابن نباتہ مصری، ۲۰۲
(۶) شہاب الدین محمود الحلبی، (۲۰۴)
(۷) شیخ جمال الدین الصرصری، ۲۰۹
(۸) عبدالرحمان بن خلدون، ۲۱۲
(۹) علامہ ابن حجر، ۲۱۵
(۱۰) شیخ عبداللہ شبراوی، ۲۱۹
(۱۱) شیخ حسین دُجانی،
(۱۲) شیخ عبدالغنی النابلسی، ۲۲۳
(۱۳) شیخ احمد تھانیسری، ۲۲۵
(۱۴) حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب، ۲۲۸
(۱۵) حضرت عثمان غنی، ۲۲۹
(۱۶) حضرت عمر فاروق، ۲۳۰
(۱۷) حضرت ابوبکر صدیق، ۲۳۱
(۱۸) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، ۲۳۲
(۱۹) حضرت فاطمۃ الزہرا، ۲۳۳
(۲۰) حضرت عائشہ صدیقہ، ۲۳۴
(۲۱) ابن العربی ابوبکر محی الدین، ۲۳۵
(۲۲) حضرت کعب بن زُہیر، ۲۳۶
(۲۳) اعشیٰ، ۲۳۷
(۲۴) محمد جاراللہ السمہودی، ۲۳۹
(۲۵) حضرت ابُوسفیان، ۲۴۱
(۲۶) حضرت عباس بن مرداس، ۲۴۳
(۲۷) حضرت عبداللہ بن رواحہ، ۲۴۴
(۲۸) ابوالعتاہیہ، ۲۴۶
(۲۹) حضرت عبداللہ بن زبعریٰ
(۳۰) حضرت کعب بن مالک، ۲۵۱
(۳۱) حضرت حسان بن ثابت، ۲۵۴
(۳۲) مولانا شاہ عبدالعزیز، ۲۵۸
(۳۳) علامہ آزاد بلگرامی، ۲۵۹
(۳۴) احمد شوقی، ۲۶۳
(۳۵) ابوعلی بن المستنبر، ۲۶۹
(۳۶) شاہ ولی اللہ دہلوی، ۲۷۳
(۳۷) حضرت عمر (جن)، ۲۷۹
(۳۸) حضرت عباس بن عبدالمطلب، ۲۸۲
(۳۹) حضرت علی، ۲۸۴
(۴۰) مولانا فضل حق خیرآبادی، ۲۸۶
(۴۱) ابومحمد طاہر سیف الدین، ۲۸۸
(۴۲) مولانا شاہ رفیع الدین، ۲۹۰
(۴۳) امام زین العابدین، ۲۹۱
(۴۴) امام ابوحنیفہ کوفی، ۲۹۲

انتخابِ نعت (فارسی)

(۱) فخرالدین گرگانی، ۲۹۴
(۲) حکیم ابوالمجدود بن آدم، ۲۹۶
(۳) انوری، ۲۹۹
(۴) جمال الدین اصفہانی، ۳۰۰
(۵) حکیم خاقانی شروانی، ۳۰۳
(۶) نظامی گنجوی، ۳۰۶
(۷) فریدالدین عطار، ۳۰۸
(۸) قطب الدین بختیار کاکی، ۳۱۰
(۹) اوحدی کرمانی، ۳۱۲
(۱۰) کمال الدین اسمٰعیل، ۳۱۴
(۱۱) مولانا جلال الدین رومی، ۳۱۷
(۱۲) شیخ فخرالدین ابراہیم، ۳۱۹
(۱۳) شیخ سعدی شیرازی، ۳۲۱
(۱۴) مخدوم علاؤالدین علی احمد، ۳۲۴
(۱۵) خواجہ ہمام تبریزی، ۳۲۵
(۱۶) امیر خسرو دہلوی، ۳۲۶
(۱۷) خواجو کرمانی، ۳۲۹
(۱۸) ضیاء نخشبی بدایونی، ۳۳۱
(۱۹) عماد فقیہ کرمانی، ۳۳۲
(۲۰) خواجہ کمال الدین سلمان، ۳۳۳
(۲۱) ابن عماد شیرازی، ۳۳۶
(۲۲) مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی، ۳۳۷
(۲۳) مولانا معین الدین معینی، ۳۴۰
(۲۴) فغانی شیرازی، ۳۴۲
(۲۵) جمالی دہلوی، ۳۴۳
(۲۶) مولانا وحشی بافقی، ۳۴۵
(۲۷) مولانا کمال الدین محتشم، ۳۴۶
(۲۸) محمد جمال الدین عرفی، ۳۴۸
(۲۹) حکیم ابوالفیض فیضی، ۳۵۱
(۳۰) خواجہ باقی باللہ، ۳۵۳
(۳۱) محمد حسین نظیری، ۳۵۴
(۳۲) مکتبی شیرازی، ۳۵۶
(۳۳) میرزا جلال اسیر، ۳۵۸
(۳۴) حاجی جان محمد قدسی، ۳۶۰
(۳۵) سعداللہ مسیحائے پانی پتی، ۳۶۱
(۳۶) محمد اکرم غنیمت کنجاہی، ۳۶۳
(۳۷) میرزا داراب بیگ، ۳۶۴
(۳۸) میرزا عبدالقادر بیدل، ۳۶۵
(۳۹) میر سید علی مشتاق اصفہانی، ۳۶۷
(۴۰) شیخ محمد علی حزیں، ۳۶۹
(۴۱) حکیم قاآنی، ۳۷۱
(۴۲) اسداللہ خاں غالب، ۳۷۴
(۴۳) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، ۳۷۷
(۴۴) محمد حسن شعری، ۳۷۹
(۴۵) ضیاء الدین احمد نیر رخشاں، ۳۸۰
(۴۶) خواجہ مستان شاہ کابلی، ۳۸۱
(۴۷) علامہ شبلی نعمانی، ۳۸۳
(۴۸) غلام قادر گرامی، ۳۸۴
(۴۹) علامہ اقبال، ۳۸۵
(۵۰) میر عثمان علی خاں، ۳۸۶
(۵۱) سید منظور احمد مہجور، ۳۸۷

درود و سلام

(۱) امیر مینائی، ۳۸۹
(۲) اسمٰعیل میرٹھی، ۳۹۰
(۳) عبدالباری آسی، ۳۹۱
(۴) بیدم وارثی، ۳۹۲
(۵) حسرت موہانی، ۳۹۳
(۶) بہزاد لکھنوی، ۳۹۴
(۷) اقبال سہیل، ۳۹۵
(۸) مولانا مناظر احسن گیلانی، ۳۹۸
(۹) حامد حسن قادری، ۳۹۹
(۱۰) مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ۴۰۱
(۱۱) یحییٰ اعظمی، ۴۱۱
(۱۲) یوسف ظفر، ۴۱۲
(۱۳) آغا شورش کاشمیری، ۴۱۳
(۱۴) نصراللہ خاں عزیز، ۴۱۴
(۱۵) مولانا ماہرالقادری، ۴۱۵
(۱۶) حفیظ جالندھری، ۴۱۹

قصائد

(۱) مرزا محمد رفیع سودا، ۴۲۱
(۲) حکیم مومن خاں مومن، ۴۲۴
(۳) میر تجلّی، ۴۳۰
(۴) راسخ عظیم آبادی، ۴۳۱
(۵) ناسخ لکھنوی، ۴۳۲
(۶) کرامت علی شہیدی، ۴۳۳
(۷) بہادر شاہ ظفر، ۴۳۴
(۸) خواجہ الطاف حسین حالی، ۴۳۵
(۹) امیر مینائی، ۴۳۸
(۱۰) مولانا احمد رضا خان بریلوی، ۴۴۳
(۱۱) محمد ہادی عزیز لکھنوی
(۱۲) مولانا محمد قاسم نانوتوی، ۴۵۰
(۱۳) مولانا نعیم الدین مراد آبادی، ۴۵۲
(۱۴) محسن کاکوروی، ۴۵۵
(۱۵) مہاراجہ سرکشن پرشاد، ۴۶۴
(۱۶) اقبال سہیل، ۴۶۶
(۱۷) جوش ملیح آبادی، ۴۷۰
(۱۸) حافظ مظہر الدین، ۴۷۲

مثنوی

(۱) ملّا وجہی، ۴۷۵
(۲) صنعتی بیجاپوری، ۴۷۶
(۳) ملّا غواصی دکنی، ۴۷۷
(۴) ملّا نصرتی، ۴۷۹
(۵) محمد رفیع فتاحی، ۴۸۱
(۶) امامی دکنی، ۴۸۲
(۷) مختار، ۴۸۳
(۸) سراج الدین سراج، ۴۸۴
(۹) مولانا محمد اسمٰعیل شہید، ۴۸۵
(۱۰) سعادت یار خاں رنگین، ۴۸۶
(۱۱) صبا لکھنوی، ۴۸۷
(۱۲) نساخ عظیم آبادی، ۴۸۸
(۱۳) ڈپٹی نذیر احمد، ۴۸۹
(۱۴) شوق قدوائی، ۴۹۱
(۱۵) سلیم احمد، ۴۹۲

مسدس، مخمس

(۱) نظیر اکبر آبادی، ۴۹۳
(۲) مولانا حالی، ۴۹۵
(۳) شاد عظیم آبادی، ۴۹۷
(۴) اکبر الہ آبادی، ۴۹۹
(۵) میر انیس، ۵۰۰
(۶) سراج لکھنوی، ۵۰۲
(۷) جگر مراد آبادی، ۵۰۳
(۸) نیاز فتحپوری، ۵۰۴
(۹) جوش ملیح آبادی، ۵۰۷
(۱۰) احسان دانش، ۵۰۹
(۱۱) سید آلِ رضا، ۵۱۱

نظمیں

(۱) مولانا حالی، ۵۱۳
(۲) مولانا شبلی نعمانی، ۵۱۶
(۳) مولانا وحید الدین سلیم، ۵۱۸
(۴) علامہ اقبال، ۵۱۹
(۵) خوشی محمد ناظر، ۵۲۴
(۶) آغا حشر، ۵۲۶
(۷) مولانا معنی اجمیری، ۵۳۰
(۸) علامہ تاجور نجیب آبادی، ۵۳۵
(۹) حکیم احمد شجاع، ۵۳۷
(۱۰) مجید امجد، ۵۳۹
(۱۱) حفیظ جالندھری، ۵۴۰

آزاد نظم

(۱) قاضی نذرالاسلام، ۵۴۱
(۲) ظہور نظر، ۵۴۵
(۳) اطہر نفیس، ۵۴۷

تضمین

(۱) مومن خاں مومن، ۵۴۸
(۲) علی اوسط رشک، ۵۵۰
(۳) سرور جہان آبادی، ۵۵۱
(۴) عبدالمجید سالک، ۵۵۲
(۵) بیان یزدانی، ۵۵۳
(۶) عظیم قریشی، ۵۵۵
(۷) آغا شورش کاشمیری، ۵۶۱

رباعیات و قطعات

(۱) خواجہ میر درد، ۵۶۳
(۲) محسن کاکوروی، ۵۶۴
(۳) امیر مینائی، ۵۶۴
(۴) حسن بریلوی، ۵۶۴
(۵) مولانا رضا بریلوی، ۵۶۴
(۶) سلامت علی دبیر، ۵۶۴
(۷) مولانا حالی، ۵۶۵
(۸) بیان میرٹھی، ۵۶۵
(۹) قمر جلالوی، ۵۶۵
(۱۰) فراق گورکھپوری، ۵۶۶
(۱۱) تلوک چند محروم، ۵۶۶

متعلقات

(۱) جوشش عظیم آبادی، ۵۶۷
(۲) نوازش علی شیدا، ۵۶۸
(۳) مولانا محمد باقر آگاہ، ۵۶۹
(۴) میر ضیاء الدین عبرت، ۵۷۰
(۵) آفتاب الدولہ قلق، ۵۷۱
(۶) مولانا کفایت علی کافی، ۵۷۲
(۷) غلام امام شہید، ۵۷۳
(۸) میرزا دبیر لکھنوی، ۵۷۵
(۹) عبدالقادر وفا، ۵۷۷
(۱۰) واجد علی شاہ، ۵۷۸
(۱۱) مولانا حالی، ۵۸۰
(۱۲) حسین سخن دہلوی، ۵۸۲
(۱۳) محسن کاکوروی، ۵۸۴
(۱۴) صفی لکھنوی، ۵۹۵
(۱۵) میر محبوب علی، ۵۹۶
(۱۶) مولانا حسن رضا بریلوی، ۵۹۷
(۱۷) نفیس خلیلی، ۶۰۱
(۱۸) عبدالعزیز فطرت، ۶۰۲
(۱۹) تاج الدین تاج، ۶۰۵
(۲۰) امجد حیدرآبادی
(۲۱) م۔ حسن لطیفی، ۶۱۱
(۲۲) وزیر الحسن عابدی، ۶۱۶
(۲۳) ڈاکٹر صفدر حسین، ۶۱۹
(۲۴) عبداللہ خاور، ۶۲۱
(۲۵) راجہ محمد عبداللہ نیاز، ۶۲۳

نعتیہ غزل

(۱) قلی قطب شاہ، ۶۲۵
(۲) انعام اللہ خاں یقین، ۶۲۶
(۳) سراج اورنگ آبادی، ۶۲۷
(۴) شاہ حاتم، ۶۲۸
(۵) قائم چاندپوری، ۶۲۹
(۶) میر محمدی بیدار، ۶۳۰
(۷) شیخ قلندر بخش جرأت، ۶۳۱
(۸) معروف دہلوی، ۶۳۲
(۹) مومن خاں مومن، ۶۳۳
(۱۰) شاہ غمگین دہلوی، ۶۳۴
(۱۱) ذوق دہلوی، ۶۳۵
(۱۲) امانت لکھنوی، ۶۳۶
(۱۳) ناظم رامپوری، ۶۳۷
(۱۴) نسیم دہلوی، ۶۳۸
(۱۵) شیفتہ دہلوی، ۶۳۹
(۱۶) مولوی خلیل الدین حسن، ۶۴۰
(۱۷) قربان علی بیگ سالک، ۶۴۱
(۱۸) مولا بخش قلق، ۶۴۲
(۱۹) اسیر لکھنوی، ۶۴۳
(۲۰) احمد حسن رسوا، ۶۴۴
(۲۱) صابر دہلوی، ۶۴۵
(۲۲) لطف بریلوی
(۲۳) عاشق دہلوی
(۲۴) عصمت اللہ انسخ، ۶۴۰

(۲۵) محمد شجاع الدین، ۶۴۹ (۲۶) حضور احمد آثم، ۶۵۰ (۲۷) فیض الحسن سہارنپوری، ۶۵۱ (۲۸) نواب کلب علی خان، ۶۵۲
(۲۹) سرور لاہوری، ۶۵۳ (۳۰) مہاجر مکی، ۶۵۴ (۳۱) عاقل حیدر آبادی، ۶۵۵ (۳۲) تمنا مراد آبادی، ۶۵۶
(۳۳) شائق حیدر آبادی، ۶۵۷ (۳۴) حسن عطا شوق، ۶۵۸ (۳۵) امیر مینائی، ۶۵۹ (۳۶) زکی دہلوی، ۶۶۰
(۳۷) مجروح دہلوی، ۶۶۱ (۳۸) داغ دہلوی، ۶۶۲ (۳۹) عالمگیر خاں کیف، ۶۶۴ (۴۰) محمد آغا داؤد، ۶۶۵
(۴۱) حسن بریلوی، ۶۶۶ (۴۲) مولانا حسن رضا بریلوی، ۶۶۷ (۴۳) نسیم بھرت پوری، ۶۶۸ (۴۴) جلال لکھنوی، ۶۶۹
(۴۵) تسلیم لکھنوی، ۶۷۰ (۴۶) مولوی محمد عمر جنوں، ۶۷۱ (۴۷) وفا رامپوری، ۶۷۲ (۴۸) پیارے لال رونق، ۶۷۳
(۴۹) آسی غازی پوری، ۶۷۴ (۵۰) محمد مظفر الدین معلّی، ۶۷۵ (۵۱) رعب انصاری، ۶۷۶ (۵۲) منشی شمس الدین، ۶۷۷
(۵۳) مولانا احمد رضا خان بریلوی، ۶۷۸ (۵۴) ممتاز جہاں گنگوہی، ۶۸۰ (۵۵) عزیز صفی پوری، ۶۸۱ (۵۶) مولانا محمد علی جوہر، ۶۸۲
(۵۷) فصاحت لکھنوی، ۶۸۳ (۵۸) شوکت مراد آبادی، ۶۸۴ (۵۹) فیروز طغرائی، ۶۸۵ (۶۰) دلورام کوثری، ۶۸۶
(۶۱) بے نظیر شاہ، ۶۸۸ (۶۲) نظم طباطبائی، ۶۸۹ (۶۳) عبدالقادر صدیقی حسرت، ۶۹۰ (۶۴) ریاض خیر آبادی، ۶۹۱
(۶۵) ضمیر الحق قیس، ۶۹۲ (۶۶) عزیز لکھنوی، ۶۹۳ (۶۷) اصغر گونڈوی، ۶۹۴ (۶۸) آغا شاعر قزلباش، ۶۹۵
(۶۹) سر کشن پرشاد شاد، ۶۹۶ (۷۰) احسن مارہروی، ۶۹۷ (۷۱) بیدم شاہ وارثی، ۶۹۸ (۷۲) مجذوب سہارنپوری، ۶۹۹
(۷۳) شفق عماد پوری، ۷۰۰ (۷۴) نواب بہادر یار جنگ، ۷۰۱ (۷۵) سائل دہلوی، ۷۰۲ (۷۶) جلیل مانکپوری، ۷۰۳
(۷۷) نظامی بدایونی، ۷۰۵ (۷۸) اختر شیرانی، ۷۰۶ (۷۹) عزیز یار جنگ، ۷۰۷ (۸۰) صفی لکھنوی، ۷۰۸
(۸۱) سیماب اکبر آبادی، ۷۰۹ (۸۲) آرزو لکھنوی، ۷۱۰ (۸۳) اکبر میرٹھی، ۷۱۱ (۸۴) دتا تریہ کیفی، ۷۱۲
(۸۵) بیخود دہلوی، ۷۱۳ (۸۶) وحشت کلکتوی، ۷۱۴ (۸۷) مولانا ظفر علی خاں، ۷۱۵ (۸۸) سردار عبدالرب نشتر، ۷۱۶
(۸۹) اختر حیدر آبادی، ۷۱۷ (۹۰) ہری چند اختر، ۷۱۸ (۹۱) ابو الکلام آزاد، ۷۱۹ (۹۲) دل شاہجہانپوری، ۷۲۰
(۹۳) مولانا غلام محمد ترنم، ۷۲۱ (۹۴) نوح ناروی، ۷۲۲ (۹۵) ہادی مچھلی شہری، ۷۲۳ (۹۶) شوکت تھانوی، ۷۲۴
(۹۷) مانی جائسی، ۷۲۶ (۹۸) اثر صہبائی، ۷۲۷ (۹۹) حمید صدیقی، ۷۲۸ (۱۰۰) یحییٰ تنہا، ۷۲۹
(۱۰۱) میر عثمان علی خاں، ۷۳۰ (۱۰۲) عبدالعزیز فطرت، ۷۳۱ (۱۰۳) اثر لکھنوی، ۷۳۲ (۱۰۴) استاد قمر جلالوی، ۷۳۳
(۱۰۵) شکیل بدایونی، ۷۳۴ (۱۰۶) اختر علی تلہری، ۷۳۵ (۱۰۷) افقر موہانی، ۷۳۶ (۱۰۸) روش صدیقی، ۷۳۷
(۱۰۹) تمنا عمادی، ۷۳۸ (۱۱۰) سراج الدین ظفر، ۷۳۹ (۱۱۱) ابر احسن گنوری، ۷۴۰ (۱۱۲) حفیظ ہوشیارپوری، ۷۴۱
(۱۱۳) بہزاد لکھنوی، ۷۴۲ (۱۱۴) یوسف جمال انصاری، ۷۴۳ (۱۱۵) محوی صدیقی، ۷۴۴ (۱۱۶) نجم آفندی، ۷۴۵
(۱۱۷) شفیق کوٹی، ۷۴۶ (۱۱۸) ماہر القادری، ۷۴۷ (۱۱۹) صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ۷۴۸ (۱۲۰) محمد طاہر فاروقی، ۷۴۹
(۱۲۱) عرش ملسیانی، ۷۵۰ (۱۲۲) جمیل مظہری، ۷۵۱ (۱۲۳) حافظ مظہر الدین، ۷۵۲ (۱۲۴) فضل احمد کریم فضلی، ۷۵۳
(۱۲۵) حکیم نیر واسطی، ۷۵۴ (۱۲۶) احسان دانش، ۷۵۵

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارۂ فروغ اردو لاہور سے شائع کیا

طلوع

انسان عاجز ہے۔ ہر لمحہ خدا سے کچھ نہ کچھ طلب کرتا رہتا ہے، یا اللہ! مجھے یہ دے دے۔ یا اللہ! مجھے وہ دے دے۔ یا اللہ! مجھے دنیا جہان دے دے۔

میں نے بھی جب ہوش سنبھالا تو خدا سے اتنا کچھ مانگا کہ اللہ میاں نے بھی سوچا ہوگا کہ اس شخص نے سوائے خدائی کے سب کچھ مانگا۔

میری التجاؤں میں شاید تڑپ تھی کہ وہ مستجاب ہونے لگیں۔ ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری اور نہ جانے کتنی دعائیں قبول ہوئیں۔ حساب لگاؤں گا تو سارے ہندسے ختم ہوجائیں گے۔

ایک سفر میں، مَیں نے صبح کی نماز پڑھی، دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے مگر دوسرے ہی لمحہ ہاتھ چھوڑ دیئے۔ دوست نے پُوچھا، "دعا نہیں مانگتے؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"ڈر لگتا ہے۔"

"کیسا ڈر؟"

"مجھے خدا نے کیا نہیں دے رکھا، جو میں اُس سے مانگوں!"

"یہ بھی سُنو!"

"فرائض کی ادائیگی کے علاوہ، مَیں جتنے سجدے کرتا ہُوں وہ شکرگزاری کے سجدے ہوتے ہیں۔"

محمد طفیل

اس شمارے میں

نعت معتبر صنفِ شاعری ہے۔ اس کے اصول اور معیار حضورؐ کی زندگی میں مقرر ہوئے۔ بعض شاعروں کو حضورؐ نے اصلاح دی، انعام و اکرام سے نوازا۔

شاعری کی یہ صنف، حضورؐ کی فرمائش پر وجود میں آئی۔ ایک دن سرورِ کائناتؐ صحابہؓ کے درمیان بیٹھے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "جو لوگ تلوار سے میری مدد کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ زبان سے بھی مدد کریں۔" حسانؓ بن ثابت اس اشارے کو سمجھ گئے۔ چنانچہ حضرت حسانؓ نے کہا: "میں حاضر ہوں۔"

پہلے قاعدہ یہ تھا کہ کوئی قصیدہ لکھا جاتا تھا تو اس کی ابتدا میں خاندان کی فضیلتوں کا ذکر ہوتا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے توجہ دلائی کہ ابوسفیان کا اور میرا خاندان ایک ہے اس لیے لکھنے میں دشواری پیش آئے گی ـــــ اس پر حسانؓ بن ثابت نے کہا: "یہ میرا فن ہے۔"

فن کی بات چلی ہے تو اپنے ہاں کی نعتیہ شاعری کی بھی بات ہو جائے۔ قیامِ پاکستان کے بعد، اس صنف نے بہت ترقی کی۔ خُوب لکھا گیا، بڑی توجہ اور جذب کے ساتھ لکھا گیا کیونکہ اس صنف میں تو کسی غیر الہامی لفظ کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ پھر ایک شعر کہنے کے بعد، درُود پڑھے بغیر دُوسرا شعر نہیں لکھا جا سکتا۔

آج تک جتنے انتخابی مجموعے سامنے آئے اُن میں لکیر کی فقیری پائی گئی۔ مگر ہماری یہ سعی قدرے مختلف ہوگی۔ ہم نے اس معیّن روش کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں درُود و سلام، قصائد، مسدس، مخمس، مثنوی، تضمین، رباعیات و قطعات، نعتیہ نظم، آزاد نعتیہ نظم اور نعتیہ غزل کو عنوانات بنا کر تخلیقات پیش کی ہیں۔ اگر آئندہ اسی نہج پر سوچا گیا تو ہمیں خوشی ہوگی۔

اس شمارے کے سلسلے میں جناب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، جناب ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی، جناب حفیظ تائب اور کسریٰ منہاس نے میری مدد کی۔ یا گزشتہ پانچ شماروں کے سلسلے میں جتنی مدد سیّد محمد متین ہاشمی اور مولانا سیّد اسعد گیلانی نے کی یا جتنا استفادہ جناب محمد عالم مختار حق کے کتب خانہ سے کیا گیا وہ احسان بھلایا نہ جا سکے گا۔ کیونکہ مولانا کا کتب خانہ بڑی نادر کتابوں سے آراستہ ہے۔ عالم صاحب تو ہر دم ہمارے ساتھ تھے۔

اس جلد کی ضخامت بھی سابقہ نوٗ جلدوں کے مطابق ہے۔ اس جلد میں اور اتنے صفحات میں صرف مرحوم شعرا ہی کا کلام پیش کیا جا سکا بہرحال زندہ شعرا پر ایک الگ جلد پیش کی جائے گی کیونکہ اُس جلد میں بھی سیکڑوں شعرا کی تخلیقی کاوشیں ہوں گی اُنھیں اسی ایک جلد میں سجایا نہیں جا سکتا۔ اگر ایسی کوشش کی جاتی تو کسی کا بھی حق ادا نہ ہوتا۔

اس کے بعد مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ نبیِ آخر الزماںؐ، حسانؓ بن ثابت سے فرمائش کر کے شعر لکھواتے تھے، اور شعر سنتے وقت صورت یہ ہوتی تھی کہ حسانؓ بن ثابت منبر پر بیٹھے ہوتے اور حضورؐ فرشِ زمین پر!

آپ کو یاد ہو گا کہ جنگِ خندق کے موقع پر حضورؐ خود بھی خندق کھود رہے تھے اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک پر گرد کی تہہ جم گئی تھی۔ مگر زبان پر اشعار تھے۔ پہلا شعر سنانے کی میں بھی سعادت حاصل کرتا ہوں:

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَ صَلَّیْنَا

محمد طفیل

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں

(القلم، ۴)



نعتیہ شاعری

(مضامین)

نعت (لغوی مفہوم)

ڈاکٹر ریاض مجید

نعت (ن ع ت) بالفتح (مؤنث) عربی زبان کا ایک مادہ ہے۔ جو عام طور پر وصف کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کے لغوی مفہوم کی تلاش میں عربی لغت نگاروں کے خیالات کا بنظرِ غائر جائزہ لیں، تو اس لفظ کی کئی معنوی پرتیں ہمارے سامنے آتی ہیں اس لفظ پر سب سے تفصیلی بحث "تاج العروس" کے مصنف نے کی ہے اور اس مادہ کی مختلف نحوی صورتوں کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔ وہ "النعت[1]" کے ضمن میں کہتے ہیں" نعت صوتی اعتبار سے منع کی طرح ہے (یعنی اس کا کلمہ عین (درمیانی حرف) ماضی اور مضارع دونوں میں مفتوح ہوتا ہے) نعت کے معنی وصف کے ہیں، خصوصاً جب آپ کسی چیز کے وصف میں مبالغہ سے کام لیں، تو اس وقت نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وصف میں جو کچھ کہا جائے اُسے بھی نعت ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وصف بیان کرنے والے کو ناعت کہتے ہیں اور اُس کی جمع نعات ہے۔ جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

انعتها انی من نعاتها (میں نے اس کی تعریف کی، میں اس کے ثنا خوانوں میں ہوں)

---

[1] (النعت کالمنع) ای کونه مفتوح العین فی الماضی والمضارع (الوصف) تنت الحُ بما فیه وتبالغ فی وصفه والنعت ماانعت بنعته بنعه نعتا وصفه ورجل ناعت من قوم نعات قال الشاعر أنعتها من نعاتها۔ وفی صفته صلی اللہ علیه وسلم یقول ناعته رادٌ قبله ولاَبعده مثله قال ابن الاثیر النعت وصف الشیٔ بما فیه من حسن ولایقال فی القبیح الا أن بتکلف متکلف فیقول نعت وموا وصف بقال فی الحسن والقبیح۔ قلت وهذا أحد الفروق بین النعت وان صرح الجوهری والفیومی وغیرهما۔ مترادفیها ویقال بالنعت بالحلیة کالطویل والقصیر والصفة بالفعل کضارب وقال ثعلب النعت ما کان خاصا بمحل من الجد کالاعرج ملادَ والفعة للعموم کالعظیم والکریم فالله تعالیٰ یوصف ولاینعت (کالانعات) یقال نعت تالشیٔ وانعته اذا وصفته وجمع للنعت نعوت قال ابن سیده لانکسر علی غیر ذلک (و) النعت من کل شیٔ جیده وکل شیٔ کان بالغاً تقول هذا نعت ای جید قال الازهری و (الفرس) النعت (العتیق السباق) الذی یکون غایة فی العتق والسبق (کالمتنعت والنعتة والنعیتة) کل ذلک بمعنی العتیقه وارس منعت اذا کان موصوفا بالعتق والجودة والسبق قال الاخطل۔

اذا غرت الآل الاکام علونه بمنتعتات لا بغال ولا حمر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے کو بھی نعت کہتے ہیں جیسے کہ آپ کی نعت بیان کرنے والا کہتا ہے۔ "لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ" (میں نے آپؐ سے قبل اور آپ کے بعد آپ جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا) نعت سے باب افتعال انتعات کے وزن پر آتا ہے۔ انتعات کا لفظ بھی وصف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نعت کی جمع نعوت ہے۔

ابن سیدہ کہتے ہیں کہ ہر عمدہ اور جید چیز کو جس کے اظہار میں مبالغہ سے کام لیا جائے نعت کہتے ہیں۔ جو چیز بہت خوب ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ "ھٰذا نعت" ازھری کہتے ہیں کہ نعت کا لفظ اس گھوڑے کے وصف کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو بہت ہی خوبصورت اور دوڑ میں سبقت لے جانے والا ہو۔ اسی طرح منتعت، نعتہ، نعیت اور نعیتہ کے الفاظ اس گھوڑے

والمنتعت من الدواب والناس الموصوف بما يفضله على غيره من جنسه وهو مفتعل من النعت يقال نعته فانتعت كما يقال وصفته فاتصف وقد غفل عن ذلك شيخنا فجعل قول المصنف العتيق السابق من غرائبه مع كونه موجودا في دواوين اللغة وأمهاتها واحال رأيه فيما بعده من قوله والنعتة الى آخره وجعل عبارة المصنف قلقة والحال انه لا قلق فيها على ما قررنا واتضحت من غير غبار فيها (وقد نعت) الفرس (ككرم نعاتة) اذا عتق ونعت الانسان ككرم نعاتة اذا كان المتصلة خلقه وسجيه فصار ماهرا في الاتيان بالنعوت قادرا عليها كذا في المصباح (و) أما نعت (كفرح) ينعت نعتا (فللمتكلفة) نعرف من ذلك ان نعت من المثلثات باختلاف المعنى وقال شيخنا في هذا الاخير انه غريب لان فعل المكور ليس مما يدل التكلف لكنه جاء كانه موضوع لذلك من غير الصيغة (واستنعته استوصفه) هو في التهذيب (و) قال ابن الاعرابي (أنعت) الرجل اذا (حسن وجهه حتى ينعت) أي يوصف بالجمال (والنعيث) الرجل الكريم الجيد السابق به (شاعران) النعيث بن عمرو بن مرة اليشكري والنعيث الخزامي واسمه أسيد (و) النعيت (رجل) آخر (من بني سلمة بن لؤي) ذكره أبو فراس وهو النعيت بن سعيد السامي (و) نقول (عبدك أو أمتك نعتة بالضم أي غاية في الرفعة وعلو المقام وهو مأخوذ من قولهم فرس نعتة اذا كان عتيقا وقد تقدم وعبارة الاساس وعبدك نعت وأمتك نعتة وفيه وهو معروف بالكرم وبخصال الخير وله نعوت ومناعت جميلة وتقول حالنا بتحسن الناعت روشي، نعت جيد بالغ انتهى (ونا عتوان أرنا عتين ع) واقتصر على الاول في الصحاح وفي اللسان وقول الراعي۔

حتى الديار ديار ام بشير بنويعتين فشاطئ التسرير

انما اراد ناعتين فصغره۔ عکس تاج العروس (الزبیدی) جلد اول ص ۵۹۳ ۔

کے لیے استعمال ہوتے ہیں، جو عمدگی، جودت اور تیز رفتاری کا وصف رکھتا ہو۔ بقولِ اخطل [۵]

اذا عرق الآل الاکام علونہ　　بمنتعات لا ابغال ولا حمر

(جب سراب نے ٹیلوں کو بھی غرق کر دیا ہم ان پر سوار ہو گئے۔ ایسے عمدہ گھوڑوں کے ساتھ جو نہ خچر تھے نہ گدھے)

منتعت (بروزنِ منتعل) اس ذی حیات (انسان یا حیوان) کو کہتے ہیں جبکہ اس میں کوئی ایسا خاص وصف ہو جو اسے اپنے ہم جنسوں میں فضیلت بخشے۔ مثلاً نعتہ فانتعت (میں نے اس کی نعت بیان کی پس وہ صاحبِ نعت ہوا) جیسے کہا جاتا ہے (صفتہ فاتصف (میں نے اس کی صفت بیان کی اور وہ موصوف ہوا۔)

ابن الاعرابی لکھتے ہیں کہ نعت کا لفظ اس انسان کے لیے بھی استعمال ہوگا جو نہایت خوبرو اور حسن و جمال سے اتصاف پذیر ہو۔ (اسی حوالے سے) نعیت نہایت عمدہ، معزز اور سبقت لے جانے والے کو کہتے ہیں ... جب کوئی غلام یا کنیز علو مقام پر فائز ہو، اسے نعتنۃ کہتے ہیں، بہتر خوبیوں اور عمدہ اوصاف کے لیے مناعت جمیلہ کی ترکیب بھی مستعمل ہے۔ اسی مفہوم کی ادائیگی کے لیے حرالمناعت، حسن المناعت اور نعتِ جید کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں

ناعت کی جمع ناعتوں اور ناعتین آتی ہے۔ جب کہ صحاح [۱] اور لسان [۲] میں صرف پہلے صیغہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ راعی کا ایک شعر ہے [۵]

حتی الدیار دیار ام بشیر　　بنو نعتین فشاطیٔ التسریر [۳]

(اے ام بشیر کے علاقے میں رہنے والے قبیلے جو ناعتین میں تسریر کے کنارے پر ہے)

نعت اور وصف کا فرق

نعت کا لفظ عام طور پر وصف کا مترادف خیال کیا جاتا ہے لیکن اہلِ لغت نے ان دونوں لفظوں کے معنوی اختلاف کی نشاندہی کی ہے۔

اس ضمن میں ابنِ اثیر کہتے ہیں: "النعت وصف الشی بمافیہ من حسن ولا یقال فی القبیح الا ان یتکلف متکلف فیقول نعت سوء والوصف فی الحسن والقبیح" [۴] (نعت کسی شے کی اچھائیوں کے بیان کا نام ہے۔ قبیح میں اس کا استعمال نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی تکلف کرے تو کیا جاتا ہے، نعتِ سوء [۵] یعنی بری نعت جبکہ وصف حسن اور قبیح دونوں میں استعمال ہوتا ہے)

صاحب قاموس اللغات نے جوہری اور فیومی سے، جنہوں نے ان دونوں لفظوں (نعت اور وصف) کو مترادف قرار دیا ہے اختلاف

---

[۱] الصحاح، جوہری، صہ ۲۶۹ [۲] لسان العرب (ابنِ منظور) جزء اول صہ ۴۰۵

[۳] تاج العروس (سید محمد مرتضیٰ الزبیدی) جلد اول صہ ۵۹۲ [۴] النہایہ فی غریب الحدیث والاثر (ابن اثیر) جلد ۵ صہ ۷۶

[۵] مسند ابنِ حنبل کی ایک حدیث ...... قال مجاہدت علی النعت المکروہ (جلد پنجم صہ ۳۳۴) میں برے وصف کے لیے نعتِ سوء کی بجائے نعتِ مکروہ کے لفظ بھی ملتے ہیں۔ اس حدیث کو دارمی نے (طلاق: ۲۷) اور ابنِ ماجہ نے (سنن ابن ماجہ طلاق: ۲۷) بھی نقل کیا۔

کرتے ہوئے ابنِ اثیر ہی کی مذکورہ رائے (جسے کئی دوسرے لغت نگاروں اور مفسرینِ حدیث نے بھی نقل کیا ہے) کے حوالے سے ان لفظوں کے معنوی فرق کی وضاحت میں کہا ہے کہ نعت جسمانی خوبی یا حلیہ کے لئے مستعمل ہے۔ جیسے طویل (دراز قد والا) یا صغیر (چھوٹے قد والا) مگر صفت افعال کی ادائیگی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ضارب (مارنے والا) اُنہوں نے اس ضمن میں ثعلب کی رائے بھی نقل کی ہے کہ نعت جسمِ انسانی کے لئے مخصوص ہے۔ مثلاً المرج (لنگڑاپن) اور صفت کا استعمال عام ہے جیسے عظیم وکریم میں اللہ تعالےٰ کا وصف بیان کیا گیا ہے نعت نہیں۔[۱]

عربی کے لغات[۲] میں لفظ نعت اور اُس کی دوسری نحوی صورتوں کے جو مفاہیم (مطالیب) سامنے آتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں (نعت) کسی چیز کو بیان کرنا (نعت ینعت نعتاً) اوصاف بیان کرنا خصوصاً تعریف میں نعت، صفت، وصف، جوہر، تعریف، خاصیت، گن (نعت) کسی شے کی خوبیوں کا بیان جب کہ اس کے وصف میں مبالغہ کیا جائے (نعتِ نعتاً) بہ تکلف عمدہ صفات دکھانا (نَعُتَ) خلقتاً عمدہ صفات والا ہونا۔ النَّعَت (صفت) مثلاً المنعت من الخیل تیز رفتار ہونا گھوڑ دوڑ میں سبقت لے جانے والا گھوڑا' اسی طرح صرف ونحو میں صفت کو موصوف کے ساتھ ملانا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف بھی نعت کے مفاہیم میں شامل ہے۔

عربی لغت نگاروں کے خیالات کے مطالعہ سے لفظ نعت کے مفہوم کے بارے میں جو نمایاں تاثرات اُبھرتے ہیں وہ اسے اپنے قبیل کے دوسرے الفاظ مثلاً وصف، صفت، تعریف، ثنا، حمد اور منقبت وغیرہ سے منفرد اور ممتاز ٹھہراتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تو یہ لفظ خاص طور پر تعریف میں یعنی اوصافِ حسنہ یا وصفِ محمود کے لئے استعمال ہوتا ہے دوسرے یہ کہ یہ لفظ کسی شے یا شخص کے محض سرسری اوصاف بیان کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ بہ تکلف عمدہ صفات دکھانے کا مفہوم اندر رکھتا ہے۔ بقول الزبیدی منعت الشی بصاینہ وبالغ فی وصفہ[۳] (یعنی کسی شے کی خوبیوں کا وہ بیان جب کرنا کہ وصف میں اُس کے متضمنات کی بنا پر مبالغہ کیا جائے) تیسرے یہ کہ یہ لفظ خلقتاً عمدہ صفات کے مالک کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی اُس شخص کے لئے جو پیدائشی طور پر خوبصورت ہو عمدہ خصلتوں اور اچھے اخلاق والا ہو چوتھے یہ کہ یہ لفظ اوصاف کے انتہائی درجے کے مفہوم میں آتا ہے۔

قرآنِ مجید میں اس مادہٗ "نعت" کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا البتہ بعض مفسرین نے قرآن کی تشریح وترجمہ میں اس لفظ کو وصف کے معنی میں استعمال کیا ہے احادیث رسُول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم اور شمائل نبوی (حافظ محمد بن عیلی) میں نعت کا لفظ اپنی مختلف نحوی اور صرفی صورتوں میں قریباً پچاس مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ اپنے متنوع مفاہیم اور مختلف معانی میں نظر آتا ہے۔

احادیث[۴] میں یہ لفظ مطلق اظہار اور بیانِ محض سے لے کر عام اشیاء وافراد کی تعریف، صفت، حالت، کیفیت، صورت، احوال، خصوصیت، علامت اور کسی چیز کی خاصیت یا کسی شخص کے حلیہ کے بیان میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کی رعایت اور نسبت سے یہ لفظ بعض مقامات محمود مثلاً سدرۃ المنتہیٰ اور مسجدِ اقصیٰ کی تعریف وتوصیف میں ملتا ہے اور اسی حوالے سے بعض صحابہ کرام کے اوصاف اور دینِ اسلام اور اُس کے ارکان یعنی نماز

---

[۱] تاج العروس (سید محمد مرتضیٰ الزبیدی) جلد اوّل ص۵۹۳۔ [۲] الصحاح (ص۲۶۹) القاموس المحیط (جز اول ص۱۵۹) صراح (ص۶۹) منتہی الارب (ص۱۲۶۴) فاکہۃ البستان (ص۱۴۷۰) المعجم الوسیط (ص۹۴۱) معجم العربیہ (ص۱۱۲۱) المعجم الاعظم (ص۳۹۴۳) الرائد (ص۱۵۱۲) المنجد (ص۱۲۹۳) القاموس العصری (ص۲۱۶)۔ تاج العروس (جز اول ص۵۹۴) لسان العرب (جز اوّل ص۴۰۵) لغات الحدیث (ص۸۹ جلد ششم)۔
[۳] تاج العروس الزبیدی، جلد اوّل ص۵۹۳ [۴] المعجم المفہرس لا لفاظ الحدیث النبوی ج ص۲۸۴ تا ۲۸۶۔ ضمیمہ صفحہ ۱ ملاحظہ فرمائیں)

وغیرہ کی تعریف میں بھی نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال اور قرأت کی تعریف اور حضور کی مدح کے ضمن میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

احادیث میں لفظ نعت کا استعمال اگرچہ صفتِ محمود ہی کے معنی میں ہے۔ اور وصف مذموم کے لئے اس کے ساتھ تخصیص کے ساتھ مکروہ کی اضافت ملتی ہے تاہم یہ لفظ نامبارک اشیاء کی کیفیت اور وضاحت کے بیان میں بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً مسند ابن حنبل (جلد ۳ صہ ۱) میں یہ لفظ جہنم کی زنجیروں اور سلاخوں کی کیفیت کے بیان میں آیا ہے ایک دو جگہوں پر یہ لفظ نشان دہی اور تجویز و سفارش (RECOMMENDATION) کے مفہوم میں بھی ملتا ہے۔

احادیث میں اگرچہ نعت کا لفظ تخصیصی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا میں نہیں آیا پھر بھی لفظ نعت کے اس مفہوم کا سراغ لگانے میں ہمارا اولین مرجع احادیث ہی قرار پاتا ہے۔ نعت کے اصطلاحی مفہوم کی تلاش میں جب ہم احادیث سے رجوع کرتے ہیں تو ہمیں چند احادیث میں یہ لفظ واضح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں نظر آتا ہے مثلاً سننِ دارمی میں "کیف تجد نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التورٰۃ [1] والی روایت۔

مطالعۂ حدیث ہی کی روشنی میں بعض شارحین و مفسرین حدیث نے اپنی تحریروں میں نعت کو مطلق وصف کی عمومیت سے نکال کر اسے آنحضرتؐ کی توصیف و تعریف سے وابستہ کیا اور اسے ایک تخصیصی مفہوم کا حامل ٹھہرایا۔ غالباً "النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر" وہ پہلا مأخذ ہے جس میں اس کے مرتب ابن اثیر (۵۴۴ھ — ۶۰۶ھ) نے لفظ نعت کو اصطلاحی مفہوم میں پیش کیا وہ لکھتے ہیں کہ

"نعت (س) فی صفته صلی اللہ علیہ وسلم یقول ناعته لم ار قبله ولا بعده مثله [2]

نعت رسول اکرم کی صفت کو کہتے ہیں جیسے کہ ناعت (نعت کہنے والا) کہتا ہے (میں نے آپ سے قبل اور آپ کے بعد آپ کی مثل نہیں دیکھا۔)

ابن اثیر کے بعد ابنِ منظور (مصنف لسان العرب)، اور الزبیدی (مصنف تاج العروس) نے نعت کے باب میں (مدح رسولؐ کے معنی میں) ابن اثیر ہی کے الفاظ اور مثال کو دہرایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ نعت کے عمومی مفہوم کے بیان پر زیادہ زور دیا۔ مولانا شیخ محمد طاہر (مصنف مجمع بحار الانوار) [3] نے نعت کے ضمن میں اگرچہ ابن اثیر ہی کی مثال کو دہرایا مگر مفہوم مطلق وصف ہی کا پیش کیا۔

نعت کے باب میں یہ امر باعثِ تعجب ہے کہ بعد کے عربی لغات سے لفظ نعت کا یہ مفہوم (وصف رسولؐ) غائب ہوتا چلا گیا اور اپنی تمام تر اعلیٰ مثبت اور موزوں خصوصیات (جن کا ذکر ہم پہلے بالتفصیل کر چکے ہیں)، کا حامل یہ لفظ جو اپنی دلالتِ وضعی اور دیگر معنوی خوبیوں کے سبب وصف رسولؐ کے بیان کے لیے اپنے دوسرے مترادفات مدح، مدیح وغیرہ سے بلیغ اور وقیع تھا مطلق وصف ہی کے معنوں میں کیوں ترویج پاتا رہا اور عربی میں اسے وہ تخصیص اور اصطلاحی درجہ کیوں نہ عطا ہوا جو اسے بہت بعد میں فارسی اور اردو میں ہوا ——— لغات کے علاوہ عربی زبان و ادب کا مطالعہ کریں تو اس میں بھی یہ لفظ اپنے عمومی معنوں میں ملتا ہے۔ مثلاً ردیم بن محمد

---

[1] سنن دارمی (ابو محمد عبداللہ) جزء اول صہ ۶ [2] النھایہ فی غریب الحدیث الاثر (ابن اثیر) جزء پنجم صہ ۷۹ [3] مجمع بحار الانوار (مولانا شیخ محمد طاہر) جلد سوم صہ ۳۷۱

کے اس قول" من نعت الفقیر حفظ سرِہٖ و صیانۃ لنفسہٖ واَداء فرائضہٖ " (فقیر کی خوبیوں میں سے اپنے راز مکتوم کی محافظت اور اپنے نفس کے حجانسوں سے ہوشیار رہ کر فرائض ادا کرنا ہے [1]) اور ابوالحسن کے قول " نعت الفقیر السکوت عند العَدَم والبذل عند الوجود " (فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب نہ ہو، تو خاموش رہے اور جب ہو تو خوب خرچ کرے ہے[2]) اور جنید بغدادی کے قول " التصوّف نعت رقیم العبد فیہ بیتل نعتِ للعبد ام للحقِّ فقال نَعَت الحق حقیقۃ ولغت العبد رسمہ " " (تصوّف ایک ایسی صفت ہے کہ بندہ اس صفت کے ساتھ بندہ ٹھہرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، یا بندہ کے لیے تو فرمایا بمعنی حقیقی تو ہر صفت مخصوص بذاتِ باری تعالیٰ ہے، لیکن رسمًا صفت بطورِ مجاز بندہ کے لیے ہوتی ہے [3]) میں نعت کا لفظ مطلق خوبی، تعریف اور صفت ہی کے مفہوم میں آتا ہے۔

علاوہ ازیں، لغت البدایات و توصیف النہایات، تبیین الغموض علی نعت العروض، النعت المرصع بالمجنس المسبع اور نعوت اطیوان وغیرہ نام کی کتابوں[4] میں لفظِ نعت غیر اصطلاحی مفہوم ہی میں ہے۔

فارسی زبان میں لفظ نعت

فارسی لغات میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں معانی میں آیا ہے۔ فرہنگِ آموزگار میں اس کا مطلب (ستائش، وصف، صفت [5]) اور منتخب اللغات میں صفت و وصف کردن ہے[6] جبکہ غیاث اللغات میں تعریف و وصف کردن از منتخب، کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ " اگرچہ لفظِ نعت بمعنی مطلق وصف است لیکن اکثر استعمال ایں لفظ بمعنی مطلق ستائش و ثنائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ است "[7] فرہنگ آنندراج کے مصنف نے لفظ نعت کے ضمن میں صاحبِ غیاث اللغات ہی کے مفہوم کو دہرایا ہے، البتہ میر معزی کے اشعار سے مطلق وصف کے معنی میں لفظِ نعت کے استعمال میں درج ذیل مثالیں دی ہیں۔

جاوید ہمی باش بایں نعت و بایں وصف — پاکیزہ باخلاق و پسندیدہ با فعال
تاپدید آید ہمیں نعت جوانی در بہار — ہمچناں چوں وصفِ پیری از خزاں آمد پدید
وصفش ہمہ تقدیس ز پیوند و ز فرزند — نعتش ہمہ تنزیہہ ز امثال و ز اقران[8]

میر معزّی سے تقریبًا ایک صدی پہلے ابوالحسن مجدالدین کسائی (پیدائش ۳۴۱ھ) کے ہاں بھی نعت کا لفظ مطلق وصف کے معنی میں آیا ہے۔ وہ بہار کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کہسار چوں زمرّد نقطہ زدہ زبستد! — در نعتِ او مشعبد حیراں شد است و شیدا[9]

---

[1]، [2]، [3] کشف المحجوب (شیخ علی ہجویری) ترجمہ ابوالحسنات محمد احمد قادری ص۱۰۵، صفحہ ۱۱۱، صفحہ ۱۲۱۔ [4] کشف الظنون (حاجی خلیفہ) جلد اوّل
[5] فرہنگِ آموزگار (حبیب اللہ آموزگار) ص۳۷۷، [6] منتخب اللغات (حاشیہ غیاث اللغات) ص۵۱۳ [7] غیاث اللغات ص۵۲۷
[8] فرہنگِ آنندراج (محمد بادشاہ) جلد ہفتم ص۴۳۵۶ [9] گنجِ سخن (ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا) جلد اوّل ص۶

وصف و ستائش ہی کے حوالے سے نعت کا لفظ فارسی میں خدا تعالیٰ کی حمد اور حضرت علیؓ کی منقبت کے ضمن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ میر معزی (متوفی ۵۴۲ھ) خدا تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

نہ اندر ذات او تالیف و ترکیب — نہ اندر نعت او اعراض و جوہر [1]

میرزا حسن بیگ معلوم تبریزی کے ہاں منقبت کے ضمن میں لفظ نعت ملاحظہ ہو۔

علی ولی صاحب، ذوالفقار — وصی نبیؐ، رحمت کردگار
بہ نقش نگین صد زبان خامہ ام — بہ مہر نبوت رسد نامہ ام [2]

سید ضیاء الدین دہشیری کی کتاب "نعت حضرت رسول اکرمؐ در شعر فارسی" کے دیباچے میں ان کی زیر ترتیب کتاب "نعت امیر المومنین علیؓ در شعر فارسی" کا ذکر بھی ملتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کے ذہن میں نعت کا وہ جداگانہ مفہوم نہیں جو اردو میں مروج ہے۔ بلکہ انہوں نے نعت کو حضرت رسول اکرمؐ اور جناب امیر المومنین علیؓ دونوں کے ضمن میں وصف مطلق کے مفہوم میں برتا ہے اس خیال کی تائید اس کتاب کے دیباچے میں ایک اور جگہ سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں — از قرن ہفتم و بعد ہم بر اثر تمایلے جہانسوز قبول و ہم بہ سبب روئے کار آمدن سلسلہ ہائے چون صفویہ توجہ برین و نعت اولیاء و مرسلین رواج گرفت۔ [3]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نعت کا لفظ آج بھی فارسی میں کسی صنفی و اصطلاحی تشخص کے بغیر بلا تخصیص (خاص طور پر ثنائے رسولؐ نہیں بلکہ اپنے لغوی معنوں "وصف کردن از منتخب" یعنی اولیا و مرسلین وغیرہ کے لیے مستعمل ہے)

اردو زبان میں لفظ نعت

اُردو لغات [4] میں اگرچہ عربی و فارسی لغات کی پیروی میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے رسولؐ دونوں معانی میں آیا ہے۔ مگر جیسا کہ نوراللغات کے مرتب نے لکھا ہے "یہ لفظ بمعنی مطلق وصف ہے لیکن اس کا استعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ستائش و ثنا کے لیے مخصوص ہے۔" [5] اُردو زبان و ادب میں مطلق وصف کے معنی میں اس کا استعمال قریب قریب ناپید ہے۔ تلاش بسیار کے بعد علی خان کی مثنوی "قصہ زیتون و محمد حنیف" میں لفظ نعت، صحابہ کرام کی منقبت کی جگہ عنوان میں استعمال ہوا ہے، وہ یوں درج کرتے ہیں "در نعت اصحاب کبار رضی اللہ عنہم" [6]

اس مقام کے علاوہ اُردو شعر و ادب میں لفظ نعت کا وصف رسولؐ کے علاوہ استعمال دیکھنے میں نہیں آیا۔ [7] اس کی سب سے

---

[1] گنج سخن (دکتر ذبیح اللہ صفا) جلد اول ص ۲۴۱ [2] تذکرہ شعرائے کشمیر ص ۱۴۴ [3] نعت حضرت رسول اکرمؐ در شعر فارسی (سید ضیاء الدین دہشیری) ص ۵ [4] جامع اللغات ص ۱۷۱۰۔ لغات کشوری ص ۶۱۰ فرہنگ عامرہ ص ۶۵۸ [5] نوراللغات (مولوی نورالحسن نیر کاکوروی) جلد چہارم ص ۶۸۱ [6] اُردو کی قدیم منظوم داستانیں (مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی) جلد اول ص ۳۷۶ [7] پنجابی زبان میں البتہ حافظ شمس الدین (متوفی ۱۹۰۲ء) کی "نعت موسیٰؑ" کے نام سے ایک نظم کا ذکر ملتا ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور توصیف و منقبت کا بیان ہے۔ بحوالہ راوی دیاں چھلاں (مرتب نصیر داکی) ص ۱۱۳

بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ عربی سے فارسی اور پھر فارسی سے اُردو شعر و ادب کے آغاز تک یہ لفظ وصف مطلق کی عمومیت سے نکل کر آنحضرتؐ کی تعریف و مدح کے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔ اور لفظ محض کی بجائے ایک مخصوص ادبی و شعری اصطلاح کے طور پر رواج پا چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کی بعض جدید لغات میں اس کے اصطلاحی معنی ہی درج ہیں اور اس کا تعمیمی پہلو (وصف مطلق) غائب ہے۔ مثلاً اُردو میں نعت کا مطلب اصطلاحی حوالے ہی سے درج ہے مرتب لکھتے ہیں" وہ نظم جو رسول اکرم کی شان میں کہی جائے ۱

یعنی اُردو لغت زبان اور شعر و ادب میں اس (نعت) کے معنی سرکار دو عالم رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ہی کے مفہوم سے منسوب و مختص ہے ۲

اصطلاحی مفہوم

جیسا کہ ہم نعت کے لغوی مفہوم کے ضمن میں دیکھ آئے ہیں۔ یہ لفظ اُردو تک پہنچتے پہنچتے ایک خاص مفہوم سے وابستہ ہو چکا تھا اس لئے اُردو میں اس کا استعمال ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر ہی نظر آتا ہے یعنی اس سے صرف آنحضرت کی مدح مراد لی جاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر یونس حسنی" ایسی تمام نظمیں جن میں رسُول خدا سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جائے یا اُن کے محاسن بیان کئے جائیں نعت کی تعریف میں آتی ہیں" ۳

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ نعت کی اصطلاح شاعری ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی حامل تحریروں پر بھی اس عنوان اور اصطلاح کا اطلاق ملتا ہے اور جیسا کہ فرمان فتحپوری نے کہا ہے کہ اصولاً آنحضرتؐ کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا لیکن اُردو اور فارسی میں جب نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو اس سے عام طور پر آنحضرت کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے ۴

ممتاز حسن نے "خیر البشر کے حضور میں" نعتیہ شاعری اور نعت کے موضوع و فن پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی بڑی بلیغ اور جامع تعریف کی ہے وہ کہتے ہیں" میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور نبی کریمؐ کی ذات گرامی سے قریب لائے جس میں حضور کی مدح ہو یا حضور سے خطاب کیا جائے صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصد نبوت سے دل بستگی پائی جائے جس میں جناب رسالتمآبؐ سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضور کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو وہ مدح یا خطاب بالواسطہ یا بلاواسطہ اور وہ شعر نظم ہو یا غزل قصیدہ ہو یا مثنوی رباعی ہو یا مثلث مخمس ہو یا مسدس اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا" البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دارومدار اُس کے نفس مضمون پر ہے اگر اُس کا مقصد ذات رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دوجہاں کی بعثت کی جو اہمیت نوع انسانی اور جملہ موجودات کے لئے ہے اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے ۵

---

۱ اُردو نعت (مرزا مقبول بیگ بدخشانی)، ص ۴۳۷ ۲ آہنگ حجاز (چودھری فضل حق)، ص ۷

۳ اختر شیرانی اور جدید اُردو ادب (ڈاکٹر یونس حسنی)، ص ۲۵۲۔

۴ اُردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتح پوری)، ص ۲۱

۵ خیر البشر کے حضور میں (ممتاز حسن)، ص ۱۵

ممتاز حسن نے نعت کی تعریف کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ نعت کے معیار کی نشان دہی کی ہے بلکہ اخلاقی، مذہبی اور اسلامی شاعری اور نعتیہ شاعری میں جو ایک نازک سی حدِ فاصل ہے اُس کی بھی وضاحت کر دی ہے یعنی نعتیہ شاعری صرف وہ شاعری ہوگی جس کے شعری پیکر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا جلی یا خفی حوالہ موجود ہو جس کا تاثر ہمیں رسول اکرم کی طرف لے جائے گویا نعت کے لئے ضروری نہیں کہ اس میں حضور اکرمؐ کا نام ظاہری طور پر لیا جائے یا حضور کے متعلقات و مناسبات کا ضرور ہی ذکر کیا جائے نعت کے شعر کی فضا ایسی ہونی چاہئیے کہ اس کا تاثر ہمیں حضور اکرمؐ کی ذاتِ گرامی اُن کے منصبِ نبوت، کارِ رسالت، سیرت و سوانح یا جذبۂ عشقِ رسُول کی طرف لے جائے۔ مثلاً علامہ اقبال کا یہ شعر دیکھئے

ع شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام ‌ ‌ ‌ ‌ میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب[1]

اس شعر میں اگرچہ حضور کے نام اور اُن کے متعلقات و مناسبات کارِ رسالت، نبوت، وحی، قرآن، حرا، حدیث، گنبدِ خضرا، صحابہ کرام وغیرہ کا ذکر نہیں مگر شعر کی مجموعی فضا میں جس شوق کا تأثر ابھرتا ہے اس کا حوالہ حضور اکرم کی ذاتِ گرامی سے مختص ہے لہٰذا اس شعر میں خارجی حوالوں کے بغیر نعت کی فضا موجود ہے اسی سبب، ہمارے نعتیہ ادب میں بہت سی منظومات ایسی ہیں جن پر نعت کا عنوان نہیں ہوتا اور نہ ہی اسمائے رسُول، صفاتِ رسُول یا مناسبات و متعلقاتِ رسُول میں سے کسی کو زیبِ عنوان بنایا جاتا ہے مگر اس کے باوجود اپنی داخلی فضا اور اجتماعی تاثر (تاثرِ رسُولؐ) کی بنا پر ہوگا اس کے لئے 'نعت' کا عنوان ضروری نہیں نعت غزل کی طرح بے عنوان بھی ہو سکتی ہے اس پر غیر نعتیہ عنوان بھی ہو سکتا ہے اور اُس پر لفظ نعت یا اسمائے رسُولؐ یا مناسبات و متعلقاتِ رسُول کا کوئی واضح اور نمایاں حوالہ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اُس کا عنوان نعتیہ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی طرح کی نعتوں میں نعتیہ دواوین میں چھپنے والی ہزاروں نعتیں شامل ہیں یہ عموماً غزل کی ہئیت میں لکھی جانے والی نعتوں پر نعتوں کا عنوان نہیں ہوتا۔ مثلاً علامہ اقبال کی وہ نعت جو بالِ جبریل میں شامل ہے اور جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا ‌ ‌ ‌ ‌ غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا[2]

دوسری طرح کی نعتوں میں علامہ اقبال کی "ذوق و شوق" احسان دانش کی "دارین" مہدی نظمی کی "رحلِ نظر" کی مثال دی جا سکتی ہے جن کے عنوان بظاہر غیر نعتیہ ہیں مگر جن کا موضوع اور مجموعی فضا نعتیہ ہے۔ تیسری طرح کی نعتوں میں علامہ اقبال کی نظم "حضور رسالت مآب میں"[3] عبدالعزیز خالد کی کتاب "فارقلیط اور منحمنّا" محشر رسُول نگری کی "فخرِ کونینؐ" اور حفیظ تائب کی "صلو علیہ وآلہٖ" کے علاوہ وہ سارا نعتیہ کلام شامل ہے جس کا عنوان واضح طور پر نعتیہ ہوتا ہے یا جس پر لفظِ نعت لکھا ہوتا ہے۔

وصفِ رسول میں لفظِ نعت کا اوّلین استعمال

اس امر کا تعین کہ نعت کا لفظ حضورِ اکرمؐ کے وصف میں سب سے پہلے کب اور کس نے استعمال کیا اگرچہ مشکل ہے تاہم احادیث اور سیرت

---

[1] بالِ جبریل (علامہ اقبال)، ص۱۱۳ کلیاتِ اقبال اُردو ص۴۰۵۔

[2] بالِ جبریل (علامہ اقبال)، ص۲۲ کلیاتِ اقبال اردو ص۳۱۴

[3] بانگِ درا (علامہ اقبال)، ص۱۹۷ کلیاتِ اقبال اُردو ص۱۹۷

کی امہات الکتب میں کچھ ایسی روایات مل جاتی ہیں جن سے کچھ حد تک اس امر کا سراغ مل جاتا ہے کہ حضور اکرمؐ کے وصف کے بیان میں پہلے پہل یہ لفظ کب استعمال ہوا۔

سید رفیع الدین اشفاق کا خیال ہے کہ یہ لفظ سب سے پہلے حضور اکرمؐ کے وصف کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے استعمال کیا اُن کے اس خیال کا موجب شمائل ترمذی کی وہ طویل حدیث ہے جو ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔ من راٰہ بدیہتہ هابه ومن خالطه معرفه احبه يقول ناعته لم ار قبله ولا بعده مثله صلى الله عليه وسلم۔

آپ پر یکایک جس کی نظر پڑتی ہے ہیبت کھاتا ہے جو آپ سے تعلقات بڑھاتا ہے محبت کرتا ہے آپ کا وصف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ آپ سے پہلے نہ آپ کے جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ جیسا دیکھا[1]

اشفاق اس حدیث میں لفظ ناعت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتے ہیں "غالباً اسلامی ادب میں اس معنی میں اس کا استعمال پہلی دفعہ کیا گیا ہے اس حدیث میں آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے لیے بجائے واصف کے ناعت استعمال کیا ہے[2]۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ سے منقول مذکورہ بالا روایت حضور اکرمؐ کے حلیہ مبارک کا ایک خوبصورت اظہار ہے خصوصاً: لم ار قبله ولا بعده مثله[3] والا ٹکڑا حضور کے اوصاف کے بیان میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور لفظ نعت کے ضمن میں کئی نعت نگاروں نے اسے بطور مثال بھی پیش کیا ہے مگر اپنی اہمیت اور بلاغت کے باوجود اسے لفظ نعت (بمعنی وصف رسول اکرمؐ) کی اولین مثال کے طور پر پیش کرنا محل نظر ہے۔

اس روایت کا سلسلۂ اسناد جسے سید رفیع الدین اشفاق نے غالباً طوالت کے خیال سے نقل نہیں کیا ابراہیم بن محمد بن سے جا ملتا ہے ابراہیم بن محمد اس روایت کے اولین راوی ہیں حضرت علیؓ کے پوتے تھے جن کا زمانہ حضور اکرم کی وفات کے کئی سال بعد کا ہے اس سے بہت پہلے حضور اکرم کی حیات طیبہ ہی میں یہ لفظ مختلف احادیث[4] میں حضور اکرم کے اوصاف و خصائل کی تعریف (اور مجموعی طور پر آپ کی مدح کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

سنن دارمی میں کعب الاحبار والی روایت میں بھی نعت کا لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آیا ہے ملاحظہ ہو عن ابن عباس قال سال کعب احبار کیف تجد نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ[5] آپ تورات میں حضور کی تعریف کیسی پاتے ہیں خصائص الکبریٰ میں جلال الدین سیوطی نے بھی ایسی کئی روایات نقل کی ہیں مثلاً: فلتان بن عاصم، سیل مدنی، خثیمہ ابوہریرہؓ ابی ضمہ عقیلی اور ابن عباس سے منقول روایات میں قال نجد نعتا مثل نعتک ومثل هيئتك ومخرجك .... ففتقنها موجودت فيها نعت محمد صلى الله عليه وسلم ....، فيها نعت النبيؐ احمد .... صفتك ونعتك طيبت فى التوراة ... اجد فى التورات نعتى وصفتى ومخرجى ... هذا النبىؐ نجد نعته[6]

[1، 2] اردو کی نعتیہ شاعری (سید رفیع الدین اشفاق)، ص ۳۱ [3] شمائل ترمذی میں اس روایت سے پہلے والی روایت کے آخر میں بھی ذکر حضرت علیؓ کے حوالے سے ملتا ہے دیکھئے ص ۱۶ شمائل ترمذی ترجمہ دمولانا نا زکریا جسے نافع ابن جبیر نے روایت کیا ہے [4] مسند ابن حنبل ص ۳۲۸ و ص ۴۴۸ جلد دوم و ص ۱۳۷ جلد سوم، ابوداؤد ص ۲۳ جلد اول، جامع ترمذی ص ۵۶ جلد چہارم [5] سنن دارمی جلد اول ص ۶

[6] خصائص الکبریٰ (سیوطی)، ص ۱۴، ص ۱۵، ص ۱۶، ص ۱۶، ص ۱۷۔

کے جملوں میں نعت کا لفظ حضور اکرم ؐ کے وصف کے حوالے سے استعمال ہوا ہے ان میں کچھ مثالیں ایسی بھی ہیں جہاں آپ نے یہ لفظ اپنے اوصاف و خصائص کے بارے میں خود استعمال کیا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کے حوالے سے لفظ نعت کا استعمال (حضور اکرم کے وصف میں) آپ کی بعثت و ولادت سے پہلے زمانے تک جا پہنچتا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ "وَ کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ (پ ۱، ع ۱۱) اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا اُن کے پاس وہ جانا پہچانا تو اس سے منکر ہو بیٹھے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مستند مفسرین کرام علیہم الرحمہ نے کہ یہودی کس طرح دعا مانگتے تھے۔ یہ عبارت نقل کی ہے "اللّٰھم انصرنا بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعتہ وصفتہ فی التوراۃ" (اے اللہ ہماری مدد فرما اُس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو آخر زمانہ میں بھیجے جائیں گے جن کی نعت اور صفت ہم تورات میں پاتے ہیں)[1]

ان روایات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نعت کا لفظ حضرت علیؓ کی زیر بحث روایت سے پہلے حضور اکرمؐ صحابہ کرامؓ اور اُس زمانہ کے یہودی عالموں کی زبان سے بلکہ آپ سے پہلے یہود کی دعاؤں میں آپ کی مدح و توصیف اور اوصاف و خصائص کے حوالے سے استعمال ہوتا رہا ہے۔

نعت کا موضوع

بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرمؐ کی مدح ہی کا نام ہے لیکن اگر عربی فارسی اور اُردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ مدح نعت کا اہم موضوع ہے اور صنف نعت کے آغاز ہی سے نعت کے ایک مرکزی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جب عربی میں باقاعدہ نعت نگاری شروع ہوئی تو کفار مکہ کی ہجو اور گستاخی رسولؐ کے جواب میں مسلمان شاعروں نے مؤثر طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔ نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے دربار رسالت کے شاعروں نے کفار کے رد میں حضور اکرمؐ کے حسب نسب اور کردار و صفات کی توصیف و ستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھیں انہیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

عربی کے اس ابتدائی سرمایہ نعت ہی کے مطالعہ سے اس موضوع کی وسعت کا اندازہ ہونے لگتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دربار رسالتؐ سے وابستہ شاعروں کی نعتوں میں آپ کی سیرت مبارکہ کی صفت و ثنا، جمال ظاہری، شجاعت، سخاوت، دیانت، امانت، صداقت، عدالت اور باطنی حسن کی تعریف حضور کے خلق و ہدایت کا بیان، آپ کے آباؤ اجداد اور اصحاب و آل کی مدح، دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں آپ کی فضیلت کا بیان اور اس کے

۱۔ انوار محمدیہ فی سیرۃ المصطفویہ (محمد ضیاء اللہ قادری)، ص ۲۰۹ بحوالہ تفسیر جلالین ص ۱۴، تفسیر نیشاپوری ص ۳۲۷ جلد اول سراج المنیر ص ۷۳ مدارک ص ۴۷ جلد اول، ابوالمسعود ص ۲۹۲ جلد اول، جامع البیان ص ۱۴

ساتھ ساتھ اسلامی عقائد اور اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغ اسلام میں حضور اکرمؐ کی مساعی جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ یوں مدح کے ساتھ اسلام اور سیرت رسول کے لامحدود پہلوؤں کا تذکار نعت کے موضوعات میں شامل ہوگیا۔ بعد کی نعتیہ شاعری، خصوصاً فارسی میں شاعر کے اپنے احساسات بھی نعت کے مضامین میں شامل ہونے لگے۔ اب نعتوں میں مدینے سے دوری کا احساس، ہوا کے ذریعے روضۂ رسول تک پیغام رسانی، درپیش مصائب میں آپ سے فریاد اور دادرسی کی خواہش یعنی استغاثہ و استمداد کے مضامین بھی نعت میں داخل ہوگئے۔ ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی مسائل بھی نعت میں قلمبند ہونے لگے۔ اور یوں نعت کا دائرۂ مدح سے پھیل کر مسلمانوں کے قومی و ملّی محسوسات کو محیط ہوگیا۔

زمان و مکاں کی بدلتی ہوئی صورتِ حال میں جب آپ کی سیرت مبارکہ کے نئے نئے پہلو اور امکانات ظاہر ہوئے تو آپ کے حوالے سے تہذیبی اور سماجی، تمدنی اور معاشرتی، معاشی اور اقتصادی، سیاسی اور تاریخی ان گنت موضوعات و مضامین نعت آشنا ہوگئے۔ آج کے دور میں نعتوں میں موضوعات کی یہ بوقلمونی اور رنگارنگی بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ نعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کے علاوہ آپ کی ذات، حیات، غزوات، معجزات، صفات، تعلیمات، احسانات، عادات و معمولات کے اذکار، شخصی واردات و کیفیات کے بیان، قومی و ملی مسائل کے ذکر، اور انسانی و آفاقی تصورات و نظریات کے مختلف پہلوؤں کو ایک قرینہ اور سلیقہ سے اپنے اندر سمو لیا ہے۔ نعت نگاروں نے جن مضامین کو اپنے نعت پاروں میں کثرت سے استعمال کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔ نعت کے موضوعات کا ایک بڑا حصّہ آپ کی ذات سے متعلق ہے جس میں آپ کی دوسرے انبیاء کرام پر فضیلت و برتری آپ کا خاندانی شرف، نسلی امتیاز و بزرگی، آپ کا باعثِ تخلیق کائنات ہونا، کتبِ سماوی میں آپ کی تشریف آوری کی بشارت، آپ کا پرتو جمالِ الٰہی اور مظہر ذاتِ خداوندی ہونا، آپ کا نور من نور اللہ ہونا، آپ کا صاحبِ خلقِ عظیم ہونا، آپ کا خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

دوسرا حصّہ آپ کی حیات طیبہ کے بارے میں ہے جس میں آپ کی ولادت، پرورش، بچپن کے واقعات سے لے کر آپ کی بعثت، اعلان نبوت، کفار مکّہ کی ایذا رسانی، ہجرت، مدینہ میں آمد، اسلامی سلطنت کے قیام کا بیان اور وفات مبارک کا بیان ہوتا ہے۔ آپ کی سیرت اور سوانح ہی کے ضمن میں آپ کے غزوات (جنگ بدر، جنگ خندق اور فتح مکّہ وغیرہ) کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے نیز آپ کے معجزات معجزۂ رجعتِ شمس، شق القمر، کنکری کا کلمہ پڑھنا، حیوانات و نباتات کا سجدۂ تعظیمی کرنا، بتوں کی فریاد اور سر کے بل گرنا، واقعۂ معراج وغیرہ کو بھی نعت کا موضوع بنایا جاتا ہے۔

آپ کی ذات، حیات، غزوات اور معجزات کے ساتھ نعت کے دوسرے موضوعات، آپ کی صفات، تعلیمات اور بنی نوعِ انسان پر آپ کے احسانات سے متعلق ہیں، آپ کی صفات میں آپ کی امانت، صداقت، دیانت، عدالت، شجاعت، نجابت، سخاوت، شرافت، اخوت محبت، بخشش، عنایت، جود و سخا، فضل و عطا، علم و حلم جیسے اعلیٰ اوصاف اور اخلاقِ حمیدہ کا ذکر کیا جاتا ہے تعلیمات کے باب میں آپ کے ارشادات، خطبات، فرمودات، اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغ اسلام کے لئے آپ کی مساعی جمیلہ کا بیان ہوتا ہے احساناتِ نبوی میں دین اسلام قرآن کریم، آپ کے منشور اور اسوۂ و شریعت جیسے عطیات کے ساتھ، آپ کی رحمت و شفاعت اور اُس محبت و شفقت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو آپ کو اپنے امتیوں سے ہے۔

ان موضوعات کا بیان تمام تر جزئیات کے ساتھ نعت میں نظر آتا ہے، یوں ہم دیکھتے ہیں کہ نعت گو شعراء نے آپ کے تذکار مبارک کے سلسلے میں آپ کی عادات، معمولات اور متعلقات کے ذرا ذرا سے پہلوؤں کو بھی مدِنظر رکھا ہے اور انہیں انتہائی احترام اور شیفتگی سے جزو

نعت بنایا ہے۔ اس انداز میں مضامینِ نعت میں آپ کے ایفائے عہد، عیادت و تعزیت کے طریق، انسانی ہمدردی اور غمخواری، مہمان نوازی دشمنوں سے حسنِ سلوک، عفو و درگزر، حسنِ معاملات، وسعتِ قلبی و عالی ظرفی، ایثار و احسان اور اسمائے صفات کے ساتھ آپ کی رفتار، گفتگو اور آپ کی مجلس کے آداب وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح آپ کے لباس، خوراک، آپ کی مہرِ نبوت، حلیہ مبارک کی جزئیات جن میں قدم، پنجے، ایڑیوں اور ناخنوں[1] تک کا ذکر ملتا ہے نعت کے موضوعات میں شامل ہیں۔

آپ سے والہانہ محبت کے سبب نعت گو شعرا نے آپ کے نعلین، لعاب، پسینہ اور نقش پا کو بھی نعت کا موضوع بنایا اور آپ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے اپنا دلی تعلق ظاہر کیا اسی سبب نعت میں مدینے کی گلیوں، سگانِ کوچہ و بازار، خاکِ راہ، سنگِ درِ اقدس سے عقیدت و محبت کا اظہار، روضہ اقدس کی سنہری جالیاں، گنبدِ خضرا، روضۂ رسول اور مسجدِ نبوی کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔

تمنائے زیارت، ہوا کے ذریعے آپ تک سلام و فریاد رسانی، مسجدِ نبوی میں حاضری اور روضۂ رسول پہ سلام و درود پڑھنے کی خواہش کا اظہار بھی نعت کے اہم موضوعات میں شامل ہیں نیز اپنے گناہوں کا احساس، اشکِ ندامت، رسول سے شفاعت طلبی، اپنے غموں کے مداوا کے لئے رسول سے فریاد، مدینہ جا کر رسول کے روضہ پاک کی زیارت کی تمنا، خواب میں دیدار کی آرزو، مدینہ میں دفن ہونے کی خواہش جیسے مضامین بھی نعت کا موضوع ہیں[2]

نعت ذاتِ رسالت مآبؐ کے محاسن، آنحضور کی صفات و تعلیمات کے تذکار اور آپ سے محبت و شیفتگی کی واردات و کیفیات کے اظہار تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس نے اپنے اندر تہذیبی و معاشرتی، قومی و ملی اور سیاسی و تاریخی احوال و واقعات کو بھی سمویا۔ بقول نظیر لدھیانوی غالباً قومی شاعری سے نعت کا رشتہ مولانا حالی کی اس نعت سے ہوا ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے — امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

مولانا حالی نے اس نعت میں اسلام کی شوکت و عظمت اور ادبار و زوال کی دوگونہ داستان نہایت مؤثر انداز میں بیان کی ہے غالباً اسی نعت سے متاثر ہو کر علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان نے بھی نعتیہ نظموں میں قومی اور سیاسی واقعات بیان کئے اور قومی شعرا نے سیاسیات کا مرکز حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو بنایا[3]

آپ کی رسالت تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے آپ ساری اقوام عالم کے لئے رحمت اور پوری انسانیت کے محسن بن کر آئے لہٰذا آپ کے فیضانِ رسالت اور پیغامِ نبوت کو کسی ایک قوم یا زمانے تک محدود نہیں رکھا جا سکتا عصرِ حاضر میں روشن خیالی، انسانی مساوات مواخات اور آفاقی تصورات کے جو چرچے ہو رہے ہیں اور انسان ترقی کی جو منزلیں طے کرتا نظر آ رہا ہے اُس کے پس منظر میں آپ ہی کی اعلیٰ

---

[1] عارضِ شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں — عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں
دو قمر دو پنجۂ خور دو ستارے دس ہلال — ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں
(مولانا احمد رضا خاں، حدائق بخشش ص ۳۵)

[2] مضمون آدابِ نبوی (شمیم احمد) سیرت پاک صـ ۸۶۔

[3] اردو شعرا پر تنقید یں (اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی)، صفحہ ۴۲۵

شخصیت اور روشن تعلیمات کارفرما ہیں آپ کے پیغام نے انسانی زندگی ثقافت و مدنیت، معاشرت و سیاسیات اور تاریخ و تہذیب پر جو صحت مند، روح پرور اور خوشگوار اثرات ڈالے ہیں اُن کا عکس بھی نعت میں نظر آتا ہے۔ نعت گو شاعروں کے ہاں آپؐ کی عظمت کردار خلق عظیم، اسوۂ حسنہ، منشور و شریعت کا مطالعہ اپنی ذات و قوم کے دائرے سے لے کر انسانی اور آفاقی تصورات کے حوالوں سے نظر آنے لگا ہے۔ یوں عصر حاضر کی نعتوں میں آپ کا ذکر پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ ساتھ محسن انسانیت کے طور پر بھی دکھائی دیتا ہے۔

آج کی نعت اپنے مرکزی موضوع (مدح رسولؐ) سے پھیل کر، کائنات بھر کے مسائل کو محیط نظر آتی ہے۔ نعت کا موضوع بلاشبہ ارتقاء پذیر اور بتدریج بڑھنے اور پھیلنے والا موضوع ہے۔ اس کے مضامین میں عہد بہ عہد وسعت پیدا ہو رہی ہے جیسے جیسے زمانہ ترقی کر رہا ہے اور نئے نئے سائنسی انکشافات رونما ہو رہے ہیں ویسے ویسے حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ اُن کی تعلیمات اور انسانی تہذیب و معاشرت اور تاریخ و سیاست پر اُن کے بڑھتے ہوئے اثرات سے پیدا ہونے والے نت نئے محسوسات نعت کا موضوع بن رہے ہیں جدید طرز احساس رکھنے والے تخلیقی شاعروں نے نعت کے لامحدود امکانات سجائے ہیں بقول حفیظ تائب "گزشتہ چند برسوں سے نعت میں اس معیار و معراجِ انسانیت کے حوالے سے اپنے احوال کا جائزہ لینے کا رجحان بہت عام ہو رہا ہے اور زندگی کا ہر مسئلہ نعت کا موضوع بن رہا ہے یوں نعت کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے"[1]

اس ضمن میں ممتاز حسن کی یہ رائے نہایت بلیغ، وقیع اور اہم ہے کہ "ہر وہ شے نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی سے قریب لائے"[2] نعت میں یہی صورت موضوعات اور مضامین کی ہے یعنی ہر وہ موضوع یا مضمون جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حضور اکرمؐ کی ذات سیرت یا صفات کا کوئی نہ کوئی حوالہ آ جائے نعتیہ کلام میں شامل ہے یا ہر کوئی موضوع، وہ معاشرت و تمدن سے متعلق ہو یا معاشیات و اقتصادیات، تہذیب و ثقافت سے متعلق ہو یا عمرانیات و سیاسیات سے، جسے حضور اکرمؐ کے حوالے سے قلمبند کیا جائے نعت کا موضوع ہو گا۔ یعنی حضورؐ کا حوالہ ایک ایسا مقناطیس ہے جسے مس کرنے والا ہر موضوع نعت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے

اس میں کوئی کلام نہیں کہ نعت کے مرکزی موضوع حضورؐ کی مدح، اُن کا تذکار اور اُن سے محبت کی کیفیات و واردات کا اظہار ہی ہے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور حوالے کے سبب جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے سینکڑوں ایسے موضوعات بھی دائرہ نعت میں شامل ہو گئے اور ہو رہے ہیں جن سے بظاہر نعت کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ مثلاً حضور اکرمؐ کی بعثت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادات و معاشرت اور تہذیب و تمدن کا احوال، سرزمین عرب کا جغرافیہ، پہاڑ، ریگستان، موسم آب و ہوا اور تاریخ وغیرہ۔ یہ موضوع بظاہر تاریخ و جغرافیہ سے متعلق ہیں مگر نعتوں میں اُن کا بیان بکثرت نظر آتا ہے اسی طرح عمرانیات و سیاسیات اور اقتصادیات و اخلاقیات، ملت کی اخلاقی کجروی اور انتشار، مغرب پرستی اور عصر حاضر کی مادیت زدہ زندگی اور اس سے پیدا ہونے والی گمراہی اور بداخلاقی کو بھی نعت نگاروں نے اپنے فن کا موضوع بنایا ہے۔

یہی حال نعت کے ضمن میں لکھی جانے والی حمد و منقبت کا بھی ہے۔ ان موضوعات کی اگرچہ اصناف شعر میں جداگانہ اہمیت ہے مگر یہ بھی اب حقیقت ہے کہ نعت کے حوالے سے بھی خداتعالیٰ کی حمد و ثنا اور صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کی منقبت تخلیق ہوتی ہے۔ عربی، فارسی اور اردو کی

---

[1] وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (راجا رشید محمود، صفحہ ۱۲۶

[2] خیرالبشر کے حضور میں، ممتاز حسن، ص ۱۵

نعتیہ شاعری میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن میں حمد اور منقبت کے عناصر ضمنی حیثیت ہی میں سہی مگر نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں دراصل بنی نوع انسان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان اور احسانات اس قدر ہیں کہ اُن کے تذکار کے وقت کے ذہن کا اُس خالق لم یزل کے حضور سجدۂ شکر بجا لانا جس نے حضور پاک کی شخصیت کی شکل میں کائنات کو اپنے سب سے بڑے کرم سے نوازا عین فطری عمل ہے[1]

اسی طرح حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ نے جس طرح اپنے اصحاب کے ذہن و کردار کو جلا بخشی اور اُن کی تربیت کے نتیجہ میں صحابہ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، اولیائے عظام اور بزرگان دین کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے جن کی شخصیت و کردار کی تکمیل میں کسی نہ کسی شکل میں حضور اکرم ہی کے فیضان تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی معجز نمائی اور کارفرمائی ملتی ہے، سو نعت کی تخلیق میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کی مدح و تعریف اور فیوض و برکات کا ذکر اور اُن کی توصیف بھی نامناسب اور غیر متعلق نہیں۔

اسی سبب نعتیہ قصائد، مسدس اور منظومات کے آغاز میں حمد کے بہترین نمونے بھی نظر آتے ہیں اور نعتیہ کلام کی دوسری شکلوں میں بھی جزوی طور پر حمد کی جھلکیاں مل جاتی ہیں اسی طرح نعت میں کہیں کہیں صحابہ کرام، خلفائے راشدین اور اہل بیت کی فضیلت اور منقبت بھی نظر آتی ہے، خصوصاً استغاثہ واستمداد کے انداز میں ... بہر حضرت فاطمہؓ بہر حسنؓ بہر حسینؓ اور ... ترحم از پئے آل عبا قسم کے حوالہ جات اور مضامین منقبت عام مل جاتے ہیں۔ اہل تشیع کی نعتوں میں اہل بیت اور آلِ رسول کی منقبت نمایاں نظر آتی ہے۔ شیعہ دبستان نعت میں منقبتِ اہل بیت کا رنگ بعض اوقات اتنا غالب ہو جاتا ہے کہ نعت رسول پر منقبتِ اہل بیت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نعت متنوع موضوعات اور رنگارنگ مضامین کی حامل صنف ہے اس میں اگرچہ حضور اکرمؐ کی مدح اور تذکار کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے مگر نعت گو شاعروں کو درپیش مسائل اُن کے عہد اور زمانے اور مزاج و ماحول کے مطابق اس مرکزی دھارے میں دوسرے موضوعات کی لہریں بھی ملتی ہیں۔ نعت کا موضوع چونکہ مسلسل ارتقاء پذیر موضوع ہے اور ہر دور کے تقاضوں تمدن و معاشرت اور علوم کے مطابق اس موضوع کے نت نئے امکانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اہل شعر و سخن حضور اکرم کے حوالے سے ان امکانات کا جائزہ لے کر اپنے متنوع محسوسات شامل نعت کرتے رہے ہیں۔

حضور اکرم کی صفات کے ذکر میں بھی زمانے اور ماحول کو کافی دخل ہے۔ مختلف ادوار میں آنحضرت کی مختلف صفات نعت کا موضوع بنیں اور بن رہی ہیں۔ مثلاً ملتِ اسلامیہ کے عہدِ ابتلا کی نعتوں میں حضور کی رحمت کا ذکر، فتنۂ قادیانیت اور تحریکِ محاسبۂ قادیانیت کے ایام کی نعتوں میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر، قومی جنگوں کے زمانے کی نعتوں میں آپ کی شجاعت اور جذبۂ جہاد سے متعلق فرمودات اور آپ کے غزوات کے حوالے بکثرت نظر آتے ہیں۔ شاعر کی طبیعت، عقائد، ذہنی افتاد اور اس کے عہد کے شعری رویوں اور میلانات کے اثرات بھی موضوعاتِ نعت پر نمایاں نظر آتے ہیں اہل حدیث اور اہلِ سنت والجماعت شاعروں نے اپنے اپنے عقائد کے مطابق موضوعات نعت انتخاب کئے کہیں آپ کے سراپا مبارک کا بیان نمایاں ہے کہیں خصائل و اخلاق کا کسی کے ہاں آپ کی رسالت کے پہلو پر زور

---

[1] اسی طرح حمد کے ضمن میں نعت کی ضرورت و اہمیت کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ بقول مولانا انور شاہ کشمیری

نہ ہو حمد را سند انور   دار چینی ز نعت پیغمبر

جب یہ شعر ایک مجلس میں امیر شریعتؒ کی موجودگی میں پڑھا گیا، تو فرمانے لگے "اس سے معلوم ہوا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعت رسولؐ نہ کہی جائے"۔ انوار احمدی (مولانا محمد صاحب لدھیانوی) ص ۱۱۲ [2] شان مصطفےٰ (شیر محمد ترمذی) ص ۵۶

ہے تو کسی کے ہاں بشریت پر کہیں آپ کے معجزات کا بیان غالب ہے تو کہیں آپ کے پیغام رسالت کے پہلو کا بیان ہے۔ اسی طرح کہیں آپ کی سیرت و سوانح کو منظوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو کہیں آپ کے اسمائے صفات کو نظم کرنے کا شوق غالب ہے۔ اور کہیں ان تمام موضوعات کی ملی جلی صورت نظر آتی ہے

نعت کا فن

مروّجہ اصنافِ سخن میں نعت نہایت مشکل صنفِ سخن ہے۔ نعت کا موضوع بظاہر بڑا آسان، عام اور قریب کا موضوع لگتا ہے۔ لیکن اگر فن نعت کی باریکیوں کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔

صنفِ نعت کی اس نزاکت کا احساس اُن شعرا کو بھی ہے جنہوں نے نعت گوئی میں اس کے لوازمات اور مقتضیات کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور جو اس کے ادب و احترام سے بخوبی واقف ہیں دوسری طرف اُن ناقدین نے بھی نزاکت نعت کے اسی پہلو کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے صنف نعت یا کسی نعت نگار کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے نعت کے بارے میں لکھی گئی کم و بیش ہر مختصر رائے میں یا طویل مضمون میں نعت کے موضوع اور فن کے اسی اہم اور نازک پہلو کا ضرور ذکر کیا گیا ہے اس ضمن میں نعت گو شعراء و ناقدین نعت کے خیالات درج ذیل ہیں۔

مولانا احمد رضا لکھتے ہیں "حقیقۃً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اس جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے" [۱]

عبدالکریم ثمر رقمطراز ہیں کہ "نعت نہایت مشکل صنفِ سخن ہے۔ نعت کی نازک حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی آفاقیت قائم رکھنا آسان کام نہیں۔۔۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذراسی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش خیال و الفاظ اور ایمان و عمل کو غارت کر دیتی ہے" [۲]

مجید امجد اس ضمن میں لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کی تعریف میں ذراسی لغزش نعت کو حدودِ کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذراسی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے۔ ذراسی شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آسکتا ہے۔ ذراسا عجز بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے" [۳]

ابواللیث صدیقی کہتے ہیں کہ "نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی و بے رونقی کی پردہ

---

[۱] الملفوظ (مولانا احمد رضا بریلوی، حصّہ دوم ص ۴

[۲] شاخِ سدرہ (عبدالکریم ثمر) ص ۶۔

[۳] بامِ عرش (منظور احمد محبوب) ص ۲ (دیباچہ) تاج کمپنی لیمٹڈ

پوشی کرتا ہے نقاد کو نعت گو سے باز پرس کرنے میں تامل ہوتا ہے دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لئے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑ تا ہے۔ اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اُس میں پرواز مشکل ہے[1]

بقول ڈاکٹر اے ڈی نسیم "نعت گوئی کا راستہ پل صراط سے زیادہ کٹھن ہے اس پر بڑی احتیاط اور ہوش سے چلنے کی ضرورت ہے اس لئے اکثر شاعروں نے نعت کہتے وقت اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے جس ہستی پر خدا خود درود بھیجتا ہے انسان کی کیا مجال کہ اُس کی تعریف کا احاطہ کر سکے[2]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول "نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم و وسیع موضوع ہے اُس کی عظمت و وسعت ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتی ہے، شاعر کے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کی بجائے گیا حمد و منقبت کی سرحدوں میں اس لئے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا آسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے حقیقی نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ عرفی نے اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں جس کا مطلع ہے۔

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را　　　ہمت نہ خورد نیشتر لا و نعم را

میں بہت صحیح کہا ہے۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست　　　آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را[3]

یہی سبب ہے کہ نعت کا فن دوسری بہت سی اصناف سخن کے برعکس خصوصی لوازمات اور مقتضیات سے مشروط ہے۔ اور نعت گو شعرا سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ ان لوازمات اور مقتضیات کو ملحوظ رکھیں گے وہ شعراء جن کے ہاں ان لوازمات کا لحاظ اور احترام نہیں ان کو البتہ یہ فن آسان لگتا ہے بقول نواب دہلوی "نعت گوئی آسان بھی ہے اور مشکل سے مشکل تر بھی، آسان تو اُن شعراء کے لئے جو مبالغہ آرائی کریں یا کسی نعت اور ہو جائے حمد یا غزل کا نام نعت رکھ دیں اور مشکل اُن کے لئے جو پابند حد ہیں مشکل تر اُن کے لئے جن کی نگاہ میں حد سے آگے بڑھنا سوء ادب اور پیچھے ہٹنا ترک ادب ہے غرض نعت کا مقام عجب مقام ہے بقول جگر ؎ اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں[4]

نعت کے لوازمات میں کچھ کا تعلق نعت کے موضوع کی نزاکت و احترام اور کچھ کا تعلق اس کی پیش کش کے سلیقہ اور فنی تقاضوں سے ہے ذیل میں اُن لوازمات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

۱۔ عشقِ رسول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کو نعت کے لوازمات میں اساس اور بنیاد کا درجہ حاصل ہے نعت گو شاعر کے لئے

---

[1] لکھنؤ کا دبستان شاعری (ابو اللیث صدیقی) ص۵۴۴ اردو مرکز لاہور ۱۹۶۷ء [2] اردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر (ڈاکٹر اے ڈی نسیم) مقالہ ص۲۹۱۔ [3] اردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتح پوری) ص۱۳ آئینہ ادب لاہور۔

[4] نعت مصطفیٰ (قیصر قاسمی) ص۱

ضروری ہے کہ وہ آپ سے والہانہ عقیدت و شیفتگی رکھتا ہو۔ وہ جس قدر آپ کے عشق میں سرشار ہو گا۔ اسی قدر اس کے کلام میں کیف اور اثر پیدا ہوگا۔ جس طرح حفیظ جالندھری نے دینِ حق کے لئے حضورؐ کی محبت کو شرطِ اوّل قرار دیا ہے۔

— محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے [۱]

اسی طرح تخلیقِ نعت کے لئے بھی آپ کی محبت کو لازمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ ایک شاعر نظمیں اور غزلیں تو بہت لکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر اُس کے دل میں محبتِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چمک موجود نہیں تو اچھی اور کیفیت انگیز نعت کبھی نہیں لکھ سکتا اس میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے دل محبتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار کئے ہوئے ہیں۔ اپنی فکر و نظر کی تربیت کی ہے اور قلب و روح کو احتیاط و اقرار کا خوگر بنایا ہے۔ ورنہ جذبات ہمیشہ دامنِ احتیاط چھوڑ کر ادھر اُدھر نکل جانے کے عادی ہیں [۲]

لوازماتِ نعت میں عشقِ رسُول کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے نظیر لدھیانوی کہتے ہیں کہ نعت کی دلآویزی، دلکشی اور خوبی کے لئے عشقِ رسُول اولین شرط ہے۔ اگر شاعر کے دل میں عشقِ رسُول کا جذبہ پورے طور پر کارفرما نہیں تو نعت روکھی پھیکی اور واجبی سی رہے گی [۳]

اسی سبب اشفاق احمد نے نعت کو صنفِ سخن کی بجائے "تعلق"، رابطے اور گذارشِ احوال کا ایک ذریعہ کہا ہے۔ جس سے معمولی غلام اور بردے آقائے دوجہاں کی کائنات کرم سے دامن بھرنے کے لئے اپنا رُخ متعین کرتے ہیں [۴] سید عبداللہ نے بھی نعت کو "سرتا سر کارِ محبت" سے تعبیر کیا اور محبت بھی ایسی جس محبت کی وجہ سے اپنے محبوب کی ایک ایک بات پیاری لگتی ہے [۵]

کامیاب نعت گوئی کے لئے جس سوز و گداز، تڑپ اور تاثیر و جاذبیت کی ضرورت ہے اس کا منبع عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے بقول ضمیر جعفری جو چیز ایک نعت کو دوسری سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے شاعر کے دل کا سوز و گداز (اور) عشقِ رسُول میں سرشاری کا مرتبہ۔ ذوق و شوق کی کیفیتوں میں ڈوب کر گزرنے کے بعد نعت کی لے میں جب عشق اور الفاظ کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو شعروں میں سوز و گداز کی ہزار کیفیتیں چھلک اُٹھتی ہیں [۶]

حفظِ مراتب کا خیال

فنِ نعت نعت نگار سے سب سے پہلے اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ نعت لکھتے ہوئے حدود شریعت کی پاسداری کرے۔ خدا اور بندے کے اور الوہیت و نبوت کے فرق کو پیش نظر رکھے دراصل حفظِ مراتب کے ادراک کا ہی نازک مقام نعت نگار کے لئے پُل صراط عبور کرنے کے مترادف ہے۔ بقولِ معین الدین احمد ندوی اس راہ میں (نعت کی تخلیق میں) سب سے بڑی لغزش الوہیت اور ر

---

[۱] ۔ شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) ص ۱۱۲ ۔ جلد ۲۔

[۲] ہفت روزہ چٹان ۶ نومبر ۱۹۶۷ء ص ۱۷ ۔

[۳] ۔ فن شعر اور شعرا پر تنقیدیں (اصغر حسین لدھیانوی)

[۴، ۵] ورفعنا لک ذکرک (راجہ رشید محمود) ص ۱۲۳ ، ص ۱۱۸

[۶] ۔ آہنگ حجاز (چوہدری فضل حق)

نبوت کی حدود کو سمجھنے کی ہے۔ اکثر شعراء نبوت کے ڈانڈے الوہیت سے ملا دیتے ہیں مثلاً یہ ؎

وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہو کر　　　اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفٰے ہو کر[1]

نعت کا بڑا مشہور و مقبول شعر سمجھا جاتا ہے مگر یہ شعر نہ صرف توحید کے سراسر منافی ہے بلکہ نبوت کی حقیقت کے بھی خلاف ہے اس قسم کی لغزشیں زیادہ تر صحیح اسلامی تصورات سے ناواقفیت اور غلو کا نتیجہ ہوتی ہیں نبوت و عبدیت کا کمال اس میں نہیں ہے کہ بندے کو خدا بنا دیا جائے بلکہ اُس کا اصل کمال یہ ہے کہ نبی جامۂ بشریت میں رہتے ہوئے عبدیت اور نبوت کا ایسا کامل نمونہ ہو کہ اس کے بعد کا کوئی درجہ تصور میں نہ آسکے[2]

"اسی طرح حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو احمد بلا میم اور عرب بلا عین کہنا بلکہ اُن کی حدیث نبوی قرار دینا انتہائے ضلالت ہے"[3]

دراصل نعت میں ہر ایسا اشارہ جس سے خدا اور رسول، احد اور احمد اور الوہیت اور نبوت کے مقام میں واضح فرق اور حفظ مراتب کا نازک احساس نظرانداز ہو اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور شرک ہے۔ اس بارے میں ممتاز حسن کہتے ہیں کہ "خدا اور بندے کا فرق اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے رسول کی بشریت پر قرآن نے اور خود رسول نے بار بار زور دیا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم اور ما عرفناک حق معرفتک اس پر شاہد ہیں"[4]

ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا میں تو صرف خدا کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں مجھے صرف خدا کا بندہ اور اُس کا رسول ہی کہو" علامہ بوصیری کا یہ شعر بھی دیکھئے۔

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم　　　واحکم بما شئت مدحاً فیہ واحتکم

یعنی حضور علیہ السلام کی تعریف کرتے وقت وہ بات چھوڑ دو جو نصاریٰ اپنے نبی مسیح علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں۔ (یعنی آنحضرت کو شان الوہیت نہ دو)[5]

مگر بقول اشفاق "اس قسم کے مضامین سے اُردو ادب کا نعتیہ کلام پُر ہے جس میں الفاظ کو توڑ مروڑ کر میم کے حرف کو احمد سے اور عرب کے عین کو ہٹا کر احمد کو احد اور رسول عربی کو عرب نہیں بلکہ رب کی شان میں جلوہ گر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے"[6]

؎ نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اُٹھا کر　　　وہ بزم یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

اس قسم کی نعت گوئی حدِ ادب ہی سے متجاوز نہیں ہے دین کے دائرے سے بھی باہر ہے کوئی اور شاعر تو صاف صاف کہہ گیا ہے۔

؎ زکی کیونکر نہ ہر دم احمد بے میم کی رٹ ہو　　　کہ الفت میں لحاظِ کفر و ایماں ہو نہیں سکتا

اس قسم کے انکار و اقوال اکثر صوفیہ کرام اور اُن کے معتقدین پر وارد ہوتے ہیں اُن کی صفائی یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ حالت سکر میں وارد

1۔ یہ شعر آسی غازی پوری کا ہے جو ایک صوفی شاعر تھے اور جنہیں دبستان ناسخ کا امیر کہا جاتا ہے بحوالہ صفحہ ۱۲
مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی (بشیر احمد قادری) مقالہ ایم، اے پنجاب یونیورسٹی

2۔ ادبی نقوش (شاہ معین الدین احمد ندوی) صفحہ ۲۰۹ ۔ 3۔ فاران سیرت نمبر صفحہ ۲۰ ۔ 4۔ خیر البشر کے حضور میں (ممتاز حسن) صفحہ ۲۰

5۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعت گوئی (بشیر احمد قادری) صفحہ ۱۳۲ 6۔ اُردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق) ص ۱۰۲

ہوئی ہے اور ہم بھی عقیدت کی رو میں بہہ کر انہیں قابل مواخذہ نہیں سمجھتے یہاں محو اور سکر سے بحث نہیں البتہ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اوّل تو معتبر صوفیہ حالت سکر کی کہی ہوئی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور دوسرے یہ کہ سکر اور جہاں کہیں بھی جائز سمجھا جائے دربار نبوی میں جائز نہیں اسی لئے کہا گیا ہے۔

؎ باخدا دیوانہ و با مصطفےٰ ہوشیار باش[1]

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ شاعر نعت گوئی کے منصب سے صحیح طور پر اس وقت ہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جب وہ توحید و رسالت اور الوہیت و نبوت کے نازک رشتوں کو پوری طرح سمجھتا ہو اور اسے خدا اور رسولؐ کے حفظ مراتب کا کامل شعور اور احساس ہو

۳ - ادب و احترام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نعت گو شعراء سے اس انتہائی ادب و احترام کا بھی تقاضا کرتی ہے جو اسی کو آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے ہے اور جس کی تاکید قرآن اور احادیث میں کئی موقع پر آئی ہے۔

قرآن میں آیا ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (الحجرات: ۴۹) "اے ایمان والو۔ اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔ ائمہ اعلام اس حکم کو دوام کے لئے قرار دیتے ہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ آپ کا ذکر کرتے ہوئے یا نعت میں آپ سے ہمکلام ہوتے ہوئے شاعر ادب و احترام کو ملحوظ رکھے جس کا حکم قرآن نے دیا ہے قرآن مجید نے ان لوگوں کی مدح بھی کی ہے جو ان آداب کی پابندی کرتے ہیں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان اللہ تعالےٰ نے تقویٰ میں لیا ہے۔ (الحجرات: ۴۹) اس ضمن میں صحابہ کرام کا یہ قول بھی ملاحظہ ہو کہ ہم حضور کی مجلس میں ایسے بیٹھتے تھے کہ "کان علیٰ رؤسنا الطیر" جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں (کہ سر اٹھانے سے ان کے اُڑنے کا احتمال ہو

بارگاہِ رسالت مقام ادب ہے اور جس طرح اس کا احترام ہمارے ایمان کا خاصہ ہے اسی طرح نعتیہ مضامین کے اظہار اور پیش کش میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام نہ صرف ضروری بلکہ لازمہ فن ہے یہاں موضوع یا طرز ادا میں کسی قسم کی بے باکی نہ صرف یہ کہ خطا کاری ہے بلکہ ناقابل معافی گناہ بھی ہے بقول عزت بخاری۔

؎ ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا

حضور اکرم کی محبت کے اظہار میں اگر ہوش و بصیرت سے کام نہ لیا جائے تو ہر قدم پر لغزش کا امکان ہے اس لئے ہر راہرو اس مقدس راہ سے نہیں گزر سکتا۔ یہ کوئی دنیا کا عرصہ رزم نہیں ہے کہ قدم پس و پیش کو نظر انداز کر کے بلا وجہ احتیاط کے گرد و غبار اُڑاتا بڑھتا چلا جائے[2]

---

[1] خیر البشر کے حضور میں ممتاز حسن، دیباچہ

[2] ارمغانِ نعت شفیق بریلوی صـ۳۶

اسی سبب عرفی نے کارِ نعت کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے کہا ہے۔

؎ عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست	ہشدار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

کیونکہ آپ کے ادب و احترام اور شانِ اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش نعت نگار کے خیالات و الفاظ کو کیا ایمان و اعمال تک کو غارت کر دیتی ہے۔

نعت گو شعراء نے اسی ادب و احترام کے باعث اپنے گناہگار ہونٹوں سے آپ کا نام مبارک لینے اور خود کو کسی بھی حوالے سے آپ کی ذات اقدس سے نسبت کو بھی بڑی بے ادبی قرار دیا ہے۔ کسی کا کتنا خوبصورت شعر ہے

؎ ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب	ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

نعت کے ناقدین نے نعت کے ادب کے پیشِ نظر اکثر اپنی تحریروں میں اس شعر کا حوالہ دے کر نعت کے صنفی مقام و مرتبہ کی نشان دہی کی ہے۔ حضور اکرمؐ کی ذات سے ادب و احترام کو ناقدینِ نعت اور شعرائے نعت نے صرف موضوع و مضامین اور طرزِ بیان وادا تک محدود نہیں رکھا بلکہ نعت کی مجموعی فضا کا اس سے مملو ہونا ضروری خیال کیا ہے۔

(ل) مضامین

بقولِ مولوی عبدالحق "نعت میں وہی ذکر ہونا چاہئیے جو خدا کے نبی کے لئے شایان ہے اور جس کے پڑھنے اور سنانے سے لوگوں پر روحانی اور اخلاقی اثر پڑے اور معلوم ہو کہ کمال بشریت اسے کہتے ہیں نہ یہ کہ تمام نعتیہ قصائد سننے کے بعد دل پہ یہ اثر ہو کہ کسی شاہد رعنا خوش رو خوش اندام نازک بدن کی تعریف ہے[1]

مضامین نعت میں ادب و احترام کے تقاضے ہی کے پیشِ نظر ممتاز حسن نے نعت میں اس عاشقانہ اور جذباتی شاعری کی حوصلہ شکنی کی ہے جو ہندی گیتوں کا انداز لئے ہوئے ہے اور جس کا مرکز کرشن جی مہاراج ہیں۔

مثلاً ؎ مدینے میں مورا پیا بالا ہے رے۔

یا اسی طرح غزل سے خاص مضامین کی حامل نعتوں کو بھی حقیقی کلام سے فروتر سمجھا ہے۔

مثلاً ؎ اے دوستو فرقت میں مری مرتے ہو نا حق	اے چارہ گرو فکر دوا کرتے ہو نا حق

اچھا نہ کبھی ہونگا میں بیمارِ نبیؐ ہوں

بقول ممتاز حسن یہ اس ذاتِ گرامی کے متعلق کہا گیا ہے جو جسم و روح کی بالیدگی اور توانائی کا سرچشمہ ہے۔[2]

نعت کے ادب و احترام کا تقاضا ہے کہ ایسے مضامین سے اجتناب کیا جائے۔

---

[1] عبدالحق، ڈاکٹر، مولوی۔ چند ہم عصر ص۳ بار اوّل

[2] ممتاز حسن خیر البشر کے حضور میں ص۱۷

نعت کے مضامین میں ایک نمایاں موضوع "بعداز بزرگ توئی قصہ مختصر" سے متعلق بھی ہے۔ اس مضمون نعت میں نعت گو شعرا برگزیدہ ملائکہ اور جملہ انبیاء پر آپ کی برتری اور فضیلت کا ذکر کرتے ہیں بعض اوقات اس شرف فضیلت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے زورِ بیان میں ایسی بات بھی ہو جاتی ہے جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین یا تنقیص کا پہلو نکل آتا ہے۔ میرحسن کے یہ شعر دیکھئے۔

؎ مسیح اُس کے خرگاہ کا پارہ دوز | تجلیٔ طور اُس کی مشعل فروز
خلیل اُس کے گلزار کا باغباں | سلیماں سے کئی مہر دار اُس کے ہاں
خضر اُس کی سرکار کا آب دار | زرہ ساز داؤد سے واں ہزار[۱]

اس طرح سودا کا یہ شعر

؎ کرے جو ہم سری اُس سے بکے تاب | کہ نبیوں سے ہیں بڑھ کے اُس کے اصحاب[۲]

بقول ریاض الحسن "نعت چونکہ الفتِ رسول کی ولولہ انگیزی اور جوشِ محبت کی ترجمان ہوتی ہے اس لئے نعت گو شاعر سرورِ محبت کی بےخودی میں منہاجِ اعتدال سے لغزش کر جاتا ہے اور دوسرے انبیاء سے رحمتِ عالم کا تقابل کر کے ایسے الفاظ کہہ جاتا ہے جو درحقیقت نعتِ رسول نہیں ہوتے بلکہ ان میں توہینِ انبیاء کرام کا مفہوم مضمر ہوتا ہے"[۳]

نعت میں اس انداز کے مضامین بھی نعت گوئی کے ادب و احترام کے منافی ہیں اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام پر فضیلت اور شرف حاصل ہے مگر اس شرف کے اظہار میں کسی ایسے پیرایۂ اور تقابل سے گریز کرنا چاہیئے جس سے دوسرے انبیاء کی شان میں کسی گستاخی یا توہین کا احتمال بھی ہوتا ہو کیونکہ دوسرے انبیاء کی توہین گمراہی اور کفر کے مترادف ہے۔

احادیثِ رسولِ اکرم میں حضور اکرم نے جس محبت سے دوسرے انبیاء کرام کا ذکر کیا ہے اُسے ملحوظ رکھنا چاہئیے حضور اکرم نے اپنے شرف اور فضیلت کا اظہار (کسی مقام پر بھی) کرتے ہوئے کسی دوسرے نبی یا پیغمبر کا ذکر استخفاف اور استہزاء و توہین کے انداز میں نہیں کیا اور اُس آیۂ مبارک کے دہانِ مبارک سے کسی ایسے فقرے جملے یا اشارے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

فنِ نعت، نعت گو شعراء سے اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اظہارِ شرفِ خیرالانبیاء میں اس موضوع کے جملہ تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھیں صحیح اسلامی تصور یہ ہے کہ دیگر انبیاء کرام کی پیغمبرانہ عظمت اور شانِ رسالت کا شعور رکھتے ہوئے اور اُن کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ فضیلت اور شرف و بزرگی کا ذکر کیا جائے۔

(ب) طرزِ اظہار

---

[۱] سحرالبیان، میرحسن، صفحہ ۲۳ مرتبہ احسان الحق
[۲] کلیاتِ سودا، جلد دوم صفحہ ۸۶
[۳] حنفی لائل پور (اعلیٰ حضرت نمبر) صفحہ ۲۴ اپریل ۷۳، مقالہ مثنوی حسن اور کلام رضا۔

مضامین نعت کے ساتھ وہ چیز جس کا تقاضا نعت گو شعراء سے کیا جاتا ہے وہ طرزِ اظہار و بیان میں شائستگی اور خوش سلیقگی کا وہ انداز ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا مظہر ہو۔

جیسا کہ بابائے اُردو نے کہا ہے "نعت کا جو طرز ہمارے شعراء نے اختیار کیا ہوا ہے وہ بہت قابل اصلاح ہے ہمارے ہاں شاعری کی بنیاد غزل پر سمجھی گئی ہے جو ایک لحاظ سے کمترین قسم شعر ہے اس لئے تغزل کا رنگ کچھ ایسا جما کہ ہر جگہ جا ذبے جا اس کی جھلک نظر آتی ہے بھلا نعت میں زلف و کمر خال و خط سے کیا تعلق ...[1]

مضامینِ نعت کے غزلیہ طرزِ اظہار کی مذمت کرتے ہوئے کم و بیش ہر نا قدِ نعت نے عامیانہ انداز کی اُن غزل نما نعتوں کو حقیقی نعتیہ کلام سے فروتر سمجھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت کا ایسا پیرایۂ اظہار جو غزل گو شعراء کے ہاں دنیادی بلکہ بازاری معشوقوں کے لئے مروّج ہے نعت کے ادب و احترام کے سراسر منافی ہی نہیں ناقابلِ معافی گناہ ہے۔ اے ڈی نسیم ایسی ہی نعتوں (جن میں حضور اکرمؐ) کی ذاتِ اقدس کو عام مکھنوی محبوب کے روپ میں پیش کیا گیا ہے) کے بارے میں کہتے ہیں کہ "یوں معلوم ہوتا ہے شاعروں کے عام محبوب کی جگہ رسُول کا نام رکھ دیا ہے فرق صرف محبوبوں کے نام میں ہے شخصیت میں نہیں"[2]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نعت میں اس انداز کو سوءِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "عام نعت گو شعراء جس طرح رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معشوقِ نازنین فرض کر کے آپ کے سراپا کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور آپ کے جسدِ عنصری بلکہ اعضائے مبارک کی تعریف کرتے ہیں یہ اندازِ کلام ناپسندیدہ اور سوءِ ادب کا پہلو لئے ہوئے ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل و محاسن بیان کرتے وقت وقار اور متانت اور تعظیم و تقدیس کی روش اختیار کرنی چاہیئے"[3]

فنِ نعت میں ادب و احترام کی اسی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے مرزا محمد منور کہتے ہیں نعت کے ہر شعر میں نعت کا ایسا قرینہ موجود ہونا چاہیئے کہ وہ عام مضامینِ غزل سے متمیّز ہو اور ظاہر ہے کہ یہ آسان کام نہیں اس کے لئے خالی قادر الکلامی ہی نہیں مزاج کے داخلی رکھ رکھاؤ اور دل و دماغ کی بیداری درکار ہے"[4]

ج انتخاب الفاظ

طرزِ ادا ہی سے متعلقہ ایک اور نازک مقام جو نعت گو سے احتیاط اور ذمہ داری کا متقاضی ہے۔ وہ نعت میں الفاظ کا انتخاب ہے نعت کی فضا چونکہ غزل سے مختلف ہے لہٰذا موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی کا احساس کار فرما ہونا چاہیئے

---

[1] چند ہم عصر - مولوی عبد الحق ص۴
[2] اُردو شاعری کا مذہبی و فلسفیانہ عنصر (اے ڈی نسیم) ص۲۴۶
[3] ماہنامہ محدث لاہور (رسول نمبر) ۱۳۹۶ ہجری
[4] وَرَفَعنا لَکَ ذِکرَکَ (راجا رشید محمود) ص۱۲

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور شیفتگی کا شرف اس امر کا متقاضی ہے کہ نعت میں ایسے کسی بھی لفظ کے استعمال سے اجتناب کیا جائے جس سے کسی گستاخی، غیر شائستگی یا سوقیانہ پن کا اظہار ہوتا ہو یہ مقام اتنا نازک ہے کہ آداب نعت سے واقف بڑے بڑے پختہ شاعروں سے بھی کہیں اس مقام پر لغزش ہو جاتی ہے

عرفی کا وہ نعتیہ قصیدہ جس کا مطلع ہے۔

؎ صبحدم چوں درد مد دل صور شیون زائے من — آسماں صحن قیامت گرد و از غو غائے من

اس میں ایک شعر ہے۔

؎ سایۂ من ہمچو من در ملک ہستی امتت — سایۂ تو در عدم پیغمبر ہمتائے من

نیاز فتحپوری کے بقول عرفی صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح رسُول اللہ کا سایہ معدوم تھا اسی طرح میرا ثانی بھی معدوم ہے۔ لیکن اس مفہوم کو اس قدر اُلجھے ہوئے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ سچ پوچھیے تو مفہوم ہی غائب ہو جاتا ہے پہلے مصرع میں ہمچو من امتت ملک سب تکلف و آورد ہے اور دوسرے مصرع میں "پیغمبر ہمتائے من" لکھنا بھی گستاخی کی حد تک پہنچتا ہے۔ سامنے کا کھلا ہوا لفظ "یکتا" تھا مگر اُسے چھوڑ کر "ہمتا" لکھنا عجیب بات ہے۔

عرفی نے یہ قصیدہ مدح رسُول اللہ میں لکھا ہے اور اس قصیدہ میں ایک شعر بھی پایا جاتا ہے۔

؎ شاہد عصمت تلاش صحبت من کے کند — خون حیض دختر رز جو شد از لبہائے من

کیا اس سے زیادہ فحش، گندہ، شعر کوئی اور ہو سکتا ہے[1]۔

اس طرح کے الفاظ کا استعمال آداب نعت تو دُور کی بات ہے معیاری غزل گوئی کے سلیقہ کے بھی خلاف ہے۔

(د) تشبیہ و استعارات

نعت گو کے لئے ضروری ہے کہ وہ تشبیہات و استعارات میں بھی موضوع کے آداب و احترام کو ملحوظ رکھے اور نعت کے اظہار میں ایسی تشبیہ یا استعارہ سے گریز کرے جس سے نعت کی پاکیزگی اور شائستگی متاثر ہوتی ہو

بشیر احمد قادری نے اس ضمن میں اطہر ہاپوڑی کے اس مطلع نعت کو رقم کیا ہے جس پر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اس کی قلم برداشتہ اصلاح فرمائی۔ مطلع ہے

؎ کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے — مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلا کے سامنے

مولانا نے یہ مطلع سن کر فرمایا کہ مصرع ثانی مقام نبوت سے فروتر ہے حضور علیہ السلام کو لیلیٰ سے اور گنبد خضریٰ کو خیمہ لیلیٰ سے تشبیہ دینا عاشقان رسُول کے شایان شان نہیں[2] آپ نے اس کی اصلاح یوں فرمائی۔

---

[1] نگار پاکستان فروری ۶۵ نیاز فتح پوری صلا [2] مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی، مقالہ بشیر احمد قادری ص۱۴۱ بحوالہ ماہنامہ "عرفات" لاہور اعلیٰ حضرت نمبر اپریل ۷۰ء ص۳

ؔ کب ہیں درخت حضرتِ والا کے سامنے　　　　قدسی کھڑے ہیں عرش معلّےٰ کے سامنے

اس طرح نہ صرف یہ کہ تشبیہ کا عامیانہ پن ختم ہوگیا بلکہ مطلع میں فن نعت کی مطلوبہ طہارت و پاکیزگی بھی پیدا ہوگئی نعت میں اس طرح کی تشبیہات و استعارات کا استعمال دراصل شاعروں کے فکر و فن پر غزل کے گہرے اثرات کا نتیجہ ہے وہ نعت گو جنہوں نے غزل کے ساتھ ساتھ نعت بھی لکھی اُن کی نعت گوئی میں تغزل کا رنگ غزل کے مخصوص علائم و رموز اور تشبیہات اور استعارات کا استعمال بھی آتا ہے جو ایک خاص حد تک تو گوارا ہے مگر جن کا رنگ عامیانہ اور بازاری ہے۔ ان تشبیہات اور استعارات سے گریز کرنا چاہیے۔ کیونکہ تشبیہ و استعارہ کا سوقیانہ مزاج نعت گوئی کے آداب کے خلاف ہے۔

(۵) اندازِ خطاب

نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے خطاب کرتے ہوئے بھی اس امر کا احساس رہنا چاہیئے کہ شاعر کے لب و لہجہ میں منصب رسالت کا پورا پورا خیال ہے اور آپ سے خطاب کرتے وقت وہ کوئی ایسا لفظ یا پیرایۂ خطاب استعمال نہ کرے جس سے شان رسالت مآب میں گستاخی کا احتمال ہو۔

رنگینی اور تغزل نگاری کی کوشش میں بعض اوقات نعت گو شعراء عامیانہ اندازِ بیان پر اُتر آتے ہیں اور حضور اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے معاذ اللہ بت، سنگدل قاتل اور ستمگر ایسے نازیبا الفاظ استعمال کر جاتے ہیں جو دنیوی محبوبوں کے لئے موزوں ہوتے ہوں مگر محبوب خدا کی شانِ اقدس کے سراسر منافی ہیں اس طرح وہ شعراء نہ صرف نعت میں تفریط کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ نعت کو عامیانہ اور بازاری سطح پر لے آتے ہیں۔

نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے اور آپ کا نام نامی لیتے ہوئے انتہائی ادب و احترام کی ضرورت ہے نعت کے ناقدین اور صوفیائے کرام نے اس لازمہ نعت کی اہمیت اور فضیلت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں قرآن کریم کے اُن مقامات کا ذکر کیا جہاں خدا تعالےٰ نے حضور اکرمؐ سے خطاب فرمایا ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں ہر جگہ آپ کو اسمائے صفات سے یاد فرمایا گیا ہے کہیں یاایہا المدثر کہیں یاایہا المزمل اسی طرح یاایہا النبی اور یاایہا رسول وغیرہ جبکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن میں اُن کے نام یا عیسیٰ یا موسیٰ یا یحییٰ وغیرہ لئے گئے ہیں۔

نعت گو شعراء کو بھی قرآن کے انداز و آداب کی پیروی کرتے ہوئے کوشش کرنی چاہیئے کہ نعت میں بھی جہاں تک ممکن ہو اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ نام والا کی بجائے اسمائے صفات آئیں کسی شاعر نے اسی اصول کے تحت ہی کہا ہے۔

ؔ ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب　　　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است[۱]

اس ضمن میں قرآن کریم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہنا چاہیئے۔ وَتعزروہ و توقروہ　(اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو)[۲]

نعت کے لوازمات میں ادب و احترام کے بہت سے پہلو ہیں جن کا تعلق موضوع، زبان و بیان، انتخاب الفاظ، تشبیہ و استعارہ اور

---

[۱] نوری کرن " بریلی " ص۱۴ اکتوبر ۱۹۶۳ء

[۲] قرآن مجید پ ۲۶ ع۹

حضور سے اندازِ خطاب سے ہے اور جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے) نعت کی مجموعی فضا کو ادب و احترام کے ان جذبات عالیہ سے سرشار کرتے ہیں۔ جس کی نعت متقاضی ہے درحقیقت نعت ہے ہی شانِ رسالت کا ادب و احترام — احترام وہ نقطۂ مستنیر ہے جہاں سے صنفِ نعت کے جملہ لوازمات کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور اسی نقطہ پر اُس کے متقضیات کے تمام دھارے آ کر سمٹتے ہیں ایک اعتبار سے نعت کی تخلیق میں رسُول اکرم کا احترام ہی سب کچھ ہے باقی لوازماتِ نعت دراصل اسی کی مختلف شکلیں اور تفسیریں ہیں اور اسی لازمۂ نعت کے سبب مجید امجد کے لفظوں میں نعت لکھنے والوں کا مرتبہ انسانی اکتسابات کی معراج ہے اُس کا ہر سانس دیدارِ حبیب کی منزل ہے وہ فرشتوں کا ہم زبان ہے اور تمام ارواحِ مبارکہ کا ہم نوا ہے اُس کی زبان پر اُس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدح ہے جس کی مدح خود ذاتِ باری نے کی ہے[1]

۴۔ حقیقت نگاری

نعت کا ایک اور اہم لازمہ مبالغے سے پرہیز اور حقائق کے بیان سے متعلق ہے اگرچہ تخیل اور محاکمات شعر کے ترکیبی عناصر ہیں اور ندرت و مبالغہ اس کی روحِ رواں، جب تک شعر میں تخیل کی نادرہ کاری اور مبالغہ کی رنگ آمیزی نہ ہو شعر ایک بادۂ بے کیف گل افسردہ اور شمع بے دود بن کر رہ جاتا ہے مگر نعت میں تخیل کی میناکاری، اسلوبِ بیان، طرزِ ادا، بندشِ الفاظ، حسنِ تشبیہ اور رنگین استعارہ تک محدود ہے نعت کے معانی و مضامین میں تخیل کی جدت طرازی مبالغہ کی حسن آرائی شجرِ ممنوعہ اور ام الخبائث کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نعت میں کوئی ایسا مضمون بیان کرنا جو واقعیت کے خلاف اور اصلیّت کے منافی ہو اور جس کی اساس محض خیال اور آرائش مبالغہ پر ہو نعت کے جادہ جمال پر یاوہ گوئی کی گرد، ہرزہ سرائی کا غبار اور دروغ بافی کی سیاہی مَل دیتا ہے اور وہ نعت اظہار عقیدت اور جلوۂ محبت کی بجائے شاعر کی خود نمائی اور شعر کی کیف آفرینی کا مظہر بن جاتی ہے۔

نعت درحقیقت وزن و بحر اور قافیہ ردیف کی حد بندی میں موزونیت الفاظ، سلاست زبان اور چستی بندش کے ساتھ عشقِ رسُول کی نغمہ سنجی اور ترانہ سرائی کا نام ہے اس لئے اُس میں صداقت مضمون، واقعیت مفہوم اور حسن محاکات کے سوا رنگینیٔ خیال اور ندرتِ تخیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اربابِ سخن نے مضمونِ شعر کی اصلیت کو محاسن شعری میں سب سے زیادہ اہمیت کا درجہ اور اوّلیت کا رتبہ دیا ہے لیکن اس کے مفہوم کو اتنی وسعت دی ہے کہ حقیقتِ نفس الامری کی حدود و قیود سے تجاوز کر کے امکانِ عقلی، تصور شعری اور مسلماتِ شعری کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے نعت کی نزاکت، اصلیتِ مضمون کی اس وسعت کی متحمل ہی نہیں اور حقیقتِ نفس الامری اور واقعیتِ متیقنہ سے سرمو انحراف کرنا بھی مسلک نعت گوئی میں ضلالِ مبین، حرام قطعی اور گناہ کبیرہ کی حیثیت رکھتا ہے"[2]

یہ اقتباس ریاض الحسن کے مضمون "شعری حسن اور کلام رضاؔ" سے لیا گیا ہے جس میں اُنہوں نے نعت میں مبالغہ سے اجتناب اور حقیقت نگاری کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت کی ہے اسی موضوع پر "نعت گوئی کے آداب اور حدود شرعیہ" کے عنوان سے

---

[1] بامِ عرش (سید منظور احمد مہجور) صہ ۴

[2] ماہنامہ حنفی لائلپور اپریل ۷۲، صہ ۳۲ (ریاض الحسن کا مضمون "شعری حسن اور کلام رضا")

(ایک سوالنامے کے جواب میں) عصرِ حاضر کی معروف مذہبی شخصیات نے ماہنامہ "محدث" لاہور کے "رسول مقبول نمبر (۱۳۹۶ھ)" میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے نعت میں مبالغہ کی حیثیت پر شرعی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔

مولوی محمد شفیع کہتے ہیں شریعت اسلامیہ میں چونکہ حدود کی رعایت کی بہت زیادہ اہمیت ہے لہٰذا نعت گوئی میں جھوٹ کی تو بالکل گنجائش نہیں اور ایسا مبالغہ جو حدود جھوٹ میں شامل ہو وہ بھی جائز نہیں تشبیہ و استعارہ کلام میں استعمال کر لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔[1]

مولانا محمد یوسف بنوری کے خیال میں "مبالغہ اگر حدود شرعیہ سے تجاوز نہ کرے تو گنجائش ہے وہ مبالغہ جو کفر و شرک اور صریح جھوٹ پر مشتمل ہو کسی حال میں درست نہیں۔[2]

مولانا حافظ محمد گوندلوی کی رائے میں مبالغہ ایسا جائز نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام نبوت اور مقامِ رسالت سے اُٹھا کر الوہیت کی حدود میں داخل کر دیں اس طرح کرنا ناجائز ہے باقی مقام رسالت کے اندر ہر قسم کی تعریف جائز ہے۔[3]

مولانا محمد چراغ کے بقول "شعر کی بنیاد ہی مبالغہ پر ہے اس لئے شعر میں مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے بشرطیکہ کسی نص قطعی یا عقل کے خلاف نہ ہو نعتِ نبوی میں بھی اس حد تک جائز اور روا ہے"۔[4]

مولانا مودودی نے نعت میں مبالغے کے جواز اور عدم جواز کی حدود کو مثالوں سے واضح کیا ہے وہ کہتے ہیں "صرف نعت ہی نہیں ہر طرح کے کلام میں مبالغہ صرف اس حد تک جائز ہے کہ اُس کے پیچھے یا اس کے نیچے اصل حقیقت بالکل چھپ کر یا دب کر نہ رہ جائے بلکہ سامع و قاری بآسانی سمجھ لے کہ حقیقت نفس الامری کیا ہے جسے مبالغے کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے مثال کے طور پر یہ شعر ہے

؎ حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں مبالغہ تو ہے لیکن دوسرے مصرعہ نے واضح کر دیا ہے کہ مقصودِ کلام یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و صفات جامعیت اور ہمہ گیری تھی، دوسرا شعر یہ ہے۔

؎ کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے ۔۔۔ ہر گُل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے۔

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے جس کی اجازت ذاتِ باری کی شانِ وحدانیت و خلاقیت نہیں دیتی اور اس کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں۔[5]

اس ضمن میں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہئیے کہ نعت "ایک ایسے ممدوح کی مدح ہے جس کی بارگاہ میں مبالغہ قربت ممدوح

---

[1] ماہنامہ "محدث" لاہور (رسولؐ مقبول نمبر) ص ۲۰۹

[2] ماہنامہ "محدث" لاہور (رسولؐ مقبول نمبر) ص ۲۰۹

[3] ماہنامہ "محدث" لاہور (رسولؐ مقبول نمبر) ص ۲۰۷

[4] ماہنامہ "محدث" لاہور (رسولؐ مقبول نمبر) ص ۲۰۹ [5] ماہنامہ "محدث" لاہور (رسولؐ مقبول نمبر) ص ۲۰۸

کا وسیلہ نہیں بن سکتا اور نہ یہاں اس بیان کو باریابی حاصل ہے جو صادق البیانی کی ترجمانی سے محروم ہے پھر صدق و صفا کی زندگی کو سمجھنے کے لئے صدق و صفا کی حقیقت اور اس کی کیفیت کو قلب و نظر میں بسائے بغیر کام نہیں چلتا[۱] اس لئے نعت گو شاعر کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسری اصناف سخن سے نعت کو یکسر مختلف سمجھے اور تخلیق نعت کے دوران میں تخیل کی پرواز کو شرعی حدود و قیود کے اندر رکھے اور حقیقت محمدی کے بیان میں عقائد کی تفصیلات اور جزئیات تک کی صحت کا خیال رکھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پیش نظر رکھے آپ سے محبت کے باب میں آشفتگی کی بجائے شیفتگی اور شوریدگی کی بجائے سپردگی کا مظاہرہ کرے اور آپ کے ذکر میں جوش کے ساتھ ہوش کو بھی ملحوظ رکھے۔

۵۔ متفرق لوازمات

مذکورہ بالا لوازمات کے ساتھ نعت کے بعض ناقدین اور نعت گو شعراء نے اپنی تحریروں میں معیاری نعت نگاری کے کچھ اور مقتضیات کی بھی نشان دہی کی ان میں شاعر کے لئے عقیدت کے ساتھ سیرتِ طیبہ پر گہری نظر[۲] تعلیماتِ رسالت سے قلبی تعلق اور ذات رسالت و پیکر رسالت سے دل بستگی بلکہ والہانہ شیفتگی[۳] مقصدِ بعثت سے آگاہی، شعورِ مقام رسالت، دینی امور و مسائل سے واقفیت[۴] دینی بصیرت بلکہ عہد رسالت کی تاریخ سے بھی کماحقہ، بہرہ ور ہونا ضروری ہے اس کے علاوہ تزکیۂ باطن، قلب و نظر کی پاکیزگی، روح کی طہارت، خیال و عقیدہ کی پختگی اور دل و نظر کی سلمانی[۵] نیز جذبات کی صحت و صداقت[۶] بھی نعت کے لوازمات میں سے ہیں۔ موضوع کی اہمیت اور پیش کش میں احترام کے ساتھ شاعر کا زبان و فن پر عبور نیز ادبی زاویہ نظر سے شاعر کی ذہنی اور تخلیقی صلاحیت[۷] کی کارفرمائی کے بغیر بھی اچھی نعت کا تصور نہیں کیا جا سکتا نعت میں کیف و تاثر کے لئے، مزاج کے داخلی رکھ رکھاؤ اور دل و دماغ کی بیداری[۸] کی بھی ضرورت ہے خالی قادر الکلامی سے بھی اچھی نعت نہیں کہی جا سکتی نعت میں حقیقی کیف اور لطافت اس وقت پیدا ہوگی جب شاعر لوازماتِ فن نعت سے نہ صرف آگاہ ہو بلکہ یہ اس کے تخلیقی مزاج میں رچ بس جائیں بقول مجید امجد حقیقت رسالت عظمت کے ادراک کامل اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذباتِ صادق سے بہرہ مند ہونا اور شاعر کے لئے اس جذبہ (عشق رسول) کو اپنے اعمال اور تصورات پر حاوی کرنا نعت گوئی کی ضروری شرائط ہیں ان کی نظر میں عشق رسول کا جذبہ روح نعت ہے اور مقام مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سچا ادراک جانِ نعت ہے دونوں صفات ایک ہی جلوے کا پرتو ہیں اور یہ صفات جب آئینہ شعر میں منعکس ہوں گی تو نعت اس رتبہ کو پہنچ سکے گی جو اس کا مقصود ہے۔ فن شعر کے لحاظ سے اس کمال کے لئے کمال سخن وری اور نفس مضمون کے لحاظ سے اس کے لئے کمال آگہی درکار ہے اور پھر ان دونوں چیزوں کو جلا جس چیز سے ملتی ہے وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے۔ جو لفظوں کو تجلیات سے بھر دیتا ہے اور معانی میں وسعتیں سمو دیتا ہے یوں نعت ایک مقدس آزمائش

۱؎ اردو کی نعتیہ شاعری (سید اشفاق احمد) ص۵۶ ۲؎ شاخ سدرہ عبدالکریم ثمر ص۵

۳؎ خیر البشر کے حضور میں (ممتاز حسن) ص۱ ۴؎ ظفر علی خان (ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار) ص۱۶۳ (ب) نوائے ظہوری (محمد علی ظہوری) دیباچہ عزیز حاصل پوری ص۶

۵؎ شاخ سدرہ (عبدالکریم ثمر) ص۵ ۶؎ ہدیۂ عثمانی (عثمان احمد قاسمی) ص۲ دیباچہ معین ندوی

۷؎ آہنگ حجاز (چوہدری فضل حق) ص۱۱ دیباچہ ضمیر جعفری ۸؎ ورفعنا لک ذکرک (راجا رشید محمود) ص۱۲۷ تاثر (دیباچہ) مرزا منور

ہے بیانِ عقیدت کی رو سے جوہرِ ایمان کی آزمائش اور غایتِ غایات کی جستجو کے ضمن میں قوتِ ادراک کا امتحان۔ (نعت گو) کی فکر لامحدود کی حدیں متعین نہیں ہیں۔ وہ قدم قدم پر نقشِ قرآنی کا پابند ہے اُس کا ہر لفظ سرشارِ احترام بھی ہے احتیاط کی قدغن یہ کہ کہی گئی بات قرآنِ حکیم کے ارشاد کے مطابق ہو اور احترام کا تقاضا یہ کہ مدح مرتبہ رسالت کی حقیقی سطح پر فائز ہو جب تک زمان و مکان کے رموز جس طرح کہ وہ کلامِ الٰہی سے منکشف ہیں اُس کی نگاہ میں نہ ہوں اس کا بیان ناتمام اور اظہار نارسا ہے۔ نعت اُن ذی فضیلت لوگوں کا منصب ہے جن کی عمرِ عزیز معانیِ قرآن کو پرکھنے اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے میں صرف ہوئی ہو اور جو اس روحانی سفر کے دوران پیش آنے والے مقامات کو شعری اظہار کی منزلوں تک پہنچا سکیں۔[1]

مجید امجد کے یہ خیالات (جو ایک نعتیہ مجموعہ میں دیباچہ کی حیثیت میں شائع ہوئے) صنفِ نعت کے لوازمات اور مقتضیات کے ضمن میں اب تک اس موضوع پر کی گئی گفتگو کا ماحصل ہیں۔ مجید امجد کی رائے اس صنف کے تنقیدی جائزہ تک ہی محدود نہیں بلکہ اُس کی تخلیق میں پیش آنے والے ان مشکلات کو بھی محیط ہے جس کا اندازہ ایک حساس اور ذمہ دار شاعر ہی کر سکتا ہے حقیقی اور معیاری نعت گوئی ہر شاعر کے بس کی بات نہیں اپنے لوازمات کے سبب نعت نہایت دقیع اور ادق صنفِ سخن ہے نعت لکھتے وقت شاعر کو عقیدت و ارادت کے نازک مقامات اور محسوسات کی جن لطیف سطحوں سے گزرنا پڑتا ہے وہاں عام روش کی شعر گوئی کام نہیں آتی شاعر کا کمالِ فن اور الفاظ کا سلسلہ اپنی تمام اثر اندازیوں کے باوجود حضور اکرم کی توصیف کے مقام پر آ کر عاجز ہو جاتا ہے مرزا غالب کی فارسی نعت کا یہ مشہور مقطع نعت گوئی میں شاعرانہ صلاحیتوں کے اسی عجز کا اعتراف ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم　　　کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است[2]

ہیئتی تنوع

جیسا کہ پہلے نشان دہی کی جا چکی ہے نعت کا تعلق صرف موضوع سے ہے کسی مخصوص ہیئت سے نہیں۔ اس میں پابندی صرف اس صنف کے داخلی پہلو یعنی مواد اور موضوع کی لگی جاتی ہے اور اس کے مضامین حضور اکرمؐ سے عقیدت و محبت، اُن کی سیرتِ مبارکہ کا تذکار اور بنی نوعِ انسان پر اُن کے فیوض و احسانات کے ذکر سے متعلق ہوتے ہیں موضوع کی پابندی اور التزام ہی دراصل نعت کہلاتا ہے پیرایۂ اظہار کچھ بھی ہو موضوع کا یہ تعلق اور نسبت برقرار رہنی چاہیئے کہ اس نسبتِ گرامی کی عدم موجودگی سے نعت، نعت نہیں رہے گی۔

جہاں تک نعت کے خارجی پہلو کا تعلق ہے اس کے لئے کسی ہیئتی ڈھانچے کی ضرورت نہیں اس کے لئے زبان و ادب کے کسی بھی پیرایۂ اظہار، طرزِ بیان اور ہیئت کو اختیار کیا جا سکتا ہے اگرچہ عام طور پر نعت سے مُراد حضور اکرمؐ کی منظوم مدح ہی لی جاتی ہے اور مروجہ مفہوم میں اس کا تعلق نظم ہی سے ہے لیکن اصولی طور پر اس امر کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی کہ نعت لازماً نظم ہی میں لکھی جائے گی۔ نعت خطاب اور نثر میں بھی ہو سکتی ہے اسی سبب نعت کے ناقدین اور مرتبین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش میں لکھے جانے والے بعض

---

[1] بامِ عرش (سید منظور احمد مہجور) ص ٢

[2] غزلیاتِ غالب (فارسی) (مرزا غالب) ص ٦٩ (مرتبہ وزیر الحسن عابدی)

خطابیہ جملوں اور نثر پاروں کو بھی نعت ہی میں شمار کیا ہے اس ضمن میں شاہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیّارؓ کا خطبہ اور ام معبد کی زبان سے حضور اکرمؐ کے حلیہ مبارک کا بیان قابلِ ذکر ہیں [1]

خطابیہ نعت پاروں کے علاوہ نثر میں بھی دو طرح کے نعتیہ نمونے نظر آتے ہیں ایک تو نثر کی کتابوں (داستانوں، تذکروں اور دینی و مذہبی رسالوں) کے آغاز میں حمد کے بعد نعت کے التزام کے نتیجہ میں لکھی جانے والی نعتیہ نثر شامل ہے جسے بعض اوقات مصنف اپنے طور پر بھی نعت کا نام دیتے ہیں مثلاً حیدر بخش حیدری "گلِ مغفرت" کے آغاز میں (حمد کے بعد) نعت کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔ "نعت ہے اُس رسُول مقبول کی جس کو حق تعالےٰ نے اپنے نورِ خاص سے پیدا کیا کہ وہ ہر دم گمراہوں، گناہ گاروں کا شافع و راہنما ہو رحمت خدا کی نازل ہوجیو اس پر اُس کی آل پاک و دحی برحق پر [2] نثری نعت کی اس روایت کا التزام عربی، فارسی اور اُردو نثر کی کم و بیش تمام کلاسیکی کتابوں میں نظر آتا ہے۔ آجکل بھی (نثری ادب کی کتابوں کے سوا) دینی مذہبی اور علمی کتابوں کے آغاز میں اس التزام کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

نثری نعت کی دوسری قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں لکھے گئے وہ نثر پارے ہیں جنہیں اُن کے مصنفین نے نعت کے عنوان سے تو نہیں مگر اُن کی بعض داخلی خصوصیات اور نعتیہ خوبیوں کے سبب بعض مرتبین و ناقدین نعت نے انہیں اپنے طور پر منتخب کر کے نعت کا مقام و مرتبہ اور نام دے دیا ہے اس ضمن میں کتب سماوی اور صحائف آسمانی میں سے وہ مقامات جن کا تعلق آنحضرتؐ کے بارے میں پیش گوئیوں اور مبشرات سے ہے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں [3] سیرت و نعت کی کئی کتابوں میں ایسے نثریہ کلمات کو جداگانہ طور پر نعت کے عنوان سے نقل کیا گیا ہے اسی طرح مولانا شبلی نعمانی کی سیرت النبی کا وہ حصہ جو ظہور قدسی کے عنوان سے درج ہے [4] اور جس میں حضور اکرمؐ کی ولادت مبارک کا بیان ہے قابلِ ذکر ہے بعض مرتبین نعت نے آنحضرتؐ کی سوانح و سیرت میں لکھے جانے والے اسی انداز کے بعض اعلیٰ حصّوں خصوصاً جن میں شعری محاسن کے سبب نعت کا قرینہ موجود ہو کو بھی نعت شمار [5] کیا ہے۔

نعت نگاری کا ایک انداز وہ ہے جہاں نثر و نظم میں ملی جلی نعتوں کے نمونے ملتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نثر کی بعض کتابوں کے آغاز میں مضامین نعت کے اظہار کے لئے کہیں نثر اور کہیں نظم کا پیرایۂ اظہار اختیار کیا گیا مثلاً میر شیر علی افسوس "آرائشِ محفل" کے شروع میں حمد کے تین شعروں کے بعد نعت کی طرف یُوں رجوع کرتے ہیں۔

ہے اب نعتِ پیمبرؐ کی مجھے فکر — کہ بہتر اس سے کوئی اب نہیں ذکر
محمدؐ نام ہے اُس پیشوا کا — خلاصہ ہے وہ سارے انبیاء کا

زہے نصیب کہ ہم اس کی امت ہوئے اب دغدغہ ہنگامۂ محشر کا مطلقاً نہ رہا اور خوف حساب کتاب کا یک لخت دل سے اُٹھ گیا

ابیات۔ کِسے اب گناہوں کا ہے اپنے غم — کہ اپنا نبیؐ ہے، شفیعِ امم

---

[1] بحوالہ ارمغانِ نعت (مرتبہ شفیق بریلوی) ص۱ [2] گلِ مغفرت، حیدر بخش حیدری ص۴
[3] سیرت النبیؐ (علامہ سید سلیمان ندوی)
[4] مثلاً غزل الغزلات، عہد نامہ قدیم باب پنجم آیت ۱۰، ۱۶ میں تشبیہاتِ سُلیمان ملاحظہ ہوں [5] آرائشِ محفل (میر شیر علی افسوس) ص۲

نہیں اک ذرا ترس نارِ جحیم   کہ حامی ہے اپنا رسولِ کریمؐ[1]

نظم و نثر کا یہ امتزاج نعت کے جُداگانہ اسلوب کا حامل ہے عربی، فارسی اور اُردو کے کلاسیکی نثری ادب میں ایسے بے شمار نمونے مل جاتے ہیں، جہاں مرتبین و مصنفین نے نثر و نظم کے ملے جلے انداز میں رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت تحریر کی ہے۔

خطابیہ نعت، نثری نعت اور نثری و شعری نعت کے بعد ہم اپنے اصل موضوع یعنی شعر و شاعری (اصنافِ نظم) کے حوالے سے نعت کا جائزہ لیتے ہیں نعت کا موضوع شاعری کی کسی ایک صنف سے مخصوص نہیں حضور اکرمؐ کی توصیف اور اُن کی سیرت کا تذکار شعر کی کسی بھی صنف اور ہیئت میں ہو سکتا ہے۔ نعت کے مضامین کو شاعروں نے کم و بیش تمام اصنافِ سخن میں قلم بند کیا ہے جو صنفِ شعر جس عہد میں زیادہ مقبول و مروج رہی ہے اس صنف کو نعت کے لئے بھی اسی اعتبار سے استعمال کیا گیا۔ غزل چونکہ ہماری شاعری کی مقبول ترین صنف ہے اور ہر دور میں اپنی داخلی خصوصیات اور ہیئت کے سبب پسندیدہ رہی ہے۔ لہٰذا نعت کے مضامین کے لئے بھی سب سے زیادہ غزل کی صنف ہی مستعمل رہی ساجد لکھنوی کے بقول "ابتدائے اُردو شاعری سے اگر آپ بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو آپ کو ۹۵٪ نعتیں غزل کے فارم میں ملیں گی[2]

نعت کے موضوع کے لیے صنفِ غزل کی مقبولیت کا بڑا سبب تو یہ ہے کہ کم و بیش ہر شاعر اپنی مشقِ سخن کا آغاز غزل ہی سے کرتا ہے اور غزل کے مخصوص ماحول اور مخصوص مزاج کے زیرِ اثر دوسری اصنافِ شاعری سے زیادہ غزل کہنے کی طرف ہی میلان و رغبت رکھتا ہے دوسرے یہ کہ میلاد کی محفلوں اور مجلسوں میں ترنم سے پڑھنے کے لئے غزل کی ہیئت ہی موزوں ہے اسی طرح قوالی اور سماع کے لئے غزل کی ہیئت سے بہتر کوئی دوسری ہیئت نہیں۔ سماع میں جو اثرات اور وجد کی کیفیات سامع پر طاری ہونا چاہئیں وہ غزل کی ہیئتی خوبی (قافیہ و ردیف) کی تکرار وغیرہ سے بہتر طور پر اور کامیابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ نعت میں غزل کی ہیئت کو ان شاعروں نے خاص طور پر برتا جنہوں نے نعت کے جداگانہ دیوان مرتب کئے اور یُوں دیوان کی ترتیب و تشکیل کے لئے کثرت سے غزل کی ہیئت میں نعتیں لکھیں۔ نعتیہ مشاعروں (خصوصاً طرحی مشاعروں) کے سبب بھی اس موضوع کے لئے صنفِ غزل کے استعمال کا دائرہ وسیع ہوا۔

غزل کے ساتھ نعتیہ مضامین کے اظہار کے لئے دوسری مقبول صنف جو دراصل غزل ہی کی مانند ہے (ہیئتی اعتبار سے) قصیدہ ہے یہ صنف چونکہ مدح و توصیف سے متعلق ہے لہٰذا قصیدے میں بھی نعت گوئی کی ایک طویل روایت موجود ہے عربی نعت کا تو قریباً سارا سرمایہ ہی قصیدہ پر مشتمل ہے معدودے چند نعتوں کے جو قصیدہ کی ہیئت سے باہر لکھی گئیں۔ فارسی نعت کی تاریخ میں بھی نعتیہ قصائد کا ایک وسیع اور اہم حصہ ہے۔ عربی، فارسی سے یہ روایت اُردو میں بھی منتقل ہوئی اور جیسا کہ ہم اُردو نعت کی تاریخ کا عہد بہ عہد جائزہ لیں گے اور اُردو کے نعتیہ قصائد اور اُس کے ارتقاء و تاریخ کا بھی آئندہ ابواب میں مطالعہ کریں گے

نعتیہ مضامین کے لئے قصیدے کی صنف کا بڑا سبب اس میں مدحت طرازی کا غالب عنصر ہے اس کے علاوہ دوسری خصوصیات جو قصیدہ کا لازمہ ہیں مثلاً شوکتِ الفاظ، اظہارِ علم و فضل، علوئے خیال، زورِ بیان، طمطراق تراکیب، مضمون آفرینی، بلند پروازئ خیال اور شاعرانہ لہجہ وغیرہ جن کے باعث بھی قصیدہ کی صنف نعت گوئی کے لئے مستعمل رہی اگرچہ عصرِ جدید کے بعد نعت کے لئے قصیدہ کا چلن بتدریج

۱۔ آرائشِ محفل (میر شیر علی افسوس) ص۲ ۔ ۲۔ نغمۂ فردوس (شکیل بدایونی) ص۱

کم ہوتا گیا مگر ایک خاص طور تک شاعروں نے قصیدے میں اپنی ذہن کی رسائیاں ضرور دکھائیں اور بھرپور انداز میں اپنی فنی صلاحیتوں کا اظہار کیا۔

عصر حاضر میں قصیدہ کی طرف رجحان میں کمی کا احساس ان طویل نعتیہ منظومات[۱] کے سبب اور ہو گیا ہے جو غزل و قصیدہ ہی کی ہیئت میں ہیں۔ اگرچہ انہیں قصیدے کے خاص لوازمات فن اور اجزائے ترکیبی کی عدم موجودگی کے سبب بعینہٖ قصیدہ کا متبادل قرار نہیں دیا جا سکتا تاکہ قصیدہ کی خارجی ہیئت کی پابندی اور بعض دوسری خوبیوں مثلاً رفعتِ خیال، شوکتِ الفاظ، تسلسل مضمون وغیرہ کے سبب ان میں قصیدہ کی مماثلت نظر آتی ہے سو کسی نہ کسی طرح صنف قصیدہ کے پرتو آج کی نعت میں بھی نظر آ رہے ہیں۔

غزل و قصیدہ کے بعد نعتیہ مضامین کے لئے کثرت سے استعمال ہونے والی صنف مثنوی ہے۔ مثنوی کی صنف اپنی مخصوص خوبیوں (مثلاً قصہ یا واقعہ کو تسلسل سے بیان کرنے، ہر شعر کے لئے جداگانہ قافیہ و ردیف کی آزادی، مندرجات کے ربط اور فطری بہاؤ کو قائم رکھنے کی آسانی وغیرہ) کے سبب طویل مضامین کے اظہار کے لئے نہایت مناسب خیال کی جاتی رہی اُردو نعت کے ابتدائی دور کا بڑا سرمایہ مثنوی ہی کی صورت میں تخلیق ہوا جیسا کہ ہم آئندہ ابواب میں دیکھتے ہیں کہ دکنی دور کے نور نامے، معراج نامے، مولود نامے[۲] اور وہ نعتیہ نظمیں مثنوی ہی کی ہیئت میں لکھی گئیں خصوصاً وہ طویل منظومات[۳] جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کو موضوع بنایا ہے مثنوی ہی کی صنف میں ہیں۔

یہ صنف طویل نعتیہ مضامین کے بیان میں بعد کو بھی مستعمل رہی حفیظ جالندھری کا "شاہنامہ اسلام" جس کا ایک اہم حصّہ نعتیہ مضامین پر مشتمل ہے۔ مثنوی ہی کی ہیئت میں ہے۔ عصر حاضر میں بھی نعت گو شاعروں میں غزل کے بعد جو صنف سب سے زیادہ مقبول ہے وہ مثنوی ہی ہے

حضور اکرم کی سیرت و سوانح، غزوات و معجزات، ولادت و وفات اور دوسرے نعتیہ موضوعات پر مشتمل مثنویوں کے علاوہ وہ مثنویاں جو نعت سے متعلق نہیں اُن کے آغاز میں بھی جزوی طور پر نعت کے کچھ اشعار آ گئے ہیں اگرچہ ایسے اشعار کا غالب حصّہ رسمی انداز کا ہے پھر بھی مثنوی میں نعت یا نعتیہ عناصر کے ذیل میں اُن کا ذکر ضروری ہے۔

غزل، قصیدہ اور مثنوی کے ساتھ نعتیہ مضامین کے لئے اُردو شاعری کی دوسری اصناف کو بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے اگرچہ تعداد کے حساب سے دوسری ہیئتوں کا استعمال غزل و مثنوی کی نسبت سے کم ہے مگر نعت کے میدان میں اپنی شعری ضروریات اور تجربات کے مطابق شاعروں نے رباعی، قطعہ، مستزاد، ترکیب بند، ترجیع بند، مثمن، مسدس، مخمس، مربع، مثلث، فردیات وغیرہ کی ہیئتوں کو استعمال کیا ہے اسی طرح مرثیہ، سلام، سہرا، لوری جن کا تعلق ہیئتوں کی بجائے شاعری کے مخصوص داخلی اسالیب سے ہے ان میں بھی نعت کا وافر ذخیرہ ملتا ہے مرثیہ کی تکنیک آپ کی وفات کے ذکر میں استعمال ہوئی اور سلام کا انداز آپ پر درود و سلام بھیجنے کے لیے سہرے اور لوریاں میں نعت کے نمونے اُردو کے میلاد ناموں میں جا بجا نظر آتے ہیں اور تو اور ریختی کے انداز میں بھی آپ کی مدح و توصیف مل جاتی ہے۔

۱۔ مثلاً عبدالعزیز خالد کی طویل نعتیہ منظومات "فارقلیط" اور "منحمنا" جو غزل (قصیدہ) کی خارجی ہیئت میں ہیں۔
۲۔ ملاحظہ ہو مضمون "اُردوئے قدیم اور نعت گوئی" افسر صدیقی بحوالہ سیارہ ڈائجسٹ (رسولؐ نمبر)
۳۔ مثلاً ہشت بہشت (مولانا محمد باقر آگاہ)

وہ اصنافِ شعر جن کا تعلق ہیئت کی بجائے موضوع سے ہے اُن میں سے ایک ہجو ہے جس کے عناصر ایک قرینے کے ساتھ صحابہ کرام کی نعت گوئی میں خصوصیت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ نعت کے محرکات میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ نعت کا ایک محرک کفار مکہ کی بدگوئی اور دریدہ دہنی کا جواب دینا بھی تھا چنانچہ اس لسانی جہاد میں صحابہ کرام نے کفار کی مذمت اور اُن کی ہجو کے رد میں اپنی شعری صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ کتب سیر و مغازی[1] میں صحابہ کرامؓ کی بے شمار منظومات اس انداز کی ملتی ہیں جہاں ایک طرف تو کفار کو کفر و گمرہی کا طعنہ دے کر اُن کی شدید مذمت کی گئی ہے اور دوسری طرف اسلام اور پیغمبر اسلام کی صفات کا ذکر کر کے اُن سے نسبت و تعلق پر فخر کیا گیا ہے نعت کے دورِ اوّل کے ان ابتدائی نمونوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے ساتھ کفار کی ہجو بھی نمایاں ہیں۔

علاوہ ازیں نعت پر ہندوستانی اثرات کے سبب بعض شاعروں نے گیت، راگ اور دوہے کی ہیئت اور انداز کو بھی نعت کے لئے استعمال کیا جدید دور میں جب انگریزی شاعری کے زیرِ اثر اُردو شاعری نئی نئی ہیئتوں سے آشنا ہوئی تو نعت کے اظہار کے لئے سانیٹ، نظم معرّا، آزاد نظم اور نثری نظم کے پیرائے بھی استعمال میں آئے اسی طرح جدید دور میں طویل نظم نگاری (CANTO) کا رجحان (جو ایک اعتبار سے پرانی منظوم داستانوں اور مثنویوں ہی کا ایک جدید انداز ہے) شروع ہوا تو نعت گو شعراء میں بھی طویل نعت لکھنے کا رواج پڑا۔ عصرِ حاضر کی طویل نعتیہ نظموں میں محشر رسول نگری کی "فخر کونین" مہدی نظمی کی "رحل نظر" اور احسان دانش کی "دارین" قابلِ ذکر ہیں یہ مسدس کی ہیئت میں ہیں اور ان میں سے "فخر کونین" سب سے زیادہ طویل ہے یہ نظم تین ضخیم حصوں پر مشتمل ہے۔

عبدالعزیز خالد کی "فارقلیط" اور "منحمنا" غزل کی ہیئت میں طویل نعتیہ نظمیں ہیں۔ عمیق حنفی کی کتاب "صلصلۃ الجرس" ایک طویل نعت ہے جو بیک وقت پابند و معرّیٰ اور آزاد نظم کی ہیئت اور تکنیک میں لکھی گئی ہے۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ نعت کا موضوع کسی ایک صنف، ہیئت یا خاص شعری انداز سے مخصوص نہیں نعت کی فضا میں آکر ہر صنف اور ہیئت اور شعر و شاعری کے مختلف اسالیب نعت آشنا ہو گئے ہیں۔ نعت کے موضوع نے اپنے اظہار کے لئے ہر صنفِ سخن کی خوبیوں اور خصوصیات سے فائدہ اُٹھایا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ نعت گو شعراء نے شاعری کی مروجہ اصناف مستعمل ہیئتوں اور متنوع اسالیب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر و اذکار اور توصیف و مدح سے مشرف کر کے اُسے نعت کی صنف کے وسیع تر دائرے میں شامل کر لیا ہے "وسیع تر ہوتے" اس لئے کہ نعت کے موضوع میں پوشیدہ امکانات اتنے قوی، لامحدود اور مؤثر ہیں کہ مستقبل میں شعری تجربوں کے نتیجہ میں سامنے آنے والے نئی ہیئتیں اصناف اور اسالیب سب ایک قرینے اور شائستگی کے ساتھ اس وسیع تر دائرے کا حصّہ بنتے جائیں گے۔

نعت کی قسمیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار و مدح میں لکھے گئے اثاثۂ نعت کو اگر بنظرِ غور دیکھا جائے اور اس صنف کا اس کے تخلیقی پس منظر اور محرکات کے حوالے سے حقیقی تجزیہ کیا جائے تو اس کی دو واضح قسمیں نظر آتی ہیں ایک رسمی نعت اور دوسری حقیقی نعت۔ ان دو[2]

۱۔ مثلاً سیرت ابن ہشام میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے وہ قصیدے ملاحظہ ہوں جو غزوات سے متعلق ہیں۔

قسموں کے علاوہ موضوع، پیش کش، مقصد تخلیق اور زبانی اعتبار سے نعت کے مختلف انداز اور اسلوب ہیں جنہیں نعت کی قسموں کی بجائے اس کے مختلف انداز اور اسلوب کہنا زیادہ موضوع ہوگا۔

رسمی نعت

رسمی نعت کے ذیل میں وہ نعت آتی ہے جو محض ایک شعری روایت کے طور پر لکھی گئی ہو شعرا اپنے دواوین کی ترتیب اور مثنوی یا منظوم داستان کا آغاز حمد و نعت سے کرتے ہیں سو اس شعری روایت اور رسم کے التزام کو برقرار رکھنے کے لئے کم و بیش ہر شاعر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں دو چار شعر ضرور کہے ہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بھی اس رسم کی مطابقت میں اپنے دواوین، مثنویوں اور شعری مجموعوں کے آغاز میں نعت کے موضوع پہ ایک نظم پارہ یا چند نعتیہ اشعار لکھ کر اس روایت کو قائم رکھا ہے۔ قدیم زمانے میں تو اس روایت کو نبھانے کا التزام تھا ہی۔ عصر حاضر کے شعراء کے ہاں بھی کہیں کہیں اس کا نمونہ نظر آجاتا ہے۔

اس التزام میں دراصل حصول ثواب اور برکت کا وہ تصور شامل ہے جسے تخلیق نعت میں ایک محرک کی حیثیت حاصل ہے اس ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اربعین نووی اور مسند الفردوس (دیلمی) سے یہ حدیث درج کی ہے کہ "ہر مہتم بالشان کام جو اللہ کی تعریف اور مجھ (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ درود کے ساتھ شروع کیا نہ جائے تو وہ ناقص اور ہر برکت سے مٹا ہوا (محروم) ہے" اور اس حدیث کے حوالے سے کہا ہے کہ اس نے نثر و نظم، تحریر و تقریر کے مقدمات میں نعت کو لازم قرار دے دیا اور اس طرح ادب کے لئے پابندی عائد کر دی۔

مذکور بالا حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے (اور اس کی نشاندہی خود ڈاکٹر اشفاق نے بھی کر دی ہے) لیکن مسلمانوں کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت اور شیفتگی کے سبب اسلامی معاشرت و تمدن، تہذیب و ثقافت، اور ادب و شعر میں اس حدیث کے نفس مضمون کی پابندی کی ایک طویل اور مستقل روایت موجود ہے خطبات و تقاریر کے علاوہ مسلمانوں کی علمی و دینی، فقہی و مذہبی، معاشرتی، سماجی، تاریخی، ادبی، شعری نگارشات و کتب سے لے کر سائنسی اور طبی کتب تک میں آغاز تحریر (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کے ساتھ حمد و نعت (نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم) کے مضمون نے ایسی رسم اور روایت کی حیثیت اختیار کر لی جس کے ساتھ ثواب اور برکت کا تصور و تاثر بھی شامل ہو گیا اور جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ زندگی میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اسی طرح ہر نثار اور شاعر کے لئے فرض رہا ہے کہ حمد و نعت کو نثر یا نظم کے ساتھ شامل کرے۔ ہر مہتم بالشان امر کو حمد اور نعت کے بعد شروع کرنے کا حکم ہے اور بصورت دیگر کلام کو برکت سے محروم قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ رسمی اور اعتقادی طور پر نعت شعراء کے کلام میں ضرور شامل ہو گئی[2]

نعت کے اساسی محرکات میں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا جذبہ اولیت کا حامل ہے اس لئے جہاں تک اس

---

[1] اردو میں نعتیہ شاعری ص ۵۹ - [2] اردو میں نعتیہ شاعری ص ۶۰

جذبہ کی صداقت اور نعت میں اس کے اظہار کا تعلق ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسے نعتیہ کلام کی تخلیق کے پس منظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا جذبہ موجود نہیں' جذبہ یقیناً موجود ہے مگر اس جذبہ کا اظہار محض ایک عقیدہ کی بنیاد پر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اُردو کے موجودہ سرمایہ نعت کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رسمی انداز میں کثیر تعداد میں نعتیں لکھی گئی ہیں' لیکن چونکہ ان کے لکھنے والوں نے انہیں محض حصولِ ثواب و برکت اور درستی عقیدہ کی بنا پر حمد کے ساتھ تمہیداً بطور تبرک لکھا ہے لہٰذا اُن کی حقیقت محض ایک رسم کی رہ گئی ہے اور اُن کے اندر وہ کیف نہیں جو حقیقی نعت کی جان ہے

حقیقی نعت

رسمی نعت کے برعکس نعت کی دوسری قسم حقیقی نعت ہے حقیقی نعت کا اطلاق نعتیہ ادب کے اس معیاری سرمائے پر ہوتا ہے۔ جس کے لکھنے والے نے نعت کو ایک ادبی صنفِ سخن کے طور پر نہ صرف مقبول کیا بلکہ اس کے لوازماتِ فن اور صنفی نزاکتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے گہرے شغف اور توجہ اور جذب و انہماک سے اسے ایک ادبی و فنی معیار عطا کرنے کی سنجیدہ کوشش کی۔

حقیقی نعت میں بھی اگرچہ حصولِ ثواب کا تصور شاعر کی تخلیق کے پس منظر میں ایک اہم محرک کی حیثیت سے کارفرما ہوتا ہے مگر اس کی کیفیات کا اظہار ایک عقیدہ اور رسم کے طور پر نہیں ہوتا۔ حقیقی نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و تعلیمات' غزوات و معجزات' عادات اور خصائل مبارکہ کا ذکر جز دی اور سرسری انداز کی بجائے گہری دلچسپی اور وابستگی سے ملتا ہے نیز آنحضرت سے محبت کے ضمن میں رسمی عقیدت نگاری بجائے جذب و مستی اور جوش محبت کا گہرا اور مؤثر اظہار نظر آتا ہے۔ جذب و کیف اور ذوق و شوق کے اسی جوہر کے سبب نعت کی یہ قسم اپنے اندر دلکشی اور تاثیر رکھتی ہے اور اس انداز کی نعتوں کو ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے جبکہ رسمی نعت کا ذکر زیادہ تر تاریخ و ادب کی کتابوں اور نعت کے سلسلے میں لکھے جانے والے تنقیدی و تحقیقی مضامین تک ہی محدود رہتا ہے۔

نعت کو رسمی اظہارِ عقیدت کے روایتی انداز سے نکال کر ادبی اور فنی خصوصیات سے آشنا کرانے اور اسے بطور صنف ایک معیاری مقام عطا کرنے میں محسن کاکوروی کا نام سرفہرست ہے۔ محسن پہلے معروف شاعر ہیں جنہوں نے اُردو شاعری کی تاریخ میں حقیقی نعت گوئی کی ابتداء کی۔ انہیں کے زیر اثر امیر مینائی نے اس تاثر کو آگے بڑھایا۔ محسن و امیر سے پہلے کا نعتیہ ادب زیادہ تر رسمی انداز کی نعت گوئی سے عبارت تھا اس اولین سرمایہ نعت میں بعض شعراء کے قصیدوں' مثنویوں یا غزلوں میں کہیں کہیں حقیقی نعت کی جھلک ضرور مل جاتی ہے مگر مجموعی طور پر محسن کاکوروی سے پہلے کسی شاعر کے اں حقیقی نعت کی وہ فضا نظر نہیں آتی جو محسن کے کلام کا خاصہ ہے اور جس میں امیر مینائی کے کیف نعت نے قابل قدر اضافہ کیا۔

محسن کاکوروی نے صحیح معنوں میں نعت کو ایک ادبی اسلوب اور فنی معیار عطا کیا اور مختلف اصناف سخن (قصیدہ' مثنوی' غزل وغیرہ) میں حقیقی کے ابتدائی بھرپور اور مؤثر نمونے پیش کئے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری "محسن نے دوسرے شعراء کی طرح نعت گوئی کو محض رسمی طور پر نہیں اپنایا' بلکہ اسے پوری توجہ اور پورے شعور کے ساتھ فکر و فن کی جولانگاہ بنایا ہے۔ (بلاشبہ) اُردو شاعری میں نعت گوئی کی روایت کو مستقل حیثیت دینے' اس کے امکانات کو روشن کرنے اور شاعری کی بلند سطح تک پہنچانے میں جتنا ہاتھ (محسن) کا ہے۔

اور کسی کا نہیں لے

محسن ہی کے زیر اثر امیر مینائی نے آخری عمر میں نعت گوئی کی طرف خاص توجہ دی اور لب و لہجہ کی چاشنی فنی خوبیوں اور والہانہ پن سے حقیقی نعت گوئی کے پرکیف نمونے پیش کئے نعت کی تاریخ وارتقاء میں آگے چل کر یہی روایت مولانا الطاف حسین حالی، مولانا احمد رضا خان، بیدم وارثی، علامہ اقبال، ظفر علی خان، بہزاد لکھنوی، حافظ مظہر الدین، حافظ لدھیانوی، عاصی کرنالی، حفیظ تائب اور عصر حاضر کے دوسرے بے شمار شاعروں کی نعت دوستی اور اس صنف سے گہرے شغف و توجہ کے سبب مستحکم ہوئی اور یہ انہیں صاحبان نعت کا کمال ہے کہ عصر حاضر کے زیادہ تر نعت گو شعراء کے ہاں نعت کی فضا رسمی اور روایتی نہیں تخلیقی اور حقیقی ہے۔

نعت کے مختلف انداز اور اسالیب

نعت کی دو بڑی قسموں (رسمی اور حقیقی) کا اگر ان کے محرکات و مقاصد تخلیق، موضوعات اور ان کی پیش کش کا طریقہ اور زمانی اثرات کے حوالے سے تجزیہ کیا جائے تو نعت گوئی کے انداز کا تنوع اور اُس کے اسالیب کی رنگارنگی کا پتہ چلتا ہے عربی اور فارسی سے ہوتی ہوئی یہ صنف سخن اُردو میں آئی اور اُردو کی اصناف شعر میں ایک جداگانہ مقام حاصل کرنے میں اسے کئی صدیاں لگیں اپنے ارتقاء کے سفر میں نعت نے موضوع اور پیش کش کے کئی انداز اختیار کئے۔ کم و بیش موجودہ نعت میں ان سارے انداز و اسالیب کا سراغ ملتا ہے ان کا مطالعہ ایک اعتبار سے فن نعت گوئی کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کا مطالعہ ہے جو اس صنف سخن کی تفہیم کے لئے بہت ضروری ہے

صنف نعت میں نعت گو شعراء کے مزاج اور افتاد طبع، تخلیقی محرکات و مقاصد، عصری ضروریات و اثرات کے تحت جو منفرد و نمایاں انداز اور اسالیب نظر آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

توصیفی انداز نعت

اس انداز کی نعتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کا رجحان غالب ہوجاتا ہے اور آپ سے اظہار محبت و شیفتگی کا درجہ ثانوی ہے ہر چند کہ یہ جذبہ ہر نعت کے پس منظر تخلیق میں جذبہ محرکہ کے طور پر موجود ہوتا ہے مگر یہاں اس جذبہ کے اظہار اور ان کے حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے)

نعت کا یہ انداز حضور اکرم کی سیرت مبارکہ کی صفت و ثنا، آپ کے جمال ظاہری و باطنی کی مدح آپ کے اخلاق حمیدہ صداقت امانت، سخاوت، حلم، حیا، احسان، رحمت وغیرہ کی تعریف آپ کے معجزات کی ستائش اور آپ کے پیغام نبوت و فیضان رسالت کی توصیف سے عبارت ہے اس انداز کی نعتوں میں آپ کے ان اسمائے مبارکہ کا جن کا ذکر قرآن مجید، احادیث نبوی اور کتب سابقہ میں آیا ہے کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور آپ کی سیرت اقدس کے روشن واقعات، آپ کی سیرت و کردار کے ممتاز پہلوؤں اور بنی نوع انسان پر آپ کے احسانات

لہ ۱۔ اُردو کی نعتیہ شاعری ص۶۵

برکات کے حوالے سے آپ کی تعریف اور مدح کی جاتی ہے

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ تخلیق نعت کے پس منظر میں کارفرما محبت رسُول کا جذبہ اس انداز کی نعتوں میں بین السطور رہتا ہے۔ اور اس بھرپور طریقے سے نعت کے پیکر میں منقلب نہیں ہوتا جس طرح آپ کی مدح و ثنا اور آپ کے اسمائے صفات کا تذکار اظہار پذیر ہوتا ہے اس انداز نعت کی مثال میں مسدس حالی کے وہ نعتیہ بند پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں عالم بشریت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات اور آپ کے احکامات و تعلیمات کا ذکر و توصیف، آپ سے اظہار محبت اور بیان شیفتگی کی مناسبت سے زیادہ ہے۔

۲۔ عشقیہ اندازِ نعت

توصیفی انداز نعت سے مختلف نعت کا ایک پسندیدہ انداز عشق رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ تجربات و واردات سے عبارت ہے۔ اس انداز کی نعتوں میں آپ کی مدح و توصیف پر آپ سے محبت و شیفتگی کا جذبہ غالب رہتا ہے اور آپ کی ستائش و ثنا سے زیادہ شاعر کی آپ کی ذات مبارکہ سے وابستہ جذبات و احساسات اور واردات قلبی کا ذکر زیادہ ہوتا ہے۔

نعت کا یہ انداز جذب و شوق اور کیف و سرمستی میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے شاعر نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والہانہ شیفتگی کا اظہار کرتا ہے بلکہ آپ کے صحابہ کرام، آپ کا زمانہ و معاشرت اور آپ کے متعلقات (لباس، پسینہ، نعلین مبارک وغیرہ) کا بھی محبت سے ذکر کرتا ہے۔ مسجد نبوی کی فضا، گنبد خضرا، روضہ مبارک کی جالیاں، مواجہہ شریف پر درود و سلام) کے پرکیف منظر کا احترام و عقیدت سے بیان کرتا ہے آپ کے شہر (مدینہ منورہ کے در و دیوار، گلی کوچے، سنگ و خشت اور خار و خس) کو دنیا جہان سے افضل جانتا ہے خاک مدینہ کو اپنے لئے کحل بصر خیال کرتا ہے۔ اور اس شہر کے ماحول و فضا کو جنت سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ سگانِ مدینہ سے اپنی نسبت ٹھہراتے ہوئے بھی اس شہر مقدس و منور کی شان میں بے ادبی خیال کر کے منفعل ہوتا ہے۔

اس انداز کی نعت میں مدینے سے دوری کا احوال، روضہ رسُولؐ پر حاضر ہونے کا بے پایاں شوق، لوگوں کو روضہ رسُول کی طرف جاتے ہوئے دیکھنا اپنی بے بسی کا ذکر، دربار رسُولؐ میں مرنے کی تڑپ اور خواہش کا اظہار اور محبتِ رسُول کے مظہر اسی طرح کے دوسرے احوالِ قلبی کا بیان ملتا ہے واردات عشق رسُول سے متعلقہ دلی جذبات کے بھرپور اظہار کے سبب اس انداز کی نعتوں کی فضا پرکیف اور روح پرور ہوتی ہے اور پڑھنے والے پر ایک خاص تاثر چھوڑتی ہے۔

ثانوی حیثیت میں تو نعت کا یہ انداز کم و بیش ہر تخلیق نعت نگار کے ہاں کسی نہ کسی جذبہ و شکل میں نظر آتا ہے۔ مگر علامہ بوصیری، مولانا جامی، بیدم وارثی، مولانا احمد رضا خان، علامہ اقبال، بہزاد لکھنوی، حفیظ تائب اور حافظ مظہر الدین کی نعتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ انداز کافی نمایاں اور مؤثر طریقے سے اظہار میں منقلب ہوا ہے۔

۳۔ غزلیہ اندازِ نعت

اصنافِ شعر میں سے وہ صنف جس نے فارسی اور اُردو کے شعراء کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ غزل و تغزل کے اثرات نعت

پر بھی پڑے، یوں ایجاز واختصار، رمز وایما، اشارہ وکنایہ اور غزل کی دوسری خصوصیات نعت میں بھی در آئیں نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے ذکر اور آپ کی توصیف کے بیان پر غزلیہ انداز کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

غزلیہ انداز نعت میں نعت کے موضوع ومنصب کے مقابلے میں لوازمات غزل کا التزام زیادہ نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس انداز کی نعتوں میں ایسے شعر بھی مل جاتے ہیں جنہیں اگر نعت کے عنوان سے پیش نہ کیا جائے تو اُن پر نہ صرف غزل کا گمان، بلکہ یقین ہوتا ہے ایسی نعتوں میں شاعر کا محرک اگرچہ نعت تخلیق کرنا ہی ہوتا ہے مگر غزل گوئی کی روایت سے دیرینہ وابستگی اور غزل کے مزاج کی ایک مخصوص تربیت اور اس کے اثرات کے سبب اس طرح کی نعت پر تغزل کا رنگ چھا جاتا ہے۔ کسی کسی شعر میں نعتیہ مضامین تو ضرور نظر آتے ہیں مگر مجموعی طور پر فن پارے کی فضا نعت میں رچی بسی نظر نہیں آتی اس انداز نعت کی قسم میں اس مشہور نعت کی مثال دی جاسکتی ہے جو امیر خسرو کے نام سے منسوب ہے[۱] اور جس کا مطلع اور مقطع درج ذیل ہے۔

نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم	بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو	محمدؐ شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

اس نعت کو تقریباً ہر مجموعہ نعت میں 'نعت' کے عنوان سے منتخب کیا گیا ہے حالانکہ اس کی مجموعی فضا نعت کی فضا نہیں بنتی۔ یہ غزل نما نعت غزل کے معروف علائم ورموز اور تغزل کی مانوس کیفیت میں رچی بسی نظر آتی ہے اور صوفیانہ انداز کی ایک خوبصورت غزل ہے مگر اس کے مقطع کے علاوہ اس میں نعت کا مفہوم اور ماحول کسی دوسرے شعر میں نظر نہیں آتا۔

اُردو نعت کی تاریخ میں غزلیہ انداز نعت کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں نعتیہ دواوین میں خاص طور پر غزل کے طرز واسلوب میں لکھی گئی نعتوں کی کثرت نظر آتی ہے جن میں نعت کے کیف واثر پر تغزل کا رنگ، غزل کا مخصوص ذخیرۂ الفاظ، علائم ورموز اور تغزل کی دوسری کیفیات غالب طور پر موجود ہیں

۴۔ مقصدی اندازِ نعت

نعت کی تخلیق وترویج میں مقصدیت کے تصور نے اسے ایک مقصدی انداز سے روشناس کیا ہر زمانے کے نعت گو شعراء نے نعت کو اپنے زمانے کی ضروریات اور درپیش مسائل کے مطابق کسی نہ کسی مقصد کے حصول کے لئے استعمال کیا۔ ابتدائے اسلام ہی سے نعت دفاع پیغمبرؐ اور تبلیغ اسلام جیسے اعلیٰ مقاصد سے منسلک ہو گئی تھی دربار رسالت سے وابستہ شعراء نے اُسے نہ صرف یہ کہ دشمنان اسلام کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار کی حیثیت سے استعمال کیا بلکہ اس کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور حضرت کعب بن زہیرؓ نعت کے قبیلہ کی پہلی صف کے وہ سربرآوردہ شاعر ہیں جنہوں نے کفار مکہ کی اسلام دشمنی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بارے میں بدگوئی اور ہجو کے خلاف مورچہ سنبھالا۔ اپنے کلام کو غزوات کے موقع پر اسلامی لشکر کی فتوحات کا

۱۔ یہ غزل یا نعت امیر خسرو کے کلیات میں نہیں ملتی اگرچہ سماع میں گائی جانے والی غزلوں کے مجموعوں اور نعت کے انتخاب میں اسے امیر خسرو کے نام سے نقل کیا جاتا ہے۔

احوال، شہدائے اسلام کی بہادری اور اُن کی موت پر رثائی خیالات کا اظہار، اسلام اور پیغمبر اسلام کی فضیلت و برتری کا بیان اور قبول اسلام کے لیے آنے والے وفود سے مبارزت طلبی جیسے اہم اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنایا۔

عہدِ نبوی کے بعد عصر حاضر تک یہ صنف کسی نہ کسی ذاتی، معاشرتی، ملی اور آفاقی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے استعمال ہوئی اور ہو رہی ہے اس میں مقصدیت کی نوعیت و انداز کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے درج ذیل چار پہلو سامنے آتے ہیں۔

۱۔ ذاتی مقاصد

یعنی شعراء کا اپنی تطہیر ذات اور پاکیزگی نفس کے لئے نعت کی طرف رجوع کرنا (خصوصاً تصوف سے شغف والے شعراء کا) درود و سلام کے ذریعے حصول ثواب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کے اظہار کے حوالے سے آپ کی شفاعت طلبی کے شایان شان ہونا۔

۲۔ معاشرتی مقاصد

نعت کے ذریعے معاشرے کی اصلاح، اسلامی تصورِ حیات کی نشر و اشاعت اور اسلام کی تبلیغ وغیرہ

۳۔ ملی مقاصد

نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، تعلیمات اور پیغام محبت و اخوت کے حوالے سے مختلف (نسلی، لسانی، جغرافیائی) گروہوں میں بٹی ہوئی امت مسلمہ میں اتحاد و یگانگت کی کوشش۔

۴۔ آفاقی مقاصد

ایک مثالی انسان، رہنما، قائد اور محسن انسانیت کے حوالے سے مختلف اقوام عالم اور بنی نوع انسان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفاق گیر پیغام، عالم موجودات پر آپ کے فیضان و برکات کے تذکار مبارک سے فروغ خیر و امن کی کوشش وغیرہ۔

ذاتی اصلاح سے لے کر تبلیغ اسلام کی آفاق گیر مساعی تک کے مقاصد نعت میں جس سلیقے سے پیش کئے گئے، اور کئے جا رہے ہیں اس کی اعلیٰ ترین مثال کلام اقبال ہی میں دیکھی جا سکتی ہے ان کے کلام میں جس والہانہ شیفتگی اور اعلیٰ فنی محاسن کے ساتھ نعت کے موضوعات قلمبند ہوئے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔ ان کے ہاں محامد و محاسنِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپؐ ہی کی ذات والاصفات کے حوالے سے توحید، حفظِ ایمان و یقین پابندیٔ ارکان اسلام، اعلائے کلمۃ الحق، امر بالمعروف نہی عن المنکر، ظلم و ستم اور فسق و فجور پر بے باک تنقید، سعی و عمل کی تلقین، مایوسی و ناامیدی کے خلاف جہاد، عباد الشیطان کے خلاف غزدہ جبار کی تاکید، اخلاص و قناعت، غیرت و خودداری، صبر و استقامت، ذکر و فکر کا اتحاد و کامل [1] وغیرہ کم و بیش ایسے تمام مقصدی

---

[1] جوہر اقبال میں عبدالرحمان طارق نے ص۹۳ سے ص۱۱۱ تک مثالوں سے ان موضوعات کا ذکر کیا ہے۔

موضوعات ملتے ہیں جن کا تعلق فرد، معاشرہ، ملت اور بنی نوع انسان کی اصلاح سے ہے۔

۵ - تاریخی اندازِ نعت

نعت کا ایک مقبول انداز تاریخی بھی ہے اس طرح کی نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح کا واقعاتی انداز میں ذکر کیا جاتا ہے اور آپ کی مدح کے ساتھ ساتھ نہ صرف آپ کی سیرت کے اہم واقعات بلکہ آپ کے زمانے میں عرب کی عمومی حالت کا ذکر، معاشرت وتمدن کا احوال، اشاعت اسلام کے سلسلے میں غزوات وفتوحات کا تذکرہ اور تاریخ اسلام کے دوسرے اہم واقعات وشخصیات کا بیان بھی ملتا ہے۔

دور جدید کے نعت گو شعرا نے اس انداز کی نعت کی طرف خصوصیت سے توجہ دی پھیلتے ہوئے تاریخی وعمرانی شعور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سوانح کو مستند ماخذات کی روشنی اور تاریخی وعمرانی حوالوں سے پیش کرنے کی کوششیں ہوئیں اور یوں آپ کی تعلیمات وسیرت کو تاریخی پس منظر میں قلمبند کرنے کا رواج ہوا اگرچہ قدیم نعتیہ منظومات (نور نامے، میلاد نامے، معراج نامے اور وفات نامے وغیرہ) کی پیش کش میں تاریخ کا یہ پہلو نمایاں ہے اور آنحضرت کے کوائف وحالات کو واقعاتی انداز میں پیش کرنے کا میلان نظر آتا ہے مگر ان منظومات میں روایت و درائیت اور صحت واقعہ کا وہ معیار نہیں جو دور جدید کے تاریخی اندازِ نعت میں نظر آتا ہے۔

تاریخی انداز میں نعت گوئی کے میلان نے نعت کے موضوع کو وسعت سے ہمکنار کیا اور آپ کے اجزائے سیرت کو منظم اور مربوط شکل میں منظوم کرنے کے رجحان کو فروغ ملا۔ حفیظ جالندھری کے "شاہنامہ اسلام" محشر رسول نگری کی "فخر کونین" اور عبدالعزیز خالد کی "فارقلیط" "منحمنا" میں اس انداز کے نعتیہ کلام کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ واقعاتی انداز میں آپ کی سیرت وصفات کا تذکار تاریخی انداز میں آپ کی ہمہ گیر شخصیت کے بھرپور اظہار پر طویل نعتوں کی تخلیق اور منظوم سیرت نگاری کی طرف رجحان۔ اسی اندازِ نعت کا نتیجہ ہیں۔

۶ - نعت میں استمداد و استغاثہ کا انداز

نعت کا ایک اہم اور مشہور انداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اپنے حالات اور درپیش مسائل اور مصائب و آلام اور مشکلات کا اظہار کرکے اُن سے مدد طلب کرنا ہے۔ حضور اکرم سے استغاثہ اور استمداد اور آپ کے حضور فریاد اور مشکل کشائی کی درخواست کرنے کے لئے آپ کی بارگاہ رحمت میں سوال آغاز نعت ہی سے نعت کے اجزائے ترکیبی میں شامل رہا ہے۔ ہر عہد، ملک اور زبان کے شعراء نے نعت میں رفع مشکلات، شفائے امراض، حصول مقاصد اور مصائب ومسائل سے نجات حاصل کرنے کے لئے سید کونین کے حضور اپنی عرضداشت پیش کی ہے۔

دراصل مصائب وآلام اور کرب واندوہ کی حالت میں مسلمانوں کی نگاہ رحمت للعالمین ہی کی جانب اُٹھتی ہے۔ اُسے جب کوئی انفرادی یا اجتماعی غم کا سامنا ہوتا ہے وہ آپ ہی سے دادرسی کا طلبگار ہوتا ہے چونکہ اُس کے نزدیک دنیا وآخرت کا ملجا وماویٰ آپ ہی ہیں اس لئے وہ مصائب میں آپ ہی کو التجائے کرم اور تمنائے لطف کا مرکز ومحور مانتا ہے اسے جب کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے وہ آپ ہی سے رجوع کرتا ہے وہ شدت اخلاص سے یہ محسوس کرتا ہے کہ کثرت آلام ومصائب میں آپ کی ذات بابرکات ہی نجات دلاسکتی ہے اور آپ ہی ہر مشکل

مرحلے پر چارہ سازی فرما سکتے ہیں۔ انفرادی یا اجتماعی حاجت و مصیبت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطار و رحمت کے حصول کا پیرایہ، حضورؐ سے استعانت کرنے، مدد لینے اور حاجت پوری کرنے کی استدعا کا یہ انداز کم و بیش ہر نعت گو شاعر کے کلام میں نظر آتا ہے۔ انفرادی نوعیت کی نعتوں میں حضرت امام بوصیریؒ کا مشہور قصیدہ جو "قصیدہ بردہ" کے نام سے مشہور ہے قابل ذکر ہے جس میں شاعر نے فالج کے مرض سے نجات حاصل کرنے کے لئے آپ کے حضور درخواست گذاری۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فریاد و استغاثہ کا محرک کوئی معاشرتی سانحہ بھی ہو سکتا ہے بعض اوقات شاعر انفرادی مصائب کے علاوہ اپنے گرد و پیش میں کسی ایک سماجی حادثے سے اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ اس کے احساس کی شدت دربار رسالت میں استغاثے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کسی دوسرے فرد یا طبقہ کی بے چارگی و بربادی اور کسی بے گناہ پر کئے گئے تشدد کے خونچکاں واقعات پر بھی ایسی نظمیں کہی گئی ہیں جن پر نعت کا عنوان تو نہیں مگر جن میں حضور اکرم سے استغاثے کا انداز پوری شدت سے موجود ہے مثلاً نصیر واسطی کی نظم بہ عنوان "بحضور رسالت مآبؐ" جو انہوں نے ایک معصوم اور مظلوم دوشیزہ پر کسی درندہ صفت کی طرف سے کی گئی زیادتی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور استغاثے کی شکل میں پیش کی۔

انفرادی و سماجی مصائب کے علاوہ استغاثہ کا ایک محرک ایسا المیہ عظیم بھی ہوتا ہے جو پوری ملت اسلامیہ کو ہلا کے رکھ دیتا ہے اور جس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی تباہی و بربادی کا احساس مدتوں تک پوری ملت کو خون کے آنسو رلاتا ہے اجتماعی نوعیت کے ان المیوں پر لکھے گئے نعتیہ استغاثوں میں زوال بغداد پر شیخ سعدی کا استغاثہ انتہائی مؤثر ہے جس میں وہ کہتے ہیں۔

؎ اے محمدؐ سر برون آور قیامت را بہ بیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندی مسلمانوں کی زوال آمادہ حالت پر حالی کی مشہور نظم۔

؎ اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے   امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے [1]

طرابلس کی جنگ پر علامہ اقبال کا مختصر مگر مؤثر استغاثہ بہ عنوان "حضورِ رسالت مآبؐ میں" قابل ذکر ہے۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد فسادات کے نتیجہ میں مسلمانوں کا جو کشت و خون ہوا۔ بیت المقدس پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضہ (۱۹۶۷ء) سقوط ڈھاکہ (۱۹۷۱ء) افغانستان میں روسی فوجوں کا استعمار اور بربریت (۱۹۸۰ء) اور قومی و ملی مصائب و آزمائش کے دوسرے مواقع پر بھی نعت گو شعراء کے کلام میں فریاد و استغاثہ اور استمداد کی لَے تیز ہو جاتی ہے۔ استغاثہ و استمداد کے اسلوب میں جو نعتیں زیادہ مشہور اور مؤثر ہوئیں اُن کی نوعیت اجتماعی مصائب اور ملت گیر المیوں سے متعلق ہے ظاہر ہے کہ جتنا جانکاہ اور بڑا المیہ ہو گا شاعر کی فریاد میں التجا اور گریہ و زاری کی کیفیت اتنی ہی شدید ہو گی اس کا دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ اجتماعی نوعیت کے حزن و کرب اور شکست و زوال کے اثرات کا دائرہ بہر حال انفرادی یا گروہی مصائب سے کہیں زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ لہذا تاریخی نوعیت کے المیہ کی جانگسل یادیں اور اثرات کئی عہدوں اور نسلوں کے اذہان و قلوب کو لہو رلاتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس انداز کی نعتوں کے قارئین کی اپنی التجا بھی ان میں منعکس ہوتی رہتی ہے اور ہر نئے ملی سانحے پر سابقہ استغاثہ و فریاد کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔

اجتماعی نوعیت کے مصائب و شدائد پر لکھے گئے نعتیہ استغاثوں کی تخلیق میں عموماً درج ذیل عناصر شاعر کے پیش نظر ہوتے ہیں۔

۱۔ مسدس حالی (مولانا حالی) صہ ۱۲۵

۱۔ شدتِ آلام کے سامنے اپنی بے بسی کا انتہائی احساس جسے حالی کے الفاظ میں "وقتِ دعا" کہا جا سکتا ہے۔

۲۔ ذکر مصائب اور التجائے کرم کا مرحلہ یعنی شاعر امت مسلمہ کی تباہی و بربادی اور درماندگی و بیچارگی اور اقوام عالم کی ذلت و رسوائی کا رونا رو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے حال پر کرم کرنے اور درپیش مصائب کے رفع کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

کبھی کبھار شاعر کے لب و لہجہ میں دبی دبی شکایت بھی نظر آتی ہے کہ "یہ ظلم ہم پر صرف مسلمان ہونے کے سبب ڈھائے جا رہے ہیں نیز اے پیغمبرؐ آپ پر سب حقیقتِ حال واضح ہے پھر بھی کیا سبب ہے کہ آپ ہماری چارہ سازی نہیں فرما رہے آپ ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگزر کریں اور خدارا اس پریشانی میں ہماری مدد فرمائیں" فریاد و استغاثہ کے اس مرحلے پر عام طور پر شاعر آپ کے اسمائے صفات رحمت للعالمین، شافع روزِ جزا، نبیٔ رحمت، آیۂ رحمت، رحمت کل، رحیم، کریم اور اسی طرح کے دوسرے اسمائے صفات سے خطاب کرتا ہے اور اسلام کے عہدِ زریں، برگزیدہ صحابہ کرام اور خاص طور پر اہل بیت کا واسطہ دے کر آپ سے اپنے مسائل اور مشکلات کے حل و عقد کا آرزومند ہوتا ہے یوں شاعر فریاد کا ایک ایسا آہنگ اور پیرایۂ اظہار اختیار کرتا ہے جس میں دردمندیٔ التجا اور گریہ و زاری کی بے نمایاں اور پر تاثیر ہوتی ہے

مُرتبینِ نعت نے انفرادی و معاشرتی اور ملکی و ملّی مسائل و مشکلات اور آلام و مصائب پر لکھے گئے استغاثوں کو جداگانہ طور پر بھی مرتب کیا ہے "اغثنی یا رسول اللہ" ایک الٰہی مجموعۂ نعت ہے جو اُردو، سرائیکی، سندھی، ترکی اور ہندی زبانوں میں لکھے گئے استغاثوں پر مشتمل ہے "لمعاتِ نور" کے مصنف نے بھی اُردو شاعری کے موضوع اور صنف وار انتخاب میں "عرض دربارِ رسولؐ میں" [۱] کے عنوان سے اجتماعی مصائب سے متعلقہ استغاثوں کو ایک علیحدہ باب میں درج کیا ہے اس باب میں اگرچہ استغاثوں کی تعداد کم ہے مگر اپنے لکھنے والوں کے عہد کے المیوں کے حوالے سے نعت میں استغاثہ و استمداد کے انداز کی قابلِ ذکر مثال ہیں۔

نعت میں صلوٰۃ و سلام کا انداز

نعت کا ایک اور مقبول انداز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام وغیرہ بھیجنے سے متعلق ہے جیسا کہ محرکاتِ نعت کے ذیل میں مذکور ہے آپ پر درود و سلام بھیجنا حکم خداوندی ہے اور ایک اعلیٰ عبادت ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (احزاب ۵۶/۳۳)

(اللہ تعالےٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو) نے سلام و صلوٰۃ کو نعتیہ مضامین میں ممتاز مقام کا حامل بنا دیا ہے حصولِ ثواب اور شفاعت طلبی کے جذبہ نے نعت میں سلام و صلوٰۃ کو ایک مستقل موضوع بنا دیا شاعروں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام لکھنے اور پڑھنے کے نئے نئے اسلوب وضع کئے، کبھی نعت کے ہر مصرعہ کا آغاز سلام سے کیا اور کبھی سلام کو ردیف کے طور پر استعمال کیا اوّل الذکر سلاموں میں حفیظ جالندھری کا۔

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سبحانی ‏ ‏ ‏ ‏ تیرا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی [۲]

---

(۱) لمعاتِ نور (ماسٹر نورالدین نور) ص ۴۷-۵۰ (۲) شاہنامہ اسلام جلد اوّل (حفیظ جالندھری) ص ۱۴۲

اور ماہر القادری کا ؎ سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی[1]

اور موخر الذکر سلاموں میں مولانا احمد رضا خان کا ؎ مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام[2] قابلِ ذکر ہیں سوفی اکبر میرٹھی وارثی کا درج ذیل سلام بھی بہت مقبول ہے۔

؎ یانبی سلام علیک یارسول سلام علیک — یاحبیب سلام علیک صلوٰۃ اللہ علیک[3]

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ردیف بنا کر حضور خیرالانامؐ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کی طرح بڑی اس ردیف میں لکھے جانے والے سلاموں کی تعداد سب سے زیادہ ہے کم و بیش سب ہی معروف نعت گو شعراء نے اس ردیف میں نعت لکھی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں سب سے طویل نعت غالباً اقبال سہیل کی ہے جس میں ۵۰ اشعار ہیں اور جس کا مطلع ہے۔

احمدِ مرسل فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم — مظہرِ اوّل مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم[4]

حال ہی میں اس انداز کی نعتوں کا انتخاب "صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے راز کاشمیری نے شائع کیا ہے جس میں التزام کے ساتھ صرف اسی ردیف والی نعتوں کو شامل کیا گیا ہے۔

مجلسی و میلادی ضروریات کے تحت سلام و صلوٰۃ کے موضوع پر اور اس انداز کی حامل نعتوں کے چھوٹے بڑے بیسیوں کتابچے گلدستے اور مجموعے مرتب ہوئے ہیں جن میں مختلف شاعروں کے سلاموں کو جمع کیا گیا ہے ان مجموعوں سے تخلیقِ نعت میں سلام و صلوٰۃ کے انداز کی اہمیت، ترویج اور مختلف اسالیب کا اندازہ ہوتا ہے

زمانی اعتبار سے نعت کے اسالیب

مطالعہ نعت کے دوران ہمیں دو نمایاں اسلوب ایسے بھی دکھائی دیتے ہیں جو زمانی اثرات و اعتبار سے ایک دوسرے سے نمایاں حد تک مختلف ہیں ان میں ایک نعت کا قدیم اسلوب ہے اور دوسرا نعت کا جدید اسلوب۔

قدیم اسلوبِ نعت

یہ اُردو نعت کا قدیم اور پہلا عمومی انداز ہے جو زیادہ تر آغازِ اُردو کی نعتیہ منظومات (میلاد نامے، معراج نامے، وفات نامے وغیرہ) سے لے کر قریباً انیسویں صدی کے وسط تک لکھی جانے والی نعتوں میں مروج و مستعمل رہا۔ اس انداز کی نعت میں روایتی اور رسمی رنگ کا غلبہ ہے موضوعات میں شاعری کی زیادہ تر توجہ نورِ محمدی اور ولادتِ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اذکار اور معجزات و غزوات کے بیان کی طرف رہتی ہے اور آپ کی ذاتِ اقدس کے بشری پہلوؤں کا ذکر کم ہے۔ نیز قانون و آئین، عدل و انصاف، سیاست و ریاست اور اخلاق و تعلیم کے حوالے سے بنی نوع

---

[1] ذکرِ جمیل ص۴۵ [2] تحقیقی او ر ادبی جائزہ [3] حدائقِ بخشش (مولانا احمد رضا خان ص۲۰۰ (مرتبہ شمس بریلوی)

[4] اُردو کی نعتیہ شاعری (ڈاکٹر فرمان فتحپوری) ص ۹۴، ۲۰۔ موجِ کوثر (اقبال سہیل) ص ۱۸ تا ۳۲

انسان کے لئے آپ کی خدمات وغیرہ کا بیان تو نہ ہونے کے برابر ہے اور اگر کہیں ہے بھی تو سرسری انداز اور ثانوی حیثیت میں زیادہ زور ولادت، غزوات اور معجزات پر ہے۔

اس اسلوب نعت میں آپ کی مدح و توصیف کے لئے آپ کے اسمائے مبارک کا تذکار و اعادہ کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر مثنوی، قصیدہ اور غزل کی صنف برتی گئی ہے جہاں تک نعت کے اس اسلوب و لہجہ کا تعلق ہے وہ بھی اُردو شعر کی قدیم فنی خصوصیات (جس میں غزل کو ایک محور کی حیثیت حاصل ہے) سے عبارت ہے اور انداز نعت میں اُردو غزل کے روایتی علائم و رموز اور تشبیہہ و استعارہ کا رنگ جھلکتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک میں اکثر مجازی محبوب سے خطاب کا انداز اور زبان استعمال کی گئی ہے

اس اسلوب نعت کے نمونے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل کے نعتیہ کلام میں بکثرت ملتے ہیں اور بعد کے نعتیہ ادب میں بتدریج کم کم نظر آتے ہیں تقلیدی اور روایتی رنگ کے حامل شعراء کی نعتوں میں آج بھی اسی انداز اور اسلوب کی نعتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

جدید اسلوبِ نعت

نعت کے دور جدید کا آغاز حالی سے ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پھیلتے ہوئے سائنسی علوم اور بدلتے ہوئے سیاسی و معاشرتی حالات کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان و اظہار کے پیرائے اور اسلوب میں بھی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ اب نعت میں حضور اکرمؐ کی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ساتھ ایک انسان کامل کے طور پر آپ کی بشری خصوصیات اور معاشرت و تمدن میں آپ کے انقلاب آفریں اقدامات وغیرہ کے تذکار کو فروغ ملا۔ مولانا حالی کی مسدس میں اس اسلوب نعت کے اولین نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ حالی کے بعد تخلیقی اپج رکھنے والے معیاری نعت گو شعراء کے ذریعے اس اسلوب نعت کو فروغ ملا۔

جدید اسلوب نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کو مستند حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلمبند کیا گیا۔ نیز پیام رسالت و مقصد رسالت تمدن و معاشرت پر آپ کے احسانات اور بنی نوع انسان کے لئے آپ کی تعلیمات پر مبنی ضابطہ حیات کے تعارف و تذکار کی طرف توجہ دی گئی جدید نعت گو شعراء کے ہاں محبت رسولؐ کی سرمستی اور آپ کی مدح و توصیف کے ساتھ ساتھ آپ کی رسالت و بشریت کا زیادہ گہرے شعور سے مطالعہ نظر آتا ہے۔

اس اسلوب بیان میں زبان و بیان کی شائستگی اور فنِ نعت کی پوری نزاکتیں ملتی ہیں موضوعات میں اضافہ کے ساتھ جدید دور میں نعت نئی اصناف شعر (آزاد نظم، معرا نظم وغیرہ) سے بھی روشناس ہوئی یوں نعت کے ہیئتی دائرے کو بھی وسعت ملی طویل نظموں اور کینٹوز (CANTOS) کو بھی نعت کے موضوع کے بیان و اظہار کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ مختصر یہ کہ نعت کے جدید دور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو عصری حوالوں سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ نعت میں فنی اور ہیئتی وسعت پیدا ہوئی۔

عصر حاضر کے معروف نعت گو شعراء میں عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، مظفر وارثی، ماہر القادری، احمد ندیم قاسمی، عاصی کرنالی اور قیوم نظر وغیرہ کے ہاں یہی نعتیہ اسلوب کارفرما ہے۔

"اردو نعت کے مضامین اور فن پر ہندوستانی اثرات"

نعت کے مضامین اور اُن کی پیش کش پر ہندوستانی طرزِ معاشرت تہذیب و تمدن اور ہندومت کے اثرات بھی پڑے اور یوں نعت میں ایسے غیر مشروع عناصر داخل ہوگئے جن سے عربی اور فارسی نعت کا دامن پاک تھا یہ عناصر ہندو دیومالا اور اصنام پرستی سے متعلق ہیں اور ہندو معاشرت میں دیوتاؤں کی تعریف میں گائے جانیوالے بھجنوں اور گیتوں کا خاصہ ہیں۔

ہندومت میں توحید کا کوئی واضح تصور موجود نہیں مختلف دیوتاؤں کو اپنی اپنی جگہ اقتدارِ کلی کا مالک دکھایا گیا ہے اس کے باعث ہندوؤں کے ہاں نہ صرف یہ کہ قادرِ مطلق کا عقیدہ کسی مستحکم اور مربوط شکل میں نہیں بلکہ اس میں بے شمار تضادات نظر آتے ہیں خدا کا مفہوم دیوتاؤں کے تصورات سے کچھ اس طرح خلط ملط ہوگیا ہے کہ اُن کی ذات اور اختیارات میں کسی حدِ فاصل کا تعین تو درکنار اس کا تصور بھی محال ہے

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اردو نعت گوئی پر ہندوستانی مذہبیات کا اثر کے ضمن میں وید رامائن اور مہابھارت کے حوالے سے جو نتائج مرتب کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ دیوتاؤں کی مدح میں جو بھجن نظم کئے گئے ہیں اُن کے مضامین میں دیوتاؤں کے حفظِ مراتب کا فرق نہیں کیا جاتا اور جوشِ عقیدت سے تخیل کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ چھوٹے اور بڑے دیوتا کی مدح کا بیان ایک ہی مضمون لئے ہوئے ہوتا ہے۔

۲۔ مذہبی یا روحانی پیشواؤں کو اوتار سمجھ کر انہیں خدائی صفات سے متصف گردانا جاتا ہے یہاں تک کہ حصولِ مقصد کے لئے اکثر خدا کو بھی ان کی محتاجی ہوتی ہے ۳۔ فوق العادت عناصر کی جاذبیت اور اس سے اشتیاق ہر جگہ قائم ہے۔[۱]

ان عقائد و خیالات کے اثرات نعت پر بھی پڑے جہاں تک مضامینِ نعت کا تعلق ہے۔ الوہیت اور نبوت کے اس فرق کو ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا۔ جو نعت گوئی کا پہلا لازمہ ہے خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور صفات کو گڈ مڈ کر دیا گیا۔ حفظ مراتب نظر انداز کرنے سے کئی ایسے مشرکانہ خیالات بھی نعت میں در آئے جن کا اسلام کی بنیادی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہندو تصوف و عقائد کے زیر اثر ہی مسلمان نعت گو شعراء نے رسالت کے ڈانڈے توحید سے ملا دیئے اور حضور اکرمؐ کو احمد بے میم اور عرب بلا عین کہا جانے لگا اور بڑے بڑے شاعر بھی اس انتہائے غلو سے نہ بچ سکے جو آپ کی شان اقدس کے سراسر منافی ہے۔

اس کی ایک صورت تو ایسے اشعار ہیں جہاں خدا اور رسول کی صفات اور اختیارات میں مسابقت اور مقابلے کی فضا پیدا کی گئی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑا کر دیا ہے جیسے شائق کے اس شعر میں۔

ے ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ مصطفےٰ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ[۲]

دوسری صورت وہ ہے جہاں شاعرانہ انداز میں کبھی تشبیہ و استعارہ اور کبھی کنایہ سے شاعر نے اپنا زورِ تخیل اس اظہار میں صرف کر دیا ہے کہ نعوذ باللہ! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں خدا خود جلوہ گر ہے حضور کو احمد بے میم اور عرب بلا عین کہنا اسی طرح کے شرکانہ عقیدہ کا شاید اندازِ اظہار ہے۔ اس طرح میم کا پردہ اور میم کا گھونگٹ کہہ کر بھی اشارہ و کنایہ میں حضور اکرمؐ میں خدا ہی کو دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً

۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری د ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، ص ۱۰۱ ۔ ۲۔ کلیاتِ شائق ص ۱۲۸

پردۂ میم میں چھپے ہیں حضور — ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور [1] (محوالبو العلائی)

میم کا رخ سے اٹھا کر گھونگٹ — شکل دکھلا مرے پیارے احمد [2] (شائق حیدر آبادی)

اور تو اور محسن کاکوروی جیسے محتاط شاعر کے ہاں بھی اس طرح کی مثال مل جاتی ہے۔

عینیت غیر رب کو رب سے — غیریت عین کو عرب سے

ذات احمد تھی، یا خدا تھا — سایہ کیا میم تک جدا تھا [3]

اسی طرح محسن کا یہ شعر دیکھیے۔

کہاں اب جبہ سائی کیجئے، کچھ بن نہیں پڑتا — احد کو کیجئے یا احمد بے میم کو سجدہ [4]

دکھایا وہ میم کا جو گھونگٹ احد کو احمد میں دیکھا پر گھٹ — خدا کو دیکھا جو وا کو دیکھا نرالی سج دھج دکھا کے مارا [5]

اور اس کافرانہ عقیدہ کی تیسری صورت وہ ہے جہاں شاعرانہ اشارہ وکنایہ کا تکلف بھی ختم کر کے رسولؐ کو صاف طور پر خدا کہہ دیا گیا ہے اس ذیل میں آسی غازی پوری کا یہ شعر دیکھیے۔

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہو کر [6]

اسی طرح "احد نے صورت احمد میں اپنا جلوہ دکھلایا [7] اور اگرچہ ظاہر میں وہ حقیقت میں عین رب ہے"

ایسے خیالات اسی انداز نعت کی مثالیں ہیں جہاں ہندوانہ عقائد اور دیو مالا کے اثرات کے تحت اسلام کے تصور توحید کو نظر انداز کر کے عبد اور معبود کی تفریق ختم کر دی گئی بعض جگہ تو تصور وحدت کا باقاعدہ مذاق اڑایا گیا ہے مثلاً

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے — جو کچھ مجھے لینا ہے، لے لوں گا محمد سے [8]

اسی طرح کے شعر جہاں انتہائے غلو کا مظاہرہ ہو اور قادر مطلق کے تمام اختیارات رسولؐ سے وابستہ کر دیئے گئے ہوں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف تو ہیں ہی شان رسالت مآب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بھی سراسر منافی ہیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ "مجھے حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا میں تو صرف خدا کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں، مجھے صرف خدا کا بندہ اور اُس کا رسول [9] ہی کہو۔" مگر افسوس کا مقام ہے کہ حضورؐ کے واضح ارشاد کو نظر انداز کر کے انہیں بعینہٖ خدا کا درجہ دے دیا گیا۔

رسولؐ کو خدا سمجھنے اور کہنے کی کافرانہ لغزش کے ساتھ ہندو مذہب کے زیر اثر جو دوسرا عنصر در آیا وہ آپ کی سیرت وسوانح

۱۔ دیوان محو صہ ۳۶ ۔ ۲۔ کلیات شائق صہ ۱۲۵ ۔ ۳۔ کلیات محسن کاکوروی صہ ۲۲۲ ۔ ۴۔ کلیات محسن (محسن کاکوروی)

۵۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) صہ ۶

۶۔ علامہ اقبال کے ہاں بھی نعتیہ مضامین میں اس انداز کے شعر تھے مگر بعد میں علامہ نے انہیں حذف کر دیا۔

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر — وہ بزم یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

۷۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) صہ ۹ ۔ ۸۔ فاران سیرت نمبر

کے بیان میں فوق العادت اور مبالغہ آمیز واقعات کا بیان ہے ہندو معاشرت میں دیوتاؤں کے ساتھ منسوب بے سروپا کہانیاں (جن میں فوق العادت واقعات کی بھرمار ملتی ہے) سننے سنانے کا عام رواج ہے اُن کے ہاں کیرتن اور دوسرے مذہبی تہواروں پر پڑھی جانے والی منظومات اور گائے جانے والے گیتوں اور بھجنوں میں جابجا اس قبیل کے واقعات کا ذکر ہے وید رامائن اور مہابھارت میں یہ واقعات تفصیل سے ملتے ہیں اُن میں دیوتاؤں کے متعلق ایسے قصے جابجا ملتے ہیں جہاں اُن کی محیر العقول اور فوق العادت قوت کے مظاہرہ کا بیان ہے عوام الناس ان قصوں کو سُن کر نہ صرف یہ کہ مسحور ہوتے ہیں بلکہ دیوتاؤں کی ہیبت، طاقت اور عظمت سے مرعوب بھی ہوتے ہیں۔

جب اسلامی تہذیب ہندو معاشرت سے متصادم ہوئی تو ہندو دیوتاؤں کے فوق العادت قصوں کے مقابلے میں مسلمانوں میں بھی پیغمبروں خصوصاً حضور اکرم کے بیان سیرت میں اس انداز کے واقعات کا خاص طور پر اذکار عام ہوا جو آپ کے معجزات سے متعلق ہیں یہی وجہ ہے کہ اُردو میں آپ کی سیرت کا ابتدائی سرمایہ زیادہ تر آپ کے معجزات پر مشتمل ہے میلاد ناموں میں آپ کی ولادت، غزوات، معراج اور دوسرے واقعات کے ضمن میں نمایاں حیثیت معجزات کے بیان پر ہے اس میں ایک وجہ ہندوانہ معاشرت کو جو دیوتاؤں کے محیر العقول واقعات سننے کی عادی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف راغب کرنا اور اُن کے سامنے آپ کی عظمت میں برتری کا ایک ایسا تصور پیش کرنا تھا جو ہندو معاشرت میں دیوتاؤں کی سحر کاری کو باطل کر سکے اور اُن کے مقابلے میں ایک عظیم و برتر شخصیت کے معجز نما کردار کو پیش کر سکے۔ مقامی روایات اور اُس کے زیر اثر پیدا شدہ ماحول اور ذہنیت کے پیش نظر یہ ضروری تھا اور اس میں نیک نیتی کے جذبۂ اشاعت و فروغ اسلام کے محرکات کا عمل دخل نمایاں تھا معاشرتی طور پر سیرت رسولؐ کے معجزاتی پہلو کے تذکار کے اثرات بھی مرتب ہوئے اور دیوتاؤں کے فرضی کرداروں کے مقابلے میں ایک اعلیٰ ترین انسان اور عظیم ترین پیغمبر کے کردار و شخصیت سے متاثر ہو کر مقامی آبادی میں سے لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کیا مگر معجزوں کو قلمبند کرنے میں مصلحت اور ماحول کے تقاضے کا ایک اثر یہ پڑا کہ نعت میں سارا زور بیان معجزات پر صرف ہونے لگا اور حضور اکرم کے اسوۂ حسنہ کے دوسرے پہلو ثانوی حیثیت اختیار کر گئے نیز معجزوں کے بیان میں زور اور شدت کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ سیرت رسولؐ کے ضمن میں غلط روایتیں بھی جگہ پا گئیں یہی وجہ ہے کہ اگر میلاد ناموں میں شامل روائتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو حضور کی ولادت، معراج اور دوسرے موقعوں کے ذیل میں ایسے واقعات بکثرت ملیں گے جن کا آپ کی سیرت سے متعلق ہونا قرآن و حدیث اور روایت و درائیت سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتے خصوصاً آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کے خواب کا احوال اور معراج کے موقع پر منظر نگاری کا احوال وغیرہ وہ موضوع ہیں جن کی تکرار سے میلاد نامے بھرے پڑے ہیں مگر ان کی سندات نہ صرف یہ کہ ضعیف بلکہ مشکوک اور غلط ہیں۔

یہ ہندو اصنام پرستی اور دیو مالا ہی کا نتیجہ ہے کہ سیرت پاک میں غلط روایات نہ صرف جگہ پا گئی ہیں بلکہ ان کی تکرار کے سبب انہیں عقیدہ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

نعت کے فن پر ہندی اثرات

مضامین نعت کے ساتھ ساتھ نعت کے فن پر بھی مقامی اثرات پڑے۔ ہندو معاشرت و تمدن میں مروّج بھجنوں اور راگوں نے نعت کے داخل کی طرح اس کے خارج کو بھی متاثر کیا اور یوں ہندی زبان کے الفاظ، بھجنوں کے تلازمات و مناسبات، علائم و رموز اور تشبیہات و استعارات

کا استعمال نعتیہ مضامین میں بھی ہونے لگا اس ذخیرہ الفاظ و تلازمات کے ساتھ نعت کی ہئیت میں بھی وسعت پیدا ہوئی اور غزل و مثنوی وغیرہ اصناف سخن کی طرح ہندی صنف شاعری گیت، راگ اور بھجن وغیرہ کے انداز میں شاعروں نے نعت کہنی شروع کر دی۔ اسی طرح کرشن مہاراج کی تعریف اور محبت میں لکھے جانے والے گیتوں کی لے اور جذبات و کیفیات کے اظہار انداز نعت میں بھی در آیا۔

نعت کے ہیکر پر جو اثرات ہندوستانی مذہب و معاشرت کے سبب مرتسم ہوئے اگر اُن کا تجزیہ کریں تو اس کی نمایاں صورتیں یوں نظر آتی ہیں

۱۔ ہندی راگوں کی لے اور گیتوں کے انداز پر نعتیں لکھی جانے لگیں مثلاً۔

ٹھیٹھ دادرا ؎

کوئی ایسی سکھی جا تر نہ ملی مجھے پی کے درارے بٹھا دیتی ۔۔۔ میں نے راہ مدینہ بھی دیکھی نہیں مجھے بیاں پکڑ کے بتا دیتی [۱]

کھماچ قوالی ؎

جگ جوتی سوامی اوتاری تیرے روپ کے واری سیدنا ۔۔۔ من موہن گردھر گردھاری تیرے روپ کے واری سیدنا [۲]

مانڈ و را دڑی ؎

مہارا بطحا باسی لاڈلا تہانڑی، باٹاں نہا لو نجیوں ۔۔۔ مہاری آنگن آؤ صاحبہ تہانڑی باٹاں نہا لو نجیوں [۳]

دھمری ؎ ۔ تم ہی محمد یار لگیا نبی جی پار لگیا

گہری ندیا اگم بھی دھارا اور گھاٹ بینے [۴]

۲۔ ہندی بھجنوں میں گوپیوں کی کرشن مہاراج سے محبت کا انداز نعت میں دخیل ہو گیا اور یوں نعت میں عورت کے جذبات اور نسائی عقیدت مندی کا اظہار ہونے لگا مثلاً۔

؎ تورے ہجر میں حق کے پیارے نبی ۔۔۔ مورا چین گیا، موری نیند گئی
اب در پہ تمہارے، آن پڑی ۔۔۔ مورا چین گیا، موری نیند گئی [۵]

؎ مورے من میں ہے، اب تو جوگنیا بنوں ۔۔۔ اور ہل کے بھبوت مدینہ چلوں
سکھی ہند کی نگری میں، نہ ہی رہوں ۔۔۔ نہیں پریت تو چین ذرا دیتی
موری میکے میں، تو سکھ سے کٹی ۔۔۔ چلی پی کی نگریا تو سوچ پڑی
کوئی سیاں بھی ساتھ نہ آئی مورے ۔۔۔ موہے ریت وہاں کی بتا دیتی

۱۔ بزم طرب (حصہ اوّل) مرتبہ۔ کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی ص ۷۵

۲۔ بزم طرب (حصہ اوّل) مرتبہ۔ کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی ص ۳۰

۳۔ پھولوں کا ہار عرف مدینے کی بہار (حافظ میاں فیاض الدین) ۔ ۴ مولود سعیدی

۵۔ سید الاذکار یعنی میلادِ احمد مختار (محمد بدر الحسن) ص ۱۸

؎ میں توسونی سجریا پہ تڑپت ہوں　　پیا ملک عرب میں براجت ہیں
کبھی دیتے جو سپنے میں درس دکھا　　وہیں چرنوں میں سیس نوا دیتی[1]

؎ توری منت کروں ہوں میں سیس نوا موہے درس دکھادے خدا کے حبیب
مورا ہند سے جیوا چاٹ بھیا یثرب میں بسا دے، خدا کے حبیب[2]

؎ لاج رکھیو نبیؐ جی ہماری　　میں تو چیری جی سے تمہاری
لاگی پریم کی، من میں کٹاری　　جاکے تم بن کرے کون کاری
مورا جیا را تم پہ واری
ایسے من میں بسے ہیں محمدؐ　　جاؤں جا پہ سے مَیں بلہاری
مورا جیارا تم پہ واری[3]
موہے تلپت بتیت ہے سگری تو ہے ڈھونڈ پھری نگری نگری
موری پھوٹ گئی من کی گگری مجھے اپنے دیس بلا توسبھی[4]

؎ سناؤں کس کو بات اے سکھی ری کہ کس نے جوبن دکھا کے مارا
کہت ہے سب جگ جسے محمدؐ اسی نے نیہا لگا کے مارا[5]

واضح ہو کہ نعت کا یہ انداز خالصتاً ہندوستانی اثرات سے عبارت ہے اس سے پہلے عربی و فارسی نعت اس طرز اظہار سے قطعی ناآشنا تھی اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبت و عقیدت کا بیان عورت کے لئے بھی اسی طرح لازمہ ایمان ہے جس طرح مسلمان مردوں کے لئے لیکن اس کے باوجود نعتیہ مضامین میں عورت کی طرف سے اس اظہار عقیدت و محبت میں ہمیشہ ایک سلیقہ اور احترام کارفرما رہا اس محبت کی نوعیت بھی روحانی ہے اسی لئے مسلمان نعت گو شاعرات کے ہاں عشق رسولؐ کی کیفیت میں جسمانی قربت و وصال کی بجائے ایک ولی اور روحانی تعلق محبت اور نسبت موانست کارفرما رہی ہے۔ مگر ہندی اثرات کے تحت لکھی گئی اس انداز نعت میں ایسے شعر بھی مل جاتے ہیں جس میں فن نعت کے مطلوبہ احترام اور شائستگی کو بالائے طاق رکھ کر ہندی گیتوں کی پیروی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے انداز میں گوپیوں کی کرشن سے محبت کا رنگ ڈھنگ شامل ہوگیا ہے مثلاً۔

۱۔ بزم طرب (حصہ اوّل) مرتبہ کنور اندر سہائے صہ ۵
۲۔ نغمۂ بہار جدید (حصہ دوم) مؤلفہ سلطان احمد صہ ۳
۳۔ دیوانِ دوست (دوست) صہ ۴۴
۴۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) صہ ۱۰۹
۵۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) صہ ۶

ـ سناؤں کس کو بات اے سکھی ری کہ کس نے جوبن دکھا کے مارا
کہت ہے سب جگ جسے محمدؐ اُسی نے نیہا لگا کے مارا[1]

ـ مجھے اس کی کھبر نہ تھی شام، سندر جیالے کے پھراؤ گے اپنی نجر
یہاں اپنا مرن ہے جگت کی ہنسی، تو مدینہ نگر کو بسا بیٹھا[2]

ـ سپنے میں دکھا کر پیاری، چھب موہے، مار گیا اے شاہِ عرب
بدنام بھئی یوں پیت میں اب سنسار، ہنسے توری جوگن کو[3]

ـ صدقے ہوں وصل کی راتن کے قربان ہوں وا کی باتن کے
واری ہوں میں واکی چِتون کے بلوا لو عرب بستانن میں[4]

ان اشعار میں محمدؐ، مدینہ، شاہِ عرب اور عرب بستانن ایسے الفاظ ہیں جو ان کا تعلق نعت سے قائم کرتے ہیں وگرنہ ان الفاظ کو الگ کر کے دیکھا جائے تو ان شعروں کا ماحول ہندی گیتوں سے مختلف نہیں اس رحمۃ للعالمین کے بارے میں "جوبن دکھا کے مارا" اور "جیالے کے پھراؤ گے اپنی نجر" ایسے الفاظ کہ نہ صرف یہ کہ کسی طور مناسب نہیں بلکہ سوءِ ادب کی انتہا ہیں اسی طرح اسی ذاتِ بالا کے بارے میں (جس کے سگان کوچہ سے خود کو نسبت دیتے ہوئے بھی اہلِ نظر کمال بے ادبی خیال کرتے ہیں) یہ کہنا کہ اُن سے نسبت اور تعلق نعوذ باللہ بدنامی اور جگ ہنسائی کا باعث ہے یہ ہندی گیتوں ہی کی اندھی پیروی کا نتیجہ ہے ورنہ عربی و فارسی نعتوں میں اُس طرح کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی محبت کی ایک اور کیفیت جو ہندی شاعری سے نعت میں منتقل ہوئی محبوب کی تلاش اور جوگ لینے سے متعلق ہے، ممتاز کا یہ شعر دیکھئے۔

ـ تورے نام کی مالا میں پھیرت ہوں، دن رین مہا دکھ جھیلت ہوں
تن راکھ ملو اور جوگ لیا، توری یاد میں دھونی رما بیٹھا[5]

ـ سپنے میں دکھا کر پیاری چھب موہے مار گیا اے شاہِ عرب
بدنام بھئی تیری پیت میں، اب سنسار ہنسے، تیری جوگن کو[6]

۱۔ نعت سلطانِ عرب المعروف بہ بہارِ یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص۶
۲۔ نعت سلطانِ عرب المعروف بہ بہارِ یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص۵
۳۔ نعت سلطانِ عرب المعروف بہ بہارِ یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص۴۸
۴۔ مولودِ طیش (حصہ دوم) ص۳۵
۵۔ نعت سلطانِ عرب المعروف بہ بہارِ یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص۵
۶۔ نعت سلطانِ عرب المعروف بہ بہارِ یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص۴۸

اسی کیفیت کے یہ شعر بھی ملاحظہ ہوں۔

ـــــ ہجر میں تیرے جوگ لیا تن سگرا جلا کر کھاک ‏ ‏ ‏ رب نے تھی کینی کون گھڑی مورا چین گیا موری نیند گئی[۱]

امجد حیدر آبادی کی نظم "مدینہ کی جوگن" اس انداز کی بھرپور نظم ہے جس میں جوگن تیس سے خطاب کرتے ہوئے اپنی کیفیات ہجر و محبت کا اظہار کرتی ہے[۲]۔ یہ نظم مسدس کی شکل میں ہے اور تاثیر رکھتی ہے جوگن کا والہانہ پن ملاحظہ ہو وہ محبوب (رسول اکرمؐ) سے خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے۔

آئی برہ کی ماری تیرے لئے برو گن ‏ ‏ ‏ درشن سے اپنے کر دے دل شاد چشم روشن
ـــــ ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے مٹ پہ دامن ‏ ‏ ‏ کب سے کھڑی ہے، داتا در پہ ترے بھکارن
جوگن کی جھولی بھر دے وہ رام نام والے
اس بت کو رام کر دے، وہ رام نام والے
نکلی ہے گھر سے جوگن، کفنی گلے میں ڈالے ‏ ‏ ‏ پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے، کون جو سنبھالے ‏ ‏ ‏ یثرب نگر کے راجہ، وہ کالی کملی والے
کرپا کی اک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے
بھولی نہیں میں تم کو تم کیوں مجھے بسارے[۳]

الیاس برنی کی ایک صوفیانہ انداز کی بے قافیہ نعتیہ غزل میں بھی عشق رسولؐ کے اظہار کے لئے جوگن ہی کو علامت بنایا گیا ہے ـــــ

اپنے پیا کی میں جوگن بنی ہیں تو تن من دھن سب واروں گی ‏ ‏ ‏ مورا پیا تو مدینے رہت ہے، میں تو تن من دھن سب واروں گی[۴]

ہندی شاعری کی دوسری خصوصیات جنہیں نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حوالہ بنایا گیا ہندوستان کے موسموں اور پرندوں وغیرہ سے متعلق ہیں ہندی شاعری میں بدلتے ہوئے موسموں کے ساتھ عورت اپنی فراقیہ کیفیت کا اظہار کرتی ہے۔ خصوصاً ساون کے مہینے میں جب محبوب سے جدائی کا احساس اپنی شدت کو پہنچ جاتا ہے موسم کے حوالے سے ہجر کی یہ کیفیت نعت میں بھی منقلب ہوئی اور کالی گھنگور گھٹائیں حضور اکرمؐ کی یاد کا اسی طرح بہانہ بنیں جس طرح ہندی شاعری میں اپنے محبوب کے یاد آنے کا ملاحظہ ہو ـــــ

یہ کالی بھنور گھنگور گھٹا مورے جی کو بھاوت ہے سجنی ‏ ‏ ‏ کوئی کالی کملیا والا پیا موہے یاد دلاوت ہے سجنی[۵]

ساجد صدیقی کے گیت "ساون" جو مدح صحابہ میں لکھا گیا ہے میں نعت کا یہ بند بھی دیکھئے۔

۱۔ سید الاذکار یعنی میلاد احمد مختار (محمد بدر الحسن) ص۵۲۔ ۲۔ بزم طرب حصہ اوّل (مرتبہ کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی) ص۵۰

۳۔ ریاض امجد حصہ اوّل (امجد حیدر آبادی) ص۱۲

۴۔ معروضہ (محمد الیاس برنی) ص۶

۵۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص۱۱۳

؎ ساون آیا لے تو خبر یا تم تو بسے یثرب کی نگریا
سونی پڑی ہے ہماری اٹریا کہہ سے کہوں سرکار رے
سدھ لو صحابہ نبی جی کے پیارے ترست جیارا ہمار رے[1]

اسی طرح کوّے سے خطاب اور اُس کے ذریعے محبوب تک اپنی واردات وکیفیاتِ ہجر پہنچانے کی کوشش جو ہندی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت ہے ہندی انداز میں ایسی نعتوں میں بھی در آئی اور یوں کاگا سے منسوب قاصد کا تصوّر نعت میں بھی ہجر کی کیفیت کے اظہار کا حوالہ بنا ملاحظہ ہو۔

؎[2] توری منتی کرت ہوں سن کاگا مورا ماس بدن کا سگرا کھا موہے پیا ملن کی ہے آسا جری چاند دے مکھ پر نینن کو

ممتاز کی نعت (موہے مار گیا یثرب کا دھنی سینہ میں دکھا کر جوبن کو) کا یہ شعر ہمیں میرا بائی کے مشہور دوہے کی یاد دلاتا ہے

؎ کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس دو نین مورے مت کھائیو موہے پیا ملن کی آس

ہندی بھجنوں اور گیتوں میں کرشن اور محبوب کے لئے استعمال ہونے والے ناموں سے آنحضرتؐ کو بھی مخاطب کیا جانے لگا اگرچہ یہ نام اپنا مخصوص مذہبی پس منظر رکھتے ہیں اور حضور اکرمؐ سے اُن کی نسبت نامناسب اور غیر مشروع ہے۔ کیونکہ اُن کے تصورات، ہندو معاشرت میں اپنا ایک جداگانہ وجود شخصیت، صفات اور کردار رکھتے ہیں مگر ہندی اثرات کے تحت نعت نگاروں سے یہ بے احتیاطی بھی ہوئی اور اُنہوں نے بھجنوں اور گیتوں میں کرشن اور محبوب کے لئے استعمال ہونے والے ناموں کو حضور کے لئے بھی استعمال کیا۔ مثلاً

؎ جگ جوئی سوامی اوتاری تیرے روپ کے واری سیدنا من موہن گردھر گردھاری تیرے روپ کے واری سیدنا[3]
؎ دہی راجکمار ہے دیس دھنی جاکو لوگ کہیں مکّی مدنی اُسے مایہ جگت کی ملے سکھیو واکے در پہ جو ہاتھ لپارے گا[4]
تبادے بالم کہری بتیا یہ کب دیا کی نجر کرے گا کب ایسی رت مجھ کو ہوگی تو بھی مہر کی نجروں ادھر کرے گا
سکھی جو جائے مدینہ اب کے تو مجھ کو بھی اپنے ساتھ لے لے جرا میں دیکھوں وہ شام پیارا نجر دیا کی کدھر کرے گا
میں تو ڈھونڈت ڈھونڈت ہار گئی مورے پی کے نگر کا ڈگر نہ ملا تن سوکھ گیو پگ سوج گیو کہیں ہائے وہ شام سندر نہ ملا[5]

خط کشیدہ کے الفاظ علاوہ ہندی بھجنوں اور گیتوں کے زیر اثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیا، پریتم، کے پال، بلم، مہابلی، سمراٹ، پرم آتما، سرتاج، دیوتا، مہاراج، پربھو، گسائیں، سوامی، گرودیو جیسے الفاظ استعمال ہونے لگے۔ اسی ضمن میں مولود سعیدی کا یہ ٹکڑا بھی ملاحظہ ہو۔

۱۔ صہبائے حرم (ساجد صدیقی لکھنوی) ص ۱۰۳
۲۔ بزم طرب حصّہ اوّل (مرتب کنور اندر سہائے سکسینہ علم بدایونی) ص ۳۰
۳۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گکے زئی) ص ۵
۴۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گکے زئی) ص ۲۴
۵۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گکے زئی) ص ۲۱

سدھ لے موری موہے سرتا جا — سدھ لے کل راجن کے راجا
سدھ لے موری جبرئیل کے سائیں — ہی بھیتن کے راج گسائیں
سدھ لے موری علی جی کے بھیا — کالی کملی والے کنہیا
اے صدیق کے راج دلارے — عمر، عثمان کے پالن ہارے
فاطمہ بی بی کے بابا پیارے — حسن، حسین کے پالن ہارے
سدھ لے بی بی خدیجہ کے بالم — صلی اللہ علیہ وسلم[۱]

کرشن مہاراج کے ناموں پر ہی اکتفا نہ ہوئی بلکہ کرشن کی ذات سے متعلقہ تلازمات کو بھی حضور اکرمؐ سے منسوب کر دیا گیا اور یوں نعت کی فضا بھجن کے رنگ میں رنگ دی گئی یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

موراشام گنھیا مدینہ بسو موہے مرلی کی لے نہ سنائے گیو
میں تو برج دوارے کا ڈھونڈ پھری گئی دیس بدیس مگر نہ ملا[۲]

دھری کاندھے کالی کملیا تھی، واکے مکھ سے مرلی کی لئی بجی — کبھی تھی انا بشر کی دھن کبھی کنت کنزاً سنا گیا
کبھی لا الٰہ کا سر بجا کبھی امتی کی اٹھی صدا — وہ گوالہ بن میں جا چھپا مورا چین چت کا مٹا گیا[۳]

سب سکھیاں رل مل جاوت ہیں اور ہوے جھرمٹ کھیلت ہیں
مورے نین بروگی ترست رہیں اُس من موہن کے درشن کو[۴]

وہ صورت نیٹ مہاروپی ہر روپ دکھاوت بھیروپی
واکے نیناں انوکھے چھب نیاری تیرے روپ کے واری سیدنا[۵]

ان تلازمات کے علاوہ ہندوستانی تمدن و ماحول سے متعلقہ دوسرے مناسبات کا استعمال بھی نعتیہ مضامین کے اظہار کے لئے ہوا۔ محسن کاکوروی کا قصیدہ لامیہ "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل۔" اس انداز کی مشہور مثال ہے یہ قصیدہ اپنی نوعیت کا منفرد قصیدہ ہے۔ جس کی پوری فضا ہندوستانی مذہبی ماحول کے متعلقات و مناسبات سے عبارت ہے چند اشعار دیکھئے۔

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا کے بادل

۱۔ مولود سعیدی ص ۲۴۲ بحوالہ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص ۱۲
۲۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص ۲۷
۴۔ نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب (مؤلفہ فضل الدین گگے زئی) ص ۳۸
۵۔ بزم طرب حصہ اول (مرتبہ کنور اندر سہائے سکسینہ علم بدایونی) ص ۲۱

؎ دہر کا ترسا بچہ ہے برق لئے جل میں آگ	ابر چوٹی کا برہمن ہے لئے آگ میں جل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن	سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں کے سلونوں کی برہمن نکلیں	تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا	نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے	نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل[۱]

یہ پورا قصیدہ اسی بے تکلف انداز میں لکھا گیا ہے محسن نے حیرت انگیز حد تک ہندی الفاظ و متعلقات کو اپنے محل و وقوع کی مناسبت سے استعمال کیا ہے اس قصیدہ کی پوری فرہنگ پر ہندو مذہب و معاشرت کی گہری چھاپ ہے مثلاً کاشی، متھرا گنگا جل، اشنان، گوکل جمنا مہابن، تیرتھ، برہمن، سری کرشن، درشن، گوپیوں، راکھیاں، ہنڈولے کا میلا، رتھ، بڑھوا، کھیم کسل، جوگیا بھبوت، بیرد گی، پربت، راجہ اندر، کنہیا مندر استہل، گھاگرا، چمل کے الفاظ اس کی تشبیب کی پوری فضا ہندی رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی مشہور نعت ؎ لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا[۲] میں جگ راج کو تاج تورے سر سوہے" توری جوت کی جھلجھل، تورے چندن بدن پر مورا جیا لرجے ورک ورک، موہے کرنہ پرت، پیت میں کاہے کہوں" اور مورا تن من دھن سب پھونک دیا کے ٹکڑے بھی ہندی اثرات لئے ہوئے ہیں۔

الیاس برنی کی معروضہ میں بھی بہت سی نعتیں ایسی مل جائیں گی جن کے تار و پود میں ہندی معاشرت و تمدن کے اثرات نمایاں ہیں

عصر حاضر میں عبدالعزیز خالد کی نعتوں خصوصاً منحمنا اور فارقلیط میں ہندی الفاظ، تلازمات اور ہندی معاشرت و تمدن اور شعر و ادب کے مناسبات و تصورات کے استعمال کا منفرد انداز نظر آتا ہے فارقلیط کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

؎ میں شبدوں کی پیاسی میں چرنوں کی داسی تیری جستجو مجھ کو صبح و مسا ہے

میں جوگن برہ گن میں کمل کمینی	تو سرتاج میرا مرادوتا ہے
تو دیپک میں کاجل تو درپن میں بیسہ	میں کالک تو پربھات کی لالما ہے
جو گوکل میں گوبند سے پھاگ کھیلے	وہ نرلاج ناری ہے نہیں اپسرا ہے
میں بلہار چھل بل یہ چھب چاہے نیناں	بدن کامنی کا پسیجا ہوا ہے
ہے حق ستر شانتی ادم تت تت	عجب دلکشا بانسری کی صدا ہے
تو ساجن سوامی میں باندھی بیا کل	میں مورکھ نمانی تو گن ہے کلا ہے
گرد دیو جیسلی کا سنجوگ کیسا	میں دھرتی تو امبر میں کیا ہوں تو کیا ہے[۳]

۱۔ کلیات محسن ص ۱۴۱۔ ۲۔ حدائق بخشش (مولانا احمد رضا خان بریلوی) ص ۱۲۱

۳۔ فارقلیط (عبدالعزیز خالد) ص ۳۵ - ۳۹۔

منمنا کے یہ اشعار دیکھئے۔

شمار کرنے چلیں، اُس کی خوبیوں کا اگر
تو ساتھ چھوڑ دیں تھک تھک کے نیل سنکھ پدم

ہے جوت جس کی فسوں خیز چاندنی کی طرح
شریر جس کا پوتر اور آتما ہے پرم

اسی کو کہتے ہیں، ماتے جگت جگاون ہار
اُسی کے نور سے تنت چھن میں وور رات کا تم

پنم کو مات کرے چھب سے شیام سانوں گات
یہ آنکھیں درس کو کب سے ترس رہی تھیں بلم

ہے اپسراؤں کے نازک لبوں پہ کھیم کسل
بنا دیا ہے مسرت نے سانس کو سرگم

رسال ادھروں کا ہر بول راگنی میں ڈھلا
انیلی الھڑ ہیں کیا جانیں تال سُر کے مرم

یہ سرب بھومی کا راجہ مہابلی سمراٹ
اپار اتھاہ اننت ایک اینک وشوا تم[1]

خالد کے ہاں وہ تمام اثرات اپنے طرزِ خاص میں نظر آتے ہیں جن کا تعلق ہندو مذہب و معاشرت سے ہے اور جن کا سرسری ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم کی نعت کے لئے نسائی لب و لہجہ، جوگن کا تصور، درس کو ترستی آنکھیں، گوکل، گوبند، پھاگ کھیلنا، اپسرا، کامنی شانتی ادم تت تت، بانسری، ساجن، سوامی، گردیو، بلم، مہابلی سمراٹ وغیرہ کے الفاظ، تلازمات اور اُن کی رعایت سے دوسرے مناسبات کا بے تکلف اظہار ملتا ہے اگرچہ ان نعتوں کی بحریں ان ہندی تاثیر و فضا کی حامل بحروں سے مختلف ہیں جن کے حوالے ہم پہلے دے آئے ہیں مگر بحروں کے فرق اور تاثیر کے باوجود خار تلیط اور منمنا کے یہ حصے ہندی گیتوں کی کیفیات اور ہندی تہذیب و معاشرت کے حوالوں سے عبارت ہیں اور ان نعت پاروں کے مضامین و اظہار پہ ہندوستانی اثرات واضح اور نمایاں ہیں۔

اُردُو کی نعتیہ شاعری پر قرآن وحدیث کے اثرات

ڈاکٹر شاکر علیمی

حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم النّبیین ہیں اس لیے آپؐ کی زندگی حیاتِ انسانی کی معراج ہے اور آپ کا ہر عمل انسان کے لیے باعثِ نجات ہے۔ جب آپ نے تبلیغ شروع کی تو کفر وضلالت کی پرچھائیاں ختم ہوئیں اور رُشد وہدایت کی کرنوں نے سارے عالم کو منور کیا۔ قرآنی احکامات کو جب آپؐ نے عام کرنے کی جدّ وجُہد کی تو اس کے اثرات زندگی کے ہر ہر شعبے پر مُرتب ہُوئے چنانچہ شعرائے کرام بھی اس بدلتے ہُوئے ماحول اور رُجحانات سے متاثر ہُوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے افکار وخیالات میں قرآنِ حکیم اور رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال وافعال کی جھلک نظر آنے لگی۔ شاعر بہت حساس طبع واقع ہوا ہے۔ وہ جو کچھ اپنے گرد وپیش میں دیکھتا ہے اسی کو من وعن بیان کر دیتا ہے چنانچہ اس وقت کی عربی شاعری بھی قبل از اسلام کے بگڑے ہوئے ماحول اور معاشرے کی عکاس تھی لیکن جیسے جیسے اسلام کی روشنی عالم میں پھیلتی گئی شعراء کے خیالات میں تغیّر آتا گیا۔ رسُولِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عملی زندگی اور قرآنِ حکیم کی حکمت آموز باتیں معاشرے میں سرایت کرتی گئیں اور نتیجۃً دوسرے شعبوں کی طرح شاعری پر بھی اس کے اثرات مُرتب ہوتے گئے۔ شعراء نے دورِ جاہلیت کے متعصّبانہ خیالات اور مبالغہ آمیز باتوں کے مقابلہ میں حقائق پر مبنی قرآن وحدیث کے مضامین نظم کرنا شروع کر دیے۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ جاہلیت کے شعراء میں امرؤ القیس، زہیر بن ابی سلمیٰ، نابعہ ذبیانی اور عنترہ بن شداد وغیرہ کے مقابلہ میں حضرت حسان بن ثابت رضؓ اور کعب بن زہیر رضؓ وغیرہ کا کلام حکمت آموز باتوں سے بھرا ہُوا ہے۔ چونکہ نعت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم جزوِ ایمان ہے اس لیے ہر ایمان رکھنے والے نے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، ہندی ہو یا چینی غرض کسی بھی خطّے کا رہنے والا اور بسنے والا ہو۔ اس نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نعت میں اپنے جذبات کا اظہار کیا اور مستحق ثواب ہُوا۔

نعتیہ شاعری کی ابتداء خود محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے سے شروع ہوئی۔ اس سلسلہ میں حضرت حسّان بن ثابتؓ اور حضرت کعب بن زُہیر رضؓ کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ ان دونوں اصحاب نے جو کچھ نعت کے ضمن میں بیان کیا وہ قرآنِ حکیم اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال سے مشتق ہے اس سے نہ صرف نعت گوئی کی ابتداء کا پتا چلتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کے اثرات بھی اسی وقت سے شاعری پر مُرتّب ہونے شروع ہو گئے تھے۔ عربی شاعری میں قصیدہ اور مرثیہ ہی ایسی اصنافِ سُخن تھیں جن پر طبع آزمائی کی جاتی تھی اسی لیے حضرت حسّان بن ثابت رضؓ اور حضرت کعب بن زہیر رضؓ نے حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدح میں قصیدے لکھے جس میں آپؐ کی تمام تر وہی صفات بیان کیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کا قول ہے کان خلقہ القرآن۔ یعنی آپ کی عادت قرآن تھی۔

یہاں حضرت حسان بن ثابت رضؓ اور حضرت کعب بن زہیر رضؓ کے چند اشعار بطورِ نمونہ پیش کیے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قرآن یا حدیث سے اس کا ربط بھی ظاہر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ ابتدا ہی سے شاعری میں قرآن و حدیث کی تفسیر بیان کرنا شعراء کرام نے اپنا حقیقی مقصد سمجھا تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضؓ کے مندرجہ ذیل شعر دیکھیے :

اغر علیہ للنبوۃ خاتم   من اللّٰہ مشہود یلوح ویشھد

ترجمہ : آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم انتہائی کریم الافعال ہیں، آپ کے جسم مبارک پر اللہ تعالےٰ نے نبوّت کی مہر ثبت کی ہے جس کی خود اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کی ہے یہ روشن بھی ہے اور ہر شخص اس کا مشاہدہ بھی کر سکتا ہے۔

ارشادِ باری ہے۔

ماکان محمّد ابآ احد من رّجالِکم ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیّن (۲۳ سورہ احزاب ۴۰)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کسی کے باپ نہیں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں پر مہر ہیں

فامسی سراجا مستنیرا وھادیا   یلوح کمالاح الصیقل المھند

ترجمہ : آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے جس سے ہر شخص روشنی حاصل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ ربّ العزّت نے آپؐ کو ہادی بنا کر بھیجا تاکہ آپؐ نورِ ہدایت سے تمام دنیا کو راہِ راست پر لا سکیں، آپؐ بحیثیت ایک روشن چراغ کے اس طرح چمکتے ہیں جیسے ایک اچھی صیقل کی ہوئی تلوار چمکتی ہے۔

خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔

یآایّھا النّبیّ انّا ارسلنک شاھدًا وّمبشرًا وّنذیرًا وداعیًا الی اللّٰہ باذنہٖ وسراجًا منیرًا

(۳۳ احزاب ۴۶)

ترجمہ : اے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہم نے تم کو بھیجا بتانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ بنایا۔

؎ وانت الٰہ الخلق ربی وخالقی   بذالک ما عمرت فی الناس اشھد

ترجمہ : اے اللہ تو ہی تمام مخلوق کا پالنے والا اور پروردگار ہے میرا پالنے والا میرا پیدا کرنے والا اور ہم جب تک زندہ رہیں گے اس کی شہادت دیتے رہیں گے۔

قُل اللّٰہ خالقُ کُلّ شیءٍ (۱۳ الرعد ۱۶) آپ فرمادیں اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

قرآنِ حکیم نے جگہ جگہ اللہ کی وحدانیت، ربوبیت اور خالقیت کو بیان کیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

قُل اَغیرَ اللّٰہِ اَبغی ربّا وّھوَ ربُّ کُلّ شیءٍ (۶ انعام ۱۶۴)

آپ فرمادیں کیا اب میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں اور وہی ہر چیز کا رب ہے۔

اِنّ اللّٰہ ربّی وربُّکم فاعبُدُوہُ (۳ آل عمران ۵۱) بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو۔

حضرت حسان بن ثابت رضؓ نے اکثر حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مدح، اسلام کی تعریف، کفار کی ہجو اور غزوات نبوی کو اپنی

شاعری کے ذریعہ بیان کیا جو بلاشبہ قرآن و حدیث کا گنجینہ ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضؓ کے بعد حضرت کعب بن زہیر رضؓ کا نام اس اعتبار سے بہت مشہور ہے کہ آپ نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایسا بے نظیر قصیدہ پڑھا جو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آیا جس پر آپ نے انہیں اپنی رداء مبارک عطا کی۔ اس مشہور قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

؎ بانت سعاد فقلبی الیوم متبول   متیم اثرھا لم یفد مکبول

اس قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

؎ وقال کل خلیل کنت آملہ   لا الھینک انی عنک مشغول

ترجمہ: ہر دوست نے جن سے حمایت و اعانت کی امید تھی مجھ سے یہ کہا کہ میں تجھ کو اپنی نجات کی تدبیروں سے نہیں روکتا جو تجھ سے ہو سکے عمل میں لائیں اپنے ہی بکھیڑوں میں لگا ہوا ہوں۔ مجھ سے بھلائی کی امید مت رکھ اور اپنا کام کر۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

لَیسَ للانسان اِلا ماسعیٰ (۵۳ النجم ۳۹) انسان کے لیے صرف کوشش کرنا ہے

؎ فقلت خلوا سبیلی لا ابالکم   فکل ماقدر الرحمن مفعول

ترجمہ: جب انہوں نے میری اعانت سے انکار کیا اور خدا نے میرے دل میں مضمون توکل القا فرمایا، تو میں نے ان سے کہا کہ اے مجہول النسب لوگو! میرے سامنے سے ہٹو۔ اب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کرم مجسّم ہیں جو شخص تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اس سے حرکاتِ سابقہ کا مواخذہ نہیں فرماتے۔ آگے جو میری قسمت میں لکھا ہے ہو کر رہے گا کیونکہ جو خدا تعالیٰ نے مقدّر فرما دیا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وکَانَ امر اللہ مفعولا (۴ النساء ۴۷) اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے

وکَانَ امر اللہ قدرا مقدورا (۳۳ احزاب ۳۸) اور اللہ کا حکم مقرر کیا جا چکا ہے۔

آپؐ کے عفو و درگذر کی کیفیت حدیث شریف میں اس طرح آتی ہے۔

عَن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت لم یکن رسُول اللہِ صلّی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا ولا صخابا فی الاسواق ولا یجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویصفح (شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسولؐ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعاً فحش گو تھے نہ تکلّف فحش بات فرماتے تھے نہ بازاروں میں چلا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے اور پھر اس کا تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

؎ نظل یرعد الا ان یکون لہ   من الرّسول باذن اللہ تنویل

ترجمہ: میں ایسی مجلس ہیبتناک میں کھڑا ہوں اور ایسی گفتگو رعب دار اور عجیب سن رہا ہوں کہ اگر ہاتھی بھی اس کو دیکھے اور سُنے

توکانپنے لگے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلال کے سبب مگر اس صورت میں کہ منجانب حضرت رسالت پناہ حسب حکم خداوندی دولت امن عطا ہو اس صورت میں البتہ لرزہ موقوف ہو اور ہوش درست ہو جائیں۔

اس کی تائید میں دو حدیثیں پیش خدمت ہیں۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال واذا تکلم اطرق جلسائہ کانما علی روؤسھم الطیر (شمائل ترمذی)

ترجمہ: حضرت علی رض آنحضرت ص کی مجلس کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں کہ آپ ص جب گفتگو فرماتے تھے تو حاضرین مجلس اس طرح گردن جھکا کر خاموش بیٹھتے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

عن قیلہ بن مخرمۃ انھا رأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد وھو قاعد القرفصاء قالت فلما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتخشع فی الجلسۃ ارعدت من الفرق (شمائل ترمذی باب فی الجلسۃ)

ترجمہ: حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد (میں کچھ ایسی عاجزانہ صورت) میں گوٹ مارے بیٹھے دیکھا کہ میں رعب کی وجہ سے کانپنے لگی۔

حضرت حسان بن ثابت رض اور حضرت کعب بن زہیر رض کے بعد اور بھی بہت سے شعراء ہوئے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار کہے تاہم ان دونوں صحابۂ کرام رض کے بعد امام بوصیری کے قصیدہ بردہ کو جو مقام حاصل ہوا وہ کسی اور کو نہیں ہوا۔ یہاں بخوف طوالت اس قصیدہ کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا جا سکتا صرف دو شعر پیش کرتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ قرآن وحدیث کے اثرات عموماً شاعری پر اور خصوصاً نعتیہ شاعری پر مرتب ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ اثرات نہ صرف عربی بلکہ عجمی شاعری پر بھی مرتب ہو چکے تھے۔

؎ ظلمت سنۃ من احیا الظلام الی ان اشتکت قدماہ الضر من ورم

ترجمہ: افسوس میں نے اس ذات اقدس ص کے طریقہ مسنونہ کی پیروی نہ کی جو اندھیری رات کو زندہ رکھتے تھے۔ (عبادت کے لیے کھڑے رہتے تھے) یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن المغیرۃ قال قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکورا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت مغیرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر عبادت الٰہی میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے صحابہ رض نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہیں آپ تو معصوم ہیں پھر اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

؎ وشد من سغب احشاءہ وطوی تحت الحجارۃ کشحا مترف الادم

ترجمہ: وہ ذاتِ اقدس جس نے بھوک کی شدّت سے اپنے پیٹ کو کسا اور اپنے نازک پہلو پر پتھر باندھا۔

حدیث میں آتا ہے۔

عن ابی طلحہ قال شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجوع ورفعنا عن بطوننا عن حجر حجر فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بطنہ عن حجرین (شمائل ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ رض کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے شدّت بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو بندھے ہوئے پتھر دکھلائے۔

مندرجہ بالا اشعار سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے اثرات زندگی کے اور شعبوں کی طرح شاعری پر بھی مرتّب ہوئے اور شعرائے کرام نے قرآن و حدیث کے مضامین شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ اشعار کی صورت میں بیان کیے۔ یہی نہیں کہ نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات مرتّب ہوئے بلکہ تمام اصنافِ سخن میں جو رائج تھیں قرآن و سنّت کی تعلیمات سے فائدہ اُٹھا کر شعرائے کرام نے نئے نئے مضامین پیدا کیے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اس حیثیت سے یہ ضروری تھا کہ اس کے اثرات دنیا کے ہر ہر خطے پر مرتّب ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہاں تک کہ نظم و نثر پر بھی اسلامی تعلیمات اثر انداز ہوئیں۔

عربی شاعری سے گزر کر جب ہم فارسی شاعری پر نظر ڈالتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شاعری پر بھی قرآن و حدیث کے اثرات پائے جاتے ہیں کیونکہ سب سے پہلے فارسی شاعری پر عربی شاعری کے اثرات مرتّب ہوئے جس کے نتیجہ میں افکار و خیالات کے اعتبار سے بھی شعرائے فارس نے عربی کا سہارا لیا اور فارسی شاعری کے باوا آدم رودکی کے کلام میں نہ صرف عربی الفاظ ملتے ہیں بلکہ وہی خیالات بھی نظر آتے ہیں جو عربی شاعری میں رائج تھے۔ البتہ فردوسی نے تعصّب کی بنا پر عربی الفاظ ترک کیے اور اس بات کی کوشش کی کہ عربی الفاظ کے مقابلہ میں ژند و پاژند کے الفاظ شامل کرے جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوا لیکن وہ کُلّی طور پر اس سے محفوظ نہیں رہ سکا کیونکہ جو الفاظ فارسی زبان کا جزو بن چکے تھے۔ ان کو ترک کرنے کا مقصد فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اپنے کلام کو پستی کی طرف لوٹانا تھا جو کم از کم ایک شاعر کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً سبھی شعراء نے عربی شاعری سے استفادہ کیا اور عربی شاعری کے تمام لوازم کو اپنی شاعری کا جزو بنایا چنانچہ نعت جس کا عربی شاعری میں رواج ہو چکا تھا فارسی شاعری میں آ گئی۔ پھر شعراء کرام نے اس کو سعادت اور جزوِ ایمان سمجھ کر بھی اپنا محبوب مشغلہ بنایا اور اس کو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ خیال کیا۔ گویا ایک طرح فارسی شاعری میں نہ صرف نعت گوئی کا رواج ہوا بلکہ قرآن و حدیث کے اثرات بھی مرتب ہوئے اور اس شدت کے ساتھ کہ تمام اصنافِ سخن میں اس کی جھلکیاں نظر آنے لگیں خصوصاً شیخ فریدالدین عطار، حکیم سنائی، مولانا جامی، مولانا رُومی اور شیخ سعدی وغیرہم نے قرآن و حدیث کو ہی اپنی شاعری کا مآخذ بنایا۔ مولانا رُومی نے مثنوی لکھی جس کے لیے مشہور ہے۔

ہست قرآن در زبان پہلوی   مثنویٔ مولویٔ معنوی

اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ جس قدر فارسی شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات مرتب ہوئے اتنے کسی اور زبان کی شاعری پر نہیں ہوئے۔ اگرچہ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں جتنی ترقی علوم و فنون میں ہوئی اتنی کسی دور میں نہیں ہوئی شعر و ادب کے اعتبار سے بھی یہ دور بہت اہم ہے لیکن پھر بھی فارسی شعراء کے مقابلے میں اس دور کی عربی شاعری میں قرآن و حدیث کے اثرات اس قدر نہیں ملتے دراصل شعراء فارس نے اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ قرآن و سنّت کی اشاعت پر صرف کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا کلام قرآن و حدیث سے مشتق ہوگیا۔ یہاں فارسی شعراء کے کلام سے اس کی مثالیں دینا مقالہ کو طول دینا ہے اس لیے صرف دو تین مثالوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

خواجہ فریدالدین عطار کا یہ شعر:

چوں زبان حق زبان اوست بس   بہترین عہدے زمانِ اوست بس

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی   (سورہ النجم)

ترجمہ: آپؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے آپؐ تو صرف وہی فرماتے ہیں جو آپؐ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم

ترجمہ: زمانوں میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر ان کے بعد والوں کا (صحابہ کرامؓ)

شیخ سعدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں۔

امام رُسل، پیشوائے سبیل   امین خدا، مہبط جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر   امام الہدیٰ صدر دیوان حشر

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا اوّل شافع ومشفع ولا فخر   (دارمی عن جابر)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مَیں تمام انبیاء مرسلین کا پیشوا ہوں اور اس پر مجھے کچھ فخر نہیں، مَیں خاتم النبیین ہوں اور مجھے کچھ فخر نہیں مَیں شافع محشر ہوں اور مجھے کچھ فخر نہیں۔

فارسی شاعری میں قدماء سے لے کر متاخرین میں سے کسی کا بھی کلام اُٹھا کر دیکھ لیں تو بے شمار ایسے نعتیہ اشعار ملیں گے جن میں قرآن و حدیث کے اشارے ضرور موجود ہوں گے۔ ہر وہ شاعر جس نے نعت کے میدان میں قدم رکھا خواہ وہ کسی بھی زمانے سے تعلق رکھتا ہو قرآن و حدیث کے اثرات ضرور اس کے کلام میں نظر آئیں گے۔

اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس پس منظر کو سمجھا جائے جس کے

تحت یہ اثرات مرتب ہوئے۔ اس ذیل میں تین حقیقتیں سامنے آتی ہیں، جو نعتیہ شاعری پر قرآن وحدیث کے اثرات کو سمجھنے میں معاون ہیں۔ اوّل یہ کہ اُردو سنسکرت، ہندی اور فارسی کی آمیزش کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے جو خیالات، تراکیب اور تشبیہات واستعارات عربی کے زیرِ اثر فارسی میں رائج ہوئے وہ بعینہٖ اُردو میں بھی رواج پا گئے۔ شعراءِ دکن سے لے کر آخر تک کے شعرا کا کلام اُٹھا کر دیکھنے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ دوسرا یہ کہ ہندوستان کا وہ معاشرہ جس کو صُوفیائے کرام اور علمائے عظام نے بڑی محنت اور عملی جدّوجہد سے اسلامی رنگ میں ڈھالا۔ جو زبان جس علاقے میں وجود پذیر ہوتی ہے اس میں اس علاقے کے ماحول اور معاشرے کے تمام جزوی وکُلّی مسائل کے اثرات کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے اس لیے قدرتی طور پر اردو شاعری بھی دینی خیالات سے ہم آہنگ ہوتی گئی۔ تیسری جو خاص اور اہم بات ہے وہ یہ کہ اُردو زبان کی سرپرستی صوفیہ اور علماء نے کی جس کی وجہ سے اُردو کا دامن قرآن وحدیث کے وسیع مضامین سے بھر گیا۔

یہ ایک مُسلّمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے جس قدر بھی علماء ومشائخ گزرے ہیں سب ہی نے تقریباً شعرگوئی کو اپنا شعار بنایا۔ امیر خسرؔو سے لے کر آخر تک برابر ایسے لوگ ہوتے جنہوں نے نہ صرف فارسی میں قرآن وسُنّت کے مضامین نظم کیے بلکہ اُردو شاعری کے ذریعہ بھی ان خیالات وافکار کو عام کرنے کی پوری کوشش کی۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم نے اس سلسلہ میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے کیسے کیسے اعلیٰ خیالات تصوّف کی چاشنی میں ڈبو کر عام مُسلمانوں تک پہنچائے بلاشُبہ ان بزرگوں کی خدمات کو اُردو سے محبت رکھنے والے افراد کبھی نہیں بھلا سکتے۔ جس زمانے میں اُردو وجُود میں آئی اس وقت ہندوستان میں شاعری کا رواج عام تھا اور یہاں کے باشندے اس طرف رغبت بھی رکھتے تھے۔ ایسی صورت میں علماء وصوفیہ کے لیے تبلیغ کا ایک ذریعہ شاعری بھی تھا چنانچہ اُنہوں نے اُسے اختیار کیا اور اس کے ذریعہ اپنے خیالات کو عوام وخواص غرض ہر طبقہ تک پہنچایا۔ بقولِ مولانا عبدالسلام ندوی "اُردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہُوا اور ایک مُدّت تک مذہبی خیالات شاعری کا جُزِ غالب رہے [1]" اگرچہ اردو میں اور بھی بہت سے ایسے شعراء ہُوئے جنہوں نے رندی اور سرمستی کو اپنا مذہب بنایا اور اسی سے متعلق اپنے کلام میں مضامین رکھے۔ ایسے شعراء کا کلام صرف زبان وبیان کے اعتبار سے ہی اچھا کہا جا سکتا ہے لیکن معنی ومطالب کے اعتبار سے اس کی کوئی وقعت نہیں۔ ائمہ معانی وبیان اور نقاد دان فن نے بھی شعر کی تعریف میں یہی بات کہی ہے "کہ وہ کلام موزوں جو اپنے تاثرات کو عام کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو صحیح معنی میں شاعری ہے اور جس کا کلام اس معیار پر نہیں اُترتا وہ شاعر کہلانے کا مُستحق نہیں"۔ معلُوم یہ ہوا کہ اُردو شاعری چونکہ صوفیہ اور علماء کے دامن تربیت میں پلی بڑھی، جوان ہوئی اس لیے اس میں قدرتی طور پر بزرگوں کے خیالات کا عکس بہت گہرا ہوتا چلا گیا۔

اُردو میں نعتیہ شاعری کا رواج بھی شروع ہی سے تھا لیکن باقاعدہ نعتیہ شاعری کو ابتدائی دور میں کسی نے بھی اپنے لیے مخصوص نہیں کیا بلکہ زیادہ تر حصُولِ برکت کے لیے اپنے دیوان کی ابتدا میں حمد ونعت رکھی جس سے اگرچہ نعتیہ کلام کافی جمع ہو جاتا

[1] شعرالہند جلد دوم صد ۲۷۱ طبع لاہور

ہے، لیکن پھر بھی اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا بتفصیل پتا نہیں چلتا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب قطب شاہی سلطنت کے سلاطین نے شاعری کو اپنا محبوب مشغلہ بنایا اور دکنی زبان میں ایسے لطیف خیالات کا اظہار مختلف اصناف سخن مثلاً غزل، مرثیہ، قصیدہ اور نعت وغیرہ کے ذریعہ کیا۔ اس کے بعد مولانا نصرتیؔ نے بھی نعتیہ اشعار کہے، لیکن جب دہلی میں اُردو شاعری کا باقاعدہ آغاز ہُوا اور ولی دکنیؔ کا دیوان منظرِ عام پر آیا، تو یہاں بھی ولی کی طرح نعتیں لکھی جانے لگیں، جو صرف نمونتاً ہی پیش کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ سوداؔ اور میر تقی میرؔ وغیرہ نے قصائد میں نعت و منقبت کے اشعار نظم کیے۔ البتہ انشا کے دور میں شاہ غلام محی الدین اویسی نے نظم میں قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھی اور اس طرح اردو شاعری میں یہ عظیم کارنامہ معرضِ وجود میں آیا۔ ان کے بعد آتشؔ، ناسخؔ، مومنؔ، غالبؔ اور دیگر شعراء نے نعت کے سلسلہ میں پرانی ہی روش کو برقرار رکھا یعنی قصائد میں، مثنویات کی ابتدا میں اور دواوین کے شروع میں نعت کے نمونے پیش کیے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ پوری طرح نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں پر کس نے سب سے زیادہ توجہ دی اور کس نے اس کو باقاعدہ ایک الگ صنفِ سخن کی حیثیت سے اختیار کیا۔[1]

مومن و غالبؔ کے دور میں مولانا غلام امام شہید نے غزل، قصیدہ، مثنوی اور ترجیع بند وغیرہ میں نعتیں لکھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں نہایت جوش و عقیدت کا اظہار کیا۔ یہاں ایک ترجیع بند پیش کیا جاتا ہے جو قدسی کی غزل پر ہے اور معراج محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔

؎ قدر رعنا کی ادا جامہ زیبا کی پھبن — سُرمہ چشم غضب ناز بھری وہ چتون
وہ عمامے کی سجاوٹ وہ جبین روشن — اور وہ مکھڑے کی تجلّی وہ بیاض گردن
وہ عمامہ عربی اور وہ نیچا دامن — دلربایانہ وہ رفتار وہ بے ساختہ پن
مُردہ بھی دیکھے تو کر چاک گریبانِ کفن — اُٹھ چلے قبر سے بے تاب زبان پر یہ سخن

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

غلام امام شہید پہلے شخص ہیں جنہوں نے مولود شہیدی کے نام سے نعت پر مبنی مختلف نظمیں اس میں شامل کی ہیں، ان

---

[1] زیادہ چھان بین کرنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ معجزات اور معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مثنویاں ابتدائی دور میں لکھی گئیں۔ راقم الحروف نے انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں مطبوعہ اور قلمی کئی ایسے رسالے دیکھے جو معجزات اور معراج کے واقعات پر مبنی تھے۔ ان میں ملقین الہدی عاصی کی تصنیف ہے سن کتابت ۱۱۴۷ھ ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا رسالہ روضۃ الاطہار نوازش علی خاں شیدا کا ہے کتابت کا سال ۱۱۷۲ھ ہے۔ ان رسائل میں معراج، معجزات اور نعتیہ اشعار بھی موجود ہیں جس سے کسی حد تک اس بات کا ثبوت مل جاتا ہے کہ اردو شاعری میں ابتدا ہی سے نعتیہ شاعری پر توجہ دی جانے لگی لیکن اس قسم کے رسائل ہنوز سامنے نہیں آئے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جامی یا اردو میں محسن کاکوروی کی طرح نعتیہ شاعری کو کس نے اپنے لیے مخصوص کر لیا اور سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں کو شاعری کے ذریعہ بیان کیا۔

کے بعد نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ قابلِ قدر شخصیت محسنؔ کاکوروی علیہ الرحمۃ کی ہے جنہوں نے اپنی شاعری کا بنیادی مقصد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہی کو قرار دیا اور قصائد کے علاوہ مثنوی چراغِ کعبہ میں سراپا، معراج اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے بلاشبہ محسنؔ کاکوروی کی شخصیت اس اعتبار سے اردو شاعری میں بہت ہی اہم ہے۔ آپ نے ایسا سلسلہ شروع کیا کہ اس کے بعد امیرؔ مینائی، بیدمؔ وارثی، احمد رضا خاں بریلوی، کیفؔ ٹونکی اور مولانا ظفر علی خان وغیرہم نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو تقریباً اسی کے لیے مخصوص کر لیا اور اس طرح اُردو شاعری میں نعتیہ اشعار کا کافی ذخیرہ جمع ہو گیا جو دوسری زبانوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔

محسنؔ کاکوروی اور ان سے قبل اور بعد کے تمام شعراء کے نعتیہ کلام میں قرآن و حدیث کے اثرات کُلّی طور پر نظر آتے ہیں ان لوگوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر پہلے تفصیلی نظر ڈالی اور قرآن و حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے خاص طور پر اپنے اشعار کو اس کے مضامین سے مماثل کر کے بیان کیا۔ ان بزرگوں نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس کا حدیث یا قرآن سے ثبوت فراہم ہو سکے اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی اس خدمت کو قبولیت کا درجہ عطا فرمائے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت کا صلہ بھی۔

ہم یہاں شعراءِ اُردو کے نعتیہ اشعار قرآن و حدیث کے اصل متن کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ابتدائے اردو شاعری سے لے کر آخر تک کے شعراء کے مختصراً اشعار نمونتاً پیش کیے جاتے ہیں تاکہ قرآن و حدیث کے اثرات کا ایک خاکہ تیار ہو جائے۔

مُحمّد قلی قطب شاہ معانی

سلطان محمد قلی قطب شاہ المتخلص بہ معانی سلطنت قطب شاہیہ کا بانی تھا۔ ۹۱۸ھ میں دکن میں اس نے اپنی حکومت قائم کی۔ اُردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر مانا جاتا ہے۔ اس کا دیوان محی الدین قادری زورؔ نے ۱۹۴۰ء میں دکن سے شائع کیا۔ ۱۰۲۲ھ میں وفات پائی۔ اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح مدح سرائی کی ہے۔

؎ منگے پیغمبراں اپ تیئں شفاعت نت خدا سے ہمارے مصطفےٰ منگیں شفاعت اُمتی کا

عَن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر وانا اوّل شافع ومشفع ولا فخر (کنز العمال)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انبیائے مُرسلین کا پیشوا ہوں اور مجھے اس پر کچھ فخر نہیں۔ مَیں خاتم النبیین ہوں اور مجھے فخر نہیں۔ سب سے پہلے مَیں شفاعت کرنے والا ہُوں جس کی شفاعت مقبول ہے اور مجھے فخر نہیں۔

مولانا نصُرتی

مولانا نصرتی قطب شاہ کے بعد اردو شاعری میں بہت اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔ محمد عادل شاہ المتوفی ۱۰۶۳ھ کے زمانے کے شاعر ہیں۔ یہ اس کے آخری زمانے تک زندہ رہے۔ ان کی بہت سی تصانیف

ہیں جن میں گلشن عشق، علی نامہ، معراج نامہ وغیرہ بہت اہم ہیں۔ مولوی عبدالحق مرحوم نے نصرتی پر ایک کتاب اسی نام سے تصنیف کی جو انجمن ترقی اردو سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔ نعتیہ اشعار نہایت جوش و عقیدت سے کہتے ہیں۔

ع زہے نامور سید المرسلین — کہ آخر ہوئے شافع المذنبین

عن ابی سعید رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم

(مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سردار اولاد آدم ہوں۔

ایک حدیث میں شفاعت کی کیفیت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیقول ارفع محمد وقل تسمع واشفع تشفع وسل تعطہ قال فارفع راسی فاثنی علی ربی بثناء و تحمید یعلمنیہ ثم اشفع (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (محشر میں) خدا فرمائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر اٹھا کر جو چاہے گا تیری عرض قبول کی جائے گی، جس کی چاہے شفاعت کر تیری شفاعت قبول کی جائے گی جو کچھ چاہے مانگ تیرا سوال رد نہیں کیا جائے گا۔

ع اول رکھ یہ خلقت کے اے دل تو ریج — وہی پھل ہے آخر جو اول ہے بیج
زباں سوں امو لک گہر سنج تو ریج — دھرے سینہ حق راز کا گنج تو ریج

عن قتادہ مرسلا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول الناس فی الخلق و آخرھم فی البعث۔ (کنزالعمال)

ترجمہ: حضرت قتادہ رضؓ سے مرسلاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں خلق میں سب سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب کے بعد ہوں۔

عاصی

عاصی دکن کے شاعر ہیں خوب شعر کہتے ہیں نصرتی، غواصی وغیرہ کا زمانہ پایا تمکین الہدیٰ کے نام سے ان کا ایک مجموعہ انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں موجود ہے نعتیہ اشعار بھی کہتے ہیں چند شعر دیکھیے۔

دہن گلاب سوں دھو کر طرب سوں — کہوں صلوات میں شاہ عرب کوں
فلک روتے زمیں ملک عجم کی — خلافت ہے نبی المحترم کی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (سورۂ احزاب)

ترجمہ: اے مومنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجو۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سورہ سباء رکوع ۹ پ ۲۲)

ترجمہ : ہم نے آپؐ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

إنّا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق (سورہ ص رکوع ۱۱ پ۲۳)

ترجمہ : ہم نے آپ کو زمین کی خلافت دی۔ آپؐ انصاف سے لوگوں میں فیصلہ فرمائیں۔

؎ خدا ہر شے میں اِس کو دکھایا نبی پر بھیج کر قرآں جگایا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إن فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات لاُولی الالباب (سورۂ آلِ عمران۔ آیت نمبر ۱۹۰)

ترجمہ : آسمان و زمین کی تخلیق اور دن رات کے اختلاف میں اہلِ عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔

وذکر بالقرآن من یخاف وعید (سورہ ق)

آپ قرآن پاک سے سمجھائیے اس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے۔

؎ خدا نزدیک تر ہے شہرگ سوں تیرے ہمیں نادیکھ سک کہانی میں پیری

نحن اقرب الیہ من حبل الورید (سورہ ق رکوع ۲ پ۲۶)

ترجمہ : اور ہم اس کے رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون (سورہ واقعہ رکوع ۱۶ پ ۲۷)

ترجمہ : ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک تر ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔

ولی دکھنی ولی دکھنی اردو کا وہ شاعر ہے جس کی وجہ سے دہلی میں اردو شاعری کا عام رواج ہوا انہوں نے اُردو شاعری کو فارسی کے اعلیٰ مضامین سے آشنا کیا اور صحیح معنیٰ میں اردو زبان کی پہلی اینٹ رکھی۔ ۱۱۱۹ھ میں انتقال کیا۔ بہت سی مثنویاں دیوان اور ایک رسالہ تصوف میں نور المعرفت یادگار چھوڑا۔ بڑے ذی علم صاحب کمال بزرگ تھے۔ نور الحسن ہاشمی صاحب نے مقدمہ کلیات ولی میں لکھا ہے کہ :

"ولی کی معلومات علمی وادبی اور مذہبی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کلام میں آیاتِ قرآنی اور احادیث کی طرف تلمیح بہت ہیں، مذہبی علوم اور تصوف کی اصطلاحوں کا استعمال ہمیشہ برمحل ہوا" [۱]

بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن نعتیں بھی کہی ہیں۔ ان کے دیوان میں بہت سی چیزیں ملتی ہیں۔ چند شعر دیکھیے

؎ محمدؐ وہ ہے جس کے حق میں لولاک کہا ہے خالقِ املاک و افلاک

حدیث میں آتا ہے۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔

---

[۱] کلیات ولی ص ۱۳ طبع انجمن ترقی اردو ہند

ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا نہ بناتا۔

سے سحن کا لکھ منور نور آیت فال مصحف ہے کر اہل نامراداں پر دعائے ہل اتیٰ حافظ

ارشاد باری تعالےٰ ہے:

نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء (سورہ نور رکوع ۵ پ ۱۸)

روشنی پر روشنی اللہ جسے چاہتا ہے اسے نور سے ہدایت دیتا ہے۔

هَلْ اتٰک حدیث الغاشیة وجوہ یومئذ خاشعة عاملة ناصبة تصلیٰ ناراً حامیة

تسقیٰ من عین آنیة (سورہ غاشیہ)

ترجمہ: کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپانے والے کی کتنے منہ اس دن ذلیل ہونے والے ہیں۔ محنت کرنے والے تھکے ہوئے گریں گے دہکتی ہوئی آگ میں اور کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جائیں گے۔

سے رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے حبیب زیور لب ذکر سبحان الذی اسریٰ کروں

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ لنریہٗ من آیاتنا انہٗ ھو السمیع البصیر۔ (سورہ بنی اسرائیل)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اس کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے وہی سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔

سے چہرۂ گل رنگ و زلف موج زن خوبی میں آیت "جنات تجری تحتہا الانہار" ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَاَعَدَّ لَھُمْ جنٰت تجری تحتہا الانھار خلدین فیھا ابدا (سورۃ التوبہ ۱۳ پ ۱۱)

ترجمہ: اور تیار کر رکھے ہیں ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں وہ انہی میں ہمیشہ رہا کریں گے۔

سے وہ جو پاوے مطلب راضیۃ مرضیہ محض للہ جگ میں جو اعمال نہانی کرے

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (سورۃ الفجر رکوع ۴ پ ۳۰)

ترجمہ: اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش ہو پھر تو میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

مرزا رفیع سودا

سودا اردو کے ان شعراء میں سے ہیں جن کا شمار صفِ اوّل کے شاعروں میں ہوتا ہے۔ غزل کے استاد تھے اور قصیدہ نگاری میں ان کا کوئی حریف نہیں۔ نواب آصف الدولہ کے دربار سے وابستگی بھی اور

ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ ۱۱۹۵ھ میں انتقال ہُوا۔ خود میر تقی میر جیسے باکمال شاعر نے انہیں تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا جو رفعت تخیل، طبیعت کی رنگا رنگی، الفاظ و تراکیب کی چستی اور لطف و اثر کے لحاظ سے بہت اعلیٰ سمجھا جاتا ہے چونکہ یہ قصیدہ نعت میں ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث کے مضامین بھی اس میں نظم کیے ہیں۔ یہاں چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ (سورہ البقرہ رکوع ۴ پ۱)

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدے میں گر پڑے سوائے ابلیس کے۔

خیال خلق اس کا گر شفیع کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی

عن عوف بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی آت من عند ربی فخیرنی بین ان یدخل نصف امتی الجنۃ وبین الشفاعۃ فاخترت الشفاعۃ وھی لمن مات لا یشرک باللہ شیئاً (ترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کر لوں یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نصف اُمت کو جنت میں داخل فرما دیں یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے تو میں نے حقِ شفاعت کو اختیار کر لیا اور میری شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

حدیث "من رآنی" وال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

ارشادِ نبوی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رآنی فقد رأی الحق (صحیح بخاری)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے مجھے دیکھا اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا۔

مفتی غلام سرور لاہوری

مفتی غلام سرور لاہوری مفتی غلام محمد کے فرزند تھے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی ایک کتاب خزینۃ الاصفیاء بہت ہی مشہور ہے۔ شعر بھی کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ حضورِ اکرم کی نعت میں جس شدتِ جذبات سے اشعار کہے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا بیّن ثبوت ہے چند شعر دیکھئے۔

حضرت حق آپ ناطق ہیں نبی کی وصف میں
جا بجا مداح قرآں ہے رسول اللہ کا

ارشادِ خداوندی ہے۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم (سورہ قلم)

ترجمہ: بے شک آپ بڑے ہی بلند اخلاق ہیں۔

تیری خاطر ہو گیا وحدت کا کثرت میں ظہور حق نے تیرے واسطے سارا جہاں پیدا کیا

لولاک لما خلقت الافلاک (حدیث)

ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات نہ ہوتی۔

ہو گئے منسوخ جتنے دین تھے دنیا میں تمام مصطفٰے جب ہادیِ دینِ شریعت ہو گیا

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے۔

ھُوَ الَّذِی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔

(سورۃ الصف رکوع ۹ پ ۲۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے خواہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

ع وعدہ یعطیک ربک کر چکا ہے کردگار یا نبی حق کو رضامندی تری منظور ہے

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (سورۃ الضحیٰ) پ ۳۰

ترجمہ: البتہ تیرا رب تجھے اتنا دے گا جس سے تو راضی ہو جائے گا۔

مومن خاں مومن

مومن خاں مومن شاہ عبدالقادر صاحب کے تربیت یافتہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیعت تھے بادشاہ یا امیر کی مداحی سے نفرت کرتے تھے لیکن انہوں نے قصائد کہے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مدح میں کہے۔ یہ قصائد فن کے اعتبار سے بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ مومن چونکہ خود بھی بہت اچھے عالم تھے اس لیے جہاں ان کے نعتیہ قصیدے میں طب و نجوم کی اصطلاحات ہیں وہاں قرآن و حدیث کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔

ع گر اس بہار کی یعقوب کو ہوا لگ جائے شمیم جامہ یوسف کبھی نہ ہو محسوس

قرآن کریم میں ہے۔

اِذْھَبُوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا (سورہ یوسف رکوع ۴ پ ۱۳)

ترجمہ: اس کرتہ کو لیجا کر میرے والد کے چہرے پر ڈال دو تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔

ع وہ کون احمد مرسل شفیع ہر دوسرا جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر۔ وانا اول شافع ومشفع ولا فخر (کنز العمال)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پیغمبروں کا پیشوا ہوں اور مجھے کوئی فخر

نہیں میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں جس کی شفاعت رد نہیں کی جائے گی اور مجھے اس پر کچھ فخر نہیں۔

ؔ ہے برق اسپ ترا ابروئے فرشتہ رکاب — کہاں ہو چشم بشر ایسی پاؤں سے ممسوس

معراج کی مشہور حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر روانہ ہوئے تو حضرت جبرائیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑی تھی اور حضرت میکائیل براق کی باگ ہاتھ سے تھامے ہوئے تھے۔

(مشکواۃ ترجمہ مولانا قطب الدین)

نہ جس کے دھیان میں مضمون قاب قوسین آئے — وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس

قرآن مجید میں ہے۔

فکان قاب قوسین او ادنیٰ — (سورہ النجم رکوع ۵ پ ۲۷)

ترجمہ: پھر وہ قریب آیا کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔

نظیر اکبر آبادی

نظیر اکبر آبادی اردو کے وہ تنہا شاعر ہیں جنہوں نے اس وقت کی عام شاعری سے ہٹ کر اپنی ایک الگ راہ نکالی اور روزمرّہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر نظمیں لکھیں۔ اس اعتبار سے انہیں جدید شاعری کا بانی کہا جاتا ہے جہاں انہوں نے آدمی نامہ، بنجارہ نامہ وغیرہ نظمیں لکھیں وہاں نعت کے میدان میں بھی بہت کچھ کیا۔

ؔ تم شہِ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ — سر گروہ مسلمیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

حاکمِ دینِ متیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ — قبلۂ اہلِ یقیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

رحمت للعالمین ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شھیدا۔

(سورہ الفتح ۱۲ پ ۲۶)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنا رسولؐ ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ حق ثابت کرنے والا کافی ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین (سورہ انبیاء پ ۱۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

ؔ تم ظہور اولین ہو یا محمدؐ مصطفےٰ — ہمدمِ جاں آفریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

کنت اول الناس فی الخلق وآخرھم فی البعث (عن قتادہ مرسلا) (کنز العمال)

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خلق میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب کے بعد ہوں۔

داغ دہلوی

زبان و بیان کے اعتبار سے داغ اردو کے منفرد شاعر ہیں۔ ہمیشہ غزل کہی اور محاورات سے وہ لطف پیدا کیا جو کسی دوسرے کے یہاں نظر نہیں آتا۔ ان کے یہاں نعت بھی ملتی ہے اس میں بھی زبان کا لطف نظر آتا ہے۔ شعر دیکھیے۔

؎ احمد رسول تیرا مصحف کلام تیرا — ایمان کی کہیں گے ایمان ہے ہمارا
شمس الضحیٰ محمدؐ، بدر الدجیٰ محمدؐ — ہے نور پاک روشن ہر صبح و شام تیرا

قرآن حکیم میں کئی جگہ محمد رسول اللہ آیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے القرآن کلام اللہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔
قرآن مجید میں آتا ہے: وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا "یہی تلمیح مذکورہ بالا شعر میں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلة اضحیان و علیہ حلة حمراء فجعلت انظر الیہ والی القمر فلھو عندی احسن من القمر (شمائل ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میں دیکھ رہا تھا۔ حضورؐ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپؐ کو بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضورؐ چاند سے کہیں زیادہ حسین و جمیل ہیں۔

محسن کاکوروی

محسن کاکوروی اردو کے وہ تنہا شاعر ہیں جنہوں نے جو کچھ کہا نعت میں تھا۔ گویا انہوں نے اپنی تمام تر زندگی نعت کے لیے وقف کر دی اور تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں صرف کی۔ جتنا کچھ آپ نے نعت میں کہا وہ سب آپ کے حسنِ خلوص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی انتہا کا پتا دیتا ہے۔ آپ نے معراج کا واقعہ اور معجزات کے بیان میں اپنا ماخذ قرآن و حدیث ہی کو بنایا۔ ذیل میں صرف چند اشعار پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

؎ ان دنوں فصل بہاری میں ہے طغرائے چمن — جملۂ انبتہ اللہ نباتاً حسنا

وانبتھا نباتاً حسنًا (سورہ آل عمران رکوع ۱۲ پ۳)

ترجمہ: اور عمدہ طور پر اس کو نشو و نما دیا۔

؎ روکش باغِ خلیل اب کی سراپا گلخن — فیض تاثیر ہوا ہے کہ ہوا جاتا ہے

قُلنا یا نارُ کونی برداً و سلٰماً علیٰ ابراھیم (سورہ الانبیاء رکوع ۵ پ۱۷)

ترجمہ: ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں۔

؎ کہ لکھا خامۂ قدرت نے لوحِ احسن — اس کی توصیف میں اک شمہ ہے قرآن شریف

قرآن حکیم میں ہے: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عظیم (سورہ قلم)
ترجمہ: بیشک آپؐ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

عن سعد بن هشام قال سألت عائشة امّ المومنین رضی اللہ عنہا فقلت اخبرنی عن خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فقالت اما تقرأ القرآن قلت بلی فقالت : کان خلقہ القرآن (مسلم)

ترجمہ : حضرت سعد بن ہشام رضہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضہ سے عرض کیا کہ آپ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو بیان فرمائیے حضرت عائشہ نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا بیشک مَیں قرآن پڑھتا ہُوں تو حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا کہ آپؐ کی عادت قرآن تھی۔

؎ پیشوائے رسل سید نسل آدم جلوہ حضرت حق نور مجسم ہمہ تن

عن ابی ھریرۃ رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم (مشکوٰۃ)

ترجمہ : حضرت ابُوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَیں سردار اولادِ آدم ہُوں ۔ ایک اور حدیث میں ہے ۔

عن ابی ھریرۃ رضہ قال قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال آدم بین الروح والجسد (مشکوٰۃ)

ترجمہ : حضرت ابُوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضہ نے دریافت کیا یارسُول اللہ آپ کو نبوت کب عطا ہُوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت حضرت آدم رُوح اور جسم کے درمیان تھے ۔

؎ نہ رہے چشمہ کوثر کی تمنا مجُھ کو اس طرح کرے تو اپنا مجھے مفتون دہن

اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے ۔

انّا اعطینٰک الکوثر

ترجمہ : ہم نے آپ کو حوض کوثر عطا کیا ۔

حدیث میں آتا ہے ۔ وعن سھل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی فرطکم علی الحوض من مرعلی شرب ومن شرب لم یظماء ابدًا (مشکوۃ باب الحوض والشفاعۃ)

ترجمہ : حضرت سہل بن سعد رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں تمہارا میزبان ہوں گا حوض کوثر پر جو شخص میرے پاس آئے گا وہ پانی پیئے گا اور جو پانی پیے گا وہ کبھی پیاسا نہیں رہے گا ۔

؎ کیسی تصویر جسے کھینچ کے نقاش ازل خود لگا کہنے کہ ہر وصف میں تو ہے افضل
تیری صورت سے کھلے معنی ماقل و دل انبیا شرح مفصل ہیں تو متن مجمل
تو ہے خورشید ترے سامنے انجم ہیں نبی
تو ہے شمع تسور میں تو سب ہیں قطبی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح دعا مانگی ۔

ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آيتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم (سورة البقرہ رکوع ۱۵ پ۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار اس جماعت کے اندر ان ہی میں کا ایک پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو اُن لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں بے شک آپ ہی غالب اور حکمت والے ہیں۔

کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس ہیں — کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل
کہیں جبریل حکومت پہ کہیں اسرافیل — کہیں رضوان کا کہیں ساقی کوثر کا عمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَثَل الجنّة التی وعد المتقون فیھا انھارٌ من مآءٍ غیر آسن وانھارٌ من لبنٍ لم یتغیر طعمہ وانھارٌ من خمرٍ لذةٍ للشاربین وانھارٌ من عسلٍ مُصفًّى (سورہ محمد رکوع ۲۶/۲)

ترجمہ: جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا۔

افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب — اولیت پہ تری متفق ادیان و ملل

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منہ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن کے بعد قرن پیدا کیا گیا ہے یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس قرن سے کہ میں ہوں۔

لطف سے تیرے ہوئی شوکت ایماں محکم — قہر سے سلطنت کفر ہوئی مستاصل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشآء من عبادہ ولو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملون۔ (سورہ انعام رکوع ۱۶ پ۷)

ترجمہ: یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر چلاتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔

بحر امکاں میں رسول عربی دُرِّ یتیم — رحمت خاص خداوند تعالیٰ بادل

الم یجدک یتیماً فآوٰی (سورۃ الضحیٰ رکوع ۱۸ پ۳۰)

ترجمہ: کیا ہم نے تجھ کو یتیم نہ پایا پھر ٹھکانہ دیا۔

شب معراج میں تھا عرش معلیٰ بادل   تھا بندھا تار فرشتوں کا درِ اقدس پر

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان ابوذر یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فرج عن سقف بیتی وانا بمکۃ فنزل جبرائیل (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابُوذر رضؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میرے گھر کی چھت کھول دی گئی اور میں اس وقت مکہ میں تھا پس جبرئیل تشریف لائے۔

امیر مینائی امیر مینائی اُردو کے مایہ ناز شاعر ہیں غزل میں داغ کے حریف مانے جاتے ہیں۔ لکھنوی شاعری کی تمام خصوصیات آپ کے کلام میں موجود ہیں۔ محسن کاکوروی کے کہنے پر نعت گوئی شروع کی اور اس میں بھی کمال پیدا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُردو میں ان دونوں بزرگوں کی وجہ سے نعتیہ شاعری کا مستقل طور پر رواج ہوا۔ نعت میں ایک دیوان محامد خاتم النّبیین کے نام سے یادگار چھوڑا، چند اشعار دیکھیے۔

خزانہ ہے محیط اس چشمۂ روحِ مجرّد کا   نفخت فیہ من روحی کے معنی سے ہوا ثابت

فاذا سویتہٗ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہٗ سٰجدین (سورہ ص رکوع ۱۴ پ ۲۳)

ترجمہ: پھر جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔

اشارہ یہ بھی تھا اک نون ابروئے محمدؐ کا   رہائی پائی قیدِ بطنِ ماہی سے جو یونس نے

ارشادِ خداوندی ہے:

فالتقمہ الحوت وھو ملیم فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہٖ الیٰ یوم یبعثون فنبذنٰہ بالعرآء وھو سقیم (سورہ الصّٰفٰت رکوع ۹ پ ۲۳)

ترجمہ: پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے، تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے۔ سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمحل تھے۔

قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے   انہیں دو نُقطۂ زیریں کا طالب لفظ تھا بد کا

عن انس رضؓ قال سال اھل مکۃ ان یریھم اٰیۃ فاراھم انشقاق القمر (صحیح بخاری پارہ ۳۰)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ بیان کرتے ہیں جب بارگاہِ نبوّت میں اہلِ مکّہ نے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے چاند کے ٹکڑے کر کے دکھائے۔

خدا مُشتاق شہرہ قدسیوں میں آمد آمد کا   شب معراج کیا اس مقتدا نے مرتبہ پایا

معراج کی حدیث میں آتا ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثھم عن لیلۃ اسری بہ قال بینما انا فی

الحطیم وربما قال فی الحجر مضطجعا اذ اتانی اٰت فشق ما بین هذه الی هذه یعنی من ثغرة نحره الی شعرته فاستخرج قلبی ثم اُتیت بطست من ذهب مملوء ایمانا فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید وفی روایة ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ ایمانا وحکمة ثم اُتیت بدابة دون البغل وفوق الحمار ابیض یقال له البراق یضع خطوه عند اقصی طرفه فحملت علیه فانطلق بی جبرئیل حتی اتی الی السماء الدنیا فاستفتح قیل من هذا قال جبرئیل قیل ومن معک قال محمد قیل وقد ارسل الیه قال نعم قیل مرحبا به فنعم المجیٔ الخ (مشکوٰة)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس رات کا حال بیان فرمایا جس میں آپ کو آسمان پر لے جایا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا میں حطیم یا حجر میں تھا کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ یہاں سے یہاں تک میرے سینہ کو شق کیا یعنی گردن سے لے کر ناف تک پھر میرے دل کو نکالا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اس میں میرے دل کو دھویا پھر دل میں (خدا کی محبّت) بھر دی گئی اور پھر دل کو سینے کے اندر رکھ دیا گیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میرے پیٹ کو دھویا گیا زمزم کے پانی سے۔ اس میں ایمان وحکمت کو بھرا گیا اس کے بعد سواری کا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا۔ یہ جانور سفید رنگ کا تھا اور اس کا نام براق تھا اس کا ایک قدم حدِ نظر تک اٹھتا تھا پھر مجھ کو اس پر سوار کیا گیا۔ جبرائیل مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ میں آسمانِ دنیا کے نیچے پہنچا۔ جبرائیلؑ نے دروازہ کو کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ جواب دیا جبرائیل پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہے۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا محمدؐ ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا کیا آپ کو بلوایا گیا ہے۔ جبرائیل نے جواب دیا ہاں تو فرشتوں نے کہا مرحبا مرحبا خوش آمدید، خوش آمدید آپؐ کا آنا مبارک۔ کتنے اچھے ہیں آنے والے۔

؎ اوّل عالمِ ایجاد ہے یوں خلقتِ پاک — سورہ محمدؐ سے قرآن کا ہے جیسے آغاز

اول ما خلق اللہ نوری (حدیث)

ترجمہ: سب سے پہلے میرا نور اللہ نے پیدا کیا۔

سورہ محمدؐ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (سورہ محمد رکوع ۵ پ ۲۶)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور وہ اس سب پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے اور وہ ان کے رب کے پاس سے آئے واقعی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان پر سے اتارے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔

منیر شکوہ آبادی — منیر شکوہ آبادی اردو کے بہت اچھے شاعر تھے خصوصاً قصائد میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ آپ نے جہاں غزل اور قصیدہ کو اپنایا وہاں نعت بھی کہی اور واقعہ یہ ہے کہ خوب کہی۔

قرآن وحدیث کے اثرات پوری طرح ان کے نعتیہ کلام میں ملتے ہیں۔

؎ خدا نے حکم دیا قبل ان تموتوا کا — جہاں میں میرے مشتاق رہتے ہیں ابرار

حدیث شریف میں آتا ہے۔ موتوا قبل ان تموتوا

ترجمہ: مرو مرنے سے پہلے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ ترجمہ: اپنا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے۔

صفائے آئینہ لا الٰہ اللہ — جلائے سرمہ مازاغ واقف اسرار

حدیث شریف میں ہے

من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ

ترجمہ: جس نے لاالٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (سورۃ النجم رکوع ۵ پ ۲۷)

بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی۔

؎ اسیر طوطی خوش لہجہ دام آفت میں — مقام فاعتبروا ہے اے اولی الابصار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاعتبروا یا اُولی الابصار (سورہ الحشر رکوع ۴ پ ۲۸)

ترجمہ: اے آنکھوں والو عبرت پکڑو۔

؎ ہوا اشارۂ حضرت سے چاند دو ٹکڑے — ہوا نے کوچۂ شق القمر میں کی رفتار

ارشادِ خداوندی ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (سورہ القمر رکوع ۱ پ ۲۷)

ترجمہ: قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا۔

مولانا حالی حالی اردو کے نہ صرف نقاد ہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی ہیں۔ جدید شاعری کے بانیوں میں آپ کا نام شامل کیا جاتا ہے۔ مولانا وہ شاعر ہیں جو مسلمانوں سے خاص دلچسپی رکھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ مسلمان پھر دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آجائیں۔ اس کو انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ پھیلایا۔ مولانا حالی نے نعتیہ قصائد بھی لکھے اور مسدس میں بھی نعتیہ اشعار لکھے جو فن اور خلوص کا آئینہ دار ہیں۔

؎ یا مُلکی الصفات ویا البشری القوی — فیکٔ دلیل علی انک خیر الوری

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ‎(سورہ الکہف رکوع ۳ پ ۱۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا!

عن خالد بن معدان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا دعوۃ ابراھیم ابی وبشری عیسی بن مریم ورأت امی حین حملت بی انہ خرج منھا نور اضاءت لہ بصری من ارض الشام (کنزالعمال)

ترجمہ: حضرت خالد بن معدان رضی سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم ؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰ ؑ کی بشارت ہوں، میری والدہ نے دیکھا جس وقت میں ان کے بطن مبارک میں آیا کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے بصری جو ارضِ شام میں واقع ہے چمک اٹھا۔

؎ بجھ گئے آتش کدے، بیٹھ گئے بتکدے — ہوگئی تثلیث مات اور ثنویت فنا

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَجَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹ پ ۱۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے سچ اور حق آگیا کذب و جھوٹ ختم ہوگیا۔ یقیناً کذب و جھوٹ ختم ہی ہو کر رہتا ہے۔

؎ وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماوا
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورہ انبیاء رکوع ۷ پ ۱۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

عن جابر عبد اللہ یقول ما سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیأ قط فقال لا (شمائل ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں کیا۔

؎ یہ کہہ کر کیا علم پر ان کو شیدا کہ ہیں دور رحمت سے سب اہل دنیا

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا ان الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم ومتعلم

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار رہو کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں قابل نفرت ہیں بجز ذکر خدا کے اور جو اس سے ملتا جلتا ہو اور بجز عالم و متعلم کے۔

؎ غریبوں کو محنت کی غربت دلائی کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی نہ کرنی پڑے تم کو در در گدائی
طلب سے ہے دنیا کی گر یاں پہ نیت
تو دیکھو گے واں ماہ کامل کی صورت

حدیث شریف میں آتا ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طلب الدنیا حلالا استعفافا عن المسئلۃ وسعیا علی اہلہ وتعطفا علی جارہ لقی اللہ تعالیٰ یوم القیٰمۃ ووجہہ مثل القمر لیلۃ البدر (مشکوٰۃ)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جائز ذریعہ سے روپیہ اس غرض سے کمائے کہ بھیک مانگنے سے بچے اور بال بچوں کے لیے کوشش کرے اور اپنے ہمسایوں پر مہربانی کرے ایسا شخص قیامت کے دن اس حال میں خدا سے ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔

؎ نبی کا نام ہو ورد زبان رہے جب تک سخن زباں کے لیے اور زباں وہاں کے لیے

اللّٰھم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک (حصن حصین)

ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس شخص کی جس کی محبت تیرے یہاں مجھے نفع دے۔

امجد حیدرآبادی

امجد حیدرآبادی مرحوم رباعیات کے شاعر ہیں۔ اس صنفِ سخن میں انہوں نے کمال پیدا کیا۔ رباعیات میں قرآن حکیم کے مضامین نظم کیے۔ گویا رباعیاتِ امجد قرآن کریم کی مختصر تفسیر ہے۔ اسی ذیل میں نعتیہ اشعار بھی کہے جو اکثر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔

؎ خون روتا ہوں ملبد آپ کو دیکھا نہیں جس گھڑی پیوستہ حضرتؐ کے حناتھی میں نہ تھا

عن ابن عمر قال لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملبدا (صحیح بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر کہتے ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے سر کے بالوں پر لیپ کیا

ہوا تھا (یعنی خضاب)

؎ جسم خوشبو دار سے حضرت کے ہر ہر فیضیاب — ملس تھا مرط مرحل بھی رداحتی میں نہ تھا

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات غداۃ وعلیہ مرط مرحل (صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صبح کو برآمد ہوئے آپ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جس پر پالان شتر کے کجادوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

؎ کہا یالیتنی کنت ترابا عرش اعظم نے — قدم جب سیّدِ عالم کا بر روئے زمین آیا

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا (سورہ النزعت رکوع ۲ پ ۳۰)

ترجمہ: اور کافر کہیں گے کاش میں مٹی ہوتا۔

؎ لاریب ذات ان کی سراج منیر — پُر نور جس کے عکس سے ہر دوسرا ہوا

یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا

(سورہ احزاب رکوع ۳ پ ۲۲)

ترجمہ: اے نبیؐ ہم نے آپ کو بھیجا بتلانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور آپ چمکتا ہوا چراغ ہیں۔

؎ پیروی سے جو سواد اعظم کی بہکا وہ کبھی — راہ پائے گا نہیں یوں ہی بھٹکتا جائے گا

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتبعوا سواد اعظم فانہ من شذ شذ فی النار (صحیحین)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بڑی جماعت کی پیروی کرو جو علیحدہ ہوگا وہ یقیناً دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

؎ گر کیا موسےٰؑ نے پانی سنگ سے جاری — میرے حبیبؐ نے ہر اُنگلی کو پنگھٹ کر دیا

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

واذ استسقی موسیٰ لقومہ فقلنا اضرب بعصاک الحجر فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا

(سورہ البقرہ رکوع ۷ پ ۱)

ترجمہ: اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو بہ نکلے اس سے بارہ چشمے

حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم باناء وھو بالزوراء فوضع یدہ فی الاناء فجعل الماء ینبع من بین اصابعہ فتوضا القوم قال قتادہ قلت لانس کم کنتم قال ثلثمائۃ او زھاء ثلثمائۃ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن اس وقت لایا گیا جب آپ مقام زوراء میں تھے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں رکھا تو انگلیوں سے پانی جوش مارنے لگا (دریا کی طرح) پس قوم نے وضو کیا قتادہ رضؓ نے حضرت انس رضؓ سے دریافت کیا۔ آپ کتنے حضرات تھے انہوں نے جواب دیا ہم تین سو تھے یا زیادہ تین سو سے۔

؎ آپؐ کو مال و دولت سے جو رکھے گا افزوں — بے شک ایمان میں امجد وہی کامل ہوگا

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من نعمتہ ومالہ وولدہ ووالدہ والناس اجمعین (مشارق الانوار)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب کہ میں مال و دولت اور باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

؎ اگر کبیرہ کا مرتکب ہو شفاعت اس کی تھی آن پہ واجب — حبیب حق پر بس امتی نے درود بھیجا سلام بھیجا

عن انس رضؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال شفاعتی لاھل الکبائر من امتی (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری اُمت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔

عن رویفع رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علی محمد وقال اللھم انزلہ المقعد المقرب عندک یوم القیمۃ وجبت لہ شفاعتی (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت رویفع رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر درود بھیجا اور کہا اے اللہ قیامت کے روز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریب ترجگہ عنایت فرما تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

؎ ہے شرف آپؐ کا افزوں خلیل اللہ پر — وہ خدا کے ہیں خلیل اور محمدؐ ہیں حبیب

عن عمرو بن قیس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نحن الاٰخرون ونحن السابقون یوم القیامۃ وانی قائل قولاً غیر فخر ابراھیم خلیل اللہ وموسیٰ کلیم اللہ وانا حبیب اللہ (الدارمی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن قیس رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پیچھے آنے والوں میں سے ہیں اور ہم قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے اور میں ایک بات کہتا ہوں بغیر فخر کے، ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں، موسیٰ اللہ کے کلیم ہیں اور میں اللہ کا حبیب ہوں۔

مولانا احمد رضا خاں

مولانا احمد رضا خاں بڑے عالم تھے۔ نعتیہ شاعری کو اپنا شعار بنایا بے شمار کتابوں کے مصنف حدائق بخشش ان کا مشہور نعتیہ مجموعہ ہے۔ نعتیہ اشعار میں قرآن وحدیث کا عکس بہت

نمایاں ہے چند شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

؎ حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں سَر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (سورہ یوسف رکوع ۴، ۱۲پ)

ترجمہ: پھر جب دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔ (سورہ توبہ رکوع ۳ پ ۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نے خرید لیا مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض وہ اللہ کے راستہ میں کفار کو قتل کرتے ہیں اور خود راہِ خدا میں شہید ہوتے ہیں۔

؎ اَنْتَ فِیْهِمْ نے عدو کو بھی لیا دامن میں عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورہ انفال رکوع ۴ پ ۹)

ترجمہ آپ کے ہوتے ہوئے خدا ان پر ہرگز عذاب نہیں کریں گے اور اللہ ان پر عذاب نہیں کریں گے جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے۔

؎ من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (صحیح بخاری)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری قبر کی زیارت کرے اس پر میری شفاعت واجب ہے۔

؎ مجرم بلانے آئے ہیں جآؤک ہے گواہ پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (سورہ النساء رکوع ۶ پ ۵)

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ جس وقت ظلم کرتے تھے اپنی جانوں پر اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی اُن کے لیے اللہ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے۔

؎ مومن ہوں مومنوں پہ رؤف رحیم ہو سائل ہوں سائلوں کو خوشی لاتہر کی ہے

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ ع ۵ پ ۱۱)

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر آئے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی باتیں نہایت گراں گزرتی ہیں جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں اور ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفیق و مہربان ہیں

بیدم وارثی بیدم وارثی اگرچہ غزل گو شعراء کی طرح شہرت یافتہ نہیں ہیں لیکن نعت میں آپ بہت زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے صرف نعت میں ہی طبع آزمائی کی ہے اور جس خلوص، محبت اور سرشاری سے کہی ہیں، وہ صاف ظاہر ہے چند شعر دیکھیے:

تزئین شبِ اسریٰ دیکھی تو ملک بولے ۔۔۔ کیا آج خدا کے گھر مہمان نرالا ہے

حدیث شریف میں آتا ہے۔

عن انس بن مالک ان النبی اللہ حدثہم عن لیلۃ اسری بہ قال فانطلق بی جبریل حتیٰ اتی السماء الدنیا فاستفتح قیل من ھذا قال جبرائیل قیل ومن معک قال محمد قیل وقد ارسل الیہ قال نعم قیل مرحبًا بہ فنعم المجی جاء (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسولؐ اللہ سے سنا کہ حضرت جبرائیل مجھے دنیا کے آسمان پر لے گئے اور دروازہ کھولنے کو کہا تو دربان نے پوچھا کون ہے جبرائیل نے کہا میں جبرائیل ہوں دربان نے کہا اور کون ہے آپ کے ہمراہ جواب دیا محمدؐ فرشتوں نے پوچھا کیا آپ کو بلایا گیا ہے حضرت جبرائیل نے جواب دیا ہاں، تو فرشتوں نے کہا مرحبا مرحبا آپؐ کا آنا مبارک کتنے اچھے ہیں آنے والے۔

ہمارا کچھ نہ ہونا لاکھ ہونے کے برابر ہے ۔۔۔ چلے دنیا سے ہم شیدائے ختم المرسلین ہو کر

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والناس اجمعین (صحیحین)

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ مَیں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

مولانا ظفر علی خاں مولانا ظفر علی خاں معروف صحافی اور شاعر تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کا بے انتہا درد رکھتے تھے۔ نعتیہ شاعری کو اپنا شعار بنایا اور جگہ جگہ قرآن و حدیث سے کام لیا۔ اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو آپ کے ایک ایک شعر سے قرآن و حدیث کے مضمون کو نکالا جا سکتا ہے۔ مولانا کے نعتیہ مجموعوں میں خیالستان، چمنستان اور نگارستان بہت مشہور ہیں چند شعر دیکھئے۔

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو ۔۔۔ یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

حدیث میں آتا ہے لولاک لما خلقت الافلاک

ترجمہ: اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات کو تخلیق نہ کیا جاتا۔

؎ جھوم کے پی رہا ہوں مئے جام متم نورہ گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (سورہ الصف رکوع ۹ پ۲۸)

ترجمہ: اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا گو کافر کیسے ہی ناخوش ہوں۔

؎ دعوت داع ہوگئی اور گرد اِذا دعان یا کہ ہے خواب ناز میں چشم سیاہ نیم باز

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ (سورہ البقرہ، پ۲)

ترجمہ: اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب وہ مجھ سے دعا مانگے تو چاہیے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

؎ دکھا رہی ہے دعائے خلیل اپنا اثر ہیں جلوہ ریز نوید مسیح کے انوار

عن خالد بن معدان رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشری عیسیٰ بن مریم۔ (کنز العمال)

ترجمہ: حضرت خالد بن معدان رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں۔

؎ مصطفیٰ کو جب ملا پیغام اکملت لکم گل ہمیشہ کے لیے شمع نبوت ہوگئی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورہ المائدہ رکوع ۵ پ۶)

ترجمہ: آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین اسلام کو۔

؎ لقب امۃ وسطا دیا جنھیں ترے فضل نے اے خدا پس و پیش و راس و چپ آج کیوں ہی سختیوں میں ہیں مبتلا

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا

(سورہ البقرہ رکوع ۱ پ۲)

ترجمہ: اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہی دینے والا۔

؎ بحکم اعدوا لھم استطعتم بڑھے جس قدر اپنی طاقت بڑھاؤ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (سورہ انفال رکوع ۷ پ۱۰)

ترجمہ: اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا۔

؎ بحکم اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ — جگہ بہشت میں نکلی میرے مکاں کے لیے

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ (عن معاذ بن جبل مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا۔

؎ عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت — وہ آیا لیکن آیا رحمۃ للعالمیں ہو کر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (سورہ الانبیاء رکوع ۷ پ۱۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات اس قدر گہرے ہیں کہ تقریباً ہر شاعر کے یہاں اس کی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔ ہم نے مختلف شعراء کا کلام اور قرآن و حدیث کے اصل متن کو پیش کر کے اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں محض مبالغہ، تخیل اور شوکت لفظی سے ہی کام نہیں لیا گیا بلکہ آپ کی ذاتِ اقدس سے متعلق ان حقائق کو پیش نظر رکھا گیا جو قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ طوالت کے خوف سے بہت سے معروف شاعر رہ گئے اور جن شعراء کا ہم نے یہاں کلام پیش کیا وہ بھی دو چار اشعار سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر ہر شاعر کے کلام کا فرداً فرداً اس حیثیت سے مطالعہ کیا جائے تو یقیناً بہت ہی مفید کام سامنے آئے گا۔

اردو کے نعتیہ گل دستے

ڈاکٹر فضلِ حق خورشید

اُردو شاعری کے گل دستے انیسویں صدی کے نصف آخر سے جاری ہوئے اور بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی تک نکلتے رہے۔ پون صدی کے اس عرصے میں بہت سے گل دستے جاری ہوئے، امداد صابری صاحب کی "تاریخ صحافت اُردو" میں ۱۸۹۹ء تک ۹۷ گل دستوں کے نام محفوظ ہیں بہت سے گل دستے ایسے بھی ہوں گے جن کے نام اس اہم تصنیف میں محفوظ ہونے سے رہ گئے ہوں گے۔ اس مضمون میں جن تین گل دستوں کا تعارف کرایا جا رہا ہے اُن میں سے دو یعنی "منشورِ شفاعت" (بمبئی) اور "سفینۂ نجات دہلی" کا ذکر بھی "تاریخ صحافت اُردو" میں نہیں ملتا۔

اہمیت

گل دستے، تذکروں ہی کی ایک شکل ہیں۔ اِن میں ادبی تنقید اور سوانحی پہلو تذکروں کی حد تک نہیں ہوتا۔ مرتب گلدستہ یا انتخاب کمیٹی، کسی ایک طرح پر آنے والے اشعار میں سے انتخاب کرتا ہے جو شاعر اُس کے استاد اور مقامِ رہائش کے حوالہ سے شائع ہوتا ہے۔ چوں کہ طرحی کلام ہوتا ہے اس لئے مختلف شاعروں کی صلاحیتوں کی کسوٹی بھی ہے۔ گل دستوں میں شائع ہونے والے اشتہارات سے بعض دوسرے گل دستوں، دواوین اور تصانیف کا سراغ بھی مل جاتا ہے۔ بعض گل دستوں میں خطوط، مسئلے مسائل، مضامین اور خبروں کا انتخاب بھی ملتا ہے، جو اپنے وقت کی نثر کے طور پر خاصے کی چیز ہیں۔ ہر گل دستے میں آئندہ کے لئے ایک سے زیادہ طرحیں بھی ملتی ہیں۔ ان سب کے علاوہ اِن کی سب سے بڑی خوبی اور اہمیت یہ ہے کہ اِن میں دوسرے اور تیسرے بلکہ ہر درجے کے شاعر کا کلام محفوظ ہے، اسی لیے ہزاروں شاعر اور اُن کا کلام ان پارینہ اوراق میں دستیاب ہے۔

نعتیہ گل دستے

شاعری کے عام گل دستوں کے ساتھ نعتیہ گل دستے بھی جاری ہوئے۔ صابری صاحب کی "تاریخ صحافت اُردو" میں اِن چھے کے نام محفوظ ہیں:

۱۔ گلزار خلد (قنوج) مارچ ۱۸۸۵ء سے جاری ہوا۔
۲۔ نسیم جنت (آگرہ) یکم جنوری ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا۔
۳۔ گلدستۂ نعت (رائے پور) یکم جولائی ۱۸۸۶ء کو اجرا ہوا۔
۴۔ ریاض نبوی یا فریاد زخمی (شیوراج پور ضلع کانپور) یکم جنوری ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا۔
۵۔ ریاض المصطفٰے (کانپور) تہذیب سخن کا ضمیمہ، نومبر ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا۔
۶۔ گل دستہ مداح النبی (جھجر ضلع رہتک) ۱۸۹۵ء میں جاری ہوا۔

ذاتی کتب خانہ حاجی یعقوب خاں خویشگی خورجوی[۱] (نواب شاہ، سندھ) میں دو نعتیہ گل دستے دستیاب ہوئے ہیں۔

۷۔ منشور شفاعت بمبئی۔

۸۔ سفینۂ نجات دہلی۔

"منشور شفاعت" کے شعبان ۱۳۰۶ھ کے شمارے میں دو نعتیہ گل دستوں کا اشتہار شائع ہوا ہے۔

۹۔ گلدستہ خوانِ خلیل (مرادآباد)

۱۰۔ وسیلۂ نجات (بمبئی)

یقیناً ان دس کے علاوہ بھی نعتیہ گل دستے ہوں گے جن کی نشاندہی اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے والے بہتر طور پر کر سکیں گے۔ راقم کے سامنے کتب خانۂ خویشگی کے تین نعتیہ گل دستے ہیں جن کا مختصر تعارف یہ ہے۔

منشورِ شفاعت محرم ۱۳۰۶ھ سے یہ گل دستہ جاری ہوا۔ پہلے شمارے کے سرورق پر پھول دار حاشیہ میں درود پاک کے نیچے "بحسبِ ارشاد ہدایت بنیاد مؤلف تحفۂ خیر و فروغِ ابدی حضرت استادی مخدومی مکرمی سید فقیر محمد فدا بخاری چشتی مالک گل دستہ" طبع ہے اس کے بعد گول دائروں میں "شمارہ اول" "جلد اول" چھپا ہے درمیان میں جلی قلم سے "منشورِ شفاعت" لکھا ہے، جس کے اوپر نیچے فارسی رباعی ہے :

پیش از ہمہ شاہاں غیور آمدہ ہر چیلہ کہ آخر بظہور آمدہ

اے فخر رسل قرب تو معلوم شد دیر آمدہ ز راہ دور آمدہ

آخر میں "بحسن سعی و اہتمام حاجی محمد صدیق اخلاص بن حاجی ہاشم، شہر بمبئی بندر زکریا بازار سے صحت و خوبی ترتیب ہو کر مطبع دت پرساد میں حلیۂ طبع سے آراستہ ہوا" چھپا ہے۔ چھٹے شمارے کے سرورق کا نمونہ ذرا بدل گیا ہے۔ چو طرفی حاشیہ میں شرائط و ضوابطِ گل دستہ اور درمیان میں ایک اُردو شعر کا اضافہ ہو گیا ہے۔

وردِ زبان جناب محمد کا نام ہے قابل درود پڑھنے کے اپنا کلام ہے

آٹھویں شمارے کا سرورق بھی بدلا گیا ہے عبارت میں کمی بیشی نہیں ہوئی۔

یہ گل دستہ ہر قمری ماہ کو شائع ہوتا تھا۔ طرحی کلام بعد انتخاب شائع کیا جاتا تھا۔ غیر طرحی کلام شائع کرانے کی اُجرت فی شعر ا وصول کی جاتی تھی۔ سالانہ چندہ عام سے عہ ۳ اور نمونے کا پرچا ۲ کا تھا۔ اشتہار ایک آدھ بار شائع کرانے کی اجرت ۲ فی سطر لی جاتی تھی۔ جلد اوّل کے پانچ مختلف شمارے موجود ہیں[۲]

---

[۱] حاجی محمد یعقوب خاں صاحب علم دوست بزرگ ہیں، علم کے طالبوں کو ہر ممکن سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔ اپنے بیش قیمت کتب خانہ کو اپنے باغ میں منتقل کر دیا ہے تاکہ شور و شغب سے دور رہ کر مطالعہ جاری رکھا جا سکے۔ کتب خانہ میں ہر موضوع کی بیشتر کتابیں ہیں مگر داستانیں، تذکرے اور شعری مجموعے حاجی صاحب کو خصوصاً پسند ہیں۔

[۲] منشور شفاعت کی جلد اول، دوم، سوم، پنجم، ششم، ہفتم اور نہم کے سولہ مختلف شمارے پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہیں۔

سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۱ء سے اپریل ۱۹۰۶ء تک کے ۲۲ مختلف شمارے سامنے ہیں جلد چہارم (جون ۱۹۰۱ء) کے سرورق پر پانچ مستطیل اور چار مربع بنے ہوئے ہیں مستطیل میں بالترتیب نقشہ مکہ معظمہ، نقشہ مدینہ منورہ مع روضہ پاک، سفینۂ نجات دہلی، نقشہ نجف اشرف اور نقشہ کربلائے معلٰی ہیں۔ ہر مربع میں پھولوں کے حاشیہ میں قطعہ کا ایک مصرع طبع ہوا ہے قطعہ یہ ہے۔

بلغ العلےٰ بکمالہٖ ۔۔۔ کشف الدجےٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ ۔۔۔ صلوا علیہ وآلہٖ

چوطرفی پھولدار حاشیہ کے بعد "مطبوعہ مطبع احمدی دہلی" طبع ہے۔

بقیہ دو، سرورق میں نقشے ختم کر کے پھولوں کے حاشیے میں مذکورہ رباعی، نام گلدستہ اور مطبع ہے۔ جلد نمبر شمارہ نمبر اور مرتب "احقر محمد عبدالحکیم خاں حاذق، مالک مطبع حقانی و تاجر کتب دہلی، دریبہ کلاں[1]" کی صراحت ہے۔

یہ گلدستہ ہر ماہ شمسی کے اول عشرے میں شائع ہوتا تھا۔ سالانہ قیمت پہلے ایک روپیہ اور جون ۱۹۰۱ء سے سوا روپیہ ہو گئی۔ نمونہ کا پرچہ ½ ۱ آنہ میں دیا جاتا تھا۔ محرم ۱۳۱۹ھ سے حاجی محمد رضوان کی غزل پر کہے جانے والے مخمسات کے چار ورق بھی بطور ضمیمہ شائع کئے جانے لگے جس کے بعد گلدستے کی سالانہ قیمت عیر ہو گئی۔ (مخمسات کی سالانہ جلد ۸ر میں دی جاتی تھی)۔ خریدار و غیر خریدار سب کا کلام بعد انتخاب درج ہوتا تھا۔ گنجائش ہونے کی صورت میں غیر طرحی کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ اس گلدستہ نے خریداران کے لیے رعائیتوں کا اعلان بھی کیا تھا کہ "یکم جنوری ۱۹۰۱ء سے پانچ خریداران بہم پہنچانے والے یا پانچ سال تک خریدار رہنے والے اصحاب کو ایک سال گلدستہ مفت دیا جائے گا۔ دس خریدار بہم پہنچانے والے اصحاب کو ایک ٹائم پیس مفت دیا جائے گا[2]۔" اس گلدستہ کے ابتدائی ایک آدھ ورق پر پند و نصائح اور انتخاب اخبار ہوتے ہیں۔

گلزارِ خلد اس گلدستے کے جون ۱۸۸۸ء مطابق شعبان ۱۳۰۵ھ سے اکتوبر ۱۹۰۵ء تک کے صرف سات مختلف شمارے سامنے ہیں[3]۔ جون ۱۸۸۸ء کے سرورق پر آدھے حصے میں روضہ پاک کے گنبد و مینار بنے ہوئے ہیں۔ دو دائروں میں بڑے ہیں اوپر کلمہ طیبہ اور نیچے درود پاک تحریر ہے درمیانی دائرے میں "گلزار خلد" طبع ہے۔ سرورق کے بقیہ آدھے حصے کے چوطرف پھولدار حاشیہ ہے جس میں پہلے شعر ؂

اچھا نہ ہو یا رب کبھی بیمار محمدؐ
کم ہو نہ کبھی خواہش دیدار محمدؐ

چھاپا ہے پھر معلومات و شرائط گلدستہ چھپی ہیں کہ ہر انگریزی مہینے کی ۲۸ یا ۲۹ کو چھپتا ہے قیمت سالانہ عام سے ۱۲ ہر، نمونے کا پرچہ ۲ ر پیشگی آنے پر۔

---

[1] سفینۂ نجات دہلی شمارہ اکتوبر ۱۹۰۳ء، دسمبر ۱۹۰۳ء۔

[2] مطبوعہ شمارہ دسمبر ۱۹۰۱ء، مارچ ۱۹۰۲ء، جون ۱۹۰۴ء

[3] ذاتی کتب خانہ حاجی محمد یعقوب خاں خویشگی خورجوی، مقیم نواب شاہ سندھ، میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری میں بھی گلزار خلد کا ایک شمارہ (بابت نومبر ۱۸۹۱ء) موجود ہے۔

یہ گلدستہ بھگو خاں رحیم مرتب و مہتمم اپنے مطبع رحیمی واقع قنوج ضلع فرخ آباد سے شائع کرتے تھے۔ اس میں غزلیات نعتیہ پند و نصائح اور مسئلہ مسائل درج کئے جاتے تھے۔ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء کے شمارے کا سرورق بدل دیا گیا ہے شعر بھی یہ درج ہے ؎

محمدؐ سے صفت پوچھو خدا کی ۔۔۔ خدا سے پوچھ لو شانِ محمدؐ

اس شمارے سے پتا چلتا ہے کہ انگریزی ۸ ویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے ۔ سالانہ قیمت عام سے عہ؍ اور نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ ؍ ہو گئی ہے۔ نومبر ۱۹۰۴ء کے شمارے سے پتا چلتا ہے کو جنوری ۱۹۰۴ء سے سالانہ قیمت عہ کے بجائے ۱۲؍ کی جا چکی ہے۔

گلدستہ منشور شفاعت، سفینۂ نجات دہلی اور گلزار خلد کے کل ۲۳ شماروں میں طرحی کلام کے علاوہ دلچسپی کی جو چیزیں ہیں اُن کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

اشتہارات اِن گلدستوں کی قدر و قیمت ان میں شائع ہونے والے اشتہارات سے بڑھ جاتی ہے۔ ان اشتہارات کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے؛

۱۔ مصنوعات مثلاً نہایت مضبوط و لائتی گھڑیال، طلسمی رومال یا انگوٹھی، عطریات اور دیگر اشیائے ضرورت کے اشتہارات (جن سے اس مضمون میں بحث نہیں ہے)

۲۔ معاصر گلدستوں اور اخبارات کے اشتہارات۔

۳۔ نعتیہ و غیر نعتیہ کلام کے مجموعوں، افسانوی اَدب کی کتابوں اور دینی تصانیف کے اشتہارات۔

گلدستوں اور اخبار و جرائد کے اشتہارات :-

۱۔ گلدستہ خوان خلیل (نعتیہ)، مراد آباد۔ زیر اہتمام حسان الہند رضوان مراد آبادی، ماہانہ، قمری ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ ۴۸ صفحات، قیمت عام سے ۲؍ (منشور شفاعت شعبان ۱۳۰۶ھ)

۲۔ وسیلۂ نجات (ببئی کوبیٹ گلی) زیر اہتمام منشی محمد ناصر حسین افقر و محمد عبد العزیز ذائق، قمری ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ قیمت عام سے عہ نمونے کا پرچا ۲؍ (منشور شفاعت شعبان ۱۳۰۶ھ)

۳۔ جریدہ روزگار۔ زیر اہتمام سید مرتضیٰ شاہ قادری مدرس، ہر شنبہ کو شائع ہوتا ہے۔ پیشانی پر ہمیشہ ایک خمسہ نعتیہ تضمین غزل قدسی کا طبع ہوتا ہے۔ مضامین رفاہ عام و بہبودی اسلام اور خبریں چیدہ اور کوائف حیدر آباد تحریر ہوتی ہیں۔ (منشور شفاعت شوال ۱۳۰۶ھ)

۴۔ انجمن حمایت الاسلام رسالہ[1]

۵۔ چلتا پرزہ یا شاہ جہاں پنچ بطور ضمیمہ خیر خواہ عالم۔ دہلی[2]

۶۔ خیر خواہ عالم دہلی ۱۸۸۰ء سے جاری ہے[3]

۷۔ اخبار منشور محمدی بنگلور، محرم ۱۳۰۵ھ سے پھر جاری ہُوا ہے۔ مہتمم محمد شریف مالک مطبع بحر الاسلام بنگلور[4]

---

[1] [2] [3] [4] منشور شفاعت رمضان ۱۳۰۶ھ۔

۸۔ قنوج پنج۔ قنوج، پندرہ روزہ سالانہ چندہ عہ/ (گلزار خلد جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ)

تصانیف کے اشتہارات

دوسرے گلدستوں کی نسبت سفینۂ نجات دہلی میں تصانیف کے اشتہارات کثرت سے ہیں۔ جون ۱۹۰۱ء اور بعد کے شماروں میں اشتہارات کے لئے آخری دو صفحات مخصوص ملتے ہیں۔ عموماً یہ سب تصانیف مرتبِ گل دستہ محمد عبدالحکیم حاذق کی اپنی دکان پر دستیاب ہوتی تھیں کیوں کہ وہ تاجر کتب بھی تھے۔ اہم تصانیف اور اُن کے بارے میں مطبوعہ معلومات مختلف گلدستوں کی مدد سے نقل ہیں۔

"دیوانِ شیفتہ" اُردو، ۴ر مطبع رضوی و اخبار خیر خواہ عالم دہلی کے مہتمم سے طلب کریں[1]۔ "دیوانِ سائل" نعتیہ ۲۰ر۔ تحفۂ خیر نعتیہ از فدا ۵ر فروغ ابدی نعتیہ از فدا ۲ر[2] مطبوعات مطبع اسلامی دہلی کے ضمن میں "قصائد معجز نظام"، "مولود حرز ایمان"، "بزم میلاد کلاں"، "عقائد فخریہ معروف بہ نظام العقائد" از فخر الدین نظامی[3]۔

'مجموعہ تصوف' (پانچ رسالے، رسالہ رفیق الطلاب، رسالہ الہامات، رسالہ ہدایتہ المشیخہ، رسالہ توحید اور رسالہ طلب) از خواجہ محمد حشتی مترجم مولانا سید حمزہ صاحب شیدا دہلوی اور ناول "اعجاز اسلام یا عمود ماریہ" کے نام دیئے ہوئے ہیں[4]۔

'سفینۂ نجات دہلی دسمبر ۱۹۰۱ء اور مارچ ۱۹۰۲ء کے شماروں میں درج ذیل کتب اہم ہیں۔ کلام دلدار علی مذاق بدایونی، کلیات ہوش (نواب نیاز احمد خاں ہوش)

مولد محبوب خدا۔ منہاج السالکین ترجمہ اردو جوگ بشٹ۔ کنز المکنون ترجمہ سرور المحزون از مولانا شاہ ولی اللہ تذکرہ صابریہ از منشی حافظ اللہ صاحب۔

سفرنامہ روم و شام وغیرہ از شبلی نعمانی۔ مخزن الحسنات (تعلیم نسواں میں ناول)۔ منصور و موہنا، ملک العزیز و رجینا از شرر، دلکش ہر دو حصہ از شرر[5] اکتوبر ۱۹۰۳ء جون ۱۹۰۴ء اور اپریل ۱۹۰۶ء کے شماروں میں نہایت تفصیلی فہرست شائع ہوئی ہے جس میں کتاب کی قیمت اور ممکنہ رعایت کی صراحت بھی دی ہے۔

مذہبی منظومات میں نعتیہ دیوانِ فضل حق ۳۰ر۔ دیوان ہدایت نعتیہ ۲ر۔ دیوان اکبر نعتیہ اول ۴ر دوم ۴ر۔ دیوانِ معظم نعتیہ ۱۰ر۔ دیوانِ ممتاز نعتیہ ۶ر[6]۔ چمن مناقب نعتیہ ۴ر۔ نعت ہی نعت دو حصے ہر حصہ ۴ر۔ چمنستان نعت حصہ اول ۲ر[7]۔ محامد خاتم النبیین امیر ۴ر۔ توشۂ آخرت نعتیہ ۸ر۔ دیوان تمنا نعتیہ ۲ر۔ گلبن نعت ۱ر۔ یادگار نعت ۱ر۔ مرقع نعت ۰ر۔ آئینہ نعت ۱ر۔ جلوہ نعت ۱ر[8]۔ مجموعہ مناجات اول ۱ر۔ ہری خلعت ار خوب تریاق ۱ر از رضوان مراد آبادی۔ مجموعہ قوالی اول ۲ر، دوم ۱ر۔ بزم میلاد کلاں ۳ر۔ سعادت الکونین ۴ار[8]۔

۱۔ منشور شفاعت، رمضان ۱۳۰۶ھ۔
۲۔ منشور شفاعت شعبان ۱۳۰۶ھ۔
۳۔ سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۱ء
۴۔ سفینۂ نجات دہلی مارچ ۱۹۰۲ء
۵۔ سفینۂ نجات دہلی ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء
۶۔ سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۴ء
۷۔ سفینۂ نجات دہلی ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء
۸۔ سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۴ء

تذکرۃ الشہادتین ۲ر[1] - مولود لطیف ۴ر - محفل گیارہویں ۴ر[2] -

دواوین میں: دیوانِ شاد ۲.ر دیوان ناچیز ۳.ر - ماہ کامل ۳ر - دیوان نجم شور ۱۰ر - دیوان عزیز ۱۰ر (نواب عبدالعزیز خاں بریلوی) - دیوان مہر ۸ر دیوانِ غریب سہارنپوری ۸ر[3] - دیوان محفوظ ۴ر - دیوان مضطر ۸ر[4] - دیوانِ امیر مینائی ۱۱ر - فریاد داغ ۴ر - گلزار داغ ۱۴ر[5] وغیرہ -

ناولوں میں: مالن کی بیٹی ۸ر - یوسف و دل آرا (رام پور کا سچا واقعہ) ۱۲ر - چالاک عورت ۱۲ر سپاہی کی دلہن ۴ر ہیرے کی کنی ۸ر - ذات شریف ۸ر - بہشت بریں ۱۲ر - موہنی مورت ۴ر - وفائے دلبر ۴ر - کرشمہ الفت ۸ر - عزیز مصر ۱۲ر - نیرنگ دنیا یا گمشدہ لڑکی ۱۰ر - ایران کی شہزادی ۸ر - لال کپتان ۸ر - غرورِ حسن ۸ر - بغلی گھونسا ۸ر - جوانہ مرگ ۶ر - محبوبہ لندن ۶ر - شہر آشوب لندن کامل ۶ر - وفادار عورت ۶ر - حسین گنہگار ۸ر - بائیسکل کا شوقین ۸ر - روٹھی جوانی ۱۰ر - خون ناحق یا خودکشی ۸ر - انجام محبت ۱۲ر - حمید و ریحانہ ۸ر - مسٹریز کابل ۱۰ر - سعید ۶ر - بدرالنسا کی مصیبت ۴ر - صغیر و اختر ۸ر - کتورہ جی لیلیٰ ۴ر - محمود و شکیلہ ۶ر - جلسانہ (۴ر) ۱۲ر کو - خلورا فلورنڈا از شرر (۸ر) ۴ر کو - در گیش نندنی یعنی ایک زمیندار کی لڑکی (۸ر) ۱۲ر کو - زشتر ۸ر کو - روز المبرٹ کال رینالڈ کے ناول کا ترجمہ (۸ر) ۸ر کو - منظفر اور رامابائی از عاشق حسین لکھنوی (۱۲ر) ۸ر کو - انقلاب، نیم تاریخی (۸ر) ۱۱ر کو - حمید و امینہ (۸ر) ۸ر کو - پیرِ مغاں (۱۲ر) ۶ر کو - ہیری (۴ر) ۱۲ر کو - سلیم و چندر کلا (۱۴ر) ۸ر کو - پری پیکر (۱۲ر) ۸ر کو[6] وغیرہ

دیگر کتب میں، کال کوٹری اور جنگ پلاسی (ہندوستان میں انگریزی سلطنت کے آغاز کا حال ۳ر - سوانح عمری زیب النسا ۴ر - سوانح عمری امیر تیمور و حمیدہ بانو بیگم ۴ر[7] - تحفہ سبحانی ترجمہ اردو فتح الربانی والفیض الرحمانی ملفوظات حضرت غوث الصمدانی ۲ر[8] - سوانح عمری کلاں (حضرت معین الدین چشتیؒ) ۴ر[9] - فوائد الفواد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاؒ) فارسی ۸ر اردو ۸ر - مباحثہ عالم گیری (شیخ ابراہیم مہدی اور قاضی ابوسعید کے مابین) ۴ر - عطیہ شکریہ (ہدیہ مہدویہ کا جواب) ۳ر - کتاب مرقوم (شرح مثنوی مولانا روم دفتر اوّل) دو جلد ۸ر - مناہج النبوۃ (اردو ترجمہ مدارج النبوۃ) ۱۲ر - رفاہ المسلمین (اردو ترجمہ مسائل اربعین ۳ر - کرامات عزیزی (ہر سہ حصہ ۴ر - خیر الکلام (فی احوال العرب الاسلام) ۸ر - تفریح الاذکیا فی احوال الانبیا ۱۲ر - سوانح عمری حکیم بوعلی سینا ۸ر - سوانح عمری علی حزیں ۶ر - سوانح عمری مولانا غلام محمد خاں چشتی ۴ر - سراج المجالس (ترجمہ اردو خیر المجالس ملفوظات حضرت شیخ نصیر چراغ دہلی) ۴ر - پیراہن یوسفی ۸ر - حیات ولی (شاہ ولی اللہؒ) ۶ر - آداب المریدین ۸ر - قندیل عرش (درباب معراج) ۱ر - سراج السالکین (اردو ترجمہ منہاج العابدین از امام غزالیؒ ۸ر[10] - اہم ہیں -

---

1. سفینۂ نجات دہلی ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء
2. سفینۂ نجات دہلی ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء -
3. ایضاً " "
4. سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۴ء -
5. سفینۂ نجات دہلی ۱۱ اپریل ۱۹۰۶ء
6. سفینۂ نجات دہلی ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۳ء
7. سفینۂ نجات دہلی دسمبر ۱۹۰۴ء
8. سفینۂ نجات دہلی دسمبر ۱۹۰۵ء
9. سفینۂ نجات دہلی ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء

نثری نمونے بنیادی طور پر گلدستے منظومات ہی کے لئے وقف ہوتے تھے۔ اس کے باوجود بعض گلدستوں میں چند صفحات نثر سے متعلق بھی ملتے ہیں۔ مثلاً منشور شفاعت کے پہلے شمارے (محرم ۱۳۰۶ھ) میں مالک گل دستہ فقیر محمد فدا نے رسالہ کے اجرا پر باری تعالیٰ کا اور منصب ادارت سنبھالنے پر حاجی محمد صدیق اخلاص کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اسی شمارے کے آخری صفحات پر منشی محمد یعقوب صادر کلرک جنرل پوسٹ آفس بمبئی کی تقریظ شائع ہوئی ہے۔

ابتدا: "سپاس بیحد اُس آفرینده سخن کی درگاہ میں جس نے خلقت انسان میں فرقہ شعرا کو ایک خاص نطق زبان سے بہرہ مند کیا.....‘‘

وسط: "..... حاصل مدعا یہ ہے کہ ویسی خوبی کے شاعر فضل خدا سے اب بھی بہت سے موجود ہیں کہ جن کے دل و دماغ میں سوائے نعت اور کوئی خیال مفقود۔ خصوصاً ایک میرے کرمفرما محب باصفا جناب معلی القاب فضیلت مآب افسر شعرا سید فقیر محمد صاحب فدا جن کی طبع ذکا، فہم رسا چشم عطا کا شیدا ایک عالم ہے .....‘‘

آخر: "..... نعتیہ گل دستہ تو کیا کسی اور قسم کا بھی گلدستہ بمبئی والوں میں سے آج تک کسی نے نکالا نہیں[1] یہ حصہ پایا نہیں۔ اگر آپ کو اس کام کا موجد کہا جائے تو بجا ہے اور جو کچھ تعریف کریں روا۔"

اسی گلدستہ کے جمادی الآخر کے شمارے میں عبدالرحیم احمد صاحب کا طویل خط شائع ہوا ہے جس میں مدینہ منورہ یا طیبہ کی بجائے یثرب کے استعمال کو احادیث کی روشنی میں غلط قرار دیا ہے کیونکہ یثرب زمانۂ جاہلیت کا نام ہے۔

گلزار خلد میں "اشاعت الاسلام" کا مستقل باب قائم تھا جس کے تحت ابتدائی چند صفحات پر دینی باتیں ہوتی تھیں۔ مثلاً شعبان ۱۳۰۵ھ کے شمارے میں مولوی مجیب احمد حیدر آباد دکن کے دو دو صفحاتی مضامین (وقت کی قدر و قیمت۔ انسان اشرف المخلوقات کیوں ہے) شائع ہوئے ہیں۔ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ کے شمارے میں "لیلۃ القدر" از محمد عبد الجلیل شیفتہ (دو صفحات)، "جھوٹ بولنے کی برائیاں" از مولوی معز الدین تفسیر پور زیوری (دو صفحے) اور "فضائل الجمعہ" از مولوی شفیع محمد مہدی واصف (چار صفحات) نامی مضامین ملتے ہیں۔ نومبر ۱۹۰۴ء کے شمارے میں "وصیت نامہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے زیرِ عنوان وہ مشہور زمانہ وصیت نامہ شائع کیا ہے جسے پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ ایک مقررہ تعداد میں چھپا کر تقسیم کرے۔ (آج کل بھی دستیاب ہے) یہ وصیت نامہ شیخ عبداللہ خادم روضہ مبارک نے چھپوایا تھا ساتھ ہی ساتھ ابو صالح خادم روضہ پاک کی مدینہ منورہ سے ارسال کردہ چٹھی کی نقل بھی شائع ہوئی ہے کہ یہ وصیت نامہ سچا ہے۔ وصیت نامہ کے شروع میں مدیر گلدستہ نے نوٹ لگایا ہے کہ یہ وصیت نامہ مصنوعی ہے جس سے کوئی دھوکہ نہ کھائے کیوں کہ حافظ محمد ظہور اللہ ساکنہ ٹونک نے پورے طور پر تردید کی ہے۔ صفحہ ۷ سے ۱۳ تک حافظ محمد ظہور اللہ صاحب کا اصل مضمون شائع ہوا ہے جس میں حافظ صاحب نے اس وصیت نامہ کو قرآن و حدیث کے حوالے سے مصنوعی ثابت کیا ہے۔ فروری ۱۹۰۵ء کے شمارے میں صفحہ ۳ پر نماز سے متعلق دو مسئلوں کے بعد حافظ سید محمد ظہور اللہ از ٹونک کا مضمون "بیان تصور کرنا شیخ کا مریدین کے لیے جائز ہے۔" شائع ہوا ہے۔ صفحہ ۸ پر علمائے دینی مدرسہ جامع العلوم کان پور کی مرسلہ "دعائے حفظ بیماری طاعون" اور پھر مولوی محمد یوسف علی دیوبندی کا مختصر مضمون "لمبی مونچھیں رکھنے کا عذاب" چھپا ہے۔ صفحہ ۹ سے دس تک "قاضی محمد فاضل طالب علم مدرسہ میرٹھ کا مرسلہ مضمون "قرآن شریف پڑھنے کے فضائل" ملتا ہے۔ اگست ۱۹۰۵ء کے شمارے میں شفاعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بمبئی سے شائع ہونے والے سابق گلدستوں تازہ بمبئی اور برق بمبئی کو تقریظ نگار نے اس لیے رد کر دیا ہے کہ ان کے مدیر ہندا ور راجستان کے رہنے والے ہیں۔

سے متعلق استفسار کے جواب میں مولوی محمد امیر الدین اجمیری کا مرسلہ مضمون شائع کیا ہے۔ صـ۲ سے صـ۳ تک مولانا محمد اشرف علی چشتی واردکان پور نے استنجا سے متعلق ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ اس کے بعد لامعلوم الاسم مصنفین کے دو دو صفحات کے دو مضمون (مفرورہ کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ سچ بولو) شائع ہوئے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کے شمارے میں پنج وقتہ نماز اور رکعتوں کی تشریح کے بعد چار صفحات پر مولانا محمد امیر الدین اجمیری مدرس مدرسہ ترروانے ۳۱ ضروری مسائل متفرقہ بیان فرمائے ہیں۔ اِن کے بعد مولانا غلام حسین پانی پتی کا چار صفحات کا مضمون (دین و دنیا کا تعلق) شائع کیا ہے جس میں روزی کمانے کے حلال طریقوں پر بحث کی ہے۔

سفینۂ نجات دہلی کے بعض شماروں میں "انتخاب اخبارات" کے تحت مختلف خبروں کے تراشے شائع ہوئے ہیں مثلاً

"ہفتہ مختتمہ ۳۱ر جنوری کو کراچی میں طاعون کی ۲۶ واردات اور ۲۰ر اموات ہوئیں تمام بواعث سے اموات ۱۷۳ ہوئیں ہیں۔"
(۱۰ فروری ۱۹۰۳ء صـ۱)

"سالانہ بجٹ ہند حسب معمول مارچ تک تیار ہوگا اور اس پر ۲۵ر مارچ کو بحث مباحثہ ہوگا۔" (〃 صـ۲)

"آکسفورڈ کرکٹ ٹیم نے پنجاب والوں کو سورن سے ہرا دیا۔" (ایضاً صـ۲)

"پولس کمشن کے روبرو مسٹر گورہنڈ و بیرسٹر نے بیباکانہ شہادت دی کہ پولس اپنے فرائض بے جا طور سے انجام دیتی ہے۔ رشوت خواری میں سخت بدنام ہے یہی کیفیت کم تنخواہ پانے والے یورپین کی ہے۔" (ایضاً صـ۲)

"حضور لارڈ کرزن بہادر وائسرائے و گورنر جنرل لندن سے روانہ ہند ہو گئے ہیں آخر دسمبر تک بمبئی میں جہاز سے اتر کر کلکتہ پہنچیں گے"
(۱۰ر دسمبر ۱۹۰۴ء صـ۲)

"دہلی میں ۲۶ر دسمبر کو موٹر گاڑیوں کی انعامی دوڑ بمبئی تک ہوگی۔ سنا ہے کہ تیس میل فی گھنٹہ یہ گاڑیاں چلیں گی۔ راستہ کا انتظام مہاراجہ گوالیر اور مہاراجہ بڑودہ کے زیر تحویل ہے۔" (ایضاً صـ۲)

"افواج بمبئی کے گوجر زنگروٹوں کی بھرتی دہلی بلند شہر میرٹھ میں بھی کی جائے گی، حکم ہو گیا۔" (اکتوبر ۱۹۰۳ء صـ۱)

ادبی معلومات گلدستوں میں صرف طرحی کلام ہی نہیں ہوتا بعض دلچسپی کی اور چیزیں بھی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا ذکر ہو چکا ہے بقیہ کا احاطہ اس عنوان کے تحت کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قطعات تاریخ، اعلانات، آئندہ کے شماروں کے طرحی مصرعے، غیر طرحی کلام، اساتذہ اور اُن کے تلامذہ کی نشاندہی وغیرہ۔

منشور شفاعت کے پہلے شمارے (محرم ۱۳۰۶ھ) میں منشی محمد یعقوب صادر کا قطعہ تاریخ اجرا گلدستہ شائع ہوا ہے۔

دید منشور شفاعت راچو عاشق طبع گفت ۔ ہست ایں گلدستہ یا ہدیہ نعت حبیب
در دل صادر پئے تاریخ او آمد خیال ۔ شد ندا بر خوانی گرامی تحفہ نعت حبیب
۱۳۰۶

جمادی الآخر کے شمارے میں حسان الہند رضوان مراد آبادی کا فصلی قطعہ تاریخ شائع کیا ہے آخری شعر ہے ؎

تاریخ فصلی رضوان ہاتف یہ بولا لکھ دو
بادِ نسیم دین و ابر بہار رحمت (۱۲۹۶ف)

شعبان کے شمارے میں محمد عارف صاحب عارف (ممبر کمیٹی انتخاب گلدستہ وسیلہ نجات) متوطن اٹاوہ شاگرد حکیم سید محمد سجاد صاحب موہانی کی وفات کی خبر شائع کی ہے (ص۱۵) اور فقیر محمد فدا، مظہر اللہ راحت، ثابت، محمد یعقوب صاور، نور محمد کاشف، عبد القادر شیدا، عبد اللطیف تسائل، عبد الرحمٰن ذکا، جان محمد صابر اور محمد صدیق اخلاص کے قطعات تاریخ وفات شائع کیے ہیں۔ نمونۂ صابر ؎

گیا جب کہ دنیا سے عارف سادا نا
جو تھا حال کے شاعروں میں ایک افسر
سن انتقال اس کا صابر نے اس دم
کہا اٹھ گیا شاعر نام آور (۱۳۰۶ھ)

رمضان کے شمارے میں بھی عارف مرحوم پر قطعات وفات شائع ہوئے ہیں مادہ تاریخ ع

ہائے استاد وقت دیار من (قمر الدین منتظر)

سفینۂ نجات دہلی مارچ ۱۹۰۲ء کے شمارے میں سلطان عبد الحمید خاں دولت عثمانی کے جشن ۲۵ سالہ پر حسان الہند رضوان کا ۲۴ شعر کا فارسی قطعہ تاریخ بھی شائع ہوا ہے (ص۱۶) اور انہی کی جانب سے یہ اعلان بھی کہ وہ اس ۲۵ سالہ جشن کے قطعات تاریخ اور قصائد کا مجموعہ تیار کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے شعرائے کرام جلد از جلد کسی بھی زبان میں لکھ کر بھیج دیں (ص۱۷)۔ سفینۂ نجات دہلی پر عزیز تلمیذ داغ کا قطعہ تاریخ سال چہارم گلدستہ ہذا کے ص۱۷ پر شائع ہوا ہے، پہلا شعر یہ ہے ؎

منشی بے بدل تھے محمد سعید خاں
جن سے یہ نکلا پرچہ خزینہ نجات کا

(تین سال کے بعد مہتمم عبد الحکیم خاں حاذق ہوئے تھے پہلے محمد سعید خاں تھے)

فروری ۱۹۰۴ء کے شمارے میں مولوی حافظ محمد جان شاہ قادری چشتی مولود خواں اکبر آبادی کی وفات پر محمد محبوب مکتر جبل پوری کا تین شعر کا قطعہ تاریخ شائع ہوا ہے۔ ع عالم و مفتی و مداح رسول عربی (۱۳۱۴ھ) (ص۱۶)

اِن شماروں میں آئندہ کے لئے دیے جانے والے طرحی مصرعے یہ ہیں۔ جن سے متعلق شمارے دستیاب نہیں۔

ع کرسی ہے خدا عرش ہے شیدائے مدینہ
ع ہے چشم خداوند جہاں سوئے محمد
ع بزم میلاد پہ جنت کا گماں ہوتا ہے
ع ہو قدم بوس نبی گوشۂ داماں جھک کر (منشور شفاعت محرم ۱۳۰۶ھ)
ع باغ جنت سے فزوں تر ہے بہار طیبہ (منشور شفاعت جمادی الآخر)
ع مژدہ اے بخت کہ حضرت نے کیا یاد مجھے
ع یادشہ لولاک سے جینے کا مزا ہے (منشور شفاعت شعبان)
ع گل چیں ہیں ہم تو گلشن نعت حضور کے
ع افسوس کہ شہ والا نہیں دیکھا (ایضاً شوال ۱۳۰۶ھ)
ع سوجھتا ہے دل کو مکہ یا مدینا ان دنوں
ع محبت ہم کو ہے خیر الورا سے
ع بیان کس منہ سے اے ختم رسل ہو مرتبا تیرا
(گلزار خلد شعبان ۱۳۰۵ھ)

ع محبوبِ خدا میری دعا اور ہی کچھ ہے۔ ع دیکھو دیکھو وہ مرا شافعِ محشر آیا (گلزار خلد جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ)
ع مست بن جاؤں میں عشقِ احمدِ مختار میں (ایضاً نومبر ۱۹۰۴ء)
ع ہیں مدح خوان حضرت خیر البشر ہوا ع پیرو ختم رسل دور رہیں غم کھانے سے (ایضاً نومبر ۹۹ء)
ع علی کا مرتبہ احمد ہی جانے یا خدا جانے (ایضاً نومبر ۱۹۰۴ء)
ع شافع روز جزا فخر امم آتے ہیں ع مجرم ہوں الٰہی تری رحمت پہ نظر ہے (ایضاً فروری ۱۹۰۵ء)
ع کھینچ گیا صانع ایجاد سے نقشہ تیرا ع عشق گیسو کا مرے سر میں ہے آزار فقط (سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۱ء)
ع نالہ کیا تو آگ کا پرکالہ ہوگیا ع جو ثنا خواں جناب سید ابرار تھا (ایضاً، دسمبر ۱۹۰۱ء)
ع جو ثنا خوان جناب سید لولاک تھا (ایضاً مارچ ۱۹۰۲ء)
ع آنکھ کے پردے میں در پردہ نظر آیا مجھے (ایضاً اگست ۱۹۰۴ء)
ع سوال آکے ترے در پہ جس گدا نے کیا (ایضاً فروری ۱۹۰۶ء)

دیر سے موصول ہونے والا طرحی کلام بعد کے کسی گلدستے میں شائع ہو جاتا تھا اسی طرح غیر طرحی کلام بھی شمارے کے آخر میں چھاپ دیا جاتا تھا۔ بے شمار شاعر ایسے ہیں جن کا کلام اس ضمن میں آتا ہے مشتے نمونہ از خروارے۔

احمدؔ ــ ملے قرطاس مجھ کو گر بیاضِ صبح انور کا تو لکھوں وصف کچھ حضرت کے میں روئے منور کا (منشور شفاعت رمضان ۱۳۰۶ھ)
یوسفؔ ــ باعث ایجاد عالم جب تم اے سرور بنے اب کوئی ہم سر تمہارا کیا بنے کیوں کر بنے (ایضاً)
معصومؔ ــ گو سراپا ہوں گنہ گار مگر اے شافع حشر میں کافی ہے بس آپ کی امداد مجھے (ایضاً)
طاہرؔ سید محمد طاہر فرخ آبادی ــ تن سے نکل کے یاد رسول زمن میں روح دم لے گی جاکے خلد بریں کے چمن میں روح
پھرد ں پہ ان کے دشت میں چھائی ہے مردنی دیوانے چھوڑ آئے ہیں شاید وطن میں روح
(گلزار خلد اگست ۱۹۰۵ء)

اخگرؔ، عبد القادر ــ بن گیا ذرہ سے وہ غیرت خورشید فلک نظر لطف سے تم نے جسے مولا دیکھا (سفینۂ نجات دسمبر ۱۹۰۴ء)
مہدویؔ سید علی ــ مبارک ہو واعظ کو گلزار جنت خوش آتی ہے مجھ کو بہار مدینہ (ایضاً)
افسرؔ بھگو میاں ــ دینے سے سوا حق نے دیا دست کرم سے پانے سے سوا شاہ نے پایا شب معراج (ایضاً ۱۹۰۳ء ستمبر)

ان نعتیہ گلدستوں سے بہت سے شعرائے کرام کے اساتذہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ عموماً جن اساتذہ کرام کے تلامذہ کا کلام ملتا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں۔ امیرؔ مینائی، اخگرؔ (عبد القادر)، ایرجؔ (تلمیذ رضواںؔ)، برقؔ، بیدلؔ سہارن پوری، تاتبؔ، تحملؔ جلال پوری، حمیدؔ لکھنوی، عبد الحکیم حاذقؔ، خلیلؔ کیا مئوی، خلیقؔ، خلیلؔ بھڑوچی، دلکشؔ، حسان الہند رضواںؔ مراد آبادی، رزاقؔ احمد آبادی، راغبؔ برہان پوری (محمد عثمان)، سعیدؔ تلمیذ تحملؔ جلالپوری، ساقیؔ سکندر آبادی، شاکرؔ، شمشادؔ لکھنوی، شیداؔ، صادرؔ، ضبطؔ اجمیری، عزیزؔ لکھنوی، عزیزؔ باسمری، عاصیؔ، عزبتؔ، فداؔ، لطیفؔ، مرادؔ، مہجورؔ، مہرؔ، مشہورؔ، نوازؔ اور ہوشؔ بریلوی۔

حضرت تجلّی جلال پوری (تلمیذ اَفقر شاہ جہاں پوری) کے تلامذہ میں سعید کیامٹوی اور سعید کے تلامذہ میں انگر (عبدالقادر) اور انگر کے تلامذہ میں آتش اور انور غرض کہ پانچوں سلسلوں کا کلام ان گلدستوں میں محفوظ ہے۔ اسی طرح حضرت حسان الہند رضوان مرادآبادی ہیں جن کے تلامذہ اور شاگردوں کے شاگردوں کا کلام بھی ملتا ہے۔ ان گلدستوں میں رضوان مرادآبادی کے ۳۳ تلامذہ کا کلام ملتا ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ رشید احمد آشفتہ، مشتاق علی خاں آزاد، محمد حسن آبر، علیم الدین ادیب، سخاوت حسین ادیب کان پوری، رشید الدین ارشد، برہان الحق ازل، عطا جان اسد، غلام نبی اشرف، اشرف علی اشرف، رگھوناتھ اشرف، عبدالقادر اعجاز، اعجاز حسین اعجاز مرادآبادی، جوزف افسر، رام رتن افسوس، فیاض حسین اکبر، امتیاز علی امتیاز مرادآبادی، شوکت علی خاں ایمج، عباداللہ ایجاد مرادآبادی، محمد اسمٰعیل برباد مرادآبادی، محمد عبدالرزاق بہار، حشمت علی ثبات، رشید الدین حسن، مظفر علی ربط، غلام احمد شوق، فیاض علی فیاض مرادآبادی، قاسم علی قاسم، افتخار عالم کشتہ، محمد مقبول عالم مقبول، مسیح اللہ مسیحا، حسین علی نشاط، غلام محمد نجات اور نجیب الدین نجیب مرادآبادی — اسی طرح راغب برہان پوری (تلمیذ واصف برہان پوری) کے تلامذہ میں اٹھارہ شاعروں کا نتیجۂ فکر ان شماروں میں چھپا ہے۔

طرحی مصرعے :- مذکورہ تینتیس شماروں کے طرحی مصرعے حسب ذیل ہیں :-

نمبر شمار	مصرع طرح	گلدستہ و شمارہ
۱	کھینچا ایسا پری نقشہ سراپائے محمد کا	منشور شفاعت محرم ۱۳۰۶ھ
۲	مداح ہوں جناب رسالت مآب کا	〃 جمادی الآخر 〃
۳	اُمتّی کے واسطے ایوانِ لب کوثر بنے	〃 شعبان 〃
۴	حشر کا دن ہے شفیع عاصیاں آنے کو ہے	〃 رمضان 〃
۵	مژدہ اے بخت کہ حضرت نے کیا یاد مجھے	〃 شوال 〃
۶	باہر حساب سے کرم بے حساب ہے	گلزار خلد جون ۱۸۸۸ء / شعبان ۱۳۰۵ھ
۷	احمد کے حسن پاک کا جلوہ کہاں نہ تھا	〃 جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ
۸	خواب میں ہم نے نبی کا رخ زیبا دیکھا	〃 نومبر ۱۸۹۹ء
۹	یا نبی خواب میں دکھلائیے جلوا مجھ کو	〃 نومبر ۱۹۰۴ء
۱۰	نبی کا قیامت میں دیدار ہو گا	〃 فروری ۱۹۰۵ء
۱۱	ہم مدینے کو چلے عشق کا سودا لے کر	〃 اگست ۱۹۰۵ء
۱۲	ہر وقت مرے ورد زباں نام خدا ہے	〃 اکتوبر ۱۹۰۵ء
۱۳	الفت نبی کی جان کے بدلے بدن میں ہے	سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۱ء / صفر ۱۳۱۹ھ
۱۴	ترے روضہ پہ دم نکلے ترے در پہ اجل آئے	〃 دسمبر ۱۹۰۱ء / شعبان ۱۳۱۹ھ
۱۵	مجھے دیدار ہو یارب شفیع روز محشر کا	〃 مارچ ۱۹۰۲ء

نمبر شمار	مصرع طرح	گلدستہ وشمارہ
۱۶	آب زم زم میرے حق میں آبِ حیواں ہوگیا	سفینۂ نجات دہلی جون ۱۹۰۲ء [1]
۱۷	جسے زلفِ سرور کا سودا نہیں ہے	؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍
۱۸	بخشش کے لیے احمدِ مختار ہے کیا خوب	؍؍ ؍؍ ۱۰ فروری ۱۹۰۳ء [2]
۱۹	چارہ گر کون ہے ترے سوا بے چاروں کا	؍؍ ؍؍ ؍؍
۲۰	گنہ گارانِ اُمت دیر سے فریاد کرتے ہیں [3]	؍؍ ؍؍ ستمبر ۱۹۰۳ء / جمادی الآخر ۱۳۲۱ھ
۲۱	؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍ اکتوبر ۱۹۰۳ء
۲۲	خدا نے خاص اپنے نور سے تم کو بنایا ہے	؍؍ نومبر ۱۹۰۳ء
۲۳	وہ دن خدا کرے کہ مدینے کو جائیں ہم [4]	؍؍ دسمبر ۱۹۰۳ء
۲۴	؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍ جنوری ۱۹۰۴ء
۲۵	پردہ دار عاصیاں دامانِ سرور ہوگیا [5]	؍؍ فروری ۱۹۰۴ء
۲۶	؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍ مارچ ۱۹۰۴ء
۲۷	نہ روکے گا ہمیں رضوان جنت بابِ جنت پر	؍؍ اپریل ۱۹۰۴ء
۲۸	محبوب خدا کی ثنا اور دہن اپنا	؍؍ مئی ۱۹۰۴ء
۲۹	چارہ گر اونکے محمد ہیں جو بے چارے ہیں	؍؍ جون ۱۹۰۴ء
۳۰	تو ہاشمی و مطلبی و قرشی ہے	؍؍ جولائی ۱۹۰۴ء
۳۱	بلا لو شہ ذی وقار مدینہ	؍؍ اگست ۱۹۰۴ء
۳۲	کاش در پر ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو	؍؍ دسمبر ۱۹۰۴ء
۳۳	مسافر ہیں یثرب کے کیا گھر ہمارا	؍؍ دسمبر ۱۹۰۵ء
۳۴	کوئی تجھ سا حسین اللہ اکبر ہو نہیں سکتا	؍؍ فروری ۱۹۰۶ء
۳۵	لگا دے پہلی ہی منزل میں بیڑا پار یا اللہ	اپریل ۱۹۰۶ء

مذکورہ بالا پینتیس طرحوں پر بہت سے شاعروں کا کلام ملتا ہے۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے ایک آدھ

---

[1] [2] ان شماروں میں دو طرحوں پر کلام ملتا ہے۔

[3] [4] [5] ان طرحوں پر بہت سے شعرا نے کہا ہے اس لئے دو دو شماروں میں شائع کیا ہے۔

طرح پر طبع آزمائی کی ہے۔ (مثلاً جن شعرائ کا منتخب کلام صرف ایک ہی طرح پہ ملتا ہے اُن کی تعداد ۲۲۳[1] ہے اسی طرح دو طرحوں پہ طبع آزمائی

---

[1] جن شعرائ کا کلام کسی ایک ہی طرح پہ ملتا ہے اُن میں سے بعض کے نام مع نمونہ حاضر ہیں :۔

اثیمؔ (غلام نبی) ؎	عرش منظر ہے مکاں اپنا اثیم احقر	مل گیا ہے درِ احمد پہ ٹھکانا مجھ کو
اجلالؔ (ہدایت اللہ) ؎	واعظ جلائے گی نہ مجھے آتشِ جحیم	مداح ہوں جناب رسالت مآب کا
اخترؔ (عبدالقادر) ؎	کاش درپہ ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو	نہیں منظور ہے فردوس میں جانا مجھ کو
اظہرؔ (ظہیرالدین) ؎	الٰہی مقدر ہو یا در ہمارا	نبی کی ہو دہلیز اور سر ہمارا
باقرؔ (باقر علی) ؎	کیا ڈر ہے واعظ مجھے روز حساب کا	مداح ہوں جناب رسالت مآب کا
برقؔ (ملک حامد) ؎	شرم آتی ہے ہمیں دیکھ کے اعمال خراب	جائیں گے روبرو اللہ کے منہ کیا لے کر
تاباںؔ (قطب الدین) ؎	بیاں کس طرح سے ہو شان ان کی	شہ انبیا ہے پیمبر ہمارا
خنجرؔ (نور محمد) ؎	عدو کس طرح آئے اپنے مقابل	تخلص ہے مشہور خنجر ہمارا
راحتؔ (محمد عبدالکریم) ؎	راحت رسول پاک کا امت پہ دیکھیے	باہر حساب سے کرم بے حساب ہے
رفعتؔ (عبدالواحد) ؎	تخلص ہے رفعت ذرا غور کیجے	مقدر ہے بخت یاور ہمارا
صغیرؔ (صغیر حسن) ؎	بھولے نہ مرتے مرتے بھی اُمت کو مصطفیٰ	باہر حساب سے کرم بے حساب ہے
عاجزؔ (نیاز محمد) ؎	چلے جاتے ہیں قافلے سوئے طیبہ	مرا بھی کبھی بخت بیدار ہو گا
عاشقؔ (خدا بخش) ؎	بعض شاہوں کو بھی حسرت یہ ہے اے ختم رسل	کاش در پہ ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو
عبدؔ (عبدالکریم) ؎	ممکن نہیں شمار گنہ گار کر سکیں	میرے شفیع کے کرم بے حساب کا
عبدؔ (عبدالقادر) ؎	خبر وقت نزع کی اے مسیحا کیوں نہیں لیتے	گنہ گارانِ اُمت دیر سے فریاد کرتے ہیں
فائقؔ (محمد عبدالعزیز) ؎	اے بہار نعتِ حضرت مرحبا تیرے سبب	گلشن عصیاں پہ میرے اب خزاں آنے کو ہے
فائقؔ (عبدالعلی) ؎	رہا حیرت میں نقاشِ ازل بھی دیکھ کر اس کو	کھنچا ایسا پری نقشا سراپائے محمد کا
فائقؔ (شیخ توکل) ؎	زمین حرم پر ہے بستر ہمارا	دماغ اب نہ کیوں ہو فلک پر ہمارا
فضلؔ (محمد خاں) ؎	کیا خوف ہمیں نار سقر سے ہو عزیزو	بخشش کے لئے احمد مختار ہے کیا خوب
کمالؔ (شیخ احمد) ؎	کچھ غم نہیں ہے مجھ کو بھی روز حساب کا	مداح ہوں جناب رسالت مآب کا
کوثرؔ (سخاوت حسین) ؎	مری آنکھیں نہ پھر جھپکیں گی خورشید قیامت سے	ملا سُرما اگر خاک کف پائے محمد کا
لطیفؔ (محمد عبداللطیف) ؎	احسان حق شمار کرے کس کی تاب ہے	باہر حساب سے کرم بے حساب ہے
لیقؔ (محمد خلیق) ؎	تو ہاشمی و مطلبی و قرشی ہے	کیا ذات مقدس تری عالی نسبی ہے
مائلؔ (محمد شیخ) ؎	نہ لاتی ہم یوسف کا زباں پر اپنے پھر ہرگز	زلیخا کو نظر آتا اگر چہرہ محمد کا
معظمؔ ؎	تمنا ہے یہی ہر دم طفیل سرورِ عالم	معلم کرے کتب الٰہی عشق سرمد کا
مہرؔ (سید عمر) ؎	دیکھے تو کوئی خاتم دل کے نگینہ پر	کندہ ہے نام سید عالی جناب کا
نسیمؔ (محمد میاں) ؎	شفیع المذنبیں آؤ شفاعت کو سرِ محشر	گنہ گارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں
نورؔ (نور محمد) ؎	خبر لے اے حبیب خالق اکبر سرِ محشر	گنہ گارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں
نیّرؔ بہ جاؔ (محمد بدیع الزماں) ؎	بے کسوں کا کوئی بجز ان کے حامی نہیں ہے	چارہ گرداں کے محمد ہیں جو بے چارے ہیں

کرنے والوں کی تعداد ۳۱، ہے[1] - اِن میں عموماً شوقیہ نام شائع کرانے والے ہیں-) ذیل میں مذکورہ طرحوں پر شائع ہونے والے کلام کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے - اِس انتخاب میں شاعروں کے نام اُسی انداز میں درج کیے گئے ہیں جس طرح سے وہ گلدستوں میں محفوظ ہیں- ہر شاعر کے نام کے بعد قوسین میں دیے جانے والے نمبر اُن طرحوں کے نمبر کی نشاندہی کرتے ہیں جن پر کلام ملتا ہے :

آثمؔ، حضور احمد خاں بریلوی مصنف چراغ حرم، منظور حق، ذائقہ عشق، تلمیذ امیرؔ مینائی مرحوم و ہوشؔ مرحوم بریلوی

(۱۳) ؎ میں گیسوئے رسول کو تشبیہ کس سے دوں — عنبر میں یہ نہ بو ہے نہ مشک ختن میں ہے

آرزوؔ، مقبول احمد از سلطان پور

(۶) ؎ کیا تاب محتسب جو حساب کرم کرے — باہر حساب سے کرم بے حساب ہے

اثیمؔ، عبدالرحیم خاں ملازم جنرل قونصل دولت علیہ ایران، از کیمپ پونہ، تلمیذ تحمّلؔ جلال پوری،

(۲۰) ؎ مددگار غریباں ہیں جناب سید عالم — وہ ہر اک بے کس و مظلوم کی امداد کرتے ہیں

احقرؔ، محمد خاں احمد آبادی تلمیذ ضبطؔ اجمیری

(۲) ؎ باد صبا مدینے کو لے چل ہماری خاک — یہ کام ہو سکے تو بڑا ہے ثواب کا

اخگرؔ، منشی محمد عبدالقادر، سوداگر چرم، سیکریٹری محفل نقش سخن، برادر زادہ و شاگرد سعیدؔ از کیامٹی -[2]

(۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۲۰، ۲۳، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۱)

اخیؔ، مولوی حافظ عبدالقادر، ساکن بمبئی (۱، ۲) ؎

---

[1] صرف دو طرحوں پر طبع آزمائی فرمانے والے شعرأ میں سے چند یہ ہیں -

افضلؔ (محمد خاں بریلوی) ؎ یا نبی تو ہی ہے محشر میں گنہ گاروں کا — چارہ گر کون سوا تیرے ہے بے چاروں کا (طرح میں معمولی فرق ہے)

امینؔ (عبدالرحیم احمد) ؎ پھر ساعت میں وہ شور بلبلان آنے کو ہے — سامنے آنکھوں کے پھر وہ بوستان آنے کو ہے

ثمرؔ ؎ جدائی کے دن کب کٹیں گے الٰہی ! — محمد کا کب مجھ کو دیدار ہو گا

عارفؔ (محمد عبداللہ) ؎ ہند سے یاؤں میں آنکھوں سے مدینے کی طرف — کاش در پر ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو

عاشقؔ (محمد بخش) ؎ مقابل جب کہ یوسف سا پیمبر ہو نہیں سکتا — کوئی تجھ سا حسین اللہ اکبر ہو نہیں سکتا

نگارؔ (علی صاحب) ؎ نعت نبی نگار لکھوں کیا ہے میرا منہ — ذرّہ سے وصف کب ہوا آفتاب کا

مشہورؔ (عبدالقادر) ؎ دعا ہر دم یہی رو رو کے کرتا ہوں میں خالق سے — الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدار محمد کا

[2] اخگرؔ کا نمونہ کلام یہ ہے ؎ ندامت ہو رہی ہے پیش خالق آئیے جلدی — گنہ گاران امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

نہ ہو گا مرا غنچۂ دل شگفتہ — نہ جب تک شہ دیں کا دیدار ہو گا

ہے سورہ والفجر کی تشریح رخ پاک — والیل کی تفسیر اگر زلف نبیؐ ہے

اخی کو بھی کہیں مشمول کر اپنے غلاموں میں   طفیل آل و اصحاب اور صدقہ تیرے مرقد کا

اخلاص، حاجی محمد صدیق ولد حاجی ہاشم، مہتمم گلدستہ منشور شفاعت، تلمیذ فدا، (۱، ۲، ۳، ۴) ؎

رحمتِ حق آج اس امت پہ ہاں آنے کو ہے   حشر کا دن ہے شفیعِ عاصیاں آنے کو ہے

اخلاق، حافظ پیر خاں نابینا، تلمیذ رزاق احمد آبادی (۲، ۳، ۴) ؎

کہہ دوں گا جس دن وقت آئے گا حساب کا   مداح ہوں جناب رسالت مآب کا

اختر، محمد ابراہیم تلمیذ برق، (۳، ۴) ؎

لب پہ نعتِ سرورِ کون و مکاں آنے کو ہے   رحمتِ حق چومنے اپنا دہاں آنے کو ہے

اخضر، محمد عبدالرحمٰن از کیامٹی، تلمیذ سعید (۱۹، ۲۰) ؎

مقدر اس کا ہے تقدیر اس کی بخت اس کا ہے   جسے روضے پہ اپنے شاہِ عالم یاد کرتے ہیں

ادل، حکیم سید برہان الحق، رئیس مراد آباد، تلمیذ رضوان (۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۲، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۱) ؎

صبا تو ہی ذرا جا کر خبر دے شاہ والا کو   گنہ گارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

نظر لطف غلاموں پہ ہو آقا اب تو   سخت مغموم ہیں مظلوم ہیں بے چارے ہیں

اسحاق، محمد اسحاق، سوداگر، کارپرداز محفل نقش سخن کیامٹی تلمیذ سعید (۱۳، ۱۴، ۱۶) ؎

الٰہی نزع کا جب وقت ہو جس دم اجل آئے   زباں پہ میرے اس دم نام احمد برمحل آئے

اسحاق، ڈاکٹر منشی محمد اسحاق از موضع بیہل ریاست پٹیالہ (ابعدہٗ از کوہاٹ) (۱۴، ۱۷، ۲۲) ؎

جو بلے دیں آپ سے رکھے عداوت یا رسول اللہ   خدا کے سامنے وہ حشر میں خوار و خجل آئے

اسیر، منشی غلام حسین سکنہ تعلقہ شہادہ مؤلف "گوہر بحر عرفان" - (۳۲) ؎

عاجز و مفلس و محتاج ہے یہ تیرا اسیر   کوئے والا سے نہ زنہار اٹھانا مجھ کو

اطہر، منشی غلام مصطفیٰ خاں شاگرد حمید لکھنوی از جلگاؤں (۸، ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۱۹) ؎

تو ہی غم خوار ہے یا شاہ دل افگاروں کا   چارہ گر تیرے سوا کون ہے بے چاروں کا

اعجاز، منشی محمد عبدالقادر بھڑوچی تلمیذ رضوان مراد آبادی (۱۱، ۱۳، ۱۶) ؎

ہیں وہ بیمارِ رسولِ عربی ہوں اعجاز   کہ سنبھل جاتا ہوں نام شہ والا لے کر

افقر، محمد ناصر حسین شاہ جہاں پوری، مالک گل دستہ وسیلہ نجات (۲) ؎

جلوہ دکھاؤ پردہ اٹھا کر نقاب کا   ہے انتظار روشنی آفتاب کا

افسر، منشی بدرالدین ولد سراج الدین جاگیردار چوپڑا ضلع خاندیس (۱۸) ؎

زاہد نہ عبادت پہ تو کر فخر کہ میری   بخشش کے لیے سید ابرار ہیں کیا خوب

افسر (اور افضل)، منشی غلام محمد حسین عرف شیخ بگومیاں خلف شیخ چاند، سیکرٹری بزم سرود سخن ضلع خاندیس، تلمیذ محمد عثمان راغب برہان پوری (۱۵، ۱۶، ۱۹، ۲۲، ۲۳، ۲۶) ؎

انھیں کو فیض ملتا ہے وہی کامل بھی ہوتے ہیں — تہہ دل سے افسر جو خدمت استاد کرتے ہیں

ندامت ہو رہی ہے پیش خالق آیئے جلدی — گنہ گارانِ اُمت دیر سے فریاد کرتے ہیں

امیر مینائی، منشی امیر احمد امیر لکھنوی، استاد والی رام پور (۱) ؎

کھنچا ایسا پری نقشا سراپائے محمد کا — کہ نقاشِ ازل نے آپ سایہ رکھ لیا قد کا

امیر، حاجی محمد امیر حسن سہارنپوری تلمیذ بیدل سہارنپوری (۳، ۶) ؎

کعبہ خدا کا گھر ہے مدینہ رسول کا — یہ اس کا ہے جواب وہ اِس کا جواب ہے

امتیاز، منشی امتیاز علی مراد آبادی تلمیذ رضوان (۱۴، ۱۵، ۲۵) ؎

کرامت اس کو کہتے ہیں کہ جب دیکھا نظر بھر کر — تو کلمہ آپ کا پڑھتے ہوئے سنگِ جبل آئے

امیر، شیخ امیر خلف شیخ داود، مقیم پارولہ تلمیذ راغب برہان پوری (۳۰) ؎

محبوب الٰہی ہے تو امّی لقبی ہے — تو ہاشمی و مطلبی و قرشی ہے

انور، منشی حبیب اللہ کیامٹی شاگرد آنگر (محمد عبدالقادر)، (۱۴، ۳۰) ؎

اللہ رے فروغ رخِ سلطانِ دوعالم — گر ماہ فلک اس کو کہوں بےادبی ہے

انور، منشی محمد عبدالرحمٰن ممبر مدرس مدرسہ اسلامیہ کیامٹی تلمیذ خلیل (تاجر کتب کیامٹی) (۱۷، ۲۱) ؎

کہاں ہو عرصہ گاہِ حشر میں اے شافع عالم — گنہ گارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

ایجاد، عباد اللہ خاں مراد آبادی مرید محمد معصوم، تلمیذ رضوان، (۲۹، ۳۰) ؎

جھنڈ بالوں کے نہیں سر پہ سیہ کاروں کے — گھاس کا بوجھ اٹھائے ہوئے گھسیارے ہیں

ایرج، نواب شوکت علی خاں رئیس مراد آباد تلمیذ حسان الہند رضوان (۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۱) ؎

یہ وقت مدد ہے کہ میں تنہا ہوں الٰہی — مجھ پر غم و اندوہ کی اب فوج کشی ہے

کوئی قاصد نہیں ایسا جو حضرت کو خبر کر دے — گنہ گارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

برق، عبداللطیف میمن، تلمیذ راحت، ابدہ منظہر اورنگ آبادی، ہمبئی خلف میمن آپا (۱، ۲، ۳) ؎

بہت ممنون ہوں اللہ کے الطاف بے حد کا — دیا دل کو جو میرے شوق اوصاف محمد کا

بخشش، حکیم حاجی اللہ بخش جبل پوری، ممبر انجمن اسلامیہ سیکرٹری جلسہ ارباب محبت، تلمیذ اعجاز، (۲۰، ۲۲، ۲۳) ؎

دکھا دیجے رخ زیبا کو اے بدر الدجےٰ اپنے — گنہ گارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

برباد، شیخ محمد اسمٰعیل مراد آبادی، تلمیذ رضوان، (۲۱) ؎

غرض کیا ہے کنشت و دیر و مسجد میں پھریں بھٹکے　　ہم اپنے کعبۂ دل میں ہی تیری یاد کرتے ہیں

بسملؔ، بسم اللہ خاں ابن نواز خاں تلمیذ امیرؔ، از نا ندورا ضلع بلڈانہ (۱۰، ۱۲، ۳۵) ؎

نہیں جس کے دل میں ہے اُلفت نبیؐ کی　　نہ وہ فضل حق کا سزاوار ہوگا

ہمیں جنت دے یا دوزخ رضا پہ تری راضی ہیں　　جو چاہے کر ہمارا ہے تو ہی مختار یا اللہ

بصیرؔ، نواب سید محمد غوث محی الدین خاں، تلمیذ مُتجیؔ، (۲) ؎

دل میں ہو یاد لب پہ رواں نام پاک ہو　　عالم ہو وقت نزع کے جب اضطراب کا

بہارؔ، محمد عبدالرزاق جمعدار چشتی صابری قلندری مقیم احمد آباد تلمیذ رضوانؔ، (۲۹) ؎

یہ بھی میدان سخن تھا کوئی دشوار بہار　　مورچے ایسے تو یاروں نے بہت مارے ہیں

پیکاںؔ، سید شاہ نواز تلمیذ جوہرؔ، ساکن بمبئی (۱، ۲) ؎

منکر نکیر مجھ سے کریں گے سوال جب　　کہہ دوں گا ہوں غلام شہِ لاجواب کا

تابؔ، منشی حسین میاں بن کاظم میاں مدرس مدرسہ اردو - سیرم گاؤں، (۲، ۳) ؎

بے تاب ہجر احمد مرسل میں تاب ہے　　یارب دکھا دے روضہ رسالت مآب کا

تابؔ، نعمت خاں پٹواری ایچ پوری از پوسلا - (۱۰، ۱۱، ۱۲) ؎

حسرت و رنج و الم یاس و تمنا لے کر　　ہم مدینے کو چلے عشق کا سودا لے کر

تجملؔ، حاجی سید تجمل حسین چشتی نظامی فخری جلال پوری مؤلف شاہد غیب اعنی دیوان تجمل، شاگرد تابؔ شاہجہاں پوری بعدہٗ اتقرؔ شاہجہاں پوری

(۳، ۴، ۵، ۷، ۱۳، ۲۰، ۲۵، ۳۲) ؎

عاصیو گھبراتے ہو کیوں اپنی بخشش کے لئے　　حشر کا دن ہے شافع محشرؐ آنے کو ہے

تمناؔ، مولوی محمد حسین مراد آبادی تلمیذ ذکیؔ، (۱) ؎

بیاں کب ہو سکے خالق کے اس انعام بیحد کا　　کیا اپنے کرم سے امتی ہم کو محمدؐ کا

تمکینؔ، نواب محمد اکبر علی خاں رئیس مراد آباد (۱۳، ۱۴، ۱۷، ۲۵، ۲۷-۳۰) ؎

جو ایما ہو در اقدس پہ آزادانہ آنے کا　　ابھی بے تاب ہو کر روح قالب سے نکل آئے

ثباتؔ، سید حشمت علی، متوطن بلہور احمد آبادی، تلمیذ حسان الہندؔ (۲، ۳) ؎

کیا خوف حشر کے ہو سوال و جواب کا　　مداح ہوں جناب رسالت مآب کا

ثروتؔ، منشی محمد علی ساکن بمبئی تلمیذ سید محمود شاہ (۲) ؎

روتا ہوں زار زار فراق رسولؐ میں　　دریا ہے جوش پہ مری چشم پر آب کا

جوہرؔ، عبداللہ خاں شاگرد تیغؔ مقیم بمبئی (۱) ؎

کھڑے ہیں حضرت عیسیٰ بھی مشتاق لقا جس کے ۔۔۔ فلک پر شور برپا ہے یہ کس کی آمد آمد ہے

حامد، شیخ محمد خلف شیخ احمد رئیس اعظم گڈھ، (۱۳، ۱۵، ۱۶، ۲۱، ۳۴، ۳۵) ؎

اگرچہ لاکھ عاصی ہوں مگر امید بخشش ہے ۔۔۔ کہ تیرا نام ہے ستار اور غفار یا اللہ

؎ ادا ہم سے کبھی وصف پیمبر ہو نہیں سکتا ۔۔۔ یہ پورا مدحت حضرت کا دفتر ہو نہیں سکتا

؎ کہے جبرئیل یا حضرت چلو میدانِ محشر میں ۔۔۔ گنہگارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

حاذق، شیخ بھیکن ممبر بزم سرور سخن از دھر نگاؤں تلمیذ ناصر (۱۰، ۱۲، ۲۳، ۲۹، ۳۰، ۳۳) ؎

آئی ہے جو گلزار مدینے کی طرف سے ۔۔۔ ڈوبی ہے صبا عطر میں پھولوں میں بسی ہے

؎ ہولِ محشر سے نہ گھبراؤ تم اے بے چارو ۔۔۔ چارہ گران کے محمد ہیں جو بے چارے ہیں

؎ تجھے خوف کیا ہے قیامت کا حاذق ۔۔۔ ترا مصطفیٰ واں مددگار ہو گا

حاذق، منشی کمال محمد ریڈ ہاف پکٹر خلف اکبر گل محمد ذاکر، شاگرد عزیز، از ضلع باسم ملک برار دکن، وارد پوسد (۱۶، ۱۹، ۲۰) ؎

شفاعت کے لیے کب مصطفیٰ ارشاد کرتے ہیں ۔۔۔ گنہگارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

؎ چارہ گر تیرے سوا کون ہے بے چاروں کا ۔۔۔ یا نبی تو ہی خبر گیر ہے ناداروں کا

حاتم، شیخ حاتم شیشہ گر، مقیم دہرن گاؤں ضلع خاندیس تلمیذ حسام الدین مضطر دہرن گانوی (۲۰، ۲۲) ؎

تسلی آ کے دو حضرت مٹاؤ خوفِ محشر کو ۔۔۔ گنہگارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

حبیبی، مولوی حبیب اللہ بنارسی مدرس مدرسہ ہاشمیہ بمبئی (۲۰۱) ؎

رہے گی تا قیامت اس دلِ بے تاب کو حسرت ۔۔۔ نہ دیکھوں گا اگر جلوا جمالِ روئے سرمد کا

حبیب، قاسم خاں بن رحیم خاں ساکن احمد نگر تلمیذ صادر (۲) ؎

کچھ غم نہیں لحد کے سوال و جواب کا ۔۔۔ مداح ہوں جنابِ رسالت مآب کا

حراق، محمد ابراہیم منشی، تلمیذ برق از کیامٹی (۱۰، ۱۱، ۱۲، ۲۹، ۳۰) ؎

نقد جاں جس نے تصدق کیا عشق شہ میں ۔۔۔ مستحق رحمت داور کے وہی سارے ہیں

؎ نہ گھبرا نہ گھبرا دل زار اتنا ۔۔۔ نبی کا قیامت میں دیدار ہو گا

؎ پھر بیابانِ مدینہ کی بہار آئی یاد ۔۔۔ پھر چلی وحشت دل سوئے مدینے کر

حسن، حسن علی شجاع الدین ساکن بمبئی تلمیذ مفتون لکھنوی (۱۳، ۱۷، ۲۰، ۲۲) ؎

دکھاؤ چہرہ پر نور یا صاحب زماں آ کر ۔۔۔ گنہگارانِ اُمت دیر سے فریاد کرتے ہیں

حسین، غلام حسین ولد ولی بھائی بھروچی شاگرد مہجور (۱، ۵، ۶، ۷) ؎

یہی ارمان ہے مستان مے عشق محمد کا ۔۔۔ الٰہی ابر بن جائے کرم گیسوئے احمد کا

روزِ شمار کب ہے ہمارے شمار میں ——— باہر حساب سے کرم بے حساب ہے

حسنؔ ، رشید الدین حسن وارد غمراد آبادی تلمیذ رضوان (۲۲، ۲۴، ۲۵) ؎

ہو وے رسولِ پاک کا دیدار جب نصیب ——— روداد حالِ زار کی اپنے سنائیں ہم

خوشحالؔ ، میمن عبداللہ خلف احمد سیٹھ، صدر نشیں انجمن کمالیہ تلمیذ رحمتؔ (۲، ۳، ۴، ۵) ؎

یا مصطفیٰ یہ دل کی تمنا ہے اب مری ——— ہو صرف تیری نعت میں عالم شباب کا

؎ اے ہمارے اوجِ محبوبی تری درگاہ تک ——— بندہ خوش حال مشتِ استخواں آنے کو ہے

خاکؔ ، شہاب الدین خاں ادھیکاری ساکن بمبئی (۲، ۴) ؎

اے خاکؔ ناز کیوں نہ مجھے ہر سخن پہ ہو ——— مداح ہوں جنابِ رسالت مآب کا

خاقانؔ ، شیخ محمد خلف اصغر شیخ بڑے جمعدار مولود خواں ساکن ضلع باسم تلمیذ میر ارمان علی ارمانؔ امراتوی بعدہٗ تلمیذ عبدالحکیم حاذقؔ (۱۷، ۱۸، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۵) ؎

چھو آئی ہے تو شہ کون و مکان کو ——— اے بادِ صبا اس لیے عنبر میں بسی ہے

؎ حشر میں دی یہی ہاتف نے ندا اے خاقانؔ ——— چارہ گران کے محمد ہیں جو بے چارے ہیں

؎ برائے سرورِ دیں احمدِ مختار یا اللہ ——— لگا دے پہلی ہی منزل میں بیڑا پار یا اللہ

خلیقؔ ، منشی محمد خلیق ٹباودی تلمیذ تحمل جلال پوری (۱۱، ۱۲، ۳۰، ۳۵) ؎

الٰہی بخش دے جرم کو خطا کو باعث احمد ——— خلیقؔ زار ہے یہ معصیت کردار یا اللہ

درخشاںؔ ، محمد عثمان خاں ساکن بمبئی تلمیذ شیداؔ (۲) ؎

یارب وہ دن دکھا کر درخشاںؔ کو سب کہیں ——— مداح ہے جنابِ رسالت مآب کا

دوستؔ ، دوست محمد غازی پوری شاگرد قہرؔ غازی پوری بعدہٗ تلمیذ عاصیؔ ، (۶، ۱۳، ۱۴) ؎

تڑپتا لوٹتا ہے دم بدم پہلو میں دل میرا ——— فراقِ سرورِ عالم میں کیوں کر مجھ کو کل آئے

ذائقؔ ، محمد عبدالعزیز لکھنوی آتھر آف دی نیو اشار و کٹوریہ تھیٹریکل کمپنی آف دی کراچی بندر، از کان پور، تلمیذ تائبؔ شاہجہاں پوری (۳، ۴، ۵، ۷) ؎

ذائقؔ نہ تھے یہ رونقِ ایماں جہاں میں ——— جب تک ظہور باعث کون و مکاں نہ تھا

ذائقؔ ، شیخ منیر تلمیذ حاذقؔ برہان پوری (۳۴) ؎

زمانے میں حسیں لاکھوں ہیں یوں تو اے حبیبِ حق ——— کوئی تجھ سا حسین اللہ اکبر ہو نہیں سکتا

ذرہؔ ، قاضی جہانگیر محمد تلمیذ داغؔ از کھملاسہ (۱۳، ۱۴، ۳۵) ؎

مجھی پہ منحصر کیا ہے تو اپنے فضل سے سب کا ——— لگا دے پہلی ہی منزل میں بیڑا پار یا اللہ

ذکاؔ ، عبدالرحمٰن بن عبداللہ میمن کنٹراکٹر عمارات بمبئی (۱، ۲) ؎

الٰہی جب فنا کا پر نزع کی ہو کیفیت طاری ‏ ‏ رہے سر میں خمار اس کے مئے عشقِ محمد کا

احسن، سید نور اللہ شاہ حسینی اورنگ آبادی تلمیذ ظریف (۱) ؎

خدا پوچھے وسیلہ کس کا لائے ہو تو کہدوں گا ‏ ‏ محمد کا محمد کا محمد کا محمد کا

راغب، محمد عثمان خاں تلمیذ محمد فقیر الدین واصف برہان پوری (۸، ۹، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۳۴) ؎

ترے ہاتھوں فراق روئے رنگین شہ عالم ‏ ‏ بجائے اشک آنکھوں سے نہ کیوں کر خون نکل آئے

ربط، محمد مظفر علی خاں تلمیذ حسان الہند رضوان (۱) ؎

زباں پہ ذکر ہے خط و لب و دندان احمد کا ‏ ‏ دہن گنجینہ ہے الماس و یاقوت و زبرجد کا

رزاق، شیخ عبدالرزاق جمعدار جیل خانہ احمد آباد (۲، ۳) ؎

دوزخ کا مجھ کو خوف نہ روزِ حساب کا ‏ ‏ مداح ہوں جناب رسالت مآب کا

رسا، سید غلام علی بن سید غلام مصطفیٰ امنگلوری شاگرد فدا (مالک گلدستہ منشور شفاعت) (۱، ۲) ؎

مدح سرائے بادشاہ بے مثال ہوں ‏ ‏ شہرہ ہے خلق میں سخن لاجواب کا

؎ دمِ صبح ازل مجھ پہ ہوا جب فضل سرمد کا ‏ ‏ نظر آیا تجلی آفتاب روئے احمد کا

رشید، منشی عبدالرشید سرپرست محفل نقش سخن، مصنف "مرغوب القلوب" تلمیذ سعید (۱۴، ۱۶، ۱۸)

تمنا ہے شہیدی کی طرح اے شافع محشر ‏ ‏ ترے روضے پہ دم نکلے ترے در پہ اجل آئے

رشید، مولوی محمد عبدالرشید تلمیذ تجمل جلالپوری از کیامٹی (۱۴) ؎

رشید اپنے گناہ سخت کا جس دم خیال آیا ‏ ‏ ہوا میں پانی پانی آنکھ سے آنسو نکل آئے

رضوان، نواب محمود اختر حسان الہند رضوان علی رئیس اعظم گڈھ (۱، ۲، ۳، ۱۳، ۱۴، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱)

؎ ثنائے مصحف رخ سے دل اپنا شاد کرتے ہیں ‏ ‏ مسلماں ہیں کلام اللہ اب ہم یاد کرتے ہیں

شفیع روز محشر اب تو سن لیجے غریبوں کی ‏ ‏ گنہگارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

؎ ازل میں منتہی تھا میں کتاب شوق بے حد کا ‏ ‏ الف ح م د اول سبق ہے میری ابجد کا

؎ عاجزی اپنی بجھاتی ہے شرر دوزخ اعدا ‏ ‏ ہم ہیں پانی وہ اگر آگ کے انگارے ہیں

؎ جاروب شعاعی لیے ہر صبح کو سورج ‏ ‏ کرتا تری درگاہ میں جاروب کشی ہے

؎ رضواں میں وہ بلبل ہوں جو چھیڑوں غزل نعت ‏ ‏ مونھ کھولیں نہ پھر زمزمہ سنج سخن اپنا

رنجور، میر معصوم علی سابق سب انسپکٹر پولس رئیس مراد آباد (۱۴، ۳۰) ؎

درماندی رنجور میں درماندہ ہیں حکما ‏ ‏ بس تیرے سوا کون طبیب قلبی ہے

ریاض، محمد ریاض الدین خاں خلف عظیم اللہ تاجر عطر متوطن بلہور ضلع کانپور تلمیذ حاذق (مہتمم سفینۂ نجات) (۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۵)

؎ عمر باقی کو مدینے میں گزر جانے دے ۔۔۔ درِ احمد سے نہ اے چرخ اٹھانا مجھ کو

؎ رکھی جب قبر میں میت تو بول یے کسی میری ۔۔۔ لگا دے پہلی ہی منزل میں بیڑا پار یا اللہ

زائر ، منشی غلام نبی رئیس لکھنؤ (۳، ۴) ؎

کیجے امداد اب بہر خدا اے شاہِ زمن ۔۔۔ آپ کے در پہ یہ زائر نیم جاں آنے کو ہے

سائل ، میمن عبداللطیف ساکن بمبئی ولد عبدالغنی تلمیذ فدا (۱، ۳، ۴) ؎

دل میں بن کر ہجر اک سوز نہاں آنے کو ہے ۔۔۔ اب مرے لب پہ کوئی دم میں دھواں آنے کو ہے

ساغر ، منشی احمد حسین فاروقی گوپاموی تلمیذ شاکر (۱۰) ؎

زیارت کے ارماں تو ہیں دل میں لاکھوں ۔۔۔ مگر بخت کاہے کو بیدار ہوگا

سراج ، مولوی سید محمد سراج الدین ابن سید یٰسین صاحب، از گودہرہ (۲، ۳، ۴) ؎

کثرتِ عصیاں سے کیا تشویش تجھ کو اے سراج ۔۔۔ روزِ محشر ہے شفیع عاصیاں آنے کو ہے

؎ اللہ کے کلام سے ثابت ہے جس کی نعت ۔۔۔ یہ مرتبہ ہے صاحبِ ام الکتاب کا

سردار ، سید سردار محمد خاں انسپکٹر پولس ڈویژن رانا پور تلمیذ عزیز لکھنوی (۱۰) ؎

کریں گے مجھے یاد طیبہ میں حضرت ۔۔۔ کبھی ہائے وہ دن بھی سردار ہوگا

سعید ، منشی محمد سعید چشتی قادری کیامٹوی تلمیذ تحمل جلال پوری (۱۳، ۱۴، ۱۹، ۱۸) ؎

اک یہ بھی سعید جگر افگار و جگر سوز ۔۔۔ مدح جناب شہہ ابرار ہے کیا خوب

سند ، سید محمد جنرل چارج مین ورکشاپ بمبئی (۲) ؎

کیوں کر رکھوں میں حشر کا واعظ کی طرح ڈر ۔۔۔ مدّاح ہوں جنابِ رسالت مآب کا

شاکر ، شیخ محمد وزیر تلمیذ رحمان بمبئی (۱) ؎

ازل سے چشم میں اہلِ نظر نے کر لیا پنہاں ۔۔۔ نہ تھا اس واسطے سایہ رسول اللہ کے قد کا

شریف ، عبدالرحمٰن از ٹمٹور تلمیذ دل، یاسین بعدہٗ ذائق (۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۷) ؎

شریفِ ناتواں کی آرزو ہے مرتے دم یارب ۔۔۔ نظر آئے کہیں نقشہ سراپائے محمد کا

شمیم ، فدا علی برہان پوری از منگرول پیر (برار) تلمیذ عزیز (۳۳، ۳۵) ؎

نہ ہم دم ہے نہ مونس ہے کوئی اس دارِ فانی میں ۔۔۔ نہیں تیرے سوا میرا کوئی زنہار یا اللہ

شوکت ، محمد عمر طالب علم تلمیذ محمد عثمان راغب برہان پوری (۳۲، ۳۴) ؎

کیا پیدا خدا نے سے کے آدم سے مسیحا تک ۔۔۔ کوئی تجھ سا حسیں اللہ اکبر ہو نہیں سکتا

شیفتہ ، سید محمد کاظم حسین کنتوری مقیم حیدر آباد، معتمد عدالت امور عامہ سرکار آصفیہ (۱۳، ۱۵، ۲۰)

یشفیع عاصیاں کس روز دیکھیں یاد کرتے ہیں — گنہ گارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

شیدا، عبدالقادر تلمیذ فدا ساکن بمبئی (۱، ۶) ؎

مجھے اس کا مزار پاک یا رب جلد دکھلادے — کیا کرتے ہیں نظارہ ملائک جس کے گنبد کا

صادر، منشی محمد یعقوب ہیڈ کلرک پوسٹ آفس بمبئی (۱، ۲، ۵) ؎

رہے وہ سر کہ سودا جس میں ہے گیسوئے احمد کا — رہے وہ دل کہ ہے جس میں اثر عشق محمد کا

صابر، جان محمد ساکن بمبئی شاگرد صادر (۱، ۲) ؎

پرسش کو آئیں گے جو نکیرین قبر میں — لے لوں گا نام شافع روز حساب کا

صادق، شیخ امیر خلف بھیکی حاذق دہر نگانوی (۱۲، ۳۰، ۳۱، ۳۳) ؎

تو ہاشمی و مطلبی و قرشی ہے — مختار جناں شافع محشر یعنی ہے

صریر، شیخ محمد عبدالکریم احمد آبادی شاگرد وحشت بعدہٗ کلیم بنگلوری (۲) ؎

ہو جائے گی نجات یقیں اب تو ہے صریر — مداح تو ہوا ہے رسالت مآب کا

صفدر، مرزا صفدر حسین بیگ لکھنوی وارد عظیم آباد تلمیذ ایرج (۲۳)

ضبط، شیخ محمد بخش اجمیری تلمیذ داغ دہلوی (۲، ۵) ؎

کیا خوف روز حشر کا اے ضبط ہے تجھے — مداح دل سے تو ہے رسالت مآب کا

ضمیر، مولوی حافظ محمد یٰسین خاں (۲) ؎

کیوں کر نہ حق پسند کلام ضمیر ہو — مداح ہے جناب رسالت مآب کا

طالب، محمد اسحٰق (۳۰، ۳۲، ۳۵) ؎

اب روز قیامت کا تجھے غم نہیں طالب — محشر میں شفاعت کو رسول عربی ہے

طالب، منشی عبدالوہاب تلمیذ خادم از مالیگاؤں (۱۰) ؎

مرا بخت خفتہ بھی جاگے گا طالب — نبی کا قیامت میں دیدار ہوگا

ظامی، حکیم منشی محمد عبدالرحیم بھڑوچی (۲، ۶) ؎

بھیجا شفیع کر کے جہاں میں رسول کو — باہر حساب سے کرم بے حساب ہے

ظہور، ظہور محمد خاں خلف غریب تلمیذ مرزا سہارن پوری (۱۰، ۱۲) ؎

ہوا ایک سو دل سنا جب یہ مژدہ — نبی کا قیامت میں دیدار ہوگا

عاصی، منشی محمد رشید الدین رئیس جمبو سہر (۲) ؎

مجھ کو بھی اے خدا کہیں پہنچا مدینے میں — مشتاق ہوں میں روضۂ عالی جناب کا

عاصی ، حافظ فتح یاب خاں سوداگر ساکن ناگ پور تلمیذ شرق مرحوم (بعدہٗ عزیزؔ ناگ پوری) (۱۳، ۱۴، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۶، ۲۷، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۵) ؎

مدد کیجیے مرے مولا دم مشکل کشائی ہے گنہ گاران امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

؎ آرزو ہے یہی حسرت ہے شب روز مدام کاش در پر ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو

؎ جمال و حسن میں بے مثل تو ہے غیرت یوسف کوئی تجھ سا حسیں اللہ اکبر ہو نہیں سکتا

؎ نہایت پر خطر در پیش اک رستہ عدم کا ہے لگا دے پہلی ہی منزل میں بیڑا پار یا اللہ

عابد ، سید محمد زین العابدین سہارن پوری (۲) ؎

میں عاشق رسول ہوں اے منکر و نکیر مجھ کو نہیں ہے خوف سوال و جواب کا

عزیز ، محمد عبدالعزیز خاں دہلوی شاگرد داغ جمعدار پولس از ضلع باسم ملک برار (۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۸) ؎

وہ ختم رسل سید ابرار ہے کیا خوب سردار ہے غم خوار ہے مختار ہے کیا خوب

علی ، علی محمد مؤلف "تقویم جدید" بمبئی (۱) ؎

رہیں گے اسے علی چرچے ثنا خوانی کے کوسوں تک ہوا مطبوع منشور شفاعت اپنے مقصد کا

عیش ، فخر الدین تلمیذ صولت (۲) ؎

بے خوف ہوں میں تابش خورشید حشر سے سایہ ہے میرے سر پہ رسالت مآب کا

عرشی ، مولوی محمد عبدالقادر جالندھری مدرس مدرسہ جنڈ تلمیذ اعجاز جبل پوری (۱۰، ۲۳، ۲۵، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۵) ؎

؎ شب معراج میں حوریں یہی حضرت سے کہتی تھیں کوئی تجھ سا حسیں اللہ اکبر ہو نہیں سکتا

؎ اور کچھ خواہش وارماں نہیں ہیں مولا کاش در پر ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو

؎ تعریف تری مجھ سے بیاں ہو نہ ذرا بھی تو ہاشمی و مطلبی و قرشی ہے

؎ بھروسا ہے مجھے لاتقنطوا ہی پر مرے مولا اگرچہ میرے سر پہ ہے گناہ کا بار یا اللہ

غریب ، محمد خاں سہارن پوری اہل مدیشی صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر پولس سہارن پور (بعدہٗ سب انسپکٹر ضلع مین پوری) (۶) ؎

ہے بے مثال عارض محبوب کبریا کیوں ہو نہ لاجواب خدا کی کتاب ہے

عزق ، میمن الہ دین ساکن بمبئی تلمیذ راحت اورنگ آبادی (۲۰۱)

ہوا اس واسطے دنیا میں وہ شمس الضحیٰ پیدا کہ روشن نام کرنا تھا اسے اپنے اب و جد کا

فدا ، فدا حسین خاں تلمیذ خواہاں بریلوی (۱۰، ۱۲) ؎

خوشی کس طرح سے نہ ہو عاشقوں کو نبی کا قیامت میں دیدار ہوگا

فدا ، سید فقیر محمد چشتی صابری مالک گل دستہ منشور شفاعت (۱، ۲، ۳، ۴، ۵) ؎

دمِ تحریر یہ دھیان آیا جو بسم اللہ کے مد کا　　تو قلم نے لکھ دیا مطلع میں وصفِ ابروئے احمد کا

ے کیا شان شہ سوارِ سمندِ براق ہے　　تا دستِ جبرئیل میں تسمہ رکاب کا

ے اُس کی قسمت اُس کے طالع ہیں کہ جس کے گھر خدا　　بزم ہونے کو ہے اور وہ جانِ جاں آنے کو ہے

فریاد، سید عبدالرحیم تلمیذ صادر (۲) ے

جس کو شفیع احمد مرسل سا مل گیا　　کیا خوف اُس کو حشر کے دن ہے عذاب کا

فرحان، شیخ عبدالرسول خطیب صدر مدرس مدرسہ پیپل گاؤں (بعدہٗ ضلع باسم ملک برار) تلمیذ عزیز باسموی (۸، ۱۵، ۱۶، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۸، ۳۳، ۳۵)

نظر خورشید پر کرتے ہیں رخ کا دھیان آتا ہے　　مہ نو دیکھ کر ابروئے احمد یاد کرتے ہیں

میں خاطی اور مجرم ہوں تو ہے غفار یا اللہ　　چھپا دے میرے عصیاں کو تو ہے ستّار یا اللہ

فضل، حکیم حاجی سید محمد فضل حق سہارن پوری مرید حضرت حاجی امداد اللہ تلمیذ ساقی سکندر آبادی (۳، ۴، ۵، ۶)

فضل حق کرے جو کرنا ہو تجھے خیر العمل　　زندگی کے باغ میں اک دن خزاں آنے کو ہے

امت پہ اپنی ساقیِ کوثر کا دوستو　　باہر حساب سے کرم بے حساب ہے

قدرت، شیخ قدرت اللہ رئیس مراد آباد تلمیذ ازل (۲۱، ۲۲) ے

سوائے رحمتِ عالم کوئی سنتا نہیں اُن کی　　گنہ گار ان امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

قمر، سید حسین میاں تلمیذ سید منگوری (۱) ے

خوشا زائر وہ جس نے روضۂ پُر نور دیکھا ہے　　خوشا وہ آنکھ نظارہ کیا ہے جس نے گنبد کا

قنبر، عبدالقادر تلمیذ اطہر جلگانوی (۸، ۱۱، ۱۲) ے

دولتِ عشقِ نبی سے ہے غنی دل میرا　　کیا کروں گا تجھے اے دولتِ دنیا لے کر

قول، غلام محمد علی خاں ساکن مبلبئی تلمیذ نزہت مرحوم (۱، ۲) ے

مری بھی جاں نکل جائے شہیدی کی طرح حضرت　　نظارہ کرتے کرتے آپ کے روضے کے گنبد کا

کریم، شیخ کریم بخش داروغہ اصطبل نواب محمد شمس الدین علی خاں اجمیری (۱۰) ے

گناہوں میں ساری کٹی عمر اے دل　　تو کب خوابِ غفلت سے بیدار ہوگا

کشتہ، سید افتخار عالم رئیس پھائی تلمیذ حسان الہند رضوان (۱، ۲) ے

ہر اک صفحہ ہے دیواں کا مرے گلدستہ جنت کا　　ازل سے ہوں میں بلبل باغِ اوصافِ محمد کا

کمال، حکیم سید محمد مہدی لکھنوی خلف الصدق جلال لکھنوی (۱) ے

قلم کو ولولے میں جب اٹھاتا ہوں تو کہتا ہے　　کہ یہ قدرت ہے کس میں لکھ سکے جو وصفِ احمد کا

کمتر، شیخ محمد محبوب جبل پوری تلمیذ اعجاز (۹، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۳۰) ھ

ہے مالک گلزار جناں صاحب کوثر
تو ہاشمی و مطلبی و قرشی ہے

کوثر، منشی محمد عبدالرحیم لکھنوی ساکن بمبئی تلمیذ تجلی جلال پوری (۸، ۱۴، ۱۶) ھ

جب گل داغِ نبی دل میں نمایاں ہوگیا
میرا سینہ غیرت گلزار رضواں ہوگیا

کوثر، مولوی حکیم عابد علی خیرآبادی شاگرد امیر لکھنوی انزگیامٹی (۱۳، ۲۱) ھ

مدد کا وقت ہے لینا خبر لے شافع محشر
گنہ گارانِ اُمت دیر سے فریاد کرتے ہیں

کوثر، شیخ لال خلف اصغر نور محمد مقیم دہرن گانو تلمیذ محمد عثمان راغب (۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۶) ھ

شفاعت کی تناسب شہ امجاد کرتے ہیں
گنہگارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

گمنام، عبداللہ میاں تلمیذ فدا (۱) ھ

نہ آ تو اے غشی یہ وقت ہے دیدار احمد کا
کہیں چھٹ جائے ہاتھوں سے نہ دامن میرے مقصد کا

لیق، شیخ نبو ٹپاؤدی تلمیذ خلیق ٹپاؤدی (۹، ۱۲، ۲۳، ۳۲) ھ

خاکِ مزار سرور عالم جو پائیں ہم
آنکھوں میں مثل سرمے کے اس کو لگائیں ہم

مائل، شیخ محمد میمن ساکن بمبئی تلمیذ حبیبی (۱، ۲، ۳) ھ

نہ لاتی نام یوسف کا زباں پر اپنے پھر ہرگز
زلیخا کو نظر آتا اگر چہرہ محمد کا

محمود، سید عبدالرزاق محمود شاہ قادری (۲) ھ

تم آفتاب چرخ رسالت ہو یا نبی
ثانی نہیں جناب خدا میں جناب کا

محقق، مولوی عبدالکریم مدرس (۲) ھ

ممکن نہیں کہ نعت محقق سے ہو ادا
مداح خود خدا ہے رسالت مآب کا

مخفی، محمد ابراہیم برادر نظامی (۱، ۲) ھ

رسول خدا کے روضے پر دم میرا اگر نکلے
شہیدی کے برابر مرتبہ ہو میرے مرقد کا

مدرس، منشی عبدالکریم مدرس مدرسہ انجمن اسلام بمبئی (۱) ھ

مدرس دم نہ مار اس جا کبھی تو نعت احمد کا
زمیں یہ خاص حصہ ہے شہیدی محمد کا

مرید، میر محمد مرتضی نویس صدر گورداسپور (۲، ۳، ۷) ھ

مداح ہوں جناب رسالت مآب کا
سوجھا ہے کام کیا مجھے اے دل ثواب کا

مشکور، منشی نور محمد سورتی تلمیذ مشہور (۲) ھ

مداح ہوں جناب رسالت مآب کا
رکھتا نہیں ہوں خوف میں روز حساب کا

مشاہیر، منشی محمد عبدالودود فرزند محمد عبدالرحمن متوطن سلیمان پور (بعدہ سلمبر ضلع ارکاٹ) (۱۸، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵)

؎ کچھ شغل نہیں اور ہمارا ہے مشاہیر — محبوب خدا کی ثنا اور دہن اپنا

؎ ہاں شافع محشر شہ ابرار ہیں کیا خوب — بخشش کے لئے احمد مختار ہیں کیا خوب

مشتاق، محمد عبدالغفور طالب علم تلمیذ راغب برہان پوری (۳۲، ۳۴) ؎

جانا ہو جائے کہیں کوئے مدینہ میرا — کاش در پر ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو

مصطفیٰ، سید غلام مصطفیٰ امنگوری تلمیذ فدا (۱) ؎

بچھڑ کر قافلے سے اے خضر آرام کھو بیٹھا — کہیں رستہ تو بتلا دو مجھے کوئے محمد کا

مضمر، حسام الدین ٹھیکیدار خلف دھنا مصر از دھرن گاؤں خاندیس تلمیذ راغب (۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۶) ؎

ہمیں کچھ گرمیٔ خورشید محشر کی نہیں پروا — شہ ذی جاہ کے ابر کرم کا سر پہ سایہ ہے

معظم، شیخ عبدالغفور خلف محمد علی ساکن ریوڈنڈا علاقہ بمبئی شاگرد یاس (۱۳، ۱۴، ۳۵) ؎

لحد میں نزع میں میدان محشر میں معظم کو — بچانا از طفیل احمد مختار یا اللہ

مقبول، محمد مقبول عالم رئیس پھانی شاگرد حسان الہند (۱) ؎

کسی کو رحمت للعالمیں کا کب خطاب آیا — رسولان سلف سے بڑھ کے رتبہ ہے محمد کا

مقال، میر محمد نذیر تلمیذ و خویش جلال لکھنوی (۱) ؎

کوئی اس سے نہیں واقف کہ کیا رتبہ ہے احمد کا — خدا ہی جانتا ہے مرتبہ جو ہے محمد کا

منت، غلام غوث خاں تلمیذ رشید بمبئی (۱، ۲) ؎

ہر ذرہ کوچۂ شہ گردوں جناب کا — جلوا دکھا رہا ہے مہ آفتاب کا

منیب، مولوی محمد رضی الدین ہیڈ مولوی گورنمنٹ اسکول فتح پور (۶) ؎

امت کو غم کس لئے روز حساب کا — باہر حساب سے کرم بے حساب ہے

مونس، منشی محمد عمر متوطن منگلور ضلع رڑکی (۶) ؎

مونس ڈرے گناہ سے کیوں جب جناب کا — باہر حساب سے کرم بے حساب ہے

مہدوی، سید علی جمعدار و آنریری جج عدالت حیدر آباد دکن تلمیذ ہاتف از حیدر آباد (۱۳، ۱۵، ۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۳۲) ؎

نگاہ بخشش ہو جائے ادھر بھی شافع محشر — گنہ گاران امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

مہدی دیں تیرے روضے پہ ہے آنا مجھ کو — کاش در پر ترے مل جائے ٹھکانا مجھ کو

نادر، منشی محمد عبدالرحیم بھڑوچی (۱، ۶) ؎

ہم عاصیوں پہ احمد بے میم کا دلا — باہر حساب سے کرم بے حساب ہے

ناطق، منشی محمد عبدالعزیز فرخ آبادی (مہتمم گلدستہ وسیلہ نجات بمبئی تلمیذ ثاقب شاہ جہاں پوری) (۲) ؎

محشر کا ڈر نہ خوف ہے روزِ حساب کا　　مداح ہوں جنابِ رسالت مآب کا

ناطق، منشی ابوالحسن شہاب الدین از قصور (۳۵) ؎

ہے دریائے تفکر موجزن ناطق ہے درماندہ　　لگا دے پہلی ہی منزل میں بیڑا پار یا اللہ

نجیب، نجیب الدین مراد آبادی تلمیذ رضوان (۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰) ؎

دل پہ ہیں مرے داغ محبت شہِ دیں کے　　سرسبز رہے حشر تلک یہ چمن اپنا

نجات، شیخ غلام محمد تلمیذ حسان الہند (۲، ۳) ؎

اندیشہ خاک ہو مجھے روز حساب کا　　ذرّہ ہوں میں جناب رسالت مآب کا

نذیر، محمد نذیر خاں تلمیذ راضی ٹلہری از قصبہ ریٹھا (۱۱) ؎

بےکسی خستہ دلی حسرت و غم ناکامی　　جائیں گے قبر میں ہم ساتھ کیا کیا لے کر

نشاط، شیخ حسین علی تلمیذ حسان الہند (۱) ؎

الٰہی زائرانِ روضۂ پُرنور کا صدقہ　　میسر مجھ کو بھی نظارہ ہو حضرت کے مرقد کا

نشاط، محمد خاں ابن بہادر خاں، برادر اخلاق، تلمیذ رزاق احمد آبادی (ماتیل بہار احمد آبادی) (۴، ۱۴) ؎

کیوں نہ ہو ہر اک تن بے جاں میں جان آنے کو ہے　　آج اے عیسیٰ مسیحائے زماں آنے کو ہے

نور، روشن جہاں بیگم از لودیانہ (۱۳، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۲۴، ۲۵، ۲۹) ؎

گذر ہو گر صبا تیرا درِ سلطانِ یثرب پر　　تو کہنا عاشق شیدا تمہارے یاد کرتے ہیں

نودعی، شاکر احمد طالب علم خلف میر محمد المعی مرحوم (۲۰) ؎

شہا اب ہند سے ہم کو مدینے میں بلا لو تم　　گنہگارانِ امت دیر سے فریاد کرتے ہیں

نیر، محمد عبدالرحمٰن وکیل رہل شاگرد یاس لکھنوی (۶، ۷) ؎

بندے خدا کے اور غلام رسول ہیں　　اپنا بروز حشر یہی ایک جواز ہے

نیر، سید جہانگیر میاں تلمیذ سید منگوری (۱) ؎

صریر کلک سے تھا نغمۂ صلی اللہ پیدا　　لکھا جب وصف میں نے رنگ رخسارِ محمد کا

نیر، مولوی قمر الدین اکبر آبادی (۱۰) ؎

جدائی میں رو رو کے کہتی ہیں آنکھیں　　محمد کا کب ہم کو دیدار ہوگا

واصف، احمد عبدالحبیب تلمیذ جوہر (۲) ؎

ہے مجھ کو عشق روئے رسالت مآب کا　　مرقد پہ میرے پھول چڑھانا گلاب کا

واصف، مولوی فقیر الدین تلمیذ واثق مرحوم چشتی نظامی برہان پوری (شاگرد مولانا قادر خاں واثق) (۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۲۳، ۲۶) ؎

یہ گل چین طبیعت نے دم وصف رُخ رنگیں　　زمین شعر کو نکہت سے پھولوں کی بسایا ہے

ودآد، حاجی عبدالرحمٰن بن حاجی داؤد تلمیذ اخلاؔص (۳، ۴) ؎

خوب نکلیں گے شفاعت کے بھی دل کے حوصلے　　حشر کا دن ہے شفیع عاصیاں آنے کو ہے

وصؔف، منشی غیاث الدین از مدراس، تاجر کتب و منیجر "گلدستہ آب حیات"، تلمیذ منعؔم (۱۳، ۱۴، ۱۵) ؎

جلتا ہوں ایسا سوزشِ عشق رسول میں　　اک آگ سی لگی ہوئی سب تن بدن میں ہے

لیسیؔن، مولوی محمد لیسین تلمیذ حبیبیؔ (۱) ؎

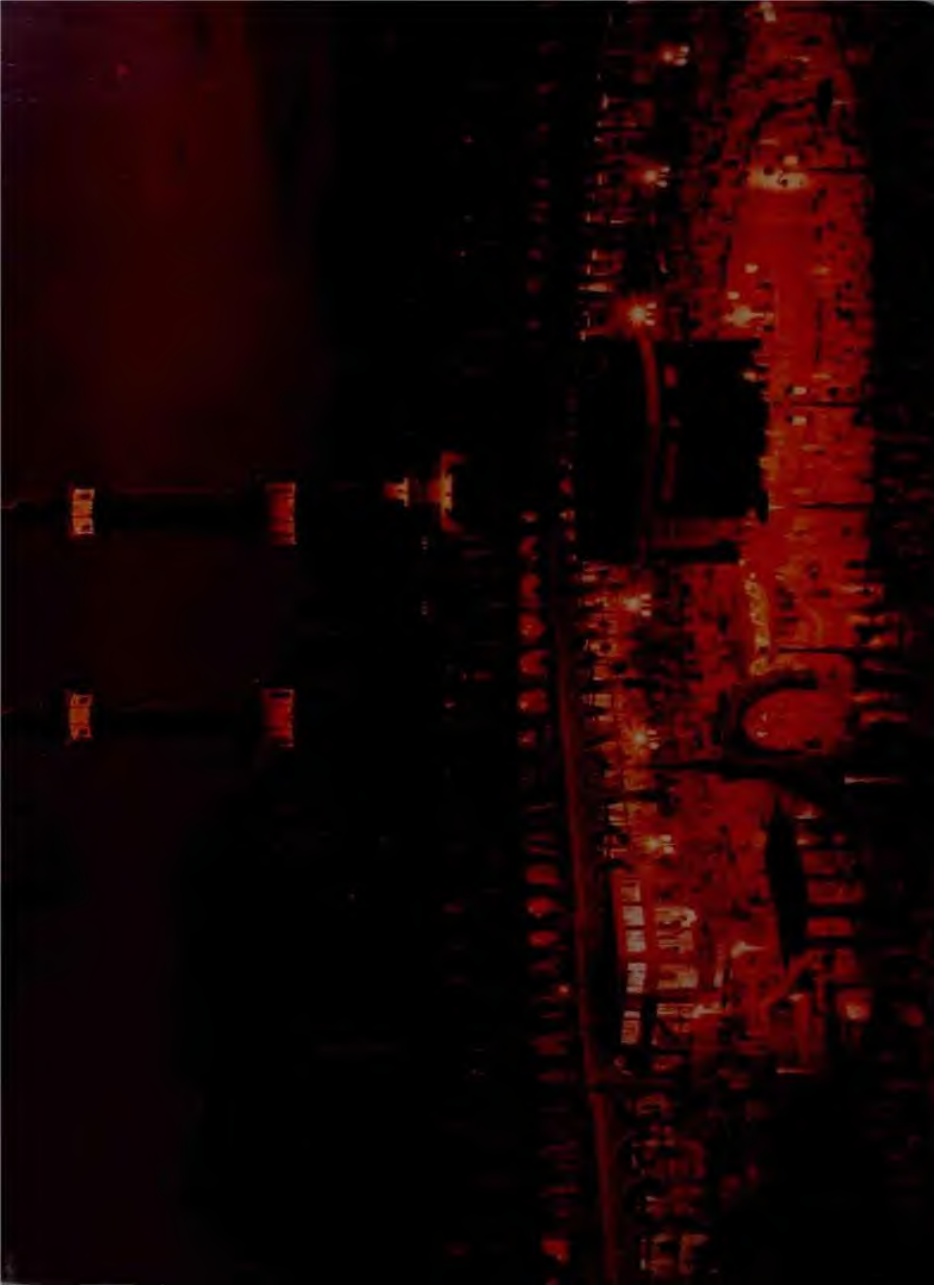
تمنا ہے گدائی ہو میسر کوئے اقدس کی　　نہ خواہاں ہوں میں دولت کا نہ حشمت کا نہ مسند کا

یکتاؔ، فتح محمد تلمیذ ظرؔیف مدراسی (۱) ؎

کسی صورت کسی تصویر سے ہرگز نہیں ملتا　　کھنچا ایسا پری نقشہ سراپائے محمد کا

یوسفؔ، شیخ محمد یوسف ماسٹر ٹیلر، فورٹ ولیم کلکتہ (۱۱)

دل میں احمد کی زیارت کی تمنا لے کر　　ہم مدینے کو چلے عشق کا سودا لے کر



خانہ کعبہ کا منظر، مسجد الحرام کی چھت سے

عربی زبان میں نعتیہ کلام

حکیم مُحمّد یحییٰ خاں شفا

جزیرہ نمائے عرب میں بسنے والے قبائل واحزاب، بدوی اعراب ہوں یا حضری اشراف، بالعموم شعروشاعری اور نسیب وخطابت کے رسیا تھے۔ فصاحت وبلاغت تو گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ تہذیبی تکلّف اور تمدنی رکھ رکھاؤ سے آزاد، بے باک اور بے ساختہ طبیعتوں میں فطری موزونی اور رواں دواں افتادِ مزاج، یوں بھی کچھ زیادہ ہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ تعلیم وتعلم سے ناآشنا ہونے کے باوجود عربوں میں قریب قریب تمام مرد وزن کسی نہ کسی درجہ میں شاعر یا خطیب ضرور ہوتے تھے۔

ذوق اظہار کی اسی فراوانی، شیوا بیانی کی اسی عمومیت اور طلاقت زبان کی اسی ہمہ گیری کی بدولت اس سرزمین کے باشندے اپنے آپ کو عرب، یعنی زباں آور اور دوسرے ممالک کے رہنے والوں کو عجم، یعنی گونگا کہہ کر اظہارِ تفاخر کیا کرتے تھے۔

عرب قبل از اسلام اور مدحیہ ادب

اسلام سے قبل کے جاہلی ادب میں شعروسخن کی تقریباً وہ تمام اصناف کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں جو آگے چل کر ادب العرب کے گنجینہ کا سرمایۂ وقار قرار پائیں۔ ہیئت کے اعتبار سے قصیدہ، مثنوی، غزل، قطعہ، رباعی اور مخمس وغیرہ تو مواد ومضامین کے لحاظ سے حماسہ، عشق وصبابۃ، تغزل، مدیح، رثاء، ہجا، جد وہزل۔ الغرض ہر نوع کی شاعری شعرائے جاہلیت کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے قصیدوں میں رزمیہ، طربیہ، مدحیہ، بیانیہ، الیہ اور ہجائیہ ہر طرح کی سخنوری کے بڑے جاندار نمونے موجود ہیں۔ ان کی بدیہہ گوئی، ارتجال اور زورِ طبع کے واقعات، مدح وستایش کے دوش بدوش ذم وہجو، طنز وتعریض، حسن طلب اور بلاغت ادا کی شاندار مثالیں تاریخِ ادبِ عربی کے صفحات پر جگمگا رہی ہیں۔

بعثت نبوی کے زمانہ میں سینکڑوں ممتاز شعراء موجود تھے۔ سبعۂ معلقہ کے چیمپئنز (champions) کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں شعروسخن کا چرچا تھا۔ آپ کے چچا، ابوطالب سے کئی اچھے شعر منسوب ہیں۔ حضرات شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے اشعار بھی کتابوں میں منقول ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے نام سے تو پورا دیوان موجود ہے۔

اس دور کے دوسرے شعراء میں لبید، زہیر، عباس بن مرداس، متمم بن نویرہ، حسان بن ثابت، عبد اللہ بن رواحہ، کعب بن زہیر اور ابن زبعری وغیرہ معروف وممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلام میں شعروشاعری کا مقام

شعروشاعری میں اظہار وابلاغ کی لاکھ خوبیاں سہی پر بیان کی مرصع کاری اور معانی کی دقت ونزاکت کے لیے دور کی کوڑی لانا ہی پڑتی ہے۔ ع

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

اغلاق و اغراق، غلو و مبالغہ اور ایماء و استعارہ کے فنی حربوں سے کام لیے بغیر چارہ نہیں۔ ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

تنزیل من حمید مجید، تعریف و ثنا کے لایق خدائے بزرگ کے نازل کیے ہوئے وحی متلو (قرآن پاک) کی معجز نما فصاحت و بلاغت، حسنِ بیان، شوکت الفاظ، اثر و نفوذ اور معنوی کیف و کم سے مرعوب و مبہوت ہو کر عرب نقادوں نے حضور علیہ السلام کو شاعر کہہ دیا تھا۔ لیکن رب العزت والجلال نے بڑے زور دار لفظوں میں اس کی تردید فرمائی:

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہٗ ان ھو الا ذکر و قراٰن مبین ○ لینذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین ○

ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر گوئی نہیں سکھائی۔ نہ یہ آپ کے شایان شان ہے۔ یہ تو ذکر (یاد دہانی) نصیحت (خیر خواہی) اور واضح حقیقتوں کا بار بار اعلان ہے۔ تاکہ ہمارا رسول زندگی سے ربط رکھنے والے غافلوں کو ہشیار، اور حقیقت کو چھپانے والے کافروں پر اتمام حجت کر سکے۔

قرآن حکیم میں شعراء کو من حیث المجموع، اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا گیا بلکہ انہیں بہتان طراز، غلط کار و کج اندیش، ہر وادی میں بھٹکنے والے بے راہ رو، قول و فعل میں مطابقت نہ رکھنے اور گمراہ کرنے والے کہا گیا ہے۔

بے شک ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا۔ شعر میں حکمت و دانش کے چمکتے موتی بھی ہوتے ہیں اور بیان و بدیع کے فن سے جادو بھی جگایا جا سکتا ہے۔ تاہم اس میں دروغ بے فروغ کی آمیزش، مبالغہ و اطراد کا کھوٹ اور حقیقت واقعی سے انحراف کی روش عام سخت ناپسندیدہ ہے۔ اور اسلام ایسا تحریکی اور عملی دین، جھوٹے نگوں کی اس ریزہ کاری کو Appreciate کرنے اور کم سے کم عوامی پیمانے کی وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ اس دروغ بافی کو جاری رکھنے کا روادار نہیں۔

جوامع الکلم و بدایع الحکم سید و سرور فصحائے عرب و عجم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انا اوتیت بجوامع الکلم مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی وسیع ہیں خیر الکلام ما قل و دل بہترین کلام وہی ہے جو مختصر بھی ہو اور زور دار بھی۔ چنانچہ آپ نے کلام موزوں، ایجاز سخن، حسن ترتیب، نظم بیان اور خوش اسلوبی سے کام لیا ہے۔ احادیث کے ذخائر میں، جوامع الکلم کے شستہ و رفتہ اور ناسفتہ موتی جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے اکثر ارشادات عربی ادب کی ضرب الامثال بن چکے ہیں۔

حضورؐ نے دوسروں کے ایسے موزوں اور برجستہ کلام کی تحسین بھی فرمائی ہے۔ جو واقعیت و صداقت کا آئینہ دار، اور کذب و مبالغہ وغیرہ عیوب سے پاک ہو۔ ایک شاعر کا یہ مصرعہ: ع

الا کل شئی ماخلا اللہ باطلؔ

خدا کے سوا جو کچھ ہے، نمود سیمیائی ہے۔ آپ نے بہت پسند فرمایا تھا۔ اور اس طرح کے حقیقت آموز و صداقت افروز کلام کو حسنِ انتظام اور اسلوب جزیل کے ساتھ پیش کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔

غلط، خلاف واقعہ اور نفس و شیطان کی انگیخت پر کہی ہوئی گمراہ کن باتوں کی مؤثر پیرایۂ بیان میں شاعرانہ حسن ادا کے ساتھ، تردید کرنے کا خود آپ نے حکم دیا تھا۔ اور آپ کے ایماء مبارک پر حسان بن ثابتؓ ایسے سخنور، غوی و غالی شاعروں کی ہزلیات و خرافات کا جواب شعر و شاعری ہی کی زبان میں دیا کرتے تھے۔

شاعرِ رسالت

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی مورخین اور سیرت نگاروں نے 'شاعر دربار نبوی' کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ مداحین رسول کے سرخیل ہیں اور خود نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں یہودی اور مشرک شاعروں کی ہفوات سے اپنے دفاع پر مامور فرمایا تھا۔

روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھری مجلس میں صحابۂ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا: "مخالف شعرأ کی ہرزہ سرائیاں حد سے بڑھتی جا رہی ہیں۔ تم لوگوں نے تلوار سے تو میری مدد کی ہے، کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے؟"

اس موقع پر حضرت حسانؓ اٹھے اور کہنے لگے: "یا رسول اللہؐ! اس خدمت کے لیے یہ ناچیز حاضر ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جذبۂ خلوص سے خوش ہو کر بولے، "ان میں سے کچھ لوگ میرے اپنے قبیلے قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے قریبی عزیز ہیں۔ مثلاً ابو سفیان میرا عم زاد ہے اس کے خلاف بھلا تم کس انداز سے کہوگے؟"

حضرت حسانؓ نے کہا، "حضورؐ! میں آپ کو ان کے بیچ میں سے یوں الگ کر لوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے میں سے بال کو کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے۔"

نعت گوئی کا آغاز

حق یہ ہے کہ حضرت حسان نے مخالفین کے مطاعن، تنقیصی ہزلیات اور تعریضات سے حضور سراپا نور کا دفاع کرنے کا حق ادا کر دیا اور بڑے خلوص سے حضور کی شان میں قصیدے لکھے۔ ان کے کلام میں ابتذال اور فحش کی آلودگی نہیں ہے بلکہ اسلام کے پاکیزہ تبلیغی اور تحریکی مزاج سے مناسبت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

دیکھیے ابو سفیان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

هجوت محمداً فاجبتُ عنه — وعند اللہ فی ذاك الجزاءُ
اتهجوه ولست لهٗ بكفوٍ — فشرّكما لخيركما فداءُ
هجوتَ مباركاً براً حنيفاً — امين اللہ شيمتهٗ حياءُ
ومن يهجوا رسول اللہ منكم — ويمدحه وينصرهٗ سواءُ
فانّ ابی و والدتی و عرضی — لعرض محمد منكم وقاءُ

(تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجو کی تو میں نے اس کا جواب دیا۔ اس کا اجر اپنے اللہ سے لُوں گا۔)
(تم نے اس ذات کی ہجو کی، جس سے تمھاری برابری نہیں ہے تم اشر الناس اور وہ خیر خلایق ہے، کیوں نہ تم اس پر قربان ہو جاؤ)
(تم نے ایک برکت والی نیک فطرت اور بے ریا شخصیت کی توہین کی اور اسے برا کہا۔ جس کی طبیعت میں حیا ہے)
(اور اگر تم میں سے کوئی اللہ کے رسول کی ہجو کرتا ہے یا ان کی تعریف کرتا اور انھیں مدد دیتا ہے، میرے نزدیک سب برابر ہیں)
(کیونکہ میرا باپ میری ماں اور میری عزت ہر چیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے تحفظ کے لیے ڈھال ہے۔)

اسلامی شاعری میں حقیقت افروزی اللہ کے پاک رسول محمد، سب نبیوں کے سردار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے رفتہ رفتہ اس جوابی، جدلیاتی اور دفاعی شاعری کا رُخ، ما فوق البشر حکمت و تدبیر سے واقعاتی صداقت، حقیقت نگاری اور کردار آموزی ایسے امور و معاملات کی طرف موڑ دیا اور بے مقصد تعلی، بے جا تفاخر، بے محابا تعشق اور ہنگامی جذباتیت سے ہٹا کر فکر و سخن کو نظریہ اور تحریک کی مقصدیت عطا کر دی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے درباری شعرا حسان بن ثابت، عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر (رضی اللہ عنہم) کو فحش گوئی، ابتذال، غلو و اغراق، اور اسی نوع کے شعری معائب سے بچنے کی تاکید و ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ اور بعض مواقع پر ٹوک کر اصلاح فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کی بعض اصلاحیں بڑی دُور رس اور آپ کی سخن سنجی اور ذوق سلیم کی مُنہ بولتی تصویریں ہیں۔

فخرِ رُسل کا ذوقِ سخن کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ جب نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پڑھ رہے تھے، اس شعر پر پہنچے ؎

ان الرسول لنور یستضاء بہ
مھند من سیوف الھند مسلول

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نور ہیں جس سے ساری نوع انسانی جگمگا اٹھی ہے۔ اور وہ بے نیام ہندی شمشیر کی طرح تیز اور فیصلہ کن ہیں)

حضور علیہ السلام نے برجستہ اصلاح دی سیوف الھند کی جگہ سیوف اللہ کر دو۔ اس یک لفظی اصلاح سے شعر زمین سے آسمان پر پہنچ گیا۔ اس کی معنویت محدود سے لامحدود ہو گئی۔ اور جہاں شعر کی گیرائی اور اثر میں وسعت پیدا ہوئی وہیں حضور کی بےمثال دانش و فراست کا آئینہ بن گیا۔ حضور علیہ السلام الیٰ یوم النشور کسی محدود ملک یا مخصوص قوم کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کی نبوت عظمیٰ سارے انفس و آفاق اور جملہ عوالم کے لیے موجب رحمت قرار دی گئی ہے۔ اس لیے آپ استعارۃً بھی کسی محدود وطنیت سے منسوب نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اور چونکہ اللہ العالمین کی ربوبیت کی طرح آپ کا فیضان رسالت بھی رحمۃ للعالمین تھا اس لیے آپ نے اللہ سے اضافت کو پسند فرمایا۔ دیکھیے اس طرح شعر کہاں سے کہاں جا پہنچا؛ اس پیغمبرانہ اصلاح

کی قدر و قیمت کا اندازہ عربی شعر و ادب اور اسلامی فکر و نظر کا دوگونہ ذوق لطیف رکھنے والے حضرات خود ہی لگا سکتے ہیں۔

یہ شعر ویسے بھی اپنے فنی حُسن اور بلاغت ادا کے ساتھ حقیقت و صداقت کا خوب صورت بیانیہ تھا۔ رسول پاک کی دی ہوئی اصلاح کے بعد تو معنویت کی معراج پر جا پہنچا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے سُن کر بہت خورسند ہُوئے اور آپؐ نے کعب کو اپنی رداء مبارک عطا فرمائی۔

مدحت ختم الرسل کا وجوب

حضور ختمی مرتبت کی بعثت، اصل میں پوری انسانی برادری پر خداوند تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھی اور خصوصی حیثیت سے مومنین کے لیے تو آپ کا وجود مسعود اللہ کریم کا احسانِ عظیم تھا وہ اس فضل و احسان کے لیے اللہ پاک کی بارگاہ میں حمد و ثنا، اور مناجات و دعا کے نذرانے پیش کرتے نہیں تھکتے۔ اس کے ساتھ ہی اس نعمت عظمیٰ رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و ستایش کو بھی اپنا محبوب و مرغوب وظیفہ سمجھتے ہیں۔

یہاں یہ کہنا خلافِ حقیقت نہیں ہوگا کہ حضرت رسولِ خدا، چونکہ کافۃ للناس سارے عالم بشری کے لیے مامور ہُوئے تھے۔ اس لیے آپ کی عقیدت و محبت اور تعظیم و توقیر تمام بنی نوع انسان پر واجب ہے اور آپ کے مناقب، محاسن، مآثر، خواطر، اوصاف، احوال خصایص اور معجزات ہر چیز کا ذکر و بیان سارے انسانوں کی روحانی تسکین و اطمینان کا باعث بھی۔

یہی وجہ ہے کہ حضور پاک کی تعلیمات عالیہ کو اپنا دستورِ حیات بنا لینے والوں نے آپ کے اوصاف و خصائل اور شمائل و فضائل سب کا مذکور، خلوص بھرے جذبات کے زیرِ اثر، اظہار و بیان کے ہر پیرائے میں کیا ہے اور انتہائی ادب و تعظیم کے ساتھ کیا ہے!

اور یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ مختلف ممالک و امصار میں حب نبوی سے سرشار اہلِ علم و ہنر نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات پر اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ دنیا کی اور کسی اور بڑی سے بڑی شخصیت پر اس درجہ والہانہ عقیدت و احترام کے ساتھ آج تک اس قدر لکھا گیا ہے نہ آیندہ لکھے جانے کا امکان ہے۔

نعت گوئی کے مباحات

پچھلے چودہ سو برس میں مشرق و مغرب میں نعت نبی کے حد شمار سے بیرون و افزون زمزمے الاپے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان میں افراط و تفریط کے پہلو بھی ہوں۔ اور نعت گوئی کے پورے آداب و شرائط کا خیال نہ رکھا گیا ہو۔ غلو و اغراق سے بھی کام لیا گیا ہو کیونکہ حبك الشئ یعمی و یصم، فرطِ محبت میں آدمی اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے شاعر نے کہا ہے: ؎

دع ما ادّعته النصارٰی فی نبیهم
واحکم بما شئت مَدحاً فیه واحتکم

(نصرانیوں نے اپنے نبی کی تعریف میں جو بے بنیاد دعوے کیے ہیں چھوڑ دے کہ انہوں نے اسے ابن اللہ بنا دیا اور جس سے رسول پاک نے ہمیں لا تطرونی کما اطرت النصارٰی بینهم (میرے حق میں اتنا مبالغہ نہ کرنا جس طرح نصارٰی نے اپنے نبی کے حق میں کیا ہے) فرما کر منع کیا ہے۔ باقی جو چاہے شان

رسول ہیں یقین کے ساتھ کہہ۔)

اور حقیقت یہ ہے کہ جس ذاتِ قدسی صفات کی مدح و توصیف خود اُس کا کردگار اور معبودِ حقیقی آپ کرتا ہو اور اپنے فرشتوں سمیت درود و سلام کی سوغاتیں دمبدم بھیجتا ہو۔ مزید برآں عالمِ آب و گِل کے تمام تر اہلِ ایمان کو اس کے حضور درود و صلوٰۃ کے نذرانے بھجوانے کی ہدایت فرماتا ہو۔ انسان ضعیف البنیان اس وجود گرامی کی صفات کمال کہاں تک بیان کر سکتا ہے ؟ ؎

ماذا عسی الشعراء الیوم تمدحہٗ
من بعد مامدحت حٰمٓ تنزیل

(حٰمٓ تنزیل، قرآن حکیم میں اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعتیں بیان کر دی ہیں۔ اب ان کے بعد بھلا آج کل کے شاعر کیا مدح کریں گے!)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہنا دنیا کے ہر بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ اشعر الشعراء و مصاقع الخطباء کہلانے والے شخص کے لیے بھی، چھوٹا مُنہ بڑی بات ہے۔ کوئی کتنے ہی مبالغے اور نکتہ آفرینی سے کام لے حضور کی مدح و نعت کے حق سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا، انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ؎

ارٰی کل مدح فی النبی مقصراً   وان بالغ المثنیٰ علیہ فاکثرا
اذا اللہ اثنٰی بالذی ھو اھلہٗ   علیہ فما مقدار ما تمدح الورٰی

(نبی پاک کی جتنی بھی زیادہ تعریف کی جائے کم ہی رہے گی کیونکہ اللہ پاک آپ ہی حضور کی تعریف و ستائش کر سکتا ہے وگرنہ ساری دنیا بھی مل کر ان کی مداحی کا حق ادا نہیں کر سکتی)

اور یہ وہی بات ہے جو برصغیر کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے کہی تھی: ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

علامہ بدر الزرکشی فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے سر برآوردہ اور ماہر فن شعراء مثلاً ابی تمام، ابوالبختری اور ابن الرومی ایسے اساتذۂ سخن کے نزدیک نعتِ رسول بے حد دشوار اور نازک ترین صنفِ سخن ہے، اور نعت گوئی کا حق ادا کرنا انتہائی مشکل بلکہ محال ہے۔ اس لیے ع

خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست

پر کاربند رہنا ہی بہتر ہے۔

صاحبِ بُردہ نے بھی اسی حقیقت پر صاد کیا ہے، ؎

فانّ فضل رسول اللّٰہ لیس لہٗ

حدٌّ فیعرب عند ناطق بفم

(یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل حدوحساب سے باہر ہیں۔ ان کے بیان سے زبان گویا، لال (گنگ) ہے)

صاحب القرآن فی القرآن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح و نعت، ہم آپ فانی اور ہیچمدان انسان کیا کریں گے! ان کا کردگار خدائے رحمٰن، اپنے قرآن کی زبان میں رطب اللسان ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے:

وما ارسلناك الا رحمة للعٰلمین ۔ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

کبھی آپ کو بالمؤمنین رؤف رحیم، مومنوں پر شفق و مہربان فرمایا گیا۔ گاہے طٰهٰ کہہ کر پکارا گیا تو کبھی یٰسٓ کے نام سے مخاطب کیا گیا۔ کہیں شاھد، نذیر، مبشر، مصدق وغیرہ القابات دیے گئے تو کہیں داعیًا الی اللّٰه، سراجًا منیرا کے خطاب سے یاد کیا گیا۔ کبھی اعلان فرمایا کہ:

انك لعلیٰ خلقٍ عظیم ۔ بے شک آپ اعلیٰ اخلاق کا بہترین پیکر ہیں۔

کبھی آپ کو معلم کتاب و حکمت، مزکی و مطهر، حاکم، مطاع، آمر، ناھی بتایا گیا۔ المختصر آپ نبی، رسول، عبد، نبیِ امّی اور خاتم النبیین بھی ہیں اور احمد، محمد، حامد اور صاحب مقام محمود بھی۔

ع تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

ان مقامات و مراتب کی رفعتوں اور عظمتوں کا تصور بھی ہماری بساط سے باہر ہے۔ آپ کی صفات و نعوت کا اندازہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں صاحب ہمزیہ کے بقول: ؎

انّما مثّلوا صفاتك للنا — سِ کما مثّل النجوم الماءُ

(آپ کے مدح خواں آپکی صفات کا صرف عکس ہی دکھاتے ہیں جس طرح پانی ستاروں کا عکس دکھاتا ہے)

اسی مضمون کا ایک اور شعر ہے: ؎

لا یدرك الواصف المطری خصایصه

وان یك بالغاً فی كل ما وصفاً

ہم تو بس اتنا جانتے ہیں: ؎

لم یخلق الرحمٰن مثل محمد

ابداً وعلمی انه لا یخلق

(اللہ نے آپ کی مانند کوئی اور پیدا کیا ہے نہ ہمارے یقین و علم کے مطابق کبھی پیدا کرے گا۔)

مدحیہ ادب کی وسعت و مقبولیت

نعت گوئی کا آغاز تو سرورِ کائنات علیہ افضل التحیات کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہو چکا تھا اور اس کا مقصد، یعنی احقاقِ حق اور ابطال باطل بھی متعین کر دیا گیا تھا بلکہ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلّم ؎

نگارِ من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرس شد

کی اصلاح اور ہدایت کے تحت اس صنف سخن کا اپنا مخصوص انداز اور معیار بھی قایم ہو چکا تھا لیکن آپ کی وفات کے بعد رثائیہ مضامین کا بھی اس میں اضافہ ہو گیا۔ آپ سے پہلے عربوں میں اپنے ملوک و امراء اور ابطال و رجال کی مدح و ثنا کے قصیدے لکھنے کا رواج تھا۔ اب نعتیہ قصائد اور مدائح بھی حضور اور ان کے اجلہ صحابہ کے لیے نئے ٹھاٹھ سے لکھے جانے لگے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا نعت گوئی کا صحنہ (SCOPE) وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ نعت گو شعراء اور مادحینِ رسول کی تعداد میں آئے دن بے پناہ اضافہ ہونے لگا۔ ذوق و جذبہ کے تنوع نے نعت گوئی کے لیے بھی مختلف اسلوب اور متنوع انداز فراہم کر دیے، قصیدوں، مثنویوں، قطعوں، مرثیوں، سلاموں، منقبتوں کی قریب قریب تمام اصناف میں نعت گوئی اور مدحت طرازی کا رنگ بکھرا ہوا ملتا ہے۔ پھر مدح و نعت کے مضامین میں بھی بے پایاں وسعت اور گیرائی پیدا ہوئی۔ بعض نے حضور علیہ السلام کے اخلاق عالیہ پر خصوصی توجہ دی تو بعض نے آپ کے شمائل و شیم کو موضوع نعت قرار دیا کچھ اہل ذوق نے خصایص نبوی پر گلہائے عقیدت نچھاور کیے تو دوسروں نے معجزات نبوی کو اپنی نگارشات کا عنوان ٹھہرایا۔ وقس علیٰ ہذا۔

پھر شاعروں اور قصیدہ نگاروں سے آگے بڑھ کر ہر پڑھے لکھے مسلمان نے، بلکہ اسلامی ممالک کے غیر مسلم مصنفین و اہلِ قلم نے بھی نعتِ رسول اور بزرگانِ دین کی منقبت لکھنے کا شرف حاصل کرنا ضروری سمجھا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک یہ صورت تھی کہ دُنیا جہان کی کسی زبان میں کسی بھی موضوع پر نظم یا نثر میں کوئی بھی کتاب اسلامی ممالک میں لکھی یا چھاپی گئی ہو حمد و ثنا اور نعت و منقبت سے خالی اور معرّا نہیں ہوتی تھی۔

اور یہ خدائے محمدؐ صلاتہ، وسلامہ علیہ کے اعلان و رفعنالک ذکرک (اور ہم نے آپ کا ذکر مذکور بلند کر دیا) کی عملی تشکیل کا ایک پہلو ہے۔ جس طرح سارے کرۂ ارض پر روزانہ پانچوں وقت مؤذن اللہ اکبر کے پاک نام کے ساتھ آپ کا اسم مبارک پکارتے ہیں۔ اسی طرح اطراف و اکنافِ عالم میں بے شمار انسان ہر لحظہ حضور کی صفت و نعت کے زمزمے الاپتے رہتے ہیں۔

لیکن کیا، اس لامتناہی اور غیر مختتم مدح گستری سے حضور سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ الیٰ یوم النشور کے ان احسانات کا حق ادا ہو سکتا ہے جو آپ کی ذات و صفات کی بدولت عالم انسانیت کے مقدر کو روشن و منور کرنے کا موجب بنے ہیں۔ لا واللہ۔ ع

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ

ذاتِ نبوی کے اوصاف و کمالات اور ان کے خصائص و معجزات کا پورے طور پر بیان کرنا تو کہاں ممکن ہے۔ ان کے عنوانات و انواع کی تعیین بھی محال ہے۔ البتہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا نصب العین رکھیں اور آپ کی متابعت و اطاعت کی بقدر ہمت پوری پوری کوشش کریں تو حضور کے اوصاف کمال کے پرتو سے ہمارا قلب و ضمیر روشن و مستنیر ہو سکتا ہے اور اس طرح نہ صرف اپنی ذات کی تکمیل اور روح کی تسکین سے ہم بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ اپنے دوسرے ابنائے نوع کی صلاح و فلاح میں مفید اور کار آمد خدمات انجام دے سکتے ہیں۔

لمحۂ فکریہ یہ امر افسوسناک حد تک رنجدہ ہے کہ آج ملتِ اسلامیہ اپنے محبوب و مطاع، سرور و سید اولادِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و کردار کو مشعلِ راہ بنانے کی بجائے عموماً دوسروں سے روشنی مستعار لینے کی تگ و دو کر رہی ہے۔

ایک دردمند شاعر نے کس درجہ دلسوزی سے کہا ہے، ؎

تعصی الالٰه و انت تظهر حبه — وهٰذا العمری فی الفعال بدیع
لوکان حبك صادقاً لا طعته — ان المحب لمن یحب مطیع

(محبت رسول کا دعویٰ کرنے کے بعد تم خدا کی نافرمانی کرتے ہو! مجھے اپنی جان کی قسم! یہ تو بڑی انوکھی بات ہے۔)
(اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اس کی اطاعت کرتے۔ کیونکہ محب اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے)

نعت و مدح کا آغاز، اسلام اور پیغمبر علیہ السلام کے دفاع، اور مشرکوں، کافروں اور یہود سراپا جحود کو توحید و رسالت کی تبلیغ، ایمان و اطاعت کی تلقین اور حق و باطل میں تمیز کے لیے ایک موثر ذریعۂ ابلاغ کے طور پر ہوا تھا۔ اور یقیناً اس صنف سخن سے صدرِ اول کے مسلمان اہلِ علم و قلم نے خاطر خواہ کام لیا۔ بلکہ خیر القرون کے بعد جذباتی گداز، اسلام کی تحریکی پیش رفت پر سپاس و تشکر، اور کامیابی کے احساس نے اسلامی ادب کی اس صنف کو نئی اور روز افزوں قوت اور تازہ جوش و ولولہ عطا کیا اور تابعین و تبع تابعین کے دور میں جو نعتیں کہی گئی ہیں ان کا لہجہ بہت حوصلہ مندانہ اور اسلوب بڑا دل فروز ہے۔ بعد کے ادوار میں اسلام جب ایک وسیع الاثر عالمی قوت کی حیثیت سے دنیا کے دور دراز خطوں میں پھیل گیا تو لامحالہ ممالک محروسہ کی نئی اقوام اسلام کی حلقہ بگوش ہوئیں۔ ظاہر ہے ان کا ذوق و وجدان عربوں سے یقیناً مختلف تھا۔ سادہ فطری انداز ابلاغ کے مقابلہ میں نئے مسلمانوں کا اسلوب اظہار مرصع اور بہت حد تک مصنوعی اور فنی (TECHNICAL) تھا۔

نعت گوئی کا ارتقاء اس میں شبہ نہیں، اس زمانہ میں نعت گوئی نے فنی اعتبار سے خاصی ترقی کی اور اس کے مواد، مضامین، عنوانات اور موضوعات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ تاہم اگر یہ کہا جائے کہ فنکارانہ حسن و نزاکت میں ترقی کے ساتھ ساتھ تحریکی مزاج اور جوش ابلاغ میں مجموعی طور پر پستی اور کمی رونما ہوتی گئی۔ تو خلافِ واقعہ نہیں ہوگا!

یہ صحیح ہے کہ اس عہد میں بعض اعلیٰ درجہ کی یادگار نعتیں لکھی گئی ہیں جن میں جوشِ عقیدت، حُسنِ بیان اور لُطفِ ادا کے دلکش اور دماغ افروز پھول کھلائے گئے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ جُوں جُوں نعت میں فنکارانہ خوبیاں بڑھتی گئیں، اور اس کے مضامین میں عشق و محبت، ہجر و وصال، جمال و رعنائی اور حسن و زیبائی وغیرہ عنوانات داخل ہوتے گئے۔ جذباتیت، شیفتگی، آشفتگ ا ر

ان کے ساتھ ساتھ مبالغہ، غلو اور تصنع وغیرہ اس کے فیچر (FEATURE) بنتے گئے۔ بہت ممکن ہے کہ شروع شروع میں عشق و شیفتگی کے جذبات اور احساسات واقعی اور حقیقی ہوں لیکن بدیع و بیان کی مرصع کاریوں، حسن و عشق کے راز و نیاز کی دلنوازیوں اور محبوب کے خد و خال اور زلف و رُخ کی نقش آرائیوں نے اسے سطحی نوعیت کے مروجہ تغزل کی ڈگر پر ڈال دیا۔ اس طرح نعت اپنا تبلیغی، تحریکی اور مقصدی آہنگ کھونے لگی اور حسن و عشق کے ناز و نیاز کی داستان بنتی چلی گئی۔

اقدارِ نعت میں تحول کی کارفرمائی اس کے بعد کے ادوار میں جذبات ہجر و وصال کی تصویر کشی نعت رسول کی ایک ضروری قدر قرار پا گئی۔ اور آگے چل کر یہ لے اتنی بڑھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات و نعوت اور خصائص و فضائل اور آپ کے احکام و ارشادات کو فکر سخن کا محور بنانے کی جگہ آپ کے شمائل و شواہل اور مآثر و مشاہد پر طبع آزمائی کی جانے لگی۔ اور چونکہ ان موضوعات پر شاعرانہ نکتہ طرازیوں کے لیے نسبتاً زیادہ آسانی اور گنجائش تھی۔ اس لیے بعد کے نعت گو اکثر و بیشتر اسی دشت کی سیاحی میں اپنے ذوق سفر کی تسکین پانے لگے۔ ایک شاعر کہتا ہے: ؎

امر علی الدیار دیار لیلیٰ   اقبّل ذالجدار والجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی   ولکن حب من سکن الدیارا

(لیلیٰ کے کوچہ سے بار بار گزرتا ہوں اور اس کی دیواروں اور دہلیزوں کو چومتا ہوں۔ میرے دل کی بیقراری کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن یہ بات نہیں کہ مجھے اس کوچے سے محبت ہے بلکہ میں تو اس کوچہ میں رہنے والوں پر مرتا ہوں)

اسی مفہوم کا ایک اور شعر پڑھیے! ؎

ومن مذھبی حب الدیار لاھلھا

وللناس فیما یعشقون مذاھبٗ

(میں تو بستیوں سے پیار ان کے بسنے والوں کی خاطر کرتا ہوں۔ اور لوگ اپنے اپنے ذوق و شغف کی تسکین کی راہیں نکال لیتے ہیں)

بات یہیں پر نہیں رکتی۔ نعت جب اپنے تحریکی اور تبلیغی کردار سے ہٹ گئی اور ثنائے خواجہ کی جگہ اس کے متعلقات کی توصیف و ستائش کی روچل نکلی تو پھر نعت اپنے اصل اور بنیادی موضوعات و اہداف سے برابر ہٹتی ہی چلی گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اضافی اور الحاقی باتوں کا چرچا دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ نعت کے اساسی نکات بہت کم درخور اعتنا سمجھے جانے لگے۔

سلسلۂ سخن دراز ہوتا جارہا ہے۔ ہمیں یہاں نعت کے فنی ارتقا یا اس کے مضامین و مواد میں رد و بدل پر بحث مقصود نہ تھی۔ نعت رسول کی منزلت و وقعت اور اس کی اہمیت و افادیت کے بنیادی پہلو اجاگر کرنے کی غرض سے ایک سخن گسترانہ بات منہ پر آگئی تھی۔ اور وہ برسبیل تذکرہ آپ کے گوش گزار کر دی گئی ہے۔ ع

تو خواہ از سخنم پند گیر، خواہ ملال

یادگار اور زندہ نعتیں موجودہ دور میں بھی بحمداللہ بہت سی اچھی اچھی نعتیں لکھی گئی ہیں۔ تاہم اکثر و بیشتر نعتیں مدحت نبوی ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرانہ غلو، خلافِ حقیقت مبالغہ طرازی، اور جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری کا تاثر دیتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معنوی اثر و جذب سے زیادہ ان میں نغمگی، ترصیع اور فنی باریکیاں سمو دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ایک اور نکتہ، جو صرفِ نظر کے قابل نہیں، ہمارے جدید نعت گوؤں کی اکثریت کا یہ زعم بے جا ہے کہ مداحِ رسول ہونے کے ناطے سے وُہ اب اپنی دینی اور اسلامی ذمہ داریوں سے آزاد ہیں۔ نعتیں لکھ لکھ کر وُہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے پکے حقدار ہو گئے ہیں۔ یہ اندازِ فکر اس امر کا غماز ہے کہ ایسے حضرات اپنی نعت گوئی سے گویا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کی مدحت کا حق ادا کرنے کے مدعی ہیں حالانکہ مدحتِ مصطفیٰ کا حقِ واجب ادا کرنا ہر کہ ومہ کے بس میں نہیں ہے۔ رسول اللہ کی مدح و ثنا بھلا ما و شما کیا کر سکیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ گلدستۂ نعت پیش کر کے اپنی عزت بڑھا لیں گے۔ ؎

ما ان مدحتُ محمداً بمقالتی

لاکن مدحتُ مقالتی بمحمدٍ

(میں نے اپنے کلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کیا کی ہے البتہ اپنے کلام میں حضور کا ذکر لا کر اس کو قابلِ عزت و تعریف بنا لیا ہے!)

انتخاب المدائح بہر نوع اب ہم عربی زبان و ادب کی بعض قابلِ ذکر نعتوں کا انتخاب نذرِ قارئین کرتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ اس انتخاب میں صرف وہی نعتیں لی گئی ہیں جو آسانی سے ہمارے ہاتھ لگ گئیں۔ تفحص و استقصار کی مہلت نہ تھی اور غالباً اب اس کی ضرورت بھی نہیں کہ نمایندہ نعتیں دستیاب ہو ہی گئی ہیں۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق چچا جناب ابوطالب سے منسوب چند نعتیہ اور مدحیہ قطعات عربی ادب کے سفینوں میں مندرج ہیں۔ ان کے ایک قصیدہ کا یہ شعر عربی نعت کے حقیقی خد و خال اجاگر کرنے کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے:

؎ وابیض یستسقی الغمام بوجہہ

ثمال الیتامٰی عصمۃ للارامل

(وہ گورے مکھڑے والا جس کے رُخِ انور کے وسیلہ سے ابرِ باراں طلب کیا جاتا ہے۔ یتیموں کا والی اور بیواؤں کا محافظ ہے)

۲۔ ایک دوسرے نعتیہ قطعے میں آپ نے دعوتِ اسلامی کی صداقت کا اظہار و اعتراف کرنے کے باوجود اسے قبول کرنے سے اپنی معذوری کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ؎

ودعوتنی وزعمتَ انك ناصحی ولقد صدقتَ وکنتَ ثمّ امینا

وعرضتَ دیناً لا محالۃ انہ من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامۃُ او حذار مسبۃٍ لوجدتنی سمحاً بذاك مبینا

(تونے اپنے خیال میں خیر خواہی سے مجھے دعوت (حق) دی ہے واقعی تو سچا ہے۔ اور تو امین بھی رہا ہے)
(تونے ایسا دین پیش کیا جو یقیناً دنیا کے بہترین نظامہائے حیات سے بھی بہتر دین ہے)
(اگر مجھے ملامت اور توہین کا اندیشہ نہ ہوتا تو واضح طور پر تو مجھے اس کے قبول کرنے میں فراخدل پاتا)
مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضور کے دوسرے عم بزرگوار، جنھیں اسلام کی دعوت عظمیٰ سے نواز اگیا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کی شان میں اشعار کہے ہیں۔ تاہم وہ اس وقت کم از کم میری دسترس میں نہیں ہیں۔

۳۔ آپ کے محبوب چچا سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:؎

حمدتُ اللہ حین ھدیٰ فؤادی — الی الاسلام و الدین المنیف
لدین جاء من ربٍ عزیز — خبیر بالعباد بھم لطیف
اذا تلیت رسائله علینا — تحدر دمع ذی اللب الحصیف
رسائل جاء احمد من ھداھا — بآیات مبینة الحروف
واحمد مصطفیٰ فینا مطاعاً — فلا تغشوه بالقول العنیف
فلا و اللہ نسلمهٗ لقوم — ولما نقض فیھم بالسیوف

(جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو، اسلام، اپنے عظیم الشان دین کی ہدایت بخشی تو میں نے خدا کی حمد و ستایش کی۔
کہ مجھے وُہ دین عطا ہُوا۔ جو بندوں پر مہربان اور ان کے حالات سے باخبر اور غالب پروردگار کی طرف سے ہے۔
جب اس کے پیغامات ہمیں سنائے جاتے ہیں تو صائب و صحیح رائے رکھنے والے اہل عقل بے ساختہ رو پڑتے ہیں۔
وُہ پیغام ہدایت جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واضح حروف والی آیتوں کی شکل میں لائے ہیں۔
حضرت احمد محمد مصطفیٰ ہم میں اطاعت و پیروی کے قابل ہیں۔ پس تم ان کے سامنے تند و سخت کلمات نہ کہو۔
خدا کی قسم ہم انھیں ایسی قوم کے حوالہ نہیں کریں گے۔ جس کے ساتھ ہمیں یہ جھگڑا تلوار کے ذریعے چکانا ہے)

۴۔ ہجرت نبوی کا بیان حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی زبان حقیقت ترجمان سے سُنیے!؎

وقیتُ بنفسی خیر من وطیٔ الحصیٰ — ومن طاف بالبیت العتیق بالحجر
رسول الٰہ خاف ان یمکروا به — فنجاہ ذوالطول الالٰه من المکر
فبات رسول اللہ فی الغار آمناً — موقّی و فی حفظ الالٰه وفی ستر
اقام ثلاثاً ثم ذمت قلائص — قلائص تفرین الحصیٰ اینما تفر
وبتُّ اراعیھم و ما یثبتوننی — فقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

اردتُ بہ لفضر الأئمہ تبتلا | واضمرتہ حتی اوسد فی قبر

(میں نے، اس ذات گرامی کو بچانے کی تدبیر کی جو کنکریوں اور پتھروں پر چلنے والوں اور کعبے کا طواف کرنیوالوں میں سب سے بہتر ہے۔

جو اللہ کا رسول ہے جب اسے دشمنوں کے فریب سے خطرہ لاحق ہوا تو بڑی طاقت والے معبود نے اسے دشمنوں سے بچالیا۔

بس خدا کا نبی غار میں امن و طمانیت سے، اللہ کی حفاظت میں دشمنوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا۔

تین دن کے قیام کے بعد انہوں نے اونٹنیوں کو نکالا وہ اونٹنیاں جو کنکروں کو اپنے پاؤں تلے روندتی چلی گئیں

میں دشمنوں کے ستانے کا منتظر رہا لیکن وہ مجھے کچھ کہہ نہ سکے حالانکہ میں اس موقع پر قتل، قید ہر چیز کے لیے تیار تھا۔

اور اس عمل میں، عاجزی کے ساتھ اللہ کی مدد میرے مدِ نظر تھی اور اب بھی میرے دل میں یہی جذبہ ہے اور مرنے کے بعد قبر میں جانے تک میری یہی خواہش رہے گی۔)

۵۔ دربار نبوی کے شاعر خاص، مداح رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک نعتیہ قصیدہ بہت مشہور ہے۔ اس کے چند منتخب اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ان اشعار سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پسندیدہ اور مقبول نعتوں کے مواد و مضامین اور انداز و اسلوب کا اندازہ ہوتا ہے اور نعت گوئی کے مقصد و مطمح نظر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ؎

اغر علیہ للنبوۃ خاتم | من اللہ مشھود یلوح و یشھد

وضم الالٰہ اسم النبی الی اسمہ | اذا قال فی الخمس المؤذن اشھد

وشق اللہ لہ من اسمہ لیجلہ | فذو العرش محمود وھذا محمدٌ

نبی اتانا بعد یأس و فترۃ | من الرسل والاوثان فی الارض تعبد

فامسی سراجاً مستنیراً و ھادیاً | یلوح کما لاح الصیقل المھند

وانذرنا نارا و بشر جنۃ | وعلمنا الاسلام فا للہ نحمد

وانت الٰہ الخلق ربی و خالقی | بذالک ما عمرت فی الناس اشھد

تعالیت رب الناس عن قول من دعا | سواک الٰھاً انت اعلیٰ و امجد

لک الخلق و النعماء و الامر کلہ | فایاک نستھدی و ایاک نعبد

(ان پر نبوت کی مہر جگمگا رہی ہے جو اللہ کی طرف سے لگی ہے اور اس کی چمک ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔

موذن پانچوں وقت اشہد کہتا اور اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ معبود حقیقی نے آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ ملالیا ہے۔

ان کی عزت وشان دکھانے کے لیے اللہ نے ان کا نام خود اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس صاحبِ عرش محمود ہے تو آپ محمدؐ ہیں۔
یہ وہ نبی ہیں جو ہمارے پاس رسالت کے طویل وقفہ کے بعد اور خوف کی حالت میں تشریف لائے جبکہ دنیا میں بتوں کی پُوجا ہو رہی تھی۔
پھر یہ آتے ہی منور چراغ اور رہبر و رہنما بن گئے اور چمکتی تلوار کی طرح جگمگانے لگے۔
انھوں نے ہمیں دوزخ کی آگ سے ڈرایا اور جنت کی خوشخبری دی اور ہمیں اسلام کی تعلیم دی، پس ہم اللہ کے شکرگزار ہیں۔
اے اللہ! تو ساری مخلوق کا معبود ہے اور میں عمر بھر اس بات کی گواہی دُوں گا کہ تو ہی میرا پروردگار اور خالق ہے۔
اے لوگوں کے پروردگار! جو لوگ تیرے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، تو ان کی باتوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔
تو پیدا کرنے والا نعمتیں دینے والا اور ہر چیز کا حکمران ہے۔ ہم تجھ سے ہدایت چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔)

۶۔ ایک اور مداحِ رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی نعت گوشعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے تین شعر سُنیے، ؎

روحی فداء لمن اخلاقه شهدت — بانه خير مولودٍ من البشر
عمت فضائله كل العباد كما — عم البريه ضوء الشمس والقمر
لو لم يكن فيه اٰياتٌ مُّبَيِّنةٌ — كانت بديهتهٗ تكفى عن الخبر

(میری روح اس ذات پاک پر قربان، جس کے اخلاق اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ وُہ نوع انسان میں سب سے افضل ہیں۔
ان کی فضیلتیں تمام انسانوں کے لیے اسی طرح عام ہیں جس طرح سورج اور چاند کا نور ساری دنیا کے لیے عام ہے۔
اگر ان کی نبوت کے لیے واضح اور روشن نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو خود ان کی شخصیت ہی تصدیقِ رسالت کے لیے کافی تھی۔)

۷۔ حضرت عبداللہ زبعریؓ کی نعت سے دو شعر: ؎

جئتنا باليقين والبر والصد — ق وفى الصدق واليقين سرور
اذهب الله ضلة الجهل عنا — وآتانا الرخاء والميسور

(آپ ہمارے پاس یقین، نیکی اور سچائی کا پیغام لائے ہیں اور سچائی اور یقین ہی خوشیوں کا منبع ہے۔
اللہ نے ہم سے جہالت کی گمراہیاں دُور کر دیں اور آپ ہمارے لیے خوشحالی اور آسودگی بن کر آئے۔)

۸ - یہاں بنی نجار کی بچیوں کے وُہ نعتیہ اشعار درج کرنے کو جی چاہتا ہے، جو انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ تشریف آوری پر استقبالیہ زمزمے کے طور پر الاپے تھے، ؎

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

(ہم پر وداع کے ٹیلوں کے پیچھے سے چاند طلوع ہوگیا۔ اللہ کے لیے پکارنے والے کی دعوت پر ہمارے لیے شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اے ہمارے پیغمبر تو واقعی قابلِ اطاعت پیغام لایا ہے)

۹ - حضرت کعب بن زہیر کا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" عربی نعتیہ ادب میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ ان کے والد زہیر بن ابی سلمیٰ عرب جاہلیت کے ممتاز اور سبعۂ معلقہ کے شہرت یافتہ شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کی شعری تخلیقات کو باقی شعرائے جاہلیت کے مقابلہ میں پسندیدہ خیال فرماتے تھے۔ زہیر نے خواب میں آسمان سے لٹکی ہوئی ایک رسّی دیکھی جو ان کی پہنچ سے دُور رہی۔ ایک کاہن نے اس کی تعبیر بتائی کہ عنقریب ایک پیغمبر مبعوث ہونے والے ہیں۔ لیکن تم ان کا زمانہ نہیں پاؤ گے۔ زہیر بعثت نبوی سے تھوڑا عرصہ قبل ہی وفات پا گئے۔ تاہم انھوں نے اپنے دونوں لڑکوں کعب اور بجیر کو وصیت کر دی تھی کہ نبی بشر و موعود کے مبعوث ہونے پر ان کی دعوت کو قبول کر لینا۔ چنانچہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا چرچا ہوا تو کعب نے اپنے بھائی بجیر کو تحقیق احوال کے لیے حجاز کے علاقے میں بھیجا۔ بجیر تو دربارِ رسول میں حاضر ہوتے ہی اسلام لے آئے۔ اور بھائی سے استصواب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کعب کو ان کی جلد بازی بہت ناگوار گزری اور ان پر شدید ردِعمل ہوا۔ نہ صرف بھائی کو زجر و ملامت کی بلکہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی شان میں بھی گستاخانہ اور توہین آمیز اشعار کہنے شروع کیے اور ان کی بدگوئی کے باعث دربارِ نبوی سے ان کا خون ہدر قرار دے دیا گیا۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد کعب کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا۔ اپنے کیے پر نادم ہُوئے۔ بھیس بدل کر حضور کی خدمت میں پہنچے۔ اور رحمۃ للعالمین کے دامنِ عفو کو تھام کر کہنے لگے: "یا رسول اللہ! کعب اگر اپنی گستاخیوں پر نادم ہو کر معافی اور پناہ کا طالب ہو تو کیا آپ اس کو معاف نہیں کر دیں گے؟" حضور تو عفو مجسم تھے، فرمایا: "کیوں نہیں!" بولے: "وہ خطاکار و گنہ گار میں ہی ہوں اور آج اپنی ناگفتنیوں پر شرمسار ہو کر ندامت و عجز کا اظہار کرتا اور عفو چاہتا ہوں" نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی عطا کی۔ کعب نے سرِ مجلس حضور کی منقبت اپنی عفو طلبی اور صحابۂ کبار کے عزم و شجاعت وغیرہ مضامین پر مشتمل ایک قصیدہ پڑھا جو دورِ جاہلیت کی شعری روایات کا آئینہ دار ہوتے ہوئے نعتیہ قصیدوں میں نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ یہی قصیدہ ہے جس کے ایک شعر میں نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکتہ ورانہ اصلاح فرما کر اسے فرش سے اٹھایا اور عرش پر پہنچا دیا۔ اور پھر یہی قصیدہ ہے جسے حضور نے سمع قبول سے نوازا اور اس کے صلے میں کعب کو ردائے مبارک عطا فرمائی۔ یہ ردائے مبارک آج ترکی کے دار النوادر والتبرکات Topcopi میں محفوظ ہے اور خاص خاص

تقریبات میں اس کا دیدار کرایا جاتا ہے۔

اس قصیدہ کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے:

انبئت ان رسول الله اوعدنی والعفو عند رسول الله مامول

فقد اتیت رسول الله معتذرا والعذر عند رسول الله مقبول

مهلا هداك الذی اعطاك نافلة القرآن فیه مواعیظ و تفصیل

لا تاخذنی باقوال الوشاة و لم اذنب و ان كثرت فی الاقاویل

(مجھے خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے جان کی دھمکی دی ہے حالانکہ اللہ کے رسول سے معاف کر دینے کی توقع ہے۔ پس میں اللہ کے رسول کے پاس عذرخواہ بن کر حاضر ہوا ہوں اور اللہ کے رسول عذر قبول کر لیا کرتے ہیں یا نبی! مجھے چھوڑ دیجیے اس خدا کے لیے جس نے آپ پر وُہ قرآن نازل فرمایا جس میں نصیحت کی باتیں اور تفصیلات ہیں میرے چغلخوروں کی باتوں پر نہ جائیے! مجھے معاف کر دیجیے! میرے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے حالانکہ میں بے خطا ہوں۔)

اس طویل قصیدہ کے مدحیہ حصے کو عمداً یہاں درج کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ تلافی کے لیے حضرت حسانؓ کے دو شعر سُن لیجیے:

۱۰۔ و احسن منك لم ترقط عینی واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبراءً من كل عیب كانك قد خلقت كما تشاء

(میری آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین و جمیل انسان نہیں دیکھا نہ عورتوں نے آپ سے بڑھ کر خوبصورت بچہ جنا ہے۔ آپ ہر عیب و نقص سے پاک اتنے مکمل اور صاف ستھرے بنائے گئے ہیں۔ گویا آپ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق عالمِ وجود میں آئے ہیں۔)

اب حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جذبات محبت اور اظہار غم کے اشعار میں سے بطور نمونہ صرف ایک ایک شعر حاضر کرتا ہوں، جو آنحضرت کی وفات کے موقع پر کہے گئے تھے:

۱۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

اجدك ما بعینك لا تنام

كان جفونها فیها الكلام

(اپنے آقا کی جدائی تم پر بہت شاق گزری ہے۔ تمھاری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اب تم سو نہیں سکتے گویا ان کی پلکوں میں زخم ہو گئے ہیں)

۱۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

لانزلت مذ وضعوا فراش محمد كیما یمرض خائفا اتوجع

(جب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسترِ مرض پر لٹایا گیا میں بہت خوف زدہ ہو رہا ہوں اور مجھے درد محسوس ہوتا ہے)

۱۳۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ: ؎

فیا عینی ابکی و لا تسأمی
وحق البکاء علی السید

(اے میری آنکھ رو اور خوب رو، اور پیہم روئے جا، اپنے آقا و مولیٰ پر رونے کا حق ادا کر)

۱۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ: ؎

الا طرق الناعی بلیل فراعنی
وارقنی لما استقر منادیا

(کاش یہ رات کو آنے والا مجھے جدائی کی بری خبر سنا کر غمزدہ نہ کرتا اور اپنی منادی سے میری نیند نہ اڑا دیتا)

لگے ہاتھوں خانوادۂ نبوت کی دو برگزیدہ خواتین کے مرثیوں میں سے بھی چند شعر سُن لیجیے:

۱۵۔ سیّدہ فاطمۃ الزہرا بضعۃ رسول اللہ: ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمدٍ ان لا یشم مدی الدھر غوالیا
صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

(حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت کو سُونگھنے والے کو کیا ہوگیا ہے کہ اب وہ مدت العمر کوئی اور خوشبو سُونگھنے کا روادار نہیں۔ مجھ پر ایسی ایسی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر یہ مصائب روشن دنوں پر وارد ہوتے تو انھیں تاریک راتوں میں بدل ڈالتے)

۱۶۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب عمۃ رسول اللہ: ؎

الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا وکنت بنا براً و لم تک جافیا
وکنت بنا رؤوفاً رحیما نبینا لیبک علیک الیوم من کان باکیا
صبرت و بلغت الرسالۃ صادقاً وقدمت صلب الدین ابلج صافیا
فلو ان رب العرش ابقاک نبینا سعدنا و لاکن امرہ کان ماضیا
علیک من اللہ السلام تحیۃ وادخلت جنات من العدن راضیا

(اے اللہ کے رسول آپ ہی تو ہماری امیدوں کے چراغ تھے اور ہم پر مہربان تھے، قطعی درشت طبیعت سخت مزاج نہ تھے۔ آپ ہم پر بے حد شفیق اور مہربان تھے اور آپ ہمارے نبی تھے۔ رونے والے کو آج تیری جدائی پر دل کھول کر رو لینا چاہیے! آپ نے صبر و تحمل کے ساتھ دنیا کو اپنے رب کا سچا پیغام پہنچا دیا

اور اب دین کو مضبوط، مکمل اور صاف ستھرا چھوڑ کر دنیا سے جا رہے ہیں۔ اگر مالکِ عرش آپ کو ہمارے درمیان اور بھی رکھتا تو بے شک یہ ہماری خوش بختی ہوتی لیکن اس کا فیصلہ ہو چکا۔ آپ پر اللہ کریم کا درود و سلام ہو اور آپ راضی خوشی جنات عدن میں داخل ہوں۔)

۱۷۔ مراثی کے سلسلے میں شاعرِ نبوت حسان بن ثابتؓ کا رثائیہ بھی سُن لیجیے :

اطالت وقوفاً تذرف العین جهدها ۔۔۔ علیٰ طلل القبر الذی فیه احمد
فبورکت یا قبر الرسول و بورکت ۔۔۔ بلاد ثویٰ فیها الرشید المسدد
وهل عدلت یوما رزیة هالك ۔۔۔ رزیة یوم مات فیه محمدٌ
عزیز علیه ان یحیدوا عن الهدیٰ ۔۔۔ حریص علیٰ ان یستقیموا و یهتدوا
عطوف علیهم لا یثنی جناحه ۔۔۔ الیٰ کنف یحنوا علیهم و یمهد
فبکیّ رسول الله یا عین عبرة ۔۔۔ ولا اعرفنک الدهر و معك یجمد
فجودی علیه بالدموع و اعولی ۔۔۔ لفقد الذی لا مثله الدهر یوجد
وما فقد الماضون مثل محمدٌ ۔۔۔ ولا مثله حتی القیامة یفقد

(بڑی دیر تک آنکھیں اس ٹیلے پر کھڑی آنسو بہاتی رہیں جس میں حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں اے رسولِ خدا کی آرامگاہ تُو بابرکت ہے اور وُہ سرزمین بھی مبارک ہے جس میں ہدایت یافتہ اور راست باز انسان آرام فرما ہیں۔ کیا کسی دوسرے دن کے مصائب اس مصیبتِ عظمٰی کے برابر ہو سکتے ہیں جس دن ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا مہلک صدمہ اٹھانا پڑا۔ وُہ ذات جس پر اپنی قوم کا ہدایت سے انحراف شاق گزرتا تھا اور جو اس کی ہدایت اور استقامت میں حریص تھی جو اپنے لوگوں پر مہربان تھے۔ ان سے پہلوتہی نہ کرتے تھے اور پیار و محبت سے ان کی طرف جھکے جاتے تھے اور درگزر کرتے تھے اے آنکھ اللہ کے رسول کے لیے ہمیشہ روتی رہ میں کبھی تجھے آنسوؤں کے بغیر خشک نہ پاؤں۔ خوب خوب آنسو بہا اور چیخ چیخ کر رو، آج اس ہستی کا ماتم ہے جس کی مثال زمانے میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ نہ تو گزشتہ زمانے کے لوگوں نے اس جیسی ہستی سے محرومی کا داغ اٹھایا ہے۔ نہ قیامت تک آنے والوں کو ایسا صدمہ ہوگا۔)

۱۸۔ ایک مدحیہ قطعہ حضرت امام زین العابدین علی بن الحسینؓ سے منسوب ہے۔ اس میں جذب و شوق کی والہانہ کیفیت بھی ہے اور عذوبت الفاظ بھی۔ تاہم کچھ ایسا لگتا ہے کہ اس کے بعض اشعار الحاقی ہیں جو کسی متشاعر نے آپ کے نام سے اضافہ کر دیے ہیں۔ اس کے چند شعر بھی دیکھ لیجیے! ؎

ان نلت یا ریح الصبا یوماً الیٰ ارض الحرم ۔۔۔ بلغ سلامی روضة فیها النبی المحترم
من وجهه شمس الضحیٰ من خده بدر الدجیٰ ۔۔۔ من ذاته نور الهدیٰ من کفه بحر الهمم

قرآنه برهاننا نسخاً لادیانٍ مضت   اذجاءنا احکامه کل الصحف صار العدم

اکبادنا مجروحة من سیف هجر المصطفیٰ   طوبیٰ لاهل بلدةٍ فیها النبی المحتشم

(اے بادِ صبا! اگر کسی دن تجھے ارض حرم جانے کا اتفاق ہو تو روضۂ اطہر پر جا کر میرا سلام عرض کرنا جس میں وہ ذات اقدس آرام فرما ہے جس کا رُخِ روشن چڑھتے سورج کی طرح اور جس کے رخسار گھٹا سے نکلتے ہوئے چاند کی مانند ہیں اور جو خود ہدایت کا نور ہے اور جس کا دستِ سخا ہمت وحوصلہ کا سمندر ہے۔ اس کا قرآن ہماری دلیل اور سابق دینوں کا ناسخ ہے۔ ہمارے جگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کی تلوار نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔ اس شہر کے لوگ خوش بخت ہیں جہاں حضور کی آرامگاہ ہے)

اسی طرح امام اعظم سراج الامۃ ابوحنیفہ النعمان کے نام سے بھی چند نعتیں اور خصوصیت سے ایک قصیدہ بعض کتابوں میں میری نظر سے گزرا ہے۔ اگرچہ وہ بھی مشکوک ہے۔ لیکن اگر اس تحریر کے موقع پر ہاتھ آجاتا تو اس کے چند شعر یہاں ثبت کر دیتا۔

۱۹۔ لیجیے! مشہور تفسیر کشاف کے فاضل مصنف ابوالقاسم محمود زمخشری کی نعت پڑھیے: ؎

والحق فالحق ما جاء الرسول به   سیف علیٰ هام اهل الشرك مسلول

محمدٌ ان تصف ادنی خصائصه   فیها لها قصة فی شرحها طول

ابوالعباد و عبد الله بینهما   له مصاص من الانساب منخول

هوالذی ان یخالج فی نبوته   ریب فما القول بالتوحید مقبول

(حق یہ ہے کہ جو کچھ رسول خدا لے کر آئے ہیں وہی حق ہے۔ آپ اہلِ شرک کے سروں پر خدا کی سونتی ہوئی تلوار تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی صفت بھی بیان کرنے لگو تو اس کی تفصیلات طویل ہو جاتی ہیں۔ آپ بندوں کے سرپرست اور اللہ کے بندے تھے۔ اور ان دونوں کے درمیان آپ عالی نسب مخلوق تھے۔ آپ کی نبوت کے بارہ میں اگر کسی دل میں خلجان واقع ہو جائے تو ایسے شخص کی طرف سے توحید کا اقرار ناقابل قبول ہے)

۲۰۔ اور اب دیکھیے شیخ مصلح الدین سعدی بلبل شیراز کس ٹھاٹھ سے مدح سرا ہوتے ہیں: ؎

بلغ العلیٰ بکماله   کشف الدجیٰ بجماله

حسنت جمیع خصاله   صلوا علیه و اٰله

(وہ اپنے کمال کی بلندیوں پر پہنچے اور انھوں نے اپنے جمال سے تاریکیاں کافور کر دیں۔ ان کے اطوار پسندیدہ تھے۔ ان پر اور ان کی آل پر درود و سلام۔)

۲۱۔ ان کے ساتھ ہی لسان الغیب حافظ شیرازی کا انداز مدحت دیکھیے! ؎

یا صاحب الجمال و یا سید البشر   من وجهك المنیر لقد نور القمر

یہ نعتیہ قطعہ مختلف شعراء سے منسوب کیا گیا ہے جن میں جامی، سعدی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی شامل ہیں۔ (ادارہ)

لا یمکن الثناء کما کان حقہ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(اے حسن والے، انسانوں کے سردار، آپ کے رُخ روشن سے چاند چمک اُٹھا۔ آپ کی تعریف و توصیف آپ کی شان کے شایاں کرنا ممکن ہی نہیں۔ بس قصہ مختصر یہ ہے کہ آپ خدا کے بعد ساری کائنات سے بڑے ہیں)

۲۲۔ الشیخ شرف الدین ابی عبداللہ محمد البوصیری مداحین رسول میں نمایاں بلکہ شہرہ آفاق حیثیت کے حامل ہیں۔ آپ نے بارگاہِ نبوی میں عقیدت و محبت کے گلدستے پیش کیے ہیں۔ ادبی محاسن، عذوبت الفاظ، وسعت معانی اور ارادت و خلوص کی کیفیات سے لبریز، آپ کے کئی خوبصورت قصیدے آپ کی یادگار ہیں۔ عربی نعت گوئی میں آپ اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں۔ آپ کا قصیدہ ہمزیہ ادب عربی میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کے سلام کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے:؎

سلام علیك تترٰی من اللہ و تبقٰی بہ لك البا واء

وسلام علیك منك فما غیرك منہ لك السلام کفاء

وسلام من کل ما خلق اللہ لتحیا بذکرك الاملاء

وصلاۃ کالمسك تحملہٗ منی الشمال الیك اد نکباء

وسلامٌ علی ضریحك تخضل بہ منہ تربۃ وعساء

وسلام قدمت بین یدی نجوی اذ لم یکن لدی ثراء

ما اقام الصلوٰۃ من عباد اللہ و قامت بربہا الاشیاء

(اللہ کی طرف سے آپ پر متواتر سلام آتا رہے اور اس طرح آپ کا وقار ہمیشہ برقرار رہے۔ آپ پر خود اپنا سلام کیونکہ کسی اور کا سلام آپ کے شایاں بھی نہیں۔ اللہ کی ساری مخلوق کا سلام آپ پر تاکہ آپ کے ذکر سے محفلیں سجتی رہیں۔ باد شمال مشک کی خوشبو لے کر آپ کی سلامی کو آئے اور روضۂ مبارک کی نرم مٹی سے سوندھی سوندھی خوشبو اُٹھے۔ میں سرگوشی کے ساتھ خصوصی سلام عرض خدمت کرتا ہوں کہ اس کے سوا میرے پلے کچھ بھی نہیں۔ سلام جب تک اللہ کے بندے نماز پڑھیں اور دنیا رب کے حکم سے قایم رہے۔)

۲۳۔ اسی طرح آپ کا ایک اور مدیح لامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن جو حسن قبول اور لطف خداداد آپ کے قصیدہ میمیہ کو حاصل ہوا، نعتیہ ادب میں بہت کم منظومات کے حصے میں آیا ہے۔ یہ قصیدہ' بُردہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اور اسے مدح خوانان رسالت کے تقریباً تمام حلقوں میں بے پناہ شہرت و وقعت حاصل ہوئی۔

کچھ تو یہ قصیدہ اپنی زبان، بیان، حسن اسلوب، الفاظ کی شیرینی اور شوکت، جذبات کی فراوانی، جوشِ محبت و عقیدت اور سوز دروں کی تاثیر کا مرقع ہونے کی بنا پر خود ہی کچھ کم نہ تھا۔ پھر سونے پر سہاگہ حضور کے دربار میں اس کی مقبولیت اور شاعر کی فالج ایسے خوفناک مرض سے معجزانہ شفایابی نے اسے مقبول انام اور مشہور خاص و عام کر دیا۔

دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں اس کی شرحیں لکھی گئیں۔ میلاد اور ذکرِ رسول کی محفلوں میں اسے مخصوص انداز میں پڑھا گیا۔ شاعروں نے اس پر بیسیوں تضمینیں لکھ ڈالیں اور عقیدت مندوں نے اس کے اشعار کو اوراد و وظائف اور دم درود میں شامل کر لیا۔

اس قصیدہ کے کچھ منتخب اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں: ؎

محمدٌ سید الکونین والثقلین — والفریقین من عرب و من عجم
هوالحبیب الذی ترجٰی شفاعته — لکل هول من الاهوال مقتحم
فاق النبیین فی خلق وفی خلق — ولم یدانوه فی علم ولا کرم
فهوالذی تم معناه وصورته — ثم اصطفاه حبیبًا باری النسم
منزهٌ عن شریك فی محاسنه — فجوهر الحسن فیه غیر منقسم
دع ماادعته النصاری فی نبیهم — واحکم بما شئت مدحافیه واحتکم
فانسب الیٰ ذاته ما شئت من شرف — وانسب الیٰ قدره ماشئت من عظم
فان فضل رسول اللّٰه لیس له — حد فیعرب عنه ناطق بفم
فمبلغ العلم فیه انه بشر — وانه خیر خلق اللّٰه کلهم
وکل آی اتی الرسول الکرام بها — فانما اتصلت من نوره بهم
فانه شمس فضل هم کواکبها — یظهرن انوارها للناس فی الظلم
اکرم بخلق نبی زانه خلق — بالحسن مشتمل بالبشر متسم
کالزهر فی ترف والبدر فی شرف — والبحر فی کرم والدهر فی همم
مولائی صلّ وسلم دائماً ابداً — علیٰ حبیبك خیرالخلق کلهم

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں، جن و انس، عرب و عجم کے سردار ہیں۔ آپ اللہ کے ایسے حبیب ہیں جن سے خوف و دہشت کے ہر موقع پر سفارش و شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے تمام نبیوں پر فوقیت لے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ علم اور بزرگی میں آپ کے برابر نہیں۔ پس آپ ہی کی ذات پر سیرت و اخلاق اور صورت و جمال کی تکمیل ہُوئی پھر خالق کائنات نے آپ کو اپنا حبیب بنانے کے لیے چن لیا۔ آپ کے محاسن میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے لہٰذا حسن و خُوبی میں آپ کا جوہر ناقابلِ تقسیم ہے۔ عیسائی اپنے نبی کے بارہ میں الوہیت و ابنیت وغیرہ کے جو دعوے کرتے ہیں انھیں چھوڑ کر اپنے رسول کی تعریف و نعت میں جو کچھ کہہ سکتے ہو بے جھجک کہو اور علماء کو اس میں حکم ٹھہرا لو جو بزرگی اور فضیلت چاہو آپ کی ذات سے منسوب کر لو اور اس کے مرتبہ کی عظمت جتنی چاہو بڑھا کر بیان کرو کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتیں اور

خوبیاں بے حد و بے حساب ہیں۔ کوئی شخص ان کو بیان کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کا مبلغ علم بس یہی کچھ ہے اور لوگ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آپ بشر ہیں حالانکہ آپ ساری مخلوقِ خدا سے افضل و برتر ہیں انبیاء کرام کے تمام معجزے اور نشانیاں آپ ہی کے نور کی بدولت انھیں حاصل ہوئیں۔ پس آپ فضیلتوں کا چمکتا ہوا آفتاب ہیں اور انبیاء اس کے ستارے ہیں جو تاریکی میں انسانوں پر اس کا نور بکھیرتے ہیں آپ کے حسن و صورت کا تو کہنا ہی کیا ہے آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے حسن و جمال اور خندہ جبینی کی زینت میں اور بھی اضافہ ہوا آپ تر و تازہ پھول اور چودھویں کے چاند کی طرح ہیں۔ آپ کا کرم اور فیاضی سمندر کی طرح وسیع اور آپ کی ہمت و عزم زمانہ کی مانند ہے۔

اے میرے مولا! اپنے پیارے حبیب، ساری مخلوق کے سرتاج پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام بھیج۔

قصیدہ 'بانت سعاد' کی طرح اس مدیح کو بھی 'بُردہ' کہا جاتا ہے بلکہ اس کا یہی عرفِ عام اس کے اصل نام 'قصیدہ میمیہ' سے زیادہ معروف و مشہور ہے۔

۲۴۔ الشہاب محمود آٹھویں صدی ہجری کے نعت گو ہیں۔ ان کی ایک نعت دیکھیے:

ذوا معجزات الباهرات ترفعت ۔۔۔ عن ان یمیّز وصفها الاحصاء

منهن تسبیح الحصا فی کفه ۔۔۔ وکذا الطعام و فاض منه الماء

و سلام احجارٍ رأی بطریقة ۔۔۔ سمعته وهی الصلاة الصّماء

و اجابة الاشجار حین دعابها ۔۔۔ تسعیٰ الیه کانهن اماء

و رجوعها بالامر نحو مکانها ۔۔۔ سیّان منها العود و الابداء

و کذاك عین قتادة اذ ردّها ۔۔۔ من بعد ما سقطت واعیا الداء

و کذا علیٌّ اذ دعاه بخیبر ۔۔۔ فاتیٰ الیه و عینهٗ رمداء

فاجال فیها برلقه فغدا لها

برءٌ به فی وقتها و شفاء

(آپ واضح اور روشن معجزوں والے ہیں اور آپ کے اوصاف حدِ حساب سے بالا ہیں۔ ان معجزات و خصائص میں سے کنکریوں کا آپ کی ہتھیلی میں تسبیح پڑھنا۔ کھانے میں برکت ہونا۔ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا۔ راستے میں پتھروں کا آپ کو سلام کرنا ٹھوس بہرہ ہونے کے باوجود آپ کا کلام سننا۔ درختوں کا بلانے پر دوڑے چلے آنا گویا وہ آپ کے غلام ہیں لونڈیاں ہیں۔ اور دوبارہ حکم ملنے پر واپس اپنی جگہ چلے جانا۔ گویا آنا اور جانا ان کے لیے برابر تھا۔ اسی طرح قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ ضایع ہو جانے اور دوا و تدبیر کے ناکام رہنے کے بعد آپ کا ان کی بینائی کو لوٹانا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خیبر میں طلب فرمانے پر جب آئے تو ان کی آنکھیں آ رہی تھیں۔ آپ کا اپنے لعابِ دہن سے ان کا آشوبِ چشم اسی وقت دور کر دینا شمار کیا جا سکتا ہے)

۲۵۔ الجامع الصحیح لامام بخاری کے نامور شارح حافظ ابن حجر عسقلانی کی نعت ملاحظہ ہو: ؎

رفیق الروح بالجسم ارتقٰی فی ‏ ‏ طباق حف فیها بالهناء
علا و دنا و جاز الیٰ مقام ‏ ‏ کریم خص فیه بالاصطفاء
و لم یر ربّهٗ جهرا سواه ‏ ‏ لسرّ فیه جل عن امتراء

(روح القدس (جبریلؑ) کے ساتھی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے جہاں ان پر رحمتوں اور نعمتوں کی بارش ہوئی آپ بلند ہوئے۔ قریب پہنچے اور ایسے مقام کریم تک پہنچے جہاں اللہ نے انھیں خصوصیت سے چن لیا۔ آپ کے سوا کسی نے بھی اپنے پروردگار کو یوں کھلم کھلا نہیں دیکھا۔ اس میں بھی ایک بھید ہے، جو شک و شبہ سے بالا ہے۔)

۲۶۔ شیخ تقی الدین محمد ابن دقیق العید مالکی مسلک کے علمائے اعلام میں سے ہیں ان کے دو نعتیہ شعر پڑھیے: ؎

لم یبق لی امل سواك فان یغت ‏ ‏ ودّعت ایام الحیٰوة وداعاً
لا استلذ لغیر وجهك منظرا ‏ ‏ وسوٰی حدیثك لا ارید سماعاً

(میرے لیے آپ کے سوائے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ آپ کے بغیر میں اپنی زندگی کے دنوں کو الوداع کہہ رہا ہوں۔ آپ کے روئے انور کے سوائے اور کوئی منظر مجھے لطف نہیں دیتا۔ اور آپ کی باتوں کے علاوہ میں کسی کی باتیں سننا نہیں چاہتا۔)

۲۷۔ امام غزالی کے تلمیذ رشید حافظ ابوبکر محمد ابن العربی الاندلسی نے قیام مدینہ کے دوران یہ اشعار لکھے: ؎

لم یبق لی سول و لا مطلب ‏ ‏ مذ صرت جار الحبیب الحبیب
لا ابتغی شیئا سوٰی قربه ‏ ‏ وها انا منه قریب قریب
العیش والموت لیستا طبیب ‏ ‏ بطیبة لی کل شیٔ یطیب

(اب میری کوئی تمنا اور کوئی مطلب باقی نہیں رہا جب سے خدا کے حبیب کا ہمسایہ بنا ہوں مقصود حاصل ہو گیا ہے۔ اب مجھے ان کے قرب کے سوا کچھ بھی درکار نہیں ہے اور میں اب ان کے قریب اور قریب ہو رہا ہوں۔ یہاں مجھے زندگی اور موت دونوں یکساں ہیں مدینہ میں میرے لیے ہر چیز پسندیدہ ہے زندہ رہوں تو بھی اور موت آجائے تو بھی۔)

اسی انداز کی نعت مفتی یافہ شیخ حسین دجانی نے بھی کہی ہے: ؎

اذا هبت الاریاح من نحو طیبة ‏ ‏ اهاج فؤادی طیبها و هبوبها
فلا تعجبوا من لوعتی و صبابتی ‏ ‏ هوٰی کل نفس این حل حبیبها

(مدینہ کی ہوائیں آتی ہیں تو ان کی خوشبو اور ان کا چلنا میرے دل میں ہیجان پیدا کر دیتا ہے آپ لوگ میری

شیفتگی اور اضطراب پر تعجب کیوں کرتے ہیں۔ ہر شخص کا دل وہیں اٹکا ہوا ہوتا ہے جہاں اس کے محبوب کا ڈیرا ہو۔)

۲۹ - حضرۃ الامام قطب الدین احمد الشاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نعت و مدیح میں متعدد قصیدے لکھے ہیں۔ صرف ایک قصیدہ کے چند شعر یہاں درج کرتا ہوں: ؎

وان لابد تمدح ذا معال — فحسبك مدح خیر الانبیاء

وان تمدح رسول الله یوماً — فحاذران تقصر فی الثناء

رسول الله یا خیر البرایا — نوالك ابتغی یوم القضاء

(اگر تجھے کسی عالی مرتبت ہستی کی مدح وصفت کرنی ہی ہے تو حضرت خیر الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کر اور جب کسی دن تو آپ کی مدح کرنے لگے تو خبردار احتیاط سے الیسانہ ہو کہ تو تعریف وستائش میں کمی کرے۔ اے تمام مخلوق میں سب سے بہتر رسول میں فیصلہ کے دن آپ کی بخششوں کا خواستگار ہوں۔)

۳۰ - ان کے فرزند گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خوبصورت نعت کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں: ؎

یاسائر نحو الحمٰی باللہ قف فی بانہ — واقرأطوامیر الجوٰی منی علی سکانہ

ان یسئلوا عن حالتی فی السقم منذ فقدتہم — فالقلب فی خفقانہ والرأس فی دورانہ

ان فتشوا عن دمع عینی بعدهم قل حاکیاً — کالغیث فی تهتانہ والبحر فی هیجانہ

لکنہ مع ماجرٰی مشغوف حب المصطفیٰ — فخیالہ فی قلبہ وحدیثہ بلسانہ

ولطالما یدعوا ملحا فی الدعا مبالغا — لیطوف فی بستانہ ویشم من ریحانہ

یامن تفوق امرہ فوق الخلائق فی العلا — حتی لقد اثنیٰ علیك الله فی قرآنہ

صلّی علیك الله اٰخر وهرہ متفضلا — مترحما وحبالك الموعود فی احسانہ

(اے چراگاہ کی طرف جانے والے خدا کے لیے بان کے جھنڈ میں کچھ دیر رک کر وہاں رہنے والوں کو میرے مصائب کی داستان پڑھ کر سنا اگر وہ میرے ان سے بچھڑنے کے بعد کی حالت زار پوچھیں تو انھیں بتا کہ میرا دل خفقانی ہے اور سر چکروں کی زد میں ہے اگر وہ اپنے چلے جانے کے بعد میرے رونے کی کیفیت دریافت کریں تو بتا کہ آنکھیں برسنے میں ابر اور جوشِ گریہ میں سمندر بنی ہوئی ہیں اس کے باوجود وہ حبِ مصطفیٰ میں شیفتہ و سرشار ہے ہر وقت ان کا خیال اس کے دل میں اور ان کی باتیں اس کی زبان پر ہیں اور کتنی طویل مدت سے وہ الحاح و زاری کے ساتھ یہ دعا کر رہا ہے کہ وہ آپ کے باغ میں سیر کرے اور آپ کے گل وریحان سونگھے، اے وہ ذات گرامی جو رتبے کی بلندی میں ساری مخلوق سے برتر ہیں یہاں تک کہ اللہ پاک نے قرآن میں آپ کی توصیف کی۔ اللہ کریم دنیا کے خاتمے تک اپنے فضل و رحم سے آپ پر درود و سلام بھیجتا رہے اور اپنے وعدہ کے مطابق تمام بھلائیاں آپ کو عطا فرمائے۔

مولانا فضل حق خیر آبادیؒ نے بھی اسی بحر اور اسی قافیہ میں چند اشعار لکھے ہیں شعر اچھے ہیں مگر بات بنی نہیں۔ افسوس اس وقت وُہ اشعار موجود نہیں ہیں کہ نقل کیے جائیں۔

۳۱۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی بارھویں صدی ہجری کے اجلّہ علماء و فضلاء عصر میں سے تھے، عربی زبان کے جیّد ادیب اور شاعر تھے۔ ان کے مدحیہ قصائد اور نعتیہ اشعار اپنی ادبی و شعری خوبیوں اور ذوق و شیفتگی کی ولولہ آفرین سخن سازیوں کا رُوح پرور مرقع ہیں۔ اپنے کمال نعت گوئی کی بدولت "حسان الہند" کے لقب سے ملقب ہُوئے۔ یہاں ان کے ایک قصیدہ سے چند شعر پیش کیے جاتے ہیں: ؎

محمد فاتح البرایا — وان اتانا علی العقیب

جماله فائض بنور — وخلقه فائح بطیب

دعاءه جاء بالغوادی — وکفه جاد بالصبیب

تدارتقیٰ فی السماء حقا — وحل بالمنزل الرحیب

من ابتغیٰ ھٰھنا جنانا — سریٰ الی روضة الرطیب

اقام اٰزاد فی سقام — وانما المصطفیٰ طبیب

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کا افتتاحیہ ہیں اگرچہ وُہ ہمارے پاس بعد میں آئے ہیں۔ ان کا حسن نور برساتا ہے اور اخلاق خوشبو بکھیرتے ہیں۔ اس کی دعائیں نعمتیں لاتی ہیں اور ہاتھ ابر سخا ہیں۔ وہ حقیقتاً آسمان پر چڑھے اور وسیع محل میں جا پہنچے جسے جنت کی خواہش ہو وہ اس پر بہار روضہ کی طرف جائے۔ آزاد مدت سے بیمار ہے اور اس کا علاج حضور ہی کے پاس ہے۔)

۳۲۔ حضرت نواب سیّد صدیق حسن خان البخاری القنوجی ماضی قریب کے مداحین رسالت میں ممتاز شخصیت کے مالک، بلند پایہ عالم، شیوا بیان ادیب اور خوش گو شاعر تھے۔ آپ سیکڑوں کتابوں کے مصنّف اور ہزاروں اہلِ علم و ہنر کے مربی تھے۔ ان کے ایک عربی قصیدہ نعتیہ کا اقتباس ملاحظہ ہو: ؎

اخترت بین اماکن الغبراٗ — دار الکرامة بقعة الزوراء

ھل لی مکان فیه اطلب راحتی — من دونھا فی البر والدأماء

کیف الوصول الیٰ منازل طیبة — فیھا المفتقر حصول رجاء

نفسی فداء لتربة قدسیة — فیھا نبی سید البطحاٗ

(میں نے غبار آلود مکانوں کے درمیان چمکتا ہُوا روضہ بزرگ و محترم خطہ میں چن لیا ہے۔ کیا بحر و بر میں کہیں بھی اس کے علاوہ میرا ایسا ٹھکانہ ہے جہاں مجھے سکون و راحت میسر آئے طیبہ کی گلیوں میں، جہاں محتاجوں اور فقیروں کی آرزوئیں پوری کی جاتی ہیں میں کیونکر پہنچوں؟ اس پاک پاکیزہ تربت پر میری جان قربان جس میں بطحا کے سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔)

فارسی نعت ـــ ایک سرسری جائزہ

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

نعت گوئی ایک بڑا ہی نازک فن اور موضوع ہے۔ نعت گو کی ذرا سی لغزش اسے گستاخی و عدم احترام کا مجرم بنا سکتی ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے : ع

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

یا مثلاً : ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبیست[1]

فارسی کا یہ مقولہ " نعت گو پوچ گو " اس نازک موضوع پر لکھتے وقت احتیاط نہ برتنے والے شعرا پر صادق آتا ہے۔ خلوص و عقیدت اور وابستگی کے بغیر اس میں نعتیہ عنصر نہیں آ سکتا اور نہ ایسے کلام میں تاثیر ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

نعت کے لغوی معنی تو مدح و تعریف کرنے کے ہیں لیکن اصطلاحاً اس سے مُراد صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش ہے۔ ایسی منظومات کے لئے شروع میں مدح و ثنا کا لفظ استعمال ہوتا رہا لیکن جلد ہی لفظ " نعت " اپنے اصطلاحی معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ نعت کا آغاز، جیساکہ واضح ہے، عربی زبان میں ہوا۔ سب سے پہلے قرآن کریم میں ہمیں حضورؐ کی ہمہ جہت اور کامل شخصیت کا تعارف کرایا گیا ہے۔ خدائے قدوس کی طرف سے یہ تعارف پوری طرح نعت کے زمرے میں آتا ہے۔ اس کے بعد سب سے پہلی نعت حضرت میمونؓ بن قیس نے لکھی۔ ان کے علاوہ حضرت ابوطالب، حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہم سے بھی نعتیہ اشعار منسوب ہیں۔ تاہم باقاعدہ ایک صنف کے طور پر اسے حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت کعبؓ بن زہیر اور حضرت بوصیریؒ نے آگے بڑھایا۔

فارسی شاعری کا آغاز یوں تو رودکی (م ۳۲۹ / ۹۴۱ء) سے پہلے ہو چکا تھا، لیکن صاحب دیوان ہونے کے باعث اسے فارسی شاعری کا بابا آدم کہا گیا ہے۔ رودکی اور دیگر شعرائے قدیم کے یہاں (ان کے جو اشعار اس وقت دستیاب ہیں، ان کے مطابق) نعت کا کوئی شعر نظر نہیں آتا، ہاں بر سبیل تذکرہ حضورؐ اکرم کا اسم مبارک کہیں آ گیا ہو (اور ایسا کم ہی ممکن ہے) تو وہ الگ بات ہے۔ فردوسی (م ۴۱۱ھ / ۱۰۲۰ء) نے ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی شاہنامہ کہی، لیکن اس میں صرف اتنا

---

[1] عرفی جیسا خود پسند اور متکبر شاعر بھی جب اس میدان میں آتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ اس کے نزدیک نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے

عرفی مشتاب این رہِ نعت است نہ صحراست ؛ آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

کہا کہ اگر تم برائیوں اور بلاؤں سے بچنا چاہتے ہو تو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمان پہ چلو۔ اس کے بعد غضایری رازی (م ۴۲۶ھ / ۱۰۳۵ء) کے یہاں پنج تن پاک کے ذکر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے "بہین خلق" (افضل خلائق) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح اسدی طوسی (م ۴۶۵ھ / ۱۰۷۳ء) کا یہ نعتیہ مصرع ہے:

محمدؐ است بہین ز انبیا و از اخیار

ان شعرا سے ہٹ کر سامانی اور غزنوی ادوار کے اہم قصیدہ گو شعرا ابوشکور بلخی، دقیقی، کسائی مروزی، فرخی سیستانی، مسعودی غزنوی، عنصری، عسجدی، منوچہری وغیرہم کے یہاں نعت والی کوئی بات نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے دربار سے وابستگی اور دنیا سے بہت زیادہ تعلق نے انھیں اس طرف آنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ یعنی درباری چکا چوند اور زریں سکوں کی کھنک اس راستے میں ان کے پاؤں کا کانٹا بنی رہی۔

دستیاب مواد کے مطابق فارسی میں سب سے پہلے باقاعدہ نعت فخر الدین اسعد گرگانی کی مثنوی "ویس و رامین" (نوشتہ ۴۴۶ھ / ۱۰۵۴ء) میں ملتی ہے۔ فارسی مثنوی گوئی کی روایت بعد میں یہ رہی ہے کہ مثنوی کا آغاز حمد و ثنا سے ہوتا ہے پھر نعت کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور اس کے بعد اصل مطلب کو لیا جاتا ہے جیسا کہ پہلے عرض ہوا۔ فردوسی نے بھی بظاہر ایسا ہی کیا ہے، لیکن صحیح معنوں میں اگر دیکھا جائے تو اس روایت کا آغاز اسعد ہی نے کیا ہے۔ تعجب اس بات پہ ہے کہ جس داستان کو اس نے نظم کیا اس کا تعلق قبل از اسلام کے ایران سے تھا، اگر وہ اس میں نعت نہ بھی لاتا تو بھی کوئی حرج نہ تھا لیکن اس نے اس میں نعت کہی اور خوب کہی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسعد کو واقعی حضورؐ سے قلبی لگاؤ تھا جب اس نے یہ مثنوی کہی ہے اس وقت بعض ایرانی شعرا عرب شاعروں کی کسی حد تک (عرب کے مناظر کی تصویر کشی وغیرہ میں) تقلید تو کر رہے تھے لیکن عربی زبان ابھی فارسی پہ زیادہ اثر انداز نہیں ہوئی تھی، جس کے نتیجے میں اس دور کی شاعری سادہ و رواں زبان کی حامل ہے۔ چنانچہ یہی خوبی ہمیں اسعد کی نعت میں بھی نظر آتی ہے۔ مضامین کی جدت و تازگی کے ساتھ ساتھ، بقول ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، اس کے یہاں تشبیہات و استعارات بھی زیبا ہیں جن میں سے بیشتر فارسی ادب میں تازگی اور نئے پن کے حامل ہیں۔ اسعد نے نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل کی جہالت و نادانی اور کفر و شرک سے پُر انسانی زندگی کی سیدھے سادے انداز میں تصویر کشی کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضورؐ کی تشریف آوری خدا کی رحمت اور اس کا فضل ہے جس کی بدولت دنیا بھر میں نور ہی نور پھیل گیا۔ اسعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راست گو انسانوں کا آفتاب کہتا ہے۔

اسعد اس لحاظ سے بھی پہلا شاعر ہے جس نے دورِ جاہلیت کی شجاعت و فصاحت کا ذکر کر کے کہا ہے کہ جب ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن سنا اور غزوہ بدر و خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ واقعی خدائی معاملہ ہے جسے قبول کرنا روح کو روشن کرنا ہے۔ اسعد بڑے بھولپن اور معصومیت کے ساتھ خدا کی شفقت کا ذکر کرتا ہے جس کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے رسولؐ سے ہم نوازے گئے:

چہ بخشانیدہ و مشفق خدائیست
چہ نیکو کار و چہ رحمت نمائیست
کہ بر بے چارگیٔ ما ببخشود!
رسولے داد و راہِ نیک بنمود

آخر میں وہ دینِ اسلام کو مضبوطی سے تھامنے کا عہد کرتے ہوئے خدا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدقے اس کے فضل وکرم کا ملتجی ہوتا ہے۔

سنائیؒ چھٹی صدی ہجری کا بہت بڑا صوفی شاعر ہے جسے مولانا رومی نے گویا اپنا مقتدا مانا ہے۔ اس نے بڑے زور دار نعتیہ قصائد کہے ہیں، جو فنی ومعنوی خوبیوں کے علاوہ جوش واخلاص جذبہ کے حامل ہیں۔ اس کی ساری نعتوں میں قصیدے کا رنگ ہے سنائی کے کلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا حصہ وہ جب وہ دربار سے متعلق تھا اور لہو ولعب کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

دوسرے حصّے کا تعلق اس کی عارفانہ زندگی سے ہے اور اس کے نعتیہ قصائد کا تعلق یقیناً اسی دور سے ہے۔ اس دور میں اس پہ عربی زبان کا بڑا اثر نظر آتا ہے۔ چنانچہ ان قصائد میں عربی کلمات کے علاوہ اس نے عربی ترکیبات وعبارات بھی خوب استعمال کی ہیں۔ پھر تمثیلات واستدلالات عقلی کے علاوہ علمی اصطلاحات کو بھی اس نے کثرت سے برتا ہے جس کے سبب اس کے دیگر قصائد کے علاوہ نعتیہ قصائد میں بھی اشکال پیدا ہوا ہے۔ بہرحال اس نے نعت گوئی کو اپنی غذا قرار دیا ہے ؎

مرا مدحِ مصطفیٰؐ ست غذی
جانِ من باد جانش را بفدلی

اس کے مطابق صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ایک ایسے طبیب ہیں جو گناہوں کا علاج فرما سکتے ہیں، اسی بنا پر وہ حضورؐ کی طرف رجوع کرنے پر زور دیتا ہے۔ وہ لطف وکرم خدا وندی کے حصول کو حضورؐ کی بارگاہ میں عقل قربان کرنے سے مشروط کرتا اور خود کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکِ پا قرار دیتا ہے۔ اس نے ایک نیا مضمون پیدا کیا ہے کہ ہوا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت گزار تھی تو محض اس لیے کہ اُن کی انگوٹھی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک کندہ تھا۔ سنائیؒ نے حضورؐ کی عظمت وقدامت، جود وعطا، علم وحلم اور لاثانی ہونے کا ذکر مختلف انداز میں کیا ہے اور اس سلسلے میں اس نے کہیں کہیں آیات قرآنی سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ حضورؐ کی یاد اس کے لیے سرمایۂ مسرت وشادکامی ہے:

مرا یادِ توؐ باید بر زبان بس   سنائی گردد از یادِ تو خرم

وہ شاعری میں حضورؐ کے اسم گرامی کے علاوہ کسی اور کے نام کو لانا گناہ اور حضورؐ کی نعت کے علاوہ کچھ اور کہنے کو ستم تصور کرتا ہے۔

انوریؔ (م ۵۸۰) کو فارسی قصیدہ گو شعرا کا سرخیل سمجھا گیا ہے، لیکن نعت میں اس کا سرمایہ بس چند اشعار ہیں۔ اگر اس کے پیشرو قصیدہ گو شعرا کو دیکھا جائے، جنہوں نے اس راہ میں قدم ہی نہیں رکھا، تو اس کے یہ چند شعر بھی غنیمت معلوم ہوتے ہیں، کہ کم از کم اس نے

حضورؐ سے اپنی عقیدت کا اظہار تو کر دیا۔ اپنے ان اشعار میں انوری نے حضور اکرمؐ کی شرع کا دامن تھامنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ بقول اس کے آدمی اس کے بغیر عقل کا اندھا ہے۔ جمال الدین اصفہانی (م ۵۸۸ھ) بھی اسی دور کا ایک بڑا قصیدہ نگار ہے۔ اس نے چند ایک نعتیں بھی ہیں۔ اس کی ان نعتوں میں وہی پختگی، جوش بیان، مضامین کی جدت اور سادگی و روانی ہے جو اس کے قصائد کا طرۂ امتیاز ہے۔ البتہ ان نعتیہ قصائد میں دیگر قصیدوں کی نسبت، خلوص، جذباتی وابستگی اور حضورؐ کی نعت میں اپنے عجز کا اعتراف ہے ؎

خود خاطر شاعرے چہ سنجد
نعت تو سزائے تو خدا گفت

(خود شاعر بیچارے کی کیا اوقات کہ وہ آپؐ کی نعت کہے۔ آپؐ کے شایان شان نعت تو خدا نے کہی ہے)

یہاں غالبؔ کا یہ شعر بھی ملحوظ رہے ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

یہ مضمون جمال کے بعد کئی شعرا کے یہاں نظر آتا ہے۔ بہرحال جمال خود کو ایک فضول گو اور اپنے تمام مدحیہ اور غیر مدحیہ اشعار کو ہرزہ و بیہودہ کہتا ہے اور اس کے برعکس اپنے چند نعتیہ اشعار کو اپنے لیے سرمایۂ حیات قرار دیتا اور اپنے گناہوں کے باوصف حضورؐ سے شفاعت کی التجا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک حضورؐ کی یاد کے بغیر ہر قسم کے اذکار و اوراد فریبِ محض ہیں ؎

بے یادِ تو ذکر ہا مزوّر بے نام تو درد ہا مبتّر

اس نے حضورؐ سے متعلق بعض قرآنی آیات سے بھی استفادہ کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صرف شعر کہنے کی خاطر نعت نہیں کہہ رہا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے پوری طرح باخبر ہونے کے باعث دل سے اور نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ نعت کہہ رہا ہے۔

خاقانی (م ۵۹۵ھ) چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی میں سبک آذربائیجان (یعنی دبستان آذربائیجان) کا بہت بڑا عالم و حکیم قصیدہ گو ہے جسے اس کی زبردست اور توانا نعتوں کے سبب "حسانؓ عجم" کا لقب دیا گیا ہے۔ کئی ایک نعتیہ قصائد کے علاوہ اس نے اپنی مثنوی "تحفۃ العراقین" میں بھی نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ اس کی فنی خصوصیات، جو اس کے قصیدے کی جان ہیں — زبردست قوت فکر، ترکیب الفاظ میں اس کی قدرت، مضامین کی جدت اور دقت پسندی — اس کی نعتوں میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اس انتخاب میں سب سے پہلے اس کی مذکورہ مثنوی کے چند اشعار پیش کیے گئے ہیں جن میں اس نے مختلف تشبیہات و استعارات کے سہارے حضورؐ کی عظمت و برتری کا ذکر کیا اور خود کو — خواہ وہ برا ہے یا بھلا — حضورؐ کے خوانِ مبارک کے ٹکڑوں پر پلا ہوا موٹا تازہ انسان کہا ہے اور چونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زلہ ربائی کے سبب فربہ ہوا ہے اس لیے حضورؐ ہی کے آستانے پر قربانی کے لائق ہے۔ گویا وہ قربانی کا جانور ہے۔ اسی بات کو اس نے تمثیل کے ذریعے آگے بڑھایا ہے۔ کہتا ہے کہ جب کوئی جانور (بکرا) خوب موٹا تازہ ہو جاتا ہے تو اسے عیدالضحیٰ کے موقع پر قربان کرتے ہیں۔ اسے کتوں کے آگے نہیں پھینکا جاتا بلکہ اربابِ حق کی خوراک بنایا

جاتا ہے۔ اس تمثیل کے حوالے سے وہ کہتا ہے کہ میں بھی جب قربان ہو جاؤں گا تو مجھے دوزخ کے کتوں سے دُور رکھا جائے گا۔ اس کے مطابق اقرار سے بچنے کے لیے حضورؐ کا دامن مضبوطی سے تھامنا ضروری ہے۔ یہ دنیا فریب و تزویر کا مقام ہے اس سے صرف حضورؐ کی رکاب پکڑ کر ہی بچا جا سکتا ہے۔ بوالہبان وقت سے بچنے کے لیے فتراک محمدیؐ کو تھامنا ضروری ہے کیونکہ اس کے سوا امن عقبیٰ کی دستاویز اور کوئی نہیں ہے۔ بہت سے شعرا نے اس مضمون کو سیدھے سادے انداز میں بیان کیا ہے کہ حضورؐ اگرچہ بعد میں تشریف لائے لیکن حضورؐ کا نور، نورِ اولین تھا۔ خاقانی اس کو بڑی پیاری تمثیل سے واضح کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ احمدؐ، حضرت آدمؑ سے بعد میں آئے ہیں تو یہ عین مناسب ہے کیونکہ پھل بعد ہی میں آیا کرتا ہے جبکہ کلی پہلے وجود میں آجاتی ہے ؎

احمد پس آدمست، شاید

میوہ ز پسِ شگوفہ آید

ایک نعتیہ قصیدے میں اس نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ حضورؐ کی بارگاہ سے ہاتفِ غیب نے اسے نعت کہنے کو کہا ہے۔ اسی میں وہ کہتا ہے کہ میں اخلاص سے حضورؐ کا دامن تھام رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ان خسیسوں سے بچائیں۔ حضورؐ میرے ہو جائیں کیونکہ میں "ما" و "من" سے تنگ آچکا ہوں۔ حضورؐ اپنی عنایت کی تلوار سے اس "ما" و "من" کا جھگڑا ہی مٹا دیں۔ نعت کے آخر میں اس نے اپنی تکالیف و مصائب کی طرف اشارہ کر کے حضورؐ سے یہ التجا کی ہے کہ اُس کے شروان سے باہر جانے کا کوئی سامان ہو جائے۔ خاقانی کا مطلعِ ذیل والا نعتیہ قصیدہ بہت مشہور ہے: ؎

ہر صبح سر بہ گلشن سودا بر آورم

وز صُورِ آہ بہ فلک آوا بر آورم

یہ قصیدہ اس کی حضورؐ سے انتہائی عقیدت کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے ؎

زمزم نثارم از مژہ در زیرِ ناودان — طوفان خوں ز صخرۂ صمّا بر آورم

دریائے سینہ موج زند ز آبِ آتشیں — تا پیشِ کعبہ لولوئے لالا بر آورم

بر آستانِ کعبہ مصفا کنم ضمیر — ز و نعتِ مصطفائے مزکّی بر آورم

دیباچۂ سراچۂ کل خواجۂ رُسل — کز خدمتش مرادِ جہتا بر آورم

فارسی مثنوی میں حمد کے بعد نعت کی روایت کو نظامی (م ۶۱۴ھ) نے بھرپور انداز میں آگے بڑھایا وہ اپنے خمسہ (پانچ مثنویوں) کی بنا پر فارسی مثنوی گوئی کا بہت بڑا ستون ہے، جس کی تقلید میں بعد کے شعرا بالخصوص امیر خسرو اور جامی نے خمسے لکھے لیکن وہ ان میں وہ بات پیدا نہ کر سکے جو نظامی کے یہاں نظر آتی ہے۔ وہ ایک خاص روش و انداز کا موجد ہے۔ الفاظ و کلمات کا حُسن انتخاب، نئی نئی اور خاص ترکیبیں، انوکھے اور نئے مضامین، جزئیات کی تصویرکشی، قوت تخیل وغیرہ اس کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں اور یہ سب خصوصیات ظاہر ہے اس کی نعتوں میں بھی موجود ہیں۔ غرض اس نے نعتیہ اشعار میں بھی اپنا زورِ بیان خوب خوب دکھایا ہے اور بڑے بڑے نکتے اور مضمون پیدا کیے ہیں ؎

"نقطۂ روشن ترِ پُرکارِ کُن
نکتۂ پُرکار ترینِ سخن"

اس انتخاب میں اس کی مثنوی ہفت پیکر کو چھوڑ کر بقیہ چار مثنویوں کے نعتیہ اشعار لیے گئے ہیں، کیونکہ یہ اشعار مذکورہ مثنوی کے اشعار کی نسبت آسان بھی ہیں اور پُرتاثیر بھی۔ نظامی نے حضورؐ کو سرورِ انبیا اور خاتم النبیین کے علاوہ ایسا اُمّی کہا ہے جو فصیح زبان ہے۔ نعت میں نئے نئے مضامین پیدا کرنے کے سبب وہ اپنی طبع کو گلِ تازہ کہتا ہے، پھر حضورؐ کو گل کہہ کر خود کو بلبل نغز نوا سے تشبیہہ دیتا ہے جو گویا گل یعنی حضورؐ کے عشق میں بیتاب نغمہ سرا ہے۔ اس کے مطابق حضورؐ کی شبِ گیسو، روزِ نجات ہے اور حضورؐ کے عشق کی آتش، آبِ حیات۔ جبکہ حضورؐ کا روضہ جنت سے بڑھ کر ہے۔ نظامی اس لحاظ سے پہلا شاعر ہے کہ اس نے حضورؐ سے عجم کی طرف نظرِ التفات فرمانے کی التجا کی ہے۔ اس کے دل میں اسلام کا بیحد درد ہے۔ وہ اتحاد بین المسلمین کا زبردست آرزومند ہے۔ جب وہ علمارِ سُو کی کارگزاریاں دیکھتا ہے جو مسلمانوں میں نفاق کا باعث بن رہی ہیں، تو وہ تڑپ اٹھتا ہے۔ وہ حضورؐ سے التجا کرتا ہے کہ حضورؐ آپؐ کے انتظار میں ہماری جان لبوں پہ آگئی ہے۔ حضورؐ عرب ہی میں تشریف فرما نہ رہیں عجم کی طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضورؐ کی خاکِ پاک نے عجم میں خوشبو پھیلائی تھی لیکن بدقسمتی سے اب بادِ نفاق نے وہ خوشبو اڑا دی ہے۔ یہاں منبروں پر غلط قسم کے لوگ آ بیٹھے ہیں۔ حضورؐ تشریف لا کر ان منبروں کو غسل کے ذریعے پاک فرمائیں اور ان شیطان صفت علمارِ سُو کو عدم و نیستی کی راہ دکھائیں۔ وہ ان علما کو ہدفِ تنقید بناتا، انھیں غارتگر کہتا اور اس وقت مسلمانوں کی جو حالت و کیفیت ہے، اسے ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ حضورؐ ہی ہمارے شحنہ ہیں پھر قافلۂ اسلام تنہا کیوں رہے۔ قلب (فوج کا وسطی حصّہ) تو حضورؐ کے پاس ہے پھر عَلَم یہاں کیوں ہے۔ ایک طرف تو یہ نام نہاد علما دین میں رخنے پیدا کر رہے ہیں اور دوسری طرف اسے تباہ کرنے کے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ ان لوگوں کا علاج اس میں ڈھونڈتا ہے کہ ان شیطانوں کے سر پر یا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو لا بٹھایا جائے یا حضورؐ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے صف شکن کو ان پر مامور فرمائیں۔ مثنوی مخزن اسرار کے یہ اشعار اسلام اور اُمتِ مسلمہ کے بارے میں نظامی کے انتہائی حسّاس ہونے کی خبر دیتے ہیں اور یہ بات فارسی کے کسی دوسرے شاعر کی نعتوں میں نظر نہیں آتی۔ وہ حضورؐ کی خاکِ پا کو دماغِ دردمند کی دوا قرار دیتا ہے۔ وہ حضورؐ کی ذاتِ اقدس کا تشنہ لب اور غمناک ہے جبکہ حضورؐ اس کے لیے پانی ہیں۔ وہ خود کو حضورؐ کی خاکِ پا قرار دیتا اور اس بات سے خوفزدہ ہے کہ اس سے خدمت میں کوتاہی ہوئی ہے، اس لیے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اس کا چارہ پوچھتا ہے۔

فرید الدین عطار (م ۶۲۷) ایک صوفی شاعر اور اپنی مثنویوں بالخصوص مثنوی منطق الطیر کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ مثنویوں سے ہٹ کر اس نے قصائد و غزلیات میں بھی اپنا زورِ طبع دکھایا ہے۔ اس کی نعتوں میں گویا بالمشافہ گفتگو کی سی کیفیت ہے۔ سادہ انداز اور جذبے کا بھرپور اظہار ہے جس میں خلوص بھی ہے اور تاثیر بھی، جنھیں پڑھ کر قاری عطار کی حضورؐ سے بے پناہ عقیدت اور جذباتی وابستگی سے آگاہ ہوتا ہے۔ انتخاب میں شامل پہلا شعر ہی اس کی عمدہ مثال ہے جس میں وہ کہتا ہے: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ براق آگیا ہے، آپؐ کہیں عرش کا عزم تو نہیں کیے ہوئے ہیں؟ آگے چل کر کہتا ہے کہ آپؐ کے ہوتے یہ عالم اور یہ عرش و

فرش کیا ہیں (یعنی کچھ بھی نہیں) اس لیے کہ آپؐ تو عرش و فرش سے سیکڑوں مرتبہ بلند و اعلیٰ ہیں۔ عطار کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ اقدس اور ذات کی عظمت کو عشق کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ عطار نے آیات قرآنی اور احادیث سے بھی استفادہ کیا ہے۔ وہ آفتاب اور ماہتاب کو حضورؐ کا چوکیدار قرار دیتا ہے۔ نیز یہ کہ حضورؐ کے درِ مبارک کی خاک تریاقِ اعظم کا اثر رکھتی ہے اور تمام کائنات حضورؐ کے وجودِ مبارک ہی کے طفیل وجود میں آئی ہے وہ حضورؐ کی پیروی کی تلقین کرتا ہے کہ اسی کی بدولت حضورؐ کی شرع کا نور رہبر اور رہنما بنتا ہے۔ اس نے حضرت آدمؑ کو مس (تانبا) سے اور حضورؐ کو کیمیا سے تشبیہ دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو جو مقام ملا وہ حضورؐ ہی کے طفیل ملا۔ اپنے چند ایک اشعار میں اس نے حضورؐ سے نظرِ التفات کی التجا کی ہے۔ اس کے یہ تین اشعار اپنی تمام تر سادگی کے باوصف عظمتِ حضورؐ کی زبردست عکاسی کرتے نظر آتے ہیں، وہ الگ بات کہ حضورؐ کی کماحقہٗ اور شایانِ شان نعت کسی انسان کے بس کی بات نہیں؛

خواجۂ دنیا و دیں گنجِ وفا — صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفیٰؐ
مہترین و بہترین انبیا — رہنماے اولیا و اصفیا
خواجۂ کز ہرچہ گویم بیش بود — وز ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود

قطب الدین بختیار کاکیؒ (م ۶۳۳) برصغیر کا مشہور صوفی۔ کاکیؒ نے سیدھے سادے انداز میں جذبات عقیدت کا اظہار کیا البتہ بعض شعروں میں بے ساختہ پن آگیا ہے۔ بنیادی طور پر بختیار شاعر نہیں ہے۔ اس کی نعتوں میں حضورؐ کی عظمت اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر برتری کے علاوہ حضورؐ کے معجزوں کی طرف اشارات ہیں۔ حضورؐ کو شفیع المذنبین کہہ کر حضورؐ سے اپنی والہانہ وابستگی و شیفتگی کا اظہار کیا ہے:

تا روی خوبت دیدہ ام مہر از ہمہ ببریدہ ام
بنشین، بیا در دیدہ ام اے نور بخش دیدہ ہا

کمال اسمٰعیل (مقتول ۶۳۵ھ) نئے نئے مضامین پیدا کرنے کے سبب خلاق المعانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ متاخرین کے لیے اس نے مضمون آفرینی کی گویا بنیاد رکھی۔ اس کی قید پابستگی شعر کا یہ عالم ہے کہ "محقق طوسی نے عظمت کے لہجے میں کمال کا ذکر اپنی کتاب معیار الاشعار میں کیا ہے۔" اس کی نعتوں میں جوش بیان، سلاست اور مضمون آفرینی ہے۔ ان میں اس نے تلمیحات قرآنی سے استفادہ کرنے کے علاوہ حضورؐ کی عظمت کے آگے جبرئیلؑ کے عجز، حضورؐ کے علوِ قدر اور ختم المرسلین ہونے کا ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کو حضورؐ کے معجزے کی دلیل کہہ کر اس کے آگے دوسرے پیغمبروں کے معجزات کو بالواسطہ کمتر قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں خاص انداز میں حضورؐ کے معجزات شق القمر وغیرہ کی طرف بھی اشارے کئے ہیں ؎

انگشتِ معجزِ تو کہ تیغیست آبدار — یک زخم او کند سپرِ ماہ را دو نیم

حضورؐ کی قدامت کا ذکر کر کے حضورؐ کے خلقِ عظیم کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ خدا نے حضورؐ کو اپنی صفات، کریمی، رحیمی اور رؤفی سے نوازا ہے۔ دیگر شعرا کی طرح کمال بھی نعت میں اپنے عجز کا اعتراف کرتا ہے ؎

مخلوق در ثناے تو تا خود کجا رسد — خواندہ خداے با عظمت خلقِ عظیم

عجز کے مضمون کو اس نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے :

دریائے مدحتِ تو زپہناوری کہ ہست   در وے شناوران سخن را گذار نیست
اے گفتۂ لطف حق بخودی خود ت ثنا   ماازکجا و مدحے وثنائے تو از کجا

وہ درود و صلوٰۃ بھیجنے کے علاوہ اس جذبے کا اظہار کرتا ہے کہ حضورؐ کی ذات تو نعت سے بے نیاز ہے ۔ میرا نعت کہنا درحقیقت حضورؐ کی دعاؤں کا قرب حاصل کرنا اور خود کو، اس وسیلے سے، لوگوں میں برتر بنانا ہے ۔ وہ انتہائی عجز و نیاز کا اظہار کر کے حضورؐ کی توجہ اور لطف وعنایت کی التجا کرتا ہے ۔ اسے اپنے گناہوں پر شرمندگی ہے ۔ لیکن وہ شفاعت کے لیے ایک عجیب شرط کا ذکر کرتا ہے اور وہ یہ کہ اگر گناہوں کی وجہ سے حضورؐ ہماری شفاعت فرمائیں گے تو ہم اس متاع (گناہوں) سے مالا مال ہیں ۔

شرطِ شفاعتِ تو زما گر کبائر ست   باما بسے متاعِ ازیں گو نہ حاضر ست

جلال الدین رومی (م ۶۷۲ھ) بہت بڑا صوفی شاعر، جس کی مثنوی کو "ہست قرآں در زبان پہلوی" (فارسی زبان کا قرآن) کہا گیا ہے تصنیفِ مثنوی سے قبل حضورؐ سے رومی کی عقیدت و شیفتگی کا اظہار و انداز، بقولِ فریدوں سپہ سالار، ہر اُس عبادت و ریاضت میں رومی کی مشغولیت کی صورت میں تھا جو حضورؐ سے منقول تھی ۔ جب شمس تبریز سے ملاقات کے بعد اس میں عظیم تبدیلی آئی اور اس نے مثنوی لکھنا شروع کی تو عشق رسولؐ مقبول بھی شعر کی شکل میں ڈھلتا چلا گیا ۔ مثنوی میں سیکڑوں مرتبہ حضورؐ کا اسم گرامی مذکور رہوا ہے ۔ اگرچہ اصطلاحی معنوں میں باقاعدہ نعت تو مثنوی میں نہیں ہے لیکن اکادکا اشعار میں نعت کا عنصر ہے مثلاً ۔

سیدو سرور محمدؐ نورِ جاں   مہتر و بہتر شفیعِ مجرماں

یا

نام احمدؐ چون چنیں یاری کند   تاکہ نورش چوں مددگاری کند
نام احمدؐ چوں حصاری شد حصین   تاچہ باشد ذاتِ آں روح الامین

رومی نے مثنوی میں حضورؐ کو مختلف اسماء و القاب سے یاد کیا ہے ۔ محمدؐ، مصطفیٰؐ، احمدؐ، صدر صدورؐ، سرِ پیغمبراں، بحرِ صفا، روح الامین اور سیدؐ ۔ اس نے جس شعر میں بھی اور جس انداز میں بھی حضورِ اکرم کا ذکر کیا ہے وہ اس کی سرورِ کونین سے بے پناہ عقیدت و ارادت اور شیفتگی کا مظہر ہے ۔ ایسے موقع پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ عالمِ وجد میں رقص کر رہا ہو ۔ اس انتخاب میں مثنوی رومی سے صرف ایک آدھ شعر ہی نقل کیا گیا ہے جس کی وجہ اوپر بیان کر دی گئی ہے ۔ رومی کی غزلوں میں شور و مستی اور عشق کا بھرپور اظہار ہے ، جس کے سبب دیوانِ شمس (جو رومی ہی کا مجموعۂ کلام ہے) میں نعتیہ غزلوں کی تلاش کارِ دشوار ہے کہ بیشتر غزلیں شمس کے غم میں کہی گئی ہیں، اِن میں سے بعض کو نعت بھی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن ہے خطرے والی بات ۔ جو دو ایک غزلیں شاملِ انتخاب کی گئی ہیں ان میں بظاہر کچھ نعتیہ اشارے نظر آئے تو انھیں لے لیا گیا ۔ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ رومی کا انداز اس ضمن میں منفرد ہے اور اس کے جس شعر میں بھی حضورؐ کا ذکر خیر آیا ہے اس میں اس کا عشق بولتا ہوا نظر آتا ہے ۔

عراقی (م ۶۸۸ھ) بنیادی طور پر ایک صوفی شاعر ہے یعنی وہ صوفی جو قرآن اور شریعت محمدیؐ کو تصوف کے لیے لازم جانتا ہے ۔

اس صورت میں اس کی حضورؐ سے عقیدت ایک قدرتی بات ہے۔ اس نے نعتیہ قصاید کے علاوہ نعتیہ غزلوں میں بھی اظہارِ جذبات کیا ہے۔ ان میں اس نے حضورؐ کے خلقِ عظیم، معجزوں، دوسرے انبیاؑ پر حضورؐ کی برتری، حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر، قرآنی حوالے اور نعت گوئی میں انسانی عقل و ناطقہ کے عجز کا اعتراف و ذکر کیا ہے ؎

از مدیحِ تو عاجز آمد عقل — ناطقہ در ثنات لال شدہ
قدرِ تو در جہاں نگنجیدہ — نعتِ تو برتر از مثال شدہ

ایک جگہ اپنی بے بسی، دنیا سے محبت اور رنج و غم کا ذکر کرکے حضورؐ سے توجہ فرمانے اور اپنے در پر بلانے کی التجا کی ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح اس نے بھی حضورؐ کی عظمت مختلف انداز میں بیان کی ہے۔ اس کے مطابق حضورؐ کے غلام بھی مقامِ عالی کے حامل ہیں اور یہ کہ جس دل میں حضورؐ کی محبت نہیں وہ دل خدا کی محبت سے بھی عاری ہے، حضورؐ اور خدا کی محبت گویا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ عراقی کے نزدیک حضورؐ کی پیروی ہی راہِ مستقیم و راہِ نجات ہے اور جو کوئی اپنی ذات سے زیادہ حضورؐ سے محبت نہیں کرتا وہ راندۂ درگاہ ہے۔ ایسا شخص اگر دنیا بھر کی عبادت و طاعت بھی پیش کرے تو وہ اس کے منہ پر لوٹا دی جائے گی۔ اس انتخاب میں عراقی کے ایک ایسے قصیدے سے بھی کچھ اشعار لئے گئے ہیں جن میں نعت اور ثنائے ربِ جلیل کو ملا دیا گیا ہے۔

صابر کلیریؒ (م ۶۹۰)۔ برصغیر پاک و ہند کے بہت سے صوفیہ ایسے ہیں جو بنیادی طور پر تو شاعر نہیں ہیں لیکن انہوں نے کسی حد تک اپنے جذبات و احساسات کے اظہار کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ ان کے اشعار میں جہاں تصوف کے اسرار و رموز بیان ہوئے ہیں وہاں حضورؐ اکرم سے عقیدت و وابستگی کا اظہار بھی نعت کی صورت میں نظر آتا ہے۔ چونکہ ان صوفیہ نے شعر کی فنی خوبیوں کی طرف کم ہی دھیان دیا ہے اس لیے ان کے یہاں پختگیٔ کلام ذرا کم ہی ہے تاہم جذبات کا خلوص بہرحال واضح ہے۔ صابر کلیری بھی ایک ایسا ہی صوفی شاعر ہے اور یہی صورت خواجہ باقی باللہ کی ہے۔

سعدیؒ (م ۶۹۰) ایک جامع الحیثیات شخصیت ہے۔ وہ شاعر ہے، نثر نگار ہے، عاشق پیشہ ہے، عالم ہے، صوفی ہے اور معلمِ اخلاق بھی ہے اور ان سب اوصاف کے پس منظر میں وہ ایک نہایت جہاندیدہ اور دنیا کا سرد و گرم چشیدہ انسان دکھلائی دیتا ہے۔ اس کی شہرت صرف ایران تک ہی نہیں بلکہ برصغیرِ پاکستان و ہند اور افغانستان کی حدود سے نکل کر دنیا کے تقریباً سبھی گوشوں میں پہنچی ہے۔ اس کی حضورؐ اکرم سے عقیدت ڈھکی چھپی نہیں۔ اسی عقیدت و وابستگی کے سبب اس نے اپنی طویل مسافرت کے دوران میں، تمام تر تکالیف کے باوجود چند حج کئے۔ اس کی یہ عقیدت و محبت اس کے اشعار واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ کون پڑھا لکھا مسلمان ایسا ہے جو اس کے اس عربی نعتیہ قطعہ سے واقف نہیں ؎

بلغ العلیٰ بکمالہٖ — کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ — صلوا علیہ و آلہٖ

وہ نثر میں اگر حضورؐ کا ذکر کرتا ہے تو بھی انتہائی احترام ملحوظ رکھتا ہے: "سرورِ کائنات و مفخرِ موجودات و رحمتِ عالمیاں و صفوتِ آدمیاں و تتمۂ دورِ زماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔" اور اس کا یہ سیدھا سادا شعر بھی اسی وابستگی کا غماز ہے؛

چہ غم دیوارِ امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں — چہ باک از موجِ بحر آں را کہ باشد نوحؑ کشتی باں

سعدی عشقِ محمدیؐ کو اپنی جوانی اور عاشقی کی دولت گردانتا ہے۔ اس انتخاب میں اس کی دو نعتیہ غزلوں کے علاوہ "بوستان" سے لئے گئے چند اشعار بھی ہیں۔ ان اشعار میں اس نے حضورؐ کے مرتبہ و مقام اور قدر و منزلت کے آگے ہر شخص اور ہر شے کی قدر و منزلت کو ہیچ قرار دیا ہے۔ حکمت و دانش کے حصول کے لیے وہ حضورؐ کا دامن مبارک تھامنے کی نصیحت کرتا ہے۔ اس نے حضورؐ کے بعض معجزے مثلاً شق القمر وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے اور نعت میں اپنے عجز کا اعتراف بھی :

ندانم کدامین سخن گویمت — کہ والاتری زانچہ من گویمت
ترا عزّ "لولاک" تمکین بس است — ثنائے تو "طٰہٰ" و "یٰسین" بس است

ساتویں صدی ہجری تیرھویں صدی عیسوی کے دو ایک اور شعرا کے یہاں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں، لیکن افسوس کہ ان کے دواوین شائع نہیں ہوئے، بس تذکروں وغیرہ میں چند اشعار ملتے ہیں مثلاً سراجی سگزی نکرانی نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے دوران ایک قصیدہ کہا، جس کے صرف یہ دو شعر "تاریخ ابیات در ایران" مؤلفہ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا میں نقل ہوئے ہیں :

گفتم این غرّا قصیدہ ہر کہ برخواند تمام — شادماں گردد چو باشد دوستدارِ مصطفےٰؐ
سال بر تاریخ خاو کاف و حا با آن بہم — شد تمام این خوش قصیدہ در مزارِ مصطفےٰؐ

اسی طرح شہاب مہمرہ بدایونی کے ایک نعتیہ قصیدے کے چند اشعار اسی تاریخ ادبیات میں درج ہیں جن میں صرف تین آخر کے اشعار نعت میں ہیں اور بقیہ اشعار تشبیب کے ہیں۔ قصیدہ بدیں مطلع شروع ہوتا ہے۔

القلم ز لوحِ ہستی ہمہ ہیچ در نشانی — بقلاے غیر قائم ز وجودِ خویش فانی

گریز اور نعت کے اشعار ؎

ہوسِ خیال تا کے نفسے گہر فشاں کن — بہ ثنائے آنکہ باشد خِرَدش بدیدہ بانی
شہِ تختِ دیں محمدؐ کہ سرادقِ شرف زد — بسوے دُرِ جہمین زبرائے اتم ہانی رم
بشرِ ملک لطافت ملکِ زمیں تواضع — چو فلک بپاک جسمے چو ملک بپاک جانی

خواجہ ہمام الدین علائے تبریزی (م ۱۳۱۴ء) اپنے دور کا ایک بزرگ صوفی اور مشہور شاعر ہے۔ اس نے اہلِ سلوک و تصوف کے رشد و ہدایت میں کافی سرگرمی دکھائی اسی لیے اسے "قدوہ پیشوائے اہلِ تحقیق (حقیقت)" سمجھا جاتا رہا ہے۔ چھوٹی چھوٹی دو مثنویوں کے علاوہ ایک مختصر سا دیوان بھی اس سے یادگار ہے۔ ہمام اس لحاظ سے خوش نصیب شاعر ہے کہ اس کے ایک نعتیہ شعر کو، جو یاشبہ سیکڑوں شعروں پر بھاری ہے، معمولی سے تغیر کے ساتھ (جس کی طرف انتخاب میں اشارہ کر دیا گیا ہے) بڑی پذیرائی ملی، لیکن اس لحاظ سے وہ بدقسمت ہے کہ بہت کم لوگوں کو یہ علم ہے کہ یہ شعر اس کا ہے۔ یہاں اس شعر کی تکرار بے محل نہ ہوگی کہ حضورؐ کی باتیں بار بار دہرانے میں بھی ایک خاص لذت ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب — ہنوز نامِ تو گفتن مرا نمی شاید

جس کسی نے بھی اس شعر کے آخری ٹکڑے "مرا نمی شاید" کو "کمالِ بے ادبیست" میں بدل دیا ہے، اس نے کمال کر دیا ہے۔ اس ذرا سی تبدیلی سے یہ شعر نعت گوئی میں کمالِ عجز کا بولتا ہوا اعتراف بن گیا ہے۔ ہمام چونکہ بنیادی طور پر عارف و صوفی ہے اس لیے اس کے

بعض اور اشعار کو بھی، جن میں عشقیہ جذبات کا اظہار ہے، نعت کے زمرے میں لایا جا سکتا ہے۔ خاص طور پر درج ذیل شعر تو اس لائق ہے کہ اسے بہر طور نعت کا شعر قرار دیا جائے ؎

سالہا سجدۂ صاحب نظران خواہد بود　　بر زمینے کہ نشانِ کفِ پایے تو بوَد

امیر خسروؒ (م ۷۲۵) مشہور صوفی شاعر اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کا مرید خاص۔ اپنی عشقیہ اور پُر شور و ولولہ غزلوں کے سبب ایرانیوں کے یہاں بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا خود برصغیر پاکستان و ہند میں۔ یہاں کا یہ پہلا شاعر ہے جسے ایرانیوں نے شروع ہی سے اور کھلے دل سے فارسی کا نغز گو شاعر تسلیم کیا ہے۔ اس نے نظامی کے خمسہ کے جواب میں خمسہ کہنے کے علاوہ چند دوسری مثنویاں بھی لکھیں اور تقریباً سب میں مثنوی گوئی کی مذکورہ روایت (حمد کے بعد نعت) کو برقرار رکھا ہے بلکہ بعض مثنویوں میں ایک کی بجائے دو دو نعتیں کہی ہیں۔ اس نے اپنے اشعار میں حضورؐ کی ذات ستودہ صفات کے طفیل کائنات کے وجود میں آنے کا ذکر کیا اور اپنے گناہوں کے سلسلے میں ہر قسم کے غم سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ حضورؐ نے چونکہ شفاعت کا بار اٹھا رکھا ہے، اس لیے کیا فکر:

ما و گناہے چو کوہ ہر دم و غم نی کہ ہست　　بر کتفِ نازکت بارگرانِ ہمہ

طُرفہ کہ چوں آفتاب سایہ نداری و ہست　　از تفِ خورشیدِ حشر از تو امانِ ہمہ

(یہ عجیب بات ہے کہ آفتاب کی طرح آپؐ کا سایہ نہیں ہے خورشیدِ حشر کی گرمی سے ساری مخلوق آپؐ کے سائے میں ہوگی)

خسرو نے بھی قرآنی آیات سے استفادہ کیا اور حضورؐ کے معجزات اور حضورؐ کی شفاعت کے بغیر اپنی نجات نہ پانے کا ذکر کیا ہے۔ پھر مختلف القاب مثلاً نورِ اول، آخری خورشید، خاتم النبیین سے حضورؐ کو پکارا ہے۔ وہ حضورؐ سے تعلق نہ رکھنے والوں کے سایہ کو بھی اپنے نزدیک دیکھنا پسند نہیں کرتا ؎

ہر کہ از مصطفیٰ ندارد نور　　سایہ اش دُور باد از ما دُور

خسرو کی غزلوں میں نعتیہ عنصر اگر ہے بھی تو اس کی تلاش ذرا مشکل ہے تاوقتیکہ کوئی خاص اور واضح اشارے موجود نہ ہوں۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ اس نے دوسرے صوفی شعرا کی طرح غزل میں عشق ہی کو زیادہ تر لیا ہے اور یہ رنگ کچھ ایسا ہے کہ حقیقت پر بھی چسپاں ہو جاتا ہے اور مجاز پر بھی، اور یہی معاملہ نعت کے ضمن میں بھی ہے۔ اس کی ایک مشہور غزل ہے جس کا مقطع ہے:

مرا از آتش عشق تو دامن سوختہ اے خسرو　　محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

تعجب ہے کہ خسرو کی یہ غزل اس کے کسی بھی مجموعہ میں (خواہ وہ نولکشور سے شائع ہوا ہے، یا مطبع قیصریہ دہلی سے، یا پبلشرز لمیٹڈ لاہور سے) نہیں ہے، حالانکہ مدتوں سے قوال اسے بطورِ نعت ہی گاتے ہیں۔ البتہ "ارمغان پاک" میں اس کے چند اشعار مؤلف نے جمع کر دیے ہیں۔ اُس نے یہ کہاں سے لیے اس کا کوئی ذکر نہیں۔

حسن سجزی دہلوی (م ۷۳۸) بھی بنیادی طور پر ایک صوفی شاعر اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا مرید خاص اور امیر خسرو کا گہرا دوست ہے۔ اس کا مجموعہ کلام بڑی حد تک ضخیم ہے، لیکن تعجب ہے کہ اس کے یہاں نعتیہ کلام بہت کم ہے، اگر کوئی ایسا کلام ہے تو وہ بھی خسرو کے کلام کی طرح تغزل کا رنگ لیے ہوگا جسے عام محبوب سے بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں جب تک واضح اشارات موجود نہ ہوں

ایسا کلام گمراہی میں ڈال سکتا ہے۔ بہرحال حسن کا کیا عام کلام اور کیا نعتیہ کلام سادہ و رواں اور ایرانی ذہن کے بہت قریب ہے۔ خسرو کے بعد برصغیر کا وہ دوسرا شاعر ہے جسے ایرانی ادبا، شعرا اور نقادوں نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس کی منتخبہ نعت میں اس کا مذکورہ انداز واضح ہے۔ اس نے حضورؐ اور اہلِ بیتؓ سے محبت و عقیدت اور وابستگی کو ہر غم سے نجات کا سبب بتایا ہے۔

بوعلی قلندر پانی پتی (م ۷۲۴) جیسا کہ نام سے واضح ہے، قلندریہ فرقہ سے منسلک تھا۔ اس نے فارسی میں ایک مثنوی کے علاوہ بڑی پیاری غزلیں کہی ہیں۔ اس کی گنتی کی غزلوں میں صرف چار پانچ واضح طور پر نعتیہ غزلیں ہیں۔ دو ایک نعتوں کے بیشتر اشعار تغزل کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ قلندر نے آفرینشِ کائنات کا ذکر کر کے کہا ہے کہ اس کا آغاز اور انجام حضورؐ ہی سے منسوب ہے۔ وہ حضورؐ کو سردارِ انبیاؑ کہہ کر حضورؐ کے آستانِ عالی کو زمین پر آسمان قرار دیتا ہے۔ بعض دوسرے شعرا کی طرح وہ بھی نعت میں نہ صرف اپنے بلکہ ہر فردِ بشر کے عجز کا اعتراف کرتا ہے:

آنکہ گوید بزباں حرفے ز اوصافِ ترا ہست نامحرمِ رازِ تو و بیگانۂ تو

بدرالدین فخر الزماں عرف بدر چاچ (م ۷۴۶) برصغیر میں تغلق دور کا مشہور قصیدہ گو شاعر ہے۔ یہ واضح طور پر اس لحاظ سے پہلا اور آخری شاعر ہے جس نے نعت براہِ راست کہنے کی بجائے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنی (حضورؐ کی) نعت کہلوائی ہے۔ بظاہر یہ انداز اس کی انتہائی اپج کا غماز ہے لیکن اسے بدعت ہی قرار دیا جا سکتا ہے جو اس کی کج فہمی پر دال ہے۔ اس نعت میں اس نے حضورؐ کی ذاتِ والا صفات کی برتری، حضورؐ کے نور کی اولیت اور حضورؐ کے تمام اشیا کا مظہر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس نے براہِ راست نعت بھی کہی ہے جس نے اس کی مذکورہ کوتاہی کا گویا ازالہ کر دیا ہے۔ اپنے ان چند اشعار میں اس نے حضورؐ کو بحر و بر کا شہنشاہ کہا ہے جن کے جمال سے یہ کائنات مزین ہے۔

خواجو کرمانی (م ۷۵۰) حافظ شیرازی کا پیشرو اور مقتدا۔ حافظ نے اس کے کلام سے بے حد استفادہ کیا بلکہ بعض پورے کے پورے مصرعے لے لیے لیکن اس کی بدقسمتی کہ آج حافظ کے مقابلے میں اس کی شہرت بہت کم ہے۔ خواجو نے بھی نظامی کے جواب میں خمسہ کہا، بلکہ چھ مثنویاں اس سے یادگار ہیں۔ نعت کے سلسلے میں اس نے بھی مثنوی گوئی کی مذکورہ بالا روایت کو نبھایا ہے۔ اس انتخاب میں اس کی صرف تین مثنویوں سے چند نعتیہ اشعار لیے گئے ہیں، جن میں اس نے معراج کے حوالے سے قرآنی آیات سے استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں بعض دیگر آیاتِ قرآنی اور احادیث سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ ان اشعار میں اس نے حضورؐ پر درود و سلام بھیجا ہے۔ حضورؐ کو ربِ جلیل کے خزانے کی کلید، دُرجِ خلیلؑ کے موتی، امامِ مُدیٰ، سیدِ انبیا، پناہِ رُسل اور کُن فکان کے مقصد ایسے القاب سے یاد کیا اور حضورؐ سے شفاعت کی التماس کی ہے۔

سلمان ساوجی (م ۷۷۸) اپنے وقت کا ملک الشعرا اور بہت بڑا قصیدہ گو شاعر تھا۔ اُس کی آخری عمر گوشہ نشینی میں گذری۔ اس نے جو چند ایک نعتیں لکھی ہیں وہ غالباً اسی دورِ گوشہ نشینی کی یادگار ہیں۔ اگرچہ اس کے کمالِ شاعری کا اعتراف کیا گیا ہے تاہم اس نے زیادہ تر قدیم اساتذہ کمال اسمٰعیل اور ظہیر فاریابی کے مضامین سے استفادہ کیا۔ اس کے قصیدے کے اوصاف صفائی، روانی اور تراکیب کی چُستی (جو اس کا اپنا خاص رنگ ہے) اس کی نعتوں میں عیاں ہیں۔ نعت میں اس نے مختلف صنائع سے بھی کام لیا ہے۔ بعض نئے مضامین

سے نعت کو آراستہ کیا ہے، مثلاً کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص حضورؐ کی یاد کے ساتھ بھسم کر دینے والی آگ میں بھی داخل ہو جائے تو وہ آگ اس کے لیے آبِ مصفا و شیریں کا چشمہ بن جائے گی۔ سلمان نے کہیں کہیں تغزل کا بھی سہارا لیا ہے۔ انتخاب میں شامل اس کی پوری نعت زورِ بیان کا عمدہ نمونہ ہے۔ وہ نعت میں اپنے عجز کا اعتراف اس طرح کرتا ہے کہ عقل کے بس میں نہیں کہ وہ حضورؐ کی نعت کہہ سکے اس لئے کہ اس ضمن میں حیرت کے باعث اس کے پاؤں میں رسّی پڑی ہے:

فکرم نمی رسد بصفاتت کہ وصف تو — بردست و پائے عقل ز حیرت عقال یافت
فکر ہوائی بشر کجا و کے — در بارگاہ وصف ہدایت مجال یافت

اس کی نعت میں حضورؐ کے خلقِ عظیم، جود و سخا، بخشش اور شفاعت کا تذکرہ اور تلمیحاتِ قرآنی سے استفادہ ملتا ہے:

بوئے ز گرد دامنِ لطفت دماغ باغ — در جیبِ آستینِ صبا و شمال یافت

حافظ غزل کا بہت بڑا شاعر ہے۔ اس کی پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ بقول آقائے علی دشتی ایران میں قرآنِ کریم کے بعد سب سے زیادہ چھپنے والی کتاب دیوانِ حافظ ہے۔ لیکن بڑی حیرانی کی بات ہے کہ اس کے یہاں باقاعدہ نعت نہیں ہے۔ ہاں ایک آدھ شعر اشارۃً آ گیا ہو تو وہ الگ بات ہے۔ مثلاً ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

حافظ کے دور تک فارسی کی کلاسیکی بالخصوص غزلیہ شاعری کا زبردست دور دورہ رہا۔ اس کے بعد وہ کچھ زوال پذیر ہونا شروع ہوئی۔ تاہم جامی (م ۸۹۸) نے آ کر اسے خاصا سہارا دیا۔ اس لحاظ سے وہ عظیم روایت کی حامل فارسی شاعری کا آخری ستون سمجھا گیا ہے بقول دکتر صفا وہ: "بزرگ ترین استاد سخن بعد از عہد حافظ و . . . . خاتم شعرائے بزرگ پارسی گو" ہے۔

جامی جامع کمالات شخصیت تھا۔ ایسے شاعر، ادیب، دانشور اور نامور صوفی و عارف کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ سنائی اور خاقانی کے بعد نعت گوئی میں اس کا بڑا مقام ہے۔ صوفی ہونے کے باعث حضورؐ سے اس کی عقیدت و وابستگی بہت زیادہ ہے اور یہ عقیدت و تعلق اپنے بھرپور خلوص کے ساتھ اس کی نعتوں میں جلوہ گر ہے۔ اپنے اس صدق و خلوص کا ذکر اس نے ایک جگہ اس طرح کیا ہے: ؎

جامی کجا و نعتِ تو، اما بکلکِ شوق — بر لوحِ صدق زد رقمے کیف ما اتفق

جامی کی نعتوں کو ایک تو خود اس کے حسنِ کلام کے سبب اور بعد میں قوالوں کے وسیلے سے بہت زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ اس نے حضورؐ کی عظمت، حضورؐ کی ذات کا قدیم ہونا، اور اسی قسم کے دیگر موضوعات کے علاوہ حضورؐ کے کئی معجزات کا ذکر کیا ہے مثلاً طعام کا بابرکت ہونا، ستون کا رونا اور سایہ نہ ہونا وغیرہ۔ اس کی روح پر صرف اور صرف حضورؐ ہی کی ذاتِ گرامی چھائی ہوئی ہے۔ وہ اپنی بساط کے مطابق حضورؐ کی مدح و توصیف کرنے کے باوجود خود کو اس ضمن میں بے بس پاتا ہے، جب وہ کہتا ہے ؎

حدِ ثنایش بجز خدا کہ شناسد
من کہ و اندیشۂ ثنائے محمدؐ

جامی نے اپنی نعتوں میں حضورؐ پر درود و سلام بھی بھیجا ہے۔ پھر اپنی معصیت کا ذکر کر کے حضورؐ سے شفاعت کی التجا کی ہے۔ غزلوں کے علاوہ اپنی

مثنویوں میں بھی جامی نے ایک ایک کی بجائے دو دو بلکہ تین تین بھی نعتیں کہی ہیں۔ ان میں جہاں اس کا خلوص جھلکتا ہے وہاں زورِ بیان اور دوسرے محاسن بھی واضح نظر آتے ہیں۔ اسی دور کا ایک مشہور واعظ معین الدین مسکینی (م ۹۰۷ھ) ہے جس نے چالیس برس وعظ و تذکیر میں بسر کیے۔ معارج النبوت اس کی مشہور تصنیف ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل سوانح عمری ہے۔ اس کی بدقسمتی ہے کہ اس کا کلام دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا گیا۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اس سلسلے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کی بیشتر غزلیں جن میں نعتیہ رنگ بھی ہے اس کی مذکورہ کتاب میں شامل ہیں۔ شیرانی نے اسے بلند پایہ شاعر قرار دیا ہے لیکن اس کی غزلیں اور نعتیں دیکھ کر ایسا کوئی تاثر نہیں ابھرتا، البتہ نعتوں میں سادگی اور روانی ضرور کسی حد تک ہے۔ اس کے مطابق نورِ حق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں مجسم ہو کر سامنے آیا ہے۔ اس نے احادیث اور تلمیحات قرآنی سے استفادہ کیا اور یہ کہا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کے مرہم سے نوازنے والے ہیں تو پھر زخمِ عصیاں کی تکلیف کا ہمیں غم کیوں ہو۔

راقم فارسی نعت کا انتخاب مکمل کر کے مدیر نقوش کے حوالے کر چکا اور فارسی نعت پر مقالہ لکھنے میں مصروف تھا کہ ایران میں شائع شدہ ایک کتاب "نعت حضرت رسول اکرمؐ در شعر فارسی" از سید ضیاء الدین دھشیری کا پتا چلا۔ ایک دوست سے حاصل کر کے اس کی سرسری ورق گردانی کی۔ اس میں مؤلف نے صرف ۲۹ شعرا کی نعتوں کا انتخاب دیا ہے۔ نعت پر صرف دو ایک صفحوں کا مضمون ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں، البتہ منتخب اشعار میں مندرج بعض تلمیحات وغیرہ کو تعلیقات میں بیان کر دیا ہے۔ ایک جگہ مؤلف نے لکھا ہے (اور اس کا یہی قول اِن سطور کے لکھنے کا محرک بنا) کہ مختلف عوامل کے علاوہ خاندان صفویہ ایسے خاندانوں کے برسرِ اقتدار آنے سے نعت کو رواج ملا (صفحہ ۵)۔ جہاں تک صفوی خاندان کا تعلق ہے وہ ایک خاص فرقے کے متعصب اور ظالم پیرد کاروں پر مشتمل تھا۔ اس ضمن میں ایران کے بہت بڑے محقق محمد خان قزوینی مرحوم کا وہ خط لائقِ مطالعہ ہے جسے براؤن نے اپنی مشہور کتاب "اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا" کی چوتھی جلد میں نقل کیا ہے۔ یہاں اس کے اُردو اقتباس کا اندراج بیجا نہ ہوگا:

"اس میں تو واقعی کوئی شبہ نہیں کہ عہد صفویہ میں ادب اور شعر بہت کچھ پست حالت میں تھے ..... خصوصاً صوفیوں کے ساتھ تو وہ (صفوی) ہر طرح کی زیادتی کرتے تھے اور انھیں جلاوطنی، شہر بدر، قتل، سب و شتم غرض ہر طرح کی تکلیف دیتے تھے اور اکثروں کو تو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتے تھے یا مروا ڈالتے تھے اور زندہ جلا دیتے تھے۔ یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ ہر ملک میں خصوصاً سرزمین ایران میں ادب اور شعر اور صوفیت اور تصوف کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور ان میں سے ایک کا زوال دوسرے کے زوال اور پستی کو مستلزم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ خاندان صفویہ کے عہد حکومت میں علم، تہذیب، شعر اور تصوف سرزمین ایران سے ناپید ہو گئے۔"

(تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید از پروفیسر ایڈورڈ۔ جی براؤن

ترجمہ سید تاج الدین احمد کنتوری، ناشر انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی ۱۹۳۹، صفحہ ۴۳-۴۵)

اس خاندان کے دور میں زیادہ تر مرثیہ گوئی کا رواج ہوا۔ پھر اس خاندان سے بہت پہلے سنائی خاقانی اور ان ادوار کے دوسرے شعرا کے یہاں

اور سب سے آخر میں (لیکن اس خاندان سے پہلے) جامی کے یہاں بڑی معرکے کی نعتیں ملتی ہیں، یعنی نعت ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ مؤلف مذکور نے اس سلسلے میں صفوی خاندان کو خواہ مخواہ سرٹیفکیٹ دینے کی کوشش کی ہے۔

محتشم کاشانی (م ۹۹۶) اسی صفوی دور کا بہت بڑا مرثیہ گو ہے۔ وہ بنیادی طور پر قصیدہ گو تھا۔ بادشاہ وقت نے اسے کہا کہ مداحی چھوڑ کر امامین رضؓ کے مراثی اور سلام وغیرہ کہا کرو، چنانچہ اس نے اپنی شاعری کا رخ اسی طرف موڑ دیا۔ اس کے یہاں چند نعتیہ قصیدے بھی ملتے ہیں جو اس نے یقیناً کسی کے ایما پر نہیں بلکہ اپنے جذبے کے تحت اور اپنی بخشش کے سامان کے لیے کہے ہیں۔ اس نے ایک نعتیہ قصیدے کی ردیف "آفتاب" رکھی ہے، اس میں شعر کہنا خاصا دشوار ہے لیکن اس نے اسے خوب نبھایا اور انوکھے اور نئے نئے مضامین پیدا کیے ہیں۔ اسی آفتاب کی رعایت سے اس نے خود کو ذرہ کہہ کر حضورؐ کے ظلِ ہدایت کی التجا کی ہے، اس لیے کہ اگر آفتاب رہنما نہ ہو تو ذرہ راہ گم کر بیٹھتا ہے:-

آں ذرہ است محتشم اندر پناہ تو ٭ کاویختہ بدست توسل در آفتاب
ظلِ ہدایتش بسر افگن کہ ذرہ را ٭ رہ گم شود گرش نبود رہبر آفتاب

اگرچہ اس سے قبل بھی برصغیر کے بعض شعرا کا ذکر آیا ہے لیکن وہ گنتی کے ہیں۔ مغلیہ دور میں اربابِ علم و فضل بالخصوص شعراً کی قدر دانی اور ایران میں صفویوں کے تعصب اور تنگ نظری کے باعث بہت سے ایرانی شعراً برصغیر ہجرت کر آئے، چنانچہ اب یہ علاقہ فارسی شاعری کا مرکز ٹھہرا، اگرچہ اس دور میں ایران میں بھی چند شعرا رہے لیکن بجز ایک آدھ کے اور وہ بھی اپنے مراثی کے سبب زیادہ نام نہ پا سکے۔ عرفی، نظیری، ظہوری، کلیم، قدسی وغیرہم نے یہاں آکر خوب شہرت پائی اور دولت کمائی اور فیضی تو تھے ہی یہیں کے۔ ان شعرائے نے جہاں قصیدہ اور غزل کو ایک خاص مقام بخشا وہاں نعت میں بھی انہوں نے فن کے ساتھ ساتھ حضورؐ سے اپنی عقیدت و وابستگی کا اظہار اچھوتے انداز میں کیا جس میں بھرپور خلوص کے علاوہ احساس و اعتراف عجز بھی ہے اور محبت و عقیدت اور ہیبت کے ملے جلے جذبات کا اظہار بھی، جس کی چند جھلکیاں آئندہ سطور میں نظر آئیں گی۔

عرفیؔ (م۔ ۹۹۹ھ) جو بنیادی طور پر بہت بڑا قصیدہ گو ہے لیکن اسے فخر اپنی غزل پر ہے، کیونکہ بقول اس کے قصیدہ گوئی "کارِ ہوس پیشگاں" ہے۔ بقول شبلی عرفی نے زورِ کلام کو، جس کی ابتدا نظامی نے کی تھی، کمال کے درجے تک پہنچا دیا۔ پھر طرزِ ادا کی جدت اور نئی نئی تراکیب وغیرہ اس کا خاصہ ہیں۔ اور یہ خوبیاں ہمیں اس کی نعتوں میں بھی بدرجۂ اتم نظر آتی ہیں۔ کہا گیا ہے کہ فخر، غرور، کم بینی اور خود ستائی اس کی نمایاں عادات تھیں، لیکن یہی متکبر شخص جب حضورؐ نبی کریم کی بارگاہ میں نعت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اپنی بساط بھر نعت کہنے کے باوصف خود کو اس لائق نہیں سمجھتا اور خود کو بے ادب قرار دے کر دعا کرتا ہے کہ ایسا بے ادب دنیا میں نہ رہے۔ اس کے نعتیہ قصیدے "اقبال کرم می گزد اربابِ ہمم را" کے گریز تک کے اشعار دیکھیں تو وہ آسمانوں پر اڑتا دکھائی دیتا ہے لیکن جب گریز پر آتا ہے تو اس کی حالت دیدنی ہوتی ہے، وہ خاکساری، عجز اور خوف کا مجسمہ بن جاتا ہے اور نعت گوئی کو ایک ایسا راستہ قرار دیتا ہے جو تلوار کی دھار کی طرح تیز ہے ؎ عرفی مشتاب این رہ نعت ست نہ صحراست

آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

اس کے نزدیک کے وجم کی کہنے اور حضورؐ کی نعت کہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں انتہائی شائستگی کی ضرورت ہے۔ وہ بظاہر یہ تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ عقل، حضورؐ کی نعت کا سرمایہ سمیٹ سکتی ہے لیکن نطق و رقم کو اس کے بیان اور تحریر کا یارا نہیں حقیقت میں اس کا یہ تسلیم کرنا بھی منفی پہلو لیے ہوئے ہے جب وہ کہتا ہے ؎

دانش نکشاید بسزا عقدہ نعتت
زینجاست کہ اندیشہ نگوش کرد قلم را

عرفی اپنے بے شمار گناہوں کے مقابلے میں حضورؐ کی بے پناہ رحمت کا ذکر کرکے اپنی بخشش کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خواہش اور التجا یہی ہے کہ حضورؐ اسے حق کی ہمسائیگی کی آسائش سے نوازیں، جنت وغیرہ سب کچھ اس کے لیے بیکار ہے۔ وہ حضورؐ سے اپنی مخلصانہ وابستگی کا دعویٰ کرتا ہے، اور جس انداز میں اس نے نعتیں کہی ہیں وہ اس کے اس خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اُس دور میں بھی جب مسلمان برسر اقتدار رہے۔ کفر کی چیرہ دستیاں مختلف انداز میں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔ عرفی کے لیے یہ صورت حال ناقابلِ برداشت ہے اس لئے وہ حضورؐ سے التجا کرتا ہے کہ وہ اس فتنہ کو فرو فرمائیں۔ نظامی نے مسلمانوں کے مابین نفاق ڈالنے والوں کے خلاف حضورؐ کی خدمت میں فریاد کی تھی، عرفی کفر کے خلاف فریاد کر رہا ہے۔ اور یہ بات دونوں کی اسلام دوستی اور امت مسلمہ سے وابستگی پر دال ہے ؎

دعویٰ کن نعت لائقِ توم	رُسوائے جہانِ آفرینش
دارد بعنایت تو عرفی	حرفے ز زبانِ آفرینش
برخیز کہ شود کفر بہ جاست	اے فتنہ نشانِ آفرینش

فیضی (م ۱۰۰۴ھ) اپنے دور کا بہت بڑا فاضل و دانشمند اور شاعر و عاشق رسولِ اکرمؐ۔ مُلا بدایونی نے اپنے اس محسن کے بڑے لتے لیے ہیں۔ اس نے اس پر کینہ، کبر و نخوت، خباثت، ریاکاری اور رعونت کے علاوہ حضورؐ نبی کریم کے دشمن ہونے کا الزام عاید کیا ہے۔ لیکن جب ہم اس کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو معاملہ الٹ نظر آتا ہے۔ بقول شبلی معراج نبوی صلعم کی نسبت اکثر علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ روحانی تھی لیکن فیضی اس پر راضی نہیں۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

رہِ راست برو کہ راہ کج نیست	حاجت بدلائل و حجج نیست
آں راچہ وقوف این مقام ست	کو منکر خلق و التیام ست

اسے حضورؐ سرورِ کونینؐ سے کس قدر عقیدت ہے اس کا اندازہ مذکورہ دو شعروں کے علاوہ اس شعر سے بخوبی ہو سکتا ہے ؎

بر دانشِ ما انجم و افلاک بخندند
گر صاحبِ "لولاکؐ لما" را نشناسیم

یعنی وہ حضور اکرمؐ کی شناخت ہی کو اصل دانش سمجھتا ہے اور اس شناخت کے بغیر دانش کو محض مزخرف اور وجہ تضحیک قرار دیتا ہے۔ پھر یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ جب اس نے ایک ہندو قصے "نل و دمن" کو منظوم کیا تو نعت سرورِ کونین سے اغماض برتنے

کا ایک واضح بہانہ اس کے پاس تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی وہ پیچھے نہیں ہٹا - اس نے نعت کہی ہے اور زوردار نعت کہی ہے، جو اس کے بھرپور خلوص اور حضورؐ کی ذات والاصفات سے اس کی گہری وابستگی کی غماز ہے - اس کی عام شاعری میں جو جوش بیان ہے وہ یہاں نتھرے ستھرے اور پاکیزہ انداز میں نظر آتا اور قاری پر اپنا اثر چھوڑتا ہے -

نظیری (م ۱۰۲۳ء) بھی اسی دور کا مشہور غزل گو شاعر ہے - اس نے حافظ کا رنگ اپنانے کی کوشش کی اور اس میں کامیابی کا دعویٰ کیا ہے اور شاید اسی لیے اس نے ایک نعتیہ غزل میں تغزل کا سہارا لیا ہے - اگر اس پر نعت کا عنوان درج نہ ہو تو اسے عام غزل بھی کہا جا سکتا ہے - البتہ دوسری نعت واضح ہے اور اس میں اس نے حضورؐ کے اعجاز قول، حضورؐ کے حضرت آدمؑ سے مقدم ہونے، حضورؐ کے سایہ نہ ہونے اور حضورؐ کے بے مثل یعنی انسان کامل ہونے کا ذکر کرکے خود سے کہا ہے کہ نعت اس انداز میں کہہ کہ حضورؐ کی روح اس سے شاد ہو جائے - بالفاظِ دیگر وہ اپنی اس نعت پر مطمئن نہیں ہے اگرچہ اس پر اس نے بڑا زور مارا ہوگا -

جان محمد قدسی (م ۱۰۵۶) شاہجہانی دور کا مشہور قصیدہ گو - اس کی نعت "مرحبا سید مکی مدنی العربی ..." کو جو شہرت و پذیرائی ملی وہ یہاں کی کم ہی فارسی نعتوں کو میسر آئی ہے - اس میں اس نے ایک بھولے بھالے معصوم سے انسان کی سی سادگی کے ساتھ حضورؐ کی چند صفات کا ذکر کرکے اپنے عاصی ہونے کا اقرار کیا اور حضورؐ سے شفاعت کی التجا کی ہے - اس نعت میں کوئی لفظی بازی گری اور کوئی مضمون آفرینی کا چکر نہیں بس ایک انتہائی ادنیٰ انسان ایک انتہائی عظیم و اکمل ذات گرامی کے حضور دست بستہ کھڑا گویا درخواست پیش کر رہا ہے :

سیدی انتَ حبیبی و طبیبِ قلبی
آمدہ سوی تو قدسی پے درمان طلبی

اگرچہ اس نعت میں کہیں کہیں عربی الفاظ بھی ہیں لیکن ایک تو وہ مشکل نہیں ہیں دوسرے ان کی وجہ سے نعت میں ایک خاص وجد آور سماں بندھ گیا ہے اور شاید یہی بات اس کی پُرتاثیری کا سبب بنی ہے -

اسی دور کا مسیحا پانی پتی بظاہر کوئی بڑا شاعر نہیں ہے لیکن اس کی مثنوی رامائن کے اس نعتیہ شعر کو بیحد شہرت حاصل ہے :

دل از عشق محمدؐ ریش دارم
رقابت با خدائے خویش دارم

اس نے حضورؐ کو آئینہ خدا نما کہا اور حضورؐ کی عظمت کا ذکر کرکے رحمت مجسم کے لقب سے حضورؐ کو یاد کیا ہے - وہ نعت میں اپنے انتہائی عجز کا اعتراف کرتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ یہ جائے ادب ہے، یہاں ہونٹ بند رکھو - اس کا یہ شعر ـــ

خدا نعتِ محمدؐ داند و بس ‏ ‏ نیاید کار یزداں از دگر کس

غالب کی مشہور نعت کی جان بن گیا ہے :

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم ... الخ

غنیمت کنجاہی (م ۱۱۱۰) اُس دور کا شاعر ہے جب برصغیر کے فارسی گو شعرا سبک ہندی (تازہ گوئی نئے نئے مضامین پیدا کرنا نئی نئی تراکیب و تشبیہات وغیرہ سے استفادہ کرنا) کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے۔ غنیمت کے یہاں بھی یہ رنگ پوری طرح کارفرما ہے، تاہم اس کی نعت میں سادگی اور جذبے کا خلوص ہے۔ اپنی مثنوی میں جسے اس کے دیوان کی نسبت زیادہ شہرت حاصل ہے، نعت کہتے وقت اس نے حضورؐ کی عظمت، شفاعت اور آستان عالی کا ذکر تشبیہات و استعارات میں کرکے آخر میں حضورؐ کے لطف و کرم، توجہ و عنایت اور دیدار کی التجا کی ہے۔ کہتا ہے کہ یہ جان کر کہ آپ کا دیدار روز قیامت ہوگا، میرا دل گداز ہوگیا ہے اس لئے کہ قیامت تو بڑی دور ہے، لہٰذا ؎

بباغ جلوہ سروِ خود برافراز   سرت گردم قیامت جلوہ گر ساز

اس کے نعتیہ قصائد بھی سادہ انداز میں ہیں۔ ان میں ایک جگہ اس نے یہ نیا مضمون پیدا کیا ہے کہ آسمان پہ روشنی سورج اور چاند کے طفیل نہیں ہے بلکہ یہ تو حضورؐ کے سجدوں کی روشنی ہے جس نے آسمان کو منور کر رکھا ہے۔ وہ عرضِ حال کرنا چاہتا ہے لیکن حضورؐ کی بارگاہ یکسر پا ادب گاہ ہے، وہ کھل کر دل کی بات کہنے کو گستاخی جانتا ہے۔ اس نے اپنے نفس سیہ کار سے نجات کے لیے حضورؐ سے استدعا کی ہے۔

اسی دور کا ایک اور شاعر میرزا داراب بیگ جویا ہے، جو بڑے شاعروں میں تو شمار نہیں ہوتا لیکن اس نے بھی نعت میں نئے نئے مضامین نکالنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ حضورؐ کے حلم سے بوجھ ہی نے زمین کو تمکین و قرار سے نوازا ہے جبکہ حضورؐ کی خاک پاک کے طواف کے شوق نے آسمان سے آرام و سکون چھین لیا ہے، اسے حُسنِ تعلیل کا ایک اچھا شعر کہا جاسکتا ہے۔

بارِ حلم او زمین را دادہ تمکین و قرار
بردہ شوق طوفِ خاکِ پاکش آرام از سما

عبدالقادر بیدل (م ۱۱۳۳ھ) سبک ہندی کا مشہور شاعر جس کے یہاں بہت زیادہ دقت پسندی اور مضمون آفرینی ہے۔ اقبالؒ نے اس کی بہت تعریف کی اور اس بات کا افسوس کیا ہے کہ اسے صحیح طور پہ سمجھا نہیں گیا اور نہ اس سے اعتنا ہی کیا گیا ہے، اس کی غزلیات میں چونکہ واضح طور پہ نعت نہیں ملتی اس لئے اس کی دو مثنویوں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ اس انتخاب میں بھی اس کی مضمون آفرینی اور جدت تراکیب نمایاں طور پہ جلوہ گر ہے۔

میر سید علی مشتاق اصفہانی (م ۱۱۷۱ھ) ایران کا ایک معروف شاعر ہے۔ اس کا تعلق ان ایرانی شعرا کے گروہ سے تھا جنہوں نے سبکِ ہندی (جسے برصغیر کے شعرا نے چیستان کا مظہر بنا کے رکھ دیا تھا) کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا اور پھر سے قدیم اساتذہ کی سادگی وغیرہ اپنانے کی طرف قدم اٹھایا۔ اس کی نعتوں میں جو قصیدے کی صورت میں ہیں، فنی طور پہ عمدہ قصیدوں کی خوبیاں موجود ہیں۔ اگرچہ اس کی منتخبہ نعت میں قافیہ کسی حد تک ادق ہے تاہم بیانِ مضامین کے لحاظ سے وہ سادگی کی حامل ہے۔ اس نے حضورؐ کی عظمت کے علاوہ بخشش و سخاوت، لطف و کرم اور خلق و احسان کے بارے میں اچھوتے رنگ میں اظہار خیال کیا ہے۔ تلمیحات قرآنی سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس نے یہ نیا مضمون پیدا کیا ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام اگرچہ نور ہیں لیکن حضورؐ سے

اُن کی نسبت ذرہ اور خورشید یا چراغ اور مشعل کی نسبت ہے ؎

ہمہ نورند وے نسبتشان ہست بتو
نسبت ذرہ و خورشید و چراغ و مشعل
سرِ کوے تو بہشت است کہ یابند دراو
عاشقان چاشنی صحبتِ معشوقِ ازل

وہ بھی نعت میں اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے۔ یہ وہ وادی ہے جہاں سیکڑوں افلاطونوں کی قوتِ فکر و شعور بھی چلنے سے عاجز ہے، پھر میں کیا اور میری بساط کیا ؎

من کہ باشم خود و آنگاہ چہ باشد سخنم — تا شوم مدح سرائے تو بایں لیت ولعل
کہ بوادی ثنائے تو صد افلاطون را — پائے اندیشہ بود با ہمہ سرعت اجل

آخر میں وہ اپنے غم و درد کا ذکر کرکے حضورؐ نبی کریمؐ سے ان غم و آلام سے نجات دلانے کی التجا کرتا ہے۔

حزیںؔ (م ۔۔ ۱۱۸۰ھ) ایرانی شاعر ہے۔ اس نے اپنے قصائد، غزلیات اور مثنوی وغیرہ میں جہاں بھی اسے موقع ملا ہے، حضورؐ سے اپنی عقیدت و وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ اس نے بھی دیگر شعرا کی طرح حضورؐ کی عظمت و رفعت، خلق عظیم اور دیگر موضوعات کو لیا اور اس آرزو کا اظہار کیا ہے کہ محشر میں وہ حضورؐ کے جھنڈے تلے اپنے خمیدہ قد کو سیدھا کھڑا کر سکے ——— قد ہی سے متعلق جناب احمد ندیمؔ قاسمی کا یہ نعتیہ شعر بڑا اچھوتا، دلکش اور ایک خاص تاثر کا حامل ہے ؎

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

حزیں، حضورؐ کی غلامی کو اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتا اور اس غلامی کے طفیل خود کو "خورشید مکاں" جانتا ہے:

؎ از داغِ غلامی تو خورشید مکانم — نام از تو علم شد من بے نام ونشاں را

قاآنی (م ۱۲۷۰ھ) آخری دور کا بہت بڑا قصیدہ گو شاعر۔ اساتذۂ قدیم کے رنگ کو اس نے اچھوتے انداز میں اپنایا ہے تشبیہات و استعارات کی جدت، روانی و موسیقیت، صنائع بدائع کا حسن اور قدرتی استعمال اور زورِ بیان اس کی خصوصیات ہیں۔ نعتوں میں خلوص جذبات اور مذکورہ شعری خوبیوں نے ان کے زیادہ سے زیادہ انتخاب پر مجبور کیا۔ ان نعتوں میں الفاظ بولتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ مسلسل کئی کئی شعروں میں نئے نئے اور زوردار القاب لاتا ہے جن میں حضورؐ کی ذات والا صفات کی تمام خوبیاں سمٹی ہوتی ہیں۔ بعض جگہ چند اشعار میں محض القاب لاکر اگلے دو تین شعروں میں کوئی بات کہتا ہے اور یہ سلسلہ کچھ دور تک چلتا ہے۔ ہر نعتیہ قصیدے میں نئے نئے القاب لاتا ہے۔ باتیں اس نے بھی وہی کی ہیں جو دوسرے شعرا کے یہاں ملتی ہیں لیکن اس کے انداز میں ایک خاص دلکشی بھی ہے اور تاثیر بھی۔ وہ حضورؐ اکرم سے عقیدت و وابستگی کا اظہار اور معجزات کا ذکر عام ڈگر سے ہٹ کر کرتا ہے۔

حُبِ تو گر عدوست بجان میخرم مُدام — مہرِ تو گر بلاست بدل می برم بلا

نفسِ بسیط، عقلِ مجرد، روانِ صرف   مصباحِ فیض، راحِ روان، روحِ اتقیا
مصداقِ روح، معنیٔ نوح، مظہرِ قلم   نورِ ازل، چراغِ ابد، مشعلِ بقا

وہ اپنی شاعرانہ عظمت کا بڑے ٹھسّے سے ذکر کرتا ہے، لیکن جب حضورِ اکرمؐ کا ذکر آتا ہے تو اپنی اس تمام عظمت کو ہیچ و حقیر اور ناچیز قرار دیتا ہے۔ خود سے کہتا ہے کہ اس عظمت کے باوصف تجھے درود و ثنا کی مجال نہیں اور نہ تیری شاعری کو قبولیت میسر ہے ؎

لیکن ترا مجالِ بیان نیست در درود   لیکن ترا قبولِ سخن نیست در ثنا

قرآنی تلمیحات سے استفادہ کے علاوہ اس نے نعت گوئی میں اپنے عجز کا مختلف انداز میں اعتراف کیا اور حضورؐ کی ذاتِ اقدس کو، جسے خود خدا نے تعریف کے لائق کہا ہے، نعت و ثنا سے بے نیاز بتایا ہے:

ذاتِ تو سرفراز بہ تمجیدِ ذوالمنن
نفسِ تو بے نیاز ز تقدیسِ اصفیا

اسد اللہ خاں غالب دہلوی (م ۱۸۶۹ء) اردو کا مشہور شاعر جسے اپنی فارسی شاعری پر ناز ہے۔ اس کا یہ نعتیہ مقطع جس کا مضمون اساتذہ کے کلام سے ماخوذ اور جو واضح طور پر مسیحا پانی پتی کے یہاں نظر آتا ہے، شہرتِ عام حاصل کر چکا ہے ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اس نے نعت گوئی میں اپنے عجز کا اعتراف انوکھے انداز میں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ کہتا ہے: میں حضورؐ کی مدح و ثنا کرنا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں میرا دامن گوہر ہائے شاہوار سے پر ہے۔ ہزاروں شعر کہتا ہوں، ہر لفظ کا قافیہ سیکڑوں جگہ استعمال کرتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتوں کے باوجود حضورؐ کی نعت کہنے میں بے بس ہوں۔ اور اس کی وجہ حضورؐ کا ادب ہے۔ اس کے سامنے نعت کہنے کا حوصلہ جاتا رہتا ہے (یعنی اپنی طرف سے پوری طرح نعت کہتے ہوتے بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی کمی رہ گئی) اسی لیے قلم دوات چھوڑ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوں ؎

اما ادب کہ قاعدہ دانِ بساطِ تست   داد از نہیبِ حوصلہ آزرما فشار

گرامی جالندھری (م ۱۹۲۷ء) نے صرف دو تین نعتیں غزلوں کی صورت میں کہی ہیں جبکہ چند نعتیہ اشعار مثنوی کی شکل میں ہیں۔ اس نے لفظوں کی تکرار سے دلکشی اور حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے خود کو حضورؐ کا حلقہ بگوش کہا اور روزِ محشر حضورؐ کا دامن تھامنے اور حضورؐ کی نظرِ شفاعت کی تمنا کی ہے۔ وہ خود کو حضورؐ کی نعت کہنے کے لائق نہیں سمجھتا ؎

این چہ شوخیست وایں چہ بے ادبی   من و نعتِ محمدِؐ عربی؟

اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) عاشقِ رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی نعت کا انداز دوسرے تمام فارسی شعرا سے الگ اور منفرد ہے۔ جس شخص کا یہ حال ہو کہ حضور نبی کریمؐ کا اسم مبارک سنتے ہی اس کی آنکھیں تر ہو جاتی ہوں، وہ جب حضورؐ کی شان میں کچھ کہے گا تو ظاہر

ہے پوری طرح ڈوب کر کہے گا۔ ڈوب کر کہنے کی کیفیت تو بہر حال اور بھی بعض شعرا میں نظر آتی ہے لیکن اقبال نے حضورؐ کی خدمت اقدس میں ذات کے علاوہ ملت کے حوالے سے جس انداز میں گزارشات کی ہیں، دوسروں کے کلام میں، بجز نظامی گنجوی اور وہ بھی مختصراً، وہ انداز نظر نہیں آتا۔ وہ حضورؐ کی ذات والا صفات کو سراپا دین قرار دیتا ہے ؎

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

ارمغان حجاز کا باب "حضورِ رسالتؐ" اس کی حضور اکرمؐ سے والہانہ وابستگی و عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس باب میں شامل رباعیات و قطعات میں کہیں حضورؐ سے لطف و کرم کی نگاہ کی التجا ہے تو کہیں ملت کے درد کے حوالے سے ملت میں پہلا سا جوش و ولولہ اور غیرت و فقر پیدا کرنے کی التماس ہے، لادینی کے خلاف شکوہ ہے جس نے مادیت پرستی کو رواج دے کر روحانیت کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ کہیں وہ اپنے ہمنفس سے کہ وہ بھی اس کی طرح حضورؐ کی شان جمال کا عاشق وارفتہ ہے، مخاطب ہو کر حضورؐ کے مبارک قدموں پہ آنکھیں ملنے کی آرزو کا اظہار کرتا ہے، اور کہیں بالواسطہ یہ کہتا ہے کہ دنیا و آخرت میں میرے لیے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سب سے بڑی دولت ہیں، حضورؐ کے علاوہ خدا سے مجھے کچھ اور مانگنے کی ضرورت نہیں۔ اس حصے میں انتہائی احترام و نیازمندی نمایاں ہے ؎

دگر گوں کرد لادینی جہاں را   ز آثارِ بدن گفتند جاں را
ازاں فقرے کہ با صدیقؓ دادی   بشورے آور ایں آسودہ جاں را

بیا اے ہمنفس باہم بنالیم   من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے برمرادِ دل بگوئیم   بپائے خواجہؐ چشماں را بمالیم

خرابِ جرأتِ آں رندِ پاکم   خدا را گفت مارا مصطفیٰ بس

مثنوی "پس چہ باید کرد"۔ کا آخری حصہ "درحضور رسالت مآبؐ" کے عنوان سے ہے اس میں اقبالؒ نے اپنی بیماری کا ذکر کر کے حضرت بوصیریؒ کی طرح بیماری سے نجات چاہی ہے۔ یہ اشعار سوز و گداز کی مجسم تصویر ہیں۔ ہر ہر شعر اور ہر ہر لفظ میں عشق و محبت اور وارفتگی و شیفتگی نظر آتی ہے۔

جیسا کہ ملاحظہ ہوا تمام شعرا نے نعت گوئی میں مضمون آفرینی اور دوسری فنی و ادبی خوبیوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور احترام و عقیدت کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ واضح ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا شاعر بھی صحیح معنوں میں اس وقت تک نعت گوئی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک حضورؐ سے واقعی محبت نہ کرتا ہو۔ طرز بیان میں تو فرق ہو سکتا ہے، لیکن اس سلسلے میں خلوص گویا قدرِ مشترک ہے اور انتخاب ہذا میں یہ قدر مشترک ہر جگہ نظر آئے گی۔ اکثر شعراء نے نعت گوئی میں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے جنہوں نے براہ راست اعتراف نہیں کیا ان کے یہاں بین السطور میں نظر آئے گا۔ اس اعتراف کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضورؐ کی حدِ ثنا سے صرف اللہ جل جلالہٗ ہی آگاہ ہے۔ ان نعتوں میں سیرتِ طیبہ کے علاوہ حضورؐ کے معجزوں کا ذکر ہے حضورؐ کی عظمت اور خلقِ عظیم کا تذکرہ ہے، اس بات پہ زور ہے کہ حضورؐ کا نور نورِ اولیں ہے یعنی کائنات بعد میں وجود میں آئی

اور وہ بھی حضورؐ ہی کی ذات اقدس کے صدقے یہ کہا گیا ہے کہ حضورؐ سے پہلے اگرچہ لاکھوں انبیا علیہم السلام تشریف لائے لیکن ان سب کی سرداری و برتری حضورؐ ہی کے لیے مختص ہے۔ حضورؐ خاتم النبیین ہیں۔ ان نعتوں میں اسی طرح کے دوسرے موضوعات کے علاوہ اپنے گناہوں کا ذکر اور حضورؐ سے روز حشر شفاعت کی التجا کا موضوع بھی ملے گا۔ بعضوں نے تو اپنے گناہوں کے سبب خوف زدہ ہونے کے بجائے، محض اس بنا پر خاطر مطمئن ہونے کا اظہار کیا ہے کہ جب حضورؐ شفیع المذنبین ہیں تو پھر حضورؐ خود ہی اپنی شفاعت سے انھیں ہر طرح کے عذاب سے نجات دلا دیں گے۔ بعض اہل درد نے امت مرحومہ میں نفاق ڈالنے والوں پر تنقید کرتے ہوئے حضورؐ سے مداخلت کی التجا کی ہے۔

جن شعرا نے نعت کے لیے قصیدہ کی صنف سے استفادہ کیا ہے انہوں نے قصیدے کے شروع میں حسبِ دستور تشبیب وغیرہ لاکر اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے لیکن گریز کے بعد جب وہ نعت کی طرف آئے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے ان پہ ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی ہے جس میں احترام، عجز اور ہیبت کے ملے جلے جذبات ہیں۔ غزل گو شعرا نے کہیں کہیں نعت میں بھی تغزل کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے، جو فنی طور پہ تو ایک خوبی قرار پا سکتی ہے، لیکن معنوی طور پر کچھ عجیب سی بات لگتی ہے اس لیے کہ ہمیں کہا گیا ہے ؏

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ نعت کا فنی ارتقا تو ہوا ہے کہ اس کا تعلق شاعری سے ہے یعنی جس طرح فارسی شاعری فنی طور پر ارتقاپذیر ہوتی چلی گئی نعت میں بھی اس کا اثر آتا چلا گیا، لیکن معنوی طور پر اس میں کوئی ارتقا نہیں ہوا اور نہ یہ موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں ارتقا کی بات ہو۔ حضورؐ کی مدح و تعریف، حضورؐ کے معجزوں اور حضورؐ کی سیرت کا بیان یہی وہ اہم موضوع ہیں جو ہر دور کے شعرا کے پیش نظر رہے ہیں، جن کی کچھ تفصیل اس مقالے میں نظر آئے گی۔ اسی لیے راقم نے مختلف ادوار کو سامنے رکھنے کی بجائے شعرا کا ذکر ان کی تاریخہائے وفات کی ترتیب سے کیا ہے۔ مقالے کی طوالت کے خوف سے بعض شعرا کی نعتوں سے (جن کا انتخاب شامل ہے) بحث نہیں کی گئی۔

(۲)

شعروں کا انتخاب ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ ہر قاری کا اپنا الگ مزاج ہوتا ہے۔ کوئی ایک رنگ کا شعر پسند کرتا ہے تو کوئی دوسرے رنگ کا۔ یہ صورتِ حال انتخاب کرنے والے کے لیے خاصی مشکل کا سامان کرتی ہے۔ تاہم چونکہ اس انتخاب کا صرف ایک موضوع ہے ـــ نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ـــ اور اس موضوع سے متعلق ہر شعر ہمارے لیے تبرک کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اس میں ایسی صورتِ حال کے پیدا ہونے کا امکان کم ہی ہے۔

فارسی شعر میں نعت کا سرمایہ بہت زیادہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ انتخاب "مشتے نمونہ از خروارے" ہی کہلائے گا۔ سب سے پہلی بات یہ کہ یہاں صرف ان شعرا کا انتخاب پیش کیا گیا ہے جن کے کلیات و دواوین مطبوعہ صورت میں دستیاب ہیں۔ پھر ان کی تمام تصانیف کو بھی پیش نظر نہیں رکھا گیا کہ اس صورت میں ضخامت بڑھ جانے کا خدشہ تھا۔ مثلاً اگر خسرو کی تمام مثنویات سے نعتیہ اشعار لیے جاتے۔ جن کی تعداد آٹھ نو کے قریب ہے تو یوں صرف ایک شاعر کے سیکڑوں اشعار آجاتے۔ یہی معاملہ جامیؒ کا ہے۔ جامیؒ

اُردو نعت ۔ص ۱۳۵) نمونہ ملاحظہ ہو ؎

جوسا آرسی وحدت جان　　جسم محمد اسے پہچان
ایک عکس اوس ہاں جو ہوئے　　قلب محمدؐ کا ہے سوئے
ایک عکس پھر ایک عکس جو پائے　　یہی ابوالارواح کہائے
شل محمدؐ ہوئے نہ کوئے　　سب اس کی تفصیل سو ہوئے

(مضمون افسر صدیقی امروہوی مطبوعہ ماہ نو سیرت رسولؐ نمبر
جولائی / اگست ۱۹۶۳ ص - ۱۱۱)

اُردو نعت کا باقاعدہ آغاز گیارھویں صدی میں ہوا، جب بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد قطب شاہی سلطنت کا قیام عمل میں آیا۔ اس دور میں اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۷۳ھ تا ۱۰۲۰ھ) نے نعت کی مستقل حیثیت متعین کی اور نعتیہ غزل کے ساتھ ساتھ نعتیہ رباعیاں بھی پہلی بار لکھیں۔ نعت سے شغف کا یہ عالم تھا کہ بیشتر غزلوں کے مقطعے بھی نعتیہ ہیں۔ پانچ باقاعدہ نعتیہ غزلوں کے علاوہ "عید میلادِ نبیؐ" پر چھ نظمیں" عید بعثتِ نبیؐ" پر پانچ نظمیں" شب معراج" پر ایک نظم اور کئی نعتیہ رباعیات بھی ملتی ہیں۔ سلطان قلی قطب کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت تھی اور اس کے عہد میں ہر سال جشن میلادالنبیؐ منایا جاتا تھا۔ نمونہ کلام ؎

غزل کا مطلع:　اسم محمدؐ تھے اہے جگ میں سو خاقانی مجھے　　بندہ نبیؐ کا جم رہے ہستی ہے سلطانی مجھے

غزل کا مطلع:　چاند سورج روشنی پایا تمارے نور تھے
آبِ کوثر کو شرف تھڈّی کے پانی پور تھے

رباعی:　جیتا توں دل دجیو سوں قرآن دیکھے
احمدؐ کے سوحق پر توں سب احسان دیکھے
دیکھ حلقۂ خاتم النبیین میں توں
دل بین سوں تا اضیع رحمان دیکھے

(اُردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ص ۱۳۳، ۱۳۵)

اسی دور کے پنجابی گو شعرا میں سے حضرت سید حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری (۹۵۹ھ تا ۱۰۶۴ ہجری، مدفون ساہنپال ضلع گجرات، پنجاب) کا اُردو کلام بھی اب چھپ چکا ہے، جس میں نعتیہ رسالہ "رسول پروان" شامل ہے۔ اس رسالے کے دو دوہے نمونے کے طور پر درج کئے جاتے ہیں ؎

کلمہ نور رسولؐ کا سن پیارے سچیار　　حضرت نور اللہ کا نوشہ کہے پکار
پیغمبر درگاہ سوں پہنچا دے پیغام　　مرشد پاک رسولؐ کی ہوئی ہے کلام

(گنج شریف اُردو۔ مرتبہ سید شرافت نوشاہی مرحوم)

اس صدی میں مثنوی میں نعتیہ اشعار لکھنے کا رجحان بڑھتا گیا اور نور نامہ، مولود نامہ، معراج نامہ وفات نامہ کے ساتھ ساتھ منظوم سیرت نگاری کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔

ا۔ مثنویوں میں نعتیہ عنصر

تصنیف	شاعر	سن تصنیف	کیفیت
قطب مشتری	ملا وجہی	۱۰۱۸ھ	۲۶۔ ابیات نعت اور ۴۴ ذکر معراج میں ہیں آخر میں حضور کی شانِ شفاعت اور محبوبیت کا تذکرہ ہے۔
سیف الملوک وبدیع الجمال	غواصی	۱۰۳۵ھ	۲۱ اشعار نعتیہ ہیں
طوطی نامہ	غواصی	۱۰۴۹ھ	۲۴ اشعار نعتیہ ہیں
پھول بن	ابن نشاطی	۱۰۷۶ھ	۲۹ " " "
علی نامہ	نصرتی	۱۰۷۶ھ	۱۲۰ " " "
گلشنِ عشق	نصرتی	علی عادل شاہ کے دربار کا ملک الشعراء	نعتیہ اشعار کی تعداد ۱۳۷ ہے جو بجائے خود ایک نعتیہ مثنوی بھی جا سکتی ہے۔
قصہ بہرام وگل اندام	طبعی	۱۰۸۱ھ	

ب۔ مولود نامے

تصنیف	شاعر	سن تصنیف	کیفیت
مولود نامہ/تولد نامہ	عبدالملک بھروچی	۱۰۰۹ھ	شاعر کا دعویٰ ہے مولود حضرتؐ کے لکھے ہیں میں حدیثوں سے آثار سن کر اسے کچھ خبر کر جو تجھ دیا پروردگار
تولد نامہ	ابن گجراتی	بحدود ۱۰۰۹ھ	اڑھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے
مولود نامہ	عبداللطیف	۱۰۷۴ھ	
مولود نامہ	مختار	۱۰۹۰ھ	
مفید الیقین (مولود نامہ)	فتاحی	۱۰۹۵ھ	واقعات مستند نہیں
مولود نامہ	شاکر	۱۱۰۰ھ	
مولود نامہ	قاسم	-	بارہ مجالس پر مشتمل ضخیم مثنوی

ج۔ وفات نامے

تصنیف	شاعر	سن تصنیف
وفات نامہ	عبداللطیف	۱۰۷۴ھ
وفات نامہ	عالم گجراتی	۱۰۸۷ھ

د۔ معراج نامے

معراج نامہ	سید بلاقی	۱۰۵۶ھ	
معراج نامہ	معظم بیجاپوری	۱۰۸۰ھ	
معراج نامہ	مختار	۱۰۹۴ھ	
معراج نامہ	سید میراں ہاشمی	۱۰۹۹ھ	

۶۔ نورنامہ

نورنامہ	احمد	۱۰۸۹ھ	

و۔ منظوم سیرت

قصۂ بے نظیر	صنعتی	۱۰۵۵ھ	حضرت تمیم انصاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ قصہ ذاتِ رسالتؐ کے گرد گھومتا ہے۔
قصص الانبیأ	قدرتی	۱۰۹۵ھ	۲۱۔ انبیاء کرام کا تذکرہ ہے۔ حضورِ اکرمؐ کا ذکر ہجرتِ حبش تک ہے۔

اس صدی کے شاہ ہاشم حسنی (المتوفی ۱۰۵۹ھ) کی جکریاں، عبداللہ قطب شاہ کی غزلوں میں نعتیہ شعر اَور شاہ امین الدین (المتوفی ۱۰۷۶ ہجری) کے نعتیہ دوہڑے بھی ملتے ہیں۔

بارھویں صدی ہجری اُردو زبان کے مجدد، ولی دکنی (المتوفی ۱۱۱۹ ہجری) کے جلو میں طلوع ہوئی اَور بقول ڈاکٹر ریاض مجید، جس طرح وَلی کی شاعری جنوبی ہند اور شمالی ہند کی شعری روایات اور زبان وبیان کے اسالیب کے درمیان ایک واضح حدِ فاصل قائم کرتی نظر آتی ہے، اِسی طرح ولی کے نعتیہ اشعار اردو نعت کے ارتقائی سفر میں ایک نئی منزل کی نشاندہی کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ وَلی کا نعتیہ سرمایہ ان کی غزلوں اور قصیدوں سے لے کر رباعیوں، مخمس اور مستزاد پر مشتمل ہے، جو ان کے مخصوص رنگ (ریختہ) کی ترجمانی کرتا ہے (مقالہ "اُردو نعت" ص ۱۶۸) ولی کے دیوان میں چھ مدحیہ قصائد ہیں، جن میں ایک حمد، نعت، منقبت، موعظت میں ہے، دوسرا نعت رسولؐ میں ہے، تیسرا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی منقبت ہے، چوتھے میں بیت الحرام کی مدح ہے، پانچواں حضرت میراں محی الدین کی مدح میں ہے اور چھٹے میں حضرت شاہ وجیہ الدین کی مدح سرائی کی ہے۔ وَلی کو نعت سے خصوصی شغف ہے اَور اُس کی ساری امیدیں بارگاہِ رسالت سے وابستہ ہیں۔ اپنے قلبی تعلق کو یوں ظاہر کرتے ہیں ؎

ہم کوں شفیعِ محشر وہ دیں پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذرِ گناہ بس ہے

(کلیاتِ ولی، مرتبہ انجمن ترقی اُردو ۱۹۲۷ء ص ۲۷۴)

نعتیہ قصیدے کا ابتدائی رنگ دکھانے کے لیے وَلی کے نعتیہ قصیدہ کے کچھ شعر درج کئے جاتے ہیں:

عشق میں لازم ہے اوّل ذات کوں فانی کرے　　ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے
یا محمدؐ دو جہاں کی عید ہے جھ ذات سوں　　خلق کوں لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے
جس مکاں میں ہے تمہاری فکرِ روشن جلوہ گر　　عقل اوّل آ کے واں اقرارِ نادانی کرے
دیکھ طوبیٰ قد ترا جنبش میں آدے شوق سوں　　جب گلستانِ ارم کی تو خرامانی کرے
عارفاں یوں یں گے جان و دل سوں لاکھوں آفریں　　جب ولی تیری مدح میں گوہر افشانی کرے

(کلیاتِ ولی۔ ص۔ ۳۶۰ تا ۳۶۱)

قاضی محمود بحری (المتوفی ۱۱۳۰ ہجری) کی صوفیانہ شاعری میں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ان کے کلیات میں ایک غیر منقوط نعت بھی موجود ہے، جس کے دو شعر نمونے کے طور پر درج کئے جاتے ہیں ؎

محمدؐ گر مدد ہو گا ہمارا　　ہر کل دکھ درد رَد ہو گا ہمارا
موحد کا معما کھول محمودؔ　　اور احمدؐ گر احد ہو گا ہمارا

(کلیاتِ بحری، مرتبہ ڈاکٹر محمد حفیظ سید ص ۲۷)

سید محمد فراقی بیجاپوری (المتوفی ۱۱۴۴ ہجری) تا دم آخر نعت، منقبت اور مرثیہ لکھتے رہے۔ غزل کے انداز میں اُن کی ایک نعت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے ؎

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا　　محمدؐ کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا
عبث خوباں کی گلیوں مِنے کرتو عمر صرف اے دل　　مدینے کی زیارت کو گیا ہوتا تو کیا ہوتا
نظر ہے علمِ منطق ہور معانی میں فراقی کو　　اگر علمِ حدیثِ مصطفےٰ ہوتا تو کیا ہوتا

(دکن میں اردو۔ ص ۲۹۱-۲۹۲)

مغلوں کے زوال کے بعد مسلمانوں پر ابتلا کا دَور شروع ہوا تو نعت میں فریاد کا عنصر بھی شامل ہُوا۔ پنجاب کے ایک صوفی شاعر جانی (بحدود ۱۱۲۸ ہجری) کی مناجات میں نبی اکرمؐ سے فریاد کا ادغام دیکھیے ؎

مجھے غفلت دبایا ہے　　ضلالت راہ بھلایا ہے
گناہاں پا ئیا گھیرا　　الٰہی آسرا تیرا
نبیؐ جی آسرا تیرا

(پنجاب میں اردو ۴۶۳ / ۴۶۴)

شیخ محمد فاضل الدین بٹالوی (المتوفی ۱۱۵۱ ہجری) کی ایک نعتیہ نظم میں مسلمانوں کا تہذیبی اور معاشرتی کرب نمایاں ہے اور ردیف نے نظم کو استمداد کا رنگ دے دیا ہے ؎

ناہیں مرا چھٹ تم کوئی انظر بحالی یا نبیؐ　　ہے رین دن غفلت کی پڑی انظر بحالی یا نبیؐ

فریاد کرتا ہر گھڑی انظر بحالی یا نبیؐ
فاضل پکارے رین دن، اشفع شفیع المذنبین

اسی صدی میں مرزا محمد رفیع سودا (المتوفی ۱۱۹۵ھ) کا نام آتا ہے جو شمالی ہند کے شاعروں میں پہلے ممتاز شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ ولی سے سودا تک کا فاصلہ ہماری شاہراہِ ادب پر ایک پوری منزل کا حکم رکھتا ہے۔ اس عرصہ میں جو تبدیلیاں زبان و بیان میں ہوئیں اُن کا مجموعی تاثر سودا کے نعتیہ قصیدے میں بدرجۂ امتیاز نمایاں ہے، اور ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کے بقول "اس قصیدے کو شمالی ہند میں اُردو کی باضابطہ نعتیہ شاعری کا ابتدائی نمونہ کہا جا سکتا ہے"۔ قصیدے کی تشبیب کو اخلاقی مضامین سے سنوار کر نعت کی تمہید کو مدح سے ہم آہنگ کیا ہے۔ گریز کی صورت بھی حُسنِ مذاق کی اچھی مثال ہے، یعنی اس میں عشقِ مجازی سے بیزاری کا اظہار ہے اور اس کفر کو دل سے نکال کر دینِ محمدی میں داخل ہونے کی تلقین ہے ؎

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرنا ہے تکلیفِ مسلمانی

اس کے بعد دینِ محمد کی تعریف کے ساتھ نعت کا مضمون شروع ہو جاتا ہے ؎

زہے دینِ مُحمّد پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاکِ قدم سے اُس کی چشمِ عرش نورانی
ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو گر اس کی
امانت دارِ نورِ احمدی ہوتی نہ پیشانی

(اُردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق۔ ص ۸۳)

اس صدی میں منظوم سیرت نگاری کو بامِ عروج تک پہنچانے والوں میں نوازش علی شیدا اور مولانا محمد باقر آگاہ (المتوفی ۱۲۲۰ ہجری) کے نام بہت نمایاں ہیں اس صدی کی سیرتی تصانیف کی فہرست نیچے دی جاتی ہے، جس کا مدار ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالے "اردو نعت" پر ہے کہ اس میں بیشتر تذکروں میں مذکور تصانیف شامل کی جا چکی ہیں۔

نام تصنیف	مصنف	سن تصنیف	کیفیت
نور نامہ	عنایت شاہ قادری	۱۱۱۱ ہجری	۱۵۴۰ ابیات پر مشتمل ہے فارسی کے ایک نثری رسالہ کا منظوم ترجمہ ہے۔
نور نامہ	شریف	۱۱۱۵ ہجری	
نور نامہ	سیدی		
نور نامہ	ملک خوشنود کی امکانی تصنیف		تذکرہ اُردو مخطوطات (ہاشمی جلد اوّل ص ۱۸۷)
وفات نامہ	امین گجراتی	بحدود ۱۱۰۹ ہجری	
درد نامہ	شیخ محبوب عالم	عہد عالمگیر	
وفات نامہ سرورِ کائنات	علی بخش دریا	۱۱۱۱ ہجری	

وفات نامہ سرورِ کائنات	امامی دکنی	۱۱۴۰ ہجری	
معراج نامہ	امین گجراتی	بعد ۱۱۰۹ ہجری	
معراج نامہ	اعظم دکنی	۱۱۲۰ ہجری	بابا گیسو دراز کے مرید
معراج نامہ	اعظم بیجاپوری	۱۱۷۷ ھ	شاہ درویش قادری کے شاگرد
معراج نامہ	شاہ ابوالحسن قربی بیجاپوری	۱۱۸۴ ھ	
بحر المعانی	محمد بن جھیلی مہدوی	۱۱۸۱ ھ	
معراج نامہ	شاہ کمال الدین کمال	۱۱۹۱ ھ	
معراج نامہ	شفیق اورنگ آبادی	ماقبل ۱۲۰۰ھ	
چرخیات نصرتی		ماقبل ۱۰۸۳ھ	قصیدے کی ہئیت کے ۱۳۴ شعر
قصیدہ معجزہ	جنونی گجراتی	ماقبل ۱۱۰۰ھ	
قصیدہ ہرنی		۱۱۰۰ھ	
معجزاتِ رسالتؐ	مخدوم حسینی		
شمائل النبیؐ	عبدالمحمد ترین	ماقبل ۱۱۵۰ھ	
روضۃ الانوار	ولی ویلوری	۱۱۵۹ھ	
ریاض السیر	غلام محمد حسرت		
اعجاز احمدی	نوازش علی شیدا	۱۱۸۶ھ	

جلد اوّل	نورِ محمدی سے نزولِ وحی تک کے حالات پر مبنی ہے۔	ابیات کی تعداد ۱۹ ہزار سے متجاوز ہے۔
جلد دوم	بعثت سے ہجرت تک کے واقعات پر مبنی ہے۔	
جلد سوم	ہجرت سے وصال تک کے کوائف پر مبنی ہے۔	
جلد چہارم	معجزات و فضائل کا ذکر ہے۔	

ہشت بہشت — مولانا محمد باقر آگاہ

۱۔ من دیپک	: نورِ محمدی کا بیان تصنیف	۱۱۸۴ھ	۱۶۰۲	ابیات
۲۔ من ہرن	: نبوت کی بشارتوں کا بیان		۶۵۱	"
۳۔ من موہن	: ولادت باسعادت کا تذکرہ	۱۱۸۶ ھ	۷۲۰	"
۴۔ جگ موہن	: ۸ سال کی عمر سے وفات تک واقعات	۱۱۸۵ھ	۸۱۷	"
۵۔ آرام دل	: اخلاق و شمائل نبوی	۱۱۸۵ھ	۱۲۵۲	"

۶۔ راحت جاں	خصائص رسالتؐ	۱۱۸۶ھ	۶۰۲	ابیات
۷۔ من درپن	معجزات نبویؐ	۱۲۰۶ھ	۳۱۶۱	〃
۸۔ من جیون	ادب نبویؐ اور تقاضائے محبت	۱۲۰۶ھ	۸۱۸	〃

رسالہ من درپن کے دعائیہ اشعار نمونے کے طور پر درج ہیں

تصدق سے محمدؐ کے الٰہی ۔۔۔ مسلماناں کی قائم رکھ تو شاہی
تصدق سے نبیؐ کے حیّ و قیوم ۔۔۔ مچا عالم میں اوس کے دین کی دھوم
رکھا اوس کے عشق میں یوں ہم کوں سرشار ۔۔۔ کہ جان و تن کریں ہم اوس پہ بلہار

(اُردو میں نعتیہ شاعری، اشفاق ص ۲۱۰)

تیرھویں صدی ہجری میں جبکہ اُردو شاعری کا مرکز شمالی ہند بن چکا تھا، قدما سے لے کر متوسطین تک مشاہیر شعرا میں سے قریب قریب سبھی نے نعت کہنے کی سعادت حاصل کی، مگر حصولِ برکت کی غرض سے یا پھر حمد کے بعد نعت کہنے کی روایت نبھانے کے لیے۔ میر تقی میر (المتوفی ۱۲۲۵ ہجری) کہتے ہیں ؎

جلوہ نہیں ہے نظم میں حُسنِ قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعتِ رسولؐ کا

(کلیاتِ میر، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ص ۳۵۲)

اس صدی کے وسط تک کسی شاعر نے بھی نعت گوئی کو شعار نہیں بنایا، مگر اِکا دُکا نعتیہ نظمیں ہر کسی نے کہی ہیں جن میں سے میر کی مسدس، اسمٰعیل شہید دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ) کی مثنوی سلکِ نُور کے نعتیہ اشعار، کرامت علی شہیدی (المتوفی ۱۲۵۶ھ) کا قصیدۂ غرا، مومن (المتوفی ۱۲۶۸ ہجری) کا قصیدہ بعنوان زمزمہ سنجیٔ طبع بہ مضمون بادخوانیٔ نسیم گلشن نبوت و شمالِ چمن رسالت"، مثنوی ناتمام دیگر، بلا ساقیا جام کثر مجھے، مثنوی بہ مضمون جہاد اور تضمین بر نعت قدسی قابلِ ذکر ہیں۔ شہیدی کے قصیدے میں تشبیب و گریز شامل نہیں پورا قصیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و شانِ شفاعت پر مبنی ہے، البتہ آخر میں شاعر نے اپنے والہانہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ نمونے کے طور پر کچھ شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

رقم پیدا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا ۔۔۔ سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعتِ احمدؐ کا
اُدھر اللہ سے واصل، اِدھر مخلوق میں شامل ۔۔۔ خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا } مدح
بٹیں گے جس گھڑی عشرت کے سامان بزمِ جنت میں ۔۔۔ کُھلے گا حال اُمّت کو ترے انعامِ بے حد کا
لبِ گوہر فشاں وا ہوں گے جب عرضِ شفاعت کو ۔۔۔ تماشا گاہِ محشر میں کُھلیں گے نیک مُنہ بد کا } شانِ شفاعت
پھٹیں گے شُلِ تقویم کہن دیواں ہزاروں کے ۔۔۔ ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعارِ مجدد کا } دعویٰ
تمنا ہے درختوں پہ ترے روضے کے جا بیٹھے ۔۔۔ قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا } طلب مدعا

(دیوانِ شہیدی مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۳ھ)

شہیدی نے نہ جانے کس لمحۂ قبولیت میں یہ قصیدہ لکھا کہ حج بیت اللہ کے بعد جب مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو راستے میں بیمار پڑ گئے اور جب دیارِ رسولؐ کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ روضۂ اقدس نظر آنے لگا تو جاں، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اُن کی تمنا کے حرف بہ حرف پورا ہونے اور اُن کے حسنِ خاتمہ کی بدولت اس قصیدے کو یہ شہرت ملی کہ اُردو نعت کا کوئی تذکرہ اُن کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور یوں اُن کا یہ دعویٰ بھی پورا ہوا کہ ع ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعارِ مجدد کا

اس قصیدے کی مقبولیت کا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی کے علاوہ کئی نعت نگاروں نے اس قصیدے کی تقلید میں قصیدے یا پھر اس کی تضمینیں لکھیں۔

مومنؔ کے قصیدے میں علمی شان اور تخیل کی بلندی کے ساتھ ساتھ روحِ عصر بھی شامل ہو گئی ؎

شہا ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں یہ کرے — ہزار گونہ ستم روزگارِ نامانوس
کچھ انتہا بھی کہ اک کے دورِ بے جا کی — ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماعِ نحوس
ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون و علوم — خدا کسی کو نہ دے ایسے طالعِ منکوس

(کلیاتِ مومن، جلد دوم ص ۱۹، مجلس ترقی ادب لاہور)

غزل میں نعتیہ شعر کہنے کی رسم غالب (المتوفی ۱۲۸۵ھ) نے بھی نبھائی ؎

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی — قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
اُس کی اُمت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند — واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبدِ بے در کھلا

(دیوانِ غالب، نسخۂ طاہر)

انیس (المتوفی ۱۲۹۱ ہجری) اور دبیر (المتوفی ۱۲۹۲ ہجری) کے مراثی میں بھی بہت سا نعتیہ عنصر موجود ہے، جو الگ مضمون کا تقاضا کرتا ہے۔

اُردو نعت نے مستقل فن کی حیثیت بھی تیرھویں صدی ہجری میں اختیار کی اور اسے باقاعدہ فن بنانے والوں کے ہراول دستے میں شمالی ہند کے مولانا کفایت علی کافیؔ، مولانا غلام امام شہیدؔ اور حافظ لطف علی خاں لطفؔ بریلوی کے علاوہ دکن کے کئی نعت نگار بھی شامل ہیں۔ اس دور کے دکنی نعت نگاروں کا ذکر

"تیرھویں صدی نے دکن میں بڑے اچھے نعت گو پیدا کیے، جن میں خیر محمد خاں ایمانؔ کا نام سرِ فہرست ہے۔ ان کے علاوہ اعز الدین خاں عالیؔ متوفی ۱۲۴۰ھ، خواجہ فیاض الدین بندہؔ متوفی ۱۲۸۵ھ، خواجہ معین شاہ ہوشؔ متوفی ۱۲۸۰ھ، خواجہ عبداللہ خاں نیّرؔ، محمد حیات خاں حیاتؔ میسوری، فیاض الدین خاں ادبؔ، شیخ محمود علی ناظمؔ حیدر آبادی اور ندؔا مداحِ نواب ارسطو جاہ خصوصیت کے ساتھ معروف ہیں۔ مشہور مداحِ رسول مولوی غلام امام شہیدؔ بھی اسی دوران میں حیدر آباد آئے تھے۔ ان حضرات کی مستقل تصنیفات نعت میں ہیں، مگر تفصیل کا یہاں محل نہیں۔" ماہِ نو ص ۱۹۳ سیرتِ رسولؐ نمبر ۱۹۶۳ء

مولانا کفایت علی کافیؔ کا مراد آباد کے برگزیدہ علما میں شمار ہوتا ہے۔ ان کی تمام شاعری نعت و منقبت کے لیے وقف رہی۔ دیوانِ کافی کے علاوہ داستانِ صادق، جذبۂ عشق، مثنوی تجمل دربارِ نبی کریمؐ، حلیہ شریف، مولود بہاریہ، بہارِ خلد (شمائلِ ترمذی کا ترجمہ)، نسیمِ جنت (چہل

حدیث کا ترجمہ)، خیابانِ فردوس (ترغیب اہلِ سعادت از شاہ عبد الحق کا ترجمہ) اور اوقات صرف و نحو آپ کی یادگار تصانیف ہیں آپ نے نے تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک کے دوران گرفتار ہوئے اور پھانسی کا حکم ہوا۔ قتل گاہ کی طرف جاتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسولؐ اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا

ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی سُونا چمن رہ جائے گا

سب فنا ہو جائیں گے کاتی لیکن حشر تک
نعتِ حضرتؐ کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

(ارمغانِ نعت مرتبہ شفیق بریلوی نقش ثانی ص ۱۲۴)

آپ کی شہادت ۱۸۵۸ء/۱۲۷۴ ہجری میں ہوئی اور اس شہید کا لہو نعت کی روایت کو گل و گلزار کر گیا۔

مولانا غلام امام شہید (المتوفی ۱۲۹۶ھ) نے اپنی تمام تخلیقی قوتوں کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا۔ اسی لئے انہوں نے اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کی نعتیہ شاعری میں نہایت وقیع اضافے کئے۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں "کہ ایک عرصے کی رسمی شاعری کے بعد ہم پہلی مرتبہ ایک نعت گو شاعر کو اس اجتہادی اور انفرادی رنگ میں بزمِ سخن میں جلوہ گر پاتے ہیں، جس نے نعتِ رسولؐ کی لے ہی بدل دی اور آنے والوں کے لئے ایسا نمونہ چھوڑا کہ جس کی تقلید میں اردو نعتیہ ادب مضامین اور دلآویز طرزِ بیان سے مالا مال ہو گیا۔"

(اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۲۷۴)

فارسی میں ضخیم "کلیاتِ شہید" اور اردو میں مولود شریف شہید کے علاوہ مجموعۂ خطوط و مضامین انشائے بہارِ بے خزاں آپ کی تصانیف ہیں۔

پروفیسر حامد حسن قادری مولود شریف شہید کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی اور اتنی مرتبہ چھپی کہ اس کی اشاعتوں کا شمار دشوار ہے۔ آج تک رائج و شائع ہے۔ اس کے ایک ایک فقرے، ایک ایک روایت، ایک ایک شعر سے شہید کا عشق و ولولہ جوش و شوق، سوز و درد مترشح ہے۔ سنا ہے جب شہید خود اس کو محفل میں پڑھتے تھے تو عجب سماں بندھ جاتا تھا، اکثر اہلِ محفل پر دفورِ رقت سے غش طاری ہو جاتا تھا۔ اس طرز اور اس مقصد کی یہ اردو میں پہلی کتاب ہے۔" (داستان تاریخ اردو۔ ص ۲۴۹)

شہید کے نعتیہ کلام میں قصیدہ، مثنوی، غزل اور ترجیع بند سبھی اصناف ملتی ہیں۔ ایک نعتیہ غزل کے کچھ اشعار بطورِ نمونہ درج ہیں:

مدّاح ہوں جنابِ رسالت پناہ کا
عرشِ بریں پہ گوشہ ہے میری کلاہ کا

بے اُس کے حکم کے نہ چلے لوح پر قلم
مالک ہے وہ تمام سپید و سیاہ کا

در پیش ہے عدم کا سفر سب کو دوستو
جو نعت کا کلام ہے توشہ ہے راہ کا

پیغمبروں کا شاہدِ عادل ہے وہ شہید
کیا مرتبہ ہے نامِ خدا اس گواہ کا

[تذکرہ عندلیبانِ ریاضِ رسول از نظیر لودھیانوی
مطبوعہ "شام و سحر" نعت نمبر ا ص - ۲۷)

حافظ لطف علی خان لطف بریلوی (المتوفی ۱۲۹۸ ہجری) غزل میں نعت نگاری کی روایت کے سب سے پہلے بڑے شاعر ہیں۔ انہوں نے غزل کو نعت کے لیے مخصوص کر کے نعت گوئی کے وسیع امکانات دریافت کیے۔ اپنے فکر و فن کو نعتیہ غزل کے لیے وقف کیے رکھا اور نعت میں غزلیہ دیوان ۱۲۷۰ ہجری میں مرتب کیا جو ان کی زندگی میں متعدد بار چھپا اور اُن کی وفات کے بعد بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کے دیوانِ نعتیہ میں ۱۰۲ نعتیہ غزلوں کے علاوہ ۹۷ شعروں کا ایک طویل سراپا ہے، نیز ایک خمسہ اور قطعہ بھی دیوان میں شامل ہے۔ نعت میں منقبت بھی شامل کر لی گئی ہے۔ اُردو نعت میں لطف بریلوی پہلے شاعر ہیں جنہوں نے تواتر سے اپنے شغفِ نعت کا اظہار کیا ہے اور اُن کا یہ رویہ نعت کو مستقل فن بنانے کے سلسلے میں پہلا شعوری اعلامیہ ہے ؎

وصف لکھتا ہوں نبیؐ کے حسنِ عالم گیر کا　　کیوں نہ شہروں شہرہ ہو مری تحریر کا

اے لطف نعت گوئی میں یہ مرتبا ہوا　　مجھ کو حصول عشقِ حبیبِ خدا ہوا

لطفِ الطافِ خدا ہوتا ہے جس شاعر پہ　　بخدا ہے وہی مداحِ پیمبرؐ ہوتا

ہم سر نہ آستانِ نبیؐ سے اٹھائیں گے　　سو گردشیں ہوں چرخ کی لاکھ انقلاب ہو

لطف نے میلادیہ نظموں کے ساتھ ساتھ سراپا نگاری کو بھی موضوعِ سخن بنایا اور نعت میں داخلی احساسات بھی شامل کیے۔ حضور سے طلبِ رحمت و شفاعت اور استمداد و استعانت کے مضامین بھی اُن کے ہاں عام ملتے ہیں۔ وہ نعتیں جن کی ردیفیں یا شفیع الورا، یا شفیع المذنبین الغیاث، یارسول اللہؐ اور یارسولؐ ہیں، اسی اندازِ نعت سے مملو ہیں۔

کافی، شہید اور لطف کے انفرادی اور اجتہادی رنگِ نعت نے نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز ہی بدل دیا اور آنے والوں کے لیے ایک ایسا نمونہ چھوڑا جس کی توسیع سے اُردو کی نعتیہ شاعری مضامینِ تازہ اور حسنِ بیان سے مالا مال ہو کر عروج تک پہنچی۔ نعت نگاروں کے اس ہراول دستہ کے جلو میں سامنے آنے والے نعت نگاروں میں مفتی غلام سرور لاہوری (المتوفی ۱۳۰۷ھ)، میر اعظم علی شائق حیدر آبادی (المتوفی ۱۳۱۵ھ) غلام مصطفیٰ عشقی دکنی، سید واجد علی وحید سہسوی (المتوفی ۱۳۱۶ھ)، مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی (المتوفی ۱۳۱۷ھ) سید محمد مرتضیٰ بیان یزدانی (المتوفی ۱۳۱۷ھ) امیر مینائیؒ (المتوفی ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) اور محسن کاکوروی (المتوفی ۱۳۲۲ ہجری) شامل ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پر اہم ہے۔ مگر اس دَور کو بہ حیثیت مجموعی امیر و محسن کا دَور کہنا چاہیے، جن کی بدولت اُردو نعت اعلیٰ ترین معیارات سے ہمکنار ہوئی۔

مفتی غلام سرور لاہوری جو مورخ اور لغت نویس کی حیثیت سے بھی ممتاز ہیں کے چاروں دیوان "دیوانِ کلیات سرور نعتیہ" میں یکجا ہو چکے ہیں، جو مقدار و معیار کے اعتبار سے اُردو نعت کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ آپ کا وصال ۲۷۔ ذوالحجہ، ۱۳۰۷ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوا۔ تاریخ وفات ان کا اپنا کہا ہوا یہ مصرع ہے ؎

ابھی سرور نے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی　　(۱۳۰۷ھ)

ان کے کلام میں مسدس، مخمس، ترجیع بند، ترکیب بند، سی حرفی سبھی کچھ شامل ہے نمونۂ کلام ؎

ہوا ہے حاضر غلام سرور تمہارے روضے پہ سر جھکا کر　　نظرِ عنایت کی کیجیے اس پر کہ ہے یہ عاجز تمہارا چاکر

نہ مجھ کو پابند گھر کا رکھیو، نہ غم ادھر اور اُدھر کا رکھیو　　سوالی اپنے ہی در کا رکھیو، نہ پھیرو محروم گھر بلا کر

(ص ۳۴، ۳۵ دیوان کلیات سرور نعتیہ مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱۹۱۰ء)

میر اعظم علی خاں شائق حیدر آبادی کا کلیات پہلی بار ۱۳۲۸ھ بہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوا، جس میں نعتیہ غزلوں کے علاوہ سلام، مثلث، مخمس، مسدس اور ٹھمریاں بھی شامل ہیں۔ مضمون عاشقانہ ہیں۔ جن میں داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ نمونۂ کلام ؎

احمد پاک پہ مائل نہ ہوا تھا سو ہوا　　دل مرا عشق میں کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

خواب میں رویت احمد ہوئی، سبحان اللہ　　محفل پاک میں داخل نہ ہوا تھا سو ہوا

(ص ۳۴۰ اردو میں نعتیہ شاعری از ڈاکٹر سید اشفاق)

دکن کے شاعر غلام مصطفیٰ عشقی کے کئی دیوان ہیں اور بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری ان کا اُردو نعتیہ دیوان محامد محمدی الموصوف بہ توصیفات مصطفوی مطبوعہ مطبع شمسی حیدر آباد دکن ۱۳۲۲ھ ظاہر کرتا ہے کہ عشقی ایک قادر الکلام نعت گو تھے اور جو کچھ کہتے تھے جذبات میں ڈوب کر کہتے تھے۔" نعت خواں حلقوں میں ان کا کلام بہت مقبول رہا ہے۔ نمونۂ کلام ؎

یا شفیع الورٰی سلام علیک　　یا نبی الہدٰی سلام علیک

خاتم الانبیا سلام علیک　　سید الاصفیا سلام علیک

(ص ۸۷-۸۸ اُردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری)

سید واحد علی وحید مسوی کا نعتیہ دیوان (مطبوعہ ۱۳۴۸ ہجری) ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے کتب خانے میں موجود ہے۔ نمونۂ کلام ؎

یا نبیؐ جلوہ پُر نور دکھایا ہوتا　　کوئی دن مجھ کو مدینے میں بلایا ہوتا

سوختہ دل ہوں کلیجہ مرا ٹھنڈا ہوتا　　شجرِ روضۂ اقدس کا جو سایا ہوتا

(ص ۲۰۷ اُردو کی نعتیہ شاعری)

مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی کے نعتیہ دیوان المسمٰی بہ "ترانۂ ایمان" کا اسلوب عالمانہ اور صوفیانہ ہے۔ نمونہ کلام ؎

سعادت نخلِ یثرب کی تماشا ہے کہ ہر پتہ　　ہمائے دولتِ جاوید کا شہپر نکلتا ہے

زمین یثربی کی خوبیاں دیکھو کہ صحرا میں　　مغیلاں کا شجر بھی سرو سے خوشتر نکلتا ہے

(ص ۲۳۹ مقالہ" اردو نعت" از ڈاکٹر ریاض مجید)

سید محمد مرتضیٰ اُردو میں بیاںؔ اور فارسی میں یزدانی تخلص کرتے تھے۔ ان کی کئی تصانیف ہیں۔ نعتیہ تصانیف" عطرِ مجموعۂ نعت اور ذیلِ حرم" ہیں نعت میں تغزل کے بے جا دخل کی وجہ سے ان کی نعت کو دورِ جدید میں پسندیدگی حاصل نہ ہوئی۔ نمونہ کلام ؎

خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹائے آجا　　بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

بیکسی پہ مری خون روتے ہیں چھالے آجا　　راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا

(ص ۴۶، ۴۷ نقشِ بیاں، مرتبہ ڈاکٹر سید صفدر حسین مطبوعہ ۱۹۷۳ء)

نعت گوئی کے دورِ تشکیل کی یہی روایت امیر مینائی اور محسن کاکوروی تک پہنچ کر تکمیلِ فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے ——امیر نے نعت کے علاوہ دوسری اصناف میں بھی شاعری کی مگر محسن کاکوروی کی وابستگی نعت اور کمالِ فن صحیح معنوں میں نعت گوئی کے سلسلے میں اب تک کی جانے والی کوششوں کا ماحصل ہے .... (ص۔ ۲۴۰ مقالہ اُردو نعت ڈاکٹر ریاض مجید)

امیر مینائی (المتوفی ۱۳۱۸ھ) ایک مذہبی گھرانے اور سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتے تھے اور نعت گوئی کے لئے اُن کی طبیعت ساز گار تھی۔ ۱۸۵۷ عیسوی کے ہنگامے کے بعد جب وہ لکھنؤ چھوڑ کر کاکوری میں پناہ گزین ہوئے تو اُن کی ملاقات مشہور نعت گو محسن کاکوروی سے ہوئی۔ محسن کی صحبتوں کی بدولت اُن کا نعت گوئی کا میلان بہت بڑھ گیا۔ امیر کی متعدد تصنیفات میں سے محامد خاتم النبیین مثنوی نورِ تجلی و ابرِ کرم، نعتیہ مسدس صبحِ ازل، شامِ ابد، لیلۃ القدر اور شاہ انبیا نعت سے متعلق ہیں۔ نعت میں تین قصیدے بھی اُن کی یادگار ہیں۔ خیابانِ آفرینش نثری مولود نامہ ہے۔ غزلیات کے دواوین میں بھی جابجا نعتیہ اشعار ملتے ہیں نعت میں تغزل آفرینی کے باوجود انھیں پاسِ شریعت رہتا ہے اور عشق و ادب کو ہم قدم رکھنا خوب جانتے ہیں۔ نمونۂ کلام ؎

موت ہے سر پہ کھڑی یا رحمۃ للعالمین ۔۔۔ ہے مصیبت کی گھڑی یا رحمۃ للعالمین
خلق تڑپی جاتی ہے کھیتی ہوئی جاتی ہے خشک ۔۔۔ ابرِ رحمت کی جھڑی یا رحمۃ للعالمین

(ص ۲۰۷، ذکرِ حبیب (امیر مینائی کے نعتیہ کلام کا انتخاب مرتبہ خالد مینائی)

محسن کاکوروی (المتوفی ۱۳۲۲ھ) وہ شاعر ہیں، جن کی معنیٰ دلپذیر کی بدولت اُردو نعت کو ادبِ عالیہ میں شمار کیا گیا شعر و سخن کا شوق اور مذہبی رنگ بچپن ہی سے طبیعت پر غالب تھا۔ نو سال کی عمر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ محسن کی نعتیہ شاعری اسی خواب سے شروع ہوتی ہے۔ سب سے پہلی فارسی نظم جو انہوں نے لکھی وہ اسی خواب کی خوشی میں تھی۔ کلیاتِ محسن میں پانچ قصیدے، چودہ مثنویاں، ایک مسدس سراپائے رسولِ اکرم۔ اٹھائیس رباعیات، بیس غزلیں اور کچھ نظمیں بطورِ مناجات شامل ہیں —— پہلی اردو تخلیق قصیدہ "گلدستۂ کلامِ رحمت" ۱۲۵۸ھ میں ۱۶ سال کی عمر میں ہوئی، جس کی تشبیب بہاریہ ہے۔ قصیدہ لامیہ "مدیحِ خیر المرسلینؐ" جسے سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی، ۱۲۹۳ ہجری کی تصنیف ہے۔ اس کی تشبیب کو کاشی و متھرا کے مناظر کے ساتھ ساتھ ابرِ پنجاب اور برقِ بنگالہ کی سحر آفرینیوں سے جس طرح آراستہ کیا گیا، ان کا اچھوتا پن اس کی مقبولیت کا سبب بھی بنا اور موردِ اعتراض بھی ٹھہرا۔ رفعِ اعتراض کے لئے امیر مینائی کو مصنف کے جواز میں یہ دلیل لانا پڑی حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدے "بانت سعاد" کی تشبیب بھی غیر مشروع تھی، جسے سُن کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاعر کو اپنی ردائے مبارک بطورِ انعام دی تھی۔ امیر نے اس قصیدے کا قطعۂ تاریخ بھی لکھا ؎

نعت میں حضرتِ محسن نے قصیدہ لکھا ۔۔۔ جس کا ہر شعر ہے گلزارِ جناں کا اک گل
ہاتھ آیا مجھے تاریخ کا مصرعہ یہ امیر ۔۔۔ مدح محبوبِ رسل، شمعِ سبل، ناصرِ کل

۱۲ ھ ۹۳

(حاشیہ ص ۳۶ "مکمل گلدستہ حضرت محسن کاکوروی")

اس نادر و لاجواب قصیدے کے کچھ مدحیہ اشعار بطور نمونہ درج ہیں:

گلِ خوش رنگ رسولِؐ مدنی و عربی — زیبِ دامانِ ابد، طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر — نہ کوئی اس کا مماثل، نہ مقابل، نہ بدل
اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر — بحرِ وحدت کا گہر، چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہِ نو — شمعِ ایجاد کی لو، بزمِ رسالت کا کنول

(ص ۔ ۱۷۵ ۔ کلیاتِ محسن)

محسن اپنی تمثیلوں میں تقدس و پاکیزگی کی فضا پیدا کرتے ہیں ۔ وہ بجائے خود اُردو کی نعتیہ شاعری میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ محسن کا سارا کمالِ فنِ نعت گوئی میں صرف ہوا ہے، اسی لیے وہ اُردو نعت کی پوری روایت میں ممتاز نظر آتے ہیں ؎

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لیے — زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لیے

اُردو نعت کے جس دَور کا خاتمہ محسن کا کوروی پر ہوا، اُس میں نعت زیادہ تر حصولِ سعادت اور تسکینِ خاطر کا ذریعہ سمجھی گئی۔ ایک والہانہ شیفتگی جو کسی منطق و نفسیات کی محتاج نہیں اُس زمانے کی نعت میں نمایاں ہے رسالت مآبؐ کے جمالِ ظاہری کا بیان زیادہ ہے ـــــ نعت گوئی کے دَورِ جدید کی داغ بیل ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد پڑی، جب ملتِ اسلامیہ میں فکری انقلاب تیز تر ہو گیا۔ نعت میں نیا طرزِ احساس، اجتماعی شعور اور تازہ نئے پیدا کرنے والوں میں جدید اُردو شاعری کے امام مولانا حالیؒ (۱۸۳۷ - ۱۹۱۴ء)، مولانا شبلی نعمانیؒ (۱۸۵۷ - ۱۹۱۴ء)، نظم طباطبائیؒ (۱۸۵۳ - ۱۹۳۳ء) مولانا ظفر علی خاںؒ (۱۸۷۰ - ۱۹۵۶ء) اور حضرت علامہ اقبالؒ (۱۸۷۳ - ۱۹۳۸ء) کے نام سرِفہرست ہیں ۔ ان بزرگوں کے افکار کی روشنی میں نعت گوئی کے کچھ نئے امکانات بھی سامنے آئے، جن سے بعد میں آنے والے نعت نگاروں نے (بالخصوص قیامِ پاکستان کے بعد) بہت استفادہ کیا۔ نئے امکانات میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ تذکارِ سیرت کے ذریعے اتباعِ خیر الانامؐ کی ترغیب ۔
۲۔ عشقِ رسولؐ کو سینوں میں بیدار کر کے مثبت قوت بنانا ۔
۳۔ نعت میں حضورِ اکرمؐ کے شمائلِ باطنی اور تعلیمات سے انسانوں کی توجہ زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کی طرف مبذول کرانا ۔
۴۔ اسلامی اقدار کی تائید و فروغ اور باطل نظریات کا رَد ۔
۵۔ حضورِ اکرمؐ کی مثالی سیرت کے حوالے سے اپنے احوال کا جائزہ ۔
۶۔ خود شناسی، کائنات شناسی اور خدا شناسی کی جملہ منازل میں حضورؐ کی ابدی رہبری کو فکرِ اقبال کی روشنی میں اجاگر کرنا ۔

مولانا حالی کی نعت میں بقولِ ممتاز حسن "عشقِ ذات اور شعورِ صفات دونوں بیک وقت موجود ہیں ۔"

(ص ۲۳ ۔ مقدمہ خیر البشرؐ کے حضور میں)

حالی کے قصائد ہوں کہ مسدس مد و جزرِ اسلام یا پھر عرضِ حال بجناب سرورِ کائناتؐ جذباتِ عقیدت اور مقصدیت کا حسین امتزاج

ہر کہیں نظر آتا ہے۔ بارگاہِ رسالتؐ کے آداب کا اُنھیں گہرا احساس ہے۔"عرضِ حال" کے آخری دو شعر بہ وقت نعت نگاروں کے پیشِ نظر رہنے چاہئیں ؎ ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے

باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گِلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب

یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے

(ص - ۱۲۵ - مسدس حالی صدی ایڈیشن)

مولانا شبلیؒ نے سیرت النبیؐ کے کچھ واقعات کو سادہ انداز میں نظم کرکے، عہد رسالت کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ اُن کے اخلاص اور ملّی دردمندی نے ان منظومات کو وہ دل نشین پیرایہ بخشا ہے جو دل و دماغ کو بیک وقت متاثر کرتا ہے۔ ان نظموں میں ہجرتِ نبویؐ، تعمیرِ مسجدِ نبویؐ اہلِ بیت رسولؐ کی زندگی، ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر مساواتِ اسلام وغیرہ شامل ہیں۔

نظم طباطبائی نے قصیدے کے نئے افق دکھائے۔ قصیدوں میں واقعات تاریخ کو سمونے کا اہتمام جس خوش اسلوبی سے نظم نے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اُن کے قصائد کے عنوانات یہ ہیں (۱) ذکرِ بعثت و فتح مکہ - ۲ قصیدۂ معراج - ۳ - ہجرت و غزوہ بدر - ۴ - عہدِ جاہلیہ کا کفر اور پیغمبر مجاہد، ۵ - قصیدۂ احزاب، ۶ - قصیدۂ خیبر اور قصیدۂ حنین۔

مولانا ظفر علی خاں کی طبیعت کے تنوع، ملّت کے درد، کلام کی قدرت اور جذبے کی گیرائی نے اُردو نعت کو وہ شوکت و رعنائی بخشی، جو اس کی مقبولیت کا سبب بنی۔ بقول مولانا صلاح الدین احمدؒ "ظفر علی خاں نعت کے مجدد ہیں اور انھوں نے اپنی تخلیقات میں جذباتِ عقیدت کے ساتھ ساتھ آگاہیِ حقیقت کو برقرار رکھا ہے اور ایک غایت درجہ لطیف اندازِ بیان سے دونوں کا اظہار کیا ہے کہ اُن کی نعتیں آج خواص و عوام دونوں میں یکساں مقبول ہیں اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو یہ کیفیت ایک عرصے تک یونہی قائم رہے گی۔ ہمیں یاد ہے کہ جب اُنھوں نے اپنی پہلی نعت :

"وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں"

لکھی تو ملک بھر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک حیرت و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس لہر کا مد و جزر آج بھی ان کی بے مثال نعتوں میں ابھرتا اور مچلتا نظر آتا ہے۔" (ہفت روزہ "حمایتِ اسلام" ص ۱۲)

مولانا ظفر علی خان سیرتِ محمدی کے بیان میں عملی اور افادی پہلو کو بہر صورت ملحوظ رکھتے ہیں اور نعت کے ذریعے حضورؐ کے نام لیواؤں میں جذبۂ سرفروشی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے (ابتدائی شاعری کو چھوڑ کر) بالواسطہ طور پر اور فلسفیانہ رنگ میں نعتیہ شاعری کی ہے اور خالصًا ادبِ نبوی کے پیشِ نظر رسالت مآبؐ سے براہ راست خطاب کم کیا ہے، کہیں طرابلس کے شہیدوں، کہیں موذنِ رسولؐ، کہیں جنگ یرموک کے مجاہد، کہیں صدیقِ اکبرؓ اور زیادہ تر مردِ مومن کے حوالے سے اپنی داستانِ جذب و شوق چھیڑی ہے۔ بارگاہِ رسالتؐ میں باریابی کے لیے "رنگِ نواحِ کاظمہ" اور "کوہِ اضم" کے سہارے لیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں یعنی حسنِ طبیعت

اَور عربی سوز دروں کے امتزاج سے جو جمالی لَے اُنہوں نے پیدا کی وہ اُردو نعت کا نکتۂ عروج ہے اقبال کے نعتیہ افکار سے تاحال بہت کم استفادہ کیا گیا ہے بہرحال جوں جوں مستقبل کے شعرا اُس کے خزانہ عامرہ سے بہرہ مند ہوں گے، نعت گوئی کے عظیم مستقبل کے امین بنیں گے۔

شاد عظیم آبادی (المتوفی ۱۳۴۵ ہجری) نے مولانا حالی کے تتبع میں ایک میلاد نامہ "ظہورِ رحمت" مسدس کی صورت میں لکھا۔ جس میں بقول سید سلیمان ندوی: "والہانہ جذبات کے ساتھ آنحضرت صلعم کی ولادت، شانِ رسالت، تعلیماتِ اسلامی اور اخلاق و مکارمِ نبویؐ کو پیش کیا گیا۔"

اختر کاکوئی عظیم آبادی "ظہورِ رحمت" کے مقدمے میں لکھتے ہیں "میلاد حالی نے شاد کو گرویدہ ہو گئے اور سر سید کو مشتاق بنایا، چنانچہ شاد کو علی گڑھ جا کر ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں پڑھنا پڑا۔ علامہ شبلی، مسٹر آرنلڈ وغیرہ بھی موجود تھے۔ تعددِ ازدواج، جہاد بالسیف وغیرہ کے متعلق جو اعتراضات ہیں، اُن کے تشفی بخش جواب تھے۔ لوگ سن کر بے حد محظوظ ہوئے۔"

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ (المتوفی ۱۳۴۰ھ) اپنی ذات ہی میں ایک منفرد اور مقبول دبستانِ نعت تھے۔ انہوں نے اُردو نعت کے فروغ و ارتقا میں تاریخ ساز کام کیا اور فنِ نعت پر سب سے زیادہ اور گہرے اثرات مرتب کئے۔ اُن کا دیوان نعت تین جلدوں میں ہے اَور اس کا نام "حدائقِ بخشش" ہے، جس سے سالِ تصنیف ۱۳۲۵ ہجری نکلتا ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

"تبحرِ علمی، زورِ بیان اور وابستگی و عقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اُردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔"

(مقالہ اُردو نعت ص ۲۷۹)

مولانا کی نعت میں قرآن و حدیث سے استفادہ کی نہایت خوب صورت مثالیں ملتی ہیں۔ وہ خود فرماتے ہیں رباعی:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے مَیں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

(حدائقِ بخشش، حصہ دوم ص ۹۹)

مولانا حسن رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۲۶ھ)، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی تھے اور غزل میں استاد داغؔ سے اصلاح لیتے تھے۔ نعت میں فاضل بریلوی ہی سے استفادہ کرتے تھے، چنانچہ ایک نعت کے مقطع میں کہتے ہیں ؎

بھلا ہے حسنؔ کا جنابِ رضا سے
بھلا ہو الٰہی جنابِ رضا کا

(ذوقِ نعت۔ ص ۱۶ مطبوعہ حزب الاحناف لاہور)

نعتیہ دیوان "ذوقِ نعت معروف بہ صلۂ آخرت" کے دونوں ٹکڑوں سے دیوان کا سال اشاعت ۱۳۲۶ ہجری نکلتا ہے اُن کی شاعری کے بارے میں مولانا حسرت موہانی کی رائے یہ ہے :

"شاگردانِ مرزا داغ میں حسن مرحوم بریلوی کا پایہ شاعری بہت بلند تھا ، وہ بجائے استادِ مستند تھے۔"

(اُردوئے معلّی ، علی گڑھ جون ۱۹۱۲ء)

اس عہد کے کچھ اور نعت نگاروں کے نام درج ذیل ہیں :

شیخ وزیر علی عاقل مصنف مظہر المیلاد مطبوعہ ۱۳۰۲ ہجری

مولوی احمد علی مدرس میسوری مصنف دیوانِ نعتیہ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ

حضور احمد خاں آثم مصنف منظورِ حق مطبوعہ ۱۳۰۴ھ

مولوی ممتاز احمد ممتاز تھانوی - دفتر برکات ۱۳۰۷ھ ، رباعیات مستحسنہ ۱۳۰۷ھ
اذکار شوق ۱۳۲۸ھ -

مولانا محمد قاسم نانوتوی قصائدِ قاسمی ۱۳۰۹ھ

بی بی سلطان فرخ گلشنِ فرخ معروف بہ نعت سرکار یثرب ۱۳۱۱ھ

حافظ الٰہی بخش بسمل غنچۂ نور ۱۳۱۵ھ

صوفی محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی باغ کلامِ اکبر ۱۳۱۷ھ، نہال روضۂ اکبر ۱۳۲۰ھ، روضۂ اکبر، ریاض اکبر ، گلستان اکبر اور میلاد اکبر گلزار اکبر

میر سید شائق دہلوی ۔ گلگشتِ بہشت ۱۳۲۰ھ بار اوّل

غلام مصطفیٰ عشق اردو نعتیہ دیوان محامد محمدی الموصوف بہ توصیفاتِ مصطفوی ۱۳۲۲ھ

خلیفہ احمد حسین احمد چشتی قادری بہار احمدی ۱۳۲۳ھ

سید منظور علی منظور بدایونی گلدستۂ طرب المعروف بہ شمع عرب ۱۳۲۸ھ

مولوی محمد عمر خان حدیقہ بخشش ۱۳۲۹ھ

حافظ پیلی بھیتی آئینہ پیغمبر ۱۳۳۰ھ

سید علی حسین اشرفی تحائف اشرفی ۱۳۳۳ھ

بیدم وارثی جگر پارہ المعروف بہ ارمغان بیدم ۱۳۲۶ھ اور مصحف بیدم میں شامل نعتیں۔

سید واحد علی وحید ہسوی دیوان نعتیہ مطبوعہ ۱۳۴۸ھ

سید ایوب علی رضوی باغِ فردوس المعروف گلزار رضوی ۱۳۵۴ھ

نظام الدولہ محمد مردان خاں رعنا مہر نبوت (سال اشاعت درج نہیں)
چودھری دلورام کوثری المتوفی ۱۳۳۳ ہجری اذان بت کدہ مرتبہ محمد دین فوق
محمد مظفر الدین معلی المتوفی ۱۳۳۵ھ ریاض معلیٰ ۱۳۴۰ھ
منشی محمد شمس الدین امیر حمزہ المتوفی ۱۳۳۷ھ چمنستان حمزہ ۱۳۴۲ھ
سید افضل شاہ خان چشتی طوفان المتوفی ۱۳۳۹ھ دیوان نعتیہ ۱۳۵۱ھ
بیکس جبل پوری المتوفی ۱۳۴۰ھ نعتیہ دیوان۔
ممتاز جہاں گنگوہی المتوفی ۱۳۴۷ھ نعتیہ دیوان دحمن مناقب کا۔
مولانا غریب سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۷ھ خزینۂ رحمت ۱۳۲۰ھ مخزن رحمت۔
محمد عبد القدیر صدیقی حسرت رمزات الاشواق ۱۳۵۳ھ
میرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی (المتوفی) ۱۳۵۴ھ۔ صحیفہ ولائی ۹ نعتیہ قصیدے اور
۴ نعتیہ نظمیں شامل ہیں۔

حافظ محمد عالمگیر کیف ٹونکی المتوفی ۱۳۵۹ھ۔ وسیلۂ نجات۔
مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد المتوفی ۱۳۵۹ھ ہدیۂ شاد ۱۳۲۶ھ بار اول
مولانا نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ
جلیل حسن جلیل مانکپوری المتوفی ۱۳۶۵ھ۔ معراج سخن ۱۳۴۷ھ
مفتی احمد یار خاں سالک محامد پیغمبری ۱۳۵۷ھ
نفیس خلیلی قدسی ۱۳۶۱ھ
جنگ بہادر خاں تابش نسیم طیبہ

ان شعرائے علاوہ بہت سے نعت نگار ایسے ہیں، جن کا کلام، نعت کے انتخابات بوستانِ نعت (مرتبہ سیف کلانوری) سفینۂ نعت (تین حصے) نگینہ نعت (دو حصے)، نعتِ سلطانِ عرب، نورِ ایمان، نعتِ مصطفےٰ، نعتِ احمدؐ گنجینۂ نعت، نعت سید المرسلینؐ۔ نعت خاتم النبیینؐ، نعت ہی نعت (چار حصے) ارمغان نعت (مرتبہ ساجد صدیقی) ارمغان نعت مرتبہ شفیق بریلوی میں ملتا ہے، مگر ان کے کوائف دستیاب نہیں کیونکہ ماضی کے ادبی تذکرے نعت نگاروں کے ذکر سے خالی ہیں۔ ایسے کچھ شعرا نعت نگار کے نام یہ ہیں:۔

اسیر بدایونی	احقر بہاری	عزیز صفی پوری	راقب قصوری	اختر بریلوی
جلال میرٹھی	نواب نگینوی	فرحت نگینوی	گوہر رامپوری	بیچین سہارنپوری
نور میرٹھی	رنج سہارنپوری	خلیل سرساوی	شفیع بریلوی	شوکت دہلوی

کلیم، اسعد، جوہر، طاہر، مکین، وفا، بسمل، حزیں، ابرار، ابد، گدا، زاہد طالب، شہرت، ہنر، آثم، لئیق وغیرہ۔

قیامِ پاکستان تک نعت نگاری میں مقام پیدا کرکے پاکستانی نعت کو بنیادیں فراہم کرنے والے شعرا میں درج ذیل نام بہت نمایاں ہیں:

اقبال سہیل المتوفی ۱۳۶۳ھ ارمغانِ حرم مطبوعہ ۱۹۶۰ء

سیماب اکبر آبادی المتوفی ۱۳۷۰ھ سازِ حجاز ۱۹۸۲ء

امجد حیدر آبادی المتوفی ۱۳۸۰ھ رباعیاتِ امجد حصہ اول و دوم، ریاضِ امجد حصّہ اول و دوم نذرِ امجد، خرقۂ امجد، حجِ امجد۔

حمید صدیقی المتوفی ۱۳۸۵ھ گلبانگِ حرم، بستانِ حرم

ضیا القادری المتوفی ۱۳۹۰ھ تجلیاتِ نعت، دیارِ نبیؐ ۱۹۵۰ء نغمہ ربانی ۱۹۶۴ء

بہزاد لکھنوی المتوفی ۱۳۹۴ھ نغمۂ نور، کیف و سرور، موجِ طہور، چراغِ نور، نعتِ حضورؐ، ثنائے حبیبؐ، نغمۂ روح، کرم بالائے کرم، درمانِ غم۔

ماہر القادری المتوفی ۱۹۷۸ء ذکرِ جمیل اور نغماتِ ماہر، فردوس میں شامل نعتیں۔

حفیظ جالندھری المتوفی ۱۹۸۲ء شاہنامہ اسلام (تین جلدیں)

ان باقاعدہ نعت نگاروں کے علاوہ بیدم شاہ وارثی (المتوفی ۱۳۶۳ھ) اختر شیرانی (المتوفی ۱۳۶۵ھ) حسرت موہانی (المتوفی ۱۳۶۸ھ) اور شورش کاشمیری (المتوفی ۱۳۹۵ھ) کی نعتیہ منظومات بہت مقبول رہی ہیں۔ آغا حشر کاشمیری نے "موجِ زمزم" مولانا عبدالباری معنی اجمیری نے موجِ تسنیم، آغا محمد صدیق حسن ضیا نے مثنوی مقام محمود اور م۔ حسن لطیفی نے روضۂ رحمۃ للعالمین جیسی عہد آفریں اور معرکۃ الآرا نظمیں لکھیں۔ لطیفی نے روضۂ رحمۃ للعالمین کے بیشتر اشعار ۱۹۳۶ عیسوی میں گنبدِ خضرا کے سائے میں لکھے اور حضورِ اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کئے۔ اس نظم میں عالمِ اسلام کی ابتری کا حال بیان کرکے التماسِ دُعا کی گئی ہے۔ آخری حصے کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

یا رب اس ایفائے وعدہ کا اب آپہنچا ہے وقت
جس کی شرحِ عام ہے مخصوصِ عہدِ آخریں
پرچمِ ہجرت پہ چمکا تھا ہلال آسا جو چاند
چودھویں ہجری صدی اس چاند کی ہو چودھویں!
غلبۂ توحید سے کون و مکان سب گونج اٹھیں!
شش جہت آفاق ہو اسلام کے زیرِ نگیں!

انقلابِ عالمِ نَو گوشش بر آواز ہے
منتظر بس اک اشارے ہی کی ہے فتحِ مبین

نعت نگاروں کے ایسے معروضات رنگ لائے اور چودھویں صدی ہجری ہی پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اردو نعت نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی اس نظریاتی مملکت میں ذکرِ رسولؐ کا چرچا ہونا قدرتی اور فطری عمل ہے۔ ابلاغ عامہ کے قومی اور نجی ذرائع کی طرف سے کی حوصلہ افزائی کی بدولت نعت گوئی کی رفتار تیز تر ہو رہی ہے۔ اس کا کینوس، اس کے موضوعات اور فنی تجربات پھیل رہے ہیں۔ نعت میں اس انقلاب کی بازگشت صاف سنائی دینے لگی ہے، جسے برپا کرنے کے لیے حضور اکرمؐ تشریف لائے تھے۔ وہ روحانی، تمدنی اور اخلاقی آشوب بطورِ خاص نعت کا موضوع بنا ہے، جس سے اُمتِ مسلمہ اور عہدِ حاضر کا انسان دوچار ہے۔ اس دَور کے نعت نگار، اپنے ذاتی اور کائناتی دکھوں کا مداوا حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ اطہر میں تلاش کرتے ہیں اور حضورِ اکرمؐ کے منشورِ حیات اور تعلیمات کو نعت میں سمویا جا رہا ہے یوں نعت زندگی سے ہم آہنگ ہو کر، عہدِ حاضر کا سب سے مقبول اور محبوب موضوعِ سخن ٹھہری ہے اور وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچا ہے۔

تمام اصنافِ شعر میں نعت لکھی جا رہی ہے۔ قصیدہ بغیر کسی ظاہری تحسین کے مسلسل ارتقا پذیر ہے اور اس کی بہت سے نئی جہات سامنے آئی ہیں۔ پاکستانی دَور کے قصیدہ نگاروں میں عبدالعزیز خالد۔ جعفر طاہر، حافظ مظہرالدین، خالد احمد، عبداللہ خاور، حافظ محمد افضل فقیر، حافظ لدھیانوی، قمر اجنالوی، غلام رسول ازہر، علیم ناصری، سرو سہارن پوری، خالد بزمی اور نظیر لدھیانوی کے نام شامل ہیں۔ مثنویاں سید منیر علی جعفری، ملک منظور حسین منظور اور سید یزدانی جالندھری نے لکھی ہیں۔ مسدس میں جوش کے بعد محشر رسول نگری، احسان دانش، صہبا اختر، سیف زلفی، قیصر بارہوی، انور مسعود، رحمٰن کیانی اور آسی ضیائی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

گیت کے پیرائے میں نعتیہ منظومات لکھنے کا امتیاز مظفر وارثی کا حاصل ہوا ہے۔

مختصر پابند نظمیں لکھنے میں کرم حیدری، جلیل عالی اور کئی دوسرے شعرا پیش پیش ہیں۔

منظوم سیرت کے نئے امکانات راجہ عبداللہ خاں نیاز نے دریافت کئے ہیں۔

تضمین میں منور بدایونی، اختر الحامدی، عبدالمجید سالک، شورش کاشمیری، ناصر کاظمی، شبیر حسین ناظم اور ناصر زیدی نے خوب صورت اضافے کئے ہیں۔ نظمِ آزاد میں نعتیہ تجربے کرنے والوں میں مختار صدیقی، عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین، جیلانی کامران، ادا جعفری، نسیم صدیقی، ظہور نظر، قیوم نظر، امین راحت چغتائی، اطہر نفیس، محسن احسان، امجد اسلام امجد، قمر ہاشمی، رشید قیصرانی، پروین شاکر، صائمہ خیری، ناہید قاسمی، تحسین فراقی، جعفر بلوچ اور الطاف قریشی کے نام شامل ہیں۔ نثری نظم میں تجربہ کرنے والوں میں احمد ہمیش کا نام سرِفہرست ہے۔

غزل کی روایت میں نعت کہنے والوں میں ہر چھوٹا بڑا شاعر شامل ہے مستقل نعت نگاروں (جن کے درج ذیل مجموعہ ہائے

نعت اب تک اشاعت پذیر ہو چکے ہیں) کے علاوہ احسان دانش، احمد ندیم قاسمی، انجم رومانی، یوسف ظفر، عبدالعزیز فطرت نعیم صدیقی، ادا جعفری، قتیل شفائی، شہزاد احمد، ظفر اقبال، اختر ہوشیارپوری، کوثر نیازی، سید عاصم گیلانی، سید سلیم گیلانی بشیر منذر، محمد فیروز شاہ، عطاالحق قاسمی، امجد اسلام امجد، تحسین فراقی، جعفر بلوچ اور کئی دوسرے شعرا نے غزل کی روایت میں اس موضوعِ سخن کے لامحدود امکانات سجھائے ہیں۔ نوجوان شعراؑ کی نعتیہ غزلوں میں جذبے کی فراوانی اور بیان کی حسن کاری نعت کے عظیم تر مستقبل کی نشان دہی کرتی ہے۔

پاکستانی نعت نگار

نام شاعر — مجموعہ ہائے نعت اور سالِ اشاعت

آغا صادق — شاخِ طوبیٰ ۱۹۵۳ء، چشمہ کوثر ۱۹۷۳ء

اثر صہبائی — بحضورِ سرورِ کائنات ۱۹۵۸ء

وفا ڈبائیوی — نقشِ وفا ۱۹۵۸ء

عنایت اللہ خان عنایت — والی البطحا ۱۹۵۹ء

عشرت رسول نگری، فخرِ کونینؐ حصہ اول ۱۹۶۱ء حصہ دوم ۱۹۶۳ء حصہ سوم ۱۹۷۰ء تینوں حصے یکجا ۱۹۸۰ء

عزیز حاصل پوری۔ جامِ نور ۱۹۶۱ء صحیفۂ نور ۱۹۸۳ء

راسخ عرفانی۔ غبارِ حجاز ۱۹۶۱ء حسنِ کلام (سال اشاعت درج نہیں) ارمغانِ حرم ۱۹۷۷ء
ذکرِ خیر ۱۹۷۹ء، حدیث جاں ۱۹۸۲ء

منور بدایونی: منور نعتیں ۱۹۶۲ء (پہلی بار)

سکندر لکھنوی — تسکینِ روح (۱۹۶۳ء) سحابِ رحمت۔ ارمغانِ حرم، قاسمِ خلد

احمد علی اثر بابوڑی — عطرِ جذبات ۱۹۶۴ء

ساحر صدیقی — جامِ حیات ۱۹۶۴ء

منظور حسین منظور — جگنامۂ اسلام ۱۹۶۴ء/ ارمغانِ عقیدت ۱۹۷۰

عبدالعزیز خالد — فارقلیط ۱۹۶۴ء، منحمنا ۱۹۶۶ء
حمطایا ۱۹۷۶ء، ماذماذ ۱۹۷۹ء
طاب طاب ۱۹۸۱ء، عبدہ ۱۹۸۲ء

آثم نظامی — صہبائے مدینہ ۱۹۶۵ء

سید اختر حسین اختر — ترتیل ۱۹۶۵ء

سید منیر علی جعفری — "تاریخ اسلام (منظوم) ۱۹۶۶ء

راجہ عبداللہ خان نیاز: یہ ہیں کارنامے رسولِ خداؐ کے ۱۹۶۷ء

ادیب سیمابی — شاخِ طوبیٰ ۱۹۶۷ء

بشیر زواری — خزینۂ نعت ۱۹۶۸ء

قمر یزدانی: خمخانۂ محمد ۱۹۶۸ء
مہرِ درخشاں ۱۹۸۰ء

حافظ مظہر الدین۔ تجلیات ۱۹۶۹ء
جلوہ گاہ ۱۹۷۵ء
بابِ جبریل ۱۹۷۸ء
میزاب (ماہنامہ "ضیائے حرم" جنوری ۱۹۸۲ء میں چھپا۔)

نام شاعر	مجموعۂ نعت اور سالِ اشاعت
رعنا اکبر آبادی	تسبیحِ رعنا ۱۹۶۹ء
انجم وزیرآبادی :	مینائے کوثر ۱۹۶۹ء، جامِ کوثر۔
مینا زبیری	خمخانۂ زمزم ۱۹۷۰ء
چودھری فضل حق	آہنگِ حجاز ۱۹۷۰ء - مہرِ عرب ۱۹۷۷ء
محمد اعظم چشتی	نیرِ اعظم ۱۹۷۰ء
حافظ لدھیانوی	ثنائے خواجہ ۱۹۷۱ء، نشیدِ حضوری ۱۹۸۰ء
	نعتیہ قطعات ۱۹۸۱ء، کیفِ مسلسل ۱۹۸۲ء
محمود اختر کیانی	عقیدت ۱۹۷۱ء
ساغر صدیقی	سبز گنبد ۱۹۷۱ء
اختر الحامدی	انوارِ عقیدت ۱۹۷۲ء
	نعت محل ۱۹۷۴ء
غافل کرنالی	قندیلِ حرم ۱۹۷۲ء
اعجاز رحمانی	اعجازِ مصطفےٰ ۱۹۷۳ء
	پہلی کرن آخری روشنی ۱۹۸۲ء
سرو سہارنپوری	زخمۂ دل ۱۹۷۴ء
احسان دانش	دارین ۱۹۷۴ء
عبدالکریم ثمر	شاخِ سدرہ ۱۹۷۵ء
	احسن تقویم ۱۹۸۲ء
فروغ احمد	نوائے بردہ (ترجمہ قصیدہ بردہ شریف) ۱۹۷۵ء
عبدالرحمٰن عاجز	جامِ طہور ۱۹۷۵ء
ادیب رائے پوری -	اُسی قدم کے نشاں ۱۹۷۶ء
	تصویرِ کمالِ محبت ۱۹۷۹ء
سید منظور احمد مہجور	بامِ عرش

نام شاعر	مجموعۂ نعت اور سالِ اشاعت
قمر میرٹھی	شمس و قمر ۱۹۷۶ء
عاصی کرنالی	مدحت ۱۹۷۶ء
مظفر وارثی	بابِ حرم ۱۹۷۶ء
محمد عبدالعزیز شوقی	فیوض الحرمین ۱۹۷۶ء
ماجد صدیقی	سرو نور ۱۹۷۶ء
شمس پنیسوی	تجلیاتِ شمس ۱۹۷۶ء
اقبال عظیم	قاب قوسین ۱۹۷۷ء
راجا رشید محمود	ورفعنا لک ذکرک ۱۹۷۷ء
	حدیثِ شوق ۱۹۸۲ء
انور فیروزپوری	مختارِ کل ۱۹۷۷ء
رحمٰن کیانی	شمشیرِ ضیا بار ۱۹۷۷ء
صائم چشتی	روحِ کائنات ۱۹۷۷ء
	اُن خنک شہرے ۱۹۷۹ء
سیف زلفی :	روشنی ۱۹۷۸ء
راغب مرادآبادی	مدحتِ خیرالبشر ۱۹۷۸ء
صابر براری	جامِ طہور ۱۹۷۸ء
قیوم نظر	نعتِ مصطفےٰ ۱۹۷۸ء
مسرور کیفی	چراغ حرا ۱۹۷۸ء، ملجا و ماویٰ ۱۹۸۰ء
	جمالِ حرم ۱۹۸۱ء، نورِ یزداں ۱۹۸۳ء
حفیظ تائب	صلوا علیہ وآلہٖ ۱۹۷۸ء
ظہیر صدیقی	خیرالوریٰ ۱۹۷۹ء
فیاض احمد کاوش	نور و نکہت ۱۹۷۹ء
میجر محمد عاشق	عقیدت کے پھول ۱۹۷۹ء
کرم حیدری	نعم ۱۹۸۰

نام	مجموعۂ نعت اور سالِ اشاعت	
شیدا وارثی	نعت حبیبؐ	۱۹۸۰ء
ذوقی مظفرنگری	نجم سحر	۱۹۸۰ء
بیگم نصرت عبدالرشید	آہِ سحرگاہی	۱۹۸۰ء
نورالحسن چشتی	ارمغانِ نور	۱۹۸۰ء
عزیز لکھنوی	متاعِ عزیز	۱۹۸۰ء
صہبا اختر	اقراءُ	۱۹۸۱ء
محمد احمد شاد	صل علیٰ	۱۹۸۱ء
	نعت کے پھول	۱۹۸۱ء
قاضی عبدالرحمٰن	ہوائے طیبہ	۱۹۸۱ء
گوہر ملسیانی	مظہرِ نور	۱۹۸۱ء
طفیل دارا	بعد از خدا	۱۹۸۲ء
اقبال صلاح الدین	حدیثِ آشنا	۱۹۸۲ء
پروفیسر آسی ضیائی	حسرتِ نعت	۱۹۸۲ء
ڈاکٹر ظہیرالدین علوی	چشمۂ کوثر	۱۹۸۲ء
سرور بجنوری	حمد و نعت	۱۹۸۲ء
طالب حسین طالب	پھول حمد و نعت کے	۱۹۸۲ء
قمر ہاشمی	مرسلِ آخر	۱۹۸۲ء
سید یزدانی جالندھری	صبحِ سعادت	۱۹۸۲ء
عابد نظامی	فیضانِ کرم	۱۹۸۳ء
فدا خالدی	م - ص	۱۹۸۳ء
الطاف قریشی	ثنا	۱۹۸۳ء

نام	مجموعہ نعت اور سالِ اشاعت	
منیر قصوری	چادرِ رحمت	۱۹۸۳ء
حافظ محمد افضل فقیر	جانِ جہاں	۱۹۸۳ء
حنیف اسعدی	ذکرِ خیرالانام	۱۹۸۳ء
عارف عبدالمتین	بے مثال	۱۹۸۳ء
مفتی انتظام اللہ شہابی	ظہورِ قدسی	
شبنم سحابی	قوسِ قزح	
مرتضیٰ خاور	نغماتِ حرم	
	جمالِ مدینہ	۱۹۷۷ء
محمد علی ظہوری	نوائے ظہوری	
عبدالستار نیازی	یا حبیبی مرحبا	
ہلال جعفری	جانِ رحمت، طلوعِ سحر،	
	معراجِ مصطفیٰ	
درد کاکوروی	دردکا درماں، جامِ کوثر	
	سرورِ کائنات	
بیدل جبل پوری	انوارِ طیبہ	
محمد الیاس برنی	معروضہ	
اسلم جالندھری	عقیدت کے پھول	
صوفی برکت علی	تاجدارِ مدینہ	
الم مظفرنگری	سدرہ و طوبیٰ	
اوج گیاوی	لمعاتِ اوج	
صوفی جمیل الرحمٰن قادری رضوی	قبالۂ بخشش	

ماخذ

۱۔ اُردو کی نعتیہ شاعری ، ڈاکٹر فرمان فتحپوری لاہور ۱۹۷۴ء

۲۔ اُردو کی نعتیہ شاعری ، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق

۳۔ اُردو کی نعتیہ شاعری ، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کراچی ۱۹۷۶ء

۴۔ اُردو نعت مقالہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر ریاض مجید

۵۔ تاریخ ادب اُردو ، ڈاکٹر جمیل جالبی

۶۔ دیوان، کلیات اور نعتیہ مجموعے جن کا حوالہ مقالے میں موجود ہے۔

۷۔ رسائل و اخبارات

۸۔ مختلف اوقات میں لیے گئے نوٹس

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں

(القلم ، ۴)



انتخاب نعتیہ شاعری

(عربی)

روضۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے مواجہہ شریفہ کی جالیوں پر کندہ

نعتیہ اشعار

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرْبِ اَعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

ترجمہ

اے بہتر اُن سب سے جن کے اجسادِ شریفہ خاک میں مدفون ہوئے ہیں
اور اُن کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں
میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپ سکونت فرما ہیں
اس قبر شریف میں پرہیزگاری ہے اور اسی میں جُود اور کرم ہے

ہَمزِیَۃُ البُوصیری

(المتوفی ۶۹۶ھ)

۱ کیف ترقی رقیتك الانبیاء یا سماء ما طاولتها سماء

۲ رحمة كله و حزم و عزم ووقار و عصمة و حياء

۳ لا تحل البأساء منه عرى الصبر ولا تستخفه السّراء

۴ كرمت نفسه فما يخطر السوء على قلبه ولا الفحشاء

۵ وسع العالمين علما وحلما فهو بحر لم تعيه الاعياء

۱۔ آپؐ کی بلندی کو انبیا، کہاں پہنچ سکتے ہیں، اے وہ آسمان جس کا بلندی میں کوئی آسمان مقابلہ نہیں کر سکتا۔

۲۔ آپؐ سراپا رحمت ہیں، قوتِ فیصلہ اور قوتِ ارادہ کے بادشاہ ہیں۔ وقار، پاک دامنی اور شرم وحیا کے کامل و مکمل نمونہ ہیں۔

۳۔ مصیبتیں آپؐ کے صبر کی کسی کڑی کو توڑ نہیں سکتی تھیں، مسرتیں آپ کو آپے سے باہر نہیں کر سکتی تھیں

۴۔ آپؐ کا نفس وہ نفس بلند تھا جس پر برائی اور بے حیائی کا سایہ بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔

۵۔ سارے عالم کو آپ نے اپنے علم و بردباری سے سیراب کر دیا، آپؐ ایک سمندر تھے جس کو کوئی وزنی سے وزنی شے بھی عاجز نہیں کر سکتی۔

○

ابن حجۃ الحموی

(المتوفی ۸۳۹ھ)

۱ لی فی ابتدا مدحکم یا عرب ذی سلم — براعة تستهل الدمع فی العلم
۲ باللّٰه سربی فسربی طلقوا وطنی — ورکبوا فی ضلوعی مطلق السقم
۳ شدت بکم العشاق لما ترنموا — فغنوا وقد طاب المقام وزمزم
۴ وضاع شذاکم بین سلع وحاجرٍ — فکان دلیل الظاعنین الیکم
۵ وجزتم بوادی الجزع فاخضرّ والتوی — علیٰ خدّه بالنّبت صدغ منمنم
۶ اوری بذکر البان والرند والنقا — وسفح الوادی والجزع والقصد انتم
۷ تقنعت فی حبی لهم فتعصبوا — علیّ وهم سادات من قد تلثموا
۸ لهم حسب عالی ببطحاء مکة — لأن رسول اللّٰه فی الاصل منهم
۹ عسٰی وقفة او قعدة لابن حجةٍ — علیٰ بابکم یسعیٰ بها وهو محرم
۱۰ فقد جاء یشکو من ذنوبٍ تعاظمت — وقدرك فی یوم الشفاعة اعظم
۱۱ وقد ناله فی عنفوان شبابه — هموم وسیف الهم للظهر یقصم
۱۲ وعارضه قد شاب فی زمن الصبا — عسٰی بك من ذا العارض الصعب یسلم
۱۳ فیاوردنا الصّافی اطیور قلوبنا — علیك اذا ما بها الضیم حوّم
۱۴ علیك سلام نشره کلما بدا — به یتغالی الطیب والمسك یختم

۱ - اے ذی سلم کے عربو! مجھے آپ کی مدح خوانی سے ابتدا کرنے میں فنی کمال حاصل ہے، وہ فنی کمال جو آنسو کو پہاڑ کی چوٹیوں پر چھلکانے لگتا ہے۔
یعنی جب میں اپنا نغمہ شروع کرتا ہوں تو لوگوں کے آنسو بہنے لگتے ہیں اور سامنے کے پہاڑ آنسوؤں کی وجہ سے جھلمل کرنے لگتے ہیں۔

۲ - خدا کے لیے مجھے لے چلو، کیونکہ میرے قافلہ والوں نے میرے وطن کو چھوڑ دیا اور میری پسلیوں میں وہ روگ لگا دیا ہے جو بڑھنے اور پھیلنے میں ہر طرح سے آزاد ہے۔

۳ - عشاق جب گنگنائے تو آپؐ کی مدح میں گنگنائے اور ترنم سے شعر پڑھا تو ملترم اور زمزم جھوم اُٹھے۔

۴ - آپ کی خوشبو سلع اور حاجر میں پھیل گئی، اونٹوں پر چلنے والوں کو راستہ آپ کی منزل تک اسی خوشبو نے دکھایا۔

۵ - آپؐ جب وادی الجزع سے گزرے تو وہ سرسبز و شاداب ہو گئی، اس کے رخساروں پر ہریالی پھیل گئی اور بیل بوٹوں نے دلکش نقش بنا دیے۔

۶ - یعنی بان، رند اور نقا نامی درختوں سفح الوادی اور جزع نامی مقامات تو صرف بات بنانے اور "توریہ" کے لیے ہیں مقصد تو صرف آپؐ ہیں۔

۷ - میں نے اہلِ حجاز سے اپنی محبت چھپانے کے لیے اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لی تو یہ سب میرے خلاف ہو گئے (حالانکہ جس وجہ سے نقاب ڈالی ہے وہ یہی لوگ ہیں) اور یہی اس طرح کی محبت کرنے والوں کے آقا ہیں۔

۸ - ان کا خاندانی وقار بطحائے مکہ میں بہت بلند ہے، کیونکہ رسول اللہؐ دراصل انہی میں سے ہیں۔

۹ - کیا تعجب ہے کہ ابنِ حجہ کا آپؐ کے درِ پاک پر ایک "قیام" یا "قعود" کام آجائے جس کے لیے وُہ "احرام باندھے ہوئے" (سعی کر رہا ہے) کوشاں ہے۔

۱۰ - وہ ان گناہوں کی فریاد لے کر آیا ہے جو بہت بھاری ہو چکی ہیں، لیکن آپؐ کی شان شفاعت کے دن اس سے بھاری ہے۔

۱۱ - ابتدائے جوانی ہی میں اس کو (یعنی ابن حجہ کو) مصائب نے دبوچ لیا تھا، اور مصائب کی تلوار ریڑھ کی ہڈی کو توڑ دیا کرتی ہے۔

۱۲ - نوعمری ہی میں وُہ بُوڑھا ہو چکا تھا، کیا عجب ہے کہ آپؐ کے صدقے میں وہ اس سخت عارضہ سے نجات پا جائے۔

۱۳ - اے سرچشمۂ پاک! ہمارے دلوں کے پرندے جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے آپؐ کے گرد منڈلانے لگتے ہیں۔

۱۴ - آپؐ پر سلام ہو۔ اس سلام کی عطر بیز ہوائیں جب بھی پھیلیں گی تو وہ عطر سے بازی لے جائیں گی اور مشک اس پر مہر کرے گا۔

○

شیخ عبدالرحیم البرعی

(المتوفی ۱۴۰۰ء)

(۱)

۱ اری برق الغُوَیر اذا تراٰی أی باقصی الشام نہوّرنی بکاءً

۱۔ یعنی غُوَیر (غویر غور کا مصغر و تشبیہی جگہ، ایک مقام کا نام) کے اُفق پر بجلی چمکی جس کو دیکھ کر میرے دل پر چوٹ پڑی اور میں رو پڑا۔

۲ وفی اکناف طیبۃ ہاشمی یصرف بالسماحۃ حیث شاء

۳ امام المرسلین و منتقاھم حوی الخیرات ختمًا وابتداء

۴ تناھی فخر کل اخی فخار ولن تلقٰی لمفخرہ انتہاء

۵ نبی ما رأتہ الشمس إلا وغضت عن محاسنہ حیاء

۶ عظیم إن تواضع عن علو کبیر لیس یرضی الکبریاء

۷ و ذٰلك خیر من حملتہ ام ومن لبس العمامۃ والرداء

۸ انخ بجنابہ الانضاء وابذل لزائرہ المودّۃ والصفاء

۹ نحنّ لذکرہ طربًا و شوقًا فتحسبنا تساقینا الطلاء

۱۰۔ ومالی لا احن الی حبیب ثملت براح مدحتہ انتشاء

۱۱۔ رسول اللّٰہ اعلی الناس قدرا واکرمھم و أرجحھم فناء

۱۲ ومن لی أن أزورك بعد بعدٍ صباحًا یا محمّد أو مساء

۱۳ واشمّ تربة نفخت عبیرًا وانظر قبة ملئت ضیاء

۱۴ علیك صلاة ربّك ما تبادت صبا نجد نسیما او رخاء

۲ - طیبہ کے ایک حصّے میں ایک ہاشمی ہیں، وُہ جس طرح چاہتے ہیں، سخاوت پر حکمرانی کرتے ہیں (یعنی سخاوت میں اس درجہ ممتاز ہیں کہ گویا اس صفت پر ان کو پُورا قابُو ہے اور جیسے چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں)

۳ - وہ تمام انبیائے مرسلین کے امام اور ان سب میں منتخب ترین نبی ہیں، خُوبیوں کی ابتداء وانتہا دونوں کو انھوں نے گھیر لیا ہے۔

۴ - ہر صاحبِ فخر کا سرمایۂ فخر ختم ہوگیا، لیکن آپؐ کے لیے جو فخر کی باتیں ہیں ان کی انتہا نہیں ہے۔

۵ - وُہ ایسے نبی ہیں کہ آفتاب نے جب بھی ان پر نظر ڈالی تو ان کے محاسن کو دیکھ کر شرمندہ ہو کر سرنگوں ہوگیا۔

۶ - وہ عظیم شخصیت کے مالک ہیں لیکن بلندیوں کے باوجود عاجزی فرماتے ہیں، وہ بڑے ہیں لیکن بڑائی نہیں جتلاتے۔

۷ - وہ ذاتِ گرامی حق سے بہتر شخص کو کسی ماں نے جنم نہیں دیا اور ردا و عمامہ میں ان سے بہتر انسان کو نہیں دیکھا گیا۔

۸ - ان کی چوکھٹ پر اُونٹنیوں کو بٹھاؤ، اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کی خاطر مدارات کرو۔

۹ - ہم ان کی یاد میں جُھومتے اور مست ہوتے ہیں اور اشتیاق میں تڑپتے ہیں، تم ہمیں اس حال میں دیکھ کر یہی سمجھو گے کہ گویا ہم ایک دُوسرے کو جامِ شراب پلا رہے ہیں۔

۱۰ - اور ہم کیوں نہ اس ذاتِ محبوبی کی یاد میں تڑپیں جن کی مدح کی شراب سے شادکام ہو کر ہم مست ہو رہے ہیں۔

۱۱ - وہ رسول اللہ ہیں تمام انسانوں میں بلند و بالا حیثیت کے مالک، اور سب سے زیادہ سخی، جن کا صحن سب سے زیادہ وسیع ہے۔

۱۲ - کون ہے جو مجھے وہاں لے جائے کہ اس دُوری کے بعد آپؐ کی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! صبح و شام زیارت کروں۔

۱۳ - اور اس خاک کو چُوموں جس سے مشک کی خوشبو پھیلتی ہے، اور اس گنبد کو دیکھوں جو نور سے بھرا ہوا ہے۔

۱۴ - آپؐ پر آپؐ کے رب کا درود و سلام ہو جب تک کہ نجد کی نسیمِ سحر اور بادِ صبا چلتی رہے۔

(۲)

۱۵ اذا عهدوا فلیس لهم وفاء وان وعدوا فموعدهم هباء

۱۵ - (خالص تشبیب کا مضمون ہے کہ) یہ معشوق اگر عہد کریں تو ان میں وفا نہیں، اور اگر وعدہ کریں تو ان کا وعدہ خس و خاشاک ہے۔

۱۶ وان عثرت بك الايام فانزل باكرم من تظلله السماء

۱۷ نَبِيٌّ هَاشِمِيٌّ ابطحيٌّ شمائله السماحة والوفاء

۱۶ - اگر تم زمانہ کے ہاتھوں ستم رسیدہ ہو تو اس سخی داتا کے در پر آجاؤ، جن سے زیادہ سخی انسان پر کبھی آسمان سایہ فگن نہیں ہوا۔

۱۷ - وہ نبی ہاشمی البطحی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) سخا و وفا ان کی خُو ہے۔

۱۸ فقل واشفع ترٰی کرما ومجدا وسل تعطى وشيمتك العطاء

۱۹ لك الحوض المعين كرامة يا محمّد والشفاعة واللواء

۱۸، ۱۹ - (جو بھی طلب ہو) کہیے اور شفاعت کیجئے، بخشش اور توقیر لیجئے، مانگیے ملے گا، اور بخشنا، دینا تو آپ کا شیوہ ہے آپ کے لیے یہ حوض ہے جو سرچشمہ ہے، اے محمدؐ! آپ کے لیے حوضِ کوثر، اذنِ شفاعت اور لواء الحمد انعام ہے۔

۲۰ اذا نسبوا المكارم والمعالى فانت لها تمام وابتداء

۲۱ اذا الفخر انتهٰى شرفا فحاشا وكلا ما لفخركم انتهاء

۲۰ - جب سیرت و کردار کی بلندیوں اور خاندانی شرافتوں کا ذکر ہوگا تو اس کی ابتداء اور تکمیل دونوں آپ کی ذات سے منسوب ہوں گی۔

۲۱ - اگر دُنیا کا سرمایہ ختم ہو جائے پھر بھی آپؐ کے لیے جو فخر کی باتیں ہیں وہ حاشا وکلا کبھی ختم نہیں ہوسکتیں۔

(۳)

۲۲ متى يستقيم الظل والعود أعوج وهل ذهب صرف يساويه بهرج

۲۲ - جب لکڑی ٹیڑھی ہو تو سایہ کب سیدھا ہوگا، کیا زرِ خالص کی برابری کھوٹا سکّہ کر سکتا ہے؟

۲۳ فيا شوم حظى حين ينكشف الغطاء اذا لم يكن لى من ذنوبى مخرج

۲۴ ولیس معی زاد ولا لی وسیلة — بلی هاشمی بالبهاء متوج

۲۳، ۲۴- ہائے رے میری شومیٔ قسمت! جب پردہ اُٹھے گا اور گناہوں کے بارے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا، نہ میرے پاس کوئی (نیک اعمال کا) توشہ ہے، نہ کوئی سہارا ہے، ہاں البتہ ایک ہاشمیؐ ہیں جن کے سر پر زینتوں کا تاج ہے۔

۲۵ اذا مدح المداح أرباب عصرهم — مدحت الذی من نوره الکون یبهج

۲۶ وان ذکروا لیلیٰ ولبنیٰ فاننی — بذکر الحبیب الطیب الذکر الهج

۲۷ أما ومحل الهدی تدمن نحورها — ومن ضمه البیت العتیق المدبج

۲۸ لقد شاقنی زوار قبر محمدٌ — فشوقی مع الزوار یسری و یدلج

۲۹ وارتاح من ارواح أطیاب طیبةٍ — اذا المسك فی أرجائها یتأرج

۳۰ بلاد بها جبریل یسحب ریشه — وینزل من جو السماء و یعرج

۳۱ نبی تغار الشمس من نور وجهه — بهیّ نقی الثغراء أحور أدعج

۳۲ تزید به الایام حسنا و یزد هی — به الدین، والدنیا به تتبرج

۳۳ مکارم اخلاق وحسن شمائل — وشیمة جود بحره متموج

۲۵- جب ثناخوانی کرنے والے اپنے اہلِ زمانہ کی ثناخوانی کرتے ہیں تو میں اس ذات کی مدح کرتا ہوں جس کے نور سے کائنات روشن ہے۔

۲۶- جب یہ لوگ کسی "لیلیٰ" یا کسی "لبنیٰ" کا ذکر کرتے ہیں تو میں اس حبیب پاکؐ کی یاد میں نغمہ خواں ہوتا ہوں جن کا ذکر سراسر معطر ہے۔

۲۷- قسم اس مقام کی جہاں قربانی کے جانوروں کی گردنوں سے خون بہایا جاتا ہے اور قسم ہے ان کی جن کو پُر رونق بیت الحرام اپنی آغوش میں لیتا ہے۔

۲۸- قبرِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کو جانے والوں نے میرے شوق کو بھڑکا دیا ہے، ان زائروں کے

ساتھ میرا شوق بھی رات دن گامزن ہے۔

۲۹ - میرے دل کو راحت اُن ہواؤں سے ملتی ہے جو طیبہ کے پاکیزہ کناروں سے چلتی ہیں، جبکہ مشک بیز لپٹیں اس شہر کے گوشے گوشے میں پھیلتی ہیں۔

۳۰ - وہ شہر جہاں جبریل بھی اپنے پَر سمیٹے ہوئے آسمان سے اُترتے چڑھتے رہتے تھے۔

۳۱ - یہ سب اُس نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے میں ہے، جن کے چہرہ انور کی تابانی کو دیکھ کر آفتاب بھی شرما کے جھک جاتا ہے وہ جو بارونق، پاکیزہ رو، کشادہ اور سرگیں چشم والے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۲ - زمانہ جُوں جوں گزرتا جاتا ہے آپؐ کا جمال بڑھتا جاتا ہے۔ دین آپؐ سے سرسبز و شاداب، دنیا آپؐ سے مزین اور سیراب۔

۳۳ - اخلاق کی بلندیوں، عادات کی خوبیوں کے آپؐ مجموعہ ہیں، سخاوت آپؐ کی عادت ہے اور وہ ایک ایسا سمندر ہے جس میں موج ہی موج ہے۔

○

ابن نباتہ مصری

(المتوفی ۷۶۸ھ)

شجون نحوها العشاق فاءُوا

وصبّ ماله فی الصبر راء

ہم ایسے رنج واندوہ میں گرفتار ہیں کہ ان حالات میں بڑے بڑے عشاق کی "قاف" تھک "ف" ہو کر رہ جاتی ہے، یعنی ان کی کمر جھک جاتی ہے، اور ہمارے دل پر وہ افتاد پڑی ہے کہ میرے "صبر" میں (حرف) "ر" نہیں ہے، صبّ عاشق، دل گرفتہ، وارفتہ، متعدد معنوں میں آتا ہے۔

۱ وصحب ان غروا بملام مثلی   فرب أصاحبٍ بالاثم باءوا

۲ وعین دمعها فی الحب طهر   کان دموع عینی بئرحاً

۳ ولاحٍ ماله هاء و میم   له من صبوتی میم وهاء

۱۔ میرے ایسے احباب ہیں کہ اگر میرے ایسے انسان کی ملامت پر کسی کو اکسائیں تو بہت سے ساتھی گناہ لے کر لوٹیں گے، اس شعر میں باءُو الوٹنے کے معنی میں ہے، اور حرف "ب" بھی ہے۔

۲۔ اور ایسی آنکھ جس کے آنسو محبت میں پاک ہیں، گویا میری آنکھوں کے آنسو "بئرحاء" بن جاتے ہیں (یہ مدینہ منورہ کا ایک کنواں ہے۔ اور حرف "ر" کی تحتی کشش جو آنسو کی لکیر کی مانند ہوتی ہے، وہ بھی مراد لی جا سکتی ہے)

۳۔ ملامت کرنے والے عشق کے غم سے ناآشنا ہیں، میرا جنونِ شوق ان سے کہتا ہے "بس" کیجئے۔ (مہ کے معنی کف امر کے ہیں)

۱ وان محمداً لحبیب انس   وجن هم لنعلیه فداء

۲ نبیٌّ تحمل الانباء عنه   جمال الشمس یجلوها الضحاء

۳ واین الشمس منه سنا ولولا   سناه ما الم بها بهاء
۴ ولولاه لما حجت وعجت   وفود البیت ضاق بها الفضاء
۵ اعد لی یا رجاء زمان قرب   بروضته اعد لی یا رجاء
۶ ولثم حصی لتربته ذکی   کان شذاه فی نفسی کباء
۷ صفی الله یا ازکی البرایا   بحبك فی عقائد فا الصفاء
۸ علیك من الملیك بکل وقت   صلاة فی الجنان لها أداء

۱ - بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن و انس دونوں کے پیارے ہیں، اور ایسے پیارے ہیں کہ یہ سب کے سب آپؐ کی جوتیوں پر فدا اور قربان ہیں۔
۲ - آپؐ ایسے نبی ہیں کہ آفتاب کا حسن جب دن چڑھے نمایاں ہوتا ہے تو آپؐ کے رُخِ تاباں کی یاد دلاتا ہے۔
۳ - اور کہاں آفتاب میں وہ رونق ہو گی جو آپؐ میں تھی، اگر آپؐ نہ ہوتے تو حُسن و جاذبیت سے وہ محروم ہی رہتا۔
۴ - اگر آپؐ نہ ہوتے تو نہ کوئی حج کرتا اور نہ بیت اللہ کے یہ مہمان ہوتے، جن سے پُوری فضا گونجتی رہتی ہے اور نہ کوئی کبھی اللہ کا نام پکارتا۔
۵ - اے امید! پھر ایک بار آپؐ کے روضۂ پاک کی حاضری کی آس دلا دے اور حضوری کا زمانہ قریب کر دے۔
۶ - وہ زمانہ قریب کر دے جب ہم آپؐ کی تربت کے اُوپر پڑی ہُوئی کنکریوں کو چُومیں، آنکھوں سے لگائیں، وہ کنکریاں جن میں سے ہر ایک عطر بیز ہے اور جس کے لیے میرا قلب عود کی طرح جل رہا ہے۔
۷ - اے اللہ کے منتخب ترین بندے! اے ساری کائنات میں سب سے زیادہ پاکیزہ وجودِ گرامی! آپؐ کی محبّت کے صدقے میں ہمارے عقیدوں میں پاکیزگی پیدا ہُوئی ہے۔
۸ - مالکِ حقیقی ہر لمحہ آپؐ پر درود و سلام بھیجتا رہے جس کی جزا ہم کو آخرت میں ملنے والی ہے۔

○

شہاب الدین محمود الحلبی

(۱)

اعمل حساب النفس عن هفواتها
واستدرك الطاعات قبل فواتها
واجهد لنفسك بالخلاص بكفها
عن غيها والصد عن شهواتها

نفس کی لغزشوں کا محاسبہ کرتے رہو، وقت گزرنے سے پہلے طاعت کے ذریعہ تلافی کر لو۔ نفس کی فریب کاریوں سے بچنے کی کوشش کر لو تاکہ اس کی سرکشی سے محفوظ رہو اور اس کے اکسانے کو روک سکو۔

۱ اسفی علی زمن تقضی امکنت — فیه زیارة دارہ لم أتها
۲ راح الرفاق الی الحمی و تاخرت — نفسی التی سکنت الی راحاتها
۳ مع ان ایام الزیارة لم أجد — شیئاً إلی ألذّ من اوقاتها
۴ لونشتری بالعمر ما غبن امرؤ — بذل السنین لمشتری ساعاتها
۵ دارٌ یری نور الهدیٰ متالقاً — یهدی البصائر من جمیع جهاتها
۶ والروضة الفیحاء یعبق نشرها — من جنة الفردوس عن نفحاتها
۷ والحجرة الغراء بین ستورها — أسنیٰ من الاقمار فی هالاتها

۸ وتریٰ مواقف جبرئیل بربعها — ومهابط الاملاك فی حجراتها
۹ هل لی إلیها عودة اعتدها — لمکارم الایّام خیر هباتها
۱۰ واملی العین القریحة بالّذی — أیسته الا فی خداع سناتها
۱۱ واقول : یاخیر الوری نفسی اتت — ترجوك فاقبلها علی علاتها
۱۲ صلی علیك الله ما هبت صبا — فاختالت الاغصان فی عذباتها
۱۳ أو غنّت الورقاء فی اوراقها — تدعوا الهدیل بها الی وکناتها

۱۔ اپنی حسرت کو کس طرح بیان کروں کہ وہ زمانہ گزر گیا جبکہ میں دیارِ پاک کی زیارت کو جا سکتا تھا، مگر نہ گیا۔
۲۔ سب ساتھی اس "جائے پناہ" کی طرف کوچ کر گئے اور میں ہی پیچھے رہ گیا اور میرا نفس راحت طلبی میں لگ گیا۔
۳۔ حالانکہ زیارت کی گھڑیوں سے زیادہ محبوب شے اس نفس کو کبھی نصیب نہیں ہوئی۔
۴۔ دیارِ پاک پر حاضری کی چند ساعتوں کے لئے جس شخص نے سالہا سال صرف کر دئے وہ گھاٹے میں نہیں رہا، کیونکہ یہ سودا اگر پوری عمر دے کر بھی حاصل کیا جاتا تو سستا رہتا۔
۵۔ یہ وہ دیارِ پاک ہے جہاں نورِ ہدایت فروزاں ہے اور جہاں دل کی آنکھوں کو بہر سو روشنی ملتی ہے۔
۶۔ اور وہ کشادہ ریاض الجنۃ جس کی عطر بیز ہوا جنت الفردوس کے جھونکوں سے سرشار رہتی ہے۔
۷۔ اور وہ انوار سے جگمگاتا ہوا حجرۂ شریفہ جن پر پردے پڑے ہیں اس چاند سے زیادہ روشن ہے، جو اپنے ہالے کے اندر رہتا ہے۔
۸۔ یہ وہی حجرۂ مبارکہ ہے کہ جس کے کسی گوشے میں حضرت جبرئیل کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور انہی حجروں میں فرشتوں کے نزول کی جگہیں ہیں۔
۹۔ کاش! پھر اس دیارِ پاک میں ایک بار حاضری ہو جائے اور اس سفر کے لیے اپنے عزیز ترین لمحاتِ زندگی کا بہترین سامانِ ہدیہ تیار رکھوں۔
۱۰۔ اور تمناؤں سے پُر اپنی مشتاق نظر کو اس دولتِ دیدار سے سیراب کروں جس سے مایوسی ہو چکی ہے، اور صرف خواب ہی میں وہ ملتی ہے۔
۱۱۔ اور عرض کروں یاخیر الوریٰ! یہ غلام حاضر ہو گیا ہے، اب یہ جیسا بھی ہے، اس کو قبول فرمالیجئے۔

۱۲- اللہ کا آپؐ پر درود و سلام ہو جب تک کہ نسیمِ سحر چلتی رہے اور شاخیں جھومتی رہیں۔
۱۳- اور اس کی ڈالیوں پر بیٹھی قمری گاتی رہی اور کبوتر کو اپنے گانوں سے اپنے گھونسلے کی طرف بلاتی رہی (یعنی ہمیشہ ہمیشہ)۔

(۲)

هل نازح الدار بعد البين مقترب
أو هل يؤب الى الاوطان مغترب

کیا گھر سے نکلا ہوا مسافر فرقت کی گھڑیاں گزارنے کے بعد کبھی قریب آئے گا، اور کیا دُور دیس چلا جانے والا مسافر اپنے وطن واپس آئے گا؟

۱ فهل ترى اسمع الحادين عن كثبٍ — وهم يقولون لى: قف! هٰذه الكثب
۲ وهل صباح ارٰى فيه قباب قبا — كانها بين ساجى نخله شهب
۳ وهل تماط وقد جئت الثنية ما — بينى و بين المصلى والنقا الحجب
۴ فانظر الحرم السامى بساكنه — و امطر الارض دمعًا دونه السحب
۵ وألثم الترب اجلا لا لديه وهل — لثم الترب يؤدى بعض ما يجب
۶ هناك تطفا اشجانى وتبرأ جفانى — وتذهب عنى هٰذه الكرب
۷ ولا ابالى بفقد انى الحيات وقد — وجدت ماكنت أرجوه وارتقب
۸ مغنى به فاض فضل الله وانبعثت — به الى الخلق طرًّا للهدٰى شعب
۹ وطبقت رحمة الله البلاد به — كانها الغيث يسرى وهو منسكب
۱۰ وسار منه هدى لم تبق شارقة — الاونور سناها منه مكتسب

۱۱ مغنی بہ خیر خلق اللہ کلھم	و من بہ بلغت اقصی العلا العرب
۱۲ محمد سید السادات اکرم من	علت بمثلہ فوق الوریٰ الرتب
۱۳ محمد المصطفیٰ الھادی الذی شہدت	ببعثہ انبیاء اللہ و الکتب
۱۴ و من طھر البیت الحرام وقد	علت علی الکعبۃ الاوثان والنصب

۱ - وہ کیا مبارک ساعت ہوگی جب حدی خوانوں کی آواز قریب سے سُنوں گا اور وُہ مجھ سے کہہ رہے ہوں گے، ٹھہرو! دیکھو یہ بستی کے آثار ہیں۔ (کَثَبْ، قریب۔ کُثُبْ: مٹی کے تودے۔ مراد مٹی سے بنے ہوئے درو دیوار، کسی بستی کی علامت)

۲ - کیا وُہ صبح میری زندگی میں آئے گی جب "قبا" کے گنبدوں پر نظر پڑے گی، جو کھجوروں کے جھنڈ کے درمیان چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہوں گے۔

۳ - اور کیا وہ وقت آئے گا جب میری نگاہوں کے سامنے سے پردے ہٹا دئے جائیں گے اور میں ثنیۃ الوداع پر پہنچوں گا، مصلّی اور نقا کے سب حجاب دُور ہو جائیں گے۔

۴ - پھر میں حرم پاک دیکھوں گا، جو اپنے مکینؐ کی وجہ سے بلند درجہ رکھتا ہے، اور اس سرزمین پر اس قدر آنسو بہاؤں گا کہ بادل بھی پیچھے رہ جائیں۔

۵ - اور اس خاک پاک کو عظمت و احترام سے چُوموں گا، مگر کیا یہ خاک بوسی کچھ بھی حق ادا کر سکتی ہے؟

۶ - وہاں دل کی آگ بجھے گی، پلکیں آنسوؤں سے ٹھنڈی ہوں گی اور دل کے سارے اندوہ کافور ہو جائیں گے۔

۷ - مجھے اپنی زندگی کے ختم ہو جانے کی کوئی پروا نہیں ہے، کیونکہ مجھے میری مراد مل گئی، میری آرزو پوری ہو گئی۔

۸ - کیونکہ ہم اس آبادی میں پہنچ گئے ہیں جہاں سے اللہ کا فضل اُبلتا ہے اور ہدایت کے چشمے جہاں سے پھوٹ پھوٹ کر ساری مخلوق کو سیراب کرتے ہیں۔

۹ - اللہ کی رحمت نے ساری دُنیا کو اپنی آغوش میں لے لیا جیسے ایک تیز بارش ہو (جس سے سب سیراب ہوتے ہیں)۔

۱۰ - ہدایت کی روشنی یہاں سے نکلی اور کوئی کرن ایسی نہیں ہے جو اس نور کے فیض سے فیض یاب نہ ہو۔

۱۱ - یہ وُہ آبادی ہے، جس میں اللہ کے برگزیدہ ترین بندے کی رہائش ہے، جن کے صدقے میں عربوں کو بے مثال عروج حاصل ہوا۔

۱۲ - وہ ذات گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، جو تمام سرداروں کے سردار ہیں، اور جن جن پیغمبروں کے لائے ہوئے

دین سے دنیا میں روشنی پھیلی ان سب کے امام، ان سب میں عالی مقام۔

۱۳ - یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وُہ ہادیٔ برحق ہیں جن کی نبوت کی شہادت تمام انبیائے سابقین اور ہر آسمانی صحیفہ نے دی۔

۱۴ - جن کی بدولت بیت اللہ الحرام پاک ہوا، جہاں بُتوں اور مجسموں کو اونچا کر کے رکھا گیا تھا۔

○

شیخ جمال الدّین الصرصری

(المتوفی ۶۵۸ ء)

(۱)

۱ واصلتنا بطیفها اسماء   حین أرخت ستورها الظلماء

۲ قلت انّی ولات حین مزارٍ   زرتنا فی الدّجیٰ و انت ذکاء

۳ بیننا فی السریٰ و بینك بید   و فیافٍ دونها تیهاء

۴ این ارض العراق یا ربة الخدر   واین الحجاز و البطحاء

۵ مالنا مرتجی سوی وعد مولی   ماجدٍ لایخیب فیه الرجاء

۶ من اذا قال أو تکفل   فالصدق قرین لوعده والوفاء

۷ مصطفی اللّٰه ذی الجلال من الخلق   نبی له علینا ولاء

۸ شهدت بالرسالة الصحف الأولیٰ   له والنعوت و الاسماء

۹ خاتم الانبیاء فاتح باب الرشد   و الناس ضلّلٌ سفهاء

۱۰۔ فأتاهم من ربه بکتابٍ   هو للنّاس رحمة و شفاء

۱۔ جب تاریکیوں نے اپنے پردے گرادیے، یعنی رات آگئی تو اسماؔ نے پھر خواب میں اپنا جلوہ دکھادیا۔
۲۔ میں نے کہا تم کہاں اور کیسے آگئیں جبکہ ملنے کا وقت بھی نہیں رہا، تم تاریکی میں آئی ہو حالانکہ خود آفتاب ہو۔
۳۔ گردشِ شب میں ہمارے تمہارے درمیان صحرا، بیابان، جنگل اور طویل راستے ہیں۔ (تیہاء: زمین)
۴۔ کہاں عراق اے پردہ نشین، اور کہاں سرزمینِ بطحاؑ و حجاز!

۵ - میرا ٹھکانہ صرف اس آقا کے دامنِ رحمت میں ہے، جو بہت بلند کردار کے حامل ہیں اور جہاں کسی کی امید ضائع نہیں جاتی۔
۶ - وہ ذاتِ گرامیؐ جس نے اگر کوئی قول دیا یا کوئی ذمہ داری لی تو صداقت و وفا شعاری سے ہمیشہ ہمکنار رہا۔
۷ - خدائے ذوالجلال کے منتخب کردہ اور تمام انسانوں میں سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ شخصیت کے مالک وہ نبیؐ ہیں جن کا وفادار رہنا ہم پر فرض ہے۔
۸ - قدیم آسمانی صحیفوں نے آپؐ کے اوصاف ذکر کیے بلکہ نام شمار کرائے اور آپؐ کی رسالت کی شہادت دی۔
۹ - خاتم الانبیاء، فاتح بابِ ہدایت آپؐ ہیں، جبکہ سارے لوگ جہل و گمراہی میں مبتلا تھے۔
۱۰ - اس وقت آپؐ اپنے رب کے حضور سے ایسی کتاب لے کر آئے جو تمام انسانوں کے لیے شفا و رحمت ہے۔

(۲)
سلام

۱ یا نبی الھدیٰ علیك السّلام — کلما عاقب الضیاءُ الظلامُ
۲ زادك اللّٰه رفعة و جلالاً — وبھاءً و عزّةً لا تُرامُ
۳ قد قطعنا الیك فجّا عمیقاً — بقلوبٍ بھا الیك اُوام
۴ نطلب الفضل منك یا خیر ھادٍ — فلدیك الاحسان و الانعام
۵ منك بذل الندی وحسن قِریٰ — الضیف ومن جودك استفاد الکرام
۶ انت بالبشر و السماح ملی — ولنا بالسریٰ الیك ذمام
۷ انت نعم الشفیع فی الموقف — الاکبران طال بالامام المقام
۸ فجدیر أن لا نجیب لدیك الیوم — راجٍ شعاره الاسلام
۹ ان یکن عاقنا القضاء و طالت — بالمطایا عن قصدك الایام
۱۰ فلنا جیئةٌ الیك و منا — کل وقت یھدیٰ الیك سلام

۱ - اے پیغمبرِ ہدایت! آپؐ پر سلام ہو، جب جب تاریکی کا تعاقب روشنی کرے۔ (یعنی رات دن، ہمیشہ ہمیشہ)

۲ - بڑھاتا ہے اللہ آپؐ کی بلندیٔ عظمت، شکوہ، اور اس عزت کو جس کو کوئی چھو نہ سکے۔
۳ - ہم آپؐ کے درِ دولت پر بڑی طول طویل مسافت کاٹ کر حاضر ہوئے ہیں، اور ایسے دل لے کر آئے ہیں، جو سراسر تشنہ ہیں۔
۴ - اے سب سے بہتر ہادیؐ! ہم آپ سے صدقہ کے طالب ہیں، احسان بخشی اور انعام دینا آپؐ کا خاصہ ہے۔
۵ - آپؐ کی عادت ہے سخاوت فرمانا، مہمانوں کی تواضع کرنا۔ آپؐ کی سخاوت سے تو بڑے بڑوں نے اپنے دامن بھرے ہیں۔
۶ - بشاشت، وسعتِ قلبی کے تو آپ بادشاہ ہیں، رہے ہم تو ہمارے شب و روز کے سفر کا ایک حق ہے۔
۷ - آپؐ ہی بہترین شفیع ہوں گے، جب خلقِ خدا کی حضوری کا کٹھن وقت ہوگا، اور سب بے یار و مددگار کھڑے ہوں گے۔
۸ - لہٰذا آج ایک امیدوارِ رحمت، اسلام جس کا شعار ہے، اس کا مستحق ہے کہ اس کی امید آپؐ کے حضور برباد نہ ہو۔
۹ - اگرچہ قسمت نے آپؐ کے در تک حضوری سے بہت عرصہ محروم رکھا اور سواریوں کی دشواری حضوری میں آڑے آتی رہی۔
۱۰ - مگر آج ایک حاضری نصیب ہوگئی ہے، اور میری جانب سے ہر لحظہ آپؐ پر درود و سلام ہو۔

○

عبدالرحمان بن خلدون

(المتوفی ۱۴۰۶ء)

۱ اسرفن فی ھجری و فی تعذیبی — واطلن موقف عبرتی و نحیبی

۲ وابین یوم البین وقفة ساعةٍ — لوداع مشغوف الفواد کئیب

۳ للّٰہ عھد الضاعنین و غادروا — قلبی رھین صبابةٍ و وجیب

۴ غربت رکائبھم و دمعی سافح — فشرقت بعدھم بماء غروبی

۵ یا ناقعًا بالعتب غلة شوقه — رحماك فی عذلی و فی تانیبی

۶ ماھاجنی طربٌ و لا اعتاد الجوٰی — لولا تذکّر منزلٍ و حبیب

۷ أھفو الی الاطلال کانت مطلعًا — للبدر منھم أو کناس ربیب

۸ یا سائق الاظعان یعتسف الفلا — ویواصل الاساد بالتأ ویب

۹ متھافتا عن رحل کل مذلّلٍ — نشوان من عطش و مسّ لغوب

۱۰ فی کل شعب منیةٌ من دونھا — ھجرالامانی أو لقاء شعوب

۱۱ ھلا عطفت صدور ھن الی التی — فیھا لبانة اعین و قلوب

۱۲ فتؤم من اکناف یثرب مأمنًا — یکفیك ماتخشاہ من تثریب

۱۳ حیث النبوة ایھا مجلوة — تتلو من الاثار کل غریب

۱۴ سرغریب کیف یحجبه الثرٰی — ماکان سر الله بالمحجوب

۱۵ یاسید الرسل الکرام إضراعةً | تقضی منیٰ نفسی و تذھب حولی
۱۶ عاقت ذنوبی عن جنابك والمنی | فیھا تعللنی بکل کذوب
۱۷ ھب لی شفاعتك التی أرجوبھا | صفحًاجمیلاً عن قبیح ذنوبی
۱۸ انی دعوتك واثقًا باجابتی | یاخیر مدعو وخیر مجیب
۱۹ قصرت فی مدحی فان یك طیبا | فیما لذکرك من اریج الطیب
۲۰ ماذا عسی یبغی المطیل وقدحوی | فی مدحك القرآن کل مطیب

۱ - مجھے ستانے اور فراق دینے میں ان خواتین نے بہت زیادتی کی اور میری آہ وزاری کرنے اور آنسو بہانے کا سبب جو باتیں ہوتی ہیں ان کو اُنھوں نے اور بھی طول دیا۔
۲ - جدائی کے دن ذرا دیر کے لیے ٹھہرنا بھی منظور نہیں کیا، تاکہ ایک دلگیر "غم زدہ" کو رخصت کر لیتیں۔
۳ - بس اللہ ہی کی دین تھا، وُہ زمانہ جو ان کوچ کرنے والوں کے ساتھ گزر گیا، مگر وہ میرے دل کو محبت میں دھڑکتا ہوا چھوڑ گئے۔
۴ - ان کی سواریاں نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں مگر میرے آنسو جاری رہے اور ان کے بعد روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی۔
۵ - اس کے شوق کی پیاس کو "روٹھ کر" بجھانے والے! رحم کر رحم! خواہ ملامت کرنا ہو یا محروم وصل رکھنا۔
۶ - مجھے کسی خوشی کی بات نے کبھی بے قابو نہیں کیا اور اگر منزل دوست اور دوست کی یاد نہ ہوتی تو میں غم کا بھی عادی نہ بنتا۔
۷ - ان پہاڑی ٹیلوں کی طرف میرا دل کھنچتا ہے، جو کبھی اس قافلہ کے "مہرمنیر" سے تاباں تھا یا اس "غزال" سے آباد تھا، جو اپنے ٹھکانے پر ہو۔
۸، ۹، ۱۰ - (ان اشعار میں خطاب ہے ساربانوں سے جو سواری کے اُونٹ لے کر چلا کرتے تھے کہ) اے سار بانو! تم ایسے اونٹوں کو چلا رہے ہو جو بیابانوں کا طویل راستہ طے کر رہے ہیں اور قوت میں شیروں سے بازی لئے جا رہے ہیں، گرتے پڑتے بھاگے جا رہے ہیں، نہ بھوک ان کو لگتی ہے نہ پیاس۔ نڈر ہیں اور ایسے میدانوں پر چلتے ہیں جہاں ہر موڑ اور ہر گھاٹی میں موت کا سامنا ہے، ایسے اونٹوں کے چلانے والو!
۱۱ - کیوں نہ تم نے ان سواریوں کے رُخ کو اس سمت موڑ دیا جہاں دلوں اور نگاہوں کی مراد ہے؛

۱۲ - یہ سواریاں یثرب کے ایک گوشہ میں جائے امن حاصل کرتیں، وہ شہر، جو ہر انکار کے خوف سے تم کو نجات دیتا۔
(تثریب کے لفظی معنی تکذیب کے ہیں، کوئی شخص اگر عذر بیان کرے تو اس کو قبول نہ کیا جائے اور جرم کی سزا دینے پر اصرار کیا جائے تو اس کو تثریب کہتے ہیں۔ لا تثریب علیکم الیوم کا مطلب ہوا کہ تمہارا عذر آج رد نہیں کیا جائے گا)

۱۳ - وُہ یثرب جہاں نبوت کے جلوے روشن ہیں وہاں کی غیر مشہور نشانیاں بھی زبانِ حال سے اپنا قصہ دُہرا رہی ہیں۔

۱۴ - جہاں ایک نادر "راز" محفوظ ہے، جس کو مٹی نے چھپایا کب ہے، اور اللہ کا راز چھپائی جانے والی شے نہیں ہے۔
"سر" روح کو بھی کہتے ہیں، اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کہ آپؐ حق تعالیٰ کے ایک "سر" تھے اور اس کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

۱۵ - اے سرورِ رسولانِ کرام! خدا کے حضور ایک التجا پیش کر دیجئے جو میری مرادِ دلی بر لائے اور میرے گناہ بخش دے۔

۱۶ - میرے گناہ آپؐ کے حضور آنے کی راہ میں حجاب بن گئے ہیں، اور تمنائیں دل کو جھوٹی تسلیوں سے بہلاتی رہتی ہیں۔

۱۷ - اپنی شفاعت سے نوازیئے، جس کے ذریعہ مجھے امید ہے کہ اللہ میرے بدترین گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

۱۸ - میں بڑے اعتماد کے ساتھ آپؐ کے حضور التجا لے کر آیا ہوں، اے وہ بہترین ذات جس کو پکارا جائے اور جو قبولیت سے نوازے۔ (دُوسرے مصرع کی بلاغت کو ترجمے سے ظاہر کرنا ناممکن ہے)

۱۹ - میں نے آپؐ کی مدح کا حق ادا نہیں کیا، اگر کچھ اچھا کہہ گیا ہوں تو وہ صدقہ ہے آپؐ کی عطر بیز یاد کا۔

۲۰ - زیادہ سے زیادہ کہنے والا بھی کیا کہہ سکتا ہے جبکہ قرآن نے ہر بہترین بات آپؐ کے متعلق کہہ دی ہے۔

○

علّامہ ابنِ حجر

(المتوفی ۸۴۴۸ھ)

۱ هوی فیہ الملامة کالهواء   فلا یطمع لناری فی انطفاء
۲ أعاذل ان نار الشوق تذکو   ولم یخمد تلهبها بکائی
۳ ویبعد طفوها بریاح لوم   ومن جفنی لم یطفا بماء
۴ وذکری أرض نعمان بها قد   روت عینای من ماء السماء
۵ تسلست الروایة عن جفونی   علی ضعفٍ بها من فرط دائی
۶ لایام الجفا خبر طویل   ونادرة لییلات[1] اللقاء
۷ قضیت هوی بهجرك یا حبیبی   وعاملت الاحبة بالاداء
۸ وانی ان تشاقر بی فدانٍ   الیك وان نویت نوًی فنائی
۹ بقربك لی المسرة فی صباحی   وبعدك لی المساءة فی مسائی
۱۰ ولا انسٰی غداة البین لما   رأنی إلیاس منقطع الرجاء
۱۱ وقد زفت لهم نجب تهادٰی   کامثال العرائس للجلاء
۱۲ فقلت لها خذی جسمی وروحی   بطیبة حیث مجتمع الهناء
۱۳ منازل طیبة الفیحاء عرفًا   منازه طیبة وملاذ نائی

---

[1] لیل کا مصغّر لُیَیل - اس کی جمع لییلات ہے۔ یعنی بہت مختصر راتیں۔

۱۴ فان رمدت من التسهید عین فاثمد تربها عین الداء

۱۵ وان قنطت من العصیان نفس فباب محمد باب الرجاء

۱۶ نبیّ خص بالتقدیم قدما وآدم بعد فی طین وماء

۱۷ کریم بالحیا من راحتیه یجود وفی المحیا بالحیاء

۱۸ ویروی طالب برا وعلمًا لدیه عن یزید وعن عطاء

۱۹ نبی الله یا خیر البرایا بجاهك أتقی فصل القضاء

۲۰ وأرجو یا کریم العفو عما جنته یدای یا رب الحیاء

۲۱ فکعب الجود لا یرضی فداء لنعلك وهو راس فی السخاء

۲۲ ومن بمدحك ابن زهیر کعب لمثلی منك جائزة الثناء

۲۳ فان احزن فمدحك لی سروری وان اقنط فحمدك لی رجائی

۲۴ علیك سلام رب الناس یتلو صلاةً فی الصباح وفی المساء

۱ - یہ وہ عشق ہے جس میں "ملامت" ایک "بادِ ہوائی" کی حیثیت رکھتی ہے۔ میرے سوزِ دروں کے بجھنے کی کوئی توقع نہیں کرسکتا۔

۲ - اے ملامت کرنے والے! آتشِ شوق اور بھڑکتی ہے میرے رونے سے اس کی تیزی (بھڑک) بجھتی نہیں ہے۔

۳ - بادِ ملامت سے اس آگ کا بجھنا بہت بعید ہے، اور نہ پلکوں سے گرنے والے آنسو اس کو بجھا سکتے ہیں۔

۴ - اس سرزمین کی یاد میں جہاں "نعمان" نامی پھول ہوتے ہیں، میری آنکھوں نے وہ جھڑی لگائی کہ آسمان سے پانی برسنے کی روایت زندہ ہوگئی۔

۵ - میری آنکھوں سے یہ "سلسلۂ روایت" مسلسل جاری ہے، حالانکہ میری آنکھ کمزور ہے مگر مرض کی شدت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ یہ سلسلہ رکتا نہیں ہے (یعنی آنسو مسلسل جاری ہیں)۔

۶ - زمانۂ ستم کی کہانی بہت طویل ہے، ہنگام وصال کی مسرتیں ایک نادر الوجود شے ہے۔

۷۔ میرے حبیبؐ! میں نے تیری محبت میں فراق کا زمانہ گزار دیا، دوستوں سے "مدارات" کا معاملہ رکھا۔

۸۔ اگر تو وصال پسند کرے تو یہ تیرے لیے قریب ہے، اور اگر فراق کا ارادہ ہے تو اس میں میری ہلاکت ہے۔

۹۔ تیرے قرب میں میرے لیے ہر صبح ایک سامانِ مسرت ہے، تیرے فراق میں ہر شام میرے لیے شامِ بلا ہے۔

۱۰۔ جدائی کے دن کی گھڑی کبھی بھلائی نہیں جا سکتی جبکہ ناامیدی نے امید کا خاتمہ کر دیا۔

۱۱۔ وہ قافلہ جس میں محبوبہ تھی اس کے لیے اچھی نسل کی اونٹنیاں اس طرح پیش کی گئیں جس طرح دلھنوں کی شبِ عروسی میں رونمائی کرائی جاتی ہے۔

۱۲۔ میں نے ان اونٹنیوں سے کہا کہ میرے جسم وجاں کو "طیبہ" پہنچا دو، جہاں ہر مسرت کا سامان موجود ہے۔

۱۳۔ طیبہ کے وسیع مقامات جہاں سے خوشبوئیں پھیلتی ہیں، پاکیزگی کی پناہ گاہیں ہیں اور ہر بچھڑے مسافر کے لیے ٹھکانا ہے۔

۱۴۔ اگر شب بیداری سے آنکھیں آشوب کر آئی ہوں تو اس سرزمین کی مٹی حقیقی دوا ہے۔

۱۵۔ اگر کثرتِ عصیاں سے کوئی شخص ناامید ہو گیا تو محمدؐ کا بابِ کرم اس کے لیے بابِ امید ہے۔

۱۶۔ وہ پیغمبر جو متقدم ہونے کی حیثیت سے سب سے ممتاز ہیں، اور آپؐ کو اس وقت نبی بنایا گیا جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

۱۷۔ وہ ایسے سخی ہیں کہ آپؐ کے دونوں ہاتھوں بخشش وعطا کا مینہ برس رہا ہے، اور چہرۂ انور پر حیا و شرم نمایاں رہتی ہے (یعنی سخاوت کر کے آپؐ کے اندر نعوذ باللہ کبر نہیں پیدا ہوتا بلکہ جس طرح لینے والی نگاہیں شرم سے جھکی رہتی ہیں، اسی طرح دے کر اور بخشش فرما کر حیا آپؐ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہوتی ہے)

۱۸۔ آپؐ کی سخاوت کا طالب آپ کے احسان وعلم کی حکایت عطا و یزید سے کرتا ہے۔ (عطا و یزید حدیث کے راویوں میں معروف ہیں "یزدی" کا لفظ بھی حدیث کی مصطلحات میں ہے، مطلب یزید سے مستزید ہے یعنی مزید طلب کرنے والا، اور عطا کے معنی بخشش کے ہیں)

۱۹۔ اے رسولِ خدا! اے سب سے برگزیدہ انسان! آپؐ کے طفیل اللہ سے حشر کے دن کی رسوائی سے پناہ مانگتا ہوں۔

۲۰۔ اے بہترین معاف کرنے والے! امیدوار ہوں کہ میرے کرتوت کو آپ نظر انداز کر دیں گے اے شرم و حیاء کے مالک!

۲۱۔ کعب بن مامن جو سخاوت میں بہت مشہور ہے، وہ میرے نزدیک آپؐ کی جوتیوں پر قربان کیے جانے کے لائق بھی نہیں ہے، حالانکہ اس کا شمار سخیوں کے سرداروں میں تھا۔

۲۲۔ کعب بن زہیر نے آپؐ کی مدح کر کے ہمارے لیے ایک راستہ کھولا ہے، یہ اس کا احسان ہے، میرے عیبوں کو

آپؐ کی ثنا خوانی کا انعام پانے کی اُمید بندھ گئی ہے۔

۲۳۔ اگر میں غمگین ہوتا ہوں تو آپؐ کی مدح سامانِ مسرت بہم پہنچاتی ہے، اور اگر کبھی مایوسی چھاتی ہے تو آپؐ کی مدح سے آسرا ملتا ہے۔

۲۴۔ تمام انسانوں کے مالک اور رب کا آپؐ پر سلام ہو، اور سلام کے بعد درود ہو، اور یہ سلسلہ صبح و شام قائم رہے۔

○

شیخ عبداللہ شبراوی

(المتوفی ۱۱۷۱ھ)

۱ مقلتی! قد نلت کل الأرب　هٰذہٖ انوار طٰہ العربی

۲ هٰذہٖ انوار طٰہ المصطفیٰ　خاتم الرسل شریف النسب

۳ هٰذہٖ انوارہ قد ظهرت　وبدت من خلف تلك الحجب

۴ هٰذہٖ انوارہ فانتهزی　فرصه العمر وبه انتهبی

۵ هٰذہٖ انوارہٖ فابتهجی　طرباً فالوقت وقت الطرب

۶ هٰذہٖ طیبة یا عین وما　بعد من طابت به من طیب

۷ طالما کنت تحنین الی　رویة القبر الذی فی یثرب

۸ هٰذہٖ انوار ذاك القبر قد　اشرقت یا مقلتی فاقتربی

۹ ذاك قبر من أتاہ زائراً　مرةً فی عمرہٖ لم یخب

۱۰ وتادّب یا أخا الوجد فما　انت إلا فی مقام الادب

۱۱ واسکب الدمع سرور افعلی　غیرہٖ دمع الهنا لم یسکب

۱۲ والکحل الاماق من تربتہٖ　ینجلی عند جمیع النصب

۱۳ فهو بحر زاخر من جاءہ　طالباً فاز بأسنیٰ مطلب

۱۴ أیّ جاہٍ مثل جاہ المصطفیٰ　معدن المعروف کنز الحسب

۱۵ یارسول الله انی مذنب ‏ ومن الجود قبول المذنب
۱۶ یا نبی الله مالی حیلۃ ‏ غیر حبی لك یا خیر نبی
۱۷ ویقینی فیك یا خیر الورٰی ‏ ان حبی لك اقوی سبب
۱۸ عظم الکرب ولی فیك رجا ‏ فیه یارب! فرّج کربی
۱۹ واغثنی یا الٰه العرش من ‏ نفس سوءٍ فی الهوی تلعب بی
۲۰ وتدارك مابقی لی فلقد ‏ ضاع عمری فی الهوی واللعب

۱۔ اے میری آنکھ! تُو نے اپنی ہر مراد پالی۔ یہ رہے انوار حضرت طٰہٰ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔
۲۔ یہ ہیں انوار حضرت طٰہٰ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے، جو خاتم الرسل، عالی نسب ہیں۔
۳۔ یہ ہیں انوار جو نمایاں ہو رہے ہیں، اور ان پردوں کی اوٹ سے چھن چھن کر نکل رہے ہیں۔
۴۔ یہ انوار ظاہر ہو رہے ہیں، موقع غنیمت جان، پوری عمر کا راس المال یہ لمحہ ہے، اور یہیں پر اس دولت کو لوٹ لے۔
۵۔ یہ انوار سامنے ہیں، جھوم اور مسرت میں جھُوم، یہ وقت جھُومنے ہی کا ہے۔
۶۔ اے آنکھ! یہ طیبہ ہے، طیبہ جو ذات طیّب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صدقہ میں سراپا پاکیزہ ہے، اس کے بعد اور کیا چاہئے!
۷۔ کب سے تجھے اشتیاق تھا، اس قبر شریف کی زیارت کا! جو کہ یثرب میں واقع ہے۔
۸۔ لے یہ انوار قبر پاک سامنے ہیں، اے دیدۂ حیراں یہ انوار نمایاں ہیں اور قریب ہو جا۔
۹۔ یہ وہ قبر مبارک ہے کہ یہاں جو شخص اپنی عمر میں ایک مرتبہ بھی آیا ناکام نہیں رہا۔
۱۰۔ محوِ مسرت میں جھُومنے اور مست ہونے والے! ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھُوٹے، تو سب سے برگزیدہ مقامِ ادب میں حاضر ہے۔
۱۱۔ ہاں اشکِ مسرت بہا، کیونکہ اس مقام کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہے جہاں اشکِ مسرت رواں ہو۔
۱۲۔ اور اس خاک پاک کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنا، سارا دُکھ درد کافور ہو جائے گا۔
۱۳۔ رسولِ پاکؐ ایک دریائے رحمت ہیں دریا جوش مار رہا ہے جو ان کی خدمت میں آتا ہے، اپنی ہر مراد حاصل کر لیتا ہے۔
۱۴۔ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کی جاہ و منزلت سے بڑھ کر کس کی جاہ و منزلت ہوگی، جو کہ سخاوت و کرم کے معدن اور خاندانی شرافت کا خزانہ ہیں۔

۱۵- یارسولؐ اللہ ! میں بے چارہ ہُوں ! سخاوت میں یہ بھی داخل ہے کہ گناہ گار کو شرفِ قبولیت بخشا جائے۔
۱۶- یارسولؐ اللہ ! میں بے چارہ ہُوں، میرا چارہ اگر کچھ ہے تو آپؐ کی محبت ، اے تمام نبیوں میں سب سے بہتر نبی !
۱۷- مجھے آپؐ پر یقین ہے اے کائنات کے گلِ سرسبد ! کہ میری محبت ایک بڑا وسیلہ بنے گی ۔
۱۸- میری مصیبت بڑی ہے، اور آپؐ کی ذات سے میری امید وابستہ ہے' اے ربِّ کریم ! ان کے صدقہ میں میری مصیبت دُور فرمادے ۔
۱۹- اللہ العرش ! فریاد سُن لے، میرے نفسِ بد کے شر سے پناہ دے جو ہوا و ہوس میں گرفتار ہے ۔
۲۰- میری عمر کا جو حصّہ باقی رہ گیا ہے، اس میں گزشتہ معاصی کی تلافی کرا دے، کیونکہ اب تک عمر لہو و لعب میں گزری ہے ۔

○

شیخ حسین دُجانی

(المتوفّی ۱۸۵۲ء)

(۱)

۱ الیك یا رسول اللّٰه وجهت وجهتی و ارسیت فی زخار بحر جودك مركبی

۲ فمن رسول اللّٰه منك بنظرة انا احرم فیها الاصفیاء بمنكبی

۱ - یارسولؐ اللہ! میں نے اپنا رُخ آپؐ کی طرف موڑ لیا ہے اور آپؐ کی سخاوت کے دریا میں اپنا سفینہ لنگر انداز کیا ہے۔
۲ - بس ایک نگاہِ کرم سے احسان فرمائیے۔ یہ نگاہ مجھے اس لائق بنا دے گی کہ خاصانِ خدا کے شانہ بشانہ کھڑا ہو سکوں۔

(۲)

۱ اذا هبّت الاریاح من نحو طیبةٍ اهاج فؤادی طیبها و هبوبها

۲ فلا تعجبوا من لوعتی و صبابتی هوی كلّ نفسٍ این حلّ حبیبها

۱ - جب طیبہ کی جانب سے نسیمِ سحر چلتی ہے تو اس کے جھونکے اور اس کی خوشبوئیں میرے دل کو بے کل کر دیتی ہیں۔
۲ - میری سوزشِ دروں اور میری وارفتگی پر حیرت نہ کرو۔ ہر شخص کو وہ جگہ عزیز ہوتی ہے جہاں اس کا حبیب ہوتا ہے۔

○

شیخ عبدالغنی النابلسی

(المتوفی ۱۷۳۰ء)

۱ ما للقلوب سوی ذٰلك الحمی طلب — ولا العیون لها فی غیرہٖ أرب

۲ یاکعبۃ تستجیرا لطائفون بها — نور بہٖ تظهر الاشیاء وتحتجب

۳ محمد خیر کل العالمین لقد — سمحت علی الخلق فی افضالہ سحب

۴ لَہٗ مَزِیَّۃُ جُوْدٍ فی الوجود نمت — حتی علی العجم استعلت بہ العرب

۵ وزادہ اللہ فی اسرائہ رتبًا — رفیعۃً خفضت من دونها الرتب

۶ وقد رقی لیلۃ المعراج فی درج — نحو العلا حیث عنہ زالت الحجب

۷ وحبہٗ دین اهل اللہ قاطبۃً — لهم بہ نسب ما فوقہ نسب

۸ وانت باب العطا والجود یا أملی — بك الالہ علی طول المدی یهب

۱ - سوائے اُس در کے دل کو کسی جگہ کی طلب نہیں ہے، اور آنکھوں کو اس درپاک کے علاوہ کسی چیز کے دیکھنے کی آرزو نہیں ہے۔

۲ - اے کعبۂ مراد! جس کے گرد چکّر لگانے والے پناہ حاصل کرتے ہیں، اس نور سے جس سے چیزیں نمایاں ہوتی ہیں اور چھپتی ہیں۔

۳ - محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، تمام جہانوں کے جملہ مخلوق سے افضل و برگزیدہ ہیں جن کی بخشش اور سخاوت کا بادل سارے عالم پر برستا ہے۔

۴ - سخاوت ان کی عادت ہے، جس کا سلسلہ عرب سے لے کر عجم تک دراز ہے، اور عرب اسی سخاوت کے بدولت سرفراز ہوئے۔

۵ - اللہ نے آپ کو اسراء و معراج کے موقعہ پر وہ بلندی عطا فرمائی کہ اس کے سامنے ہر بلند کی بلندی پست نظر

آنے لگی۔

۶ - شبِ معراج آپؐ بلندی کے زینوں پر چڑھے اور اس مقام تک پہنچے جہاں سارے حجابات دور ہو گئے۔

۷ - آپؐ کی محبت تمام اہل اللہ کا دین و ایمان ہے، ہر اہلِ ایمان کا سلسلہ آپؐ سے مربُوط ہے۔ اس سلسلہ سے بہتر کوئی سلسلہ نہیں ہے۔

۸ - آپؐ ہی بابِ جُود و کرم ہیں، اے میرے سہارا! آپؐ کے توسل سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔

○

شیخ احمد تھانیسری

(المتوفی ۱۴۱۷ء)

۱ اطار لُبّی حنین الطائر الغرد — وهاج لوعة قلبی التائه الکمد

۲ واذکرتنی عهوداً بالحمیٰ سلفت — حمامةٌ صدحت من لاعج الکبد

۳ باتت تؤرقنی والقوم قد هجعوا — من بین مضطجعٍ منهم ومستند

۴ ما زار طرفی غمض بَعد بُعد کم — ولا خیال سرورٍ دار فی خلدی

۵ لیت الهویٰ لم یکن بینی وبینکم — ولیت حبل وِدادی غیر منعقد

۶ کانت مواسم ایامٍ وغرّتها — ولّت سِراعا، علیٰ رُغمٍ ولم تعد

۷ عشنا بها وعُیون البین راقدة — والقلب فی جذل والدهر فی رقد

۸ والهم منصرعٌ والکرب مندفعٌ — والجدّ مرتفعٌ کالانجم السعد

۹ والشعبُ ملتئمٌ والعهد منهزم — والشمل منتظم لم یُرم بالبدد

۱۰ حتّی استهل غُراب البین فارتحلوا — عند الصباح وشدوا العیش بالقتد

۱۱ کانّه لم یکن بین الحمی اِنسٌ — الی اللوی وکانّ الحیّ لم یفد

۱۲ صاروا أحادیث تُرویٰ بعد ما ملأوا — مسامع الدّهر بالالفاظ کالشّهد

۱۳ لا عیش بعد لُیَیلات اللوی رغداً — ولا وصول الی ذاک الحمی بیدی

۱۴ خلّل الاحادیث عن لیلیٰ وجارتها   وارحل الی السیّد المُختار من اَدَمِ

۱۵ ولیس فی الدّین والدنیا واٰخرتی   سِوی جناب رسول اللہ معتمدی

۱۶ رب الندی والجدی والصالحات معا   طفلا وکهلا وفی شبٍّ وفی مَرَدِ

۱۷ بالعلم مکتنفٌ بالحلم متّصفٌ   باللّطف ملتحفٌ بالبرّ متّسدِ

۱۸ بالشرع معتصمٌ للدّین منتقمٌ   فی اللّٰه مجتهدٌ باللّٰه مقتصدِ

۱۹ بالفقر مفتخرٌ بالزّهد مشتهرٌ   بالشکر متّزرٌ بالحمد منجردِ

۲۰ خطّاب مفصلة وضّاح مکرمةٍ   دفّاع مظلمةٍ من کل مضطهدِ

۲۱ العدل سیرتهٗ والفضل طینتهٗ   فی البذل شیمتهٗ فی الوجد ولوبدِ

۱۔ عندلیبِ نغمہ سرا کی بے تابیِ شوق نے میرے ہوش اڑا دئے اور میرے وارفتہ وزخم خوردہ دل کی سوزش کو ابھار دیا۔

۲۔ ایک بلبل جو جگر کی ٹیس سے بے تاب ہو کر نالہ کناں ہُوئی اس نے مجھے وہ زمانہ یاد دلا دیا جو کبھی اس وادی میں گزرا تھا۔
(حمامہ، کبوتری۔ ترجمہ میں 'بلبل' قصداً لایا گیا ہے)

۳۔ یہ بلبل میری نیند رات بھر اچاٹ کرتی رہی، لوگ سب خوابِ راحت کے مزے لے رہے تھے، کچھ لیٹے تھے، کچھ تکیوں کے سہارے پڑے تھے۔

۴۔ تمھاری جُدائی کے بعد سے میری آنکھ نہیں جھپکی، اور نہ دل میں کبھی مسرت کا خیال آیا۔

۵۔ کاش میرے اور تمہارے درمیان محبّت کا تعلق پیدا نہ ہوتا اور کاش رشتۂ اخوت استوار ہی نہ ہوا ہوتا۔

۶۔ عیش و سرمستی کے دن اور اس کی رونقیں بہت تیزی سے ختم ہو گئیں، میری خواہش کے برخلاف، اور پھر کبھی وہ دن لوٹ کر نہیں آئے۔

۷۔ (وہ زمانہ گزر گیا) جو ہم نے بسر کیا، جبکہ فراق کی آنکھیں سو رہی تھیں، دل شاداں و فرحاں تھا، ستم روزگار کو نیند آ گئی تھی۔

۸۔ غم و اندوہ کا پتا نہ تھا، مصیبت سے واسطہ نہ پڑا تھا، قسمت یاوری کر رہی تھی، جیسے خوش بختی کا ستارہ عروج پر ہو۔

۹۔ بھائی بند سب ایک ساتھ تھے، بیگانگی پسپا ہو گئی تھی، شیرازۂ الفت بندھا ہوا تھا۔ اس کو منتشر کرنے کا خیال بھی نہیں تھا۔

۱۰۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب فراق کا پیامی منحوس پرندہ سامنے آ گیا، لوگ صبح سویرے کوچ کر گئے اور اُونٹنیاں

تیز گامی کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

۱۱- (پھر تو وہ عالم ہوگیا کہ) حمّی اور لوٓی کے درمیان جیسے کبھی کوئی متنفس تھا ہی نہیں، اور گویا یہ علاقہ کبھی آباد ہی نہیں تھا۔

۱۲- یہ سب لوگ اب ایک قصّہ کہانی بن گئے، جن کی باتیں سُنی اور سُنائی جاتی ہیں، حالانکہ ایک زمانہ وُہ تھا جبکہ ان کی رسیلی آوازوں سے دُنیا کے کان گونج رہے تھے۔

۱۳- "لوٰی" کی ان مختصر اور جلد ختم ہوجانے والی راتوں کے بعد اور ان عیش و مسرّت کے حسین لمحات کے بعد اب زندگی کا کوئی مزا نہیں رہا، اور نہ اب اس وادی میں پہنچنا میرے بس میں ہے۔

۱۴- چھوڑو لیلیٰ کی باتیں اور لیلیٰ کی پڑوسنوں کی باتیں، چلو سیدِ مختارؐ کے حضور جو "اُدد" کے خاندان سے ہیں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب عدنان بن اُدد تک منتہی ہوتا ہے، ان کے بعد حضرت آدمؑ تک کے اسماٗ محققین کے اضافے ہیں جن میں ناموں کا اختلاف ہے)۔

۱۵- دین و دنیا اور آخرت میں میرے لیے جناب رسولؐ کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے (یا رسولؐ اللہ کی چوکھٹ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں ہے)

۱۶- وہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سخاوت، بخشش اور تمام خوبیوں کے جامع تھے، اپنے بچپن میں، جوانی میں اور نوخیزی کے زمانہ میں (یعنی ہر زمانے میں آپؐ ان اوصاف کے حامل تھے)

۱۷- علم سے آراستہ، بردباری سے وابستہ، لُطف و کرم آپؐ کا اوڑھنا بچھونا اور کرم گستری آپؐ کا شعار تھا (متّسد: ٹیک لگانے کی جگہ، یعنی کرم گستری آپؐ کا تکیہ ہے۔ محاورہ کا ترجمہ شعار کر دیا گیا ہے)

۱۸- شرع کے سختی سے کاربند، دین کے لئے (اپنی ذات کے لئے نہیں) انتقام لینے والے۔ اللہ کی راہ میں کوشاں، اللہ پر نظر جمائے رکھنے والے۔

۱۹- فقر پر فخر کرنے والے، دنیا سے بے رغبتی میں مشہور، شکر آپؐ کا لباس، حمدِ باری میں مصروف۔

۲۰- ایک ایک لفظ جُدا جُدا صاف صاف بولنے والے، کارناموں کو روشن کرنے والے، فریاد رسی کرنے والے اور ستم رسیدہ لوگوں کی پشت پناہی کرنے والے۔

۲۱- عدل و انصاف آپؐ کی سیرت ہے، لُطف و کرم آپؐ کی فطرت ہے، عطا بخشی آپؐ کی عادت ہے، خواہ خوش حالی ہو یا تنگ دستی۔

○

حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب

(المتوفی ۶۲۰ ء)

۱ وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ — حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

۲ فَاصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ — وَاَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُوْنَا

۳ وَدَعَوْتَنِيْ وَزَعَمْتَ اِنَّكَ نَاصِحِيْ — وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ اَمِيْنَا

۴ وَعَرَضْتَ دِيْنًا لَا مُحَالَةَ اِنَّهٗ — مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنَا

۵ لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْحِذَارُ مَسَبَّةٍ — لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنَا

۱۔ خدا کی قسم وہ اپنی جمعیت کے ساتھ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک مجھے دفن کر کے مٹی میں ٹیک لگا کر لٹا نہ دیا جائے۔
۲۔ تُو اپنا کام کئے جا تجھ پر کسی قسم کی تنگی نہیں ہے اور خوش رہ اور اس کام کے ساتھ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیے جا۔
۳۔ اور تُو نے مجھے دعوت دی اور تیرا خیال ہے کہ تُو میرا خیر خواہ ہے، تُو نے سچ کہا، اور پھر تُو تو ایک امانت دار (امین) رہ چکا ہے۔
۴۔ اور تُو نے وہ دین پیش کیا جو یقیناً دُنیا کے ادیان میں بہترین دین ہے۔
۵۔ اگر ملامت کا خوف اور سبکی کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس دین کو قبول کر لینے میں تُو یقیناً مجھے برملا فراخ دل پاتا۔

○

حضرت عثمان غنیؓ

(الشہید ۶۵۰ء)

فَيَا عَيْنِي ابْكِي وَلَا تَسْأَمِي
وَحُقَّ الْبُكَاءُ عَلَى السَّيِّدِ

تو اے میری آنکھ آنسو بہا اور نہ تھک
اپنے سردار پر آنسو بہانا تو لازم آچکا

○

حضرت عمر فاروقؓ

(الشہید ۶۴۴ء)

۱ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَظْهَرَ دِيْنَهٗ عَلٰى كُلِّ دِيْنٍ قَبْلَ ذَالِكَ حَائِدٍ

۲ وَاَسْلَبَهٗ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ بَعْدَ مَا تَدَاعُوْا اِلٰى اَمْرٍ مِنَ الْغَيِّ فَاسِدٍ

۳ غَدَاةَ اَجَالَ الْخَيْلُ فِيْ عَرَصَاتِهَا مُسَوَّمَةً بَيْنَ الزُّبَيْرِ وَخَالِدٍ

۴ فَاَمْسٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ عَزَّ نَصْرُهٗ وَاَمْسٰى عَدَاهُ مِنْ قَتِيْلٍ وَشَارِدٍ

۱۔ کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا ہر اُس دین پر جو اس سے پہلے تھا حق سے پھرا ہوا۔

۲۔ اور اللہ نے اہلِ مکّہ کو محروم کر دیا حضورؐ سے جب اُن لوگوں نے گمراہی کے خیالِ فاسد یعنی قتل پر کمر باندھی۔

۳۔ اور پھر وُہ صبح، جب گھوڑے اس کے میدانوں میں جولانیاں دکھانے لگے جن کی باگیں چھوٹی ہوتی تھیں، زبیرؓ و خالدؓ کے درمیان۔

۴۔ پس رسولؐ اللہ کو اللہ کی نصرت نے غلبہ بخشا اور ان کے دشمن مقتول ہُوئے اور شکست کھا کے بھاگے۔

○

حضرت ابُوبکر صِدّیقؓ

(المتوفی ۶۳۴ء)

۱ يَا عَيْنُ فَابْكِي وَ لَا تَسْأَمِي وَحَقِّ الْبُكَاءِ عَلَى السَّيِّدِ
۲ عَلَىٰ خَيْرِ خِنْدِفَ عِنْدَ الْبَلَا ءِ أَمْسَىٰ يُغَيَّبُ فِي الْمُلْحِدِ
۳ فَصَلَّى الْمَلِيكُ وَلِيُّ الْعِبَا دِ وَرَبُّ الْعِبَادِ عَلَىٰ أَحْمَدِ
۴ فَكَيْفَ الْحَيَاةُ لِفَقْدِ الْحَبِيبِ وَزَيْنِ الْمَعَاشِرِ فِي الْمَشْهَدِ
۵ فَلَيْتَ الْمَمَاتَ لَنَا كُلِّنَا فَكُنَّا جَمِيعًا مَعَ الْمُهْتَدِي

۱۔ تو اے آنکھ! خُوب رو، اب یہ آنسو نہ تھمیں، قسم ہے سرورِ عالمؐ پر رونے کے حق کی۔
۲۔ خِندف کے بہترین فرزند پہ آنسو بہا، جو غم و الم کے ہجوم میں سرِ شام گوشۂ قبر میں چھپا دیا گیا۔
۳۔ مالک الملک، بادشاہِ عالم، بندوں کا والی اور پروردگار احمدِ مجتبیٰ پہ سلام و رحمت بھیجے۔
۴۔ اب کیسی زندگی، جو حبیب ہی بچھڑ گیا اور وہ نہ رہا جو زینت دہِ یک عالم تھا۔
۵۔ کاش موت آتی تو ہم سب کو ایک ساتھ آتی آخر ہم سب اس زندگی میں بھی ساتھ ہی تھے۔

○

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطّلب بن ہاشم

(الشهيد ۳ھ ۶۲۵ء)

۱ حَمِدْتُ اللهَ حِيْنَ فُؤَادِیْ ... اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ
۲ لِدِيْنٍ جَاءَ مِنْ رَّبٍّ عَزِيْزٍ ... خَبِيْرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيْفٍ
۳ اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهٗ عَلَيْنَا ... تَحَدَّرُ دَمْعُ ذِی اللُّبِّ الْحَصِيْفِ
۴ رَسَائِلُ جَاءَ اَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا ... بِاٰيَاتٍ مُّبَيِّنَةِ الْحُرُوْفِ
۵ وَاَحْمَدُ مُصْطَفًى فِيْنَا مُطَاعًا ... فَلَا تَغْشُوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيْفِ
۶ فَلَا وَاللهِ نُسْلِمُهٗ لِقَوْمٍ ... وَلَمَّا نَقْضِ فِيْهِمْ بِالسُّيُوْفِ

۱۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی۔
۲۔ اُس دین کی جو عظمت و عزّت والے پروردگار کی طرف سے آیا ہے جو بندوں کے تمام حسابات سے باخبر اور اُن پر بڑا مہربان ہے۔
۳۔ جب اُس کے پیغاموں کی تلاوت ہمارے سامنے کی جاتی ہے تو ہر صاحبِ عقل اور صائب الرائے کے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔
۴۔ وہ پیغامات جن کی ہدایتوں کو احمدؐ لے کر آئے واضح الفاظ و حروف والی آیتوں میں۔
۵۔ اور احمدؐ ہم میں برگزیدہ ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا تم اُن کے سامنے نا ملائم لفظ بھی مُنہ سے نہ نکالنا۔
۶۔ تو خدا کی قسم ہم ان کو اس قوم کے حوالے کبھی نہیں کریں گے جن کے بارے میں ہم نے ابھی تلواروں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔

○

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

(المتوفی ۱۱ھ)

۱ مَاذَا عَلَىٰ مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدٍ اَلَّا يَشُمَّ مُدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

۲ صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

۱- جس نے ایک مرتبہ بھی خاک پائے احمدِ مجتبیٰ سونگھ لی تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے۔

۲- (حضورؐ کی جدائی میں) وہ مصیبتیں مجھ پر ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ مصیبتیں "دنوں" پر ٹوٹتیں تو دن "راتوں" میں تبدیل ہو جاتے۔

○

۱ اِغْبَرَّ اٰفَاقُ السَّمَاءِ وَكُوِّرَتْ شَمْسُ النَّهَارِ وَاَظْلَمَ الْاَزْمَانُ

۲ وَالْاَرْضُ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ كَئِيْبَةٌ اَسَفًا عَلَيْهِ كَثِيْرَةُ الْاَحْزَانِ

۳ فَلْيَبْكِهِ شَرْقُ الْبِلَادِ وَغَرْبُهَا يَا فَخْرَ مَنْ طَلَعَتْ لَهُ النِّيْرَانُ

۴ يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكِ صِنْوَةً صَلّٰى عَلَيْكَ مُنَزِّلُ الْقُرْاٰنِ

۱- آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہو گئیں اور لپیٹ دیا گیا دن کا سورج اور تاریک ہو گیا سارا زمانہ۔

۲- اور زمین نبی کریمؐ کے بعد مبتلائے درد ہے اُن کے غم میں ڈوبی ہوئی سراپا۔

۳- اب آنسو بہائے مشرق بھی اور مغرب بھی اُن کی جدائی پر، فخر تو صرف ان کے لیے ہے جن پر روشنیاں چمکیں۔

۴- اے آخری رسولؐ! آپ برکت و سعادت کی جوئے فیض ہیں آپؐ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود و سلام بھیجا ہے۔

○

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

(المتوفی ۶۷۶ء)

مَتٰی یَبْدُ فِی الدَّاجِی الْبَھِیْمِ جَبِیْنُہٗ
یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ
فَمَنْ کَانَ اَوْ مَنْ قَدْ یَکُوْنُ کَاَحْمَدَ
نِظَامٌ لِّحَقٍّ اَوْ نَکَالٌ لِّمُلْحِدِ

اندھیری رات میں ان کی پیشانی نظر آتی ہے تو اس طرح چمکتی ہے جیسے روشن چراغ۔
احمدِ مجتبیٰؐ کے جیسا کون تھا اور کون ہوگا حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحدوں کو سراپا عبرت بنا دینے والا۔

ابن العربی ابوبکر محی الدینؒ (الشیخ الاکبر)

(المتوفی ۱۲۴۰ء)

۱ اَلَا بِاَبِیْ مَنْ كَانَ مَلِكًا وَّسَيِّدًا ‏ ‏ ‏ وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ وَاقِفٌ

۲ فَذَاكَ رَسُوْلُ الْاَبْطَحِیُّ مُحَمَّدٌ ‏ ‏ ‏ لَهٗ فِی الْعُلَا مَجْدٌ تَلِيْدٌ وَّطَارِفٌ

۳ اَتٰی بِزَمَانِ السَّعْدِ فِیْ اٰخِرِ الْمُدٰی ‏ ‏ ‏ وَكَانَتْ لَهٗ فِیْ كُلِّ عَصْرٍ مَوَاقِفٌ

۴ اَتٰی لِانْكِسَارِ الدَّهْرِ يَجْبُرُ صَدْعَهٗ ‏ ‏ ‏ فَاَثْنَتْ عَلَيْهِ اَلْسُنٌ وَّعَوَارِفٌ

۵ اِذَا رَامَ اَمْرًا لَا يَكُوْنُ خِلَافَهٗ ‏ ‏ ‏ وَلَيْسَ لِذَاكَ الْاَمْرِ فِی الْكَوْنِ صَارِفٌ

۱ - سنو میرے ماں باپ قربان، وہ فرماں روا اور سردار کون تھا جب آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان ٹھہرے ہوئے تھے۔

۲ - وہی رسولِ البطحی، محمدؐ جن کو رفعت میں ہر شرف حاصل ہے قدیم بھی جدید بھی۔

۳ - وہ آخری زمانے کی نیک گھڑی میں تشریف لائے حالانکہ ان کو تو ہر زمانے میں مقام و موقف حاصل تھا۔

۴ - وہ آئے کہ ٹوٹے ہوئے زمانے کی شکستگی کو جوڑ دیں اور اس پر تو زبانیں ثناخواں ہیں اور عطیاتِ ربانی بھی۔

۵ - جب وہ ارادہ کر لیتے کسی بات کا تو وہ بات ان کے خلاف نہ جاتی اور پھر اُس بات کو اس کائنات میں کوئی پھیرنے والا نہ ہوتا۔

○

حضرت کعبؓ بن زُہیر

(المتوفی ۶۶۲ ء)

۱ فَقَدْ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُعْتَذِرًا وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَقْبُوْلُ

۲ لَقَدْ اَقُوْمُ مَقَامًا لَوْ یَقُوْمُ بِہٖ اَرٰی وَاَسْمَعُ مَا لَوْ یَسْمَعُ الْفِیْلُ

۳ لَظَلَّ یُرْعَدُ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ لَہٗ مِنَ الرَّسُوْلِ بِاِذْنِ اللّٰہِ تَنْوِیْلُ

۴ حَتّٰی وَضَعْتُ یَمِیْنِیْ لَا اُنَازِعُہٗ فِیْ کَفِّ ذِیْ نَقِمَاتٍ قِیْلُہُ الْقِیْلُ

۵ اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُسْتَضَاءُ بِہٖ مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

۱ - میں اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں عذرخواہ ہو کر پہنچا اور معافی و درگزر تو اللہ کے رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

۲ - میں اس مقام پر کھڑا تھا کہ اگر وہاں ہاتھی بھی کھڑا ہوتا اور ہاتھی وہ دیکھتا اور سنتا جو میں دیکھ اور سن رہا تھا۔

۳ - تو یقیناً کانپنے لگتا اگر اللہ کے حکم سے رسولؐ اللہ کی طرف سے جُود و سخا اور بخشش و عطا نہ ہوتی۔

۴ - یہاں تک کہ میں نے اپنا داہنا ہاتھ بغیر کسی مناقشے کے اس ہاتھ میں دے دیا جو کٹے کی سزا دے سکتا تھا اور جس کا قول قولِ فیصل تھا۔

۵ - بیشک رسولؐ اللہ وہ سیف ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار ہیں۔

○

اعشیٰ[۱]

۱	الم تغتمض عيناك ليلة ارمدا	وبتّ كما بات السليم مسهّدا
۲	وما ذاك من عشق النساء وانّما	تناسيت قبل اليوم خلة مهددا
۳	ولكن ارى الدهر الذى هو خائن	اذ أُصلحت كفاى عادى فافسدا
۴	شباب وشيب وافتقار وثروة	فلله هٰذا الدهر كيف ترددا

۱ - کیا اس بے خواب رات کو تیری آنکھیں نہیں جھپکیں اور کیا تُو نے ایک مارگزیدہ کی طرح بے چین پوری رات نہیں گزار دی۔

۲ - یہ جو کچھ ہوا عورتوں کے عشق میں نہیں ہوا، لیلاؤں کا عشق تو کب کے بھول چکے۔

۳ - بات یہ ہے کہ زمانہ بڑا بے وفا ہے، جب میری حالت سدھری اس نے بگاڑ دیا۔

۴ - جوانی، بڑھاپا، تنگی، خوشحالی، کیسے کیسے پلٹے یہ زمانہ کھاتا ہے۔

○

۱	فآليت لا ارثى لها من كلالة	ولا من وجى حتى تزور محمّدا
۲	نبىٌّ يرى ما لا ترون وذكره	أغار لعمرى فى البلاد وانجدا
۳	له صدقات ماتغب ونائل	وليس عطاء اليوم مانعه غدا
۴	متى ما تناخى عند باب بن هاشم	تراحى وتلقى من فواضله ندىٰ

۱ - میں نے قسم کھائی ہے کہ (اپنی اونٹنی کی) کمزوری اور اپنی برہنہ پائی کا اس وقت تک گلہ نہ کروں گا جب تک کہ

افتاں وخیزاں کسی حال میں وُہ مجھے محمدؐ تک نہ پہنچا دے۔

۲ - وہ ایسے نبی ہیں جو اُن چیزوں پر نظر رکھتے ہیں جن کو تم لوگ نہیں دیکھتے، اور میری قسم! ان کی شہرت ملک ملک پھیل چکی ہے۔

۳ - ان کے احسانات مسلسل ہوتے ہیں، جن میں ناغہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کے یہاں سے بٹنے والی خیرات کم نہیں ہوتی۔ کسی عنایت میں کمی اس لیے نہیں ہوتی کہ گزشتہ روز وہ کی جا چکی ہے۔

۴ - جب تم اپنی اونٹنی کو ابنِ ہاشمؓ کے در پر بٹھاؤ گے تو تمام کلفت بھول جائے گی، آرام پائے گی اور ان کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) صدقات تم کو سیراب کر دیں گے۔

○

محمد جار اللہ السّمہودی

(قصیدہ ذو قافیتین)

١ الصبح بدا من طلعته — والليل دجا من وفرته
٢ فاق الرسلا، فضلاً وعلا — وهدى السبلا بدلالته
٣ كنز الكرم، مولى النعم — هادى الأمم بشريعته
٤ ازكى النسب اعلى الحسب — كل العرب فى خدمته
٥ سعت الشجر نطق الحجر — شق القمر باشارته
٦ جبريل اتىٰ ليل الاسرا — والرب دعاه لحضرته
٧ نال الشرفا والله عفا — عما سلفا من امته
٨ فوسيلتنا هو سيّدنا — والعزلنا باجابته

١ - ان کے چہرۂ مبارک سے صبح بیدار ہوئی اور گیسوئے پاک سے رات سیہ پوش ہوئی۔
٢ - آپؐ تمام انبیائے کرام پر فضل وبلندی کے لحاظ سے سبقت لے گئے اور لوگوں کو اپنی رہنمائی کے ذریعہ حق کی راہوں پر لگایا۔
٣ - ذاتِ گرامی ہے خزانہ شرافت وسیر چشمی کا، اور مالک و وارث ہے تمام نعمتوں کی، اور آپؐ ساری اُمتوں کو اپنی شریعت کے ذریعہ ہدایت دینے والے ہیں۔
٤ - پاکیزہ تر نسب والے، اعلیٰ ترین خاندانی شرف رکھنے والے! سارے عرب آپؐ کے دریوزہ گر اور خدمت گزار ہیں۔

۵ - آپؐ کے ایک اشارہ پر درخت دوڑے، پتھر بولے اور چاند دو ٹکڑے ہوا۔
۶ - شبِ معراج جبریلؑ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور رب کریم نے آپؐ کو اپنی حضوری میں طلب فرمایا۔
۷ - بلندیاں حاصل کیں اور اللہ نے آپؐ کی اُمّت کے سابق گناہ بخش دیئے۔
۸ - ہمارا وسیلہ ہمارے آقا ہیں، ہماری سربلندی آپؐ کے قبول فرما لینے میں ہے۔

○

حضرت ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب

(المتوفی ۶۴۱ء)

۱ ارقت وبات لیلی لا یزول ولیل اخی المصیبة فیه طول

۲ وأسعدنی البکاء وذاك فیما اصیب المسلمون به قلیل

۳ اصبنا بالنبی وقد رزأنا مصیبتنا فمحملها ثقیل

۴ فلم نر مثله فی الناس حیا ولیس له من الموتی عدیل

۵ افاطم ان جزعت فذاك عذر وان لم تجزعی فهو السبیل

۶ فقبر ابیك سید کل قبر وفیه سیّد الناس الرسول

۷ صلاة الله من رب رحیم علیه لا تحول ولا تزول

۱۔ میری نیند اُچٹ گئی، میری رات ختم ہونے پر نہیں آتی، مصیبت زدہ کی رات دراز ہوتی ہی ہے۔
۲۔ گریہ سے مجھے سکون ملا، مگر مسلمانوں پر جو مصیبت پڑی ہے اس کے لحاظ سے یہ گریہ بہت معمولی ہے۔
۳۔ نبی کی جُدائی کا غم پڑا ہے، اس مصیبت نے ہمیں گھیرا ہے جس کا تحمل مشکل ہے۔
۴۔ ہم نے کسی زندہ کو اُن کے جیسا نہیں پایا اور نہ وفات پانے والوں میں ان کا کوئی ہمسر ہے۔
۵۔ فاطمہؓ! اگر آپ ماتم کرتی ہیں تو آپ معذور ہیں، اور اگر ماتم نہ کریں تو یہ اولیٰ ہے۔
۶۔ آپؓ کے والد کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے، جس کے اندر تمام انسانوں کے سردار رسول اللہؐ آرام فرما رہے ہیں۔
۷۔ اللہ جو مالک اور رحیم ہے، اس کی لاکھوں رحمتیں رسول اللہ پر نازل ہوں اور مسلسل تا قیامت نازل ہوتی رہیں۔

○

۱ لعمرك انّی یوم أحمل رایة لتغلب خیل اللات خیل محمّد

۲ لکالمظلم الحیران اظلم لیلہ   فھٰذا أوانی حین اھدیٰ فاھتدی

۳ ھدانی ھادٍ غیر نفسی ودلنی   علی اللہ ماطردتہ کل مطرد

۴ أصد وأنأی جاھداً من محمّد   وادعیٰ وان لم انتسب من محمد (اسد الغابہ)

۱ - تمہاری قسم جب میں وہ جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا کہ "لات" کی فوج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فوج پر غالب آجائے۔

۲ - تو میں تاریکی میں پڑا ہوا حیران شخص تھا، جس کی رات تاریک ہو۔ مگر اب میرا وقت آگیا ہے کہ مجھے ہدایت مل رہی ہے اور ہدایت پا رہا ہوں۔

۳ - ہدایت دینے والے (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ہدایت دے دی ہے۔ وہ ہادی جو میرے نفس کے علاوہ ہے اور انہوں نے مجھے اللہ کا راستہ دکھایا۔ وہ راستہ جس سے میں ہر طرح سے گریز کر رہا تھا۔

۴ - اب میں پوری کاوش سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کرتا ہوں اور اگرچہ اپنی نسبت محمدؐ سے نہیں کرتا ہوں مگر انہی کے گروہ میں مجھے بھی پکارا جاتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ میں خود فخریہ طور پر نہیں کہتا پھرتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ قریب ہوں اور میرا یہ رشتہ ہے، مگر لوگ انہی کے زمرہ میں مجھے سمجھنے لگے ہیں)

○

حضرت عباسؓ بن مرداس

۱	رأيتك يا خير البرية كلها	نشرت كتاباً جاء بالحق معلما
۲	ونورت بالبرهان امرًا مدمسًا	وأطفأت بالبرهان جمرا مضرما
۳	فمن مبلغ عن النبي محمدا	وكل أمرئٍ يجزى بما قد تكلما
۴	تعالى علواً فوق عرش الٰهنا	وكان مكان الله اعلىٰ واعظما

(شرح شواہد المغنی ص ۲۴، ابنِ ہشام ج ۲ ص ۶۰، تہذیب ابن عساکر ج ۲ ص ۲۵۵)

۱ - اے کائناتِ ارضی کی سب سے بہتر متاع! میں نے دیکھ لیا کہ آپؐ نے وہ احکامِ الٰہی پھیلائے جس نے حق کو بالکل آشکارا کر دیا۔

۲ - اور وہ شے جو آج تک تاریکیوں میں دبی پڑی تھی تو اس کو برہانِ حق سے روشن کر دیا اور دہکتی ہوئی چنگاریوں کو اسی برہان سے بجھا دیا۔

۳ - اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک میرا یہ پیغام کوئی پہنچا دے اور ہر شخص اپنے قول کی جزا پاتا ہے۔

۴ - عرشِ بریں پر خدائے بزرگ و برتر کی ذات بلند و بالا ہے اور خدا کا مقام ہمارے تصورات اور ادراکات سے بلند تر ہے۔

○

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ

(المتوفی ۶۲۹ ء)

۱ یارب لولا انت ما اهتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

۲ فانزلن سکینة علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

۳ ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادوا فتنة أبینا

۱ - اے رب! اگر تُو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ تصدیق کرتے نہ عبادت کرتے۔
۲ - ہمارے دلوں پر سکینۃ کا نزول فرما، دشمنوں سے اگر مڈھ بھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔
۳ - ہم پر یورش کرنے والے اگر فتنہ پر آمادہ ہوں تو ہلاک ہو جائیں۔

○

۱ خلوا بنی الکفار عن سبیله الیوم نضربکم عن تاویله

۲ ضربًا یزیل الهام عن مقیله ویذهل الخلیل عن خلیله[1]

۱ - اے کافر بچو! رسول اللہ کا راستہ خالی کر دو، آج ہم تمہیں اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہوئے تم کو ماریں گے۔
۲ - ایسی مار جو سر کو کھوپڑیوں سے جُدا کر دے گی، اور جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے بے نیاز کر دے گی۔

○

۱ روحی الفدا لمن اخلاقه شهدت بانه خیر مولود من البشر

۲ عمت فضائله کل العباد کما عمّ البریه ضوء الشمس والقمر

۳ لو لم تکن فیه اٰیات مبیّنه کانت بدیهته تنبیك بالخبر

۱ - میری روح قربان ہو اس ذات پر جس کے اخلاق اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے بہتر فرد ہیں۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام - سہیلی

۲ ۔ ان کے احسانات ساری مخلوق کے لیے عام ہیں، جیسے چاند اور سورج کی روشنی ساری دنیا کے لیے عام ہے۔
۳ ۔ اگر ذاتِ گرامیؐ میں دوسری روشن دلیلیں نہ بھی ہوتیں تو خود آپؐ کا چہرۂ انور تم کو حقیقت بتا دیتا۔

○

۱ انی تفرست فیك الخیر أعرفه والله یعلم أن ماخاننی البصر

۲ انت النبی من یحرم شفاعته یوم الحساب فقد ازری به القدر

۳ فثبت الله ما اٰتاك من حسن تثبیت موسٰی ونصرا کالذی نصروا (اسد الغابہ)

۱ ۔ میں نے آپ کو دیکھتے ہی تاڑ لیا کہ آپ کے اندر وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کا مجھے علم ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ میری نظر نے کوئی غلطی نہیں کی۔
۲ ۔ آپؐ وہ نبی ہیں جن کی شفاعت سے قیامت کے روز اگر کوئی محروم رہا تو اس کی تقدیر نے اس کو تباہ کر دیا۔ (یعنی ایک محروم اور بدقسمت شخص ہی آپؐ کی شفاعت سے محروم رہے گا)
۳ ۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ان خوبیوں کے ساتھ ثابت قدم رکھے جو اس نے آپؐ کو عطا فرمائی ہیں، جیسے حضرت موسٰی کو ثابت قدم رکھا اور جس طرح اللہ نے حضرت موسٰی اور ان کے ساتھیوں کی مدد کی اسی طرح آپؐ کی مدد کرے۔

○

۱ وفینا رسول الله یتلوا کتابه اذا انشق معروف من الفجر ساطعُ

۲ ارانا الهدٰی بعد العمٰی فقلوبنا به موقنات أن ما قال واقعُ

۳ یبیت یُجافی جنبه عن فراشه اذا استثقلت بالمشرکین المضاجعُ (اُسد الغابہ)

۱ ۔ ہمارے درمیان اللہ کے رسولؐ ہیں، جو اللہ کی کتاب اس وقت تلاوت کرتے ہیں، جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔
۲ ۔ اُنھوں نے ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی جس کو پانے کے لیے ہمارے پاس آنکھیں نہ تھیں، چنانچہ ہمارے دلوں کو پورا یقین ہے کہ آپؐ نے جو بھی فرمایا ہے وُہ ہو کر رہے گا۔
۳ ۔ وہ راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ جسم پاک بستر سے علیحدہ رہتا ہے، جبکہ مشرکین کے بوجھ سے بستر بھی پناہ مانگتے ہیں۔

○

ابو العتاہیہ

(المتوفی ۲۲۶ھ)

۱ یا بنی آدم، صونوا دینکم ینبغی للدین ان لا یطرح

۲ واحمدوا اللہ الذی أکرمکم بنبیّ قام فیکم، فنصح

۳ بنبیّ فتح اللہ بہ کل خیر نلتموہ و شرح

۴ مرسل لو یوزن الناس بہ فی التقی و البر شالوا و رجح

۵ فرسول اللہ أولی بالعلی و رسول اللہ أولی بالمدح

۱۔ لوگو! اپنے دین کو بچاؤ، دین کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔
۲۔ خدا کا شکر کرو جس نے تمہیں ایک پیغمبر بھیج کر عزت دی، جس نے تمہارے درمیان کھڑے ہو کر خیر خواہی کی بات کہی۔
۳۔ ایسے پیغمبر کے ذریعہ تمہیں سرفراز کیا جس کے ہاتھوں اللہ نے تمہارے لیے ہر خیر و برکت کا دروازہ کھول دیا، جس کو تم نے حاصل کر لیا اور اس نبیؐ نے اس کو کھول کر بتا دیا۔
۴۔ وہ ایسے فرستادہ (پیغمبر) ہیں کہ اگر دنیا کے سارے انسانوں کو ایک پلّے پر رکھا جائے اور ان کو ایک دوسرے پلڑے پر، تو ان کا (یعنی رسولؐ کا) پلڑا بھاری رہے گا اور ساری دنیا کا پلڑا ہلکا ہو گا۔
۵۔ رسول اللہؐ سب سے زیادہ ستائش اور مدح کے اہل ہیں۔ رسول اللہؐ سب سے زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔

○

۱ سلام علی قبر النبی محمّد نبی الهدی والمصطفیٰ والمؤئل

۲ نبی هدانا اللہ بعد ضلالۃ بہ، لو نکن لو لا هداه لنهتدی

۳ فکان رسول الله مفتاح رحمة ‏ ‏ من الله اهدا اها لکل موحد

۴ وکان رسول الله افضل من مشیٰ ‏ ‏ علی الارض، إلا أنه لم یخلد

۵ شهدت علی أن لا نبوة بعده ‏ ‏ وأن لیس حي بعده بمخلد

۱ - سرورِ عالم، ہادی رسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر سلام۔

۲ - اس نبیؐ پر سلام جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر لگایا، اگر وہ نہ ہوتے تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔

۳ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ الٰہی کی کلید تھے، وہ کلید جو ہر صاحبِ ایمان موحد کو عطا کی گئی ہے۔

۴ - روئے زمین پر آج تک جن لوگوں کے قدم پڑے ہیں ان میں رسولؐ اللہ سب سے برگزیدہ اور افضل تھے، البتہ یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیشہ رہنے کے لیے دُنیا میں نہیں آئے تھے (یعنی حی و قیوم صرف اللہ کی ذات ہے)۔

۵ - میں گواہی دیتا ہُوں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور یہ کہ کوئی ذی روح ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا نہیں ہے (یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ نے اٹھا لیا تو پھر کون ہے جس کو موت سے رستگاری ہو سکتی ہے)

○

۱ علی رسول الله منی السلام ‏ ‏ ما کان إلا رحمة للانام

۲ أحیا به الله قلوبا کما ‏ ‏ أحیا موات الارض صوب لغمام

۳ أکرم به للخلق من مبلغ ‏ ‏ هاد، وللناس به من امام

۴ وأصبح الحق به قائما ‏ ‏ وأصبح الباطل دحض لمقام

۵ کان رسول الله یدعوا إلیٰ ‏ ‏ مدرجة الحق ودار لسلام

۱ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، آپؐ سارے جہان کے لیے سرتاپا رحمت تھے۔

۲ - اللہ نے آپؐ کے ذریعہ انسانوں کے مُردہ قلوب کو اس طرح زندہ کر دیا جس طرح تیز بارش کے بعد خشک (مردہ) زمین زندہ (ہری بھری) ہو جاتی ہے۔

۳ ۔ خلقِ خدا کے لیے کتنے عظیم المرتبت، دعوتِ حق کے پہنچانے والے ہیں اور لوگوں کے لیے کتنے بڑے رہنما ہیں (یعنی آپؐ کی قدر و منزلت کی کوئی انتہا نہیں ہے)

۴ ۔ حق آپؐ کی بدولت قائم و دائم ہوگیا، باطل آپؐ کی وجہ سے پسپا ہوگیا۔

۵ ۔ رسولؐ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) راہِ حق اور سلامتی کی منزل کی طرف دعوت دیتے تھے۔

○

حضرت عبداللہ بن زبعریٰؓ

(۱)

۱ یارسول الملیك ان لسانی راتقٌ ماشفقت إذ انا بور

۲ إذ أُجاری الشیطان فی سنن الغی ومن مال میله مثبور

۳ إنّ ماجئتنا به حق صدق ساطع نوره مضی منیر

۴ جئتنا بالیقین والبر والصد ق وفی الصدق والیقین سرور

۵ أذهب اللّٰه ضلة الجهل عنا وأتانا الرخاء والمیسور

۱ - اے خدائے برتر وحاکم کے پیغمبر! میری زبان آج اس چاک کو رفو کر رہی ہے جو میں نے اس وقت چاک کیا تھا، جبکہ میں ہلاکت کے راستہ پر تھا۔

۲ - اور جبکہ میں گمراہی کے راستے پر شیطان کے ساتھ دوڑ رہا تھا، اور جو بھی شیطان کے راستہ پر گامزن ہوگا، ہلاک ہو کر رہے گا۔

۳ - بلاشبہ آپؐ جو دین لائے ہیں وُہ صداقت وحقانیت کا دین ہے، جس کی روشنی پھیل رہی ہے، اور وہ اُجالا پھیلا رہی ہے۔

۴ - آپؐ جو دین لائے ہیں، وہ یقین، بھلائی اور سچائی کا دین ہے، اور سچائی اور یقین میں مسرتیں پنہاں ہیں۔

۵ - اللہ نے آپؐ کے ذریعہ جاہلیت کی گمراہی ہم سے دُور کر دی اور فراغت وخوشحالی عطا فرمائی۔

(۲)

۱ منع الرقاد، بلائل وهُمُوم واللیل معتلج الرِّواق بَهِیمُ

۲ مِمّا أتانی أن أحـمد لامنی فیه، نبتُّ کانّنی محموم

۳ یاخیر من حملت علی اوصالها عَیرانۃٌ سُرُحُ الیدین رسوم

۴ انّی لمعتذر الیك من الذی اسدیت اذأنا فی الضلال أهیم

۵ ایام تامرنی بأغوی خطّـۃٍ سهم وتامرنی بها مخـزوم

۶ فاغفر فدًی لك والدیّ کلاهما ذنبی فانّك راحم مرحوم

۷ وعلیك من اثرالملیك علامۃ نورٌ أضاء وخاتم مختوم

۸ مضت علی العداوۃ فانقضت اسبابها ودعت اواصر بیننا وحلوم

۱ - تشویش اور اندیشوں نے نیند اُچاٹ کر دی ہے، شبِ تار کے سیاہ پردے روشنی کی ایک جھلک بھی اندر نہیں آنے دیتے۔

۲ - یہ کیفیتِ (غم) اس لیے ہے کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا ہے کہ وُہ مجھ سے ناراض ہیں، لہذا میری رات گزر رہی ہے جیسے میں تپ زدہ ہوں۔

۳ - اے وہ ذات جس سے بہتر شخصیت کچھ آج تک کسی اونٹنی نے اپنی پشت پر نہیں بٹھایا ہے۔(وہ اونٹنی جس کی ہڈیاں مضبوط، قدم تیز اور اتنے وزنی ہیں جو زمین پر پڑتے ہیں تو زمین میں نشان بن جاتے ہیں)

۴ - میں معذرت خواہ ہوں ان لغزشوں سے جو مجھ سے گمراہی کی حالت میں سرزد ہوئی تھیں۔

۵ - اس وقت جبکہ قبیلہ سہم والے گمراہ ترین چال چلنے پر مجبور کر رہے تھے اور قبیلہ مخزوم والے بھی یہی سازش کر رہے تھے۔

۶ - لہذا معاف فرما دیجئے میرا گناہ، میرے ماں باپ دونوں آپ پر قربان ہوں، کیونکہ آپؐ رحم کرنے والے ہیں، اور آپؐ خود موردِ رحمت ہیں۔

۷ - خدائے بزرگ و برتر کے حکم کی علامت آپؐ کے وجود سے ظاہر ہے، آپؐ کا وجود ایک روشنی ہے، جس نے اجالا پھیلایا اور مہرِ نبوت ہے جو ثبت کر دی گئی ہے۔

۸ - دشمنی ختم ہوئی اور دشمنی کے اسباب ختم ہوئے، ہمارے اور آپؐ کے درمیان کا وُہ دور ختم ہوا جبکہ تعلقات منقطع تھے۔

○

حضرت کعب بن مالکؓ

۱	قضينا من تهامة كل ريب	وخيبر ثم اجمعنا السيوفا
۲	نخيرها ولو نطقت ، لقالت	قواطعهن : دوسًا أو ثقيفا
۳	وانا قد اتيناهم بزحفٍ	يحيط بسور حصنهم صفوفا
۴	رئيسهم النبى وكان صلبا	نقى القلب مصطبرا عزوفا
۵	رشيد الأمر ذو حكم وعلم	وحلم لم يكن نزقا خفيفا
۶	نطيع نبينا و نطيع ربًّا	هو الرحمان، كان بنا رؤوفا

۱ - جب تہامہ کی طرف سے ہم فارغ ہو چکے، اب دشمنوں کا وہاں کھٹکا نہیں رہا، اور خیبر سے بھی فارغ ہو چکے، پھر ہم نے اپنی تلواروں کو اکٹھا کیا۔

۲ - ہم اپنی تلواروں کو اختیار دیئے ہوئے ہیں، اگر یہ تلواریں بول سکتیں تو کہتیں کہ اب ان کا نشانہ دوس ہوں گے یا ثقیف۔

۳ - ہم ایک فوج لے کر ان تک پہنچے ہیں، ان کے قلعوں کے حصار کو صف بستہ فوج گھیرے ہوئے ہے۔

۴ - ان جواں مردوں کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ایک پختہ کار انسان ہیں، دل کے پاک، صبر کرنے والے، پست باتوں سے بہت بلند۔

۵ - جن کا معاملہ بہت سلجھا ہوا ہے تدبر، علم اور بردباری والے، اوچھی باتوں اور ہلکے پن سے بہت دُور۔

۶ - ہم اپنے نبیؐ کی اطاعت کرتے ہیں اور اپنے رب کی اطاعت کرتے ہیں جو کہ بہت رحم کرنے والا ہے اور ہم پر انتہائی شفقت فرمانے والا ہے۔

(۲)

۱	فينا الرسول شهاب ثم يتبعه	نورٌ مضى له فضل على الشهب

۲ الحق منطقه، والعدل سیرته — فمن یجبه الیه ینج من ثبب

۳ نجد المقدم ماضی الهم معتزم — حین القلوب علی رجف من الرعب

۴ یمضی ویذ مرنا عن غیر معصیة — کأنه البدر لم یطبع علی الکذب

۵ بدالنا فاتبعناه نصدقه — وکذبوه، فکنا اسعد العرب[1]

۱۔ ہمارے درمیان اللہ کے رسول ایک درخشندہ ستارہ کے مانند ہیں جن سے روشنی کی ایک لَو نکلتی ہے جو سب کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے تمام ستاروں کو روشنی بخشتی ہے۔

۲۔ ان کی بات حق ہے، ان کی سیرت عدل ہے، جس نے ان کی پیروی کی ہلاکت سے نجات پا گیا۔

۳۔ جبکہ (جنگ کی ہولناکیوں سے) رعب سے لوگوں کے دل دھڑکنے لگتے ہوں اس وقت آپ بے باکی سے آگے بڑھنے والے، عزم و ہمت کے دھنی اور ارادہ کے مضبوط نظر آتے ہیں۔

۴۔ خود آگے بڑھتے ہیں اور ہمیں للکارتے ہیں، اور یہ للکارنا معصیت کا نہیں ہوتا گویا کہ وہ ماہِ تمام ہیں، جھوٹ سے تو ان کی سرشت پاک ہے۔

۵۔ وہ ہم میں ظاہر ہوئے، ہم نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے اتباع کیا، دوسروں نے ان کو جھٹلایا، لہٰذا عربوں میں سب سے زیادہ خوش بخت ہم ہی تھے۔

(۳)

۱ یا عین بکی بدمع ذری — لخیر البریّة والمصطفیٰ

۲ وبکی الرسول وحُقّ البکا — علیه لدی الحرب عند اللقا

۳ علی خیر ما حملت ناقةٌ — وأتقی البریة عند التُّقیٰ

۴ علی سیّدٍ ماجدٍ جحفلٍ — وخیر الأنام وخیر اللُّهَا

۵ له حسبٌ فوق کل الأنام — من هاشم ذٰلك المرتجیٰ

---

[1] روایت ابن اسحاق، منقول از سیرۃ ابنِ ہشام ج ۳ و ۴ ص ۱۷۰، ۳۷۰

۶ نخص بما کان من فضله وکان سراجا لنا فی الدُّجیٰ

۷ وکان بشیرا لنا منذرا ونورا لنا ضوءہ قد أضا

۸ فأنقذنا اللہ فی نورہ ونجی برحمتہ من لظیٰ

۱ - اے آنکھ! آج اتنا رو کہ آنسوؤں کا تار بندھ جائے اس ذات پر جو کائنات میں سب سے برگزیدہ اور منتخب تھی۔
۲ - پیغمبرؐ پر رو، ان پر رونا روا ہے، جب دشمن سامنے آئیں اور جنگ کی کٹھن گھڑی ہو۔
۳ - اس پر رو، جن سے بہتر ذات کو کسی اونٹنی نے اپنے اوپر سوار نہیں کیا ہوگا، اور وہ ذات جو خدا کی مخلوقات میں سب سے زیادہ محتاط، پرہیزگار تھی۔
۴ - ان پر رو جو سردار تھے، بلند کردار تھے، عظیم المرتبت تھے، تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ تھے اور سخاوت میں بے مثل تھے۔
۵ - آلِ ہاشم میں سے تھے، اور خاندانی عزت میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، ان سے سب کی امیدیں وابستہ تھیں۔
۶ - ان کی داد و دہش سے ہم سرفراز ہوتے تھے، وہ تاریکیوں میں ہمارے لیے چراغِ راہ تھے۔
۷ - وہ خوشخبری سنانے والے، عذابِ آخرت سے ڈرانے والے اور ایسی روشنی تھے جس سے سب ہی روشن تھے۔
۸ - اللہ نے ان کے صدقے میں اور ان کی بدولت ہمیں ان کی روشنی میں لاکر (تاریکیوں سے) نجات دی اور آگ کے عذاب سے بچا لیا۔

○

حضرت حسّان رضؓ بن ثابت انصاری
(المتوفی ۴۰ ۶ ۶ء)

۱ وقال الله: قد ارسلت عبدا یقول الحق ان نفع البلاء

۲ شهدت بہ فقوموا صدّقوه فقلتم: لا نقوم و لا نشاء

۱ - اور اللہ نے کہا کہ ہم نے ایک بندے کو بھیجا ہے، جو حق بات کہتا ہے، اگر آزمائش نفع بخش ہو (تو اس کی صداقت کو آزمالو)

۲ - ہم نے اس کی صداقت پر گواہی دی، تم بھی کھڑے ہو جاؤ اور اس کی صداقت پر گواہی دو۔ مگر تم نے یہی کہا کہ ہم ایسا نہ کریں گے اور نہ یہ چاہتے ہیں۔

(پھر چند اشعار کے بعد ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:)

۱ هجوت محمّداً فأجبتُ عنه وعند الله فی ذاك الجزاء

۲ اتهجوه، ولست له بکفؤ فشرُّکما، لخیرکما فداء

۳ هجوت مبارکا، بَرّا حنیفا امین الله، شیمته الوفاء

۴ فان ابی و والده وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

۱ - تم نے محمدؐ کی بُرائی کی، میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اور عنداللہ میرے اس کام کا صلہ ہے۔

۲ - کیا تُو ان کی بُرائی کرتا ہے؟ حالانکہ تُو ان کا ہمسر نہیں ہے، تم دونوں میں جو بُرا ہو وہ اس پر قربان ہو جائے جو تم دونوں میں سے اچھا ہے۔

۳ - تُو نے ایسے شخص کی بُرائی کی ہے جو بابرکت ہے، نیک ہے، اللہ والا ہے، خدا کے یہاں معتبر ہے، جس کی خصلت میں وفا شعاری ہے۔

۴ - میرا باپ، اور باپ کا باپ اور میری عزّت محمدؐ کی عزّت کے لیے تمہارے مقابلہ میں ڈھال ہے۔

(۲)

۱ اَغَرُّ علیہ للنّبوۃ خاتم من اللّٰہ مشہود، یلوح ویشہد

۲ وضمّ الالٰہ اسم النبی الیٰ اسمہٖ اذ قال فی الخمس المؤذن اشہد

۳ وشق لہ من اسمہ لیجلّہ فذو العرش محمودٌ وھذا محمّد

۴ نبیٌّ أتانا بعد یاس وفترۃ من الرّسل والاوثان فی الارض تعبد

۵ فأمسٰی سراجًا مستنیراً وھادیا یلوح کما لاح الصّقیل المھند

۶ وانذرنا ناراً وبشّر جنّۃً وعلّمنا الاسلام فاللّٰہ نحمد

۷ وانت الالٰہ الخلق ربّی وخالقی بذٰلك ما عمرت فی الناس اشہد

۸ تعالیت رب الناس من قول من دعا سواك الٰھا انت اعلیٰ وامجد

۹ لك الخلق والنعماء والامر کلہ فایّاك نستھدی وایّاك نعبد

۱ - آپؐ پر مہرِ نبوت درخشاں ہے، اللہ کی طرف سے وہ دلیل ہے، چمکتی ہے اور گواہی دیتی ہے۔

۲ - اللہ نے اپنے نبی کا نام اپنے نام سے مربوط کر دیا اس لیے مؤذن پانچوں وقت اذان میں اشہد ... کہتا ہے۔

۳ - اللہ نے اپنے نام سے اپنے پیغمبر کا نام نکالا۔ عرش والا (خدا) محمود ہے اور یہ محمدؐ ہیں۔

۴ - یہ ایسے نبی ہیں جو نا اُمیدی اور انبیاؑ کے سلسلۂ بعثت کے طویل وقفے کے بعد ہم تک آئے اور اس وقت آئے جب زمین پر بتوں کی پرستش ہو رہی تھی۔

۵ - یہ ایک روشن چراغ، روشنی دینے والے اور ہادی بن کر آئے، جن کی چمک ایسی ہے جیسے ہندی تلوار چمکتی ہے۔

۶ - ہمیں جہنم سے ڈرایا، جنّت کی بشارت دی، اسلام سکھایا۔ پس اللہ ہی ہے جس کی ہم حمد کرتے ہیں۔

۷ - اور ساری مخلوق کا معبود میرا رب اور خالق ہے، ہم زندگی بھر اس کی شہادت دیتے رہیں گے۔

۸ - سارے جہاں کے رب! تیری شان بڑی ہے اور تو بلند ہے اس شخص کے قول سے جو تیرے سوا کسی کو پکارتا ہے، تو بہت بلند اور بڑائیوں والا ہے۔

۹ - حیات بخشی اور نفع رسانی اور ساری حکمرانی صرف تیری ہے، ہم تجھ ہی سے ہدایت خواہ ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

(۳)

۱ واللہ ربی لانفارق ماجدا عف الخلیقۃ ماجد الأجداد

۲ متکرّما یدعوا الی رب العلیٰ بذل النصیحۃ رافع الأعماد

۳ مثل الھلال مبارکا ذا رحمۃ سمح الخلیقۃ طیب الاعواد

۴ ان تترکوا فان ربی قادر امسٰی یعود بفضلہ العواد

۵ واللہ ربّی لا نفارق امرہ ماکان عیش یرتجی المعاد

۶ لا نبتغی ربّا سواہ ناصرا حتی نوافی صحوۃ المیعاد

۱ - بخدا ہم اس ذاتِ گرامی سے روگردانی نہیں کریں گے، جو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ پاکباز اسلاف کے لیے قابلِ فخر ہے۔

۲ - احسان فرمانے والے، خدائے بزرگ و برتر کی طرف بلانے والے، خیر خواہ، بڑے سیرچشم اور با مروّت۔

۳ - مہِ نو کی طرح بابرکت، سراپا رحمت، نرم خُو، عالی نسب۔

۴ - اگر تم لوگ ان کو چھوڑ بھی دو گے تو میرا رب قادر ہے، وُہ اپنے فضل و احسان سے پھر آپ کی طرف مائل ہے، اور اس کا فضل تو بار بار آنے والا ہے۔

۵ - بخدا ہم ان کے دین کو نہیں چھوڑیں گے ورنہ آخرت میں کسی طرح کی سلامتی کی امید نہ رہے گی۔

۶ - ہم اللہ کے سوا کسی کو رب بنانا نہیں چاہتے اور نہ کسی کو مددگار سمجھتے ہیں، اور حشر تک ہم اس عقیدے پر رہیں گے۔

---

۱ بطیبۃ رسم للرسول و معھد منیر وقد تعفوا لرسوم وتھمد

۲ ولا تنمحی الایات من دار حرمۃ بھا منبر الھادی الذی کان یصعد

۱ - طیبہ میں رسول اللہؐ کے نشانات ہیں اور آپؐ کا بصیرت افروز مرکز ہے، دُنیا کے نشانات مٹتے رہتے اور پرانے ہوتے رہتے ہیں۔

۲ - لیکن نشانیاں حرم پاک کی نہیں مٹ سکتیں جہاں ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر ہے جس پر آپؐ پڑھا کرتے تھے۔

فبورکت یا قبر الرسول وبورکت بلاد ثوی فیہا الرشید المسدّد

اے قبرِ رسولؐ! تجھ پر برکتیں شب و روز نازل ہوں اور وہ حصۂ زمین با برکت رہے جس میں ستودہ صفات، توفیق بخش و توفیق یافتہ ذات کا جسمِ اطہر رکھا گیا ہے۔

ما بال عینك لا تنام کانما کحلت ماقیہا بکحل الأرمد

تیری آنکھ کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ سوتی نہیں، گویا اس کی پتلیوں کو آشوب کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔

---

۱ متی یبدُ فی الدّاجی البہیم جبینہ یلُح مثل مصباح الدجی المتوقّد
۲ فمن کان أو من یکون کأحمدٍ نظامٌ لحق او نکال لملحد

۱ - سیاہ رات میں جب آپؐ کی جبینِ مبارک نظر آتی تو ایک چمک ہوتی جیسے تاریک رات میں کوئی روشن شمع ہو۔
۲ - کون احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سا ہوا ہے یا ہو گا، حق کا پاسبان، ملحد کے عبرت ناک انجام کا باعث۔

○

مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ابن شاہ ولی اللہؒ

(المتوفی ۱۸۲۴ء)

۱ فَيَارِيحَ الصَّبَا عَطْفًا وَّرِفْقًا — اِلٰى ذَاكَ الْحِمٰى بَلِّغْ سَلَامِىْ
۲ وَاِنْ جُرْتُمْ عَلَىَّ فَلِىْ غِيَاثٌ — بِبَابِ الْمُصْطَفٰى خَيْرِ الْاَنَامِ
۳ اِلَيْهِ تَوَجُّهِىْ وَلَهُ اسْتِنَادِىْ — وَفِيْهِ مَطَامِعِىْ وَبِهٖ اعْتِصَامِىْ
۴ اَجِرْنِىْ سَيِّدِىْ مِنْ ضَيْمِ سُقْمٍ — اَشَدَّ عَلَىَّ مِنْ وَّقْعِ الْحُسَامِ
۵ وَذِكْرُكَ سَيِّدِىْ حِرْزِىْ وَحِصْنِىْ — اُنَبِّهُ بِهٖ عَلَى الْجَيْشِ اللُّهَامِ
۶ مَوَاهِبُكَ الَّتِىْ لَا نَقْصَ فِيْهَا — بِهَا رُبِّيْتَ مِنْ قَبْلِ الْفِطَامِ
۷ فَقَدْ اُعْطِيْتَ مَا لَمْ يُعْطَ خَلْقٌ — عَلَيْكَ صَلٰوةُ رَبِّكَ بِالسَّلَامِ

۱۔ اے بادِ صبا! از راہِ لطف و کرم میرے اُس حامی و پشتیبان تک میرا اسلام پہنچا دے۔
۲۔ اے لوگو! اگر تم نے مجھ پر جور و ستم کیا تو میرا فریاد رس موجود ہے۔ بارگاہِ مصطفیٰ کی صورت میں، جو ساری دنیا سے اچھے ہیں۔
۳۔ اُنھیں کی طرف میری توجہ ہے اور انھیں پر میرا اعتماد، اُنھیں کی ذات میری آرزوؤں کا مرکز ہے، میں نے انھیں کا دامن تھاما ہے۔
۴۔ مجھے نجات دلوائیے میرے آقا، بیماری کے ظلم سے جو مجھ پر تلوار کی ضرب سے بھی زیادہ شدید ہے۔
۵۔ اور آپ کا تذکرہ، میرے سرکار! میرا حرزِ جان ہے اور میرا قلعہ، اسی سے میں بڑے بڑے لشکروں پر ہلاکت برساؤں گا۔
۶۔ آپؐ پر جو عطایائے ربانی ہوئے ان میں کوئی کمی نہیں، انھیں سے آپؐ کی پرورش و تربیت بچپن سے ہوئی تھی۔
۷۔ آپؐ کو وہ کچھ دیا گیا جو کسی کو بھی نہ دیا گیا آپؐ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے رحمتیں ہوں سلام کے ساتھ۔

○

علّامہ آزاد بلگرامی

(المتوفی ١٢٨٦ء)

١ زاد الإلٰه سنا بقيع الفرقد حصياته يلمعن مثل الفرقد

٢ ورعى المهيمن بقعةً رضراضها تحكي جواهر في نحور الخُرَّدِ

٣ لا غرو أن أربى العقيق على الثرى فاق الجلامد وهو بعض الجلمد

٤ ماءُ العقيق كرامةٌ صمديّةٌ الفىٰ به المرضىٰ شفاء الاكبد

٥ وعلى تذكّر ماءِه وهواءِه هجمت من امعٍ مقلتى وتنهّدى

٦ اشجارها قامت على ساق الهُدىٰ وظلالها مأوى الرّجال التّجدِ

٧ املاك اطباق السّماء طيورها وسفيرها ذكر الإله السّرمدِ

٨ جبريل ثمّ مُهَلِّلٌ و مُسَبِّحٌ للهِ صوت حمامها المُتَغَرِّدِ

٩ قلبى حمامٌ، بالمدينة ، طائرٌ لكنّ جسمى موثقٌ فى مِصْيَدِ

١٠ قالت لطرفاء الفلاة حمامةٌ لم تمرحين وتحزنين؟ فأرشدى

١١ قالت لها: أوما ترين مكانتى قد كان منّا منبرٌ لمحمّدِ

١٢ غوث الورىٰ، غيث الندى، غرض المنىٰ كهف الارامل ملجا المسترفدِ

١٣ كحل العيونِ غبارُ نعل المصطفىٰ وشراكها مُتَمَسَّكُ المُسْتَنْجِدِ

١٤ انّ الذين عيونهم مُحبَلَوَةٌ مُتَمَسِّكُونَ بحبله المُسْتَحْصِدِ

۱۵ عَطْفُ النبی علی العفاۃ کرامۃٌ — نجنی الجنا من غُصنہٖ المتخوّدِ

۱۶ أسنٰی رسول اللہ مرتبۃ الھدیٰ — رافت جلالتہ مقام السؤددِ

۱۷ شُھب السماءِ باسرھا مصنوعۃٌ — من نورھٰذا الکوکب المتوقّدِ

۱۸ آرادیرجُو من جنابك نظرۃً — انجح مرام السّائل المترصّدِ

۱۹ أوصافكَ الغرّاءُ ھُنّ کواکبُ — إحصاؤُھا أعیٰی لسان المنشدِ

۲۰ یاربّ ! اھدِ لہ سلاما ناضراً — ما نثّرا الأمطار نبت الا نجُدِ

(نزہتہ الخواطر ج ۹ از مولانا حکیم سیّد عبدالحی الحسنیؒ)

۱ - جنت البقیع کی چمک اور روشنی کو اللہ نے بہت بڑھادیا ہے، وہاں کے کنکر، پتھر ایسے چمکتے ہیں جیسے قطب شمالی کی جانب کا روشن تارہ۔
("بقیع الفَرقَد" مدینہ منورہ کے اس قبرستان کا نام ہے جس میں صحابۂ کرام، اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات، ہزاروں شہداء، علماء، حجّاج اور اہلِ مدینہ دفن ہیں، اور آج تک وہی قبرستانِ عام ہے۔ اردو میں لوگ اس کو "جنت البقیع" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ 'فَرقَد' قطب شمالی کے اس تارے کو کہتے ہیں جس سے لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں)

۲ - نگہبانی کرنے والا مالک (اللہ) اس گوشۂ زمین کی اپنی رحمت کے ساتھ نگرانی فرمائے جس کی کنکریاں ان جواہرات کی مانند ہیں جو کسی خوب رُو کے گلے کی زینت ہوں۔

۳ - اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ عقیق مٹی سے بڑھ گیا، پتھروں پر فائق ہوگیا اور وُہ خود بھی پتھر ہی کا ایک ٹکڑا ہے۔
(عقیق وادی کو بھی کہتے ہیں اور لعل وجواہر کی قسم کا ایک پتھر بھی عقیق کہلاتا ہے۔ مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام "العقیق" ہے۔ اس شعر میں "وادی العقیق" کی رعایت بھی ہے)

۴ - وادی عقیق کا چشمہ خدائے بے نیاز کا ایک کرشمہ ہے، مبتلائے الم مریضوں کے لیے شفا ہے۔

۵ - اس وادی کی ہوا اور پانی کی یاد سے میرے چشم و دل سے آنسوؤں کے سوتے اُبل پڑے۔

۶ - اس وادی کے درخت ہدایت کے تنوں پر کھڑے ہیں اور ان درختوں کے سائے تلے سجدہ ریز بندوں کا ٹھکانا ہے۔

۷ - ان درختوں کی شاخوں پر (چہچہانے والے) پرندے طبقات آسمانی کے فرشتے ہیں جن کا نغمہ ہمیشہ رہنے والے خدا کا ذکر ہے۔

("املاک" ملائکہ کی طرح ملک (فرشتہ) کی جمع ہے ، اس کا مصدر 'اُلوکہ' ہے ، پیغام رسانی کے معنی میں ۔ لغت میں دیکھنا ہو تو اس کو 'لاک' کے مادہ میں تلاش کیجئے)

۸ ۔ وہیں پر (یعنی اسی وادی میں) حضرت جبرئیل بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں ، اور کیا کہنا ہے ان درختوں پر چہچہانے والے بلبلوں کا ۔

(جس طرح فارسی اور اردو میں "بُلبل" اور ہندی میں "کوئل" ایک علامتی پرندہ ہے ، عربی میں "حمامہ" (کبوتری ۔ جمع حمام) ہے)

۹ ۔ میرا دل مدینہ (کی فضا) میں اڑنے والا پرندہ (کبوتر) ہے ۔ لیکن میرا جسم شکار گاہ میں قید ہے ۔

۱۰ ۔ ایک بلبل نے ایک صحرائی درخت سے پوچھا : تم کس بات پر اکڑتے ہو ، تمھیں کس بات پر غرور ہے ؟

۱۱ ۔ اس درخت نے جواب دیا : تمہیں میری حیثیت نظر نہیں آتی ؟ میرے ہی تنے سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منبر بنا تھا ۔

۱۲ ۔ (اور کون محمدؐ) وہ جو کائنات کے لیے ایک رحمت ، خشک زمین کے لیے آسمانی بارش ، تمناؤں کے کعبۂ مقصود ، بیواؤں کے سرپناہ ، اور بے سہاروں کے ملجا و ماویٰ ہیں ۔

۱۳ ۔ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جُوتیوں کی خاک آنکھوں کا سُرمہ ہے ، اور ان جُوتیوں کا تسمہ نجات کے طالبوں کے لئے سہارا لینے کی رسّی ہے ۔

(مُتَمَسَّک اس رسّی کو کہتے ہیں جس کو پکڑ کر دریا میں ڈوبتا ہوا آدمی سہارا لیتا اور کنارے آ جاتا ہے ۔ مستنجد کے معنی ہیں نجات کا طالب)

۱۴ ۔ وہ لوگ جن کی آنکھیں (اس سُرمہ سے) روشن ہو چکی ہیں وہ آپؐ کی نہ ٹوٹنے والی رسّی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں ۔

۱۵ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم نوازشوں کا سرچشمہ ہے ، ہم آپؐ کے میووں سے لدی ہوئی شاخوں سے پھل توڑتے رہتے ہیں ۔

('متخود' اس شاخ کو کہتے ہیں جو میووں کے بارسے جھک جاتی ہے ۔ 'کرامۃ' یہاں اردو کی کرامت کے معنوں میں نہیں بلکہ احسان و انعام کے معنوں میں ہے ۔ مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے "نوازشات کا سرچشمہ" ترجمہ کر دیا گیا ہے)

۱۶ ۔ رسول اللہؐ نے ہدایت کا رتبہ روشن کر دیا اور آپؐ کی عظمت نے سیادت کے مقام کو بڑھا دیا ۔

۱۷ ۔ آسمان کے سب تارے اسی روشن ستارہ کے نور سے بنے ہوئے ہیں ۔

۱۸ ۔ آزاد آپؐ کے درِ دولت پر کھڑا نگاہِ کرم کا منتظر ہے ، اس سائل کے مقاصد کو بر لائیے جو آپؐ کی عنایت کی

طرف نظریں جمائے ہوئے ہے۔

۱۹۔ آپؐ کی خوبیاں تاروں کی مانند ہیں، جن کا شمار کرنا مدح خواں کے بس سے باہر ہے۔

۲۰۔ اے اللہ! میرا شاداب سلام اُن کی خدمت میں پہنچا دے اور اس وقت تک سلام رسانی کا سلسلہ جاری رہے جب تک بارشیں نشیبی زمینوں کے پودوں کو تازہ کرتی رہیں (یعنی ہمیشہ ہمیشہ)۔

○

احمد شوقی

(المتوفی ۱۹۳۲ء)

(۱)

۱ وُلدَ الهدیٰ فالکائنات ضیاءُ — وفم الزمان تبسّمٌ و ثناءُ

۲ الرّوح و الملأ الملائك حوله — للدّین والدّنیا به بُشَراءُ

۳ والعرشُ یزهو والحظیرة تزدهی — والمنتهیٰ والسدرة العصماءُ

۴ وحدیقة الفرقان ضاحکة الرّبا — بالترجمان شذیّةٌ ، غنّاءُ

۵ والوحیُ یقطرُ سَلسَلاً مِنْ سَلسَلٍ — وَاللّوحُ والقلم البدیعُ رُواءُ

۶ نُظِمَتْ اَسَامِی الرُّسلِ فهی صحیفةٌ — فی اللّوحِ واسمُ (محمّدٍ) طغراءُ

۷ اِسمُ الجلالةِ فی بدیع حروفهِ — الفٌ هُناكَ واسم (طٰهٰ) باءُ

۱ - سرچشمۂ ہدایت پیدا ہو گئے، کائنات میں روشنی پھیل گئی، زمانہ کے لبوں پر تبسم اور حمدِ باری ہے۔

۲ - روح القدس، فرشتے، ملاءِ اعلیٰ، ان کے اردگرد، دین و دنیا (کی سرفرازی) کی نویدیں دینے والے ہیں۔

۳ - عرشِ بریں دمک رہا ہے۔ حظیرۃ القدس، سدرۃ المنتہیٰ (جو اپنی نشانی میں ممتاز ہے) سب جگمگا رہے ہیں۔

۴ - گلشن فرقان کی پگڈنڈیاں خنداں ہیں، شاداب و سرسبز ہیں (اپنے) ترجمان (کی آمد) پر۔

۵ - وحی کی رِم جِھم بارش ہو رہی ہے، انوکھی شان والے لوح و قلم کی رونق دوبالا ہو گئی ہے۔

۶ - پیغمبروں کے اسمائے گرامی خوبصورتی کے ساتھ لوح پر جڑ دئے گئے ہیں جن سے ایک چوکھٹا تیار ہو گیا ہے، اور اس کے وسط میں اسمِ محمدؐ طغریٰ ہے۔

۷ - اللہ کا نام بے نظیر حروفِ تہجی میں اس لوح کا "الف" ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "طٰہٰ" اسی تختی میں "ب" ہے۔ (الف کے بعد 'ب' آتی ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام وہاں

درج ہے۔ بُعد از خدا بزرگ توئی' کا مفہوم ہے)

يا خير من جاء الوجود تحيّةً

من مرسلين الى الهدٰى بك جاؤوا

اے وہ ذاتِ گرامی، جو دنیا میں ظاہر ہونے والوں میں سب سے بہتر ہے، آپؐ پر پیغمبروں کا سلام ہو جو آپ کی ہدایت لے کر آئے تھے۔

۱ فاذا سخوت بلغت بالجود المدى — وفعلت ما لا تفعل الانواءُ

۲ واذا عفوت فقادرًا ومقدّرًا — لَا يَسْتَهِينُ بعَفوِكَ الجُهَلَاءُ

۳ واذا رحمت فانْتَ امٌّ و ابٌ — هٰذان فى الدّنيا هُمَا الرُّحَمَاءُ

۴ وَاذا غَضِبْتَ فانّماهِىَ غَضْبَةٌ — فى الحقِّ لاضِغْنٌ ولا بَغْضَاءُ

۵ وَاِذا رضيت فذاك فى مرضاته — ورضى الكثير تحلّمٌ ورِيَاءُ

۶ واذا خطبت فللمنابر هزّة — تعروا النّدى وللقلوب بُكَاءُ

۷ واذا قضيت فلا ارتياب، كانّما — جاءَ الخُصومُ من السّماءِ قضاءُ

۸ واذا حميت الماء لم يورد، ولو — أن القياصر والملوك ظماءُ

۹ واذا اجرت فانت بيت الله، لم — يدخل عليه المستجير عداءُ

۱۰ واذا ملكت النفس قمت ببرّها — وأن ما ملكت يداك الشاءُ

۱۱ واذا بنيت فخيرُ زوج عشرةً — وإذا ابتنيت فدونك الآباءُ

۱۲ واذا صحبت راى الوفاء مجسّمًا — فى بُردك الاصحاب والخلطاءُ

۱۳ واذا اخذت العهد أو اعطيتهٗ — فجميع عهدك ذمّةٌ ووفاءُ

۱۴ وَاِذَا مَشَیْتَ اِلَی الْعِدَا فَغَضَنْفَرٌ وَاِذَا جَرَیْتَ فَاَنَّکَ النَّکْبَاءُ

۱- جب آپؐ نے سخاوت کی تو سخاوت کو عروج تک پہنچا دیا اور وہ کرکے دکھایا جو "مانسون" نہیں کر سکتا (سخاوت میں آپؐ بارش سے زیادہ فیض رساں تھے)

۲- عفو و درگزر سے جب آپؐ نے کام لیا تو (انتقام یا سزا دینے کی) پوری طاقت رکھتے ہوئے اور (دشمن کو) پورا موقع دینے کے بعد معاف کیا، ناواقف لوگ بھی آپؐ کے عفو و درگزر کی ناقدری نہیں کر سکتے۔

۳- جب آپؐ نے رحم و شفقت کا سلوک کیا تو (ایسا معلوم ہوا کہ) آپؐ ماں ہیں اور باپ ہیں، دنیا میں ماں باپ ہی رحم و شفقت کرنے والے ہیں۔ یعنی دنیا میں شفقت کا مظہر ماں باپ ہوتے ہیں۔

۴- اور کبھی آپؐ غضبناک ہوئے تو محض حق کی خاطر غصہ آیا، اس میں نہ تو کینہ کو دخل تھا اور نہ بغض کو۔

۵- اور کبھی آپؐ کسی سے خوش ہوئے تو یہ بھی اللہ کی رضاجوئی کے لیے تھا جبکہ بہت سے لوگوں کی رضامندی بناوٹی بردباری اور دکھاوے کے لیے ہوتی ہے۔

۶- جب آپؐ نے خطبہ دیا تو منبروں کو وجد آ گیا، مجلس جھوم اٹھی، دل امنڈنے لگے۔

۷- جب آپؐ نے (کسی قضیہ کا) فیصلہ دیا تو شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی، متنازع گروہوں کو (ایسا معلوم ہوا کہ) آسمان سے ان کے لیے فیصلہ نازل ہوا ہے۔

۸- جب آپؐ نے کسی چشمہ (یا پانی کی گھاٹ) کی مدافعت اپنے ذمہ لی تو (اس کی ایسی ناکہ بندی کر دی کہ) کوئی وہاں اتر نہ سکا، خواہ بڑے بڑے سلاطینِ وقت پیاسے ہوں۔

۹- اگر آپؐ نے کسی کو امان دی تو (گویا) آپؐ بیت اللہ ہیں، جس میں پناہ لینے والے پر دشمن حملہ آور نہیں ہو سکتے۔

۱۰- اگر آپؐ کسی کے آقا (مالک) بنے تو اس سے حُسنِ سلوک کا حق ادا کر دیا، خواہ آپؐ جس کے مالک بنے ہیں، وہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

۱۱- اگر آپؐ نے نکاح کیا تو حُسنِ معاشرت کے لحاظ سے بہترین شوہر آپؐ تھے، اور جب آپؐ باپ بنے تو سارے باپ آپؐ سے کم تر رہے۔

۱۲- اگر آپؐ کسی کے ساتھی بنے تو اصحاب و ہمنشیں حضرات نے آپؐ کی چادروں میں (یعنی آپؐ کی ذات میں) وفا کو مجسم پایا (آپؐ کو مجسم وفا پایا)۔

۱۳- اگر آپؐ نے کوئی معاہدہ کیا یا کسی کو زبان دی تو آپؐ کے سارے معاہدے یا ذمہ داری، پاس عہد اور وفاداری (کا بہترین نمونہ) ثابت ہوئے۔

۱۴- جب آپؐ نے دشمنوں کی طرف پیش قدمی کی (تو محسوس ہوا کہ "ضیغم ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے") اور جب آپؐ

چلے تو "جیسے چلے بادِ بہاری"۔

(۲)

سلواقلبی غداة سلا و ثابا

لعلّ علی الجمال لہ عتابا

میرے دل سے (اس کی حالت) پوچھو، جس صبح کو وہ اپنے ہوش وحواس میں آگیا، شاید حُسن کے خلاف وہ شکوہ سنج ہو۔

و یُسأل فی الحوادث ذوصوابٍ

فھل ترك الجمال لہ صوابا

مصائب کے موقع پر توہوشمند آدمی سے بات دریافت کی جاتی ہے (کہ کیا ہوا، کیا ہوا تھا؟) مگر کیا حُسن نے اس کی صواب دید باقی رکھی ہے؟

۱ تجلّٰی مولدُ الھادی، و عمّت — بشائرہ البوادی والقصابا

۲ وأسدت للبریّة بنت وھبٍ — یدًا ابیضاءَ طوّقت الرّقابا

۳ لقد وضعتہ وھّاجًا، منیرًا — کما تلد السّماواتُ الشھابا

۴ فقام علی سماءِ البیت نورًا — یضیٔ جبال مکة والنقابا

۵ وضاعت یثرب الفیحاء مسکًا — وفاحَ القاعُ أرجاءً وطابا

۶ ابا لزھراء قد جاوزت قدری — بمدحك بید أن لی انتسابا

۷ فما عرف البلاغة ذوبیان — اذا لم یتّخذك لہ کتابا

۱۔ ہادی (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی میلاد (کا دن) آگیا، اور اس کی خوشیاں شہر شہر، قریہ قریہ ہر جگہ پھیل گئیں۔

۲ - بنتِ وہب (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب) نے سارے عالم پر عظیم احسان کیا اور احسان کا قلادہ ہر ایک کی گردن میں ڈال دیا۔

۳ - انہوں نے (بنتِ وہب نے) حضورؐ کو ایک روشنی بخشنے والے آفتاب کی صورت میں جنم دیا، جس طرح آسمانوں سے چمکتے ستارے پیدا ہوتے ہیں۔

۴ - بیت اللہ کی چھت پر ایک نُور چمکا، جس نے مکہ، اس کی پہاڑیوں اور پہاڑی راستوں کو روشن کر دیا۔

۵ - معطّر یثرب مشک سے مہک اُٹھا، وادیوں کے گوشے گوشے عطر بیز ہو گئے اور ان کی رونق بڑھ گئی۔

۶ - پدرِ زہراؓ! میں نے آپؐ کی مدح کر کے اپنی حیثیت سے تجاوز کیا ہے۔ ہاں مجھے ایک نسبتِ غلامی ضرور حاصل ہے۔

۷ - اگر کوئی صاحبِ قلم آپؐ کو اپنا موضوع نہ بنائے تو وہ بلاغت سے بے بہرہ ہے۔

(۳)

۱ رِیمٌ علی القاعِ بین البان و العَلَمِ احلّ سفكَ دمی فی الاشهرِ الحُرُمِ

۲ رمی القضاءُ بعینی جوذرٍ اسداً یاساکن القاعِ ادرك ساکن الاجمِ

۳ لمّا رناحدّثتنی النفس قائلةً یاویح جنبك بالسهم المصیب رُمی

۴ جحدتها وکتمت السّهم فی کبدی جُرحُ الاحبّة عندی غیرذی اَلَمِ

۱ - ایک آہو (ہرنی) ! جو "بان" کے درختوں اور ٹیلوں کے درمیان ایک وادی میں ہے اس نے میرے خون کے بہائے جانے کو حُرمت والے مہینوں میں حلال کر دیا۔

۲ - قضا (و قدر) نے ایک ہرنی کی آنکھوں سے ایک شیر کو مار گرایا، اے وادی کی رہنے والی (یعنی ہرنی) جھاڑی کے رہنے والے (یعنی شیر) پر رحم کر۔

۳ - جب اس نے ٹکٹکی لگا کر دیکھا تو میرے دل نے کہا، ہائے میرا دل نشانے پر لگ جانے والے تیر سے مارا گیا۔

۴ - میں نے اپنے دل کی بات کو جانتے بُوجھتے جھٹلایا، اور پیوست شدہ تیر کو اپنے جگر میں چھپا رکھا، کیونکہ دوستوں کا تیر میرے نزدیک درد دینے والا نہیں ہوتا۔

۱ اِن جلّ ذنبی عن الغفران، لی أملٌ فی اللہ یجعلنی فی خیرِ معتصمِ

۲ القی رجائی اذا عزّ المجیرُ علیٰ مُفرّجُ الکربِ فی الدّارین و الغممِ

۳ اذا خفضت جناح الذل اسأ لـه عزّ الشفاعة لم اسأل سوی امم

۴ وان تقدم ذو تقوی لصالحۃٍ قدّمت بین یدیه عَبرة النّدَم

۵ لزمت باب امیر الانبیاء ، و من یمسك بمفتاح باب الله یغتنم

۶ فکل فضلٍ و احسان و عارفۃٍ ما بین مستلم منه و ملتزم

۷ علقت من مدحه حبلاً اعزّ به فی یوم لا عِزّ بالانسابِ و اللُّحَم

۸ محمّدٌ صفوة الباری و رحمتهٗ وبُغیَةُ اللّٰهِ من خلق و من نسم

۱ - اگرچہ میری معصیتیں نا قابل بخشش ہیں، لیکن مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ مجھے اپنی پناہ میں لے لے گا۔

۲ - اس دن جبکہ پناہ کا ملنا دشوار ہوگا یعنی روزِ قیامت میں امید کا سہارا اس ذات کو بناؤں گا جو مصائب اور دردناک صورتِ حال کو دُور کرنے والا ہے (مراد اللہ تعالیٰ ہے)۔

۳ - میں جب عاجزی و درماندگی کے شانے جھکا کر اس سے شفاعت کی سرفرازی طلب کروں گا تو اس کے لئے کوئی بہت بڑی یا مشکل بات نہیں ہوگی (جو وہ قبول نہ کر سکے) (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے)

۴ - جب متقی اور پرہیزگار لوگ اپنے اعمال صالحہ پیش کریں گے میں اس کے حضور اشکِ ندامت پیش کروں گا۔

۵ - چمٹ گیا ہوں امیر الانبیاءؑ کے در سے، اور جو بھی خدا کے باب رحمت کی کنجی حاصل کر لیتا ہے دولت (مغفرت) اس کو مل ہی جاتی ہے۔

۶ - ہر قسم کے فضل و احسان اور کرم (سے بہرہ ور ہیں) جو اس دَر سے چمٹے ہوئے ہیں یا اس کو چُوم رہے ہیں۔

۷ - میں نے ان کی مدح کر کے ایک رسّی پکڑلی ہے، جو میرے لیے اس دن باعثِ فخر ہوگی جس دن رشتوں اور نسب وحسب پر فخر نہیں کیا جا سکے گا۔

۸ - وہ "محمدؐ" ہیں (جن کی مدح میرا سہارا ہے) حق تعالیٰ کی منتخب ترین خلقت اور اس کی رحمت (کا مظہر) ہیں، اور سارے انسانوں اور جمیع مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور محبوب بندہ ہیں۔

○

ابو علی محمد بن المستنبر بن احمد قطرب

(المتوفی ۸۲۱ء)

۱ الیک رسول اللہ منّا تحیّةٌ — وصلی علیك العابد المتهجّدُ
۲ فانت رسول اللہ هادٍ و مهتدٍ — نبیّ هدًی، للانبیاءِ مؤیَّدُ
۳ وقد قال (حسّانٌ) وفی الشعر شاهد — تُجَدِّده الایام یروی و ینشدُ
۴ اغرّ علیه للنبوة خاتمٌ — من اللہ مشهودٌ یلوح و یشهدُ
۵ واعطاه من لفظ اسمه لیجلّه — فذ والعرش محمودٌ وهٰذا محمّدُ
۶ فقلت شبیهًا بالذی قال، انّنی — به مؤمنٌ حقًّا لربّی موحّدُ
۷ فلایقبلُ التوحید الّا بذکره — لیقرنه عند النداء الموحّدُ
۸ وما جاء یدعونا بغیر دلالةٍ — ولکن بآیات تدُلُّ و تشهدُ
۹ ومن ذاك جذعٌ حنّ شوقًا الی الرضی — فما زال ساعات یمسل، و یُسندُ
۱۰ وقد سمعوا صوتا من الجذع بیّنًا — فیا عجبا ممّن یشكّ و یُلحدُ
۱۱ ومن ذاك شاةٌ خلوةُ الضَّرع مسّها — فدرّت بغزرٍ حافل یتزبّدُ
۱۲ فقام الیها الحالبان، فاترعا — اوانیهما والضرع ریّانُ وابرَدُ
۱۳ یدٌ مسّتِ الاطباء طابت وبورکت — مؤیّدةٌ باللہ، وهو المؤیّدُ

۱۴ مطهّر التركيب من كل آفة   مباركة الافعال، ما مثلها يدُ

۱۵ وسار الى البيت المقدس ليلةً   مسيرة شهرٍ وارداً ليس يُطردُ

۱۶ يُخبّرُ بالعير التى فى طريقه   ليوقن اهل الشّرك ذاك فيسعدُ

۱۷ ومن ذاك اخبارٌ عن الغيب قالها   يعاينُ منه الصدّق فيها ويوجدُ

۱۸ فسوددهٔ بالله اذكان وحيه   اليه وهل فوق النبوة سُودَدُ

۱۹ فاوفى اليه الله من علمه به   وقد كانت الاصنام اذ ذاك تعبدُ

۲۰ فاظهر بالاسلام دعوة صادقٍ   فضلّ لهٗ قوم، وقومٌ به هُدُ

۲۱ تسلمُ احجارٌ عليه فصيحة   اذا ما خلا فى حاجة يتفرّدُ

۲۲ ويسمعُ من أصواتها فى طريقه   تمجده، ان النبى محمدُ

۲۳ وانشأ رُبَىْ مُزنتٍ فوق رأسه   رآها "بحيرا" الراهب المتعبدُ

۲۴ تظلّله من كُلّ حرٍّ يصيبهٗ   تقيم عليه ما أقامَ فيركدُ

۲۵ وان سار، سارت لاتفارق رأسه   فقال لهم: "هٰذا النبى محمّدٌ"

۲۶ حليمٌ رحيمٌ ليّنٌ متواضعٌ   سخيٌّ حَيِيٌّ، عابدٌ متزهّدُ

۲۷ وكان رسول اللهِ فوق صفاتنا   يقصر فيه من يقول فيجهدُ

۱ - آپؐ پر یارسولؐ خدا! میرا اسلام اور عابد شب زندہ دار کا آپؐ پر درود ہو۔
۲ - یارسول اللہ! آپؐ ہادی ہیں، ہدایت یافتہ ہیں، پیغمبر ہدایت ہیں، انبیائے کرام کے مؤید ہیں۔
۳ - حسان نے کیا خوب کہا ہے، اور اشعار میں جو بات کہی جاتی ہے دلیل بن جاتی ہے ہر زمانے میں اس کی تجدید ہوتی ہے لوگ اس کو بار بار پڑھتے اور ایک دوسرے کو سناتے ہیں۔

۴ - نبوت کا نگینہ جو اللہ کا عطیہ ہے آپؐ کو زیب دیتا ہے، وہ دمک رہا ہے، دیکھا جا رہا ہے اور آشکارا ہو رہا ہے۔

۵ - خدائے پاک نے اپنے رسولؐ کی قدر افزائی اس طرح کی کہ اپنے نام سے اُن کا نام نکالا۔ صاحبِ عرش "محمود" (تعریف کیا ہوا۔ اللہ کی صفت) ہے اور یہ "محمد" ہیں۔

۶ - میں نے بھی کچھ کہا ہے جو حسان ہی کے شعروں کی مانند ہے (اور کیوں نہ ہو) میں انؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور اپنے رب کی وحدانیت کو مانتا ہوں۔

۷ - اور توحید قابلِ قبول اسی وقت ہو گی جب رسول اللہؐ کا ذکر بھی اس کے ساتھ ہو، اس لیے ایک موحد اذان دیتے وقت ذکرِ رسولؐ کو ندائے توحید کے ساتھ شامل کرتا ہے۔

۸ - (رسول اللہؐ) ہمیں دعوتِ حق دینے بلا دلیل کے نہیں آئے بلکہ اپنی نشانیاں (معجزات) لے کر آئے جو (آپ کی نبوت) کی علامت ہیں اور گواہی دیتی ہیں۔

۹ - انہی معجزات میں سے وہ ستون ہے جو آپؐ کے اشتیاق میں بے تاب ہو گیا اور گھنٹوں گرتا رہا اور اس کو لوگ اپنی جگہ پر جاتے رہے۔

۱۰ - اور لوگوں نے اس کے رونے، چیخنے کی آواز کو صاف طور سے سنا۔ اس پر بھی کوئی شک کرے یا کج روی اختیار کرے تو اس پر حیرت ہے۔

۱۱ - اور انہی معجزات میں سے وہ بکری ہے جس کے تھن دودھ سے خالی تھے، آپؐ نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو دُودھ کے دھارے اس تیزی اور کثرت سے اُبل پڑے کہ برتنوں سے جھاگ نکلنے لگی۔

۱۲ - چنانچہ دونوں دوہنے والے گئے اور اپنے اپنے برتنوں کو دودھ سے بھر لیا، پھر بھی تھن تر و تازہ اور ٹھنڈے ہی رہے۔

۱۳ - وہ دستِ مبارک جس نے مٹی کو بھی چھو دیا تو وہ پاکیزہ ہو گئی، اس میں برکت آ گئی، اس ہاتھ کو اللہ نے قوت بخشی اور وہؐ خود ہی اللہ کی تائید سے سرفراز تھے۔

۱۴ - وہ دست مبارک سراپا طہارت ہر عیب سے پاک، جس سے باعثِ برکت اعمال ہمیشہ صادر ہوئے، اس کا ہمسر کسی کا ہاتھ نہیں۔

۱۵ - اور آپؐ راتوں رات بیت المقدس کی طرف چلے، جو راستہ ایک ماہ میں طے ہوتا (آپؐ نے پلک جھپکتے طے کر لیا) اور ایک باعزّت اور باوقار مہمان کی طرح گئے جس کو ٹالا نہیں جاتا۔

۱۶ - (پھر آ کر آپؐ) اس قافلہ کی خبر دیتے ہیں جو راستے میں ملا تھا تاکہ مشرکوں کو یقین آئے اور انھیں اطمینانِ قلب حاصل ہو۔

۱۷ - آپؐ کے معجزات میں غیب کی خبریں، جس کی صداقت ہمیشہ آنکھوں سے دیکھی گئی اور برملا پائی گئی۔

۱۸ - لہٰذا آپؐ کی فضیلت، اللہ کی عطا کردہ فضیلت ہے، جس نے آپؐ پر وحی بھیجی، کیا نبوت سے بلند بھی کوئی بڑائی

ہوسکتی ہے؟

۱۹ ۔ اللہ نے اپنے علم سے آپؐ کو بھرپور حصہ دیا، اور اس وقت جبکہ بتوں کو پوجا جاتا تھا۔

۲۰ ۔ اسلام کے ذریعہ آپؐ نے دعوتِ حق و صداقت کو پیش کی، کچھ لوگ گمراہ رہے اور کچھ لوگوں نے ہدایت پائی۔

۲۱ ۔ آپؐ کے معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ جب آپؐ پہاڑوں کی اوٹ میں تنہا اپنی کسی ضرورت کے لیے ہوتے تو پہاڑوں کے پتھر آپؐ کو سلام عرض کرتے۔

۲۲ ۔ آپؐ آتے جاتے ان کی آواز سُنتے کہ وہ آپؐ کی ستائش کر رہے ہیں، کیوں نہ ہو پیغمبر عظمت کا پیکر ہوتا ہی ہے۔

۲۳ ۔ بادل کا ایک ٹکڑا آپؐ کے سر پہ سایہ فگن تھا، جس کو "بحیرا" نے دیکھا تھا جو کہ ایک زاہد اور عبادت گزار شخص تھا۔

۲۴ ۔ (بحیرا نے دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا) آپؐ کو گرمی سے بچانے کے لیے سایہ دیتا ہے اور جہاں ٹھہرتے ہیں ٹھہر جاتا ہے۔

۲۵ ۔ اور جب چلتے ہیں تو ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ چنانچہ بحیرا راہب نے یہ دیکھ کر لوگوں سے کہہ دیا: یہ ہیں پیغمبر محمدؐ۔

۲۶ ۔ بردبار، رحم دل، نرم خُو، منکسر مزاج، سخی، بندہ نواز، عبادت گزار، دنیا سے بے نیاز۔

۲۷ ۔ رسولؐ اللہ ہماری ان تعریفوں سے کہیں زیادہ بلند تھے، آپؐ کی تعریف کرنے والا ہزار کوشش کے بعد بھی حق ادا کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

○



اجتماع میدانِ عرفات

شاہ ولی اللہ دہلویؒ

(المتوفی ۱۷۶۲ء)

۱	كأنّ نجومًا او مضت فی الغیاھب	عیون الافاعی اوروُس العقارب
۲	اذا كان قلب المرء فی الامر خاثرًا	فاضیق من تسعین رحب السباسب
۳	وتشغلنی عنی وعن كل راحتی	مصائب تقفو مثلها من مصائب
۴	اذا ما اتانی ازمةٌ مُدلهمّةٌ	تحیط بنفسی من جمیع جوانبی
۵	تطلّبت هل من ناصرٍ او مساعدٍ؟	الوذبه من خوف سوء العواقب
۶	فلست اریٰ الّا الحبیب محمّدًا	رسول الله الخلق جمّ المناقب
۷	ومعتصم المكروب فی كل غمرةٍ	ومنتجع الغفران من كل تائب
۸	ملاذُ عباد الله ملجأ خوفهم	اذا جاء یومٌ فیه شیب الذّوائب
۹	اذا ما اتوا نوحًا ومُوسٰی وآدمًا	وقد هالهم مصاعب تلك الصعائب
۱۰	هناك رسول الله ینحو لربّه	شفیعًا وفتّاحًا لباب المواهب
۱۱	فیرجع مسرورًا بنیل طلابه	اصاب من الرّحمٰن اعلی المراتب
۱۲	سلالة اسماعیل والعرق نازع	واشرف بیتٍ من لوی بن غالب
۱۳	بشارة عیسٰی والّذی عنه عبّروا	لشدّة باس بالضّحوك المحارب

۱۴ ومن اخبروا عنه بان لیس خلقه — بِفَظٍّ وفی الاسواق لیس بصاخبٍ

۱۵ ودعوة ابراهیم عند بنائه — بمکّة بیتًا فیه نیل الرّغائبٍ

۱۶ جمیل المحیّا، ابیض الوجه، رَبعَةٌ — جلیل کرادیس، ازج الحواجبٍ

۱۷ صبیحٌ، ملیحٌ، ازعج العینین اشکلُ — فصیح، له الاعجام لیس بشائبٍ

۱۸ واحسن خلق الله خلقًا وخلقةً — وانفعهم للناس عند النوائبٍ

۱۹ واجود خلق الله صدرًا ونائلًا — وابسطهم کفًّا علیٰ کل طالبٍ

۲۰ واعظم حُرٍّ للمعالی نهوضه — الی المجد سامی للعظائم خاطبٍ

۲۱ تری اشجع الفرسان لاذ بظهره — اذا احمرّ بأسٌ فی بئیس المواجبٍ

۲۲ وآذاه قومٌ من سفاهة عقلهم — ولم یذهبوا من دینه بمذاهبٍ

۲۳ فمازال یدعوا ربّه لهداهم — وان کان قد قاسیٰ اشدّ المتاعبٍ

۲۴ فیاویل قوم یشرکون بربّهم — وفیهم صنوف من وخیم المثالبٍ

۲۵ فیاویل قوم حرّفوا دینَ ربّهم — وافتوا بمصنوعٍ لحفظ المناصبٍ

۲۶ ویاویل قوم اطریٰ بوصف نبیّه — فسمّاه ربّ الخلق اطراء خائبٍ

۲۷ ویاویل قوم قد اخفّ عقولهم — تجبّر کسریٰ واصطلام الضرائبٍ

۲۸ فادرکهم فی ذاک رحمة ربنا — وقد اوجبوا منه اشدّ المعاتبٍ

۲۹ فارسل من علیا قریش نبیّه — ولم یک فیما قبل یلوه بکاذبٍ

۳۰ فاشهدُ انّ الله ارسل عبده — بحق ولا شئ هناک برائبٍ

۳۱ واقوی دلیل عند من تمّ عقلہ — علی ان شرب الشرع اصفی المشارب

۳۲ مکارم اخلاق واتمام نعمۃٍ — نبوّۃ تالیف وسلطان غالبٍ

۳۳ براھین حق اوضحت صدق قولہ — دواھا ویروی کل شبٍّ وشائبٍ

۳۴ کم من مریض قد اشفٰی دعاؤہ — وان کان قد اشفی لوجبۃ واجبٍ

۳۵ ودرّت لہ شاۃُ اُمِّ معبدٍ — حلیبًا ولا تسطاعُ حلبۃ حالبٍ

۳۶ وقد ساخ فی ارضٍ حصان سراقۃٍ — وفیہ حدیث عن "بُراء ابنِ عازبٍ"

۳۷ وقد فاحَ طیبًا کفٌّ من مسّ کفّہٗ — وما حل راسًا جسّ شیب الذوائبٍ

۳۸ وسمّاہ ربّ الخلق اسماء مدحۃ — بتبیّن ما اعطٰی لہ من مناقبٍ

۳۹ جزی اللہ اصحاب النبی محمّد — جمیعًا کما کانوا لہ خیر صاحبٍ

۴۰ واٰل رسول اللہ لا زال امرھم — قویمًا علی ارغام انف النواصبٍ

۱ - تاریک شب میں تارے چمکتے ہوئے ایسے لگتے ہیں جیسے اژدہوں کی آنکھیں ہوں یا بچھوؤں کے سر۔

۲ - اگر مصیبت میں کسی کا دل بیٹھ جائے تو بے شمار صحرا و بیابان بھی سامنے ہوں جب بھی اُس کو تنگ معلوم ہوتے ہیں۔

۳ - پے در پے مصائب ایسے پڑے جس نے مجھے خود اپنی ذات سے اور ہر راحت و آرام سے بے نیاز کر دیا۔

۴ - جب بھی مجھ پر ایسی افتاد پڑی جس نے ہر طرف سے مجھے دبوچ لیا (اور)

۵ - میں نے (نظر دوڑائی) تلاش کیا کہ ہے کوئی ایسا معاون و مددگار جس کے دامن میں پناہ لوں اور خوفِ انجام سے بچ سکوں۔

۶ - تو مجھے سوائے حبیبِ (کبریا) محمدؐ کے اور کوئی نظر نہیں آتا ہے، وہ الٰہ العٰلمین کے رسول برگزیدہ اوصاف کے حامل ہیں۔

۷ - اور وُہ جو ہر آفت رسیدہ کی کٹھن گھڑیوں میں پشت پناہی کرتے ہیں اور ہر توبہ کرنے والے کے لیے (جن کا گھر) مغفرت کا سرسبز باغ ہے۔

۸ - اس دن جب کہ پُر ہول وقت ہوگا اور جس کی دہشت سے سیاہ بال یکایک سفید ہو جائیں گے اس وقت ڈر سے کانپتے ہوئے بندگانِ خدا کے لیے آپؐ ہی ملجأ و ماوٰی اور سہارا ہوں گے۔

۹ - جب وُہ دن آئے گا کہ سارے انسان حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے، حضرت موسٰیؑ سے رجوع کریں گے، حضرت آدمؑ سے مدد مانگیں گے تو یہ سب کے سب اس کٹھن گھڑی کی صعوبتوں سے لرزاں اور خائف ہوں گے۔

۱۰ - اس موقع پر رسولؐ اللہ ہی ہوں گے جو اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں گے، شفاعت کریں گے اور بخششوں کے در کھلوائیں گے۔

۱۱ - پھر وہاں سے اپنی مراد پا کر خوش خوش لوٹیں گے اور خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے بلند مرتبہ پر فائز ہوں گے۔

۱۲ - (یہ نبیؐ) حضرت اسماعیلؑ کے خانوادہ سے ہیں، اور خاندان کا اثر بڑا گہرا ہوتا ہے۔ آپؐ لوی بن غالب کی نسل میں سب سے بڑے اور شریف گھرانے کے فرزند ہیں۔

۱۳ - آپؐ وہی ہیں جن کی حضرت عیسٰیؑ نے بشارت دی تھی اور جن کی علامت یہ بتائی تھی کہ وہ (رسولِ خدا) بہادر ہوں گے اور میدانِ وغا میں بھی مسرور رہوں گے۔

۱۴ - وہؐ جن کے بارے میں یہ خبر دی گئی (یعنی قرآن کریم میں بتایا گیا) کہ ان کے مزاج میں درشتی نہیں ہے اور وہ بازار میں چیخ چلانے والے نہیں ہیں (یعنی متین، سنجیدہ، مہذب اور با اخلاق ہیں)

۱۵ - آپؐ وہی ہیں جن کے ظہور کی دعا حضرت ابراہیمؑ نے اس وقت کی تھی جبکہ وُہ خانۂ کعبہ کی مکہ میں تعمیر کر رہے تھے، وُہ خانہ کعبہ جو مرادوں کے پوری ہونے کی جگہ ہے۔

۱۶ - خوش رُو، گوری رنگت، میانہ قامت، چوڑے شانے اور گھنے ابرو والے۔

۱۷ - خوش رنگ، چہرے پر ملاحت، کشادہ چشم، خندہ جبین، زبان کے فصیح، جس میں لکنت یا عجز بیانی کا شائبہ بھی نہیں۔

۱۸ - بندگانِ خدا میں حُسنِ صورت اور حُسنِ سیرت دونوں اعتبار سے کامل ترین فرد، اور مصائب کے وقت لوگوں کے لیے سب سے زیادہ کار آمد (سب سے زیادہ قابلِ اعتماد) اور نفع بخش۔

۱۹ - خلقِ خدا میں سب سے زیادہ سخی، دل کے بڑے اور ہر مانگنے والے کے لیے ان کا ہاتھ کھلا ہوا اور بخشش پر تلا ہوا۔

۲۰ - شریف زادوں میں بلند ترین اور بلند حوصلہ طلب امور کو حاصل کرنے کی پوری ہمت و عزیمت کے مالک، بلند سے بلند مرتبہ کے طالب اور حقدار۔

۲۱ - بڑے سے بڑے بہادر شہسواروں کو تم دیکھو گے کہ وہ آپؐ کی پشت پناہی اس وقت چاہتے ہیں جب گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو اور سخت ترین آفتوں کا سامنا ہو۔

۲۲- آپؐ کی قوم نے آپؐ کو اپنی بدعقلی کی وجہ سے بہت ستایا، اور آپؐ کے دین کے مقرر کیے ہوئے راستوں پر نہیں چلے۔

۲۳- پھر بھی آپؐ ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہے، اگرچہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے آپؐ نے سخت ترین اذیتیں برداشت کی تھیں۔

۲۴- بُرا ہو ایسے لوگوں کا جو (پھر بھی) اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اور ان میں طرح طرح کے لوگ ہیں جو بدترین عیوب رکھنے والے ہیں۔

۲۵- برا ہو ایسے لوگوں کا جنھوں نے اپنے رب کے دین میں تحریف کر ڈالی، اور ایسے من گھڑت مسائل بنائے تاکہ ان کے مناصب کا بھرم قایم رہے۔

۲۶- بُرا ہو ایسے لوگوں کا جو اپنے پیغمبر کی شان کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرتے رہے اور ایک "مجرم ثناخواں" بن کر پیغمبر کو خدا کا درجہ دیتے رہے۔

۲۷- بُرا ہو ایسے لوگوں کا، جن کو کسرٰی کے جبروت اور ٹیکسوں کی بھرمار نے عقل سے عاری کر رکھا تھا۔

۲۸- (ان آفات و مصائب کے عالم میں) رحمتِ الٰہی نے ان کی دستگیری کی، حالانکہ وُہ اپنے اعمال کے لحاظ سے سخت عذاب کے مستحق تھے۔

۲۹- (اور یہ دستگیری اس طرح کی کر) قریش کے اعلیٰ خاندان سے ایک نبی کو اٹھایا جس کو وہ لوگ پہلے ہی سے (سچّا سمجھتے تھے) کسی نے ان پر کذب بیانی کا الزام نہیں لگایا تھا۔

۳۰- لہٰذا میں گواہی دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو حق لے کر مبعوث کیا، جس کے اعمال میں کسی شک و شُبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۳۱- ایک صاحبِ عقل کے نزدیک سب سے مضبوط دلیل اس بات کی کہ شریعتِ اسلام کا چشمہ سب سے زیادہ پاک، صاف ستھرا چشمہ ہے، یہ ہے کہ:

۳۲- (اس پیغمبر میں) اخلاقی بلندیاں بدرجہ اتم موجود ہیں اور اللہ کی نعمت کی تکمیل ان پر کر دی گئی، ایسی نبوت عطا ہوئی جس نے دلوں کو جوڑا، اور وہ قوت عطا ہوئی جو غالب ہو کر رہی۔

۳۳- وہ روشن دلائل ملے جس نے آپؐ کے قول کی تصدیق کی اور جن کی روایت ہر جوان اور بوڑھے نے ایک دوسرے سے کی اور برابر روایت کرتے رہے۔

۳۴- کتنے ایسے مریض تھے جنھوں نے آپؐ کی دعا سے شفا پائی، جو ایک وقت کی خوراک سے بھی محروم تھے۔

۳۵- "ام معبد" کی بکری آپؐ کی برکت سے دُودھ کی دھار بہانے لگی، جس کے تھن (خشک تھے) اور ان سے ایک قطرہ دودھ نہیں نکل سکتا تھا۔

۳۶ - سراقہ بن جعشم کے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنس گئے، اس بارے میں حضرت براء بن عازب کی حدیث موجود ہے۔
۳۷ - جس نے بھی آپؐ کے دستِ مبارک کو چھوا وہ خوشبو سے مہک اٹھا جس سر پر آپؐ نے دست شفقت پھیرا وہ کبھی سفید نہیں ہوا۔
۳۸ - خدائے جہاں نے آپؐ کو مدح و ثنا کے محبت بھرے ناموں سے پکارا جن سے آپؐ کے اوصافِ حمیدہ اور مناقبِ جلیلہ کا اظہار ہوا۔
۳۹ - اللہ تعالیٰ نبی کریم محمدؐ کے ساتھیوں (صحابہ کرام) کو جزائے خیر دے، سب کے سب بہترین ساتھ دینے والے تھے۔
۴۰ - اور آلِ رسول اللہ کو جزائے خیر دے، جن کی عظمت ہمیشہ سے قائم ہے، خواہ "خارجیوں" کی ناک خاک آلودہ ہو (یعنی ان کو کتنا ہی برا لگے۔)

○

حضرت عمرؓ (جن)

۱ فَتَعَدَّ وَدَعْ ذِكْرًا لَهُمُ — بَلْ كَيْفَ وَأَنْتَ بِهِمْ نَصِبٌ
۲ وَارْحَلْ قُلُصًا يَقْدِنْ مِنْ عَلَيَّ — دَعُوفٍ فَتُزَاحُ بِهِ الْكُرَبُ
۳ فَالْخَلْقُ إِلَيْهِ جَمَاعَتُهُمْ — تُحْدٰى بِهِمْ فُسُحٌ نُجُبٌ
۴ لُزُزٌ لُغُزٌ نُشُزٌ نُهُزٌ — جُمُزٌ حُضُزٌ ضُمُرٌ شُزُبٌ
۵ شُنُخٌ رُخُخٌ مُخُخٌ دُخُخٌ — فُتُخٌ شُمُخٌ جُرُخٌ هُلُبٌ
۶ هُشُشٌ خُشُشٌ عُشُشٌ فُشُشٌ — خُدُشٌ عُمُشٌ بُرُشٌ عُتُبٌ
۷ بُعُعٌ كُنُعٌ وُقُعٌ صُمُعٌ — قُطُعٌ كُمُعٌ طُمُعٌ أُلُبٌ
۸ فَأَنِخْ بِنَبِيِّ إِلٰهِ الْخَلْقِ — أَتَتْ بِفَضَائِلِهِ الْكُتُبُ
۹ لِنَبِيٍّ هُدًى وَنَسِيجِ تُقًى — فَبِذَاكَ تَدِينُ لَهُ الْعَرَبُ
۱۰ بِمُحَمَّدٍ الْمَبْعُوثِ وَذِي الْخَيْرَاتِ — مَنَازِلُهُ الرُّحُبُ
۱۱ وَالْحَوْضُ لَهُ الرُّكْنُ مَعًا — وَالْبَيْتُ وَمَكَّةُ وَالْحُجُبُ
۱۲ نَصْرًا هَزَمَ الْأَحْزَابَ لَهُ — فَتَمَامُ صَنَائِعِهِ الرُّغُبُ
۱۳ فَهَدَيْتَ فَأَنْتَ جَلَوْتَ عَمًى — وَأَضَاءَ بِذَاكَ لَنَا السَّبَبُ
۱۴ وَإِلَيْكَ مُحَمَّدُ انْبَعَثَتْ — جُونٌ بِأَخِشَّتِهَا ثُبُوا

۱۵ وَاِلَيْكَ رَحَلْتُ مَغَاقَ اُولِیْ كُتُبٍ وَمَعَاشِرَ قَدْ ذَهَبُوْا

۱۶ لِتَجُوْدَ عَلَیَّ فَتُعْطِيَنِیْ بِشَرَائِعَ لَيْسَ لَهَا ثُلُبُ

۱۷ فَاللّٰهُ هَدَاكَ وَاَنْتَ هَدَيْتَ فَدَلَّ لِمِلَّتِكَ النُّصُبُ

۱۸ فَصَلٰوةُ اِلٰهِ الْخَلْقِ عَلَيْكَ وَجَادَ فَمَلَّكَتِ السَّكَبُ[1]

۱ - ہٹو اور ان اونٹنیوں اور اونٹنی والوں کا ذکر چھوڑو۔ اے دل! تجھے کیا ہوگیا، تو کیوں ان کے مارے دُکھی ہے۔

۲ - تو اپنی اونٹنیوں کو کوچ کے لیے ہانک تاکہ وہ اُس دلبرِ دلنواز کے قدموں میں جا پہنچیں وہ جس کے ذریعہ سب دکھ درد مٹ جاتے ہیں۔

۳ - تمام مخلوق کے لوگ گروہ گروہ جس کی طرف چلے جا رہے ہیں اور ایسی اونٹنیوں کو حُدی پڑھتے ہوئے لیے جاتے ہیں جو جوڑے سینے والی اور منتخب ہیں۔

۴ - وہ اونٹنیاں جن کا سینہ گوشت سے بھرا ہوا ہے چوُہے کے بلوں کے مانند پیچیدہ راستہ کو وہ بآسانی طے کر رہی ہیں فربہ اور قوی ہیں۔ جوشِ رفتار میں گویا سینہ کے بل چلی جا رہی ہیں۔ بہت جلد جلد قدم اٹھاتی ہیں۔ مجسم رفتار ہیں، وہ اس پہاڑ کی مانند ہیں جو گرد و غبار سے صاف ہو، تازہ شاخ کی مانند بارونق ہیں۔

۵ - قدآور ہیں مضبوط ہیں قوت سے بھری ہوئی ہیں سیاہ اور بھُوری ہیں خشمناک ہیں بلند قد ہیں سیلاب رواں ہیں بڑے بڑے بال والی ہیں۔

۶ - ہشاش بشاش ہیں نکیل اور خورجیوں والی ہیں۔ جلد باز ہیں۔ دُودھ دوہی ہوئی ہیں۔ چلنے میں زمین کے اندر خراش پیدا کرنے والی ہیں۔ کسی سہارے کی محتاج نہیں ہیں۔ رنگا رنگ ہیں۔ سراپا ناز ہیں۔

۷ - جہاز کے مانند سامان سے بھری ہوئی چلی جا رہی ہیں۔ ستارے کی طرح غروب ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہیں جنگ آزمودہ ہیں۔ چھوٹے کان والی ہیں۔ جلد جلد مسافت طے کرنے والی ہیں۔ سفر کی بہت ہی شائق ہیں۔ ہمہ تن رفتار ہیں۔

۸ - ٹھہر ٹھہر اے مسافر! ٹھہر قافلہ کے اونٹوں کو بٹھا دے اور پیغمبرِ خداوندِ عالم کی خدمت میں حاضر ہو جس کے فضائل میں بہت سی کتابیں آئی ہیں۔

۹ - وُہ جو ہدایت کرنے والا نبی ہے جس کا جامۂ وجود سراسر تقوٰی کے تاروں سے بنا ہوا ہے جبھی تو سارا عرب اُس کے

---

[1] قومِ جنّات کے ایک بزرگ صحابی کے نعتیہ تاثرات۔

دین کا جان نثار اور اُس کے نام کا فدا کار ہے۔

۱۰۔ وہ محمدؐ جو خدا کی طرف سے مبعوث ہے تمام خوبیوں کا مالک ہے جس کے مراتب و مدارج نہایت ہی بلند اور وسیع ہیں۔

۱۱۔ حوضِ کوثر بھی اُس کا ہے مکہ رکن و مقام کعبہ اور اُس کے پردے ان سب کا وہی مالک ہے۔

۱۲۔ اُسی کی مدد کے لیے تمام قوموں کے جتھے پسپا کر دئے گئے اُس محبوب کے سارے کام پیارے ہیں۔

۱۳۔ اے ہمارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! تو نے ہدایت کر کے اندھوں کی آنکھیں کھول دیں اسی لیے حقیقت اور کامیابی کے راستے روشن ہوئے، دروازے کُھل گئے۔

۱۴۔ اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیری ہی خدمت میں اونٹنیاں مع اپنی نکیل اور خورجیوں کے با ادب بیٹھی ہوئی ہیں۔

۱۵۔ اے میرے آقا! میں بھی حاضرِ دربار ہوا ہوں۔ اے مولا! تو تمام گزشتہ کتب و ہدایت والوں کا سرتاج ہے۔

۱۶۔ اے میرے داتا! میں حاضرِ خدمت ہوا ہوں کہ تو مجھے اپنی عنایت سے بے عیب شریعت عطا کر دے۔

۱۷۔ خدا نے تجھے ہدایت دی ہے اور تو سب کا ہادی ہے۔ تیرے دین کے آگے تمام بُت سرنگوں ہو گئے ہیں۔

۱۸۔ تجھ پر خداوندِ عالم کا درود و سلام۔ اور تیرے روضۂ مبارک پر رحمتِ الٰہی کی موسلا دھار بارش ہو۔

○

حضرت عباسؓ بن عبد المطّلب

(المتوفی ۳۲ھ)

۱ مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِی الظِّلاَلِ وَفِیْ   مُسْتَوْدَعٍ حَیْثُ یُخْصَفُ الْوَرَقُ
۲ ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلاَدَ وَلاَ بَشَرٌ   اَنْتَ وَلاَ مُضْغَةٌ وَّلاَ عَلَقٌ
۳ بَلْ نُطْفَةٌ تَرْکَبُ السَّفِیْنَ وَقَدْ   اَلْجَمَ نَسْرًا وَاَهْلَهُ الْغَرَقُ
۴ تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ اِلٰی رَحِمٍ   اِذَا مَضٰی عَالَمٌ بَدَا طَبَقُ
۵ وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِیْلِ مُکْتَتِمًا   فِیْ صُلْبِهٖ اَنْتَ کَیْفَ یَحْتَرِقُ
۶ حَتّٰی احْتَوٰی بَیْتُكَ الْمُهَیْمِنُ مِنْ   خِنْدِفٍ عَلْیَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ
۷ وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَ   رْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ
۸ فَنَحْنُ فِیْ ذٰلِكَ الضِّیَاءِ وَفِی النُّ   وْرِ وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

۱۔ آپؐ اس سے پہلے سایۂ خاص میں بسر کر رہے تھے اور اُس منزلِ محفوظ میں تھے جہاں پتّوں سے بدن ڈھانپا گیا۔
۲۔ پھر آپؐ بستی میں اترے، مگر نہ تو ابھی آپؐ بشر تھے نہ گوشت پوست اور نہ لہو کی پُھٹکی۔
۳۔ بلکہ وہ آبِ صافی، جو کشتیوں پر سوار تھا جب سیلاب کی موجیں چوٹی کو چھُو رہی تھیں اور لوگ ڈوب رہے تھے۔
۴۔ منتقل ہوتا رہا صلب سے رحم کی طرف، پھر جب ایک عالم گزر چکا مرتبۂ حال کا ظہور ہوا۔
۵۔ آپؐ آتشِ خلیل میں اُترے، چُھپے چُھپے، آپؐ ان کی صلب میں تھے تو وہ کیسے جلتے۔
۶۔ تا آنکہ آپؐ کا محافظ وہ صاحبِ شوکت گھرانا ہوا جو خندف جیسی رفیع المرتبت خاتون کا ہے جس کا دامن

زمین پر لوٹتا تھا۔

۷۔ اور آپؐ جب پیدا ہوئے تو چمک اٹھی زمین، اور روشن ہو گئے آفاقِ سماوی آپؐ کے نور سے۔

۸۔ تو اب ہم لوگ اسی روشنی اور اسی نور میں ہیں اور ہدایت و استقامت کی راہیں نکال رہے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ

(الشهيد ٦٦١ء)

١	أَمِنْ بَعْدِ تَكْفِينِ النَّبِيِّ وَدَفْنِهِ	بِأَثْوَابِهِ آسَى عَلَى هَالِكٍ ثَوَى
٢	رُزِئْنَا رَسُولَ اللهِ فِينَا فَلَنْ نَرَى	بِذَاكَ عَدِيلًا مَا حَيِينَا مِنَ الرَّدَى
٣	وَكَانَ لَنَا كَالْحِصْنِ مِنْ دُونِ أَهْلِهِ	لَهُ مَعْقِلٌ حِرْزٌ حَرِيزٌ مِنَ الرَّدَى
٤	وَكُنَّا بِمَرْآهُ نَرَى النُّورَ وَالْهُدَى	صَبَاحًا مَسَاءً رَاحَ فِينَا أَوِ اغْتَدَى
٥	لَقَدْ غَشِيَتْنَا ظُلْمَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِ	نَهَارًا فَقَدْ زَادَتْ عَلَى ظُلْمَةِ الدُّجَى
٦	فيا خير من ضمّ الجواغ والحشا	وَيَا خَيْرَ مَيْتٍ ضمة التُّرْبِ وَالثَّرَى
٧	كَأَنَّ أُمُورَ النَّاسِ بَعْدَكَ ضمنت	سَفِينَةُ مَوْجٍ حِينَ فِي الْبَحْرِ قَدْ سَمَا
٨	فَضَاقَ فَضَاءُ الْأَرْضِ عَنْهُمْ بِرَحْبِهِ	لِفَقْدِ رَسُولِ اللهِ إِذْ قِيلَ قَدْ مَضَى
٩	فَقَدْ نَزَلَتْ لِلْمُسْلِمِينَ مُصِيبَةٌ	كَصَدْعِ الصَّفَا لَا لِلصَّدْعِ فِي الصَّفَا
١٠	فَلَنْ يَسْتَقِلَّ النَّاسُ تِلْكَ مُصِيبَةً	وَلَنْ يُجْبَرَ الْعَظْمُ الَّذِي مِنْهُمُ وَهَى
١١	وَفِي كُلِّ وَقْتٍ لِلصَّلٰوةِ يَهِيجُهُ	بِلَالٌ وَيَدْعُو بِاسْمِهِ كُلَّمَا دَعَا

۱- نبی کو کپڑوں میں کفن دینے کے بعد، میں اس مرنے والے کے غم میں غمگین ہوں جو خاک میں جا بسا۔

۲- رسولؐ اللہ کی موت کی مصیبت ہم پر نازل ہوئی اور اب جب تک ہم خود جی رہے ہیں ان جیسا ہرگز نہیں دیکھیں گے۔

۳- رسولؐ اللہ ہمارے لیے ایک مضبوط قلعہ تھے کہ ہر دشمن سے پناہ اور حفاظت حاصل ہوتی تھی۔

۴- ہم جب اُن کو دیکھتے تو سراپا نور و ہدایت کو دیکھتے صبح بھی اور شام بھی، جب وہ ہم میں چلتے پھرتے یا صبح کو گھر سے نکلتے۔

۵۔ ان کی موت کے بعد ہم پر ایسی تاریکی چھا گئی جس میں دن کالی رات سے زیادہ تاریک ہوگیا۔

۶۔ انسانی بدن اور اس کے پہلو جتنی شخصیتوں کو چھپائے ہوئے ہیں ان میں سب سے بہتر آپؐ ہیں اور آپؐ ان تمام مرنے والوں میں جن کو خاک نے چھپایا ہے سب سے بہتر ہیں۔

۷۔ گویا معاملہ انسانی آپؐ کی موت کے بعد ایک کشتی میں پڑ گیا ہے جو سمندر کے اندر اونچی موجوں میں گھری ہوئی ہے۔

۸۔ زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی رسولؐ اللہ کی وفات کی وجہ سے جب یہ کہا گیا کہ رسولؐ گزر گئے۔

۹۔ مسلمانوں پر ایک ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے جیسے چٹان میں شگاف پڑ جائے اور چٹان کے شگاف کی اصلاح کہاں ممکن ہے۔

۱۰۔ اس مصیبت کو لوگ برداشت نہیں کر سکیں گے اور وہ کمزوری جو پیدا ہوگئی ہے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔

۱۱۔ اور ہر نماز کے وقت بلالؓ ایک نیا ہیجان پیدا کر دیتے ہیں جب کہ وہ (بلالؓ) ان کا نام لے کر پکارتے ہیں۔

○

مولانا محمد فضل حق خیر آبادیؒ

(المتوفی ۱۸۶۱ء)

۱	فَلَا مَلَاذَ سِوٰی خَیْرِ الْوَرٰی جَمْعًا	فِی الْخَلْقِ وَالْخُلْقِ وَالْاِحْسَانِ وَالْجُوْدِ
۲	جَدْوَاهُ نَقْدٌ لِمَنْ یَّاْتِیْهِ مُعْتَفِیًا	فَکَمْ هُنَالِكَ مِنْ قَوْدٍ لِمَنْقُوْدِ
۳	اَحْمَی الصَّنَادِیْدِ مَاْوَی النَّاسِ مَفْزَعُهُمْ	اِذْ یَفْزَعُوْنَ لِاَهْوَالِ صَنَادِیْدِ
۴	اِخْتَارَهُ اللّٰهُ مَحْبُوْبًا وَّ اَرْسَلَهٗ	لِرَحْمَتِهٖ وَاِرْشَادٍ وَّ تَسْدِیْدِ
۵	فَاقَ النَّبِیِّیْنَ طُرًّا فِی الْکَمَالِ وَ فِی	الْجَمَالِ وَالْعَزْمِ وَالْاِجْمَالِ وَالسُّوْدِ
۶	اِنَّ الرَّسُوْلَ لَقَدْ فَاقَ وَعِتْرَتُهٗ	سَفِیْنَةٌ مُّسْوَاهَا الْجُوْدُ لَا الْجُوْدِیْ
۷	اَفْدِیْكَ یَا خَیْرَ الْمَوَارِدِ مُخْتَبِطًا	قَدْ طَرَدَتْهُ الْمَعَاصِیْ اَیَّ تَطْرِیْدِ
۸	اَنْشَدْتُكَ فَاقْبَلْ مِدْحَتِیْ کَرَمًا	حَتّٰی اَفُوْزَ بِاِنْشَادِیْ بِمَنْشُوْدِیْ
۹	لَا شَكَّ اَنَّكَ غَوْثُ الْخَلْقِ اَجْمَعِهِمْ	وَلَا نُبَالِیْ اَبَاطِیْلَ الْمَنَاکِیْدِ
۱۰	عَلَیْكَ اَزْکٰی صَلٰوَاتُ اللّٰهِ مَا مَدَحَتْ	فِیْ مُوْرِقِ الْبَانِ وَرْقَاءُ بِتَغْرِیْدِ

۱۔ تو اب کوئی اُن کے سوا نہیں ہے جو تمام مخلوقات سے بہتر ہیں خلقت میں، عادت میں، احسان میں اور سخاوت میں۔

۲۔ ان کی عنایت ہر اس شخص کے لیے نجات ہے جو توبہ کر کے آئے یہاں مکافات گناہ کی بہترین شکلیں ہیں، پریشان حال کے لیے۔

۳۔ پریشانی اور گھبراہٹ میں سب سے بڑی پناہ ہیں لوگوں کے لیے، جب لوگ خوفناک صورتوں سے گھبرا اٹھیں۔

۴۔ اللہ نے ان کو محبوب منتخب کیا اور اپنی رحمت بنا کر ارشاد اور درستگی کے لیے بھیجا۔

۵۔ وہ تمام انبیا پر فوقیت رکھتے ہیں، کمال میں بھی، جمال میں بھی، عزم میں بھی، خوبی میں بھی، سرداری میں بھی۔

۶ - بلا شبہ رسولِ اکرمؐ سب سے بڑھ گئے اور ان کی عترت ایک کشتی ہے جس کا مقام جودی نہیں۔
۷ - میں آپؐ پر فدا! اے بہترین پناہ! حیرانی میں ـ خود گنا ہوں نے اسے دور پھینک دیا اور کتنی دور۔
۸ - میں نے آپؐ کے حضور یہ مدح پیش کی ہے اپنی کرم گستری سے قبول فرمائیے تاکہ میں اس شعر خوانی کے ذریعے دامنِ مقصود بھر پالوں۔
۹ - اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپؐ ساری مخلوق کی فریاد سننے والے ہیں اور میں اس سلسلے میں کسی کی ہرزہ سرائی کی پروا نہیں کرتا۔
۱۰ - آپؐ پر اللہ کی پاکیزہ ترین رحمتیں اس وقت تک برابر نازل ہوتی رہیں جب تک "بان" کی ہری شاخوں پر (اس چمنستانِ عالم میں) طائرانِ خوش الحان چہچہاتے رہیں۔

○

ابو محمد طاہر سیفُ الدّین

(المتوفی ۱۹۶۵ء)

۱ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ رَبُّہٗ — حَبِیْبِہٖ مَنْ حُبُّہٗ حُبُّہٗ

۲ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ رَبُّہٗ — مُحَمَّدٍ عَزَّ بِہٖ حِزْبُہٗ

۳ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ رَبُّہٗ — مَنْ هُوَ بَیْنَ خَلْقِہٖ لُبُّہٗ

۴ مُحَمَّدٌ مِّنْ بَیْنِ رُسُلٍ خَلَتْ — شَمْسُ هُدًی وَّكُلُّهُمْ شُهُبُہٗ

۵ مُحَمَّدٌ قَرَّبَہٗ رَبُّہٗ — حَتّٰی كَقَوْسَیْنِ غَدٰی قُرْبُہٗ

۶ نُوْرٌ رُبُوْبِیٌّ بِہٖ شَرْقُہٗ — مُنَوَّرٌ وَّ مِثْلُہٗ غَرْبُہٗ

۷ طُوْبٰی لِمَنْ یَّزُوْرُ مَغْنًی حَوٰی — ضُلُوْعَہٗ فِیْ لَحْدِہٖ تُرْبُہٗ

۸ خَیْرُ رَسُوْلٍ مُّصْطَفًی قَدْ صَفٰی — مِنْ قَذَرٍ لِشَرْعِہٖ شِرْبُہٗ

۹ مُتَّحِدٌ بِرَبِّہٖ سِلْمُہٗ — سِلْمٌ لَّہٗ وَحَرْبُہٗ حَرْبُہٗ

۱۰ مَنْ كَظَّہٗ مِنْ دَهْرِہٖ صَرْفُہٗ — فَلْیَسْتَجِرْہُ یَنْكَشِفْ كَرْبُہٗ

۱۱ غَوْثٌ لِّمَنْ قَدْ مَسَّہٗ ضُرُّہٗ — غَیْثٌ لِّمَنْ حَلَّ بِہٖ جَدْبُہٗ

۱۲ مُحَمَّدٌ مُّوَحِّدٌ رَّبَّہٗ — تَوْحِیْدُہٗ مِنْ دِیْنِہٖ قُطْبُہٗ

۱۳ مُحَمَّدٌ حَسْبِیَ فِیْ شِدَّتِیْ — طُوْبٰی لِمَنْ مُحَمَّدٌ حَسْبُہٗ

۱۴ صَلّٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی مَنْ هُمْ — عِتْرَتُہٗ صِفْوَتُہٗ صَحْبُہٗ

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمدؐ پر صلوات بھیجے، آپؐ وہ حبیب ہیں جن سے محبّت کرنا خدا سے محبت کرنا ہے۔
۲۔ ربّ العزّۃ محمد مصطفیٰؐ پر درود بھیجے، آپ وہ محمدؐ ہیں جن کے سبب سے آپؐ کی اُمّت نے عزّت پائی۔
۳۔ خدا محمدؐ پر صلوات بھیجے آپؐ وُہ ہیں جو خلقِ خداوندی میں خلاصۂ مخلوقات ہیں۔
۴۔ رسولانِ ماسلف کے درمیان محمد مصطفیٰؐ ہدایت کے آفتاب ہیں اور تمام پیغمبر نجوم۔
۵۔ محمد مصطفیٰؐ کو آپؐ کے رب نے یہاں تک قرب بخشا کہ آپؐ کا قُرب دو کمان جتنا رہ گیا۔
۶۔ آپؐ پروردگار کے نور ہیں کہ اُس سے جس طرح اس کا شرق منوّر ہے اسی طرح اس کا مغرب بھی۔
۷۔ خوشخبری اس کے لیے جو اس منزل کی زیارت کرے جہاں کی مٹی نے خود کے اندر آپؐ کے جسدِ مبارک کو حاصل کیا ہے۔
۸۔ آپؐ بڑے ستودہ اور برگزیدہ پیغمبر ہیں آپؐ کی شریعت کا ساحل کثافت اور آلودگی سے پاک صاف ہے۔
۹۔ آپؐ اپنے رب سے متحد ہیں اس طرح کہ جو آپؐ کا دوست ہے وُہ خدا کا دوست ہے اور جو آپؐ کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔
۱۰۔ جس کو گردشِ زمانہ سے غم پہنچے تو اس کو چاہیے کہ آپؐ کی پناہ طلب کرے اُس کا غم دُور ہو جائے گا۔
۱۱۔ آپؐ ضرر رسیدہ کے فریاد رس ہیں، آپؐ قحط زدہ کے لیے ابرِ باراں ہیں۔
۱۲۔ محمد مصطفیٰؐ اپنے رب کی توحید کرنے والے ہیں، خدا کی توحید آپ کے دین کا مرکز ہے۔
۱۳۔ مجھے شدّت کی حالت میں محمدؐ کافی ہیں اس کے لیے خوشخبری جس کے لیے محمدؐ کفیل کار ہوں۔
۱۴۔ خدا تعالیٰ صلوات بھیجے آپؐ پر اور اُن پر جو آپؐ کی آل، آپؐ کے خلاصہ اور آپؐ کے اصحاب ہیں۔

○

مولانا شاہ رفیع الدّینؒ دہلوی ابن شاہ ولی اللہؒ

(المتوفی ۱۸۱۸ء)

۱ يَا اَحْمَدَ الْمُخْتَارِ يَا زَيْنَ الْوَرٰى يَا خَاتِمًا لِلرُّسُلِ مَا اَعْلَاكَ

۲ يَا كَاشِفَ الضَّرَّآءِ مِنْ مُسْتَنْجِدٍ يَا مُنْجِيًا فِي الْحَشْرِ مَنْ وَّالَاكَ

۲ هَلْ كَانَ غَيْرُكَ فِي الْاَنَامِ مَنِ اسْتَوٰى فَوْقَ الْبُرَاقِ وَجَاوَزَ الْاَفْلَاكَ

۴ وَاسْتَمْسَكَ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ رِكَابَهٗ فِيْ سَيْرِهٖ وَاسْتَخْدَمَ الْاَمْلَاكَ

۵ قَعَدَتْ لَكَ الرُّسُلُ الْعِظَامُ تَرَقُّبًا فَعَلَوْتَ مَغْبُوْطًا لَهُمْ مَسْرَاكَ

۶ وَاَمَمْتَهُمْ فِي الْقُدْسِ بَعْدَ تَجَاوُزٍ مِنْهُمْ بِاَمْرِ اللّٰهِ اِذْ وَلَّاكَ

۷ وَتَزَيَّنَتْ جَوْهَرَ الْجِنَانِ بَشَاشَةً بِكَ سَيِّدِیْ شَوْقًا اِلٰى لُقْيَاكَ

۱ - اے احمد مختار! اے زینتِ مخلوقاتِ عالم! اے خاتمِ رسولاں! کوئی آپؐ سے بڑھ کر نہیں ہے۔
۲ - اے مصائب سے نجات دینے والے، فریادی کو اے حشر میں رہائی دلوانے والے، اس کو جو آپؐ سے محبت رکھتا ہو۔
۳ - مخلوق میں آپؐ کے سوا کون ہے جو سوار ہوا بُراق پر اور آسمانوں کو عبور کر گیا۔
۴ - اور جس کے رکاب کو رُوح الامین (جبریل) نے تھاما اس کے سفر میں اور جس نے فرشتوں سے خدمت لی۔
۵ - انبیائے عظام بیٹھے آپؐ کی اس ترقی کو دیکھتے رہے اور آپؐ بلندی کی طرف بڑھے، آپؐ کا یہ سفر سب کے لیے قابلِ رشک تھا۔
۶ - اور بیت المقدس میں آگے بڑھ کر آپؐ نے تمام انبیاؑ کی امامت کی یہ اللہ کے حکم سے ہوا جس نے آپؐ کو اس کے لیے مقرر فرمایا تھا۔
۷ - دل کا موتی خوشی سے چمک اٹھا ہے آپؐ کی وجہ سے اے میرے آقا! آپؐ کی ملاقات کے شوق میں۔

○

امام زین العابدینؓ، علی السجاد بن الحسینؓ

(المتوفی ۱۲ ۷ ھ)

۱ اِنْ نِلْتَ يَا رُوْحَ الصَّبَا يَوْمًا اِلٰى اَرْضِ الْحَرَمْ	بَلِّغْ سَلَامِيْ رَوْضَةً فِيْهَا النَّبِيُّ الْمُحْتَرَمْ
۲ مَنْ وَّجْهُهٗ شَمْسُ الضُّحٰى مَنْ خَدُّهٗ بَدْرُ الدُّجٰى	مَنْ ذَاتُهٗ نُوْرُ الْهُدٰى مَنْ كَفُّهٗ بَحْرُ الْهِمَمْ
۳ قُرْاٰنُهٗ بُرْهَانُنَا فَسْخًا لِاَدْيَانٍ مَّضَتْ	اِذْ جَآءَنَا اَحْكَامُهٗ كُلَّ الصُّحُفْ صَارَ الْعَدَمْ
۴ اَكْبَادُنَا مَجْرُوْحَةٌ مِنْ سَيْفِ هِجْرِ الْمُصْطَفٰى	طُوْبٰى لِاَهْلِ بَلْدَةٍ فِيْهَا النَّبِيُّ الْمُحْتَشَمْ
۵ يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ كَمَنْ يَّتَّبِعْ نَبِيًّا عَالِمًا	يَوْمًا وَّلَيْلًا دَائِمًا وَّارْزُقْ كَذَا لِيْ بِالْكَرَمْ
۶ يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اَنْتَ شَفِيْعُ الْمُذْنِبِيْنَ	اَكْرِمْ لَنَا يَوْمَ الْحَزِيْنِ فَضْلًا وَّجُوْدًا وَّالْكَرَمْ
۷ يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ	مَحْبُوْسِ اَيْدِي الظَّالِمِيْنَ فِي الْمَوْكَبِ الْمُزْدَحَمْ

۱ - اے بادِ صبا! اگر تیرا گزر سرزمینِ حرم تک ہو تو میرا سلام اُس روضہ کو پہنچا جس میں نبی محترم تشریف فرما ہیں۔

۲ - وہ جن کا چہرۂ انور مہر نیمروز ہے اور جن کے رخسارِ تاباں ماہِ کامل جن کی ذات نورِ ہدایت ہے، جن کی ہتھیلی سخاوت میں دریا۔

۳ - اُن کا (لایا ہوا) قرآن ہمارے لیے واضح دلیل ہے جس نے ماضی کے تمام دینوں کو منسوخ کر دیا جب اس کے احکام ہمارے پاس آئے تو (پچھلے) سارے صحیفے معدوم ہو گئے۔

۴ - ہمارے جگر زخمی ہیں فراقِ مصطفےٰ کی تلوار سے خوش نصیبی اُس شہر کے لوگوں کی ہے جس میں نبیؐ محتشم ہیں۔

۵ - کاش! مَیں اس کی طرح ہوتا جو نبی کی پیروی علم کے ساتھ کرتا ہے دن اور رات ہمیشہ (اے خدا) یہی صورت اپنے کرم سے عطا فرما۔

۶ - اے رحمتِ عالم! آپ گنہگاروں کے شفیع ہیں ہمیں قیامت کے دن فضل و سخاوت اور کرم سے عزت بخشئے۔

۷ - اے رحمتِ عالم! زین العابدین کو سنبھالئے وہ ظالموں کے ہاتھوں میں گرفتار حیرانی و پریشانی میں ہے۔

○

امام اعظم ابو حنیفہ کوفی، نعمان بن ثابت رض

(المتوفی ۷ ۶ ۷ ۶)

۱ يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا ۔ اَرْجُوْا رِضَاكَ وَاحْتَمِيْ بِحِمَاكَ
۲ وَاللّٰهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِيْ ۔ قَلْبًا مَشُوْقًا لَا يَرُوْمُ سِوَاكَ
۳ اَنْتَ الَّذِيْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُؤٌ ۔ كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَ
۴ اَنْتَ الَّذِيْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ ۔ مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ
۵ وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ ۔ بَرْدًا وَّقَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَ
۶ وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّهٗ ۔ فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَ
۷ وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتٰى بَشِيْرًا مُّخْبِرًا ۔ بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا لِعُلَاكَ
۸ وَكَذَاكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا ۔ بِكَ فِي الْقِيٰمَةِ مُحْتَمِيْ بِحِمَاكَ
۹ وَهُوْدٌ وَّيُوْنُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا ۔ وَجَمَالُ يُوْسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكَ
۱۰ قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَآءِ ۔ طُرًّا فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرَاكَ
۱۱ وَاللّٰهِ يَا يٰسِيْنُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ ۔ فِي الْعٰلَمِيْنَ وَحَقِّ مَنْ اَنْبَاكَ
۱۲ عَنْ وَّصْفِكَ الشُّعَرَآءُ يَا مُدَّثِّرُ ۔ عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عُلَاكَ
۱۳ بِكَ لِيْ قُلَيْبٌ مُغْرَمٌ يَا سَيِّدِيْ ۔ وَحُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَاكَ
۱۴ يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى ۔ جُدْ لِيْ بِجُوْدِكَ وَارْضِنِيْ بِرِضَاكَ

۱۵ اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ یَکُنْ ‏ ‏ ‏ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ فِی الْاَنَامِ سِوَاکَ

۱۶ صَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا عَلَمَ الْھُدٰی ‏ ‏ ‏ مَاحَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاکَ

---

۱ - اے سرداروں کے سردار! میں آپؐ کے حضور آیا ہُوں آپ کی خوشنودی کا امیدوار، آپ کی پناہ کا طلب گار۔

۲ - اللہ کی قسم، اے بہترینِ خلائق! میرا دل صرف آپؐ کی محبت سے لبریز ہے، وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں۔

۳ - آپؐ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں۔

۴ - آپؐ وہ ہیں کہ جب حضرت آدمؑ نے آپؐ کا توسّل اختیار کیا اپنی لغزش پر، تو کامیاب ہُوئے حالانکہ وہ آپؐ کے جدِ بزرگوار ہیں۔

۵ - اور آپؐ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے دُعا کی تو ان کی آگ سرد ہوگئی، وہ آگ آپؐ کے نور کی برکت سے بُجھ گئی۔

۶ - اور حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری میں آپؐ کے وسیلے سے دُعا کی تو ان کی دُعا مقبول ہوئی اور بیماری دُور ہوگئی۔

۷ - اور آپؐ ہی کے ظہور کی خوشخبری لے کر حضرت مسیحؑ آئے انھوں نے آپؐ کے حُسن وجمال کی مدح وثنا کی اور آپؐ کے رتبۂ بلند کی خبر دی۔

۸ - اور اسی طرح حضرت مُوسیٰؑ بھی آپؐ کا وسیلہ اختیار کیے رہے اور قیامت میں بھی آپؐ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے۔

۹ - اور حضرت ہودؑ اور حضرت یونسؑ نے بھی آپؐ ہی کے حُسن سے زینت پائی اور حضرت یوسفؑ کا جمال بھی آپؐ ہی کے جمالِ باصفا کا پرتو تھا۔

۱۰ - اے طٰہٰ لقب! آپؐ کو تمام انبیاؑ پر برتری حاصل ہُوئی۔ پاک ہے وُہ جس نے ایک رات کو اپنے ملکوت کی سیر کرائی۔

۱۱ - خدا کی قسم، اے یٰسین لقب! آپؐ جیسا تو تمام مخلوق میں نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا، قسم ہے اُسی کی جس نے آپؐ کو سربلند کیا۔

۱۲ - اے کملی والے! آپؐ کے اوصافِ جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعرا عاجز رہ گئے، آپؐ کے اوصافِ عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہوجاتی ہیں۔

۱۳ - میرے سرکار! میرا حقیر دل آپؐ ہی کا شیدا ہے اور میرے اندر تو آپؐ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے۔

۱۴ - اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر، اے حاصلِ کائنات! مجھے اپنی بخشش وعطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشئے۔

۱۵ - میں آپؐ کے جُود وکرم کا دل سے طلبگار ہُوں کہ اس جہان میں ابوحنیفہ کے لیے آپؐ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

۱۶ - اے ہدایت کے علمِ سربلند! مشتاقانِ زیارت کے شوقِ بے حد کے مطابق قیامت تک اللہ کا درود وسلام آپؐ پر نازل ہوتا رہے۔

○

فخرالدین گرگانی

المتوفی ۴۴۶ھ ۱۰۵۴ء

کنون گویم ثنا ہائے پیمبر — کہ مارا سوے یزدانست رہبر
چو گمراہی زگیتی سر برآورد — شبِ بے دانشی سایہ بگسترد
بیامد دیو و دامِ کفر بنہاد — ہمہ گیتی بدان دام اندر افتاد
زعمزی ہر کسے چون گاو و خربود — ہمہ چشمے و گوشے کو رو کر بود
یکے ناقوس در دست و چلیپا — یکے آتش پرست و زند و استا
گرفتہ ہر یکے راہِ نگونسار — کہ آن رہ را بدوزخ بودہ ہنجار
بفضلِ خویش یزداں رحمت آورد — زرحمت نور در گیتی بگسترد
برآمد آفتابِ راست گویان — خجستہ رہنمائے راہ جویان
چراغِ دین ابوالقاسم محمدؐ — رسولِ خاتم و یاسین و احمدؐ
بپاکی سیدِ فرزندِ آدم — بہ نیکی رہنمائے خلقِ عالم
خدا از آفرینش آفریدش — زپاکان و گزینان برگزیدش
نبوت را بدو داوہ دو برہان — یکے فرقان و دیگر تیغِ بران
سخن گویان ازان خیرہ بماندند — ہنر جویان بدین جان برفشاندند
کجا در عصرِ او مردم کہ بودند — فصاحت با شجاعت می نمودند
بجو در شعر ہا گفتارِ ایشان — ببین در نامہا کردار ایشان
سخن شان در فصاحت آبدارست — ہنر شان در شجاعت بیشمارست

وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں

(القلم ، ۴)



انتخاب نعتیہ شاعری

(فارسی)

چنان قومے بدان کردار و گفتار
زبان شان دُر نثار و تیغ خونبار

چو بشنیدند فرقان از پیمبرؐ
بدیدندش بجنگِ بدر و خیبر

بدانستند کآن هر دو خدائیست
پذیرفتنش جان را روشنائیست

سران ناکام سر بر خط نهادند
دوال از بندِ گیتی بر کشادند

بنورِ دین زدوده گشت ظلمت
وز ابرِ حق فرو بارید رحمت

سپاس و شکرِ ایزد چون گزاریم
مگر جان را بشکرِ او سپاریم

بدینِ دین همایوں کاو ہما داد
بدین رهبر که بهرِ ما فرستاد

رسولؐ آمد رسالت ہا رسانید
جهانے را ز خشمِ او رهانید

چه بخشاینده و مشفق خدایست
چه نیکوکار و چه رحمت نمایست

که بر بیچارگیِ ما ببخشود
رسولے داد و راهِ نیک بنمود

اگر شمشیر بارد بر سرِ ما
جُزین دینے نباید در خورِ ما

نگه داریم دین تا روح داریم
بیزدان روح و دین باهم سپاریم

خدایا آنچه بر ما بود کردیم
تن و جان را بفرمانت سپردیم

ز پیغمبر پذیرفتیم دینت
بیفزودیم شُکر و آفرینت

ز تو نشگفت فضلِ و بُردباری
چنان کز ما جفا و زشتکاری

ترا احسان و رحمت بیکرانست
شفیعِ ما همیدون مهربانست

چو پیشِ رحمتت آید محمدؐ
امیدِ ما ز فضلت کے شود رد

حکیم ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی غزنوی

وفات ۵۳۵/ - ۱۱۴۰ء

اے سنائی گر ہمی جوئی ز لُطفِ حق سنا
عقل را قربان کن اندر بارگاہِ مُصطفیٰ
مُصطفیٰ اندر جہاں، آنگہ کسے گوید کہ عقل؟
آفتاب اندر فلک آنگہ کسے جوید سہا
در خدای آباد یابی امر و نہی و دین و کفر
واحمدِ مرسل خدای آباد را بس پادشا
چون بناشی خاکِ درگاہِ سرائے راکہ ہست
پاسبانِ بام روح القدس و دربان مرتضا
رحمۃٌ للعالمین آمد طبیبت زوٗ طلب
چہ ازیں عاصی وزآن عاصی ہمی جوئی شفا
در حریمِ مُصطفیٰ بوبکرؓ وار اندر خرام
تا ببیہ روئی جفا بینی و خوش خوئی دفا
صورتِ احمدؐ ز آدم بُد ولیکن اندر صفت
آدم از احمدؐ پدید آمد چو زآصف برخیا
خاکِ آدم ز آفتابِ جودِ اُو زرگشت از آنک
خاکِ آدم راچنان بود اوٗ کہ مِس را کیمیا
مقتدائے عالم آمد مقتدی در دینِ حق
مَن غلام مقتدی و خاکِ پائے مقتدا

روشن آن بدرے کہ کمتر منزلش عالم بوَد
خرّم آن صدرے کہ قبلہ‌ش حضرتِ اعظم بوَد

این جہان رخسارِ او دارد ازاں دلبر شدہ است
وانجہان انوارِ او دارد ازآن خـرّم بوَد

صد ہزاران جان فدائے آن سوارے کز جلال
غاشیہ‌اش بر دوشِ پاکِ عیسیٰؑ مریم بوَد

از رخش گردد منوّر گر ہمہ جنّت بود
وز لعبش یابد طہارت گر ہمہ زمزم بوَد

فرش پاسر بر کشد تا عرش را زیر آورد
دست آن دارد کہ از زلفش مراوراشم بوَد

از گریبانِ زمین گر صبح او سر بر کشد
تا شبِ حشر از جمالش صد سپیدہ دم بوَد

خوش سخن شاہے کز اقبال کفش در پیش او
کشتۂ بریان زبان یابد کہ در وے سُم بوَد

چرخ را از کافِ لولاکش کمر زرّین بوَد
خاک را با جاہِ احمامش قبا معلم بوَد

خاک زاید گوہرے کز گوہران برتر شود
بچّہ زاید آدمی کو خواجۂ عالم بوَد

در شبے کو "عذرِ" "اخطانا" ہمی خواہد ز حق
جبرئیل اُنجا چو طفل الکن و ابکم بوَد

حکمِ "الا اللہ" بر فرقِ رسول اللہ بین
راستی زین تجبہ گاہے آدمی را کم بوَد

باد را گفتم سلیمانؑ را چرا خدمت کنی
گفت از آن کش نامِ احمدؐ نقش بر خاتم بوَد

اے سنائی از رہِ جان گوی مدحِ مصطفیٰ
تا تُرا سُوے سپہرِ برترین سلّم بود

چون بصحرا شد جمالِ سیّدِ کون از عدم
جاہِ کسرا زد بعالم ہائے عزل اندر قدم

آفتابِ کلِ مخلوقات آنکہ از بہرِ جاہ
یاد کرد ایزد بجانِ او بقرآن در، قسم

نیست اندر ہشت جنت کس چنو با قدر و جاہ
نیست در ہفت آسمان دیگر چنو یک محتشم

بر سرِ چرخ گردان جاہِ او بینی نشان
بر نہادِ عرش یزداں نامِ او بینی رقم

رایت "نصر من اللہ" چون برآمد از عرب
آتش اندر زد بجانِ شہر یارانِ عجم

خاک پائے بوذرش از یک جہاں تو در بہ ست
در زِ نعلینِ بلالِ او بہ از صد رستم

ہمچو "لا" شد سرنگون آن کس کہ او را گفت "لا"
وز سعادت با نعم شد آنکہ گفت او را نعم

چرخِ اعظم آمدہ پیشِ قیامش در رکوع
طارمِ کسریٰ از او کسر و ز جاہ او بخم

عالم ار ہجدہ ہزار وصد ہزار است از قیاس نیست اندر کُلِّ عالم ہا چُنو یک محتشم
با قلم باید عَلَم تا کارہا گیرد نظام اُو علَم بفراخت اندر کُلّ عالم بے قلم
از ریا حینِ سعادات وگُلِ تحقیق وانُس صد ہزاران جان بدعوت کرد چون باغِ ارم
مہترِ اولادِ آدمؑ خواجۂ ہر دو جہان آنکہ یزدانش امامت داد بر کُلِّ اُمم
از جلال وجاہ واقبالش خدائے ذو الجلال نامِ اُو پیش از ازل با نامِ خود کردہ رقم
سرورِ ہر دو جہان وکار سازِ حشر ونشر آفتابِ دین محمدؐ، سیّدِ عالی ہمم
مُصطفیٰؐ و مجتبیٰؐ آن کز برائے خیرِ حال در ادائے وحی جبریلش ندیدے متّہم
در سخن جُز نامِ اُو گفتن خطا باشد خطا در ہنر جز نعتِ اُو گفتن ستم باشد ستم
پیشِ علم وحلم وجُودِ او کجا دارند پائے عالمانِ عالمین وکوہ وقاف و ابرویم

اے سنائی جُز مدیحِ این چنین سیّد مگوی
تا توانی جز بنامِ نیک او مکشا ہی دم

انوری

وفات ۵۸۷/ ۱۱۹۱ء

انوری چون خدائے راہ نمود
مُصطفٰی را بنورِ بوسینا

برد قدرش بدولتِ فرقان
پائے بر فرقِ گنبدِ مینا

نورِ عرشش بعرش سایہ فگند
چون تجلّی بسینۂ سینا

مسکنِ روح و قدس شد دلِ او
نے دلِ تنگِ بوعلی سینا

سخن از شرحِ دین احمدؐ گو
بے دلا، ابلہا و بے دینا

چشم در شرعِ مصطفٰیؐ بکشای
گرنہ تو بعقلِ نابینا

اُستاد جمال الدّین اصفہانی

وفات ۵۸۸/ ۱۱۹۲ء

اے از بر سدرہ شاہراہت
وے قبّۂ عرش تکیہ گاہت
اے طاق نہم رواقِ بالا
بشکستہ ز گوشۂ کلاہت
ہم عقل و دیدہ در رکابت
ہم شرع خزیدہ در پناہت
اے چرخِ کبود ژندہ دلقے
در گردنِ پیرِ خانقاہت
مہ طاسکِ گردن سمندت
شب طرۂ پرچمِ سیاہت
جبریل مقیمِ آستانت
افلاک حریمِ بارگاہت
چرخ ارچہ رفیع، خاکِ پایت
عقل ارچہ بزرگ، طفلِ راہت
خورشید خدا ز روی تعظیم
سوگند بروے ہمچو ماہت
ایزد کہ رقیب جان خرد کرد
نامِ تو ردیف نامِ خود کرد

اے نامِ تو دستگیرِ آدمؑ
وی خلقِ تو پایمردِ عالم
فرّاشِ درت کلیمِ عمران
چاوشِ رہت مسیحِ مریمؑ
از نامِ محمّدیت میمے
حلقہ شدہ این بلند طارم
تو در عدم و گرفتہ قدرت
اقطاعِ وجود زیرِ خاتم
در خدمتت انبیاء مشرّف
وز حرمتت آدمی مکرّم
از امرِ مبارکِ تو رفتہ
ہم بر سرِ حرفتِ خود آدم
نابودہ بوقتِ خلوتِ تو
نہ عرش و نہ جبرئیل محرم
نایافتہ عزّ التفاتی
پیشِ تو زمین و آسمان ہم
کونین نوالۂ ز جودت
افلاک طفیلی وجودت

ای مسندِ تو ورای افلاک
صدرِ تو و خاک توده خاشاک

هرچه آن سمت حدوث دارد
در دیدهٔ ہمتتِ تو خاشاک

طغرای جلالِ تو "لعمرک"
منشورِ ولایتِ تو "لولاک"

نُہ حقہ و ہفت مہرہ پشت
دستِ تو و دامنِ تو زان پاک

در راہِ تو زخم محض مرہم
بر یادِ تو زہر عینِ تریاک

در عہدِ نبوّتِ تو آدم
پوشیده ہنوز خرقهٔ خاک

تو کرده اشارت از سرِ انگشت
مہ قُرطهٔ پرنیان بزده چاک

نقشِ صفحاتِ رایتِ تو
لولاک لما خلقت الافلاک

خوابِ تو "لَا یَنَامْ قَلْبِیْ"
خوانِ تو "اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ"

حکیم خاقانی شروانی

۵۲۰/۱۱۲۶ء - ۵۹۵/۱۱۹۹ء

زرین صدفی جواهر افزای — در بحر کفِ محمدت جای
هرچند ردائے زر نمایی — تارے ز ردائے مصطفائیؐ
میخِ زرہی ازپیِ بہارا — ہر حلقۂ درعِ مصطفیٰؐ را
در دامنِ درعِ آن مظفرؐ — نہ چرخ ز حلقہ ایست کمتر
ہر درع کہ دست کبریا بافت — خاص ازپے قدِ مصطفیٰؐ بافت
در دستِ رضائے آن مطہرؐ — دستنبوے ست خلدِ انور
بر جیبِ کمالِ آن مقدسؐ — گوہی آنگہ ایست چرخِ اطلس
بر ملکِ بقاست شاہی اوؐرا — داہیست جہان داہی اوؐرا
تا احمدؐ ملکِ دارِ شرعست — در مملکتش دو خطہ فرعست
در دار الملکِ سیز قرآن — خطبۂ ابدی بنامِ او دان
شد غاشیہ دوزِ عالمِ پاک.. — از کیمختِ کبودِ افلاک
نہ غاشیہ است چرخِ اخضر — چار ارکانش نہادہ برسر
و ایزد کہ قسم بجانش خوردہ است — سجادہ اش ادیمِ خاک کردہ است
ہر شب کہ عمودِ صبح شد راست — خاص از پیِ کوس کوبِ اوؐ خاست
در صحنِ بقا ستانہ دارد — وز نقدِ رضا خزانہ دارد
گردون دہم ستانہ اوست — فردوس نہم خزانہ اوست
خیمہ زدہ شرع در جنابش — حبل اللہ المتین طنابش
بگرفتہ جہان و ہفت سقفش — پس کردہ بوفق شرع وقفش

از خشک سالِ حادثہ در مصطفیٰ گریز کاینک بفتح باب ضمان کرد مصطفیٰ
بودند تا نبود نزولش در این سرای این چار مادر و سہ موالید بینوا
شاہنشہے است احمدِ مرسل کہ ساخت حق تاجِ ازل کلاہش و درع ابد قبا
آن قابلِ امانت در قالبِ بشر وان عاملِ ارادت در عالمِ جزا
چون نوبت نبوت او در عرب زدند از جودی و احد صلوات آمدش صدا
او رحمت خداست جہانِ خدای را از رحمتِ خدای شوی خاصۂ خدا
اے ہستہا ز ہستیِ ذاتِ تو عاریت خاقانی از عطای تو ہست آیتِ ثنا

مرغے چنیں کہ دانہ و آبش ثنائے تست
مپسند کز نشیمنِ عالم کشد جفا

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم وز صورِ آہ بر فلک آوا بر آورم
امسال اگر ز کعبہ مرا باز داشت شاہ زین حسرت آتشے ز سویدا بر آورم
گر بخت باز بر درِ کعبہ رساندم کاحرامِ حج و عمرہ مثنا بر آورم
سی سالہ فرض بر درِ کعبہ قضا کنم تکبیرِ آن فریضہ ببطحا بر آورم
زمزم نشانم از مژہ در زیر ناودان طوفانِ خون ز صخرۂ صما بر آورم
دریائے سینہ موج زند ز آبِ آتشین تا پیشِ کعبہ لولوے لالا بر آورم
بر آستانِ کعبہ مصفا کنم ضمیر ز و نعتِ مصطفائے مزکی بر آورم
دیباچۂ سراچۂ کل خواجۂ رسل کز خدمتش مرادِ مہنا بر آورم
سلطانِ شرع و خادمِ لالائے او بلال من سر بپای بوسی لالا بر آورم
دربارگاہِ صاحبِ معراجِ ہر زبان معراجِ دل بجنتِ ماویٰ بر آورم

تا قربِ "قابِ قوسین" برخاکِ درگهش   آوازهٔ "دنا فتدلیٰ" برآورم
گرمد غلش بخاکِ سراندیپ اداکنم   کوثر زخاکِ آدم و حوّا برآورم
کے باشد آن زمان کہ رسم تا بجضرتش   آوازِ "یا مغیث اغثنا" برآورم
زان غصہ ہا کہ دارم ز آلودگانِ دہر   غلغل در آن حظیرهٔ علیا برآورم
دندانم ز سنگِ غرامت شکستہ اند   دفتِ ثنائے خواجہ ثنایا برآورم
سوگند خوردہ مادرِ طبعم کہ در ثناش   از یک شکم دوگانہ چو جوزا برآورم

فردا ہم از شفاعتِ او کارِ آن سرای
در حضرتِ کریم تعالیٰ برآورم

آن شاہدِ "لعمرک" و شاگردِ "فاستقم"   مخصوصِ "قم فانذر" و مقصودِ "کن فکان"
در دین شفائے علتِ عالم برائے خلق   زہی حق شفیعِ زلتِ آدم پی جنان
ہم عیب را بعاملِ اسرار پردہ پوش   ہم غیب را ز عالمِ اسرار ترجمان
او سروِ جویبارِ الٰہی و نفسِ او   چون سرو در طریقت ہم پیر و ہم جوان
او آفتابِ عصمت و از شرمِ ذوالجلال   لگندہ بر بیانِ قلم سایۂ بنان
مہ را دو نیمہ کردہ بدستِ چو آفتاب   سایہ نہ بر زمینش و از ابر سایہ بان
جنت ز شرمِ طلعتِ او گشتہ خارلیست   دوزخ ز گردِ ابلقِ او گشتہ گلستان
خورشید بر عمامۂ او برفشاندہ تاج   برجیس بر رداش فدا کردہ طیلسان

یارب دلِ شکستہ و دینِ درست دہ
کآنجا کہ این دو نیست و بالیست بیکران

نظامی گنجوی

(۵۳۰/۱۱۳۶ء — ۶۱۴/۱۲۱۷ء)

تختۂ اوّل کہ قلم نقش بست — بر درِ مجموعۂ احمدؐ نشست
گوشِ جہاں حلقہ کشِ میم اوست — خود دو جہاں حلقۂ تسلیم اوست
امّیِ گویا بزبانِ فصیح — از الف آدم و میم مسیح
نقطۂ روشن ترِ پرکارِ کن — نکتۂ پُرکار ترینِ سخن
عصمتیان در حرمش پردگی — عصمت ازو یافتہ پروردگی
خامشیِ او سخنِ دلفروز — دوستیِ او ہنرِ عیب سوز
بر ہمہ سرخیل و سرِ خیر بود — قطبِ گران سایہ سبک سیر بود
چشمۂ خورشید کہ محتاجِ اوست — نیم ہلال از شبِ معراجِ اوست
شمسۂ نہ مسندِ ہفت اختران — ختمِ رُسل خاتمِ پیغمبران
احمدِ مرسل کہ خرد خاکِ اوست — ہر دو جہاں بستۂ فتراکِ اوست
کرد جدا سنگِ ملامت گرش — گوہر از رہگذرِ گوہرش
ہر گہرے کز دہنِ سنگ خاست — بالبش از جملۂ دندان بہاست

طبع نظامی کہ گلے تازہ ایست
برگلِ او نغز نوا بلبلے ست

اے تن تو پاک تراز جانِ پاک   روحِ تو پروردۂ "روحی فداک"
نقطۂ گہ خامۂ رحمت توئی   خامۂ بر نقطۂ زحمت توئی
اے شبِ گیسوی تو روزِ نجات   آتشِ سودائے تو آبِ حیات
خاک تو از بادِ سلیمان بہ است   روضہ چگویم کہ ز رِضوان بہ است

سایہ نداری تو کہ نورِ مہی
بلکہ تو خود سایۂ نورِ الٰہی

ای مدنی برقع و مکی نقاب   سایہ نشین چند بود آفتاب
منتظران را برلب آمد نفس   اے ز تو فریاد بہ فریاد رس
سوے عجم ران منشین درعرب   زردۂ روز اینک و شبدیز شب
خاک تو بوے بولایت سپرد   بادِ نفاق آمد و آن بوے برد
باز کش این مسند از آسودگان   غسل دہ این منبر از آلودگان
خانۂ غولند بپردازشان   درخلہ دانِ عدم اندازشان..
کم بکن اجرے کہ زیادت خور اند   خاص کن اقطاع کہ غارتگر اند
ماہمہ جسمیم بیا تو جان باش   ماہمہ دیویم سلیمان تو باش
شحنہ توئی قافلہ تنہا چراست   قلب تو داری علم اینجا چراست
از طرفے رخنۂ دین می کنند   وز دگر اطراف کمین می کنند
یا علیؓ درصفِ میدان فرست   یا عمرؓ بر سر شیطان فرست
خیز و بفرمای سرافیل را   تا بدمد این دو سہ قندیل را

خلوتیِ پردۂ اسرار شو
ما ہمہ خفیتم تو بیدار شو

فرید الدّین عطّار نیشاپوری

۵۳۷/۱۱۴۲ء — ۶۲۷/۱۲۳۰ء

فداک ابی و امّی، این تمشی ؟ براق آمد، مگر برعزم عرشی ؟

تُرا چه عالم و چه عرش و چه فرش ؟ که صد عالم ورای عرش و فرشی

کنون روحانیانِ عرش رابین.. چو سر برخط نهاده انس و وحشی

تویی سُلطان مطلق در دو عالم که خط داوند انس و جان و وحشی

زبس کآمد همی جبریلؑ نزدت شده چون دحیة الکلب قریشی

چو اندر عالم جان اوفتادی از آن بی سایه دایم می درخشی

چو دایم رحمة للعالمینؐ ازان جُرم دو عالم را ببخشی

نگردد مطلع بر نقشِ تو مطلع که تو برتر ز نُه طاقِ بنفشی

چو تو برتر ز افلاکی، بجز عشق که داند تا چه نوری و چه نقشی!

فسبحان الذی اسریٰ بعبده
الی الجبروت والملکوت کله

زهی ! روزِ قیامت روزِ یارت خلائق سر بسر در انتظارت

گنه گاران که برجان خورده زنهار همه جان بر کف اندر زینهارت

کجا پیغمبری دانی ؟ که آن روز بسوزاند سپند روزگارت

تویی مختارِ کلِ آفرینش که حق بی علّتی کرد اختیارت

چو تُو بَر باد دیدی مُلکِ عالم بملکِ فقر آمد افتخارت

بصورت چرخ از آن فوقِ تو افتاد   که چرخ آمد طبقهائے نثارت
فلک زان می رود باتشتِ خورشید   که هست از دیر گاهی تشت وارت
بفراشی از آن می آیدت ابر   که از خاکی ترا نبود غبارت
ترا چون حارس وچون صاحب آمد   مه و خورشید در لیل ونهارت

زہی دارای طول وعرضِ اکبر
شفاعت خواہِ مطلق روزِ محشر

زہی! خاکِ درت تریاکِ اعظم   طفیلِ وجودت کلّ عالم . .
زہی! موسیِٰ عمران بر درِ تو   بهاروئی میاں دربستہ محکم
زہی! دربانِ تو بختی افلاک   شده چوبک زنت عیسیِٰ مریمؑ
ترا شیطان مسلمان گشتہ جاوید   ولی پیچیدہ سراز پیشِ آدم
اگر بانامِ حق نامت نگویند   کرا باشد مسلمانی مسلّم
نیابد خستہ ای، کو منکرت شد   بجز خاکسترِ خود ہیچ مرہم
عدو گر بنگرد در تو بانکار..   نماند مردمش در دیدہ محکم
نگیں میخواست از مہرِ تو گردون   از آن شد حلقہ وش مانندِ خاتم
نگینش چون بشد مہرِ نبوت   لباسِ خویشتن را کرد بی غم

اگر در نطق آیم تا قیامت
نیارم گفت یک وصفِ تمامت

قطبُ الدّین بُختیار کاکیؒ

وفات : ۱۴ ربیع الاوّل ۶۳۳/ ۲۷ نومبر ۱۲۳۵ء

اے از شعاعِ نورِ تو خورشیدِ تابان راضیا
آنی کہ ہستی از شرف بالاتر از عرشِ علا

دربارگاہِ عـــزتت بہرِ علوِّ مرتبہ
جبریلؑ ہمچو خادمان بنشستہ است یک دم ترپا

گرچہ بصورت آدمی بعد از ہمہ پیغمبران
اما بہ معنی بودہ ای سـرخیلِ جملہ انبیاؑ

تو پردگئیِ دلبری از ھــرچہ گویم بہتری
در دین و دنیا سروری ہستی تو دائم باخدا

او عالمِ پاک آمدی مقصودِ لولاک آمدی
بس چُست و چالاک آمدی جانہا فدایت مرحبا

جانہا فدائے نامِ تو مســتان ہمہ از جامِ تو
ما بندۂ انعامِ تو، تو بادشاہ وما گدا

اے مہترِ آخرزمان ہستی تو مارا جانِ جان
اے پیشوائے انس و جان ہستی سپہ سالارِ ما

اے پادشاہ معنوی در دین و دُنیا خسروی
چون جانبِ حق می روی مگداز تو مارا بیا

تا روے خوبت دیدہ ام مہراز ہمہ ببریدہ ام
بنشین، بیا در دیدہ ام اے نور بخش دیدہ ہا

شاہانِ عالم چاکرت ما بندگان خاکِ درت
نورِ ہدایت رہبرت اے شمعِ جمعِ انبیاؑ

ہرگز نخواندی یک ورق خلقے گرفت از تو سبق
انگشت مہ را کرد شق اے خواجۂ معجز نما

روزِ قیامت بے گمان باشی شفیع امتان
رضوان مثالِ خادمان خدمت کند از جان ترا

یارانِ تو چار آمدند پاکیزہ کردار آمدند
گلہائے بے خار آمدند از خویش فانی، باخدا

گر تو بدی ختمِ رُسل ایشان بدندجزودتوکل بے حُبِ شان فرواز پُل کس نگذرد بامدعا
چون قطبِ دین نعتِ تو گفت دُرِ سخن بہرِ تو سُفت
خندان شود چون گل شگفت بنگر تو این اخلاص را

آنجا کہ آفتابِ لقائے محمدؐ ست خورشید ذرۂ زضیائے محمدؐ ست
موسیٰ کہ معجزاتِ وے اندر عصاش بود خود با عصائے خویش عصائے محمدؐ ست
روح الامین صدرنشین راعلی الدوام وردِ زبانش وردِ ثنائے محمدؐ ست
از گرمیِ زبانۂ خورشیدِ آتشین روزِ جزای پناہِ لوائے محمدؐ ست
آن مومنے کہ مُردِ بہ شرعِ شریفِ او مستوجبِ عطائے خدائے محمدؐ ست
راضی بود خدای ازان بندہ کہ او کارے کہ می کند برضائے محمدؐ ست
اگر دو ز اہلِ دیدہ ہر آن کو چو قطبِ دین
او را دو دیدہ برکفِ پائے محمدؐ ست

اوحدی کرمانی

وفات : ۶۳۵/ ۱۲۳۷/۳۸ء

عاشقی خیز و حلقه بر در زن　　دست در دامن پیمبر زن

حبِ این خواجه پا مردِ تو بس　　نظرِ او دوائے دردِ تو بس

اوست معنی و این دگرها نام　　پختهٔ او بود و این دگرها خام

آنکه از اصطفا بر افلاک اند　　در رهِ مصطفیٰ کم از خاک اند

از درِ او توان رسید بکام　　دیگران را بهل بر این در و بام

اوست در کائنات مردم و مرد　　او خداوندِ دین و صاحب درد

بر سرِ او ز نیک نامی تاج　　هر شب هائے او شب معراج

پیشِ او خود مکن حکایتِ شب　　او چراغ آنچه شکایت شب

گوهر چار عقد و نه درج اوست　　اخترِ پنج رکن و نه برج اوست

شقهٔ عرش عطفِ دامانش　　ملک از زمرهٔ غلامانش

آنکه مه بشکند بنیم انگشت　　آفتابش چه باشد اندر مشت

و انکه در دستِ اوست ماه و فلک　　پایش آسان رود براهِ ملک

شبِ معراج کوس مهر زده　　خیمه بر تارکِ سپهر زده

میم احمد چو از میان برخاست　　بیقین خود احد بماند راست

راه دان اُوست، جبرئیلش ساز — هر چه او آورد، دلیلش ساز
اے فلک موکب ستاره حشر — وے ز بشرت گشاده روے بشر
عَلَم نُصرتت ز عالم نُور — یزکِ لشکرت صبا و دبور
چرخِ نُہ پایہ پائے منبرِ تو — بسرِ عرش جائے منبرِ تو
معجزت سنگ را زبان بخشد — بوے خُلقت بمُرده جان بخشد
روزِ محشر کہ بارِ عام بود — از تو یک اُمتی تمام بود
بگرفته بنورِ شرعِ یقین — چار یارِ تو چار حدِ زمین

ز ایزد و ما درود چون باران
بروانِ تو باد و بر یاران

خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل

وفات : ۶۳۵/ ۱۲۳۸ء

اے جز با حترام خدایت نبردہ نام — اے سلکِ انبیاؑ ز وجودِ توؐ با نظام
از آتشِ سنانِ تو یک شعلہ نورِ صبح — از پرچمِ سپاہِ تو یک تار زلفِ شام
اصورتِ توؐ رحمتِ عالم نیامدے — از حضرتِ خدای کہ دادی بما پیام
اے نقش کردہ بر صفحاتِ وجود خویش — عرشِ مجید نامِ ترا از برائے نام
درموکبِ جلال تو از عجز باز ماند — روح القدس بمنزل الا لہ المقام
نزدیکِ توچہ تحفہ فرستیم ماز دور — در دستِ ما ہمین صلوات استُ السلام

عیسیٰؑ ز مقدمت چو در ایام مژدہ داد
از یمنِ این سخن نفش جان بمژدہ داد

اے کردہ خاکِ پائے توؐ باعرش ہمسری — ختمست بر کمالِ تو ختمِ پیمبری
درمعرضِ ظہور نکرد از علوِ قدر — با آفتاب سائہ شخصت برابری
دریائے وحی را شدہ غواص جبرئیل — جوہر کلامِ حق و زبانِ توجوہری
توکردہ از تواضع درویشی اختیار — وز ہمتِ تو یافتہ دریا تو انگری
برعزم قاب قوسین اندر شبے بلطف — چون تیر برگذشتہ ز افلاک چنبری
بر راہِ تو نہادہ فلک صد ہزار چشم — تا جز فراز دیدۂ او کام نسپری
تو برگذشتہ فارغ و آزاد از ہمہ — جائے کہ جبرئیل ندانست رہبری

برہانِ معجزِ تو کلامِ الٰہی ست
نہ چون کلیم و ذوالنون از مار و ماہی ست

اے از فرازِ سدرہ برافراشتہ علَم   اے صورتِ شفائے تو در مُورثِ الم
پروازِ مُرغِ ہمّتِ تو در فضائے قُرب   خلوت سرائے فکرتِ تو عالمِ قدم
چشم و چراغِ ہر دو جہانی و ہر شبے   تا روز ایستادہ چو شمعے بیک قدم
گسترده در سرائے نبوّت بساطِ تو   آدم ہنوز رخت نیاوردہ از عدم
روحانیان در آرزوے خاکپائے توّ   با خاکیان نشستہ تو از غایت کرم
نورِ تو پیش از آدمؑ و سایہ پس از رسل   زانست نورِ سایہ پیش و پست چو ہم

از بیم آبروئے تو در روزِ رستخیز
آتش نمودہ پشت و گرفتہ رہ گریز

اے با علوِ ہمّت تو آسمان زمین   اے گام اوّلین تو بر چرخِ ہفتمین
ظلمت زدائے عالمِ جانی از آنکہ ہست   لفظِ تو آفتاب و نفس صبحِ راستین
پیروزۂ فلک نہ بسودے کفِ وجود   نامِ محمّد ار نبدے نقشِ آن نگین
آدمؑ کہ دانۂ زبہشتش بدر فگند   از خرمنِ شفاعتِ تو ہست خوشہ چین

انگشتِ معجزِ تو کہ تیغے است آبدار   یک زخم او کند سپرِ ماہ را دو نیم
مخلوق در ثنائے تو تا خود کجا رسد   خواندہ خدائے با عظمت خلقِ تو عظیم
تشریف داد ذاتِ ترا از صفاتِ خویش   گاہے کریم و گاہ رؤف و گہے رحیم

عکسِ ز نورِ روے تو خورشیدِ انور است | رشحے ز قلزمِ کرمت حوضِ کوثر است
اندر ریاضِ وحی زبانِ تو بلبلے است | و اندر بحارِ قرآن خلقِ تو عنبر است
چون غنچہ ہر کہ یافت ز خُلقِ تو شمۂ | خندان لبِ دقیق دل و خوب محضر است
ہر کو ز سوزِ دل نفسے سرد بر کشید | در زیرِ دامنِ کرمت ہمچو مجمر است

آنجا کہ قدرِ تست فلک را مدار نیست | وانجا کہ قہرِ تست زمین را قرار نیست
گرچہ شمارِ خلق جہان از عطائے تست | در عالمِ عطائے تو رسمِ شمار نیست
تا تہمتِ جنون ننہد کفرِ ہرزہ گوی | انگشتِ خط نگارِ تو بر نے سوار نیست
ہرچہ آمدت بدست بدادی و پیش ازاں | دین جودِ آنکس است کش از فقر عار نیست
نہ انبیائے مرسل و نہ جبرئیل را | در پردہ ہائے خلوتِ خاصِ تو بار نیست
اے انبیا بسایۂ تو کردہ التجاء | آن کیست کش بسایۂ جاہ تو کار نیست
دریائے مدحتِ تو ز پہنا وری کہ ہست | در وے شناورانِ سخن را گذار نیست

مولانا جلال الدین محمدؒ رومی

۶۰۴/ ۱۲۰۷ء ——— ۶۷۲/ ۱۲۷۳ء

سید و سرور محمد، نورِ جان   مہتر و بہتر شفیعِ مجرمان

اے نادرۂ دوران ازمات سلام اللہ   اے یوسفِ مصرجان ازمات سلام اللہ
اے محرمِ رازِ حق دانستہ حق ازمطلق   شک نیست درین الحق ازمات سلام اللہ
اے داروی دردِ دل وَے حلِ ہمہ مشکل   وے فاضل واے عاقل ازمات سلام اللہ
اے آنکہ تو سلطانی وے آنکہ تو خاقانی   اے آنکہ تو چون جانی ازمات سلام اللہ
اے عارفِ دیرینہ وے خازنِ گنجینہ   اے سینۂ بے کینہ ازمات سلام اللہ
اے آدمِ مشتاقان وے عیسیِ غمناکان   وے مہدیِ ہرپاکان ازمات سلام اللہ
اے مہترِ شہبازان وے شاہِ سرافرازان   اے سرورِ جانبازان ازمات سلام اللہ
اے بختِ سعیدِمن وے وعدو وعیدِمن   وے رُوے تو عیدِمن ازمات سلام اللہ
ہم صدق وصفاداری ہم عدل و وفاداری   ہم حلم وحیا داری ازمات سلام اللہ
ہم جود وسخا داری ہم لطفِ خداداری   ہم ملکِ بقا داری ازمات سلام اللہ
ہم مردِ خدائی تو ہم راہ نمائی تو   ھم درد و دوائی تو ازمات سلام اللہ
ہم جان وجہانی تو ھم امن وامانی تو   ہم گنجِ نہانی تو ازمات سلام اللہ
ہم راحتِ روحی تو ھم فتح وفتوحی تو   ہم جامِ صبوحی تو ازمات سلام اللہ
ہم آبِ حیاتی تو ھم دفعِ مماتی تو   ہم قدر براتی تو ازمات سلام اللہ
ہم مسجد ومحرابی ہم ہادیِ اصحابی   ہم مونسِ احبابی ازمات سلام اللہ
ہم شوری وہم سرور ہم سروی وہم عرعر   ہم حُسنی وھم زیور ازمات سلام اللہ
اے میرجوان بختم وے خاکِ درت تختم   وے دولت والے بختم تو ازمات سلام اللہ

اکنون کہ بدانستم چندانکہ توانستم | مہرِ تو نشانستم | ازمات سلام اللہ
دریاب کہ بیمارم دریاب کہ افگارم | دریاب کہ غم خوارم | ازمات سلام اللہ
در ہجرِ تو می سوزم تاریک شدہ روزم | اے طالعِ فیروزم | ازمات سلام اللہ
با نالہ و آہم من با روے چو کاھم من | با جانِ پُر آھم من | ازمات سلام اللہ
با دیدہ گریانم با سینۂ بریانم | پیوستہ غریبانم | ازمات سلام اللہ
چون چشمِ تو در خوابم چون زلفِ تو در تابم | در ورطہ و غرقابم | ازمات سلام اللہ

اے غایب ازین محضر ازمات سلام اللہ | وے از ہمہ حاضر تر ازمات سلام اللہ
اے نورِ پسندیدہ وے روشنیِ دیدہ | احسنت زہے منظر ازمات سلام اللہ
اے رحمتِ رحمانی وے نعمتِ یزدانی | اے از دو جہان بہتر ازمات سلام اللہ
اے صورتِ روحانی وے رحمتِ ربّانی | بر مؤمن و بر کافر ازمات سلام اللہ
ہم چشمۂ انواری ہم لذتِ اسراری | اے مصرِ پُر از شکر ازمات سلام اللہ
ہم معنیِ اسراری ہم پر توِ انواری | عالم ز تو شد انور ازمات سلام اللہ
چون ماہِ تمام آئی انگار بہ بام آئی | اے ماہ ترا چاکر ازمات سلام اللہ
اے شاہدِ بے نقصان وے روح ز تو رقصان | وے مستیِ تو در سر ازمات سلام اللہ
ہم جوشش مے از تو ہم شکر نے از تو | از ھر دو توئی خوشتر ازمات سلام اللہ

شمس الحق تبریزی بالخلق آمیزی
ہم مشکی و ہم عنبر ازمات سلام اللہ

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی

۶۱۰/۱۲۱۳ء — ۶۸۸/۱۲۸۹ء

ای رُخت مجمعِ جمال شُدہ　　مطلعِ نورِ ذوالجلال شدہ
ذُروۂ عرش و قبۂ ملکوت　　زیرِ پای تو پایمال شدہ
ہرچہ آن خواستہ شُدہ موجود　　آنچہ ناخواستہ محال شدہ
بہرِ تو نیستی شُدہ ہمہ ہست　　ہمہ ہست از تو باکمال شدہ
سایہ از تابِ آفتابِ رُخت　　در نہانخانۂ زوال شدہ
عقل در مکتبِ ہدایتِ تو　　دیو بودہ ملک خصال شدہ
زِ انعکاسِ شعاعِ طلعتِ تو　　آفتاب آئینہ مثال شدہ
تا معطّر کند ریاضِ قدس　　از سرِ کوی تو شمال شدہ
ہر سحر مقبلانِ قدسی را　　روی خوبت خجستہ فال شدہ
حلقہ دارانِ چرخ بر درِ تو　　حلقہ در گوش چون ہلال شدہ
ذآبِ رویت خلیلؑ را آتش　　گلشن و منبعِ زلال شدہ
از مدیحِ تو عاجز آمد عقل　　ناطقہ در ثنات لال شدہ
قدرِ تو در جہان نگنجیدہ　　نعتِ تو برتر از مثال شدہ
نظرے کن بمفلسے عورے　　دل و دین رفتہ جاہ و مال شدہ
عُمر در ناخوشی بسر بُردہ　　عیش بے خوشدلی وبال شدہ

کردہ در شرعِ تو شروع ولیک　　نفس بر پائے او عقال شدہ

بر درِ قُربِ تو چگونہ پرد　　مرغکے سر شکستہ بال شدہ

راہ دِہ بر درت عراقی را

اے درت جملہ را امال شدہ

---

(۲)

قبلۂ روی صوفیان پایگہِ صفای او

سُرمۂ چشمِ قُدسیان خاکِ درِ سرای او

گوہرِ بحرِ اجتبا مہرِ سپہر اصطفا

یافتہ نورِ انبیا روشنی از صفای او

نافتہ حُسنِ ایزدی از رُخِ خوبِ احمدی

خضر بقایِ سرمدی یافتہ از بقای او

بُردہ زِ مُرسلان سبق خاتمِ انبیاء بحق

طینتِ او ز نورِ حق طلعتش از بہای او

حضرتِ عزتش وطن خلوتِ او در انجمن

خاص و ندیم ذوالمنن ہر دو جہان برای او

چاکرِ درگہش جہان بندۂ اوست انس و جان

عرشِ مجید آسمان ساخت قربِ جای او

شیخ سعدی شیرازی

۶۰۶/۱۰ - ۱۲۰۹ء - ۶۹۰/۱۲۹۱ء

ماہ فرو ماند از جمالِ محمدؐ — سرو نباشد باعتدالِ محمدؐ
قدرِ فلک را کمال و منزلتے نیست — در نظرِ قدر باکمالِ محمدؐ
وعدۂ دیدار ہر کسی بقیامت — لیلۂ اسریٰ شبِ وصالِ محمدؐ
آدمؑ و نوحؑ و خلیلؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ — آمدہ مجموع در ظلالِ محمدؐ
عرصۂ گیتی مجالِ ہمتِ او نیست — روزِ قیامت نگر مجالِ محمدؐ
و آنہمہ پیرایہ بستہ جنتِ فردوس — بو کہ قبولش کند بلالِ محمدؐ
شمس و قمر بر زمینِ حشر نتابند — نور نتابد مگر جمالِ محمدؐ
ہمچو زمین خواہد آسمان کہ بیفتد — تا بدہد بوسہ بر نعالِ محمدؐ
شاید اگر آفتاب و ماہ نتابند — پیشِ دو ابروی ہلالِ محمدؐ
چشمِ مرا تا بخواب دید جمالش — خواب نمی گیرد از خیالِ محمدؐ

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی
عشقِ محمدؐ بس است و آلِ محمدؐ

(۲)

اے چشم و چراغ اہلِ بینش — مقصودِ وجودِ آفرینش
صاحب دلِ "لاینام قلبی" — مہمانِ "ابیت عند ربی"
در وصفِ تو "لانبی بعدی" — خود وصفِ تو و زبانِ سعدی؟
اے عرشِ مجید بارگاہت — وی کعبہ و قبلہ در پناہت

اے بر سرِ خلق سایۂ تو
وی چرخ کمینہ پایۂ تو

(۳)

امیدِ رحمتست آری خصوص آنرا که در خاطر ثنای سیّد مرسل نبیِّ محترم گردد
محمّد کز ثنای فضل او بر خاک هر خاطر که بارد قطرهٔ درحال دریای نعم گردد
چو دولت بایدم تحمید ذاتِ مصطفیٰ گویم که در دریوزه صوفی گردِ اصحاب کرم گردد
زبان را درکش ای سعدی زشرحِ علم او گفتن تو در علمش چه دانی باش تا فردا علم گردد
اگر تو حکمت آموزی بدیوانِ محمّد رو که بوجهل آن بود کو خود بدانش بوالحکم گردد

زفقرِ جاودانی رست وصاحب مالِ دُنیا شد
هرآن درویشِ صاحبدل کزین در محتشم گردد

(۴)

کریم السجایا جمیل الشیم نبی البرایا شفیع الامم
امامِ رسل پیشوای سبیل امینِ خدا مهبطِ جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجهٔ بعث ونشر امام الهدیٰ صدرِ دیوانِ حشر
کلیمی که چرخِ فلک طورِ اوست همه نورها پرتوِ نورِ اوست
شفیع مطاعِ نبیِّ کریم قسیمِ جسیمِ نسیمِ وسیم
یتیمی که ناکرده قرآن درست کتب خانهٔ چند ملت بشست
چو عزمش برآهیخت شمشیرِ بیم بمعجز میانِ قمر زد دو نیم
چو صیتش در افواهِ دنیا فتاد تزلزل در ایوانِ کسریٰ فتاد
به "لا" قامتِ لات بشکست خرد باعزازِ دین آبِ عزیٰ ببرد
نه از لات وعزیٰ برآورد گرد که توریت وانجیل منسوخ کرد

شبے برنشست از فلک برگذشت   بتمکین و جاہ از ملک درگذشت

چنان گرم در تیہِ قربت براند   کہ بر سدرہ جبریلؑ ازو باز ماند

بدو گفت سالارِ بیت الکرام   کہ اے حاملِ وحی برتر خرام

چو در دوستی مخلصم بافتی   عنانم ز صحبت چرا تافتی؟

بگفتا فراتر مجالم نماند   بماندم کہ نیروے بالم نماند

اگر یک سرِ موی برتر پرم   فروغِ تجلّی بسوزد پرم

نماند بعصیانِ کسے در گرو   کہ دارد چنیں سیّدی پیشرو

چہ نعتِ پسندیدہ گویم ترا؟   علیک السلام اے نبی الورا

درودِ ملک بر روانِ تو باد   بر اصحاب و بر پیروانِ تو باد

چہ کم گردد اے صدرِ فرخندہ پی   ز قدرِ رفیعت بدرگاہ حی

کہ باشند مشتے گدایانِ خیل   بمہمان دارالسلامت طفیل

خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد   زمین بوس قدرِ تو جبریلؑ کرد

بلند آسمان پیشِ قدرت خجل   تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل

تو اصلِ وجود آمدی از نخست   دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

ندانم کدامین سخن گویمت   کہ والاتری زانچہ من گویمت

تورا عزّ "لولاک" تمکین بست   ثنائے تو "طٰہٰ" و "یٰسین" بست

چہ وصفت کند سعدیِ ناتمام؟
علیک الصلوٰۃ اے نبیِّ السلام

مخدوم علاءالدین علی احمد صابر کلیری

۵۹۲/۱۱۹۶ء ـــ ۶۹۰/۱۲۹۱ء

بنما جمالِ خود را یک دم من نگارا ۔۔۔ تا در رُخِ تو بینم نورِ خدا نمارا
پردہ برافگن از رُخ من یافتم زرُویت ۔۔۔ در ذاتِ تو ہویدا انوارِ کبریا را
من ہیچ غم ندارم در روزِ محشر از ذوق ۔۔۔ دیدم بچشمِ حق بین سُلطانِ انبیاءؐ را
سُوئے خدا رَوم من از ہر درے کہ خواہم ۔۔۔ دارم بدستِ عرفان دامانِ مُصطفیٰؐ را
بوے ز زلفِ مشکین باہر کسے رساند ۔۔۔ یارب بدہ تو راہے در کوئے اوصیا را
عالم کُشی و گوئی اینہا ہم از قضا شد ۔۔۔ راہے کجاست جانان در کوے تو قضا را

عالم زماہ رویاں گر پُر شود نہ بینم
جُز تو، بہ تو ز اوّل دارم رہِ وفا را

ما عاشقِ ظہورِ جمالِ محمدیم ۔۔۔ سرمست از شرابِ وصالِ محمدیم
از آفتابِ حشر نداریم غم کہ ما ۔۔۔ در زیرِ ظلِ مہرِ جلالِ محمدیم
اہلِ سلامتیم ازاں رُو ز صدقِ دل ۔۔۔ در قول و فعل مال بحالِ محمدیم
از بہرِ کارسازی ما اینقدر بس ست ۔۔۔ کز صدق خاکپائے بلالِ محمدیم
باصد ہزار شوق و طرف تا بروزِ حشر ۔۔۔ مابندہ جمالِ کمالِ محمدیم

صابر ز فرق تا بقدم گشتہ ایم گوش
از ذوق در ہوائے مقالِ محمدیم

خواجہ ہمام تبریزی

وفات : ۷۱۳ھ / ۱۳۱۳ء

دلم ز عہدۂ عشقت بروں نمی آید
بجائے ھر سرِ موئے مرادِلے باید

بہائے ہر سرِ مُویت نہادہ ام جانے
زہے معاملہ گر دیگرے نیفزاید

شہیدِ تیغِ تو جانہا بزندگان بخشد
گدائے کوئے تو بر خسروان ببخشاید

بخستہ کہ رسانَد نسیمِ بوے خوشت
اگر در آتشِ سوزان بود بیاساید

رواں شود ز لبم چشمہ ہائے آبِ حیات
چو نامِ دوست مرا بر سرِ زبان آید

ھزار بار بشُستم دہن بمُشک و گلاب
ہنوز نامِ تو بُردن مرا نمی شاید

نظر بروئے تو کردن مسلّم است آنرا
کہ دیدہ را بجمالِ دگر نیالاید

مدد ز بوے تو یابد نسیمِ فصلِ بہار
کہ چون بہشتؔ چمن را بہ گُل بیاراید

زہے خجستہ صباحے کہ وقتِ بیداری
ہمامؔ روئے تو بیند چو دیدہ بگشاید

امیر خسرو دہلوی

۶۵۱/۱۲۵۳ - ۷۲۵/۱۳۲۵ء

اے دل و جان مانده خیز رہ سوے جانان طلب — در نفسِ اہلِ درد مایۂ درمان طلب
پردۂ اعلیٰ ست فقر کز ملکے این کشای — لجۂ دریاست عشق کز گہرے آن طلب
محنتِ تاج و سریر گر بقفایت دود — تو بجدایان گریز دولت از ایشان طلب
ہر کہ شبے زنده داشت ہمدم روح اللہ است — نان چہ ربائی ز خوانش چاشنیِ جان طلب
مست شو اے ہوشیار لیک ازین بادہ تیز — از قدحِ مصطفےٰ جرعۂ احسان طلب

احمد مرسل کزو چرخ علو یافتہ
نامۂ ملک الرسل فضل ازو یافتہ

سُنتِ عشاق نیست دل بہوس داشتن — قالبِ خاکی چو باد ہمرہِ خس داشتن
زندگیِ مرد چیست خواب نہادن زسر — پس چو برون رفت خواب پاس نفس داشتن
سنگ فگندن بود در صفِ مردان عیب — دانۂ تسبیح را دامِ ہوس داشتن
ہمتِ درویش بس غلہ، می و انگبین — بندِ زر آنگہ در دو شیرِ مگس داشتن
گندمِ آدم مجوی کز صفتِ مصطفیٰ ست — ہمچو یتیم خلیل طاسِ عدس داشتن

میم کہ در احمد ست چون بخرد بنگری
ہست بنقشِ احد خاتم پیغمبری

اے ز دمِ زندگی جسمِ تو جان ہمہ — خلق ہمہ گوہرند سنگِ تو کانِ ہمہ
از ظلماتِ عدم راہ کہ بُردے برون — گر نشدے نورِ تو شمع روانِ ہمہ
بر ورقِ کاف و نون از سرِ کلکت چکید — ہر چہ ز آیاتِ لطف بود نشانِ ہمہ
تا بہ فصیحان رسید گوہرِ لفظِ تو شُد — رخنہ ز دندانہا تیغ زبانِ ہمہ
تیغِ یداللہ توئی با گہرِ اقتلوا — زانکہ ترا برکشید حق ز میانِ ہمہ

برسرِ مہ بر زد جُز تو کسے تیر از انکہ ‏ ‏ نیست زِ "نون والقلم" تیر و کمان ہمہ
ما و گناہ چو کوہ ہر دم و غم نی کہ ہست ‏ ‏ بر کتفِ نازکت بارِ گران ہمہ
طرفہ کہ چو آفتاب سایہ نداری ہست ‏ ‏ از تفِ خورشید حشر از تو امان ہمہ
گرچہ بخوانی بلطف ورچہ برانی بقہر ‏ ‏ باہمہ زان تو نیم این تو از آن ہمہ

با تو دلِ کافران گر ز درون راز گفت
نیست عجب زانکہ سنگ با تو سخن باز گفت

بر اُمم از عونِ تو رحمتِ حق بیش باد ‏ ‏ ہشت درِ خلد باز ہفت درک پیش باد
مایۂ عصیانِ ما ہست ز اندازہ بیش ‏ ‏ درحقِ ما عاصیان عونِ تو زان بیش باد
با تو چہ زہرہ مرا لافِ محبت ولے ‏ ‏ دوستی بندگانت بر دلِ من خویش باد
چون سفر افتد مرا در رہِ تاریکِ گور ‏ ‏ پر تو دینِ تو ام مشعلہ در پیش باد
از بد و لغو و دروغ کام و لبم ہست ریش ‏ ‏ نامِ تو ام بر زبان مرہمِ این ریش باد
نوشِ ثنایت مرا کرد زبان بیش گل ‏ ‏ شہد شہادت مدام در سرِ این بیش باد
نعت تو گنجینۂ الیست نقدِ دو عالم درد ‏ ‏ طعمۂ ز آن تا ابد خسروِ درویش باد

گم شُدہ ام در تو خواست راہ یقین میکنم
رہ سُوئے قرآن بس ختم برین میکنم

محمد است چو دریائے رحمت اندر پیش ‏ ‏ پسش کجا رسد آتش بامتِ مسکین
شمارِ احسنِ تقویم را بتختۂ خاک ‏ ‏ وَلیست حرفِ مہین و آدم ابجدلیست زین
مکوّنات ز تقدیر جُملہ معلولند ‏ ‏ صحیح ذاتِ رسولست و علتش تکوین
ہموست شمعِ شبستانِ کُن زِ نورِ نخست ‏ ‏ کہ ہست دُودے ازان نہ سپہر اوج نشین
شدند جانِ ہمہ تن رُوح قدس روح اللہ ‏ ‏ کہ کے بخندد و میرند پیشِ آن یٰسین

در آن زمانکہ برندم بسوے ظلمتِ گور
ز نورِ دینِ وَیم باد شمع راہ ایمن

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہ ہر سُو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سرو قدّے لالہ رُخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز، اُو در ناز، من ترسان
سخن گفتن چہ بود شب جائے کہ من بودم
خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسروؔ
محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

نوٹ: یہ نعت خسرو سے منسوب ہے، لیکن ان کے مطبوعہ کلام میں نہیں ملتی۔

خواجو کرمانی

وفات : ۱۳۴۹ء

صلِّ علیٰ محمّد دُرّهٔ تاج الاصطفا — صاحب جیش الاهتدا ناظم عقد الاتقا

بلبل بوستان شرع اختر آسمان دین — کوکب دری زمین دری کوکب سما

تاج ده پیمبران باج ستان قیصران — کارگشای مرسلین راهنمای انبیا

سید اولین رسل مرسل آخرین زمان — صاحب هفتمین قران خواجهٔ هشتمین سرا

هستی امر کن فکان مقصد حرف کاف و نون — برق رو براق ران خاکی عرش متکا

شمع سراچهٔ ابیت اختر برج لودنوت — تارک دنیی دنی مالک ملکت دنی

رخت بورطهٔ بلا تخت بذروهٔ علا — خانه بگوشهٔ فنا وارهٔ خوشهٔ بقا

تازی یثربی لقب مکی هاشمی نسب — معتکف سرای وحی امی امتی سرا

طیب طیبه آستان طائر کعبه آشیان — گوهر کان لامکان اختر برج کبریا

روضهٔ آدم صفی آدم روضهٔ رضا — صوفی صفهٔ صفا سرو حدیقهٔ وفا

زابروی چون بلال او تافته نعل ماه نو — وز رخ مه مثال او یافته مشتری بها

مشتعل از جبین او شمع سراچهٔ هدی — منتشم از نسیم او غنچهٔ باغ اهتدا

خورده بآب روی او نوح درود گر قسم — کرده بخاک کوی او آدم خاکی التجا

منهدم از عروج او قبهٔ قصر قیصران — منهزم از خروج او خسرو خطهٔ خطا

ابطحی که چون علم بر حرم وجود زد — از پی پای بوس او گشته آسمان دو تا

صومعه‌ای که نیستش زمزمهٔ درود ازو — هست چو دیر موبدان لائق نفت و بوریا

چون دُر اگر یتیم شد بود بهای او فزون — زانکه خرد فزون نهد دُرّ یتیم را بها

منزویان شام بین، از ہوس روای او — پیش رواق نیلگون بستہ غشاوۂ عشا
بردہ چو زہرہ از شرف پارۂ عطف دامنش — بہر طراز آستین چرخ زمردین قبا
ای ز مضیق کن فکان سوی مکان لامکان — راندہ و باغ سدرہ را دیدہ بدیدہ منتہی
روی تو قبلۂ ملک کوی تو کعبۂ فلک — مختلف تو قدسیان معتقد تو قدسیا
صدرِ تو مصدر امان زخمِ تو مرہم روان — دردِ تو موجب دوا رنجِ تو علت شفا
شاہ نشان قدسیان تخت نشین شہر قدس — ای شہ ملک اصطفا وی لقب تو مصطفیٰ
آئینہ سپہر را مہر رخ تو صیقلی — دیدۂ آفتاب را خاک در تو توتیا
روح امین چو عرض کرد آب رخ تو بر رسل — در تہ چاہ آب شد یوسف مصری از حیا
شاہ فلک چو بنگرد طلعت ماہ پیکرت — ذرہ صفت در او فتد بر سر بامت از ہوا
ای شدہ آب زمزم از خاک در سرای تو — کعبہ ز تست با شرف مروہ ز تست با صفا
عقل چو دید کاسمان پیش تو در رکوع شد — زد قیام قامتت داد صلوہ را صلا
دست عنایتی کہ ما مفتقریم و تنگدست — خوان شفاعتی کہ ما مشتہیم و ناشتا

خواجو اگر نداشتی برگ بہار عشق تو
بلبل باغ طبع او ہیچ نداشتی نوا

ضیاء نخشبی بدایونی

وفات: ۷۵۱/ ۱۳۵۰ء

پیامی دارم و بس خوش پیامے
کہ خواہد برد از مایک سلامے؛

بسوی روضۂ پاکِ رسولؐ
کہ بی او عرش را نبود قبولی

بمدحِ محمدت محمودِ عالم
محمدؐ آن کہ شد مقصودِ عالم

جہان را راہِ حق بنمودۂ اوؐ
مکان و لامکان پیمودۂ اوؐ

سروش از غاشیہ دارانِ آن در
رواقِ بی ستون ایوانِ آن در

سوادِ انسی و جانی گرفتہ
بتیغِ خضر سلطانی گرفتہ

گشادہ کارہائے پیچ در پیچ
بچشمِ ہمتش عالم ہمہ ہیچ

بہ پیشش شیرِ شرزہ میش پیشہ
دو عالم را شہِ درویش پیشہ

ضیای نخشبی باشد غلامش
جہان زد سکۂ شاہی بنامش

عماد فقیہ کرمانی

وفات : ۷۷۳/ ۱۳۷۲ء

مقصود آب و گل چو وجود محمد است — از طینتش مبانی ہستی مشید است
بر خاتم نبوت او مہر لایزال — بر صفحۂ رسالت او نقش سرمد است
عرش مجید پایۂ معراج مصطفیٰ است — بدر منیر آیت اعجاز احمد است
نعل سمند اوست کہ در گوش آسمان — پائے جلال اوست کہ بر فرق فرقد است
گردید آب از آتش رشک از حدیث او — لولوی شاہوار کہ آب معقد است
گلگونہ کرد از عرق روے چون گلش — ہر شاہد چمن کہ عذارش مورد است
ہر دل کہ پشت گرمی از مہر او نیافت — در زمہریر دوزخ ہفتم مخلد است
دینش بنصرت صمدیت کمال گیر — شرعش بقوت احدیت مؤید است
اے از چراغ روئے تو قندیل کردہ باز — شمع فلک کہ مشعلۂ ہفت معبد است
کردہ اشارتت سپر ماہ را دو نیم — برہان قاطع تو ز تیغ مجرد است
جان را کہ با تو عہد قدیمیست درمیان — ہردم بر آستان تو شوقے مجدد است

شد بندۂ کمینۂ درگاہ تو عماد
آزاد بندۂ کہ غلام محمد است

خواجہ جمال الدین سلمان ساوجی

۷۰۹/۱۳۰۹ء - ۷۷۸/۱۳۷۶ء

هر دل کہ در ہوائے جمالش مجال یافت
عنقائے ہمتش در جہان زیرِ بال یافت

ہرجان کہ با بلائے ولایش گرفت انس
از نعمت و نعیمِ دو عالم ملال یافت

جبریلؑ را تجلّیِ شمعِ جمالِ اوؐ
پروانہ وار سوختہ بے پرتو بال یافت

اے منعمی کہ ناطقۂ خوش سرائے او
در حصرِ نعتِ تو خرد گنگ ولال یافت

یک ذرّہ از لوامعِ نورت غزالہ را
یک شمّہ از روایحِ خلقت غزال یافت

بوے ز گردِ دامن لطفت دماغ باغ
در جیب و آستینِ صبا و شمال یافت

هر آفتاب کز افقِ عزتِ تو تافت
نہ ظلِّ کسف دید و نہ نقص زوال یافت

از ملکِ ہمتت درِ "ہب لی" زد آسمان
یک گوشہ از ولایتِ جاہ وجلال یافت

گر نحل را جلالِ تو تشریفِ وحی داد
گر نحل بر بساطِ تو منشورِ قال یافت

چون زلفِ شاہدان، ز تو ہر کس کہ سر بتافت
خود را سیہ گلیم و پراگندہ حال یافت

بایادت ار در آتشِ سوزندہ شد کسی
آتش ذہاب و چشمۂ آبِ زلال یافت

لطفِ تو با عروسِ جہان یک کرشمہ کرد
زاں یک کرشمہ ایں ہمہ غنج و دلال یافت

در حضرتِ تو روے سفید آمد آن کہ او
بر روے دل ز فقر سیہ روی فال یافت

فکرم نمی رسد بصفاتت کہ وصفِ تو
بر دست و پائے عقل ز حیرت عقال یافت

فکرِ ہوائیِ بشریّت کُجا و کے
در بارگاہِ وصفِ ہوایت مجال یافت

نیک اخترے بمنزلِ وصلت رسد کہ او
با بدر و قدر و صدر و شرف اتصال یافت

سلطانِ ہر دو کون کہ کونین در ازل
بر سفرۂ نوالۂ جودش نوال یافت

ادنیٰ مقامِ او شبِ معراج روحِ قدس
اعلیٰ مراتبِ درجاتِ کمال یافت
خُلقش بہار عالمِ لطفِ الٰہی است
زان رُو مزاجِ عالم اُزو اعتدال یافت
چل صبح وہشت خُلد بنامِ محمدؐ ست
خود عقل حا و میم برین حال دال یافت
منشورِ خلقت ارچہ بتوقیعِ احمدی
مشہور گشت ، مُہرِ ولادت بآل یافت
سلماںؔ بمدحِ آلِ نبیؐ دُرجِ سینہ را
ہمچون صدف خزینۂ عقدِ لآل یافت
جُز در ثنائے ایزدِ بیچون حرام گشت
شعرِ رہی کہ رونقِ سحرِ حلال یافت
یارب بعاشقِ شبِ اسرا کہ باحبیب
در خلوتِ " دنا فتدلیٰ " وصال یافت
برحال این شکستۂ درویش واگیر
این یک نظر کہ هر دو جہان زان نوال یافت

ابن عماد شیرازی

وفات : ۸۰۰ / ۱۳۹۸ء

اے برحمت خَلق را در مجمعِ محشر شفیع
پادشاہانِ جہان حُکمِ مطاعت را مطیع
کارِ کفر از صولتت ہمچون مغاکِ خاک پست
قدرِ دین از دولتت چون طارمِ اعلیٰ رفیع
دیدہ ات از کحلِ "مازاغ البصر" آمد بصیر
گوشِ تو از استماعِ سرِّ "ما اوحیٰ" سمیع
برسرِ کُرسی چو پائے عرش فرسایت رسید
پایہ اش افزود از آن شد عرصہ گاہش بس رفیع
پیشِ علمِ تو کہ شُد جبریلؑ را آموزگار
باہمہ دانش بود پیرِ خرد طفلِ رضیع
چون برافرازی لوا در روزِ حشر آیند جمع
آدم و من دُونہٗ در ظلِّ ممدُودت جمیع
آمد از یُمنِ جوارِ روضہ ات طوبیٰ لہا
پیش گاہے از ریاضِ گلشنِ رضوان تقیع
در گلستانِ ثنایت روز و شب ابنِ عماد
با ہزار آوا بود مانندِ بلبل در ربیع
در بیانِ مدحت آورد این معانی را بنظم
گر کنی گستاخیش عفو از کرم نبود بدیع

مولانا نورالدّین عبدالرّحمٰن جامی

۸۱۷/۱۴۱۴ء —— ۸۹۸/۱۴۹۳ء

اے خاکِ رہِ تو عرش را تاج　　یک پایہ ز قدرِ تُست معراج
تو دُرِّ یتیمی و تُرا جای　　برتر ز ہمہ چو دُرّۃ التاج
فخرِ تو بفقر و تاجداران　　آوردہ بفرق بر درت باج
در تیرہ شبِ ضلال و خذلان　　نورِ تو شُدہ سراج وہّاج
آیاتِ تو در زمانہ روشن　　چون شبگون خط ز صفحۂ عاج
مشتاقِ رہِ ترا مغیلان　　در زیرِ قدم حریر دیباج
جامی کہ زتند بادِ عصیان　　شد خرمنِ طاعتش بتاراج

اکنون رہِ معذرت گرفتہ
مسکین بشفاعتِ تو محتاج

بر ہر کہ تافت پرتوِ انوارِ مہرِ تو
شد سُرخ‌روی در ہمہ آفاق چون شفق
جسمت نداشت سایہ والحق چنین سزد
زیرا کہ بود جوہرِ پاکت ز نورِ حق

زینسان کہ شد کلامِ تو دیباچۂ کمال

بامنطقِ تو ناطقہ را کے رسد نطق

دربزمِ احتشامِ تو سیارہ ہفت جام

وز مطبخ نوالِ تو افلاک نہ طبق

بردفترِ جمالِ تو توریت یک رقم

وز مصحفِ کمال تو انجیل یک ورق

گُل را زمانہ از عرقِ عارضت گرفت

برعکس این زمانہ بگیرد زگُل عرق

جامی کجاست نعتِ تو امایکلکِ شوق

برلوحِ صدق زد رقمے کیف ما تفق

ماء معینِ چیست خاک پائے محمدؐ — حبلِ متین ربقۂ دالای محمدؐ

خلقتِ عالم برائے نوعِ بشر شد — خلقتِ نوعِ بشر برائے محمدؐ

سودہ ہمہ قدسیان جبینِ ارادت — برترِ نعلینِ عرش سائے محمدؐ

جانِ گرامی دریغ نیست زعشقش — جانِ من صد چومن فدائے محمدؐ

جائے محمدؐ درونِ خلوتِ جانست — نیست مرا دیگر بجائے محمدؐ

حدِ ثنائش بجز خدا کہ شناسد — من کہ و اندیشۂ ثنائے محمدؐ

لیس کلامی یفی بنعتِ کمالہٖ

صلِّ الٰہی علی النبیّ و آلہٖ

اے شہسوارِ حُسن کہ جانم فدائے تُست
ہر جا سریست خاک رہِ بادِ پائے تُست

بیچارہ عاشقِ تو کہ با دردِ انتظار
شد در رہت غبار و ہنوزش ہوائے تُست

یک خندہ کردی و دلِ ما شُد ازانِ تو
بارِ دگر بخند کہ جاں ہم برائے تُست

دل چوں توانم از تو بریدن کہ در ازل
آب و گِلم سرشتہ بمہر و وفائے تُست

جامی گر آں صنم زتو بیگانہ شد مرنج
ایں بخت بس ترا کہ سگش آشنائے تُست

مرا شُد جامۂ جاں از غمت چاک
بیا اے آرزوئے جانِ غمناک

زفت از لوحِ دل نامت اگرچند
زلوحِ آب و گِل شد نقشِ من پاک

نہانی ہر شب آیم من بکویت
گریبانے دریدہ دلے منے چاک

گہے از درد ریزم خاک بر سر
گہے از شوق مالم رُوئے بر خاک

زحسرت با در و دیوار گویم
الا یا رَبْعَ سَلْمٰی اَیْنَ سَلْمٰاک

مولانا معین الدّین معینی

المتوفی (دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی (ہمعصر جامی ۱۴۹۳ء)

اے ز شرمِ رویِ ماہت در عَرق عَرق آفتاب
وز فروغِ ماہِ رخسارِ تو ماہ اندر نقاب
آفتاب از خاکِ راہت یافت حشمت لاجرم
در فضائے آسمان زد خیمۂ زرّیں طناب
گر ز انوارِ رُخت یک شعلہ تابد بر فلک
از حیا مستور گردد آفتاب اندر نقاب
نورِ حق ست آن مجسّم گشتہ در ذاتِ نبیؐ
ہمچو نورِ ماہ کز خورشید کردست اکتساب
مظہرِ ذات و صفات آمد کہ منشیٔ قضا
گوئیا از دفترِ حق نسخہ کرد انتخاب
نقرہ خنگِ چرخ را از مہ کشد زرّیں لگام
در شبِ اسریٰ چو آرد پائے ہمت در رکاب
از فلک بگذر کہ فوق العرش منزلگاہِ اوست
چون کند عزمِ سفر آن خواجۂ عالی جناب
سرِّ "ما اوحیٰ" نگنجد در ضمیرِ جبرئیل
کشفِ اسرارِ لدُنّی کے کند ام الکتاب
در مقامِ "لی مع اللہ" از کمالِ اتصال
از خدا نبود جدا ہمچون شعاع از آفتاب

یا رسول اللہ شفاعت از تو می دارم اُمید
با وجودِ صد ھزاران جرم در روزِ حساب
اندر آن روزے کہ بہرِ انتقامِ عاصیان
آتشِ دوزخ بر افروزد علم از التہاب
در خیالِ من نمی گنجد تمناے بہشت
دارم از فضلت امیدِ رستگاری از عذاب
ہرچہ خواہی با معینیؔ پیش بر از قہر و لطف
لیکن از درگہ مران واللہ اعلم بالصواب

در جان چو کرد منزل جانانِ ما محمدؐ — صد در کشاد در دل از جانِ ما محمدؐ
ما بُلبلیم نالان در گلستانِ احمدؐ — ما لُولُویم و مرجان، عمانِ ما محمدؐ
مستغرقِ گناہیم ہرچند عذر خواہیم — پژمُردہ چون گیاہیم، بارانِ ما محمدؐ
از دردِ زخمِ عصیان ما را چہ غم چو سازد — از مرہمِ شفاعت درمانِ ما محمدؐ
امروز خونِ عاشق در عشق اگر ہدر شد — فردا ز دوست خواہد تاوانِ ما محمدؐ
ما طالبِ خدائیم بر دینِ مصطفائیم — بر درگہش گدائیم سلطانِ ما محمدؐ
از آستانِ دیگر ما آمدیم بر سر — وان را کہ نیست باور برہانِ ما محمدؐ
اے آب و گل سرودے وے جان و دل درودے — تا بشنود بہ یثرب افغانِ ما محمدؐ

در باغ و بوستانم دیگر مخوان معینیؔ
باغم بس ست قرآن بستانِ ما محمدؐ

فغانی شیرازی

المتوفی: ۹۲۵/ ۱۵۱۹

ای از لبِ تو خطبۂ کلامِ قدیم را
باعثِ رسومِ شرع تو امید دیم را
اول عظیم داشته شانِ ترا خدای
وانگاه برفراشته عرشِ عظیم را
چرخِ عظیم چون شرف از گوہرت نیافت
درہم بریخت این ہمہ دُرِ یتیم را
بر شاہراہِ عقل نہادی چراغِ شرع
تا خلق پَی بَرند رہِ مُستقیم را
اے خواندہ بے سواد کلامِ قدیم را
ناخواندہ ختم کرد الف لام و میم را
قولِ تو ہر کجا کہ دلیل آورد فقیہہ
دیگر مجالِ بحث نماند حکیم را
دارد چناں دمے کہ بمعجز فرو برد
شمشیرِ خطبۂ تو عصائے کلیم را
آن دم کہ فخر داشت بدان سالہا مسیح
در گلشنِ تو گشت کرامت نسیم را
روی تو در سلامتِ خلق است این سخن
روشن بود چو آئینہ طبعِ سلیم را
بر حرفِ زلف و خالِ فغانی قلم کشید
وز دفترِ تو خواند الف لام و میم را

جمالی دہلوی

۸۶۲/۱۴۵۸ء-۹۴۲/۱۵۳۵ء

(مثنوی مہر و ماہ)

دمے، کآدم میانِ ما و طین بود
محمد، خسروِ دنیا و دین بود

خداوندِ دو عالم ابطحی نام
خدا را زو خدائی شد سرانجام

شہے، کو برفرازِ تختِ افلاک
بسر داشت دایم تاجِ لولاک

ز قدرِ او قبائے "لی مع اللہ"
بشمشادِ بلندش بود کوتاہ

امامِ انبیاء، آن عالی القدر
کہ شد در وصف "سبحان الذی" صدر

ہم از نورِ شرارش آتشے بود
کہ موسیٰ را بوادی راہ بنمود

ملک را از کرم تعلیم دادہ
فلک را از سیاست بیم دادہ

زہے شاہے کہ تختش فرقِ کونین
نشانِ ابروئے او "قاب قوسین"

سپہدارے کہ دادِ شرعِ او داد
اساسِ دین باستحکام بنہاد

الا! اے پادشاہِ عالمِ عشق
شد از لعلِ لبت، پیدا دمِ عشق

دمے کز لعلِ جان بخشت برون شد
ہمہ پیغمبران را رہنمون شد

خضر را زندگی ہرگز نمی شد
اگر راہت نصیبِ او نمی شد

تو گنجی جملہ عالم شد طلسمت
تو روحی جانِ آدم گشت جسمت

تو شمعی پیروانت ہمچو موم اند
تو مہتابی، "صحابہ کالنجوم" اند

فلک قصرِ تو، کیوان پاسبانت ملایک خاکروبِ آستانت
اگرچہ شہپرِ روح الامین است بدرگاہِ تو جاروبِ زمین است
تو آن شاہی کہ از آوازِ نامت ہزاران قیصر و خاقان غلامت
زبان در وصفِ ذاتت گنگ و لالست کہ وصفِ چون توئی، کردن محالست
میانِ اُمتت از ہیچ ، ہیچم چہ باشم من ؟ کہ در نعتِ تو پیچم
چو نعتت می سراید ایزدِ پاک چہ باشد در صفاتت زہرۂ خاک
ولیکن چون من از خیلِ سگانم ز اوصافت چرا خاموش مانم
منم در ہر دو عالم بے سر و پائے پناہِ من توئی اینجا و آنجائے
ز سرتاپا اگرچہ پُر گناہم بحمد للہ توئی پشت و پناہم
یقین دانم کہ در روزِ قیامت ہزاران ہمچو من نازد بنامت
در اینجا دولتِ جاوید دارم بلطفِ وافرت امید دارم
ز روے دلفروزت پردہ بکشائے
جمالی را جمالِ خویش بنمائے

مولانا وحشی بافقی

۹۳۰/۱۵۲۴ - ۹۹۱/۱۵۸۳ء

چرا نمی طلبی مہرِ در زبہرِ وجود	کہ ہست زینتِ بحرِ جہان بہ گوہرِ پاک
محمدِ عربی منشا، حکایتِ کن	کہ کردہ زیبِ قدش را بہ جامۂ لولاک
قمر بجلۂ چرخ از عروسِ معجزہ اش	نمود گرد گریبان بہ یک مشاہدہ چاک
جہانیان ز عطایتؔ چنان شدند سخی	کہ نیست در دگرے جز مہِ صیام امساک
تو آن براق سواری کہ در شبِ اسریٰ	گذشتہ ای ز بیابانِ لامکان چالاک
مجرہ باز شبے خواہد آن چنان عمرے	کہ در رکابِ تو افتادہ بود چون فتراک
اشارۂ تو اگر زورِ ساعدش بخشد	بہ نیزہ گاوِ سمنگ از زمین کشد بہ سماک
گزندِ دیدۂ تومارِ جرم را تو علاج	چنانکہ علّتِ افعی گزیدہ را تریاک
کجا بہ ملکِ کمالِ تو پائے عقل رسد	کہ عالمیست از آن سوے کشورِ ادراک
بسوے من نگر از لطف یا رسولَ اللہ	ببین باین دلِ پُرخون و دیدۂ نمناک
شود چو چشمِ پُر آبم ہزار کشتی غرق	دمے کہ قلزمِ خونابِ دل زند کولاک
در آتشیم چو وحشی ز سوزِ سینہ دلے	چو ہست قطرہ فشاں ابرِ رحمتِ تو، چہ باک

سحابِ لطفِ بباران بمایہ کاران
کہ حرفِ نامۂ عصیان ما بشوید پاک

مولانا کمال الدّین محتشم کاشانی

المتوفی: ۹۹۶/ ۱۵۸۸ء

از بسکہ چہرہ سودہ ترا بر در آفتاب | بگرفتہ آستانِ ترا بر زر آفتاب
از بہرِ دیدنت چو سراسیمہ عاشقان | گاہے ز روزن آید و گاہ از در آفتاب
گر پا نہی زخانہ برون با رُخِ چو مہر | از خانہ سر بدر نکند دیگر آفتاب
آئینہ نہفتہ در آئینہ دان شود | گیرد اگر بفرض ترا در بر آفتاب
گر ماہ در رُخت بخیانت نظر کند | چشمش برون کند بسرِ خنجر آفتاب
نعلے ز پائے رَخشِ تو افتد اگر بره | بوسد بصد نیاز و نہد بر سر آفتاب
از رشکِ خانہ سوزِ تو اے شمعِ جانفروز | آخر نشست بر سرِ خاکستر آفتاب
در آفتاب رنگ ز شرمِ رخت نماند | مثلِ گُلِ پخیدہ کہ ماند در آفتاب
در روزِ ابر و باد گر آئی برون ز فیض | از ابر ماہ بارد و از صرصر آفتاب
ترتیب چون بساطِ نشیب و فراز چید | شد زورقِ جمالِ ترا لنگر آفتاب
اے خامہ نیک در ظلماتِ مداد رو | گر ذوق آیدت بزبان خوشتر آفتاب
بنگار شرحِ گفت و شنیدے کہ میکند | بر آسمان طراز سر دفتر آفتاب
مہر نگین حُسنِ تو اش خواندے نہ مہر | کردی اگر خوشامدِ من باور آفتاب
گراز تنورِ حُسنِ تو انگشت ریزہ اے | بر آسمان برند بچہرہ بد در آفتاب

در روضہ اے اگر بنشانی بدستِ خویش
نخلے شگوفہ اش بود انجم بر آفتاب

ہنگامِ بادِ روے تو بر ہر چمن کہ یافت / گلہاے زرد را ہمہ کرد احمر آفتاب
مہ افسرِ غلامیت از سر اگر نہد / ہمچون زنان کند بسرش معجر آفتاب
بہرِ قلادہ ہائے سگانِ تو از نجوم / دائم کشد برشتۂ زر گوہر آفتاب
ریزد بپائے اُمتِ او اشکِ معذرت / بر حشر گاہِ گرم بتابد گر آفتاب
سلطانِ بارگاہِ رسالت کہ سودہ است / بر خاکِ پاکش ناصیۂ انور آفتاب
شاہِ رُسل وسیلۂ کُل ہادیِ سُبل / کز بہرِ نعت اوست برین منبر آفتاب
"یثرب حرم" محمدِ بطحائی آنکہ ہست / یک بندہ بدرش مہ و یک چاکر آفتاب
بالائیان چہ خطِ غلامی بوُے دہند / خود را نویسد از ہمہ پائین تر آفتاب
نعلِ سمِ براقِ وے آمادہ ماکند / زر بدرہ بدرہ ریختہ در آذر آفتاب
بے سایہ بود زانکہ در اوضاعِ معنوی / بود از علوِ مرتبہ مشرف بر آفتاب
از بہرِ عطرِ بارگہ کبریائے اوست / مجمر فروز بالِ ملک مجمر آفتاب
ہر شب بے شرفِ زرہ غرب می برد / خاکِ مدینہ تا بدرِ خاور آفتاب
از خاکِ نور بخش رہت این صفا و نور / آوردہ ذرہ ذرہ بگید بجبر آفتاب
یا سیدالرُسل کہ سپہرِ وجود را / ایشان کواکب اند و تو دین پرور آفتاب
یا مالکُ الامم کہ بدعوی بندگیت / بنوشتہ از مبالغہ صد محضر آفتاب
آن ذرہ است محتشم اندر پناہِ تو / گا دیختہ بدستِ توسل در آفتاب
ظلِ ہدائیتش بسر افگن کہ ذرہ را / رہ گم شود گرش نبود رہبر آفتاب

تا در صفِ کواکب و در جنبِ عترتت
گاہی نماید اکبر و گہ اصغر آفتاب

محمد جمال الدین عرفی شیرازی

المتوفی : بعمر ۳۶ برس ۹۹۹/ ۱۵۹۱ء

دوران کہ بود تا کند آرایشِ مسند　　مداحِ شہنشاہِ عرب را عجم را
آرایشِ ایوانِ نبوت کہ ز تعظیم　　خاکِ درِ او تاجِ شرف داد قسم را
روزے کہ شمردند عدیلش ز محالات　　تاریخِ تولد بنوشتند عدم را
آنجا کہ سبک روحیش آید بہ تکلم　　ز آسیبِ گرانی بخرد گوشِ اصم را
تا رایتِ عفو و غضبش سایہ نیفگند　　ہیئت متصور نشد آرامش و رم را
تا شاہدِ علم و عملش چہرہ نیفروخت　　معلوم نشد فائدہ نے کیف و نہ کم را
تاثیر برد سہم تو از حکمِ کواکب　　تغییر دہد ہیبتِ تو طعمِ نعم را
انعامِ تو بر دوختہ چشم و دہنِ آز　　احسانِ تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را
زان گریہ دہد روشنیِ دل کہ بیاموخت　　روشنگریِ آئینۂ انصافِ تو نم را
در کوے تو تبدیل کند مردمکِ چشم　　اجزائے وجودِ خود و اجزائے قدم را
از بس شرفِ گوہرِ تو، منشیِ تقدیر　　آن روز کہ بگذاشتی اقلیمِ قدم را

ق

تا حکمِ نزولِ تو درین دار نوشتہ است　　صد رہ بعبث باز تراشیدہ قلم را
گر جوہرِ اول بحریمِ تو در آید　　تن در ندہد قامتِ تعظیمِ تو خم را
تا کونِ ترا اصلِ مہمات نخواندند　　نشنید قضا ترجمۂ لفظِ اہم را
تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل　　سلمائے حدوثِ تو و لیلائے قدم را
تا نامِ ترا افسرِ فہرست نکردند　　شیرازۂ مجموعہ نہ بستند کرم را
عرفی مشتاب این رہِ نعت ست نہ صحراست　　آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ ست قدم را

هشدار که نتوان بیک آهنگ سرودن　　نعتِ شهِ کونین و مدیحِ کے و جم را
شایسته بدست آر که بینند درین شهر　　شایستگی جنس چه بسیار و چه کم را
گیرم که خرد حصر کند مایهٔ نقش　　آن حوصله آخر ز کجا نطق و رقم را
شاها به عطایت که از آن کام کرانی　　نومید مهل عرفیِ محروم و دژم را
از باغِ نعیمش مده انعام و میامیز　　با مطلبِ او مطلبِ اصحابِ شکم را
آسائشِ همسائیگی حق ز تو خواهد　　او همه دوزخ نکند باغِ ارم را
دانم نرسد ذرّه بخورشید و لیکن　　شوقِ طیران میکشد اربابِ همم را
هرچند طبیعی بود این مس تو بفرمای　　تا جلوه دهد فیضِ تو اکسیر کرم را
من هم بسوالے لبِ خجلت بکشایم　　اے آبِ حیات از لبِ تو خضر نعم را
هرگاه که در مدح بلغزم تو ببخشای　　کز مدح ندانم من حیرت زده ذم را
تحصیلِ ثواب و شرفِ نسبتِ نعتت　　زین گونه خجل ساخته حسانِ عجم را
تا نعتِ تو آمد ز مشیت به نوشتن　　بالا نگرستن بشد از یاد قلم را
دانش نکشاید بسزا عقدهٔ نعتت　　زینجاست که اندیشه نگون کرد علم را

مدحِ تو ز اخلاص کنم هدیه نه از علم
از تبکده چون آورم آهوے حرم را

اے مهرِ تو جان آفرینش　　نعتِ تو زبانِ آفرینش
لطفِ تو چمن طرازِ امکان　　خشمِ تو خزانِ آفرینش
جودت "همه بخش" عالمِ کون　　علمت "همه دان" آفرینش
همتائے تو بهترین خطابش　　بے نام و نشانِ آفرینش
تا گوهرِ فطرتِ تو گردید　　آئینِ دکانِ آفرینش

تیزی بگذاشت تیشۂ صنع — در کاوشِ کانِ آفرینش
در ضمنِ شمردنِ عطایت — افلاجِ بنانِ آفرینش
اندیشۂ احتمالِ شانت — زآنسوے گمانِ آفرینش
شمشیرِ کمالِ تو نیامد — محتاجِ فسانِ آفرینش
امکانِ وجودِ دشمنِ تو — زنّارِ میانِ آفرینش
عیسیٰ مگسِ تکلّمِ تو — حلواۓ دکانِ آفرینش
صافیِ شکرِ شفاعتِ تو — قُوتِ مگسانِ آفرینش
نعلینِ توٓ تاجِ قابِ قوسین — تمکینِ تو شانِ آفرینش
با علمِ تو آشنا نیفتاد — یک مسئلہ دانِ آفرینش
با مستیِ شوقِ تست عرفی — از بےخبرانِ آفرینش
در مغز دماغِ او خبر نیست — از عنبر و بانِ آفرینش
دعوے کنِ نعتِ لائقِ تو — رُسواۓ جہانِ آفرینش
دارد بہ عنایتِ تو عرفی — حرفے ز زبانِ آفرینش

برخیز کہ شورِ کفر برخاست
اے فتنہ نشانِ آفرینش

حکیم ابوالفیض فیضی

۹۵۳/۱۵۴۶ - ۱۰۰۴/۱۵۹۶ء

آن مرکز دور ہفت جدول — گرداب نشینِ موجِ اوّل
چابک قدمِ بساطِ افلاک — والا گہرِ محیطِ "لولاک"
قدرش بزمانہ ماہ و اکلیل — نورش بفلک چراغ و قندیل
با شرح و کتاب نورِ ساطع — با تیغ و زبان دلیلِ قاطع
از رایتِ کبریا مؤیّد — سر لشکرِ انبیاء محمّد
مصباحِ سپہر گوہرِ او — معراج ستارہ بر درِ اُو
خاکی و براوجِ عرش منزل — اُمّی و کتاب خانہ در دل
با حبلِ متین دو سوے بستہ — زنجیرِ خرد بموے بستہ
ہم مطلعِ اوّلِ سباعی — ہم مصرعِ آخرِ رباعی
نورش چو بر آسمان علَم زد — روزش بہزار صبح دم زد
زان پیش کہ پا نہد بریں فرش — می بود بگاہوارۂ عرش
سرچشمۂ فیض گردِ راہش — پیشانیِ صبح سجدہ گاہش
قصرِ جبروت آشیانش — بامِ ملکوت آستانش
ہم از دو جہان تہی و ہم پُر — ہم ساحل و ہم محیط و ہم دُر

اسرارِ ازل خزینۂ او — محرابِ ابد مدینۂ او
بربامِ ابد صدائے کوسش — پیشانیِ عرش خاک بوسش
گیسو بہ دو سوے بر شکستہ — کونین بتارِ موئے بستہ
ہر گیسوے او ببادِ شب گیر — آویختہ عرش را بزنجیر
جولانگہِ لامکان فضایش — نعلینِ دو کون زیرِ پایش
از چرخ بلند پایۂ او — نہ چرخ بزیرِ سایۂ او
عالم کہ سر از عدم کشیدہ — از سایۂ اوست آفریدہ
چون بہر جہان جزاو سبب نیست — گر سایہ نباشدش عجب نیست
نوریست زچشم کوتہان دور — عالم ہمہ سایۂ ازان نور
یک نور و دو کون روشنائی — یک گوہر و صد جہان روائی
اے شاد روانِ عشرتِ او — شاداب زبحر فطرت او

ظلمت زبساطِ قرب شان دور
در خانہ ہزار شمع و یک نور

خواجہ باقی باللہ

۹۷۱/۱۵۶۳ء - ۱۰۱۲/۱۶۰۳ء

گرم فیض ازل بخشد دل و دست | کہ در ہم ریزم این بُت خانۂ ہست
ازیں اقبال یابم احترامے | کنم خاصانِ احمدّ را سلامے
سرشک افشاں زمیں بوس ثنا گو | بسلطانِ رسالت آورم رُو
چو در نظارۂ روشن کنم رائے | درین نظارۂ جاوید اُفتم از پائے
تماشا را جگر بخشم کہ می جوش | تمنا را دہن گیرم کہ خاموش
بدل گویم سعادت ہم نشیں است | مقامِ "قاب قوسین" تو این است
جمالِ خواجہ معراجِ وجود است | قبولِ دُرّۃ التاجِ وجود است
نسیمِ راحتش پیکِ امین است | زمینِ خدمتش عرشِ برین است
سہی سروے زبستانِ خدائیست | ستونِ بارگاہِ کبریائیست
سرائے کَون دارد نورِ بینش | ازین فانوس شمعِ آفرینش
کلامِ زندگی بخشش مشیراست | کہ بُروح القدس ازوے بہرہ گیراست
رُخش مرأت ، نورِ لامکان را | صلا در دادہ بینائیِ جہان را
بیک یک ذرّہ اش صد گونہ رازست | فرود آ خامہ کین منزل درازست
ہمینم بس کہ بفرستم سلامے | کہ کارم گیرد از وے انتظامے
درین حسرت رہِ بہبود یابم | روانش را ز خود خوشنود یابم

بمَن کَرّمتہٗ یا ذالمکارم
علیٰ خیرالوریٰ صلِّ وسلّم

مُحمّد حسین نظیری

المتوفی: ۱۰۲۳ / ۱۶۱۴ء

اے کردہ خراب خانہا را   برہم زدہ آستانہا را
صیّاد وشان بدام زلفت   دربافتہ صید جانہا را
کردہ بہ بتانِ دلربا شرط   بردہ بگرو نشانہا را
در بہرِ توؐ صد ہزار صیّاد   آراستہ دام و دانہا را
شاہان بفصاحتِ توؐ دادہ   مفتاحِ درِ خزانہا را
در عقدۂ جعدِ نیم تابت   مشاطہ شکستہ شانہا را
تا کشتۂ غمزۂ تو کردم   برساختہ ام بہانہا را
زآمد شدِ ہر مزار و معبد   فرسودہ ام آستانہا را
شیرازۂ نظم خویش بندم   منسوخ کنم فسانہا را
صوتے بنوائے نو بر آرم   برباد دہم ترانہا را

گردید ندیمِ غم نظیری
خواری زدہ زندگانہا را

زہے نسخۂ آفرینش جمالت
نکت یاب مجموعۂ گل خیالت
بفطرت فزونی نکاہد ز نورت
زظلمت بروئی نباشد زوالت

همیشه حق از قول و رائے تو روشن
بپوشیده موجِ حوادث زلالت

بحدِ خرد هست پروازِ هر تن
تو روحی خرد پَرّد از پرّ و بالت

همه وجدها صوفیاں را ز قولت
همه حالها قدسیان راز حالت

باعجازِ تو لت که ایمان نیارد
حلالست بود خونِ منکر حلالت

بباطن ترا دیده آدم مقدم
ز صدرِ جنان شُد بصفِ نعالت

به پیرامنت سایه ظاهر نگردد
که خورشید طالع فرازِ نهالت

بحُسنِ تو نقّاش نقشے نیارد
که صنعت گری ختم شُد بر کمالت

توان گفت "لیس کمثلہ" بشانت
که در غیب نبود مثالِ مثالت

نظیری چنان ساز صافی سخن را
که روح نبیؐ خوش شود از مقالت

مکتبی شیرازی

المتوفی : ۱۶۳۳ء

شاہنشہِ انبیاء محمدؐ — ماہِ افسرِ آفتابِ مسند
عنوانِ صحیفۂ الٰہی — سرخیلِ سپیدی و سیاہی
آن مجملِ اوّلینِ مفصل — خورشیدِ پسین و صبحِ اوّل
آن سایۂ رحمتِ الٰہی — فیروزہ نگینِ مہرِ شاہی
زان مہرِ ازل کہ در نگین داشت — اقبالِ ابد در آستین داشت
زان از ہمہ سایہ اش نہان بود — کش سایہ فزون ازین جہان بود
عقل از کلماتِ اوست محظوظ — دلِ عرش و زبانش لوحِ محفوظ
او پیش قدم تر از جہان بود — زان پیشروِ جہانیان بود
آدم کہ شدست لوحِ تصویر — زان صورتِ خوب شد جہانگیر
سجادۂ شرعِ او کہ بکشود — در کشتیِ نوحؑ بادبان بود
با حسنِ خلیلؑ از در آمد — ز آتشکدہ سرخ رو بر آمد
ہر ریگ ز رہگذارِ آن نور — ہارونؑ و کلیمؑ را بود طور
ہر ذرّہ زخاکِ راہِ آن تاج — ادریسؑ و مسیحؑ راست معراج
گر سدِّ شریعتش نبودے — طوفانِ بلا جہان ربودے
در غنچۂ لب نہ بر کشادے — از باغِ جہان گلے نزادے
حکمش کہ سر از ازل کشیدہ — تیغے است کہ تا ابد کشیدہ
حرفش کہ قلم بچوب بستہ — در دست بدان قلم شکستہ
بر لوحِ جہاں کہ خوشش رقم بود — انگشتِ شہادتش قلم بود
زاں لوح و قلم چو امتحان کرد — بر ناخنِ ماہ شق عیان کرد

کرد او ہمہ را سواد شوئی　　تایافت سخن سپید روئی

غواصیِ قُلزمِ سما کرد
تا راہِ بگوہرِ بعت کرد

ای سرِ علم تو چرخِ اعظم　　چوبِ عَلَمت ستونِ عالم
زیبا چمنِ جنان کہ ہشت ست　　ذآبِ عرقِ تو سبزگشت ست
کے غیرِ تو بر فلک زند ہوی　　چوگانِ تو می رسد بدانگوی
عقلِ تو ز نردبانِ ایام　　بر کنگرہٗ فلک نہد گام
گر ابر شگافت تیغِ خورشید　　تیغِ تو فلک شگافت جاوید
مرغے کہ درِ تو خانہٗ اوست　　بحر و گہر، آب و دانہٗ اوست
بر فرقِ تو ابر سایہ دارست　　زان عطر فروشِ نو بہارست
بعد از ہمہ انبیا رسیدی　　بر حرفِ ہمہ قلم کشیدی
پیش از ہمہ گر تو رُخ نمودی　　غیر از تو پیمبرے نبودی
چرخ از تو نہالِ یک ثمر بود　　شیرینیِ جُملہ در تو افزود
جانِ ہمہ در حمایتِ تُست　　ملکِ ہمہ زیر رایتِ تُست
نہ دائرہٗ سپہرِ دائم　　بر نقطہٗ ذاتِ تست قائم
خورشیدِ چہارم آسمانی　　بر صدرِ چہار یار از آنی
زان چار ستونِ بیتِ معمور　　بخشاہی بہ مکتبیؔ درِ نور
فردا کہ زمین شود چو اخگر　　از گرمیٔ آفتابِ محشر

از ابرِ کفِ شفاعت انگیز
آبے بدہانِ خشکِ ما ریز

میرزا جلال اسیر

المتوفی : ۱۰۴۹ / ۱۶۳۹ء

جوشِ بہارِ وفا مفتِ تماشائیان
سینۂ گلستانِ درد چاکِ خیابانِ او

در چمنِ امتحان چون گلِ آتش گداخت
پنجۂ خورشید را حسرتِ دلانِ او

گردِ وجود و عدم رفت بباد فنا
نقشِ دو عالم نشست در رہِ جولانِ او

در سفرِ جستجو توشۂ حسرت کم است
دل بہ ستم می خرند آبلہ پایانِ او

ریگِ بیابانِ عشق ضامنِ دلہائے ما
نائبِ مژگان کیست خارِ مغیلانِ او

زود فراموشیش کے رَود از خاطرم
شبنمِ گل می چکد از گلِ نیانِ او

دوری و نزدیکیم سرمۂ چشمِ خیال
شکوہ فراموشش تر در شبِ ہجرانِ او

مطلع ثانی

جام شرر بکشد شبنمِ بستانِ او — خندهٔ گل می‌چکد ز آتشِ پنهانِ او

گردِ جدائی بس است آئینهٔ قرب را — وصل بسر می‌دود در رهِ حرمانِ او

شوخیِ صیاد عشق در پے صید خود است — می‌رمد از دامِ ما سایهٔ مژگانِ او

عشق ز هر ناله ام یوسفِ دیگر خرید — گرمیِ بازارِ او زینتِ دکانِ او

قطرهٔ در رہ ے عشق شبنمِ گلہاے راز — پرتوِ خورشیدِ حسن موجهٔ طوفانِ او

حلقهٔ زنجیرہا دانهٔ تسبیحِ شکر — گوشهٔ چشمِ وفا گوشهٔ زندانِ او

لطفِ تغافل طراز، جورِ مروت نواز — کرده هوس گداز خاکِ اسیرانِ او

شرمِ سخن از لبش کامِ خموشی گرفت — آئینه طوطی شود در شکرستانِ او

قطرهٔ نیسانِ عشق تشنهٔ خریدار بود — گشته جواهر فروش خاکِ شهیدانِ او

گشت غبارِ فنا سرمه کشِ انتظار — دل بنگاہے نه داد چشمِ سخندانِ او

مطلع ثالث

جلوهٔ شمشاد و سرو نائبِ جولانِ او — جوشِ گل و یاسمن سایهٔ دامانِ او

میکدهٔ کبریا ساغرِ عرفانِ او — قافلهٔ انبیا ریگِ بیابانِ او

گلشنِ غم ریشها، مستیِ دل شیشها — بوی گل و رنگِ مے خانه بدوشانِ او

گل سروسامانِ خود صرفِ شگفتن کند — گر بگلستان رود بے سروسامانِ او

موجِ ابد نشکند کشتیِ ایجاد را
جامِ بقا گر کشد قطرهٔ عمانِ او

حاجی جان محمد قدسی

المتوفی : ۱۰۵۶/ ۱۶۴۶ء

مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

من بے دل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدین بوالعجبی

چشمِ رحمت بکشا، سوی من انداز نظر
ائے قریشی لقب و ہاشمی و مطلّبی

نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
بہتر از آدم و عالم توچہ عالی نسبی

ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
رحم فرما کہ زحدّ می گذرد تشنہ لبی

نسبتِ خود بہ سگت کردم وبس منفعلم
زان کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شُد بے ادبی

عاصیانیم زِ ما نیکیِ اعمال مپرس
سوئے مارو ے شفاعت بکن از بے سببی

سیّدی انت حبیبی وطبیب قلبی
آمدہ سوی تو قدسی پیٔ درمان طلبی

سعد اللہ مسیحاے پانی پتی

المتوفی: گیارہویں صدی ہجری / ۱۷ ویں صدی عیسوی

بنعتِ مصطفٰے نامیست نامم
کزین معنی بہ یزدان ھم کلامم

دل از عشقِ محمدؐ ریش دارم
رقابت با خدائے خویش دارم

حقیقت ناز دارد بر مجازم
بعشوقِ خدائے عشقبازم

درین میدان نیاید ہیچو من مرد
بعشقم عاشقیها می توان کرد

چو خورشید نخستین شد گل اندود
محمدؐ نام کردش بختِ محمود

محمدؐ نیست جز آئینۂ بیش
تو در وَے می نمائی جلوۂ خویش

بدان جلوہ بجان خاطر نہادی
بدادِ حُسن خود انصاف دادی

بہ بین آئینہ در خویش می ناز
جہان قربان ازین ہم بیش می ناز

زعشقِ خود شدی شرمندۂ خویش
کہ خود را نام کردی بندۂ خویش

دگر نہ کے پسندد عقلِ مخلوق
کہ خالق عاشق و مخلوق معشوق

ترا بشناسد آن کو حق شناس ست
خدایا این چہ تغییرِ لباس است

کشایم چند رازِ دل چو مستان
من و نعتِ تو چون ظاہر پرستان

مہین پیغمبرے از نسلِ آدم
جہانِ رحمت از یزدان مجسم

معمائے خرد نازان بنامش
دو عالم جرعۂ از دُردِ جامش

یتیمے ناز پرورد الٰہی — فقیرے پشت پا برتاجِ شاہی
سریر آرائے تختِ لامکانی — گہر پیرائے تاجِ کن فکانی
رواجِ نقدِ توحید از عیارش — طفیلش گنجِ ہستی بل نثارش
زمین در زیرِ کفشش عرش افلاک — خدا طغرائے عرشش خواند لولاک
زبان بہرِ ستائش گشت موجود — زخیلِ آفرینش اوست مقصود
نشانِ پائے او بر دستِ موسیٰ — نہاد از پیش دستی پائے بالا
خداوندا جہان عشقِ تو بازد — زہے نقشے کہ ہر نقاش نازد
مسیح از خام طبعی لب نہ بستی — ادب باید درینجا گرچہ مستی

خدا نعتِ محمدؐ داند و بس
نیاید کارِ یزدان از دگر کس

محمد اکرم غنیمت کنجاہی

المتوفی : ۱۱۱۰/ ۱۶۹۸ء

جبینم بسجدہ مشتاقِ جنابی
کز و ہر ذرہ گردد آفتابی

جنابِ قبلۂ دل کعبۂ جان
چراغِ آفرینش روحِ ایمان

جنابِ سرورِ ممتاز عالم
جنابِ شانِ عزّت فخرِ آدم

محمّد شاہدِ دین جانِ ایمان
محمّد رحمتِ حق لطفِ یزداں

بہارِ ہشت جنت رنگ دبویش
بہشتِ نہ فلک خاکے ز کویش

فلک سا از جنابِ او سرِ خاک
سجو داز آستانش سر برافلاک

چو در حرفِ شفاعت لب کند باز
سزد بر رحمت ارعصیان کند ناز

فغانم را شنیدن گر نصیب ست
بہار ہفت خلد عندلیب ست

پناہِ اُمّتا عاجز نوازا
جہان را جان وجان را چارہ سازا

نیارم گفت حالِ دل کہ چون ست
دہن ہنگامِ گفتن زخم خون ست

ہوس از بسکہ ہر سو جوش دارد
دلم بُت خانہ در آغوش دارد

اسیرم کرد کافر ماجرائی
رہائی یا نبیؐ اللہ رہائی

مرا لے جانِ جان از روئے ایمان
مُسلمان کن مُسلمان کن مُسلمان

عجب نبود ز لطفِ دین پناہم
کہ گردد فخر آمرزش گناہم

شنیدم وعدۂ دیدار فرد است
حصولِ مدعا موقوف آنجاست

ازین حرفم دل وجان درگداز ست
قیامت بس رہِ دور و دراز ست

بباغِ جلوہ سرو خود برافراز
سرت گردم قیامت جلوہ گرساز

اسیرِ طرز و اندازِ جلالم
کہ خواند از شوق بیتی حسبِ حالم

برافگن پردہ از رُخ بے محابا
یکے کن وعدۂ امروز و فردا

میرزا داراب بیگ جویا تبریزی

المتوفی : ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۶ء

درغزل گویی شنیدی آفرین از ہمگنان
نعت گو جویا و بشنو از ملائک مرحبا
پاک تر از موجِ کوثر کن زبانِ خویشتن
تا توانی بود زین پس نعت سنجِ مُصطفیٰؐ
افتخارِ دودۂ آدم حبیبِ ذوالجلال
سرورِ دنیا و عقبیٰ شافعِ روزِ جزا
آنکہ جبریلِ امینش می کشیدے غاشیہ
آن کہ بُد فرمان بَرش شاہنشہی چون مرتضیٰؓ
آن شہے کز شش جہت سوی حریمِ درگہش
عینکِ چشم است اولوالابصار را قبلہ نما
رتبۂ قربش تماشا کن کہ مقدارِ دو قوس
بلکہ ہم نزدیکتر بُد با جنابِ کبریا
از عناصر در تنِ آدم برای خلقِ اُوؐ
گشتہ اندا اضداد باہم چار یارِ باصفا
کبریا بنگر کہ شاہِ اولیا خود را بفخر
گفتہ عبدے از عبیدِ سرورِ ہردوسرا
از ادب شوید دہن را خضر باہفتاد آب
تا تواند بُرد نامِ نامیِ آن پیشوا
بارِ حلمِ اُوؐ زمین را دادہ تمکین و قرار
بردہ شوق طوفِ خاکِ پاکش آرام از سما

میرزا عبدالقادر بیدلؔ

۱۰۵۴/۱۶۴۴ - ۱۱۳۳/۱۷۲۱ء

مثنوی محیطِ اعظم

محمدؐ شہِ محفلِ قدسِ ذات	محیطِ خُمِ ہستیِ کائنات
شبے کان شہِ کشورِ بے خلل	قدم زد بمعراجِ فیضِ ازل
بسرعت چنان بود عشرت پیام	چو آمد شدِ موجِ صہبا بجام
چو خورشید برداشت انوارِ پاک	اگر سایۂ دید بر روی خاک
ترحم بہارِ علاماتِ او	کرم ہمچو حق لازمِ ذاتِ او
گر از "قابَ قوسین" جوئی نشان	وجودش نماید رہ این بے گمان
درین بزم غیرے ندارد مقام	بود موجِ مے بر رُخِ خطِ جام
زلفظِ محمدؐ گر آگہ شوی	ادا فہمِ الحمد للہ شوی
وجود آیتِ فیضِ اظہارِ او	عدم پردۂ نقشِ اسرارِ او
کمالش برافگندہ بر روئے ذات	ز اسمِ محمدؐ نقابِ صفات
شیونات ذاتِ اللہ افعالِ او	ظہورِ کلام اللہ اقوالِ او
زبانے باسرارِ حق ترجمان	دہانے زغیبِ ہویت نشان
زفیضِ کفِ دستِ دریا گہر	ید اللہ بچشمِ یقین جلوہ گر

زابرو کلیدِ درِ وحدتش
زگیسو سوادِ خطِ کثرتش

لبش گوہر آرائے دُرجِ حدود
خطِ جبہ اش موجِ جامِ شہود

چہ مینا چہ خُم چہ سبو چہ شراب
ہمہ مستِ دریوزۂ آنجناب

بہ تعظیم آن پادشاہِ کرم
بود پشتِ افلاک تا حشر خم

زمین تا دہد بوسہ بر جائے او
جبینِ ادب شد سراپائے او

دل بحرِ بیتاب احسانِ اوست
بصد چشم گرداب حیرانِ اوست

زشوقِ نثارش ببزمِ وجود
عدم کیسۂ نقدِ ہستی کشود

نفسہائے خاموش گرمِ سخن
بہ بحرِ خیالش ہمہ موج زن

زآئینہ ذرّہ تا آفتاب
زنورِ تماشائے او کامیاب

ازو مستی و ہوشیاری ماست
وزو راحت و بیقراری ماست

دماغِ قدح باز بر روئے اوست
درودِ صراحی ہمہ سوئے اوست

میر سیّد علی مشتاق اصفہانی

۱۱۰۱/ ۱۶۹۰ - ۱۱۷۱/ ۱۷۵۸ء

خسروِ کشورِ لولاک محمّد کہ نہاد.. ایزدش تاجِ رسالت بسراز روزِ ازل
پادشاہِ مَدَنی شاہسوارِ مکّی.. راسخِ دینِ مبین ناسخِ ادیان و ملل
نورِ او را نہ بدایت نہ نہایت باشد کہ بود نورِ خداوندِ جہان عزّ و جلّ
ز اولش ہیچ مپرس آنچہ ندارد آخر ز آخرش ہیچ مگو آنچہ ندارد اوّل
از غلامانِ در او کہ بود پایۂ شان از عُلو طعنہ زن پایۂ شاہانِ اجل
اے دلت آئینۂ شاہدِ یکتائے ازل ہر کہ جویائے خدا گشت ترا جُست اوّل
بود ظلمت کدۂ محفلِ عالم زان پیش کہ شود مہرِ جہان تابِ تو سرگرمِ عمل
ناگہان نورِ تو از غیب درخشید و زدود زنگ از آئینۂ تاریکِ جہان چون صَیقل
شبِ معراج کہ بہر قدمت خلوتِ دوست ہمچو فردوسِ برین گشت مزیّن بحلل
آنچہ در پَردۂ اسرار نہان بود ایزد گفت در گوشت الیٰ آخرہٖ مِن اوّل
انبیا را کہ ببرجِ شرف افراختہ شد علمِ شعشعہ چون مہر در ایوان حمل
ہمہ نورند ولے نسبتشان ہست بتو نسبتِ ذرّہ و خورشید و چراغ و مشعل
سرِ کوے تو بہشت است کہ یابند در اُو عاشقان چاشنیٔ صحبتِ معشوقِ ازل
تاج و تختِ جم و کے پیشِ گدایانِ تو چیست کاندران خطّہ کہ سُلطان توئی اے میرِ اجل
نکند در نظرِ ہمتِ موران حقیر خرمنِ ہر دو جہان جلوۂ مشتِ خردل

برنیاید زکسے وصفِ سخائے تو کہ ہست — اے تو در جُود زصد حاتم طائی اکمل

وقتِ احسانِ تو یک قطرہ چہ دریا چہ غدیر — گاہ انعامِ تو یک ذرّہ چہ اکثر چہ اقل

دستِ لطف ار نکنی بہرِ شفاعت بیرون — زآستین، روزِ جزا نزدِ خداوند ازل

زاہد از زُہد نہ بیند بَر و عابد ز صلاح — عالِم از علم نہ چیند گل و عامل ز عمل

ہر کہ برگیرد ش از خاکِ مذلت لُطفت — اے بامدادِ تو وارستہ ذلیلان ز ذلل

در دم از رفعتِ اقبال زند چون کیوان — رایتِ شوکت و شان بر سرِ این ہفت کتل

دیدہ و خواندہ ام از دفترِ اربابِ سخن — چہ حدیثِ نو و چہ کُہنہ و چہ مستعمل

زآن میان خاصہ نعتِ تو بود نکہتِ فیض — نہ بود رایحۂ لالہ و گل فوم و بصل

من کہ باشم خود و آنگاہ چہ باشد سخنم — تا شوم مدح سرائے تو باین لیت و لعل

کہ بوادیٔ ثنائے تو صد افلاطُون را — پائے اندیشہ بود با ہمہ سُرعت ارجل

سرورا، تاجورا، دادستانا، دادگرا — کہ شود حل ز تو ہر عقدۂ مالا ینحل

منم آن سوختہ کز آتش آہم ہر دم — می کشد سر بفلک دود چہ دودِ مشعل

روزگاریست کہ از سیلِ غم و دورِ سپہر — در بنائے طرب و عشرتم افگندہ خلل

این جفا پیشہ کہ ہست از پے استیصالم
مپسند اینکہ جفایش کُنَدم مستأصل

شیخ محمد علی حزین

۱۱۰۳/۱۶۹۲ء — ۱۱۸۰/۱۷۶۶ء

دل و دیدہ ہا فرشِ در راہِ کیست
جبینہا زمین سای درگاہِ کیست

فروزندۂ بدرِ عرفان کہ شد؟
فزایندۂ قدرِ انسان کہ شد؟

بنوعِ بشر سرفرازی کہ داد؟
کفِ خاک را بے نیازی کہ داد؟

زفیضِ کہ این مشتِ گل جان گرفت؟
فروغ از کہ رخسارِ ایمان گرفت؟

ملک چاکر لامکان پایہ کیست؟
قدم بر فلک سایہ بیسایہ کیست؟

دوان در رکابِ کہ جبریلؑ رفت؟
کہ حکمش بتورات و انجیل رفت

زمین مسکنِ آسمان آستان
فروغِ زمن قبلۂ راستان

محمدؐ سرافرازِ خیلِ رسل
امان البرایا دلیل السبل

امام الہدیٰ اشرف المصطفین
مغیث الوریٰ ملجاء الخائفین

سرو سرورِ یکہ تازانِ عشق
بلند افسرِ سرفرازانِ عشق

شفاعت گرِ جوقِ بے حاصلان
حلاوت دہِ ذوقِ صاحبدلان

سبیلِ گدایانِ او سلسبیل
جنیبت کشِ موکبش جبرئیلؑ

شد از شانِ او شوکتِ کفر پست
بمیلادِ او قصرِ کسریٰ شکست

صبا ہمدمِ غنچہ اش تا شدہ
بُرد رنگِ گلنارِ آتش کدہ

زند بحرِ رحمت چو موجِ ظہور
شود خشک دریاچۂ تلخ و شور

بعهدش عبادت روائی گرفت | جبینِ صنم جبهه سائی گرفت

ببزمِ ازل محرمِ رازِ اوست | بروی دو عالم درِ باز اوست

کلیدِ دلِ تنگِ بربستهٔ کار | درِ رحمتِ خاصِ پروردگار

چه دولت سرایست جنت اساس | ازو مخزنِ سینهٔ حق شناس

چه نعمت کزو قسمتِ خاک نیست | چه رفعت کزو خاصِ افلاک نیست

بمعراج بخشد فلک را عروج | بلند آسمانیست ذات البروج

سپاس وسلامے سزاوارِ او
برو باد بر آلِ اطهارِ او

(۲)

اے زادهٔ اوّلینِ قدرت | قدرِ تو ورائے فہم و فکرت

آدمؑ ز تو یافت سربلندی | نوحؑ از تو طرازِ ارجمندی

در طورِ کلیم یک شبانت | کونین نواله خوارِ خوانت

خاتم توئی و توئی سلیمانؑ | جبریل تراست ہُدہُد ازجان

کی درخورِ تست عرشِ بلقیس | اول قدمت بعرشِ تقدیس

اے صدرِ نشینِ بزمِ لولاک | در خاکِ مذلتِ تو افلاک

گرنه زرُخِ تو نور می تافت | کے مشعلِ مہر نور می یافت

طوبیٰ بود از قدِ تو سایه
سدره ز درت نخست پایه

حکیم قاآنی

۱۲۲۲/۱۸۰۷ء — ۱۲۷۰/۱۸۵۴ء

اصلِ کرم، ولیِ نعم، قائدِ امم
کہفِ وریٰ، امامِ ہدیٰ، آیتِ تقیٰ

سطحِ حیات، خطِ بقا، نقطۂ وجود
قطبِ نجات، قوسِ صفا، مرکزِ وفا

نفسِ بسیط، عقلِ مجرد، روانِ صرف
مصباحِ فیض، راحِ روان، روحِ اتقیا

مصداقِ لوح، معنیِ نون، مظہرِ قلم
نورِ ازل، چراغِ ابد، مشعلِ بقا

منہاجِ عدل، تاجِ شریعت، رواجِ دین
مفتاحِ صنع، دُرجِ سخن، گوہرِ سخا

فیضِ نخست، صادرِ اوّل، ظہورِ حق
مرآتِ وحی، رایتِ دیں، آیتِ ہُدا

معنیِ باءِ بسملہ، مسندِ نشینِ کُن
مصداقِ نفسِ کاملہ، عزلت گزینِ لا

پائندہ دولتے است بدو جُستن انتساب
فرخندہ نعمتے است بدو کردن اقتدا

بیمے کہ از حمایتِ اُو، بہتر از امید
خوفے کہ با عنایتِ او، خوشتر از رجا

شیطان بیک توجہِ اوّ بہترین مَلک
سُلطان بیک تعرضِ اوّ کمترین گدا

عکسے ز لوحِ حکمتِ او ہرچہ در زمین
نقشے ز کلکِ قدرتِ اُو ہرچہ در سما

بانسبتِ وجودِ شریفِ تو ممکنات
اے ممکنات را بوجودِ تو التجا

خورشید و سایہ، روز و چراغ، آفتاب و شمع
دریا و قطرہ، دُر و خزف، بُرد و بوریا

اصل و طفیل، شخص و شبہ، قصد و امتحان
بود و نبود و ذات و صفت، عین و اقتضا

فیاض و فیض، علت و معلول، نور و ظل
نقاش و نقش، کاتب و خط، بانی و بنا

معنی و لفظ، مصدر و مشتق، مفاد و حرف
عین و اثر، عیان و خبر، صدق و افترا

ذاتِ تو سرفراز بہ تمجید، ذوالمنن
نفسِ تو بے نیاز ز تقدیسِ اصفیا

از گوہرِ تو عالمِ ایجاد را شرف
از ہستیِ تو دوحۂ ابداع را نما

اَخلافِ راشدینِ تو گنجینۂ شرف
اسلافِ ماجدینِ تو آئینۂ صفا

نفسِ تو بوستانے ممطور و دل نشین
ذاتِ تو گلستانے مطبوع و جانفزا

غمگین شود بهرچه تو غمگین شوی، جہان
شادان شود بہرچہ تو شادان شوی، خدا

خورشید گرنہ کور شد از شرم رای تو
دارد چرا ز خطِ شعاعے بکف عصا

شرعے کہ بر ولائے تو حائل شوَد، دغل
وحیی کہ بے رضائے تو نازل شود دغا

مہرِ ترا ثوابِ مخلّد بود ثمر
قہرِ ترا عذابِ مؤبد بود جزا

باشوکتِ تو چرخ اسیریست منحنی
باہمتِ تو مہر فقیریست بینوا

خرم بہشت، اگر تو براو بگذری، جحیم
رخشان سہیل، اگر تو براو ننگری، سہا

از فرِ ہستی تو بود عقل را فروغ
از نورِ گوہر تو بود نفس را بہا

گویا شود جماد اگر گوئیش "بگو"
پویا شود نبات اگر گوئیش "بیا"

مردودِ پیشگاہِ تو مردودِ کائنات
مقبولِ بارگاہِ تو مقبولِ ماسوا

جسمِ ترا بمسندِ ناسوت مستقر
روحِ ترا ز بالشِ لاہوت متکا

گنجے کہ بدسگالِ تو بخشد، کم از خزف
رنجے کہ نیک خواہِ تو خواہد بہ از شفا

حُبِّ تو گر عدوست بجان می خرم عدو
مہرِ تو گر بلاست بدل می برم بلا

خارے کہ از خلیل تو، می خوانمش رطب
دردے کہ از حبیبِ تو، می دانمش دوا

دل با تو گر دو رُوست ز دل می برم اُمید
جان با تو گر عدوست ز جان می کنم ابا

خوفے کہ از دیارِ تو باشد بہ از امان
فقرے کہ در جوارِ تو باشد بہ از غنا

بیمم نہ با وِداد تو از آتشِ جحیم
باکم نہ با ولائے تو از سوزشِ جزا

درِ روزِ حشر جوشنِ جان سازم آن وداد
در وقتِ نشر، نشرۂ تن سازم آن ولا

فا آنیا اگرچہ دعا و ثنائے شاہ
این دیو را اذی بود آن روح را غذا

ز آن بر فرازِ عرش سرافیل را سرور
زین بر فرودِ فرش عزازیل را عزا

لیکن ترا مجالِ بیان نیست در درود
لیکن ترا قبولِ سخن نیست در ثنا

دستِ دعا وسیع و سمندِ تو ناتوان
بامِ ثنا رفیع و کمندِ تو نارسا

زین بیش در طبق چہ نہی جنسِ ناپسند — زین بیش بر محک چہ زنی نقدِ ناروا
این عرصہ ایست صعب بدو بر منہ قدم — وین لجہ ایست ژرف بدو بر مکن شنا
گیرم کہ در کلامِ تو تاثیرِ کیمیاست — دانا بکانِ زر نکند عرضِ کیمیا
گیرم کہ عنبرین سخنت نافہ خطاست — کس نافہ ارمغان نبرد جانبِ خطا
کرمان وزیرہ؟ بصرہ وخرما؟ بدخش ولعل؟ — عمان ودُر؟ حدیقہ وگل؟ جنت وگیا؟
گر رایت از مدیح شناسائی است وبس — خود را شناس تا نکنی مدحِ ناسزا
ور مقصد از دعا طلبت نیلِ مدعاست — خود را دعا کن از پے تحصیلِ مدعا
شہ راہمہ آنچہ باید و شاید مقرر است — بے منتِ ستائش وبے منتِ دعا
آن را کہ افتخارِ دعا وثنا بدوست — نا ید ثنا ستودہ و نبود دعا روا
یارب بپادشاہِ رسل ماہِ ہاشمی — یارب برہنمائے سبل شاہِ لافتیٰ
فضلے کہ از شدایدِ برزخ شوم خلاص — رحمے کہ از مہالکِ دوزخ شوم رہا

برہانم از وساوسِ این نفسِ دون پرست
دریابم از کشاکشِ این طبعِ خودستا

اسداللہ خان غالب دہلوی

ولادت: ۱۷۹۶ء - وفات سوموار ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ ست
آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ ست

آئینہ دارِ پرتوِ مہر ست ماہتاب
شانِ حق آشکار ز شانِ محمدؐ ست

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق ست
اما کشادِ آن ز کمانِ محمدؐ ست

دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی
خود ہر چہ از حقست از آنِ محمدؐ ست

ہر کس قسم بدانچہ عزیز ست می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ ست

واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کاینجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ ست

بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کآن نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ ست

ور خود ز نقشِ مُہرِ نبوت سخن رود
آن نیز نامور ز نشانِ محمدؐ ست

غالب ثنائے خواجہ بہ یزدان گذاشتم
کآن ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ ست

بہشت ریزوم از گوشۂ ردا کہ مرا
زخوانِ نعتِ رسولست ذلّہ برداری

مطاعِ آدمؑ و عالم محمدِ عربی
وکیلِ مطلق و دستورِ حضرتِ باری

شہنشہے کہ دبیرانِ دفترِ جاہش
بہ جبرئیل نویسند عزتِ آثاری

افاضۂ کرمش در حقائقِ آفاق
بسانِ روح دراعضائے جانورساری

افادۂ اثرِ کش بر قوائمِ افلاک　　به شکلِ رعشه بر اندام آدمی طاری
متاعِ او به تماشا سپرد ارزانی　　حدوثِ او بقدم داد گرمِ بازاری
نشانِ رتبۂ ذاتش بعالمِ توحید　　دو پایه برتر از افعالی و ز آثاری
چنان بود که به بیند بخواب کس خود را　　ازو مشاهدۂ حق بعین بیداری
ظهورِ ایزدِ یکتا بصورتِ خاصش　　نهاده در رهِ اعیان چراغِ غمخواری
چنین که می نگرم جلوۂ حجاب گداز　　چه مشکل ست دگر خویشتن نگهداری
مےِ مشاهده پُر زور و من زساده دلی　　خورم چو بیش کنم حرص بیشتر خواری
بمطلع که زغیبت رساندم بحضور　　کشم نوائے نیایش بناله و زاری

زهی ز حرفِ تو اندیشه را مدد گاری
خرد بسایۂ شرعت ز فتنه زنهاری

تو و کلیم و کفش اجر آستان روبی　　تو و مسیح و دمش اُجرت هوا داری
اسیرِ دامِ ترا خُلد در هوا خواهی　　مریضِ عشقِ تُرا حور در پرستاری
دم از ترانۂ خوبے تو در اثر سنجی　　دل از فسانۂ موے تو در نشا نداری
بعطر سائیِ موجِ نسیمِ نوروزی　　بمشک زائیِ نافِ غزالِ تاتاری
اگر نه خاصه ز بهرِ بساطِ عزت تست　　بنائے کعبه درین کهنه چار دیواری
چراست این که خفش کرده کار فرمائی　　چراست اینکه خلیلش نموده معماری
سخن ز مدحِ تو بالد بخویش کز تعظیم　　بصد هزار زبانی ستودۂ باری
بمن دریں که فرو ریزد از زبان چه گرفت　　شکایتے که نه گنجد بدل ز بسیاری

بداوری سر وکارم بہ جمعے افتادہ است | کہ برگزیدۂ چرخند در ستم گاری
چو فتنہ جامعِ قانونِ عالم آشوبی | چو غمزہ صاحبِ فرہنگِ مردم آزاری
فگندہ دلو ورسن را بچاہ و بر سر چاہ | شکستہ اند سبوے مرا بسرشاری
بسا گشتہ وہم بر پے نخستینم | بسانِ گاوِ خراس اندرین طلبگاری
اگرچہ ز اشتلم بخت می زیَم ناکام | بدان صفت کہ کسے جان دہد بدشواری
ولے باین ہمہ دَر ماندگی چو یاد آرم | ز رحمتے کہ بحالِ جہانیان داری
زہم فرو گسلد بند بندِ فتنہ اگر | بقدرِ ذوقِ بعالم دریں گرفتاری
بنالم از ستمِ غیر بر تو باد کہ تو | مرا بدستِ منِ دیو سار نگذاری

بہ جنبشِ اثر لا الٰہ الا اللہ
غبارِ ہستی غالبؔ زپیش برداری

نواب مصطفٰی خاں حسرتی شیفتہ

المتوفی: ۱۲۸٦/ ۱۸٦۹ء

اوّل بآبِ چشمۂ کوثر وضو کنم
واںگہ نفس بنعتِ مزکیٰ برآورم
آن کز چمن طرازیِ بستانِ مدحِ اوٗ
ماوائے خود بجنتِ ماوا برآورم
آن کز ترانہ سنجیِ گلزارِ نعتِ اوٗ
اندیشہ چوں بہارِ مطرا برآورم
سُلطانِ دین امامِ رسل شاہِ انبیاءؑ
کز بندگیش پایۂ والا برآورم
خاکِ درش کہ سرمۂ اہلِ بصیرتست
گوید کہ کامِ دیدۂ اعمٰی برآورم
حرفے گر از فروغِ جمالِ تو سر کنم
گرد از نہادِ صخرہ صما برآورم
گاہِ ثنائے غالیہ خُلقِ دل کشت
زانگونہ بوے عنبرِ سارا برآورم
از یک حدیثِ لطف کہ با من کنی بخواب
مضمونِ صد ہزار تسلیٰ برآورم
گر بخت بر درِ تو برد سجدہ ہائے شوق
نے از جبیں کہ از ہمہ اعضا برآورم

خواہم بر آستانِ رفیعت نہاد نے
تا سر زساقِ عرشِ معلیٰ برآورم

شاید فتد نگاہ بایوانِ جاہ تو
خود را فراز بامِ ثریا برآورم

خطِ غلامیِ تو بدستِ عمل نگار
امروز شد سپردہ کہ فردا برآورم

از داغ بندگیت جبیں را گریز نیست
خواہم کہ آفتاب زسیما برآورم

دستم نگار بندِ عروسِ مدیحِ تست
نبود عجب اگر یدِ بیضا برآورم

طبعم ترانہ سنجِ ثنائے کمالِ تست
نشگفت گر نشید بدعویٰ برآورم

برعرضِ حُسنِ خاتمہ ختمِ سخن کنم
زان پس کہ یک دو حرفِ تمنّا برآورم

شاہا سپہر بارگہا بندہ پرورا
خواہم کہ نامِ کفر ز دُنیا برآورم

آتش بکار و بارِ مغانِ عجم زنم
وز دیرِ ہند موجۂ دریا برآورم

ہم غنودہ آورم زپے انکسارِ نفس
ہم بہرِ کسرِ کفر سراپا برآورم

گو زادہ ام بہند ولے روزِ رستخیز
یارب کہ سر زیثرب و بطحا برآورم

محمد حسن شعری

المتوفی : ۱۲۹۸/ ۱۸۸۱ء

تویی که بہرِ خودت از جہان گزیدہ خدا — لباسِ ناز بقدِ تو خود بریدہ خُدا
بحیرتم که تو در آئینہ چہ می دیدی — که در زمانہ مثالت نیا فریدہ خُدا
شد از نہایتِ تعظیم موردِ قسمش — بہ کلکِ صنع چو نقشِ ترا کشیدہ خُدا
دُرِ یتیمی و والا بہا از آن زخودت — بگنجِ رحمتِ بے انتہا خریدہ خُدا
بیُمنِ نورِ تو بود آنکہ جبہہ اش افروخت — کہ رُوح در تنِ آدم بجُود دمیدہ خُدا
نہاد پیشِ تو از گنجِ لُطف دست بدست — ہر آنچہ وقتِ طلب از لبت شنیدہ خُدا
سوادِ چشمِ تو افزود سرمہ "مازاغ" — ندیدہ دیدۂ تو غیر را، چو دیدہ خُدا
بَود بسیطِ زمین چون طبقچۂ از وے — بساطِ دعوتِ عامت کہ گستریدہ خُدا

محمّدت شدہ شافع ز محمدت شعری
کہ آفریدہ اش از سیرتِ حمیدہ خدا

(۲)

عرش می بوسد زمین خاکِ سرِ کوی تُرا — سجدہ می آرد حرم محراب ابروی تُرا
از اشارت ہای مژگانت بر نوکِ زبان — سرّ "مازاغ البصر" چشمِ سخنگوی تُرا
کردہ با صد زیب و زینت در ریاضِ اصطفا — فیض باری آبیاری سرو دلجوی تُرا
صُورت شانِ نزولِ سورۂ "والیل" گفت — چون ید اللہ شانہ کش گردید گیسوی تُرا
کردہ وا آغوشِ خود پیراہن یوسف زچاک — "تا کند عطرِ گریبان نافۂ بوی تُرا
شمۂ گفتن زخلقت کی بود حدِ بشر — چون لسانِ قدس وصّافی کند خوی تُرا
شد مکحل چشمِ نور العین تا روشن شود — در شبِ اسریٰ سوادِ دفترِ موی تُرا

جان شعری بلبلِ دستان سرِ نعت تست
جنّت الماویٰ شمارد گلشنِ کوی تُرا

نواب ضیاالدّین احمد خان نیّر رخشاں (رئیس لوہارو)

المتوفی : ۱۸۸۳ء

ہر نفس آید بگوشش بانگِ درائے رحیل
ناقۂ خود را چرا حکم چریدن دہیم

سالِ طرازِ غزل دادۂ پیغمبری است
شیرِ بیان راچو فرس لطفِ شنیدن دہیم

خارِ رہش، دیدہ را رخصتِ چیدن دہیم
در دلِ رضوان ز رشکِ نیش خلیدن دہیم

لبِ بتکلّم کشاد نغمہ ز انفاس زاد
دل بشنیدن دہیم جان بشنیدن دہیم

بر سرِ عرشِ بریں طرف کلہ بشکنیم
بہر قدم بوسِ شاہؐ سر بخمیدن دہیم

بندۂ آن خواجۂ ایم کز پے جنسِ بہشت
معصیتِ خویش را برگ خریدن دہیم

رُوحی وقلبی فداک، دردِ تو دل راخوراک
درتنِ زار از غمت جان بدمیدن دہیم

شاہ مگے گر (؟)، بچشم، کحل رُأئی کشیم
صبح ادنی گوے را نیروے دیدن دہیم

بُوکہ بہ نیّر خورد باد خوشش روضہ را
سوئے چمن زار ہند موج دمیدن دہیم

خواجہ مستان شاہ کابلی

المتوفی ۱۰، ذیقعدہ ۱۳۲۱/۱۹۰۳ء

افگندہ ز پا حُسنِ تو در کعبہ صنم را
عشقِ تو بہ لبیک رسانْد اھلِ حرم را

چشمت زدہ از غمزہ رہِ گوشہ نشینان
مژگانِ تو بر قتلِ جہان بستہ حشم را

ابروت کمان بر سرِ خورشید کشیدہ است
خطِ تو ز سُنبل زدہ بر ماہ رقم را

استادِ ازل از قلمِ صنع نوشتہ
در مصحفِ روئے تو عیاں "نون و قلم" را

شد بندۂ حکمت ز سمک تا بسماوات
از مُلکِ قِدَم چون زدی بر کَون قدم را

چون پیرو دین تو ہمہ اہلِ عرب شد
ز و معجزِ حُسن تو ز ہم مُلکِ عجم را

مستانہ شہ از رُوے یقین گشت چو عارف
در کعبہ خدا جوید و در دیر صنم را

اے نور تقدس تعالیٰ
سردارِ دو کون شاہِ بطحیٰ

تا مظہرِ اسم تو جہان شد
شد مظہرِ ذات از مسمّیٰ

عالم بعدم نہان چنان بود
گر نورِ تو می نہ گشت پیدا

"وَالّیلِ" بگیسوے تو سوگند
"والشمس" برویت اے دل آرا

طٰہٰ بہ جبین تست طغرا
منقوش بہ بازویت "فتحنا"

"لولاک" بقدِ تو قبائے
قرآن بہ وصفِ تست یک با

آدم بوجود شد طفیلت
از مہرِ تو مہ بگشت حوّا

چون تافت فروغ عارض تو — مسجود ملک بگشت بابا
از لعل لب تو قطره چون یافت — احیا بنمود مرده عیسیٰ
از مهر رخت چو ذره بگرفت — تابید به طور ماه موسیٰ
آن جمله پیمبران پیشین — گشتند ز نور تو ہویدا
سر خیل جمیع انبیاء تو — سر دفتر کائنات شاہا
مستانه شه است امت تو — بنمائی بوے جمال زیبا

بیریز بکام او صبوحی
کو خویش خبر نباشد اورا

همه گویید بر رخسار محمد صلوات — بلب لعل گهربار محمد صلوات
بجمال ملیح خواجهٔ لولاک درود — بدو گیسوے چو تار محمد صلوات
بشه مملکت تخت تدلیٰ است ثنا — برگل روئے سمن بار محمد صلوات
حق نمودار شد از عارض آن فخر عرب — برخ آئینه کردار محمد صلوات
خوش خرامان بشد از دہر فنا سوے بقا — بقد و قامت و رفتار محمد صلوات
بهر این امت عاصی نه بدش خواب شبے — بدل و دیدهٔ بیدار محمد صلوات
از الم نشرح لک صدرک تابید چو مهر — بشق سینهٔ انوار محمد صلوات
شب معراج یقین وجه خداوند بدید — بدو چشمان پر اسرار محمد صلوات

ہر شب و روز بگو از دل و جان مستان شاه
بلب و چشم و دو رخسار محمد صلوات

علّامہ شبلی نعمانی

المتوفی: ۱۸۵۷ - ۱۹۱۴ء

بنگر کہ باچندین ہنر از جورِ چرخِ ہفت سر
چون لالہ ام خون شبہ جگر ناسازیٔ بختم نگر
کاندر چنین حال بتر، ہر دم دہد داغی دگر
از من کہ بگذرد خبر در بزمِ آن شاہِ زمن
آن خسروِ عرش آستان آن دادرِ گیتی ستان
آن قبلہ گاہِ انس و جان، آن خاتمِ پیغمبران
دانائے اسرار نہان روح الامینش پاسبان
گردون برنگِ چاکران خاکِ درش را بوسہ زن
بیش از ہمہ شانش نگر، عیسیٰ ثناخوانش نگر
چرخ از غلامانش نگر و آن قدر ایوانش نگر
برتر ز کیوانش نگر، جبریل دربانش نگر
در بندِ احسانش نگر آبائے علوی ہفت تن
عالم ہمہ خاکِ رہش، قصرِ فلک عشرت گہش
وین بارگاہِ نہ تہش گشتہ کمینہ خرگہش
گیتی و این ہفت و نہش باشد غبارِ درگہش
در جلوۂ نورِ مہش روشن شدہ این نہ انجمن
آن تاجدارِ ملک و دین، دارای اقلیمِ یقین
دانائے علمِ اوّلین، فرمان برش روح الامین
عالم شدش زیرِ نگین، چرخش ہمی بوسد زمین
آدم ہمان در ماء و طین، او گشتہ میرِ انجمن

غلام قادر گرامی جالندھری

المتوفی : ۱۸۵۶ء - ۱۹۲۷ء

آنکہ راہے بہ نہانخانۂ جانست اورا		بے نشانست و بہر ذرّہ نشانست اورا
معنیٔ احمدِ بے میم بپرس از جبریل		بخدا جوھرِ کُل مرتبہ دانست او را
منم از حلقہ بگوشانِ رسولِ عربی		کہ زمین بوسِ ادب کون و مکانست او را
کرد از نیم نظر خیبرِ کفرم بدو نیم		آن یک اندیشہ کہ تیغِ دو زبانست او را
معنیٔ نکتۂ سربستۂ قلندر داند
آنچہ بر شیخ نہانست عیانست او را

بگیرم دامنِ آن سیدِ لولاکؐ در محشر		کہ محشر بر نتابد تابِ حسنِ بے حجابش را
شبے در خانۂ زین آن امامِ انبیا آمد		قضا گیرد عنانش را قدر گیرد رکابش را
قضا گیرد، قدر گیرد، ازل گیرد، ابد گیرد		رکابش را، عنانش را، عنانش را رکابش را
سوارِ برق شد ماہے فلک آمد عنان گیرش		رکابش بوسہ بر پا زد ملک بوسد رکابش را
گرامی در قیامت آن نگاہِ مغفرت خواہد
کہ در آغوش گیرد جرمہائے بے حسابش را

علّامہ اقبالؒ

المتوفیٰ: ۱۸۷۶ء — ۱۹۳۸ء

اے تو ما بیچارگان را ساز و برگ
وارہان این قوم را ز ترسِ مرگ

سوختی لات و مناتِ کہنہ را
تازہ کردی کائناتِ کہنہ را

در جہانِ ذکر و فکرِ انس و جان
تو صلوٰتِ صبح، تو بانگِ اذان

لذتِ سوز و سرور از لا الٰہ
در شبِ اندیشہ نور از لا الٰہ

نے خداہا ساختیم از گاو و خر
نے حضورِ کاہنان افگندہ سر

این ہمہ از لطفِ بے پایانِ تست
فکرِ ما پروردۂ احسانِ تست

ذکرِ تو سرمایۂ ذوق و سرور
قوم را دارد بہ فقر اندر غیور

اے مقام و منزلِ ہر راہرو
جذبِ تو اندر دلِ ہر راہرو

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی
جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی

اے زمین از بارگاہت ارجمند
آسمان از بوسۂ بامت بلند

شش جہت روشن ز تابِ روے تو
تُرک و تاجیک و عرب ہندوے تو

از تو بالا پایۂ این کائنات
فقرِ تو سرمایۂ این کائنات

در جہان شمعِ حیات افروختی
بندگان را خواجگی آموختی

بے تو از نابودمندیہا خجل
پیکرانِ این سرائے آب و گل

تا دمِ تو آتشے از گل کشود
تودہ ہائے خاک را آدم نمود

ذرّہ دامن گیرِ مہر و ماہ شد
یعنی از نیروے خویش آگاہ شد

تا مرا افتاد بر رُویت نظر
از اب و اُم گشتۂ ای محبُوب تر

سیّد منظور احمد مہجور (مکان شریفی)

المتوفی : ۱۳۲۳/ ۱۹۰۵ء - ۸ محرم الحرام ۱۳۸۹/ ۲۷ مارچ ۱۹۶۹ء

اے دُرِّ دُرجِ عصمت واے گوہرِ ہدیٰ
اے ماہِ اوجِ عفت و اے مہرِ اصطفا

خُلقِ عظیم، خَدِّ تُرا حِلیۂ جمال
فضلِ عظیم، قدِ تُرا حُلۂ صفا

فرشِ درِ تو، عرشِ دل و جانِ قدسیان
دہلیزِ بارگاہِ تو دیہیمِ اصفیا

ابرِ شفاعتِ تو بہائے بہارِ خُلد
بحرِ عنایتِ تو، یمِ لُطفِ پُرعطا

خوبانِ قدس، غاشیہ دارانِ حُسنِ تو
حُورانِ عین، آئینہ بردار اجتبا

احسان و عدل و جُود، نثارِ وجودِ تو
خُوئے تو اُسوۂ ہمہ اصحابِ اِتّقا

ہر حرفِ مصحفِ رخِ تو آیۂ نجات
ہر خال و خطِ عارضِ تو چشمۂ سخا

مہجور را خیالِ وصالِ تو روزِ عید
در دیدہ و دلش توئی ہر صبح و ہر مسا

جگر مرادآبادی

المتوفی : ۱۹۶۰ء

اے از لبِ صادقت شنیدہ   نادیدہ خدا خدائے دیدہ
اے مثلِ تو در جہاں نگارے   یزداں دگرے نہ آفریدہ
اے آنکہ بہ امتزاجِ کامل   درجملہ صفات، برگزیدہ
تو پرتوِ حسنِ ذات وازتو   یک شمہ بہ دیگراں رسیدہ
اے بے ہمہ خلق و باہمہ خلق   اے از ہمہ خلق برگزیدہ
آں خیر کہ بود درزمانت   بعد از تو زمانہ ہم ندیدہ
در عشق و وفا یکے مثالے   نے دیدہ و نے زکس شنیدہ
امروز ببیں کہ مرد ماں را   کارے بہ بلا کجئے رسیدہ

مشرق ہمہ پُر زفتنہ و شر
مغرب ہمہ مست و سرکشیدہ

اے آنکہ زشوقِ بے نہایت   حق را ہمہ آشکار دیدہ
طے کردہ مراحل ومنازل   تاسدرہ بہ ساعتے رسیدہ
وزسدرہ بہ منتہائے قوسین   باعظمتِ خاص رہ بریدہ

اے آنکہ درونِ پردہ راز
از خویش بہ خویشتن رسیدہ

کے عقل تواں رسد بہ پایاں　　ہم عشق ہنوز نارسیدہ
لولاک لما خلقت الافلاک　　در مدح تو جانِ ہر قصیدہ
اے اسمِ تو حرزِ جانِ عشاق　　اے ذکرِ تو، نورِ قلب و دیدہ
اے بر تو نثار، شرمِ عصیاں　　اے بر تو فدا دلِ تپیدہ
یک گوشۂ چشمِ التفاتے　　بر اہلیانِ غم رسیدہ
رحمت بہ اشارۂ تو جوشاں　　جنت بہ نگاہت آرمیدہ
استادہ بہ پیشِ بارگاہت　　پیرے بہ رُخ آستیں کشیدہ

شاید جگرِ حزیں ہمیں است
از بارِ گنہ کمر خمیدہ

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں

(القلم، ۴)



انتخاب نعتیہ شاعری

(اردو)

امیر مینائی لکھنوی

المتوفی : ۱۹۰۰ء

خلق کے سرور شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلّم
مُرسلِ داور، خاص پیمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم

نورِ مجسم، نیّرِ اعظم، سرورِ عالم مونسِ آدم
نوحؑ کے ہمدم، خضرؑ کے رہبر صلّی اللہ علیہ وسلّم

فخرِ جہاں ہیں عرش مکاں ہیں شاہِ شہاں ہیں سیف زباں ہیں
سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلّی اللہ علیہ وسلّم

قبلۂ عالم کعبۂ اعظم سب سے مقدم راز سے محرم
جانِ مجسّم، روحِ مصوّر، صلّی اللہ علیہ وسلّم

دولتِ دُنیا خاک برابر، ہاتھ کے خالی دل کے تونگر
مالکِ کشور تخت بہ افسر صلّی اللہ علیہ وسلّم

رہبرِ موسیٰؑ، ہادیِ عیسیٰؑ، تارکِ دُنیا، مالکِ عقبیٰ
ہاتھ کا تکیہ، خاک کا بستر صلّی اللہ علیہ وسلّم

سروِ خراماں، چہرہ گلستاں، جبہہ تاباں، مہرِ درخشاں
سنبلِ پیچاں، زلفِ معنبر صلّی اللہ علیہ وسلّم

مہر سے مملو ریشہ ریشہ نعت امیرؔ اپنا ہے پیشہ
وردِ ہمیشہ دن بھر شب بھر صلّی اللہ علیہ وسلّم

اِسماعیل میرٹھی

المتوفی : ۱۹۱۷ء

علیک السّلام اے شفیع البرایا — اولوالعزم تجھ سا نہ آئے نہ آیا
علیک السّلام اے امینِ الٰہی — کہا جو خدا نے وہ تُو نے نہ سُنایا
علیک السّلام اے رفیع المدارج — کسی نے نہیں تیرے رُتبے کو پایا
علیک السّلام اے ستودہ خصائل — فدا خُلق پر تیرے اپنا پرایا
علیک السّلام اے جمیل الشمائل — جواد و رؤف و کریم السجایا
علیک السّلام اے امانِ دو عالم — ترا دامنِ لطف ہے سب پہ چھایا
علیک السّلام اے جمالِ معانی — نہ تھا تیرے جسمِ مطہّر کا سایہ
علیک السّلام اے محبِ غریباں — ترے حلم نے بارِ اُمت اُٹھایا
علیک السّلام اے ترا نورِ اقدس — ہے سُلطان اور جُملہ عالم رعایا
علیک السّلام اے تجھے ذاتِ حق نے — جو اوّل بنایا تو آخر دکھایا
علیک السّلام اے شہنشاہِ وحدت — کہ توحید کا تو نے سکّہ بٹھایا
علیک السّلام اے طبیبِ نہانی — دلوں میں جو تھے روگ سب کو مٹایا
علیک السّلام اے شفائے مجسّم — عجب تو نے صحت کا نسخہ پلایا
علیک السّلام اے سوارِ سبک رو — کسی نے تری گردِ رہ کو نہ پایا
علیک السّلام اے رسالت پناہی — خدا کا ہمیں تُو نے رستہ دکھایا
علیک السّلام اے ہدایت کے مرکز — تجھے حق نے انسان کامل بنایا

درود و سلام و صلوٰۃ و تحیّت
یہ لایا ہے حامد تحفُ اور ہدایا

عبدالباری آسی (الدنی) لکھنوی

المتوفی : ۱۹۳۹ء

وہی ہیں طاہر وہی مطہر وہی ہیں شافع وہی پیمبر ؐ   وہ سب سے افضل وہ سب سے بالا وہ سب کے رہبر وہ سب سے برتر
تحیت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

شفیق سب کے ادیب سب کے انیس سب کے خلیل سب کے   رفیق سب کے حبیب سب کے رئیس سب کے کفیل سب کے
تحیت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

مہِ منور ہیں وہ عرب کے نہ ایران پر نہ کوئی ہالا   جہاں کے حق میں سبب طرب کے بہ لطف برتر بہ خُلق اعلا
تحیت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

حکیم اُمت رحیم صورت کریم سیرت عظیم ہیبت   شریف طینت قسیم جنت دلیل ملت رفیع رفعت
تحیت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

شہیر عالم بہ خوش کلامی عرب کے والی عجم کے حامی   جہاں کے مولا جہاں میں نامی بہ دل مکرم بہ جاں گرامی
تحیت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

ملا نہ اب یہ ملے گا درجہ ہوا ہے ایسا نہ کوئی ہوگا   اسی سے ظاہر ہے اُن کا رُتبہ کہ خود ثنا گو ہے حق تعالیٰ
تحیت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

وہ ساتھ شمعِ ہُدیٰ جو لائے تو بُت ہوئے خیرہ سر جھکائے   چراغِ ملت کے یوں جلائے کہ ذرے دُنیا کے جگمگائے
تحیت ان پر درود ان پر صلوٰۃ ان پر سلام ان پر

کہاں تک آسی یہ ہرزہ کوشی کہاں تک آخر یہ سخت جوشی   کہاں تک اتنی سخن فروشی یہ کہہ کے ہو مائل خموشی

بیدم شاہ وارثی

المتوفی : ۱۹۳۴ء

آئی نسیم کوئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم
کھینچنے لگا دل سوئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

کعبہ ہمارا کوئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم
مصحفِ ایماں روئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

لے کے مرادِ دل آئیں گے، مرجائیں گے، مٹ جائیں گے
پہنچیں تو ہم تا کوئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

طوبیٰ کی جانب تکنے والو آنکھیں کھولو، ہوش سنبھالو
دیکھو قدِ دل جوئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

نام اسی کا باب کرم ہے دیکھ یہی محرابِ حرم ہے
دیکھ خمِ ابروئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

بھینی بھینی خوشبو مہکی، بیدم دل کی دُنیا لہکی
کھُل گئے جب گیسوئے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

حسرت موہانی

المتوفی: ۱۹۵۱ء

منظہرِ شانِ کبریا صلِّ علیٰ محمدٍ
آئینۂ خدا نما صلِّ علیٰ محمدٍ

موجبِ نازِ عارفاں، باعثِ فخرِ صادقاں
سرور و خیرِ انبیا صلِّ علیٰ محمدٍ

مرکزِ عشقِ دل کشا، مصدرِ حسنِ جاں فزا
صورت و سیرتِ خدا صلِّ علیٰ محمدٍ

مونسِ دل شکستگاں، پشت پناہِ خستگاں
شافعِ عرصۂ جزا صلِّ علیٰ محمدٍ

حسرتؔ اگر رکھے ہے تو بخششِ حق کی آرزو
وردِ زباں رہے سدا صلِّ علیٰ محمدٍ

بہزاد لکھنوی

المتوفی : ۱۹۵۵ء

آنکھ فدائے روئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم
قلب نثارِ کوئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

خوشبوئے کونین سے بہتر، پھولوں سے برتر کلیوں سے بڑھکر
خوشبوئے گیسوئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

دُنیا میری ذکرِ مدینہ، دین مرا دیں شہِ بطحا
ایماں مرا روئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

چشم و نظر کا ذکر ہی کیا ہے ذکر ہی کیا ہے فکر ہی کیا ہے
کہتا ہے دل چل سوئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

روح ہے لرزاں دل ہے پریشاں آنکھ ہے تر چہرہ افسردہ
لائی صبا پھر بوئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

رنج و اَلم کب ہیں مرے شایاں کیوں نہ رہوں بہزادؔ میں شاداں
بن کے گدائے کوئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

اقبال سہیل

المتوفی : ۱۹۵۵ء

موجِ کوثر

احمدِ مرسل فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ اوّل مرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسمِ مزکّیٰ، روحِ مصوّر، قلب مجلّیٰ، نورِ مقطّر
حسن سراپا، خیر مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم

طینت جس کی سب سے مطہّر، بعثت جس کی سب سے موخّر
خلقت جس کی سب پہ مقدّم صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی ہراول فوجِ سلیمانؑ جس کے منادی موسیٰؑ عمراں
جس کے مبشّر عیسیٰؑ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

باغِ جہاں کا حارس نامی، جس نے مٹائی رسمِ غلامی
پھر سے سنوارا گلشنِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

بزمِ ملل تھی نظم سے خالی بکھرے ہوئے تھے حق کے لآلی
اس نے کیے سب آکے منظّم صلی اللہ علیہ وسلم

بچھڑے ہوئے گلّے کو ملایا، نسل و وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کر دی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

حفظِ مراتب پاسِ اخوت سعی و توکل رفق و فتوت
تلک حدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم

جس پہ تصدق وحیِ الٰہی کنکریاں دیں جس کی گواہی
جس کا تفوّق سب پہ مسلّم صلی اللہ علیہ وسلم

خلقِ خدا کا راعیِ آخر، دینِ ہدیٰ کا داعیِ آخر
جس کی دعوت اسلم تسلم صلی اللہ علیہ وسلم

ارض و سما میں آیۂ رحمت، روزِ جزا میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے، گالی دی، پتھر برسائے
اس پہ چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

سم کے عوض دارُوئے شفا دی، طعن سُنے اور نیک دعا دی
زخم سہے اور بخشا مرہم صلی اللہ علیہ وسلم

جس کا نام اچھالے وادی، آپ رفعنا لک فرما کر
بزمِ تجلی جس کا مخیم صلی اللہ علیہ وسلم

فقر و غنا دونوں کا سُلطان، رُوح و جسد دونوں کا درماں
دین کا اور دُنیا کا سنگم صلی اللہ علیہ وسلم

دلق میں جس نے سلطانی کی، جنگ میں جس نے جہانبانی کی
زہد و سیاست کر دیتے توام صلی اللہ علیہ وسلم

قبلہ نمائے سجدہ گزاراں، شعلۂ سینا، جلوہ فاراں
صبحِ بہاراں جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

عالمِ ناسوتی کا مجاہد، شاہدِ لاہوتی کا مشاہد
شان میں ارفع، صبر میں اقوم صلی اللہ علیہ وسلم

عمر بسر کی نانِ جویں پر، سکہ چلایا چرخ و زمیں پر
فقر میں استغنا کا یہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مصداقِ "دنا فتدلّٰی" جس کی منزل عرشِ معلّٰی
نکتۂ "ما اوحیٰ" کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم

نظم میں جس کی نعت مطہر انا اعطینٰک الکوثر
اللہ اللہ شانِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم

شرحِ "الم نشرح" وہ سینہ، برقِ تجلی کا گنجینہ
جگمگ جگمگ چم چم چم چم صلی اللہ علیہ وسلم

جتنے فضائل جتنے محاسن ممکن میں ہو سکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب اس میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم

علم لدنی، شانِ کریمی، خلقِ خلیلی، نطقِ کلیمی
زہدِ مسیحا، عفتِ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اگر مقصود نہ ہوتے کون و مکاں موجود نہ ہوتے
اور مسجود نہ ہوتے آدمؑ صلی اللہ علیہ وسلم

نوری تن کمبل میں چھپائے، بادل میں بجلی لہرائے
نُور کا مینہ برسائے رِم جھم صلی اللہ علیہ وسلم

المدثر المزمل ذات اس کی کونین کا حاصل
خاک پہ سجدہ عرش پہ پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

بندہ اور خدا سے واصل، خاکی اور انوار کا حامل
اُمّی اور اسرار کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم

اوجِ شرف کا بدر وہی ہے بزمِ رسل کا صدر وہی ہے
بدرِ منور صدرِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم

صدرِ امم سلطانِ مدینہ، وہ جس کے کفِ پا کا پسینہ — گل کدۂ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم
جن کا پیارا نام محمدؐ، فیض مؤبد فوزِ مخلّد — حسن مجسّم، نورِ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
طٰہٰ اور یٰسین کا مورد، قبلۂ ایماں جس کا مولد — دولتِ سرمد جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
بعدِ خدا ہر ایک سے افضل اشرف و اکمل اطیب اجمل — اصدق و اعدل اجود و احکم صلی اللہ علیہ وسلم
شافعِ محشر، ماحیِ عصیاں حامیِ مضطر، حارس گیہاں — ساقیِ کوثر، وارثِ زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
سیدِ بطحیٰ مخبرِ صادق، عروۂ وثقیٰ، مصحفِ ناطق — برزخِ کبریٰ، آیۂ محکم صلی اللہ علیہ وسلم
باطن و ظاہر طیب طاہر خسروِ قاہر، کوکبِ باہر — جانِ مظاہر، مرکزِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
جس کا بذل عطائے شامل جس کا فضل شفائے عاجل — جس کا حکم قضائے مبرم صلی اللہ علیہ وسلم
حسنِ ازل کا جلوۂ رنگیں، بحرِ قدم کی موجِ نخستیں — اوجِ ابد کا نیّرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

مہرِ رسالت، مہرِ جلالت عینِ عدالت خضرِ دلالت
اے بجمالت ناطقہ ابکم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مناظر احسن گیلانی

المتوفی ۱۹۵۶

پیارے محمدؐ جگ ساجن　　تم پر واروں تن من دھن
تم ری صورتیا من موہن　　کبھو کرا یتو تو درشن

جیا کنھڑے دلوا تر سے
صلّ اللہ علیک نبیّنا

تم ری دوریا کیسے چھوڑوں　　تم سے توڑوں کس سے جوڑوں
تم ری گلی کی دھول بٹوروں　　تم رے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے
صلّ اللہ علیک نبیّنا

مولانا حامد حسن قادری (بچھرایونی)

المتوفی: ۱۹۶۴ء

هو آفصح بمقاله — هو آکمل بنواله
هو آعظم بجلاله — هو افقد بمثاله

بلغ العلی بکماله
کشف الدجیٰ بجماله
حسُنت جمیع خصاله
صلّوا علیه و آله

هُوَ حامد ومحمّدٌ — هو ماجد وممجَّد
هو امجد هو احمدٌ — هو مرشد هو ارشد

بلغ العلیٰ بکماله

وہ بشیر بھی وہ نذیر بھی — وہی آپ اپنی نظیر بھی
وہ زمیں پہ شاہ و امیر بھی — وہ فلک پہ عرش مسیر بھی

بلغ العلیٰ بکماله

وہ قسیم بھی وہ جسیم بھی — وہ نسیم بھی وہ دیم بھی
وہ رؤف بھی وہ رحیم بھی — وہ خلیل بھی وہ کلیم بھی

بلغ العلیٰ بکماله

وہ رفیع اپنے کمال میں　　وہ حسین اپنے جمال میں
وہ عزیز اپنی خصال میں　　وہ فنا خدا کے وصال میں
بلغ العلیٰ بکمالہٖ

وہی ارفع الدرجات بھی　　وہی اکمل البرکات بھی
وہی جامع الحسنات بھی　　وہ جدا بھی واصل ذات بھی
بلغ العلیٰ بکمالہٖ

ہے انہیں کا فیض جہان میں　　وہ نماز میں وہ اذان میں
وہ یگانہ آن میں شان میں　　وہ گئے فلک پر اک آن میں
بلغ العلیٰ بکمالہٖ

یہ جو قصر سبز رواق ہے　　یہ جو چرخ ہفت طباق ہے
یہ انہیں کے قصر کا طاق ہے　　یہ انہیں کے زیر براق ہے
بلغ العلیٰ بکمالہٖ

وہ ورائے ہفت فلک گئے　　کہ جہاں نبی نہ ملک گئے
وہ مقام قرب تلک گئے　　جو نہاں تھے نور جھلک گئے
بلغ العلیٰ بکمالہٖ

انہیں بے حجاب خدا ملا　　انہیں مرتبہ یہ بڑا ملا
انہیں کیا دیا انہیں کیا ملا　　جو دیا دیا جو ملا ملا
بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ و آلہٖ

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

المتوفی : ۱۹۲۱ء

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود — گُلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یارِ ارم تاجدارِ حرم — نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
شبِ اسریٰ کے دُولہا پہ دائم درود — نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود — فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
نورِ عینِ لطافت پہ الطف درود — زیب و زینِ نظافت پہ لاکھوں سلام
سروِ نازِ قدم مغزِ رازِ حکم — یکہ تازِ فضیلت پہ لاکھوں سلام
نقطۂ سرِّ وحدت پہ یکتا درود — مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر — نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
جس کے زیرِ لوا آدم و من سوا — اُس سزائے سیادت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں — اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود — ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
شرقِ انوارِ قدرت پہ نوری درود — فتقِ ازہارِ قربت پہ لاکھوں سلام
بے سہیم و قسیم و عدیل و مثیل — جوہرِ فردِ عزت پہ لاکھوں سلام
سرِّ غیبِ ہدایت پہ غیبی درود — عطرِ جیبِ نہایت پہ لاکھوں سلام
ماہِ لاہوتِ خلوت پہ لاکھوں درود — شاہِ ناسوتِ جلوت پہ لاکھوں سلام
اصلِ ہر بود و بہبود تخمِ وجود — قاسمِ کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

کنزِ ہر بیکس و بے نوا پہ درود — حرزِ ہر رفتہ طاقت پہ لاکھوں سلام
پرتوِ اسمِ ذاتِ احد پہ درود — مقطعِ ہر سیادت پہ لاکھوں سلام
خلق کے دادرس سب کے فریادرس — کہفِ روزِ مصیبت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے بیکس کی دولت پہ لاکھوں درود — مجھ سے بےبس کی قوت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ دنا ھو میں گم کن انا — شرحِ متنِ ہُویت پہ لاکھوں سلام
انتہائے دوئی ابتدائے یکی — جمعِ تفریق و کثرت پہ لاکھوں سلام
کثرتِ بعدِ قلت پہ اکثر درود — عزتِ بعدِ ذلت پہ لاکھوں سلام
ربِ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود — حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود — ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
فرحتِ جانِ مومن پہ بے حد درود — غیظِ قلبِ ضلالت پہ لاکھوں سلام
سببِ ھر سبب منتہائے طلب — علتِ جملہ علت پہ لاکھوں سلام
مصدرِ مظہریت پہ اظہر درود — مظہرِ مصدریت پہ لاکھوں سلام
جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کھلیں — اس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام
قدِ بے سایہ کے سایۂ مرحمت — ظلِ ممدودِ رأفت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں — اس سہی سروِ قامت پہ لاکھوں سلام
وصف جس کا ہے آئینۂ حق نما — اس خداساز طلعت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں — اس سرِ تاجِ رفعت پہ لاکھوں سلام

وہ کرم کی گھٹا گیسوے مشک سا	لکّۂ ابرِ رافت پہ لاکھوں سلام
لَیْلَۃُ الْقَدْر میں مَطْلَعِ الْفَجْرِ حق	مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
لخت لختِ دلِ ہر جگر چاک سے	شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام
دور و نزدیک کے سُننے والے وہ کان	کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
چشمۂ مہر میں موجِ نورِ جلال	اُس رگِ ہاشمیت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا	اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی	اُن بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
اُن کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ	ظلّۂ قصرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
اشکباریِ مژگاں پہ برسے درود	سلکِ دُرِّ شفاعت پہ لاکھوں سلام
معنیِ قَدْ رَاٰی مقصدِ مَاطَغٰی	نرگسِ باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا	اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود	اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے	اُن عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
اُن کے خد کی سہولت پہ بے حد درود	اُن کے قد کی رشاقت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے	اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام
چاند سے مُنہ پہ تاباں درخشاں درود	نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
شبنمِ باغِ حق یعنی رُخ کا عرق	اُس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام

خط کی گردِ دہن وہ دل آرا پھبن — سبزۂ نہرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
ریش خوش معتدل مرہمِ ریشِ دل — ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں — اُن لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا — چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان و جناں — اُس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے — اُس زلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام
وہ زباں جس کو سب کُن کی کنجی کہیں — اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اُس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اُس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام
اُس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود — اُس کی خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام
وہ دُعا جس کا جوبن بہارِ قبول — اُس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے — اُن ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام
جن کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اُس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں — اُس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام
دوش بر دوش ہے جن سے شانِ شرف — ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام
حجرِ اسودِ کعبۂ جان و دل — یعنی مُہرِ نبوّت پہ لاکھوں سلام
روئے آئینۂ علم پشتِ حضور — پشتیِ قصرِ ملّت پہ لاکھوں سلام
ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا — موجِ بحرِ سماحت پہ لاکھوں سلام

جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں　　ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستون　　ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم　　اُس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں　　اُنگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال　　ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام
رفعِ ذکرِ جلالت پہ ارفع درود　　شرحِ صدر صدارت پہ لاکھوں سلام
دل سمجھ سے وراہے مگر یوں کہوں　　غنچۂ رازِ وحدت پہ لاکھوں سلام
کُل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا　　اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
جو کہ عزمِ شفاعت پہ کھنچ کر بندھی　　اُس کمر کی حمایت پہ لاکھوں سلام
انبیا تہ کریں زانو اُن کے حضور　　زانوؤں کی وجاہت پہ لاکھوں سلام
ساق اصلِ قدم شاخِ نخلِ کرم　　شمعِ راہِ اصابت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم　　اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند　　اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
پہلے سجدہ پہ روزِ ازل سے درود　　یادگاریٔ اُمت پہ لاکھوں سلام
زرعِ شاداب و ہر ضرع پُر شیر سے　　برکاتِ رضاعت پہ لاکھوں سلام
بھائیوں کے لیے ترکِ پستاں کریں　　دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام
مہدِ والا کی قسمت پہ صدہا درود　　بُرجِ ماہِ رسالت پہ لاکھوں سلام

اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن ۔۔۔ اس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام
اُٹھتے بُوٹوں کے نشو و نما پر درود ۔۔۔ کِھلتے غنچوں کی نکہت پہ لاکھوں سلام
فضل پیدائشی پر ہمیشہ درود ۔۔۔ کھیلنے سے کراہت پہ لاکھوں سلام
بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود ۔۔۔ بے تکلف ملاحت پہ لاکھوں سلام
بھینی بھینی مہک پر مہکتی درود ۔۔۔ پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام
میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود ۔۔۔ اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام
سیدھی سیدھی روش پہ کروروں درود ۔۔۔ سادی سادی طبیعت پہ لاکھوں سلام
روزِ گرم و شبِ تیرہ و تار میں ۔۔۔ کوہ و صحرا کی خلوت پہ لاکھوں سلام
جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و ملک ۔۔۔ اُس جہانگیر بعثت پہ لاکھوں سلام
اندھے شیشے جھلا جھل دمکنے لگے ۔۔۔ جلوہ ریزیِ دعوت پہ لاکھوں سلام
لطف بیداریِ شب پہ بے حد درود ۔۔۔ عالمِ خوابِ راحت پہ لاکھوں سلام
خندۂ صبحِ عشرت پہ نوری درود ۔۔۔ گریۂ ابرِ رحمت پہ لاکھوں سلام
نرمیِ خوئے لینت پہ دائم درود ۔۔۔ گرمیِ شانِ سطوت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں ۔۔۔ اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام
کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی ۔۔۔ آنکھوں والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام
گردِ مہ دستِ انجم میں رخشاں ہلال ۔۔۔ بدر کی دفعِ ظلمت پہ لاکھوں سلام
شورِ تکبیر سے تھرتھرائی زمیں ۔۔۔ جنبشِ جیشِ نصرت پہ لاکھوں سلام

نعرہائے دلیراں سے بن گونجتے — غرشِ کوسِ جرأت پہ لاکھوں سلام
وہ چقا چاق خنجر سے آتی صدا — مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام
اُن کے آگے وہ حمزہ کی جانبازیاں — شیرِ غرّانِ سطوت پہ لاکھوں سلام
الغرض ان کے ہر مو پہ لاکھوں درود — اُن کی ہر خُو و خصلت پہ لاکھوں سلام
اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود — اُنکے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام
اُن کے مولیٰ کے ان پر کروروں درود — اُن کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
پارہائے صحف غنچہائے قدس — اہل بیتِ نبوت پہ لاکھوں سلام
آبِ تطہیر سے جس میں پودے جمے — اُس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
خونِ خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر — اُن کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اُس بتولِ جگر پارۂ مُصطفیٰ — حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے — اُس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ — جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
وہ حسن مجتبیٰ سید الاسخیا — راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام
اوجِ مہرِ ہدیٰ موجِ بحرِ ندیٰ — روحِ روحِ سخاوت پہ لاکھوں سلام
شہد خوارِ لعابِ زبانِ نبی — چاشنی گیرِ عصمت پہ لاکھوں سلام
اس شہیدِ بلا شاہِ گلگوں قبا — بیکسِ دشتِ غربت پہ لاکھوں سلام
دُرِ دُرجِ نجف مہرِ برجِ شرف — رنگِ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

اہلِ اسلام کی مادرانِ شفیق　　بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام
جلوگیانِ بیت الشرف پر درود　　پردگیانِ عفت پہ لاکھوں سلام
سیّما پہلی ماں کہفِ امن و امان　　حق گزارِ رفاقت پہ لاکھوں سلام
عرش سے جس پہ تسلیم نازل ہوئی　　اُس سرائے سلامت پہ لاکھوں سلام
منزلٌ من قَصَبٍ لَا نَصَبٌ لَا صَخَبٌ　　ایسے کوشک کی زینت پہ لاکھوں سلام
بنتِ صدیق آرامِ جانِ نبی　　اُس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ　　اُن کی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام
جن میں رُوح القدس بے اجازت نہ جائیں　　اس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ تابانِ کاشانۂ اجتہاد　　مفتئِ چار ملت پہ لاکھوں سلام
جاں نثارانِ بدر و اُحد پر درود　　حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام
وہ دسوں جن کو جنّت کا مژدہ ملا　　اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام
خاص اُس سابقِ سیرِ قربِ خدا　　اوحدِ کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفےٰ مایۂ اصطفا　　عزّ و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اُس افضل الخلق بعد الرسل　　ثانیِ اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقین سیّد المتقین　　چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام
وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر　　اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارقِ حق و باطل امامُ الہدیٰ　　تیغِ مسلولِ شدّت پہ لاکھوں سلام

ترجمانِ نبی ہمزبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

زاہد مسجدِ احمدی پر درود
دولتِ جیشِ عسرت پہ لاکھوں سلام

درِ منثور قرآں کی سلک بھی
زوجِ دو نورِ عفت پہ لاکھوں سلام

یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوشِ شہادت پہ لاکھوں سلام

مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعین
ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصل نسل صفا وجہ وصل خدا
بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

اوّلیں دافعِ اہلِ رفض و خروج
چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

شیرِ شمشیر زن شاہِ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج
حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام

مومنیں پیشِ فتح و پسِ فتح سب
اہلِ خیر و عدالت پہ لاکھوں سلام

جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر
اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

جن کے دشمن پہ لعنت ہے اللہ کی
ان سب اہل محبت پہ لاکھوں سلام

باقیِ ساقیانِ شرابِ طہور
زینِ اہل عبادت پہ لاکھوں سلام

اور جتنے ہیں شہزادے اس شاہ کے
ان سب اہل مکانت پہ لاکھوں سلام

ان کی بالا شرافت پہ اعلیٰ درود
ان کی والا سیادت پہ لاکھوں سلام

شافعی مالک احمد امام حنیف
چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

کاملانِ طریقت پہ کامل درود
حاملانِ شریعت پہ لاکھوں سلام

غوثِ اعظم امام التقی والنقی — جلوۂ شانِ قدرت پہ لاکھوں سلام

قطبِ ابدال و ارشاد و رشد الرشاد — محیِ دین و ملت پہ لاکھوں سلام

مردِ خیلِ طریقت پہ بے حد درود — فرد اہلِ حقیقت پہ لاکھوں سلام

جس کی منبر ہوئی گردنِ اولیاء — اُس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

شاہِ برکات و برکاتِ پیشینیاں — نوبہارِ طریقت پہ لاکھوں سلام

سیّد آلِ محمّد امام الرشد — گلِ روضِ ریاضت پہ لاکھوں سلام

حضرت حمزہ شیرِ خدا و رسول — زینتِ قادریت پہ لاکھوں سلام

نام و کام و تن و جان و حال و مقال — سب میں اچھے کی صورت پہ لاکھوں سلام

نورِ جاں عطرِ مجموعہ آلِ رسول — میرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

زیبِ سجادہ سجاد نوری نہاد — احمد نورِ طینت پہ لاکھوں سلام

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب — تا ابد اہلِ سنّت پہ لاکھوں سلام

تیرے اِن دوستوں کے طفیل اے خدا — بندۂ ننگِ خلقت پہ لاکھوں سلام

میرے استاد ماں باپ بھائی بہن — اہلِ وُلد و عشیرت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں — شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

کاش محشر میں جب اُن کی آمد ہو اور — بھیجیں سب انکی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

یحییٰ اعظمی

المتوفی: ۱۹۷۲ء

سلام اُس پر ہُوئی جس سے منوّر بزم امکانی
سلام اُس پر رُخِ اقدس تھا جس کا شمع نورانی

سلام اُس پر لقب تھا رحمۃ للعالمین جس کا
سلام اُس پر کہ خود اک نامِ نامی تھا امیں جس کا

سلام اس پر کہ تھا ہمدرد مخلص غم نصیبوں کا
سلام اُس پر کہ تھا غم خوار مسکینوں غریبوں کا

سلام اُس پر یتیموں کا ہمیشہ جس نے غم کھایا
سلام اُس پر جو دل سوزی سے بیواؤں کے کام آیا

سلام اُس پر کہ خود الفقر فخری، جس نے فرمایا
سلام اُس پر دلوں کو سوزِ حق سے جس نے گرمایا

سلام اُس پر دیا عدل واخوّت کا سبق جس نے
سلام اُس پر سنایا دہر کو پیغامِ حق جس نے

سلام اُس پر عدو پر جس نے رفق ولطف فرمائے
سلام اُس پر عوضِ پتھر کے جس نے پھول برسائے

سلام اُس پر جو بن کر رحمۃ للعالمیں آیا
سلام اُس پر جو از سر تا قدم لطف آفریں آیا

سلام اُس پر مٹایا جس نے فرقِ خواجہ ومولا
سلام اُس پر اُٹھائی جس نے رسمِ بندہ و آقا

سلام اُس پر فقیری میں تھی جس کی شانِ سلطانی
سلام اُس پر شتربانوں کو دی جس نے جہانبانی

سلام اُس پر سہے حق کے لیے رنج ومحن جس نے
سلام اُس پر خدا کی راہ میں چھوڑا وطن جس نے

سلام اُس پر صفت والشمس جس کے روئے انور کی
سلام اُس پر شبستانِ جہاں جس نے منوّر کی

سلام اُس پر کہ تھا نورِ قدم کا پیکرِ آخر
سلام اُس پر کہ تھا حسنِ ازل کا مظہرِ آخر

سلام اُس پر خدا تھا صاحبِ عرشِ بریں جس کا
سلام اُس پر جمال افروز تھا رُوح الامیں جس کا

سلام اُس پر کہ تھی جس کی صفت مزمّل ویٰسیں
سلام اُس پر بتائے جس نے دیں کے حکمت و آئیں

سلام اُس پر رگِ فطرت کو بخشی زندگی جس نے
سلام اُس پر رُخِ ہستی کو دی تابندگی جس نے

سلام اُس پر کتابِ قدس ہے نعت وثنا جس کی
سلام اُس پر زبانِ وحی ہے رمز آشنا جس کی

سلام اُس پر ہیں جلوہ گاہیں جس کی یثرب وبطحا
سلام اُس پر کہ جس کی خوابگاہ ہے گنبدِ خضرا

سلام اس پر جوارِ پاک جس کا رشکِ سینا ہے
سلام اس پر دیارِ محترم جس کا مدینہ ہے

یوسف ظفر

المتوفی ، ۱۹۷۲ء

حاملِ قرآں ، نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم
شاہِ عرب ، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

ظاہر و باطن نور کا مامن ظاہر انساں باطن قرآں
دہر میں وہ اللہ کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

بُت خانے برباد ہوئے اور کفر سے دل آزاد ہوئے
اس سے خدا کا دین ہے محکم صلی اللہ علیہ وسلم

عصمت و عفت کا رکھوالا ، درسِ اخوّت دینے والا
عظمت کے اسرار کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم

بے کس و ناکس کا وہ حامی رحمتِ ایزد کا وہ پیامی
بارگہِ حق میں ہے مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم

لاکھوں سلام اے ہادیٔ برحق! اُمت پھر محتاج ہے تیری
جس کی زباں پر اب بھی ہے ہر دم صلی اللہ علیہ وسلم

آغا شورش کاشمیری

المتوفی ۱۹۷۵ء

ہم پہ ہو تیری رحمت جم جم صلّی اللہ علیک وسلّم
تیرے ثنا خواں عالم عالم صلّی اللہ علیک وسلّم

ہم ہیں تیرے نام کے لیوا اے دھرتی کے پانی دیوا
یہ دھرتی ہے برہم برہم صلّی اللہ علیک وسلّم

تیری رسالت عالم عالم، تیری نبوت خاتم خاتم
تیری جلالت پرچم پرچم صلّی اللہ علیک وسلّم

دیکھ تری اُمّت کی نبضیں ڈوب چکی ہیں ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے مدھم مدھم صلّی اللہ علیک وسلّم

دیکھ صدف سے موتی ٹپکے دیکھ حیا کے ساغر چھلکے
سب کی آنکھیں پُرنم پُرنم صلّی اللہ علیک وسلّم

قریہ قریہ بستی بستی دیکھ مجھے میں دیکھ رہا ہوں
نوحہ نوحہ ماتم ماتم صلّی اللہ علیک وسلّم

اے آقا اے سب کے آقا ارض و سما ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پر مرہم مرہم صلّی اللہ علیک وسلّم

نصر اللہ خاں عزیز

المتوفی : ۱۹۷۶ء

صَلّی اللہ عَلیہ وَسلّم

فخرِ رسالت ہادیِ اکرم — مہبطِ قرآں رحمتِ عالم
سب سے مکرّم سب سے معظّم — ماہِ منوّر نیّرِ اعظم

صَلّی اللہ عَلَیہ وَسَلّم

پیارے پیارے ناموں والا — اچھے اچھے کاموں والا
جنت کے انعاموں والا — مرسلِ برحق، نازشِ آدم

صَلّی اللہ عَلیہ وَسَلّم

جس کی سیرت خلقِ قرآں — جس کی صورت آیۂ رحماں
راہِ ہدیٰ کی شمعِ فروزاں — پیکرِ خوبی حسنِ مجسم

صَلّی اللہ عَلیہ وَسَلّم

ماہر القادری

المتوفی: ۱۹۷۸ء

سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اُس پر ابوسفیانؓ کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہوا مجروح جو بازار طائف میں
سلام اُس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اُٹھاتا تھا
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اُس پر جو اُمت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا
سلام اُس پر کہ جس کی سادگی درسِ بصیرت ہے
سلام اُس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیت ہے
سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھردیں فقیروں کی
سلام اُس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی
سلام اُس پر کہ تھا "الفقر فخری" جس کا سرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے جسم اطہر کا نہ تھا سایا
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"
سلام اُس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس کی سنگپاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے حکم سے سورج پلٹ آیا
سلام اُس پر فضا جس نے زمانہ کی بدل ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کُفر کی قوت کچل ڈالی
سلام اُس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اُس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو
سلام اُس پر کہ جس نے کافروں کے زور کو توڑا
سلام اُس پر کہ جس نے پنجۂ بیداد کو موڑا

سلام اُس پر، سر شاہنشہی جس نے جھکایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کو نیچا دکھایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اُس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اُس کے شیدائی
اُلٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت اوجِ دارائی
سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سر فروشی کے فسانے میں
سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیرا
سلام اُس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے
درود اُس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اُس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اُس پر تبسم جس کا گل کے مُسکرانے میں
درود اُس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں

درود اُس پر کہ جس کا نام لے کر پھول کھلتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کا تذکرہ عین عبادت ہے
درود اُس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے
درود اُس پر کہ جو تھا صدرِ محفل پاکبازوں میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں
درود اُس پر مکینِ گنبدِ خضرا جسے کہیے
درود اُس پر شبِ معراج کا دُلہا جسے کہیے
درود اُس پر جسے شمعِ شبستانِ ازل کہیے
درود اُس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہیے
درود اُس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہیے
درود اُس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہیے
رسولِ مجتبیٰ کہیے محمد مصطفیٰ کہیے
وہ جس کو ہادیٔ "دع ما کدر، خذ ما صفا" کہیے
درود اُس پر کہ جو ماحصر کی اُمیدوں کا ملجا ہے
درود اُس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

حفیظ جالندھری

المتوفی : ۱۹۸۲ء

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات فخرِ نوعِ انسانی
سلام اے ظلِ رحمانی، سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی
سلام اے سرِّ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آگئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حال قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربانی
سلام اے صاحبِ خُلقِ عظیم انساں کو سکھلادے
یہی اعمالِ پاکیزہ یہی اشغالِ روحانی
تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی
اگرچہ فَقْرُ فَخْرِیْ رُتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی و خاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرّے کو تابانی

حفیظؔ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروّت سے ہے نورانی

ترا در ہو، مرا سر ہو، مرا دل ہو، ترا گھر ہو
تمنّا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

مرزا محمد رفیع سودا

المتوفی: ۱۷۸۰ء

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیحِ سلیمانی

ہنر پیدا اگر اوّل ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغِ بے جوہر وگرنہ ننگِ عُریانی

فراہم زر کا کرنا باعثِ اندوہِ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہلِ دولت کی
نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں شاہوں کی پیشانی

عروجِ دستِ ہمت کو نہیں ہے قدرِ بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زرافشانی

کرے ہے کلفتِ ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلود کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کہ دنیا میں اگر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی جدائی سے ہو عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصلِ گل میں مرغِ بستانی

موقر جان اربابِ ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اُسے عزت ہے عُریانی

برنگِ کوہ رہ خاموش حرفِ ناسزا سُن کر
کہ تا بدگو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

یہ روشن ہے برنگِ شمع ربطِ باد و آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست ہے وہ دشمنِ جانی

نہیں غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جب تک ہے داغِ دل سے فرصت کیونکہ ہے پانی

کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو
کہ زیبِ ترکِ چشمِ یار سُرمہ ہے صفاہانی

طلوعِ مہر ہو پامال حسرت آسماں اوپر
لکھوں گا پھر غزل گر اس زمیں میں مطلعِ ثانی

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاجِ سلیمانی
فلک بالِ ہُما کو پل میں بخشے ہے مگس رانی

نہیں معلوم اُس نے خاک میں کیا کیا بلا دیکھا
کہ چشمِ نقشِ پا کی تا عدم نکلی نہ حیرانی

ہماری آہ دل تیرا نہ نرما دے تو یا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینے کو پتھّر ہو گئے پانی

تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیتِ خاطر مجھے اُن کی پریشانی

زمانہ میں نہیں کُھلتا ہے کارِ بستہ حیراں ہوں
گرہ غنچے کی کھولے ہے صبا کیونکر بآسانی

جنوں کے ہاتھ سے سر تا قدم کاہیدہ اتنا ہوں
کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں مژگانی

نہ رکھا جگ میں رسمِ دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربطِ پیشانی

سیہ بختی میں اے سودا نہیں طولِ امل لازم
نمط خامہ کے سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی

سمجھ اے ناقباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائے چینِ پیشانی و لطفِ زُلفِ طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے اس سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل اُن کے چشم و زلف و ابرو پر
مگر بیمار ہووے صعب یا کھینچے پریشانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیفِ مسلمانی

زہے دینِ محمدؐ پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاکِ قدم سے ان کی چشمِ عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو گر اس کی
امانت دارِ نورِ احمدیؐ ہوتی نہ پیشانی

خیالِ خُلق اُس کا گر شفیعِ کافراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منّت یہودی اور نصرانی

زباں پر اُس کے گزرے حرف جس جاگہ شفاعت کا
کرے واں نازِ آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

رکھا جب سے قدم مسند پہ آ اُن نے شریعت کا
کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی

اگر نقصان پر خس کے شرر کا ٹک ارادہ ہو
گرہ کو آگ کے دو ہیں کرے غرق آن کر پانی

موافق گر نہ ہوتا عدل اُس کا آب و آتش کو ———— تو کوئی سنگ سے بندھتی نہ شکلِ لعلِ رُمّانی
یہ کیا انصاف ہے یارو کہ طیر و وحش تک جگ میں ———— اس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لے جانی
پلے ہے آشیاں میں باز کے بچّہ کبوتر کا ———— شباں نے گرگ کو گلّہ کی سونپی ہے نگہبانی
ہُما آسا ہے پرواز ملخ اوجِ سعادت پر ———— کرے ہے مور چڑھ کر سینۂ دَو پر سلیمانی
کِھلے ہے غنچۂ گُل باغ میں خاطر سے بُلبل کے ———— جواب اوراقِ جمعیت کو ہوتی ہے پریشانی
جہاں انصاف سے ہر گاہ اب معمور ہے اتنا ———— تو اُس کے آگے ہوگی عدل کی کیا کچھ فراوانی
ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اُس وقت دُنیا میں ———— وگر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اُس کے سے نورانی
نہ ہونے سے جُدا سایہ کے اس قامت سے پیدا ہے ———— قیامت ہووے گا دلچسپ وہ محبوبِ سبحانی
جسے یہ صُورت و سیرت، کرامت حق نے کی ہووے ———— بجا ہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسفِ ثانی
معاذ اللہ یہ کیا حرفِ بے موقع ہُوا سر زد ———— جو اس کو پھر کہوں تو ہوں میں مردودِ مسلمانی
کدھر اب فہمِ ناقص لے گیا مجھ کو نہ یہ سمجھا ———— کہ وُہ مہرِ الوہیت ہے یہ ہے ماہِ کنعانی
جو صورت اُس کی ہے لاریب وہ ہے صورتِ ایزد ———— جو معنی اوس میں ہیں بیشک وہ ہیں معنیِ ربانی
حدیث مَن رَّانِی دال ہے اس گفتگو اُوپر ———— کہ دیکھا جن نے اوس کو اون نے دیکھی شکلِ یزدانی
غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کر کے ایسے کو ———— خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں میرا کوئی ثانی

بس آگے مت چل اے آسیؔ دکھا فہم کو ترے
کر استغفار اس مُنہ سے اب ایسے کی ثنا خوانی

○

حکیم مومن خاں مومن دہلوی

المتوفی : ۱۸۵۱ء

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبحِ شبِ ہجر، نالہائے خروس

ہے اس طرح فرح انگیز کوکوئے قمری
کہ جیسے فوجِ مظفر میں شور و غلغلِ کوس

نوائے طوطیٔ شکر فشاں کی لذّت سے
سماع و رقص میں اہلِ مذاق جُوں طاؤس

غبارِ صحنِ چمن کیمیائے عیش و نشاط
بہارِ لالہ و گل سیمیائے عرضِ شموس

صفا سے وہ در و دیوارِ باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کا جلوس

زہے فریبِ صفا خاک بیز ہے گل چیں
پڑے جو وسعتِ گل زار میں گلوں کے عکوس

ہجومِ سبزہ نے کی بسکہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادرِ مہتاب بن گئی ہے سدوس

ہوئی ہے سقفِ فلک مانعِ قدافروزی
وگرنہ بید کہاں اور ترقیٔ معکوس

ہو کیوں کہ ایسی رطوبت پہ سنگ راہِ نسیم
بنا ہے شبنمِ گل آب گینۂ فانوس

خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے
زبس کہ لفظِ خزاں جانتے ہیں سب منحوس

نوید مالکِ گلزار کو کہ زر کی جگہ
ہر ایک کاسۂ گل میں ہے گنجِ دقیانوس

یہ رنگ و آب کہاں لعل اور زمرّد کا
مگر دیا ہے گل و سبزہ نے انھیں ملبوس

چمن کی خاک سے گلگونہ اب بناتے ہیں
شگفتہ تا دمِ رخصت بھی ہو عذارِ عروس

خمیدہ شاخ سے یوں رنگِ گل چمکتا ہے
کہ جس طرح سے بھڑک اُٹھے مشعلِ منکوس

پڑھے ہے مُرغِ گلستاں وہ مطلعِ رنگیں　　کہ سُن کے لبس رہ "سن" ہی بلبلِ طوس
مطلعِ ثانی　زبان لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خروس　　گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسرِ کاؤس
ہزار داغ ہو پروائے آفتاب کسے　　پرستشِ گل خورشید میں ہے گرم مجوس
شگفتہ تر ہے چمن روضہ ہائے جنّت سے　　ہنسی کی جا نہیں گر صومعہ نشیں ہے عبوس
خلل پذیرِ رطوبت ہوا دماغ بہار　　عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس
ہے دشت بزمِ طرب کثرتِ نتائج سے　　نہ کیوں ہو شکل جاری کو نازِ شکل عروس
ہوائے سیرِ چمن زار کی وُہ مستی ہے　　کہ خلق کو ہوئی مشکل حفاظتِ ناموس
عجب نہیں مےِ گلرنگ کی ہوس سے اگر　　خود آکے شیشۂ خالی میں ہو پری مجبوس
مزاجِ دہر میں یہ اعتدال آیا ہے　　کہ جس نبات کو وہ صالح الکیموس
عجب نہیں کہ بسان مگسِ عسل اُگلے　　گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس
نمو کا معجزہ صلِّ علیٰ کہ پھر گندم　　ہوائے جنبش غربال سے بنے ہے سبوس
رطوبت ایسی نظر آئی داغِ لالہ میں　　کہ چاک چاک حسد سے ہوا دل افیوس
قبائے گل کو گر اطلس سے دیجیے تشبیہ　　سیاہ پوش "جعل" ہو درونِ ماتم سوس
قوائے نامیہ کو ناگوار ہے کتنا　　کہ ہضم رابعہ محتاج ہو سوئے کیلوس
ہوا ہے اب تو یہ سرمایۂ لطافتِ آب　　کہ پشتِ ماہی پہ گل ہائے اشرفی ہیں فلوس
کہیں جہان میں کائی نظر نہیں آتی　　کہ صرفِ زنگرزاں ہوگئی بجائے "ایوس"
سرایتِ نمِ آبِ وضو سے دُور نہیں　　جو سبزہ زار بنے رِیشِ زاہدِ سالوس
بعید کچھ نہیں شادابیٔ زمیں سے اگر　　زیادہ تر کرے سیلانِ خُونِ گلِ شاموس

گر اس بہار کی یعقوبؑ کو ہوا لگ جائے ۔۔۔ شمیمِ جامۂ یوسفؑ کبھی نہ ہو محسوس
ہوا سے بس کہ گلِ شمع بھی ہے عطر آگیں ۔۔۔ عدیلِ طبلۂ عطار بن گئی فانوس
یہ گل کھلاتی ہیں آب و ہوا کی تربیتیں ۔۔۔ کہ ہے پیاز کو لاف و منافعِ بلبوس
ہوائے جنبشِ اوراق سے ہیں عطر فروش ۔۔۔ لغاتِ ورد کہ ہیں ثبتِ صفحۂ قاموس
فسوں گری دمِ مشاطۂ نسیم کی دیکھ ۔۔۔ کہ مشک نافہ ہوئے غنچہ ہائے زلفِ عروس
صفات آئے جو آئینۂ ہوا میں نظر ۔۔۔ لگا خواص و عوارض کو اعتبارِ نفوس
صدا نکلتی ہے مل کر ہوا سے کیا ہو فرق ۔۔۔ کہ بانگِ خندۂ گل ہے کہ نالۂ ناقوس
عجب ہوا ہے کہ فیضِ ہوا سے ہوتا ہے ۔۔۔ شکم میں خستہ کے نشو و نمائے اصل السوس
غریقِ آبِ خجالت ہوا کے فیض سے ہوں ۔۔۔ کہ گل ہوا ہے مرا غنچۂ دلِ مایوس
ہوا ہے کون سی ایسی مگر "مدینے" کی ۔۔۔ دمِ مسیحؑ کو ہے جس کی حسرتِ پابوس
شرف مدینے کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہو ۔۔۔ جسے بتاتے ہیں محبوبِ حضرتِ قدوس
جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا ۔۔۔ تو دیتی دل وہیں یوسفؑ کو دخترِ طیموس
جو شمعِ بزم کہوں اُس کے رُوئے تاباں کو ۔۔۔ کتان و ماہ بنے نور شعلہ و فانوس
وہ کون؟ احمدِ مرسل شفیع ہر دو سرا ۔۔۔ جو خلق کا سبب اور باعثِ معادِ نفوس
جہاں مطاع، شہنشاہِ آفتاب نشاں ۔۔۔ فلک سریر، قمر طلعت و ملک ناموس
سیاہ چشموں کو مشکل نگاہ دزدیدہ ۔۔۔ یہ اس کے حفظ سے ہے ملک معدلت محروس
نگاہ بانیٔ عصمت سے ہے رواجِ حیا ۔۔۔ کہ چار چشم نہ ہوں نرگس اور ادافیوس
مُنے ہے دورِ عدالت میں اس کے شیرِ غریں ۔۔۔ شباں کی ضربت بے جا سے ناشِ جاموس

کرم میں دوں اسے نیساں سے کس طرح تشبیہ ۔۔۔ کروں میں جان کے کیونکر ترقیٔ معکوس
کہ جس کی بخششِ یک روزہ کو وفا نہ کریں ۔۔۔ ہزار سالہ گہرہائے قلزم و قاموس
یہ جی میں ہے کہ پڑھوں اور ایک وہ مطلع ۔۔۔ جو ہو ہر اک متنفس کی طبع سے مانوس
مطلع ثالث
ترے ہے فیض سے ہر قطرہ آبیارِ عجوس ۔۔۔ ترے ہے نور سے ہر ذرّہ جلوہ زارِ شموس
ہمیشہ عفو ترا طالبِ گنہ گاراں ۔۔۔ مدام رحم ترا دردمند کا جاسوس
ترے حسود کی نسبت سے جل رہی ہے نہ کیوں ۔۔۔ ہجومِ شعلہ سے دوزخ ملے کفِ افسوس
تری غلامی کی دولت سے خاک پائے بلالؓ ۔۔۔ سفیدۂ رُخِ فغفورِ چین و خسروِ روس
خمیدہ کس لیے نہ آسماں بنے تھے بھلا ۔۔۔ نہ تھا ازل سے جو مدِّ نظر ترا پابوس
بہا میں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمیں ۔۔۔ یہ بڑھ گئی ترے سکّے سے قدرتابہ فلوس
ہے احتساب ترا مانع لباسِ حریر ۔۔۔ نہ پھینک دیوے کہیں چرخِ اطلسِ ملبوس
ترا وہ خوف کہ رُک جائے تا گلو آکر ۔۔۔ نہ نکلے معبدِ ترسا میں نالۂ ناقوس
یہ مے کونسی جہاں سوز نے جلایا ہے ۔۔۔ کہ مغ نہ کر سکے فرقِ صراحی و فانوس
زبس شراب کو بھی آفتاب کہتے ہیں ۔۔۔ نہ آسماں کے واژوں رہے مدام کیوس
فریبِ وعدہ پہ چھوڑی بُتوں نے جھوٹ قسم ۔۔۔ سُنا زبس کہ زباں سے تری وعیدِ غموس
دمِ مصاف ترے دشمنوں سے لشکر میں ۔۔۔ صدائے نوحہ و شیون ہے شور و غلغلِ کوس
دونیم ہوں تری شمشیر کے تصوّر سے ۔۔۔ بہ سانِ ساغرِ خورشید کاسہ ہائے رؤس
ملا دے گاوِ زمیں گاو چرخ سے نیزہ ۔۔۔ بٹھا دے خاک پہ شیرِ سپہر کو دبوس
اگر کہے مدد دے یا محمدِؐ عربی ! ۔۔۔ صفیرِ مرگ ہو رستم کو نعرۂ الکوس

مخالفوں کو ترے دو جہاں جہنم ہے   کہ تابِ مہر سے جلتے رہے ہیں یاں بھی مجوس

براق اسپ ترا ابروئے فرشتہ رکاب   کہاں ہو چشمِ بشر ایسے پاؤں سے ممسوس

نہ جس کے دھیان میں مضمونِ قاب قوسین آئے   وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس

ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں   نہ ہو قبول دعا سے بھی رفعتِ بستوس

ترے خیال سے اصحابِ کہف کو ہے یہ چین   وگرنہ خواب کہاں اور زمانِ دقیانوس

ظہور میں ہوئی تقدیم انبیا کہ نہ تھا   ترے وسادۂ دولت پہ احتمالِ جلوس

شہا ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے   ہزار گونہ ستم روزگار نامانوس

کچھ انتہا بھی کواکب کے دورِ بے جا کی   ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماعِ نحوس

جو اپنی حسرت و ارمان میں بیان کروں   نہ تاب لائے دلِ سخت زاہدِ سالوس

جفا کو آئے مری دل شکستگی پر رحم   بلا کرے مرے احوالِ زار پر افسوس

ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون و علوم   خدا کسی کو نہ دے ایسے طالعِ منکوس

حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر   کرے معارضہ سر دفترِ عقول و نفوس

طبیب وہ ہوں کہ ہو سوز سینۂ بلبل   نظارۂ رخِ گلفام سے مجھے محسوس

جو ہوں معالج مبطوں تو قابضِ ارواح   کرے دعائے رواجِ طریقِ جالینوس

ورم ہو چارہ گر قبض تا بہ دستِ لئیم   کیا ہو میں نے جو تجویز وزنِ مغز فلوس

کروں جو گردشِ انجم کی میں رصد بندی   فدا ہو وجد میں آ کر روانِ بطلیموس

گواہِ عصمتِ مریمؑ ہو کثرتِ اولاد   عقیمہ مجھ سے سنے گر بیانِ شکلِ عروس

طلسمِ ماہ لکھوں گر پئے زباں بستن   بنائے مہرِ دہن چرخ نکتۂ جاسوس

یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو　　پڑھوں جو میں پئے دوری دعائے بدریطوس
جو میری نثر کے دیکھے لآلیِ منثور　　اُٹھالے مسندِ حشمت حجاب سے کاؤس
بہ فرض گر کرۂ خاک کو کہوں دائر　　شکستہ اسپ گلی ہووے پیشِ تازفروس
فنونِ نظم میں مَیں نے نکالی ایسی راہ　　طریقۂ شعرائے سلف ہوا مطموس
مرے کلام ثریا نظام کا منکر　　وُہ تیرہ روز جو برجیس کو کہے منحوس
جو دیکھیں میری طبیعت کی گوھر افشانی　　شریکِ درد ہوں محمود و نکتہ پرور طوس
دبے ہیں میرے حسد نے زلبس ہزاروں داغ　　روا ہے باندھیے گر عندلیب کو طاؤس
قماش دیکھ کے رنگینیٔ سخن کا مرے　　حریر لالہ و گل شرم سے ہوا مدروس
خدا کے واسطے گرمِ دعا ہو بس مومن　　کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس
ہے جب تلک گل و برقسمتِ نہال و شجر　　ہے جب تلک دل لالہ میں داغِ حسرتِ بوس

مدام پھُولے پھلے دوستوں کا نخلِ مراد
رہینِ داغ عدو کا رہے دلِ مایوس

○

میر تجلّی دہلوی

المتوفی : ۱۷۹۸ء

حضرتِ خیرالبشرؐ سیدِ عالی جناب ۔۔۔ صورتِ بحرِ کرم معنیٔ گنجِ صواب
پیش روِ انبیاؑ راہبرِ اصفیا ۔۔۔ نائبِ ذاتِ خدا صاحبِ وحی و کتاب
حاکمِ ملکِ وریٰ بلکہ شہِ دوسرا ۔۔۔ صلِّ علیٰ مصطفیٰ شافعِ یومِ حساب
اس کا ہے رودرمیان شاہدِ تحقیق کو ۔۔۔ کرتا ہے ہر اک سے وہ وعدہ رفعِ نقاب
جلوے سے اس کی ذات کے چونک پڑا نیند سے ۔۔۔ ورنہ خدا کے تئیں تھی تری راحت سے خواب
مرکزِ افلاک بود کرۂ ارضِ وجود ۔۔۔ شاہدِ بزمِ شہود گوہرِ فیضِ انتساب
بحر میں قدرت کے گر حق بھی ہو غواص تو ۔۔۔ ہو نہ سکے اس پہ پھر ایسا گہر انتخاب
ماہ کو ہر رات ہے رو کے تمہاری تلاش ۔۔۔ مہر کے بھی دل میں ہے ذرّہ نمط اضطراب
احمدِ بے میم تم صاحبِ تعظیم تم ۔۔۔ تم ہو تشبیہ جناب تم ہو تنزہ مآب
لیس کمثلہ کی نص تم پہ ہو وے ہے ثبوت ۔۔۔ تم ہو تنزہ لقب تم ہو تشبہ خطاب
وہ ترے ہر کام کو جانے ہے کارِ خدا ۔۔۔ نصِ رمیت اذ رمیت جس نے کر لی انتخاب
بحرِ ازل اور ابر قطرہ تیرے وصف میں ۔۔۔ جوشِ محیطِ دو کون نعت میں تری سراب
ایسا میں عاجز سخن تس پہ ہو الفت کنے ۔۔۔ پشۂ بے بال و پر ہو سکے کیونکر عقاب
جذبۂ خورشید سے اس کو ہے بال و پر ۔۔۔ شبنمِ بے پر ہوں میں، ذات تری آفتاب
بھائی تمہارا علیؑ کاشفِ رمزِ جلی ۔۔۔ مظہرِ آیاتِ حق شہر کا علموں کے باب
حق کے تئیں بو تراب ہوتا نہ منظور اگر ۔۔۔ خاک کے پتلے کے تئیں ہوتا نہ آدم خطاب
صلِّ علیک الرسولؐ بعد علیؑ و بتولؑ ۔۔۔ بعد حسینؑ و حسنؑ سیدِ عالی جناب
پنج تنِ باصفا ہادیٔ راہِ خدا ۔۔۔ قاضیٔ روزِ جزا شافعِ یوم الحساب

اے صمدِ بے نیاز خاکِ تجلّی پہ رحم
کیونکہ وہ اب تو ہوا خاکِ رہِ بو تراب

راسخ عظیم آبادی

المتوفی: ۱۸۲۳ء

خلقِ عالم کا نہیں تیرے سوا کوئی معین — رحم کر عالم پہ اب یا رحمۃ للعالمین
اے شفیعِ عاصیاں اے بادشاہ نیمروز — خواجۂ ہر دو سرا پشت پناہ اہلِ دین
اے طبیبِ علتِ ارواح اے فخرِ بشر — باعثِ ایجادِ عالم اے یقینِ اوّلین
عاصیوں کی کس سے ہو اصلاحِ باطن تجھ سوا — ذات سے تیرے ہی رکھتے ہیں توقع مجرمین
صالح و طالح کی مرجع ہے تری ذاتِ کریم — موجِ دریائے کرم ہے گی جبیں کی تیرے چین
واہ کیا شانِ کریمی ہے کہ جس عاصی کا تو — عذر خواہِ جرم ہو اے افتخار اکرمین
حکمِ حق پہنچے کہ کر دیں محو سب اعمال زشت — نامۂ اعمال سے اس کے کراماً کاتبین
یا نبی اللہ یہ تیرا ہی رتبہ ہے کہ ہے — وقف امت کا ترے سرتاسر خلدِ برین
ہے یہی قول اَنا احمد بلا میم اس پہ دال — ذات تیری ذاتِ حق ہے اس میں کچھ شبہ نہیں
باعثِ رونق ہوا عالم کا تیرا ہی ظہور — نام تیرا خاتمِ ہستی کا ہے نقش نگین
آفرینش حدقۂ بے چشم رہتی تا بہ حشر — گر نہ پیدا کرتا تجھکو ایزدِ خلق آفرین
عینِ رحمت ہے تو اے انسان عینِ انبیاؑ — خاکِ در ہے تیری کحلِ دیدۂ رُوح الامین
وہ ترا جسمِ مقدس تھا خلاصہ رُوح کا — ہاتھ تھا جبریلؑ کا خرقہ کی تیرے آستین
عرش کا پایہ کیا معراج نے تیرے بلند — وسعتیں کُرسی کی جو تھیں اور افزوں ہو گئیں
طے کیا یہ نو طلسمِ بستہ تو نے آن میں — وہ جو سب سے دُور تھا سو ہو گیا تیرے قرین
تو ہے وہ اُمت نواز اے سرپرستِ عاصیاں — وہ شفاعت پیشہ ہے تو اے پناہ طالحین
میں وہ عاصی ہوں کہ ہوتا گر نہ تو میرا شفیع — کرتے روزِ حشر مجکو پیش خیلِ فاسقین
ایسا عاصی ہوں پر امیدِ شفاعت تجھ سے ہے — سرپرستِ امت ایسا کوئی پیغمبر نہیں

کیا ثنا ہو آکے اب راسخ سے تیری جز درود
طول دینا حرف کا سوءِ ادب ہے بعد ازیں

ناسخ لکھنوی

المتوفی: ۱۸۳۸ء

دکھا اس کو جہاں میں غل ہے جس کی آمد آمد کا
الٰہی! ہوں بہت مشتاق دیدار محمدؐ کا

بہارِ گلشنِ دینِ محمد اب دکھا یا رب!
ترصد بلبلِ دل کو ہے فصلِ گُل کی آمد کا

کبھی مثلِ قلم پائے طلب لیکن نہ ہاتھ آیا
بسانِ سایۂ احمدؐ نشانِ تصویرِ احمدؐ کا

شجاعت میں، کرم میں، عدل میں، صورت میں، سیرت میں
امامِ آخری ہے مثل اپنے جدِّ امجد کا

عبور اللہ نے اس کو دیا ہے علمِ باطن پر
لیا ہر چند ظاہر میں نہ درس اک حرفِ ابجد کا

نفاق اس سے نہاں کیا ہو چھپے شرکِ خفی کیونکر
محک ہے اس کا سنگِ آستانہ نیک اور بد کا

کرے گا جبکہ وہ اتمام آکر حجتِ حق کو
زمانے میں رہے گا نام ملحد کا نہ مرتد کا

مسیحا بہرِ بیعت آئے گا چرخِ چہارم سے
نہیں موسیٰؑ سے کم رتبہ ترے جلوہ کی بےخود کا

جو نزدیک اس سلیمانِ زماں کا دور آئے گا
بیابانوں میں ہوگا ایک مسکن دام اور دد کا

خدا تیرا معرّف ہے ملک تیرے موصّف ہیں
نہیں حدِّ بشر کہنا ترے اوصافِ بے حد کا

بنا اے مہرِ تاباں قصرِ یاقوت اپنے جلوہ سے
سیہ خانہ نظر آتا ہے یہ گنبد زبرجد کا

نہ سوئے جانِ دنیا منہ کیا اے شاہِ دیں تونے
سریرِ سلطنت تکیہ ہے گویا تیری مسند کا

گراتے رُکنِ دیں یاجوج ماجوج آکے دنیا میں
جو پشتیباں تو ہوتا نہ ذوالقرنین کی حد کا

نمازوں میں مسیحا پیمبر مقتدی ہوگا
وہی رتبہ ہے تیرا ابھی جو رتبہ تھا ترے جد کا

بھرا تجھ میں یہ حق نے علم رطب و یابس عالم
کہ جلد و جسم کو رتبہ ہے قرآنِ مجلّد کا

جو گندے ناتراشیدہ ہیں اُن کو فیضِ صحبت کیا
سوا اس کی کہ پایا مرتبہ چوبِ مسند کا

معانی قل ھو اللہ احد کے ہیں عیاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے مَیں نے میم احمد کا

کرامت علی شہیدی

المتوفی : ۱۸۴۰ء

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا
سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعتِ احمدؐ کا

طلوعِ روشنی جیسے نشاں ہو شہ کی آمد کا
ظہورِ حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمدؐ کا

دبستانِ ازل میں وہ معلّم عقلِ کُل کا تھا
نہ تھا نام و نشاں جن روزوں اس لوح زبرجد کا

چمن پیرائے کُن فراش جس کی بزمِ رنگیں میں
بہارِ آفرینش ایک بوٹا اس کی مسند کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور تھا جس وقت اس کی آمد آمد کا

شرف حاصل ہُوا آدمؑ اور ابراہیمؑ کو اُس کے
نہ تنہا فخرِ عالم فخر تھا اپنے اب و جد کا

شب و روز اس کے صاحبزادوں کا گہوارہ جنباں تھا
عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا

وہ اس عالم میں رونق بخش تھا حوروں کی تسکیں کو
گیا جنت میں طوبیٰ بن کے سایہ اس سہی قد کا

شبِ معراج چڑھ کر عرش پہ دم میں اُتر آیا
بیاں اس قلزمِ معنی کی ہو کیا جزر اور مد کا

رواں تسنیم و کوثر ایک قطرہ آب سے جس کے
کروں کیا وصف اُس دُرِّ یتیم بحرِ سرمد کا

کشادِ عقدۂ باطن میں کافی نام حق اس کو
کھُلا کرتا ہے بن کنجی ہمیشہ قفل ابجد کا

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا

گزر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذاتِ مطلق کو
نہ بنتا صفر گر نقش احد پہ میم احمدؐ کا

خدا بن مانگے کیا کیا نعمتیں دیتا ہے بندوں کو
ترا دستِ دعا ضامن ہے جیسے کُل کے مقصد کا

بٹیں گے جس گھڑی عشرت کے ساماں بزمِ جنت میں
کھلے گا حال امت کو ترے انعامِ بے حد کا

لبِ گوہر فشاں وا ہوں گے جب عرضِ شفاعت کو
تماشا گاہِ محشر میں تکیں گے نیک منہ بد کا

رہا کعبہ میں تیرے روضے کے در پہ نہ جا پائی
اسی اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگِ اسود کا

عدو کو حشر تک انکار ہو تیری رسالت کا
محل باقی رہے اللہ کے قولِ موکّد کا

تری تعریف میں میری زباں میں آئی جو تیزی
صفاہاں تک مسخر ہو گا اس تیغ مہند کا

کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں
کبھی گر دُور بیٹھوں میں کروں نظارہ گنبد کا

فراغِ دل سے گر واں زندگی کا کوئی دم گزرے
حسد ہو خضرؑ و عیسیٰؑ کو مرے عیشِ مخلّد کا

مدینہ کی زمیں کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں میں دام اور دد کا

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ رُوحِ مقید کا

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمدؐ کا

بہادر شاہ ظفر

المتوفی ۱۸۶۲ء

اے سرورِ دو کون شہنشاہِ ذوالکرم
سرخیلِ مرسلین و شفاعت گرِ امم

موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق
مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم

رنگِ ظہور سے ترے گلشن رُخِ حدوث
نورِ وجود سے ترے روشن دلِ قدم

ہوتا کبھی نہ قالبِ آدم میں نفخِ روح
بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تری دم

ٹوٹا جو کفر قوتِ اسلام سے ترے
صد جا سے شکستہ ہے زنار موجِ یم

تو تھا سریرِ اوجِ رسالت پہ جلوہ گر
آدم جہاں ہنوز پسِ پردۂ عدم

کرتا تھا تیرے اسمِ مبارک کو دل پہ نقش
اس واسطے عزیزِ جہاں ہو گیا درم

اے معدنِ کرم تری ہمت کے روبرو
کمتر ہے سنگریزہ سے قدرِ نگینِ جم

محروم تیرے دستِ مبارک سے رہ گیا
کیونکر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم

عالم کو تیرا نور ہوا باعثِ ظہور
آدم ترے ظہور سے ہے مظہرِ اتم

والّیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا
والشمس ہے ترے رُخِ پر نور کی قسم

قرآں میں جبکہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا
کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کر سکے رقم

تیری جنابِ پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض
صدقے میں اپنی آل کے اے شاہِ محتشم

صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر
آئینۂ ضمیر سے میرے غبارِ غم

پہنچا نہ آستانِ مقدس کو تیرے میں
اس غم سے مثلِ چشمہ ہوئی میری چشمِ نم

پر خاکِ آستاں کو تری اپنی چشم میں
کرتا ہوں سرمہ سیلِ تصور سے دم بدم

خواجہ الطاف حسین حالیؔ

(۱۸۳۷ء ——— ۱۹۱۴ء)

بنے ہیں مدحتِ سلطانِؐ دوجہاں کے لیے
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنّم میں
عداوت اس کی عذابِ الیم جاں کے لیے

وہ شاہ جس کا محب امن و عافیت میں مدام
محبّت اس کی حصارِ حصین اماں کے لیے

وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم
رہا نہ تفرقۂ روز و شب زماں کے لیے

وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغباں مشکور
رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کے لیے

ہلال مکہ کا ماہِ دو ہفتہ یثرب کا
فروغ قوم کے اور شمع دودماں کے لیے

گھر اس کا موردِ قرآن و مہبطِ جبریلؑ
در اُس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لیے

سپہر گرمِ طواف اس کی بارگاہ کے گرد
زمین سر بسجود اس کے آستاں کے لیے

وہ لحظہ لحظہ تفقد وہ دمبدم الطاف
رضائے خاطرِ یارانِ جانفشاں کے لیے

وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر
کشائش گرہ کین دشمناں کے لیے

گہِ افتخار مقابل میں اہلِ نخوت کے
گہ انکسار مداراتِ میہماں کے لیے

کہیں ہلاک میں تاخیرِ قوم سرکش کے
کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لیے

صفائے قلب حسودانِ کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر بداندیش و بدگماں کے لیے

کہیں مقدمۃ الجیشِ انبیاء و رسل　　کہیں وہ خاتمۃ الباب داستاں کے لیے
مدینہ مرجع و ماوائے اہلِ مکّہ ہوا　　مکیں سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لیے
اسی شرف کے طلبگار تھے کلیمؑ و مسیحؑ　　نویدِ امتِ پیغمبر زماں کے لیے
بس نہ اب ہول نہ کھٹکا، نہ راہزن کا خطر　　ہُوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لیے
شفیعِ خلق سراسر خدا کی رحمت ہے　　بشارت اُمّتِ عاصی و ناتواں کے لیے
شفاعتِ نبویؐ ہے وُہ برقِ عصیاں سوز　　کہ حکمِ خس ہے جہاں کفر دو جہاں کے لیے
خدا کی ذات کریم اور نبیؐ کا خُلقِ عظیم　　گنہ کریں تو کریں رخصت انس و جاں کے لیے
اُسی کا دیں ہے کہ ہے گلشنِ ہمیشہ بہار　　و گرنہ ہر گل و گلزار ہے خزاں کے لیے
عبور لجۂ عصیاں سے کس طرح سے ہو، اگر　　وہ ناخدا نہ ہو اس بحرِ بیکراں کے لیے
مریضِ حرص ہوا پائے کب شفا، جب تک　　وُہ چارہ گر نہ ہو اس دردِ جانستاں کے لیے
نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت　　حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لیے
ارادہ عرش پہ اک آن میں پہنچنے کا　　کیا تھا عزم الوالعزم نے کہاں کے لیے
کرم کا دیکھیے دامن کہاں تلک ہو فراخ　　ہو میزبان خدا جب کہ میہماں کے لیے
زمیں پہ ٹھیرا ہے ماوائے شاہِ عرش نشیں　　رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لیے
اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیارِ استعداد　　محک ہے حُبِّ نبیؐ دل کے امتحاں کے لیے
اگر نصیب ہو یثرب میں جا کے شربتِ مرگ　　پیوں نہ آبِ بقا عمرِ جاوداں کے لیے
اگر بقیع میں گز بھر زمیں میسّر ہو　　کروں نہ طولِ امل روضۂ جناں کے لیے
سمایا اس کا جو نقشِ قدم تصوّر میں　　ہجومِ عشق میں بوسے کہاں کہاں کے لیے

حریفِ نعتِ پیمبرؐ نہیں سخن حالؔی کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لیے

نبیؐ کا نام ہو وردِ زباں رہے جب تک
سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے

○

امیر مینائی

(المتوفی ۱۳۱۸ھ)

تفکر امتیازِ جان و جاناں میں ہے کیا حد کا
عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیتِ معقد کا

نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کے معنی سے ہوا ثابت
خزانہ ہے محیط اس چشمۂ روحِ مجرّد کا

گیا شبہ، سمجھ میں آیۂ حَبْلُ الْوَرِیْد آیا
رگِ گردن مقامِ خاص ہے محبوبِ سرمد کا

سمٹنا تھا بھنور کا جو وہی تھا موج کا بڑھنا
کھلیں آنکھیں تو عالم ایک دیکھا جزر کا مد کا

کلیدِ فہم دندانِ طمع کیا تیز کرتی ہے
کبھی ممکن نہیں ہے کھولنا اس قفلِ ابجد کا

لحاظِ ضبطِ معنی چاہیے مشتاقِ معنی کو
جدا کرنا ہے بے جا لفظ میں حرفِ مشدّد کا

حباب آسا ہیں آنکھیں بند تیری ورنہ ظاہر ہے
کہ ہر موجہ ہے اس دریا میں جادہ راہِ مقصد کا

ادھر نالہ کیا دل نے ادھر مقصود حاصل تھا
دعا سے تا اجابت فاصلہ ہے تیر کی زد کا

نہ کیوں سوئے مقدّم ہو رجوعِ دل مؤخّر کا
کہ مرکز ہے ہر اک مسند الیہ اسنادِ مسند کا

مٹا دے زندگی میں نقشِ ہستی کو کہ ہو جائے
بہشتِ جاوداں میں سامنا عیشِ مخلد کا

درِ مقصود کا پھر تجھ کو ہاتھ آنا ہے کیا مشکل
ہوا غوّاص جب تو قلزمِ اسرارِ سرمد کا

نہ رکھ تاجِ تکبّر سر پہ تیرے حق میں سم ہو گا
سرِ افعی ہے اس میں جو آویزہ زمرّد کا

خیالِ دولتِ دنیا کبھی دل میں جو آ جائے
سمجھ اس کو کہ ہے یہ وسوسہ ابلیسِ مرتد کا

وہ ہیں مقبولِ حق جو نا قبولِ اہلِ عالم ہیں
ملا ہے منزلِ مقصود سے جادہ خطِ رد کا

فرشتے اُن کو ڈالی میں لگا کر نذر کرتے ہیں ۔۔۔ جو پھل تازہ اُترتا ہے نہالِ لطفِ سرمد کا

فنا و فقر کے مضمون باندھے اے امیرؔ اچھے
سنا کوئی غزل بھی اب کہ دل مشتاق ہے حد کا

غزل

خدا جانے کب آنا ہو چمن میں اُس سہی قد کا ۔۔۔ بجا رکھا ہے کیوں غنچوں نے ڈنکا آمد آمد کا
اسے دیکھا جو گلشن میں تو ساری سرکشی بھولا ۔۔۔ زمیں پر بچھ کے سروِ باغ سایا بن گیا قد کا
درِ محبوب بالش کوچۂ محبوب مسند ہے ۔۔۔ نہ میں خواہاں ہوں بالش کا نہ میں طالب ہوں مسند کا
مگر توصیفِ رخسار و خط و گیسو سے کیا حاصل ۔۔۔ وظیفہ تھا جو ان بیتوں میں ہوتا وصفِ احمدؐ کا
ہوئی عبرت مجھے پھیری عناں اسپِ طبیعت کی ۔۔۔ ارادہ بندھ گیا وصفِ جنابِ خاصِ سرمد کا
لگا کرنے میں قرآں کی تلاوت پھاڑ کر پوتھی ۔۔۔ ہُوا مسجد میں داخل چھوڑ کر مے خانہ مُوبد کا

کہو عشاقِ احمدؐ سے کہ آئیں اس کے سُننے کو
قصیدہ اک نیا پڑھتا ہُوں میں نعتِ محمدؐ کا

قصیدہ

الف آدم میں ہے ممدود احمد میں ہے بے مد کا ۔۔۔ سبب یہ ہے کہ واں سایا تھا یاں سایا نہ تھا قد کا
بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمدؐ کا ۔۔۔ اثر میم مشدد میں ہے ذوالقرنین کی سد کا
جو آنکھیں ہوں تو نامِ پاک سے پیدا ہے یکتائی ۔۔۔ کہ آغوشِ احد میں جلوہ گر ہے میم احمدؐ کا

زہے خاطر جو دُنیا سے بلایا حق نے پاس اپنے — رواں ہمراہ قاصد کے کیا ہدیہ خوشامد کا
شروعِ دفترِ امکاں میں بسم اللہ کے بدلے — قلم نے نام لکھا لوح پر پہلے محمدؐ کا
فلک پر ہوں نہ کیونکر دیدۂ شمس و قمر روشن — لگایا کرتے ہیں آنکھوں میں سُرمہ خاکِ مرقد کا
فلک طاؤس کی صورت جواب تک رقص کرتا ہے — کبھی دیکھا تھا جلوہ ابرو و گیسوئے احمدؐ کا
جُدا رکھا مجھے اس روضۂ پُر نور سے اب تک — بُرا ہو طالعِ بد کا بُرا ہو طالعِ بد کا
جو اپنے دوست کا ہو دوست سب کا دوست ہوتا ہے — خدا کا کیوں نہ عاشق ہو جو عاشق ہو محمدؐ کا
الٰہی ! ہو گزر تعلیم گاہِ بزمِ مولےٰ میں — جُھکے ایسا کہ شکل دال بن جائے الف قد کا

کمی اُس سے نہیں کی میں نے بھی توصیف حضرتؐ میں
شہیدی گو کہ موجد ہے اِس آئینِ مجدّد کا

ظہور آخر ہے اوّل انبیاؑ سے نورِ احمدؐ کا — بجا ہے گر لقب ہو اوّل و آخر محمدؐ کا
الٰہی ! آئے وہ جھونکا ہوائے شوقِ بے حد کا — اڑا لے جائے دکھلانے مجھے روضہ محمدؐ کا
مجسم کر کے نور اپنا خدا نے عرش سے بھیجا — ادا ہو شکر کیا بندوں سے اس کے لطفِ بیحد کا
خبر دیتے رہے مرسل سب اپنی اپنی اُمت کو — زمانے میں نہ تھا کب شور اُن کی آمد آمد کا
وہی تو چرخِ اخضر ہے جو روزِ خلقتِ آدم — گرا تھا تاج نورانی سے آویزہ زمرّد کا
حوادث سے ہوں امن کیوں نہ جو ساکن ہیں روضے کے — کہ بسم اللہ کا گنبد ہے، گنبد ان کے مرقد کا
ہوا یہ عندلیب سدرہ کی منقار رکھتی ہے — کروں گلگیر بن کر گل میں اُن کی شمعِ مرقد کا
وہ مستغنی مجاور ہیں کہ جن کے سامنے سلطان — ادب سے دم بخود ہیں مُنہ نہیں پڑتا خوشامد کا
برادر دونوں جبریلؑ و علیؓ ہیں نوری و خاکی — اِدھر بھی ہے اُدھر بھی سلسلہ ثابت محمدؐ کا

خدا کے نور کے ہمراہ نورِ مصطفےٰؐ دیکھا — مزا موسیٰؑ سے پوچھا چاہیے تکرارِ بے حد کا
رہائی پائی قیدِ بطنِ ماہی سے جو یونسؑ نے — اشارہ یہ بھی تھا اک نونِ ابروئے محمدؐ کا
کبھی ایوبؑ کے شافی، کبھی یعقوبؑ کے حامی — بھرا دُرِّ عنایت سے نہ دامن کس کے مقصد کا
بِنا آیاتِ قرآں کی ہے اُن کی ذات سے محکم — قیام اُن کے سبب کعبے کے ارکانِ مشیّد کا
اصولِ خمسۂ اسلام جو مشہور ہیں پانچوں — مخمس آپ کے دیوانِ ارشادِ مؤکد کا
فروغِ دیں جو شش گانہ ہیں شائع اہلِ ایماں میں — مسدّس آپؐ کے فکرِ مضامینِ مجدّد کا
قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے — انہیں دو نقطۂ زیریں کا طالب لفظ تھا ید کا
شکم پر سنگِ اسود اور فاقے سے شکم خالی — ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلّد ہے محمدؐ کا
شبِ معراج کیا اس مقتدا نے مرتبہ پایا — خدا مشتاق شہرہ قدسیوں میں آمد آمد کا
رکابوں سے ملیں آنکھیں جھکایا سر کو قدموں پر — ملا جبریلؑ کو رستے میں کیا موقع خوشامد کا
کٹے آٹھوں فلک طے دم میں جس نے عرشِ اعلیٰ پر — قدم آگے بڑھا اس واقفِ اسرارِ سرمد کا
لگایا غوطہ اس بحرِ حقیقت میں شناور نے — گریباں جو رکا جس میں نہ دامن تھا کہیں مد کا
گئے حضرتؐ پھرے حضرتؐ مٹی گرمی نہ بستر کی — قدم تھا ایک ہی گویا در آمد اور بر آمد کا
محبت میرے دل میں بھی ہے اس محبوبِ یزداں کی — اویسؓ نیک خُو جس طرح عاشق تھا محمدؐ کا
نہ دولت کی تمنا ہے نہ حشمت کی ہوس مجھ کو — الٰہی! عشق احمدؐ کا، الٰہی! عشق احمدؐ کا
زیارت کو چلوں یارب پڑے یہ غُل مدینے میں — غلام آیا محمدؐ کا، غلام آیا محمدؐ کا
ملے کیا لطف جب ہو روضۂ پُر نور میں داخل — ریاضِ خُلد میں ہو سامنا عیشِ مخلد کا
کبھی یوں شوقِ کامل سے در و دیوار کے بوسے — لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی اس خاکِ مرقد کا

نسیمِ لطف کا جھونکا الٰہی! کوئی چل جائے شگفتہ مثلِ گل ہو جائے غنچہ دل کے مقصد کا

دُعا مانگوں عقیدت سے مجاور سب کہیں آمیں

الٰہ العالمیں! صدقہ ضریحِ پاک احمد کا

○

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح

المتوفی : ۱۹۲۱ء

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
یہ چھوٹ پڑتی تھی اُن کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئنے تھے
نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے
غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اُس رہگذر کو پائیں
ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے
خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جُھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دُولھا بنا رہے تھے
اتار کر اُن کے رُخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سُورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

بچا جو تلووں کا اُن کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دُولھا کی پائی اُترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

تجلّیِ حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

ابھی نہ آئے تھے پُشتِ زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلک
صدا شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جُھومتے تھے

براق کے نقشِ سُم کے صدقے وہ گُل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، لہکتے گُلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سِرّ، عیاں ہو معنیِ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

یہ جوششِ نور کا اثر تھا کہ آبِ گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ سے پھسل پھسل کر ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دُھل گیا نامِ ریگِ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

وہ ظلِ رحمت وہ رُخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اُودی اطلس یہ تھان سب دُھوپ چھاؤں کے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این وآں سے گزر چکے تھے

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دُولھا کی دُور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

تھکے تھے رُوح الامیں کے بازُو چھٹا وہ دامن کہاں وُہ پہلو
رکاب چُھوٹی، اُمّید ٹوٹی نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

سنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے کہ لے مبارک ہو تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاجِ شرف ترے تھے

یہ سُن کے بے خود پکار اُٹھا نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر اُن کے تلووں کا پاؤں بوسہ یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گری تھی سجدہ میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضورِ خورشید کیا چمکتے، چراغ مُنہ اپنا دیکھتے تھے

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیمؑ پر بند راستے تھے

بڑھ اے محمدؐ، قریں ہو احمدؐ، قریب آ سرورِ مجدّ
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

سراغ این و متیٰ کہاں تھا نشانِ کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت اُبھارتے تھے

بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رُکتے
جو قُرب اُنھیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے

پر اُن کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقتہً فعل تھا اُدھر کا
تنزّلوں میں ترقی افزا دَنَا تدَلّٰی کے سلسلے تھے

ہوا یہ آخر کہ ایک بجرا تموّجِ بحرِ ہُو میں اُبھرا
دَنَا کی گودی میں اُن کو لے کر فنا کے لنگر اٹھا دیے تھے

کسے ملے گھاٹ کا کنارا، کدھر سے گزرا، کہاں اُتارا
بھرا جو مثلِ نظر طرارا وہ اپنی آنکھوں سے خود چھپے تھے

اُٹھے جو قصرِ دَنَا کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جاہی نہیں دُوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر، وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اس کی طرف گئے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

اِدھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں اُدھر سے انعامِ خسروی میں
سلام ورحمت کے ہار گُندھ کر گلوئے پُرنور میں پڑے تھے

زبان کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سُننی تھی سُن چکے تھے

وہ بُرجِ بطحا کا ماہ پارا بہشت کی سَیر کو سدھارا
چمک پہ تھا خُلد کا ستارا کہ اُس قمر کے قدم گئے تھے

سرورِ مقدم کی روشنی تھی کہ تابشوں سے مہِ عرب کی
جناں کے گلبن تھے جھاڑ فرشی جو پھول تھے سب کنوَل بنے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نُور کے تڑکے آلیے تھے

نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت، رضاؔ پہ لِلّٰہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصّہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے

○

محمد ہادی عزیز لکھنوی

المتوفی : ۱۹۳۶ء

نہیں کٹتی شبِ فرقت لبوں پہ گھٹ کے جان آئی — کہاں تک اے دلِ رنجور دعوائے شکیبائی
لکھی تھی تلخ کامی کیا ہمارے ہی مقدر میں — ہمیں اس زہر کے قابل تھے کیا اے چرخِ مینائی
بلا سے کوئی مر جائے، بلا سے کوئی رُسوا ہو — اگر ہے امتحاں مقصود تو کیا خوفِ رُسوائی
بلا کا جذب ہے کافر ادا اس حُسن دلکش میں — تری جانب سے پھرتی ہی نہیں چشمِ تماشائی
علاجِ داغ کرتا ہے بسعیِ کاوشِ ناخن — مقدر سے ملا ہے چارہ گر بھی مجھ کو سودائی
وہ کم ہے جو نہ ہو اس دل کا عالم وقتِ نظارہ — ترے نقشِ قدم کے جب ہزاروں ہیں تماشائی
مطلع قدم رکھتے نہیں وہ ناز سے اللہ ری رعنائی — نظر یہ آ گیا کس کا نشانِ ناصیہ سائی
خوشا قسمت کیا ہے حرفِ زینت بزم میں اپنی — دلِ عشّاق سے شیشوں کی جا ہے محفل آرائی
کسی پہلو قرار آتا نہیں اللہ ری بے تابی — ہُوا ہے جب سے دل اس بُتِ کافر کا شیدائی
مطلع میانِ رہگزر بے دم پڑا ہے تیرا شیدائی — دکھا دے جانے والے آج اعجازِ مسیحائی
پڑے ہیں ہجر کے صدموں سے اتنے داغ سینے میں — کہ گن سکتا نہیں چاہے اگر کوئی تماشائی
مگر ہاں کر سکے احصا جو احمدؐ کے فضائل کا — وہ احمدؐ بعد حق زیبا ہے جس کو نازِ یکتائی
پڑھوں رنگیں وہ مطلع بزمِ میلادِ مبارک میں — کہ سُن کر وجد میں آ جائے جس کو رُوحِ صہبائی
مطلع مئے گلرنگ سے لازم ہے تجھ کو جام پیمائی — پلا دے پھول ساقی دیکھ وہ فصلِ بہار آئی

نظر ہے ہم سیہ کاروں کی ساقی جوشِ رحمت پر / خدا کا شکر قبلہ کی طرف کالی گھٹا چھائی

چھکا دے تشنہ کاموں کو جما دے رنگ محفل میں / پلا دے ساقیا سرجوشِ ریحانی و حمرائی

بفیضِ مدح ہو معراج آزادوں کو، مستوں کو / سُنے صلِّ علیٰ کا شور گوشِ چرخِ مینائی

عزیزِ بادہ پیما دورِ مے کا وقت آ پہنچا / پڑھو جب تک کوئی مطلع برائے محفل آرائی

کسے زیبندہ ہے کون و مکاں کی مسند آرائی / محمد رحمۃ للخلق آقائی و مولائی

یہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ سے ظاہر ہے / کہ تھی منظورِ حق کس درجہ ان کی عزت افزائی

ہوا کرتی تھیں باتیں راز کی پردے ہی پردے میں / خدا تھا ان کا شیدا اور خدا کے تھے وہ شیدائی

ابوالقاسم محمدؐ شہسوارِ عرصۂ ایماں / کہ جن کی خاکِ پا ہے چشمِ دل کو کحلِ بینائی

انھیں کے فیض سے ادریسؑ علموں کے ہوئے واضع / سلیماںؑ نے کیا حاصل انھیں سے رسمِ دانائی

چمکتا تھا انھیں کا نور پیشانیٔ یوسفؑ میں / انھیں سے دیدۂ یعقوبؑ نے پائی تھی بینائی

پلٹ آئے نبی معراج کی شب اتنے عرصہ میں / کہ بستر گرم اور زنجیرِ در ہلتی ہوئی پائی

زہے عزّ و شرف کایں ہدیۂ احقر قبول افتد / طبق میں گوہرِ انجم لیے ہے چرخِ مینائی

گلستاں اُن پہ کیونکر آتشِ نمرود ہو جاتی / نہ ہوتے گر محمدؐ کے خلیل اللہ شیدائی

پئے احیائے اموات آپ جنبش دیں اگر لب کو / ابھی تو مردۂ صد سالہ میں پیدا ہو گویائی

وہ اندھے ہیں جو اس کو گردشِ دوراں سمجھتے ہیں / نثارِ روضۂ شہ ہو رہا ہے چرخِ مینائی

پڑھی ہے اس قدر اوراقِ گل میں مدح حضرتؐ کی / کہ اب تک خشک ہے نوکِ زبانِ خارِ صحرائی

عزیز آخر کہاں تک دو گے صہبائے سخن بس بس / دُعا وہ مانگ منہ سے خود اثر جس کا ہے شیدائی

الٰہی! یہ خراباتِ جہاں آباد ہے جب تک / رہے جب تک کہ گردش میں فلک کا طاس مینائی

جنابِ مولوی ناصر حسین پاک طینت کو / بحقِ احمدِ مرسلؐ مبارک محفل آرائی

مولانا محمد قاسم نانوتوی

المتوفی: ۱۸۸۰ء

نہوئے نغمہ سرا کس طرح سے بلبلِ زار
کہ آئی ہے نئے سر سے چمن چمن میں بہار

ہر اک کو حسبِ لیاقت بہار دیتی ہے
کسی کو برگ کسی کو گل اور کسی کو بار

خوشی سے مُرغِ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں
کفِ ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار

نزاکتِ چمنستاں بیان کیا کیجے
کہ صنعِ حق کے تئیں دیکھ عقل ہے بیکار

کہاں زمین کہاں یاسمین و لالہ و ورد
فلک بھی گرد ہُوا دیکھ کر چمن کی بہار

زمین و چرخ میں ہو کیوں نہ فرق چرخ و زمیں
یہ سب کا بار اٹھائے وہ سب کے سر کا بار

کرے ہے ذرّہ کُوئے محمدی سے خجل
فلک کے شمس و قمر کو زمینِ لیل و نہار

فلک پہ عیسیٰؑ و ادریسؑ ہیں تو خیر سہی
زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمدِؐ مختار

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیِ احمدؐ
زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

نثار کیا کروں مفلس ہُوں نام پر اُس کے
فلک سے عقدِ ثریا لوں دے اگر وہ اُدھار

ثنا کر اُس کی فقط قاسم اور سب کو چھوڑ
کہاں کا سبزہ، کہاں کا چمن، کہاں کی بہار

جو تُو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

کہاں وُہ رتبہ کہاں عقلِ نارسا اپنی
کہاں وُہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار

جہاں کہ جلتے ہوں پرِ عقلِ کُل کے بھی پھر کیا
لگی ہے جان جو پہنچیں وہاں مرے افکار

جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے ——— تو آگے بڑھ کے کہوں کہ جہان کے سردار
تُو فخرِ کون و مکاں، زبدۂ زمین و زماں ——— امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرارؐ
خدا ترا تُو خدا کا حبیب اور محبوب ——— خدا ہے آپؐ کا عاشق تم اُس کے عاشقِ زار
تُو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہے اور نبی ——— تُو نورِ شمس گر اور انبیاءؑ ہیں شمسِ نہار
حیات جان ہے تو ہیں اگر وُہ جانِ جہان ——— تو نُورِ دیدہ ہے گر ہیں وُہ دیدۂ بیدار
طفیل آپؐ کے ہے کائنات کی ہستی ——— بجا ہے کہیے اگر تم کو مبدا الآثار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بہ وجود ——— قیامت آپؐ کی تھی دیکھئے تو اِک رفتار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں ——— ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو ترے ایک بندہ ہونے میں ——— جو ہو سکے تو خدائی کا اک تری انکار
بجز خدائی نہیں چُھوٹا تجھ سے کوئی کمال ——— بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جو دیکھیں اپنے کمالوں پہ تیری یکتائی ——— رہے کسی کو نہ وحدت وجود کا انکار
تُو آئنہ ہے کمالاتِ کبریائی کا ——— وُہ آپ دیکھتے ہیں اپنا جلوۂ دیدار
کہاں بلندیٔ طُور اور کہاں تری معراج ——— کہیں ہُوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار
جمال کو ترے کب پہنچے حُسن یُوسفؑ کا ——— وُہ دلربائے زلیخا تو شاہدِ ستّار
رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریّت ——— نہ جانا مرتبہ تیرا کسی نے جز ستّار
جو آئینہ میں پڑے عکس خال کا تیرے ——— تو رشک مہر کا ہو جائے مطلع الانوار
خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے ——— تُو جس قدر ہے بھلا، میں بُرا اسی مقدار
گناہ کیا ہے اگر کچھ گناہ کئے میں نے ——— تجھے شفیع کہے کون گر نہوں بدکار

اگر جواب دیا بیکسوں کو تو نے بھی — توکوئی آشنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامی کار
دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی — کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سردار
جو تُو ہی ہم کو نہ پُوچھے تو کون پُوچھے گا — بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار
اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مُرغ و مار

اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضورؐ کے روضے کے آس پاس نثار

○

مولانا نعیم الدّین مُرادآبادی

المتوفی : ۱۹۴۸ء

اے زائرِ کوئے نبیؐ اتنا تو کر اے مہرباں
اہلِ مدینہ کو سُنا حالِ نعیمِ خستہ جاں

مایوسیوں کی کثرتیں ناکامیوں کی حسرتیں
تنہائیوں کی وحشتیں اندوہ و غم کی داستاں

بیتابیوں کا سلسلہ، بےچینیوں کا مشغلہ
ناصبریوں کا غلغلہ اور شدّتِ دردِ نہاں

سر میں ہے سودائے جنوں وحشت سے ہے حالت زبوں
دل سے ہوا رخصت سکوں آنکھوں سے اشکِ خوں رواں

شدّت پہ ہے دورانِ سر زوروں پہ ہے دردِ جگر
خوں رو رہی ہے چشمِ تر، پھٹ کر ہوا ہے دل کتاں

جاتے رہے تاب و تواں، اعضا میں ہے قوّت کہاں
غم نے کیا ہے نیم جاں، دردِ جُدائی الاماں

یہ شورشِ طوفانِ غم، یہ سوزشِ رنج و الم
ہجراں کے یہ جور و ستم اور یہ ضعیف و ناتواں

دن حسرتوں میں کاٹنا، راتوں کو رونا جاگنا
ہر وقت غم کا سامنا ہر لحظہ آنکھیں خوں فشاں

اعدا کے نرغے میں، جُدا، اپنے ہوئے ہیں بے وفا
ہر سمت سے آئی بلا آفت کا ٹوٹا آسماں

جور و ستم کی بارشیں اور دشمنوں کی سازشیں
بیکار ہیں سب نالشیں، مسلم کا خوں ہے رائیگاں

ہم کیا کہیں حالِ تباہ ہم سے ہوئے بے حد گناہ
بیشک ہیں ہم نامہ سیاہ نادم ہیں اب ہم بے گماں

فریاد اے سلطانِ دیں اے رحمۃٌ للعالمینؐ
تم ہو شفیع المذنبیںؐ، اس در سے ہم جائیں کہاں

فریاد اے محبوبِ رب، فریاد اے شاہِؐ عرب
ہم تجھ سے کرتے ہیں طلب دل کی مرادیں ہر زماں

دل کی مرادیں دیجئے، مسرور ہم کو کیجئے
اب تو خبر لے لیجئے، غم ہو چکے ہیں بے کراں

اب کیجئے ایسا کرم، ہو دین کا اونچا علم — کفّار کی گردن ہو خم، اُن کا مِٹے نام و نشاں
اسلام کی لیجے خبر اور کفر کو پہنچے ضرر — کفّار ہوں زیر و زبر سب بھول جائیں مستیاں
مُسلم کو پھر شوکت ملے اسلام کو قوّت ملے — بدخواہ کو ذلّت ملے اے دینِ حق کے پاسباں
ذوقِ عبادت ہم کو دو، شوقِ ریاست ہم کو دو — سنّت کی رغبت ہم کو دو ہم سے ادا ہوں نیکیاں
مسلم ہوں باہم متحد، بھائی کا بھائی ہو ممد — مٹ جائے سب آپس کی ضد رشک و حسد سے ہو اماں
طیبہ میں اپنے لطف سے اذنِ اقامت دیجئے — فرقت سے دل بیتاب ہے کب تک رہوں ہندوستاں
راہِ مدینہ دُور ہے، بندہ بہت رنجور ہے — اور حاضری منظور ہے امدادِ سُلطانِ جہاں

یَا رَبَّنَا سَلِّمْ عَلٰی رُوْحِ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی
وَالْاٰلِ وَالصَّحْبِ اِلٰی مَادَارَدَوْرَانُ الزَّمَان

○

محسؔن کاکوروی

المتوفی ۱۹۰۵

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل
جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

خبر اُڑتی ہُوئی آئی ہے جہاں میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا میں بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بُتوں کا ہے عمل

جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورشِ ابرِ سیاہ
کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہُبل

دہر کا ترسا بچہ ہے برق لیے جل میں آگ
ابر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل

ابرِ پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم
برق بنگالہ ظلمت میں ہے گورنر جنرل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہُوئے پانی کو منگل منگل

دیکھیے ہوگا سری کشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں
تار بارش کا تو ٹُوٹے کوئی ساعت کوئی پل

ابکی میلا تھا ہنڈولے کا بھی گردابِ بلا
نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے
نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

تہ و بالا کیے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل

کبھی ڈُوبی کبھی اوچھلی مہِ نو کی کشتی
بحرِ اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہل چل

قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے مزاج عالی
لالۂ باغ سے ہندوے فلک کھیم کسل

شبِ دیجور اندھیرے میں ہے بادل کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے مُنہ پہ آنچل

شاہدِ کفر ہے مکھڑے سے اٹھائے گھونگھٹ
چشمِ کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

جوگیا بھیس کیے چرخ لگائے ہے بھبوت
یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمل

شب کو مہتاب نظر آئے دن کو خورشید
ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیرِ زحل

وُہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لے کر مشعل

نور کی پُتلی ہُوئی پردۂ ظلمت میں نہاں
چشمِ خورشیدِ جہاں بیں میں ہیں آثارِ سبل

آتشِ گُل کا دُھواں باہم فلک تک پہنچا
جم گیا منزلِ خورشید کی چھت میں کاجل

ابر بھی چل نہیں سکتا وُہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

جس طرف سے گئی بجلی پھر اُدھر آ نہ سکی
قلعۂ چرخ میں ہے بھول بھلیاں بادل

فیضِ ترطیب ہوا نے یہ دکھائی تاثیر
زرِ محلول ہے اخگر تو کھرل ہے منقل

آبِ آئینۂ تموّج سے بہا جاتا ہے
کھنچے تصویر سے گرنا نہ کہیں دیکھ سنبل

آج یہ نشو و نما کا ہے ستارہ چمکا
شاخ میں کاہکشاں کی نکل آئی کوپل

دیکھتے دیکھتے بڑھ جاتی ہے گلشن کی بہار
دیدۂ نرگسِ شہلا کو نہ سمجھو احول

خضر فرماتے ہیں سنبل سے تری عمر دراز
پُھول سے کہتے ہیں پھلتا رہے گلزارِ امل

عطر افشاں ہے شبیہِ گلِ نسرین و سمن
نخلِ داؤدی مومی سے ٹپکتا ہے عسل

لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

جگنو پھرتے ہیں جو گلبن میں تو آتی ہے نظر
مصحفِ گل کی حواشی پہ طلائی جدول

ہمزبان وصفِ چمن میں ہوئے سب اہلِ چمن طوطیوں کی جو ہے تضمین تو بلبل کی غزل
تختِ طاؤسی گلشن پہ ہے سایہ کیے ابر چتر کھولے ہُوئے فرقِ شہ گل پر سنبھل
جس طرف دیکھیے بیلے کی کِھلی ہیں کلیاں لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل
آہ قمری میں مزہ اور مزے میں تاثیر سرو میں دیکھیے پھول آنے لگے پُھول میں پھل
شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار اور پیدل
پُھول ٹوٹے ہُوئے پھرتے روشوں پر ہیں نسیم یا سڑک پر ہیں ٹہلتے ہوئے گلگوں کوتل
شجرۂ پیرِ مغاں میں نکل آئیں شاخیں حرمتِ دخترِ رز میں نظر آتا ہے خلل
ساتھ ساتھ آتے ہیں نالوں کے جگر کے ٹکڑے شجرۂ آہِ رسا میں نکل آئی کوپل
سبزہ خط سے ہوا ہونے لگی سُرخیِ لب چمنِ حُسن سے لال اُڑ گئے بن کر ہریل
صاف آمادۂ پرواز ہے شاماں کی طرح پر لگائے ہوئے مژگانِ صنم سے کاجل
خندہ ہائے گل و قالین سے ہوا شورِ نشور کیا عجب ہے جو پریشان ہے خوابِ مخمل
طرفہ گردش میں گرفتار عجب پھیر میں ہے سرمہ ہے نیند مرے دیدۂ بیدار کھرل

شاخِ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
نونہالانِ گلستاں کو سنائے یہ غزل

غزل

سمت کاشی سے گیا جانبِ صحرا بادل تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
خُوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل

شاہدِ گل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل　　برق کہتے ہیں مبارک تجھے سہرا بادل
سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنے　　رُوپ بجلی کا سنہرا ہے پہلا بادل
چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے　　سبزہ چمکائے ہلاتا ہُوا برچھا بادل
جب تلک بُرج میں جمنا ہے یہ کھلنے کا نہیں　　ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
بجلی دو چار قدم چل کے پلٹ جائے نہ کیوں　　وُہ اندھیرا ہے کہ پھرتا ہے بھٹکتا بادل
چشمۂ مہر ہے عکس زرِ گل سے دریا　　پرتوِ برق سے ہے سونے کا بجرا بادل
میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوش و خروش　　کسی بے درد کو دکھلائے کرشمہ بادل
دلِ بیتاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی　　چشمۂ پُر آب کا ہے ایک کرشمہ بادل
طپشِ دل کا اڑایا ہُوا نقشہ بجلی　　چشمِ پُر آب کا دھویا ہوا خاکہ بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے　　میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقا بادل
کچھ ہنسی کھیل نہیں جوششِ گریہ کا ضبط　　یہ مرا دل ہے یہ میرا ہے کلیجا بادل
جامِ عمرِ فلک پیر ہوا ہے لبریز　　لیے آتا ہے جنازہ دیئے کاندھا بادل
راجہ اندر ہے پریخانۂ مے کا پانی　　نغمۂ نَے کا سریکشن کنہیّا بادل
جوش پر رحمتِ باری ہے چڑھاؤ خُمِ مے　　چشمکِ برق سے کرتا ہے اشارہ بادل
دیکھتا گر کہیں محسنؔ کی فغان و زاری　　نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل
پھر چلا خامہ قصیدے کی طرف بعد غزل　　کہ ہے جگرؔ میں سخنگو کا دماغِ مختل
باغ میں ابرِ سیہ مست چڑھا کر آیا　　جامِ خورشید مع میکدہ و برجِ حمل
چشمِ میکش میں گلابی ہے کہ پھولا ہے گلاب　　پھول کیوڑے کا کھلا ہے کہ کھلی ہے بوتل

جام بے بادہ سے کہتے ہیں کہ رندوں کو نہ چھیڑ — دست بے جام سے کہتے ہیں کلیجوں کو نہ مل
گوہرِ دل کو بڑی سنگدلی سے پیسا — کشتیِ مئے کو بنایا مرے ساقی نے کھرل
کیسی افسردگی، کیا بات ہے مرجھانے کی — غنچہ کہتا ہے بجا لو سے کہ گلشن سے نکل
سیر میں دشت کی مصروف ہے جو پاؤں ہے لنگ — شغل میں چاکِ گریباں کی جو ہاتھ ہے شل
مصر والوں کو یہ ڈر ہے کہ زلیخا کے لیے — سرِ بازار نہ بکنے لگے سودے کا خلل
مے گلرنگ ہے کیا شمع شبِ فکر کا پھول — چلتے چلتے جو سلم ہاتھ سے جاتا ہے پھسل
کیا جنوں خیز ہے لکھنے میں صریرِ نے کلک — کہ سیاہی سے ہے ہر حرف کو سویدا کا خلل
ہر سخن گو کو نہ انشا کی نہ املا کی خبر — ہو گئی نظم کی انشا و خبر سب مہمل
دل میں کچھ اور ہے پر مُنہ سے نکلتا ہے کچھ اور — لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل
کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا — کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر — گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمل
چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل — نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل
ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار — ہوئی آئینۂ مضمون کی دو چنداں صیقل
روئے معنے ہے بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف — تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراجِ سخن — ہاتھ میں جامِ زحل شیشۂ مہ زیرِ بغل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں — کہ تصوّر بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اُس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں — خرمن برق تجلّی کا لقب ہے بادل
تارِ باراں مسلسل ہے ملائک کا درود — پے تسبیح خداوند جہاں عزّ و جل

کہیں طوبا کہیں کوثر کہیں فردوسِ بریں   کہیں بہتی ہُوئی نہرِ لبن و نہرِ عسل
کہیں جبرئیل حکومت پہ کہیں اسرافیلؑ   کہیں رضوان کا کہیں ساقیِ کوثر کا عمل
کنزِ مخفی کے کسی سمت نہاں تہ خانے   اک طرف مظہرِ قدرت کے عیاں شیش محل
عاشقِ جلوہ طلب گار کہیں چشمِ قبول   نازِ معشوق کے پردے میں کہیں حسنِ عمل
گل بیرنگیِ مطلق سے لہکتے گلزار   بے نیازی کے ریاحین سے مہکتے جنگل
باغِ تنزیہہ میں سرسبز نہالِ تشبیہ   انبیا جس کی ہیں شاخیں عرفاں ہیں کوپل
گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی عربی   زیبِ دامانِ ابد طرۂ دستارِ ازل
نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر   نہ کوئی اُس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دو عالم کا ثمر   بحرِ وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول
مہرِ توحید کی ضو اوجِ شرف کا مہِ نو   شمعِ ایجاد کی لو بزمِ رسالت کا کنول
مرجعِ روحِ امین زیبِ دہِ عرشِ بریں   حامیِ دینِ متین ناسخِ ادیان و ملل
ہفت اقلیمِ ولایت میں شہِ عالی جاہ   چار اطرافِ ہدایت میں نبیِ مرسل
جی میں آتا ہے لکھوں مطلعِ برجستہ اگر   وجد میں آکے قلم ہاتھ سے جائے نہ اوچھل
منتخب نسخۂ وحدت کا یہ تھا روزِ ازل   کہ نہ احمدؐ کا ہے ثانی نہ احد کا اول
دورِ خورشید کی بھی حشر میں ہو جائے گی صبح   تا ابد دورِ محمدؐ کا رہے روزِ ازل
شبِ اسرا میں تجلّی سے رُخِ انور کی   پڑ گئی گردنِ رفرف میں سنہری ہیکل
سجدۂ شکر میں ہے ناصیۂ عرشِ بریں   خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل
افضلیت پہ تری مشتمل آثار و کتب   اولیت پہ تری متفق ادیان و ملل

لطف سے تیرے ہوئی شوکتِ ایماں محکم　　قہر سے سلطنت کفر ہوئی مستاصل
مبحث چاہ میں اعلیٰ کی ہیں معنی ادنیٰ　　مصرف جود میں اکثر کا مرادف ہے اقل
شانہ حضرت کا ہے تشدید دو لام و اللیل　　صاد مازاغ بصر سرمۂ چشم اکحل
جس طرف ہاتھ بڑھیں کفر کے ہٹ جائیں قدم　　جس جگہ پاؤں رکھیں سجدہ کریں لات و ہبل
تیری تشبیہ کا ہے آئینہ خانہ تنزیہ　　شان بیرنگی مطلق ہے تجھے رنگ محل
ہے حقیقت کو مجاز آپ کا حیرت کا مقام　　بے نیازی کو نیاز آپ کا نازش کا محل
ہو سکا ہے کہیں محبوب خدا غیرِ خدا　　اک ذرا دیکھ سمجھ کر مری چشمِ احول
رفع ہونے کا نہ تھا وحدت کثرت کا خلاف　　میم احمدؐ نے کیا آ کے یہ قصّہ فیصل
نظر آئے مجھے احمدؐ میں اگر دال دوئی　　روزِ محشر ہوں الٰہی ! میری آنکھیں احول

پھر اُسی طرز کی مشتاق ہے مواجی طبع
کہ ہے اس بحر میں اک قافیہ اچھا بادل

غزل

کیا جُھکا کعبے کی جانب کو ہے قبلہ بادل　　سجدہ کرتا ہے سوئے یثرب و بطحا بادل
چھوڑ کر میکدہ ہند و صنم خانہ بُرج　　آج کعبے میں بچھائے ہے مصلاّ بادل
سبزۂ چرخ کو اندھیاری لگا کر لایا　　شہسوار عربی کے لیے کالا بادل
بحرِ امکاں میں رسول عربی دُرِ یتیم　　رحمتِ خاصِ خداوندِ تعالیٰ بادل
قبلۂ اہلِ نظر کعبۂ ابروئے حضورؐ　　مُوئے سر قبلے کو گھیرے ہوئے کالا بادل

رشک سے شعلۂ رخسار کے روتی ہے برق ‌ ‌ ‌ برق کے مُنہ پہ ہے رکھے ہوئے پلّا بادل
دُور پہنچی لبِ جاں بخش نبی کی شہرت ‌ ‌ ‌ سُن ذرا کہتے ہیں کیا حضرت عیسٰیؑ بادل
چشمِ انصاف سے دیکھ آپؐ کے دندان شریف ‌ ‌ ‌ دُرِّ یکتا ہے ترا گرچہ یگانہ بادل
تھا بندھا تار فرشتوں کا درِ اقدس پر ‌ ‌ ‌ شبِ معراج میں تھا عرشِ معلّا بادل
آمد و رفت میں تھا ہمقدم برق بُراق ‌ ‌ ‌ مرغزارِ چمن عالمِ بالا بادل
ہفت اقلیم میں اس دیں کا بجایا ڈنکا ‌ ‌ ‌ تھا تری عام رسالت کا گرجتا بادل
دینِ اسلام تری تیغِ دو دم سے چمکا ‌ ‌ ‌ یا اُٹھا قبلے سے دیتا ہوا کاندھا بادل
آستانے کا ترے دہر میں وُہ رتبہ ہے ‌ ‌ ‌ کہ جو نکلا تو جھکائے ہوئے کاندھا بادل
تُو وہ فیاض ہے کہ در پہ ترے سائل کی طرح ‌ ‌ ‌ فلکِ پیر کو لایا دیئے کاندھا بادل
تیغ میداں شجاعت میں چمکتی بجلی ‌ ‌ ‌ ہاتھ گلزارِ سخاوت میں برستا بادل

محسن اب کیجئے گلزارِ مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل ‌ ‌ ‌ میرے ایمان مفصّل کا یہی ہے مجمل
ہے تمنا کہ رہے نعت سے ترے خالی ‌ ‌ ‌ نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل
دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے ‌ ‌ ‌ صرف تیرا ہو بھروسا تری قوت ترا بل
ہو میرا ریشۂ امید وہ نخلِ سرسبز ‌ ‌ ‌ جس کی ہر شاخ میں ہوں پھول ہر اک پھول میں پھل
آرزو ہے کہ ترا دھیان رہے تا دمِ مرگ ‌ ‌ ‌ شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
نام احمدؐ بزبان سر بلا میم بصدر ‌ ‌ ‌ لب پہ ہو صلِّ علیٰ دل میں مرے عزّ و جل

روح سے میری کہیں پیار سے یُوں عزرائیل ۔۔۔ کہ مری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل
دم مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا ترے ۔۔۔ فکرِ فردا تو نہ کر دیکھ لیا جائے گا کل
یاد آئینہ رخسار سے حیرت ہو مجھے ۔۔۔ گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل
میزباں بن کے نکیرین کہیں گھر ہے ترا ۔۔۔ نہ اُٹھانا کوئی تکلیف نہ ہونا بیکل
رُخِ انور کا ترے دھیان رہے بعد فنا ۔۔۔ میرے ہمراہ چلے راہِ عدم میں مشعل
حذف ہوں میرے گناہانِ ثقیل اور خفیف ۔۔۔ آئیں میزان میں جب افعال صحیح و معتل
میری شامت سے ہو آراستہ گیسوئے سیاہ ۔۔۔ عارضِ شاہدِ محشر ہو اگر حسن عمل
صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو ایسا مدّاح ۔۔۔ ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

○

مہاراجہ سر کشن پرشاد شادؔ

المتوفی : ۱۹۴۰ء

اشرفِ انبیاءؐ، حبیبؐ خدا — زینتِ مسندِ جہاں بانی
وہ ابوالقاسمؐ، احمدِ مختار — جن کی شان، شانِ ربّانی
عارفِ ذاتِ واحدِ مطلق — کاشفِ رازِ قدسِ سبحانی
اُن کا شہرِ مدینہ مسکن ہے — خُلد کا ہے جو نقشۂ ثانی
فخرِ آدم ہیں اشرفِ عالم — ہیں یہ کشافِ سرِ پنہانی
رازِ وحدت کے رازدار ہیں یہ — بزمِ کثرت میں ہیں یہ لاثانی
ان سے توحید نے ترقّی کی — اس تمدن کے ہیں یہی بانی
شاہِ دُنیا و دیں، وزیرِ خدا — ان پہ مبذول لُطفِ یزدانی
آپ خیرالبشر ہیں کچھ نہیں شک — آپ کی ذات لطفِ سبحانی
بُرجِ خاکی کے مہرِ تاباں ہیں — اللہ اللہ بلند ایوانی
کیا سراپا کا اُن کے وصف کروں — دونوں عالم ہیں ان سے نورانی
تمکنت میں تھے کوہِ تمکیں آپ — خلق والا تھا رحمِ یزدانی
بذل وجود و عطا کا کیا کہنا — بحرِ رحمت کی جیسے طغیانی
تھے مروّت میں آپ اپنی نظیر — ہوتی دشمن کو تھی پریشانی

دھاک بیٹھی تھی دل پہ اعدا کے تھے شجاعت میں ایسے لاثانی
گو کہ اُمّی جہاں میں تھے مشہور تھا تکلّم کلامِ ربّانی
ابرِ نیساں رحمتِ حق تھے بات ہی کیا تھی گوہر افشانی
بات بات آپؐ کی حکیمانہ ہر نصیحت تھی وعظ عرفانی
سادگی آپؐ کی سبق آموز مٹ گئی کافروں کی رہبانی
دخل ہی کیا وہاں تعصب کو تھا فقط ایک جذبِ روحانی
ادب و خُلق اور مروّت سے پھیلی آفاق میں مسلمانی

ایسے بے مثل بندہ پرور کی
ہو سکے کیا بھلا ثنا خوانی

○

اقبال سہیل

المتوفی : ۱۹۵۵ء

کرے تارِ شعاعی لاکھ اپنی سعیِ امکانی / رفو ہوتا نہیں ہے صبح کا چاکِ گریبانی

وہی سمجھیں گے جو واقف ہیں اسرارِ محبت سے / کہ یکساں جانگسل ہے ذوقِ وصل و دردِ ہجرانی

ابھی تک کہہ رہا ہے ذرّہ ذرّہ دشتِ ایمن کا / قیامت ہے قیامت جلوۂ جاناں کی عُریانی

اِدھر دوشیزۂ کرنوں کا نکلنا سمتِ مشرق سے / اُدھر بزمِ جہاں سے رخصتِ شمعِ شبستانی

اِدھر صبحِ گریباں چاک کا راہِ عدم لینا / اُدھر خورشید عالمتاب کا آغازِ رخشانی

کبھی پھولوں کے جھرمٹ میں شعاعوں کی نظربازی / کبھی خود جلوۂ خور سے گلوں کی چاک دامانی

کہیں دوشِ صبا پر رقص کرنا نکہتِ گُل کا / کہیں شاخِ نشیمن پر عنادل کی حُدی خوانی

اِدھر غنچوں کے لب پر وردِ یا فتّاح جاری ہے / اُدھر محوِ اقامت ہے قطارِ سروِ بستانی

اِدھر سبزے کا جاگ اُٹھنا خمارِ خوابِ نوشیں سے / اُدھر بادِ سحر سے زلفِ سنبل کی پریشانی

کہیں قبل از صبوحی میکشوں کی مشقِ خمیازہ / کہیں بعد از نوافل زاہدوں کی سُبحہ گردانی

صبا کے گدگدانے سے اِدھر کلیوں کا ہنس دینا / اُدھر شبنم سے پھولوں کی عرق آلودہ پیشانی

اِدھر شبنم کی ہستی کا فنا فی النّور ہو جانا / اُدھر گُل کا صبا سے ادّعائے پاک دامانی

بجا ہے صبحدم گر چشمِ نرگس ہے خمار آگیں / چمن میں رات بھر کی ہے زرِ گل کی نگہبانی

رگِ گل نے بچھا رکھا ہے ہر سو دامِ نظّارہ / عبث ہے گر کرے مرغِ نگہ سعیِ پر افشانی

یہ صبح و شام ہی کیا چشم عبرت بیں اگر وا ہو ۔۔۔ تو اک درسِ بصیرت ہے سراپا بزمِ امکانی
چمن پیرائے کن صدقے تری نیرنگ سازی کے ۔۔۔ لبِ ہر غنچہ پہ ہے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَانٍ
وہ تابستاں کے بعد ابرِ سیہ کا جوش تر دستی ۔۔۔ وہ آغازِ بہار اور رخصتِ فصلِ زمستانی
کسی کے خندۂ دنداں نما کا کھچ گیا نقشہ ۔۔۔ لبِ گلبرگ پر شبنم نے کی جب گوہر افشانی
بہار آئی ہوئی آراستہ پھر بزمِ امکانی ۔۔۔ ہوا گلزارِ عالم پھر جوابِ باغِ رضوانی
تمناؤں کا حشر اٹھا ہے پھر ویرانۂ دل میں ۔۔۔ جنوں نے دل کو دی پھر دعوتِ شوریدہ سامانی
چمن میں جس طرف دیکھو نظر بازوں کا جمگھٹ ہے ۔۔۔ الٰہی! گوچۂ قاتل ہے یا صحنِ گلستانی
چمن کا جلوۂ رنگیں ہے یا اک شعرِ فطرت ہے ۔۔۔ کہ جس پر ذوقِ فطرت خود ہے محوِ آفریں خوانی
جبینِ صبح پر قشقہ ہے یا خطِ شعاعی ہیں ۔۔۔ ایاغ لالہ میں شبنم ہے یا صہبائے ریحانی
نگاہیں جذب کر لی ہیں بہارِ عارضِ گُل نے ۔۔۔ رگِ گُل کی حقیقت آج ہم نے جا کے پہچانی
نہ جانے حُسن ہے یا عشق اتنا جانتے ہیں ہم ۔۔۔ ہمیں کھینچے لیے جاتا ہے کوئی جذبِ پنہانی
کمالِ عاشقی ہے آپ مرنا اپنے جلووں پر ۔۔۔ مرے مذہب میں خود بینی کو کہتے ہیں خدادانی
خود اپنی شکل دیکھی پردۂ برقِ تجلّی میں ۔۔۔ تعجب کیا اگر تھی دیدۂ موسٰی کو حیرانی

کہاں کا دشتِ ایمن، طور کیا، برقِ تجلّی کیا
یہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفٰیؐ کی پرتو افشانی

○

محمدؐ وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی ۔۔۔ محمدؐ وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی
محمدؐ یعنی وہ حرفِ نخستیں کلکِ فطرت کا ۔۔۔ محمدؐ یعنی وہ امضائے توقیعاتِ ربانی

وہ فاتح، جس کا پرچم اطلسِ زنگاریٔ گردوں
وُہ اُمّی جس کے آگے عقلِ کُل طفلِ دبستانی

وہ رابطِ عقل و مذہب کو کیا شیر و شکر جس نے
وُہ فارق، زُہد سے جس نے مٹایا داغِ رہبانی

وہ ناطق جس کے آگے مُہر بر لب بلبلِ سدرہ
وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہد نطقِ ربّانی

وہ حاذق جس کا تنہا نسخۂ تنزیلِ فرقانی
دوائے جملہ علّت ہائے اخلاقی و روحانی

وہ عادل جس کی میزانِ عدالت میں برابر ہے
غبارِ مسکنت ہو یا وقارِ تاجِ سُلطانی

وہ بادِل حُسن کے جس کے ابرِ رحمت کی گہرباری
فضائے آسماں ہے شکوہ سنجِ تنگ دامانی

وہ جامع جس نے یکجا کر دیئے بکھرے ہوئے دانے
مٹادی آ کے جس نے باہمی تفریقِ انسانی

وہ درس آموزِ فطرت جس نے سب سے پہلے دُنیا میں
بتائے اہلِ عالم کو حقوقِ جنسِ نسوانی

اُٹھا دی خود کشی کی بزدلانہ رسم دُنیا سے
سکھایا مشہدِ توحید پر آئینِ قربانی

وُہ مُعجز معارف جس کے اک اک حرف میں پنہاں
نکاتِ فلسفی، اسرارِ نفسی، رازِ عمرانی

وہ شاہِ بوریا مسند سکھایا جس نے دُنیا کو
یہ اندازِ جہانگیری، یہ آئینِ جہانبانی

وہ کشّافِ سرائر جس نے کھولا چند اشاروں میں
علومِ اوّلین و آخریں کا گنجِ پنہانی

وُہ نسّاخِ مذاہب جس کے مقدم نے کیا باطل
فروغِ کیشِ زردشتی، شکوہِ دینِ نصرانی

وہ مقصودِ دو عالم، مستغاثِ قاصی و دانی
کیا جس نے مکمل نسخۂ اخلاقِ انسانی

وہ سلطان الامم، فخرِ دو عالم، برزخِ کبریٰ
رسالت جس کی تصدیقی، جلالت جس کی اذعانی

مبشر جس کی بعثت کا ظہورِ عیسیٰ مریم
مصدق جس کی عظمت کا لبِ موسیٰ عمرانی

تراشہ جس کے ناخن کا ہلالِ آسماں منزل
غُسالہ جس کے تلووں کا زلالِ آبِ حیوانی

تعالی اللہ ذاتِ مصطفیٰؐ کا حُسنِ لاثانی
کہ یکجا جمع ہیں جس میں تمام اوصافِ امکانی

دعائے یونسی، خُلقِ خلیلی، صبرِ ایوبی　　جلالِ موسوی، زُہدِ مسیحی، حُسنِ کنعانی
نہیں مہرِ درخشاں اس کے فیض جبہہ سائی سے　　چمک اٹھا ہے چرخ چارمیں کا داغِ پیشانی
خدا جانے خود اُس سرکار کا کیا مرتبہ ہو گا　　غلامِ بارگہ جس کے کہیں "ما اعظم شانی"

تعالی اللہ چہ می زیبد بہ فرقش تاجِ سلطانی
کہ مورِ درگہش را می رسد نازِ سلیمانی

○

جوشؔ ملیح آبادی

المتوفی : ۱۹۸۲ء

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزمِ کافری ۔۔۔ رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بُتانِ آذری
خشک عرب کی ریگ لہر اُٹھی نیاز کی ۔۔۔ قُلزمِ نازِ حُسن میں اُف رے تری شناوری
اے کہ ترا غبارِ راہ تابش روئے ماہتاب ۔۔۔ اے کہ ترا نشانِ پا نازشِ مہرِ خاوری
اے کہ ترے بیان میں نغمۂ صلح و آشتی ۔۔۔ اے کہ ترے سکوت میں خندۂ بندہ پروری
اے کہ ترے دماغ پر جنبشِ پرتوِ صفا ۔۔۔ اے کہ ترے خمیر میں کاوشِ نورگستری
چھین لیں تو نے مجلسِ شرک و خودی سے گرمیاں ۔۔۔ ڈال دی تُو نے پیکرِ لات و ہبل میں تھرتھری
ترے قدم پہ جبہہ سا روم و عجم کی نخوتیں ۔۔۔ تیرے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خودسری
تیرے کرم نے ڈال دی طرحِ خلوصِ بندگی ۔۔۔ تیرے کرم نے بند کی رسم و رہِ ستم گری
تیرے سخن سے دَب گئے لاف و گزاف کُفر کے ۔۔۔ تیرے نفس سے بُجھ گئی آتشِ سحرِ سامری
لحن سے تیرے منتظم پست و بلندِ کائنات ۔۔۔ ساز سے تیرے منضبط گردشِ چرخِ چنبری
چین ستم سے بے خبر تیری جبینِ دل کشی ۔۔۔ حرفِ وفا سے تابناک تیری بیاضِ دلبری
تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے ۔۔۔ بخشا گدائے راہ کو تُو نے شکوہِ قیصری
بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشکِ خضر بنا دیا ۔۔۔ راہزنوں کو دی ندا بن گئے شمعِ رہبری
سُلجھا ہُوا تھا کس قدر تیرا دماغِ حق رسی ۔۔۔ پگھلا ہوا تھا کس قدر تیرا دلِ پیمبری

چشمہ ترے بیان کا غارِ حرا کی خامشی　　نغمہ ترے سکوت کا نعرۂ فتحِ خیبری
زمزمہ تیرے ساز کا لحنِ بلالؓ حق نوا　　صاعقہ ترے ابر کا لرزشِ روحِ بوذریؓ
آئینہ ترے خُلق کا طبعِ حسنؓ کی سادگی　　جذبہ ترے عروج کا آلِ عبا کی برتری
جھلکیاں تیرے ناز کی جنبشِ کاکلِ حسینؓ　　رنگ ترے نیاز کا گردشِ چشمِ جعفریؓ
شان ترے ثبات کی عزمِ شہیدِ کربلا　　شرح ترے جلال کی ضربتِ دستِ حیدریؓ
رنگ ترے شباب کا جلوۂ اکبرؓ قتیل　　نقش ترے شکیب کا خونِ گلوئے اصغریؓ
تیرا لباسِ فاخرہ چادرِ کہنۂ بتول　　تیری غذائے خوش مزا نانِ شعیرِ حیدری
تجھ پہ نثار جان و دل مُڑ کے ذرا یہ دیکھ لے　　دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافری
تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور آئے ہیں　　چہروں پہ رنگِ خستگی سینوں میں دردِ بے پری
آج ہوائے دہر سے ان کے سروں پہ خاک ہے　　رکھی تھی جن کے فرق پر تُو نے کُلاہِ سروری
تیرے فقیر اور دیں کوچۂ کفر میں صدا　　تیرے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری
طرفِ کلہ میں جن کے تھے لعل و گوہر ٹکے ہوئے　　حیف اب اُن سروں میں ہے دردِ شکستہ خاطری
جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں　　اب نہ وہ تیغِ غزنوی اب نہ وہ تاجِ اکبری
اُٹھ کہ ترے دیار میں پرچمِ کفر کھل گیا　　دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحنِ حرم میں ابتری

جوشؔ کے حالِ زار پر رحم کہ تیری ذات ہے
شعلۂ طورِ معرفت شمعِ حریمِ دلبری

○

حافظ مظہر الدّین

المتوفی: ۱۹۸۰ء

سیّد و سرور و وقارِ حرم — عظمتِ کعبہ و دیارِ حرم
نقشِ رنگین، صانعِ قدرت — روغنِ روئے زر نگارِ حرم
مہبطِ وحی و مخزنِ اسرار — غیب آگاہ و رازدارِ حرم
آرزو و مرادِ مشتاقاں — مرکزِ حسن و عشق، یارِ حرم
سرِّ وحدت، جمالِ ہوش ربا — شانِ سبحان در کنارِ حرم
بامقاماتِ غیرتِ جبریل — باعنایات، جاں سپارِ حرم
جلوۂ گلستانِ لاہوتی — مظہرِ ذات، افتخارِ حرم
حسنِ تخلیق و باعثِ تخلیق — نازشِ دوجہاں، قرارِ حرم
اوّلیں نور، اوّلیں انعام — آخری جلوۂ بہارِ حرم
فقر سرمایہ، بوریہ بستر — بے زر و سیم، تاجدارِ حرم
کیف افروزِ محفلِ ہستی — وجہِ سرمستیِ بہارِ حرم
نور افشانِ عالمِ موجود — رونقِ قبلۂ اعتبارِ حرم
ضامنِ عصمتِ بنائے خلیلؑ — پاسبان و نگاہ دارِ حرم
مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقّ گفت — خاتمِ انبیاءؑ، نگارِ حرم

فخرِ کونین، فخرِ موجودات   تیرا کوچہ ہے افتخارِ حرم
تیری تکبیر اور تری تہلیل   نغمۂ سازِ آبشارِ حرم
تیرا روضہ ہے مطلعِ انوار   تیرا گنبد ہے اعتبارِ حرم
صاحبِ لطف و جود و خلقِ عظیم   مجھ کو بھی بخش دے جوارِ حرم
تیرا دستِ سخا، یدِ قدرت   تیرے قبضے میں ہے دیارِ حرم
دے جگہ اپنے آستاں کے قریب   کر عطا کوئی ریگ زارِ حرم
غازۂ رخ ہو خاکِ راہِ حجاز   سرمۂ چشم ہو غبارِ حرم
عشق کو سوز و ساز ہے مطلوب   اے جواں عزم، اک شرارِ حرم
میں بھی ہوں خاک بوسِ راہ ترا   میں بھی ہوں ایک خاکسارِ حرم
میں بھی ہوں گلشنِ محبت میں   گل نو رستۂ بہارِ حرم
ایک کہنہ وفا شعار ترا   ایک دیرینہ ریزہ خوارِ حرم
کشتۂ ناز، کشتۂ انداز   سینہ بریان و دل فگارِ حرم
تیرے تیرِ نگاہ کا زخمی   خوش آہوئے تتارِ حرم
نغمہ خواں، نغمہ ساز، نغمہ سرا   بلبلِ گلشن بہارِ حرم
میرے آنسو ہیں عشق کا ہدیہ   میرے جذبات ہیں نثارِ حرم
دست بکشا و دست گیری کن   طے نہ یوں ہو گی رہگذارِ حرم
پا شکستہ بھی ہوں ملول بھی ہوں   نظرِ لطف شہریارِ حرم
المدد المدد شہِ کونینؐ   وقتِ نصرت ہے غمگسارِ حرم

الغیاث الغیاث میر عرب　　آج خطرے میں ہے وقارِ حرم
متحد ہیں یہود بہرِ قتال　　منتشر جملہ شہسوارِ حرم
ہیں کلیسا و دَیر شیر و شکر　　زہر آلود خلفشارِ حرم
اب دلوں میں نہیں وہ جوشِ عمل　　ہو گیا سرد شعلہ زارِ حرم
ہائے انجامِ کار کیا ہو گا　　لے نہ ڈوبے یہ انتشارِ حرم

چارہ سازِ شکستگاں! فریاد
دیکھ پامالئ بہارِ حرم

○

ملّا وجہی

المتوفی: ۱۴۳۶ء

محمدؐ نبی ناؤں تیرا اہے — عرش کے اُپر چھانوں تیرا اہے
کہ چودہ ملک کا تو سلطان ہے — علیؑ سا ترے گھر میں پردھان ہے
اسی ہور ایک لاک پیغمبر آئے — ولے مرتبا کوئی تیرا نہ پائے
چھپا نور سب کا ترے نور انگے — کہ جیوں تارے چھپتے اہے سور انگے
مسیحا بندا آج تجھ راز کا — معلّم اہے نوحؑ تجھ جہاز کا
خدا سوں گے توں جہاں اے خلیلؑ — نہ عیسیٰؑ وہاں آئے نا جبرئیلؑ
عرش کرسی تج گھر ہے در آسماں — توں سُورج ہے بادل ترا سایہ باں
ملایک رہیں جیتے اسمان میں — رہیں رات دن سب ترے دھیان میں
توں سلطان مصحف علم ہے ترا — نبیاںؑ ہور دلیاںؒ سب حشم ہے ترا
اوّل ہور تھا دین اب ہور ہُوا — محمدؐ تے تو دین ور زور ہُوا
محبّت، مروّت، وفا ہور حلم — حلیمی سلیمی عمل ہور علم
توں پیدا ہُوا یو ہویدا ہوئے — اوّل یو نہ تھے تج تے پیدا ہوئے
نو دنو ہیں تج ناؤں یک ناؤں نیں — توں رب چھانو ہے چھانو کوں چھانو نیں
توں نور ہور نور چہ ترا نانو ہے — کہ چندر تج چندر کیرا چھانو ہے
جو دن چھانو تیرا اُجالا اچھے — نہ نس توں کہ تجھ چھانو کالا اچھے
کہ تو نور تج چھانو بھی نور ہے — اندھارا اُجالے ستی دور ہے
اُجالا ہے جاں واں اندھارا نہیں — اندھارا ہے جاں واں اُجالا نہیں
ترا چھانو ودھے جو کہہ طور تے — نکلتیج جھمکیا ادکھ سور تے
تری چھانو کا نور جگ دیک کر — خبر سُن کے موسیٰؑ ہُوا بے خبر
جو دیکھے تری چھانو کا ذرہ نور — پڑے مست ہو بھیں پوا بز تے سور
امیدوار ہے جگ ترے پیار کا — کہ بخشائے توں پاپ سنسار کا
شفاعت کرنہار سب کا تہیں — اپی لاڈلا اک رب کا تہیں

صنعتی بیجاپوری

وفات: ۱۶۴۵ء

نبی کریمؐ شفیع ایمن — رسولِ خدا رحمت العالمین
کہ جن سر پر لولاک کا تاج ہے — سوا اسکوں عرش آپی محتاج ہے
ثنا جس کی بولیا ہے سبحان نے — سو طٰہٰ و یٰسین و قرآن ہے
احد میں تجے ناؤں احمد دیا — بجز میم بھی فرق کچھ بین کیا
چندر مشعلہ دار ہو وقتِ شام — جمع کر ستارے کرے تجھ سلام
شرف ہے دو عالم کو تجھ ذات سے — بھی آخر خلاصی ہے تجھ بات سے
ترا ناؤں عزت ہے آدم کے تیئں — ترا اسم ہے ورد عالم کے تیئں
ترا ناؤں ہے ذات بعدے صفات — کہ جوں بیج اوّل بزاں پھول پات
تجلی تے تجھ پائے جب یک جھلک — کیے سجدہ آدمؑ کوں سارے ملک
عیاں تجھ میں ہے جلوۂ ذوالجلال — ہے عالم کوں معراج تیرا جمال
سزاوار توں جلوۂ ذات کوں — شرف تجھ نے معراج کی رات کوں
ہوا جب توں اس رات براق سوار — سرافیل تھا خاص و غاشیہ دار
زہے شہ سوار و زہے خنگ پاک — کہ جس سم پہ البرج تھا چاک چاک
سو دیدار اپنا دکھایا تجے — عجب ذوق لذت چکایا تجے
سوا و ذوق کہنے میں آتے کہاں — اور لذت بیان میں سماوے کہاں
وہ مازاغ کا کحل انکھیاں میں کر — نہ واں زاغ دکھیا نہ واں باغ پر

کسی انبیاء کو نہیں تھی یہ بات
جو بے پردہ واصل رہے حق سنگات

ملا غواصی دکنی

المتوفی : ۱۶۵۰ء

سچا توں محمد سچا مصطفےٰ　　سچا ہے توں احمد مرتضےٰ
توں طٰہٰ تو یٰسین تو ابطحی　　تو امی تو مکی تو مرسل سہی
تو اول توں آخر تو ہی ہے امیر　　تو ظاہر توں باطن نبیؐ بے نظیر
نہیں ہاشمی ہور قریشی رسول　　جکچھ تو کہے سو کرے ربّ قبول
توں قائم تو حجت تو حافظ سچ　　تو شافع توں سابق تو واعظ سچا
تقی ہور سخی توں ولی ہور خلیل　　دیا تج نبی ناؤں رب الجلیل
قسم کھاؤں میں سورہ یٰسین سوں　　کہ حق بعد ہے جیو میرا این سوں

حمایت جو مج بس رہے تین کا
محمدؐ علیؐ ہور محی الدین کا

رتن خاص دریائے لولاک کا　　جھلک لامکاں نور افلاک کا
محمد نبی سید المرسلین　　سدا روشن اس سے ہے دنیا و دین
عدم میں تے عالم کو پروردگار　　اسی کے کیا نور سوں آشکار
رواج آفرینش کیا سو وہیچ　　چراغ دہل بینش کیا سو وہیچ
ازل محض اس کا فزا زد سے　　ابد عین اس کا مدینہ دسے
ہوتے ختم اس پر نبوت کے گن　　بجے طبل اس کا قیامت لگن

نم اُس سے دسے لُطف کا سلسبیل   مکھی اس کے ہے شہد کا جبرئیل

حرم کبریا کا سو اُس کا مقام

بندا شمس ہور بدر اس کا غلام

مُحمّد نبیؐ سروری اولیاءؐ   نبیاں مرسلاں پر شفاعت کیا

منور کیا جس تیں اسلام کوں

شفاعت دیا خاص ہور عام کوں

مُحمّد نبی خاتم الانبیاءؐ   شرف جس تیں حق جگمیں ہمنا دیا

دیا جس کو تشریف لولاک کا   ہوا جیتی مظہر یو افلاک کا

تصدق ہمن سار کی کئیؔ ھزار   مُحمّد کے نعلین پر بار بار

ھزاروں ہمن سار کی نیک نام

مُحمّد پر صدقہ ہاں ساری تمام

ملّا نصرتی

المتوفی: ۱۶۷۴ء

رہے نامور سیّد المرسلین — کہ آخر ہے وے شافع المذنبین
ادا ہوئے نہ حمد احد کی بچن — نزاکھے جلگ مدح احمدؐ میں فن
عجب آفرینش کے دریا کا در — کہ جس نور تی بحر ہستی ہے پر
ازل رکھ پہ خلقت کیے اے دل توں ریج — وہی پھل ہے آخر جو اوّل ہے بیج
اُٹھا تب تو موجود تمکین میں — جب آدمؑ تھا ماء والطین میں
جلگ علم اسما کا آدمؑ سبق — پڑیا نین تلگ تھا توں علامِ حق
شرفدار پوتے اُس حد کوں پاڑ — بزرگی دھری جوں میٹھے پھل تی جھاڑ
حبیبِ احد تو تجہ اے مصطفےٰؐ — ترا ناؤں بینیچ ہوئے دل صفا
احد ہور احمد میں جگ کون عظیم — معما ہوئی گرچہ میانے کی میم
اسی میم تھے ہن معما شگاف — دیکھیں عین احد کوں چہ احمد نے صاف
زہے دین دُنیا میں سرمد ہے تو — توں محمود وہاں یہاں محمد ہے تو
تری ذات تی پائی دُنیا سکت — تیری سوں چہ محمود اچھے عاقبت
اوچایا ہے توں گرچہ آخر علم — اوّل سب تی جنت میں تیرا قدم
قیامت کے طوفاں میں ہو جگ ادھار — لے جاوے تو امت کی کشتی کو پار
قیامت کو تیرے طفیل اے دلیل — کرے جگ پہ جنت کوں خوان خلیل
تری شان سرتاج لولاک کا — ترے بخت کوں تخت افلاک کا

کرن کا سورج چھتر بجھ لال ہے — عمود صبا تزے سر ڈھال ہے
ترا نور لپکتے جو نکلا دھواں — رہے چھا کے دُنیا پہ نور آسماں
سگتے جوا جوں شرارے ہوئے — چند رسوں ہور سب ستارے ہوئے
سخن صاف مکھ کھول جب تو کریا — سمندر کی سپیاں میں موتی بھریا
پیا کچھ جو بھاری اچھے کوہ قاف — اودھے سایہ تجھ حلم کا بے خلاف
ترا خاتم اے خاتم الانبیار — رسالت کے فرمان پہ سکّہ کیا
ہوا جلوہ گر تب نبوت کا تخت — چڑیا تس پہ جب توں شہ نیک بخت
جتے عالماں کے چراغاں تے نور — ہوا محو نکلے پہ تجھ ذات سور
ترے واجکے دبدبے تل انگات — دبے دھاک دھرلات عزا منات
ترا معجزہ معجزیاں کے اُوپر — کہ کینا گگن پر تو شق القمر
کرن منکراں کا چہ دعوے تباہ — دیے تجھ نبوت کی حیواں گواہ
ہوا تجھ تے جبرئیلؑ کا طمطراق — شرف تجھ سواری سوں پکڑیا براق
ترے نور تی یک یو شعلہ ہے سور — سریا نو فلک واں ترا حال ہے طور

قدم تی ترے نامور فرش ہے
شرف ناک تجھ گردتی عرش ہے

محمد رفیع فتاحی

المتوفی: دور اندازاً ۱۷۰۸ء

گئے ہیں محمد اپن گھر کوں جب
لگے بیا کا ساماں کرنے سو تب

مرتب ہوا بیا کا سامان جب
کیے ہیں خدیجہؓ کو معلوم تب

خدیجہ بھی سامان سب کچھ کیے
بوطالب کنیں یو خبر تب دیتے

بولائے قریشاں بوطالب کے سب
بولائے ہیں بعضی جتے تھے عرب

قبیلے قریشاں کے سب آ ملے
عجب نور عینی کے در سب کھلے

نبیؐ نے عمامہ بندے سر وری
پہنے تن پہ جامہ سو پیغمبری

بلند قد اتھے لیلۃ القدر سوں
جھمکتا اچھے موہنے بدر سوں

یہ زین و الیل یغشیٰ کے جوں
منور جبیں والضحیٰ کے سو تیوں

امامی دکنی

المتوفی: اندازاً ۱۷۲۸ء

کہ ہیں دو نگینے سلیمان کے
مہر ہیں محمدؐ کے فرمان کے
وہ مالک رسالت ولایت کے ہیں
وہ ہادی حقیقت ہدایت کے ہیں
مرا تن میرے پیر کے تن منیں
میرے پیر کا تن محمدؐ منیں
کہ حیدر سری کا ہے اس کا جمال
محمدؐ کی خصلت ہے اس میں کمال
محمدؐ کیے کوچ جنت طرف
قیامت جہاں میں پڑی ہر طرف
جہاں کی عمارت کوں برباد کر
جنت کی عمارت کوں آباد کر
کہ صانع کی قدرت نبی پر تمام
علیک الصلوٰۃ و علیک السلام
ہزاروں درود و ہزاروں سلام
محمدؐ اوپر آل یاراں تمام
ختم کر امامی تو خیر الکلام
وصالِ محمدؐ علیہ السلام

مختار

المتوفی : ۱۷۵۹ء

کہوں حمد اوّل اوسی راج کا   نبیؑ کوں دیا تاج معراج کا
عجب دیک محبوب ہے بے بدل   محمّد شہ انبیاء از ازل
اس چار حرفاں کا ہے ناؤں آج   رکھے اس کوں لولاک کا سر پہ تاج
سو ہر حرف کا میں کہوں یو بیان   کہ ہے میم محبوبیّت کا نشان
سو حی لے ولادت حمایت اپر   حمایت کی ساری شفاعت اپر
لہو دال ہے او نشانی دوا   جو ہے درد عصیاں کا رو ہے شفا
خزینہ سو دا رو کا قرآن ہے   کہ سب مومناں کا او ایمان ہے
دیکھے درد جیسا سو ویسا علاج   کرے او کہ ہے سب خلائق کا تاج
نتیجہ کہے اسکوں دارین کا
خلاصہ کہے اسکوں کونین کا

سیّد شاہ سراج الدین سراج

المتوفی : ۱۷۶۴ء

رسولِ خدا سیّد المرسلین — قیامت کے دن شافع المذنبین
نبوّت کی مسند کا ہے جانشین — کیا جس نے تعظیم روح الامین
عجب روزِ محشر کا سردار ہے — صفِ اصفیا میں، وو سالار ہے
جگت میں روے سلطنت ہے مدام — جماعت میں ہے انبیا کی امام
رہِ شرع کا ہادیِ مستقیم — شریعت کے دریا کا دُرِّ یتیم
حبیبِ خدا والیِ روزگار — دو عالم کی اقلیم کا تاجدار
شہِ انس جاں سب کا مقبول ہے — نبوّت کے گلزار کا پھول ہے
کہ جس واسطے خلق پیدا کیا — زمین آسماں سب ہویدا کیا
کہا حق نے لولاک جس شان میں — شہنشاہ ہے ملکِ عرفان میں
سدا گمرہوں کا وہی رہنما — ہے خیرالورا احمدِ مجتبیٰ

عجب ذات مقبولِ کونین ہے
کہ کونین کا قرۃ العین ہے

مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ

المتوفی : ۱۸۳۱ء

اسی سے ہے مقصود اصلی خطاب
وہی ہے گا مضمونِ اُمّ الکتاب

خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے
وہ سارے صحیفوں کا عنوان ہے

وہ انسان اکمل ہے سُنتے ہو! کون؟
ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون

نبیِّ البرایا، رسُولِ کریم
نبوّت کے دریا کا دُرِّ یتیم

حبیبِ خُدا سیّد المرسلینؐ
شفیع الوریٰ، ہادیٔ راہِ دیں

محمدؐ ہے نام ان کا احمدؐ لقب
بیاں ہو سکے منقبت ان کی کب

دل ان کا جو ہے مخزنِ سِرِّ غیب
مبرا خطا سے ہے بے شک و ریب

زباں ان کی ہے ترجمانِ قدم
ہوا باغِ دیں جس سے رشکِ ارم

بظاہر جو ہے مقطعِ انبیاءؑ
حقیقت میں ہے مطلعِ اصفیاء

ہے اوّل ہی پیدا ہوا ان کا نور
بظاہر کیا گو کہ آخر ظہور

جو اس میں تامل ذرا کیجئے!
ابھی نکتہ باریک پا لیجئے!

کہ جب سب سے اکمل وہ انساں ہوا
تو بے شک وہ تصویرِ رحماں ہوا

ہے دستور یہ ناظموں کا تمام
کہ آخر کو ہوتا ہے ناظم کا نام

سو تھا انبیاء کا قصیدہ عجیب
ہوا ختم اُس کا بہ نہجِ غریب

تخلص کا موقع تھا یا دوجہاں
سو تصویرِ ناظم ہوئی واں عیاں

الٰہی ہزاروں دُرود اور سلام
تو بھیج اُن پر اور اُن کی اُمت پہ عام

سعادت یار خاں رنگین

المتوفی : ۱۸۳۵ء

سو پیمبر ہے وہ محمدؐ پاک
رشکِ سرمہ ہے جس کے پاؤں کی خاک

خلق کرنا جو اس کا تھا منظور
تو کیا اس روش سے اس کا ظہور

مرضی پاوے گا اپنے جب رب کی
تو شفاعت کرے گا ہم سب کی

شکر کرتے ہیں ہم ہزار ہزار
کہ ہمارا ہے ایسا حامیٔ کار

جن و انسان کا وہ رہبر ہے
بے شک و شبہ وہ پیمبر ہے

وہ اور اس کے وہ آل اور اصحاب
اور جتنے کہ ان کے ہیں احباب

واسطے ان کے اور طفیلِ رسولؐ
یہ دعا ہے کریم کر تو قبول

بابِ رحمت کو مجھ پہ کیجو وا
فعلِ بد کی نہ دیجو مجھ کو سزا

جان اور دل سے ہوں میں ان کا غلام
آگ دوزخ کی مجھ پہ کیجو حرام

(مثنوی مسدسِ رنگین ص، ۱۸، ادارہ ترقی ادب کلیم پریس بلڈنگ کراچی ۱۹۵۲ء)

نام، میرزا سعادت یار خاں تخلص، رنگین پیدائش، ۱۱۷۰ھ وفات، ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) (عمر ۸۰ برس)
تصانیف، مجالس رنگین، مسدس رنگین، شش جہت، چار دیوان (خم خانہ جلد سوم ص، ۵۳۱) متعدد مثنویات

صبا لکھنوی

المتوفی: ۱۸۵۵

ہمارے نبیؐ کے وہ ہیں مرتبے
حواس اُڑتے ہیں طائرِ قدس کے

یہ رُتبہ حبیبِ خُدا کا ہوا
کہ سرتاج سب انبیا کا ہوا

سحابِ کرم رحمتِ ذوالمنن
رسولِ ذوالقدر شاہِ زمن

حقیقت میں کیا رُتبۂ آب و خاک
مجسم ہُوا نورِ یزدانِ پاک

درِ آبروئے یمِ عزّ و شاں
گلِ رونقِ بوستانِ جہاں

شفیعؐ مطاعؐ نبیؐ کریم
نسیمؐ جسیمؐ نسیمؐ وسیم

عبدالغفور نساخ عظیم آبادی

المتوفی : ۱۸۸۸ء

اب رقم کرتا ہوں نعتِ مُصطفےٰ ۔۔۔ جس سے عالم کو ہوئی حاصل صفا
سیّدِ کونین، ختم المرسلینؐ ۔۔۔ دورِ آخر میں ہے فخر الاولیں
طے جو کی معراج میں راہ سما ۔۔۔ کیوں نہ ہوں محتاج اس کے انبیاءؑ
ہے وہ بے شک رحمت للعالمیں ۔۔۔ اس کی مسجد ہے یہ سب رُوئے زمیں
رحمتِ خلاق خورشید و قمر ۔۔۔ ہو وے نازل اس کی آلؓ پاک پر
جس کی انگلی سے ہُوا شق القمر ۔۔۔ یار تھے اس کے ابوبکرؓ و عمرؓ
ایک تو اس کا رفیقِ غار تھا ۔۔۔ دُوسرا لشکر کشِ ابرار تھا
تھے مصاحب اُس کے عُثمانؓ و علیؓ ۔۔۔ جو کہ ہیں مشہُور عالم میں ولی
ایک جو کانِ حیا، و علم تھا ۔۔۔ دوسرا تو باب شہرِ علم تھا
وہ رسُولِ حق کہ خیر النّاس تھا ۔۔۔ حمزہؓ و عباسؓ تھے اس کے چچا

بھیجتا ہوں سو درُود و سو سلام
آلؓ و اصحابؓ نبیؐ پر صبح و شام

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد

المتوفی : ۱۹۱۲ء

یہ تمنا ہے ربِّ اکرم سے
غسلِ میت ہو میرا زم زم سے

تبھی ٹھنڈک ہو میرے سینے میں
خاک ہو جاؤں میں مدینے میں

جا کے ہم سایۂ رسولِ خدا سے
زندگی ہو بری جو موت آ جائے

اور کچھ چارۂ گناہ نہیں
آپ کے در سوا پناہ نہیں

یہی ماویٰ ہے اور یہی مامن
میرے دو ہاتھ آپ کا دامن

کون پرساں ہے مجھ سے ناکس کا
کس کو طوفاں میں پاس ہو خس کا

عارِ آبائے اوّلیں ہوں میں
داغِ پیشانیٔ زمیں ہوں میں

گر تری مہر کی نظر ہو جائے
یہ خزف رو کشِ گہر ہو جائے

تم بچا لو عذابِ آتش سے
سخت عاجز ہوں نفسِ سرکش سے

از برائے خدا رسولِ جلیل
مجھ پہ طاری ہو حالتِ تبتیل

میں ہوں مسموم آپ ہیں تریاق
قابلیت نہ کوئی استحقاق

رحم کیجے کہ آپ رحمت ہیں
آپ پشت و پناہِ امت ہیں

گو برا ہوں برے سے بدتر ہوں
آپ کا اُمتیِ معتر ہوں

نیک بندے بھی کم نہیں ہوتے
خار ہم دوشِ گل نہیں ہوتے

رحمت حیلہ جو کی ہیں گھاتیں   ہم سمجھتے ہیں پھیر کی باتیں
جملہ سامان یاس و غم کا ہے   صرف اک آسرا کرم کا ہے
مخلصی بخشئے خرابی سے   ہمیں کہہ دیجئے شتابی سے
صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں   زیادہ ابرام سے بھی ڈرتا ہوں

ہم نے کی سب معاف بے ادبی
سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِی

شوق قدوائی

المتوفی : ۱۹۲۵ء

ہے وصفِ جنابِ احمدؐ پاک　　"لولاک لما خلقت الافلاک"
کونین کا حصر دم پہ ان کے　　معراج کا سر قدم پہ ان کے
سائے میں تھی شانِ کبریائی　　شکل اس سے کبھی نظر نہ آئی
یا بن کے مدادِ کلکِ تقدیر　　کی خلق میں قسمتوں کی تحریر
منظورِ نظر جو چار تھے یار　　کاشانۂ دین کے تھے ستوں چار
بحرِ رفعت کے چار تھے دُر　　جسمِ ایماں کے چار عنصر
افلاکِ رضا کے چار اختر　　دیوانِ قضا کے چار دفتر
لازم ہے ثنائے اہلبیتؑ اب　　تھے دین کے شجر کے پھول پھل سب

گویا قدِ مصطفےٰؐ شجر تھا
اس میں کوئی گُل کوئی ثمر تھا

سلیم احمد

المتوفی : ۱۹۸۳ء

طبیعت تھی میری بہت مضمحل
کسی کام میں بھی نہ لگتا تھا دل

بہت مضطرب تھا بہت بے حواس
کہ مجھ کو زمانہ نہ آیا تھا راس

مرے دل میں احساسِ غم رم گیا
غبارِ آئینہ پہ بہت جم گیا

مجھے ہو گیا تھا اک آزار سا
میں تھا اپنے اندر سے بیمار سا

یونہی کٹ رہی تھی مری زندگی
کہ اک دن نویدِ شفا مل گئی

مجھے زندگی کا سلام آگیا
زباں پر محمدؐ کا نام آگیا

محمدؐ قرارِ دلِ بے کساں
کہ نامِ محمدؐ ہے آرامِ جاں

ریاضِ خدا کا گلِ سرمد
محمدؐ ازل ہے محمدؐ ابد

محمدؐ کہ حامد بھی محمود بھی
محمدؐ کہ شاہد بھی مشہود بھی

محمدؐ سراج و محمدؐ منیر
محمدؐ بشیر و محمدؐ نذیر

محمدؐ حکیم و محمدؐ کلام
محمدؐ پہ لاکھوں درود و سلام

نظیر اکبر آبادی

المتوفی : ۱۸۳۰

(۱)

تم شہِ دنیا و دیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے
سر گروہِ مسلمیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے
حاکمِ دینِ متیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے
قبلۂ اہلِ یقیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے
رحمۃ للعالمیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے

آسماں تم سے شبِ معراج کو روشن ہُوا
عرش و کرسی کو قدم اپنے سے دے نُور و ضیا
رنگ و بو گلشن کی جنت کے بڑھائی برملا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جگہ
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے

ہے تمہاری پشت پر مُہرِ نبوت کا نشاں
اور تمہارا وصف ہے طٰہٰ و یٰسیں میں عیاں
معجزے جو ہیں تمہارے اُن کا کب ہووے بیاں
کشورِ اعجاز جو ہے اس کے تم با عزّ و شاں
صاحبِ تاج و نگیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے

تم کو ختم الانبیاؐ حق بھی حبیب اپنا کہے
اور سدا روح الامیں آ کے ادب سے وحی لے
کس نبیؐ کو یہ مدارج ہیں تمہارے سے ملے
ہے نبوت کا جو اقدس بحر تم اس بحر کے
گوہرِ یکتا تمہیں ہو یا محمدؐ مصطفٰے

ہیں جو یہ دونوں جہاں کی آفرینش کے چمن
جس میں کیا کیا کچھ عیاں ہیں صنع خالق کے چلن
باعثِ خلق ان کے ہو تم یا حبیب ذوالمنن
اور اِک مطلع پڑھوں میں یمن سے جس کے سخن
سو سعادت کے قریں ہو یا محمدؐ مصطفٰے

کلیات نظیر اکبر آبادی ص ۳۸۱، مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۵۱ء

(۲)

تم ظہور اوّلیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ ہمدمِ جاں آخریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
وجہِ قرآنِ مبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ نزہتِ بستانِ دیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ
زینتِ خلدِ بریں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

احمدِ مختار ہو، تم بادشہ ہر دو سرا ہے تمہارے حکم کے تابع قدر بھی اور قضا
خلق میں خواہش سے تم جس امر کو رکھو بنا دیر اک پل درمیاں آوے تو یہ امکاں کیا
جس گھڑی چاہو وہیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آپؐ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں دیکھتا ہے اس کی رفعت رات دن عرشِ بریں
راز تو خلقت کے تم ہی کو کھلے ہیں شاہِ دیں اور جو جو کچھ کہ ہیں اسرارِ رب العالمیں
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

آپؐ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے اور تمہیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے کیا ہوا لیکن دل اس امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

مخبرِ صادق ہو تم اور حضرتِ خیر الورا سرورِ ہر دو سرا اور شافعِ روزِ جزا
ہے تمہاری ذاتِ والا منبعِ لطف و عطا کیا نظیرؔ اک، اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمہیں ہو یا محمدؐ مصطفےٰ

(کلیاتِ نظیر، ص، ۳۸۲، طبع نولکشور لکھنؤ، ۱۹۵۱ء)

مولانا حالی

المتوفی: ۱۹۱۴ء

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطاکار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اِک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا حقیقت کا گُر، ان کو اِک اِک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اٹھا کر

سِکھائی اُنھیں نوعِ انساں پہ شفقت | کہا، ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت | شب و روز پہنچاتے ہیں ان کو راحت

وہ، جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں

دیئے پھیر دل اُن کے مکر و ریا سے | بھرا ان کے سینے کو صدق و صفا سے
بچایا انہیں کذب سے افترا سے | کیا سُرخرو، خلق سے اور خدا سے

رہا قولِ حق میں نہ کچھ باک ان کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک ان کو

جب اُمت کو سب مل چکی حق کی نعمت | ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت | نبیؐ نے کیا خلق سے قصدِ رحلت

تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دُنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

شاد عظیم آبادی

المتوفی: ۱۹۲۷ء

دیباچۂ سخن ہے شہِ انبیاءؑ کی مدح
محبوب ہے دلوں کو حبیبِؐ خدا کی مدح
طغرائے لوحِ عشق ہے خیرؐالوریٰ کی مدح
اسلام کا نشان ہے اس پیشوا کی مدح

نعتِ رسولؐ حق ہے ہماری سرشت میں
اُمت پہ اس کا راز کھُلے گا بہشت میں

سرتاجِ عرش، نعت رسولِؐ زماں کی ہے
آنکھوں کا ہے جو نور تو لذت زباں کی ہے
زیبائشِ کلام ہے زینت بیاں کی ہے
شہرت ملائکہ میں اسی داستاں کی ہے

وہ کون ہے جو مدح میں رطب اللساں نہیں
عالم میں ذکر ختمِ رسل کا کہاں نہیں

نورِ خدا و باعثِ ایجادِ کائنات
اعلیٰ ترین صنعت خلّاقِ شش جہات

شمعِ جمال لم یزل آئینۂ صفات
ہادیٔ انس و جاں، خضرِ جادۂ نجات

بندوں کو اس کے فضل کی تائید چاہیے
جو آپ نے بتائی وہ توحید چاہیے

ان کے علاوہ کون شفیع الورا ہوا
عالم میں کون خواجۂ ہر دوسرا ہوا
یہ قُرب بھی کسی کو نہ اُن کے سوا ہوا
گر ہم سخن ہُوا تو انھیں سے خدا ہوا

پردہ وُہ تھا کہ جس سے عیاں اصل نور تھا
حائل نہ طُور تھا، نہ کہیں نخلِ طور تھا

مثلِ کلیمؑ آپؐ نے گر کی کہیں قتال
عیسٰیؑ کی طرح صبر بھی دکھلا دیا کمال
تاریخ میں بغور پڑھا انبیا کا حال
اسلام کو ہر ایک صفت میں ہے اعتدال

دُنیا و دیں میں کیا ہے تعلق بتا دیا
اُمت کو انتہا کا تمدن سکھا دیا

○

اکبر الٰہ آبادی

المتوفی : ۱۹۲۱ء

مدیحِ سرورِ کونین میں خامہ اُٹھاتا ہُوں   خیالِ کفر کی ظلمت پہ اک بجلی گراتا ہُوں
شبِ اوہام ہے شمعِ یقیں محفل میں لاتا ہُوں   چراغِ طورِ ایمن کوہِ معنی پر جلاتا ہُوں

الٰہی شوخیِ برقِ تجلّی دہ زبانم را
قبولِ خاطرِ موسیٰ نگاہاں کن بیانم را

محمّد پیشوا اور رہنمائے خلق و عالم ہیں   معزّز ہیں مقدس ہیں معظّم ہیں مکرّم ہیں
فروغِ محفلِ ہستی ہیں نورِ عرشِ اعظم ہیں   حبیبِ حق ہیں ممدوحِ ملک ہیں فخرِ آدم ہیں

اُنہیں کے رنگ سے رنگِ گلِ ہستی کی زینت ہے
اُنہیں کی بُو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

انہیں کے دل کی آگاہی ہوئی تھی رازِ فطرت پر   انہیں کی طبع کو وجد آگیا تھا سازِ فطرت پر
وہی چشمِ خدا بیں محو تھی اندازِ فطرت پر   اُنہیں کا ناز غالب آگیا تھا نازِ فطرت پر

وقائع ان کے عزم و فکر کے سانچے میں ڈھلتے تھے
ذرائع غیب سے تکمیلِ مقصد کو نکلتے تھے

وہ نظریں ساقیِ میخانۂ یزداں پرستی تھیں   وہ آنکھیں مظہرِ انوارِ رازِ بزمِ ہستی تھیں
اُنہیں پہ بدلیاں خالق کی رحمت کی برستی تھیں   اسی محفل کی بخشیں خلد کے پھولوں میں بستی تھیں

اسی سرکار نے رُتبہ بڑھایا طبعِ انساں کا
اسی دربار نے خلعت پہنایا نورِ ایماں کا

میر انیس

المتوفی : ۱۸۷۴ء

فخرِ ملک و اشرفِ آدمؑ ہے محمدؐ　　اکلیلِ سرِ عرشِ معظم ہے محمدؐ
حقا کہ خداوندِ دو عالم ہے محمدؐ　　آخر ہے مگر سب سے مقدم ہے محمدؐ
ایسا کوئی محرم نہیں اسرارِ احد کا
حال اس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ ابد کا

مختارِ زمیں، باعثِ افلاک نبیؐ ہیں　　والا گہرِ قلزمِ لولاک نبیؐ ہیں
مصباحِ حریمِ حرمِ پاک نبیؐ ہیں　　شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہیں
عالم میں وہ آیا تھا پہ دل سوئے خدا تھا
حق اس کا رضا جو وہ رضا جوئے خدا تھا

آدمؑ ہے وجودِ شہِ لولاک سے آدمؑ　　عالم سب اسی شاہ کی ہستی سے ہے عالم
سر رشتۂ مہر اس کا اگر ہوتا نہ محکم　　تو ہوتے نہ اضدادِ عناصر کبھی باہم
کیا کیا کہوں کیا کیا ہے عنایاتِ محمدؐ
ہے باعثِ ایجادِ جہاں ذاتِ محمدؐ

وہ پیش رو خیلِ رسولانِ سلف ہے　　آدم کو اسی نورِ الٰہی سے شرف ہے
یہ درِ یتیم اور وہ پاکیزہ صدف ہے　　کرتا ہے پدر فخر یہ ہے شانِ خلف ہے
پیغمبرِ برحق کی ہو کیا نعت کسی سے
خالق کو مباہات ہے ایجادِ نبیؐ سے

جز ذاتِ خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احساں　　اس شاہ کے ہیں خوانِ کرم پر سبھی مہماں
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالمِ امکاں　　تھا خلقِ دو عالم سے وہی مقصدِ یزداں
باطن میں بھی فیض اس کا ظاہر بھی وُہی ہے
اوّل بھی سبھوں سے وہی آخر بھی وُہی ہے

معراج سے اس کو جو ملا رُتبہ اعلا — یہ رُتبہ کسی اور پیمبر نے نہ پایا
اللہ سے جو قربِ محمدؐ تھا کہوں کیا — قوسین کا ہے فرق جہاں رُتبۂ اولا
جبریلِ امین کو بھی نہ واں دخل کی جا ہے
یا احمدِ مختار ہے یا ذاتِ خدا ہے

اللہ نے وحی تھی اسے کونین کی شاہی — امّی تھے پہ تھا دل میں بھرا رازِ الٰہی
دی سنگ نے اس شہ کی رسالت پہ گواہی — اشجار بھی اعجاز سے اس کے ہوئے راہی
دی مردوں کو جاں سبز کیا خشک شجر کو
دو کر دیا انگلی کے اشارے سے قمر کو

بے سایہ جو مشہور وہ سلطانِ عرب ہے — پیشِ عقلا وجہ یہ ہے اور یہ سبب ھے
ہے کون عدیل اس کا کہ وہ سایۂ رب ہے — دُنیا میں کسی سایہ کا سایہ کہو کب ھے
ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہے یہ جاں کی طرح سایہ کہاں تھا

پہلے کیا اللہ نے جس چیز کو پیدا — لکھا ہے کہ وُہ نورِ جنابِ نبوی تھا
دس سو برس اس دن سے وہ نورِ شہِ والا — استادہ رہا روبروئے خالقِ یکتا
گہ حمد و ثنا گہ صفتِ قدرتِ حق تھی
اس نور پہ ہر دم نظرِ رحمتِ حق تھی

سراج لکھنوی

المتوفی : ۱۹۶۸ء

عیاں ہیں صبح کے آثار یا رسول اللہ ‌ ‌ ‌ نظر ہے آئینہ بردار یا رسول اللہ
ہمیں نہیں ہیں طلبگار یا رسول اللہ ‌ ‌ ‌ یہ سب ہیں طالبِ دیدار یا رسول اللہ
ہے اپنی حسن پرستی کا اعتراف ہمیں
ملا ہے ہے آئینۂ دل بھی صاف صاف ہمیں

ظہورِ جلوۂ حق کا بیان ہوتا ہے ‌ ‌ ‌ ہے جمع اہلِ نظر امتحان ہوتا ہے
عرب میں ختمِ رسل مہمان ہوتا ہے ‌ ‌ ‌ زمیں پہ عرشِ بریں کا گمان ہوتا ہے
نئے سندیسے نسیمِ سحر جو لائی ہے
تو جنبشِ پرِ جبریل یاد آتی ہے

ہے بے نقاب تجلی برس رہی ہے بہار ‌ ‌ ‌ ہے پھول پھول شگفتہ کلی کلی سرشار
لبِ سحر پہ ہے رقصاں تبسمِ گلنار ‌ ‌ ‌ ہے کائنات کا ہر ذرہ دیدۂ بیدار
تڑپ رہی ہے نظر فرش راہ بن جاؤں
ہر ایک شے کو ہوس ہے نگاہ بن جاؤں

وہ نور دیکھا کہ ہر دیدہ ور ہے سجدے میں ‌ ‌ ‌ ہر اک نگاہ حقیقت نگہ ہے سجدے میں
شعاعِ مہر، جبینِ سحر ہے سجدے میں ‌ ‌ ‌ عجیب وقت ہے یہ ہر نظر ہے سجدے میں
کبھی خیال کی وسعت غلافِ کعبہ ہے
کبھی نگاہ کی گردش طوافِ کعبہ ہے

عجب گھڑی ہے یہ رُخِ حیات وجد میں ہے ‌ ‌ ‌ ہر آئینہ نگہِ التفات وجد میں ہے
تمام سلسلۂ کائنات وجد میں ہے ‌ ‌ ‌ یہ انتہا ہے کہ خود حسنِ ذات وجد میں ہے
جمال دیکھ کے تکمیل ذوقِ دید ہوئی
نگار خانۂ فطرت میں آج عید ہوئی

جگر مراد آبادی

المتوفی : ۱۹۶۰ء

با ہمہ رندی و سرمستی و عشرت طلبی ہوں درِ احمدِ مرسل کا غلامِ نسبی
مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کیوں نہ پھر رحمت باری کا طلبگار ہوں میں
ہاں مجھے فخر ہے اس پر کہ گنہگار ہوں میں

وہ رسولِ عربی، فخرِ رسولانِ سلف ذات اقدس سے ملا جس کی زمانے کو شرف
جس پہ نازل ہُوا قرآں سا کامل مصحف جس کے تابع جن و انساں بھی ملائک کی بھی صف

اک وہی شمع نبوت جو ضیا بارِ ہوئی
ساری تاریک فضا مطلع الانوار ہوئی

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے مصلح ملّی و ملکی بھی، رشی بھی آئے
حق کے جو بندہ بھی اور حق کے ولی بھی آئے واقفِ محرمِ سرِّ ازلی بھی آئے

آئے دُنیا میں بہت پاک مکرّم بَن کر
کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بَن کر

اُس نے جامِ مئے توحید پلایا سب کو کس نے پیغامِ مساوات سُنایا سب کو
راستہ کس نے حقیقت کا سُنایا سب کو کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو

تم نے دیکھا ہے بہت دفترِ پیغام اس کا
اور ایسا کوئی گزرا ہو تو لو نام اس کا

نیاز فتحپوری

المتوفی: ۱۹۶۶ء

زمین و آسماں کا ذرّہ ذرّہ وقفِ ظلمت تھا
مذاقِ آفرینش رُوشناسِ چشمِ حیرت تھا

نمودِ کاوشِ بیجا تھی، فقدانِ مسرّت تھا
جہانِ دل تھا وہیں ناواقفِ رمزِ صداقت تھا

غرض ماتم کدہ پیدا تھا ہر جنبش سے مژگاں کی
حقیقی سوگواری کھل پڑی تھی طبعِ انساں کی

زمانہ ہو گیا تھا جہل و عدواں کی حکومت کو
مرجح کر لیا تھا عجز پر سب نے رعونت کو

بہت ٹھکرا چکے تھے اہلِ عالم سب حقیقت کو
سمجھنے لگ گئے تھے مدّعا اپنا بغاوت کو

کہ فطرت دفعۃً چیں بر جبیں ہو کر نکل آئی
لیے آغوش میں سرمایۂ علم و عمل آئی

ادھر یونان اک دیرینہ معبدِ علم و صنعت تھا
وہاں روما بھی نازش گاہِ صد جبروت شوکت تھا

ادھر ہندوستاں اک مرکزِ فخرِ قدامت تھا
اُدھر تھا مصر بھی جو نقطۂ ادوارِ حکمت تھا

مگر یہ فخر تھا مقسوم میں دشتِ حجازی کے
ہوئے وقفِ عرب سے جلوے شانِ سرفرازی کے

مہِ کامل نکل آیا غرض ظلمت ربا ہو کر
چمک اُٹھا شبِ تاریک میں بدر الدجیٰ ہو کر

صداقت دہر میں پھیلی نقوشِ جانفزا ہو کر
محمدؐ جلوہ آرا ہو گیا شانِ خدا ہو کر

مٹا کچھ اس طرح پر تو سے اس کے داغ عصیاں کا
سمٹ جاتا ہے جیسے دوپہر کو سایہ انساں کا

جگہ تہذیب نے وحشت کی لی، عدواں کی ایماں نے	صداقت نے مٹایا کذب، دردِ دل کو درماں نے
کیا دشواریوں کو محو یکسر رنگِ امکاں نے	جُھکا دیں اپنی اپنی گردنیں قسیس و رہباں نے

تجلی دل کی مٹی کچھ ایسی فیض طبع انور سے
نکل کر جیسے ہو جاتا ہے سیدھا تار جنتر سے

تحیر ہے زمانے کو یہ افسوں تھا یا کیا تھا؟	سوادِ کفر کو جس نے مٹا کر رکھ دیا کیا تھا؟
بپا کی جس نے تاریکی میں یہ بزمِ ضیا کیا تھا؟	وہ آخر کون تھا جن و ملک تھا انس تھا کیا تھا؟

بظاہر یُوں تو وُہ اک فرد ہی تھا نوعِ انساں کا
بباطن تھا مگر اک نیّرِ جلوۂ یزداں کا

وہ صبر و حلم کی عادت، فداکاری کا وہ جلوہ	جمالِ سحر آگیں اور وہ عزمِ فلک پیما
نہیں تھا اُس کا مسلک صرف ابراہیمؑ کا شیوہ	بہم تھے اس میں ایوبؑ و مسیحؑ و یوسفؑ و عیسٰیؑ

نبی تھے اور اگر تارے تو یہ بدر درخشاں تھا
اگر وہ بدرِ روشن تھے تو یہ خورشیدِ تاباں تھا

نبوّت ختم ہے اُس پر یہ اپنا دین و ایماں ہے	وہ بے مثل آپ ہی اپنا یہ مرکزِ دل و جاں ہے
محمدؐ سا اگر دُنیا میں کوئی اور انساں ہے	تو میں کہہ دوں گا ہمتائے خدا ہونا بھی آساں ہے

گر انساں ہمسرِ شانِ رحیمی ہو نہیں سکتا
تو کوئی رحمۃ للعالمیں بھی ہو نہیں سکتا

وہی ہے اپنا آقا اور وہی مالک ہمارا ہے　　اُسی کا دین و دُنیا میں فقط ہم کو سہارا ہے
وجود اس کا فراغ ہر دو عالم کا اشارا ہے　　اگر طوفان ہے دُنیا تو وہ اس کا کنارا ہے

ہمیں سیلاب کا ڈر کیا ہو جب وہ ناخدا ٹھہرے
ہمیں کیا فکر جب ایسے شہنشہ کے گدا ٹھہرے

○

جوش ملیح آبادی

المتوفی : ۱۹۸۲ء

اے مسلمانو مُبارک ہو نوید فتح یاب لو وہ نازل ہو رہی ہے چرخ سے ام الکتاب
وہ اُٹھے تاریکیوں کے بام گردوں سے حجاب وہ عرب کے مطلعِ روشن سے اُبھرا آفتاب
گم ضیائے صبح میں شب کا اندھیرا ہو گیا
وہ کلی چٹکی، کرن پھُوٹی سویرا ہو گیا

خسروِ خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دُور دُور دل کھلے شاخیں ہلیں، شبنم اڑی، چھایا سرور
آسماں روشن ہُوا، کانپی زمیں پر موجِ نور پُو پھٹی، دریا بہے، سنکی ہوا، چہکے طیور
نورِ حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا
دلبری سے پرچم اسلام لہرانے لگا

گرد بیٹھی کفر کی، اٹھی رسالت کی نگاہ گر گئے طاقوں سے بُت، خم ہو گئی پشتِ گناہ
چرخ سے آنے لگی پیہم صدائے لا الٰہ ناز سے کج ہو گئی آدم کے ماتھے پر کلاہ
آتے ہی ساقی کے، ساغر آ گیا، خم آ گیا
رحمتِ یزداں کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا

آ گیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسولؐ روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسُولؐ
جس کا ہر تیور ہے حکمِ آسمانی وہ رسولؐ موت کو جس نے بنایا زندگانی وہ رسولؐ
محفلِ سفاکی و وحشت کو برہم کر دیا
جس نے خون آشام تلواروں کو مرہم کر دیا

فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی وہ رسُول　　گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسُول
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسُول　　جس کی ہر اک سانس قانونِ الٰہی وہ رسُول
جس نے قلبِ تیرگی سے نُور پیدا کر دیا
جس کی جاں بخشی نے مردوں کو مسیحا کر دیا

واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر　　حشر تک طالع رہے گی تیرے جلوؤں کی سحر
تو نے ثابت کر دیا اے ہادیٔ نوعِ بشر　　مردیوں مہریں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر
کروٹیں دُنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

تیری پنہاں قوتوں سے آج بھی دُنیا ہے دنگ　　کس طرح تو نے مٹایا امتیازِ نسل و رنگ
ڈال دی تو نے بنائے ارتباطِ جام و سنگ　　بن گیا دُنیا میں "تخیّل اخوّت" ذوقِ جنگ
تیرگی کو روکشِ مہرِ درخشاں کر دیا
تو نے جس کانٹے کو چمکایا گلستاں کر دیا

احسان دانش

المتوفی : ۱۹۸۲ء

تجھ پر سلام صاحبِ اسرارِ شش جہات　　جاگا ہے تیرے نام سے ہنگامۂ حیات
تیری صفت صفت سے جھلکتا ہے حسنِ ذات　　تو بحرِ بیکراں ہے سفینہ ہے کائنات

واجب تھا عکس احمدِ بے میم کے لیے
ہفت آسماں اٹھیں تری تعظیم کے لیے

فرمانروائے قلب و نظر، رحمتِ تمام　　مردِ جبل، خضرِ ملل، والیِ انام
تونے خیال و ذہن کو بخشا ہے وہ مقام　　تاریخ کی جبیں کے ستارے ترے غلام

تونے عرب کے زندہ جنازوں کو رم دیا
پامالیوں کو منصبِ گردوں حشم دیا

پہلے بھی آچکے تھے رسولانِ ذی وقار　　لیکن رُکی نہ خُلق و مساوات میں بہار
آئی نہ اعتدال پہ رفتارِ روزگار　　انساں کو تھا بتوں کے محاسن پہ اعتبار

بدلا وہ تونے ذہن کو، دل کو، مزاج کو
حیرت شکستہ آئینے لائی خراج کو

ممکن نہیں ہے ارض و سما میں ترا جواب　　تجھ سے کیا ہے چاند ستاروں نے اکتساب
منشائے ایزدی ترے باطن پہ بے نقاب　　تو وہ نبی ہے تجھ پہ اتاری گئی کتاب

جب بھی قلم چلا ترے حسن و صفات میں
تھے جو بکھے چراغ تخیل کے ہات میں

قرآں تری کتاب ہے سرچشمۂ علوم   باہر نہیں ہیں اس سے وہ ذرّے ہوں یا نجوم
ہر لفظ کے جلو میں معانی کا اک ہجوم   سب زیرِ نقد، کیسے روایات کیا رسوم

پرکھا ہے بات بات کو معیارِ دین پر
لہرا دیا شعور کا پرچم زمین پر

تیرا بیاں لطیف، ترا قول معتبر   پست و بلند ہر دو جہاں پر تری نظر
تیرا شعور و فکر ہے، میزانِ خیر و شر   تو آخری رسولؐ ہے یا سیّد البشر

محرابِ سجدہ گاہِ کواکب ہے در ترا
جبریلؑ خوش مقال ہے پیغام بر ترا

انسانیت کو تو نے وہ آئین دے دیا   گویا پیامِ نازش و تمکین دے دیا
عالم کو ذوقِ جلوۂ تزئین دے دیا   ٹوٹے دلوں کو مژدۂ تسکین دے دیا

گونجی صنم کدوں میں صدا لا اِلٰہ کی
صورت نکال دی ہے خدا سے نباہ کی

تو قوت و حیات سراپا ہے یا رسولؐ   تو آشنائے عالمِ بالا ہے یا رسولؐ
تو نطقِ حق، ضمیر مسیحا ہے یا رسولؐ   تو دردِ معصیت کا مداوا ہے یا رسولؐ

عزمِ رقم رسا ہے تری بارگاہ تک
روشن ہیں قمقمے سے حدودِ نگاہ تک

سیّد آلِ رضا

المتوفی : ۱۹۷۸ء

تہذیبِ عبادت ہے سراپائے محمدؐ
تسلیم کی خوشبو چمن آرائے محمدؐ
تنظیمِ خدا سازِ تمنّائے محمدؐ
منشا جو خدا کا وہی منشائے محمدؐ

جس دل میں ہے اللہ وہاں رہتے ہیں یہ بھی
اللہ جو کہتا ہے، وہی کہتے ہیں یہ بھی

اللہ کی طاعت ہے، محمدؐ کی اطاعت
قرآن کی دعوت ہے محمدؐ کی اطاعت
مرکز کی حفاظت ہے محمدؐ کی اطاعت
حد بند شریعت ہے محمدؐ کی اطاعت

جو جتنا شعور، اتنا ہی اس حد کو سمجھ کر
اسلام کو سمجھو، تو محمدؐ کو سمجھ کر

اللہ ہے کیا! جس نے بتایا، وہ محمدؐ
پیام سا پیغام جو لایا، وہ محمدؐ
آیات میں پیوست جو آیا، وہ محمدؐ
جس نے بشریت کو سجایا، وہ محمدؐ

معیار بنا بارگہِ عزّ و جل میں
آہنگِ محمدؐ، صفت قول و عمل میں

وہ علمِ مجسّم، وہ مشیّت ، وہ محمدؐ
وہ عقلِ مسلّم، وہ رسالت، وہ محمدؐ

وہ عدلِ منظّم، وہ طبیعت ، وہ محمدؐ
وہ خلقِ معظّم، وہ شرافت، وہ محمدؐ

نازِ احدیت یہ نیابت ہے ہماری
فخرِ بشریت، یہ سیادت ہے ہماری

وہ وحی کے عالم میں کمالِ بشریت
اللہ کا پرتو خد و خالِ بشریت

انوار کا آئینہ جمالِ بشریت
کیفیتِ مخصوص وہ حالِ بشریت

قرآنِ زبان، طرۂ گفتارِ محمدؐ
قرآن عمل، منزلِ کردارِ محمدؐ

محبوبِ خدا لطف و محبت کا علمدار
اخلاق ہمہ گیر کی وسعت کا علمدار

انسان سے انسان کی ملت کا علمدار
اللہ کے رشتے سے اخوت کا علمدار

وہ پرچمِ احساں جو زمانے پہ کھلا ہے
رحمت کا وہ بادل جو برسنے پہ تلا ہے

مولانا الطاف حسین حالی

المتوفی ۱۹۱۴ء

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے — اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وُہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ — خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے

وہ دین، ہُوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں — اب اُس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں — اب اُس کا نگہباں اگر ہے تو خُدا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے — اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے — اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا — اب جنگ و جدل چار طرف اُس میں بپا ہے

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکماء کی — وہ عُرضۂ تیغ جُہلاَ و سفہا ہے

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب — اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی — دیں داروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی — منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگ ہے شب و روز — یہ مجلس اعیان ہے وُہ بزمِ شرفا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں — پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے — اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے
جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت — اُس قوم کی اور دین کی پانی پہ بِنا ہے
گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی — پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے
ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر — مدّت سے اسے دَورِ زماں میٹ رہا ہے
جس قصر کا تھا سر بفلک گنبدِ اقبال — ادبار کی اب گونج رہی اس میں صدا ہے
عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہر سُو — اُس قوم کا ایک ایک گھر اب بزمِ عزا ہے
چاؤش تھے للکارتے جن رہگزروں میں — دن رات بلند اُن میں فقیروں کی صدا ہے
وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بفلک تھی — وہ یاد میں اسلاف کی اب رو بہ فنا ہے
جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حِکم کی — اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہے
کھوج اُس کے کمالات کا لگتا ہے اب اتنا — گم دشت میں اک قافلۂ بے طبل و درا ہے
بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی — ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکمِ قضا ہے
جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت — شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گِلا ہے
درکار ہے یاں معرکے میں جوشن و خفتاں — اور دوش پہ یاروں کے وہی کہنہ ردا ہے
اے چشمۂ رحمت بِاَبِی اَنتَ وَ اُمّی — دُنیا میں ترا لطف سدا عام رہا ہے
جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا — جب تُو نے کیا نیک سلوک اُن سے کیا ہے
صدمہ درِ دنداں کو ترے جن سے کہ پہنچا — کی اُن کے لیے تُو نے بھلائی کی دعا ہے
کی تُو نے خطا عفو ہے اُن کینہ کشوں کی — کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہے
جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری — منقول اُنھیں سے تری پھر مدح و ثنا ہے

برتاؤ ترے جبکہ یہ اعدا سے ہیں اپنے   اعدا سے غلاموں کو کچھ امید سوا ہے
کر حق سے دعا اُمّتِ مرحوم کے حق میں   خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمھارے   نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے
گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ   اخبار میں اَلطَّالِحُ لِیْ ہم نے سُنا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی   ہاں ایک دُعا تیری کہ مقبولِ خُدا ہے
ہاں حالیِ گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے   باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگِ خطا ہے

○

مولانا شبلی نعمانی

المتوفی : ۱۹۱۴ء

جب کہ آمادۂ خوں ہو گئے کفّار قریش
لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرت بوبکر تھے ہمراہِ رکاب
کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
چونکہ سو اونٹوں کا انعام تھا قاتل کے لیے
آپؐ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
انہیں لوگوں میں سراقہؓ خلفِ جعشم تھے
جن کو فاروقؓ نے کسریٰ کے پہنائے تھے گہر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب واقعی کی حکومت کا اثر
بیمِ جاں، خوفِ خدا، ترکِ غذا، سختیٔ راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت کی سحر
یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسولؐ آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں شوق میں آکر اشعار
نغمہ ہائے طلع البدر سے گونج اٹھے گھر

ماں کی آغوش میں ننھے بچے بھی مچل جانے لگے
نازنینانِ حرم بھی نکل آئیں باہر
دفعتہً کو کبۂ شاہِ رسل آ پہنچا
غل ہوا صلِّ علیٰ خیرِ انامِ من و بشر
جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہُوا جلوہ فگن
دُھنتا تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ بصر
طور پر حضرتِ موسیٰ کی صدا آتی تھی
آج اک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سب کو یہ فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
میہمان ہوتے ہیں اوج نشیں کے سرور
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہِ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی نیا رہیں گھر
ہاں مبارک کرے اے خاکِ حریمِ نبوی
آج سے تو بھی ہوئی خاکِ حرم کی ہمسر
صلِّ یارب علیٰ خیرِ نبیؐ و رسول
صلِّ یارب علیٰ افضلِ حق و بشر

وحیدُ الدّین سلیمؔ

المتوفی ۱۹۲۸ء

اے ہمدمِ شیریں سخن ہے نورِ حق پرتو فگن ہر نخلِ گل کی ہے پھبن طورِ جمالِ ذوالمنن
بن ٹھن عروسانِ چمن شیریں ادا افسریں بدن رنگین قبا گل پیرہن ہیں کس طرب سے خندہ زن
چھلنا ادا سے ہو کے خم چپ ہو رہا ہے یہ ستم کھولا نہ خوں میں دل کا غم بدلا نہ با دردِ الم
پر ہے چکتی دم بہ دم اس کے لبوں سے یک قلم نعتِ رسولِ محترم مدحِ شہنشاہِ زمن
ہے نورِ وحدت جلوہ گر روشن کرو اپنی نظر اہلِ زمیں کو دو خبر ہوں شادماں تا ہر بشر
پھر وجد میں شام و سحر جن و بشر شاخ و شجر حور و ملک شمس و قمر ہوں اس طرح سے نغمہ زن
فرخ شیم پیدا ہوا بحرِ کرم پیدا ہوا کوہِ امم پیدا ہوا پیدا ہوا قدسی سخن
نور قدم پیدا ہوا شاہِ امم پیدا ہوا عرشی قدم پیدا ہوا والا حشم پیدا ہوا
یاسیں لقب پیدا ہوا مقبولِ رب پیدا ہوا مہرِ عرب پیدا ہوا ہاشم نسب پیدا ہوا
فخرِ عرب پیدا ہوا کنزِ طرب پیدا ہوا غفراں طلب پیدا ہوا پیدا ہوا شیریں دہن
وہ مالکِ خلدِ بریں وہ شمعِ بزمِ مرسلیں وہ باغبانِ باغِ دیں وہ مہبطِ روح الامیں
وہ رحمۃ للعالمین وہ مظہرِ نورِ مبیں وہ حامیِ دینِ متیں وہ ماحیِ اہلِ دشمن
وہ زینتِ پیغمبری وہ زیبِ شانِ دلبری وہ تاجِ فرقِ سروری ہے گرمِ جلوہ گستری
حیراں ہے مہرِ خاوری یوسف ہے اس کا مشتری جن و بشر حور و پری ہیں اس کے در پر نعرہ زن
مفتوں ہے سرگرمِ ثنا ہے اس کے در کا اک گدا لاتا ہے لب پر یہ دعا ہاں شافعِ روزِ جزا
مطلوبِ محبوبِ خدا دو بخشوا اس کی خطا گر ہے سزاوارِ سزا ہے خوف سے شورش فگن

علّامہ اقبالؒ

المتوفی : ۱۹۳۸ء

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں　　چشمۂ آفتاب سے نور کی ندّیاں رواں
حُسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود　　دل کے لیے ہزار سُود ایک نگاہ کا زیاں
سُرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب　　کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا برگِ نخیل دُھل گئے　　ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
آگ بجھی ہوئی اِدھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر　　کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات　　کُہنہ ہے بزمِ کائنات تازہ ہیں میرے واردات
کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں　　بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات
ذکرِ عرب کے سوز میں فکرِ عجم کے ساز میں　　نَے عربی مشاہدات، نَے عجمی تخیلات
قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں　　گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق　　عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو
جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مُردہ ذوق
خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو
میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جُستجو
بادِ صبا کی موج سے نشوونمائے خار و خس
میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو
خونِ دل وجگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

فرصت کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کُن گیسوئے تابدار را

لوح بھی تو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تیز کر جلوۂ بے حجاب سے

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم نخیلِ بے رطب
تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفےٰؐ، عقل تمام بُولہب
گاہ بحیلہ می برد گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو، ہجر میں لذتِ طلب

عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا	گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہِ بے ادب

گرمیِ آرزو فراق، شورشِ ہاؤ ہُو فراق
موج کی جستجو فراق، قطرہ کی آبرو فراق

○

(۲)

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اڑا جو پستیِ دُنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز
نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

حضور دھر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

(۳)

شیرازہ ہُوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مُسلمان کدھر جائے

وہ لذّتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے

ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حُدی خوان کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

۴

وہ دانائے سُبل ختم الرُّسل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

خوشی محمّد ناظر

المتوفی : ۱۹۴۰ء

صبا اے پیکِ مشتاقاں خدارا — سلام از ما رساں خیر الورا را
پس از صلوٰۃ و تسلیم و تحیات — بزاری بوسہ دہ آں خاک پا را
پس آنگہ داستانِ شوق سرکن — کہ اے کوثر لبا مصحف عذارا
دمِ عیسیٰ زگیسوئت نسیمے — جمال یوسف از رویت نظارا
زمویت عنبریں گیسوئے واللیل — ز رویت چشم روشن والضحیٰ را

قدت را پایۂ گردوں خرامی
لبت را مایۂ یحیی العظامی

زعشقت جان و دل را خانہ روشن — زشوقت دیدہ را گوہر بدامن
زانجم آسماں شد محفل افروز — چو نورت بر زمیں شد پرتو افگن
شمیمِ موئے تو در کوہ و صحرا — بہارِ روئے تو در دشت و گلشن
بہ کشتِ امتاں زنیساں گزشتی — کہ برخاکِ بیاباں ابرِ بہمن
سوارِ ناقہ از صحرا رسیدی — بشکرِ مقدمت در کوئے و برزن

جہانے دیدہ کردہ فرشِ راہ اند
چو فرش اقبالِ پا بوسِ تو خواہند

ہوئی عالم میں تیری ذاتِ والا — دلیلِ رحمتِ باری تعالےٰ
کیا انساں کا ہمسر تو نے انساں — برابر کر دیا سب پست و بالا
بھنور میں امتوں کا جب تھا بیڑا — اسے گرداب سے تُو نے نکالا
نکل کر چاند نے غارِ حرا سے — کیا اطرافِ عالم میں اُجالا
تری اُمت بچے اے دریائے رحمت — پڑا موجِ حوادث سے ہے پالا

"بدہ دستی زپا افتادگاں را   بکن دلداریٔ دل دادگاں را"
جہاں جلوے نئے دکھلا رہا ہے   وہ فرشِ پاستاں اٹھوا رہا ہے،
جہاں ابرِ کرم تھا گوہر ریز   وہاں اولے فلک برسا رہا ہے
نشانِ کارواں ملتا نہیں ہے   حدی خواں وشت میں چلّا رہا ہے
تھی جس کی چاندنی دشت و جبل پر   وہ چاند اسلام کا گہنا رہا ہے
تری امت ہیں اے مہرِ رسالت   غبارِ یاس ہر سو چھا رہا ہے

"بروں آور سر از بُردِ یمانی
کہ روئے تست صبحِ زندگانی"

ہوئی برہم وہ سب محفل پرانی   رہی اقبالِ رفتہ کی کہانی
بنی عباس پر ہے دجلہ نالاں   سرشکِ خوں بنا دریا کا پانی
مٹا نام و نشانِ قصرِ حمرا   جو مغرب میں تھی مشرق کی نشانی
ہوئی وہ حشمت مغلی فسانہ   کہانی ہے وہ فرّ ترکمانی
گئی وہ آب و تابِ بزمِ اکبر   مٹے نقش و نگارِ شہ جہانی

"حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند"

چمن میں اب نہ پتّا ہے نہ ڈالی   مٹے یکساں ادانی و اعالی
نہ علم و فضل ہے نہ جاہ و حشمت   ہوئے ہیں مسجد و میخانہ خالی
سلف کل جن کے صدرِ انجمن تھے   خلف کی جا ہے اب صفِّ نعالی
خدا جانے ابھی لائے گی کیا رنگ   یہ دار و گیرِ ایام و لیالی
سہارا بس تری اک ذات کا ہے   ایا خیر البشر نعم الموالی

"تو ابرِ رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی بر حالِ لب خشکاں نگاہے"

ناظر بنیادی طور پر اردو کا شاعر ہے مگر اس کا فارسی کلام اس کے سلفہ رہنے دیا ہے (ادارہ)

آغا حشر کاشمیری

المتوفی: ۱۹۳۵ء

آسماں ہے محفلِ ہستی میں میخانہ مرا　　کہکشاں میری صراحی چاند پیمانہ مرا
ہر نفس سے بربطِ گیتی پہ ہوں مضراب زن　　اضطرابِ برق ہے اک رقصِ مستانہ مرا
ساغرِ ہستی میں ہوں میں ارتعاشِ موجِ نور　　جلوہ زارِ زندگی ہے مجھ سے میخانہ مرا
بارشِ مستی کے جلووں سے ہے فردوس آفریں　　ہے شرابِ نور سے شاداب ویرانہ مرا
نکہتِ صہبائے مستی سے ہے تعمیرِ حیات　　دہر میں اک موجِ رنگ و بو ہے کاشانہ مرا
دولتِ صبحِ قدم ہوں مایۂ شامِ حدوث　　گلشنِ جنت تو اے رضواں ہے بیعانہ مرا
جرعۂ جامِ مے گلرنگ ہے ایک ایک حرف　　بزمِ کن کو مست کر دیتا ہے افسانہ مرا

شعلہ آشامِ محبت ز آتشِ دیرینہ ام
ساقیم در یثرب و خمخانہ اش در سینہ ام

جلوہ پرورِ چراغِ خلوتِ الہام ہوں　　میں امانت دارِ سوزِ سینۂ اسلام ہوں
ہے بھری جس میں شرابِ خندۂ صبحِ ازل　　میں کفِ روح القدس پر وہ چھلکتا جام ہوں
ظلمتِ ہستی چرا لائی ہے جیبِ نور سے　　دولتِ گم کردۂ چرخِ زمرد فام ہوں
میری عظمت کی کہانی ہے حدیثِ کائنات　　حاصلِ افسانۂ اوراقِ صبح و شام ہوں
میرے دم سے عنبر آگیں ہے مشامِ روزگار　　دہر میں نکہت فروشِ طرۂ الہام ہوں

لے کے آیا ہوں نویدِ کوثر آشامی یہاں — ساقیٔ خمخانۂ بطحا کا میں پیغام ہوں
آ تجھے بھی مست کردوں نغمہائے عشق سے — سُن کہ گلبانگِ نوا پردازیٔ ایام ہوں

می طپد صد جلوۂ شاداب در جانم ہنوز
تشنۂ ذوقِ تماشا ہست طوفانم ہنوز

آج اُس کی آستاں بوسی کا مجھ کو ناز ہے — آسماں محفل میں جس کی فرشِ پا انداز ہے
میں غلام اُس کا ہوں جس آقا کا نامِ پُرجلال — دفترِ کونین کا سر رشتۂ آغاز ہے
اے مہِ یثرب! سنادے مژدۂ لاتقنطوا — بیکسیٔ شرمِ عصیاں گوش برآواز ہے
تُو پیامِ آخری قرآں کلامِ آخری — اک تتمّہ اور اک شرحِ کتابِ راز ہے
ہے بھری دریوزۂ رُخ سے ترے کشکولِ طُور — شعلۂ سینا گدائے جلوہ گاہِ ناز ہے
کس قدر نظارہ پرور جلوۂ معراج تھا — آج تک شوقِ لقا میں چشمِ انجم باز ہے
ہے دلِ جبریل شوقِ ہمعنانی کا شہید — دامنِ زخمِ تمنّا جادۂ پرواز ہے

برقِ حُسنِ تو ہمیں ساماں زخشک و تر گذاشت
از متاعِ شوق در دل مشتِ خاکستر گذاشت

اک سکوتِ یاس تھا دنیائے ظلمت کار میں — سو رہی تھی صبح آغوشِ شبِ پندار میں
تُو نے آ کر شب پرستانِ چمن کے واسطے — کی سحر پیدا گلستانِ خزاں آثار میں
بہہ گیا سوئے فنا خود اپنی طغیانی میں کفر — آ گیا سیلاب موجِ رشتۂ زنّار میں
کعبۂ وحدت کے آگے جھک گئی تعمیرِ شرک — ہو گئے بیتاب سجدے جبہۂ دیوار میں
رُوح نے خالق سے کی تجدیدِ پیمانِ الست — نغمۂ ماضی ہوا پیدا شکستہ تار میں

دل کی کھیتی لہلہا اُٹھی تری تکبیر سے   تھا نہاں طوفانِ شادابی لبِ گفتار میں
پرتوِ رُخ سے ترے اے نوبہارِ کائنات!   شمعِ گُل روشن ہے ہر ویراں سرائے خار میں

تا بدورِ آخری از دستِ تو ساغر گرفت
این کُہن میخانہ را کیفیتِ دیگر گرفت

اے کہ حجِّ عاشقاں طوفِ تجلّی گاہ تو   صبحِ خندانِ شبِ یثرب رُخِ دلخواہِ تو
لمعۂ از خاکِ کُویت بردو مہرش کرد نام   در جبینِ چرخ تابد سجدۂ درگاہِ تو
ذرّہ ہایش حُسنِ یُوسف قیمتِ خود گفتہ اند   ہے چہ ارزاں ست جلوہ در تجلّی گاہِ تو
سطوتِ توحید نقدِ شرک را قیمت شکست   سکّہ زد بر قلبِ کثرت ضربِ اِلّا اللّٰہِ تو
شوکتِ مُوسٰے عَلمدارِ ورودِ پُر جلال   عظمتِ عیسٰے نقیبِ موکبِ ذیجاہِ تو
قدسیاں را علمِ اوّل قصّۂ ذکرِ جمیل   خاکیاں را درسِ آخر ذاتِ حق آگاہِ تو
دہر را نقشِ کفِ پایت طرازِ زندگی   نبضِ گیتی را رمِ خُوں موجِ گردِ راہِ تو

یک شعاع انداختی و ہستیم پُر نُور شُد
ذرّہ ام بالید و حیرت خانۂ صد طُور شُد

الصّلوٰۃ اے ماتہیدستانِ محشر را کفیل!   السّلام اے یومِ پرسش حَسْبُنَا نِعْمَ الْوَکِیل!
الصّلوٰۃ اے دردِ عصیاں را دوائے جاں نواز!   السّلام اے آتشِ جاں را نویدِ سلسبیل!
الصّلوٰۃ اے از تو روشن بزمِ توریت و زبُور!   السّلام اے از تو گلشن جَیبِ مُوسیٰ و خلیل!
الصّلوٰۃ اے آیۂ تقدیس را برہانِ صدق!   السّلام اے نسخۂ توحید را شرحِ جلیل!
الصّلوٰۃ اے طرِّ قوا گویاں بر ہستِ قدسیاں!   السّلام اے مروحہ جُنباں بزمت جبرئیل!

الصلٰوۃ اے محوِ شوقت خستگانِ شرق و غرب　　السلام اے در فراقت گریہائے گنگ و نیل!
الصلٰوۃ اے چشمِ مہرت بندگیم را صلہ!　　السلام اے کیفِ دردت عشق را اجرِ جمیل!

بینوایانہ بدرگاہِ تو سر افگندہ ایم
یا بران و یا بخواں تو خواجۂ ما بندہ ایم

اے خدا دے زورِ دستِ خالدؓ و حیدرؓ ہمیں　　پھر اُلٹنا ہے صفِ کفر و درِ خیبر ہمیں
مست تھی جس کے نشہ سے رُوحِ سلمانؓ و بلالؓ　　ہاں پلا دے پھر وہی صہبائے کیف آور ہمیں
دل صنم خانہ بنا ہے یادِ غیر اللہ سے　　بُت بھی اب کہنے لگے مسلم نما کافر ہمیں
المدد اے نعرۂ اَللّٰہُ اَکْبَرُ المدد　　بتکدے کو پھر بنانا ہے خدا کا گھر ہمیں
تیری رحمت دیتی جاتی ہو تسلّی ساتھ ساتھ　　لے چلے جب شرمساری جانبِ محشر ہمیں
ڈگمگاتے ہیں گرے جاتے ہیں تیرے ناتواں　　اے تری رحمت کے صدقے تھام لے بڑھ کر ہمیں
تیرے در کو چھوڑ کر ہم بے نوا جائیں کہاں　　یا بتا دے اور کوئی اپنے جیسا گھر ہمیں

دُوسروں کو زور و زر دے، عیش دے آرام دے
اور ہمیں اس دولتِ دُنیا سے صرف اسلام دے

○

مولانا عبدالباری معنیؔ اجمیری

(۱)

گلشنِ فطرت ہے اے ہمراز مے خانہ مرا — شاخِ گُل میری صُراحی پھُول پیمانہ مرا
میں ازل سے سرخوشِ جامِ شرابِ جلوہ ہوں — شہرۂ آفاقِ جہاں ہے ذوقِ رندانہ مرا
ہے سرشتِ قلب میں صہبائے آتش رنگِ عشق — زیرِ دامن گنجِ زر رکھتا ہے ویرانہ مرا
ثبت ہے اوراقِ گُل پر میری رنگیں داستاں — یاد ہے ہر طائرِ گلشن کو افسانہ مرا
نکہت آبادِ مے گُل رنگ ہے محفل مری — رقصِ موجِ بُوئے گُل ہے وجدِ مستانہ مرا
ہمنشینِ مُرغِ طُوبیٰ ہے مرا مُرغِ خیال — حجلۂ خورشید سے اونچا ہے کاشانہ مرا
میری مدہوشی ہے عینِ ہوشیاری کی دلیل — عالمِ مستی میں ہے عالمِ جُدا گانہ مرا

کوثری ام دم زحُبِ ساقیِ کوثر زنم
بادۂ ناب از لبِ کوثر کشم ساغر زنم

(۲)

تھی ازل سے جس کی مشتاقِ لقا چشمِ شہود — جس کے آتے ہی کھُلا عالم پہ رازِ ہست و بُود
دینِ فطرت لے کے جو آیا بساطِ ارض پر — جس سے دُنیا میں ہوئے قائم شریعت کے حدُود
جس نے آکر نوعِ انساں کو عطا کی زندگی — رحمتِ حق بن کے آیا خلق میں جس کا وجُود

جس کے حُسنِ خُلق کی آیت علیٰ خُلقٍ عظیم　　جس کا سایہ در حقیقت سایۂ ربِّ ودُود
جس کی ادنیٰ بات میں پوشیدہ اعجازِ مسیحؑ　　دستِ بیضا سے بھی روشن جس کی سیمائے سجود
جس کے احسانوں سے بیگانوں کے سر بھی خم ہوئے　　جس کے مرہونِ کرم ہیں کیا نصاریٰ کیا یہود
جس کی اُمت اُمتِ مرحوم سے موسُوم ہے　　اُس کی ذاتِ ذی شرف پر صد صلوٰۃ و صد دُرود

خستہ باد آں جان کہ از تیرِ نگاہش خستہ نیست
بستہ باد آں دل کہ در دامِ ہوا یش بستہ نیست

(۳)

ای کہ می نازد جہان بر قامتِ رعنائے تو　　معنیٔ کن گشت روشن از رُخِ زیبائے تو
ایکہ قُربِ قَابَ قوسین است باذاتِ تو خاص　　کس نہ از پیغمبران رفت است بر بالائے تو
ایکہ داغِ بندگیت بر جبینِ کائنات　　بزمِ عرفان روشن است از جلوۂ سیمائے تو
ایکہ در میقاتِ محشر تکیہ گاہِ عاصیان　　عفو جان بخش و خطاپوش و گُنہ فرسائے تو
اے زلب ہائے تو عالم یافت آبِ زندگی　　صد ہزاران جان فدائے نطقِ جان افزائے تو
خاک بوسانِ حریمِ روضہات روحانیان　　سجدہ کرد و بیان رقصد بہ نقشِ پائے تو
ہمچو ذاتِ واحد و یکتائے عالم آفرین　　نیست اندر ہر دو عالم ہمسر و ہمتائے تو

تا کے از ہجرِ تو باغم ہم نشین خواہیم بود
با سرشکِ گرم و آہِ آتشین خواہیم بود

(۴)

الصلوٰۃ اے باعثِ تکوین و ختم المرسلینؐ　　السّلام اے صدرِ بزمِ اوّلین و آخرین

الصلوٰۃ اے صورت و معنیٔ طٰہٰ الصلوٰۃ — السلام اے ظاہر و باطن مرادِ یاؔ و سین
الصلوٰۃ اے ناسخِ توریت و انجیل و زبور — السلام اے حاملِ قرآن ھُدًی لِّلمُتَّقِین
الصلوٰۃ اے آستانت قبلہ گاہِ جان و دِل — السلام اے ذاتِ پاکت کعبۂ ایمان و دین
الصلوٰۃ اے فرشیان را آیۂ رحمت توئی — السلام اے عرشیان را نیز برہانِ مُبین
الصلوٰۃ اے شرح ما اوحٰی لبِ ارشادِ تو — السلام اے حجرۂ تو مکتبِ روح الامین
الصلوٰۃ اے جادۂ کُویت صراطِ مستقیم — السلام اے خاکِ راہت سُرمۂ چشمِ یقین

الصلوٰۃ اے گوہرِ گنجینۂ پیغمبری
السلام اے شہریار و تاجدارِ سروری

(۵)

اب عمادِ قصرِ دیں خم صورتِ محراب ہے — کشتیِ اُمّت ہے اور طوفانِ باد و آب ہے
تھی سیہ خانوں میں کل تک جس کے باعث روشنی — ظلمتوں میں اب وہی خورشید عالمتاب ہے
تھا کبھی عالم میں جس کی گرم بازاری کا شور — آج اُسی بازار میں جنسِ عمل نایاب ہے
جس کی ہمت سے کئی بیڑے کنارے لگ گئے — اب وہی بیڑا اسیرِ حلقۂ گرداب ہے
آج دُنیا میں نہیں کوئی کسی کا غم شریک — غیر کا شکوہ نہیں یہ شکوۂ احباب ہے
کل جو فتنے سو رہے تھے آج وہ بیدار ہیں — وائے بر غفلت کہ مسلم اب بھی محوِ خواب ہے
اب کہاں وہ نغمۂ وحدت کی دلآویزیاں — یعنی جو تارِ نفس ہے تشنۂ مضراب ہے

یا رسول اللہ! بنگر اُمتانت عاجز اند
جان نزار و سینہ چاک و دلفگار و دردمند

(۶)

اے رسولِ پاکؐ اے پیغمبرِ قدسی صفات
اے حبیبِ ذات اے غارت گرِ لات و منات

ہے زمیں کا ذرہ ذرہ دشمنِ اسلام آج
حشر در آغوش ہے گویا بساطِ کائنات

تُل رہی ہیں دُوسری قومیں مٹانے کے لیے
منقلب ہے اُمتِ مرحوم کا دورِ حیات

دُھوم تھی کل تک جہاں میں جس کے استقلال کی
ضُعف سے ہے آج لغزش میں وہی پائے ثبات

یارسول اللہؐ! اُٹھیے رہبری فرمائیے
قافلہ اُمت کا ہے گُم کردۂ راہ نجات

اب نہ وُہ حق کی طلب ہے اور نہ درسِ معرفت
اب نہ وُہ جوشِ عمل ہے اور نہ علمِ دینیات

مجمعِ اوہام ہے دل میں بجائے یادِ حق
اِن بتوں سے بن رہا ہے اب یہ کعبہ سومنات

باز بنگر بندگانِ ملتِ اسلام را
از عنایت سہل فرما سختیِ ایام را

(۷)

پھر عطا فرما وہی اسلاف کے جوہر ہمیں
اپنا سکہ پھر جما دینا ہے عالم پر ہمیں

پھر عطا سجدوں میں وہ کیفیتِ معراج ہو
مرحبا کہنے لگے ہر مسجد و منبر ہمیں

قوتِ خالدؓ سے پھر بازو قوی ہوں قوم کے
پھر عطا ہو جذبۂ ایمانِ بوذرؓ ہمیں

پھر ہمارے نعرۂ تکبیر کا ہو غلغلہ
پھر عطا ہو زورِ دستِ حیدرؓ صفدر ہمیں

پھر ہمارا نام سن کر آسماں بھی کانپ اٹھے
پھر بنا دے سطوتِ فاروقؓ کا مظہر ہمیں

نصرت و تائیدِ حق ہو پھر ہمارے ساتھ ساتھ　　پھر کہے سارا جہاں اللہ کا شکر ہمیں
پھر اسی سرعت سے طے ہوں ارتقا کی منزلیں　　دیکھتی رہ جائے پھر حیرت سے دُنیا بھر ہمیں

گوش کُن این التجائے معنیٔ بیچارہ را
پائے بندِ بندگی کُن بندۂ آوارہ را

○

علّامہ تاجور نجیب آبادی

المتوفی: ۱۹۵۱ء

محبت افروز ہے فروغِ جبیں، ہوس سوز ہیں نگاہیں
جمالِ عصمت سے رُخ درخشاں ہے، عفت آموز ہیں نگاہیں

نظر کی لحسابس آفرینی دلوں کو درد آشنا بنا دے
خدا کا منکر بھی زد پہ آجائے تو اُسے باخدا بنا دے

جلال اتنا کہ حُسن میں بھی ہو جس سے شانِ نیاز پیدا
جمال ایسا کہ جس کی تابش سے پتھروں میں گداز پیدا

وجاہت اتنی کہ شوقِ دیدار کو مجالِ نمو نہیں ہے
لیاقت ایسی کہ کم سوادوں کو جرأتِ گفتگو نہیں ہے

ذہانت اتنی کہ عقلِ خود بیں کو تُو اسیرِ نیاز رکھے
صداقت ایسی کہ شاعروں کو مبالغے سے بھی باز رکھے

ظرافت اتنی کہ تلخ نوشِ غمِ محبت کو بھی ہنسائے
متانت ایسی کہ عشق و الفت کی شوخیوں کو ادب سکھائے

فصاحت اتنی بیان میں جس سے خوش بیانوں پہ وجد طاری
طلاقت ایسی زبان میں جیسے نیر پانی کی نہر جاری

سرشت اتنی لطیف صدق و صفا کا گنجینہ جس کو کہیے
طبیعت ایسی شریف مہر و وفا کا آئینہ جس کو کہیے

عطوفت اتنی کہ حاسدِ بے ادب کے جُرم و گناہ بخشے
مروّت ایسی کہ دشمنِ جاں طلب کو بھی تو پناہ بخشے

پسند اتنی بلند تعلیمِ ذوق دے چشمِ بے ہُنر کو
مذاق ایسا نفیس، حُسنِ مذاق جس سے ملے نظر کو

حسد تری بزم میں جسے لائے خُلق تیرا غلام کر لے
جو رَم کرے تجھ سے از رہِ بُغض تُو اُس کو رام کر لے

سُجھائی تُو نے مجھ کو اے دوست پستیِ ماسوا پرستی
تجھی سے سیکھا کہ خود پرستی ہے درحقیقت خدا پرستی

جو تیرے جلووں سے ہو منور اُس آئینے میں نہ بال آئے
مٹے خیالِ گناہ دِل سے، جو دل میں تیرا خیال آئے

ترے فروغِ جمال کی تابشیں مجھے یہ بتا رہی ہیں
کہ تیری صورت میں تیری سیرت کی طلعتیں جگمگا رہی ہیں

خدا کو مانا ہے دیکھ کر تجھ کو اُس کی شانِ جمیل تُو ہے
خدا کی ہستی پہ میرے نزدیک سب سے روشن دلیل تُو ہے

خدا کی صورت کوئی نہیں اور خدا کی صُورت کوئی اگر ہے
تو وہ حریفِ نقوش تصویر تیری صورت میں جلوہ گر ہے

میں شش جہت کی فضا کو جلووں سے تیرے لبریز دیکھتا ہوں
ترے محبّت بھرے فسانے کو زندگی خیز دیکھتا ہوں

یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے اقوال خود بخود مُنہ سے بولتے ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے احوال خود دلوں کو ٹٹولتے ہیں

یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے احرار شوکت آرائے بحر و بر ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے انوار طلعت افزائے بحر و بر ہیں

یہ دیکھتا ہوں کہ تیری نظروں میں ہیچ ہے فرِّ شہر یاری
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے قدموں پہ صدقے ہوتی ہے تاجداری

یہ دیکھتا ہوں غلام و آقا کا فرق تُو نے مٹا دیا ہے
یہ دیکھتا ہوں کہ تُو نے شاہ و گدا کو ہمسر بنا دیا ہے

یہ دیکھتا ہوں جہاں کے ویرانے تیرے قدموں سے گلستاں ہیں
یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے دیوانے علم و حکمت کے پاسباں ہیں

ترے غلامانِ کشور آرا کی خرقہ پوشی کو دیکھتا ہوں
ترے سلاطینِ کار فرما کی حق نیوشی کو دیکھتا ہوں

ترے جلو میں خراج گیروں، خراج بخشوں کو دیکھتا ہوں
تری حضوری میں تاج گیروں کو تاج بخشوں کو دیکھتا ہوں

ترے فقیروں کو بانٹتے دیکھتا ہوں دارا کی کبریائی
ترے غلاموں کو روندتے دیکھتا ہوں فرعون کی خدائی

میں ان مناظر کو دیکھتا ہوں و مک رہی ہیں مری نگاہیں
دمک رہی ہیں، چمک رہی ہیں، مہک رہی ہیں مری نگاہیں

○

حکیم احمد شجاع ساحر

المتوفی : ۱۹۶۹

اے رسولِ ہاشمی، اے سرِّ تکوینِ حیات
اے کہ تیری ذات ہے وجہِ نمودِ کائنات

تو نہ تھا تو محفلِ کون و مکاں بے رنگ تھی
تو نہ تھا تو بزمِ ہستی سازِ بے آہنگ تھی

حسنِ فطرت میں ابھی ذوقِ خود آرائی نہ تھا
عشق ابھی تک دشمنِ صبر و شکیبائی نہ تھا

تلخیٔ حق سے ابھی ناآشنا گفتار تھی
عقلِ انسانی ابھی پابستۂ انکار تھی

سربلندوں کی جبیں سجدوں سے نورانی نہ تھی
حُسن تھا پر عشق کی کچھ ایسی ارزانی نہ تھی

چشمِ انساں میں ابھی تک جستجو حیراں نہ تھی
سینۂ انساں میں آہِ نیم شب لرزاں نہ تھی

آنکھ میں آنسو نہ تھے، سر میں نگوں ساری نہ تھی
قلبِ مومن کی جہاں میں گرم بازاری نہ تھی

خواب میں آسودہ ابراہیم کی تکبیر تھی
ہیبتِ ضربِ کلیم اک خواب کی تعبیر تھی

بربطِ داؤد اک مدّت سے رہنِ زنگ تھا
مے تو تھی لیکن بہت بے کیف اور کم رنگ تھا

تو نے آتے ہی بدل دی طرحِ تقویمِ حیات
ہو گئیں پابندِ امکانِ عمل ناممکنات

قالبِ ہستی میں دوڑا دی شعاعِ زندگی
ہو گئی ارزاں ترے دم سے متاعِ زندگی

اس قدر تو نے بڑھائی قیمتِ خود آگہی
مردِ مومن کی نظر میں بوریا، تختِ شہی

اس طرح توڑا طلسمِ باطلِ حرص و ہوس
چشمِ اعرابی میں کسریٰ کا تجمل خار و خس

زندگی تیرے لیے اک داستانِ عشق و مرگ
یہ جہانِ بے ثبات اک کاروانِ عشق و مرگ

پیکرِ گِل کو کیا توحید کا سرِّ جلی
خاک کو دی قدرتِ نشوِ حسین ابن علی

اے شہِ لولاک ، اے شاہنشہِ دُنیا و دیں — اے شفیع المذنبین اے رحمۃ للعالمیں
آج تیرے عُتبۂ اقبال پر آیا ہوں میں — دل کے ٹکڑے نذر کرنے کے لیے لایا ہُوں میں
وہ تہی دامن ہوں جس کے پاس کچھ ساماں نہیں — جانتا ہُوں سنگ ریزے نذر کے شایاں نہیں
اپنی رحمت پر نظر کر میری لاچاری ، نہ دیکھ — اس فقیرِ بے سر و ساماں کی ناداری نہ دیکھ
عمر گزری بُت کدوں میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے — شرم آتی ہے ترے دربار میں آتے ہُوئے
بس نہیں چلتا بجز حیرانی و شرمندگی — پھونک دے پھر اس تنِ بے جاں میں رُوحِ زندگی
سوز سے معمور میرے شعر کا پیمانہ کر — ماسوائے میرے ذکر و فکر کو رسوا نہ کر
حسن کو چالاک کر، پھر عشق کو بے باک کر — کچھ علاجِ گردشِ ایام عبرت ناک کر
قلب کو تابِ پر پروانۂ بے تاب دے — آنکھ کو اشکِ رواں و فطرتِ سیماب دے
جامِ صہبائے کہن ہاں دَور میں آجائے پھر — تیرے دیوانوں کی ہُو سے آگہی گھبرائے پھر
وسعتِ صحرا پہ ہو پھر خندہ زن دیوانگی — سرخ رو ہو جائے وحشت منفعل فرزانگی

نعرۂ حق را زِ شعرِ من بلند آوازہ کن
باد بزمِ رفتگاں را از فغانم تازہ کن

مجید امجد

شہر مکّہ بتوں کی بستی تھی — چار سُو تیرگی برستی تھی
لو وہ اک نور کی کرن پھُوٹی — بزمِ آفاق جگمگا اُٹھی
دیکھنا اک یتیمِ بے ساماں — اجنبی لحم سخن تہی داماں
جس نے یُوں سال وسِن گزارے ہیں — بھُوک میں اپنے دن گزارے ہیں
پیرہنِ تن پہ تار تار اُس کا — کوئی محرم نہ دوستدار اُس کا
تپتی ریتوں پہ محوِ خواب کہیں — تیز کانٹوں سے زخم یاب کہیں
جلتی تیغوں کے درمیان کبھی — کنکروں سے لہو لہان کبھی
ذرّہ ذرّہ عدوئے جاں اُس کا — تشنۂ خوں ہے اک جہاں اُس کا
ہاں مگر لب جب اُس کے ہلتے ہیں — دل کے مرجھائے پھُول کھلتے ہیں
جب وہ پیغامِ حق سناتا ہے — وجد میں دو جہاں کو لاتا ہے
جب وہ اونچی صدا سے کہتا ہے — ہادیانہ ادا سے کہتا ہے
"گمرہو! تم یہ کیا سمجھتے ہو، — پتھروں کو خدا سمجھتے ہو"
دل دہلتے ہیں قہرمانوں کے — دیئے بجھتے ہیں کفر خانوں کے
بات یہ کیا زبان سے نکلی — لاکھ تلوار میان سے نکلی

ظالموں کی اذیتیں، اک سمت
اور خدا کی مشیتیں اک سمت

⊙

حفیظ جالندھری

المتوفی: ۱۹۸۲ء

زباں پر اے خوشا صلِّ علیٰ یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نام جبریلِ امیں لے کر سلام آیا

محمدؐ جانِ عالم، فخرِ عالم، ہادیٔ اکرم
امام الانبیاء خیرالبشر پیغمبرِ اعظم

محمدؐ وہ جمالِ اوّلیں وہ پیکرِ نوری
محمدؐ کاشفِ سرِّ ظہور و رمزِ مستوری

محمدؐ صاحبِ خلقِ عظیم و ناشرِ حکمت
محمدؐ مصدرِ فیضِ عمیم و شافعِ اُمّت

بہ صورت نورِ سبحانی بہ معنی ظلِّ رحمانی
نشانِ حجتِ حق مظہرِ تائیدِ ربانی

وہ جس کو فاتحِ ابوابِ اسرارِ قدم کہیے
بنائے عرش و کرسی باعثِ لوح و قلم کہیے

علی الاعلان سرِّ کنت کنزاً مخفیاً کہیے
مگر اس کی شریعت کا ادب مانع ہے کیا کہیے

"آفتابِ صحرا" (نظم نعتیہ)

قاضی نذرالاسلام

ترجمہ: یونس احمر

نذرالاسلام کی کتاب "آفتابِ صحرا" جس کی خفیف سی جھلک ذیل میں پیش کی جارہی ہے، تمام وکمال اس آفتابِ عالمتاب کی شانِ جلال وجمال کی مظہر ہے، جس کے سامنے تجلیات کون ومکان ازل تا ابد سرنیاز خم کیے ہوئے ہیں۔ (ادارہ)

اے صبح صادق کے پنچھی، اے طائرِ خوش الحاں،
اے شاعرِ روز وشب، خوابِ گراں سے بیدار ہوجا۔
دیکھ کر بحرِ احمر کی مضطرب موجوں سے عرب کا آفتاب زرفشاں طلوع ہورہا ہے، تُو بھی بہ اندازِ نو اُٹھ اور سُن۔
عمیق تاریکی کا سینہ چاک کرکے بلند مینارہ سے موذن کی صدائے اللہ اکبر بہتی ہوئی چلی آرہی ہے۔
اس آواز کو سُن کر نظامِ کائنات کے پاؤں کانپ رہے ہیں۔
"اَلصَّلٰوۃُ خَیۡرٌ مِّنَ النَّوۡمِ" نے کیا سحر پھونک ڈالا ہے۔
کچھ دیر پہلے تک آسمان کی آغوش میں چاند، سورج اور ستارے نورافشاں تھے، سمندر اپنی لہروں کا پاؤں پکڑ کر ناچ رہا تھا۔
اور عطر بیز ہواؤں کی نرم ونازک رفتار سے مس ہوکر غنچے پھوٹ رہے تھے۔
لیکن اذان کی مترنم آواز سُن کر محفل رقص وسرود میں سناٹا چھا گیا۔
اب کائنات کے گوشے گوشے میں طیور کے نغمہ ہائے دلرس نے جادو جگا دیا ہے۔
فرش سے عرش تک مینارۂ نور نے آنکھیں خیرہ کردی ہیں۔
سرزمین عرب، فضائے بسیط سے بہہ کر آنے والی مترنم آواز "دین دین" میں غرق ہوگئی۔
مینارِ کعبہ سے ایک بار پھر موذن نے پکارا ہے۔

اُٹھ اور دیکھ کر مغرب میں بحرِ احمر کی خون آلود سُرخ موجیں جھلمل جھلمل کر رہی ہیں۔
ایران کی سرمست و سرشار ندی بھی خاکِ عرب کو سلام کرنے کے لیے جانبِ مشرق رواں دواں ہے۔
جنوب میں بحرِ ہند کے تھپیڑوں نے گانا شروع کر دیا ہے۔
"دیکھ عرب میں طلوعِ آفتابِ نو!"
اور شمال میں صحرائے اعظم کی خاک جوشِ مستی میں نواسنج ہے۔
"اُٹھ جاگ اور امرت کا پیالہ نوشِ جاں کر"
گرم ہوائیں کھجور کے پتّوں سے مس ہو کر سارنگی بجا رہی ہیں۔
اور ریت کے ذرّے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔
فرطِ طرب سے نارنگی، سیب اور انگور شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔
اسپِ تازی کے پاؤں زمین پر نہیں ٹھہرتے۔
وُہ آسمان سے باتیں کرنے کے لیے بے چین ہے۔
صحرا کی دوشیزائیں اُونٹنیوں پر سوار، آبِ زمزم سے تشنگی بجھانے بھاگی جا رہی ہیں۔
ریگ زار نے آج واقعی سمندر کا رُوپ دھار لیا ہے۔
پُرانا سُورج اس دن لاج کے مارے طلوع نہ ہُوا۔
کیونکہ آفتابِ نو کی خیرہ کن روشنی نے ذرّہ ذرّہ کو ڈھانپ لیا ہے۔
بدو دوشیزائیں آنکھوں میں سُرمہ لگائے اور ہاتھوں میں خُرمہ لیے رقص کر رہی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اماوس کی رات میں ہلال نکل آیا ہے۔
ساری کدورتیں دُھل گئی ہیں اور محبت و وارفتگی کا چراغ جل رہا ہے۔
یہ دن کتنا عظیم ہے!
صرف عرب اور ایشیا کے لیے نہیں، ساری کائنات کے لیے۔
آج خاک میں جو نور دمک رہا ہے، وہ نورِ فردوس سے بھی زیادہ تابدار ہے۔
زمین پر کنول مسکرا رہے ہیں۔
اور بھونرے کی آواز سے فضا جھوم رہی ہے۔
"محمدؐ آ گئے، محمدؐ آ گئے!"
زمین نے اس دن ایک نیا نام سُنا:

محمدؐ ــــ محمدؐ!
ایک نئے چہرے کو دیکھ کر سب ششدر رہ گئے۔
یہودیوں اور عیسائیوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں!
وُہ سوچنے لگے۔
کتنا وُہ عظیم انسان آگیا ہے۔
جس کی بشارت توریت اور انجیل نے دی تھی۔
جس کے قدموں کی چاپ عیسیٰؑ، مُوسیٰؑ اور داؤدؑ نے سُنی تھی۔
کیا وہی حسین وجمیل انسان چُپ چاپ، ہَولے ہَولے آگیا ہے۔
جیسے مشرق سے آہستہ آہستہ سُورج اور بدرِ کامل طلوع ہوتے ہیں۔

شمس و قمر کے خرامِ ناز کی زمین کو اطلاع تک نہیں ہوتی۔
وہ خواب کی دبیز چادر میں لپٹی رہتی ہے۔
اور جب چاروں طرف نور کا سیلاب اُمڈ پڑتا ہے، تو صبح نوخمار آلود آنکھیں مل کر جاگ پڑتی ہے۔
اس طرح آج بھی روشنی کا ایک فوارہ چھُوٹا۔
اور طیور یکبارگی نغمہ سنج ہوگئے۔
یہ صحرا جس کے خوابِ گراں میں نہ جانے کتنے جگ بیت گئے تھے۔
آج اس کی گود میں بہار مسکرا رہی ہے۔
اور چاروں طرف جشن منایا جا رہا ہے۔
کائنات نے جو نام کبھی نہیں سُنا تھا۔
آج اس نامِ نامی کو سُن کر وُہ جھوم اُٹھی ہے۔
اس نام میں کیسی مٹھاس، کیسا رس، کیسی کشش ہے!
تاریکی کی چادر میں لپٹی ہُوئی دنیا نے جب سُورج کو طلوع ہوتے دیکھا تھا،
تو اس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئی ہوں گی۔

اور آج اس آفتابِ نَو کو طلوع ہوتا ہُوا دیکھ کر دنیا کی وہی کیفیت ہوئی۔
کیسا رُوپ ہے، کیسا رنگ ہے!

اُٹھ اور دیکھ کہ مغرب میں بحرِ احمر کی خون آلود سُرخ موجیں جھلمل جھلمل کر رہی ہیں۔
ایران کی سرمست و سرشار ندی بھی خاکِ عرب کو سلام کرنے کے لیے جانبِ مشرق رواں دواں ہے۔
جنوب میں بحرِ ہند کے تھپیڑوں نے گانا شروع کر دیا ہے۔
"دیکھ عرب میں طلوعِ آفتابِ نو!"
اور شمال میں صحرائے اعظم کی خاک جوشِ مستی میں نوا سنج ہے۔
"اُٹھ جاگ اور امرت کا پیالہ نوشِ جاں کر"
گرم ہوائیں کھجور کے پتوں سے مس ہو کر سارنگی بجا رہی ہیں۔
اور ریت کے ذرّے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔
فرطِ طرب سے نارنگی، سیب اور انگور شاخوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔
اسپِ تازی کے پاؤں زمین پر نہیں ٹھہرتے۔
وُہ آسمان سے باتیں کرنے کے لیے بے چین ہے۔
صحرا کی دوشیزائیں اُونٹنیوں پر سوار، آبِ زمزم سے تشنگی بجھانے بھاگی جا رہی ہیں۔
ریگ زار نے آج واقعی سمندر کا رُوپ دھار لیا ہے۔
پُرانا سُورج اس دن لاج کے مارے طلوع نہ ہُوا۔
کیونکہ آفتابِ نو کی خیرہ کن روشنی نے ذرّہ ذرّہ کو ڈھانپ لیا ہے۔
بدو دوشیزائیں آنکھوں میں سُرمہ لگائے اور ہاتھوں میں خُرمہ لیے رقص کر رہی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اماوس کی رات میں ہلال نکل آیا ہے۔
ساری کدورتیں دُھل گئی ہیں اور محبت و وارفتگی کا چراغ جل رہا ہے۔
یہ دن کتنا عظیم ہے!
صرف عرب اور ایشیا کے لیے نہیں، ساری کائنات کے لیے۔
آج خاک میں جو نور دمک رہا ہے، وہ نورِ فردوس سے بھی زیادہ تابدار ہے۔
زمین پر کنول مسکرا رہے ہیں۔
اور بھونرے کی آواز سے فضا جھوم رہی ہے۔
"محمدؐ آگئے، محمدؐ آگئے!"
زمین نے اس دن ایک نیا نام سُنا؛

محمدؐ — محمدؐ !
ایک نئے چہرے کو دیکھ کر سب ششدر رہ گئے۔
یہودیوں اور عیسائیوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں !
وہ سوچنے لگے۔
کتنا وہ عظیم انسان آگیا ہے۔
جس کی بشارت توریت اور انجیل نے دی تھی۔
جس کے قدموں کی چاپ عیسٰیؑ، موسٰیؑ اور داؤدؑ نے سُنی تھی۔
کیا وہی حسین وجمیل انسان چُپ چاپ، ہولے ہولے آگیا ہے۔
جیسے مشرق سے آہستہ آہستہ سُورج اور بدر کامل طلوع ہوتے ہیں۔

شمس و قمر کے خرام ناز کی زمین کو اطلاع تک نہیں ہوتی۔
وہ خواب کی دبیز چادر میں لپٹی رہتی ہے۔
اور جب چاروں طرف نور کا سیلاب امڈ پڑتا ہے، تو صبح نو خمار آلود آنکھیں مل کر جاگ پڑتی ہے۔
اس طرح آج بھی روشنی کا ایک فوارہ چھوٹا۔
اور طیور یکبارگی نغمہ سنج ہوگئے۔
یہ صحرا جس کے خواب گراں میں نہ جانے کتنے جگ بیت گئے تھے۔
آج اس کی گود میں بہار مسکرا رہی ہے۔
اور چاروں طرف جشن منایا جا رہا ہے۔
کائنات نے جو نام کبھی نہیں سُنا تھا۔
آج اس نام نامی کو سُن کر وہ جھوم اُٹھی ہے۔
اس نام میں کیسی مٹھاس، کیسا رس، کیسی کشش ہے !
تاریکی کی چادر میں لپٹی ہوئی دنیا نے جب سُورج کو طلوع ہوتے دیکھا تھا،
تو اس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئی ہوں گی۔

اور آج اس آفتاب نو کو طلوع ہوتا ہُوا دیکھ کر دنیا کی وہی کیفیت ہوئی۔
کیسا رُوپ ہے، کیسا رنگ ہے !

خوشی میں شادیانے بجنے لگے ،
درختوں میں پھول کھل اُٹھے ،
شاخیں جُھومنے لگیں ،
اور گلبن نے یہ آواز بلند کی :
"اے ندیو! پہاڑوں کو کاٹ کر آؤ۔
اے سمندر! ناچو کہ وُہ عظیم روشنی آگئی ،
مسرّت و شادمانی لے کر، نشاط و اہتزاز کے ساتھ"
بُوئے گل، نغمۂ بلبل اور بادِ صبا نے
پہلی بار دنیا کو یہ مژدہ سنایا :
"دیکھو اندھیرے کو چیر کر آفتابِ نو طلوع ہوگیا ہے۔
وُہ دیکھو —— محمدؐ ، محمدؐ !"

ظہور نظر

رسولِ اکرم !
حضورِ صلعم !
خدا سے کہیے !
بزرگ و برتر خدا سے کہیے !
کہ ہم جو اس کی فضیلتوں کو، بشارتوں کو بُھلا چکے ہیں
محبتوں کو، عنایتوں کو، نوازشوں کو لٹا چکے ہیں
ہمیں پھر اپنی فضیلتیں دے، بشارتیں دے
محبتیں دے، عنایتیں دے، نوازشیں دے
نہیں تو ہم غفلتوں کے جس تیرہ غار میں محوِ خواب ہیں
بے ضمیری و بے حسی کی جس بے پناہ گہرائی میں پڑے ہیں
ابد کے دن بھی وہیں سے ہم کو اٹھائے گا وُہ !!

کہ ہم گنہگار ——
اتنے نادار
اتنے لاچار
اتنے بیمار ہو چکے ہیں
کہ ہم پہ جب تک
خدائے برتر کی خاص چشمِ کرم نہ ہوگی
ہماری آنکھیں نہ کھل سکیں گی
ہماری رُوحیں، غلیظ رُوحیں نہ دُھل سکیں گی
ہمارے سینوں، سیاہ سینوں میں روشنی کا گزر نہ ہوگا
ہمارے ذہنوں، کمینگی کے شکار ذہنوں سے نیکیوں کا سفر نہ ہوگا

دلوں میں عصیاں کی تیرگی، بے کراں ہے جو، بے کراں رہے گی
بدی لہو کی طرح رگوں میں رواں رہے گی
ہوس، حواس وحیات پر حکمراں رہے گی

رسولِ اکرم!
حضور صلعم!!
ہمیں یقیں ہے
ہمارا ایمان ہے کہ اللہ آپ کی بات مانتا ہے
تمام دُنیاؤں، سب جہانوں میں آپ سے بڑھ کے کوئی پیارا نہیں خدا کا
کوئی دلارا نہیں خدا کا
خدا سے کہیے!
خدارا اپنے بزرگ و برتر خدا سے کہیے!!
کہ ہم کو اپنی عنایتِ خاص سے نوازے
کرم کرے ہم پہ
اور ہمیں پھر سے آپ کے دیں پہ
آپ کے نقشِ پا پہ چلنے کی استطاعت دے، استقامت دے،
حوصلہ دے!!

اطہر نفیس

سلام اُس پر ــــــ جو ظلمتوں میں منارۂ روشنی ہوا ہے
وہ ایسا سورج ہے جس کی کرنیں ازل ابد کے تمام گوشوں
میں نور بن کے سما چکی ہیں
ہر ایک ذرّے کو ماہِ تاباں بنا چکی ہیں
سلام اُس پر

سلام اُس پر ــــــ جو حرفِ حق ہے
وہ حرفِ حق جو سماعتوں اور خدائے برتر کے درمیاں ایک واسطہ ہے
جو خاکِ مُردہ میں جان ڈالے وہ کیمیا ہے
سلام اُس پر

سلام اُس پر ــــــ جو خیرِ اعلیٰ ہے
اور سب کو بلندیوں پر بُلا رہا ہے
بُلا رہا ہے کہ ــــ
رفعتوں کا سفیر ہے وُہ
بشیر ہے وُہ، نذیر ہے وُہ
سلام اُس پر، درود اُس پر

سلام اُس پر ــــــ جو بے نواؤں کا آسرا ہے
جو سارے عالم کی ابتدا ہے
جو سب زمانوں کی انتہا ہے
سلام اُس پر ــــــ جو راہِ حق پر بُلا رہا ہے کہ رہنما ہے
جو سب کو حق سے ملا رہا ہے کہ حق نما ہے

مومن خاں مومنؔ دہلوی

المتوفی : ۱۸۵۱ء

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی   ہیں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبی
یا نبی یک نگہِ لطف پہ امی وابی   مرحبا سیّد مکیؐ مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مظہرِ نورِ خدا شکل ہے محسودِ صنم   محو تیرے ملک و حور و پری و آدم
کیا ہی عالم ہے کہ تصویر ہی کا سا عالم   من بے دل بہ جمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال ست بدیں بوالعجبی

دشتِ عالم میں سراسیمہ گزری اوقات   آج تک منزلِ مقصود نہ پائی ہیہات
مدد اے خضرِ کرامت کہ نہیں پائے ثبات   ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

خود کہا ابن ذبیحین تو ظاہر میں کہا   جوہرِ پاک کی خوبی ہے فرشتوں سے سوا
سر سے لے پاؤں تلک نورِ خدا نامِ خدا   نسبتے چیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

صاحبِ خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام   وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا مقام
آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام   نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سر سبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

ہوئی انجیل کہاں ناسخِ توریت و زبور   تیری خاطر سے خدا نے یہ نکالا دستور
ہے رعایت تیری ہر بات کی کتنی منظور   ذاتِ پاکِ تو دریں ملکِ عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی

کرسکے پایۂ عالی کو ترے کون ادراک　　تیرے درجہ کو نہ عیوق ہی پہنچے نہ سماک
گرچہ کافی تھی فضیلت کو حدیثِ لولاک　　شبِ معراج عروجِ تو گذشت از افلاک
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

جوشش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم　　پر نہ سمجھے کہ یہ کیا جائے ہے اور کیا ہیں ہم
خودستائی ہے زبس رسمِ فصیحانِ عجم　　نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

مومنِ زار کی صحت کا نہ تھا کچھ اسلوب　　نہ دوا اور نہ پرہیز مرض حرصِ ذنوب
یہ ترا لطف ہے اعجازِ مسیحا سے بھی خوب　　یا طبیب الفقراء انت شفاء القلوب
زاں سبب آمدہ قدسی پئے درماں طلبی

علی اوسط رشکؔ لکھنوی

المتوفی : ۱۸۶۷ء

کہاں ہے کون سے عالم میں ہے ہمنام احمدؐ کا ظہورِ پاک دیکھوں اُس مؤید کا مجدد کا
سنوں اس کا کلامِ پاک شہرہ ہے جس ارشد کا دکھا اس کو جہاں میں غل ہے جس کی آمد آمد کا
الٰہی ! ہوں بہت مشتاق دیدارِ محمدؐ کا

چلی ہے ہر طرف ادیانِ باطل کی ہوا یارب ! سنوں کس کان سے زاغ و زغن کا بولنا یارب!
دعا میری سُن آٹھوں جنتوں کا واسطا یارب ! بہارِ گلشنِ دینِ محمدؐ اب دکھا یارب!
ترصد بلبلِ دل کو مع فصلِ گل کی آمد کا

عنایت میں، سخاوت میں، محبت میں مروّت میں غضب میں قہر میں، تہدید میں، ہیبت میں، صولت میں
رضا میں خیر میں، تقویٰ میں، طاعت میں، عبادت میں شجاعت میں، کرم میں عدل میں، صورت میں سیرت میں
امامِ آخری ہے مثل اپنے جدِ امجد کا

تصور آسمانوں پر، زمینوں پر، معادن پر شجر پر، بحر پر، انسان پر، حیوان پر، جن پر
نہیں اس عالمِ کامل کو علمِ ظاہری ان پر عبوداللہ نے اس کو دیا ہے علمِ باطن پر
لیا ہر چند ظاہر میں نہ درس اک حرف ابجد کا

چھپائے دوست دشمن دوستی و دشمنی کیونکر زرِ قلب و زرِ خالص کو ہو پوشیدگی کیونکر
نہ ہوں مہر و وفا و بغض رکھیں اس پہ جلی کیونکر نفاق اس سے ہو نہاں کیا چھپے شرکِ خفی کیونکر
محک ہے اُس کا سنگِ آستانہ نیک کا بد کا

نہ ہے فکر بلند معتقد اے شاعراں ناسخؔ سوائے شاعری اے رشکؔ ہیں تغیر داں ناسخؔ
نبیؐ کی صورت اخلاص کہتی ہے یہاں ناسخؔ معانی قل ہو اللہ احد کے ہیں عیاں ناسخؔ
برائے قافیہ ہے حرف اشارہ میم احمدؐ کا

منشی درگا سہائے سرورؔ جہاں آبادی

سرگباشی : ۱۹۱۰ء

دل بے تاب کو سینے سے لگا لے آجا
کہ سنبھلتا نہیں کم بخت سنبھالے آجا
پاؤں ہیں طولِ شب غم نے نکالے آجا
خواب میں زُلف کو مکھڑے سے لگالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتہ
کہ بنا نور ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا
کون ہے ماہِ عرب کون ہے محبوب خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

دل ہی دل میں مرے ارمان گھلے جاتے ہیں
خاک پر گر کے دُرِ اشک رُلے جاتے ہیں
تیری رسوائی پہ کم بخت تُلے جاتے ہیں
ہوں سیہ کار مرے عیب کھُلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

ہائے واماندگیٔ وسعتِ دامانِ صراط
المدد المدد اے خضر بیابانِ صراط
ہر قدم پر نگہِ یاس ہے یارانِ صراط
دیکھتے ہیں تجھے مڑ مڑ کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

کان میں کچھ جو ادھر عذر نزاکت نے کہا
مرحبا بڑھ کے ادھر شاہدِ وحدت نے کہا
آبلائیں تری لُوں جوشِ محبت نے کہا
پہنچا محبوب تو مشاطۂ قدرت نے کہا
خلوتِ راز میں اے ناز کے پالے آجا

عبدالمجید سالک

المتوفی : ۱۹۵۹ء

اے شاہِ انبیاء و شہنشاہِ کائنات
زینت طرازِ عرش ہیں تیری تجلیات

تیرا سخن ہے وحیِ خُدا وندِ دو جہاں
روشن ترے فروغِ تجلی سے شش جہت

اے تیری ذات عقل کا پیرایۂ دوام
تیرا عمل ہے معنیٔ آیاتِ بیّنات

توحیدِ حق کا دہر میں آوازہ ہے بلند
اے تیرا نام عشق کا سرمایۂ حیات

اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ہے ترے قرب کی دلیل
یہ سب ہیں تیری ذات کے قدسی تصرفات

پہنچا نہ کوئی ترے مقامِ بلند تک
"موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات
تو عینِ ذات می نگری در تبسمے"

بیان ویزدانی

وفات : ۱۹۰۰ء

مرحبا ساقیِ تسنیم شفاعت طلبی　　مرحبا سرورِ شجرۂ عالی نسبی
مرحبا صدر نشینِ حرم کنتُ نبیؐ　　مرحبا سیّدِ مکّی مدنی العربی
دل وجاں باو فدایت چہ عجب خوش لقبی

جب ہُوا جلوہ فشاں آئینہ نورِ قدم　　ہنس کے موسیٰؑ سے لگا پوچھنے کیسے ہیں ہم
عرض کی کیا کہوں انوارِ تجلی کی قسم　　من بے دل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

لمعۂ ذات کی ہے آئینہ پردازِ نظر　　رکھتی ہے برقِ سرِ طور سے کیا سازِ نظر
کیمیا ساز ہے اے قدس کے شہبازِ نظر　　چشمِ رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر
اے قریشی لقب و ہاشمی و مطلبی

شبِ معراج گیا پردۂ نیلی سے گزر　　لن ترانی ارنی ہوگئی پردہ سے بدر
آئی آواز کہ اب کھول دے باطن کی بصر　　چشمِ رحمت بکشا سوے من اندازِ نظر
اے قریشی لقب وہاشمی ومطلبی

تو گیا سوئے علا صلِ علیٰ صلِ علیٰ　　ہُو کی شب ہُو کی طلب ہُو کا مکاں ہو کی ہوا
فرش کیا عرش کہاں خاک کجا پاک کجا　　نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

جب کہ ہو سوختۂ مہرِ قیامت عرصات　　　ٹھہرے کوثر کے قریں سروِ گلستانِ صفات
اُمتیں ساری کھیں جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بات　　　ماہمہ تشنہ لبانیم توئی آبِ حیات

لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

نسخۂ روے مبیں ناسخِ انجیل و زبور　　　خط ہے یا لوح پہ آیاتِ الٰہی مسطور
نطق سے مصحفِ رخ مصحفِ ناطق ہے ضرور　　　ذاتِ پاکِ تو دریں ملکِ عرب کرد ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بزبانِ عربی

قصرِ عالی ہے ترا دامنِ عالم کا طراز　　　جیسے بالائے فلک عرشِ معلیٰ ممتاز
بسکہ ہے روئے نیازِ دو جہاں سوئے حجاز　　　بر درِ فیضِ تو استادہ بصد عجز و نیاز

رومی و طوسی و ہندی یمنی عربی

ہے ہوا خواہ بیاں دیجیے نصیب قلبی　　　تشنہ ہوں اے مہِ کنعانِ قلیب قلبی
سیّدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی　　　آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی

عظیم قریشی

سلامٌ علیٰ زینتِ قدسیاں　　سلامٌ علیٰ منتہائے جہاں
سلامٌ علیٰ نورِ دشت و جبل　　سلامٌ علیٰ نوبہارِ ازل
سلامٌ علیٰ میزبانِ شکیل　　سلامٌ علیٰ داستانِ جمیل
سلامٌ علیٰ رہبرِ بے مثال　　سلامٌ علیٰ دلبرِ باکمال
سلامٌ علیٰ رازدارِ بشر　　سلامٌ علیٰ غمگسارِ بشر
سلامٌ علیٰ تاجدارِ عرب　　سلامٌ علیٰ شاہِ والا نسب
سلامٌ علیٰ عرش کے رازداں　　سلامٌ علیٰ شاہِ ہر دو جہاں
سلامٌ علیٰ شہسوارِ ارم　　سلامٌ علیٰ شہریارِ عجم
سلامٌ علیٰ عظمتِ عرشیاں　　سلامٌ علیٰ عشرتِ خاکیاں
سلامٌ علیٰ بحر و بر کے مکیں　　سلامٌ علیٰ برتر و بہتریں
سلامٌ علیٰ رحمتِ خاص و عام　　سلامٌ علیٰ ساقیٔ لالہ فام
سلامٌ علیٰ اشرف الانبیاءؑ　　سلامٌ علیٰ گوہرِ بے بہا
سلامٌ علیٰ ھادیٔ باصفا　　سلامٌ علیٰ فقر کے بادشاہ
سلامٌ علیٰ عاصیوں کے کفیل　　سلامٌ علیٰ والیٔ سلسبیل

سلامٌ علیٰ پاسبانِ اُمم　　سلامٌ علیٰ نکتہ دانِ حرم
سلامٌ علیٰ صدرِ عرفانیاں　　سلامٌ علیٰ صبرِ زندانیاں
سلامٌ علیٰ اے نوائے خلیلؑ　　سلامٌ علیٰ اے لقائے جمیل
سلامٌ علیٰ اے بہارِ جناں　　سلامٌ علیٰ اے وقارِ جہاں
سلامٌ علیٰ بے کسوں کے شفیق　　سلامٌ علیٰ بے بسوں کے رفیق
سلامٌ علیٰ میرے اُمّی لقب　　سلامٌ علیٰ میرے دل کی طلب
سلامٌ علیٰ زندگی راثبات　　سلامٌ علیٰ سید الکائنات
سلامٌ علیٰ اے شمیمِ عرب　　سلامٌ علیٰ اے نسیمِ عرب
سلامٌ علیٰ مغفرت کی دلیل　　سلامٌ علیٰ نورِ ربِّ جلیل
سلامٌ علیٰ لات و عزیٰ شکن　　سلامٌ علیٰ رونقِ روح و تن
سلامٌ علیٰ نازِ ربِّ غفور　　سلامٌ علیٰ آمنہؓ کے سرور
سلامٌ علیٰ خلد زارِ یقیں　　سلامٌ علیٰ شاہِ دنیا و دیں
سلامٌ علیٰ رازِ ارض و سما　　سلامٌ علیٰ سازِ راہِ ہدیٰ
سلامٌ علیٰ رازدارِ حشر　　سلامٌ علیٰ میرے فوق البشر
سلامٌ علیٰ ماہروئے حجاز　　سلامٌ علیٰ رنگ و بوئے حجاز
سلامٌ علیٰ کشتگاں راحیات　　سلامٌ علیٰ بے دلاں راثبات
سلامٌ علیٰ شمعِ ہجر و وصال　　سلامٌ علیٰ نازِ روحِ بلالؓ
سلامٌ علیٰ اے خمستانِ حق　　سلامٌ علیٰ اے شبستانِ حق
سلامٌ علیٰ اے امامِ جہاں　　سلامٌ علیٰ اے زمامِ جہاں

سلامٌ علیٰ طالباں رانجات　　سلامٌ علیٰ عاشقاں راحیات
سلامٌ علیٰ دین کے پاسباں　　سلامٌ علیٰ رفعتِ کہکشاں
سلامٌ علیٰ عاصیاں را نوید　　سلامٌ علیٰ آخرت کی کلید
سلامٌ علیٰ سازِ ہستی کی لَے　　سلامٌ علیٰ جذب و مستی کی مے
سلامٌ علیٰ شاہِ مکّی نقاب　　سلامٌ علیٰ میرے عفّت مآب
سلامٌ علیٰ روئے بدرِ منیر　　سلامٌ علیٰ اے شریعت کے پیر
سلامٌ علیٰ آرزوئے سعید　　سلامٌ علیٰ مرجعؑ بایزیدؒ
سلامٌ علیٰ رازِ دنیا و دیں　　سلامٌ علیٰ نازِ روح الامیں
سلامٌ علیٰ خواجۂ بے مثالؐ　　سلامٌ علیٰ سایۂ ذوالجلال
سلامٌ علیٰ نورِ شمس و قمر　　سلامٌ علیٰ دلبرِ بُوبکرؓ
سلامٌ علیٰ اے بہائے عمرؓ　　سلامٌ علیٰ اے عصائے عمرؓ
سلامٌ علیٰ اے نگارِ غنیؓ　　سلامٌ علیٰ یادگارِ غنیؓ
سلامٌ علیٰ رامشِ آفتاب　　سلامٌ علیٰ نازشِ بُوترابؓ
سلامٌ علیٰ گوہرِ آمنہؓ　　سلامٌ علیٰ محورِ فاطمہؓ
سلامٌ علیٰ اے نگارِ یمن　　سلامٌ علیٰ نوبہارِ حسنؓ
سلامٌ علیٰ اے قرارِ حسینؓ　　سلامٌ علیٰ روزگارِ حسینؓ

سلامٌ علیٰ اے قسیم و نعیم
سلامٌ علیٰ آرزوئے عظیم

حکیم احمد شجاع ساحرؔ

المتوفی : ۱۹۶۹ء

میلادُ النبیؐ

کچھ اور ہی ہیں رونقیں فضائے کائنات پر
نیا ہی رنگ روپ ہے تجلیاتِ ذات پر
ہوا ہے کون جلوہ گر یہ منظرِ حیات پر
کہ غالب آگیا بشر تمام ممکنات پر
صلوٰۃ والسلام علیٰ نبینا محمدؐ

تبارک الذی عجب یہ ساعتِ سعید ہے
یہ شب، شبِ برات ہے یہ روز روزِ عید ہے
وہ آگیا ہے جس کی دید آبروئے دید ہے
حیات کی نوید ہے نجات کی کلید ہے
صلوٰۃ والسلام علیٰ نبینا محمدؐ

پھر ایک بار جوش پر مئے خمِ الست ہے
مکیں بھی آج مست ہے مکاں بھی آج مست ہے
حریمِ نازِ حُسن میں عجیب بند و بست ہے
بشر ہے اُس مقام پر کہ جس سے عرش پست ہے
صلوٰۃ والسلام علیٰ نبینا محمدؐ

خدا کی رحمتوں کا آج اس قدر وفور ہے
جدھر نظر اُٹھایئے سُرور ہی سُرور ہے
عرب کی سرزمیں کا ذرہ ذرہ کوہِ طور ہے
فضائے شرق و غرب پر محیط ابرِ نور ہے
صلوٰۃ والسلام علیٰ نبینا محمدؐ

وہ آگیا جو رونقِ طلسمِ ہست و بود ہے
جو منتہائے کُن فکاں جو مقصدِ شہود ہے
وہ جس کا عُتبۂ شرف مقامِ صد سجود ہے
جو مرجعِ سلام ہے جو مہبطِ دُرود ہے
صلوٰۃ والسلام علیٰ نبینا محمدؐ

ناصرؔ کاظمی

المتوفی: ۱۹۷۲ء

تضمین بر اشعارِ غالب

یہ کون طائرِ سدرہ سے ہمکلام آیا
جہانِ خاک کو پھر عرش کا سلام آیا
جبیں بھی سجدہ طلب ہے یہ کیا مقام آیا
زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

خطِ جبیں ترا ام الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تیری نظیر
دکھاؤں پیکرِ الفاظ میں تری تصویر
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مُرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

کہاں وہ پیکر نوری کہاں قبائے غزل
کہاں وہ عرش مکیں اور کہاں نوائے غزل
کہاں وہ جلوہ معنی کہاں ردائے غزل
بقدرِ شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیے

آغا شورش کاشمیری

المتوفی : ۱۹۷۵ء

قلم سے پھول کھلیں، نطق درفشاں ٹھہرے
وہاں چلا ہوں جہاں گردشِ زماں ٹھہرے

وہ آستاں کہ ارادت سے مہر و ماہ جھکیں
وہ خاکِ پاک کہ ہر ذرّہ کہکشاں ٹھہرے

ہوائے کوچۂ محبوب، شکریہ تیرا
تیرے کرم سے بیاباں بھی گلستاں ٹھہرے

یہ فکر دائرے بنتی رہی خیالوں میں
کوئی تو بات بہ عنوانِ ارمغاں ٹھہرے

تمام عُمر مدینہ میں سونے والے کو
کہاں کہاں سے پکارا کہاں کہاں ٹھہرے

کبھی نظیری و فیضی کی خوشہ چینی کی
کبھی نظامی و خسرو کے ہمزباں ٹھہرے

کبھی عراقی و عطّار سے نوا مانگی
کبھی ظہوری و قدسی کے رازداں ٹھہرے

نظر جمی کبھی حسّان کے قصیدے پر
کبھی قبیلۂ عشّاق کا نشاں ٹھہرے

لوائے مہر علی شاہ کو دوش پر رکھ کر
دیارِ گنج شکرؒ میں بھی میہماں ٹھہرے

جنوں کا درس لیا بو علی قلندرؒ سے
غزل سرائی حافظ کے ترجماں ٹھہرے

دیارِ شعر میں سعدی کی ہمنوائی کی
نہ ماوریٰ کہیں پہنچے نہ درمیاں ٹھہرے

ادب میں مُرشدِ رُومی سے اکتساب کیا
وہ اس گروہ میں سرخیل عاشقاں ٹھہرے

غرض کہ اس درِ مشکل کُشا تک آ پہنچے
وہ ایک در کہ جہاں دورِ آسماں ٹھہرے

بہ بارگاہِ رسالت یہ ارمغانِ فقیہہ
بڑا کرم ہو جو مقبول و کامراں ٹھہرے

سلام اُن پہ کہ جن سے ہے نظمِ کون و مکاں　　　سلام اُن پہ کہ جو شاہِ دو جہاں ٹھہرے
سلام اُن پہ کہ جن کا نہیں مثیل کوئی　　　سلام اُن پہ کہ جو ہادیٔ زماں ٹھہرے
سلام اُن پہ جو ہم بے کسوں کی منزل ہیں　　　سلام اُن پہ کہ جو میرِ کارواں ٹھہرے
غرض کہ اُن پہ درود و سلام کی بارش　　　جو ہر زمیں کے لیے ابرِ درفشاں ٹھہرے
جنونِ عشق اسی آستاں پہ لے آیا　　　جبینِ شوقِ جہاں سنگِ آستاں ٹھہرے

جنھیں شعور نہ تھا عقدۂ حیات ہے کیا؟　　　اُس اک نگاہ کے صدقہ کے رازداں ٹھہرے
وہ لوگ، تھا جنھیں بے دست و پائی کا شکوہ　　　اُسی کے در کی غلامی سے تیغ راں ٹھہرے

ازل کے دن سے مشیت کی مصلحت تھی یہی　　　کہ خاکِ طیبہ محمدؐ کا آستاں ٹھہرے
اگر چلے ہو تو سوزِ دوام لے کے چلو،
زباں پہ وردِ درود و سلام لے کے چلو،
نثار دیدہ و دل، عشقِ مصطفیٰ کی قسم　　　کہ یہ جنوں بھی بڑی چیز ہے خدا کی قسم
زمیں کا عجز انہیں کے قدوم کا صدقہ　　　فلک کے چہرۂ پُر نور و پُرضیا کی قسم
سمندروں میں عمق ان کے فکر و دانش کا　　　ازل سے لے کر ابد تک کے رہنما کی قسم
جو لب کھلے تو شگوفے بھی کھِل کھلا اُٹھے　　　جمالِ صاحبِ والّیل و والضحیٰ کی قسم
بدل گئے کبھی تیور تو آسماں کانپا　　　کلامِ پاک کی آیاتِ دِل کشا کی قسم
کھُلی ہیں اُن پہ غیاب و حضور کی راہیں　　　نظامِ عالمِ انساں کے ارتقا کی قسم
"بہ آں گروہ کہ از عشقِ مصطفیٰ مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند"

رباعیات و قطعات

خواجہ میر درد

المتوفی : ۱۷۸۴ء

خواہی کہ شود در دو جہانت بہبود

در بندگیِ رسولؐ باشی بسجود

گر فہم کنی دگر نہ فہمی بے شک

حق است ہماں ہرچہ پیمبرؐ فرمود

اے بہرِ شفاعتِ دو عالم لائق

دارم ز جنابِ توؐ امیدِ واثق

بے شبہ ز خورشیدِ حقیقت بجہاں

تو مخبرِ صادقے چو صبحِ صادق

محسن کاکوروی

مولا کی نوازشِ نہاں کھلتی ہے　　عزت مری پیشِ قدسیاں کھلتی ہے
کہدو کہ ملک گوش برآواز رہیں　　مدّاح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

امیر مینائی

گزرے سرِ عرش جب جنابِ والا　　اللہ رے شوقِ دیدِ قدِ بالا
طوبیٰ نے یہ سر اُٹھا کے حسرت سے کہا　　مضمونِ قیامت گیا بالا بالا

حسن بریلوی

جانِ گلزارِ مصطفائی تم ہو　　مختار ہو مالکِ خدائی تم ہو
جلوے سے تمہارے ہے عیاں شانِ خدا　　آئینۂ ذاتِ کبریائی تم ہو

مولانا رضا بریلوی

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ　　ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں　　ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

مرزا سلامت علی دبیر لکھنوی

کیا قامتِ احمدؐ نے ضیا پائی ہے　　چہرے پہ عجب نور کی زیبائی ہے
مصحف کو نہ کیوں فخر ہو اس صورت پر　　قرآن سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

مولانا حالی

زہاد کو تُو نے محوِ تمجید کیا　　عشّاق کو مستِ لذتِ دید کیا
طاعت میں رہا نہ حق کے ساجھی کوئی　　توحید کو تو نے آ کے توحید کیا

بیان میرٹھی

اے بادشہِ سلطنتِ غیب و شہود　　تو ہے سببِ غلغلۂ بود و نبود
لولاک لما کی شان دونوں میں رہی　　سائے سے عدم بنا تو جلوے سے وجود

قمر جلالوی

سر سے لے کر پاؤں تک تنویر ہی تنویر ہے
جیسے مُنہ سے بولتا قرآن وہ تقریر ہے
سوچتی ہے دل میں دُنیا مُصطفٰے کو دیکھ کر
وُہ مصوّر کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے

فراق گورکھپوری

انوارِ بے شمار معدود نہیں
رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمدؐ کا مقام
وہ اُمّتِ اسلام میں محدود نہیں

تلوک چند محروم

مبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست دشمن پر
مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے

انہی اوصاف کی خوشبو ابھی اطرافِ عالم میں
شمیمِ جانفزا لاتی ہے مکّے اور مدینے سے

جوشش عظیم آبادی

المتوفی : ۱۷۷۲ء

جو کوئی درگہِ عالی کا تیری ہو زوّار
لگے پلک سے پلک پھر نہ اس کی آئینہ دار

ہر ایک زینۂ در ہے کہ رشکِ پایۂ عرش
ملائکاں مقرب کا واں نہیں ہے گزار

بنائے گنبدِ عالی ہے ایک قبۂ نورُ
فرشتے اس کے ہیں مزدور ذاتِ حق معمار

کلس کلس نہیں ہے گنبدِ منور کا
گھتے ہیں سینچے ہیں اس کے سبعۂ سیار

ترا کلام درِ معجز بیاں ہے شاہا
کہ جس کو سنتے ہی کفار ہو گئے دیں دار

زباں میری ہے قاصر بیان میں اس کے
میں کس زباں سے کروں معجزے ترے اظہار

یہ معجزہ ہے کہ اُمّی لقب ہو جو کوئی
اسی پہ علمِ لدّنی کا آخرش ہو مدار

یہ معجزہ ہے کہ شق القمر کیا تو نے
یہ معجزہ ہی زمزگان فل لعل دی یار

یہ معجزہ ہے کہ قسمت کرے تو جس شے کو
مساوی ہوئے دو مقسوم ہر صغار و کبار

یہ معجزہ ہے کمر بند ہاتھ ہی میں رہا
نظر نہ آیا کمر کا تری کہیں آثار

مہندسانِ زمانہ ہزار قصد کریں
کسی سے ہوئے نہ اعجازِ احمدی کا شمار

کشائش اس کی ہے تقدیر میں ترے ہاتھوں
کھلے نہ ناخنِ تدبیر سے جو عقدۂ کار

تری جناب مقدس میں اے شہِ کونینؐ
دعا یہ مانگوں ہوں ہیں صبح و شام لیل و نہار

گناہگار ہوں عاصی ہوں امتوں میں تری
شمار ہوں نہ جرائم مرے بہ روزِ شمار

نوازش علی شیدا

المتوفی ۱۷۷۲ء

ہے وہ انبیا میں الف کے مثال
مقدم مؤخر ز راہِ کمال

سراپا تھا وہ ذات پُر نور نور
اسی واسطے اوس سیں سایہ تھا دُور

قلم کوں اگرچہ نہ پکڑا ہے ہات
رکھا حکم کے خط میں سب کائنات

کیا دین جب اوسی کا جگ میں ظہور
اڑا لات و عزّا کے سر کا غرور

وہ ہے آئینہ ذات اللہ کا
وہ سرپنجہ زورِ ید اللہ کا

چراغِ شبستانِ ایماں ہے وو
گل معرفت کا گلستاں ہے وو

ہے قرآں ورق اس کے اعجاز کا
وہ واقف ہے سب عیب کے راز کا

ہے اس کے جو دین کے آثار کوں
سنے سینہ سیں توڑ زنار کوں

نبوت اوپر اس کے ربِ الجلیل
قمر کے کیا شق کون روشن دلیل

شریعت کا کر اوس نے روشن چراغ
طریقت کا سب کوں بتایا سراغ

احد اور احمد میں اک میم ہے
سو وہ میم از بہرِ تعظیم ہے

ہے وہ فقر کے ملک کا تاجدار
کیا رنج و محنت کئیں اختیار

ہے مضمون لولاک میں یوں عیاں
اگر وہ نہ ہوتا نہ ہوتا جہاں

اے شیدا تجھے یہ قافیہ کہاں
کرے نعت ختم النبیؐ کا بیاں

مولانا محمّد باقر آگاہ

المتوفی : ۱۸۰۵ء

ہے گنج غیب کا مفتاحِ اسرار
ہے بیت القدس کا مصباحِ انوار

بہار حسن کا ہے صبحِ اوّل
فروغِ عشق کا ہے نورِ اکمل

ہے حسن و عشق کا وہ رقِ منشور
کہ جس کا عرش ہے یکساں آیت النّور

ہے وہ اُم الکتاب و نور قدسی
کہ جس کی آیۃ الکرسی ہے کرسی

حروف اوس کے ملائیک ہور رسل ہیں
نقاط و سطر اوس کے جز و کل ہیں

ہے جس کا خواب گاہ خاص وحدت
ہے بار عام جس کا واحدیت

مقام خاص" او ادنیٰ" ہے جس کا
خدا بن کوئی نہیں داتا ہے جس کا

ہیں جس کے پیشکاراں انبیا سب
تھے جس کے مژدہ گویاں اصفیا سب

ملائک جس کے تھے فوجِ معظّم
نقیب اوس فوج کا جبریلؑ اکرم

ہے ذکرِ پاک اوس کا ذکر حق کا
ہمیشہ کرتوں تکرار اس سبق کا

ہمیں کیا چیز ہیں جب ربّ علام
رکھا ہے اوس کا ذکر العالمین نام

ملائک ذکر پر اوس کے ہیں قائم
رسولاں ذکر میں اوس کے ہیں دائم

غرض ملک و ملک میں جو ہیں اشیاء
ہیں اوس کے ذکر میں سرمست و شیدا

میر ضیاء الدین عبرت

المتوفی : ۱۸۱۰ء ۱۸۱۶ء

محمد کا زباں پر نام آیا
قلم نے سر کو سجدے میں جھکایا

محمد کا جو شیریں نام لکھا
مٹھائی سے قلم کا ہونٹھ چپکا

یہ جو کچھ سامنے ارض و سما ہے
سب اس کی ذات سے پیدا ہوا ہے

جہاں سے کفر کی ظلمت ہوئی دُور
زمین و آسماں پر چھا گیا نور

سرِ لات و منات آپس میں ٹوٹے
زمیں پر گر پڑے جوں قفل چھوٹے

محمد سرورِ دُنیا و دیں ہے
محمد رحمۃ للعالمیں ہے

شعاعی خط سے خورشید آسماں کا
ہوا جاروب کش اس آستاں کا

شفاعت کو وہ لب اپنے جو کھولے
تو رحمت دوڑ کر لبیک بولے

ہے عصیاں سے یہ امّت گو بہ مست
نہیں کچھ خوف شافع ہے زبردست

نہ تھا اس مہر کا سایہ زمیں پر
سراپا نور تھا جسمِ مطہر

لطیف و پاک وہ جانِ جہاں تھا
برنگِ شیشہ شفاف آسماں تھا

اسی تن سے ہوا وہ عرش پیما ہے
نظر جس طرح عینک سے نکل جائے

صفت اس کی کہے مقدور کس کا
خدا مدّاح عبرت ہووے جس کا

آفتاب الدولہ قلق لکھنوی

المتوفی : ۱۸۶۴ء

لحد میں کام آیا داغ آخر تیری الفت کا
ملا اس مہر سے ہم کو قبالہ قصرِ جنت کا

ازل سے ہوں میں کشتہ آپ کے حسنِ ملاحت کا
نمک چھڑکا ہے میں نے زخمِ دل پر شورِ الفت کا

شبیہِ پاکِ احمد زینتِ اورنگِ عالم ہے
کہ وہ ہے نقشِ اوّل خامہ بہزادِ قدرت کا

گلِ عارض اگر رنگِ بہارِ آفرینش ہے
ترا سیبِ ذقن ثمرہ ہے نخلِ باغِ جنت کا

بجز دیدار کیونکر اندمالِ زخمِ فرقت ہو
یہ دل کشتہ ہے شمشیرِ تمنائے زیارت کا

ہوا روشن ہمیں شانِ نزولِ ذاتِ اقدس سے
کہ اترا آیۂ ناسخ ہر اک کے دین و ملت کا

اذاں ہوتی نہیں ہے پانچ وقت ایسے خبرِ تقویٰ
دیارِ دین میں ڈنکا بجا تیری شریعت کا

مؤخر تو وہ ہے سب انبیا پر جو مقدم تھا
تجھی پر قطع جامہ ہوتا تھا ختمِ رسالت کا

ہوئی تزئینِ منظور اس کی جب منشیٔ قدرت کو
سرِ لوحِ جبینِ عرش لکھا نام حضرت کا

ہوئی جس دم ولادت آپ کی سارے ملک بولے
ہوا یہ بندگانِ حق پہ نازل آیہ رحمت کا

تو وہ سر دفترِ عالم ہے فیضِ مدح ابرو سے
لقب ہے مدِ بسم اللہ نازل کلکِ مدحت کا

گواہی مردۂ صد سالہ نے دی صدق کی تیرے
کیا اقرار ہر اک سنگریزے نے نبوت کا

جو کہتے ہیں بلا میم احمد اس کو زیبا ہے
کیا تھا نور سے اپنے خدا خود نور حضرت کا

ہوا مسجودِ افلاک آستانہ کس کا جز تیرے
فرشتہ کون سے در پر ہوا محتاج اجازت کا

کہیں گی دیکھ کر نقشِ قدم کو آپ کے حوریں
ستارا آج کل چمکا ہوا ہے صبحِ جنت کا

میں اس کی خاکِ پا کو طوطیائے چشم کرتا ہوں
نظر آتا ہے جس دم کوئی زائر تیری تربت کا

عطا کس پیار سے فرمایا مرحومہ خطاب اس کو
خدا نے مرتبہ ایسا کیا ہے کس کی امت کا

زمیں بوسیٔ درگاہِ معلّٰی کا شرف دیکھو
فلک کو مرتبہ حاصل ہوا کس اوج و رفعت کا

قلقؔ یہ آرزو ہے چشمِ مشتاقِ زیارت کو
کہ ہو مرغِ نگہ پروانہ اس کی شمعِ تربت کا

مولانا کفایت علی کافی

المتوفی : ۱۸۵۸ء

عرش بریں ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خُلد سرا بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کفیلِ کارِ اُمت، آپ شفیع روزِ قیامت
ہیں بے حد احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مظہرِ رحمت، مصدرِ رافت، مخزنِ شفقت، عینِ عنایت
ذاتِ محمد، جانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رحمتِ عالم اُن کا لقب ہے خلقتِ عالم کا وہ سبب ہے
ہے کیا عالی شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بہر شفاعتِ درد و مصیبت اور برائے رنج و فلاکت
کافی ہے درمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

غلام امام شہید

المتوفی : ۱۸۷۹ء

السلام اے مظہرِ انوارِ حق — السلام اے مصدرِ اسرارِ حق
السلام اے غمزدوں کے دستگیر — السلام اے ہادیٔ روشن ضمیر
السلام اے دردِ دل کے چارہ ساز — السلام اے خواجۂ بیکس نواز
السلام اے دو جہاں کے بادشاہ — مجھ غریبِ خستہ پر بھی اک نگاہ
چارہ سازِ بیکساں بیکس ہوں میں — آرزومندِ درِ اقدس ہوں میں
رحم کر رحم اے رحیمِ بیکساں — چھوڑ کر یہ آستاں جاؤں کہاں
گو بُرا ہوں یا بھلا جیسا ہوں میں — سگ ترے ہی در کا کہلاتا ہوں میں
فکر رہتی ہے مجھے یہ روز و شب — روزِ محشر ہوں گے سب جب دم طلب
کوئی اُٹھا بادۂ وحدت سے مست — کوئی اُٹھا ساغرِ خلعت بدست
کوئی اپنے زہد پر نازاں چلا — کوئی اُٹھ کر جھاڑتا داماں چلا
ہاں تو میں ہوں اور دلِ مایوس ہے — شرم ہے اور حسرت و افسوس ہے
کون پوچھے گا مجھے سرکار میں — ہاتھ خالی میں چلا دربار میں
ہاتھ خالی اس طرف جاتا ہوں میں — اور تہی دستی پہ شرماتا ہوں میں
عابدوں کے ساتھ کیونکر جاؤں میں — رو سیہ ہوں منہ کسے دکھلاؤں میں
باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا — آسرا واں ہے تو بے شک آپ کا

دستگیرا دستگیری کیجئے
آبرو میری وہاں رکھ لیجئے

غلام امام شہید

المتوفی: ۱۸۷۶ء

قدِ رعنا کی ادا جامۂ زیبا کی پھبن
سرمگیں آنکھ غضب ناز بھری وہ چتون

وہ عمامہ کی سجاوٹ وہ جبین روشن
اور وہ مکھڑے کی تجلّی وہ بیاضِ گردن

وہ عبائے عربی اور وہ نیچا دامن
دلبرایانہ وہ رفتار وہ بے ساختہ پن

مُردہ بھی دیکھے تو کر چاک گریبانِ کفن
اُٹھ چلے قبر سے بیتاب زباں پر یہ سخن

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جب چلا چاند مدینے کا سوئے ربِّ جلیل
بجھ گئی مہرِ درخشاں کی فلک پر قندیل

شیرِ فردوس کی رکھی کہیں آدمؑ نے سبیل
کہ اسی راہ سے گزرے گا وہ فرزند جمیل

فرش خلعت کا بچھائے تھے کسی جا پہ خلیلؑ
کہیں یوسفؑ تھے کھڑے اور کہیں اسمٰعیلؑ

روح پر روح لگی گرنے برائے تعجیل
جب ہُوا صور میں یوں نغمہ سرا اسرافیل

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

غل ہوا سیرِ فردوس کو آتے ہیں حبیب
بولا رضوان کہ بھلا میرے کہاں تھے یہ نصیب

پیشکش کیا کروں اس شاہ زمیں کے میں غریب
صدقہ آپ ہی کا ہے جو خلد میں ہے چیز عجیب

کوئی دعوت کی نہیں بنتی ہے مجھ سے ترکیب
مگر امت کے مکانوں کی دکھاؤں ترتیب

ناگہاں کان میں آنے لگی آوازِ نقیب
عرض کرنے لگا یُوں جا کے سواری کے قریب

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

میرزا دبیر لکھنوی

المتوفی: ۱۸۷۵ء

کیا کیا بیاں کروں میں عنایاتِ کبریا   پیدا پیمبروں کو پئے رہبری کیا
ہم کو محمدِ عربی سا نبیؐ دیا   بسم اللہ صحیفۂ فہرستِ انبیاء
آگے جو انبیا سے ذوی الاقتدار تھے
محبوبِ کردگار کے وہ پیشکار تھے

آفاق بہرہ ور ہوا حضرت کی ذات سے   آگاہ ذات نے کیا حق کی صفات سے
تصدیقِ حکمِ حق کی ہوئی بات بات سے   رفتار نے لگا دیا راہِ نجات سے
سیکھے طریقے قربِ خدا کے حضورؐ سے
گمراہ آئے راہ پہ نزدیک و دور سے

سینوں سے سب کے دور ہوا دردِ بیدلی   باقی رہی نہ پیروں میں سستی و کاہلی
معراج ان کے ہاتھ سے معراج کو ملی   واں چاند ٹکڑے ہو گیا انگلی جو یاں ہلی
انگلی سے دو قمر کو کیا کس جلال سے
غل تھا کہ قفل چاند کا کھولا ہلال سے

سرتاقدم لطیف تھا پیکر مثالِ جاں   اس وجہ سے نہ سایہ بدن کا ہوا عیاں
قالب میں سایہ ہوتا ہے پر روح میں کہاں   سایہ انہیں کا ہے یہ زمینوں پہ آسماں
معراج میں جو وارِدِ چرخِ نہم ہوئے
سایہ کی طرح راہ سے جبریلؑ گم ہوئے

آمد آمد کی جو افلاک پہ پیہم تھی دھوم | عرش ہر مرتبہ بس شوق سے جاتا تھا جھوم
پاؤں رکھتا تھا جہاں ناز سے وہ عین علوم | اس جگہ آنکھ بچھاتے تھے تمنا سے نجوم
اور ہر اک نقشِ قدم پر تھا فرشتوں کا ہجوم | کوئی رکھتا تھا جبیں اور کوئی لیتا تھا چوم
کوئی کرتا تھا ادا عشرت و شادی کی رسوم | اور کسی نغمہ سے ہوتا تھا یہ مضموں مفہوم

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پوچھا جبریلؑ سے یوں چرخ کے دہاں نے کہ کن | قال جبریل معی جدِّ حسینؑ و حسنؑ
قال واللہ لقد جَاءَ بِوَجْهٍ اَحْسَنَ | اٹھ کے پھر کھول دیا قفلِ درِ چرخِ کہن
گفت شو فیکہ بدل ورشتم اے شاہِ زمن | دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من
گاہ آنکھوں سے لگاتا تھا ردا کہ دامن | اور کبھی کہتا تھا قدموں پہ جھکا کر گردن

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

عبدالقادر وفا

المتوفی : ۱۸۸۵ء

تاجدارِ ہل اتیٰ ہو یا رسولؐ　　شاہِ اقلیمِ سخا ہو یا رسولؐ
مالکِ تختِ ولا ہو یا رسولؐ　　اوجِ وحدت کے ہما ہو یا رسولؐ
رونقِ عرشِ خدا ہو یا رسولؐ

گلبنِ یٰسیں کے تم آبشار　　مزرعِ طٰہٰ کے تم ہو سبزہ زار
گلشنِ لاتقنطوا کی ہو بہار　　پردۂ اسریٰ کے تم ہو راز دار
مہرِ برجِ والضحیٰ ہو یا رسول

نور افزائے کفِ عیسیٰؑ ہو تم　　روح بخشِ قالبِ عیسیٰؑ ہو تم
نوحؑ کے طوفاں کے رد فرما ہو تم　　جود و بخشش میں خلیلؑ آسا ہو تم
پیشوائے انبیاء ہو یا رسولؐ

تم بہارِ روضۂ لاہوت ہو　　تازگی بخشِ گلِ ملکوت ہو
نہرِ آبِ چشمۂ ناسوت ہو　　عندلیبِ گلشنِ جبروت ہو
شمعِ بزمِ انبیاء ہو یا رسولؐ

آپ کے رخ کی اگر دیکھے جھلک　　ایک ذرہ سی جو خورشیدِ فلک
منہ چھپالے شرم سے بے شبہ و شک　　ماہ پھر کیا ہو مقابل یک بیک
مظہرِ نورِ خدا ہو یا رسولؐ

جب کہ ہو خورشید تاباں حشر کا　　خشک بے آبی سے ہو سب کا گلا
ہے یہی چشم و تمنائے وفا　　صدقۂ آل و صحابِ باصفا
جامِ کوثر کا عطا ہو یا رسولؐ

واجد علی شاہ اختر

المتوفی : ۱۸۸۷ء

اعجاز رقم خامۂ گل رنگ ہے میرا　　ہاہوں سے سوا حوصلۂ تنگ ہے میرا
میزاں ہے خرد کوہ بھی پاسنگ ہے میرا　　ہوں طائرِ سدرہ یہی آہنگ ہے میرا
امڈی ہے گھٹا فکر کی چرخ بدنی پر
یاقوت کی تحریر ہے ہیرے کی کنی پر

مرسل بھی وہ مرسل جو احد سے ہوا مشتق　　جس ماہ کی آمد سے ہوا رنگِ فلک فق
دل حاسدوں کے شانوں کی مانند ہوئے شق　　حق حق ہوئی میخانوں بازاروں میں لق لق
وہ میم محمد ہوا محمود خدا کا
حامد ہوا وہ ظلِ ہدیٰ عرش علا کا

تمجیدِ خدا احمد سے ثابت ہوئی ہر آن　　موجود ہوئی بہرِ شہنشاہ انس نبی جاں
ہر ابیض و اسود کو خدا کا ہوا فرمان　　ہر احمر و اصفر کی شہادت تھی نمایاں
ہاں زر و دُر و لعل کرو اپنے برابر
ہاں موج نچھاور کرو ہر لہر کو دُر پر

ہیں میم محمدؐ سے بہت رمز نمایاں　　معبود کی مرسل صفتِ منبع احساں
مسجود و ملک معرفت مہر کے خواہاں　　مشغول محبت مثلِ مردمکِ جاں
محمود کے ممتاز مصاحیب و مصاحب
مقرون و متقرب مرّہ مابعد کے صاحب

مبشر کے حشم مخزنِ اسرار مودت　　محمود و ممالک تر معظّم بہ اطاعت
مجبور مکرم مثلِ نیک کی صورت　　مفقود و مسلم شہ دیں مہرِ شرافت
مجموعہ نیکی سر محرابِ زمانہ
معمورۂ ہستی میں رخِ درِ یگانہ

سایہ بدن کا پاسِ ادب سے جُدا رہا — محبوب سے ہمیشہ وصالِ خُدا رہا
یہ عاشقِ خدا بھی خدا پر فدا رہا — سایہ سے اپنے دور رسُولِ ہُدا رہا

دیکھو یہ باغِ نظم جو رغبت ہو سیر کی
پرچھائیں تک نہیں یہاں مضمونِ غیر کی

وہ کون رسُول جزو و کلِ خطبۂ ایماں — سرتاج فصیحانِ عرب آیۂ عرفاں
شیرازۂ مُنہ جلدِ فلک قالبِ قرآں — استادِ دبستانِ ازل نائبِ یزداں

جانے وہ شرف ان کا جو قرآں کو جانے
قرآں سے اوّل انہیں بھیجا ہے خدا نے

علم ان کا ہے جو فرش پہ وہ عرشِ بریں پر — اس علم کا احمد کا قدم ہے سرِ دیں پر
روشن ہے جلالِ شہِ دیں اہلِ یقیں پر — حق عرش پہ مدّاح ہے انساں زمیں پر

سب حال ہے آئینۂ دلِ خیرِ اُمم پر
دو نقطوں کے مانند دو عالم ہیں قدم پر

مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی

المتوفی : ۱۹۱۴ء

یا ملکی الصفات یا بشری القویٰ
فیک دلیلٌ علیٰ انک خیر الوریٰ

تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ باراں سے خاک
خلقک حسب الزمان بعثک محیا الوریٰ

دعویٰ روشن ترا ثابت بے بیّنہ
صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گوا

قال ترا اور حال نشۂ وحدت میں چور
اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا

غیب سے بھیجا تجھے، ما پتا پھرتا تھا جب
دشت میں بھٹکا ہوا قافلۂ بے رہنما

اُٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اُٹھے گھٹا

شانِ رسالت کی تھی تیری جبین سے عیاں
گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا

گلّہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
گلۂ آدمؑ تجھے سونپ چکی تھی قضا

دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کر سب بیڑیاں
امیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا

راہب و قیس و جبر رہ گئے دل تھام کر
دیکھ کے تیرے قدم ہم قدمِ انبیاءؑ

خاک تھی جس ملک کی مزرعِ شر و فساد
تو نے اُس کو دیا ارضِ مقدس بنا

تو نے تحمل کیا، قوم کا غلبہ تھا جب
جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا

چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے بہت
تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا

تو نے کیا سرِّ حق عارف و عامی پہ فاش
ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا

چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی — ایک کے کالگا ایک کو گھائل کیا
حجتِ حق کر چکا دین ترا جب تمام — پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما
دَیر ہوئے بے چراغ اور صلوٰتِ یہود — شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہَبا
بجھ گئے آتش کدے بیٹھ گئے بُت کدے — ہو گئی تثلیث مات اور ثنویت فنا
اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں گھانس — مزبلہ پر چند روز پاتی ہے نشو و نما
غیرتِ حق نے مگر جلد لیا انتقام — مل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک میں اہلِ ہوا
رہ گیا نام سجاح کذب میں ضرب المثل — اسود و ابنِ کثیر خوار ہوئے برملا
سلسلۂ انبیاءؑ ختم نہ ہوتا۔ اگر — حق کی حقیقت سے تُو پردہ نہ دیتا اُٹھا
آتے ہوئے چشمہ دیا تُو نے کنوئیں سے نکال — جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیاءؑ
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ — بھیج چکا تیرے ہاتھ ملّتِ بیضا خدا

تجھ پہ صلوٰۃ و سلام ربِ سمٰوٰت سے
روز و شب و صبح و شام بقدرِ سال و حصے

سیّد محمّد فخر الدین حسین سخنؔ دہلوی

ہوا ہے عشق اے صلِّ علیٰ کس ماہِ طلعت کا ۔۔۔ کہ عالم داغِ دل پر ہے مرے مہرِ نبوّت کا

پُھنکا جاتا ہوں اے ہمدم تبِ ہجرِ مدینہ میں ۔۔۔ اڑاتا ہے دُھوئیں دل کے شرارِ داغِ حسرت کا

رسالت کی گواہی دیتے دیتے مر بھی جاؤں گا ۔۔۔ تو انگشتِ شہادت ہوگا سبزہ میری تربت کا

رقابت کا مزا ملتا ہے ان دونوں کے جھگڑے میں ۔۔۔ زبان و دل کو میرے ورد ہی کیا نام حضرت کا

دمِ آخر جمال اپنا اگر دکھلائیے مجھ کو ۔۔۔ تو پھر کیا خوف ہے کم بخت دشمن کی عداوت کا

معاذ اللہ پھر اُمّت کا کہئے کیا ٹھکانا تھا ۔۔۔ سہارا اگر نہ ہوتا آپؐ کی اُس کو شفاعت کا

زیارت ہو تو میں دکھلاؤں اپنا داغِ دل حضرت ۔۔۔ کہ سوزِ عشق سے خورشید ہے صبحِ قیامت کا

وہاں بھی جائیں گے یوں جیسے اپنے گھر میں جاتے ہیں ۔۔۔ درِ جنّت پہ رضواں مُنہ تکے گا تیری اُمّت کا

کسی کو دعویٰ تقویٰ کوئی ہے زُہد پر نازاں ۔۔۔ بھروسا ہم گنہگاروں کو ہے تیری شفاعت کا

جگہ دے دیجئے تھوڑی سی اپنے کوچۂ اقدس میں ۔۔۔ مزا مل جائے گا مجھ کو وہیں فردوس و جنّت کا

نہیں کچھ فکر سوزِ آفتابِ روزِ محشر کی ۔۔۔ گنہگاروں پہ ہوگا سایہ ترے ابرِ رحمت کا

سیہ کاری سے یہ کہتے ہُوئے بھی شرم آتی ہے ۔۔۔ کہ میں بھی ہوں غبارِ خاکپا حضرت کی اُمّت کا

نبی وہ کون ہے جس نے کہ ایسے مرتبے پائے ۔۔۔ لقب دُنیا میں مرحومہ ہوا ہے کس کی اُمّت کا

شجر نے از رہِ تعظیم پاس آکر قدم چُومے ۔۔۔ کیا اقرار پتھر نے بھی ہاتھوں پر رسالت کا

اتاریں گے فرشتے دَبِّ سَلِّم کہہ کے ہر اک کو
گزر ہو گا صراطِ قعرِ دوزخ پر جو اُمت کا

عجب کیا گر شفاعت سے رہے محروم محشر میں
کہ اے زاہد بھروسا ہے تجھے اپنی عبادت کا

تمنا ہے کسی کی قبر میں صورت دکھانے کی
فرشتوں کو ملے موقع جو شاید مجھ سے حُجت کا

گدائے کوچۂ احمدؐ کی خاکِ پا جو مل جائے
ملا کر اُس کو میں بنواؤں تعویذ اپنی تُربت کا

عجب تقدیر ہے باشندگانِ کوئے اقدس کی
مزا ملتا ہے گھر بیٹھے جنھیں فردوس و جنت کا

بوقتِ نزع مومن کی مدد کرتے ہیں آپ آکر
سخنؔ کی بھی خبر لیجے گا صدقہ اپنی امت کا

○

محسن کاکوروی

المتوفی : ۱۳۲۳ھ

مثنوی صُبحِ تجلّی

۱۲۸۹ ہجری نبوی صلعم

حالِ ولادتِ صبحِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

۸۴۲ ۴۴۷

بیضاویٔ صبح کا بیاں ہے   تفسیرِ کتابِ آسماں ہے
ہے خاتمۂ شبِ دل افروز   دیباچہ نگار نسخۂ روز
آثارِ سحر ہوئے نمایاں   سیپارہ لیے ہوئے ہے دوراں
والّیل کو ختم کر چکا ہے   آمادۂ دورِ والضحیٰ ہے
عنوانِ فلک ہے درِ منثور   لوحِ زریں سورۂ نور
اطراف بیاض مطلعِ صاف   والفجر کے حاشیہ پہ کشاف
معمورۂ دہر تا بیاباں   ہم طالعِ کشورِ بدخشاں
ہر دشت ہے مثلِ دشتِ ایمن   ہر کوہ برنگِ طور روشن
عالم میں ہے آفتابِ تاثیر   آبِ حلب و ہوائے کشمیر
جزدانِ سپہر میں ہے پنہاں   مشکوٰۃ شریف مہرِ تاباں
آنکھیں نظارہ کی طلب گار   نظارہ کا بختِ خفتہ بیدار

منظور ہے حُسن کا تماشا
ہر دید ہے دیدۂ زلیخا

ہے شرق سے غرب تک پریشاں
نورِ عینین پیرِ کنعاں

وُہ سورۂ یوسفِ تجلی
وُہ مطلعِ مصر کی عزیزی

پستی کا دماغ آسماں پر
اوجِ افلاک مہر گستر

وُہ ہے بلغ العلےٰ کی تفسیر
یہ ہے کشف الدجےٰ کی تعبیر

مضمونِ طلوعِ صبحِ صادق
مشہور روایتِ مشارق

موقوف حدیث شب کی تصحیح
رکھ دیجئے طاق پر مصابیح

ظلمت کا چراغ بے ضیا ہے
انجم کا ستارہ ڈوبتا ہے

مہتاب کی چاندنی ڈھلی ہے
مریخ کی سُست مشتری ہے

روپوش و بیمہ چرخِ اخضر
ظلمت کا سیاہہ کرکے ابتر

اہلِ مد کہکشاں ہے مفرور
پروانہ نویس شمع کافور

زہرہ کا سفید ہوگیا رنگ
نظمِ پرویں کا قافیہ تنگ

ہے فکر سپہر رات بھر کی
کیا بات ہے مطلعِ سحر کی

ہر مطلعِ صبحِ صادق اُستاد
از دیدہ نوشت صاد بر صاد

ہے وقت اخیرِ شب خلاصا
الواحِ زبرجدِ فلک کا

ہنگامِ سپیدۂ سحر گاہ
ساعات میں روز و شب کے واللہ

اک مخبرِ صادق البیاں ہے
پیغمبرِ آخر الزماں ہے

کیفیت وحی میں ہے بلبل
ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل

سبزہ ہے کنارِ آبِ جو پر
یا خضر ہے مستعدِ وضو پر

نوبت ہے صدائے قمریاں کی
تیاری ہے باغ میں اذاں کی

محوِ تکبیر فاختا ہے — قد قامتِ سرو دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رُکی ہے — اور دُوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات — جاری لبِ جوئے التحیات
تسبیح شگوفہ یا مصوّر — تحریمۂ تاک ربِّ اغفرْ
پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں — اور صلِّ علیٰ کا غُل چمن میں
غنچے میں، ہے خامشی کا عالم — یا صومِ سکوت میں ہے مریم
کیا رہی ہر ایک اعتکاف میں ہے — اور آبِ رواں طواف میں ہے
پابندِ زکوٰۃ نامیہ ہے — کانٹا زرِ گل کو تولتا ہے
لایا یہ مجاہد صبا رنگ — نافرمان ہو رہا ہے چو رنگ
سالک ہے چمن میں نہرِ موزوں — مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں
ہے صوفی صاف دل صنوبر — تحریکِ نسیم حالت آور
ہر تخم بخلوت آرمیدہ — ہر ایک ثمر خدا رسیدہ
ابدال میں برگِ نخل اوتاد — ہے نعم العبد سرو آزاد
خدمت میں بہار کی صبح ہے — سبزہ سُنبل کا بالکا ہے
سجادہ بدوشِ لالہ یکسو — یکسو شب زندہ دار شبّو
ہے استغراق نیلوفر کو — پاسِ انفاس ہے سحر کو
سیفی جو زبانِ خار پر ہے — نرگس کی نگاہ میں اثر ہے
وحدت ہے چمن میں عنزیا پوست — صادق ہے بہار پر ہمہ اوست
کہتا ہے اشارۃً لُجاَ تُو — موتوا من قبل ان تموتوا
خرقہ ہے نصیب یاسمن کو — عمامہ ملا ہے نا ردن کو

پیرایۂ نور میں سمن ہے	سلطان مشائخ چمن ہے
عطار شمیم گلستان کی	ہم مرتبۂ فرید بوئی
پھولوں میں یوں گلاب خوش آب	جیسے قطبوں میں قطب الاقطاب
کیوڑا گلزار پُر فضا میں	غوث الثقلین اولیاء میں
ہر شمع خموش فکر میں ہے	ہر طائر شوق ذکر میں ہے
سوزش میں قلندرانہ قمری	اور چشتی سبز پوش طوطی
ہے خواجۂ نقشبند ذی جاہ	طاؤس علیہ رحمۃ اللہ
ہر کبک دری خلیل آزر	بُدّ بُدّ نام خدا پیمبر
اعجازِ نسیم صبحدم ہے	انفاسِ مسیح کی قسم ہے
عالم میں وہی ہوا ہے چلتی	جو صبحِ الست کو چلی تھی
تنزیہ ہے مستِ نغمۂ ہو	ہنگامۂ لاالٰہ ھر سُو
باشان و شکوہ جلوہ فرما	شاہنشہ تخت گاہ الا
سامانِ ظہور کی ہے تمہید	قدرت پہ ہو رہی ہے تاکید
فیض روح القدس عیاں ہو	افشائے رموز کن فکاں ہو
آئینہ ہو چار سوئے عالم	لبریز تجلیات پیہم
ہر قطرہ ہو جو مثال بحر و بر	ھر ذرّہ ہو آفتاب پیکر
وہ شان ہو آج رنگ و بو کی	مصداق ہو جل شانہٗ کی
توہم نے حباب کو عطا کی	آب حیوان کی میر بحری
فرمان بقا کے مستند ہوں	احکام فنا کے مسترد ہوں
کثرت وحدت میں ہو کے فانی	حاصل کرو عمر جاودانی

مہمان حدوث کا قدم ہو
امکاں پہ وجوب کا کرم ہو

سیرابی تازہ روپ دکھائے
ہر شاخِ خمیدہ راست ہو جائے

اسرافیل اپنی صور لائیں
پھر رنگ امید کو جمائیں

عزرائیل اب کریں نہ دورا
ناکا روکے رہیں عدم کا

اللہ اللہ کیا سماں ہے
ہر شے کو حیاتِ جاوداں ہے

سرسبزی ہے باغ میں جناں کی
آمد ہے بہار بے خزاں کی

لوح و قلمِ ادیبِ تقدیر
محوِ خطِ نسخِ عالمِ پیر

ایامِ بخت پھر جواں ہے
پھر عہدِ شبابِ آسماں ہے

ہستی و عدم میں ایک لے ہے
لاشے کے بھی لب پر آج نے ہے

کیفیتِ خرمی سے مسرور
رنگیں طبعانِ محفلِ نور

رضوان نے کہیں سبیل رکھی
ہر کوزۂ سلسبیل رکھی

تیار کیے بحکمِ باری
میکائیل یک طرف نہاری

آئے لیے ساغر صراحی
کوثر سے بھری ہوئی صبوحی

گلدستے بہشت کے بنائے
جبریل درود پڑھتے آئے

بیٹھے ہوئے دہیں خوشی سے پھولے
غلماں لیے ہار، حور گجرے

خاکہ ہے زمین و آسماں کا
نقشہ ہے مکاں میں لامکاں کا

گویا اتر آئی ہے زمیں پر
مینا بازار چرخِ اخضر

نازل ہوئے عرش سے فرشتے
سب حیّ علیٰ الفلاح کہتے

حاضر ہوئی روحِ پاک آدم
دوراں نے کہا کہ خیر مقدم

ہم رنگ ارم زمانہ بشگفت
طوبیٰ لک یا ابا البشر گفت

انوار تھے نوحؑ کے نمایاں — یا ابرِ کرم کا جوشِ طوفان
رحمت کے لباس میں چھپے راس — شیثؑ و ادریسؑ و خضرؑ و الیاسؑ
یمن برکت لیے ہیں موجود — ہارونؑ و شعیبؑ و صالحؑ و ہودؑ
خاتم پہ لکھے ہوئے سلیماںؑ — نقشِ تسخیرِ جن و انساں
بسم اللہ صاد صبر ایوبؑ — الحمد کتابِ شکر یعقوبؑ
یوسفؑ مع عزت و مناصب — یونسؑ مع ماہی و مراتب
داؤدؑ لیے زبور پہنچے — موسیٰؑ مع شمعِ طور پہنچے
کعبے میں خلیلؑ کا ہے جلوہ — بت کرنے لگے خدا کو سجدہ
اسحٰقؑ مع ذبیح آئے — لقمانؑ مع مسیحؑ آئے
تھے حسن فروش جلوہ مشتاق — ارواح کے ساتھ ساتھ اخلاق
انواعِ محاسن و کمالات — اقسام صفات و عمدہ حالات
جو کچھ اب تک ہوا ازل سے — ہونے والا ہے جو کچھ آگے
ہر نکتۂ جانفزائے ناسوت — رازِ ملکوت و سرِ لاہوت
توحید کی شانِ راستبازی — تجرید کی وضعِ بے نیازی
استغنا ہمرکابِ تسلیم — اقبال کے ساتھ تخت و دیہیم
دانش دانائے سرِ مکنون — سرمایۂ نازشِ فلاطون
وہ نظمِ فصیح جس کا سحباں — طفلِ ناخواندۂ دبستاں
وہ دولت و جاہِ روز افزوں — جس کے بندوں میں تھا فریدوں
حاتم کا وصفِ جودِ کامل — عدل نوشیروان عادل
حکمت مفتاحِ قفلِ مقصود — علم آئینۂ وجود و معبود

ہر گوہرِ قلزمِ ولایت ہر نیّرِ مطلعِ ہدایت
صدیقؓ کا صدقِ استواری عثمانؓ کا حلم و بردباری
آوازہ عمرؓ کی صاحبی کا اور دبدبہ مرتضیٰ علیؓ کا
ریحانِ بہشت روح پرور خُلقِ حسنؓ شگفتہ منظر
رنگینیٔ لالہ زارِ ایمان جانبازیٔ سیّدِ شہیداں
آثارِ مجاہدینِ ابرار انوارِ مہاجرین و انصار
مقبولی بایزید و ادھم محبوبیٔ خاص غوثِ اعظم
عرفانِ ابوسعید و کرخی روشن دلی جنید و شبلی
گستاخیٔ عاشقانِ جانباز حسنِ آئینہ تجلّی ناز
مجنون و ہجومِ حسرتِ دل لیلیٰ مع ساربان و محمل
القصہ یہ دیکھ کر تماشا حیرت ہوئی آ کے جلوہ فرما
کہتی ہوئی کیا ہی آج ساماں کھلتا نہیں کچھ یہ سرِ پنہاں
خورشیدِ فلک کے سائباں میں یوسفؑ کے غبارِ کارواں میں
خلوت گہِ حُسن ہے زمانہ اور جلوۂ صبحِ شاہدانہ
ڈوبے ہوئے رنگ میں چمن کے نکھرے ہوئے روپ دلہن کے
خورشیدِ ظہور کا شرف ہے معراجِ نظر کو ہر طرف ہے
مظہر کا خطاب میرزا ہے منظر کا لقب ابوالعلا ہے
شبنم کو دمِ فلک تابی مٹی میں کمالِ بوترابی
ہر قطرہ میں آب و تابِ گوہر ہر موج شعاعِ مہرِ انور
آفاق میں ہے تجلّی نور باشانِ نزولِ جلوۂ طور

کرتا ہے فلک سجود پیہم — مائل بہ زمیں ہے عرشِ اعظم
اونچی ہوئی یہ مکاں کی کرسی — سب کھل گئی لامکاں کی قلعی
مرکز کو چلی گئی ہے کیا نار — آتشکدے گل ہوتے جو یکبار
پانی طوبیٰ کی جڑ میں پہنچ — جو خشک ہوا ہے بحر ماوا
ہے خاک کی طبع میں روانی — جو دشتِ سماوہ میں ہے پانی
چلتے ہیں یہ کس ہوا کے جھونکے — ہوش اُڑتے ہیں جن سے کاہنوں کے
باندھا وہ قضا نے لعن کا لام — ابلیس کی فوج میں ہے کہرام
بت مہرِ سکوت بر دہاں ہے — بُت خانوں میں شور الاماں ہے
کس کی شوکت کا زلزلہ ہے — قصرِ کسریٰ جو ہل رہا ہے
ہے کس کو خطاب ایزدِ پاک — لولاک لما خلقت الافلاک
گم نورِ وجود میں عدم ہے — آغوشِ حدوث میں قدم ہے
ہے فرش پہ عرش کی تجلّی — کہتے ہوئے لا الٰہ غیری
ہے قبلہ ہر ایک سمت پُر نور — ہر بیت ہے مثلِ بیتِ معمور
ہر نقشِ کمال کا سزا وار — ہر خرد میں عقلِ کل کے آثار
کیا رنگِ قبول جلوہ گر ہے — ہر گل پہ ہزار کی نظر ہے
ہے چاندنی ایک ماہ پیکر — سورج مکھی آفتاب انور
اورنگ نشین باغ ہے گل — اور ہفت ہزاریوں میں بلبل
ذی حکم خزانہ اشرفی ہے — صد برگ کا حکم پانصدی ہے
عباسی کو دعویٔ فتوت — داؤدی کو شہرِ نبوت
ہر دانہ ہے عابدِ سحر خیز — ہر ذرہ ہے خاکِ شمس تبریز

القابِ نسیم دامنِ دشت
مخدوم جہانیاں جہاں گشت

خالق کا کرم ہے فیض گستر
بخشش کا صلا ہے عام گھر گھر

روئے حسنات سوئے اخیار
چشمِ رحمت سوئے گنہگار

ہے فکر میں عابدوں کی طاعت
محسن کی تلاش میں شفاعت

جیسی اُس دن سحر ہوئی ہے
ایسی کبھی پیشتر ہوئی ہے

ایں نسخہ چہ انتخاب دارد
ایں صبح چہ آفتاب دارد

ناگاہ بجلوۂ عبارت
پیدا ہوئی غیب سے بشارت

یہ صبحِ سعادت جہاں ہے
نوروزِ بہارِ جاوداں ہے

مفتاحِ خزینہ ہائے اسرار
مصباحِ تجلیاتِ انوار

ہے بدرِ کمال اوجِ تشبیہ
لبریزِ جمال مہرِ تنزیہ

نازل ہے زمیں پہ کبریائی
بندے کے لباس میں خدائی

اُس وقت دیار میں عرب کے
مطلع سے تجلیاتِ رب کے

بُرجِ شرفِ قریشیاں میں
اور ہاشمیوں کے خانداں میں

کعبے کی زمینِ نامور سے
اور عبدالمطلب کے گھر سے

اسلام کا آفتاب چمکا
بے پردہ و بے نقاب چمکا

پیدا ہوئے سرورِ دو عالم
پیدا ہوئے فخرِ نوح و آدم

محبوبِ خدا نبیٔ مرسل
صبح دو یمیں روز اوّل

شاہنشہِ انبیاء محمدؐ
تاجِ سرِ اصفیا محمدؐ

پیدا ہوئے حضرت پیمبر
صبحِ قدرت کے سعد اکبر

واللیل اشارتے ز مویش
والشمس عبارتے ز رویش

خورشید سپہر دیں محمد　　　نور عین الیقیں محمد
پیدا ہوئے قبلۂ طریقت　　　پیدا ہوئے کعبۂ حقیقت
مقصودِ ازل اجل و اعلیٰ　　　منظورِ حضور حق تعالیٰ
سلطانِ فلک حشم محمد　　　مہر عرب و عجم محمد
پیدا ہوئے بادشاہ ذیجاہ　　　آرائش تخت لی مع اللہ
عین عرفان و مردم عین　　　ابروئے جبینِ قاب قوسین
جان و دل مرسلیں محمد　　　روح روح الامیں محمد
پیدا ہوئے خاتم النبییں　　　مہر عرفان و عز و تمکین
با میم احمد احد بلا میم　　　شائستۂ صد صلوٰۃ و تسلیم
گنجینۂ اصطفا محمد　　　آئینۂ حق نما محمد
محو رضوان حق روانش　　　آل و اصحاب پیروانش
کیفیتِ وجد ہے اب ذوق　　　کہتا ہے خطیبِ خامۂ شوق

ہے ذکرِ ولادت پیمبر
اعلیٰ اولیٰ اَہَم و اکبر

صفی لکھنوی

المتوفی : ۱۹۵۰ء

پیغمبر و سرورِ حجازی | پہلا اللہ کا نمازی
حق کی توحید کا مبلغ | محوِ طاعت بہ قلبِ فارغ
سرکش عربوں کا سر جھکایا | حیوانوں کو آدمی بنایا
قائم کیا رشتۂ مواخات | برتاؤ میں شیوۂ مساوات
مصلح، سرمایہ داریوں کا | حامی، محنت شعاریوں کا
وہ ماہِ تمام چاہِ نخشب | جس کا غارِ حرا تھا مکتب
وہ حسنِ ملیح جس کی پوشاک | "لولاک لما خلقت الافلاک"

وہ جانِ جہانِ آفرینش
معنائے بیانِ آفرینش

میر محبوب علی لائق

المتوفی : اندازاً ۱۹۱۸ء

تو کہاں اے دل کہاں نعتِ رسولؐ
ہو گیا ہے رحمتِ حق کا نزول

بادشاہِ انبیاء سلطانِ دیں
بہترینِ اوّلین و آخریں

باعثِ ایجادِ ارض و آسماں
جس نے کی اک پل میں سیر لامکاں

صاحبِ معراج اور ختمِ رسل
تابعِ فرماں ہیں جن کے جزو کل

ناسخِ ادیانِ سابق ہیں یہی
واقفِ اسرارِ خالق ہیں یہی

آیا ہے قرآن جن پر وہ نبیؐ
ہے شفیعِ روزِ محشر وہ نبیؐ

وہ نبیؐ دائم رہے گا جس کا دین
وہ نبی جو رحمت للعالمین

سرورِ کون و مکاں امّی لقب
جس کا پاکیزہ حسب ہے اور نسب

احمدِ مرسل شہِ لولاک ہے
اور محمدؐ جس کا اسمِ پاک ہے

حق نے کی ان کی ثنا قرآن میں
بلکہ ہے قرآن انہیں کی شان میں

ہے یہی فخرِ رسولانِ سلف
جانشین ان کا علی شاہِ نجف

ہے لقب جس کا امیر المومنیں
شیرِ حق استاد جبریل امیں

جس کو خالق نے عطا کی ذوالفقار
جنگ سے بھاگا نہیں جو زینہار

وہ ولیِ حق ہے اور دستِ خدا
وہ نہیں ہے نورِ احمدؐ سے جدا

مدح جس کی لا فتیٰ الا علی
لحمک لحمی ہے ارشادِ نبیؐ

شان میں آیا ہے جس کی انما
شان میں آیا ہے جس کی ہل اتیٰ

قوّتِ بازو ہے اور نفسِ رسولؐ
والدِ سبطینؑ اور زوجِ بتولؑ

مولانا حسن رضا خان بریلوی

المتوفی: ۱۹۰۸ء

سر صبحِ سعادت نے گریباں سے نکالا — ظلمت کو ملا عالمِ امکاں سے نکالا
پیدائشِ محبوبؐ کی شادی میں خدا نے — مدّت کے گرفتاروں کو زنداں سے نکالا
رحمت کا خزانہ پئے تقسیمِ گدایاں — اللہ نے تہ خانۂ پنہاں سے نکالا
خوشبو نے عنادل سے چھڑائے چمن و گل — جلوے نے پتنگوں کو شبستاں سے نکالا
ہے حُسن گلوئے مہِ بطحا سے یہ روشن — اب مہر نے سر ان کے گریباں سے نکالا
پردہ جو ترے جلوۂ رنگیں نے اُٹھایا — صرصر کا عمل صحنِ گلستاں سے نکالا
اُس ماہ نے جب مہر سے کی جلوہ نمائی — تاریکیوں کو شامِ غریباں سے نکالا
اے مہرِ کرم تیری تجلّی کی ادا نے — ذرّوں کو بلائے شبِ ہجراں سے نکالا
صدقے ترے اے مردمکِ دیدۂ یعقوبؑ — یوسفؑ کو تری چاہ نے کنعاں سے نکالا
ہم ڈوبنے ہی کو تھے کہ آقا کی مدد نے — گرداب سے کھینچا ہمیں طوفاں سے نکالا
اُمت کے کلیجے کی خلش تم نے مٹائی — ٹوٹے ہوئے نشتر کو رگِ جاں سے نکالا
اُن ہاتھوں کے قرباں کہ ان ہاتھوں سے تم نے — خارِ رہِ غم پائے غریباں سے نکالا
ارماں زدوں کی ہیں تمنائیں بھی پیاری — ارمان نکالا تو کس ارماں سے نکالا
یہ گردنِ پُر نور کا پھیلا ہے اُجالا — یا صبح نے سر اُن کے گریباں سے نکالا

گلزارِ براہیمؑ کیا نار کو جس نے — اُس نے ہی ہمیں آتشِ سوزاں سے نکالا

دینی تھی جو عالم کے حسینوں کو ملاحت — تھوڑا نمک اُن کے نمک داں سے نکالا

قرآں کے حواشی پہ جلالین لکھی ہے — مضموں یہ خطِ عارضِ جاناں سے نکالا

قربان ہوا بندگی پہ لُطفِ رہائی — یُوں بندہ بنا کر ہمیں زنداں سے نکالا

اے آہ مرے دل کی لگی اور نہ بُجھتی — کیوں تُو نے دُھواں سینۂ سوزاں سے نکالا

مدفن نہیں پھینک آئیں گے احباب گڑھے میں — تابُوت اگر کوچۂ جاناں سے نکالا

کیوں شور ہے کیا حشر کا ہنگامہ بپا ہے — یا تم نے قدم گورِ غریباں سے نکالا

لاکھوں ترے صدقے میں کہیں گے دمِ محشر — زنداں سے نکالا ہمیں زنداں سے نکالا

جو بات لبِ حضرتِ عیسیٰؑ نے دکھائی — وہ کام یہاں جنبشِ داماں سے نکالا

منہ مانگی مرادوں سے بھری جیبِ دو عالم — جب دستِ کرم آپؐ نے داماں سے نکالا

کانٹا غمِ عقبیٰ کا حسن اپنے جگر سے
اُمت نے خیالِ سرِ مژگاں سے نکالا

ڈال دے شورِ نوا! معمورۂ ظلمات میں
دوڑ جا! آہنگ بن کر سازِ موجودات میں
خاک کو بھر دے سرورِ آسماں پرواز سے
گرم کر دے روحِ ہستی شعلۂ آواز سے
حسن آرائش سے زینت عالمِ امکاں کو دے
خلعتِ تجدید آئینِ کہن ساماں کو دے
کلیاتِ دہر کی اک شرحِ نو تحریر کو
نظمِ ہستی کی نئے الفاظ میں تفسیر کر

طرحِ نو انداز و بنیادِ جہاں از سر فگن
شعلہ در پیراہنی آتش بخشک و تر فگن

آغا حشر کاشمیری

المتوفی : ۱۹۳۵ء

وہ پیام آخری، اسلام جس کا نام تھا
وہ ظہورِ صدق، جو پروردۂ الہام تھا
وہ تجلّیِ حقیقت جو ضلالت سوز تھی
گرمیٔ قلبِ محمدؐ سے تپش اندوز تھی
آمد و رفتِ نفس لاتی تھی پیغامِ حیات
ورنہ نذرِ خود فراموشی تھا ناکامِ حیات
چشمِ بینا، حیرتِ طفلانہ کا گہوارہ تھی
صرف تعمیرِ تحیّر، طاقتِ نظارہ تھی
نغمہ سنجِ قدس چُپ تھا گلشنِ تکبیر میں
بند تھا شورِ انا مسلم لبِ تقریر میں
مدفنِ صد جلوۂ آشوب زا آئینہ بود
یک جہانِ بے قراری دم بخود در سینہ بود

روشنی دُنیا کو دی جس مہرِ عالم تاب نے
زنگِ فطرت دھو دیا جس نور کے سیلاب نے
ظلمت آگیں خلقتِ انسان کو بینا کر دیا
سنگریزے کو جِلا دے کر نگینہ کر دیا
شعلے پیدا کر دیئے خاکسترِ افسردہ میں
زندگی کی لہر دوڑا دی حیاتِ مردہ میں
شورشِ ہنگامہ آرا، آب و گِل میں ڈال دی
شور بادل کا، تڑپ بجلی کی دل میں ڈال دی
ایک ہلچل پڑ گئی جذباتِ زنگ آلود میں
آگ سی گویا لگا دی، تودۂ بارود میں

بارہا نالید و گفت اے قوم ما بیدار شو
حصۂ خود از حریفاں گیر و گرمِ کار شو

ہاں چھڑک پیشانیِ ظلمت پہ افشانِ سحر
ٹانک دے دامانِ شب میں پھر گریبانِ سحر
بہرہ ور کر دل کو سوزِ احمدِ بے میم سے
جگمگا دے بزمِ جاں کو شمعِ ابراہیم سے
اپنی ہستی نذر دے ملّت کی قرباں گاہ کو
زندہ کر دُنیا میں آئینِ خلیل اللہ کو

نفیس خلیلی

قضا دائیں قدر بائیں جلو میں
یقیں کا سوز پیشانی کی ضو میں
لوائے فقر و فخری سایہ افگن
جلال ادنیٰ سا اک عبد فروتن
وطن چاؤش، ملت چوب بردار
ملوکیت ترحّم کی طلب گار
بہ صحنِ رحمۃً للعالمینی
سریر آرائے ختم المرسلینی
حضوری میں سیادت دست بستہ
مگس رانی کو تائیدوں کا دستہ
رواں مُہرِ نبوّت عام جس کی
سواری ابلق ایّام جس کی
حکومت جس کی صد دورِ کمالات
قیامِ عدل و احسان و مساوات

○

عبدالعزیز فطرت

المتوفی ۱۹۶۷ء

اب وہی ہیں مرے دل میں مکیں جن کا ثانی کوئی دنیا میں نہیں
ہے اُسی گھر کی فضا راس مجھے میں ہُوں محبوب کی بستی کا مکیں
دل ہے اُس کُوئے منور کا فقیر کہ جہاں جھکتی ہے شاہوں کی جبیں

باریابی کا شرف، اور مرا دل ؟
یہ بھی ہے معجزۂ حُسنِ یقیں

مصطفیٰؐ حُسنِ ازل کے صدقے فلکِ حُسن کے ہیں مہرِ مبیں
مصطفیٰؐ اپنے مراتب کے طفیل بہ صد اعزاز ہیں افلاک نشیں
مصطفیٰؐ بحرِ سخا، موجِ عطا مصطفیٰؐ، معنیٔ قرآنِ مبیں
مجھ گنہگار کو ہے جراٴتِ نعت میرے لب اور یہ کلامِ شیریں
میری تقدیر یہ حُسنِ اخلاص ؛ میرے حصّہ میں یہ انوارِ یقیں
اب مرے بوسے ہیں اور وہ در ہے جس کے دربان ہیں جبریلِ امیں
اب مرے سجدے ہیں، اور وہ عظمت کہ ہے کونین میں ممتاز تریں
اب مرے کانوں میں رس گھولتی ہے نطقِ رحمت کی ادائے شیریں
اب مری آنکھوں میں وہ جلوے ہیں روئے کونین کی ہیں جو تزئیں

میرے اشکوں سے ہیں ضَو کے طالب — دیدۂ اختر و قلبِ پرویں
میری آنکھوں میں ندامت کے گُہر — کانِ احساس کے ہیں دُرِّ ثمیں
یہی اشک اپنی لطافت کے طفیل — شبنمِ گلشنِ فردوسِ بریں
یہی آنسو ہیں بیانِ غمِ دل — یہی آنسو ہیں متاعِ تسکیں
انہی اشکوں کی ضیا ریزی سے — ہُوا پُر نور جہانِ دل و دیں
یہی تارے یہی موتی یہی پھُول — درِ احمد پہ مری نذر حسیں

شوق بے لوث کے مظہر ہی سہی
پھر بھی کافی مرے نذرانے نہیں

شرمِ عصیاں! یہ ادائیں تیری — بھا گئیں انؐ کو سو مقبول ہوئیں
کشتِ عصیاں! تری سیرابی کو — اور رحمت کی گھٹائیں اٹھیں
داغِ عصیاں! تُو گُلِ تر ہی تو ہے — رونقِ گلشنِ فردوسِ بریں

چشمِ عاصی! تُو یونہی برسے جا
شہرِ توبہ کا یہی ہے آئیں

اے زہے بخت ہوئیں سہل تمام — مشکلیں جتنی مجھے پیش آئیں
خوابگاہِ مہِ طیبہ کے قریب — قسمتیں بندوں کی بیدار ہوئیں
سب کے حصہ میں تھا انعامِ قبول — ذہن میں جتنی دعائیں اُبھریں
بند آنکھوں نے وہ جلوے دیکھے — مجھ سے ممکن نہیں جن کی تحسیں
شرمِ عصیاں کو ڈبونے کے لیے — موجیں رحمت کی اُبلتی ہی رہیں

کسبِ انوارِ تشفّی کے لیے   کھڑکیاں سینۂ فطرت کی کُھلیں

کیف انوار سے سب ہیں سرشار

میں ہی تنہا طرب انداز نہیں

○

تاج الدّین تاج عرفانی

غیرتِ صبح قیامت ہوگئی شامِ الم
رشکِ صد شبہائے قتلِ عام دیکھی صبحِ غم

خانماں برباد مجھ کو دیکھ کر روتا ہے قیس
ڈھونڈتی پھرتی ہے لیلیٰ دشت میں نقشِ قدم

میں ہوں ناکام محبت اور ہجومِ یاس ہے
دم کہاں مجھ میں کہ جب دم ہو تہِ تیغ دو دم

میری قسمت کی برائی نے وہ دیکھے انقلاب
میں تلاشِ شہد میں نکلوں تو بن جاتا ہے سم

جن کی خاطر میرا جان و مال بھی قربان تھا
جائے عبرت ہے وہی کرنے لگے مجھ پر ستم

جس کی عزت میں کی اس نے مجھے سمجھا ذلیل
رازِ دل اغیار سے کہہ کر ہے خود کھویا بھرم

میری خدمت کا صلہ یہ قدر دانوں نے دیا
میں سگِ دربان سے بھی سمجھا گیا عزت میں کم

ہائے واویلا زمانے بھر کے نااہل و رذیل
زندگی اپنی بسر کرتے ہیں با عیش و نعم

آہ دنیا بھر کی اُن کے واسطے ہیں راحتیں
اور اہلِ علم کھاتے رات دن ہیں زہرِ غم

ظالموں کا آج طوطی بولتا ہے زور سے
دم بخود بیٹھے ہوئے ہیں آہ مرغانِ حرم

جاہلوں کی آج بن آئی ہے جو چاہیں کریں
تنگ آ کر عالموں نے توڑ ڈالے ہیں قلم

ٹھوکریں کھاتے پھریں دُنیا میں اہلِ علم ہائے
اور جاہل کے لیے ہوں مرکب و خیل و خدم

ایک پیسے کے لیے محتاج اہلِ علم ہوں
اور جاہل کے لیے ہو دولت و جاہ و حشم

سر چھپانے کے لیے ملتی نہیں عالم کو جائے
اور جاہل کے لیے ہوں قصر و ایوان و عَلم

ہوگیا لبریز اب پیمانۂ صبر و سکوں
ختم ہونے کو ہے شاید قصّۂ رنج و الم

ہاں بدل جائیں گے میرے طالعِ تیرہ صفت
مطلع الانوار میں کرتا ہوں اب مطلع رقم

مطلعِ ثانی
تخلیص

ہو نگاہِ خیر اے شاہنشہِ خیر الامم | کھول دے میرے لیے گنجینۂ لطف و کرم
شش جہت میں ہے تسلط اور تصرف باطنی | تُو تو ہے محبوبِ مولیٰ اے رسولِ محترم
سرفرازانِ جہاں کے سر جھکے تیرے حضور | چُومتا ہے عرش پر تیری شرافت کا عَلَم
تیرے انوارِ رسالت سے دو عالم ضو پذیر | کیونکہ ہے نورِ محبت تجھ میں اے نورِ اتم
دیکھنے کو چاہیئے اس میں محبت کی نظر | تیرے صحرا کا تو ہر کانٹا ہے رشکِ صدارم
میں لکھوں کیسے علوِ مرتبت سرکار کا | تیرے خادم بھی ہیں رشکِ قیصر و فغفور و جم
اے شہنشاہِ دو عالم تھا یہ آمد کا نشاں | قصرِ کسریٰ کے نہ ہوتے کنگرے کیوں منہدم
ایک دو کیا ہیں غلامی میں ہزاروں بادشاہ | اللہ اللہ رتبہ شاہنشہِ والا حشم
چشمِ باطن سے اگر دیکھیں تو پھر آئیں نظر | وُہ فرشتے ہیں جنھیں کہتے ہیں مرغانِ حرم
اے شہنشاہِ رُسل تیری وہ ہے شان بلند | انبیا رہتے ہیں تیرے آستاں پر سر بخم
تُو نے ہاں تیغِ محبت تو چلائی ہے ضرور | ایک بھی لیکن نہیں ہے کشتۂ تیغِ دو دم
تیرے اخلاق و مروت کا ہے خود خالق گواہ | یعنی ہے قرآں میں تیری صفت والا شیم

تیرے ایثار و سخاوت کی نہیں کوئی نظیر
نام کو رکھے نہیں تُو نے میں دینار و درم

قطعہ

نام نامی ہے محمد جو سراپا حمد ہے — کون بد باطن نکالے اس میں پھر پہلوئے ذم
جتنے الفاظ و حروف اور جتنے اعراب و نقاط — اس قصیدے میں ہوں میرے ہاتھ سے زیبِ رقم
ان سے بھی بڑھ کر کروڑوں مرتبہ ہوں رحمتیں — تیرے نامِ پاک پر ہر دم حبیبِ محترم
بھیجتا خالق ہے تیری ذات پر ہر دم درود — جن و انسان و ملائک کیوں نہ بھیجیں دمبدم
ظالموں کے حق میں سامانِ ہلاکت ہو گیا — دشمنوں نے دے دیا تھا تجھ کو کیا کھانے میں سم
واہ واشانِ رحیمی کر دیے سارے معاف — تیری ذاتِ پاک پر لاکھوں ہوئے تھے گو ستم
تُو نے وہ توحید پھیلائی مٹا کر شرک و کفر — بن گئے اللہ کے بندے "پرستارِ صنم"

وُہ دکھائی تُو نے دنیا کو صراطِ مستقیم
یہ مناسب ہے کہ تیرے چوم لیں نقشِ قدم

مطلع ثالث

دے دیے اللہ نے جب آپ کو لوح و قلم — اب دکھا دو میرے حق میں بھی تو اعجازِ رقم
اللہ اللہ کس قدر محبوبیت ہے آپ میں — آپ کے نقشِ قدم کی حق نے کھائی ہے قسم
ساری دنیا کے لیے کس کو کیا حق نے رسول — نام لیوا آپ کے روم و عرب، شام و عجم
صاحبِ معراج ہے جز آپ کے نبیوں میں کون — قابَ قوسَین او اَدنیٰ میں ہے کیا قربِ اتم
گو بظاہر آپ آئے سب رسولوں کے اخیر — چشمِ باطن کہہ رہی ہے آپ ہیں نورِ قدم
آپ کو حق نے رسولوں میں کیا ختمِ رسل — اور پھر طرفہ کہ اُمت بھی ملی خیر الامم
اپنے ناموں سے نوازا آپ کو اللہ نے — آپ کو حق نے کہا ہے رافت و رحمت شیم

کہہ رہا ہے آپؐ کو اپنی طرح کا جو بشر　　حکمِ قرآں سے وہ کافر ہو گیا ہے بدشیم
کیا ادب ہے دیکھیے آواز تک اُونچی نہ ہو　　ورنہ ہو جائیں گے نیک اعمال تک سب کالعدم
جسمِ اطہر پر مگس بیٹھی نہیں سایہ نہ تھا　　اور نہ ہو سکتا تھا کوئی تیز رو بھی ہم قدم
کس طرح منکر ہو کوئی علمِ غیبِ شہؐ کا　　مصطفیٰ و مجتبیٰ جب آپؐ کو کہتے ہیں ہم
حال و استقبال و ماضی کے ہیں سب حاصل علوم　　شاہدِ اُمت ہو بیشک اے نبیِ محترمؐ
رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن کس کو کہا اللہ نے ؟　　اب نگاہِ رحم مجھ پر کیجیے والاہمم
آپؐ سے مخفی نہیں حالِ زبوں میرا حضورؐ　　معجزے سے اب بدل جائے ذرا نقشِ دژم
ٹھوکریں کھاتا پھرے کب تک زمانے میں غریب　　آپؐ کا بندہ رہے محتاجِ دینار و درم؟
میرے آنسو کون پونچھے گا تمہارے عشق میں　　میں دکھاؤں کس کو جا کر دیدۂ لبریز نم؟
آپؐ کو معلوم ہے دُنیا نے مجھ سے کیا کیا　　میں سناؤں کس کو جا کر آہ رُودادِ ستم
دین و دُنیا کی مرادیں میری بر آئیں حضورؐ　　آج سے بس دُور کر دو میرے سارے رنج و غم
پردہ پوشی کیجیے میرے گناہوں کی حضورؐ　　حسرتیں ارمان نکلیں، دُور ہوں درد و الم
کیجیے آباد اب اس خانماں برباد کو　　ہر تمنا کا ملے نعم البدل شاہِ اُممؐ
بخشیے میرے سخن میں آپ تاثیرِ لطیف　　ہو پسندِ عام میرا خلق میں طرزِ رقم
اب نہ لکھوں گا سلاطینِ زمانہ کی صفت　　میں کہاؤں گا فقط مداحِ سلطانِ اُممؐ
ہر رگ و پے میں ہو ساری بس محبت آپؐ کی　　آپؐ کی توصیف میں چلتا رہے میرا قلم

تاجؔ کی بس آخری یہ التجا ہے یا نبیؐ!
نکلے طیبہ میں پہنچ کر آپؐ کے قدموں میں دم

○

امجد حیدر آبادی

المتوفی: ۱۹۶۱

یہ ہے کون آغوش میں آمنہ کی　　صدا آتی ہے مرحبا مرحبا کی
ہوئی مستجاب اب دعا انبیاؑ کی　　مجسّم ہوئی آج رحمت خدا کی
ملک تلوے آنکھوں سے سہلا رہے ہیں
فلک سے قدم چومنے آ رہے ہیں

کھُلا آج اسرارِ وحدت کا دفتر　　نمایاں ہُوا کنزِ مخفی، کا دفتر
یہ معصوم بندہ ہے یا بندہ پرور　　عجب ننھی ہستی ہے اللہ اکبر
یہی کعبہ والا ہے شاہِ مدینہ
یہی نورِ اوّل ہے ماہِ مدینہ

اسی کا ہے نام آج سب کی زباں پر　　حکومت اسی کی ہے دونوں جہاں پر
شجر پر حجر پر مکیں پر مکاں پر　　فلک پر، ملک پر، زمیں پر، زماں پر
ہوا کب کوئی ایسا بندہ خدا کا
کہ ہے جس پہ بندوں کو دھوکا خدا کا

ادب سے ملک سر جھکائے کھڑے ہیں　　تصدق ہیں سب جتنے چھوٹے بڑے ہیں
انہیں قدموں میں سب کے دیدے گڑے ہیں　　دو عالم کا دل لے کے چپکے پڑے ہیں
یہ ننھی سی جاں جان ہے دو جہاں کی
اسی ایک سے شان ہے دو جہاں کی

یہی نورِ چشم جہاں کی ضیا ہے　　اسی نُور سے سارا عالم بنا ہے
خدا کی قسم ہے کہ نُورِ خدا ہے　　عجب جوہرِ فرد پیدا ہوا ہے
خدا کو بھی جس کی ادا بھا گئی ہے
کہ تنزیہ، تشبیہہ میں آگئی ہے

قیامت تک اب ایسی صُورت نہ ہوگی　　یہ صورت نہ ہوگی یہ سیرت نہ ہوگی
اب آگے نبوّت میں شرکت نہ ہوگی　　ہمیں اب کسی کی ضرورت نہ ہوگی
ہمارا نبیؐ خاتم المرسلیں ہے
یہ دُنیا کی خاتم کا آخر نگیں ہے

یہ ننھا سا پودا پھلا اور پھولا　　دو عالم میں پھیلا دیا اپنا سایہ
نبیؐ بن کے پیغامِ حق لے کر آیا　　مکمّل ہُوئی رحمتِ حق تعالیٰ
ہُوئی جس کو توفیق ایمان لایا
مگر کافروں کی سمجھ میں نہ آیا

ستانے لگے ان کو ظالم ستمگر　　کوئی کہتا شاعر تو کوئی فسوں گر
حسد سے اڑانے لگے خاک سر پر　　ہُوا حق پرستوں کا جب حال ابتر
تو پھر ہو کے مجبُور ہجرت کی ٹھانی
ہُوا بحرِ رحمت کو حُکمِ روانی

م ۔ حسن لطیفی

السلام اے صاحبِ لولاک، ختم المرسلیں! / مرحبا، صد مرحبا، اے رحمۃٌ للعالمیں!
مبداءِ زین و جلائے گوہر و دُرّ و خزف / مرجعِ شکر و سپاسِ کہکشان و کہتریں!
السلام اے وہ کہ جس نے کر دیئے شیر و شکر / نسل و ذات و رنگ کے زُنّاریانِ آن و ایں
چند اشاروں میں کیے اسرار سارے جس نے فاش / جن کی لِم ہے چیستاں اب تک بچشمِ نکتہ چیں
السلام اے وُہ کہ تا بیرونِ حد ہے جس کی زد / پار جس کے بار پا سکتے نہیں رُوح الامینؑ
السلام اے جادہ پیمائے فضائے لامکاں / الصلوٰۃ اے پَرفشانِ سدرۂ عرش بریں
السلام اُمّ القریٰ کے بے بہا دُرِّ یتیمؐ / حبذا اے کنزِ یثرب کی صدف کے تہ گزیں
مرحبا، راحت پذیرِ روضۂ جنت نظیر / مرحبا، شاخِ ریاضِ خُلد کے نکہت نشیں
اے خنک شاخے نمو در بر ہے جس کی شاخسار / دان اور گنجان ہیں رُمّان و تاک و تمر و طیں
اے خنک راغے کہ جس کے پھل نظیفِ اکام میں / ہیں طلائی کشتیوں میں پیشِ نوشِ طاہریں
اے خنک خلدے کہ جس میں وَرد و زرفرف کا ہے فرش / عبقری پر مستریحِ بالشِ اصحابِ الیمیں
سنگِ گوناگوں لگے ہیں جس کے دریچے اور رواق / بس رہی ہے جن میں بھینی بھینی ریحِ اذفریں
باریاب اُس آستاں پہ ہے یہ نووارد جہاں / چشمِ رضواں کا زِ روضہ کی ہے پُرچیں وایں
شکر صد شکرِ خدا یہ زائرِ ہندی نژاد / آج ہے لبیک بر لب بابِ روضہ کے قریں

روضہ ہے اک شمعدان اور کاز اک فانوس ہے
حجلہ میں روشن رسالتؐ کی ہے شمعِ عنبریں

ہے مُہیّج تشنہ پروانہ کا وہ صہبائے نُور
جس کی دُرِ رتبہ کا ہے نام آفتابِ آتشیں

بسملِ بیم و رجا، درماندہ، تنہا، بے رفیق
از عجم آمد بہ ایں عالم یکے از شائقیں

بر دَرت آوردہ ام بس یک نیاز افشاں مژہ
در نگر ایں، اے نگین آرائے خُلدِ اخضریں

اُس بعید اقلیم سے حاضر ہوا ہے یہ غریب
ہے جو عُرفِ عام میں گنگ و جمن کی سرزمیں

زمزم اور نہرِ زبیدہ اور زرقا پر نثار
ہند کی یہ رود ہائے عذب و رنگین و حسیں

وہ دیار اَوْمَا اِلَی المَشْرِق کا جو مصداق ہے
انتسابِ غزوہ سے مخصوص ازیابانِ وصیں

کیا کہوں اپنے وطن سے تحفہ کیا لایا ہوں میں
آنسوؤں سے بھیگتی جاتی ہے میری آستیں

پیشکش میری، ہے میری طرح بے برگ و نوا
انفعالِ ہدیہ سے نمناک ہے میری جبیں

آج اُس ہندوستاں سے ہے غلامی کو دوام
آہ! جو ہندوستاں تھا رشکِ فردوسِ بریں

یُوں جہالت کے پُجاری ہیں دو رکعت کے امام
پُوجتے ہیں جس طرح ذر اِس وطن کے مشرکیں

ترکِ توحید اُس پہ پھر شرکِ نبوت ہائے ہائے
معجزے دکھلا رہی ہے کیسے افرنگی مشیں

ہو نہ پیوستِ غم "الحمرا" کے افسانے کے ساتھ
نقشِ "تاجِ" مرمریں ہند کا دُرِّ ثمیں

آہ! یہ رونا مرا، رونا نہیں اک ہند کا
ہر سوادِ شرق میں یورپ ہے ناسُور آفریں

کب سے استیلائے افرنگی سے ہے مشرق خراب
کب سے ہے تلخابہ آمیز آہ! جامِ انگبیں

سلسلہ در سلسلہ ہے داستانِ کید و قید
آہ! کب ٹوٹیں گی یہ زنجیر ہائے آہنیں؟

اک بہانہ ڈھے گئی جنگِ اروپا اُس کو آہ!
دشمنِ اسلام قوت تھی جو روپوشِ کمیں

اِس طرح لارنس نے پھونکا کچھ افسونِ فرنگ
ہاشمی نے بیچ دی سب عزتِ ناموسِ دیں

تھا کبھی گہوارۂ تاسیسِ تمدن جس جگہ
اِنقلابِ آسماں سے خاک اُڑتی ہے وہیں

مل رہی ہے اپنی غداری کی عربوں کو سزا
پہلے جو اشرف تھے اب دُنیا میں ہیں وُہ سافلیں

اِن کے فنجان و دخاں کے بے محابا دَور میں
گردشِ تقدیر اِن کی دیکھتے ہیں ناظرین

تھے عقابی شان کے جن کے "غبانہ" اور "عقال"
آج ہیں وہ گوسفندوں سے بھی بے ہنگم تریں

جو مجاہد تھے وہ مذہب کے مجاور رہ گئے
جو کبھی شاہیں تھے اب ہے شان ان کی کرگسیں

جن شتربانوں کی شمشیریں رہیں کشور کشا
وہ خس و خاشاک و خاکستر کے ہیں اب خوشہ چیں

رہزنِ نجد اور ہوا خواہِ نصاریٰ و یہود
آہ! اِس معبد میں ہو ذیجاہ اور ننگ و نگیں

یاد آتے ہیں وُہ دن یثرب کی گلیاں دیکھ کر
مرد و زن اِس کے تھے جب دار الخلافہ کے مکیں

وہ قرونِ عصرِ اولیٰ کے قشونِ قاہرہ
تھے زرہ پوشانِ دہر اُن کے مقابل نازنیں

وہ بھی اِس بستی میں تھا، اللہ اکبر! ایک وقت
جب سفیر آتے تھے رُومی اور ایرانی یہیں

ماورا سے شوق اُنھیں لاتا تھا یُوں بہرِ خراج
جس طرح نقدِ عقیدت لے کر آئیں عازمیں

منّ و سلویٰ سے سوا تھا ارمغاں زنبیل کا
اور دُردِ زمزمی پر تھے نچھاور ساتگیں

آہ! وہ ترکوں کے رفتہ کاروانوں کا غبار
نبض ہائے نقل و حرکت کی وہ بوسیدہ بنیں

باب العنبریہ کے پہلو میں وہ "والبور" و "قطار"
عبرتِ نقشِ محطّ سے ہے چشم اندوہگیں

ایک حسرت سی ہے پس منظر کے دُور و نزد پر
صخر و وادی ہیں حدیدہ زنگ خوردہ سے حزیں

وارد انور بے ہوا تھا بن کے جب پیکِ وداد
یاد آتے ہیں حدیدِ رہگزر سے وُہ سنیں

واصل اس سے تھے مدینہ اور اطرافِ دمشق
ہیں کچھ آثارِ شکستہ اب بھی گو خط کے کہیں

خیر، یہ تعمیرِ فانی تو تھی جنسِ بے ثبات
ریلئ ایام ہے گا ہے چناں گا ہے چنیں

ہے غذائے روح گو معمورہ کی آب و ہوا
ریحِ خوش، ہے جانفزا، پانی ہے شیریں معیں

ہیں برید و بوسطہ، سُوق و رباط اِس میں مگر
زندگی کی جھلکیاں کچھ بھی نظر آتیں نہیں

گھرے سناٹے میں ہے شہرِ خموشانِ بقیع
گھوم آیا اُس میں تنہا مثلِ زین العابدینؓ

ہیں نشیبِ صخر کی ڈھلوان پر ساکت نخیل
پا بگل، سرگشتہ، گُم صُم، بے نیازِ آن و این

آہ! اک مدت سے وہ سب ہو چکے پیوندِ خاک
خستہ جانوں کی سپر ہوتے جو صائب صالحیں

آپؐ کی فرمودہ آیات آج تک ہیں حرزِ جاں
مژدۂ لا تقنطوا پر ہم کو اب تک ہے یقیں

سرورِ کون و مکاںؐ! ہم پر کرم کی اک نظر
نہضتِ ملّی کے سائل ہیں جہاں کے مسلمیں

زائل ادبار و زبوں حالی کے ہو جائیں غمام
کامگار و کامراں ہوں خائبین و خاسریں

ملّتِ اسلامیہ کی نشأۃِ ثانی کا نقش
دل پہ لے کے جائیں یثرب سے وطن کو زائریں

تشنہ جو اقصائے شرقی سے ہیں تا اقصائے غرب
شاد کام اب اُن کو کر دے آپؐ کا فیضِ معیں

ملّتِ بیضا کے حق میں حق سے کیجے یہ دعا:
"رحم کر اِس قوم پر رَبِّ رحیمُ الراحمیں"

اس طرح کر زندہ اعجازِ "بل احیاءٌ" سے حجاز
حال ہی نظروں پہ چھا جائے وہ دورِ اولیں

سطوتِ فاروقِ اعظمؓ کا ہو نقشہ رُو برو
چار سُو ہنگامہ آرا ہوں مجاہد متقیں

مجتمع یکجائی سے ہوں ایک مرکز پر تمام
طائفین و عاکفین و راکعین و ساجدیں

اُن پہ کڑکے حیدرِ کرارؓ کی پھر ذوالفقار
جو شیاطینِ دین سے ہیں بر سرِ پرخاش و کیں

ہو نصیب اسلام کو فیروزی فوزِ عظیم
از سرِ نو جس سے ہو شاداب یہ دینِ متیں

یارب! اُس الفائے وعدہ کا اب آ پہنچا ہے وقت
جس کی شرحِ عام ہے مخصوصِ عہدِ آخریں

پرچمِ ہجرت پہ چمکا تھا ہلال آسا جو چاند
چودھویں ہجری صدی اُس چاند کی ہو چودھویں

وحدتِ ایمانِ دیرینہ کا کھنچ جائے سماں
بین الاقوامی اخوت سے ہوں یکجاں مومنیں

غلبۂ توحید سے کون و مکاں سب گونج اٹھیں
شش جہت آفاق ہو اسلام کے زیرِ نگیں

انقلابِ عالمِ نو گوش بر آواز ہے
منتظر بس ایک اشارے ہی کی ہے فتحِ مبیں

○

وزیر الحسن عابدی

المتوفی: ۱۹۷۹ء

ظلمتِ نفسِ بشر، خواجۂ ایام بنی
کہیں اصنام میں اُبھری کہیں اوہام بنی

کہیں ہامانِ تصوّر کہیں نمرودِ نظر
کہیں فرعونِ تسلط کہیں شدّادِ ہنر

سومناتوں کی نمائشگہِ اصنام کہیں
روم و یُوناں کا صنم خانۂ اوہام کہیں

اپنی صنعت کے پجاری تھے حکیمان وجود
ہو فلاطونِ تخیل کہ ارسطوئے شہود

کہیں کلدے کا فسانہ کہیں بابل کا فسوں
کہیں مانی کا تماشہ کہیں مزدک کا جنوں

کہیں نیرو کی وُہ سفاکی تفریح طلب
خُون اُگلتے ہوئے نظاروں سے تسکین غضب

کہیں ابلیس کے ساغر سے چھلکتا ہُوا عیش
کہیں دوزخ کے دہانے سے بھڑکتا ہوا طیش

کہیں دولت کے طراروں میں بہکتی ہُوئی مے
کہیں شیطان کے تاروں پہ تھرکتی ہُوئی نے

صلۂ حق و صداقت کے مناظر تھے عجیب
کہیں نمرود کے شعلے کہیں صہیوں کی صلیب

کُرۂ ارض پہ چھائی تھی کراں تا بہ کراں
تیرگی جہل و ضلالت کی توہم کا دُھواں

گھُٹ رہا تھا خرد و ہوشِ خداداد کا دم
کھائے ٹھوکر، جو کہیں عقل بڑھے چند قدم

ایسے ظلمات میں اک شامِ مرادات آئی
جس نے تاریخ بدل دی، وہ حسیں رات آئی

بارشِ فیضِ مشیت سے نکھرتی ہوئی رات
شانۂ عظمتِ آدم پہ بکھرتی ہوئی رات

سرمدی حسن کے کوثر میں نہاتی ہوئی رات　　عشق کے آئینے میں بال سکھاتی ہوئی رات
دہر کا شانۂ احساس ہلاتی ہوئی رات　　سوتی دنیا کے نصیبوں کو جگاتی ہوئی رات
پرتوِ نورِ نبوت سے سنورتی ہوئی رات　　آئینہ خانہ وحدت سے گزرتی ہوئی رات
عرش کی سیر لبِ بام سے کرتی ہوئی رات　　عالمِ قدس کے زینے سے ابھرتی ہوئی رات
گوشے گوشے کو پُرانوار بناتی ہوئی رات　　بامِ ظلمت کدۂ ارض کو ڈھاتی ہوئی رات
کوہِ فاران کی وادی سے ابلتی ہوئی رات　　زیرِ پا ظلمتِ عالم کو کچلتی ہوئی رات
جذبۂ عشقِ حقیقت سے دہکتی ہوئی رات　　سیرتِ پاکِ محمدؐ سے مہکتی ہوئی رات
عرش سے فرش پہ عظمت کے برستے ہوئے پھول　　شبِ اسریٰ ہیں نثارِ قدمِ پاک رسولؐ

ہے دو عالم میں لقب رحمتِ داور اس کا
بٹ گیا خلق دو عالم میں نچھاور اس کا

رازدارِ شبِ معراج نبیِ عربی　　حسنِ وحدت کے لیے آئنۂ نیم شبی
جس کا اندازِ نظر حسنِ نظر کی معراج　　وہ نظر جس کو ملا حسن کی شاہی سے خراج
جس کے سورج سے جہاں تاب ہوا روئے حیات　　جس کی کرنوں سے ہے آرائشِ گیسوئے حیات
سج گئی قامتِ زیبا پہ رسالت کی قبا　　پھر مشیت کا کوئی اور تقاضا نہ رہا
عزم نے اس کے کیا قلعۂ امکاں تسخیر　　کھل گئی اس کے لیے قیدِ زماں کی زنجیر
اس کے بستر نے دیا وسعتِ عالم کو سبق　　آ گئے زیرِ قدم رفعتِ گردوں کے طبق
بڑھ گیا سوئے ابد عشق کا میخانہ لیے　　رہ گیا پیرِ خرد ہوش کا پیمانہ لیے
نہ رہا سعیِ نظر کا کوئی پہلو باقی　　تھا فقط فاصلۂ فرقِ دو ابرو باقی

ما عرفناک ہے تعبیرِ کمالِ عرفاں
قُربِ محبوب کی خلوت میں تکلّف کی زباں

برق رو بن گئی معراج میں عقلِ کونین
اس کے قدموں سے تھی وابستہ بشکلِ نعلین

انہی قدموں سے ہے اس جلوہ گہِ کُن کا فروغ
انہی قدموں کا تصدق ہے تمدّن کا فروغ

فیض بخشِ دو جہاں ہے رُخِ روشن اس کا
وسعتِ دہر ہے سر پہ لیے دامن اس کا

سوئے افلاک بڑھا سُم کو جھٹک کر جو بُراق
چونک اُٹھا خواب سے انساں کا شعورِ آفاق

تُندیِ پا سے زمیں عرش کے نزدیک ہوئی
منتقل صبحِ ازل میں شبِ تاریک ہوئی

کُھل گئیں پُوری طرح عقلِ بشر کی آنکھیں
نئی دنیا میں تھیں اب اہلِ نظر کی آنکھیں

ذہنِ انساں کو نئی قوتِ پرواز ملی
اہلِ دل کو طلبِ جلوہ گہِ راز ملی

اس کے صدقے میں ہوا فکر و نظر کا وہ بروز
عقل پر کھلنے لگے عالمِ امکاں کے رموز

جو حقائق تھے کئی لاکھ برس سے مخفی
چند صدیوں میں بنے علم کی آیاتِ جلی

شبِ معراج زمانے کی جو سرتاج ہوئی
قدرتِ فکر و تعقل کو بھی معراج ہوئی

جس نے جس راہ میں بھی علم کی دولت پائی
قوتِ فکر و نظر اس کی بدولت پائی

اس قدر بڑھ گئی انساں کی رفتارِ نظر
کفِ آدم میں ہے اب آئنۂ شمس و قمر

تیرہ تھی فکرِ بشر عہدِ نبیؐ سے پہلے
رات تھے دن سفرِ نیم شبی سے پہلے

کاش اس رازِ ترقی کو جہاں جان سکے
کاش اس محسنِ تہذیب کو پہچان سکے

○

ڈاکٹر صفدر حسین صفدر

المتوفی: ۱۹۸۰ء

ہُوا جو قطرہ فشاں ابرِ رحمت عربی
جہاں میں بجھ گئے صفدر شرارِ بولہبی

جنابِ خضر کو ہو دُور ہی سے میرا اسلام
نہ جائے گی سوئے ظلمات میری تشنہ لبی

پلٹ گئی میرے ہونٹوں سے منفعل ہو کر
شرابِ دانش و دولت بہ شیشۂ حلبی

بجھے گی پیاس مری صرف میرے اشکوں سے
کہ میرے سینے میں ہے کربلا کی آگ دبی

ملی تو دامنِ ساقی میں چھان کر واعظ
خدا کے گھر میں پیوں گا شرابِ عشقِ نبی

کرم ہو مجھ پہ کہ اک تشنہ لب مسافر ہوں
مرا اسلام ہو تجھ پر پیمبرِ عربی

ترے پیام سے انسانیت کی ٹوٹی نیند
ترے نظام نے بدلا نظامِ بولہبی

ترے پیام سے حیرت نے آگہی پائی
سمجھ میں عقل کی آیا طلسمِ بے سببی

ترے پیام سے چونکا شعورِ دانش و فن
غرورِ دیدہ وری و سرورِ بوالعجبی

چُنے ہیں جس نے ترے گردِ راہ کے ذرات
چمک رہی ہے ستاروں سے اس کی تیرہ شبی

جسے مِلا نہ ترے چشمۂ عطا کا سراغ
ہے اس کی راہِ طلب میں سراب تشنہ لبی

فسردگی کو دیا جذبۂ طلب تو نے
مزاجِ دست درازی کو نازِ بے طلبی

ترے ہی دستِ شفا سے وہ ہو گیا چونچال
پہنچ چکا تھا تمدن بحالِ جاں بلبی

مرض جو اس کے تھے مہلک وہ سب ہوئے معدوم
تمیزِ بندہ و آقا و نخوتِ نَسَبی

ہوئی بحال وہ تہذیب تھی جو صدیوں سے
مزاج کی خفقانی طبیعتِ عصبی

تو مُصطفیٰؐ، تو محمدؐ، تو احمدِؐ عربی
ہے ترجماں تری سیرت کی تیری خوش لقبی

سرورِ قلبِ مشیت، غرورِ قومِ عرب
وقارِ ہاشمی و افتخارِ مطّلَبی

گلوں سے بھر گیا دامانِ یثرب و بطحا
کہ پھول بن گئے تجھ سے شرارِ بولہبی

پھنکا عرب میں وہ صورِ اخوتِ کبریٰ
کہ ایک ہو گئے قرشی و زنگی و حلبی

قصیدہ خوانیٔ صفدرؔ قبول ہو مولا
اگرچہ نے عجمی ہے مگر ہے نے عربی

عبداللہ خاور

حضورؐ دشتِ بلا میں ہے شامِ غم کا ظہور — حضورؐ آپ کی چشمِ کرم ہے آیۂ نور
جلا کے شعلۂ جاں ڈھونڈتا ہے راہوں کو — گھرا ہے ظلمتِ ہجراں میں آپؐ کا مہجور
فروغِ آتشِ پنہاں سے جل رہا ہے وجود — سُلگ رہی ہے کوئی شمع، بزمِ ناز سے دُور
حدیثِ شوق بیارم چساں کہ بے ادبی ست — بگفتہ نطق ز بے چارگی "انا المعذور"
کتابِ دل سے ہو ہر حرفِ آرزو محذوف — مگر وہ نام جو ہے لوحِ عرش پر مذکور
در آئے سینۂ ویراں میں وہ تجلیٔ ناز — جو حُسن ذات کی پہنائیوں میں ہے مستور
حیات نذر کروں کائنات نذر کروں — بس اک نگاہِ کرم کیجئے حضور حضور
وہ اک نگاہ کہ جو پھونک دے متاعِ غرور — بدل دے سیرتِ خاقان و قیصر و فغفور
نظامِ کہنہ کے جس نے پلٹ دئے اوراق — مزاجِ دہر کے جس نے بدل دئے دستور
حضورؐ آپ کی مدح و ثنا نہیں ممکن — لسانِ روم و عرب ہو کہ نطق نیشا پور
حضورؐ قُرب کے لائق کہاں یہ دیوانہ — مگر اجازتِ حسرت کشی عطا ہو ضرور
خیال و قلب و نظر ہرزہ کار و خوار و زبوں — یہ زندگی ہے تو جینا مجھے نہیں منظور
ہو زیست آپ کی راہِ متیں پہ گرم خرام — ہو ایک جذبہ فقط حکمرانِ تحتِ شعور
کچھ اس طرح سے مٹے نقشِ ماسوا دل سے — حرم سے جیسے بتانِ حرم ہُوئے کافور

حضورؐ آپ کا دیدار گر میسّر ہو — تو ذبحِ نفس بھی، تسلیمِ جاں بھی ہے منظور

بصدقۂ خم کاکل بدار اَنفُسِنَا — نہادہ دام بہر سوئے "باغیان شرور"

وُہ اہلِ فکر جو بدعت کو اجتہاد کہیں — بدل نہ دیں کہیں دینِ حنیف کا منشور

گھرا ہے یورشِ تشکیک و وہم میں مومن — ہوئی ہیں عام جہاں میں رسومِ فسق و فجور

حضورؐ کوئی مجدّد عطا ہو ملّت کو — ہو جس کے فیض سے احیائے دینِ حق کا ظہور

چلے زمانے میں بس امر آمرِ مطلق — جہاں میں رایت دیں ہو مظفر و منصور

حضورؐ ایک نظر التفات سے مملو — بنامِ آیۂ رحمت بنامِ ربِّ غفور

بہت طویل ہیں آلامِ دہر کے سائے
بہت دراز ہے اب دامن شبِ دیجور — (اقتباس)

○

راجہ محمد عبداللہ نیازؔ

تم کو شبِ الست کا بدرالدجیٰ کہوں
یا صبحِ کائنات کا شمس الضحیٰ کہوں

یا مہبطِ تجلّیِ بے ابتدا کہوں
یا مصدرِ سعادتِ لا انتہا کہوں

یا ماہِ نیم ماہِ جہانِ صفا کہوں
یا مہرِ نیم روز سپہرِ ہدیٰ کہوں

یا آب و رنگِ پیکرِ صبح و مسا کہوں
یا رنگ و نورِ محفلِ ارض و سما کہوں

یا نقشِ لاجوابِ دبیرِ قضا کہوں
یا تاجدارِ سلطنتِ دوسرا کہوں

یا افتخارِ مسندِ مجد و علا کہوں
یا مظہرِ جلال و جمالِ خدا کہوں

تم کو بہارِ گل کدۂ اصطفا کہوں
یا زیب و زینتِ چمنِ اتّقا کہوں

یا کوثرِ مواہب و لطف و عطا کہوں
یا سلسبیل صافیِ آبِ بقا کہوں

روشن ہو جس سے دل وُہ تمہاری ثنا کہوں
گو ناطقہ ہے سربگریباں کہ کیا کہوں

ظاہر کا وُہ جمال کہ نامِ خدا کہوں
باطن کا وہ کمال کہ صَلِّ علیٰ کہوں

تم کو حریمِ غیب کا پردہ کشا کہوں
یا عالمِ ظہور کا فرماں روا کہوں

مہمانِ عرش و گوشہ نشینِ حرا کہوں
دانائے کاملِ سُبُلِ ارتقا کہوں

ہر منزلِ رفیع کا جادہ نما کہوں　　معمارِ قصرِ حکمت و فکرِ رسا کہوں
انوارِ علم و فضل کا خانہ خدا کہوں　　سالارِ غازیانِ نبرد آزما کہوں
سردارِ ساجدین ملائک ادا کہوں　　کملی میں ایک فاتحِ عالم کشا کہوں

مشرق کے متقی کو تمھاری ضیا کہوں　　مغرب کے فلسفی کو تمھارا گدا کہوں
جس خاک سے حضورؐ اُٹھے اُس کو کیا کہوں　　اُس خاکِ سربلند کو اُمّ القریٰ کہوں
یا سرزمینِ طاہرِ دارالصفا کہوں　　یا جلوہ گاہِ خاص ابوالانبیا کہوں
پھر خوابگاہِ ناز کی کیونکر ثنا کہوں　　وہ خاکِ تابناک جسے کیمیا کہوں

یا ارضِ شرق و غرب کا دارالقضا کہوں
یا پردۂ ازل کی تجلّی سرا کہوں

○

محمد قلی قطب شاہ

المتوفی : ۱۶۱۱ء

چاند سورج روشنی پایا تمھارے نور تھے
سے
آب کوثر کو شرف تھڈی کے پانی پور تھے
آب ذقن

دل پرم بچنے تھے دیتا گل صبا بوسے وصال
محبت کی باد سے
کیا رضا ہے منج کو آدن یا نہ آؤں دور تھے
مجھ کو

تج نین کی شاب تھے کہہ نور جل سرمہ ہوا
تیری آنکھ سے کوہ
کیوں کمر باندھے بچارا دل تمھارے کھور تھے
کھونا

مکھ تجلی دیکھیا بیداری یا سپنے منے
رخ کی دیکھا سونے میں
نیر نہہ کا منج پلا تیرے ادھر سمدر تھے
آب عشق مجھے ہونٹ کے سمندر سے

جم مراداں، جامِ ساقی بھر اچھو نت بزم میں
ہمیشہ ہمیشہ
نامراداں کوں مرا جام دے اس حور تھے
سے

دل دریا میں غم کی موجاں آتی ہیں فوج فوج
کے آتی
عشق کے تختے اوپر کیا ڈر ہے طوفاں زور تھے
کے سے

عاشقاں تج باٹ میں بسمل ہوے ہیں بے شمار
تیری راہ
عاشقِ بے چارہ کوں رکھ پیار کے دستور تھے
سے

اے صبا توں قول لیا تب ہووے گا دل کو قرار
حق پرستی منج رقیباں نا بوجھیں اب زور تھے
میری سمجھیں مکر سے

اے معانی رات دن نامِ محمد ورد کر
تج دعا با مدعا ہے ربِ منصور تھے
سے

انعام اللہ خان یقین

المتوفی : ۱۷۵۶ء

کون کر سکتا ہے اس خلاقِ اکبر کی ثنا
نارسا ہے شان میں جس کے پیمبر کی ثنا

سر بر آ اس منہ سے ہو سکتی ہے نعتِ رسولؐ
یا ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ حیدرؓ کی ثنا

یہ زباں قابل ہے کب اس بات کی جو کیجیے
حضرت زہراؑ کی اور شبیر و شبر کی ثنا

نام حمد اور مدح کا لینا مجھے انصاف نہیں
کی ہے ساری عمر ترکانِ ستمگر کی ثنا

جوں نماز اپنے پہ صبح و شام لازم کر یقین
حضرت استاد یعنی شاہ مظہر کی ثنا

سراج اورنگ آبادی

المتوفی : ۱۷۶۴ء

نام تیرا مطلع فہرست ہے دیوان کا
ہے زباں کا ورد خاصا اور وظیفہ جان کا

جی نے "یبقیٰ وجہ ربک" کی صدا سُن کو پھیر
دور کر من سے خیال "مَن علیہا فان" کا

یا محمدؐ تجھ کرم سیں[1] ہوں سدا امیدوار
جلوۂ ایمان دے اور بھید کنہ انسان کا

کر سراسر شوق سیں بے ہوش مجھکوں[2] یا حبیب
دے مجھے بھر کر پیالہ نشاء عرفان کا

تو احد ہے نام تیرا احمد بے میم ہے
زیب پانا تجھ صفت سیں ہر ورق قرآن کا

اے سراج اپنی خودی کوں[3] بے خودی میں محو کر
شغل جاری رکھ ہر اک دم میں "ہو الرحمٰن" کا

شاہ حاتم

المتوفی: ۱۷۹۲ء

اوّل خدا نے نور تمہارا عیاں کیا
اس نور سے بنا یہ زمین و زماں کیا

تجھ در پہ آرزو ہیں سلیماں مثالِ مور
کیونکر نہ ہو کہ تجھکو شہِ خسرواں کیا

صاحب دلوں کو حشر تلک ہے وہ سجدہ گہ
جس سرزمیں میں تم نے قدم سے نشاں کیا

کحل البصر کی جا تری خاکِ قدم کا بوجھ
آنکھوں کو مردماں نے بنا سرمہ داں کیا

دیکھا فلک سے قد کا ترے مرتبہ بلند
طوبیٰ نے قد تیر کو اپنے کماں کیا

غفلت کے خار ہوش کے تیشہ سے کاٹ ہم
گلشن بنا کے دل کو تمہارا مکاں کیا

حاتم کا دل ہوا تھا سراپا اگر ضعیف
تجھ عشق نے یہ پھر سرِ نو سے جواں کیا

قائم چاندپوری

المتوفی : ۱۷۹۳ء

مقدور کسے نعت پیمبرؐ کی رقم کا
ہر دم ہے دمِ تیغ پہ یاں راہ قلم کا

گلگشتِ دو عالم سے ہو کیونکر وہ تسلی
زائر ہو جو کوئی ترے کوچے کے ارم کا

گو خضرؑ تھا منزل کو نہ مقصود کی پہنچا
جو یا نہ ہُوا یاں جو ترے نقشِ قدم کا

امکان نہ تھا ممکن و واجب کو سمجھنا
مظہر جو نہ ہوتا تو حدوث اور قدم کا

ہے جرم ناکردہ کی مرے عفو خریدار
تا گرم ہے بازار تری بیعِ سلم کا

کیا دُور جو بخشش پہ کریں ناز جرائم
جس روز کہ شافع ہو تو اعمالِ امم کا

یا ختمِ رسلؐ! گرچہ گنہ گار ہے قائم
پر اس کو بھروسا ہے ترے فضل و کرم کا

میر محمدی بیدار

المتوفی : ۱۷۹۴ء

ہے نام ترا باعثِ ایجادِ رقم کا
محتاج نہیں وصف ترا لوح و قلم کا

مقدورِ بشر کب ہے تری حمد سرائیؑ
کیا قطرۂ ناچیز سے اوصاف ہو یم کا

تجھ گنجِ محبت کا طرفدار پھروں ہوں
نے طالبِ دینا نہ مشتاق درم کا

پہنچائیو واں میرے تئیں حشر میں یارب
سایہ ہو جہاں احمدؐ مرسل کے علم کا

شاہِ دو جہاں، فخرِ زماں، سرورِ پاکاں
ہے کحلِ بصر ذرۂ خاک اس کے قدم کا

وہ مظہرِ فیاض کہ انعام سے جس کے
کیسہ ہو جواہر سے تہی معدنِ دیم کا

ہر ذرہ ہے خورشیدِ شفاعت کا طلب گار
اس سے کہ وہ بخشندہ ہے عصیانِ اُمم کا

تشریفِ شرفِ صدق نے صدیقؓ سے پایا
مشہورِ جہاں اس سے ہُوا نام کرم کا

لے ہاتھ میں شمشیرِ عدالت کی عمرؓ نے
قبضہ میں کیا ملک عرب اور عجم کا

عثمانؓ کی ثنا اس کی ہے تقریر سے افزوں
تحریر کرے کیسا نہیں مقدور قلم کا

سلطانِ ولایت اسدؑ اللہ کہ جس کی
ہیبت سے جگر آب ہو شیرانِ رجم کا

ظالم کشی و عدل سے اس سرورِ دیں کی
حک صفحۂ عالم سے ہُوا نام ستم کا

اس ہستیِ موہوم پہ غفلت میں نہ کھو عمر
بیدار ہو آگاہ، بھروسا نہیں دم کا

شیخ قلندر بخش جرأت

المتوفی : ۱۸۱۰ء

محمدؐ ہے نبی ممدوحِ ذاتِ کبریائی کا
کس بندہ کو گراس کی مدح دعویٰ ہے خدائی کا

سپہرِ معرفت حقا ہے وہ مہرِ اُلوہیت
کہ جس کا دین روشن آئینہ ہے حق نمائی کا

بلند اس کا ہے وہ ایوانِ مراتب ہے کہ نہیں اس جا
خیالِ ساکنانِ عرش کو یارا رسائی کا

منوّر کیوں نہ اس کے نور سے ہو خانۂ طاعت
کہ روشن کرنے والا ہے وہ شمعِ پارسائی کا

گروہِ انبیاؑ میں وہ ہی حق کا برگزیدہ ہے
سوا اس کے لقب کس کو ملا ہے مصطفائی کا

رکھے ہیں منزلت یہ آستانِ سرورِؐ عالم
کہ فخرِ سلطنت ہے مرتبہ واں کی گدائی کا

اُسی کے عشق میں پابندِ اُلفت وہ دلا ہر دم
کہ ہووے گا یہی روزِ جزا موجب رہائی کا

سراپا نورِ حق نامِ خدا کہیئے نہ کیوں اُس کو
کہ جس کا نقشِ پا ہو جبہہ سا ساری خدائی کا

دلیل اس کی ہے یکتائی کی یہ لاریب اے جرأت
کہ تھا سایہ نہ اس محبوب ذاتِ کبریائی کا

معروف دہلوی

المتوفی : ۱۸۲۶ء

شافعِ محشر کا یاں دیکھو جمالِ نقشِ پا
تا رہے خوابِ عدم میں بھی خیالِ نقشِ پا

سوجھتا ہے دیکھ کر مضمون شکلِ رفتگاں
آئنہ اپنی نظر میں ہے مثالِ نقشِ پا

ہے صفِ مژگاں میں آہوِ دشت میں دستِ دعا
دیکھ کر شبرنگ کا تیرے ہلالِ نقشِ پا

خاکسارانِ جہاں کی دستگیری چاہیئے
سر پہ اے موجِ ہوا مت لے وبالِ نقشِ پا

کیا کہا گم گشتگانِ دشتِ وحشت خیز نے
رہنمائی سے جہاں میں ہے کمالِ نقشِ پا

لے نہیں سکتا ہے یک کروٹ بھی اے معروف آہ
ہاتھ سے افتادگی کی ہے یہ حالِ نقشِ پا

مومن خان مومن دہلوی

المتوفی : ۱۸۵۱ء

نہ کیونکر مطلعِ دیواں ہو مطلع مہرِ وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرع انگشت شہادت کا

نہ یہ دستِ جنوں ہے اور نہ وہ جیبِ جنوں کی شان
کہ ہو دستِ مژہ سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے
نہ ہیں بے زار دوزخ سے نہ ہیں مشتاق جنّت کا

گلوے خامہ میں سرمہ مداد دودہ دل ہے
مگر لکھتا ہے وصف خاتمہ جلد رسالت کا

نہ پوچھو گرمی شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمع فکرت کا

نمک تھا بخت شور و فکر خوان مدحِ شیریں پر
کہ دندان طمع نے خوں کیا ہے دست حسرت کا

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیونکر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامن اجابت کا

عنایت کر مجھے آشوب گاہ حشر غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا

جراحت زار اک جاں دے کہ جکی ہر جراحت سے
نمک داں شورِ الفت سے مزا آدے عبادت کا

مرا جوہر ہو سرتاپا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنّت کا

خدایا شکرِ اسلام تک پہنچا کہ آ پہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا

زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

شاہ غمگین دہلوی، سیّد علی

المتوفی : ۱۸۵۱ء

ظاہر و باطن ہے حمد و نعت ھر انسان کا
معنی و صورت یہ مطلع ہے مرے دیوان کا

ہے مرا ظاھر محمدؐ اور باطن ہے خُدا
قال یہ ہے حال کھونا اپنے ہے ایمان کا

روبرو ہے پر اسے دیکھا نہیں جاتا ہے آہ
کیا کہوں میں حال اپنے حسرت و ارمان کا

بے سرو سامانی اک ساماں ہے اے دل یاد رکھ
کاروانِ عشق میں ہر بے سرو سامان کا

معرفت پر اس کے حق کی معرفت موقوف ہے
مرتبہ ہے ایسا عالی حضرتِ انسان کا

لکھ بدل کر قافیہ اک اور اے غمگیںؔ غزل
سُن کے جی جل جائے جس کو زاھدِ نادان کا

ذوقؔ دہلوی

المتوفی : ۱۸۵۴ء

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا
الف الحمد رب العالمین کا ہے قلم میرا

رہے نامِ محمّد لب پہ یارب اوّل و آخر
اُلٹ جاتے بوقتِ نزع جب سینہ میں دم میرا

محبت اہلِ بیتِ مُصطفےٰ کی نور برحق ہے
کہ روشن ہوگیا دل مثلِ قندیلِ حرم میرا

دکھائی مجھکو راہِ شرع اصحابِ پیمبر نے
چراغِ راہ ہے اکرامِ اصحابِ کرم میرا

کہیں شاہِ نجف کے عشق میں دل میرا ڈوبا تھا
کہ ہے دُرِ نجف ہو کر چمکتا دُرِیم میرا

رہے گا دانہ افشاں مزرعِ اُمید بخشش میں
غمِ آلِ نبیؐ ہے دانۂ ہر اشک نم میرا

شہِ بغداد کا خطِ غلامی ذوق رکھتا ہوں
نہ کیوں دل اس خطِ بغداد سے ہو جامِ جم میرا

امانت لکھنوی

المتوفی : ۱۸۵۸ء

رقم کرتا ہوں اب میں وصف کچھ اپنے پیمبرؐ کا
ازل کے دن سے جو مختار ہے اللہ کے گھر کا

خدا نے اختیار اس کو دیا ہے روزِ محشر کا
وہی مالک ہے جنت کا وہی قاسم ہے کوثر کا

پیمبرؑ کیسے کیسے ہو گئے ہیں یوں تو عالم میں
مگر اے عاصیو! شافع یہی ہے روزِ محشر کا

ہوئی کیا کیا چڑھائی فرقۂ باطل کی مولا پر
ولیکن پاؤں حضرتؐ کا نہ راہِ راست سے سرکا

نہ کیونکر فخر ہو ہر اک پیمبرؑ پر محمدؐ کو
بتاؤ تو کہ حیدر سا وصی تھا کس پیمبرؑ کا

جسے چاہے کرے ناجی جسے چاہے کرے ناری
محمدؐ مالک و مختار ہے سرکار کے گھر کا

کہوں نورِ مجسّم کیوں نہ اندامِ منوّر کو
زمیں پر سایہ ہوتا تھا نہ ظاہر جسمِ اطہر کا

حرم سے بُت نکلوا کر کیا اسلام کو داخل
محمدؐ نے کیا کیا احترام اللہ کے گھر کا

جو اس کا دوست ہے اللہ کا وہ دوست بے شک ہے
عدو ان کا جو ہے حقّا کہ وہ دشمن ہے داور کا

کسی کے شان میں بھی آیۂ لولاک آیا ہے
خدا کے سامنے کیا رُتبہ ہے اپنے پیمبرؐ کا

پڑھو صلِّ علیٰ یارو محمدؐ وہ محمدؐ ہے
کہ حق میں جس محمدؐ کے یہ ہے ارشاد داور کا

اگر پیدا نہ کرتا اے محمدؐ تجھ کو دنیا میں
نشاں ظاہر نہ پھر ہوتا زمیں پر چرخِ اخضر کا

امانت پنجتن کی پیروی کرنا مقدم ہے
سوا اس کے نہیں کوئی وسیلہ روزِ محشر کا

ناظم رام پوری

المتوفی : ۱۸۶۵ء

پیام دوست ہے ہر قول نامہ آور کا
خدا کا حکم ہے پر نام ہے پیمبرؐ کا

کسی کا حوصلہ اتنا کرم سے بڑھ کر ہے
یہ لین دین کہ پتھر ہو مول گوہر کا

فرازِ طاق حرم سے نہ کس طرح گرتی
بتوں کو وجد میں لایا کلام پتھر کا

علم بھی کیا ترے قد کی طرح ہے بے سایہ
کہ ہم کو خوف ہو خورشیدِ روز محشر کا

یہ دم بدم کی ہے ریزش کہ کوچے کے اطفال
اوڑا رہے ہیں کبوتر فرشتے کے پر کا

پڑے جو رخنہ بھی تیرے محب کے ایماں میں
وہ رخنہ چاہیئے روزن ہو خلد کے در کا

غمِ حسینؑ میں رویا تو حق نے زمزم سے
نمونہ گھر میں رکھا میرے دیدۂ تر کا

وہ تیغ زن ہے ترا ہم نشیں تعالی اللہ
سپر ہی ہاتھ میں جس کے کواڑ خیبر کا

وہ میں نہیں کہ گروں ہشت و شبر پہ ناظم
علیؑ سے خلد میں سائل ہوں جام کوثر کا

نسیم دہلوی

المتوفی ، ۱۸۶۵ء

ہوں عاشقِ دیوانہ جو معشوقِ خدا کا
غل نالۂ زنجیر میں ہے صلِ علیٰ کا

بے ہوش کیا ہے کسی باہوش نے مجھ کو
جھگڑا نہ رہا یادِ عذاب دوسرا کا

صدقے ترے او شافع روح و تنِ عاشق
وہ غیظ میں اب وقت ہے وعدے کی وفا کا

تو پیشِ نظر، رُوح فدا شوق، ہم آغوش
اب ہاتھ نہ احسان اُٹھائیں گے دعا کا

دوزخ کو بجھا دُوں عرقِ شرم سے اپنے
ایسا ہو جو تیری نگہِ لطف فزا کا

کیا فکر عذابِ لحدی مُردہ دِلوں کو
ہے اور ہی جھگڑا ترے مفتونِ لقا کا

خاموش زباں شرم سے آنکھیں سوئے زانو
مَیں صدقے یہ انداز ہے تسلیم و رضا کا

شمشیرِ محبت سے ہُوا چاک جو سینہ
ہر زخمِ جگر لفظ بنا صلِ علیٰ کا

قرباں اٹھا عارضِ پُر نور سے پردہ
مرجاؤں نہ عاشق پہ ہوا احسان قضا کا

مُدت سے ہے یہ دھن ترے کُوچے میں بنے قبر
ہے اوج پر اقبال مرے بختِ رسا کا

مطلب ہے مرا عارضِ پُر نور کا جلوہ
عاشق ہُوں ترا نام کو بندہ ہُوں خدا کا

اعمال نسیم اپنے بُرے ہیں کہ بھلے ہیں
لیکن ہے بھروسا ہمیں محبُوبِ خدا کا

شیفتہ دہلوی

المتوفی : ۱۸۶۹ء

کیا تھا نور جب اللہ نے پیدا محمدؐ کا
اسی دن سے ہُوا ہے عاشق شیدا محمدؐ کا

نہ ہو ذکرِ مبارک آپ کا وردِ زباں کیونکر
میں ہوں روزِ ازل سے عاشقِ شیدا محمدؐ کا

فرشتے قبر میں پُوچھیں گے گر مجھ سے تو کہہ دوں گا
کہ ہُوں بندہ خدا کا اور ہوں شیدا محمدؐ کا

خدایا جب مری اس قالبِ خاکی سے جاں نکلے
زباں پر اُس گھڑی جاری رہے کلمہ محمدؐ کا

خیالِ مہر و مہ دل سے تو فوراً بھُول جائے گا
نظر آ جائے گا جس دم تجھے روضہ محمدؐ کا

بشر کی تاب و طاقت کیا جو لکھے نعت احمدؐ کو
خدا ہی جانتا ہے خُوب بس رُتبہ محمدؐ کا

خدا نے ذاتِ احمدؐ کو وہ اعلیٰ مرتبہ بخشا
کہ دم بھرتے ہیں ہر دم حضرتِ عیسیٰؑ محمدؐ کا

ملائک نے کیا تھا اس سبب سے سجدۂ آدمؑ
کہ پیشانی سے ان کی نُور تھا پیدا محمدؐ کا

خدا بھی حشر میں پُوچھے گا گر عاشق تو کس کا ہے
تو کہہ دُوں گا محمدؐ کا محمدؐ کا محمدؐ کا

تمنّا ہے کہ فوراً جاں بحق تسلیم ہو جاؤں
نظر آئے جو مجھ کو شیفتہؔ روضہ محمدؐ کا

○

مولوی خلیل الدّین حسن حافظ پیلی بھیتی

المتوفی : ۱۸۷۳ء

آنکھ میں پھرتی ہے وہ شوخیٔ رفتار جدا ۔۔۔ تڑپے جاتا ہے جدائی میں دلِ زار جدا

وہی اچھے رہے محشر میں جو رحمت برسی ۔۔۔ بیگناہوں سے کھڑے تھے جو گنہگار جدا

دل و جاں لوٹتے ہیں عشقِ نبی میں دن رات ۔۔۔ لذّتِ درد جدا، لذّتِ آزار جدا

خاک پر لوٹتے ہیں کوئے نبی میں دونوں ۔۔۔ نورِ خورشید جدا، سایۂ دیوار جدا

آبلے پھوٹ کے رو دیں گے رہِ طیبہ میں ۔۔۔ میرے تلووں سے اگر کوئی ہوا خار جدا

دشمنِ آرام کے ہیں، چین کے ہیں، نیند کے ہیں ۔۔۔ طالعِ خفتہ جدا، دیدۂ بیدار جدا

باغِ عالم میں کریں آپ جو فرق بد و نیک ۔۔۔ گل سے ہو خار جدا، برگ سے ہو بار جدا

دیکھنے سننے کا وہ شوق کہ دیکھا نہ سنا ۔۔۔ ذوقِ دیدار جدا، لذّتِ گفتار جدا

چلتا پھرتا رہے دن رات مگر کیا ممکن ۔۔۔ اُن کی دیوار سے ہو سایۂ دیوار جدا

اپنا اپنا تجھے سب کہتے ہیں اللہ اللہ ۔۔۔ شیخ دینخوار جدا، کافر و دیندار جدا

دے گئی آپ کے بیمارِ جدائی کو جواب ۔۔۔ تابِ رفتار جدا، طاقتِ گفتار جدا

کون ہے درپئے آزارِ دلِ زار نہ پوچھ ۔۔۔ دل کا آزار جدا، دردِ دلِ آزار جدا

قدِ آدم ہیں وہاں آئینے دیوار میں وصل ۔۔۔ میں یہاں آئینہ ساں پشت بدیوار جدا

سر اگر تن سے جدا ہو تو جدا ہو حافظ
سر سے ہوگا نہ درِ احمدِ مختار جدا

قربان علی بیگ سالکؔ

المتوفی : ۱۸۸۰ء

کیا رشک عرشیوں کی مجھے پائے گاہ کا
زائر ہوں آستانِ حبیبِ الٰہ کا

ہوں میں غلام ایسی فلک بارگاہ کا
جس کے گدا کو رُتبہ مِلے بادشاہ کا

عمرِ دوام دی گئی اس واسطے کہ خضرؑ
رہبر رہے مدام مدینے کی راہ کا

اُس در پہ جبہ سا ہُوں کہ آکر یہی طرح
ذرّوں میں امتیاز نہ ہو مہر و ماہ کا

بھا ہوا ہے کنگرۂ عرشِ تو جسے
غافل یہ ایک گوشہ ہے اس کی کلاہ کا

دیں داغ انفعال ترے ساجدین در
خورشید کو جو داغ دکھائیں جباہ کا

ہے حاملانِ عرش سے رُتبہ بڑھا ہُوا
خدامِ بارگاہِ رسالت پناہ کا

ختمِ رسل، شفیعِ امم، سرورِ دو کون
رکھ پاس حشر میں مری شرمِ گناہ کا

آزار دے نہ ظلمتِ کنجِ لحد مجھے
جلوہ ادھر ایک کرم کی نگاہ کا

اس سے خلاف سالکؔ بے راہ رو نہ چل
رستہ ہے مستقیم شریعت کی راہ کا

مولا بخش قلق

المتوفی : ۱۸۸۰ء

برقِ سحاب مہر ہے ابروئے مصطفیٰؐ
ہے طرّہ اس پہ سایۂ گیسوئے مصطفیٰؐ

ہے تشنگانِ یاس کا کس درجہ اہتمام
کوثر لگی ہوئی ہے سرِ کوئے مصطفیٰؐ

ظلمت کے یہ نصیب کہ آبِ بقا ملے
کچھ پڑ گیا ہے سایۂ گیسوئے مصطفیٰؐ

کیونکر نہ دیر و کعبہ میں ہم رنگ نور ہو
یاں پشتِ مصطفیٰؐ ہے واں رُوئے مصطفیٰؐ

اے کاہشِ گناہ ، سبک کر مجھے کہ میں
جنبش ہے ہر نفس کی اڑوں سوئے مصطفیٰؐ

اک پاؤں فرشِ خاک پہ اک فرقِ عرش پر
ہیں دو جہاں کی پشت دو زانوئے مصطفیٰؐ

مفتِ نظارہ کوچۂ جنّت کی دید ہے
وقفِ اشارہ ہے خمِ ابروئے مصطفیٰؐ

معراج ، اوجِ وہم سے کیونکر نہ ہو بلند
ہے نورِ عرش سایۂ مشکوئے مصطفیٰؐ

کیا تاب آفتاب نہ ہو سردِ عرش میں
ہے جلوہ ریز مہر دہاں روئے مصطفیٰؐ

کیا ہوں گے ہم ضیافتِ جنت سے شادماں
بھولے نہیں ہیں خلقِ علیؑ خوئے مصطفیٰؐ

اھلِ حساب پوچھتے ہو کیا قلق کا حال
ہاں رند ہے مگر ہے ثنا گوئے مصطفیٰؐ

اسیر لکھنوی

المتوفی : ۱۸۸۲ء

کب تک رہیں ہم خستہ جگر یا شہِ لولاک
لو جلد غریبوں کی خبر یا شہِ لولاک

اللہ کی بھی چشمِ عنایت ہے اسی پر
جو تم کو ہے منظورِ نظر یا شہِ لولاک

سب خلقِ خدا آپؐ کے ہے تابعِ فرمان
جن ہوں کہ ملک ہوں کہ بشر یا شہِ لولاک

ان دو کے سوا کون سہارا ہے ہمارا
یا شاہِ نجف لیں گے خبر یا شہِ لولاک

تم چاہو تو خورشید بھی ہو خاک کا ذرّہ
تم چاہو تو قطرہ ہو گہر یا شہِ لولاک

گر باعثِ ایجادِ فلک آپ نہ ہوتے
ہوتے نہ یہ خورشید و قمر یا شہِ لولاک

ممکن ہی نہیں تیغِ غمِ دہر سے بچنا
لطف آپ کا لیکن ہے سپر یا شہِ لولاک

لاکھوں پہ ہزاروں پہ کیے آپ نے احساں
کچھ کچھ تو توجہ ہو ادھر یا شہِ لولاک

یہ سیل بغیر آپ کے کیونکر کوئی روکے
دریا ہیں مرے دیدۂ تر یا شہِ لولاک

ہے سخت مصیبت میں اسیرِ جگر افگار
للہ عنایت کی نظر یا شہِ لولاک

احمد حسن رسوا

المتوفی : ۱۸۸۲ء (اندازاً)

خوش آتا ہے مجھے اب مشغلہ نعتِ محمدؐ کا
نہیں آتا ہے ڈھب مطلق سلاطیں کی خوشامد کا

گلِ گلزارِ جنت کا ہوا ہے رنگ رو پھیکا
ہوا ہے گوش زد جب سے کہ ذکر اس عارض و خد کا

گل گلزار کنعاں کو ہے فکر غنچہ کی سچپا
ٹھکانا ہے کوئی اس کے جمال و حسن بے حد کا

قد و قامت پہ ان کی حضرتِ آدم ہوئے شیدا
خلیل اللہ کو ہے عشق آتشیں رخسار احمدؐ کا

نہ کیوں حیرت میں آئیں دیکھ ان کو حضرت موسیٰؑ
ہے اس کا روئے روشن آئینہ دیدارِ ایزد کا

خیال ہمسری زیبا نہیں طوبیٰ کو اُس قد سے
ہوا ہے اور نہ ہوگا کوئی بھی اس قامت و قد کا

سفیدی اور سیاہی پر ہے حکم اس چشمِ حق بیں کا
خدا کے حکم سے مالک ہے وہ ابیض و اسود کا

نہ جب تک اس کے سنگِ آستاں کو دے کوئی بوسہ
ہے بے سود اس کے حق میں بوسہ لینا سنگِ اسود کا

ہمیشہ گنبدِ چرخِ بریں چکر میں ہے یعنی
خوش آیا ہے طواف اس روضۂ عالی کے گنبد کا

ہوا جو منحرف تیرے درِ دولت سے یا حضرت
خطاب اس کو ملا کونین میں مردود و مرتد کا

غلامی میں تری داخل ہوا جو اے شہِ والا
تو پائے خواجگی اور ہو گیا مقبول ایزد کا

خلاصی دار و گیرِ حشر سے ہو مجھ کو یا مولا
وسیلہ ہے تو محشر میں ہر آزاد و مقید کا

مصائب سے دو عالم میں بچانا اپنے رسوا کو
ذریعہ ہے تو ہی شاہا مرے عیشِ مخلد کو

صابر دہلوی

المتوفی : ۱۸۸۲ء

خدا مادح خود ذاتِ محمدؐ کی ہے عظمت کا
خدا اگر دے زباں اپنی تو ہے لطف اس کی مدحت کا

ہُوئی ہیں ختم تجھ پر خُوبیاں ساری خدائی کی
ظہور اُس پر ہے تکمیل ہے مہرِ نبوت کا

رکھا اک حرفِ حمد اور اس پر میم منتخب لکھا
محمدؐ نام رکھا حمد سے خالق نے حضرت کا

تجھی سے خاص اپنے ذات کی منظور تھی نسبت
یہ معنی تھے کہ آدمؑ کو بنایا اپنی صُورت کا

رسالت کے سبب سے مرتبہ اوروں نے پایا ہے
تو وہ ہے تیرے باعث سے بڑھا رتبہ رسالت کا

نہیں سایہ پہ سائے میں ترے پلتے ہیں دو عالم
یہ ادراک میں آیا نہ دامن تیری قدرت کا

ملی ہے راہ سیدھی رہنمائی کے سبب تیری
وگرنہ مارِ ارقم پیچ تھا راہِ ضلالت کا

ہوئی قفلِ دہانِ حیرت تری مدحت سرائی میں
ہوا ہے بازوئے فکر پر درلاکھ دقت کا

پہنچتی ہے اسی سے منزلِ مقصود کو اُمّت
زہے رتبہ یہ رستہ صاف ہے تیری شریعت کا

تو وہ فخرِ دو عالم کہ اگر چرخِ چہارم سے
کریں گے عیسیِٔ مریمؑ تتبع تیری سُنّت کا

نہیں کچھ غم جو دامن لوثِ عصیاں سے ملوّث ہو
کہ بحرِ بے کراں ہے موجزن تیری شفاعت کا

بگاڑا ہے انہیں نے تو بنا دے بات کو میری
کہ جن کفّار کو انکار ہے تیری نبوّت کا

تو صدقہ اپنی عزّت کا وہی پھر مجھ کو عزّت دے
وہی پھر مجھ کو نعمت دے تصدق اپنی نعمت کا

ہمہ تن گر زباں میں ہوں نہ ہو یہ شکر ادا مجھ سے
کہ نام آیا ہے مجھ عاصی پہ صابر اس کی اُمّت کا

لطف بریلوی

المتوفی : ۱۸۸۲ء

ازل میں جوش پر آیا جو دریا اس کی رحمت کا
سرِ احمدؐ پہ رکھا تاج عالم کی شفاعت کا
ہوا جلوہ جو عالمگیر نورِ روئے حضرت کا
منور ہوگیا عالم نشاں پایا نہ ظلمت کا
محمد انجمن آرا ہے ایوانِ رسالت کا
چراغِ طور اک جلوہ ہے اس کی شمعِ خلوت کا
ضیاء چشم موسیٰ نور ہے حضرت کی صورت کا
ارادہ نقشِ پا سے ہے یدِ بیضا کو بیعت کا
بڑھا اللہ رتبہ کس قدر شانِ نبوت کا
کہ فرزندانِ احمدؐ کو ملا درجہ شہادت کا
دلیلِ کعبہ مقصد ہے گم راہانِ حرماں کو
شفیع روزِ محشر ہے گنہگارانِ اُمت کا
نظارہ سے بھر آتا دیدۂ خورشید میں پانی
سرِ حضرت پہ گر رہتا نہ سایہ ابرِ رحمت کا
ہر اک چشمہ انہیں کے فیض کا دُنیا میں جاری ہے
سخاوت کا شجاعت کا، ہدایت کا، عبادت کا
الٰہی خاکروبی مجھ کو اس کے در کی حاصل ہو
کہ جبریلؑ امیں جاروب کش ہے جس کی تربت کا
مشرف کر مشرف کر خداوندا
بھرا ہے شوق دل میں لُطف کی ان کی زیارت کا

مُحمد اقبال خان حسین عاشق دہلوی

المتوفی : دور ۱۸۸۳ء

الحمد اللہ کا محبُوب ہوا خُوب ہوا
رنگ میں رنگ ملا خوب ہوا خوب ہوا

چشمِ باطن ہمیں مرغوب ہوئی خوب ہُوئی
دلِ حق بھی ہمیں مطلوب ہوا خوب ہوا

پردہ حائل نہ رہا طالب و مطلوب میں کچھ
قربتِ حق کا یہ اسلوب ہُوا خُوب ہوا

فخرِ آدمؑ بھی ہوا فخرِ دو عالم بھی ہُوا
تجھ سا محبوب جو مرغوب ہُوا خُوب ہوا

سُرمہ حسن خُداداد جو یوسفؑ کو مِلا
نورِ بینائی یعقوب ہوا خُوب ہوا

بے قراروں سے تمہارے نہ کبھی ہو سکتا
صبر پیدا پئے ایوب ہوا خُوب ہوا

میں نہ پیدا ہوا پہلے یہ کرم حق نے کیا
تیری اُمّت ہی میں منسوب ہُوا خُوب ہوا

کلمہ حشر میں پڑھتا ہوا اُٹھا عاشق
ساری خلقت میں نہ محجوب ہوا خوب ہوا

مولوی عصمت اللہ انسخ

المتوفی : ۱۸۸۶ء

دامِ تزویرِ شیاطیں سے رہا ہو جائے گا
جو کوئی پابندِ شرعِ مصطفےٰ ہو جائے گا

وہ گلِ رحمت جدھر جلوہ فزا ہو جائے گا
عطر آگیں سر بسر وہ راستا ہو جائے گا

موجزن جب آپ کا بحرِ سخا ہو جائے گا
ہمسرِ سلطانِ جہاں میں ہر گدا ہو جائے گا

ہم فقیروں پر جو لطفِ مصطفےٰ ہو جائے گا
مسندِ شاہی ہمارا بوریا ہو جائے گا

ناخنِ الطافِ حضرت بر سرِ امداد ہے
عقدۂ مشکل ہمارا آج وا ہو جائے گا

آپ کا قصرِ معلیٰ ہے سعادت سے بھرا
زاغ گر بیٹھا وہاں اڑ کر ہما ہو جائے گا

سرد ہو جائے گی یکسر حشر میں نارِ سقر
رونق افزا تو جو اے ابرِ عطا ہو جائے گا

ہے یقیں طوفانِ محشر سے نہ پہنچے گا ضرر
کشتیٔ امت کا جو تو ناخدا ہو جائے گا

اللہ اللہ کس قدر خاطر تری منظور ہے
تو جدھر ہو گا، ادھر وہ کبریا ہو جائے گا

دور سے کمتر وہ سمجھے گا سلیماں کو شہا
تیرے منتے سے جو واقف اک ذرا ہو جائے گا

مو بمو لکھیں گے وصفِ موئے پاکِ مصطفےٰ
واسطے منکر کے ہر شعر اژدہا ہو جائے گا

خطِ سبزِ مصطفےٰ کا وصف گر لکھیں گے ہم
گلشنِ فکرِ رسا اپنا ہرا ہو جائے گا

یک قلم نورِ ولا سے مہرِ دیں کے فیض سے
خانۂ دل اپنا انسخ پُرضیا ہو جائے گا

محمّد شجاع الدّین

المتوفی : دور ۱۸۸٦ء

کوئی ھم نے محمّد سا نہ پایا
خدا نے بھی کوئی ویسا نہ پایا

کبھی مقبول حق مرسل ہیں لیکن
کسی نے آپؐ کا پایا نہ پایا

خدا نے دیکھی سب مخلوق اپنی
مگر کوئی محمّد سا نہ پایا

نہ پایا جس نے آنحضرت کو واللہ
کہیں ھم نے پتا اس کا نہ پایا

بہت دیکھے گئے ہیں سرو شمشاد
مگر تجھ سا قدو بالا نہ پایا

مَیں سمجھا آپ تو ہیں سایۂ حق
اسی سے آپ کا سایا نہ پایا

شجاع الدین بجز راہِ محمّدؐ
مرے دل نے کوئی رستہ نہ پایا

حافظ حضور احمد خاں آثم

المتوفی : دور ۱۸۸۶ء

مدت سے ہوں الٰہی! میں بیمارِ مصطفےٰ ہو اب نصیب شربتِ دیدارِ مصطفےٰ
اس کی نظر میں روشنیٔ مہر کچھ نہیں دیکھا ہے جس نے جلوۂ رخسارِ مصطفےٰ
گلگشت میں وہاں کی نہ کیونکر بہار ہو جنت سے بڑھ کے ہے کہیں گلزارِ مصطفےٰ
رہتا ہوں دردِ ہجر سے گو بے قرار میں لیکن پسند دل کو ہے آزارِ مصطفےٰ
صالح وہ ہیں جو شان فضیلت کے ہیں مقر وہ ہیں شقی جو کرتے ہیں انکارِ مصطفےٰ
کیا دھوپ مہرِ حشر کی ان کو ستائیگی جن پر پڑا ہے سایہ دیوارِ مصطفےٰ
آثم کی ہے دعا کہ الٰہی قبول ہو
گو نعت یہ نہیں ہے سزاوارِ مصطفےٰ

(۲)

یارب میں مدح خواں ہوں محمدؐ کی ذات کا عاصی ہوں پر نہ کیوں ہو وسیلہ نجات کا
کیا شکر میں کہوں لبِ شیریں شاہ کو کچھ پوچھئے نہ بات مزا کیا نبات کا
اللہ بخش دے گا گنہ اس کے سر بسر پابند دھر میں ہے جو صوم و صلوٰت کا
کیوں شاعروں میں نام نہ میرا بلند ہو لکھتا ہوں وصف اس شہِ عالی صفات کا
پھیلی تھی روشنی شبِ معراج اس قدر دن سے بھی ہو گیا تھا سوا جلوہ رات کا
آثم کی یہ دعا ہے کہ ہو خاتمہ بخیر
معلوم اس کو حال نہیں ہے ممات کا

فیض الحسن فیضؔ سہارنپوری

المتوفی : ۱۸۸۷ء

ترا رتبہ ہے یا احمدؐ مقام اللہ اکبر کا
تری رُتبہ شناسی رُتبہ ہے بیچون داور کا

وہ طوبیٰ جس کا چرچا ہے ستوں ہے تیری مسجد کا
وہ جنّت جس کی شہرت ہے نمونہ ہے ترے گھر کا

تمنّا ہے کہ اک اک بال کی سو سو بلائیں لوں
جو نقشہ ہاتھ آ جائے تری زلفِ معنبر کا

تمنّا ہے کہ کانٹوں پر ترے صحرا کے جا لوٹوں
رگِ مجنوں کو پھر سودا ہوا ہے نوکِ نشتر کا

ہمیں رونے سے کیا نسبت مگر جب تیرا نام آئے
تو کچھ نقشہ بدل جاتا ہے اپنے دیدۂ تر کا

بُرا ہوں یا بھلا ہوں خیر جیسا ہوں تمہارا ہوں
طریقہ ہے کریموں کا نباہنا اپنے چاکر کا

وہ ضعفِ ناتوانی ہے کہ مُرغ نیم بسمل بھی
یہ کہتا ہے چلو دیکھیں تماشا فیضِ مضطر کا

نواب کلب علی خان نوابؔ

المتوفی : ۱۸۸۷ء

اللہ رے ذوق مدحتِ پروردگار کا
عالم زبان میں ہے دل بے قرار کا

زائر ہوں روضۂ شہِ رفرف سوار کا
قبلہ ہوں اس لیے میں صغار و کبار کا

ہرچند نعتِ سرورِ کونین ہے محال
پر کام لوں گا جبر سے میں اختیار کا

برتر ہو نہ فلک سے مرے شعر کی زمیں
لکھوں جو وصف پنجتن و چار یار کا

اصحاب و اہلبیت پہ قربان ہو جو روح
آغوشِ حور کیوں نہ ہو گوشہ مزار کا

مخدوم ہے ملائکہ آسمان کا
خادم ہے جو ائمہ عالی تبار کا

زلفِ نجات سلسلۂ نقش بند ہے
ہے جس کی بو سے رنگ عیاں وصلِ یار کا

پیرانِ سہروردی و چشتی و قادری
قاسم ہر ایک ان میں ہے فردوس و نار کا

اتنے وسیلے جس کے ہوں نوابؔ پھر اُسے
اندیشہ کیا ہے پرسشِ روزِ شمار کا

سرور لاہوری

المتوفی : ۱۸۹۰ء

الٰہی جلد تر روضہ ہمیں دکھلا محمدؐ کا
کہ ہے جنّت کے روضہ سے بھلا روضہ محمدؐ کا

نہ حاصل مہرِ تاباں کو ہُوا رُتبہ محمدؐ کا
ملا عرشِ بریں کو بھی نہیں پایہ محمدؐ کا

زباں سے پڑھ دیا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ اس نے
رُخِ پر نور جس نے آنکھ سے دیکھا محمدؐ کا

زمین و آسماں اور چاند سورج عرش و کرسی
ظہور اس عالمِ ہستی میں ہے سارا محمدؐ کا

بنا ان گنت موتی ان میں اک ایک قطرے سے
زمیں پر فیض کا بادل جدھر برسا محمدؐ کا

رسُول اللہ کا محبُوب مقبولِ الٰہی ہے
وہی پیارا خدا کا ہے جو ہے پیارا محمدؐ کا

محمدؐ کا ہوا ہے فیض جاری قطرے قطرے سے
ہوا ہے ذرے ذرے سے عیاں جلوہ محمدؐ کا

نبیؐ کے عاشقِ صادق، خدا کے دوست جتنے ہیں
خدا کا نام رکھتے ہیں زباں پر یا محمدؐ کا

کہیں فرشِ زمیں پر شمع روشن ہے محمدؐ کی
کہیں عرشِ بریں پر نور جا چمکا محمدؐ کا

عزیزو گر صفائی چاہتے ہو اپنے باطن کی
بصدقِ دل کرو وردِ زباں کلمہ محمدؐ کا

نہ پہنچا سرورانِ ملک دیں سے کوئی بھی سرورؔ
قدم معراج میں جس اوج پر پہنچا محمدؐ کا

مولانا اِمداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ

المتوفی : ۱۸۹۲ء

کر کے نثار آپ پر گھر بار یا رسُولؐ
اب آ پڑا ہوں آپ کے دربار یا رسُولؐ

عالم نہ متقی ہُوں نہ زاھد نہ پارسا
ہوں اُمتی تمہارا گنہ گار یا رسُولؐ

دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا
کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خوار یا رسُولؐ

ذات آپ کی تو رحمت و شفقت ہے سربسر
میں گرچہ ہوں تمام خطاوار یا رسُولؐ

کیا ڈر ہے اس کو لشکرِ عصیان و جرم سے
تم سا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسُولؐ

ہو آستانہ آپ کا اِمداد کی جبیں
اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسُولؐ

صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

سیّد محمّد سلطان عاقل حیدرآبادی

المتوفی : ۱۸۹۲ء

حدِ امکاں سے باہر ہے یہاں جاہِ محمدؐ کا
کہ دورِ ہر دو عالم حاشیہ ہے اس کی مسند کا

کیے جب صرف حد بندی عناصر دونوں عالم کے
کھچا قدرت سے خاکہ آپ کے قصرِ مشیّد کا

ملے جب مِل کے دونوں لب، ملی کونین کی دولت
دہانِ پاک میں نقشہ ہے سارا میمِ مقصد کا

رُخِ انوار کے پرتو کا جو ہو سرگرم نظارہ
تو فوراً دیدۂ خورشید ہو ہم چشم مُرمد کا

بساطِ حشمتِ کونین گویا مبتدا ٹھہری
خبر ہے مسندِ حضرت کو نقشہ ہے وہ مسند کا

کشودِ کارِ عالم حصر اس سرگشتہ پر ہوئی
مگر اک فرق ہے گردونِ دوں کو طوفِ مرقد کا

سرافرازی ہے دانش مند کو پاتے محمدؐ سے
قدم کا حرف آخر تاجِ سر ہے لفظِ موبد کا

ہوئی منظور جب کتمِ عدم سے جلوہ پیرائی
رہا چڑھتے فلک پہ مہر بن کر سایہ احمدؐ کا

جو ہو پرتو فگن یہ صبحِ رُخ تربت میں عاقل کی
تو شرقیِ مہر ہو ہر ایک ذرہ صحنِ مرقد کا

مولوی محمّد حسین تمنّا مرادآبادی

المتوفی : ۱۸۹۷ء

جس نے اک قطرہ عطائے شہِ دیں کا دیکھا اس نے کونین کے انعام کا دریا دیکھا

جس نے اُس شاہ کا وہ چہرۂ زیبا دیکھا صنعت خاص الٰہی کا تماشا دیکھا

حسن سیمائے نبیؐ کا ہُوا جلوہ جس جا مثلِ خورشید ہر اک ذرہ چمکتا دیکھا

طورِ سینا کی تجلی ہے مگر ٹھنڈی ہے حسنِ حضرتؐ میں یہ اک اور اچنبا دیکھا

نظرِ مہر پھسل جاتی ہے اس چہرے سے اس طرح کا نہ کوئی روئے مصفا دیکھا

نہ رہا عطرِ گلِ خلد کا پھر شوق اس کو جس نے ان سرورِ عالم کا پسینا دیکھا

عارضِ حورِ جناں دیکھ لیا دُنیا میں جس نے اُن شاہ کا وہ حسن کفِ پا دیکھا

دیکھا ان شاہ کو کرتے ہوئے باتیں جس نے چشمۂ عرفانِ الٰہی کا اُبلتا دیکھا

دیکھا جس شخص کو حضرت نے ہرا وہ عالم خلق میں دیکھنا ایسا کہو کس کا دیکھا

رہ کے معمورۂ دنیا میں تمنّا تم نے
گر مدینہ ہی نہ دیکھا تو بھلا کیا دیکھا

میر اعظم علی خان شائق حیدر آبادی

المتوفی : ۱۸۹۷ء

احمدِ پاک پہ مائل نہ ہُوا تھا سو ہوا
دل مرا عشق میں کامل ہوا تھا سو ہوا

شبِ معراج عرب سے یہ کھلا راز ہمیں
اب سے ایسا کوئی واصل نہ ہوا تھا سو ہوا

خواب میں رویتِ احمدؐ ہوئی سبحان اللہ
محفلِ پاک میں داخل نہ ہوا تھا سو ہوا

ہر تجلی رخِ حضرت کی یہاں ہے ظاہر
ہم سرِ طور مرا دل نہ ہوا تھا سو ہوا

کون سے چاند کے ٹکڑے نے کیا دو ٹکڑے
دل شکستہ مہِ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

ہجر میں وصلِ نبیؐ کا جو مجھے لطف آیا
میں تصور کا جو قائل نہ ہوا تھا سو ہوا

کیوں نہ انساں کو ظلوماً وجہولا سمجھیں
کوئی یوں بار کا حامل نہ ہوا تھا سو ہوا

یادِ شمشیرِ نگاہِ نبوی ہے دل کو
شکر اللہ کا بسمل نہ ہوا تھا سو ہوا

آج محروم پھرا اس کو نہ دروازے سے
تیرا شائق کبھی مائل نہ ہوا تھا سو ہوا

منشی حسن عطا شوق

المتوفی : ۱۹۰۰ء

زہے قسمت کہ میں مداح ہوں ختمِ رسالت کا
ہوا عالم میں عالمگیر شہرہ میری ہمت کا

ہوئی تھی نعت سے روزِ ازل میں رنگ آمیزی
سرِ لوح و قلم نقشہ کھنچا جب میری قسمت کا

جمالِ حق یہ چشمِ کور منکر کب نظر آوے
مسبب اور سبب مطلق تو ہی ہے عین خلقت کا

ترے تسخیرِ حسنِ دلربا کا نقش جب بیٹھا
اُٹھا یک دست کل عالم سے قبضہ دستِ قدرت کا

نہ کیوں ساری وہ ہو چودہ طبق کی ہر رگ و پے میں
ہے نیرا جلوۂ اوّل خاص حضرت کا

سنا کر کُنت کنزاً بہر اثبات سبب حق نے
دکھایا شکلِ احمدؐ میں تماشا شانِ قدرت کا

بٹھا کر تختِ محبوبی پہ دیکھا تیری صورت کو
کیا صانعِ مطلق نے نظارہ اپنی صنعت کا

گھٹا ابرِ کرم کی جب اٹھی منشائے قدرت سے
ظہورِ احمدی سے کر دیا سامان رحمت کا

نہ کیوں رشکِ جناں ہر اک گلی کوچہ ہو اس شہ کا
فزوں ہے عرش سے اے شوقؔ رتبہ جس کی تربت کا

امیر مینائی لکھنوی

المتوفی : ۱۹۰۰ء

نامِ عاصی داخلِ فردِ شفاعت ہو گیا
خاتمہ بالخیر احمدؐ کی بدولت ہو گیا

مُرغِ عصیاں اُڑ کے صیدِ بازِ رحمت ہو گیا
دنگ شاہینِ ترازوئے عدالت ہو گیا

گرمیٔ خورشیدِ محشر سے ہوئی حاصل نجات
شامیانہ سر پہ میرے ابرِ رحمت ہو گیا

آلِ احمدؐ کی محبت کا چُھپا تھا دل میں خار
بڑھ کے محشر میں کلیدِ بابِ جنت ہو گیا

جم گیا تھا دل میں جو مشقِ معاصی سے غبار
سرمہ بہرِ دیدۂ عینِ عنایت ہو گیا

واہ ری رحمت جو رکھا پاؤں بالائے صراط
دستگیری امن نے کی خوف رخصت ہو گیا

جس عَلَم کے نیچے پائی فیضِ احمدؐ سے جگہ
میری بے جرمی پہ انگشتِ شہادت ہو گیا

دفعتہً صورت بدل کر بن گئی امید یاس
خارزارِ رنج فرشِ خوابِ راحت ہو گیا

راستہ تھا اوّل منزل جو ناہموار پیش
رفتہ رفتہ نردبانِ بامِ رفعت ہو گیا

قصرِ یاقوت زمرد کی ہوئی آساں خرید
باغِ جنت کا قبالہ داغِ محنت ہو گیا

تشنگی میں کوثر و تسنیم کے چشموں پہ ہم
اس طرح پہنچے کہ رضواں غرقِ حیرت ہو گیا

صبحِ محشر جلد چھٹکارا ملا ہم کو امیر
مہر کیا چمکا کہ تاباں نجمِ قسمت ہو گیا

زکی دہلوی

المتوفی : ١٩٠٣ء

زکیؔ آئینہ توحید روئے مصطفیٰ دیکھا
اس آئینہ میں رنگِ جلوۂ نورِ خدا دیکھا

غلافِ کعبہ میں جس نور کا لمعہ چھپا دیکھا
مدینہ میں وہی چشمِ یقیں نے برملا دیکھا

طلسمِ حسنِ لاثانی نبیؐ کی شکل و صورت تھی
جمالِ عالم آرا دیکھ کر کیا کہیے کیا دیکھا

خرامِ باسعادت کو کمالِ رہبری پایا
چراغِ نقشِ پا کو گمرہوں کا رہنما دیکھا

علوِ منزلت نیرنگِ سبحان الذی اسریٰ
کمالِ مرتبت اکملت اتممت سنا دیکھا

شفاعت حضرتِ آدمؑ کی اسمِ پاک پر ٹھہری
غلط کیا ہے اگر کہیئے کہ فخرِ انبیا دیکھا

شفیعِ عاصیاں ہیں آپ کہہ دیتا ہوں میں اب سے
نہ چھوڑوں گا سرِ دامن کو جب زیرِ لوا دیکھا

شبِ معراج یارب کس تجمل کی سواری تھی
ملائک میں بہم یہ شور تھا صلِّ علیٰ دیکھا

نبیؐ کے نور سے ادراک و علم و حس نہیں خالی
یہ جلوہ سینہ و دل سے نظر تک جا بجا دیکھا

قبائے گل میں بوئے جانفزائے جسمِ اطہر ہے
ہو لائے چمن نیرنگیِ بادِ صبا دیکھا

وہی محسودِ شاہاں تھا، وہی ممدوحِ دوراں تھا
یہاں کا جو حزیں پایا یہاں کا جو گدا دیکھا

صفاتِ عالیہ افزوں ہیں حد سے مختصر یہ ہے
سراپا شرف شمس الضحیٰ بدر العلیٰ دیکھا

جو اس سایہ میں آیا نارِ دوزخ ہے حرام اس پہ
سحابِ لطفِ یزداں ظلِ دامانِ قبا دیکھا

کلیم اللہ و روح اللہ حق کے برگزیدہ تھے
یہاں تھا خاص جلوہ جس کو محبوبِ خدا دیکھا

رہِ رشد و ھدیٰ شہرِ رسول اللہؐ کو پایا
نبیؐ کے آستاں کو مطلعِ نور و ضیا دیکھا

وہ اعلیٰ مقصدِ مفہومِ کن یہ ذاتِ اقدس تھی
کہ جس کے واسطے چشمِ جہاں نے ماسوا دیکھا

وحوشِ دشت آویزاں ہوئے مولیٰ کے دامن میں
ظہورِ شانِ رحمت کا زکیؔ یہ اقتضا دیکھا

مجروح دہلوی

المتوفی : ۱۹۰۳ء

وصف کیا ہو بیاں محمدؐ کا
ہے خدا مدح خواں محمدؐ کا

عرش اس کو سمجھ نہ روحِ امینؑ
یہ تو ہے آستاں محمدؐ کا

تھی زمیں عرش کی نہ ہم پہلو
سایہ پڑتا کہاں محمدؐ کا

حاملِ عرش بھیجتے ہیں درود
نام آیا جہاں محمدؐ کا

بات میں مردہ کو جِلاتا ہے
لب معجز بیاں محمدؐ کا

ہے بہت کہنہ ورنہ کہتے ہیں
فرش ہے آسماں محمدؐ کا

ہوا آہن گدازِ قلبِ عرب
معجزہ ہے بیاں محمدؐ کا

باہمہ قربِ حق ہے رُوحِ امینؑ
خادمِ آستاں محمدؐ کا

ہے وہ رازِ نہاں کا گنجینہ
حال ہو گیا عیاں محمدؐ کا

ہے وہ ذاتِ خدا میں مستغرق
حق ہے جو ہے بیاں محمدؐ کا

بال جلتے ہیں واں فرشتوں کے
ہے گذرگہ جہاں محمدؐ کا

فخر بس ہے یہی کہ اے مجروحؔ
تو ہوا مدح خواں محمدؐ کا

داغ دہلوی

المتوفی : ۱۹۰۵ء

کرو غم سے آزاد یا مصطفیٰؐ
تمہیں سے ہے فریاد یا مصطفیٰؐ

نہ پامال مجھکو زمانہ کرے
نہ مٹی ہو برباد یا مصطفیٰؐ

زباں پر ترا نام جاری رہے
کرے دل تری یاد یا مصطفیٰؐ

نہ چھوٹے کبھی مجھ سے راہِ صواب
نہ ہو ظلم و بیداد یا مصطفیٰؐ

عطا مجھکو اللہ ہمت کرے
بجا لاؤں ارشاد یا مصطفیٰؐ

مجھے گھیر رکھا ہے امراض نے
مٹے ان کی بنیاد یا مصطفیٰؐ

مجھے رات دن فکر ہے قرض کی
اسی سے ہوں ناشاد یا مصطفیٰؐ

رہوں حشر میں آپ کی ذات سے
طلبگارِ امداد یا مصطفیٰؐ

عنایت کی ہو جائے اس پر نظر
رہے داغؔ دل شاد یا مصطفیٰؐ

داغ دہلوی

المتوفی : ۱۹۰۵ء

مَیں کلمہ گو ہوں خاص خُدا و رسُول کا
آتا ہے بامِ عرش سے مژدہ قبول کا

وہ پاک بے نیاز تجسّم سے ہے بری
محتاجِ فوق و تحت، نہ وہ عرض و طول کا

انسان سے بیاں ہوں کیونکر صفات ذات
ایسا کہاں ہے ذہن ظلوم وجہول کا

دونوں جہاں میں بوے محمدؐ ہے عطر بیز
کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا

صلِّ علیٰ ہے نامِ محمدؐ میں کیا اثر
درماں دلِ علیل و حزین و ملول کا

طاعت خدا کی اور اطاعت رسُول کی
یہ ہے طریق، دولتِ دیں کے حصُول کا

یہ داغ ہے صحابۂ عظام کا مطیع
یہ داغ جاں نثار ہے آلِ رسُول کا

عالمگیر خان کیف

المتوفی : ۱۹۰۶ء

ہے گرم دو عالم میں بازار محمدؐ کا
کونین میں چلتا ہے دینار محمدؐ کا

محبوبِ خدا کو تم اور دیکھ لو بے پردہ
دشوار ہے اے موسیٰؑ دیدار محمدؐ کا

معراج کی شب کیا تھی خلوت تھی محمدؐ کی
ہنگامۂ محشر ہے دربار محمدؐ کا

اللہ کی بے مرضی کب بات کسی سے کی
اقرارِ خدا نکلا اقرار محمدؐ کا

پردہ رُخِ انور کا اک پردۂ وحدت ہے
آئینۂ خالق ہے رخسار محمدؐ کا

خلّاقِ دو عالم تو پیارا ہے محمدؐ پر
اور امّتِ عاصی پر ہے پیار محمدؐ کا

جاروب کش اُس در کا اعلیٰ سے بھی اعلیٰ ہے
اچھوں سے بھی اچھا ہے بیمار محمدؐ کا

جس نے کہ اُنہیں جانا اللہ کو پہچانا
دیدار خدا کا ہے دیدار محمدؐ کا

تقریر ہے مستانہ ہے ہاتھ میں پیمانہ
یہ کیف ہے دیوانہ سرشار محمدؐ کا

محمّد آغا داؤد صحو ابو العلائی

المتوفی : ۱۹۰۶ء

مرا دل ہے محو جمالِ محمّد
وصالِ خدا ہے وصالِ محمّد
یہی کہہ رہا ہے مرا دل عزیزو
خیالِ خدا ہے خیالِ محمّد
ہوا جس کے باعث دو عالم ہے پیدا
یہاں ہم کریں کیا کمالِ محمّد
نہ تھے جن و انسان زمیں آسماں جب
ہُوا ہے ظہورِ جمالِ محمّد
دلِ مردہ ہوتے ہیں اک دم میں زندہ
ہے معجز بیاں کیا مقالِ محمّد
ہُوا ہُوں مَیں اے صحو سو جان و دل سے
فدائے محمّد و آلِ محمّد

حسن بریلوی

المتوفی : ۱۹۰۸ء

نگاہِ لطف کے اُمیدوار ہم بھی ہیں
لیے ہوئے یہ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں

ہمارے دستِ تمنّا کی لاج بھی رکھنا
ترے فقیروں میں اے شہریار ہم بھی ہیں

ادھر بھی توسنِ اقدس کے دو قدم جلوے
تمہاری راہ میں مشتِ غبار ہم بھی ہیں

کھلا دو غنچۂ دل صدقہ بادِ دامن کا
امیدوارِ نسیمِ بہار ہم بھی ہیں

تمہاری ایک نگاہِ کرم میں سب کچھ ہے
پڑے ہوئے تو سرِ رہ گزار ہم بھی ہیں

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

یہ کس شہنشہِ عالی کا صدقہ بٹتا ہے
کہ خسروؤں میں پڑی ہے پکار ہم بھی ہیں

ہماری بگڑی بنی ان کے اختیار میں ہے
سپرد انہیں کیے سب کاروبار ہم بھی ہیں

حسنؔ ہے جن کی سخاوت کی دھوم عالم میں
انہیں کے تم بھی ہو اک ریزہ خوار ہم بھی ہیں

مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی

المتوفی : ۱۹۰۸ء

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر
سُوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر

سرگزشتِ غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے در پر جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر

بے لقائے یار ان کو چین آ جاتا اگر
بار بار آتے نہ یوں جبریل سدرہ چھوڑ کر

کون کہتا ہے دلِ بے مدعا ہے خوب چیز
میں تو کوڑی کو نہ لوں ان کی تمنا چھوڑ کر

مر ہی جاؤں میں اگر اس در سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمارِ غم قربِ مسیحا چھوڑ کر

کس تمنا پر جئیں یا رب اسیرانِ قفس
آ چکی بادِ صبا باغِ مدینہ چھوڑ کر

بخشوانا مجھ سے عاصی کا روا ہو گا کسے
کس کے دامن میں چھپوں دامن تمہارا چھوڑ کر

حشر میں اِک اِک کا مُنہ تکتے پھرتے ہیں عدو
آفتوں میں پھنس گئے ان کا سہارا چھوڑ کر

مر کے جیتے ہیں جو ان کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

نسیم بھرت پوری

المتوفی : ۱۹۰۹ء

جدھر دیکھا اُدھر پایا نشاں تیری جلالت کا
ہر اک شے میں نظر آیا ہے جلوہ تیری قدرت کا

بھروسا ایک مجھ کو ہی نہیں تیری شفاعت کا
بڑا تکیہ ہے تجھ پر سب گنہ گارانِ امت کا

نہیں کچھ خوف مجھ کو حدتِ روزِ قیامت کا
بنے گا سایۂ طوبیٰ تصوّر تیری قامت کا

تنِ اطہر ترا ہے وحدتِ اللہ کا شاہد
یہی تو وجہ ہے سایہ نہ تھا جو تیری قامت کا

نہ پایا بہرِ تضمیں سایۂ قامت تو ہم سمجھے
ہے دیوانِ ازل میں فرد مصرعے تیری قامت کا

زہے صنعت بنایا پنجتن کو نورِ واحد سے
دکھایا لطف صانع نے عجب وحدت میں کثرت کا

گناہوں سے مجھے خجلت ہوئی رحم آگیا اس کو
ہوا ابرِ کرم مجھ کو عرق روئے ندامت کا

خداوندا سوئے ملکِ عدم آیا ہوں ہستی سے
فسانہ عالمِ امکاں میں سُن کر تیری رحمت کا

نہ تھا جب کچھ تو تُو تھا، کچھ نہ ہوگا جب تو تُو ہوگا
پتہ پھر کیا چلے تیری بدایت کا نہایت کا

قدم پھر کوئی کیا رکھے تری وادیِ عرفاں میں
کہ جب ہو ماعرفنا قول خود خضرِ طریقت کا

خوشا قسمت فنا میں ہے انہیں لطفِ بقا حاصل
ہے اللہ اللہ کیا رتبہ شہیدانِ محبت کا

وہ سینہ باغ ہے پُر ہو جو تیرے داغِ الفت سے
وہ دل گُل ہے کہ جس میں خار ہو تیری محبت کا

شرف کعبہ نے پایا ہے ید اللہ کی ولادت سے
ہے بیت اللہ مطلع مطلعِ مہرِ امامت کا

زوال اب کفر پہ آیا کہا ہنس کر ہمبیر نے
قدم دنیا میں جب آیا مرے خضرِ طریقت کا

نسیم اب نانِ جَو کھا کر کرو شکرِ خدا ہر دم
کہ حیدرؑ سے چلا آتا ہے یہ ترکہ قناعت کا

جلال لکھنوی

المتوفی : ۱۹۰۹ء

دمِ عیسیٰ نے ہر سو دم بھرا ہے عشقِ احمدؐ کا
کلیم اللہ بھی پڑھتے رہے ہے کلمہ محمدؐ کا

بجسے کہتے ہیں خلد اک پھول ہے قبرِ محمدؐ کا
بہار باغِ کن ہی کاف و روضے کے گنبد کا

شرف کعبے کا ہے گر طواف کرنے آئے مرقد کا
تری چوکھٹ کو چومے فخر ہے یہ سنگِ اسود کا

تمنا عرش کو تھی فرشِ ایواں کا تری ہو کر
بناؤں گوشوارہ کوئی گوشہ لے کے مسند کا

جلیں کیونکر نہ پر فکرِ رسا کی نعت میں اس کی
پرِ جبریلؑ پروانہ ہو جس کی شمعِ مرقد کا

مدینے کی زمیں کو تجھ سے سرسبزی یہ حاصل ہے
غبار اٹھے تو قائم ہو فلک بن کر زبرجد کا

الٰہی ! حشر برپا کر ترے محبوب کو دیکھوں
اٹھا سکتے نہیں آنکھیں تقاضا شوقِ بے حد کا

تصور میں ملیں کس کے قدم پر پتلیاں میں نے
فرشتے بوسے لیتے ہیں گماں ہے سنگِ اسود کا

تجلی گاہِ اقدس سینۂ حور و ملائک ہے
مقام اے شاہِ خوبی صدر میں ہے تیری مسند کا

گنہ ہٹ کر کھڑے ہوں گے گنہگاروں کے محشر میں
نشاں یہ ہے شفیع المذنبیں کی آمد آمد کا

سراپا عالمِ امکاں ترا جلوہ دکھاتا ہے
ابد میں دال گیسو کی ازل میں ہے الف قد کا

نہیں خورشیدِ عالمتاب یہ چرخِ چہارم پر
کلس اُترا ہوا ہے اک ترے روضے کے گنبد کا

یہ حسرت ہے جلالؔ احمدؐ کے روضے کو اگر دیکھوں
گروں غش کھا کے پہلے ہوش ہو پھر عرضِ مقصد کا

تسلیم لکھنوی

المتوفی : ۱۹۱۱ء

عرش و کرسی جب عدم بھتے جلوہ گستر کون تھا
ساتھ خالق کے جُز نورِ پیمبر کون تھا

کیوں نہ کرتے اقتدا سب انبیا معراج میں
لائق و فائق بھلا حضرت سے بڑھ کر کون تھا

شانِ محبوبی جو دیکھی بولے قدسی عرش پر
اس ادا سے جو گیا ہے پیشِ داور کون تھا

تو ہی کہہ دے اے شبِ اسریٰ ہزاروں ناز سے
دوش پر ڈالے ہوئے زلفِ معنبر کون تھا

تابشِ خورشیدِ محشر رہ گئے منہ دیکھ کر
نام توں کیونکر ادب سے سایہ گستر کون تھا

سب بجا تھا مجھ سیہ رو کو جو فرماتے حضور
کہنے والا دوزخی شیخِ معمر کون تھا

صاف کہہ دوں گا کہ محبوبِ خدا کا ہوں غلام
قبر میں پوچھیں گے جب تیرا پیمبر کون تھا

یار ہی نے ساتھ حضرت کا دیا مشکل کے وقت
غار میں ہمراہ جز صدیقِ اکبرؓ کون تھا

رحمت للعالمیں کیوں کر نہ فرماتا خدا
حشر میں ہم عاصیوں کا یار و یاور کون تھا

جب صلہ میں نعت کے تسلیم جنت کو گیا
اہلِ محشر بولے حضرت یہ سخنور کون تھا

مولوی محمدؐ عُمر جنوں

المتوفی : ۱۹۱۱ء

محمد مصطفیٰؐ ہے خلق میں باعث ہدایت کا
شفیعِ عاصیاں مختار ہے روزِ قیامت کا

بڑے وہ سنگدل کافر تھے جو تھے آپ کے منکر
کہ پتھر کرتے تھے اقرار حضرت کی رسالت کا

لڑا ہیں کیا دمِ جنگ و جدل انصار نے جانیں
رگوں میں ان شجاعوں کے بھرا تھا خون شجاعت کا

گدائے آستاں ظلِ ہما کے کب ہوئے خواہاں
اُنہیں کافی ہے افسر آپ کے ظلِ حمایت کا

تری ذاتِ مقدس کے سوا بیت المقدس میں
کسی نے آج تک گاڑا نہیں جھنڈا امامت کا

گنہ گاروں میں آکر ہو گی شامل بے گناہی بھی
بٹے گا روزِ محشر حصہ جب تیری شفاعت کا

زمانے کی جو مجھ سے آنکھ پھر جائے تو پھر جائے
کہ ہے میری طرف گوشہ تری چشمِ عنایت کا

محبت آپ کی اک میری بخشش کیلئے بس ہے
نہیں مجھ کو بھروسا کچھ بھی تقویٰ و عبادت کا

جنوںؔ کی عرض یہ ہے خاتمہ بالخیر ہو میرا
زباں پر مرتے دم ہو یا نبیؐ کلمہ شہادت کا

وفا رام پوری

المتوفی : ۱۹۱۵ء

تو وہاں پہنچا ہے اے طائرِ اوجِ عفت
جس جگہ پڑ نہیں سکتی تھی کمندِ ہمت

اللہ اللہ رے ترے قصرِ بریں کی رفعت
جس کی ہے بامِ قضا جس کا ہے زینہ قدرت

نفسِ قدسی ترے ادراک میں کیسا عاجز
عقلِ اول کو تری کُنہ میں کیسی حیرت

نام تیرا خطِ سرنامۂ لولاک لما
حکم تیرا ہمیں اک نقشِ نگینِ قدرت

بہرِ عنوانِ نبوت ہے ترا دینِ متین
نظمِ دیوانِ رسالت ہے یہ تیری ملت

ٹھہرے جب عرشِ بریں تیرے لیے پا انداز
قابِ قوسین کی پھر کیوں نہ ہو تجھ سے زینت

انبیاء بیٹھیں ترے آگے دو زانو ہو کر
محفلِ قدس تری ذات سے والا رتبت

نغمہ خواں تیرے لیے بُلبلِ شاخِ طوبیٰ
طائرِ سدرہ بھی اک زمزمہ سنجِ عشرت

مغفرت کہنے میں جس کو وہ ترے در کی مطیع
رحمتِ حق کو ترے دستِ کرم سے بیعت

تیری خوشنودیِ خاطر ہے رضا مندیِ حق
اور رضا مندیِ حق تیری کتاب و سنت

تحفۂ خلدِ بریں تیری گلی کا رستہ
زینتِ ہشت فلک اک ترے گھر کی زینت

تیری امت کو مُبارک ہو عطائے کوثر
دشمنوں پر ترے جاری رہے حکمِ تبت

ہاں یہ سچ ہے کہ ترا وصف ہمارا مقصود
ہاں یہ حق ہے کہ تری نعت ہے اقصیٰ غایت

نام لینے پہ ترے ٹھہری ہے عالم کی نجات
وصف لکھنے میں ترے دیکھی خطائے عصمت

میں کہاں اور یہ تحریر یہ تقریر کہاں
دستِ کوتاہ میں رعشہ تو زباں میں لکنت

اے وفا دیکھ سنبھل پاؤں کہاں رکھتا ہے
جانتا ہے کہ یہ کیسا ہے محلِ عبرت

یاں سے جبریل دبے پاؤں چلے جاتے ہیں
ہے یہ میدانِ خطر ہے یہ مقامِ ہیبت

عرض کر حضرتِ اقدس میں بصد عجز و نیاز
اک یہی شعر کہ اس شعر میں ہے کیفیت

مجھ پہ ہو تیرا کرم تجھ پہ دو عالم کی درود
مجھ پہ ہو تیری نظر تجھ پہ خدا کی رحمت

پیارے لال رونق

وفات : اندازاً ۱۹۱۵ء

تو ہے محبوب خدا چاہنے والا تیرا
مرتبہ سارے رسولوں میں ہے بالا تیرا

کلمۂ صلِ علیٰ وردِ زباں رکھتا ہوں
خواب میں دیکھ لیا ہے قدِ بالا تیرا

ہجر میں دل کے تڑپنے کے نئے ہیں انداز
عشق ہے مجھ کو زمانے سے نرالا تیرا

عفو ہو جائیں گی محشر میں خطائیں ساری
داورِ حشر کو دوں گا میں حوالا تیرا

آہ کر ہجرِ محمدؐ میں سنبھل کر اے دل
عرش کے پار نکل جائے گا نالا تیرا

لے اڑی آج صبا سوئے مدینہ دلِ زار
ناتوانی نے بڑا کام نکالا تیرا

نور سے تیرے منور ہوئے دونوں عالم
نظر آتا ہے ہر اک سمت اجالا تیرا

گر یہی شوقِ مدینہ ہے تو ہاں بسم اللہ
جانِ بیتاب ہوا دیس نکالا تیرا

لے خبر جلد مری ناز سے سونے والے
ہوگیا فرشِ زمیں چاہنے والا تیرا

ہوگیا شوق میں وہ آج نثارِ احمدؐ
دل جو رونقؔ تھا بڑے نازوں کا پالا تیرا

آسی غازی پوری

المتوفی : ۱۹۱۶ء

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد   تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
شبِ وصال بیانِ غمِ فراق عبث   فضول ہے گلہ، زخم التیام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا   کہ لوگ خاص طلب ہوں گے بارِ عام کے بعد
گناہگار کی سن لو تو صاف صاف ہے یہ   کہ لطفِ رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد
طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو   لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
وہ خط وہ چہرۂ وہ زلفِ سیاہ تو دیکھو   کہ شام صبح کے بعد آئی صبح شام کے بعد
تجھے کہے کوئی کیونکر نہ غیرتِ عیسیٰؑ   رہا نہ ہوش کسی کا ترے کلام کے بعد
پیام بر کو روانہ کیا تو رشک آیا   نہ ہم کلام ہو اس سے مرے کلام کے بعد
تمام ہوں ابھی جھگڑے لن ترانی کے   دکھا دو جلوہ خدارا اگر کلام کے بعد
ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا   سبو و خُم کی بھی ٹھہرے گی دورِ جام کے بعد

الٰہی آسیِ بے تاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روزِ قیامت لکھا ہے نام کے بعد

محمد مظفر الدین معلّیٰ

المتوفی : ۱۹۱۷ء

دیکھی ہے جو شانِ رخِ زیبائے محمدؐ
جبریلؑ امیں کیوں نہ ہوں شیدائے محمدؐ

ہے عرشِ بریں فرشِ تہِ پائے محمدؐ
کیوں فخر سے چومے نہ قدمہائے محمدؐ

ہے آنکھوں میں اور دل میں مرے جائے محمدؐ
سینہ ہے مرا مسکن و ماوائے محمدؐ

پروانۂ شمعِ رُخِ زیبائے نبیؐ ہوں
کیوں مجھ کو نہ ہو خواہشِ پروائے محمدؐ

قرآن میں جو آیا ہے بیان قابَ قوسین
ادنیٰ ہے مقامِ شرف افزائے محمدؐ

حاصل ہوا نہیں سرمۂ مازاغ کہاں سے
آنکھیں ہوں مری کیسے شناسائے محمدؐ

ہے گول دہن حلقۂ ہالام دو زُلفیں
اللہ کا الف ہے قدِ بالائے محمدؐ

ہے کعبۂ مقصودِ معلّیٰ کا مدینہ
اس کے دلِ پُر شوق میں ہے جائے محمدؐ

اللہ رے تاثیر تولائے مدینہ
ہر داغِ جگر ہے گلِ صحرائے مدینہ

دل جب سے بنا والہ و شیدائے مدینہ
کہتا ہے مرا ہر بُنِ مو ہائے مدینہ

غلماں ہیں غلاماں تو پرستار ہیں حوریں
جنّت کا سراپا ہے سراپائے مدینہ

چشمانِ بصیرت سے نگہ کر کے ملائک
رکھ لیتے ہیں آنکھوں میں قدمہائے مدینہ

ہے سرمۂ چشمِ بشر و جن و ملائک
خاکِ قدمِ اقدس مولائے مدینہ

یہ حاملِ اقدام ہے وہ حاملِ نعلین
کیوں عرش سے رُتبے میں نہ بڑھ جائے مدینہ

ہو رشکِ دلِ عرشِ بریں کو بھی معلّیٰ
رنگ اپنی حقیقت کا جو دکھلائے مدینہ

رعب انصاری

المتوفی : ۱۹۱۸ء

تم ہو خیر الوریٰ افضل الانبیا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا
تم ہو نورالھدیٰ مظہرِ کبریا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

شاہِ رحمت ہو تم، غوثِ امت ہو تم، حق کی قدرت ہو تم، روشن آیت ہو تم
عرش رفعت ہو تم، تم ہو، شمس العلیٰ یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

مصطفیٰ آپ ہیں، مجتبیٰ آپ ہیں مہتدیٰ آپ ہیں مقتدیٰ آپ ہیں
پیشوا آپ ہیں آپ ہیں رہنما یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

تم ہو شاہِ جہاں، رہبرِ انس و جاں، ھادئ گمرہاں، شافعِ عاصیاں
حامیٔ بے کساں، سرورِ دوسرا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

تیرے بندے ہیں سب، کیا عرب کیا عجم، تو ہی محبوبِ رب خلقِ کُل کا سبب
تجھ کو حق نے طلب پاس اپنے کیا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

واہ کیا خوب ہو، کیا خوش اسلوب ہو، حق کے مطلوب ہو رب کے مرغوب ہو
تم سا محبوب ہو عاشق اللہ کا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

تم ہو سلطان دیں، سید المرسلیں اور ہیں ہوں کہیں ایک زار و حزیں
تم سے مخفی نہیں حال میرا شہا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

سینہ افگار ہوں، مضطر و زار ہوں، ہاں گنہگار ہوں ہاں سیہ کار ہوں
غم کا بیمار ہوں، مجھ کو دیجے شفا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

اب نہ ترسایئے، دل نہ تڑپایئے خواب میں آیئے، جلوہ دکھلایئے
دور فرمایئے، رنج و غم ہجر کا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

وقت امداد ہے، وقتِ امداد ہے، سخت ناشاد ہے خانہ برباد ہے
گرمِ فریاد ہے رعب درد آشنا یا حبیبِ خدا یا حبیبِ خدا

منشی شمس الدین امیر حمزہ

المتوفی : ۱۹۱۹ء

آنکھ میں شکل نبی دل میں مکانِ مُصطفیٰؐ
اس میں شانِ مصطفیٰؐ اس میں نشانِ مصطفیٰؐ

خارج از فہم بشر ہے عز و شانِ مُصطفیٰؐ
جُز خدا کوئی نہیں ہے رُتبہ دانِ مُصطفیٰؐ

سہل ہو جائے مری شوریدہ بختی کا علاج
گر کرم فرمائے سنگِ آستانِ مُصطفیٰؐ

عشقِ محبوبِ خدا کی رہنمائی دل نے کی
مل گیا اللہ کے گھر سے نشانِ مُصطفیٰؐ

اس قدر محوِ تصور ہوں کہ جب لیتا ہوں سانس
آتی ہے مجھ کو ہوائے بوستانِ مصطفیٰؐ

بے خودی نے دیکھنا اللہ تک پہنچا دیا
ڈھونڈنے نکلے تھے ہم گھر سے نشانِ مُصطفیٰؐ

خاکساری تھی طبیعت میں تو ہمت تھی بلند
اک زمینِ مصطفیٰؐ اک آسمانِ مصطفیٰؐ

رخ پہ خورشیدِ قیامت کے پسینہ آگیا
داغِ دل دکھلائیں گے جب عاشقانِ مصطفیٰؐ

ہمصفیرِ بُلبلِ سدرہ نہ کیوں حمزہ بنے
کر دیا ہے اس کو حق نے مدح خوانِ مصطفیٰؐ

مولانا احمد رضا خان رضا بریلویؒ

المتوفی : ۱۹۲۱ء

زہے عزّت و اعتلائے محمدؐ — کہ ہے عرشِ حق زیرِ پائے محمدؐ

مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا — ملک خادمانِ سرائے محمدؐ

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم — خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ

عجب کیا اگر رحم فرمائیے ہم پر — خُدائے محمدؐ برائے محمدؐ

محمدؐ برائے جنابِ الٰہی — جنابِ الٰہی برائے محمدؐ

بسی عطرِ محبوبیِ کبریا سے — عبائے محمدؐ قبائے محمدؐ

بہم عہد باندھے ہیں وصلِ ابد کا — رضائے خدا اور رضائے محمدؐ

دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر — محمدؐ محمدؐ خدائے محمدؐ

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا — گروں کا سہارا عصائے محمدؐ

میں قربان کیا پیاری پیاری ہے نسبت — یہ آنِ خُدا وہ خدائے محمدؐ

محمدؐ کا دم خاص بہرِ خدا ہے — سوائے محمدؐ برائے محمدؐ

خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے — جو آنکھیں ہیں محوِ لقائے محمدؐ

جلو میں اجابت خواصی میں رحمت — بڑھی کس تزک سے دعائے محمدؐ

اجابت کا سہرا، عنایت کا جوڑا — دلہن بن کے نکلی دعائے محمدؐ

رضاپل سے اب وجد کرتے گزریئے
کہ ہے ربِّ سَلِّم صدائے محمدؐ

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

المتوفی : ۱۹۲۱ء

اُٹھا دو پردہ دکھا دو جلوہ کہ نورِ باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

انہیں کی بو مایۂ سمن ہے ، انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں کی رنگت گلاب میں ہے

وہ گُل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول ان سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

کھڑے ہیں منکر نکیر سر پر ، نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور
بتا دو آ کر مرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

خدائے قہار ہے غضب پر کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچا لو آ کر شفیعِ محشر تمھارا بندہ عذاب میں ہے

گنہ کی تاریکیاں یہ چھائیں امنڈ کے کالی گھٹائیں آئیں
خدا کے خورشید مہر فرما کہ ذرہ بس اضطراب میں ہے

کریم اپنے کرم کا صدقہ ، لئیمِ بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب مانگے ، رضا بھی کوئی حساب میں ہے

ممتاز جہاں گنگوہی

المتوفی : ۱۹۲۷ء

کوئی ایسی سکھی چاتر نہ ملی موہے پی کے دوارے بٹھا دیتی
میں تو راہِ مدینہ بھی دیکھی نہیں موری بتیاں پکڑ کے بتا دیتی

مورے من میں ہے اب تو جوگنیاں بنوں اور مل کے بھبوت مدینے چلوں
سکھی ہند کی نگری میں کاہے رہوں نہیں پیت تو چین ذرا دیتی

پیا سات سمندر پار بسو مورے بس میں نہ چلنے کا زور رہا
نہیں جاتی مدینہ بھی کوئی ہوا، موہے ملک عرب میں اڑا دیتی

میں تو سونی سجریا پہ تڑپت ہوں پیا دیس عرب میں براجت ہے
کبھی دیتے جو سپنے میں درس دکھا دیں چرنوں میں سیس نوا دیتی

ولکے دوارے پہ جاتی ہیں سکھیاں سبھی موری ارج کسی نے نہ آنی کہی
کبھی اپنی جوگنیا کر لیتے بلا وہ بھی روضے پہ جان گنوا دیتی

توری پیت کی دکھیا تو میں ہی نہیں پڑا رونا ہے ہجر میں وہ بھی نبیؐ
مجھے در پہ بلاتے جو شاہِ عرب ممتاج کا دکھڑا سنا دیتی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد
یَا رَبِّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

عزیز صفی پوری

المتوفی : ۱۹۲۷ء

کیا رخِ سیدِ ابرار ہے اللہ اللہ
ہر طرف جلوۂ دیدار ہے اللہ اللہ

دن کو خورشید ہے اور رات کو ہے ماہِ تمام
واہ کیا روئے پُر انوار ہے اللہ اللہ

جب سے نرگس کو نظر آئے ہیں وہ چشمِ سیاہ
جوشِ آشوب سے بیمار ہے اللہ اللہ

خاکِ پاکِ قدمِ پاک رسولِ عربی
سرمۂ دیدۂ بیدار ہے اللہ اللہ

کیوں نہ ہو خلد میں مسجودِ ملائک آدم
عاشقِ احمدِ مختار ہے اللہ اللہ

گر خبر لیں وہ تو ہر گز نہیں رحمت سے بعید
اب نزولِ غم سے بہت زار ہے اللہ اللہ

جی نے دیکھا نہیں اور جان کے پہچان لیا
بس وہی محرمِ اسرار ہے اللہ اللہ

انکی فرقت میں جو آنکھوں سے بہے خوں ہو کر
جان اس دل کی طلب گار ہے اللہ اللہ

شورِ محشر سے دوبالا ہے وہ بالائے بلند
حشر خود فتنۂ رفتار ہے اللہ اللہ

کیا عجب گر دلِ سرگشتہ کو سودا ہے عزیزؔ
ان کے کاکل میں گرفتار ہے اللہ اللہ

مولانا محمّد علی جوہر

المتوفی : ۱۹۳۰ء

تنہائی کے سب دن ہیں، تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں

ہر لحظہ تشفّی ہے، ہر آن تسلّی ہے
ہر وقت ہے دل جوئی، ہر دم ہیں مداراتیں

کوثر کے تقاضے ہیں، تسنیم کے وعدے ہیں
ہر روز یہی چرچے، ہر روز یہی باتیں

معراج کی سی حاصل، سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

بے مایہ سہی لیکن، شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

فصاحت لکھنوی

المتوفی : ۱۹۳۰ء

طیّب و طاہر نہ کیوں ہوتی لسانِ مصطفیٰؐ
موج کوثر کی وہ تھی کوثر دہانِ مصطفیٰؐ

اور ہے معلوم کس کو عزّ و شانِ مصطفیٰؐ
بس خدا و مرتضیٰؓ ہیں رتبہ دانِ مصطفیٰؐ

کیوں حفاظت اور نگہبانی نہ کرتا کبریا
سیکڑوں کافر عدو اور ایک جانِ مصطفیٰؐ

اور کوئی مجمعِ اصحاب میں واقف نہ تھا
تھے علیؓ دانندۂ سرِ نہانِ مُصطفیٰؐ

آستاں بوسی کو قدسی جانتے ہیں اپنا فخر
عرش سے برتر ہے توقیرِ مکانِ مصطفیٰؐ

جنگ موتا واحد کیا خندق و خیبر میں بھی
تھے ید اللہ افسرِ کل ناصرانِ مصطفیٰؐ

قعرِ دوزخ حشر میں ہے دشمنوں کے واسطے
خلدِ اعلیٰ ہے برائے دوستانِ مصطفیٰؐ

دو کماں سے بھی تھا کم فرق ان میں اور اللہ میں
تھی شبِ معراج ایسی قدر و شانِ مصطفیٰؐ

اے فصاحت بخت لے جائے مدینہ میں اگر
یہ جبیں ہو اور سنگِ آستانِ مصطفیٰؐ

قاضی محمد شوکت مرادآبادی

المتوفی : ۱۹۳۰ء

وقت امداد اب اے ختم رسل آ پہنچا
غرق ہونے کے قریب اپنا سفینا پہنچا

نہ ملا ہے نہ ملے گا یہ کسی کو رتبہ
نہ گیا اور نہ کوئی جائے وہ جس جا پہنچا

ہیں گنہ گار یہ پچھلے ہوئے یارب کس کے
ہے شفاعت کا انہیں کس کے سہارا پہنچا

شب معراج زہے شان کہ بالا بالا
عرش اعظم سے بھی بالاشہِ والا پہنچا

خوف جاتا ہی رہا مٹ ہی گئی وحشتِ دل
حشر میں جب مرا مالک مرا مولا پہنچا

یہ نصیبا ہے یہ تقدیر ہے اپنی اپنی
رہ گیا کوئی مدینہ میں کوئی جا پہنچا

وہ اٹھی گرد وہ آئی ہے سواری دیکھو
شافعِ روزِ جزا عاصیو! لو آ پہنچا

نہ پھرا اور نہ محروم پھرے گا کوئی
تیرے در پر جو شہا لے کے تمنا پہنچا

چھوڑ اب ہند کو چل سوئے مدینہ شوکت
ایک تو ہی نہ گیا اور زمانہ پہنچا

فیروز طغرائی

المتوفی : ۱۹۳۱ء

رقم ہوتا ہے یارب! وصف کس کے خال کا قد کا
بلا قط زن قلم کو آج بسم اللہ کی مد کا

الف کی شکل سے پیدا بہارِ باغِ جنت ہے
ہر اک مصراعِ موزوں آئینہ ہے کس سہی قد کا

ملا یہ رتبہ کس کعبۂ رخ کے تصور سے
نگاہوں کو حرم کا، مردمک کو سنگِ اسود کا

شفاعت کا ہوا تکیہ گنہ گارانِ امت کو
مصلّٰی منزلِ محمود میں احمدؐ کی مسند کا

ادھر والشمس ہے غازہ رخِ پُر نور کا تیرے
ادھر والیل ہے شانہ خمِ زلفِ مجوّد کا

ترے مکتب میں اے امّی ہزاروں فلسفے آئے
سبق لیتا رہا ہر اک تری تلقینِ ابجد کا

لطائف بھر دیئے کیا کیا قوانینِ شریعت میں
حدودِ حق سے جو نکلا وہ ٹھہرا مستحق حد کا

اور رکھی نہ کچھ تاخیرِ تبلیغِ رسالت میں
یہ مضموں تھا جہانگیری توقّف برنتابد کا

خوشا وہ لوگ ایسا ہاتھ جن کے ہاتھ پر آیا
خدا سے خود ملا جس کو خطاب اللہ کے ید کا

بشارت دی مسیحا نے کلیم اللہ نے تیری
ہوا آمد سے پہلے شور تیری آمد آمد کا

تری طلعت سے چمکی آفتابِ علم کی طلعت
دلِ پُر نور تھا فانوس شمعِ بزمِ سرمد کا

یہاں بے ساختہ رنگِ غزل میں رنگِ نعت آیا
نہ نقشہ جم سکا خوش طلعتوں کے خال کا خد کا

نیا مطلع وہ نکلے مطلعِ بدر الدجےٰ ہو کر
کہ دریائے تکلم آشنا ہو جزر کا مد کا

چودھری دِلّو رام کوثری

وفات: ۱۹۳۱ء

عظیم الشّان ہے شانِ محمدؐ — خُدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ
کتب خانے کیے منسُوخ سارے — کتابِ حق ہے قرآنِ محمدؐ
نبیؐ کے واسطے سب کچھ بنا ہے — بڑی ہے قیمتی جانِ محمدؐ
شریعت اور طریقت اور حقیقت — یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمدؐ
فرشتے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں — غلامانِ غلامانِ محمدؐ
نبیؐ کا نطق ہے، نطقِ الٰہی — کلامِ حق ہے فرمانِ محمدؐ
خدا کا نُور ہے، نورِ پیمبرؐ — خدا کی شان ہے شانِ محمدؐ
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ حیدرؓ — یہی ہیں چار یارانِ محمدؐ
علیؑ ان میں وصیِ مُصطفےٰؐ ہے — علی ہے رنگِ بستانِ محمدؐ
علیؑ و فاطمہؓ شبیرؑ و شبرؑ — بسا ان سے گلستانِ محمدؐ

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
مَیں ہُوں ہر دم ثناء خوانِ محمدؐ

(۲)

مجھے نعت نے شادمانی میں رکھا
کہ مصروف شیریں زبانی میں رکھا

میں لکھتا رہا نعت اور حق نے شب بھر
قمر کو مری پاسبانی میں رکھا

نہیں اختیار اب سے کی نعت گوئی
یہی شغل ہم نے جوانی میں رکھا

درِ مصطفٰےؐ کی مِلے گر گدائی
تو پھر کیا ہے صاحب قرانی میں رکھا

بہارِ ریاضِ ثنائے نبیؐ نے
دہن کو مرے گُل فشانی میں رکھا

نبیؐ کے ہوئے نعت گو دو برابر
کہ دونوں کو اِک مدح خوانی میں رکھا

ہے حسانؓ پہلا تو میں دوسرا ہوں
نہیں فرق اوّل میں ثانی میں رکھا

خدا نے اُسے سونپی محفل عرب کی
مجھے بزمِ ہندوستانی میں رکھا

لکھیں کوثری عمر بھر ہم نے نعتیں
نہ کچھ اور غمِ زندگانی میں رکھا

بے نظیر شاہ

المتوفی : ۱۹۳۲ء

نامِ خدا محمدؐ گردوں خرام میرا
خورشید جاں مجسّم ماہِ تمام میرا

وہ صدرِ عالمیں ہے سلطانِ مرسلیں ہے
اس کے سوا نہیں ہے کوئی امام میرا

راہِ طلب میں کب تک بھٹکوں میں سر بصحرا
کاش اس کے در پہ ہوتا اب تو مقام میرا

یارب! ترا وہ بندہ، بندہ ہے پر وہ بندہ
نام اس کا ہے وظیفہ ہر صبح و شام میرا

اس کی اگر مدد ہو، اس ہفتخوانِ غم میں
ہر غول و دیو سرکش ہو جائے رام میرا

اللہ دے تو یہ دے اس میکدے میں ساقی
اس کی مئے محبّت ہو اور جام میرا

یارب! میں اس کے در سے اُٹھ کر کہیں نہ جاؤں
لکھا ہو اس سرا میں جب تک قیام میرا

ذرّہ ہوں اس گلی کا یہ اجرِ عاشقی ہے
دارالسّلام کا میں دارالسّلام میرا

بے خود مجھے جو پایا کیا بندہ پروری ہے
کرتی ہے رحمتِ حق خود انتظام میرا

آنکھوں میں اپنی سرمہ ہے اس کی نقش پا کا
کرتے ہیں آنکھ والے سب احترام میرا

مایوس ہو نہ کوئی اٹھوں نہ اسکے در سے
وہ حکمِ عام اس کا یہ اہتمام میرا

عیسیِ دہر ہوں میں اے بے نظیر ازل سے
لکھا ہے جاں نثاروں میں اسکے نام میرا

نظم طباطبائی

المتوفی : ۱۹۳۳ء

جہاں کو مژدہ اس جانِ جہاں کی آمد آمد کا   قیامت مصرعِ ثانی ہے جس کے مصرعِ قد کا
ہوئے افلاک پیدا نام جب آیا محمدؐ کا   طلسمِ عالمِ امکاں تھا یا رب ! قفلِ ابجد کا
مواعظ کے گہر عالم میں بکھرانے کو نور آیا   ابھر آیا ہے غوطہ مار کر دریائے سرحد کا
زباں سے گو نہیں کہتے ہمیں تھا انتظار اس کا   گواہی دے رہا ہے دل ہر اک قیس و موبد کا
کسی میں ہے کہ عالم کا تسلّی دینے والا ہے   کسی انجیل میں لکھا ہوا ہے نام احمدؐ کا
تری رفتار میں بے شک ہے اعجاز مسیحائی   ہما بن کر فلک پر اُڑ گیا سایہ ترے قد کا
براقِ تیز تگ جب عازمِ افلاک سے گزرا   تو مثلِ گرد رنگ اُڑنے لگا چرخِ زبرجد کا
تجھے معراج کی رفعت ہے فرشِ خاک پر حاصل   سر پر عرشِ اعلیٰ متکا ہے تیری مسند کا
جبھی سے عالمِ اسرارِ علمِ کُن فکاں ہے تو   سبق روح الامیں مکتب میں جب پڑھتے تھے ابجد کا
دعا مقبول ہو جاتی ہے تیرا نام لینے سے   ملا بندوں کو موقع حق تعالیٰ کی خوشامد کا
ملا اللہ اکبر کیا صلہ تیرے نواسوں کو   کہ ان کا قصر ہے یاقوت کا ان کا زمرد کا
سیرِ فرش تا عرش اک قدم مرکب کا ہے تیرے   مقامِ قاب قوسین ایک گوشہ تیری مسند کا
تعالیٰ اللہ ہے اس شاہ کی شانِ کرم ایسی   بھرم کھلنے نہیں پاتا منافق کی خوشامد کا
نہ چھوڑے گا درِ حیدر کو اب نظمِ ثنا گستر   یہی در ہے رسول اللہ کے شہرِ علم بے حد کا

کہاں ہے کعب سیکھے ہم سے آئینِ ثنا خوانی
کہ نعتِ مصطفیؐ اور ذکر شمشیرِ مہند کا

محمد عبد القدیر صدیقی حسرت

المتوفی : اندازاً ۱۹۳۴ء

جہاں میں غل ہوا محبوبِ رب العالمیں آیا
شہنشاہِ دو عالم صاحبِ تاج و نگیں آیا

بتوں کی شوکت و عظمت جہاں سے کیوں نہ ہو باطل
اڑاتا پرچمِ توحید ختم المرسلیں آیا

دعا کی تھی خلیل اللہ نے جس کے لیے پہلے
خبر دی جس کی عیسیٰ نے وہ شاہنشاہِ دیں آیا

نہ تھا معلوم کوزہ میں سمندر بھی سماتا ہے
محمد مصطفیٰؐ کو دیکھ کر سب کو یقیں آیا

نہ جس کا مثل نکلا حضرت آدمؑ سے عیسیٰؑ تک
وہ فخرِ اولیں آیا وہ عزِ آفریں آیا

خلیل اللہ نے دیکھا جو حضرت کو تو فرمایا
مرا لختِ جگر عرت نشاں مسند نشیں آیا

دمِ آخر نبیؐ کو دیکھ کر حسرت یہ چلاؤں
مرا ماویٰ مرا ملجا مرے دل کا مکیں آیا

ہاں صبحِ ہدایت آئی نکل تاریکیِ کفر ہوئی زائل
جب جاء الحق زہق الباطل فرما دیا کملی والے نے

اللہ نے فترضٰی کا وعدہ جب بہرِ شفاعت فرمایا
پھر باغِ جناں میں امت کو پہنچا دیا کملی والے نے

معراج سے جس دم آتے نبیؐ اللہ نے کہا اُدن منّی
توشکر میں جو کچھ تھا اپنا لٹوا دیا کملی والے نے

اے حسرتِ شیدا فکر نہ کر ہیں ساتھ ہمارے پیغمبرؐ
جب انت مع من اجببت فرما دیا کملی والے نے

ریاض خیرآبادی

المتوفی : ۱۹۳۴ء

طورِ سینا مرے اللہ یہ سینا ہو جائے
طور کیا جلوۂ پیہم سے مدینا ہو جائے

سختیٔ نزع سہی موت نہ آئے نہ سہی
شوقِ دیدار میں مشکل مجھے جینا ہو جائے

لے لو دم اور گھنی چھاؤں سے اُٹھنے والو
ہم بھی چلتے ہیں ذرا خشک پسینا ہو جائے

دیکھنا ہے لبِ توبہ کا تبسم ساقی
تلخ اتنی ہو کہ مشکل مجھے پینا ہو جائے

طول کھینچے یہ مری عمر درِ اقدس پر
ہر پہر میرے لیے ایک مہینا ہو جائے

پھول برسائے عوض صاعقہ کے مے کا فروغ
شجرِ طور تری بزم میں مینا ہو جائے

دل کا کیا ذکر جگہ بھی نہ ہو تل دھرنے کی
اس قدر نور سے معمور یہ سینا ہو جائے

یوں خم گنبدِ خضرا کی طرف روح کھچے
میکدہ کوئی ہو دو بھر مجھے پینا ہو جائے

رات دن تیری تجسس میں تگ و دو یہ رہے
خون جتنا ہے رگوں میں وہ پسینا ہو جائے

ہائے وہ مے کہ جو دو گھونٹ گلے سے اترے
نور داں رُخ سے خجالت کا پسینا ہو جائے

سایۂ تاک میں ہے دعوتِ زاہد ریاضؔ
کہیں ہر دانۂ انگور نہ مینا ہو جائے

محمد ضمیر الحق قیس آروی

المتوفی : ۱۹۳۵ء

خم خانہ ہے دل عشقِ رسُول دوسرا کا — کیوں جام نہیں چھلکے مری طبع رسا کا
یارب! مجھے دیدار ہو اس ماہ لقا کا — مصداق جو ہے جملۂ لولاک لما کا
آئیں میرے ساتھ کہیں جن وملک بھی — مَیں ہاتھ اُٹھاتا ہوں پے وصل دعا کا
اے کاش مری خاک ہی لے جائے وہاں تک — احسان پسِ مرگ ہو اتنا ہی صبا کا
مانندِ فلک میں بھی سرافرازِ جہاں ہوں — مل جائے جو بوسہ کوئی نقشِ کفِ پا کا
ہیں نجم فلک آتشِ فرقت کے شرارے — ہے چاند ہمارے دل پر داغ کاخا کا
پہنچائے گی اُلفت ہی مجھے یار کے در پہ — محتاج نہیں ہُوں مَیں کسی راہ نما کا
دریائے شفاعت کی روانی جو یہی ہے — کیا خوف گنہ گاروں کو ہو روزِ جزا کا
مرقد میں نکیرین نہ بک بک کے ستائیں — ہوں مست مے اُلفتِ محبُوبِ خدا کا
کس شان سے مقتل میں مرے قتل سے اُٹھی — ہے تیغ کی جھنکار میں غل صلِّ علیٰ کا
آوارہ وطن تو ہی نے اے عشق بنایا — سچ پُوچھ تو قائل ہُوں ترے ناز و ادا کا
اس ڈر سے کہ برہم نہ ہوں گستاخ سمجھ کر — کچھ ذکر کیا ہم نے وفا کا نہ جفا کا

اے قیس نہ بڑھ جاؤ کہیں حدِ ادب سے
خاموش رہو وقت ہے تسلیم و رضا کا

میرزا عزیز لکھنوی

المتوفی : ۱۹۳۵ء

سایہ بھی جُدا ہوتا نہیں دن رات
زورِ کششِ حسنِ خدا داد کی کیا بات

یہ کہہ کے ترے حلقۂ گیسو میں چلا دل
ہے آج ہمارے لیے معراج کی یہ رات

کیا ذکر مرا دل بھی ہے میرے تو زباں بھی
مشتاق رہے تیرے تکلّم کے جمادات

سونے میں بھی وا چشمِ حقیقت نگر ہی ہے
یکساں ہے ترے واسطے سب دن ہو کہ ہو رات

ہوں رازِ جلی یا کہ خفی تجھ پہ ہویدا
تو دیکھ رہا ہے عقب و پیش کے حالات

تو شارحِ آیاتِ کتاب فَتَدَلّٰے
خلوت کدۂ حسن کی ہمراز تری ذات

ہر جامۂ نو قامتِ موزوں پہ مزیّن
کرتا ہے ترے پیکرِ نازک پہ مباہات

اللہ ری شوخی تری اک چشم زدن میں
طے تو نے کیے ہیں حجبِ عرش و سماوات

کس مُنہ سے کہوں کیفیتِ لذتِ تقریر
واللہ کہ میں وحی سمجھتا ہوں تری بات

زلفوں سے تری چینِ جبیں کا ہے اشارہ
ہو معجزۂ شقِ قمر آئی ہے اب رات

کہتے ہیں اسی واسطے تجھ کو ابو الارواح
تھا نورُ ترا مظہرِ ارضین و سماوات

وہ مہرِ نبوت ہے نہیں سنگِ حرم کچھ
ہاں تو ہمہ تن کعبہ ہے اے قبلۂ حاجات

ہے قصد بناؤں گا الگ عرشِ محبّت
کرتا ہوں بہم جمع تری راہ کے ذرّات

کرتا ہوں ترے نام پہ ختم اپنا قصیدہ
دورِ صلوات اب ہو کہ ہے جوشِ موالات

محمود و محمّد شرفِ عالم و آدمؑ
میرِ عرب و میرِ عجم سیّدِ سادات

اصغر گونڈوی

المتوفی : ۱۹۳۶ء

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اینکہ لطفِ خلشہائے نالۂ بے سود

مگر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے
جو اُٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیاں ہے نہ سود

ہلائے عشق نہ کیوں کائناتِ عالم کو
یہ ذرّے دے نہ اُٹھیں سب شرارۂ مقصود

یہ کون سامنے ہے صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگیِ طلسمِ نمود

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے
کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اک جبینِ سجود

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے
میں بے خبر ہوں باندازہ فریبِ شہود

چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

وہ رازِ خلقتِ ہستی وہ معنیِ کونین
وہ جانِ حسنِ ازل، وہ بہارِ صبحِ وجود

وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنجِ حرا
وہ دل کا نور وہ اربابِ درد کا مقصود

وہ سرورِ دو جہاں وہ محمدِ عربی
بہ روحِ اعظم و پاکش درودِ نامحدود

ضیائے حسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود

نگاہِ ناز میں پنہاں ہیں نکتہ ہائے فنا
چھپا ہے خنجرِ ابرو میں رمزِ "لاموجود"

کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا
ڈھلک پڑے مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

ذرا خبر نہ رہی ہوش و عقلِ ایماں کی
یہ شعر پڑھ کے وہیں ڈال دی جبینِ سجود

"چو لبہ خاک شدن یا زیاں بود یا سود
بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خواہد بود"

(رومی)

آغا شاعر قزلباش

المتوفی : ۱۹۴۰ء

ارادہ جب کروں اے ہم نشیں مدحِ پیمبرؐ کا
قلم لے آؤں پہلے عرش سے جبریل کے پر کا

معطر ہے دو عالم یا محمدؐ کیسی خوشبو ہے
کھُلا ہے کیا کوئی حلقہ تری زلفِ معنبر کا

تسلّی رہتی تھی عاشق کو اس کے پاس رہنے سے
اسی باعث سے سایہ اُڑ گیا جسمِ پیمبرؐ کا

محمدؐ کہتے کہتے دم نکل جائے تعشق میں
جبھی تو کام نکلے گا قضا سے زندگی بھر کا

کہیں ایسا نہ ہو شاؔعر کو اپنے بھول ہی جاؤ
مرے مولا ذرا تم دھیان رکھنا روزِ محشر کا

سرکشن پرشاد شادؔ

وفات : ۱۹۴۰ء

بلوائیں مجھے شاد جو سلطانِ مدینہ
جاتے ہی میں ہو جاؤں گا قربانِ مدینہ

وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوبِ خدا ہیں
کعبے سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شانِ مدینہ

روکیں گے نہ دربار میں جانے کے لیے شادؔ
پہچانتے ہیں سب مجھے دربانِ مدینہ

ہے قربِ نبیؐ ہی سے تو یہ عزت و اجلال
قالب ہے مدینہ تو وہ ہے جانِ مدینہ

لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشقِ محمدؐ
تحفہ ہے مرے پاس یہ شایانِ مدینہ

دیکھے جو تحیر میں مرے عشقِ نبی کو
سکتے میں رہے نرگسِ بستانِ مدینہ

کھولے درِ جنت کو یہی کہتا ہے رضواں
بے خوف چلے جائیں غلامانِ مدینہ

نشہ ہے وہ ان کو جو اترتا ہی نہیں ہے
توحید کی مے پیتے ہیں مستانِ مدینہ

خاکِ رہِ یثرب کو بناؤں گا میں سرمہ
دیکھوں گا ان آنکھوں سے میدانِ مدینہ

اللہ دکھا دے تو مجھے روضۂ اقدس
باقی کہیں رہ جائے نہ ارمانِ مدینہ

کیوں میری شفاعت میں بھلا دیر لگے گی
کیا مجھ کو نہیں جانتے سلطانِ مدینہ

کیا مجھ سے ثنا ہو سکے اک مور ہوں ادنیٰ
اعلیٰ ہیں وہی جو ہیں سلیمانِ مدینہ

مومن جو نہیں ہوں تو میں کافر بھی نہیں شادؔ
اس رمز سے آگاہ ہیں سلطانِ مدینہ

احسن مارہروی

وفات: ۱۹۴۰

ہر اک ذرّہ چمک اُٹھا ہے مہتابِ ضیا بن کر
فضا کو جگمگایا آپ نے شمس الضحیٰ بن کر

مرے سرکار آئے دردِ عصیاں کی دوا بن کر
سکونِ قلبِ مضطر غم زدوں کا آسرا بن کر

نبی ہیں اور جتنے اخترِ برجِ رسالت ہیں
مرے سرکار آئے ہیں مگر شمس الضحیٰ بن کر

خدا شاہد ہے بڑی مشکل میں تھے اللہ کے بندے
کہ وہ تشریف لائے دفعۃً مشکل کشا بن کر

پریشانِ حوادث دیکھ کر بحرِ حوادث ہیں
پئے تسکیں انہیں کی یاد آئی ناخدا بن کر

خلیل اللہ ہے کوئی، کلیم اللہ ہے کوئی
مگر آقا مرے آئے ہیں، محبوبِ خدا بن کر

تمہیں نے زندگی نو عطا فرمائی ہے آقا
کہ آئے مردہ دل کے واسطے آبِ بقا بن کر

مجھی پر منحصر کیا ہے، شہنشاہِ زمانہ بھی
انہیں کے آستاں پر آ رہے ہیں بے نوا بن کر

سمجھ سے ماورا ہستی کو احسن کوئی کیا سمجھے
کہ دُنیا میں مرے سرکار آئے جانے کیا بن کر

بیدم شاہ وارثی

المتوفی : ۱۹۳۴ء

کیا پوچھتے ہو گرمیِ بازارِ مصطفٰےؐ
خود بِک رہے ہیں آ کے خریدارِ مصطفٰےؐ

دل ہے مرا خزینۂ اسرارِ مصطفٰےؐ
آنکھیں ہیں دونوں روزنِ دیوارِ مصطفٰےؐ

پھیلا ہوا ہے چاروں طرف دامنِ نگاہ
اور لُٹ رہی ہے دولتِ دیدارِ مصطفٰےؐ

تفسیرِ مصحفِ رخِ پُر نور والضحٰی
واللیل شرحِ گیسوئے خمدارِ مصطفٰےؐ

نعلینِ پا سے عرشِ معلّٰی کو ہے شرف
روح الامیں ہیں غاشیہ بردارِ مصطفٰےؐ

بیدمؔ نہ آؤں جا کے دیارِ رسولؐ سے
تُربت ہو زیرِ سایۂ دیوارِ مصطفٰےؐ

مجذوب سہارن پوری

وفات : ۱۹۴۴ء

کہاں ہند میں وہ بہارِ مدینہ — بس اب میں ہوں اور یادگارِ مدینہ
مرا دل ہے اک اختصارِ مدینہ — کہ اس میں بسا ہے دیارِ مدینہ
زہے عزّت و افتخارِ مدینہ — شہِ دو جہاں تاجدارِ مدینہ
ہے عرش آشیاں خاکسارِ مدینہ — ہے کرسی نشیں جو ہے خوارِ مدینہ
وہ ہر سو کھجوروں کی دل کش قطاریں — وُہ کہسار وُہ سبزہ زارِ مدینہ
وہ مسجد وہ روضہ وہ جنّت کا ٹکڑا — خوشا منظر پر بہارِ مدینہ
نگینہ زمرد کا ہے سبز گُنبد — اور انگشتری کوہسارِ مدینہ
کہاں جی لگے میرا باغِ جہاں میں — ہے آنکھوں میں میری بہارِ مدینہ
میسر ہے ہر وقت مجھ کو زیارت — مَیں ہُوں محوِ یادِ مزارِ مدینہ
کہیں جاؤں طیبہ ہی پیشِ نظر ہے — مجھے کل جہاں ہے جوارِ مدینہ
اِدھر دیکھ اِدھر لے مری چشمِ حسرت — مَیں دل میں لیے ہُوں بہارِ مدینہ
وہاں سے میں حُبِّ نبی دل میں لایا — یہی تحفہ ہے یادگارِ مدینہ

میسر ہو پھر اس کو یا ربّ زیارت
کہ مجذوب ہے اشکبارِ مدینہ

مولانا سیّد حسن مرتضیٰ اشفق عمادپوری

المتوفی : ۱۹۴۴ء

فیض دم مسیح کی دہر میں کیا ہوا چلی
نرگس خفتہ جاگ اُٹھی کھِلنے لگی کلی کلی

پھُولوں کے عطر سے بسی صحنِ چمن کی ہر روش
سنبل مشک بو سے ہے چین و ختن گلی گلی

غنچے کا پٹکا کھُل گیا، گل کی قبا مسک گئی
دوڑیں چمن کی نکہتیں ایسی پڑی چلا چلی

غنچۂ گل نکل گیا گوشۂ اعتکاف سے
بُلبلِ بے قرار کے دل کو ہے کتنی بے کلی

لالہ کا شور لَا اِلٰہ گونج رہا ہے باغ میں
رقص میں برگ برگ ہے وجد میں ہے کلی کلی

ذکرِ خفی میں گرم ہے سوسنِ سبز کی زباں
بلبلِ باغ کرتی ہے ذکر بہ نغمۂ جلی

ابر کہے ہُوالغفور نرگسِ تر ہُوالبَصیر
پھول پڑھیں ہُوَالجمیل سرو کہے ہُوَ العَلِی

آنکھیں بچھائیں راہ میں بُلبلِ دل فروز نے
کہنے کو خیر مقدمِ سرورِ دیں صبا چلی

نواب بہادر یار جنگ خلق

المتوفی : ۱۹۴۴ء

اے کہ ترے وجود پر خالقِ دو جہاں کو ناز
اے کہ ترا وجود ہے وجہِ وجودِ کائنات

اے کہ ترا سرِ نیاز حد کمال بندگی
اے کہ ترا مقام عشق قرب تمام عین ذات

خوگر بندگی جو تھے تیرے طفیل میں ہوئے
مالکِ مصر و کاشغر وارثِ دجلہ و فرات

تیرے بیاں سے کھل گئیں، ترے عمل سے حل ہوئیں
منطقیوں کی اُلجھنیں، فلسفیوں کی مشکلات

مدحتِ شاہِ دوسرا مجھ سے بیاں ہو کس طرح
تنگ میرے تصورات پست میرے تخیلات

سائل دہلوی

المتوفی : ۱۹۴۵ء

کب تک رہے سینے میں تمنّائے مدینہ
کب تک دلِ بے تاب کہے ہائے مدینہ

مر جاؤں مدینے میں مدینے میں لحد ہو
لے جاؤں لحد میں، میں تمنّائے مدینہ

آ بیٹھو مرے دل میں کہ دل عرشِ بریں ہے
تم چاہو تو سینہ مرا بن جائے مدینہ

یا رب! مرے دل میں رہے یثرب کی تمنّا
یا رب مرے سر میں رہے سودائے مدینہ

اے چشمِ تصوّر تجھے اتنا ہی بہت ہے
گھر بیٹھے نظر میں مرے آجائے مدینہ

سائل کی تمنّا ہے شب و روز الٰہی!
ہر دم مرے دل میں رہے سودائے مدینہ

جلیل مانکپوری

المتوفی : ۱۹۴۶ء

حبیبِ پاک کسی کا خطاب کیا ہوگا — وہ لاجواب ہیں ان کا جواب کیا ہوگا
مرے گناہ کو یاربّ نہ پُوچھ رہنے دے — جو بے حساب ہے اس کا حساب کیا ہوگا
مدارِ کار ہے حُبِّ رسُول پر ۔ ورنہ — عمل ہزار ہوں اچھے ثواب کیا ہوگا
تمام اُمتِ عاصی کے جب ہو تم حامی — کسی پہ قہر کسی پر عذاب کیا ہوگا
جو آپ کے ہے غلاموں میں اے شہِ کونین — لحد میں اُس سے سوال و جواب کیا ہوگا
سوائے حمد کے شایاں تمہیں ہو محشر میں — سوا تمہارے کوئی انتخاب کیا ہوگا
ہلال جلوہ نما ہو ہزار گردوں پر — تمہارے ناخنِ پا کا جواب کیا ہوگا
بہشت میں تپشِ مہر کا گزر کیوں ہو — جہاں ہوں آپ وہاں آفتاب کیا ہوگا
جمالِ پاک کو دیکھیں گے برملا دمِ حشر — تہِ نقاب رُخِ آفتاب کیا ہوگا
خدا رسُولؐ سے غفلت رہی اگر یُوں ہی — تو حال اے دلِ خانہ خراب کیا ہوگا
کلامِ نعت جو سُنتا ہے وہ یہ کہتا ہے — کہ اس طرح سخنِ انتخاب کیا ہوگا
جو مستِ نکہتِ زلفِ نبیؐ ہے اس کا دماغ — رہینِ منتِ مشک و گلاب کیا ہوگا

جلیل گوشۂ عزلت میں مشغلہ اپنا
بجز خیالِ رسالت مآب کیا ہوگا

جلیل مانکپوری

المتوفی : ۱۹۴۶ء

دیکھ کر شہؐ کو پکاریں گے قیامت والے
اس طرف بھی نظر او تاجِ شفاعت والے

کیا غلاموں پہ عنایت ہے کہ محشر میں حضورؐ
کہتے پھرتے ہیں کہاں ہیں مری اُمّت والے

مَیں جو طیبہ کے تصوّر میں رہا کرتا ہوں
رشک کرتے ہیں مرے حال پہ جنّت والے

آستاں بوسیِ حضرتؐ ہے میسّر جن کو
سچ تو یہ ہے کہ وہی لوگ ہیں قسمت والے

اللہ اللہ یہ وہ بارگہِ عالی ہے
سر جھکاتے ہیں جہاں شوکت و حشمت والے

حشر میں دیکھ کے اُس قامتِ رعنا کی ادا
کیا قیامت نہ اُٹھائیں گے قیامت والے

یا نبیؐ اب تو ذرا جلوہ نمائی ہو جائے
دل کو تھامے ہُوئے حاضر ہیں زیارت والے

سیر ہوتے ہیں نہ وہ ہوش میں آتے ہیں کبھی
بادۂ عشقِ محمّدؐ کے ہیں جو متوالے

جس طرح مہر سے روشن ہیں ستارے یونہی
فیض پاتے ہیں ترے در سے کرامت والے

مل گیا دامنِ محبُوبؐ کا سایہ ان کو
سب سے اچھے رہے محشر میں محبت والے

نازاس پر ہے کہ ہیں اُن کے غلاموں میں جلیلؔ
اہلِ تقویٰ ہیں نہ ہم زہد و عبادت والے

نظامی بدایونی

المتوفی : ۱۹۴۷ء

تری الفت میں مرنا اے نبی خوش زندگانی ہے
کہ اس درد و الم میں دو جہاں کی شادمانی ہے

تری شانِ نبوّت کا مقابل مل نہیں سکتا
کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ ہمسر ہے نہ ثانی ہے

تمہارے جلوۂ رُخ میں جھلک ہے نورِ خالق کی
مرے اس قول پر صادق حدیث "من رآنی" ہے

مسخر ہے ہر اک عنصر ہیولہ مادہ تابع
مسلم دونوں عالم میں تمہاری حکمرانی ہے

جمالِ پاک پر حضرت کے وحشی و طیر ہیں شیدا
شہِ کونین کا غم انس و جن کی زندگانی ہے

غلامِ بارگاہِ پاک کیا کیا فخر کرتے ہیں
سمجھتے ہیں کہ گویا ان کے گھر صاحب قرانی ہے

خدا عاشق ہے جس پر اس کو چاہا جھوٹ کیوں ولیں
ہمیں اللہ کو محشر کے دن صورت دکھانی ہے

خوشا تقدیر رنجوری کہ آئیں وہ عیادت کو
نہ رنجوری کہو اس کو حیاتِ جاودانی ہے

کہاں یثرب، کہاں جنت خدارا واعظو! چپ ہو
تمہاری کون سنتا ہے، تمہاری کس نے مانی ہے

اگر مل جائیں ہفت اقلیم بھی تو میں نہ لوں ہرگز
کہ شاہی سے زیادہ ان کے در کی پاسبانی ہے

سُناتا ہے نظامیؔ ذکرِ میلادِ نبیؐ سب کو
نہ قصہ ہے سکندر کا نہ دارا کی کہانی ہے

اختر شیرانی

المتوفی : ۱۹۴۸ء

مسند نشینِ عالمِ امکاں تمہیں تو ہو
اس انجمن کی شمعِ فروزاں تمہیں تو ہو

دنیائے ہست و بود کی زینت تمہیں سے ہے
اس باغ کی بہار کا ساماں تمہیں تو ہو

روشن ہے جس کی ضو سے شبستانِ زندگی
وہ ماہِ نیم ماہِ درخشاں تمہیں تو ہو

دُنیا کی آرزو میں فنا آشنا ہیں سب
جو روحِ زندگی ہے وہ ارماں تمہیں تو ہو

تم کیا مِلے کہ دولتِ ایماں ملی ہمیں
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایماں تمہیں تو ہو

صبحِ ازل سے شامِ ابد تک ہے جس کا نُور
وہ جلوہ زارِ حسنِ درخشاں تمہیں تو ہو

دارائے چرخ و دورِ زمیں جس کے ہیں غلام
وہ نازِ دہر و نازشِ دوراں تمہیں تو ہو

دُنیا و آخرت کا سہارا تمہاری ذات
دونوں جہاں کے والی و سلطاں تمہیں تو ہو

شادابیِ صنوبر و نسریں تمہیں سے ہے
بوئے گل و بہارِ گلستاں تمہیں تو ہو

اختر کو بے نوائی دنیا کی فکر کیا
سامان طرازِ بے سروساماں تمہیں تو ہو

عزیز یار جنگ ؒ عزیز

المتوفی : ۱۹۴۸ء

مداح ہوں مَیں بھی اسی ممدوحِ خدا کا
صدقے میں کھنچا جس کے یہ کو کا خاکہ

ہے دھیان دمِ خواب مدینے کی فضا کا
یہ نیند کا جھونکا ہے کہ جنت کی ہوا کا

اشعار پڑھے نعت کے مَیں نے جو چمن میں
غنچوں میں ہُوا شور بپا صلِّ علیٰ کا

کب تک ملک الموت سے فرقت میں کشاکش
ہو اب تو اشارہ لبِ اعجاز نما کا

جو آپ پہ مرتے ہیں وہ مرتے نہیں ہرگز
ملتا ہے مزا ان کو فنا میں بھی بقا کا

مل جائے کہیں خارِ بیابانِ مدینہ
مشتاق ہے ہر آبلہ میرے کفِ پا کا

شیرازۂ کونین یہ وابستہ ہے جس سے
اک حلقہ ہے وہ آپ کے گیسوئے رسا کا

کافور ہُوئی گرمیٔ خورشید قیامت
رُخ دیکھتے ہی آپ کے مشتاق بقا کا

ہے ذاتِ نبی باعثِ تخلیق دو عالم
مضموں یہ کہے دیتا ہے لولاک لما کا

لے جائے گا طیبہ کو مرا جذبِ محبت
محتاج نہیں مَیں خضرِ راہنما کا

مشہور ہوئے جس سے زمانہ میں مسیحا
تھا ایک کرشمہ لبِ اعجاز نما کا

سر پہ ہو مرے گردِ رہ وادیٔ طیبہ
سمجھوں گا مَیں سایہ اُسے کعبے کی ادا کا

میخوارِ محبت ہیں بہت دیر سے پیاسے
ساغر کوئی! صدقہ نگہِ ہوش رُبا کا

کیا پرسشِ محشر کا عزیزؔ اب مجھے کھٹکا
جب ہاتھ میں دامن ہے شہِ عقدہ کشا کا

صفی لکھنوی

المتوفی : ۱۹۵۰ء

اعجاز ہی اعجاز تھے اطوارِ محمدؐ
رفتارِ محمدؐ ہو کہ گفتارِ محمدؐ

وہ سادگیٔ وضع وہ اندازِ مساوات
سرمایۂ آرائش دربارِ محمدؐ

سلمان و سلیماں میں نہ تھا فرق وہاں کچھ
تھا ظلِ ہما سایہ دیوارِ محمدؐ

اقوام کو کس قعرِ مذلت سے نکالا
دنیا پہ ہے احسان گرانبارِ محمدؐ

اسلام جو ہے آشتی و امن کا پیغام
سمجھو تو اسے مسلکِ ہموارِ محمدؐ

فطرت کے قوانین کا مجموعہ ہے اسلام
ہر قلب حق آگاہ طرفدارِ محمدؐ

مقصود نہ تھی جنگ سے تسخیرِ ممالک
پیکار حکیمانہ تھی پیکارِ محمدؐ

اس وقت دیا اذن پئے جنگِ دفاعی
ہونے لگے مقتول جب انصارِ محمدؐ

آقائے دو عالم کے غلاموں سے تو پوچھو
آزادوں سے بہتر تھے گرفتارِ محمدؐ

ہم جنسوں کی اصلاح میں کل عمر بسر کی
اللہ رے صفیؔ جذبۂ ایثارِ محمدؐ

سیماب اکبر آبادی

المتوفی : ۱۹۵۱ء

سلام اے صبحِ کعبہ، السلام اے شامِ بُت خانہ
تو چمکا بزمِ آذر میں بہ اندازِ خلیلانہ

حریمِ پاک تیرا وہ بلند ایوان حقیقت کا
جہاں جبریلؑ بھی ناچیز سا ہے ایک پروانہ

کہیں تو زندگی پیرا بہ اندازِ لبِ عیسیٰ
کہیں تو خطبہ فرما، اوجِ طائف پر کلیمانہ

فراغِ آفرینش ہے تو ہے تیرے ہی جلووں سے
کہیں تُو شمعِ محفل ہے کہیں تو نورِ کاشانہ

کچھ اس انداز سے جلوہ نمائی تونے فرمائی
کہ ہر ذرہ زمیں کا ہو گیا تیرا ہی دیوانہ

یہ دُنیا تیری نظروں میں مثالِ نقطۂ ناقص
یہ عالم خرمنِ عرفان کا تیرے صرف اک دانہ

مجھے معلوم ہے رازِ غلامی اہلِ عالم کا
ہے آئینِ سیاست سے ترے ذہن ان کا بیگانہ

اگر پیرو ترا یہ عالمِ ایجاد ہو جائے
تو اک انساں ہی کیا کُل کائنات آزاد ہو جائے

آرزو لکھنوی

المتوفی : ۱۹۵۱ء

ازل سے نقشِ دل ہے نازِ جانانہ محمدؐ کا
کیا ہے لوح نے محفوظ افسانہ محمدؐ کا

بنا ہے مہبطِ جبریلؑ کاشانہ محمدؐ کا
اب افسانہ خدا کا ہے ہر افسانہ محمدؐ کا

ڈرے کیا آتشِ دوزخ سے دیوانہ محمدؐ کا
کہ اُٹھتے شعلے گل کرتا ہے پروانہ محمدؐ کا

ظہورِ حال مستقبل سے ماضی کو ملا دوں گا
مجھے پھر آج دہرانا ہے افسانہ محمدؐ کا

رسائی کب ہے اس تک ہوشِ انساں عقلِ قدسی کی
جو اپنی رو میں بک جاتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

دوئی اک داغِ تہمت غیریت الزامِ بے معنی
وہ اپنا ہے جسے اپنائے یارانہ محمدؐ کا

شفاعت کی دعائیں وہ ہوا دیتے ہیں پر اس کا
جہنم کو بجھا سکتا ہے پروانہ محمدؐ کا

یہاں سے تا بہ جنت روک ہے کوئی نہ پرسش ہے
جہاں چاہے چلا جا ، بن کے دیوانہ محمدؐ کا

شعاع اس پار شیشے کے نظر اس پار شیشے کے
جھلک دیکھی کہ پہنچا اُڑ کے پروانہ محمدؐ کا

درود اوّل سخن ہو آرزو پھر شعرِ نعتیہ
زباں دھو ڈال اگر کہنا ہے افسانہ محمدؐ کا

صُوفی محمّد اکبر خان اکبر میرٹھی

المتوفی ۱۹۵۲ء

دل میں مرے آنکھوں میں سما جائے محمّد
ہر سمت نظر آئے تجلّائے محمّد

ارمان نِکل جائے مرے حجرۂ دل سے
یہ گھر ہے محمّد کا یہاں آئے محمّد

آنکھوں میں لگا لوں اسے پتلی میں بٹھاؤں
ہے خاکِ شفا خاکِ کفِ پائے محمّد

مر جاؤں میں سُن سُن کے ترا ذکرِ مُبارک
افسانے سے تیرے مجھے نیند آئے محمّد

وہ دل ہے کہ جس میں محبت ہو نبیؐ کی
وہ سر ہے کہ جس سر میں ہے سودائے محمّد

دیکھیں میں وہ اُمت کو خدا دیکھے ہے ان کو
یہ حق کا تماشا وہ تماشائے محمّد

گر پوچھا نکیرین نے اُمت میں کس کی
اُٹھ بیٹھوں گا پڑھتا ہُوا اسمائے محمّد

انوارِ خدا کا بھی کہیں ہوتا ہے سایہ
ہے نُورِ علی نور سراپائے محمّد

تھوڑی سی زمیں طیبہ میں اکبرؔ کو دے اللہ
قدموں میں محمّد کے ہو شیدائے محمّد

پنڈت کیفی دتاتریہ

وفات : ۱۹۵۵ء

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسولِؐ دوسرا کا
مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

پہنچایا ہے کس اوجِ سعادت پہ جہاں کو
پھر رُتبہ ہو کم عرش سے کیوں غارِ حرا کا

دے علم و یقیں کو مرے رفعتِ شہ والا
نام اُونچا ہے جس طرح مرا اور صفا کا

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جس سے
بطحا سے ہوا جلوہ فگن نُور خدا کا

ہے حامی و ممدوح مرا شافعِ محشر
کیفیؔ مجھے اب خوف ہے کیا روزِ جزا کا

بے خود دہلوی

وفات : ۱۹۵۵ء

پنہاں نہ ہے دل میں عشق حبیبِ الٰہ کا
دینے لگا ہے کام تصوّر نگاہ کا
بادِ صبا جو روضۂ انور پہ ہو گزر
کرنا بیان سب میرے حالِ تباہ کا
کہتے ہوئے سُنا نہیں کیا جبرئیلؑ کو
خادم ہوں بارگاہِ رسالت پناہ کا
غافل نہیں وہ اُمتِ عاصی کے حال سے
ہر وقت سامنا ہے کرم کی نگاہ کا
نیزہ کرن کا لے کے جو نکلا ہے آفتاب
اک لشکری ہے یہ بھی اُس انجم سپاہ کا
مختارِ کارخانۂ قدرت ہیں مُصطفیٰؐ
ہے ان کو اختیار سپید و سیاہ کا
اُٹھ جائے پردۂ رُخِ اسرارِ معرفت
سرمہ ملے جو آنکھ کو اُس گردِ راہ کا
گستاخیاں معاف ہوں ہاں اے حبیبِ ربّ
اس دل کو پڑ گیا ہے مزا تیری چاہ کا
مجھ کو وہاں ہے جلوۂ دیدار کی تلاش
بے نور ہے چراغ جہاں مہر و ماہ کا
بے خودؔ کی لاج شافعِ محشر تجھی کو ہے
تیرے سوا نہیں کوئی اس روسیاہ کا

وحشت کلکتوی

وفات : ۱۹۵۶ء

تُو جو اے ماہِ عرب عالم کی زینت ہو گیا
نور تیرا کس کے جلوے کی بشارت ہو گیا

نُور تیرا دافعِ آثارِ ظلمت ہو گیا
ایک عالم کے لیے شمعِ ہدایت ہو گیا

غم ترا آیا ہے دل میں عیش کا ساماں لیے
دُور کلفت ہو گئی اندوہ رُخصت ہو گیا

بچھ گئی ہے چادر خارِ مغیلاں دشت میں
تیرے وحشی کے لئے سامانِ راحت ہو گیا

سادہ دل عاشق کہ تھا مشتاق تیری دید کا
دیکھ کر آئینۂ دل محوِ حیرت ہو گیا

کیوں نہ منظورِ نظر ہو تیرے کوچے کا غبار
عین یہ تو سُرمۂ چشمِ بصیرت ہو گیا

روے انور کا تصوّر وجہِ حیرانی ہُوا
اک پری کا جلوہ تھا دیوانہ وحشت ہو گیا

مولانا ظفر علی خاں

المتوفی : ۱۹۵٦ء

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں " لولاک لما " کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیّاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

سردار عبدالرب نشتر

المتوفی : ۱۹۵۸ء

شب و روز مشغول صلِّ علیٰ ہوں
میں وہ چاکرِ خاتمِ انبیاءؐ ہوں

نگاہِ کرم سے نہ محروم رکھیو
تمہارا ہوں میں گر بھلا یا بُرا ہوں

مجھے بھی ہوں معراج معراج والے
مَیں دیوانہ لیلائے معراج کا ہوں

مرے لحن پر رشک داؤد کو ہے
مدینے کی گلیوں کا نغمہ سرا ہوں

نہ کیوں فخر ہو عشق پر اپنے مُجھ کو
رقیبِ خدا ، عاشقِ مصطفیٰؐ ہُوں

میں ہوں ہر دو عالم سے آزاد نشترؔ
گرفتارِ زلفِ رسولِ خدا ہوں

سیّد علی اختر حیدر آبادی

المتوفی : ۱۹۵۸ء

اے دہر مبارک ہو تجھ کو فردوسِ طرب کی جلوہ گری
پھولوں کی فضا، نغموں کا فسوں، ہر موج رواں ہر شاخ ہری
اب عقل ہے خود رازِ عرفاں، چلتی ہے نسیمِ امن و اماں
دم توڑ رہی ہے خود بینی، خاموش ہے نبضِ فتنہ گری

اقبالِ ظفر مندی نے اُلٹ دی بڑھ کے بساطِ ناکامی
احساس جواں سالی میں ہُوا تبدیلِ غمِ پیرانہ سری
عرفانِ حقیقت نے بخشا، غفلت کو شعورِ بیداری
اربابِ صداقت نے پایا، خطرات میں درسِ بےخطری

آئینِ غلامی نے سیکھے اندازِ کمالِ آزادی
گُم کردہ رہی نے روشن کی قندیلِ مقامِ راہبری
تعمیرِ کرم پر ختم ہُوئی، یارانِ جفا کی خونریزی
تعلیمِ خرد کے کام آئی اربابِ جنوں کی جامہ دری

اے کون و مکاں کے رازِ شرف اے بادشہِ دین و دُنیا
روشن ہے تری ذاتِ عالی سے انجمن اوجِ بشری
کافی ہے اسے نسبت تجھ سے کچھ اور نہ ہو گر دُنیا میں
اے کاش! زمانہ کر سکتا احساسِ حجابِ کم نظری

رخشاں ہے تجلی سے تیری تاریک زمین کی پیشانی
عنوان ہے تیری ہستی کا تکمیلِ حیاتِ انسانی

ہری چند اختر

وفات : ۱۹۵۸ء

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

کہہ دیا لا تقنطوا اختؔر کسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محوِ تمنّا کر دیا

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسنِ کائنات
اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیّا کر دیا
اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

محی الدین احمد ابوالکلام آزاد

المتوفی : ۱۹۵۸ء

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی
تو ابتدا سے طبع رواں منتہی ہوئی
ہر بیت میں جو وصفِ پیمبرؐ رقم کیے
کاشانۂ سخن میں بڑی روشنی ہوئی
ظلمت رہی نہ پرتوِ حسنِ رسولؐ سے
بیکار اے فلک شبِ مہتاب بھی ہوئی
ساقیٔ سلسبیل کے اوصاف جب پڑھے
محفل تمام مستِ مے بے خودی ہوئی
دل کھول کر رسولؐ سے مَیں نے کیے سوال
ھرگز طلب میں عار نہ پیشِ سخی ہوئی
تاریک شب میں آپؐ نے رکھا جہاں قدم
مہتابِ نقشِ پا سے وہاں روشنی ہوئی
ہے شاہِ دیں سے کوثر و تسنیم کا کلام
یہ آبرو تمام ہے حضرت کی دی ہوئی
سالک ہے جو کہ جادۂ عشقِ رسولؐ کا
جنت کی راہ اس کے لئے ہے کھلی ہوئی
آزاد اور فکر جگہ پائے گی کہاں
اُلفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

دل شاہجہان پوری

المتوفی : ۱۹۵۹ء

کیونکر نہ ہو مومن کو تمنائے مدینہ
ہیں مالکِ جنت چمن آرائے مدینہ

تنویر سے معمور ہے ہر ذرۂ یثرب
دیکھو تو سہی رونقِ صحرائے مدینہ

مداح رہا آپ کا ہر کافر و مومن
مجموعۂ اخلاق تھے مولائے مدینہ

افسردہ دلوں پر نظر فیض و عطا ہو
اے بحرِ کرم اے چمن آرائے مدینہ

روضے کی زیارت سے شرف پائیں گے زائر
کھینچے لئے جاتی ہے تمنائے مدینہ

سرچشمۂ توحید ہے یہ شہرِ مقدس
یکتا نظر آئی ہمیں دنیائے مدینہ

نغمہ ہے چمن میں یہ عنادل کی زباں پہ
ہر پھول سے خوش رنگ ہیں گلہائے مدینہ

جتنا بھی بڑھوں شوقِ لقا اور سوا ہو
ہے راحتِ دل جوشِ تمنائے مدینہ

اس راہ میں درکار ہے اخلاص عقیدت
گلشن نظر آیا ہمیں صحرائے مدینہ

ہو نوکِ قلم صفحۂ کاغذ پہ گل افشاں
مقصود ہے مدح چمن آرائے مدینہ

پایا لقب اے دِل یہ فقط حبِ نبی ہیں
کہتے ہیں فرشتے مجھے شیدائے مدینہ

مولانا غلام محمدؐ ترنم

المتوفی : ۱۹۵۹ء

گلشن عالم کے گوشوں میں گونج رہا ہے نامِ محمدؐ

ڈالی ڈالی پتّا پتّا دیتے ہیں پیغامِ محمدؐ

طیبہ کے میخانے میں ہے نور و مستی کیف و نکہت

بادۂ عرفاں مہکا مہکا روشن روشن جامِ محمدؐ

نورِ صداقت، رُوحِ دیانت، ایک بصیرت ایک حقیقت

بستی بستی صحرا صحرا پھیلا ہے اسلامِ محمدؐ

نیّرِ رخشاں، انجمِ تاباں، ماہِ فروزاں، صبحِ درخشاں

طور بداماں، جلوہ ساماں، نورِ مجسّم، بامِ محمدؐ

ذہن ہمارے باغی باغی، دل ہیں ہمارے داغی داغی

پھر بھی سہارا بن جائیں گے محشر میں اکرامِ محمدؐ

ذروں میں تنویرِ وحدت، پھولوں میں مہتابِ رنگت

اللہ اللہ ان کا زمانہ صبح سے روشن شامِ محمدؐ

نگہ ترحم، بہرِ ترنم، ایک بہار افروز تبسم

برسوں سے ہے جانِ تکلم، خلق کی عظمت نامِ محمدؐ

نوح ناروی

وفات : ۱۹۶۲ء

سامنے جس کی نگاہوں کے مدینہ آیا
لطف کے ساتھ اسے مرنا اسے جینا آیا

تابشِ حسنِ محمدؐ تھی یہ معراج کی رات
ہر چمکتے ہوئے تارے کو پسینا آیا

زندگی وادیِ یثرب میں بسر کرنا تھی
حضرتِ خضرؑ کو جی کر بھی نہ جینا آیا

اپنی گردش پہ اسی وجہ سے نازاں ہے فلک
کہ طوافِ درِ اقدس کا قرینا آیا

بیٹھے اس شان و حشم سے وہ سرِ زینِ براق
سمجھے جبریلؑ کہ خاتم کا نگینا آیا

حوضِ کوثر کے قریں مالکِ کوثر کی قسم
وہ ہے کافر جو کہے مجھ کو نہ پینا آیا

ناخدا جب ہو محمدؐ سا تو ہم کیوں نہ کہیں
نوحؔ طوفانِ حوادث میں سفینا آیا

ہادی مچھلی شہری

وفات : ۱۹۶۳ء

وجودِ پاک ہے کتنا محبّت آفریں تیرا
نہیں ثانی کوئی اے رحمت للعالمیں تیرا
ذرا اس اتحادِ حسن و اُلفت کو کوئی دیکھے
تو کعبے کے مکیں کا اور کعبے کا مکیں تیرا
تصوّر تیرا جنّت ہے، محبّت تیری بخشش ہے
یہ رُتبہ اور یہ درجہ شفیع المذنبیں تیرا
رہے گا حکم تیرا کار فرما روزِ آخر تک
لقب اے شافع محشر ہے ختم المرسلیں تیرا
توجہ کی نظر وقتِ شفاعت اس پہ بھی رکھنا
کہ ادنیٰ اُمّتی ہے ہادیِ خلوت نشیں تیرا

شوکت تھانوی

المتوفی : ۱۹۶۳ء

ہم ہیں تصوّرات کی جنت لیے ہوئے
آنکھیں ہیں بند جلوۂ رحمت لیے ہوئے

پہنچے ہوئے ہیں آج دیارِ حبیب میں
اس بختِ نارسا کی شکایت لیے ہوئے

دیوانہ وار آ ہی گیا ان کی بزم میں
اِک روسیاہ حسرتِ طاعت لیے ہوئے

احساس عطر بیز ہے عنبر فشاں خیال
بیٹھے ہیں ہم مدینے کی نکہت لیے ہوئے

جیسے کہ سامنے متبسّم حضورؐ ہیں
اور ہم ہیں ایک اشکِ ندامت لیے ہوئے

یارب! کھُلے نہ آنکھ کہ بیٹھے ہوئے ہیں ہم
پیشِ نظر جمالِ امانت لیے ہوئے

جیسے بھی کچھ ہے آپ کا ہے آپ کے سپرد
آیا ہے اپنے آپ کو شوکت لیے ہوئے

حاجی اصطفا خاں اصطفا لکھنوی

المتوفی : ۱۹۶۳ء

جڑے ہوتے ہیں جو دل میں مرے نگینے سے
یہ داغ ہجر ہیں لایا ہوں جو مدینے سے

نہ کیوں ہو نورِ مجسم وہ جسم بے سایہ
نکال دی گئی ظلمت ہو جس کے سینے سے

مہکتی رہتی ہیں جس سے مدینہ کی گلیاں
علاقہ کیا کسی خوشبو کو اس پسینے سے

نہ رہ سکے گا مدینہ میں بے ادب گستاخ
وہی رہے گا یہاں جو رہے قرینے سے

سفر حجاز کا جب اصطفا ہو آخر بار
تو جان ساتھ ہی نکلے مری مدینے سے

مانی جائسی

وفات : ۱۹۶۳ء

مرا دل رہ نوردِ جادۂ مدحِ پیمبرؐ ہے
وہ منزل ڈھونڈتا ہوں جو حدِ امکاں سے باہر ہے

کہوں کیونکر کہ اوجِ آسماں بطحا کا ہمسر ہے
مدینہ سجدہ گاہِ آفتابِ ماہ و اختر ہے

حبیبِ حق تصوّر میں تری کفشِ مطہر ہے
دماغِ شاعرِ معجز بیاں عرشِ بریں پر ہے

خوشا مستی کہ ہے کیفِ مسلسل زندگی میری
مے عشقِ نبیؐ ہے اور میرے دل کا ساغر ہے

کہاں امکاں تری توصیف ہے عہدہ برآئی کا
ثنائے مختصر یہ ہے کہ تو ممدوحِ داور ہے

مسلسل اشک جاری ہیں غمِ عشقِ پیمبرؐ میں
یہ آنکھیں ہیں مری یا منظرِ تسنیم و کوثر ہے

کہاں کا وعدۂ فردا مری جنت ہے دنیا میں
رسُولِ حق کا روضہ، روضۂ رضواں سے بہتر ہے

تجھے اے اوّلِ مخلوق حادث کس طرح کہہ دوں
قدم تیرا شہِ کونین سر حد قدم پر ہے

نبیؐ کی مدح میں پہلے ہوئی رطب اللساں قدرت
ہماری مدح اے مانیؔ مگر قندِ مکرر ہے

اثر صہبائی

المتوفی : ۱۹۶۳ء

یہ بارگاہِ محبت ہے اے سریر آرا
عبث ہے فخر و غرورِ شرافتِ نسبی
صفائے قلب ہے کیشِ گدائے خاک نشیں
نگاہِ فقر میں یکساں ہیں رومی و عربی
حرم کی راہ نہ لے ، گر نہیں نزے سر میں
جنونِ بادیہ پیمائی و جفا طلبی
بہارِ صبح ہیں بادہ کشاں بزمِ الست
شبِ سیاہ ہیں مستانِ بادۂ عنبی
یہ کس کے ذکر سے شاداب ہے مری ہستی
یہ کس کی یاد میں ہوں رشکِ شیشۂ حلبی
یہ فیض ہیں سب اُسی ذات کے ، لقب جس کا
ہے مکی و مدنی ہاشمی و مطلبی
چراغِ مصطفویٰ سے ہے روشن اب بھی جہاں
مگر نظر نہیں آتا ، شرار بولہبی
وہ جامِ زندگی و چشمۂ بقائے حیات
خضر بھی جس سے بجھاتا ہے اپنی تشنہ لبی
وہ میرِ قافلۂ رہروانِ جادۂ عشق
وہ صدرِ محفلِ ہستی محمد عربی
وہ ماہتابِ سپہرِ خلوص و صدق و صفا
وہ آفتابِ دو عالم ، فداہُ امی و ابی
اُسی کے فیض سے ذرّے بھی برق پارے ہیں
اُسی کے عشق میں سرشار چاند تارے ہیں

زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنوی

المتوفی ، ۱۹۶۵ء

کونین میں شہرت ہے سرکارِ دوعالم کی
چھائی ہوئی رحمت ہے سرکارِ دوعالم کی

مومن کی نگاہوں میں فردوس سے بھی بڑھ کر
آغوشِ محبت ہے سرکارِ دوعالم کی

اے ارضِ مدینہ کاش آنکھوں میں تجھے رکھوں
جنّت ہے تو جنت ہے سرکارِ دوعالم کی

انوارِ تجلّی سے ہیں دونوں جہاں روشن
کیا شمعِ رسالت ہے سرکارِ دوعالم کی

مردے ہی نہیں، کلمہ پتھر بھی پکار اُٹھیں
ٹھوکر میں وہ قدرت ہے سرکارِ دوعالم کی

امّی تھے، مگر سینہ گنجینۂ حکمت تھا
مشہور فصاحت ہے سرکارِ دوعالم کی

لازم ہے جسے رہنا، سرتاجِ امم بن کر
وہ خاص جماعت ہے سرکارِ دوعالم کی

طیبہ کا ہر اک کوچہ کیونکر نہ معطّر ہو
پھیلی ہوئی نکہت ہے سرکارِ دوعالم کی

اے زائرِ خوش قسمت روضہ کی زیارت بھی
دراصل زیارت ہے سرکارِ دوعالم کی

تاحشر رہے یارب! محفوظ حوادث سے
دل میں جو امانت ہے سرکارِ دوعالم کی

کہتے ہوئے مرقد سے محشر میں حمید آئے
مجھ کو تو ضرورت ہے سرکارِ دوعالم کی

یحییٰ تنہا

المتوفی : ۱۹۶۶ء

حصارِ ظلمتِ شب میں نہ ہونگے ہم مستور
جنابِ احمدِ مرسل کا ضو فگن ہے نور

یہ آج مکّہ میں شاہِ عرب کی آمد ہے
کہ گوش ہیں ہمہ تن چشم چشم میں ہے سرور

حرم سے بُت گئے دل سے خیالِ شرک گیا
خدائے واحد و قہّار ہے رحیم و غفور

بنا دیا ہمیں انسان اک اخوّت سے
ہمارے دل سے کیا جب غبارِ بغض کو دُور

غلام و آقا کی تمیز مٹ گئی یکسر
سب ایک صف میں تھے سرمایہ دار اور مزدور

شرافتِ عملِ نیک کے ہُوئے قائل
شرافتِ نسبی پر جو اپنی تھے مغرور

حجاز و شام و فلسطین اور عراق و یمن
عرب کے خطّوں میں اس کا جو پھیلا نور

نہ آج تک کوئی ایسا ہُوا نہ ایسا ہو
وہ ذاتِ پاک تھی بے شبہ و شک فقط اک نور

یتیم و بیوہ کا ملجا، ضعیف کا ماویٰ
پناہ لیتے تھے اس کی غلام اور مزدُور

کیا معاف خطا ہائے اہلِ مکّہ کو
کہ جن کے شر ہُوئے تھے وطن سے اپنے دُور

لڑے تھے ان سے جو بدر و حنین میں جا کر
معاف کر دیئے اک دم خوشی سے ان کے قصور

گناہ گار کو اُمیدوار رحمتِ حق
کیا اک آن میں، بس یہ وہاں کا تھا دستور

تھے بامراد فقیر و مسافر و مہماں
غرض کہ خدمتِ مخلوق ان کو تھی منظور

وہ بادشاہِ جہاں اور فقر پر ہو فخر
نہ ہم نے یہ کہیں دیکھا نہ یہ کہیں مسطور

غرض کہ سیرتِ حضرتؐ یہ کیا لکھے تنہاؔ
یہ بحر وہ ہے کہ جس پر نہ پائے کوئی عبور

میر عثمان علی خان

نظام دکن

المتوفی : ۱۹۶۷ء

عرش پر خلق کا سرتاج ہے آج
واہ کیا خوب یہ معراج ہے آج
دیکھو شاہِ مدنی کا جلوہ
سر پہ رحمت کا عجب تاج ہے آج
لیلۃ القدر جسے کہتے ہیں
مرحبا صلِّ علیٰ آج ہے آج
کس پیمبر کو مِلا یہ رُتبہ
دونوں عالم میں تراراج ہے آج
عرض کر یہ شہِ دین سے عثمانؔ
آپ کے ہاتھ مری لاج ہے آج

عبدالعزیز فطرت

المتوفی : ۱۹۶۷ء

جس کا نام اور نسب پُر نور
جس کا ہر پیارا لقب ہے پُر نور

اس پہ ہر لمحہ درود اور سلام
واہ کیا ماہِ عرب ہے پُر نور

لبکہ ہے نعت کا مضمون مقصود
میری ہر جنبشِ لب ہے پُر نور

اے خوشا وادیٔ یثرب کی فضا
افقِ دشتِ عرب ہے پُر نور

نور ہی نور ہے عالم عالم
دل ہی تنہا مرا کب ہے پُر نور

اسی محبوبِ زماں کا ہے یہ گھر
ہر طرح جس کا نسب ہے پُر نور

جس کے فیضانِ نظر کے صدقے
سب عجم اور عرب ہے پُر نور

جس نے انسان کو بخشا ہے شرف
زندگی جس کے سبب ہے پُر نور

جس کے روضے کی تجلّی کے طفیل
صبح رنگین ہے شب ہے پُر نور

آرزو بس اسی جلوے کی ہے
دیدۂ حسن طلب ہے پُر نور

فطرتؔ اور نعت کی سعی صادق
آج ایوانِ ادب ہے پُر نور

میرزا جعفر علی اثرؔ لکھنوی

المتوفی : ۱۹۶۷ء

نورِ یزداں سے ہوئی ہے خلق طینت آپ کی
یا رسولؐ اللہ ناممکن ہے مدحت آپ کی

آپ ہیں ختمِ رسل سردار جملہ انبیاء
ہے رقم جملہ صحیفوں میں بشارت آپ کی

آپ کی خاطر ہوئی آراستہ بزمِ شہود
مدعائے آفرینش ہے ولادت آپ کی

کنزِ حکمت میں نہاں رہتے رموزِ معرفت
گر نہ ہوتی یا رسولِ پاک بعثت آپ کی

خود کہا حق نے "مزمل" اے زہے حسنِ قبول
اللہ اللہ وہ عبادت وہ ریاضت آپ کی

آپ ہیں خیر الوریٰ، خیر الامم، خیر البشر
کی شبِ معراج خالق نے ضیافت آپ کی

کفر کی ظلمت چھنٹی پھیلا اُجالا دین کا
ہے سراجِ معرفت، روشن طریقت آپ کی

حلم وصبر واتقا، جود وسخا، عفو وکرم
معرفت کا درس ہے ایک اک فضیلت آپ کی

آپ کا ہر فعل عند اللہ تھا بے لوث تھا
بارور آخر ہوئی اس طرح محنت آپ کی

نار وجنت آپ کے تسنیم وکوثر آپ کے
ہر دو عالم آپ کے خود حق کی رحمت آپ کی

ماہِ کامل نے سرِ تسلیم فوراً خم کیا
اُٹھ گئی جس وقت انگشتِ شہادت آپ کی

بوریا سونے کو اور کھانے کو اک نانِ جویں
یہ تجمل اس پہ یہ سادہ معیشت آپ کی

نعرۂ تکبیر لب پر پیٹ پر پتھر بندھا
راہِ حق میں کس قدر راسخ تھی ہمت آپ کی

رستخیزِ حشر میں میدان دارو گیر میں
بخششِ امت کی ضامن ہے کفالت آپ کی

جس طرح صیقل سے آئینے کے جوہر ہوں عیاں
قلبِ مومن کو جلا دیتی ہے اُلفت آپ کی

رحمۃ للعالمین اس سے لقب ہے آپ کا
جوش میں لائے گی رحمت کو شفاعت آپ کی

عاصی وناکارہ ہے لیکن ہے شیدا آپ کا
کاش اثرؔ کو بھی میسر ہو زیارت آپ کی

اُستاد سیّد محمّد حسین قمر جلالوی

المتوفی : ۱۹۶۸ء

تجھ سے پہلے کوئی شے حق نے نہ اصلا دیکھی
خوب جب دیکھ لیا تجھ کو تو دُنیا دیکھی

تُو نے قبل از دو جہاں شانِ تجلیٰ دیکھی
عرش سجتا ہُوا ، بنتی ہُوئی دُنیا دیکھی

تیرے سجدے سے جھکی سارے رسولوں کی جبیں
سب نے اللہ کو مانا تیرا ہی دیکھا دیکھی

میزباں خالقِ کونین بنا خُود تیرا
تیری توقیر سرِ عرشِ معلیٰ دیکھی

آپ چُپ ہو گئے ارمانِ زیارت سُن کر
میری حالت پہ نظر کی نہ تمنا دیکھی

حق کے دیدار کی بابت جو کہا فرمایا
اک جھلک دیکھنے پر حالتِ موسیٰ دیکھی

اے قمر شق ہُوا مہتاب پیمبر کے لیے
ہم نے دو ہوتے ہُوئے چاند کی دُنیا دیکھی

شکیل بدایونی

المتوفی : ۱۹۷۰ء

تمنّا ہے کہ مرتے وقت بھی ہم مسکراتے ہوں
زباں پر یا محمدؐ ہو جب اس دنیا سے جاتے ہوں

بنے اے کاش اُس دم سازِ ہستی آخری ہچکی
فرشتے نغمۂ صلِّ علیٰ جب گنگناتے ہوں

مزہ جب ہے کہ ہم دیوانہ وار انکی طرف جائیں
اشاروں سے شہِ ہر دوسرا ہم کو بلاتے ہوں

شبِ فرقت کی ان رنگینیوں پر جان و دل صدقے
تمھاری یاد ہو دل میں ستارے جھلملاتے ہوں

نہ کیوں اُونچا ہو سارے انبیا سے مرتبہ اُن کا
سفارش کر کے جو اُمت کو اپنی بخشواتے ہوں

سکوں کی ساعتوں میں کون ان کو بھول سکتا ہے
دمِ مشکل جو ہر اک بے نوا کے کام آتے ہوں

بیاں ہو کیا شکیلؔ اُس بزمِ دل کی جلوہ سامانی
حبیبِ کبریا جس بزم تشریف لاتے ہوں

اختر علی تلہری

المتوفی : ۱۹۷۱ء

پاکیزگیِ دل ہے تمنائے مدینہ

بالیدگیِ عقل ہے سودائے مدینہ

جب سے کہ محمدؐ نے بنایا اُسے مسکن

نکھرا ہُوا ہے چہرۂ زیبائے مدینہ

اخلاق و تمدّن کو نئی نزہتیں بخشیں

اے فخرِ رسلؐ اے چمن آرائے مدینہ

اربابِ ہوس اس کے مقابل میں نہ آئیں

ہم مرتبۂ عرش ہے شیدائے مدینہ

عیسیٰؑ ہیں سرِ راہ بچھائے ہوئے آنکھیں

یہ اوج ترا انجمن آرائے مدینہ

اے عیش و امارت کے فریبوں میں گرفتار

ہاں بھول نہ جانا کہیں منشائے مدینہ

شادابیِ جنّت ہے مرے شعر میں اخترؔ

تخئیل کے دامن میں ہیں گلہائے مدینہ

افقر موہانی

المتوفی : ۱۹۷۱ء

فطرت کا یہ پیغام صبا لائی ہوئی ہے
گلشن میں نئے سر سے بہار آئی ہوئی ہے

معبود کو بندوں کی ادا بھائی ہوئی ہے
کس جوش سے رحمت کی گھٹا چھائی ہوئی ہے

اُٹھنے کو نبوت کا جو ہے آخری پردہ
دُنیا کی نظرِ دید کو للچائی ہوئی ہے

معمور دو عالم ہوئے انوارِ نبیؐ سے
اِک برقِ تجلّی ہے کہ لہرائی ہوئی ہے

پھیلے ہوئے ہر سمت ہیں ایمان کے جلوے
تصویرِ بُت و بُت کدہ کھلائی ہوئی ہے

پڑھتے ہیں درُود اور سلام آج ملائک
کونین پہ مستی کی فضا چھائی ہوئی ہے

افقرؔ پئے تعظیم اُٹھو تم بھی بصد شوق
میلادِ محمدؐ کی خبر آئی ہوئی ہے

روش صدیقی

المتوفی : ۱۹۷۱ء

شاہدِ اسریٰ فروزِ شمعِ حریمِ ظہور — اے شبِ معراجِ عشق مطلعِ نور و سرور
تیرے لیے لامکاں خلوتِ امکاں بنا — تیرے لیے اُٹھ گیا پردۂ غیب و حضور
تیرے لیے فرشِ راہ منتظرِ یک نگاہ — نکہتِ روحِ بہشت تابشِ گیسوئے حور
تُو نے درخشاں کیا تجھ سے فروزاں ہوا — صبحِ ازل کا فروغ شامِ ابد کا سرور
خلوتِ رازِ دلی تجھے سراپا جمال — دیدۂ قوسین میں تیری تمنا کا نُور
تجھ سے ہُوئی گرم راز زلفِ خفی و جلی — تو نے کیا بے نقاب چہرۂ نزدیک و دور
کون گل افشاں نہیں، کون غزل خواں نہیں — چن کے ریاضِ خلیل پڑھ کے کلامِ زبور
ہاں تو وہی رات ہے جس میں خدا سے ملا — صاحبِ شق القمر، شافعِ یوم النشور
عظمتِ روحِ خلیلؑ نازِ مسیحؑ و کلیمؑ — سینۂ آدمؑ کا راز دیدۂ یزداں کا نور
ارض و سما کا سکون جس کے لیے ناشکیب — عرشِ بریں کا قرار مظہرِ ربِ غفور
رحمتِ بے انتہا کون و مکاں کے لیے — صورتِ خلقِ عظیم مظہرِ ربِّ غفور

ہے وہ امام البشر آج وہاں جلوہ گر
عرش جہاں سجدہ ریز خاک قدم اوجِ طور

علامہ محی الدین تمنّا عمادی

وفات : ۱۹۷۲ء

اے خوش نصیب لوگو یثرب کے جانے والو — عیشِ ابد کما لو رنجِ سفر اٹھا کر
جاتے ہو تم تو جاؤ لیکن یہ یاد رکھنا — جاتے ہو میرے دل میں اک آگ سی لگا کر
لکھی تو تھی یہ دولت تقدیر میں تمہاری — کیا پھل ملے گا مجھ کو اب خار تم سے کھا کر
آؤ ذرا کہ دے لوں تسکین اپنے دل کو — خاکِ قدم تمہاری آنکھوں سے میں لگا کر
اس بدنصیب کی ہے اِک عرض سنتے جاؤ — کہتا ہے چشمِ تر سے سیروں لہو بہا کر
دیکھو یہ یاد رکھنا طیبہ میں جب پہنچنا — مجھ کو نہ بھول جانا مقصود اپنا پا کر
ہو روضۂ نبی پر جب حاضری تمہاری — کہنا بہت ادب سے جالی کے پاس جا کر
سرکار نیند کب تک للہ جلد اٹھیے — اُمت کا دم رُکا ہے گویا لبوں پہ آ کر
محشر بپا ہے اٹھیے اے شمعِ بزمِ محشر — اُمت کے سر پہ رکھیے دستِ کرم اب آ کر
بگڑی ہے بات ایسی بنتی نہیں بنائے — بیٹھے ہیں آپ ہی سے سب آسرا لگا کر
اور اِک غریب جس کو کہتے ہیں سب تمنّاؔ — آنے کے وقت ہم نے دیکھا جو اس کو جا کر
طیبہ کی سمت رُخ تھا اشک آنکھوں سے رواں تھے — بیچارہ کہہ رہا تھا یوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر

تا در جہانِ خوبی امروز کامگاری
باشد کہ بیدلاں را کامے زلب برآری

سراج الدین ظفر

المتوفی : ۱۹۷۲ء

سبوئے جاں میں چھلکتا ہے کیمیا کی طرح
کوئی شراب نہیں عشقِ مصطفیٰؐ کی طرح

قدح گسار ہیں اُس کی اماں میں جس کا وجود
سفینۂ دوسرا میں ہے ناخدا کی طرح

وہ جس کے لطف سے کھلتا ہے غنچۂ ادراک
وہ جس کا نام نسیمِ گرہ کشا کی طرح

طلسمِ جاں میں وہ آئینہ دارِ محبوبی
حریمِ عرش میں وہ یارِ آشنا کی طرح

وہ جس کا جذب تھا بیداریٔ جہاں کا سبب
وہ جس کا عزم تھا دستورِ ارتقا کی طرح

وہ جس کا سلسلۂ جُود ابرِ گوہر بار
وہ جس کا دستِ عطا مصدرِ عطا کی طرح

خزاں کے جلۂ ویراں میں وہ شگفتِ بہار
فنا کے دشت میں وہ روضۂ بقا کی طرح

بسیط جس کی جلالت حمل سے میزاں تک
محیط جس کی سعادت خطِ سما کی طرح

سوادِ صبحِ ازل جس کے راستے کا غبار
طلسمِ لوحِ ابد جس کے نقشِ پا کی طرح

وہ عرش و فرش و زمان و مکاں کا نقشِ مراد
وہ ابتدا کے مقابل وہ انتہا کی طرح

شرف ملا بشریت کو اُس کے قدموں میں
یہ مشتِ خاک بھی تاباں ہوئی ہما کی طرح

اُسی کے حُسنِ سماعت کی تھی کرامتِ خاص
وہ اک کتاب کہ ہے نسخۂ شفا کی طرح

وہ نورِ لم یزلی تھا نہ قبائے وجود
یہ راز ہم پہ کھُلا رشتۂ قبا کی طرح

بغیر عشقِ محمدؐ کسی سے کھل نہ سکے
رموزِ ذات کہ ہیں گیسوئے دوتا کی طرح

ریاضِ مدحِ رسالت میں راہوارِ غزل
چلا ہے رقص کناں آہوئے صبا کی طرح

نہ پُوچھ معجزۂ مدحتِ شہِ کونینؐ
مرے قلم میں ہے جنبش پرِ ہما کی طرح

جمالِ روئے محمدؐ کی تابشوں سے ظفرؔ
دماغِ رند ہُوا عرشِ کبریا کی طرح

ابر احسنی گنوری

المتوفی : ۱۹۷۳ء

نبیؐ جتنے قریب عرشِ اعظم ہوتے جاتے ہیں
ذریعے بخششِ اُمّت کے محکم ہوتے جاتے ہیں
مسرّت بڑھتی جاتی ہے اَلم کم ہوتے جاتے ہیں
قریبِ خُلدِ طیبہ غالبًا ہم ہوتے جاتے ہیں
یہ کس نے ساز چھیڑا دہر میں وحدت پرستی کا
ترانے شرک کی تانوں کے مدھم ہوتے جاتے ہیں
جو ٹھکرائے ہوئے تھے دہر کے وہ تیری محفل میں
مکرّم بنتے جاتے ہیں معظّم ہوتے جاتے ہیں
عروجِ اہلِ ایماں دیکھتے نااہل کس دل سے
حسد کی آگ سے سینے جہنّم ہوتے جاتے ہیں
اندھیرا ہے کہ چُھٹتا جا رہا ہے خود شبِ اسریٰ
دو عالم ہیں کہ انوارِ مجسم ہوتے جاتے ہیں

حرا میں ابرؔ فاقہ ہے ورم ہے پائے اقدس پہ
مگر آقا کے سجدے ہیں کہ پیہم ہوتے جاتے ہیں

حفیظ ہوشیارپوری

المتوفی : ۱۹۷۳ء

ظہورِ نورِ ازل کو نیا بہانہ ملا
حرم کی تیرہ شبی کو چراغِ خانہ ملا

تری نظر سے ملی روشنی نگاہوں کو
دلوں کو سوزِ تب و تابِ جاودانہ ملا

خدا کے بعد جلال و جمال کا مظہر
اگر ملا بھی تو کوئی ترے سوا نہ ملا

وہ اوجِ ہمّت عالی، وہ شانِ فقر غیور
کہ سرکشوں سے باندازِ خسروانہ ملا

وہ دشمنوں سے مدارا، وہ دوستوں پہ کرم
بقدرِ ظرف ترے در سے کس کو کیا نہ ملا

زمیں سے تا بفلک جس کو جرأتِ پرواز
وہ میرِ قافلہ وہ رہبرِ یگانہ ملا

بشر پہ جس کی نظر ہو، بشر کو تیرے سوا
کوئی بھی محرمِ اسرارِ کبریا نہ ملا

خیالِ اہلِ جہاں تھا کہ انتہائے خودی
حریمِ قدس کو تجھ سا گریزپا نہ ملا

نیاز اُس کا، جبیں اُس کی، اعتبار اُس کا
وہ خوش نصیب جسے تیرا آستانہ ملا

درِ حضور سے کیا کچھ ملا نہ مجھکو حفیظؔ
زلالِ شوق ملی، جذبِ عاشقانہ ملا

بہزاد لکھنوی

المتوفی : ۱۹۷۴ء

نہ پوچھو کہ کیا ہیں ہمارے محمدؐ

شہِ دوسرا ہیں ہمارے محمدؐ

انھیں نے بتائیں ہمیں حق کی باتیں

رسولِ خدا ہیں ہمارے محمدؐ

نہ کیوں ان پہ صدقے ہو سارا زمانہ

حقیقت نما ہیں ہمارے محمدؐ

زمیں بھی ہے ان کی زماں بھی ہے ان کا

شہِ دوسرا ہیں ہمارے محمدؐ

نہیں بات خالی کسی کی بھی جاتی

بڑے پُر عطا ہیں ہمارے محمدؐ

ہمیں خوف محشر کا بہزآد کیوں ہو

حبیبِ خدا ہیں ہمارے محمدؐ

یوسف جمال انصاری

المتوفی : ۱۹۷۵ء

برنگِ دوش جو فردا دکھائی دیتا ہے
یہ کس کا نقشِ کفِ پا دکھائی دیتا ہے

نثار جس پہ کلیمی، فدا مسیحائی
وہ اک کلیم و مسیحا دکھائی دیتا ہے

محمدِ عربی ہے، محمدِ عربی
کہیں بھی کوئی بھی ایسا دکھائی دیتا ہے

وہ انقلاب کہ اسلام جس کو کہتے ہیں
وہ تیرے نطق سے پیدا دکھائی دیتا ہے

ستارے بجھ گئے سارے، وہ چاند ماند ہُوا
اب آفتاب ہی تنہا دکھائی دیتا ہے

یہ کس نے پاؤں رکھا، کون ہے یہ فرش نشیں
کہ عرش اور بھی اونچا دکھائی دیتا ہے

شبِ وصال نہیں، فرقِ طالب و مطلوب
بس ایک جلوۂ یکتا دکھائی دیتا ہے

وہیں سے بارشِ انوار ہونے لگتی ہے
جہاں سے روضۂ والا دکھائی دیتا ہے

ہزار جان بلباں فدائے جانانہ
یہی وفا کا تقاضا دکھائی دیتا ہے

یہ کس کے دم سے خدائی ہوئی خدا آگاہ
وہی جو خاک کا پتلا دکھائی دیتا ہے

نثار دل ہمہ چہرے قدم نظر پہلے
دل و نظر میں یہ جھگڑا دکھائی دیتا ہے

خدا پہ ہو جو بھروسہ تو ناخدا آپ ہیں
بھنور کے پار کنارا دکھائی دیتا ہے

عجب سماں ہے کہ جلتی ہے کربلائے حیات
شفق میں خون کا دریا دکھائی دیتا ہے

ہوا چلی ہے کچھ ایسی کہ جس کو بھی دیکھو
صلیبِ غم پہ اکیلا دکھائی دیتا ہے

یہ حال ہے کہ محبت کے دل فگاروں کو
کسی کا درد ہو اپنا دکھائی دیتا ہے

محوی صدیقی لکھنوی

المتوفی : ۱۹۷۵ء

سناؤں ہم نفس آ تجھ کو افسانہ محمدؐ کا — کہ میں ہوں روزِ اوّل ہی سے دیوانہ محمدؐ کا
زمیں مسند، مگر پروا نہ تھی کسریٰ و قیصر کی — تعالی اللہ یہ تھا فقرِ شاہانہ محمدؐ کا
یہاں کی سرخوشی پر طور کی بے ہوشیاں صدقے — یہ میخانہ ہے اے موسیٰؑ وہ میخانہ محمدؐ کا
پلٹ دی جس نے کایا اک نظر میں بزمِ ہستی کی — کوئی اعجاز تھا یا عزمِ مردانہ محمدؐ کا
نظر آئے جو شمعِ روضۂ انوار ان آنکھوں کو — لپک کر دے وہیں پر جان پروانہ محمدؐ کا
نہ آنسو آنکھ کے تھمتے نہ مٹتی ہے تڑپ دل کی — سنا ہے جب سے ان کانوں نے افسانہ محمدؐ کا
قسم کھاتے ہیں اہلِ ہوش جس کی عقل و حکمت کی — خدا شاہد وہ فرزانہ ہے دیوانہ محمدؐ کا
عرب کا ذرّہ ذرّہ آج تک سرشارِ وحدت ہے — کبھی گردش میں آیا تھا جو پیمانہ محمدؐ کا
الٰہی اپنی اس بے مائگی پر شرم آتی ہے — کہ جانِ زار بھی کوئی ہے نذرانہ محمدؐ کا
محبت خوں رُوتی ہے، تمنّا تلملاتی ہے — تڑپتا ہے جدائی میں جو دیوانہ محمدؐ کا
پیئے دو گھونٹ جس نے اُٹھ گئے کونین کے پردے — یہ کس صہبا سے تھا لبریز پیمانہ محمدؐ کا

کہاں ہیں تشنۂ عرفاں صلائے عام ہے محویؔ
ابھی تک بزم میں رقصاں ہے پیمانہ محمدؐ کا

نجم آفندی

المتوفی : ۱۹۷۵ء

انسان کے خاکی پیکر میں اب شافعِ محشر آتے ہیں
جو دونوں جہاں کے مالک ہیں وہ بھیس بدل کر آتے ہیں

آمد ہے اب ان کی عالم میں جن سے ہے وجودِ ارض و سما
اب ختم ہے سب کی راہبری کونین کے رہبر آتے ہیں

آنکھیں تو بچھا ہی رکھی ہیں، خاکسترِ دل کا فرش کرو
ہے عرش بھی جن کے زیرِ قدم وہ فرشِ زمیں پر آتے ہیں

اصنام کے بندے کیا جانیں در اصل خدائی ان کی ہے
جو غارِ حرا سے گھر کی طرف اوڑھے ہوئے چادر آتے ہیں

دیدارِ نبیؐ ہو جائے تو پھر، بوذر سے کہیں سلماں سے کہیں
ہم نے بھی وہ آنکھیں دیکھی ہیں، ہم کو بھی وہ تیور آتے ہیں

کیا کوئی پیئے گا میری طرح، میکش ہوں وہ ایسا محفل کا
جب سے مجھے پیتا دیکھا ہے، کوثر کو بھی چکر آتے ہیں

جب مدحِ پیمبرؐ کرتا ہوں، وہ زورِ سخن بڑھ جاتا ہے
اے نجمؔ سلامی دینے کو الفاظ کے لشکر آتے ہیں

شفیق کوٹی

المتوفی : ۱۹۷۶ء

بشارتیں ہیں کہ فیضانِ جستجوے رسولؐ
کلی کلی سے مجھے آ رہی ہے بوے رسولؐ
لگی ہوئی ہے لگن مجھ کو ارضِ بطحا کی
بسی ہوئی ہے مرے دل میں آرزوے رسولؐ
ہجومِ لالہ و گُل پر ہے عطر بیز فضا
مشامِ شوق تک آئی ہے مشکِ بوے رسولؐ
یہی تو ایک وسیلہ ہے میری بخشش کا
نگاہِ شوق ہو محوِ طوافِ کوے رسولؐ
مری نظر میں خرد کی نہیں کوئی توقیر
جنونِ شوق مجھے لے چلا ہے سوے رسولؐ
اسے تو ختمِ نبوت کا معجزہ کہئے
حدیث بن گئی دُنیا میں گفتگوے رسولؐ
ریاضِ دہر میں بے چین بوے گُل ہے شفیقؔ
نہ جانے رنگِ جنوں ہے کہ جستجوے رسولؐ

ماہرالقادری

المتوفی : ۱۹۷۸ء

حرم میں اذانِ سحر اللہ اللہ
کہ ہیں وجد میں بحر و بر اللہ اللہ

بہ ہر طوف یہ ملتزم پر دعائیں
یقینِ قبول و اثر اللہ اللہ

مقامِ براہیم پر یہ نمازیں
بہ ہر سجدہ معراجِ سر اللہ اللہ

دھڑکتے ہوئے دل کا لے کر سہارا
مناجات با چشمِ تر اللہ اللہ

تصور میں ہے ایک زندہ حقیقت
تخیل بھی ہے معتبر اللہ اللہ

تجلّی میں دھوتے ہوتے سنگریزے
یہاں کے نجوم و قمر اللہ اللہ

جلالِ الٰہی کی تابندگی میں
جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ

یہ میزابِ رحمت وہ رکنِ یمانی
مقاماتِ اہلِ خبر اللہ اللہ

وہ کعبہ جسے دیکھ لینا عبادت
مسلسل ہے پیشِ نظر اللہ اللہ

صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم

المتوفی : ۱۹۷۸ء

رخشندہ ترے حسن سے رُخسارِ یقیں ہے
تابندہ ترے عشق سے ایماں کی جبیں ہے
چمکا ہے تری ذات سے انساں کا مقدر
تو خاتمِ کونین کا رخشندہ نگیں ہے
ہر قول ترا حرفِ صداقت کا ہے ضامن
ہر فعل ترا حسنِ ارادت کا امیں ہے
ہر گام ترا ہم قدمِ گردشِ دوراں
ہر جادہ تری رہ گزرِ خُلدِ بریں ہے
جس میں ہو ترا ذکر وہی بزم ہے رنگین
جس میں ہو ترا نام وہی بات حسیں ہے
چمکی تھی کبھی جو ترے نقشِ کفِ پا سے
اب تک وہ زمیں چاند ستاروں کی زمیں ہے
آنکھوں میں ہے اُس خلقِ مجسّم کا تصوّر
اِک خلدِ مسرّت مری نظروں کے قریں ہے

پروفیسر محمّد طاہر فاروقی

المتوفی : ۱۹۷۸ء

آپ کے کوچے میں ہو میرا گزر یا مصطفیٰؐ
میری پیشانی ہو اور وہ سنگِ در یا مصطفیٰؐ

اس جوارِ قدس میں للہ کیجے بار یاب
یا رسول اللہؐ یا خیر البشرؐ یا مصطفیٰؐ

ارمغاں شایانِ دربارِ رسالت کچھ نہیں
ہاں بس اک شرمِ گنہ، اک چشمِ تر یا مصطفیٰؐ

رشحۂ ابرِ کرم کا ایک چھینٹا ہی ملے
میری ظلمت کی بھی ہو جائے سحر یا مصطفیٰؐ

آپ کا دیدار ہو ایسے کہاں میرے نصیب
ہاں اگر ہو جائے رحمت کی نظر یا مصطفیٰؐ

بادۂ الفت کا اک ساغر عطا کر دیجئے
ہوں بہت اب تشنہ لب تشنہ جگر یا مصطفیٰؐ

آپ کے جود و کرم سے ہیں دو عالم فیض یاب
اس طرف بھی ایک رحمت کی نظر یا مصطفیٰؐ

آپ کو شیخین کا ہے واسطہ کیجے کرم
ہوں خطا کار و خطا جو سر بسر یا مصطفیٰؐ

از رہِ لطف و کرم آپ اپنا دیوانہ کہیں
بس یہ ہو طاہر کی نیت کا ثمر یا مصطفیٰؐ

عرش ملسیانی

وفات : ۱۹۷۹ء

کہہ دل کا حال شاہِ رسالت مآب سے
ہو بے نیاز ذکرِ عذاب و ثواب سے

دِل کو اگر ہے چاند بنانے کی آرزو
کر اکتساب نور اسی آفتاب سے

ذکرِ نبیؐ کروں گا تو کہہ دوں گا روزِ حشر
لایا ہوں ارمغاں یہ جہانِ خراب سے

سجدہ گذار ہو کے درِ مصطفیٰؐ پہ تو
ہو ملتجی کرم کا خُدا کی جناب سے

کہتی ہے خلق مجھ کو خراباتیِ نبیؐ
اچھا کوئی خطاب نہیں اس خطاب سے

کیفِ خیالِ شاہِ رسالت سے مست ہو
بڑھ کر کوئی شراب نہیں اس شراب سے

ہوتا ہے عرشؔ دولتِ دیں سے جو بہرہ ور
تو بھی رجوع کر شہِ دیں کی جناب سے

جمیل مظہری

المتوفی : ۱۹۸۰ء

وہ دیکھو اُٹھ رہے ہیں پردہ ہائے چرخِ زنگاری — وہ دیکھو مسکراتی ہے تجلی چشمِ روزن سے
وہ دیکھو چاند نکلا وادیٔ تاریک بطحا سے — وہ دیکھو چاندنی چھٹکی فروغِ رُوئے روشن سے
لٹائے عیسیٔ گردوں نشیں نے چرخ سے تارے — چلے پیغام لے کر بلبلِ سدرہ نشیمن سے
یہ کیسی بجلیاں چمکیں یکایک کوہِ فاراں پر — کہ موسیٰ کی نگاہیں مڑ گئیں وادیٔ ایمن سے
یہ کس نے وادیٔ بطحا میں دل کی بانسری چھیڑی — کہ پر تولے چلے آتے ہیں طائر بند ایمن سے
محمد مصطفیٰ برہم کنِ تقدیرِ بت خانہ — صدائے یہم یہ آتی ہے بتوں کی دل کی دھڑکن سے
ہوئے جاتے ہیں حق و کفر کے آتش کدے ٹھنڈے — پئے تسلیم خم ہے سطوتِ کسریٰ مدائن سے
رُخِ موسیٰ کی ہیبت بن رہی ہے گردِ عارض کی — لبِ عیسیٰ کا جادو جاگتا ہے چشمِ پُرفن سے
جلو میں مریمِ عصمت اٹھائے گوشۂ چادر — خواصی میں عروسِ ارتقا وابستہ دامن سے
اجالی پر توِ رخسار سے مجلس تمدن کی — چراغاں جادۂ تہذیب نقشِ پائے روشن سے
وہ جلوہ جو سرورِ معرفت دیتا ہے آنکھوں کو — وہ آنکھیں جو خراجِ دوستی لیتی ہیں دشمن سے
وہ دل وہ فکر پرور دل جو تھا سرچشمۂ عرفاں — ہوئی ہے منضبط رفتارِ ہستی جس کی دھڑکن سے
جواں ہو کر وہ بچۂ رحمت ہر دوسرا نکلا — امینِ قوم کہتی تھی جسے دُنیا لڑکپن سے
وہ فتنے بے تکلف سو گئے زیرِ قدم آ کر — گزر جاتی تھیں کترا کر ہوائیں جن کے دامن سے
برستی ہے گھٹا رحمت کی کھل کھل کر زمانے پر — دُھلا جاتا ہے رنگِ تیرہ بختی قلبِ آہن سے

ظہورِ حسن کی پہلی کرن پھوٹی ہے چلمن سے
ملایا سازِ فطرت نے تمہارے دل کی دھڑکن سے

حافظ مظہر الدین

المتوفی : ۱۹۸۰ء

دیکھ اے بندۂ اسباب! یہ فیضانِ رسولؐ
بن گیا مجھ سا تہی دست بھی مہمانِ رسولؐ
اللہ اللہ اثرِ نغمۂ مستانِ رسولؐ
عالمِ وجد میں ہیں کوہ و بیابانِ رسولؐ
سب گنہ گار ہیں وابستۂ دامانِ رسولؐ
مرحبا صلِّ علیٰ وسعتِ دامانِ رسولؐ
اب مری روح میں مستی ہے، نظر میں مستی
اب میسّر ہے مجھے صحبتِ مستانِ رسولؐ
آج ہے کحلِ بصر جادۂ یثرب کا غبار
آج ہے غازۂ رُخ خاکِ بیابانِ رسولؐ
دل نوازی کا ہے یہ وقت ہوائے صحرا
راہِ طیبہ میں ہے اِک چاک گریبانِ رسولؐ
آستاں بوسئ خواجہ کی سعادت ہے نصیب
آج مائل ہے کرم بخشی پہ دربانِ رسولؐ

فضل احمد کریم فضلی

المتوفی : ۱۹۸۱ء

ہے اگر کائنات ایک رباب — ذاتِ پاکِ حضور ہے مضراب
سب میں کچھ کچھ کمی سی لگتی ہے — جو بھی آتے ہیں ذہن میں القاب
وہ کہ ان کا نہیں کوئی بھی مثیل — وہ کہ ان کا نہیں کوئی بھی جواب
ان کی ذات و صفات اک دریا — اور الفاظ میرے مثلِ حباب
بے نواؤں کو عظمتیں بخشیں — ان کی عظمت کی کوئی حد نہ حساب
نور ان کا ہے کر دیا جس نے — ذرّے ذرّے کو مہرِ عالم تاب
قوم جو علم سے تھی بے بہرہ — کھول دی زندگی کی اس پہ کتاب
بے ادب بادیہ نشینوں کو — آئے موت و حیات کے آداب
موت کو یوں بنا دیا محبوب — لوگ مرنے کو ہو گئے بے تاب
دولت و ملک و نسل کی تفریق — تھی جو انسانیت کے حق میں عذاب
یوں مٹا دی کہ بوذر و سلماں — ہو گئے ہمسرِ عمر خطاب
آپ ہی کی بتائی وہ نکلی — جب بھی سوجھی کسی کو راہِ صواب
ان کا پیغام جس نے اپنایا — آ گیا اس کی زندگی پہ شباب
روح کو ان کے عشق سے آرام — دل ہے گو ان کے عشق میں بیتاب
ان کی خوشبو نفس نفس میں ہے — سانس لینا بھی اب ہے کارِ ثواب

ذکرِ پاک اُن کا اور تو فضلی
بے ادب سیکھ عشق کے آداب

نیّر واسطی

المتوفی : ۱۹۸۲ء

جہاں میں رحمۃ للعالمین شانِ محمدؐ ہے
زمانے میں رواں دریائے فیضانِ محمدؐ ہے

بہارِ سیرِ محبوبی ہے سبحان الذی اسریٰ
فاوحیٰ بوئے گلہائے شبستانِ محمدؐ ہے

وہ خورشیدِ رسالت ہیں وہ شمعِ بزمِ وحدت ہیں
زمانہ جلوہ زارِ روئے تابانِ محمدؐ ہے

سکندر اور سلیمانؑ ہیں محمدؐ کے غلام اب بھی
کہ بالاتر جہاں میں شوکتِ شانِ محمدؐ ہے

خدا کی حکمرانی کے عجب انداز ہیں نیّر
رواں کونین میں ہر سمت فرمانِ محمدؐ ہے

احسان دانش

المتوفی : ۱۹۸۲ء

کعبۂ جاں قبلۂ قلب و نظر پیدا ہُوئے
خواجۂ کونین، شاہِ بحر و بر پیدا ہوئے

ہر قدم اک مشرقِ نور و ضیا کا سامنا
ہر نفس امکانِ معراجِ نظر پیدا ہوئے

جس زمیں کو پائے بوسی کا شرف حاصل ہوا
اس زمیں میں لعل و یاقوت و گہر پیدا ہوئے

عارفِ ارض و سما، میرِ بساطِ کائنات
خیر سے خیر الامم خیر البشر پیدا ہُوئے

جس نے دیکھا پھر نہ دیکھا اور کچھ ان کے سوا
اک نظر میں سیکڑوں حُسنِ نظر پیدا ہُوئے

اب نہ اُتریں گے صحیفے اب نہ آئیں گے رسُول
لے کے قرآں آخری پیغامبر پیدا ہوئے

حسن کو جس رنگ میں دیکھا تڑپ کر رہ گئے
اور یہ حالات دانشؔ عمر بھر پیدا ہوئے

عجز و تشکر

میں کسی قابل نہ تھا۔ مجھے کسی قابل بنایا۔ سجدے پہ سجدے کروں تو بھی حق ادا نہ ہوگا۔
کسی طرح اور کسی کے فیض سے، 'سیرت کے موضوع پر دس جلدیں مکمل ہوگئیں۔ یہ وہ خواب تھا جو میں نے زندگی بھر دیکھا تھا۔

خواب سب دیکھتے ہیں۔ تعبیر کوئی کوئی دیکھتا ہے۔ ایک عاصی کو معتبر بنادیا۔ میرے مولا! تیرا کرم، تیرا کرم۔
میں سنہ ۱۹۵۰ء سے ادب و تحریر کی دنیا میں موجود ہوں۔ میری موجودگی برابر محسوس کی گئی۔ بڑے بڑے وقیع نمبر چھاپے، جنھیں ادب کے شناور یاد رکھیں گے۔ بہ فضلِ ایزدی' میں نے ادب کی تمام گھاٹیوں کو منور کیا۔ اب وہی مشعل زیادہ روشنی دے گی جس کی لَو ہماری لَو سے بلند ہوگی۔ ایسا ممکن ہے۔ مگر اسے ممکن بنانے والے زیادہ نہ ہوں گے۔
غرض جس عبادت کی ابتدا میں نے آج سے ۳۳ برس پہلے کی تھی' وہ تو صرف ایک بڑے کام کے لیے بطور مشق کام آئی۔
اگر کسی طور' میں اس موضوع کا حق ادا کر سکا ہوں تو میں دُنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں۔ کیونکہ یہ منصوبہ میری زندگی کی رونق ہے۔ میں کچھ نہ تھا۔ میری مدد کو اہلِ علم بڑھے۔ خلوص کی پونجی کام آگئی اور اس کی بڑی قیمت پڑی۔ ہر کسی نے ساتھ دیا۔ اب کرم فرماؤں کی فکری رہنمائی میں، جو آئندہ ایڈیشن چھپیں گے۔ اُن میں اُن کی بخشی ہوئی روشنی کی جگمگاہٹ ہوگی۔ اگر آپ میرے ساتھ نہ ہوتے تو منزل بہت دُور رہ جاتی۔ اب میں زندگی بھر آپ کے دیئے ہُوئے حوصلے ہی کی بنیاد پر' ان نمبروں کی مزید افادیت کے لیے کام کرتا رہوں گا۔ زندگی کی سمت متعین ہوگئی۔

ابھی اس سلسلے کے دو نمبر اور پیش کرنا ہوں گے۔ کیونکہ کچھ کام باقی رہ گیا ہے۔ مسوّدات میرے پاس موجود ہیں یا وہ مسوّدات ہیں جو احباب کے پاس تکمیل کے مراحل میں ہیں۔ باقی جو اللہ کو منظور' پہلے میں ادب کی چوکھٹ پہ کھڑا تھا اب حضورؐ کی بارگاہ میں ہُوں۔

میں آخر میں آپ کو ابو حنیفہ نعمانؒ بن ثابت کا ایک شعر سناتا ہُوں،

وَبِحَقِّ جَاهِكَ اِنَّنِیْ بِكَ مُغْرَمٌ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّنِیْ اَهْوَاكَ

(ترجمہ: مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کی قسم! میں آپ سے بے پناہ محبت رکھتا ہُوں اور اللہ تعالیٰ میری اس والہانہ محبت کا گواہ ہے)
دعویٰ کرنے والے دعویٰ کرتے ہیں۔ میرا کوئی دعویٰ نہیں' میں تو صرف عاشقانِ رسولؐ کی صف میں کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔

وہ بھی سب سے آخر میں!
رسولؐ نمبر کے ۷۶۰۰ صفحات میں یہی استدعا تو کی گئی ہے۔

محمد طفیل

صلی اللہ علیہ وسلم

رسول نمبر

نقوش

١١

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

رسول نمبر

جلد یازدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰
جنوری ۱۹۸۵ء

مدیر:
محمد طفیل

ادارۂ فروغ اردو ۰ لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۲۵ روپے

2
248

ترتیب

طلوع محمد طفیل ۵
اس شمارے میں ۶

سیرت ابنِ اسحاق ،

تقدیم محمد الفاسی ۸
(۱) سلسلۂ نسبِ پاک ۱۰
(۲) عبد المطلب کی نذر ۲۰
(۳) عبد اللہؓ بن عبد المطلب کی شادی ۳۲
(۴) رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت ۴۲
(۵) قبیلہ حمیر کے بادشاہ، تُبّع اوسط کی حکایت ۴۷
(۶) تبّع کی قتل گاہ ۵۲
(۷) اصحاب الفیل کا واقعہ ۵۶
(۸) آنحضرتؐ کے جدِّ امجد عبد المطلب کی وفات ۶۳
(۹) بحیرا راہب کا قصّہ ۶۸
(۱۰) خدیجہؓ بنت خویلد کا واقعہ ۷۶
(۱۱) رسول اللہؐ کے متعلق علماءِ یہود کی بشارت ۷۸
(۱۲) سلمانؓ فارسی کا اسلام لانا ۸۳
(۱۳) آثارِ کعبہ ۹۰
(۱۴) تعمیر کعبہ ۱۰۱
(۱۵) رسول اللہؐ کی بعثت ۱۲۸
(۱۶) حضرت علیؓ بن ابی طالب کا اسلام لانا ۱۴۰
(۱۷) حضرت ابوبکرؓ کا اسلام لانا ۱۴۲

(۱۸) حضرت ابو ذرؓ کا اسلام لانا	۱۴۴
(۱۹) مہاجرین کا اسلام لانا	۱۴۷
(۲۰) مسلمانوں پر ظلم و ستم اور تشدد	۱۵۹
(۲۱) حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کا اسلام لانا	۱۷۹
(۲۲) اصحاب رسولؐ کی ہجرت حبشہ	۱۸۳
(۲۳) اسمائے گرامی مہاجرینِ حبشہ	۱۸۶
(۲۴) حضرت عمرؓ کا اسلام لانا	۱۹۱
(۲۵) مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کی جہری تلاوت	۱۹۷
(۲۶) تعذیب اہلِ ایمان	۱۹۹
(۲۷) رسول اللہ کے ساتھ مشرکین کی مخاصمت	۲۰۸
(۲۸) سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت	۲۲۶
(۲۹) مہاجرینِ حبشہ کے اسمائے گرامی	۲۳۸
(۳۰) قریش کی رسولؐ اللہ کو ایذا رسانی	۲۴۶
(۳۱) اہلِ عرب کو رسولؐ اللہ کی تبلیغ عام	۲۴۹
(۳۲) سیدا ابو طالب کی وفات	۲۵۴
(۳۳) وفاتِ خدیجۃؓ بنتِ خویلد	۲۶۰
(۳۴) سیدہ اُمّ کلثومؓ کا نکاح	۲۶۶
(۳۵) زینبؓ بنتِ علیؓ کا نکاح	۲۷۰
(۳۶) حضرت عثمانؓ کا نکاح	۲۷۲
(۳۷) رسولؐ اللہ کی ازواجِ مطہرات	۲۷۴
(۳۸) مذاق اڑانے والوں کا انجام	۲۸۹
(۳۹) علاماتِ نبوّت	۲۹۳
(۴۰) اُمّ شریکؓ دوسیہ کا اسلام لانا	۳۰۰
(۴۱) حضرت ابو ہریرہؓ کا اسلام لانا	۳۰۲
(۴۲) عدی بن حاتم کا اسلام لانا	۳۰۳
(۴۳) مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک	۳۱۲
(۴۴) غزوہ بدر	۳۲۰

(۴۵) غزوۂ سویق ۳۲۶
(۴۶) غزوۂ ذی امر ۳۲۹
(۴۷) سریۂ زید بن حارثہ ۳۳۴
(۴۸) کعب بن اشرف کا قتل ۳۳۶
(۴۹) غزوۂ اُحد ۳۴۱
(۵۰) محاکمہ سیرت ابنِ اسحٰق ۳۵۵

عہدِ نبویؐ میں غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت ۳۹۲

(۱) نبویؐ غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت ۳۹۷ (۲) تعلیقات و حواشی ۴۴۰

مستشرقین اور مطالعۂ سیرت ۴۸۱

(۱) تعارف ۴۸۲ (۶) تحریکِ استشراق کا آغاز ۴۹۶ (۱۱) اعتراضات، الزامات، مفتریات و ہفوات ۵۳۱
(۲) آغازِ کار ۴۸۴ (۷) تحریک کا ارتقاء ۵۰۲
(۳) ابتدائی جائزہ ۴۸۷ (۸) تحریکِ استشراق کا عروج ۵۰۹ (۱۲) اعترافات ۵۴۰
(۴) نوعیتِ مسئلہ ۴۹۱ (۹) عہدِ جدید ۵۱۷ (۱۳) فہرست مستشرقین ۵۵۰
(۵) استشراق، مستشرق ۴۹۳ (۱۰) اسباب و محرکات ۵۲۷

عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ

(۱) عرب قبل از اسلام ۵۶۸

نسب نامہ ۵۶۸، جغرافیہ ۵۷۰، سیاسیات ۵۷۱، قدیم عرب بادشاہتیں ۵۷۲، لحیان ۵۷۳، نبطی بطرا ۵۷۳، غسان ۵۷۵، لخم ۵۷۵، کندہ ۵۷۵۔

(۲) قبل از اسلام عرب میں نظامِ عدل ۵۸۲

سرداری ۵۸۷، بادشاہتیں ۵۸۹، وسطی مغربی عرب میں نظامِ عدل ۵۸۹، قانون ساز اور مشاورتی ادارے ۵۹۰، حجاز میں نظامِ عدل ۵۹۱، قبائل میں مقدمات کا تصفیہ ۵۹۲، مکہ کی شہری زندگی ۵۹۳، ترقیاتی منصوبے ۵۹۳، البطاح ۵۹۳، ظواہر ۵۹۴، احابیش ۵۹۴، تجارت اور کاروبار ۵۹۸، بلدیاتی نظام ۶۰۰، عدلیہ اور انتظامیہ اداروں کا قیام ۶۰۰، قریش کے درمیان سیاسی گروہ بندیاں ۶۰۱، مکہ کی شہری ریاست میں نظامِ عدل ۶۰۲، عدلیہ کے ادارے ۶۰۲، مجلسِ اعلیٰ (دار الندوہ) ۶۰۲، مجلسِ اعلیٰ کی ہیئت ۶۰۴، شہری ریاست کا دستور ۶۰۵، حلف الفضول ۶۰۵، تحکیم (ثالثی) ۶۰۸، کہانت ۶۱۱، عرافت، عرافہ ۶۱۲، سالانہ میلوں پر انصاف ۶۱۳۔

(۳) دستورِ مدینہ کے تحت عدلیہ ۶۲۱

دستورِ مدینہ ۶۲۱،

دستور کا مطالعہ ۶۲۹ ، تعداد دفعات ۶۳۲ ، یہودی قبائل ۶۳۳ ، اسلامی ریاست کا وفاق ۶۳۴ ،
مذہبی اور سماجی خود مختاری ۶۳۴ ، رسولؐ اللہ کا منصب ، سربراہِ ریاست ۶۳۵ ، سپہ سالار ۶۳۵ ،
چیف جسٹس ۶۳۵ ، عدالتی نظام ۶۳۶ ، ربیون (علما) کے ساتھ ملاقات ۶۳۷ ، جرح اور حلف ۶۳۸ ،
متن پیش کرنا ۶۳۸ ، قانون کو پوشیدہ رکھنے کے اسباب ۶۳۸ ، قانون میں امتیاز ۶۳۹ ،
ایک مسلم اور یہودی کے درمیان جھگڑا ۶۳۹ ، غداری ۶۴۰ ، بنو نضیر کی غداری ۶۴۱ ، دستور کی پامالی ۶۴۱ ،
بنو قریظہ کی غداری ۶۴۲ ، یہودیت قبول کرنے والوں پر تنازعہ ۶۴۲ ، یہودیوں کے قرضے ۶۴۲ ۔

(۴) قرآنی دستور کے تحت نظامِ عدالت

عدل ایک خدائی ضابطہ ۶۵۹ ، عدل کا ماخذ ۶۵۹ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ۶۶۰ ،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض ۶۶۲ ، غیر مسلم خود مختاری ۶۶۳ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیاراتِ تمیزی ۶۶۴
قانون اور انصاف کی بالادستی ۶۶۵ ، قانون کا علم ۶۶۶ ، قانونِ شہادت ۶۶۸ ،
چار گواہوں کا لزوم ۶۶۹ ، دو گواہوں کا لزوم ۶۶۹ ، دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ۶۷۰ ،
خاوند کی گواہی چار گواہوں کے برابر ۶۷۱ ، بیوی کی گواہی چار گواہوں کے برابر ۶۷۱ ، ایک گواہ اور قسم ۶۷۲ ،
شہری اور بدوی کی شہادت ۶۷۳ ، عورت کی گواہی ۶۷۵ دستاویزی شہادت ۶۸۶ ، گواہوں کے لیے ہدایات ۶۸۷ ،
عدلیہ کی دستوری دفعات کی تنفیذ ۶۸۸ ، رسول اللہؐ کا عدالتی طریقِ کار ۶۸۹ ، شہادت کی بالادستی ۶۸۹ ،
بطور گواہ مسلمانوں میں مساوات ۶۹۱ ، نااہل گواہ ۶۹۳ ، قرائنی شہادت ۶۹۴ ، تفتیش اور قانونی کارروائی ۶۹۶ ،
عدالتی کارروائی ۶۹۹ ، فریقینِ مقدمہ کی ذمہ داریاں ۶۹۹ ، اقبالِ جرم ۷۰۰ ، مصالحت ۷۰۱ ،
عدالتی حکم کا نفاذ ۷۰۲ ، بے رُو رعایت عدلیہ ۷۰۳ ۔

(۵) عہدِ رسالت میں صوبائی نظامِ عدالت

قضاۃ اور عمّال ۷۱۰ ، عدالتی تربیت ۷۱۴ ، مدینہ کا مستقل قاضی ۷۱۵ ، صوبائی اور ضلعی قاضی ۷۱۷ ،
عتابؓ بن اسید منتظمِ مکہ ۷۱۷ ، یمن میں نظامِ عدالت ۷۱۹ ، یمن میں قانون اور عدلیہ کے ماہرین کا تقرر ۷۱۹ ،
ابو موسیٰؓ بطور قاضی ۷۲۱ ، معاذؓ بن جبل بطور قاضی ۷۲۳ ، فیصلے ۷۲۹ ، عمرو بن حزم کا تقرر ۷۳۰ ،
یمن کی عدلیہ پر حضرت علیؓ کا تقرر ۷۳۱ ، عدالتی طریق کار سے متعلق ہدایات ۷۳۲ ،
یمن میں حضرت علیؓ کے فیصلے ۷۳۳ ۔

(۶) عدالت کا نظام عدالت اور جدید معترضین و مستشرقین

قرآن کی بنیادی قانونی اور عدالتی اصطلاحات ۷۴۳ ،

نیاں کے نظریات پر تبصرہ ۷۵۵ -

محمد طفیل پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغ اردو لاہور سے شائع کیا۔

طلوع

میں غریب انسان ہوں۔ ہر طرح سے غریب، طبیعت کے اعتبار سے غریب، عمل کے اعتبار سے غریب، علم کے اعتبار سے غریب، مگر میں نے منزل دور کی اور سب سے اونچی منتخب کی۔ اپنا دامن نہ دیکھا۔ جھولی پھیلا دی۔

دور کی اس لیے کہ سیرتِ رسولؐ کے ضابطے کڑے تھے۔ نہ بے احتیاطی کو دخل، نہ لاپروائی کی گنجائش، حرف حرف تقدس آمیز تاثر کا طالب، اونچی اس اعتبار سے کہ دنیا نے رسولؐ سے بڑا آدمی پیدا نہ کیا۔ یہ اللہ کی ایک کتاب میں نہیں لکھا ساری کتابوں میں لکھا موجود ہے۔

اِدھر اتنا بڑا امتحان، اُدھر میں اور میری نارسائیاں!

میں نے سوچا کہ اس مہم میں اگر ساری دنیا کے لوگوں کو شامل نہ کیا تو بات کچھ بھی نہیں بنے گی، میرے کام اور اُس ہستی میں بڑا فاصلہ رہ جائے گا۔

کوئی لاکھ جتن کرلے فاصلہ تو باقی رہے گا ہی۔ قیامت تک باقی رہے گا۔ دنیا کے سارے دانشور، سارے اسکالر فاصلے کو پاٹ نہ سکیں گے۔ پھر بھی اثاثہ قابلِ ذکر تو ہونا چاہیے۔

اسی دُھن میں اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے سیرتی ادب سے ان نمبروں کو سجا ڈالا۔ پھر بھی کسر ایک آنچ کی نہیں، ہزار آنچ کی رہ گئی۔ شاید کروڑوں، اربوں آنچوں کی! کیا کروں؛ بڑی بےبسی ہے۔

غرض دنیا کے جتنے خزانے تھے وہ حاضر کر دیے۔ پھر بھی سیرت کا کوئی ایک گوشہ بھی تو پوری طرح منور نہ ہوا۔ اطمینان صرف اتنا ہے کہ جتنا کچھ یہ ہے اتنا کچھ اس سے پہلے موجود نہ تھا۔

آرزوئیں بہت بے قابو ہوتی ہیں۔ یوسفؑ کی خریداری کو ایک بڑھیا بھی تو نکلی تھی، وہ یوسفؑ کو خرید تو نہ سکی۔ مگر ارمانوں کو سجاوٹ دے گئی!

مجھے راستہ دکھا گئی!

محمد طفیل

اس شمارے میں

میں نے جب بھی کوئی دُعا مانگی وہ قبول ہُوئی۔ ۱۹۶۹ء میں آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر نشر ہُوئی کہ غالبؔ کے ہاتھ کی لکھی ہُوئی وُہ بیاض مل گئی ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں گُم ہوگئی تھی۔ اس خبر کے سنتے ہی دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھ گئے: یا اللہ! اُس بیاض کو سب سے پہلے نقوش میں چھپنا چاہیے۔ بظاہر یہ بات ناممکن تھی، کیونکہ سرکاری طور پر اس بیاض کا بڑا غلغلہ تھا۔ وزیرِ اعظم ہندوستان اس کا افتتاح کر رہی تھیں۔ مگر کرنا خدا کا یہ ہُوا کہ وُہ بیاض پہلے نقوش میں چھپی۔ یہ ایک چھوٹی سی خواہش تھی لیکن ادبی اعتبار سے بہت بڑی خواہش تھی!

جب میں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو یہ لکھا کہ رسول نمبر کے لیے کوئی خاص چیز دیجئے، تو انھوں نے بتایا کہ سیرت ابنِ اسحاق دریافت ہوئی ہے مسوّدہ بھی تیار کرکے پبلشر کے حوالے کر دیا ہے مگر وہ ابھی تک چھپی نہیں، پبلشر کو خط لکھئے کہ جلد چھاپ دیں، چھپ جائے تو آپ اس کا اردو ترجمہ چھاپ دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا کیونکہ ہم سب تیرہ سو سال سے یہ سنتے آ رہے تھے کہ سیرۃ ابنِ اسحٰق کا وجود ہے مگر وہ معاملہ سب کی دسترس سے باہر رہا۔ الحمد للہ کہ اتنے عرصے کے بعد آج ہم اس قابل ہوئے کہ سیرت ابنِ اسحٰق کو اُردو میں پہلی بار چھاپنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ اب سیرت کی کتابوں کو اس سیرت کی روشنی میں بھی سوچا سمجھا اور لکھا جائے گا۔ پہلے ہم یہ جُملہ پڑھتے تھے کہ ابن اسحٰق نے یہ کہا، اب یُوں پڑھیں گے کہ ابنِ اسحٰق نے یہ لکھا۔ یہ سعادت کوئی معمولی سعادت نہیں جو ہمارے حصّے میں آئی۔

عہدِ نبوی کی جنگوں اور سرایا کے بارے میں کئی نوع کے مضامین لکھے گئے۔ مگر اُن کا اقتصادی پہلو کیا تھا۔ یہ عنوان سیرت کی کتابوں میں نہ ملا، یا اتنی تفصیل سے نہ ملا۔ اُردو کے لیے یہ موضوع نیا ہے اور بے حد اہم!

مستشرقین نے حضورؐ پر کئی اعتراضات کئے جو ان کی کم علمی اور تعصب پر مبنی تھے۔ اِس مضمون میں اُن اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں نے تو اس موضوع کو پہلے دانستہ چھوڑ دیا تھا اس لیے کہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کو نقل بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اس موضوع کا احاطہ نہ کرنا بھی ایک کمی کے مترادف تھا۔ چنانچہ اس موضوع کو علماء کی خواہش کے مطابق شامل کیا گیا ہے۔

حضورؐ کے وقت عدلیہ اور انتظامیہ کا نظام کیا تھا۔ اس پر کچھ مواد موجود ہے۔ مگر اُس نظام پر جو اعتراضات ہُوئے اُن کے رد کے ساتھ جائزہ نہیں لیا گیا تھا۔ یہ مضمون موعودہ کمی کو بھی پُورا کرے گا۔ یہ مضمون ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے مگر اس اہتمام کے ساتھ کہ ڈاکٹر صاحب نے ضروری اضافے بھی کر دئے۔ خلفاء پر جو مضمون تیرھویں جلد میں شامل ہے وہ بھی اسی مضمون کا حصہ ہے۔

غرض یہ جلد بھی بہت سی نئی باتوں کے اظہار میں مدد دے گی۔ ان نمبروں کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ زیادہ تر نئے موضوعات کا احاطہ ہو، ورنہ محض خانہ پُری کوئی خدمت نہ ہوتی!

وہ کچھ کہنا اور کرنا چاہیے جو ضروری ہو، ورنہ بھیڑ میں تو آدمی گُم ہو جاتا ہے۔

محمد نقوش

سیرۃ ابنِ اسحٰق



سیرت ابنِ اسحٰق

مسماة

بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی

جسے اہلِ علم تیرہ ۱۳۰۰ سو برس سے ڈھونڈ رہے تھے

تالیف

محمد بن اسحاق بن یسار

۸۵ - ۱۵۱ ھ

تحقیق و تعلیق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ترجمہ

نور الٰہی ایڈووکیٹ

تقدیم

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرتِ ابن اسحاق میں سے کتاب ہٰذا کی اشاعت کو عربی علمی ورثہ کے احیا کی تاریخ میں ہمیشہ ایک عظیم واقعہ شمار کیا جائے گا۔ علماء و محققین کے قلوب مدتِ دراز سے اور بالخصوص اس وقت سے جبکہ جامعہ قرویین کے خزانہ سے سیرت کے کچھ قطعات دریافت ہوئے اس کتاب کی طرف راغب و مشتاق تھے۔ اس سے قبل یہ گمان ہو چکا تھا کہ یہ کتاب بتمام و کمال صفحہ ہستی سے ناپید ہو چکی ہے اور اس کے کسی حصہ کی دستیابی سے مایوسی لاحق ہو چکی تھی۔

بلا شبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانیت کو فکری، روحانی اور سیاسی غلامی سے نجات دلانے والے ہیں ان کی حیاتِ طیبہ کے بارے میں محمد بن اسحاق کی مؤلفہ سیرت صحیح ترین اور مستند ترین مراجع میں سے ہے اور وہ تمام لوگ جنہوں نے سیرت کے موضوع پر لکھا ہے انہوں نے اس کتاب پر اعتماد کیا ہے۔ اکابر نقاد و علماء کی رائے محمد بن اسحاق کے متعلق اس قدر اچھی تھی کہ انہوں نے امام بخاری سے قبل ابن اسحاق کو "امیر المومنین فی الحدیث" کے لقب سے ملقب کیا اگرچہ بعض علماء نے روایتِ حدیث میں ابنِ اسحاق کے طریقِ کار کو ہدفِ تنقید بنایا ہے لیکن اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ مغازی اور ظہورِ اسلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرنِ اول کے متعلق ان کی خبروں کو قابلِ اعتماد ماخذِ تاریخ کی حیثیت حاصل ہے۔

علامہ محقق استاذ محمد حمید اللہ نے اس کتاب کو منصۂ شہود پر لانے اور اس کی طباعت میں جو کوشش صرف کی ہے میں اس کی تعریف و تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے اس کی تصحیح و مراجعت میں بزرگوں کے سے صبر کا مظاہرہ کیا کیونکہ اس ضمن مغرب کے علاوہ دیگر علاقوں سے خط و کتابت مطلوب تھی اور اس کے لیے طویل عرصہ درکار تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہوں نے اس جلیل القدر کتاب کو پردۂ خفا سے نکال کر اس تحقیقی اور قیمتی اشاعت کا کام مکمل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا حامی و ناصر ہو کہ انہوں نے ہمارے اسلامی علمی ورثہ کی اشاعت، حقیقتِ اسلام اور مغربی علاقوں پر اسلام کے احسانات کی تعریف و تبلیغ اور اسلام اور اس کے ابدی پیغام کی مدافعت کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

انہوں نے مسلمانوں کے ہاں علمِ تاریخ پر عمیق بحث کرتے ہوئے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے اور جملہ مصادر کو کھنگال کر ابنِ اسحاق کی زندگی اور ان کے علمی کارنامے پر خلاصہ کی شکل میں سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اس مقدمہ کے آخر میں

جملہ مصادر کی فہرست شامل کر دی ہے۔

نیز استاذ سید محمد طاہر فاسی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں خوشی محسوس کرتا ہوں جو اس کتاب کی تصحیح و مقابلہ میں شریک رہے۔ استاذ حمید اللہ نے لکھا ہے کہ مستشرقین سیرتِ ابنِ اسحاق اور اس کے مؤلف کے بڑے مدّاح اور گرویدہ ہیں اس لیے تتمیمِ فائدہ کے لیے ان میں سے بعض اہم شخصیتوں کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں تاکہ جو لوگ اجنبی زبانیں اچھی طرح جانتے ہیں وہ آسانی کے ساتھ ان کی کتابوں اور حاصلِ مطالعہ کی طرف رجوع کر سکیں:

(۱) بروکلمان : تاریخ الادب العربی، ج ۱، ص ۱۳۴۔ خصوصاً ذیل ج ۱، ص ۲۰۵ (بزبانِ جرمن)۔

(۲) فوک : محمد بن اسحاق (بزبانِ جرمن)۔

(۳) ہیروفیٹس : کتب السیرۃ الاولیٰ و مولفوہا (بزبان انگریزی) صفحات ۱۶۸۔ ۱۸۰۔
(J. HOROVITZ: THE EARLIEST BIOGRAPHIES OF THE PROPHET AND THEIR AUTHORS)

(۴) روبسن : استعمال ابن اسحاق للاسناد (بزبانِ انگریزی) صفحات ۴۴۹۔ ۴۶۵۔
(J. ROBSON, IBN ISHAQ'S USE OF ISNAD)

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان تمام لوگوں کو جو اسلامی علمی ورثہ کے احیاء کے لیے دن رات سرگرم عمل ہیں اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے اور بلادِ اسلامیہ کے لوگوں کے قلوب کو اس مبارک تحریک کی حوصلہ افزائی کی طرف راغب کرے جس کے ذریعہ سے آنے والی نسلیں علم و ثقافت کے میدانوں میں اپنے اسلاف کی تحقیقات سے روشناس ہو سکیں گی۔

واللہ ولی التوفیق۔ اور اس کام کی توفیق کا انحصار اللہ تعالیٰ کی امداد پر ہے۔

محمد الفاسی

باب ۱

سلسلۂ نسبِ پاک

(از حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا حضرت آدم علیہ السلام)[1]

(۱) ابو محمد عبد الملک بن ہشام نے کہا کہ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کے بارے میں ہے۔ آنحضرتؐ کا شجرۂ نسب درجِ ذیل ہے:

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (اصل نام شیبہ) بن ہاشم (اصل نام عمرو) بن عبد مناف (اصل نام المغیرہ) بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (اصل نام عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن مقوم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل الرحمان بن تارح (اصل نام آزر) بن ناحور بن ساروح بن راعو بن فالخ بن عیر بن شالخ

---

[1] نسبِ پاک سے متعلق سیرت ابن ہشام پر استاذ محمد محی الدین عبد الحمید مرحوم ازہری کا ذیلی نوٹ قابلِ ملاحظہ ہے:

عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ ہمیں کسی ایسے شخص کے بارے میں معلوم نہیں جو عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان کی نسبی کڑیوں کو جانتا ہو۔ حضرت ابنِ عباس کا بیان ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان تیس اجداد ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہمارا انتساب عدنان تک صحیح ہے اور اس سے اوپر کے سلسلے کو ہم نہیں جانتے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے صرف عدنان تک انتساب کیا ہے بلکہ ابن عباسؓ کی سند سے ایک روایت یہ ہے کہ جب آپ عدنان تک پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ علماءِ انساب کا بیان جھوٹ سے مبرا نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور علماء کی ایک جماعت نے اس بات کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرے۔ کیونکہ عدنان سے اوپر کا شجرۂ نسب کوئی حتمی چیز نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے بلکہ ظنیات کے قبیل سے ہے۔ مزید برآں مذکور اسماء کی املاء میں بھی کثیر اختلاف پایا جاتا ہے۔

(مترجم)

بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ (بعض کے نزدیک یہی ادریس نبی علیہ السلام ہیں ۔ واللہ اعلم ۔ بنی آدم میں یہ پہلے شخص ہیں جنہیں نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور جنہوں نے قلم استعمال کیا) بن یرد بن مہلیل بن قینن[1] بن انوش بن شیث بن آدم ابوالبشر علیہ السلام۔

(۲) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے بیان کیا کہ ابن اسحاق کی ہر حدیث قابلِ استناد ہے۔ اس نے یہ چیزیں مجھے املا کرائیں یا پڑھ کر سنائیں یا مجھ سے بیان کیں اور غیر مستند مضامین جو ابن اسحاق کو سنائے گئے تھے وہ اس نے نقل نہیں کیے۔

(۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی ہے کہ عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کعبہ کے پاس مقامِ حجر میں سو رہے تھے کہ حالتِ خواب میں کسی آنے والے نے انہیں زمزم کھودنے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ چاہِ زمزم بنی اسماعیل اکبر اور جرہم کے اقتدار کے بعد سے اٹ کر گم ہوگیا تھا اور اب عبدالمطلب کو اس کے برآمد کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ غیبی اشارہ حاصل کرکے عبدالمطلب قریش کے پاس آئے اور کہا: " اے معشر قریش! مجھے زمزم کھودنے کا حکم دیا گیا ہے۔" لوگوں نے دریافت کیا: "کیا آپ کو بتایا گیا ہے کہ وہ کہاں ہے؟" عبدالمطلب نے نفی میں جواب دیا اس پر قریش نے کہا: " آپ دوبارہ اپنی اسی خواب گاہ میں جائیں جہاں آپ کو اس کے متعلق بتایا گیا تھا۔ اگر آپ کا خواب فی الحقیقت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے تو اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی اور اگر یہ کوئی شیطانی وسوسہ تھا تو شیطان لوٹ کر نہ آئے گا۔" عبدالمطلب واپس آئے اور اپنی خواب گاہ میں سو گئے۔ پھر کسی آنے والے نے کہا: " زمزم کو برآمد کر، اگر تو نے اسے برآمد کر لیا تو نادم نہ ہوگا، یہ تیرے جدِ اعلیٰ کی میراث ہے۔ یہ چشمہ کبھی خشک نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے پانی میں کبھی کمی واقع ہوگی۔ یہ حجاج کے انبوہِ کثیر کو سیراب کرتا رہے گا جو مختلف اطراف سے دیوانہ وار گروہوں کی شکل میں شتر مرغوں کے گلوں کی طرح پے در پے آتے رہیں گے اور جوق در جوق جاتے رہیں گے۔ نذر ماننے والے اس کے جوار میں حاجتمندوں کے لیے اپنی نذریں گزرانیں گے۔ یہ تیری میراث ہے اور تیرے حق میں اللہ کی طرف سے محکم قرار داد ہے۔ یہ ان دوسرے چشموں کی مانند نہیں ہے جنہیں تو جانتا ہے بلکہ یہ گوبر اور خون کے درمیان (میں سے نکلنے والے خالص دودھ کی طرح پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار) ہوگا۔" یہ سُن کر عبدالمطلب نے پوچھا: " وہ کہاں ہے؟" جواباً کہا گیا کہ چیونٹیوں کے بلوں کے پاس ہے جہاں کوا کل چونچ مارے گا۔ عبدالمطلب

---

[1] قلمی نسخے کا یہ حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ نہ معلوم کب؟ اسی لیے یہ نسب نامہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ ابن ہشام سے ماخوذ ہے۔ اس کی غرض محض سیاق عبارت نہیں ہے بلکہ ابن ہشام نے سیدنا محمدؐ کا یہ نسب نامہ نقل کرنے کے بعد متصلاً تحریر کر دیا ہے کہ زیاد بن عبداللہ بکائی نے محمد بن اسحاق کی روایت سے مندرجہ بالا شجرہ نسب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت آدم علیہ السلام تک نیز حضرت ادریس علیہ السلام وغیرہ کے متعلق بیان کیا ہے۔ (مترجم)

صبح کے وقت اپنے بیٹے حارث کی معیت میں نکلے اس وقت حارث کے سوا ان کے ہاں کوئی اور لڑکا نہ تھا۔ انہوں نے چیونٹیوں کا بل دریافت کیا اور دیکھا کہ اس کے پاس ہی کوا چونچ مار رہا تھا۔ یہ جگہ اساف اور نائلہ بتوں کے درمیان تھی جہاں پر قریش جانور ذبح کیا کرتے تھے۔

(۴) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن ابوبکر بن حزم نے حدیث بیان کی اور اس نے عمرہ بنت عبدالرحمان بن اسعد بن زرارہ سے حضرت عائشہؓ زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"ہم ہمیشہ سے یہ سنتے آئے ہیں کہ اساف (ایک مرد) اور نائلہ (ایک عورت) جو قبیلہ جرہم کے تھے انہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں دونوں کو مسخ کر دیا گیا اور وہ پتھر بن گئے۔

(۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا:

"پھر عبدالمطلب کدال لے کر آ گئے اور کھدائی کرنے کے لیے اُٹھے۔ جب قریش نے دیکھا کہ وہ ٹلنے والے نہیں ہیں تو انہوں نے عبدالمطلب سے کہا: "بخدا ہم آپ کو اپنے ان دونوں بتوں کے درمیان سے کھودنے کی اجازت نہیں دیں گے جن کے پاس ہم جانور ذبح کرتے ہیں۔" عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو کہا: "مجھے کھدائی کرنے دو۔ خدا کی قسم جو حکم مجھے دیا گیا ہے میں اس کی تعمیل بالضرور کروں گا۔" جب قریش نے دیکھا کہ عبدالمطلب کا فیصلہ اٹل ہے تو انہوں نے کھدائی کی مزاحمت ترک کر دی اور چلے گئے۔ زیادہ وقت نہ گزرا کہ پختہ کنواں اور ہتھیار اور سامان کا گٹھا برآمد ہوا۔ عبدالمطلب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قریش کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ عبدالمطلب نے سچ کہا تھا اور انہوں نے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے چنانچہ وہ سب اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے: یہ ہمارے باپ اسمٰعیلؑ کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ ہمیں بھی اس میں اپنے ساتھ شریک کرو۔" عبدالمطلب نے جواب دیا: میں ایسا نہیں کروں گا، یہ خاص طور پر مجھے دیا گیا ہے اور تم میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔" اُنھوں نے کہا: "ہمیں بھی حصہ دار بناؤ ورنہ ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے خواہ ہمیں اس معاملہ میں آپ سے نزاع کرنا پڑے۔" عبدالمطلب نے کہا: "اچھا تو کسی کو حکم مقرر کر لیا جائے جو اس قضیئے کو نمٹا دے۔" انہوں نے بنی سعد بن ہذیم کی کاہنہ کا نام تجویز کیا جو شام کے بالائی علاقوں میں رہتی تھی۔ عبدالمطلب نے یہ بات مان لی۔

(۶) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ زمزم کی کھدائی کے متعلق مجھ سے یزید بن ابی حبیب مصری نے مرثد بن عبداللہ یزنی کے حوالہ سے عبداللہ بن زریر غافقی کی روایت بیان کی۔ عبداللہ بن زریر غافقی نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو حدیثِ زمزم بیان کرتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ عبدالمطلب مقامِ حجر میں محوِ خواب تھے ایک آنے والا ان کے پاس آیا اور کہا: "برہ کو کھودو۔" عبدالمطلب نے پوچھا: "برہ کیا چیز ہے؟" یہ سنتے ہی اشارہ کرنے والا غائب ہو گیا۔ اگلے روز عبدالمطلب اپنی اسی خوابگاہ میں سو گئے۔ وہ اشارہ کرنے والا پھر نمودار ہوا اور اس نے عبدالمطلب سے کہا: "مضنونہ کو کھودو۔" عبدالمطلب

نے دریافت کیا "مضنونہ کیا چیز ہے؟" اس پر اشارہ کرنے والا عبدالمطلب کے پاس سے چلا گیا۔ تیسرے دن عبدالمطلب اپنی اسی آرامگاہ میں سوئے ہوئے تھے کہ وہی اشارہ کرنے والا پھر آ گیا اور عبدالمطلب کو کہا "طیبہ کو کھودو۔" عبدالمطلب نے کہا: "طیبہ کیا ہے؟" اس پر وہ پھر چلا گیا۔ جب چوتھا روز ہوا تو عبدالمطلب اپنی اسی آرام گاہ میں جا کر سو گئے۔ وہ اشارہ کرنے والا پھر انہیں خواب گاہ میں دکھائی دیا اور اس نے کہا: "زمزم کی کھدائی کرو۔" عبدالمطلب نے پوچھا: "زمزم کیا ہے؟" اس نے کہا: "وہ کبھی خشک نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے پانی میں کمی واقع ہوگی۔" اشارہ کرنے والے نے خواب میں زمزم کے محلِ وقوع کی نشان دہی بھی کر دی۔ عبدالمطلب اُٹھے اور نشان دہی کے مطابق کھدائی شروع کر دی۔ قریش نے پُوچھا: "اے عبدالمطلب! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "مجھے زمزم برآمد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" جب عبدالمطلب نے زمزم برآمد کر لیا اور قریش نے پختہ کنواں اور ہتھیاروں اور سامان کا گٹھا دیکھا تو انہوں نے کہا: "اس میں ہمارا بھی حق ہے کیونکہ یہ کنواں تو ہمارے باپ اسماعیلؑ کا ہے۔" عبدالمطلب نے جواب دیا: "یہ تمہیں نہیں دیا گیا بلکہ خاص طور پر مجھے دیا گیا ہے۔" انہوں نے کہا: "ہم اس کا فیصلہ کرائیں گے۔" عبدالمطلب نے اس بات کو تسلیم کر لیا۔ انہوں نے بنی سعد بن ہذیم کی کاہنہ کا نام بطور حَکم تجویز کیا جو شام کے بالائی علاقوں میں سکونت پذیر تھی۔ چنانچہ عبدالمطلب اپنی برادری کے ایک گروہ کی معیت میں عازمِ سفر ہوئے اور قریش کے جملہ دیگر قبیلوں میں سے ایک جماعت نے بھی فریقِ ثانی کی حیثیت سے رختِ سفر باندھا اور فریقین کاہنہ سے محاکمہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں شام اور حجاز کے درمیان بے آب و گیاہ دشت و صحرا تھے۔ جب یہ قافلہ شام و حجاز کے درمیانی بیابانوں میں سے کسی ویرانے میں پہنچا تو عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں میں ہر ایک کے پاس پانی ختم ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ پیاس سے ہلاک ہو جائیں گے۔ انہوں نے فریقِ ثانی سے پانی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا اور کہا: "ہمیں بھی تمہاری طرح ہلاکت کا خوف ہے۔" ان حالات میں عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں سے ان کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا: "ہماری رائے آپ کی رائے کے تابع ہے۔ آپ جو مناسب حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔" عبدالمطلب نے کہا: "میری رائے تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی طاقت کے مطابق اپنے لیے ایک ایک گڑھا کھودے تاکہ ہم میں سے جب کوئی ہلاکت کا شکار ہو جائے تو اس کے ساتھی اسے اس کے گڑھے میں ڈال کر چھپا دیں۔ اس طرح آخر میں ایک شخص رہ جائے گا جس کو دفن کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ سارے قافلہ کی بربادی کی بہ نسبت ایک شخص کا بے گور و کفن رہنا کوئی مضائقہ نہیں۔" عبدالمطلب کے سب ہمراہیوں نے اپنے لیے ایک ایک گڑھا کھود لیا۔ پھر عبدالمطلب نے کہا: "خدا کی قسم، ہمارا اس طرح اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دینا اور ادھر ادھر پانی کی تلاش میں جد و جہد نہ کرنا ہماری کمزوری کی علامت ہے۔ چلو کوچ کریں۔ شاید اللہ عزّ و جلّ ہمیں سیراب کر دیں۔" وہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالمطلب بھی اپنی ناقہ کی طرف بڑھے اور اس پر سوار ہو گئے۔ جب اونٹنی اُٹھی تو اس کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ انہوں نے اپنی اونٹنیوں کو بٹھا دیا اور ان کے ساتھیوں نے بھی اپنی سواریوں کو روک لیا۔ پھر سب نے پانی پیا، سفر کے لیے ذخیرہ بھی کر لیا اور جانوروں کو بھی

پلایا۔ پھر اپنے دیگر قریشی ہمراہیوں کو بلایا کہ آؤ دیکھو ہمیں اللہ عزوجل نے پانی عنایت فرمایا ہے۔ وہ آئے اور انہوں نے بھی پانی پیا اور بھر لیا۔ اس کے بعد قریش نے کہا: "اے عبدالمطلب! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ وہ ذات جس نے اس بیابان میں آپ کو سیراب کیا اسی نے آپ کو زمزم عطا کیا ہے۔ چلو واپس چلیں زمزم آپ ہی کا ہے ہم اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا نہیں کریں گے۔"

(۷) احمد بن جبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت ہم سے بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: قریش واپس چلے گئے اور عبدالمطلب نے کھدائی شروع کر دی۔ جب انہوں نے زیادہ کھدائی کی تو سونے کے دو ہرن دستیاب ہوئے۔ یہ وہ ہرن تھے جنہیں جرہم نے مکہ سے نکلتے وقت دفن کر دیا تھا۔ یہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کا چشمہ تھا۔ صغر سنی میں جب اسماعیلؑ کو پیاس لاحق ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس چشمہ سے انہیں سیراب فرمایا۔

(۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: عبداللہ بن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی۔ مجاہد نے کہا کہ ہم ہمیشہ سے یہ سنتے آئے ہیں کہ جب حضرت اسماعیل کو پیاس لگی تو جبرئیلؑ نے اپنی ایڑی سے کھدائی کر کے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا۔

(۹) احمد نے یونس سے اور اس نے سعید بن میسرہ بکری سے یہ روایت نقل کی۔ اس نے کہا ہم سے انس بن مالک نے یہ حدیث بیان کی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سارہ نے حضرت اسماعیل کی والدہ سیدہ ہاجرہ قبطیہ کو علیحدہ کر دیا تو حضرت ابراہیمؑ نے انہیں مکہ میں آباد کیا۔ حضرت ہاجرہ کو پانی کی ضرورت لاحق ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے تو ان سے پوچھا: "تم کون ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ ابراہیم علیہ السلام کا لڑکا ہے۔"

فرشتے نے پوچھا: "کیا تم پیاسے ہو؟"

حضرت ہاجرہ نے کہا: "ہاں"۔

فرشتے نے اپنے بازو سے زمین کو کھودا اور پانی پھوٹ پڑا۔ حضرت ہاجرہ نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر محفوظ کر دیا اور اس میں سے پانی پیا۔ اگر وہ زمزم کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتیں تو وہ چشموں کی صورت میں بہتا۔

(۱۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: اللہ عزوجل نے زمزم کی کھدائی کے بارے میں عبدالمطلب کی رہنمائی فرمائی اور انہیں خاص طور پر اس اعزاز کے لیے منتخب فرمایا، اور جب عبدالمطلب نے زمزم برآمد کر لیا تو اللہ عزوجل نے قوم کی نظروں میں ان کی بزرگی اور قدر و منزلت میں اضافہ کر دیا۔ اور زمزم کی برآمدگی سے مکہ کے دیگر کنویں معطل ہو گئے۔ لوگ زمزم کی برکت و فضیلت کی وجہ سے اسی کی طرف رجوع کرنے لگے۔ کیونکہ وہ مسجد حرام میں تھا اور اسی سے اللہ عزوجل نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سیراب کیا تھا۔

(۱۱) احمد نے کہا کہ یونس نے طلحہ بن یحییٰ کی وساطت سے اور اس نے عائشہ بنت طلحہ سے حضرت عائشہؓ زوجۂ النبیؐ کی یہ روایت نقل کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "زمزم کا پانی بھوک کے وقت غذا اور بیماری کی حالت میں شافی دوا کا کام کرتا ہے۔"

(۱۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: (زمزم کی کھدائی کے دوران میں) جناب عبدالمطلب کو دو ہرنوں کے ساتھ تلواریں بھی دستیاب ہوئیں۔ قریش نے کہا: "ہم بھی آپ کے ساتھ ان برآمد شدہ چیزوں کے حقدار ہیں اس لیے ہمیں بھی ان میں شریک کیا جائے۔"

عبدالمطلب نے جواب دیا: "ایسا نہیں ہو سکتا، لیکن تمہیں چاہیے کہ تم میرے ساتھ اس قضیہ کا فیصلہ منصفانہ طریقہ پر کر لو اور قرعہ اندازی پر رضامند ہو جاؤ۔"

قریش نے کہا: "آپ کیا طریقہ اختیار کریں گے؟"

عبدالمطلب نے کہا: "کعبہ کے لیے دو تیر، تمہارے لیے دو تیر اور اپنے لیے دو تیر مقرر کروں گا اور جس کے لیے جو چیز نکلے گی وہ اسی کی ہو گی۔"

انہوں نے کہا: "آپ نے انصاف کی بات کہی ہے ہم اس طریقے پر رضامند ہیں۔"

چنانچہ دو زرد تیر کعبہ کے لیے، دو سیاہ تیر عبدالمطلب کے لیے اور دو سفید تیر قریش کے لیے مقرر کر دیئے گئے۔ پھر یہ تیر قرعہ انداز کے سپرد کر دیئے گئے۔ عبدالمطلب اللہ عزوجل سے دعا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

اللّٰھم انت الملك المحمود	اے اللہ! تو ستودہ صفات بادشاہ ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے
ربی و انت المبدئ المعید	جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔
و ممسك الراسیة الجلمود	تو بلند و بالا اور مضبوط سلسلہ ہائے کوہ کو تھامے ہوئے ہے اور جدید
من عندك الطارف والتلید	ساز و سامان اور قدیم موروثی مال و متاع کا عطا کرنے والا تو ہی ہے۔
ان شئت الھمت ما ترید	اگر تو چاہے تو الہام کر دے کہ یہ زیورات اور لوہے کے اوزار
لموضع الحلیة والحدید	کہاں رکھے جائیں۔
فبین الیوم لما ترید	اے احکام کے صادر فرمانے والے! میں تیرے فیصلہ کا پابند ہوں۔
انی نذرت عاھد العھود	پس تو آج اپنے ارادہ کو بالوضاحت ظاہر فرما دے۔
اجعله ربی فلا اعود	اے میرے پروردگار! اپنا فیصلہ صادر فرما دے میں اس سے روگردانی نہیں کروں گا۔

تیر انداز نے تیر ڈالے تو دونوں زرد تیر دونوں ہرنوں پر کعبۃ اللہ کے لیے نکلے۔ جناب عبدالمطلب نے دونوں

ہرن کعبہ کے دروازے پر نصب کر دئے۔ یہ پہلا سونا تھا جس سے کعبۃ اللہ کو آراستہ کیا گیا۔ دونوں سیاہ تیر عبدالمطلب کے حق میں تلواروں اور زرہوں پر نکلے۔ چنانچہ انہوں نے یہ سامان لے لیا۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب دُعا کر کے صحیح رہنمائی تلاش کرتے تو دعائیہ کلمات مسجع کہتے اور جب دُعا کرنے والا دُعا کرتا تو قلیل اور جامع الفاظ استعمال کرتا۔

(۱۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح نے عبداللہ بن عبید بن عمیر بواسطہ عبداللہ بن خریت یہ روایت بیان کی۔ عبداللہ بن خریت نے دورِ جاہلیت دیکھا ہوا تھا اس نے کہا، قریش کے ہر قبیلہ کی مسجد حرام میں ایک متعین جگہ پر بیٹھک ہوا کرتی تھی جہاں وہ اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ بنی بکر کی بھی ایک جلسہ گاہ تھی جہاں وہ محفل جماتے تھے۔ ایک روز ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک لڑکا آیا وہ مسجد کے دروازہ سے بسرعت داخل ہُوا اور جا کر کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹ گیا۔ پھر اس کے تعاقب میں ایک بوڑھا آیا اور اس کے پاس آکر رک گیا اور جب اسے پکڑنے لگا تو بُوڑھے کے دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ ہم نے آپس میں کہا کہ وہ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے بنی بکر کا ہو سکتا ہے۔ بات چیت سے معلوم ہُوا کہ وہ خالص عرب ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا:

"تو کون سے قبیلہ کا ہے؟"

اس نے کہا: "میں بنی بکر سے ہوں۔"

ہم نے کہا: "تیرے لیے خوش آمدید نہیں ہے تیرا اور اس لڑکے کا کیا معاملہ ہے؟"

لڑکے نے جواب دیا: "بخدا میرا باپ فوت ہو چکا ہے اس حال میں کہ ہم ابھی چھوٹے بچے تھے۔ ہماری ماں بیوہ ہو گئی۔ اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے اس گھر کی پناہ حاصل کی، وہ ہمیں یہاں لے آئی اور فرمایا: اگر میں فوت ہو جاؤں اور میرے بعد تم میں سے کسی پر ظلم و زیادتی روا رکھی جائے یا وہ کسی کام سے یہاں آئے اور اس گھر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس گھر میں داخل ہو اور اس کی پناہ حاصل کرے تو یہ گھر اسے پناہ دے گا۔ اس بوڑھے نے مجھے پکڑ لیا ہے اس نے کئی سال تک مجھے نوکر رکھا اور مجھ سے اونٹ چرانے کا کام لیا۔ یہ اپنے اونٹوں کا ایک گلّہ ہانک لایا اور مجھے بھی اونٹوں کے ساتھ یہاں لے آیا۔ جب میں نے اس گھر کو دیکھا تو مجھے اپنی والدہ مرحومہ کی وصیت یاد آ گئی۔"

ہم نے کہا: "واللہ! تجھے پناہ حاصل ہو گئی۔"

ہم اس بوڑھے آدمی کو لے کر باہر آئے۔ اس کے دونوں ہاتھ لکڑیوں کی مانند سُوکھ گئے تھے۔ ہم نے اس کے گلّے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر اسے سوار کر کے رسیوں سے باندھ دیا اور اس گلّے کو ہانک دیا۔ اور اس سے کہا: "چلے جاؤ، اللہ کی لعنت ہو تم پر۔"

(۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: عبدالرحمن بن قاسم نے اور اس نے اپنے باپ قاسم بن محمد سے ابوبکرؓ کی یہ روایت نقل کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میرا پیشہ تجارت تھا۔ چنانچہ ایک تجارتی سفر میں میرا گزر ایک پہاڑی راستہ سے ہوا۔ میں نے اچانک ایک آدمی کو دیکھا جو

یہ کہہ رہا تھا:
"اگر تُو مجھے امان دے گا تو میں بھی تجھے امان دُوں گا۔"

ابوبکرؓ نے کہا:
"تجھے امان ہے۔"

اس شخص نے کہا: "ذرا قریب آؤ۔"
ابوبکرؓ نے کہا: "میں اس شخص کے پاس گیا، وہ مارگزیدہ تھا اور سانپ نے اسے اس قدر ڈسا تھا کہ وہ حرکت نہیں کر سکتا تھا، اس نے کہا: "اے عبداللہ! کیا تم مجھے اس پہاڑی کے نیچے میرے اہل و عیال کے پاس پہنچا دو گے؟" میں نے کہا: "ہاں"۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اس کے اہل خانہ کے پاس لے آیا۔ اس کی قوم کے ایک آدمی نے مجھے کہا: "اے عبداللہ! تُو کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے؟" میں نے کہا: "میں قریشی ہوں۔" اس نے کہا: "بخدا میں گمان کرتا ہوں کہ تیرے ساتھ احسان کیا گیا ہے کیونکہ اس مارگزیدہ شخص سے بڑھ کر ظالم چور اور کوئی نہ تھا۔" ابوبکرؓ نے کہا: "میں اپنی اونٹنی کو چارہ کھلا رہا تھا کہ وہ بھاگ گئی اور لاپتا ہوگئی۔ جب میں اس سے مایوس ہوگیا تو اپنے کجاوے کے پاس پہلو کے بل لیٹ گیا اور بہ تکلف قناعت کر کے کپڑا اوڑھ لیا اور گہری نیند سو گیا۔ مجھے کسی نے نہیں جگایا۔ سوتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اونٹنی اپنے ہونٹوں سے میرے پاؤں سہلا رہی ہے اور میں بیدار ہوگیا۔ چنانچہ میں اُٹھا اور اُونٹنی پر سوار ہوگیا۔"

(۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: "مجھے ایک شخص نے عکرمہؓ کے حوالے سے بتایا جس نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ ابنِ عباس نے کہا کہ میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس بیٹھا ہوا تھا انہوں نے کھلی کچہری لگائی ہوئی تھی اور وہ لوگوں سے ان کے حالات دریافت کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک اندھا بوڑھا گزرا جسے اس کا قائد سختی کے ساتھ کھینچے لیے جا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں نے آج کے دن سے بدتر منظر نہیں دیکھا۔" جلسہ میں سے ایک آدمی نے آپ کو بتایا کہ یہ شخص ابن صبغا بہزی سلمی بہیل بریق ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہے کہ بریق لقب ہے۔ اس آدمی کا نام کیا ہے؟" لوگوں نے کہا: "عیاض۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "عیاض کو میرے پاس بلاؤ۔" اسے بلایا گیا اور حضرت عمرؓ نے اس سے پُوچھا: "مجھے بتاؤ کہ تمہارا کیا حال ہے اور بنی صبغاء کس حال میں ہیں؛ وہ دس آدمی تھے۔" عیاض نے کہا: "جاہلیت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اب تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اسلام کا دَور آ چکا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اے اللہ! ہماری مغفرت فرما، ہم ایسے بھائی نہیں ہیں کہ آپس میں جاہلیت کی باتیں کریں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نوازا ہے اور ہمیں سیدھا راستہ دکھایا ہے۔" اس شخص نے کہا: "میں اپنے اہل و عیال میں سے اکیلا باقی رہ گیا تھا اور بنو صبغاء دس آدمی تھے۔ ہم آپس میں قرابت دار اور پڑوسی تھے۔ انہوں نے میری مذمت کی

اور مجھے عاجز کر دیا۔ میں نے اللہ کے نام پر اور قرابت کا واسطہ دے کر ان سے عرض کی کہ وُہ ایسا نہ کریں لیکن وہ باز نہ آئے اور میری التجاؤں کے باوجود مجھے ان سے پناہ نہ ملی۔ میں نے انہیں مہلت دی یہاں تک کہ ماہِ حرام آگیا۔ میں نے اللہ کے حضور دست بدعا ہو کر فریاد کی اور یہ اشعار پڑھے :

اللھم ادعوك دعاء جاھدا	اے اللہ! میں الحاح و زاری کے ساتھ تیرے حضور دعا کرتا ہوں کہ
اقتل بنی الصبغاء الا واحدا	بنی صبغاء کو ماسوائے ایک کے ہلاک فرما۔
ثم اضرب الرجل فذرہ قاعدا	اور پھر اس ایک کے پاؤں میں ضرب رسید کر اور اس کو اپاہج کر کے بٹھا دے
اعمی اذا ما قید عنا القاعدا	اور اندھا کر کے باقی رکھ اور اس کا قائد اس کو ہمارے سامنے کھینچ کر لے جاتا رہے۔

بنی صبغاء کے نو آدمی ایک ہی سال میں یکے بعد دیگرے چل بسے اور اس شخص کے پاؤں کو اللہ تعالیٰ نے مضروب کر دیا اور اس کی بینائی سلب کر لی اور اس کا قائد اسے لیے جاتا ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یہ عجیب واقعہ ہے۔"

مجلس میں سے ایک دوسرے آدمی نے کہا: "اے امیرالمومنین! ابی تقاصف خناعی اور اس کے بھائیوں کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔"

حضرت عمرؓ نے پُوچھا: "ابو تقاصف اور اس کے بھائیوں کا کیا واقعہ ہے؟"

اس شخص نے کہا: "ان کا ایک پڑوسی تھا جو ان میں اس طرح تھا جیسے بنی صبغاء میں عیاض ہے۔ انہوں نے اس پڑوسی کی مذمت کی اور اس کو عاجز و درماندہ کر دیا۔ اس پڑوسی نے انہیں ذاتِ باری تعالیٰ اور قرابتداری اور پڑوس کا واسطہ دیا لیکن انہوں نے کوئی نرمی اختیار نہ کی۔ چنانچہ اس پڑوسی نے انہیں مہلت دی یہاں تک کہ شہرِ حرام آگیا اس شخص نے اللہ کے حضور ہاتھ اٹھائے اور یہ دعائیہ اشعار پڑھے :

اللھم رب کل آمن وخائف	اے اللہ! تو ہر مامون اور خوفزدہ کا رب ہے اور ہر پکارنے والے کی
وسامع ھتاف کل ھاتف	پکار کو سُننے والا ہے۔
ان الخناعی ابا تقاصف	بیشک ابو تقاصف خناعی نے میری حق رسی نہیں کی اور میرے ساتھ
لم یعطنی الحق ولم یناصف	انصاف کا برتاؤ نہیں کیا۔
فاجمع لہ الاحبۃ الالاطف	اس لیے اس کے سب دوستوں مہربانوں اور بنی قصاف کو یکجا اکٹھا
بین قران ثم والتواصف	کر کے ہلاک کر دے۔

اس شخص نے بیان کیا کہ وہ سب کے سب اپنے ایک پرانے کنوئیں میں کھدائی کے لیے اترے۔ کنواں گر پڑا وہ اس میں دب کر مر گئے اور وہی آج تک ان کی قبر ہے۔

ایک تیسرے شخص نے بیان کیا کہ قبیلہ بنی نصر کی شاخ بنی مومل کا واقعہ ان سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ بنی مومل کا ایک خاندان تھا۔ ان کا ایک چچیرا بھائی تھا جس نے اس خانوادہ کے اموال وراثۃً حاصل کیے تھے۔ اس نے اپنی ذات اور اموال کو افرادِ خاندان کے سپرد کر دیا تھا۔ انہوں نے اس کے مال کا نقصان کیا، اسے اس حد تک رسوا کیا کہ اس پر کپکپی طاری کر دی۔ اس نے کہا:

"اے بنی مومل! میں نے اپنی جان اور اپنے اموال تمہاری سپردگی میں دے رکھے ہیں تاکہ تم میری حفاظت کرو اور مجھ سے تعرض نہ کرو۔ لیکن تم نے قطع رحمی کی، میرا مال خُورد بُرد کیا اور میری مذمت کی۔"

ان میں سے ریاح نامی ایک شخص نے اُٹھ کر کہا: "اے بنی مومل! یہ سچ کہتا ہے تم اللہ سے ڈرو اور اس سے تعرض نہ کرو۔"

لیکن یہ نصیحت بے سُود ثابت ہوئی اور وُہ باز نہ آئے۔ اس شخص نے ان کو مُہلت دی یہاں تک کہ ماہِ حرام آ گیا۔ وُہ سب اہلِ خاندان نکل کھڑے ہُوئے۔ اس شخص نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیہ اشعار پڑھے:

اللّٰھم زل بھم عن بنی المومل	اے اللہ! بنی مومل کو پچھاڑ دے اور ان کی گردنوں پر عبرتناک عذاب مسلّط فرما۔
وارم علی اقفائھم بمنکل	
بصخرۃ او جیش جحفل	وہ سب (ماسوائے ریاح کے جو بے گناہ ہے) کسی چٹان کی زد میں آجائیں یا کوئی لشکرِ جرار ان پر ٹوٹ پڑے۔
الا ریاحاً انہ لم یفعل	

وہ گھروں سے نکلے اور جب راستے میں تھے تو انہوں نے کسی پہاڑ کے دامن میں ڈیرا ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک بڑی چٹان گرا دی جو پتھروں اور درختوں پر سے لڑھکتی ہوئی ان پر گری اور انھیں یک دم کچل دیا۔ ریاح اور وادی کے دوسرے لوگ بچ گئے۔ ریاح بے گناہ تھا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا کہ یہ تو عجیب واقعہ ہے اور لوگوں سے پوچھا: تمہاری رائے میں ایسا کیونکر ہوا؟۔ لوگوں نے کہا:

"اے امیر المومنینؓ! آپ بہتر جانتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جہاں تک مجھے علم ہے لوگ اہلِ جاہلیت تھے اور رب، رسالت، قیامت، جنت اور دوزخ سے ناآشنا تھے۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کی دعا بعض کے برخلاف قبول فرماتے تھے۔ یعنی مظلوم کی دعا ظالم کے خلاف قبول ہو جاتی تھی تاکہ بعض بعض پر ظلم کرنے سے باز آجائیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ، رسالت، قیامت، جنت اور دوزخ کی معرفت حاصل کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ (القمر۔ ۴۶)	ان سے نمٹنے کے لیے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی آفت اور تلخ ساعت ہے۔

اس لیے اب مہلت دی جاتی ہے اور ظالموں کی رسّی دراز کی جاتی ہے۔" ❊

باب ۲

عبدالمطلب کی نذر

(۱۶) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، لوگ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم کو زمزم کی کھدائی کے وقت جب قریش کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تو انھوں نے نذر مانی کہ اللہ مجھے دس بیٹے عطا کرے جو بالغ ہو کر میری حمایت کے لیے کھڑے ہو سکیں تو میں ان میں سے ایک بیٹے کو اللہ عزوجل کی راہ میں کعبہ کے پاس ذبح کر دوں گا۔ ان کے ہاں پورے دس بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں:

حارث، زبیر، حجل، ضرار، مقوم، ابولہب، عباس، حمزہ، ابوطالب اور عبداللہ۔

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ بیٹے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حفاظت پر قادر ہیں۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سب کو جمع کیا اور انہیں اپنی نذر کے بارے میں بتلایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ اسے اللہ کی خوشنودی کے لیے پورا کیا جائے۔ سب نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور پوچھا کہ آپ نذر کس طرح پوری فرمائیں گے؟ عبدالمطلب نے کہا: "تم میں سے ہر شخص ایک ایک پانسے کا تیر لے اور اس پر اپنا نام لکھ کر میرے پاس لے آئے۔ انھوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور عبدالمطلب کے پاس آ گئے۔ وہ انہیں لے کر کعبہ کے اندر ہبل کے پاس تشریف لائے۔ ہبل قریشِ مکہ کے بتوں میں سب سے بڑا تھا اور وہ کعبہ کے اندر ایک زیرِ زمین گودام پر نصب تھا جس میں کعبہ کے لیے نذر کیے ہوئے ہدایا اور عطیات ذخیرہ کیے جاتے تھے۔ ہبل کے پاس فال کے سات عدد تیر رکھے رہتے تھے اور ہر تیر پر کچھ مخصوص عبارت لکھی ہوئی تھی۔ ایک تیر پر تاوان یا خوں بہا لکھا ہوا تھا۔ اگر اس تیر کی فال کے مطابق تاوان کی ادائی میں اختلاف رونما ہوتا تو تاوان کے تیر سمیت ساتوں تیروں کو حرکت دی جاتی اور جس کا نام نکلتا اس پر بار ڈالا جاتا۔ ایک تیر پر نعم یعنی "ہاں" لکھا ہوا تھا جو امر کے لیے تھا۔ جب کوئی کام کرنے کا ارادہ ہوتا تو اس تیر کو دوسرے تیروں کے ساتھ ملا کر حرکت دی جاتی اور اگر ہاں کا تیر نکل آتا تو اس کے مطابق عمل کیا جاتا۔ ایک تیر پر لا یعنی "نہیں" لکھا ہوا تھا، جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو اس تیر کو دوسرے تیروں کے ساتھ ملا کر حرکت دی جاتی اور اگر "نہیں" والا تیر برآمد ہوتا تو وہ کام نہ کرتے تھے۔ ایک تیر پر "منکو یعنی میں تم میں سے"، ایک تیر پہ "من غیرکم یعنی تمہارے اغیار میں سے"، ایک تیر پہ "ملصق یعنی تمہارے ساتھ چمٹا ہوا" اور ایک تیر پہ "المیاہ یعنی پانی" لکھا ہوا تھا۔

جب پانی کے لیے کنواں کھودنا چاہتے تو وہ ان تیروں اور پانی سے متعلقہ تیر کے ساتھ قرعہ اندازی کرتے ۔ جس طرح قرعہ نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے ۔ جب کسی لڑکے کا ختنہ مقصود ہوتا یا نکاح کرنا چاہتے یا میت کو دفن کرنا مطلوب ہوتا یا کسی کے نسب میں اشتباہ ہوتا تو اسے لے کر ہبل کے پاس جاتے اور اس کے ساتھ ذبح کے کچھ جانور اور سو درہم فال نکالنے والے کی نذر کرتے اور اس شخص کو بھی پیش کرتے جس کے بارے میں فال نکلوانا چاہتے اور تیروں کے امین ے فال نکالنے کی گزارش کرتے اور دُعا کرتے کہ اے اللہ! جو بات حق ہے وہ اس کے ہاتھوں پر ظاہر فرما دے۔ پھر ہبل کے پاس جاتے اور کہتے: "اے ہمارے معبود! یہ لوگوں کے گمان کے مطابق فلاں بن فلاں ہے اور لوگ اس کے بارے میں اس طرح کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متعلق 'خونبہا' یا "ہاں" یا "تم میں سے" کا قرعہ نکال اور اس کی نذر کو قبول فرما۔" اگر تینوں تیروں میں سے کوئی تیر نکلتا تو اس شخص کا بہت احترام کیا جاتا اور اگر وہ تیر نکلتا جس پر "من غیرکم - یعنی تمہارے اغیار میں سے" لکھا ہوتا تو اس کو حلیف سمجھا جاتا۔ اور اگر "ملصق یعنی تم سے چپٹا ہوا" کا تیر نکلتا تو اس کا مرتبہ یہ ہوتا کہ وہ شخص نہ کسی کے نسب میں شامل ہوسکتا تھا اور نہ کسی کا حلیف متصور ہوتا تھا۔ اگر اس کے ماسوا قرعہ اندازی کسی ایسے کام کے بارے میں ہوتی جسے وہ کرنا چاہتے اور "ہاں" والا تیر برآمد ہوتا تو اس کام کو کر گزرتے' اور "لا - یعنی نہیں" والا تیر ظاہر ہوتا تو اس کام کو ایک سال کے لیے مؤخر کر دیتے اور اس کے بعد اس معاملے میں دوبارہ فال نکلواتے اور اس وقت تک اپنے معاملات ملتوی کرتے رہتے جب تک کہ فال کے تیر نہ نکلتے۔

عبدالمطلب بھی تیروں کے امین کے پاس آئے اور کہا: "میرے ان بچوں پر ان کے تیروں کے ذریعے قرعہ اندازی کرو۔" نیز عبدالمطلب نے تیروں کے امین کو اپنی نذر کے بارے میں بھی آگاہ کردیا۔ ہر ایک بیٹے نے اپنا اپنا تیر جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا صاحب القداح کو دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے باپ[1] (ابیہ) کے سب بیٹوں سے چھوٹے تھے۔ وہ اور زبیر اور ابوطالب تینوں مسماۃ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عبداللہ بن عمران بن مخزوم کے بطن سے تھے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اپنے باپ عبدالمطلب کے سب سے زیادہ پیارے بیٹے تھے۔ عبدالمطلب دیکھ رہے تھے کہ اگر تیر کا نشانہ خطا کر گیا تو عبداللہ بچ جائے گا۔ جب تیروں کے امین نے قرعہ نکالنے کے لیے تیر پکڑے تو عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کرنے لگے۔ انھوں نے یہ اشعار پڑھے: ـــ

---

[1] یہ غیر معروف ہے۔ شاید روایت اس طرح ہو: اصغر بنی امہ یعنی اپنی ماں کے سب بیٹوں سے چھوٹے تھے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ جناب عبداللہ سے اور حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ سے چھوٹے تھے۔ (الروض الانف السہیلی)

اللھم لا یخرج علیہ القدح	اے اللہ! اس کے نام کا تیر نہ نکلے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ بوجھ
انی اخاف ان یکون فدح	میرے لیے گراں ہوگا۔
ان کان صاحبی للذبح	لیکن اگر مجھے اس کو ذبح کرنا پڑے تو میرے نزدیک آج یہ فال
انی اراہ الیوم خیر قدح	بہترین ہوگی۔
حتی یکون صاحبی للمنح	یہاں تک کہ اگر میری نذر کا پورا ہونا اسی کے ذریعہ مطلوب ہے تو وہ
یغنی عنی الیوم کل سرح	مجھے آج ہر طرح سعادت و آسائش سے بے نیاز کردے گا۔

قرعۂ فال عبداللہ کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور چھری لے کر اسے ذبح کرنے کے لیے اساف و نائلہ کی طرف لے آئے۔ یہ دو بت تھے جن کے پاس قریش اپنی قربانیاں ذبح کیا کرتے تھے۔ قریش کے لوگ اپنی اپنی مجلسوں سے اُٹھ کر اُن کے پاس آگئے اور کہا:

"اے عبدالمطلب! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

"میں اسے ذبح کروں گا۔"

اور یہ اشعار پڑھے: سہ

عاھدت ربی وانا موف عھدہ	جب میں اور میرا ایک بیٹا زمزم کی کھدائی کر رہے تھے تو میں نے
ایام احفر و بنی وحدہ	اپنے رب سے عہد کیا تھا اور میں اپنے اس عہد کو پورا کرنے والا ہوں۔
واللہ لا احمد سیا حمدہ	خدا کی قسم، میں اس کے سوا کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ میں اپنے
کیف اعادیہ وانا عبدہ	عہد کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا ہوں جبکہ میں اس کا بندہ ہوں۔
انی اخاف ان اخرت وعدہ	مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے ایفائے وعدہ میں تاخیر کی اور اپنے
ان اضل ان ترکت عھدہ	عہد کو ترک کر دیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔
ما کنت اخشی ان یکون وحدہ	مجھے ڈر نہیں تھا کہ وہ اکیلا رہ جائے گا اس شخص کی طرح جس کے
مثل الذی لاقیت یوماً عندہ	ساتھ ایک دن میری ملاقات اس کے پاس ہوئی تھی۔
اوجع قلبی عند حضری ردہ	اس کی قبر کھودنے سے میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ اللہ میرا
واللہ ربی لا اعیش بعدہ	پروردگار ہے، اس کے بعد میں زندہ نہیں رہوں گا۔

(۱۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگ بیان کیا کرتے تھے کہ عباسؓ بن عبدالمطلب نے اپنے بھائی عبداللہ کو باپ کے قدموں کے نیچے سے کھینچا یہاں تک کہ عبداللہ کے چہرے پر ایک زخم آگیا جس کا نشان مرتے دم تک اس کے چہرے پر رہا۔

(۱۸) ابن اسحاق نے کہا کہ قریش اور جناب عبدالمطلب کے بیٹوں نے کہا: بخدا ہمارے جیتے جی آپ ایسا ہرگز نہ کریں جب تک کہ ہم حجت پُوری نہ کر دیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آئے دن کوئی نہ کوئی اپنے بیٹے کو لا کر ذبح کیا کرے گا اور اس طرح نسلِ انسانی کی بقا کا تحفظ ختم ہو جائے گا۔

(۱۹) ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے عبدالمطلب سے کہا: "بخدا آپ اسے ہرگز ذبح نہ کریں جب تک کہ ہم مجبور نہ ہو جائیں۔ اگر اس کا فدیہ مطلوب ہے تو ہم اپنے اموال بطور فدیہ دینے کو تیار ہیں۔ عبداللہ بن عبدالمطلب کی والدہ مغیرہ کی ہم قوم تھی۔ جب عبدالمطلب نے عبداللہ کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو لوگوں کے گمان کے بموجب مغیرہ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:؎

واعجبی من قتل عبدالمطلب وذبحه خرقاً کتمثال الذهب	میں اس بات پر متعجب ہوں کہ عبدالمطلب مقتضائے عادت کے خلاف سونے کے مجسمہ جیسے ایک نوجوان بیٹے کو قتل کرنے اور قربانی کی بھینٹ چڑھانے کے درپے ہے۔
یا شیب لا تعجل علینا بالعجب فما ابننا بشرط القوم النجب	اے شیبہ! ہمارے سامنے اس عجیب وغریب کام میں جلد بازی نہ کرو نہ ہمارے بیٹے قومی شرائط کے مطابق نجیب ہیں۔
ولا ابنکم بالمستذل المغتصب نفادیه بالمال حتی نحترب	اور نہ ہی آپ کا بیٹا ذلیل اور چھینا ہوا غلام ہے ہم مال سے اس کا فدیہ ادا کریں گے خواہ ہمیں ایک دوسرے کا مال چھیننا پڑے۔
فسوف افدیه بمالی والسلب وسوف القی دونه من الغضب	میں عنقریب اپنے مال سے اور چھینے ہوئے مال سے اس کا فدیہ ادا کروں گا اور سارا اکٹھا کیا ہوا مال اس کے عوض ڈال دوں گا۔
اشوس اباء قبیحات الحطب ماذبح عبدالله فینا باللعب	میں دیکھ رہا ہوں کہ عیب چینی کرنے والے اور رطب و یابس قسم کی باتیں کرنے والے بھی اس فعل کا انکار کر رہے ہیں اس لیے ہمارے درمیان عبداللہ کا ذبح کیا جانا کوئی کھیل نہیں ہے۔
ذبحاکما یذبح معتور النصب کلا ورب البیت مستور الحجب	یہ ایسی ذبح ہے جیسے کسی جانور کو بتوں پر قربان کیا جاتا ہے۔ اس گھر کے رب کی قسم جس پر غلاف چڑھایا ہوا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔
لا یعجل المذبوح حتی نضطرب ضربا یزیل الهام من بعد الغضب	ذبح میں جلدی نہیں کی جا سکے گی جب تک کہ ہم غصّے کی حالت میں ایک دوسرے پر ایسے وار نہ کریں جو قوم کے سرداروں کو ہلا کر رکھ دیں۔

بکل مصقول رقیق ذی شطب — یہ وار بجلی یا روئی کے کپڑے کو جلانے والی آگ کی طرح صیقل شدہ
کالبرق اوکالنارفی الثوب لعطب — تیز دھار چیرنے والی تلواروں کے ساتھ کیے جائیں گے۔

(۲۰) ابن اسحاق کے بیان کے مطابق مندرجہ بالا اشعار مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے ہیں۔ اور جب جناب عبدالمطلب نے عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ابو طالب نے جو عبداللہ کا ماں جایا اور باپ کی طرف سے سگا بھائی تھا اس نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:؎

کلاورب البیت ذی الانصاب — اس گھر کے رب کی قسم، جس کے اردگرد بتوں کے استھان ہیں جن پر
ورب ما انضی من الرکاب — جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور لاغر اونٹوں کے رب کی قسم، جن پر سوار ہو کر زائرین بہت دُور دراز کا سفر طے کر کے آتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

کل قریب الدار او منتاب — ہر قریب کا رہنے والا یا دور دراز کی مسافت طے کر کے پے در پے
یزور بیت اللہ ذا الحجاب — آنے والا غلاف میں لپٹے ہوئے بیت اللہ کی زیارت کرتا ہے۔

ماقتل عبداللہ باللعاب — برادری کے نوجوانوں کے جتھے میں سے عبداللہ کا قتل کیا جانا کوئی
من بین رھط عصبة شباب — کھیل نہیں ہے۔

ابن نساء شطر الانساب — ماں کی طرف سے اس کا حسب نسب بے عیب ہے اور بنی کلاب
اغربین البیض من کلاب — سے زیادہ روشن اور چمکدار ہے۔

وبین مخزوم ذوی الاحساب — اس کی ماں باعتبارِ نسب بنی مخزوم سے ہے جو خاندانی شرافت و
اھل الجیاد القب والقباب — بزرگی کے حامل ہیں اور جن کا لقب عمدہ گھوڑوں اور تیز تلواروں والے ہے
لستم علیٰ ذٰلك باالاذناب — اور جب گھمسان کا رن پڑے تو تم بھی کسی سے پیچھے رہنے والے
حتی تذوقوا حمس الضراب — نہیں ہو۔

بکل عضب ذائب اللعاب — اور ہاتھوں میں ایسی صیقل شدہ تلواریں لے کر نکلتے ہو جن سے
ذی رونق فی الکف کالشہاب — کھیل کے برخلاف حقیقی اور فیصلہ کن جنگ لڑی جاتی ہے اور جو چمک دمک میں آگ کے شعلوں کی مانند ہیں۔

تلقاه فی الاقران ذا اندراب — جنہیں تم جُولھوں میں بلند ہوتا دیکھتے ہو اگرچہ لکھی ہوئی اجل وقت
ان لم یعجل اجل الکتاب — سے پہلے نہیں آتی۔

قلت وما قولی باالمعاب — میں نے جو بات کہی ہے وہ غلطی سے پاک ہے۔ اے میرے بُوڑھے
یاشیب ان الجور ذو عقاب — باپ! فیصلے میں ظلم و زیادتی کا ارتکاب قابلِ مواخذہ ہے۔

ان لنا ان جرت فی الخطاب	اگر آپ نے فیصلہ صادر فرماتے ہوئے زیادتی روا رکھی تو ہمارے ننھیال
اخوال صدق کاسود الغاب	بھی ہیں جو جنگلات کے شیروں کی طرح دلیر ہیں۔
لن یسلموه الدهر للعذاب	وہ عبد اللہ کو تعذیب کا نشانہ بننے کے لیے زمانہ کے سپرد نہیں کریں گے
حتی یعض القاع ذوالتراب	جب تک کہ نرم و ہموار نشیبی زمین اس قوم کا خون نہ چوس لے جس کے
دماء قوم حرم الاسلاب	جان و مال کو محترم قرار دیا گیا ہے۔

اس وقت جناب عبد المطلب نے یہ اشعار پڑھے :؎

اللہ ربی و انا موف نذره	اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اس کی نذر پوری کر کے رہوں گا۔
اخاف ربی ان عصیت امره	میں اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کے وبال سے ڈرتا ہوں۔
واللہ لا یقدر شیئٔ قدره	بخدا اس کی مشیت کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی۔ وہی میرا پروردگار ہے
فهو ولی والیه عمره	اور ہر چیز کی زندگی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔
هذا بنی قد اردت نحره	یہ میرا بیٹا ہے جس کی قربانی کا میں نے ارادہ کیا ہے۔
فان نوخره و تقبل عذره	اگر ہم اس قربانی کو موخر کر دیں اور اس کے بارے میں معذرت قبول کر لی جائے
وتصرف الموت له وحذره	اور موت اور اس کے خطرات کو پھیر دیا جائے تو موت کا ٹل جانا اسے
وتصرف الموت فلا یضره	نقصان نہیں پہنچائے گا۔
من جهد انسان ولا تعره	انسان مشقت میں ہے اور اس کی سختی کو تیرے سوا کوئی چیز دور نہیں
سواك ربی و یکون قره	کر سکتی اور انسان کو قرار و سکون ایک ایسی آنکھ ہی کے ذریعے حاصل
لکل عین ناظر تسره	ہو سکتا ہے جو اسے خوش کرے۔ اے میرے پروردگار! ایسی آنکھ تیرا
اعطیته رب فلا تعره	ہی عطیہ ہے اور اسی وجہ سے غمگین کرنے والا غم مجھے غمناک نہیں کرتا۔
لحزن یوجعنی مسره	

قریش اور عبد المطلب کے بیٹوں نے آپ کو کہا کہ ذبح کے پروگرام کو فی الحال روک دینا چاہیے اور حجاز جا کر سجاح نامی ایک عرافہ سے اس معاملہ میں مشورہ کرنا چاہیے کیونکہ اس عرافہ کے پاس غیب کی خبریں بتانے والا ایک تابع موکل ہے۔ مشورہ کرنے کے بعد آپ مناسب کارروائی عمل میں لائیں۔ اگر وہ آپ کو ذبح ہی کا حکم دے تو آپ عبد اللہ کو ذبح کر دیں اور اگر کوئی ایسا مشورہ دے جس کے ذریعے سے آپ کے اور آپ کے لڑکے کے لیے اس ابتلا سے نکلنے کی کوئی تجویز ہو تو آپ اسے قبول کر لیں۔ عبد المطلب نے اس رائے کو قبول کر لیا۔

چنانچہ وہ سب کے سب وہاں سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچے انھیں معلوم ہوا کہ وہ خیبر میں ہے۔ وہاں سے سوار ہو کر وہ خیبر پہنچے اور اس عورت سے دریافت کیا۔ عبد المطلب نے اس عورت سے اپنا اور اپنے بیٹے کا قصہ اور اپنے بیٹے کی نذر کا ماجرا بیان کیا۔ اس عورت نے انھیں کہا: "آج واپس چلے جاؤ، میرا تابع میرے

پاس آئے گا تو میں اس سے دریافت کر کے تمہیں بتاؤں گی۔ وہ اس کے پاس سے واپس آ گئے اور عبدالمطلب اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے یہ شعر کہے:

یا رب لا تحقق حـذری	اے میرے پروردگار! نذر ادا نہ کرنے کا میرا عمل کامیاب نہ ہو اور
و اصرف عنه شرهذا القدر	میرے گریز کے عمل کو شر سے محفوظ فرما۔
فانی ارجولما قـل ا ذر	کیونکہ میری انتہائی خواہش یہ ہے کہ میں اسے ذبح ہی کروں تاکہ
لان یکون سیداً للبشــر	وہ نوعِ انسانی کا سردار بن جائے۔

اگلی صبح کو وہ سب عرافہ کے پاس گئے۔ اس نے کہا: "ہاں، مجھے اس معاملہ میں معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ تمہارے ہاں آدمی کی دیت کیا ہوتی ہے؟"

انھوں نے کہا: "دس اونٹ۔"

اور واقعۃً اس وقت دیت کی یہی مقدار مقرر تھی۔ اس عورت نے کہا:

"تم لوگ اپنے دیار میں واپس چلے جاؤ اور اپنے اس بیٹے کو اور دس اونٹوں کو سامنے رکھ کر ان پر فال نکالو۔ اگر فال لڑکے کے نام کی نکلے تو اونٹوں کی تعداد بڑھا کر فال نکالتے چلے جاؤ یہاں تک کہ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے۔ جب اونٹوں پر قرعہ نکلے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا پروردگار بیٹے کے بجائے اتنے اونٹوں کی قربانی پر راضی ہے، اس لیے ان اونٹوں کو ذبح کر دینا اور تمہارا بیٹا بچ جائے گا۔"

یہ فتویٰ حاصل کر کے وہ وہاں سے نکلے اور مکہ پہنچے۔ اس تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ عبدالمطلب اٹھے اور اللہ کے دربار میں دست بدعا ہو کر انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

اللّٰھم انك فاعـل لـما ترد	اے اللہ! جو کچھ تُو چاہے کر ڈالنے والا ہے۔ تُو ہمیں رُشد و ہدایت
ان شئت الھمت الصواب والرشد	کی طرف رہنمائی عطا فرما اور نیکی کو ہمارے دلوں میں ڈال دے۔
انی موالیك علی رغـم معـد	میں بنی معد کی ناراضی کے علی الرغم تیرا فرمانبردار رہوں اور ہمیشہ سے
وساقی حجیجك الا بـد	تیرے حجاج کو پانی پلانے والا ہوں۔
اورثنی سقیاھم ابی وجد	حاجیوں کو پانی پلانے کا اعزاز مجھے اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملا ہے
فان وجدی فاعلمن وجد وجد	اور میرے باپ دادا نے یہ ورثہ اپنے اجداد سے پایا۔
انت الذی تعلم کل صعد	تو ہر مصیبت و مشقت کو جاننے والا ہے۔
فلا تحقق حـذری بولـد	لڑکے کی نذر سے میرا گریز کرنا کامیاب نہ ہونے پائے۔
و اجعل فداه فی الجلاد الجعد	اور تو اس کے فدیہ میں پشم والے اونٹوں کی قربانی قبول فرما۔

(۲۱) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ جب عبداللہ اور دس اونٹوں کو قرعہ اندازی کے لیے قریب لایا گیا تو عبدالمطلب خانہ کعبہ کے اندر یہ دعائیہ اشعار پڑھنے لگے: ؎

اللھم رب العشر بعد العشر	اے اللہ! تو دس کے بعد دس کا مالک ہے اور
و رب من یاتی بکل نذر	ہر اس شخص کا پروردگار ہے جو اپنی نذر پیش کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے۔
انج عبد اللہ عند النحر	قرعہ اندازی میں عبداللہ کو نجات عطا فرما اور
و نجھہ من شفعھا و الوتر	اونٹوں کی جفت و طاق تعداد کے عوض اسے رہائی عطا فرما۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دیے اور اونٹوں کی تعداد بیس ہوگئی۔ عبدالمطلب اُٹھے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے: ؎

یا رب عشرین و رب الشفع	اے بیس کے رب اور اے جفت عدد کے رب!
انج عبد اللہ رب النفع	اے نفع کے مالک! عبداللہ کو نجات نصیب فرما۔
من ضربت القدح التی فی الجدع	اسے قرعہ اندازی کے تیر کی زد سے بچا اور اسے بلندی پر بلند کا عطا فرما۔
و اعطہ الرفع الذی فی الرفع	
و لا یکون ضربہ کا للذع	فال کے تیر کی ضرب ایسی تکلیف دہ نہ ہو جس طرح آگ کسی چہرے کو جھلس دیتی ہے۔
کلذعۃ النار التی فی السفع	

پھر انہوں نے تیر نکالا تو عبداللہ پر ہی نکلا۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد تیس ہوگئی۔ عبدالمطلب کھڑے ہو کر اللہ کے حضور یہ دعائیہ اشعار پڑھنے لگے: ؎

رب الثلاثین و لی النعم	اے تیس کے رب اور اے نعمتوں کے مالک! ہم پر احسان فرما کہ
امنن علینا ان نصاب بالدم	ہم اس لڑکے کے خون کی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔
ھٰذا الغلام جنہ لم یعلم	اس لڑکے کا جن نامعلوم ہے۔ میرا دل گرفتارِ محبت کے دل کی طرح اڑا جا رہا ہے۔ اور
فطار قلبی فھو مثل المغرم	
لذکر عبد اللہ حتی یسلم	عبداللہ کی یاد مجھے ستا رہی ہے تاکہ وہ سلامت رہے اور اونٹوں کا غیر منقسم گلہ ذبح ہو جائے۔
و تنحر الذود التی لم تقسم	
و نجہ من ضربۃ لم تکلم	اور عبداللہ کو فال کے خاموش تیر کی زد سے نجات عطا فرما۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام نکلی۔ انہوں نے دس اونٹوں کا اضافہ کر دیا اور اونٹوں کی

تعداد چالیس ہوگئی۔ عبدالمطلب نے اُٹھ کر یہ دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کیے:

اللھم رب الاربعین اذ بلغت
انج بنی من قداح کتبت
وانحر الذود التی قد ھملت
وجلّلت فی قتلہ و ذبحت

اے اللہ! تعداد چالیس تک پہنچ چکی ہے اور تو چالیس کا رب ہے قسمت کے تیر سے میرے بیٹے کو رہائی عطا فرما۔ اس کے عوض اونٹوں کے اس گلّے کی قربانی قبول فرما جو دن رات آزادی کے ساتھ چرتا پھرتا تھا۔ یہ اس کے قتل کا بہترین اور عمدہ فدیہ ہے۔

بلغ رضاک ربنا اذ جعلت
عدل بنی عبد مناف وقعت

اے ہمارے پروردگار! بنی عبد مناف کی طرف سے یہ فدیہ قبول فرما اور ہمیں اپنی خوشنودی عطا کر۔

انہوں نے پھر فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ اور زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد پچاس ہوگئی۔ عبدالمطلب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اللہ کے حضور یہ دعائیہ اشعار پڑھے:

یارب خمسین سمان بدن
من کل کوماء لہ لم تعطن
الا لرب ماجد ممکن
انج عبد اللہ رب الارکن
وانحر الذود التی لم تسکن

اے قربانی کے پچاس فربہ اونٹوں کے مالک بن کے کوہان بڑے بڑے ہیں اور جو اپنی نشست گاہ سے باہر آئے ہوئے ہیں اے بزرگ و برتر اور قادرِ مطلق خدا اور قوت و عزت کے مالک! عبداللہ کو نجات عطا فرما اور اس کے عوض اونٹوں کے اس گلّے کی قربانی قبول فرما جو اپنی قیام گاہ سے یہاں لایا گیا ہے۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے۔ اور اونٹوں کی تعداد ساٹھ ہوگئی۔ عبدالمطلب اُٹھے اور انہوں نے یہ دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کیے:

اللھم رب الستین ورب المشعر
ورب من حج لہ وکبر
یسعی لرب قادر لیغفر
انج عبد اللہ عند المنحر
وعافہ من ضربۃ لا تجبر
لتبلغ العظم بہا فیکسر

اے اللہ! تُو ساٹھ اونٹوں اور مشعرِ عرب کا رب ہے اور ہر حج کرنے والے اور تکبیر پڑھنے والے کا مالک ہے اور مغفرت کے حصول کی خاطر سعی کرنے والوں کا قادر پروردگار ہے تو عبداللہ کو قربان گاہ سے نجات عطا فرما۔ اور اسے عافیت نصیب فرما کہ وہ ناقابلِ تلافی ضرب سے بچ جائے جو ہڈی تک پہنچ کر اسے توڑنے والی ہو۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال عبداللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد ستّر ہوگئی۔ عبدالمطلب اُٹھے اور یہ اشعار پڑھنے لگے:

یا رب سبعین لہ قد جمعت — اے میرے پروردگار! تیرے لیے ستر اونٹ اکٹھے کر دئے گئے ہیں

فاذبح الذود التی قد عطلت — یہ گلہ جو پیش خدمت ہے اس کی قربانی قبول فرما۔

وجمت فی قتلہ و خیست — یہ عبد اللہ کے قتل کے عوض روک کر یکجا کر دئے گئے ہیں

واخرج السهم لها اذا بذلت — قرعہ کا تیر جب نکالا تو ان پر نکال۔

حتی تکون دیت قد کملت — تاکہ یہ ہر مقتول کی مکمل اور قابل قبول دیت قرار پائے۔
عن کل مقتول لہ اذا قبلت

پھر انہوں نے فال نکالی جو عبد اللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد اسّی ہو گئی۔ عبد المطلب نے اٹھ کر یہ دعائیہ اشعار پڑھنے شروع کیے۔ ؎

یا رب الثمانین و رب الاهلال — اے اسّی اونٹوں کے مالک اور پہلی رات کے چاند کو نمودار کرنے والے

و رب من یاتیک للاجلال — اور اے ہر اس آنے والے کے مالک جو تیرے دربار میں اجلال و اکرام کے لیے حاضر ہوتا ہے۔

اجعل فداء ولدی ذود آبال — اونٹوں کے گلّے کو میرے بیٹے کا فدیہ قرار دے۔

سوف تری شکری عند الاحلال — بلا احرام کے بغیر تیرا ایسا شکریہ ادا کروں گا۔

کشکر من یسعی بغیر انعال — جس طرح ایک سعی کرنے والا بغیر جوتوں کے سعی کر کے تشکر گزاری کرتا ہے

امنن بہ علی رب الافضال — اے احسانات کے مالک! مجھ پر یہ احسان فرما۔

انہوں نے پھر فال نکالی۔ فال عبد اللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دئے اور اونٹوں کی تعداد نوّے ہو گئی۔ عبد المطلب اٹھے اور یہ اشعار پڑھنے لگے۔ ؎

یا رب تسعین و رب المشرع — اے نوّے اونٹوں اور راستوں کے مالک!

و رب من یدفع عند المدفع — اور اے اس شخص کے مالک جو پانی کے بہاؤ کی جگہ سے لوگوں کو روک دیتا ہے۔

حتی یحیروا معشرا للمجمع — یہاں تک کہ لوگوں کے لیے اس کے برخلاف مجتمع ہونے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔

انج لی عبد اللہ عند الاذرع — میرے لیے عبد اللہ کو فوری طور پر قتل کیے جانے سے نجات عطا کر۔

ونحہ من ضربۃ لا ترجع — اور اٹل ضرب سے اس کی حفاظت فرما۔

پھر انہوں نے فال نکالی جو عبد اللہ کے نام کی نکلی۔ انہوں نے دس اونٹ زیادہ کر دیے اور اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی۔ عبد المطلب اٹھے اور یہ دعائیہ اشعار پڑھنے لگے: ؎

اللھم رب مائۃ لم تقسم	اے اللہ! تو سَو اونٹوں کے مجتمع گلّہ کا مالک ہے اور تو ہر اس شخص کا مالک ہے جو ہر جادہ و منزل کا مشتاق ہے۔
ورب من یھوی بکل معلم	
ورب من اھدی بکل محرم	تو اس کا مالک ہے جو ہر احرام باندھنے والے کے لیے قربانی کے جانور بھیجتا ہے ان اونٹوں کی مجموعی تعداد سو تک پہنچ چکی ہے۔ ان کی قربانی
قد بلغت مائۃ لم تقسم	قبول فرما اور
ارغم اعدائی بھا لیرغموا	اس قربانی کے ذریعے میرے دشمنوں کو ذلیل کر دے تاکہ وہ رسوائی سے دوچار ہوں۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال اونٹوں پر نکلی۔ قریش اور دیگر حاضرین پکار اُٹھے: "آپ کا پروردگار راضی ہو گیا ہے اور اس نے آپ کے فرزند کو نجات دے دی ہے۔"

(۲۲) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے: لوگوں نے ذکر کیا کہ عبدالمطلب نے اس موقعہ پر کہا: خدا کی قسم، ایسا ہرگز نہیں ہوگا جب تک کہ میں تین دفعہ فال نہ نکال لوں۔ انہوں نے عبداللہ اور اونٹوں پر قرعہ اندازی کی اور عبدالمطلب کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھنے لگے:

اللھم انت ھدیتنی لزمزم	اے اللہ! تُو نے مجھے زمزم کی راہ دکھائی۔
ان بنی احب من تکلم	میرا بیٹا مجھے بہت پیارا ہے کہ زخمی کیا جائے۔
فلا ترینیہ العداۃ فی الدم	میں کل صبح اسے اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ خون میں لت پت ہو
فانی حزنی یدخل فی الاعظم	ایسی صورت میں میرا رنج و غم میری ہڈیوں تک پہنچ جائے گا۔
فاجعل فداہ مائۃ لم تقسم	اس کے فدیہ میں سَو اونٹوں کے غیر منقسم گلّہ کی قربانی قبول فرما۔
حتی نفادیہ بکل اعجم	تاکہ ہم اس کے بدلہ میں چوپایوں کا فدیہ پیش کریں۔
امنن علی ذوالجلال المنعم	اے صاحبِ جلال اور انعام کرنے والے! مجھ پر احسان فرما۔
واوقع الموت لذود عتم	اور موت کو اونٹوں کے گلّہ پر وارد کر جو چراگاہ سے لائے گئے ہیں۔
وثم رب فاجعلن ماتم	اے میرے پروردگار! پھر اس فیصلے کو جاری و نافذ فرما۔
ثم اصرف الموت الیھا یسلم	موت کو اونٹوں کی جانب پھیر دے اور عبداللہ کو سلامتی عطا فرما
بحولک اللھم عیش خرم	اے اللہ! زندگی کو ختم کرنے کی قدرت صرف تجھی کو حاصل ہے۔
وانت ان سلمتہ لم یکلم	اگر تو عبداللہ کو سلامتی عطا فرمائے تو وہ زخمی نہیں ہوگا۔
فبلغ العیش بہ فیعرم	اسے لمبی عمر عطا فرما کہ وہ انتہائی بڑھاپے کو پہنچے۔
حتی اراہ عند کل مقدم	تاکہ ہر آنے والے وقت میں مَیں اسے دیکھتا رہوں۔
یبین الخبر لمن توسم	اور صاحبِ فراست لوگ اسے دیکھ کر یہ بین خبر معلوم کریں۔

پھر انہوں نے فال نکالی۔ فال اونٹوں پر نکلی۔ پھر انہوں نے یہ عمل دُہرایا۔ عبد المطلب ہبل کے پاس تھے۔ جب قرعہ اندازی شروع ہوئی تو عبد المطلب نے یہ اشعار پڑھے : ؎

یا رب لا تشمت بی الاعادی	اے میرے پروردگار! تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔
ان بنی ثمرة فؤادی	بلا شبہ میرا بیٹا میرے دل کا ثمرہ ہے۔
فلا تسیل دمه فی الوادی	اس کا خون وادی میں نہ بہے۔
واجعل فداه الیوم من تلادی	آج اس کے فدیہ میں توانا اونٹوں کے گلّہ کو جو قربانی کے لیے میری برادری
ذود لقاح بدنا انداد	نے پیش کیے ہیں قبول فرما
حتی تکون فدیة الاولاد	تاکہ یہی اولاد کا فدیہ قرار پائے
ولا ترثنیة الاذواد	تو اسے میرے اونٹوں کے گلوں کا وارث نہ بنا
ان بنی رب لم یغادی	کیونکہ میرے بیٹے نے کبھی فدیہ دے کر چھوٹ جانے کا مطالبہ نہیں کیا۔
لکن یمین قسم الجواد	لیکن یہ شریفانہ نذر کی ادائیگی ہے
فقد ترانی رب لو اضادی	اے میرے پروردگار! تو نے دیکھا ہے کہ میں نے نذر کی مخالفت نہیں کی۔

انہوں نے پھر فال نکالی۔ تیر اونٹوں پر نکلا۔ پھر انہوں نے تیسری دفعہ یہی عمل کیا۔ عبد المطلب کھڑے ہو گئے اور انہوں نے یہ دعائیہ اشعار پڑھے : ؎

یا رب قد اعطیتنی سؤالی	اے میرے پروردگار! تو نے میری دُعا کو قبول فرماتے ہوئے میرے اہل و عیال
اکثرت بعد قلة عیالی	میں برکت فرمائی حالانکہ قبل ازیں میں قلیل العیال تھا۔
فاجعل فداه الیوم جل مالی	آج اس کے فدیہ کے طور پر میرے بہترین مال کو قبول فرما۔ یہ خون بہا تمہاری
معقلات تحجب الاحلال	خاطر اور تمہاری تعظیم کی بنا پر پیش خدمت ہے۔
ولا تریته بشر حالی	تو مجھ کو اس کی وجہ سے بدحالی کا شکار نہ ہونے دے۔
فانه ید خلنی سلالی	کیونکہ وُہ میری اولاد میں سے ہے۔
بان یکون النحر للهلال	اگر یہ ہلال جیسا خوب صورت لڑکا قربان ہو گیا تو میں بدحال ہو جاؤں گا۔
او تصرف الموت فلا ابالی	تو مجھے بے خوف کر دے اور اے ربِّ ذوالجلال! تو میرے چھوٹے
عن ابنی الاصغر ذا الجلال	بچے کی موت کو اس سے ٹال دے۔
انت ولی المنعم الفضال	تو کارساز، منعمِ حقیقی اور مہربان ہے۔
فانعم الیوم لذاك بالی	آج تو مجھے اپنی نعمتوں سے نواز اور میرے خطرات کو دُور کر دے
فانه قد نزل الموالی	کیونکہ میرے سب رشتہ دار حاضر ہیں۔

کلھم یبکی من السؤال	ان میں سے ہر ایک دعا گو ہے اور رو رہا ہے
کل فتی ابیض کالھلال	اور ہلال کی مانند خوب صورت سب نوجوان بھی اسی حال میں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ نے شعر پڑھا :

یا رب بارک فی الغلام الازھر	اے میرے پروردگار! اس خوب صورت اور روشن چہرے والے نوجوان
فی الھاشمی والکریم العنصر	کو برکت عطا فرما جو ہاشمی اور کریم النسب ہے۔

تیسری دفعہ بھی فال اونٹوں ہی پر نکلی۔ چنانچہ اونٹ ذبح کر دیے گئے اور انہیں چھوڑ دیا گیا اور ان کا گوشت لے جانے سے کسی کو بھی نہ روکا گیا۔

باب ۳

عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی

(۲۳) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگوں کا گمان ہے کہ پھر عبدالمطلب نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر بنی اسد بن عبد العزّٰی بن قصی کی ایک عورت کے قریب سے گزرے، وہ عورت کعبہ کے پاس تھی۔ جب اس نے عبداللہ کے چہرے کو دیکھا تو کہا:

"اے عبداللہ! تم کہاں جا رہے ہو؟"

عبداللہ نے جواب دیا:

"میں اپنے باپ کے ہمراہ جا رہا ہوں۔"

اس عورت نے کہا:

"میں تمہیں اُتنے ہی اونٹ دوں گی جتنے تمہارے فدیے میں ذبح کیے گئے ہیں بشرطیکہ تم میرے ساتھ اس وقت اختلاط کرو۔"

عبداللہ نے کہا:

"اس وقت میرا باپ ساتھ ہے میں ان سے جُدا نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے خلاف کر سکتا ہوں اور نہ ہی میرا ارادہ ہے کہ میں کسی بات میں ان کی نافرمانی کا ارتکاب کروں۔"

عبدالمطلب عبداللہ کو لے کر چلے گئے یہاں تک کہ وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس آئے۔ وہب ان دنوں نسب و شرافت کے اعتبار سے بنی زہرہ کے سردار تھے۔ عبدالمطلب نے عبداللہ کی شادی وہب بن عبد مناف بن زہرہ کی صاحبزادی سیدہ آمنہ سے کر دی وہ نسب اور مرتبے کے لحاظ سے قریش کی افضل ترین لڑکی تھی۔ آمنہ کی ماں کا نام برہ بنت عبد العزّٰی بن عثمان بن عبداللہ بن قصی ہے۔ برہ کی والدہ ام حبیب بنت اسد بن عبد العزّٰی بن قصی ہے۔ اور ام حبیب کی والدہ کا نام برہ بنت عوف بن عبید بن دعویج بن عدی بن) کعب بن لوی ہے۔

(۲۴) ابن اسحاق کا بیان ہے: لوگ ذکر کرتے ہیں کہ جناب عبداللہ نے سیدہ آمنہ کو مکان مہیا کیا اور دونوں نے ازدواجی زندگی کا آغاز کیا۔ اختلاط زناشوئی کے دوران میں بی بی آمنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمل رہ گیا۔

عبداللہ وہاں سے باہر نکلے اور بنی اسد کی اس عورت کے پاس آئے جس نے انہیں مذکورہ بالا بات کہی تھی وہ عورت ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزٰی کی بہن تھی اور اپنی قیام گاہ میں تھی۔ عبداللہ اس کے ہاں بیٹھ گئے اور کہا :

"کیا وجہ ہے کہ آج تمہارا میری طرف اس طرح رجحان نہیں ہے جیسا کہ کل تھا ؟"

اس نے کہا :

"تم میں جو نور تھا وہ تم سے جُدا ہو چکا ہے ۔ آج مجھے تمہاری حاجت نہیں"۔

(۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگ ذکر کرتے ہیں کہ اس عورت نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے (جو عیسائی ہو گیا تھا اور کتابوں کا ماہر تھا) یہ سُن رکھا تھا کہ اس امت میں بنی اسماعیلؑ میں سے ایک نبی برپا ہوگا ۔ اس عورت نے جس کا نام ام قبال بنت نوفل بن اسد تھا اس بارے میں یہ اشعار کہے : ؎

الاٰن وقد ضیعت ما کنت قادرا	تم اب آئے ہو حالانکہ جو تمہارے پاس تھا تم نے اس کو ضائع کر دیا ہے
علیه وفارقك الذی کان جابكا	تمہیں اس پر قدرت حاصل نہ تھی وہ تم سے جُدا ہو چکا ہے۔
غدوت علیّ حافلا قد بذلته	تم میرے پاس صبح بھرے ہوئے آئے تھے لیکن تم نے اسے وہاں دوسرے
هناك لغیری فالحقن بشانكا	کے سپرد کر دیا ہے اب تم اپنے حالات کے خود ذمہ دار ہو۔
ولا تحسبنی الیوم جلوا ولیتنی	آج تم مجھے اپنی محبوبہ نہ سمجھو ۔ اے عبداللہ! کاش تم میرے
اصبت حبیباً منك یا عبد دارکا	حبیب ہوتے۔
ولکن ذاکم صار فی آل زهرة	لیکن وہ تو آلِ زہرہ میں چلا گیا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کو
به یدعم الله البریه ناسکا	عبادت گزاری کا راستہ بتلائے گا۔

عبداللہ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اس کا جواب دیا : ؎

تقولین قولاً لست اعلم الذی	تو ایسی بات کہہ رہی ہے جسے میں قبل ازیں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا تھی
یکون وما هو کائن قبل ذٰلك	اور کیا ہو گئی ہے ؛
وان کنت ضیعت الذی کان بیننا	کیا میں نے کسی ایسے عہد و پیمان کو توڑا ہے جو میں نے تیرے گھر
من العهد والمیثاق فی ظل دارك	کے پاس تجھ سے باندھا تھا۔
فمثلك قد اصیبت عن کل حلة	تم جیسی عورتیں تو ہر مقام اور ہر حالت میں مصیبت زدہ ہی رہتی ہیں
ومثلی لا یستام عند الفوارك	اور میں ایسا ہوں کہ بغض رکھنے والی عورتوں سے جھگڑا نہیں کیا کرتا۔

ام قبال نے عبداللہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اشعار بھی کہے : ؎

علیك بال زهرة حیث كانوا وامنة التی حملت غلاماً

(تجھے چاہیے کہ آلِ زہرہ جہاں بھی ہوں ان کے ساتھ لازم رہو اور سیدہ آمنہ جسے لڑکے کا حمل رہ گیا ہے اس کی رفاقت اختیار کرو)

یری للمهدی حین یری علیه و نور قد تقدمه اماما

(اس لڑکے کے آگے جو نور دیکھا جائے گا وہ نور ہدایت ہو گا)

فیمنع كل محصنة حرید اذا ما كان مرتدیا حساما

(وہ اپنی قوم سے علیحدہ ہو جائے گا اور تلواروں سے مسلح ہو کر پرہیزگار خواتین کی پاسداری کرے گا)

و تحقره الشمال و بان منها ریاح الجدب تحسبه قتاما

(بدقماش لوگ اس کو حقیر سمجھیں گے اور ان کی طرف سے الزام تراشی کے جھکڑ چلیں گے جو درحقیقت لڑائی کے غبار ہوں گے)

فانجبه ابن هاشم غیر شك وادته كریمته همـاما

(بلاشبہ وہ بنی ہاشم میں سب سے نجیب ہوگا اور اس کی سیدہ والدہ اسے بہادر سردار جنے گی)

فكل الخلق یرجوه جمیعا یسود الناس مهتدیا اماما

(پوری مخلوقات اس کے در کی امیدوار ہو گی وہ لوگوں کا سردار اور امام ہوگا اور انھیں ہدایت دے گا)

براه اللہ من نور مصفی فاذهب نوره عنا الظلاما

(اللہ تعالیٰ صاف اور پاکیزہ نور سے اسے روشنی عطا کرے گا اور اس کی یہ روشنی ہماری ظلمتوں کو دُور کر دے گی)

وذلك صنع ربك اذحباه اذا ما سار یوما او اقاما

(یہ تیرے رب کا احسان ہے کہ وہ یہ بے بدل عطیہ دے گا اور جب وہ کسی دن سفر کرے گا یا اقامت پذیر ہو گا)

فیهدی اهل مكة بعد كفر ویفرض بعد ذلكم الصیاما

(تو وُہ اہلِ مکّہ کو کفر کے بعد ہدایت نصیب کرے گا اور بعد ازاں روزے فرض کرے گا)

سیّد عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے : سه

دعوت ربی مخفیا و جهرا
اعلنت قولی وحمدت الصبرا

میں نے اپنے رب کو چپکے چپکے بھی پکارا اور اس سے علانیہ بھی دعا مانگی
میں نے اپنی بات کو برملا بیان کیا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کی

یا رب لا تنحر بنی نحرا
وفاده بالمال شفعا و وترا

اے میرے پروردگار! میرے بیٹے کو ذبح سے بچا اور اس کی قربانی کے عوض جفت وطاق مال کی صورت میں اس کا فدیہ قبول فرما

اعطیك من كل سوام عشرا
او مائة دهما وكمتا و حمرا

میں اس کے عوض چرنے والے دس یا سو اونٹ دینے کو تیار ہوں جو نیلی اور سیاہ اور سرخ و سفید آمیختہ رنگوں والے ہیں۔

معروفة اعلامها وصحرا
لله من مالی وفاء و نذرا

ان اونٹوں کے نشانات معروف ہیں۔ میں یہ اونٹ اپنے مال میں سے اللہ کی خوشنودی کی خاطر نذر پوری کرنے کے لیے دیتا ہوں

عفوا ولو تشمت عیونا خزرا
بالواضح الوجه المزین عذرا

میں تیرے احسان کا طلبگار ہوں تو اس روشن اور مزین چہرے والے کو کوتہ چشم سے دیکھنے والی آنکھوں کو جلنے کا موقع نہ دے

فالحمد لله الاجل شکرا
اعطانی البیض بنی زهرا

تعریف بزرگ و برتر خدا ہی کے لیے ہے اور میں اس کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے بنی زہرہ کی سفید چہرہ والی خاتون بطور بہو عطا فرمائی

ثم کفانی فی الامور امرا
قد کان اشجانی وهد الظهرا

وہ اہم ترین معاملہ جس نے مجھے غمگین کر دیا تھا اور میری کمر توڑ دی تھی
اس میں میری طرف اللہ ہی کافی ہو گیا

فلست والبیت المغطی سترا
واللات والرکن المحاذی حجرا

اس گھر کی قسم جو غلاف میں مستور ہے اور لات اور رکن حجر اسود کی قسم۔

منك لا نعمك الهی کفرا
مادمت حیا و ازور القبرا

اے بار الٰہا! میں کبھی تیرے انعامات و احسانات کی ناشکری نہیں کروں گا جب تک کہ میں زندہ ہوں اور اپنی قبر کی زیارت کرنے تک اس عہد پر قائم رہوں گا

(۲۶) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا میرے والد اسحاق بن یسار نے یہ روایت بیان کی کہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کے ساتھ ایک عورت تھی۔ عبداللہ بن عبد المطلب اس عورت کے پاس سے گزرے، اس وقت عبداللہ پر مٹی گارے کے اثرات تھے۔ عبداللہ نے اس عورت کو بلایا لیکن وہ آمادہ نہ ہوئی کیونکہ اس نے عبداللہ کے جسم پر مٹی کے نشانات دیکھے تھے۔ عبداللہ نے جا کر غسل کیا اور آمنہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ وہ دوسری عورت جسے قبل ازیں عبداللہ نے بلایا تھا اس نے اب عبداللہ کو دعوت دی لیکن عبداللہ نے اس کے پہلے طرز عمل کی وجہ سے انکار کر دیا اور سیدہ آمنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے اختلاط کیا۔ پھر باہر آئے اور اس دوسری عورت کو بلایا۔ لیکن اس نے کہا: "اب مجھے تمہاری

حاجت نہیں ہے جس وقت تم میرے پاس سے گزرے تھے تو اس وقت تمہاری آنکھوں کے درمیان ایک نور تھا میں نے چاہا کہ اس نور کو حاصل کر لوں لیکن جب تم آمنہ کے پاس چلے گئے تو وہ نور آمنہ تم سے لے گئی"۔

(۲۷) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے محمد ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مروی ہے کہ وہ عورت یہ کہتی تھی:

"جب عبداللہ میرے پاس سے گزرے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان پہلی رات کے چاند جیسا نور تھا میں نے عبداللہ کو اس امید پر دعوت دی تھی کہ یہ نور میں حاصل کر لوں۔ لیکن وہ آمنہ کے پاس چلے گئے اور اس سے اختلاط کیا۔ چنانچہ سیدہ آمنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمل رہ گیا"۔

(۲۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کا بیان ہے کہ جب اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمل رہ گیا تو اسے خواب میں کہا گیا کہ تمہارے پیٹ میں امت کا سردار ہے جب وہ پیدا ہو تو یہ اشعار پڑھنا: ؎

اعیذہ بالواحد	میں اسے اللہ واحد کی پناہ میں دیتی ہوں کہ وہ اسے ہر حاسد
من شر کل حاسد	کے شر سے محفوظ رکھے جو
فی کل بر عاهد	ہر بھلائی کی کوشش کرنے والے اور عبادت گزاری میں سبقت
و کل عبد رائد	لے جانے والے کے ساتھ حسد کرتا ہے۔
نزول غیر زائد	دنیا میں اس کی تشریف آوری ضروری ہے کیونکہ وہ نہایت
فانه عبد الحمید الماجد	قابلِ تعریف اور بڑی شان والے خدا کا بندہ ہے۔
حتی اراہ قد اتی المشاهد	یہاں تک کہ میں اسے لوگوں کے اجتماعات کے مقامات پر آتے ہوئے دیکھوں۔

اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا نور برآمد ہوگا جس سے سرزمین شام میں بصریٰ کے محلات جگمگا اٹھیں گے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمدؐ رکھنا۔ تورات میں اس کا نام احمد ہے۔ اہلِ ارض و سما اس کی تعریف کے گن گائیں گے۔ انجیل میں بھی اس کا اسم گرامی احمد ہے۔ آسمان والے اور زمین والے اس کی تعریف کریں گے۔ فرقان میں اس کا نام محمد ہے۔ اسے اسی نام سے موسوم کرنا۔ جب آپؐ پیدا ہوئے تو آپؐ کی دایہ کی معرفت سیّد عبدالمطلب کو اطلاع دی گئی کیونکہ آپؐ کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا تھا جبکہ آپؐ ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے۔ کسی روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب عبداللہ کا انتقال اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائیس[۲۸] ماہ کے تھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون سی روایت معتبر ہے۔ سیدہ آمنہ نے سیّد عبدالمطلب کو کہلا بھیجا: "آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے، تشریف لائیے اور اسے دیکھیے"۔

جب عبدالمطلب تشریف لائے تو سیدہ آمنہ نے انہیں وہ خواب بتلایا جو اس نے استقرارِ حمل کے وقت دیکھا تھا اور وہ سب ماجرا سنایا جو کچھ اسے بچے کا نام وغیرہ رکھنے کے بارے میں کہا گیا تھا۔ سید عبدالمطلب نے آپؐ کو اٹھا لیا اور کعبہ کے اندر ہبل کے پاس لے گئے۔ وہ اللہ سے دعا کرتے اور اللہ کی اس عطا پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کھڑے رہے اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے : ؎

الحمد للہ الذی اعطانی	تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے سرخی مائل گورے رنگ کا
ھذا الغلام الطیب الاردان	یہ پاکیزہ لڑکا عطا فرمایا۔
قد ساد فی المھد علی الغلمان	یہ بچپن ہی میں لڑکوں کا سردار ہے، میں اسے اللہ کی پناہ میں
اعیذہ باللہ ذی الارکان	دیتا ہوں جو اس مستحکم کناروں والے گھر کا مالک ہے۔
حتی یکون بلغة الفتیان	یہاں تک کہ وہ بھرپور جوانی کو پہنچ جائے اور میں دیکھوں کہ اس کے
حتی اراہ بالغ البنیان	جوڑ بند مضبوط ہو چکے ہیں۔
اعیذہ من کل ذی شنئان	میں اسے ہر دشمن کی دشمنی سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اور ٹھوکریں
من حاسد مضطرب العنان	کھانے والے اندھے اور بوڑھے
ذی ھمة لیس لہ عینان	حاسد کے حسد سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں
حتی اراہ رافع اللسان	یہاں تک کہ میں اسے خطیب اور زبان آور دیکھوں
انت الذی سمیت فی الفرقان	تو وہ ہے کہ جس کا نام فرقان میں اور دوسری
فی کتب ثابتة العثانی	آسمانی کتب میں احمد رکھا گیا ہے جو
احمد مکتوبا علی اللسان	زبان زد خلائق ہے۔

جب عبدالمطلب عبداللہ کے معاملے سے فارغ ہو گئے اور عبداللہ کی قربانی کے بارے میں جو تشویش اور پریشانی انھیں لاحق ہوئی تھی وہ جاتی رہی تو اس وقت انہوں نے یہ اشعار کہے :

دعوة ربی دعوة المناصح	میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور مخلصانہ رجوع کرتے ہوئے دعا مانگی جس
دعوة مبتاع رضاہ رابح	کے ذریعے میں نے اللہ کی نفع بخش خوشنودی کی تلاش کی۔
فاللہ عند قسمة المنائح	اللہ تعالیٰ نے انعامات وعطیات تقسیم کیے اور جھگڑا کرنے والوں کے
اعطی علی الشحر من المشاجح	لالچ کے باوجود زمزم عطا کیا جس سے چلو بھر پانی حاصل کرنے کی
زمزم لا یمتاحھا الماتح	درخواست نہیں کی جاتی بلکہ زمزم جوش مار کر نکلتا ہے اور پانی حاصل
الا الدلاء الزیل السوافح	کرنے والے اس سے ڈول بھر بھر کر لے جاتے ہیں۔
کم من حجیج مغتد ورائح	صبح و شام آنے والے کتنے حاجی ہیں جو اس سے اپنی پیاس
جاد بھا من بعد لوح اللائح	بجھاتے ہیں اور سیراب ہوتے ہیں۔

سقیا علی رغم العدو المشاشح
بعد کنوز الحلی والصفائح

سخت ترین دشمنوں کی دشمنی کے باوجود یہ چشمہ جاری ہوا اور اس سے قبل سونے کے خزانے اور تلواریں برآمد ہوئیں۔

حلی لبیت اللہ ذی المسارح
بیت علیہ النور کالمصابح

یہ زیورات بیت اللہ پر چڑھانے گئے جس کے صحن میں روشنیاں ہیں اور یہ ایسا گھر ہے جو چراغوں کی روشنی سے جگمگاتا ہے۔

بنیان ابراهیم ذی المسابح
بناه بالرفق وحلم راجح

یہ گھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے جو اللہ کی پاکی بیان کرنے والے اور نہایت شفیق اور بردبار تھے۔

بین الجبال الصم والصرادح
فھو مثاب لذوی الطلائح

ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کو سنسان پہاڑوں اور ہموار جگہ کے درمیان تعمیر کیا اور یہ دور دراز کا سفر طے کرکے تھکی ہوئی اونٹنیوں پر سوار ہو کر آنے والوں کے لیے عبادت کا مرکز ہے۔

ینتابه من کل فج نازح
مشتبه الاعلام والصحاصح

جس کی طرف غیر معروف لیکن پاکیزہ اطوار اور قابلِ اعتماد لوگ دشوار گزار گھاٹیوں سے گزر کر پے در پے اور نوبت بہ نوبت آتے ہیں۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے: ؎

الحمد للخالق لا العباد
لما رای جدی واجتهادی

تعریف کے سزاوار بندے نہیں ہیں بلکہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے تشویش کی حالت میں صحیح رائے کا تلاش کرنے والا پایا اور میری رہنمائی فرمائی۔

واننی موفیه بالمیعاد
والعهد ان العهد ذو معاد

بے شک میں اپنے عہد و پیمان کو پورا کرنے والا ہوں درحقیقت عہد کے بارے میں جواب دہی ہوگی۔

فرج عنی کربة الفؤاد
ونال منی فدیة المفادی

اللہ تعالیٰ نے میرے دل کے غم و الم کو دور کر دیا اور میرے بیٹے کا فدیہ قبول فرما لیا۔

فادیت عبد اللہ من تلادی
ان البنین فلذ الاکباد

میں نے عبداللہ کا فدیہ اپنے مال سے عطا کیا۔ بے شک بیٹے جگر کے قیمتی ٹکڑے ہوتے ہیں۔

ثماره کالقرع للفؤاد
ادم وحمر کلها تلاد

بیٹے کی اولاد باعث طمانیت قلب ہے میرے ہاں گندم گوں اور سرخ رنگ والے سبھی ہیں۔

قلت للحباس لها ذواد
هل منکم من صیت ینادی

شریف النسل اونٹوں کا گلہ موجود ہے۔ میں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی بلند آواز والا ہے جو یہ ندا دے کہ

الابل نهب بین اهل النوادی
فترکوها وهی فی عصواد

اہل وادی نے اونٹوں کو غارت گری اور لوٹ مار کا مال بنا لیا ہے اور یہ بڑی بداخلاقی ہے پس انہوں نے اونٹوں کو چھوڑ دیا۔

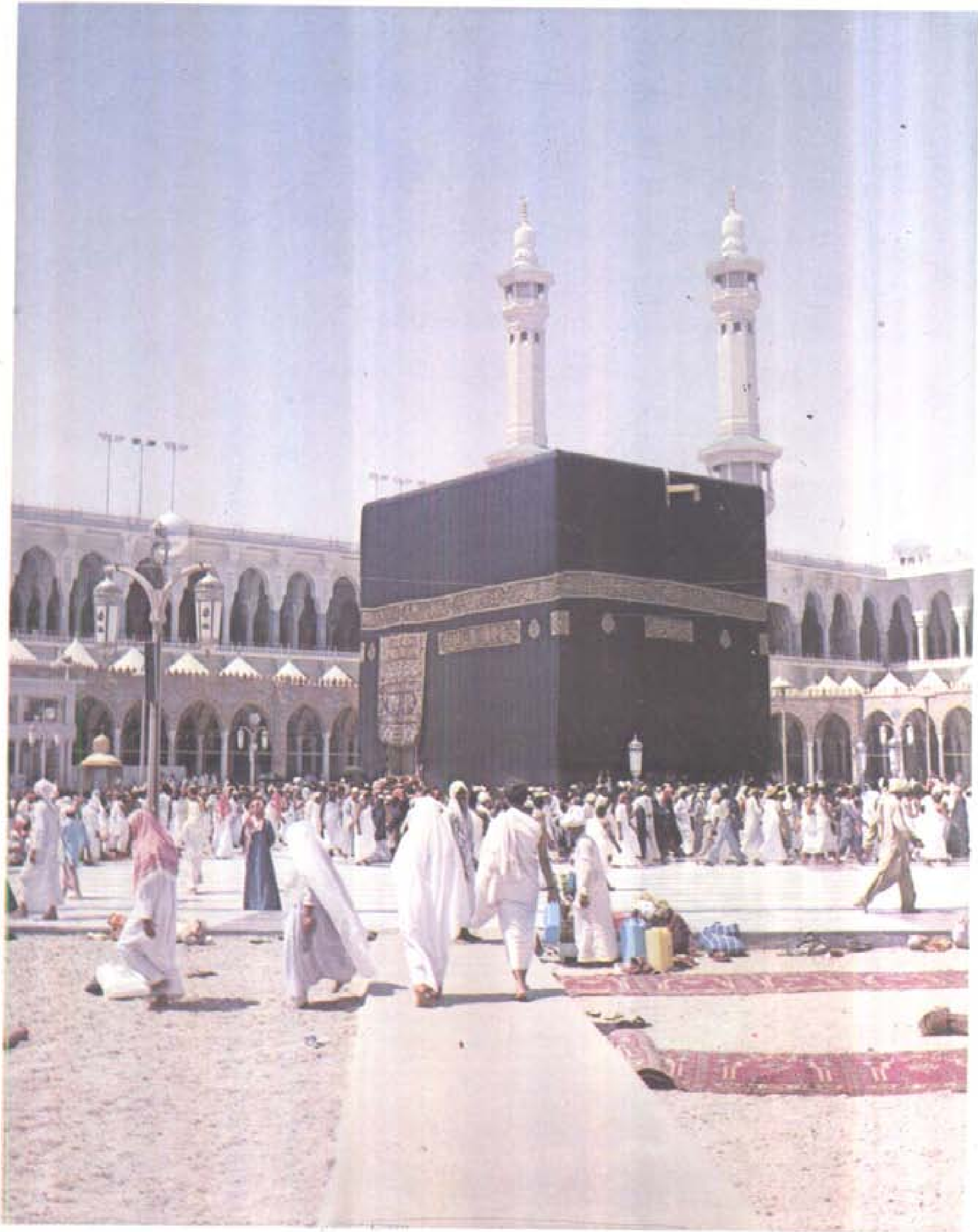
یرکبہا بالآلۃ الحداد	ان پر سوار ہونے کے لیے تیز ہتھیار درکار ہوتے ہیں اور پانی رکھنے کے لیے
کانہار ہو من المزاد	اس قدر تھیلے ان پر ہیں گویا کہ وہ پانی کی نہریں ہیں۔
یروی بہا ذوا جعل صیاد	رسیوں والا شکاری ان کو پکڑ کر لاتا ہے اور عبداللہ قیمتی لباس میں
وراح عبد اللہ فی الابراد	ملبوس خوش و خرم ہے۔
یغیظ اعدائی من الحساد	میرے حاسد دشمن غیظ و غضب میں ہیں کہ میں نے عبداللہ کو سخت
نجیتہ من کرب شداد	تکلیف سے بچا لیا ہے۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے: ؎

الحمد للہ علیٰ ما انعما	تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نعمتیں عطا کیں اور دشمنوں کی
اعطی علیٰ رغم العدو زمزما	دشمنی کے باوجود زمزم کی نعمت سے نوازا۔
تراث قوم لم یکن مہدما	یہ ایک زندہ قوم کی میراث ہے لیکن حاسد
والحاسدون یخرقون الا دما	بے وقوف ہیں۔
ولم یکن حافرہا لیندما	اس کنویں کو برآمد کرنے والا پشیمان نہیں ہوگا۔
اصاب فیہا حلیۃ فتسلما	اسے کنویں میں سے زیورات ملے جنہیں اس نے قبول کیا۔
للہ ما اجری علیہ الاسہما	اللہ ہی کے لیے وہ چیز جس پر اس نے تیر نکالے۔ بخدا! میں نے
واللہ اوفی نذرہ اذا قسما	جو نذر مانی ہے وہ پوری کروں گا۔
اعطی بنین عصبۃ وخدما	اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکوں اور خدمت گاروں کی ایک جماعت عطا کی
ولست واللہ ارید ماثما	اور میرا کوئی ارادہ نہیں کہ میں اللہ کی نافرمانی کروں اور
فی النذر او اہریق للہ دما	اللہ کے لیے نذر پوری نہ کرکے یا ان میں سے ایک لڑکے کا خون نہ
منہم وقد اوفیتہم فتمما	بہا کر گناہ کا ارتکاب کروں حالانکہ میری منت کے مطابق میرے بیٹے پورے ہیں۔
من بعد ما کنت وحیدا ایما	اس سے قبل میں غیر شادی شدہ اور اکیلا تھا اور
یرانی الاعداء قرنا اعصما	دشمن مجھے اپنا مدِمقابل ایسا سردار سمجھتے تھے
اعضب او ذا ارتیاب اعسما	جس کے بھائی بند نہ ہوں یا قلیل ہوں اور وہ بے چین ہو۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے: ؎

دعوت ربی دعوۃ المغلوب	میں مغلوب ہو چکا ہوں اور اس حالت میں میں نے اپنے پروردگار کو
ونعم مدعی السائل المکروب	پکارا۔ ایک درماندہ سائل کی پکار کس قدر مقبول ہوتی ہے۔



خانہ کعبہ کا ایک منظر

فالحمد للمستمع المجيب
اعطى على رغم ذوى الذنوب
الى والشحناء والعيوب
زمزم ذات الموضع العجيب
بين سواد الصنم المنصوب
وبين بيت الله ذى الحجوب
وتحت فرث النعم المغصوب

سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو دعاؤں کو سننے والی اور قبول کرنے والی ہے جس نے بدکرداروں اور کینہ توز دشمنوں کی عداوت کے باوجود مجھے عجیب وغریب جگہ سے
چاہِ زمزم عطا فرمایا۔
جو نصب شدہ بتوں اور غلاف میں مستور بیت اللہ کے درمیان
غصب شدہ چوپایوں کے گوبر
کے تحت اٹا ہوا تھا۔

باب ۴

رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت

(۲۹) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: مطلب بن عبداللہ بن قیس نے اپنے والد اور دادا قیس بن مخرمہ سے روایت کی۔ قیس نے کہا: میری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ ہم دونوں ہم عمر ہیں۔

(۳۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حرب فجار جو عکاظ کے مقام پر لڑی گئی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال کی تھی۔

(۳۱) ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے آپؐ کی والدہ کی گود بھری ہوئی تو آپؐ کے لیے دایہ تلاش کی گئی۔ چنانچہ آپؐ کو دودھ پلانے کے لیے حلیمہ بنت ابی ذؤیب کو مقرر کیا گیا۔ ابو ذؤیب کا نام عبداللہ بن حارث بن شجنہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن فصیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی باپ کا نام جن کی بی بی کا دودھ آپؐ نے نوش جان فرمایا حارث بن عبدالعزّٰی بن رفاعہ بن ملان بن ناصرہ بن فصیہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بہنوں کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن حارث، انیسہ بنت حارث اور حذافہ بنت حارث جن کا لقب شیماؔ تھا اور وہ اپنی قوم میں اپنے اصلی نام کی بہ نسبت اسی لقب سے زیادہ مشہور تھیں۔ یہ سب بچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ کے بطن سے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس رہتے تو شیماؔ اپنی والدہ کے ساتھ مل کر آپؐ کو کھلایا کرتی تھیں اور آپؐ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔

(۳۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: حدیث بیان کی مجھ سے جہم بن ابی جہم نے جو حارث بن حاطب کے ہاں بنی تمیم کی ایک عورت کا مولیٰ تھا اور اسی وجہ سے جہم کو حارث بن حاطب کا مولیٰ بھی کہتے ہیں۔ جہم نے کہا: مجھ سے ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کو کہتے سنا تھا کہ حلیمہ بنت حارث (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں) بیان کرتی ہیں: میں بنی سعد

بن بکر کی کچھ عورتوں کے ہمراہ دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ آئی۔ ہمارے ہاں قحط سالی تھی اور گھاس کا پتہ تک نہ تھا۔ میں ایک سبزی مائل سفید رنگ کی گدھی پر نکلی جو سفر کی تکان سے لاغر ہوگئی۔ میرے ساتھ شیرخوار بچہ اور ایک بوڑھی اونٹنی تھی۔ بخدا بچّے کی بھوک کے باعث ہم بھی نہ سو سکتے تھے کیونکہ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہ تھا کہ بچّے کے لیے کافی ہو اور ہماری اونٹنی بھی ذرا دُودھ نہ دیتی تھی کہ بچّے کی خوراک کے کام آئے۔ اس حال میں ہم مکہ پہنچے۔ ہم میں سے کوئی عورت ایسی نہ تھی جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہ کیا گیا ہو۔ لیکن جب کہا جاتا کہ آپؐ یتیم ہیں تو کوئی عورت بھی آں حضرتؐ کو لینے پر راضی نہ ہوتی۔ کیونکہ ہم لوگ کہتے تھے کہ بچّے کی ماں سے حسنِ سلوک کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ اگر بچّے کا باپ ہوتا تو اس سے نیک سلوک کی توقع کی جا سکتی تھی۔ میرے ساتھ آئی ہوئی سب عورتوں نے دُوسرے بچے لے لیے اور مجھے کوئی بچہ نہ ملا، میں نے اپنے شوہر حارث بن عبدالعزّٰی سے کہا:

"خدا کی قسم، میں یہ بات پسند نہیں کرتی کہ کسی شیرخوار بچّے کو لیے بغیر اپنے ساتھ والیوں کے ہمراہ خالی ہاتھ واپس جاؤں۔ میں اسی یتیم بچّے کو لے لیتی ہُوں۔"

میرے شوہر نے کہا: "اگر تو ایسا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

چنانچہ میں گئی اور صرف اس لیے اس بچّے کو لے لیا کہ مجھے آپؐ کے سوا اور کوئی بچہ نہ ملا اور آپؐ کو بھی میرے سوا کوئی عورت لینے پر رضامند نہ ہوئی۔

آپؐ کو لے کر مَیں اپنی اقامت گاہ پر گئی اور اس بچّے کے مُنہ میں حسبِ خواہش اپنی چھاتی دی تو اتنا دُودھ اُترا کہ وہ بھی سیر ہوگیا اور اس کے دودھ شریک بھائی نے بھی خوب پیٹ بھر کر پی لیا۔ پھر میرا شوہر بوڑھی اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے اتنا دُودھ دیا کہ میرے شوہر نے بھی پیا اور میں نے بھی۔ اور ہم دونوں اچھی طرح سیر ہوگئے۔ اور ہم نے رات بڑے آرام سے گزاری۔ میرے شوہر نے مجھ سے کہا: "اے حلیمہ! بخدا تُو نے بڑا ہی مبارک بچہ حاصل کیا ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتی کہ اس بچّے کو حاصل کرکے ہم نے کس قدر خیریت کے ساتھ رات گزاری ہے۔" اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خیر و برکت میں اضافہ کرتا گیا یہاں تک کہ ہم نے اپنے علاقے کی طرف واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا۔ خدا کی قسم، واپسی کا سفر ہماری گدھی نے اس طرح طے کیا کہ قافلے کے سارے گدھوں کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا اور کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اس پر میری ساتھی عورتیں کہنے لگیں:

"اے بنت ابی ذُویب! کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تُو ہمارے ساتھ آئی تھی؟"

مَیں نے کہا:

"ہاں، یہ وہی ہے۔"

وہ بولیں: "واللہ اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔"

اس طرح ہم بنی سعد کے علاقہ میں واپس پہنچ گئے۔ میرے علم کی حد تک اللہ عزّ و جل کی زمین پر اس وقت کوئی خطہ ایسا نہ تھا جو اتنا اجاڑ ہو جتنا ہمارا علاقہ تھا۔ لیکن میری بکریاں جہاں جاتیں پیٹ بھر کر چارہ کھاتیں اور شام کو واپس آتیں تو دودھ سے بھرپور ہوتیں۔ ہم حسبِ خواہش دُودھ دوہتے اور ہمارے قرب و جوار میں دوسرے لوگوں میں سے کسی کی بکری کے تھنوں میں دودھ کا قطرہ تک نہ ہوتا تھا اور ان کے ریوڑ بھوکے واپس آتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے چرواہوں سے کہنے لگے:

"اے کم بختو! ابو ذویب کا ریوڑ جہاں چرتا ہے تم بھی اس کے ساتھ ریوڑ چرایا کرو۔"

چنانچہ انہوں نے بھی اپنے ریوڑ میرے ریوڑ کے ساتھ رکھنا شروع کر دئے۔ لیکن ان کے ریوڑ بھُوکے واپس آتے، ان کی بکریوں کے تھنوں میں دُودھ کا قطرہ تک نہ ہوتا اور ہماری بکریاں دودھ سے بھری ہوئی اور سیر ہو کر واپس آتیں اور ہم حسبِ منشا دودھ دوہتے۔ اس طرح ہمیں اللہ عزّ و جل برکتوں سے نوازتا رہا اور ہم ان برکات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بچّہ دو سال کی عمر کو پہنچ گیا اور سارے قبیلے کے بچّوں سے زیادہ تندرست ہو گیا۔ واللہ اس بچے کی عمر دو سال بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ خوب توانا ہو چکا تھا ہم اسے لے کر اس کی ماں کے پاس گئے۔ چونکہ ہم اس کی برکات کا مشاہدہ کر چکے تھے اس لیے ہمارا جی چاہتا تھا کہ وہ کچھ مدّت اور ہمارے پاس رہے۔ جب اس کی ماں نے اسے دیکھا تو میں نے اس کی ماں سے کہا:

"بی بی! اس بیٹے کو ابھی ہمارے پاس ایک سال اور رہنے دو، ہمیں اندیشہ ہے کہ مکّہ کی خراب آب و ہوا اس کی صحت پر بُرا اثر نہ ڈالے؟"

ہم نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ اسے پھر ہمارے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئیں۔ واپس آ کر ہم ابھی دو تین مہینے ہی رہے تھے کہ ایک روز ہم اپنے گھروں کے پیچھے کی طرف تھے اور وہ بچہ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہماری بکریوں کے بچوں کے پاس تھا، اتنے میں اس کا بھائی دوڑتا ہُوا آیا اور اس نے کہا:

"میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو آدمی آئے جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے انہوں نے اسے لٹا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔"

میں اور میرا شوہر دونوں بھاگتے ہوئے گئے تو دیکھا کہ وُہ بچّہ کھڑا ہے اور گھبراہٹ کی وجہ سے اس کا رنگ متغیّر ہو چکا ہے۔ اس کے باپ نے اسے جلدی سے اٹھا لیا اور پوچھا:

"بیٹا! تمہارا کیا حال ہے؟"

اس بچّے نے کہا:

"میرے پاس دو سفید پوش آدمی آئے انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی اور پیٹ کو پھر ویسا ہی کر دیا جیسا وہ تھا۔"

حلیمہ کا بیان ہے کہ ہم اسے اپنے ساتھ واپس گھر لے آئے۔ اس کے باپ نے کہا: "اے حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ میرے اس بچے کو کچھ ہو نہ جائے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کی مخدوش حالت کے اظہار سے قبل ہم اسے اس کے گھر والوں کو واپس کر دیں۔" چنانچہ اسے اٹھا کر ہم اس کی والدہ کے پاس لے آئے۔ اس کی والدہ نے اسے سابقہ حالت کے مطابق پایا اور دریافت کیا کہ تم اسے واپس کیوں لے آئے ہو؟ حالانکہ تم تو اسے اپنے پاس رکھنے کے بہت آرزومند تھے۔ ہم نے کہا: "بخدا کوئی بات نہیں۔ اس سلسلے میں ہماری جو ذمہ داری تھی وہ ہم نے اللہ عزوجل کی توفیق سے پوری کر دی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کوئی نقصان نہ ہو جائے یا کوئی حادثہ پیش نہ آ جائے، اس لئے ہم اس بچے کو واپس لے آئے ہیں۔" اس کی والدہ نے کہا: "اصل بات کیا ہے؟ ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" اس کی والدہ کے اصرار پر ہم نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ بی بی آمنہ نے کہا: "کیا تمہیں اس بچے کے معاملہ میں شیطان کا خوف ہے؟ شیطان کے لیے اس پر کوئی راہ نہیں۔ میرے اس بچے کی بڑی شان ہے۔ کیا میں تمہیں اس کے حالات نہ بتاؤں؟" ہم نے کہا: "ضرور بتائیں۔" بی بی آمنہ نے کہا: "میں نے اسے اس حال میں پیٹ میں رکھا کہ مجھے کبھی بوجھ محسوس نہ ہوا۔ جب مجھے اس کا حمل رہ گیا تو مجھے خواب میں دکھلایا گیا کہ میرے بطن سے ایک نور برآمد ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اس کی پیدائش بھی دیگر بچوں سے مختلف تھی وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے سہارے اپنا سر آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے تھا۔

(۴۴) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ثور بن یزید نے خالد بن معدان کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی یہ حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا: "یارسول اللہ! ہمیں اپنے حالات کے بارے میں مطلع فرمائیں۔" آں حضرتؐ نے فرمایا: "میرے لیے میرے باپ ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی اور عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو میری بشارت کا مژدہ سنایا۔ جب میں بطن مادر میں تھا تو میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک نور برآمد ہوا جس سے ارضِ شام میں بصریٰ کے محلات جگمگا اُٹھے۔ میں نے زمانہ رضاعت بنی سعد بن بکر میں گذارا۔ اس دوران میں جب میں اور میرا رضاعی بھائی بکریوں کے بچوں کے پاس تھے تو سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمی میرے پاس سونے کا ایک برتن لے کر آئے جس میں برف تھی، انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا۔ پھر میرا دل نکالا، اسے چیرا اور اس میں سے ایک سیاہ لوتھڑا نکال کر پھینک دیا۔ پھر میرے قلب اور پیٹ کو دھو کر صاف کر دیا اور اسے ویسا ہی کر دیا جیسا کہ وہ پہلے تھا۔ پھر ان میں سے ایک آدمی نے دوسرے کو کہا: ان کو ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ اس نے وزن کیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا: اب ان کو ان کی امت کے سو آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ چنانچہ اس نے وزن کیا تو میں بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا کہ اب ان کو ان کی امت کے ہزار آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ اس نے وزن کیا تو میں پھر بھی بھاری نکلا۔ پھر اس نے کہا کہ بس کر دو اگر ان کو ان کی تمام اُمت کے ساتھ وزن کرو گے تب بھی یہی وزنی نکلیں گے۔

(۴۴) احمد نے حدیث بیان کی کہ یونس بن بکیر نے یکے بعد دیگرے ابی سنان شیبانی، حبیب بن ابی ثابت اور یحییٰ بن جعدہ کی وساطت سے یہ روایت نقل کی۔ یحییٰ بن جعدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس دو فرشتے دو سفید بگلوں کی شکل میں آئے جن کے پاس برف، اولے اور ٹھنڈا پانی تھا، ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا اور دوسرے نے اپنی چونچ سے ہلا کر اسے صاف کر دیا۔"

باب ۵

قبیلہ حمیر کے بادشاہ تُبّع اوسط کی حکایت

(۳۵) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تبع کشور کشائی کی غرض سے فوج کشی کرتا ہوا جب مدینہ پہنچا تو اس نے وادیٔ قبا میں ڈیرہ ڈال دیا۔ وہاں اس نے ایک کنواں کھدوایا۔ اس کنوئیں کو اس وقت بادشاہ کا کنواں کہا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں یہود اور اوس و خزرج کے قبائل آباد تھے جنہوں نے تبع کی مخالفت کی اور اس سے برسرپیکار ہوگئے۔ وہ دن کے وقت اس سے قتال کرتے تھے اور جب شام ہو جاتی تو اس کے لیے اور اس کے ہمراہیوں کے لیے سامان ضیافت ارسال کرتے تھے۔ جب انہوں نے چند راتوں تک اس عمل کو جاری رکھا تو تبع نے شرمساری محسوس کی اور ان کی طرف صلح کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ قبیلہ سے ایک شخص جس کا نام اُحیحہ بن جلاح بن حریش جحجبا بن کلدہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھا تبع کے پاس گیا۔ اسی طرح ایک دوسرا شخص جو یہودی تھا اور جس کا نام بن یمین القرظی تھا وہ تبع کے پاس گیا۔ احیحہ نے تبع سے کہا:

"اے بادشاہ! ہم آپ کے ہم قوم ہیں"

اور بن یمین نے کہا:

"اے بادشاہ! آپ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود اس شہر کو فتح نہیں کرسکیں گے۔"

بادشاہ نے وجہ دریافت کی تو بن یمین نے جواب دیا:

"یہ جگہ انبیاؑ میں سے ایک نبی کی قیامگاہ قرار پائے گی جسے اللہ تعالیٰ قریش میں سے مبعوث فرمائے گا۔"

اسی دوران میں تبع کے پاس یمن سے ایک مخبر آیا جس نے اسے خبر دی کہ یمن میں ایک ایسی آگ بھڑک اُٹھی ہے کہ جو بھی اس کے پاس سے گزرتا ہے وہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لیے تبع جلد ہی مدینہ سے چلا گیا، اور اس کے ساتھ یہود کا ایک وفد بھی گیا جس میں بن یمین وغیرہ شامل تھے۔ تبع نے اس موقع پر یہ اشعار کہے:

انی نذرت یمینا غیر ذی خلف	میں نے پختہ عزم کر رکھا تھا کہ میں حجاز کو فتح کر کے ہمیشہ کے لیے اس پر
الا اجوز و بالحجاز مخلد	قابض رہوں گا۔
حتی اتانی من قریظة عالم	یہاں تک کہ بنی قریظہ کا ایک ایسا عالم میرے پاس آیا جو یہود کا
جر لعمرك فی الیهود مسود	سردار تھا۔

القى الى نصيحة كى ازدجر	اس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اس قریہ میں لشکر کشی نہ کروں جو حضرت محمدؐ
عن قرية محجورة بمحمد	کا مستقر بننے والا ہے۔
ولقد تركت بها رجالا وضعا	اس لیے میں نے وہاں ایسے لوگوں سے تعرض نہیں کیا جنہیں حضرت محمدؐ
النصر ينتظرون نورا مهتد	کے انصار ہونے کا شرف حاصل ہوگا اور جو نورِ نبوت سے ہدایت حاصل کرنے کے منتظر ہیں۔

(۴۶۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: تبع کی لشکر کشی جاری رہی یہاں تک کہ وہ جوارِ مکّہ کی سخت اور بلند زمین کے کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ جگہ مکہ شہر کی آبادی سے دو رات کی مسافت پر واقع ہے اور قبیلہ ہذیل بن مدرکہ کا مسکن تھی۔ چنانچہ قبیلہ ہذیل کے کچھ آدمی تبع کے پاس آئے اور اس سے کہا: "اے بادشاہ! کیا ہم آپ کو ایک ایسے خزانہ کا پتا نہ بتلائیں جس میں سونا، یاقوت اور زمرد وافر مقدار میں موجود ہیں، آپ اسے فتح کرلیں اور اس خزانہ میں سے ہمیں بھی کچھ عطا کریں۔" تبع ایسا کرنے پر رضامند ہوگیا۔ بنی ہذیل نے کہا: "یہ خزانہ مکّہ کے ایک گھر میں ہے۔" تبع اس مہم کی طرف بخوشی متوجہ ہُوا اور اس نے اس گھر کو منہدم کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قوٰی کو مضمحل کردیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں شل ہوگئے اور اس کا جسم زخمی ہوگیا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں میں سے یہود کو بلایا اور ان سے کہا: "ہائے میری بدنصیبی! یہ مجھ پر کیا مصیبت آن پڑی ہے؟" انہوں نے پوچھا: "کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟" اس نے نفی میں جواب دیا۔ انہوں نے کہا: "کیا تیرے عزائم میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے؟" اس نے کہا: "ہاں، یہاں کے رہنے والوں کا ایک وفد میرے پاس آیا تھا اور انہوں نے مجھے ایک ایسے گھر کے بارے میں اطلاع دی جو سونے، یاقوت اور زمرد کے ذخائر سے بھرا ہوا ہے اور انہوں نے مجھے ترغیب دی کہ میں اس گھر کو منہدم کروں اور اس کے ذخائر کو لوٹ لوں اور اس خزانہ میں سے انھیں بھی کچھ عطا کردوں، میں نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرلیا اور اس گھر کو منہدم کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔" یہود کے وفد نے اس سے کہا: "وہ اللہ کا محترم گھر ہے جو کوئی اس کے انہدام کا ارادہ کرتا ہے وہ خود ہلاک ہوجاتا ہے۔" تبع نے کہا: "ہائے میری بدنصیبی! اب اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی صورت کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "آپ اس بات کا ارادہ کرلیں کہ جس طرح وہاں کے رہنے والے لوگ طواف کرتے ہیں آپ بھی اس گھر کا طواف کریں گے، اس پر غلاف چڑھائیں گے اور وہاں جانور قربان کریں گے۔" اس نے اپنے جی میں ارادہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت سے اسے نجات عطا کی اور اس نے اس واقعہ کے بارے میں یہ اشعار کہے:

بالدف من جمدان فوز مصعد	میں بلند اور سخت زمین کے کنارے تک پہنچ گیا اور وہاں میرے پاس
حتى اتانى من هذيل اعبد	بنی ہذیل کے کچھ آدمی آئے۔
ذكروا الى البيت قالوا كنزه	انہوں نے ایک ایسے گھر کی نشان دہی کی، جس میں موتیوں، یاقوت اور
درو ياقوت وفيه زبرجد	زمرد کا خزانہ ہے۔

فاردت امراحال ربی دونه	چنانچہ میں نے اس گھر کو منہدم کرنے کا قصد کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت
والرب یدفع عن خراب المسجد	حائل ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ مسجد کی تخریب سے باز رکھتا ہے۔

پھر وہ تائب ہو کر مکہ میں داخل ہُوا، اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا، صفا و مروہ کے مابین سعی کی، اور خواب کی حالت میں اسے اشارہ کیا گیا کہ وہ بیت اللہ پر غلاف چڑھائے۔ چنانچہ اس نے گاڑھے کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ اور یہ پہلا شخص تھا جس نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ اسے خواب میں پھر اشارہ کیا گیا کہ وہ اس سے بہتر غلاف چڑھائے۔ چنانچہ اس نے یمن کے شہر معافر میں تیار شدہ کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ اسے سہ بارہ خواب میں اشارہ کیا گیا کہ وہ اس سے بھی اعلیٰ غلاف چڑھائے۔ اس نے یمن کے دھاریدار کپڑے کو سی کر اس کا غلاف کعبہ پر چڑھایا۔ اس نے چھ دن تک مکہ مکرمہ میں قیام کیا اور حسبِ روایت ان ایام کے دوران میں وہ لوگوں کے لیے جانور ذبح کرتا رہا اور وہاں کے رہنے والوں کو کھانا کھلاتا اور شہد پلاتا رہا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مشہور قول کے مطابق تبع پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور وہاں پر اپنے والیوں کو جو بنی جرہم میں سے تھے ہمیشہ غلاف چڑھاتے رہنے کی ہدایت کی اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس گھر کو پاک صاف رکھیں اور مردار اور خون اور نجس چیتھڑے اس کے قریب نہ آنے دیں۔ اس نے اس گھر کے لیے دروازہ تیار کروایا اور قفل و کلید کا بندوبست بھی کیا۔ تبع نے اس موقعہ پر یہ اشعار کہے:

ونحرنا بالشعب ستة الف تری الناس نحوهن ورودا	ہم نے وادی میں چھ ہزار جانور ذبح کیے اور تم نے دیکھا کہ لوگ قربانی کے گوشت کے لیے ہجوم کرتے رہے۔
وکسونا البیت الذی حرم الله ملاء معضدا و برودا	ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس محترم گھر پر گاڑھے کپڑے اور دھاری دار چادروں کے غلاف چڑھائے۔
واقمنا بها من الشهر ستا وجعلنا لبابه اقلیدا	ہم نے یہاں چھ دن تک قیام کیا اور اس گھر کے دروازے کے لیے قفل و کلید کا انتظام بھی کیا۔
وامرنا به الجرهمیین خیرا وکانوا لحافتیه شهودا	ہم نے بنی جرہم کو بھی حکم دیا کہ وہ اسی طرح بہترین غلاف خانہ کعبہ پر چڑھاتے رہا کریں اور وہی اس گھر کے ارد گرد موجود ہیں۔
وامرنا الا یقربت میلاثا ولا میتا ولا دما مغصودا	ہم نے انھیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ گندے چیتھڑے، مردار اور فصد کا خون اس کے قریب نہ آنے دیں۔
ثم سرنا نؤم قصد سهیل قد رفعنا لواءنا معقودا	پھر ہم نے یمن کی نرم زمین کی طرف کوچ کا قصد کیا اور ہم نے اپنا جھنڈا جو ہمارے عقیدہ کا نشان ہے اونچا کر دیا ہے۔

(۴۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: جب تبع نے یمن کی طرف کُوچ کا قصد کیا تو اس نے ارادہ کیا کہ رکنِ اسود کا پتھر اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے جائے۔ خویلد بن اسد

بن عبد العزی بن قصی کے ہاں قریش اکٹھے ہوئے اور انھوں نے خویلد سے کہا: "اگر وہ ہمارا پتھر لے گیا تو ہمارے پاس کیا رہ جائے گا!" اس نے پوچھا: "کیا معاملہ ہے؟" قریش نے کہا: "تبع یہ چاہتا ہے کہ حجرِ اسود اپنے علاقے میں لے جائے۔" خویلد نے کہا: "ہمارے لیے تو موت اس سے بہتر ہے۔" پھر اس نے تلوار نکالی۔ وہ باہر نکلا اور دیگر قریش بھی اپنی تلواریں سونت کر اس کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے اور تبع کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: "اے تبع! رکنِ اسود کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ میں اسے اپنی قوم کے پاس لے جاؤں۔ قریش نے جواب دیا: "موت تو اس سے قریب تر ہے۔" پھر وہ وہاں سے چل کر رکنِ اسود کے پاس کھڑے ہو گئے اور تبع کو اس کے ارادہ سے باز رکھا۔ اس موقعہ پر خویلد نے یہ اشعار کہے:

دعيني ام عمرو و لا تلومي	اے ام عمرو! مجھے چھوڑ دے اور ملامت نہ کر۔ اور اے سرزنش کرنے والو!
و مهلا عاذلی لا تعذليني	مطمئن رہو اور مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو۔
دعيني لا اخذت الخسف منهم	مجھے چھوڑ دو، بیت اللہ کی قسم میں انھیں زمین میں دھنسا دوں گا اور
و بيت الله حتی يقتلونی	میں اس وقت تک قتال کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔
فما عذری و هذا السيف عندی	میں معذرت خواہ نہیں ہوں جبکہ میرے پاس یہ تلوار ہے اور اس
وعضب نال قائمة يميني	شمشیرِ براں کا دستہ میرے دائیں ہاتھ میں ہے۔
ولكن لم احد عنها محيدا	لیکن میں لڑائی سے باز نہیں آؤں گا اور میں اس وقت تک خون بہاتا
وانی راهق ما ارهقونی	رہوں گا جب تک کہ وہ مجھے ایسا کرنے پر اکساتے رہیں گے۔

(۳۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے: پھر تبع نے اپنے لشکروں کے ہمراہ یمن کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ گیا۔ اہلِ یمن کے دو شہر تھے، ایک کا نام مأرب تھا اور دوسرے شہر کا نام ظفار تھا۔ مأرب میں بادشاہ کا محل سونے کے تختوں سے بنا ہوا تھا اور ظفار میں اس کا محل سنگِ مرمر سے تعمیر شدہ تھا۔ وہ جاڑے کا زمانہ مأرب میں گزارتا تھا اور گرمی کے زمانہ میں ظفار میں سکونت رکھتا تھا۔ بادشاہ کے بیٹوں کی پرورش کا انتظام مأرب میں تھا اور وہ وہاں کلام سیکھتے تھے۔ جب کسی حمیری کا بیٹا سنِ بلوغ کو پہنچتا تو وہ کہتا کہ اسے مأرب بھیج دو تاکہ وہ وہاں منطق کی تعلیم حاصل کرے۔ ظفار بلدِ حرام سے آیا ہوا ایک ستون تھا جس کے بالائی حصہ پر پہلی کتاب میں سے یہ تحریر ثبت تھی: "مملکت ظفار کس کی ہے؟ نیکو کار حمیر کی / مملکت ظفار کس کی ہے؟ نیکو کار اہلِ ایران کی / مملکت ظفار کس کی ہے؟ تاجر پیشہ قریش کی۔" جب تبع آیا تو یہود نے تورات کھولی اور آگ کے مقابلہ میں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شروع کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بجھا دیا۔ اہلِ یمن ایک شیطان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اس کے لیے سونے کا ایک گھر تعمیر کیا ہوا تھا اور اس کے سامنے حوض بنائے ہوئے تھے جن میں وہ شیطان کے لیے جانور ذبح کرتے تھے۔ وہ شیطان نکلتا، کچھ خون نوش کرتا اور ان لوگوں سے

باتیں کرتا تھا۔ لوگ اس سے مرادیں مانگتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے۔ جب یہود نے آگ بجھا دی تو انہوں نے تُبّع سے کہا "جس دین پر ہم ہیں وہ آپ کے دین سے بہتر ہے۔ اگر آپ ہمارے دین کی پیروی کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کا یہ معبود (شیطان) آپ کی اور آپ کی قوم کی مصیبتوں کے وقت آپ کے کسی کام نہیں آتا۔" تبع نے کہا "ہم یہ کیوں کریں جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں ہمارے اس معبود کے ذریعے عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔" انہوں نے کہا: "اگر ہم اس کو یہاں آپ کے پاس سے نکال دیں تو کیا آپ ہمارے دین کی متابعت اختیار کریں گے؟" تبع نے کہا "ہاں۔" یہود اس شیطان کے استھان پر آئے اور تورات لے کر دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر شروع کر دیا۔ جب شیطان نے یہ ذکر سنا تو وہ ٹھہر نہ سکا اور شور مچاتا ہوا نکل کھڑا ہوا اور ان کی آنکھوں کے سامنے سمندر میں جا گرا۔ تبع نے حکم دیا کہ اس شیطان کدے کو گرا دیا جائے اور قبیلہ حمیر کے بعض بادشاہوں نے دینِ یہود قبول کر لیا۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ تبع نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔

(۳۹) احمد نے یونس کی وساطت سے زکریا بن یحییٰ مدنی کی یہ روایت نقل کی ہے۔ زکریا نے کہا: اسے عکرمہؒ نے بتلایا کہ اس نے ابنِ عباسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "تبع کا معاملہ تمہارے لیے مشتبہ نہیں رہنا چاہیے، وہ تو مسلمان تھا۔"

باب ٦

تُبّع کی قتل گاہ

(۴۰) احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے: جب تبع نے وُہ کچھ کیا جو اس نے کیا تو رؤسائے حمیر اس سے ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا: اس کی معیت میں طویل لڑائیاں لڑنا اور اپنے اہل و عیال سے دُور رہنا ناپسندیدہ ہے کیونکہ اس نے ہمارے دین کو مطعون کیا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کی عیب چینی کی ہے۔" چنانچہ انہوں نے اجتماعی طور پر یہ طے کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے اور اس کے بھائی کو اس کا جانشین مقرر کیا جائے۔ جملہ رؤسائے حمیر نے اس رائے سے اتفاق کیا ماسوائے رئیس ہمدان کے، جس نے ایسا اقدام کرنے سے انکار کیا۔ چنانچہ رؤسائے حمیر تبع کے خلاف غضب ناک ہوئے اور اسے گرفتار کر لیا تاکہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اس نے ان سے دریافت کیا: "کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہاں۔" اس نے کہا: "ایسا نہ کرو۔ لیکن اگر تم مجھے قتل کر دو تو مجھے کھڑا کر کے دفن کرنا، کیونکہ جب تک میں کھڑا رہوں گا تمہاری مملکت قایم رہے گی۔" جب انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کہا: "خدا کی قسم! یہ زندگی میں اور موت کے بعد ہمارا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے اسے سر کے بل گرا دیا۔ اس موقعہ پر رئیس ہمدان (ذو رعین) نے تبع کے بارے میں درج ذیل اشعار کہے:

ان تک حمیر غدرت وخانت	اگر حمیر نے بد عہدی اور خیانت کا ارتکاب کیا ہے تو ذو رعین
فمعذرة الالٰه لذی رعین	اللہ تعالیٰ سے معذرت خواہ ہے۔
الا من یشتری سهرا بنوم	خبردار! جو شخص نیند کے بدلے بیداری خریدتا ہے اسے معلوم
سعید من یبیت قریر عین	ہونا چاہیے کہ نیک بخت تو وُہ ہے جو اس حال میں رات گزارے کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ مسرور ہو۔

عبد کلال نے اپنے بھائی کے قتل اور اس کی جانشینی کے بعد رؤسائے حمیر کو قتل کر کے یہ اشعار کہے:

شقیت النفس من کان امسی	انہوں نے میرے شریف بھائی کو قتل کر دیا ہے اور میں اس کے مقابلے
قریر العین قد قتلوا کریمی	میں بدبخت ہوں کیونکہ اس کی آنکھیں تو کل تک ٹھنڈی تھیں۔

فلما ان فعلت اصاب قلبی	جب میں نے اپنی مرضی کے خلاف قتل کا ارتکاب کیا ہے تو میرا
بما قد جئت من قتل رغیم	دل مصیبت میں مبتلا ہے۔
اشاروا الی بقتل اخ کریم	انھوں نے مجھے ایک شریف بھائی کے قتل پر اکسایا اور جسے تلوار کے
ولیس لذی الضرائب باللئیم	وار سے مارا جائے وہ ملامت زدہ نہیں ہوتا۔
فعدت کان قلبی فی جناح	میں اس حال میں واپس آیا کہ میرا دل گناہگار تھا اور میری زندگی
نعیش لیس یرجع فی نعیم	ایسی تھی جو نعمتوں کی طرف نہیں لوٹتی۔
وعاد الکلب کالمجنون ینمی	میرا دل اس مجنوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے جس کا کوئی ہمدرد و غمخوار
الی الغایات لیس بذی حمیم	نہ ہو۔
فلما ان قتلت بہ کراما	جب میں نے اس کے عوض سرداروں کو قتل کیا تو وہ سب کے سب
وصاروا کلھم کالمستیلم	ملامت کے مستحق ہو گئے۔
رجعت الی الذی قد کان منی	میں اپنی اصلی حالت میں اس شخص کے پاس لوٹ کر آیا جو میرا
کان القلب لیس بذی کلوم	عزیز تھا اور میرے دل کی کیفیت یہ تھی کہ اس کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔
جزی رب البریہ ذا رعین	ربِ کائنات ذورعین کو ایسی جزا عطا فرمائے جو ایک کریم داعی کی طرف
جزاء الخلد من داع کریم	سے ہمیشہ کی جزا ہے۔
فانی سوف احفظہ و ربی	میرے رب کی قسم! میں اس کی حفاظت کروں گا اور اسے ہر طرح کا
واعطیہ الطریف مع القدیم	نیا اور پرانا مال عطا کروں گا۔

عبدکلال نے اپنے بھائی کے بارے میں مرثیہ کے یہ اشعار بھی کہے:

اطعت القوم اذ غشوا جمیعا	میں نے قوم کی اطاعت کی اور ان سب نے فریب کاری کی اور میں نے
وقد اتھمت فی غش النصیح	مخلص خیر خواہ کو دھوکا دینے کے جُرم کا ارتکاب کیا۔
ولوطاوعت فی رای رعینا	اگر میں اپنی رائے میں ذورعین کے موقف پر کاربند رہتا تو میں جو بات
لقلت لہ وقولی ذو ندوح	بھی کرتا وہ دُوراندیشی پر مبنی ہوتی۔
فلما رفع بقولہ لی کلاما	میں نے اس کی بات کے ذریعہ اپنی بات کو اونچا نہیں کیا یعنی میرا
وعدت کاننی عبد اسیح	بول بالا نہیں ہوا اور میں در بدر کی ٹھوکریں کھانے والا لاغلام بن گیا۔
فلما ان قبلت القول منہ	اگر میں اس کی بات کو قبول کر لیتا تو یہ ان ارواح کے حق میں بدنامی و
علی الارواح من حق الفضوح	رسوائی ہوتی۔
فمن امسی یطاوعنی فانی	پس کون خوشدلی کے ساتھ میری فرمانبرداری کرے گا میں تو اس کے
ساجھد فی المقال بہ ابوح	بارے میں کھری باتیں کرنے کی کوشش کروں گا۔

فلما ان لقیتھم اقامت   جب میں نے ان کا مقابلہ کیا تو اس جان کے لیے اس کھلی مہم میں
لذاک النفس فی ھم مریح   وہ بھی ڈٹ گئے۔

پھر انہوں نے تبع کے بھائی عبد کلال کو اس کا جانشین مقرر کر دیا۔ انھیں گمان تھا کہ اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔ عبد کلال نے ان یہود کو بلایا جو وہاں تھے اور کہا: "میری بد قسمتی! تم دیکھتے ہو کہ میرا برا حال ہو رہا ہے۔" انہوں نے کہا: "آپ کو اس وقت تک نیند نہیں آئے گی جب تک کہ آپ ان سب کو قتل نہ کر دیں جنہوں نے آپ کو آپ کے بھائی کے قتل پر اکسایا تھا۔" چنانچہ اس نے حمیر کے رؤساء اور سرداروں کو قتل کر دیا۔ پھر تبع کا ایک بیٹا جس کا نام دوس تھا، وہ نکلا اور قیصر کے پاس آیا (اسی وجہ سے یمن میں یہ ضرب المثل ہے: نہ دوس کی طرح اور نہ ہی اس کے کجاوے کے ساتھ لٹکے ہوئے کی مانند) جب وہ قیصر کے پاس پہنچا تو اس کے دربار میں داخل ہوا اور اس سے کہا: "میں شاہِ عرب کا بیٹا ہوں، میری قوم نے میرے باپ کے خلاف سرکشی کا رویہ اختیار کیا اور اسے قتل کر دیا ہے۔ میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کسی ایسے شخص کو ارسال کریں جو آپ کی طرف سے وہاں ہمارے علاقوں پر حکومت کرے۔ اس کی ضرورت اس لیے درپیش ہے کہ وہ بادشاہ جو میرے باپ کے بعد اس کا جانشین مقرر ہوا ہے اس نے تمام رئیسوں اور سرداروں کو قتل کر دیا ہے۔" قیصر نے اپنے مشیروں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا: "اس شخص کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہماری صوابدید تو یہ ہے کہ آپ اس شخص کے ہمراہ کسی کو بلادِ عرب کی طرف نہ بھیجیں کیونکہ یہ شخص قابلِ اعتماد معلوم نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ وہ ہمارے لوگوں کو صرف ہلاک کرنے کی غرض سے لے جانے کے لیے آیا ہو۔" قیصر نے کہا: "میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں جبکہ وہ میرے پاس فریاد لے کر آیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "اس کے متعلق نجاشی رئیسِ حبشہ کو تحریر کر دیا جائے۔" رئیسِ حبشہ قیصرِ روم کے ماتحت تھا، چنانچہ قیصر نے نجاشی کی طرف مکتوب تحریر کیا اور اسے حکم دیا کہ اس شخص کے ہمراہ کچھ آدمی اس کے علاقہ کی طرف بھیجے جائیں۔ دوس قیصر کا مکتوب لے کر نجاشی کے پاس آیا۔ نجاشی نے مکتوب پڑھا اور اس کی تعمیل میں ساٹھ ہزار کا لشکر ارسال کر دیا اور روزبہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اس نے لشکر سمیت سمندر عبور کیا یہاں تک کہ وہ ساحلِ یمن پر لنگر انداز ہو کر حمیر پر حملہ آور ہوا۔ حمیر بھی مقابلہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے وہ اہلِ یمن کے بہادر گھوڑ سوار تھے۔ انہوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر شدید قتال کیا۔ اہلِ یمن نے گھوڑوں کے رسالہ کو چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں تقسیم کر لیا اور نجاشی کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ رسالہ کا ایک یونٹ حملہ کرتا تھا اور دوسرا اس کی کمک کے طور پر اس کی امداد کے لیے جاتا۔ جب روزبہ نے یہ دیکھا تو اس نے دوس سے کہا: "تم ہمیں اس لیے یہاں لاتے ہو تاکہ اپنی قوم کے ہاتھوں ہمیں ذبح کرواؤ۔ اس لیے میں قتل ہونے سے پہلے تمہیں قتل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔" دوس نے کہا: "اے بادشاہ! ایسا نہ کرو، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں آپ میرے مشورہ کے مطابق عمل کریں۔" روزبہ نے کہا: "تمہارا مشورہ کیا ہے؟" دوس نے اس سے کہا: "اے بادشاہ! قومِ حمیر صرف

گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑ سکتی ہے۔ آپ اپنی فوج کو حکم دیں کہ وُہ اپنی ڈھالیں اور سپر اپنے سامنے ڈال دیں۔" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حمیر حملہ آور ہُوئے تو ان کے گھوڑے ڈھالوں پر سے پھسل گئے اور انھوں نے اپنے سواروں کو نیچے گرا دیا، اور روزبہ کی فوج نے انہیں قتل کر دیا۔ حمیر اسی طرح حملہ آور ہو کر پھسل پھسل کر گرتے اور قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور روزبہ کی فوج غالب آگئی اور روزبہ اسی طرح فوج کشی کرتا گیا یہاں تک کہ صنعاء میں داخل ہو گیا اور فتحیاب ہُوا۔ اس طرح نجاشی کی فوج نے یمن کو بھی فتح کر لیا۔ روزبہ کی فوج میں ایک شخص کا نام ابرہہ بن اشرم تھا، اس کو ابویکسوم بھی کہتے ہیں۔ جب یمن مفتوح ہو گیا تو ابرہہ نے روزبہ سے کہا: "میں یہاں حکومت کرنے کا تم سے زیادہ مستحق ہوں۔" روزبہ نے کہا: "یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ بادشاہ نے مجھے اس مہم پر بھیجا ہے۔" ابرھہ نے کہا: "اگرچہ بادشاہ نے یہ مہم تمہارے سپرد کی ہے اس کے باوجود حکومت کی اہلیت مجھ میں تمہاری نسبت زیادہ ہے۔" روزبہ نے ابرھہ کے اس دعوے کو تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ ابرھہ نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو اکٹھا کیا اور وہ لڑائی کے لیے نکل آئے۔ جب لڑائی شروع ہونے والی تھی تو ابرھہ نے روزبہ کو کہا: "تم حبشیوں کو کیوں فنا کرتے ہو، ہماری اس باہمی قتال کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ اس علاقے پر سے ہماری حکومت ختم ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اکیلے نکلو اور ہم میں سے جو بھی دوسرے کو قتل کر دے یہاں اسی کی حکومت ہو۔" روزبہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ روزبہ جسیم آدمی تھا اور ابرھہ چھوٹے قد کا پھرتیلا جوان تھا۔ ابرھہ نے ایک غلام کو کہا: "جب میں روزبہ سے مبارزت کے لیے نکلوں تو تم روزبہ کے پیچھے سے آکر اسے قتل کر دینا۔ اس طرح روزبہ کے ساتھی راہِ فرار اختیار کریں گے اور میں تمہیں خاطر خواہ انعامات سے نوازوں گا۔" جب روزبہ اور ابرھہ دونوں مبارزت کے لیے نکلے روزبہ نے اپنی تلوار ابرھہ پر سونتی اور اس کے سر پہ وار کیا۔ ابرھہ کے غلام نے پیچھے سے آکر روزبہ پر حملہ کر کے اسے دو ٹکڑے کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھا لیا اور ابرھہ اپنے ساتھیوں سے آملا۔ پھر فریقین کا ابرھہ کی سیادت پر سمجھوتہ ہو گیا کیونکہ دوسرے فریق کے پاس روزبہ کے بعد کوئی دوسرا اس جیسا جرنیل نہ تھا۔ اس واقعہ کی خبر نجاشی کو پہنچی تو اس نے ابرھہ کو ایک خط لکھا جس میں اسے خطرناک نتائج بھگتنے کی دھمکی دی۔ ابرھہ نے اپنا سر منڈوا دیا اور زمین کی مٹی لے کر سر کے بال نجاشی کے پاس بھجوائے اور کہا: اے بادشاہ! یہ میرے سر کے بال اور اس زمین کی مٹی آپ کے دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ میں اور روزبہ دونوں آپ کے غلام ہیں، میں سمجھتا ہُوں کہ حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے میں اس سے اہل تر ہوں۔ اسی لیے میں نے ایسا کیا ہے۔" نجاشی اس سے خوش ہو گیا اور اس کی طرف خط لکھ کر اسے ملکِ یمن کا والی بنا دیا۔ پھر ابویکسوم ابرھہ بن اشرم نے یمن میں ایک کعبہ تعمیر کروایا اور اس پر سونے کے قبے بنوائے اور اپنی مملکت کے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا حج کریں۔ اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ وہ بیت اللہ الحرام کی مشابہت کرے۔

باب ۷

اصحاب الفیل کا واقعہ

(۴۱) احمد بن عبدالجبار نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنی ملکان بن کنانہ کا ایک شخص جو اہل حرم میں سے تھا سرزمین یمن کی طرف گیا اور کسی نہ کسی طرح یمنی کلیسا میں داخل ہو گیا۔ اسے بغور دیکھتا رہا، پھر وہاں بیٹھ گیا اور رفع حاجت کر ڈالی۔ بعدازاں ابرھہ کلیسا میں داخل ہوا۔ اس نے وہاں گندگی دیکھی تو اسے مکہ پر چڑھائی اور کعبہ کو منہدم کرنے کا بہانہ مل گیا۔ اس نے پوچھا: "ایسی حرکت کرنے کی جرأت کس نے کی ہے؟" ہمراہیوں نے جواب دیا: "یہ اس آدمی کا کرتوت ہے جو اس گھر کے مجاوروں میں سے ہے جہاں اہل عرب حج کے لیے جاتے ہیں۔" ابرھہ نے کہا: "اس شخص نے میرے خلاف اور میری نصرانیت کے خلاف ایسی حرکت کا ارتکاب کیا ہے میں اس گھر کو ضرور منہدم کر دوں گا اور اس کو اس طرح ملیامیٹ کر دوں گا کہ اس کے بعد کوئی بھی وہاں حج کے لیے نہیں جائے گا۔" اس نے ہاتھی طلب کیا اور اپنی قوم کو اور اپنے محکوم یمنیوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ اس کے اکثر متبعین قبائل عک، اشعریین اور خثعم میں سے تھے۔ وہ سب یہ رجز پڑھتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے:

ان البلد لبلد ماکول	ترجمہ: بیشک یہ شہر تو تر نوالہ ہے جسے قبیلہ عک، اشعریین اور
یاکل عك والاشعریون والفیل	ہاتھی چبا جائیں گے۔

ابرھہ لشکر کشی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں اس نے بنی سلیم کے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو یمن میں اپنے تعمیر کردہ گھر کا حج کرنے کی دعوت دے۔ وہاں بنی کنانہ میں سے اہل حرم کا ایک آدمی اسے ملا جسے اس نے قتل کر دیا اور مزید زیادتیاں کیں کیونکہ اسے اہل حرم کے غصہ اور غضب کی رپورٹیں مل چکی تھیں۔ اس نے وہاں سے کوچ کیا اور لشکر کو آگے بڑھنے کی ترغیب دی یہاں تک کہ وہ طائف کی وادی وج میں پہنچ گیا۔ وہاں بنی ثقیف اس کے پاس آئے انھوں نے کہا: اے بادشاہ! ہم آپ کے غلام ہیں، آپ کا مقصود ہماری اس دیوی لات کا بت نہیں ہے۔ یہ وہ استھان نہیں جہاں اہل عرب حج کرتے ہیں، آپ تو قریش کے اس گھر کا قصد کر رہے ہیں جہاں عرب حج کے لیے آتے ہیں۔" ابرھہ نے کہا: "مجھے کوئی بدرقہ فراہم کر دو جو مجھے منزل مقصود کا رستہ بتائے۔" انہوں نے بنی ہذیل کا ایک آدمی اس کے ساتھ بھیج دیا جس کا نام نفیل تھا۔ وہ ان کی رہنمائی کرتا ہوا انہیں لے چلا یہاں تک کہ

المغمس پہنچ کر انہوں نے ڈیرہ ڈال دیا۔ المغمس مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ المغمس سے انہوں نے اپنا مقدمۃ الجیش مکہ کی جانب آگے بڑھایا۔ قریش متفرق ٹولیوں اور جماعتوں کی شکل میں نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے کہا: "ہمارے پاس اس قوم سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔" مکہ میں عبدالمطلب اور شیبہ بن عثمان بن عبدالدار کے ماسوا کوئی شخص بھی باقی نہ رہا۔ عبدالمطلب سقایت کی ڈیوٹی پر قایم رہا اور شیبہ بیت اللہ کی دربانی کرتا رہا۔ عبدالمطلب نے بابِ کعبہ کے دونوں کواڑوں کو پکڑ کر یہ اشعار کہے:

لاهم ان المرء يمنع	اے اللہ! آدمی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے
رحله فامنع حلالك	گھر کی حفاظت فرما۔
لا يغلبوا بصليبهم	کل وہ اپنی صلیب اور اپنی چالوں سے تیری تدبیر کے مقابلے
ومحالهم غدوا محالك	میں غالب نہ ہوں۔
ان يدخلوا البلد الحرام	اگر وہ کل اس حرمت والے شہر کو روندنے کے لیے
غدا فامر ما بدالك	آجائیں تو جو تُو چاہے کر۔

عبدالمطلب یہ کہتے رہے کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے اور وہ کون سی بات ہے جو تُو نے ہمارے لیے نہیں کی۔

یعنی تو ہی ہمارا کارساز ہے۔

پھر ابرھہ کے ہراول دستے قریش کے جانور ہانک کر لے گئے۔ ان میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی وُہ لے گئے۔ جب عبدالمطلب کو یہ معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس گئے۔ ابرھہ کی دربانی اشعریین میں سے ایک آدمی کر رہا تھا جو عبدالمطلب کو پہلے سے جانتا تھا۔ اس اشعری نے عبدالمطلب سے پوچھا: "آپ کیا چاہتے ہیں؟" عبدالمطلب نے کہا: "میں چاہتا ہُوں کہ آپ مجھے بادشاہ سے ملاقات کی اجازت لے دیں۔" دربان بادشاہ کے پاس گیا اور اسے کہا: "اے بادشاہ! آپ کے پاس قبیلہ قریش کا سردار آیا ہے جو دوست اور دشمن سب کی خاطر مدارات کرتا ہے۔" ابرھہ نے کہا: "اسے بلاؤ۔" عبدالمطلب ایک وجیہ و جمیل اور شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ دربان نے انھیں اجازت دی اور وہ بادشاہ کے پاس چلے گئے۔ جب ابو یکسوم نے انہیں دیکھا تو ان کی وجاہت و شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے خیال کیا کہ ایسے شخص کو نیچے نہیں بٹھانا چاہیئے، لیکن اسے یہ بھی ناگوار تھا کہ وہ انھیں اپنے تخت پر بٹھائے۔ چنانچہ وہ اپنے تخت سے اتر کر عبدالمطلب کے پاس آکر زمین پر بیٹھ گیا اور پوچھا: "آپ کیا چاہتے ہیں؟" انہوں نے کہا: "میرے دو سو اونٹ جو آپ کے لشکریوں نے پکڑ لیے ہیں وُہ مجھے واپس دے دئے جائیں۔" ابو یکسوم نے کہا: "اللہ کی قسم! آپ کو دیکھ کر تو میں بہت متاثر ہوا تھا لیکن آپ کی اس بات نے آپ کو میری نظروں سے گرا دیا ہے۔" عبدالمطلب نے کہا: "اے بادشاہ! کس طرح؟" ابرھہ نے کہا: "میں اس گھر پر چڑھائی کے ارادہ سے آیا ہُوں جس نے آپ لوگوں کو عربوں کی دست برد سے بچایا ہوا ہے

اور جس نے لوگوں میں آپ کو فضیلت و بزرگی عطا کر رکھی ہے اور جو آپ کے دین کا مرکز و مرجع ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس گھر کو منہدم کر دوں اور آپ کو صرف اپنے دو سو اونٹوں کی فکر دامنگیر ہے۔ میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے صرف اپنے اونٹوں کے بارے میں کہا ہے اور اپنی اس عبادت گاہ کے متعلق مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔" عبدالمطلب نے کہا: "اے بادشاہ! میں نے آپ سے اپنے مال کے متعلق درخواست کی ہے۔ رہا یہ گھر، تو اس کا مالک ایک رب ہے جو خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔" ابویکسوم کو اس بات میں بڑا وزن محسوس ہوا اور اس نے عبدالمطلب کے اونٹ لوٹا دینے کا حکم صادر کر دیا۔ عبدالمطلب واپس آ گئے۔ ابرھہ کے لشکریوں نے وہ رات بڑی تنگی میں بسر کی، کیونکہ وہ رات کے ستاروں سے گھبرائے ہوئے تھے۔ انھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ستارے ان کے قریب آ رہے ہیں اور ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ ان کا بدرقہ انھیں چھوڑ کر حرم میں داخل ہو گیا۔ اشعریین اور خثعم اٹھے اور انہوں نے اپنے نیزے اور تلواریں توڑ ڈالیں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی کہ خانہ کعبہ کے انہدام میں کسی کی اعانت کریں۔ انہوں نے بڑی تکلیف سے رات کاٹی اور سحر کے وقت کوچ کر گئے۔

ابرھہ کے لشکریوں نے صبح کو مکہ پر چڑھائی کے ارادہ سے اپنے ہاتھی کو اٹھایا اور اسے مکہ کی طرف متوجہ کیا۔ وہ یکایک بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے مارا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ وہ اسی کشمکش میں رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ انہوں نے ہاتھی کو کہا کہ ہم تمہیں مکہ کی جانب نہیں لے جائیں گے اور اس بات پر قسمیں کھائیں۔ ہاتھی اپنی دم ہلاتا رہا جب انہوں نے بہت سی قسمیں کھائیں تو ہاتھی کھڑا ہوا۔ انہوں نے اس کا رُخ یمن کی طرف کر دیا اور وہ دوڑنے لگا۔ لیکن جب وہ اسے پہلی جگہ پر واپس لے آئے تو وہ بیٹھ گیا اور آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ جب انہوں نے ہاتھی کی یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے پھر قسمیں کھائیں اور اس نے پھر دم ہلانا شروع کر دی۔ جب زیادہ قسمیں اٹھائیں تو وہ اٹھا۔ انہوں نے اس کا رُخ یمن کی طرف کر دیا اور وہ دوڑنے لگا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو اسے پھر لوٹایا اور جب وہ پہلی جگہ تک لوٹ آیا تو بیٹھ گیا۔ انہوں نے اسے زدوکوب کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ وہ اسی طرح اس کو مار مار کر اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہوئے۔ یہ پرندے سمندر کی طرف سے کثیر تعداد میں آئے انہوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ ہر پرندے کی چونچ میں ایک سنگریزہ اور دو سنگریزے دو پنجوں میں تھے۔ وہ سنگریزے گرا کر چلے جاتے اور ان کے بعد دوسرا جھنڈ آ جاتا۔ یہ سنگریزے جس کے پیٹ پر گرتے اس کے پیٹ کو پھاڑ دیتے اور جس کی ہڈی پر گرتے اسے توڑ دیتے اور اس میں سوراخ کر دیتے۔ ابویکسوم کو بھی کچھ سنگریزے لگے تھے۔ اس نے اپنا رُخ یمن کی طرف کر لیا۔ راستے میں اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرتی رہیں یہاں تک کہ یمن پہنچتے پہنچتے وہ صرف لوتھڑا رہ گیا۔ وہاں اس کا سینہ شق ہو گیا پیٹ پھٹ ہو گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اشعریین اور خثعم میں سے کوئی شخص اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوا کیونکہ وہ قبل ازیں تائب ہو کر واپس چلے گئے تھے۔ ابرھہ کے لشکری اپنے بدرقہ نفیل کو جزع فزع کرتے ہوئے پکارتے تھے: "اے

نفیل! اے نفیل!" لیکن نفیل تو تائب ہو کر حرم میں داخل ہو چکا تھا۔ اس ضمن میں نفیل نے یہ اشعار کہے:

الا ردی جمالك یا ردینا
نعمناکم مع الاصباح عینا

اے ردینا! اپنا حسن و جمال پھر حاصل کرو اور تم لوگوں کی خوشی سے ہماری آنکھیں علی الصبح ٹھنڈی ہوں۔

فانك لو رایت ولن تریه
الی جنب المحصب ما رأینا

کاش تو وہ منظر دیکھتی اور ہرگز نہیں دیکھ سکے گی جو کچھ کہ ہم نے وادی محصب کے پاس دیکھا۔

اذا لخشیته وفزعت منه
ولم تاس علی مافات عینا

تو اس سے ڈر جاتی اور خوفزدہ ہوتی اس لیے جو کچھ تمہاری آنکھ نہیں دیکھ سکی اس پر غمگین نہ ہو۔

خشیت اللہ لما رأیت طیرا
وقذف حجارة ترمی علینا

جب میں نے پرندے دیکھے تو میں اللہ سے ڈر گیا کہ کہیں پتھر ہم پر نہ آ پڑیں۔

وکلهم یسائل عن نفیل
کان علی للحبشان دینا

ان میں سے ہر ایک نفیل ہی کو ڈھونڈ رہا تھا کہ اس سے واپسی کا رستہ دریافت کرے، گویا کہ میرے اوپر حبشیوں کا کچھ قرض آتا تھا۔

مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے:

انت حبست الفیل بالمغمس
اهلکت ابایکسوم والمغلس

تو نے ہاتھی کو مغمس کے مقام پر روک دیا اور تو نے ابویکسوم اور مغلس کو ہلاک کر دیا۔

کردستهم وانت غیر مکردس
تدعسهم وانت غیر مدعس

تو نے ان کی ہڈیاں اور جوڑ بند توڑ دیے۔ تو نے انہیں پامال کر دیا اور روند ڈالا اور ان کا تخریبی منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

عبدالمطلب یہ رجز پڑھتے رہے اور حبشی فوج کے لیے بددعا کرتے رہے:

یارب لا ارجو لهم سواکا
یارب فامنع منهم حماکا

اے میرے پروردگار! میں ان کے مقابلے میں تیرے سوا کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے پروردگار! ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔

ان عدو البیت من عاداکا
انهم لن یقهروا قواکا

بیشک اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ بیشک وہ تیری بستیوں پر کبھی غلبہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔

جب حملہ آور پسپا ہوئے تو عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

منعت ابرهة الارض التی حمیت
من اللئام فلم تخلق لهم دارا

تو نے ابرہہ کو اس زمین سے روک دیا جو ایسے کمینوں کی دست برد سے محفوظ ہے جن کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

منعت مکۃ منھم امنی رجل	تو نے ان حملہ آوروں سے اہلِ مکہ کی حفاظت فرمائی ۔ بے شک میں
ذواسرۃ لم یکن فی الحسب غدارا	صاحبِ قبیلہ ہوں اور محبت میں غداری و بدعہدی کرنے والا نہیں ہوں ۔
اذقلت یا صاحب الحبشان ان لنا	جب میں نے اس سے کہا : اے حبشیوں کے سردار ! اگر خانہ کعبہ
من دون ان یھدم المعمور اخطارا	منہدم ہو جائے تو ہمارے لیے اس میں خطرات ہیں ۔
فصار فی جیشہ بالفیل مقتدرا	وہ اپنے لشکر میں ہاتھی کے ساتھ صاحبِ اقتدار تھا اور میں صبر کے
وسرت مستبسلا للموت صبارا	ساتھ موت کے لیے تیار ہو گیا ۔
فی فتیۃ من قریش لیس میتھم	میرے ساتھ قریش کے نوجوان تھے جن کے لیے مورث کی زندگی میں
بمورث حیھم شیئًا و لا عارا	مرنا کوئی برائی اور عار کا کام نہیں ہے ۔

(۴۲) احمد نے یونس کی وساطت سے عبداللہ بن عون سے اور اس نے محمد بن سیرین کے حوالہ سے عبداللہ بن عباس کی یہ روایت قرآن کریم کی آیت :

وارسل علیھم طیرًا ابابیل ۔ (اور تمہارے رب نے ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیج دئے)

کے بارے میں نقل کی ہے ۔ عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ ان پرندوں کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں اور پنجے کتوں جیسے ۔

(۴۳) احمد نے اپنے باپ اور یونس ہر دو کی وساطت سے قیس بن ربیع سے اور اس نے جابر بن عبدالرحمان بن سابط کے حوالہ سے عبید بن عمیر کی یہ روایت نقل کی :

وارسل علیھم طیرًا ابابیل ۔ (اور تمہارے رب نے ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیج دئے)

عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ پرندے سمندر کی طرف سے ہندوستان کے جانوروں کی طرح جھپٹ کر آئے ۔

"ترمیھم بحجارۃ من سجیل ۔ جو ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے ۔" ان میں سے چھوٹے پرندے آدمیوں کے سروں جیسے تھے اور بڑے پرندے لاغر اونٹوں جیسے ۔ جو کچھ وہ پھینکتے تھے وہ نشانے پہ لگتا تھا اور جسے لگتا تھا وہ قتل ہو جاتا تھا ۔ اس بارے میں عبید بن عمیر نے کہا کہ میرے باپ نے اس میں اضافہ کیا : پرندے جوق در جوق پے درپے آتے تھے ان کا نشانہ خطا نہ جاتا تھا اور جسے لگتا تھا وہ لقمۂ اجل بن جاتا تھا ۔

(۴۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے ۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے عمرہ بنت عبدالرحمان بن اسعد بن زرارہ کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ زوجۃ النبیؐ کی روایت بیان کی کہ ام المومنینؓ نے فرمایا کہ میں نے اس ہاتھی کے چلانے والے قائد اور اس کے محافظ دونوں کو اندھا اور اپاہج یعنی معذوری کی حالت میں مکہ میں بھیک مانگتے دیکھا ہے ۔

(۴۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی ہے ؛ ابنِ اسحاق نے کہا : یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے مجھ سے بیان کیا کہ سر زمینِ عرب میں خسرہ اور چیچک کی بیماریاں اسی سال پہلی بار نظر آئیں

اور بدمزہ کڑوے پودے از قسم حرمل اور آک وغیرہ عام الفیل ہی میں دیکھے گئے۔

(۴۶) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ اس نے کہا: عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے مجھ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ان کے ننھیال مدینہ کے بنی عدی کے ہاں تشریف لائیں۔ واپسی کے سفر میں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جارہی تھیں تو مقام ابواء پر پہنچ کر انتقال کر گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔

(۴۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جدِ امجد عبدالمطلب کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ عباس بن عبداللہ بن معبد نے اپنے کسی رشتہ دار کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے لیے کعبہ کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا تھا۔ ان کے بیٹوں میں سے کوئی بھی والد کی بزرگی کے پیش نظر اس فرش پر بیٹھنے کی جراُت نہ کرتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرش پر آکر بیٹھ جاتے تھے۔ آپؐ کے چچا آپؐ کو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرتے تو آپؐ کے دادا عبدالمطلب فرماتے کہ میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو۔ دادا آپؐ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے کہ میرے اس بیٹے کی شان ہی کچھ اور ہے۔ جناب عبدالمطلب نے عام الفیل کے آٹھ سال بعد وفات پائی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی تھی۔

(۴۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: عبداللہ بن ابی بکر بن حزم نے یہ روایت بیان کی کہ ایک آدمی صنعاء میں گیا۔ اس نے نفع اندوزی کی خاطر وہاں کے کھنڈرات میں سے ایک کھنڈر کو کھودا تو عبداللہ بن ثامر کو اس حال میں پایا کہ وہ بیٹھا ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ سر کے ایک زخم پر رکھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی کہ جب لوگ اس کا ہاتھ زخم سے ہٹاتے تو خون بہنے لگتا اور جب ہاتھ چھوڑ دیا جاتا وہ پھر اسی زخم پر رکھ لیتا۔ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر یہ نقش تھا:

"ربی اللہ۔ یعنی میرا پروردگار اللہ ہے۔"

اس شخص نے اس واقعہ کے بارے میں حضرت عمر بن خطابؓ کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے تحریری حکم ارسال کیا کہ وہ جس حال میں ہے اسے اسی حال پر چھوڑ دو اور وہ جس طرح پہلے دفن تھا اسی طرح اس کو دفن کردو۔ احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا پیرو تھا۔

(۴۹) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے اور اس نے ابی خلدہ خلد بن دینار کے حوالہ سے ابوالعالیہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ جب ہم نے تستر کا شہر فتح کرلیا تو ہم نے ہرمزان کے بیت المال میں ایک تخت پر ایک مُردہ آدمی کو دیکھا اس کے سر کے پاس اس کا ایک مصحف پڑا ہوا تھا۔ ہم نے وہ مصحف لے کر

حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے کعب کو بلایا۔ اس نے اسے عربی زبان میں منتقل کر دیا۔ میں پہلا عرب ہوں جس نے اسے پڑھا۔ میں نے اس مصحف کو اس طرح پڑھا جس طرح میں قرآن کو پڑھتا ہوں۔ ابن خلدہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا: "اس میں کیا تھا؟" اس نے جواب دیا: تمہارے حالات و واقعات، تمہاری اچھی اچھی باتیں اور تمہارے بعد مستقبل کے احوال۔" میں نے ابو العالیہ سے پوچھا: "تم نے اس آدمی کا کیا کیا؟" اس نے کہا: "ہم نے تیرہ متفرق قبریں کھودیں اور رات کے وقت اسے دفن کر کے سب قبروں کو ہموار کر دیا تاکہ لوگوں کو اس بارہ میں معلومات نہ ہوں اور وہ اس کو دوبارہ نہ نکال لیں۔ میں نے راوی سے پوچھا: "ان کی غرض اس سے کیا تھی؟" ابو العالیہ نے کہا: "جب خشک سالی ہو جاتی تھی تو وہ اس کے تخت کو باہر لے آتے تھے اور بارش ہو جاتی تھی۔" میں نے راوی سے پوچھا: "اس شخص کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا گمان ہے؟" راوی نے کہا: "اس کا نام دانیال تھا۔" میں نے پوچھا: "اسے فوت ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا تھا؟" راوی نے کہا: "تین سو سال۔" میں نے پوچھا: "کیا اس کی حالتِ جسمانی میں کوئی تغیر واقع ہوا تھا؟" راوی نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا ماسوائے گدی کے گھرائی کے۔ بیشک انبیاءؑ کے اجسام کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی اور نہ درندے انہیں کھا سکتے ہیں۔

باب ۸

آنحضرتؐ کے جدِ امجد عبدالمطلب کی وفات

(۵۰) احمد نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب عبدالمطلب کا اس دارِ فانی سے رحلت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی بیٹیوں سے کہا: "مجھ پر گریہ وزاری کرو تاکہ میں سُن لوں کہ تم کس طرح مرثیہ کہو گی۔" عبدالمطلب کی یہ چھ صاحبزادیاں تھیں: (۱) امیمہ (۲) ام حکیم (۳) برہ (۴) عاتکہ (۵) صفیہ اور (۶) اروی۔

اُمیمہ نے یہ اشعار کہے:

الا هلك الراعي العشيرة ذو العقد وساقي الحجيج المحامي عن الحمد	سنو! خاندان کا نگہبان، عہد وپیمان کا پاسدار، حجاج کا ساقی اور محامد و محاسن کی حمایت کرنے والا رخصت ہو گیا۔
ومن يولف الجار الغريب لبيته اذا ما سماء البيت تبخل بالرعد	جو مسافر پڑوسی کو اس وقت اپنے گھر میں جمع کر لیتا تھا جبکہ گھر کا آسمان گرج کے باوجود بخل کرتا تھا یعنی قحط سالی کے زمانہ میں بھی وُہ مہمان نوازی کیا کرتا تھا۔

عاتکہ نے یہ اشعار کہے:

اعيني جودا ولا تبخلا بدمعكما بعد نوم النيام	اے میری دونوں آنکھو! سونے والوں کے سو جانے کے بعد اپنے آنسوؤں سے سخاوت کرو اور بخل نہ کرو۔
اعيني واسحوفرا واسكبا وشوبا بكاءً كما بالتدام	اے میری دونوں آنکھو! خوب تیزی سے جھڑی لگاؤ اور آنسو بہاؤ اور اس گریہ و زاری کو ماتمی عورتوں کی چہرہ کوبی کے ساتھ ہم آہنگ کر دو۔
على الجحفل الغمر في النائبا ت كريم المساعي وفي الذمام	تمہاری یہ آہ وبکا اس بلند پایہ سردار پر ہے جو مصائب کے وقت احسان کرنے والا تھا جس کی کوششیں کریمانہ تھیں اور جو اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے والا تھا۔
على شيبة الحمد واري الزناد وذي مصدق بعد ثبت المقام	قابلِ ستائش شیبہ پر جو مہمان نوازی کے لیے چقماق سے آگ سلگانے والا اور اپنے مقام پہ ڈٹ کر بہادری کے ساتھ جنگ آزمائی کرنے والا تھا۔

صفیہ نے یہ اشعار کہے:

ارقت لصوت نائحۃ بلیل	رات کے وقت ایک رونے والی کی آواز سے میری نیند اُچاٹ ہوگئی
علیٰ رجل بقارعۃ الصعید	وہ ایک ایسے شخص پر رو رہی تھی جو عام گزرگاہ پر تھا یعنی قائدِ عوام تھا۔
ففاضت عند ذالکم دموعی	میرے آنسو میرے دونوں رخساروں پر ڈھلکنے والے موتیوں کی طرح
علیٰ خدی کمنحدر الفرید	اسی وقت بہنے لگے۔
علی الفیاض شیبۃ ذی المعالی	بلند مرتبے والے فیاض شیبہ پر جو تیرا اچھا باپ اور ہر قسم کی جود و سخا
ابیک الخیر وارث کل جود	کا وارث تھا۔
طویل الباع اروع شیظمی	جس کا دستِ کرم بہت کشادہ تھا، جو حسن و شجاعت کا مالک اور اپنے
مطاع فی عشیرتہ حمید	قبیلے کا قابلِ ستائش سردار تھا جس کی اطاعت کی جاتی تھی۔
عظیم الحلم من نفر کرام	جو بڑے حلم والا اور صاحبِ مروّت لوگوں میں سے تھا۔ دریا دل تھا
خضارمۃ ملاوثۃ اسود	اور سردار شیروں کو پناہ دینے والا تھا۔

ام حکیم البیضاؑ نے یہ اشعار کہے: (البیضاؑ حضرت عثمان بن عفان کی نانی ہیں وہ کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس کے نکاح میں تھیں اور ان کے ہاں عامر اور اروی پیدا ہوئے۔ اروی حضرت عثمانؓ کی والدہ ہیں)

الا یا عین جودی واستھلّی	ہاں! اے آنکھ! سخاوت کر اور خوب رو۔ اور اس صاحبِ شرافت
وبکی ذا الندی والمکرمات	اور پیکرِ جود و سخا کا ماتم کر۔
الا یا عین ویحک اسعفینی	ہاں، اے بدبخت آنکھ! میری ضرورت پوری کر اور لگاتار بہنے والے
بدمع من دموع ھاطلات	آنسو بہاتی رہ۔
فبکی خیر من رکب المطایا	اس شخص پر رو جو سواریوں پر سوار ہونے والوں میں سب سے اعلیٰ تھا
اباک الخیر تیار الفرات	جو تمہارا اچھا باپ تھا اور میٹھے پانی کا موجزن دریا تھا۔
طویل الباع شیبۃ ذا المعالی	بلند مرتبے والے شیبہ پر جس کا دستِ کرم بہت کشادہ تھا جو شریف
کریم الخیم محمود الھبات	خصلت اور سخاوت میں قابلِ ستائش تھا۔
وصولا للقرابۃ ھبرزیا	جو قرابت کے حقوق کی پاسداری کرنے والا تھا۔ خالص اور بے عیب
وغیثا فی السنین الممحلات	سونا تھا اور قحط سالیوں کے وقت برسنے والا بادل تھا۔
فبکیہ ولا تسمی بحزن	پس ایسے شخص کا ماتم کر اور حزن و غم کا میں سستی نہ کر اور اس
وبکی ما بکین الباکیات	وقت تک روتی رہ جب تک کہ رونے والیاں روتی رہیں۔

برّہ نے یہ اشعار کہے :

اعینی جودا بدمع درر
علیٰ طیب الخیم والمعتصر
علیٰ ماجد الجد واری الزناد
جمیل المحیا عظیم الخطر
علیٰ شیبۃ الحمد ذی المکرمات
وذی المجد والعز والمفتخر
وذی الفضل والحلم فی النائبات
کثیر المکارم جم الفخر
لہ فضل مجد علیٰ قومہ
مبین یلوح کضوء القمر
اتتہ المنایا فلم تشوہ
بصرف اللیالی وریب القدر

اے میری دونوں آنکھو ! اس شریف خصلت اور پیکرِ جُود و سخا پر آنسوؤں کے موتیوں سے سخاوت کرو۔

جو بلند شان والا، مہمان نوازی کے لیے چقماق سے آگ سلگانے والا، حسین بُشرے والا اور عالی مرتبت تھا۔

اس شیبہ پر جو قابلِ تعریف اور بزرگیوں والا تھا اور صاحبِ عزّت و شان اور لائقِ افتخار تھا۔

مصائب کے وقت صاحبِ حلم اور سخاوت کرنے والا تھا۔ بڑی خوبیوں کا مالک اور قابلِ صد افتخار تھا۔

اسے اپنی قوم پر وافر بزرگی حاصل تھی وہ ایسی نمایاں شخصیت کا حامل تھا کہ چاند کی روشنی کی طرح چمکتا رہتا تھا۔

لیل و نہار کی گردشیں اور قضا و قدر کی چیرہ دستیاں اس کے پاس اموات لے کر آئیں اور اس پر ہلکا وار نہیں کیا بلکہ کاری ضرب لگائی اور وہ جانبر نہ ہوسکا۔

اروٰی بنت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے :

بکت عینی وحق لہا البکاء
علیٰ سمح سجیتہ الحیاء
علیٰ سہل الخلیقۃ ابطحی
کریم الخیم نیتہ العلاء
علی الفیاض شیبۃ ذی المعالی
ابیک الخیر لیس لہ کفاء
طویل الباع املس شیظمی
اغر کان غرتہ ضیاء
ومعقل مالک وربیع فہر
وفاصلہا اذا التبس القضاء

میری آنکھ رو رہی ہے اور اس کے لیے رونا ہی سزاوار ہے۔ کیونکہ وہ ایک پیکرِ سخاوت پر رو رہی ہے جس کی سیرت حیا کا مرقع تھی جو بطحا کا رہنے والا نرم خو تھا۔ بزرگانہ سیرت و کردار کا حامل تھا اور اس کے مقاصد بلند تھے۔

اس شیبہ پر جو فیاض اور بلند مرتبوں والا تھا جو تیرا بہترین باپ تھا اور اس کا کوئی ہم پایہ نہ تھا۔

جس کا دستِ کرم بہت کشادہ تھا۔ جو حسین اور بہادر تھا۔ اس کی پیشانی سفید تھی اور یہ سفیدی روشنی کی حامل تھی۔

جو بنی مالک کے لیے جائے پناہ اور بنی فہر کے لیے موسم ربیع کی بارش کے مانند تھا اور جب جھگڑوں کا تصفیہ مشکل ہو جاتا تو وہی ان کے درمیان فیصلے کیا کرتا تھا۔

(۵۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ عبدالمطلب سے قبل کسی کا اتنا ماتم نہیں کیا گیا جتنا عبدالمطلب کا کیا گیا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد زمزم اور حجاج کو پانی پلانے کی خدمت پر ان کے فرزند عباس رضی اللہ عنہ کو متولی بنایا گیا حالانکہ وہ اس وقت اپنے تمام بھائیوں سے کم عمر تھے۔ یہ تولیت قیامِ اسلام تک بھی ان کے پاس رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی اس تولیت کو بحال رکھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے یہ تولیت آج تک آلِ عباس ہی سے وابستہ ہے۔

(۵۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد ریاست اور سرداری آپ کی قوم بنی عبد مناف میں حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے حصہ میں آئی جو عمر میں سب سے بڑا تھا۔ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور قبیلے کی خبرگیری کرتا تھا۔ اس کی قوم نے اس کی بزرگی کو تسلیم کر لیا۔ اس نے مکہ میں مہمانوں کے لیے ایک گول عمارت تعمیر کرائی۔ وہ اپنے پاس ہر آنے والے کی وہاں ضیافت کرتا تھا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ جناب عبدالمطلب نے ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وصیت فرمائی کیونکہ عبداللہ اور ابوطالب دونوں ماں جائے سگے بھائی تھے۔ ابوطالب کا نام عبد مناف تھا۔ عبدالمطلب نے اس وصیت کے بارے میں یہ اشعار کہے:

اوصیك یا عبد مناف بعدی بموحد بعد ابیه فرد	اے عبد مناف (ابوطالب)! میں اپنے بعد اس موحد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں جو اپنے باپ کی وفات کے بعد اکیلا رہ گیا ہے۔
فارقه وهو ضجیع المهد فکنت کالام له فی الوجد	اس کا باپ اس حال میں اسے داغِ مفارقت دے گیا کہ وہ ابھی گہوارے میں سونے والا تھا اور میں نے اس حالت میں اس کی سرپرستی کی کہ میں اس کے لیے بمنزلہ ماں کے تھا۔
تدنیه من احشائها والکبد حتی اذا خفت مداد الوعد	جو اپنے جسم و جان سے زیادہ بچے کو عزیز رکھتی ہے یہاں تک کہ میں اجل کے وعدہ کی سیاہی سے خائف اور بے بس ہو گیا۔
اوصیت ارجی اهلنا للتوفد بابن الذی غیبته فی اللحد	اور میں نے اس بارہ میں اپنے اہل بیت کو وصیت کی اس بیٹے کی وجہ سے جو مجھ سے قبل ہی قبر میں چھپ گیا ہے۔
بالکرہ منی ثم لا بالعمد فقال لی والقول ذو مرد	میں نے ایسا عمداً نہیں کیا بلکہ مجبوری کی بنا پر کیا ہے۔ عبد مناف نے اس وصیت کو قبول کیا اور قول و قرار پختہ ہی ہوا کرتا ہے۔
ما ابن اخی ما عشت فی معد الا کادنی ولدی فی الود	اس نے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے بھائی کے بیٹے کو کوئی اچک کر نہیں لے جا سکے گا بلکہ میں اس کے ساتھ بیٹے کی طرح محبت کروں گا۔

عندی اری ذلك باب الرشد
بل احمد قد یرتجی للرشد

میں اسے اپنے پاس رشد و ہدایت کا دروازہ سمجھتا ہوں بلکہ ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے احمدؐ سے امیدیں وابستہ کی جائیں گی۔

وکل امر فی الامور ود
قد علمت علام اھل العھد

عہد و پیمان کرنے والے جانتے ہیں کہ محبت تو سب امور میں سے بہترین ہے۔

ان ابنی سید اھل النجد
یعلو علی ذی البدن الاشد

بیشک میرا بیٹا اہلِ نجد کا سردار ہے وہ بہادر نوجوانوں پر غلبہ حاصل کرے گا۔

عبدالمطلب نے یہ اشعار بھی کہے :

اوصیته من کنیته بطالب
عبد مناف وھو ذو تجارب

میں نے اسے وصیت کی جس کی کنیت ابوطالب ہے اور وہ تجربہ کار عبد مناف ہے۔

بابن الذی قد غاب غیر ائب
بابن اخ والنسوہ الحبائب

یہ وصیت میں نے اس بیٹے کی وجہ سے کی جو قبر میں روپوش ہے اور واپس آنے والا نہیں ہے۔ ابوطالب کو یہ وصیت میں نے اس کے بھتیجے اور عزیز خواتین کے بارے میں کی ہے۔

بابن الحبیب اقرب الاقارب

یہ موصٰی لہ محبوب کا بیٹا اور سب رشتہ داروں سے قریب ترین ہے۔

فقال لی کشبه المعاتب

ابوطالب نے مجھے رضا مندی سے کہا :

لا توصنی ان کنت بالمعاتب
بثابت الحق علی واجب

اگر آپ مجھے ملامت کرنے والے نہیں ہیں تو آپ مجھے اس کے بارے میں وصیت نہ کریں جس کا حق مجھ پر ثابت اور واجب ہے۔

محمد ذوالعرف والذوائب
قلبی الیه مقبل و ائب

محمدؐ بھلائیوں والا اور عزت و شرافت والا ہے۔ میرا دل اس کا استقبال کرنے والا اور بار بار اس کی طرف لوٹ کر آنے والا ہے۔

فلست بالانس غیر الراغب
بان یحق الله قول الراھب

میں بنی نوع انسان کے ساتھ محبت نہ کرنے والا نہیں ہوں اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں راہب کے قول کو سچ کر دکھائے۔

فیه و ان افضل آل غالب
انی سمعت اعجب العجائب

اسے آلِ غالب پر فضیلت حاصل ہوگی میں نے عجیب و غریب باتیں سُنی ہیں۔

من کل حبر عالم و کاتب
ھذا الذی یقتاد کالجنائب

یہ بشارتیں ہر نیکوکار عالم اور عقلمند سے سنی گئی ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جس کی اقتداء اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی طرح کی جائے گی۔

من حل بالابطح والاخاشب
ایضاً و من ثاب الی المشادب
من ساکن للحرم او مجانب

اس کی پیروی حرم کے سوا تمام کرۂ ارض (حل) کی کشادہ اور سنگلاخ زمین میں کی جائے گی اور ساکنانِ حرم اور اس کے گرداگرد کے لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اور جو بھی جزائے خیر کا طالب ہوگا وہ اس کی اقتدا سے سرتابی نہ کرے گا۔

حصّہ دوم

باب ۹

بحیرا راہب کا قصّہ

ابُو طالب کے ہمراہ شام کا سفر

(۵۴) ابوالحسین احمد بن محمد بن النقور البزاز نے ابو طاہر محمد بن عبدالرحمٰن المخلص کی وساطت سے ابوالحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی۔ ابوالحسین نے کہا کہ ابو عمر احمد بن عبدالجبار العطاردی نے یونس بن بُکیر کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا ابو طالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور آنحضرتؐ ہمہ وقت ابو طالب کے پاس رہنے لگے۔ ایک مرتبہ ابو طالب نے ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام کا قصد کیا۔ جب انھوں نے رختِ سفر باندھ لیا اور چلنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے لپٹ گئے۔ آپؐ نے ان کی اُونٹنی کی مہار پکڑ لی اور فرمایا: "چچا جان! آپ مجھے کس کے سہارے پر چھوڑ سے جا رہے ہیں، میری نہ ماں ہے اور نہ باپ ہے۔" ابو طالب کا دل آنحضرتؐ کے لیے پگھل گیا اور انھوں نے کہا: "خدا کی قسم! یہ ضرور میرے ساتھ جائے گا، میں نہ اسے جُدا کروں گا اور نہ اس سے جُدا ہُوں گا۔" راوی کا بیان ہے کہ ابو طالب آپؐ کو ساتھ لے کر چلا۔ قافلے نے شام کے علاقے بصریٰ میں ڈیرہ ڈالا۔ وہاں بحیرا راہب اپنے صومعے میں رہتا تھا۔ وہ اس وقت عیسائیوں میں سب سے بڑا عالم تھا۔ اس صومعے میں جو راہب بھی رہتا تھا وہ اس کتاب کا عالم ہوتا جو ان کے پاس تھی۔ یہ راہب اس کتاب کا علم یکے بعد دیگرے اپنے اسلاف سے وراثتاً حاصل کرتے آئے تھے۔ اس سال قریشی قافلہ بحیرا راہب کے پاس اُترا۔ وہ اس سے قبل بھی بارہا اس کے پاس سے گزرتے رہتے تھے لیکن بحیرا ان سے کبھی ہمکلام نہ ہُوا تھا اور نہ کبھی اپنے صومعے سے نکل کر باہر آیا تھا۔ اس سال وہ اس کے صومعے کے قریب اترے۔ اس نے ان کے لیے کھانا پکوایا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ جب وہ اپنے صومعے میں تھا تو اس نے دیکھا کہ قافلہ کے درمیان بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ قافلہ اس کے قریب ایک درخت کے سایہ میں اُترا۔ اس نے دیکھا کہ بادل کا سایہ درخت پر تھا اور درخت کی شاخیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکی ہوئی تھیں اور آپؐ اس کے سایہ کے نیچے تھے۔ بحیرا نے یہ منظر دیکھا تو وہ اپنے صومعے سے نیچے اُتر آیا۔ اس نے کھانے کی تیاری کا حکم دے رکھا تھا، کھانا تیار ہُوا تو اس نے قافلہ والوں کو کہلا بھیجا: "اے گروہِ قریش! میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کرایا ہے، میری خواہش ہے کہ آپ سب چھوٹے، بڑے، آزاد، غلام میری اس دعوت میں

شرکت کریں" ان میں سے ایک آدمی نے کہا: "اے بحیرا! آج تو آپ کی حالت ہی کچھ اور ہے اس سے قبل آپ نے ایسا اہتمام کبھی نہیں کیا حالانکہ ہم آپ کے پاس سے اکثر گزرتے رہتے تھے۔ آج اس خلافِ معمول اہتمام کی وجہ کیا ہے؟" بحیرا نے اس سے کہا: "تمہاری بات سچ ہے۔ لیکن آپ لوگ مہمان ہیں، میں نے آپ کی عزت افزائی کے لیے کھانا تیار کیا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ سب لوگ کھانے کے لیے تشریف لائیں۔" دعوت پر سب قافلے والے آ گئے اور حضورؐ کو آپ کی صغر سنی کی وجہ سے اپنے ڈیرے پر اسی درخت کے نیچے چھوڑ آئے۔ جب بحیرا نے قافلہ والوں کو دیکھا تو اسے وہ چیز دکھائی نہ دی جو اس کے پیش نظر تھی اور جسے وہ جانتا تھا تو اس نے پوچھا: "اے گروہِ قریش! کیا میری اس دعوت پر آپ کے سب لوگ آ گئے ہیں اور کوئی پیچھے تو نہیں رہ گیا؟" انہوں نے جواب دیا: "اے بحیرا! آپ کے پاس آنے سے ایسا کوئی شخص بھی پیچھے نہیں رہا جسے آنا چاہیے تھا، بس ایک لڑکا ہے جو سب سے کم عمر ہے اور ہمارے کجاووں کے پاس رہ گیا ہے۔" اس نے کہا: "ایسا نہ کرو، اس کو بھی بلاؤ وہ بھی آپ کے ساتھ اس دعوت میں شریک ہونا چاہیے۔" قریش میں سے ایک آدمی نے کہا: "لات اور عزیٰ کی قسم! ہمارے لیے یہ بات بُری ہوگی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا ہمارے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہو۔" چنانچہ وہ گیا اور آپؐ کو فوری طور پر اٹھا کر لے آیا۔ بحیرا آپؐ کو بہت غور سے دیکھتا رہا اور آپؐ کے جسدِ مبارک کا جائزہ لیتا رہا تاکہ اس صفت کو معلوم کر سکے جو آپؐ کی شناخت کے بارے میں اس کے پاس تھی۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور منتشر ہو کر چلے گئے تو بحیرا اٹھا اور اس نے آپؐ کو کہا: "میاں لڑکے! میں آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جو بات بھی میں پوچھوں آپؐ اس کا جواب دیں۔" بحیرا نے آپؐ سے یہ اس لیے کہا کہ اس نے قریش کے لوگوں کو ان دونوں کی قسم کھاتے ہوئے سنا تھا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے بحیرا کو فرمایا: "مجھے لات و عزیٰ کی قسم دے کر نہ پوچھو۔ خدا کی قسم! میں ان سے بڑھ کر کسی چیز سے بغض نہیں رکھتا۔" اس نے کہا: "اللہ کی قسم! آپؐ مجھے ان باتوں کا جواب دیں جو میں آپ سے دریافت کروں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو چاہو پوچھو۔" اس نے آپؐ سے آپؐ کی نیند، ہیئت اور دیگر امور کے بارے میں پوچھنا شروع کیا اور آنحضرتؐ جواب دیتے رہے۔ یہ تمام باتیں ان صفات کے موافق تھیں جو بحیرا کے پاس تھیں، پھر اس نے آپؐ کی پشت مبارک دیکھی اور آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت اسی جگہ دیکھی جہاں آپؐ کے متعلق اس کے پاس لکھا ہوا تھا۔

وہ آپؐ کے ساتھ مکالمہ سے فارغ ہو کر آپؐ کے چچا ابو طالب کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے پوچھا: "اس لڑکے کا آپ سے کیا رشتہ ہے؟" ابو طالب نے جواب دیا: "یہ میرا بیٹا ہے۔" بحیرا نے کہا: "یہ آپ کا لڑکا نہیں اور اس لڑکے کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا۔" ابو طالب نے کہا: "یہ میرا بھتیجا ہے۔" بحیرا نے پوچھا: "اس کے باپ کو کیا ہوا؟" ابو طالب نے کہا: "یہ ابھی بطنِ مادر میں تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔" بحیرا نے کہا: "آپ نے سچ کہا، آپ اپنے بھتیجے کو اپنے وطن واپس لے جائیں اور یہود سے اس کو بچائیں، اللہ کی قسم! اگر اُنھوں نے اس کو دیکھ لیا اور وہ علامتیں پہچان لیں جو میں نے پہچانی ہیں تو وہ اسے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں گے، آپ کا یہ بھتیجا بڑی عظمت والا ہے اس لیے آپ اس کو لے کر جلد

اپنے شہر واپس چلے جائیں۔"

جب آپؐ کے چچا نے شام میں اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کرلی تو وہ آپؐ کو لے کر جلد مکہ واپس چلے آئے۔ اس بارہ میں لوگوں کی یہ روایتیں بھی ہیں کہ زبیر، تمام اور دریس جو اہلِ کتاب میں سے تھے اُنھوں نے بھی اسی سفر میں آپؐ کو آپ کے چچا کے ہمراہ دیکھا تھا اور آپؐ کی شخصیت میں کچھ نشانات کا مشاہدہ کیا تھا، انہوں نے آنحضرتؐ کو اذیت پہنچانا چاہی لیکن بحیرا نے انھیں اس سے باز رکھا، اللہ کی یاد دلائی اور وہ سب باتیں بتلائیں جو ان کی کتاب میں آپؐ کے متعلق مذکور تھیں۔ اور انھیں یہ بھی بتلایا کہ وہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود آپؐ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ چنانچہ انھوں نے اس کی نصیحت کی صداقت کو پہچان لیا، آپؐ کو چھوڑ دیا اور چلے گئے۔ ابوطالب نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے جن میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے جانے، یہودیوں کی چیرہ دستی اور بحیرا کے انتباہ کا ذکر کیا ہے:

ان ابن آمنة النبي محمدا عندي بمثل منازل الاولاد	بے شک آمنہ کے فرزند حضرت محمد نبی میرے لیے بمنزلہ اولاد کے ہیں۔
لما تعلق بالزمام رحمته والعيس قد قلص بالازواد	جب فرزند آمنہ نے میری اونٹنی کی مہار پکڑ لی تو میرا دل اس کی محبت سے بھر آیا اور اس وقت سُرخی مائل سفید اُونٹوں کا قافلہ زادِ سفر لے کر کُوچ کے لیے تیار کھڑا تھا۔
فارفض من عيني دمع ذارف مثل الجمان مفرق الافراد	میری آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہنے لگے جو افراد کے درمیان جدائی کے مواقع پر بہتے ہیں۔
راعيت فيه قرابة موصولة وحفظت فيه وصية الاجداد	میں نے اس کے بارے میں صلہ رحمی کی رعایت اور اپنے بڑوں کی وصیت کی پاسداری کی۔
وامرته بالسير بين عمومة بيض الوجوه مصالت انجاد	میں نے اسے اپنے چچاؤں کے ہمراہ سفر کا حکم دیا جو سُرخ چہروں والے اور چُنے ہوئے بہادر ترین لوگ ہیں۔
ساروا لابعد طية معلومة فلقد تباعد طية المرتاد	وہ ایک دور دراز کے معلوم سفر پر روانہ ہوئے۔ راستہ اگرچہ جانا پہچانا ہے لیکن مسافت بہت طویل ہے۔
حتى اذا ما القوم بصرى عاينوا لاقوا على شرك من المرصاد	یہاں تک کہ وہ بصریٰ کے لوگوں کے پاس پہنچے وہاں راستے میں ایک جگہ ان کی ملاقات
حبرا فاخبرهم حديثا صادقا عنه ورد معاشر الحساد	ایک یہودی عالم سے ہوئی جس نے انھیں آنحضورؐ کے بارے میں سچی باتیں بتائیں اور حاسدوں کے ایک گروہ سے محفوظ رکھا۔

قوما يهودا قد رأوا ما قد رأى
ظل الغمام وعز ذي الاكباد

وہ یہودی تھے۔ اُنھوں نے وہی علامتیں دیکھیں جو بحیرا نے دیکھی تھیں یعنی بادلوں کا سایہ اور مضبوط لوگوں کی قدر شناسی۔

ساروا لقتل محمد فنهاهم
عنه واجهد احسن الاجهاد

یہود محمدؐ کے قتل کے درپے تھے لیکن بحیرا نے انھیں اس سے باز رکھا اور اس ضمن میں بہترین کوشش کی۔

فثنى زبيرا بحيرا فانثنى
في القوم بعد تجادل وبعاد

بحیرا نے زبیر کو رد کا وہ بحث و تکرار کرتا رہا اور بالآخر اپنی قوم سمیت اس نے یہ ناپاک ارادہ ترک کردیا۔

ونهى دريسا فانتهى عن قوله
حبر يوافق امره برشاد

بحیرا نے دریس کو بھی منع کیا اور وُہ بھی اپنی بات سے باز آگیا بحیرا ایک ایسا عالم تھا جس کا حکم رشد و ہدایت، پر مبنی تھا۔

ابُوطالب نے یہ اشعار بھی کہے:

الم ترني من بعد هم هممته
بفرقة حر الوالدين كرام

کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ میں نے شریف والدین کے برگزیدہ لڑکے سے جُدائی کا قصد کیا ہُوا تھا۔

باحمدٌ لما ان شددت مطيتي
برحلي وقد ودعته بسلام

یعنی احمدؐ سے۔ جب میں نے اپنی سواری پر کجاوہ باندھا اور اسے سفر کے لیے تیار کیا میں نے سلامتی کے ساتھ احمدؐ کو الوداع کہا۔

بكى حزنا والعيس قد فصلت بنا
واخذت بالكفين فضل زمام

وُہ غم سے رو پڑا اس حال میں کہ سُرخی مائل سفید اونٹوں کا قافلہ روانہ ہوا اور دونوں ہتھیلیوں سے میری ناقہ کی مہار پکڑ لی گئی۔

ذكرت اباه ثم رقرقت عبرة
تجود من العينين ذات سجام

مجھے اس کا باپ یاد آگیا، میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور میں زار وقطار رونے لگا۔

فقلت : تروح راشداً في عمومة
مواسين في الباساء غير لئام

میں نے اس سے کہا: راحت وآرام کے ساتھ اپنے چچاؤں کے ساتھ چلو جو مصائب و آلام میں غمخواری کرنے والے ہیں اور ملامت زدہ نہیں ہیں۔

فرحنا مع العير التي راح اهلها
شامي الهوى والاصل غير شامي

ہم اس قافلے کے ساتھ نکلے جس نے اس حال میں کوچ کیا کہ قافلہ والے محبت وشفقت کو بدفالی خیال کرتے تھے حالانکہ درحقیقت بدشگونی کا کوئی وجود نہیں ہے۔

فلما هبطنا ارض بصرى تشرفوا
لنا فوق دور ينظرون جسام

جب ہم نے سرزمین بصریٰ میں ڈیرہ ڈالا تو ہماری وجہ سے قافلہ والوں کی عزت افزائی ہوئی اور وہ تناور معلوم ہوتے تھے۔

فجاء بحيرا عند ذالك حاشدا
لنا بشراب طيب وطعام

اس وقت بحیرا (راہب) آیا اور اس نے ہمیں پاک مشروبات اور کھانے کی پیشکش کی۔

فقال: اجمعوا اصحابكم لطعامنا
فقلنا: جمعنا القوم غير غلام
يتيم، فقال: ادعوه ان طعامنا
كثير، عليه اليوم غير حرام
فلما راه مقبلا نحو داره
يوقيه حر الشمس ظل غمام
حنا راسه شبه السجود وضمه
الى نحره والصدر اى ضمام
واقبل ركب يطلبون الذى راى
بحيرا من الاعلام وسط خيام
فثار اليهم خشية لعرامهم
وكانوا ذوى دهى معا وعرام
دريسا وتماما وقد كان فيهم
زبيرا وكل القوم غير نيام
فجاؤوا وقد هموا بقتل محمد
فردهم عنه بحسن خصام
بتاويله التوراة حتى تفرقوا
وقال لهم ما انتم بطغام
فذالك من اعلامه وبيانه
وليس نهار واضح كظلام

اس نے کہا: ہمارے کھانے میں اپنے سب ساتھیوں کو لے آؤ اور ہم نے کہا: ہم سب موجود ہیں ما سوائے ایک لڑکے کے جو یتیم ہے۔ اس نے کہا: اس لڑکے کو بھی بلا لاؤ کیونکہ کھانا کافی مقدار میں ہے اور لڑکے کے لیے بھی حلال ہے۔

جب بحیرا نے اپنے گھر کی طرف اس لڑکے کو اس حال میں آتے دیکھا کہ بادل کا سایہ دھوپ سے اس کا بچاؤ کیے ہُوئے تھا۔

اس نے اپنے سر کو احتراماً سجدہ کی طرح نیچے جھکا دیا اور آپؐ کو اپنے گلے اور سینے سے لگا لیا۔

اور یہود کا ایک وفد بھی آ پہنچا جو ان ہی نشانات کے درپے تھے جن کو بحیرا نے خیموں کے درمیان دیکھا تھا۔

ان کی بدخُوئی کے ڈر سے بحیرا نے ان کو دوست بنایا۔ وہ چالباز اور کثیر التعداد تھے۔

ان میں دریس، تمام اور زبیر تھے اور وہ سب کے سب ہوشیار اور غفلت نہ کرنے والے تھے۔

وہ سب کے سب محمدؐ کو قتل کرنے کی غرض سے آئے لیکن بحیرا نے حُسنِ تدبیر سے ان کو اس اقدام سے باز رکھا۔

بحیرا نے انھیں توراۃ پڑھ کر نصیحت کی یہاں تک کہ وُہ منتشر ہو گئے۔

اور بحیرا نے انھیں کہا کہ تم نا اہل اور کمینے لوگ نہیں ہو۔

پس یہ اس کے نشانات اور علامات میں سے ہے اور روشن دن تاریکی کی طرح نہیں ہوتا۔

ابوطالب نے یہ اشعار بھی کہے:

بكى طربا لما راه محمد
كان لا يرانى راجعا لمعاد
فبت يجافينى تهلل دمعا
وقربته من مضجعى ووسادى

محمدؐ یہ دیکھ کر غم کے باعث رو پڑا گویا کہ وُہ یہاں واپس آتے ہوئے مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔

میں رات بھر اس بات کو سوچتا رہا کہ اس کا آنسو بہانا مجھے اس سے دُور کر دے گا اور میں اپنی خواب گاہ اور آرامگاہ میں اس کی قربت سے محروم ہو جاؤں گا۔

فقلت له : قرب قعودك وارتحل
ولا تخش مني جفوة ببلادی

میں نے اس سے کہا : اپنے اونٹ کے قریب جاؤ اور کوچ کی تیاری کرو اور ان شہروں میں میری طرف سے تمہیں کسی بدسلوکی کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔

وخل زمام العیس وارتحلن بنا
علی عزمة من امرنا و رشاد

اُونٹوں کی مہار چھوڑ دی گئی اور ہمیں لے کر منزلِ مقصود کی طرف مستعدی اور راست روی سے چل پڑے۔

ورح رائحا فی الراشدین مشیعا
لذی رحم فی القوم غیر معاد

ان راست روندگان کے ساتھ بخوشی چلو اور قوم میں اپنے رشتہ داروں کو الوداعی سلام کہتے ہوئے نکلو۔

فرحنا مع العیر التی راح رکبها
یؤمون من غوری ارض ایاد

ہم اس قافلے کے ہمراہ روانہ ہوئے جس کی سواریوں نے اس نشیب زمین سے نعمتوں بھری اراضی کی طرف کُوچ کیا۔

فما رجعوا حتی رأوا من محمد
احادیث تجلو غم کل فؤاد

قافلے والے واپس نہ آئے یہاں تک کہ انھوں نے محمدؐ کے بارے میں ایسے عجیب وغریب واقعات دیکھے جن سے غمزدہ دل کا غم جاتا رہا۔

وحتی رأوا احبار کل مدینة
سجودا له من عصبة وفراد

اُنھوں نے دیکھا کہ ہر شہر کے علماء اجتماعی اور انفرادی طور پر محمدؐ کے آگے احتراماً جُھکتے تھے۔

زبیرا وتماما وقد کان شاهدا
دریسا وهموا کلهم بفساد

لیکن زبیر اور تمام اور دریس سب نے اس کے برخلاف فساد انگیزی کا منصوبہ بنایا۔

فقال لهم قولا بحیرا وایقنوا
له بعد تکذیب وطول بعاد

پس بحیرا نے انھیں ایسی بات کہی جسے اُنھوں نے تکذیب اور کافی بحث و تمحیص کے بعد بالآخر تسلیم کرلیا۔

کما قال للرهط الذین تهودوا
وجاهدهم فی الله کل جهاد

بحیرا نے ایسی ہی نصیحت یہود کے دیگر گروہوں کو بھی کی اور اُنھیں راہِ راست پر لانے کے لیے اللہ کے راستے میں پُوری پُوری کوشش کی۔

فقال ولم یملك له النصح رده
فان له ارصاد کل مضاد

بالآخر بحیرا نے مشورہ دیا کہ صرف نصیحت کارگر نہیں ہوسکے گی اس لیے اسے واپس لے جاؤ کیونکہ ہر ضدی اور ہٹ دھرم اس کی گھات میں ہے۔

فانی اخشی الحاسدین وانهٔ
اخوا الکتب مکتوب بکل مداد

مجھے اس کے متعلق حاسدوں کے حسد کا خدشہ لاحق ہے کیونکہ اس کا نام جملہ کتبِ مقدسہ میں روشنائی سے لکھا ہوا موجود ہے۔

(۵۴) آنحضرتؐ کے اخلاقی فضائل

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو بزرگی اور رسالت سے

نوازنا چاہتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی حفاظت و نگرانی میں پروان چڑھایا اور آپؐ کو جاہلیت کی گوناگوں گندگیوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھا۔ بعثت سے قبل ہی آپؐ اپنی قوم میں مروت کے اعتبار سے افضل، محاسنِ اخلاق میں سب سے برتر، اور حسب و نسب کے لحاظ سے شریف ترین سمجھے جاتے تھے۔ آپؐ بہترین پڑوسی، اعلیٰ اخلاق کے مالک، سب سے زیادہ سچ بولنے والے اور امانتدار، برائیوں اور اخلاقی رذائل سے سب سے زیادہ بچنے والے اور پاکدامنی اور شرافت کے حامل تھے۔ یہاں تک کہ اپنی قوم میں آپؐ "الامین" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ آپؐ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جملہ اخلاقِ صالحہ جمع کر دیئے تھے اور یہ بھی مذکور رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق صغر سنی کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگرانی اور امورِ جاہلیت سے اجتناب کو تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان فرمایا کرتے تھے۔

(۵۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: میرے والد اسحاق بن یسار نے ایک شخص کے حوالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا ذکر اس طرح فرماتے تھے: میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ تھا ہم نے اپنے تہبند اپنی گردنوں کے ساتھ لٹکائے ہوئے تھے اور ہم ان میں پتھر اٹھا کر کھیلنے کے لیے لا رہے تھے، یکایک کسی نے مجھے ایک زور کا گھونسا رسید کیا اور کہا کہ اپنا تہبند (اِزار) باندھ لو۔

(۵۶) احمد نے یونس کے حوالے سے عمرو بن ثابت سے اور اس نے سماک بن حرب سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ عباسؓ نے کہا: میرے باپ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا بیان ہے کہ جب قریش نے کعبہ کی تعمیرِ نو شروع کی تو ہم پتھر ڈھو کر لاتے تھے۔ قریش نے دو دو آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ ٹولیاں بنا دیں۔ عورتیں چونا اور مٹی وغیرہ لاتی تھیں اور مرد پتھر لاتے تھے۔ میں اپنے بھتیجے (محمدؐ) کا ساتھی تھا۔ ہم لوگ اپنی اپنی ازاریں گلے میں باندھے ہوئے تھے اور ازاروں میں پتھر ڈھو کر لا رہے تھے۔ جب ہم لوگوں کے پاس آتے تھے تو اپنی ازار باندھ لیتے تھے۔ میں جا رہا تھا اور میرے آگے آگے محمدؐ تھے وہ ازار باندھے ہوئے نہیں تھے۔ آپؐ یکایک منہ کے بل گر پڑے، میں نے اپنا پتھر پھینک دیا اور جلدی سے آپؐ کے پاس پہنچا، آپؐ اس وقت آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، میں نے پوچھا: "کیا حال ہے؟" آپؐ نے اپنی ازار باندھی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے مجھے بھی برہنہ حالت میں چلنے سے روکا، میں نے اس واقعہ کو اس ڈر سے چھپائے رکھا کہ کہیں لوگ آپؐ کو مجنون نہ کہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوّت کو ظاہر فرمایا۔

(۵۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی: ابن اسحاق نے کہا: محمد بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ نے حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب سے اور انھوں نے اپنے باپ محمد اور اپنے دادا علی بن ابی طالب کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے اندر دو راتوں سے زیادہ کبھی ان کاموں کے قصد کا خیال پیدا نہیں ہوا جن میں اہلِ جاہلیت منہمک تھے اور دونوں مرتبہ اللہ عزّ وجلّ نے مجھے ان سے محفوظ رکھا۔ ایک رات ہم مکّہ کے بعض لڑکوں کے ساتھ باہر اپنی بکریاں چرا رہے تھے، میں نے اپنے ساتھی کو کہا:

"تو ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال کرتا کہ میں مکّہ میں جا کر رات ان دلچسپیوں میں حصّہ لوں جن میں دوسرے لڑکے حصّہ لیتے ہیں"۔ اس نے ذمہ داری قبول کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : میں مکّہ میں داخل ہُوا، میں نے پہلے ہی گھر میں گانے بجانے کی آوازیں سُنیں، میں نے پُوچھا یہ کیا ہے، لوگوں نے کہا، فلاں مرد کی فلاں عورت کے ساتھ شادی ہے۔ میں یہ منظر دیکھنے کے لیے بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں پر تھپکی دی، مجھے نیند آگئی۔ خدا کی قسم! اگلے دن صبح سورج کی دُھوپ سے میری آنکھ کھلی۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آگیا، اس نے حال پُوچھا، میں نے کہا : میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ میں نے اسے اپنی آپ بیتی سُنادی۔ دوسری رات میں نے اپنے ساتھی سے پھر وہی فرمائش کی کہ میری بکریوں کی نگہداشت کرنا تاکہ میں رات مکّہ میں گزاروں۔ اس نے یہ بات تسلیم کرلی۔ میں مکّہ میں داخل ہُوا تو پھر گزشتہ رات کی طرح گانا بجانا ہو رہا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ فلاں مرد اور فلاں عورت کا نکاح ہو رہا ہے۔ میں یہ تماشا دیکھنے کے لیے بیٹھا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں پر تھپکی دے کر مجھے سُلا دیا اور اگلے دن صبح کی دُھوپ سے میری آنکھ کھلی۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس آگیا، اس نے ماجرا پُوچھا تو میں نے اسے بتادیا کہ آج بھی میں کچھ نہیں دیکھ سکا۔ خدا کی قسم! ان دو واقعات کے بعد میرے اندر اس طرح کی کسی چیز کی طرف میلان پیدا ہی نہ ہوا یہاں تک کہ اللہ عزّ و جلّ نے مجھے نبوّت سے سرفراز فرمایا۔

باب ۱۰

خدیجہؓ بنت خویلد کا واقعہ

(۵۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: خدیجہؓ بنت خویلد ایک شریف اور مالدار تاجر پیشہ خاتون تھیں۔ وہ اپنے مال میں کسی نہ کسی شخص کو اُجرت یا حصہ رسدی مضاربت پر شریک کر کے تجارت کیا کرتی تھیں قریش تجارت پیشہ لوگ تھے۔ جب خدیجہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، عظیم امانت داری اور کریمانہ اخلاق کا حال معلوم ہُوا تو اُنھوں نے آپؐ کو بُلا بھیجا اور کہا: "میری خواہش ہے کہ آپؐ میرا تجارتی مال شام لے جائیں، میں دوسروں کو جتنا حصہ دیتی ہُوں آپؐ کو اس سے زیادہ دُوں گی۔" آنحضرتؐ نے یہ پیشکش قبول فرمائی۔ آپؐ یہ مال لے کر نکل کھڑے ہوئے آپؐ کے ہمراہ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا، یہاں تک کہ آپؐ شام کے علاقے میں پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راہب کے صومعہ کے قریب ایک درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ راہب نے میسرہ کو اوپر سے آواز دے کر پُوچھا "یہ کون شخص ہے جو اس درخت کے نیچے اُترا ہے؟" میسرہ نے جواب دیا: "یہ اہلِ حرم میں سے قبیلہ قریش کا ایک فرد ہے۔" راہب نے کہا: "اس درخت کے نیچے کبھی کوئی غیر نبی نہیں اُترا۔" آنحضرتؐ جو مالِ تجارت لے کر آئے تھے وہ آپؐ نے فروخت کر دیا اور جو مال خریدنا چاہتے تھے وہ خرید لیا۔ پھر آپؐ نے میسرہ کے ہمراہ واپسی کا سفر اختیار کیا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ جب دوپہر کا وقت ہوتا اور دُھوپ سخت ہو جاتی تو میسرہ دیکھتا کہ دو فرشتے آپؐ کے اُوپر سایہ کر کے آپؐ کو دُھوپ سے بچاتے تھے اور آپؐ اپنے اونٹ پر سوار چلتے جاتے تھے۔ جب آپؐ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر واپس مکہ پہنچ گئے تو انھوں نے وہ سارا سامان جو آپؐ لائے تھے فروخت کر دیا۔ چنانچہ مال دگنا یا اس کے قریب ہو گیا۔ میسرہ نے آنحضرتؐ کے متعلق راہب کا قول اور دو فرشتوں کی سایہ افگنی کا واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا۔ حضرت خدیجہؓ عقلمند، شریف اور صاحبِ عزیمت خاتون تھیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے طفیل حضرت خدیجہؓ کے لیے بھی سربلندی چاہتا تھا۔ جب میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو آپؐ کے سفر کے حالات سُنائے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا: "اے ابنِ عم! آپؐ میرے رشتہ دار بھی ہیں اور آپ کی شرافت، امانت، حسنِ خلق اور صدقِ مقال کی وجہ سے بھی میرا میلانِ خاطر آپؐ کی طرف ہے۔" پھر انہوں نے آنحضرتؐ سے نکاح کی درخواست کی۔

حضرت خدیجہؓ خواتین قریش میں سے نسب کے لحاظ سے افضل، شرافت کے اعتبار سے اعلیٰ اور مال و دولت میں سب سے بڑھ کر تھیں۔ قوم میں ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ کاش اسے اس امر پر قدرت ہوتی۔

حضرت خدیجہؓ کا نسب

اُمّ المومنین کا نسب درج ذیل ہے:

خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ حضرت خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زید بن اصم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوی تھا۔ فاطمہ کی ماں کا نام ہالہ بنت عبد مناف بن حارث بن عبد بن منقذ بن عمرو بن معیص بن عامر بن لوی تھا۔ ہالہ کی والدہ کا نام فلانہ (یا بقول ابن ہشام قلابہ) بنت سعید بن سعد بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی تھا۔ فلانہ کی ماں کا نام عاتکہ بنت عبد العزیٰ بن قصی تھا۔ عاتکہ کی ماں کا نام ریطہ بنت کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی تھا۔ ریطہ کی ماں کا نام قیلہ بنت حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی تھا۔ قیلہ کی ماں کا نام اُمیمہ بن عامر بن حارث بن فہر تھا۔ امیمہ کی ماں قبیلہ خزاعہ کے سعد بن کعب بن عمرو کی بیٹی تھی اور اس کی ماں فلانہ بنت حرب بن حارث بن فہر تھی۔ فلانہ کی ماں کا نام سلمیٰ بنت غالب بن فہر تھا اور سلمیٰ کی ماں محارب بن فہر کی بیٹی تھی۔

(۵۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے: جب حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام دیا تو آپؐ نے اس کا ذکر اپنے چچاؤں سے کیا۔ ان میں سے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب آپؐ کے ہمراہ اسد بن اسد کے ہاں گئے۔ اسد نے حضرت خدیجہؓ کو آپؐ سے منسوب کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ نزولِ وحی سے قبل حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کی یہ اولاد پیدا ہوئی: زینب، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ، قاسم، طاہر، طیب۔ آپؐ کے صاحبزادگان قاسم، طاہر اور طیب اسلام سے قبل ہی وفات پا گئے۔ آنحضرتؐ کی کنیت آپؐ کے صاحبزادے قاسم کے نام پر ابوالقاسم ہے۔ آپؐ کی جملہ صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ دیکھا۔ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لائیں۔ انہوں نے آپؐ کے حکم پر ہجرت اختیار کی اور آپؐ کا اتباع کیا۔

باب ۱۱

رسول اللہ ؐ کے متعلق علمائے یہود کی بشارت

(۶۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توراۃ میں

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا، احبار (یہودی علماء) اور رہبان (عیسائی درویشوں) کے پاس کتابیں تھیں۔ آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل وہی اہلِ علم تھے ان کے علم کا ذریعہ وہ کتابیں تھیں جن میں آنحضرتؐ کی صفات، آپؐ کا نام اور سرزمینِ عرب میں آپؐ کے زمانۂ نبوت کے متعلق لکھا ہوا تھا اور ان کے انبیاءؑ نے آپؐ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپؐ کا اتباع کریں گے۔ وہ آپؐ کے طفیل بت پرست مشرکین کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور انھیں یہ خبریں سناتے تھے کہ احمدؐ نام کے ایک نبی دینِ ابراہیمؑ پر مبعوث ہونے والے ہیں جن کا ذکر ان کے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ و الانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہٗ اولٰئک ھم المفلحون ٥

(الاعراف - ۱۵۷)

(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انھیں اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

واذ قال عیسی ابن مریم یٰبنی اسرآئیل

اور یاد کرو عیسیٰ ابنِ مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل،

انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورٰىة و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ط فلما جاءھم بالبینٰت قالوا ھٰذا سحر مبین ٥ (الصف - ٦)

میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہُوا رسول ہُوں، تصدیق کرنے والا ہُوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ تو صریح دھوکا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

محمد رسول اللہ ط والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم ترٰھم رکعا سجدا یبتغون فضلاً من اللہ و رضوانا ز سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ط ذٰلک مثلھم فی التورٰىة صلے ومثلھم فی الانجیل قفے کزرع اخرج شطٔہ فاٰزرہ فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار ط وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت منھم مغفرة و اجراً عظیما ٥ (الفتح - ٢٩)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع وسجود اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یُوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھُولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا صلے فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہٖ فلعنة اللہ علی الکٰفرین ٥ بئسما اشتروا بہٖ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیا ان ینزل اللہ من فضلہٖ علیٰ من یشآء من عبادہٖ ج فبآءو بغضب علیٰ غضب ط وللکٰفرین عذاب مھین ٥

(البقرۃ - ٨٩ - ٩٠)

باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا، خدا کی لعنت ان منکرین پر۔ کیسا بُرا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل (وحی و رسالت) سے اپنے جس بندے کو خود چاہا نواز دیا لہٰذا اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ایسے کافروں کے لیے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔

(۶۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اہلِ عرب اُمّی تھے، کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔ رسولوں کے احکام سے نابلد تھے۔ جنت، دوزخ اور حشر و نشر کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے ماسوائے ان باتوں کے جو وُہ اہلِ کتاب سے سُنتے تھے۔ لیکن ان عقاید پر ان کا ایمان نہیں تھا اور نہ ہی ان کے مطابق وہ عمل کرتے تھے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک عرصہ قبل ہی ہمیں آپ کے متعلق احبار و رہبان کی باتیں پہنچی ہوئی تھیں۔

(۶۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے عاصم بن عمر بن قتادہ کے حوالہ سے اپنے بعض شیوخ کی یہ روایت نقل کی۔ شیوخ کا بیان ہے کہ اہلِ عرب میں سے کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، کے بارے میں ہم سے زیادہ باخبر نہیں تھا۔ ہمارے پڑوس میں یہود رہتے تھے جو اہلِ کتاب تھے اور ہم بت پرست تھے جب وہ مجبور ہو جاتے تھے تو ہمیں یہ کہتے تھے: "ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں جن کا زمانہ اب قریب ہے، ہم ان کا اتباع کریں گے اور ان کی معیت میں تمھیں عاد ارم کی طرح قتل کریں گے"۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو مبعوث فرمایا تو ہم نے آپؐ کا اتباع کیا اور یہود نے کفر کی روش اختیار کی۔ خدا کی قسم! اللہ عزّ و جل نے ہمارے اور ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی،

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا ج (البقرۃ - ۸۹)	باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔

(۶۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف کے حوالہ سے یحیٰی بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن سعد بن زرارہ کی روایت نقل کی۔ یحیٰی نے کہا: مجھ سے اپنی قوم کے محبوب لوگوں میں سے ایک شخص نے حسان بن ثابت کی روایت بیان کی جس نے کہا: بخدا! میں سات آٹھ سال کی عمر میں گدرائے ہوئے جسم کا لڑکا تھا۔ جو کچھ سُنتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ میں نے ایک یہودی کو سنا جو یثرب میں اپنے قلعے پر سے چیخ چیخ کر پکار رہا تھا: "اے گروہِ یہود!" جب یہود اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے اسے کہا: "وائے افسوس! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اس نے کہا: "آج رات احمد کا ستارہ طلوع ہو چکا ہے جسے مبعوث کیا جائے گا۔"

(۶۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے صالح بن ابراہیم سے محمد بن لبید کے حوالہ سے سلمہ بن سلامہ بن وقش کی روایت نقل کی۔ سلمہ نے کہا: ہمارے گھروں کے درمیان ایک یہودی رہا کرتا تھا وہ ایک صبح کو بنی عبدالاشہل کے محلہ سے نکل کر میری قوم کی مجلس میں آیا۔ اس نے حشر و نشر، جنت و دوزخ اور حساب و میزان کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس نے یہ باتیں بُت پرستوں کے سامنے کیں جو بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا ہے۔ انھوں نے اس سے پُوچھا: "وائے افسوس! کیا ایسا ہوگا کہ مرجانے کے بعد لوگوں کو ایسے جہاں کی طرف اٹھایا جائے گا جس میں جنت اور دوزخ ہوگی اور لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ

دیا جائے گا؟" اس یہودی نے کہا: "اس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے! ایسا ہی ہوگا۔ میری تمنا ہے کہ اس آگ کی بجائے تم اپنے گھر میں ایک بڑے تنور کو آگ لگاتے اسے گرم کرتے پھر مجھے اس میں پھینک کر اُوپر سے مٹی لگا کر اسے بند کر دیتے اور اگر اس طرح اس کل کی آگ سے بچاؤ کی صورت نکل آتی تو میں اسے غنیمت سمجھتا۔" اس شخص سے پُوچھا گیا: "اے فلاں! اس کی نشانی کیا ہے؟" اس نے کہا: "ان بلاد میں ایک نبی مبعوث ہوگا۔" بلاد کے حوالہ سے اس نے اپنے ہاتھ سے مکّہ اور یمن کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے پُوچھا: تمھارے خیال میں ایسا کب ہوگا؟" راوی کا بیان ہے کہ اس نے آنکھ جھپک کر مجھے دیکھا میں اپنے گھر کے سامنے فراخ جگہ پر پہلو کے بل لیٹا ہُوا تھا اور سب حاضرین میں سے کم عمر تھا۔ چنانچہ اس نے کہا: "اگر اس لڑکے کی عمر نے وفا کی تو یہ اس نبیؐ کو پالے گا۔" تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ اللہ عزّوجل نے اپنے رسولؐ کو مبعوث فرمایا وہ یہودی اس وقت زندہ تھا۔ پس ہم آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کی تصدیق کی اور اس یہودی نے حسد اور گھمنڈ کے سبب سے آپؐ کا انکار کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم نے اسے کہا: "اے فلاں! کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس نے آنحضرتؐ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بتلائی تھیں؟" اس نے کہا: "لیکن میری بشارت اس شخص کے متعلق نہیں تھی۔"

(۶۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے عاصم بن عمر بن قتادہ کے حوالہ سے بنی قریظہ کے ایک بُوڑھے شخص کی روایت نقل کی۔ اس بوڑھے نے کہا: "کیا تم جانتے ہو کہ اسید و ثعلبہ پسران سعید اور اسد بن عبید (از بنی ہذیل) کے اسلام کا سبب کیا تھا؟" وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر میں سے نہ تھے بلکہ ان سے اوپر تھے۔ میں نے کہا: "میں نہیں جانتا۔" اس نے کہا: ہمارے پاس شام کے یہودیوں میں سے ایک شخص آیا جس کا نام ابو الہیبان تھا۔ وہ ہمارے پاس اقامت گزین ہو گیا۔ بخدا! ہم نے پنجوقتہ نماز نہ پڑھنے والوں (غیر مسلموں) میں اس سے بہتر آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چند سال قبل ہمارے پاس آیا۔ جب ہم قحط سالی کا شکار ہو جاتے اور مینہ نہ برستا تو ہم اس سے کہتے: "اے ابو الہیبان! باہر چلو اور ہمارے لیے بارش کی دعا کرو۔" وہ جواب دیتا: "خدا کی قسم! میں ایسا ہرگز نہ کروں گا جب تک تم باہر نکلنے سے پہلے صدقہ نہ دو۔" ہم پُوچھتے: "کتنا صدقہ؟" وہ کہتا: "ایک صاع کھجور یا دو مد جَو۔" ہم یہ صدقہ ادا کرتے، پھر وہ ہمیں ساتھ لے کر ہمارے کھیتوں سے باہر آجاتا اور بارش کی دُعا کرتا۔ خدا کی قسم! وُہ اپنی جگہ سے نہ اُٹھتا یہاں تک کہ بادل آجاتے۔ اس کا یہ معمول ایک دفعہ یا دو دفعہ یا تین دفعہ کا نہ تھا بلکہ ایسے واقعات کئی مرتبہ پیش آئے۔ پھر جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو ہم اس کے پاس جمع ہُوئے، اس نے کہا: "اے گروہِ یہود! تمھارا کیا خیال ہے کہ مجھے کون سی چیز شراب اور اناج والی سرزمین سے نکال کر تکلیف اور بھُوک کی سرزمین کی طرف لے آئی ہے؟" لوگوں نے کہا: "آپ بہتر جانتے ہیں۔" اس نے کہا: "میں صرف اس وجہ سے نکل آیا ہُوں کہ ایک نبی کی بعثت متوقع ہے جس کا زمانہ قریب آچکا ہے اور یہ شہر اس کا دار الہجرت ہے۔ مجھے امید تھی کہ میں اس کی بعثت پر اس کا اتباع کروں گا۔ پس اے گروہِ یہود! مباوا کوئی دیگر گروہ آنحضرتؐ کے ظہور پر ایمان لانے میں تم پر سبقت لے جائے۔" آنحضرتؐ کو اس حال میں مبعوث کیا جائے گا کہ آپؐ کو مجبوراً خُونریزی کرنا پڑے گی اور مخالفین کی

عورتیں اور ان کی اولادیں آپؐ کے پاس قیدی بن کر آئیں گی اور یہ چیزیں تمھیں آپؐ پر ایمان لانے سے نہ روکیں۔" یہ وصیت کرکے وہ اس دارِ فانی سے کوچ کرگیا۔ اس کے بعد جس رات کو بنی قریظہ مفتوح ہوگئے یہ تین جوان جو نو عمر تھے انھوں نے کہا: "اے گروہِ یہود! خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہے جس کے متعلق ابن الہیبان نے تمھیں بتایا تھا۔" اُنھوں نے کہا: "یہ وہ نہیں ہے۔" نوجوانوں نے کہا: "کیوں نہیں، بخدا! صفات کے اعتبار سے تو یہ وہی ہے۔" پھر وہ نوجوان نیچے اُترے، انھوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے اموال اور اہل و عیال کو بچا لیا۔

(۶۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: "ان نوجوانوں کے اموال قلعے میں مشرکین کے ساتھ تھے۔ جب قلعہ فتح ہوگیا تو ان نوجوانوں کے اموال انھیں واپس کر دیئے گئے۔

(۶۷) احمد نے یونس کی وساطت سے قیس بن ربیع کی اور اس نے یونس بن ابی مسلم کے حوالہ سے عکرمہ کی یہ روایت نقل کی کہ اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگوں نے اپنے رسولوں کی تصدیق کی وہ ان پر ایمان لائے اور حضرت محمدؐ کی بعثت سے قبل آپؐ پر بھی ایمان لائے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہُوئے تو انھوں نے کفر کی روش اختیار کی۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم۔ (آل عمران - ۱۰۶)

جن لوگوں کا مُنہ کالا ہوگا ان سے کہا جائے گا کہ نعمتِ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟

اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے رسولوں پر اور حضرت محمدؐ کی بعثت سے قبل آپؐ پر ایمان لائے تھے۔ پھر جب آپؐ مبعوث ہُوئے تو یہ اپنے ایمان پر قایم رہے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

والذین اھتدوا زادھم ھدی واٰتاھم تقوٰھم۔ (محمد: ۱۷)

وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انھیں ان کے حصّے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔

باب ۱۲

سلمان فارسیؓ کا اسلام لانا

(۶۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ عاصم بن عمر بن قتادہ نے محمود بن لبید سے اور انھوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی۔ انھوں نے کہا، سلمان فارسیؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں اہلِ فارس میں سے اصفہان کی ایک بستی "جی" کا رہنے والا تھا، میرے والد اپنے علاقہ کے دہقان تھے وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے اور اپنی محبت وہ اپنی دیگر اولاد یا مال سے نہیں کرتے تھے۔ میرے لیے ان کی محبت اسی طرح برقرار رہی یہاں تک کہ انھوں نے مجھے پابندِ مسکن کر دیا جس طرح لڑکیوں کو گھر میں پابند رکھا جاتا ہے۔ میں نے مجوسیت اختیار کرنے میں پوری کوشش کی یہاں تک کہ میں آتشکدے کے ان خادموں میں سے ہو گیا جو آگ روشن رکھتے ہیں اور گھڑی بھر کے لیے بھی بجھنے نہیں دیتے۔ میں صرف اپنے کام سے واقف تھا اور دوسرے لوگوں کے کاروبار کا مجھے علم نہ تھا۔ میرے باپ نے ایک مکان کی تعمیر شروع کی۔ ان کی زرعی اراضی بھی تھی جس میں کھیتی باڑی کی جاتی تھی۔ میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا: میرے پیارے بیٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ میں تعمیر کے کام میں اس حد تک مشغول ہوں کہ اراضی کے کام کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ اراضی کے متعلق بھی مجھے پوری طرح مطلع رہنا چاہیے، اس لیے تم وہاں جاؤ اور کارندوں سے کام کرواؤ۔ لیکن تم مجھ سے علیحدگی اختیار کر کے وہاں ٹھہر نہ جانا۔ کیونکہ اگر تم وہاں رک گئے تو میں کسی کام کے قابل بھی نہیں رہوں گا۔

میں اراضی پر جانے کے لیے نکلا اور راستہ میں عیسائیوں کے ایک کلیسا کے پاس سے گزرا۔ وہاں میں نے ان کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ عیسائی ہیں جو اپنی نماز پڑھ رہے ہیں۔" میں دیکھنے کے لیے اندر داخل ہوا اور ان کے جو حالات میں نے دیکھے وہ مجھے بہت پسند آئے۔ میں غروبِ آفتاب تک ان کے پاس بیٹھا رہا۔ اس دوران میں میرے باپ نے میری تلاش میں ہر طرف آدمی بھیج دئیے تھے لیکن میں شام کو واپس اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا، میں اراضی کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔ میرے باپ نے پوچھا: "اے میرے پیارے بیٹے! تم کہاں رہے؟ کیا میں نے تمھیں پہلے ہی سب کچھ نہیں سمجھایا تھا؟" میں نے عرض کی: "ابا جان! میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا جنھیں نصاریٰ کہتے ہیں، ان کی نماز اور دعا مجھے بہت پسند آئی، میں ان کے طور طریقے دیکھنے کے لیے ان کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ میرے باپ نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔" میں نے کہا: "بخدا! ہمارا دین ان کے دین سے بہتر نہیں ہے۔"

وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ہم آگ کی پوجا کرتے ہیں جسے ہم خود اپنے ہاتھوں سے جلاتے ہیں اگر ہم اسے چھوڑ دیں تو وہ آگ بجھ جاتی ہے۔" پھر میرے باپ نے مجھے بہت ڈرایا دھمکایا۔ میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی اور مجھے گھر میں قید کر دیا۔

میں نے نصاریٰ کی طرف پیغام بھیجا کہ تمہارے اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انھوں نے کہا: "شام میں۔" میں نے کہا: "جب تمہارے پاس شام سے کوئی قافلہ آئے تو مجھے اس کی اطلاع دینا۔" انھوں نے ایسا کرنے کا وعدہ کر لیا اس کے بعد ان کے پاس عیسائی تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور انھوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ ہمارے ہاں ہمارے تاجروں کا ایک قافلہ آیا ہوا ہے، میں نے کہلا بھیجا کہ جب وہ اپنے کام کاج سے فارغ ہو جائیں اور واپس جانا چاہیں تو مجھے اطلاع دینا۔" انھوں نے کہا کہ ہم ایسا کریں گے۔ جب وُہ اپنا کاروبار نمٹا چکے اور واپس جانے لگے تو اُنھوں نے مجھے پیغام بھیجا۔ میں نے اپنے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دیں اور ان کی معیت میں روانہ ہو کر شام پہنچ گیا۔ وہاں جا کر میں نے دریافت کیا کہ اس دین کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ اسقف جو کلیسا کا ناظم ہے۔

میں اس کی خدمت میں حاضر ہُوا اور درخواست کی: "میں کلیسا میں اقامت گزیں ہو کر آپ کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا اور آپ سے نیکی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی اور میں نے اس کی معیت اختیار کر لی۔ وُہ بدکردار شخص تھا۔ وہ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتا تھا اور اس کی ترغیب دلاتا تھا۔ جب وہ صدقہ کا مال اکٹھا کر کے لاتے تو وہ اپنے پاس جمع کر لیتا اور محتاج فقیروں کو نہ دیتا تھا۔ اس کے یہ طور طریقے دیکھ کر مجھے اس سے سخت نفرت ہو گئی۔ وہ جلد ہی فوت ہو گیا۔ جو لوگ اس کی تدفین کے لیے آئے تو میں نے انھیں بتایا کہ یہ آدمی بُرا تھا۔ تمھیں تو صدقہ کا حکم دیتا تھا اور اس کی ترغیب دلاتا تھا اور جو کچھ تم لوگ جمع کر کے اس کے پاس لاتے تھے وہ اسے ذخیرہ کر لیتا تھا اور مسکینوں کو عطا نہ کرتا تھا۔ جب میں نے اس کے حالات دیکھے تو مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی۔ لوگوں نے مجھ سے اس الزام تراشی کا ثبوت طلب کیا۔ میں نے کہا کہ میں اس کا اندوختہ تمھیں لا کر دیتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ لاؤ۔ چنانچہ میں ان کے سامنے سونے چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے نکال لایا۔ جب انھوں نے یہ دیکھا تو فیصلہ کیا کہ اس شخص کو دفن نہ کرنا چاہیے بلکہ انھوں نے اسے لکڑی کی صلیب پر لٹکا دیا اور اس پر پتھراؤ کیا۔ پھر وُہ ایک دُوسرے شخص کو لے آئے اور اسے اسقف کا منصب پیش کیا۔ سلمان فارسیؓ نے کہا کہ اے ابنِ عباس! یہ دوسرا شخص ایسا تھا کہ پنجوقتہ نماز نہ پڑھنے والوں (یعنی غیر مسلموں) میں اس سے بڑھ کر صاحبِ فضیلت و ریاضت اور دنیوی خواہشات سے روگردانی کرنے والا اور لیل و نہار کے اوقات کا پابند میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ مجھے اس شخص کے ساتھ اس قدر محبت ہو گئی کہ قبل ازیں اتنی محبت مجھے کسی سے نہ تھی۔ میں اس کی صحبت میں رہا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت قریب آ گیا، میں نے اس سے کہا: "اے فلاں! آپ کے لیے اللہ کا وُہ حکم آ پہنچا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ بخدا! میں نے آپ سے زیادہ کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اور کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟" اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے علم میں صرف ایک شخص ہے جو موصل

میں مقیم ہے تم اس کے پاس چلے جانا، یقیناً تم اس کو میری طرح پاؤ گے۔"

جب وہ فوت ہوگیا اور دفن کردیا گیا تو میں موصل والے شخص کے پاس چلا گیا۔ وہ عبادت و ریاضت اور دنیا سے بے رغبتی کے لحاظ سے پہلے شخص جیسا تھا میں نے اسے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے پاس رہو۔" میں اپنے سابق استاد کے حکم کے مطابق اس کے پاس مقیم ہوگیا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت بھی قریب آگیا۔ میں نے اس سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کے پاس رہنے کی وصیت کی تھی اور اب آپ کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کا وہ حکم آپہنچا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں، آپ مجھ وصیت فرمائیں کہ میں کس کے پاس جاؤں۔" اس نے کہا: "میرے پیارے بیٹے! میرے علم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہمارے طریقے پر ہو ماسوائے ایک شخص کے جو نصیبین میں ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ۔"

جب ہم نے اسے دفن کردیا تو میں نصیبین والے شخص کے پاس چلا گیا، میں نے اس سے کہا: "فلاں شخص نے مجھے فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی اور مؤخر الذکر نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے پاس رہو۔" میں نے اسے بھی سابق دونوں ساتھیوں کا ہم خیال پایا یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت بھی قریب آگیا، میں نے اس سے کہا: "اے فلاں! آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں مجھے فلاں اور فلاں نے علی الترتیب فلاں اور فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی اور مؤخر الذکر نے مجھے آپ کے متعلق وصیت کی۔ اب میں کس کے پاس جاؤں؟" اس شخص نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! بخدا! میرے علم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ہمارے طریقے پر ہو بجز ایک شخص کے جو سرزمین روم میں عموریہ کے مقام پر ہے، تم اس کے پاس چلے جاؤ، یقیناً تم اسے ہمارا ہم مسلک پاؤ گے۔"

جب میں نے اسے دفن کردیا تو میں وہاں سے چل کر عموریہ والے شخص کے پاس آگیا، میں نے اسے بھی اپنے تینوں ساتھیوں کا ہم مشرب پایا۔ میں اس کے پاس اقامت گزیں ہوکر اکتساب کرتا رہا یہاں تک کہ میرے پاس بکریاں اور گائیں ہوگئیں، پھر اس کو موت کا پیغام آپہنچا۔ میں نے اس سے کہا: "اے فلاں! مجھے فلاں اور فلاں اور فلاں نے علی الترتیب فلاں اور فلاں اور فلاں کے متعلق وصیت کی تھی اور مؤخر الذکر نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تھا، اب آپ کے پاس بھی اللہ تعالیٰ کا وہ حکم آپہنچا ہے جسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہیں؟" اس نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! میرے علم میں ہمارا ہم مسلک کوئی بھی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس کے پاس جانے کی میں تجھے وصیت کروں۔ لیکن ایک نبی کا زمانہ قریب ہے جو حرم میں مبعوث ہوگا اور جس کا دار الہجرت دو سیاہ پتھروں والے پہاڑوں کے درمیان واقع نخلستانی شورہ ناک زمین ہے۔ اس نبیؐ کے نشانات ایسے ہوں گے جو پوشیدہ نہ رہ سکیں گے۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت ہوگی، وہ ہدیہ قبول کرے گا اور صدقہ نہیں کھائے گا۔ اگر تم اس سرزمین کی طرف جاسکو تو ضرور جاؤ کیونکہ اس کی نبوت کا زمانہ قریب آچکا ہے۔"

جب ہم نے اس وصیت کرنے والے کو دفن کر دیا تو میں وہاں سے نقلِ مکانی کے لیے تیار ہوگیا۔ میرے پاس سے بنی کلب کے عرب تاجروں کا ایک قافلہ گزرا، میں نے ان سے کہا: "میں تمھیں اپنی یہ بکریاں اور گائیں دیتا ہوں، ان کے عوض تم مجھے اپنے ساتھ سرزمین عرب تک سوار کر کے لے چلو۔" انھوں نے اس شرط کو قبول کر لیا اور میں نے انھیں اپنا ریوڑ دے دیا۔ انھوں نے مجھے سوار کر لیا لیکن جب وادی القریٰ میں پہنچے تو انھوں نے مجھ سے ظالمانہ سلوک کیا اور مجھے ایک غلام کی حیثیت سے وادی القریٰ کے ایک یہودی کے پاس فروخت کر دیا۔ واللہ! میں نے وہاں کھجور کے درخت دیکھے تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی خدا کرے یہ وہی شہر ہو جس کا ذکر وصیت کرنے والے میرے استاد نے کیا تھا۔ مجھے حقیقتِ حال معلوم نہ ہوئی یہاں تک کہ بنی قریظہ کا ایک آدمی آیا جو وادی القریٰ کے یہودیوں کا رشتہ دار تھا۔ اس نے مجھے اس شخص سے خرید لیا جس کے پاس میں تھا۔ وہ مجھے لے کر مدینہ چلا آیا۔ جونہی میں نے مدینہ کو دیکھا میں نے اس کو مذکورہ صفات سے پہچان لیا۔ میں اپنے مالک کے ساتھ وہیں غلامی کی زندگی بسر کرنے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ میں مبعوث فرمایا۔ میں اپنی غلامانہ پابندیوں کے باعث آپؐ کا ذکر نہ سُن سکا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لے آئے۔ ایک دن میں اپنے مالک کے کھجور کے درخت کے اوپر مصروفِ کار تھا۔ اس دوران میں اس کا ایک چچیرا بھائی آیا اور اس نے کہا: "اے فلاں! اللہ تعالیٰ بنی قیلہ کو ہلاک کر دے۔ بخدا! وہ اس وقت قبا میں ایک شخص کے پاس اکٹھے ہیں جو مکّہ سے آیا ہے۔ ان لوگوں کا گمان ہے کہ وہ نبی ہے۔"

حضرت سلمان کا بیان ہے "خدا کی قسم، جب میں نے یہ بات سُنی تو مجھ پر سردی اور کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ میں لرزہ براندام تھا مجھے گمان ہوا کہ میں کہیں اپنے مالک کے اوپر گر پڑوں گا۔ میں نے نیچے اتر کر پوچھا: "کیا بات ہے؟ کیا معاملہ ہوا ہے؟" میرے مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے زور کا مکا رسید کیا اور کہا: "تجھے اس سے کیا کام؟ جاؤ اپنا کام کرو۔" میں نے کہا: "کچھ بھی نہیں، میں نے ایک خبر سنی تھی اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں اس کی تصدیق کر لوں۔"

میرے پاس کھانے کا کچھ سامان تھا، جب شام ہوئی تو میں وہ کھانا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آنحضرتؐ قبا میں تھے۔ میں نے عرض کیا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ نیک آدمی ہیں اور آپؐ کے ہمراہ آپؐ کے مسافر ساتھی بھی ہیں۔ میرے پاس یہ صدقہ کی چیز تھی، میری رائے میں آپ لوگ یہاں کے رہنے والوں کی بہ نسبت اس صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں اس لیے میں یہ صدقہ آپؐ کے پاس لایا ہوں، جو پیشِ خدمت ہے۔ آپؐ اسے تناول فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ روک لیا اور خود نہ کھایا۔ لیکن اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ تم کھاؤ۔ میں نے اپنے جی میں کہا: "یہ ایک صفت ہے جس کا ذکر میرے استاد نے کیا تھا۔ میں آپؐ کے پاس سے چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقلِ مکانی کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ میں نے اپنے پاس کچھ چیزیں جمع کیں اور انھیں لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "میں نے محسوس کیا ہے کہ آپؐ صدقہ تناول نہیں فرماتے اس لیے میں آپؐ کی بزرگی کے پیشِ نظر یہ ہدیہ اور سوغات آپؐ کے پاس لے کر آیا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلّم اور آپؐ کے اصحابؓ نے یہ ہدیہ تناول فرمایا۔ میں نے خیال کیا یہ دو صفتیں ہیں۔ میں پھر تیسری بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک جنازہ کے ساتھ آئے تھے۔ میرے اوپر دو چادریں تھیں میں نے گھوم پھر کر آپؐ کی پشت پر مُہرِ نبوت دیکھنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گھومتے ہوئے دیکھا اور آپؐ سمجھ گئے کہ میں کسی مبینہ چیز کی تحقیق کے لیے چکر کاٹ رہا ہوں۔ آپؐ نے اپنی پشت پر سے چادر ہٹا دی۔ میں نے آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان خاتمِ نبوت کو دیکھ لیا جس کا ذکر میرے استاد نے مجھ سے کیا تھا۔ میں اسے بوسہ دینے کے لیے اس پر اس حال میں جھکا کہ میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے سلمان! یہاں سے ہٹ کر ادھر آجاؤ"۔ میں ہٹ گیا اور آپؐ کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ میری خواہش تھی کہ میں آپؐ کے اصحاب کو آپؐ کے متعلق یہ پورا واقعہ سناؤں۔ چنانچہ اے ابن عباس! میں نے اصحابؓ کو یہ واقعہ سنایا جس طرح اب تمہیں سنایا ہے۔

جب میں اپنی آپ بیتی سنا چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے سلمان! آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنے مالک سے مکاتبت حاصل کر لو۔ چنانچہ میں نے اپنے مالک کے ساتھ تین سو کھجوروں کے درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونے کی ادائیگی پر مکاتبت کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کھجور کے پودوں کے سلسلے میں میری امداد فرمائی۔ ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق دس سے لے کر تیس تیس پودوں تک امداد کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان پودوں کے لیے گڑھے کھودو۔ جب فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آؤ، میں اپنے ہاتھوں سے انھیں نصب کر دوں گا"۔ میں نے گڑھے کھود دیے۔ صحابہؓ نے میری امداد کی یہاں تک کہ ہم کھدائی سے فارغ ہو گئے۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسولؐ اللہ! ہم نے گڑھے کھود دئے ہیں"۔ آنحضرتؐ میرے ساتھ موقعہ پر تشریف لائے۔ ہم پودے آنحضرتؐ کو دیتے جاتے تھے آپؐ اپنے دستِ مبارک سے انھیں گڑھوں میں رکھتے اور ٹھیک ٹھاک کرتے جاتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ان پودوں میں سے ایک پودا بھی نہیں سُوکھا، اب میرے ذمہ دراہم کی ادائیگی تھی آنحضرتؐ کے پاس ایک شخص کسی کان سے مرغی کے انڈہ کے برابر سونے کا ٹکڑا لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: "سلمان فارسی مکاتب کہاں ہے؟" مجھے آپؐ کے پاس بلایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے سلمان! یہ لے لو اور جو ادائیگی تمہارے ذمہ ہے وہ اس کے ذریعہ نمٹاؤ"۔ میں نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! میرے ذمہ جو ادائیگی ہے اسے تو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی کے ذریعہ ادائیگی پوری ہو جاتی گی"۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے میں نے اسے ان کے لیے وزن کیا تو وہ چالیس اوقیہ تھا اس طرح میں نے ان کا حق پورا ادا کر دیا اور آزادی حاصل کر لی۔ قبل ازیں میں غلامی کے باعث مجبور تھا اور اسی وجہ سے میں بدر اور اُحد کے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل نہ ہو سکا۔ آزادی حاصل کر کے میں غزوۂ خندق میں شریک ہوا اور پھر بعد ازاں کسی معرکہ سے بھی غیر حاضر نہیں ہُوا۔

(۶۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا۔ اس نے کہا مجھ سے ایسے شخص نے بیان کیا جس نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے سُنا تھا اور حدیثِ سلمانؓ میں سے یہ روایت کیا، اس نے کہا: مجھے سلمانؓ سے روایت پہنچی کہ عموریہ والے شخص کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اس نے سلمانؓ سے کہا: "تم سرزمینِ شام میں درختوں کے دو جھنڈوں کے مقام پر جاؤ وہاں ایک شخص ہے جو ہر سال ایک رات کو ایک جھنڈ سے نکلتا ہے اور گزرتا ہوا دوسرے جھنڈ کی طرف چلا جاتا ہے، مختلف بیماریوں والے اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں وہ جس کے لیے دعا کرتا ہے وہ بیماری سے شفا یاب ہو جاتا ہے۔ تم جس دین یعنی دینِ ابراھیمؑ کی حقیقت کے بارے میں مجھ سے سوال کر رہے ہو اس کے متعلق اس شخص سے جا کر دریافت کرو۔" سلمانؓ نے کہا: "میں نکلا اور وہاں جا کر ایک سال تک مقیم رہا، یہاں تک کہ ایک رات وہ شخص درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر دوسرے جھنڈ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ لوگوں کی عرضداشتیں نمٹاتا ہوا تیزی سے چلتا جاتا تھا۔ جب وہ نکلا تو لوگوں نے اس کے پاس پہنچنے میں مجھ سے مسابقت اختیار کی۔ وہ دوسرے جھنڈ میں داخل ہونے کے قریب تھا اور اس کا کندھا صرف باہر رہ گیا تھا میں نے اُس کو شانے سے پکڑ لیا اور اس سے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، مجھے حقیقتِ دینِ ابراہیمؑ کے بارے میں بتائیں: اس نے کہا: "تم اس مسئلے کے متعلق پوچھ رہے ہو جس کے بارے میں لوگ آج کل استفسار نہیں کرتے۔ حرم والوں میں سے ایک نبی عنقریب اس دین پر مبعوث ہونے والا ہے۔" جب سلمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: اے سلمانؓ! اگر اپنی یہ روداد تم نے مجھ سے سچ بیان کی ہے تو پھر تم نے عیسٰی بن مریم علیہما السلام کا زمانہ دیکھا ہے۔"

(۷۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے عبد القیس کے ایک آدمی کے حوالہ سے سلمانؓ کی روایت بیان کی، سلمانؓ نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کا وہ ٹکڑا مجھے دیا تو فرمایا کہ تمھارے ذمّہ جو ادائیگی ہے وہ اس کے ذریعہ سے نمٹاؤ۔" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میرے ذمّہ جو کچھ واجب الادا ہے اس کے لحاظ سے اس کی کیا حیثیت ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی زبان مبارک پر الٹا پلٹا اور پھر مجھے دے کر فرمایا کہ یہ لے کر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ذریعہ تمھاری ادائیگی پوری کر دیں گے۔ میں نے اسے ان کے لیے وزن کیا اور ان کا پورا حق یعنی چالیس اوقیہ ادا کر دیا۔

(۷۱) مُہرِ نبوّت

احمد نے یونس سے اور اس نے ابی لیلی کی وساطت سے عقاب بکری کی یہ روایت نقل کی۔ عقاب نے کہا: ہم ابو سعید خُدری کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے ان کے لیے ان کے دروازے پر فرش بچھایا جاتا تھا اور اس پر تکیہ رکھا جاتا تھا آپ تکیہ کے سہارے فرش پر بیٹھا کرتے تھے اور ہم آپ کے ارد گرد حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے تھے میں نے ان سے اس

مُہر کے بارے میں پُوچھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان تھی۔ ابو سعیدؓ نے اپنا انگوٹھا پہلے جوڑ پر رکھا اور انگشتِ شہادت سے اس سے نچلے جوڑ کی طرف اشارہ کیا۔ یونس کا بیان ہے کہ ابو سعیدؓ نے اپنا پورا جوڑ نمایاں کیا اور کہا کہ خاتمِ نبوت یہاں آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان قدرے اُبھری ہوئی تھی۔

(۷۲) دورِ جاہلیت میں قریش کا دین

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: قریش خانہ کعبہ کی تعظیم بجا لاتے تھے اور اس کا طواف کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں دعائے مغفرت بھی کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بتوں کی تعظیم بھی کرتے تھے اور ان کے نام کے جانور ذبح کرتے تھے۔ وہ حج بھی کرتے تھے اور اس دوران میں ٹھہرنے کی جگہوں پر وقوف بھی کرتے تھے۔

باب ۱۴

آثارِ کعبہ

(۷۳) تاریخِ کعبہ حضرت آدمؑ سے لے کر

احمد نے یونس کی وساطت سے سعید بن میسرہ بکری کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا مجھ سے انس بن مالک نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بیت اللہ کی جگہ ایک بالشت یا اس سے زیادہ بلند تھی۔ آدمؑ سے قبل فرشتے اس گھر کا حج کرتے تھے۔ پھر آدم علیہ السلام نے حج کیا۔ فرشتے آپ سے ملے اور پوچھا: "اے آدمؑ! تم کہاں سے آئے ہو؟ آدمؑ نے جواب دیا: "میں نے بیت اللہ کا حج کیا ہے۔" فرشتوں نے کہا: "آپ سے قبل فرشتے اس گھر کا حج کرتے تھے۔"

(۷۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ثابت بن دینار سے اور اُس نے عطاءؒ سے روایت نقل کی۔ عطا نے کہا: آدمؑ کو ہند میں اتار اگیا۔ انھوں نے عرض کی: "اے میرے پروردگار! میں یہاں فرشتوں کی آواز نہیں سنتا جس طرح جنت میں سُنا کرتا تھا۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے آدمؑ! یہ تیری اپنی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ جا اور میرے لیے ایک گھر بنا اور اس کا طواف تُو اس طرح کر جس طرح تو فرشتوں کو طواف کرتا ہُوا دیکھے۔" حضرت آدمؑ وہاں سے چل کر مکّہ پہنچے، انھوں نے یہ گھر تعمیر کیا۔ آدم علیہ السلام کے راستے میں جنگلات تھے۔ جہاں جہاں ان کے قدم پڑتے وہاں ندی نالے، عمارتیں اور بستیاں آباد ہوتی گئیں۔ آدمؑ نے ہند سے آکر چالیس سال تک حج کیا۔

(۷۵) احمد نے یونس کے حوالہ سے یحییٰ بن سلمہ بن کہیل سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے مجاہد کی روایت نقل کی۔ مجاہد نے کہا: جب ابراہیمؑ کو کہا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ تو انہوں نے پوچھا: "اے میرے پروردگار! میں کس طرح کہوں؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کہو، اے لوگو! اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو۔" ابراہیمؑ نے پہاڑ پر چڑھ کر ندا دی کہ "اے لوگو! اپنے رب کی دعوت قبول کرو۔" لوگوں نے جواب میں کہا: "ہم حاضر ہیں اے اللہ! ہم حاضر ہیں۔" یہ پہلا تلبیہ تھا۔

(۷۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے وہب بن کیسان نے بیان کیا اور اس نے عبید بن عمر اللیثی کو یہ کہتے ہوئے سُنا: جب ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کو حج کے لیے

بُلائیں تو اُنہوں نے مشرقی جانب رُخ کرکے اللہ کی طرف بلایا ۔ جواب میں " لبّیك، لبّیك " کی آوازیں آئیں ۔ پھر انہوں نے مغرب کا رُخ کرکے اللہ عزّ وجل کی طرف بُلایا ۔ جواب میں آواز آئی : "ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں " پھر انہوں نے شام کی جانب منہ پھیر کر ندا دی تو اس کے جواب میں بھی " لبّیك لبّیك " کی صدا سنائی دی ۔ پھر انہوں نے یمن کی جانب رُخ پھیرا اور اللہ کی طرف بُلایا ، جواب میں " لبّیك لبّیك " کی آواز آئی ۔

(۷۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابنِ اسحاق نے کہا کہ اہلِ مدینہ میں سے ایک ثقہ راوی نے عروہ بن زبیر کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی : حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے علاوہ کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بیت اللہ کا حج نہ کیا ہو ۔ حضرت نوحؑ نے بھی بیت اللہ کا حج کیا ۔ جب زمین پر طوفان کے باعث غرقابی ہوئی تو بیت اللہ بھی زمین بوس ہوگیا اور ایک سُرخ ٹیلے کی شکل میں باقی رہ گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ہودؑ کو مبعوث فرمایا وہ اپنی قوم کی اصلاح کے کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ عز وجل کو پیارے ہوگئے ۔ انھوں نے حج نہیں کیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صالحؑ کو مبعوث فرمایا وُہ بھی اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے میں ہمہ وقت ہمہ تن مشغول رہے اور حج نہ کرسکے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا ۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے ہاتھوں بیت اللہ تعمیر کروایا تو انہوں نے حج کیا اور ان کے بعد کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے حج نہ کیا ہو ۔

(۷۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی اور اس نے عطا بن ابی رباح کے حوالہ سے کعب الحبر کی روایت نقل کی ۔ کعب نے کہا : خانہ کعبہ نے اپنے رب عز وجل سے رو کر شکایت کی کہ اے میرے رب ! میرے زائرین کی تعداد کم ہوچکی ہے اور لوگ میرے ساتھ ظلم کر رہے ہیں ۔ اللہ عز وجل نے فرمایا : میں ایسے لوگ پیدا کرنے والا ہوں جو والہانہ آکر تیری زیارت کیا کریں گے اور تیرے اس طرح مشتاق ہوں گے جس طرح کبوتر اپنے انڈوں کے مشتاق ہوتے ہیں ۔

(۷۹) احمد نے اپنے باپ کی وساطت سے جریر بن عبدالحمید سے اور اس نے منصور سے اور اس نے مجاہد کے حوالہ سے عبداللہ بن عمرو کی روایت نقل کی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل خانہ کعبہ کو بنایا اور پھر اس میں سے زمین کو نکال کر پھیلا دیا ۔

(۸۰) احمد نے یونس کی وساطت سے اسباط بن نصر ہمدانی سے اور اس نے اسماعیل بن عبدالرحمان سدی سے یہ روایت نقل کی کہ جب حضرت آدمؑ جنت سے نکلے تو ان کے ایک ہاتھ میں ایک پتھر تھا اور دوسری ہتھیلی میں درخت کا پتہ تھا ۔ انہوں نے پتّے کو ہند میں پھیلا دیا اور یہ خوشبو جو تم دیکھ رہے ہو اسی سے ہے اور پتھر کا یاقوت سفید تھا جو روشنی کے کام آتا تھا ۔ جب ابراہیمؑ نے بیت اللہ تعمیر کیا اور اس مقام تک پہنچ گئے جہاں پتھر نصب کیا جانا تھا تو حضرت اسماعیلؑ کو فرمایا : "میرے لیے ایک پتھر لاؤ جو میں یہاں نصب کردوں " وہ پہاڑ سے ایک پتھر لے آئے ۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کوئی اور لاؤ ۔ اور اس طرح انہیں کئی دفعہ لوٹایا کیونکہ انہیں اسماعیل کے لائے ہوئے

-02071

پتھر پسند نہ آتے تھے۔ ایک مرتبہ اسماعیل علیہ السلام گئے اور اس دوران میں جبریلؑ ہند سے وہ پتھر لے آئے جو آدمؑ جنت سے لائے تھے ابراہیمؑ نے اسے نصب کر دیا۔ جب اسماعیلؑ واپس آئے تو انہوں نے پوچھا "یہ پتھر کون لایا ہے؟" ابراہیم نے جواب دیا: "جو تم سے زیادہ پھرتیلا ہے۔"

(۸۱) احمد نے یونس کی وساطت سے سری بن اسماعیل سے اور اس نے عامر کے حوالہ سے عمرؓ بن خطاب کی روایت نقل کی حضرت عمرؓ نے فرمایا: حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے جب اسے زمین پر اتارا گیا تو وہ روئی سے زیادہ سفید تھا بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پیدائشی گونگا، بہرا اور نابینا اسے چھوتا تو شفایاب ہو جاتا۔

(۸۲) احمد نے یونس سے اور اس نے عبدالرحمان بن عبداللہ کے حوالہ سے سلمہ بن کہیل سے اور اس نے ایک شخص کی وساطت سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: انسانی چہرے کی طرح سکونِ قلب کی بھی ایک صورت ہے۔ اس طرح سکونِ قلب کی مثال صاف و شفاف خوشبودار ہوا جیسی ہے۔

(۸۳) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابراہیم بن اسماعیل سے اور اس نے یزید رقاشی سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے ابو موسیٰ اشعری کی یہ روایت نقل کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موضع روحاء کی چٹان کے پاس سے ستر نبی گزرے جو ننگے پاؤں تھے اور کمبل اوڑھے ہوئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے اس پرانے گھر یعنی خانہ کعبہ کا قصد کیے ہوئے تھے۔ ان میں موسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔

(۸۴) احمد نے یونس سے اور اس نے سعید بن میسرہ کی وساطت سے انس بن مالک کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پتھر جنت کے یاقوت کا تھا، اس پر مشرکین نے ہاتھ پھیرے اور وہ ان کے مسح کی وجہ سے سیاہ ہو گیا۔

(۸۵) احمد نے یونس کی وساطت سے وہب بن عتبہ کی اور اس نے عطیہ عوفی کے حوالہ سے ابن عباس کی روایت نقل کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: حجر اسود جنت کے پتھروں میں سے ہے وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کے گناہگار ہاتھوں نے اسے مسح کیا اور اس وجہ سے وہ سیاہ ہو گیا۔

(۸۶) احمد نے یونس سے اور اس نے مسلم بن عبید اللہ قرشی کی وساطت سے عبدالکریم ابی امیہ کی روایت نقل کی۔ عبدالکریم نے کہا، بیت اللہ جنت کے یاقوت سے بنا ہوا یاقوت کا گھر تھا۔ طوفانِ نوح کے دوران میں اسے آسمانِ دنیا پر اٹھا لیا گیا اگر اب وہ نیچے گرے تو بیت اللہ کی جگہ گرے گا وہاں ہر رات ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ جبریلؑ نے حجر اسود کو جبلِ ابو قبیس پر ودیعت رکھا وہ جنت کے یاقوت میں سے سفید یاقوت ہے جب ابراہیمؑ نے بیت اللہ تعمیر کیا تو یہ پتھر انھوں نے جبلِ ابو قبیس سے نکال کر حضرت ابراہیمؑ کو دیا اور انہوں نے اسے بیت اللہ کی دیوار میں نصب کر دیا۔ قیامت کے دن وہ اُحد پہاڑ سے بھی بڑا ہوگا، اسے زبان عطا کی جائے گی

وہ اس سے شہادت دے گا۔

(۸۷) دورِ جاہلیت میں حج کا تلبیہ

احمد نے یونس کے حوالہ سے عبدالرحمان بن عبداللہ مسعودی سے اور اس نے سعید بن ابی بردہ اشعری کی وساطت سے عبداللہ بن عمر کی روایت نقل کی: حضرت عبداللہ بن عمر نے سعید کے باپ ابی بردہ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری قوم کے لوگ جاہلیت کے زمانہ میں بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کیا کہتے تھے؟ ابی بردہ نے کہا: "انھوں نے کیا کہنا تھا!" عبداللہ بن عمر نے فرمایا: "وہ یہ کہا کرتے تھے:

اللهم هذا واحد ان تما، اتمه الله وقد اتما، ان تغفر اللهم تغفر جما، و ای عبد لك لا الما؟"

ترجمہ: اے اللہ! یہ تیرا گھر ایک ہی گھر ہے اگرچہ مخلوقات کثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو مکمل کیا ہے اور وہ مکمل ہے۔ اے اللہ! تو معاف کرے تو سب مخلوقات کو معاف کر۔ تیرا کون سا وہ بندہ ہے جو گناہگار نہیں اور تیرے اس گھر سے چمٹا ہوا نہیں ہے؟

(۸۸) احمد نے یونس کے حوالہ سے قیس بن ربیع سے اور اس نے منصور کی وساطت سے مجاہد کی روایت نقل کی۔ مجاہد نے کہا کہ اہلِ جاہلیت بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے:

ان تغفر اللهم تغفر جما، و ای عبد لك لا الما؟

ترجمہ: اے اللہ! تو معاف کرے تو سب مخلوقات کو معاف کر۔ تیرا کون سا وہ بندہ ہے جو گناہگار نہیں اور تیرے اس گھر سے چمٹا ہُوا نہیں ہے؟

(۸۹) جاہلیت میں مردوں اور عورتوں کے طواف کا طریقہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی کہ حمس (اہلِ حرم) کے علاوہ کوئی شخص بھی خانہ کعبہ کا طواف کپڑے پہن کر نہیں کرتا تھا۔ دوسرے لوگ (مرد اور عورتیں) برہنگی کی حالت میں طواف کرتے تھے ماسوائے اس صورت کے کہ اہلِ حرم ازراہِ احسان باہر کے کسی مرد یا عورت کو کپڑے عطا کریں اور وہ ان کپڑوں میں طواف کرے۔

(۹۰) احمد نے یونس سے اور اس نے ابی معشر مدنی کی وساطت سے محمد بن قیس کی یہ روایت نقل کی کہ دورِ جاہلیت میں وہ لوگ جو اہلِ حرم سے نہ تھے اگر ان میں سے کوئی شخص بیرونِ حرم سے لائے ہوئے کپڑوں میں طواف کرنا چاہتا تو طواف سے فارغ ہو کر وہ یہ کپڑے کعبہ کے پاس پھینک دیتا تھا۔ اگر باہر سے آئے ہوئے کسی شخص کو اہلِ مکہ کی طرف سے

کپڑے مستعار مل جاتے تو وہ ان مستعار کپڑوں میں طواف کرتا تھا اور اگر وہ شخص بیرونِ حرم سے لائے ہوئے کپڑوں میں طواف نہ کرنا چاہتا اور نہ ہی اہلِ مکہ سے اسے عاریۃً کپڑے دستیاب ہوتے تو اس صورت میں وہ خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرتا۔ اس طرزِ عمل کی تائید میں وہ کہا کرتے تھے :

وجدنا علیھا اٰباءنا واللہ امرنا بھاؕ (الاعراف ـ ۲۸) ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

راوی نے اس سے آگے "خالصۃ یوم القیٰمۃ" (آیت ۳۲) تک پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے :

"ان سے کہو اللہ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا۔ کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وُہ اللہ کی طرف سے ہیں ؟ اے محمدؐ ! ان سے کہو، میرے رب نے تو راستی و انصاف کا حکم دیا ہے ، اور اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص رکھ کر۔ جس طرح اس نے تمہیں اب پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر پیدا کیے جاؤ گے۔ ایک گروہ کو تو اس نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے مگر دوسرے گروہ پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی ہے کیونکہ انہوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سرپرست بنا لیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔ اے بنی آدم ! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو ، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے محمدؐ ! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں ؟ کہو، یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔"

اس کے بعد راوی محمد بن قیس نے کہا کہ یہ ساری زینتیں اور پاکیزہ چیزیں دُنیا کی زندگی میں اہلِ ایمان کے لیے ہیں اور ان میں ان کے ساتھ کفار بھی شریک ہیں لیکن آخرت میں زندگی کی آرائشیں اور رزق کے طیبات سب کے سب مومنوں کے لیے مخصوص ہوں گے۔

(۹۱) وقوفِ عرفات اور حمس کا معمول

احمد نے یونس کے حوالہ سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ قریش اور ان کے طریقوں کے کاربند (یعنی حمس) عرفہ کی شام کو مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے : "ہم بیت اللہ کے خادم یعنی گھر والے ہیں" باقی لوگ اور دیگر عرب عرفات میں وقوف کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا :

ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔ پھر جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں وہیں سے تم بھی پلٹو۔
(البقرہ - ۱۹۹)

بعد ازاں اہلِ حرم بھی آگے جاکر دوسرے لوگوں کے ساتھ وقوفِ عرفات کرنے لگے۔

(۹۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عبد اللہ بن ابی بکر نے اور اس سے عثمان بن ابی سلیمان نے اور اس نے نافع بن جبیر بن مطعم کے حوالہ سے اپنے باپ جبیر بن مطعم کی روایت بیان کی۔ جبیر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے قبل اس حال میں دیکھا کہ آپ عرفات میں اپنی قوم کے ساتھ اپنے اونٹ پر ٹھہرے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انھیں کے ہمراہ وہاں سے نکلے۔

(۹۳) احمد نے یونس سے اور اس نے زکریا کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے عمر بن میمون کی وساطت سے عمر کی یہ روایت نقل کی کہ جملہ مشرکین یہ کہا کرتے تھے:

اشرق ثبیر کی ما نغیر۔ اے ثبیر! (مزدلفہ کا ایک پہاڑ) روشن ہو جا تاکہ ہم جلد جاکر قربانیاں کریں۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ مزدلفہ سے اس وقت تک نہ پلٹتے تھے جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ زکریا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب سے قبل نکل کھڑے ہوئے۔

(۹۴) احمد نے یونس سے اور اس نے یوسف بن میمون کی وساطت سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ جاہلیت کے زمانہ میں جب لوگ عرفات میں وقوف کی جگہ آجاتے تھے تو ایک آدمی ایک پہاڑ پر کھڑا ہو کر کہتا تھا:

"میں فلاں بن فلاں ہوں، میں نے یہ کارنامے سرانجام دئے اور میرے آباؤ اجداد نے یہ کارہائے نمایاں کیے۔"

اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا:

فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا ط پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔
(البقرہ - ۲۰۰)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے نخوت اور آباؤ اجداد کی وجہ سے تفاخر کو ختم کر دیا ہے ہم سب اولادِ آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

اور اللہ عزوجل نے فرمایا:

یایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں

انثیٰ وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ط ان اللہ علیم خبیر۔ (الحجرات ۔ ۱۳)

اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

(۹۵) صفا اور مروہ کے درمیان سعی

احمد نے یونس سے اور اس نے یوسف بن میمون تمیمی کی وساطت سے عطا بن ابی رباح کی یہ روایت نقل کی کہ ایک آدمی نے اس سے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: "جب حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؓ اور ان کے بیٹے اسماعیل کو چھوڑ کر چلے آئے تو ہاجرہؓ کو شدید پیاس لگی اور بچہ بھی پیاس سے تڑپنے لگا۔ اُنھوں نے محسوس کیا کہ بچہ عنقریب پیاس سے ہلاک ہو جائے گا۔ جب انہیں یہ خطرہ پیدا ہُوا تو انہوں نے بچّے کو بیت اللہ کی جگہ لٹا دیا اور خود چل کر پانی کی تلاش میں صفا پہاڑی پر آئیں اور اس کے اوپر چڑھ گئیں اور دیکھنے لگیں کہ بچہ زندہ ہے یا نہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتی رہیں۔ پھر صفا پہاڑی سے اتر کر وادی کے بیچ میں آئیں اور دوڑنا شروع کیا۔ پھر آگے چلتی گئیں یہاں تک کہ مروہ پہاڑی تک پہنچ گئیں اور اس کے اوپر چڑھ کر بچّے کو دیکھا کہ زندہ ہے یا نہیں۔ اس طرح بیقراری کے عالم میں انہوں نے سات پھیرے لگائے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی یہی بنیاد ہے۔

(۹۶) احمد نے یونس سے اور اس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ سے مندرجہ ذیل آیت کے متعلق یہ روایت نقل کی:

ان الصفا والمروۃ من شعآئر اللہ ج فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔ (البقرہ ۔ ۱۵۸)

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سعی کرے۔

عروہ نے کہا میں نے حضرت عائشہؓ سے پُوچھا کہ اگر کوئی شخص حج کرے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے تو میرے خیال میں اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "آیت کی تلاوت کرو۔" میں نے تلاوت کی: "فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔" حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "اگر اس آیت کا وہ مفہوم ہے جو تم نے بیان کیا ہے تو آیت اس طرح ہونی چاہیے تھی: "فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما"۔ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور ان کے دین میں یہ حلال نہیں تھا کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کریں۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "بیشک ہم مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور ہمارے لیے سابقہ دین میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی حلال نہیں تھی۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا حج مکمل نہیں ہوتا جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔

(۹۷) منیٰ میں رمیِ جمار

احمد نے یونس سے اور اس نے یوسف بن میمون کی وساطت سے عطاء بن ابی رباح کی روایت نقل کی۔ عطاء سے رمی جمار کے متعلق استفسار کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ابراہیمؑ بیت الحرام تشریف لائے۔ انہوں نے نماز ادا کی۔ پھر وہاں سے چل کر رات کے کسی حصہ میں منیٰ میں پہنچے اور جمرہ کے پاس آئے تو شیطان سامنے آگیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھتے رہے۔ شیطان چلا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ آگے بڑھے اور دوسرے جمرہ تک پہنچے کہ شیطان نے دوبارہ وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھی۔ شیطان دفع ہوگیا۔ حضرت ابراہیم چل کر تیسرے جمرہ کے موقع پر پہنچے تو شیطان پھر نمودار ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے سہ بارہ سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھی۔ شیطان غائب ہوگیا۔ جب نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو آنحضرتؐ نے یہ واقعہ بیان فرمایا اور جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا اسی طرح آنحضرتؐ نے خود بھی کیا۔

(۹۸) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابی بکر ہذلی کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا: ہم سے حسن نے بیان کیا کہ دورِ جاہلیت میں جب لوگ ذبح کرتے تھے تو کعبہ کی دیواریں خون سے لتھڑ دیتے تھے اور پتھر اکٹھے کرکے ان پر گوشت رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے لیے گوشت کھانا حلال نہیں ہے ہم نے یہ اللہ تعالیٰ کے لیے رکھ دیا ہے چنانچہ درندے اور پرندے آکر کھا جاتے تھے۔ اسلام کا دور آیا تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا کہ آیا ہم اس طرح نہ کریں جس طرح دورِ جاہلیت میں ہمارا معمول تھا کیونکہ قربانی تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فکلوا منہا و اطعموا البائس الفقیر۔ (الحج - ۲۸) — سو ان جانوروں میں سے تم خود بھی کھاؤ اور تنگدست محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جاہلیت کا طریقہ اختیار نہ کرو کیونکہ یہ گوشت اللہ عزوجل کے لیے نہیں ہے۔ حسن کا بیان ہے کہ لوگوں کے لیے گوشت کھانا لازم قرار نہیں دیا گیا اگر وہ چاہیں تو کھالیں ورنہ چھوڑ دیں۔

(۹۹) عرب میں نسی کا قاعدہ اور تقویم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے ابنِ ابی نجیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق پوچھا:

ان الزمان قد استدار حتی صار — اس سال حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اس تاریخ پر آگیا ہے

کہیئتہٖ یوم خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض۔ جو قدرتی حساب ہے اس کی اصل تاریخ ہے۔

ابن ابی نجیح نے جواب دیا، قریش ہر سال میں ایک مہینہ داخل کر دیتے تھے اور اس طرح ذی الحجہ اپنے اصل وقت پر ہر بارہ سال کے بعد آتا تھا۔ جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کو اپنے اصل وقت کے مطابق کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سال حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اس ہیئت پر آگیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔ میں نے ابن ابی نجیح سے پوچھا کہ ابوبکر اور عتاب بن اسید کے حج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا: "انھوں نے اسی موسم میں حج کیا تھا جس وقت دوسرے لوگوں نے اپنے طریقے سے کیا۔" پھر ابن ابی نجیح نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ قریش ذی الحجہ میں حج کرتے تھے۔ آیندہ سال محرم میں اور پھر صفر میں حج کرتے تھے علیٰ ہٰذا القیاس ہر سال ایک ایک ماہ آگے کرتے جاتے تھے اور بارھویں دفعہ ذی الحجہ میں پہنچ جاتے تھے اور ٹھیک وقت پر حج کرتے تھے۔

(۱۰۰) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن ابی لیلیٰ اور ابن ابی انیسہ کی اور انھوں نے عبداللہ بن ابی ملیکہ کی وساطت سے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پاس تشریف لائے اور انھیں ساتھ لے کر ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں۔ پھر وہ دونوں ساری رات اکٹھے رہے اور فجر کی نماز ادا کی۔ پھر جبرئیل نے عرفہ کے دن ابراہیمؑ کو ساتھ لے کر وہاں ڈیرہ ڈالا جہاں لوگ ڈیرہ ڈالتے ہیں اور وہاں (ظہر و عصر کی) دو نمازیں (بوقت ظہر) اکٹھی ادا کیں۔ پھر وہاں سے چل کر عرفات میں وقوف کیا لیکن وہاں مغرب کی نماز نہ پڑھی بلکہ جلدی سے واپسی کا سفر اختیار کیا اور مزدلفہ میں آکر مغرب اور عشاء کی دو نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ رات وہاں گزاری اور فجر کی نماز اول وقت میں پڑھی اور پھر واپسی سفر میں جمرہ پر آکر اسے کنکر مارے۔ پھر ذبح اور حلق کیا۔ پھر انھیں لے کر بیت اللہ آئے اور طواف کیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: پھر وہ منیٰ میں واپس چلے گئے اور وہاں قیام کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ وحی بھیجی:

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (النحل ۱۲۳) کہ یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو۔

(۱۰۱) مناسکِ حج کی اصلاح

احمد نے یونس سے اور اس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس سے زید بن شیع کی وساطت سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب سورۂ توبہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مکہ مکرمہ بھیجا کہ میں وہاں جا کر اعلان کر دوں کہ کوئی شخص بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف نہ کرے۔

(۱۰۲) حمس اور ان کے معمولات

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ کعبہ کی

تعمیرِ نو سے قبل یا اس کے بعد قریش نے حمس کی بدعت ایجاد کر لی۔ یہ رسم اُنھوں نے اختیار کی اور اپنے ہاں اس کو رواج دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ ہم اولادِ ابراہیمؑ، اہلِ حرم، بیت اللہ کے متولی اور مکہ کے متوطن اور سکنا ہیں۔ دیگر عربوں میں سے کسی کے حقوق و مراتب ہم جیسے نہیں ہیں اور اہلِ عرب بھی ہماری جس قدر عزت و تکریم کرتے ہیں اور کسی کی نہیں کرتے۔ پس اے اہلِ حرم! تم حرم کے باہر کی کسی چیز کی ایسی تعظیم نہ کرو جیسی تعظیم تم حرم کی کرتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو دیگر اہلِ عرب تمھاری حرمتوں کا استخفاف کریں گے۔ اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ لوگوں نے حرم سے باہر کی چیزوں کی ایسی تعظیم شروع کر دی ہے جیسی کہ حرم کی تعظیم کرنی چاہیے۔ چنانچہ اہلِ حرم نے وقوفِ عرفات اور وہاں جا کر واپس آنا ترک کر دیا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے اور اقرار کرتے تھے کہ ایسا کرنا ارکانِ عبادت اور دینِ ابراہیمی کے واجبات میں سے ہے۔ وہ دُوسرے تمام عربوں کے لیے وقوفِ عرفات اور وہاں سے واپسی کو واجب قرار دیتے تھے لیکن اپنے متعلق وہ کہتے تھے کہ ہم اہلِ حرم ہیں ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم حرم سے باہر نکلیں اور حرم سے باہر کی چیزوں کی ایسی تعظیم کریں جیسی حرم کی کی جاتی ہے۔ حمس اہلِ حرم ہیں۔ پھر انھوں نے یہی حقوق ان تمام عربوں کو تفویض کیے جو حدودِ حرم کے اندر یا باہر قریش کے درمیان پیدا ہوتے۔ ان کے لیے بھی وہی چیز حلال یا حرام ہوتی جو ان کے لیے حلال یا حرام ہوتی۔ بنی کنانہ اور بنی خزاعہ بھی اس لحاظ سے ان میں شامل ہو گئے تھے۔ اس حمس کے رواج میں انھوں نے اور بدعات بھی ایجاد کر لیں۔ انھوں نے کہا: اہلِ حرم کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ حالتِ احرام میں پنیر کھائیں یا مکھن گرم کر کے صاف گھی استعمال کریں اور بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں داخل ہوں، ان کو چاہیے کہ وہ محرم ہوں تو چمڑے کے سائبانوں میں رہیں۔ پھر وہ اس سے بھی آگے بڑھے اور انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ جب حرم سے باہر والے حج یا عمرہ کے لیے آئیں تو انھیں چاہیے کہ جو کھانا وُہ اپنے ساتھ باہر سے حدودِ حرم میں لائے ہیں وہ نہ کھائیں اور جب وہ آکر بیت اللہ کا پہلا طواف کریں تو اہلِ حرم کے کپڑوں میں کریں۔ اگر وہ اہلِ حرم سے کپڑے حاصل نہ کر سکیں تو برہنہ طواف کریں۔ اگر کوئی معزز مرد یا عورت طواف کے لیے آئے اور اہلِ حرم سے طواف کے کپڑے حاصل نہ کر سکے اور اپنے ان ہی کپڑوں میں طواف کرنا چاہے جو وہ باہر سے لایا ہے تو اسے چاہیے کہ طواف سے فارغ ہونے کے بعد وہ کپڑے پھینک دے اور اس کے بعد کوئی شخص بھی نہ وہ خود اور نہ کوئی دُوسرا ان کپڑوں سے استفادہ کرے اور نہ انھیں چھُوئے۔ عرب ان کپڑوں کو "لقی" کہتے تھے۔ انھوں نے یہ رسمیں عربوں کے لیے لازمی قرار دیں اور عربوں نے انھیں تسلیم کر لیا۔ وہ وقوفِ عرفات کرتے تھے اور وہاں سے واپس آتے تھے اور بیت اللہ کا طواف برہنگی کی حالت میں کرتے تھے اور ان قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے تھے جو ان کے لیے اہلِ حرم نے مرتب کیے۔ باہر سے آنے والے جب حج یا عمرہ کے لیے آتے تو جونہی حدودِ حرم میں داخل ہوتے اپنا زادِ سفر ڈال دیتے اور اس کے عوض حرم کی خوراک خرید لیتے اور اپنے کپڑے حرم کے کپڑوں سے بدل لیتے۔ حرم کے کپڑے وہ مستعار حاصل کرتے یا کرایہ پر اور ان ہی کپڑوں میں وہ طواف کرتے۔ اگر وہ حرم کے کپڑے حاصل نہ کر سکتے تو پھر برہنہ طواف کرتے۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے ایک عورت اپنے کُرتے کے علاوہ اپنے سب کپڑے اتار دیتی اور کُرتے کو اپنے اوپر ڈال کر طواف کرتی تھی۔ ایک عرب عورت نے

اسی حالت میں طواف کرتے ہوئے یہ شعر کہا:

الیوم یبدو بعضہ او کلہ	آج میرا سارا جسم یا اس کا کچھ حصہ ظاہر ہو جائے گا اور ظاہر ہونے والے
وما بدا منہ فلا احلہ	حصے کو میں حلال قرار نہیں دیتی۔

جو شخص اپنے ہمراہ لائے ہوئے کپڑوں میں طواف کرتا تو وہ بعدازاں ان کپڑوں کو پھینک دیتا اور پھر ان کپڑوں سے نہ تو وہ خود اور نہ کوئی دوسرا شخص منتفع ہوتا۔ ایک عرب شاعر اپنی ایک متروک چیز کا ذکر کرتا ہے جس کے قریب اب وہ نہیں جاتا حالانکہ وہ چیز اسے بہت محبوب ہے:

کفیٰ حزنا کری علیہا کانہا	میرے لیے اس کی طرف پلٹنے کا غم کافی ہے گویا کہ وہ طواف کے بعد کا
لقا بین ایدی الطائفین حریم	پھینکا ہوا لباس ہے جو طواف کرنے والوں کے سامنے پڑا ہے لیکن اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔

باب ۱۴

تعمیرِ کعبہ

(۱۰۴) کعبہ کی تعمیرِ نو

احمد بن عبدالجبار نے یونس بن بُکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی: قریش مستعد ہوگئے۔ ان کے ہر قبیلہ میں سے اشراف جمع ہوئے۔ ان کے درمیان کعبہ کی تعمیرِ جدید کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ چنانچہ انھوں نے تعمیرِ نو کا فیصلہ بالاتفاق کیا۔ وہ اس کے لیے تیاری کرنے لگے لیکن وہ کعبہ کو منہدم کرنے سے خوفزدہ بھی تھے۔ یہ عمارت بڑے بڑے پتھروں سے بنی ہوئی تھی اور قدِ آدم سے کچھ بلند تھی۔ قریش کا ارادہ تھا کہ اس کو اونچا کر کے اس پر چھت ڈال دیں۔ یہ خیال اس لیے پیدا ہُوا کہ قریش کے کچھ آدمیوں نے کعبہ کا وہ خزانہ چُرا لیا جو کعبہ کے اندر ایک گودام میں تھا۔ چوری کا مال جس شخص کے پاس سے برآمد ہوا اس کا نام دویل یا دویک تھا جو بنی ملیح بن عمرو بن خزاعہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ قریش نے اسے قطعِ ید کی سزا دی۔ اس جرم میں حارث بن عامر بن نوفل اور اس کا ماں شریک بھائی ابولہب بن عبدالمطلب بھی ملوّث تھے۔ قریش کا گمان تھا کہ اُنھوں نے ہی کعبہ کا خزانہ چوری کر کے دویل یا دویک کے پاس رکھا تھا۔ جب قریش نے ان کا تعاقب کیا تو انھوں نے دویل یا دویک کی نشان دہی کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

کہا گیا ہے کہ اُنھوں نے ہی یہ خزانہ چوری کر کے اس کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ مذکور ہے کہ جب قریش کو حارث بن عامر بن نوفل بن عبدمناف کے ارتکابِ جرم کا یقین ہوگیا تو وہ اسے لے کر عرب کے کاہنوں میں سے ایک کاہنہ کے پاس لے گئے۔ اس نے اپنے مسجع کلام میں اس کے خلاف یہ فتویٰ دیا کہ وہ دس سال تک مکہ میں داخل نہ ہو کیونکہ اس نے کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال کیا ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ قریش نے اسے مکّہ بدر کر دیا، وہ دس سال تک مکّہ کے ارد گرد گھومتا رہا۔

سمندر نے ایک رومی تاجر کی کشتی کو جدّہ کی بندرگاہ پر لا کر پٹخ دیا اور وہ ٹوٹ گئی۔ اہلِ جدّہ نے اس کی لکڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ قریش نے ان لکڑیوں کو کعبہ کی چھت بنانے کے لیے مناسب سمجھتے ہوئے خرید لیا۔ مکّہ میں اس وقت ایک قبطی نجار بھی رہتا تھا اس طرح قریش کے خیال کے مطابق کعبہ کی تعمیر کے لیے جملہ ضروری اشیاء مہیا ہوگئیں۔ وہاں ایک اژدہا بھی تھا جو کعبہ کے اس گودام سے نکلا کرتا تھا جس میں وہ تمام اشیاء رکھی جاتی تھیں جو ہر روز کعبہ کے لیے بطور نذرانہ

آتی تھیں۔ یہ اژدہا کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر دھوپ میں بیٹھ جاتا تھا اور لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ جب کوئی شخص کعبہ کے گودام کے قریب جاتا تو وہ سر اٹھاتا، پھنکاریں مارتا اور منہ کھولتا تھا۔ اور اس لیے لوگ اس سے خوفزدہ تھے ایک دن حسبِ معمول جب وہ کعبہ کی دیوار پر چڑھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک نامعلوم پرندہ بھیجا جس نے اسے اچک لیا اور اُڑ گیا۔ قریش نے کہا: ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کام سے راضی ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے، ہمارے پاس ایک مخلص کاریگر ہے اور لکڑی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سانپ کو بھی دفع کر دیا ہے۔ یہ واقعہ حربِ فجار سے پندرہ سال بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی تھی۔

جب خانہ کعبہ کو منہدم کر کے نئی تعمیر کے لیے سب کے سب تیار ہو گئے۔ اس وقت ابو وہب عامر بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم اُٹھا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ اس نے کعبہ کا ایک پتھر پکڑا لیکن وہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر واپس اپنی جگہ پہنچ گیا اس نے کہا: "اے گروہِ قریش! اس کی تعمیر میں اپنی حلال کمائی صرف کرو۔ اس میں زناکاری کی آمدنی، سود کی رقوم اور کسی پر ظلم کر کے حاصل کیا ہوا مال شامل نہ کرو۔ بعض نے اس کلام کو ولید بن مغیرہ کا قول لکھا ہے۔

(۱۰۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ مجھ سے ابنِ ابی نجیح نے عبداللہ بن صفوان بن امیہ کی روایت بیان کی کہ اس نے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم کے ایک لڑکے کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا تو عبداللہ بن صفوان نے کہا کہ جب قریش نے کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس لڑکے کے دادا ابو وہب نے کعبہ کا ایک پتھر نکالا اور وہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اس وقت ابو وہب نے کہا: "اے گروہِ قریش! اس تعمیر میں اپنی پاک کمائی صرف کرو۔ اس میں خرچی کا پیسہ، سود کی رقم اور کسی پر ظلم کر کے حاصل کیا ہوا مال نہ لگاؤ۔ ابو وہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے ماموں تھے اور شرفا میں سے تھے۔ ان کے متعلق ایک عرب شاعر کہتا ہے:

لو بابی وھب انخت مطیتی لرحت، وراحت رحلھا غیر خائب	اگر میں اپنی سواری کو ابو وہب کے پاس بٹھاؤں تو میں خوشی محسوس کروں اور اس کا کجاوہ بھرپور اور بامراد ہو جائے۔
وابیض من فرعی لوی بن غالب اذا حصلت انسابه للذوائب	جب شرفا میں اس کے نسب کو تلاش کیا جائے تو وہ لوی بن غالب کی دونوں شاخوں میں روشن ترین شاخ کا فرد ہے۔
ابی لاحد الضیم یرتاح للندی توسط جداہ فروع الاطائب	وہ کسی پر ظلم کرنے سے پرہیز کرنے والا اور سخاوت سے خوش ہونے والا ہے اس کے ددھیال اور ننھیال پاکیزہ اخلاق کے تمام شعبوں میں اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔
عظیم رماد القدر تملا جفانه من الخبز یعلوھن مثل السبائب	اس کے ہاں دیگوں کی راکھ بکثرت ہوتی ہے وہ بڑے بڑے کاسے روٹیوں اور گوشت سے لبالب بھر دیتا ہے۔

(۱۰۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی: پھر قریش نے کعبہ کی عمارت کو منہدم کرنے کا کام مختلف سمتوں سے مختلف قبیلوں کے ذمہ حصہ رسدی لگا دیا۔ دروازے کا حصہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے سپرد ہوا۔ رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان کا حصہ بنی مخزوم، بنی تیم اور ان سے ملحقہ قریشی قبیلوں کے ذمہ لگایا گیا۔ پچھلا حصہ بنی سہم اور بنی جمح کو دیا گیا۔ حجر یعنی حطیم بنی عبد الدار بن قصی اور بنی اسد بن عبد العزی بن قصی اور بنی عدی بن کعب کے حصہ میں آیا۔ لوگ خانہ کعبہ کو شہید کرنے سے ڈر رہے تھے اور منتشر ہونے لگے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے کہا کہ اچھا میں ابتدا کرتا ہوں کہہ کر اس نے کدال لی اور کھڑے ہو کر کہا: "اے اللہ! ہم تیرے دین سے منحرف نہیں ہوئے ہیں ہم بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔" پھر اس نے رکن اسود اور رکن یمانی کے حصہ میں سے کچھ گرایا، لوگوں نے اس رات انتظار کیا اور کہا: ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس پر کوئی آفت تو نازل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی آفت آجائے تو ہم یہ کام روک دیں گے اور گرائے ہوئے حصہ کو اسی طرح مکمل کر دیں گے۔ اور اگر کوئی آفت نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے اس کام سے راضی ہیں۔ صبح کو ولید نے منہدم کرنے کا کام پھر شروع کر دیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے حصہ کی دیواریں توڑ دیں اور اساس کعبہ تک پہنچ گئے جہاں سبز رنگ کے سان جیسے پتھر چنے ہوئے تھے جو ایک دوسرے کو جکڑے ہوئے تھے۔

(۱۰۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: مجھے بتایا کہ قریش کے وہ لوگ جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا کام کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے دو پتھروں کے درمیان کدال داخل کیا تاکہ ان میں سے ایک کو اکھاڑے۔ جب پتھر نے حرکت کی تو سارے مکہ میں ایک کڑکا سنائی دیا اور لوگ خوفزدہ ہو گئے، اور اساس ابراہیمی کو اکھاڑنے سے رک گئے۔

(۱۰۷) پرانے کتبوں کی دریافت

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر کی وساطت سے اپنے باپ عباد کی روایت نقل کی۔ عباد نے کہا: مجھے بتایا گیا کہ کعبہ کی بنیاد میں یا اس کے کسی دیگر حصہ میں پیتل کی کوئی چیز شتر مرغ کے انڈے جیسی دستیاب ہوئی، جس کے ایک طرف یہ لکھا ہوا تھا: "یہ اللہ کا محترم گھر ہے، یہاں کے رہنے والوں کا رزق باہر سے آتا رہے گا۔ اس کے باشندوں کے لیے زیبا نہیں کہ وہ پہلے خود ہی اس گھر کی حرمت کو پامال کریں۔ اور اس کی دوسری جانب عرب کے ایک قبیلہ کی ہرنی کی شبیہ تھی جنہوں نے اللہ کے لیے کعبہ کا حج کیا۔

(۱۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا، مجھ سے بیان کیا گیا کہ حجر اسود یا کسی دوسری جگہ سریانی زبان میں لکھا ہوا ایک کتبہ برآمد ہوا جسے قریش سمجھ نہیں سکتے تھے۔ ایک یہودی نے یہ تحریر انہیں پڑھ کر سنائی، اس میں مرقوم تھا: "میں مکہ کا مالک اللہ ہوں، میں نے اسے اس وقت پیدا کیا جب آسمانوں

اور زمین اور شمس و قمر کو پیدا کیا گیا۔ میں نے مکہ کے اردگرد سات یکسو فرشتے مقرر کیے ہیں جو اس وقت تک مکہ کی حفاظت کرتے رہیں گے جب تک مکہ کے پہاڑ قایم ہیں، اہلِ مکہ کے لیے پانی اور دودھ میں برکت ہے"۔

(۱۰۹) اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قریش کو مقامِ ابراہیمؑ سے ایک کتبہ دستیاب ہوا جس پر یہ لکھا تھا: " یہ مکۃ الحرام ہے، اس کا رزق تین راستوں سے آئے گا اس کے باشندوں کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ پہلے خود ہی اس گھر کی حرمت کو پامال کریں"۔

(۱۱۰) احمد نے یونس سے اور اس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے عامر شعبی کی روایت نقل کی، اس نے کہا: مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے مقامِ ابراہیمؑ کے نیچے یا بیت اللہ کی چھت پر ایک تختی پڑھی جس میں لکھا تھا: " میں مکہ کا مالک اللہ ہوں میں نے اسے پیدا کرکے سات یکسو فرشتے اس کے سامنے متعین کیے ہیں، میں نے یہاں کے باشندوں کے لیے گوشت اور پانی میں برکت رکھی ہے، میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے کہ اس کا رزق تین راستوں سے آئے گا اس کے باشندوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خود ہی پہلے اس کی حرمت کو پامال کریں"۔

(۱۱۱) احمد نے یونس سے اور اس نے منذر بن ثعلبہ کے حوالہ سے سعید بن حرب کی روایت نقل کی۔ سعید بن حرب نے کہا، میں عبداللہ بن زبیر کے پاس موجود تھا وہ بیت اللہ کی ان دیواروں کو گرا رہے تھے جنھیں حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا، یہاں تک کہ وہ حطیم میں ایک زرد مٹی والی قبر پہ پہنچے۔ ابن زبیر نے کہا، یہ حضرت اسماعیلؑ کی قبر ہے، پھر انھوں نے اسے ڈھانپ دیا۔

(۱۱۲) حجرِ اسود پر جھگڑا

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر قریش کے سارے قبیلوں نے تعمیرِ کعبہ کے لیے پتھر اکٹھے کیے۔ ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کیے اور تعمیر کا کام شروع کر دیا یہاں تک کہ اس مقام تک پہنچ گئے جہاں حجرِ اسود نصب کیا جانا تھا۔ چنانچہ حجرِ اسود اٹھانے کے متعلق ان میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے حاصل ہو اور ہر قبیلہ نے یہ آواز بلند کر دی کہ " ہم اٹھائیں گے"۔ اس طرح قریش گروہوں میں بٹ گئے۔ انھوں نے آپس میں قسمیں کھائیں اور لڑائی کی تیاری کر لی۔ بنی عبدالدار ایک بڑا کاسہ لے آئے اسے خون سے لبالب بھر دیا۔ انھوں نے اور بنی عدی بن کعب نے اس پیالے میں ہاتھ ڈالے اور خون آلود ہاتھوں کے ساتھ لڑنے مرنے کا معاہدہ کیا۔ اس بارے میں عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار نے یہ اشعار کہے:

واللہ لا ناتی الذی قد اردتم	خدا کی قسم ہم اس کے پاس نہیں جائیں گے جس کے پاس تم جانا
ونحن جمیع او نخضب بالدم	چاہتے ہو۔ ہم سب اکٹھے ہیں اور ہم اپنے ہاتھ خون سے رنگین کریں گے۔

ونحن ولاة البيت لا تنكرونهٗ
وكيف علىٰ علم البرية نظلم

ہم بیت اللہ کے متولی ہیں تم اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی تولیتِ کعبہ کے بارے میں لوگوں کے علم کو نہیں جھٹلائیں گے۔

لنبغي به الحمد الذى هونافع
ونخشى عقاب الله فى كل محرم

ایسا کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ ہم نفع دینے والی تعریف حاصل کریں اور ہم اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو نامناسب کاموں کے وبال کے طور پر آتا ہے۔

فكيف ترومونا وعزقنا تنا
له مكسر صلب علىٰ كل معلم

تم ہمارے مقابلے کا قصد کس طرح کر سکو گے جب کہ ہمارے نیزوں کی قوت ہر جادہ منزل میں ریڑھ کی ہڈیوں کو توڑنے والی ہے۔

فهيهات انى يقرب الركن شاذه
ونحن جميع عند حين يقسم

حجرِاسود دور ہو چکا ہے میں یقیناً اس کو اس کے مقام پر نصب کروں گا۔
ہم قسم کھانے کے وقت سب کے سب اس کے پاس ہیں۔

فاما تخلونا و بيت حجابنا
و اما تنوؤوا ذالك الركن بالحرم

تم خواہ ہم سے علیحدگی اختیار کر لو اور بیت اللہ ہمارے درمیان حائل ہو جائے یا تم رکن اسود کو حرم میں اٹھانے کی قدرت نہ رکھو (لیکن میں تو اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھوں گا)

وہب بن عبد مناف نے جواباً یہ اشعار کہے:

ابلغ قريشاً اذا ما جئت اكرمها
انا ابينا فلا نؤتيكم غلبا

قریش کو یہ بات پہنچا دو کہ میں ان سب سے زیادہ بزرگی و شرافت کا حامل ہوں۔ ہم دوسروں کے غلبہ کے منکر ہیں، ہم کسی کو غالب نہیں ہونے دیں گے۔

انا ابينا الى الغصب ظاهرة
انا وجدك لا نؤتيكم سلبا

ہم اپنا یہ حق کھلے بندوں کسی کو غصب نہیں کرنے دیں گے، ہم تو لاثانی ہیں ہمارا یہ مقام ہم سے کوئی سلب نہیں کر سکے گا۔

نحن الكرام فلا حى يقاربنا
نحن الملوك ونحن الاكرمون ابا

ہم شرافت و کرامت والے ہیں کوئی قبیلہ ہمارا ہم پلّہ نہیں ہے ہم بادشاہ ہیں اور آباؤ اجداد سے لے کر ہم بزرگی کے حامل چلے آئے ہیں۔

وقد ارى محدثا فى حلفنا طهرا
كما ترى فى حجاب الملك محتجبا

میں نے دیکھا ہے کہ ہمارا حلف پاکیزگی پر مبنی ہے جس طرح تو دیکھتا تھا کہ بادشاہ کی پردہ داری میں بھی ایک راز پوشیدہ ہے۔

انا لنا عزنا ماذا ارادبنا
قوم ارادوا بنا فى حلفهم عجبا

بیشک ہمارے ساتھ ہماری قوت ہے۔ اس قوم کا کیا ارادہ ہے جس نے ہمارے ساتھ نیکی پر مبنی معاہدہ کیا ہے۔

قوم ارادوا بنا خسفا لنقبله
كلا وربك لا نؤتيهم غضبا

وہ ایسی قوم ہے جو ہمارے ساتھ لڑائی میں رفاقت اختیار کیے ہوئے ہے
تیرے رب کی قسم! ہم ہرگز اس سے ناراض نہیں ہوں گے۔

(۱۱۱۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابنِ اسحاق نے کہا: قریش کے درمیان چار پانچ رات تک یہی جھگڑا چلتا رہا۔ بالآخر وہ سب مسجد میں مشورہ اور فیصلہ کے لیے جمع ہوئے۔ بعض اہلِ علم و روایت کا گمان ہے کہ ابُو امیہ جو اس وقت سب سے زیادہ سن رسیدہ اور قریش کا بزرگ تھا اس نے کہا: "اے گروہِ قریش! اپنے اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے اس بات پر متفق ہو جاؤ کہ سب سے پہلے جو شخص مسجد کے دروازے سے داخل ہو وہ اس نزاع کا فیصلہ کر دے"۔ اس تجویز کو سب نے تسلیم کر لیا اور وہ سب کے سب اس پر راضی ہو گئے۔ کرشمۂ خداوندی ملاحظہ ہو کہ سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو کہا: "یہ امین ہیں جو فیصلہ بھی یہ کریں گے ہم اس پر راضی ہیں"۔ جب آپؐ ان کے پاس پہنچے تو لوگوں نے آپؐ کو یہ متفق علیہ بات بتائی۔ آپؐ نے فرمایا: "ایک کپڑا لاؤ"۔ لوگ کپڑا لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے حجرِ اسود اٹھا کر اس کپڑے پر رکھ دیا اور فرمایا: "ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اس کپڑے کو پکڑ لے اور سب مل کر حجرِ اسود اٹھائیں"۔ سب نے اٹھایا۔ جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا مقصود تھا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اسے وہاں رکھ دیا۔ پھر اس پر آگے تعمیر ہوئی۔ دورِ جاہلیت میں وحیِ نبوت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ "الامین" کے لقب سے پکارتے تھے۔

(۱۱۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: میں ابو جعفر محمد بن علی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے پاس سے عبدالرحمان اعرج جو ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا آزاد کردہ غلام تھا، گزرا۔ ابو جعفر نے اسے بلایا۔ وہ آ گیا۔ ابو جعفر نے اس سے پُوچھا: "اے اعرج! وہ کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ عبدالمطلب نے حجرِ اسود کو اس کے مقام پر نصب کیا تھا؟" اس نے کہا: "اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ مجھے اس شخص نے بتایا جس نے عمر بن عبدالعزیز سے سُنا تھا کہ انہوں نے حسان بن ثابتؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں کعبہ کی تعمیر کے وقت موجود تھا، میں دیکھ رہا تھا۔ عبدالمطلب ایک بُوڑھے بزرگ دیوار پر بیٹھے تھے۔ دو دربانوں نے حجرِ اسود چادر میں رکھ کر اور اوپر اٹھا کر انہیں دیا اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا"۔ ابو جعفر نے اسے کہا: "جاؤ، سیدھے چلے جاؤ"۔ پھر ابو جعفر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سُنی۔ حجرِ اسود کو تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔ قریش کے درمیان اس بارے میں اختلاف رونما تھا اور انھوں نے کہا کہ سب سے پہلے جو شخص مسجد کے دروازے سے داخل ہو کر ہمارے پاس آ جائے وہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ چنانچہ قدرتِ خداوندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ قریش نے کہا: یہ تو امین ہیں اور انھوں نے آپ کو حکم مقرر کر دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ایک کپڑا لاؤ۔ آپؐ نے اسے بچھا دیا، حجرِ اسود اپنے ہاتھ سے پکڑ کر کپڑے پر رکھ دیا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اسے پکڑ لے اور سب مل کر حجرِ اسود کو اوپر اٹھائیں۔ ان سب نے اٹھایا، یہاں تک کہ جب پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اسے نصب کرنا مقصود تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اسے وہاں رکھ دیا۔ پھر اس پر آگے

تعمیر ہوئی۔

(۱۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی تھی۔ اس واقعہ کے پانچ سال بعد آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی اس وقت آپؐ کی عمر مبارک چالیس سال کی تھی۔ آنحضرتؐ مکہ میں ۱۳ سال مقیم رہے۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(۱۱۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: پھر کعبہ کی چھت بنائی گئی۔ یہ پہلا واقعہ ہے کہ کعبہ کو مسقف کیا گیا۔ جب لوگ تعمیر سے فارغ ہوئے اور انہوں نے منصوبہ کے مطابق خانہ کعبہ تعمیر کر دیا تو زبیر بن عبدالمطلب نے اس سانپ کے متعلق جس کی وجہ سے قریش کعبہ کی تعمیرِ نو سے ہیبت زدہ تھے، مندرجہ ذیل اشعار کہے:

عجبت لما تصوبت العقاب الی الثعبان وھی لھا اضطراب	مجھے اس بات نے تعجب میں ڈال دیا کہ عقاب اس اژدہے پر کیوں جھپٹا حالانکہ اژدہا تو عقاب کے لیے گھبراہٹ اور اضطراب کا باعث ہوتا ہے۔
وقد کانت یکون لھا کشیش و احیانا یکون لھا وثاب	اژدہا کی کیفیت کبھی تو ایک خاص قسم کی آواز دیتی تھی اور کبھی وہ حملہ آور بھی ہوتا تھا۔
اذا قمنا الی البنیان شدّت یھیبنا البناء و قد یھاب	جب ہم کعبہ کی تعمیرِ نو پر کمربستہ ہو گئے تو وہ اژدہا عمارت پر سے حملہ آور ہوتا تھا جس سے ہم ڈر جاتے تھے اور وہ خود بھی ہیبت زدہ تھا۔
فلما ان خشینا الرجز جاءت عقاب قد یطل لھا انصباب	جب ہم اس نقصان سے ڈر گئے تو دفعتہً ایک عقاب نمودار ہوا جو صرف اسی اژدہا کو اچک لے جانے کے لیے آیا۔
فضمتھا الیھا ثم خلت لنا البنیان لیس لہ حجاب	اس نے اس اژدہا کو اپنی طرف کھینچ لیا اور ہمارے لیے کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔
فقمنا حاشدین علی بنأ لنا منہ القواعد و التراب	ہم سب بالاتفاق کعبہ کی جلد تعمیر کے لیے مستعد ہو گئے اس کی دیواروں کی تعمیر اور مٹی کا کام ہمارے ذمہ تھا۔
غداۃ نرفع التاسیس منہ ولیس علی مساوینا ثیاب	جس روز ہم اس کی بنیادیں اٹھانے کا کام کر رہے تھے ہمارے کارکن کپڑوں میں ملبوس نہ تھے (بلکہ ہم برہنہ جسم مستعدی کے کام کر رہے تھے)
اعزبہ الملیک بنی لؤی فلیس لا صلہ منھم ذھاب	اللہ تعالیٰ جو بادشاہِ حقیقی ہے اس نے بنی لوی کو یہ اعزاز بخشا ہے اور اس اعزاز کی اصل ان سے دُور نہیں ہو سکتی۔
وقد حشدت ھناک بنو عدی و مرۃ قد تقدمھا کلاب	اس کارِ خیر کے لیے بنی عدی اور بنی مرہ بھی جمع تھے اور بنی کلاب تو ان سے پیش پیش تھے۔

فبوأنا الملیك بذاك عزا	اس کام کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت کا مستحق ٹھہرایا ہے اور ثواب
وعند الله یلتمس الثواب	تو اللہ ہی سے طلب کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر زبیر بن عبد المطلب نے یہ اشعار بھی کہے :

لقد کان فی امر العقاب عجیبة	جب اژدہا دیواروں پر اوپر نیچے جارہا تھا تو اس وقت عقاب کا اس کو
ومخطفها الثعبان حین تدلت	اچک کر لے جانا ایک عجیب واقعہ ہے۔
فکان مدی الابصار اٰخر عهدنا	وہ اژدہا خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کے منصوبہ کی تیاری کے آخری مرحلہ تک ہماری
بها بعد ما باتت هناك وطلت	نظروں کے سامنے وہاں رات دن آزادی کے ساتھ اچھلتا کودتا رہا۔
اذا جاء قوم یرفعون عماده	جب لوگ خانہ کعبہ کی دیواروں کی تعمیر کے لیے آئے تو وہ سر اٹھا کر
من البیت شدت نحوهم واحزالت	ان پر حملہ آور ہوا۔
فما برحت حتی ظننا جماعة	وہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ ہم نے من حیث المجموع یہ گمان کیا کہ ہم پر
بان علینا لعنة الله حلت	اللہ کی لعنت مسلط ہو چکی ہے۔
فقلنا جمیعا قد عملنا خطیئة	ہم سب نے کہا کہ ہم خطا کار رہیں، ہمارے لیے ذلت و خواری ہے
فتعسالنا والحلم منا اضلت	اور ہم مغفرت و بخشش سے دُور ہو چکے ہیں۔

ولید بن مغیرہ نے تعمیرِ کعبہ اور سانپ کے واقعہ کے بارے میں مندرجہ ذیل اشعار کہے :

لقد کان فی الثعبان یا قوم عبرة	اے میری قوم! سانپ کے واقعہ میں ہمارے لیے عبرت ہے اور یہ
ورأی لمن رام الامور علی ذعر	واقعہ ہر اس شخص کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے جو کسی کام کو ڈرتا ہوا کرے۔
غداة هوی النسر المحلق یرتمی	اے بنی فہر! تمہاری دُعا کے بغیر ہی صبح کے وقت گنجے عقاب کو یہ
بها غیر حمد منکر یا بنی فهر	خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اژدہا کو جھپٹ کر لے جائے۔
علی حین ماضلت حلوم سراتکم	یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جبکہ تمہاری عقل کی پرواز گم ہو کر رہ گئی تھی اور تم
وخفتم بان لا ترفعوا اٰخر الدهر	ڈر رہے تھے کہ تم کبھی اس کو یہاں سے ہٹا نہ سکو گے۔

(۱۱۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ابن اسحاق نے کہا کہ جب اللہ عزوجل نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مضبوط کر دیا اور آپؐ کے لیے مناسکِ حج کو مقرر کر دیا تو یہ آیت نازل فرمائی :

ثم افیضوا من حیث افاض	پھر جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں تم بھی وہیں سے پلٹو اور اللہ سے
الناس واستغفروا الله۔	معافی چاہو۔

(البقرة - ۱۹۹)

یعنی قریش اور عام اہلِ عرب کے لیے حج کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب عرفات تک جائیں، وہاں وقوف کریں اور وہاں سے واپس آئیں۔ اس طرح قریش کی شانِ امتیاز اور ان کے فخر و غرور کے بت کو اس آیت میں توڑا گیا ہے۔ قریش نے لوگوں کو خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرنے پر مجبور کیا اور ان کے لیے ان کی خوراک و پوشاک کے استعمال کو حرام قرار دیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یٰبنی اٰدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا ج انّہٗ لا یحب المسرفین ہ قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرج لعبادہٖ والطیبٰت من الرزق ط قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا خالصۃً یوم القیٰمۃ ط کذٰلک نفصل الاٰیٰت لقوم یعلمون ہ

(الاعراف ۳۱ - ۳۲)

اے بنی آدم ! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے محمدؐ ! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں۔ کہو یہ ساری چیزیں دُنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں، اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔

جب اللہ عزوجل نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو حُمس کے رسم و رواج اور ان بدعات کو جنہیں قریش نے لوگوں کے لیے لازم قرار دے رکھا تھا دینِ اسلام کی تعلیمات کے ذریعہ ساقط کر دیا۔

(۱۱۸) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے عبداللہ بن ابی بکر سے اور اس نے عثمان بن ابی سلیمان سے اور اس نے نافع بن جبیر بن مطعم کی وساطت سے اپنے باپ جبیر بن مطعم کی روایت نقل کی۔ جبیر بن مطعم نے کہا : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپؐ اپنے اونٹ پر عرفات میں اپنے اعزہ و اقرباء کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اور آپؐ اللہ عزوجل کی توفیق سے ان ہی کی معیت میں وہاں سے واپس تشریف لائے۔

(۱۱۹) تورات و انجیل میں اور عرب کاہنوں کے ہاں نبیؐ کا ذکر

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا : جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب آیا تو یہود کے علماء، عیسائیوں کے راہب اور عرب کے کاہن آنحضرتؐ کی بعثت کے بارے میں خبریں بیان کرتے تھے۔ یہودی علماء اور عیسائی راہبوں کی معلومات کا ماخذ ان کے انبیاءؑ کی وہ کتابیں تھیں جن میں آنحضرتؐ کی صفات اور آپؐ کے زمانۂ نبوت کے متعلق لکھا ہُوا ان کے پاس موجود تھا اور جن کے متعلق ان کے انبیاءؑ نے ان سے عہد لیا تھا۔ جہاں تک عرب کے کاہنوں کا تعلق ہے ان کے پاس شیاطین جن خبریں چُرا کر لاتے تھے۔ وُہ ایسی صورت میں خبریں سن گن کر لاتے تھے جب انھیں تاروں سے مار کر خبریں اخذ کرنے سے روکا

نہ جاتا تھا۔ عرب کے کاہن مرد اور کاہنہ عورتیں آپؐ کے متعلق بعض باتوں کا ذکر مسلسل کرتی رہتی تھیں لیکن اہل عرب ان باتوں کو کوئی وزن نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا اور کاہنوں کی مذکورہ باتوں نے واقعات کی شکل اختیار کرلی اور اس وقت لوگوں نے ان پیشگوئیوں کی حقیقت کو سمجھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قریب آگیا اور آپؐ کو مبعوث فرمایا گیا تو شیاطین کو غیبی خبریں سننے سے روک دیا گیا، عالمِ بالا اور ان مقامات کے درمیان جہاں گھات میں بیٹھ کر وہ خبریں سُنا کرتے تھے رکاوٹ پیدا کردی گئی اور اس کے بعد ان پر تاروں کی مار پڑتی تھی۔ چنانچہ جنوں نے بھی یہ محسوس کرلیا کہ اللہ عزوجل کے کسی خاص پروگرام کے تحت جو بندوں میں نافذ کیا گیا ہے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپؐ کو بتایا گیا کہ جنوں کو غیب کی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔ جنوں نے جانا جو کچھ کہ جانا اور جب انھوں نے دیکھا جو کچھ کہ دیکھا تو انہوں نے اس کا انکار نہ کیا۔ فرمانِ خداوندی ہے:

قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن . . . . الی قولہ ام اراد بھم ربھم رشدا ۝ (الجن - ۱ تا ۱۰)

اے نبیؐ! کہو، میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سُنا پھر (جا کر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا: "ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سُنا ہے جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے"۔ اور یہ کہ "ہمارے رب کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے، اس نے کسی کو بیوی یا بیٹا نہیں بنایا ہے"۔ اور یہ کہ "ہمارے نادان لوگ اللہ کے بارے میں بہت خلافِ حق باتیں کہتے رہتے ہیں"۔ اور یہ کہ "ہم نے سمجھا تھا کہ انسان اور جن کبھی خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے"۔ اور یہ کہ "انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا"۔ اور یہ کہ "انسانوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا کہ تمہارا گمان تھا کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجے گا"۔ اور یہ کہ "ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ پہرے داروں سے پٹا پڑا ہے اور شہابوں کی بارش ہو رہی ہے"۔ اور یہ کہ "پہلے ہم سُن گُن لینے کے لیے آسمان میں بیٹھنے کی جگہ پالیتے تھے مگر اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے لیے گھات میں ایک شہابِ ثاقب لگا ہوا پاتا ہے"۔ اور یہ کہ "ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آیا زمین والوں کے ساتھ کوئی بُرا معاملہ کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کا رب انہیں راہِ راست دکھانا چاہتا ہے"۔

جب جنوں نے قرآن سُنا تو انہیں معلوم ہوا کہ انھیں اس وجہ سے آسمانی خبریں سُننے سے روکا گیا ہے کہ کہیں وحیِ آسمانی مشتبہ نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام بصورتِ وحی اہلِ زمین کے پاس آئیں گے وہ مشکوک نہ ہو جائیں اور ہر قسم کا اشتباہ جاتا رہے۔ چنانچہ وہ وحی آسمانی پر ایمان لے آئے اور انہوں نے تصدیق کی۔ ارشادِ ربانی ہے:

ولوا الی قومھم منذرین ۝ قالوا یقومنا انا سمعنا کتٰبًا انزل من بعد موسٰی مصدقًا لما بین یدیہ یھدی الی الحق والی صراط مستقیم۝ (الاحقاف ۲۹ - ۳۰)

وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے، انہوں نے جا کر کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سُنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتابوں کی، رہنمائی کرتی ہے حق اور راہِ راست کی طرف۔

اور جنوں نے یہ بات کہی:

وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا۝ (الجن - ٦)

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

اس کی صورت یہ تھی کہ جب اہلِ عرب قریش وغیرہم میں سے کوئی شخص مسافرت اختیار کرتا اور رات گزارنے کے لئے کسی وادی کے درمیان اترتا تو کہا کرتا تھا: "میں آج رات اس وادی کے مالک جن کی پناہ لیتا ہوں اس شر سے جو اس وادی میں ہے۔"

(۱۲۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابنِ اسحاق نے کہا: اہلِ علم میں سے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ جاہلیت میں بنی سہم میں غیطالجہ نامی ایک عورت کاہنہ تھی۔ ایک عورت اس کا ساتھی جن اس کے پاس آ کر نیچے گر پڑا اور اس نے کہا:

"اذن من اذن یوم عقر و نحر۔"

(سنا جس نے سنا کہ یہ تو زخمی کرنے اور گلے کاٹنے کا دن ہے)

جب قریش کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو انھوں نے پوچھا: "اس کا مطلب کیا ہے؟" اس کاہنہ کا ساتھی جن دوسری رات کو آ کر پھر نیچے گر پڑا اور اس نے کہا:

"شعوب ما شعوب؟ تصرع فیہ کعب لجنوب۔"

(گھاٹیاں، گھاٹیاں؟ جن میں کعب پہلوؤں کے بل پچھاڑے جائیں گے)

جب قریش نے یہ سُنا تو انہوں نے کہا: "اس کا مفہوم کیا ہے؟ بیشک یہ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

پس دیکھو کہ وہ ہے کیا ؟" لیکن وہ اس کلام کو سمجھ نہ سکے یہاں تک کہ گھاٹیوں میں بدر و اُحد کے واقعات پیش آئے اور انہیں اُس وقت معلوم ہُوا کہ وہی واقعات ہیں جن کی خبر کاہنہ کے ساتھی جن نے دی تھی۔

(۱۲۱) احمد نے ابی کے حوالہ سے جریر بن عبدالحمید سے اور اس نے منصور کی وساطت سے ابراہیم کی روایت نقل کی۔ یہ روایت قرآن کریم کی درج ذیل آیت کے متعلق ہے:

وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا ○ (الجن - ۶)

اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب قریش کسی وادی میں اُترتے تھے تو کہتے تھے: ہم اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتے ہیں اس شر سے جو اس وادی میں ہے۔" اس کے جواب میں جن کہتے تھے: "تم ہماری پناہ طلب کرتے ہو حالانکہ ہمیں اپنے نفع ونقصان کا اختیار بھی حاصل نہیں ہے۔" راوی نے کہا کہ "فزادوھم رھقا" کا مفہوم یہ ہے کہ جب لوگ جنوں کی پناہ مانگنے لگے تو جنوں کا دماغ اور زیادہ خراب ہو گیا اور وہ گمراہی میں زیادہ جری ہو گئے۔

(۱۲۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: انصار کا یہ قبیلہ یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا کرتا تھا اور بعد ازاں آنحضرتؐ کے بارے میں یہی باتیں اس قبیلہ کی طرف سے بیان کی جاتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سب سے پہلے جو بات آنحضرتؐ کے متعلق پیش آئی وہ یہ تھی کہ فاطمہ اِمّ نعمان بن عمرو (برادر قبیلہ بنی نجار) جاہلیت کے زمانہ میں ایک زانیہ عورت تھی اس کا ایک تابع جن تھا وُہ بیان کیا کرتی تھی کہ جب اس کا تابع جن اس کے پاس آتا تھا تو اس کے گھر میں جو بھی موجود ہوتا اس پر وہ اچانک حملہ آور ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک دن وُہ آیا اور ایک دیوار پر گر پڑا۔ اس دن اس نے اپنے معمول کا حملہ نہ کیا۔ فاطمہ نے اسے کہا: "آج تیرا کیا حال ہے؟" اس نے کہا: "ایک نبی مبعوث کیا گیا ہے جو زنا کو حرام قرار دے گا۔"

(۱۲۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے اور اس نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کی۔ اس سے بیان کیا گیا کہ بنی ثقیف کا ایک آدمی جس کا نام عمرو بن امیہ تھا وہ معاشی امور کی سمجھ بُوجھ کے لحاظ سے پورے عرب میں عقلمند ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا اور رائے کے اعتبار سے بہت دانا اور دور اندیش تھا۔ جب ٹوٹنے والے تاروں سے رمی کی گئی تو سب سے پہلے جس قبیلہ پر گھبراہٹ طاری ہُوئی وہ ثقیف تھا۔ قبیلہ کے لوگ عمرو بن امیہ کے پاس آئے اور اس سے پُوچھا: "کیا تم نے تاروں کے پھینکے جانے کا یہ نیا واقعہ دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "کیا واقعہ ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ آسمان کے تاروں سے رمی کی جاتی ہے۔ اس نے جواب دیا: "تمہاری بدقسمتی! اب

انتظار کرو۔ اگر یہ تارے وہی ہیں جن کے ذریعے بحر و بر میں جادہ و منزل کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور موسم گرما و سرما کی پہچان کی جاتی ہے اور جن سے لوگ اپنی معیشت کے وسائل کی اصلاح کر لیتے ہیں تو یہ دنیا کی بربادی اور مخلوقات کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہے اور اگر یہ تارے ان کے علاوہ ہیں نیز ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخلوقات کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص پروگرام ہے اب انتظار کرو اور دیکھو کہ مشیتِ ایزدی کیا ہے؟"

(۱۲۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے زہری نے اور اس نے علی بن حسین کی وساطت سے ابن عباس کی روایت نقل کی۔ ابنِ عباس نے کہا: مجھے انصار کے ایک قبیلہ نے بتلایا کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ایک تارا دیکھا اور ہم سے پوچھا کہ اُن تاروں کے متعلق جو پھینکے جاتے ہیں تمھاری کیا رائے ہے؟" ہم نے کہا: یہ کسی بچے کی پیدائش یا مرنے والے کی موت یا کسی بادشاہ کی حکومت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں میں کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملانِ عرش اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں پھر ان سے نچلے طبقہ کے فرشتے بھی اس تسبیح میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہ تسبیح کا سلسلہ نیچے آسمانِ دنیا تک آکر منتہی ہوتا ہے آسمانِ دنیا پر متعین فرشتے اپنے سے اوپر والے فرشتوں سے اس تسبیح کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمیں تو اس کے متعلق کچھ علم نہیں ہے ہم نے اپنے سے اوپر والوں کو اللہ کی تسبیح کرتے سنا ہے اور ہم نے بھی ان کی پیروی میں اللہ کی تسبیح بیان کی۔ ہم اپنے سے اوپر والوں سے دریافت کریں گے۔ چنانچہ وہ ان سے پوچھتے ہیں اور وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں یہاں تک کہ حاملانِ عرش سے سوال کیا جاتا ہے اور وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کے بارے میں یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے اور اس طرح آسمانِ دنیا پر متعین فرشتوں تک یہ خبر گردش کرتی ہوئی پہنچتی ہے اور وہاں سے جن چوری چھپے کچھ سُن لیتے ہیں اور زمین پر اپنے ساتھی کہانت پیشہ انسانوں سے بیان کرتے ہیں، وہ اس میں اپنے توہمات کو شامل کر کے لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض باتیں حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں اور بعض میں وہ غلطی کر جاتے ہیں۔ جنوں کا یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ ان تاروں کی مار کے ذریعے جنوں کو عالمِ بالا کی خبریں چُرانے سے روک دیا گیا۔

(۱۲۵) احمد نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ سے اور اس نے سعید بن جبیر کی وساطت سے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی کہ شیاطین آسمان تک جا کر وحی کا کوئی کلمہ سُن لیتے تھے اور پھر زمین پر آکر اس کے ساتھ نو حصے جھُوٹ شامل کر لیتے تھے۔ اہلِ زمین یہ وحی کا کلمہ جس میں نو حصے جھوٹ شامل ہوتا تھا سنتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور شیاطین کو ان کے بیٹھنے کی جگہوں سے روک دیا۔ انھوں نے ابلیس سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا: "زمین میں ایک اہم واقعہ رونما ہو چکا ہے"، چنانچہ اس نے شیاطین کو بھیجا۔ انھوں نے کہا: "واللہ! یہ بہت بڑی حقیقت ہے اس لیے ان پر تاروں کی

مار پڑتی ہے"۔ جب تارے تم سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں تو وہ جنوں پر مارے جاتے ہیں اور انھیں ٹھیک ٹھیک ضرب لگاتے ہیں لیکن قتل نہیں کرتے بلکہ ان کے چہرے، پہلو اور ہاتھ جلا دیتے ہیں۔

(۱۲۹) نبیؐ کے متعلق ورقہ بن نوفل کا بیان

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ورقہ بن نوفل بن اسد حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کا چچیرا بھائی تھا۔ وہ نصرانی تھا۔ اس نے علم حاصل کیا تھا اور وہ کتابوں کے احکام کی پیروی کرتا تھا۔ بحیرا راہب نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو فرشتوں کو سایہ فگن دیکھا تو جو باتیں اس نے کہی تھیں ان کا ذکر میسرہ غلام نے حضرت خدیجہؓ سے کیا اور حضرت خدیجہؓ نے اس کا تذکرہ ورقہ بن نوفل سے کیا۔ ورقہ نے کہا: "اے خدا! اگر مذکورہ واقعہ سچا ہے تو محمدؐ اس امت کے نبی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس اُمت کے لیے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور یہی اس کا زمانہ ہے۔ ورقہ نے اسی طرح کی بات کہی۔ ورقہ نے کچھ دیر کے بعد کہا: "کب ہوگا؟" لوگوں کا بیان ہے کہ ورقہ نے خدیجہؓ کی باتیں سُن کر کچھ دیر توقف کیا اور پھر یہ اشعار کہے:

اتبکر ام انت العشیۃ رائح وفی الصدر من اضمارك الحزن قادح	کیا تو صبح کے وقت یا رات کے وقت آنے والا ہے اور تمہارے انتظار میں پوشیدہ غم سینے کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔
لفرقۃ قوم لا احب فراقھم کانك عنھم بعد یومین نازح	ایک ایسی قوم کی جُدائی کی وجہ سے جس کی جدائی مجھے پسند نہیں ہے گویا کہ تُو دو دن کے بعد ان سے دُور چلا جانے والا ہے۔
واخبار صدق خبرت عن محمد یخبرھا عنہ اذا غاب ناصح	جب کوئی خیر خواہ (ناصح) نہیں رہے گا تو اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی خبریں سُنائی جائیں گی۔
فتاك الذی وجھت یا خیر حرۃ بغوری والنجدین حیث الصحاصح	میں نے اپنی تمام تر توجہ اسی کی طرف مبذول کر رکھی ہے جو پتھریلی زمین، نشیبی زمین، اونچی زمین اور ہموار میدانوں (یعنی کل روئے زمین) کے رہنے والوں میں سے بہترین ہے۔
الی سوق بصری فی الرکاب التی غدت وھن من الاحمال قعص دوالح	وہ ایک قافلے کے ہمراہ بصریٰ کے بازار کی طرف گیا اس حال میں کہ بوجھ کی وجہ سے سواریوں کے سینے باہر کو اور پیٹھیں اندر کو جھکی ہوئی تھیں اور وہ پسینے میں شرابور تھیں۔
فخبرنا عن کل خیر بعلمہ وللحق ابواب لھن مفاتح	ہمیں اس کے علم کے بارے میں جو خبر بھی پہنچی وہ بھلائی پر مبنی تھی اور ظاہر ہے کہ حق کے متعدد دروازے ہیں اور ان کے کھولنے کے لیے چابیاں بھی ہیں۔

کان ابن عبد اللہ احمد مرسل
الیٰ کل من ضمت علیہ الاباطح
وظنی بہ ان سوف یبعث صادقا
کما ارسل العبدان ھود وصالح

احمد بن عبد اللہ پتھریلی زمین کی وادیوں کے جملہ رہنے والوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔
ان کے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ وہ عنقریب صداقت کے ساتھ مبعوث کیے جائیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دو بندوں ہُود اور صالح علیہما السلام کو مبعوث فرمایا۔

وموسیٰ و ابراھیم حتی یری لہ
بھاو منشور من الذکر واضح
ویتبعہ حیا لوی جماعۃ
شبابھم والاشیبون الجحاجح
فان ابق حتی یدرك الناس دھرہ
فانی بہ مستبشر الود فارح
والافانی یا خدیجۃ فاعلمی
عن ارضك فی الارض العریضۃ سائح

اور جس طرح موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کو مبعوث کیا گیا یہاں تک کہ اس کے محاسن و محامد واضح ہو جائیں گے اور اس کے ذکر کا بول بالا ہو جائے گا۔
اور قبیلہ لوی کے جوان اور بوڑھے سردار من حیث المجموع اس کا اتباع کریں گے۔
کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب لوگ اس کا زمانہ پائیں گے میں اس کے لیے محبت کی بشارت دینے والا اور خوشی و خرمی کا پیغام رساں ہوں۔
ورنہ اے خدیجہؓ! جان لے کہ میں تو (اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور) تمہاری اس زمین سے آخرت کی طویل و عریض زمین کی طرف سفر کرنے والا ہوں۔

(۱۲۷) تعمیرِ نو کے بعد کعبہ کا حج

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: جب قریش نے کعبہ کی دیواریں اونچی کر دیں اور اسے مسقف کر دیا تو وہ ہر سال حج کعبہ کی تعظیم کے پیش نظر اس پر غلاف چڑھانے کے لیے باہم تعاون کرتے تھے۔ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور وہاں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بتوں کی تعظیم بھی بجا لاتے تھے، ان کے نام کے جانور ذبح کرتے تھے اور دین میں شرک کا ارتکاب کرتے تھے۔
جب قریش ایک عید کے موقع پر اپنے ایک بت کے نام پر جانور ذبح کر رہے تھے تو قریش کا ایک گروہ مشتمل بر زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ، عثمان بن حویرث بن اسد بن عبد العزیٰ اور عبید اللہ بن جحش بن رئاب [جس کی ماں امیمہ بنت عبد المطلب بن ہاشم (حلیف بنی امیہ) تھی] ان کے پاس موجود تھا۔ جب وہ اکٹھے ہوئے تو ان میں سے بعض نے بعض کو علیحدگی میں کہا: "ایک دوسرے کے ساتھ سچائی کا عہد کرو اور اس کی پاسداری کرو۔ تمہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کا راز فاش نہ کرو۔" ان میں سے ایک نے کہا: "تم جانتے ہو کہ بخدا! تمہاری قوم کسی اصل پر قائم نہیں ہے انھوں نے دینِ ابراہیم میں خرابیاں پیدا کر دی ہیں اور وہ دین کی مخالفت پر کمربستہ ہیں جن بتوں کی پوجا کی جاتی ہے وہ نہ تو نقصان کر سکتے ہیں اور نہ ہی نفع پہنچا سکتے ہیں۔ پس تم اپنے لیے حق کی تلاش کرو۔"

چنانچہ وہ دین حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ انھوں نے گھوم پھر کر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اور دیگر مذاہب کے عالمین سے دینِ ابراہیمؑ کی حنیفیت کے بارے میں دریافت کیا۔ ورقہ بن نوفل نے تو عیسائیت اختیار کر لی اور اس مذہب کا پختہ پیرو کار بن گیا۔ اس نے اس مذہب کی کتابوں کا تتبع کیا یہاں تک کہ اہلِ کتاب سے اس نے کافی علم حاصل کر لیا۔ قریش کے اس گروہ میں سے زید بن عمرو بن نفیل سب سے زیادہ منصف مزاج اور راست باز تھا۔ اس نے بتوں کو چھوڑ دیا اور جملہ دیگر مذاہب کے طور طریقوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور صرف دینِ ابراہیم کی پیروی پر کمربستہ ہو گیا وہ اللہ عزوجل کی توحید کا قائل تھا اور اللہ کے ماسوا ہر چیز سے اظہارِ بیزاری کرنے والا تھا۔ وہ اپنی قوم کا ذبیحہ نہیں کھاتا تھا اس نے قوم کے مشرکانہ طور طریقوں کی وجہ سے ان سے علانیہ مفارقت اختیار کر لی۔

(۱۲۸) زید بن عمرو بن نُفیل کا واقعہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ہشام بن عروہ اور اس سے اس کے باپ نے اسماءؓ بنت ابی بکر کی روایت بیان کی۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا: میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو اس حال میں دیکھا کہ وہ کعبہ کے ساتھ پشت لگا کر کہہ رہا تھا: "اے گروہِ قریش! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں زید کی جان ہے، میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دینِ ابراہیم پر کاربند نہیں ہے۔" پھر کہتا تھا: "اے اللہ! اگر میں جانتا کہ کون سا طریقہ تجھے زیادہ پسندیدہ ہے تو میں اس کے مطابق تیری عبادت کرتا لیکن میں اس طریقے کو نہیں جانتا۔" پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سجدہ ریز ہو جاتا تھا۔

(۱۲۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھے آلِ زید بن عمرو بن نفیل میں سے کسی نے بتلایا کہ زید کعبہ میں داخل ہوتا اور کھڑے ہو کر کہا کرتا تھا: "اے اللہ! میں سچائی کے ساتھ تیرے حضور حاضر ہوں، تیرا بندہ اور تیرا غلام ہوں، میں ہر اس چیز سے پناہ مانگتا ہوں جس سے ابراہیمؑ نے پناہ مانگی۔" اور اس نے کھڑے ہو کر کہا: "میری ناک تیرے لیے خاک آلود ہے۔ تو جس مصیبت میں مجھے مبتلا کرے میں اسے برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں، میں نیکی کا طالب ہوں، فخر و تکبر مجھے مطلوب نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ نصف النہار کے وقت کڑاکے کی گرمی میں ہجرت کرنے والا قیلولہ کرنے والے کی طرح نہیں ہو سکتا۔

(۱۳۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے ہشام بن عروہ نے اور اس سے عروہ بن زبیر نے روایت بیان کی کہ زید بن عمرو بن نفیل نے یہ اشعار کہے:

اربا واحدا ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور	جب مختلف معاملات الجھ چکے ہوں تو ان کو سلجھانے کے لیے میں ایک رب کی عبادت کروں یا ایک ہزار کی۔

عزلت اللات والعزی جمیعا
كذلك يفعل الجلد الصبور

میں نے لات اور عزیٰ سب سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ ایک باہمت اور صابر شخص اسی طرح کیا کرتا ہے۔

فلا عزی ادین ولا ابنتیها
ولا صنمی بنی عمرو ادیر

میں نہ عزیٰ کی اطاعت کرتا ہوں اور نہ اس کی دو بیٹیوں کی، اور نہ ہی بنی عمرو کے دو بتوں کا طواف کرتا ہوں۔

ولا غنما ادین وکان ربا
لنا فی الدہر اذ حلمی یسیر

اور نہ ہی میں غنم نامی بُت کا پرستار رہوں۔ وہ اُس زمانہ میں ہمارا پروردگار سمجھا جاتا تھا جب میری عقل ناپختہ تھی۔

عجبت وفی اللیالی معجبات
وفی الایام یعرفها البصیر

میں متعجب ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ لیل و نہار کی گردشیں نت نئی حیرت افزا چیزیں ہمارے سامنے لاتی ہیں جن کی معرفت صرف دانشمندوں کو حاصل ہے۔

بان اللہ قد افنی رجالا
کثیرا کان شانہم الفجور

بیشک اللہ تعالیٰ نے ایسے بہت سے لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے جو فسق و فجور میں مبتلا تھے۔

وابقی آخرین ببر قوم
فیربل منہم الطفل الصغیر

اور دوسروں کو ان کی نیکی کی وجہ سے باقی رکھا۔ ان میں کے چھوٹے لڑکے نشوونما پاتے ہیں اور ان کی افرادی قوت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

وبینا المرء یعثر ثاب یوما
کما یتروح الغصن النضیر

گردشِ زمانہ کے تحت آدمی کبھی کسی سختی میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن ایک دن اس کی حالت ایسی درست ہو جاتی ہے کہ وہ تروتازہ شاخ کی طرح ہو جاتا ہے جو پتے اور پھل لاتی ہے۔

(۱۳۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی کہ زید بن عمرو بن نفیل نے یہ اشعار بھی کہے:

اسلمت وجہی لمن اسلمت
لہ الارض تحمل صخرا ثقالا

میں نے اس ذات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اٹھانے والی زمین سرنگوں ہے۔

واسلمت وجہی لمن اسلمت
لہ المزن تحمل عذبا زلالا

میں نے اس ذات کے آگے سر جھکا دیا ہے جس کے حکم کے آگے صاف اور میٹھا پانی اٹھانے والے بادل بھی جھکے ہوئے ہیں۔

اذا ہی سیقت الی بلدۃ
اطاعت فصبت علیہا سجالا

جب ان بادلوں کو کسی بستی کی جانب ہانکا جاتا ہے وہ تعمیل کرتے ہیں، اور اس بستی پر موسلا دھار مینہ برساتے ہیں۔

واسلمت وجہی لمن اسلمت
لہ الریح تصرف حالا فحالا

میں نے اس ذات کے آگے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیا ہے جس کے حکم سے ہوائیں وقتاً فوقتاً اپنا رُخ بدلتی رہتی ہیں۔

(۱۳۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی کہ خطاب بن نفیل زید بن عمرو بن نفیل کو بہت ایذا دیتا تھا یہاں تک کہ زید مکہ کی بالائی جانب چلا گیا اور مکہ کے بالمقابل حراء میں پناہ گزین ہو گیا۔ خطاب نے لیشی نوجوانوں میں سے کچھ نوجوان اور بیوقوفوں میں سے کچھ بیوقوف اس کے پیچھے لگا دئیے اور انھیں حکم دیا کہ اسے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے، چنانچہ زید ان سے چھپ کر ہی مکہ میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب انھیں اس کے داخلہ کا علم ہوتا تو وہ خطاب کو اطلاع دیتے، اسے باہر نکال دیتے اور اسے اذیت پہنچاتے تاکہ وہ کہیں ان کے دین میں فساد نہ برپا کر دے اور ان میں سے کوئی ان سے علیحدہ ہو کر اس کا پیرو کار نہ بن جائے۔ خطاب زید کا چچا اور اس کا ماں جایا بھائی تھا۔ عمرو بن نفیل نے بعد میں خطاب کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اور اس کے بطن سے زید بن عمرو تولد ہوا تھا۔ اس طرح خطاب زید کا چچا اور اس کا ماں شریک بھائی تھا۔ زید نے اپنی قوم کے دین سے مفارقت اختیار کر لی تھی اس لیے خطاب اسے عتاب کا نشانہ بناتا تھا اور اسے ایذا دیتا تھا۔ زید نے خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت بحال رکھی اور اس نے اپنی قوم کے ان لوگوں کے خلاف جنھوں نے کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال کیا یہ اشعار کہے:

لاھم انی محرم لا حلہ	اے اللہ! میں حرم کی حرمت کا پاسدار ہوں۔ اس کی حرمت کو
وان بیتی اوسط المحلہ	توڑنے والا نہیں ہوں میرا گھر محلے کے درمیان صفا کے پاس واقع ہے
عند الصفا لیس بذی مظلہ	وہ کوئی غیر معروف اور گم گشتہ جگہ نہیں ہے۔

(۱۳۳) بعثت سے قبل نبیؐ کو زید کی طرف سے بتوں کا ذبیحہ کھانے کی ممانعت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے بتلایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن عمرو بن نفیل کے بارے میں فرما رہے تھے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے میرے سامنے بتوں کی عیب چینی کی اور مجھے بتوں کے پاس جانے سے روکا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، "میں طائف سے آیا، میرے ساتھ زید بن حارثہ تھے، میں زید بن عمرو بن نفیل کے پاس سے گزرا وہ اس وقت مکہ کے بالائی علاقہ میں تھا قریش نے اس کے متعلق مشہور کر رکھا تھا کہ اس نے قریش کا دین ترک کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ ان سے علیحدگی اختیار کر کے بالائی مکہ میں سکونت پذیر تھا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ توشہ دان تھا جس میں بتوں کے ذبیحہ کا گوشت تھا جو زید بن حارثہ کی تحویل میں تھا۔ میں اس وقت نوجوان لڑکا تھا۔ میں نے وہ توشہ دان زید کے آگے رکھ دیا اور کہا: "چچا جان! اس کھانے میں سے حسب ضرورت تناول کرو۔" اس نے کہا: "بھتیجے! شاید یہ تمہارے بتوں کے ذبیحہ کا گوشت ہے؟" میں نے کہا: "ہاں، ایسا ہی ہے"۔ اس نے کہا: "بھتیجے! اگر تو عبدالمطلب کی بیٹیوں سے دریافت کرے تو وہ تجھے بتائیں گی کہ میں ان ذبائح کو نہیں کھاتا اور نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔" پھر اس نے میرے سامنے بتوں کی اور ان کی پرستش کرنے والوں کی عیب چینی کی اور کہا کہ یہ بت باطل ہیں۔ ہمارے

نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے بعد میں نے کبھی کسی بُت کو ہاتھ بھی نہیں لگایا کیونکہ ان کے بارے میں مجھے معرفت حاصل ہوگئی اور نہ ہی میں نے کبھی کسی جانور کو کسی تھان پر ذبح کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رسالت سے مشرف فرمایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۳۴) احمد نے یونس کے حوالہ سے مسعودی سے اور اس نے نفیل بن ہشام کی وساطت سے اس کے باپ ہشام کی روایت نقل کی۔ ہشام نے کہا کہ زید بن عمرو بن نفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیدؓ بن حارثہ کے پاس سے گزرا ان دونوں نے اسے اپنے توشہ دان پر مدعو کیا۔ زیدؓ نے کہا: "اے میرے بھتیجے! میں کسی تھان پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت نہیں کھاتا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپؐ نے کوئی ایسی چیز کھائی ہو جو کسی تھان پر ذبح کی گئی ہو۔

(۱۳۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: زید بن عمروؓ نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ اس لیے کیا تھا کہ وہ دینِ ابراہیم کی حنیفیت کی طلب میں دنیا کا سفر کرے۔ اس کی بیوی صفیہ بنت الحضرمی تھی جب کبھی وہ دیکھتی کہ زید سفر کے ارادہ سے نکلنے کو ہے تو وہ خطاب بن نفیل کو اس کی اطلاع دے دیتی۔ زید شام کی طرف دینِ ابراہیمؑ کی تلاش میں نکلا تاکہ اہلِ کتاب سے دین کے مبادیات کا علم حاصل کرے یہاں تک کہ وہ سرزمینِ بلقاؑ میں ایک کلیسا میں ایک راہب کے پاس پہنچا جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے پاس نصرانیت کا انتہائی علم تھا زید نے اس سے دینِ ابراہیم کا طریقہ حنیفیہ دریافت کیا۔ راہب نے جواب دیا: "تو اس دین کے بارے میں سوال کر رہا ہے جس پر چلانے والا آج تجھے کوئی بھی نہیں ملے گا، اس کا علم ناپید ہو چکا ہے اور اس کی معرفت کے حامل لوگ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ایک نبی کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے جسے اس سرزمین میں مبعوث کیا جائے گا جہاں سے تم آئے ہو وہ نبی دینِ ابراہیم کی حنیفیت کا حامل ہوگا، پس حق تو اب تمہارے علاقہ میں ہے وہ نبی اب مبعوث ہونے والا ہے اور اس کا زمانہ یہی ہے۔ شام میں اس وقت یہودیت اور نصرانیت کا دور دورہ تھا۔ ان میں سے کوئی طریقہ بھی اسے پسند نہ آیا۔ اس راہب کا جواب سُن کر وہ فوراً نکل کھڑا ہوا اور عازم مکہ ہوا۔ جب وہ بنی لخم کی سرزمین میں پہنچا تو انہوں نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ ورقہ بن نوفل بھی دینِ ابراہیم کی حنیفیت کی تلاش میں زید کے نقشِ قدم پر تھا لیکن اس نے زید کا سا طرزِ عمل اختیار نہ کیا۔ ورقہ بن نوفل نے زید کے قتل پر مرثیہ کے یہ اشعار کہے:

رشدت و انعمت ابن عمرو و انما
تجنبت تنورا من النار حامیا

اے ابن عمرو! تو صراطِ مستقیم پر تھا۔ تجھ پہ انعام کیا گیا اور تُو نے جلانے والی آگ کے تنور سے اپنے آپ کو بچا لیا۔

بدینك ربا لیس رب کمثله
و ترکك اوثان الطواغی کما ھیا

تو نے اپنے اس رب کا دین اختیار کیا جس کا کوئی ثانی نہیں ہے اور تو نے سرکشوں کی مُورتیوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

وقد تدرك الانسان رحمة ربه — انسان کو اس کا رب اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے خواہ انسان زمین کے
ولو کان تحت الارض ستین وادیا — نیچے ستر وادیوں کی مسافت پر ہو۔

(۱۳۶) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے محمد بن جعفر بن زبیر یا محمد بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن حصین تمیمی سے روایت نقل کی کہ عمر بن خطاب اور سعید بن زید نے عرض کی: "یا رسول اللہ! کیا ہم زید کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں، اس کے لیے مغفرت طلب کرو، اس لیے کہ وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔"

(۱۳۷) احمد نے یونس کے حوالہ سے مسعودی سے اور اس نے نفیل بن ہشام کی وساطت سے اس کے باپ ہشام کی روایت نقل کی کہ اس کے دادا سعید بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ زید بن عمرو کے بارے میں سوال کیا اور عرض کی: "یا رسول اللہؐ! میرا باپ آپؐ نے دیکھا ہے اور جیسا بھی وُہ تھا اس سے آپؐ باخبر ہیں۔ اگر وہ آپؐ کا زمانہ نبوت پاتا تو آپؐ پر ایمان لاتا۔ کیا آپؐ اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں گے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا، "میں اس کے لیے مغفرت طلب کروں گا، وہ قیامت کے دن ایک اُمت کی شکل میں آئے گا۔" زید کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ دین کا طالب تھا اور اسی تلاش و جستجو میں اسے موت آئی۔

(۱۳۸) قریش کا طریقہ حج

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شرفِ نبوت سے نوازنے اور آپؐ کے ذریعہ سے بندوں پر نزولِ رحمت اور حج کی فرضیت کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت اہلِ عرب متفرق تھے اور مختلف ادیان کے پیرو تھے۔ اس کے بعد ایک چیز ان میں قدرِ مشترک تھی اور وہ حرم کی تعظیم، خانہ کعبہ کا حج اور دینِ ابراہیمؑ کے آثار کی پابندی تھی اور اس طرح وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ ملتِ ابراہیم کے پیرو ہیں۔ وہ مناسکِ حج کے بارے میں اختلاف کے باوجود خانہ کعبہ کا حج کرتے تھے۔ قریش، بنی کنانہ، بنی خزاعہ اور دیگر تمام عرب جو قریش کے درمیان پیدا ہوں وہ سب کے سب حمس (یعنی اہلِ حرم) کہلاتے تھے۔ وہ حج کے لیے تلبیہ کہتے تھے اور اس میں اختلاف کرتے ہوئے یہ کہتے تھے،

لبیك لا شریك لك الا شریك هو لك تملكه و ما ملك۔ — میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، مگر وہ شریک جو تیرا مملوک ہے اور تو اس کا مالک ہے اور وہ شریک تیرا مالک نہیں ہے۔

اس تلبیہ میں توحید کا اقرار کیا جاتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ اپنے بتوں کو بھی شریک کرتے تھے اور انھیں اللہ تعالیٰ کا مملوک قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم — ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ دوسروں کو

مشرکون ○ (یوسف - ۱۰۶) شریک ٹھہراتے ہیں۔

وہ حدودِ حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور نہ مزدلفہ سے آگے بڑھتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ ہم اہلِ حرم ہیں، ہم حدودِ حرم سے باہر نہیں جائیں گے۔ احرام کی حالت میں وہ گھروں میں سکونت اختیار نہیں کرتے تھے اور اہلِ نجد میں سے، قبیلہ مضر کے لوگ بیت اللہ کی طرف آتے ہوئے تلبیہ کہتے تھے اور وقوفِ عرفات کرتے تھے۔

(۱۳۹) آنحضرتؐ کے سچے خواب

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے محمد بن مسلم بن شہاب زہری سے اور اس نے عروہ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو شرفِ نبوت سے نوازنے اور اپنے بندوں پر نزولِ رحمت کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے حالتِ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے لگے۔ آپؐ خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپؐ صبح کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں اور بعینہٖ اسی طرح پیش آتا تھا۔ آپؐ کی یہ کیفیت اس وقت تک رہی جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر آپؐ خلوت پسند ہو گئے اور آپؐ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہ تھی کہ آپؐ تنہائی اختیار کریں۔

(۱۴۰) غارِ حرا میں حضورؐ کا دورِ تحنث اور نزولِ وحی کی ابتداء

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے عبدالملک بن عبداللہ بن ابی سفیان بن علاء بن جاریہ ثقفی سے جس کا حافظہ قابلِ اعتماد تھا بعض اہلِ علم کی یہ روایت نقل کی کہ جب اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرافت و کرامت سے نوازنے اور آپؐ کی نبوت کی ابتداء کا ارادہ فرمایا تو اس وقت آپؐ جب کسی حجر و شجر کے پاس سے گزرتے تو وہ تسلیمات بجالاتے اور آنحضرتؐ ان کے سلام کو سنتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہ اپنے پیچھے اور دائیں بائیں مبذول فرماتے لیکن درخت اور اس کے ارد گرد پتھروں کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یہ درخت اور پتھر آپؐ کو نبوت کے حوالے سے اس طرح سلام کہتے تھے:

"السلامُ علیك یا رسول اللہ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک ماہ تک غارِ حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے۔ آپؐ کی عبادت میں یہ بھی شامل تھا کہ آپؐ کے پاس قریش کے جو مساکین آتے تھے آپؐ ان کو کھانا کھلاتے تھے۔ جب آپؐ غار کی خلوت گزینی سے فارغ ہوتے تو پھر واپس آکر سب سے پہلے کعبہ کا طواف کرتے۔ آپؐ کا یہ معمول چند سال تک جاری رہا یہاں تک کہ جس آخری ماہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بزرگی سے مشرف کرنے کا ارادہ کیا اور آپؐ کو مبعوث فرمایا وہ رمضان کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ معمول غارِ حرا میں خلوت گزینی کے لیے نکلے، آپؐ کے ہمراہ آپؐ کی اہلیہ بھی تھیں۔ جس رات کو اللہ عزّ و جل نے شرفِ رسالت سے نوازا اور آپؐ کے ذریعہ سے بندوں پر رحمت نازل فرمائی تو جبریلؑ یہ ایک اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر آپؐ کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریلؑ میرے پاس اس حال میں آئے کہ میں سو رہا تھا اور آ کر کہا: "پڑھو"۔ میں نے کہا: "میں کیا پڑھوں؟" اس پر جبریلؑ نے مجھے پکڑ کر اس قدر بھینچا کہ مجھے موت یاد آ گئی۔ پھر جبریلؑ نے اس خوف کو مجھ سے دُور کر دیا اور کہا: "پڑھو" میں نے کہا: "کیا پڑھوں؟" جبریلؑ نے دوبارہ مجھے اسی طرح بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھو۔" میں نے کہا: "کیا پڑھوں؟" میں یہ بات صرف اس لیے کہہ رہا تھا کہ جبریلؑ سے نجات حاصل کر لوں کہیں وہ مجھے پھر بھینچنا شروع نہ کر دیں۔ جبریلؑ نے کہا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق ۵ خلق الانسان من علق ۵ اقرأ و ربك الأكرم ۵ الذی علم بالقلم ۵ علم الانسان ما لم یعلم ۵ (العلق ۱-۵)

پڑھو (اے نبیؐ!) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو۔ اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

پھر جبریلؑ رک گئے اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں اپنی نیند سے اس حال میں بیدار ہوا کہ میرے دل پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے میرے نزدیک شاعر یا مجنون سے زیادہ کوئی شخص مبغوض نہ تھا۔ میں ان دونوں کو دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ میں نے اپنے جی میں کہا: کیا میں شاعر ہوں یا مجنون؟ میں نے پھر کہا کہ قریش مجھ سے یہ کلام سُننا ہرگز برداشت نہیں کریں گے، میں ضرور کسی اونچے چٹیل پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور وہاں سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کروں گا اور اس طرح اس بوجھ سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔ میں سخت تکلیف محسوس کر رہا تھا اور مجھے ایسا کرنے کے سوا کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ جب میں نے اس اقدام کا قصد کیا تو میں نے آسمان سے ایک پکارنے والے کی آواز سُنی جو کہہ رہا تھا: "اے محمدؐ! آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔" میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو دیکھا کہ جبریلؑ ایک آدمی کی شکل میں نمودار ہوئے ان کے دونوں قدم ایک قطار میں آسمان کے اُفق پر تھے اور وُہ کہہ رہے تھے: "اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔" میں ان کی طرف دیکھتا رہا اور انہوں نے مجھے اس اقدام سے باز رکھا جس کا میں نے ارادہ کیا ہوا تھا۔ میں کھڑا تھا، مجھ میں آگے یا پیچھے جانے کی طاقت نہ تھی اور نہ ہی مجھ میں یہ سکت تھی کہ میں اس طرف سے اپنا منہ ہٹاؤں جدھر آسمان پر میں جبریلؑ کو دیکھ رہا تھا۔

میں اسی حالت میں دم بخود کھڑا رہا یہاں تک کہ خدیجہؓ نے میری تلاش میں اپنے آدمی بھیجے اور وہ مکہ میں جا کر واپس چلے آئے، میں اسی حال میں تھا کہ رات اختتام کے قریب پہنچ گئی۔ پھر جبریلؑ چلے گئے اور میں اپنے گھر والوں کے پاس آ گیا اور خدیجہؓ کے پاس آ کر اس کی رانوں کے ساتھ جھک کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے پُوچھا: "اے ابوالقاسم! آپؐ کہاں تھے؟ بخدا میں نے تو آپؐ کی تلاش میں آدمی بھیجے جو مکہ میں جا کر واپس چلے آئے ہیں۔" میں نے کہا:

"نہ معلوم میں شاعر ہوں یا مجنون!" خدیجہؓ نے کہا: "اے ابوالقاسم! میں آپؐ کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں آپ یقیناً ایسے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کے ساتھ ایسا سلوک ہرگز نہیں کرے گا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ آپ سچ بولنے والے، انتہائی امانت دار، محاسنِ اخلاق کے حامل اور صلۂ رحمی کرنے والے ہیں۔ اے میرے چچا کے بیٹے! کیا معاملہ ہے؟ کیا آپ نے کوئی چیز دیکھی ہے یا سُنی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے خدیجہ کو سارا ماجرا سنایا۔" خدیجہؓ نے کہا: "اے میرے چچا کے بیٹے! آپ خوش ہو جائیے اور دلجمعی اختیار کیجئے۔ اس ذات کی قسم جس کی قسم آپؐ کھاتے ہیں، مجھے امیدِ واثق ہے کہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔" پھر خدیجہؓ اٹھیں، اپنا پورا لباس زیبِ تن کیا اور ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو ان کا چچیرا بھائی تھا اور کتابیں پڑھا ہوا تھا اس نے نصرانیت اختیار کر رکھی تھی اور توراۃ و انجیل کی تعلیمات سے باخبر تھا خدیجہؓ نے وہ سارا قصہ یعنی جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا یا سنا تھا ورقہ کو من و عن سنا دیا۔ ورقہ نے کہا: "قدوس، قدوس (پاک ہے، پاک ہے)۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ورقہ کی جان ہے۔ اے خدیجہؓ! اگر آپ نے مجھ سے سچ کہا ہے تو وہ یقیناً اس امت کے نبی ہیں۔ ان کے پاس وہ ناموسِ اکبر آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ آپ انہیں کہہ دیجئے کہ ثابت قدمی اختیار کریں۔" حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئیں اور جو کچھ ورقہ نے کہا تھا آپؐ کو سنایا۔ اس سے آنحضرتؐ کا وہ بوجھ اور غم جو آپؐ پر طاری تھا کافی حد تک ہلکا ہو گیا۔ غارِ حرا میں اپنی خلوت گزینی کے خاتمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معمول کے مطابق پہلے خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ طواف کے دوران میں آپؐ کی ملاقات ورقہ سے ہو گئی اس نے آپؐ سے پوچھا: "آپ نے کیا دیکھا یا سنا؟ مجھے پورا واقعہ سنائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا سارا قصہ سنایا۔ ورقہ نے کہا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے، یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا، آپ یقیناً اس امت کے نبی ہیں۔ آپؐ کو ایذا دی جائے گی اور جھٹلایا جائے گا۔ آپؐ سے قتال کیا جائے گا اور آپؐ کی امداد بھی ہوگی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو ان شاء اللہ میں آپؐ کی پُرزور تائید کروں گا۔" پھر ورقہ نے اپنا سر جھکایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کے وسط میں بوسہ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ورقہ کی باتوں کے ذریعہ سے اللہ عزوجل نے آنحضرتؐ کو دلجمعی عطا فرمائی اور آپؐ کے بوجھ اور غم کو ہلکا کر دیا۔

(۱۴۱) احمد نے یونس اور اس نے قرۃ بن خالد کی وساطت سے ابو رجاء عطاردی کی یہ روایت نقل کی کہ سب سے پہلی سورۃ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی وہ اقراء باسم ربك الذی خلق تھی۔

(۱۴۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگوں کا گمان ہے کہ جب خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی سے آنحضرتؐ کے بارے میں ذکر کیا تو ورقہ نے یہ اشعار کہے:

ان یك حقا یا خدیجة فاعلمی
حدیثك ایانا فاحمد مرسل

اے خدیجہؓ! اگر تمہاری وُہ بات جو تم نے ہم سے بیان کی ہے سچی ہے تو جان لو کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

وجبریل یاتیه ومیکال معهما
من الله وحی یشرح الصدر منزل

جبریلؑ اور میکائیلؑ ان کے پاس اللہ کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں جس سے شرحِ صدر حاصل ہوتا ہے۔

یفوز به من فاز فیها بتوبة
ویشقی به العاتی الغوی المضلل

جو شخص وحی کے ذریعہ سے گناہوں سے توبہ کرتا ہے وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور سرکشی، گمراہی اور دجل و تلبیس کے وبال سے بچ کر شفا حاصل کرتا ہے۔

فریقان منهم فرقة فی جنانه
واخری باحوار الجحیم تغلل

لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ (جو وحی پر ایمان لائیگا وہ) باغوں میں داخل ہوگا اور دوسرے گروہ کو جہنم کی گہرائیوں میں بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔

اذا ما دعوا بالویل فیها تتابعت
مقامع فی هاماتهم ثم من عل

جب انھیں دوزخ میں عذاب کے لیے پکارا جائے گا تو ان کے سروں کو لوہے کے آنکسوں کے ساتھ ہانک کر لے جایا جائے گا اور پھر اوپر سے ضربیں لگائی جائیں گی۔

یسبح من تهوی الریاح بامره
ومن هو فی الایام ماشاء یفعل

وہ ضرور اس خدا کی تسبیح کرے گا جس کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں اور جو زمانے میں جو چاہے کرتا ہے۔

ومن عرشه فوق السماوات کلها
واقضاؤه فی خلقه لا تبدل

اور وہ خدا وہ ہے جس کا عرش سارے آسمانوں کے اوپر ہے اور جس کا فیصلہ اس کی مخلوقات میں ناقابلِ تغیّر و تبدّل ہے۔

ورقہ نے اس بارے میں یہ اشعار بھی کہے:

یا للرجال لصرف الدهر والقدر
وما لشیء قضاه الله من غیر

زمانہ اور قضا و قدر کے انقلابات سے لوگ پریشان حال ہیں جس چیز کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر دیں اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

حتی خدیجة تدعونی لاخبرها
وما لها بخفی الغیب من خبر

خدیجہؓ مجھے پکارتی ہے کہ میں اسے خبر دوں، اس کے پاس غیب کی خفیہ خبروں کا علم نہیں ہے۔

جاءت لتسئلنی عنه لاخبرها
امرا اراه سیاتی الناس من اخر

وہ میرے پاس استفسار کے لیے آئی تاکہ میں اسے محمدؐ کی اس بات کے متعلق بتلاؤں جسے وہ بالآخر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔

فخبرتنی بامر قد سمعت به
فیما مضی من قدیم الدهر والعصر

اس نے مجھے وُہ بات بتلائی جو میں نے سُن لی اور جو زمانۂ قدیم سے تاریخ کے ہر دور میں چلی آ رہی ہے۔

بان احمد یاتیہ فیخبرہ جبریل انک مبعوث الی البشر	یہ کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریلؑ آکر خبر دیں گے کہ آپؐ کو بنی نوعِ انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔
فقلت عل الذی ترجین ینجزہ لک الالہ فرجی الخیر وانتظری	میں نے اسے کہا کہ بھلائی کی امید رکھ اور انتظار کر۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جن کے متعلق تمھیں امید ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے تمہاری حاجت پوری کر دے۔
وارسلیہ الینا کی نسائلہ عن امرہ ما یری فی النوم والسہر	انھیں ہمارے پاس بھیج دو تاکہ ہم ان سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھیں جو انہوں نے خواب اور بیداری کی حالت میں دیکھا۔
فقال حین اتانا منطقا عجبا یقف منہ اعالی الجلد الشعر	جب وہ ہمارے پاس تشریف لائے تو انھوں نے عجیب بات بتلائی جس سے جلد کا بالائی حصہ اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
انی رایت امین اللہ واجہنی فی صورۃ اکملت فی اہیب الصور	میں نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ اللہ کے امین ہیں اور وہ انتہائی رعب والی صورتوں میں سے مکمل ترین شکل میں میرے سامنے موجود ہیں۔
ثم استمر فکاد الخوف یذعرنی مما یسلم ما حولی من الشجر	وہ اسی حالت پر قایم رہا اور میں اس اندیشہ سے خوف زدہ ہوں کہ میرا ماحول مخالفتوں کی آماجگاہ ہے۔
فقلت ظنی وما ادری ایصدقنی ان سوف یبعث یتلو منزل السور	میں نے اپنا گمان بیان کیا ہے اگر اسے مبعوث کیا گیا تو وہ نازل شدہ سورتیں تلاوت کرے گا اور میرے گمان کی تصدیق ہو جائے گی۔
وسوف ابلیک ان اعلنت دعوتہم من الجہاد بلا من ولا کدر	اگر تو انھیں علانیہ تبلیغ کرے تو جہاد کے ذریعے تمہاری آزمائش کی جائے گی۔ اس ضمن میں احسان اور کدورت بے اثر ثابت ہوں گے۔

(۱۴۳) نظر لگنے کے بارے میں آنحضرتؐ کا معمول

احمد نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے محمد بن اسحاق سے اور اس نے عبداللہ بن ابی بکر کی وساطت سے ابوجعفر کی روایت نقل کی۔ ابوجعفر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں نزولِ وحی سے قبل اکثر نظر لگ جاتی تھی۔ خدیجہؓ بنت خویلد مکہ کی ایک بوڑھی عورت کو بلاتی تھیں اور وہ بڑھیا دعا پڑھ کر آپؐ پر دم کرتی تھی۔ بعد ازاں آنحضرتؐ پر قرآن نازل ہوا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کو پہلے کی طرح نظر لگ گئی تو حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے عرض کی: "یارسول اللہ! کیا میں اس بڑھیا کو بلا بھیجوں تاکہ وہ آپؐ پر دم کرے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

(۱۴۴) انبیاء کا بکریاں چرانا

احمد نے یونس کے حوالہ سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت نقل کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔" عرض کیا گیا: "یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے بھی؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں، میں نے بھی۔"

(۱۴۵) احمد نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عبیدہ نصری کی روایت نقل کی۔ عبیدہ نے کہا: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اونٹوں کے چرواہے اور بکریوں کے گڈریے اپنے اپنے مفاخر پر فخر کر رہے تھے۔ اس تفاخر میں اونٹوں کے چرواہوں نے بکریاں چرانے والوں پر برتری حاصل کرنے کے لیے انہیں کہا: "بکریاں چرانے والو! تمہاری حیثیت کیا ہے؟ تم دوڑنا چاہتے ہو یا شکار کرنا چاہتے ہو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے آپؐ نے فرمایا: "موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا حالانکہ وہ بکریاں چراتے تھے۔ داؤد علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا وہ بھی بکریاں چراتے تھے۔ مجھے مبعوث کیا گیا اور میں بھی اپنے خاندان کی بکریاں اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔" اس طرح آنحضورؐ نے ان کو نیچا دکھایا۔

(۱۴۶) نبیوں کے وصی اور اسباط

احمد نے یونس کے حوالہ سے عبید بن عتیبہ عبدی سے اور اس نے وہب بن کعب بن عبداللہ بن سؤر ازدی کی وساطت سے سلمان فارسیؓ کی روایت نقل کی۔ سلمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کا ایک وصی اور دو سبط نہ ہوں۔ آپؐ کا وصی اور آپؐ کے سبطین کون ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی اور اس استفسار کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ سلمانؓ اس حال میں چلے گئے کہ جب مسلمانوں میں سے کسی فردِ مسلم سے ان کی ملاقات ہوتی تو کہتے: "ہائے افسوس! ہائے افسوس!" لوگوں نے پوچھا: "اے سلمان الخیر! آپ کو کیا ہوگیا ہے؟" سلمان جواب دیتے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چیز کے متعلق سوال کیا لیکن آنحضرتؐ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا، مجھے خدشہ ہے کہ آنحضرتؐ نے ناراضی کی بناء پر یہ طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ادا کر چکے تو فرمایا: "سلمان! میرے قریب آؤ۔" سلمانؓ یہ الفاظ کہتے ہوئے آنحضرتؐ کے قریب گئے:

اعوذ باللّٰہ من غضبہ وغضب رسولہ۔	میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضی سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم نے مجھ سے ایک چیز کے متعلق سوال کیا تھا لیکن اس کے متعلق مجھے اللہ کی

طرف سے کوئی حکم موصول نہیں ہوا تھا، اب اللہ کا پیغام آ چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے چار انبیاء مبعوث فرمائے جن کے چار ہزار وصی اور آٹھ ہزار سبط تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں سب نبیوں سے عالی مرتبت ہوں۔ میرا وصی سب اوصیاءٗ سے اور میرے سبطین جملہ اسباط سے افضل ہیں۔

حصہ سوم

باب ۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

(۱۴۷) سیدنا محمدؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کی مدد کرنے کے لیے انبیا کا عہدو پیمان

ابو الحسین احمد بن محمد بن النقور البزاز نے ابو طاہر محمد بن عبد الرحمان المخلص کی وساطت سے ابو الحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی۔ ابو الحسین نے کہا کہ ابو عمر احمد بن عبد الجبار عطاردی نے یونس بن بکیر کے حوالہ سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا جہان کے لیے رحمت اور تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے قبل مبعوث کردہ ہر نبی سے آپؐ پر ایمان لانے، آپؐ کی تصدیق کرنے اور آپؐ کے مخالفین کے مقابلہ میں آپؐ کی مدد کرنے کا عہد لیا تھا، نیز ان سے یہ وعدہ بھی لیا تھا کہ جو لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں ان تک بھی یہ عہد و پیمان پہنچا دیں۔ چنانچہ اس بارے میں ان کے ذمہ جو حق تھا وہ انھوں نے پہنچا دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ ط قال ءاقررتم و اخذتم علیٰ ذٰلکم اصری ط قالوا اقررنا ط قال فاشھدوا وانا معکم من الشٰھدین ٥

(آل عمران - ۸۱)

اور یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ "آج ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی" یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا "کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟" انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا "اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے آپؐ کی تصدیق اور آپؐ کے مخالفوں کے مقابلہ میں آپؐ کی امداد کا وعدہ لیا تھا۔ پھر انہوں نے اس عہد کو ان لوگوں تک پہنچا دیا جو ان دونوں کتابوں (توراۃ و انجیل) کے حاملین میں سے ان پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کعبہ کی تعمیر جدید کے پانچ سال بعد مبعوث فرمایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی تھی۔

(۱۴۸) پہلی وحی کی تاریخ نزول

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی ابتدا ماہِ رمضان میں ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی للناس و بیّنٰت من الھدٰی والفرقان ج (البقرہ - ۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ۝ .... الخ (سورۃ القدر)

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن پر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوعِ فجر تک۔

اور یہ بھی فرمایا:

حٰمٓ ۝ والکتٰب المبین ۝ انا انزلنٰه فی لیلۃ مبٰرکۃ انا کنّا منذرین ۝ (الدخان - ۱-۳)

ح، میم۔ قسم ہے اس کتابِ مبین کی کہ ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے کیونکہ ہم لوگوں کو متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

نیز فرمایا:

ان کنتم اٰمنتم باللہ و ما انزلنا علٰی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن ط (الانفال - ۴۱)

اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان یہ مڈبھیڑ بدر کے مقام پر ہوئی۔

(۱۴۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کا مقابلہ جنگِ بدر میں ماہِ رمضان کی سترہ تاریخ کو جمعہ کی صبح کو ہوا تھا آخر یونس نے اور اس نے اسباط بن نصر کے حوالہ سے اسماعیل بن عبدالرحمٰن سے

روایت کی کہ جنگِ بدر جمعہ کے دن سترہ ماہ رمضان کو ہوئی تھی۔

(۱۵۰) احمد نے یونس سے اور اس نے ۔ ۔ ۔ ۔ خالد سے روایت کی کہ میں نے عبدالرحمان بن قاسم سے لیلۃ القدر کے متعلق پوچھا اس نے کہا کہ زید بن ثابتؓ سترہ تاریخ کی رات کو شب قدر قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس تاریخ کو جنگِ بدر ہوئی تھی۔

(۱۵۱) احمد نے یونس سے اور اس نے لبسر بن ابی حفص کندی دمشقی کی وساطت سے مکحول کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو فرمایا: "خبردار! پیر کے دن کا روزہ باقاعدگی سے رکھا کرو کیونکہ میری پیدائش پیر کو ہوئی، پیر کے دن مجھ پر پہلی وحی نازل کی گئی، میں نے پیر کے دن ہجرت اختیار کی اور پیر کو ہی میرا انتقال ہوگا۔

(۱۵۲) احمد بن عبدالجبار نے محمد بن فضیل کے حوالہ سے عاصم بن کلیب سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: "میں حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس تھا۔ آپ کے پاس آپ کے رفقاء بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: کیا آپ لوگوں نے شبِ قدر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول دیکھا ہے؟ :

التمسوھا فی العشر الاواخر وترا۔	یعنی شبِ قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق رات میں تلاش کرو۔

تمہارے خیال میں وہ کون سی رات ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا کہ پہلی رات، بعض نے تیسری رات کے حق میں رائے دی، بعض نے پانچویں رات کو شبِ قدر قرار دیا اور بعض نے ساتویں کو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اس دوران میں سکوت اختیار کیے ہوئے تھا۔ حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا: "تم نے کیوں چُپ سادھ رکھی ہے؟" میں نے کہا: "میری خاموشی آپ کے اس حکم کی وجہ سے ہے کہ میں اس وقت تک بات نہ کروں جب تک کہ یہ سب گفتگو نہ کرلیں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں نے تمہیں اسی لیے تو بلایا ہے کہ تم بھی اس مکالمہ میں شرکت اختیار کرو۔" حضرت ابن عباسؓ نے کہا: "میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلھن۔ (الطلاق۔۱۲)	اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کے مانند۔

اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی کی سات حالتیں بیان فرمائیں اور نباتات کی سات قسمیں پیدا کیں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "یہ جو کچھ تم نے کہا ہے میرے علم میں ہے لیکن تمہارے اس قول کا مفہوم مجھے معلوم نہیں ہے کہ نباتات کی سات قسمیں پیدا کی گئی ہیں۔" حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نے جواباً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پیش کیا:

ثم شققنا الارض شقا ہ فانبتنا فیھا حبا ہ وعنبا و قضبا ہ و زیتونا	پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور طرح طرح کے

ونخلاں وحدآئق غلباہ وفاکہتہ واباہ   پھل اور چارے۔

(عبس - ۲۶-۳۱)

(حضرت ابن عباس کے نزدیک "حدائق" ایسے باغوں کو کہتے ہیں جن کے اردگرد کھجوروں اور دوسرے درختوں کی ایک چاردیواری ہو۔ اور "اب" سے مراد وہ چارے ہیں جو جانور اور مویشی کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے)

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے رفقاء سے فرمایا: "کیا تم وہ باتیں بتانے سے عاجز ہو جو اس لڑکے نے بیان کی ہیں جس کے سر کی ہڈیوں کے جوڑ ابھی مجتمع نہیں ہوئے۔ بخدا! میری رائے بھی اس مسئلہ میں یہی ہے جس طرح ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے۔"

(۱۵۳) اولوالعزم رسول اور سیدنا یونسؑ کا طرزِ عمل

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی مسلسل آتی رہی۔ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ پر ایمان تھا اور آپؐ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آتے تھے آپؐ ان کی تصدیق کرتے تھے اور صدق دل سے ان کو قبول کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر جو بوجھ بھی ڈالا آپ نے اسے لوگوں کی خوشنودی اور ناراضی کے علی الرغم برداشت کیا۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے جو پیغام لے کر آتے ہیں اس کی تبلیغ کے ردعمل کے طور پر وہ لوگوں کے مظالم کا تختۂ مشق بنتے ہیں۔ نبوت کے بارگراں کی ذمہ داری اس قسم کی ہے کہ صرف اولوالعزم رسول ہی اسے اٹھانے کی استطاعت رکھتے ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی امداد اور توفیق سے۔

(۱۵۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن نے بتایا کہ اس نے ابن منبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ ابن منبہ اس وقت منیٰ کی مسجد میں تھے۔ ابنِ منبہ کے سامنے حضرت یونسؑ کا ذکر کیا گیا تو اس نے کہا کہ یونسؑ اللہ تعالیٰ کے ایک صالح بندے تھے ان کا مزاج عاجزانہ تھا آپ پر بارِ نبوت ڈالا گیا۔ ظاہر ہے کہ نبوت کا بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے۔ جب آپ پر نبوت کی ذمہ داری ڈالی گئی تو آپ اس کے نیچے دب گئے اور آپ کی کیفیت اس بوجھ اٹھانے والی لکڑی کی طرح ہوگئی جو بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے ٹوٹ جانے والی ہو۔ چنانچہ انھوں نے اس بوجھ سے جلد چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی اور (وہ اس بستی سے جس کی اصلاح پر وہ مامور تھے اللہ تعالیٰ کے حکم ثانی کا انتظار کیے بغیر) بھاگ نکلے۔

(۱۵۵) حضرت خدیجہؓ، پہلی مومنہ خاتون

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ حضرت خدیجہؓ پہلی

خاتون ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تصدیق کی۔ حضرت خدیجہؓ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے کام میں آسانی پیدا کر دی۔ جب مخالفین کی تکذیب اور ان کی طرف سے مکروہ باتیں سننے کی وجہ سے آپؐ رنجیدہ خاطر ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس رنج والم کو خدیجہؓ ہی کے ذریعہ رفع کرتا تھا۔ جب آپؐ خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے تو وہ آپؐ کو دلجمعی عطا کرتیں، آپؐ کا بوجھ ہلکا کر دیتیں، آپؐ کی تصدیق کرتیں اور اس طرح لوگوں کی بدسلوکی کے باعث آپؐ کو جو پریشانی لاحق ہوتی وہ دور ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ حضرت خدیجہؓ پر رحم فرمائیں۔

(۱۵۶) سچے خواب

احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے عروہ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی۔ ام المومنین نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو شرفِ نبوت سے نوازنے اور اپنے بندوں پر نزولِ رحمت کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے خواب کی حالت میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے لگے۔ آپؐ خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ ایسا ہوتا جیسے آپؐ صبح کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں اور بعینہٖ اسی طرح پیش آتا تھا۔ آپؐ کی یہ کیفیت اس وقت تک برقرار رہی جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ پھر آپؐ خلوت پسند ہو گئے اور آپؐ کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہ تھی کہ آپؐ تنہائی اختیار کریں۔

(۱۵۷) ورقہ بن نوفل سے ملاقات

احمد نے یونس بن بکیر سے اور اس نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے ابی میسرہ عمرو بن شرحبیل کی یہ روایت نقل کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ کو بتلایا کہ "جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو میں ایک ندا سنتا ہوں۔ بخدا! مجھے ڈر ہے کہ مجھ پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔" خدیجہؓ نے کہا: "خدا کی پناہ! اللہ تعالیٰ کبھی آپؐ کو رنج میں مبتلا نہ کرے گا، بخدا! آپؐ امانتیں ادا کرتے ہیں، رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں۔"

جب ابوبکرؓ آپؐ کے ہاں تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھر پر موجود نہ تھے، حضرت خدیجہؓ نے ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماجرا سنایا اور انہیں کہا: "اے عتیق! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ کے پاس لے جاؤ۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو ابوبکرؓ نے آپؐ کے دستِ مبارک کو تھاما اور کہا: "چلو، ورقہ کے پاس چلیں۔" آنحضرتؐ نے پوچھا: "تمہیں کس نے بتایا ہے؟" ابوبکرؓ نے جواب دیا: "خدیجہ نے۔" چنانچہ دونوں حضرات ورقہ کے پاس گئے اور اسے سارا قصہ سنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتلایا کہ جب میں اکیلا ہوتا ہوں تو میں اپنے پیچھے یہ آواز سنتا ہوں "یا محمد، یا محمد!" اور میں بھاگ جاتا ہوں۔

ورقہ نے کہا: "آپؐ ایسا نہ کریں بلکہ جب آپؐ کو پکارا جائے تو ثابت قدمی اختیار کر کے اس پیغام کو سُنیں اور پھر آ کر مجھے بتلائیں۔" اس کے بعد جب آپؐ تنہائی میں تھے تو جبریلؑ نے آپؐ کو آواز دی: "یا محمد! یا محمد! کہو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝	اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
الحمد للہ رب العٰلمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم ۵ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۝ (الفاتحہ)"	تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے، رحمان اور رحیم ہے، روزِ جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے، جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

پھر کہا: "کہو:

لآ الٰہ الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے)

آنحضرتؐ ورقہ کے پاس تشریف لائے اور اسے سارا ماجرا سنایا۔ ورقہ نے آپؐ سے کہا: "خوش ہو جائیے، آپؐ کو بشارت ہو، آپؐ وہی رسول ہیں جن کی بشارت ابنِ مریمؑ نے دی تھی اور آپؐ وہ رسول ہیں جو موسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ آپؐ نبی مرسل ہیں۔ آپؐ کو عنقریب جہاد کا حکم دیا جائے گا۔ اگر میری عمر نے اس وقت تک وفا کی تو میں آپؐ کی پُر زور مدد کروں گا۔" جب ورقہ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے ایک نصرانی عالم کو جنت میں دیکھا ہے جو ریشم کا لباس زیبِ تن کیے ہوئے ہے کیونکہ وُہ مجھ پر ایمان لایا تھا اور اس نے میری تصدیق کی تھی۔" آنحضرتؐ کا یہ اشارہ ورقہ کی جانب تھا۔

(۱۵۸) یونس نے ہشام بن عروہ کے حوالہ سے اس کے باپ عروہ کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا کہ ورقہ کے ایک بھائی نے ورقہ کی بے عزتی کی۔ اس آدمی نے ورقہ کو پکڑ لیا اور اسے گالیاں دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے ورقہ کے بھائی کو کہا: "کیا تم جانتے ہو کہ میں نے ورقہ کے لیے ایک باغ یا دو باغ دیکھے ہیں؟" پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ورقہ کو سبّ و شتم کیا جائے۔

(۱۵۹) حضرت خدیجہؓ کا جبریلؑ کو شیطان سے ممیز کرنا

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے اسماعیل بن ابی حکیم مولیٰ زبیر نے بتلایا کہ اس سے خدیجہؓ کی یہ روایت بیان کی گئی: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرفِ نبوت سے نوازا تو خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کی دلجمعی کی خاطر آپؐ کو کہا: "اے میرے چچا کے بیٹے! آپؐ کے

وہ ساتھی جو آپؐ کے پاس آتے ہیں کیا ان کی آمد پر آپؐ مجھے بتلائیں گے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں!" حضرت خدیجہؓ نے عرض کی: "جب وہ آئیں تو آپ مجھے اطلاع دیں" ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے کہ یکایک جبریلؑ تشریف لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو فرمایا: "خدیجہؓ! یہ جبریلؑ میرے پاس آئے ہیں۔" خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں۔" خدیجہؓ نے عرض کی: "آپؐ میری بائیں جانب تشریف لے آئیں۔" آپؐ بائیں جانب آکر بیٹھ گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ اب بھی انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں۔" خدیجہ نے عرض کی: "آپؐ میری دائیں جانب تشریف لے آئیں۔" آپؐ اٹھے اور خدیجہؓ کے دائیں جانب آکر بیٹھ گئے۔ خدیجہ نے دریافت کیا: "کیا آپؐ انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں۔" حضرت خدیجہؓ نے پھر عرض کی: "آپؐ آکر میری گود میں بیٹھ جائیں۔" رسولؐ اللہ گود میں بیٹھ گئے تو حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ اب بھی انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ہاں۔" پھر حضرت خدیجہؓ نے اپنا چہرہ کھول دیا اور اپنی اوڑھنی اتار دی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا: "کیا آپؐ انھیں دیکھ رہے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "نہیں۔" حضرت خدیجہؓ نے کہا: "اے میرے چچا کے بیٹے! یہ شیطان نہیں بلکہ فرشتہ ہیں، آپؐ دلجمعی اختیار کریں، آپؐ کو بشارت ہو۔" پھر خدیجہؓ ایمان لائیں اور انھوں نے گواہی دی کہ آپؐ کے پاس جبریلؑ جو کچھ لاتے ہیں وہ برحق ہے۔

(۱۶۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: میں نے یہ حدیث عبداللہ بن حسین سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ میں نے اپنی ماں فاطمہ بنت حسین کو حضرت خدیجہؓ سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا اس میں صرف یہ اختلاف تھا میں نے انھیں کہتے ہوئے سُنا کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کو اپنے کُرتے کے اندر داخل کر لیا اور اس وقت جبریلؑ چلے گئے۔ چنانچہ خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "یقیناً یہ فرشتہ ہیں، شیطان نہیں۔"

(۱۶۱) تخلیقِ آدم اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کی وساطت سے عامر شعبی کی روایت نقل کی۔ عامر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا: "آپؐ نے نبوت کب حاصل کی؟" آنحضرتؐ نے جواب دیا: "جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور ان میں روح پھونکی گئی۔"

(۱۶۲) بعثت کے بعد آنحضرتؐ کے مکہ اور مدینہ میں قیام کی مدت

یونس نے ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری سے اور اس نے ایک شخص کی وساطت سے سعید بن مسیب کی روایت نقل کی۔ سعید نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپؐ کی عمر تینتالیس ۴۳ سال کی تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے دس سال مکہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ میں۔

(۱۶۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس وقت آپؐ کی عمر چالیسؐ سال کی تھی۔ بعد ازاں آپؐ نے دس سال مکہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ میں۔

(۱۶۴) طریقِ تبلیغ و دعوت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی رسالت کے معاملہ میں صبر سے کام لیں اور جو کچھ آپؐ کو حکم دیا جائے اس کی تبلیغ کرتے جائیں۔

(۱۶۵) یونس نے عیسٰی بن عبداللہ تمیمی سے اور اس نے ربیع بن انس سے ابو العالیہ کی یہ روایت نقل کی اللہ تعالٰی نے فرمایا:

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ (الاحقاف - ۳۵)

پس اے نبیؐ! صبر کرو، جس طرح اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

یہ اولوا العزم رسول حضرات نوح، ہُود اور ابراہیم علیہم السلام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اس طرح صبر کریں جس طرح رسولوں نے صبر کیا۔ یہ تین تھے اور چوتھے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا:

یٰقوم ان کان کبر علیکم مقامی و تذکیری بایٰت اللہ فعلی اللہ توکلت فاجمعوا امرکم و شرکآءکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا الی ولا تنظرون ۝ (یونس - ۷۱)

اے برادرانِ قوم! اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سنا سنا کر تمہیں غفلت سے بیدار کرنا تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسا اللہ پر ہے۔ تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو ساتھ لے کر ایک متفقہ فیصلہ کر لو اور جو منصوبہ تمہارے پیشِ نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لو تاکہ اس کا کوئی پہلو تمہاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہے۔ پھر میرے خلاف اس کو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔

اس طرح حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے جدائی کا اظہار برملا کر دیا۔

عاد نے ہودؑ کا انکار کیا اور کہا:

ان نقول الا اعترٰک بعض اٰلھتنا بسوٓءٍ ط (ھود - ۵۴)

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑ گئی ہے۔

اس کے جواب میں حضرت ہودؑ نے فرمایا:

قال انی اشھد اللہ واشھدوا انی بریٓءٌ مما تشرکون ٥ (ھود۔ ۵۴)	ھود نے کہا: "میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دُوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے اس سے میں بیزار ہوں۔

اس طرح حضرت ہودؑ نے بھی اپنی قوم سے جُدائی کا اظہار کر دیا۔

ابراہیمؑ کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برءٰٓؤا منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضآء ابدًا حتی تؤمنوا باللہ وحدہٗ۔ (الممتحنہ ۔۴)	تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا "ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پُوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور بَیر پڑ گیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔"

یہ ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان اظہارِ مفارقت ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی نھیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ۔ (الانعام۔ ۵۶، المومن۔ ۶۶)	مجھے تو ان ہستیوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر مشرکین کو یہ آیت سنائی اور ان سے کھلم کھلا اظہارِ مفارقت کیا۔

(۱۶۶) نزولِ وحی کے بعد وقفہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر کچھ مدت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا جس سے حضورؐ سخت پریشان اور غمگین ہو گئے۔ اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپؐ نے اپنے جی میں کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت جبریلؑ سورۃ الضحیٰ لے کر تشریف لائے جس میں دن کی روشنی کی قسم کھائی گئی ہے۔ جبریلؑ نے یہ کہہ کر آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ فرمایا:

والضحیٰ ٥ والیل اذا سجیٰ ٥	قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جبکہ وہ سکون کے ساتھ طاری

ما ودعك ربك وما قلٰی ۝ وللاٰخرة خیرٌ لك من الاولٰی ۝ ولسوف یعطیك ربك فترضٰی ۝ الم یجدك یتیماً فاٰوٰی ۝ ووجدك ضآلاً فهدٰی ۝ ووجدك عآئلاً فاغنٰی ۝ فاما الیتیم فلا تقهر ۝ واما السآئل فلا تنهر ۝ واما بنعمة ربك فحدّث ۝

ہو جائے۔ (اے نبیؐ!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (یعنی وہ آپؐ سے کبھی ناراض نہیں ہوا) تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے (یعنی آخرت میں میرے ہاں واپسی پر جو مرتبہ آپؐ کو ملے گا وہ اس بزرگی سے بڑھ کر ہے جو میں نے آپؐ کو اس دنیا میں عطا کی ہے) اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے (یعنی دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں ثوابِ عظیم) کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا (یعنی اللہ تعالیٰ آپؐ کو یاد دلاتا ہے کہ اس نے کس طرح اس دنیا میں آپؐ پر یتیمی، ناداری اور ناواقفی کی حالت میں احسانات کئے اور بہترین طریقے سے آپؐ کی دستگیری کر کے آپؐ کی حالت کو سدھار دیا) لہذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو (یعنی آپؐ کو چاہیے کہ آپؐ متکبر اور جبار نہ ہوں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کمزور بندوں کے ساتھ بخل اور بدمزاجی کا مظاہرہ کریں) اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو (یعنی اللہ کی طرف سے آپؐ کو جو بزرگی اور نبوت کی نعمت عطا کی گئی ہے اس کا اظہار کرو اور تبلیغ و دعوت کا حق ادا کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ نبوت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اور بندوں پر کتنا عظیم احسان کیا ہے)

(۱۶۷) احمد نے یونس کے حوالہ سے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت خدیجہؓ کی روایت نقل کی۔ خدیجہؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی میں تاخیر ہوئی تو آپؐ سخت غمگین ہو گئے۔ جب میں نے آپؐ کا یہ غم و حُزن دیکھا تو میں نے کہا کہ آپ کی غمگینی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ سے ناراض ہو گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ما ودعك ربك وما قلٰی ۝ (اے نبیؐ!) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔

(۱۶۸) یونس نے عمرو بن ذر کے حوالہ سے اپنے باپ سے اور اس نے سعید بن جبیر کی وساطت سے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ آپؐ ہمارے پاس ذرا زیادہ

آیا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں جبریلؑ کی طرف سے آنحضرتؐ کی فرمائش کا جواب دیا گیا ہے:

وما نتنزل الا بامر ربك ج لہٗ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذٰلك ج وما كان ربك نسیا ○ (مریم ۔ ۶۴)

اے محمدؐ! ہم تمھارے رب کے حکم کے بغیر نہیں اترا کرتے، جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔ ہر چیز کا مالک وہی ہے اور تمھارا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

(۱۶۹) وضو اور نماز کی تعلیم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض ہوئی تو جبریلؑ آنحضرتؐ کے پاس آئے انھوں نے وادی کے کنارے کو ایڑی سے ٹھوکر لگائی جس سے پانی کا ایک چشمہ اُبل پڑا۔ جبریلؑ نے وضو کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آپؐ نے اپنا منہ دھویا، کلی کی اور ناک جھاڑی، سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا ــــــــــ اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے اور خوب پانی چھڑکا۔ پھر اُٹھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور چار سجدے کیے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور جی کو خوشی عطا کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو وہ کچھ حاصل ہوا جو آپؐ کو محبوب تھا پھر آپؐ خدیجہؓ کو لے کر چشمے پر آئے اسی طرح وضو کیا جس طرح جبریلؑ نے وضو کیا تھا۔ پھر آپؐ نے اور خدیجہؓ نے دو رکوع اور چار سجدے کیے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اور خدیجہؓ اسی طرح چھپ کر نماز ادا کرتے رہے۔

(۱۷۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن کیسان نے، اس نے عروہ بن زبیر سے اور اس نے عائشہؓ سے بیان کیا کہ جب پہلے پہل نماز فرض ہوئی تو دو دو رکعتیں فرض کی گئیں پھر حضر میں انھیں پورا کر کے چار رکعتیں کر دیا گیا اور مسافر کے لیے ان کی ابتدائی فرضیت یعنی دو دو رکعت بحال رکھی گئی۔ راوی نے کہا کہ میں نے یہ بات عمر بن عبدالعزیزؒ سے بیان کی اور انھوں نے عروہ سے کہا: تم نے مجھے یہ بات بتائی تھی کہ حضرت عائشہؓ سفر میں چار رکعت پڑھا کرتی تھیں[۱] جب عروہ آیا تو میں نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ یہ وہ شخص نہیں ہو گا جس سے میں نے یہ بات دریافت کی تھی۔ عروہ نے پھر وہی بات بتائی۔ عمرؒ نے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ تمھاری یہ باتیں کیا ہیں!" پھر انھوں نے پہلو بدلا، اپنی مسند سے اُترے اور اندر چلے گئے۔

---

[۱] اصل متن جس سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے یہ نسخہ مرتب کیا ہے اس میں یہاں پر خلا موجود ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں پر جو عبارت رہ گئی ہے اس کی وجہ سے مضمون خاصا گنجلک ہو گیا ہے شاید اسی لیے ابن ہشام نے اپنی کتاب "سیرۃ النبیؐ" میں ابن اسحاق کی اس روایت کے آخری حصے کو کلیۃً حذف کر دیا ہے۔ (مترجم)

(۱۷۱) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہ رضؓ کی روایت نقل کی حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا : جب ابتداء میں نماز فرض ہوئی تو دو دو رکعتیں فرض کی گئیں۔ بعد ازاں مسافر کے لیے ان کی ابتدائی فرضیت یعنی دو رکعت بحال رکھی گئی اور مقیم کے لیے انھیں پورا کر کے چار رکعت کر دیا گیا۔

(۱۷۲) یونس نے سالم مولیٰ ابی المہاجر سے روایت نقل کی۔ سالم نے کہا میں نے میمون بن مہران کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ پہلے پہل نماز دو دو رکعت تھی بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتیں پڑھیں اور یہی سنت ثابتہ ہے اور دو رکعتیں مسافر کے لیے برقرار رکھی گئیں اور اس کے لیے یہی پوری نماز ہے۔

باب ۱۶

حضرت علیؓ بن ابی طالب کا اسلام لانا

(۱۷۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: پھر اس کے دو دن بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب آئے۔ اُنھوں نے ان دونوں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ) کو حالتِ نماز میں دیکھ لیا اور پُوچھا: "اے محمدؐ! یہ کیا ہے؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے اپنے لیے پسند کیا ہے اور جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول مبعوث فرمائے ہیں۔ پس میں تمھیں بھی ایک خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے اور لات وعزّٰی کا انکار کرنے کی دعوت دیتا ہُوں۔" حضرت علیؓ نے عرض کیا: "یہ ایسی بات ہے جو آج سے پہلے میں نے کبھی نہ سُنی تھی میں اس بات کا فیصلہ نہیں کرسکتا جب تک (اپنے باپ) ابوطالب سے نہ پوچھ لُوں۔" حضورؐ کو یہ بات ناپسند تھی کہ اسلام کے استعلاء سے قبل ہی آپؐ کا راز فاش ہوجائے۔ اس لیے آنحضرتؐ نے فرمایا: "اے علیؓ! اگر تم قبول نہیں کرتے تو اس بات کو مخفی رکھو۔" حضرت علیؓ نے اس رات توقف کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا اور انہوں نے صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر پُوچھا: "اے محمدؐ! کل آپؐ نے میرے سامنے کیا بات پیش کی تھی؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، نیز تمھیں چاہیے کہ تم لات اور عزّٰی کا انکار کرو اور اللہ کے سوا دوسرے شریکوں سے قطعِ تعلق کرلو۔" حضرت علیؓ نے تعمیل کی اور اسلام قبول کرلیا لیکن ابوطالب کے خوف سے اپنا اسلام مخفی رکھا اور اس کا اظہار نہ کیا۔ زیدؓ بن حارثہ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ تقریباً ایک ماہ تک ان دونوں کا اسلام مخفی رہا۔ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اکثر آتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ نے جن انعامات سے نوازا ان میں سے ایک انعام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت میں تھے۔

(۱۷۴) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے عبداللہ بن ابی نجیح کی وساطت سے مجاہد کی روایت نقل کی۔ مجاہد نے کہا: جب حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا تو وہ دس سال کے تھے۔

(۱۷۵) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے، اس نے یحیٰی بن ابی اشعث کندی (از اہلِ کوفہ) سے، اس نے اسماعیل بن ایاس بن عفیف سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے اپنے دادا عفیف کی روایت نقل کی۔

عفیف نے کہا: میں ایک تجارت پیشہ شخص تھا، میں حج کے موسم میں منیٰ آیا، حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تجارت کا کاروبار کرتے تھے، میں ان کے پاس خرید و فروخت کے لیے گیا۔ اسی دوران میں ایک شخص ایک چھوٹے خیمے سے نکلا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز کے لیے کھڑا ہوگیا۔ اس کے بعد ایک عورت آئی وہ بھی اس کے ساتھ نماز کے لیے کھڑی ہوگئی، پھر ایک لڑکا آیا وہ بھی ان کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ میں نے پوچھا" اے عباس! یہ کیا دین ہے، اسے تو میں نہیں جانتا" عباس نے کہا:" یہ محمد بن عبداللہ ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے عنقریب ان کے لیے فتح ہو جائیں گے، یہ ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہیں جو ان پر ایمان لائی ہیں اور لڑکا ان کا بھتیجا علی بن ابی طالب ہے جو ان پر ایمان لایا ہے" عفیف نے کہا:" کاش! میں اس وقت ایمان لاتا اور حضرت علی بن ابی طالب کے بعد دوسرا مومن مرد ہوتا۔"

(۱۷۶) یونس نے یوسف بن صہیب کی وساطت سے عبداللہ بن بریدہ کی یہ روایت نقل کی کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسلام قبول کیا اور ان کے بعد تین اشخاص ابوذر، بریدہ اور ابوذر کے ایک چچیرے بھائی نے اسلام قبول کیا۔

باب ۱۷

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا اسلام لانا

(۱۷۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور پوچھا: "اے محمدؐ! کیا قریش کی یہ بات سچی ہے کہ آپؐ نے ہمارے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ آپ ہمیں بے وقوف اور ہمارے آباؤ و اجداد کو کافر قرار دیتے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر! بیشک میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں تاکہ اس کا پیغام پہنچاؤں، میں تمہیں بھی اللہ کی طرف سچائی کے ساتھ دعوت دیتا ہوں۔ بخدا! یہ دعوت برحق ہے۔ اے ابوبکر! میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم ایک خدا کو مانو جس کا کوئی شریک نہیں ہے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے سلسلے میں اہلِ اطاعت کی امداد کرو۔" آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو قرآن بھی پڑھ کر سنایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تردد کیا نہ انکار بلکہ فوراً اسلام قبول کرلیا، بتوں کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے شریکوں سے قطع تعلق کرلیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرلیا اور اس حال میں واپس گئے کہ وہ سچے مومن تھے۔

(۱۷۸) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کی وساطت سے محمد بن عبدالرحمان بن عبداللہ بن حصین تمیمی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جس کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اس نے کچھ نہ کچھ تردد کیا اور انحراف کی روش اختیار کرکے سوچا مگر جونہی میں نے ابوبکر کے سامنے اسلام کا ذکر کیا انھوں نے کوئی تردد نہ کیا اور فوراً قبول کرلیا۔

(۱۷۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر ابوبکر نے اپنے کام کا آغاز کردیا۔ اپنے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ اور زیدؓ بن حارثہ نے بھی اپنے اسلام کو ظاہر کیا۔ قریش کے لیے یہ چیز ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع سب سے پہلے جس نے کیا وہ آنحضرتؐ کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد تھیں۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؓ تھے جن کی عمر اس وقت دس سال کی تھی۔ پھر زیدؓ بن حارثہ ایمان لائے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے۔ ابوبکرؓ نے اسلام قبول کرکے اس کا اظہار کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں کو دعوت دینا شروع کردی۔ ابوبکرؓ اپنی قوم میں انتہائی خوش اخلاق اور ملنسار تھے اور لوگ ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ قریش میں

علمِ انساب کے سب سے زیادہ ماہر تھے اور ان سے زیادہ کوئی دوسرا یہ نہ جانتا تھا کہ قریش میں اچھے کون ہیں اور بُرے کون ہیں۔ آپ ایک خلیق اور نیکوکار تاجر تھے۔ آپ کی قوم کے لوگ ان کے علم و فضل، ان کی تاجرانہ حیثیت اور ان کے حسنِ سلوک کی وجہ سے بکثرت ان سے ملتے اور ان کے پاس آکر بیٹھتے تھے۔ آپ نے اپنے ملنے والوں اور اپنے ہم نشینوں میں سے جن جن کو قابلِ اعتماد سمجھا ان تک اسلام کی دعوت پہنچائی۔ راوی کا بیان ہے کہ میری معلومات کے مطابق آپ کی تبلیغ سے متاثر ہوکر حضرات زبیرؓ بن عوامؓ، عثمانؓ بن عفان، طلحہؓ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اسلام قبول کیا۔ یہ سب حضرات حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے انھیں قرآن سنایا اور اسلام کی حقیقت سے روشناس کیا نیز اللہ کی طرف سے نوازشات کے وعدوں کی بشارت دی۔ چنانچہ وہ ایمان لے آئے اور اسلام کی حقانیت کا اقرار کرنے والے بن گئے۔ یہ آٹھ اشخاص وہ ہیں جنہوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہنے میں سبقت کی اور نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور آنحضرتؐ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آیا اس پر ایمان لے آئے۔

باب ۱۸

حضرت ابُوذرؓ کا اسلام لانا

(۱۸۰) یونس نے یوسف بن صہیب کی وساطت سے عبداللہ بن بریدہ کی روایت نقل کی۔ حضرت ابوذر، بریدہ اور ابوذر کا ایک چچیرا بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ آنحضرتؐ اس وقت مکہ کے ایک گروہ سے علیحدگی اختیار کر کے پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے۔ جب یہ تینوں آپؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ اس وقت پہاڑ میں سوئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اپنے اوپر چادر اوڑھی ہوئی تھی لیکن آپؐ کے دونوں پاؤں چادر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سب لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔ ابوذرؓ نے کہا: "اگر اس علاقے میں کوئی نبی ہے تو وہ یہی سونے والا ہوسکتا ہے۔" چنانچہ وہ آنحضرتؐ کے پاس جا کر کھڑے ہوگئے۔ ابوذرؓ کے پاس ایک لاٹھی تھی جس پر وہ ٹیک لگا کر چلتے تھے۔ ابوذر نے آواز دی: "اے سونے والے مرد!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے اس لیے آپؐ نے جواب نہ دیا۔ ابوذر نے پھر آواز دی: "اے سونے والے مرد!" لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ ابوذر نے تیسری دفعہ یہ آواز دی: "اے سونے والے مرد!" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے تلوے کو لاٹھی سے ذرا دبایا۔ آپؐ جاگ کر بیٹھ گئے۔ ابوذر نے کہا: "اے محمدؐ! ہم آپ کے پاس یہ سننے کے لیے آئے ہیں کہ آپؐ کیا کہتے ہیں اور آپ کی دعوت کیا ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "میں کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔" یہ سن کر ابوذر اور آپ کے دونوں ساتھی ایمان لے آئے۔ اس وقت حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی ضروری کام کے لیے بھیجا ہوا تھا اور وہ اس میں مصروف تھے۔

(۱۸۱) گزشتہ امتوں کی تعداد

یونس بن جعفر بن حیان کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہیں شامل کر کے امتوں کا شمار کیا جائے تو ستر کی گنتی پوری ہو جاتی ہے۔ اللہ کے نزدیک تم سب اُمتوں سے بہترین اور اشرف ہو۔"

(۱۸۲) توراۃ میں نبی موعود کی صفت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق سے اور اس نے محمد بن ثابت بن شرحبیل کے حوالہ سے ام درداءؓ کی

روایت نقل کی ۔ اُمِ درداؓ نے کہا: میں نے کعب حبر سے پُوچھا کہ "تم توراۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات دیکھتے ہو؟" کعب نے جواب دیا: "وہاں آپؐ کا نام محمد رسول اللہ ہے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنے والے ہیں۔ تندخو، سنگدل اور بازاروں میں شور وغل کرنے والے نہیں۔ آپؐ کو فتوحات عطا کی جائیں گی اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپؐ ہی کے لیے کھولا جائے گا، نیز آپؐ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں کو دکھلائے گا، بہرے کانوں کو سنوائے گا اور ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کرے گا یہاں تک کہ وہ گواہی دیں گی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔ آنحضرتؐ مظلوم کی مدد اور اس کی حفاظت کریں گے۔

(۱۸۳) نبیؐ کے اسماءِ مبارکہ

یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ بن عمرو بن مرہ کے حوالہ سے ابی عبیدہ سے اور اس نے ابوموسیٰ سے روایت نقل کی ابوموسیٰ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے کئی نام بتائے جن میں سے ہم نے بعض کو یاد کر لیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"انا محمد واحمد والمقفی والحاشر ونبی التوبة والملحمة۔"

یعنی میرے اسمائے یہ ہیں:

ــــ محمد (بہت تعریف کیا ہوا)

ــــ احمد (بہت سراہا ہوا)

ــــ مقفی (تمام پیغمبروں سے پیچھے آنے والا، خاتم النبیین)

ــــ حاشر (لوگوں کو قیامت کے دن اکٹھا کرنے والا)

ــــ نبی توبة (بہت زیادہ استغفار کرنے والا)

ــــ نبی ملحمہ (امت کی خیر و صلاح کا ضامن، خواہ یہ بھلائی اور استواریِ احوال کفار کے ساتھ ناگزیر قتال کے ذریعہ سے حاصل کرنا پڑے)

(۱۸۴) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو سے اور اس نے عیزار بن حریث کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انجیل میں لکھا ہُوا ہے کہ آپؐ تُند خُو، سنگدل اور بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہوں گے ۔ وہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی سے نہیں لیں گے بلکہ عفو و درگذر سے کام لیں گے ۔

(۱۸۵) یونس نے عبدالرحمان بن عبیداللہ بن زیاد مولیٰ مصعب کی وساطت سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہتر امتیں گزر چکی ہیں اور تمہیں شامل کر کے ستر کی گنتی پوری ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

تم سب امتوں سے بہترین اور اشرف امت ہو۔

(۱۸۹۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی: ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم کے حوالہ سے اپنے باپ جبیر کی روایت بیان کی۔ جبیر بن مطعم نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ذکر فرماتے ہوئے سنا کہ میرے یہ پانچ اسماء ہیں:

میں محمدؐ اور احمدؐ ہوں۔ میں ماحیؐ (مٹانے والا) ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو ملیامیٹ کرے گا۔ میں عاقبؐ (سب سے پیچھے آنے والا یعنی خاتم النبیین) ہوں اور میں حاشرؐ (جمع کرنے والا) ہوں یعنی جب قیامت قائم ہو گی تو میں میدانِ حشر میں آؤں گا اور میرے پیچھے سب لوگ وہاں اکٹھے ہو جائیں گے۔

باب ۱۹

مہاجرینؓ کا اسلام لانا

(۱۸۷) اہلِ مکہ کا اسلام لانا

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ ابو عبیدہؓ بن حارث، ابو سلمہؓ بن عبدالاسد، عبداللہؓ بن ارقم مخزومی اور عثمانؓ بن مظعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور گواہی دی کہ آپؐ ہدایت اور روشنی کے جادۂ مستقیم پر ہیں۔

پھر قبائلِ عرب میں سے مندرجہ ذیل حضرات ایمان لائے:

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل (برادر بنی عدی بن کعب)۔ ان کی زوجہ فاطمہؓ بنت خطاب بن نفیل بن عبدالعزی (ہمشیرہ عمر بن خطابؓ)۔ اسماءؓ بنت ابی بکرؓ۔ عائشہؓ بنت ابی بکرؓ (جو اس وقت کم عمر تھیں)۔ قدامہ بن مظعونؓ (جمحی)۔ عبداللہؓ بن مظعونؓ (جمحی)۔ خباب بن ارتؓ (حلیف بنی زہرہ)۔ عمیر بن ابی وقاص زہریؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ (حلیف بنی زہرہ)۔ مسعودؓ بن قاری۔ سلیطؓ بن عمرو (برادر بنی عامر بن لوی)۔ عیاشؓ بن ابی ربیعہ مخزومی۔ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت سلامہ بن مخرمہ تیمی۔ خنیسؓ بن حذافہ سہمی۔ عامرؓ بن ربیعہ (حلیف بنی عدی بن کعب)۔ عبداللہؓ بن جحش اسدی۔ ابو احمدؓ بن جحش۔ جعفرؓ بن ابی طالب۔ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس۔ حاطبؓ بن حارث (جمحی)۔ ان کی زوجہ اسماءؓ بنت مجلل (خواہر بنی عامر بن لوی)۔ خطابؓ بن حارث۔ ان کی زوجہ فکیہہؓ بنت لیسار۔ معمرؓ بن حارث بن معمر (جمحی)۔ سائبؓ بن عثمان بن مظعون۔ مطلبؓ بن ازہر بن عبد عوف زہری۔ ان کی زوجہ رملہؓ بنت ابی عوف بن صبیرہ[۳] بن سعد۔ نعیمؓ بن عبداللہ (برادر بنی عدی بن کعب۔ نعیمؓ کا لقب نحام ہے)۔ عامرؓ بن فہیرہ مولی ابی بکر صدیق۔ خالدؓ بن سعید بن عاص۔ ان کی زوجہ امینہ بنت خلف بن اسعد بن عامر بن بیاضہ (خزاعی)۔ حاطبؓ بن عمرو بن عبد شمس (برادر بنی عامر بن لوی)۔ ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ۔ واقد بن قائد بن عبداللہ بن عزیزؓ بن ثعلبہ تیمی (حلیف بن عدی بن کعب)۔ خالدؓ بن بکیر۔ عامرؓ بن بکیر۔

---

[۱] ابنِ ہشام نے ان کا نام فاطمہ لکھا ہے۔ [۲] ابنِ ہشام کے نزدیک ان کا نام مطلب ہے۔ [۳] صبیرہ بحوالہ ابن ہشام۔
[۴] سعید بحوالہ ابن ہشام [۵] ابن ہشام کے نزدیک یہ نام غریب ہے۔

عاقلؓ بن بکیر۔ ایاسؓ بن بکیر بن عبداللہ بن ناشب (بنی سعد بن لیث۔ حلفائے بنی عدی بن کعب)۔ عمارؓ بن یاسر (حلیف بنی مخزوم)۔ صہیبؓ بن سنان (حلیف بنی تیم)۔

ان کے بعد عورتوں اور مردوں نے اِکا دُکا اسلام قبول کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس کا چرچا ہونے لگا اور اسلام کی دعوت آشکار ہوگئی۔ جب یہ حضرات اسلام لائے اور اسلام کی دعوت پھیلنا شروع ہوگئی تو قریشِ مکہ کو یہ چیز ناگوار گزری۔ آنحضرتؐ کے خلاف ان کا غیظ و غضب بھڑک اٹھا اور ان کے دلوں میں رسولؐ اللہ کے متعلق بغاوت اور حسد کے جذبات امڈ آئے۔ اسلام کے خلاف قریش کا یہ عمومی ردعمل تھا۔ لیکن ان میں بالخصوص کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے آپؐ کے ساتھ کھلم کھلا عداوت اور مخاصمت کا رویہ اختیار کیا۔ ان کھلے دشمنوں کے نام یہ ہیں:

ابوجہل بن ہشام اور اس کے رفقاء۔ ابولہب۔ عبید بن عبدلیغوث۔ عمرو بن طلاطلہ۔ ولید بن مغیرہ۔ عاصی بن وائل۔ امیہ بن خلف۔ ابی بن خلف (اس نے مکہ میں آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک کو ضرر پہنچایا)۔ ابوقیس بن فاکہہ بن مغیرہ۔ ابوقیس بن اسلت۔ حصین یا حصن بن حارث بن سعید بن حجاج (جو زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ ہے)۔ سائب بن صیفی بن عابد۔ اسود بن عبدالاسد۔ عاص بن سعید۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ ابوالعاص بن ہشام۔ عقبہ بن ابی معیط۔ ابوالاصدا ہذلی (اروی نے اسے دھکا مارا وہ گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا)۔ حکم بن ابی العاص۔ عدی بن حمراء ثقفی۔ زمعہ بن اسود۔ ان میں سے جو لوگ آنحضرتؐ کو ایذا رسانی کرتے وہ ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص اور عدی بن حمراء ثقفی تھے اور ایک اور شخص بھی تھا۔

(۱۸۰) **ارشادِ ربانی** انذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ)

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا، جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بزرگی سے نوازا تو جس شخص نے آنحضرتؐ کے ساتھ سب سے زیادہ اور مسلسل و پیہم عداوت اور حسد و ظلم کا رویہ اختیار کیا وہ ابوجہل تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جو تعلیم آپؐ کو دی گئی ہے اسے صاف صاف سنا دیں، اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں تک پہنچائیں اور لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد ابتدائی تین سال تک خفیہ طریقے سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ اس کے بعد علانیہ دعوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ احکام دئے:

(۱) فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین۔ (الحجر - ۹۴)

پس اے نبی! جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو۔

۱؎ ابن ہشام نے یہ نام عبد یالیل لکھا ہے۔

(ب) وانذر عشيرتك الاقربين ٥ واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين ٥ (الشعراء - ۲۱۴ - ۲۱۵)

اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ، اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

(ج) قل انی انا النذیر المبین ٥ (الحجر - ۸۹)

کہہ دو کہ میں تو صاف صاف تنبیہ کر دینے والا ہوں۔

(۱۸۹) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا، مجھے اس شخص نے بتایا جس نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے سُنا اور مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس کا نام پوشیدہ رکھوں اور عبداللہ بن حارث نے حضرت ابن عباسؓ کی وساطت سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت "وانذر عشيرتك الاقربين ٥ واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين ٥" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے خیال کیا کہ اگر میں نے اپنی دعوت کو علانیہ پیش کرنے کا قصد کیا تو مجھے قوم کی طرف سے ناروا سلوک سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لیے میں نے توقف کیا۔ یکایک میرے پاس جبریلؑ آ گئے اور انہوں نے کہا کہ "اے محمدؐ! اگر آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی تو آپؐ کا رب آپ کو عذاب دے گا۔" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور بتلایا: "اے علی! مجھے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ میں اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤں۔ لیکن میں نے سمجھا کہ اگر میں نے ان کے سامنے اپنی دعوت علانیہ پیش کی تو وہ میرے ساتھ ناپسندیدہ سلوک کریں گے اس لیے میں ایسا کرنے سے باز رہا یہاں تک کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی عدمِ تعمیل کی صورت میں عذاب کی وعید سنائی اس لیے اے علی! ہمارے لیے ایک صاع کھانا تیار کراؤ اور اس پر سالم بکری کا پکا ہوا گوشت رکھ دو، نیز دودھ کا ایک لگن مہیا کرو اور بنی عبدالمطلب کو بلا بھیجو۔" حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی۔ بنی عبدالمطلب اکٹھے ہو گئے۔ وُہ اس وقت تقریباً چالیس مرد تھے جن میں آنحضرتؐ کے چچا ابو طالب، حمزہؓ، عباسؓ اور (خبیث کافر) ابو لہب بھی تھے۔ میں نے کھانے کا وہ بڑا برتن ان کے سامنے رکھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک ٹکڑا لیا اور اسے دانتوں سے کاٹ کر ملاحظہ فرمایا پھر وُہ برتن سب حاضرین کے سامنے کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور برتن کو خالی کر دیا یہاں تک کہ کھانے کے نشانات صرف ان کی انگلیوں اور زبانوں پر تھے ان میں سے ہر ایک نے اسی طرح کھایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علیؓ! اب مشروب سے ان کی تواضع کرو۔" میں دودھ والا برتن بھی لے آیا۔ ان سب نے سیر ہو کر پیا۔ بخدا! ان میں سے ہر ایک نے اسی طرح پیٹ بھر کر پیا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کہنے کا ارادہ کیا تو ابو لہب جلدی سے بول اٹھا: "تمہارے اس ساتھی کا جادو کہیں تم پر چل جائے۔" اس طرح ابو لہب نے یہ مجلس خراب کر دی اور سب لوگ منتشر

ہو گئے۔ آنحضرتؐ اپنی دعوت پیش نہ کر سکے۔ اگلے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے علی! کل کی طرح آج دوبارہ اکل و شرب کی دعوت کا انتظام کرو۔ یہ شخص میرے بات کرنے سے قبل ہی بول پڑا تھا اور تم نے سُن لیا ہے جو اس نے کہا۔ اس کو میں اپنی دعوت پیش نہیں کر سکا۔" حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کے ارشاد کی تعمیل کی اور بنی عبدالمطلب کو اکٹھا کیا۔ آنحضرتؐ نے حسبِ سابق ان کے سامنے ماحضر پیش کیا، سب نے خوب سیر ہو کر تناول کیا۔ پھر میں نے ان کے سامنے مشروب پیش کیا۔ سب نے سیر ہو کر پیا۔ بخدا! سب لوگوں نے اسی طرح کھایا اور پیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے بنی عبدالمطلب! مجھے کسی ایسے عرب جوان کے بارے میں معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس میری لائی ہوئی دعوت سے بہتر لائحۂ عمل لایا ہو، میں تمہارے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی کے حصول کا پروگرام لایا ہوں۔"

(۱۹۰) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عائشہؓ کی روایت پیش کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: "آپؐ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس فرشتہ یکایک وحی لے آتا ہے اور یہ گھنٹی کی آواز کی طرح ہوتی ہے۔ وحی اخذ کرنے کا یہ تجربہ میرے لیے بڑا اعصاب شکن ہوتا ہے۔ بہرحال جب فرشتہ مجھ سے جُدا ہوتا ہے تو وحی میرے سینے میں محفوظ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ میرے پاس انسانی شکل میں آکر ہمکلام ہوتا ہے اور میں اس کی باتوں کو محفوظ کر لیتا ہوں۔"

(۱۹۱) یونس نے عباد بن منصور سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ بوجھ محسوس کرتے اور آپؐ کی جلد کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اس دوران میں لوگ آپؐ سے کوئی کلام نہ کرتے۔

(۱۹۲) نزولِ وحی کے بعد آنحضرتؐ کا معمول

یونس نے عمر بن ذر کی وساطت سے مجاہد کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول ہوتا تو آپؐ پہلے اسے مردوں کے سامنے تلاوت کرتے پھر عورتوں کے سامنے۔

(۱۹۳) یونس نے ابی معشر سے اور اس نے سعید مقبری کی وساطت سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اولادِ عبدِ مناف! اے اولادِ عبدالمطلب! اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی! اے صفیہ رسول اللہؐ کی پھوپھی! تم لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کی گرفت سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔ جان لو کہ قیامت کے روز سب سے پہلے متقی لوگ آئیں گے۔ اگر تم میری قرابت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرو گے تو یہ تمہارے لیے اور میرے لیے کامیابی ہو گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ اعمال لے کر آئیں اور تم دنیا کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے آؤ۔ ایسی صورت میں میں تم سے کنارہ کشی اختیار کروں گا۔ تم مجھے پکارو گے، یا محمدؐ! اور میں اس طرح کر دوں گا۔" اس پر آنحضرتؐ نے اپنا منہ پھیر لیا اور فرمایا: "تم پھر

کہو گے اے محمدؐ! اور میں اس کا جواب اِس طرح دوں گا۔" اور آنحضرتؐ نے اپنا رُخ دوسری طرف پھیر لیا۔

(۱۹۴) مشرکین کی عداوت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نماز پڑھنے کے لیے گھاٹیوں میں چلے جاتے تھے اور اپنی قوم کے لوگوں سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے، اس دوران میں مشرکین کا ایک گروہ ان کے پاس چلا گیا ان کے ساتھ مقابلے پر اُتر آیا اور ان کی نماز کو بُرا بھلا کہا یہاں تک کہ مشرکین لڑائی پر آمادہ ہو گئے اور مسلمانوں کو بھی اپنا دفاع کرنا پڑا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے مشرکین کے ایک آدمی کے سر پر اونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ یہ پہلا خُون تھا جو اسلام کے بارے میں بہایا گیا۔

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے باز نہیں آتے جو انہیں سخت ناپسند ہیں اور ان کے معبودوں کی عیب چینی کرتے رہتے ہیں اور آپؐ کے چچا ابو طالب آپؐ کے ساتھ شفقت کرتے ہیں اور آپؐ کی حمایت پر کمربستہ ہیں اور آپؐ کو ان کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں تو قریش کے قابلِ ذکر سرداروں میں سے مندرجہ ذیل اشخاص ابو طالب کے پاس گئے ؛

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابو سفیان، ابو البختری، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاصی بن وائل، نبیہ و منبہ پسرانِ حجاج۔

ان کے ہمراہ شاید اور شخص بھی تھے۔ انھوں نے کہا: اے ابُو طالب! آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کی بُرائی کی، ہمارے دین کی عیب چینی کی، ہماری عقلوں کو حماقت قرار دیا اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ ٹھہرایا۔ لہٰذا اب یا تو اسے ان باتوں سے باز رکھیں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں ہم اس سے نمٹ لیں گے کیونکہ آپ خود بھی تو ہماری طرح اس کے لائے ہوئے دین کے خلاف ہیں۔ ابو طالب نے اس کے ساتھ نرم باتیں کیں اور انھیں اچھے طریقے سے ٹھنڈا کیا اور وہ واپس چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ معمول دین کی تبلیغ جاری رکھی اور آپ لوگوں کو دین کی طرف دعوت دیتے رہے۔

پھر قریش نے باہم مشورہ کیا کہ جس جس قبیلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے اسلام قبول کیا ہے وہ قبیلہ ان مسلمانوں کو اذیت پہنچائے۔ چنانچہ ہر قبیلہ اپنے میں کے مسلمان پر ٹوٹ پڑا۔ انھیں تعذیب کا نشانہ بنایا اور فتنہ میں مبتلا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت آنحضرتؐ کے چچا ابو طالب نے کی۔ جب انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے بارے میں قریش کا طرزِ عمل دیکھا تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت کے لیے آمادہ کیا۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے ابو طالب کا ساتھ دیا اور ابو طالب کی اس پکار پر کہ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی جائے ——— لبیک کہا' ماسوائے ابولہب کے' جس نے اس معاملہ میں بنی ہاشم کا ساتھ نہ دیا۔ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب بھی ایک معاہدہ کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے حلیف تھے دیگر بنی عبد مناف اس معاہدہ میں شریک نہ تھے۔ ابو طالب نے اس موقعہ پر یہ اشعار کہے:

حتی متی نحن علیٰ فتنة یاھاشم والقوم فی محفل	اے بنی ہاشم! ہم کب تک فتنے کا شکار رہیں گے جبکہ قوم من حیث المجموع ہمارے خلاف متحد ہے۔
یدعون بالخیل علیٰ رقبة منا لدی الخوف وفی معزل	وہ خوف کے مارے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر سواروں کو نگہبانی اور حفاظت کے لیے بلا رہے ہیں۔
کالرجبة السوداء یعلو بھا سرعانھا فی سبب مجفل	ان کی مثال ایسی ہے کہ جب وہ وسیع اور کشادہ سبزہ زار میں ہوتے ہیں تو ان کے تیز سوار ابھرتے ہیں لیکن کھلے مقابلہ کے میدان میں راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔
علیھم الترك علیٰ رعلة مثل القطا السارب المھمل	انہیں لازم ہے کہ وہ جنگ میں خواہ مخواہ بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیں اور ان کا طرزِ عمل قطا پرندہ (بھٹ تیتر) کی طرح نہ ہونا چاہیے جو بے مقصد ایک طرف کو نکل جاتا ہے۔
یاقوم ذودوا عن حماکم بکل مفصال علیٰ مسبل	اے قوم! اپنی چراگاہ کی حفاظت کرو اور شمشیرِ براں کے ساتھ ہر متکبر کے سر کو کچل کر رکھ دو۔
وقد شھدت العرب فی فتیة عند الوغاء فی عثیر القسطل	عرب یہ دیکھیں گے کہ گرد و غبار کی دُھول میں ہمارے نوجوان معرکۂ کارزار میں برسرِ پیکار ہو کر جرأت و مردانگی کے جوہر دکھائیں گے۔

جب بنو ہاشم اکٹھے ہو گئے اور بنو مطلب بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور ابو طالب نے دیکھا کہ بنو مطلب کی شمولیت کے باعث بنو ہاشم طاقتور ہو چکے ہیں اور یہ کہ دیگر قریش ان کی عداوت پر کمر بستہ ہیں تو ابو طالب نے قوم کی دشمنی کو الم نشرح کر دیا اور ان کے ساتھ جنگ کی طرح ڈال دی۔ اس موقعہ پر ابو طالب نے یہ اشعار کہے:

منعت الرسول رسول الملیك ببیض تلالأ کلمع البریق	میں نے اس رسولؐ کی حفاظت کی جو خدا کا رسول ہے۔ یہ کارروائی میں نے سفید تلواروں کے ساتھ کی جو بجلی کی طرح چمکتی ہیں۔
بضرب یزبر دون التھاب جذار البوادر کالجنفقیق	میں ان پر مضبوط اور کاری ضرب غصہ کے بغیر سنجیدگی کے ساتھ لگاتا ہوں اور یہ ضرب تلوار کی تیزی کے باعث شانوں کو کاٹ دیتی ہے۔

اذب داحمی رسول الملیك
حمایۃ یحام علیه شفیق

میں خدا کے رسولؐ کی بکثرت زیارت کرتا ہوں اور ان کی حفاظت کرتا ہوں۔ میں یہ حفاظت مسلسل اور پیہم کرتا ہوں جس طرح ایک مشفق کیا کرتا ہے۔

وما ان ادب لاعدائه
دبیب البکار حذار الفنیق

اگر میں آنحضرتؐ کے دشمنوں کے لیے آہستہ چال چلوں تو میں ان جوان اونٹوں کی چال نہیں چلتا جو اصیل نسل کشی کے سانڈ اونٹوں سے بچتے ہوئے چلتے ہیں۔

ولکن ازیر لهم سامیا
کما زار لیث بغیل مضیق

بلکہ میں ان کے مقابلے میں سر کو اونچا کر کے اس طرح دھاڑتا ہوں جس طرح تنگ کرنے والا شیر نر دھاڑتا ہے۔

جب ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کی یہ حالت دیکھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں آپؐ کے ساتھ کوشاں ہیں اور آپ کے ساتھ شفقت کا سلوک کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوئے اور انہوں نے ان کی تعریف کی اور انھیں پرانے واقعات یاد دلائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مرتبے کا ذکر کیا تاکہ آپؐ کے بارے میں ان کی رائے پختہ ہو جائے اور وہ آپؐ سے مشفقانہ سلوک کریں۔ چنانچہ ابو طالب نے یہ اشعار کہے:

اذا اجتمعت قریش لمفخر
فعبد مناف سرها وصمیمها

جب قریش کسی قابلِ افتخار کارنامہ کے لیے اکٹھے ہوئے تو اس مہم میں بنی عبد مناف نے اپنے آپ کو قریش کی رُوح رواں ثابت کیا۔

وان حصلت اشراف عبد منافها
ففی هاشم اشرافها وقدیمها

پھر جب ان میں سے بنی عبد مناف کے شرفاء کا انتخاب کیا گیا تو یہ شرفاء اور سردار بنی ہاشم کے گھرانے میں پائے گئے۔

وان فخرت یومًا فان محمدًا
هو المصطفی من سرها وکریمها

اگر کسی دن بنی ہاشم نے فخر کیا تو ان میں سے محمد مصطفیٰؐ ہی ان کی جان اور صاحبِ شرافت ثابت ہوئے۔

تداعت قریش غثها وسمینها
علینا فلم تظفر وطاشت حلومها

قریش کے چھوٹے بڑے تمام لوگوں نے ہمارے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا، لیکن ان کی کوشش کامیاب نہ ہوئی بلکہ ان کی عقل ماری گئی اور ان کے منصوبے ناکام ہو گئے۔

وکنا قدیما لا نقر ظلامة
اذا ما ثنوا صعر الخدود نقیمها

ہمارا یہ طریقہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ ہم ظلم کو قائم نہیں رہنے دیتے، اور جب لوگ تکبر و غرور سے اپنے رخساروں کو ٹیڑھا کرتے ہیں تو ہم انھیں سیدھا کر دیتے ہیں۔

ونحمی حماها کل یوم کریهة
ونضرب عن احجارها من یرومها

ہر مکروہ جنگ کے موقعہ پر ہم اس کی چراگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جو کوئی اس کے استیصال کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو ضربیں رسید کرتے ہیں۔

(۱۹۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب بنو ہاشم نے ابولہب کے معاندانہ طرزِ عمل کے خلاف محاذ بنا لیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں دیگر قریش کا ساتھ دیا تو ابوطالب نے کھل کر اس کی ہجو کی۔ ابولہب کی ماں کا نام لبنیٰ بنت حاجر تھا اور وہ خزاعیہ تھی۔ اور ابوطالب، عبداللہ (والدِ ماجد رسول اللہؐ) اور زبیر کی ماں کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم تھا۔ ابوطالب نے ابولہب کی ماں کے حوالے سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی ماں کو سماحیج کہا جاتا تھا۔ ابوطالب نے اس کے خلاف یہ سخت اشعار کہے:

مستعرض الاقوام بخبرهم عذری و ما ان جئت من غدر	میں لوگوں کو ان کے بارے میں خبر دے کر معذرت پیش کرتا ہوں اور ایسا کر کے میں نے کسی بدعہدی کا ارتکاب نہیں کیا۔
فاجعل فلانة وابنها عوضا لکرائم الاکفا و الصهر	فلاں عورت اور اس کے بیٹے کو شریف میل کے رشتوں اور سسرالی رشتوں کی ضد سمجھو۔
واسمع نوادر من حدیث صادق تهوین مثل جنادل الصخر	ایک سچے شخص کے واقعہ کے بارے میں ان سے عجیب وغریب باتیں سنو یعنی یہ کہ چٹان کے ان پتھروں کو کمزور قرار دیا جا رہا ہے۔
انا بنوام الزبیر و فحلها حملت بنا للطیب (...[1]) والظهر	ہم اُمِ زبیر اور اس کے اصیل خاوند کی اولاد ہیں۔ ہم اصیلوں کے صلب سے ہیں اور ہماری مائیں پاکدامن ہیں۔
فخرمت منا صاحبا و مؤازرا واخا علی السراء و الضر	ہم سے ہمارے ایک ساتھی، مددگار اور بھائی کو ہم سے خوشحالی اور بدحالی میں ہم سے جدا کر دیا گیا ہے۔

ابن اسحاق نے کہا کہ جب ابوطالب نے اپنی قوم کی مخالفت کے علی الرغم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کا فیصلہ کر لیا اور وہ اس پر مضبوطی سے کاربند ہو گئے اور قوم آنحضرتؐ کی عداوت اور مخالفت پر کمربستہ ہو گئی تو ابوطالب نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

ما ان جنینا من قریش عظیمة سوی ان منعنا خیر من وطیٔ الترابا	اگر ہم قریش کی طرف سے سخت مصیبت میں مبتلا کیے گئے ہیں تو یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اس شخص کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا ہے جو زمین پر چلنے والوں میں سے بہترین ہے۔
اخا ثقة للنائبات مرزا کریما منساه لا لئیما و لا تربا	وہ قابلِ اعتماد بھائی ہے، مصیبتوں میں جس کی پناہ لی جاتی ہے، وہ نجیب الطرفین ہے، ملامت زدہ ہے اور جی حضوری نہیں ہے۔

---

[1] اصل متن جس سے یہ نسخہ مرتب کیا گیا ہے اس میں یہاں خلا ہے۔

فیا لخوینا عبد شمس و نوفلا	اے ہمارے دو بھائیو! یعنی بنی عبد شمس اور بنی نوفل! تمھیں یہ چیز زیب نہیں دیتی کہ تم ہمارے درمیان جنگ کی آگ بھڑکاؤ۔
فیا کما ان تسعرا بیننا حربا	
و ان تصبحوا من بعد ود و الفۃ	اگر تم محبت و الفت کے بعد احابیش کا کردار ادا کرو تو تم میں سے ہر ایک مصیبت و نکبت کی شکایت کرے گا۔
احابیش فیھا کلکم یشتکی النکبا	
الم تعلموا ما کان فی حرب داحس	کیا تم نہیں جانتے کہ حربِ داحس میں کیا ہوا اور ابو یکسوم (ابرہہ) کے لشکر کے ساتھ کیا پیش آیا جبکہ انھوں نے گھاٹیوں کو بھر دیا تھا۔
و رھط ابی یکسوم اذ ملئوا الشعبا	
فو اللہ لو لا اللہ لا شئی غیرہ	بخدا! اگر اللہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا (یعنی ہم سب ناپید ہوتے) اور تمہاری یہ حالت ہوتی کہ تمہارے پاس کوئی رستہ نہ ہوتا جس پر چل کر ہم تمہارے پاس آتے۔
لا صبحتم لا تملکون لنا سربا	

(۱۹۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے محمد بن ابی محمد سے اور اس نے سعید بن جبیر یا عکرمہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی کہ قریش کے کچھ لوگ ولید بن مغیرہ کے ہاں اکٹھے ہوئے، وہ ان سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا۔ حج کا موسم آچکا تھا۔ ولید بن مغیرہ نے حاضرین سے کہا: "حج کا زمانہ آگیا ہے اس موقعہ پر حاجیوں کے وفود تمام عرب سے تمہارے پاس آئیں گے۔ انہوں نے تمہارے اس رفیق (حضرت محمدؐ) کا حال تو سُن ہی لیا ہے، اس لیے ان کے متعلق کوئی ایک بات طے کر لی جائے ایسا نہ ہو کہ تم ان کے خلاف مختلف الزام عائد کرو اور اس طرح خود ہی ایک دوسرے کو جھٹلاؤ اور ایک دوسرے کی تردید کرتے جاؤ۔" انھوں نے کہا: "اے ابو عبد شمس! آپ ہی ان کے بارے میں کوئی رائے تجویز کریں ہم سب اس کی تعمیل کریں گے۔" ولید نے کہا: "تم لوگ اپنی تجاویز پیش کرو، میں سنتا ہوں۔" کچھ لوگوں نے کہا: "ہم محمدؐ کو کاہن کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ کاہن تو نہیں ہے۔ میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ یہ قرآن کاہنوں کی گنگناہٹ اور ان کے مسجع فقرات کی طرح نہیں ہے۔" انھوں نے کہا: "ہم انھیں مجنون کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ مجنون نہیں ہے۔ ہم نے پاگلوں کو دیکھا ہے اور ان کے حالات سے ہم باخبر ہیں۔ تمہارا یہ رفیق نہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے نہ الٹی سیدھی حرکات کرتا ہے اور نہ وسوسوں کا شکار رہے۔" انھوں نے کہا: "ہم انھیں شاعر کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم جملہ اصنافِ سخن —— رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط —— سے واقف ہیں۔ ان کے کلام پر شاعری کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے کہا: "ہم انھیں ساحر کہیں گے۔" ولید نے کہا: "وہ ساحر بھی نہیں ہیں، جادوگروں اور ان کے طور طریقوں سے ہم واقف ہیں لیکن یہ تو گرہوں میں پھونکنے کا عمل نہیں کرتے اور یہ بات بھی ان پر چسپاں نہیں ہوتی۔" پھر انھوں نے کہا: "اے ابو عبد شمس! پھر تم ہی بتاؤ کہ ہم ان کے متعلق کیا پراپیگنڈہ کریں؟" ولید نے کہا: "بخدا! ان کے کلام میں شیرینی ہے۔ اس کلام کی جڑیں پھیلی ہوئی اور مستحکم ہیں اور اس کی شاخیں ثمردار ہیں۔ اپنی تجاویز کے مطابق تم جو بات بھی کرو گے میں سمجھتا ہوں کہ

وہ باطل قرار دی جائے گی۔ قریب ترین بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ تم ان کے بارے میں کہو کہ یہ شخص جادوگر ہے جو آدمی کو اس کے باپ، بھائی، بیوی اور اہلِ خاندان سے جُدا کر دیتا ہے۔" ولید کی یہ بات سُن کر سب حاضرین منتشر ہو گئے۔ انہوں نے حاجیوں کے وفود کے پاس جانا شروع کیا اور زائرین میں سے جس کے ساتھ ملاقات ہوتی اسے آپؐ سے ڈراتے اور حاجیوں کو آپؐ کے بارے میں بتلا کر انھیں ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے۔ ولید بن مغیرہ کی اس شر انگیزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مدثر میں اس کے متعلق فرمایا،

"ذرنی ومن خلقت وحیدا ۞ سے لے کر ساصلیہ سقر تک"

جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :

"چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا مال اس کو دیا، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دئے، اور اس کے لیے ریاست کی راہ ہموار کی، پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ اسے میں اور زیادہ دُوں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے، میں تو اسے عنقریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھواؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی، تو خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں، خدا کی مار اس پر، کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور مُنہ بنایا۔ پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دُوں گا۔"

وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ پر نازل شدہ پیغام کے بارے میں مختلف باتیں بتاتے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

الذین جعلوا القرآن عضین ۞ فوربك لنسئلنھم اجمعین ۞

جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے تو قسم ہے تیرے رب کی، ہم ان سب سے ضرور پُوچھیں گے۔

(الحجر۔ ۹۱ - ۹۲)

یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق لوگوں سے اسی قسم کا پراپیگنڈہ کرتے اور جس سے بھی ملتے اسے آنحضرتؐ سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ حج سے واپسی پر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خبریں اپنے علاقوں میں لے گئے اس طرح آنحضرتؐ کا ذکر عرب کے تمام شہروں میں پھیل گیا اور آپؐ کا چرچا ہونے لگا۔

(۱۹۷) یونس نے ابی معشر کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ——— وقالوا قلوبنا فی اکنة[1] ——— کے متعلق

---

[1] اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں (حٰم السجدہ : ۵)

محمد بن قیس کی یہ روایت نقل کی کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا "آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ برحق نہیں ہے۔ بخدا! جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھتے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے[1]۔ آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

(۱۹۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ جب قریش نے دیکھا کہ ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ان کے سپرد کرنے اور اس جھگڑے کو سمیٹنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتے اور وہ قوم سے جدائی اور اس سے جدائی تک آنحضرت کی خاطر مول لینے پر تیار ہیں تو وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو لے کر ان کے پاس گئے اور حسبِ روایت ان سے کہا "اے ابو طالب! ہم آپ کے پاس یہ قریش کا ایک خوبصورت اور بہادر نوجوان عمارہ بن ولید لائے ہیں اسے لے لیجئے اس کی ساری کارگذاری آپ سے متعلق رہے گی آپ اسے لے کر بیٹا بنالیں یہ آپ ہی کا ہے اور اس کے بدلے اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو جس نے آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی، آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال دی اور سب لوگوں کی عقل کو حماقت سے تعبیر کیا۔ ہم ایک آدمی دے کر دوسرا لیتے ہیں تاکہ اسے قتل کر دیں۔ اس طرح قوم میں پھوٹ نہیں پڑے گی اور انجام کار بھی ایسا کرنا بہتر رہے گا۔" ابو طالب نے ان سے کہا: "بخدا! تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے پالوں اور میرا بھتیجا مجھ سے مانگتے ہو کہ تم اسے قتل کر ڈالو۔ خدا کی قسم! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ جب کسی اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے تو اس کی مامتا کی تسکین کسی دوسرے بچے کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتی۔" مطعم بن عدی بن نوفل (برادر ہاشم) بن عبد مناف نے اس سے کہا: "اے ابو طالب! تمھاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کیا ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کی کوئی بات قبول نہیں کرتے۔" ابو طالب نے مطعم بن عدی کو جواب دیا: "بخدا! تم لوگوں نے مجھ سے انصاف نہیں کیا اور تم مجھے چھوڑ کر میرے خلاف لوگوں کا ساتھ دے رہے ہو، اچھا کرو جو تمہارا جی چاہے۔" (ابو طالب نے اسی قسم کا جواب دیا) اس پر بات بڑھ گئی اور لڑائی ٹھن گئی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو پکارا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس موقع پر ابو طالب نے مطعم اور بنی عبد مناف میں سے علیحدگی اختیار کرنے والوں اور دیگر قبائل قریش میں سے دشمنی کرنے والوں پر تعریض کی اور یہ اشعار کہے:

الا قل لعمرو والولید ومطعم	خبردار! عمرو اور ولید اور مطعم سے کہہ دو۔ وہ بھی سن لیں کہ کاش تمہاری
الا لیت حظی من حیاطتکم بکر	نگہداشت میں کا ایک جوان اونٹ مجھے مل جائے۔
من الخور حبحاب کثیر رغاؤہ	جو نحافت اور لاغری کے باعث پست قد اور بدشکل ہو چکا ہو اور
یرش علی الساقین من بولہ قطر	بہت بلبلاتا ہو اور اس کے بول کے قطرے اس کی دونوں پنڈلیوں پر ٹپکے پڑتے ہوں۔

---

[1] یعنی آپ کی اس تبلیغ نے ہمارے اور آپ کے درمیان افتراق پیدا کر دیا ہے اور یہ ایک ایسی رکاوٹ ہے کہ اس کی موجودگی میں ہمارا اور آپ کا ملاپ نہیں ہو سکتا۔

تخلف خلف الورد لیس بلا حق
اذا ما علی الفیفاء و تحسبہ دبر

پانی پینے کے لیے جانے والے اونٹوں سے پیچھے رہ جاتا ہو اور ان سے مل نہ سکتا ہو جب کسی فراخ بیابان میں چلا جائے تو تو اسے گربہ نما ایک چھوٹا سا جانور سمجھے۔

اری اخوینا من ابینا و اُمّنا
اذا سئلا قال الی غیرنا الامر

میں اپنے دو بھائیوں کو دیکھتا ہوں جو ہمارے باپ اور ہماری ماں سے ہیں کہ جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو وہ دونوں کہتے ہیں کہ یہ معاملہ دوسروں کے اختیار میں ہے۔

بلی لھما امرولکن تجرجما کما جرجمت
من راس ذی العلق الصخر

معاملہ تو ان کے اختیار میں ہے لیکن وہ اپنے مقام و مرتبہ سے گر کر شکستہ ہو چکے ہیں اور ان کی حالت اس پتھر کی سی ہے جو ذی علق پہاڑ کی چوٹی سے گر کر شکست و ریخت کا سامان ہو جائے۔

ھما اغمزا للقوم فی اخویھما
وقد اصبحا منھم اکفھما صفر

انھوں نے قوم کے روبرو اپنے بھائیوں کی عیب چینی کی اور ان کی شان گھٹائی اور اب یہ حالت ہے کہ ان دونوں کی ہتھیلیاں بھائیوں سے خالی ہو گئی ہیں۔

اخص خصوصا عبد شمس و نوفلا
ھما نبذ انا مثل ما نبذ الجمر

بالخصوص میری مراد بنی عبد شمس اور بنی نوفل سے ہے ان دونوں نے ہمیں اس طرح اپنے سے جدا کر دیا ہے جس طرح آگ کی چنگاری کو پھینک دیا جاتا ہے۔

فاقسمت لا ینفک منھم مجاور
یجاورنا ما دام من نسلنا شفر

میں نے قسم کھا لی ہے کہ ان میں کا کوئی آدمی ہمارے پڑوس میں نہیں رہ سکتا جب تک ہماری نسل میں سے ایک آدمی بھی زندہ باقی ہے۔

ھما اشرکا فی المجد من لا اخا لہ
من الناس الا ان یرس لہ ذکر

ان دونوں نے لوگوں میں سے ایسے شخص کو بزرگی میں شریک کر لیا ہے جس کی کوئی برادری نہیں ہے لیکن اس کی ذات کی حد تک اس کی تھوڑی سی شہرت ہو تو ہو۔

ولید ابوہ کان عبدا لجدنا
الی علجۃ زرقاء جاش بھا البحر

انہوں نے ولید کے ساتھ اشتراک کر لیا ہے جس کا باپ ہمارے دادا کا غلام تھا اور سب نیلے گدھے اکٹھے ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے سمندر جوش میں آ گیا ہے یعنی جنگ کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔

وتیم و مخزوم و زھرۃ منھم
وکانوا لنا مولی اذا ابتغی النصر

بنی تیم اور بنی مخزوم اور بنی زہرہ نے بھی ان ہی کی رفاقت اختیار کر لی حالانکہ جب امداد طلب کی گئی تو وہ ہمارے حامی تھے۔

فقد سفھت احلامھم وعقولھم
وکانوا کجفر شرھا جعلت جفر

وہ احمق قرار پائے اور ان کی عقلیں ماری گئیں۔ وہ جفر کی طرح ہو گئے بلکہ ان کے شر نے جفر کو بھی بھلا دیا۔

باب ۲۰

مُسلمانوں پر ظلم و ستم اور تشدّد

(۱۹۹) پھر قریش کے سردار ایک دُوسرا وفد لے کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا "اے ابو طالب! آپ ہمارے درمیان عمر رسیدہ بزرگ ہیں اور شرافت اور قدر و منزلت کے مالک ہیں۔ ہم نے آپ سے گزارش کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کی حمایت ترک کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں یا وہ ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے، ہمارے باپ دادا کی برائی اور ہمارے دین کی عیب چینی سے باز آجائے۔ اب یا تو آپ اسے روکیں یا ہماری اور آپ کی جنگ ہو گی۔ ہم نے آپ سے معذرت طلب کی تھی اور ہماری خواہش تھی کہ ہمیں آپ کی دشمنی اور آپ سے محاذ آرائی سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ ہمارے خیال میں اس معاملے کا یہی حل ہے۔ آپ اس بارے میں سوچیں اور ہمیں اپنے فیصلہ سے مطلع فرمائیں۔"

(۲۰۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس نے مجھے بتایا کہ جب قریش نے ابو طالب کو یہ الٹی میٹم دیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور آپؐ سے کہا: "بھتیجے! آپؐ کی قوم نے آکر مجھ سے یہ یہ باتیں کہی ہیں اور ان کی باتوں سے ظاہر ہوگیا ہے کہ انہوں نے میرے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا ہے۔ آپؐ میرے لیے بھی اور اپنے لیے بھی جینے کی کچھ گنجائش باقی رہنے دیں اور آپؐ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں کہ نہ میں اسے اٹھا سکوں اور نہ آپؐ اٹھا سکیں۔ اس لیے آپؐ اپنی قوم سے ایسی باتیں کہنا چھوڑ دیں جو اُنہیں ناگوار ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارے اور ان کے درمیان تفریق واقع ہوگئی ہے۔" اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گمان کیا کہ میرے چچا کی پوزیشن نازک ہوگئی ہے ان کے لیے میری حمایت کرنا مشکل ہوگیا ہے اور وہ اس سے دست بردار ہونے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینے کے لیے مجبور ہو چکے ہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چچا جان! اگر میرے دائیں ہاتھ پر سُورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے پھر بھی میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائے یا میں اپنے مقصد کے حصول میں ہلاک ہو جاؤں۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں فرطِ جذبات کے باعث آنسو امڈ آئے اور آپؐ رو دیے۔ جب آپؐ جانے لگے تو ابو طالب نے یہ دیکھ کر کہ حضورؐ پر اس بات کا کیسا ناگوار اثر ہوا ہے آنحضرتؐ کو پکارا: "بھتیجے! واپس آؤ۔" آنحضرتؐ واپس آگئے تو ابو طالب نے کہا: "آپؐ اپنا مشن جاری رکھیں اور جو کچھ کرنا چاہیں کریں۔ بخدا! میں کسی چیز کی وجہ سے آپؐ کو دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا۔"

(۲۰۱) یونس نے طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ بن عبید اللہ کی وساطت سے موسیٰ بن طلحہ کی روایت نقل کی۔ موسیٰ نے کہا: مجھے

عقیل بن ابی طالب نے خبر دی کہ قریش ابو طالب کے پاس آئے اور انہیں کہا: "تمہارا یہ بھتیجا ہماری مجلسوں میں اور ہماری مسجد میں (یعنی ہر جگہ) ہماری ایذا رسانی کے درپے ہے آپ اسے روکیں۔" ابو طالب نے کہا: "اے عقیل! جاؤ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلا لاؤ۔" چنانچہ میں گیا اور آپؐ کو ایک چھوٹے سے مکان سے نکال کر لے آیا۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سخت گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کا وقت تھا آنحضرتؐ گرمی کی شدت سے بچاؤ کے لیے سایہ میں چلنے کی کوشش کرتے تھے جب آنحضرتؐ تشریف لائے تو ابو طالب نے آپؐ سے کہا: "آپؐ کے ان چچیرے بھائیوں کا گمان ہے کہ آپؐ مجلس و مسجد میں ان کی ایذا رسانی کے درپے ہیں، آپؐ کو چاہیے کہ آپؐ ان کے لیے اذیت کا باعث نہ بنیں۔" آپؐ نے اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی اور فرمایا: "کیا تم اس سورج کو دیکھتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہاں"۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "میں تمہاری وجہ سے اپنے اس کام کو چھوڑنے کی قدرت نہیں رکھتا جس طرح تم اس سورج سے شعلہ حاصل کرنے پر قادر نہیں ہو۔" اس پر ابو طالب نے قریش کے وفد کو کہا: "بخدا! میرے بھتیجے نے ہمارے ساتھ کبھی جھوٹی بات نہیں کہی، اس لیے تم چلے جاؤ اور مجھے معذور سمجھو۔"

(۲۰۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت اور قوم کی عداوت و مفارقت کے برخلاف آنحضرتؐ کے دفاع کا فیصلہ کر لیا تو یہ اشعار کہے:

و اللہ لن یصلوا الیہ بجمعھم	بخدا! قریش اپنی جمعیت کے باوجود (آنحضرتؐ کو نقصان پہنچانے کے لیے)
حتی اوسد فی التراب دفینا	آپؐ کے قریب ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے جب تک کہ میں مٹی میں دفن ہو کر لیٹ نہ جاؤں۔
امض لامرك ماعلیك غضاضۃ	آپؐ اپنے کام کو جاری رکھیں ذلت و منقصت آپؐ کو چھو نہ سکے گی۔
وابشر وقر بذاك منك عیونا	آپؐ خوش ہو جائیں اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں۔
ودعوتنی وعلمت انك ناصح	اور آپؐ نے مجھے دعوت دی اور میں نے جان لیا کہ آپؐ ناصح و خیر خواہ ہیں
فلقد صدقت وكنت قدما امینا	اور پہلے سے ہی صادق و امین تھے۔
وعرضت دینا قد عرفت انہ	آپؐ نے اپنا دین پیش کیا اور مجھے معرفت حاصل ہو گئی کہ یہ دین دنیا کے
خیر ادیان البریۃ دینا	جملہ ادیان سے بہتر ہے۔
لولا الملامۃ و حذاری سبۃ	اگر مجھے (قوم کی) ملامت اور سب و شتم کا خوف لاحق نہ ہوتا تو آپؐ
لوجدتنی سمحا لذاك مبینا	مجھے دیکھتے کہ میں جوانمردی کے ساتھ علانیہ اس دین کی پیروی اختیار کرتا۔

جب قریش نے یہ کہا کہ آپؐ نے ہماری عقلوں کو بے عقلی قرار دیا ہے، ہمارے دین کی برائی کی ہے اور ہمارے باپ دادا کو گالیاں دی ہیں۔ بخدا! ہم اس توہین کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ اس وقت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ حضورؐ آپ کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے اور آپؐ کی شان میں

فوراً ایک قصیدہ کہا اور اس کے آخر میں اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے انہیں آنحضرتؐ کو اذیت پہنچانے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ قصیدہ مذکور کے چند اشعار یہ ہیں :

لما رأیت القوم لا ود بینھم	جب میں نے قوم کو دیکھا کہ وہ محبت و مودت سے عاری ہو چکے ہیں
وقد قطعوا کل العری والوسائل	اور انہوں نے تمام مضبوط رشتوں اور تعلقات کو منقطع کر دیا ہے۔
وقد صارحونا بالعداوۃ والاذی	وہ عداوت و ایذا رسانی کے لیے کھل کر ہمارے سامنے آگئے ہیں اور
وقد طاوعوا امر العدو المزایل	انہوں نے ہماری گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کے ساتھ موافقت اختیار کر لی ہے۔
وقد حالفوا قوماً علینا اظنۃ	انہوں نے ہماری مخالفت میں تہمت زدہ لوگوں کو اپنا حلیف بنا لیا ہے
یعضون غیظاً خلفنا بالانامل	اور وہ سب غیظ و غضب کے باعث ہمارے پیچھے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔
صبرت لھم نفسی بصفراء سمحۃ	میں ان کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹ گیا اور میرے پاس ایک لچکدار
وابیض عضب من سیوف المقاول	کمان اور معاہد کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھی۔
واحضرت عند البیت رھطی واسرتی	میں نے بیت اللہ کے پاس اپنی برادری اور اہلِ خاندان کو حاضر کیا اور میں
وامسکت من اثوابہ بالوصائل	نے بیت اللہ کی دھاری دار چادروں کے غلاف کو پکڑ لیا۔
عکوفا معا مستقبلین رتاجہ	میں دوسرے قبلہ رُخ کھڑا ہونے والوں کے ساتھ وہاں پر کھڑا ہو گیا جہاں
لدی حیث یقضی حلفہ کل نافل	ہر قسم اٹھانے والا کھڑا ہو کر قسم اٹھاتا ہے۔
وحیث ینیخ الاشعرون رکابھم	جہاں یمن کے قبیلہ اشعر کے لوگ آکر اپنے اونٹ بٹھاتے ہیں۔ یہ جگہ
بمفضی السیول بین ساف و نائل	سیلابوں کی زد میں ہے اور اساف اور نائلہ بتوں کے درمیان واقع ہے۔

(۲۰۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کی تبلیغ جاری رکھی اور بنی ہاشم اور بنی مطلب نے آپؐ کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا اور انھوں نے آپؐ کو کفار کے سپرد کر دینے سے انکار کر دیا حالانکہ وُہ بھی دیگر کفارِ قریش کی طرح آپؐ کے دین کے مخالف تھے لیکن وہ اس حرکت کو ذلت آمیز سمجھتے تھے کہ وُہ اپنی برادری کے آدمی کو دشمنوں کے حوالے کر دیں۔ جب بنی ہاشم اور بنی مطلب نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا اور قریش نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا بس نہیں چلتا تو انھوں نے برافروختہ ہو کر یہ طے کیا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف ایک دستاویز لکھی جائے کہ ان کے ساتھ شادی بیاہ اور خرید و فروخت کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ چنانچہ اس بارہ میں انھوں نے ایک دستاویز تیار کی، اس دستاویز کا کاتب منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار تھا۔ انھوں نے اس دستاویز کو خانہ کعبہ کے ساتھ لٹکا دیا۔ پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ کھلی دشمنی پہ

اُتر آئے انہیں پابند کردیا اور اذیت پہنچائی۔ قریش کا یہ محاصرہ مسلمانوں کے لیے بلاءِ عظیم ثابت ہُوا اور وہ بُری طرح ہلا دیئے گئے۔

دشمنِ خُدا ابُو لہب (بن عبدالمطلب) نے اپنے خاندان سے علیحدگی اختیار کر کے قریش کا ساتھ دیا اور کہا: اُے گروہِ قریش! میں لات اور عزّیٰ کا حامی ہوں"۔ چنانچہ اللہ عزّوجل نے اس کے بارے میں یہ سورۃ اللہب نازل فرمائی:

تبت یدآابی لہب و تب ۵ ما اغنیٰ	ٹوٹ گئے ابو لہب کے ہاتھ اور نامراد ہوگیا وُہ۔ اس کا مال اور جو کچھ
عنه مالهٗ وماکسب ۵ سیصلیٰ نارا	اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں
ذات لهب ۵ وامراتهٗ حمالة الحطب ۵	ڈالا جائے گا اور (اس کے ساتھ) اس کی جورو بھی، لگائی بجھائی
فی جیدها حبل من مسد ۵	کرنے والی، اس کی گردن میں مُونج کی رسّی ہوگی۔

(۴۰۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی کہ صفیہ بنت عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

الا من مبلغ عنی قریشا ففیم الامر فینا والامار	خبردار! قریش کو میری طرف سے کون یہ بات پہنچانے والا ہے کہ ہمارے درمیان کیا معاملہ رونما ہوا ہے۔
انا الامر المقدم قد علمتم ولم توقد لنا بالغدر نار	تم جانتے ہو کہ ہماری بات مقدم ہے اور ہمارے لیے جنگ کی آگ غداری کر کے نہیں بھڑکائی جا سکتی۔
مجازیل العطا اذا وهبنا والیسار اذا ابتغی الیسار	جب ہم ہبہ کرتے ہیں تو بہت زیادہ عطا کرتے ہیں اور جب آسانی کا مطالبہ کیا جائے تو ہم وہ بھی عطا کرتے ہیں۔
وکل مناقب الخیرات فینا وبعض الامر منقصة وعار	جملہ مناقبِ خیر ہم میں موجود ہیں اور بعض امور ذلت و منقصت اور عار کا باعث ہوتے ہیں۔
فلا موالعادیات غداة جمع بایدیها اذا سطع الغبار	جب غبار اڑ کر بلند ہُوا تو لوگوں نے اس جماعت کی ملامت کی جنہوں نے علی الصبح قتل و قتال کے لیے فضا کو تیار کیا۔
لنصطبرن لامر الله حتی یبین ربنا این القرار ؟	ہم اللہ کے فیصلے کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے یہاں تک کہ ہمارا پروردگار ہمارے لیے واضح کر دے کہ کہاں جا کر ٹھہرنا ہے؟

اور ابوطالب نے یہ اشعار کہے:

الا ابلغا عنی علی ذات نایها لؤیا وخصا من لؤی بنی کعب	خبردار! تم دونوں میری طرف سے بنی لوی اور بالخصوص بنی لوی میں سے بنی کعب کو وہ بات پہنچا دو جو ظاہر ہو چکی۔

الم تعلموا انا وجدنا محمدا
نبیا کموسیٰ خط فی اول الکتب
وان علیہ فی العباد محبۃ
ولا خیر فیمن خصہ اللہ بالخب

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ جیسا نبی پایا ہے جن کا ذکر پہلی کتابوں میں لکھا ہوا موجود ہے۔
اللہ کے بندے محبت کے ساتھ آپؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے فریب کاری اور خیانت کے لیے مخصوص کردیا ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

وان الذی اضفتم فی کتابکم
لکم کائن نحسا کراغیۃ السقب
افیقوا افیقوا ان یحفر الثری
ویصبح من لم یجن ذنبا کذی الذنب

جو کچھ تم نے اپنی دستاویز میں قلمبند کیا ہے اونٹنی کے نوزائیدہ بچے کی آواز کی طرح اس کی نحوست کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔
نیند سے بیدار ہو جاؤ اور ہوش میں آؤ قبل اس کے کہ قبر کھودی جائے اور جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اس کو بھی گناہگاروں کی طرح حساب دینا پڑے۔

ولا تتبعوا امر الغواۃ وتقطعوا
اواصرنا بعد المودۃ والقرب
وتستجلبوا حربا عوانا وربما
امر علی من ذاقہ حلب الحرب

گمراہوں کی باتوں کا اتباع نہ کرو اور مودت اور قربت کے بعد ہمارے معاہدوں کو نہ توڑو۔
جنگ کو دعوت نہ دو اور زور آزمائی کے مواقع پے در پے پیدا نہ کرو، کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جنگ کا دودھ جس شخص نے بھی چکھا ہے اس نے اسے کڑوا محسوس کیا ہے۔

ولسنا ورب البیت نسلم احمدا
علی الحال من عض الزمان ولا کرب
الیس ابونا ہاشم شد ازرہ
واوصی بنیہ بالطعان وبالضرب؟

رب البیت کی قسم! ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ شدائدِ زمانہ اور کرب و بلا کی وجہ سے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات کے سپرد کردیں۔
کیا ہمارے باپ ہاشم نے اپنی قوت کو مستحکم نہیں کیا تھا اور اپنے بیٹوں کو یہ وصیت نہیں کی تھی کہ وہ نیزے اور تلوار کے استعمال میں مہارت حاصل کریں؟

ولسنا نمل الحرب حتی تملنا
ولا نشتکی ماینوب من النکب

ہم جنگ آزمائی سے اکتانے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ خود جنگ ہی ہم سے اکتا جائے اور ہم پر جو نکبت و مصیبت بھی آئے ہم اس کے بارے میں شکایت کرنے والے نہیں ہیں۔

ولکننا اہل الحفاظ ذوو النہی
اذا طار ارواح الکماۃ من الرعب

جب زرہ پوش جنگی بہادروں کی روحیں رعب اور خوف سے اڑی جاتی ہیں ہم اس وقت بھی اپنے حواس نہیں کھوتے بلکہ محافظت اختیار کرتے ہیں اور عقل سے کام لیتے ہیں۔

ابو طالب نے یہ اشعار بھی کہے :

الا ابلغا عنی لؤیا رسالۃ بحق وما تغنی رسالۃ مرسل	خبردار! تم دونوں میری طرف سے بنی لوئی کو یہ پیغام پہنچا دو جو حقیقت پر مبنی ہے حالانکہ پیغام بھیجنے والے کا پیغام فائدہ مند ثابت نہیں ہوگا۔
بنی عمنا الادنین تیما نخصھم واخوتنا من عبد شمس و نوفل	یہ پیغام ہمارے قریبی چچا کے بیٹوں بنی تیم اور بالخصوص ہمارے بھائیوں بنی عبد شمس اور بنی نوفل کے لیے ہے۔
اظاھرتم قوما علینا ولایۃ وامر غوی من غواۃ و جھل؟	کیا تم ہمارے خلاف ایسی قوم کی مدد کرتے ہو اور گمراہوں اور جاہلوں کے ہتھکنڈوں میں آچکے ہو؟
یقولون انا قد قتلنا محمدا اقرت نواصی ہاشم بالتذلل	جو یہ کہتے ہیں ہم نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے اور بنی ہاشم کی پیشانیوں کو ذلت کے ساتھ جھکا دیا ہے۔
کذبتم ورب الھدی تدمی نحورھا بمکۃ والرکن العتیق المقبل	ربِ ہدایت کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو مکہ میں اور رکنِ عتیق جسے بوسہ دیا جاتا ہے اس کے پاس ان کے گلے کاٹے جائیں گے اور خون بہے گا۔
تنالونہ او تبطلون لقتلہ صوارم تفری کل عظم و مفصل	تم آنحضرتؐ کو حاصل کرلوگے یا آپؐ کے قتل کا ابطال کرو گے اور کاٹنے والی تلواریں ہڈیوں اور اعضا کے جوڑوں کو کاٹ کر رکھ دیں گی۔
وتدعوا بویل انتم ان ظلمتم مقالیہ فی یوم اغر محجل	اگر تم نے آپؐ کے گھروں پر ظلم کیا تو تم بُرے ناموں سے پکارے جاؤ گے اس دن جبکہ کچھ چہرے چمکتے ہوں گے۔
فمھلا ولما تنتج الحرب بکرھا ویاتی تماما او اخر معجل	پس نرم رویہ اختیار کرو۔ جنگ پینترے بدل بدل کر لڑی جانے کے بعد بالآخر جلد ہی ختم ہو جائے گی۔
وانا متی ما نمرھا بسیوفنا تجلجل وتعرک من مناسا تکلکل	ہم کب تک اپنی تلواروں کو حرکت دیتے رہیں گے اور معرکہ آرائی کر کے گلے کاٹتے رہیں گے۔
ویعلو ربیع الابطحین محمدؐ علی ربوۃ من راس عنقاء عیطل	محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سختیاں اور مصائب برداشت کر کے وادی بطحا کے موسمِ بہار میں ایک ٹیلہ پر چڑھ جائیں گے۔
ویاوی الیھا ھاشم ان ھاشما عرانین کعب آخرا بعد اوّل	اور بنی ہاشم اس کے پاس پناہ حاصل کریں گے اور بنی ہاشم اوّل سے لے کر آخر تک سب کے سب سردار اور اشراف ہیں۔
فان کنتم ترجون قتل محمد فروموا بما جمعتم نقل یذبل	اگر تم محمدؐ کو قتل کرنا چاہتے ہو تو سب کے سب اکٹھے ہو کر ضرورت سے زیادہ کوشش کرتے رہو تمہاری کوشش بے فائدہ ثابت ہوگی۔

فانا سنمنعه بكل طمرة	ہم لمبی ٹانگوں والے عمدہ، مضبوط اور تنومند اور تیز رفتار گھوڑوں کے ساتھ
وذی میعة نهد المراكل هيكل	آپؐ کا دفاع کرتے رہیں گے۔
وكل ردينى ظماكعوبه	ہر نیزے کا بھالا بلند ہوگا اور شعلہ زن ہوگا جس طرح سفید بادل چمکتا ہے
وعضب كايماض الغمامة يفصل	اور نیزوں کے بھالے ٹکڑے ٹکڑے کرتے چلے جائیں گے۔
بايمان شم من ذوابة هاشم	یہ کارروائی ہاشمی سرداروں کے ہاتھوں عمل میں لائی جائے گی جو ہر محفل
مغاوير الابطال فى كل محفل	میں بہادروں پر غارت ڈالتے ہیں۔

(۲۰۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب قریش نے ابوطالب کا یہ کلام سُنا اور دیکھ لیا کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر کس طرح کمر بستہ ہوں تو وُہ ان سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے بنی عبدالمطلب کو مظالم کا تختۂ مشق بنانے کی ٹھان لی۔ ابوطالب ان کو لے کر آئے اور وُہ سب کعبہ کے پردوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنی قوم کے مظالم قطع رحمی، جنگ آزمائی اور خونریزی کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کی، ابوطالب نے یہ دعائیہ کلمات کہے: "اے اللہ! ہماری قوم ہم سے برگشتہ ہو چکی ہے اور ان سب نے ہمارے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا ہے، تُو ہماری جلد امداد فرما اور ان کے اور میرے بھتیجے کے درمیان حائل ہو جا" پھر انہوں نے اپنا رُخ قریش کی طرف پھیرا جو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ابوطالب نے ان کو اس طرح خطاب کیا: "ہم اس گھر کے مالک کے حضور قطع رحمی کرنے والے اور رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والے کے خلاف بددعا کرتے ہیں۔ بخدا! انھیں چاہیے کہ اپنے بُرے ارادوں سے باز آ جاؤ ورنہ ہماری قطع رحمی کے سبب اللہ تعالیٰ تم پر مکروہ عذاب نازل کرے گا۔" قریش نے اس کا یہ جواب دیا: "اے بنی عبدالمطلب! ہمارے اور تمھارے درمیان مصالحت اور صلہ رحمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ (خاکم بدہن) اسؐ بیوقوف لڑکے کو قتل نہ کر دیا جائے"۔

ابوطالب اپنے موقف پر ڈٹ گئے، وہ اپنے بھتیجے اور بھائیوں کو گھاٹی میں لے گئے اور ان کے علاوہ دوسرے ایسے لوگوں کو بھی گھاٹی میں داخل کیا جو مومنوں میں سے تھے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و امداد پر کمربستہ تھے یا مشرک ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کے حامی تھے۔ یہ سب کے سب اس گھاٹی میں داخل ہو گئے جو مکہ کے نواح میں شعب ابی طالب کے نام سے موسوم تھی۔

جب عمرو یعنی عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ قریش کے پاس واپس آئے اور انہوں نے انہیں وُہ باتیں بتائیں جو نجاشی (شاہِ حبشہ) نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہیں تو قریش بہت چین بجبیں ہوئے انہوں نے آنحضرتؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو سخت اذیت پہنچانا شروع کی۔ وہ انہیں ہر راستہ پر مارتے تھے اس طرح انہیں گھاٹی میں محصور کر دیا گیا اور ان کی ایسی ناکہ بندی کی گئی کہ ان کو بازار کی اشیاء پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ کفار کسی شخص کو بھی ان کے پاس جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے جو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں یا دوسری

فوری اشیائے جانا چاہتا ہو۔ محصورین صرف حج کے موسم میں گھاٹی سے نکل سکتے تھے اس موقع پر بھی قریش کے لوگ جلدی کر کے بازاروں کا مال خرید لیتے تھے اور محصورین سے زیادہ قیمت مانگی جاتی تھی تاکہ مال خریدنے سے محروم رہیں۔ ولید بن مغیرہ کا منادی قریش کے درمیان یہ ندا کرتا پھرتا تھا کہ محصورین میں سے جس آدمی کو تم کھانے کی چیزیں خریدتے ہوئے دیکھو تو تاجر کو اس سے زیادہ قیمت دے کر وہ چیزیں خرید لو اور محصورین کو محروم کردو۔

(۲۰۶) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی کے حوالہ سے ربیع بن انس کی یہ روایت نقل کی کہ ولید بن مغیرہ کی بد خلقی اور سفاکی کے باعث اس کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی :

عتل بعد ذٰلک زنیم ٥ (القلم-۱۳) وہ جفاکار ہے اور ان سب عیوب کے ساتھ بد اصل ہے۔

(۲۰۷) شعب ابی طالب کی محصوری اور بائیکاٹ کی دستاویز

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی وہ روایت نقل کی جو اس نے ولید کی منادی کے بارے میں بیان کی۔ ولید کا منادی یہ ندا کرتا پھرتا تھا کہ ”محصورین میں سے جس کسی کو تم دیکھو کہ وہ کوئی کھانے کی چیز خرید رہا ہے تو تم اس سے زیادہ قیمت دے کر وہ چیز خرید لو اور تاجروں اور ان کے درمیان حائل ہو جاؤ اور جس کے پاس نقدی نہ ہوا سے چاہیے کہ وہ خرید لے نقدی کی ادائیگی میرے ذمے ہوگی۔“ وہ متواتر تین سال تک ایسا کرتے رہے یہاں تک کہ محصورین کی حالت انتہائی کربناک ہوگئی اور ان کے بھوکے بچوں کے رونے بلکنے کی آوازیں شعب ابی طالب سے باہر سُنی جانے لگیں۔ بنو ہاشم کے اس ابتلا کو مشرکین ناپسندیدہ سمجھنے لگے۔ یہاں تک کہ عام قریش بھی بنی ہاشم کی اس مصیبت کو کراہت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

انہوں نے بائیکاٹ کی اس ظالمانہ دستاویز پر جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کے برخلاف تحریر کی گئی تھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ان میں سے کچھ آدمی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ وہ اس دستاویز سے اعلانِ براءت کر دیں۔ اس دوران میں ابو طالب ڈرتے تھے کہ کہیں کفارِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت یا خفیہ طریقے سے قتل نہ کر دیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے یا سو جاتے تو اسی خوف کے باعث ابو طالب آپؐ کو جگا کر اپنے اور اپنے بیٹوں کے درمیان سُلاتے۔

قریش رات کے وقت بنی ہاشم کے بھوکے بچوں کے رونے کی آوازیں گھاٹی میں سنتے۔ جب صبح کے وقت اٹھ کر وہ اپنی مجلسوں میں کعبہ کے پاس بیٹھتے تو ایک دوسرے سے سوال کرتے۔ ایک آدمی اپنے رفیق سے پوچھتا : ”تمہارے اہل و عیال نے گزشتہ رات کیسے گزاری ؟“ وہ جواب دیتا : ”خیریت سے۔“ پہلا آدمی کہتا : ”لیکن تمہارے یہ بھائی جو گھاٹی میں محصور ہیں انہوں نے اس حال میں رات بسر کی کہ ان کے بچے صبح تک بھوک سے بلکتے رہے۔“ قریش کے کچھ لوگ ایسے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کی یہ حالت دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اس صورتِ حال کو دیکھ کر کراہت محسوس کرتے تھے۔ اس موقع پر ابو طالب نے یہ اشعار کہے جن میں انہوں نے ذکر کیا کہ کفارِ قریش حضرت محمدؐ کے

بارے میں کیا مطالبہ کرتے تھے اور وہ ہر موسمِ حج میں کس طرح اکٹھے ہو کر ہمیں اپنی ضروریات کی اشیائ خریدنے سے محروم رکھتے تھے۔ اشعار درج ذیل ہیں؛

الا من لهم آخر الليل معتم
طواني واخرى النجم لم يتقحم
طواني وقد نامت عيون كثيرة
وسائر اخرى ساهر لم ينوم

ان لوگوں سے آگاہ رہو، جو آخر شب اپنے ہاتھ خون سے رنگین کرنا چاہتے ہیں انہوں نے مجھ پر زیادتی کی ہے اور ابھی تو آخری ستارہ بھی غروب نہیں ہوا۔ وہ میرے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اس وقت بہت سی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں اور دوسری کچھ آنکھیں جاگ رہی ہیں اور انھیں نیند نہیں آتی۔

لاحلام اقوام ارادوا محمدا
بسوء و من لا يتقي الظلم يظلم

ان آنکھوں کی بیداری ان لوگوں کی عقلوں کے باعث ہے جو حضرت محمدؐ کے خلاف بُرے منصوبے تیار کرتے ہیں اور جو شخص ظلم سے باز نہیں آتا اس کے ساتھ بھی ظلم کیا جاتا ہے۔

سعوا سفها واقتادهم سوء را
يهم على تليل من رايهم غير محكم
رجاء امور لم ينالوا نظامها
وان حشدوا في كل نفر و موسم

ان کی تمامتر کوششیں احمقانہ ہیں۔ حماقت ہی انھیں باہر کھینچ لائی ہے اور ان کی یہی بیوقوفی ان کی غیر محکم رائے پر مسلط ہو کر برائی کے لیے کوشاں ہے۔ وہ ایسے امور کے طلبگار ہیں جن کی سچائی و پختگی سے وہ ناواقف ہیں اگرچہ ان میں کا ہر گروہ ہر موسم میں ان امور کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔

يرجون ان نسخى بقتل محمد
ولم تختضب سمر العوالي من الدم
يرجون مناخطة دون نيلها
اضراب وطعن بالوشيج المقوم

ان کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم محمدؐ کے قتل کو گوارا کر لیں اور نیزوں کے سروں کو اور حجاز، نجد اور تہامہ کی سرزمین کو خون سے رنگین نہ کریں۔ وہ ہم سے ایسا غیر معقول مطالبہ کر رہے ہیں جس کو حاصل کرنے کے لیے نیزوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور سیدھا رکھنے والی تلواروں کی ضربیں کھانا پڑتی ہیں۔

كذبتم و بيت الله لا تقتلونه
جماجم تلقى بالحطيم و زمزم
وتقطع ارحام و تنسى حليلة
خليلا و تغشى محرما بعد محرم

بیت اللہ کی قسم! تم جھوٹے ہو تم آنحضرتؐ کو قتل نہیں کر سکو گے۔ یقیناً سروں کی کھوپڑیاں حطیم اور زمزم کے پاس کاٹ کر پھینکی جائیں گی۔ خونی رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ مصاہرت اور دوستی اور ہمسائیگی کے تعلقات فراموش کر دئے جائیں گے اور حرم کعبہ میں آنے والے ہر شخص کو پردہ پوش کر دیا جائے گا۔

وينهض قوم في الدروع اليكم
يذبون عن احسابهم كل مجرم

ایک قوم زرہ پوش ہو کر تیزی کے ساتھ تم پر حملہ آور ہوگی اور ہر مجرم کو اس کے خاندانی محاسن و مفاخر سے محروم کر کے کیفرِ کردار تک پہنچائے گی۔

(۲۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف قریش کے مقاطعہ کی کارروائی دو یا تین سال تک جاری رہی یہاں تک کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب انتہائی ظلم و تشدد کا شکار ہو گئے۔ قریش کے جو لوگ ان کے ساتھ صلہ رحمی کا سلوک کرنا چاہتے وہ ان کے پاس کوئی چیز علانیہ نہیں بھجوا سکتے تھے بلکہ پوشیدہ طریقے سے ہی ان سے احسان کر سکتے تھے۔ راوی کا بیان ہے: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک دن حکیم بن حزام نکلا اس کے ہمراہ ایک شخص اس کی پھوپھی بنت خویلد کے لیے کھانا اٹھائے جا رہا تھا (حضرت خدیجہؓ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرتؐ کے ساتھ شعب میں محصور تھیں) اس دوران میں حکیم کی ملاقات ابوجہل سے ہو گئی۔ ابوجہل پکار اٹھا "تم یہ کھانا بنی ہاشم کے لیے لے جا رہے ہو؟ بخدا تمہارا کھانا اور تم آگے نہیں جا سکتے جب تک کہ میں تمہیں قریش کے درمیان رسوا نہ کر دوں۔ ابوالبختری بن ہاشم بن حارث بن اسد نے ابوجہل سے کہا "یہ حکیم کی پھوپھی کا کھانا ہے جو حکیم کے پاس تھا اور اب وہ پھوپھی کے پاس بھیجنا چاہتا ہے کیا تم اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا چاہتے ہو؟" لیکن ابوجہل نے اسے چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ ابوالبختری نے اونٹ کی پنڈلی کی ہڈی اس کے سر پر دے ماری اور اسے زخمی کر دیا اور پاؤں کے ساتھ اسے کچل کر اس کی خوب مرمت کی۔ حمزہ بن عبدالمطلب قریب ہی یہ سب ماجرا دیکھ رہے تھے اور کفار یہ نہ چاہتے تھے کہ اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے، ایسا نہ ہو کہ وہ کفار کی باہمی آویزش سے خوش ہوں۔ ابوالبختری نے اس موقع پر یہ اشعار کہے:

ذق یا ابا جہل لقیت غما	اے ابوجہل! اپنی غمزدگی کا مزہ چکھو، اس طرح جہالت اور سخت کلامی مذمت کا باعث بنتی ہے۔
کذالک الجہل یکون ذما	
سوف تری عودی ان الما	تو دیکھے گا کہ میں جلد لوٹ کر آؤں گا۔ اسی طرح سرزنش اور دھمکی لوٹ کر مذمت بن جاتی ہے۔
کذالک اللوم یعود ذما	
تعلموا انا نفرج المھما	تو جانتا ہے کہ ہم مہماتِ امور کو سر کرتے ہیں اور کشادہ رو اور ہشاش بشاش آدمی کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔
ویمنع الابلج ان یطما	

(۲۰۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ نے اس دستاویز پر جو قریش نے بنی ہاشم کو مغلوب کرنے کے لیے تحریر کی اپنی رحمت سے دیمک کو مسلط کر دیا اور اس میں جہاں اللہ کا نام تھا اس جگہ کو دیمک نے چاٹ لیا اور صرف ظلم اور قطع رحمی اور بہتان طرازی کا مضمون[1] باقی رہ گیا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی اور آنحضرتؐ نے اس کی خبر ابوطالب کو دی۔ انھوں نے آپؐ سے پوچھا:

---

[1] اس کے برعکس ابن ہشام نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق مقاطعہ کی دستاویز میں جور و ظلم اور قطع رحمی کا جو مضمون لکھا گیا تھا اس کو دیمک چاٹ گئی اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا۔ یہی مضمون اس کتاب کے آئندہ پیراگراف ۲۱۰ کے اوائل میں بیان ہوا ہے اور یہی بات قابلِ قبول اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مترجم

"بھتیجے! یہ بات آپؐ کو کس نے بتائی ہے؛ نہ ہمارے پاس کوئی آدمی آتا ہے اور نہ آپؐ کسی آدمی کے پاس جاتے ہیں اور نہ ہی آپؐ نے کبھی کوئی جھوٹی بات کہی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے رب نے خبر دی ہے۔" آپؐ کے چچا نے کہا: "آپؐ کا رب سچا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ بھی صادق ہیں۔" ابو طالب نے اپنے آدمیوں کو اکٹھا کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خبر انہیں بتائی تھی وہ انہوں نے اپنے آدمیوں سے صیغۂ راز میں رکھی تاکہ خبر پھیل کر مشرکین تک نہ پہنچ جائے اور اس دستاویز کے بارے میں کوئی خبیث حیلہ اور مکر تیار نہ کرلیں۔

ابو طالب اپنے آدمیوں کو لے کر مسجد حرام میں آگئے۔ مشرکین اس وقت کعبہ کے سامنے میں بیٹھے تھے۔ جب انہوں نے ان محصورین کو آتے ہوئے دیکھا تو خوش ہوئے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ محصوری اور ابتلا سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جب ابو طالب اپنے ہمراہیوں کو لے کر کفار کے پاس پہنچے تو انہوں نے "خوش آمدید" سے ان کا استقبال کیا اور کہا: "تم لوگوں کو چاہیے کہ تم اپنے اس آدمی کے قتل پر راضی ہو جاؤ جس کے قتل میں تمہارے لیے خیر و صلاح ہے اور جس کے زندہ رہنے سے تمہیں قوم کا مقاطعہ اور فساد برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔" ابو طالب نے کہا: "میں تمہارے پاس ایک بات لے کر آیا ہوں شاید اس کے ذریعے سب کا بھلا ہو جائے۔ آپ لوگ میری اس پیشکش کو تسلیم کرلیں اور وہ دستاویز لائیں جس کی رُو سے آپ لوگوں نے ہمیں مغلوب کر رکھا ہے۔" وہ لوگ دستاویز لے آئے تو ابو طالب نے کہا: "میرے بھتیجے نے اس کے متعلق مجھے یہ خبر دی ہے کہ اللہ عزّ وجل نے اس دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور اس میں جہاں اللہ کا نام تھا اس کو دیمک نے چاٹ لیا اور صرف ظلم و قطع رحمی اور بہتان طرازی کا مضمون باقی رہ گیا ہے میرے بھتیجے نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اگر میرا بھتیجا جھوٹا ثابت ہو جائے تو تمہارا یہ حق بنتا ہے کہ میں اسے تمہارے حوالے کر دوں اور تم اسے قتل کر دو اور اگر وہ سچا ہے تو تمہیں اپنی اس قطعِ رحمی کی روش سے باز آ جانا چاہیے۔" قریش نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور فریقین کی طرف سے اس کے مطابق عہد و پیمان ہو گیا۔ جب دستاویز کو کھولا گیا تو اس کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی، اس طرح وہ بے وفائی کے مرتکب قرار پائے۔ ابو طالب اور ان کے ساتھی خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ یہ فریب کاری، قطعِ رحمی اور بہتان بازی کب تک روا رکھی جائیگی! اس موقع پر مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف اور ہشام بن عمرو برادر عامر بن لوئی بن حارثہ اُٹھے اور انہوں نے کہا: "ہم قطع رحمی، عداوت اور ظلم پر مبنی اس دستاویز سے اعلانِ برأت کرتے ہیں۔ ہم اپنے خلاف اور اپنے شرفا کے خلاف فساد انگیزی میں کسی سے تعاون نہیں کریں گے۔ قریش کے کچھ دیگر لوگوں نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ اس طرح بنی ہاشم اور دیگر محصورین گھاٹی سے باہر آگئے۔ وہ شدید مصائب میں مبتلا کئے گئے تھے۔ ابو طالب نے حضرت محمدؐ اور آنحضرتؐ کے خلاف کفار کے ارادۂ قتل کے بارے میں یہ اشعار کہے:

تطاول لیلی بھم و صب	میری رات غم و اندوہ اور قلتِ خوراک اور گریہ و زاری کے باعث طویل ہو گئی ہے
و دمع کسح السقاء السرب	جس طرح کسی سرنگ میں اگر پانی بہایا جائے تو وہ دور تک چلا جاتا ہے۔

لعب قصی باحلامها
وهل یرجع الحلم بعد اللعب

بنی قصی اپنی عقلوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں اور کیا کھیل کے بعد معقولیت واپس آجاتی ہے؟

ونفی قصی بنی هاشم
کنفی الطهاة لطاف الحطب

بنی قصی نے بنی ہاشم کو دور کر دیا ہے جس طرح باورچی ایندھن کی باریک لکڑیوں کو دور پھینک دیتے ہیں۔

وقول لاحمد انت امرؤ
خلوف الحدیث ضعیف النسب

احمدؐ کو وہ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کی باتیں احمقانہ ہیں اور آپؐ کمزور نسب کے آدمی ہیں۔

وان کان احمد قد جاءهم
بحق ولم یاتهم بالکذب

اگرچہ احمدؐ ان کے پاس حق و صداقت کا پیغام لے کر آئے ہیں اور جھوٹ لے کر نہیں آئے۔

علیٰ ان اخوتنا وازروا
بنی هاشم و بنی المطلب

بے شک ہمارے بھائیوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب پر بھاری بوجھ ڈال دیا ہے۔

هما اخوان کعظم الیمین
امر علینا کعقد الکرب

اس ضمن میں وہ دونوں بھائی باہمگر اس طرح اکٹھے ہیں جس طرح دائیں ہاتھ کی ہڈیاں مربوط ہوتی ہیں اور ہمارے خلاف رنج و محن کا ایک سلسلہ پھیلا دیا گیا ہے۔

فیال غی لم تخبروا
بما قد مضی من شؤون العرب

اے میرے بھائیو! تمہیں خبر نہیں ہے کہ عرب کن حالات سے دوچار ہیں۔

فلا تمسکن باید یهم
بعد الانوف لعجب الذنب

اپنے سرداروں کو چھوڑ کر کم مرتبہ لوگوں کے گرویدہ نہ ہو جاؤ اور ان کے ساتھ تعلقات استوار نہ کرو۔

علام علام تلافیتم بامر
مراح و حلم عزب

تم مہلک کاموں، بے فائدہ سوچ و بچار اور احمقانہ منصوبوں کے ذریعہ سے کیا حاصل کرو گے؟

ورمتم باحمد ما رمتم
علی الآصرات وقرب النسب

تم نے رشتہ داری کے تعلقات اور نسبی قرابت کے باوجود احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے مطعون کیا۔

فانا فما حج من راکب
لکعبة مکة ذات الحجب

تم نے ہمیں مطعون کیا اور مکہ کا یہ کعبہ جو غلافوں میں لپٹا ہوا ہے اس کے حج کے لیے سوار ہو کر آنے والے ہر شخص کو تم نے مطعون کیا۔

تنالون احمد او تصطلوا
ظبات الرماح وحد القضب

تم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کرنا چاہتے ہو حالانکہ تمہیں نیزوں کی مار اور کاٹنے والی تلواروں کی دھار کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وتعترفوا بين ابياتكم صدور العوالی وحبا عصب	تم اپنے گھروں میں نیزوں کی بارش اور بدن کے پٹھوں کی تھکاوٹ کا اعتراف کرو گے۔
تراهن من بین صافی السبیب قصیر الحزام طویل اللبب	ہر قسم کے گھوڑے یعنی یال اور دُم کٹے، چھوٹی تنگ والے، بڑی تنگ والے اور باریک کمر والے جو تیز رفتاری میں پرندوں کی طرح ہیں۔
وجردا کالطیر سمحوجة طواها المقانع بعد الحلب	یرغمال کے طور پر پیش کیے جائیں گے اور مغلوب کرنے والا انہیں سیاہی مائل سُرخ رنگ کے گھوڑوں کے بعد گرفتار کر لے گا۔
علیها صنادید من هاشم هم الانجبون مع المنتجب	ان مفتوحہ گھوڑوں پر ہاشمی سردار سوار ہوں گے جو خاندانی شرفاء میں سے اشرف ہیں۔

جب قوم نے دستاویز کا مشاہدہ کر لیا اور انہیں اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں لیکن وُہ پھر بھی اپنی روش سے باز نہ آئے۔ اس پر ابوطالب نے یہ اشعار کہے:

الامن لهم آخر اللیل منصب وشعب العصا من قومك المتشعب	خبردار جن کے لیے پچھلی رات کو رنج و تکلیف کا سامنا ہے اور جو ایسا خانوادہ اور گروہ ہے جسے تیری قوم نے دور کر دیا ہے۔
وحرب ابینا من لوی بن غالب متی ما تزاحمها الصحیفة تخرب	ہم نے لوی بن غالب کے ساتھ جنگ آزمائی کو مکروہ جانا جب تک کہ اس دستاویز نے اسے روکا جواب خراب ہو چکی ہے۔
اذا ما انتیرقام فیها بخطة الذوابة ذنبا ولیس بمذنب	جب ہم اپنے کسی ماتحت کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ بھی سرداروں کی طرح معرکہ آرائی کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور درحقیقت وہ کم مرتبہ نہیں ہوتا۔
وما ذنب من یدعوا الی البر والتقی ولم یستطع ان یا رب الشعب یا رب	اے قبیلوں کے مالک اور اے میرے پروردگار! وہ شخص کمینہ اور رذیل نہیں ہے جو نیکی اور تقویٰ کی دعوت دے خواہ اس کے پاس کوئی قوت نہ ہو۔
وقد جربوا فیما مضی غب امرهم وما عالم امرا کمن لم یجرب	انہوں نے اپنے پوشیدہ معاملے کا مشاہدہ کر لیا ہے اور کسی کام کو جاننے والا اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جس نے تجربہ نہ کیا ہو۔
وقد کان فی امر الصحیفة عبرة متی یخبر غائب القوم یعجب	دستاویز کے معاملہ میں عبرت کا سامان تھا جب کسی قوم کا کوئی غائب شخص کوئی سچی خبر دے تو وہ خوش کن ہوتی ہے۔

محیٰ اللہ منہا کفرھم وعقوقھم	اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر اور قطع رحمی اور باطل کے
ومانقموا من باطل الحق معرب	ہاتھوں حق کی علانیہ ایذا رسانی کو محو کر دیا۔
فاصبح ماقالوا من الامر باطلا	انھوں نے جو کچھ کہا وہ باطل قرار پایا اور جو شخص ناحق دروغ بافی کرتا ہے
ومن یختلق مالیس بالحق یکذب	وُہ جھوٹا ہے۔
وامسی ابن عبداللہ فینا مصدقا	محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تصدیق کرنے والے ہیں اور قوم
علی سخط من قومنا غیر معتب	کی خشم گیری کے باوجود سرزنش اور عتاب کرنے والے نہیں ہیں۔
فلا تحسبوا یا مسلمین محمدا	اے مسلمانو! حضرت محمدؐ کو غریب الدیار اور وطن سے
لذی غربۃ منا ولا متغرب	نکلا ہُوا نہ سمجھو۔
ستمنعہ منا یدھاشمیہ	ہم ہاشمیوں کے ہاتھ اس کی حفاظت و حمایت کریں گے ہم نسبی
مرکبھا فی الناس خیر مرکب	شرافت کے لحاظ سے لوگوں میں بہترین نسب کے حامل ہیں۔

جب ابو طالب نے ان کی دشمنی کو ظاہر کر دیا اور وُہ ان کے ساتھ علی الاعلان لڑائی کے لیے آمادہ ہو گئے تو قریش نے ہر ایسے شخص کو جو اسلام قبول کرتا تھا ظلم کا نشانہ بنایا اور گرفتار کیا اور وُہ مسلمانوں کی اذیت کے درپے ہو گئے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی بلا خیزی اور فتنہ انگیزی شدید سے شدید تر ہوتی گئی اور وہ بری طرح ہلا مارے گئے۔
بنو جمح نے عثمان بن مظعون پر ظلم کیا۔ ابو سلمہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بھاگ کر ابو طالب کے پاس آئے اور پناہ کے طالب ہوئے۔ وہ ابو سلمہ کے ماموں تھے۔ بنی مخزوم ابو سلمہ کو پکڑنے کے لیے آئے۔ ابو طالب نے انہیں روکا۔ انہوں نے کہا: "اے ابو طالب! تم نے اپنے بھتیجے کو ہمارے مقابلے میں پناہ دی، کیا اب ہمارے بھتیجے کو بھی ہمارے خلاف پناہ دیتے ہو؟" ابو طالب نے کہا: "میں جس طرح اپنے بھتیجے کی حمایت کرتا ہوں اسی طرح اپنے بھانجے کی بھی حمایت کروں گا۔" ابو لہب بھی بول اٹھا: "ابو طالب ٹھیک کہتا ہے وہ ابو سلمہ کو تمہارے سپرد نہیں کرے گا۔" ابو لہب نے اس سے زیادہ بہتر بات کبھی نہیں کہی تھی۔ جب ابو طالب نے ابُو لہب کی یہ بات سُنی تو وہ اس کے بارے میں کچھ پُرامید ہوئے اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ ابو لہب ان کی امداد اور حمایت کرے۔ چنانچہ ابو طالب نے اس کی دلجوئی اور تالیفِ قلب کے لیے یہ اشعار کہے:

وان امرأ ابو عتیبہ عمہ	جس شخص کا چچا ابو عتیبہ ہے وہ یقیناً ایسے باغ میں ہے جسے ظلم کا
لفی روضۃ من ان یسام المظالما	نشانہ بنا کر نیست و نابود نہیں کیا جا سکتا۔
اقول لہ واین منی نصیحتی	میں اس سے کہتا ہوں: "اے ابو معتب! اپنی جماعت کو
ابا معتب ثبت سوادک قائما	مضبوطی اور ثبات مہیا کرو۔" لیکن میری یہ نصیحت اس تک کب پہنچ سکے گی؟

ولا تقبلن الدھر ما عشت خطة
تسب بھا اما ھبطت المواسما
وحارب فان الحرب نصف ولن تری
اخا الحرب یعطی الضیم الا یسالما

جب تک تو زندہ ہے کسی ایسی چیز کو ہرگز قبول نہ کر جس کی وجہ سے تجھے قومی تقریبات میں شمولیت کے لیے مواقع پر طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے۔ جنگجوئی اختیار کر کیونکہ جنگ ہی تجھے انصاف مہیا کرتی ہے تو کبھی نہیں دیکھے گا کہ (اپنے حقوق کے لیے) لڑنے والے کے ساتھ ظلم کیا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس اس کے ساتھ مصالحت اختیار کی جاتی ہے۔

و ولی سبیل العجز غیرك منھم
فانك لن تلحق علی العجز لازما

ان میں سے تیرے علاوہ دوسرے لوگ عاجزی کا راستہ اختیار کریں تو کریں۔ یقیناً تجھے ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تو عاجزی سے الحاق کرے۔

(۲۱۰) مقاطعہ کی دستاویز کا خاتمہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مقاطعہ کی وہ دستاویز جو قریش نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف قلمبند کی تھی اسے کالعدم قرار دینے کے لیے قریش ہی کے چند آدمی آمادہ ہو گئے۔ اس ضمن میں ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن خبیب بن خزیمہ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی نے جس طرح کا بہترین کردار ادا کیا اس طرح کی کوشش کسی دُوسرے نے نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کے ماں جائے بھائی کا بیٹا تھا اور عمرو اور نضلہ اخیافی بھائی تھے اور ہشام کا بنی ہاشم کے ساتھ میل ملاپ تھا۔ علاوہ ازیں وہ اپنی قوم میں شرافت و مرتبت کا حامل تھا۔

ابن اسحاق نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ہشام بن عمرو بنی مغیرہ، بنی ہاشم اور بنی مطلب کے پاس رات کے وقت اونٹ پر خوراک لاد کر لاتا جب گھاٹی کے دہانے پر پہنچتا تو اونٹ کی مہار کھول دیتا اور اس کے پہلو پر ضرب رسید کرتا۔ اونٹ گھاٹی میں داخل ہو کر بنی ہاشم کے پاس پہنچ جاتا۔ پھر اسی طرح وہ گیہوں یا پارچات اونٹ پر لاد کر لاتا اور اسی طرح اسے گھاٹی میں پہنچا دیتا۔

پھر ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے پاس گیا اور اسے کہا "کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو اور عورتوں سے نکاح کرو لیکن تمہارے ننھیال جیسا کہ تم جانتے ہو نہ خرید و فروخت کر سکیں نہ ان کے ساتھ رشتۂ مناکحت استوار کیا جا سکے۔ نہ وہ کسی کو امان دے سکیں اور نہ کوئی دوسرا انھیں امان دے سکے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ اگر معاملہ ابوالحکم بن ہشام کے ننھیال کا ہوتا اور تم اسے اس کی ننھیال کے ساتھ وہ معاملہ کرنے کی دعوت دیتے جو اس نے تمہاری ننھیال کے ساتھ کرنے کی دعوت دی ہے تو وہ کبھی اس دعوت کو قبول نہ کرتا۔" اس نے کہا: "ہائے افسوس! میں اکیلا کیا کر سکتا ہُوں؟" ہشام نے کہا: "ایک شخص تو تیرے پاس موجود ہے۔" اس نے کہا: "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا: "میں تیرا ساتھ دوں گا۔" زہیر نے اسے کہا: "ہمیں تیسرے ساتھی کی

تلاش بھی کرنی چاہیے۔"

پھر ہشام، مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف کے پاس گیا اور اس سے کہا: "اے مطعم! کیا تم اس بات پر رضامند ہو کہ بنی عبد مناف کا ایک خانوادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو جائے اور تم مقاطعہ کرنے والوں کے ساتھ موافقت اختیار کرو۔ بخدا اگر تم نے قریش کو اس طرح بنو ہاشم کا خاتمہ کرنے کی کھلی چھٹی دے دی تو تم یقیناً دیکھو گے کہ یہی سلوک عنقریب تمہارے ساتھ روا رکھا جائے گا۔" اس نے کہا: "ہائے افسوس! میں کیا کر سکتا ہوں، میں تو اکیلا ہوں۔" ہشام نے کہا: "تمہارے ساتھ دوسرا بھی ہے۔" مطعم نے پوچھا: "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا: "میں ہوں۔" مطعم نے کہا: "ہمیں تیسرے ساتھی کی تلاش کرنی چاہیے۔" ہشام نے کہا: "وہ میں نے تلاش کر لیا ہے۔" مطعم نے کہا: "وہ کون ہے؟" ہشام نے کہا: "وہ زہیر بن امیہ ہے۔" مطعم نے کہا: "ہمیں چوتھا ساتھی بھی ڈھونڈنا چاہیے جو ہمارا ہمنوا ہو۔"

ہشام اس کے بعد ابو البختری کے پاس گیا اور اس کے ساتھ محصورین کی قرابت اور حقوق کا ذکر کیا۔ اس نے پوچھا: "کیا کوئی اور بھی اس معاملہ میں ہماری امداد کرنے والا ہے؟" ہشام نے کہا: "مطعم بن عدی اور زہیر بن امیہ بھی ہمارے ساتھی ہیں۔" ابو البختری نے کہا: "ہمیں پانچواں آدمی بھی ساتھ ملانا چاہیے۔"

پھر ہشام زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے بات کی اور اس کے ساتھ بھی محصورین کی قرابت اور حقوق کا ذکر کیا۔ زمعہ نے پوچھا: "جس بات کی تم مجھے دعوت دے رہے ہو کیا اس معاملہ میں کوئی اور شخص بھی تمہارا ساتھی ہے؟" ہشام نے کہا: "ہاں۔" پھر ہشام نے اسے دیگر ساتھیوں کے نام بتلائے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ رات کے وقت مکہ کی بالائی سمت میں واقع حجون پہاڑ کے اس مقام پر ملاقات کریں جہاں سے وہ پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کی شکل سونڈ کی سی ہو گئی تھی۔ انہوں نے باہم سوچ بچار کر کے طے کیا کہ مقاطعہ کی دستاویز کو کس طرح ختم کیا جائیگا۔ زہیر نے کہا: "میں بات کی ابتدا کروں گا، تم لوگ میری تائید کرنا۔"

جب صبح ہوئی تو یہ لوگ قریش کی مجالس کی طرف گئے۔ زہیر بن امیہ نیا لباس پہن کر گیا۔ اس نے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگائے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح خطاب کیا: "اے اہلِ مکہ! کیا ہم کھانا کھائیں، مشروبات پئیں اور کپڑے پہنیں اس حال میں کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب ہلاک ہو رہے ہیں، نہ وہ کسی سے کچھ خرید سکتے ہیں اور نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے اور نہ ہی ان سے ازدواجی رشتے استوار کئے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت نہ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک کہ یہ ظالمانہ اور قطع رحمی پر مبنی تحریر پھاڑ نہ دی جائے۔ ابوجہل اس وقت مسجد کے ایک کونے میں تھا وہ پکار اٹھا: "تم جھوٹ کہتے ہو، یہ دستاویز ہرگز نہ پھاڑی جائے گی۔" زمعہ بن اسود نے ابوجہل کو کہا: "تم سب سے زیادہ جھوٹے ہو۔ جب یہ تحریر لکھی گئی ہم اس وقت بھی اس پر راضی نہیں تھے۔" ابو البختری نے کہا: "زمعہ بن اسود سچ کہتا ہے۔ اس دستاویز میں جو کچھ لکھا ہوا ہے ہم اس پر راضی نہیں ہیں اور نہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔" مطعم بن عدی نے تائیداً کہا: "تم

دونوں سچ کہتے ہو اور جھوٹا وہ ہے جو اس کے علاوہ کچھ کہتا ہے۔ ہم اللہ کے حضور اس دستاویز سے اور اس میں تحریر کردہ مضمون سے برأت کا اعلان کرتے ہیں۔" ان سب لوگوں نے اس دستاویز کی تردید کی اور اس کو پھاڑنے کے لیے جو موقف اختیار کیا ہشام بن عمرو نے بھی اس کی تائید کی۔ ابوجہل نے کہا: "یہ تو ایسا منصوبہ ہے جو رات کو کسی اور جگہ بیٹھ کر تیار کیا گیا ہے۔" اس موقع پر ابوطالب بھی مسجد میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ جو کچھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر مطعم بن عدی نے اُٹھ کر اس دستاویز کو چاک کر دیا اور معلوم ہوا کہ "باسمك اللّٰھم" کے الفاظ کے سوا دیمک سارے مضمون کو چاٹ گئی تھی۔ یہ دستاویز منصور بن عکرمہ بن ہشام بن عبد مناف بن عبدالدار نے تحریر کی تھی۔ لوگوں کا گمان ہے کہ اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ جب یہ دستاویز پھٹ گئی اور جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا باطل قرار پایا تو جن لوگوں نے اس معاہدے کو توڑنے کا کارنامہ سرانجام دیا ان کے متعلق ابوطالب سے یہ اشعار کہے:

الاهل اتی الاعداء کافة ربنا	خبردار، کیا سب دشمنوں کو یہ بات پہنچ گئی ہے کہ ہمارا پروردگار ان سے
علی نایھم والله بالناس ارود	دور ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا مہربان ہے۔
فیخبرھم ان الصحیفة مزقت	(کوئی ہے جو) ان کو خبر دے کہ دستاویز چاک کر دی گئی ہے اور جس
وان کل مالم یرضه الله مفسد	چیز میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں وہ برباد ہونے والی ہے۔
تراوحها افك وسحر مجمع	اس دستاویز کو بہتان طرازی اور مجموعی فریب کاری نے تقویت پہنچائی
ولم یلف سحرا آخر الدھر یصعد	اور کوئی فریب کاری بھی زیادہ عرصہ تک ترقی کرتی ہوئی نہیں پائی گئی۔
تداعی لها من لیس فیها بقربة	اس دستاویز کے معاملہ میں وہ لوگ بھی اکٹھے ہو گئے جن کا اس سے کوئی
فطائرها فی وسطها یتردد	قریبی تعلق نہیں تھا اور اس دستاویز کی نحوست اس کے بین السطور میں پھڑپھڑا رہی تھی۔
الم تك حقا وقعة صیلمیة	یہ واقعہ ایسا تھا کہ اس کے نتیجے میں بیخ و بُن سے اکھاڑ دینے والی جنگ
لیقطع فیها ساعد ومقلد	برپا کی جاتی جس میں ہاتھ اور گردنیں کاٹی جاتیں۔
ویظعن اهل ماکثون فیهربوا	مکہ کے مکین کُوچ کیے جا رہے ہیں اور افراتفری میں اس حال میں بھاگ
فرائصھم من خشیة الموت ترعد	رہے ہیں کہ ان کے شانے موت کے خوف سے کانپ رہے ہیں۔

(۲۱۱) عمارہ بن ولید اور عمرو بن عاص حبشہ میں

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد قریش عمارہ بن ولید کو لے کر ابوطالب کے پاس گئے تھے (جس کا ذکر پیراگراف ۱۹۸ میں ہے)۔ اس واقعہ کے بعد عمارہ بن ولید اور عمرو بن عاص دونوں تجارت کی غرض سے سرزمینِ حبشہ کی طرف گئے جو قریش کے لیے

جائے پناہ تھی اور وہ بالعموم وہاں جاتے تھے۔ یہ دونوں اس وقت مشرک تھے، شاعر بھی تھے، دلیر تھے لیکن نفسانی خواہشات سے مغلوب تھے۔ عمارہ بڑا حسین و جمیل تھا۔ عورتیں اس کی گرویدہ تھیں وہ خوش گفتار اور خوش پوشاک تھا۔ عمرو بن عاص کے ساتھ اس کی بیوی بھی شریکِ سفر تھی۔ ان کے پاس شراب تھی۔ کچھ راتوں تک سمندر کا سفر کرنے کے بعد انہوں نے شراب نوشی کی۔ جب عمارہ بن ولید نشہ سے مخمور ہو گیا تو اس نے عمرو بن عاص کی بیوی کو کہا: "مجھے چُوم لو۔" عمرو نے اپنی بیوی سے کہا: "اپنے چچا کے بیٹے کو چُوم لو۔" اس نے عمارہ کو چُوم لیا۔ عمارہ نے اسے نیچے گرا کر اپنی ہوس رانی کا نشانہ بنانے کا ارادہ کیا تو اس عورت نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ پھر عمرو نے سفینہ کے کنارہ کے اُوپر اونچی جگہ پر بیٹھ کر پیشاب کرنا شروع کیا۔ عمارہ نے اسے سمندر میں دھکیل دیا اس نے تیرنا شروع کیا یہاں تک کہ اسے پکڑ کر نکال لیا گیا۔ عمارہ نے اسے کہا: "واللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تُو تیراکی جانتا ہے تو میں تجھے نہ پھینکتا۔ میرا گمان تھا کہ تُو اچھا تیراک نہیں ہے۔" جب عمارہ نے عمرو سے یہ کہا تو اس کے دل میں عمارہ کے متعلق کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے جان لیا کہ عمارہ اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔

ان دونوں نے اکٹھا سفر کیا اور حبشہ پہنچ گئے۔ عمرو بن عاص[1] نے اپنے باپ عاصی بن وائل کو لکھا کہ مجھے عاق کر دیا جائے اور میرے جرائم کے متعلق بنی مغیرہ اور جملہ بنی مخزوم کے سامنے بریت کا اعلان کر دیا جائے۔ کیونکہ عمرو کو اپنے باپ کے بارے میں یہ خوف لاحق تھا کہ عمرو کے جرائم کے متعلق اس کے باپ عاص کا تعاقب کیا جائے گا۔ جب یہ مکتوب عاصی کو ملا تو وہ بنی مخزوم اور بنی مغیرہ کے لوگوں کے پاس گیا اور کہا: "تم جانتے ہو کہ یہ دونوں جوان یہاں سے چلے گئے ہیں وہ دونوں جانباز اور شریر ہیں نیز جذباتی ہیں اور انھیں اپنے آپ پر قابو نہیں ہے مجھے معلوم نہیں کہ کیا واقعہ پیش آ جائے اس لیے میں تمہارے رُوبرو عمرو اور اس کے کرتوتوں سے اعلانِ برأت کرتا ہُوں میں نے اسے عاق کر دیا ہے۔" بنی مغیرہ اور بنی مخزوم کے لوگوں نے اسے کہا: "تمہیں عمارہ کے بارے میں خدشہ ہے ہم نے عمارہ کو عاق کر دیا ہے اور ہم تمہارے لیے اس کے جرائم سے اعلانِ برأت کرتے ہیں۔" ان دونوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ عمرو بن عاص نے کہا: میں نے یہ کیا۔ قبیلوں نے دونوں کو عاق کر دیا اور ہر ایک قبیلہ نے اپنے آدمی کے جرائم سے اعلان برأت کر دیا۔

جب وُہ دونوں حبشہ میں اطمینان سے رہنے لگے زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ عمارہ نے نجاشی کے حرم میں ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات خفیہ طور پر قائم کر لئے وہ حسین و جمیل آدمی تھا۔ عورت نے اسے اپنے پاس بلانا شروع کر دیا تو وہ اکثر اس کے پاس جاتا رہتا اور واپس آ کر عمرو کو خلوت کی باتیں سناتا تھا۔ عمرو اسے کہتا: میں یہ نہیں مانتا کہ تُو ایسا بھی کر سکتا ہے کیونکہ اس عورت کا مرتبہ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ لیکن جب عمارہ نے یہ باتیں کثرت سے شروع کر دیں اور عمرو کو معلوم ہو گیا کہ وہ واقعی نجاشی کی ایک عورت کے پاس جاتا ہے کیونکہ اس کی ہیئت ہی بدل چکی ہے وہ شام کے وقت اس کے پاس جاتا اور سحر کو واپس آ جاتا تھا۔

---

[1] متن میں عاص اور عاصی دونوں طرح لکھا ہوا ہے۔ (ادارہ)

عمرو اور عمارہ دونوں اکٹھے رہتے تھے۔ عمرو یہ چاہتا تھا کہ عمارہ اس کے پاس اس عورت کی کوئی ایسی چیز لائے جو وہ واپس نہ کر سکے۔ چنانچہ جب عمارہ نے عمرو کے ساتھ عورت کی باتیں کیں تو عمرو نے اسے کہا: "عورت کو کہنا کہ وہ تمہیں نجاشی کا تیل لگائے جو دوسرا کوئی بھی نہیں لگا سکتا، میں اسے پہچانتا ہوں اور اس تیل میں سے تھوڑا سا مجھے لا کر دو تاکہ میں تصدیق کر سکوں کہ تم سچ کہتے ہو۔" عمارہ نے کہا: "میں ایسا کروں گا۔" عمرو کا بیان ہے کہ وہ عورت کے پاس گیا اس نے اسے وُہ تیل لگایا اور ایک شیشی میں تھوڑا سا تیل دے بھی دیا۔ جب عمرو نے اُسے سُونگھا تو پہچان لیا اور عمارہ کو کہا: "میں گواہی دیتا ہُوں کہ تُو سچ کہتا ہے۔ تُو نے تو وہ چیز حاصل کر لی ہے جو کسی عرب کو حاصل نہیں ہوئی، بادشاہ کی بیوی! ہم نے تو ایسا کبھی نہیں سُنا تھا۔ وہ اہلِ جاہلیت تھے۔ ان کے نزدیک یہ بہت بڑی فضیلت تھی جو کسی کو حاصل ہو۔

پھر عمرو نے سکوت اختیار کر لیا یہاں تک کہ جب وُہ مطمئن ہوگیا تو عمرو نجاشی کے پاس گیا اور کہا: "اے بادشاہ! میرے ساتھ قریش کے احمقوں میں سے ایک احمق ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کے معاملہ کو آپ کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے حالات آپ تک پہنچا دُوں۔ میں یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت کے طور پہ بتا رہا ہُوں کہ وُہ آپ کی بیویوں میں سے کسی بیوی کے پاس جاتا ہے اور یہ وُہ تیل ہے جو اس عورت نے اسے دیا ہے اور جسے اس نے استعمال کیا ہے۔" جب نجاشی نے تیل کو سُونگھا تو اس نے کہا: "تُو نے سچ کہا ہے یہ وہ تیل ہے جو میری عورتوں کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔" پھر نجاشی نے عمارہ کو بلایا اور جادوگروں کو بُلا بھیجا۔ عمارہ کے کپڑے اتروا دئے گئے۔ بادشاہ نے جادوگروں کو حکم دیا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ جادوگروں نے عمارہ کے جسم کے مخصوص حصّہ پہ پھونکیں ماریں، وُہ پاگلوں کی طرح بھاگتا ہُوا برہنہ ہی جنگلوں کی طرف نکل گیا اور اسی حالت میں حبشہ کی سرزمین میں رہا یہاں تک کہ عمرؓ بن خطابؓ کی خلافت کا دور آگیا۔ بنی مغیرہ کے کئی آدمی اس کے پاس گئے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ بھی تھا۔ اسلام سے قبل عبداللہ کا نام "بجیر" تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا۔ اس نے سرزمینِ حبشہ میں عمارہ کی تلاش شروع کی۔ لوگوں نے بتایا کہ وُہ جنگلی گدھوں کے ساتھ آتا ہے اور ان ہی کے ساتھ واپس چلا جاتا ہے، اگر اسے انسان کی آہٹ محسوس ہو تو وُہ بھاگ جاتا ہے۔ جب پیاس محسوس کرتا ہے تو سیر ہو کر پانی پی لیتا ہے۔" بنی مغیرہ کے لوگ اس کی تلاش میں نکلے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کا بیان ہے کہ میں نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا اس نے بار بار کہا: "اے بجیر! مجھے چھوڑ دو اگر تُو نے مجھے اسی طرح پکڑ کر رکھا تو میں مر جاؤں گا۔" عبداللہ نے کہا: "میں نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور وہ اسی جگہ میرے ہاتھوں میں فوت ہوگیا۔ میں نے اسے دفن کر دیا۔ پھر ہم واپس چلے آئے۔" لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے بال اتنے زیادہ تھے کہ اس کا سارا بدن بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

عمرو نے اس کے بارے میں یہ اشعار کہے جن میں یہ بیان کیا کہ عمارہ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور وہ عمرو کی عورت کے ساتھ کیا کرنا چاہتا تھا:

تعلم عمار ان من شر شیمة
لمثلک ان یدعا ابن عم له ابنما

عمارہ کو یہ بات بتلا دو کہ تیری طرح بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے پر تیرے بھائی کے بیٹے سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس کا بیٹا ہے؟

أان کنت ذابردین احوی مرجلا
فلست تری لابن عمك محرما

اگر تمہارے پاس دو چادریں ہیں تم سیاہی مائل سرخ ہو، بالوں کو کنگھی کیے ہوئے ہو، تو اپنے چچا کے بیٹے کو صلع جوئی کی حالت میں دیکھنے کے روادار کیوں نہیں ہو؟

اذاالمرء لم یترك طعاما یحبه
ولم ینه قلبا غاویا حیث یمما

جب آدمی اپنے پسندیدہ اور محبوب کھانے کو ترک نہ کرے اور اپنے گمراہ دل کو بُرے ارادوں سے باز نہ رکھے۔

قضی وطرا منها یسیرا فاصبحت
اذا ذکرت امثاله تملاء الفما

تو وہ آسانی کے ساتھ اپنی حالت پُوری کر لیتا ہے پھر اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کی باتیں ضرب المثل کے طور پر زبان زدِ خاص و عام ہو جاتی ہیں۔

اصبت من الامر الدقیق جلیله
وعیشا اذا لاقیت من قد تلوما

تو تھوڑے کام سے بڑی مصیبت میں گرفتار رہا اور ایسی زندگی بسر کرنے پر مجبور رہو گیا جو قابلِ مذمت ہے۔

الی ملجاٴ بع عن مطامع خشیة
وعالج امرالمجد لا یتندما

ڈر کی خواہشات چھوڑ کر آسائش و فراخی کی پناہ گاہ تلاش کر، بزرگی کے کام کرتا رہ تاکہ ندامت و پشیمانی سے بچ جائے۔

فلیس الفتی وان انمت عروقه
بذی کرم الا بان یتکرما

اگر آدمی کی رگیں اور ریشے نشوونما پا جائیں تو وہ صاحبِ شرافت آدمی نہیں بن جاتا جب تک کہ فی الواقع وہ شرافت حاصل نہ کرے۔

باب ۲۱

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کا اسلام لانا

(۲۱۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے بنی اسلم کے ایک فقیہ اور سمجھدار شخص نے بیان کیا کہ ابوجہل صفا کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس نے آنحضرتؐ کو ایذا پہنچائی اور بے تحاشا گالیاں دیں۔ آپؐ کے دین کی عیب چینی کی اور آپؐ کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدسلوکی کو مکروہ جانا مگر آپؐ نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ عبداللہ بن جدعان تیمی کی آزاد کردہ لونڈی صفا کے اوپر اپنے گھر میں یہ سب کچھ سُن رہی تھی۔ پھر ابوجہل چلا گیا اور جا کر کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں انکے پاس بیٹھ گیا۔ اتنے میں حمزہؓ بن عبدالمطلب اپنی کمان کو گلے میں لٹکائے ہوئے شکار سے واپسی پر وہاں پہنچ گئے۔ آپ شکاری تھے تیر سے شکار کیا کرتے تھے اور عموماً شکار کو نکل جایا کرتے تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ شکار سے واپسی پر آپ سیدھے گھر نہیں جاتے تھے بلکہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے پھر قریش کی مجلس کے پاس سے گزرتے تو وہاں ٹھہر جاتے تسلیمات بجا لاتے اور گفت وشنید کے بعد اپنے گھر جاتے تھے۔ آپ قریش کے نہایت طاقتور، بہادر اور غیرت مند آدمی تھے وہ اس وقت تک اپنی قوم کے دین پر تھے اور مشرک تھے۔ جب حمزہؓ اس لونڈی کے پاس سے گزرے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنے گھر جا چکے تھے) تو لونڈی نے حضرت حمزہؓ کو کہا: "اے ابوعمارہ! کاش آپ اس مصیبت کو دیکھتے جو ابوالحکم نے آپ کے بھتیجے (حضرت محمدؐ) پر نازل کی۔ اس نے آپؐ کو یہاں دیکھا تو آپ کو اذیت پہنچائی، گالیاں دیں اور آپؐ کے ساتھ ناپسندیدہ سلوک کیا اور چلا گیا لیکن محمدؐ نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت حمزہؓ غصّے سے بھر گئے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح آپ کو شرافت سے نوازنا چاہتا تھا آپ تیزی سے چلے اور خلافِ معمول کسی کے پاس نہ ٹھہرے۔ وہ طواف کرنا چاہتے تھے تاکہ ابوجہل کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے ابوجہل کو لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا آپ سیدھے اس کی طرف گئے اور اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور کمان اٹھا کر اس زور سے اس کے سر پر دے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اس پر قریش میں سے بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی حمایت کے لیے اُٹھے اور انہوں نے کہا: "اے حمزہؓ! کیا تم بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ گئے ہو؟" حضرت حمزہؓ نے کہا: "میرے لیے کونسی رکاوٹ ہے جبکہ حقیقت مجھ پر واضح ہو چکی ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ سچ ہے۔ بخدا! میں اس دین کو نہیں چھوڑوں گا مجھے اس سے روک لو اگر تم سچے ہو۔" ابوجہل نے کہا: "ابوعمارہ کو چھوڑ دو۔

میں نے واقعی ان کے بھتیجے کو بُری گالیاں دی تھیں۔" بالآخر حضرت حمزہؓ اپنے اسلام پر ڈٹ گئے اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ آپ کو فرمایا آپ ہمیشہ اس پر قائم رہے۔ جب حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو قریش کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوت اور حفاظت و حمایت حاصل ہو گئی ہے اب حمزہؓ آپ کی حمایت کریں گے اس لیے موقع پانے کے باوجود آپ کو اذیت پہنچانے سے باز آ گئے۔ جب حضرت حمزہؓ نے ابو جہل کو مارا اور اسلام قبول کیا تو اس وقت یہ اشعار کہے :

ذق یا ابا جهل ما عسیت	اے ابوجہل! اپنی سخت مزاجی کا مزہ چکھو، تو نے ظالمانہ کارروائی کی تھی
من امرك الظالم اذا مشيت	اس کا نتیجہ بھگتو۔
عزامرك الظالم اذا عنيت	جب تُو نے زبردستی کی تو تیری ظالمانہ کارروائی سخت ہو گئی۔ اگر تو اللہ سے
لوكنت ترجوا الله ما شقيت	امید رکھے تو تُو بدبختی اور شقاوت سے بچ جائے۔
ستسعط الرغم بما اتيت	تیرے کرتوتوں کی وجہ سے تیری ناک خاک آلود ہو گی۔ تجھے روکا گیا ہے
تؤذی رسول الله اذ نهيت	لیکن تُو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے۔
ولا تركت الحق اذ دعيت	جب مجھے دعوت دی گئی تو میں نے حق سے روگردانی نہیں کی اور میں
ولا هويت بعد ما هويت	خواہشاتِ نفس کا غلام نہیں بنا جبکہ تُو راہِ حق سے ہٹ چکا ہے۔
حتى تذوق الخوى قد لقيت	حتیٰ کہ تُو نے سر کی چوٹ کا مزہ چکھا جس کی وجہ سے تیرا سر خون سے
فقد شفيت النفس واشفيت	خالی ہو گیا۔ تُو نے صحت طلب کی لیکن صحت نہ پائی۔

(۲۱۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا : پھر حمزہؓ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ شیطان نے وسوسہ اندازی کی اور کہا: "تو قریش کا سردار ہے دین سے پھرے ہوئے اس شخص کی پیروی اختیار کر لی ہے اور اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک کر دیا ہے ایسا کرنے سے تو تیرے لیے مر جانا بہتر ہے۔" حضرت حمزہؓ پر اس کی وجہ سے سخت غم اور پراگندگی طاری ہو گئی۔ حضرت حمزہؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: "اے اللہ! جو کچھ میں نے کیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے ورنہ میرے لیے اس گراوٹ سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے۔" شیطانی مکر و فریب اور وسوسہ کی وجہ سے حضرت حمزہؓ خلاف معمول طور پر رات بھر سخت بے چین رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ آپ علی الصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "بھتیجے! میں ایک مخمصہ میں پھنس گیا ہوں جس سے نکلنے کی کوئی صورت مجھے نظر نہیں آتی اور مجھ جیسے آدمی کا کسی ایسی چیز پر قائم رہنا جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ وہ ہدایت ہے یا گمراہی، ایک شدید بات ہے۔ تم میری رہنمائی کرو۔ میری انتہائی خواہش ہے کہ اس مخمصہ سے نکلنے کے لئے تم مجھے کوئی رستہ سجھاؤ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بات سن کر انھیں سمجھایا، نصیحت کی، خدا کا خوف دلایا اور ایمان لانے پر بشارت دی۔ راوی کا

بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہمائش سے اللہ عزوجل نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا اور انہوں نے کہا "میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ صادق ہیں۔ یہ سچی شہادت ہے جو ایک عارف نے دی ہے۔ میرے بھتیجے! میں آپؐ کے دین کا اظہار کروں گا۔ بخدا! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آسمان کے نیچے جو کچھ ہے وہ مجھے مل جائے اور میں اپنے پہلے مشرکانہ دین پر قائم رہوں"

حضرت حمزہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کو قوت و شوکت عطا فرمائی۔

(۱۴۲) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا ؛ حمزہؓ بن عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے:

حمدت الله حين هدى فؤادى
الى الاسلام والدين الحنيف

میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جب کہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین حنیف کی رہنمائی عطا فرمائی۔

لدين جاء من رب عزيز
خبير بالعباد بهم لطيف

یہ دین قادر مطلق رب کی طرف سے آیا ہے جو اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر بہت مہربان ہے۔

اذا تليت رسائله علينا
تحدر دمع ذى اللب الحصيف

جب اللہ کے پیغامات ہمارے سامنے تلاوت کیے جاتے ہیں تو وہ فہیم اور عقلمند آدمی کے دل و دماغ کو اپیل کرتے ہیں۔

رسائل جاء احمدٌ من هداها
بآيات مبينات الحروف

یہ وہ پیغامات ہیں جو احمدؐ لے کر آئے ہیں وہ سراسر ہدایت ہیں اور واضح مضامین کی آیات پر مشتمل ہیں۔

واحمد مصطفیٌ فينا مطاع
فلا تغشوه بالقول العنيف

احمد مصطفیٰؐ ہمارے مطاع ہیں۔ آپؐ کے ساتھ سخت کلامی کر کے آپؐ کو رنجیدہ خاطر نہ کرو۔

فلا والله نسلمهٗ لقوم
ولما نقض فيهم بالسيوف

بخدا! ہم آپؐ کو قوم کے سپرد نہیں کریں گے جب تک کہ تلواروں کے ساتھ ان کا فیصلہ نہ چکا دیں۔

ونترك منهم قتلى بقاع
عليها الطير كالورد العكوف

ہم ان میں سے ان جگہوں کے مقتولوں کو چھوڑ دیں گے جن کے گرداگرد پرندے منڈلاتے ہیں جس طرح پنگھٹ پر پانی پینے کے لیے اونٹ اور آدمی ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔

وقد خبرت ما صنعت ثقيف
به فجزى القبائل من ثقيف

ثقیف نے آپؐ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ معلوم ہو چکا ہے اللہ تعالےٰ (جو انسانوں کا بادشاہ ہے) قبائلِ ثقیف کو بدترین جزا دے جو کسی

السر الناس شر جزاء قوم
ولا استقاهم صوب الخريف[1]

قوم کو دی جاتی ہے اور انہیں فصلِ خریف کی بارانِ رحمت سے سیراب نہ کرے۔

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے علامہ عبدالرحمان سُہیلی کے حوالہ سے حاشیہ پر لکھا ہے کہ نہ معلوم یہ کس واقعہ سے متعلق ہے بنی ثقیف طائف میں آباد تھے اگر یہ اشعار آنحضرتؐ کے سفرِ طائف کے بارے میں ہیں تو وہ سفر آپؐ نے شوال سنہ ۱۰ نبوت میں کیا تھا جبکہ مشہور ترین قول کے مطابق حضرت حمزہؓ سنہ ۶ بعد بعثت میں مشرف باسلام ہوئے تھے۔ بہرحال اس منظوم کلام کا یہ آخری حصہ غیر واضح ہے۔ (مترجم)

باب ۲۲

اصحابِ رسولؐ کی ہجرتِ حبشہ

(۲۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی، ابن اسحاق نے کہا: اللہ عزّوجل نے ابوطالب کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا انتظام فرمادیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا کہ آپؐ کے اصحابؓ کو آزمائشوں اور سختیوں میں مبتلا کیا جاتا ہے اور آپؐ خود اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے طفیل ان مصائب سے محفوظ ہیں۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی محسوس کیا آپؐ بذاتِ خود اپنے اصحابؓ کو کفار کی دست درازیوں سے بچانے کے قابل نہیں ہیں اور نہ ہی ابوطالب جیسا کوئی اور آدمی ہے جو ان کی حمایت کا بیڑا اٹھائے تو حضورؐ نے اپنے اصحابؓ کو سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا اور فرمایا: "وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں لوگوں پر ظلم نہیں ہوتا۔ وہ بھلائی اور سچائی کی سرزمین ہے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشائش مہیا کر دے اور میرے لیے اور تمہارے لیے ان مصائب کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔" اس ارشاد کے مطابق آپؐ کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگوں نے فتنہ کے ڈر سے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وُہ اپنے دین کو بچاتے ہُوئے اللہ عزّوجل کی طرف چلے گئے اور باقی ماندہ مسلمانوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔

(۲۱۶) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی سے اور اس نے ربیع بن انس کی وساطت سے قرآن کریم کی آیت "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم ......" کے متعلق ابوالعالیہ کی یہ روایت نقل کی: نزولِ وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دس سال اس حال میں گزارے کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحاب خوف و ہراس میں رہے اور اللہ عزّوجل سے خفیہ اور علانیہ دعائیں مانگتے رہے پھر انھیں حکم دیا گیا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ وہاں پر بھی وُہ خوفزدہ اور صبح و شام مسلح رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا: "یا رسول اللہ! ہم پر وہ زمانہ کب آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہوگا اور ہم اسلحہ اتار دیں گے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم صرف تھوڑا عرصہ غمزدہ رہو گے یہاں تک کہ تم میں کا آدمی عالمِ عظیم میں بیٹھے گا جہاں لوہا یعنی ہتھیار نہیں ہوں گے۔" پس اللہ تعالیٰ نے اس صحابیؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم	اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح سرزمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح

فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئا ط ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون ٥ (النور۔۵۵)

ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قایم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے، اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

آیتِ استخلاف کے آخری حصہ "ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون" میں راوی کے بیان کے مطابق "فمن کفر بھٰذہ النعمۃ" مراد ہے یعنی جو اس کے بعد اس نعمت کا کفران کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "من کفر باللہ یعنی جو اللہ کا انکار کرے" نہیں فرمایا۔ چنانچہ غلبۂ اسلام کے بعد مسلمان مامون ہو گئے اور ان کی یہ حالت برقرار رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پیارے ہو گئے پھر ان کی یہی حالت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ادوارِ خلافت میں قائم رہی اس کے بعد کفرانِ نعمت کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وہی خوف طاری کر دیا جو ان سے ہٹا دیا گیا تھا۔

(۲۱۷) یونس نے ہشام بن سعید کے حوالہ سے زید بن اسلم کی یہ روایت نقل کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں تین قسم کے لوگ تھے۔ ان میں سے ایک گروہ تو مدینہ میں تھا اور دو قسم کے لوگ مکہ میں تھے۔ مکہ میں ایک گروہ ایسے صحابہؓ کا تھا جو دس سال تک ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے لیکن انہوں نے مشرکین کو معاف کر دیا اور دوسرا گروہ ایسے صحابہؓ پر مشتمل تھا کہ جب انہیں ایذا پہنچائی جاتی تو وہ اس کا بدلہ لیتے تھے۔ ان سب اصحابؓ کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا:

والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش۔ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔

بڑے گناہوں سے مراد "شرک" اور فواحش سے مراد "زنا" ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

واذا ما غضبوا ھم یغفرون ٥ (الشوریٰ۔۳۷)

اور اگر غصہ آ جائے تو درگزر کر جاتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو مشرکین سے بدلہ نہیں لیتے۔

پھر فرمایا:

والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقنٰھم ینفقون ٥ (الشوریٰ۔۳۸)

جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قایم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

جو لوگ مدینہ میں تھے ان کا کوئی امیر نہیں تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور وہ مدینہ میں تھے وہ اپنے معاملات میں مشاورت کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد فرمایا گیا :

والذین اذآ اصابھم البغی ھم ینتصرون ○ (الشوریٰ - ۳۹)

اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔

یہ بدلہ لینے والے ہیں۔

پھر فرمایا گیا :

وجزآء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ ط انہ لا یحب الظٰلمین ○ (الشوریٰ - ۴۰)

بُرائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمّہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

یہ معاف کرنے والے صحابہؓ ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا :

ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولٰٓئک ما علیھم من سبیل ○ انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق ط اولٰٓئک لھم عذاب الیم ○ (الشوریٰ - ۴۱ - ۴۲)

اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں کی جا سکتی، ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وہ مشرکین جو مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

باب ۲۳

اسمائے گرامی مہاجرینِ حبشہ ۔ پہلا مرحلہ

(۲۱۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: حضرت جعفرؓ اور آپ کے ساتھیوں سے قبل مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ نے مکہ سے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی:

بنی امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف میں سے: (۱) عثمانؓ بن عفان اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی (۲) رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بنی عبد شمس بن عبد مناف میں سے: (۳) ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی۔ (۴) سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل۔ ان کے ہاں سرزمینِ حبشہ میں محمدؓ بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔

حلفائے بنی امیہ میں سے: (۵) عبد اللہؓ بن جحش بن رئاب۔

حلفائے بنی نوفل بن عبد مناف میں سے: (۶) عتبہؓ بن غزوان بن جابر (یہ بنی قیس عیلان میں سے تھے)

بنی اسد بن عبد العزّٰی بن قصی میں سے: (۷) زبیرؓ بن العوام بن خویلد بن اسد میں سے۔

بنی عبد الدار بن قصی میں سے: (۸) مصعبؓ بن عمیر بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار۔

بنی عبد بن قصی میں سے: (۹) طلیبؓ بن عمیر بن وہب بن ابی کثیر بن عبد بن قصی۔

بنی زھرہ بن کلاب میں سے: (۱۰) عبد الرحمٰنؓ بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ۔

حلفائے بنی زھرہ میں سے: (۱۱) عبد اللہؓ بن مسعود اور (۱۲) مقدادؓ

بنی مخزوم بن یقظہ بن مرہ میں سے: (۱۳) ابو سلمہؓ بن عبد الاسد اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی۔

(۱۴) ام سلمہؓ بنت ابی امیہ

(۱۵) سلمہؓ بن ہشام بن مغیرہ۔ بعد ازاں انہیں مکہ میں گرفتار کر لیا گیا اور بدر، اُحد اور خندق کے غزوات کے بعد مدینہ تشریف لائے۔

(۱۶) عیاشؓ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ۔ انہوں نے بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حارث بن ہشام جو ان کے ماں جائے بھائی تھے وہ انہیں مکہ واپس لے گئے اور قید کر دیا۔ غزوات بدر، اُحد اور خندق کے بعد رہائی ملی۔

حلفائے بنی مخزوم میں سے
(۱۷) عمارؓ بن یاسر۔ ان کے بارے میں شک ہے کہ انہوں نے ہجرت حبشہ کی یا نہیں۔
(۱۸) معتب بن عوف بن عامر (یہ بنی خزاعہ میں سے تھے)

حلفائے بنی عدی بن کعب بن لوی میں سے
(۱۹) عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی۔
(۲۰) لیلیٰ بنت ابی حثمہ بن غانم۔

بنی جمح بن عمرو بن ہصیص میں سے
(۲۱) عثمانؓ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح اور ان کے بیٹے
(۲۲) سائبؓ بن عثمانؓ۔
(۲۳) قدامہؓ بن مظعون۔

بنی سہم بن عمرو بن ہصیص میں سے
(۲۴) خنیسؓ بن حذافہ بن قیس بن عدی۔
(۲۵) ہشام بن عاصی بن وائل۔

بنی عامر بن لوی میں سے
(۲۶) حاطبؓ بن عمرو بن عبد شمس (کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی)
(۲۷) سلیط بن عمرو بن عبد شمس اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی۔
(۲۸) ام یقظہؓ بنت علقمہ۔ ان کے ہاں ایک لڑکا (؟) پیدا ہوا۔
(۲۹) سلیطؓ بن سلیط
(۳۰) سکرانؓ بن عمرو بن عبد شمس اور ان کے ساتھ ان کی بیوی۔
(۳۱) سودہ بنت زمعہ بن قیس۔ سکرانؓ ہجرتِ مدینہ سے قبل مکہ ہی میں فوت ہو گئے اور ان کی بیوہ سودہ بنت زمعہ کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا جو حرمِ نبوت میں داخل ہو گئیں۔

حلفائے بنی عامر بن لوی میں سے
(۳۲) سعدؓ بن خولہ

بنی حارث بن فہر بن مالک میں سے
(۳۳) ابو عبیدہؓ بن الجراح
(۳۴) سہیل بن بیضاء
(۳۵) عمرو بن ابی شریح بن ربیعہ اور
(۳۶) عمرو بن حارث بن زہیر بن ابی شداد۔

(۲۱۹) قصۂ غرانیق

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مہاجرین حبشہ میں

ٹھہرے رہے یہاں تک کہ انہیں خبر پہنچی کہ اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے ہیں اور انہوں نے سجدہ کیا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ سورۃ النجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آپؐ نے اس کی تلاوت فرمائی۔ مسلمانوں اور مشرکوں سب نے کان لگا کر سُنا، جب آپؐ "افرا یتم اللات و العزّٰی" پر پہنچے تو سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ مومنوں نے تیرات دی اور جب لوگوں نے اس کے بعد شیطان کی طرف الحاقی مسجع فقرے سُنے تو وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے کہا: بخدا! ہم ان کی عبادت کریں گے تاکہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔" شیطان نے وہ دو آیتیں ہر مشرک کو سکھا دیں اور وہ ان کی زبانوں پر جاری ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سخت غمزدہ ہوئے یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام آئے۔ آنحضرتؐ نے ان دو فقروں کے بارے میں شکایت کی جو لوگوں کی طرف سے ملا لیے گئے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے ان دونوں فقروں سے بیزاری کا اظہار کیا اور کہا: "آپؐ نے لوگوں کے سامنے وہ تلاوت کیا جو میں آپؐ کے اللہ عزّوجل کی طرف سے نہیں لایا اور آپؐ نے وہ کچھ کہا جو آپؐ کو نہیں کہا گیا۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید رنج و غم محسوس کیا اور آپؐ خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دلجوئی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنّى القى الشيطن في امنيّته فينسخ الله ما يلقى الشيطن ثم يحكم الله ايته ط والله عليم حكيم ۝ لا (الحج - ۵۲) [1]	اور اے نبی! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی (جس کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا ہو کہ) جب اس نے تمنا کی شیطان اس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا۔ اس طرح جو کچھ بھی شیطان خلل اندازیاں کرتا ہے اللہ ان کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے۔ اللہ علیم ہے اور حکیم۔

(۲۲۰) حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں پر کیا گزری؟

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ مسلمان جو حبشہ میں مقیم تھے جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہلِ مکہ کے سجدہ ریز ہونے کی خبر پہنچی تو وہ سب کے سب یا ان میں سے بعض مکہ کو واپس چل پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کر لی ہے۔ جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو انہیں حقیقتِ حال معلوم ہوئی۔ اب ان کے لیے واپس حبشہ جانا بڑا کٹھن کام تھا لیکن کسی کی پناہ کے بغیر وہ مکہ میں داخل ہوتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ وہ کچھ وقت تک اسی حیص بیص میں رہے اس کے بعد ان میں سے ہر ایک اہلِ مکہ میں سے کسی نہ کسی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہو گیا۔ عثمانؓ بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ حاصل کی

---

[1] یہ امر قابلِ ملاحظہ ہے کہ سورۃ النجم مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور سورۃ الحج مدنی دور کی آخری سورتوں میں سے ہے ان دونوں میں سبب اور مسبب کا جوڑ لگانا بعید از قیاس ہے۔ (محمد حمید اللہ)

اور ابوسلمہؓ بن عبدالاسد نے اپنے ماموں ابوطالب کی پناہ لی۔ ابوسلمہ کی والدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔

یونس بن بکیر نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے صالح سے اور اس نے ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف کی وساطت سے ایک دُوسرے راوی سے عثمانؓ بن مظعون کے متعلق یہ روایت نقل کی، جب عثمانؓ بن مظعون نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرامؓ کو اذیت دی جا رہی ہے اور وہ صبح و شام ولید بن مغیرہ کی پناہ میں آرام سے چل پھر رہے ہیں۔ اس پر عثمانؓ نے اپنے دل میں سوچا کہ میرا ایک مشرک کی پناہ میں صبح و مسا امن سے گزر بسر کرنا جبکہ میرے دیگر رفقاء اور گھر والے اذیت و مصیبت میں مبتلا ہیں، میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے اس لیے وہ ولید بن مغیرہ کے پاس گئے جو اس وقت مسجد میں تھا اور اسے کہا: "اے ابوعبدِشمس! آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی۔ میں اب تک آپ کی پناہ میں تھا، میں چاہتا ہوں کہ آپ کی پناہ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ حاصل کروں۔ میرے لئے آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحاب نمونہ ہیں۔" ولید نے کہا: "بھتیجے! کیا کسی نے تجھے اذیت پہنچائی ہے یا تمہارے ساتھ بدسلوکی ہوئی ہے؟" عثمانؓ نے کہا: "کوئی شکایت نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کروں۔ اس کے سوا کسی دوسرے کی پناہ میں رہنا مجھے پسند نہیں ہے۔" ولید نے کہا: "پھر حرم میں چلو اور وہاں اسی طرح علانیہ میری پناہ کو رد کرو جس طرح میں نے علانیہ تمہیں پناہ دی تھی۔" راوی کا بیان ہے کہ وہ دونوں مسجد میں پہنچے۔ ولید نے کہا: "یہ عثمانؓ بن مظعون ہیں جو اس لیے آئے ہیں کہ میری پناہ کو لوٹا دیں۔" عثمانؓ نے کہا: "یہ سچ کہتے ہیں میں نے ان کی پناہ کو ایک باوفا اور شریف آدمی کی پناہ پایا ہے اب میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ میں نہ رہوں، اس لیے میں نے ان کی پناہ واپس کر دی ہے۔" اس کے بعد عثمانؓ بن مظعون چلے گئے۔

ایک دن لبید بن ربیعہ بن جعفر بن کلاب قیسی قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، عثمانؓ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ لبید نے اپنے اشعار سناتے ہوئے یہ مصرع پڑھا:

الا کل شئ ما خلا اللہ باطل

خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے

عثمانؓ نے کہا: "تم نے بڑی سچی بات کہی ہے۔" اس کے بعد لبید نے یہ دوسرا مصرع پڑھا:

وکل نعیم لا محالة زائل

اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے

اس پر عثمانؓ نے کہا، "یہ جھوٹی بات ہے۔" لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے لبید کو یہ شعر مکرر پڑھنے کی فرمائش کی۔ لبید نے دوبارہ پڑھا۔ عثمانؓ نے پھر پہلے مصرع پر اس کی تصدیق کی اور دوسرے مصرع پر تکذیب کی۔ جب عثمانؓ نے دوسرے مصرع کی تکذیب کی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ جنت کی نعمتیں زائل ہونے والی نہیں ہیں۔ لبید نے کہا: "اے گروہِ قریش! بخدا، تمہاری یہ مجلسیں کیسی ہو گئی ہیں؟" اس پر قریش میں سے ایک احمق اٹھا اور اس نے

عثمانؓ کی آنکھ پر ایک تھپڑ دے مارا جس سے ان کی آنکھ نیلی ہو گئی۔ ادھر ادھر بیٹھے ہوئے لوگوں نے عثمانؓ سے کہا: "بخدا! اے عثمانؓ! اس سے قبل تو محفوظ پناہ میں تھا اگر تو اسی پناہ میں رہتا تو تیری آنکھ کو یہ چوٹ نہیں آ سکتی تھی۔" عثمانؓ نے کہا: "اللہ کی پناہ سب سے زیادہ امن دینے والی اور سب پر غالب ہے۔ میری دوسری آنکھ بھی اسی طرح کی ضرب کی محتاج ہے جو اس کی ساتھی کو لگی ہے، اور میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کا نمونہ بہترین لائحہ عمل ہے۔" ولید نے کہا: "کیا تم دوبارہ میری پناہ میں آنا چاہتے ہو۔" عثمانؓ نے جواب دیا: "میں اللہ کی پناہ کے سوا کسی دوسرے کی پناہ تلاش نہ کروں گا۔" پھر عثمانؓ نے اس بارہ میں یہ اشعار کہے:

لا ارب لی یا بن المغیرہ فی الذی	اے ابن مغیرہ! جو کچھ تم کہہ رہے ہو مجھے اس کی خواہش نہیں ہے
تقول و لکنی باحمدٌ واثق	میں نے تو حضرتِ احمدؐ کا دامن مضبوطی سے تھام لیا ہے۔
رسول عظیم الشان یتلو کتابہ	آنحضرتؐ عظیم الشان رسول ہیں اور ہر وہ شخص جو تلاوت کا خواہشمند ہے
لہ کل من یبغی التلاوۃ وامق	وہ آپؐ سے بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے۔
محب علیہ کل یوم حلاوۃ	وہ تو آپؐ کی شیریں کلامی کی وجہ سے آپؐ کا عاشق ہے اور آپؐ جو
وان قال قولاً فالذی قال صادق	بات بھی فرماتے ہیں وہ سچائی پر مبنی ہوتی ہے۔
فیارب انی مومن لمحمدٌ	اے میرے پروردگار! میں حضرت محمدؐ اور جبریلؑ پر ایمان لانے والا ہوں
وجبریل اذ جبریل بالوحی طارق	جبکہ جبریلؑ وحی لانے والے ہیں۔
وما نزل الرحمٰن من کل اٰیۃ	اللہ تعالیٰ نے جو آیت بھی نازل فرمائی اس کے لیے ہر ذکر کرنے والا دل
لہا کل قلب حین یذکر خافق	خوف سے دھڑکتا ہے۔
من الخوف مما ینذر اللہ خلقہ	کیونکہ لوگ جب صاحبِ عرش خدا کی آیات سے رو کے جائیں تو
اذا صد عن اٰیات ذی العرش وامق	اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ڈراتا ہے اور وہ بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے
تری الناس ضلالا وقد ضل سعیہ	تُو دیکھے گا کہ لوگ گم کردہ راہ ہیں اور ان کی کوشش رائیگاں ہے۔ وہ
وبالخیر مغبون وبالشر سابق	بھلائی کرنے میں سست رفتار ہیں اور برائی کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

باب ۲۴

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

(۲۲۱) احمد نے یونس کی وساطت سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحابؓ کی سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(۲۲۲) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق سے اور اس نے عبدالرحمان بن حارث کے حوالہ سے عبدالعزیز بن عبداللہ سے اور اس نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کی وساطت سے اپنی ماں لیلیٰؓ کی روایت نقل کی کہ حضرت عمرؓ ہمارے اسلام کی وجہ سے ہم پر ظلم وستم کرنے میں پیش پیش تھے۔ جب ہم نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی تیاری کر لی تو عمرؓ بن خطاب میرے پاس آئے میں اس وقت اپنے اونٹ پر تھی اور ہم سفر پر جانے والے تھے۔ حضرت عمرؓ مجھ سے کہنے لگے: "اے اُمّ عبداللہ! کہاں جا رہے ہو؟" میں نے آپ کو کہا: "جب تم لوگوں نے ہمیں بہت ستایا تو اب ہم خدا کی زمین میں کہیں نکل جائیں گے جہاں ہم اللہ کی عبادت بلا روک ٹوک کر سکیں"۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: "اللہ تمہارا ساتھ دے"۔ اس کے بعد عمرؓ چلے گئے۔ پھر میرے شوہر عامرؓ بن ربیعہ آئے تو میں نے ان سے عمرؓ کی رقت کے بارے میں بیان کیا۔ انہوں نے کہا: "کیا تمہیں ان کے اسلام لانے کی امید ہو گئی ہے؟" میں نے کہا: "ہاں!" انہوں نے کہا: "وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے"۔

(۲۲۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر قریش نے عمرؓ بن خطابؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں بھیجا۔ عمرؓ بن خطاب اس وقت شرک پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی کے قریب ہی ایک مکان میں تھے۔ راستے میں حضرت عمرؓ بن خطاب کو النحام (نعیمؓ بن عبداللہ بن اسد برادر بنی عدی) مل گئے جو قبل ازیں مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنی تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے۔ نعیمؓ نے ان سے پوچھا: "اے عمرؓ! کدھر کا ارادہ ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "میں اس محمدؐ کا کام تمام کر دینا چاہتا ہوں جس نے ہمیں بے وقوف قرار دیا ہے، ہمارے خداؤں کی عیب چینی کی ہے اور ہماری جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے"۔ نعیمؓ نے ان سے کہا: "بخدا اے عمرؓ! آپ نے یہ اچھا راستہ اختیار نہیں کیا۔ آپ بھٹک چکے ہیں اور آپ بنی عدی بن کعب کی ہلاکت کا سامان مہیا کر رہے ہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے بعد بنی ہاشم اور بنی زہرہ آپ کو چلنے پھرنے کے لیے چھوڑ دیں گے؟" اس مکالمہ کے دوران میں ان دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت نعیمؓ سے کہا: "میں گمان کرتا ہوں کہ تم بھی آبائی دین چھوڑ چکے ہو۔ اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو سب سے پہلے میں تمہاری خبر لیتا۔" جب حضرت نعیمؓ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اپنے منصوبہ کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو انہوں نے کہا: "میں آپ کو خبر دیتا ہوں کہ آپ کے اپنے گھر والے اور آپ کے بہنوئی کے اہل خانہ مسلمان ہو چکے ہیں، اور انہوں نے آپ کو آپ کی گمراہی کے مسلک کو چھوڑ دیا ہے۔" جب حضرت عمرؓ نے یہ بات سُنی تو پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت نعیمؓ نے کہا: "آپ کا بہنوئی اور چچا زاد بھائی اور آپ کی بہن۔" حضرت عمرؓ پلٹ کر سیدھے بہن کے گھر گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپؐ کے پاس محتاج صحابہؓ میں سے کوئی آتا تو آپؐ اپنے آسودہ حال صحابہؓ کی جانب نظر دوڑاتے اور انہیں فرماتے کہ تمہارے پاس فلاں حاجتمند صحابیؓ گزر بسر کرے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور ان کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو پابند کیا اور خبابؓ بن الارت مولی ثابت بن ام انمار (حلیف بنی زہرہ) کو ان کے سپرد کر دیا۔ اس وقت سورۂ طٰہٰ اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہو چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! عمرؓ بن خطاب یا ابوالحکم بن ہشام کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور آپ کی بہن نے کہا: "ہمیں امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا کا مصداق حضرت عمرؓ قرار پائیں گے۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے تاکہ انہیں اسلام سے برگشتہ کریں۔ اس وقت خبابؓ بن الارت انہیں سورۂ طٰہٰ اور سورہ التکویر کا درس دے رہے تھے۔ مشرکین اس درس کو ھیمنہ یا گنگناہٹ کہا کرتے تھے حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ آپؓ کی بہن آپ کی ترش روئی کو بھانپ گئیں اور صحیفہ کو چھپا دیا اور خبابؓ بن ارت گھر کے ایک حصہ میں چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کو کہا: "یہ تمہارے گھر میں کیسی گنگناہٹ تھی؟" بہن نے کہا: "ہم تو آپس میں باتیں کر رہے تھے اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔" حضرت عمرؓ نے بہن کو ملامت کی اور کہا کہ میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم اپنی پوزیشن واضح نہیں کرو گی۔ ان کے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا: "اے عمرؓ! آپ سب لوگوں کو اپنی ہمنوائی پر مجبور نہیں کر سکتے جبکہ حق آپ کے مشرب کے علاوہ ہے۔" حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی کو پکڑ لیا اور انہیں نیچے گرا کر خوب پیٹا۔ حضرت عمرؓ اس وقت غضبناک تھے۔ آپ کی بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں حضرت عمرؓ نے انھیں بھی اپنے ہاتھ سے مارا اور وہ زخمی ہو گئیں اور جب انہوں نے اپنا خون بہتا ہُوا دیکھا تو کہا: "اے عمرؓ! کیا تم سُن رہے ہو؟ تمہیں یہ جو خبر پہنچی ہے کہ میں نے تمہارے خداؤں کو چھوڑ دیا ہے اور لات و عُزّٰی کی خدائی سے انکار کر دیا ہے یہ خبر سچی ہے میں شہادت دیتی ہُوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وُہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اب سوچ سمجھ کر جو کچھ بھی کرنا چاہو کر لو۔" جب عمرؓ نے یہ دیکھا تو ندامت محسوس کی اور اپنی بہن کو کہا: "وہ

صحیفہ مجھے دکھاؤ جو تم لوگ پڑھ رہے تھے اور میں اللہ کے نام سے تمہارے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہوں کہ میں اسے ضائع نہیں کروں گا بلکہ تمہیں واپس کر دوں گا۔ اور ہم اس معاملے میں تمہیں سرزنش نہیں کریں گے۔" جب آپؓ کی بہن نے یہ دیکھا کہ عمرؓ صحیفہ پڑھنے کے خواہشمند ہیں تو امید بندھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مصداق ثابت ہوں گے۔ چنانچہ بہن نے کہا: "آپ ناپاک ہیں... اور اس صحیفے کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ آپ غسلِ جنابت کریں اور مجھے عہد و پیمان دیں۔" حضرت عمرؓ نے تعمیل کی اور آپ کی بہن نے انہیں صحیفہ دیا۔

حضرت عمرؓ پڑھے لکھے آدمی تھے انہوں نے سورہ طٰہٰ پڑھی اور درج ذیل آیات تک پہنچے:

ان الساعة اٰتیة اکاد اخفیھا لتجزٰی کل نفس بما تسعٰی ٥ فلا یصدنك عنھا من لا یؤمن بھا واتبع ھوٰہ فتردٰی ٥ (طٰہٰ - ۱۵ - ۱۶)	قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔ پس کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہشِ نفس کا بندہ بن گیا ہے تجھ کو اس گھڑی کی فکر سے نہ روک دے، ورنہ تو ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

پھر حضرت عمرؓ نے سورۃ التکویر پڑھی اور اس آیت تک پہنچے:

علمت نفس ما احضرت ٥ (التکویر-۱۴)	اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

اس کلام پاک کی تاثیر سے حضرت عمرؓ نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور پوچھا: "دینِ اسلام کس طرح قبول کیا جاتا ہے؟" آپ کی بہن اور بہنوئی نے کہا: "آپ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ نے اللہ کے ساتھ جو شریک بنا رکھے ہیں ان کو چھوڑ دیں اور لات اور عزیٰ کا انکار کریں۔" حضرت عمرؓ نے تعمیل کی۔ اس موقع پر خباب بن الارت بھی نکل آئے وہ گھر کے ایک حصہ میں چھپے ہوئے تھے، انہوں نے تکبیر بلند کی اور کہا: "اے عمرؓ! آپ کو بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام سے مشرف فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپؓ کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرمائے۔" عمرؓ نے فرمایا: "مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟" خبابؓ بن الارت نے کہا: "میں آپ کو بتاتا ہوں۔" چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ آنحضور کوہِ صفا کے قریب ایک مکان میں ہیں۔ حضرت عمرؓ تشریف لے چلے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے متمنی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے درپے ہیں لیکن آنحضرتؐ کو ان کے مسلمان ہونے کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ جب عمرؓ اس مکان تک پہنچے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقیم تھے تو انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو گلے

میں تلوار لٹکائے ہوئے دیکھا تو وہ ڈر گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے خوف و ہراس کو دیکھا تو فرمایا:
"دروازہ کھول دو، اگر اللہ تعالیٰ کو عمرؓ کی بھلائی مطلوب ہے تو عمرؓ اسلام کا اتباع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے۔ اور اگر عمرؓ کسی اور ارادہ سے آئے ہیں تو ان کا قتل ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے کچھ لوگ آگے بڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کی جانب اشارہ کیا اور جب آنحضرتؐ نے عمرؓ کی آواز سنی تو آپؐ باہر نکل آئے۔ اس وقت آنحضرتؐ پر کوئی چادر نہیں تھی آپؐ نے عمرؓ کی قمیص اور چادر کو اکٹھا پکڑ لیا اور فرمایا: "اے عمر! تم باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی آفت نازل نہ کر دے جس طرح ولید بن مغیرہ پر عذاب نازل ہوا۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "اے اللہ! عمرؓ کو ہدایت نصیب فرما۔" حضرت عمرؓ ہنس پڑے اور کہا: "اے اللہ کے نبی! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔" اس پر اہلِ اسلام نے بیک آواز تکبیر بلند کی جسے مکان سے باہر لوگوں نے بھی سنا۔ اس وقت مسلمان چالیس سے کچھ زیادہ مرد تھے اور گیارہ مسلمان عورتیں تھیں۔

(۴۲۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو انہوں نے یہ اشعار کہے:

الحمد للہ ذی المن الذی وجبت لہ علینا ایاد مالھا غیر	تعریف اس خدائے ذوالمنن ہی کے لیے ہے جس کی پناہ کے ہم متلاشی ہیں اور اس کی پناہ کے سوا ہمارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔
وقد بدانا فکذ بنا فقال لنا صدق الحدیث نبی عندہ الخبر	اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی۔ پھر ایک نبیؐ نے جس کے پاس سچی خبریں آتی ہیں ہمیں سچائی کی تعلیم دی۔
وقد ظلمت ابنۃ الخطاب ثم ھدی ربی عشیۃ قالوا قد صبا عمر	میں نے خطاب کی بیٹی (یعنی اپنی بہن) پر ظلم کیا پھر دن کے آخری حصہ میں میرے رب نے مجھے ہدایت سے نوازا لیکن لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عمر دین سے منحرف ہو گیا ہے۔
وقد ندمت علی ما کان من زلل بظلمھا حین تتلی عندھا السور	میں اس ظالمانہ کارروائی پر نادم ہوا جو میں نے اپنی بہن کے گھر میں روا رکھی جبکہ وہاں قرآن کی سورتیں تلاوت کی جا رہی تھیں۔
لما دعت ربھا ذا العرش جاھدۃ والدمع من عینھا عجلان یبتدر	جب اس نے انتہائی آزردگی کے عالم میں صاحب عرش خدا سے دعا مانگی اس حال میں کہ اس کی آنکھیں پیہم اشکبار تھیں۔
ایقنت ان الذی تدعوہ خالقھا فکاد یسبقنی من عبرۃ درر	اسے یقین تھا کہ وہ جس کو پکار رہی ہے وہ اس کا خالق ہے۔ اس کے بعد میری آنکھوں میں بھی موتیوں جیسے آنسو ڈبڈبا آئے۔
فقلت اشھد ان اللہ خالقنا وان احمد فینا الیوم مشتھر	پس میں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہمارا خالق ہے اور یہ کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم میں ظاہر ہو نے ہیں۔

نبی صدق اتی بالحق من ثقتہ وافی الامانۃ مافی عودہ خور	ایک سچے نبیؐ کی حیثیت سے آپؐ حق لے کر آئے ہیں جبریل امینؑ کی طرف سے جو قابلِ اعتماد امانت دار ہیں اور جن کے بار بار آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

(۲۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی: حضرت عمرؓ نے قبولِ اسلام کے وقت کہا: بخدا! کفر کی بہ نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں کہ ہم اسلام کی تبلیغ کریں۔ اللہ کے دین کا اظہار مکہ میں ہو کر رہے گا۔ اگر ہماری قوم نے ہم پر زیادتی کی تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف کا سلوک کیا تو یہ ہمارے لیے قابلِ قبول ہوگا۔ حضرت عمرؓ اور آپؐ کے دوسرے ساتھی نکلے اور مسجد میں جاکر بیٹھ گئے۔ جب قریش نے حضرت عمرؓ کا اسلام دیکھا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

(۲۲۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے نافع نے ابن عمرؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا: اہلِ مکہ میں کون شخص سب سے زیادہ خبریں پھیلانے والا ہے؟" لوگوں نے بتایا: "جمیل بن معمر جمحی۔" حضرت عمرؓ اس کی تلاش میں نکلے اور میں ان کے پیچھے ہولیا۔ اس وقت میں اس عمر کا لڑکا تھا کہ جو کچھ دیکھتا تھا اسے سمجھ سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ جمیل کے پاس آئے اور اسے کہا: "اے جمیل! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے؟" بخدا! اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اپنی چادر گھسیٹتا ہوا اسی وقت نکل کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ اس کے ساتھ چلے اور میں ان کے ساتھ۔ جب وہ مسجدِ حرام کے دروازے پر پہنچا تو بلند ترین آواز سے چیخا: "اے گروہِ قریش! عمرؓ دین سے پھر گیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تو جھوٹ کہتا ہے، میں مسلمان ہوا ہوں۔" وہ سب لوگ حضرت عمرؓ کی طرف لپکے اور انھیں مارنے لگے۔ وہ بھی انہیں مارنے لگے، یہاں تک کہ سورج سروں پر آگیا۔ حضرت عمرؓ نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔ لوگ آپ کے اردگرد کھڑے ہو گئے اور حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے کہ "تم جو چاہو کر لو، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہو جائیں تو پھر کیفیت یہ ہو جائے گی کہ یا تم مکّہ کو ہمارے لیے چھوڑ دو گے یا ہم تمہارے لیے مکہ کو چھوڑ دیں گے۔" لوگ اسی حالت میں تھے کہ قریش کا ایک شیخ آگے بڑھا وہ یمنی دوشالہ اور قیمتی قمیص پہنے ہوئے تھا اس نے کہا: "ٹھہرو، کیا معاملہ ہے؟" لوگوں نے کہا: "عمر دین سے برگشتہ ہو گیا ہے۔" اس نے کہا: "ان کو چھوڑ دو، ایک آدمی نے اپنے لیے ایک دین کو پسند کر لیا ہے، کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی عدی اپنے آدمی کو اسی طرح تمہارے سپرد کر دیں گے؟" بخدا! اس پر لوگ اس طرح چھٹ گئے جس طرح کسی پر سے کپڑے کو کھینچ کر اتار لیا جائے۔ جب ہم مدینہ آ گئے تو میں نے پوچھا: "ابّا جان! وہ دوشالہ پوش آدمی کون تھا جس نے آپ سے لوگوں کو ہٹایا تھا؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "وہ عاصی بن وائل سہمی تھا۔"

(۲۲۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا مجھے منکدر نے بتایا

کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ایک بدو کو پہنچی اور آپؐ کی بعثت اور ظہور کا چرچا عام ہونے لگا اور آپؐ کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف رونما ہوا تو اس بدو نے پوچھا کہ اس کش مکش میں اس شخص کا کردار کیا ہے جس کے سر کے اگلے حصہ کے بال گر گئے ہیں اور جو دراز قامت اور بائیں ہاتھ سے کام کرنے والا ہے؛ وہ کون سے گروہ کے ساتھ ہے؛ بخدا! وہ شخص —— خیر یا شر —— جس گروہ کے ساتھ ہوگا اسے کل کو ضرور غالب کر دے گا۔" اس گفتگو میں اس بدو کا اشارہ عمرؓ بن خطاب کی طرف تھا۔

(۲۲۸) یونس نے نضر ابی عمر سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی "اے اللہ! ابی جہل بن ہشام یا عمرؓ بن خطاب کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔" چنانچہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور پھر باہر نکل کر مسجد میں علانیہ نماز ادا کی۔

(۲۲۹) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ سے اور اس نے قاسم کی وساطت سے عبداللہؓ بن مسعود کی روایت نقل کی۔ عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب کا حلقہ بگوشِ اسلام ہونا اسلام کی فتح تھی۔ آپ کی ہجرت تائیدِ ایزدی تھی اور آپ کی امارت اللہ کی رحمت تھی۔ ہم کعبہ کے پاس علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ عمرؓ اسلام لائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو آپ پر۔

باب ۲۵

مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کی جہری تلاوت کی ابتداء

(۲۳۰) یونس نے محمد بن اسحاق سے اور اس نے یحییٰ بن عروہ بن زبیر بن العوام کی وساطت سے یحییٰ کے باپ عروہ کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عبداللہؓ بن مسعود پہلے صحابی ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ہانکے پکارے قرآن کی تلاوت کی۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے آپس میں کہا، "بخدا! قریش نے کبھی کسی کو علانیہ بلند آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں سُنا، ہم میں سے کون آدمی انہیں قرآن سنائے گا؟" عبداللہؓ بن مسعود نے کہا: "میں سناؤں گا۔" صحابہؓ نے کہا: "ہم آپ کے بارے میں خائف ہیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم میں سے ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہیے جس کا قبیلہ طاقتور ہو تاکہ قوم اگر اس پر دست درازی کرے تو اس کا قبیلہ اس کی حمایت کرے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا: "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، اللہ عزوجل میری حفاظت فرمائے گا۔" پھر وہ دن چڑھے چاشت کے وقت مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچے جبکہ قریش اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود مقامِ ابراہیمؑ پر کھڑے ہو گئے اور بلند آوازی کے ساتھ پڑھنا شروع کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝	اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
الرحمٰن ۝ علم القرآن ۝	رحمٰن نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔

(سورہ الرحمٰن۔ ۱-۲)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود قریش کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے۔ قریش کے لوگ سوچتے رہے اور ایک دوسرے سے پوچھنا شروع کیا کہ ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟ (ابن ام عبد سے مراد عبداللہؓ بن مسعود ہیں)۔ لوگوں نے کہا: یہ وہ کلام ہے جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔ وہ عبداللہؓ بن مسعود پر ٹوٹ پڑے اور ان کے چہرۂ مبارک پر تھپیڑ مارنے لگے۔ اس پر بھی حضرت عبداللہؓ بن مسعود پڑھنے سے باز نہ آئے بلکہ پٹتے جاتے تھے اور تلاوت کرتے جاتے تھے اور جتنی تلاوت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی اتنی انہوں نے کر دی۔ پھر چہرے پر ضربوں کے نشانات لیے ہوئے صحابہؓ کے پاس واپس آئے تو انہوں نے فرمایا: "ہمیں آپ کے بارے میں یہی خوف لاحق تھا۔" حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: "آج سے بڑھ کر یہ دشمنانِ خدا میرے لیے کبھی ہلکے نہ تھے اگر تم چاہو تو میں کل پھر اسی طرح انہیں قرآن سناؤں۔"

انہوں نے کہا: "اسی قدر کافی ہے۔ آپ نے انہیں وہ کچھ سنا دیا جس کو سننے کے وہ روادار نہیں تھے۔"

(۲۳۱) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ کی وساطت سے قاسم کی روایت نقل کی۔ قاسم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد سب سے پہلے جس شخص نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو علانیہ قرآن سنایا وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔

حصۂ چہارم

باب ۲۶

تعذیبِ اہلِ ایمان

(۲۴۴) شیخ ابوالحسین احمد بن محمد بن نقورالبزاز نے ابوطاہر محمد بن عبدالرحمان کی وساطت سے ابوالحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی۔ ابوالحسین نے کہا کہ ابوعمر احمد بن عبدالجبار عطاردی نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ہم سے زہری نے بیان کیا کہ مجھے بتایا گیا کہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شریق کسی رات کو علیحدہ علیحدہ نکلے تاکہ رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر پر جو قرآن پڑھتے ہیں وہ سنیں۔ ان میں سے ہرایک اپنے اپنے ٹھکانے پر بیٹھ گیا اور تینوں کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی اور وہ رات بھر قرآن سنتے رہے۔ جب فجر طلوع ہوئی اور علی الصبح یہ تینوں علیحدہ علیحدہ چل دئیے لیکن رستہ میں اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی اور آپس میں ایک دوسرے کو کہا کہ ہمیں دوبارہ ایسا نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بیوقوف لوگوں میں سے کسی نے اگر ہمیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو یہ بات اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ دوسرے روز ان تینوں میں سے ہرایک دوبارہ رات کے وقت جا کر اپنے اپنے ٹھکانے پر جا بیٹھا اور انہوں نے پھر اسی طرح قرآن سنتے ہوئے رات بسر کی۔ جب فجر طلوع ہوئی تو وہ تینوں الگ الگ چل دیے لیکن رستہ میں ان کی ملاقات ہو گئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو اسی طرح کہا جس طرح پہلی دفعہ کہا تھا۔ پھر وہ چلے گئے۔ تیسری رات کو بھی ان میں سے ہرایک اپنے اپنے ٹھکانے پر جا بیٹھا اور قرآن سننے میں رات گزار دی۔ جب صبح کے وقت وہ واپس ہوئے تو راستہ میں اکٹھے ہو گئے۔ اس پر انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ ہم یہاں سے ہرگز نہ جائیں گے جب تک کہ ایسا نہ کرنے کا باہم معاہدہ نہ کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بات پر عہد کرلیا اور پھر منتشر ہو گئے۔ بعدازاں اخنس بن شریق اپنی لاٹھی لے کر پہلے ابوسفیان کے گھر گیا اور اسے کہا: "اے ابوحنظلہ! مجھے بتاؤ کہ محمدؐ سے جو کچھ تم نے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟" اس نے کہا: "اے ابوثعلبہ! بخدا! میں نے وہ باتیں سنی ہیں جنہیں میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کی مراد کیا ہے؛ اور بعض باتیں ایسی ہیں جن کے مفہوم اور مراد کو میں نہیں سمجھتا۔" اخنس نے کہا: "میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میرا بھی یہی حال ہے۔" پھر وہاں سے نکل کر وہ ابوجہل کے ہاں گیا اور اس کے مکان کے اندر جا کر پوچھا: "اے ابوالحکم! جو کچھ تم نے محمدؐ سے سنا ہے اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا: "سنا کیا ہے، ہم میں اور بنوعبدمناف

میں شرافت و بزرگی کے بارے میں جھگڑا پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی۔ انہوں نے بھی ذمہ داریوں کے بوجھ اٹھائے اور ہم نے بھی۔ انہوں نے بھی لوگوں کو عطیات دیے اور ہم نے بھی۔ یہاں تک کہ جب ہم اور وُہ برابر کی ٹکر کے ہوگئے اور ہماری اور ان کی حالت شرط کے دو گھوڑوں کی سی ہوگئی تو وہ کہنے لگے "ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اب یہ چیز کہاں سے حاصل ہوسکتی ہے ؟ بخدا ! ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔" اس کے بعد اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔

(۲۲۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا : پھر کفار نے ان صحابہؓ کو جنہوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کیا مظالم کا تختۂ مشق بنایا۔ ہر قبیلہ اپنے میں سے مسلمانوں پر جھپٹ پڑا اور انہیں تعذیب کا نشانہ بنایا۔

(۲۲۴) احمد نے یونس سے اور اس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا : ورقہ بن نوفل حضرت بلالؓ کے پاس سے گزرتے اس حال میں کہ انھیں اسلام قبول کرنے پر طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا تھا اور وہ اَحد اَحد ہی کہے چلے جاتے تھے۔ ورقہ کہتا : "بخدا ! اے بلالؓ ! وہ ایک ہی ہے، وہ یکتا ہے۔ تُو غلامی سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے گا۔" پھر ورقہ بن نوفل امیۃ اور بنی جمح کے ان لوگوں کی جانب متوجہ ہوتا جنہوں نے حضرت بلال کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا تھا اور ان سے کہتا : "بخدا ! اگر تم لوگوں نے اس کو اسی طرح قتل کر دیا تو میں اس کے فراق میں نوحہ کرتا رہوں گا۔"

(۲۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا : مجھے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمارؓ بن یاسر نے حضرت بلالؓ بن رباح، ان کی والدہ حمامہ اور ان کے ساتھیوں کی تکالیف و مصائب اور حضرت ابوبکرؓ کے انہیں رہا کرانے کے بارے میں یہ اشعار کہے :

جزی اللہ خیرا عن بلال و صحبہ	اللہ تعالیٰ حضرت بلالؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے حضرت
عتیقا و اخزی فاکھا و ابا جھل	ابوبکر عتیقؓ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور فاکہ اور ابوجہل کو رسوا کرے۔
عشیۃ ھما فی بلال بسوءۃ	ان دونوں نے ظہر کے وقت حضرت بلالؓ کے ساتھ برائی کا قصد کیا
ولم یحذرا ما یحذر المرء ذو العقل	اور انہیں مبتلائے عذاب کرنے میں پرہیز نہ کیا جس طرح ایک عقلمند آدمی پرہیز کیا کرتا ہے۔
بتوحیدہ رب الانام و قولہ	یہ عذاب انہیں اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ وہ مخلوقات کے رب
شھدت بان اللہ ربی علی مھل	کی وحدانیت کے قائل ہیں اور نرمی و آہستگی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے۔



باب الکعبہ المشرفہ

فان تقتلونی تقتلونی ولم اکن	اور یہ کہ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو قتل کر دو لیکن میں قتل کے خوف سے
لاشرك بالرحمٰن من خیفۃ القتل	رحمان کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤں گا۔
فیارب ابراھیم والعبد یونس	اور یہ کہ اے اپنے بندگان — ابراہیمؑ، یونسؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ — کے رب!
وموسٰی وعیسٰی نجنی ثم لا تملی	مجھے ان ظالم کفار کے مظالم سے نجات عطا فرما اور پھر مہلت نہ دے۔
لمن ظل یھوی الغی من آل غالب	آلِ غالب کے ان لوگوں کو جو ضلالت و گمراہی کے دلدادہ ہیں اور نیکی و
علیٰ غیر برکان منہ ولا عدل	انصاف کی روش پر کاربند نہیں ہیں۔

(۲۳۶) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان اشخاص میں سے جنہیں اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے تعذیب کا نشانہ بنایا گیا تھا ان سات مسلمانوں کو آزاد کرا دیا: (۱) بلالؓ (۲) عامرؓ بن فہیرہ (۳) زنیرہؓ (۴) بنی عمرو بن مومل کی لونڈی (جن کا نام لبینہؓ یا لبیبہؓ تھا) (۵) نہدیہؓ اور (۶) ان کی بیٹی اور (۷) ام عبیسؓ۔

یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نہدیہؓ کے پاس سے گزرے۔ ان کی مالکہ ان پر ظلم کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "بخدا! میں تجھے اس وقت تک آزاد نہیں کروں گی جب تک کہ تیرے ہم مذہب تجھے آزاد نہ کرا لیں۔" ابوبکرؓ نے فرمایا: "اے اُمِ فلاں! ایسے منظور ہے۔" اس عورت نے کہا: "تو پھر اسے آزاد کرا لو کیونکہ وہ تمہارے دین کی پیروکار ہے۔" ابوبکرؓ نے قیمت پُوچھی۔" اس عورت نے کہا: "اتنی قیمت ہے۔" ابوبکرؓ نے فرمایا: "میں نے خرید لیا اور انہیں آزاد کر دیا۔" پھر نہدیہؓ سے فرمایا کہ اپنی سابقہ مالکہ کا غلّہ اسے واپس کر دو۔ نہدیہؓ نے فرمایا: "میں اس کا غلّہ پیس کر اسے دے دیتی ہوں۔"

(۲۳۷) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ کی یہ روایت نقل کی کہ زنیرہؓ کی بینائی جاتی رہی یہ ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی وجہ سے تعذیب کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ انہوں نے ہر چیز کو خیرباد کہہ دیا لیکن اسلام سے منہ نہ موڑا۔ مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ اسے لات و عزّیٰ نے اندھا کر دیا ہے زنیرہؓ نے فرمایا: "بخدا! ایسا ہرگز نہیں ہے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی بحال کر دی۔

(۲۳۸) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے ابن عبداللہ سے اور اس نے ابن عتیق کی وساطت سے عامر بن عبداللہ بن زبیر کی روایت نقل کی۔ عامر نے کہا کہ جب حضرت ابوبکرؓ مکّہ میں ان کمزور غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کراتے تھے تو ان کے والد ابوقحافہ نے کہا: "بیٹا! اگر ان کمزوروں کی بجائے تم مضبوط جوانوں کو آزاد کرواتے تو وہ تمہارے لیے قوتِ بازو بنتے اور تمہاری پشت پناہی کرتے۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: "اباجان! میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے ہاں ہے۔" بیان کیا جاتا ہے کہ سورہ لیل کی یہ آیات حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں نازل ہوئیں:

فاما من اعطٰی واتقٰی ○ وصدق بالحسنٰی ○ فسنیسرہٗ للیسرٰی ○ (الیل - ۵ تا ۷)

تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کی سہولت دیں گے۔

وسیجنبھا الاتقی ○ الذی یؤتی مالہٗ یتزکّٰی ○ وما لاحد عندہٗ من نعمۃ تجزٰی ○ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلٰی ولسوف یرضٰی ○ (الیل - ۱۷ - ۲۱)

اور اس سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا اسے بدلہ دینا ہو۔ وہ تو اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہوگا۔

(۲۳۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے عمارؓ بن یاسرؓ کے خاندان کے کچھ آدمیوں نے بتایا کہ حضرت سمیہؓ ام عمار کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بنی مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم کا قبیلہ ان پر دردناک مظالم توڑتا تھا یہاں تک کہ انہوں نے آپ کو قتل کر دیا لیکن وُہ بھی اسلام کے ماسوا ہر بات سے منکر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارؓ اور ان کی والدہ کے پاس سے گزرتے تھے اس حال میں کہ انھیں، مکہ کی پتھریلی وادی میں تپتی ہوئی زمین پر عذاب دیا جاتا تھا تو آنحضرتؐ فرماتے تھے: "اے آلِ یاسر! صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔"

(۲۴۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ یاسرؓ بنی بکر کے غلام تھے جو بنی اشجع بن لیث کی شاخ تھی۔ بنی اشجع نے ان کو خرید لیا اور سمیہؓ ام عمار سے ان کا نکاح کر دیا۔ ان کے ہاں حضرت عمارؓ پیدا ہوئے۔ حضرت سمیہؓ ان کی لونڈی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے سمیہؓ، عمارؓ اور یاسرؓ تینوں کو آزاد کر دیا۔

(۲۴۱) یونس نے عبداللہ بن عون کی وساطت سے محمد بن سیرین کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمارؓ بن یاسرؓ کے پاس سے گزرے اور وُہ اپنے حال پر رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تمہیں کفار نے پکڑ لیا اور پانی میں غوطے دئے۔ پھر تُو نے ایسا ویسا کہہ دیا اگر وُہ تمہارے ساتھ اسی طرح ظلم کریں تو پھر بھی کچھ کہہ دینا۔"

(۲۴۲) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے حکیم بن جبیر کی وساطت سے سعید بن جبیر کی روایت نقل کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: "میں نے ابنِ عباسؓ سے پُوچھا: اے ابنِ عباسؓ! کیا مشرکین مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ دینے کے معاملہ میں معذور سمجھے جا سکتے تھے۔" آپ نے فرمایا: "ہاں، بخدا! وہ ان میں سے کسی کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے اور وہ اس مصیبت کی شدت کے باعث سیدھا بیٹھ بھی نہ سکتا تھا اور اس حالت میں وہ جو چاہتے تھے جبراً اس سے کہلوا لیتے تھے کفار یہاں تک کہتے کہ لات اور عزّٰی اللہ کے سوا تیرے معبود ہیں اور وہ 'ہاں' کہہ دیتا۔ تشدّد اور جبر اس حد

تک تھا کہ گوبر کا کیڑا ان کے پاس سے گزرتا اور وہ اس مجبور مسلمان سے کہتے کیا اللہ کے سوا یہ تیرا خدا ہے؟ تو وہ ان کے جبر و اکراہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے 'ہاں' کہہ دیتا تھا۔

(۲۴۳) مکہ کے بتوں کے متعلق حضرت خالدؓ بن ولید کی رائے

یونس نے غیزار بن حریث کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت خالدؓ بن ولید لات اور عزّیٰ کے پاس سے گزرے اور فرمایا: "میں تمہارا انکار کرتا ہوں اور تمہیں پاک نہیں گردانتا۔ بیشک میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل کردیا ہے۔" اور پھر آگے چلے گئے۔

(۲۴۴) مشرکین سرداروں کو دھوکا سے قتل کرنے کا قصد

یونس نے حبیب اسدی کی وساطت سے مسلم بن صبیح کی روایت نقل کی۔ مسلم نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: ہماری تعداد اچھی خاصی ہوچکی ہے۔ اگر آپؐ ہم میں سے دس دس کے جتھے کو حکم دیں کہ وہ سردارانِ قریش میں سے ایک ایک آدمی کو راتوں رات لے آئیں اور پکڑ کر قتل کردیں تو اس طرح دشمنوں کا صفایا ہوجائے گا اور صبح تک شہر میں ہمارا غلبہ ہوجائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ تجویز خوش کن تھی اور خوشی کے آثار آپؐ کے چہرہ پر بھی ہویدا ہوئے۔ اس دوران میں حضرت عثمانؓ بن عفان اُٹھے اور انہوں نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! یہ سردارانِ قریش ہمارے بیٹے، ہمارے باپ اور ہمارے بھائی بند ہیں۔" حضرت عثمانؓ اس فقرے کو لگاتار دُہراتے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تجویز کو بُرا جانا اور اس ناراضی کے آثار آپؐ کے چہرۂ انور پر نمودار ہوئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے یہ بات چھوڑ دی۔ وقت گزرنے پر مشرکین نے ہمیں تعذیب کا نشانہ بنایا اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے فتنوں میں مبتلا کر کے مجبور نہ کردیا گیا ہو اور حضرت بلالؓ تو مجبوری کے عالم میں بھی اَحد اَحد پکارتے رہے۔

(۲۴۵) مسلمانوں پر ظلم و ستم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے صالح بن کیسان کے حوالہ سے آلِ سعد بن ابی وقاص کے کسی شخص کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں نامساعد حالات میں زندگی گزارتے تھے اور مظالم و شدائد کا شکار تھے۔ جب ہم پر کوئی آزمائش آتی تو ہم اسے برداشت کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں صبر و استقامت کی روش اختیار کرتے تھے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر مکہ میں ناز و نعمت میں پلے ہوئے نوجوان تھے اور اپنے والدین کے ہاں نہایت قیمتی لباس پہنا کرتے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ انہیں اسلام کی خاطر

سخت ترین آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور ان کے جسم کی کھال کھردری ہو گئی اور اکھڑ کر گرتی جاتی تھی جس طرح سانپ کی کینچلی اترتی ہے۔ ان کی حالت اس قدر دگرگوں تھی کہ اگر ان کی تکالیف ہماری سنگدلی کے باوجود ہمارے سامنے پیش کی جاتیں تو ہم بھی شدتِ احساس کی وجہ سے اسی طرح کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے اور اس طرح جو تکلیف ہمیں پہنچتی وہ ان کی تکلیف سے کسی طرح کم نہ ہوتی۔

(۲۴۶) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق سے اور اس نے یزید بن زیاد کی وساطت سے محمد بن کعب قرظی کی روایت نقل کی۔ محمد بن کعب نے کہا: مجھے اس شخص نے بتایا جس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اتنے میں حضرت مصعبؓ بن عمیر ہم لوگوں کے پاس آ گئے۔ انہوں نے صرف ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپؐ رو پڑے کیونکہ آپؐ ان کی سابقہ ناز و نعمت کی زندگی سے باخبر تھے اور یہ موجودہ خستہ حالی آپؐ کے سامنے تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں سے ہر ایک صبح کو ایک جوڑا پہنے گا اور شام کو دوسرا لباس زیبِ تن کرے گا، اور تمہارے سامنے ایک بڑا پیالہ صبح کو پیش کیا جائے گا اور ایک بڑا پیالہ شام کو حاضر کیا جائے گا۔ اور تم اپنے گھروں کی دیواروں پر اس طرح پردے لٹکاؤ گے جس طرح کعبہ پر غلاف پڑا رہتا ہے!" لوگوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! اس وقت ہم آج کے مقابلہ میں بڑی خیریت کے ساتھ ہوں گے ہم عبادت گزاری کے لیے فارغ ہوں گے اور محنت و مشقت سے بچائے جائیں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تم آج اس زمانے سے بہتر ہو۔"

(۲۴۷) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے صالح بن کیسان سے اور اس نے آلِ سعد میں سے ایک شخص کی وساطت سے سعدؓ بن ابی وقاص کی روایت نقل کی۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: "تو نے دیکھا ہے کہ میں مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ ایک رات میں پیشاب کرنے کے لیے باہر نکلا۔ جب میں پیشاب کر رہا تھا تو میں نے نیچے کھڑکھڑاہٹ کی آواز سُنی۔ میں نے غور سے دیکھا تو اُونٹ کی کھال کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اٹھا کر دھویا، اس کے بعد اسے جلایا اور پھر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر اسے کوٹا اور سفوف بنا لیا۔ اس سفوف کو منہ میں ڈال کر اوپر سے پانی پی لیا اور اس طرح تین دن تک میری قوت بحال رہی۔

(۲۴۸) حضرت علیؓ کے مدنی دور کا ایک واقعہ

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق سے اور اس نے یزید بن زیاد کی وساطت سے محمد بن کعب قرظی کی روایت بیان کی۔ محمد بن کعب نے کہا: مجھے اس شخص نے بتایا جس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں سردی کے موسم میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلا۔ میں نے کٹا ہوا ایک کچا چمڑا

لیا، اس کے درمیان شگاف کر کے اسے اپنی گردن میں ڈال لیا اور اپنی کمر اور چمڑے کے سرے کو کھجور کے پتوں سے باندھ لیا۔ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز ہوتی تو میں کھا لیتا (لیکن وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی) اس لیے میں خوراک کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور ایک یہودی کے پاس سے گزرا، جو اپنے ڈیرے پر چرخی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی کھینچ رہا تھا، میں نے اسے دیوار کے ایک سوراخ میں سے اپنی آمد کی اطلاع دی۔ اس نے پوچھا: "اے عربی! کیا چاہتے ہو؟ کیا تم ایک کھجور کے عوض ایک ڈول پانی نکال دوگے؟" میں نے کہا: "ہاں، دروازہ کھولو تاکہ میں اندر آجاؤں۔" اس نے دروازہ کھولا اور میں اندر چلا گیا اور اس نے مجھے ڈول دے دیا۔ جب میں نے ایک ڈول پانی کھینچا تو اس نے مجھے ایک کھجور دی۔ میں اسی طرح ڈول کھینچتا رہا اور ایک ایک کھجور حاصل کرتا رہا، یہاں تک کہ میرے پاس مٹھی بھر کھجوریں ہوگئیں۔ اس کے بعد میں نے ڈول رکھ دیا اور اپنے جی میں کہا کہ میرے لیے یہ خوراک کافی ہے۔ میں نے کھجوریں کھائیں، پانی پیا اور مسجد میں آگیا، وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔

(۲۴۹) نبی اکرمؐ کی مدنی زندگی

یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس توشک پر سوتے تھے وہ چمڑے کی تھی اور اس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(۲۵۰) احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے عبید اللہ بن ابی ثور کی وساطت سے عمرؓ بن خطاب کی روایت نقل کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، آنحضرتؐ پہلو کے بل ایک کھجور کے بوریے پر لیٹے ہوئے تھے آپؐ کے وجود کا کچھ حصہ مٹی پر تھا۔ آپؐ ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جو چمڑے کا تھا اور جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپؐ کے سر کے اوپر بالاخانہ کی چھت میں چمڑے کی ایک کھال لٹکی ہوئی تھی جس کے بال صاف کر لیے گئے تھے اور اس کھال کے ایک کونہ میں ایک چیز اُبھری ہوئی تھی۔

(۲۵۱) یونس نے ابو معشر مدنی کے حوالہ سے سعید مقبری کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چٹائی تھی جسے دن کے وقت آپؐ نیچے بچھا لیتے تھے اور جب رات ہوتی تو اسی سے مسجد میں ایک چھوٹا سا حجرہ بنا لیتے اور اس میں نماز پڑھتے۔

(۲۵۲) یونس نے مسعودی سے اور اس نے عمرو بن مرہ کے حوالہ سے ادھم سے اور اس نے علقمہ کی وساطت سے عبداللہ سے یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے، جب اُٹھے تو بدن مبارک پر چٹائی کے

نشانات تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آپؐ بیدار ہوئے تو میں آپؐ کے جسم پر ہاتھ ملتا رہا اور میں نے عرض کیا کہ آپؐ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم آپؐ کی چٹائی پر کوئی ایسی چیز بچھادیں جس کی وجہ سے آپؐ کا جسم چٹائی سے متاثر نہ ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرا اور دُنیا کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ میرا اور دنیا کا آپس میں کیا جوڑ ہے؟ میری مثال تو ایک سوار کی سی ہے جو آرام کرنے کے لیے تھوڑی دیر کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے اور پھر کُوچ کر جاتا ہے۔"

(۲۵۱۴) اراشی اور ابُوجہل کا واقعہ

احمد نے یونس سے اور اس نے ابن اسحاق کی وساطت سے عبدالملک بن ابی سفیان ثقفی کی یہ روایت نقل کی کہ اراش کا ایک شخص اپنے کچھ اونٹ لے کر مکّہ آیا۔ ابُوجہل نے وُہ اونٹ اس سے خرید لیے لیکن قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ اراشی حرم میں جاکر قریش کی مجلس میں کھڑا ہوگیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اراشی نے بلند آواز سے یہ فریاد شروع کر دی: "اے گروہِ قریش! کون شخص ابوالحکم بن ہشام سے مجھے میری رقم دلوائے گا، میں غریب الوطن مسافر ہوں، اس نے میرا حق غصب کر لیا ہے حالانکہ میں غریب الدیار ہوں اور مسافر ہُوں۔" اہلِ مجلس نے اس سے کہا: "تم اس گوشہ گیر آدمی کو دیکھتے ہو، اس کے پاس جاؤ وہ تمہاری رقم اس سے دلوا دے گا۔" انھوں نے یہ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بطور تمسخر کیا کیونکہ آپؐ کے ساتھ ابوجہل کی عداوت سے سب باخبر تھے۔ اراشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا اور کہا: "اے اللہ کے بندے! بیشک ابوالحکم بن ہشام نے میرا حق غصب کر لیا ہے حالانکہ میں ایک غریب الوطن مسافر ہوں۔ میں نے ان لوگوں سے فریاد کی تھی کہ کوئی شخص اس سے میرا حق دلوا دے انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے آپؐ اس سے میرا حق دلوادیں، اللہ تعالیٰ آپؐ پر رحم کرے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر ابوجہل کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ان تماشبینوں نے دیکھا کہ آپؐ اس کے ساتھ جارہے ہیں تو انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا تاکہ وہ سارا ماجرا دیکھتا رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ابوجہل کے گھر گئے اور جاکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوجہل نے پُوچھا: "کون ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں محمد ہُوں، باہر آؤ۔" ابوجہل باہر نکل آیا اس حال میں کہ اس کے چہرے پر کوئی رونق نہ تھی بلکہ اس کا رنگ متغیر تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اس شخص کا حق ادا کر دو۔" اس نے بلا چُون و چرا اس شخص کی رقم ادا کر دی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور اراشی سے فرمایا: "تیرا حق تجھے وصول ہوگیا۔" قیمت وصول کرنے کے بعد اراشی قریش کی مجلس میں آیا اور کہا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کو جزائے خیر عطا کرے جس نے میرا حق مجھے دلوایا ہے۔" سردارانِ قریش نے جو مخبر بھیجا تھا جب وہ آیا تو اس سے پُوچھا: "وائے افسوس! تم نے کیا معاملہ دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "بخدا! میں نے تو انتہائی عجیب واقعہ دیکھا ہے۔ محمدؐ نے ابُوجہل کا

دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب ابو جہل باہر نکلا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم میں جان ہی نہیں ہے۔ محمدؐ نے اسے کہا کہ اس شخص کا حق ادا کر دو۔ ابو جہل نے کہا، "ہاں، میں ابھی اس کا حق ادا کر دیتا ہوں۔" چنانچہ وہ اندر گیا اور اس کے اونٹوں کی قیمت لا کر اسی وقت اس کو ادا کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد ابو جہل بھی مجلس میں آ گیا۔ لوگوں نے پُوچھا: "تجھ پر افسوس ہے، تجھے کیا ہو گیا؟ تُو نے تو انتہائی کمزوری کا مظاہرہ کیا، بخدا! ہم نے تو ایسا کبھی نہیں دیکھا۔" ابو جہل نے جواب دیا: "وائے افسوس! بخدا! معاملہ اس طرح ہوا کہ محمدؐ نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے اس کی آواز سنی اور مرعوب ہو گیا۔ جب میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر ایک سانڈ اونٹ ہے۔ اس جیسے سر، گردن اور دانتوں والے نر اونٹ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بخدا! اگر میں انکار کرتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا۔"

باب ۲۷

رسول اللہؐ کے ساتھ مشرکین کی مخاصمت

(۴۵۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا؛ چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزرا کہ مجھ سے قدیم مکّہ کے ایک بوڑھے شخص نے عکرمہؒ کے حوالے سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث (برادر بنی عبدالدار)، ابوالبختری (برادر بنی اسد)، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج (سہمی) سب کے سب یا ان میں سے بعض ایک رات غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پچھلی جانب اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو کہا، ہمیں چاہیے کہ ہم محمدؐ کو بلائیں اور ان سے بات کریں اور اس کے بعد اگر ہم جھگڑا کریں تو ہم معذور سمجھے جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپؐ کی قوم کے اشراف اکٹھے ہوئے ہیں تاکہ آپؐ سے بات کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت جلدی سے تشریف لے آئے کیونکہ آپؐ کا گمان تھا کہ شاید مشرکین آپؐ کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں آپؐ کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ مشرکین راہِ راست پر آجائیں اور ان کی نافرمانی آپؐ پر شاق گزرتی تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ تشریف لاکر ان کے پاس بیٹھ گئے۔

مشرکین نے آپؐ سے کہا؛ بخدا! ہم جانتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی قوم کو جس قدر مصیبت میں مبتلا کیا ہے اس قدر کسی دوسرے شخص نے پورے عرب میں اپنی قوم کو پریشان نہیں کیا۔ آپؐ نے ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دیں، ہمارے دین کی عیب چینی کی، ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف ٹھہرایا اور جماعت میں تفرقہ ڈال دیا اور کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جو ہمارے درمیان آپؐ کی وجہ سے پیدا نہ ہوئی ہو۔ یہ کام جو آپؐ نے شروع کر رکھا ہے اس سے آپؐ کی غرض اگر مال کا حصول ہے تو ہم سب آپؐ کو اتنا مال جمع کرکے دئے دیتے ہیں کہ آپؐ ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں۔ اگر آپؐ اس طرح اپنی بڑائی کے طلبگار رہیں تو ہم آپؐ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر آپؐ کو بادشاہی مطلوب ہے تو ہم آپؐ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپؐ کے پاس کوئی جن آتا ہے جسے آپؐ دیکھتے ہیں اور جس نے آپؐ کو مغلوب کر رکھا ہے تو ہم اپنا مال خرچ کرکے آپؐ کا علاج کراتے ہیں تاکہ ہم آپؐ کو اس سے نجات دلائیں یا آپؐ سے معذرت خواہی کریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نہیں جانتا تم کیا کہتے ہو! میں جو پیغام لایا ہوں اس سے

میرا مقصود طلبِ مال اور حصولِ جاہ اور بادشاہی حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بناکر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں بشارت دوں اور خبردار کروں، پس میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی۔ اگر تم اس پیغام کو قبول کرو جو میں اللہ کی طرف سے تمہارے پاس لایا ہوں تو یہ تمہارے لیے دُنیا و آخرت میں خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے رد کردو تو میں صبر کے ساتھ اللہ کے حکم کا انتظار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا جیسا کچھ فرمایا)۔ مشرکین نے کہا: "اے محمدؐ! اگر ہماری یہ عرضداشت آپؐ کے لیے قابلِ قبول نہیں ہے تو آپؐ اس بات کو تو جانتے ہیں کہ ہمارا شہر سب لوگوں سے تنگ آبادی والا شہر ہے، یہاں پانی کی قلت دوسری جگہوں سے زیادہ ہے اور ہماری گزراوقات بھی دُوسروں کی بہ نسبت مشکل ہے اس لیے اپنے پروردگار سے جس نے آپ کو مبعوث کیا ہے خواہ جو احکام بھی دئے ہوں آپؐ ہمارے لیے یہ دعا مانگیں کہ وُہ ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہم پر تنگی مسلط کر رکھی ہے دُور ہٹا دے اور ہمارے لیے فراخی اور آسانی مہیا کر دے اور شام وعراق کے دریاؤں کی طرح یہاں بھی دریا جاری کر دے اور ہمارے اسلاف کو ہمارے لیے دوبارہ زندہ کر دے ان اسلاف میں بالخصوص قصی بن کلاب ہونا چاہیے جو ایک سچا بزرگ تھا۔ ہم ان سے دریافت کریں گے کہ آپؐ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے یا باطل۔ اگر آپؐ نے ہماری اس فرمائش کی تعمیل کی اور ہمارے اسلاف نے آپؐ کی تصدیق کر دی تو ہم بھی آپؐ کی تصدیق کریں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کے ہاں آپؐ کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے اور یہ کہ اللہ نے آپؐ کو رسول مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ آپؐ کا دعویٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ان کاموں کے لیے تمہارے پاس نہیں بھیجا گیا ہُوں۔ میں تو تمہارے پاس صرف وہ پیغام لایا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے اور میں نے وُہ باتیں تمہارے سامنے پیش کردی ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اگر تم اس پیغام کو قبول کرلو جو میں تمہارے پاس لایا ہُوں تو وہ تمہارے لیے دنیا و آخرت میں خوش بختی ہے اور اگر تم اسے رد کرتے ہو تو میں اللہ کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

مشرکین نے کہا: "اگر آپؐ ہمارے اس مطالبے کو پُورا نہیں کرتے تو کم از کم اپنے لیے ہی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے ہمراہ کوئی فرشتہ بھیج دے جو آپؐ کے پیغام کی تصدیق کرتا رہے اور تمہاری تائید میں وہ ہم سے مراجعت کرے اور اپنے رب سے یہ دعا بھی مانگو کہ وہ آپؐ کے لیے باغات اور سونے چاندی کے خزانے اور محلات مہیا کردے تاکہ آپؐ ان چیزوں سے بے نیاز ہوجائیں جن کی تلاش میں آپؐ بازاروں کے چکر کاٹتے ہیں اور روزی کی تلاش میں ہماری طرح سرگرداں رہتے ہیں یہاں تک کہ عربوں کو معلوم ہوجائے کہ آپؐ کے رب کے ہاں آپؐ کی بڑی قدر و منزلت ہے اگر آپؐ رسول ہیں جیسا کہ آپؐ کا گمان ہے تو آپؐ اپنے لیے یہ ضرور کریں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "میں ایسا نہیں کروں گا ۔ میں اپنے پروردگار سے اس طرح کے سوال کرنے والا نہیں ہوں، اور نہ میں ان کاموں کے لیے تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بشیر (ایمان لانے پر بشارت دینے والا) اور نذیر (ایمان نہ لانے پر ڈرانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے ۔ اگر تم اس چیز کو قبول کر لو جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں تو یہ تمہارے لیے دنیا و آخرت میں خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے رد کرتے ہو تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے ۔"

مشرکین نے کہا : "آپؐ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دیں جیسا کہ آپؐ کا دعویٰ ہے کہ آپؐ کا رب، اگر چاہے تو ایسا کر دے ۔ ہم تو آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپؐ ایسا نہ کر دیں ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ایسا کرنا یا نہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے، اگر تمہارا پروردگار چاہے تو ایسا کر دے ۔"

مشرکین نے کہا : "اے محمدؐ ! کیا آپؐ کے پروردگار کو اس بات کا علم نہ تھا کہ ہم آپؐ کے پاس بیٹھیں گے اور آپؐ سے وہ سوالات کریں گے جو ہم نے کیے ہیں اور ہم آپؐ سے وہ فرمائشیں کریں گے جو ہم نے کی ہیں ۔ اگر اسے علم ہوتا تو وہ اس سے پہلے ہی آپؐ کے پاس آجاتا اور آپؐ کو ان سوالوں کے جوابات بتلا دیتا جو ہم نے آپؐ سے کیے ہیں ۔ اور آپؐ کو یہ بھی بتلا دیتا کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہے جب تک ہم آپؐ کی باتوں کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہیں ۔ ہمیں تو یہ خبر پہنچی ہے کہ آپؐ کو ان باتوں کی تعلیم یمامہ کا ایک آدمی دیتا ہے جس کا نام رحمان ہے ۔ بخدا ! ہم تو ہرگز رحمان پر ایمان نہیں لائیں گے ۔ اے محمدؐ ! ہم نے آپؐ کے سامنے معذرت پیش کر دی ہے، بخدا ! ہم آپؐ کو اور آپؐ کی ان کارروائیوں کو جو آپؐ ہمارے درمیان کر رہے ہیں یونہی نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ ہم آپؐ کو ختم نہ کر دیں گے یا آپؐ ہمیں ختم نہ کر دیں گے ۔"

ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا : "ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ہم آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپؐ خدا اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے نہ لے آئیں ۔"

جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ باتیں کیں تو آپؐ ان کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے ساتھ عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، جو آپؐ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کا بیٹا تھا، بھی اُٹھ کھڑا ہوا ۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا : "اے محمدؐ ! آپؐ کی قوم نے آپؐ کے سامنے کچھ مطالبے رکھے لیکن آپؐ نے انہیں ٹھکرا دیا ۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپؐ اپنی ذات کے لیے ہی کچھ کریں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اللہ کے ہاں آپؐ کا مرتبہ کیا ہے ! لیکن آپؐ نے اس پیشکش کو بھی رد کر دیا ۔ پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ جس عذاب سے آپؐ انہیں ڈراتے ہیں وہ جلدی ہی بھجوا دیں (لیکن آپؐ سے یہ بھی نہ ہو سکا) ۔ بخدا ! میں آپؐ پر کبھی ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ آپؐ آسمان کی طرف کوئی سیڑھی نہ لگائیں پھر اس پر چڑھتے ہوئے آسمان پر پہنچ جائیں ۔

اور میں دیکھتا رہوں۔ اور اپنے ساتھ ایک کھلی دستاویز لائیں اور چار فرشتے بھی آپؐ کے ساتھ آکر یہ شہادت دیں کہ آپؐ کا دعویٰ سچا ہے۔ خدا کی قسم! اگر آپؐ ایسا کر دیں تو بھی میرا گمان ہے کہ میں آپؐ کی تصدیق نہ کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر تشریف لے آئے اور آپؐ غمناک اور آزردہ تھے کیونکہ اپنی قوم کے بارے میں آپؐ کی خواہش پوری نہ ہوئی اور آپؐ نے دیکھا کہ قوم پہلے سے بھی دور چلی گئی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے اُٹھے تھے تو ابوجہل نے کہا: "اے گروہ قریش! محمدؐ نے ہماری پیشکش کو ٹھکرا دیا ہے بلکہ تم دیکھتے ہو کہ ہمارے دین کی عیب چینی ہو رہی ہے، ہمارے آباؤ اجداد اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دی جا رہی ہیں اور ہمارے عقلمندوں کو احمق قرار دیا جاتا ہے، اس لیے میں اللہ کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ کل ایک بڑا پتھر جسے میں اٹھا سکا، لے کر بیٹھ جاؤں گا اور جب وہ (یعنی محمدؐ) نماز کے سجدے میں ہوگا تو میں اس پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا۔ پھر اس کے بعد بنو عبد مناف جو چاہیں کریں۔"

حاضرین نے کہا: "بخدا! ہم تمہاری حمایت سے ہرگز کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوں گے تم اپنے منصوبے کے مطابق جس طرح چاہو کرو۔"

جب صبح ہوئی تو ابوجہل نے اپنے منصوبے کے مطابق ایک بڑا پتھر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حسبِ معمول تشریف لے آئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور آپؐ کا قبلہ شام کی طرف تھا۔ جب آپؐ نماز پڑھتے تو رُکنِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان کھڑے ہوتے اور شام کی طرف رُخ کرتے اور اس طرح کعبہ درمیان میں آجاتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ قریش بھی اپنی مجالس میں آکر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ ابوجہل کیا گل کھلاتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہوئے تو ابوجہل نے پتھر اٹھایا اور آنحضرتؐ کی طرف چلا۔ جب آپؐ کے قریب پہنچا تو ہیبت زدہ ہو کر اس حال میں لوٹا کہ اس کے اعضاء ٹوٹ چکے تھے۔ مرعوبیت اور خوف کے باعث اس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو چکا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ پتھر ہی پہ بے حس ہو چکے تھے یہاں تک کہ وہ پتھر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ قریش اس کے پاس آئے اور پوچھا: "اے ابوالحکم! تجھے کیا ہوا ہے؟" ابوجہل نے جواب دیا: "میں وہ کارروائی کرنے کے لیے اس (یعنی محمدؐ) کی طرف بڑھا جس کا میں نے کل آپ لوگوں سے ذکر کیا تھا۔ جب قریب پہنچا تو میرے اور اس (یعنی محمدؐ) کے درمیان ایک سانڈ اونٹ حائل ہو گیا۔ بخدا! میں نے کبھی ایسا کوئی اونٹ نہیں دیکھا جس کا سر اور گردن اور دانت اس اونٹ جیسے ہوں وہ اونٹ مجھے کھانے کے لیے لپکا۔"

(۲۵۵) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ذکر کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے اگر ابوجہل قریب آتا تو جبریلؑ اسے پکڑ لیتے۔

(۲۵۶) یونس نے ہمیں خبر دی کہ راوی نے بات کو پیچھے لوٹایا اور کہا: جب ابوجہل نے انہیں کہا تو نضر بن حارث

بن کلادہ بن علقمہ بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: "اے گروہِ قریش! بخدا! تم ایک ایسے معاملہ سے دوچار ہو جس کے نتائج تمہارے حق میں اچھے نہیں ہوں گے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں ایک نوخیز لڑکا تھا تم سب اس سے راضی تھے وہ بات کا سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار تھا یہاں تک کہ تم نے اس کی کن پٹیوں پر بڑھاپے کے آثار دیکھے اور وہ ایک پیغام لے کر تمہارے پاس آیا۔ تم نے کہا کہ وہ جادوگر ہے۔ بخدا! وہ جادوگر نہیں ہے۔ ہم جادوگروں کو جانتے ہیں اور ان کے جھاڑ پھونک کے طریقوں سے ہم واقف ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ کاہن ہے۔ بخدا! وہ کاہن بھی نہیں ہے۔ ہم کاہنوں اور ان کے حالات سے باخبر ہیں جیسی باتیں وہ گنگناتے ہیں اور جس طرح کے فقرے وُہ جوڑتے ہیں، ہم نے وہ بھی سنے ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ شاعر ہے۔ بخدا! وہ شاعر بھی نہیں ہے ہم شعر کو جانتے ہیں اور اس کی جملہ اقسام رجز، ہزج اور قریض سے ہم واقف ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ مجنون ہے۔ بخدا! وہ مجنون بھی نہیں ہے۔ ہم پاگل پن سے واقف ہیں۔ وہ نہ تو بہکی بہکی باتیں کرتا ہے نہ وسوسوں کا شکار ہے اور نہ احمقانہ حرکتیں کرتا ہے۔ اے گروہِ قریش! تم اپنی حالت کا اچھی طرح جائزہ لو۔ بخدا! تمہارے سامنے ایک عظیم معاملہ پیش ہے۔ نضر قریش کے شیطانوں میں سے تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے اور آنحضرتؐ کے ساتھ عداوت کی روش پر کاربند تھے۔ وہ حیرہ بھی گیا تھا وہاں اس نے شاہانِ ایران اور رستم و اسفندیار کے واقعات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور پچھلی اُمتوں کے عذاب کے واقعات سنا کر اپنی قوم کو ڈراتے تو آپؐ کے چلے جانے کے بعد نضر آپؐ کی جگہ بیٹھ جاتا اور کہتا تھا: "اے گروہِ قریش! بخدا! میں اس سے بہتر قصّہ گو ہُوں۔ پس میرے نزدیک آجاؤ میں تمہیں اس کی باتوں سے بہتر باتیں سناتا ہُوں۔ پھر وُہ انہیں شاہانِ فارس اور رستم و اسفندیار کے قصے سناتا تھا اور کہتا تھا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی بات مجھ سے بہتر بیان کی ہے؟

(۲۵۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا: مجھ سے مکّہ کے ایک آدمی نے بتایا کہ سعید بن جبیر نے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے نضر کے بارے میں قرآن مجید کی آٹھ آیتیں نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذا تتلیٰ علیہ اٰیٰتنا قال اساطیر الاولین ○ (القلم - ۱۵ و المطففین - ۱۳)	اسے جب ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔

اور قرآن کی وہ آیتیں جن میں "الاساطیر" کہانیوں کا ذکر آیا ہے[1]۔

---

[1] یہ کلمہ قرآن کریم کی آیات میں ۹ دفعہ آیا ہے نہ کہ ۸ دفعہ۔ یہ آیات درج ذیل ہیں: الانعام-۲۵، الانفال-۳۱، النحل-۲۴، المومنون-۸۳، الفرقان-۵، النمل-۶۸، الاحقاف-۱۷، القلم-۱۵، المطففین-۱۳، (مترجم)

جب نضر نے یہ کہا تو قریشِ مکہ نے اسے اور اس کے ہمراہ عقبہ بن ابی معیط کو علمائے یہود کے پاس مدینہ بھیجا اور انہیں کہا کہ وہ ان سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق دریافت کریں آپؐ کے حالات اور اقوال ان سے بیان کریں کیونکہ ان کے پاس پہلی کتابیں ہیں اور ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کا وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے چنانچہ وہ دونوں چل کر مدینہ پہنچے اور انہوں نے علمائے یہود سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے آپؐ کے احوال اور بعض اقوال ان سے بیان کیے اور انہیں کہا: "آپ لوگوں کے پاس تورات ہے، ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمیں ہمارے اس رفیق کے بارے میں بتائیں" یہود کے علماء نے انہیں کہا: "اس شخص (محمدؐ) سے تین باتیں پوچھو جو ہم تمہیں بتاتے ہیں اگر وہ ان کے متعلق بتا دے تو وہ نبی مرسل ہے اور اگر وہ ان باتوں کا جواب نہ دے سکے تو وہ افترا پردازی کرنے والا شخص ہے۔ پس تم اس کے مطابق جو رائے قائم کرنا چاہو کر لو۔ پہلا سوال اس سے ان نوجوانوں کے بارے میں کرو جو زمانہ ماضی میں غائب ہو گئے تھے اور جن کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ دوسرا سوال اس شخص کے متعلق کرو جو زمین کی مشرقی اور مغربی سرحدوں تک پہنچا کہ اس کا واقعہ کیا ہے؛ تیسرا سوال رُوح کے بارے میں کرو کہ وہ کیا ہے؛ اگر وُہ تمہیں ان سوالات کے جوابات دے دے تو وہ نبی ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم اس کا اتباع کرو۔ اگر وہ ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے تو وہ شخص مفتری ہے، اس کے متعلق جو چاہو کرو۔" چنانچہ نضر اور عقبہ واپس قریش کے پاس آ گئے اور انہوں نے کہا: "اے گروہِ قریش! ہم تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ایک فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں۔ علمائے یہود نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے کچھ باتیں دریافت کریں۔" چنانچہ انہوں نے وُہ سوالات قریشِ مکہ کو بتائے۔ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: "اے محمدؐ! ہمیں ان سوالوں کے جواب بتاؤ۔" انہوں نے وہ سوال آنحضرتؐ سے کیے جو انہیں بتائے گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "میں ان سوالوں کا جواب کل صبح دُوں گا۔" آپؐ نے کوئی استثنا پیش نہ کیا، یعنی ان شاء اللہ نہ کہا۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ اس بارے میں پندرہ دن تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہ آئی اور نہ ہی جبریلؑ تشریف لائے یہاں تک کہ اہلِ مکہ نے افواہیں پھیلانا شروع کر دیں اور کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا اور آج پندرہ یوم ہو چکے ہیں لیکن انہوں نے ابھی تک ہمارے سوالوں کا جواب نہیں دیا۔" دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ آپؐ وحی کے انتظار میں بڑے غمگین تھے اور اہلِ مکہ کی طعن وتشنیع آپؐ پر بہت شاق گزر رہی تھی۔ اس دوران میں جبریلؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورہ کہف لے کر آئے۔ اس سورہ میں آپؐ کی غمگینی کے بارے میں ہدایات بھی ہیں اور ان نوجوانوں کے بارے میں جو غائب ہو گئے تھے اور اس شخص کے متعلق جو زمین کی سرحدوں تک پہنچا تھا امتحانی سوالوں کے جواب بھی ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ویسئلونك عن الروح ط قل الروح ــــ یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پُوچھتے ہیں۔ کہو" یہ روح میرے

من امر ربی وما اوتیتم من العلم الاقلیلا ٥ (بنی اسرائیل - ۸۵)	رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

(۲۵۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت کو شروع کیا اور فرمایا:

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتٰب	تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی۔ (انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق سوال کیا اور اللہ تعالیٰ نے تحقیق کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول فرمایا)
ولم یجعل لہ عوجا ۃ قیما	اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہ رکھی۔ ٹھیک ٹھیک سیدھی بات کہنے والی کتاب (یعنی وہ عدل و انصاف کی حامل ہے اور اس میں کوئی ایچ پیچ کی بات نہیں)
لینذر باساً شدیداً من لدنہ۔ (الکہف - ۱ - ۲)	تاکہ وہ لوگوں کو خدا کے سخت عذاب سے خبردار کر دے (یعنی دنیا کی فوری سزا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرے جس نے آنحضرتؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علمائے یہود اور اہلِ کتاب کی رائے

(۲۵۹) تورات میں نبیؐ کا ذکر

یونس نے اعمش سے اور اس نے ابراہیم کے حوالہ سے عبداللہ کی روایت نقل کی۔ عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھیت میں جا رہے تھے اور میں آپؐ کے ہمراہ تھا۔ آپؐ کے پاس کھجور کی ٹہنی تھی جس پر آپؐ ٹیک لگاتے تھے۔ آنحضرتؐ یہود کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن میں سے بعض نے بعض کو کہا: "اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے روح کے بارے میں دریافت کرو۔" بعض دوسروں نے کہا: "کوئی سوال نہ کرو۔" لیکن ایک یہودی اٹھا اور اس نے کہا: "اے محمدؐ! ہمیں یہ بتاؤ کہ روح کیا چیز ہے؟" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔ میں نے سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہے میں آپؐ کے پیچھے کھڑا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا:

ویسئلونک عن الروح ط قل الروح	یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو "یہ روح میرے رب کے

من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۝ (بنی اسرائیل۔ ۸۵) حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

دوسروں نے کہا: "کیا ہم نے تمہیں سوال کرنے سے روکا نہیں تھا؟"

(۲۶۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مکہ کے ایک آدمی نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے ابنِ عباسؓ کی یہ روایت مجھ سے بیان کی کہ علمائے یہود نے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: "کیا آپؐ نے اپنے مندرجہ ذیل کلام پر غور کیا ہے؟

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۝ (بنی اسرائیل۔ ۸۵) اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

کیا آپؐ نے اس میں ہمیں مخاطب کیا ہے یا اپنی قوم کو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایسا ہرگز نہیں۔ (یہ خطابِ عام ہے)۔" یہود نے کہا: "کیا آپؐ کے پاس جو پیغام آیا ہے اس میں آپؐ یہ تلاوت نہیں کرتے کہ ہمیں توراۃ دی گئی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے علم کی مناسبت سے وہ تھوڑی ہی ہے اور اس میں سے تمہارے پاس صرف اسی قدر علم ہے جو تمہیں کفایت کرے۔ کاش کے تم اسے قایم کرو۔" ان کے سوال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت کلمٰت اللہ ط (لقمٰن۔ ۲۷) زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات سمندر مزید روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہیں ہوں گی۔

میں دیکھتا ہوں کہ توراۃ بھی اللہ کے علم میں تھوڑی ہی ہے۔

(۲۶۱) سیدنا علیؓ اور قصّہ ذُوالقرنین

یونس نے بسام مولیٰ علی بن ابو الطفیل سے روایت کی۔ راوی نے کہا: حضرت علیؓ بن ابی طالب منبر پر کھڑے ہُوئے اور فرمایا: "مجھ سے پُوچھ لو قبل اس کے کہ تم نہ پُوچھ سکو۔ کیونکہ میرے بعد تم لوگ کسی سے نہ پوچھ سکو گے جو تمہیں میری طرح جواب دے سکے گا۔" چنانچہ ابو الکوا نے اٹھ کر سوال کیا: "اے امیر المومنین! ذوالقرنین نبی تھا یا فرشتہ تھا؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "وُہ نہ فرشتہ تھا اور نہ نبی تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نیکوکار بندہ تھا، جو اللہ تعالیٰ سے محبّت کرتا تھا اور وُہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ تھا۔ وہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں میں سے تھا۔ اس کے دائیں سینگ پر ضرب لگائی گئی، وہ فوت ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اٹھایا۔ اس کے

بعد اس کے بائیں سینگ پر ضرب لگائی گئی اور وُہ فوت ہوگیا۔ اور تم لوگوں میں بھی اس جیسے ہیں۔

(۲۶۲) یونس نے عمرو بن ثابت سے اور اُس نے سماک بن حرب کے حوالہ سے بنی اسد کے ایک آدمی کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا "کیا آپؓ نے ذوالقرنین کو دیکھا ہے؟ وُہ کیونکر اس قابل ہوا کہ دنیا کے مشرقی اور مغربی کناروں تک پہنچ گیا؟" حضرت علیؓ نے فرمایا: "بادلوں کو اس کے لیے مسخر کردیا گیا، اسے وسیع اسباب عطا کیے گئے، اس کے لیے روشنی کو پھیلا دیا گیا اور دن اور رات اس کے لیے یکساں کر دیئے گئے۔"

(۲۶۳) رسولؐ اللہ کی تلاوتِ قرآن کو مشرکین کا چھپ کر سُننا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق کی معرفت کفار کو حاصل ہوگئی اور انہوں نے آپؐ کی تعلیمات کی سچائی اور مغیبات کے متعلق اپنے سوالوں کے جواب میں آنحضرتؐ کے علومِ نبوت کو بھی پہچان لیا لیکن ان کا حسد آڑے آیا اور انہوں نے آپؐ کی تصدیق اور فرمانبرداری سے انکار کردیا۔ انہوں نے اللہ کی سرکشی اختیار کی اور کھلے بندوں اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی اور وہ اپنے کفر پر ڈٹ گئے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا:

لا تسمعوا لهٰذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون ○ (حٰمٓ السجدہ ۲۶) — اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو، شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ۔

یعنی اس کو باطل قرار دو اور اسے مذاق اور تفریح کا سامان بنالو۔ اس طرح تم اس پر غلبہ حاصل کرو گے لیکن اگر تم نے اس سے موافقت کی روش اختیار کی اور اس سے انصاف کیا تو وہ تم پر غالب آجائے گا۔

ان میں سے بعض نے بعض کو کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جہری قرأت کریں تو انہیں چاہیے کہ وہ منتشر ہوجائیں اور سننے سے انکار کردیں لیکن ان میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا بھی ہوتا تھا جو نماز میں آپؐ کی تلاوتِ قرآن کو سُننے کا خواہشمند ہوتا تو وُہ دوسروں سے چھپ کر قرآن سنتا تھا۔ اگر وہ محسوس کرتا کہ دوسرے لوگ اس کے اس پوشیدہ عمل کو پہچان گئے ہیں تو وہ ان کی ایذا رسانی کے خوف سے چلا جاتا اور سُننا ترک کردیتا، نیز اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز دھیمی ہوجاتی اور سُننے والوں کو گمان ہوتا کہ وہ آپؐ کی تلاوت میں سے کچھ بھی نہ سن سکیں گے تو ایسی صورت میں بھی کفار سے چھپ کر سننے والا اگر محسوس کرتا کہ وُہ کچھ نہ کچھ سُن لے گا تو وہ آپؐ کی تلاوت کی طرف کان لگا کر سننے کی کوشش کرتا تھا۔

(۲۶۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے داؤد بن حصین نے عکرمہؓ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو کفار منتشر ہوجاتے اور سننے سے انکار کردیتے۔ اگر ان میں سے کوئی

شخص نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوتِ قرآن کو سُننا چاہتا تو وہ ان سے علیحدہ ہوکر اور چھپ کر کچھ سُن گن لینے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر وہ محسوس کرتا کہ دوسرے لوگ اس کے اس پوشیدہ عمل کو تاڑ گئے ہیں تو وہ ان کی ایذارسانی کے خوف سے چلا جاتا اور سُننا ترک کر دیتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آواز کو پست کر لیتے اور یہ خفیہ سننے والا گمان کرتا کہ دوسرے لوگ آپؐ کی قرأت میں سے کچھ بھی نہ سُن سکیں گے تو یہ ان سے چھپ کر اور کان لگا کر سننے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

ولا تجهر بصلاتك — اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو (تاکہ کفار آپؐ کے نزدیک سے ہٹ جائیں اور منتشر ہو جائیں)

ولا تخافت بها — اور نہ بہت پست آواز سے نماز پڑھو (ایسا نہ ہو کہ جو شخص دوسروں سے، چھپ کر آپؐ کی تلاوت سننا چاہتا ہے وہ بھی نہ سُن سکے)

وابتغ بين ذلك سبيلا ٥ (بنی اسرائیل - ۱۱۰) — ان دونوں کے درمیان اوسط درجے کا لہجہ اختیار کرو (اس طرح شاید دُوسروں سے الگ ہو کر سننے والا تو بہ کی روش اختیار کرے اور جو کچھ وہ سنے اس کے حق میں وہ فائدہ مند ثابت ہو)

(۲۶۵) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے ام المومنینؓ نے فرمایا کہ مندرجہ ذیل آیت دُعا کے متعلق نازل ہوئی ہے:

ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها۔ — یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پکارو اور نہ بہت پست آواز سے۔

(۲۶۶) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی سے اور اس نے ایک شخص کی وساطت سے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے متعلق مجاہد کی روایت نقل کی ہے:

فاصدع بما تؤمر۔ (الحجر - ۹۴) — پس اے نبی! جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے ہانکے پکارے، کہہ دو۔

مجاہد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ مکہ میں قرآن کی تلاوت علانیہ بآوازِ بلند کریں۔

(۲۶۷) نبیؐ کثیر السکوت تھے اور آپؐ کا زور سب سے زیادہ زبردست تھا

یونس بن بُکیر نے یونس بن عمرو ہمدانی سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے سعد بن عیاض کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ کم گو تھے اور جب آنحضرتؐ کو قتال کا حکم دیا گیا تو آپؐ مستعد ہو گئے اور آپؐ کا زور سب لوگوں سے زیادہ زبردست تھا۔

(۲۹۸) نبیؐ کو تبلیغِ دین سے روکنے کے لیے مشرکین کے حربے

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے یزید بن زیاد مولیٰ بنی ہاشم نے محمد بن کعب کی روایت بیان کی۔ محمد بن کعب نے کہا ؛ مجھ سے بیان کیا گیا کہ عتبہ بن ربیعہ ایک بردبار سردار تھا۔ وہ ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ بن ربیعہ نے کہا: "اے گروہِ قریش! کیا میں محمدؐ کے پاس جاکر ان سے بات نہ کروں اور ان کے سامنے کچھ تجویزیں پیش کروں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی تجویز کو قبول کرلیں اور وہ تجویز ہمارے لیے بھی قابلِ قبول ہو اور اس طرح وہ ہماری مخالفت سے باز آجائیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت حمزہؓ اسلام قبول کرچکے تھے اور کفار دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ قریش نے عتبہ کی بات سے اتفاق کا اظہار کیا اور کہا "ضرور جاکر ان سے بات کرو۔" عتبہ اٹھا اور جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور کہا: "بھتیجے! ہمارے ہاں قبیلے میں تمہیں جو مرتبہ حاصل ہے وہ تم خود جانتے ہو اور نسبی لحاظ سے بھی تم ایک شریف ترین گھرانے کے فرد ہو۔ تم نے اپنی قوم کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کردیا ہے۔ تم نے جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔ ہمارے عقلمندوں کو بے وقوف قرار دیا ہے۔ ہمارے معبودوں اور ہمارے دین کی عیب چینی کی ہے اور ہمارے آباؤ اجداد جو مرچکے ہیں ان سب کو تم نے کافر ٹھہرایا ہے۔ تم میری بات غور سے سنو۔ میں تمہارے سامنے کچھ تجویزیں رکھتا ہوں تم انہیں سوچو۔ ہوسکتا ہے کہ تم ان میں سے کسی تجویز کو قبول کرلو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوالولید! آپ کہیں میں سنوں گا۔" عتبہ نے کہا: "بھتیجے! یہ کام جو تم نے شروع کر رکھا ہے اگر اس سے تمہاری غرض مال کا حصول ہے تو ہم سب مل کر تمہیں اتنا مال دیئے دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہوجاؤ۔ اگر تم اپنی بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ ہم کسی معاملے کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر تم پر کوئی جن آتا ہے جسے تم از خود دفع کرنے پر قادر نہیں ہو اور جسے تم دیکھتے ہو تو ہم طبیب بلواتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرکے تمہارا علاج کرواتے ہیں اور تمہیں اس آسیب سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جن کسی آدمی کو مغلوب کرلیتا ہے لیکن علاج کرنے سے وہ آدمی صحت یاب ہوجاتا ہے۔ اور جن جو کلام تمہیں لاکر دیتا ہے وہ شاید شعر و سخن کی قسم سے ہے جس سے تمہارا سینہ اُبل پڑتا ہے۔ اے بنی عبدالمطلب! مجھے اپنی ذات کی قسم! تم ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہو جس کی قدرت کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں سُنتے رہے یہاں تک کہ عتبہ فارغ ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوچھا: "کیا آپ کی بات مکمل ہوچکی ہے ؟" عتبہ نے کہا: "ہاں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھا اب میری بات غور سے سنیں۔" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلاوت شروع کردی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ کتٰب فصلت ایٰتہ قراٰناً عربیا ۔ (حٰمٓ السجدہ ۳-۲) اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ یہ عربی زبان کا قرآن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت پڑھتے گئے۔ جب عتبہ نے تلاوت سُنی تو خاموشی اختیار کر لی اور وہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا یہاں تک کہ آپؐ سجدہ کی آیت ۳۸ پر پہنچے اور آپؐ نے سجدہ کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: "اے ابوالولید! آپ نے جو سُنا وہ تو سُن ہی لیا اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

عتبہ اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف روانہ ہوا۔ ان میں سے بعض نے بعض کو کہا: "بخدا! عتبہ کا چہرہ دگرگوں ہے یہ وہ شکل نہیں جسے لے کر وہ گیا تھا۔" جب وہ ان کے پاس جا کر بیٹھا تو انہوں نے کہا: "اے ابوالولید! اپنی کارگذاری کی رپورٹ سناؤ۔" عتبہ نے کہا: "بخدا! میری رپورٹ یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سُنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا۔ اللہ کی قسم! نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے گروہِ قریش! میری بات کو تسلیم کرو اور میری رائے پر عمل کرو۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ بخدا! جو کلام میں نے سنا ہے وہ ضرور رنگ لا کر رہے گا۔ اگر عربوں نے اس کو مغلوب کر لیا تو تم اس پر ہاتھ اٹھانے سے بچ جاؤ گے اور اگر وہ عربوں پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت اور اس کا اقتدار تمہارا اقتدار شمار ہو گا تم اس کی وجہ سے سب سے زیادہ بخت آور ہو جاؤ گے۔"

انہوں نے کہا: "اے ابوالولید! خدا کی قسم! اس کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔" عتبہ نے کہا: "یہ میری رائے تھی جو میں نے پیش کر دی۔ تم لوگ جو کرنا چاہو کرتے رہو۔"

(۲۶۹) عتبہ بن ربیعہ کی جانب سے نبیؐ کی مدافعت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر مکہ میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ دوسری جانب کفارِ قریش کا معمول یہ تھا کہ اگر وہ کسی مسلمان کو قید کرنے کی قدرت رکھتے تو وہ اس کو قید کر دیتے تھے اور جس مسلمان کو فتنہ میں مبتلا کر سکتے تھے اسے ابتلاء میں ڈالتے تھے۔ جب عتبہ بن ربیعہ نے ابوجہل کا رد کیا تو ابوطالب نے عتبہ بن ربیعہ کی مدح میں یہ اشعار کہے، اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا:

عجبت لحلم یابن شیبۃ حادث
واحلام اقوام لدیك سخاف

اے ابن شیبہ! میں تمہاری نئی سوچ پر راضی ہوں اور قوموں کی عقلیں تمہارے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

یقولون شائع من اراد محمدا
بسوء وقم فی امرہ بخلاف

لوگ کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ علانیہ برائی کا ارادہ کرنے والا شخص (ابوجہل) مشہور ہے۔ تم اس معاملہ میں اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاؤ۔

ولا تركبن الدهر مني ظلامة
وانت امرؤ من خير عبد مناف

میری وجہ سے لوگوں کے ساتھ بے انصافی اور ظلم کا رویہ اختیار نہ کرو کیونکہ تم عبد مناف کے بہترین گھرانے کے چشم و چراغ ہو۔

ولا تتركنه ما حييت لمطمع
وكن رجلا ذا نجدة و عفاف

لیکن جب تک تم زندہ ہو کسی طمع نفسانی کی خاطر اسے (یعنی محمدؐ کو) بے یار و مددگار نہ چھوڑو بلکہ ایک بہادر اور پاکدامن شخص کا کردار ادا کرو۔

تدور العدى عن دورة هاشمية
الا انهم في الناس خير الاف

جب ہاشمی میدان میں اپنی جوانمردی کے جوہر دکھاتے ہیں تو دشمن دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں۔ لوگوں میں ایک فہیم آدمی ہزاروں پر بھاری ہوتا ہے۔

فان له قربا لديك قريبة
وليس بذي حلف و لا بمضاف

تمہارے ساتھ اس (محمدؐ) کی قریبی رشتہ داری ہے وہ کوئی کمینہ و رذیل آدمی نہیں ہے کہ باہر سے آکر تمہارے خاندان میں شامل ہوگیا ہو۔

ولانه من هاشم في صميمها
الى ابحر فوق البحور صواف

وہ اصلاً اور خالصتاً ہاشمی ہے اور یہ حقیقت سمندروں کے کناروں تک جہاں سواریاں جا سکیں مشہورِ زمانہ ہے۔

وزاحم جميع الناس فيه وكن له
ظهيرا على الاعداء غير مجاف

تمہیں چاہیے کہ اس کے معاملہ میں سب لوگوں کی مزاحمت کرو اور اس کے دشمنوں پر پوری مستعدی کے ساتھ غلبہ حاصل کرو۔

فان غضبت فيه قريش فقل لهم
بني عمنا ما قومكم بضعاف

اگر قریش اس کے معاملہ میں غضبناک ہیں تو ان سے کہو: اے ہمارے چچازاد بھائیو! تمہاری قوم (یعنی ہم) کمزور و ناتواں نہیں ہیں۔

فما بالكم تغشون منا ظلامة
وما بال احلام هناك خفاف

تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ ہمارے ساتھ بے انصافی کے باعث تمہارے قویٰ مضمحل ہو رہے ہیں اور ہم کوئی کم عقل لوگوں کا گروہ نہیں ہیں۔

وما قومنا بالقوم تغشون ظلمنا
وما نحن فيما ساء هم بخفاف

قوم کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل ایسا نہیں ہے کہ تم ہمیں مظالم کا تختۂ مشق بناؤ اور ہم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے ساتھ ظلم کیا جائے اور وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیں۔

ولكننا اهل الحفائظ والنهى
وعز ببطحاء الحطيم مواف

بلکہ ہم اپنوں کی طرفداری اور ظلم کو روکنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں اور حطیم کی وادی میں پوری قوت و شوکت کے مالک ہیں۔

(۲۷۰) بلادِ روم وایران کی فتح کی بشارت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے گروہِ قریش! میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت بجا لاؤ کیونکہ یہی ہدایت اور دینِ حق ہے اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں معزز کرے گا اور لوگوں کی دست بُرد سے تمہیں بچائے گا اور تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا۔" قریش نے کہا: "اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولم نمکن لهم حرما آمنا یجبیٰ الیه ثمرات کل شیٔ رزقاً من لدنا ولکن اکثرهم لایعلمون ○

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پُرامن حرم کو ان کے لیے جائے قیام بنا دیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

(القصص - ۵۷)

(۲۷۱) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے عیزار بن حریث کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "اے اللہ! میں قریش کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ (دینِ اسلام قبول کر کے) خشکی و تری کے مالک بن جائیں، لیکن انہوں نے میرا کھانا چکوروں کے کھانے کی طرح کر دیا۔"[1] آنحضرتؐ نے قریش کو دعوت دی کہ "اے گروہِ قریش! میری اطاعت کرو۔ آنے والے لوگ قیامت تک تمہارے نقشِ قدم پر چلتے رہیں گے۔" ابوجہل نے کہا: "بھتیجے! بخدا! اگر ہم تمہاری بیعت کرلیں پھر بھی مضر اور ربیعہ تمہاری بیعت نہیں کریں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، خدا کی قسم! وہ چار و ناچار ضرور بیعت کریں گے۔ اور اسی طرح ایران اور روما بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوں گے۔"

(۲۷۲) یونس نے محمد بن ابی حمید المدینی کی وساطت سے محمد بن منکدر کی روایت نقل کی۔ محمد بن منکدر نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آنحضرتؐ کو بتایا گیا کہ قریش نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے عہد و پیمان کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بابِ صفا سے باہر آئے اور وہاں آکر ٹھہر گئے۔ اس دوران میں جبریلؑ تشریف لائے اور فرمایا: "اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم دیا ہے کہ وہ آپؐ کی اطاعت کرے، اور اسی طرح زمین اور پہاڑوں کو بھی آپؐ کے فرمان کا مطیع بنا دیا ہے اگر آپؐ چاہیں تو آسمان کو حکم دیں کہ وہ ان پر

---

[1] چکور کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک ایک دانہ ٹھہر ٹھہر کر کھاتا ہے اچھی طرح نہیں کھاتا۔ مطلب یہ ہے کہ قریش کے لوگ بھی میری دعوت کو اچھی طرح قبول نہیں کرتے بلکہ ان میں سے اِکّا دُکّا اشخاص اسلام قبول کرتے ہیں۔ (مترجم)

عذاب نازل کرے اور اگر آپ پسند کریں تو زمین کو حکم دیں کہ وہ انھیں نگل جائے، اگر چاہیں تو پہاڑوں کو حکم دیں کہ وہ باہم مل کر ان کو کچل دیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنی اُمت کو مہلت دیتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ اپنی نظرِ عنایت سے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کرے۔"

(۲۷۳) احمد نے عبدالجبار سے، اس نے ابومعاویہ سے، اس نے اعمش سے، اس نے ابومنہال کے حوالہ سے سعید سے اور اس نے عبداللہ بن حارث کی وساطت سے ابن عباسؓ کی روایت نقل کی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انھیں زکوٰۃ کا حکم دیا تو قارون نے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہا: یہ شخص (یعنی موسیٰؑ) روزہ، نماز اور دیگر احکام تمہارے لیے لائے ہیں، کیا تم اس بات کو برداشت کرو گے کہ تم اپنے اموال انہیں عطا کرو؟" انہوں نے کہا: "ہم تو اپنے اموال نہیں دیں گے، تمہاری رائے کیا ہے؟" قارون نے کہا: "میری رائے تو یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی کسی زناکار عورت کو ان کے پاس بھیجو اور اس عورت کو حکم دو کہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) پر یہ تہمت لگائے کہ وہ اس سے بدکاری کرنا چاہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری کرے۔ موسیٰؑ نے زمین کو حکم دیا کہ ان بدکار لوگوں کو پکڑ لے۔ چنانچہ وہ ایڑیوں تک گرفتار ہو گئے۔ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا: "یا موسیٰ، یا موسیٰ!" لیکن موسیٰؑ نے پھر زمین کو حکم دیا کہ وہ انہیں جکڑ لے۔ چنانچہ وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ وہ پھر پکارتے رہے: "یا موسیٰ! یا موسیٰ!!" موسیٰ علیہ السلام نے سہ بارہ زمین کو حکم دیا کہ ان کو پکڑ لیا جائے۔ اس پر وہ کمر تک گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے پھر پکارنا شروع کیا: "یا موسیٰ! یا موسیٰ!!" لیکن موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو پھر حکم دیا کہ ان کا کام تمام کیا جائے۔ چنانچہ زمین انہیں پوری طرح نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی: "اے موسیٰ! تمہاری قوم نے تضرع و زاری کے ساتھ تم سے فریاد کی لیکن تم نے ان کی فریاد قبول نہ کی، اگر وہ مجھے پکارتے تو میں ضرور ان کی توبہ قبول کرتا۔"

(۲۷۴) ابوجہل کے کافرانہ عزائم

یونس نے ہشام بن سعید سے اور اس نے زید بن اسلم کی وساطت سے مغیرہ بن شعبہ کی روایت بیان کی۔

مغیرہ نے کہا: سب سے پہلا دن جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا وہ دن تھا جب میں اور ابوجہل مکہ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے۔ ہماری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کو فرمایا: "اے ابوالحکم! میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ۔" ابوجہل نے کہا: "اے محمدؐ! کیا تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے رک جاؤ گے؟ کیا تم اس کے سوا کچھ اور بھی چاہتے ہو کہ ہم گواہی دیں کہ تم نے اپنا پیغام پہنچا دیا؟ پس ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ بخدا! اگر میں یہ جان لیتا کہ تم جو کچھ کہتے ہو وہ برحق ہے میں پھر بھی تمہارا اتباع نہ کرتا۔" یہ سن کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے ۔ پھر ابو جہل میری طرف متوجہ ہُوا اور اس نے کہا : " بخدا ! میں یقیناً جانتا ہُوں کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ برحق ہے ۔ " لیکن بنی قصی نے کہا کہ حجابہ یعنی خانہ کعبہ کی دربانی ہمارے ذمّہ ہے ۔ ہم نے اس کو تسلیم کر لیا ۔ انہوں نے کہا کہ ندوہ یعنی مجلسِ مشاورت کے ارکان ہم میں ہیں ہم نے اسے بھی تسلیم کر لیا ۔ انہوں نے کہا کہ " لواء " یعنی جھنڈا ہمارے پاس رہے گا ، ہم نے یہ بھی مان لیا ۔ انہوں نے کہا کہ سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب ان کے پاس رہے گا ، ہم نے اسے بھی تسلیم کر لیا ۔ پھر انہوں نے بھی کھانے کھلائے اور ہم نے بھی کھانے کھلائے یہاں تک کہ جب ہمارے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے ٹکرانے لگے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے ۔ بخدا ! یہ میں کبھی نہیں مانوں گا ۔ "

(۲۷۵) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " ہر امت کا ایک فرعون ہے اور اس امت کا فرعون ابو جہل ہے ۔ "

(۲۷۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی ۔ ابن اسحاق نے کہا : مجھ سے حکیم بن حکیم نے اور اس سے عباد بن حنیف نے عکرمہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ۔ ابن عباسؓ نے درج ذیل آیت تلاوت کی :

والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ۔ اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ۔

(بنی اسرائیل ۔ ۶۰)

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ ملعونہ سے مراد مذمومہ ہے ۔ یعنی وہ درخت جس کی قرآن میں مذمت کی گئی ہے ۔ یہ آیت ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہُوئی ۔

(۲۷۷) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے عمرو بن میمون اودی کی روایت نقل کی ۔ عمرو بن میمون نے کہا مجھ سے عبد اللہ بن مسعودؓ نے یہ روایت بیان کی کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیمؑ کے پاس مصروفِ نماز تھے ۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے ۔ ابو جہل نے کہا : " تم میں سے کون فلاں لوگوں کی اونٹنی کا بچہ دان لے کر آتا ہے ؟ ان میں سے ایک غنڈہ اٹھ کھڑا ہوا اور اٹھا کر لے آیا ۔ اسے کہا گیا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدے میں جائیں تو ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اسے رکھ دیں ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہوئے تو اس نے یہ بچہ دان آپؐ کے دونوں شانوں کے درمیان ڈال دیا ۔ آپؐ جب تک حالتِ سجدہ میں رہے آپؐ نے جنبش تک نہ کی ۔ حضرت فاطمہؓ کو اس کی اطلاع پہنچی تو وہ تشریف لائیں ، وہ اس وقت ابھی کم سن لڑکی تھیں ، انہوں نے اس گندگی کو ہٹایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کو صاف کیا اور ان غنڈوں کو سخت سست بھی کہا ۔ وہ ہنس ہنس کر ایک دوسرے پر گرتے جاتے تھے ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے کعبہ رُو ہو کر اپنے ہاتھ اٹھا کر ان کے خلاف یہ

بددعا کی "اے اللہ! عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، عمارہ بن ولید، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط سے تو ہی نمٹ اور تو ہی ان کی خبر لے۔" عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: "میں اس وقت ابھی لڑکا تھا اور مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں قوم کا مقابلہ کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمدؐ پر کتاب نازل فرمائی میں نے دیکھا کہ یہ غنڈے بدر کے کنوئیں میں گرے پڑے ہیں۔"[1]

(۲۷۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے قبولِ اسلام کے بعد یہ ذکر کیا جاتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابوجہل کے منصوبوں سے قریش نے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔" چنانچہ ایک کہنے والے یا ابوطالب نے یہ اشعار کہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ اشعار کس نے کہے:

افیقو بنی غالب و انتھوا عن البغی فی بعض ذا المنطق	اے بنی غالب! ہوش میں آؤ اور اس شخص کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے سے باز آجاؤ جس کے پاس پیغام آتا ہے۔
والا فانی اذن خائف بوائق فی دارکم تلتقی	وگرنہ تمہارے معاملہ میں مجھے خوف لاحق ہے کہ تمہارے اس دیار میں سختیاں اور عذاب نازل ہوں گے۔
تکون لغابرکم عبرة ورب المغارب والمشرق	مشرق و مغرب کے رب کی قسم! یہ عذاب اس کے لیے سامانِ عبرت ثابت ہوگا جو تم میں سے بچ رہے گا۔
کما ذاق من کان من قبلکم ثمود و عاد فمن ذا بقی	یہ ایسا عذاب ہوگا جس قسم کے عذاب کا مزہ تم سے پہلے عاد اور ثمود کی قومیں چکھ چکی ہیں اور ان میں سے کون صاحبِ خیر تھا۔
غداة اتاھم بھا صرصرا وناقة ذی العرش اذ تستقی	صاحبِ عرش خدا کے ناقہ کی قسم جبکہ وہ پانی پیتی تھی! اس صرصر کے عذاب نے انہیں صبح کے وقت گھیر لیا۔
فحل علیھم بھا سخطة من اللہ فی ضربة الازرق	پس اللہ کی طرف سے ان پر غضب نازل ہوا اور کھلی مار پڑی۔
غداة یعض بعرقوبھا حسام من الھند ذو رونق	ہندوستان کی بنی ہوئی چمکتی دمکتی تلواریں کل اپنی مضبوط اور تیز دھار کے ذریعہ سے کاٹنے کے جوہر دکھائیں گی۔
واعجب من ذاك من امرکم عجائب فی الحجر الملصق	اور تمہارے معاملہ میں تو وہ عجائب اس سے بھی عجیب تر ہیں جو اس پتھر سے ظاہر ہوئے۔

---

[1] یہ سات غنڈے تھے جن میں سے پانچ جنگِ بدر میں مارے گئے اور ان کی نعشیں بدر کے کنوئیں میں پھینک دی گئیں۔ عمارہ بن ولید حبشہ میں بحالتِ دیوانگی فوت ہوا اور عقبہ کو آنحضرتؐ نے بدر سے واپسی پر قتل کرایا۔ مترجم

بکف الذی قام من حینہ الی الصابر الصادق المتقی	جو اس شخص (یعنی ابوجہل) نے اپنے ہاتھ میں اٹھایا اور ایک صابر و صادق اور متقی شخص (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف متوجہ ہوا لیکن آزمائش میں پڑ گیا۔
فایبسہ اللہ فی کفہ علی رغم ذا الخائن الاحمق	اس خیانت کار اور احمق کی دشمنی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو اس کے ہاتھ میں چپٹا دیا۔
احیمق مخزومکم اذ غوی بغی الغواۃ ولم یصدق	وہ بنی مخزوم کا احمق تھا جو گمراہ کرنے والوں کی گمراہی کے باعث گمراہ ہوگیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کی۔

(۲۷۹) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! میرے اور قریش کے معاملہ کو ذرا مؤخر کر دو۔ اگر وُہ مجھ پر غالب آ گئے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے انہیں مغلوب کر دیا تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا، اس لیے ذرا انتظار کرو۔" لوگ رک گئے اور انہوں نے کہا: "آپؐ نے انصاف کی بات کی ہے۔ اگر آپؐ قریش پر غالب آ گئے تو یہ غلبہ اللہ کی طرف سے ہوگا نہ کہ آپؐ کی اپنی طاقت سے۔" چنانچہ کچھ لوگ رُک گئے اور کچھ دوسرے لوگ آپؐ کے مقابلہ میں ہلاک ہو گئے۔

(۲۸۰) یونس نے قیس بن ربیع کے حوالہ سے حکیم بن دیلم سے اور اس نے ضحاک بن مزاحم کی وساطت سے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی:

وانتم سٰمدون ۝ (النجم - ۶۱) — اور تم تکبر کرتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو کفار تکبر کے ساتھ آپؐ کے پاس سے گزر جاتے تھے۔ کیا تم نے کسی ایسے اونٹ کو نہیں دیکھا جو چلتے ہوئے اپنی دُم کو بار بار اٹھا کر اپنی رانوں پر مارتا ہے؟ یہ متکبرانہ چال ہے۔

باب ۲۸

سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت

(۲۸۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ مسلمانوں پر کفار کا ظلم وستم شدید ہو گیا۔ وہ عظیم فتنوں میں مبتلا کیے گئے اور کفار مسلمانوں پر جھپٹ پڑے۔ اس سے قبل کچھ مسلمان ظلم وستم سے تنگ آ کر سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ اور اس دوسرے فتنہ نے مسلمانوں کو دوبارہ مجبور کر دیا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

(۲۸۲) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق سے اور اس نے زہری سے اور اس نے ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام کی وساطت سے ام المومنین ام سلمہؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: مکّہ کی زمین ہم پر تنگ ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو ایذائیں دی گئیں اور فتنوں میں مبتلا کیا گیا اور انہیں دین کی وجہ سے طرح طرح کے مصائب وشدائد سے دوچار ہونا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مصائب کے مقابلہ میں اپنے صحابہؓ کی حفاظت نہیں فرما سکتے تھے اور آنحضرتؐ بذاتِ خود اپنی قوم کی طرف سے محفوظ تھے کیونکہ آپؐ کو اپنے چچا ابوطالب کی وجہ سے اس مکروہ ظالمانہ سلوک سے چھٹکارا حاصل تھا جو آپؐ کے صحابہؓ کے ساتھ روا رکھا جا رہا تھا۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا: "سرزمینِ حبشہ میں ایسا بادشاہ حکمران ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ پس تم اس کے ملک میں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دے جس میں تم مبتلا ہو۔"

چنانچہ ہم چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں یکے بعد دیگرے حبشہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور وہاں جا کر اکٹھے ہو گئے۔ ہمیں وہاں بہترین ٹھکانا اور بہترین پڑوس مل گیا۔ اپنے دین کے معاملے میں ہم امن سے تھے اور ہمیں کسی کے ظلم کا خوف نہ تھا۔ جب قریش نے یہ دیکھا کہ ہمیں ٹھکانا اور امن حاصل ہو گیا ہے تو انہوں نے طے کیا کہ وہ اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجیں تاکہ وہ ہمیں اپنے ملک سے نکال دے اور واپس قریش کے حوالے کر دے انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا اور نجاشی اور اس کے سرداروں کے لیے تحائف جمع کیے اور سرداروں میں سے کسی آدمی کو نہ چھوڑا جس کے لیے علیحدہ ہدیہ تیار نہ کیا گیا ہو۔ انہوں نے وفد کے دونوں ارکان کو کہا کہ ہر سردار کے ساتھ بات کرنے سے قبل اس کا ہدیہ اسے پیش کیا جائے۔ پھر نجاشی کو اس کے تحائف پیش کیے جائیں۔ اگر تم یہ کر سکو کہ نجاشی مسلمانوں کے ساتھ بات کرنے سے قبل انہیں تمہارے سپرد کر دے تو ایسا ضرور کرو۔ چنانچہ ان دونوں نے نجاشی کے سرداروں میں سے ہر سردار کو اس کا ہدیہ پہنچایا اور پھر اس سے بات کی اور کہا کہ

ہم اس ملک میں اپنے کچھ بیوقوفوں کے تعاقب میں آئے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور وہ تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ ہمیں اپنی قوم نے اس لیے بھیجا ہے کہ ہم ان بے وقوفوں کو واپس اپنے ملک میں لے جائیں، ہم اس بارے میں بادشاہ سے بات کریں گے، اس ضمن میں آپ لوگ بھی بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ ان بے وقوفوں کو واپس ہمارے ساتھ بھیج دے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ضرور تمہاری امداد کریں گے۔ پھر ان دونوں نے نجاشی کی خدمت میں تحائف پیش کیے اور مکہ کی بہترین چیزیں جو بطور ہدیہ دی جاسکتی تھیں وہ دباغت شدہ چمڑے کی کھالیں تھیں انہوں نے اس کے پاس تحائف بھیجے اور عرض کی: "اے بادشاہ! ہم میں سے کچھ بیوقوفوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور انہوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا۔ انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے جسے ہم نہیں پہچانتے۔ انہوں نے آپ کے ملک میں پناہ لے رکھی ہے۔ ہمیں ان کے قبیلوں نے یعنی ان کے آباؤ اجداد، چچاؤں اور قوم نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ انھیں قوم کے پاس واپس بھیج دیں کیونکہ وہ شرافت و بزرگی کے لحاظ سے ان سے برتر ہیں" سرداروں نے تائیداً کہا: "اے بادشاہ! یہ سچ کہتے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کو ان کے پاس واپس بھیج دیں تو بہتر ہوگا کیونکہ وہ مرتبہ کے اعتبار سے ان کے بزرگ ہیں۔ یہ لوگ آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے اس لیے ان کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔" نجاشی نے بگڑ کر کہا: "اللہ کی قسم! میں انھیں یونہی واپس نہیں کروں گا جب تک کہ میں انہیں بلا کر ان سے بات نہ کرلوں اور یہ معلوم نہ کرلوں کہ ان کے معاملہ کی حقیقت کیا ہے! ان لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے اور دوسرے پڑوس کو چھوڑ کر انہوں نے میرے پڑوس کو منتخب کیا ہے۔ اگر ان کا حال اسی قسم کا ہے، جس طرح یہ بیان کرتے ہیں تو میں ان کو واپس کردوں گا اور اگر اس کے برعکس ہے تو میں ان کی حمایت کروں گا اور ان کے بڑوں کی بڑائی کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا۔"

نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور سب کو اکٹھا کرلیا۔ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسندیدہ بات اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی کہ نجاشی مسلمانوں کی بات سُنے۔ جب نجاشی کا ایلچی مسلمانوں کے پاس پہنچا تو ان سب نے اجتماع کیا اور آپس میں مشورہ کیا کہ ہم کو کیا کہنا چاہیئے! آخر سب نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ ہم وہی بات کہیں گے جو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارا دین ہے اور جس کی تعلیم ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس کا نتیجہ خواہ کچھ نکلے ہمیں اپنا موقف صاف صاف پیش کر دینا چاہیئے۔

مسلمانوں کی طرف سے بات کرنے کے لیے حضرت جعفر بن ابی طالب کو نمائندہ مقرر کیا گیا۔ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے چھوٹتے ہی سوال کیا: "یہ تمہارا دین کیا ہے؟ تم لوگوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑا اور یہودیت اور نصرانیت بھی اختیار نہیں کی، تمہارا یہ نیا دین ہے کیا؟" حضرت جعفرؓ نے فرمایا: "اے بادشاہ! ہم ایک مشرک قوم تھے، بُت پُوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، ہمیں ہمسائیگی کا پاس نہ تھا۔ ہم میں سے بعض بعض کی خوں ریزی کرتے تھے اور ہم نے حرمتوں کو حلال کر رکھا تھا اور ہمیں حلال و حرام کی کوئی تمیز

نہ بخشی، اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف خود ہم ہی میں سے ایک نبی برپا کیا جس کی وفاداری، صداقت اور امانت کو ہم جانتے ہیں، اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں، اس نے ہمیں صلۂ رحمی، ہمسائگی کی پاسداری، نماز اور روزہ کی تعلیم دی اور حکم دیا کہ ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔"

نجاشی نے کہا: "جو کلام تمہارے نبی پر اترا ہے اس میں سے کوئی چیز تمہارے پاس ہے؟" حضرت جعفرؓ نے فرمایا: "جی ہاں!" نجاشی نے اپنے پادریوں کو بھی بلا لیا تھا اور وہ اس کے حکم کے مطابق اپنے مصحف کھول کر اس کے گرد جمع تھے۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کو کہا: "جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترا ہے اس کو کہیں سے تلاوت کرو۔" حضرت جعفرؓ نے کٓھٰیٰعٓصٓ یعنی سورۂ مریم کا ابتدائی حصّہ پڑھ کر سنایا۔ بخدا! نجاشی یہ کلام سنتا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس کے پادری بھی روتے رہے اور ان کے مصحف بھی آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا: "یقیناً یہ کلام اور جو کچھ موسیٰؑ لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔" پھر نجاشی نے مسلمانوں کو کہا: "جاؤ تم راہِ راست پر ہو۔" اور مشرکین کے سفیروں کو کہا: "بخدا! میں ان لوگوں کو تمہارے اور تمہارے بڑوں کے سپرد نہیں کروں گا۔" وہ دونوں وہاں سے چلے آئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ ہمارے معاملہ میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ عمرو بن عاص نے اسے کہا: "کل میں نجاشی کے پاس ان لوگوں کے متعلق ایسی بات پیش کروں گا جس کے سبب ان کی جماعت کی جڑ اکھڑ جائے گی۔ میں اسے بتاؤں گا کہ اس کا معبود عیسیٰ بن مریمؑ جس کی پرستش کی جاتی ہے وہ ان لوگوں کے نزدیک ایک بندہ تھا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ جو ان دونوں میں سے زیادہ ڈرنے والا تھا اس نے عمرو بن عاص کو کہا: "ایسا نہ کرو، کیونکہ اگرچہ وہ ہمارے مخالف ہیں لیکن وہ ہمارے رشتہ دار ہیں اور ان کا یہ ہم پر حق ہے۔" عمرو بن عاص نے کہا: "بخدا! میں ایسا ضرور کروں گا۔"

اگلے دن عمرو بن عاص نجاشی کے دربار میں گیا اور اسے کہا: "اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں آپ انھیں بلا کر پوچھ لیں۔" نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے فرمایا کہ اس سے بڑی مصیبت ہم پر اس سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر نجاشی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال کرے تو اس کو کیا جواب دینا چاہیے! چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ہم وہی کچھ کہیں گے جو اللہ نے فرمایا ہے اور جس کا حکم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اس کے پاس اس کے سردار تھے۔ نجاشی نے پوچھا: "عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں تمہارا عقیدہ کیا ہے؟" حضرت جعفرؓ نے فرمایا: "ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریمؑ پر القا کیا تھا۔" نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین کی طرف بڑھایا اور اپنی دو انگلیوں کے ساتھ ایک تنکا اٹھایا اور کہا: "عیسیٰ علیہ السلام

اس بیان سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔" اس پر وہ سردار جو اس کے گرد بیٹھے ہوئے تھے پھنکارنے لگے۔ نجاشی نے کہا: "خواہ تم کتنا ہی پھنکارو، بخدا! بات یہی ہے۔" نجاشی نے مسلمانوں کو کہا: "جاؤ اور میری زمین میں امن سے رہو۔ جو تمہیں بُرا کہے گا سزا پائے گا۔" اور اس کلمہ کو نجاشی نے دوبارہ سہ بارہ دُہرایا اور کہا: "میں یہ بات پسند نہیں کروں گا کہ مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے اور اس کے عوض میں تم میں سے ایک آدمی کو ستاؤں۔ بخدا! اللہ تعالیٰ نے جب میرا ملک مجھے واپس کیا تو اس نے مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کے معاملہ میں رشوت لوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے میرے معاملہ میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کی تھی کہ میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلوں۔" نجاشی نے درباریوں سے کہا: "تم لوگ ان دونوں کے تحائف انہیں واپس کردو، ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔" اور دونوں سفیروں کو کہا کہ میرے ملک سے چلے جاؤ۔

ام المومنین ام سلمہؓ نے فرمایا: "وہ دونوں سفیر ناکام و ناراض واپس چلے گئے اور جو تحائف وہ لے کر آئے تھے انہیں واپس کر دیئے گئے اور اس اچھے ملک میں ہمیں بہترین پڑوس میسر آ گیا۔ کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حبشہ کے ایک آدمی نے نجاشی کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کر دیا اور بادشاہت کے بارے میں جھگڑا پیدا کر دیا۔ ہمارے لیے یہ سانحہ سخت کربناک تھا کیونکہ ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ اگر اس شخص نے نجاشی کو مغلوب کر لیا تو ایسی حکومت برسرِاقتدار آ جائے گی جو ہمارے حقوق کی حفاظت اس طرح نہیں کرے گی جس طرح نجاشی کرتا ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگنی شروع کیں کہ اللہ تعالیٰ نجاشی کی تائید فرمائے۔ نجاشی اس کے مقابلے میں نکلا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے ایک دوسرے کو کہا کہ ہم میں سے کون شخص باہر جا کر واقعات و حالات کا مشاہدہ کرے اور ہمیں حقیقتِ حال سے آگاہ کرے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا: "میں یہ فریضہ سرانجام دُوں گا۔" حضرت زبیرؓ اس وقت سب سے کم عمر تھے۔ چنانچہ صحابہؓ نے حضرت زبیرؓ کیلئے ایک مشک میں ہوا بھر دی۔ حضرت زبیرؓ نے اسے اپنے سینے کے نیچے رکھ لیا اور دریائے نیل کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے جہاں مڈبھیڑ تھی۔ انہوں نے یہ معرکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حملہ آور بادشاہ کو شکست دی اور وہ قتل ہو گیا اور نجاشی غالب آ گیا۔ حضرت زبیرؓ ہمارے پاس واپس آ گئے انہوں نے اپنی چادر سے ہمیں اشارہ کیا اور بشارت دی کہ نجاشی کو اللہ تعالیٰ نے غالب کر دیا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے: بخدا! ہمیں اتنی خوشی کبھی نصیب نہ ہوئی تھی جتنی خوشی نجاشی کی فتح سے حاصل ہوئی۔ پھر ہم نجاشی کے ہاں قیام پذیر رہے یہاں تک کہ ہم میں سے جس نے چاہا وہ مکّہ کی طرف واپس آ گیا اور جس نے چاہا وہ وہیں ٹھہرا رہا۔

(۲۸۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ زہری نے کہا: میں نے یہ حدیث عروہ بن زبیر سے ام المومنین ام سلمہؓ کی روایت سے بیان کی۔ عروہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ نجاشی کے اس قول کا مفہوم کیا ہے:

"جب اللہ تعالیٰ نے میری حکومت مجھے واپس دلوائی تو مجھ سے رشوت نہ لی کہ میں اللہ کے معاملہ میں

رشوت وصول کروں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے میرے معاملہ میں لوگوں کی خواہش کی پیروی اختیار کی کہ میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی اطاعت کروں۔"

زہری نے کہا: "میں نہیں جانتا۔ ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث نے بروایت ام سلمہؓ مجھ سے یہ بات بیان نہیں کی۔" عروہ نے کہا: "حضرت عائشہؓ نے مجھے بتایا کہ نجاشی کا باپ اپنی قوم کا بادشاہ تھا اور اس کا ایک بھائی تھا جس کے بارہ صلبی بیٹے تھے۔ لیکن نجاشی کے باپ کے ہاں کوئی لڑکا نجاشی کے علاوہ نہ تھا۔ حبشہ والوں نے آپس میں سوچ کر یہ رائے قائم کی کہ اگر ہم نجاشی کے باپ کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیں تو یہ بہتر ہوگا کیونکہ اس کے بارہ۱۲ بیٹے ہیں جو یکے بعد دیگرے حکومت کے وارث قرار پائیں گے اور ان کی حکومت مدتِ دراز تک حبشہ میں قائم رہے گی اور کوئی اختلاف رُونما نہیں ہوگا۔

چنانچہ انہوں نے نجاشی کے باپ پر یلغار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا۔ نجاشی نے اپنے چچا کے ہاں سکونت اختیار کر لی اور اپنے حسنِ اخلاق سے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا یہاں تک کہ اس کا چچا اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کارروائی نہیں کرتا تھا۔ نجاشی بڑا فہیم اور عقلمند تھا۔ جب اہلِ حبشہ نے چچا کے ہاں نجاشی کی قدر و منزلت دیکھی تو انہوں نے کہا: "اس لڑکے نے اپنے چچا کو رام کر لیا ہے اور ہمیں خدشہ ہے کہ اس کا چچا اسے ہم پر حاکم نہ بنا دے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم نے اس کے باپ کو قتل کر کے بادشاہت اس کے چچا کے سپرد کی ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر اسے ہم پر حکمران بنا دیا گیا تو وہ ہمیں قتل کر دے گا۔ وہ نجاشی کے چچا کے پاس گئے اور اسے کہا: یا تو اس لڑکے کو قتل کر دو یا اسے ہمارے ملک سے نکال دو۔" اس نے کہا: "تمہاری حالت قابلِ افسوس ہے۔ کل تم نے اس کے باپ کو قتل کر ڈالا اور آج مجھے کہتے ہو کہ میں اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کروں؟ بہتر ہے کہ اسے ملک بدر کر دو۔" لوگ اسے لے کر بازار گئے اور اسے ایک تاجر کے پاس بیچ دیا۔ اس نے اسے چھ سو یا سات سو درہم کے عوض خرید کر ایک کشتی میں سوار کر لیا۔ شام کے وقت خریف کے بادلوں میں سے بادل کے ایک ٹکڑے میں ہیجان پیدا ہوا نجاشی کا چچا بارش کی امید میں باہر نکلا، یکایک اس پر بجلی گری اور وہ لقمۂ اجل بن گیا۔ لوگوں نے اس کے لڑکوں کی تلاش کی تو معلوم ہوا کہ وہ سب کے سب احمق ہیں اور کوئی بھی کاروبارِ سلطنت چلانے کا اہل نہیں ہے۔ ان حالات میں سرزمینِ حبشہ میں فتنہ و فساد کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا: "بخدا! تمہارا بادشاہ جس کے بغیر تمہاری حکومت صحیح طرح نہیں چل سکتی وہی ہے جسے کل تم نے بیچ ڈالا ہے اور اگر تم حبشہ کی حکومت کو صحیح بنیادوں پر چلانا چاہتے ہو تو اس کو واپس لے لو قبل اس کے کہ وہ کہیں چلا جائے۔" وہ لوگ نجاشی کی تلاش میں نکلے اور اسے ڈھونڈ نکالا۔ اسے واپس لا کر اس کی تاجپوشی کی اور اسے تختِ سلطنت پر بٹھا کر اسے بادشاہ بنا دیا۔ تاجر نے کہا: "تم نے میرا غلام مجھ سے واپس لے لیا ہے اس لیے میری قیمت مجھے واپس کر دو۔" انہوں نے قیمت واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ تاجر نے کہا: "پھر میں اس سے بات کروں گا۔" لوگوں نے کہا: "جو چاہو کرو۔" چنانچہ وہ نجاشی کے پاس گیا

اور اسے کہا: "اے بادشاہ! میں نے ایک غلام خریدا، جن لوگوں نے میرے پاس وہ غلام بیچا تھا انہوں نے غلام کی قیمت مجھ سے وصول کر لی تھی۔ انہوں نے پھر مجھ پر دست درازی کر کے میرا غلام مجھ سے واپس لے لیا اور میری قیمت مجھے واپس نہ کی۔" یہ پہلا واقعہ ہے جس کا فیصلہ نجاشی نے پوری ہوشمندی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق کیا اور اس آزمائش میں وہ پورا اترا۔ چنانچہ نجاشی نے حکم دیا: "اس تاجر کی رقم اسے واپس کر دی جائے ورنہ اس تاجر کا غلام اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے گا اور تاجر اسے جہاں چاہے لے جائے گا۔" لوگوں نے کہا: "ہم اس کی رقم اسے واپس کر دیتے ہیں۔" چنانچہ انہوں نے رقم اسے واپس کر دی۔ اسی لیے نجاشی نے کہا تھا:

"جب اللہ تعالیٰ نے میری حکومت مجھے واپس دلوائی تو مجھ سے رشوت نہ لی کہ میں اللہ کے معاملہ میں رشوت وصول کروں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے میرے معاملہ میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی کہ میں اس کے معاملہ میں لوگوں کی اطاعت کروں۔"

(۲۸۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق سے اور اس نے یزید ابن رومان کے حوالہ سے عروہ بن زبیر کی روایت نقل کی۔ عروہ نے کہا: "نجاشی نے ساری گفتگو حضرت عثمانؓ بن عفان سے کی تھی۔"[1]

(۲۸۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ واقعہ اس طرح نہیں ہوا بلکہ نجاشی نے ساری گفتگو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے کی تھی۔

(۲۸۶) سیدہ رقیہؓ بنت النبیؐ حبشہ میں

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ حبشہ کے کچھ نوجوانوں نے سیدہ رقیہؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو اپنے شوہر حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سیدہ پیکرِ حسن و جمال تھیں۔ غنڈہ عناصر آپ کی طرف انگشت نمائی کرتے، انہیں گھورتے، اور جب انہیں دیکھتے تو ناچنا کودنا شروع کر دیتے یہاں تک کہ سیدہ کو ان کی ان کمینہ حرکات سے تکلیف پہنچتی لیکن مسلمان اپنی غریب الوطنی اور ٹھکانا مل جانے کی وجہ سے ان میں سے کسی کے ساتھ الجھاؤ پیدا کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جب نجاشی دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلا تو یہ غنڈے بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچ سکا۔

---

[1] نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی نمائندگی حضرت جعفرؓ کی بجائے حضرت عثمانؓ نے کی تھی اور نجاشی حضرت عثمانؓ ہی سے ہم کلام ہوا تھا نہ کہ حضرت جعفرؓ سے۔ جیسا کہ سابقہ اور آئندہ روایت میں مذکور ہے۔

(۲۸۷) حبشہ کے نصارٰی کا وفد

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: ہجرتِ حبشہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر حبشہ میں پھیلی تو وہاں کے نصارٰی کا وفد جو تقریباً بیس آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپؐ اس وقت مکّہ میں تھے۔ یہ وفد آپؐ کو مسجدِ حرام میں ملا اور آپؐ کے پاس بیٹھ گیا۔ ان لوگوں نے آپؐ سے باتیں کیں اور کچھ سوالات دریافت کیے۔ قریش کے لوگ اس وقت کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں تھے۔ جب وفد کے لوگ سوالات سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی۔ جب انہوں نے قرآن سُنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا اور آپؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کی تصدیق کی اور آپؐ کی ان صفات کو پہچان لیا جو آپؐ کے متعلق ان کی کتاب میں موجود تھیں۔ جب وہ آنحضرتؐ کے پاس سے اُٹھے تو ابوجہل قریش کے کچھ لوگوں کی معیت میں ان سے ملا۔ قریش نے نصارٰی کے وفد کو کہا: "اللہ تمہیں نا امید کرے۔ تمہارے اہلِ دین نے تمہیں اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص کے حالات کی تحقیق کر کے آؤ اور انہیں خبر دو لیکن تم اس کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے کہا تم نے اس کی تصدیق کر دی۔ تم سے زیادہ احمق وفد تو ہم نے کبھی نہیں دیکھا" ارکانِ وفد نے جواب دیا: "سلام ہے تم کو، ہم نادانی میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہم اپنے آپ کو بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے" کہا جاتا ہے کہ یہ وفد اہلِ نجران کے نصارٰی کا تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون سا وفد تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم،

الذین اٰتینٰھم الکتٰب من قبلہ ھم بہٖ یؤمنون ○ . . . .
الٰی قولہ: لا نبتغی الجٰھلین ○
(القصص - ۵۲ - ۵۵)

جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور جب یہ ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ "ہم اس پر ایمان لائے، یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو پہلے ہی سے مسلم ہیں"۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو بار دیا جائے گا اس ثابت قدمی کے بدلے جو انہوں نے دکھائی۔ وہ بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب انہوں نے بیہودہ بات سُنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ "ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار کرنا نہیں چاہتے"۔

(۲۸۸) یونس نے اسباط بن نصر ہمدانی کی وساطت سے اسماعیل بن عبدالرحمان کی روایت نقل کی۔ اسماعیل نے کہا:

نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارہ آدمیوں کا ایک وفد بھیجا تاکہ وہ آنحضرتؐ سے کچھ باتیں پوچھے اور تحقیقِ حال کے بعد اسے ٹھیک ٹھیک خبر دے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکانِ وفد کے سامنے قرآن کی تلاوت کی تو وہ رونے لگے۔ یہ وفد سات راہبوں اور پانچ پادریوں یا پانچ رہبان اور سات پادریوں پر مشتمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول ترٰی اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق ج یقولون ربنا اٰمنا فاکتبنا مع الشٰھدین ہ (المائدہ۔۸۳)	جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اُٹھتے ہیں کہ "پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

(۲۸۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے مندرجہ ذیل آیات کے متعلق زہری سے پوچھا:

(و) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول ..... الی قولہ مع الشّٰھدین ہ (المائدہ - ۸۳)	جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں، وہ بول اُٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔
(ب) واذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلاما ہ (الفرقان - ۶۳)	اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے کہ تم کو سلام۔

زہری نے جواب دیا کہ میں اپنے علماً سے یہ سُنتا آیا ہُوں کہ یہ آیتیں نجاشی اور اس کے رفقاء کے متعلق نازل ہُوئیں۔

(۲۹۰) نجاشی کی نمازِ جنازہ

احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا، مجھ سے زہری نے سعید بن مسیّب کی وساطت سے ابو ہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں باہر نماز پڑھنے کی جگہ لے گئے ہم نے آپؐ کی اقتدا میں صف بندی کر لی۔ آنحضرتؐ نے جنازہ کی نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہیں۔ جب فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو ہم نے پُوچھا: "یا رسول اللہ! آپؐ نے کس کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے بھائی نجاشی کی، جو آج فوت ہوا ہے۔"

(۲۹۱) یونس نے عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے ابنِ شہاب کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نمازِ جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

(۲۹۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت بیان کی کہ نجاشی کی قبر پر نور نظر آیا کرتا تھا۔

(۲۹۳) یونس نے ابن اسحاق سے یہ روایت نقل کی کہ نجاشی کا نام "مصحمہ" تھا۔ یہ لفظ عربی زبان میں لفظِ "عطیہ" کا ہم معنٰی ہے۔ "نجاشی" شاہِ حبشہ کا لقب ہے جس طرح "کسریٰ" شاہِ ایران اور "ہرقل" (یعنی قیصر) شاہِ روم کے القاب ہیں۔

(۲۹۴) ابنِ عمرؓ کی آرزو

احمد نے یونس سے اور اس نے یونس ایلی کی وساطت سے زہری کی روایت نقل کی۔ زہری نے کہا: حضرت ابن عمرؓ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہُوا تھا، آپ نے اس سے کہا: "تمہاری کیا خواہش ہے؟" اس نے کہا: "میری کوئی خواہش نہیں ہے۔" حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: "لیکن میں تو چاہتا ہُوں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو، میں اس کا وزن کروں اور اس کی زکوٰۃ ادا کروں۔"

(۲۹۵) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص خواہش کرے تو اسے چاہیے کہ بہت زیادہ مانگے کیونکہ وہ اپنے رب عزوجل سے مانگتا ہے۔"

(۲۹۶) نجاشی کے بیٹے کا اسلام لانا

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھے میرے والد اسحاق بن یسار نے بتایا کہ میں نے ابونیزر بن نجاشی کو دیکھا ہے۔ اس جیسا عظیم، قد آور اور خوب صورت جوان میں نے عرب و عجم میں نہیں دیکھا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے مکہ کے ایک تاجر کے پاس پایا اور اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ نجاشی نے جو حُسنِ سلوک حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے یہ اس کے بدلے کے طور پر کیا۔ ابنِ اسحاق نے کہا: میں نے اپنے باپ سے پُوچھا: کیا ابونیزر سیاہ رنگ کا تھا جس طرح کہ حبشہ کے دُوسرے لوگوں کی رنگت سیاہ ہوتی ہے؟" میرے باپ نے جواب دیا: "اگر تم اسے دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو عرب کا باشندہ ہے۔"

(۲۹۷) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے عبداللہ بن حسن نے بتایا کہ اس کی والدہ فاطمہ بنت حسین نے یہ روایت بیان کی کہ ابونیزر بن نجاشی کو حضرت علیؓ نے آزاد کرایا تھا۔ اس کے پاس حبشہ سے کچھ لوگ آئے جو ایک مہینہ تک اس کے ہاں اقامت پذیر رہے۔ حضرت علیؓ ان کی میزبانی

کرتے رہے اور انہیں کھانا کھلاتے رہے۔ حبشہ کے لوگوں نے نجاشی کے بیٹے کو کہا: "حبشہ کی حکومت میں بگاڑ اور فساد رونما ہو چکا ہے، تم ہمارے ساتھ چلو، ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں گے، تم جانتے ہو کہ تم بادشاہ کے بیٹے ہو۔" نجاشی کے بیٹے نے جواب دیا: "اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام سے مشرف فرمایا ہے میں واپس نہیں جاؤں گا۔" جب وہ اس سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے۔

(۲۹۸) ہجرتِ حبشہ کے متعلق اشعار

جب مسلمانوں کو سرزمینِ حبشہ میں امن و امان کی فضا میسر آگئی اور انہیں نجاشی کا اچھا پڑوس مل گیا تو وہ اس حال میں اللہ کی عبادت کرتے تھے کہ انہیں اپنے دین کے بارے میں کسی کا خوف دامنگیر نہ تھا۔ جب وہ نجاشی کے پاس گئے، تو اس نے ان کے لیے اچھا ٹھکانا مہیا کر دیا۔ اس ضمن میں عبداللہ بن حارث بن قیس بن عدی بن سہم نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

یا راکبا ابلغا عنی مغلغلة من کان یرجوا بلاغ اللہ والدین	اے دو سوارو! میرا یہ پیغام ان لوگوں کو پہنچا دو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی تبلیغ کے خواہشمند ہیں۔
کل امرئ من عباد اللہ مضطھد ببطن مکة مقھور و مفتون	اللہ کے بندوں میں سے ہر ایک کو میرا پیغام پہنچا دو جو مکہ کی نشیبی سرزمین میں مظلوم، مقہور اور ابتلاء کا شکار ہے۔
انا وجدنا بلاد اللہ واسعة تنجی من الذل والمخزاة والھون	کہ ہم نے اللہ کی زمین کو وسیع پایا ہے جہاں ذلت، رسوائی اور اہانت سے نجات حاصل ہوتی ہے۔
لاتقیموا علی ذل الحیاة ولا خزی الممات وعیب غیر مامون	اس لیے تم لوگ زندگی کی ذلت، موت کی رسوائی اور بدامنی کے فسادمیں اپنے آپ کو مقید نہ کرلو۔
انا تبعنا رسول اللہ فاطرحوا قول النبی و غالوا فی الموازین	بیشک ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا۔ لیکن انہوں نے (یعنی کفار نے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پسِ پشت ڈال دیا اور حقوق کو پامال کیا۔
فاجعل عذابك فی القوم الذین بغوا وعائذ بك ان یعلوا فیطغونی	(اے اللہ!) ان لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرما جو تیرے باغی ہیں۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ وہ غالب آجائیں اور مجھے بھی سرکشی پر اکسائیں۔

قریش نے مسلمانوں کو بستیوں سے نکال دیا تو عبداللہ نے ان کے اس ظالمانہ اقدام پر عتاب کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

ابت کبدی لا اکذبك قتالھم علی ویأباہ علی انا ملی	میں تم سے ہرگز دروغ بیانی نہیں کروں گا کہ میرا جگر اور میری انگلیاں بھی ان کے ساتھ جنگ آزمائی سے انکار کرتی ہیں۔

وکیف قتالی معشرا یادبونھم — میری جنگ ان لوگوں کے ساتھ نہیں ہوسکتی جو انہیں حق کی تلقین کرتے ہیں،
علی الحق الا یا شبوہ بباطل — اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے سے روکتے ہیں۔
نفقتم عباد اللہ من حر ارضھم — اللہ کے بندوں نے انہیں اپنی عمدہ سرزمین سے دُور ہانک دیا ہے اور
فاضحوا علی امر کثیر البلابل — اس وجہ سے وہ شدید رنج وغم اور تفکرات میں گرفتار ہیں۔
فان تک کانت فی عدی امانۃ — اگر عدی یعنی بنی عدی بن سعد میں خوفِ خدا اور باہمی میل ملاپ کی وجہ سے
عدی بن سعد من تقی وتواصل — امانت و دیانت ہوتی۔
فقد کنت احسب ان ذالک فیکم — تو میں یہ گمان کرتا کہ یہ صفت تم میں بھی ہوگی اور میں اس ذات کا شکریہ ادا کرتا
بحمد الذی لا یطبا بالجعائل — جسے اجرتوں کے لیے پکارا نہیں جاتا بلکہ وہ سب کی ضرورتیں خود بخود پوری کرتا ہے۔
فبدلت شبلا شبل کل کتیبۃ — ہر گروہ کے جوانمردوں کی بجائے مجھے ایسے جوانمرد دئے گئے ہیں جو کمزوروں
بذی فخرھا ماوی الضعاف والارامل — اور بیواؤں کا ملجا و ماوٰی ہیں۔

جب ابوطالب کو کفار کی اس رائے اور ان تحالف کا علم ہوا تو انہوں نے نجاشی کو مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھنے اور ان کی حمایت و حفاظت پر آمادہ کرنے کے لیے یہ اشعار کہے:

الا لیت شعری کیف فی النای جعفر — کاش! مجھے علم ہوتا کہ جعفر اور اس کے ساتھی وطن سے دور کس حال
وزید و اعداء العدو الاقارب — میں ہیں اور دشمن کے دشمن قرابتدار ہوتے ہیں۔
وھل نال افعال النجاشی جعفرا — کیا نجاشی نے جعفر اور اس کے رفقاء کے ساتھ حُسنِ سلوک روا رکھا یا
واصحابہ ام عاق ذلک شاغب — کسی فتنہ پرداز نے اس میں رکاوٹ ڈال دی۔
تعلم ابیت اللعن انک ماجد — یاد رہے کہ اے بادشاہ! تُو نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے تو
کریم فلا یشقی لدیک المجانب — ملامت کا مستحق ہو۔ بیشک تُو عظمت و شرافت کا حامل ہے اور تیرا قرب حاصل کرنے والا حرماں نصیب نہیں ہوتا۔
تعلم بان اللہ زادک بسطۃ — یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑی فراخی عطا کی ہے اور بھلائی کے جملہ
واسباب الخیر کلھا بک لازب — اسباب و ذرائع تمہیں حاصل ہیں۔
فانک فیض ذوسجال غزیرۃ — تم ایک ایسا دریا ہو جو کناروں تک بھرا ہوا ہے اور جس سے دشمن اور
ینال الاعادی نفعھا والاقارب — دوست دونوں نفع حاصل کرتے ہیں۔

جناب ابوطالب نے اس ضمن میں یہ اشعار بھی کہے:

تعلم خیار الناس ان محمدا — اے پسندیدہ انسان! جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ
وزیر لموسیٰ والمسیح بن مریم — اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے مصاحب ہیں۔

انا نهدى مثل الذى اتيا به
وكل بامر الله يهدى ويعصم
وانكم تتلونه فى كتابكم
بصدق حديث لاحديث الترجم
وانك ما ياتيك مناعصابة
لفضلك الا ارجعوا بالتكرم

ہم اسی ہدایت پر ہیں جو وہ دونوں حضرات لائے تھے۔ اور ہر نبی و رسول اللہ کے حکم سے راہِ راست کی ہدایت دیتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔
تم حضرت محمدؐ کا ذکر اپنی کتاب میں پڑھتے ہو جو سچی حدیث ہے اور اٹکل پچو اور ظنی بات نہیں ہے۔
ہمارا ایک گروہ تمہارے پاس آرہا ہے ہمیں تمہارے جُود و کرم سے امید ہے کہ وُہ واپس نہیں لوٹائے جائیں گے اور ان کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا جائے گا۔

(۲۹۹) یونس سے زکریا بن ابی زائدہ سے اور اس نے عامر شعبی کے حوالہ سے حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت اسمأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! مہاجرین میں سے کچھ لوگ ہم پر یہ فخر جتاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم مہاجرینِ اوّلین میں سے نہیں ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ تم نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی جبکہ ہم مکہ میں مظالم کا شکار رکھتے اور بعد ازاں تم لوگوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔" یہ لوگ اس وقت حبشہ سے مدینہ تشریف لائے جب آنحضرتؐ خیبر سے واپس آرہے تھے۔

(۳۰۰) یونس نے ابراہیم بن اسماعیل کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے قبیصہ بن ذؤیب کی وساطت سے ابی سلمہؓ بن عبدالاسد کی روایت بیان کی۔ ابوسلمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اپنی بیوی کے ہمراہ سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کی بیوی حضرت ام سلمہؓ بھی ہجرت میں ان کے ہمراہ تھیں۔ جب ابوسلمہؓ فوت ہو گئے تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

(۳۰۱) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمان بن عوف نے اپنے باپ کی یہ روایت بیان کی کہ میں حضرت عثمانؓ بن عفان کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا کہ حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے ہمیں دیکھا اور فرمایا: "کوئی شخص بھی دونوں ہجرتوں یعنی ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کی فضیلت کے باب میں اس شیخ (حضرت عثمانؓ) کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

باب ۲۹

مہاجرینِ حبشہ کے اسمائے گرامی ــ دُوسرا مرحلہ

(۲۰۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ میں سے یہ ان لوگوں کے اسمائے گرامی ہیں جنہوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جو ان میں سے غزوہ بدر میں شریک ہوتے اور جو بدر میں شامل نہ ہو سکے بلکہ اس کے بعد حبشہ سے واپس آئے۔ اور جو لوگ اس کے بعد بھی حبشہ میں رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو بھیجا اور وہ انھیں ایک کشتی میں سوار کر کے لے آیا اور یہ آخری گروہ ۶ھ میں (صلح حدیبیہ کے سال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچا۔

مہاجرینِ حبشہ میں سے درج ذیل حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ پہنچے اور جنگِ بدر میں شریک ہوئے:

بنی امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف میں سے

(۱) عثمانؓ بن عفان اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ۔

(۲) رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ مالِ غنیمت میں مقرر فرمایا حالانکہ یہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ ان کی زوجہ سیدہ رقیہؓ ان دنوں بیمار تھیں اور یہ ان کی تیمارداری کے لیے رُک گئے تھے۔ (انہوں نے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی)

(۳) ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ (۴) سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو (برادر بنی عامر بن لوی)۔ ان کے ہاں سرزمینِ حبشہ میں محمد بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔ ابو حذیفہؓ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

بنی اسد بن عبد العزّٰی میں سے

(۵) زبیرؓ بن عوام

بنی عبد الدار بن قصی میں سے

(۶) مصعبؓ بن عمیر

بنی زھرہ میں سے

(۷) عبد الرحمانؓ بن عوف۔

بنی مخزوم میں سے

(۸) ابو سلمہؓ بن عبد الاسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم اور ان کے

ہمراہ ان کی زوجہ (۹) ام سلمہؓ بنت ابی امیہ

بنی جمح بن عمرو بن ہُصیص میں سے — (۱۰) عثمانؓ بن مظعون

بنی عدی بن کعب میں سے — (۱۱) عامرؓ بن ربیعہ (حلیف آل خطاب) اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ۔
(۱۲) لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ

بنی عامر بن لوی میں سے — (۱۳) ابو سبرہؓ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ابو حاطب، بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک تھے ۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی ۔

بنی حارث بن فہر میں سے — (۱۴) سہیل بن بیضاؔ اور وہ سہیل بن ربیعہ بن ہلال بن اھیب ہیں ۔

ابنِ اسحاق نے کہا : مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ دس مرد وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی (ان میں سے چار کے ہمراہ ان کی ازواج بھی تھیں) ان کے بعد ہجرت کرنے والے یہ ہیں :

بنی ہاشم میں سے — (۱۵) جعفرؓ بن ابی طالب

حلفائے بنی نوفل بن عبدمناف بن قصی میں سے — (۱۶) عتبہؓ بن غزوان بن جابر بن وہب (یہ بنی قیس بن عیلان میں سے تھے)

بنی عبدالدار میں سے — (۱۷) سویبطؓ بن خزیمہ (۱۸) ان کی ماں حرملہؓ بنت اسود بن خزیمہ بن اقیش بن عامر بن بیاضۃ بن سبیع بن خثعمہ (یہ بنی خزاعہ میں سے تھیں)

(۱۹) جہمؓ بن قیس اور ان کے دو بیٹے (۲۰) عمروؓ بن جہم اور (۲۱) خزیمہؓ بن جہم ۔

(۲۲) ابو الرومؓ بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار (حضرت مصعبؓ کے بھائی)

(۲۳) فراسؓ بن نضر بن حارث بن کلدہ بن علقمہ بن عبدمناف بن عبدالدار ۔

بنی عبد بن قصی میں سے — (۲۴) طلیبؓ بن عمرو بن وہب بن ابی کبیر بن عبد بن قصی ۔

بنی زہرہ بن کرب میں سے — (۷) عبدالرحمان بن عوف (انہوں نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی ان کا نام مکرر لکھا گیا)
(۲۵) عامرؓ بن ابی وقاص

(۲۶) ابو وقاصؓ مالک بن اہیب بن عبدمناف بن زہرہ۔
(۲۷) مطلبؓ بن زہرؓ بن عبدعوف بن عبدحارث بن زہرہ اور ان کی زوجہ۔
(۲۸) رملہؓ بنت ابی عوف بن صبیرہ۔ سرزمینِ حبشہ میں ان کے ہاں عبداللہ بن مطلب پیدا ہوئے۔

حلفائے بنی زہرہ میں سے

(۲۹) عبداللہؓ بن مسعود اور ان کے بھائی۔
(۳۰) عتبہؓ بن مسعود

بنی بہراء میں سے

(۳۱) مقدادؓ بن عمرو (انہیں مقدادؓ بن اسود بن عبدیغوث بن وہب بن عبدمناف بن زہرہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسود بن عبدیغوث نے انہیں بیٹا بنا لیا تھا)۔

بنی مخزوم میں سے

(۳۲) شماسؓ بن عثمان بن شرید بن سوید بن ہرمی بن عامر بن مخزوم (شماس کا نام عثمان تھا)
(۳۳) ہبارؓ بن سفیان بن عبدالاسد بن ہلال اور ان کا بھائی۔
(۳۴) عبداللہؓ بن سفیان
(۳۵) ہشامؓ بن ابی حذیفہ۔

حلفائے بنی مخزوم میں سے

(۳۶) معتبؓ بن عوف بن عامر بن فضل بن عفیف (ان کو عیہامہ بن فلیت بن سلول بن کعب بن خزاعہ بھی کہا جاتا ہے)

بنی عامر بن لوئی میں سے

(۳۷) عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو اور ابوسبرہ بن ابی رہم (ان کا ذکر ۱۳ پر گزر چکا ہے) ان کے ہمراہ ان کی زوجہ۔
(۳۸) ام کلثومؓ بنت سہیل بن عمرو۔
(۳۹) عبداللہؓ بن مخرمہ بن عبدالعزی بن ابی قیس بن عبدود۔
(۴۰) سلیطؓ بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود اور ان کا بھائی۔
(۴۱) سکرانؓ بن عمرو اور ان کی زوجہ (۴۲) سودہؓ بنت زمعہ۔
(۴۳) مالکؓ بن ربیعہ بن قیس عبدشمس بن لوئی اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ (۴۴) عمرہؓ بنت سعدی۔

حلفائے بنی عامر میں سے

(۴۵) سعدؓ بن خولہ (یہ یمنی تھے)

بنی جمح بن عمرو بن ہصیص میں سے

عثمانؓ بن مظعون (ان کا ذکر نمبر شمار ۱۰ پر گزر چکا ہے) اور ان کا بیٹا

(۴۶) سائبؓ بن عثمان اور حضرت عثمانؓ کے بھائی (۴۷) قدامہؓ بن مظعون (۴۸) حاطبؓ بن حارث بن معمر بن حبیب بن حذافہ اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ (۴۹) فاطمہؓ بنت مجلل بن عبداللہ اور ان کے دو بیٹے (۵۰) محمدؓ بن حاطب (۵۱) حارثؓ بن حاطب اور حارثؓ کے ہمراہ ان کی زوجہ (۵۲) فکیہہؓ بنت یسار (۵۳) سفیانؓ بن معمر بن حبیب۔ اور ان کے ہمراہ ان کے دو بیٹے (۵۴) جابرؓ بن سفیانؓ اور (۵۵) جنادہ بن سفیانؓ اور سفیانؓ کے ہمراہ ان کی زوجہ (۵۶) حسنہؓ (جابرؓ اور جنادہؓ کی والدہ) اور حسنہؓ کے دوسرے شوہر سے ان کا بیٹا (۵۷) شرحبیلؓ بن حسنہؓ۔

(۵۸) عثمانؓ بن ربیعہ بن وہبان۔

بنی سہم بن عمرو بن ہصیص میں سے

(۵۹) خنیسؓ بن حذافہ۔ جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔ یہ حضرت عمرؓ کے داماد اور حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر تھے۔ حضرت حفصہؓ کو بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(۶۰) عبداللہؓ بن حارث بن قیس

(۶۱) ہشامؓ بن عاصی بن وائل۔

(۶۲) ابوقیسؓ بن حارث۔

(۶۳) حجاجؓ بن حارث۔

(۶۴) معمرؓ بن حارث اور ان کے ماں جائے بھائی (۶۵) سعیدؓ بن عمرو (یہ بنی تمیم میں سے تھے)

(۶۶) سعیدؓ بن حارث بن قیس۔

(۶۷) سائبؓ بن حارث بن قیس۔

(۶۸) عمرانؓ بن رئاب بن حذیفہ۔

حلفائے بنی سہم میں سے

(۶۹) محمیہؓ بن جزءؓ (یہ بنی زبید میں سے تھے)

بنی حارث بن فہر میں سے

(۷۰) ابوعبیدہؓ (وہ عامر بن عبداللہ بن الجراح ہیں۔ وہ سرزمینِ شام میں حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرف سے حاکم تھے اور طاعون عمواس میں فوت ہوئے)

(۱،) سہیلؓ بن بیضاء (وہ سہیل بن بیضاؔ بن سہیل بن وہب) ہیں۔ بیضاؔ ان کی ماں ہیں اور وہ سہیل بن وہب بن ربیعہ ہیں۔ لیکن ان کی ماں کا نام ان کے نسب پر غالب آگیا اور وہ ماں کی طرف منسوب ہو گئے۔ ان کی ماں کا نام دعد بنت جحدم بن امیہ بن ظرب ہے اور ان کا لقب بیضاؔ ہے۔ حضرت سہیلؓ جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔

(۲،) عیاضؓ بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ربیعہ بن ہلال بن مالک ہیں۔

(۳،) حارثؓ بن عبد قیس بن عامر بن امیہ (۴،) عمروؓ بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال (اس خاندان کے آٹھ افراد نے ہجرت کی) [1]

(۲۰۳) پھر مسلمان یکے بعد دیگرے ہجرت کر کے حبشہ میں اکٹھے ہو گئے اور وہاں رہنے لگے۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جو اپنے ساتھ اپنی بیویوں کو بھی لے گئے تھے، ایسے حضرات یہ تھے:

بنی ہاشم میں سے ——— جعفرؓ بن ابی طالب۔ آپ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیرِ لشکر مقرر کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنی سواری "عبدالحارث" کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ دورانِ ہجرت آپ کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس بن کعب بن مالک بن قحافہ (خثعمی) بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سرزمینِ حبشہ میں ان کے ہاں عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے۔

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ عباد کے حوالہ سے بنی مرہ بن رئاب کے ایک شخص (ابن ذبیان) کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا: جب جنگ نے تباہی مچا دی تو میں نے دیکھا کہ حضرت جعفرؓ نے اپنے سرخی مائل سیاہ رنگ کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور بے جگری سے قتال کیا یہاں تک کہ آپ قتل ہو گئے۔

بنی امیہ بن عبد شمس میں سے خالدؓ بن سعید بن عاص نے ہجرت کی۔ ان کے ہمراہ ان کی بیوی امینہؓ بنت خلف بن اسعد بن عامر بن بیاضہ تھیں یہ بنی خزاعہ کی شاخ بنی سبیع بن خثعمہ سے تھیں۔ ان کے ہاں سرزمینِ حبشہ میں "سعید بن خالد" پیدا ہوئے اور ایک لڑکی "امۃ بنت خالد" تولد ہوئی۔ "امۃ" کا نکاح زبیر بن عوام سے ہوا اور ان کے ہاں عمرو بن زبیر اور خالد بن زبیر پیدا ہوئے۔ شام کی سرزمین میں دمشق کے قریب مرج الصفر کے مقام پر جو جنگ مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان ہوئی

---

[1] یہاں صرف پانچ اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے۔ ابنِ ہشام کی روایت کے مطابق دیگر تین افراد یہ ہیں: عمرو بن حارث بن زہیر، عمر بن عبد غنم بن زہیر اور سعید بن عبد قیس۔

اس میں خالد بن زبیر قتل ہوئے۔

بنی امیہ بن عبد شمس میں سے عمرو بن سعید بن عاص نے بھی ہجرت کی۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ فاطمہؓ بنت صفوان بن امیہ بن شفی بن محرب بن شفی کنانی تھیں۔ اطرافِ دمشق میں اجنادین ایک مقام ہے جہاں مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان جنگ ہوئی تھی عمرو بن سعید بن عاصی اس جنگ میں شہید ہوئے۔ ابو سعید نے عمرو کے متعلق یہ شعر کہے :

ليت شعري عنك يا عمرو سائلا اذا شب واشتد دماه تبلجا	اے عمرو! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تُو نے کیا کیا؟ جب اس کا خون جوان ہُوا تو وہ انتہائی سُرخ ہو کر بہہ رہا تھا۔
ايترك امر القوم فيه بلابل ويكشف غيظا كان في الصدر موحجا	کیا اس قوم کی امارت کا معاملہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا جو غم کی شدت اور تفکرات میں گھری ہُوئی ہے اور وہ غیظ و غضب جو سینے میں بھڑک رہا ہے اسے زائل کر دیا جائے گا؟

—— اور بنی امیہ کے حلیفوں بنی اسد بن خزیمہ میں سے عبد اللہ بن جحش اور ان کے ہمراہ ان کی بیوی برکت بنت یسار اور معیقیب بن ابی فاطمہ نے ہجرت کی۔ یہ سب سعید بن عاص کے متعلقین تھے۔

—— اور بنی عبد الدار بن قصی میں سے جہم بن قیس بن عبد شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار اور عمرو بن جہم اور ابو الروم بن عمیر بن وہب نے ہجرت کی۔

—— اور بنی عبد بن قصی میں سے طلیب بن عمیر بن ابی کبیر نے ہجرت کی۔

—— اور بنی اسد بن عبد العزیٰ بن قصی میں سے اسود بن نوفل بن خویلد نے ہجرت کی۔

—— اور بنی زھرہ بن کلاب میں سے عامر بن ابی وقاص نے (جن کا نام مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ ہے) اور عتبہ بن مسعود بن حارث نے ہجرت کی۔

—— اور بنی تیم بن مرہ میں سے حارث بن خالد بن صخر بن عامر بن کعب بن ربیعہ بن تیم بن مرہ نے اور ان کے ہمراہ ان کی زوجہ ریطہ بنت حارث نے ہجرت کی۔ سرزمینِ حبشہ میں ان کے ہاں موسیٰ بن حارث، عائشہ بنت حارث اور زینب بنت حارث پیدا ہُوئے۔ بنی تیم میں سے عمرو بن عثمان بن کعب بن سعد بن تیم نے بھی ہجرت کی۔

(۳۰۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ مسلمان جنہوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں پہنچے (ان بچوں کے علاوہ جنہیں وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے یا جو وہاں پیدا ہوئے) ان سب کی تعداد تراسی تک پہنچتی ہے بشرطیکہ عمارؓ بن یاسر کو بھی ان میں شمار کیا جائے۔ لیکن عمار بن یاسرؓ کے متعلق شک ہے کہ وہ اس ہجرت میں شامل تھے یا نہیں۔

(۳۰۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب ابو حذیفہ نے اسلام قبول کیا تو ہند بنت عتبہ نے ان کی ہجو میں یہ اشعار کہے :

الاحوال الابلق المقلوب كليته
ابو حذيفة شر الناس فى الدين
ماذا اجزيت ابا رباك من صغر
ثمن غذاك غذاء غير محجون

ابو حذیفہ دین کے معاملہ میں سب لوگوں سے برا انسان ہے۔ مضطرب اور دگرگوں حالات نے اسے باؤلا بنا دیا ہے۔
تو نے اس باپ کو کیا بدلہ دیا جس نے بچپن سے تیری تربیت کی۔ پھر اس نے تیرے لیے خوراک مہیا کی۔ ایسی خوراک جس میں کسی قسم کا بخل نہیں کیا گیا۔

(۳۰۶) نبیؐ کا مکتوب گرامی بنام شاہِ حبش

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مکتوب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف بھجوایا:

بسم الله الرحمٰن الرحيم - هٰذا كتاب من محمد النبي الى النجاشي الاصحم عظيم الحبشه - سلام على من اتبع الهدٰى وآمن بالله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، لم يتخذ صاحبة ولا ولدا، وان محمدا عبده ورسوله، وادعوك بدعاية الله فانى انا رسوله، فاسلم تسلم ويا اهل الكتٰب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان ابيت فعليك اثم النصارىٰ قومك -"

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ یہ مکتوب اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہِ حبش کے نام ہے سلامتی ہے اس کے لیے جو راہِ راست کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد ہے اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ تم اسلام قبول کر لو تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی۔ اور اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو تمہاری قوم نصاریٰ کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔"

(۳۰۷) یونس نے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار کیا اور اسلامی تحریک کا راستہ روکنے کے لیے شر انگیز ہتھکنڈے استعمال کیے تو عبداللہ بن حارث سہمی نے قریش کے متعلق یہ اشعار کہے:

تلك قريش تجحد الله حقه
كما جحدت عاد ومدين والحجر

یہ قریش ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کا انکار کر رہے ہیں جس طرح قومِ عاد، اہلِ مدین اور اہلِ حجر نے انکار کیا تھا (جس کی پاداش میں وہ ہلاکت سے دوچار ہوئے)

فان انا لم ابرق فلا یسعنی
من الارض برذو فضاء و لا بحر

اگر میں آنے والے عذاب سے لوگوں کو خوف نہ دلاؤں تو خدشہ ہے کہ مجھے اس زمین کے کھلے اور پُر فضا میدانوں اور سمندروں میں کہیں بھی کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

بارض بہا عبد الالہ محمد
ابین ما فی النفس اذ بلغ النقر

اس زمین میں جس میں اللہ تعالیٰ کے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں جب حق و باطل کی کش مکش کا آغاز ہو چکا ہے تو میں اپنے مافی الضمیر کو صاف صاف بیان کیے دیتا ہوں۔

باب ۳۰

قریش کی رسولؐ اللہ کو ایذا رسانی

(۳۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عروہ نے اپنے باپ عروہ بن زبیر کی روایت بیان کی۔ عروہ نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے دریافت کیا کہ قریش عداوت کی بنا پر رسولؐ کو ایذا دیتے تھے اس ضمن میں سب سے زیادہ تکلیف جو انہوں نے آنحضرتؐ کو پہنچائی، وہ کیا تھی؟ عبداللہ نے کہا: ایک دن میں نے دیکھا کہ قریش کے سردار حجر میں جمع ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے آپس میں کہا، ہم نے جتنا صبر اس شخص کے معاملے میں کیا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے معاملے میں نہیں ملتی۔ اس نے ہماری عقلوں کو بیوقوف بنایا، ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دیں، ہمارے دین کی عیب چینی کی، ہماری جمعیت میں انتشار پیدا کردیا اور ہمارے معبودوں کو برا کہا۔ لیکن پھر بھی ہم نے ان بڑی بڑی باتوں کو برداشت کیا۔ انہوں نے یہی الفاظ یا اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے۔ جب وہ ایسی باتیں کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے۔ آپؐ نے آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا۔ جب آپؐ ان کے پاس سے گزرے انہوں نے آپؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ باتیں کہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان باتوں کا اثر آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر محسوس کیا لیکن آپؐ طواف میں مشغول رہے۔ جب آپؐ دوسری دفعہ کفار کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر اشارۃً اسی طرح کی باتیں کہیں جن کا اثر آپؐ کے رُوئے انور پر نمایاں تھا لیکن آپؐ مطاف میں چلتے گئے۔ پھر آپؐ تیسری مرتبہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر اسی طرح کی حرکت کی۔ چنانچہ اس دفعہ آپؐ ٹھہر گئے اور فرمایا: "اے گروہِ قریش! کیا تم سنتے ہو؟ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں تو تم لوگوں کے ذبح کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

آنحضرتؐ کے اس کلمہ کی ہیبت ساری قوم پر طاری ہوگئی اور ان میں سے ہر شخص دم بخود ہوگیا کہ جیسے اس کے سر پر پرندہ ہو (کہ بولنے سے اُڑ جائے گا) وہ اس حد تک ہیبت زدہ تھے کہ ان میں سے سخت ترین افراد جو قبل ازیں لوگوں کو آپؐ کے خلاف اکساتے رہتے تھے آپ کے سامنے چکنی چپڑی باتیں کرنے لگے اور یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ اے ابوالقاسم! آپؐ بھلائی اور برکت کے ساتھ تشریف لے جائیے، بخدا! آپؐ نے کبھی ایسی سخت باتیں نہ کی تھیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے۔

دوسرے دن کفار پھر مقامِ حجر میں جمع ہوئے میں بھی ان کے ساتھ تھا ان میں سے بعض نے بعض سے کہا:

تمہیں یاد ہے کہ تم لوگوں نے اس سے کیا کہا تھا اور اس نے تمہیں کیا جواب دیا تھا یہاں تک کہ جب اس نے ناگہاں تم سے وُہ باتیں کہیں جو تمہیں ناپسند تھیں تو تم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور یکایک آپؐ کی طرف جھپٹے اور آپؐ کا گھیراؤ کر کے کہنے لگے: تم وہی ہو جو ایسا ایسا کہتے ہو۔ یعنی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہمارے معبودوں اور ہمارے دین کی عیب چینی کرتے ہو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں میں وہی ہوں جس نے ایسا کہا ہے"۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے آپؐ کو پوری چادر سمیت پکڑ لیا۔ ابوبکر صدیقؓ روتے ہوئے آپؐ کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: "تمہارا ستیاناس! کیا تم اس شخص کے قتل کے درپے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟" پھر لوگ آپؐ کے پاس سے ہٹ گئے۔ یہ واقعہ ان تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سخت ہے جو قریش نے آپؐ کے ساتھ روا رکھی تھیں۔ میں نے ایسی بدسلوکی اس سے قبل نہیں دیکھی تھی۔

(۳۰۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یہ روایت ام کلثوم بنت ابوبکرؓ کی اولاد میں سے ایک شخص نے بیان کی کہ ام کلثوم کہتی تھیں کہ اس روز جب حضرت ابوبکرؓ واپس تشریف لائے تو ان کا سر زخمی تھا کیونکہ کفار انہیں بالوں سے پکڑ کر کھینچتے رہے اور آپؓ کے سر کے بال گھنے تھے۔

(۳۱۰) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی کے حوالہ سے ربیع بن انس بکری کی روایت نقل کی۔ ربیع نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے سجدہ کیا تو ابوجہل نے آکر آپؐ کی گردن کو پامال کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

ارأیت الذی ینھٰی ٥ عبداً اذا صلّی ٥ (العلق۔ ۹-۱۰)	تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہو۔ (یہ منع کرنے والا شخص ابوجہل تھا)
ارأیت ان کان علی الھدٰی ٥ (العلق - ۱۱)	تمہارا کیا خیال ہے اگر (وہ بندہ) راہِ راست پر ہو۔ (بندے سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)
ارأیت ان کذب وتولّی ٥ (العلق۔ ۱۳)	تمہارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہے (یہ شخص ابوجہل تھا)
کلّا لئن لم ینتہ ٥ (العلق۔ ۱۵)	ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا (یعنی ابوجہل)
سندع الزبانیۃ ٥	ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کے انیس فرشتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: بخدا! اگر اس (یعنی ابوجہل) نے دوبارہ یہ حرکت کی تو عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ چنانچہ وُہ باز آگیا اور اس نے پھر کبھی یہ حرکت نہ کی۔

(۳۱۱) یونس نے مبارک بن فضالہ کی وساطت سے حسن کی روایت نقل کی۔ حسن نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے کچھ جاہل لوگ ایک رات آپؐ سے جھگڑتے رہے اور وہ آپؐ کو کہتے تھے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کی تکفیر کرتے ہو اور ان کے مذہب کو غلط ٹھہراتے ہو اور تم یہ یہ کام کرتے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجٰھلون ○ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک ج لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخٰسرین ○ بل اللہ فاعبد و کن من الشٰکرین ○ (الزمر-۶۴-۶۶)

(اے نبیؐ!) ان سے کہو "پھر کیا اے جاہلو! تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لیے مجھ سے کہتے ہو؟" (یہ بات تمہیں ان سے صاف کہہ دینی چاہیے کیونکہ) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جاچکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔ لہٰذا (اے نبیؐ!) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکرگزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

(۳۱۲) یونس نے ابی معشر کی وساطت سے محمد بن قیس کی روایت نقل کی۔ محمد بن قیس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپؐ کے پاس عتبہ بن ربیعہ اور ابن ام مکتومؓ (نابینا) بیٹھے ہوئے تھے۔ ابن ام مکتومؓ نے آپؐ سے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! مجھے قرآن کی تعلیم دیجئے۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چیں بجبیں ہوئے اور آپؐ نے اس سے بے رخی کا برتاؤ کیا اس خیال سے کہ اگر آپؐ نے اس کی طرف التفات کیا تو عتبہ اسلام سے بے رغبتی اختیار کرے گا اور اسلام کی طرف مائل نہیں ہو گا کیونکہ وہ تو کہتا تھا کہ یہ اندھے (معذور) اور مسکین لوگ ہی آپؐ کا اتباع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ آیات نازل فرمائیں:

عبس وتولّٰی ○ لا ان جاءہ الاعمٰی ○ و ما یدریک لعلہٗ یزکّٰی ○ لا او یذّکر فتنفعہ الذکرٰی ○ اما من استغنٰی ○ لا فانت لہ تصدّٰی ○ (عبس-۱-۶)

ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا۔ تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟ جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔ (بے پروائی برتنے والے سے مراد عتبہ ہے)

و اما من جاءک یسعٰی ○ لا وھو یخشٰی ○ لا (عبس-۸-۹)

اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے (اس سے ابن ام مکتوم کی طرف اشارہ ہے)

(۳۱۳) یونس نے مسعر بن کدام سے اور اس نے اشعث بن ابی شعثا کی وساطت سے بنی کنانہ کے ایک آدمی کی روایت نقل کی۔ راوی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

یا ایھا الناس، قولوا لا الٰہ الا اللہ، تفلحوا۔

اے لوگو! یہ کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

باب ۳۱

اہلِ عرب کو رسول اللہؐ کی تبلیغِ عام

(۳۱۴) قبائل عرب کو دعوت

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح قبائل عرب کو اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کی۔ آنحضرتؐ مختلف قبائل کے پاس بنفسِ نفیس تشریف لے جاتے اور جو ہدایت اور رحمت اللہ کی طرف سے آپؐ کے پاس آتی اسے لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔

(۳۱۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے زہری نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی کندہ کی فرودگاہوں میں کچھ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے ان میں ان کا سردار فلیح نامی بھی تھا۔ آنحضرتؐ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت دی۔ انہوں نے اسے بُرا جانا اور اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔

پھر آپؐ بنی کلب کے ایک خانوادہ کے پاس تشریف لے گئے جنہیں بنی عبداللہ کہا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ نے انہیں فرمایا: "اے بنی عبداللہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو اچھا نام دیا ہے۔" لیکن انہوں نے بھی اسلام کی دعوت کو قبول نہ کیا اور آپؐ سے روگردانی کی۔

(۳۱۶) طارق بن عبداللہ المحاربی کا واقعہ

یونس نے یزید بن زیاد کی وساطت سے ابوالجعدی سے اور اس نے سامع بن شداد کے حوالہ سے طارق کی روایت نقل کی۔ طارق نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ دیکھا، ایک دفعہ میں نے آپؐ کو ذی المجاز کے میلے میں دیکھا جبکہ میں خرید و فروخت کے سلسلہ میں وہاں گیا ہوا تھا، آنحضرتؐ ہمارے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے ایک سُرخ دوشالہ پہن رکھا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: "اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، تم فلاح پاؤ گے۔" ایک دُوسرا شخص آپؐ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور آپؐ کو پتھر مارتا جاتا تھا، یہاں تک کہ آپؐ کی ایڑیاں خُون آلود ہوگئیں، وُہ کہتا جاتا تھا: "اے لوگو! اس کی بات نہ مانو، یہ جھُوٹا ہے۔" راوی کا

بیان ہے میں نے لوگوں سے پُوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: "یہ عبدالمطلب کے خانوادہ سے ہے۔" میں نے پھر پُوچھا کہ یہ دُوسرا شخص جو اسے پتھر مار رہا ہے وہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: "یہ اس کا چچا عبدالعزیٰ ابو لہب بن عبدالمطلب ہے۔"

راوی نے دُوسرا واقعہ یہ بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا تو ہم ربذہ سے نکلے۔ ہمارے ساتھ ایک پالکی بھی تھی۔ ہم نے مدینہ کے نواح میں پڑاؤ کیا اور رات ایک پرانے راستے پر گزاری۔ میرے پاس ایک آدمی آیا جس نے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں سلام کیا اور پُوچھا: "تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟" میں نے جواب دیا "ربذہ سے، اور ہمارے پاس ایک سُرخ اونٹ بھی ہے۔" اس آدمی نے کہا: "کیا تم اونٹ بیچنا چاہتے ہو؟" ہم نے کہا: "ہاں۔" اس نے قیمت دریافت کی۔ ہم نے کہا: "اتنے صاع کھجور۔" اس شخص نے کوئی تقاضا نہ کیا بلکہ کہا کہ مجھے منظور ہے چنانچہ اس نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اسے لے گیا اور مدینہ کی آبادی میں لے گیا۔ ہم میں سے بعض نے بعض سے پوچھا "کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو؟" ہم میں سے کوئی بھی اس شخص کو پہچانتا نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ تم لوگوں نے ایسے شخص کو اونٹ دے دیا ہے جس سے تمہاری کوئی آشنائی نہیں ہے۔ لیکن ہماری ہودج نشین خاتون نے کہا: "ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو۔ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا ہے وہ تم سے دھوکا نہیں کرے گا۔ میں نے چودھویں رات کے چاند سے مشابہ اس شخص کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا چہرہ نہیں دیکھا۔" سرِ شام ایک شخص ہمارے پاس آیا اور "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہنے کے بعد پُوچھا: "کیا تم لوگ ربذہ سے آئے ہو؟" ہم نے کہا: "ہاں۔" اس شخص نے کہا: "میں تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کی حیثیت سے آیا ہُوں آپؐ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ ان کھجوروں میں سے سیر ہو کر کھاؤ اور پھر ان کھجوروں میں سے ماپ کر اپنے اُونٹ کی پوری پُوری قیمت لے لو۔" چنانچہ ہم نے سیر ہو کر کھجوریں تناول کیں اور اس کے بعد ماپ کر اونٹ کی قیمت کی کھجوریں بھی وصول کر لیں۔ پھر اگلی صبح کو ہم مدینہ میں آئے اور ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: "عطا کرنے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے، بخشش اور داد و دہش کی ابتدا اپنے رشتہ داروں سے کرو، یعنی ماں باپ، بہن بھائی اور ان کے بعد دیگر قرابت دار اور نزدیکی۔" وہاں انصار میں سے ایک آدمی تھا، اس نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! یہ بنو ثعلبہ بن یربوع ہیں جنھوں نے دورِ جاہلیت میں فلاں کو قتل کر دیا تھا۔ اس لیے ہمیں ان سے بدلہ دلوائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپؐ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آنحضرتؐ نے فرمایا: "ماں کے قصور کا مواخذہ بیٹے سے نہ ہوگا، ماں کے قصور کا مواخذہ بیٹے سے نہ ہوگا۔"

(۳۱۷) ابُوطالب کا مطالبہ اور ابوبکرؓ کا جواب

یونس نے یزید بن عمرو کے حوالہ سے سعید بن احمد ثوری کی روایت نقل کی۔ راوی نے کہا، جناب ابوطالب نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا اور مطالبہ کیا کہ مجھے اپنی جنّت کے انگوروں میں سے کھلائیے ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہُوئے تھے۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے جنّت کے پھل کافروں پر حرام کر دئیے ہیں۔"

(۳۱۸) یونس نے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ جب ابُوسفیان نے خفاف بن ایما بن رحضہ کے اسلام کا سنا تو کہا: "آج رات بنی کنانہ کا سردار بے دین ہوگیا ہے۔"

(۳۱۹) کفّار کی زیادتیوں کے باوجود نبیؐ کا حلم

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے یعقوب بن عتبہ نے سالم بن عبداللہ بن عمر کی یہ روایت بیان کی کہ مکہ میں قریش کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا "اے محمدؐ! کیا مجھے یہ خبر نہیں پہنچی کہ تم گالی گلوچ ——— یعنی عربوں کو بُرا بھلا کہنے سے منع کرتے ہو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں۔" اس شخص نے پہلو بدلا اور آپؐ کے مُنہ کے سامنے اپنی دُبر کو ننگا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت بھیجی اور اس کے لیے بددُعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ آیت نازل فرمائی:

لیس لك من الامر شیٔ او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون ۝ (آل عمران - ۱۲۸)	(اے پیغمبر!) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انھیں معاف کرے چاہے سزا دے، کیونکہ وُہ ظالم ہیں۔

چنانچہ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور اسلام کے تقاضے بطریقِ احسن پُورے کیے۔

(۳۲۰) کفّار کی حضرت فاطمہؓ بنت النبیؐ کو ایذا رسانی

یونس نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے اپنے باپ کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت فاطمہؓ دخترِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت باہر نکلیں تو ایک قریشی لڑکے نے آپؓ کو زخمی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے آلِ عبدشمس کو پکارا۔ چنانچہ ابُوسفیان نکل آیا اور دُوسری جانب سے ابوجہل بھی آگیا۔ ابوجہل نے کہا: "اے اباسفیان! یہ میرا ہاتھ آپ کے اختیار میں ہے آپ مجھ سے بدلہ لے لیں۔" یہ سُن کر ابوسفیان واپس چلا گیا۔

(۳۲۱) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ اس سے "زنیم" کے متعلق سوال کیا گیا اس نے کہا: زنیم وُہ شخص ہے جو لوگوں میں اپنے شر کی وجہ سے مشہور و معروف ہو اور وہ اخنس بن شریق ثقفی ہے جس کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہُوئی:

عتلّ بعد ذالك زنیم ۝ (القلم - ۱۳)	جفاکار ہے، اور ان سب عیوب کے ساتھ اپنے شر کی وجہ سے مشہور ہے۔

(۳۲۲) نبیؐ اور آپؐ کے رضاعی باپ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے بنی سعد بن بکر کے کچھ آدمیوں کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ آنحضرتؐ کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہُوا۔ قریش نے اس کے پاس جاکر اسے کہا: "اے حارث! کیا تُو نے نہیں سُنا کہ تیرا یہ بیٹا کیا کہتا ہے!" حارث نے پُوچھا: "وہ کیا کہتا ہے؟" قریش نے کہا: اس کا یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے گا اور اس جہان کے بعد ایک اور جہان بھی ہے جہاں اللہ تعالیٰ بدکرداروں کو عذاب دے گا اور فرمانبرداروں کو عزت و اکرام سے نوازے گا۔ اس کی وجہ سے ہم تشتت و افتراق کا شکار ہو گئے ہیں اور ہماری جمعیت پراگندہ ہو گئی ہے۔" حارث آپؐ کے پاس آیا اور کہا: "بیٹے! آپؐ کا اپنی قوم کے ساتھ کیا اختلاف ہے وہ لوگ آپؐ کی شکایت کرتے ہیں۔ وُہ گمان کرتے ہیں کہ آپؐ اس بات کے مدعی ہیں کہ لوگوں کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا اور انہیں جنت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں، میں اس بات کا مدعی ہُوں، اور اے میرے باپ! اس دن میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو آج کی یہ باتیں یاد دلاؤں گا۔" حارثؓ اس کے بعد مسلمان ہو گئے اور اسلام کے تقاضے احسن طریق سے پُورے کیے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو وہ یہ کہتے تھے: "اگر میرے بیٹے نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آج کی یہ باتیں یاد دلائیں تو اِن شاء اللہ وُہ مجھے جنت میں داخل کرا کر چھوڑیں گے۔"

(۳۲۳) مکہ میں حضرت ابوبکرؓ کی اپنے گھر میں مسجد

احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے زہری نے عروہ کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی۔ ام المومنینؓ نے فرمایا: "حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے سامنے کھُلے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی، جب آپ اس مسجد میں نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے تو بہت زیادہ روتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی اس رقت کی وجہ سے عورتیں، بچے اور غلام اکٹھے ہو جاتے تھے اور بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے۔

جب مکہ میں مسلمان کفار کی ایذا و تعدی کا شکار ہُوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت مرحمت فرما دی۔ چنانچہ وہ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور دو دن کی راہ گئے تھے کہ ابن الدغنہ ان کو ملا۔ یہ شخص بنی حارث بن عبد مناۃ بن کنانہ سے تھا اور احابیش کا سردار تھا۔ اس نے آپ کو کہا: "اے ابوبکرؓ! کہاں کا ارادہ ہے؟" ابوبکرؓ نے فرمایا: "میری قوم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے اور شہر بدر کر دیا ہے، میں کسی ایسی جگہ چلا جانا چاہتا ہُوں جہاں میں ان کی

ایذا رسانی سے بچ جاؤں اور مجھے امن حاصل ہو جائے۔" اس نے کہا: "ایسا نہیں ہو سکتا۔ بخدا! تم تو قبیلے کی زینت ہو، تکالیف میں لوگوں کی اعانت کرتے ہو اور ان کے ساتھ نیکی کرتے ہو، ناداروں کو کما کر دیتے ہو، واپس چلو، میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔" ابوبکرؓ واپس چلے آئے۔ جب مکّہ پہنچے تو ابن الدغنہ نے اعلان کیا کہ اسے گروہِ قریش! میں نے ابوقحافہ کے بیٹے کو پناہ دی ہے اب کوئی شخص انہیں ایذا نہ پہنچائے۔ چونکہ احابیش کا اہلِ مکّہ کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ تھا اس لیے جب احابیش کے سردار نے حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دے دی تو یہ پناہ بالواسطہ قریشِ مکّہ کی طرف سے تھی۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ دست درازی کرنے سے باز آگیا۔

ابوبکرؓ مکّہ میں اپنے گھر کی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور ان کی نماز میں تلاوت قرآن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اس لیے قریش کے لوگ ابن الدغنہ کے پاس گئے اور اسے کہا: "اے ابن الدغنہ! جس شخص کو تم نے پناہ دے رکھی ہے اس کا حال دوسروں سے مختلف ہے وہ جب اس کلام کی تلاوت کرتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں تو وہ رونے لگتا ہے اور اس میں ایسی کشش اور تاثیر ہے کہ ہمارے کمزور لوگ اور عورتیں اور خادم اس کے گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں، اس لیے تم اسے حکم دو کہ وہ اس طرح تلاوت کرنے سے ہمیں اذیت نہ پہنچائے اور اس جگہ کے علاوہ اپنے گھر کے اندر کسی دوسری جگہ نماز پڑھا کرے۔" ابن الدغنہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور انہیں کہا: "اے ابوبکرؓ! میں نے تمہیں اس لیے پناہ دی تھی کہ تم اپنی قوم کو ایذا پہنچاؤ! اس جگہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھا کرو۔" ابوبکرؓ نے فرمایا: "یا اس کے سوا کوئی اور متبادل تلاش کر لیا جائے!" ابن الدغنہ نے کہا: "وہ متبادل تجویز کیا ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "وہ تجویز یہ ہے کہ میں تمہارا ذمّہ واپس کر دوں اور اللہ کے ذمّے پر راضی ہو جاؤں۔" ابن الدغنہ نے کہا: "ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "اچھا، میں نے تمہاری پناہ تمہیں واپس کر دی۔" ابن الدغنہ نے کہا: "اے گروہِ قریش! ابوبکرؓ نے میری پناہ مجھے واپس کر دی ہے اب تم جانو اور تمہارا ساتھی (ابوبکرؓ) جانے۔"

باب ۲۲

سیّد ابوُطالب کی وفات

(۳۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عاصی بن سعید (سعید بن عاصی، عاصی بن وائل) اور امیہ بن خلف نے کہا: "اے گروہِ قریش! معاملہ بڑھتا جارہا ہے۔ ابوطالب صاحب الرائے، شریف اور سن رسیدہ بزرگ ہیں، وہ تمہارے دین پر ہیں اور آج شدید بیمار ہیں، چلو ان کے پاس چلیں اور ان سے برابری کی بنیاد پر بات کریں تاکہ وُہ اپنے بھتیجے سے ہمیں عہد لے دیں اور ان کے لیے ہم سے عہد لے لیں۔ بیشک عمرؓ بن خطاب اور حمزہؓ بن عبدالمطلب تم سے کٹ چکے ہیں اور تمہارے دین کے مخالف بن چکے ہیں۔ چنانچہ اب تمہاری لڑائی اپنی قوم کے ساتھ ہوگی۔"

چنانچہ یہ لوگ نکل کھڑے ہُوئے اور جناب ابوطالب کے پاس جاکر انہیں کہا: "آپ ہمارے سردار ہیں۔ ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان بیوقوفوں نے آپ کے بھتیجے کے ساتھ مل کر کیا کرتوت شروع کررکھی ہے۔ انہوں نے ہمارے معبودوں کو چھوڑدیا ہے، ہمارے دین میں طعنہ زنی کی ہے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے درمیان تفرقہ پیدا کردیا ہے۔ ہمارے معبودوں کا انکار کیا ہے اور ہمارے آباؤاجداد کو گالیاں دی ہیں۔ آپ اپنے بھتیجے کو بلائیں اور ہمارے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کردیں۔" جناب ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ آنحضرتؐ تشریف لے آئے۔ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "یہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں۔ عمر رسیدہ اور اشراف ہیں۔ وہ آپؐ سے ایک انصاف کی بات کرنا چاہتے ہیں، آپؐ انہیں بالکل ہی نظرانداز نہ کردیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے مخاطب ہوکر فرمایا: "آپ لوگ اپنا موقف پیش کریں میں آپ کی بات سُنوں گا۔" ابوجہل بن ہشام نے کہا: "ہم آپ کے متعلق کوئی بات نہیں کریں گے۔ آپؐ ہمیں اور ہمارے معبودوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور ہم آپؐ کو اور آپؐ کے رب کو چھوڑے دیتے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہاری مشکل آسان کیے دیتا ہُوں اور تمہیں ایک ایسے کلمے کی طرف بلاتا ہُوں جس میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے۔ اس کے ذریعہ سے تم عرب کے فرمانروا بن جاؤ گے اور عجم تمہارے زیرِنگین آجائے گا۔" ابوجہل نے مذاق کے انداز میں کہا: "ہمیں نرالے آدمی سے پالا پڑگیا ہے۔" اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یُوں مخاطب ہوا: "ہم نے آپؐ کے سامنے ایک تجویز پیش کی ہے اور ہم ایسی دس تجاویز پیش کرسکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: "اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وُہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔"
انھوں نے آپؐ کی بات کو ناپسند کیا اور یہ کہتے ہوئے نکل گئے :

امشوا واصبروا علیٰ اٰلھتکم ج ان ھٰذا لشیئ یراد ج ماسمعنا بھذا فی الملۃ الاٰخرۃ ج ان ھذا الا اختلاق ج ءانزل علیہ الذکر من بیننا ط بل ھم فی شك من ذکری ج بل لما یذوقوا عذاب ط (صٓ - ۶ - ۸)

چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر۔ یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے۔ یہ بات ہم نے زمانہ قریب کی ملت میں کسی سے نہیں سُنی۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک من گھڑت بات۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص رہ گیا تھا جس پر اللہ کا ذکر نازل کر دیا گیا؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ میرے "ذکر" پر شک کر رہے ہیں اور یہ ساری باتیں اس لیے کر رہے ہیں کہ انہوں نے میرے عذاب کا مزا چکھا نہیں۔

سردارانِ قریش ابو طالب کے پاس اس وقت گئے تھے جب حضرت عمرؓ کے ایمان لانے پر وہ بوکھلا گئے تھے اور حضرت عمرؓ کی باتیں سن چکے تھے۔

(۲۲۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف سے حق کی تکذیب دیکھی تو فرمایا: "میں نے اپنی قوم کو ایک بات کی دعوت دی اور میں نے بات کرنے میں حد سے تجاوز نہیں کیا۔" آپؐ کے چچا نے کہا: "ہاں، آپؐ نے زیادتی نہیں کی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کی یہ بات بھلی معلوم ہوئی اور آپؐ نے فرمایا: "چچا جان! آپ نے مجھ پر احسان کیے ہیں اور آپ میرے ساتھ ہمیشہ حُسنِ سلوک سے پیش آتے رہے ہیں۔ آج میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے کہ میں آپ کے احسانات کا بدلہ چکا سکوں ماسوائے اس بات کے کہ میں آپ سے ایک کلمہ کا طالب ہوں جس کے ذریعہ سے مجھے اپنے رب کے ہاں آپ کی شفاعت کرنے کا جواز حاصل ہو جائے گا وہ کلمہ یہ ہے کہ آپ اس بات کا اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وُہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کی وجہ سے آپ کو مرتے وقت بزرگی حاصل ہو جائے گی اب آپ دنیا سے رحلت فرما رہے ہیں اس کلمہ کی برکت سے آپ کو آخرت میں اعلیٰ مقام حاصل ہوگا۔" آپؐ کے چچا نے کہا: "اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ قریش کہیں گے کہ مجھ پر موت نے گھبراہٹ طاری کر دی تھی اور وہ اس بارے میں آپؐ پر اور آپؐ کے بھائیوں پر ذلت آمیز طعنہ زنی کریں گے تو میں وُہ کلمہ ضرور کہہ دیتا جس کی تلقین آپؐ مجھے کر رہے ہیں اور اس طرح میں آپؐ کی آنکھوں کو ٹھنڈک مہیا کرتا کیونکہ میں آپؐ کی طرف سے خیر خواہی اور محبت بھرے جذبات کا مشاہدہ کر رہا ہُوں۔"

پھر جناب ابو طالب نے بنی عبدالمطلب کو بلایا اور وصیت کی کہ "تم ہمیشہ بخیریت رہو گے جب تک کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سُنتے رہو گے اور آپؐ کے حکم کا اتباع کرتے رہو گے، لہٰذا آپؐ کی پیروی اختیار کرو اور آپؐ کی تصدیق کرو اور اس طرح تمھیں ہدایت نصیب ہوگی۔" اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا سے فرمایا: "آپ ان لوگوں کو تو نصیحت فرما رہے ہیں لیکن خود اپنے آپ کو کیوں چھوڑے دے رہے ہیں؟" چچا نے جواب دیا: "اگر آپ

اس کلمہ کا مطالبہ مجھ سے اس وقت کرتے جب میں صحت مند تھا تو میں آپؐ کی بات مان جاتا[1] مگر میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ موت کی گھبراہٹ سے اکھڑ جانے والا قرار دیا جاؤں اور قریش میرے متعلق یہ رائے قائم کریں کہ میں نے موت کے وقت اس کلمہ کو اختیار کر لیا حالانکہ تندرستی کی حالت میں میں نے اسے رد کر دیا تھا۔" اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں یہ آیت نازل فرمائی:

انك لا تهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشآء وهو اعلم بالمهتدين ○ (القصص - ۵۶)

(اے نبیؐ!) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

(۳۲۶) یونس نے یحییٰ بن ابی انیسہ کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے سعید بن مسیّب کی وساطت سے اس کے باپ، کی یہ روایت بیان کی کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا: "چچا جان! کہہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ میں اللہ کے ہاں اس کلمہ کے بارے میں آپ کے حق میں گواہی دوں گا۔" ابوجہل نے کہا: "بخدا! اے ابوطالب! کیا آپ عبدالمطلب کے طریقے سے انحراف کریں گے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس کلمہ کو دہراتے رہے اور ابوجہل اپنی بات دہراتا رہا، یہاں تک کہ آخری بات جو ابوطالب نے آپؐ سے کہی وہ یہ تھی: "عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔ عبدالمطلب کے طریق پر۔" اور انہوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکار کر دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بخدا! میں آپ کے لیے معافی ضرور چاہوں گا جب تک کہ مجھے ایسی دعا کرنے سے روک نہ دیا جائے۔" اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

ماكان للنبی والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين ولوكان اولی قربٰی من بعد ما تبين لهم انهم اصحٰب الجحيم ○ (التوبہ - ۱۱۳)

نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

انك لا تهدی من احببت ولكن الله يهدی من يشآء وهو اعلم بالمهتدين ○ (القصص - ۵۶)

(اے نبیؐ!) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

---

[1] نبیؐ نے اپنے قرابتداروں کو کھانے پر بلا کر اس کلمہ کی دعوت دی تھی اور آنحضرتؐ مدت العمر اس کی دعوت دیتے رہے اس لیے جناب ابوطالب کے جواب کا یہ حصہ محلِ نظر ہے۔ مترجم

(۳۲۷) یونس نے قیس بن ربیع کے حوالہ سے حبیب بن ابی ثابت کی روایت نقل کی۔ حبیب نے کہا، مجھ سے اس شخص نے یہ روایت بیان کی جس نے اسے ابن عباسؓ سے سنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول:

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ۔ وہ اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں۔

(الانعام۔ ۲۶)

کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ ابوطالب کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جناب ابوطالب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے لوگوں کو روکتے تھے اور خود بھی اس ہدایت سے دور بھاگتے تھے جو آنحضرتؐ ان کے پاس لے کر آئے تھے۔

(۳۲۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے عباس بن عبداللہ بن معبد نے اپنے کسی اہلِ خانہ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابوطالب کی آخری بیماری میں ان کے پاس تشریف لائے تو فرمایا: "چچا جان! کہو لآ الٰہ الا اللہ۔ اس طرح مجھے قیامت کے دن آپ کی شفاعت کرنے کا جواز حاصل ہو جائے گا۔" ابوطالب نے کہا: "بخدا! اے بھتیجے! اگر تم پر، تمہارے اہل بیت پر قریش کی طعنہ زنی اور اس زبان درازی کا خوف نہ ہوتا کہ میں نے موت سے گھبرا کر یہ کلمہ پڑھا ہے تو میں اس کلمے کا ضرور اقرار کرتا اور میں تم سے یہ بات بھی صرف تمہاری خوشنودی کے لیے کہہ رہا ہوں۔" جب ابوطالب کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو دیکھا گیا کہ ان کے ہونٹ متحرک ہیں۔ حضرت عباسؓ ان کی طرف جھکے تاکہ ان کی آواز کو سن سکیں۔ پھر حضرت عباسؓ نے اپنا سر اٹھایا اور کہا: "یا رسولؐ اللہ! بخدا! انہوں نے وہ کلمہ کہا ہے جس کے کہنے کا آپؐ نے ان سے مطالبہ کیا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَمْ اَسْمَعْ۔ میں نے نہیں سنا۔"

(۳۲۹) یونس نے سنان بن اسماعیل حنفی کے حوالہ سے یزید رقاشی کی روایت نقل کی۔ یزید رقاشی نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: "یا رسولؐ اللہ! آپؐ کے چچا آپؐ پر مہربان تھے اور دشمنوں کے مقابلہ میں آپؐ کی حمایت و حفاظت کرتے تھے۔ آخرت میں ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ دوزخ کے پایاب حصے میں ہوں گے۔" آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ کیا دوزخ میں پایاب اور گہرے ہر طرح کے درجات ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں، دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب جس شخص کو دیا جائے گا اس کو آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے لیکن یہ آگ بھی اس قدر بھڑکے گی کہ اس سے اس کا دماغ کھولنے لگے گا اور پگھل کر بازوؤں اور ٹانگوں تک بہنے لگے گا۔ سنان کے بقول اسے یہ خبر پہنچی کہ اس امر کی منادی کرا دی گئی تھی کہ کسی کو آگ کا عذاب نہ دیا جائے اور اس ہدایت کی پوری پابندی کی جائے کیونکہ آگ میں وہ شدت ہے جو ہے۔

(۳۳۰) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے اپنے باپ سے اور اس نے ناجیہ بن کعب کی وساطت سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: جب ابوطالب فوت ہو گئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: "بیشک آپؐ کے کافر چچا ابو طالب فوت ہو چکے ہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جاؤ اور انھیں دفن کرو"۔ میں نے کہا: "بخدا! میں انہیں دفن نہیں کروں گا۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اگر تم یہ کام نہیں کروگے تو کون کرے گا؟ جاؤ انہیں دفن کرو اور میرے پاس واپس آنے تک کوئی بات نہ کرو"۔ چنانچہ میں چلا گیا اور انھیں دفن کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جاؤ اور غسل کرکے میرے پاس آؤ"۔ میں نے تعمیلِ ارشاد کی اور پھر آنحضرتؐ کے پاس آ گیا۔ جب میں حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھے ایسی دعائیں دیں کہ میں ان کے بدلہ میں اس کائناتِ ارضی کی جملہ اشیاء کو پرِکاہ کے برابر نہیں سمجھتا۔

(۲۳۱) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اپنے باپ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب ابو طالب بسترِ مرگ پر تھے تو قریش میرے لیے مسلسل رکاوٹ بنے رہے تاکہ میں انہیں تلقین کر سکوں یہاں تک کہ ابو طالب فوت ہو گئے"۔

(۲۳۲) مرثیہ

احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ جب ابوطالب فوت ہو گئے تو حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ان کا یہ مرثیہ لکھا:

ارقت لنوح آخر اللیل غردا اباطالب ماوی الصعالیك ذاالندی	میں نے آخرِ شب کا انتخاب کیا تاکہ شدت سے نوحہ کرتے ہوئے جناب ابوطالب پر آنسو بہاؤں جو فقیروں اور محتاجوں کا ملجا و ماویٰ اور سخی تھے۔
وذا الحلم لاجلفا ولم یك قعددا لشیخی ینعی والرئیس المسودا	وہ حلیم الطبع تھے اور اکھڑ مزاج نہ تھے اور میرے شیخ و رئیس جنہیں قوم نے سردار بنایا ہوا تھا ان کی موت کی خبر دینے والا بھی کمینہ نہ تھا۔
اخا الهلك خلا ثلمه سیشدها بنوهاشم اوتستباح وتضهدا	وہ لقمۂ اجل ہو گئے لیکن ان کی موت سے قبیلہ میں کوئی کمزوری واقع نہیں ہوئی۔ بنی ہاشم اس خلا کو بھر دیں گے خواہ ان کے خلاف اقدام کیا جائے یا ان پر ظلم روا رکھا جائے۔
فامست قریش یفرحون لفقده ولست اری حیا لشئ مخلدا	قریش ان کی موت سے خوش و خرم ہیں حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ اس دنیا میں کسی جاندار کو بھی ہمیشگی حاصل نہیں ہے۔
ارادوا امورا زینتها حلومهم ستوردهم یوما من الغی موردا	انہوں نے ایسے منصوبے بنائے جنہیں ان کی عقلوں نے ان کے سامنے خوشنما کرکے پیش کیا اور یہ ہتھکنڈے انہیں ایک نہ ایک دن انتہائی گمراہی میں ڈال دیں گے۔
یرجون تکذیب النبی وقتله وان یفتروا بهتا علیه وجحدا	انہوں نے نبیؐ کے خلاف تکذیب و انکار اور افترا پردازی و بہتان طرازی کی روش اختیار کی اور وہ آنحضرتؐ کے قتل کے درپے ہیں۔

کذبتم و بیت اللہ حتی نذیقکم صدور العوالی والصفیح المھندا	تم نے جھٹلایا۔ بیت اللہ کی قسم! ہم تمہیں نیزوں کی انیوں اور چوڑی اور تیز تلواروں کی مار کا مزہ چکھائیں گے۔
ویبدوا منظر ذو کریھۃ اذا ما سربلنا الحدید المسردا	جب ہم لوہے کی زرہیں پہنیں گے تو ایسی معرکہ آرائی کریں گے کہ مکروہ مناظر دیکھنے میں آئیں گے۔
فاما تبیدونا واما نبیدکم واما تروا سلم العشیرۃ ارشدا	پھر تم ہمیں ختم کر دو یا ہم تمہیں نیست و نابود کر دیں یا تم قبیلے کی بھلائی چاہو اور راہِ راست پر آ جاؤ۔
والافان الحی دون محمد بنوھاشم خیر البریہ محتدا	ورنہ قبیلہ بنی ہاشم جو بہترین خلائق ہے اور ایک جمع شدہ لشکر ہے اور وہ حضرت محمدؐ کی حمایت میں جنگ آزمائی کرتا رہے گا۔
وان لہ منکم من اللہ ناصرا ولست اری حیالشیٔ مخلدا	بیشک تمہارے مقابلہ میں اللہ کی طرف سے آنحضرتؐ کی امداد کرنے والی ایک ہستی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اس دنیا میں کسی جاندار کو بھی ہمیشگی حاصل نہیں ہے۔
نبی اتانا بالوحی من کل حطۃ فسماہ ربی فی الکتاب محمدا	وہ نبی ہیں جو ہمارے پاس وحی لے کر آئے ہیں جس میں ہماری مغفرت کا سامان ہے۔ میرے پروردگار نے اپنی کتاب میں آپؐ کو محمدؐ کے نام نامی سے موسوم کیا ہے۔
اغر کضوء الشمس صورۃ وجھہ جلاء الغیم عنہ ضوؤہ فتعددا	آپؐ کے چہرے کی صورت سورج کی روشنی کی مانند چمک دمک دکھا رہی ہے آپؐ کی روشنی ترقی پذیر ہے جس سے تاریکی کافور ہو رہی ہے۔
امین علیٰ ما استودع اللہ قلبہ وان قال قولا کان فیہ مسددا	اللہ تعالیٰ نے جو پیغام آپؐ کے قلب مبارک کو ودیعت فرمایا آپؐ اس کے امین ہیں اور آنحضرتؐ کی ہر بات راستی و درستی اور سلامت روی پر مبنی ہے۔

حصّہ پنجم

باب ۳۳

وفاتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد

(۳۲۹ - الف) شیخ ابوالحسین احمد بن محمد بن نقور البزار نے ابوطاہر محمد بن عبدالرحمان المخلص کی وساطت سے ابوالحسین رضوان بن احمد کی روایت نقل کی۔ ابوالحسین رضوان نے کہا کہ ابوعمر احمد بن عبدالجبار عطاردی نے یونس بن بکیر کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر خدیجہؓ بنت خویلد اور جناب ابوطالب ایک ہی سال میں وفات پا گئے۔ حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کے انتقال کے صدمے آنحضرتؐ کو بہت جلدی پے درپے برداشت کرنے پڑے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام کے معاملہ میں آپؐ کی حقیقی مددگار اور تکالیف میں آپؐ کی غمگسار رہیں۔

(۳۳۰ - الف) جنّت میں خدیجہؓ کا گھر

یونس نے فائد بن عبدالرحمان عبدی کے حوالہ سے عبداللہ بن ابی اوفی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس اللہ کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے خدیجہؓ کے بارے میں یہ بشارت دی کہ ان کے لیے جنّت میں ایک جوفدار موتی کا محل ہوگا۔ اس محل میں نہ تو شور و شغب ہوگا اور نہ رنج و افسردگی۔

(۳۳۱ - الف) حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ

یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے مجھ کو جس قدر رشک حضرت خدیجہؓ پر ہوتا تھا اتنا کسی دوسری بیوی پر نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔ ان کی وفات کے تین سال بعد آنحضرتؐ نے مجھ سے نکاح کیا۔ آنحضرتؐ کے پروردگار نے آپؐ کو حکم دیا تھا کہ آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے جنّت میں ایک جوفدار موتی کا محل ہوگا جس میں نہ تو شور و غل ہوگا اور نہ رنج و افسردگی۔

(۲۳۲ - الف) حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ساتھ نبیؐ کا حُسنِ سلوک

یونس نے عبدالواحد بن ایمن مخزومی کے حوالہ سے ابو نجیح ابو عبداللہ بن ابو نجیح کی روایت نقل کی۔ ابو نجیح نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مذبوحہ بکری یا گوشت بطور ہدیہ پیش کیا گیا آپؐ نے اس میں سے ایک ہڈی لے لی اور اس ہدیہ کو اپنے دستِ مبارک میں لے کر فرمایا کہ اسے فلاں عورت کے پاس لے جاؤ۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے کہا "آپؐ نے اپنے ہاتھ میں گوشت کی بساند اور چکنائی کیوں لگالی ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس عورت کے بارے میں خدیجہؓ نے وصیت کی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر غیرت آئی اور کہا: "گویا کہ رُوئے زمین پر خدیجہؓ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں ہے!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں اُٹھ کر چلے گئے اور جب تک اللہ نے چاہا اسی حالت میں رہے پھر واپس تشریف لانے تو دیکھا کہ ام رومانؓ (حضرت عائشہؓ کی والدہ) آئی ہوئی ہے۔ ام رومانؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپؐ کا اور عائشہؓ کا کیا معاملہ ہے؟ وہ ابھی کم سن ہے اور آپؐ اسے معاف فرما دینے کے زیادہ حقدار ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے جبڑے کو پکڑا اور کہا: "کیا تم نے یہ نہیں کہا کہ گویا خدیجہؓ کے سوا رُوئے زمین پر کوئی دیگر عورت ہی نہیں ہے؟ بخدا! وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب تمہاری قوم نے کفر کی روش اختیار کی اور اس کے بطن سے میرے ہاں اولاد ہوئی جو کسی دوسری بیوی سے نہیں ہوئی۔"

(۲۳۳) دُنیا و آخرت کی برگزیدہ عورتیں

یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے اس کے باپ عروہ سے اور عروہ نے عبداللہ بن جعفر کے حوالہ سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ زمانۂ قدیم کی تمام عورتوں پر مریمؑ بنت عمران کو فضیلت حاصل ہے اور دورِ جدید کی تمام عورتوں سے افضل خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔

(۲۳۴) یونس نے حسن بن دینار کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان چار عورتوں کو دُنیا کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے:

(۱) مریمؑ بنتِ عمران

(۲) آسیہ زوجہ فرعون

(۳) خدیجہؓ بنتِ خویلد اور

(۴) فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲۳۵) یونس نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں جملہ معلومات حرف بحرف ابنِ اسحاق کی روایت کے مطابق ہیں۔

(۲۳۶) حضرت خدیجہؓ کی اولاد

یونس نے ابنِ اسحاق سے یہ روایت نقل کی کہ سب سے پہلی خاتون جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا وہ خدیجہؓ بنتِ خویلد بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے قبل جب حضرت خدیجہؓ باکرہ تھیں تو ان کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوا اور ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی پھر عتیق فوت ہوگیا۔ اس کے بعد بنی عمرو بن تمیم کے ایک شخص نے (جو بنی عبد الدار کا حلیف تھا) جس کا نام ابو ہالہ نباش بن زرارہ تھا حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا۔ اس کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ پھر وہ بھی فوت ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کو اپنی زوجیت سے نوازا۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آپؐ کے ہاں چار بیٹیاں ——— زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں، ان کے بعد یہ صاحبزادے ——— قاسم اور طاہر اور طیّب پیدا ہوئے۔ سب صاحبزادے شیر خوارگی میں فوت ہوئے۔

(۲۳۷) یونس نے ابراہیم بن عثمان بن حکم سے اور اس نے مقسم کی وساطت سے ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے دو صاحبزادے ——— قاسم اور عبد اللہ[1] اور چار صاحبزادیاں ——— فاطمہؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ اور رقیہؓ پیدا ہوئیں۔

(۲۳۸) یونس نے ابی عبد اللہ جعفی سے اور اس نے جابر کے حوالہ سے محمد بن علی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے "قاسم" چوپائے کی سواری اور اچھی نسل کی اونٹنی پر سیر کرنے کے قابل ہو چکے تھے جب وہ اللہ کو پیارے ہوگئے تو عمرو بن عاصی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل ختم ہو چکی ہے، اب وہ ابتر ہیں، اس پر اللہ عزّ وجل نے یہ آیات نازل فرمائیں:

انا اعطینٰك الکوثر ۝ فصل لربك وانحر ۝ انّ شانئك ھو الابتر ۝

(الکوثر۔ ۱ - ۳)

(اے نبیؐ!) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا (یعنی قاسم کی وفات کی مصیبت کے عوض ہم نے تمہیں خیر اور بھلائی اور نعمتوں کی کثرت عطا کر دی ہے) پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

(۲۳۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت رقیہؓ سے نکاح کیا۔ جب حضرت رقیہؓ فوت ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کا نکاح حضرت ام کلثومؓ سے کر دیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ہاں حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ تھا۔ یہ لڑکا صغر سنی میں

---

[1] نبیؐ کے صاحبزادگان کا نام قاسمؓ اور عبد اللہؓ ہے۔ طاہر اور طیب حضرت عبد اللہؓ کے القاب ہیں۔

شیر خوارگی کے عالم میں فوت ہوگیا اور عبداللہ ہی کے نام سے حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

(۳۴۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت زینبؓ کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے ہوا۔ ان کے صلب سے حضرت زینبؓ کی دو اولادیں پیدا ہوئیں —— ایک دختر "امامہ" اور ایک فرزند "علی"۔ علی لڑکپن میں فوت ہوگئے۔ امامہ باقی رہ گئیں۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کا عقدِ ثانی حضرت امامہؓ سے ہوا۔ حضرت علیؓ کے قتل کے بعد یہ مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب کی زوجیت میں آگئیں اور حضرت امامہؓ کا انتقال مغیرہ کے ہاں ہی ہوا۔

باب ۳۴

حضرت فاطمہؓ کا نکاح

(۱۴۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق سے روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے عبد اللہ بن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہؓ سے عقد کرنے کی استدعا کی۔ میری ایک آزاد کردہ کنیز نے مجھے کہا: "کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے عقد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام آئے ہیں؟" میں نے کہا: "مجھے معلوم نہیں ہے۔" اس عورت نے پیغامات کے بارے میں توثیق کی اور حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں۔ آنحضرتؐ آپؓ کے ساتھ فاطمہؓ کا نکاح کر دیں گے۔ لیکن مجھے اپنی بے سرو سامانی پر تامل ہوا۔ اس عورت نے پھر کہا کہ اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں تو آنحضرتؐ آپ کا نکاح کر دیں گے۔ بخدا! وہ عورت مجھے اس کام کی امید دلاتی رہی یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ جلال و ہیبت تھے۔ جب میں آپؐ کے پاس جا کر بیٹھا تو میں ٹھٹھر کر رہ گیا اور کوئی بات نہ کر سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، "تم کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی کام ہے؟" میں خاموش رہا۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ مجھ سے دریافت کیا: "کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی حاجت ہے؟" لیکن میں دم بخود تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا فاطمہؓ کے پیغام کے لیے آئے ہو؟" میں نے عرض کیا: "ہاں"۔ آنحضرتؐ نے پوچھا: "کیا تمہارے پاس فاطمہؓ کا حق مہر ادا کرنے کے لیے کوئی چیز ہے؟" میں نے کہا: "بخدا، یا رسول اللہ! میرے پاس کچھ بھی نہیں"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی؟" "اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں علیؓ کی جان ہے وہ زرہ حطمی یعنی شمشیر شکن ہے، اس زرہ کی قیمت چار درہم سے زائد نہیں" میں نے کہا "میرے پاس ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے تمہارا نکاح اس سے کر دیا وہی زرہ مہر میں دے دو۔" یہ حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر تھا۔

یونس نے عباد بن منصور کی وساطت سے عطاء بن ابی رباح کی روایت نقل کی۔ عطاءؒ نے کہا: جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے عقد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی تو آنحضرتؐ نے فاطمہؓ سے فرمایا کہ علیؓ کا رجحانِ خاطر تمہاری طرف ہے۔ آپؓ خاموش ہو رہیں (یہ خاموشی ایک طرح کی رضامندی تھی) آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور ان کا نکاح کر دیا۔

(۲۴۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت بیان کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: حضرت علیؓ کے صلب سے حضرت فاطمہؓ کے ہاں تین صاحبزادے ـــ حسن، حسین اور محسن پیدا ہوئے۔ محسن صغرسنی ہی میں فوت ہو گئے، نیز ان کے بطن سے دو صاحبزادیاں ـــ ام کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں۔

(۲۴۳) یونس بن بکیر نے یونس بن عمرو کے حوالہ سے اس کے باپ عمرو سے اور عمرو نے ہانی بن ہانی کی وساطت سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: جب حضرت حسنؓ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام "حرب" رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: "مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟" میں نے کہا: "میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، اس کا نام حسن ہے۔" پھر جب حضرت حسینؓ پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام حرب رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: "میرا بیٹا مجھے دکھلاؤ، تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟" میں نے کہا: "حرب"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں۔ اس کا نام حسین ہے۔" جب تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام بھی حرب رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: "میرا بیٹا مجھے دکھلاؤ، تم لوگوں نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟" میں نے کہا: "ہم نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "نہیں، اس کا نام محسن ہے۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "میں نے ان بچوں کے نام ہارون کے بیٹوں ـــ شبرؔ اور شبیر ـــ کے ناموں پر حسن اور حسین رکھے ہیں۔"

باب ۲۵

ام کلثومؓ بنت علیؓ کا نکاح

(۳۴۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ بن خطاب سے ہوا۔ سیدہ ام کلثومؓ کے بطن سے حضرت عمر فاروقؓ کے ہاں زید بن عمرؓ اور ایک لڑکی (رقیہ) پیدا ہوئے۔ سیدہ ام کلثومؓ کی زندگی ہی میں حضرت عمر فاروقؓ راہگرائے عالمِ بقا ہوئے۔

(۳۴۵) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے روایت بیان کی کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ان کی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کی استدعا کی۔ سیدہ اُم کلثومؓ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر تھیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ وُہ تو ابھی چھوٹی عمر کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بخدا! میرا آپ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ مجھے تو آپ کے ساتھ تعلق جوڑ کر اپنی عزّت افزائی مطلوب ہے۔ اگر آپ کی بات صحیح ہے تو آپ اسے میرے پاس بھیجیں۔" حضرت علیؓ واپس تشریف لے گئے، بچّی کو بلایا، اسے اچھا لباس پہنایا اور فرمایا کہ امیرالمومنین کے پاس جاؤ اور انہیں کہو: "میرے والد نے پوچھا ہے کہ آپ کی اس لباس کے متعلق کیا رائے ہے؟" سیدہ ام کلثومؓ نے امیرالمومنین کے پاس جاکر یہی سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کا قمیص چھوا لیکن سیدہ نے کھینچ لیا اور فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔" حضرت عمرؓ نے چھوڑ دیا اور فرمایا: "کیسی پاکدامن اور شریف بچّی ہے! تم اپنے والد صاحب کے پاس جاکر کہو کہ یہ لباس بہت ہی حسین وجمیل ہے۔ بخدا! جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسی بات نہیں ہے۔" چنانچہ حضرت علیؓ نے سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ کر دیا۔

(۳۴۶) یونس نے خالد بن صالح سے اور اس نے واقد بن محمد بن عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے ان کے کسی اہل خانہ کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خدمت میں ان کی بیٹی سیدہ ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا۔ سیدہ ام کلثومؓ حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "اس ضمن میں مجھے مشورہ مطلوب ہے اور میں کچھ لوگوں سے اجازت لینا چاہتا ہوں۔" حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے اس بات کا ذکر کیا، انہوں نے اجازت دے دی کہ نکاح کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ

نے سیدہ ام کلثومؓ کو بلایا وہ اس وقت ابھی نوخیز لڑکی تھی اور اس کو فرمایا: "امیر المومنین کے پاس جاؤ اور کہو کہ میرے والد صاحب آپ کو سلام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی مطلوبہ حاجت پوری کر دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے سیدہ ام کلثوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے اس کے بارے میں اس کے باپ کو پیغام بھیجا تھا، انہوں نے اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا ہے۔ لوگوں نے کہا: "اے امیر المومنین! آپ کو اس لڑکی کی کیا حاجت ہے جبکہ یہ ابھی چھوٹی عمر کی ہے؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن جملہ تعلقات اور دوستیاں ماسوائے میری قرابت کے منقطع ہو جائیں گی۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا دامادی کا رشتہ استوار ہو جائے۔"

(۴۴۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ابو جعفر نے اپنے باپ کے حوالہ سے علی بن حسن کی یہ روایت بیان کی کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے نکاح کیا تو آپ مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور منبر کے درمیان مہاجرین کی مجلس میں تشریف لائے۔ اس جگہ مہاجرین کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں بیٹھتے تھے۔ مہاجرین نے حضرت عمرؓ کے لیے برکت کی دعا کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں یہ نکاح کرنے پر صرف اس لیے راغب ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ قیامت کے دن میرے ساتھ تعلق اور قرابت کے علاوہ تمام دیگر دوستیاں اور نسبی رشتے منقطع ہو جائیں گے۔

(۴۴۸) یونس نے ہشام بن سعد قرشی سے اور اس نے عطاؔ خراسانی کی وساطت سے حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: عورتوں کے بھاری مہر نہ باندھو۔ اگر بھاری مہر باندھنا خدا کے نزدیک پرہیزگاری کا موجب اور دنیا میں بزرگی اور عظمت کا سبب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے لیکن آنحضرتؐ نے اپنی کسی بیوی اور صاحبزادی کا مہر بارہ ۱۲ اوقیہ یعنی چار سو اسّی درہم سے زیادہ نہیں رکھا۔ پھر جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے ام کلثوم دختر علیؓ بن ابی طالب کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو اس کا مہر چالیس ہزار مقرر کیا۔

(۴۴۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کے شوہر حضرت عمرؓ بن خطاب وفات پا گئے تو سیدہ ام کلثومؓ نے عون بن جعفر سے نکاح کر لیا۔ بعد ازاں حضرت عون بھی فوت ہو گئے۔ حضرت عون کے ہاں سیدہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

باب ۳۶

سیدہ ام کلثومؓ بنتِ علیؓ کا عونؓ بن جعفر بن ابی طالب کے ساتھ نکاح

(۳۰۵۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے حسن بن حسن کے حوالہ سے حضرت علیؓ بن ابی طالب کی یہ روایت بیان کی کہ جب سیدہ امّ کلثومؓ دخترِ علیؓ وزوجۂ عمرؓ بن خطاب بیوہ ہوگئیں تو ان کے دونوں بھائی حضرت حسنؓ اور حسینؓ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے کہا: "تم سیدۃ النساء (حضرت فاطمہؓ) کی وجہ سے اور ان کی صاحبزادی ہونے کے ناطے سے معروف ہو۔ اگر حضرت علیؓ کے بیے ممکن ہوا تو وہ تمہارا نکاح اپنے کسی یتیم بھتیجے کے ساتھ کردادیں گے اور اگر تم مال و دولت کی کثرت کی خواہشمند ہو تو تم وہ بھی حاصل کرسکتی ہو۔" بخدا! وہ دونوں بھائی وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے پہنچ گئے۔ بیٹھنے کے بعد آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، بنی فاطمہؓ کی بزرگی وشرافت کا ذکر کیا اور فرمایا: "اے بنی فاطمہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری کے طفیل جو موروثی قدر ومنزلت تمہیں حاصل ہے اسے تم جانتے ہو اور اس کی وجہ سے تم لوگ میری دیگر اولاد پر برتری وفوقیت کے حامل ہو۔" صاحبزادوں نے جواب دیا: "آپ نے سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں اور ہماری طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔" پھر حضرت علیؓ نے فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے معاملہ کا اختیار دے رکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ تم یہ اختیار مجھے سونپ دو۔" سیدہ ام کلثومؓ نے کہا: "بخدا! میں ایک عورت ہوں اور میری خواہشات بھی ویسی ہی ہیں جیسی کہ دیگر خواتین کی ہیں۔ جس طرح دوسری عورتیں دُنیا چاہتی ہیں اسی طرح میں بھی چاہتی ہوں کہ مجھے بھی دُنیا کی آسودگی میں سے کچھ حاصل ہو اور یہ ایک فطری خواہش ہے اس لیے میں اپنے معاملہ کو خود طے کرنا چاہتی ہوں۔" حضرت علیؓ نے فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! بخدا یہ تیری اپنی ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ ان دونوں کی رائے معلوم ہوتی ہے۔" پھر حضرت علیؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: "بخدا! میں تم دونوں میں سے کسی کے ساتھ بات نہیں کروں گا تم جو چاہے کرو۔" دونوں صاحبزادوں نے حضرت علیؓ کا دامن پکڑلیا اور کہا: "اباجان! بخدا! آپ کی جُدائی ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔" اور انہوں نے سیدہ ام کلثومؓ کو کہا: "اپنا اختیار والد صاحب کے سپرد کردو۔" سیدہ ام کلثومؓ نے تعمیل کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "میں نے تمہارا نکاح عون بن جعفرؓ کے ساتھ کردیا۔ وہ ابھی لڑکا ہے۔" پھر حضرت علیؓ گھر تشریف لائے اور چار ہزار درہم بطورِ حق مہر ادا کیے اور اپنے بھتیجے عون بن جعفرؓ کو سیدہ ام کلثومؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا: "بخدا!

میں نے جتنی محبت اس جوڑے میں دیکھی اتنی مودت کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئی۔" زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حضرت عون فوت ہو گئے۔ پھر حضرت علیؓ تشریف لائے اور فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! اپنا معاملہ میرے سپرد کر دو۔" سیدہ نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حضرت علیؓ نے ان کا نکاح محمد بن جعفرؓ کے ساتھ کر دیا اور چار ہزار درہم بطور حق مہر بھجوا کر رخصتی کروائی۔

(۳۵۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: پھر عون بن جعفر فوت ہو گئے، اور سیدہ ام کلثومؓ بنتِ علیؓ بیوہ ہو گئیں۔ حضرت علیؓ نے ان کا نکاح محمد بن جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ کر دیا۔ پھر محمد بن جعفرؓ بھی وفات پا گئے اور ان کے ہاں سیدہ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

باب ۳۷

زینبؓ بنتِ علیؓ کا نکاح اور ان کی والدہ حضرت فاطمہؓ بنتِ رسولؐ

(۲۵/۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کو اپنے شوہر عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب سے بہت محبت تھی۔ ان کے بطن سے عبداللہ بن جعفر کے ہاں ایک لڑکا علی بن عبداللہ بن جعفرؓ اور ایک لڑکی ام ابیہا پیدا ہوئے۔ عبداللہ نے ام ابیہا کا نکاح عبدالملک بن مروان سے کردیا جس نے اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس کا نکاح علی بن عبداللہ بن عباس کے ساتھ ہوا۔

(۲۵/۳) یونس نے ثابت بن دینار کے حوالہ سے یحییٰ بن جعفر کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی زینبؓ کی بیٹی کے نکاح کے لیے زینبؓ کے شوہر عبداللہ بن جعفرؓ کو پیغام بھیجا اور کہا کہ میں تمہارا قرض ادا کردوں گا اور اس کے لیے پختہ وعدہ کیا۔ عبداللہ نے جواب دیا کہ "اس معاملہ میں مجھے مشورہ مطلوب ہے اور جب تک میں اپنے امیر سے اجازت نہ لے لوں میں اپنی لڑکی کا نکاح نہیں کرسکتا۔" حضرت معاویہؓ نے کہا: "اجازت حاصل کرلو۔" عبداللہ حضرت حسینؓ بن علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ معاویہؓ نے میری بیٹی کے لیے پیغام بھیجا ہے اور میرا قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں اس کا والد ہوں اور آپ اس کے ماموں ہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟" حضرت حسینؓ نے فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ لڑکی کے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کردیا جائے۔" عبداللہ نے کہا: "میں نے یہ معاملہ آپ کے سپرد کردیا ہے۔" حضرت حسینؓ بن علیؓ لڑکی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "تمہارے باپ نے تمہارے نکاح کا معاملہ مجھے سونپ دیا ہے تم بھی یہ معاملہ میرے سپرد کردو۔" لڑکی نے تعمیلِ ارشاد کی۔ حضرت حسینؓ باہر نکلے اور دعا مانگی: "اے اللہ! اپنے علم کے مطابق اس لڑکی کے لیے بہترین رفیقِ حیات مقدر فرما۔" حضرت حسینؓ اپنی برادری کے ایک نوجوان سے ملے اور اسے کہا: "اپنے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کردو۔" اس نے تعمیل کی۔ حضرت معاویہؓ نے حاکمِ مدینہ مروان بن حکم کی طرف لکھا کہ "میں نے عبداللہ بن جعفر سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو اس نے حسینؓ کی رضامندی کی شرط عائد کی۔ تم حسینؓ کو بلا کر ان کی رضامندی حاصل کرو۔" مروان نے لوگوں کو اکٹھا کیا، وہ دف وغیرہ لے آئے۔ حضرت حسینؓ کو بھی بلایا گیا اور انہیں کہا گیا کہ "امیرالمومنین نے لکھا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن جعفر کو پیغام بھیجا تھا اور عبداللہ نے آپ کی رضامندی کی شرط لگائی تھی اس لیے آپ رضامندی دے دیں۔" حضرت حسینؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اس لڑکی کا

نکاح فلاں نوجوان سے کردیا ہے۔"

مروان نے کہا: "اے بنی ہاشم! تم لوگوں نے انکار کیا اور بدعہدی کی۔" حضرت حسینؓ نے کہا: "میں تمہیں اللہ کی قسم کھلاتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ حضرت حسنؓ بن علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا اور لوگ اسی طرح اکٹھے ہوئے جس طرح اب اکٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت حسنؓ بھی تشریف لائے۔ پھر تم آئے اور تم نے پیغام بھیجا اور دختر عثمانؓ کا نکاح کسی دوسرے سے کردیا؟" مروان نے کہا: "ہاں، ایسا ہوا تھا۔" حضرت حسینؓ نے فرمایا: پھر بدعہدی کا مرتکب کون ہے، ہم یا تم؟" پھر حضرت حسینؓ نے عبداللہ بن جعفر کو اپنی وہ زمین دی جس کو "بغیبغہ" کہتے تھے اور جو انہوں نے حضرت معاویہؓ سے بیس لاکھ میں خریدی تھی اور جس نوجوان کا نکاح کرایا تھا اسے ایک دیگر قطعہ ارضی دیا جس کی قیمت بیس لاکھ تھی اور اس طرح اپنے ٹھوس مال سے چالیس لاکھ ادا کیا۔

باب ۳۸

حضرت عثمانؓ بن عفان کا نکاح

(۳۵۴) یونس نے حسن بن دینار کی وساطت سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کے ہاں تشریف لائے جو بڑے غمگین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تمہارا کیا حال ہے؟" حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: "میں نے عمرؓ کو پیغام بھیجا تو انہوں نے رد کر دیا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسے سسرال نہ بتاؤں جو تمہارے لیے عمرؓ سے بہتر ہوں، اور عمرؓ کو ایسا داماد نہ بتاؤں جو ان کے لیے تم سے بہتر ہو؟" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ بنت عمرؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور عثمانؓ بن عفان کا نکاح اپنی بیٹی سے کر دیا۔

(۳۵۵) یونس نے ہشام بن شنبر سے اور اس نے یحییٰ بن ابی کثیر کی وساطت سے مہاجر بن عکرمہ مخزومی کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح کرنا چاہتے تو اس کے پاس پردہ کی جگہ میں بیٹھ جاتے اور فرماتے: "اِنَّ فُلَانًا يُرِيْدُ فُلَانَةً" ۔یعنی فلاں کا رجحانِ خاطر فلانہ کی طرف ہے۔"

(۳۵۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ایک غیر جانبدار شخص نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں کے معاملے میں بڑے غیرت مند تھے اور ان کا نکاح سوکن کی موجودگی میں نہیں کرتے تھے۔

(۳۵۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عمرو بن عبید نے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی زوجہ سے فرمایا: "اے میری پیاری بیٹی! اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی خواہش کی تعمیل نہ کرے تو اس کے خاوند کا چہرہ غصّے سے لال پیلا ہو جائے گا خواہ خاوند نے اپنی بیوی کو کیسا ہی غیر معقول حکم دیا ہو کہ وہ سیاہ پہاڑ سے سُرخ پہاڑ تک جائے یا سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ کی طرف جائے۔ اس لیے تمہاری یہ خواہش اور کوشش ہونی چاہیے کہ تم اپنے حسنِ سلوک سے اپنے شوہر کو راضی اور خوش رکھو۔

(۳۵۸) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے عامر شعبی کی روایت بیان کی کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کے لیے اس کے چچا حارث کو پیغام بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس عورت کی کون سی خوبی کی وجہ سے تم مجھ سے اجازت طلب کرتے ہو؟ کیا اس کے

حسب و نسب کے باعث تم اس کے گرویدہ ہو؟" حضرت علیؓ نے کہا: "ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن آپ مجھے اجازت مرحمت فرمادیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فاطمہؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے اذیت دی جائے۔" حضرت علیؓ نے کہا: "میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جس سے اسے تکلیف پہنچے۔"

باب ۳۹

حضرت خدیجہؓ کے علاوہ رسول اللہؐ کی دیگر ازواجِ مطہراتؓ

اُم المومنین حضرت سُودہؓ بنت زمعہ

(۳۵۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ حضرت خدیجہؓ بنتِ خویلد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے تین سال قبل وفات پاگئیں۔ ان کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دیگر خاتون سے نکاح نہیں کیا یہاں تک کہ وہ اور جناب ابو طالب فوت ہوگئے۔ پھر خدیجہؓ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ سکرانؓ بن عمرو برادرِ سہیل بن عمرو کے نکاح میں تھیں جو ان کا چچازاد تھا۔ یہ نکاح اس وقت ہوا جب وہ کنواری تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر وہ دونوں مکہ واپس آگئے۔ حضرت سکرانؓ کا انتقال ہوگیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔

(۳۶۰) یونس نے نعمان بن ثابت کی وساطت سے ہیثم کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے فرمایا: ”تم عدت میں بیٹھو۔“ حضرت سودہؓ راستہ میں آپؐ کے درپے ہوگئیں اور عرض کی: ”میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دلاتی ہوں کہ آپؐ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ میں اپنی باری آپؐ کے سپرد کرتی ہوں آپؐ اپنی ازواج میں سے جس بیوی کو میری باری دینا چاہیں دے دیں، میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن میرا حشر اس حال میں ہو کہ میں آپؐ کی ازواج میں شمار کی جاؤں۔“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے نکاح میں رکھا۔

اُم المومنین حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ

(۳۶۱) یونس نے ہشام بن عروہ کی وساطت سے ان کے باپ عروہ بن زبیر کی یہ روایت بیان کی کہ جب حضرت سودہؓ بوڑھی ہوگئیں تو انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دن ان کو دے رکھا تھا۔

(۳۶۲) ابن اسحاق نے کہا کہ سودہؓ بنتِ زمعہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ سے نکاح کیا۔ وہ اس وقت کنواری تھیں۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ آنحضرتؐ کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپؐ کا انتقال ہوگیا۔

(۳۶۳) یونس نے ہشام بن عروہ کے حوالہ سے اس کے باپ کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے تین سال بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی رخصتی کرائی تو اس وقت ان کی عمر نو سال تھی اور جب رسول اللہؐ کا انتقال ہوا تو وہ اٹھارہ سال کی تھیں۔

(۳۶۴) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے خواب میں دو دفعہ تمہاری شکل اس طرح دکھائی گئی کہ ایک شخص تمہاری تصویر کو حریر کے پارچے میں اٹھائے ہوئے مجھے کہتا تھا کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ میں پردہ اٹھا کر دیکھتا تو وہ ہو بہو تمہاری شکل تھی۔ چنانچہ میں کہہ دیتا تھا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اسے پورا کر دے گا۔

(۳۶۵) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی کہ میری والدہ میرے لیے مشقت برداشت کرتی تھی وہ چاہتی تھی کہ میں ذرا تنومند ہو جاؤں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ اچھی طرح میری خور و پرداخت کرتی رہی۔ میں کھجور کو ککڑی اور کھیرے کے ساتھ کھاتی تھی یہاں تک کہ میرے بدن میں خاصی گرانی آگئی۔

(۳۶۶) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ میں اپنی ہمسایہ انصاری ہمجولیوں کے ساتھ کھجور کے دو درختوں کے درمیان ایک جھولے میں کھیل رہی تھی۔ اتنے میں میری ماں آئی اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ میرے ساتھ کیا کرے گی، میں نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنا ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لیا تاکہ میری ماں دیکھے کہ میرے پاس کیا ہے۔ میری ماں مجھے اپنے ساتھ لے گئی مجھے نہلایا دھلایا اور صاف ستھرا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔

(۳۶۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عباد نے اپنے باپ عباد بن عبداللہ بن زبیر کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جب ہم ہجرت کے لیے روانہ ہوئے تو ہم ایک دشوار گزار پہاڑی سے گزرے۔ ہمارا اونٹ جو طاقتور اور سرکش تھا بھاگ نکلا۔ اس وقت میری والدہ واویلا کرنے لگی۔ بخدا! میری ماں کے یہ الفاظ "واعروساہ —— ہائے میری دلہن!" مجھے نہیں بھولتے۔ اونٹ سرپٹ دوڑا۔ بخدا! میں نے ایک پکارنے والے کو سنا جو مجھے دکھائی نہ دیتا تھا اور پکار رہا تھا کہ اس اونٹ کی مہار چھوڑ دو۔ چنانچہ میں نے مہار چھوڑ دی، اونٹ کھڑا ہو کر اس طرح گھومنے لگا گویا کہ اس کے نیچے کوئی انسان بیٹھا ہے جو اسے روک رہا ہے۔

اُم المومنین حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ

(۳۶۸) احمد نے یونس کی وساطت سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ خنیس بن حذافہ (سہمی) کی زوجیت میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔

(۳۶۹) یونس نے سلیمان اعمش سے اور اس نے ابی صالح کی وساطت سے ابن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ میری بہن حضرت حفصہؓ کے ہاں تشریف لے گئے وہ رو رہی تھیں۔ آپ نے پُوچھا: "تم کیوں رو رہی ہو؟ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ آنحضرتؐ نے تمہیں ایک دفعہ طلاق دی تھی اور پھر رجوع فرمایا تھا۔ بخدا! اگر آنحضرتؐ نے دوبارہ تمہیں طلاق دی تو میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں کروں گا۔"

اُمّ المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ

(۳۷۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے بعد ام المساکین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ہلالیہ کے ساتھ نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ حصین بن حارث یا ان کے بھائی طفیل بن حارث بن مطلب بن عبد مناف کے نکاح میں تھیں۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین زوجہ ہیں جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ آنحضرتؐ کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۳۷۱) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے عامر شعبی کی روایت نقل کی۔ عامر شعبی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کون سی خاتون سب سے پہلے آپؐ سے ملے گی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو تم میں سے زیادہ بڑے ہاتھ والی ہوگی۔" چنانچہ آنحضرتؐ کی ازواج ایک دوسرے کے ہاتھ ناپا کرتی تھیں کہ کون لمبے ہاتھ والی ہے۔ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہُوا کہ طولِ ید سے مراد صدقت و خیرات تھی کیونکہ حضرت زینبؓ جملہ امہات المومنین سے زیادہ صدقہ دیا کرتی تھیں۔

اُم المومنین حضرت ام حبیبہؓ

(۳۷۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے بعد حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ قبیلہ بنی اسد کے عبیداللہ بن جحش بن رئاب (برادرِ عبداللہ بن جحش) کے نکاح میں تھیں۔ عبیداللہ نے ان سے اس وقت نکاح کیا تھا جب وُہ کنواری تھیں۔ عبیداللہ کے ہاں ان کے بطن سے ایک لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ عبیداللہ سرزمینِ حبشہ میں

فوت ہو گیا۔ وُہ اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی ہو چکا تھا۔ حضرت ام حبیبہ نے اپنے پہلے شوہر کی معیت میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ام حبیبہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۳۷۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے ابوجعفر نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہِ حبش کے پاس بھیجا۔ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ام حبیبہؓ کے ساتھ پڑھایا اور آنحضرتؐ کی طرف سے چار سو دینار مہر کے ادا کیے

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ

(۳۷۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہؓ کے بعد حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی زوجیت میں تھیں۔ ان دونوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ایک ساتھ ہجرت کی۔ پھر دونوں مدینہ منورہ واپس آئے ابوسلمہؓ جنگِ اُحد میں زخمی ہو گئے اور زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور شہادت کی موت پائی۔ ابوسلمہ نے ام سلمہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب وُہ ابھی کنواری تھیں۔ ان کے ہاں ام سلمہؓ کے بطن سے سلمہؓ، عمرؓ، درہؓ اور زینبؓ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ام سلمہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(۳۷۵) یونس نے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے ابی سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کو نصیحت فرما رہے تھے۔ آنحضرتؐ دروازے کی چوکھٹ پر تشریف فرما تھے۔ اپنا کپڑا اچھا کر اس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے؛ اگر صرف تمہارے مہر کی زیادتی کا معاملہ ہوتا تو میں تمہارا مہر زیادہ کر دیتا لیکن اگر میں زیادہ ہو یا ں رکھنا چاہوں (تو پھر مہر میں اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے)

(۳۷۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: میرے باپ اسحاق بن یسار نے مجھ سے بیان کیا کہ سعد بن عبادہؓ کے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانے کا ایک لگن ہر روز بھیجا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ جس مکان میں ہوتے وہاں کھانا پیش کر دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیتے تھے تو آنحضرتؐ جو چیز اس کے لیے نامزد یا متعین کرنا چاہتے تھے وہ اسے بتا دیتے تھے اور پھر فرماتے تھے کہ سعد بن عبادہ کا بڑا پیالہ تمہارے پاس ہر صبح کو آیا کرے گا۔

(۳۷۷) یونس نے ابی معشر مدینی کے حوالہ سے سعید مقبری کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو نکاح کا پیغام بھجوایا۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا؛ یا رسولؐ اللہ! مجھ میں کچھ ایسی خصلتیں ہیں کہ میں اپنے آپ کو آپؐ کی زوجیت کے قابل نہیں سمجھتی، میری عمر زیادہ ہے، میں بہت غیرت مند عورت ہُوں اور مجھے

خوف لاحق ہے کہ میں کہیں آپؐ کے خلاف غیرت کا اظہار نہ کر بیٹھوں۔ میں اپنے حصہ کے معاملہ میں حساس ہوں۔ نیز میرے بچے ہیں اور میں عیالدار ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جہاں تک تمہاری عمر کا تعلق ہے تمہارے لیے لازم ہے کہ تم اس مرد سے نکاح کرو جو تم سے عمر میں بڑا ہو اور میں تم سے زیادہ عمر کا ہوں۔ تمہاری غیرت کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ تمہیں شفا عطا کرے۔ جہاں تک تمہارے حصہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین حصہ عطا کرے۔ تم نے اپنی عیالداری کا ذکر کیا ہے تو جو شخص کوئی مال چھوڑ کر فوت ہو تو مال اس کے وارثوں کا حق ہے اگر کسی کے ذمہ قرض ہو یا وہ یتیم اولاد چھوڑ جائے تو ان کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے نکاح کر لیا۔

(۳۷۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم اور عبدالرحمان بن حارث اور ایک معتبر شخص نے عبداللہ بن شداد بن ہاد کی یہ روایت بیان کی کہ حضرت ام سلمہؓ کے بیٹے سلمہ نے اپنی بیوہ ماں کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمہ کا نکاح حضرت حمزہؓ کی بیٹی امامہ کے ساتھ کر دیا۔ نکاح کے وقت سلمہ اور امامہ دونوں کمسن تھے اور جوانی سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں نے سلمہ کو اس بات کا بدلہ دے دیا کہ اس نے اپنی ماں کا نکاح مجھ سے کرایا تھا؟"

(۳۷۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام نے اپنے باپ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے، ماہ شوال میں نکاح کیا اور ماہِ شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا: "آپؐ میرے پاس سات دن تک رہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم چاہتی ہو تو میں سات دن تک تمہارے پاس رہتا ہوں اور پھر باقی عورتوں کے پاس بھی سات سات دن رہوں گا۔ اور اگر تم تین دن پسند کرو (جو تمہارا حق ہے کیونکہ وہ شوہر دیدہ تھیں)، تو میں تین دن تمہارے پاس رہ کر پھر سب عورتوں کا دورہ کروں گا (یعنی باری باری ایک ایک دن سب کے پاس رہوں گا)"۔ اس پر حضرت ام سلمہؓ نے کہا: "نہیں، آپؐ تین دن ہی میرے ہاں قیام فرمائیں۔"

(۳۸۰) یونس نے نعمان بن ثابت کی وساطت سے ہیثم کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ کا ولیمہ کھجوروں اور ستوؤں سے کیا۔

ام المومنین حضرت زینبؓ بنتِ جحش

(۳۸۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے بعد زینبؓ بنت جحش سے نکاح کیا۔ حضرت زینبؓ عبداللہ بن جحش کی بہن اور بنی اسد بن خزیمہ سے تھیں۔

قبل ازیں وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کے نکاح میں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس خاتون کا نکاح آپؐ سے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت زینبؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی یہاں تک کہ آپؐ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت زینبؓ کی کنیت ام الحکم تھی۔

(۳۸۲) یونس نے ابی سلمہ ہمدانی (مولیٰ شعبی) کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ زیدؓ بن حارثہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت زیدؓ کی بیوی زینبؓ بنت جحش جو زیدؓ کے سرہانے بیٹھی ہُوئی تھیں کسی کام کے لیے اُٹھ کر چلی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا اور اپنے سر کو جھکا لیا۔ پھر فرمایا: "نقص سے پاک تو اللہ ہی کی ذات ہے جو دلوں اور آنکھوں کو پھیرنے والا ہے۔" حضرت زیدؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں اس عورت کو طلاق دینا چاہتا ہُوں آپؐ اس سے نکاح کر لیں۔" رسول اللہؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی،

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس ج واللہ احق ان تخشٰہ ط فلما قضٰی زیدٌ منھا وطرا زوّجنٰکھا لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاۗئھم اذا قضوا منھن وطراً ط وکان امر اللہ مفعولا ○ (الاحزاب-۳۷)

(اے نبیؐ!) یاد کرو وُہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ "اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔" اس وقت تم اپنے دل میں وُہ بات چھپائے ہُوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پُوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے مُنہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وُہ ان سے اپنی حاجت پُوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہئے تھا۔

اُم المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث

(۳۸۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ بنت جحش کے بعد حضرت جویریہؓ بنت حارث بن ابی صفوان سے نکاح کیا اس سے قبل وُہ اپنے عمزاد ابن ذی الشفر کی زوجیت میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپؐ نے انتقال فرمایا۔

(۳۸۴) احمد نے یونس کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کے قیدیوں کو تقسیم فرمایا تو حضرت جویریہؓ بنتِ حارث حضرت ثابتؓ بن قیس یا ان کے کسی چچا زاد کے حصہ میں آئیں انہوں نے

اپنی آزادی کے لیے ثابتؓ سے مکاتبت کر لی حضرت جویریہؓ میں حلاوت و ملاحت دونوں وصف تھے، جو شخص انھیں دیکھتا تھا اپنے دل میں جگہ دیتا تھا۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آنحضورؐ سے زرِکتابت کی ادائیگی کے سلسلہ میں امداد حاصل کریں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "بخدا! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے انہیں دیکھا ہو اور ناپسند کیا ہو" اور میں نے کہا کہ ان سے اسی طرح کا اظہار ہوگا جس طرح میں نے دیکھا ہے۔

جب حضرت جویریہؓ نبیؐ کے پاس آئیں تو عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! میں سردارِ قبیلہ حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ مجھ پر جو مصیبت آئی ہے وُہ آپؐ سے مخفی نہیں۔ میں نے اپنی آزادی کے لیے عہدِ کتابت کیا ہے آپؐ اس ضمن میں میری امداد فرمائیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تمھیں اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں کہ میں تمہارا زرِ کتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لُوں؟" جویریہؓ اس پر رضامند ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرِ کتابت دے کر نکاح کر لیا جب لوگوں کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ سے نکاح کر لیا ہے تو انہوں نے کہا کہ بنی مصطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں اس لیے انہوں نے سارے قیدی آزاد کر دیئے۔ اس طرح بنی مصطلق کے سَو خاندان دولتِ آزادی سے بہرہ یاب ہُوئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے موجبِ برکت نہیں دیکھا۔

(۳۸۵) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کی وساطت سے عامر شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ جویریہؓ قیدی کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں تھیں آنحضرتؐ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور بنی مصطلق کے تمام قیدیوں کی آزادی ان کا مہر قرار پائی۔

اُم المومنین حضرت صفیہؓ بنت حُیَیّ

(۳۸۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہؓ کے بعد حضرت صفیہؓ بنت حُیَیّ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ کنانہ بن ربیع بن ابی حقیق کی زوجیت میں تھیں، رسول اللہ کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہُوئی یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔

(۳۸۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: میرے باپ اسحاق بن لیسار نے مجھے بتایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حقیق کا قلعہ فتح کیا تو حضرت بلالؓ، حضرت صفیہؓ اور ان کی ایک چچا زاد بہن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلے۔ راستہ میں ان کا گزر یہود کے مقتولین کی لاشوں پر ہوا۔ جب حضرت صفیہؓ کی ساتھ والی عورت نے لاشوں کو دیکھا تو اس نے اپنا منہ پیٹ لیا۔ وہ چیخ اٹھی اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس شیطان عورت کو مجھ سے دُور ہٹا دو"۔ اس عورت کے پیچھے حضرت صفیہؓ تھیں۔ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل میں آپؐ کی چادر کے ساتھ حضرت صفیہؓ پر پردہ کر دیا گیا۔ اس طرح لوگوں کو

معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو اپنی زوجیت کے لیے منتخب فرمالیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت کا واویلا اور چیخ و پکار سنی تو حضرت بلالؓ سے فرمایا: "اے بلالؓ! جب تم ان دو عورتوں کو لے کر ان کے رشتہ دار یہودیوں کی لاشوں کے پاس سے گزر رہے تھے تو رحمت کو تم سے دُور کر دیا گیا۔" قبل ازیں حضرت صفیہؓ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ اس خواب کا ذکر انہوں نے اپنے والد سے کیا۔ اس نے حضرت صفیہؓ کے منہ پر ایک ضرب رسید کی جس کا نشان پڑ گیا اور والد نے صفیہؓ کو کہا: "تم اپنے گروہ سے نکل کر شاہِ عرب کے پاس چلی جاؤ گی۔" اس ضرب کا نشان حضرت صفیہؓ کے چہرے پر موجود تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے آئے اور اس نشان کے متعلق ان سے پوچھا تو حضرت صفیہؓ نے یہ واقعہ بیان کیا۔

(۳۸۸) یونس نے ہشام بن ابی عبداللہ سے اور اس نے شعیب بن حجاب کے حوالہ سے انس بن مالک کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر دیا اور ان کی آزادی ان کا مہر قرار پائی۔

(۳۸۹) یونس نے عبداللہ بن عبیداللہ ازدی کی وساطت سے انس بن مالک کی یہ روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ بنت حییّ سے نکاح کیا تو لوگوں کو دعوتِ ولیمہ پر بُلایا۔ اس تقریب میں کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیے ہُوئے کھانوں اور خشک کھجور سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

(۳۹۰) یونس نے سلیمان اعمش کی روایت نقل کی۔ سلیمان اعمش نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کا ولیمہ حیس (یعنی کھجور، گھی اور ستو سے تیار کردہ) کھانے سے کیا۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ

(۳۹۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے بعد حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ سے نکاح کیا۔ قبل ازیں وہ ابی رحم بن ابی قیس کے نکاح میں تھیں جو بنی عامر بن لوی کے قبیلہ بنی مالک بن حسل سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہُوئی یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہوگیا۔

(۳۹۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: ایک ثقہ راوی نے مجھ سے سعید بن مسیب کی روایت بیان کی۔ سعید نے کہا: یہ عبداللہ بن عباسؓ ہیں جن کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے، پھر آپؐ احرام سے نکل آئے۔ جونہی آپؐ نے احرام کھولا تو نکاح کر لیا۔ اسی وجہ سے لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا کہ آپؐ نے حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

(۳۹۳) یونس نے جعفر بن برقان سے اور اس نے میمون بن مہران کی وساطت سے یزید بن اصم کی یہ روایت،

بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب آپؐ احرام سے نکل آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے فضل بن عباسؓ اور ایک دیگر شخص کو حضرت میمونہؓ کے پاس بھیجا اور حضرت فضل بن عباسؓ نے حضرت میمونہؓ کا نکاح آنحضرتؐ کے ساتھ کر دیا۔

(۳۹۴) یونس نے عبداللہ بن محرز کی وساطت سے یزید بن اصم کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے اس وقت نکاح کیا جب آپؐ نے احرام کھول دیا تھا۔ نکاح کی تقریب مقام سرف پر ہوئی (جو مدینہ کی راہ میں مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے) یہیں ایک قبہ میں حضرت میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، اور (عجیب اتفاق ہے کہ بالآخر) یہی جگہ (۵۱ھ میں) حضرت میمونہؓ کا مدفن قرار پائی۔

(۳۹۵) یونس نے عبداللہ بن محرز سے اور اس نے عطاؒ بن ابی رباح کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا۔

(۳۹۶) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے ساتھ حالتِ احرام میں نکاح کیا۔

اسماء بنت کعب جونیہ اور عمرہ بنت یزید

(۳۹۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماء بنت کعب جونیہ سے نکاح کیا تھا لیکن آپؐ نے اس کو اپنے گھر لانے سے قبل ہی طلاق دے دی۔

آنحضرتؐ نے بنی کلاب (اور پھر بنی وحید) کی ایک عورت عمرہ بنت یزید سے بھی نکاح کیا۔ یہ عورت قبل ازیں فضل بن عباس بن عبدالمطلب کی زوجیت میں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بھی اپنے گھر میں لانے سے قبل ہی طلاق دے دی۔

قبیلہ غفار کی ایک خاتون

(۳۹۸) یونس نے ابویحییٰ سے اور اس نے جمیل بن زید طائی کے حوالہ سے سعد بن زید انصاری کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غفار کی ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کو گھر میں لے آئے۔ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل میں اس عورت نے اپنا کپڑا کھینچا تو آپؐ نے دیکھا کہ اس عورت کے سینہ پر برص کے سفید داغ تھے۔ آنحضرتؐ اس سے جدا ہو گئے اور فرمایا کہ اپنے کپڑے لے کر اپنے کنبے میں چلی جاؤ۔" آنحضرتؐ نے اسے پورا مہر ادا کیا۔

(۳۹۹) یونس نے ابراہیم بن اسماعیل کی وساطت سے عثمان بن کعب قرظی کی یہ روایت بیان کی کہ تیمہ بنت وہب کے بھائی نے اپنی بہن کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اس عورت کے ماموں نے بھی آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: "اگر میں تمہارے ساتھ نکاح کرلوں تو تم میرے پاس آجاؤ گی؟" اس عورت نے جواب دیا: "میں آپؐ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں"۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پناہ چاہنے والی کو اللہ تعالیٰ نے روک دیا"۔

(۴۰۰) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے عکرمہؓ کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِ حبیب بن عباس کو دیکھا جو آپؐ کے سامنے اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر یہ بلوغ کو پہنچی اور میں اس وقت زندہ ہُوا تو میں ضرور اس سے نکاح کروں گا"۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بلوغ سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔ چنانچہ اس لڑکی کے ساتھ ابوسلمہ کے بھائی اسود بن عبد الاسد نے نکاح کیا اور اسودؓ کے ہاں اس کے بطن سے رزق بن اسود اور لبابہ بنت اسود تولد ہوئے۔ اس نے اپنی بیٹی کا نام "لبابہ" اپنی والدہؓ ام فضل لبابہ" کے نام پر رکھا۔

وہ خواتین جنہوں نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا

(۴۰۱) یونس نے زکریا بن ابی زائدہ کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ کچھ عورتوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کیا ان میں سے کسی کو آنحضرتؐ اپنے گھر میں لے آئے اور کسی کو اپنے سے الگ رکھا اور اس کے قریب نہ گئے یہاں تک کہ آپؐ کا انتقال ہوگیا۔ لیکن انہوں نے آنحضرتؐ کے بعد کسی دیگر شخص سے نکاح نہ کیا۔ ایسی خواتین میں اُمِ شریکؓ ہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے:

ترجي من تشآء منهن و تؤوي اليك من تشاء ط و من ابتغيت ممن عزلت فلا جناح عليك ط (الاحزاب۔۵۱)	تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو، جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلالو۔ اس معاملہ میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۴۰۲) احمد نے ابی سے اور اس نے جریر بن عبدالحمید کے حوالہ سے منصور بن ابی زرین کی یہ روایت اللہ تعالیٰ کے درج ذیل حکم کے بارے میں بیان کی:

ترجي من تشآء منهن و تؤوي اليك من تشآء۔	تم اپنی بیویوں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو اور جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو۔

جن بیویوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے الگ رکھا وہ سودہؓ، ام حبیبہؓ اور میمونہؓ ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے علیحدگی کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا: "آپؐ ہمیں علیحدہ نہ کریں بلکہ ہمیں اسی حال پر رہنے دیں اور آپؐ ہمارے لیے مال وغیرہ میں سے جو کچھ اپنی صوابدید کے مطابق پسند فرمائیں ہم اس پر راضی ہیں"۔ راوی کا

بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا اور جو کچھ ان کے لیے پسند فرمایا وہ انہیں عطا کیا۔ راوی نے کہا کہ جن بیویوں کو آنحضرتؐ نے اپنے پاس رکھا وہ عائشہؓ، ام سلمہؓ، زینبؓ اور حفصہؓ ہیں۔ ان کے لیے مال اور باریوں کی تقسیم برابر برابر تھی۔

(۴۰۲) یونس نے ہشام بن عروہ سے اور اس نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ مجھے غیرت آتی تھی۔ چنانچہ میں نے ایک عورت کو جس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کیا تھا یہ کہا کہ جو عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے ہبہ کرتی ہے وہ کسی چیز کی مستحق نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے ان میں سے بعض سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور میں پُرامید تھی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی:

ترجی من تشاء منهن وتؤوی الیك من تشاء ؕ ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیك ؕ (الاحزاب - ۵۱)	تم کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی بیویوں میں سے جس کو چاہو اپنے سے الگ رکھو، جسے چاہو اپنے ساتھ رکھو اور جسے چاہو الگ رکھنے کے بعد اپنے پاس بلا لو۔ اس معاملہ میں تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں اپنے موقف کی صحت سے مایوس ہوگئی اور میں نے اس واہبہ کو کہا: "بیشک میں دیکھتی ہوں کہ تمہارا رب جلدی ہی تمہاری خواہش پوری کر دے گا۔"

(۴۰۴) یونس نے عنبسہ بن ازھر کے حوالہ سے سماک بن حرب سے اور اس نے عکرمہ کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی کوئی بیوی نہ تھیں۔

(۴۰۵) یونس نے ابی سلمہ ہمدانی کے حوالہ سے شعبی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تخییر کا یہ حکم نازل ہوا:

یایها النبی قل لازواجك ان كنتن تردن الحیوٰة الدنیا وزینتها فتعالین امتعكن واسرحكن سراحا جمیلا ٥ وان كنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعد للمحسنٰت منكن اجراً عظیما ٥ (الاحزاب - ۲۸ - ۲۹)	اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہو، اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

(جملہ ازواجِ مطہرات نے جواب دیا کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کی طلبگار ہیں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا:

لا یحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو	اس کے بعد تمہارے لیے دوسری عورتیں حلال نہیں، اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی

اعجبک حسنھن الا ما ملکت یمینک ط | پسند ہو، البتہ لونڈیوں کی تمہیں اجازت ہے۔

(الاحزاب - ۵۲)

وہ خواتین جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکِ یمین میں تھیں

(۴۰۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواجِ مطہرات بقیدِ حیات تھیں۔ آنحضرتؐ سے قبل حضرت خدیجہؓ بنت خویلد اور حضرت زینبؓ ام المساکین نے انتقال کیا۔ امہات المومنین میں سے ان تین خواتین نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ اور فلانہ[1] آنحضرتؐ کے ہاں صرف حضرت خدیجہؓ کے بطن سے اولاد ہوئی۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کے ملکِ یمین میں ریحانہ بنت عمرو بن خذافہ اور حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیمؑ تھیں۔ آنحضرتؐ کے ہاں ریحانہ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت ماریہ کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلب سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صرف حضرت خدیجہؓ اور حضرت ماریہؓ سے اولاد ہوئی۔

(۴۰۷) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن طلحہ بن یزید بن رکانہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم ابھی اٹھارہ ماہ کے تھے کہ فوت ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

(۴۰۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر نے عمرہ کے حوالے سے حضرت عائشہؓ کی اسی طرح کی روایت بیان کی۔

(۴۰۹) یونس نے ابراہیم بن عثمان کی وساطت سے حکم سے اور اس نے مقسم کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی ہے اگر وہ زندہ رہتا تو وہ ایک راستباز انسان اور نبی ہوتا اور سب قبطیوں کو آزاد کراتا۔

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے "فلانہ" پر یہ فٹ نوٹ دیا ہے کہ شاید یہ تیسری خاتون حفصہؓ بنت عمرؓ ہیں کیونکہ ان کے پہلے شوہر حضرت خنیسؓ مہاجرینِ حبشہ میں سے تھے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال مبنی برحقیقت معلوم نہیں ہوتا۔ تیسری خاتون جنھوں نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جنہیں بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ ہیں جنھوں نے اپنے پہلے شوہر حضرت سکرانؓ بن عمرو کے ہمراہ ہجرت کی تھی۔ مترجم

(۴۱۰) یونس نے محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کی وساطت سے عطاؒ سے اور اس نے جابرؓ کے حوالہ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس قطعہ نخلستان کی طرف لے گئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم اپنی دائی پلائی کے ہاں رہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اسے پکڑ کر گود میں اٹھا لیا۔ آنحضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپؐ نے فرمایا: "اے میرے پیارے بیٹے! میں حکمِ الٰہی کے مقابلہ میں تیرے کسی کام نہیں آسکتا۔" راوی کا بیان ہے میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا: "یا رسولؐ اللہ! کیا آپؐ نے رونے سے منع نہیں فرمایا؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں نے دو قسم کی آوازوں سے منع کیا ہے جو احمقوں اور فاجروں کے معمولات میں سے ہیں۔ یعنی حصولِ نعمت کے موقع پر لہو و لعب کے آوازے کسنا اور مزامیر کا استعمال، یہ شیطانی کام ہے، اور اسی طرح مصیبت کے وقت چہرے نوچنا، گریبان پھاڑنا، سینہ کوبی اور بَین کرنا بھی شیطانی فعل ہے۔ لیکن آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا تو مامتا کا تقاضا ہے۔ اور جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اے ابراہیم! موت تو امرِ حق اور سچا وعدہ ہے اور یہ ایک ایسی گزرگاہ ہے جو سب کو درپیش ہے اور جس سے بچنا محال ہے یہاں تک کہ پیچھے آنے والے پہلے جانے والوں کے ساتھ جا ملیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری وجہ سے ہمارا غم واندوہ اس سے بھی زیادہ ہوتا۔ ہمارا یہ حال ہے کہ ہم تمہاری وجہ سے غمزدہ ہیں۔ آنکھیں رو رہی ہیں اور دل غمناک ہے مگر ہم زبان پر کوئی ایسا کلمہ نہ لائیں گے جو ہمارے پروردگار کو ناپسند ہو۔"

(۴۱۱) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گزشتہ شب میرے ہاں ایک لڑکا تولد ہوا میں نے اس کا نام اپنے جدِ اعلیٰ کے نام پر ابراہیم رکھا۔"

(۴۱۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ابراہیم بن محمد بن علی بن ابی طالب نے اپنے باپ کے حوالہ سے اپنے دادا علیؓ بن ابی طالب کی روایت بیان کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور اُمِّ ابراہیم حضرت ماریہؓ کو اپنے ایک عمزاد کے متعلق جو ان کے پاس آیا کرتا تھا یہ گراں گزرتا تھا کہ ایک قبطی ان کی گھات میں لگا رہے اور لوگوں کی نظریں بچا کر ان کے پاس آئے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا: "یہ تلوار لے کر جاؤ اور اگر وہ وہاں موجود ہو تو اسے قتل کردو۔" حضرت علیؓ کا بیان ہے: میں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! میں آپؐ کے معاملہ میں ایک محفوظ کلہاڑی ہوں اور میرے لیے کوئی امر مانع ہے کہ میں جاؤں اور آپؐ کے حکم کی تعمیل کروں۔ لیکن یہ فرمائیں کہ کیا حاضر و موجود وہ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً حاضر وہ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا۔" چنانچہ میں نے تلوار اپنی گردن میں حمائل کی اور چلا گیا۔ میں نے اس قبطی کو وہاں موجود پایا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو اس نے اپنی تلوار سونتی اور اسے معلوم ہو گیا کہ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ تیزی سے دوڑ کر ایک کھجور کے درخت پر چڑھ گیا۔ جب وہ کھجور کی نصف بلندی پر گیا اور میں اس کے قریب ہو گیا تو اس نے اپنے آپ کو پیٹھ کے بل نیچے گرا دیا اور

پھر اپنے دونوں پاؤں ہلائے۔ میں نے اس کے ستر کو ٹٹولا تو اس میں مردوں والی چھوٹی بڑی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی تلوار کو میان میں کر لیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا ماجرا آپؐ کو سنایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو ہم اہلِ بیت کی مدافعت کرتا ہے۔"

اولادِ نرینہ کے عوض کوثر کا عطیہ

(۴۱۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یزید بن رومان نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں ذکر کیا جاتا تو عاصی بن وائل سہمی کہتا تھا: "اس شخص کو چھوڑو، وہ تو ایک ابتر آدمی ہے، اولادِ نرینہ سے محروم ہے، مرجائے گا تو اس کا تذکرہ ختم ہو جائے گا اور تمہیں اطمینان و سکون حاصل ہو جائے گا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکوثر نازل فرمائی:

انا اعطینٰك الكوثرۃ فصلّ لربك ——— (اے نبیؐ!) ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا۔ پس تم اپنے رب ہی کے لیے
وانحرۃ انّ شانئك هو الابترۃ ——— نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

"الکوثر" دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور بے انتہا خیر و برکت اور بے شمار نعمتوں کو محیط ہے۔ انّ شانئك هو الابتر ——— یعنی تمہارا دشمن عاصی بن وائل ہی ابتر ہے۔

(۴۱۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری نے عبداللہ بن مسلم زہری کی روایت بیان کی۔ عبداللہ بن مسلم نے کہا: میں نے انس بن مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "کوثر" کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ عطیہ جو آپؐ کو دیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس طرح (یمن کے) صنعاء سے سرزمینِ شام کے ایلہ تک نہر ہے۔ اس پر اتنے کوزے رکھے ہوں گے جتنے آسمان میں تارے ہیں۔ اس نہر کے کنارے پرندے ہوں گے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح لمبی ہوں گی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! بخدا! یہ پرندے تو بہت فربہ اور خوشحال ہوں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ فربہ اور توانا ہوں گے۔"

(۴۱۵) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی سے اور اس نے عبداللہ بن ابی نجیح کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ——— "انا اعطینٰك الكوثر" کے متعلق انس بن مالک کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے! ابن ابی نجیح نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: یہ جنت میں ایک نہر ہے جس کے بہنے کی آواز (خرخراہٹ) کو ہر شخص سُن سکے گا خواہ اس نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونسی ہوں گی۔

(۴۱۶) یونس نے یزید بن زیاد بن ابی جعد سے اور اس نے عاصم جدری کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی روایت بیان کی۔ راوی نے کہا کہ فرمانِ الٰہی ——— فصلّ لربّك وانحر ——— میں "نحر" سے مراد نماز میں بائیں ہاتھ پر

دایاں ہاتھ رکھ کر اسے سینے پر باندھنا ہے۔ (اس طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور نماز میں بائیں پر دایاں ہاتھ رکھ کر اسے سینے سے باندھو)

(۴۱۷) یونس نے قطر بن خلیفہ کی روایت نقل کی۔ قطر نے کہا کہ میں نے عطاؒ سے "کوثر" کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا "یہ جنت میں ایک نہر ہے۔" نیز میں نے آیت ـــــ فصل لربك وانحر ـــــ کے متعلق پوچھا تو عطاؒ نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم قربانی کے دن فجر کی نماز پڑھیں اور اس کے بعد قربانی کریں۔"

باب ۴۰

مذاق اُڑانے والوں کا المناک انجام

(۴۱۸) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کی طرف سے فتنہ پردازی، ایذا رسانی اور استہزاء کے باوجود ثواب حاصل کرنے اور اپنی قوم کی خیر خواہی کے جذبہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تبلیغ کے لیے کمر ہمت باندھ لی۔ راوی نے کہا: مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ وغیرہ علماء کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ مذاق اڑانے والے یہ پانچ اشخاص تھے:

اسود بن عبد یغوث بن وہب، اسود بن مطلب بن اسد، ولید بن مغیرہ، عاصی بن وائل اور حارث بن طلاطلہ خزاعی۔

یہ آپؐ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپؐ پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آنحضرتؐ کے ساتھ کعبہ کے دروازہ کے قریب کھڑے ہوگئے۔ یہ مذاق اڑانے والے اس وقت کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ اسود بن عبد یغوث آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اس کا پیٹ سُوج گیا اور وہ مر گیا۔

اسود بن مطلب آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے چہرہ پر ایک سبز پتہ پھینکا اور اس کی بینائی جاتی رہی۔

ولید بن مغیرہ آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے پاؤں کے ٹخنے کے ایک زخم کی طرف اشارہ کیا، یہ زخم کچھ عرصہ قبل اسے لگا تھا، جبریلؑ کے اشارے سے یہ زخم دوبارہ خراب ہوگیا اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔

عاصی بن وائل آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے پاؤں کے تلوے کے درمیانی حصّہ کی طرف اشارہ کیا وُہ ایک گدھے پر سوار ہو کر طائف گیا۔ گدھا ایک زہریلے خار دار پودے پر بیٹھ گیا۔ عاصی کے پاؤں کے تلوے کے وسطی حصّہ میں ایک کانٹا چُبھ گیا جو اس کی موت کا سبب بن گیا۔

پھر حارث بن طلاطلہ آپؐ کے پاس سے گزرا، جبریلؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا وہ متورم ہوگیا اور پیپ سے بھر گیا اور یہی عارضہ اس کی موت کا سبب بن گیا۔ ان مذاق اڑانے والوں کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا:

انا کفینٰک المستھزءین ۝ تمہاری طرف سے ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کے لیے کافی ہیں۔

(الحجر۔ ۹۵)

(۴۱۹) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے زبیر نے عکاشہ بن عبد اللہ بن ابی احمد کی یہ روایت بیان کی کہ جب ہشام بن ولید کے بھائی ولید بن ولید نے اسلام قبول کیا تو بنی مخزوم کے کچھ آدمی ہشام بن ولید کے پاس گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ ان میں سے جن نوجوانوں ـــــ سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ ـــــ نے اسلام قبول کیا ہے انہیں پکڑ لیا جائے۔ لیکن وہ ہشام بن ولید کے شر سے خائف تھے اس لیے انہوں نے اسے کہا کہ ان نوجوانوں نے جو نیا دین ایجاد کر لیا ہے اس کی پاداش میں ہم انہیں سزا دینا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے علاوہ دُوسروں کو یہ دین قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور ہم محفوظ ہو جائیں گے ہشام نے کہا: "جس نے یہ کام کیا اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ پس اگر تم اسے سزا دو گے تو میں اس کے نتائج سے تمہیں متنبہ کرتا ہوں۔ پھر اس نے یہ شعر کہا:

الا لا یقتلن اخی عییش — خبردار! کوئی دھوکا باز ظالم میرے بھائی کو قتل نہ کرے۔ اگر کسی نے
فیبقی بیننا ابداً تلاح — ایسا کیا تو ہمارے درمیان ہمیشہ لڑائی جھگڑا برپا رہے گا۔

اس سے تعرض کرنے سے بچو۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہُوں کہ اگر تم نے اسے قتل کیا تو میں تم میں سے ایسے آدمی کو قتل کروں گا جو سب سے زیادہ بزرگی کا حامل ہوگا۔" انہوں نے کہا: "اے اللہ! اس پر لعنت بھیج۔ اس خبیث کے خلاف کون جرأت کر سکتا ہے؛ بخدا! اگر اسے ہماری وجہ سے مصیبت پہنچی تو یہ ہمارے بزرگ ترین آدمی کو قتل کر دے گا۔" انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور اپنے منصوبہ سے باز آ گئے۔ ہشام ان لوگوں میں سے ہو گیا جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے شر کو دفع کیا۔

(۴۲۰) یونس نے ابی معشر کے حوالہ سے محمد بن کعب کی یہ روایت بیان کی کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ ہمیں بتاتے ہیں کہ موسیٰؑ کے پاس ایک عصا تھا جسے انہوں نے چٹان پر مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ آپؐ ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ عیسیٰؑ مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ آپؐ ہمیں یہ خبر بھی دیتے ہیں کہ قوم ثمود کے لیے ایک اُونٹنی تھی۔ اس قسم کی کوئی نشانی آپؐ بھی پیش کریں تاکہ ہم آپؐ کی تصدیق کریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگ مجھ سے کس چیز کا مطالبہ کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: "ہمارے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیا جائے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اگر میں ایسا کر دُوں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟" انہوں نے کہا: "ہاں، اگر آپؐ نے ایسا کر دیا تو ہم سب آپؐ کا اتباع کریں گے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور دُعا کرنے لگے حضرت جبریلؑ آپؐ کے پاس تشریف لائے اور آپؐ سے کہا: "آپؐ کیا چاہتے ہیں؟ اگر آپؐ چاہیں تو میں صفا کے پتھروں کو سونے میں تبدیل کر دوں لیکن جب کوئی فرمائشی معجزہ پیش کیا جائے اور لوگ اس کی تصدیق نہ کریں تو ایسی صورت میں وہ عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگر آپؐ چاہیں تو ان میں سے توبہ کرنے والے تائب ہو جائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ان کو چھوڑے دیتا ہُوں تاکہ ان میں سے جو کوئی توبہ کرنا چاہے وہ تائب

ہوجائے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں :

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم ایۃ لیؤمنن بھا۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔ الیٰ قولہ
وما کانوا لیؤمنوا الا ان یشآء اللہ۔
(الانعام - ۱۰۹ - ۱۱۱)

یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے سامنے آجائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اے نبیؐ! ان سے کہو کہ "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں۔" اور تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں۔ ہم اسی طرح ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ہم انہیں ان کی سرکشی ہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑے دیتے ہیں اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مُردے ان سے باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الّا یہ کہ مشیّتِ الٰہی یہی ہو کہ وہ ایمان لائیں۔

(۴۲۱) یونس نے عیسیٰ بن عبداللہ تمیمی کے حوالے سے ربیع بن انس بکری کی یہ روایت بیان کی۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے جس طرح حضرت صالحؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نشانیاں لے کر آئے تھے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے لیے نشانی نازل کرے۔ لیکن اس کے بعد اگر تم نے نافرمانی کی روش اختیار کی تو تم ہلاک ہوجاؤ گے کیونکہ تم پر عذاب نازل کیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا، "ہم نشانی نہیں چاہتے۔"

(۴۲۲) یونس نے ابی معشر مدینی کی وساطت سے محمد بن کعب قرظی کی یہ روایت بیان کی کہ قریشِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمکلام ہُوئے اور انہوں نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم ایک تنگ وادی میں ہیں، جہاں پانی کی قلت ہے۔ اپنے قرآن کے زور سے ان پہاڑوں کو چلا کر پیچھے ہٹادو (تاکہ وادی کشادہ ہوجائے)، اور ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نکالو تاکہ ہم اس سے سیراب ہوں اور ہمارے آباؤاجداد کو قبروں سے نکال لاؤ تاکہ ہم اُن سے ہمکلام ہوں اور دریافت کریں کہ ان کا کیا حال ہے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

ولو ان قرانا سیرت بہ الجبال اوقطعت بہ الارض اوکلم بہ الموتیٰ ط (الرعد - ۳۱)

اور کیا ہوجاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہوجاتی، یا مُردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبیؐ! اگر قرآن کے زور سے اس قسم کی نشانیاں دکھا دینے میں مصلحت ہوتی تو میں تمہارے اس قرآن کے ذریعہ سے ایسا ضرور کر دیتا۔

(۴۲۳) یونس نے ہشام بن عروہ کی یہ روایت بیان کی کہ قرآن کے جملہ مضامین جن میں اُمم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدمی کی تلقین کی گئی ہے وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئے اور فرائض و سنن (یعنی شریعت و قانون) کے متعلق احکام مدینہ منورہ میں نازل ہوئے۔

(۴۲۴) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت نقل کی کہ عبد اللہ کوفہ پہنچا تو وہاں اس نے "زط" لوگوں کو دیکھا اور ان سے خوفزدہ ہُوا۔ اس نے دریافت کیا: "یہ کون لوگ ہیں؟" جواب دیا گیا: یہ "زط" ہیں۔ عبد اللہ نے کہا: "یہ لوگ جنوں سے مشابہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سنایا تھا۔"

(۴۲۵) یونس نے اعمش کی روایت نقل کی۔ اعمش نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جنوں سے خطاب کیا ان کی تعداد نو تھی۔

رکانہ بن عبد یزید کا واقعہ

(۴۲۶) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ بن عبد یزید سے فرمایا: "اسلام قبول کرو۔" رکانہ نے کہا: "اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہاری باتیں سچّی ہیں تو میں ضرور اسلام قبول کر لوں۔" رکانہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے قوی ترین لوگوں میں سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر میں تمہیں کشتی میں پچھاڑ دوں تو تمہیں یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سچ ہے۔" رکانہ نے کہا: "ہاں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے رکانہ کو پچھاڑ دیا۔ اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) !دوبارہ کشتی لڑو۔" آنحضرتؐ نے اس سے دوبارہ پنجہ آزمائی کی اور اسے پچھاڑ دیا۔ رکانہ یہ کہتے ہوئے چلا گیا: "یہ شخص تو جادوگر ہے میں نے کبھی اس جیسا جادو نہیں دیکھا۔ بخدا! میری طاقت سلب ہو گئی۔ یہاں تک کہ اس نے پہلو کے بل مجھے زمین پر گرا دیا۔"

باب ۴۱

علاماتِ نبوّت

(۴۲۷) یونس نے اعمش کے حوالہ سے منہال بن عمرو سے اور اس نے یعلی ابن مرہ کی وساطت سے اس کے باپ کی روایت نقل کی۔ مرہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر کیا اور عجیب و غریب چیزوں کا مشاہدہ کیا۔ ہم ایک منزل پر اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان دو درختوں کی طرف جاؤ اور انھیں کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں فرمایا ہے کہ تم دونوں مل جاؤ۔" میں ان درختوں کے پاس گیا اور انھیں آنحضرتؐ کا یہ پیغام دیا۔ ان میں سے ہر ایک درخت اپنی جڑ سے اکھڑ کر دوسرے کی طرف چلنے لگا اور وہ دونوں آپس میں مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آڑ میں رفعِ حاجت کی اور پھر مجھے فرمایا کہ "انہیں جاکر کہو کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے جائیں۔" میں گیا اور ان دونوں کو یہ پیغام دیا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک چل کر اپنی اپنی جگہ پر واپس آگیا۔

آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے کہا: "میرا یہ بیٹا سات سال سے کسی بلا کا شکار ہے اور ہر روز دو دفعہ اس بلا کا دورہ ہوتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے میرے قریب لاؤ۔" عورت اس لڑکے کو آنحضرتؐ کے قریب لے گئی۔ آپؐ نے اس لڑکے کے منہ میں یہ بات کہی: "اے دشمنِ خدا! نکل جاؤ، میں خدا کا رسول ہوں۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: "جب ہم واپس آئیں تو ہمیں اس بچے کا حال بتانا۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے لوٹے تو اس عورت نے آنحضرتؐ کا استقبال کیا اور وہ دو موٹے اور فربہ مینڈھے بطور ہدیہ ساتھ لائی۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "یہ ایک مینڈھا لے لو۔" راوی نے ایک مینڈھا لے لیا۔ اس عورت نے کہا: "میرا والد آپؐ کو سلام عرض کرتا ہے۔ جب سے آپؐ تشریف لے گئے تھے بچے کے پاس وہ بلا نہیں آئی۔"

پھر آنحضرتؐ کے پاس ایک اونٹ آیا اور آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اس اونٹ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو بلا بھیجا اور فرمایا: "تمہارے اس اونٹ کو کیا ہو گیا ہے، یہ تمہاری شکایت کرتا ہے۔" صحابہؓ نے کہا: "ہم اس سے کام لیتے تھے، یہ بوڑھا ہو چکا ہے اور کام کے قابل نہیں رہا اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کل اسے ذبح کر دیا جائے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو ذبح نہ کرو بلکہ اسے اونٹوں کے اس گلّے میں بھیج دو جس میں وہ پہلے چرا کرتا تھا۔"

—

(۴۲۸) یونس نے اعمش سے اور اس نے شمر بن عطیہ کے حوالہ سے بعض اساتذہ کی یہ روایت بیان کی کہ ایک عورت اپنے ایک گونگے بچے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میرا یہ بچہ جب سے پیدا ہوا ہے بولتا نہیں ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے میرے قریب لاؤ۔" وہ عورت اسے آنحضرتؐ کے قریب لے گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے سوال کیا: "بتاؤ، میں کون ہوں؟" بچہ پکار اٹھا: "آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

(۴۲۹) یونس نے اسماعیل بن عبدالملک سے اور اس نے ابی زبیر کی وساطت سے جابر کی روایت نقل کی۔ جابرؓ نے کہا: میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپؐ قضائے حاجت کے لیے دُور نکل جاتے تھے جہاں آپؐ کو کوئی دیکھ نہ سکے۔ ہم ایک وسیع و فراخ صحرا میں اترے جس میں دُور دُور تک کوئی درخت یا اوٹ یا آڑ نہیں تھی۔ آنحضرتؐ نے مجھے فرمایا: "اے جابر! یہ برتن لے لو اور چلو۔" میں نے برتن پانی سے بھر لیا اور ہم دُور نکل گئے، وہاں دو درخت ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ پر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "اے جابر! جاؤ اور اس درخت کو کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اس دُوسرے درخت کے ساتھ جا کر مل جاؤ تاکہ میں تم دونوں کی اوٹ میں بیٹھ سکوں۔ چنانچہ وہ درخت چل کر دُوسرے درخت کے ساتھ مل گیا۔ آنحضرتؐ نے ان کی اوٹ میں بیٹھ کر فراغت حاصل کی۔ پھر ہم واپس آئے اور اپنی سواریوں پر سوار ہو کر چل دیے، اور ہم ایسا محسوس کر رہے تھے کہ پرندوں کے غول نے ہمارے سروں پر سایہ کیا ہوا ہے۔

ہم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک لڑکے کو اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئی اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میرے اس بیٹے پر شیطان ہر روز تین بار دورہ کرتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور اس لڑکے کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا اور تین دفعہ فرمایا: "اے دشمنِ خدا! نکل جا، میں خدا کا رسول ہوں۔" آنحضرتؐ نے پھر اس لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا۔ جب ہم واپس آئے تو وہ عورت دو دُنبے لے کر اور بچے کو اٹھا کر پھر حاضر ہوئی اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے، اُس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے وُہ بلا پھر اس بچے کے پاس نہیں آئی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دُنبہ لے لو اور دُوسرا ان کے پاس رہنے دو۔"

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں روانہ ہوئے ایک اونٹ بلبلاتا ہُوا آ گیا اور انجیر کے دو درختوں کے درمیان آنحضرتؐ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس اونٹ کا مالک کون ہے؟" انصاری نوجوانوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ ہمارا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "اس کا کیا حال ہے؟" انہوں نے کہا: "ہم بیس سال تک اس سے پانی کھینچنے کا کام لیتے رہے ہیں۔ جب یہ عمر رسیدہ ہو گیا اور اس پر چربی آ گئی تو ہم نے اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ ہم اسے لڑکوں بالوں میں تقسیم کر دیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: "یہ میرے پاس فروخت کر دو۔" انہوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! یہ آپؐ ہی کا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کی خاطر و مدارات کرو یہاں تک کہ اس کی اجل آ جائے۔" انہوں نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! ہم چوپاؤں کی نسبت اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی بشر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وُہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے۔ اگر اس کا جواز ہوتا تو عورتیں اپنے مردوں کو سجدہ کرتیں۔"

(۴۳۰) یونس نے مبارک بن فضالہ کی وساطت سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ کی کسی گھاٹی میں تھے۔ آپؐ کی قوم نے آپؐ کو جھٹلایا تھا اور آپؐ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق قوم کی اس بدسلوکی سے سخت غمگین تھے۔ آنحضرتؐ نے دعا کی: "اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسی نشانی دکھلا جس سے میرے دل کو سکون و اطمینان حاصل ہو اور میرا یہ غم غلط ہو جائے۔" اللہ عزّ وجلّ نے آپؐ کی طرف وحی بھیجی کہ اس درخت کی جس ٹہنی کو تم بلانا چاہو بلاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹہنی کو بلایا وُہ اپنی جگہ سے اُکھڑ کر زمین کے ساتھ مل گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ اپنی جگہ پر واپس چلی جاؤ۔ چنانچہ وہ شاخ زمین کے ساتھ ساتھ جا کر اپنی سابقہ حالت پر قائم ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزّ وجلّ کی حمد بیان کی اور آپؐ کا جی خوش ہو گیا۔

مشرکین نے آنحضرتؐ کو کہا تھا: "اے محمدؐ! کیا تم اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ قرار دیتے ہو؟" اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون ٥ ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك ج لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخٰسرین ٥ بل اللہ فاعبد وکن من الشّٰکرین ٥
(الزمر - ۶۴ - ۶۶)

(اے نبیؐ!) ان سے کہو "پھر کیا اے جاہلو! تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لیے مجھ سے کہتے ہو؟" (یہ بات تمہیں ان سے صاف کہہ دینی چاہیے کیونکہ) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔ لہٰذا (اے نبیؐ!) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

(۴۳۱) یونس نے مالک بن مغول سے اور اس نے طلحہ کی وساطت سے ابو صالح کی یہ روایت بیان کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ صحابہ کرامؓ کا زادِ راہ ختم ہو گیا اور آنحضرتؐ نے قصد کر لیا کہ سواری کے بعض اونٹوں کو ذبح کر لیا جائے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! اگر آپؐ حکم دیں تو تمام لوگوں کے باقی ماندہ زادِ راہ آپؐ جمع کر لیں اور اس میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا کریں۔" جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا اور جس کے پاس کھانے کے دانے تھے وُہ لے آیا۔ مجاہد نے کہا: "جس کے پاس چھوہارے کی گٹھلی تھی وہ گٹھلی ہی لے آیا۔ میں نے کہا: "وہ گٹھلیوں کو کیا کرتے تھے؟" اس نے کہا: "وہ گٹھلی کو چُوستے تھے اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے۔"

جب بچا کھچا زادِ راہ جمع ہوگیا تو آنحضرتؐ نے اس میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کی۔ سب لوگوں نے اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ۔ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا اور اسے توحید و رسالت کے بارے میں شک نہیں ہوگا اسے قیامت کے دن جنت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔"

(۴۲۳۱) یونس نے قاسم بن فضل سے روایت نقل کی۔ قاسم نے کہا: مجھ سے ابو نصرہ عبدی نے ابو سعید خدریؓ کی یہ روایت بیان کی کہ ایک گڈریا سنگستان میں اپنا ریوڑ چرا رہا تھا۔ ایک بھیڑیا ریوڑ میں سے ایک بکری اٹھانے کے لیے آگیا گڈریا بھیڑیے کے آڑے آیا اور اس نے بکری کو اس کی دست بُرد سے بچا لیا۔ بھیڑیا اپنی دم دبا کر بیٹھ گیا اور اس نے گڈریے سے کہا: "تو خدا سے نہیں ڈرتا، تو میرے اور اس رزق کے درمیان حائل ہوگیا جو خدا نے مجھے دیا ہے۔" گڈریے نے کہا: "یہ عجیب بات ہے کہ ایک بھیڑیا اپنی دم پر بیٹھ کر مجھ سے آدمیوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔" بھیڑیے نے کہا: "کیا میں تمہیں اس سے عجیب تر بات نہ بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ان باتوں کی خبر دیتے ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں؟" گڈریا اپنا ریوڑ ہانک کر مدینے آیا اور اسے مدینہ کے گوشوں میں سے ایک گوشے میں چھوڑ دیا۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آنحضرتؐ کو بھیڑیے کی گفتگو سنائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لائے اور اس گڈریے کو فرمایا کہ بھیڑیے کی باتیں ان لوگوں کو بھی بتا دو۔ گڈریے نے تعمیلِ ارشاد کی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: "اس گڈریے نے سچ کہا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ درندے انسانوں کے ساتھ کلام کریں گے اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ یہ علامت ظاہر نہ ہو اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ کلام نہ کرے اور اس کا کوڑا اور اس کی ران اس سے وہ تمام باتیں بیان نہ کرے جو اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہلِ خانہ نے کی ہوں گی۔"

(۴۲۳۲) یونس نے عبدالحمید بن بہرام فزاری کی روایت بیان کی۔ عبدالحمید نے کہا: مجھ سے شہر بن حوشب نے ابو سعید کی یہ روایت نقل کی کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص ذوالحلیفہ کے ریگستان میں اپنی بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا۔ اچانک ایک بھیڑیا ایک بکری پر جھپٹا اور اسے پکڑ لیا۔ گڈریا زور سے چلایا اور اس نے بھیڑیے کو پتھر مارے اور بکری کو بھیڑیے سے بچا لیا۔ بھیڑیا اپنی دم زمین پر ٹیک کر گڈریے کے بالمقابل بیٹھ گیا اور اسے کہا: "تو اللہ سے کیوں نہیں ڈرتا؟ تو میرے اور بکری کے درمیان حائل ہوگیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی تھی۔" گڈریے نے کہا: "بخدا! میں نے ایسی بات کبھی نہیں سُنی تھی جو آج سُنی ہے۔" بھیڑیے نے کہا: تو متعجب کیوں ہے؟" گڈریے نے کہا: "تیری گفتگو نے مجھے تعجب میں ڈال دیا ہے۔" بھیڑیے نے کہا: "اس سے زیادہ عجیب معاملہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو کھجور کے درختوں کے درمیان اپنی جماعت کے لوگوں کو ان باتوں کی خبر دیتے ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں اور جو آئندہ وقوع پذیر ہونے والی ہیں اور تم یہاں اپنے ریوڑ کے پاس ہو۔" جب گڈریے نے بھیڑیے کی باتیں سُنیں تو اس نے اپنے ریوڑ کو ہنکایا اور انہیں انصار کے محلہ میں ایک قبہ میں داخل کر دیا۔ پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ملاقات کی اور آنحضرتؐ کو بھیڑیے کی باتیں تبلائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع کو درست تسلیم کیا اور فرمایا کہ دن کے آخری حصہ میں آؤ اور جب دیکھو کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو انھیں اس واقعہ کی خبر دو۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا کی اور لوگ اکٹھے ہو گئے تو قبیلہ اسلم کے اس شخص نے لوگوں کو بھیڑیے کا واقعہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ فرمایا کہ اس شخص نے سچ کہا ہے۔ یہ ان عجائبات سے ہے جو قیامت کے قریب وقوع پذیر ہوں گے۔" اس فقرہ کو بھی آنحضرتؐ نے تین دفعہ دہرایا، اور پھر فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ وہ وقت قریب ہے کہ آدمی صبح یا شام کو گھر سے باہر جائے اور جب واپس آئے تو اس کا کوڑا یا اس کا جوتا وہ تمام باتیں اسے بتلا دے جو اس کی عدم حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کی ہوں۔"

(۴۳۴) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: "مجھ سے عبدالرحمان اعرج نے ابی سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان فرمایا جو ایک گائے پر سوار ہو گیا اس نے گائے کو چھیڑ کر دوڑانا چاہا اور اس کو مارا۔ گائے نے کہا: "اے اللہ کے بندے! میں اس کام کے لیے پیدا نہیں کی گئی ہوں۔" صحابہؓ نے کہا: "اللہ پاک ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس واقعہ کو عجیب سمجھا ہے؟" صحابہؓ نے عرض کی "ہاں، یا رسولؐ اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔" یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک بھیڑیا ایک آدمی کے ریوڑ پر جھپٹا اور اس میں سے ایک بکری کو اٹھا لیا۔ اس آدمی نے بھیڑیے کا تعاقب کیا اور بکری بھیڑیے کے منہ سے چھین لی۔ تب بھیڑیے نے کہا: آج تو نے اس بکری کو مجھ سے چھڑا لیا بھلا جس دن درندہ اس کا نگہبان ہو گا اس دن اس کو کون بچائے گا۔ اس وقت میرے سوا اس کا کوئی نگہبان نہ ہو گا!" صحابہؓ نے اللہ کی تسبیح کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم اس واقعہ کو عجیب سمجھتے ہو؟" صحابہؓ نے عرض کی: "ہاں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔" یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔

(۴۳۵) یونس نے یحییٰ بن ابی انیسہ کے حوالے سے زہری سے اور اس نے سعید بن مسیّب کی وساطت سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک چرواہا بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا اور ایک بھیڑیا ایک بکری کو گلّہ سے اُچک لے گیا۔ گڈریے نے بھیڑیے کا تعاقب کیا اور بکری اس سے چھین لی۔ بھیڑیا گڈریے کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: "جس دن درندہ اس کا نگہبان ہو گا اس دن اس کو کون بچائے گا ——— اس دن بکریوں کا کوئی گڈریا نہیں ہو گا۔" صحابہؓ نے کہا: "سبحان اللہ!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میںؐ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔"

(۴۳۶) یونس نے ابن ابی انیسہ کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے سعید بن مسیّب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمان کی

وساطت سے ابوہریرہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص اپنی گائے کو ہانک رہا تھا اور اس پر اس نے بوجھ لادا ہوا تھا۔ گائے اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: "میں اس کام کے لیے پیدا نہیں کی گئی ہوں، بلکہ مجھے تو کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔" صحابہؓ نے تعجب سے کہا: "اللہ پاک ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اس واقعہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔"

(۴۳۷) یونس نے سری بن اسماعیل کی وساطت سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے آپؐ نے ایک جگہ ڈیرہ ڈالا۔ صحابہؓ پانی کا ایک برتن لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! ہمارے پاس صرف یہی پانی ہے۔" آنحضرتؐ نے اس پانی کو ایک ڈول میں انڈیل دیا اور اپنی انگلی کو ڈول کے درمیان رکھ کر پانی میں ڈبو دیا۔ لوگ آتے رہے اور وضو کر کے واپس جاتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا کہ بعض کی ایڑیاں پانی سے تر نہ ہوئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! ان کی اس کوتاہی کو معاف فرما۔"

(۴۳۸) یونس نے مالک بن مغول سے اور اس نے طلحہ کے حوالہ سے ابوصالح کی یہ روایت بیان کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اپنے بھائیوں سے کب ملوں گا؟" صحابہؓ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میرے اصحاب ہو۔ میرے بھائی میری اُمت کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا لیکن وہ مجھ پر ایمان لائے اور انہوں نے میری تصدیق کی۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون سے لوگوں کا ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟" صحابہؓ نے کہا: "اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ کیونکر ایمان نہ لائیں گے جبکہ وہ ہر وقت اللہ کے دربار میں حاضر ہیں۔" صحابہؓ نے پھر کہا: "انبیاء علیہم السلام کا ایمان پسندیدہ ترین ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "ان کے لیے ایمان لائے بغیر چارہ نہیں کیونکہ ان کی طرف وحی آتی ہے۔" صحابہؓ نے پھر کہا: "انبیاء علیہم السلام کے صحابہؓ کا ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ کیوں نہ ایمان لائیں جبکہ اللہ عزّ وجل کے پیغمبر اُن میں موجود ہوں؟ لیکن میری اُمت کے وہ لوگ جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا وہ اپنے پروردگار پر اور اس کی کتاب پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں تو ان کا ایمان پسندیدہ ترین ہے۔"

(۴۳۹) یونس نے اعمش سے اور اس نے عمارہ بن عمیر کے حوالہ سے عبدالرحمان بن یزید کی یہ روایت بیان کی کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی فضیلت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ عبد اللہ نے کہا: ماکان ....فضلہ لمن مراٰہ[1] اور قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی فضیلت کامل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بن دیکھے ایمان لانے والے سے زیادہ کوئی مومن افضل نہیں ہے۔ پھر عبد اللہ نے یہ آیات تلاوت کیں:

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ — الف، لام، میم۔ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

. . . . — ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں،

. . . . . . الیٰ قولہ — نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ

---

[1] جملہ نامکمل ہونے کے سبب اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

واولٰئك هم المفلحون ٥

(البقرہ - ۱ - ۵)

کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

(۴۰) یونس نے اسماعیل بن عبدالملک کی وساطت سے عطاؒ کی یہ روایت بیان کی کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ آپؐ کے گرد جمع تھے آپؐ نے ان سے فرمایا: یہ امر پسندیدہ تو ہے لیکن عجیب نہیں ہے کہ تم میں سے ایک شخص تمہاری طرف مبعوث کیا گیا اور تم اس پر ایمان لائے اور تم نے اس کی تصدیق کی۔ تمہارا یہ عمل یقیناً پسندیدہ ہے لیکن انوکھا نہیں ہے۔ پسندیدہ ترین اور عجیب ترین ایمان تو ان لوگوں کا ہے جو بِن دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔

(۴۱) یونس نے اسماعیل سے روایت نقل کی۔ اسماعیل نے کہا کہ مجھ سے یزید بن ابی حبیب نے مرثد بن عبداللہ کے حوالہ سے ابی عبدالرحمان جہنی کی یہ روایت بیان کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اتنے میں اہلِ یمن میں سے دو سوار آگئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا: "دو مذحجی کندی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بیعت کرنے آئے ہیں۔" جب ان میں سے ایک شخص نے آنحضرتؐ کا ہاتھ بیعت کی غرض سے پکڑا تو عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! وُہ شخص جو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ پر ایمان لایا، آپؐ کی تصدیق کی اور اس بات کی شہادت دی کہ آپؐ جو پیغام لائے ہیں وہ برحق ہے اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اس کا یہ طرزِ عمل پسندیدہ و مقبول ہے۔" اس شخص نے آنحضرتؐ کی بیعت کی اور چلا گیا۔ پھر دوسرا شخص آگے بڑھا اور اس نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! جس شخص نے آپؐ کو نہیں دیکھا لیکن اس نے آپؐ کی تصدیق کی اور اس بات کی شہادت دی کہ آپؐ جو پیغام لائے ہیں وہ برحق ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟" آپؐ نے فرمایا: اس کا یہ طرزِ عمل بھی پسندیدہ و مقبول ہے۔" اس شخص نے بھی آنحضرتؐ کی بیعت کی اور پھر وُہ چلا گیا۔

(۴۲) یونس نے فائد بن عبدالرحمان عبدی کے حوالہ سے عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اپنے بھائیوں کا مشتاق ہُوں۔" حضرت عمرؓ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "نہیں، تم میرے اصحابؓ ہو، میرے بھائی وُہ ہیں جو بِن دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔" جب حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وُہ بات بتائی جو آنحضرتؐ نے فرمائی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکرؓ! کیا تمہیں ان لوگوں سے پیار اور محبت نہیں ہے جنہیں یہ بات پہنچے گی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور اس بنا پر وہ تم سے محبت کریں گے؟ تمہیں چاہیے کہ تم ان سے محبت کرو، اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرے گا۔"

باب ۲۴

اُمِّ شریکؓ دوسیہ کا اسلام لانا

(۳۳۴) یونس نے عبدالاعلیٰ بن مساور قرشی کے حوالہ سے محمد بن عمرو سے اور اس نے عطاء کی وساطت سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی۔ ابوہریرہؓ نے کہا: قبیلہ دوس کی ایک عورت کو امّ شریک کہا جاتا تھا۔ وہ رمضان کے مہینہ میں ایمان لے آئی۔ وہ اس تلاش میں تھی کہ کوئی شخص اسے اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جائے۔ اس کی ملاقات ایک یہودی سے ہوئی۔ یہودی نے پوچھا: "ام شریکؓ! تو کیا چاہتی ہے؟" ام شریکؓ نے کہا: "میں کسی ایسے مرد کی تلاش میں ہوں جو مجھے اپنے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جائے۔" یہودی نے کہا: "آؤ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔" ام شریکؓ نے کہا: "ذرا انتظار کرو تاکہ میں اپنی مشک میں پانی بھر لوں۔" یہودی نے کہا: "میرے پاس کافی پانی موجود ہے۔ تمہیں پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ام شریکؓ یہودی کے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ قافلہ دن بھر سفر کرتا رہا اور شام کو یہودی نے ایک جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ اس نے دستر خوان بچھایا اور اس پر کھانا چن دیا اور کہا: "ام شریکؓ! آؤ تم بھی کھاؤ۔" ام شریکؓ نے کہا: "میں پیاسی ہوں، مجھے پانی پلاؤ۔ میں جب تک پانی نہ پیوں گی پیاس کی وجہ سے کچھ کھانے کے قابل نہیں ہوں۔" یہودی نے کہا: "میں تمہیں اس وقت تک پانی نہیں دوں گا جب تک تم یہودیت اختیار نہ کرو۔" ام شریکؓ نے کہا: "اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر سے محروم رکھے۔ تم نے مجھے دھوکا دیا اور اپنے ساتھ پانی لانے سے روکے رکھا۔" یہودی نے کہا: "بخدا! میں تمہیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پلاؤں گا جب تک کہ تم یہودیت اختیار نہ کرو۔" ام شریکؓ نے کہا: "بخدا! میں ہرگز یہودیت اختیار نہیں کروں گی جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے۔" وہ اپنے اونٹ کے پاس گئی، اس کا گھٹنا باندھا اور اونٹ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئی۔

ام شریکؓ نے کہا: "میری پیشانی پر ایک ڈول رکھ دیا گیا، اس کی ٹھنڈک محسوس کرکے میں بیدار ہوگئی۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہ مشروب دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ پھر اپنی مشک کو خوب صاف کرکے اس میں وہ مشروب بھر لیا۔ پھر اس ڈول کو میرے پاس سے اٹھا لیا گیا اور میری نظروں کے سامنے آسمان میں غائب ہوگیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ یہودی آیا اور اس نے مجھے پکارا، میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پانی پلایا ہے۔" یہودی نے کہا: "کہاں سے؟ کیا آسمان سے تمہارے لیے مشروب نازل کیا گیا؟" میں نے کہا: "ہاں، بخدا! اللہ تعالیٰ نے وہ مشروب میرے لیے آسمان سے نازل فرمایا اور پھر میری نظروں کے سامنے اسے

اٹھا لیا گیا یہاں تک کہ وُہ آسمان میں غائب ہوگیا۔"

پھر ام شریکؓ نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئی اور آنحضرتؐ کو اپنا ماجرا سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکاح کا پیغام دیا۔ ام شریکؓ نے کہا: "یا رسول اللہؐ! میں اپنے آپ کو آپؐ کی زوجیت کے قابل نہیں سمجھتی اس لیے اپنی ذات کو آپؐ کے لیے ہبہ کرنے پر رضامند نہیں ہوں۔ لیکن آپؐ جس شخص کے ساتھ چاہیں میرا نکاح کردیں اور میرا مہر آپؐ ہی کے لیے ہے۔" آنحضرتؐ نے ام شریکؓ کا نکاح زیاد کے ساتھ کردیا اور فرمایا کہ ام شریک کو تیس صاع غلّہ دیا جائے۔ اور مزید فرمایا کہ یہ غلّہ کھاؤ لیکن اسے پیمانے سے نہ ناپو۔ ام شریکؓ کے پاس گھی سے بھرا ہوا ایک برتن تھا وہ یہ گھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک لونڈی کو کہا کہ یہ برتن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور سلام عرض کرنے کے بعد کہو کہ ام شریک اور اس کے خاوند نے یہ آپؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا ہے۔ لونڈی وہ برتن لے گئی۔ آنحضرتؐ کے اہل خانہ نے وُہ برتن لے لیا اور اسے خالی کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی سے کہا: "اس برتن (مشک) کو جا کر لٹکا دو اور اس کو بندھن سے نہ باندھو۔" اس نے برتن کو اس کی مقررہ جگہ پر لٹکا دیا۔ ام شریکؓ نے آکر دیکھا تو وہ برتن اسی طرح گھی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے لونڈی کو کہا: "کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اس برتن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ۔" لونڈی نے جواب دیا: "تمہارے حکم کے مطابق اس برتن کو لے گئی تھی اور پھر اس حال میں واپس لے آئی کہ اس میں ایک قطرہ بھر کوئی چیز نہ تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو جا کر وہیں لٹکا دو اور اس کے اوپر بندھن نہ باندھو۔ چنانچہ میں نے اسے اس کی مقررہ جگہ پر لٹکا دیا۔" لیکن جب ام شریکؓ نے برتن کو گھی سے بھرا ہوا دیکھا تو اس کو بندھن سے باندھ دیا۔ وہ اس گھی کو استعمال کرتے رہے، کچھ عرصہ کے بعد وہ ختم ہوگیا۔ پھر انہوں نے وہ غلّہ پیمانے سے ناپا تو دیکھا کہ وہ تیس صاع (جَو) تھے اور ان میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی حالانکہ وُہ ان میں سے کھاتے رہتے تھے۔

باب ۴۳

قبیلہ دوس کے حضرت ابوہریرہؓ کا اسلام لانا

(۴۴۴) یونس نے ابی جاریہ خالد بن دینار کی وساطت سے ابو العالیہ کی یہ روایت بیان کی کہ جب حضرت ابوہریرہؓ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: "تم کس قبیلہ سے ہو؟" ابوہریرہؓ نے عرض کیا: "میں قبیلہ دوس سے ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اور پھر اس کو جھاڑا اور فرمایا: "میرا خیال تھا کہ قبیلہ دوس کا کوئی شخص بھی بھلائی کا حامل ہوگا۔"

(۴۴۵) یونس نے ابن اسحاق سے روایت بیان کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے ایک رفیق نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بیان کی۔ ابوہریرہؓ نے کہا: زمانہ جاہلیت میں میرا نام عبد شمس بن صخر تھا۔ اسلام میں میرا نام عبدالرحمان رکھا گیا اور میرے آقا یا میرے والد نے میری کنیت ابوہریرہ رکھی۔ میں ان کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میں نے بلی کے چھوٹے بچے دیکھے اور انھیں اپنے تھیلے میں اٹھا لیا۔ جب شام کے وقت میں ریوڑ کو باڑہ میں لایا تو انہوں نے میرے تھیلے میں بلی کے بچوں کی آوازیں سنیں اور مجھ سے پوچھا: "اے عبد شمس! یہ کیا ہے؟" میں نے کہا: "یہ بلی کے بچے ہیں جو مجھے ملے ہیں۔" انہوں نے کہا: "پھر تم تو ابوہریرہ (بلیوں کے باپ) ہو۔" بعد ازاں یہ کنیت مجھ پر چسپاں ہوگئی۔

(۴۴۶) موسیٰ نے ابن اسحاق سے یہ روایت بیان کی کہ وہ اپنے حسب و نسب کے اعتبار سے قبیلۂ دوس میں قدر و منزلت کے حامل تھے اور جہاں کہیں اس بات کی ضرورت پیش آئی انہوں نے اپنے آپ کو قبیلہ کی سرداری کا اہل ثابت کیا۔

(۴۴۷) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ کے حوالہ سے ہزاز بن سعید کی روایت نقل کی۔ ہزاز نے کہا: میں بیت المقدس گیا۔ وہاں میری ملاقات علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوئی۔ میں نے سلام کیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: "تم کون ہو؟" میں نے کہا: "میں قبیلہ "رہا" کا ایک فرد ہوں۔" اس نے کہا: "میں اس قوم کے فرد کو مرحبا کہتا ہوں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی۔" اس نے پھر کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں تمھیں "رہا"، "دوس" اور "دار" کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔" عبدالرحمان نے گمان کیا کہ یہ تینوں قبائلِ عرب کے نام ہیں۔

باب ۴۴

عدیؓ بن حاتم اور دیگر چیدہ چیدہ اشخاص کا اسلام لانا

(۴۴۸) یونس نے عبدالاعلیٰ بن ابی مساور قرشی سے اور اس نے عامر شعبی کی وساطت سے عدی بن حاتم کی روایت نقل کی، عدیؓ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا گیا اور میری معلومات کی حد تک پورے عرب میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو مجھ سے زیادہ آپؐ کے ساتھ بغض رکھتا ہو اور آپؐ کو ناپسند کرتا ہو، یہاں تک کہ میں رومیوں سے جا ملا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ اخلاقِ حسنہ کی دعوت دیتے ہیں اور لوگ آپؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے ہیں تو میں نے روم کو خیرباد کہا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کے پاس چُپ چاپ کھڑا ہو گیا اس وقت صہیبؓ، سلمانؓ اور بلالؓ آپؐ کے پاس موجود تھے۔ رسول اللہؐ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا اور میری طرف دیکھا اور فرمایا: "اے عدیؓ بن حاتم! اسلام قبول کر لو تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی۔" میں نے اچھا اچھا کہا۔ میرا اعتماد بحال ہوا۔ میں آگے بڑھا اور آپؐ کے برابر بیٹھ کر میں نے اپنے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے۔ آنحضرتؐ نے میری ران پر تھپکی دی اور فرمایا: "اے عدی بن حاتم! حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاؤ تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی۔" میں نے پوچھا "اسلام کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور اس حقیقت پر ایمان لاؤ کہ بھلائی اور برائی اور نرمی و سختی کا پورا نظام تقدیرِ الٰہی تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اے عدی بن حاتم! قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے فتح نہ ہو جائیں۔ اے عدی بن حاتم! قیامت برپا نہیں ہوگی یہاں تک کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت کسی کی پناہ کے بغیر آکر اس کعبہ کا طواف کرے۔ اس دن کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اے عدی بن حاتم! قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ ایک شخص مال و دولت کی تھیلی اٹھائے اِدھر اُدھر گھومے گا اور اس مال کو قبول کرنے والا کوئی آدمی اسے نہیں ملے گا اور وہ اسے زمین پر دے مارے گا اور کہے گا:

"کاش! یہ مال میرے پاس نہ ہوتا، اے کاش! میں مٹی ہوتا۔"

(۴۴۹) یونس نے سعید بن عبدالرحمان کے حوالہ سے محمد بن سیرین کی روایت نقل کی اور محمد بن سیرین نے ابی عبیدہ بن حذیفہ بن یمان کی روایت بیان کی اور کہا کہ جس دن میں نے اسے دیکھا اس کی عمر چالیس سال تھی اور اس کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ ابو عبیدہ بن حذیفہ نے یمین نامی ایک شخص کی یہ روایت بیان کی کہ وہ عدی بن حاتم کے پاس گیا اور اسے کہا کہ تمہارے متعلق میں نے ایک حدیث سنی ہے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری اپنی زبان سے سنوں۔ اس نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تو مجھ سے زیادہ آپؐ سے نفرت کرنے والا کوئی نہ تھا یا میں آپؐ سے سخت نفرت کرنے والے

لوگوں میں سے تھا۔ میں سرزمینِ عرب کی آخری سرحد پر جو سلطنتِ روم کے بالمقابل تھی چلا گیا اور میرا وہاں رہنا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بھی زیادہ ناپسندیدہ معلوم ہوا۔ چنانچہ میں نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ میں اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس ضرور جاؤں گا اگر وہ سچے ہیں تو ان کی صداقت مجھ پر عیاں ہو جائے گی اور اگر ان کا دعوائے نبوت جھوٹا ہے تو ان کا جھوٹ بھی مخفی نہیں رہ سکتا یا مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا (راوی محمد بن سیرین کو یہاں شک لاحق ہوا) چنانچہ میں مدینہ پہنچا۔ لوگوں نے مجھے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ یہ عدی بن حاتم ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا" اے عدی بن حاتم! اسلام قبول کر لو، تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی" میں نے کہا: "بے شک میں بھی ایک دین کا ماننے والا ہوں" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں تمہاری نسبت تمہارے دین کو زیادہ جانتا ہوں" میں نے کہا: "آپؐ مجھ سے زیادہ میرے دین کو جاننے والے کیونکر ہو سکتے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "میں تمہارے دین کو تم سے زیادہ جاننے والا ہوں" میں نے کہا: "آپؐ کس طرح میرے دین کو مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "کیا تُو اپنی قوم کا سردار نہیں ہے اور کیا تو لوٹ کھسوٹ سے اموال میں سے لوٹنے والوں سے چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتا" میں نے کہا: "ہاں" آنحضرتؐ نے فرمایا: "بلاشبہ تمہارے دین میں تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے" میرے نزدیک یہ ہلکی بات تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "کیا تمہیں اسلام قبول کرنے سے یہ چیز روک رہی ہے کہ تم ہمارے ہاں محتاجی و ناداری دیکھتے ہو؟ یقیناً تم دیکھو گے کہ لوگ قبیلہ قبیلہ کر کے یکے بعد دیگرے یا بالاتفاق ہماری اطاعت قبول کریں گے (یہاں راوی کو شک ہے)" میں نے کہا: "ہاں" پھر آپؐ نے فرمایا: "کیا تم نے حیرہ کا سفر کیا ہے؟" میں نے کہا: "نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں واقع ہے" آنحضرتؐ نے فرمایا: "قریب ہے کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے تنِ تنہا نکلے گی یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کرے گی اور قریب ہے کہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کر لیے جائیں" میں نے کہا: "کیا کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟" آنحضرتؐ نے دو مرتبہ فرمایا: "کسریٰ بن ہرمز کے خزانے" آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا: "وہ وقت بھی دُور نہیں جب ایک آدمی اپنے مال میں سے صدقہ لے کر نکلے گا لیکن صدقہ قبول کرنے والا اسے نہیں ملے گا" عدیؓ بن حاتم نے کہا: "میں نے دیکھا کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے نکلی اور اس نے تنِ تنہا آ کر بیت اللہ کا طواف کیا اور میں اس پہلے لشکر میں شامل تھا جس نے مدائن پر حملہ کیا اور مالِ غنیمت حاصل کیا (اس طرح دو پیش گوئیاں پُوری ہو گئیں)۔ بخدا! تیسری پیشگوئی بھی ضرور پوری ہو گی کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے"

(۴۵۰) یونس نے ابراہیم بن عبدالرحمان شیبانی سے اور اس نے محمد بن سیرین کے حوالہ سے عدیؓ بن حاتم کی روایت نقل کی۔ عدیؓ نے کہا: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک کہ مدائن کا قصرِ ابیض فتح نہ ہو جائے، اور قیامت برپا نہ ہو گی یہاں تک کہ ایک ہودج نشین عورت حجاز سے عراق تک کا سفر امن و سلامتی کے ساتھ کرے گی اور اسے کوئی خوف لاحق نہ ہو گا۔ یہ دونوں باتیں میں مشاہدہ کر چکا ہوں۔

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگوں کا ایک ایسا امام ہوگا جو مُٹھی یا چُلّو بھر بھر کر لوگوں کو مال دے گا (کیونکہ بے شمار مال دستیاب ہوگا)۔

(۴۵۱) یونس نے عنبسہ بن ازہر کے حوالہ سے سعید بن مسروق کی یہ روایت نقل کی کہ عدی بن حاتم کسی معاملہ میں حضرت عمرؓ سے گفتگو کر رہے تھے۔ عدی نے کہا: "اے امیر المومنین! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ہاں، میں پہچانتا ہوں۔ تم ایمان لائے جبکہ لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی۔ تم نے تصدیق کی جبکہ دُوسروں نے جھٹلایا اور تم نے مال عطا کیا جبکہ دوسروں نے مال کو روکا۔"

نمر بن تولبؓ کا اسلام لانا

(۴۵۲) یونس نے قرہ بن خالد کے حوالہ سے یزید بن عبد اللہ بن شخیر کی یہ روایت بیان کی کہ جب ہم اِس تھان یا کھلیان میں تھے تو ہمارے پاس ایک اعرابی آیا جس کے سر کے بال پریشان تھے اور جس کے پاس چمڑے کا ایک ٹکڑا یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہم نے کہا: "یہ شخص شہر کا رہنے والا نہیں ہے۔" اس نے کہا: "ہاں، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مکتوب ہے جو آنحضرتؐ نے میری طرف لکھا تھا۔" لوگوں نے وہ مکتوب اس شخص سے لے کر پڑھا، اس میں لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ مکتوب اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے بنی زہیر بن اقیش کے نام ہے۔ (ابو العلاءؒ نے کہا: بنی زہیر قبیلہ عُکل کی ایک شاخ ہے) اگر تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نماز قایم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کر لو اور اموالِ غنیمت میں سے پانچواں حصّہ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصّہ اور صفی یا صفیہ امیرِ لشکر کا منتخب حصّہ ادا کرو تو تمہیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے امان حاصل ہے۔"

لوگوں نے اس اعرابی کو کہا: "اللہ تعالیٰ تمہارا معاملہ درست کرے ہمیں کوئی حدیث سنائیں جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔" اس نے کہا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے اور ہر مہینہ کے تین روزے سینے کی جلن یا وسوسے کو یا غصے کو یا عداوت کو یا حسد اور کینے کو دُور کر دیتے ہیں۔" لوگوں نے کہا: "کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟" اعرابی نے کہا: "کیا تمہیں یہ خوف

---

[۱] اس شخص کا نام نمرؓ بن تولب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کے لیے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی "کتاب الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ" ملاحظہ فرمائی جائے۔

لاحق ہوگیا ہے کہ میں رسول اللہؐ کے بارے میں دروغ بیانی کروں گا؟ بخدا! ایسا نہیں ہے۔ میں آج تم سے کوئی حدیث بیان نہیں کروں گا۔" پھر اس نے اس دستاویز کی طرف ہاتھ بڑھائے، اسے لے لیا اور جلدی سے مڑ کر واپس چلا گیا۔

ایک اعرابی کا اسلام لانا

(۴۵۴) یونس نے یونس بن عمرو سے اور اس نے اپنے باپ کے حوالہ سے ابی تمیمہ ہجیمی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا۔ اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ کا پیغام کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں تجھے اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں تجھے اس ذات کی طرف بلاتا ہوں کہ اگر تجھے کوئی مصیبت لاحق ہو اور تو اسے پکارے تو وہ تیری تکلیف کو تجھ سے دُور کر دے اور میں تجھے اس ہستی کی طرف بلاتا ہوں کہ اگر تو کسی جنگل بیابان میں ہو جہاں تیری سواری گم ہو جائے اور تو اس بیچارگی کے عالم میں اسے پکارے تو وہ تیری سواری تجھے لوٹا دے اور میں تجھے اس ذاتِ والا صفات کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اگر تو قحط سالی کا شکار ہو جائے یہاں تک کہ زمین خشک و بے نبات ہو جائے تو وہ تیرے لیے نباتات اُگا دے۔" اعرابی نے کہا: "یہ دعوت تو بہت اچھی ہے۔ آپؐ مجھے وصیت فرمائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تُو لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور تُو نیکی کے کاموں سے بے رغبتی اختیار نہ کرے اور تُو اپنے بھائیوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرے۔ اور اگر تیرے پاس صرف ایک ڈول ہو اور تیرا بھائی تجھ سے وُہ مانگے تو تجھے چاہیے کہ تُو ایثار کرے اور وُہ ڈول اپنے بھائی کو دے دے۔ اور تجھے چاہئے کہ تو اپنی ازار زمین پر نہ لٹکائے کیونکہ یہ فخر و تکبّر کی چال ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبّر و غرور پسند نہیں ہے۔"

ایک صحرائی رئیس کا اسلام لانا

(۴۵۵) یونس نے یوسف بن میمون کی وساطت سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ اہلِ بادیہ کے رؤسا میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ کی دعوت کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "میں تمہیں اس ذات کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اگر تم قحط سالی کا شکار ہو جاؤ اور تم اسے پکارو تو وہ تمہارے لیے نباتات اگائے۔ اور اگر تمہاری سواری گم ہو جائے اور تم اس سے دعا مانگو تو وہ تمہاری سواری واپس لے آئے۔ اور اگر تمہیں کوئی مصیبت اور فکر و غم لاحق ہو اور تم اسے پکارو تو وہ تمہاری مصیبت اور فکر و غم دُور کر دے۔" اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا وہ آنحضرتؐ کے پاس ٹھہرا رہا۔ پھر اس نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جانا چاہتا ہوں

آپؐ مجھے وصیت فرمائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم صدقہ ادا کرو۔" اس نے پوچھا: "کس چیز کا صدقہ ادا کروں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اپنے اونٹوں میں سے صدقہ ادا کرو۔" اس نے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کے پاس اُونٹ ہیں۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "اپنی بکریوں میں سے صدقہ ادا کرو۔" اس نے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کے پاس بکریوں کے ریوڑ ہیں۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا: "اپنے مال میں سے صدقہ ادا کرو۔" اس نے کہا: "ہم میں سے ہر ایک کے پاس مال ہے۔" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے مخاطب! اپنی زبان کو لوگوں کے خلاف استعمال کرنے سے باز رکھو۔ یقیناً یہ تمہاری طرف سے بہترین صدقہ ہے۔"

جریرؓ بن عبداللہ کا اسلام لانا

(۴۵۵) یونس نے داؤد بن زید سے اور اس نے عامر شعبی کی وساطت سے جریر بن عبداللہ کی روایت نقل کی۔ جریر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے جریر! اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔" میں نے عرض کیا: "کس چیز پر بیعت مطلوب ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم اس چیز پر بیعت کرو کہ تم اللہ کی فرمانبرداری کرو گے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کا دم بھرو گے۔" جریرؓ نے ہاتھ بڑھا کر بیعت کر لی۔ وہ ایک ذہین آدمی تھا اس نے کہا: "یا رسول اللہ! جہاں تک مجھ میں طاقت ہُوئی میں اس بیعت کی پابندی کروں گا۔" جریرؓ کے ساتھ لوگوں کے تعلقات کشیدہ تھے۔

جریرؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے:

(۱) اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
(۲) نماز قائم کرنا۔
(۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔
(۴) بیت اللہ کا حج کرنا۔
(۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

سرزمینِ ایران کی فتح کی بشارت

(۴۵۶) یونس نے قیس بن ربیع کے حوالہ سے سماک بن حرب سے اور اس نے عبداللہ بن عمر کی وساطت سے جابر بن سمرہ کی روایت نقل کی۔ جابرؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ کسریٰ کی سرزمین کو یقیناً فتح کرے گا۔

عبدالقیس کے ایک شخص کا اسلام لانا

(۴۵۷) یونس نے قیس بن ربیع سے اور اس نے جبلہ بن سحیم کے حوالہ سے موثر بن غفارہ عبدی کی روایت نقل کی۔ موثر نے کہا: میں عبدالقیس کے ایک قافلہ میں ابن الخصاصیہ کے ہاں اترا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان پانچ چیزوں کی بیعت سے متعلق فرمایا؛

(۱) نماز پنجگانہ۔

(۲) رمضان کے روزے۔

(۳) بیت اللہ کا حج۔

(۴) بطیبِ خاطر زکوٰۃ کی ادائیگی اور

(۵) جہاد فی سبیل اللہ۔

میں نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! مجھے ان میں سے کسی کی بھی استطاعت نہیں۔ جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے میرے پاس صرف اتنا ہی مال ہے جس پر میری اور میرے اہل کی گزر بسر ہو سکے۔ جہاں تک جہاد کا تعلق ہے تو مجھے اپنے متعلق خوف ہے کہ میں کہیں جی چرا کر بھاگ جاؤں اور اللہ کے غضب میں گھر جاؤں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا: "نہ جہاد ہے اور نہ صدقہ ہے تو پھر تمہیں جنت کا داخلہ کس طرح ملے گا؟" میں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! اپنا دستِ مبارک پھیلائیں، میں ان سب امور پر آپؐ سے بیعت کروں گا" چنانچہ آپؐ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور میں نے آپؐ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔

ایک شخص جو اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد فوت ہو گیا

(۴۵۸) یونس نے یحییٰ بن ابی حیہ کلبی سے اور اس نے زادان کے حوالہ سے جریرؓ بن عبداللہ کی یہ روایت نقل کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلے۔ ہم چھوہاروں کی گٹھلیاں کھانے والے اونٹوں پر سوار تھے۔ جب ہم صحرا تک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سوار اپنے اونٹ کو تیز چلاتا ہوا ہماری طرف آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ شخص جو تمہاری طرف آ رہا ہے اس کا خیال رکھو۔" جب وہ قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: "تم کہاں سے آئے ہو؟" اس نے جواب دیا: "میں اپنے مال و اولاد اور قبیلے سے آیا ہوں"۔ آنحضورؐ نے اس سے پھر پوچھا: "کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتا ہوں" آپؐ نے فرمایا: "تو پھر تمہاری ملاقات ہو گئی ہے۔" اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ مجھے اسلام کی تعلیم دی جائے۔ جب ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آ گئے ہیں تو ہم نے اس کے اونٹ کو

گھیرے میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ؛ "تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔" اس نے کہا : "میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں چاہیے کہ تم فرض نمازیں ادا کرو۔" اس نے کہا : "میں اس حکم کو بھی تسلیم کرتا ہوں۔" آنحضرتؐ نے پھر فرمایا : "تم فرض زکوٰۃ ادا کیا کرو۔" اس نے اقرار کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : "تم بیت اللہ کا حج کرو۔" اس نے کہا : "میں اس حکم کو بھی مانتا ہوں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا : "رمضان کے روزے رکھا کرو۔" اس نے کہا : "بسروچشم"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اسلام یہی ہے۔" وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا رہا۔ اچانک اس کے اونٹ کا پاؤں کھجور کے گڑھے میں گر پڑا اور اونٹ پھسل کر اوندھا ہوگیا۔ وہ شخص سر کے بل گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اپنے بھائی کی امداد کرو۔" حضرت حذیفہؓ اور عمارؓ اس کی طرف لپکے اور اسے دیکھ کر اوسان باختہ ہوگئے اور انہوں نے کہا : "یارسولؐ اللہ ! یہ شخص فوت ہوگیا ہے۔" جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رُوگردانی کی اور پھر اس کی طرف رُخ پھیر کر فرمایا : "کیا تم نے میری رُوگردانی کو نہیں دیکھا ؛ بے شک میں نے دیکھا کہ دو فرشتے جنت کے پھل اس کے مُنہ میں ڈال رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہُوا کہ یہ شخص بھُوکا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا : "اس نے عمل تو تھوڑا کیا ہے لیکن اسے اجر بہت زیادہ دیا گیا۔ بخدا ! یہ ان لوگوں میں سے ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔ انہی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر ہیں۔ تم اپنے بھائی کو اٹھاؤ۔ ہم نے اس کو اٹھا لیا اور جب ہم اسے لے کر وہاں گئے جہاں پانی دستیاب تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اس کو غسل دو، کفن پہناؤ اور خوشبو لگاؤ۔" ہم نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پھر آنحضرتؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپؐ اس کی قبر کے کنارے پر بیٹھے اور فرمایا : اس کے لیے لحد کھودو۔ کیونکہ میّت کے لیے لحد کھودنا مسلمانوں کا طریقہ ہے اور گڑھا کھودنا غیر مسلموں کا معمول ہے۔"

آنحضرتؐ کی بردباری اور ایک یہودی کا اسلام لانا

(۴۵۹) یونس نے عبدالرحمان بن امین کنانی کی روایت نقل کی۔ عبدالرحمان نے کہا : مجھ سے محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور زہری نے بیان کیا۔ دونوں نے کہا کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی : "میری قوم نے اسلام قبول کیا ہے اور اب ان کی تنگدستی اور محتاجی زیادہ ہوگئی ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خوراک وغیرہ کا سامان دے رکھا تھا چنانچہ آپؐ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے عرض کیا : "جو کچھ میرے پاس تھا وہ میں خرچ کر چکا ہوں۔" ایک یہودی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اس نے کہا : "میں آپؐ کو چاندی کا سکہ دُوں گا اور آپؐ کے لیے فلاں فلاں باغ کی کھجوروں کی بیع سلم کروں گا۔" آنحضرتؐ نے فرمایا : ہم تمہارے لیے باغوں کو نامزد نہیں کرتے بلکہ ہم تم سے فلاں قسم کی اتنے وزن کی کھجور کے متعلق مخصوص مدت کے لیے

بیع سلم کرتے ہیں۔ یہودی نے بیع کا یہ معاہدہ تسلیم کر لیا اور چاندی کا جو سکّہ اس کے پاس تھا وہ کھولا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ اعرابی کو دے دو۔" اور اعرابی سے فرمایا: "جاؤ اور اپنی قوم کی فاقہ کشی کو دُور کرنے کے لیے سامان مہیا کرو۔"

بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ساتھ باہر تشریف لے گئے۔ جب میّت قبر میں رکھ دی گئی اور اس پر مٹی ڈال دی گئی تو یہودی اُٹھا اور اس نے کہا: "اے محمدؐ! کیا تم میری کھجور مجھے ادا نہیں کرو گے؟ بخدا! اے بنی عبدالمطلب! مجھے تمہارے متعلق معلومات نہیں تھیں۔ تم لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کیوں کرتے ہو؟" حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا: "بخدا! اگر آنحضرتؐ یہاں تشریف فرما نہ ہوتے تو میں تمہیں مار مار کر تمہاری ناک یا تھوتھنی توڑ دیتا۔ (زہری نے خطم یعنی ناک کی نوک یا تھوتھنی کا لفظ استعمال کیا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عمرؓ! مجھے تمہاری طرف سے اس کے برعکس اس بات کی ضرورت تھی کہ تم اسے احسن طریقے پر مطالبہ کرنے کی ہدایت کرتے اور مجھے کہتے کہ میں اس کا حق اچھی طرح ادا کر دوں۔ اب تم اسے لے کر فلاں فلاں باغ کی طرف جاؤ۔" یہ وہی باغ تھا جس کے متعلق اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا اور آنحضرتؐ نے اس باغ کو اس کے لیے نامزد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ اسے اس باغ کے اندر لے جاؤ وہ اسے اچھی طرح دیکھ لے اور اگر وہ ان کھجوروں پر راضی ہو جائے تو اسے اس کا پورا مال دے دیا جائے۔ اس کے علاوہ اسے اتنے صاع کھجور اس سختی کے بدلے میں زیادہ دی جائے جو تم نے اس کے ساتھ کی ہے۔" حضرت عمرؓ اسے ساتھ لے گئے اور اس کو وُہ باغ دکھایا، وہ راضی ہو گیا اور اسے پُورا وزن دیا جس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہودی نے حضرت عمرؓ کو کہا: "حضرت موسیٰؑ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف ہماری کتاب میں بیان فرمائے ہیں وہ سب ہم نے دیکھ لیے تھے ماسوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم کے جس کا تجربہ ہم نے اب کر لیا ہے —————[1] میں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور میں تمہیں اس بات کا بھی گواہ بناتا ہوں کہ میری آدھی جائداد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لیے صدقہ ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اب تمہاری خیر خواہی مجھ پر لازم ہے اس لیے تم اپنے اس صدقہ کو جملہ مومنوں پر نہ پھیلاؤ بلکہ اسے ان مومنین تک محدود کر دو جو آنحضرتؐ کے ساتھ ہیں۔" اس نے اس نصیحت کو تسلیم کیا۔ پھر وہ نومسلم یہودی فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ کے ساتھ نکلے اور آپؐ نے اس کے جنازہ کو اپنے دائیں کندھے اور بعد ازاں بائیں کندھے پر اٹھایا۔

---

[1] مسودہ میں یہاں عبارت مٹی ہوئی ہے۔

عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

(۴۶۰) یونس نے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن ابراہیم بن حرث تیمی نے روایت بیان کی کہ عبداللہ بن مزینہ ذوالبجادین اپنے چچا کے زیرِ کفالت تھے وہی ان کو سب کچھ دیتا اور ان پر احسان کرتا تھا۔ ان کے چچا کو یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے تو اس نے انہیں کہا: "اگر تم نے دینِ اسلام کو قبول کر لیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع کیا تو میں وُہ سب کچھ تم سے چھین لُوں گا جو میں نے تمہیں دیا ہے"۔ عبداللہ نے کہا: "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے"۔ ان کے چچا نے سب کچھ ان سے چھین لیا۔ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی اتار لیے۔ وُہ اپنی والدہ کے پاس آئے۔ والدہ نے ایک کمبل دیا جس کے دوٹکڑے کیے، ایک کا تہ بند بنا لیا اور ایک کو چادر کے طور پر اوپر لے لیا اور مدینہ کی راہ لی، پھر صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد لوگوں کے حالات دریافت کرتے تھے اور باہر سے آنے والوں کی خبر گیری کی جاتی تھی۔ رسول اللہؐ نے عبداللہؓ کو دیکھا تو پُوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا: "میرا نام عبدالعزّٰی ہے۔" آپؐ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تمہارا نام عبداللہ ذوالبجادین (دو کمبلوں والا) ہے۔ تم یہاں ہمارے قریب ہی ٹھہرو"۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت کے قریب ہی (اصحابِ صُفّہ کے ساتھ) رہتے تھے اور بآوازِ بلند قرآن اور تکبیر اور تسبیح پڑھتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا: یا رسولؐ اللہ! اس کے پڑھنے سے دُوسروں کی قرأت میں مزاحمت ہوتی ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "تم اسے کچھ نہ کہو وہ تو خدا اور رسول کے لیے ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر آنے والوں میں سے ہے۔"

باب ۴۵

واقعۂ اسراء ــــ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک حضورؐ کا لے جایا جانا

(۴۶۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ مجھے جو باتیں معلوم ہوئیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے لوگوں سے گفتگو کی اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ زمعہ نے کہا: اگر تمہارے ساتھ فرشتہ لگا دیا جاتا جس کو لوگ دیکھتے تو وہ تمہارے ساتھ لوگوں سے کلام کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ۔ یعنی اس نبیؐ پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔

راوی نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریلؑ کے ہمراہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا جس کا نام بیت المقدس ہے اور جو "ایلیا" یعنی یروشلم میں واقع ہے۔ اس وقت مکہ میں اور تمام قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپؐ کے اس سفر میں اور اس سے متعلق مذکورہ روایات میں لوگوں کا امتحان اور آزمائش مقصود تھی۔ اور یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و سلطنت کا ایک اعجاز ہے جس میں اہلِ دانش و بینش کے لیے سامانِ عبرت و ہدایت موجود ہے۔ یہ رحمتِ خداوندی کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے اور ایمان لانے والوں، تصدیق کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر یقین رکھنے والوں کے لیے یہ صاف اور صریح تنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و ارادہ کے مطابق جس طرح چاہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کرایا تاکہ آپؐ کو اپنی نشانیوں میں سے جس قدر نشانیوں کا مشاہدہ کرانا چاہے وہ آپؐ کو مشاہدہ کرائے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے کارخانہ، اس کی عظیم سلطنت اور اس کی قدرت کا معائنہ کیا جس کے ذریعہ سے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آپؐ نے اس واقعہ کا ذکر لوگوں سے کیا تاکہ وہ اس کی تصدیق کریں۔

(۴۶۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے آلِ ابی بکرؓ کے بعض لوگوں (یا کسی شخص) نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ یہ فرمایا کرتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مفقود نہیں ہوا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح کو سیر کرائی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اپنی ملاقات کا ذکر صحابہؓ سے کیا۔ اس سفر میں آپؐ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے جن میں سے ایک میں پانی، دوسرے میں شراب اور تیسرے میں دودھ تھا (اس کے بعد اصل مسودہ

مٹا ہوا ہے شاید یہاں یہ مضمون ہو کہ آپؐ نے دودھ کا برتن اٹھا لیا اور جبریلؑ اور حضرت عیسٰیؑ نے مبارکباد پیش کی کہ آپؐ نے ان تینوں میں سے فطری غذا کا انتخاب فرمایا)۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے جنّت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور عالمِ بالا میں مجھے یہ یہ چیزیں دکھائی گئیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر نماز فرض کی گئی۔

(۴۶۳) یونس نے ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری سے اور اس نے ابنِ شہاب زہری کے حوالہ سے سعید بن مسیب کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیت المقدس میں میری ملاقات حضرات ابراہیم، موسٰی اور عیسٰی اور موسٰی علیہم السلام سے ہوئی۔ عیسٰیؑ کی رنگت سرخ تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی بند مکان یا سرنگ یا حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ حضرت موسٰیؑ دبلے پتلے کم گوشت چھریرے بدن کے آدمی تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے افراد میں سے ہیں۔ اور ابراہیمؑ سے میں خود بہت زیادہ مشابہ ہوں۔ پھر میرے سامنے ایک پیالہ دودھ کا اور ایک پیالہ شراب کا پیش کیا گیا۔ میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ جبریلؑ نے کہا: "آپؐ فطرت کی راہ پا گئے اگر آپؐ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپؐ کی اُمّت گمراہ ہو جاتی۔" پھر نماز کا وقت آ گیا اور میںؐ سب کا امام بنا اور نماز پڑھائی۔ ابنِ شہاب نے کہا: عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسٰیؑ بن مریمؑ کے متعلق فرمایا کہ وُہ سُرخ رنگ کے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف کر رہا ہُوں، وہاں مجھے ایک سُرخ رنگ کا وجیہ شخص نظر آیا جو دو آدمیوں کے درمیان طواف کر رہا تھا۔ اس کا سر صاف ستھرا تھا اور سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے پوچھا "یہ کون شخص ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ مسیح ابنِ مریمؑ ہیں۔" پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے ایک سُرخ رنگ کا آدمی نظر آیا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی گویا کہ وُہ انگور کا پھُولا ہوا دانہ ہے۔ میں نے پُوچھا: "یہ کون ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ دجّال ہے۔"

(۴۶۴) یونس نے خالد بن دینار بصری کی وساطت سے فضیل اعور کی یہ روایت بیان کی کہ میں ایک جنازہ میں حاضر ہوا جس میں انسؓ بن مالک بھی تھے ابو العالیہ بھی آ گئے انہوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لوگ چلے گئے تو وہ انسؓ بن مالک کے پاس پہنچ گئے۔ ابو العالیہ نے حضرت انسؓ کو کہا: "اے ابو حمزہ! تم نے ایک لمبی ٹوپی پہن رکھی ہے یا دو ٹوپیاں؟ میں نے گزشتہ شب تمہیں اسی جگہ دیکھا تھا کہ تم نے دُو ٹوپیاں پہنی ہُوئی تھیں۔" حضرت انسؓ نے کہا: "تمہارا خواب سچا ہے۔ میری ایک ٹوپی تو وُہ ہے جو تم میرے سر پہ دیکھ رہے ہو اور میری دُوسری ٹوپی اسلام کی ٹوپی ہے۔" انہوں نے خوابوں کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ حضرت انسؓ نے کہا: "میں مدینہ میں تھا اور اس قدر بیمار ہوا کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ میرے پاس حضرت ابراہیم اور موسٰی علیہما السلام تشریف لائے۔ حضرت ابراہیمؑ میرے سرہانے بیٹھ گئے اور حضرت موسٰیؑ نچلی طرف تشریف فرما ہو گئے۔ میں جاگ اُٹھا اور میں صحت مند تھا۔ ابو العالیہ نے کہا: "میں خراسان میں تھا، سخت بیمار ہو گیا یہاں تک کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ میرے پاس حضرت ابراہیم اور موسٰی علیہما السلام تشریف لائے۔ ان میں ایک

بزرگ میرے سرہانے اور دُوسرے نچلی جانب بیٹھ گئے۔ میں نیند سے بیدار ہُوا تو صحت مند تھا۔" انسؓ بن مالک نے کہا: "تمہارا خواب تو ہُوبہو میرا خواب ہی ہے ان دونوں بزرگوں کا حلیہ بیان کرو۔" ابوالعالیہ نے کہا: "حضرت ابراہیمؑ کا رنگ سفید تھا ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال بھی سفید تھے وہ دبلے پتلے تھے اور ان کی ناک اونچی تھی۔ جہاں تک حضرت موسیٰؑ کا تعلق ہے ان کے بال گھنے اور لمبے تھے، ان کی جلد سخت تھی اور ان کے دونوں شانوں کا درمیانی حصہ چوڑا چکلا تھا اور ان کے بال شانوں تک پہنچتے تھے۔" حضرت انسؓ نے کہا: "میں نے بھی انہیں خواب میں اسی طرح دیکھا۔"

(۴۶۵) یونس نے زکریا کی وساطت سے شعبی کی یہ روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے بعض لوگوں کو تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ دحیہ کلبی جبریلؑ کے مشابہ ہیں اور عروہ بن مسعود ثقفی کو عیسیٰ بن مریمؑ سے مشابہت ہے اور عبدالعزیٰ دجّال کے مشابہ ہے۔

(۴۶۶) یونس نے عنبسہ بن ازہر سے اور اس نے سماک بن حرب کے حوالہ سے عکرمہؓ کی یہ روایت نقل کی کہ (جنگِ احزاب کے موقع پر) جب یہودِ بنی قریظہ نے بدعہدی کی تو ان کی سرکوبی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ اس وقت جبریلؑ ایک سیاہ وسفید چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "مجھے ایسا دکھائی دیتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریلؑ کے چہرہ سے گرد وغبار پونچھتے تھے۔ میں نے کہا: یارسولؐ اللہ! کیا یہ دحیہ کلبی ہیں؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "یہ جبریلؑ ہیں۔"

(۴۶۷) یونس نے مبارک بن فضالہ کے حوالہ سے حسن کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں موسیٰؑ کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کا رنگ گندم گُوں تھا اور بال گھنگھریالے تھے۔ وُہ بہت مضبوط آدمی تھے اور قبیلہ شنوءہ کے مردوں کے مشابہ تھے۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے بھی گزرا، وہ ایک جوان آدمی تھے، انہوں نے مجھے سلام کیا۔ وہ دراز قد اور مضبوط تھے اور ان کی رنگت پر سرخی غالب تھی۔

(۴۶۸) یونس نے اسباط بن نصر کی وساطت سے اسماعیل سدی کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے سولہ ماہ قبل آنحضرتؐ پر پانچ وقت کی نمازیں بیت المقدس میں اس رات کو فرض کی گئیں جب آپؐ کو سیر کرائی گئی۔

(۴۶۹) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ بن عتبہ کے حوالہ سے عمرو بن مرہ سے اور اس نے عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ کی وساطت سے معاذ بن جبل کی یہ روایت بیان کی کہ نماز تین مرحلوں سے گزری اور روزہ کو بھی تین احوال پیش آئے۔ جہاں تک نماز کا تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو آنحضرتؐ نے سترہ ماہ تک بیت المقدس کی جانب منہ کرکے نماز پڑھی پھر اللہ عزّوجل نے آپؐ کا رخ قبلہ کی طرف پھیر دیا۔ یہ ایک مرحلہ ہے۔ قریب تھا کہ مسلمان نماز میں حاضری کے معاملہ میں ہٹ جاتے۔ لیکن عبداللہ بن زید انصاریؓ نے آکر کہا: "یارسولؐ اللہ! اگر میں آپؐ سے یہ عرض کروں کہ میں سویا ہوا نہیں تھا تو ان شاءاللہ میں یہ کہنے میں سچا ہوں۔ میں نیم خوابی اور نیم بیداری کی حالت میں تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے قبلہ رو ہو کر کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر (دو مرتبہ)، اشھد ان لآ الٰہ الا اللہ (دو مرتبہ)،

اشھد ان محمداً رسول اللہ (دو مرتبہ)، حیّ علی الصّلوٰۃ (دو مرتبہ)، حیّ علی الفلاح (دو دفعہ)، "اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ۔" پھر اس نے کچھ وقت کے لیے توقف کیا۔ بعدازاں اُٹھ کر وہی کلمات کہے جو ماسوائے اس تبدیلی کے کہ جب وہ "حی علی الفلاح" سے فارغ ہوا تو اس نے کہا: "قد قامت الصّلوٰۃ، اللہ اکبر اللہ اکبر لآ الٰہ الا اللہ۔ اذان اور اقامت دونوں میں دوہرے کلمات ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلالؓ کو یہ سکھاؤ۔" پس بلالؓ کو حکم دیا گیا۔ انہوں نے اس طرح اذان کہی۔ حضرت عمرؓ بن خطابؓ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا ہے جس طرح میرے انصاری بھائی نے دیکھا ہے۔ لیکن آپؐ کے سامنے خواب بیان کرنے کے معاملہ میں وہ مجھ سے سبقت لے گیا۔ یہ دُوسرا مرحلہ ہے۔ جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوتے تو کوئی شخص آتا وہ ان سے پُوچھتا تھا کہ تم نے کتنی نماز پڑھی ہے؛ نماز کی حالت میں لوگ اشارہ سے ایک یا دو رکعت بتلاتے تھے یعنی جتنی رکعتیں پڑھی جا چکی ہوتیں۔ چنانچہ بعد میں آنے والے پہلے فوت شدہ رکعتیں پڑھ کر پھر جماعت کے ساتھ بقایا نماز میں شامل ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت معاذؓ بعد میں آئے انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا کچھ حصہ پڑھ چکے ہیں چنانچہ انہوں نے جماعت کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت معاذؓ نے اُٹھ کر فوت شدہ رکعتیں ادا کیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معاذؓ نے تمہارے لیے صحیح طریق واضح کر دیا ہے تمہیں چاہیے کہ اس طرح کیا کرو۔" یہ تیسرا مرحلہ ہے۔

جہاں تک روزوں کا تعلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ آنحضرتؐ یوم عاشورہ اور ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزے فرض کیے اور یہ حکم نازل فرمایا:

یٰایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الیٰ قولہٖ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃٌ طعام مسکین ٥ (البقرۃ - ۱۸۳-۱۸۴)	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیأ کے پیرؤوں پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ چند مقررہ دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

چنانچہ جو شخص چاہتا وہ روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا وہ افطار کر لیتا تھا اور روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرتا تھا۔ پھر اللہ عزوجل نے تندرست مقیم کے لیے روزے کو واجب کر دیا لیکن ایسے بوڑھے آدمی کے لیے جس میں روزے کی طاقت نہ ہو مسکین کو کھانا کھلا دینے کی رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا۔ اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا:

فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ط ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے

. . . . . الی آخر الآیۃ۔ (البقرۃ - ۱۸۵)

دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرسے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا، اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکرگزار بنو۔

ابتداً میں لوگ رات کے وقت سونے سے قبل کھاتے پیتے اور بی بیوں کے پاس جاتے تھے اور نیند آ جانے سے آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا اور بی بی کے پاس جانا حرام ہو جاتا تھا۔ ایک انصاری جس کا نام صرمہ تھا وہ اپنے کھیت میں کام کرتا تھا افطار کے وقت وہ سو گیا اور ساری رات سو کر صبح کے وقت بیدار ہوا اور اس نے دوسرا روزہ بغیر کچھ کھائے پیئے رکھ لیا۔ اس نے سخت تکلیف محسوس کی اور لاغر ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور ہو گئے ہو" اس نے اپنی روداد آنحضرتؐ کو سنائی۔ (اس کے بعد مسودہ میں کچھ خلا ہے۔ شاید یہاں یہ مضمون ہو کہ ایک دوسرے شخص نے بی بی کے پاس جانے کے متعلق معذرت پیش کی) اس پر اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسآئکم . . . .
. . . .
. . . . الی آخر الآیۃ۔
(البقرہ - ۱۸۷)

تمہارے لیے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لیے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو نیز راتوں کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آئے تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے قریب نہ پھٹکنا اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے۔ توقع ہے کہ وہ غلط رویّے سے بچیں گے۔

(۴۷۰) یونس نے عبدالرحمان بن عبداللہ کے حوالے سے قاسم کی یہ روایت بیان کی کہ سب سے پہلے جس شخص نے اذان دی، وہ حضرت بلالؓ تھے۔

(۴۷۱) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے زہری نے بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سلام عرض کیا اور آنحضرتؐ نے حالتِ نماز ہی میں سلام کا جواب دیا۔

(۴۷۲) احمد نے یونس کی وساطت سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے ابوزناد نے عامر شعبی کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت بیان کی۔ (عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا:) ———[1] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا جبکہ آنحضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے آپؐ نے اشارہ کیا اور سلام کا جواب نہ دیا۔ ———[2] میں نے دوبارہ سلام کیا ———[3] مجھے جواب نہیں دیا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ———[4] رات اور دن کو پھیرتا ہے جس طرح چاہتا ہے ———[5] بلالؓ نے کہا: ———[6] نماز میں۔

(۴۷۳) احمد نے یونس کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن ابی محمد مولیٰ زید بن ثابت نے روایت بیان کی: اس نے کہا: ———[7] یا عکرمہؓ نے ابنِ عباسؓ سے روایت نقل کی (محمد بن ابی محمد کو شک ہے)۔ ابنِ عباسؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے سترھویں مہینے — ماہِ رجب — کے اوائل میں سمتِ قبلہ (بیت المقدس) شام سے کعبے کی طرف پھیر دی گئی ———[8] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ———[9] عمرو اور کعب بن اشرف ———[10] بن ابی ———[11] کعب بن اشرف اور ربیع بن ربیع ———[12]

---

[1] و [2] و [3] و [4] و [5] و [6] و [7] و [8] و [9] و [10] و [11] و [12] مسودہ میں یہاں عبارت مٹی ہوئی ہے۔

نوٹ: ابنِ اسحاق کی کتاب المغازی کے یہ اجزا مغربی مخطوطات سے دستیاب ہوئے والحمد للہ علیٰ کل حال والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

قطعۂ ثانیہ

(از مجموعہ مخطوطاتِ ظاہریہ دمشق۔ روایت محمد بن سلمہ)

باب ۴۶

غزوۂ بدر

(۴۷۴) ۴۵۲ھ کے ماہِ رمضان کا واقعہ ہے کہ شیخ امام حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی نے بمقام دمشق ہمیں بتایا کہ اس سے ابونعیم حافظ نے ابوعلی محمد بن احمد بن حسن صواف کے حوالہ سے ابوشعیب حرانی کی روایت نقل کی اور ابوشعیب نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کی وساطت سے محمد بن اسحاق کی یہ روایت بیان کی کہ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

واذ زین لھم الشیطٰن اعمالھم وقال لاغالب لکم الیوم من الناس وانّی جار لکم۔ (الانفال - ۴۸)

ذرا خیال کرو اس وقت کا جبکہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

راوی نے یہ بھی ذکر کیا کہ ابلیس نے قریش کے ساتھ فریب کاری کی۔ ابلیس ان کے سامنے سراقہ بن جعشم کی شکل میں نمودار ہوا اور ان کے ساتھ بنی بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کی جنگ کا ذکر بھی کیا جو قریش اور بنی بکر کے درمیان ہوئی تھی۔ جب دشمنِ خدا (ابلیس) نے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے لشکروں کو دیکھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی امداد کے لیے بھیجا تھا تو اس موقع پر اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی:

فلما ترأت الفئتٰن نکص علیٰ عقبیہ وقال انی بریٓء منکم انی اریٰ مالا ترون انی اخاف اللہ واللہ شدید العقاب ؏ (الانفال - ۴۸)

مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ (شیطان) اُلٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے۔ مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔

پھر شیطان انہیں آگے لے گیا اور موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ (راوی نے کہا) مجھ سے بیان کیا گیا کہ وہ شیطان کو ہر پڑاؤ پر سراقہ کی شکل میں دیکھتے رہے اور پہچانتے رہے یہاں تک کہ معرکۂ بدر میں دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے جب شیطان الٹے پاؤں پھر گیا تو اسے حارث بن ہشام اور عمیر بن وہب جمحی نے دیکھا اور ان میں سے ایک نے اس کا ذکر کیا اور کہا "اے سراقہ! کدھر جا رہے ہو؟" لیکن اُس دشمنِ خدا نے اپنی ہیئت تبدیل کر لی اور چلا گیا۔

پھر سورۃ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کفر اور ان کی موت کا ذکر کیا اور ان کے حالات بیان کیے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق خبر دے کر فرمایا:

فاما تثقفنّھم فی الحرب فشرد بھم من خلفھم لعلھم یذّکّرون ○ (الانفال - ۵۷)

پس اگر یہ لوگ تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ایسی روش اختیار کرنے والے ہوں وہ سمجھ جائیں۔

یعنی ان کو ایسی سزا دو کہ ان کی عقل ٹھکانے آجائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم واٰخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم وما تنفقوا من شیء فی سبیل اللہ یوف الیکم وانتم لا تظلمون ○ (الانفال - ۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا (یعنی آخرت میں اور فوری طور پر اس دُنیا میں، اللہ تعالیٰ تمہارا اجر ضائع نہیں کرے گا)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ ط انہ ھو السمیع العلیم ○ وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ ط ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین ○ والف بین قلوبھم ط لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم ط انہ عزیز حکیم ○ (انفال - ۶۱-۶۳)

اور اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے جھک جاؤ (یعنی اگر وہ تمہیں سلامتی کی دعوت دیں تو تم ان سے مصالحت کر لو) اور اللہ پر بھروسا کرو (بے شک اللہ تمہارے لیے کافی ہے)۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے (یعنی اللہ ان کے دھوکے کے پیچھے لگا ہوا ہے) وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے تمہاری تائید کی (کمزوری کے بعد) اور مومنوں کے ذریعہ سے بھی تمہاری مدد کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے (اس ہدایت سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی) تم رُوئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے (اپنے دین کے ذریعہ سے جس پر ان سب کو اکٹھا کر دیا) یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یٰایھا النبی حسبك اللہ ومن اتبعك من المؤمنین ؁ یایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال ط ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین ج وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفاً من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون ٥ (انفال - ۶۴ - ۶۵)	اے نبیؐ ! تمہارے لیے اور تمہارے پیرو اہلِ ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے ۔ اے نبیؐ ! مومنوں کو جنگ پر ابھارو اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرینِ حق میں سے ایک ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے ۔

یعنی کافر ایسے لوگ ہیں جو کسی نیک مقصد اور حق کے لیے قتال نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں خیر و شر کی معرفت حاصل ہے ۔

(۴۷۵) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا : مجھ سے ابوجعفر محمد بن علی نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھے رعب کے ذریعہ سے فتح و نصرت عطا کی گئی ۔ ساری روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ قرار دی گئی ۔ مجھے جوامع الکلم (یعنی مختصر ترین کلمات جو زیادہ سے زیادہ معانی کے حامل ہوں) عطا کیے گئے ۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا ، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہ تھا اور مجھے شفاعت کا مرتبہ دیا گیا ۔ یہ وہ پانچ امتیازی خصوصیات ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہ دی گئیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ما کان لنبی	کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں تھا (آپؐ سے قبل)
ان یکون لہٗ اسرٰی	کہ اس کے پاس قیدی ہوں (دشمنوں میں سے)
حتی یثخن فی الارض ط	جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے (یہاں تک کہ انہیں نیست و نابود کر دے)
تریدون عرض الدنیا ق وﷲ یرید الاٰخرۃ ط (الانفال - ۶۷)	تم دنیا کے فائدے چاہتے ہو (یعنی قیدیوں کے بدلے فدیہ چاہتے ہو) حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے (یعنی کفار کو کچل کر دینِ اسلام کو غالب کیا جائے اور آخرت کی کامیابی حاصل کی جائے)
لولا کتٰب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم ٥ (الانفال - ۶۸)	اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے (یعنی قیدی اور غنیمت حاصل کی ہے) اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی ۔

اگر پہلے سے یہ طے شدہ نہ ہوتا کہ منع کرنے سے قبل تمہیں عذاب نہیں دُوں گا جو کچھ تم نے کیا ہے اس پر تمہیں عذاب دیا جاتا۔ لیکن اس بارے میں ایسا کوئی مانع حکم نہ تھا۔ پھر رحمان و رحیم خدا نے اپنی رحمت اور انعام و بخشش کے طور پر تمہارے لیے غنائم کو حلال کر دیا۔ اور فرمایا:

فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً و اتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم ؁ یایھا النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیراً یؤتکم خیراً مما اخذ منکم و یغفر لکم واللہ غفور رحیم ۝ (الانفال - ۶۹ - ۷۰)

پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبیؐ! تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اس سے بڑھ چڑھ کر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہاری خطائیں معاف کرے گا۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اسلام کا ذکر کیا اور مطالبہ کیا کہ بیس اوقیہ جو مجھ سے لیے گئے تھے وہ مجھے واپس کیے جائیں لیکن آنحضرتؐ نے انکار فرمایا۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس غلام عطا کیے جو سب کے سب تاجر تھے اور میرے مال سے میرے لیے تجارت کرتے تھے۔ مزید برآں میں اللہ تعالیٰ سے رحمت و مغفرت کا امیدوار ہوں۔" پھر مسلمانوں کو باہمی ملاپ کی ترغیب دی گئی اور دُوسروں کو چھوڑ کر مہاجرین و انصار کے درمیان دینی ولایت قائم کر دی اور کافروں کو ایک دوسرے کا ولی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض و فساد کبیر ۝ (الانفال - ۷۳)

اگر تم (اہلِ ایمان ایک دُوسرے کی حمایت) نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

یعنی مومن مومن کا ولی ہوگا اور کافر کو مومن کی ولایت حاصل نہ ہوگی خواہ وہ کافر اس مومن کے ذوی الارحام میں سے کیوں نہ ہو (تکن فتنۃ - فتنہ برپا ہوگا) یعنی حق و باطل میں اشتباہ و التباس واقع ہوگا اور مومن اور کافر میں باہم ولایت قائم کرنے سے زمین میں فساد رُونما ہوگا۔ مہاجرین و انصار کے درمیان ولایت قائم کرنے کے بعد جب کفار میں سے لوگ مسلمان ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمدگر خون کے رشتہ دار مسلمانوں میں وراثت لوٹا دی اور فرمایا:

والذین اٰمنوا من بعد وھاجروا و جٰھدوا معکم فاولٰئک منکم و اولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتٰب

اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدّ و جہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے (وراثت میں) زیادہ حقدار ہیں

اللہ، ط ان اللہ بکل شیء علیم ٥ یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔
(الانفال۔ ۷۵)

(۴۷۶) غزوۂ بدر میں جو مسلمان مہاجرین اور اوس و خزرج کے انصار شامل ہوئے اور جنھیں مالِ غنیمت میں سے حصّہ اور سعادت دیا گیا ان سب کی تعداد ۳۱۴ مرد بنتی ہے۔ ان میں مہاجرین ۸۳ تھے، قبیلہ اوس کے انصار ۶۱ تھے اور قبیلہ خزرج کے انصار ۱۷۰ تھے۔

(۴۷۷ تا ۴۸۶) شہدائے بدر

جنگِ بدر میں جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے ان میں سے شہداء کی تفصیل درج ذیل ہے:

—قریش کی شاخ: بنی المطلب بن عبد مناف میں سے (۱) عبیدہؓ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔ (ان کا پاؤں عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نے کاٹ دیا تھا اور وہ مقام صفرا میں فوت ہوئے)

بنی زہرہ بن کلاب میں سے (۲) عمیر بن ابی وقاص بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ

حلفائے بنی زہرہ میں سے (۳) ذوالشمالینؓ عبد عمرو بن نضلہ (بنی غبشان میں سے)

(۴) عاقلؓ بن بکیر (بنی سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ میں سے بنی عدی کا حلیف)

(۵) مہجعؓ (حضرت عمرؓ بن خطاب کا آزاد کردہ غلام)

بنی حارث بن فہر میں سے (۶) صفوانؓ بن بیضاء۔

—انصار کی شاخ: بنی عمرو بن عوف میں سے (۷) سعدؓ بن خیثمہ۔

(۸) مبشرؓ بن عبد المنذر بن دینار۔

بنی حارث بن خزرج میں سے (۹) یزیدؓ بن حارث (یہ فسحم کہلاتے تھے)

بنی سلمہ (یعنی بنی حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ) میں سے (۱۰) عمیر بن حمام

بنی خبیب (یا خبیب) بن عبد حارثہ بن مالک میں سے (۱۱) رافع بن معلی۔

بنی نجار (یعنی بنی عدی بن نجار) میں سے (۱۲) حارثہ بن سراقہ بن حارث۔

بنی غنم بن مالک بن نجار میں سے — (۱۳) عوف بن حارث بن سواد، (۱۴) معوذ بن حارث بن سواد } ان دونوں کی والدہ کا نام عفراً ہے۔

(۴۸۷) کچھ نوجوان ایسے تھے جو جنگِ بدر میں قریش کے ساتھ قتل کیے گئے۔ ہمیں بتایا گیا کہ ان کے متعلق قرآن میں یہ آیت نازل کی گئی:

ان الذین توفٰهم الملٰئكة ظالمی انفسهم قالوا فیم كنتم ط قالوا كنا مستضعفین فی الارض ط قالوا الم تكن ارض الله واسعةً فتهاجروا فیها ط فاولٰئك ماوٰهم جهنم ط و سآءت مصیرا ۝ (النساء - ۹۷)

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی رُوحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پُوچھا کہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا: کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو ان نوجوانوں کے آباؤ اجداد اور خاندان والوں نے انھیں مکہ ہی میں روک لیا اور فتنہ میں مبتلا کیا۔ یہ خود بھی فتنہ میں گرفتار ہو گئے اور اپنی قوم کے ساتھ میدانِ بدر میں آئے اور سب کے سب وہاں مارے گئے۔ ان نوجوانوں کے نام یہ ہیں:

- بنی اسد بن عبد العزّٰی بن قصی میں سے — (۱) حارث بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد
- بنی مخزوم ابو قیس بن فاکہ بن مغیرہ میں سے — (۲) قیس بن ولید بن مغیرہ
- بنی جمح میں سے — (۳) علی بن امیہ بن خلف
- بنی سہم میں سے — (۴) عاص بن منبّہ بن حجاج

غزوۂ کُدر

(۴۸۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان کے اواخر یا ماہِ شوال کے اوائل میں جنگِ بدر سے فارغ ہوئے۔ جب آنحضرتؐ بدر سے مدینہ تشریف لائے تو وہاں آپؐ نے صرف سات دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپؐ بنفسِ نفیس بنی سلیم کے ساتھ غزوہ کے ارادہ سے نکلے اور ان کے چشموں میں سے ایک چشمے پر پہنچے جسے کُدر کہا جاتا تھا وہاں آپؐ نے تین دن تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں مقابلہ کی نوبت نہ آئی پھر آنحضرتؐ واپس مدینہ تشریف لے آئے اور بقیہ شوال اور ذوالقعدہ مدینہ میں گزارا۔ اس عرصہ میں آپؐ نے قریش کے اکثر قیدی فدیہ لے کر رہا کر دیئے۔

باب ۴۷

غزوۂ سویق

(۴۸۹) پھر ابوسفیان بن حرب نے ماہِ ذی الحجہ میں سویق کی جنگ لڑی۔ اس سال حج مشرکین ہی کی نگرانی میں ہوا۔

(۴۹۰) عبداللہ بن حسین حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد جعفر بن زبیر اور یزید بن رومان اور دیگر قابلِ اعتماد لوگوں نے انصار کے بڑے علماء میں سے عبداللہ بن کعب بن مالک کی یہ روایت بیان کی کہ ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ آزمائی نہ کرے گا اس وقت تک جنابت کے سبب سے بھی اپنے سر پر پانی نہ ڈالے گا (یعنی غسلِ جنابت بھی نہ کرے گا)۔ وہ قریش کے دو سو سوار لے کر نکلا تاکہ اپنی قسم کو پورا کرے۔ اس نے نجدی راستہ اختیار کیا یہاں تک کہ وہ نہر کے بالائی حصہ میں ثیب نامی ایک پہاڑ کے پاس جا اُترا جو مدینہ سے تقریباً ایک بریدؔ کی مسافت پر تھا۔ پھر وہ راتوں رات چل کر قبیلہ بنی نضیر میں حُیی بن اخطب کے مکان پر پہنچا، اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن اس نے خوف محسوس کیا اور دروازہ نہ کھولا۔ پھر وہ سلّام بن مشکم کے پاس گیا جو اس وقت بنی نضیر کا سردار اور خزانچی تھا۔ ابوسفیان نے اس سے اجازت طلب کی۔ سلام نے اجازت دے دی اور کھانے اور شراب سے اس کی تواضع کی اور لوگوں کے متعلق اسے راز کی باتیں بتائیں۔ پھر وہ رات کے آخری حصے میں چل کر اپنے رفقاء کے پاس چلا گیا۔ اس نے قریش کے کچھ آدمی مدینہ کی طرف بھیجے۔ وہ نواحِ مدینہ میں عریض نامی جگہ پہنچے۔ وہاں نخلستان میں سے نکلے۔ ایک انصاری اور اس کا ایک حلیف وہاں اپنے کھیت میں موجود تھے قریش نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور واپسی کی راہ لی۔ لوگوں کو ان کی اطلاع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش میں نکلے اور قرقرۃ الکدر تک ان کا تعاقب کیا اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے کیونکہ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی بھاگ کر چلے گئے تھے اور جاتی دفعہ اپنی خوراک کا کچھ سامان اپنا بوجھ ہلکا کر کے بھاگنے کی غرض سے وہاں کھیتوں میں چھوڑ گئے۔ آنحضرتؐ کے صحابہؓ نے یہ سامان دیکھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراجعت اختیار کی تو مسلمانوں

لہ اَلْبَرِیْدُ مَا بَیْنَ ظِلِّ عِیْرٍ اِلٰی وَعِیْرٍ۔ یعنی برید "ظلِّ عیر" سے لے کر "وعیر" تک کا ہوتا ہے۔ ان دونوں مقاموں کے درمیان ۱۲ میل کا فاصلہ ہے جبکہ میل پندرہ سو ہاتھ کا ہو، اور یہ فاصلہ ہمارے ہاں کے تقریباً ۶ میل کے برابر ہے۔ مترجم

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ؛ "کیا آپؐ کو امید ہے کہ جنگ ہمارے لیے نفع بخش ہو گی ؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ہاں"۔

(۴۹۱) جب ابوسفیان مکہ میں مدینہ پر معرکہ آرائی کے ضروری سامانِ جنگ مہیا کر رہا تھا تو اس وقت اس نے یہ اشعار کہے ؛

کروا علیٰ یثرب و جمعهم — یثرب اور ان کی جمعیت پر بار بار حملہ کرو ، کیونکہ انہوں نے جو کچھ اکٹھا
فان ما جمعوا لکم نفل — کر رکھا ہے وہ تمہارے لیے مالِ غنیمت ہے ۔
ان یك یوم القلیب کان لهم — اگر جنگ میں ہمارے ساتھیوں کی لاشیں بدر کے پرانے کنوئیں میں
فان ما بعده لکم دول — ڈال دی گئی تھیں اور مسلمانوں کو فتح ہوئی تو کیا ہوا اس کے بعد آئندہ تمہیں ان پر غلبہ حاصل ہو گا ۔
واللات لا اقرب النساء و لا — لات کی قسم ! میں اس وقت تک عورتوں کے قریب نہ جاؤں گا اور
یمس راسی وجلدی الغسل — اپنے سر اور جسم پر پانی نہ ڈالوں گا ۔
حتی تبید واقبائل الاوس وار — جب تک کہ اوس اور خزرج کے قبائل کا استیصال نہ ہو جائے بیشک
خزرج ان الفؤاد مشتعل — ہمارے دل جلے ہوئے ہیں ۔

دربارِ رسالت کے شاعر حضرت کعبؓ بن مالک نے اس کے جواب میں یہ اشعار کہے ؛

یا لهف ام المشجعین علی — ابوسفیان بن حرب کا رذیل لشکر مدینہ کی کالی پتھریلی زمین میں ہے ۔
جیش ابن حرب فی الحرة الفسل — اس میں ایسے لشکری ہیں جن کے دل مضبوط کیے گئے ہیں اور ان بہادری کا دم بھرنے والے لشکریوں کی ماؤں کی حالت افسوسناک ہے ۔
اذا یطرحون الرحال مرتسم — انہوں نے اپنے کجاوے ان پرندوں کے بوسیدہ گھونسلوں پر ڈالے ہیں
الطیر ترقوا بقیة الجبل — جو پہاڑ کے پُر فضا حصہ پر چڑھ گئے ہیں ۔
جاؤوا بجمع لوقیس منزله — وہ صرف اتنی سی جمعیت لے کر آئے ہیں کہ اگر اس لشکر کے پڑاؤ کی پیمائش
لم یك الاکمفحوص الدؤل — کی جائے تو وہ اسی قدر ہو گی جتنی جگہ میں ایک بھیڑیا یا گیدڑ رات گزارتا ہے ۔

(۴۹۲) جب ابوسفیان بن حرب نے مدینہ سے مکہ کی جانب کوچ کیا تو اس نے یہ اشعار کہے ؛

انی تخیرت المدینة واحدا — میں نے پورے مدینہ میں سے صرف ایک آدمی کو اپنے حلیف کے طور پر چنا اور اس
لحلف فلم اندم ولم اتلوم — چناؤ میں نہ مجھے ندامت و پشیمانی کا احساس ہے اور نہ میں نے کوئی قابلِ ملامت کام کیا ہے ۔
سقانی فروانی کمیتاً مدامة — میں اگرچہ عجلت میں تھا اس کے باوجود سلام بن مشکم نے مجھے سرخ و سیاہ
علی عجل منی سلام بن مشکم — شراب پلائی اور سیراب کیا ۔

فلما تولی الجیش قلت و لم اکن
لا فرحة البشر بغزو و مغنم

جب اس نے لشکر کی سرپرستی کا ذمہ لے لیا تو میں نے اسے کہا کہ جنگ اور غنیمت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ اور اس پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

تامل فان القوم فی سرواتهم
صریح لؤی لا شماطیط جرهم
و ما کان الا بعض لیلة راکب
اتی ساعیا من غیر خلة معدم

یہ چیز قابلِ غور ہے کہ قومِ قریش اپنی سیادت کے لحاظ سے خالص ہے اور خاص لؤی کی اولاد سے ہے اور بنی جرہم کی طرح مخلوط نسل نہیں ہے، سلام ابن مشکم کے پاس میرا آنا ایسا تھا جیسے کوئی سوار رات کے کسی حصّہ میں ناداری کی احتیاج کے بغیر سعی کرتا ہوا آئے۔



باب ۴۸

غزوۂ ذی امر ۳ھ

(بجانبِ نجد)

(۴۹۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ سویق سے واپس تشریف لائے تو ذی الحجہ اور محرم کے مہینوں میں یا اس کے لگ بھگ مدینہ ہی میں قیام فرمایا پھر بنی غطفان کی سرکوبی کے لیے آپؐ نے نجد کا رُخ کیا۔ یہ غزوۂ ذی امر ہے۔ آنحضرتؐ صفر کا تقریباً پورا مہینہ نجد ہی میں ٹھہرے رہے اور پھر واپس مدینہ تشریف لائے۔ اس دوران میں کوئی جھڑپ نہ ہُوئی۔

(۴۹۴) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے اہلِ شام کے ایک آدمی ابومنظور نامی نے اپنے چچا کی وساطت سے عامر رامی (برادرِ نضر) کی یہ روایت بیان کی۔ عامر نے کہا: میں اپنے علاقے میں تھا کیا دیکھتا ہُوں کہ جھنڈے اور پرچم میرے قریب آ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" لوگوں نے کہا: "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم ہے"۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ درخت کے نیچے آنحضرتؐ کے لیے ایک کپڑا بچھایا ہوا تھا اور آپؐ اس پر بیٹھے تھے اور صحابہؓ آپؐ کے گرداگرد جمع تھے میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ایک مومن کو جب کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اور اس کے بعد وُہ صحت یاب ہوجاتا ہے تو یہ بیماری اس کے حق میں پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور مستقبل میں اس کے لیے عبرت کا سامان مہیا کرتی ہے۔ اور منافق جب بیمار ہوتا ہے اور پھر شفایاب ہوتا ہے تو وہ ایک ایسے اُونٹ کی مانند ہے جسے اس کے گھر والے رسّی سے باندھ دیتے ہیں اور پھر کھول دیتے ہیں، وہ نہیں جانتا کہ اسے باندھا کیوں گیا تھا اور کھولا کیوں گیا ہے"۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے پُوچھا: "بیماریاں کیا ہوتی ہیں؟ بخدا! میں تو کبھی بیمار نہیں ہُوا"۔ آنحضرتؐ نے اسے فرمایا: "تم اٹھ کر چلے جاؤ۔ تم ہم سے نہیں ہو"۔

راوی نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہی میں تھے کہ ایک شخص آیا جس کے اوپر ایک کپڑا اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے اس نے کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! جب ہم نے آپؐ کو دیکھا تو میں آگے بڑھا اور درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزرا وہاں میں نے ایک پرندے کے چُوزوں کی آواز سُنی، میں نے انہیں پکڑ کر اپنے کپڑے میں رکھ لیا ان کی ماں میرے سر کے گرد منڈلانے لگی میں نے کپڑا کھولا تو وُہ بھی چوزوں کے ساتھ کپڑے پر بیٹھ گئی، میں نے ان سب کو کپڑے میں لپیٹ لیا اور اب وہ میرے پاس ہیں"۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "ان کو چھوڑ دو۔" میں نے کپڑا کھول دیا لیکن بچوں کی ماں ان سے جُدا نہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم لوگ بچوں کے لیے ان کی ماں کی مامتا سے متعجب ہو؟" حاضرین نے کہا: "ہاں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ایک ماں اپنے بچوں کے ساتھ جس قدر شفیق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ رحیم ہیں، تم ان کو لے کر واپس جاؤ اور جہاں سے انھیں اٹھایا تھا ان کو اور ان کی ماں کو وہیں رکھ دو۔" راوی نے کہا: وہ شخص انھیں لے کر واپس چلا گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ اس دوران میں کوئی جھڑپ نہ ہوئی۔ آنحضرتؐ ربیع الاول کا پورا مہینہ یا اس سے کچھ کم عرصہ تک وہاں ٹھہرے رہے۔

غزوۂ بحران

(۴۹۵) پھر آنحضرتؐ قریش اور بنی سلیم کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلے یہاں تک کہ بحران پہنچے۔ بحران نواحِ فرع میں علاقہ حجاز میں ایک کان ہے جو حجاج بن علاط بہزی کے قبضہ میں تھی۔ آپؐ وہاں دو مہینے ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ تک ٹھہرے رہے۔ پھر وہاں سے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اس دوران میں کوئی جھڑپ نہ ہوئی۔

غزوۂ بنی قینقاع

(۴۹۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا غزوہ کے دوران میں بنی قینقاع کا واقعہ بھی پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنی قینقاع کے بازار میں اکٹھا کیا اور فرمایا: "اے گروہِ یہود! خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی قریش کی طرح سزا دی جائے۔ اسلام قبول کرو کیونکہ تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں نبی مرسل ہوں، اس کی صراحت تمہاری کتاب میں اور اللہ تعالےٰ کے اس فرمان میں جو تمہاری طرف آیا موجود ہے۔" انہوں نے جواب دیا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم ہمیں اپنی قوم کی طرح خیال کر رہے ہو۔ تمہارا مقابلہ اس قوم سے ہوا جو فنِ حرب سے ناآشنا تھی اور اسی چیز نے تمہیں مغرور کر دیا ہے وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ بخدا! اگر ہمیں تمہارے ساتھ لڑنا پڑا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم مردِ میدان ہیں۔"

(۴۹۷) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے آلِ زید بن ثابت کے آزاد کردہ غلام نے سعید بن جبیر یا عکرمہ کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ مندرجہ ذیل آیات یہودِ بنی قینقاع ہی کے متعلق نازل ہوئیں:

قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الیٰ جہنم ط وبئس المہاد ۞

پس اے نبی! جن لوگوں نے تمہاری دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے ان سے کہہ دو کہ قریب ہے وہ وقت جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔

قد کان لکم اٰیۃ فی فئتین التقتا ط — تمہارے لیے ان دو گروہوں میں ایک نشانِ عبرت تھا جو ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے (بدر میں ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ تھے اور دوسری جانب قریشِ مکہ)

فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ و اخرٰی کافرۃ یرونھم مثلیھم رأی العین ط واللہ یؤید بنصرہٖ من یشآء ط ان فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار ۝ (آل عمران-۱۲-۱۳) — ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ دیکھنے والے بچشمِ سر دیکھ رہے تھے کہ کافر گروہ مومن سے دوچند ہے مگر (نتیجے نے ثابت کر دیا کہ) اللہ اپنی فتح و نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔

(۴۹۸) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہو چکا تھا اور بدر اور اُحد کے درمیانی عرصہ میں انہوں نے جنگ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا یہاں تک کہ وہ آپؐ کے حکم پر اتر آئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان پر بالادستی عطا کی تو عبداللہ بن ابی آڑے آیا۔ اس نے کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، وہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کو کوئی وزن نہ دیا۔ اس نے دوبارہ کہا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! نیک سلوک کرو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب سے رخ پھیر لیا اس نے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کی جیب میں ڈالا۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر اس سے فرمایا: "افسوس ہے تجھ پر، مجھے چھوڑ دے۔" اس نے کہا: "بخدا! میں آپؐ کو نہیں چھوڑوں گا جب تک آپؐ میرے ساتھیوں سے نیک سلوک نہ کریں گے۔ یہ چار سو بے زرہ سپاہی اور تین سو زرہ پوش اسود و احمر کے خلاف میری حفاظت کرنے والے ہیں اور آپؐ ایک ہی دن میں ان کے سر قلم کر دیں گے۔ بخدا! میں گردشِ روزگار سے ڈرنے والا آدمی ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ تیرے ساتھی ہیں۔"

(۴۹۹) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے ابنِ اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے میرے والد اسحاق بن یسار نے عبادہ بن ولید بن عبادہ بن صامت کی یہ روایت بیان کی کہ جب بنو قینقاع نے محاربہ کیا تو ان کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے چنگل مارا اور وہ ان کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ عبادہؓ بن صامت بھی بنی عوف بن خزرج میں سے تھا اور اس کے ساتھ بھی بنی قینقاع کے اسی طرح کے حلیفانہ تعلقات تھے جس طرح بنی قینقاع کے تعلقات عبداللہ بن ابی کے ساتھ تھے۔ عبادہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بنی قینقاع کے ساتھ حلیفانہ تعلقات سے اظہارِ بیزاری اور اعلانِ برأت کرتے ہوئے

کہا: "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کا ساتھی ہوں اور ان کفار اور ان کی ولایت سے بری ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرفدار ہوں"۔ راوی نے کہا کہ عبادہ بن صامت اور عبداللہ بن ابی کے متعلق سورہ مائدہ کی یہ آیات نازل ہوئیں:

یاَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ o فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْھِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَۃٌ فَعَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ . . . . الی قولہ . . . وَھُمْ رٰکِعُوْنَ o

اے ایمان لانے والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں (روئے سخن عبداللہ بن ابی کی طرف ہے جو کہتا ہے کہ مصائب روزگار سے ڈرتا ہوں)

کہتے ہیں: "ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں"۔ مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے گا یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے اس نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے۔ اور اس وقت اہل ایمان کہیں گے "کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔ ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور آخر کار یہ ناکام و نامراد ہو کر رہے۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔ جو اللہ کی راہ میں جد و جہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ (یہاں عبادہ بن صامت کے بیان کی طرف اشارہ ہے جس نے کہا تھا کہ میں بنی قینقاع کے ساتھ حلیفانہ معاھدہ اور ان کی ولایت سے بری الذمہ

ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی ہوں)

ومن یتولی اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغلبون ۵ (المائدہ-۵۱-۵۶- رکوع ۸)

اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنا لے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

باب ۹۴

سریۂ زیدؓ بن حارثہ

(۵۰۰) اس سریہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کو بھیجا تھا جنہوں نے قریش کے ایک قافلے کو جس میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا "قردہ" پر جا لیا۔ "قردہ" نجد کے چشموں میں سے ایک چشمہ تھا۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ جنگِ بدر میں کفار کو جس عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا اس کے پیشِ نظر قریش نے محسوس کیا کہ ان کا شام کا راستہ پُرخطر ہے اس لیے انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ قریش کے کچھ تاجر نکلے جن میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا ان کے پاس کثیر مقدار میں چاندی تھی اور ان لوگوں کی تجارت کا زیادہ تر انحصار چاندی پر تھا۔ انہوں نے بنی بکر بن وائل کا ایک آدمی جس کا نام فرات بن حیان تھا بطور بدرقہ ساتھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کو اسی راستہ کی طرف بھیجا - وہ مذکورہ چشمہ قردہ پر قافلہ والوں سے جا ملے اور قافلے کا سارا سامان ہتھیا لیا لیکن قافلہ والے بچ کر نکل گئے۔ زیدؓ سامان لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔ حسانؓ بن ثابت نے قریش کو یہ راستہ اختیار کرنے پر جنگِ احد کے بعد غزوۂ بدر اخریٰ کے موقع پر ملامت کی۔ ابوسفیان اُحد سے واپس جاتے ہوئے دوبارہ حملہ کرنے کی دھمکی دے گیا تھا اس لیے آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکل کر بدر میں پڑاؤ کیا اور وہاں آٹھ دن تک قیام فرمایا لیکن ابوسفیان نے مقابلہ کی جسارت نہ کی۔ اس موقع پر حضرت حسانؓ نے یہ اشعار کہے ؛

دعوا فلجات الشام قد حال دونها جلاد کافواہ المخاض الاوارك	شام کے ندی نالوں کو اب چھوڑ دو کیونکہ ان کے درمیان تلواروں کی جنگ حائل ہے جو پیلو کے درخت کھانے والی حاملہ اونٹنیوں کے مونہوں کی طرح ہولناک ہے۔
بایدی رجال ھاجروا نحو ربھم وانصارہ حقا وایدی الملائك	یہ جنگ کرنے والے ان مردوں کے ہاتھ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے سچے مددگاروں کی طرف ہجرت کی اور ان کی حمایت میں فرشتوں کے ہاتھ بھی جنگ آزما ہیں۔
اذا سلکت للغور من رمل عالج فقولا لھا لیس الطریق ھنالك	عالج کے ریگستانی نشیبی علاقے کی طرف اگر کوئی قافلہ کوچ کرے تو اسے میرے دونوں ساتھیو! اس کو کہو کہ ادھر راستہ نہیں ہے۔
اقمنا علی الرس النزوع ثمانیا بارعن جرار عریض المبارك	ہم آٹھ دن تک وہاں بدر کے کم گہرے کنویں پر ٹھہرے رہے۔ ہمارے ساتھ ایک لشکرِ جرار تھا جس نے وسیع و عریض جگہ کو گھیرا ہوا تھا۔

بکل کمیت جوزہ نصف خلقہ
وقب طوال مشرفات الحوارك

اور سُرخ وسیاہ رنگ کے گھوڑے بھی تھے جو چھریرے بدن، دراز قد اور اونچے شانوں والے تھے۔

تری العرفج العادی تذری اصوله
مناسم اخفاف المطی الرواتك

تم دیکھتے ہو کہ ان تیز رفتار اونٹوں کے سُموں سے پُرانی عرفج گھاس کی جڑیں تک اڑ گئیں۔

فان تلق فی تطوافنا والتماسنا
فرات بن حیان یکن رهن هالك

اگر ہماری نقل و حرکت اور تلاش و جستجو کے دوران میں فرات بن حیان کے ساتھ ہماری ملاقات ہو گئی تو وہ اپنی بزدلی اور کمزوری کے سبب خود ہی مرجائے گا۔

وان تلق قیس بن امرئ القیس بعدہٗ
یزد فی سواد لونه لون حالك

اور اگر اس کے بعد ہماری ملاقات قیس بن امرأ القیس سے ہو گئی تو اس کے سیاہ رنگ میں مزید سیاہ رنگ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

فابلغ ابا سفیان عنی رسالة
فانك من غر الرجال الصعالك

(اے پیغام لے جانے والے!) ابو سفیان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دے کہ تُو چمکدار اور خوشنما چہروں والے محتاج لوگوں میں ایک ہے۔

باب ۵۰

کعب بن اشرف کا قتل

(۵۰۱) کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ اس طرح ہوا کہ جب اہلِ بدر پر مصیبت ٹوٹی اور زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ علی الترتیب مدینہ کے نشیبی علاقوں اور بالائی علاقوں کے رہنے والوں کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو مسلمانانِ مدینہ کے پاس بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی ہے اور مشرکین میں سے فلاں فلاں افراد قتل ہو گئے ہیں۔ یہ بات مجھے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور صالح بن ابی امامہ بن سہل نے بتائی۔ ان میں سے ہر ایک نے بعض واقعات مجھ سے روایت کیے۔

کعب بن اشرف قبیلہ طے کی شاخ بنی نبہان کا ایک فرد تھا اس کی ماں بنی نضیر میں سے تھی۔ جب اس کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا: "تم پر افسوس ہے۔ کیا یہ خبر صحیح ہے اور کیا تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ان دو آدمیوں یعنی زید اور عبداللہ نے جن لوگوں کا نام لیا ہے انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قتل کر دیا ہے؟ یہ لوگ تو عرب کے سردار اور لوگوں کے بادشاہ ہیں بخدا! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس قوم پر یہ مصیبت ٹوٹی ہے تو اب سطحِ زمین سے شکمِ زمین بہتر ہے۔" جب اس دشمنِ خدا کو اس خبر کی صحت کا یقین ہو گیا تو وہ نکل کھڑا ہوا اور مکہ پہنچا اور مطلب بن ابی وداعہ بن ضبیرہ سہمی کے ہاں ٹھہرا۔ اس کی بیوی عاتکہ دختر ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس نے اس کی خاطر و مدارات کی۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو اشعار سنا سنا کر بھڑکانا شروع کر دیا اور قریش کے جن لوگوں کی لاشیں بدر کے کنوئیں میں ڈالی گئی تھیں ان کے مرثیے کہنے لگا۔

اس کے بعد کعب بن اشرف واپس مدینہ آ گیا۔ اس نے ام الفضل بنت حارث کے متعلق عشقیہ اشعار کہے اور اسی طرح مسلمانوں کی دیگر خواتین کا تذکرہ بھی اس نے عاشقانہ شعروں میں کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن مغیث کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون ہے جو میری طرف سے ابنِ اشرف کی خبر لے گا؟" بنی عبدالاشہل میں سے محمد بن مسلمہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں آپؐ کی خاطر اس کام کے لیے حاضر ہوں اور میں اس کا کام تمام کروں گا۔" آپؐ نے فرمایا: "اگر تمہارا بس چلے تو یہ کام ضرور کرو۔" محمد بن مسلمہ واپس آ گئے اور تین دن تک بقدرِ سدِ رمق کے علاوہ نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "تم نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا ہے؟" اس نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! میں نے آپؐ سے ایک وعدہ کیا ہے نہ معلوم میں اس وعدے کو پورا کرنے میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں۔" آنحضرتؐ نے

فرمایا: "تمہارے ذمہ صرف کوشش ہے۔" اس نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! ہم کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتے ہیں۔" آنحضرتؐ نے فرمایا: "جو تم کہنا چاہو کہو، تمہارے لیے اس کی اجازت ہے۔"

محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ بن وقش (دیکھیے از بنی عبد الاشہل) اور حارث بن اوس بن معاذ (دیکھیے از بنی عبد الاشہل) نے بالاتفاق کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور ابو نائلہ سلکان بن سلامہ کو کعب کے پاس بھیجا۔ وہ کعب کے پاس آکر ایک گھڑی تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ ابو نائلہ شاعر تھا۔ چنانچہ وہ اور کعب بن اشرف ایک دوسرے کو شعر سناتے رہے۔ اس کے بعد ابو نائلہ نے کعب کو کہا: "اے ابنِ اشرف! تم پر افسوس ہے۔ میں تمہارے ایک کام کیلئے آیا ہوں اور اس کا ذکر تم سے کرنا چاہتا ہوں لیکن میری بات پوشیدہ رہنی چاہیے۔" کعب نے کہا: "میں پوشیدہ رکھوں گا۔" ابو نائلہ نے کہا: "اس شخص (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہاں آکر ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ عرب ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور متحد ہو کر ہماری مخالفت پر تُلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہماری ناکہ بندی کر دی ہے، یہاں تک کہ ہمارے بال بچے ہلاک ہو رہے ہیں اور ہم مشقت میں گھرے ہوئے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ہم خود اور ہمارے اہل و عیال مصیبت کا شکار ہیں۔" کعب نے کہا: "میں ابنِ اشرف ہوں۔ بخدا! میں تمہیں بار بار یہ جتاتا رہا ہوں کہ حالات ایسے ہو جائیں گے جیسے اب تم بتلا رہے ہو۔" اس کے بعد سلکان نے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ سامانِ خوراک ہمارے ہاتھ فروخت کرو ہم تمہارے پاس کچھ نہ کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہارے لیے پورا اعتماد مہیا کریں گے۔ امید ہے تم احسان بھی کرو گے۔" کعب نے کہا: "اپنے بیٹے میرے پاس رہن رکھو گے؟" سلکان نے کہا: "کیا تم ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہو؟ میرے ساتھ میرے دیگر رفقا بھی ہیں جو میری جیسی رائے رکھتے ہیں۔ میں انھیں بھی تمہارے پاس لانا چاہتا ہوں تاکہ تم ان کے ہاتھ بھی غلّہ فروخت کرو اور احسان کا معاملہ کرو۔ ہم تمہارے پاس اس قدر زرہیں اور دیگر اسلحہ گروی رکھ دیں گے جن سے تمہارے غلّہ کی قیمت پوری ہو سکے گی۔" سلکان نے یہ بات اس لیے کی کہ جب اس کے ساتھی ہتھیار بند ہو کر آئیں تو وہ خطرہ محسوس نہ کرے۔ کعب نے کہا: "ہتھیار اس قدر ہوں کہ ان سے غلّہ کی قیمت پوری ہو جائے۔" سلکان اپنے ساتھیوں کے پاس واپس چلا گیا اور ان کو سارا ماجرا سنایا اور انہیں کہا کہ وہ اپنے ہتھیار لے لیں اور اس کے پاس اکٹھے چلیں۔ پھر وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔

(۵۰۲) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کی وساطت سے ابن اسحاق کی روایت نقل کی۔ اس نے کہا: مجھ سے ثور نے عکرمہ مولی ابن عباسؓ کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ بقیع الغرقد تک گئے پھر انہیں مہم پر بھیجا اور فرمایا: "اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اے اللہ! ان کی امداد فرما۔" پھر آپ چاندنی رات میں واپس گھر آگئے۔ وہ تینوں کعب کے قلعے تک پہنچ گئے۔ ابو نائلہ نے اسے آواز دی۔ کعب کی شادی ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا وہ اپنے لحاف سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کی بیوی نے اس کا پلّو پکڑ لیا اور کہا: "تم جنگجو آدمی ہو اور مردانِ جنگ ایسے وقت میں نیچے نہیں اُترتے۔" کعب نے کہا: "وہ ابو نائلہ ہے اگر اسے معلوم ہو جاتا

کہ میں سوچکا ہوں تو وہ مجھے ہرگز نہ جگاتا۔" اس کی بیوی نے کہا: "مجھے تو اس کی آواز میں شرارت کی بُو آتی ہے۔"

ابوشعیب نے کہا کہ مجھ سے ابو محمد توزی نے اصمعی کی یہ بات بیان کی کہ دورِ جاہلیت میں یا اسلام میں جس شخص نے بھی یہ کلمہ کہا: "لو وجدنی نائمًا ما ایقظنی ـــ اگر اسے معلوم ہوتا کہ میں سویا ہوا ہوں تو وہ مجھے نہ جگاتا۔" وہ قتل کر دیا گیا۔

راوی نے کہا: کعب نے اپنی بیوی کو جواب دیا: "اگر کسی جوان کو نیزہ بازی کے لیے بھی بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس دعوت کو قبول کرے۔" راوی نے کہا: وہ نیچے اتر آیا اور ان کے ساتھ کچھ دیر تک باتیں کرتا رہا اور وہ بھی اس سے باتیں کرتے رہے۔ پھر سلکان نے اس سے کہا: "اے ابنِ اشرف! کیا تم بڑھیا کی گھاٹی تک چلو گے تاکہ رات کا باقی حصہ وہاں باہم گفتگو کریں؟" کعب نے کہا: "اگر تم چاہو۔" چنانچہ وہ تھوڑی دیر تک چلتے رہے۔ پھر ابو نائلہ نے کعب کے سر کی چوٹی کے بالوں میں ہاتھ ڈال کر اسے سونگھا اور کہا: "آج سے زیادہ معطر اور خوشبو میں بسی ہوئی رات میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ وہ کچھ آگے چلے تو اس نے اسی عمل کو دہرایا، یہاں تک کہ کعب کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا۔ پھر وہ کچھ دیر چلے تو ابو نائلہ نے پھر وہی عمل کرتے ہوئے اس کے سر کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا: "خدا کے اس دشمن کو مارو۔" انہوں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ تلواریں ایک دوسری پر پڑنے لگیں مگر کارگر ثابت نہ ہوئیں۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: جب میں نے دیکھا کہ ہماری تلواروں کی کوئی کاری ضرب اسے نہیں لگی تو مجھے اپنی چھری یاد آئی۔ جب میں نے وہ پکڑی تو اس دشمنِ خدا نے ایسی چیخ ماری کہ ہمارے اردگرد کی تمام گڑھیوں میں آگ روشن ہو گئی۔ میں نے چھری اس کی ناف پہ رکھ کر اس زور سے چلائی کہ پیڑو تک پہنچ گئی اور وہ دشمنِ خدا گر پڑا۔ حارث بن اوس بن معاذ بھی مضروب ہوا اس کے سر یا پاؤں پر زخم آئے، اسے ہماری تلواریں لگیں۔ پھر ہم نکلے اور بنی امیہ بن زید، بنی قریظہ اور بعاث کی آبادیوں سے گزرتے ہوئے حرۃ العریض تک پہنچ گئے۔ ہمارا ساتھی حارث بن اوس پیچھے رہ گیا وہ خون کے زیادہ خارج ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ ہم نے اس کے لیے تھوڑی دیر توقف کیا۔ وہ ہمارے قدموں کے نشانات کا اتباع کرتا ہوا ہمیں آملا۔ ہم نے اسے اٹھا لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ہم نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ باہر تشریف لے آئے ہم نے آپؐ کو دشمنِ خدا کے قتل کی اطلاع دی آنحضرتؐ نے ہمارے ساتھی کے زخم پر لعابِ دہن لگا دیا اور ہم اپنے گھروں کو واپس آگئے۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ ہمارے رات کے حملہ سے یہود خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اور کوئی یہودی بھی ایسا نہ تھا جسے اپنی جان کا کھٹکا نہ لگا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جس یہودی پر قابو پاؤ اسے قتل کر دو۔" چنانچہ محیصہ نے ابنِ سنینہ پر حملہ بول دیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابن سنینہ یہودی تاجروں میں سے تھا اور ان سے میل ملاقات اور خرید و فروخت کے راہ و رسم تھے۔ حویصہ بن مسعود نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ محیصہ کا بڑا بھائی تھا۔ جب محیصہ نے ابن سنینہ کو قتل کیا تو حویصہ نے محیصہ کو مارا اور کہا: "اے دشمنِ خدا! تو نے اسے قتل کر دیا ہے۔ بخدا! اس کے مال کی چربی کا کچھ حصہ تیرے پیٹ میں بھی ہے۔" محیصہ نے کہا: "خدا کی قسم! مجھے اس کے قتل کا حکم اس ہستی نے دیا ہے کہ وہ مجھے تیرے قتل کا حکم بھی دیں تو میں تیری گردن بھی مار دوں۔" حویصہ نے کہا: "خدا کی قسم! جس دین نے

تجھے یہاں تک پہنچا دیا ہے اس دین کی شان عجیب معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اپنے آقا کے پاس لے چلو تاکہ میں ان کی باتیں سنوں۔ حویصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس طرح وہ پہلی دفعہ اسلام سے متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کیا۔ اس موقع پر محیصہ نے یہ اشعار کہے:

یلوم ابن ام لو امرت بقتله	میری ماں جایا بھائی مجھے (ابن سنینہ کے قتل پر) ملامت کرتا ہے حالانکہ
لطبقت ذفراہ بابیض قاضب	اگر مجھے اس کے قتل کا بھی حکم دیا جائے تو میں کاٹنے والی تلوار سے اس کے کانوں کے پیچھے کی دونوں ہڈیاں کاٹ دوں۔
حسام کلون الملح اخلص صقله	ایسی تلوار کے ساتھ جس کا رنگ نمک کا سا ہے اور جس کی صیقل خالص ہے
متی ما اصوبه فلیس بکاذب	جب میں اس کی ضرب لگاؤں تو نشانہ خطا نہ کرے۔
وما سرنی انی قتلتك طائعا	لیکن اگر میں تعمیل ارشاد میں تمہیں قتل کردوں اور میرے اور تمہارے درمیان
وان لنا ما بین بصری فمارب	بُصریٰ اور مارب کی درمیانی مسافت جتنی دوری ہو جائے تو مجھے اس سے خوشی نہ ہوگی۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ابن اشرف کے قتل پر یہ اشعار کہے:

عرفت و من یعتدل یعرف	میں نے حق کو پہچان لیا ہے اور جو بھی اعتدال پسند ہوگا اسے معرفت حاصل
وایقنت حقا فلم اصدف	ہو جائے گی اور میں حق پر یقین رکھتا ہوں اور میں اعراض نہیں کروں گا۔
عن الكلم المحكمات التی	ان محکم کلمات سے جو رؤف و رحیم خدا کی طرف
من الله ذی الرأفة الارأف	سے ہیں۔
رسائل تدرس فی المومنین	یہ محکم کلمات ایسے پیغامات ہیں جو مومنین میں پڑھے اور سیکھے جاتے ہیں
بهن اصطفی احمد المصطفی	ان پیغامات کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا۔
فاصبح احمد فینا عزیزا	پس حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں صاحب عزت قرار پائے،
عزیز المقامة و الموقف	ان کا مقام اور موقف بھی عزیز ہیں۔
فیا ایها الموعدوه سفاها	اے وہ لوگو جو آنحضرتؐ کو اپنی بیوقوفی کی وجہ سے دھمکیاں دیتے ہو
ولم یات جوبا ولم یعنف	حالانکہ آپؐ زیادتی اور تشدد کرنے والے نہیں ہیں۔
الستم تخافون ادنی العذاب	کیا تم قریب ترین عذاب سے نہیں ڈرتے اور جسے اللہ تعالیٰ کی
وما آمن الله کالاخوف	حفاظت اور امان حاصل ہو وہ اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو خوفزدہ ہو۔

وان تصرعوا تحت اسيافه
كمصرع كعب بن الاشرف

اور کیا تم کو اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تمہیں بھی آنحضرتؐ کی تلواروں کے نیچے پچھاڑ دیا جائے گا جس طرح کعب بن اشرف کو پچھاڑ کر مارا گیا۔

غداة رأى الله طغيانه
فاعرض كالجمل الاجنف

اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی دیکھی جس کے پیچھے دشمنی کار فرما تھی اور کعب نے ایک طرف بھاگنے والے اونٹ کی طرح اعراض کیا۔

فانزل جبريل في قتله
بوحي الى عبده ملطف

اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو وحی دے کر اپنے لطف و کرم والے بندے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا کہ وہ کعب بن اشرف کو قتل کر دیں۔

فدس الرسول رسولا اليه
بابيض ذي هيبة مرهف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک نمائندہ کو جسے آپؐ نے اس مہم پر بھیجا چپکے سے ایک ہیبت ناک اور کاٹنے والی تلوار دی۔

فباتت عيون له معولات
ومن دمع كعب لها تذرف

کعب پر نوحہ و ماتم کرنے والی عورتوں کی آنکھیں راتوں کو آنسو بہاتی رہتی ہیں۔

فقلن لاحمد ذرنا قليلا
فانا من النوح لم نشتف

اور حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو ابھی نوحہ کرنے سے ہمیں پوری طرح تسلی نہیں ہوئی۔

فاجلاهم ثم قال اظعنوا
دحورا على رغم الآنف

آنحضرتؐ نے انہیں جلا وطن کر دیا اور فرمایا یہاں سے کوچ کر جاؤ اور ذلت و خواری کے ساتھ ناک رگڑتے جاؤ۔

فاجلى النضير الى غربة
وكانوا بدار ذوي زخرف

آنحضرتؐ نے بنی نضیر کو بھی جلا وطن کر دیا اور وہ غریب الدیار ہو گئے حالانکہ وہ اپنے مزین و آراستہ گھروں میں شان و شوکت کے ساتھ رہ رہے تھے۔

الى اذرعات ردافا وهم
على كل ذي دبر اعجف

ان کی جلا وطنی مقام اذرعات کی جانب تھی (جو سرزمینِ شام میں ایک موضع ہے) ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے اونٹ (سفر کی کوفت سے) زخمی اور کمزور ہو گئے اور وہ انہی پر ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ کر گئے۔

باب ۵۱

غزوۂ اُحُد

(۵۰۳) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی ۔
ابن اسحاق نے کہا : مجھ سے اُحد کے واقعات محمد بن مسلم بن عبیداللہ زہری اور محمد بن یحیٰی ابن حبان اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور حصین بن عبدالرحمان بن عمرو بن سعد بن معاذ وغیرہم علما ٔ نے بیان کئے ۔ ان میں سے ہر ایک نے اُحد کے کچھ نہ کچھ واقعات مجھے بتائے ۔ جو واقعات یہاں ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں وہ سب کے سب انہی روایات سے ماخوذ ہیں ۔
ابن اسحاق نے کہا' یا ان راویوں میں سے کسی نے کہا : جب بدر میں کفارِ قریش نے منہ کی کھائی اور ان کے مقتولین کی لاشیں کنوئیں میں ڈال دی گئیں تو یہ شکست خوردہ جماعت مکہ کو واپس چلی گئی ۔ ابوسفیان بن حرب بھی لَوٹ گیا اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ قریش کے ان لوگوں کے پاس پہنچے جن کے باپ ، بیٹے اور بھائی جنگِ بدر میں قتل ہوئے اور انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور دوسرے لوگوں سے بھی باتیں کیں جو تجارتی قافلے میں شریک تھے اور انہیں کہا : " اے قریش کے لوگو ! بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارا تیا پانچا کر دیا ہے اور تمہارے چیدہ چنیدہ لوگوں کو قتل کر دیا ہے ۔ تم اس مال کے ذریعہ سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم اس سے جنگ کریں اور اپنے نقصانات کا بدلہ لیں ۔"

راوی نے کہا : بعض اہلِ علم نے مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل کی :

ان الذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ ط فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون ۵ و الذین کفروا الی جھنم یحشرون ۵
(الانفال - ۳۶)

جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا وہ اپنے مال خدا کے راستے میں روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں اور ابھی اور خرچ کرتے رہیں گے مگر آخر کار یہی کوششیں ان کے لیے پچھتاوے کا سبب بنیں گی ، پھر وہ مغلوب ہوں گے ، پھر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے ۔

جب اُبوسفیان اور دیگر قافلہ والوں نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو قریش نے بالاتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ آزمائی کا فیصلہ کر لیا اور ان کے ساتھ احابیش اور بنی کنانہ اور بنی تہامہ کے حلیف قبیلے بھی شامل ہو گئے ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکہ آرائی کی گمراہ کن روش اختیار کی ۔ ابوعزہ بن عبداللہ جمحی ایک ایسا شخص تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے احسان کیا ہوا تھا اور اس نے آنحضرتؐ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ آپؐ کے مقابلہ میں کسی کی امداد نہ کرے گا۔ قریش نے اُحد کی طرف نکلنے کا فیصلہ کیا تو صفوان بن امیہ نے ابوعزہ کو کہا: "تم شاعر ہو، اپنی شعر گوئی کے ذریعہ ہماری امداد کرو اور ہمارے ساتھ میدانِ جنگ میں چلو۔" اس نے کہا: "یہ حقیقت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر احسان کیا ہوا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ان کے مقابلہ میں کسی کی امداد کروں۔" صفوان نے کہا: اچھا، تم اپنی ذات کی حد تک تو ہماری مدد کر سکتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں اگر تم واپس آ گئے تو میں مال سے تمہاری امداد کروں گا اور اگر تم جنگ میں مارے گئے تو تمہاری بیٹیاں میری بیٹیوں کے ساتھ رہیں گی اور فقر و غنا ہر دو حالتوں میں میری بیٹیوں کی طرح گزر بسر کریں گی۔ ابوعزہ نکل کھڑا ہوا اور اس نے تہامہ کا دورہ کیا اور بنو کنانہ کو جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی اور یہ شعر پڑھے:

یا بنی عبد مناۃ الرزام	اے بنی عبد مناۃ! تم جنگ میں پامردی و ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے ہو
انتم بنو حرب ضرا بو الھام	تم ایسے مردانِ جنگ آزما ہو کہ تم مخالفوں کے سروں پر ضربیں لگانے والے ہو۔
انتم حماۃ و ابوکم حام	تم حمایت کرنے والے ہو اور تمہارے باپ دادا بھی حمایت کرنے والے تھے
لا یعدونی نصرکم بعد العام	اس سال کے بعد تمہاری امداد مجھے ہرگز نہ چھوڑ دے۔ تم مجھے دشمن کے سپرد نہ کرو
لا تسلمونی لا یحل اسلام	کیونکہ تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ تم مجھے دشمن کے حوالے کر دو۔

پھر جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف نے اپنے ایک غلام کو بلایا جس کا نام وحشی تھا۔ وہ حبشی تھا اور حبشیوں کی طرح دُور سے حربہ پھینکتا تھا اور شاذ و نادر ہی خطا کرتا تھا۔ اس نے اسے کہا: تم بھی لوگوں کے ساتھ جنگ میں چلو۔ اگر تم نے میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو۔ طعیمہ جنگِ بدر کے مقتولین میں سے تھا۔

چنانچہ قریش اور احابیش اور ان کے حلیف بنی کنانہ اور اہلِ تہامہ اپنے ہتھیاروں اور جنگی ساز و سامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی عورتوں کو بھی ہودجوں میں سوار کر لیا تاکہ کوئی جنگ سے منہ پھیر کر بھاگ نہ جائے۔ ابوسفیان قریش کا سردار تھا وہ اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ صفوان بن امیہ بن خلف اپنی بیوی برزہ بنت مسعود بن عمرو بن عمر ثقفیہ کو ہمراہ لے گیا۔ برزہ عبداللہ بن صفوان کی والدہ تھی۔ اور اسی طرح عمرو بن عاص نے اپنی اہلیہ ریطہ بنت منبہ بن حجاج کو ساتھ لے لیا۔ ریطہ عبداللہ بن عمرو کی والدہ تھی۔ ہند بنت عتبہ جب بھی وحشی کے پاس سے گزرتی یا وحشی کا گزر اس کے پاس سے ہوتا تو وہ وحشی کو کہتی تھی: "اے ابودسمہ! ہمارے دل کو ٹھنڈا کرو اور آزادی حاصل کر کے اپنے تئیں بھی راحت پہنچاؤ۔" وحشی کی کنیت ابودسمہ تھی۔

قریش آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ وہ شورہ زار یعنی کھاری زمین میں اترے جو وادیِ قناۃ کے کنارے مدینہ سے ملحق تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سنا کہ انہوں نے ڈیرہ ڈال دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بتلایا: "میں نے خواب میں گائے دیکھی ہے اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میری تلوار کی نوک میں ایک

دندانہ پڑ گیا ہے۔ نیز میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں داخل کیا اور میں اس کی یہ تعبیر کرتا ہوں کہ اس سے مراد مدینہ ہے۔ اگر تمہاری یہ رائے ہو کہ تم مدینہ ہی میں قیام کرو اور ان کو وہیں رہنے دو جہاں انہوں نے ڈیرہ ڈالا ہے تو وہ وہاں ٹھہرے رہیں۔ ان کی قیام گاہ اچھی نہیں ہے۔ اگر وہ ہم پر چڑھائی کریں گے تو ہم مدینہ میں رہ کر ان کے ساتھ قتال کریں گے۔ قریش نے چہارشنبہ کے روز اُحد میں ڈیرہ ڈالا اور اس کے بعد پنجشنبہ اور جمعہ کو انہوں نے وہیں قیام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد مدینہ سے نکلے اور اُحد کی گھاٹی میں پہنچ گئے۔ نصف شوال ۳ھ بروز ہفتہ مقابلہ ہوا۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کی رائے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رائے کے موافق تھی کہ باہر نکل کر جنگ نہ کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کو ناپسند کرتے تھے لیکن وہ نوجوان جن کو اللہ تعالےٰ نے جنگ اُحد میں شہادت سے سرفراز فرمایا اور وہ صحابہؓ جو جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم میں بزدلی یا کمزوری راہ پا گئی ہے۔"

عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا: "یا رسولؐ اللہ! آپؐ مدینہ ہی میں قیام فرمائیں۔ اگر وہ اپنے پڑاؤ پر ٹھہرے رہے تو وہ جگہ ان کے لیے ایک بُرا قید خانہ بن جائے گی اور اگر وہ واپس چلے گئے تو خائب و خاسر واپس جائیں گے۔ اگر انہوں نے مدینہ میں داخل ہونے کی جرأت کی تو مرد ان کے مقابلہ میں لڑیں گے اور لڑکے بالے اور عورتیں ان پر پتھروں کی بارش کریں گے۔ جن صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی محبت تھی وہ باہر نکل کر لڑنے پر لگاتار اصرار کرتے رہے یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور اپنی زرہ پہنی۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور آپؐ نمازِ جمعہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ بنی نجار کے انصار میں سے ایک آدمی جس کا نام مالک بن عمرو تھا وہ اسی دن فوت ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر آپؐ نکل کھڑے ہوئے لوگوں نے ندامت محسوس کی اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی خلافِ مرضی مجبور کیا اس لیے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! ہم نے آپ کو خواہ مخواہ مجبور کیا، ہمارے لیے ایسا کرنا جائز نہ تھا آپؐ یہیں ٹھہریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جب وہ اپنی زرہ پہن لے تو پھر بغیر قتال کیے اسے اتار دے۔"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ہمراہ نکلے۔ جب آپؐ مدینہ اور اُحد کے درمیان مقامِ شوط پر تھے تو عبداللہ بن ابی بن سلول ایک تہائی آدمیوں کو لے کر کھسک گیا اور اس نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا لیکن میری تجویز کو رد کر دیا۔ بخدا! اے لوگو! ہم نہیں جانتے کہ ہم کیوں اپنی جانوں کو یہاں ہلاکت میں ڈالیں!" پھر وہ اپنی قوم کے منافقین اور شک و شبہ میں مبتلا لوگوں کو لے کر لوٹ گیا۔ بنی سلمہ میں سے عبداللہ بن عمرو بن حرام نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں کہا: "اے میری قوم! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا یہ حکم یاد دلاتا ہوں کہ تمہیں اپنی قوم کو اپنے نبی کو دشمنوں سے مقابلہ کے وقت چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔" انہوں نے جواب دیا: "اگر ہمیں علم ہوتا کہ تم قتال کرو گے تو ہم تمہاری اطاعت نہ کرتے۔ ہم تو یہ نہیں سمجھتے تھے کہ قتال کی نوبت آئے گی۔ جب انہوں نے عبداللہ کے

ساتھ سختی کی اور اس کی بات ماننے سے انکار کیا اور واپس چلے جانے پر اصرار کرتے رہے تو عبداللہ نے ان سے کہا:" اے دشمنانِ خدا! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دُور کرے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب ہمیں تم سے بے نیاز کر دے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے گئے یہاں تک کہ آپؐ بنی حارثہ کی پتھریلی زمین تک پہنچ گئے وہاں پر ایک گھوڑے نے زور کے ساتھ اپنی دُم کو حرکت دی وہ تلوار کے دستہ کو لگی اور تلوار نیام سے باہر نکل آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال لینا پسند کرتے تھے اور بدفالی کو ناپسند کرتے تھے۔ آپؐ نے تلوار والے کو فرمایا:" اپنی تلوار نیام میں کر لو، میرا خیال ہے کہ آج تلواریں نیاموں سے باہر نکل آئیں گی۔"

(۴۰۵) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو فرمایا:" کون شخص ہمیں دشمن کی طرف ایسے قریب ترین راستہ سے لے چلے گا جو دشمن کے بالمقابل نہ ہو؟" ابوخیثمہ برادر بنی حارثہ بن حارث نے عرض کیا:" یارسولؐ اللہ! میں یہ خدمت سرانجام دوں گا۔" وہ آنحضرتؐ کو بنی حارثہ کی پتھریلی زمین اور ان کے اموال کے درمیان لے کر چلا، یہاں تک کہ وہ ربعی بن قیظی کے باغ کے پاس سے گزرا۔ وہ ایک نابینا منافق آدمی تھا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی آمد محسوس کی تو اس نے اٹھ کر ان کے چہروں پر مٹی پھینکنا شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ کہتا جاتا تھا کہ اگر تم اللہ کے رسول ہو تو تمہارے لیے میرے باغ میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ راوی نے کہا: مجھ سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے مٹھی بھر مٹی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر کہا:" بخدا! اگر مجھے علم ہوتا کہ یہ مٹی تمہارے سوا کسی دوسرے کو نہ لگے گی تو میں تمہارے چہرے پر یہ دے مارتا۔" صحابہؓ اس کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا:" یہ اندھا ہے، دل کا اندھا بھی آنکھوں کا اندھا بھی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روکنے سے قبل ہی سعد برادر بنی عبدالاشہل اس کی طرف جھپٹ چکا تھا۔ اس نے اس پر کمان دے ماری اور اسے زخمی کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے گئے اور آپؐ نے اُحد کی گھاٹی میں ڈیرہ ڈال دیا۔ یہ جگہ وادی میں پہاڑ کی جانب تھی۔ آنحضرتؐ نے اُحد پہاڑ اپنی اور لشکر کی پشت کی جانب رکھا اور فرمایا:" کوئی شخص اس وقت تک قتال نہ کرے جب تک کہ ہم اسے قتال کا حکم نہ دیں۔" قریش نے اپنے اونٹ اور گھوڑے وادی قناۃ کی زمینوں پر چرنے کے لیے چھوڑے ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال سے منع فرمایا تو ایک انصاری نے کہا: بنی قیل یعنی قبیلہ اوس کے کھیتوں کو چرایا جا رہا ہے اور ہم نے ابھی تک قتال نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت سات سو جانباز صحابہؓ تھے۔ آپؐ نے لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ قریش نے بھی تیاری شروع کر دی ان کی افرادی قوت تین ہزار تھی ان کے ساتھ دو سو اسپ سوار تھے ان کو انہوں نے دُور رکھا۔ رسالہ کے میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو متعین کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر برادر بنی عمرو بن عوف کو تیر اندازوں کا امیر مقرر فرمایا۔ تیر اندازوں کی تعداد پچاس تھی۔ عبداللہ بن جبیر سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور نمایاں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ تیروں کے ذریعہ سے دشمن کے رسالہ کو روکے رکھنا تاکہ وہ ہمارے پیچھے سے نہ آ سکیں۔ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو — ہمارے

مخالف ہو یا موافق ——— تم کسی حال میں یہاں سے نہ ہٹنا۔ تمہاری طرف سے ہم پر حملہ نہیں ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں اوپر نیچے پہنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار کے بارے میں فرمایا کہ کون یہ تلوار لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟ کئی آدمی تلوار حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے لیکن آپؐ نے انہیں وہ تلوار نہ دی اسی دوران میں ابو دجانہؓ سماک بن خرشہ برادر بنی ساعدہ نے کھڑے ہو کر پوچھا "یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ دشمنوں کو اس قدر مارو کہ یہ دوہری ہو جائے"۔ ابو دجانہؓ نے کہا: "یا رسول اللہ! میں یہ تلوار لوں گا اور اس کا حق ادا کروں گا"۔ آنحضرتؐ نے تلوار ابو دجانہؓ کو دے دی۔ ابو دجانہؓ بڑے بہادر اور مرد میدان تھے اور لڑائی کے دوران میں اکڑ کر چلتے تھے۔ وہ اپنے سر پر سرخ پگڑی باندھ لیتے تھے جو نمایاں ہوتی تھی اور لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اب وہ جنگ کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ جب انہوں نے رسول اللہ علیہ السلام کے دستِ مبارک سے تلوار حاصل کی تو انہوں نے اپنی پگڑی نکالی اور اسے سر پر باندھ لیا اور فریقین کی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلنا شروع کر دیا۔

(۵۰۵) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے جعفر بن عبداللہ بن اسلم مولیٰ عمر بن خطاب نے بنی سلمہ کے انصاری مرد کی یہ روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہؓ کو نازو ادا کے ساتھ اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ چال ڈھال اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے لیکن ایسے موقع پر یہ مبغوض و ناپسند نہیں ہے۔

(۵۰۶) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے ابن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے یہ روایت بیان کی کہ بنی ضبیعہ کے ابو عامر صیفی بن مالک بن نعمان بن امیہ نے جب مکہ سے رسول اللہ علیہ السلام کی جانب کوچ کیا تو اس کے ساتھ قبیلہ اوس کے پچاس غلام بشمول عثمان بن حنیف اور ایک روایت کے مطابق پندرہ غلام تھے۔ ابو عامر نے قریش سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس کا اپنی قوم سے آمنا سامنا ہوا تو ان میں سے دو آدمی بھی پیچھے نہیں رہیں گے سب سے پہلے جو شخص میدانِ جنگ میں اترا وہ ابو عامر ہی تھا جس کے ہمراہ احابیش اور مکہ کے غلام تھے۔ جب لوگوں سے اس کا آمنا سامنا ہوا تو اس نے آواز دی: "اے گروہِ اوس! میں ابو عامر ہوں"۔ لوگوں نے جواب دیا: "او فاسق! اللہ تعالیٰ تجھے بینائی سے محروم کر دے"۔ دورِ جاہلیت میں ابو عامر کو "راہب" کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "فاسق" کا نام دیا۔ جب اس نے قوم کی طرف سے الٹا جواب سنا تو کہا: "میرے پیچھے میری قوم شرارت کا شکار ہو چکی ہے"۔ پھر اس نے زور شور کے ساتھ قتال کیا اور لوگوں پر پتھر برسائے۔ جب دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ہند بنت عتبہ اپنی ساتھی خواتین کو لے کر اٹھی انہوں نے مردوں کی صفوں کے پیچھے دفیں بجا کر ان کو جنگ پر ابھارا اور یہ اشعار پڑھے:

نحن بنات طارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم آگے بڑھوگے تو ہم تم سے معانقہ کریں گی

و نمرق النمارق — اور تمہارے لیے قالین بچھائیں گی
وان تدبروا نفارق — اور اگر تم پسپائی اختیار کرو گے تو ہم تم سے جُدائی اختیار کریں گی
فراق غیر وامق — اور یہ جدائی معاندانہ ہو گی۔

لوگوں نے قتال کیا اور گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں میں سے حضرت ابُو دجانہؓ سماک بن خرشہ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ صفوں کے اندر دُور تک گھس گئے اور انہوں نے دشمن کی صفیں صاف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد نازل فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے وعدہ کو پُورا کر دیا۔ مسلمانوں نے انہیں تلواروں سے موت کے گھاٹ اتارا اور شکست سے دوچار کیا یہاں تک کہ ان کی شکست میں کوئی شک وشبہ نہ رہا۔

(۵۰۰) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے اور اس نے عبداللہ بن زبیر سے حضرت زبیرؓ کی یہ روایت بیان کی کہ میں نے ہند بنت عتبہ کے غلاموں اور اس کی ساتھی عورتوں کو تیزی سے بھاگتے ہوئے دیکھا ماسوائے ان عورتوں کے جن کو گرفتار کیا گیا تھا جو تعداد میں قلیل تھیں۔

جب ہم نے قریش کو شکست دے دی تو تیر اندازوں نے بھی لشکر کا رُخ کیا اور غنیمت جمع کرنے میں شامل ہو گئے اور اس طرح رسالہ کے مقابلہ میں انہوں نے ہماری پشت پناہی چھوڑ دی اور ہم پر پچھلی جانب سے حملہ کر دیا گیا۔ اس دوران میں ایک پکارنے والے نے کہا: "آگاہ رہو، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا گیا ہے۔" اس پر ہم لوٹ آئے اور دشمن بھی واپس آ گئے حالانکہ قبل ازیں ہم نے ان کے علمبرداروں کو تہِ تیغ کر دیا تھا اور ان کا کوئی آدمی جھنڈے کے قریب پھٹکنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ مسلمان منتشر ہو چکے تھے۔ دشمن ان کو مصیبت میں مبتلا کر رہا تھا۔ یہ بڑی ابتلاؤ آزمایش کا دن تھا۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے چاہا انہیں شہادت سے سرفراز فرمایا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو سختی اور مصیبت برداشت کرنا پڑی اس سے مسلمان تین حصّوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک تہائی افراد شہید ہو گئے۔ ایک تہائی زخمی ہو گئے اور ایک تہائی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، اور کچھ سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ کیا کریں۔ یہاں تک کہ دشمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ہلّہ بول دیا اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ آنحضرتؐ ایک پہلو کے بل گر پڑے۔ آپؐ کا وہ دانت ٹوٹ گیا جو سامنے کے دو دانتوں اور کچلی کے درمیان میں ہوتا ہے (اس دانت کا ایک ٹکڑا اس میں سے ٹوٹ کر گر پڑا سارا دانت جڑ سے نہیں ٹوٹا) آپؐ کے رخسار مبارک پر بھی زخم آیا اور آپؐ کے دونوں لب مبارک زخمی ہو گئے۔

آنحضرتؐ کو عتبہ بن ابی وقاص نے زخمی کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش کا ہجوم ہوا تو حصین بن عبدالرحمان بن سعد بن معاذ کے حوالے سے محمد بن عمرو بن یزید بن سکن کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کون ہم پر اپنی جان قربان کرتا ہے؟" اس پر حضرت زیاد بن سکن پانچ انصاری صحابہ کو لے کر اُٹھے۔ بعض لوگوں نے روایت کیا کہ وہ عمارہ بن زیاد بن سکن تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں قتال کیا اور ایک ایک

فدا کار نے لڑکر جان قربان کردی۔ آخر میں زیادؓ بن سکن یا عمارہؓ بن زیاد تھے، وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہوگئے۔ اتنے میں مسلمانوں کی ایک جماعت لوٹ آئی اور اس نے کفار کو دُور دھکیل دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: "زخمی زیادؓ کو میرے قریب لاؤ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک زیادؓ کے لیے تکیہ بنا دیا اور زیادؓ نے اس حالت میں جان دی کہ ان کا رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر تھا۔

حضرت ابو دجانہؓ نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنا دیا تھا، وہ آنحضرتؐ پر جھکے ہوئے تھے اور جو تیر آتے تھے وہ ان کی پُشت پر لگتے تھے اس طرح بہت زیادہ تیر انہوں نے اپنی پیٹھ پر روکے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں تیر چلائے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر دیتے جاتے تھے اور فرماتے تھے: "میرے ماں باپ تم پر قربان، تیر مارتے جاؤ" یہاں تک کہ آپؐ نے مجھے ایک ایسا تیر دیا جس کا پھل نہ تھا، لیکن آپؐ نے فرمایا: "اس کو بھی چلاؤ۔"

(۵۰۸) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمان سے تیر چلاتے رہے یہاں تک کہ کمان کا ایک حصہ شکستہ ہوگیا۔ یہ کمان قتادہؓ بن نعمان نے لے لی اور ان ہی کے پاس تھی کہ ان کی آنکھ اس دن مضروب ہوگئی اور وہ رخسار کے بل گر پڑے۔

محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخمی آنکھ پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ دوسری آنکھ سے بھی بہتر ہوگئی اور اس کی بینائی زیادہ ہوگئی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں قتال کیا، ان کے پاس عَلَم تھا اور وہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ انھیں ابن قمئہ لیثی نے شہید کیا اس کا گمان تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ وہ قریش کے پاس لوٹ کر آیا اور بلند بانگ دعویٰ کیا کہ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ شہید ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب نے بھی قتال کا حق ادا کیا یہاں تک کہ انہوں نے قریش کے علمبرداروں میں سے ارطاۃ بن شرحبیل بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر حضرت حمزہؓ کے پاس سے سباع بن عبدالعزیٰ غبشانی کا گزر ہوا۔ اس کی کنیت ابو نیار تھی۔ حضرت حمزہؓ نے اسے فرمایا: "او ختنہ کرنے والی کے بیٹے! میری طرف آ۔" حضرت حمزہؓ نے اسے تیز ضرب لگائی شاید وہ خطا ہوگئی۔ ام نیار شریق بن عمرو بن وہب ثقفی کی آزاد کردہ لونڈی تھی اور مکہ میں عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی۔ جب حضرت حمزہؓ اور سباع کا آمنا سامنا ہُوا تو حضرت حمزہؓ نے اس پر وار کرکے اسے قتل کر دیا۔

جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے کہا: بخدا! میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ اپنی تلوار سے لوگوں کو قتل کرتے چلے جاتے ہیں اور بھورے اونٹ کی طرح ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی۔ اتنے میں دیکھا کہ سباع بن عبدالعزیٰ مجھ سے

آگے حضرت حمزہؓ کی طرف بڑھا۔ حضرت حمزہؓ نے اسے کہا: "او ختنہ کرنے والی کے بیٹے! میری طرف آ"۔ حضرت حمزہؓ نے اس پر ایک وار کیا اور ایسا معلوم ہوا کہ اس کے سر سے چُوک گیا۔ اس دوران میں میں نے اپنے حربہ کو حرکت دی اور جب میں اس کی حرکت سے مطمئن ہو گیا تو میں نے اسے حضرت حمزہؓ پر دے مارا، وہ ان کی ناف کے نیچے پیڑو پر جا لگا اور ان کے دونوں پاؤں کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ میری جانب بڑھے لیکن ان پر بیہوشی آ گئی میں نے انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد میں ان کے پاس آیا اور اپنا حربہ لے لیا۔ پھر میں لشکر کی طرف چلا گیا کیونکہ مجھے اب کسی دوسرے پر حملہ آور ہونے کی حاجت نہ تھی۔

حضرت عاصمؓ بن ثابت (برادرِ بنو عمرو بن عوف) نے مسافع بن طلحہ اور اس کے بھائی کلاب کے ساتھ قتال کیا اور ان دونوں پر یکے بعد دیگرے تیر چلائے جو ان کے جسم میں پیوست ہو گئے اور ان کے زخموں سے خون کے فوارے پھُوٹ نکلے۔ ان کی ماں سلافہ ان کے پاس آئی اور ان کے سروں کو اپنی گود میں رکھ لیا اور پوچھا: "میرے پیارے بیٹو! تمہیں کس نے زخمی کیا ہے؟" دونوں نے باری باری یہ جواب دیا: "ایک شخص ہم پر تیر چلاتا تھا اور کہتا تھا: "یہ لے، میں ابن الاقلح ہوں"۔ اس کی ماں نے کہا: "کیا وہ اقلحی ہے؟" ماں نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے اسے عاصم کو قتل کرنے کی توفیق دی تو وہ عاصم کے کاسۂ سر میں شراب پیئے گی۔ عاصمؓ نے بھی اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ کسی مشرک کو نہ چھُوئے گا اور نہ کوئی مشرک اس کو چھُو سکے گا۔

(۵۰۹) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے قاسم بن عبدالرحمان بن رافع (برادرِ بنی عدی بن نجار) نے یہ روایت بیان کی کہ حضرت انسؓ بن مالک کا نام ان کے چچا انسؓ بن نضر کے نام پر انسؓ رکھا گیا۔ حضرت انسؓ بن نضر لڑتے لڑتے دور تک چلے گئے۔ وہاں انہیں مہاجرینؓ و انصار کے درمیان حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ سے ملے جنہوں نے ہتھیار پھینک دئے تھے۔ حضرت ابن نضر نے پُوچھا: "یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ ابن نضر نے کہا: آپؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اُٹھو، جس مشن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے ہم بھی اسی مقصد پر اپنی زندگی نچھاور کر دیں۔" پھر ابن نضر قریش کے مقابلہ پر نکل کھڑے ہوئے اور قتال کرتے کرتے شہید ہو گئے۔

(۵۱۰) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا، مجھ سے حمید طویل نے انس بن مالک کی یہ روایت بیان کی کہ ہم نے اس جنگ میں حضرت انسؓ بن نضر کے جسم پر ستر زخم دیکھے۔ کوئی شخص ان کو پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے ان کے انگلی کے نشان سے انھیں پہچانا۔

(۵۱۱) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا، مجھ سے ابن شہاب زہری نے عبداللہ بن کعب برادرِ بنی سلمہ کی یہ روایت بیان کی کہ جب مسلمانوں کی ابتدائی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی اور یہ خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو اس کے بعد سب سے

پہلے جس صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا وہ حضرت کعبؓ بن مالک تھے۔ حضرت کعبؓ نے کہا: "میں نے آپؐ کی آنکھوں کو پہچانا جو مغفر کے نیچے روشن تھیں۔ میں نے بلند ترین آواز سے پکارا: "اے گروہِ مسلماناں! تمہیں خوشخبری ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا: "خاموش رہو۔" جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہو لئے اور باہم مل کر ایک گھاٹی کی طرف گئے۔ اس وقت آپؐ کے ہمراہ ابوبکرؓ بن قحافہ، عمرؓ بن خطاب، علیؓ بن ابی طالب، طلحہؓ بن عبیداللہ، زبیرؓ بن عوام اور دیگر مسلمانوں کا ایک گروہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات صحابہ سے راضی ہو۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھاٹی کا سہارا لیا تو اُبی ابن خلف وہاں پہنچ گیا اور اس نے کہا: "اے محمد! تم کہاں ہو؟ اگر تم بچ نکلے تو میں زندہ نہیں رہوں گا۔" صحابہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی شخص اس کے مقابلے میں آجائے؟" آنحضرتؐ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔" جب وہ قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے حربہ لے لیا۔ راوی نے کہا: مجھ سے بیان کیا گیا کہ بعض صحابہؓ کے بقول جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حربہ لے لیا اور اسے اس طرح ہلایا کہ وہ اڑ کر بھاگ نکلا جیسا کہ سرخ و سیاہ کاٹنے والی مکھی اونٹ کی پیٹھ سے اس وقت بھاگتی ہے جب وہ اپنی حرکت سے اسے اڑاتا ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے اس کا رُخ کیا اور اسے ایسی ضرب رسید کی کہ وہ اپنے گھوڑے پر کئی دفعہ لڑکھڑایا۔

(۵۱۲) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف نے بیان کیا کہ اُبی بن خلف مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا تو کہتا تھا: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے پاس یہ سدھایا ہوا آزمودہ کار گھوڑا ہے میں اسے تین صاع دانہ روز کھلاتا ہوں، اس پر سوار ہو کر میں تمہیں قتل کروں گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں فرماتے تھے: "ان شاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔"

جب اُبی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب سے مجروح ہو کر قریش کے پاس واپس گیا تو اگرچہ اس کی گردن پہ کوئی بڑا زخم نہ تھا بلکہ خون رُک کر جمع ہو گیا تھا تاہم اس نے کہا: "بخدا! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قتل کر دیا ہے۔" لوگوں نے کہا: "واللہ! تم بزدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو حالانکہ تم میں طاقت موجود ہے۔" اُبی نے کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے مکہ میں کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کریں گے۔ بخدا! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔" جب وہ قریش کے قافلہ کے ہمراہ مکہ آرہا تھا تو مقامِ سرف میں مرگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُبی کو قتل کرنے اور آپؐ نے جو کچھ اُبی کو فرمایا تھا اس کے متعلق حسانؓ بن ثابت نے کہا:

لقد ورث الضلالۃ عن ابیہ ابی حین بارزہ الرسول	اُبی کو اپنے باپ خلف سے ورثہ میں گمراہی ملی تھی اور وہ اُس وقت بھی اس گمراہی پر قائم تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے آئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی کے دہانہ پر پہنچ گئے تو حضرت علیؓ بن ابی طالب اپنی ڈھال لے کر نکلے اور ایک کنوئیں کے حوض پر گئے۔ وہاں سے ڈھال میں پانی بھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آنحضرتؐ نے اس پانی میں بدبو محسوس کی اور وہ نہ پیا بلکہ اس سے اپنے چہرہ کے خون کو دھویا۔ پانی آپؐ کے سر پر بھی ڈالا گیا۔ اس وقت آپؐ فرماتے جاتے تھے: "وہ شخص اللہ کے شدید غضب کا مستحق ہو گیا جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ خون آلود کیا۔"

(۵۱۳) عبداللہ بن حسن نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن کیسان نے کسی راوی کی وساطت سے سعد بن ابی وقاص کی یہ روایت بیان کی۔ حضرت سعدؓ فرمایا کرتے تھے کہ میرے جی میں کسی شخص کو قتل کرنے کی ایسی خواہش کبھی پیدا نہ ہوئی جیسی کہ اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کو قتل کرنے کے لیے پیدا ہوتی۔ اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ ایسا کرنے پر قوم مجھے بد اخلاق قرار دے گی اور میں قوم کا مبغوض ہو جاؤں گا لیکن میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کافی تھا: "وہ شخص اللہ تعالیٰ کے شدید غضب کا مستحق قرار پایا جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ خون آلود کیا۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تھے اور آپؐ کے پاس مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ تھے۔ اسی دوران میں قریش کی ایک جماعت بھی پہاڑ پر چڑھ آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں ہم سے بالاتر نہیں ہونا چاہیے۔" حضرت عمرؓ بن خطاب اور ان کے ساتھ مہاجرین کے گروہ نے ان سے قتال کیا یہاں تک کہ انہیں نیچے اتار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی ایک چٹان پر چڑھنے کے لیے اُٹھے، لیکن آنحضرتؐ سن رسیدہ تھے اور آپؐ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں اس لیے آپؐ چٹان پر نہ چڑھ سکے۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ نیچے بیٹھ گئے اور ان کے سہارے آنحضرتؐ چٹان پر چڑھے اور وہاں پر ٹک گئے۔

(۵۱۴) عبداللہ بن حسن نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے باپ کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی یہ روایت بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا: "جب طلحہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ خدمت انجام دی تو انہوں نے اپنے لیے جنت کو لازم کر لیا۔" حالانکہ اس وقت بعض صحابہ کرامؓ منتشر ہو چکے تھے اور مقام "منقا" تک پہنچ گئے تھے جو "اعوص" کے قریب ہے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان اور بنی زریق کے دو انصاری جوان عقبہ بن عثمان اور سعد بن عثمان بھاگ کر نواحِ مدینہ میں جلعب پہاڑ تک پہنچ گئے اور تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم اس میں جو کشادہ تھی چل دئے۔"

(۵۱۵) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے محمود بن لبید کی وساطت سے حنظلہ بن ابی عامر برادرِ بنی عمرو

بن عوف کی یہ روایت بیان کی کہ ان کا اور ابوسفیان بن حرب کا جنگ میں آمنا سامنا ہو گیا۔ حضرت حنظلہؓ کو ابوسفیان پر برتری حاصل تھی۔ شداد بن اسود جسے ابن شعوب کہا جاتا تھا اس نے دیکھا کہ حضرت حنظلہؓ نے ابوسفیان کو مغلوب کر لیا ہے تو اس نے بڑھ کر حضرت حنظلہؓ پر وار کیا اور انہیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے ساتھی ——— حنظلہؓ ——— کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ ان کے گھر والوں سے پوچھو کہ حنظلہؓ کس حالت میں تھے؟" ان کی اہلیہ سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: "جب انہوں نے جنگ کی ہل چل سُنی تو وہ فوراً نکل کر مجاہدین میں شامل ہو گئے وہ اس وقت جنابت کی حالت میں تھے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی لیے فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا۔

(۵۱۶) عبداللہ بن حسن حرانی نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ محمد بن اسحاق نے کہا: مجھ سے صالح بن کیسان نے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے جو حضرات شہید ہوئے، ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتیں ان شہداء کا مثلہ کر رہی تھیں یعنی ان کے کان اور ناک کاٹ رہی تھیں یہاں تک کہ ہند نے اپنے پازیب، گلے کے ہار اور کانوں کے آویزے اتار کر جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو دے دیے اور خود شہداء کے ناک اور کان کاٹ کر ان کے پازیب اور ہار بنا لیے۔ اس نے حضرت حمزہؓ کا جگر چیرا اور اسے منہ سے چبایا لیکن نگل نہ سکی۔ جب کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ پر غالب آ گئے تو ہند بنت عتبہ نے ایک اونچی چٹان پر چڑھ کر بلند ترین آواز کے ساتھ چیختے ہوئے شعر پڑھے جن کا ایک مصرع یہ ہے:

نحن جزیناکم بیوم بدر — آج ہم نے جنگِ بدر کا بدلہ چکا دیا ہے۔

اس کے جواب میں ہند بنت اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف نے اشعار کہے جن کا ایک مصرع یہ ہے:

خزیت فی بدر و بعد بدر — تو جنگِ بدر میں بھی ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئی اور جنگِ بدر کے بعد بھی۔

پھر جب ابوسفیان نے کوچ کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور بلند ترین آواز سے چیخ چیخ کر کہنے لگا:

اَنْعَمَتْ فَعَالِ، اِنَّ الْحَرْبَ سِجَالٌ — ہبل نے اچھا کیا نَعَمْ کہا اور اپنا قول پُورا کیا (یعنی ہمیں فتح دلائی) اب اس کا ذکر نہ کرو بیشک لڑائی ڈولوں کی طرح ہوتی ہے (یعنی کبھی ہم غالب ہوتے ہیں اور کبھی وہ)
يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ، اُعْلُ هُبَل۔ — آج کی جنگ یعنی اُحد جنگِ بدر کا بدلہ ہے ہبل! اب تو اونچا ہو جا (یعنی ہبل کی جے ہو)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا: "اٹھو اور اس کا جواب ان الفاظ میں دو:

اَللہُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ لَا سَوَاءٌ۔ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَ قَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ۔ — اللہ بہت بلند اور بڑے مرتبے والا ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں یا ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ میں جائیں گے۔"

جب حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو جواب دیا تو ابوسفیان نے کہا: "اے عمرؓ! میرے پاس آؤ۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کے پاس چلے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کس حال میں ہے۔" ابوسفیان نے حضرت عمرؓ سے کہا: "اے عمرؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "بخدا! نہیں، وہ تو اب بھی تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔" ابوسفیان نے کہا: "میں تمہیں ابن قمئہ سے زیادہ سچا سمجھتا ہوں جس نے کہا تھا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔" پھر ابوسفیان نے باآواز بلند کہا: "تمہارے مقتولین میں سے بعض کا مثلہ کیا گیا ہے۔ بخدا! میں اس پر نہ راضی تھا اور نہ ناراض ہوں۔ نہ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ میں نے اس سے منع کیا۔" جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے کوچ کیا تو اس نے زور سے کہا: "آئندہ سال بدر میں ہماری تمہاری دوبارہ جنگ ہوگی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں سے ایک آدمی کو فرمایا کہ ابوسفیان سے کہو: "ہاں، ہم تمہارے اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا اور فرمایا: "ان کے تعاقب میں جاؤ اور دیکھو کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور ان کا ارادہ کیا ہے؟ اگر وہ گھوڑوں کو دور لے جا رہے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہیں تو پھر وہ مکہ واپس جا رہے ہیں اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں اور اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو پھر وہ مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ پر یلغار کی تو میں خود ان کے مقابلہ کے لیے پیش کروں گا اور ہم ان کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیں گے۔ جب وہ گھوڑوں کو دور لے گئے اور انہوں نے اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کا رُخ کیا تو میں نے نعرہ بلند کیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مخفی نہ رکھ سکا کیونکہ جب میں نے انہیں مدینہ سے کوچ کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے انتہائی فرحت حاصل ہوئی۔

(۵۱۷) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن صعصعہ مازنی برادرِ بنی نجار نے یہ روایت بیان کی کہ اب مسلمانوں کو فراغت حاصل ہوئی کہ وہ اپنے مقتولین کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کون آدمی ایسا ہے جو دیکھ کر مجھے بتائے کہ سعد بن ربیع برادرِ بنی حارث بن خزرج کا کیا حال ہے؟ آیا وہ زندہ ہے یا شہید ہو چکا ہے؟" ایک انصاری نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! میں دیکھ کر آتا ہوں کہ وہ کس حال میں ہیں۔" چنانچہ اس نے جا کر دیکھا کہ حضرت سعدؓ زخمی حالت میں مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ابھی کچھ جان باقی ہے۔" اس انصاری جوان نے حضرت سعدؓ کو کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میں دیکھ کر آنحضرتؐ کو بتاؤں کہ تم زندہ ہو یا مرنے والوں میں شامل ہو چکے ہو!" حضرت سعدؓ نے فرمایا: "بس اب مجھے مرنے والوں ہی میں سمجھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرنے کے بعد گزارش کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپؐ کو وہ بہترین جزا عطا فرمائے جو اللہ تعالیٰ نے کسی بھی نبی کو ان کی امت کی طرف سے عطا کی۔ اپنی قوم کو بھی میری طرف سے سلام

پہنچانا اور کہہ دینا کہ سعد بن ربیع تم لوگوں سے کہتا ہے کہ جب تک تم میں سے ایک آدمی بھی موجود رہے جس کی آنکھ میں جھپکنے کی سکت ہو اس وقت تک اگر دشمن تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچ گئے تو تم اللہ کے حضور میں کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔" اس انصاری کا بیان ہے کہ "میں ابھی وہیں تھا کہ حضرت سعدؓ وفات پا گئے، اللہ کی رحمت ہو ان پر۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو حضرت سعدؓ کے متعلق اطلاع بہم پہنچائی۔" راوی کا بیان ہے: مجھے یہ خبر پہنچی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی تلاش میں نکلے اور ان کی لاش کو بطنِ وادی میں اس حالت میں پایا کہ ان کا پیٹ جگر تک چِرا ہوا تھا اور ان کا مثلہ کیا ہوا تھا۔ ان کے ناک کان کاٹے ہوئے تھے۔

(۵۱۸) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا، مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے یہ روایت بیان کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا: "اگر مجھے یہ خیال دامن گیر نہ ہوتا کہ ایسا کرنے سے صفیہؓ کو صدمہ پہنچے گا اور میرے بعد یہ سنّت بن جائے گی، تو میں حضرت حمزہؓ کو دفن نہ کرتا اور ان کی لاش کے ٹکڑوں کو یونہی چھوڑ دیتا کہ انہیں درندے کھا جائیں یا ہوا صل پرندے اُچک کرلے جائیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے کسی موقع پر مجھے قریش کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمایا تو میں ان میں کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم کی لاش کے ساتھ کفار نے جو سلوک کیا تھا اس پر آنحضرتؐ کے رنج و اندوہ اور غیظ و غضب کو دیکھ کر مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے کفار پر غلبہ عطا فرمایا تو ہم ان کا مثلہ اس طرح کریں گے جس طرح عرب میں کبھی کسی کا مثلہ نہ کیا گیا ہو۔

(۵۱۹) عبداللہ بن حسن حرانی نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابنِ اسحاق نے کہا: مجھ سے بریدہ بن سفیان بن فروہ اسلمی نے محمد بن کعب قرظی اور دیگر قابلِ اعتماد راوی کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کے مذکورہ بالا اقوال کے بارے میں درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ط ولئن صبرتم لھو خیر للصّٰبرین ○ . . . . الیٰ اٰخر القضیہ ۔ (النحل - ۱۲۶ - ۱۲۸)	اور اگر تم بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ اے نبیؐ! صبر سے کام کیے جاؤ۔ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر کیا اور صبر اختیار کیا اور مثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔

(۵۲۰) عبداللہ بن حسن نے نفیلی سے اور اس نے محمد بن سلمہ کے حوالہ سے محمد بن اسحاق کی روایت نقل کی۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے حمید طویل نے حسن کی وساطت سے سمرہ بن جندب کی یہ روایت بیان کی کہ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرماتے تھے تو اجتماع برخاست کرنے سے قبل ہمیں صدقے کا حکم دیتے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے۔

تمت بالخیر والحمد للہ رب العٰلمین وصلواتہ علیٰ سیّدنا محمد
وآلہٖ وسلم تسلیما کثیرا وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

نوٹ: یہ قطعۂ ثانیہ اس مخطوطہ سے لیا گیا ہے جسے طاہر بن برکات خشوعی نے ماہِ رمضان ۴۵۴ھ میں قلمبند کیا۔ واللہ المعین علیٰ کل حال إن شاء اللہ۔

محاکمہ

سیرت ابنِ اسحٰق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اہلِ علم حضرات کی خدمت میں ہم یہ نادر تحفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ یہ تحفہ کیا ہے؛ سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ محمد بن اسحاق مطلبی کا ایک حصہ ہے۔ مولف موصوف نے راجح ترین قول کے مطابق ۱۵۱ھ میں وفات پائی اور سیرت کے موضوع پر یہ قدیم ترین تالیف ہے۔ محمد بن اسحاق کی کتاب "المبعث والمغازی" کو چار دانگِ عالم میں اور ہر دور میں شہرہ آفاق حیثیت حاصل رہی ہے لیکن علمی دنیا کے ہر دور میں اسلوبِ تحریر بدلتے رہتے ہیں اور نقشِ ثانی نقشِ اوّل کی بہ نسبت اپنے دور کے اسلوب سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے جب ابن ہشام نے اس کتاب کی نوک پلک سنواری اور اس کا نام سیرتِ رسول اللہ رکھا تو اس کی کتاب شائستہ تر اور فائق تر قرار پائی اور لوگوں نے اسی دوسری تالیف کو درخورِ اعتنا سمجھا اور ابنِ اسحاق کی کتاب کی حیثیت ثانوی ہو گئی۔ چنانچہ اس کی نقول کی تیاری کا اہتمام نہ کیا گیا۔

آہستہ آہستہ یہ کتاب ناپید ہوتی گئی یہاں تک کہ اس کا ایک بھی مکمل نسخہ دنیا میں موجود نہ رہا۔ بہر حال تلاشِ بسیار کے بعد ابنِ اسحاق کی اصل کتاب کے کچھ اجزاء دستیاب ہوئے ہیں اور بقول مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ جُلُّهُ یہ اجزاء ہدیۂ ناظرین ہیں۔ نیز ابنِ ہشام کی تالیف کے باوجود دو اہم ترین درجِ ذیل وجوہ کی بناء پر ابنِ اسحاق کی اصل کتاب سے غفلت برتنا اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں ہے:

اوّل یہ کہ ابن ہشام نے اپنی وسعتِ علم اور دقتِ نظر کے باوجود ابن اسحاق کی کتاب کے کچھ مضامین کو حذف کر دیا حالانکہ حذف کردہ مضامین کی اہمیت ان مضامین سے کچھ کم نہ تھی جن کو ابنِ ہشام نے اخذ کیا اور برقرار رکھا۔ مثال کے طور پر کتاب ہذا کا پیرا نمبر ۱۹۲ ملاحظہ فرمایا جائے جس میں درج ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوتا تھا تو آنحضرتؐ پہلے اسے مردوں کے سامنے تلاوت فرماتے تھے اور بعد ازاں عورتوں کے سامنے۔

دوم یہ کہ اصل کتاب میں کثیر التعداد ایسے اشعار تھے جنہیں ابنِ ہشام نے اس بناء پر حذف کر دیا ہے کہ جن لوگوں کی طرف انتساب کیا گیا ہے ان کی طرف یہ اشعار صحت کے ساتھ منسوب نہیں کیے جا سکتے۔ ہم ابنِ ہشام کی عالمانہ نقد و نظر کے مخالف نہیں ہیں لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر یہ اشعار عہدِ نبوت سے متعلق نہیں ہیں تو اس امر میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ اشعار ابنِ اسحاق کے زمانہ یا اموی دور کے اواخر یا عباسی دور کے اوائل کے بعد کے نہیں ہیں اور جو طالب علم اس زمانہ کی ادبیات کا شائق ہو وہ ابنِ ہشام کے ان اشعار کو حذف کر دینے پر ضرور افسوس کرے گا۔ جو اجزاء اب شائع

کئے جا رہے ہیں ان سے کسی حد تک تلافیِ مافات ہو جاتی ہے اور جو شخص لغوی یا ادبی یا تاریخی یا اجتماعی زاویہ ہائے نظر سے عربی اشعار کا دلدادہ ہو اور ان سے شغف رکھتا ہو اس کے ذوق کی تسکین کا سامان ان اجزا میں موجود ہے۔

جو شخص ابنِ اسحاق کی کتاب کے علمی پایہ کو پرکھنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ ذیلی مقدمات کو پیشِ نظر رکھے :

یہ تاریخ کی کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریخ دوسروں کے حالات و واقعات کے علم سے عبارت ہے۔ اگر انسان کو تاریخ سے شغف ہے تو یہ اس کی جبلت کا تقاضا ہے۔ چنانچہ لڑکے بالے اور بڑے بوڑھے سب تاریخ کے مشتاق ہوتے ہیں۔ کسی قصہ یا واقعہ کی اہمیت جس قدر زیادہ ہو گی اور اس کے کردار عوامی سطح سے جس قدر بلند و برتر ہوں گے اس عظیم واقعہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے لوگوں کے اشتیاق میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔ محیر العقول واقعات اور وہ حالات جو ہمارے لیے نمونہ اور اسوہ ہوں ہم انہیں پسند کرتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مشکل مسئلہ یا واقعہ ہم بیان کیا جاتا ہے اور اسے سمجھنے کے لیے ہمیں اس مشکل کو حل کرنے کے ذرائع کی احتیاج لاحق ہوتی ہے اس معاملہ میں مسلمان اور ان کے دیگر ہم جنس انسان ایک ہی سطح پر ہیں۔

پیغمبرِ اسلام

یہ کتاب پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی سیرت کے متعلق ہے۔ آنحضرت رسولِ خدا لوگوں کے لیے احکامِ الٰہی کے حامل ہیں اور مسلمان اسی حیثیت سے آپؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں مسلمانوں کے لیے قرآن میں فرمایا گیا ہے :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر وذکر اللہ کثیراً ط	درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

(الاحزاب۔ ۲۱)

پس آنحضرتؐ کے قول و فعل و تقریر کی معرفت حاصل کرنا ایک مومن کے اولین واجبات میں سے ہے تاکہ وہ اپنی روحانی و مادی زندگی میں آنحضرتؐ کے بہترین نمونہ کی پیروی کر سکے۔

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے اگر ان میں سے کوئی شخص بے لاگ ہو اور اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ باندھے تو وہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آنحضرتؐ کی عبقریت کا انکار نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر فرانسیسی وزیر، شاعر اور مورخ الفونس دی لامارٹین کی کتاب "تاریخِ ترکی" کا مقدمہ ملاحظہ فرمایا جائے جس کے اقتباسات کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ میں پیرس میں اسی عمارت میں سکونت پذیر ہوں جہاں گزشتہ دور میں لامارٹین رہا کرتا تھا اور میں نے اسی مکان میں اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" (بزبانِ فرانسیسی) مدون کی۔ یہ سیرت میں نے بلاذری کی انساب الاشراف کے

قلمی نسخہ سے اسی طرح تیار کی جس طرح میں نے یہ کتاب (سیرتِ ابنِ اسحاق) مہیّا کی ہے۔ لامارٹین "تاریخِ ترکی" کے مقدمہ میں رقم طراز ہے :

"ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ کسی انسان نے اپنے لیے باختیارِ خود یا بدون اختیار اس سے اعلیٰ وارفع ہدف مقرر کیا ہو۔ کیونکہ یہ ہدف ——— یعنی ان خرافات کو ملیا میٹ کرنا جو خالق و مالک کے درمیان حائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا تعلق انسان کے ساتھ اور انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوبارہ استوار کرنا اور شرک و بُت پرستی کے مسخ شدہ مادی خداؤں کی بجائے الوہیت کے متعلق صحیح اور معقول تصوّر کو اجاگر کرنا ——— ایک ایسا ہدف ہے جو انسانی طاقت کے بس سے باہر ہے"۔

"کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ کسی انسان نے اس قدر کمزور ذرائع و وسائل کے ساتھ اپنے مشن کی ابتدا کی ہو کیونکہ آنحضرتؐ کے پاس اس مقصود کے حصول اور اس کی تنفیذ کے لیے کوئی چیز ما سوائے اپنی اکلوتی جان کے نہ تھی اور نہ ہی چند بدوی صحرا نشینوں کے علاوہ آنحضرتؐ کا کوئی مددگار و معاون تھا"۔

"اور اسی طرح کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسان کو اتنے قلیل عرصہ میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی ہو جس قدر کامیابی سے آنحضرتؐ ہمکنار ہُوئے۔ آنحضرتؐ نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ آنحضرتؐ کے قیامِ دعوت کو بیس[1] سال بھی نہ گزرے تھے اور آنحضرتؐ نے ہتھیار اٹھائے ہی تھے کہ بلادِ عرب کے تین اطراف ——— حجر[2]، بادیہ اور یمن ——— تک آپؐ کی حکومت قائم ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی خالص وحدانیت کے لیے فارس، خراسان، ماوراء النہر، غرب الہند، شام، مصر، سوڈان اور غال (فرانس) کی ارواح کو مسخر کرلیا"۔

جب کوئی مطلوب و مقصود عظیم ہو اور اس کے حصول کے ذرائع قلیل ہوں لیکن نتائج وسیع برآمد ہوں تو یہ تین پیمانے انسان کی عبقریت کو ثابت کرتے ہیں۔ دورِ حاضر کی عظیم ترین تاریخی شخصیات میں سے کون سی ایسی شخصیت ہے جسے انسانی نقطۂ نظر سے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہم پلّہ قرار دیا جا سکے؛ کیونکہ مشاہیر میں سے مشہور ترین شخصیتوں نے صرف افواج کو حرکت دی، قوانین میں ردّ و بدل کیا اور حدودِ مملکت کی توسیع کی تحریکیں چلائیں۔ اور انہوں نے کوئی ایسی

---

[1] اصل کتاب میں دو سو سال درج ہے۔ لیکن حسبِ بیان طبری و بلاذری مسلمان سیّدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ۲۶ھ میں اندلس میں داخل ہوئے نیز چینی مقبوضات میں سے ماوراء النہر حسب روایت بلاذری اسی زمانہ میں فتح ہوا۔ اہلِ چین کی تواریخ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ مقریزی کے بیان کے مطابق سوڈان بھی اسی دور میں فتح ہوا۔ اور بلاذری کے مطابق غرب الہند کی فتح کی ابتدا سیّدنا عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی اور یہ ساری فتوحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پندرہ سال بعد ہوئیں۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت اندلس سے لے کر چین تک تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کا دار الخلافہ مدینہ منورہ تھا۔

[2] فلسطین کے جنوبی علاقہ کو فرنگی پیٹرا (PETRA) کہتے ہیں اور قدیم عربوں کے ہاں اس کا نام "الحجر" ہے۔

تحریک نہیں چلائی جس کی بنیاد مادی اقتدار کے حصول کے علاوہ کسی بالا تر اخلاقی و انسانی اقدار پر ہو اور اکثر اوقات یہ تحریکیں ان کی اپنی زندگی میں ہی زوال پذیر ہو گئیں۔ ان کے برعکس آنحضرتؐ نے افواج، قوانین، ممالک، اقوام، ملکی پیداوار اور تین عدد آباد کرۂ ارضی کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی اصلاح کی تحریک چلائی۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے اپنی تحریک سے بادشاہوں کے مصاحبین، جھوٹے خداؤں، ادیانِ باطلہ، افکار و معتقدات اور ارواح کو متاثر کیا۔ پھر ایک کتاب کی اساس پر ___ جس کے ہر حرف کو قانون کا درجہ حاصل ہے ___ ایسی روحانی قومیت کی بنیاد رکھی جس کے آگے جملہ لسانی و نسلی قومیتوں کی چکا چوند ماند پڑ گئی اور آلہہ باطلہ کے خلاف بغض اور غیر مادی اکلوتے خدا کی محبت اس اسلامی قومیت کی ایک لافانی خصوصیت قرار پائی۔ اس قومیت نے ان لوگوں سے انتقام لیا جنہوں نے احکامِ سماوی کے ذریعہ حرام کی ہوئی باتوں کا ارتکاب کیا۔ اسی طرح وطن کی محبت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحابؓ کی نظروں میں پسندیدہ خصائل میں شمار ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کے معجزات کے ذریعہ سے آپؐ کے صالح دین کے لیے ایک تہائی دنیا فتح ہو گئی۔ یا ہم کہیں گے کہ یہ کسی انسان کا معجزہ نہ تھا بلکہ دین کا معجزہ تھا۔ متعدد خداؤں کے بارے میں احمقانہ اور فاسد تصورات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے تصور میں ایسی متحدہ قوت ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے مبارک لبوں سے اس تصور کا پرچار کیا تو بتوں کے عبادت خانے جل گئے اور اس نظریہ کے نور سے ایک تہائی عالم جگمگا اٹھا۔

"کیا یہ شخص فریب کار اور جھوٹ کا مدعی تھا۔ ان کی زندگی اور تاریخی کردار کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم انہیں ایسا گمان نہیں کرتے۔ اصلی و برحق معتقدات کے مقابلہ میں جھوٹا دعویٰ ریا و نفاق سے عبارت ہے۔ منافقت میں ایسی قوت نہیں ہوتی کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے اور نہ ہی اس میں دوسروں کو طمانیت و آرام پہنچانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جس طرح جھوٹی بات میں ایسی قوت نہیں ہوتی جو حق و صداقت کا مقابلہ کر سکے۔"

"جس طرح علمِ کششِ ثقل (میکانکی) میں قوتِ ارتفاع کا انحصار قوتِ دفع و توقیع پر ہوتا ہے (یعنی کسی چیز کے بلندی پر جانے کی قوت ثقلی مزاحمت کی موجودگی میں اس قوت کے بقدر رہوتی ہے جس قوت کے ساتھ اس چیز کو اوپر پھینکا جائے) اسی طرح کسی تاریخی کارنامہ کی اہمیت و قوت کا انحصار قوتِ وحی و القا پر ہوتا ہے۔ یعنی جتنی قوت اس کارنامے میں ہوتی ہے اور جس قوت کے ساتھ اس کارنامہ کو سرانجام دیا جائے اسی قدر اس کا اثر و نفوذ ہوتا ہے۔ چنانچہ جس نظریہ کو اس قدر عروج حاصل ہو جائے اور وہ کرۂ ارضی کے اس قدر وسیع علاقہ کو مسخر کر لے اور اتنے طویل زمانہ تک اس کا عمل دخل رہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ نظریہ عظیم قوت کا حامل ہے اور اگر اسے اتنی عظیم قوت حاصل ہوئی ہے تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ قوت انتہائی مخلصانہ اور یقینی ہے۔"

"اگر ہم آنحضرتؐ کی زندگی اور آپؐ کے خشوع کا مطالعہ کریں اور یہ دیکھیں کہ جو خرافات اور بیہودگیاں آپؐ کے ملک میں موجود تھیں آپؐ نے ان پر کس طرح دلیرانہ حملہ کیا اور بت پرست مشرکین کے مقابلہ میں آپؐ نے کس قدر مضبوط موقف اختیار کیا اور ہجرت سے قبل مکہ میں تیرہ سال تک مشرکین کی ایذا رسانیوں پر آپؐ نے صبر و ثبات کی روش اختیار کی۔

لوگ آنحضرتؐ کو عمومی رسوائی و بدنامی کا سبب سمجھتے تھے اور آپؐ کے اہلِ وطن آپؐ کو دھوکہ سے قتل کرنے کے منصوبے بناتے رہے۔ پھر آنحضرتؐ نے ہجرت کی۔ آنحضرتؐ مسلسل و پیہم وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ آپؐ نے جنگیں بھی لڑیں اور بڑے بڑے لشکروں کے مقابلہ میں آپؐ کی سپاہ قلیل ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود آپؐ کو اپنی کامیابی کا پختہ یقین ہوتا تھا۔ تکالیف کے اوقات میں آپؐ کو مافوق البشر یقین حاصل ہوتا تھا اور فتح و کامرانی کے وقت آپؐ وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کو اپنے افکار و نظریات کی توسیع پیشِ نظر تھی اور مملکت کی توسیع اور لوگوں کو غلام بنانے کی خواہش دامنگیر نہ تھی۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی سرگوشیوں میں مشغول رہتے تھے۔ آپؐ کی وفات کے احوال بھی قابلِ دید ہیں اور اس دنیا ہی زندگی کے دوران اور قبر میں چلے جانے کے بعد آپؐ کی کامیابی قابلِ ملاحظہ ہے۔ یہ سب چیزیں دلالت کرتی ہیں کہ آپؐ جھوٹ کے مدعی نہ تھے بلکہ ایمان صادق کے حامل تھے اور یہ ایمان و یقین آپؐ کو قدرت نے اس نظریہ کے احیاء کے لیے عطا کیا تھا۔ اس نظریہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عدم مادیت کے باہمی ملاپ پر ہے۔ اگر اللہ کی وحدانیت اثباتی طور پر یہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے تو اس کی عدم مادیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت تلوار کے ذریعہ سے جھوٹے خداؤں کا قلع قمع کرتی ہے اور اس کی عدم مادیت سے یہ نظریہ د عقیدہ قولی طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔

"آنحضرتؐ ایک فلسفی، خطیب، رسول، شارع، مجاہد، افکار و نظریات کو فتح کرنے والے، معقول عقائد اور اللہ تعالیٰ کی خالص و بے لاگ عبادت کے علمبردار اور بیسیوں دنیوی مملکتوں اور ایک روحانی مملکت کے بانی تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔"

"انسانی عظمت کو جانچنے اور پرکھنے کے جو معیار اور میزان بھی ہوں کیا اس دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جو آنحضرتؐ سے زیادہ عظیم ہے؟"

(الفونس لامارٹین)، تاریخِ ترکی (بزبانِ فرانسیسی) 1/۲۷۶-۲۸۰۔

اسلام سے قبل عربوں کے ہاں تاریخ کا علم

اس کتاب کے ممدوح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آنحضرتؐ اہلِ مکہ میں سے تھے۔ وہاں آپؐ کی ولادت باسعادت ۵۶۹ء عیسوی میں ہوئی۔ مکہ ام القریٰ کے نام سے معروف تھا جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے (حوالہ کے لیے دیکھو سورۃ الانعام، آیت ۹۲۔ اور سورۃ الشوریٰ، آیت ۷)۔ یہ امر لازمی ہے کہ ام القریٰ میں ایسی خصوصیات ہوں جن کی وجہ سے اسے دیگر شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن ہم اس بات سے صرفِ نظر کریں گے کہ وہ ام القریٰ یعنی مکہ اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا دارالسلطنت ہے اور یہ کہ وہاں اللہ کا گھر ہے اور مومن اس گھر کا حج کرتے ہیں اور اکنافِ عالم کے ہر دور دراز مقام سے وہاں آتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی بزرگی و عظمت کے

آ گئے جھکتے ہیں۔ یہ ان کا قبلہ ہے۔ بلکہ ہم اس بات پر اکتفا کریں گے کہ قدیم اہلِ مکہ کو کس حد تک تاریخ کا علم حاصل تھا تاکہ ہم موازنہ کر سکیں کہ دورِ اسلام میں اس میں کیا تبدیلی واقع ہوئی!

جو شخص اپنی علمی وراثت سے ناواقف ہے اگر اسے یہ بتایا جائے کہ دورِ جاہلیت میں مکہ میں تاریخی مسائل کے لیے ایک خاص وزارت قائم تھی تو وہ ششدر رہ جائے گا۔ یہ وزارت منظم تھی اور وزارتِ خارجہ کے ساتھ اس کا الحاق تھا۔

اس بات کا ذکر ابن عبدالبر نے (عقد الفرید ۲/ ۴۵-۴۶ میں) کیا ہے۔ پھر مقریزی نے (الخبر عن البشر، باب رتب الریاست میں کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"اور بنی عدی میں سے عمرؓ بن خطاب تھے۔ یہ جاہلیت میں سفیر تھے۔ جب عربوں اور غیر عربوں میں جنگ ہوتی تو اہلِ عرب ان کو بطور سفیر بھیجتے تھے، نیز اگر کوئی قبیلہ اپنے حسب و نسب پر مفاخرت کا مدعی ہوتا تو وہ فیصلہ کے لیے حضرت عمرؓ کو حکم مقرر کرتے تھے اور آپؓ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے تھے۔"

یہ امر معلوم ہے کہ منافرت یا بالفاظِ دیگر مفاخرت کا ہدف اپنے قبیلہ کے فضائل بیان کرنا اور اپنے حسب و نسب کے بارے میں دوسروں کے فضائل و معائب سے مقابلہ کرنا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے سلطنتوں کی تاریخ کی واقفیت کا ہونا لازمی تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس دور میں قبائلی نظام تھا اور ہر قبیلہ اپنے حدود کے اندر ایک مستقل سلطنت کی حیثیت کا حامل تھا۔ قبائلِ عرب باہمی فخر و مباہات میں اُلجھے ہوئے تھے اور کبھی کبھی عرب کے گرد و نواح میں ایران، حبشہ اور روم کے بادشاہوں سے بھی عربوں کی بلند بانگ مفاخراتی چپقلشیں ہوتی تھیں۔

اہلِ مکہ کی مجلسیں ہوتی تھیں، ہر مجلس میں لوگ شام کو اکٹھے ہو کر باہم قصہ کہانی کہتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک عربوں کی جنگوں کے واقعات بیان کرتا تھا۔ مختلف سفروں کے دوران میں جو عجیب و غریب تجربات و مشاہدات حاصل ہوتے تھے ان کا تذکرہ ہوتا تھا۔ مختلف قصے اور مزاحیہ فکاہات بیان ہوتے تھے۔ نیز سنجیدہ اور ہنسی مذاق ہر طرح کی باتیں ہوتی تھیں یہاں تک کہ فحش کاری اور بیہودہ لہو و لعب کی باتیں بھی ہوتی تھیں جس طرح آج کل تھیٹروں اور کلبوں میں ہوتی ہیں اور کبھی کبھی حسبِ موقع بعض معاملات پر غور و فکر بھی ہوتا تھا اس طرح لوگ اپنے اور دوسروں کے احوال کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے اور اپنے اپنے حالات و واقعات اور ضرورتوں کے مطابق ان تجربات سے استفادہ کرتے تھے۔

مکہ کتابوں میں مدون علم سے یکسر خالی نہ تھا۔ ابنِ ہشام نے سیرت کے صفحہ ۱۹۱ پر تحریر کیا ہے:

"نضر بن حارث حیرہ گیا تھا، وہاں اس نے شاہانِ ایران اور رستم و اسفندیار کے واقعات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں تشریف فرما کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور امم سابقہ کی تعذیب کے حالات بیان کر کے اپنی قوم کو ڈراتے تو آنحضرتؐ کے چلے جانے کے بعد نضر آپؐ کی جگہ بیٹھ جاتا اور کہتا تھا: "اے معشرِ قریش! بخدا! میں اس سے بہتر قصہ گو ہوں، پس میرے نزدیک آجاؤ، میں اس کی باتوں سے بہتر باتیں تمہیں سناؤں گا۔" پھر وہ انہیں شاہانِ ایران اور رستم و اسفندیار کے قصے سناتا تھا اور کہتا تھا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کون سی

بات مجھ سے بہتر بیان کی ہے؟" ابنِ ہشام نے دوسری روایت میں صفحہ ۲۴۰ پر یہ اضافہ کیا ہے؟ ... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے مقابلہ میں کیونکر بہتر قصہ گو ہیں؟ اس کی باتیں پچھلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو منقول ہوتی چلی آتی ہیں، اسی طرح کی لکھی ہوئی کہانیاں میں تمہیں سناتا ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں فرمایا:

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبہا فھی تملیٰ علیہ بکرۃ واصیلا ہ قل انزلہ الذی یعلم السر فی السمٰوٰت والارض ط انہ کان غفورًا رحیما ہ
(الفرقان - ۵ - ۶)

کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنھیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔ اے نبیؐ! ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔

مذکورہ اقتباس سے یہ امر صراحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے کہ نضر بن حارث کے پاس تاریخِ ایران وغیرہ کے متعلق کتاب تھی جسے وہ نقل کرتا تھا۔ اسی طرح صلح و جنگ کے متعلق شعر العرب کے بارے میں تاریخی شہادتیں موجود ہیں اور شعر تو عربوں کا دیوان یعنی ان کی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

عہدِ نبوت

اس طرح کے اجتماعی حالات میں دعوتِ اسلام اور عہدِ نبوت کا آغاز ہوا۔ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جاہلیت کے مقابلہ میں بغاوت اور ہمہ پہلو اور ہمہ گیر انقلاب کا دور ہے اور کون نہیں جانتا کہ سب سے پہلی وحی جو نبیِ امی نبیِ اسلام پر کی گئی وہ قرأت کے حکم اور قلم کی تعریف پر مشتمل ہے (سورہ العلق، آیات ۱-۵ ملاحظہ فرمائی جائیں)۔ قرآن کریم پوری نوعِ انسانی کی تاریخ سے بالعموم استدلال کرتا ہے اور صرف عربوں کے حالات تک محدود نہیں ہے۔ اس میں مخلوقات اور انبیاءؑ و ملوک وادیان کے قصص اور دیگر تاریخی مسائل کے متعلق امور کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات بھی بیان کی گئی ہیں۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جسے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری نوعِ انسانی کی اصلاح کے لیے برپا کیا۔ پس لازمی ہے کہ مسلمانوں کی سوچ عالمگیر ہو۔ چنانچہ قرآن نے تخلیقِ کائنات اور مختلف ممالک میں برسرِ کار انسانی انجمنوں اور سوسائٹیوں کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کی ترغیب دی اور بالتکرار اس کا حکم دیا۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائی جائیں:

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق ثم اللہ ینشئ النشأۃ الاٰخرۃ ط ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر ہ
(العنکبوت - ۲۰)

ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے، پھر اللہ بارِ دگر بھی زندگی بخشنے کا یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبل ط کان اکثرھم مشرکین ○ (الروم - ۴۲)

(اے نبیؐ !) ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے، ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔

قرآن کے پیش نظر یہ نہیں ہے کہ صرف بھلے آدمیوں کو دعوت دینے پر اکتفا کیا جائے بلکہ اس کی دعوت تو عام ہے اور اس نے بُرے لوگوں کو بھی تبلیغ کی تاکہ وہ معرفت حاصل کر کے مسلمان ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا گیا :

قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین ○ (الانعام - ۱۱)

(اے نبیؐ !) ان سے کہو، ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

اسلام کی ابتدا جزیرہ عرب کے لوگوں میں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ان کے پاس پُوری نوعِ انسانی کے حالات معلوم کرنے کے کثیر ذرائع و وسائل نہ تھے۔ مزید برآں ان اولین مسلمانوں نے علمِ تاریخ میں دو زاویوں سے جو قابلِ قدر کام کیا اس کی مثال ان سے قبل کی دنیا میں موجود نہ تھی۔

اوّل یہ کہ انہوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں معاصر تاریخ کا مواد اکٹھا کیا اور ان سے قبل عظیم لوگوں مثلاً انبیاء یا شاہانِ قدیم کے حالات میں سے جو کچھ ہمیں معلوم ہے اگر اس کے ذکر کے لیے قلیل صفحات کافی ہوتے تو ہم ان کے حالات ضرور قلمبند کرتے۔ لیکن سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تفاصیل اور ان کی متنوع حیثیت کا بیان ہی ضخیم مجلدات کا محتاج ہے جو تحقیق و مطالعہ کرنے والوں کے لیے حیرانی کا موجب ہے۔

دوم یہ کہ اسلام سے قبل اصولِ شہادت کی تطبیق عدالتی طریق کار پر منحصر تھی۔ حاکم علیٰ گواہ طلب کرتا ہے اور مدعی بھی اسی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اوّلین مسلمان آئے تو انہوں نے سب سے پہلے بیانِ شہادت کو وسعت دی اور اسے تاریخی مسائل پر منطبق کیا۔ مسلمان کوئی ایسی خبر یا قول تسلیم نہ کرتے تھے خواہ وہ ایک دو جملوں پر مشتمل ہو مگر اس صورت میں کہ اسے وہ شخص روایت کرے جو اس واقعہ میں موجود ہو اور پھر اس شخص کی روایت قبول کی جاتی تھی جس نے اوپر تک طبقہ بہ طبقہ موقع کے گواہ سے وہ روایت سُنی ہو۔ شاید مسلمانوں کو حسبِ عادت اس میں زیادہ اہمیت و معنویت محسوس نہ ہو لیکن جرمن مستشرق شپرینگر تو اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا اس کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ مشرق یا مغرب کی سابقہ ترقی یافتہ مہذب اقوام میں سے کسی قوم نے بھی مسلمانوں سے قبل تاریخ کی اہمیت کو نہ پہچانا اور اسے فکاہات و خرافات اور قصّے کہانیوں میں تبدیل کر دیا اور سننے والوں کو ان ہی میں مشغول و مگن رکھا۔ تاریخی مسائل کے بارے میں مسلمانوں نے جو طریقِ کار اختیار کیا اس کی وجہ سے تاریخ کو ایک علم کا درجہ حاصل ہو گیا اور وہ قابلِ اعتماد حقائق کا ماخذ و مصدر قرار پائی کیونکہ مسلمانوں نے صرف بلند ترین ماخذ بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مولف سے لے کر واقعہ مذکورہ کے

زمانہ تک اوپر کے تمام مصادر یکے بعد دیگرے بیان کیے۔

مسلمانوں کی تاریخ کو لازمی طور پر تاریخ عالم کی حیثیت حاصل ہو گئی کیونکہ ان کا رب صرف اہلِ بیت کا رب نہیں ہے بلکہ تمام کائنات کا رب ہے۔ اسی طرح ان کا دین جملہ انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے اور امرِواقع نے بھی اسی کی تائید کر دی کیونکہ مسلمانوں کی مملکت مشرق و مغرب میں حیران کُن سرعت کے ساتھ پھیل گئی۔ نیز مسلمانوں کے افکار و نظریات بھی عالمگیر ہیں اور ان کی حیثیت قبائلی و علاقائی نہیں ہے۔

مسلمانوں نے عہدِ رسالتمآب کی ابتدا ہی سے ان وسیع معنوں میں تاریخ کی طرف توجہ دی۔ ان کا یہ شغف پہلے طبقہ میں راسخ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے آنحضرتؐ کے جملہ احوال یعنی آپؐ کے اقوال، افعال اور تقاریر کو جمع کیا۔ بعض صحابہؓ نے ان معارف کی تدوین آنحضرتؐ کی زندگی ہی میں شروع کر دی اور بعض نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ کام کیا۔ ہر ایک نے اپنی مخصوص معلومات کو ایک صحیفہ میں قلمبند کیا اور اپنے شاگردوں کو ان کی تعلیم دی۔ طبقہ تابعین کے ان تلامذہ صحابہؓ میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے ایک سے زیادہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اس طرح پہلے مرحلہ پر یہ معلومات اکٹھی ہو گئیں اور بعد ازاں ان کی تصنیف و ترتیب عمل میں آئی۔

ہاں، یہ تو حدیثِ نبویؐ کا مذکور ہے۔ لیکن حدیثِ نبویؐ آنحضرتؐ کے عہدِ نبوت کی اسلامی تاریخ ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے جنہوں نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ و ایامہ" رکھا۔ اس میں آنحضرتؐ کے حالات از قسم قول و فعل و تقریر درج ہیں۔ صحابہؓ کے کسی کام پر آنحضرتؐ کا سکوت تقریر کہلاتا ہے۔ اس کتاب میں آنحضرتؐ کی جنگوں کا ذکر ہے اور وُہ حالات درج ہیں جو نہ صرف مسلمانوں یا عربوں کے بارے میں ہیں بلکہ پڑوسی ممالک —— مثلاً حبشہ، روم اور ایران وغیرہ —— کے متعلق معلومات بھی مذکور ہیں۔ اس ضمن میں سورہ روم ملاحظہ فرمائی جائے جس میں روم و ایران کی جنگ کا قصہ درج ہے، نیز سمندری سفروں کے حالات بھی ملاحظہ فرمائے جائیں۔ جیسے تمیم داری وغیرہ کے سفر کا ذکر جسے صحیح مسلم میں روایت کیا گیا ہے۔

عہدِ صحابہؓ

خلفائے راشدین نے اپنی تمام تر توجہ حفظِ حدیث —— یعنی تاریخ اسلامی کے مصادر —— کی طرف مبذول کی، اور انہیں عالمی تاریخ کے لیے فراغت نہ ملی۔ پھر خلیفہ[1] معاویہؓ نے عالمی تاریخ کو درخورِ اعتنا سمجھتے ہوئے یمن سے اپنے

---

[1] حضرت معاویہؓ نے تواریخ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے لیے ایک مخصوص ادارہ قائم کیا۔ مسعودی نے مروج الذہب (۵/۷۷-۸۰) (طبع یورپ) میں ذکر کیا ہے: "حضرت معاویہؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ دن رات پانچ مرتبہ اجلاس کرتے تھے فجر کی نماز کے بعد قصّے کہانیوں کا اجلاس ہوتا تھا۔ اس سے فراغت کے بعد اندر چلے جاتے اور مصحف (باقی بر صفحہ ۳۶۶)

زمانہ کے سب سے بڑے مورخ عبید بن شریہ جرہمی کو طلب کیا جس نے آپ کے لیے قدیم تاریخ عرب کے معارف جمع کیے جن میں اجنبیوں کے ساتھ جنگوں کا ذکر ہے۔ مثلاً یہ کہ یمن کے شاہانِ کندہ نے بہت سے علاقوں کو فتح کیا یہاں تک کہ وہ شام اور عراق تک پہنچ گئے۔ اسی طرح مسلمانوں کی فتوحات بھی روز بروز زیادہ ہوتی گئیں۔ ہمارا موضوعِ بحث مسلمانوں کے ہاں علمِ تاریخ کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہے کہ ہم اس کے مختلف شعبوں اور گوشوں پر گفتگو کریں بلکہ ہم سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تاریخِ دورِ نبوت پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ ہماری کتاب صرف اسی موضوع سے متعلق ہے۔

ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ صحابہؓ کو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا ان میں سے اکثر صحابہؓ نے اپنی معلومات کو کتابت میں مدون کیا۔ ہمارے فاضل دوست مصطفیٰ اعظمی نے تحقیق کی ہے کہ وہ صحابہؓ جن کی طرف کتابتِ حدیث صراحت کے ساتھ منسوب کی ہے ان کی تعداد پچاس سے کم نہیں ہے۔ ہم ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کرتے ہیں:

(۱) بلاذری نے انساب الاشراف (۱/۵۰۶) میں ذکر کیا ہے: "حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میری ماں ام سلیم میرا ہاتھ پکڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرا بیٹا ہے لڑکپن میں لکھنا جانتا ہے اس کی عمر دس سال ہے میں اسے آپؐ کی خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں۔" چنانچہ حضرت انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کی حیثیت سے آپؐ کے دولتکدہ پر رہے۔ انہوں نے آنحضرتؐ کے ان اقوال و افعال کو دیکھا جن کے دیکھنے کا موقع دوسرے صحابہؓ کو میسر نہ تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے روایت کیا کہ علم کو کتابت کے ذریعہ سے مقید کرو۔ اور محدثین کی ایک جماعت مثلاً رامہرمزی، حاکم اور خطیب بغدادی نے سعید بن ہلال کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۵) آپ کو دیا جاتا۔ آپ اس کا کچھ حصہ تلاوت کرتے تھے۔ جب عشاء کی اذان ہوتی تو آپ باہر نکل کر نماز ادا کرتے۔ پھر خواص اور خواص الخواص اور وزراء اور بالخصوص اپنے لوگوں کو بلایا جاتا اور ان سے مشورے کیے جاتے۔ رات کے ابتدائی حصہ میں یہ کام کیا جاتا۔ رات کا ایک تہائی حصہ عربوں کے اخبار اور ان کی جنگوں اور بادشاہوں اور سیاست کے احوال اور دیگر اقوامِ عالم کے بادشاہان، ان کی جنگوں اور چالوں اور رعیت کے نظم و نسق وغیرہ اور قدیم اقوام کے حالات بیان ہوتے تھے۔ پھر حرم سے آپ کے پاس حلوہ اور دیگر لطیف و لذیذ کھانے آجاتے جو تناول کیے جاتے۔ پھر آپ اندر چلے جاتے اور ایک تہائی رات تک سوتے تھے۔ نیند سے بیدار ہو کر بیٹھ جاتے تو آپ کے سامنے دفاتر پیش کیے جاتے جن میں بادشاہوں کے حالات و اخبار اور ان کی جنگوں اور چالوں کا مذکور ہوتا۔ نوجوان یہ آپ کو پڑھ کر سناتے تھے۔ نوجوانوں کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ ان کو یاد کریں اور پڑھیں۔ آپ کے ہاں ہر رات کو جملہ اخبار و حالات و آثار اور سیاست کے انواع پر تبصرہ ہوتا تھا جسے آپ سنتے تھے۔ پھر باہر نکل کر نمازِ فجر ادا کرتے اور اس کے بعد ہر روز کے بیان کردہ معمول کے مطابق عمل کرتے تھے۔"

یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم نے کثیر تعداد میں حضرت انس بن مالک کے ہاں ہجوم کیا تو وہ اپنے پاس سے مجلّے یعنی پمفلٹوں کی شکل میں رجسٹر نکال لائے اور فرمایا: "یہ احادیث میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور انھیں لکھ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔" حضرت انسؓ نے آپؐ کی احادیث کو صرف لکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آنحضرتؐ کی فرصت کے اوقات میں انہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ ان کی تصحیح ہو جائے۔ تاریخ میں یہ حدیث کی سب سے پہلی کتاب ہے۔

(۲) ترمذی، ابوداؤد، دارمی اور ابن سعد وغیرہ متعدد مصادر میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کی یہ روایت بیان کی گئی ہے انہوں نے کہا: میں نے نبی علیہ السلام سے اس بات کی اجازت طلب کی کہ جو کچھ میں نے آپؐ سے سنا ہے، اس کو لکھ لوں۔ آنحضرتؐ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی اور میں نے احادیث کو لکھ لیا۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے اس صحیفہ کا نام "الصادقہ" رکھا۔ نیز حضرت عبداللہؓ سے یہ بھی روایت کی گئی ہے: میں جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا اور جسے میں محفوظ کرنا چاہتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا: کیا تم آنحضرتؐ کی سب باتیں لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں اور ناراضی و خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں؛ میں لکھنے سے باز آ گیا اور میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آنحضرتؐ نے انگلی سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: "تم لکھتے جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے ماسوا کوئی بات نہیں نکلتی۔" یہ کتاب ہم نے حضرت عبداللہ کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس دیکھی وہ اسے اپنے شاگردوں کو املا کراتے تھے۔

(۳) ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۱/ ۷۴) میں حسن بن عمرو بن امیہ ضمری کی یہ روایت بیان کی جس نے کہا: میں نے ایک حدیث کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا (غالباً حضرت ابوہریرہؓ اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کا حافظہ کمزور ہو چکا تھا) میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سُنی ہے۔ انہوں نے کہا: "اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہو گی۔" انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے گھر لے جا کر بہت سی کتابیں دکھائیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھی ہوئی تھیں، یہ حدیث بھی ان میں مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے کہا: "میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر میں نے یہ حدیث سنائی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہو گی۔" یہ روایت اس بارے میں صریح نص ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے حدیث کی بہت سی کتابیں مدوّن کی ہوئی تھیں۔

عمرو بن حزم انصاریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا اور ان کے لیے ایک دستاویز تیار کی جس میں نصیحتیں اور احکام درج تھے۔ عمرو بن حزم نے اس دستاویز کو ازبر کر لیا پھر انہوں نے اکیس مکاتیب جمع کیے جو نبی علیہ السلام نے مختلف قبائل کی طرف بھیجے تھے اور ان سب کو ایک تالیف میں یکجا کر دیا۔ عہد نبویؐ کی اسلامی سیاسی دستاویزات کا یہ اوّلین مجموعہ ہے۔ ابن طولون نے اپنی کتاب "اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین" کے آخر میں اس تالیف کو بطور ضمیمہ شامل کر کے ہمارے لیے

محفوظ کر دیا ہے۔ یہ کتاب دمشق میں طبع ہوئی ہے۔

اغلب یہ ہے کہ صحابہؓ نے جو حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں یا بعد ازاں مدوّن کیں وہ ابواب میں منقسم نہ تھیں اور نہ ہی ان میں سالوں کے لحاظ سے زمانی ترتیب ملحوظ رکھی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں حدیث کس سال اور کس وقت بیان فرمائی۔ المختصر یہی حال ابو ہریرہؓ کے اس صحیفہ کا ہے جو ان کے شاگرد ہمام نے روایت کیا اور یہی حال انس بن مالکؓ وغیرہ کے صحیفوں کا ہے جو ہم تک پہنچے لیکن یہ سب صحیفے عہدِ نبوت کی تاریخ سے متعلق معلومات پر مشتمل ہیں اور جو صحابہؓ ان واقعات کے شاہد ہیں انہوں نے ہی ان کی تعلیم دی۔

یہ حقیقت ہے کہ سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابہؓ قرنِ ثانی کے اوائل یعنی ۱۱۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ لیکن تاریخی تالیفات کی تحریک کا آغاز اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا جیسا کہ درجِ ذیل مضمون سے ظاہر ہوگا۔

مسلمانوں کے ہاں کتبِ تاریخ کی تالیف

حقیقت یہ ہے کہ احادیث کا جمع کرنا بالفعل تاریخ کے لیے ابتدائی مواد جمع کرنے کے مترادف ہے کیونکہ کتبِ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ایک مربُوط قصہ کے طور پر پیش نہیں کرتیں بلکہ ان کتابوں میں دورِ اسلام سے متعلق مختلف واقعات کے بارے میں چھوٹی چھوٹی متعدد حکایات بیان کی گئی ہیں۔ جہاں تک معروف اور متداول معنی کے لحاظ سے کتبِ تاریخ کا تعلق ہے وہ اس بات کی متقاضی ہیں کہ اس منتشر مواد کو ان میں سمیٹ دیا جائے اور روایات کا خلاصہ بیان کیا جائے۔

چنانچہ پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل سے مسلمانوں نے اسے اس طرح شروع کیا۔

جب وسٹنفیلڈ نے اپنی جرمن کتاب "مورخینِ عرب" گوٹنگن سے ۱۸۸۲ء میں شائع کی تو اس نے ناموں کو سالہائے وفات کے حساب سے مرتب کیا۔ ہماری کتاب کے مؤلف کا نام اٹھائیسویں نمبر پر تھا۔ اس نے ستائیس مورخ ابن اسحاق سے پہلے دریافت کئے ہیں۔ بلاشبہ آج ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم اس فہرست میں بعض ناموں کا اضافہ کر سکیں چونکہ ہمارا مضمون مورخینِ اسلام کے حالات کی تالیف سے متعلق نہیں ہے اس لیے ہم وسٹنفیلڈ کی مرتّب کردہ سلسلہ وار فہرست کے اسمائ پر اکتفا کرتے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(۲) زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
(۳) مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ
(۴) دغفل بن حنظلہ ذہلی سدوسی
(۵) عبید بن شریہ جرہمی
(۶) ابو کلاب وقاع لسان الحمرہ
(۷) حلیف بن زید بن جعونہ
(۸) زید بن کیاس نمری
(۹) ابن الکوا، یشکری
(۱۰) یزید بن بکر اور اس کے دو بیٹے عیسٰی اور یحیٰی۔
(۱۱) علاقہ بن کریم کلابی
(۱۲) صحار بن عیاش (یا عباس) کلابی

(۱۳) عروہ بن زبیر
(۱۴) صالح بن عمران صغدی
(۱۵) عامر شعبی
(۱۶) وہب بن منبہ
(۱۷) قتادہ بن دعامہ سدوسی
(۱۸) ابن شہاب زہری
(۱۹) ابو مخنف لوط
(۲۰) شبیل بن عروہ
(۲۱) موسیٰ بن عقبہ
(۲۲) ابو عمیر مجاھر بن سعید ہمدانی
(۲۳) شرقی بن قطامی
(۲۴) طریف بن طارق مدنی
(۲۵) عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ المنتوف
(۲۶) محمد بن سائب کلبی
(۲۷) عوانہ بن حکم

اس فہرست میں کچھ دوسرے ناموں کا اضافہ کرنے سے قبل ہم ان میں سے بعض مورخین کے حالات کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو غیر مفید نہیں ہے۔

نووی نے (تہذیب الاسماء کے صفحہ ۲۲۶، ۲۲۴ پر) یہ کہا: "عقیل بن ابی طالب قریش کے سب سے بڑے نسابوں میں سے تھے اور ان کے آبا و اجداد اور ان کی جنگوں کے حالات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ان کے لیے غالیچہ بچھایا جاتا تھا۔ انساب اور عرب کی جنگوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے لوگ ان کے گرد اکٹھے ہو جاتے تھے۔ وہ معاویہؓ کی خلافت میں فوت ہوئے" یعنی ۶۰ھ میں۔

جہاں تک زیاد بن ابی سفیان کا ذکر ہے اس کے متعلق ابن الندیم نے (الفہرست صفحہ ۸۹ پر) تحریر کیا ہے: "سب سے پہلے جس شخص نے مثالب و معائب کے متعلق تصنیف کی وہ زیاد تھا..... جب اسے اور اس کے نسب کو مطعون کیا گیا تو اس نے محنت کے ساتھ نسب دانی سیکھی اور اپنے نسب کو اپنی اولاد تک پہنچایا اور کہا: "اس کے ذریعہ سے عربوں کو اپنی طرف مائل کرو کیونکہ وہ تم سے نسب روک رہے ہیں۔" زیاد ۵۳ھ میں فوت ہوا۔"

جہاں تک ابو صفوان مخرمہ بن نوفل متوفی ۵۴ھ کا تعلق ہے اس کی عمر اس وقت ایک سو پندرہ سال تھی۔ اس نے حضرت عمرؓ کے لیے انساب کا دیوان مدون کیا۔ اس کام میں عقیل بن ابی طالب اور جبیر بن مطعم نے بھی اس کے ساتھ اشتراک کیا۔ فتح مکہ کے دن اس نے اسلام قبول کیا۔ وہ سن رسیدہ تھا اور لوگوں کی جنگوں اور بالخصوص قریش کی جنگوں کے بارے میں اسے معلومات حاصل تھیں۔ لوگ حصولِ نسب کے لیے اس کی طرف رجوع کرتے تھے (بحوالہ تہذیب الاسماء از نووی، ص ۳۴۵) ابنِ اسحاق اس خاندان کا آزاد کردہ تھا۔ یہیں اس کی پرورش ہوئی۔ وہ اپنی اس کتاب میں اس خاندان کے افراد سے بکثرت روایت کرتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سدوسی نساب دغفل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن آنحضرتؐ سے کچھ نہیں سنا۔ اسی طرح عبید بن شریہ جرہمی نے آنحضرتؐ کو پایا لیکن آپؐ سے کچھ نہیں سنا۔ وہ قاصد بن کر حضرت معاویہؓ کے پاس

آیا۔ انہوں نے اس سے پرانی خبروں، شاہانِ یمن، زبانوں کے اختلاط اور بگاڑ اور ملکوں میں لوگوں کے افتراق کے بارے میں سوالات کیے، اس نے طویل عمر پائی (بحوالہ المعارف از ابن قتیبہ صفحہ ۲۶۵ طبع یورپ)۔ ابن ندیم نے الفہرست صفحہ ۹۰ پر عبید بن شریہ کے متعلق لکھا کہ اس نے دو کتابیں "کتاب الامثال" اور "کتاب الملوک و اخبار الماضیین" تالیف کیں۔

بلاشبہ ابو عبداللہ عروہ بن زبیر بن عوام (۲۳ھ - ۹۳ھ - مختلف فیہ) مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں سے ہیں۔ ان کی کتابیں جنگِ حرہ کے زمانہ میں مدینہ میں ضائع ہوگئیں۔ وہ مغازی کے متعلق سب سے پہلے لکھنے والے ہیں ان کی تحریروں کے اقتباسات متاخرین کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ ابن سعد (طبقات: ۵/۱۵۶) نے ان کے متعلق لکھا ہے: "ان کے پاس مغازی کے علاوہ کوئی حدیث لکھی ہوئی نہ تھی اور مغازی کا مواد انہوں نے ابان بن عثمانؓ بن عفان سے حاصل کیا تھا۔" یوحان فوک نے اپنے ایک رسالہ میں (جو فرینکفرٹ سے ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا اور جسے میں نے استاذہ انماری شمل سے شکریہ کے ساتھ مستعار لیا ہے) محمد بن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے کہ عبدالملک نے اپنے کسی بیٹے کے پاس حدیث المغازی دیکھی تو اسے اس کے حکم سے جلا دیا گیا اور اس نے کہا: "تمہیں چاہیے کہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو، میں بھی اسی کو پڑھتا ہوں اور سنّت کو میں پہچانتا ہوں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔" لیکن یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے برخلاف تاریخِ طبری سے متعدد حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً:

"عروہ ...... نے عبدالملک کی طرف تحریر کیا: اما بعد ..... (ص ۱۱۸۰ از طبع یورپ)

"عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان کی طرف لکھا: اما بعد آپ نے مجھے ابو سفیان اور اس کے خروج کے متعلق لکھا ہے اور پوچھا ہے کہ اس کی حالت کیا تھی؟" (ص ۱۲۸۴)

"عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبدالملک کی طرف لکھا: اما بعد آپ نے مجھ سے لوٹ مار کرنے والوں کے متعلق پوچھا ہے اور یہ سوال کیا ہے کہ آیا خالدؓ بن ولید نے فتح مکہ کے دن لوٹ مار کی تھی ......" (ص ۱۶۳۴)

"عروہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبدالملک کی طرف تحریر کیا: اما بعد آپ نے مجھ سے لکھ کر پوچھا ہے کہ خدیجہؓ بنت خویلد کب فوت ہوئی تھیں ......" (ص ۱۷۷۰)

اسی طرح کی دیگر روایات مسند احمد بن حنبل میں بھی موجود ہیں (مثلاً جلد ۴، ص ۲۱۳):

"عروہ سے روایت ہے کہ عبدالملک نے کچھ چیزوں کے متعلق ان سے لکھ کر دریافت کیا۔ اس کے جواب میں عروہ نے عبدالملک کی طرف لکھا، تم پر سلامتی ہو میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اما بعد آپ نے مجھ سے کچھ چیزوں کے بارے میں سوال کیا ہے۔ پھر عروہ نے حدیث بیان کی اور کہا: مجھ سے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ جب ہم دوپہر کے وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے پاس ان کی دو بیٹیوں عائشہؓ اور اسماءؓ کے سوا اور کوئی نہ تھی کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

لے آئے۔"

ہمیں معلوم ہے کہ عبدالملک نے خلافت کے معاملہ میں عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا تھا لیکن یہ بات اسے اس چیز سے نہیں روکتی تھی کہ وہ ان کے بھائی عروہ بن زبیر سے استفادہ کرے۔ جو کچھ استاد فوک نے نقل کیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو لازمی طور پر وہ ان مغازی کے متعلق ہوگا جن کی کوئی اصل نہیں ہے اور جنہیں قصہ خوانوں نے محض خوش طبعی اور دل بہلانے کے لیے گھڑ لیا تھا۔

جہاں تک وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۰ھ یا ۱۱۴ھ) کا تعلق ہے وہ جید علماء میں سے تھا۔ اس کا بھائی ہمام بن منبہ محدث غازی تھا اور اپنے بھائی وہب کے لیے کتابیں خریدا کرتا تھا (جیسا کہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ۲/۶۷ میں ذکر کیا ہے) وہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی جس کا ایک قطعہ بردی چھال پر لکھا ہوا ہیڈلبرگ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس کے اقتباسات طبرانی وغیرہ میں ہیں اس کی دیگر کتابیں بھی قصص الانبیاء اور اخبار الملوک وغیرہ کے متعلق ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ محمد بن شہاب زہری (۵۲ھ ۔ ۱۲۴ھ) اپنے زمانے کے جید علماء میں سے تھے۔ علم حدیث و سیرت میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ابن ندیم نے (الفہرست ص ۹۵) خالد بن ولید کی فتوحات کی کتاب بھی ان کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ ہمارے مولف ابن اسحاق کے استاد ہیں زہری کی سیرت کے متعلق کتاب کے اقتباسات جامع ابن وہب (۱/۹۶۔۹۸) میں موجود ہیں۔ وہاں ایک واقعہ درج ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاہل اہل سیاست بھی علم تاریخ اور سیرت النبیؐ کو درخور اعتنا سمجھتے تھے۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی (۱۹/۵۹) میں ذکر کیا۔ مدائنی نے کہا اور نیز ابن شہاب نے کہا کہ مجھ سے خالد بن عبداللہ قسری نے کہا: "میرے لیے نسب لکھو۔" ابن شہاب نے کہا: میں نے مضر کے نسب سے ابتداء کی اور ابھی اس کو پورا نہ کیا تھا کہ خالد نے کہا: "اس کو کاٹ دو اللہ تعالیٰ اس کی جڑوں سمیت اسے کاٹے۔ میرے لیے سیرت قلمبند کرو۔" میں نے اسے کہا: "میرے پاس حضرت علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کی سیرت میں سے کچھ چیزیں ہیں۔ کیا میں ان کا ذکر کروں؟" اس نے کہا: نہیں، مگر یہ کہ تو اسے جہنم کی گہرائی میں دیکھے۔" اللہ تعالیٰ خالد پر اور جس نے اسے والی بنایا اس پر لعنت بھیجے اور ان کو خیر سے دور کردے۔ اور حضرت علی امیر المومنین پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔"

اس قصہ میں اہل ہوا و ہوس کے طبعی میلانات کی ملاوٹ ہے اور اگر یہ صحیح ہو تو ہمارا گمان نہیں ہے کہ زہری نے قسری کے مطالبہ کے مطابق کچھ لکھا ہو کیونکہ صاحب الاغانی نے (۶/۱۰۶) تاکید کی کہ زہری کے تعلقات ولی عہد ولید ثانی کے ساتھ اس حد تک کشیدہ ہو گئے تھے کہ اگر ولید والی خلافت ہو جاتا تو زہری بلاد اسلام کو چھوڑ کر بلاد روم میں پناہ حاصل کرتے کیونکہ ولید زہری کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن ولید کی خلافت سے قبل ہی زہری کی وفات ہو گئی۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (مادہ زہری) میں ہے کہ ایک دوسرے خلیفہ نے حضرت علیؓ کے

خلاف ایک دوسری بات کا مطالبہ کیا۔ زہری نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور زہری کے اس طرزِ عمل میں ہمیں تعجب محسوس نہیں ہوتا۔

زہری کے تلامذہ میں سے موسیٰ بن عقبہ (متوفی ۱۴۱ھ) بہت مشہور آدمی ہے اس نے کتاب المغازی تالیف کی، جسے اس موضوع پر صحیح ترین کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ہمیں نہیں ملی مگر اس کے کچھ اقتباسات اور ملخصات اس مخطوطہ میں ہیں جسے جرمن مستشرق سخاو نے برلن سے شائع کیا۔

جن کا ذکر وسٹنفیلڈ نے نہیں کیا ان میں سے:

ابان بن عثمان بن عفان صاحبِ مغازی ہیں، ان کی ایک کتاب جس میں انہوں نے مبدأ، مبعث، مغازی، وفات، سقیفہ اور ارتداد کا ذکر کیا۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ اسی طرح عاصم بن عمر بن قتادہ (متوفی ۱۱۹ھ باختلافِ اقوال) اور شرحبیل بن سعد (متوفی ۱۲۳ھ) ہیں۔ ان کا ذکر احمد امین نے ضحی الاسلام (۲/۳۲۰) میں کیا۔ یوحان فوک نے اپنے رسالہ میں ابو الاسود یتیم عروہ (متوفی ۱۳۱ھ باختلافِ روایات) اور سلیمان بن طرخان تیمی (متوفی ۱۴۳ھ باختلافِ روایات) اور ابو محمد ولید بن کثیر مولی مخزومی (متوفی ۱۵۱ھ) کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ ابو محمد ولید کا ذکر وسٹنفیلڈ نے ابنِ اسحاق کے بعد کیا ہے حالانکہ وہ دونوں معاصر ہیں۔

ضروری ہے کہ ہم یزید بن ابی حبیب (متوفی ۱۲۸ھ) کا ذکر کریں وہ ابن اسحاق کے مصری اساتذہ میں سے ہیں ان کے تذکرہ میں ایک دوسرے غیر معروف مولف نے یہ ذکر کیا جسے سیرت نبویہ کے نقطۂ نظر سے اہمیت حاصل ہے:
مجھے ابنِ اسحاق نے بتایا۔ اس نے کہا: مجھ سے یزید بن ابی حبیب مصری نے یہ روایت بیان کی کہ اسے ایک کتاب دستیاب ہوئی جس میں ان لوگوں کے نام تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں اور شاہانِ عرب و عجم کی طرف بھیجا اور اس کتاب میں وہ ہدایات بھی درج تھیں جو آنحضرتؐ نے اپنے اصحابؓ کو بھیجتے وقت دیں۔ راوی نے کہا کہ اس نے یہ کتاب محمد بن شہاب زہری کے پاس ارسال کی۔ زہری نے اس کتاب کو پہچانا اور اس کا بدلہ دیا۔ (سیرت ابنِ ہشام صفحہ ۹۸۲ اور تاریخ طبری سلسلہ اولیٰ صفحہ ۱۵۶۰۔ ہر دو مطبوعہ یورپ)۔

اخیر میں معمر بن راشد (متوفی ۱۵۳ھ) ہے جو ابنِ اسحاق کے معاصرین میں سے ہے۔ ابن ندیم نے (الفہرست ۹۴) اس کی طرف کتاب المغازی منسوب کی ہے جو ہمیں نہیں ملی۔ اس کی ایک کتاب 'الجامع فی الحدیث' بھی ہے جس کے دو قلمی نسخے ترکی میں ہیں۔ اگر ہمیں پہلے مولفین کی سیرت کی کتابیں دستیاب ہو جاتیں اور اسی طرح ابن اسحاق کی مکمل کتاب بھی ہمیں مل جاتی تو ہمارے لیے یہ دیکھنا ممکن تھا کہ اسلوبِ تالیف میں کیا تبدیلی واقع ہوئی اور بالخصوص ابنِ اسحاق میں مقابلۃً کیا فضائل و خصوصیات ہیں۔ اب ہم اس نکتہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے مولف کے دوسرے حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ابنِ اسحاق؛

وہ محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ ابن یسار بن کوتان ہیں ۔ ان کی موالات مطلبی ہے یعنی وہ آل قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف کے آزاد کردہ ہیں ۔

ابنِ سعد نے (الطبقات ، ۷/۲ صفحہ ۶۷ میں) یہ کہا :" ان کا دادا یسار جنگ عین التمر کے قیدیوں میں تھا "۔ ابنِ قتیبہ نے (المعارف صفحہ ، ۲۴۷ میں) یہ اضافہ کیا ہے :" وہ عین التمر کے ان قیدیوں میں تھا جو خالدؓ بن ولید نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف مدینہ بھیجے "۔ اور خطیب بغدادی نے (تاریخ بغداد - ۱/۲۱۶) کہا :" یسار نہیں بلکہ اس کے باپ کا نام خیار تھا جو ابن مخرمہ کا آزاد کردہ تھا ۔ اس نے یہ روایت ہیثم بن عدی اور مدائنی سے نقل کی ۔ شاید یہ زیادہ صحیح ہو ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کوفان نے اسلام قبول کر لیا ہو اور اس کے مالک نے اس کا نام خیار رکھ دیا ہو عین التمر کی جنگ بسرہ کے قریب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں ۱۲ھ میں ہوئی ۔ ممکن ہے خیار اس وقت لڑکا ہو اور اس کے ہاں یسار ۲۰ھ کے لگ بھگ اور اس کا پوتا اسحاق ۵۰ھ میں اور ہمارا مولف محمد ۸۵ھ میں پیدا ہوا ہو ۔ امام بخاری نے (تاریخ کبیر میں) کہا کہ ابن اسحاق کی کنیت ابوبکر ہے ۔ اور ابن سعد نے (طبقات میں) کہا کہ وہ ابوعبداللہ ہے ۔ ان دونوں اقوال میں یہ اختلاف باقی ہے ۔ خطیب بغدادی نے (۱/۲۱۶ - ۲۱۷) اس کی تفصیل بیان کی ہے ۔

خطیب بغدادی نے (۱/۲۱۵) عبداللہ بن جعفر بن درستویہ کی وساطت سے یعقوب بن سفیان کی یہ روایت نقل کی کہ ابن اسحاق فارسی ہے ، لیکن بکری (اس ڈکشنری میں جو عجمیوں میں گھل مل کر عجمی بن جانے والوں سے متعلق ہے ۔ مادہ عین التمر کے ذیل میں) صراحت کرتا ہے :" عین التمر کے ایک گرجے میں خالدؓ نے عرب لڑکے دیکھے جو کسریٰ کے پاس گروی تھے اور وہ شام و عراق میں پھیلے ہوئے تھے ۔ ان ہی میں کلبی عالم نسابت کا دادا اور محمد بن اسحاق صاحب المغازی کا دادا تھا ۔ شاید اسی وجہ سے بعض مستشرقین گمان کرتے ہیں کہ ابن اسحاق کا دادا نصرانی تھا ۔ عربوں کے وہ بچے جو ایران میں گروی تھے ان کی تصدیق کیے بغیر ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم وثوق سے کہہ سکیں کہ ابن اسحاق انجیل کے جید عالم تھے اور انہوں نے یہ علم اپنے دور کے علماً سے حاصل کیا تھا نہ کہ اپنے اجداد سے ۔ مثال کے طور پر انہوں نے انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر کیا (بحوالہ سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۴۹-۱۵۰) اور کہا کہ مُنْحَمَنَّا کے معنی سریانی میں محمد اور یونانی میں برقالیطس ہیں ۔ اور یہ مکاشفات یوحنا (عہدِ جدید ۱۴/۱۲/۱۷) میں مذکور ہے (نیز نبی موعود کے ذکر میں یہاں ۱۵/۲۶ - ۱۹/۷ ، - ۳۰ کی طرف رجوع کیا جائے) ۔ اسی طرح ذہبی نے میزان الاعتدال (۳/۲۳) میں یہ نقل کیا ہے ، یونس بن بُکیر نے ابنِ اسحاق کے حوالہ سے عبدالرحمان بن حارث سے اور اس نے ابی سلمہ کی وساطت سے ابن عمر کی یہ روایت بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کے پاس کسی شخص کو

بھیج کر دریافت کیا: "کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟" حضرت ابن عباسؓ نے کہلا بھیجا: "ہاں، آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کو ایک سرسبز سنہری فرش والے باغ میں سونے کی کرسی پر دیکھا جسے چار فرشتے اٹھائے ہوئے تھے ایک فرشتہ کی شکل مرد کی، دوسرے کی شیر کی اور تیسرے کی بیل کی تھی اور چوتھا فرشتہ عقابی شکل کا تھا۔" یہ بھی مکاشفاتِ یوحنا (۴/۱-۷) میں سے ہے اسی طرح کا ذکر امیہ بن ابی صلت نے اپنے قبلِ اسلام کے اشعار میں کیا ہے۔ یہ اسرائیلی روایات میں سے نہیں ہے بلکہ نصرانیات میں سے ہے اور یہ روایات اسلامی ادب میں داخل ہوگئیں۔ اسی طرح ابن اسحاق نے توراۃ سے ہابیل کا قصہ نقل کیا (تاریخ طبری ۱/۱۴۱ = توراۃ کتاب التکوین ۴/۹-۱۶) اور یوسف علیہ السلام کی عمر نقل کی (تاریخ طبری ۱/۱۳۱۴ = کتاب التکوین ۵۰/۲۲) اور نوح علیہ السلام کی کشتی کا ذکر کیا (الطبری ۱/۱۸۹-۲۱۲ = کتاب التکوین ۶/۴۴)۔

ان کے دو چچا تھے۔ طبری نے (ذیل تاریخ طبری سلسلہ ۳، ص ۲۵۱۲-۲۵۱۳ میں) یہ ذکر کیا ہے: "ان کے باپ اسحاق بن یسار اور دو چچاؤں موسیٰ اور عبدالرحمان پسران یسار سے مروی ہے کہ ابنِ اسحاق مغازی یعنی مغازیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عربوں کی جنگوں اور ان کے اخبار و انساب کے علماء میں سے تھا، نیز عربوں کے اشعار کا راوی، کثیر الحدیث، وسیع العلم، بہت زیادہ علم حاصل کرنے والا اور علم میں پیشرو تھا اور ان سب حیثیتوں میں ثقہ تھا۔" ان کے باپ اسحاق نے صبیح مولی حویطب بن عبدالعزّیٰ کی بیٹی سے نکاح کیا جیسا کہ قسطلانی (۴/۳۲۸) نے ذکر کیا۔

خطیب بغدادی (۱/۲۱۴) نے کہا کہ ابن اسحاق کے دو بھائی ابوبکر اور عمر تھے۔ اور جماعیلی نے اپنی کتاب "الکمال فی معرفۃ الرجال" (مخطوطہ برلن) میں یہ اضافہ کیا کہ محمد بن اسحاق ان سب سے بڑے تھے اور یہ کہ ان کا بھائی عمران کے ایک سال یا دو سال بعد فوت ہوا۔ (اس مخطوطہ کو وسٹنفیلڈ نے سیرت ابن ہشام کے مقدمہ میں نقل کیا ہے)۔

ابن ندیم نے فہرست میں (ص ۹۲) اور یاقوت نے معجم الادباء میں واقدی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ابن اسحاق خوبرو تھے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ان کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بھینگے تھے۔ اور خطیب (۱/۲۲۶) نے کہا کہ وہ سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے۔

تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۶۴) اور میزان الاعتدال (۳/۲۲) میں ابن عدی کے حوالہ سے ذہبی کی یہ روایت انہیں مطعون کرتی ہے کہ ابن اسحاق مرغوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔

اس سے زیادہ ہتک آمیز وہ روایت ہے جسے ابن ندیم نے "حُکِیَ — یعنی حکایت کی گئی" کے کلمہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور جسے یاقوت نے اپنے الفاظ میں واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ روایت یہ ہے: "محمد بن اسحاق مجلس کے آخر میں خواتین کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔" یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ وہ خواتین سے باہم

قصہ کہانی کہتے تھے۔ اور ابن ندیم نے کہا کہ وہ خواتین کے ساتھ عشق و محبت کی بات چیت کیا کرتے تھے۔ انہیں ہشامؔ کے پاس لے جایا گیا جو اس وقت مدینہ کا امیر تھا۔ ابن اسحاق کے بال بہت خوب صورت تھے۔ ہشام نے ان کے بالوں کو پتلا کر دیا اور انھیں دُرے لگائے اور انہیں وہاں بیٹھنے سے منع کر دیا۔ وہ نہایت خوب رُو تھے۔" شاید یہ بے جا بات ہے یا اس کا سبب معاصرین کی منافرت ہے کہ خطیب بغدادی (۱/ ۲۲۵) نے ابن ابی حازم اور عبدالعزیز بن محمد دراوردی کے حوالہ سے یہ روایتیں بیان کیں: "ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ محمد بن اسحاق بھی تھے۔" دُوسری روایت میں یہ ہے: "ہم ابن اسحاق کی مجلس میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔" راوی نے کہا: "والی کی آمد تھی اور روالی سے قبل عون آیا اور اس نے پوچھا: تمہارے ساتھ یہ کون بیٹھا ہوا ہے؟ ہم نے کہا: یہ محمد بن اسحاق ہیں۔ بقول راوی عون نے انہیں گرفتار کر لیا، پھر ہم نے دیکھا کہ ان کی گردن میں ایک رسّی تھی اور وہ دارِ مروان (یعنی دار الامارت) سے ہمارے پاس سے گزرے یہاں تک کہ انہیں مسجد میں داخل کیا گیا اور دوسرے دروازے سے نکالا گیا۔" خطیب نے ابن ابی زنبر کے حوالہ سے اس میں اضافہ کیا کہ یہ ان پر قدریہ ہونے کا اتہام تھا حالانکہ قدری عقیدے سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ذہبی نے میزان الاعتدال (۳/ ۲۱) میں یہ روایت نقل کی کہ ابو داؤد نے کہا: "محمد بن اسحاق قدری معتزلی تھے۔" خطیب بغدادی (۱/ ۲۲۴) نے کہا: "بہت سے علمأ نے منجملہ دیگر اسباب کے ابن اسحاق کی روایات سے استدلال کرنے سے اس بنا پر گریز کیا کہ وہ شیعہ تھے۔" یاقوت نے (معجم الادبأ میں) کہا: "یحییٰ بن سعید بن قطان سے روایت ہے کہ محمد بن اسحاق، حسن بن ضمرہ اور ابراہیم بن محمد یہ سب اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے تھے اور حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے تھے۔" اس کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ابنِ اسحاق سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا۔

ان کی تاریخ وفات کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے جو ۱۵۰ھ سے ۱۵۴ھ تک پھیلا ہُوا ہے۔ شمس الدین ذہبی نے عبر میں ۱۵۱ھ کو ترجیح دی اور کہا کہ یہی قول صحیح ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی یہی کہا۔ اس بحث میں مذکور مختلف روایات میں یہ ہے کہ طبری نے (اپنی تاریخ کے ذیل میں سلسلہ ۳، ص ۲۵۱۳ پر) یہ روایت نقل کی: "ابن سعد نے کہا: مجھے محمد بن اسحاق کے بیٹے نے بتایا کہ میرے والد ۱۵۰ھ میں بغداد کے مقام پر فوت ہُوئے اور خیزران کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔" جہاں تک ابنِ سعد کا تعلق ہے اس نے طبقات (جلد ۷/ ۲، صفحہ ۶۷) میں کہا کہ وُہ (یعنی ابن اسحاق) ۱۵۱ھ میں فوت ہُوئے۔ اور خطیب بغدادی نے یہ دونوں تاریخیں روایت کی ہیں اور علی مدینی وغیرہ کی روایت سے ۱۵۲ھ اور خلیفہ بن خیاط کے حوالہ سے ۱۵۳ھ کا اضافہ کیا ہے۔ ابن خلکان نے کہا: "کہا گیا کہ تاریخ وفات ۱۵۴ھ ہے۔" یاقوت

لہ ہشام ۱۰۶ھ سے ۱۱۴ھ تک مدینہ منورہ کا والی رہا حالانکہ ابن اسحاق ۸۵ھ میں پیدا ہوئے، اس لیے یہ قصہ صحیح نہیں ہے اِلّا یہ کہ ہشام سے مراد اسماعیل بن ہشام ہو جو ۱۰۲ھ تا ۱۰۶ھ مدینہ منورہ کا والی تھا۔ محمد حمید اللہ

نے (معجم الادبائیں) کہا: "وہ خیزران کے قبرستان میں ابو حنیفہؒ کی قبر کے پاس دفن کیے گئے" حالانکہ ابو حنیفہؒ کی قبر کے متعلق اب تک مشہور ہے کہ وہ اعظمیہ میں ہے۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں بالتفصیل لکھا کہ انہیں خیزران کے قبرستان کے مشرقی جانب دفن کیا گیا اور یہ قبرستان ہارون الرشید کی والدہ خیزران اور ہارون کے بھائی ہادی کی طرف منسوب ہے۔ یہ قبرستان خیزران کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا کہ خیزران وہاں مدفون ہے۔ یہ قبرستان دجلہ کی مشرقی جانب واقع تمام قبرستانوں میں سب سے مقدم ہے۔

درس و تدریس

محمد بن اسحاق مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور تقریباً تیس سال تک وہاں رہے۔ خطیب بغدادی (۱/۲۱۵) نے کہا: "یہ حقیقت ہے کہ محمد بن اسحاق نے انس بن مالکؓ، سعید بن مسیبؒ کو دیکھا۔ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ، ابان بن عثمانؓ بن عفان، محمد بن علی بن حسین بن علیؓ بن ابی طالب، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰنؒ بن عوف، عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج، نافع مولیٰ عبد اللہؓ بن عمر اور محمد بن مسلم بن شہاب وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ اور یوحان فوک نے اپنے رسالہ (ص ۷۶-۸۲) میں کہا کہ انہوں نے عاصم بن قتادہ اور عبد اللہ بن ابی بکر (متوفی ۱۳۰ھ یا ۱۳۵ھ) سے بھی تعلیم حاصل کی۔ اور یزید بن رومان (تلمیذ عروہ بن زبیر) کے حلقۂ درس میں بھی رہے۔ اور تفسیر کا درس محمد بن ابی احمد اور مغیرہ بن لبید سے لیا اور اسرائیلیات کے بارے میں معلومات وہب بن منبہ سے حاصل کیں۔ سیرت ابن ہشام میں غیر معروف اساتذہ کو حذف کر کے ابن اسحاق کے ایک سو شیوخ کا ذکر موجود ہے۔

جماعیلی (مخطوط برلین) نے یہ کہا: "وہ ۱۱۵ھ میں اسکندریہ آئے۔ اہل مصر کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی..... اہل مصر میں سے جنہوں نے ان سے روایت کی ان میں سے اکابر یزید بن ابی حبیب اور قیس بن ابی یزید ہیں" (جہاں تک ابن حجر کا تعلق ہے اس نے تہذیب التہذیب ۹/۴۴ میں کہا کہ اسکندریہ میں ان کی آمد ۱۱۹ھ میں تھی)۔ اس بات کا احتمال ہے کہ جب ان کے حاسدوں نے ان پر قدری ہونے کا بہتان باندھا اور مدینہ کے والی نے انہیں کوڑے لگائے تو انہوں نے اس وقت مدینہ کو خیرباد کہا۔ یہ بھی لازمی ہے کہ وہ شہرت کے حامل ہوں گے۔ اسی وجہ سے علماء مصر نے ان کا استقبال کیا یہاں تک کہ زہری جو ان کے استاذ ہیں وہ بھی ان کے بہت بڑے مداح ہیں۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ "ابن شہاب زہری نے کہا: جو مغازی کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو اسے ابن اسحاق کے پاس جانا چاہیے..... اور زہری کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ "وہ اپنے ایک گاؤں کی طرف گیا۔ حدیث کے طالب علم بھی ان کے پیچھے وہاں چلے گئے تو زہری نے ان سے کہا کہ تم نے اس بھینگے لڑکے کی طرف کیوں رجوع نہیں کیا؟ یا یہ کہا کہ میں تمہارے لیے اس بھینگے لڑکے کو یعنی ابن اسحاق کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اور ساجی نے ذکر کیا ہے کہ زہری کے اصحاب کو جب زہری کی کسی حدیث کے بارے میں شک لاحق ہوتا تو وہ ابن اسحاق کی رہنمائی

حاصل کرتے تھے جو حفظِ حدیث میں ان سب سے زیادہ ثقہ تھا" اور خطیب بغدادی (۱/ ۲۱۹ - ۲۲۰) نے کہا: "سفیان بن عُیینہ سے روایت ہے کہ میں نے زہری کو دیکھا ان کے پاس محمد بن اسحاق آئے۔ زہری نے ان کو دیر کے بعد پایا اور پُوچھا: "تم کہاں رہے؟" محمد بن اسحاق نے جواب دیا: "کیا آپ کے دربان کی موجودگی میں آپ کے پاس کوئی پہنچ سکتا ہے؟" راوی نے کہا: زہری نے دربان کو بلایا اور اسے کہا کہ جب محمد بن اسحاق آئیں تو انہیں روکا نہ کرو۔ ابنِ عیینہ نے کہا: ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ میں نے زہری کو یہ کہتے ہوئے سنا: مدینہ منورہ میں اس وقت تک بہت زیادہ علم رہے گا جب تک اہلِ مدینہ میں ابنِ اسحاق موجود ہیں ..... سفیان بن عیینہ نے کہا: زہری کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ میں اس وقت تک بچے کھچے لوگوں کا علم رہے گا جب تک وہاں ابنِ اسحاق موجود ہیں۔ سفیان نے کہا: ابن شہاب سے مغازی کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا: یہ یعنی ابنِ اسحاق مغازی کا سب سے بڑا عالم ہے۔ شافعیؒ نے کہا، جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے اسے ابن اسحاق کی طرف رجوع کیے بغیر چارہ نہیں .....

میں نے یحییٰ بن معین سے محمد بن اسحاق کے متعلق سوال کیا۔ اس نے کہا: "عاصم بن قتادہ کا بیان ہے کہ لوگوں میں اس وقت تک علم موجود رہے گا جب تک محمد بن اسحاق زندہ ہے ..... میں نے ابو معاویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد بن اسحاق سب لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والا تھا۔ جب کسی شخص کے پاس پانچ یا اس سے زیادہ احادیث ہوتی تھیں تو وہ انہیں محمد بن اسحاق کے سپرد کر دیتا تھا اور انہیں کہتا تھا کہ ان کو محفوظ رکھیں، کیونکہ اگر میں بھول گیا تو آپ انہیں یاد رکھیں گے ...... عبداللہ بن فائد نے کہا: جب ہم محمد بن اسحاق کی مجلس میں ہوتے اور وہ علم کے کسی شعبہ کو شروع کرتے تو وہ سارا اجلاس اسی بحث کی نذر ہو جاتا۔ جماعیلی نے (برلن کے مخطوطہ میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ فلیح بن سلیمان نے کہا: "میں اکثر دیکھتا تھا کہ ابن شہاب مغازی سے متعلقہ مسائل کے بارے میں ابنِ اسحاق سے پوچھا کرتے تھے۔" اور ابن حجر (تہذیب التہذیب ۹/۴۰) نے کہا: علی المدینی کا بیان ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مدار چھ باتوں پر ہے جن کا اس نے ذکر کیا اور پھر کہا کہ ان چھ باتوں کا علم بارہ علماء کے پاس ہے جن میں اس نے محمد بن اسحاق کا ذکر بھی کیا۔ مدینہ میں محمد بن اسحاق کے تلامذہ میں ابراہیم بن سعد محدث بھی تھے۔ ابنِ حجر نے (تہذیب التہذیب ۹/ ۴۱ - ۴۲) میں کہا: "امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ مجھے ابراہیم بن حمزہ نے بتایا: ابراہیم بن سعد محدث کے پاس محمد بن اسحاق کی احکام سے متعلق مرویات (ماسوائے مغازی کے) تقریباً سترہ ہزار تھیں۔ اور ابراہیم بن سعد کے پاس اہلِ مدینہ میں سے حدیث کا سب سے زیادہ ذخیرہ تھا ...... اور امام بخاریؒ نے یہ بھی کہا کہ محمد بن اسحاق کے پاس ایک ہزار ایسی احادیث تھیں جو کسی دوسرے کے پاس نہ تھیں۔

جب ابن اسحاق مصر کی طرف چلے گئے تو یہ متاخرینِ بنی امیہ کا دَور تھا اور فتنہ و مظالم کا پُر آشوب زمانہ تھا۔ جب ۱۳۲ھ میں ان کی حکومت جاتی رہی تو ہم ابن اسحاق کو دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس دیکھتے ہیں، (جس کا دورِ حکومت ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ ہے)۔ ابنِ سعد (جلد ۷/ ۲، صفحہ ۶۲) نے کہا: وہ ابتدا میں مدینہ سے

پہلے گئے اور پھر کوفہ، جزیرہ، رے اور بغداد آئے اور زندگی کے آخری ایام تک وہیں قیام کیا۔ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ مدینہ واپس نہیں آئے بلکہ مصر سے عراق اور ایران کی طرف چلے گئے لیکن ہمارے لیے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ان علاقوں میں سب سے پہلے انہوں نے کس جگہ کا سفر کیا۔

خطیب بغدادی (۱/۲۲۶) نے مکی بن ابراہیم کی یہ روایت بیان کی کہ اس نے محمد بن اسحاق سے رے میں بیس لیکچر سُنے (پھر اس نے انہیں چھوڑ دیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی صفات کے متعلق ایسی احادیث بیان کیں جن سے اس کا دل مطمئن نہ ہوا)۔ ابن سید الناس (۱/۱۲) نے بارہ مجلسوں کا ذکر کیا ہے۔

یاقوت (معجم الادباء) نے کہا: "محمد بن اسحاق جزیرہ میں عباس بن محمد کے پاس تھے اور ابوجعفر منصور کے پاس جانا چاہتے تھے پھر اس کے لیے انہوں نے کتاب المغازی لکھی"۔ عباس منصور کا بھائی تھا اور ۱۴۲ھ میں جزیرہ کا والی تھا۔

ابن قتیبہ (المعارف، ۲۴۷) نے کہا: "محمد بن اسحاق ابوجعفر منصور کے پاس حیرہ میں آئے اور اس کے لیے کتاب المغازی لکھی۔ اسی سبب سے اہلِ کوفہ نے ان سے یہ کتاب سنی۔ خطیب بغدادی (۱/۲۲۱ - ۲۲۲) نے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی: میں نے عمار کو یہ کہتے ہوئے سنا محمد بن اسحاق مہدی کے ہاں گئے اس وقت مہدی کے پاس اس کا بیٹا تھا، اس نے ابنِ اسحاق سے کہا: "اے ابنِ اسحاق! کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟ ابنِ اسحاق نے کہا: ہاں، یہ امیرالمومنین کا فرزند ہے۔ مہدی نے کہا: آپ جائیں تو اس کے لیے ایک ایسی کتاب تصنیف کریں جس میں اللہ تعالیٰ کے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے لے کر آج تک کے حالات درج ہوں۔ راوی نے کہا: انہوں نے جا کر یہ کتاب تصنیف کی۔ مہدی نے کہا: اے ابنِ اسحاق! آپ نے بڑی طویل کتاب لکھی ہے آپ جا کر اسے مختصر کریں۔ چنانچہ یہ مختصر کتاب ہے اور بڑی کتاب[2] امیرالمومنین کے خزانہ میں رکھ دی گئی۔ حسن بن محمد مودب نے کہا: میں نے ابوالہیثم کو یہ کہتے ہوئے سُنا: محمد بن اسحاق نے یہ کتاب مصر کی کاغذی چادروں پر لکھی۔ پھر یہ کاغذی چادریں سلمہ یعنی ابن الفضل کو منتقل ہو گئیں اور ان کاغذی چادروں کی وجہ سے ابن اسحاق کی کتاب کے بارے میں سلمہ کی روایت کو دوسروں کی روایت پر فضیلت حاصل ہے۔ شیخ ابوبکر (خطیب بغدادی) نے اس راوی کے حوالہ سے یہ کہا: "ابن اسحاق

---

[1] ہوروفتس کا گمان ہے کہ وہ کبھی کبھی مدینہ واپس آیا کرتے تھے اور اس دوران میں زہری سے ۱۲۵ھ میں اور سفیان بن عُیینہ سے ۱۳۲ھ میں مدینہ میں ان کی ملاقات ہوئی (میں نے تاریخ بخاری اور ابن خلکان ۱/۶۱۲ سے رجوع کیا لیکن مجھے اس کا ثبوت نہیں ملا) ہوروفتس کا مقالہ مجلہ اسلامک کلچر (۲/۱۹۶-۱۸۲) میں ہے۔

[2] ابن اسحاق کی بڑی کتاب (الکتاب الکبیر) امام سہیلی کے پاس موجود تھی وہ گا ہے گا ہے اس کتاب سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر الروض الانف ۱/۱۰ ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

مہدی کے ہاں گئے اور اس وقت اس کے پاس اس کا لڑکا تھا۔ میرے نزدیک یہ روایت محلِ نظر ہے۔ شاید اس کے بیان کا منشا یہ ہو کہ ابن اسحاق منصور کے ہاں گئے اور اس کے پاس اس کا لڑکا مہدی تھا۔ کیونکہ یہ بات صحت کے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔" اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ ابن اسحاق ولیعہد خلافت مہدی کے پاس رے میں گئے ہوں جو ابن اسحاق کی وفات سے قبل رے میں سکونت پذیر تھا۔

کوفہ شہر حیرہ ہی کی تعمیرِ جدید ہے۔ اس وقت بغداد کی تاسیس نہیں ہوئی تھی۔ جب منصور نے ۱۴۶ھ میں بغداد کی بنیاد رکھی تو ابن اسحاق نے بھی یہاں سکونت اختیار کی اور وہ وہیں دفن ہوئے۔ وہ بغداد کے ابتدائی ساکنان میں سے ہیں۔ جب خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد لکھی تو اس نے مشاہیر کے حالاتِ زندگی کی پہلی قسم (۱/۲۱۴) میں لکھا: "شیخ ابوبکر خطیب کا بیان ہے کہ مدینۃ السلام کے رہنے والوں اور وہاں آنے والوں میں سے جو اشخاص اسم محمد سے موسوم ہیں ان میں محمد بن اسحاق سے زیادہ عمر رسیدہ، اعلیٰ مسلمان اور سب سے پہلے فوت ہونے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ ان ہی اسباب کی وجہ سے جو محمد بن اسحاق کی ذات میں مجتمع تھے میں نے اپنی کتاب کا افتتاح ان کے نام سے کیا ہے ان کے بعد ان لوگوں کے نام لکھے ہیں جو ان کے حالاتِ زندگی سے متعلق ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی اور ان کے علاوہ دوسری باتوں کا لحاظ کیا جاتا تو محمد بن احمد اس بات کے سب سے زیادہ مستحق تھے کہ ان کے نام سے ابتدا کی جاتی کیونکہ انہوں نے ہمارے لیے ہمارے ان شیوخ کے نشاناتِ قدم کو باقی رکھا جو امام ہیں۔ اور اللہ ہی ہمیں غلطیوں سے بچانے والا اور نیکیوں کی توفیق دینے والا ہے۔

ابن اسحاق اور امام مالکؒ و ہشام بن عروہ کی منافرت

ابن سید الناس (۱/۱۶-۱۷) اور ابن حجر (۹/۴۵) نے ابی حاتم بن حبان کے حوالہ سے کتاب الثقات میں ابن اسحاق کے متعلق یہ روایت نقل کی: "دو آدمیوں — امام مالکؒ اور ہشام نے ابن ہشام کے بارے میں کلام کیا ہے۔ ہشام نے فاطمہ (زوجہ ہشام) سے ابن ہشام کی سماعت کا انکار کیا۔ جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے ابن اسحاق نے ایک دفعہ ان کی تذلیل کی اور پھر اسے دہراتے رہے اور ان کے حق کا انکار کرتے رہے۔ وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ میں لوگوں کے انساب اور ان کی لڑائیوں کے متعلق ابنِ اسحاق سے زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ تھا۔ ابن اسحاق کا گمان تھا کہ امام مالکؒ ذی اصبح کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں اور امام مالکؒ اپنے آپ کو (حمیر کی شاخ) اصبح میں سے سمجھتے تھے۔ اس معاملہ میں ان دونوں کا ایک دفعہ مناظرہ بھی ہوا۔ جب امام مالکؒ نے (حدیث کی کتاب) مؤطا تصنیف کی تو ابن اسحاق نے کہا:

"ایتونی بہ فانا بیطارہٗ۔" یہ کتاب میرے پاس لاؤ اس کا ناقد تو میں ہوں۔

یہ بات امام مالکؒ کو پہنچی تو انہوں نے کہا:

هذا دجال من الدجاجلة یروی عن الیهود۔ | یہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے، یہودیوں کی روایات نقل کرتا ہے۔

ان دونوں حضرات میں ایسی چپقلش تھی جو معاصرت کی وجہ سے لوگوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ محمد بن اسحاق نے عراق کی طرف کوچ کا ارادہ کر لیا اس وقت دونوں باہم راضی ہو گئے۔ ابن اسحاق نے جب کوچ کیا تو امام مالکؒ نے انہیں پچاس دینار دیئے اور مزید برآں اس سال کی اپنے پھلوں میں سے نصف پیداوار عطا کی۔ امام مالکؒ حدیث کی وجہ سے ابن اسحاق پر عیب نہیں لگاتے تھے بلکہ وہ اس لیے ان کا انکار کرتے تھے کہ وہ غزواتِ نبوی سے متعلق یہودیوں کی ان اولادوں کی روایات نقل کرتے تھے جو مسلمان ہو چکے تھے اور جنہیں خیبر، قریظہ اور نضیر کی جنگوں کے حالات اور اپنے آباء و اجداد کے متعلق اسی طرح کے عجیب و غریب واقعات یاد تھے۔ ابن اسحاق یہ روایات معلوم کرنے کے لیے ان کا تتبع کرتے تھے اور اس بات کا التزام نہ کرتے تھے کہ وہ قابلِ اعتماد بھی ہیں۔ لیکن امام مالکؒ صرف ثقہ اور پختہ لوگوں کی روایات نقل کرتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ امام مالکؒ کے نسب کے بارے میں ابن اسحاق نے کبھی معذرت پیش نہیں کی۔ اس ضمن میں زہری وغیرہ سے بھی کچھ نہ کچھ بیان کیا گیا ہے۔"

خطیب (۱/۲۲۳) نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے: "جب ابن ادریس (اودی) نے امام مالکؒ سے ابنِ اسحاق کے قول کا ذکر کیا کہ میں ان کتابوں کا ناقد ہوں تو امام مالکؒ نے کہا: "کیا اس نے تمہیں یہ کہا ہے کہ میں ان کتابوں کا ناقد ہوں؟ ہم نے تو اسے مدینہ منورہ سے نکال دیا ہے۔" اور خطیب (۱/۲۲۴) نے یہ بھی کہا: "ابن ابی ذئب، عبدالعزیز بن ماجشون، ابن ابی حازم اور محمد بن اسحاق حضرت امام مالکؒ بن انسؒ کے بارے میں کلام کیا کرتے تھے اور اس بارے میں سب سے زیادہ متشدد محمد بن اسحاق تھے وہ کہا کرتے تھے:

ایتونی ببعض کتبه حتی ابین عیوبه انا بیطار کتبه۔ | مالکؒ کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان کے عیوب واضح کروں، ان کی کتابوں کا ناقد تو میں ہوں۔

اس قصہ میں تواریخ کا مذکور نہیں ہے۔ ابن سید الناس نے ان دونوں حضرات کی مصالحت کے متعلق ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابن اسحاق کی مدینہ سے روانگی سے قبل کا واقعہ ہے۔ اور خطیب نے امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے اسے مدینہ منورہ سے نکال دیا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابن اسحاق کے چلے جانے کے بعد پیش آیا۔ یا ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق نے امام مالکؒ کی کتابوں کے متعلق یہ تبصرہ مدینہ میں رہتے ہوئے اور مدینہ سے چلے جانے کے بعد دوبارہ کیا ہو اور ظاہر کہ یہ سب کچھ معاصرین کی منافرت کا نتیجہ ہے۔

ابنِ ہشام نے جب سیرتِ ابن اسحاق کی نوک پلک درست کی تو اس نے بھی کچھ چیزیں حذف کر دیں اور کہا (سیرۃ ابن ہشام ص ۴) کہ کچھ مضامین جو ابنِ اسحاق نے بیان کیے ہیں لیکن ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہے اور بعض ایسی چیزیں جن کا بیان کرنا نازیبا تھا اور بعض مضامین جن کے بیان سے کچھ لوگ غمگین ہوں انہیں ترک کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح ابنِ اسحاق اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان منافرت کا ذکر کیا گیا ہے:

"امام ابوحنیفہؒ اور محمد ابن اسحاق ابوجعفر منصور کے ہاں اکٹھے ہوئے۔ اہلِ کوفہ، مدینہ اور دیگر شہروں کے علماء اور فقہاء کو منصور نے ایک مشکل مسئلہ کے حل کے لیے بلایا ہوا تھا۔ اس نے امام ابوحنیفہؒ کو بھی بلا بھیجا تھا اور انہیں ڈاک کی سواری پر بغداد لایا گیا تھا۔ منصور کو جو مشکل مسئلہ درپیش تھا اس کا حل صرف امام ابوحنیفہؒ ہی نے بتایا۔ جب قضیہ حل ہو گیا تو منصور نے امام کو اس غرض کے لیے روک لیا تاکہ عدالتی اور حکومتی امور ان کے سپرد کرے، اور ان ہی کی وساطت سے احکام صادر ہوں اور ان کا نفاذ عمل میں آئے۔ منصور نے محمد بن اسحاق کو اس لیے روک لیا کہ وہ اس کے بیٹے مہدی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور غزوات کے واقعات کو قلمبند کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک دن امام ابوحنیفہؒ اور محمد بن اسحاق دربار میں اکٹھے ہو گئے۔ محمد بن اسحاق اس وجہ سے امام موصوف سے حسد کرتے تھے کہ منصور امام صاحب کی عزت و تکریم کرتا تھا اور انہیں اپنے ذاتی معاملات اور رعیت اور قاضیوں اور حکام کے معاملات میں اپنا مشیر مقرر کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ابن اسحاق نے امام ابوحنیفہؒ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، ان کی غرض یہ تھی کہ اس ذریعہ سے امام صاحب کے بارے میں منصور کی رائے کو تبدیل کیا جائے۔ ابن اسحاق نے کہا: "اے ابوحنیفہ! اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جس نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کام کرے گا یا نہ کرے گا اور قسم کے ساتھ اِن شاءَ اللہ نہ کہا بلکہ قسم سے فارغ ہو جانے اور خاموشی اختیار کر لینے کے بعد اس نے اِن شاءَ اللہ کہا۔" امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ ایسا استثناء جو قسم کھا لینے کے بعد ہو وہ مفید نہیں ہے اور صرف وہی استثناء قسم میں داخل سمجھا جائے گا جو قسم کے ساتھ ہو۔" ابن اسحاق نے کہا: "کیوں مفید نہ ہو گا جب کہ امیر المومنینؓ کے جدِ اکبر ابو العباس عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ استثناء اگر قسم کے ایک سال بعد بھی ہو پھر بھی جائز ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

واذکر ربّك اذا نسیت۔ یعنی جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے۔

(الکہف ـ ۲۴)

منصور نے محمد بن اسحاق سے پوچھا: "کیا ابو العباسؓ نے اسی طرح فرمایا ہے؟" ابنِ اسحاق نے کہا: "ہاں۔" راوی کا بیان ہے کہ منصور غضبناک ہو کر امام ابوحنیفہؒ کی جانب متوجہ ہوا اور کہا: "کیا تم ابو العباسؓ کی مخالفت کرتے ہو؟" امام ابوحنیفہؒ نے کہا: "میں ابو العباسؓ کا مخالف نہیں ہوں بلکہ ابو العباسؓ کے قول کی میرے پاس ایک صحیح تاویل ہے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے اور استثناء کرے، تو اس پر حدث نہیں ہے اور ہم اس سے وہ استثناء مراد لیتے ہیں جو قسم کے ساتھ موصول ہو اور یہ لوگ (یعنی ابنِ اسحاق وغیرہ) آپ کی خلافت کو برحق نہیں سمجھتے اور ابو العباسؓ کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ منصور نے پوچھا: "یہ کیونکر؟" امام نے جواب دیا: "جب یہ لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں تو قسم کھاتے ہیں۔ ان کی یہ بیعت

تقیہ کے طور پر ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ اِن شاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور وہ جب چاہیں آپ کی بیعت کا قلادہ گردن سے اتار پھینکتے ہیں اور ان پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں رہتا"۔ منصور نے کہا: "کیا ایسا ہوتا ہے؟" امام نے کہا: "ہاں"۔ منصور نے کہا: "پکڑو اس کو یعنی محمد بن اسحاق کو"۔ چنانچہ درباریوں نے محمد بن اسحاق کو گرفتار کرلیا اور ان کی چادر ان کے گلے میں ڈال کر انہیں لے گئے اور قید کر دیا (مناقب الامام الاعظم۔ موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ، ج ۱، ص ۱۴۲ - ۱۴۴ اور مناقب الامام الاعظم۔ کردری، ۱/ ۱۸۳ - ۱۸۴)۔ لیکن ابن فضل اللہ عمری نے (اپنی کتاب مسالک الابصار میں) اس قصہ کو ابنِ اسحاق کی بجائے حمید طوسی کی طرف منسوب کیا ہے شاید وہ زیادہ صحیح ہو۔

اور اسی طرح ابنِ اسحاق اور شرحبیل کے درمیان بھی منافرت تھی۔ ذہبی (میزان الاعتدال ۳/ ۲۱ - ۲۲) نے یہ ذکر کیا ہے "ابنِ اسحاق نے ایک شخص سے پوچھا: شرحبیل بن سعد کی حدیث کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابنِ اسحاق نے جواب دیا: کیا کوئی شخص اس سے بھی روایت کرتا ہے! یحییٰ نے کہا: ابن اسحاق پر تعجب ہے وہ اہل کتاب سے روایات اخذ کرتے ہیں لیکن شرحبیل سے نفرت کرتے ہیں"۔

جہاں تک ہشام بن عروہ کے قصہ کا تعلق ہے تو وہ بلا خلاف ساقط الاعتبار ہے۔ ہشام نے ابن اسحاق (کی فاطمہ زوجہ ہشام سے سماعت) کا جو انکار کیا ہے وہ مبالغہ غیرت کے سبب سے ہے۔ ہشام ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۶ھ میں (باختلافِ روایات) فوت ہوئے۔ اور ابن قتیبہ (المعارف ص ۱۱۵) نے کہا: "بیشک ہشام کی والدہ سارہ کنیز تھیں۔ وہ ابوجعفر منصور کے عہدِ خلافت میں کوفہ آئے۔ اہلِ کوفہ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ ہشام نے وہیں وفات پائی"۔ ابن قتیبہ (ص ۲۴۷) نے پھر کہا: "بے شک ابن اسحاق فاطمہ بنت منذر بن زبیر (زوجہ ہشام بن عروہ) سے روایت کرتے تھے۔ ہشام کو اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ابن اسحاق کی سماعت کا انکار کیا اور کہا: کیا وہ میری عورت کے پاس آیا کرتا تھا؟" ابن ندیم (الفہرست - ۹۲) کی روایت میں ہے کہ ہشام نے کہا: یہ شخص کب آیا اور اس نے کب سماعت کی؟" خطیب بغدادی (۱/ ۲۲۲) کی روایت ہے: "سعید بن قطان کا قول ہے کہ میں نے ہشام بن عروہ کو محمد بن اسحاق کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا: یہ دشمنِ خدا جھوٹا ہے، میری بیوی سے روایت کرتا ہے، اس نے اسے کب دیکھا؟" خطیب اور ابن سید الناس (ص ۱۰) سے یہ بھی روایت ہے کہ ہشام نے کہا: جب میں نے اس سے نکاح کیا تو اس کی عمر نو سال تھی اور اسے کسی مخلوق نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ عزوجل کو پیاری ہو گئی"۔

اور یہ غلط ہے عمر رضا کحالہ (اعلام النساء ۴/ ۱۴۶) نے آخرین کے باب میں تاکید کے ساتھ لکھا ہے کہ فاطمہ بنت منذر ۴۸ھ میں پیدا ہوئیں وہ ہشام بن عروہ کی چچا زاد تھیں۔ ہشام ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ فاطمہ کی عمر اپنے خاوند ہشام سے تیرہ سال زیادہ تھی اور ابن اسحاق سے سینتیس سال زیادہ تھی۔ ہشام بجائے اس کے کہ ابنِ اسحاق کے دعوائے سماعتِ حدیث کے متعلق اپنی زوجہ سے دریافت کرتے وہ غضبناک ہو کر ابنِ اسحاق کو برا بھلا

کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن اسحاق نے اس کے علاوہ کوئی قصور نہیں کیا کہ انہوں نے ہشام کی زوجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی۔ ممکن ہے ابنِ اسحاق نے فاطمہ زوجہ ہشام سے یہ حدیث اپنی ماں یا اپنی بہن یا اپنی بیوی کے لیے دریافت کی ہو۔ ابن سید الناس (۱/۱۳) نے یہ ذکر کیا ہے: "ابوالحسن قطان نے کہا: وہ حدیث جس کی وجہ سے ابن اسحاق کی فاطمہ سے روایت کے بارے میں یہاں تک کلام ہوا ہے کہ ہشام نے ابنِ اسحاق کو کذاب کہا اور اس میں امام مالکؒ اور یحییٰ بن سعید نے بھی ہشام کی پیروی کی اور دوسروں نے بھی ان کی تقلید میں ایسا ہی کیا وہ حدیث یہ ہے:

فلتقرصه و لتنضح مالم تر، لتصل فیه۔[1] (اگر کسی عورت کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو انگلیوں سے رگڑ کر پانی بہا کر اچھی طرح دھو ڈالے کہ وہ دکھائی نہ دے پھر اس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔

اس حدیث کے علاوہ ابن اسحاق کی اور حدیث بھی فاطمہ سے مروی ہے۔

اس بارے میں پہلے لوگوں کی رائے بھی یہی ہے۔ خطیب بغدادی (۱/ ۲۲۲ - ۲۲۳) اور ابن حجرؒ (تہذیب التہذیب ۹/ ۴۱) نے یہ ذکر کیا ہے: عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا میں نے اپنے باپ سے ابنِ اسحاق کی حدیث بیان کی۔ تو انہوں نے کہا: ہشام نے اس کا انکار کیوں کیا؟ ہو سکتا ہے کہ ابنِ اسحاق نے اگر ہشام کی زوجہ سے اجازت حاصل کی ہو اور انہوں نے اجازت دے دی ہو اور (عبداللہ کا گمان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ) اس واقعہ کا علم ہشام کو نہ ہو۔ خطیب (ص ۲۲۹) نے اس پر یہ اضافہ کیا: اور علی مدینی نے کہا جو کچھ ہشام نے کہا وہ حجت نہیں ہے۔ شاید ابن اسحاق ہشام کی زوجہ کے پاس لڑکپن میں گیا ہو اور اس نے وہ حدیث سُنی ہو۔" اسی طرح ذہبی نے (میزان الاعتدال ۳/ ۲۲) میں کہا: "احمد بن حنبل نے اس کے جواب میں کہا: ہشام بن عروہ کو کیا معلوم کہ ابن اسحاق نے مسجد میں یہ حدیث، فاطمہ سے سنی ہو یا لڑکپن کی عمر میں سنی ہو یا وہ ان کے ہاں گیا ہو اور پس پردہ یہ حدیث سنی ہو۔ اس میں کون سی ایسی بات ہے؟ وہ بڑھیا اور عمر رسیدہ عورت تھی۔ ۔ ۔ ۔ ابو داؤد نے مجھے بتایا کہ یحییٰ بن قطان نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: "تجھے کیونکر معلوم ہوا؟" اس نے کہا: "مجھے وہیب نے بتایا؛" میں نے وہیب سے دریافت کیا: "تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟" اس نے کہا: "مجھے مالک بن انس نے اس کی خبر دی۔" میں نے،

---

[1] اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح (کتاب الحیض، باب ۹ اور کتاب الوضوء، باب ۶۳) میں روایت کیا اور کہا: "عن مالک، عن ہشام بن عروہ، عن فاطمہ بنت المنذر۔" نیز اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی سنن (کتاب الطہارۃ باب ۱۳) میں ایک دفعہ اسی اسناد کے ساتھ اور ایک دفعہ اس طرح "عن ابن اسحاق، عن فاطمہ، عن اسماء" روایت کیا۔ چنانچہ حدیث کے مضمون میں کوئی خلاف نہیں ہے بلکہ مخالفت اس بارے میں ہے کہ ابن اسحاق نے یہ حدیث کس سے سُنی، آیا براہِ راست فاطمہ سے سنی یا ہشام بن عروہ وغیرہ کی وساطت سے۔ محمد حمید اللہ

مالک سے پوچھا: "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" انہوں نے کہا: "مجھے ہشام بن عروہ نے بتایا"۔ میں نے ہشام کو کہا: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" انہوں نے کہا: "اس نے میری زوجہ فاطمہ بنت منذر سے حدیث بیان کی حالانکہ جب میرے ساتھ اس کا نکاح ہوا تو اس کی عمر نو سال تھی اور اسے کسی آدمی نے نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیاری ہوگئی ..." ذہبی نے اس میں یہ اضافہ کیا: ہم نے اس کا یہ جواب دیا اور اس شخص نے یہ نہیں کہا کہ اس نے اسے دیکھا تھا۔ کیا اس طرح کی قیاس آرائی کی بنا پر اہلِ علم میں سے کسی شخص کی تکذیب کے بارے میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہ قیاس آرائی مردود ہے۔ پھر محمد بن سوقہ نے فاطمہ سے روایت کی ہے اور فاطمہ کی ایک روایت ام سلمہ اور فاطمہ کی جدہ اسماء (زوجہ زبیر) سے بھی ہے۔ پھر ہشام کا یہ قول کہ فاطمہ جب اس کے ہاں آئی تو اس کی عمر نو سال تھی بظاہر غلط ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کسی راوی سے یہ بیان پایۂ ثبوت کو پہنچا ہو۔ یقیناً ہشام کی بیوی اس سے تیرہ سال بڑی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے بیس یا تیس سال سے زیادہ کی عمر میں ہشام کے پاس بھیجا گیا ہو اور ابن اسحاق نے یہ حدیث اس وقت سنی ہو جب اس کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی۔ نیز ذہبی (ص ۲۴) نے یہ اضافہ بھی کیا ہے: یعقوب بن شیبہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن المدینی سے ابن اسحاق کے متعلق سوال کیا۔ اس نے جواب دیا: ان کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔ میں نے کہا: لیکن مالکؒ نے اس میں کلام کیا ہے؟ اس نے کہا: مالکؒ ان کے ہم نشین رہے اور وہ انہیں اور مدینہ میں رونما ہونے والے واقعہ کے متعلق نہیں جانتے۔ میں نے کہا: ہشام بن عروہ نے بھی ابنِ اسحاق کے بارے میں کلام کیا ہے۔ اس نے کہا: ہشام کا قول حجت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ابنِ اسحاق ہشام کی زوجہ کے پاس اس وقت گیا ہو جب وہ ابھی لڑکا تھا اور اس نے حدیث سنی ہو۔ بیشک اس کی حدیث میں سچائی نمایاں ہے۔ ابن حجر عسقلانی (تہذیب التہذیب ۹/۴۲) نے یہ روایت نقل کی ہے: "امام بخاریؒ نے مجھے بتایا اور علی بن عبداللہ مدینی نے مجھے کہا میں نے ابن اسحاق کی کتابوں میں غور کیا اور اس کی دو حدیثوں پر اپنی برہمی کے بارے میں تامل کیا۔ ممکن ہے کہ وہ دونوں حدیثیں صحیح ہوں۔ راوی نے کہا: مجھے اہلِ مدینہ میں سے کسی نے بتایا کہ ہشام بن عروہ کا یہ قول کہ ابن اسحاق میری زوجہ کے پاس (سماعت کے لیے) کیونکر جا سکتا ہے؟ اگر صحیح ہو تو اس بات کا جواز موجود ہے کہ ان کی بیوی نے ابنِ اسحاق کو وہ حدیث لکھ کر بھیج دی ہو کیونکہ اہلِ مدینہ لکھ کر روایت کرنے کو بھی جائز سمجھتے تھے۔ اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ ابنِ اسحاق نے یہ حدیث سنی ہو اور ان دونوں کے درمیان پردہ حائل ہو۔ یہ روایت بخاریؒ کی ہے۔" پھر ابن حجر (ص ۴۵) نے یہ اضافہ کیا: اور سلیمان تیمی اور یحییٰ قطان اور وہیب بن خالد نے بھی ابنِ اسحاق کی تکذیب کی۔ وہیب اور قطان نے تو اس بارے میں ہشام بن عروہ اور مالکؒ کی تقلید میں ایسا کیا۔ سلیمان تیمی کے متعلق معلوم نہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ظاہر ہے کہ سلیمان نے حدیث کے علاوہ کسی دوسرے معاملہ میں تکذیب کی ہوگی کیونکہ سلیمان اہلِ جرح و تعدیل میں سے نہیں ہے اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ تیمیہ تھیں اور حضرت زبیرؓ بن عوام کی زوجیت میں تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق نے سلیمان تیمی سے ہشام بن عروہ بن زبیر کے

رشتہ داروں کے متعلق بات کی ہو اور اسے بھی ہشام کی طرح غیرت آئی ہو اور اس نے بھی وہی کچھ کہہ دیا جو ہشام نے کہا۔ لیکن باوجود اس بات کے جو ہشام بن عروہ نے ابن اسحاق کے متعلق کہی ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں متعدد مرتبہ ہشام اور اسی طرح آلِ عروہ بن زبیر کے دُوسرے لوگوں سے روایت کی اور یہ چیز علم کے معاملہ میں ابن اسحاق کی عالی ظرفی کی دلیل ہے۔

ابنِ اسحاق کا طریقِ کار

محدثین نے ابن اسحاق پر سب سے بڑی طعنہ زنی جو کی ہے وہ یہ ہے کہ احادیث میں تدلیس کرتے ہیں۔ یعنی حدیث روایت کرتے وقت اسناد میں اپنے اصلی شیخ کو بیان نہیں کرتے۔ چنانچہ خطیب (ص ۲۲۹ - ۲۳۰) اور ابن سیدالناس (ص ۱۱) اور ابن حجر (ص ۴۳) نے یہ روایت نقل کی ہے کہ "احمد بن حنبل نے محمد بن اسحاق کا ذکر کرتے ہوئے کہا: وہ ایسا شخص تھا جسے حدیث کی بہت اشتہا تھی وہ لوگوں کی کتابیں حاصل کر کے اپنی کتابوں میں شامل کر لیتا تھا...... میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا: "اے ابو عبداللہ! جب ابن اسحاق کسی حدیث کے بارے میں منفرد ہو تو تم اس کی حدیث کو قبول کرو گے؟" امام نے جواب دیا: بخدا! نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وُہ ایک ہی حدیث میں متعدد لوگوں کی روایات شامل کر دیتا ہے اور ایک کے بیان کو دوسرے کے بیان سے علیحدہ نہیں کرتا۔ اور اسی طرح ابن سیدالناس (ص ۱۰) نے ذکر کیا کہ ابن اسحاق کبھی مکمل اسناد بیان کرتا ہے اور کبھی متوسط راویوں کو حذف کر کے اوپر والے راوی کا ذکر کر دیتا ہے۔

لیکن یہ اسلوب اس فرق سے متعلق ہے جو حدیث اور تاریخ کے درمیان موجود ہے۔ حدیث میں مربوط قصہ مطلوب نہیں ہوتا بلکہ بیان کردہ واقعہ کی معرفت کے بارے میں ہر گواہ کی گواہی مطلوب ہوتی ہے۔ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے اس کا انحصار تو حدیث پر ہے لیکن اس کی غرض یہ ہے کہ تاریخی حکایت کے متعلق ایک مکمل اور مربوط قصہ کے طور پر خبر بہم پہنچائی جائے بغیر اس چیز کے کہ کلام کو اسانید اور بیانات کے تکرار سے بوجھل کیا جائے۔ یہی اسلوب، زہری کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ تاریخ طبری (احوال ۶ھ، سلسلہ اولیٰ ص ۱۵۱۸ مطبوعہ یورپ) میں ہم یہ روایت پڑھتے ہیں: "ابن حمید نے سلمہ سے اور اس نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے زہری سے اور اس نے علقمہ بن وقاص لیثی سے اور اس نے سعید بن مسیب سے اور اس نے عروہ بن زبیر کی وساطت سے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی روایت نقل کی۔ زہری کا بیان ہے کہ ہر راوی نے اس حدیث کو جستہ جستہ مجھ سے بیان کیا اور بعض راوی

---

[1] مثال کے طور پر سیرت ابن ہشام (مطبوعہ یورپ) صفحات ۱۴۴، ۲۰۵، ۲۷۷، ۲۱۳، ۴۱۳ اور ۶۵۰ ملاحظہ فرمائے جائیں۔ محمد حمیداللہ

دوسروں سے زیادہ یاد رکھنے والے اور سمجھدار تھے۔ چنانچہ جو کچھ مختلف لوگوں نے مجھ سے بیان کیا میں نے اس سارے مضمون کو یکجا کر دیا۔" اور ابن اسحاق زہری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور انہوں نے زہری کے اس منطقی اسلوب کی پیروی اختیار کی۔ زہری کے اس طریق کار پر کسی نے بھی اسے مطعون نہیں کیا بلکہ ان دونوں سے قبل یہ اسلوب عروہ بن زبیر نے اپنایا تھا۔ ہم مسند احمد بن حنبل میں یہ پڑھتے ہیں: "...... زہری نے عروہ بن زبیر سے اور اس نے مروان اور مسور بن مخرمہ سے روایت کی۔ ان میں سے ایک اپنے دوسرے ساتھی کی روایت پر اضافہ کرتا ہے ....." (۴/ ۳۲۳)۔ "..... عروہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ اور مروان سے روایت کی۔ ان میں سے ایک دوسرے ساتھی کی روایت پر اضافہ کرتا ہے ....." (۴/ ۳۲۸)۔ "..... زہری نے کہا: مجھ سے عروہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت بیان کی۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی حدیث کی تصدیق کرتا ہے ....." (۴/ ۳۲۸)

اس ضمن میں اور مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں اور یہ چیز قابلِ التفات اور غور طلب ہے کہ مذکورہ جملہ مثالیں مسند احمد بن حنبل سے پیش کی گئی ہیں اور یہ وہ محترم امام ہیں جنہوں نے ابن اسحاق کے خلاف جو کچھ کہا اس وجہ سے کہا کہ ابن اسحاق ایک ہی حدیث میں متعدد لوگوں کی روایات شامل کر دیتے ہیں اور ایک کے بیان کو دوسرے کے بیان سے علیحدہ نہیں کرتے۔ حالانکہ امام احمد بن حنبل بذاتِ خود عروہ کی حدیث جب وہ تدلیس کے ساتھ روایت کی جائے تو قبول کر لیتے ہیں۔ شاید ابنِ اسحاق کو اس منہج کی وجہ سے مطعون نہ کیا جاتا اگر امام مالک اور ہشام بن عروہ کے ساتھ ان کی منافرت نہ ہوتی۔

مزید برآں بلند پایہ محدثین نے ابن اسحاق کی تعریف کی ہے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر جلد اول باب المحدین میں لکھا ہے: "مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جس نے ابنِ اسحاق پر اتہام لگایا ہو..... شعبہ کہتے ہیں: محمد بن اسحاق حفظِ حدیث کی وجہ سے امیر المحدثین ہیں۔ خطیب (ص ۲۲۸) سے منقول ہے کہ ابنِ اسحاق کو "امیر المومنین فی الحدیث" اور "سید المحدثین" کے القاب دئے گئے ہیں۔ اور مغلطائی (الکمال فی معرفۃ الرجال، مخطوطہ برلین) نے کہا: "ابو احمد بن علی نے کہا: محمد بن اسحاق کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ان سے لوگوں کے امام — شعبہ، ثوری، ابنِ عیینہ اور حماد بن سلمہ وغیرہم نے حدیث روایت کی ہے۔" ابن عدی نے کہا: اگر ابنِ اسحاق میں کوئی اور خوبی نہ ہوتی تو ان کی یہی فضیلت اس قدر گراں مایہ تھی کہ انہوں نے ان بادشاہوں کو جو فضول اور لاحاصل کتابوں کا مطالعہ کرنے میں منہمک رہتے تھے رسول اللہ کے مغازی، مبعث اور تخلیقِ کائنات کی ابتدا کے بارے میں ایک ایسی کتاب کا گرویدہ بنا دیا جو انہوں نے سب سے پہلے اس مضمون پر لکھی۔ پھر ان کے بعد دوسرے لوگوں نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں لیکن وہ ابنِ اسحاق کی کتاب کے معیار کو نہ پہنچ سکیں۔ میں نے ان کی کثیر احادیث کی تفتیش کی ہے لیکن ان میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جس کی قطع و برید ممکن ہو۔ گا ہے گا ہے ان سے غلطی کا صدور بھی ہوا ہے اور کسی نہ کسی چیز کو انہوں نے مشکوک بھی سمجھا ہے لیکن یہ ایسی غلطیاں ہیں جس طرح کی غلطیاں دوسرے بھی کرتے ہیں اور

اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان سے روایت کرنے میں ثقہ لوگ اور ائمہ پیچھے نہیں رہے۔ امام مسلمؒ نے متابعات کے ضمن میں ان سے روایات لی ہیں امام بخاریؒ نے بھی کچھ نہ کچھ ان سے استشہاد کیا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔" ذہبی (میزان الاعتدال، ۳/۲۴) نے کہا: امام مسلم نے ابن اسحاق کی پانچ احادیث سے استشہاد کیا جن کا ذکر انہوں نے اپنی صحیح میں کیا ہے۔"

خطیب بغدادی اور سیرت ابن سیدالناس کے مقدمہ میں ابن اسحاق کے حالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بلاشبہ ابن اسحاق کی کتابیں علومِ اسلامی کے نہایت قیمتی ورثہ میں سے ہیں۔

تالیفاتِ ابنِ اسحاق

ابنِ ندیم (الفہرست ص ۹۲) نے کہا: "ان کی کتابوں میں سے "کتاب الخلفاء" اور "کتاب السیرۃ و المبتدا والمغازی" ہیں۔ "کتاب الخلفاء" کو اموی نے ان سے روایت کیا اور "کتاب السیرۃ ..." کو ابراہیم بن سعد اور نفیلی نے ان سے روایت کیا۔" یاقوت وغیرہ نے اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا۔

ان دونوں کتابوں کے اقتباسات متاخرین کے ہاں پائے جاتے ہیں اور ان کتابوں کے قطعات قلمی نسخوں کی شکل میں بھی موجود ہیں فواد سزگین نے (اپنی جرمن کتاب) میں اس کا ذکر کیا ہے یہ کتاب بروکلمان کی کتاب ——— عربی زبان میں تصنیف و تالیف کی تاریخ ——— کا ضمیمہ ہے۔

ایک قطعہ ابتدائے آفرینش سے متعلق آسٹریا میں وی آنا کے کتب خانہ میں موجود ہے جسے نابیہ عبود (NABIA ABBOT) نے اپنی کتاب نصوص علی البردی (STUDIES IN ARABIC LITERARY PAPYRI) میں شائع کیا۔

اسی طرح ایک قطعہ تاریخ الخلفاء سے متعلق ہے جس میں سیدنا عمرؓ کے قتل اور ان کے بعد شوریٰ کا ذکر ہے۔ یہ بھی اسی کتاب نصوص علی البردی کے صفحات ۸۰۔۸۱ پر مشتمل ہے اور "حدیثِ اسراء و معراج" بھی اسی کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ایک مخطوطہ طلعت کے کتب خانہ میں ہے جس کے کل اعداد ۲۹۳ اور اوراق ۳۸ تا ۶۵ ہیں اور اس کی تاریخ کتابت ۱۳۰۹ھ ہے۔ اسی طرح مکتبہ مسکاۃ، ۹/۶، ۷، میں جنگوں کی ایک کتاب ہے۔ مثلاً جنگِ بسوس جو وائل بن قاسط کے دو بیٹوں ——— بکر اور تغلب ——— کے درمیان ہوئی۔ اور بغداد میں کتب خانہ آل سید عیسیٰ عطاری میں ایک اور کتاب ہے جس کا نام "اخبارِ کلیب و جساس" ہے۔ جہاں تک اقتباسات کا تعلق ہے وہ بے انتہا ہیں لہٰذا دوسری کتابوں کے علاوہ وہ تاریخ طبری، تفسیر طبری، اصفہانی کی کتاب الاغانی، ابن عبدالبر کی الاستیعاب، ابونعیم کی دلائل النبوۃ، واقدی کی فتوحِ مصر اور ایک غیر معروف مصنف کی کتاب بکر و تغلب میں ہیں (یہ آخری کتاب برٹش میوزیم میں ہے رقم ۶۴۹۹ یا ۷۸ اورقہ) نیز ابن حجر کی تہذیب التہذیب، یافعی کی مرآۃ الجنان اور سہیلی کی الروض الانف میں بھی اقتباسات ہیں۔

ہم نے خطیب بغدادی سے نقل کیا ہے کہ سیرت ابن اسحاق کے متعلق سلمہ بن فضل کی روایت دوسری روایتوں سے افضل ہے۔ ذہبی نے "العبر فی خبر من غبر" (اشاریہ ج ۱) میں ذکر کیا ہے کہ دوسرے متعدد علماء نے بھی ابن اسحاق کی کتاب کو روایت کیا ہے۔ اور دوسری باتوں کے علاوہ اس نے یہ بھی کہا: (ص ۳۱۵) "حافظ یحییٰ بن سعید کوفی الملقب بجمل نے ابن اسحاق سے مغازی کی روایت کی۔ ان کا پورا پورا اہتمام کیا اور کچھ چیزوں کا ان میں اضافہ بھی کیا۔

یوحان فوک نے (اپنے رسالہ ص ۴۴ میں) ابنِ اسحاق کی کتاب کے راویان کے بارے میں مندرجہ ذیل استنباط کیا ہے:

محل سماع	نام راوی	راوی کی ولادت	وفات
مدینہ	(۱) ابراہیم بن سعد	سنہ ۱۱۰ھ	سنہ ۱۸۴ھ
کوفہ	(۲) زیاد بن عبداللہ بکائی	.	سنہ ۱۸۳ھ
	(۳) عبداللہ بن ادریس اودی	سنہ ۱۱۵ھ	سنہ ۱۹۲ھ
	(۴) یونس بن بُکیر	.	سنہ ۱۹۹ھ
	(۵) عبدۃ بن سلیمان		سنہ ۱۸۷ھ
	(۶) عبداللہ بن نمیر	سنہ ۱۱۵ھ	سنہ ۱۹۹ھ
بغداد	(۷) یحییٰ بن سعید اموی	سنہ ۱۱۴ھ	سنہ ۱۹۴ھ
بصرہ	(۸) جریر بن حازم	سنہ ۸۵ھ	سنہ ۱۷۰ھ
	(۹) کریم بن ابی عیسٰی	.	.
	(۱۰) سلمہ بن فضل ابرش	.	سنہ ۱۹۱ھ
رَے	(۱۱) علی بن مجاہد	.	حوالی سنہ ۱۸۹ھ
	(۱۲) ابراہیم بن مختار	.	.
	(۱۳) سعید بن بزیع (جماعیلی کے ہاں: یربع)	.	.
	(۱۴) عثمان بن ساج	.	.
	(۱۵) محمد بن سلمہ حرانی	.	سنہ ۱۹۱ھ

ہمیں معلوم ہے کہ ابنِ ہشام اپنی کتاب میں زیاد بن عبداللہ بکائی کی وساطت سے ابن اسحاق کی کتاب روایت کرتا ہے۔ لیکن مکتبہ قرویین میں ابن اسحاق کی کتاب کے دو قطعے یونس بن بکیر سے مروی ہیں اور ان میں کثیر مواد وہ ہے جو سہیلی نے الروض الاُنُف میں نقل کیا ہے اور دمشقی قطعہ ابنِ اسحاق سے محمد بن سلمہ کا روایت کردہ ہے۔

اگر کوئی شخص فاسی اور دمشقی قطعات کا مقابلہ سیرت ابن ہشام کے ساتھ کرے تو وہ تفاصیل یا کلمات یا تقدیم

یا تاخیر کے اختلافات پاتے گا۔

اس ضمن میں ہم یہاں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کی معاصر کتاب موطا جو اس وقت موجود اور متداول ہے وہ اتنی ضخیم کتاب نہیں ہے لیکن یہی کتاب بروایت محمد بن حسن شیبانی اگر ملاحظہ کی جائے تو اس کی ضخامت متداول موطا سے دگنی یا اس سے بھی زیادہ ہوگی، نیز یہ کتاب دیگر راویان سے بھی مروی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مالکؒ کا معمول یہ تھا کہ وُہ اپنی کتاب اوّل سے آخر تک طالب علموں کے رُوبرو قرأت کرتے تھے۔ جب کتاب کی قرأت ختم ہوجاتی تو امام موصوف نئے طالب علموں کے سامنے از سرِ نو کتاب کی قرأت شروع کرتے۔ یہ ان کا دائمی معمول تھا۔ اس طرح موّلف اپنی کتاب میں اضافہ یا حذف کرتا ہے اور ہر سماع اور قرأت کے دوران میں اپنی کتاب میں تبدیلیاں کرتا ہے۔ نفسِ کتاب میں اسی قسم کے اختلافات کی وجہ سے مختلف طالب علموں کے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال ایسی ہے جیساکہ دورِ حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مصنف کی کتاب کے متعدد ایڈیشنوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر مصنف نئے ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر اپنی کتاب میں کچھ نہ کچھ تصحیح کرنا چاہے اور عبارت کی نوک پلک درست کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ایسا ہونا لازمی ہے۔

اور یہی صورتِ حال ابنِ اسحاق کے ساتھ بھی پیش آئی ہے۔

جامعہ رباط کے فاضل استاذ ابراہیم کنانی نے قرویّین کے دو قطعوں کی فلم ازراہِ کرم مجھے ارسال فرمائی، پھر یہ مہربانی بھی فرمائی کہ میرے مبیضہ کو اور بالخصوص ان مقامات کو جہاں شمسی عکوس کی وجہ سے متن واضح نہ تھا اصل نسخہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور پیراگراف ۳۵ تا ۱۴۶ کی نظرثانی کی۔ لیکن بعد ازاں باقی کتاب کے مقابلہ کے لیے انہیں فراغت میسر نہ آئی۔

فاس سے موصولہ قطعہ کا ابتدائی حصّہ ناقص تھا یعنی اس کا پہلا ورق معدوم تھا اور اس کے آخر میں یہ عبارت تھی :

"یہ ابن اسحاق کی کتاب المغازی کے پہلے حصّے کا آخر ہے اور دوسرا اس کے ساتھ ملحق ہے جس کی ابتداء ان شاأاللہ بحیرا راہب کے قصّہ سے ہوگی۔"

دوسرا قطعہ پہلے حصّہ سے مختلف ہے لیکن اس کی ابتداء بحیرا کے قصّہ سے ہوتی ہے۔ یہ قطعہ پہلے قطعہ کی تکمیل کرتا ہے اور اس میں صفحات ۹۳ تا ۹۴ کی بعض سماعات کی تاریخ ۵۰۶ھ ہے۔ دوسرا قطعہ حدیث معراج و اسراء پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ قطعہ ثالثہ مغرب میں دریافت ہوا ہے اور اس کی اطلاع مجھے آنریبل منسٹر محمد فاسی نے اس طرح دی :

"ابنِ اسحاق کی کتاب کا وہ قطعہ جو قرویّین سے دریافت ہوا ہے اس کا مقابلہ قدیم متن سے کیا گیا تو اس میں کوئی زیادتی نہ پائی گئی۔"

یہ اطلاع مجھے اس وقت پہنچی جب جملہ آہنی حروف کمپوز کیے جا چکے تھے اس لیے کتاب کے متن کی تحقیق کے لیے میں اس قطعہ سے استفادہ نہ کرسکا۔

دمشقی قطعہ کی ابتداء غزوۂ بدر کے واقعات سے ہوتی ہے اور یہ قطعہ غزوۂ اُحد کے واقعات پر منتہی ہوتا ہے۔ مخطوطہ کے عنوان پر یہ عبارت بھی ہے: "اس کے ساتھ غزوۂ سویق اور غزوۂ ذی امر بجانب نجد (سنہ۳ھ) کے حالات بھی شامل ہیں۔" اس قطعہ کے آخر میں یہ عبارت ہے: "اسے طاہر بن برکات خشوعی نے ماہِ رمضان ۵۴۷ھ میں قلمبند کیا۔" پھر اس طرح خطیب بغدادی سے سماع ثابت ہو جاتا ہے جس نے لکھا کہ: "یہ دمشق کی جامع مسجد میں ۵۵۴ھ میں ماہِ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں ہوا۔"

دیگر نسخے

شیخ قدرت رحیم مکتبہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ملازم تھے انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ اس مکتبہ میں ایک مجموعہ تھا جس میں مغازی ابن اسحاق کا ایک حصّہ تھا لیکن ریاست پر ہندوستان کے قبضہ کے بعد نہ معلوم وہ مخطوطہ کہاں گُم ہو گیا اور تلاش کے باوجود دستیاب نہیں ہوا۔ اور اسی طرح جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے بعض اساتذہ نے مجھے لکھا کہ وہاں مکتبہ سعیدیہ جو اب تک موجود ہے اس میں بہت سے نادر مخطوطات ہیں۔ ایک دفعہ مجھے یہ اطلاع بھی ملی کہ وہاں مغازی ابن اسحاق بھی ہے۔ لیکن جب انہوں نے نئے سرے سے میرے لیے تلاش کی تو انہوں نے ایک مخطوطہ دریافت کیا لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ مغازی ابن اسحاق نہیں ہے بلکہ متاخرین میں سے کسی غیر معروف مصنف کی کتاب ہے۔

پس اللہ ہی سے فریاد ہے، شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔

شروح و تراجمِ کتاب

ابنِ اسحاق کی کتاب کا ایک فارسی ترجمہ پایا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ ساتویں صدی ہجری میں ابوبکر بن سعد زنگی کے حکم سے کیا گیا جو اس وقت ایران میں حاکمِ شیراز اور عظیم شاعر شیخ سعدی کا ہم عصر تھا۔ اس ترجمہ کے متعدد قلمی نسخے دنیا میں ——— پیرس اور لندن وغیرہ میں ——— موجود ہیں۔ یہ ترجمہ سیرت ابنِ اسحاق کا خلاصہ معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ تاریخ طبری اور تفسیر طبری کا فارسی ترجمہ ہے۔ کیونکہ جب میں نے ترجمہ ابنِ اسحاق اور سیرتِ ابنِ ہشام کا مقابلہ کیا تو ان دونوں میں مجھے زیادہ مشابہت معلوم نہ ہوئی۔

پروفیسر گلیوم (GUILLAUME) نے قرویین کے قلمی نسخہ کی تلخیص کی اور کچھ سال قبل اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

محمد بن اسحاق کی کتاب کو جسے ابنِ ہشام نے زیادہ منقح شکل میں مرتب کیا۔ بڑی شہرت نصیب ہوئی اور بڑے بڑے علماُ نے اسے درخورِ اعتناُ سمجھا۔ ان علماُ میں الروض الانف کے مصنف امام سہیلی ہیں جو شہر مراکش میں دفن ہوئے اور ان میں سے ابوذر بھی ہیں۔ سہیلی اور ابوذر دونوں کی شرحیں طبع شدہ موجود ہیں۔ ابن ہشام کی کتاب کو پروفیسر گلیوم نے حذف و اضافہ کے ساتھ ملخص کیا اور دیگر مصادر مثلاً طبری وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ جو مواد ابن اسحاق کی طرف منسوب کیا گیا ہے اسے یکجا کیا جائے اور جو کچھ ابنِ ہشام میں اضافہ ہے اسے حذف کر دیا جائے لیکن قلتِ معرفت کے سبب سے اسے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ابن ہشام کی کتاب کا ایک اُردو ترجمہ بھی ہے جسے جامعہ عثمانیہ حیدر آباد نے برہمن ہندوؤں کے تسلط سے قبل شائع کیا۔ یہ ترجمہ استاد شطاری نے کیا جو ہندو تسلط کے بعد ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے۔

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے مغرب کی وزارت دینی امور نے مجھے بلا کر میری عزت افزائی فرمائی کہ میں اس کتاب کو طباعت کیلیے مرتب کروں۔ پھر رباط یونیورسٹی نے خیال ظاہر کیا کہ وہ اس کتاب کو کلیۃ الآداب کی مطبوعات کے سلسلہ میں شائع کرے۔ اور بالآخر ہم اسے قارئین کی خدمت میں موجودہ شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت میں مغرب کے بہت سے اہلِ علم و فضل کے احسانات شامل ہیں۔ میں سب سے پہلے استاد ابراہیم کتانی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ادارتی مسائل اور مخطوطات کی تصاویر کے سلسلہ میں کافی جانفشانی سے کام کیا۔ اس ضمن میں سابق سربراہ جامعہ رباط، حال وزیر الدولت، علم و کرامت کے علمبردار برادرِ محترم استاذ محمد فاسی خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے اور ہمیں ان سے

۱؎ بے شک ابنِ ہشام نے من وعن کتاب کی روایت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے کتاب کو منقح کیا۔ جن اسباب کے باعث اس نے ایسا کیا ان میں سے بعض ہم ان قطعات میں دیکھتے ہیں جو ہم نے شائع کیے ہیں۔ مثلاً یہاں مہاجرین حبشہ کے اسمائے گرامی ہیں۔ ابنِ اسحاق نے ان کا ذکر دو دفعہ دو مختلف بابوں میں کیا ہے یہاں تک کہ ایک ہی باب میں یہ دو مرتبہ مذکور ہیں۔ اسی طرح دوسرے ابواب میں بھی تکرار ہے جسے اس کتاب کی فہرست کے ملاحظہ سے قاری خود ہی معلوم کر سکتا ہے۔

ابنِ ہشام نے کچھ ایسی چیزیں اضافہ کی ہیں جو ابنِ اسحاق کی اصل کتاب میں نہ تھیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یونس بن بکیر نے بھی ہماری اس اشاعت میں متعدد جگہ ایسا کیا ہے۔ اس طرح یہ مولفین کتاب کی تکمیل اور حفاظت و صیانت وغیرہ چاہتے تھے اور انہوں نے اس امر کی صراحت بھی کر دی کہ یہ اضافے ان کی طرف سے ہیں اور ابنِ اسحاق کی اصل کتاب میں موجود نہیں ہیں وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ (سورہ یوسف - ۷۶۔ اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحبِ علم سے بالاتر ہے)۔ محمد حمید اللہ

مستفید فرمائے۔ یہ سارا علمی کام ایک جواں سال بادشاہ کے دورِ حکومت میں کیا گیا جو علم اور دین کے مؤید و محب ہیں۔ اللہ کرے ان جیسے علم دوست اور دین پسند بادشاہ ہم میں بکثرت ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کی زندگی دراز کرے۔

مجھ پر اُن کا شکریہ بھی واجب ہے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے حالانکہ اس عظیم کتاب کی اشاعت اور اسے گمنامی و پوشیدگی کے گوشوں سے نکالنے میں ان کا حصّہ کچھ کم نہیں ہے۔ اور اوّل و آخر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔

پیرس　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　محمد حمید اللہ

مصادر

۱) ابن سعد (متوفی سنہ ۲۳۰ھ) کتاب الطبقات (طبع یورپ) ج ۷، ق ۲، ص ۶۷- (نیز کتاب ہذا کا جرمن مقدمہ ج ۳ ق ۱)

۲) امام بخاریؒ (متوفی ۲۵۶ھ) التاریخ الکبیر (طبع حیدر آباد دکن) ج ۱، باب المحمدین۔

۳) ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) کتاب المعارف (طبع یورپ) ص ۲۴۷-۳۰۱-

۴) الطبری (متوفی ۳۱۰ھ) التاریخ (طبع یورپ) سلسلہ ثالثہ ج ۴، ص ۲۵۱۲ من الذیل۔ احوال ۱۵۰ھ

۵) ابن الندیم (متوفی حوالی ۳۸۰ھ) الفہرست (طبع یورپ) ص ۹۲-۹۳-

۶) خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) تاریخ بغداد (طبع مصر) ج ۱، ص ۲۱۴-۲۳۴-

۷) البکری (متوفی ۴۸۷ھ) معجم ما استعجم، مادہ عین التمر۔

۸) سہیلی (متوفی ۵۸۱ھ) الروض الانف (طبع مصر) ص ۴-۵-

۹) جماعیلی (متوفی ۶۰۰ھ) الکمال فی معرفۃ الرجال (مخطوطہ برلین۔ وسٹنفیلڈ نے سیرت ابن ہشام کے اپنے جرمن مقدمہ میں اس سے روایت کی۔ طبع یورپ۔ ص ۵ تا ۸)

۱۰) یاقوت (متوفی ۶۲۶ھ) معجم الادباء (اس کا نام ارشاد الاریب بھی ہے)۔ مادہ محمد بن اسحٰق۔

۱۱) ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ) وفیات الاعیان۔ مادہ محمد بن اسحاق (نمبر ۶۲۳ طبع یورپ اور نمبر ۵۸۴ طبع مصر)

۱۲) ابن سید الناس (متوفی ۷۳۴ھ) عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر (طبع مصر) ج ۱، ص ۸-۱۷۔

۱۳) ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) العبر فی خبر من غبر (طبع کویت) ج ۱، ص ۲۱۶، ۲۴۱، ۲۶۴، ۲۸۷، ۳۰۷، ۳۱۵، ۳۵۳، ۳۶۶، ۳۷۴-

۱۳-الف) ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) تذکرۃ الحفاظ (طبع حیدر آباد دکن) ج ۱، ص ۱۶۳-۱۶۴-

۱۳-ب) ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۱-۲۴-

۱۴) ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) تہذیب التہذیب (طبع حیدر آباد دکن) ج ۹، ص ۳۸-۴۶-

۱۵) احمد امین (رحمہ اللہ) ضحی الاسلام (طبع مصر) ج ۲، ص ۳۲۰، ۳۲۸، ۳۳۳۔
۱۶) خیر الدین زرکلی (حفظہ اللہ) قاموس الاعلام (طبع ثانی مصر) ج ۶، ص ۲۵۲۔ (انہوں نے ذیل المذیل اور غربال الزمان اور روض المناظر اور طبقات المدلسین میں بھی ابن اسحاق کے حالات کی طرف جستہ جستہ اشارات کئے)
۱۷) دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مادہ ابن اسحاق (یہ بروکلمان کی انگریزی تالیف کا عربی ترجمہ ہے
۱۸) الدوری : علم التاریخ، ص ۲۷-۳۰۔
۱۹) شمس الدین : اسلامدہ تاریخ و مورخلر، استنبول سنہ ۱۳۴۲-۱۳۴۰ھ۔
۲۰) کحالہ - ۹/۴۴۔

21) Ayad, Kamil, **Die Anfaenge der arabischen Geschichtschreibung in Geist-und Gesellschaftswissenschaft,** (Festschrift K. Breysing, Breslau, 1928, vol. III) .

22) Arafat, W. , **Some Aspects of the Art of Forger in the Poetry of the Sira,** dans Cts. Rendus 24 th Int. Congress of Orientalists, 1957, p 310 - 311 (le même) , **Early Critics of the Authenticity of the Poetry of the Sira,** dans : BSOAS, London 1958, XXI , 453 - 463 .

23) Brockelmann, **Geschichte der arabischen Litteratur,** und Supplementbaende, éd. Leyden, t. I, cf Index, s.v. Muhammad ibn Ishaq.

24) Broenle, P. , **Die Commentaren des Ibn Ishaq und ihre Scholien,** Halle, Dissertation, 1895 .

24/a) (le même) , **Die Kommentare des Sohaili in der Sira des Ib Hisham,** Leipzig, Dissertation, 1908.

24/b) (le même) , **Commentary of Ibn Hisham's Biography of Muhammad,** Le Caire, 1911.

25) Fischer, A. , **Die Biographien von Gewaehrsmaennern des Ibn Ishaq,** Leyden, 1890 + ZDMG, Berlin, XLVI, 148 et suiv.

26) Fueck, Johann, **Muhammad ibn Ishâq. Litterarhistorische Untersuchung,** Frankfurt-am-Main, Disseration, 1925.

27) Guillaume, A. , **The Biography of the Prophet in Recent Reseach,** dans : Islamic Quarterly, London, 1954, I , 5-11.

27/a) (le même) , **The Version of the Gospel used in Medina circa 700 A. D.** , dans Andalus, Madrid, 1950 XV, 287-296.

28) Hamidullah, Muhammad, **Muhammad ibn Ishaq the Biographer of the Prophet,** (dans : Journal of Pakistan Historical Society, Karachi, t. 15/2, avril 1967, p. 77-100.

29) Hammer - Purgstall, **Litteraturgeschichte der Araber**, Wien 1852, t. III, 398-399.

30) Hartmann, M. , **Die angebliche Sira des Ibn Ishâq**, dans : Der Islamische Orient, 1,32-34.

31) Horovitz, Josef, **The Earliest Biographies of the Prophet and their authors**, dans : Islamic Culture, Hyderabad-Deccan, t. I, 535-559, t. II, 22-50, 164-182, 495,-526 ; cf t. II, 169-182.

32) Jones, J. M. B. , **Ibn Ishaq and Waqidi, the Dream of Atika and the Raid to Nakhla in relation to the charge of Plagiarism,** dans : BSOAS, London, 1959, XXII, 41-51.

33) Margoliouth, D.S. , **Lectures on Arabic Historians,** Calcutta . 1930, cf. p. 84-85.

34) Noeldeke-Schwally, **Geschichte des Qorans, t. II,** 129-130

35) Ranke, **Weltgeschichte,** t. V/2, p. 252.

36) Robson, J. , **Ibn Ishaq's use of the Isnad,** dans : Bulletin of John Reylands Library, 1955-1956, t. 38, p. 449-465.

37) Sachau, E. , Introduction aux Tabaqât Ibn Sad, t. III/1,

37/a) (le même) , **Studien zur aeltesten Geschitsfuehrung der Araber,** dans : MSOS, Berlin, t. VII/2, p. 154-196.

38) Schacht, Joseph, **Une Citation de l'Evangile de St Jean dans la Sira d'Ibn Ishaq,** dans : Andalus, Madrid 1951, XVI, 489-90 cf aussi BSOAS, 1956, XVIII, 1-4 par Guillaume, sur la même discussion.

39) Sezgin, FUAD, GESCHTE DES ARABISCHEN SCHRIFTTUMS, LEIDEN, I, 288-289.

40) Sprenger, Alois, **Ibn Ishaq ist kein redlicher Geschtsschreiber,** dans : ZDMG, Berlin, 1860, XIV, 289-290.

41) Watt, W.M. , **The Materials used by Ibn Ishaq,** dans « Hisrorians of the Middle East, London, 1962.

42) Wellhausen, J. , **Das arabische Reich und sein Sturz,** p. V.

43) Wuestenfeld, Ferdinand, **Die Geschichtschreiber der Araber,** p. 8.

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى (الحشر : ۷)

جو کچھ اللہ اپنے رسول کو (دوسری) بستیوں والوں سے بطور فے دلوا دے۔

عہدِ نبوی میں غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت



نبوی غزوات و سرایا
کی
اقتصادی اہمیّت

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

نبوی غزوات وسرایا کی اقتصادی اہمیت

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میمنت لزوم کے غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت پر علمائے تاریخ خصوصاً مستشرقین نے کافی زور دیا ہے۔ مدنی حیاتِ طیبہ کے دہ سالہ دور کی مہماتِ نبوی کے اقتصادی محرکات وعوامل اور معاشی نتائج ومحاصل پر یہ زور اکثر وبیشتر ضرورت سے زیادہ دیا جاتا ہے اور کبھی کبھی مذہبی عصبیت اور قومی تعصب کی بھی کار فرمائی اس کے پس پردہ نظر آتی ہے۔ درحقیقت یہی منطقی نتیجہ نکلتا ہے اگر پہلے سے یہ فرض کر لیا جائے کہ ابتدائی اسلامی مہمات کے پس پشت معاشی محرکات اور مالی مقاصد کارفرما تھے اور پوری نبوی مہم جوئی کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق اور اسلامی ریاست کا قیام و توسیع نہیں بلکہ عربوں کی لوٹ مار کی جاہلی جبلت اور قبائلی "رزیہ گری" تھی۔ جیسا کہ تقریباً تمام مستشرقین اور متعدد جدید مورخین وقت نے فرض کر لیا ہے۔ غزواتِ نبویؐ کے بارے میں ان کا اقتصادی تصور دراصل ان کے اس مفروضہ پر منحصر اور اس کا زائیدہ ہے کہ ننگے بھوکے مہاجرینِ مکہ کی معتدبہ تعداد کی معاشی خستگی نے اقتصادی طور سے کمزور انصارِ مدینہ پر ضرورت سے زیادہ معاشی بوجھ ڈال دیا جس کو شہر نو کی کمزور معیشت نہ صرف یہ کہ سہار نہیں سکی بلکہ وہ مہاجرینِ عرب کے لگاتار نئے دستوں کی آمد سے اور خراب وخستہ ہوتی گئی تاآنکہ مسلمانانِ مدینہ کے سارے وسائل اور ذرائع سوکھ گئے اور نوبت بھکمری کی آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مہاجرین کی آبادکاری کے بعد سب سے بڑا مسئلہ ان کی اقتصادی ضروریات کی فراہمی کا درپیش تھا، حالات کا دباؤ سخت تھا، ضرورت فوری تھی اور پُرامن روایتی معاشی وسائل کی فراہمی وقت طلب تھی۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ عربوں کے قدیم طریق رزیہ کو اپنایا جائے جس کو معاصر قبائلی روایات کی تائید حاصل تھی۔

چنانچہ آپ نے یہی کیا اور مدینہ میں مسلم مہاجرین کی آبادکاری اور ابتدائی تنظیمی کارروائیوں کے بعد آپ نے نہ صرف یہ کہ اپنے صحابہ کرام کی سرکردگی میں مغربی ساحل پر واقع بین الاقوامی شاہراہِ تجارت پر گزرنے والے قریشی کاروانوں پر تاخت کرنے کے لیے چھوٹے بڑے دستے بھیجے بلکہ بنفس نفیس اپنی کمان میں بھی اسی خاص مقصد کے لیے چھوٹی بڑی مہمیں سر کر گئے۔[1] مشہور روایاتِ سیرت کے مطابق ان مہموں کی تعداد سات تھی اور محمد بن حبیب بغدادی کے کم معروف بیان کے مطابق ان کی تعداد نو تھی۔[2] بہرحال ان تمام غزوات وسرایا میں اگرچہ مسلم غازیوں کے ہاتھ کوئی معاشی فائدہ نہیں آیا تاہم قریشی کاروانوں پر مدنی تاخت کی یہ سوچی سمجھی پالیسی برابر جاری رہی اور مسلسل ایک برس کی سخت مہم جوئی کے بعد آٹھویں یا دسویں مہم نے جو مکہ کے قریب واقع نخلہ کے مقام کو بھیجی گئی تھی بالآخر طائف سے مکہ واپس ہونے والے ایک قریشی کارواں پر کامیاب

چھاپہ مارا اور بقول کارل بروکلمن اس "بہت زیادہ مالدار مکی کارواں" سے چھاپہ ماروں کو "بہت زیادہ مالِ غنیمت" ہاتھ لگا۔[۳] مونٹگمری واٹ کا خیال ہے کہ اس کامیابی نے مکی کاروانوں پر تاخت کرنے کی پالیسی کو مزید تقویت پہنچائی[۴] چنانچہ مزعومہ یہ ہے کہ لوٹ مار کی اسی مدنی پالیسی نے مکہ کی تاجر اشرافیہ کو دانستہ طور سے اشتعال دلایا اور جس کے نتیجے میں قریش سے متعدد خونریز معرکے ہوئے۔ مونٹگمری واٹ کا بیان ہے کہ ہم کو اس میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مکیوں کو اشتعال دلانے کی دانستہ اور سوچی سمجھی پالیسی نظر آتی ہے..... اگرچہ قریش کو (ان ابتدائی مہموں میں) کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑا تاہم ان کو اپنی تجارت کے لیے خطرہ نظر آنے لگا تھا اور وہ اس پر سنجیدگی سے مضطرب تھے۔ ان کی تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود اس کے خدشات بہرحال تھے کہ مسلمانوں کو وہ موقع بالآخر مل ہی جائے گا جس کی تاک میں وہ تھے۔ اور اس کا نتیجہ قریش کے خاصے بڑے نقصان کی صورت میں نکلے گا۔ اگرچہ فوری طور پر قریش نے کوئی کارروائی نہیں کی لیکن بدر کے میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے معرکہ آرائی کی ان کی شدید خواہش ان کے غم و غصہ کی ایک بڑی شہادت ہے"[۵]..... بہرحال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو للکارا تھا اور قریش کے لئے یہ اب آن کی بات ہوگئی تھی کہ وہ اس کو قبول کریں[۶] کیونکہ اس کے بغیر وہ شام سے اپنی تجارت کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور ان کی شامی تجارت دراصل ان کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی اور ان کی مادی خوشحالی کی ضمانت تھی۔[۷] دوسری طرف اگرچہ مسلمانوں کو ان میں سے بعض مہموں میں کبھی کبھی سخت جانی اور مالی نقصانات اٹھانے پڑے تاہم وہ ان اموالِ غنیمت اور مالی فوائد سے کہیں زیادہ فروتر تھے جو ان کو ان معرکوں میں حاصل ہوئے۔ مزید برآں ان فوجی کامیابیوں کے نتیجے میں ان کو سیاسی اقتدار اور سماجی وقار بھی حاصل ہوا۔[۸]

ان مستشرقین اور مورخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگرچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر اپنے جانی دشمن یعنی قریشِ مکہ سے نبرد آزما رہے تاہم مسلمان دستوں نے عرب کے بدوی قبائل کی بستیوں، چراگاہوں اور علاقوں پر بھی تاخت کا سلسلہ دراز کیا اور اکثر و بیشتر کثیر اموالِ غنیمت کے حصول سے بھی بہرہ ور ہوئے۔[۹] اسی اقتصادی محرک کے ساتھ انہوں نے مدینہ منورہ کے مالدار یہودی قبیلوں کی طرف توجہ مبذول کی اور معمولی معمولی اسباب بلکہ بہانوں سے ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کو تہس نہس کر کے چھوڑا اور ان کے خزانوں خاص کر ان کی قیمتی جائدادوں سے اپنی بگڑی ہوئی معیشت سنواری۔[۱۰] مسلم معیشت کی یہی زبوں حالی اور خستگی تھی جس نے بعد کے زمانے میں شمال اور مشرق کی یہودی، عیسائی اور بدوی عرب بستیوں پر تاخت کے لیے ابھارا تھا چنانچہ اس طرح یہ دلیل دی جاتی ہے کہ مالی فوائد کی خواہش اور اقتصادی وسائل کی فراہمی کی ضرورت نے یا تو ابتدائی اسلامی مہمات کو تحریک دی یا مہمیز کیا تھا ——————— یا کم از کم ان فوجی اقدامات کے زمانے یا وقت کو متعین کیا تھا۔[۱۱] مستشرقین کے درمیان یہ اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ نبوی مہمات و سرایا نے مدنی مسلمانوں کو نہ صرف مالدار و متمول بنانے میں حصہ لیا تھا بلکہ تباہ و نزار مسلم معیشت کو مضبوط و مستحکم بنیادوں پر استوار بھی کیا تھا۔[۱۲]

دوسری طرف عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا کے بارے میں روایتی مسلم نقطۂ نظر متضاد آراء و خیالات کا عجیب و غریب آمیزہ ہے۔ ایک تو قدیم مورخین اور سیرت نگارانِ رسول کا زیادہ روایت پسند مکتبِ فکر ہے جو ان مہموں، جنگوں اور معرکوں کی

اقتصادی اہمیت کا یکسر منکر ہے[۱۳] جبکہ علمائے تاریخ کے دوسرے مسلم مکتبِ خیال کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دہ سالہ مہم جوئی نے مسلمانانِ مدینہ کو بہت معمولی طریقے سے مالی فائدہ پہنچایا تھا[۱۴] اور ان کے بعد تیسرا مکتبِ نگاہ ان متعدد جدید مورخینِ وقت کا ہے جو مستشرقینِ مغرب کے دلائل اور نتائج کی پیروی پوری طرح سے کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو ان کے مغربی فکری آقاوں نے ان کے ذہنوں پر مرتسم کر دیا ہے۔[۱۵]

بہرکیف مورخینِ اسلام اور سیرت نگارانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم تقریباً یہ اتفاق رائے نظر آتا ہے کہ اسلامی فوجی مہموں نے مسلمانانِ مدینہ کی مالداری و تمول میں حصہ لیا تھا خواہ یہ مالداری بڑے پیمانے پر ہوئی ہو یا نسبتاً چھوٹے پیمانے پر۔ ابھی تک اسلامی تقویم کے پہلے دس سال کے دوران لڑی جانے والی مہمات وغزواتِ نبوی میں حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت کا نہ تو مجموعۂ میزان مرتب کیا گیا ہے اور نہ ہی معاصر اسلامی امت کی معیشت میں اموالِ غنیمت کے تناسب، مقام اور کردار کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مضمون میں اس اہم موضوع پر سیر حاصل بحث کی جا رہی ہے اور تمام ضروری اعداد و شمار کا تجزیہ کر کے ان سوالوں کے جوابات ڈھونڈنے کی جامع کوشش کی گئی ہے جو اس ضمن میں اکثر و بیشتر اٹھائے جاتے رہے ہیں۔

کلاسیکی عصرِ اسلامی کے عظیم ترین مغازی نگار واقدی کے شمار و تحقیق کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مہماتِ غزوات و سرایا کی تعداد چوہتر ۷۴ تھی۔[۱۶] ان میں بڑی مہمیں اور چھوٹے دستے ہی نہیں بلکہ اہم اور غیر اہم مہمیں بھی شامل ہیں۔ متاخرین نے عموماً اور جامعیت و کمال کے متلاشی و حامی مورخین نے خصوصاً غزوات و سرایا کی مکمل تعداد کی تلاش و تحقیق کی اور اس کو نوّے ۹۰ تک پہنچا دیا۔[۱۷] امکان ہے اور قوی امکان کہ مزید تفحص و جستجو سے مہماتِ نبوی کی تعداد میں ابھی اور اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال تعداد خواہ کچھ بھی ہو جائے یہ نکتہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ مہماتِ نبوی خواہ وہ غزوات ہوں یا سرایا سب کی سب فوجی مہمیں نہ تھیں۔ ان میں سے متعدد سیاسی مشن تھے یا مذہبی اور تہذیبی اسفار تھے۔ متعدد جدید مصنفین نے تمام غزوات و سرایا کو فوجی مہم گردانا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اصل نوعیت و ماہیت کے بارے میں سخت غلطی راہ پا گئی ہے۔ ایک سبب اس غلطی کا یہ ہے کہ ہمارے ابتدائی ماخذ مہماتِ نبوی کے لیے خواہ وہ کسی نوعیت کی ہوں دو اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں: مہماتِ نبوی کے لیے جو براہِ راست رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان میں بھیجی گئیں غزوہ/ غزوات کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جبکہ صحابہ کرام کی قیادت و سرکردگی میں جانے والی مہم کے لیے سریہ/ سرایہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ بعد کے مورخین نے ان دونوں اصطلاحوں کو ہم بالخصوص فوجی مہم کا مترادف سمجھ لیا ہے[۱۸] اور اس کا لازمی نتیجہ یہی خیال نکلا کہ ان نام نہاد فوجی مہمات کے ذریعے مسلمانانِ مدینہ نے اپنے روز افزوں اقتصادی مسائل کو حل کرنے اور دن بہ دن گھٹتے ہوئے مالی وسائل کو بڑھانے کے لیے لوٹ مار اور رہزنی کا سہارا لیا اور بلا استثنا تمام غزوات و سرایائے نبوی کا منشاء و مقصد اقتصادی وسائل کی فراہمی قرار پایا۔[۱۹] اس نقطۂ نظر کی غلطی اور بے بنیادی کی طرف کم از کم عہدِ نبوی کی ابتدائی مہموں کی حد تک مدلل اشارہ کہیں اور کیا جا چکا ہے۔[۲۰]

بہر حال موجودہ مزعومہ کے مطابق عہدِ نبوی کے پہلے سات غزوات و سرایا اقتصادی لحاظ سے بے برگ و بار و بے ثمر رہے۔[۴۱] البتہ آٹھویں مہم جو سریہ نخلہ کے نام سے مشہور ہے اور جو رجب ۲ھ / جنوری ۶۲۴ء یا اس کے لگ بھگ زمانے کے قریب ہجرت ہوئی ہے تقریباً سولہ ماہ کے بعد صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن جحش اسدی حلیفِ بنو امیّہ کی کمان میں مکّہ اور طائف کے درمیان واقع مقامی شاہراہ تجارت پر ایک مخصوص مقام نخلہ کے لیے بعض سیاسی وجوہ سے بھیجی گئی تھی اتفاقی طور سے مسلمانانِ مدینہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لیے کچھ مالِ غنیمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور یہ پہلا مسلم مالِ غنیمت تھا۔ ہمارے مآخذ کے بیانات کے مطابق اتفاقی طور پر ملنے والا یہ مالِ غنیمت کچھ شرابِ ناب (خمر)، سوکھی کھجوروں (زبیب) اور کھالوں (ادم) کی غیر متعینہ مقدار کے علاوہ قریشِ مکّہ کے کچھ روایتی سامانِ تجارت (تجارۃ من تجارات قریش) پر مشتمل تھا۔ اس مال کے علاوہ دو قیدی بھی مسلم غازیوں کے ہاتھ لگے تھے جن میں سے ایک نے چالیس اوقیہ چاندی (جو ۱ اوقیہ = ۴۰ درہم کی شرحِ تبادلہ کے مطابق سولہ سو درہم کے برابر تھی) بطور زرِ فدیہ ادا کرکے رہائی حاصل کی تھی، جبکہ دوسرے قیدی نے اپنے مشرف بہ اسلام ہو جانے کے سبب نہ صرف آزادی پائی تھی بلکہ وہ امتِ مسلمہ کا فرد بن گیا تھا۔[۴۲]

اگرچہ نخلہ میں حاصل شدہ غنیمت کی صحیح مالیت کا پکّا تخمینہ لگانا مشکل ہے تاہم یہ حتمی ہے کہ وہ اتنی بڑی مقدار میں اور اتنی بڑی مالیت کی نہ تھی کہ وہ مکّی یا دوسرے عرب کاروانوں پر تاخت کی پالیسی کو مہمیز کرتی۔ ہمارے مآخذ بصراحت مذکورہ منفرد حقائق و شواہد نیز ضمناً بیان کردہ اشارات و کنایات بہت صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں[۴۳] کہ مالِ غنیمت نہ تو کثیر تھا نہ وقیع۔ وہ کافی حقیر تھا یا زیادہ سے زیادہ اس کو معمولی مالیت کا کہا جا سکتا ہے۔ بیس ہزار درہم کی رقم اس کی اصل مالیت کا قریب قریب صحیح تخمینہ ہو سکتا ہے۔ عہدِ نبوی کے اموالِ غنیمت کی یہ واحد مثال ہے یا زیادہ سے زیادہ چند گنی چنی مثالوں میں سے ایک ہے جہاں مقبوضہ مال کی مقدار یا مالیت کا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے ورنہ ابتدائی مسلم مصنّفین و مورخین خصوصاً مغازی نگار اس امر کا التزام رکھتے ہیں کہ وہ حاصل شدہ اموالِ غنیمت کے بارے میں تمام اعداد و شمار فراہم کریں یا ان کی مالیت کے بارے میں اشارے مہیا کریں۔ بہر حال سریہ نخلہ کے ضمن میں یہ نکتہ دلچسپی سے خالی نہیں کہ محض چھ سے تیرہ[۴۴] مسلمان کسی حد تک "مالدار" بن گئے تھے۔ اگر دو تین ہزار درہم کی رقم کو "مال" کہا جا سکتا ہے۔ مدینہ کی امتِ مسلمہ کو اس مال کا پانچواں حصہ (خُمس) بطور حصۂ ریاست ملا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غریب و نادار مسلمانوں کی ضروریات کی کفالت کے لیے تھا جبکہ مال کے چار حصے (اربعۃ اخماس) مسلمان غازیانِ مہم میں تقسیم ہو گئے تھے۔ غزوات و سرایائے نبوی کو حصولِ دولت کا ذریعۂ عاجلہ مستعملہ قرار دینے والے مستشرقین و جدید مورخین سے یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ اتنی معمولی رقم سے کتنے غریب و نادار مسلمانوں کی پرورش ہو سکی ہو گی؟ پھر اس سے زیادہ اہم سوال اور دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد پہلے سولہ مہینوں میں مسلمانوں کو تمام مہم جوئی کے باوجود کوئی غنیمت نہیں ملی تھی جبکہ ان کو جسم و روح کا رشتہ و تعلق قائم رکھنے کے لیے مال و دولت کی زیادہ اور شدید ضرورت تھی۔ اس زمانۂ ابتلاء و کرب میں ان کی جسمانی پرورش کی کیا صورت تھی اور مدینہ کی غالب

مسلم اکثریت نے جسم و جان کا علاقہ کیونکر برقرار رکھا تھا؟

غزوۂ بدر پہلا غزوہ تھا جس میں مسلمانوں کو پہلا مالِ غنیمت ملا ٹھیک اسی طرح کہ سرایا میں مہم نخلہ پہلا سریہ تھا جو مالِ غنیمت کے نقطۂ نظر سے پہلی کامیابی تھی۔ مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ غزوہ ہجرتِ نبوی کے اٹھارہ[۱۸] ماہ کے بعد، ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ/ ۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء کو قریش مکہ کی گرانبار فوج کے ساتھ میدانِ بدر میں پیش آیا تھا۔ مسلمانوں کی کمزور، بے اسلحہ اور سامانِ حرب سے عاری فوج نے اپنے سے تین گنا زیادہ بڑی، طاقتور اور ہر طرح سے لیس کی لشکر کو چند گھنٹوں میں شکستِ فاش سے ہمکنار کر دیا اور اس فتح عظیم کے نتیجے میں فاتح غازیوں کو کافی مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا۔ یہ مالِ غنیمت ہتھیاروں، مویشیوں، گھوڑوں، سامانِ رسد کے علاوہ قریشی تجارتی مال پر بھی مشتمل تھا جو تاجرانِ مکہ اپنے ساتھ تجارتی اغراض سے لائے تھے اور بازار بدر میں اس سے کثیر نفع کمانے کی آرزو رکھتے تھے۔ اسلحہ (سلاح) تلواروں (سیوف) زرہ بکتروں (درع) چرمی یا سوتی خودوں (مغافر) آہنی خودوں (بیض) نیزوں (رماح) چھوٹے نیزوں (عنز) کی ایک غیر متعینہ مگر حتمی طور سے قلیل مقدار پر مشتمل تھے۔ عام طور سے اسلحے اور ہتھیار بطور اسلاب (سلب) حاصل ہوئے تھے جو مفتوح/مقتول دشمن کا ذاتی اسلحہ ہوتے تھے۔ بدر کے میدان میں قریش کے کچھ فرار ہونے والے سپاہیوں کے اسلحے بھی اس میں شامل تھے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔[۲۵] بہرحال ان دو حقیقتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقبوضہ ہتھیاروں کی تعداد کافی کم تھی کیونکہ سب سے زیادہ مشہور اور قابلِ اعتماد روایت کے مطابق مقتولین بدر کی تعداد ستر تھی اور اتنی ہی تعداد اسیرانِ قریش کی تھی۔[۲۶] دوسری جانب یہ روایات بھی مدّ نظر رکھنی چاہئیں جن میں مقتولین و اسیرانِ بدر دونوں کی تعداد سو سے بھی متجاوز نہیں ہوتی[۲۷] اور متعدد جدید مورخین کا رجحان ان کو قبول کرنے کی جانب نظر آتا ہے۔[۲۸] اس صورت میں مقبوضہ ہتھیاروں کی تعداد اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ مسلم شہداء کی تعداد چودہ[۱۴] تھی[۲۹] اور غالباً ان کے ہتھیار اور دوسری چیزیں قریشی فاتحوں کو بطور اسلاب ملی تھیں۔ ان تمام امکانات کو مدّ نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہتھیاروں کی غنیمت میں کل ایک ہزار اسلحے ملے تھے اور ہر جنس و قسم کے لگ بھگ ڈیڑھ[۱۵۰] سو حربے تھے۔ جہاں تک مویشیوں کی غنیمت کا تعلق ہے تو اونٹوں (بعیر) کی کل تعداد ایک سو پچاس[۱۵۰] تھی اور گھوڑے (فرس) صرف دس[۱۰] ہاتھ لگے تھے۔ دوسرا سامان (متاع) زیادہ تر استعمال کے کپڑوں (ثیاب) اور چٹائیوں (انطاع) پر مشتمل تھا۔ اگرچہ ان کی مقدار و تعداد کا علم نہیں ہو سکا تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ بہت زیادہ نہیں رہی ہو گی۔ لیکن بہرحال سامانِ تجارت جو کھالوں (ادم) پر مشتمل تھا خاصی بڑی تعداد میں تھا[۳۰] اور وہ غالباً سب کا سب شکست خوردہ فوج کے لشکرگاہ میں فاتحوں کے ہاتھ لگا تھا۔

اموالِ غنیمت کی تقسیم سے قبل روایات کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی قوانینِ حرب میں کسی پسندیدہ و چنیدہ چیز کو لے لینے کا حق تھا جسے "صفی" کہا جاتا ہے۔ غزوات میں یہ حق آپ بہ نفسِ نفیس استعمال فرماتے تھے[۳۱] اور سرایا میں قائدین و سپہ سالارانِ نبوی کبھی اپنی صوابدید کے مطابق اور کبھی آپ کی پسند کے موافق "حق نبوی" کے تحفظ کا التزام کرتے تھے۔[۳۲] یہ دوسری بات ہے کہ رحمتِ عالم و سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی یہ "صفی" عام طور سے کسی صحابی کو

بخش دیتے تھے۔ چنانچہ بدر کے مالِ غنیمت میں آپ نے مشہور تلوار ذوالفقار نامی بطور "صفی" اپنے لیے پسند فرمائی تھی جو معتمد علیہ روایت کے مطابق میدانِ بدر میں کھیت رہنے والے ایک بڑے مکی سردار منبہ بن حجاج سہمی کی تھی مگر پھر آپ نے وہ تلوار بعض روایات کے مطابق حضرت علی کو عطا کر دی تھی۔(۴۴)

بدر کے اموالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مآخذ کی بیان کردہ شرکاءِ بدر کی بے اطمینانی اور شکایات اور ہمارے جدید مورخین و مصنفین کے تبصروں اور نکتہ چینیوں کے باوجود(۴۶) اس حقیقت کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ وہ منصفانہ طور سے برابر برابر تمام شرکاءِ جنگ میں تقسیم کئے گئے تھے۔(۴۷) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک سپاہی کا حصہ (سہم) ملا تھا اور اتفاق سے اس حصہ میں قریشی لشکر کے مقتول سالارِ اعلیٰ ابوجہل مخزومی کا اونٹ (جمل) پڑا تھا۔(۴۸) جہاں تک اسلاب/سلب کا تعلق ہے وہ اسی مسلم فاتح کو ملتا تھا جس نے اس کو حاصل کیا تھا کیونکہ قانونی اور روایتی طور سے وہ اسی کا حصہ ہوتا ہے۔(۴۹) اسی طرح اسیرانِ قریش کو قید کرنے والوں کو زرِ فدیہ کی رقم دی گئی تھی اور ان دونوں میں عام غازیوں کا حصہ نہیں تھا۔(۴۰) اموالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غریب و نادار مسلمانوں کا حصہ تھا اور وہ تقسیم سے قبل الگ کر لیا جاتا تھا۔(۴۱) اس طرح بقیہ چار حصے (ارباع اخماس) جنگ کے شرکاء میں برابر برابر تقسیم کر دئیے گئے تھے۔(۴۲) ہمارے مستند مورخین کا بیان ہے کہ غازیانِ بدر میں سے کسی کے حصہ میں ایک اونٹ (بعیر) اور کچھ سامانِ ضرورت (رِثّۃ) فی کس آیا تھا جبکہ بعض دوسروں کو فی کس دو اونٹ (بعیران) ملے تھے۔ اور باقی ماندہ دوسرے سپاہیوں کو کچھ کھالیں بطور حصۂ مالِ غنیمت ملی تھیں۔(۴۳) گویا کہ غانمین کے غنیمت کے اعتبار سے تین طبقات تھے مگر ان تینوں کو جو حصۂ غنیمت (سہم) ملتا تھا وہ قیمت کے اعتبار سے بالکل مساوی تھا معمولی فرق ممکن تھا مگر تمام حصص (سہمان) اوسط قیمت کے لحاظ سے برابر تھے کہ یہی عدل کا تقاضا تھا۔ کل حصوں کی تعداد تین سو پچیس ۳۲۵ تھی: تین سو تیرہ ۳۱۳ غازیانِ بدر کے لیے جو میدانِ جنگ میں لڑے تھے، چار دو گھوڑوں کے لیے جو دو مسلم شہسواروں کے پاس تھے اور باقی آٹھ ان اصحابِ نبوی کے لیے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات مبارکہ کی تعمیل میں دوسرے فوجی سیاسی کاموں میں مشغول تھے یا مدینہ منورہ میں بعض اہم خدمات پر مامور تھے۔ اور ان کے سبب غزوۂ بدر میں بذاتِ خود شریک نہیں ہو سکے تھے۔ چونکہ ان کی میدانِ جنگ سے غیر حاضری ان کی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ منشائے نبوی سے تھی لہٰذا ان کو نہ صرف غنائم بدر میں حصہ کا مستحق قرار دیا گیا بلکہ ان کو "بدری" ہونے کی سعادت و میمنت سے بھی سرفراز کیا گیا۔(۴۴)

اگرچہ بدر کی غنیمت کی صحیح قیمت متعین کرنا خاصا مشکل ہے تاہم وہ ناممکن نہیں ہے۔ ہمارے مآخذ میں بعض ایسے حقائق، اشارات اور کنایات ہیں جن سے کم از کم اس کا ایک موٹا سا تخمینہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے جو اصل قیمت سے بہت زیادہ مختلف نہ ہوگا۔ اس ضمن میں یہ نکتہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ غزوۂ بدر کا مالِ غنیمت مسلم جانبازوں کی توقعات سے کہیں کم تھا جس پر ان کو بروایت واقدی کافی مایوسی و اضمحلال ہوا تھا۔(۴۵) اس عام تبصرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فی کس حصۂ غنیمت بہت کم تھا۔ بہر حال فی کس حصہ ہی کے بارے میں جو بیانات ہمارے مآخذ میں ملتے ہیں انھیں کی بنیاد پر کل

غنیمت کی قیمت آنکی جا سکتی ہے۔ جہاں تک غانمین کے دو طبقات کا تعلق ہے یعنی پہلے اور تیسرے طبقہ کا تو ان کے حصہ کی قیمت کا تخمینہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ ان دونوں کے حصوں میں یا تو "کچھ سامانِ ضرورت" بھی شامل ہے یا محض کھالیں اور ان دونوں کی نہ تو مقدار و تعداد معلوم ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی کی قیمت۔ خوش قسمتی سے دوسرے حصہ کی بنیاد پر قیمت کا تخمینہ لگایا جا سکتا ہے اور اسی کی بنیاد پر کل غنیمت کا۔ یہ بھی ایک اہم نکتہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اونٹ بطور حصۂ غنیمت ملا تھا وہ عام مسلم غانمین کے دو اونٹوں پر مشتمل ایک حصہ کے برابر تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اچھی قیمت کا ایک اونٹ عام قسم کے دو اونٹوں کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ بہرحال واقدی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ معیاری حصۂ غنیمت فی کس عام قسم کے دو اونٹ تھے اور اسی مغازی نگار کے ایک اور بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ایک معمولی اونٹ تیس سے چالیس درہم میں مل جاتا تھا۔(۴۶) اب اگر اس شرح کی آخری حد بھی فرض کر لی جائے تو ایک حصۂ غنیمت (سہم) کی قیمت اسّی درہم بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل منقولہ سامانِ غنیمت جو مسلمانوں کے حصوں پر مشتمل تھا صرف پچیس ہزار درہم کی قیمت کا تھا (۸۰ × ۳۲۵)۔ اس میں اگر خمس کی قیمت جوڑ دی جائے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غریب مسلموں یعنی ریاستِ اسلامی کے حصہ میں آیا تھا تو میزان ۶،۲۵۰ (چھ ہزار دو سو پچاس) درھم بن جاتا ہے۔ صفیِ رسول کی قیمت کا اندازہ زیادہ سے زیادہ دو سو پچاس درہم رہا ہوگا اور اس طرح بدر کے غزوہ میں حاصل ہونے والے تمام اموالِ غنیمت کا ایک موٹا سا تخمینہ اکتیس ہزار پانچ سو درہم آتا ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ رقم کافی متاثر کن معلوم ہوتی ہے مگر فی کس حصہ کے لحاظ سے دیکھی جائے تو یقیناً وہ بہت حقیر رقم تھی اور اس سے واقدی کے مذکورہ بالا بیان کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

نسبتاً اس مالِ غنیمت سے کہیں زیادہ وقیع وہ زرِ فدیہ تھا جو اسیرانِ بدر نے یا ان کے اعزہ و متعلقین و اہلِ قبیلہ نے ان کی رہائی کے لیے مسلمانوں کو ادا کیا تھا اور جو ہمارے مآخذ کے مطابق چار ہزار سے ایک ہزار درہم فی کس مقرر کیا گیا تھا۔(۴۷) زرِ فدیہ کی مختلف شرحوں کے بارے میں یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ متعدد شرحیں اسیرانِ قریش کے اقتصادی اور سماجی پس منظر کو مدِنظر رکھ کر مقرر کی گئی تھیں۔ ہمارے مآخذ میں اسیروں کی تعداد پر مختلف بیانات ملتے ہیں جس کا ہلکا سا اشارہ اوپر گزر چکا ہے۔ بہرحال ان کی تعداد پر اختلافِ روایات کے باوجود بیشتر مورخین کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کی کل تعداد ستر تھی اور یہ سب سے زیادہ تعداد ہے۔ ہمارے مآخذ ان کی تعداد تو بتاتے ہیں لیکن یہ ذکر نہیں کرتے کہ ان میں سے کتنوں نے زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی پائی تھی۔ بہرحال اس پر ان کا اتفاق ہے کہ سب اسیرانِ بدر نے زرِ فدیہ نہیں ادا کیا تھا۔ ایک استثناء یعقوبی کا ہے جو صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ اڑسٹھ قیدیوں نے زرِ فدیہ ادا کیا تھا۔(۴۸) لیکن وہ ان کے زرِ فدیہ کی شرحیں نہیں بیان کرتا ہے۔ یعقوبی کا بیان قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ وہ بعض دوسرے زیادہ قابلِ اعتماد بیانات، ثقہ روایات اور مشہور مسلّمات سے متصادم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ کئی قیدی غالباً جن کی تعداد دس تھی اس شرط پر رہا کر دئے گئے تھے کہ وہ فی کس دس مدنی بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔(۴۹) ان نادار مگر اہلِ علم کی قیدیوں کے علاوہ بھی

متعدد ایسے تھے جن کو بلا کسی زرِ فدیہ کے رہا کر دیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ناداری، سماجی ذمہ داری، قومی خدمات یا محض جذبۂ احسان کی بنا پر آزادی بخشی تھی۔(۵۰) اس کے علاوہ دو یا تین قیدیوں کے بارے میں ہم کو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بعض جرائم کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا۔(۵۱) بہرحال مآخذِ سیرت کے تمام بیانات کے ایک گہرے تجزیے سے یہ حقیقت ابھرتی ہے کہ تقریباً بیس قیدیوں نے زرِ فدیہ کی مختلف شرحیں ادا کر کے رہائی حاصل کی تھی۔ ان میں سے اٹھارہ کے بارے میں ہمیں قطعی علم ہے کہ انہوں نے زرِ فدیہ کی سب سے بڑی شرح یعنی چار ہزار درہم یا ایک سوا اوقیہ چاندی ادا کی تھی۔(۵۲) عہدِ نبوی کے عرب میں نہ صرف یہ گراں ترین شرح فدیہ تھی بلکہ سماجی ان کا پیمانہ بھی تھی۔(۵۳) دو اور قیدیوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بالترتیب دو ہزار اور ایک ہزار درہم کی رقم ادا کی تھی۔(۵۴) مزید دو قیدیوں کے بارے میں مآخذ کا بیان ہے کہ انہوں نے زرِ فدیہ ادا کیا تھا مگر اس کی شرح کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔(۵۵) البتہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عم زاد بھائی نوفل بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی کے بارے میں یہ بیان ملتا ہے کہ ان سے بطور فدیہ ایک ہزار چھوٹے نیزے (رماح) ادا کرنے کو کہا گیا تھا۔(۵۶) دلچسپ بات یہ ہے کہ قیدی مذکور قریش کے ایک بڑے تاجرِ اسلحہ تھے۔(۵۷) بہرکیف یہ فرض کرنا قرینِ قیاس ہی نہیں بلکہ قرینِ حقیقت بھی ہوگا کہ ہاشمی اسیرِ بدر سے جتنے اسلحہ کا مطالبہ کیا گیا تھا ان کی قیمت گراں ترین شرحِ فدیہ سے کسی طور زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اگر بقیہ دوسرے قیدیوں کے بارے میں یہ مان بھی لیا جائے کہ ان سب نے زرِ فدیہ کی سب سے زیادہ شرح ادا کی تھی جس کا امکان کافی کم ہے تو تمام اسیرانِ بدر سے وصول ہونے والے فدیہ کی کل قیمت ایک لاکھ پندرہ ہزار درہم کے برابر رہی ہوگی۔

اسلاب کی صورت میں ملنے والے اسلحوں اور دوسرے سامانِ حرب کی تعداد و مقدار کے علاوہ ان کی قیمت کا تخمینہ لگانا کافی مشکل ہے۔ لیکن اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد بھائی کے بارے میں ہمارا اندازہ و تخمینہ صحیح ہے اور جس کی صحت کے بیّن ثبوت ہیں تو چار پانچ ہزار درہم کی رقم کافی موزوں تخمینہ رہے گا۔ اس طرح تمام اموالِ بدر کی مجموعی قیمت جو مسلمانوں کے عام حصص، صفی رسولِ اکرم، خمس ریاست، اسلاب اور زرِ فدیہ پر محیط ہے ایک لاکھ اکیاون ہزار پانچ سو درہم کے لگ بھگ آتی ہے۔ تمام دوسرے امکاناتِ سہو و نسیان کو مدِ نظر رکھا جائے تو مجموعی قیمت بہرکیف ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم سے کسی طور متجاوز نہیں تھی۔ یہ رقم خاصی متاثر و مرعوب کن ہے۔ لیکن جب ہم غازیانِ بدر میں سے فی کس حصہ کو متعین کرتے ہیں تو قیمت اتنی اہم نہیں رہ جاتی بلکہ وہ خاصی حقیر معلوم ہوتی ہے۔ اب اگر اس مجموعی رقم کو بدری صحابہ میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک کے حصے میں تقریباً ۴۹۵.۶۳۹ درہم یا مکمل اعداد میں پانچ سو درہم پڑیں گے۔ بہرکیف یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ تمام غازیانِ بدر اتنے مالدار نہیں ہوئے تھے کیونکہ حقائق سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زرِ فدیہ کا فائدہ صرف قیدیوں کو گرفتار کرنے والوں کو پہنچا تھا(۵۸) جبکہ عام غازیوں کو کافی کم مالِ غنیمت ہاتھ لگا تھا(۵۹) اور یہی بقول واقدی ان کی رنجش کا سبب تھا۔

مدینہ منورہ کے قبائلِ یہود میں سے بنو قینقاع ایک اہم قبیلہ تھا اور اس نے جنگِ بدر کے معاً بعد مسلمانوں سے

تصادم مول لیا جس کے نتیجے میں ان کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی جو غزوۂ بنی قینقاع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ۲ھ کی تیسری مہم تھی جس میں فاتحین کو کچھ مالِ غنیمت ملا تھا۔(۶۰) مشہور عام روایات کے مطابق وہ سب کا سب ہتھیاروں اور زرگری کے اوزاروں یا ہتھیار سازی کے اوزاروں پر مشتمل تھا جیسا کہ ایک جدید مورخ کا خیال ہے،(۶۱) کیونکہ بنو قینقاع نہ صرف ماہر سنار تھے(۶۲) بلکہ ہتھیار سازی میں بھی غالباً کمال رکھتے تھے اور وہ روایتی اسلحہ اور زرہ بکتر وغیرہ بنانے کے لیے کچھ اوزاروں کا استعمال کرتے تھے۔ بہرحال یہ ممکن ہے کہ وہ اسلحہ ساز رہے ہوں اور ممکن ہے کہ نہ رہے ہوں کیونکہ ان کی ہتھیار سازی کے بارے میں ہمارے ماخذ خاموش ہیں اور نہ ہی ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ سازی کے ان یہودی اوزاروں کے قبضہ میں آجانے کے بعد شہرِ رسول میں صنعت و حرفتِ اسلحہ سازی میں کسی نمایاں قسم کی پیش رفت ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ ہمارے ماخذ بطورِ غنیمت ملنے والے اسلحوں اور اوزاروں کی تعداد کا بھی کوئی ذکر نہیں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مالِ غنیمت کی مقدار اور مسلم غازیوں میں اس کی تقسیم کے سوال پر سکوت اختیار کیے ہوئے ہیں۔(۶۳) البتہ صرف صفیِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک حوالہ ملتا ہے کہ وہ تین کمانوں، تین نیزوں اور تین تلواروں کے علاوہ دو زرہ بکتروں پر مشتمل تھی۔(۶۴) صفیِ رسول کے علاوہ مالِ غنیمت کے بارے میں محض اشارات و کنایات ہی ملتے ہیں جن کی بنیاد پر ان کی قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تقریباً تمام ماخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت نبوی سے قبل جنگ بعاث کے موقع پر بنو قینقاع کے جانبازوں کی تعداد سات سو تھی جن میں سے چار سو مکمل طور سے زرہ بکتر پوش (دارع) تھے جبکہ تین سو بغیر زرہ بکتر کے (حاسر) تھے۔(۶۵) جدید مورخین کا رجحان یہ ہے کہ یہی تعداد اس غزوہ میں بھی رہی ہوگی۔(۶۶) اور یہ قیاس کرنا عین حقیقت ہوگا کہ تمام یہودی سپاہی روایتی اسلحہ جیسے تلوار، تیر کمان، نیزے، حربے وغیرہ سے لیس رہے ہوں گے۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ زرہ بکتروں کے سوا اور دوسرے تمام اسلحے یہودی سپاہیوں کی تعداد کے مطابق و مناسب رہے ہوں گے۔ اور اس مفروضہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے تمام اسلحے مسلم فاتحوں کے قبضہ میں آئے ہوں گے کہ یہی معاہدۂ خود سپردگی کی شرط تھی۔(۶۷) لیکن ماخذ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودی قبیلہ کے لوگوں نے مسلم سپاہ کی سادگی اور لاعلمی سے فائدہ اٹھایا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کو نہ تو ان کی سپاہ کی کل تعداد کا کوئی حتمی علم تھا اور نہ ہی ان کے ہتھیاروں کی تعداد کا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ بنو قینقاع نے کھلے میدانِ جنگ میں مقابلے سے پہلو تہی کی تھی اور قلعوں (آطام) کی دیواروں میں محصور ہو کر اپنا دفاع کیا تھا۔ چنانچہ خود سپردگی کے بعد بنو قینقاع کے چالاک یہودیوں نے اپنے بیشتر ہتھیار اور اوزار اپنے کجاووں میں چھپا لیے تھے اور جلاوطنی کے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے جیسا کہ ایک سال کے بعد ان کے ہم مذہب و ہم وطن بنو نضیر نے کیا تھا۔(۶۸) لٰہذا یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم فاتحین کو اس موقع پر ان کے بیشتر اسلحہ سے محرومی ہوئی تھی۔ بہرحال ان تمام امکانات و حقائق کے بعد اگر ہم اس غزوہ میں حاصل ہونے والی صفیِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور غزوۂ بدر میں کے قیدی نوفل بن حارث ہاشمی کے ادا کردہ زرِ فدیہ کو بنیاد بنائیں تو بنو قینقاع سے حاصل ہونے والا منقولہ مالِ غنیمت کسی طور سے پچاس ہزار درہم سے

زیادہ قیمت کا نہیں تھا۔ یہ امر بہرحال ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اس منقولہ مال میں صرف اسلحہ اور اوزارِ زرگری / اسلحہ سازی شامل تھے اور ان کے علاوہ نقد و جنس میں سے کوئی شے مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔[۶۹] اس سے زیادہ اہم ترین امر یہ ہے کہ بنو قینقاع کے جلاوطن ہونے والے مہاجنوں کو مدینہ کے مسلمانوں سے وہ ادھار اور قرضے بھی وصول کر کے ساتھ لے جانے کی اجازت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرما دی تھی جو انھوں نے کبھی دئیے تھے۔[۷۰]

منقولہ مالِ غنیمت سے کہیں زیادہ قیمتی وہ جائدادیں تھیں جو ان کی جلاوطنی کے سبب مسلمانوں یا اسلامی ریاست کے قبضہ میں آگئی تھیں۔ مشہور عام روایات یہی ہیں کہ بنو قینقاع کی مدینہ سے جلاوطنی کے بعد ان کے قلعوں، گڑھیوں (آطام)، رہائشی مکانات اور بازار (سُوق) اور اُس کی دکانوں پر اسلامی ریاست کا قبضہ ہوگیا تھا[۷۱] مگر مآخذ میں اس جائداد غیر منقولہ پر اسلامی قبضہ کے حوالے کمتر ہیں اور ان کی تقسیم کے باب میں بیانات قطعی طور پر مفقود ہیں۔[۷۲] البتہ مآخذ اس پر شدت سے اصرار کرتے ہیں کہ یہودِ بنی قینقاع تجارت پیشہ تھے، زرگر و سنار تھے، مدینہ منورہ میں ایک اہم تجارتی مرکز کے مالک تھے مگر وہ زراعت پیشہ نہیں تھے اس لیے ان کے پاس زرعی زمینیں نہیں تھیں۔[۷۳] ہمارے مستند مورخین کے اتفاق کے باوجود بہرحال اس امکان سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہود بنو قینقاع یا کم از کم ان کے بعض افراد کے پاس زرعی زمینیں اور جائدادیں رہی تھیں اگرچہ وہ اتنی زیادہ اور اہم نہیں تھیں کہ ان کا ذکر مآخذ کے بیانات میں راہ پا سکتا۔ مآخذ میں کلیہ بیان کیا گیا ہے اور منطق کا یہ اصول عملی زندگی میں بھی صحیح ہے کہ ہر کلیے اور قاعدے کے مستثنیات بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں جو کہ بنو قینقاع کے ایک جید عالم تھے اور جمالِ نبوی کو دیکھ کر صداقتِ نبوی پر ایمان لے آئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کھجور کا ایک باغ یا کچھ زرعی زمین ضرور تھی۔[۷۴] بہرحال بنو قینقاع کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کی بحث سے قطع نظر اور مسلم غازیوں میں ان کی تقسیم ہونے یا نہ ہونے یا اسلامی ریاست کے قبضہ و تصرف میں اس کے باقی رہنے کی قانونی موشگافی سے بھی قطع نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنو قینقاع کی مفتوحہ اراضی سے بعض غریب مسلمانوں کی آباد کاری ہوئی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فے کے قرآنی قاعدے کے مطابق اپنی صوابدید سے جس کو چاہتے تھے عطا کرتے تھے۔

لیکن ایک جدید ہندوستانی مورخ نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ بنو قینقاع کو خود سپردگی کے بعد مدینہ منورہ سے جلاوطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کو ہتھیاروں اور اسلحہ سازی کے اوزاروں سے محروم کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی اور وہ بدستور سابق اپنی اراضی / جائدادوں پر قابض رہے تھے اور اپنا پرانا کاروبار زرگری اور مہاجنی کرتے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کے زرگری کے اوزار بھی انھیں کے قبضہ میں رہے تھے۔ محقق موصوف نے اپنے نظریہ کی حمایت و ثبوت میں کافی وزنی اور قطعی دلائل دیے ہیں۔[۷۵] جن سے سردست ہمیں سروکار نہیں۔ بہرحال اگر ان کی یہ تحقیق صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود بنی قینقاع کے "اموال" یا "ضیاع" اموالِ غنیمت میں شامل نہ تھے اور اس طرح مجموعی مالِ غنیمت کی مالیت کافی کم رہ جاتی ہے۔ عام روایات کو قبول کرنے کی

صورت میں ان سے حاصل شدہ اموال کی قیمت دوگنی یعنی ایک لاکھ درہم کے قریب پہنچ جاتی ہے کیونکہ ان کی جائداد کی قیمت پچاس ہزار درہم کے لگ بھگ ضرور ہوگی۔ بنو قینقاع کی جائداد پیداواری کمتر تھی اور رہائشی زیادہ۔ صرف ایک بازار اور اس کی دکانیں پیداواری جائداد میں شامل تھیں جبکہ ان کے قلعے، گڑھیاں اور رہائشی مکانات غیر پیداواری جائداد میں شامل تھے۔ اس لحاظ سے ان کی مالیت پیداواری جائداد کے مقابلے میں کافی کم تھی۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے اموال / جائدادوں کی قیمت کے بارے میں نہ تو کوئی صریح بیان ملتا ہے اور نہ ہی کوئی اشارہ۔ البتہ فدک کی زرعی جائدادوں کے بارے میں ایک بیان ضرور ملتا ہے اور اسی کی بنیاد پر قیاس کر کے مدنی یہودیوں کی جائدادوں کا تخمینہ لگانا قرینِ قیاس ہے۔ فدک کے بارے میں ہم کچھ دیر بعد بحث کریں گے۔ یہاں اتنا کہنا کافی ہے کہ مدینہ کے یہودی اموال کے بارے میں یہ تخمینہ محض خالی قیاس آرائی نہیں ہے بلکہ وہ اصل قیمت کے کافی قریب معلوم ہوتا ہے۔ بہرکیف اس غزوہ میں حاصل شدہ غنیمت کا کل تخمینہ تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار درہم بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔

اس برس کا آخری غزوہ جس میں مسلمانوں کو کچھ مالِ غنیمت نصیب ہوا غزوہ سویق تھا۔ روایات کے مطابق قریش مکہ کے ایک لشکر نے مدینہ منورہ کی چراگاہوں اور کھیتوں پر حملہ کیا اور جب مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا تو وہ بھاگ نکلے اور فرار ہوتے وقت قائدِ قریش ابوسفیان بن حرب اور ان کے سپاہیوں نے اپنے جانوروں کا بار ہلکا کرنے کے لیے ستّو (سویق) کے وہ تھیلے پھینک دیے جو وہ اپنے خورد نوش کے لیے ساتھ لائے تھے۔ اس مہم کا کل مالِ غنیمت یہی چند تھیلے ستّو کے تھے[۶] اور ظاہر ہے کہ ان کی قیمت بہت زیادہ نہیں تھی۔ حد سے حد ان کی قیمت دو ہزار درہم رہی ہوگی اور مسلم سپاہ میں سے فی کس حصہ محض سو سے پچاس درہم کے درمیان رہی ہوگی کیونکہ ان کی تعداد دو سو اور چار سو کے درمیان بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا شواہد و حقائق سے جن کا ہم نے اوپر جائزہ لیا ہے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد کے دو برسوں کے دوران یعنی ۲۴-۶۲۲ء کے زمانہ میں کل بارہ مہمیں مسلمان جانبازوں نے سرانجام دیں۔ ان میں صرف چار میں کچھ مالِ غنیمت حاصل ہوا اور ان چاروں میں سے بھی صرف ایک میں مالِ غنیمت کو معتد بہ یا وافر کہا جا سکتا ہے اور وہ غزوۂ بدر تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو کسی حد تک وقیع مالی فوائد حاصل ہوئے تھے اور اگر مشہور عام روایات تسلیم کر لی جائیں تو دوسرا اہم غزوہ بنو قینقاع کا تھا جس میں منقولہ مال نہ سہی تاہم غیر منقولہ جائداد کی شکل میں خاصا وقیع مالِ غنیمت ملا تھا۔ ورنہ جدید تحقیقات کے مطابق یہ غزوہ اموال کے لحاظ سے اتنا اہم نہیں رہ جاتا۔ بقیہ دو مہمات جن میں مالِ غنیمت ملا معمولی مہمیں تھیں اور وہ مسلمانوں کی مالداری میں کوئی خاص کردار نہیں ادا کر سکیں۔

۳ھ / ۲۵-۶۲۴ء میں مسلم جانبازوں نے کل سات مہمیں سرانجام دیں جن میں سے صرف تین مہموں میں ان کو مالی یا اقتصادی فوائد حاصل ہوئے۔ اس برس کا پہلا مالِ غنیمت غزوہ الکدر میں حاصل ہوا جو ایک روایت کے مطابق پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا اور دوسری روایت کے مطابق سولہ سو اسّی اونٹوں (بعیر) پر۔ اس میں دو سو مسلم غازیوں کے

حصص، صفی رسول اکرم اور خمس ریاست اسلامی سبھی شامل تھے۔[۷۷] واقدی نے پہلی روایت کو زیادہ قابلِ اعتماد مان کر ترجیح دی ہے۔[۷۸] بہرکیف بنوسلیم سے حاصل ہونے والے اس مالِ غنیمت کی مالیت بیس ہزار اور ستر ہزار درہم تک زیادہ سے زیادہ رہی تھی اور ایک معیاری مسلم حصہ ایک سو اور تین سو درہم کے درمیان پڑا ہوگا۔ زیادہ تر مورخین کا اتفاق پہلی روایت پر ہے، اس لیے اسی کو زیادہ قابلِ قبول سمجھنا چاہیے یہاں تک کہ اس کے خلاف دوسرے شواہد یا اشارات مل جائیں۔

توقیتی ترتیب کے مطابق پانچویں مہم اور مالِ غنیمت کے نقطۂ نظر سے اس برس کی دوسری مہم سریۂ زید بن حارثہ تھا جو القردہ نامی مقام کی جانب بھیجا گیا تھا اور جس میں ایک سو مسلم غازیوں نے حصہ لیا تھا۔ اس مہم نے مشرقی شاہراہِ تجارت پر سفر کرنے والے ایک قریشی کارواں پر کامیاب تاخت کی اور اس کے تمام مالِ تجارت پر قبضہ کر لیا جس میں زیادہ تر خام چاندی (فضۃ) تھی۔ کارواں کے محافظ غازیوں سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہمارے ماخذ بصراحت بیان کرتے ہیں کہ مالِ غنیمت ایک لاکھ درہم کی مالیت کا تھا کیونکہ صرف خمس بیس ہزار درہم پر مشتمل تھا۔[۷۹] اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک، معیاری مسلم حصۂ غنیمت (سہم) آٹھ سو درہم کی مالیت کا تھا۔

اس برس کی ایک اہم مہم غزوۂ اُحد تھا جو اگرچہ فوجی اور سیاسی اعتبار سے کافی دوررس نتائج کا حامل تھا مگر مالی اور اقتصادی لحاظ سے خاص کر مالِ غنیمت کے لحاظ سے ناقابلِ ذکر مہمات کے زمرہ میں آتا ہے۔ جیسا کہ معروف و مشہور ہے، کہ ابتداء میں مسلمانوں کو اگرچہ اس مہم میں خاصی فوجی کامیابی ملی تھی تاہم آخر میں یہ کامیابی مسلم تیر اندازوں کی غفلت اور حکم عدولی کے سبب ناکامی اور شکست میں تبدیل ہوگئی۔ بہرحال یہ بات خاصی دلچسپ ہے کہ مسلم تیر اندازوں کی یہ غفلت شعاری مالِ غنیمت کے حصول میں ہوئی تھی۔[۸۰] یہ حقیقت عموماً کم معروف ہے کہ ابتدائی لمحاتِ فتح میں بعض مسلمانوں کو خاصا مالِ غنیمت ملا تھا۔ یہ مسلم غازیوں نے دشمن کے لشکر گاہ سے حاصل کیا تھا یا اسلاب کی شکل میں پایا تھا جیسا کہ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔[۸۱] لیکن یہ مالِ غنیمت فاتحین کے قبضہ میں باقی نہیں رہ سکا اور اس کا بیشتر حصہ شکست و افراتفری کے عالم میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔[۸۲] بایں ہمہ بعض مسلمان سپاہی اپنے مال پر قابض رہنے میں کامیاب رہے تھے۔ دو مجاہدوں کے بارے میں روایات بتاتی ہیں کہ ان میں سے ایک کو ایک چھوٹی تھیلی ملی تھی جس میں پچاس دینار (چھ سو درہم) تھے جبکہ دوسرے کو ۱۲ مثقال چاندی (لگ بھگ سولہ درہم) ملے تھے اور دونوں اپنا اپنا مال خدمتِ نبوی میں لے کر حاضر ہوئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر سی غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور انھیں دونوں کو بخش دیا۔[۸۳]

ہجرت کے چوتھے برس یعنی ۶۲۵-۲۶ء نے مسلم مجاہدین کو سات مہموں میں نبرد آزمائی کرتے دیکھا مگر ان میں سے صرف دو کسی حد تک مالِ غنیمت کے لحاظ سے ثمرآور رہیں۔ مالی منفعت والی پہلی مہم سریۂ قطن تھا جو حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کی قیادت میں قبیلہ بنو اسد کے ایک چشمے قطن نامی کی جانب محرم / جون میں بھیجا گیا تھا۔ واقدی کی ایک روایت کے مطابق ڈیڑھ سو مجاہدین پر مشتمل لشکر کے ہر سپاہی کو سات اونٹوں کا حصۂ غنیمت پڑا تھا۔[۸۴] اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلم حصص، صفی رسول اور خمس ریاست کو ملا کر کل غنیمت تیرہ سو دس (۱۳۱۰) اونٹوں پر مشتمل تھی۔ ان کے علاوہ

فاتحین نے اس چراگاہ کے تین چرواہوں (رعی) کو بھی پکڑ لیا تھا جو کہ سب کے سب غلام (ممالیک) تھے۔[۸۵] اس طور سے حاصل شدہ کل مالِ غنیمت کی نقد قیمت باون ہزار چار سو درہم تھی اور ایک مسلم حصہ لگ بھگ دو سو اسی درہم کا پڑا تھا۔ جہاں تک غلام چرواہوں کا تعلق ہے ان کے بارے میں مآخذ خاموش ہیں۔ قرین قیاس ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر آزادی پا گئے ہوں گے اور مسلم مزدوروں کے طبقہ میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ بہرحال دوسرا امکان یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان نہ ہوئے ہوں اور مسلم مجاہدین یا ریاست اسلامی کے غلام واجیر بنے ہوں۔ اس صورت میں مالِ غنیمت کی مالیت میں دو تین ہزار درہم کا اضافہ ہو گیا ہو گا۔

اس برس کی آخری نفع بخش مہم مدینہ منورہ کے ایک اور یہودی قبیلہ بنو نضیر کے خلاف غزوۂ نبوی تھا۔ خود سپردگی کے معاہدے کے مطابق مفتوح و شکست خوردہ یہودِ مدینہ کو اپنے تمام ہتھیار اسلامی حکومت کے حوالے کرنے تھے۔ مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف پچاس زرہ بکتر، پچاس آہنی خُود اور تین سو چالیس تلواریں مسلمانوں کے حوالے کی گئی تھیں۔ غالباً کیا یقیناً اس میں یہودانِ بنو نضیر کے بیشتر ہتھیار شامل نہ تھے اور جیسا کہ روایات شاہد ہیں کہ چالاک دشمنوں نے اپنے بیشتر ہتھیار اپنے کجاووں (رحال) میں چھپا لیے تھے اور شہر سے جلاوطنی کے وقت ان کو اپنے ساتھ خیبر لے گئے تھے۔[۸۶] بہرکیف مسلمانوں کو اس واحد نقد مالِ غنیمت سے محرومی کے بعد محض گنتی کے ہتھیاروں پر قناعت کرنی پڑی تھی۔ اس معمولی غنیمت کی زیادہ سے زیادہ قیمت دس ہزار درہم رہی ہوگی۔ اس کے علاوہ نقد و جنس میں اور کوئی مالِ غنیمت نہیں ملا تھا۔ ہمارے مآخذ صراحت کرتے ہیں کہ یہودی جلاوطنوں کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنی جائداد منقولہ میں سے جو کچھ اپنے ساتھ لے جانا چاہیں بلاخوف و خطر لے جا سکتے ہیں اور انھوں نے اس اجازتِ نبوی اور مرحمت رسالت سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ نہ صرف سامان و اسباب، نقد و جنس اور اشیائے رسد و ضرورت اپنے ساتھ لے گئے تھے بلکہ گھروں کی چوکھٹیں اور دروازے تک اکھاڑ کر لے گئے[۸۷] حالانکہ یہ معاہدہ کے صریحاً خلاف تھا۔ عدل و انصاف و رحمتِ نبوی کا اس سے بڑھ کر یہ مظاہرہ و ثبوت تھا کہ یہودِ بنی نضیر کے مہاجنوں کو بھی اپنے مسلمان قرضداروں سے قرضے وصول کرنے کی تین دن کی مزید مہلت دی گئی تھی اور مسلم قرضداروں نے لیت و لعل سے کام لے کر مدت گزرنے کا فائدہ نہیں اٹھایا تھا بلکہ حکم نبوی کے مطابق جلد سے جلد ان کے قرضے ادا کر دئے تھے۔ البتہ باہمی اتفاق سے یہودی مہاجنوں نے نہ صرف اصل مال (رأس المال) پر قناعت کر لی تھی اور سود (ربا) کی رقم چھوڑ دی تھی جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔[۸۸] اس معاہدۂ باہمی کا ایک قانونی سبب یہ تھا کہ سود کی ادائیگی سال گزرنے پر واجب ہوتی تھی اور ابھی پورا سال نہ گزرا تھا۔

بہرکیف بنو نضیر کی جلاوطنی کے سبب ان کی زرعی زمینیں اور دوسری جائدادیں جو کھجور کے باغات (النخل) اور اناج و سبزی وغیرہ کے کھیتوں (الزرع) کے علاوہ ان کے رہائشی مکانات پر مشتمل تھیں اور جو ان کے اپنے محلے میں، گڑھیوں (آطام) میں واقع تھیں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی تھیں۔[۸۹] ہمارے مآخذ اس یہودی قبیلہ کی اراضی پر

مشتمل جائدادوں کے متعلق نہ تو تفصیلات فراہم کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی اصل یا تخمینی قیمت کے بارے میں کوئی اشارہ دیتے ہیں۔ البتہ وہ بعض جائدادوں کے ناموں کا ذکر ضرور کرتے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم کی تھیں۔ مثال کے طور پر حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بالترتیب "بئر حجر" اور "بئر جرم" نامی جائدادیں ملی تھیں (۹۰)۔ ان کے ناموں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ محض دو کنوئیں تھے جو ان کو عطا ہوئے تھے مگر قرائن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافی رقبہ پر مشتمل جائدادیں تھیں جن میں مذکورہ بالا ناموں کے کنوئیں بھی شامل تھے اور پوری اراضی اپنے کنوئیں کے نام سے مشہور ہوگئی تھی۔ عرب میں یہ رواج رہا ہے کہ علاقوں، خطوں اور اراضی کے نام کنوؤں اور چشموں کے ناموں سے موسوم و مشہور ہوتے رہے ہیں۔ جیسے بئر معونہ، مریسیع، رجیع وغیرہ (۹۱)۔ اس کے علاوہ واقدی وغیرہ کی روایات میں متعدد ایسے علاقوں کا ذکر ملتا ہے (۹۲)۔ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کو سعالہ نامی ایک جائداد ملی تھی جو ایک مشہور مشرقی قبیلہ کے نام سے مال سُلیم کہی جاتی تھی اور شاید اسی نام سے زیادہ معروف ہوگئی تھی (۹۳)۔ حضرت صہیب بن سنان نمری قاسطی کو ضرطہ نامی پوری جائداد ملی تھی جبکہ حضرت زبیر بن عوام اسدی قریشی اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہما کو البویلہ نامی جائداد برابر برابر ملی تھی (۹۴)۔ ایک حوالہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو غریب انصاریوں حضرات سہل بن حُنیف اور ابودجانہ کو ایک جائداد مشترکہ طور پر دی گئی تھی اور اس کا نام "مال ابن خرشہ" تھا (۹۵)۔ ظاہر ہے کہ یہ جائداد ابن خرشہ نامی یہودی کی تھی جو اس کی جلاوطنی کے بعد ان دونوں صحابیوں کے حصہ میں آئی تھی۔ ابن سعد کے ایک بیان سے یہ مزید علم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے قبضہ و تصرف میں ایک جائداد "الکیدمہ" نامی بھی تھی جس کا تعلق "اموال بنی النضیر" سے رہا تھا (۹۶)۔ آیا یہ وہی جائداد تھی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی موصوف کو بطور قطیعہ عطا فرمائی تھی یا کوئی دُوسری تھی فی الوقت کہنا مشکل ہے۔ تقریباً اتنا ہی مشکل یہ جاننا بھی ہے کہ یہ جائداد انھوں نے خریدی تھی یا بطور قطیعہ پائی تھی۔ لیکن غالب امکان یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسری جائداد تھی جو صحابی موصوف نے بعد میں کسی وقت خریدی تھی کیونکہ صحابی موصوف اس وقت تک ایک مالدار تاجر بن چکے تھے اور اپنی تجارتی سُوجھ بوجھ اور مہارت و دُور اندیشی کے سبب پیداواری جائدادوں کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتے تھے۔ چنانچہ روایات مظہر ہیں کہ عہدِ عثمانی میں اُنھوں نے یہ جائداد خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر دی تھی (۹۷)۔ اس زمین کی قیمت فروخت بھی اس پر دلیل ہے کہ یہ کوئی اور جائداد تھی۔ خلافت عثمانی میں بلکہ اس سے دس برس قبل فتوحات عراق و شام کے زمانے سے ہی فتوحات میں اموالِ غنائم کی کثرت کے سبب افراطِ زر کا رجحان پیدا ہو چکا تھا اور اس کے نتیجے میں قیمتوں میں کافی فرق آگیا تھا۔ پھر بھی عہدِ نبوی اور عہدِ عثمانی کی قیمتوں میں اتنا فرق نہیں پیدا ہوا تھا جتنا کہ اس خرید و فروخت کی قیمت سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس رقم کو دراہم میں تبدیل کر دیا جائے تو کل قیمت تقریباً پانچ لاکھ درہم (بالکل صحیح چار لاکھ اسی ہزار درہم) آتی ہے۔ اتنی قیمت عہدِ نبوی میں تو غالباً پورے قبیلہ کی اراضی کی بھی نہ رہی ہوگی۔

اموالِ بنی نضیر کی قیمت کا کچھ اندازہ ان عطایائے جنس سے بھی ہوتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفایائے رسولؐ یا فے اراضی سے خاندانِ بنو ہاشم اور عبدالمطلب کے بعض افراد کو عطا فرمائے تھے۔ یہ عطایا دراصل مستقل "طُعم" تھے جو ان زمینوں کی پیداواروں مثلاً کھجور، اناج، شہد، سبزی وغیرہ کی شکل میں دئے جاتے تھے اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عطایا پانے والوں کی سالانہ ضروریات کے لیے کافی ہوتے تھے[۹۸] مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عطایا سے دس بارہ مختصر خاندانوں کی معمولی درجے میں کفالت ہو جاتی تھی اگرچہ ہمارے پاس ایسے اور استنے ثبوت و شواہد نہیں ہیں کہ ہم تمام اموال بنی نضیر کی قیمت کے بارے میں کوئی حتمی اندازہ کر سکیں۔ بایں ہمہ اتنے قرائن ہیں جو بتاتے ہیں کہ اس یہودی اراضی کی قیمت ہم زیادہ سے زیادہ تین لاکھ درہم بھی فرض کرلیں تو عین تقاضائے انصاف ہوگا اسی مفروضہ کے قرائن یہ ہیں کہ اموالِ خیبر جو رقبہ و قیمت میں اس سے یقیناً بڑے اور وسیع تھے اس سے کچھ ہی زیادہ قیمت کے تھے۔[۹۹]

ہجرت کے پانچویں سال یعنی ۶۲۶-۲۷ء میں کل پانچ مہمیں پیش آئیں جن میں صرف تین میں مسلمانوں کو غنیمت حاصل ہوئی۔ ربیع الاول / اگست میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ دومۃ الجندل دراصل کسی قبیلہ یا طبقہ کے خلاف فوجی کارروائی نہیں تھی بلکہ وہ کچھ شمالی قبیلوں کے ڈاکوؤں اور رہزنوں (قطاع الطریق)[۱۰۰] کی گوشمالی کی انتظامی کوشش تھی جنہوں نے اس علاقہ کے بازار اور شاہراہ تجارت کو پُرخطر بنا دیا تھا اور کاروانوں کی آمد و رفت میں رخنہ ڈالا تھا۔[۱۰۱] اس کارروائی کے نتیجہ میں کچھ مویشی بطور غنیمت ملے تھے[۱۰۲] اور ظاہر ہے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی کیونکہ ان مویشیوں کا تعلق رہزنوں سے تھا۔ بہرکیف ان مویشیوں کی قیمت کا تخمینہ لگانا ناممکن ہے کیونکہ مآخذ میں نہ تو ان کی تعداد کا کوئی ذکر ملتا ہے اور نہ ہی مسلم حصص کا۔ ظاہر ہے کہ ان کی قیمت کا تخمینہ ناممکن ہے۔ البتہ اس حقیقت سے کہ یہ کوئی فوجی کارروائی کسی قبیلہ یا قبیلوں کے مجموعہ کے خلاف نہ تھی جیسا کہ کیتانی اور مونٹگمری واٹ کو بھی اعتراف ہے[۱۰۳] اس لیے اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مال بہت زیادہ نہ تھا اور اس کی زیادہ سے زیادہ مالیت دس ہزار درہم لگائی جاسکتی ہے۔

تقریباً چھ ماہ بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور غزوہ کی قیادت فرمائی۔ اس موقع پر منزل قبیلہ خزاعہ کی ایک اہم شاخ جو خود قبیلہ بن چکی تھی یعنی بنو مصطلق کا چشمہ و چراگاہ مریسیع تھی۔ ہمارے مآخذ سے واضح ہوتا ہے کہ بنو مصطلق کا اجتماع مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوا تھا جس کی دمبدم خبریں مدینہ منورہ پہنچ رہی تھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس کی تصدیق بھی فرما چکے تھے۔[۱۰۴] بہرحال مسلم فوج نے اُن کو اچانک آلیا[۱۰۵] اور اس موقع پر ان کو کافی مالِ غنیمت ہاتھ لگا اس میں دو ہزار اونٹوں، پانچ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ خاصی تعداد میں جو اگرچہ غیر متعینہ ہے ہتھیار (سلاح) بھی ملے۔ اسی طرح شکست خوردہ دشمن کے کجاووں میں دوسرا مال و اسباب (رثۃ، متاع) بھی مسلم مجاہدین کے قبضہ میں آگیا۔ اگرچہ نقد و جنس کی اس غنیمت کے علاوہ تقریباً دو سو خاندان (حی) بھی بطور قیدی ہاتھ لگے تھے مگر پھر سردار قبیلہ حارث بن ابی ضرار کی خوش نصیب و مبارک دختر حضرت جویریہ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے سبب

ان میں سے نصف کو بلا زرِ فدیہ وصول کیے رہا کر دیا گیا۔[۱۰۶] اور باقی سَو خاندانوں نے زرِ فدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔[۱۰۷] اگرچہ مآخذ میں زرِ فدیہ کی کل مالیت یا اس کی کسی شرح کا واضح ذکر نہیں ملتا۔ تاہم دو ایسے قرائن ملتے ہیں جو کم از کم زرِ فدیہ کی مالیت کا تخمینہ لگانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ خود حضرت جویریہ بنت حارث خزاعی یعنی زوجِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ دلچسپ اور اہم روایت ملتی ہے کہ تقسیم غنائم کے وقت وہ دو مسلم مجاہدوں حضرات ثابت بن قیس بن شماس خزرجی اور ان کے ایک نامعلوم عم زاد بھائی کے مشترکہ حصہ میں آئی تھیں۔ حضرت ثابت نے اپنے شریک سہم بھائی کا حصہ مدینہ میں واقع ایک چھوٹے سے کھجور کے باغ (نخلة) کے بدلے میں خرید لیا تھا اور حضرت جویریہ کے مالک کُل بن گئے تھے۔[۱۰۸] پھر حضرت جویریہ نے حضرت ثابت خزرجی سے اپنی آزادی کا سودا جس کو فقہی اصطلاح میں مکاتبت کہتے ہیں نو اوقیہ سونے (ذھب) یا تقریباً چار ہزار درہم میں کر لیا۔[۱۰۹] قرائن و شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں یہ زرِ فدیہ کی گراں ترین شرح تھی جو عام طور سے مالدار قیدیوں سے وصول کی جاتی تھی جیسا کہ غزوۂ بدر کے اسیرانِ قریش کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ زرِ مکاتبت / فدیہ کی ادائیگی میں مدد حاصل کرنے کے لیے حضرت جویریہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور آپ نے اس کے عوض شادی کی تجویز رکھی جس کو حضرت جویریہ نے بخوشی قبول کر لیا اور آپ نے وہ رقم حضرت ثابت کو ادا کر دی۔[۱۱۰] دوسرے واقعہ میں ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ چھ چھوٹے بچوں کی ماں نے اپنی اور اپنے بچوں (ذریّة) کی آزادی چھ فرائض (وہ اونٹ جو صدقہ یا زکوٰة میں دئے جاتے ہیں) بطور زرِ فدیہ ادا کر کے حاصل کر لی تھی۔[۱۱۱] یہ عام قیدیوں کے زرِ فدیہ کی معیاری شرح معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم اگر یہ فرض کر لیں کہ بنو مصطلق کے زرِ فدیہ ادا کرنے والے قیدیوں نے چھ سو عام قسم کے اونٹ یا نقد و جنس میں ان کی قیمت ادا کی تھی تو زیادہ حقیقت سے دُور نہ ہوں گے اور اس صورت میں زرِ فدیہ کی کل مالیت چوبیس ہزار درہم ہوگی۔ اسی شرح پر مویشیوں پر مشتمل کل غنیمت کی مالیت ایک لاکھ درہم بنے گی۔ مالِ غنیمت کی دوسری چیزوں مثلاً اسلحہ اور سامان وغیرہ کی مالیت کو بھی اگر جوڑ لیا جائے تو کل مالیت دو لاکھ درہم سے کسی طرح سے زیادہ نہ ہوگی۔ پھر اگر واقدی اور ابن سعد کا یہ بیان تسلیم کر لیا جائے جو بعض دوسری روایات سے معارض ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے شادی کے بعد بقیہ اسیرانِ مصطلق کو بھی بلا زرِ فدیہ رہا کر دیا تھا[۱۱۲] تو کل مالیت میں خاصی کمی ہو جائے گی۔ بہرحال یہاں بھی ہم سب سے زیادہ تخمینہ کو قبول کر کے اس غزوہ میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی زیادہ سے زیادہ مالیت کو شامل کر رہے ہیں تاکہ کسی قسم کی کمی کا احتمال نہ رہے، جیسا کہ ہم نے غنائم کی مالیت کے سلسلہ میں اور دوسری مہمات کے ذیل میں کیا ہے۔

اگرچہ غزوۂ احزاب یا جنگِ خندق سیاسی اور فوجی اعتبار سے بہت اہم ہے تاہم غنیمت کے لحاظ سے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو نقد و جنس میں کوئی مال نہیں ملا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض مسلم مجاہدین کو انفرادی معرکوں یا مبارزت کے مظاہروں میں اپنے مفتوح یا مقتول حریف کا

ساز و سامان بطور سلب مل گیا تھا۔ [۱۱۳] اور ظاہر ہے کہ ان تمام اسلاب کی مالیت دو تین ہزار درہم سے زیادہ نہ رہی ہو گی اور اس کا مالی فائدہ بھی چند مسلمانوں تک محدود رہا تھا کیونکہ تین ہزار مسلم مجاہدین میں سے وہ فاتح نبرد آزماؤں کا ہی حصہ قرار پایا تھا۔

اس سنہ ہجری کا آخری معرکہ غزوۂ بنی قریظہ ہے جو مدینہ کے آخری مسلم و ریاست دشمن یہودی قبیلہ کے خلاف پیش آیا تھا۔ ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ احزاب کے معاً بعد وقوع پذیر ہوا تھا۔ دوسرے یہودی قبیلوں کی مانند بنو قریظہ کا بھی محاصرہ کر لیا گیا اور کچھ مدت بعد جب محصورین نے ہتھیار ڈالے تو ان کا تمام نقد و جنس مال اور جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ عام روایات کے مطابق غنائم میں اسلحہ، اونٹ، مویشی، گھریلو سامانِ ضرورت جیسے برتن، کپڑے اور متعدد دوسری چیزیں شامل تھیں۔ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے تو ان میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہ بکتر، دو ہزار نیزے اور پندرہ سو آہنی اور پارچہ جاتی ڈھالیں (ترس و حجفۃ) شامل تھیں [۱۱۴] دوسرے اسباب کی مقدار و تعداد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ابھی تک مشہور عام اور سندِ قبولیت رکھنے والی روایات کا اصرار ہے کہ بنو قریظہ کے اسیران بلا جلی سے بہت سے عورتوں اور بچوں کو عرب اور شام کے مختلف بازاروں میں فروخت کر دیا گیا تھا اور اس کی رقوم بھی اموالِ غنیمت میں شامل تھیں [۱۱۵]۔ لیکن دورِ جدید کی دو مدلل و مفصل و مسکت تحقیقات نے جو ڈبلو، این عرفات [۱۱۶] اور برکات احمد [۱۱۷] نے حال میں کی ہیں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ نہ تو شکست خوردہ یہودی قبیلہ کے مردوں کو بلا امتیاز قتل کیا گیا تھا اور نہ ہی ان کے بچوں اور عورتوں کو لونڈی غلام بنا کر بازاروں میں بیچا گیا تھا۔ اور نہ ہی ان کے اسباب و اموال منقولہ کو اسلامی ریاست نے ضبط کیا تھا۔ ان کو بالکل اسی طرح مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا جس طرح دو برس قبل بنو النضیر کے قبیلہ کو کیا گیا تھا۔ اگر یہ تحقیقات تسلیم کر لی جائیں اور ان کے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تو اموال منقولہ میں صرف ہتھیار ہی ایسے تھے جو مسلم مجاہدین کے قبضہ میں آئے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی زرعی زمینیں بھی فے رسول میں شامل ہو گئی تھیں۔ اگر عام و مشہور روایات تسلیم کر لی جائیں تو اموالِ غنیمت کی مالیت ایک خزانے سے کم نہ تھی۔

حُسنِ اتفاق اور خوش قسمتی سے ایک اہم روایت اس ضمن میں ملتی ہے جو مشہور صحابی رسول حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی سند پر بیان ہوئی ہے۔ صحابی موصوف اس معرکہ کے نہ صرف عینی شاہد اور جسمانی شریک تھے بلکہ انہوں نے خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہسوار مسلم مجاہد کی قسمت میں پینتالیس دینار کی رقم بطور حصۂ غنیمت (سہم) کے آئی تھی اور اس رقم میں اسباب نقد و جنس، مویشی اور اراضی کے حصہ کی رقم شامل تھی [۱۱۸]۔ اس معیاری حصۂ غنیمت کی بنیاد پر بنو قریظہ کے غزوہ کی کل مالیت عام روایات کے مطابق تقریباً ستاون ہزار چھ سو دینار (چھ لاکھ اکیانوے ہزار دو سو درہم) بنتی ہے جس میں تین ہزار پیادہ سپاہ اور چھتیس گھوڑوں کے حصص کے علاوہ ریاستِ اسلامی کا خمس بھی شامل ہے [۱۱۹]۔ اس رقم میں ہتھیاروں اور صفی رسول کی قیمت شامل نہیں ہے۔ ایک منصفانہ تخمینہ یہ ہے کہ اس غزوہ میں حاصل شدہ کل غنائم کی مالیت تقریباً سات لاکھ

بیس ہزار درہم بھی اور یہ خاصی قابلِ اعتماد رقم اور محتاط تخمینہ ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال (جون ۶۲۷ء تا مئی ۶۲۸ء) کو ہم سرایا کا سال کہہ سکتے ہیں کہ اس برس صرف سرایا ہی میں غنائم حاصل ہوئے تھے۔ اگرچہ اس برس تین غزوات بھی پیش آئے مگر وہ سب کے سب خالی گئے اٹھارہ سرایا میں سے صرف سات میں مسلمانوں کو مالی فائدے حاصل ہوئے تھے۔ اس سال کا پہلا ہی سریہ جو سریۂ قرطاء کہلاتا ہے اور جو حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی کمان میں محرم / جون میں بھیجا گیا تھا ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بھیڑ بکریوں کی غنیمت تیس آدمیوں پر مشتمل مجاہد دستہ کے لیے لایا تھا۔[120] تین ماہ بعد چالیس مجاہدین پر مشتمل ایک مہم جو حضرت عکاشہ بن محصن کی قیادت میں الغمر نامی مقام تک گئی تھی دو سو اونٹ بطور غنیمت حاصل کر کے لائی تھی۔[121] اسی ماہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح فہری کے سریہ ذوالقصہ نے مویشیوں اور سامان پر مشتمل کچھ غنیمت حاصل کی تھی مگر اس کی تعداد و مقدار کا ذکر مآخذ میں نہیں ملتا۔[122] بہرحال روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بہت حقیر مال تھا۔[123] اسی طرح حضرت زید بن حارثہ کلبی مولائے رسول کا سریہ جموم بھی کچھ مویشی اور قیدی لایا تھا اور اس کی مالیت بھی بہت زیادہ نہ تھی۔[124] اس کے دو ماہ بعد حضرت زید نے اپنے سریہ العیص میں ایک مالدار مکّی کارواں پر تاخت کر کے دوسرے سامانِ تجارت کے علاوہ کافی بڑی مقدار میں خام چاندی حاصل کی تھی مگر پھر یہ سارا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر نیک اختر حضرت زینب کی سفارش پر ان کے کافر شوہر ابو العاص بن ربیع اموی کو واپس کر دیا گیا تھا۔[125] غالباً اس مہم کا واحد مال وہ زرِ فدیہ تھا جو ایک کاروانی نے ادا کیا تھا۔ مگر اس کے بارے میں تفصیلات نامعلوم ہیں۔ دوسرے ماہ حضرت زید کی سرکردگی میں ایک اور سریہ الطرف نامی علاقے کی جانب گیا اور اس میں بیس اونٹ بطور غنیمت ہاتھ لگے۔[126] صحابی موصوف نے اسی ماہ حسمٰی نامی مقام تک ایک اور مہم کی کمان کی جو اگرچہ کافی مالِ غنیمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی مگر وہ سب کا سب ان کے مالکوں کو واپس کر دیا گیا کیونکہ انھوں نے قبول اسلام کا دعویٰ کیا تھا جو قبول کر لیا گیا۔[127] دو ماہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے سریہ فدک میں پانچ سو اونٹوں اور دو ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل غنیمت حاصل کی جو خاصی وقیع تھی۔[128] اس برس کا آخری نفع بخش و پُر غنیمت سریہ حضرت زید بن حارثہ کلبی کی کمان میں بنو فزارہ کے ایک سرکش و متمرد گروہ کی سرکوبی کے لیے گیا تھا اور صرف ایک باندی کو گرفتار کر کے لایا تھا۔ اس مہم کی یہی کل غنیمت تھی مگر اس سے کوئی مالی فائدہ نہیں ہوا کہ باندی کو ایک صحابی کی زوجیت میں دے دیا گیا تھا۔[129]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ۶ھ کے دوران غنیمت میں حاصل شدہ مویشیوں اور جانوروں کی معلوم تعداد لگ بھگ ایک ہزار پچاس اونٹوں اور پانچ ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل تھی۔ اس میں ان مویشیوں کی تعداد بھی جوڑنی چاہیے جن کا ذکر مآخذ میں نہیں ملتا اور ساتھ ہی ساتھ ان اسبابِ ضروری سامان کی مالیت کا بھی اضافہ کرنا چاہیے جو بعض سرایا میں مسلمانوں کو حاصل ہوئے تھے۔ تمام امکانات، قرائن اور اشارات کو مدِنظر رکھ کر یہ فرض کرنا قرین قیاس اور قریب انصاف ہوگا کہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی تعداد بالترتیب بارہ سو اور پانچ ہزار دو سو پچاس متعین کی جا سکتی ہے۔ اگر اس تعداد کی نقد

میں مالیت نکالی جائے تو اس شرح پر جو ہم نے اب تک اختیار کی ہے مولیشیوں پر مشتمل غنیمت کی مالیت تقریباً انہتر ہزار درہم ہوگی اور اگر اس میں بعض قیدیوں کے فدیہ کی رقم اور غلاموں کی قیمت کے علاوہ اسباب مقبوضہ کی مالیت بھی شامل کر لی جائے تو پورے ۶ھ میں حاصل شدہ اموال غنیمت کی مجموعی مالیت ستر ہزار درہم کا تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ خمس کی رقم کو منہا کر کے جو چودہ ہزار درہم تھی بقیہ چار سو مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دی گئی تھی جنھوں نے اس برس کی متعدد مہموں میں حصہ لیا تھا۔ چنانچہ اس اعتبار و تعدادِ مجاہدین کے لحاظ سے ایک معیاری مسلم حصۂ غنیمت کی مالیت صرف ایک سو چالیس درہم تھی۔

۷ھ / مئی ۶۲۸ء تا اپریل ۶۲۹ء میں کل چودہ مہمات وقوع پذیر ہوئیں، ان میں سے چھ غزوات تھے اور آٹھ سرایا۔ ان غزوات میں ایک خالصتاً مذہبی نوعیت کا اور پُرامن مقاصد کے لیے تھا اور وہ غزوہ عمرۃ القضا کے نام سے مشہور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کسی غنیمت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ بہرحال اس برس کی بیشتر مہمات میں اموالِ غنیمت تھوڑے یا زیادہ منقولہ اور غیر منقولہ جائدادوں کی شکل میں ضرور حاصل ہوئے۔ اس سال کے پہلے ہی غزوہ یعنی غزوۂ خیبر میں مولیشیوں، اسبابِ روزمرہ، زیوروں اور نقد رقوم کی صورت میں کثیر مال ملا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو ایک مستقل ذریعۂ آمدنی کی ضمانت بھی فراہم ہوگئی۔ یہودانِ خیبر سے کافی بڑی تعداد میں ہتھیار بھی بطور غنیمت حاصل کیے گئے۔ واقدی کے بیان کے مطابق صرف قلعہ (حصن) النطاۃ سے مسلمان فاتحین کو روایتی ہتھیاروں جیسے زرہ بکتر، تلوار، نیزے، آہنی خود وغیرہ کی بڑی تعداد کے علاوہ ایک ٹوٹی ہوئی منجنیق ملی تھی جس کی فوری طور پر مرمت کر کے نہ صرف قابلِ استعمال بنا لیا گیا بلکہ اس کو استعمال کے لیے ایک مفتوحہ قلعہ کی دیوار پر نصب کر دیا گیا تاکہ دوسرے غیر مفتوحہ قلعوں پر خود سپردگی کے لیے دباؤ ڈالا جا سکے اور روایت کے مطابق اس سے ایک سنگ بھی نہ پھینکا گیا تھا کہ مرعوب دشمن نے ہتھیار ڈال دئے۔ منجنیق کے علاوہ محاصرہ کو توڑنے اور محصورین کی قوت کو منتشر کرنے والے دو آلے بھی جن کا اصطلاحی نام دبابہ ہے مسلمان مجاہدین کے قبضہ میں آ گئے۔[130] برسبیلِ تذکرہ یہاں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ منجنیق سنگ انداز آلہ کا نام تھا جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے جو قلعہ کی دیواروں میں شگاف ڈال دیتے تھے جبکہ دبابہ ایک منزلہ، دو منزلہ یا کئی منزلہ پہیہ دار مینار رسا ہوتا تھا۔ اس کے اوپر عموماً کھالوں کی چھت ہوتی تھی اور سب سے اوپری منزل میں تیر انداز ہوتے تھے جو دبابہ کے نقابون (نقب لگانے والوں) کی حفاظت کرتے تھے اور قلعہ کے دشمن سپاہیوں کے حملوں سے مدافعت کرتے تھے۔ نقابون کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ دیواروں میں چھینی ہتھوڑے وغیرہ اوزاروں کی مدد سے دراڑ یا سوراخ بناتے تھے اور بعد میں کسی آتش گیر مادے سے ان کو بڑے شگافوں میں تبدیل کر دیا جاتا تھا۔[131] بہرحال ان قلعہ شکن آلات کی تعداد کے علاوہ روایتی ہتھیاروں کی تعداد کا ذکر کم از کم قلعہ نطاۃ کی حد تک ہمارے مآخذ میں نہیں ملتا ہے۔

مگر دوسری جانب خوش قسمتی سے خیبر کے مشہور قلعۂ قموص سے جو ہتھیار و اسلحہ مسلم فاتحوں کو ملا تھا اس کا مفصل ذکر مآخذ سے دستیاب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ غنیمت ایک سو زرہ بکتروں، چار سو تلواروں، ایک ہزار نیزوں اور پانچ سو عربی کمانوں مع ان کے ترکشوں (جعاب) پر مشتمل تھی۔[132] قلعہ الصعب بن معاذ سے بھی ہتھیاروں پر مشتمل کافی

بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔ اس میں ایک منجنیق، متعدد دبابات کے علاوہ خاصا بڑا ذخیرہ حربی (عُدّة) تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مویشیوں میں گائیں، بھیڑ بکریاں اور گدھے شامل تھے۔ سامانِ رسد کی خاصی بڑی مقدار بھی ہاتھ لگی تھی دوسری اشیائے ضرورت میں روزمرہ کے برتن اور شراب کے مٹکے (خوابی) بھی شامل تھے۔ مٹکے توڑ دئے گئے تھے اور شراب بہا دی گئی تھی، صرف ضرورت کے برتن رکھے گئے تھے۔[133] ان دو قلعوں کے علاوہ مآخذ قلعہ الکتیبہ سے بھی ہتھیاروں کی برآمد اور غنیمت کا ذکر کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی تعداد نہیں بتاتے۔[134] جہاں تک خیبر کے دوسرے قلعوں کا ذکر ہے مآخذ عام طور سے ان سے ہتھیاروں کی غنیمت ملنے کا ہی ذکر نہیں کرتے[135] تو ان کی تعداد اور مالیت کا کیا ذکر۔ لیکن بہرحال وہ یہ ضرور بیان کرتے ہیں کہ یہودی افواج کی تعداد دس ہزار کیل کانٹے سے لیس اور ہر طرح سے تربیت یافتہ سپاہ پر مشتمل تھی۔[136] یہ واضح ہے کہ ان کے تمام ہتھیار مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں نہیں آئے تھے[137] کیونکہ مآخذ سے ہمیں بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کے یہودیوں نے اپنے چند قلعوں کی فتح و تسخیر کے بعد نہ صرف ہتھیار ڈال دئے تھے بلکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدۂ صلح بھی کر لیا تھا۔[138] بایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ یہودِ خیبر سے جو ہتھیار مسلمانوں کو بطورِ غنیمت ملے تھے وہ ایک چھوٹی موٹی فوج کو مناسب و موزوں انداز سے لیس کرنے کے لیے کافی تھے۔[139]

اسلحہ اور دوسرے آلاتِ حرب کے علاوہ خیبر سے ملنے والا مالِ غنیمت سامانِ رسد کے ایک بڑے ذخیرہ پر مشتمل تھا۔ اس میں جَو (شعیر)، گھی (سمن)، شہد (عسل)، تیل (زیت) اور مکھن (ودک) اور غالباً دوسری متعدد اشیائ شامل تھیں۔[140] روایات عام طور سے یہ تاثر دیتی ہیں کہ خیبر کے یہودیوں نے ہتھیاروں اور سامانِ رسد کا اتنا بڑا ذخیرہ کر لیا تھا جو ایک طویل محاصرہ اور برسوں کی ضروریات کے لیے کافی ہوتا۔[141] لیکن یہ تمام ذخیرہ آب و رسد مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آیا تھا۔[142] مسلمانوں نے اس کے علاوہ روزمرہ کی اشیا صرف (اثاث، متاع)، پکا ہُوا کھانا (طعام) اور مویشی (غنم) ایک اور قلعہ حصن اُبی نامی سے بھی حاصل کیا تھا مگر ان کی مقدار اور تعداد کا علم نہیں ہو سکا۔[143] بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ نہیں تھا کیونکہ مذکورہ قلعہ میں نہ تو یہودی سپاہ زیادہ تھی اور نہ ہی یہودی آبادی۔ فوجی لحاظ سے بھی وہ غیر اہم قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہاں صرف محافظ فوج اور اس کی معمولی ضروریات کا سامان اور ہتھیار تھے۔ زیادہ تر آلاتِ حرب اور اشیائے ضرورت فوجی لحاظ سے اہم قلعوں میں منتقل کر دئے گئے تھے۔

گھریلو استعمال کی متعدد چیزوں (اثاث) اور چمڑے کی چٹائیوں (ادم) کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ خیبر کا مالِ غنیمت سونے، چاندی، تانبے اور مٹی کے برتنوں (انفحاد) پر بھی مشتمل تھا۔[144] قلعہ الصعب بن معاذ سے بیس تھان (عکو) یمنی زردوزی کے کام ریشمی کپڑے (بز) اور پندرہ سو چادریں (قطیفہ) بھی ملی تھیں۔ ان کے علاوہ بھی کچھ اشیائے ضرورت ہاتھ لگی تھیں۔[145] غالباً کپڑے (ثیاب)، ہتھیار (الحلقہ) اور دُوسرے قیمتی سامان (الاموال) دوسرے قلعوں میں پائے گئے تھے جیسا کہ قلعہ الکتیبہ میں ملے تھے۔[146] موخر الذکر کے بارے میں مآخذ بصراحت بیان کرتے ہیں جبکہ دوسروں کے بارے میں صراحت نہیں ملتی ہے۔

مزید برآں اموالِ غنیمت میں سکّے، طلائی اور نقرئی دونوں، زیوراتؑ مدفون دفینے بھی شامل تھے۔ خاندان ابی الحقیق کا ایک دفینہ قلعۂ سلالم میں پایا گیا تھا اور اس میں کنگن (اسورۃ)، کڑے (دمالف)، پازیبیں (خلاخل)، چھوٹی انگوٹھیاں (خواتم)، بڑی انگوٹھیاں / بچھوے (فتخ)، سونے کی بالیاں (قراطہ)، موتیوں کے ہار (نظم) اور دینار و دراہم پر مشتمل ایک بڑا خزانہ بھی شامل تھا۔[۱۴۷] ایک بڑی تعداد میں مویشیوں، اونٹوں اور ان کے لیے چارہ (علف) کے ذخائر نے اموالِ غنیمت میں اور اضافہ کیا تھا۔[۱۴۸] اس کا قوی امکان ہے کہ خیبر کے مالِ غنیمت میں بعض اور چیزیں بھی شامل تھیں جو ہمارے ابتدائی مصنفین کی نگاہ سے چُوک گئیں اور ان سب پر مستزاد یہ کہ قیدیوں کی ایک بڑی تعداد بھی مختلف مفتوحہ قلعوں میں پکڑی گئی تھی۔[۱۴۹]

ہمارے مآخذ صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ہتھیار، غذائی اجناس، چارہ اور چمڑے کی چٹائیاں مسلم مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئی تھیں۔ ان کو دورانِ جنگ جس قدر ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی تھی صاحب المغانم (اموالِ غنیمت کے افسرِ اعلیٰ) سے مستعار لے لیتے تھے اور ضرورت ختم ہونے پر ان کو واپس ذخیرۂ حربی میں جمع کر دیتے تھے۔[۱۵۰] اس ضمن میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ انتظام وقتی تھا یا مستقل۔ آیا ہتھیاروں کو دوسرے اموالِ غنیمت کی مانند مسلم مجاہدین اور شرکائے مہم میں تقسیم کر دیا جاتا تھا یا وہ اسلامی حکومت کی ملکیت قرار پاتے تھے۔ اندازہ یہ ہے اور بعض قرائن و اشارات سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہتھیاروں کی تقسیم بھی عمل میں آ جاتی تھی۔ مآخذ میں ابھی تک ایسا کوئی قرینہ اور حوالہ نہیں مل سکا ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ریاست اسلامی کا اپنا کوئی سرکاری ذخیرۂ حربی تھا جو وقتِ ضرورت مسلم مجاہدین کی ضروریاتِ آلاتِ حرب کی کفالت کرتا ہو۔

اگرچہ خیبر کے منقولہ اموالِ غنیمت کی مالیت کا صحیح تخمینہ لگانا قدرے مشکل ہے تاہم ناممکن نہیں۔ خوش قسمتی سے مآخذ میں کچھ ایسے حقائق و قرائن ہیں جو ہم کو ایک موٹے سے اندازے پر پہنچنے میں معاون بنتے ہیں۔ واقدی کی ایک روایت سے یہ وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہسوار (الفارس) مسلم مجاہد کا حصۂ غنیمت (سہم) ساڑھے گیارہ دینار (یا ۱۳۸ درہم) تھا اور ایک پیادہ فوجی کا اس کا ایک تہائی یعنی تقریباً ۴۵$\frac{1}{3}$ درہم۔[۱۵۱] ابنِ اسحاق کے حساب "عرض" کے مطابق "صحابہ کرام کی وہ تعداد جن میں خیبر (کی اراضی) تقسیم کی گئی تھی پیادہ و سوار دونوں پر مشتمل اٹھارہ سو تھی: ان میں چودہ سو پیادہ تھے اور دو سو سوار۔"[۱۵۲] اس بنیاد پر منقسم اموالِ غنیمت کے کل حصص کی مالیت تقریباً سات ہزار نو سو دینار آتی ہے، یعنی کل چورانوے ہزار آٹھ سو درہم۔ اور کل منقولہ اموالِ غنیمت جن میں خمس ریاست اور صفی رسول بھی شامل ہو کی مالیت دس ہزار دینار (ایک لاکھ بیس ہزار درہم) بنتی ہے۔ اس رقم میں ہتھیاروں، غذائی اجناس، چارے اور غالباً چمڑے کی چٹائیوں کی قیمت شامل نہیں ہے۔ اگرچہ ان کی قیمت کا تخمینہ آسان نہیں ہے تاہم پانچ ہزار دینار (ساٹھ ہزار درہم) کی رقم کافی مناسب اندازہ ہے کہ یہی یا اس سے کچھ کم ہی اس "اجتماعی غنیمت" کی مالیت رہی ہوگی۔ ان اعداد و شمار کی بنیاد پر ہم کسی قدر قطعیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ دوسری مہمات میں حاصل شدہ منقولہ

اموالِ غنیمت کے مقابلے میں خیبر کی غنیمت کافی کثیر و بڑی تھی۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ مسلم مجاہدین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مقابلے میں وُہ کثیر و وسیع تھی یا نہیں۔

اگرچہ خیبر کے بارے میں روایاتِ غنیمت یہی ہیں تاہم ایک اہم روایت یا اختلافِ مورخین کو اس ضمن میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ اختلافی مسئلہ ہے شہسوار اور پیادہ فوجی کے حصۂ غنیمت (سہم) کے درمیان تناسب و توازن کا۔ خیبر کے ضمن میں جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ دونوں کے حصص میں ایک اور تین کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے[۱۵۳] لیکن بعض روایات جن کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے اس پر اصرار کرتی ہیں کہ ان دونوں کے درمیان ایک اور دو کا تناسب تھا یعنی شہسوار کو پیادہ کا صرف دوگنا ملتا تھا[۱۵۴] یعنی ایک حصہ سوار کا اور دُوسرا اس کے گھوڑے کا، جبکہ پہلے نظریہ کے مطابق گھوڑے کے لیے دو حصے مقرر تھے۔ اگر اس اصول کی روشنی میں خیبر سے متعلق تناسبِ حصص سوار و پیادہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو منقسم اموالِ غنیمت کی مالیت میں تقریباً سولہ ہزار درہم کا اضافہ ہو جائے گا اور کل مالیت منقسم اموالِ منقولہ ڈیڑھ لاکھ درہم کے قریب جا پہنچے گی جبکہ مجموعی مالیت منقولہ کا میزان دو لاکھ درہم سے متجاوز ہو جائے گا۔ مگر یہاں دو اشکالوں کا سامنا ہے۔ اوّل یہ کہ اس تخمینہ کا سارا دارومدار محض ظن و تخمین پر ہے جبکہ اول حساب کی بنیاد ایک روایت پر قائم ہے۔ دوم یہ کہ سوار و پیادہ کے حصوں میں ایک اور تین کے فرق کے حامیوں کی یہ دلیل بھی بن سکتی ہے کہ بعض غزوات میں خصوصاً ابتدائی مہمات میں یہی فرق ملحوظ رکھا گیا تاکہ سوار فوج (الخیل) کی ترقی کی ضمانت اور گھوڑوں کی خریداری کی مجاہدین کو ترغیب دی جا سکے، اور جب اس "حوصلہ افزائی" سے کافی تعداد سواروں کی ہو گئی تو تناسب کو ایک اور تین سے گھٹا کر ایک اور دو کر دیا گیا۔

خیبر کی فے اراضی جو کھجور کے باغوں اور اناج و سبزی کے کھیتوں پر مشتمل تھی اور جس کو اصطلاح میں اموال کہا جاتا ہے مالیت اور مستقل نفع کے اعتبار سے بلاشبہ غنیمت کا سب سے زیادہ قیمتی جزو تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے جو معاہدۂ صلح کیا تھا اس کے مطابق تمام اراضی انھیں کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی تھی گرچہ ملکیت اسلامی ریاست اور مسلم مجاہدین کی تھی اور ان پر شرط یہ عائد کی گئی تھی کہ وہ ایمانداری کے ساتھ کاشت کرتے رہیں گے اور پیداوار نصف نصف یہودی کاشتکاروں اور مسلم مجاہدین یا اسلامی ریاست کے درمیان تقسیم کر دی جایا کرے گی[۱۵۵] یعنی بٹائی یا شراکت کا اصول قائم کر دیا گیا تھا اور یہودیوں کو ان کی محنت اور بیج وغیرہ کا صلہ نصف پیداوار کی شکل میں ملتا تھا جبکہ مسلم مجاہدین یا اسلامی ریاست کو بقیہ نصف پیداوار حقِ ملکیت کے سبب ملتی تھی۔ سالانہ پیداوارِ خیبر جس کا ذکر مآخذ میں ملتا ہے عام طور سے یُوں بیان کی جاتی ہے:

کھجور (تمر) = چالیس ہزار وسق

جَو (شعیر) = پندرہ ہزار صاع

نوی (گٹھلی) = پانچ ہزار صاع

اور اس میں سے مسلمانوں کا حصہ نصف تھا[۱۵۶]

ایک بار پھر ہم کو زمینی پیداوار کی قیمت اور زمین کی مالیت متعین کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں مگر خوش قسمتی سے یہاں بھی ہم کو مآخذ میں کچھ ایسے قرینے اور اشارے مل جاتے ہیں جو غیر منقولہ اراضی کے حصص کی قیمت اور اس کی بنیاد پر کل مالیت متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو غفار کے ایک مجاہد کا حصۂ غنیمت جو اموال منقولہ اور غیر منقولہ دونوں پر مشتمل تھا دو اونٹوں (بعیرین) کے عوض خرید لیا تھا۔[157]

دلچسپ اور اہم روایت یہ ہے کہ خیبر کے خمس کا ایک اونٹ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سنان کو جو بنو اسلم کی ایک ماہر طبیب اور جراح تھیں بطور تحفہ عطا فرمایا تھا اور صحابیہ موصوفہ نے خیبر سے واپسی پر اس کو سات دینار یعنی چوراسی درہم میں فروخت کر دیا تھا۔[158] ایک اور شریک مہم خیبر حضرت فضالہ بن عبید کو بطور حصۂ غنیمت (سہم) ایک ہار (قلادۃ) ملا تھا جس کو انھوں نے آٹھ دینار یا چھیانوے درہم میں فروخت کیا تھا۔[159] ان سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم واقعہ حضرت عزیہ بن عمرو انصاری کا ہے جنھوں نے خلافت عثمانی میں قلعۂ الشق میں واقع تین حصے صرف تیس دینار یعنی تین سو ساٹھ درہم میں خرید لیے تھے۔[160] گویا ایک حصہ کی قیمت دس دینار یا ایک سو بیس درہم اس عہد میں ہو گئی تھی۔ ان تمام مثالوں اور روایتوں اور بیانوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک معیاری مسلم حصۂ غنیمت اراضی کی قیمت دس دینار یا ایک سو بیس درہم زیادہ سے زیادہ تھی۔ اموال خیبر کے شرکائے غنیمت مسلمانوں کی تعداد یا ان کے حصص اگر اٹھارہ سو حصے تو کل مالیت اراضی اٹھارہ ہزار دینار یا دو لاکھ سولہ ہزار درہم تھی۔ اس میں خمس کی قیمت یعنی چار ہزار پانچ سو دینار یا چوّن ہزار درہم جوڑ دئے جائیں تو غنیمت میں حاصل ہونے والے تمام حصص کی قیمت یا مجموعی مالیت بائیس ہزار پانچ سو دینار یا دو لاکھ ستر ہزار درہم بنتی ہے۔ بعض دوسرے فوائد جیسے صفی وغیرہ اور ہمارے حساب میں کسی قسم کی کمی و نقصان کے احتمالات کو اگر مدنظر رکھ لیا جائے تو مجموعی مالیت اس طرح کل پچیس ہزار دینار یا تین لاکھ درہم بہ اطمینان متعین اور تخمینہ کی جا سکتی ہے۔

یہ رقم عام طور سے اس معاوضہ سے لگا کھاتی ہے جو یہود خیبر کو حجاز سے ان کی جلاوطنی کے وقت ان کے نصف حصۂ اراضی کے عوض دی گئی تھی۔ اس طرح کل غنیمت خیبر چالیس ہزار دینار یا چار لاکھ اسّی ہزار درہم مالیت کی بنتی ہے۔

خیبر کی فتح کے بعد اس سے متعلق اور پڑوسی تین یہودی بستیاں فدک، تیماء اور وادی القریٰ نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بالادستی اور اسلامی ریاست کی رکنیت اپنے علاقوں کی نصف پیداوار (نصف الارض) کی شرط پر قبول کر لی جیسا کہ خیبر نے کیا تھا۔ فدک اور تیماء نے بلا کسی حیل وحجت یا زور آوری کے بالادستئ رسول قبول کی تھی۔ مگر وادی القریٰ نے تھوڑی سی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈالے اور صلح کی تھی۔[163] چنانچہ پہلی دو بستیوں سے کچھ بھی غنیمت منقولہ اموال کی صورت میں نہ ملی جبکہ وادی القریٰ سے منقولہ اسباب اور مویشیوں کی صورت میں بھی کچھ نہ کچھ مال ملا تھا۔ مگر اس مال مفتوحہ و مقبوضہ کی مقدار و مالیت کا ہمارے مآخذ میں کوئی سراغ نہیں ملتا اور نہ ہی ان بستیوں کی مفتوحہ اراضی کی مالیت یا ان کی پیداواری صلاحیت اور اس میں مسلم اور یہودی حصص کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔ بہرکیف بعد کے زمانے سے متعلق ایک روایت ملتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حجاز سے جلاوطنی کے

(۱۶۴)

وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود حجاز میں سے یہود فدک کو ان کے نصف پیداواری حصہ کا معاوضہ پچاس ہزار درہم ادا کیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ فدک کی کل اراضی کی قیمت کی مالیت ایک لاکھ درہم تخمینہ کی گئی تھی۔ اس کی بنیاد پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ باقی دو بستیوں کی اراضی کی مالیت بھی اتنی ہی کم و بیش تھی۔ اس طرح سے ان تینوں بستیوں کی کل مالیت عہد نبوی میں تین لاکھ درہم تھی اور اس کا نصف ڈیڑھ لاکھ درہم مسلمانوں کو بطور خراج ملتا تھا۔ اس طرح یہود خیبر، فدک، تیماء اور وادی القریٰ سے حاصل ہونے والے کل مال غنیمت کی مالیت لگ بھگ ساڑھے چھ لاکھ درہم متعین کی جا سکتی ہے۔

اس سال کی دوسری مہموں کی مال غنیمت کے لحاظ سے کچھ زیادہ اہمیت نہ تھی، کیونکہ ان میں کچھ زیادہ مال نہ ملا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمان میں جانے والا سریہ نجد جو بنو کلاب کے ایک باغی و سرکش حصہ کی گوشمالی کے لیے گیا تھا۔ "کچھ مال غنیمت" لانے میں کامیاب ہوا مگر اس کی مقدار کا ذکر ہمارے مآخذ میں نہیں پایا جاتا۔ البتہ ایک یا دو قیدی پکڑ کر مدینہ لائے گئے تھے۔ اور مورخین کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان قیدیوں سے کوئی مالی منفعت مسلمانوں کو نہیں ہوئی تھی۔ اس ماہ حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کے سریہ فدک / میفعہ نے جو بنو عوال اور بنو عبد بن ثعلبہ سے ایک مسلم جماعت پر ان کے حملہ کرنے کا انتقام لینے کے لیے گیا تھا دشمنوں کے مویشی (النعم والشاء) پکڑنے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے کچھ بچے اور عورتیں (النساء والذریۃ) بھی بطور قیدی پکڑ کر لائے گئے تھے۔ دو سو مجاہدین پر مشتمل اس مہم کے ہر سپاہی کو سات اونٹ (العبرۃ) یا ان کے مساوی بھیڑ بکریوں (الغنم) کی غنیمت ملی تھی۔(۱۶۶) اس کا مطلب یہ ہوا کہ مویشیوں اور قیدیوں اور سامان ضرورت پر مشتمل کل غنیمت کی مالیت ایک ہزار سات سو پچاس اونٹوں کی قیمت کے مساوی تھی۔ حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں اس علاقہ میں جانے والی دو اور مہموں نیز حضرت بشیر بن سعد انصاری کی قیادت میں الجناب کے علاقہ میں جانے والی مہم نے بھی مسلمانوں کے لیے مویشیوں (النعم والشاء) کی صورت میں اموال غنیمت حاصل کیا تھا۔ لیکن اس مال غنیمت کی مقدار یا اس کے اونٹوں کی تعداد کا ذکر نہیں ملتا ہے۔(۱۶۷) غالباً اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مال کی مقدار زیادہ نہ تھی۔ ان تمام سرایا میں حاصل ہونے والے اموال غنیمت کی مالیت کا ایک منصفانہ تخمینہ دو لاکھ درہم بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ اور ۷ھ کے دوران پورے سال کی کل غنیمت تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ درہم کے قریب بنتی ہے۔

اگرچہ ۸ھ (۶۲۹-۳۰ء) میں تقریباً بیس مہمیں ترتیب دی گئیں مگر ان میں سے صرف چھ میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس برس کے پہلے سریہ کی قیادت حضرت غالب بن عبداللہ لیثی نے کی تھی اور صفر / جون میں علاقہ الکدید میں جانے والے (۱۶۸) اس سریہ نے جو باختلاف روایات دس سے پندرہ مجاہدین پر مشتمل تھا، مویشیوں اور کچھ قیدیوں کی غنیمت حاصل کی تھی۔ دوسرے ماہ حضرت شجاع بن وہب کی قیادت میں چوبیس اشخاص پر مشتمل مہم نے علاقہ السی پر تاخت کی اور جو مال غنیمت حاصل کیا اس میں ہر شریک مہم کو پندرہ اونٹ حصۂ غنیمت ملا یا اس کے برابر بھیڑ بکری ہاتھ لگے۔(۱۶۹) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مہم کی کل مال غنیمت چار سو پچاس اونٹ یا ان کے مساوی بھیڑ بکریاں تھیں اور اس کی کل مالیت مع خمس وصفی کے اٹھارہ ہزار درہم تھی۔ یہ دلچسپ نیز اہم حقیقت ہے کہ تمام قیدیوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک پر

رہا کر دیا گیا تھا کیونکہ ان کے دوسرے اعزہ خود مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تھے۔[۱۴۰] سریہ موتہ میں جو عام طور سے مسلمانوں کی ایک شکست فاش سے تعبیر کی جاتی ہے۔ بعض مجاہدوں کو تھوڑا بہت مال ملا تھا جس کا ذکر ماخذ میں آتا ہے۔ کچھ تو اسلاب کی شکل میں تھا۔ اور ایک سپاہی کو غالباً ایک طلائی انگوٹھی مل تھی[۱۴۱] جبکہ دوسرے سپاہی کو اپنے دشمن سپاہی کے خود میں ایک یاقوت (یاقوتہ) لگا ہوا ملا تھا۔[۱۴۲] ان دونوں نے اپنا اپنا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ نے ازراہ عنایت انھیں کو بخش دیا تھا۔[۱۴۳] امکان یہ ہے اور مذکورہ بالا دو روایتوں سے اس کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ اس اہم سریہ میں ہتھیاروں اور دوسرے اسباب کی شکل میں بھی کچھ مال غنیمت ملا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص سہمی رضی اللہ عنہ کی مہم نے جو سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے کچھ مویشی حاصل کئے تھے جن کو بھوکے سپاہیوں کی لذتِ کام و دہن کے لیے قربان کیا گیا تھا۔[۱۴۴] روایات میں ان مویشیوں کی تعداد کا ذکر اگرچہ نہیں ہے تاہم ان کی تعداد بخوبی متعین کی جاسکتی ہے۔ اس مہم میں کل سپاہ پانچ سو تھی؛ تین سو مجاہدین حضرت عمرو بن عاص سہمی کے زیر کمان ابتداءً بھیجے گئے تھے اور بعد میں دو سو سپاہیوں پر مشتمل کمک حضرت ابوعبیدہ بن جراح فہری لے کر گئے تھے۔[۱۴۵] بہر حال پہلی صورت میں تین اور دوسری صورت میں پانچ اونٹ پوری فوج کے ایک دن کے کھانے کے لیے کافی تھے۔[۱۴۶] اس لحاظ سے یہ غنیمت بہت ہی حقیر تھی۔ البتہ جو اموالِ غنیمت حضرت ابو قتادہ بن ربعی کے سریہ خضرہ میں حاصل ہوئے تھے وہ کافی تھے۔ کچھ قیدیوں کے علاوہ وہ دو سو اونٹوں اور ایک ہزار بھیڑ بکریوں پر مشتمل تھے۔ سولہ نفری مہم کے ہر شریکِ جہاد کو بارہ اونٹ فی کس یا ان کے مساوی بھیڑ بکریوں کا حصۂ غنیمت ملا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض قیدیوں نے زرِ فدیہ بھی ادا کیا تھا جس کا نفع بھی مجاہدین اور ریاست اسلامی کو بالترتیب حصص اور خمس کی صورت میں ہوا تھا۔[۱۴۷] اس طرح اس برس کی مذکورہ بالا پانچ مہموں میں جو مالِ غنیمت ملا تھا اس کا موٹا سا تخمینہ پچاس ہزار درہم تک متعین کیا جا سکتا ہے۔

اس عظیم و کبیر مہم کے نتیجہ میں جو فتح مکہ کی صورت میں رونما ہوئی مسلم مجاہدین کو کوئی مال نہیں ملا تھا غالباً اس سلب کے سوا جو حضرت خالد بن ولید مخزومی کے لشکر سے قبیلہ ہذیل اور قریش کے بعض جوشیلے نبرد آزماؤں سے تصادم کے بعد حاصل ہوا تھا۔[۱۴۸] یہ سلب ہتھیاروں پر مشتمل رہا ہوگا اور اس کی قیمت کچھ زیادہ نہ تھی کیونکہ تصادم معمولی اور کشتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ فتح مکہ کے بعد جو سرایا مختلف سمتوں میں جھوٹے خداؤں کے گھروں کو ڈھانے کے لیے بھیجے گئے تھے غنیمت کے لحاظ سے خالی تھے اور اگر ان میں کسی میں کچھ ملا بھی تھا تو اس کی مالیت بہت کم تھی۔[۱۴۹] البتہ اس برس کی سب سے بڑی غنیمت غزوۂ حنین میں جو ہوازن کے عظیم و طاقتور قبیلہ کے خلاف ہوا تھا حاصل ہوئی تھی: چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار یا اس سے زیادہ بھیڑ بکریاں[۱۵۰] اور چار ہزار اوقیہ چاندی[۱۵۱] (لگ بھگ ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم) اس مالِ غنیمت میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ چھ ہزار قیدی بھی ہاتھ لگے تھے۔ بہرحال جہاں تک قیدیوں کا تعلق ہے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی قبیلہ بنو سعد بن بکر کے رشتہ داروں اور مسلمانوں کی دلدوز درخواستوں کے نتیجے میں بلا فدیہ رہا کر دیا گیا تھا۔[۱۵۲] بقیہ مالِ غنیمت مسلم مجاہدوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اور یہ تقسیم اموال ظاہر ہے کہ

خمسِ ریاست اور صفی رسول کے نکالنے کے بعد عمل میں آئی تھی۔ اس مہم کے بلکہ ریاست اسلامی کے افسر عرض اور مسلم مجاہدین کے حصوں کا حساب لگانے والے عامل حضرت زید بن ثابت خزرجی کے حساب کے مطابق شریک مہم مجاہدین میں سے ہر ایک پیادہ کو چار اونٹ یا چالیس بھیڑ بکریاں یا اس کی مساوی قیمت یا سامان ملا تھا جبکہ ہر سوار کو اس کا تین گنا حصہ یعنی بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں مل گئی تھیں۔[183] اس مہم میں کل بارہ ہزار سپاہ نے حصہ لیا تھا جن میں سے شہسواروں کی تعداد کا صراحتاً ذکر نہیں ملتا۔

غزوہ حنین میں ملنے والے مالِ غنیمت کی مقدار خاص کر بھیڑ بکریوں کی تعداد کے بارے میں ہمارے مآخذ واقدی، ابنِ سعد اور ابن کثیر کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق وغیرہ نے تو ان کی تعداد سرے سے دی ہی نہیں[184] لیکن مذکورہ بالا تین مورخین کے یہاں تعداد غنم میں کافی اختلاف ہے۔[185] اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے حصہ میں پڑنے والے مویشیوں کی تعداد میں بھی اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔[186] ظاہر ہے کہ یہ اختلاف پیادہ اور سوار کے حصوں اور ان دونوں کے تناسب باہمی میں بھی پایا جاتا ہے۔ بایں ہمہ اگر ہم واقدی کا بیان تسلیم کر لیں جو مورخین کے نزدیک زیادہ صحیح اور مستند سمجھا جاتا ہے[187] تو مویشیوں کی تعداد مآخذ میں مذکورہ تعداد مویشیانِ غنیمت سے کہیں زیادہ ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ ایک مشکل اور بھی یہاں پیش آتی ہے۔ مسلم سپاہ کی تعداد متفقہ طور سے بارہ ہزار بیان کی جاتی ہے۔ مگر ان میں سے شہسوار کتنے تھے، ان کا ذکر نہیں ملتا۔ عہدِ نبوی میں مسلم شہسوار فوج کے ارتقاء کا ایک مطالعہ[188] یہ ثابت کرتا ہے کہ اس موقعہ پر کم از کم دو ہزار شہسوار مسلم فوج کا حصہ تھے اس بنیاد پر مسلم حصص کی کل تعداد سولہ ہزار بنتی ہے۔ اگر اونٹوں کی تعداد صرف چوبیس ہزار تھی جیسا کہ واقدی صراحت کے ساتھ حتمی انداز میں کہتے ہیں تو وہ صرف مسلم شہسواروں کے حصہ کے لیے ہی کافی رہے ہوں گے۔ بقیہ مسلم مجاہدین کو ان کے حصے بھیڑ بکریوں (غنم / شاء) سے دیے گئے ہوں گے یا نقد و سامان سے۔ اگرچہ اموال غنیمت میں دوسرے سامان و اسباب (اثاث / متاع) کا ذکر ہمارے مآخذ میں صراحتاً یا ضمناً نہیں ملتا ہے تاہم یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قسم کا سامان بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہوگا۔ ان کی قیمت یا مالیت کیا تھی یہ کہنا اس وقت بالکل ناممکن ہے بہرکیف اگر چار اونٹ فی پیادہ مجاہد معیاری حصہ غنیمت مان لیے جائیں جیسا کہ وہ تھے تو کل مالِ غنیمت بشمول خمس و صفی رسول اسی ہزار اونٹوں کی مالیت کا رہا ہوگا۔ اگر اونٹوں کی اس تعداد کی مالیت ہم نقد میں اس شرح پر نکالیں جو ہم نے اس مضمون میں اختیار کی ہے تو وہ ٹھیک بتیس لاکھ درہم آئے گی لیکن اگر مآخذ میں مذکورہ اعداد و شمار اموال پر بھروسا کیا جائے تو چوبیس ہزار اونٹوں اور چالیس ہزار بھیڑ بکریوں کی کل مالیت اس شرح کے مطابق محض گیارہ لاکھ بیس ہزار درہم بنتی ہے۔ اس میں چار ہزار اوقیہ چاندی کی قیمت جوڑنے سے مجموعی مالیت بارہ لاکھ اسی ہزار درہم کی رقم ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غزوہ حنین میں ملنے والے کل مالِ غنیمت کی مالیت تین ملین درہم نہیں تھی۔ غالباً تمام محتاط اندازہ اور تخمینہ کے باوجود اس کو اس کثیر رقم کا نصف ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

نویں ہجری سال (۶۳۰ - ۳۱ء) کی زیادہ تر مہموں میں کچھ نہ کچھ مالِ غنیمت ضرور ملا تھا۔ بعض میں مالِ غنیمت کی

مقدار وقیع تھی اور بعض میں محض نام بھر کی۔ اس برس کی پہلی مہم حضرت عُیَینہ بن حصن فزاری کا سریہ انتقامی کارروائی کے لیے بنو تمیم کے ایک متمرد سرکش طبقہ کے لیے گیا تھا جنھوں نے نہ صرف یہ خود اسلامی ریاست کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کی تھی بلکہ اپنے پڑوسیوں بنو خزاعہ کے مسلم و مطیع لوگوں کو بھی بزور و زبردستی صدقات ادا کرنے سے روک دیا تھا۔ صفر/اپریل، مئی میں جانے والے اس سریہ نے کچھ قیدی پکڑے تھے اور غالباً کچھ مویشی بھی پکڑ کر مدینہ لائے تھے مگر یہ سارا مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس وفد کی سفارش پر واپس کر دیا تھا جنھوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے قبیلہ والوں کی حرکت شنیعہ کی مذمت و معذرت کی تھی اور آئندہ کے لیے فرمانبرداری و اسلام کا دم بھرا تھا۔[۱۸۹] دوسرے ماہ حضرت قطبہ بن عامر کی قیادت میں ایک سریہ قبیلہ خثعم کے ایک منحرف طبقہ کے خلاف بیشہ نامی علاقے میں بھیجا گیا اور اس نے مویشیوں کی غنیمت حاصل کی۔ بیس نفری مسلم دستہ کے ہر ایک فرد کو چار اونٹ (البعرۃ) کا حصۂ غنیمت ملا۔[۱۹۰] اس کا مطلب یہ ہوا کہ خمس وصفی سمیت کل مالِ غنیمت سَو یا ایک سو ایک اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد واقع ہونے والی دو مہموں میں کوئی مال نہیں ملا۔ مگر پانچویں مہم میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمان میں قبیلہ بنو طے کے بت الفلس کو ڈھانے کے لیے گئی تھی قیدیوں، مویشیوں، اسبابِ ضرورت کے علاوہ تین تلواروں اور تین زرہ بکتروں کو صنمکدہ سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔[۱۹۱] ہمارے مآخذ میں اس امر کا کوئی اشارہ اور قرینہ نہیں ملتا کہ اس مالِ غنیمت کی مجموعی قیمت کیا تھی یا اس میں مسلم حصہ کتنا تھا۔ چنانچہ اس کی صحیح مالیت کا تخمینہ لگانا مشکل ہے۔ مگر چونکہ مآخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ فوجی کارروائی نہیں تھی بلکہ بنیادی طور سے ایک مذہبی مہم تھی اور جو کچھ مالِ غنیمت ملا تھا وہ اتفاقی طور سے ہاتھ آیا تھا اس لیے اس کی مقدار بہت زیادہ یقیناً نہیں تھی۔ پھر اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر قبیلہ والے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر مع مال و اسباب کے یا تو فرار ہو گئے تھے یا پہاڑوں میں جا چھپے تھے[۱۹۲] اور جو چند قیدی ہاتھ بھی آئے تھے ان میں سے کئی کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ عنایت بلا فدیہ رہا کر دیا تھا جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم طائی کی ایک بہن کی گرفتاری اور رہائی کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔[۱۹۳] ان قرائن کی بنیاد پر یہ نتیجہ حقیقت کے قریں ہوگا کہ مالِ غنیمت بہت وقیع یا کثیر ہرگز نہیں تھا۔ یہ مشہور و معروف حقیقت ہے کہ عظیم غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کو کوئی مالِ غنیمت نہیں ملا تھا اس لیے کہ دشمن مقابل ہی نہیں آیا تھا۔[۱۹۴] البتہ بعض سرایا میں جو دورانِ قیامِ تبوک مختلف علاقوں میں بھیجی گئی تھیں کچھ نہ کچھ مالی فوائد حاصل ہوئے تھے۔ ان میں سے غالباً سب سے نفع بخش وہ مہم تھی جو حضرت خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دومتہ الجندل کے عیسائی بادشاہ اکیدر بن عبدالملک کندی کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ یہ غنیمت دو ہزار اونٹوں (بعیر)، آٹھ سو بھیڑ بکریوں (راس)، چار سو زرہ بکتروں (درع) اور چار ہی سو نیزوں (رمح) پر مشتمل تھی۔ مہم کے عظیم سالار نے خمسِ ریاست اور صفیِ رسول نکال کر بقیہ غنیمت مسلم مجاہدین میں تقسیم کر دی تھی اور چار سو پچاس جانبازوں کے اس لشکر کے ہر سپاہی کو پانچ اونٹوں (فرائض)، یا ان کے مساوی رقم کا حصہ پڑا تھا۔[۱۹۵] اس کے معنی یہ ہوئے کہ کل غنیمت صفیِ رسول کو

نکال کر دو ہزار چھ سو پچیس اونٹوں کی مالیت کی تھی۔ ہمارے حساب کے مطابق مجموعی مالیت ایک لاکھ پانچ ہزار پچاس درہم یا اس سے کچھ ہی زیادہ تھی۔

ہجرت کے دسویں برس (۶۳۱-۳۲ء) کل ایک مہم یعنی سریہ حضرت علی بن ابی طالب یمن کی جانب بھیجا گیا جس نے مویشیوں، قیدیوں اور کپڑوں پر مشتمل کچھ غنیمت حاصل کی۔ مآخذ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کو تو بلا زر فدیہ کے رہا کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ سب اسلام لے آئے تھے مگر چونکہ ان کا مال ان کے قبول اسلام سے قبل مجاہدین میں تقسیم کیا جا چکا تھا اس لیے وہ مسلمانوں کے قبضہ ہی میں رہا۔[196] گیارھویں سال ہجری میں اپنی وفات حسرت آیات سے کچھ قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہم یعنی سریہ اسامہ بن زید ترتیب دیا تھا مگر اس کی روانگی سے قبل ہی آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے[197] اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عہدِ نبوی کے آخری دو برسوں کی کل مہموں میں صرف چار سرایا نے کچھ مال حاصل کیا تھا اور ان میں سے بیشتر میں وہ بہت حقیر و کم مایہ تھا صرف ایک کو کسی حد تک وقیع کہا جا سکتا ہے۔ بہرکیف یہ بااطمینان فرض کیا جا سکتا ہے کہ ان آخری دو برسوں کی مہمات میں حاصل شدہ کل غنیمت کی مالیت زیادہ سے زیادہ دو لاکھ پچاس ہزار درہم سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

عہدِ نبوی کے دس سالہ مدنی زمانے کی یہی کل مہمیں تھیں جن میں مالِ غنیمت ملا تھا۔ تمام غزوات و سرایا کا ایک تجزیہ واضح کرتا ہے کہ ان میں سے صرف نصف میں مالی فوائد حاصل ہوئے تھے اور ان میں سے بیشتر میں بہت ہی حقیر مالی منفعت ہوئی تھی۔ ان میں مالی فوائد اور مستقل آمدنی کے اعتبار سے سب سے زیادہ وہ غزواتِ نبوی تھے جو مدینہ منورہ اور شمالی علاقوں خیبر، فدک، تیما اور وادی القریٰ کے یہودیوں کے خلاف پیش آئے تھے۔[198] بایں ہمہ سب سے زیادہ مالِ غنیمت جو عام روایات اور معمول کے اندازے کے مطابق عہدِ نبوی کے کل اموال غنائم کے نصف اور کم سے کم ایک چوتھائی تو ضرور رہی بنتا ایک عرب قبیلہ بنو ہوازن سے حاصل ہوا تھا۔ یہ عجیب و غریب حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اپنے جانی دشمن قریشِ مکہ سے بہت کم مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا[199] حالانکہ ان کے کاروانوں پر تاخت کے افسانے تمام ابتدائی مؤلفین سیرت اور ان سے زیادہ جدید مورخینِ اسلام اور مستشرقینِ مغرب بہ بانگِ دہل سناتے ہیں۔ ذیل میں ان تمام مہماتِ عہدِ نبوی کی ایک جدول دی جا رہی ہے جو مختلف قبائلِ عرب سے حصولِ اموالِ غنیمت کی حقیقت کا ایک علمی تجزیہ پیش کرتی ہے:

سنہ	نمبر شمار	مہم سریہ یا غزوہ	مالِ غنیمت کا تخمینہ
۲ھ/۶۲۴ء	۱	سریہ نخلہ	بیس ہزار درہم
"	۲	غزوۂ بدر اکبر	ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم
"	۳	غزوہ بنی قینقاع	دو لاکھ پچاس ہزار درہم
"	۴	غزوۃ السویق	دو ہزار درہم

۳ھ/۶۲۴ء	۵	غزوہ الکدر	بیس ہزار درہم
"	۶	سریہ قردہ	ایک لاکھ درہم
"	۷	غزوہ احد	چھ سو سولہ درہم
۴ھ/۶۲۵-۶ء	۸	سریہ قطن	باون ہزار چار سو درہم
"	۹	غزوہ بنی النضیر	تین لاکھ درہم
۵ھ/۶۲۶-۷ء	۱۰	غزوہ دومۃ الجندل	دس ہزار درہم
"	۱۱	غزوہ مریسیع	دو لاکھ درہم
"	۱۲	غزوۂ خندق	دو ہزار درہم
"	۱۳	غزوۂ بنی قریظہ	سات لاکھ بیس ہزار درہم
۶ھ/۶۲۷-۸ء	۱۴	سریہ القرطاء	ستر ہزار درہم
"	۱۵	سریہ الغمر	
"	۱۶	سریہ ذوالقصہ	
"	۱۷	سریہ الجموم	
"	۱۸	سریہ الطرف	
"	۱۹	سریہ فدک	
"	۲۰	سریۂ بنی فزارہ	
۷ھ/۶۲۸-۹ء	۲۱	غزوہ خیبر	چھ لاکھ پچاس ہزار درہم
"	۲۲	غزوہ فدک	
"	۲۳	غزوۂ تیماء	
"	۲۴	غزوۂ وادی القریٰ	
"	۲۵	سریہ نجد	دو لاکھ درہم
"	۲۶	سریہ فدک	
"	۲۷	سریہ میفعہ	
"	۲۸	سریہ الجناب	

۸ھ/ ۳۰-۶۲۹ء	۲۹	سریہ الکدید	پچاس ہزار درہم
〃	۳۰	سریہ السی	
〃	۳۱	سریہ موتہ	
〃	۳۲	سریہ الخضرۃ	
〃	۳۳	غزوہ فتح مکّہ	
〃	۳۴	غزوہ حنین	بتیس لاکھ درہم
۹ھ/ ۳۱-۶۳۰ء	۳۵	سریہ بیشہ	دو لاکھ پچاس ہزار درہم
〃	۳۶	سریہ الفلس	
〃	۳۷	سریہ دومۃ الجندل	
۱۰ھ/ ۳۲-۶۳۱ء	۳۸	سریہ الیمن	
میزان دس برس		۳۸ مہمات نبوی	اکسٹھ لاکھ ستاون ہزار سولہ درہم

یہ میزان ہر مہم نبوی میں حاصل شدہ مال غنیمت کی زیادہ سے زیادہ مالیت تخمینہ کرنے کی صورت میں آتا ہے۔ اور اگرچہ بُھول چُوک یا شمار و ذکر میں نہ آ سکنے والے مالِ غنیمت کی قیمت بھی از خود نہ صرف اس میزان میں آجاتی ہے بلکہ غزوہ حنین کی مالیتِ غنیمت کے تخمینہ میں بوجوہ معلوم شمار ہوتی ہے تاہم مزید احتیاط کو مدِنظر رکھ کر[۲۰۰] ہم مجموعی تخمینہ کو باسٹھ لاکھ درہم پر بہ آسانی متعین کر سکتے ہیں۔ ورنہ متعدد حقائق اور عوامل و قرائن ایسے ہیں جو حاصل شدہ غنائم کی مالیت کو کافی کم قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا قرینہ تو یہ ہے کہ اونٹوں کی قیمت کو نقد میں تبدیل کرنے کی جو شرح ہم نے اس پورے مضمون و مقالہ میں اختیار کی ہے یقیناً اتنی زیادہ حقیقت میں نہ تھی۔ یہ وہ قیمت یا شرح ہے جو اوسط درجہ کے اونٹوں کی ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے[۲۰۱] ورنہ عام قسم کے اونٹ بار برداری کے لیے صرف چار درہم میں بھی مل جانے کی شہادت ملتی ہے۔ غزوۂ تبوک میں ایک صحابی نے اسی معمولی قیمت پر ایک اونٹ خریدا تھا[۲۰۲]۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اموالِ غنیمت میں جو اونٹ یا دوسرے بھیڑ بکری وغیرہ پکڑ کر آتے تھے ان میں ہر قسم کے اور ہر سن و سال کے ہوتے تھے۔ ریوڑوں میں عموماً کم قیمت کے ہی مویشی ہوتے تھے، اعلیٰ قسم کے اونٹ اور دُوسرے مویشی کم ہی ہوتے تھے اور ریوڑوں میں عموماً شامل بھی نہیں ہوتے تھے۔ پھر ایک منفی شہادت یہ بھی اس سلسلہ میں ملتی ہے کہ عموماً ہمارے مورخین اور سیرت نگارانِ رسول اموالِ غنیمت میں حاصل شدہ چیزوں اور مویشیوں میں سے ممتاز چیزوں یا جانوروں کی قیمت یا اہمیت کا ذکر ضرور کرتے ہیں کہ جنگِ بدر میں ابو جہل مخزومی کے اونٹ کا کیا ہے[۲۰۳]۔ اگر ان اونٹوں یا دوسرے جانوروں میں سے کوئی غیر معمولی ہوتا تو اس کا ذکر یا حوالہ اگر سب جگہ نہیں تو کسی نہ کسی مقام پر ضرور مآخذ میں مل جاتا۔ دوسرے یہ کہ اس میزان میں بنو قینقاع کی اراضی بلکہ دُکانوں مکانوں پر مشتمل جائداد کی

قیمت بھی شامل ہے۔ اگر برکات احمد کی تحقیق تسلیم کر لی جائے[۲۰۴] جس کے نہ ماننے کی کوئی وجہ اب سمجھ میں نہیں آتی تو کم از کم دو لاکھ درہم کو اس میزان سے منہا کرنا چاہیے۔ تیسرے جیسا کہ ہم اوپر کہہ بھی چکے ہیں کہ غزوۂ حنین میں حاصل شدہ غنائم کی مالیت زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ملین درھم رہی ہوگی اور اگر اس سے فاضل مالیت کو میزان سے منہا کر دیا جائے تو کل مالیت کی تقریباً ایک چوتھائی رقم کم ہو جائے گی۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان تمام قرائن و شواہد کو مدِ نظر رکھ کر کل غنائم کا تخمینہ تیار کیا جائے تو موجودہ میزان کا صرف آدھا رہ جائے گا۔ بایں ہمہ ہم نے عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا میں حاصل شدہ غنائم کا سب سے زیادہ شرح پر تخمینہ لگایا ہے تاکہ مستشرقین و ناقدینِ مغرب و مشرق کم قیمتی کا الزام اور تخمینہ میں جانبداری، کوتاہ نظری یا کم حسابی کا بہتان نہ لگا سکیں۔ اس کے علاوہ اس مسئلۂ زیرِ بحث کی اہمیت بھی اسی کی متقاضی ہے کہ تخمینہ زیادہ سے زیادہ شرح کی بنیاد پر لگایا جائے۔

اس پوری تفصیل کو جان لینے کے بعد یہ سوال اور کانٹے کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام اموالِ غنیمت کس حد تک مسلم معیشتِ مدینہ کی مالداری کا سبب اور غریب مسلمانوں کی ناداری و مفلسی دُور کرنے کا وسیلہ بنے تھے؛ یہ عام مفروضہ ہے جیسا کہ ہم نے اس بحث کے شروع ہی میں دیکھا ہے کہ غنائم نے مسلمانوں بالخصوص مہاجرینِ مدینہ کی مالداری میں کافی حصہ دیا تھا[۲۰۵] اور بظاہر اس بحث کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقینِ مغرب اور ناقدینِ مشرق کے خیالات و تصورات بلکہ الزامات اور دعاوی صحیح ہیں۔ لیکن اس ضمن میں کچھ اور عوامل و عناصر ہیں جن کا دھیان رکھنا اور شمار کرنا ضروری ہے مگر عام طور سے ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مسلم معیشت کی بہتری میں غنائم کے حصہ و کردار اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت متعین کرنے میں ان اسباب، عوامل اور عناصر کا لحاظ کرنا ازبس ضروری ہے ورنہ ان سے عاری ہر مطالعہ ناقص، غیر علمی اور یک طرفہ ہوگا۔

سب سے پہلے اور غالباً سب سے اہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غنائم عہدِ نبوی کی مالیت کا مجموعی تخمینہ کتنے افرادِ امتِ مسلمہ کی خور و نوش اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی کفالت کے لیے کافی ہے؛ ہمارے مآخذ میں کچھ ایسی شہادتیں اور روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک اوسط درجہ کا بلکہ مختصر خاندان جو تین چار افراد پر مشتمل ہوا اپنی ضروریاتِ زندگی کے لیے کم از کم سالانہ تین ہزار درہم کی رقم کا محتاج تھا۔[۲۰۶] اور اتنی رقم میں بھی گزر بسر بہت معمولی درجہ میں بلکہ جزرسی کے ساتھ ہی ممکن تھی۔[۲۰۷] اگر اسی رقم کو معمول کا اشاریہ صرف تسلیم کر لیا جائے تو غنائم کے تخمینہ کی کل رقم یعنی باسٹھ لاکھ درھم محض دو ہزار چھیاسٹھ خاندانوں یا بارہ ہزار تین سو چھیانوے سے لے کر چودہ ہزار دو سو اکتیس افراد کے صرف ایک سال کے اخراجات کے لیے کافی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ عہدِ نبوی میں مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کجا کہ جزیرہ نمائے عرب کی کل مسلم آبادی اس سے کہیں زیادہ تھی۔ ابھی تک عہدِ نبوی کے مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کے اعداد و شمار نہیں مل سکے اور نہ ہی ابھی تک شہرِ رسول کی آبادی کا کوئی اہم منظم مطالعۂ علمی سامنے آیا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ شہرِ رسول کی کل مسلم و غیر مسلم آبادی کتنی تھی اور اس میں مسلم آبادی کا کتنا تناسب تھا۔ بایں ہمہ ہمارے مآخذ میں کچھ ایسے قرائن و آثار ملتے ہیں جو

شہرِ مدینہ کی آبادی خصوصاً مسلم عناصر کے اعداد و شمار کا تخمینہ لگانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ برکات احمد نے شہرِ مدینہ کی یہودی آبادی کے بارے میں یہ خیال علمی پیش کیا ہے کہ بوقتِ ہجرتِ نبوی وہ تیس ہزار سے بیالیس ہزار افراد یا پانچ چھ ہزار خاندانوں پر مشتمل تھی۔(۲۰۸) بلاشبہ مسلم آبادی اس سے کم کسی طور پر نہ تھی کیونکہ انصار و مہاجرین کے علاوہ ان کے بہت سے حلیف طبقاتِ عرب بھی مدینہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ ہجرتِ نبوی کے وقت صرف انصارِ مدینہ کی آبادی یہودی آبادی سے کسی طرح کم نہ تھی بلکہ قرائن ایسے ہیں کہ وہ ان سے کہیں زیادہ تھی۔ مہاجرین کی آمد سے مسلم عناصر میں اور اضافہ ہوا تھا پھر مہاجرین کی مختلف جہات سے تازہ بتازہ کاروانوں کی آمد سے اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا۔ اس کے علاوہ تبدیلی مذہب اور شرحِ پیدائش دو ایسے عوامل تھے جو مسلم آبادی شہر میں روز افزوں اضافہ کا باعث بنے تھے۔ ابن اسحاق اور واقدی کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکّہ کی عظیم و جلیل مہم میں شریک دس ہزار مجاہدین میں سے کم از کم نصف یعنی پانچ ہزار کا تعلق وطنی و سکونت شہرِ رسول کے انصار و مہاجرین کے طبقات سے تھا۔(۲۰۹) آبادکاری کے اعداد و شمار کے مطابق اس بنیاد پر کل آبادیِ مسلمانانِ مدینہ کی تعداد تیس پینتیس ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام مسلمانانِ مدینہ بالخصوص مردوں نے اس فتح میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ ان میں سے کافی تعداد شہر کے دفاع کی غرض سے اور بعض دوسری وجوہات سے بھی پیچھے رہ گئی تھی۔(۲۱۰) یہاں اگر یہ دلیل بھی تسلیم کر لی جائے کہ مسلم مجاہدین فتح مکہ میں ایک ہی خاندان کے کئی افراد شامل تھے اور یقیناً شامل تھے تو ان کو منہا کرنے کے بعد کل آبادیِ شہر کی تعداد کم ہو جائے گی تب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ مدینہ کی مسلم آبادی اُوپر کی تعداد سے کسی طرح کم نہ تھی کیونکہ اوّل تو یہ کہ مسلم مجاہدین میں سب مدینہ باسی شریک نہ تھے۔ اور دوم یہ کہ مسلم آبادی کسی طرح یہودی آبادی سے کم نہ تھی۔ پھر تمام مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ کے بعد مدینہ کی مسلم آبادی میں اضافہ چند در چند ہو گیا تھا اور تقریباً دو برس کے بعد جب غزوۂ تبوک کے لیے مہم گئی تھی تو اس میں مدنی مجاہدین کی تعداد کم از کم دس ہزار بآسانی متعین کی جا سکتی ہے۔(۲۱۱) اور برکات احمد کی دلیل کے مطابق کل مدنی مسلم آبادی پچاس ساٹھ ہزار نفوس کے درمیان ٹھہرتی ہے۔ اگر اس میں سے ایک خاندان کے کئی افراد کی شمولیت والی دلیل کی بنا پر نصف کی بھی کمی کر دی جائے تو پچیس تیس ہزار آبادی پھر بھی ٹھہرتی ہے۔ اس مفروضہ کی تائید ابن کثیر کی بیان کردہ ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی کل آبادی عہدِ نبوی میں تیس ہزار تھی۔(۲۱۲) اگرچہ اس روایت میں کل مسلم آبادی کا ذکر ہے تاہم اس سے مراد عہدِ نبوی کے شہرِ رسول کا ہی ہے ورنہ اہلِ علم پر یہ مخفی نہیں کہ پورے عرب کی مسلم آبادی اس سے کہیں زیادہ تھی۔

یہ پوری تاریخی شہادت اور منطقی بحث ثابت کرتی ہے کہ عہدِ نبوی کے دہ سالہ مدنی دور میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کی مالیت مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کی زیادہ سے زیادہ ایک تہائی آبادی کی صرف ایک سال کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کر سکتی تھی۔ اس اوسط پر پوری مسلم مدنی آبادی کے سالانہ اخراجات کی کفالت کے لیے کم از کم اٹھارہ سے بیس ملین درہم کی رقم درکار تھی۔ مزید یہ حقیقت بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ مسلم آبادی محض شہرِ مدینہ کی حدود تک محصور نہیں تھی

بلکہ وُہ اس کے قُرب وجوار کے علاقے میں بھی پھیلی ہُوئی تھی۔ صدر مقام اور اس کے اطراف کے علاوہ دوسرے شہروں، قصبوں اور قریوں میں مسلم آبادی موجود تھی اور اس کے ساتھ پُورے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف مقامات پر بدوی قبائل میں بھی اچھی خاصی تعداد میں مسلمان موجود تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق وتفتیش کے مطابق کم سے کم ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں قیام کیا اور آپ کا کلام مبارک سنا تھا[۲۱۳]۔ عہد نبوی کے آخری زمانے میں مسلمانانِ عرب کی تعداد محقق موصوف کے مطابق پانچ سے دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی[۲۱۴]۔ اگر ہم اس آبادی کو کم سے کم تعداد بھی تسلیم کرلیں تو صرف ایک سال میں مسلم اخراجات ومصارف کا تخمینہ کم سے کم شرح زندگی کے اوسط کی بنیاد پر تقریباً تین سوملین آئے گا اور پُورے دس سالہ مدنی دور کے کل مصارف کا تخمینہ تین ہزار ملین ہوگا۔ اس حساب سے صرف مدنی آبادی کے ایک سال کے مصارف کے مقابلے میں دس سال کی مال غنیمت کی تخمینی رقم لگ بھگ ۴۰ فیصد بنتی ہے۔ اور پُورے دس سال کے مدنی مصارف کے مقابلے میں وہ گھٹ کر تین اعشار چار فیصد ہی رہ جاتی ہے۔ ان اعداد وشمار کی روشنی میں اگر پُورے جزیرہ نمائے عرب کی مسلم آبادی کے صرف ایک سال کے مصارف کے مقابلے میں یا پورے عہد نبوی کے مصارف کے مقابلے میں تو اس کی حیثیت سچ مچ صفر ہی بن جائے گی۔ مدینہ منورہ کے باہر بالخصوص دور دراز مقامات کی مسلم آبادی کے ضمن میں یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ مسلمانوں کا کوئی فردِ واحد یا گروہ اپنے معاشی واقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لیے اموالِ غنیمت کا سہارا نہیں لے سکتا تھا اور ان کی پوری معیشت پُرامن ذرائع آمدنی پر ہی منحصر تھی۔ ظاہر ہے کہ مدنی آبادی کے مقابلے میں جزیرہ نمائے عرب کی مسلم آبادی کہیں زیادہ بلکہ چند درچند زیادہ تھی اور مدینہ منورہ کی مسلم آبادی کے مصارف کے مقابلے میں جزیرہ نمائے عرب کی کل آبادی کے مصارف اسی لحاظ سے چند درچند تھے۔

دوسرا اہم اقتصادی عامل جس کو تقریباً تمام مورخین مشرقی ومستشرقین مغربی دانستہ یا نادانستہ نظرانداز کردیتے ہیں یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ان تمام فوجی، نیم فوجی، مذہبی اور سیاسی مہمات کی تنظیم وترتیب پر کافی مصارف برداشت کئے تھے۔ اس نکتہ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی ریاست نے ان مہمات کو آلاتِ حرب، ذرائع نقل وحمل، اسباب، کپڑوں، غذا، چارے اور متعدد دوسری چیزوں سے لیس ومسلّح کرنے میں بڑی رقمیں خرچ کی تھیں۔ اگرچہ ان مصارفِ جنگی اور اخراجاتِ مہم جوئی کا کوئی حتمی یا تخمینی اندازہ یا اس سے متعلق اعداد وشمار کی تفصیلات ہمارے مآخذ میں صراحتاً یا ضمناً مذکور نہیں ہیں تاہم خوش قسمتی سے ایسے متعدد قرائن اور اشارے ملتے ہیں جن کی بنیاد پر ہم ایک موٹا سا تخمینہ ان مصارف کا لگا سکتے ہیں جو مسلمانوں نے اپنی مہمات پر برداشت کیا تھا۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے یہ مصارف "رقم لگانے" "سرمایہ کاری" (INVESTMENT) کی ضمن میں آتے ہیں کیونکہ انھیں کی بنیاد پر اموالِ غنیمت کی شکل میں "منافع" کمایا گیا تھا۔ اور جب تک سرمایہ کاری اور منافع کے درمیان تناسب نہ معلوم ہوا اس وقت تک صحیح مالیت غنائم کی نہیں معلوم ہوسکتی۔

اس عامل کے مطالعہ کے ضمن میں سب سے پہلا قرینہ مکہ کے قریشیوں کے بارے میں ملتا ہے اور ان کے

بارے میں یہ روایت ہے کہ انہوں نے اپنی مہم اُحد پر جس میں تین ہزار جنگجو شریک تھے تقریباً پچاس ہزار دینار (چھ لاکھ درہم) کی رقم خرچ کی تھی۔[۲۱۵] انھیں جنگجویانِ قریش کے بارے میں دوسری روایت یہ ملتی ہے کہ خندق/احزاب کے لشکرِ عظیم کے لیے جس میں متفقہ روایات کے مطابق دس ہزار فوجی شامل تھے مکہ مکرمہ کے ہر شخص نے کم از کم ایک اوقیہ چاندی (چالیس درہم) خرچ کیے تھے اور اس طرح انہوں نے "اموال عظام" جمع کر لیے تھے۔[۲۱۶] مشہور روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے ارادے سے کوچ فرمایا تو مکہ کے تین مالدار قریشیوں سے مجموعی طور سے ایک لاکھ تیس ہزار درہم (لگ بھگ دس ہزار آٹھ سو دینار) اور کافی بڑی تعداد میں ہتھیار اُدھار لیے تھے اور یہ سارا سامان مستعار ان دو ہزار نومسلم مکّی جانبازوں کو لیس کرنے کے لیے تھا جو مکّہ سے اسلامی لشکر کے ساتھ ہو لیے تھے۔[۲۱۷] اگر اس رقم کو اتنی ہی تعداد کے مصارف کی بنیاد بنا لیا جائے تو فتح مکّہ اور حنین کے مجاہدین کو اپنے اصل لشکر پر ایک ملین درہم خرچ کرنے پڑے ہوں گے۔ غزوۂ تبوک کے تیس ہزار کے لشکرِ عظیم کے بارے میں مسلمان عطیات کے ضمن میں سب سے بڑی شہادت یہ ملتی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑا عطیہ یعنی ستر ہزار درہم یا اس سے کچھ زیادہ دیا تھا مگر اس سے زیادہ اہم ماخذ کا یہ تبصرہ ہے کہ اس رقم سے ایک تہائی مسلم لشکر (ثلث الجیش) کی ضروریات و مصارف پورے کیے گئے تھے۔[۲۱۸] اس بیان یا تبصرہ سے بظاہر یہ مراد معلوم ہوتا ہے کہ کل مسلم فوج کی ایک تہائی کا یہ خرچ تھا حالانکہ حقیقت میں یہ مراد نہیں ہے کیونکہ یہی ظاہری معنی مراد لے لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ کل تیس ہزاری فوج پر محض ایک چوتھائی ملین درہم کی رقم خرچ ہوئی تھی جو کسی طور سے صحیح نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم اس شرح قیمتِ جمل کی بنیاد پر جو ہم نے اس مقالے میں اختیار کی ہے لشکرِ تبوک کے صرف بیس ہزار اونٹوں اور دس ہزار گھوڑوں کی قیمت بالترتیب چالیس اور تین سو درہم فی راس نکالیں تو مجموعی میزان تین ملین درہم کے قریب آئے گا۔ ہتھیاروں، کپڑوں، غذا، چارے اور دوسرے اسبابِ ضرورت پر مصارف اس کے علاوہ ہوں گے۔ بہرحال اس سے واضح ہوتا ہے کہ عثمانی عطیۂ عظیم صرف ان نادار و مفلس مسلم مجاہدین کی ایک تہائی کی ضروریات کے لیے تھا جو اپنی گرہ سے فوجی مصارف برداشت کرنے کے قابل نہ تھے۔

بہرکیف فوجی مصارف کے ان قرینوں اور اشاروں کے ملاحظہ کے بعد یہ حقیقت و شہادت پر مبنی مطالعہ دلچسپی اور اہمیت سے خالی نہ ہو گا کہ دہ سالہ مدنی عہدِ مزاحمت و مدافعت کے دوران کل مسلم مجاہدین کی تعداد جو مختلف مہمات میں شامل رہی ایک لاکھ نفوس کے قریب پہنچ جاتی ہے۔[۲۱۹] اگر جنگِ اُحد پر کلی مصارف کو بنیاد بنا لیا جائے تو عہدِ نبوی کے کل مہماتِ غزوات و سرایا پر جو مصارف ہوئے تھے ان کا مجموعی میزان پندرہ ملین دینار یا ایک سو اسّی ملین درہم سے زیادہ ہی آئے گا۔ لیکن اگر مسلمانوں کی قریشِ مکہ کے مقابلے میں کمزور معیشت کو مدِنظر رکھ کر ایک تہائی بھی گھٹا دیا جائے تو مصارف کا میزان پانچ ملین دینار یا ۶۰۔۲۴۳ ملین درہم کے قریب رہ جاتا ہے۔ اور اس میں یہ دلچسپ حقیقت نظر آتی ہے کہ میزانِ مصارف عہدِ نبوی کے تمام اموالِ غنیمت کے تخمینی

میزان کی رقم کے دسویں حصے کے قریب قریب مساوی ہے۔ اور اگر بالفرض مسلم مہمات کے مصارف کو قریشی مصارف کا چوتھائی تسلیم کر لیا جائے جو غالباً سب سے کم تخمینہ ہو سکتا ہے تو مصارف کا کل میزان ۶۲۵ء۵ ملین درہم بنے گا اور اس صورت میں بھی وہ منافع غنیمت کا لگ بھگ سات گنا بنے گا۔ آمد و صرف کا توازن برابر کرنے اور منافع کو صفر کرنے کی صرف ایک صورت یہ رہ جاتی ہے کہ صرف کے میزان کو تیس گنا سے بھی زیادہ کم کر دیا جائے اور غالباً یہ انصاف کا تقاضا اور قرین حقیقت ہرگز نہ ہوگا۔

فوجی یا دوسرے الفاظ میں مالی فوائد سے پُر مہمات نبوی کے اپنے حربی مصارف کے علاوہ مسلمانوں کو اس جنگجوئی یا حالتِ جنگ کے نتیجہ میں بہت سے خسارے بھی برداشت کرنے پڑتے تھے اور ان کو بھی مصارف کی میزان میں تولنا چاہیے اور ان کو محسوب کرنے کی صورت میں فوائد کا میزان مزید گھٹ جاتا ہے۔ اس قسم کے مصارف یا خساروں میں سب سے پہلے تو مختلف مہمات کے دوران پکڑے گئے قیدیوں کے کھانے پینے اور رہائش وغیرہ کے اخراجات آتے ہیں۔ یہ بڑی مشہور بات ہے کہ غزوہ بدر میں گرفتار شدہ اسیرانِ قریش کی دیکھ بھال مسلمانوں نے بڑے بے مثال اور تعریفی انداز سے کی تھی۔ مسلمانوں نے نہ صرف ان کو بہتر کھانا کھلایا اور خود بھوکے رہ رہ گئے بلکہ ان کو کپڑے وغیرہ بھی فراہم کیے[۲۲۰]۔ یہی حسن سلوک تھا جس نے ان میں سے کئی کے دل جیت لیے تھے۔ ہوازن کے گرفتارانِ بلا کے بارے میں آتا ہے کہ جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کرم ان کے پھٹے پرانے چیتھڑوں پر پڑی تو رحمت و شفقت جوش میں آئی اور ان "دشمنوں" کے لیے آپ نے باقاعدہ ایک صحابی کو مکہ مکرمہ بھیج کر بہتر کپڑے خرید منگوائے[۲۲۱]۔ ظاہر ہے کہ ان کی خرید پر کافی رقم خرچ ہوئی ہوگی۔ اس قسم کے مصارف کی مثالیں صرف یہی دو ایک نہیں ہیں۔ حکم بن کیسان، ثمامہ بن اثال، حاتم طائی کی دختر ام قرفہ، یہودِ بنی قریظہ اور نہ جانے کتنی اور اسی قسم کی مثالیں حیاتِ رحمتِ عالم سے مل سکتی ہیں[۲۲۲]۔ ظاہر ہے کہ ان ناگزیر مصارف کو بھی میزان میں رکھنے کے بعد آمدنی کی میزان میں مزید کمی آجاتی ہے۔

ایک اور اقتصادی عامل جس نے پُر منافع و پُر غنائم مہماتِ نبوی کے مالی یا اقتصادی فوائد کی شرح میں کمی پیدا کی تھی کچھ اور مادی نقصانات پر جو کبھی کبھی بہت زیادہ بھاری ہوتے تھے مشتمل تھا۔ یہ نقصانات بھی دشمن کی فوجی اور معاندانہ کارروائیوں کا نتیجہ تھے۔ اور اس اعتبار سے مصارفِ جنگ کے ضمن میں آتے ہیں۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں جنگ بھڑکنے سے قبل قریشِ مکہ کے ایک اہم سردار کرز بن جابر فہری نے جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، مدینہ منورہ کے قریب واقع مسلمانوں کی ایک چراگاہ جما نامی پر حملہ کر کے چراگاہ (حمٰی) کے نگران کو قتل کر دیا تھا اور مسلمانوں کے بہت سے اونٹ خاص کر دودھاری اونٹنیاں ہنکا لے گئے تھے[۲۲۳]۔ میدانِ بدر میں اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کی شکست کا انتقام لینے کی خاطر اور اپنی قسم پوری کرنے کے لیے مکہ کے قریشی سپہ سالارِ اعظم ابوسفیان بن حرب اموی نے کچھ مدت کے بعد اسلامی ریاست کے صدر مقام کے قرب و جوار کے علاقہ پر جس کو مآخذ میں "العریض" کہا گیا ہے، حملہ کیا مسلمانوں کے کھجور کے درختوں کو اور اناج کے بعض کھیتوں کو آگ لگا دی اور ایک انصاری کاشتکار اور اس کے ایک مددگار کو

قتل کرکے مکہ لوٹ گئے۔[224] غزوۂ اُحد سے قبل جب مکی فوج نے جبلِ اُحد کے قریب پڑاؤ ڈالا تو انھوں نے انصارِ مدینہ اور غالباً کچھ مہاجرین مکہ کے کھیتوں میں اپنے جانور چرنے کے لیے انتقاماً چھوڑ دیے اور مآخذ کے مطابق پوری کھڑی فصلیں تباہ و برباد کرکے رکھ دیں۔ اناج اور چارے کے لحاظ سے نقصانات بہت زیادہ بھاری تھے۔ اتنے بھاری کہ انھوں نے ایک طرف تو مدینہ والوں کو بھکمری کے قریب پہنچا دیا تھا تو دوسری طرف مدنی کاشتکاروں کو اتنا برہم و خوفزدہ کر دیا تھا کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں اس پر احتجاج و اعتراض سے کام لیا تھا بلکہ ان میں سے پُرجوش و پُرحوصلہ اصحاب نے اتنی جرأت و جسارت سے کام لیا تھا کہ فیصلہ نبوی اور مرضیٔ رسول کے خلاف کھلے میدانِ جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرنے پر اصرار کیا تھا۔[225] ابھی تک عام طور سے مورخین نے جنگِ اُحد کے اس پہلو پر غور نہیں کیا ہے اور وہ کھلے میدان میں مدینہ منورہ سے باہر جنگ کرنے کی خواہش و اصرار کو بعض نوجوان جوشیلے اور شہر کی آن پر مر مٹنے والے یا زیادہ سے زیادہ بدر کے غزوہ میں ثواب حاصل کرنے سے محروم رہ جانے والے گروہ اصحاب ہی کی خواہش و اصرار سمجھتے ہیں۔[226] حالانکہ مآخذ کی بعض روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مدینہ کی کھڑی فصلوں کی دشمن کے ہاتھوں تباہی و بربادی کی خبر اس اصرار و درخواست کی محرک اول بنی تھی۔ بہر کیف اسی طرح جنگِ خندق کے زمانے میں ایک ماہ کے محاصرۂ شہر کے دوران احزاب کے لشکریوں نے مدینہ منورہ کے اطراف و اکناف میں تباہی و بربادی، لوٹ مار اور تہس نہس کرنے کا بازار گرم کر دیا تھا اگرچہ اس بار مسلم کاشت کاروں نے قبل از وقت اپنی فصلوں کو کاٹ کر اپنا اناج کا ذخیرہ ان کی دست بُرد سے بچا لیا تھا۔ پھر بھی دشمنوں نے کافی نقصانات پہنچائے تھے۔[227] دوسرے برس ایک مسلم تجارتی کارواں جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ سے شام مسلمانوں کا کافی سامانِ تجارت لے جا رہا تھا شمال کے بعض متمرد و سرکش قبائل کے ہاتھوں لوٹا گیا اور مسلمانوں کو کافی مالی خسارہ برداشت کرنا پڑا۔[228] اگرچہ بئرِ معونہ اور رجیع کی مہمیں خالصتاً مذہبی نوعیت کی تھیں اور ان میں سیاسی اور فوجی عناصر کی بہت کم آمیزش تھی تاہم بعض جدید مورخین کا اصرار ہے کہ وہ بھی فوجی اور سیاسی کردار رکھتی تھیں۔[229] اس اعتبار سے ان دو المیہ مہموں کو بھی اس ضمن میں محسوب کرنا چاہیے کیونکہ ان میں انسانی جانوں، ہتھیاروں اور دوسرے ساز و سامان کا بھاری نقصان ہوا تھا۔[230]

مذکورہ بالا مہموں کے علاوہ مسلمانوں نے متعدد مہموں اور غزوات و سرایا میں انسانی جانوں اور اسباب مادی کا بھاری نقصان متعدد دوسری مہمات میں اٹھایا تھا۔ ان میں حسب ذیل مہمات کافی اہم تھیں: غزوۂ اُحد[231]، حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کا سریۂ ذو القصہ[232]، حضرت زید بن حارثہ کا سریۂ وادی القریٰ[233]، حضرت بشیر بن سعد انصاری کا سریۂ فدک[234]، حضرت ابن ابی العوجا سلمی کا سریۂ بنی سلیم[235]، حضرت کعب غفاری کا سریۂ ذات اطلاح[236] اور مشہور عام المیہ موتہ[237]۔ غالباً اس کے علاوہ بھی بعض اور سرایا تھے جن میں صرف نقصان ہی سے واسطہ پڑا تھا۔ ان تمام شکستوں، ناکامیوں اور محرومیوں میں نقد و جان، اسباب و سامان، مولیشی اور جائداد کا نقصان اور کبھی کبھی بہت بھاری مسلمانوں کو اٹھانا پڑا تھا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ نقصانات ان ناگزیر نقصانات کے علاوہ تھے جو مسلمانوں کو اپنی

کامیاب مہموں اور جنگوں میں انسانی جانوں اور مادی اسباب کے خساروں کی صورت میں اٹھانا پڑے تھے۔[۲۳۸] ظاہر ہے کہ آمد و صرف اور لاگت و نفع کا توازن و تناسب نکالنے کی صورت میں ان ناگزیر نقصاناتِ جنگ کو بھی مدِ نظر رکھ کر "آمدنی" سے ان کے "خرچ" کو منہا کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ منافع کی اصلی شکل دھوکا دینے والی ہوگی۔ اور اگر ان دوسرے قسم کے نقصانات کو بھی محسوب کر لیا جائے تو خسارہ کا پلہ کافی بھاری ہو جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ دونوں قسم کے نقصانات ذخائر فوائد منافع کے مقابلے میں کم اور بعض بعض صورتوں میں کافی کم تھے تاہم اموالِ غنیمت کی مالیت طے کرتے وقت اور مسلم معیشت میں ان کے کردار و عمل متعین کرتے وقت ان کو نہ صرف مدِ نظر رکھا جائے بلکہ "منافع و آمدنی" کے میزان سے ان کو منہا بھی کیا جائے تبھی اموالِ غنیمت کا صحیح میزانیہ حاصل ہوگا۔

آخر میں ہم کو مسلم معیشت کے بنیادی عناصر و معالم پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت کا ایک پہلو نظر سے اوجھل رہ جاتا ہے۔ دَہ سالہ مدنی دورِ نبوی میں عرب جزیرہ نما کے مسلمانوں یا دوسرے الفاظ میں اسلامی ریاست کی معیشت کے بنیادی عناصر چار تھے، تجارت و کاروبار، زراعت، صنعت و حرفت اور محنت، مزدوری۔ ان چاروں عناصر معیشت مسلمہ پر مفصل بحث[۲۳۹] کا یہ موزوں مقام نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ہم اپنے زیرِ بحث موضوع سے دور جا پڑیں گے تاہم ایک مختصر تبصرہ کی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ بنیادی طور سے پہلے دو عناصر یعنی تجارت و زراعت مسلم معیشت کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ بہرحال باقی دو کی اہمیت بھی کسی طرح کم نہ تھی یا اس کو کسی طرح سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صحابہ کرام میں سے بیشتر حضرات بوقتِ ہجرت اتنے نادار و مفلس نہ تھے جیسا کہ عام طور سے جدید مورخین نے ان کے بارے میں فرض کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر خوشحال تھے جبکہ کافی معتدبہ تعداد میں متمول و مالدار طبقہ کے زمرہ میں آتے تھے، کیونکہ چند مستثنیات کے سوا جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے بقیہ صحابہ کرام اپنے "اموال منقولہ" کو مکہ سے مدینہ لانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ان اموال میں نقد رقوم اور اسبابِ ضرورت دونوں شامل تھے۔ میں اس پر کہیں اور تفصیل کے ساتھ بحث کر چکا ہوں۔[۲۴۰] مہاجرینِ مکہ کی مانند انصارِ مدینہ بھی اپنی روزی روٹی نہ صرف بہ سہولت و فراغت کما لیتے تھے بلکہ ان میں سے متعدد دولت میں کھیل رہے تھے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے معاً بعد بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانانِ شہر یعنی مہاجرین و انصار دونوں طبقات نے اپنے تجارتی اور زراعتی کاروبار اور میدانِ عمل کو آہستہ آہستہ مگر پورے استحکام و مضبوطی کے ساتھ وسعت و ترقی دینا شروع کر دیا اور تھوڑی ہی مدت میں ان میں سے متعدد نے دولت جمع کر لی اور خزانے بھر لیے۔[۲۴۱] جدید مورخین کا یہ نظریہ کہ صحابہ کرام بالخصوص مہاجرین عظام نے اپنی کثیر دولت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عہدِ خلافتِ راشدہ میں فتوحات عراق و شام و مصر وغیرہ کے نتیجہ کے طور پر جمع کی تھی[۲۴۲] نہ صرف غلط ہے بلکہ گمراہ کن ہے اور واقعات و حقائق مسلمہ سے متصادم نظر آتا ہے۔ مآخذ سے ہمیں یہ وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین صحابہ کرام میں سے حضرات عثمان بن عفان اموی، عبدالرحمن بن عوف زہری، عمر بن خطاب عدوی، ابوبکر صدیق تیمی، طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور زبیر بن عوام اسدی قریشی اور دوسرے متعدد حضرات نے عہدِ نبوی ہی میں تجارت و زراعت کے ذریعہ دولتمندی

مالداری" حاصل کرلی تھی جبکہ انصارِ مدینہ میں سے حضرات سعد بن عبادہ خزرجی، سعد بن معاذ اوسی، قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی، سعد بن ربیع، قتادہ بن نعمان اور ابو ایوب انصاری وغیرہ متعدد حضرات متمول طبقہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد یہودی نومسلم حضرات بھی کافی دولتمند تھے اور ان تمام حضرات نے اپنی ساری دولتمندی تجارت وزراعت کے پُرامن ذرائع و وسائل کے سبب حاصل کی تھی۔(۲۴۳) صدر مقام ریاست کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف مقامات پر بھی بہت سے مسلمان دولتمند طبقہ میں شمار کیے جا سکتے تھے اور درحقیقت شمار کیے جاتے تھے۔(۲۴۴) ظاہر ہے کہ ان تمام مسلم دولتمندوں نے اپنی دولت زراعت، تجارت، محنت مزدوری اور صنعت وحرفت کے ذرائع ہی سے حاصل کی تھی خاص کر مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد کیونکہ اس کے بعد عربوں کا لُوٹ مار کا طریقہ جو قبل از اسلام دولت حاصل کرنے کا روایتی طریقہ تھا قطعی طور سے بند ہوگیا تھا۔ بہرکیف مختصر طور سے آخری تجزیہ کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان بنیادی عناصرِ معیشت کے ذریعہ سے پیدا کردہ اور حاصل شدہ دولت مسلم معیشت کے اٹھانوے فیصد حصّہ کے لیے ذمہ دار تھی۔ جبکہ اس میں اموالِ غنیمت کا حصّہ زیادہ سے زیادہ دو فیصد رہا تھا۔

مگر مذکورہ بالا اعداد وشمار اور حسابی جوڑ توڑ سے جو کسی طور سے خالص ریاضی یا حساب کے اصولوں پر مبنی نہیں ہیں یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ اموالِ غنیمت نے مسلمانوں بالخصوص باشندگانِ شہرِ رسول کی معیشت میں کوئی حصہ وکردار نہیں ادا کیا تھا یا یہ کہ غزوات وسرایائے نبوی کی کوئی اقتصادی اہمیت نہیں تھی بالکل اسی طرح اور اسی قسم کی غلطی یہ سوچ بھی ہوگی کہ معاصر مسلمانوں کو ان مہموں کی اقتصادی اہمیت سے بے خبری تھی اور حاصل شدہ مالی فوائد سے بے نیازی تھی۔ سلام نے مالِ غنیمت کو نہ صرف حلال رکھا ہے بلکہ مسلمانوں کو اس سے متمتع ہونے کا پورا پورا حق دیا ہے(۲۴۵) البتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر اس پر اصرار کیا اور کبھی کبھی قدغن بھی لگائی کہ غزوات وسرایا کا مقصود اوّلین محض مالِ غنیمت کا حصول بن کر نہ رہ جائے چنانچہ متعدد مواقع سے متعلق احادیث نبوی ملتی ہیں کہ آپ نے محض اموال کے جویا حضرات کو شرکتِ جہاد سے روک دیا۔(۲۴۶) مقصد اس کا یہ تھا کہ غزوات وسرایا کا اصلی مطمحِ نظر یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور اللہ کے دین کی سرفرازی وسربلندی ہی پیشِ نظر رہے اور اموالِ غنیمت کو اس کا انعام ونتیجہ سمجھا جائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمات اور دوسرے دُنیاوی حکمرانوں، سالاروں اور شہنشاہوں کی جنگوں میں یہی بنیادی فرق ہے کہ شہنشاہِ کونین کے یہاں اللہ کی سربلندی مقصود ہے اور دنیاوی شہنشاہوں کے یہاں محض دولت وحکومت کے وسائل کی مادی خواہش کی تکمیل وتسکین۔ بہرکیف مسلم مجاہدینِ عہدِ نبوی کو نہ صرف ان مہمات کی اقتصادی اہمیت کا اندازہ تھا بلکہ ان سے حاصل شدہ اموال نے ان کی سقیم مالی حالت کو بہتر کرنے میں بھی خاصا اہم کردار ادا کیا تھا، خاص طور پر ابتدائی برسوں میں جب مسلمانوں کو مادی وسائل کی سخت ضرورت تھی۔ یہاں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مدینہ منورہ کے یہودی قبیلوں سے حاصل شدہ اموال غیر منقولہ خصوصاً ان کی پیداواری زمینیں مسلمانانِ شہر کی اقتصادی حالت کو سدھارنے میں کافی معاون ثابت ہوئے تھے۔ یہاں اس نکتہ پر پھر زور دیا جارہا ہے اگرچہ اس میں تکرار کا عیب پایا جاتا ہے کہ یہودی قبیلوں کے

خلاف فوجی کارروائی کسی مالی فائدہ کی غرض سے نہیں کی گئی تھی۔ کارروائی کا مقصود تو ریاستِ اسلامی کا ارتقا اور اسلام کا دفاع تھا اور مالی فوائد اس کارروائی کا انعام و نتیجہ تھے۔(۲۴۷) اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ ابتدائی مدنی زمانے میں مسلمانانِ مدینہ خاص کر اور دوسرے مقامات کے مسلمان عام طور سے امن و سلامتی کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں رہ رہے تھے جن کو چاروں طرف معاند دشمن طاقتیں گھیرے ہوئے تھیں۔ اس کا ایک ناگزیر نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کی زرعی، تجارتی اور صنعتی کوششیں بڑی حد تک نہ صرف یہ کہ محدود تھیں بلکہ متعدد موانع ان کی محدود ترقی کی راہ میں بھی حائل تھے اور یہ سب صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کے دشمنوں نے ان کو جنگوں، جھگڑوں اور تصادموں میں الجھا رکھا تھا۔ کبھی خود ان پر چڑھ آتے، کبھی ان کے شہر کو محصور کر لیتے، کبھی ان کے تجارتی کاروانوں کو لوٹ لیتے، کبھی ان کی مذہبی جماعتوں پر تاخت کرتے اور کبھی ان کے خلاف سازشیں کر کے ان کو تادیبی کارروائی کرنے پر مجبور کر دیتے۔ ان اسباب سے مسلم معیشت ابتدا میں کافی کمزور رہی گو وہ آہستہ آہستہ ترقی و استحکام کے راستہ پر گامزن ہو رہی تھی۔ اس پر آشوب دور اور پر خطر زمانے میں اموالِ غنیمت نے یقیناً ان کی مالی حالت سنبھالنے اور ان کی معیشت کو بنانے میں بڑا حصہ لیا تھا۔(۲۴۸)

یہ بڑی دلچسپ اور اہم حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اموالِ غنیمت کی شکل میں ملنے والے زر کو پیداواری زر میں تبدیل کر دیا تھا۔ شرکائے مہماتِ نبوی میں سے کسی کے بارے میں یہ رجحان نظر آتا ہے کہ وہ اپنے اپنے حصۂ غنیمت کو پیداواری جائدادوں بالخصوص کھجور کے باغوں اور اناج کے کھیتوں یعنی زرعی زمینوں میں لگا دیتے تھے(۲۴۹) اور کچھ لوگوں نے یقیناً ان کو تجارتی کاروبار اور دکانوں میں لگایا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ بعض حضرات نے ان کی بنیاد پر رہائشی مکانات تعمیر کرائے ہوں گے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پیداواری سرمایہ خواہ انھوں نے پیداواری کاروبار میں لگایا ہو یا غیر پیداواری چیزوں میں بہرکیف اس سے مسلم معیشت کو ترقی ملی تھی۔ سرمایہ کاری کی اس شکل میں محض سرمایہ کاروں کو فائدہ نہیں ہوا تھا بلکہ جیسا کہ سرمایہ کاری کا اصول ہے کہ اس سے بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی براہِ راست یا بالواسطہ فائدہ پہنچا تھا۔ بہرحال کوئی مسلمان جو انصاف و عدلِ اجتماعی کا شعور رکھتا ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اموالِ غنیمت نے عہدِ نبوی کی مسلم معیشت میں خاصا اہم کردار ادا کیا تھا۔ مگر ان کا یہ کردار ثانوی تھا کیونکہ خود غزوات و سرایا کا مادی مقصد بھی ثانوی تھا۔ آخری تجزیہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اموالِ غنیمت کے امکانات نے نہ تو غزوات و سرایا کی ترغیب و تحریک دی تھی، نہ ان کے لیے برانگیختہ کیا تھا اور نہ ہی ان کے وقت و زمانہ کی تعیین میں کوئی حصہ لیا تھا۔ اموالِ غنیمت صرف غزوات و سرایا کے نتائج تھے مقاصد و اغراض نہیں۔ جہاں تک مسلم معیشت میں ان کے حصہ و کردار کا تعلق ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے مسلم معیشت کے ارتقاء و استحکام میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا تھا، چھوٹی سی تحریک دی تھی اور مختصر سا حصہ لیا تھا۔ ورنہ بنیادی طور سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت تجارت و زراعت، صنعت و حرفت اور محنت و مزدوری کی پائدار، مستقل اور مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔(۲۵۰)

اموالِ غنیمت کی شکل میں ملنے والے دینار و درہم کو سرمایہ کاری کے مقصد سے پیداواری جائدادوں میں لگا دینے کے

مسلمان غانمین کے رجحان کی بنیاد پر یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ مسلمانانِ مدینہ کی اصل معیشت کو سہارا انھیں اموالِ غنیمت نے دیا تھا اور انھیں کی بنیاد پر بنیادی سرمایہ فراہم ہوا تھا جو بعد میں زراعت و تجارت اور کاریگری کی ترقی کا سبب ہوا۔ کسی حد تک یہ دلیل صحیح ہے اور اوپر ذکر آچکا ہے کہ بعض مسلمانوں نے اس مال سے سرمایہ کاری کی تھی اور یا تو اپنے لیے تجارت کے ذریعہ نفع کما کر مزید سرمایہ حاصل کیا تھا یا زرعی جائدادوں میں لگا کر سرمایۂ مزید پایا تھا اور اس طرح مستقل ذریعۂ آمدنی پا لیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت پر بھی نظر رہنی چاہیے کہ ایسی سرمایہ کاری کتنے مجاہدین نے امکانی طور سے کی تھی۔ اور اس سے کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ دوسری حقیقت یہ بھی نظر سے نہ اوجھل ہونی چاہیے کہ بہت سے باشندگانِ مدینہ نے بنیادی مستقل عناصرِ معیشت کی بنیاد پر اموالِ غنیمت کے حصول سے قبل ہی دولت جمع کر لی تھی یا کم از کم وُہ ہر لحاظ سے خوشحال تھے۔ ان میں مدینہ منورہ کے مہاجرین اور انصار دونوں طبقات کے متمول افراد شامل تھے جن میں سے متعدد کا ذکر اوپر آچکا ہے[۲۵۱] اور مدینہ کے مسلمانوں کی دولتمندی اور خوشحالی کا منفصل ذکر کہیں اور کیا جا چکا ہے۔[۲۵۲] ایک دلچسپ نکتہ اس ضمن میں یہ بھی ہے کہ مآخذ کی روایات کے اصرار و زور کے مطابق یہودِ مدینہ کی غیر منقولہ جائدادیں جو مستقل سرمایہ کاری کا ایک بڑا ذریعہ تھیں صرف طبقاتِ مہاجرین کے افراد کو ہی تقسیم کی گئی تھیں سوائے دو انصاری بزرگوں کے۔[۲۵۳] اس سے بالواسطہ طور پر اس حقیقت کی تصدیق ہوتی ہے کہ اموالِ بنی قینقاع، اراضی بنی النضیر اور جائداد بنی قریظہ صرف مہاجرین میں سے ناداروں کے لیے ہی کافی ہُوئی تھیں اور طبقاتِ انصار اتنے مالدار یا خوشحال نہ تھے کہ ان کو ان میں سے کچھ بھی دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ نہ صرف یہ کہ بلکہ انصار نے اپنے باغات اور دوسری جائدادوں میں اپنے مہاجر بھائیوں کی شراکت و شمولیت پر بھی اصرار جاری رکھا۔[۲۵۴] یہاں پھر اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ یہود مدینہ کی جائدادوں کی اتنی مالی اہمیت نہ تھی جتنی کہ ان کے زرعی، تجارتی اور صنعتی کاروبار کی۔ ان کا سب سے نفع بخش کاروبار سُودی لین دین تھا۔ جہاں تک زرعی پیداوار کا تعلق ہے یہ واضح ہوتا ہے کہ وُہ ان کی اپنی آبادی کے لیے کفالت نہیں کر سکتی تھی چہ جائیکہ کل باشندگانِ مدینہ کی ضروریاتِ زندگی کی بقدر کفاف ہی کفالت کر سکتی۔ جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ وغیرہ بلادِ حجاز کو غلہ و اناج کی بیشتر فراہمی یمامہ، شام و فلسطین اور مصر وغیرہ سے ہوتی تھی۔ گویا کہ غذائی اجناس کا بیشتر حصہ مدینہ والوں کو تجارت کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا۔[۲۵۵]

اس سلسلہ میں بہت دلچسپ اور اہم یہ حقیقت ہے کہ تاجران عرب کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم اپنی تمام مہموں کے دوران اپنا اپنا سامانِ تجارت بھی ساتھ لے جاتے تھے کہ جنگ و جدال سے فرصت ملی تو تجارتی کاروبار کریں گے۔ اس ماہرانہ تجارتی ذہنیت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اُوپر اشارتاً ذکر آچکا ہے کہ جنگِ بدر کے موقعہ پر تاجرانِ قریش اپنا تجارت کا سامان بھی جو زیادہ تر کھالوں (ادم) پر مشتمل تھا ساتھ لائے تھے کہ بدر کے بازار میں جو ذی قعدہ کے پہلے آٹھ دن لگتا تھا[۲۵۶] ان کا کاروبار کریں گے۔ غیر متوقع شکست نے ان کو اس کی مہلت نہ دی اور وہ سامانِ تجارت مسلم فاتحوں کے ہاتھ لگا۔[۲۵۷] مدینہ کے تاجر اس عرب روایت سے نابلد نہ تھے بلکہ کہنا چاہیے کہ انھیں کے ذریعہ اس کو اور تقویت ملی۔ مسلمانوں

نے بھی شروع ہی سے اپنا سامانِ تجارت اپنی مہموں میں ساتھ لے جانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کی پہلی واضح مثال ۴ھ / ۶۲۶ء میں ملتی ہے جب غزوۂ بدر الموعد کے موقعہ پر تاجرانِ مدینہ اپنا سامانِ تجارت (بضائع و نفقات) بدر کے مقامی بازار میں لے گئے تھے۔ ان پندرہ سو مسلمانوں نے وہاں آٹھ دن قیام کیا اور ان کے تاجروں نے خوب خوب نفع کمایا کیونکہ دشمن مقابلے پر نہیں آیا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان اموی جو کہ ایک ماہر تاجر تھے کے بارے میں یہ ذکرِ خیر بھی آتا ہے کہ انھوں نے ایک دینار کے عوض ایک دینار یعنی صد فیصد نفع کمایا تھا۔[۲۵۸] افسوس کہ ان کے نفع کی شرح کے بعد بھی ان کے کل سرمایۂ تجارت یا کل نفع کا ذکر نہیں ملتا۔ اسی زمانے میں تاجرانِ مدینہ نے انمار و ثعلبہ کے علاقے میں اپنی مہم کے دوران دشمن کے بازارِ نجد میں تجارت کی تھی۔[۲۵۹] اوپر ذکر آچکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع کے دوران حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک اونٹ کا سودا چالیس درہم (ایک اوقیہ چاندی) میں کیا تھا۔[۲۶۰] غزوہ مریسیع کے دوران حضرت ابو سعید خدری نے جو چاندی پائی تھی وہ اسی وقت بازار میں بیچ دی تھی۔[۲۶۱] غزوۂ خیبر کے دوران مسلمانوں نے صلح ہو جانے کے بعد یہودیوں سے خوب تجارتی لین دین کیا تھا۔[۲۶۲] ان دونوں غزوات سے بالخصوص اور دوسرے غزوات سے بالعموم یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلم مجاہدین عموماً اپنے حصۂ غنیمت کا فوری طور سے سودا کر لیتے تھے اور اپنی پسندیدہ یا ضرورت کی شے خرید لیتے تھے۔ خیبر کے غزوہ کے دوران ایسے لین دین کا کافی ذکر ملتا ہے۔ مسلمانوں نے اس موقعہ پر آپس میں بھی کافی بڑے پیمانے پر خرید و فروخت کی تھی۔[۲۶۳] ذکر آتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے سفر کے دوران بعض مسلمانوں نے بنو نہد کے تاجروں سے لین دین کیا تھا۔[۲۶۴] اور پھر اس کے ایک سال بعد اسی قسم کے مذہبی سفر اور مہم عمرۃ القضا کے دوران خرید و فروخت کی تھی۔[۲۶۵] غزوۂ حنین سے متعلق ایک دلچسپ روایت یہ ملتی ہے کہ ایک صحابی حضرت ابو قتادہ انصاری نے غزوہ میں حاصل ہونے والے سلب کو ایک مہاجر بھائی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی کے ساتھ سات اوقیہ چاندی (دو سو اسی درہم) میں بیچ دیا تھا اور پھر اسی قیمت سے مدینہ میں ایک کھجور کا باغ (مخرف) خرید لیا تھا۔[۲۶۶] اسی طرح غزوۂ تبوک کے دوران بھی مسلمانوں کے تجارتی کاروبار کا ذکر ملتا ہے[۲۶۷] اور سب سے بڑھ کر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صراحت ملتی ہے کہ آپ نے متعدد مہموں کے دوران خریداری کے سودے کیے تھے۔ کسی میں گھوڑا خریدا تھا تو کسی میں اونٹ یا دوسرا اسبابِ ضرورت۔[۲۶۸] بہرحال قرونِ وسطیٰ میں یہ عالمی روایت تھی کہ مہمات کے دوران خرید و فروخت کے سودے کیے جاتے تھے[۲۶۹] اور اس لحاظ سے غزوات و سرایائے نبوی کی زبردست اقتصادی اہمیت تھی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ اقتصادی اہمیت مثبت تھی اور تجارت کے پُرامن ذریعہ پر مبنی تھی۔ اس کے بالمقابل اموالِ غنیمت سے حاصل شدہ سرمایہ کی اہمیت منفی تھی اور اس کا دائرہ کار بھی محدود تھا۔

مذکورہ بالا طویل بحث سے یہ حقیقت اب روشن ہو جاتی ہے کہ اموالِ غنیمت کی یقیناً اقتصادی اہمیت تھی اور ان کی وجہ سے مسلم معیشت کو خاص کر مدینہ منورہ کی معیشت کو ایک بنیاد فراہم ہوئی تھی مگر یہ بنیاد پختہ نہ تھی۔ اس سے کہیں زیادہ پختہ و پائدار دوسری بنیادیں تھیں۔ اور ان موخر الذکر عناصرِ معیشت سے جو سرمایہ مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا وہ اموالِ غنیمت کے مقابلے میں کئی گنا تھا۔ بلکہ اگر اموالِ غنیمت سے آمدنی اور مہمات پر مصارف کا

ایک توازن و تناسب نکالا جائے تو منافع کا گوشوارہ نہ صرف خالی رہ جاتا ہے بلکہ خسارہ کے گوشوارہ میں کئی گنا رقم بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت اب بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا کا اصلی و بنیادی مقصد دینی لحاظ سے اللہ کے دین کی سرفرازی اور دنیاوی اعتبار سے ریاست اسلامی کی توسیع و تنظیم تھی اور اس کارِ خیر کے نتیجہ میں اموالِ غنیمت بطور انعام ملے تھے جن سے مسلم معیشت کو اپنی دگرگوں حالت میں کسی قدر تقویت ملی تھی اور بس۔

تعلیقات و حواشی

(۱) یہ بڑا دلچسپ، اہم اور عجیب اتفاق ہے کہ یہ غلط تصور ہر زمانے اور قرن کے مستشرقین کی تحریروں میں خواہ وُہ ابتدائی زمانے کی مناظرانہ، معاندانہ اور مخالفانہ انداز کی ہوں یا قرونِ وسطیٰ کی صُلح جویانہ، ہمدردانہ اور عاقلانہ نوعیت کی ہوں یا جدید سائنسی دور کی عالمانہ، غیر جانبدارانہ اور خالص محققانہ طریقہ کی ہوں کبھی بالکل صاف اور واضح طور سے جھلکتا ہے اور کبھی پس پردہ اس کی کار فرمائی جاری رہتی ہے۔ ان تینوں زمانوں میں محض فرق زبان و بیان کا ہے۔ ابتدائی زمانے کی تحریروں میں سوقیانہ اندازِ بیان اور فاحش زبان کا استعمال روا رکھا جاتا رہا ہے جبکہ قرونِ وسطیٰ میں خاص کر بعد کی صدیوں میں جب اسلام و عیسائیت کی جارحانہ کش مکش میں کسی حد تک کمی آئی تو زبان و بیان میں کچھ اصلاح نظر آئی تاہم جارحیت کا عنصر بڑی حد تک موجود رہا۔ البتہ جدید دور میں زبان و بیان بڑی حد تک شریفانہ ہو گئے مگر زہر ہلاہل کی ٹکیہ پر شکر چڑھا دی گئی۔ اب وہی بات اور وہی نظریہ کچھ ایسے متاثر کن اور رعب دار علمی انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ قاری کی نگاہ اندازِ بیان و زبان اور استدلال کی بھُول بھلیوں میں کچھ اس طرح گم ہو جاتی ہے کہ وہ بقول شخصے علمی غلام گردشوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور قصرِ علم کے اندرون تک اس کی رسائی نہیں ہوتی۔ ان تینوں زمانوں کی نمائندہ مثالوں کے لیے ملاحظہ فرمایئے:

سنسلاٹ ایڈیسن (SANCELOT ADDISON)، THE FIRST STATE OF MAHUMED-IFM: OR AN ACCOUNT OF THE AUTHOR AND DOCTRINES OF THE IMPOSTURE. لندن ۱۶۷۹ء، ص ۲، ۷۔۔۷ وغیرہ؛ واشنگٹن اروِنگ (WASHINGTON IRVING)، LIFE OF MAHOMET، لندن ۱۸۴۹ء، ص ۵۔۹۴ وغیرہ؛ سر ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR)، LIFE OF MAHOMET، ایڈنبرا ۱۹۲۳ء، ص ۶۔۲۰۴ وغیرہ؛ ایچ لامنس (H. LAMMENS)، ISLAM, BELIEFS AND INSTITUTIONS انگریزی ترجمہ ای ڈینیسن راس (E. DENISON-ROSS) - لندن ۱۹۶۸ء، ص ۹۔۲۸ وغیرہ؛ ڈی، ایس، مارگولیتھ (D.S. MARGOLIOUTH)، MOHAMMAD AND THE RISE OF ISLAM، لندن ۱۹۰۵ء، ص ۲۳۸ وغیرہ؛ ٹور انڈرے (TOR ANDRE)، MOHAMMAD THE MAN & HIS FAITH،

لندن ۱۹۵۶ء، ص ۵۴-۱۴۰ وغیرہ؛ کارل بروکلمن (CARL BROCKELMANN)، HISTORY OF ISLAMIC PEOPLES، لندن ۱۹۵۲ء، ص ۲۵-۲۳ وغیرہ؛ آر، وی، سی، بوڈلے (R.V.C. BODLEY)، THE MESSENGER، لاہور ۱۹۵۴ء، ص ۵-۱۳۴ وغیرہ؛ میکسم روڈنسن (MAXIME RODINSON)، MOHAMMAD، انگریزی ترجمہ اینی کارٹر (ANNE CARTER)، لندن ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۱ اور ص ۱۶۱ وغیرہ؛ جی، ای، گرونی بام (G.E. GRUNEBAUM)، CLASSICAL ISLAM، انگریزی ترجمہ کیتھرائن واٹسن (CATHERINE WATSON)، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۶-۳۵ وغیرہ؛ فلپ، کے، ہٹی (PHILIP K. HITTI)، HISTORY OF THE ARABS، لندن ۱۹۵۸ء، ص ۲۲-۱۱۶ اور ISLAM A WAY OF LIFE، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۱۶-۱۵؛ جان بگٹ گلب (JOHN BAGOT GLUBB)، THE LIFE & TIMES OF MUHAMMAD لندن ۱۹۷۰ء، ص ۱۷۳ وغیرہ؛ ڈبلیو مونٹگمری واٹ (W. MONTGOMERY-WATT)، MUHAMMAD AT MADINA، آکسفورڈ ۱۹۶۲ء، ص ۱۰-۱ وغیرہ اور دوسرے متعدد مستشرقین۔ نیز ان ادوار کی مختلف انگریزی تحریروں کے لیے ملاحظہ فرمائیے محمد یٰسین مظہر صدیقی کا مضمون "سیرت نبوی پر مغربی مصنفین کی انگریزی نگارشات"، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڈھ، جلد ۳، شمارہ ۳، ص ۴۷-۱۴۱۔

(۲) اس موضوع پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے: خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں: محرکات، مسائل اور مقاصد" نقوش، لاہور، رسولؐ نمبر نیز برہان دہلی، دسمبر ۱۹۸۲ء تا ستمبر ۱۹۸۳ء۔

(۳) کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۳۔

(۴) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۰۔

(۵) ایضاً، ص ۴۔

(۶) ایضاً، ص ۱۴۔

(۷) ملاحظہ کیجئے کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۵-۲۳؛ ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۱۱۔ موخرالذکر کا بیان ہے کہ "شام کو ان (کاروانوں) کی مستقل، مسلسل اور بلا روک ٹوک آمد و رفت پر ہی مکہ کی خوشحالی کا دارومدار تھا کیونکہ یمن اور حبشہ سے ان کی تجارت کہیں زیادہ غیر اہم تھی۔"

(۸) مکی کاروانوں سے تصادم و ملاقات کی صورت میں مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت ملتا۔ یہ تصور مستشرقین بلکہ تمام جدید مورخین کی تحریروں میں ہر جگہ مضمر ہے اور اس تصور کی بنیاد یہ ذہن میں جما ہوا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی مہموں کا واحد مقصد قریشی کاروانوں کو لوٹنا تھا تاکہ غریب و بھوکے مہاجرین کا پیٹ بھرا جا سکے۔ مآخذ کا ایک تنقیدی مطالعہ ثابت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے ابتدائی مہموں والے اپنے مضمون میں واضح کیا ہے کہ وہ سرے سے

لوٹ مار کی مہمیں تھیں ہی نہیں۔ دوسرا تصور کہ ان مہموں کی لوٹ مار سے حاصل شدہ دولت نے مسلم معیشت کو قوت بخشی اور غریب مسلمانوں کو مالدار بنا دیا اس موجودہ مقالے کی بحث کی روشنی میں غلط ٹھہرتا ہے۔

(۹) مثلاً ملاحظہ کیجئے کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۶؛ ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۴۳ وغیرہ؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۳۵-۲۹، ۴۶-۴۰ - وغیرہ۔

(۱۰) ولیم میور، مذکورہ بالا ص ۲۲۳؛ کارل بروکلمن، مذکورہ بالا، ص ۲۶-۲۴؛ جی، ای، گرونی بام۔ مذکورہ بالا، ص ۴۰-۳۶؛ ہٹی، ہسٹری آف دی عربس، ص ۱۷-۱۱۶؛ اسلام اے وے آف لائف، ص ۱۸-۱۷۔

(۱۱) مذکورہ بالا مستشرقین اور دوسرے غیر مذکورہ مورخین نے عام طور سے یہی تصور دیا ہے۔ ان میں نمایاں طور سے ولیم میور، مارگولیتھ، بروکلمن، ہٹی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ صرف مونٹگمری واٹ، (مذکورہ بالا، ص ۲۲۰) نے کسی حد تک متوازن نظریہ اپنایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ "یہ کہنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہودیوں کی دولت کا علم اندازہ نہیں تھا آپ کی فہم و فراست کا انتہائی اور خطرناک حد تک غلط اندازہ ہوگا۔ یہودیوں پر آپ کے حملوں کا اسی کو (دولت کو) واحد سبب قرار دینا بھی ناواجب طور سے مادی ہوگا۔ یہودیوں کی دولت یقیناً آپ کے لیے کافی افادیت کی حامل تھی اور اس نے بڑی حد تک آپ کی مالی دشواری کو آسان بنا دیا۔ یہ ممکن ہے کہ مالی فوائد کے امکانات نے یہودیوں پر آپ کے حملوں کا وقت معین کرنے میں مدد کی ہو یا موثر کردار ادا کیا ہو..... لیکن ان سے تصادم محض مذہبی بنیادوں پر ہوا تھا۔" مونٹگمری واٹ کو آج کل سیرتِ نبوی کا ایک بڑا عالم اور ہمدردانہ اور علمی نقطۂ نظر رکھنے والا مستشرق سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نکتہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان جیسے معروضی و علمی نظر رکھنے والے سیرت نگار نے بھی یہودِ مدینہ پر حملۂ نبوی کا ایک سبب ——— کم از کم ایک سبب ——— مسلمانوں کی مالی حالت کی بہتری کے امکانات کو قرار دیا ہے۔ یہاں بھی بات ایک علمی انداز میں وہی کہی گئی ہے جو دوسروں کے یہاں ذرا مضمر انداز میں ملتی ہے۔ اگر یہودیوں پر حملہ/حملوں کا وقت اس طور سے طے کیا گیا تھا کہ مالی فوائد کے امکانات پیش نظر تھے تو کیا یہ زیادہ بہتر نہ ہوتا کہ کم از کم یہودِ مدینہ کے تین قبیلوں پر ایک ایک سال کے وقفے سے حملہ کی بجائے یکے بعد دیگرے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے حملے کیے جاتے۔ اس طور "وقتِ ضرورت" بلکہ سخت خراب مالی حالت کے زمانے میں زیادہ سے زیادہ دولت کا حصول ممکن ہو جاتا۔

(۱۲) ملاحظہ ہوں مندرجہ بالا مستشرقین کی نگارشات، نیز خاکسار کا مضمون، تحقیقاتِ اسلامی، جلد ۳، شمارہ ۳۔

(۱۳) ملاحظہ ہو مثال کے لیے شاہ سلیمان منصورپوری، رحمۃ للعالمین، لاہور ۱۹۲۱ء، دوم، ص ۴۰-۳۱۹؛ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، محمد رسول اللہ، انگریزی ترجمہ محی الدین احمد، لکھنؤ ۱۹۷۹ء، ص ۶۴-۳۶۱؛ اطہر حسین، PROPHET MUHAMMAD AND HIS MISSION، بمبئی ۱۹۶۷ء، ص ۴۶-۲۶؛ سید امیر علی، A SHORT HISTORY OF THE SARACENS، نئی دہلی ۱۹۷۷ء، ص ۱۴-۱۲۔

(۱۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اعظم گڈھ ۱۹۷۱ء، اول، ص ۸۴ - ۵۷۴ اور ص ۱۷ - ۶۱۲؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ (انگریزی)، حیدر آباد دکن ۱۹۷۴ء، ص ۶۶ - ۱۵۰؛ سید امیر علی، دی اسپرٹ آف اسلام، لندن ۱۹۶۵ء، ص ۶۱ وغیرہ؛ ابو الکلام آزاد و جعفر رسولِ رحمت، مرتبہ غلام رسول مہر، دہلی ۱۹۸۲ء، ص ۲۰۰ وغیرہ؛ محمد حسین ہیکل، THE LIFE OF MUHAMMAD، انگریزی ترجمہ اسمٰعیل راجی اے الفاروقی، ریاستہائے متحدہ امریکہ، ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۶ وغیرہ۔

(۱۵) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ایم اے شعبان، اسلامک ہسٹری (۶۰۰ - ۷۵۰ء)، کیمبرج ۱۹۷۱ء، ص ۱۳ - ۱۲؛ ظہیر احمد، محمد، دہلی ۱۹۸۰ء، ص ۸۱ - ۱۶۴۔

(۱۶) واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونس، آکسفورڈ ۱۹۶۶ء، تین جلدیں اول تا آخر۔ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مرتبہ محمد محی الدین عبدالحمید، طبع قاہرہ (غیر مورخہ)، جلد دوم، ص ۴ - ۲۲۳؛ سوم ص ۴۷ - ۳؛ چہارم ص ۳۱۹ - ۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، جلد دوم، ص ۱۸۹ - ۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴ - ۲۸۷ وغیرہ؛ الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء، دوم، ص ۷۰ - ۴۵؛ طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف، قاہرہ ۱۹۶۱ء، دوم، ص ۶۵۷ - ۴۰۲؛ سوم ص ۱۵۸ - ۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء، دوم ص ۳۰۴ - ۱۱۱؛ ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، بیروت ۱۹۵۶ء، دوم، ص ۸۵۵ - ۴۴۷؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعہ السعادہ ۱۹۳۲ء، سوم، ص ۳۵۷ - ۲۳۴، چہارم ص ۳۷۵ - ۲؛ پنجم ص ۲۲۲ - ۱؛ مزید ملاحظہ ہو محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، حیدر آباد دکن ۱۹۴۲ء، ص ۲۵ - ۱۱۰؛ بلاذری، فتوح البلدان، دار النشر للجامعین، بیروت ۱۹۵۸ء، ص ۱۳۰ - ۸۔

ہر مورخ و سیرت نگار کے یہاں غزوات نبوی و سرایائے صحابہ کی تعداد میں اختلاف و فرق ہے۔ بہرکیف واقدی، ابن سعد اور ان کے متبعین کے معیاری عدد کے مطابق غزواتِ نبوی کی تعداد ۲۷ ہے جبکہ سرایائے صحابہ کی ۴۷ ہے یعنی کل ۷۴۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۶ - ۵۔ دوسری طرف ابنِ اسحاق، ابن ہشام اور طبری کا ایک دوسرا مکتبِ فکر ہے اور ان کے تعداد غزوات و سرایا میں اختلاف ہے۔ جبکہ اول الذکر دو مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ غزواتِ نبوی کی تعداد ۲۷ ہی تھی موخر الذکر کے نزدیک وہ ۲۶ تھی یا ۲۷۔ ان مورخین میں سرایا کی تعداد پر کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق اور ان کے جامع کے خیال میں ان کی تعداد ۳۸ تھی (ابن ہشام، ج ۴، ص ۸۱ - ۲۸۰) مگر طبری صرف ۳۵ کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اختلاف مورخین بابت سرایائے صحابہ کا ذکر بہت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو جلد سوم، ص ۱۵۴)۔ ابن اثیر (جلد دوم، ص ۴ - ۳۰۲) کے یہاں غزوات کی تعداد ۱۹، ۲۶ یا ۲۷ ملتی ہے اور

سرایا کی ۳۵ یا ۴۸ ۔ ابن کثیر نے اس ضمن میں ساری روایات جمع کر دی ہیں اور ان کے مطابق غزوات کی تعداد ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۴، ۲۶ یا ۲۷ تھی جبکہ سرایا کی تعداد ۲۴، ۳۷، ۳۸ یا ۳۹ تھی۔ یہ دلچسپی اور اہمیت کی بات ہے کہ وہ ابن اسحاق کی مذکور کردہ تعداد سرایا کو ایک کم بتاتے ہیں۔ یعنی وہ تعداد تو اڑتیس کی دیتے ہیں مگر گنتے انتالیس ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے یہاں ایک عجیب وغریب روایت ملتی ہے جس کے مطابق کل غزوات وسرایا کی تعداد صرف ۴۴ تھی (جلد پنجم، ص ۲۲-۲۱۵)۔ اگرچہ محمد بن حبیب بغدادی نے غزوات وسرایا کی کل تعداد نہیں دی ہے مگر ان کے یہاں بالترتیب تینتیس[۳۲] اور باون[۵۲] کی تعداد ملتی ہے اور اسطور سے کل تعداد چوراسی[۸۴] بنتی ہے۔ عموماً جدید مورخین اور قدماً بھی بغدادی کے ان بیانات کو نظر انداز کر دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ وہ زیادہ مسلم اور ثابتہ حقائق وروایات سے متصادم ہیں تاہم ان کی اپنی جگہ اہمیت ہے جس سے اختلاف تو ممکن ہے مگر ان کو نظر انداز کرنا علمی رویہ نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ بغدادی کا بیانِ غزوات وسرایا ایک تیسرے مکتبِ فکرِ تاریخ کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ وہ ابنِ اسحاق اور واقدی کے دو مسلمہ مکاتبِ فکر سے قطعی آزاد ہے اور اپنے بیان کے اختصار کے باوجود بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ ایسی کئی مہمیں بیان کرتا ہے جن کا ہماری مقبول عام روایات میں حوالہ تک نہیں ہے۔ ابھی تک غزوات وسرایا کی تعداد اور ان کی نوعیت وکردار پر کوئی بڑا علمی مطالعہ سامنے نہیں آیا ہے۔ تاہم اپنے خاص انداز میں لیون کیتانی ANNALI DELL ISLAM ملان ۱۹۰۵ء اور اسی کی بنیاد پر مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ضمیمہ ب، ص ۴۳-۳۳۹ لائق مطالعہ ہے۔ اس کے ساتھ مطالعہ کیجئے جے ایم بی جونس "THE CHRONOLOGY OF THE MAGHAZI — A TEXTUAL SURVEY"۔ بلیٹن آف دی اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز (BSOAS) جلد ۱۹، ص ۷۵، ۱۹۵۷ء؛ اور ڈاکٹر رؤوفہ اقبال، عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ ۱۹۸۴ء۔

(۱۷) مثال کے طور پر لیون کیتانی، مونٹگمری واٹ، اور جے ایم بی جونس کے مذکورہ بالا مطالعات غزوات ملاحظہ کیجئے۔ نیز ملاحظہ ہو محمد یٰسین مظہر صدیقی، عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، کا ضمیمہ اول۔ ۱ اور بحث بر فوجی تنظیم۔ نقوش لاہور، رسولؐ نمبر، جلد پنجم اور جلد دوازدہم۔

(۱۸) غزوات وسرایا کی اصطلاحی ومعنوی حقیقت سمجھنے کے لیے یہاں دو تین مثالیں کافی ہوں گی کیونکہ مفصل بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہمارے مغازی نگار بئر معونہ، رجیع، ذات اطلاح اور فتح مکہ کے ذیل میں مختلف صنم کدوں کو منہدم کرنے کی غرض سے بھیجی گئی خالص مذہبی کوششوں اور مہموں کو بھی "سرایا" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اسفار برائے عمرۂ بیت اللہ یعنی صلح حدیبیہ اور عمرۃ القضیہ اور حج اسلام، حجۃ الوداع کو غزواتِ نبوی میں شمار کرتے ہیں۔ غزوہ اور سریہ بمعنی سفر شہر سے کسی خاص مقصد سے

روانگی کے تھے جس کو بعد کے مورخین نے فوجی مہم بنا دیا ۔ بظاہر اس تضاد نے بعض جدید مورخین کو اس کی طرف اشارہ کرنے پر مجبور کیا ہے جیسے مونٹگمری واٹ ، مذکورہ بالا ، ص ۲ کے یہاں نظر آتا ہے تاہم ابھی تک کسی نے بشمول واٹ غزوات و سرایا کا صحیح معنوں میں مقصدی مطالعہ نہیں کیا ہے ۔

(۱۹) ملاحظہ ہو ڈی، ایس، مارگولیتھ، مذکورہ بالا ، ص ۸ - ۲۲۵ ؛ ای رالیسٹن پائیک (E. ROYSTON PIKE) محمد، لندن ۱۹۶۸ء، ص ۰۴ ۔ اور متعدد مستشرقین مذکورہ بالا ۔

(۲۰) مفصل بحث اور دلائل کے لیے دیکھیے میرا مضمون "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں، محرکات، مسائل اور مقاصد" مذکورہ بالا ۔

(۲۱) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ ، مذکورہ بالا ، ص ۳ - ۲ اور دوسرے تمام مذکورہ بالا جدید مورخین اور قدیم سیرت نگار ۔

(۲۲) ابن اسحاق، سیرت رسول اللہ ، انگریزی ترجمہ الفریڈ گلیوم (ALFERD GIULLUME) لندن ۱۹۵۵ء، ص ۲۸۷ ؛ ابنِ ہشام، مذکورہ بالا ، دوم، ص ۲۴۰ ؛ واقدی ، مذکورہ بالا ۔ ص ۱۶ - ۱۵ ؛ ابن سعد، مذکورہ بالا ، دوم ص ۱۱ ؛ لیعقوبی ، مذکورہ بالا ، دوم ص ۰۰ ؛ طبری ، مذکورہ بالا ، دوم ، ص ۱۱۴ ؛ ابن خلدون، مذکورہ بالا ، دوم ، ص ۷۴۷ ؛ ابنِ اثیر ، مذکورہ بالا ، دوم ص ۱۱۴ ، ابنِ کثیر ، مذکورہ بالا ، سوم ، ص ۲۴۹ ۔

یہاں یہ حقیقت بہت اہمیت کی حامل ہے کہ مذکورہ بالا مورخین و مؤلفین سیرت مکی کاروان کے مال تجارت کے بارے میں جو بیانات دیتے ہیں ان میں ابہام کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا اختلاف بھی پایا جاتا ہے ۔ ابنِ اسحاق ، ابن ہشام ، لیعقوبی اور طبری کے مطابق اس میں صرف کھجور (زبیب) کھالیں (ادم) اور کچھ مالِ تجارت (تجارۃ) تھا جبکہ واقدی اور ابنِ سعد کے یہاں شراب (خمر) ، کھالوں (ادم) اور کھجور (زبیب) کا ذکر ہے ۔ یعنی ان کے یہاں کچھ مالِ تجارت والا ابہام نہیں ہے کہ وہ کیا تھا اور کتنا تھا ۔ ابن خلدون نے صرف تجارہ کا ذکر کیا ہے جبکہ ابنِ اثیر نے زبیب وغیرہ کا ذکر کیا ہے ۔ بلاذری اور ابنِ کثیر نے کارواں (عیر) کا تو حوالہ دیا ہے مگر اشیائے تجارت کا کوئی اشارہ نہیں دیا ہے ۔ غالباً واقدی اور ان کے شاگرد رشید کا بیان سب سے زیادہ مستند اور قابلِ اعتماد ہے ۔ اس کے مطابق قریشی کاروان صرف تین اشیائے تجارت سوکھی کھجوریں ، چمڑے کی کھالیں اور شراب لے جا رہا تھا ۔ مقامی تجارت خاص کر مکہ اور طائف کے درمیان کی تجارت کی یہی عام اشیائے تجارت تھیں ۔ دوسرے ابتدائی یا متاخر مؤلفین سیرت اور مورخین کے یہاں "تجارۃ" (کچھ مالِ تجارت) سے مراد شراب ہی ہے مگر انھوں نے اس کو نکرۂ عام رکھ کر غلط فہمی کا دروازہ کھول دیا اور اسی سبب سے بعد کے مورخین خصوصاً جدید علمائے تاریخ خوب گمراہ ہوئے ۔ شرابِ ناب کا نام لینے سے یہ احتراز تقویٰ و تقدس کے اظہار کی بنا پر معلوم ہوتا ہے ۔

بہرحال واقدی اور ان کے شاگرد کے بیان سے نہ صرف اشیائے تجارت کے صریح ناموں کا علم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریشی کارواں طائف سے مکہ آ رہا تھا۔ اس تصریح سے دو باتیں صاف طور پر معلوم ہوتی ہیں کہ یہ مقامی تجارت کا کارواں تھا جو معمولی اشیائے تجارت مکہ والوں کے بیچنے لا رہا تھا۔ یہ دلچسپی کی بات ہے کہ طائف کی اشیائے تجارت و برآمد میں شراب اور کھالیں اہم مقام رکھتی تھیں کہ وہ ان کی خاصی بڑی پیداواری منڈی تھی۔ اور دُوسری بات یہ کہ چونکہ یہ مقامی تجارت کا کارواں تھا اس لیے وُہ کثیر مال نہیں لا رہا تھا علاوہ اس حقیقت کے کہ اس کارواں کے محافظوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس بحث کے لیے میرا مضمون عہدِ نبوی کی ابتدائی مہموں پر ملاحظہ کیجئے۔

نیز ملاحظہ کیجئے ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹، جن کا بیان اگرچہ حالِ تجارت کے بارے میں یہ ہے کہ کارواں شراب، سوکھی کھجوروں اور کھالوں سے لدا تھا تاہم یہ عجیب مبہم بات ہے کہ وہ اس کی آمد کا راستہ جنوب سے بتاتے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ یمن سے غالباً آ رہا تھا اور بین الاقوامی تجارت کا کارواں تھا۔ بہرکیف جان بگٹ گلب، مذکورہ بالا، ص ۱۰۷، نے بڑی دیانت کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ "وہ ایک چھوٹا سا کارواں تھا ..... اور طائف کی پیداوار سُوکھی کھجوروں، کھالوں اور شراب سے لدا تھا اور یہ چھوٹا سا کارواں صرف چار محافظوں کی حفاظت میں سفر کر رہا تھا۔"

(۲۴) جیسا کہ اُوپر کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نخلہ کا یہ مشہور و معروف کارواں بہت معمولی نوعیت کا تھا۔ اس امر کے قوی اسباب بھی نظر آتے ہیں کہ مالِ غنیمت جو اس چھوٹے سے کارواں سے ہاتھ لگا تھا بہت معمولی تھا۔ اوّل یہ کہ یہ کوئی قبائلی کارواں یا قریش قبیلہ کا اجتماعی کارواں نہیں تھا جیسا عام طور سے سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے دراصل یہ قریش کے ایک بطن بنو مخزوم کے صرف ایک چھوٹے سے خاندان کا کارواں کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ بنو مخزوم کے دو افراد عثمان بن عبداللہ اور اس کے بھائی نوفل کا کارواں تھا جس میں ان کے دو حلیف عمرو بن حضرمی اور حکم بن کیسان بھی شامل تھے۔ دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ اس کارواں میں صرف چار شخص شامل تھے یعنی یہی اس کے مالک بھی تھے اور محافظ بھی اور ایسا نہیں تھا کہ ایک بڑے کارواں کی محافظت کے لیے صرف چار آدمی کافی سمجھے گئے تھے جیسا کہ مذکورہ بالا بعض مستشرقین کے یہاں تاثر ملتا ہے۔ تیسرا اہم سبب یہ تھا کہ یہ کارواں طائف سے مکہ آ رہا تھا اور وہ محض مقامی تجارت کا کارواں تھا۔ بین الاقوامی تجارت سے اس کا تعلق نہ تھا جیسا کہ ولیم میور نے "جنوب" سے اس کی سمت سفر قرار دے کر یمنی تجارت کا کارواں بنانے کی کوشش کی ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ جو اشیائے تجارت وُہ لا رہا تھا وہ زیادہ تعداد میں بھی نہیں تھیں اور زیادہ قیمتی اشیا بھی نہیں تھیں۔ محض تین اشیائے تجارت تھیں اور وُہ بھی گھریلو استعمال کی۔ ان میں سے صرف کھالیں تجارتی مقاصد کے لیے

ہوسکتی تھیں۔ لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں رہی تھی۔ پانچواں اور آخری سبب یہ ہے کہ ہمارے مستند مورخین و مؤلفین سیرت کارواں اور اس کے تجارتی سامان یا دُوسرے الفاظ میں مسلمانوں کے اس سریہ میں حاصل کردہ مالِ غنیمت کا تذکرہ بڑا سرسری کرتے ہیں ورنہ دوسرے سرایا اور غزوات میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کے بارے میں وہ زیادہ سے زیادہ معلومات اور اعداد وشمار فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اموالِ غنیمت کا مجموعی طور سے جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مورخین و مولفینِ سیرت عام طور سے بڑے اموالِ غنیمت کا تذکرہ پوری احتیاط و تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں مگر معمولی غنیمت کے بارے میں اکثر یہ کہہ کر سرسری گزر جاتے ہیں کہ کچھ مالِ غنیمت بھی ملا۔ پھر یہ بھی مورخین کے یہاں تذکرہ یا رجحان نظر آتا ہے کہ مسلمانوں کی "اولیات" کا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اس غزوہ کے ضمن میں یہ تو ملتا ہے کہ یہ پہلا مال تھا جو مسلمانوں کو ملا، یہ پہلا خون تھا جو مسلمانوں نے راہِ حق میں بہایا وغیرہ۔ لیکن وہ غنیمت کی مقدار کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اولیت کے اعتبار سے یہ غنیمت قابلِ ذکر ضرور تھی تاہم کمیت کے اعتبار سے ناقابلِ تذکرہ۔

(۲۴) شرکائے مہم نخلہ کی تعداد میں ہمارے مآخذ کا کچھ اختلاف ہے۔ ابنِ ہشام، دوم، ص ۹-۲۳۸ کا بیان ہے کہ امیرِ سریہ کے علاوہ آٹھ فوجی شریک تھے۔ واقدی کے یہاں ایک روایت (ص ۱۷) ہے کہ امیرِ سریہ کے علاوہ بارہ مجاہد شامل تھے۔ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۰ اپنے استاد کا تتبع کرتے ہیں۔ جبکہ یعقوبی، دوم، ص ۶۹؛ طبری، دوم، ص ۱۰-۴۱۱؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۷-۴۶، اور ابنِ کثیر، سوم، ص ۲۴۹ نے ابنِ اسحاق و ابنِ ہشام کی روایت اختیار کی ہے۔ البتہ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۱۳ نے دونوں روایتوں کو بیان کر دیا ہے۔ ان روایتوں کے ضمن میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ شرکاءِ مہم میں سے دو حضرات باتفاقِ روایات پیچھے رہ گئے تھے اور کسی وجہ سے نخلہ کے معرکہ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ اس لیے اصل معرکہ آراؤں کی تعداد صرف چھ رہ جاتی ہے۔

(۲۵) ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۰۳؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۲۷۔

(۲۶) ابنِ ہشام، دوم، ص ۸-۳۰۴، ۶۷-۳۵۵ خاص کر صفحہ ۳۶۲ ان کی تعداد کے لیے۔ واقدی، ص ۱۶-۱۱۵، ۵۲-۱۴۷ نیز ۴۴-۱۳۸؛ ابنِ سعد، دوم ۱۸؛ یعقوبی، دوم، ص ۴۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۶-۲۹۶ خاص کر صفحہ ۳۰۵؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۴-۵۲، ۷؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۲۹ وغیرہ اور ابنِ کثیر، سوم، ص ۳۰۰۔

(۲۷) مثلاً ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ قیدیوں میں سے ان کو صرف تینتالیس کے نام معلوم ہو سکے جبکہ گنائے انھوں نے صرف بیالیس، اور ان میں حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی کا نامِ نامی اسمِ گرامی شامل نہیں ہے ورنہ تعداد اسیرانِ بدر اور ان کے مذکورہ ناموں کی تعداد میں مطابقت پیدا ہو جاتی۔ ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق کی فہرست میں مزید تیئیس ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح کل تعداد چھیاسٹھ بن جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ابنِ ہشام، دوم،

ص ۸-۱۰۱؛ واقدی، ص ۱۴۴ پر مذکورہ اسیرانِ بدر کی تعداد صرف ۴۹ بتاتے ہیں۔

(۲۸) مثلاً ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، مذکورہ بالا، ص ۱۲، جن کا خیال ہے کہ ۴۵ سے ۷۰ تک قریشی مارے گئے۔ اور اتنی ہی تعداد گرفتار ہوئی۔ نیز دیکھیے محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، نقوش لاہور، رسول نمبر، جلد دوم، ص ۷۰، ۹۔

(۲۹) واقدی، ص ۷۰-۱۴۵؛ ابن سعد، دوم ص ۱۸-۱۷؛ یعقوبی، دوم، ص ۴۶-۴۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۹۶-۲۹۵؛ طبری، دوم، ص ۴۷۷؛ ابن خلدون، دوم ص ۷۵۴-۵؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۶؛ ابن کثیر، سوم ص ۳۱۴۔

(۳۰) واقدی، ص ۸۲، ۹۶، ۱۰۲-۳ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۸ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اثیر، دوم ص ۱۱۸، جن کا خیال ہے کہ مالِ غنیمت میں مقبوضہ گھوڑوں کی تعداد تیس[۳] تھی جبکہ ستر مکی شہسوار مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ نکلے تھے۔ مزید ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۲۰، جن کا بیان ہے کہ "بدر سے گھر واپسی کے راستے میں جنگ کے دوسرے دن مالِ غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ ہر شخص کو وہ مالِ غنیمت اپنے قبضہ میں رکھنے کی اجازت دے دی گئی جس کو اس نے اپنے دشمن کو قتل کر کے حاصل کیا تھا..... مالِ غنیمت ایک سو پندرہ اونٹوں، چودہ گھوڑوں اور قالینوں، عمدہ چمڑے کی بنی ہوئی اشیاء کے بے شمار (ENDLESS) ذخیرہ کے علاوہ بہت سامانِ حرب اور اسلحہ پر مشتمل تھا۔" مورخ موصوف کے ان اعداد و شمار کی تصدیق مآخذ سے تو نہیں ہوتی حالانکہ مورخ کا دعویٰ ہے کہ ان کی کتاب اصل مآخذ سیرت و تاریخ پر مبنی ہے۔

(۳۱) مثلاً غزوۂ بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس حق کو بنفسِ نفیس استعمال فرمایا تھا۔ اسی طرح غزوات بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر وغیرہ کے ضمن میں بھی اس کا واضح ذکر آتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں اگلے بیانات میں آئیں گی۔ نیز ملاحظہ فرمائیے مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۲۵۵ اور حاشیہ ۳۔ نیز ص ۳۵۷ جس میں معبہ جہنی اور اسی قبیلہ کے ایک خاندان کے نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ گرامی سے اس کا واضح ذکر ملتا ہے، نیز صفحہ ۳۵۹۔

(۳۲) اس کی دلچسپ مثال پہلے ہی مالِ غنیمت کے ضمن میں ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے سریہ نخلہ کے مال کو خود اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ نکال دیا تھا۔ ملاحظہ ہو حوالہ جات سریہ نخلہ۔ اس کے علاوہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کے سریۂ قطن میں بھی یہی صورت پیش آئی تھی ملاحظہ ہو آئندہ حوالہ ۸۵۔

(۳۳) واقدی، ص ۱۰۳-۱۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۹-۱۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۲۹۴؛ طبری، دوم، ص ۴۷۸-۹؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۷۔ ان تمام مورخین میں صرف بلاذری کا خیال ہے کہ تلوار ذوالفقار عاص بن منبّہ بن حجاج کی تھی اور دوسری روایت کے طور پر مذکورہ بالا مورخین کی روایت کو

بیان کرتا ہے کہ وہ یا تو اس کے باپ یا چچا نبیہ کی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۲۹ جو یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ذوالفقار کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حصۂ مالِ غنیمت سے زیادہ وصول کیا تھا مگر ساتھ ہی اعتراف کرتے ہیں کہ آپ اپنی صفی میں چنیدہ شے کو ہمیشہ اپنے ممتاز اصحاب میں سے کسی کو عطا کر دیتے تھے تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو یا دوسروں کو اس کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ملے۔

(۳۴) ملاحظہ ہو ابن اثیر، دوم، ص ۱۲۷۔

(۳۵) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۲۱؛ ابن ہشام، دوم، ص ۲۸۴ - ۲۸۳؛ واقدی، ص ۹۹ - ۹۸؛ طبری، دوم، ص ۴۵۷ - ۴۵۸؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۰؛ ابن کثیر، سوم ص ۳۰۲ - ۳۰۱۔

(۳۶) ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۲۹؛ جان بگٹ گلب، مذکورہ بالا، ص ۱۸۷ - ۱۸۸؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۲ اور ۲۵۵ - ۲۵۶۔

(۳۷) ملاحظہ ہو حوالہ جات مذکورہ بالا نمبر ۳۵ اور ۳۶۔

(۳۸) واقدی، ص ۱۰۳ میں ایک روایت ہے کہ ابوجہل مخزومی کے اونٹ کے بدلے میں مکیوں نے ایک سو اونٹوں کی پیشکش کی تھی لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشکش ٹھکرا دی۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس کو صلح حدیبیہ کی مہم کے دوران بطور ہدی قربان کر دیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، مذکورہ بالا، دوم، ص ۱۹، جن کا خیال ہے کہ ابوجہل کا اونٹ مہری تھا یعنی جنوب کے ایک اہم علاقے مہرہ کا تھا۔ غالباً وہاں کے اونٹ عمدہ نسل کے اور دام کے لحاظ سے قیمتی ہوتے تھے۔

(۳۹) واقدی، ص ۱۰۰ - ۹۹

(۴۰) ایضاً

(۴۱) واقدی، ص ۱۳۱ - ۱۳۰

(۴۲) واقدی، ص ۱۰۰ - ۹۹ - نیز ملاحظہ ہو ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۲۸ - ۲۲۹؛ جے بی گلب، مذکورہ بالا، ص ۱۸۸؛ مونٹگمری واٹ مذکورہ بالا ص ۱۲ نیز ۲۵۵ - ۲۵۶ مزید ملاحظہ فرمائیے ابن ہشام، دوم، ص ۲۸۶۔

(۴۳) واقدی، ص ۱۰۱ - ۱۰۰ واحد مؤلف سیرت ہے جو مال غنیمت کے حصص کی تفصیلات فراہم کرتا ہے۔ بقیہ دوسرے مورخین و مولفین سیرت صرف ان کے مساوی طور سے تقسیم کیے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے ولیم میور، ص ۲۱۹ جنھوں نے غنیمت کے حصوں کے بارے میں مآخذ کے بیان کو غلط سمجھا ہے۔ ان کے مطابق ہر مجاہد بدر کو اس کے ساز و سامان سمیت ایک اونٹ اور بلا ساز و سامان کے دو اونٹ یا ایک چمڑے کا گدا یا اسی طرح کا کچھ اور سامان ملا تھا۔" مآخذ کی روایت میں ایک اور دو اونٹوں کے اس فرق کا سبب مذکور نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس بیان کے مطابق غانمین کے بہ اعتبار حصص و اقسام حصص چار طبقات بن جاتے ہیں۔ اور یہ دونوں صحیح تعبیرات

نہیں ہیں۔

(۴۴) ان آٹھ بدری صحابہ کرام کے ناموں کے لیے جو شریک مہم نہ ہو سکے ملاحظہ فرمائیے ابن ہشام، دوم، ص ۳۲۵ وغیرہ؛ واقدی، ص ۱۰۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ طبری، دوم، ص ۴۷۸؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۱؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۲۷۔ واقدی اور ابن کثیر کے یہاں بالترتیب چار اور ایک غیر شریک مہم کی فہرست مزید ملتی ہے لیکن ان کو مورخین نے عام طور سے سندِ قبولیت نہیں عطا کی ہے۔

(۴۵) واقدی، ص ۹۸۔

(۴۶) واقدی، ص ۴۰۱-۴۰۰ کا بیان ہے کہ ۵ھ/ ۶۲۷ء میں ذات الرقاع کی مہم سے واپسی کے سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک اونٹ (جمل) چالیس درہم یا ایک اوقیہ چاندی میں خرید فرمایا تھا۔ اس سودے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان کے اونٹ کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر صحابی موصوف نے اس کو بطور ہدیہ پیش کرنا چاہا۔ بڑی عرض و معروض کے بعد آخر صحابی موصوف اس کو بیچنے پر راضی ہو گئے کہ اونٹ بہت زیادہ اچھی حالت میں نہ تھا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ اس کی کیا قیمت عطا کریں گے؟ آپ نے ایک درہم قیمت لگائی اور حضرت جابر نے اس قیمت پر بیچنے سے انکار کر دیا۔ آپ اس کی قیمت میں ایک سے دو اور اس سے زیادہ اضافہ کرتے گئے مگر حضرت جابر راضی نہ ہوئے۔ بالآخر جب بھاؤ چالیس درہم تک پہنچا تو وہ راضی ہو گئے اور اسی قیمت پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خرید فرما لیا۔ اس میں اور حکمتوں کے علاوہ یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ اونٹ اپنی تمام خامیوں کے باوجود اچھی قیمت کا تھا اس لیے اس کے مالک نے کم قیمت پر فروخت کرنے سے انکار کیا تھا جب تک کہ اس کی مناسب قیمت نہ ملی۔ اس میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ صحابی موصوف نے محض رسول حبیب کی خوشنودیٔ خاطر کے لیے قیمت میں ذرا کمی نہ کی تھی کہ معاملہ وہاں عدل و انصاف کی میزان میں تھا۔ ورنہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باربرداری اور سواری کا ایک اونٹ (بردہ) مل جاتا تھا جیسا کہ غزوۂ خیبر کے ایک شریک مہم صحابی حضرت ابو عبس بن جبر کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ صحابی موصوف نے یہ جانور مہم سے ذرا قبل خریدا تھا اور اسی پر سوار ہو کر خیبر میں شریک ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۳۵-۶۳۶۔ ویسے عمدہ قسم کے اونٹ کی قیمتیں تین چار سو درہموں تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتی ہیں جیسے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ قصواء اور قریشی سردار امیہ بن خلف جمحی کے جانوروں کے بارے میں پاتے ہیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ دونوں جانور مکہ میں ہجرت سے قبل خریدے گئے تھے اور اس سے زیادہ دلچسپ امر یہ ہے کہ امیہ بن خلف کا اُونٹ جو پوری وادی میں سب سے اچھا گردانا جاتا تھا بدر کے مالِ غنیمت میں شامل تھا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۴۳ اور انساب الاشراف اول، ص ۱۲-۵۱۱ بالترتیب۔ اس سلسلہ میں ابوجہل مخزومی کے مذکورہ اونٹ کی قیمت کو بھی دھیان میں رکھنا

ضروری ہے جس کا ذکر اوپر آچکا کہ قریشِ مکہ اس کے عوض سو اونٹ دینے کو تیار تھے یعنی تیس چالیس درہم کی قیمت کے سو اونٹ۔

(۴۷) واقدی، ص ۱۴۴-۱۳۸؛ ابنِ سعد، دوم ص ۲۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۲-۳۰۱؛ طبری، دوم، ص ۴۶۳-۴۶۹ وغیرہ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۶-۱۳۲؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۱۴-۳۱۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ ہشام، دوم ص ۲۹۲-۳۰۴، ۳۰۴؛ مزید ملاحظہ ہو ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۶۷ جن کا خیال ہے کہ اسیرانِ جنگ سے فدیہ لینے کا فیصلہ اقتصادی اسباب سے کیا گیا تھا جبکہ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۱۳ کا خیال ہے کہ اس کا مقصد "مکیوں کا دل جیت لینا تھا۔"

(۴۸) یعقوبی، دوم، ص ۴۶۔

(۴۹) ابن سعد، دوم، ص ۲۲ نے اس معنی کی دو روایتیں بیان کی ہیں۔ دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت خزرجی نے اسی طرح لکھنا پڑھنا کسی اسیرِ بدر سے سیکھا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو احمد بن حنبل، مسند، مرتبہ احمد محمد شاکر، دار المعارف، قاہرہ ۱۹۴۸ء، چہارم ص ۴۷ (حدیث نمبر ۲۲۱۶)؛ نیز ملاحظہ فرمائیے ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۳۴؛ ڈی ایس مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۷۰-۲۷۱؛ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اعظم گڈھ ۱۹۷۶ء، اول ص ۳۳۲۔

(۵۰) ابن ہشام، دوم، ص ۳۰۴-۳۰۶ نے ایسے احسان مندانِ قریش میں سے چار کا ذکر کیا ہے۔ یعنی ابو العاص بن ربیع ——— عبدشمس، مطلب بن حنطب مخزومی، صیفی بن عائذ مخزومی، اور ابو عزہ عمرو بن عبداللہ جمحی۔ لیکن واقدی، ص ۱۴۴-۱۲۸ نے ابن اسحاق اور ابنِ ہشام کی متفقہ فہرست میں پانچ مزید ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح سے کل نو قیدیوں کو محض احسان مندی کے جذبہ سے رہا کیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ رہی ہو کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے کنار رحمت و عفو کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

(۵۱) مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ دو مکی سردارانِ قریش عقبہ بن ابی معیط اموی اور النضر بن الحارث عبدری کو جن پر مظالم ڈھانے، جنگ برانگیختہ کرنے اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کرنے کے الزامات عائد کیے گئے تھے بحالت قید قتل کر دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۰۸؛ ابن ہشام، دوم، ص ۲۸۶ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹-۱۴۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۸-۲۹۷؛ یعقوبی، دوم، ص ۴۶؛ طبری، دوم، ص ۴۵۹؛ ابن اثیر، دوم، ص ۳۱-۱۳۰؛ ابن کثیر، سوم، ص ۶-۳۰۵۔ ان میں سے بلاذری نے طعیمہ بن عدی نوفلی کو بھی مقتول اسیروں کی فہرست میں شمار کیا ہے جبکہ دوسرے مآخذ اس کو بدر کے میدانِ جنگ میں کھیت رہنے والوں میں شمار کرتے ہیں۔

(۵۲) واقدی، ص ۱۴۴-۱۳۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۳-۳۰۱۔ اوقیہ اور دراہم

کی شرح تبادلہ کے لیے ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۱۴۱، ۴۰۰ وغیرہ۔

(۵۳) اسں ضمن میں واقدی ص ۱۴۰ نے ایک بڑا دل چسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ روایت کے مطابق مشہور صحابی رسول حضرت مصعب بن عمیر عبدری کے ایک کافر بھائی ابوعزیز بن عمیر عبدری بھی اسیرانِ بدر میں تھے۔ ان کی ماں قریش مکہ کے مالدار ترین باشندوں میں شمار ہوتی تھی چنانچہ اس نے پہلے یہ معلوم کیا کہ زرِ فدیہ کی گران ترین شرح کیا تھی کیونکہ اس کے خیال میں شرفاءِ قریش کے لیے یہ عار کی بات تھی کہ کم شرح فدیہ ادا کر کے رہائی پائی جائے۔ چنانچہ یہ معلوم ہونے پر کہ گراں ترین شرح چار ہزار درہم یا سواوقیہ چاندی ہے اس نے اپنے اسیر بیٹے کا زرِ فدیہ ادا کر کے رہا کرایا تھا۔

(۵۴) واقدی، ص ۱۴۱ اور انساب الاشراف، اول ص ۳۰۳ کے مطابق ابو المنذر بن ابی رفاعہ اور اس کے بھائی عبداللہ نے بالترتیب یہ رقمیں ادا کی تھیں۔

(۵۵) واقدی، ص ۱۴۴ - ۱۴۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۰۱ - ۲۰۲؛ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، سوم، ص ۱۲ - ۳۱۰۔

(۵۶) ابنِ حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، قاہرہ ۱۹۳۹ء، سوم ص ۵۷۴ (نمبر ۸۸۲۸)؛ نیز ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی)، حیدر آباد دکن ۱۹۴۳ء، ص ۲۱۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوفل بن حارث ہاشمی کا تجارتی کاروبار جدہ میں تھا کہ وہیں انہوں نے کافی بڑی تعداد میں نیزے (رماح) جمع کر رکھے تھے۔

(۵۷) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۵۸) واقدی، ص ۹۹۔

(۵۹) ایضاً۔ مگر مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۷۰، کا خیال ہے کہ "حصہ غنیمت جو ہر ایک سپاہی کو ملا تھا وہ مقابلۃً ایک دولت کے مانند تھا۔"

(۶۰) واقدی، ص ۱۷۸ - ۱۷۹؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۲۹ - ۳۰؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹؛ طبری، دوم، ص ۴۸۱؛ ابنِ خلدون، دوم ص ۷۵۹۔ بلاذری کے یہاں یہ اضافہ ملتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے قلعہ میں پائے گئے ہتھیاروں میں سے دو زرہ بکتر حضرات سعد بن معاذ اور محمد بن مسلمہ کو عطا فرمائے تھے۔

(۶۱) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹۔

(۶۲) حوالہ جات مذکورہ بالا نمبر ۶۰ اور ۶۱۔

(۶۳) واقدی، ابنِ سعد، بلاذری، طبری اور ابن خلدون کے یہاں بنو قینقاع سے حاصل شدہ اموالِ غنیمت

خاص کران کی جائداد مشتمل بر دکان کے مسلم غازیوں میں تقسیم ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ جبکہ ابن اسحاق، ابنِ ہشام، ابنِ اثیر، ابن کثیر وغیرہ مورخین اور دوسرے فقہا کے یہاں ان کی تقسیم کا ذکر نہیں ملتا۔ اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو برکات احمد، محمد اور یہود (انگریزی) MUHAMMAD AND THE JEWS نئی دہلی ۱۹۷۹ء، ص ۶۶ - ۶۲۔

(۶۴) واقدی، ص ۹ - ۱۷۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۰۹۔

(۶۵) ابن ہشام، دوم، ص ۴۲۸؛ واقدی، ص ۱۷۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹؛ طبری، دوم ص ۴۸۰؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۷۵۹؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۸؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۴ - نیز ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۱۰؛ ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۲۴۲؛ جان بگٹ گلب، مذکورہ بالا، ص ۱۹۷؛ برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۶۶ - ۶۲ -

(۶۶) حوالہ مذکورہ بالا کے جدید مورخین۔

(۶۷) حوالہ مذکورہ بالا کے مآخذ اصل۔

(۶۸) ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۸۶ -

(۶۹) مذکورہ بالا تمام مآخذ کا اس پر اصرار ہے کہ بنو قینقاع سے نقد و جنس میں کوئی مالِ غنیمت سوائے ان کے چند ہتھیاروں کے نہیں ملا تھا۔ مگر جے بی گلب، ص ۱۹۸ کا خیال ہے کہ انھوں نے (بنو قینقاع نے) اپنی جائداد میں سے بیشتر حصہ اپنے پیچھے چھوڑا لیکن بہرحال ان کو اپنے سفر برپا نے کے لیے ضروری تعداد میں جانور مل ہی گئے تھے۔" اس سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ ان کا اسباب و نقد بھی دھرا لیا گیا تھا۔ بہرکیف ولیم میور، ص ۲۴۲ کو اعتراف ہے کہ اموالِ غنیمت زیادہ تر ہتھیاروں اور سناری کے اوزاروں پر مشتمل تھے۔

(۷۰) واقدی، ص ۱۷۹۔ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹ جن کا بیان ہے کہ مسلمانوں سے قرضہ وصول کرنے کے لیے تین دن کی مہلت دی گئی تھی سوائے واقدی اور واٹ کے دوسرا کوئی اہم مصنف خواہ وہ متقدمین میں ہو یا متاخرین میں اس اہم حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کرتا ہے۔

(۷۱) واقدی ص ۸۰ - ۱۷۸؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۰ - ۲۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۰۹؛ نیز فتوح البلدان، دار النشر للجامعین، بیروت ۱۹۵۶ء، ص ۲۷؛ طبری، سوم، ص ۱۴۸۱؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۳۸؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۷۵۹۔ مؤخر الذکر کے سوا ان جائدادوں کے لیے ضیاع کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں بقیہ مآخذ میں 'اموال' یا اس کے واحد 'مال' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

(۷۲) فے اراضی کی تقسیم وغیرہ پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج، قاہرہ طبع ۱۸۸۴ء،

ص ۳۹ - ۳۰ وغیرہ؛ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۲۱۔

(۳ ؎) واقدی، ص ۱۸۱، انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔

(۴ ؎) انساب الاشراف، اول، ص ۲۶۶۔

(۵ ؎) برکات احمد، محمد اور یہود (انگریزی)، ص ۶۶ - ۶۲۔

(۶ ؎) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۶۱؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۲۳؛ واقدی، ص ۸۲ - ۱۸۱؛ ابن سعد دوم، ص ۳۰، بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰؛ طبری، دوم، ص ۴ - ۴۸۳؛ ابن اثیر، دوم، ص ۴۰ - ۱۳۹؛ ابن خلدون، دوم، ص ۵۶ ۔؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۴۴۔ مآخذ عام طور سے ستو (سویق) کی مقدار یا اس کے تھیلوں کی تعداد کے بارے میں کچھ اشارہ نہیں دیتے۔ صرف ابن ہشام اور ابن کثیر اس کو بالترتیب "سویق کثیر" اور "ازداد کثیرہ" قرار دیتے ہیں۔ کچھ اندازہ اس کی مقدار کا اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ غارتگروں کی تعداد دو سو تھی۔ لیکن ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ صرف چالیس تھی۔ ایک روایت سے یہ اور معلوم ہوتا ہے کہ غارت گروں نے جب وادی عریض کو جس میں مسلمانوں مدینہ کے کھیت تھے آگ لگائی تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہ فرار ہو گئے اور فرار ہوتے وقت وادی ہی میں انھوں نے اپنے تھیلے پھینک دئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان تھیلوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی۔

(۷ ؎) واقدی، ص ۱۸۳ کا بیان ہے کہ اونٹوں کے علاوہ مالِ غنیمت ایک قیدی / غلام پر بھی مشتمل تھا۔ لیکن یہ قیدی یسار نامی اپنی گرفتاری کے معاً بعد مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فوراً آزاد کر دیا۔ غالباً یہ قیدی آپ کے صفی یا حصۂ غنیمت میں پڑا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ سعد، دوم، ص ۳۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰؛ طبری، دوم، ص ۴۸۳؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۹؛ ابن خلدون، دوم، ص ۵۵ ۔۔ موخر الذکر تین مآخذ اموالِ غنیمت کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں کرتے سوائے اس کے کہ وہ مویشیوں (الغنم) پر مشتمل تھا۔ لیکن ان کی روایات میں ایک عجیب و غریب اضافہ یہ ملتا ہے باستثنائے ابنِ خلدون کہ مسلمانوں نے ان کے مویشیوں کے ساتھ ساتھ ان کے چرواہے (رعائهم) بھی پکڑ لیے تھے۔ اس سے گمان یہ ہوتا ہے کہ ان کی تعداد ایک سے زیادہ تھی یا کم از کم عربی کے قاعدہ کے مطابق تین تو ضرور تھی۔ مگر جیسا کہ واقدی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدی صرف ایک تھا جو کہ مسلمان ہو گیا۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، دوم، ص ۲۲ - ۴۲۱ اور ابنِ کثیر، سوم، ص ۳۴۴ جو مالِ غنیمت کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

(۸ ؎) واقدی، ص ۱۸۳۔

(۹ ؎) واقدی، ص ۸ - ۱۹۷ نے اس کارواں پر حملہ کے بیان میں مکی تجارتی پالیسی کے بارے میں ایک دلچسپ امر کا اظہار کیا ہے۔ مکیوں کو مدینہ سے اپنی سیاسی آویزش اور فوجی تصادم کے سبب شام سے

تجارت تقریباً بند کرنا پڑی تھی۔ واقدی نے بڑی خوبصورتی سے ان کے اضطراب اور پریشانی کا ذکر کیا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قریب سے گزرنے والی بین الاقوامی شامی تجارت کا راستہ بند کردیا تو قریش کے تاجروں کو اس کا غم کھانے لگا کہ وہ بیٹھے بیٹھے سارا نفع کھا چکے اور اب اصل مال کے ختم ہونے کی نوبت آگئی۔ اگر یہی لیل و نہار رہے تو ایک دن وہ بھی آئے گا کہ وہ بھکمری کا شکار ہو جائیں گے چنانچہ اس بحث و مباحثہ کے بعد ان کے بعض جوشیلے تاجروں نے فیصلہ کیا کہ ایک کارواں مشرقی راستے سے بھیجا جائے تاکہ ختم ہوتی ہوئی ملکی تجارت کو بحال کیا جائے کہ جس پر ان کی معیشت اور زندگی کا انحصار تھا۔ حالانکہ اکثریت کے خیال میں ایسی کوئی کوشش بار آور نہیں ہوسکتی تھی تاہم ایک کارواں جو بنیادی طور سے صفوان بن امیہ جمحی کا ہی کارواں تھا فیصلہ کے مطابق بھیجا گیا اور اس کی رہبری کا فریضہ ایک ماہر دلیل (راہ نما) فرات بن حیان عجلی کے سپرد کیا گیا۔ لیکن اس ماہر راہ بر کی رہبری اور عراقی راستہ پر سفر کی احتیاط کچھ کام نہ آئی۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، دوم، ص ۳۶؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۴۔ طبری، دوم، ص ۴۹۲ کا بیان ہے کہ کارواں کے سردار ابو سفیان بن حرب اموی تھے جبکہ ابن خلدون، دوم، ص ۷۶۰، نے دونوں ناموں کا ذکر کیا ہے۔ البتہ ابن کثیر، چہارم، ص ۵۔۴ کا خیال ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک قائد تھا۔

جہاں تک کارواں کی مالیت کا تعلق ہے تو واقدی کے بیان کے مطابق ابو زمعہ نے تین سو مثقال مالیت کی سونے چاندی کی سلاخیں تجارت کے لیے بھیجی تھیں جبکہ کارواں کے قائد صفوان بن امیہ جمحی نے تیس ہزار درہم کی مالیت کے سونے چاندی کے برتن بھیجے تھے۔ اس کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۶۴؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۲۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۶؛ طبری، دوم، ص ۲-۴۹۲؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۵-۴۔ طبری نے اپنی ایک روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ اس کارواں کا کل مالِ تجارت سونے چاندی پر مشتمل تھا اور اس سے اہم بیان یہ ہے کہ یہی قریش کا اصل مالِ تجارت تھا لیکن انھوں نے اس کارواں کے مالِ تجارت کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ابن کثیر نے البتہ ابن اسحاق کی روایت کو قبول اور بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ قیدیوں کے بارے میں واقدی کا بیان یہ ہے کہ ان میں سے ایک یا دو کو گرفتار کیا گیا تھا لیکن انھوں نے تذکرہ صرف ایک کے نام کا کیا ہے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ قیدِ مسلم میں آنے والا اور کوئی نہیں۔ کارواں کا ماہر رہبر تھا جس کے لیے مشیتِ ایزدی شرفِ اسلام مقدر کر چکی تھی کہ مدینہ پہنچنے پر وہ مسلمان ہوگئے تھے۔ ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۳۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴؛ اور ابن خلدون، دوم، ص ۷۶۰۔

اس کارواں کی مالیت کے بارے میں مآخذ کا یہ حتمی بیان ہے۔ چنانچہ ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۱۹۸؛

ابنِ سعد، دوم، ص ۶۲ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۴ ؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۶۰، اور ابن کثیر، چہارم، ص ۵۔ موخر الذکر تمام مورخین نے واقدی ہی کی روایت قبول کی ہے۔ البتہ طبری، دوم، ص ۴۹۲ نے واقدی اور ابن اسحاق دونوں کی روایات جمع کر دی ہیں۔

(۸۰) واقدی، ص ۲۳۱ - ۲۴۰ وغیرہ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴۱ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱۸، طبری، دوم، ص ۵۰۰ - ۵۰۸، ۵۱۰ اور ۵۱۳ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۵۳ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۲۵۔

(۸۱) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۸۲) واقدی، ص ۲۳۱-۲۳۲۔

(۸۳) واقدی، ص ۲۳۲، ان دونوں مجاہدوں کے نام جو غزوہ اُحد کی حالتِ شکست میں بھی اپنی غنیمت سنبھالے رہے تھے حضرات عاصم بن ثابت بن الاقلح انصاری اور عباد بن بشر اوسی انصاری بتائے جاتے ہیں۔

(۸۴) واقدی، ص ۲۴۵ ؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۲۴۳ اور ۲۵۴ جن میں مالِ غنیمت کے بارے میں اور دوسری روایات بھی بیان ہوئی ہیں۔ ایک روایت جو حضرت سعد بن ابی وقاص زہری مشہور صحابیِ رسولؐ اور شریکِ مہم کی سند پر بیان ہوئی ہے کہتی ہے کہ مسلم فوج مہم کے انجام دینے کے بعد جب واپسی کے سفر پر روانہ ہوئی تو راہ بھول گئی۔ چنانچہ انھوں نے ایک راہ بر (دلیل) کی خدمات حاصل کیں اور دلیل نے دشمن کی چراگاہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اس شرط پر کہ اس کو اس خدمت کے عوض خمس یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ دیا جائے گا چنانچہ مسلم فوج کے سالار نے اس کو قبول کر لیا اور حملہ کر کے مذکورہ مالِ غنیمت پایا۔ روایات سے مظہر ہے کہ چراگاہ متعلقہ پر پہنچ کر مسلمانوں نے بنو اسد کے چرواہوں اور گلّہ پر حملہ کیا اور کافی مویشی اور تینؔ چرواہے پکڑ لیے۔ اس کے بعد فوج کے تینؔ حصّے کیے گئے۔ ایک حصہ قطن کی چراگاہ و چشمہ پر مقیم رہا جبکہ دُوسرے دونوں حصّے غنیمت حاصل کرنے کے لیے نکل گئے اور بالآخر مالِ غنیمت سے لدے پھندے اصل لشکر سے مل گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد کی روایت کا تعلق ان دونوں مالِ غنیمت حاصل کرنے والے دستوں میں سے کسی ایک سے رہا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۰ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴ - ۳۷۵ اور ابن کثیر، چہارم، ص ۶۲ - ۶۱۔

(۸۵) حوالہ مذکورہ بالا ؛ نیز ابنِ کثیر، چہارم، ص ۶۲ جس کے مطابق اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفی میں تین قیدی چرواہوں / غلاموں میں سے ایک پڑا تھا۔ اگرچہ اس صفی کی قیمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے تاہم کل مالِ غنیمت کی مالیت کے بارے میں مآخذ کے حتمی بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ دو تین سو درہم ہو گی کیونکہ عام غلاموں کی قیمت بہت کم ہوتی تھی۔

(۸۶) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۶۹ - ۳۷۴ ؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۳ - ۱۹۲ ؛ واقدی، ص ۳۰۰ - ۳۰۷ وغیرہ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۸ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۹ ؛ طبری، دوم، ص ۵۵ - ۵۵۳ ؛

ابن اثیر، دوم، ص ۴-۳-۱۷۲؛ ابن خلدون، دوم، ص ۲-۷۷۱؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۸۰-۵-۷۔ ان تمام مورخین و مولفین سیرت کا متفقہ اور حتمی بیان ہے کہ بنونضیر کے یہود نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے تھے کہ ہتھیاروں (الحلقہ) اور جائدادوں (الاموال) کے سوا ان کو اور تمام چیزوں کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت ہوگی۔ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے گھروں کی چوکھٹیں اور دروازے (نُجُف الابواب) اور لکڑیاں (الخشب) تک اکھاڑ لیں اور ان کو ساتھ لے گئے تھے۔ یہ بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جلاوطنی کے وقت یہودی عورتوں نے اپنے سارے زیور اور غالباً عمدہ کپڑے بھی بطور مثلاً ہرڑ پندار پہن رکھے تھے۔ لیکن یعقوبی، دوم، ص ۴۹ کا بیان ہے کہ بنونضیر کے یہودیوں کو اپنے چاندی سونے کے تمام سامان بھی ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تھا اور ان کو صرف اس سامان ضرورت (خُرثی متاعھم) کو لے جانے کی اجازت دی گئی تھی جس کو اونٹوں پر بار کیا جا سکتا۔ لیکن یعقوبی کی یہ روایت مذکورہ بالا تمام روایات و مآخذ کے اتفاق کی روشنی میں ناقابلِ قبول ہے۔

(۸۷) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۸۸) واقدی، ص ۳۷۴، کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسید بن الحضیر اوسی کو وقتی ضرورت سے ابورافع سلام بن الحقیق سے اسی دینار کا قرض لینا پڑا تھا جس پر ان کو پچاس فیصد سالانہ سود دینا تھا یعنی سال گزرنے پر کل ایک سو بیس دینار ادا کرنے پڑتے۔ بہر حال جلاوطنی کے وقت یہودی مہاجن نے کل اصل مال (راس المال) پر قناعت کرنا کافی سمجھا اور سود چھوڑ دیا؛ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، چہارم، ص ۷۵، جن کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس روایت پر یا ان تمام روایات پر جو یہودی مہاجنوں کے مسلمانوں سے سودی قرضے وصول کرنے سے متعلق ہیں کچھ شبہ ہے کہ وہ روایات صحیح نہیں ہیں۔

(۸۹) حوالہ جات مذکورہ بالا۔ لیکن اس سلسلہ میں کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنونضیر کی کل جائداد مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آئی تھی بلکہ ان سے کچھ بنونضیر کے لوگوں ہی کے قبضہ میں رہی تھیں۔ چنانچہ اوپر کے بیشتر مآخذ کا اتفاق ہے کہ دو بنونضیر کے یہودی مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی جائدادیں انھیں کے قبضہ میں رہنے دی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ جلاوطن ہونے والے یہودیوں نے اپنی جائدادوں کو تہس نہس بھی کر ڈالا تھا۔ چنانچہ ابن سعد کے مطابق البویلہ نامی جائداد کو اس کے مالکوں نے خود سپردگی سے پہلے خاکستر کر دیا تھا۔ اسی طرح واقدی کا بیان ہے کہ عام طور سے یہودیوں نے ہتھیار ڈالنے سے قبل اپنے مکانات مسمار یا برباد کر دئے تھے یا ان کو شدید نقصانات پہنچائے تھے اور ظاہر ہے کہ اس کا واحد سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، حالانکہ یہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی تھی تاہم مسلمانوں نے ان پر نہ کسی قسم کی سختی کی اور نہ ہی کسی قسم کا تاوان وصول کیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان یہودی اراضی / جائدادوں کی مالیت میں کافی کمی آئی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو

برکات احمد، محمد اور یہود، ص ۶۵ ۔

(۹۰) واقدی، ص ۸۰ - ۳۷۹ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۹ ؛ یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۲۱ ۔

(۹۱) ملاحظہ ہو واقدی میں ان سرایا کا بیان ۔

(۹۲) واقدی، ص ۲۶، ۳۳۵ وغیرہ، ص ۱۳، ص ۳۷۹، ص ۵۴۷، ص ۱۰۰۷ وغیرہ بالترتیب بئرِ ابی عنبہ، بئر ابن ضمیرہ، بئر جرم وجر، بئر ہم اور بئر صالح کے لیے ملاحظہ کیجئے ۔

(۹۳) ابنِ سعد، سوم، ص ۳ - ۱۳۲ - نیز حوالہ جات سابقہ ۔

(۹۴) حوالہ جات سابقہ ۔

(۹۵) ایضاً

(۹۶) ابن سعد، سوم، ص ۳ - ۱۳۲ ۔

(۹۷) ایضاً

(۹۸) واقدی، ص ۳۷۸ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۶ ؛ یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۲۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۹ - ۵۱۸ ۔

(۹۹) ملاحظہ ہو بحث بر اموالِ خیبر ۔

(۱۰۰) واقدی، ص ۳ - ۴۰۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۲ ؛ طبری، دوم، ص ۵۶۴ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۷۷ ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۷۷۳ ؛ نیز انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ ۔

(۱۰۱) مذکورہ بالا مورخین میں سے واقدی کا بیان ہے کہ غیر عرب نسل کے بہت سے لوگ (جمع کثیر) یا ان کا ایک بڑا گروہ دومۃ الجندل میں اکٹھا ہو گیا اور اس نے ان تاجروں (الضافطۃ) پر حملہ و تاخت کرنا شروع کر دیا جو ان کے علاقے سے گزرتے تھے بالخصوص دومۃ کے علاقے سے ۔ عربوں میں سے بھی بہت سے لوگوں (قوم کثیر) نے ان سے ساز باز کر لی تھی اور ڈاکہ زنی کرنے لگے تھے ۔ ابنِ سعد، طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون کی روایات واقدی سے مستعار ہیں ۔ جبکہ بلاذری کے یہاں یہ صراحت مزید ملتی ہے کہ حریف قبائل زیادہ تر قضاعہ اور غسان پر مشتمل تھے ۔ اگرچہ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۹۲ نے اس جرم میں ملوث قبیلوں میں سے کسی کا نام نہیں لیا ہے تاہم ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مہم کی منزلِ مقصود زیریں شام (ادانی الشام) کا علاقہ تھا ۔ نیز ملاحظہ ہو محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۲۶۳ وغیرہ جزیرہ نمائے عرب میں مختلف بازاروں کے لیے ۔

(۱۰۲) واقدی، ص ۳ - ۴۰۳ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دومۃ الجندل میں ان رہزنوں کے کچھ مویشی اور چروا ہے (ماشیتھم ورعاءھم) پکڑ لیے تھے ۔ پھر ان کے فرار ہو جانے کے بعد آپ نے وہاں قیام

فرمایا اور ان کے فتنہ کی سرکوبی کی خاطر متعدد "سرایا" مختلف علاقوں میں بھیجیں اور ہر ایک سریہ کو کچھ نہ کچھ مویشی کا مالِ غنیمت خاص کر اُونٹوں کا ریوڑ (القطعة من الابل) ضرور ملا۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۶۲ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۷۷ ؛ اور ابنِ کثیر، چہارم، ص ۹۲۔

(۱۰۳) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۳۵۔

(۱۰۴) واقدی، ص ۶۱ - ۴۰۶ کا بیان ہے کہ جب بنو مصطلق کے مریسیع میں اجتماع کی خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کو اس کی تصدیق کے لیے روانہ فرمایا اور صحابی موصوف نے تحقیقِ حال کر کے اس کی توثیق کر دی۔

(۱۰۵) بنو مصطلق پر اچانک حملہ کرنے کے بارے میں اہلِ حدیث اور اہلِ سیر کا اختلاف ہے۔ اوّل الذکر کا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بے خبری میں حملہ کر دیا تھا جبکہ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ ان کو اچانک آ لیا تھا مگر حملہ ان کو نہ صرف خبردار کر کے بلکہ تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کر کے کیا تھا۔ حق موخر الذکر کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ بحث کے لیے خاکسار کا مضمون "شبلی کی سیرت النبیؐ کا مطالعہ ــــ نقد سلیمانی کی روشنی میں" تحقیقاتِ اسلامی علی گڈھ ۱۹۸۴ء، جلد ۳، شمارہ ۲، ص ۳ - ۴۲ ملاحظہ ہو۔

(۱۰۶) ابنِ اسحاق، ص ۴۹۳ ؛ واقدی، ص ۴۱۱ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۴، انساب الاشراف، اول ص ۳۴۱، طبری دوم ص ۶۱۰، یعقوبی، دوم ص ۵۳، ابن اثیر، دوم ص ۱۹۲ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۵۹۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق ؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر ؛ ابو داؤد، سنن، کتاب العتق۔

(۱۰۷) واقدی، ص ۱۰ - ۴۰۴ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۴ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے : ابنِ ہشام، سوم، ص ۳۲۳ وغیرہ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۲ - ۳۴۱ ؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴ وغیرہ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۱۹۲ وغیرہ ؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۱۰۷ وغیرہ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۵۶ وغیرہ، جو عام طور سے ابنِ اسحاق کی روایت کو بیان کرتے ہیں اور دُوسری تفصیلات کے علاوہ حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی مقدار و مالیت کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ نیز ملاحظہ کیجئے یعقوبی، دوم، ص ۵۲ جو ایک بالکل مختلف بیان دیتا ہے۔

(۱۰۸) واقدی، ص ۱۲ - ۴۱۰ ؛ ابنِ سعد، دوم ص ۶۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم، ص ۵۳ اور ابنِ خلدون، دوم ص ۱۰۷، جو حضرت ثابت کے عم زاد کا قطعی ذکر نہیں کرتے۔ مزید ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، سوم، ص ۳۲۹ وغیرہ ؛ طبری، دوم، ص ۶۱۰ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۹۲ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۵۹ جن کو اس میں اشکال ہے کہ حضرت جویریہ بنت حارث حضرت ثابت کے حصہ میں آئی تھیں یا ان کے کسی عم زاد کے۔

(۱۰۹) واقدی، ص ۱۱۷ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴۔

(۱۱۰) مذکورہ بالا۔ حضرت جویریہ بنت حارث کی جانب سے زرِ فدیہ ادا کرنے کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

مشہور روایت یہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا تھا مگر واقدی کے یہاں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کا زرِ فدیہ ان کے والد حارث بن ابی ضرار خزاعی نے ادا کیا تھا۔

(۱۱۱) واقدی، ص ۴۱۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴۔

(۱۱۲) ایضاً

(۱۱۳) ابن ہشام، سوم، ص ۲۴۱-۲۴۲، ۲۴۶-۲۴۷؛ واقدی، ص ۴۷۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۵؛ یعقوبی، دوم، ص ۵۰؛ طبری، دوم، ص ۵۷۳-۵۷۴، ۵۷۷؛ ابن خلدون، دوم، ص ۵۶-۷۷؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۰۵-۱۰۶۔ ان تمام مورخین و مؤلفینِ سیرت نے حضرات علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوام کے ہاتھوں بالترتیب عمرو بن عبد وّد اور نوفل بن عبد اللہ سرداران قریش کے قتل کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض میں یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب نے ایک یہودی کو جو مسلم عورتوں و بچوں کے قلعہ میں داخل ہونے کی تاک میں تھا قتل کر ڈالا تھا۔ قیاس ہے اور بعض جگہ صراحت بھی ہے کہ ان مقتول دشمنوں کا سلب مسلمانوں کو ملا تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ مکی لشکر کے ایک سردار عکرمہ بن ابی جہل مخزومی نے ایک معرکہ میں پسپا ہوتے وقت اپنا نیزہ (رمح) پھینک دیا تھا۔ ان تمام مثالوں اور حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مہم میں بھی سلب کی شکل میں مسلمان غانمین کو کچھ مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۵۱۰؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۷۵۔

(۱۱۵) ابنِ ہشام، سوم، ص ۲۶۴؛ واقدی، ص ۵۲۳ وغیرہ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۷۵؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۴۷؛ یعقوبی، دوم، ص ۵۲-۵۳؛ طبری، دوم، ص ۵۹۱-۵۹۲؛ ابن کثیر، چہارم ص ۱۲۶۔ ان تمام مستند مورخین میں سے صرف واقدی کا بیان ہے کہ قیدیوں کی تعداد ایک ہزار تھی جس میں سے خمس نکال لیا گیا تھا۔ خمس میں پڑنے والے بعض قیدیوں کو رہا کر دیا گیا تھا جبکہ بعض اوروں کو مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس روایت کے مطابق ان قیدیوں کی تعداد جن کو عرب کے مختلف بازاروں میں غلام بنا کر بیچ دیا گیا یا بطور غلام گھروں میں رکھا گیا۔ آٹھ سو اور ایک ہزار کے درمیان تھی۔ غالباً نو سو نفوس کے لگ بھگ تھی۔ ان کی اصل مالیت کا تخمینہ کرنا مشکل ہے کیونکہ مختلف بازاروں میں غلاموں کی جنس و صنف و تعلیم و تربیت کے اعتبار سے مختلف قیمتیں ہوتی تھیں۔ بہرکیف ایک روایت ملتی ہے جس کے مطابق مدینہ کے ایک مالدار و مہاجن یہودی ابو الشحم نامی نے دو غلام عورتوں اور ان کے چھ بچوں کو انھیں اسیرانِ بنی قریظہ میں سے ایک سو پچاس دینار یعنی اٹھارہ سو درہم میں خریدا تھا۔ اس بنیاد پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کل قیدیوں کی فروخت سے تقریباً دو ہزار دینار (۲۴ ہزار درہم) حاصل ہوئے ہوں گے۔

(۱۱۶) ڈبلیو، این، عرفات، "NEW HIGHT ON THE STORY OF BANU QURAYZA JOURNAL OF ROYAL ASIATIC SOCIETY, AND THE JEWS OF MADINA." لندن ۱۹۷۶ء، شمارہ دوم، ص ۷-۱۰۰۔

(۱۱۷) برکات احمد، محمد اور یہود (انگریزی) ص ۹۴-۷۲۔

(۱۱۸) واقدی، ص ۵۲۴۔ یہ روایت حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی سند پر بیان ہوئی ہے جو کہ خود نہ صرف اس مہم کے شریک مجاہد تھے بلکہ جنھوں نے اس غزوہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کے مطابق انھوں نے اپنے حصۂ غنیمت کو ایک کنیز عورت اور اس کے دو بچوں کو خریدنے میں لگا دیا تھا۔ اتفاق سے اس روایت سے مذکورہ بالا روایت کی کسی حد تک تصدیق ہوتی ہے جس کے مطابق ابو الشحم یہودی نے دو عورتوں اور ان کے چھ بچوں کو خریدا تھا۔ اس روایت میں یہ بھی اصرار ملتا ہے کہ سوار مجاہد (فارس) کو پیادہ (راجل) کے مقابلے میں تین گنا حصہ ملتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ سعد، دوم، ص ۵۷ جو اس معاملہ میں اپنے اسناد و واقدی کی روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱۱۹) سوار و پیادہ کے حصوں میں ایک اور تین کے فرق کی بنیاد پر یہ میزان لگایا گیا ہے۔ اگر ایک اور دو کی بنیاد پر میزان لگایا جائے تو لگ بھگ دس ہزار دینار کا مزید اضافہ ہو جائے گا۔

(۱۲۰) واقدی، ص ۵-۵۳۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۶، جو مویشیوں کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں کرتی۔ مزید ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم ص ۷۴، جو سریہ کا تو ذکر کرتا ہے مگر مالِ غنیمت کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

(۱۲۱) واقدی، ص ۵۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۵۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷؛ یعقوبی، دوم ص ۷۴ اور ابن اثیر، دوم، ص ۷-۲۰۶۔

(۱۲۲) واقدی، ص ۵۵۲۔ نیز دیکھئے ابنِ سعد، دوم، ص ۸۵ اور انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ جو صرف مویشیوں کے مالِ غنیمت میں پکڑے جانے کا ذکر کرتی ہیں۔ واقدی کے مطابق اس سریہ میں کچھ سامان و اسباب (رثۃ و متاع) بھی حاصل ہوا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۰۷۔

(۱۲۳) ایضاً۔ ماخذ کا بیان ہے کہ مسلم تادیبی دستہ کے پہنچنے پر دشمن پہاڑوں میں جا چھپا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن مسلمانوں کی کارروائی کے بارے میں پہلے سے واقف ہو گیا تھا اور اس کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ پھر یہ بھی حقیقت مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ اسی دشمن نے اس مسلم کارروائی سے ذرا قبل حضرت محمد بن مسلمہ اوسی کی کمان میں ایک مہم کو خاصا نقصان پہنچایا تھا اور اس بنا پر ان کو مدینہ کے ردِ عمل کے لیے تیار رہنا چاہیے تھا اور حقیقتاً وہ اس کے لیے تیار بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مالِ غنیمت کی مقدار زیادہ نہیں ہو سکتی تھی۔

(۱۲۴) ابنِ سعد، دوم، ص ۸۶؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۷ - نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم، ص ۷۱؛
ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۷۸؛ ابن اثیر، دوم ص ۲۰۷ -

(۱۲۵) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۳۱۶-۳۱۷؛ ابن ہشام، دوم ص ۳۰۲ وغیرہ؛ واقدی، ص ۵۵۳-۵۵۴؛ ابن سعد، دوم ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۷۷؛ یعقوبی، دوم ص ۷۰-۷۱؛ طبری، دوم ص ۷۱-۴۷۰؛
ابنِ اثیر، دوم ص ۱۳۴-۱۳۵ و ۲۰۷ اور ابنِ کثیر، سوم ص ۳۳۲ وغیرہ - واقدی اور ان کے متبعین جیسے ابن سعد اور بلاذری کا خیال ہے کہ مکی کارواں کے کئی محافظ بھی ساتھ میں پکڑ کر لائے گئے تھے - لیکن واقدی نے صرف دو قیدیوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے یعنی ابو العاص بن ربیع اور مغیرہ بن معاویہ بن العاص جبکہ ان کے دونوں متبعین نے صرف اول الذکر کا ذکر کیا ہے - دُوسری طرف یعقوبی کی روایت یہ ہے کہ حملہ کے وقت ابو العاص بن ربیع نکل بھاگے تھے لیکن پھر وہ از خود مدینہ پہنچے اور اپنی مسلم بیوی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کے طالب ہُوئے جو ان کو مل گئی - یعقوبی کے مطابق ابو سفیان بن حرب بھی اس کارواں میں شامل تھے - اس کارواں کے بارے میں تیسری روایت ابنِ اسحاق کی ہے جس کا بقیۃ الذکر مورخین و مولفینِ سیرت نے پوری دیانت داری اور ایمان داری سے تتبع کیا ہے - اس کے مطابق تمام محافظینِ کاروانِ مکی بچ نکلے تھے مگر بعد میں ابو العاص بن ربیع اپنی مرضی ونشا سے مدینہ پہنچے تھے - بہرحال قرائن سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ واقدی کا بیان زیادہ صحیح ہے - اگر ان کے بیان کو قبول کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابو العاص بن ربیع کے سوا جن کو بنت رسول مکرم کی پناہ مل گئی تھی بقیہ قیدیوں کو زرِ فدیہ ادا کرنا پڑا تھا، حالانکہ اس کا کوئی اشارہ ہمارے مآخذ میں معلوم نہیں ہوتا - بہرحال اس صورت میں زرِ فدیہ کی رقم کی تعیین مشکل امر بن جاتی ہے - غالب امکان یہ ہے کہ وہ بہت حقیر رہا ہوگا - دوسری جانب اس کے قرائن زیادہ قوی ہیں کہ کوئی زرِ فدیہ نہیں ادا کیا گیا تھا اور تمام قیدیوں کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحمت و مرحمت سے یونہی رہا فرما دیا تھا - اس کا سب سے بڑا قرینہ تو یہی ہے کہ اسلامی تحریک کی وسعت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے مکی کارواں کا لُوٹا ہُوا تمام مال ان کو واپس کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ ان کے برتن (اداوۃ) اور رسّی (الحبل) جو بالترتیب کھانا پکانے اور جانوروں کے باندھنے کے لیے کام آتی تھی واپس کر دی گئی تھی - اور اس حُسن سلوک کا اثر ہونا تھا اور ہو کر رہا - ابو العاص بن ربیع مکہ جا کر تمام مالکوں کو ان کا سامان و نفع سپرد کر کے مدینہ تشریف لائے اور مسلمان ہو گئے -

(۱۲۶) واقدی، ص ۵۵۵؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۷ اور ابنِ اثیر، دوم ص ۲۰۷ کا بیان ہے کہ مسلم دستہ میں پندرہ مجاہد تھے اور انھوں نے بیس اونٹ پکڑے تھے - لیکن واقدی ہی کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد دستہ کے ہر ایک شریک کو دو اُونٹ یا ان کے مساوی تعداد میں بکریاں اور بھیڑیں ملی تھیں - بظاہر یہ دُوسری روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس صورت میں اونٹوں کی تعداد ڈیڑھ گنا سے بھی زیادہ

ہو جائے گی بشمول خمس اور صفی وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۳۷۷ جو مسلم دستہ کی تعداد و طاقت حربی وعددی کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کرتی۔

(۱۲۷) واقدی، ص ۵۶۰ - ۵۵۹؛ ابنِ سعد، دوم ص ۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ جو شکست خوردہ لوگوں کو ان کا سامان واپس کرنے کا کوئی ذکر نہیں کرتی؛ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، تاریخ، دوم، ص ۷۱، جو بہرکیف قبیلہ جذام کے کچھ لوگوں کے قتل اور کچھ دوسروں کی گرفتاری کا ذکر کرتی ہے لیکن کسی مالِ غنیمت کے حصول کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اثیر، دوم ص ۸ - ۲۰۷۔

(۱۲۸) واقدی، ص ۵۶۳؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۹۰ کے مطابق مسلم دستہ میں ننّو سپاہی تھے۔ صفی رسول اور خمس ریاست نکالنے کے بعد مالِ غنیمت حسبِ قاعدۂ اسلامی شرکائے مہم میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۳۷۸؛ یعقوبی، دوم، ص ۴ - ۷۳۔ میں سے موخرالذکر کا خیال ہے کہ دشمن سے تصادم و ملاقات ہی نہیں ہو پائی تھی جبکہ موخرالذکر کا بیان ہے کہ کچھ خون بہا تھا لیکن ان دونوں میں سے کوئی مالِ غنیمت کے حصول کا ذکر نہیں کرتا۔ نیز دیکھئے ابنِ اثیر، دوم ص ۲۰۹۔

(۱۲۹) واقدی، ص ۵۶۵؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۹۰؛ یعقوبی، دوم ص ۷۱؛ ابنِ اثیر، دوم ص ۲۰۷۔ ان سب نے نہ صرف ام قرفہ اور اس کے بیٹوں کے قتل کا ذکر کیا ہے بلکہ اس کی ایک بیٹی کو باندی بنا کر مدینہ لائے جانے کو بھی بیان کیا ہے۔ بعد میں اسی باندی کی شادی حضرت حزن بن ابی وہب سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخزومی ماموں اور ایک مکی سردار تھے کر دی گئی تھی۔ اس شادی کا دلچسپ منظر یہ ہے کہ اس سے ذرا قبل صحابی موصوف کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ اس صدمہ پر بے تاب رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی غمگساری کے لیے یہ شادی کی گئی تھی۔ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول ص ۳۷۸۔

(۱۳۰) واقدی، ص ۸ - ۶۷۴ کا بیان ہے کہ یہودِ خیبر نے اگر سب نہیں تو اپنے بیشتر ہتھیار (السلاح) غذائی اجناس (الطعام) اور روغنیات (الودك) نیز محاصرہ کے آلات (آلة حصونهم) یعنی دبابہ و منجنیق وغیرہ اپنے قلعوں میں خاص کر النطاۃ میں اکٹھا کر لیے تھے۔ پھر جب خوف و ہراس اور قلعہ کے زوال کے خطرہ سے وہ النطاۃ سے چھپ کر الشق کے قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے جہاں انھوں نے اپنے خاندان والوں کو رکھ چھوڑا تھا تو وہ اپنے سارے ہتھیار و آلاتِ حرب خاص قسم کے غاروں میں دفن کر گئے تھے تاکہ فتح کی صورت میں مسلمانوں کے ہاتھ نہ لگیں۔ بہرکیف النطاۃ کی فتح کے بعد یہ تمام مدفون آلاتِ حرب ایک یہودی قیدی کی مخبری پر مسلمانوں نے نکال لیے تھے۔

(۱۳۱) منجنیق اور دبابہ کے بارے میں تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ریوبن لیوی (RUBEN LEVY) کی کتاب، THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM، کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۷ء، ص ۴۴۰،

نیز خاکسار کی انگریزی کتاب "ORGANIZATION OF GOVERNMENT UNDER THE PROPHET"، ص ۲۰۲۔

(۱۴۲) واقدی، ص ۷۱-۶۷۰۔

(۱۴۳) واقدی، ص ۶۶۴۔

(۱۴۴) واقدی، ص ۶۸۰ کا بیان ہے کہ فاتحوں نے گھریلو سامان (اثاث) ریشمی کپڑوں (بز) چادروں (قطائف) ہتھیاروں (سلاح)، مویشیوں (غنم، بقر)، سامانِ رسد (طعام) اور چمڑے کی چادروں/چٹائیوں (ادم) پر مشتمل مالِ غنیمت پایا تھا۔

(۱۴۵) خیبر کے قلعوں کی ایک جغرافیائی تفصیل یہاں ضروری معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کے قلعوں کی تعداد، فتح وغیرہ کے بارے میں ابہام رہ جاتا ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ ایک یا دو چھوٹے چھوٹے قلعے تھے جن کو مسلمانوں نے بہ آسانی فتح کر لیا۔ بہرحال واقدی کے ایک بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں کم از کم قلعوں کے چھ مجموعے تھے یعنی صرف چھ قلعے نہیں تھے بلکہ چھوٹے بڑے متعدد قلعوں کے چھ مجموعے تھے جو اپنے اپنے مخصوص علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان مجموعوں کے نام تھے:

۱۔ ناعم	۲۔ النطاۃ
۳۔ الشق	۴۔ الکتیبہ
۵۔ الوطیح اور	۶۔ سُلالم

اور ان میں سے ہر ایک میں کئی کئی چھوٹے بڑے قلعے تھے جن قلعوں کا ذکر ان کے مجموعہ کے نام کے ساتھ ملتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

قلعہ مرحب (ناعم)، قلعہ الصعب بن معاذ اور قلعہ الزبیر (النطاۃ)، قلعہ النزار، قلعہ ابی اور قلعہ سمران (الشق)، قلعہ قموص (الکتیبہ) اور الوطیح و سُلالم۔ ملاحظہ ہو واقدی ص ۸-۶۴۲، ۵۲-۶۵۰، ۶۴-۶۵۵، ۷۰-۶۶۶، ۶۷۴، ۶۷۶، ۸۰-۶۶۹، ۶۸۹ اور ۶۶۲ وغیرہ۔

مزید ملاحظہ کیجئے ابنِ سعد، دوم ص ۱۰۶ جن کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں صرف تین مجموعہ ہائے قلعہ جات تھے:

النطاۃ، الشق اور الکتیبہ۔

جبکہ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۱۴-۵۱۱ اور ابنِ ہشام، سوم ص ۳۸۱ کا خیال ہے کہ ناعم اور قموص کے قلعے (موخر الذکر بنی ابی الحقیق کا قلعہ تھا) فتح کر لیے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ص ۸۹-۳۸۳ قلعہ جات الوطیح اور سُلالم کے حوالوں کے لیے۔ ابنِ ہشام کے مطابق موخر الذکر سب سے بعد میں فتح ہوا تھا۔

یعقوبی، دوم ص ۵۶ کا صریح بیان ہے کہ خیبر میں چھ قلعوں کے مجموعے تھے:
السلالم، القموص، النطاۃ، القصارۃ، الشق اور المربطہ۔ اس سے واقدی کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے، اگرچہ دونوں کے یہاں ناموں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم ص ۱۰-۹، ۱۴ وغیرہ؛ ابن اثیر دوم ص ۲۱۷ وغیرہ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۹۶-۹۵؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۸۶ وغیرہ، ۱۹۲، ۱۹۴، اور ۱۹۸ وغیرہ۔

جدید مورخین میں اس موضوع پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے مونٹگری واٹ، محمد مدینہ میں، مذکورہ بالا، ص ۲۱۸ وغیرہ؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی)، ص ۵۲-۴۸۔

(۱۳۶) واقدی ص ۶۳۴، ۶۳۷، ۶۴۰ اور ۶۴۲ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو یعقوبی، دوم ص ۵۶ جن کا خیال ہے کہ یہودی جنگجوؤں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ بظاہر یہ تعداد مبالغہ آمیز ہوتی ہے۔

(۱۳۷) واقدی ص ۶۳۷ کے مطابق خیبر کی زرہ بکتر سے لیس فوج صرف ایک ہزار تھی۔

(۱۳۸) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف چھ یا سات قلعوں (منجملہ قلعہ جات خیبر) کی فتح کے بعد خیبر کے یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور صلح کر لی تھی۔ مفتوحہ قلعوں کے نام یہ ہیں:

قلعہ مرحب، قلعہ الصعب بن معاذ، قلعہ الزبیر، قلعہ النزار، قلعہ ابی، قلعہ سمران اور قلعہ قموص۔

قلعہ النزار کے سقوط کے بعد کے مجموعہ الکتیبہ کا ایک رکن تھا قلعہ قموص کے محصور یہودیوں نے صلح کی التجا کی تھی جو بارگاہ رحمت عالی سے قبول ہوئی۔

(۱۳۹) ملاحظہ فرمائیے خاکسار کی کتاب ORGANISATION OF GOVERNMENT UNDER THE PROPHET دہلی ۱۹۸۴ء ص ۳-۲۰۲؛ اردو ایڈیشن بنام عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت' نقوش لاہور، رسول نمبر ۱۹۸۳ء، جلد پنجم ص ۶۹-۵۶۸۔

(۱۴۰) واقدی، ص ۵-۶۶۴ کا بیان ہے کہ یہ تمام چیزیں قلعہ الصعب بن معاذ میں پائی گئی تھیں۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں مسلمانوں کے ایک ماہ کے قیام کے دوران ان کی ضروریات کے لیے غذائی اجناس کافی ہوئی تھیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے طبری، سوم ص ۱۰؛ ابن اثیر، دوم ص ۲۱۸؛ ابن خلدون، دوم ص ۹۶؛ ابن کثیر، چہارم ص ۱۹۴۔

(۱۴۱) واقدی، ص ۶۴۰، ۶۶۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے طبری، سوم ص ۱۰؛ ابن اثیر، دوم ص ۲۱۸۔

(۱۴۲) واقدی، ص ۶۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۵۱۲ اور ابن ہشام، سوم ص ۳۴۷۔

(۱۴۳) واقدی، ص ۶۶۴، ۶۸۷۔

(۱۴۴) ایضاً

(۱۴۵) واقدی ص ۵-۶۶۴ قلعہ الصعب بن معاذ سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں ریشمی کپڑوں (بزدز) اور موتی و مونگے (خرز) بھی کافی تعداد میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہو ص ۶۸۷ کمخواب (خمائل) اور فدک کی چادروں (قطیفۃ فدك) کے لیے، ص ۶۸۸ پر بیس مسلم عورتوں کو دیناروں کے عطیے دیے جانے کا بیان ملاحظہ ہو۔

(۱۴۶) واقدی ص ۶۶۹۔

(۱۴۷) واقدی ص ۶۷۳؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۲-۶۷۱، ۲-۶۸۱ اور ۷-۶۸۵؛ مزید ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵-۵۱۴؛ ابن ہشام، سوم ص ۹-۳۴۸؛ طبری، سوم، ص ۱۴۔

(۱۴۸) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۱۴۹) حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی نے جو خیبر کے غزوہ میں شریک تھے ایک باندی بطور غنیمت پائی تھی جو مدینہ منورہ کے مہاجن یہودی ابو الشحم کی رشتہ دار تھی۔ حضرت موصوف نے اس کو مذکورہ بالا یہودی کے ہاتھ کافی بڑی قیمت (مال) پر بیچ دیا تھا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۳۵۔ واقدی کے ایک بیان سے (ص ۶۴۷) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قلعہ الشق میں پائے گئے تمام یہودی خاندانوں یا عورتوں بچوں (الذریۃ) کو غلام بنا لیا گیا تھا۔ اسی طرح قلعہ الصعب بن معاذ کے بعض یہودی سپاہیوں اور جنگجوؤں کو قیدی بنا لیا گیا تھا جبکہ ان میں سے بیشتر کو قلعہ الزبیر میں پناہ لینے کے لیے فرار کا موقعہ دیا گیا تھا (واقدی ص ۴-۶۶۳)۔ قلعہ الزبیر میں جو کہ مجموعہ النطاۃ میں سب سے بعد میں فتح ہوا دس یہودی سپاہیوں کو قتل اور غالباً کئی کو قید کر لیا گیا تھا (واقدی، ص ۶۶۷)۔ اسی مورخ کی ایک اور روایت (ص ۶۶۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ النزار کے سوا یہودی بچوں اور عورتوں کو نہ تو مجموعہ النطاۃ میں گرفتار و قید کیا گیا تھا اور نہ مجموعہ الشق میں۔ در اصل یہ بچے اور عورتیں ان کے اپنے مرد پناہ کے واسطے وہاں لائے تھے۔ ان میں حضرت صفیہ بنت حی اور بعض دوسری عورتیں شامل تھیں۔ دوسرے تمام عورتیں اور بچے جن کی تعداد دو ہزار بتائی جاتی ہے مجموعہ الکتیبہ کے قلعوں میں تھے اور ان سب کو رہا کر دیا گیا تھا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیشتر قلعوں کے سقوط سے پہلے صلح کر لی تھی۔ بہر کیف بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کنانہ بن ابی الحقیق اور اس کے ایک بھائی کے خاندانوں کو قیدی بنا لیا گیا تھا۔ یہ لوگ مجموعہ الکتیبہ کے قلعہ سُلالم میں ملے تھے (واقدی ص ۶۷۳)۔ اسی طرح واقدی کی ایک اور روایت (ص ۶۷۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ بنت حی کی ایک بنتِ عم گرفتار و قید ہو کر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کو عطا کر دی گئی تھیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے ص ۶-۶۷۵۔ مزید ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۱۲-۱۰۹؛ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۱۱ وغیرہ؛ ابنِ ہشام،

سوم ص ۳۸۸؛ لیعقوبی، دوم ص ۵۶؛ طبری، سوم، ص ۹ اور ۱۴؛ ابنِ اثیر، دوم ص ۸ - ۲۱۷، ۱ - ۲۲۰؛ ابن خلدون، دوم، ص ۶ - ۹۵؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۸۴ وغیرہ اور ۷ - ۱۹۶ -

(۱۵۰) واقدی، ص ۸۰ - ۶۷۹ -

(۱۵۱) واقدی، ص ۶۸۰ -

(۱۵۲) واقدی، ص ۶۸۸ -

(۱۵۳) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۲۲؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن کثیر، چہارم ص ۲۰۱ جنھوں نے اس معنی کی ایک روایت امام بخاری کی صحیح کی سند پر بیان کی ہے -

(۱۵۴) ایضاً - حوالہ جات سابقہ

(۱۵۵) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۱۵؛ ابن ہشام، سوم، ص ۳۸۹ وغیرہ؛ واقدی، ص ۱ - ۶۹۰؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴ - ۱۱۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۷؛ طبری، سوم، ص ۱۵؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۱۲؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۹۶؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۹۹ -

(۱۵۶) واقدی، ص ۶۹۳ - یہ اعداد و شمار میرے حساب پر مبنی ہیں - واقدی نے جو مقدار مجموعہ الکتیبہ کی پیداوار کی دی ہے وُہ یہ ہے: آٹھ ہزار وسق تمر، تین ہزار صاع شعیر اور ایک ہزار صاع نویٰ - اس میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خمس مالِ غنیمت خیبر نصف ملتا تھا یعنی چار ہزار وسق تمر، ڈیڑھ ہزار صاع شعیر اور پانچ سو صاع نویٰ - الکتیبہ میں جو پیداوار تھی اس کا خمس ریاست کو ملتا تھا اور اس خمس کی بنیاد پر اربعہ اخماس کے اعداد و شمار متن میں دیئے گئے ہیں -

(۱۵۷) واقدی، ص ۱۵۷ -

(۱۵۸) واقدی، ص ۷ - ۶۸۶ -

(۱۵۹) واقدی، ص ۶۸۲ -

(۱۶۰) واقدی، ص ۷۰۰، نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۵۲۳ -

(۱۶۱) واقدی، ص ۷۱۱ کے مطابق تیماً کے یہودیوں نے جزیہ پر صلح کی تھی - غالباً اس جزیہ سے مراد ان کی زمین کی نصف پیداوار ہی ہے جیسا کہ خیبر کے معاملے میں ہوا تھا -

(۱۶۲) واقدی، ص ۷۰۰ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۵۲۳ -

(۱۶۳) واقدی، ص ۱۱ - ۷۱۰ کا بیان ہے کہ مالِ غنیمت میں کچھ گھریلو اسباب (اثاث) اور کافی سامان (متاع کثیر) شامل تھا -

(۱۶۴) واقدی، ص ۷۰۷ -

(۱۶۵) ابن سعد، دوم ص ۱۱۸، کا بیان ہے کہ اسی سریہ میں حضرت سلمہ بن اکوع کے ہاتھوں ایک عورت بطور باندی پکڑ کر لائی گئی تھی اور بعد میں اس کو ایک مسلمان قیدی کے بدلے میں مکہ والوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲۲۷۔

(۱۶۶) واقدی، ص ۲۳، وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ مہم فدک بھیجی گئی تھی جبکہ ابن سعد، دوم ص ۱۱۹ کا بیان ہے کہ وہ المیفعہ گئی تھی۔ بہرحال اول الذکر کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ میفعہ جانے والی دوسری مہم تھی ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۲۶۔

(۱۶۷) واقدی، ص ۵-۷۲۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۱۹ جن کا خیال ہے کہ اس مہم میں کوئی قیدی گرفتار نہیں ہوا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ایضاً ص ۱۲۶۔ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۸-۷۲۷، اور ابن سعد، دوم ص ۲۰-۱۱۹۔

(۱۶۸) واقدی، ص ۲-۷۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۵-۱۲۴۔

(۱۶۹) واقدی، ص ۴-۷۵۳۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم ص ۱۲۷ جو قیدیوں کی گرفتاری اور بعد میں ان کی رہائی کا کوئی حوالہ نہیں دیتے۔

(۱۷۰) ایضاً

(۱۷۱) واقدی ص ۷۶۸ نے یہ روایت حضرت جابر بن عبد اللہ کی سند پر بیان کی ہے۔

(۱۷۲) واقدی، ص ۷۶۹ کا بیان ہے کہ حضرت عزیہ انصاری نے یہ یاقوت پایا تھا جس کو انھوں نے خلافتِ فاروقی میں کسی وقت ایک سو دینار میں بیچ دیا تھا اور اس رقم سے ایک کھجور کا باغ خرید لیا تھا۔ اس کے لیے واقدی نے حدیقہ نخلہ کی اصطلاح استعمال کی ہے اور جو بنو خطمہ کے محلے یا علاقے میں واقع تھا۔

(۱۷۳) حوالہ جات ماسبق۔ نیز واقدی ص ۷۶۸۔

(۱۷۴) واقدی ص ۷۷۱۔

(۱۷۵) ایضاً

(۱۷۶) اس کے لیے ملاحظہ ہو غزوۂ بدر میں قریشی فوج کے لیے اونٹوں کو روزانہ ذبح کرنے کی روایت۔ ابن سعد، دوم، ص ۱۵ کے مطابق ایک ہزار یا نو سو پچاس سپاہیوں کے لیے کسی دن دس اور کسی دن نو اونٹ ذبح کیے جاتے تھے گویا یومیہ ایک اونٹ سو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا تھا۔ نیز واقدی ص ۵۳، ابن اسحاق ص ۲۹۵ میں یہی روایت موجود ہے۔

(۱۷۷) واقدی، ص ۸۰-۷۷۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳-۱۳۲۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۳۸۱۔

(۱۷۸) واقدی ص ۸۲۶ وغیرہ۔ ابن خطل کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے اپنے ہتھیار پھینک دئے تھے اور ان میں اس کا زرہ بکتر اس کے اندر پہننے کی صدری (صَفَف) کپڑے کا اور آہنی خود (مغفر و بیضہ) شامل تھے۔ مزید برآں اس کا

گھوڑا بھی ہاتھ آیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو لیعقوبی، دوم، ص ۶۱ جس کا بیان ہے کہ کچھ دولت (مال) خانہ کعبہ میں پایا گیا تھا اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان غازیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

(۱۷۹) واقدی، ص ۸۷۰-۸۷۰؛ ابن سعد، دوم ص ۹-۱۴۵ اور ۱۵۷ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول ص ۲-۳۸۱۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۶۵؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۶۴؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۶۰ اور ۲۸۴؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۸۱۰؛ لیعقوبی، دوم، ص ۶۱؛ طبری، سوم ص ۶۵ وغیرہ کا خیال ہے کہ حضرت خالد بن ولید مخزومی کو نخلہ کے صنمکدۂ عزّیٰ سے کچھ زیورات (حلی) ملے تھے جو وہاں چڑھاوے کے طور پر چڑھائے گئے تھے۔ اسی طرح سوم ص ۱۰۰ پر یہ بیان ملتا ہے کہ طائف میں واقع لات کے بت کے گھر میں کچھ زیورات (حلی) اور سونے اور ہیروں پر مشتمل مال (مال الذہب والجا) بھی ملا تھا۔ اس مال کو حضرات مسعود بن عروہ ثقفی اور الاسود (جو اپنے قبیلہ والوں کے ہاتھوں اسلام کی خاطر شہید ہوئے تھے) کے دو فرزندوں کا قرض اتارنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابنِ کثیر، چہارم ص ۳۱۶ جو پوری طرح سے طبری کا تتبع کرتے ہیں۔

(۱۸۰) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۹۲ اور ابن ہشام چہارم ص ۱۳۴ کا بیان ہے کہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں (الابل والشاء) بے شمار تھے۔ جبکہ واقدی ص ۹۴۳ کا کہنا ہے کہ بھیڑ بکریاں (الغنم) شمار و حد سے زیادہ تھیں۔ یہاں الغنم سے اونٹ بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں اس کا ترجمہ مویشی ہو گا۔ مگر ایک دوسری روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ بھیڑ بکریاں چالیس ہزار یا اس سے کچھ زیادہ یا کم تھیں جبکہ اونٹ چوبیس ہزار تھے۔ دوسری طرف ابن سعد، دوم ص ۱۵۲ کا بیان ہے کہ بھیڑ بکریوں کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی۔ لیعقوبی، دوم ص ۶۳ کی روایت میں اونٹوں (ناقہ) کی تعداد بارہ ہزار بتائی گئی ہے اور دوسرے غنائم میں اسلاب کو شمار کیا گیا ہے۔ طبری، سوم، ص ۸۶ نے بالکل ایک مختلف روایت دی ہے جس کے مطابق اونٹوں کی تعداد صرف چھ ہزار تھی جبکہ بھیڑ بکریاں (الشاء) بے حد و حساب تھیں اور قیدی بڑی تعداد (عدد کثیر) میں تھے۔ ابنِ اثیر، دوم ص ۷۰-۲۶۸ وغیرہ اونٹوں، قیدیوں یا بھیڑ بکریوں میں سے کسی کی کوئی تعداد نہیں بیان کرتے۔ جبکہ ابن خلدون، دوم ص ۸۱۷ نے اونٹوں یا دوسرے مویشیوں کی تعداد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ابن کثیر، چہارم ص ۶۰-۳۵۲ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تمام روایات متعلقہ و مذکورہ کو جمع کر دیا ہے۔ ان تمام روایات کے تجزیہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بھیڑ بکریوں کی بے شمار تعداد تسلیم کر لی جائے۔

(۱۸۱) واقدی، ص ۹۴۴ اور ابن سعد، دوم ص ۱۵۲۔ مآخذ میں سے صرف انھیں دونوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۱۸۲) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۹۲ وغیرہ؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۵-۱۳۴؛ واقدی، ص ۹۴۳، ۵۵-۹۴۹؛ ابنِ سعد، دوم ص ۴-۱۵۳؛ لیعقوبی، دوم، ص ۶۳؛ طبری، سوم، ص ۸۴ اور ۸۶-۸۷ وغیرہ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۹-۲۶۸؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۸۱۶ وغیرہ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۳۵۲ وغیرہ۔

(۱۸۳) حوالہ مذکورہ بالا نمبر ۱۸۰۔

(۱۸۴) ایضاً

(۱۸۵) ایضاً

(۱۸۶) واقدی، ص ۹۴۹ کے مطابق بارہ ہزار مسلم سپاہ میں سے ہر ایک پیادہ سپاہی کو چار اونٹ یا چالیس بھیڑ بکریاں ملی تھیں جبکہ ہر شہسوار کے حصہ میں اس کا تین گنا حصہ یعنی بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بھیڑ بکریاں پڑی تھیں۔ نیز ملاحظہ فرمائیے ابن سعد، دوم، ص ۱۵۲ جن کا بیان ہے کم از کم مطبوعہ متن کے مطابق مذکورہ بالا اونٹوں اور بھیڑ بکریوں دونوں کی تعداد (الابل والشاء) ایک سپاہی کے حصۂ غنیمت میں شامل تھیں۔ ایسی صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ ہر پیادہ کا حصہ ۴ اونٹ + ۴۰ بھیڑ بکری اور ہر شہسوار کا حصہ ۱۲ اونٹ + ۱۲۰ بھیڑ بکری ہو گا۔ طبری، سوم، ص ۹۵ اور ابن کثیر، چہارم ص ۳۵۵ پوری طرح سے ابن سعد کی روایت کا تتبع کرتے ہیں لیکن عجیب بات بلکہ طرفہ ستم یہ ہے کہ اپنے بیانات کو واقدی سے منسوب کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں موخر الذکر مصنفین و مورخین کی اس روایت کی واقدی کی طرف نسبت بھی غلط ہے اور ان کا حساب بھی کیونکہ اس صورت میں تو بھیڑ بکریوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو جائے گی جو بظاہر ممکن نظر نہیں آتی۔

(۱۸۷) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۱۸۸) ملاحظہ کیجئے میری کتاب ORGANISATION OF GOVERNMENT UNDER THE PROPHET ص ۲-۱۷۱؛ عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، ص ۹-۷۴۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۹۰۸ اور ابن سعد، دوم، ص ۱۳۵۔

(۱۸۸ ب) ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۲-۵۷۱ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۰۲، ۹۰۸-۹، ۹۱۸ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۲-۱۵۲؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۳؛ طبری، سوم ص ۹۰-۸۹؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۶۶ وغیرہ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۱۶-۸۱۸؛ ابن کثیر، چہارم ص ۳۵۲ اور ۳۵۴ وغیرہ۔ ان میں سے سب ہی نے مالِ غنیمت حنین میں اسبابِ ضرورت (الرثۃ) کے شامل ہونے کا ضمناً حوالہ دیا ہے خاص کر واقدی کے یہاں (ص ۹۲۴) ایسے حوالے زیادہ ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عقیل بن ابی طالب ہاشمی کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو بطور غنیمت ایک سوئی (ابرۃ) مل گئی تھی جو انھوں نے اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت عتبہ اموی کو کپڑا سینے کے لئے دی تھی مگر جب اعلانِ نبوی ہوا کہ ہر شخص اپنا لوٹا ہوا مال خواہ وہ کتنا حقیر ہی کیوں نہ ہو واپس کرے ورنہ غلن میں شمار ہو گا تو صحابی موصوف نے وہ سوئی صاحب المغانم کے پاس لاکر جمع کر دی۔ ایک اور مسلمان مجاہد کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ انھوں نے اس اعلان کے بعد اون کا ایک گولہ (کبۃ شعر) واپس لاکر جمع کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ کچھ حوالے موتیوں کے ہار (عقد) اور زیور (حلی) وغیرہ کے بھی ملتے ہیں خواہ ماخذ صراحتاً اعتراف کریں یا نہ کریں

ان روایات سے بہرکیف اسباب ضرورت کی مالِ غنیمت میں شمولیت یقینی بن جاتی ہے۔

(۱۸۹) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۶۶۷؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۲۹۶ وغیرہ؛ واقدی، ص ۵-۴، ۹ وغیرہ؛ ابنِ سعد، دوم ص ۱۶۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲؛ یعقوبی، دوم ص ۴۷؛ ابن کثیر، پنجم ص ۲۱۹۔ ان سب مورخین کو دو طبقوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک طبقہ ابن اسحاق اور ان کے متبعین کا ہے اور دوسرا واقدی اور ان کے شاگرد رشید کا۔ اول الذکر کے مطابق اکثر قیدیوں کو بلا زرفدیہ کے رہا کر دیا گیا جبکہ بعضوں کو ادا کرنا پڑا تھا۔ موخرالذکر کے مطابق سب کو بلا فدیہ رہائی عطا کر دی گئی تھی اور متن میں جو دعوائے اسلام کیا گیا ہے اس سے یہی نقطۂ نظر میل کھاتا ہے۔ چنانچہ موخرالذکر کے مطابق کل گیارہ قیدی تھے جو رہا ہوئے۔ بہرحال بلاذری واحد مصنف ہے جس نے ان کی رہائی کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

(۱۹۰) واقدی، ص ۵۵-۷؛ ابن سعد، دوم ص ۱۶۲؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل ص ۳۸۰۔

(۱۹۱) واقدی، ص ۸-۹۸۴؛ ابنِ سعد، دوم ص ۱۶۴۔ ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل ص ۳۸۲ اور ۵۲۲؛ طبری، سوم، ص ۱۲-۱۱۱ وغیرہ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۸۵؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۶۳ وغیرہ۔ نیز دیکھئے ابن ہشام، چہارم ص ۲۴۴۔

(۱۹۲) ایضاً

(۱۹۳) ایضاً

(۱۹۴) ابن اسحاق، ص ۹-۶۰۲؛ واقدی ص ۱۶-۱۰۱۵؛ ابنِ سعد، دوم ص ۶-۱۶۵؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۶۸؛ فتوح البلدان، ص ۱۷؛ طبری، سوم، ص ۸-۱۰۷۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری و مسلم، الجامع الصحیح، غزوۂ تبوک۔

(۱۹۵) واقدی، ص ۹-۱۰۲۷؛ ابن سعد، دوم ص ۱۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم ص ۱۸۱ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳-۳۸۲؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۷؛ طبری، سوم، ص ۹-۱۰۸؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۸۱؛ ابن کثیر، پنجم ص ۱۷۔ ان میں سے سب کے سب موخرالذکر کے سوا اکیدر کے ایک جبہ کے سوا اور کسی غنیمت کے حصول کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ موخرالذکر نے بہرکیف ابن لہیعہ کی ابی الاسود سے روایت بیان کی ہے جس میں مالِ غنیمت کا ذکر ہے لیکن اس میں تعداد مختلف ہے: آٹھ سو غلام (السبی)، ایک ہزار اونٹ، چار سو زرہ بکتر اور چار سو ہی نیزے۔ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۱۱۵ جنھوں نے آٹھ سو بھیڑ بکریوں کی جگہ آٹھ سو غلام مراد لیے ہیں جیسا کہ ابن کثیر کی روایت میں بھی ہے۔ واقدی کے مرتب ص ۱۰۲۷ حاشیہ نمبر ۲ کا خیال ہے کہ زرقانی نے لفظ ”راس“ کو فرس سمجھ اور پڑھ کر گھوڑے مراد لے لیے ہیں۔ جبکہ دوسروں نے راس سے غلام بمعنی سر مراد لیے ہیں۔ لیکن عربی لغت میں ”راس“ سے مراد غلام یا گھوڑوں کے سروں کی بجائے بھیڑ بکریوں کے

سرمراد ہوتے ہیں۔ اور حقیقت کے لحاظ سے بھی یہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ دومۃ الجندل کی معمولی سی بادشاہت / حکومت نہ اتنی طاقتور تھی اور نہ اتنی مالدار کہ وہ آٹھ سو گھوڑے رکھ سکتی یا آٹھ سو غلاموں کا بوجھ سہار سکتی۔ اس کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ جب کندی بادشاہ نے جزیہ دینا منظور کیا تو کل تین سو دینار کی رقم مقرر ہوئی کہ یہی کل وہاں کے مردوں کی آبادی تھی۔ اس موضوع پر یہ بحث کی جگہ نہیں ہے ورنہ اس کے بہت سے اور بھی قرائن اور شواہد ہو سکتے ہیں۔ ایک اہم نکتہ یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ مآخذ کے مطابق یہ مال و دولت جو اکیدر سے حاصل کیا گیا تھا وہ غنیمت کے بجائے جزیہ یا صلح کے نتیجہ میں خراج کے ضمن میں آتا ہے۔

(۱۹۶) واقدی، ص ۱۰۸۰-۱۰۸۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۷۰۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۷۸؛ ابن ہشام، پنجم، ص ۳۱۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴؛ طبری، سوم، ص ۲-۱۳۱؛ ابن اثیر، دوم، ص ۳۰۰؛ ابن کثیر، پنجم ص ۱۰۴ وغیرہ۔

(۱۹۷) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۶ وغیرہ، واقدی ص ۱۱۷ وغیرہ، ابن سعد دوم ص ۱۹۰، انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴؛ طبری، سوم، ص ۱۸۴ وغیرہ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۸۴۶؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۱۷؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۲۲۲۔

(۱۹۸) حوالہ جات مذکورہ بالا۔

(۱۹۹) مذکورہ بالا جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ دو لاکھ درہم سے بھی کم مال غنیمت قریش مکہ سے ملا تھا۔

(۲۰۰) غزوہ حنین میں ملنے والے مال غنیمت کی مالیت کو اگر مآخذ کے بیان کردہ اسباب و اعداد و شمار پر تخمینہ کیا جائے تو مذکورہ بالا تین ملین درہم کا محض ایک تہائی حصہ آتا ہے لیکن اگر انفرادی مسلم حصہ کی بنیاد پر تخمینہ لگایا جائے تو تین ملین درہم سے زیادہ تخمینہ لگتا ہے۔ قرین قیاس ہے کہ اوّل تخمینہ زیادہ قریب حقیقت ہے۔

(۲۰۱) ملاحظہ ہو واقدی ص ۴۰۰۔

(۲۰۲) واقدی، ص ۶۳۵ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت ابوعبس بن جبر کو سنبلیہ نامی ایک لباس عطا فرمایا۔ یہ غزوۂ خیبر سے ذرا قبل کا واقعہ ہے۔ صحابی موصوف اتنے غریب و نادار تھے کہ غزوہ میں جانے کے لیے زادِ راہ وغیرہ تک سے محروم تھے۔ پُرجوش و پرعزم صحابی نے اس ہدیۂ نبوی کو آٹھ درہم میں بیچ دیا۔ دو درہم اپنی غذائی ضروریات پر صرف کیے اور دو درہم اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑے اور بقیہ چار درہم سے ایک باربرداری کا اونٹ خرید فرمایا اور غزوہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس واقعہ سے دو اہم نتیجے نکلتے ہیں اوّل یہ کہ چار درہم میں عام باربرداری کا اونٹ دستیاب ہو جاتا تھا اور دوم یہ کہ چار درہم روزانہ صرف ناگزیر ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی ہوتے تھے۔ اس لحاظ سے سالانہ ایک ہزار چار سو چالیس درہموں کی ضرورت ایک چھوٹے سے خاندان کو اپنی ناگزیر ضروریات کے لیے پڑتی تھی۔

(۲۰۳) ملاحظہ ہو حوالہ متعلقہ مندرجہ بالا۔

(۲۰۴) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۲۰۵) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۲۰۶) واقدی، ص ۶۲۵ حضرت ابوعبس بن جبر صحابی رسول کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں ناگزیر ضروریات کے لئے تقریباً پندرہ سو درہم سالانہ کی ضرورت پڑتی تھی اور دُوسری ضروریاتِ زندگی کے لیے قیاساً اتنی ہی مزید رقم درکار تھی۔ اس طرح عام ضروریاتِ زندگی کے لیے تین ہزار درہم کی رقم ناگزیر بن جاتی ہے۔اس قیاس کی تصدیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اپنی خلافت کے ابتدا ہی میں مقررہ تنخواہ سے ہوتی ہے۔ ابن سعد، سوم ص ۱۸۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۂ اول کی تنخواہ سالانہ ڈھائی ہزار درہم یا تین ہزار درہم مقرر کی گئی تھی۔ ایک دُوسری روایت (ابن سعد، سوم، ص ۱۸۷) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کی تنخواہ سالانہ چھ ہزار درہم تھی مگر در اصل یہ معاملہ التباس ہے کیونکہ جس سیاق میں یہ روایت آئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کل میزان رقم تھا جو حضرت موصوف نے اپنی مدّتِ خلافت کے دوران وصول کیا تھا کیونکہ ایک اور روایت (سوم ص ۱۹۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف نے اس رقم کی بیت المال کو واپسی کی اپنے ورثہ کو وصیت کی تھی۔مزید روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تنخواہ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ ماہ بعد طے کی گئی تھی۔ اس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ خلیفۂ اول نے اپنی ڈھائی سالہ خلافت (ربیع الاول ۱۱ھ تا جمادی الآخرہ ۱۳ھ) کے دوران صرف دو سال کی تنخواہ لی تھی جس کی مجموعی رقم چھ ہزار درہم بنتی ہے۔ اس طرح ڈھائی ہزار والی روایت صحیح نہیں ہے اور زیادہ صحیح روایت تین ہزار والی ہے۔اسی ضمن میں یعقوبی، دوم ص ۱۳۶ کی روایت کا بھی ذکر کرنا چاہیے جس کے مطابق خلیفۂ اوّل روزانہ صرف تین درہم تنخواہ (اجرتاً) بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ اس کے اعتبار سے موصوف کی سالانہ تنخواہ کل ایک ہزار اسّی درہم قرار پاتی ہے اور ظاہر ہے کہ بوجوہ معلوم یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ان دو واضح روایتوں کے علاوہ دوسرے بہت سے شواہد و قرائن ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ تین ہزار درہم سالانہ میں ایک مختصر سا خاندان تنگی ترشی کے ساتھ گزر بسر کر سکتا تھا۔اس سلسلہ میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خلافت صدیقی میں تنخواہ کی یہ تعیین عہدِ نبوی کے زمانۂ مبارک کے قریب ہی تھی اور دونوں عہدوں میں قیمتوں میں قطعی فرق نہیں پڑا تھا کہ ابھی فتوحات کا سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا۔حضرت ابو بکرؓ کی تنخواہ کے لیے مزید ملاحظہ کیجئے: ابنِ اثیر، دوم، ص ۴ - ۴۲۳۔

(۲۰۷) جہاں تک اس تنخواہ / رقم میں ایک مختصر سے خاندان کی گزر بسر کا تعلق ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرۂ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے اور تنخواہ مذکورہ کی تعیین کے وقت اس کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ وہ محض ناگزیر ضروریات کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو میٹھا کھانے کا شوق تھا مگر تنخواہ کی رقم سے اس کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ کفایت شعار و محبت کیش بیوی نے جز رسی کر کے اور تھوڑا تھوڑا سا بچا کر کے ایک دن اپنے عظیم و محبوب شوہر کے لیے میٹھے کا انتظام کر ہی لیا۔

(۲۰۸) برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۳-۴۲۔

(۲۰۹) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۵۵۰ کا بیان ہے کہ "مسلمان جو فتح مکہ میں موجود تھے دس ہزار تھے جن میں سے بنوسلیم کے سات سو (بعض کے مطابق ایک ہزار) تھے، بنو غفار کے چار سو، بنو اسلم کے چار سو، مزینہ کے ایک ہزار تین تھے اور بقیہ قریش وانصار، ان کے حلفا اور تمیم، قیس اور اسد وغیرہ عرب بدوی قبائل کے دستے تھے۔" نیز ملاحظہ ہو ص ۵۴۵ جہاں مذکورہ بالا روایت میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ "مہاجرین وانصار کل کے کل گئے تھے اور ان میں سے ایک بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔" اس جملہ سے یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیے کہ مدینہ کے دفاع کے لئے کوئی نہیں رہا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۸۰۰ جن کا بیان ہے کہ مہاجرین وانصار کے پیادہ سپاہیوں کی تعداد بالترتیب سات سو اور چار ہزار تھی۔ اور ان پر مستزاد ان دونوں کے آٹھ سو شہسوار تھے: تین سو مہاجرین کے اور پانچ سو انصار کے۔ اس طرح کل تعداد ساڑھے پانچ ہزار بن جاتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن اثیر، دوم، ص ۲۴۴؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۶-۲۸۵۔

(۲۱۰) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵۴۵؛ واقدی، ص ۸۰۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۵۔ اگرچہ ماخذ میں محافظ فوج کا ذکر صراحتاً یا ضمناً نہیں ملتا تاہم یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ مضمر ہر جگہ ہے۔

(۲۱۱) اس مہم کی اسلامی فوج کا قبائلی تجزیہ ہمارے ماخذ میں نہیں ملتا۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم، ص ۱۶۹ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۰۰-۹۰۸ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۵ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول ۳۶۸؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۷-۸؛ طبری، سوم، ص ۱۰۰ وغیرہ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۷۶ وغیرہ؛ ابن خلدون، دوم، ص ۱۹ وغیرہ؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۲ وغیرہ۔

(۲۱۲) ابن کثیر، الفصول فی سیرۃ الرسول، مکتبہ دارالتراث، مدینہ ۱۴۰۳-۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۳-۱۹۸۲ء، ص ۲۷۷؛ ابن کثیر نے دو روایتیں اس ضمن میں بیان کی ہیں ایک حضرت امام شافعی کی سند پر بیان ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مسلمانوں کی کل تعداد ساٹھ ہزار تھی جن میں سے نصف مدینہ میں آباد تھے۔ دوسری روایت ابوزرعہ رازی کی سند پر بیان ہوئی جو مسلم آبادی کی کل تعداد ایک لاکھ نفوس سے زیادہ بتاتی ہے۔

(۲۱۳) بحوالہ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، انگریزی، حیدرآباد دکن ۱۹۷۴ء، ص ۸۰ (پیراگراف نمبر ۱۷۵)، اردو ترجمہ از نذیر حق، نقوش لاہور ۱۹۸۲ء، رسول نمبر، دوم، ص ۵۸۹۔

(۲۱۴) ایضاً۔

(۲۱۵) واقدی، ص ۲۰۰-۱۹۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷؛ نیز ملاحظہ فرمائیے انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۲؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۰۔

(۲۱۶) واقدی، ص ۳۸۹۔

(۲۱۷) واقدی، ص ۸۵۴، ۴۳-۸۶۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۳۔ وہ تین مکی جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرضے دئے تھے ان میں صفوان بن امیہ نے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ابی ربیعہ نے چالیس ہزار درہم اور حویطب بن عبدالعزّٰی نے چالیس ہزار درہم دیئے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۳۹۷؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۶۸؛ طبری، سوم، ص ۷۳؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۲؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۶۲؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۳۲۴۔

(۲۱۸) واقدی، ص ۹۹۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۸۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۶۰۳؛ (ص ۷۸۳، ابنِ ہشام کی رائے کے لیے)؛ طبری، سوم، ص ۱۰۲؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۷۷؛ ابن کثیر، پنجم، ص ۴؛ ابنِ خلدون، دوم، ص ۹۱۰ جن کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جنھوں نے سب سے زیادہ عطیہ دیا تھا۔ ان کے علاوہ ایک روایت یہ بھی آتی ہے کہ صحابی موصوف نے ایک ہزار دینار نقد (بارہ ہزار درہم) دئے تھے اور غریب و مفلس مجاہدین کو نو سو اُونٹ اور سو گھوڑے فراہم کیے تھے اس کے علاوہ ان کی دوسری ضروریات بھی مہیّا کی تھیں۔ ہمارے حساب کے مطابق اس طرح عثمانی عطیہ کی مالیت صرف مویشیوں اور نقد کی اٹھتّر ہزار درہم آتی ہے اور اس میں ضروری اسباب رسد و آلاتِ حرب کی قیمت شامل نہیں ہے۔ اگر ان کو بھی شامل کر لیا جائے تو بہر صورت ایک لاکھ درہم سے عطیہ متجاوز ہو جائے گا۔

(۲۱۹) مسلم مجاہدین کی یہ تعداد تمام غزوات و سرایا میں شامل ہونے والے صحابہ کرام کی معلوم تعداد پر مبنی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی انگریزی کتاب مذکورہ بالا، ص ۲-۱۵۱؛ نیز مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، مذکورہ بالا، ص ۴۱-۳۳۹ پر ضمیمہ متعلق بہ غزوات و سرایائے نبوی۔

(۲۲۰) ابنِ اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۱۰-۳۰۹ وغیرہ؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۸۹-۲۸۸ وغیرہ؛ واقدی ص ۱۴۰-۱۳۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۵ وغیرہ؛ طبری، دوم، ص ۴۶۳؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۳۱؛ ابن کثیر، سوم، ص ۳۰۸ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ کیجئے ولیم میور، مذکورہ بالا، ص ۴-۲۲۳؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲-۱۲۔ قربانی، ایثار اور حسنِ سلوک کی صرف دو ایک مثال کافی ہوگی۔ ایک مکی قیدی ابو عزیز عبدری کو جو مشہور صحابیِ رسول حضرت مصعب بن عمیر عبدری کے بھائی تھے ان کے انصاری گرفتار کرنے والے ایثار پسند صحابی نے اپنا کھانا کھلا دیا تھا اور خود کھجوریں کھا کر گزارا کر لیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کو کُرتا فراہم کیا گیا تھا۔

(۲۲۱) واقدی، ص ۴-۹۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۴-۱۵۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۷-۳۶۶؛ طبری، سوم، ص ۷-۸۶۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۵-۵۹۲؛ ابن ہشام، دوم،

ص ۹۲-۹۰ ۔

(۲۲۲) ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، ص ۷-۶۷۶ کا بیان ہے کہ "حضرت ثمامہ بن اثال حنفی جو بحالتِ کفر قید ہوئے دورانِ قید ان کی عزت افزائی اور حسنِ سلوک کیا گیا۔" نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۶-۳۷۶ ۔ بنو مصطلق اور ہوازن کے قیدیوں کے ساتھ نہ صرف حسنِ سلوک ہوا بلکہ ان کو انسانیت و رحمت کی بنیاد پر بلا شرط رہا کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۴۹۳، ۳-۵۹۲ وغیرہ؛ واقدی، ص ۲-۴۱۱ وغیرہ اور ۹۴۳ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴، ص ۴-۱۵۳ وغیرہ، ان کے علاوہ متعدد اسیرانِ بنی قریظہ کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک کیا گیا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۴۶۵ وغیرہ؛ واقدی ص ۹-۵۱۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵ ۔

(۲۲۳) ابنِ اسحاق، ص ۶-۲۸۵؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۲۳۸؛ واقدی، ص ۳-۱۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۰-۹؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۱۲؛ ابن کثیر، سوم ص ۲۴۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷؛ یعقوبی، دوم، ص ۶۶ ۔

(۲۲۴) ابنِ اسحاق، ص ۳۶۱؛ ابن ہشام، دوم، ص ۲۳۸؛ واقدی، ص ۱۲؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۰؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۱۰؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۴۰-۱۳۹؛ ابن کثیر، سوم ص ۳۴۴ ۔

(۲۲۵) واقدی، ص ۲۰۷ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق ص ۳۰۷ وغیرہ؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۳-۲۲۴؛ طبری، دوم، ص ۵۰۷؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۱۴ ۔

(۲۲۶) مثلاً ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی)، ص ۲۴؛ رؤوف اقبال، عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا، ص ۱۱۹۔ البتہ مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۲۱، کا بیان ہے کہ اصرار کرنے والے نوجوانوں کے ساتھ دو ایک تجربہ کار بھی شامل تھے ۔

(۲۲۷) ابنِ اسحاق، ص ۶۰-۷۵۴؛ ابن ہشام، سوم، ص ۴۰-۲۳۹؛ واقدی، ص ۴۰۵؛ انساب الاشراف، اول ص ۴-۳۴۳ ۔

(۲۲۸) ابن اسحاق، ص ۵-۴۶۶؛ ابن ہشام، سوم، ص ۹۱-۲۹۰؛ واقدی، ص ۵-۵۶۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۱۵۵ ۔

(۲۲۹) مذکورہ بالا تمام جدید مورخین ان کی فوجی اہمیت یا کردار کے قائل ہیں ۔

(۲۳۰) ابنِ اسحاق، ص ۸-۴۲۶ اور ۴۳۳ وغیرہ؛ ابنِ ہشام، سوم، ص ۸۰-۱۸۳ وغیرہ؛ واقدی، ص ۴۴۶-۴۱۲؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴-۵۱ اور ۶-۵۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۶-۳۷۵؛ طبری، دوم، ص ۴۲-۵۳۸، ۵۵-۵۴۵؛ یعقوبی، دوم، ص ۷۰-۶۹ اور ۷۲؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۶۷ اور

۱۷۱ وغیرہ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۶۲ وغیرہ اور ۳-۷۱ -

(۲۳۱) ابنِ اسحاق، ص ۳۸۰ وغیرہ ؛ ابنِ ہشام، سوم ص ۱۵ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۲۳۱ وغیرہ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴۲ وغیرہ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۸ وغیرہ ؛ طبری، دوم، ص ۱۵-۵۱۴ وغیرہ ؛ یعقوبی، دوم، ص ۸-۴۷ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۵-۱۵۴ ؛ ابنِ کثیر، چہارم، ص ۱۷ وغیرہ -

(۲۳۲) واقدی، ص ۲-۵۵۱ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۵ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ ؛ ابنِ اثیر، دوم، ص ۲۰۷ -

(۲۳۳) ابنِ اسحاق، ص ۶۶۲ ؛ ابنِ ہشام، چہارم، ص ۹۱-۲۹۰ ؛ واقدی، ص ۵۶۴ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۹-۸۸ ؛ لیعقوبی، دوم، ص ۷۱ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اثیر، دوم، ص ۲۰۹ -

(۲۳۴) واقدی، ص ۲۳۷ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۹-۱۱۸ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، چہارم، ص ۲۸۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹ ؛ لیعقوبی، دوم، ص ۷۴ -

(۲۳۵) واقدی، ص ۷۴۱ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابنِ ہشام، چہارم، ص ۲۸۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹ ؛ طبری، سوم، ص ۵-۱۵۴ ؛ لیعقوبی، دوم، ص ۷۴ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۲۲۵ -

(۲۳۶) واقدی، ص ۲۵۷ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸-۱۲۷ ؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۸۰ ؛ طبری، سوم، ص ۱۵۷ ؛ لیعقوبی، دوم، ص ۷۵ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۲۴۱ -

(۲۳۷) ابن اسحاق، ص ۵۳۴ وغیرہ ؛ ابن ہشام، سوم، ص ۴۳۳ ؛ واقدی، ص ۷۵۵ وغیرہ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰-۱۲۹ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۰ ؛ طبری، سوم، ص ۳۹ وغیرہ ؛ لیعقوبی، دوم، ص ۶-۶۵ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۲۳۴ وغیرہ ؛ ابن کثیر، چہارم، ص ۲۴۱ وغیرہ -

(۲۳۸) مسلمانوں کے مختلف کامیاب غزوات جیسے بدر، خندق، مریسیع، خیبر، فتح مکہ اور حنین میں نقصانات کے لیے ملاحظہ ہو : ابنِ اسحاق، ص ۳۰۰، ۴۵۴، ۴۹۱، ۲-۵۱۱، ۵۵۰ اور ۵۶۹ وغیرہ ؛ واقدی، ص ۶۹، ۸۰-۷۷، ۴۰۸، ۷۰-۴۶۹، ۶-۵۲۵، ۹۹-۸۹۶، ۳-۹۰۲، ۱۰-۹۰۸، ۹۲۲ وغیرہ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۸-۱۷، ۶۸ وغیرہ ؛ ۶-۶۴ ؛ ۱۳۶، ۱۵۱ وغیرہ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۰، ۲۹۵ وغیرہ، ۳۴۵ وغیرہ، ۳۵۵، ۳۶۵ وغیرہ ؛ طبری، دوم، ص ۴۵۵ وغیرہ، ۵۷۵ وغیرہ، ۶۰۴ ؛ سوم ص ۱۰-۹ وغیرہ، ۷-۵۵ وغیرہ، ۷۴ وغیرہ ؛ لیعقوبی، دوم، ص ۴۵، ۵۱ وغیرہ ؛ ابن اثیر، دوم، ص ۱۲۵ وغیرہ، ۱۸۲، ۴-۱۹۲، ۲۱۷، ۲۱۶ وغیرہ، ۲۴۷، ۲۶۳ وغیرہ ؛ ابن کثیر، سوم، ص ۲۸۴ وغیرہ ؛ چہارم، ص ۳-۱۰۲ وغیرہ، ۱۵۹ وغیرہ، ۱۸۸ وغیرہ، ۲۹۲، ۳۳۶ اور ۳۴۰ وغیرہ -

(۲۳۹) ملاحظہ ہو تفصیلی بحث کے لیے خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی میں مسلم مدنی معیشت" تحقیقات اسلامی، علی گڑھ ۱۹۸۳ء،

جلد دوم ۶۲ء ، ص ۴۳-۲۱۔

(۲۴۰) ملاحظہ ہو میرا مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"، تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ ۱۹۸۳ء، جلد دوم ۲ء، ص ۲۵-۱۱۔

(۲۴۱) مذکورہ بالا۔

(۲۴۲) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۲۵۱۔

(۲۴۳) ملاحظہ ہو میرا مضمون مذکورہ مسلم معیشت پر۔

(۲۴۴) اس ضمن میں مکہ کے قریش، طائف کے ثقیف، حضر موت کے اقیال اور دوسری مملکتوں کے آزاد حکمرانوں اور دوسرے قبائل کے سرداروں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(۲۴۵) قرآن کریم، سورہ انفال، آیت ۱ وغیرہ۔ نیز بحث بر آیات غنیمت کے لیے طبری، تفسیر طبری، مرتبہ احمد محمد شاکر، قاہرہ ۱۹۶۰ء، ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مطبعہ عیسی البابی، مصر۔ غیر مورخہ، جلد دوم۔

(۲۴۶) مثال کے طور پر غزوۂ خیبر کے موقع پر یہی اعلان کیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اول، ص ۸۰-۳۴ اور حاشیہ ۱۔ نیز خاکسار کا مضمون "شبلی کی سیرت النبی کا مطالعہ — نقد سلیمانی کی روشنی میں" مذکورہ بالا، ص ۴۴۔

(۲۴۷) بحوالہ مونٹگمری واٹ، محمد مدینہ میں، ص ۲۲۰؛ خاکسار کی کتاب "عہدِ نبوی میں تنظیمِ ریاست و حکومت، نقوش لاہور، رسولؐ نمبر، جلد پنجم، ص ۶۵۳ اور ۶۶۱۔

(۲۴۸) مدنی مسلم معیشت پر میرا مضمون ملاحظہ کیجئے۔

(۲۴۹) چند مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت ثابت بن قیس خزرجی اور ان کے عم زاد بھائی نے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والی رقم کو مدینہ منورہ میں ایک باغ کی خریداری میں لگا دیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابو قتادہ انصاری نے الردینی نام کا ایک کھجور کا باغ خرید لیا تھا جو بنی سلمہ کے علاقے میں واقع تھا۔ اسی طرح حضرت عزیہ انصاری نے اپنے حصۂ غنیمت کا استعمال کیا تھا۔ حضرات عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، بریدہ بن حصیب اسلمی وغیرہ کے بارے میں روایات آتی ہیں کہ انھوں نے مختلف اوقات میں خیبر کی اراضی میں مالکانہ حقوق حاصل کئے تھے اور ان میں سے کئی مالِ غنیمت کی رقم سے تھے۔ مدنی عہد کے بالکل آغاز میں حضرت سعد بن ابی وقاص زہری نے مدینہ میں ایک جائداد مشتمل بر اراضی وسیع خرید لی تھی اور ان سب سے زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش کے یتیم صاحبزادے کے لیے خیبر میں جائداد خرید دی تھی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون مسلم معیشت پر۔ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲۳، ۱۱-۴۱۰، ۷۷۹، ۹-۹۰۸۔

(۲۵۰) حوالہ مذکورہ بالا۔

(۲۵۱) حوالہ مذکورہ بالا، نیز میرا مضمون مسلم معیشت پر۔

(۲۵۲) ایضاً

(۲۵۳) فتوح البلدان، ص ۱۳۱؛ واقدی، ص ۳۷۹۔

(۲۵۴) واقدی، ص ۸۰-۳۷۹۔

(۲۵۵) ملاحظہ ہو مدنی مسلم معیشت پر خاکسار کا مضمون، ص ۹-۲۸۔ نیز ملاحظہ ہو فرید میگگراؤوز (FRED MC- GRAW DONNER کا مضمون "MECCA'S FOOD SUPPLIES AND - MUHAMMAD'S BOYCOTT" JOURNAL OF THE ECONOMIC AND SOCIAL HISTORY OF THE ORIENT (JESHO) جلد ۲۰، حصہ اوّل ۱۹۷۷ء، ص ۶۹-۲۴۹۔

(۲۵۶) محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۸-۲۶۳۔ نیز ملاحظہ ہو مسلم معیشت کا مضمون، ص ۲-۳۱ اور ۳۰۔ نیز ملاحظہ ہو ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ وستنفیلد بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۲-۱۳۱۔

(۲۵۷) حوالہ مذکورہ بالا ۳۰۔

(۲۵۸) واقدی، ص ۸-۳۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰۔ نیز میرا مضمون مسلم معیشت، ص ۳۲۔

(۲۵۹) واقدی، ص ۲-۳۸۱۔

(۲۶۰) واقدی، ص ۴۰۰۔

(۲۶۱) واقدی، ص ۴۱۳۔

(۲۶۲) واقدی، ص ۲-۴۸۰ نیز ص ۷۰-۶۶۹۔

(۲۶۳) ایضاً۔

(۲۶۴) واقدی، ص ۵۷۵۔

(۲۶۵) واقدی، ص ۷۳۷۔

(۲۶۶) واقدی، ص ۹-۹۰۸۔

(۲۶۷) واقدی، ص ۷-۵۳۶۔

(۲۶۸) ابن سعد، چہارم، ص ۹-۳۸۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۰۹۔

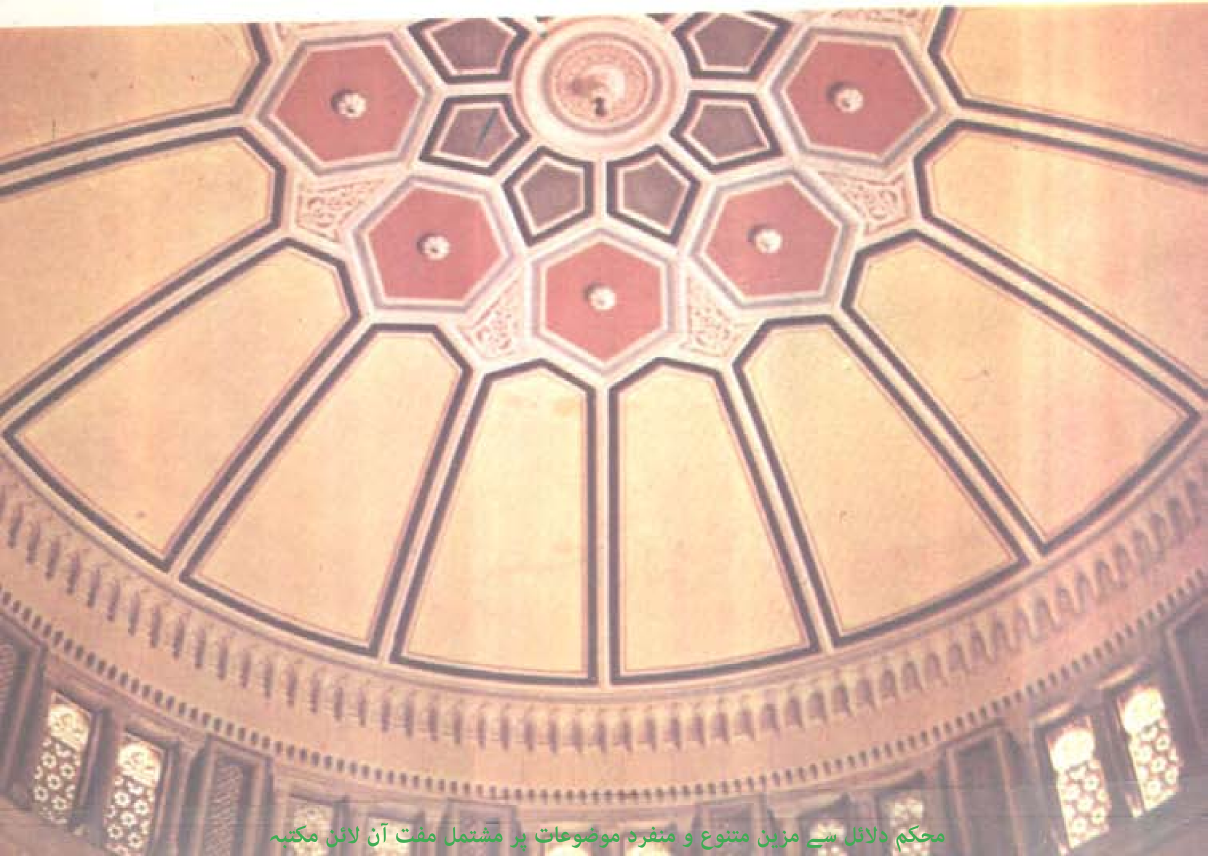
(۲۶۹) قرونِ وسطیٰ میں اس قسم کی مثالیں ہندوستان میں دہلی سلطنت اور مغل سلطنت، یورپ میں بازنطینی سلطنت اور پھر بعد میں صلیبی جنگوں کے ضمن میں بکثرت ملتی ہیں۔ ہندوستان میں دونوں سلطنتوں کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے:

خاکسار کے دو مضمون "MERCHANTS AND THE DELHI SULTANATE" شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۴ء جلد پنجم MEDIEVAL INDIA - A MISCELLANY اور "MERCANTILE CLASS IN MEDIEVAL INDIA" PROCEEDINGS OF THE SEMINAR ON MIGRATION IN INDIA منعقدہ زیر اہتمام جیمنی پبلیکیشنز کلکتہ سنہ ۱۹۷۷ء۔

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرۃ: ۱۴۶)

وہ آپ کو پہچانتے ہیں اس طرح جیسے کہ اپنی نسل والوں کو پہچانتے ہیں

مستشرقین اور مطالعہ سیرت



مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

- تعارف
- تاریخ
- تجزیہ
- فہرست

ڈاکٹر نثار احمد

مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے ہاں کے علمی اور دینی حلقوں میں مستشرقین کا نام اور ان کا کام اب خاصا مشہور و متعارف ہو چکا ہے اور فی زمانہ ایسے بالغ نظر علماء کی کمی نہیں ہے جو مستشرقین کی علمی مساعی، ان کے "تحقیقی کارناموں" اور ان کے مالہٗ وماعلیہ سے واقف نہ ہوں۔ تاہم اسلامی علوم کے حوالے سے بالعموم اور مطالعۂ سیرت کے حوالے سے بالخصوص، مستشرقین کے کام کی نوعیت، ان کے رویہ اور سلوک اور ان کی کیفیت وکمیت سے عام طور پر بے خبری پائی جاتی ہے۔ اور وقت کی ضرورت ہے کہ اردو داں طبقہ کے سامنے خاص طور پر پورے مسئلہ کا ایک مفصل علمی جائزہ پیش کر دیا جائے۔

(۲)

تعارف

واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کے بارے میں صورت حال اب پہلے سے بہت مختلف ہو چکی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اسلام پیغمبرِ اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے مستشرقین کا تعصب وتظلم اپنی انتہا پر تھا[1]۔ اور ان کی تحریروں میں بے باکی وگستاخی فحاشی کی

---

[1] یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مصنفین کثر مذہبی جذبہ کے حامل تھے اور ان کا مشنری جذبہ، جوشِ عداوت میں حقایق سے بے پروا، سطر سطر سے عیاں ہوتا تھا۔ بقول ایک مصنف" پروفیسر آربری نے اپنی کتاب Portraits of Persian Poets کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یورپ میں اسلام پر لکھنے والوں کے تین دور ہیں۔ جن میں سے پہلا مشنری دور ہے جبکہ یہ لوگ لکھتے ہی تھے اسلام کو رسوا اور بدنام کرنے کے لیے۔" ڈاکبر آبادی، مولانا سعید احمد، پروفیسر اجناس گولڈ زیہر۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ شمارہ اگست ۱۹۸۲ء۔ ص ۹۰) ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ" انتہائی افسوس ہے کہ ماضی میں باہم تعلقات عداوت ومخالفت پر مبنی رہے ہیں، سیاسی اور مذہبی دونوں ہی دائروں میں۔"

(Loofty Levonian, studies in Relationship between Islam and Christianity. London.1940 p.109.)

حد تک پائی جاتی تھی جس سے بعضوں کو خود شرم آئی۔[۱] لیکن پھر رفتہ رفتہ بحیثیت مجموعی، مختلف عوامل کے نتیجہ میں شدت کم ہوتی چلی گئی، مختلف مکاتیب فکر وجود میں آئے اور انکشافِ حقیقت کے ساتھ ساتھ خود مستشرقین کے گروہ میں کچھ معتدل قسم کے مصنفین بھی شامل ہو گئے۔[۲] یہاں تک کہ عہد جدید میں استشراق (Orientalism) اور مستشرقین (Orientalists) مسلم اور غیر مسلم دونوں کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اسلام اور دنیائے اسلام کو بہت غلط طور پر پیش کیا ہے۔[۳] نتیجتاً یہ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ جو کچھ نظریات پہلے قائم کیے گئے تھے ان کو بالکل بدلنا ممکن نہ ہو تو ان پر نظر ثانی بہرحال کی جانی چاہئے۔[۴] شاید یہی وجہ ہے کہ اب بعض مستشرقین نے اپنے نظریات واقعتاً تبدیل کر لیے ہیں[۵] اور بعض جگہ حلقہ بگوشِ اسلام بھی ہو گئے ہیں۔[۶]

۱۔ مثلاً سترھویں صدی کا ایک مستشرق ہنری اسٹبے م ۱۶۷۶ء اپنی کتاب میں اقتباسات نقل کر کے بار بار (خصوصاً باب دوم و ہشتم و ضمیمہ ص ۷۹، ۱۴۱، ۱۹۵ و مابعد) معذرت کرتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Stubbe, Dr. Henry, An Account of the Rise and Progress of Mohammetanism (Reprint of 1911 ed.) Al-Bairuni Lahore. 1976.

۲۔ ان باتوں کی کچھ تفصیل آئندہ صفحات میں تاریخی جائزہ کے تحت آئے گی تاہم مجموعی تصور کے لیے دیکھیے:

Rodinson, Maxim, The Western image and Western studies of Islam. The legacy of Islam. Ed.Joseph Schacht, C.E Bosworth . Oxford Clarendon Press.1974. p 9-62.

۳۔ ملاحظہ ہو: Ahsan, M.M.Orientalism and the study of West. The Muslim World. Book Review. vol.۲No.4 Summer 1981. London . p 51.

۴۔ G.H.Militant IslamJansen, Pan Books. London 1979 p.76.

۵۔ مثلاً عہد جدید کے عظیم ترین مستشرق گب کے نظریات یا دورِ حاضر کے مستشرق اسمتھ وغیرہ۔ اسمتھ اپنی تازہ ترین تصنیف میں رقم طراز ہے کہ "جدید سامی تحقیقات نے بہت سے مفروضات کو باطل قرار دے دیا ہے اور جدید مغرب اب اسلام کے معاملہ میں نرم (Soft) پڑ گیا ہے۔ اور ہر معاملہ میں نفی (No) سے رجوع کر لیا ہے (ص ۲۹۶)، اس نے سرتاج علمائے مغرب H.A.R. GIBB کے بارے میں صاف لکھا ہے کہ وہ قرآن کو وحی الٰہی اور تنزیل ماننے لگا تھا (ایضاً) ایک اور مسیحی عالم Kenett Cragg کے متعلق اس کی شہادت ہے کہ وہ قرآن کو مذہبی اعتبار سے مسترد کرنے سے انکاری ہے (ایضاً) آگے چل کر اسمتھ نے توقع ظاہر کی ہے کہ آئندہ زمانہ (چند سالوں) میں غالباً مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سوال و جواب میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی (ص ۲۹۹) Smith, W.C. On understanding Islam, Selected Studies. Mounton Publishers. Hegue. 1981.

۶۔ مثلاً زندہ مستشرقین میں سے مارٹن لنگز (Martin lings) شن Schun اور حامد الگر (Hamid Algar) وغیرہ۔ مارٹن لنگز نے تو سیرتِ رسولؐ پر یہ عظیم کتاب "اسلامی ابتدائی ماخذ کی روشنی میں لکھی ہے۔" دیکھیے: Lings, Martin. Muhammad. (His life based on the earliest Sources). George Allen & Unwin London 1983

(۳)

آغاز کار

دنیا کی مختلف زبانوں میں بالعموم اور انگریزی[1] اور عربی میں بالخصوص مستشرقین کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے علم و تحقیق کی نوعیت و حقیقت اپنے پرایوں سب پر کھلتی چلی جا رہی ہے۔ بلکہ پچھلے دو ایک عشروں میں تو انگریزی زبان میں بعض کتابوں کی اشاعت نے خود مغربی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا ہے[2] اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی حالات، دنیا کے ہر حصہ میں بہت کچھ منقلب ہو چکے ہیں۔ علم و تحقیق کی بہت سی نئی راہیں دریافت ہو چکی ہیں اور بوڑھوں کے مقابلہ میں نوجوان نسل فکر و نظر کی نئی تبدیلیوں کی نقیب بنتی جا رہی ہے۔ انگریزی کے علاوہ عربی زبان میں بھی مستشرقین کے حوالہ سے بعض اہم کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں[3] جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے تو تاریخی اعتبار سے جس طرح

---

[1] انگریزی زبان میں اس موضوع پر لکھی جانے والی قابلِ ذکر کتابوں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو:

(i) Ahsan, M.M. A select Bibliography. The Muslim World. Book Review vol. 1. No.4 London Summer 1981 p.51=60.

(ii) Hamadeh, Muhammad Maher, Muhammad The Prophet, A selected Bishiography. Ph.D. Thesis. Michigan University 1965 (Unpublished - Micro-film copy, Varsity of Kar).

(iii) Pearson, J.D. Index Islamicus. (1906-1955) W. Haffer. Cambridge. England. 1958. Supplement I (1956-1960) Mansell London 1973 Supplement II (1961-1965) Mansell 1974,

[2] ان کتابوں میں خاص طور پر ایڈورڈ ڈبلیو سعید کی کتاب قابلِ ذکر ہے۔ مصنف نے استشراق کے تمام مسائل پر مفصل بحث اور جراَتمندانہ تجزیہ کیا ہے۔ دیکھیے: Said, Edward, W Orientalism - Routledge Kegam Paul. London 1978.

[3] مثلاً دیکھیے: (۱) العقیقی، نجیب، المستشرقون۔ دار المعارف۔ مصر ۱۹۶۴-۶۵ء (ج ۱ تا ۳)

(۲) احمد، ابراہیم خلیل۔ المستشرقون والمبشرون فی العالم الاسلامی۔ قاہرہ ۱۹۶۴ء۔

(۳) زکریا، ہاشم زکریا۔ المستشرقون والاسلام۔ لجنۃ التعریف بالاسلام۔ جمہوریۃ العربیۃ المتحدہ ۱۹۶۵ء۔

(۴) البہی، محمد۔ المبشرون والمستشرقون فی موقفہم عن الاسلام۔ الازہر۔ طبع جدید۔

(۵) الہرادی، حسین، المستشرقون والاسلام۔ المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ۔ ۱۹۶۵ء

(۶) الدسوقی، محمد، الاسلام والمستشرقون۔ قاہرہ۔ ۱۹۶۲ء۔

(۷) شلبی، عبدالجلیل۔ الاسلام والمستشرقون۔ قاہرہ ۱۹۷۷ء۔

(۸) صبرہ، دکتورہ عفاف۔ المستشرقون ومشکلات الحضارۃ۔ دار النہضۃ العربیہ۔ قاہرہ ۱۹۸۰ء۔

ان میں سے اول الذکر کتاب اہم ترین اور مفصل ترین ہے جو سرنامہ کے عین مطابق اس موضوع پر واقعی ایک [باقی بر صفحہ آئندہ]

سیرت نگاری کے حقیقی دور کا آغاز سر سید احمد خاں ۱۸۹۸ء اور ان کے رفقاء سے ہوا۔[۱] اسی طرح مستشرقین کے حوالہ سے بھی مطالعہ سیرت کا علمی محاذ بھی سب سے پہلے دراصل سر سید احمد خاں نے ہی کھولا۔ اور اس حقیقت کے باوجود کہ سر سیّد کے دینی افکار میں تجدد کا رنگ نمایاں تھا، اور راسخ العقیدہ علماء کو اُن سے حد درجہ اختلاف تھا اور ہے۔ سر سید نے جذبۂ ایمانی[۲] اور خالص جرأت رندانہ سے کام لے کر اپنے ہمعصر مستشرق سر ولیم میور[۳] کی دل آزار تصنیف The Life of Mohammad (حیاتِ محمدؐ) کی اشاعت[۴] پر خاموشی کو گناہ کے برابر خیال کیا۔ اور تمام ترکم مائیگی کے باوجود اہانتِ رسول کا خاموش بدلہ لینے کے لیے اپنا تن من دھن سب لگا دیا اور خالص علمی سطح پر میور کی کتاب پر تنقید و محاکمہ کر کے، مناظرانہ رنگ سے پاک، تاریخی حقائق و اسناد پر مبنی ایک

[بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ] انسائیکلو پیڈیا (موسوعۃ) کی حیثیت رکھتی ہے۔ پوری کتاب تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے (تقریباً ۱۲۰۰ صفحات) العقیقی نے بڑی جامعیت کے ساتھ دنیائے مغرب کے تمام اہم علاقوں (فرانس، اٹلی، برطانیہ، اندلس، پرتگال، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ، سویڈن، روس، امریکہ وغیرہ) کے تمام قابلِ ذکر مستشرقین (اگرچہ بعض کا ذکر چھوٹ گیا ہے مثلاً فان کریمر وغیرہ) کے احوال و آثار کو جمع کر دیا ہے۔

[۱] کشفی، سید ابوالخیر، اردو میں سیرت نگاری۔ نقش سیرت۔ مرتبہ نثار احمد۔ ادارہ نقشِ تحریر۔ کراچی ۱۹۶۸ء۔ ص ۶۴۔

[۲] سر سید جذبات دل کو الفاظ کا جامہ یوں پہناتے ہیں :

خدا دارم، دل بریاں ز عشق مصطفےٰ دارم
نہ دارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

حالی رقمطراز ہیں کہ جس زمانے میں سر سید، سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمدؐ کا جواب لکھنے کی تیاری کر رہے تھے انھوں نے ولایت سے مولوی سید مہدی علی خاں کو ایک خط میں یہ الفاظ لکھے تھے "مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرۃ میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھی جائے اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے، قیامت میں تو یہ کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اُس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا حاضر کرو۔ مارا ہمیں نعمۂ شاہنشاہی بس ست"۔ ملاحظہ ہو (حالی، مولانا الطاف حسین۔ حیاتِ جاوید۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس۔ کراچی۔ طبع جدید۔ دسمبر ۱۹۶۵ء۔ ص ۴۲۶)

[۳] سر ولیم میور (۱۸۱۹ تا ۱۹۰۵) مشہور انگریزی مستشرق، عربی کا مستند عالم، انگریز سرکار کا نمائندہ، منتظم سیاس، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں شعبۂ جاسوسی کا سربراہ اور متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ اس کا بھائی جان میور (۱۸۱۰ - ۱۸۸۲) بھی مستشرق اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ ملاحظہ ہو : Websters' Biographical Dictionery . Marian Co. Mussachusets . 1974. p.1067.

[۴] یہ کتاب بزبان انگریزی چار جلدوں میں پہلی مرتبہ (۱۸۵۸ تا ۱۸۶۱) میں شائع ہوئی (ایضاً) ایک مصنف کے بقول یہ کتاب سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو جانے اور مسلمانوں کی خود مختارانہ حکومت اور سیاسی اقتدار کے خاتمہ کے بعد اسلام کے دینی تفوق کو مٹانے کے لیے مسیحی کوششوں کے ضمن میں اسٹراس کے طرزِ استدلال کی پیروی کرتے ہوئے شائع کی گئی تھی (نواب علی۔ پروفیسر سید۔ سیرتِ رسول اللہ۔ مکتبہ افکار۔ ۱۹۶۶ء۔ دیباچہ ص ۱۸) یہ کتاب میور نے ایک مشہور یورپی پادری پی فنڈر کی فرمائش اور اصرار سے لکھی تھی۔ پانی پتی، دیباچہ۔ الخطبات الاحمدیہ۔ سر سید احمد خاں۔ نفیس اکیڈمی۔ کراچی ۱۹۶۴ء۔ ص ۹)

جوابی کتاب" الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرت المحمدیہ" لکھی[1]۔ اور یُوں انیسویں صدی کے اواخر سے گویا مستشرقین کے مقابلہ میں ایک جوابی علمی تحریک کا آغاز ہوگیا۔ یہ بڑا اہم دور تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب مستشرقینِ یورپ فی الواقع سیرت رسولؐ کے اصل عربی مآخذ سے علمی طور پر واقف ہوئے اور پھر اُن ہی منظم کوششوں سے بہت سے مآخذ حلیۂ طبع سے آراستہ ہوکر مسلمانوں تک پہنچے[2]۔ اسی دور میں مستشرقین نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر اپنے شدید حملے جاری رکھے اور تلاش کرکرکے مجروح اور ناقابلِ اعتماد

---

[1] یہ کتاب لکھنے کے لیے سرسید نے جس شیفتگی و وارفتگی کا مظاہرہ کیا وہ ان کی کتابِ ایمان کا اہم ورق ہے۔ میور کی کتاب دیکھ کر ان کا دل "کباب" ہوجانا۔ اور نقد جاں صرف ہوجانے کی بھی پروا نہ کرنا، پھر ۱۸۶۹ء میں ان کا انگلستان کا سفر، کتابوں کی تلاش و جستجو، کتب خانوں کی خاک چھاننا، قرض ادھار کرکے سرمایہ کی فراہمی اور اشاعت کے انتظامات اور کتاب کی تحریر و تسوید کے دوران اپنے اوپر خواب و خور حرام کرلینا، سر تا سر غیرت و حمیتِ ایمانی پر دلیل ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مکتوباتِ سرسید۔ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (خطوط بنام محسن الملک مولوی مہدی علی خاں) مجلس ترقی ادب۔ لاہور ۱۹۵۱ء ص ۹۳ تا ۵۰۔ نیز دیکھئے حالی۔ حیاتِ جاوید۔ ص ۱۵۰ تا ۱۶۰! نیز ص ۴۰۳ تا ۴۲۶۔ سرسید نے یہ کتاب پہلے اردو میں لکھی۔ پھر اس کا خلاصہ ترجمہ انگریزی میں، لندن سے ہی Essays on the life of Mohammad کے نام سے ۱۸۷۰ء میں شائع کرایا (دیباچہ، الخطبات الاحمدیہ۔ کراچی۔ ایڈیشن ۱۹۶۴ء ص ۱۴۔ نیز ملاحظہ ہو:

Essays on the life of Mohammad. (Preface 21 Masckienburgh Square, London. W.C. March 1870);

First Reprint. Premier Book House, Lahore 1969

لندن میں قیام کے دوران ہی سرسید نے جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ قرآن" کو خود اپنے روپے سے چھپوایا (حالی۔ ص ۴۵۲) اور گاڈ فری ہگنزی کتاب کا ترجمہ کرایا (ایضاً) سرسید چند مصنفین سے خاص طور پر متاثر تھے (گبن، گاڈ فرے ہگنز، کارلائل اور جان ڈیون پورٹ) چنانچہ دیباچہ میں ان کا تذکرہ بھی کیا ہے اور اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔

[2] مولانا شبلی کی تصریح کے مطابق سب سے پہلے (Reiske) م ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابوالفدا مع ترجمہ لاطینی و حواشی پانچ جلدوں میں شائع کی.... ۱۸۵۶ء میں وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ میں محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی، ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی گوٹنگن (Cottingen) سے اشاعت کی۔ اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل (G.Weil) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا، ۱۸۶۱ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمۂ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی، والہوسن (Well hausen) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمدؐ ان مدینہ" برلن سے شائع کیا...... (دیکھیے شبلی، سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۹۱)

روایتوں کو بطورِ سلاح استعمال کیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے سیرتِ رسولؐ کا اعتبار اُٹھ جائے اور پھر اس کے نتیجہ میں آپؐ کا لایا ہُوا دین بھی بے اعتبار و بے وقعت ٹھہرے۔

(۴)

ابتدائی جائزہ

سرسید کی مخلصانہ کوششوں سے تحریکِ استشراق کے بالمقابل جس علمی تحریک کا آغاز ہوا تھا اُسے بعد میں مزید توسیع و ترقی حاصل ہُوئی۔ اس سلسلہ میں اگرچہ مختلف بزرگوں نے قلم اٹھایا[1] اور سیرت پر متعدد کتابیں لکھی گئیں، لیکن جو شہرتِ عام اور بقائے دوام علامہ شبلی م ۱۹۱۴ء کو حاصل ہُوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔ علامہ شبلی کو یہ تقدم بھی حاصل ہے کہ انھوں نے محض چند

---

[1] ان میں سے تین حضرات قابلِ ذکر ہیں:

(i) جسٹس سید امیر علی (۱۸۴۹ تا ۱۹۲۸)، جو مسلمانانِ ہند کے ایک لیڈر تھے اور ممتاز قانون دان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مشہور منصف و مصنف بھی تھے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ کچھ کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے ان کی دوسری کتابوں میں بھی اگرچہ حضورؐ کی سیرت و سوانح بیان کی گئی ہے لیکن اہم ترین کتاب A critical Examination of the life and teachings of Mohammad. جو پہلے پہل لندن سے ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی (ہمارے سامنے اس کا کراچی ایڈیشن مطبوعہ ایس ایم نیر ۱۹۶۸ء کا ہے۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور اس میں مستشرقین پر تنقید و محاکمہ بھی موجود ہے۔

(ii) قاضی سلیمان منصور پوری ایک غیرت مند مسلمان، محقق، عالم، مبلغ، مناظر سب ہی کچھ تھے ان کی آرزو تھی کہ سیرت پر تین کتابیں لکھیں۔ مختصر، متوسط اور مفصل۔ مختصر ۱۸۹۹ء کو "مہرِ نبوت" کے نام سے شائع ہوئی۔ متوسط کتاب "رحمۃ للعالمین" تین جلدوں میں نکلی۔ پہلی جلد ۱۹۱۳ء میں، دوسری ۱۹۲۱ء میں اور تیسری ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ مطوّل کتاب قاضی صاحب نہ لکھ سکے تاہم جلد سوم میں قاضی صاحب نے بطورِ خاص غیر مذاہب کے اعتراضات کا جواب اور یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال کیا ہے (دیکھیے خطبۂ استقبالیہ۔ رحمۃ للعالمین۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۵۳ء)

(iii) پروفیسر سیّد نواب علی نے بڑی طویل عمر پائی۔ سیّد نواب علی م ۱۹۶۱ء علوم جدیدہ کے علاوہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں لیکن خاص "سیرتِ رسول اللہؐ" ہے۔ کتاب کا اصل محرک مستشرقین کی ہرزہ سرائیاں ہی تھیں۔ (دیکھیے دیباچہ مطبوعہ مکتبۂ افکار۔ کراچی ۱۹۶۵ء تا ۱۹۶۶ء) کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا۔

مستشرقین کی انفرادی کوششوں کو ہی نشانۂ تنقید نہیں بنایا بلکہ انہوں نے پورے گروہِ مستشرقین کو اپنے سامنے رکھا جو اسلام اور علومِ اسلامی پر بالعموم اور سیرتِ رسولؐ پر بالخصوص طبع آزمائی کر رہا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ تحریکِ استشراق کے جواب میں علمی و تحقیقی کام کا ایسا نقشہ مرتب کیا کہ اگر ان کی زندگی وفا کرتی اور وُہ اس کو عملی جامہ پہنا سکتے تو سیرۃ النبیؐ، مستشرقین کے اعتراضات و مطاعن کا بھی یادگار جواب بن جاتی۔ بہرحال مطبوعہ سیرۃ النبیؐ کے آغاز میں ہی اور باتوں کے علاوہ علامہ شبلی نے "یورپین تصنیفات"[۱] کے عنوان سے مستشرقین کی تصنیفات، ان کے اسباب و محرکات[۲]، ان کے اصولِ مشترکہ[۳] اور ان کی مساعی کا عہد بہ عہد جائزہ لیا[۴] اور پھر مشہور مستشرقین کی ایک مختصر فہرست بھی شاملِ کتاب کر دی[۵] یہ تمام کام اپنے ابتدائی درجہ میں تنقیح طلب ہونے کے باوجود نہایت وقیع ہے۔[۶]

علاوہ ازیں علامہ شبلی چونکہ اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ کو ایک دائرۃ المعارف بنانا چاہتے تھے۔[۷] اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ مستشرقین کے

---

[۱] شبلی۔ سیرت النبیؐ۔ حصہ اول ص ۰۶۔

[۲] ایضاً ص ۹۷ تا ۹۹۔

[۳] ایضاً ص ۱۰۰۔

[۴] ایضاً ص ۸۰ تا ۹۲۔

[۵] ملاحظہ ہو ایضاً ص ۹۳ تا ۹۵) اس فہرست میں علامہ شبلی نے مشہور مستشرقین کے نام، ان کی تصنیفات اور ملک کا نام بقیدِ سنین درج کیے ہیں۔ فہرست میں کل اندراجات ۴۷ ہیں لیکن نام ۴۲ مصنفین کے ہیں۔ بہ اعتبارِ توطن انہوں نے مستشرقینِ یورپ کے پانچ گروہوں کو شاملِ فہرست کیا ہے یعنی انگلستان کے (۱۳)، جرمنی کے (۸)، فرانس کے (۷)، ہالینڈ کے (۳) اور اٹلی کا (۱)۔ ان میں بالالتزام صرف سیرت پر لکھنے والے نہیں ہیں بلکہ اسلام، پیغمبرِ اسلام اور اسلامی مآخذ پر کام کرنے والے، سب ہی مستشرقین کا اندراج ہے۔

[۶] شبلی کی کتاب بقول ڈاکٹر سید عبداللہ "سیرۃ نگاری کا مثالی نمونہ ہے اور اس کا ایک خاص وصف جدید مغربی سوانح نگاروں کی مدلل تردید و تنقید اور ان کے ذہنی اسباب کی پردہ دری ہے۔ تاہم بہت سے مقامات پر شبلی کی رائے معذرت خواہانہ ہے اور مدافعانہ ہے بلکہ شبلی نے مورخینِ یورپ کے اعتراضات سے دب کر آنحضرتؐ کے غزوات کے سلسلہ میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی معذرت کا لہجہ اختیار کیا ہے (ملاحظہ ہو عبداللہ، ڈاکٹر سید۔ فنِ سیرت نگاری پر ایک نظر۔ ماہنامہ فکر و نظر۔ اسلام آباد۔ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء۔ ص ۸۰۱)

[۷] اپنے ایک مکتوب میں علامہ شبلی نے خود لکھا: "سیرت کی چار جلدیں ہوں گی، ایک جلد اس کے لیے مخصوص ہوگی۔ چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے مطالب سیرت میں آ جائیں، یعنی تمام مسائلِ مہمات پر ریویو، قرآن مجید پر پوری نظر، غرض سیرت نہ ہو بلکہ انسائیکلو پیڈیا ہو۔ اور نام بھی "دائرۃ المعارف النبویہ" موزوں ہوگا۔ گو لمبا ہے۔ (دیکھیے مکاتیبِ شبلی۔ مرتبہ سید سلیمان ندوی۔ مطبع معارف۔ اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء ص ۲۰۲)

مطالعۂ سیرت کو معیارِ تنقید پر نہ پرکھتے اور نہ زیرِ بحث لاتے[1] بلکہ مستشرقین کی نام نہاد علمی تحقیقات کا پردہ چاک کرنا اور سیرت کے حوالے سے ان کی غلط بیانیوں پر تنقید و تعقیب تو گویا منتہائے مقصود تھا[2]۔ اور ان کی زندگی کی آخری خواہش تھی[3] غالباً اسی لیے انھوں نے سیرۃ النبی کے مجوزہ خاکے میں "پانچواں حصہ" خاص یورپین تصنیفات کے متعلق شامل کیا تھا[4] جو اگرچہ پورا نہ ہو سکا۔ تاہم آنے والوں کے لیے روشنی چھوڑ گیا اور یہ ثابت کر گیا کہ خود مولانا شبلی مسئلہ مستشرقین کی گیرائی و گہرائی کا بہ حدِ غایت ادراک

---

[1] یہ فکر مولانا شبلی پر اس حد تک طاری تھی کہ نجی خطوط اور مکاتیب تک میں نشان دہی فرما دیتے تھے۔ مثلاً مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "بقدرِ ہمت کام کر رہا ہوں۔ یورپین مورخوں کی تصنیفات کشتِ زعفران نظر آتی ہیں سیکڑوں ہوائی قلعے بنائے ہیں"؛ مکاتیب شبلی، حصہ اول، ص ۱۹۹)

تقریباً ایک ماہ کے بعد (۲۱ جولائی ۱۹۱۲ء) پھر رقمطراز ہیں: "انگریزی کتابوں سے جس قدر اقتباسات ہو رہے ہیں اُن سے کذب و افترا کا عجیب منظر سامنے آجاتا ہے۔ مرگولیس پروفیسر آکسفورڈ، سب سے بڑا عربی عالم ہے۔ اس کی "لائف آف محمدؐ" دیکھنے کے قابل ہے۔ لکھتا ہے کہ عبدالمطلب' مطلب کے غلام تھے۔ کعبہ آنحضرت صلعم سے صرف سو برس پہلے کی عمارت تھی وغیرہ وغیرہ۔ (ایضاً ص ۲۰۱)۔ ۶ ستمبر ۱۹۱۲ء کے خط میں لکھا: "آپ کو ایک تصنیف پر تعجب ہے، یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے مارگولیس سب سے بڑا عربی دان ہے۔ اس کی تصنیف کا لفظی ترجمہ ہو رہا ہے۔ ایک حرف بھی ساری کتاب میں صحیح نہیں۔ تحقیقات سُنیئے۔ رسول اللہ نبوت سے پہلے سوتے وقت لات و عزّیٰ کی پوجا کر لیا کرتے تھے۔ نبوت کی تعلیم انھوں نے مسیلمہ سے پائی۔ محمدؐ کا نام فیل محمود (ابرہہ کا) کی مناسبت سے رکھا گیا۔ مسیلمہ سے حنیفی دین کا لقب لیا۔ حضرت عثمانؓ اس لیے مسلمان ہوئے کہ رسول اللہ کی صاحبزادی پر عاشق ہوئے (نعوذباللہ) اور نکاح کا اقرار ہوا" (ایضاً ص ۲۰۲)۔

[2] ایک خط کا متن ہے: "سیرت نبوی جو زیرِ تصنیف ہے، میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے مصنفین نے جو کچھ آنحضرتؐ کے متعلق لکھا ہے اس سے پوری واقفیت حاصل کی جائے تاکہ ان کے تائیدی بیان حسبِ موقع حجتِ الزامی کے طور پر پیش کیے جائیں اور جہاں انھوں نے غلطیاں اور بددیانتیاں کی ہیں نہایت زور و قوت کے ساتھ ان کی پردہ دری کی جائے۔ (ایضاً، ص ۲۰۱)

[3] منشی محمد امین کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں:

'سیرت کے سو صفحے ہو چکے تھے لیکن نظرِ ثانی میں پھر کچھ کا کچھ ہو گیا۔ یورپ کی غلط بیانیوں کا ایک دفتر ہے۔ ان کے ایک ایک حرف کے لیے سیکڑوں ورق الٹنے پڑتے ہیں یہ کمبخت لکھتے جھوٹ ہیں لیکن بے پتہ نہیں لکھتے۔ یہاں ہمارے سیرت نگاروں نے خود بہت بے احتیاطیاں کیں ..... لیکن اب روپے کا نہیں میری جان کا معاملہ ہے، ہر حالت میں کام جاری رکھوں گا اور اگر مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی تو ان شاءاللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاؤں گا جس کی توقع کئی سو برس تک نہیں ہو سکتی۔

(ایضاً ص ۲۴۲، ۲۴۳)

[4] شبلی، حصہ اول ص ۱۰۲، ۱۰۳۔

رکھتے تھے۔

افسوس کہ علامہ شبلی کے بعد مستشرقین کے حوالہ سے سیرتِ رسولؐ کے مطالعہ وتحقیق کا کوئی بڑا اور منظم کام سامنے نہیں آیا اور نہ ہی ہمارے ہاں کے سیرت نگاروں نے اس مسئلہ سے تعرض کو قرار واقعی اہمیت دی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اکا دکا انفرادی و اجتماعی کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور اب بھی مقالات و مضامین اور کتابچوں وغیرہ کی شکل میں اس جانب کچھ نہ کچھ پیش رفت بہرحال ہو رہی ہے۔[1] مثلاً ایک مسلمان مصنف محمد حسین ہیکل کی کتاب "حیاتِ محمدؐ" کا تذکرہ بے محل نہیں معلوم ہوتا جو اگرچہ عربی زبان میں ہے لیکن اردو ترجمہ کے بعد گویا وہ اردو ادب کا ہی سرمایہ بن گئی ہے۔[2] ہیکل نے اپنے بیان کے مطابق

---

[1] اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

(۱) النفاخ، پروفیسر احمد راتب "مستشرقین کی بے خبری"۔ نظامِ اسلامی مشاہیرِ اسلام کی نظر میں۔ مرتبہ و مترجمہ خلیل حامدی۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ لاہور ۱۹۶۳ء (ص ۴۳۱)۔

(۲) حسین، ڈاکٹر محمد۔ "دامِ ہمرنگ زمیں"۔ ایضاً ص ۴۲۲)

(۳) حمودی، عبدالوہاب۔ "مستشرقین اور احادیثِ رسولؐ" (ایضاً ص ۴۶۳)

(۴) ہاشمی، مولانا سید عبدالقدوس۔ مستشرقین اور تحقیقاتِ اسلامی" (مقالہ جو شامِ ہمدرد راولپنڈی میں ۳۰ستمبر ۱۹۶۹ء کو پڑھا گیا اور علیحدہ کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا) مکتبہ ملی۔ کراچی۔

(۵) عنایت اللہ، ڈاکٹر شیخ۔ "رسولِ اکرمؐ کے سیرت نگار"۔ ماہنامہ فکر و نظر۔ اسلام آباد۔ شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء۔

(۶) حسن، ڈاکٹر پیر محمد۔ "مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت"۔ (ایضاً شمارہ مئی ۱۹۷۶ء)

(۷) پھلواروی، مولانا جعفر شاہ۔ "قرآن اور مستشرقین" ماہنامہ فاران۔ کراچی۔ ستمبر ۱۹۷۶ء۔

(۸) فاروقی، پروفیسر خواجہ احمد۔ "مستشرقین کے تصورِ اسلام کا تاریخی پس منظر"۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۲ء۔

(۹) شہاب محمد اسد "روسی استشراق"۔ (ایضاً شمارہ جولائی ۱۹۸۲ء)

(۱۰) ندوی، پروفیسر سید حبیب الحق۔ "اسلام اور مستشرقین"۔ (ایضاً شمارہ مئی، جون، جولائی ۱۹۸۳ء) تازہ ترین اور غالباً مفصل ترین مضمون۔ البتہ انداز کسی قدر مناظرانہ ہے بعض تفصیلات اور حوالوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر حاوی نہیں ہے تاہم مفید ہے۔ زیر نظر مقالہ میں بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے (محمد ماہر حماد کے تحقیقی مقالہ میں دی گئی بعض تفصیلات و مندرجات سے حیرت انگیز طور پر مشابہت پائی جاتی ہے۔)

(۱۱) حتّی، فلپ کے۔ اسلام اور محمدؐ مغربی لٹریچر میں۔ (اردو ترجمہ) وحید الدین خاں۔ ماہنامہ محدث۔ رسولؐ نمبر (ج ۲ ص ۳۴)۔

[2] ہیکل، محمد حسین۔ حیاتِ محمدؐ۔ مترجم۔ نوشہروی، ابو یحییٰ امام خاں۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور ۱۹۵۵ء۔

نہ صرف یہ کہ "جامدین عن المسلمین کے جھوٹ آمیز خیالات کا رد کیا بلکہ مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا مثبت انداز سے جواب دینے کے لیے کتاب بھی لکھی۔ ہیکل نے متن کتاب کے علاوہ اپنے طویل مقدمہ میں اور پھر بعد میں "المستشرقون والحضارۃ الاسلامیہ" کے تحت مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں اور ان کے علم و تحقیق کا سنجیدہ علمی تجزیہ کیا ہے۔ اور مختلف عنوانات (مثلاً اسلام اور مسیحیت کی کشمکش[1]، مسیحی مصنفین کی نظر میں آنحضرتؐ کا مقام[2]، مسلمان مصنفین اور مغربی افتراپرداز مستشرقین[3] وغیرہ) کے تحت اصل حقائق کو نمایاں کیا ہے اور جرأت و قوت کے ساتھ مسیحی سوانح نگاروں کے مطاعن کا جواب دینے کی سعی کی ہے[4]۔

(۵)

نوعیتِ مسئلہ

یہ جائزہ اگرچہ مختصر ہے لیکن یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ مستشرقین کی برپا کی ہوئی تحریکِ استشراق کا قرار واقعی جواب، اردو زبان و ادب میں اب تک نہیں دیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سرسید احمد خاں نے جس جوابی علمی تحریک کا آغاز کیا تھا اور جسے شبلی نے منظم و موثر بنانے کی کوشش کی تھی، اس کا رنگ آہستہ آہستہ پھیکا اور آہنگ روز بروز مدھم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اب سرگرمی نہ ہونے کے برابر ہے[5]۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ اُدھر مغربی، یورپی مستشرقین کی سرگرمیاں تو لب و لہجہ کے

---

[1] ایضاً ص ۷

[2] ایضاً ص ۳۱ تا ۳۶

[3] ایضاً ص ۴۳

[4] ڈاکٹر سید عبداللہ کے نزدیک ہیکل کی کتاب بیانیہ نگاری کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ اُس کی کتاب میں بقول اُن کے اعتذار کا لہجہ شبلی کے مقابلہ میں کم ہے اور تعبیر و توجیہ میں جرأت مندی بھی زیادہ ہے (ماہنامہ فکر و نظر۔ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء ص ۲۳۸)

[5] وقت کی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ابھی کچھ عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے مقتدر علمی ادارہ "دار المصنفین" کے تحت "اسلام اور مستشرقین" کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار (۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء) منعقد ہوا تھا جس میں دنیا بھر کے منتخب مسلمان علماء اور دانشوروں نے شرکت فرمائی۔ خیالات انگیز مقالات (مثلاً المستشرقون والسیرۃ النبویہ از الدکتور عماد الدین خلیل۔ عراق، المستشرقون والسیرۃ النبویہ از استاذ انور الجندی۔ مصر، اسلام اینڈ دی اورینٹلسٹ از قاضی عبدالحمید۔ اندور۔ اور اسلام اینڈ دی اورینٹلسٹ از عبداللہ سرفراز۔ الٰہ آباد، وغیرہ، دیکھئے: ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ اکتوبر ۱۹۸۲ء بھی پیش کیے گئے اور مستشرقین کے سلسلہ میں جوابی کام کے لیے لائحہ عمل پر بھی غور و فکر کیا گیا (اجلاس کی روداد معارف میں برابر شائع ہوتی رہی۔ اس سلسلہ کی آخری آٹھویں قسط اکتوبر ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی)

فرق کے ساتھ تا حال جاری وساری ہیں اور ان کے عزائم و مقاصد میں بھی سرِ مُو فرق نہیں آیا ہے[1]۔ لیکن اِدھر ہماری طرف سے انتظام و اہتمام صفر ہے۔ مولانا شبلی وغیرہ نے مستشرقین کی علمی تحقیقات اور ان کے معیار کی جو نشان دہی کی تھی اور ان کی تصانیف کو جس طرح کذب و افترا کا دفتر قرار دیا تھا اُس کا تقاضا تھا کہ مستشرقین کی کتابوں کو کھنگالا جاتا، اور تمام علوم اسلامی میں بالعموم اور سیرتِ رسولؐ کے باب میں بالخصوص واقفیتِ تامہ حاصل کرکے، ان کی غلطیوں، بددیانتی اور تلبیس و تحقیق کا پردہ چاک کیا جاتا، اور اس سلسلہ میں بڑے پیمانہ پر ایک منظم کام کا نقشہ بنایا جاتا مگر ایسا نہیں ہوسکا۔ بلکہ المیہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ کی اہمیت و شدت کو سمجھا ہی نہیں گیا نہ ایسے ادارے وجود میں آئے جو اعلیٰ سطح پر علم و تحقیق کی سرپرستی کرسکیں اور ان کی کوششوں کو متحد و منظم کرسکیں جو انفرادی و اجتماعی اور نجی و سرکاری مختلف پیمانوں پر کی جاتی ہیں۔ ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں اُس معیار کی علمی و فنی تیاری نہیں پائی جاتی جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز ہے کہ مستشرقین کے حملوں کا دفاع محض عبارت آرائی یا جوابی الزام تراشی سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے اُسی تیاری کی ضرورت ہے جس قسم کی تیاری خود مستشرقین نے کی تھی (مثلاً علم و تحقیق کے اداروں کا قیام، مختلف زبانوں کی تحصیل، تجسس و تفحص کے آداب، فنی مہارت اور جدید تکنیک سے واقفیت، ادب و ثقافت کا گہرا مطالعہ، ضروری علوم و فنون سے دلچسپی، مشنری جذبہ، متعین مقاصد اور انتھک محنت و ریاضت وغیرہ) مستزاد یہ کہ مستشرقین کی تحریک کو ایک گونہ تقویت خود اُن مسلمان محققین و علماء کے رویّہ سے مل رہی ہے جو دنیائے مغرب کے مختلف اداروں میں حصولِ تعلیم و تحقیق کے لیے جاتے ہیں تو وہاں کے احوال و مناظر سے اس درجہ متاثر و مرعوب ہوجاتے ہیں کہ انھیں کے ہم آواز ہوجاتے ہیں[2]۔

اس لیے ضرورت ہے کہ جوابی علمی تحریک کو نئے سرے سے منظم کیا جائے اور مرحلۂ اول میں مسئلہ مستشرقین کی نوعیت و حقیقت کو سمجھ لیا جائے اور یہ جائزہ لے لیا جائے کہ استشراق و مستشرقین کی تحریک، اس کے مقاصد، اسباب و محرکات، عہد بہ عہد

---

[1] احسن، م، م (اورینٹلزم اینڈ دی اسٹڈی آف اسلام اِن دی ویسٹ) ص ۵۱۔ نیز ملاحظہ ہو: سعید، ایڈورڈ ڈبلیو، (اورینٹلزم) ص ۲۰۶۔

[2] سیرت نویسی میں دوست نما دشمنوں اور نادان دوستوں کے معاملے اور مستشرقین کی تصانیف پر مسلم نوجوانوں کے انعطاف پر ملاحظہ ہو: ہیکل (۱۳۱ تا ۱۳۴) ادھر دنیائے مشرق کے علماء، مغربی علماء اور مستشرقین پر اپنا علمی رعب قائم کرنے سے قاصر رہے ہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مشرق میں مستشرقین اور علمائے مغرب کو اعزاز و استناد حاصل ہے اور اس درجہ حاصل ہے کہ شام، عراق، مصر وغیرہ میں علمی و تحقیقی اداروں کی رکنیت انہیں پیش کی جاتی ہے، ان کے مشورے اور آراء کو خاص وقعت دی جاتی ہے اور عربی و اسلامی دنیا کے افلاس کا یہ عالم ہے کہ خود مستشرقین کی تحقیقات و مطالعات پر اندھا اعتبار کیا جاتا ہے اور ان کی دریافت کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Abul Hasan Ali Nadvi, Maulana.

Islam and Western Orientalists. Umma Publishing House Karachi (Motammar Al-Al-Islami) p.21,22

ارتقا اور اعلام و مشاہیر کی عام صورت کیا ہے۔ زیر نظر مقالہ کا مدعا یہی ہے۔

(۶)

استشراق، مستشرق

استشراق اور صاحبانِ استشراق (مستشرقین) کی پوری تاریخ پر ایک عمومی نظر ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریکِ استشراق اپنی حقیقت و ماہیت میں چونکہ اسلام کے خلاف ہے اور ہر دور کے (غیر مسلم) مستشرقین کی تمام سرگرمیاں اپنے علمی تنوع کے باوجود، چونکہ اسلام، پیغمبر اسلام، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و آداب کے حوالہ سے بہر حال معاندانہ رہی ہیں، اور چونکہ مستشرقین کی پوری جماعت میں شامل افراد، اپنی اصل و نسل میں یہودی ہیں یا عیسائی، اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ اسلام اور یہودیت و عیسائیت کے مابین آویزش کے ساتھ ہی استشراقی جذبہ و فکر کی نمو ہو گئی تھی[1]۔ تاہم اپنے مخصوص فنی و اصطلاحی معنوں میں، اور اطلاقات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ تحریکِ استشراق کا باقاعدہ آغاز اور مستشرقین کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں بہت بعد میں شروع ہوئیں[2]۔ شاید یہی وجہ ہے کہ:

(ا) استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحیں لغوی اعتبار سے بہت زیادہ قدیم العہد نہیں ہیں بلکہ انگریزی زبان و ادب میں ان کا استعمال اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں اٹھارھویں صدی کے اواخر میں شروع ہوا[3]۔ چنانچہ

---

[1] استشراق اور مستشرقین پر لکھنے والے مسلمان علماء اور محققین کا عام رجحان یہی ہے۔ اور وہ اپنی بحث کا آغاز ہی اسلام اور مسیحیت کی کش مکش یا اسلام اور یہودیت کے تصادم سے کرتے ہیں۔ مثلاً دیکھیے: (زکریا ہاشم، المستشرقون والاسلام۔ لجنة التعریف بالاسلام۔ جمہوریة العربیة المتحدہ ۱۹۶۵ء۔ نیز ملاحظہ ہو: صبرہ، دکتورہ عفاف۔ المستشرقون ومشکلات الحضارة۔ دار النهضة العربیة۔ قاہرہ ۱۹۸۰ء وغیرہ) ایک جدید مسلمان محقق (پروفیسر ڈاکٹر سید حبیب الحق ندوی) نے مسئلہ مستشرقین کا "قرآنی زاویہ" بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مستشرقین کی تاریخ محض مذکورہ بالا آیات کریمہ ولن ترضیٰ عنك الیهود ولا النصاریٰ کی تفسیر و تعبیر رہی ہے، بلکہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ انہی آیات کی تعبیر رہی ہے۔ سیاسی میدان ہو یا علم و دانش و ثقافت کا میدان، اسلام دشمنی مستشرقین کی پالیسی کا جزوِ اعظم رہا ہے۔" پھر آگے لکھا ہے کہ ان کے علمی و فکری، ذہنی و نفسیاتی رجحانات کا تسلسل ساتویں صدی عیسوی سے ۱۹۸۳ء تک قائم ہے۔ (ان نکات کی تفصیل کے لیے مقالہ دیکھیے "اسلام اور مستشرقین" ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ شمارہ مئی، جون، جولائی ۱۹۸۳ء۔ ص ۳۲۹ تا ۳۴۲) اس سلسلہ میں پروفیسر ظفر علی قریشی کا انگریزی مقالہ بڑا فکر انگیز اور معلومات افزا ہے دیکھیے:
Qureshi, Professor Zafar Ali Prophet Muhammad and his Western critics.: Monthly Islamic Literature, March. 1968 - October 1968 vol. XIV'
خصوصاً ملاحظہ ہو (شمارہ ۴، اپریل ۱۹۶۸ء) ص ۱۷

[2] اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

[3] دی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری۔ کلارینڈن پریس۔ آکسفورڈ۔ ۱۹۳۳ء۔ ج ۷، ص ۲۰۰۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تصریحات کے مطابق مذکورہ بالا دونوں الفاظ Orient سے مشتق ہیں۔ جس کے معنی ہیں شرق، یا مشرق، یا مشرقی سمت، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے[1] یہ سی سے Oriental ہے یعنی مشرقی، جو تمام معنوں میں مغربی (Occidental) کا ضد ہے[2] مشرقی کے مفہوم میں وہ متوطن بھی ہے جو مشرق یعنی ایشیا یا اُن ممالک کا باشندہ ہو، جو بحر روم متوسط اور قدیم رومی سلطنت کے مشرق میں واقع ہیں جبکہ Orientalism[3] یعنی مشرقیت یا استشراق کے معنی ہوں گے، مشرقیت، مشرقی خصوصیات، مشرقی طرز و ادا، اقدار، علوم و آداب، اور فنون و ثقافت وغیرہ سے واقفیت و مہارت وغیرہ۔ نیز اس کے تحت Oriental scholarship کا مطلب ہوگا مشرقی زبانوں سے واقفیت (۱۸۱۱ء) اور پھر اس سے Orientalist (مستشرق) بنا ہے[4] اس سے مراد وہ شخص ہوگا جو مشرقی زبانوں، علوم و فنون، آداب و ثقافت اور تہذیب و تمدن وغیرہ پر عبور رکھتا ہو۔ یا بقول مولوی عبدالحق صاحب ماہر مشرقیات ہو[5]

(ب) عربی، فارسی اور اردو کی قدیم لغات میں استشراق کا اصل مادہ یعنی ش رق تو موجود ہے لیکن زیر بحث الفاظ یعنی باب استفعال میں اس کے معنی و مفہوم یا بطور فعل ان لغات سے بحث نہیں پائی جاتی (البتہ جدید لغات میں ان کا ذکر موجود ہے)۔

عربی قواعد کی رُو سے استشراق، ثلاثی مزید کا باب استفعال ہے، جس کا مادہ ش۔ ر۔ ق (شرق) ہے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس باب کے جملہ خصائص و لوازم یعنی اتخاذ و طلب، وجدان و حسبان، اور تحول و تکلف وغیرہ کی جلوہ نمائی، صاحبانِ استشراق کے احوال و شخصیات سے، اور ان کی تحقیقات و تخلیقات میں بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ گویا الفاظ کا پیکر، بجائے خود اس بات کا مظہر ہے کہ مستشرقین کا علم تمام تر اکتسابی ہے جسے انھوں نے بڑی محنت و ریاضت سے، طلب و جستجو کر کے حاصل کیا، اُس کی خاطر سفر و حضر، تمکن و توطن اختیار کیا اور پھر اپنی تحقیقات کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کیا کہ اُن میں

---

[1] ایضاً۔ دوسری بہت کتب میں بھی یہی معنی مذکور ہیں۔ مثلاً دیکھیے نیو ویبسٹرز ڈکشنری آف انگلش لینگویج۔ شکاگو ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۴۶۔

[2] ایضاً

[3] ایضاً۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (مولفہ جے ہیسٹنگز۔ ایڈنبرا ۱۹۷۴ء ج ۱۲ ص ۱۵۵) میں اس کا مرادف Syncretism کو قرار دیا گیا ہے، جس سے بجائے خود استشراق کے فلسفیانہ اور مذہبی تناظر کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

[4] من المتضلعین باللغات الشرقیہ و آدابہا۔ ملاحظہ ہو:

Badger, George P. = An English Arabic Lexicon. Kegan Paul. London 1881. p.700.

[5] عبدالحق۔ دی اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری۔ انجمن اردو پریس۔ دکن ۱۹۳۷ء۔ ص ۷۹۶۔

تخمین وظن اور تخیل سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ عربی میں "استشراق کے لغوی معنی ہوں گے بہ تکلف مشرقی بننا، اور مستشرق کا مطلب ہوگا وہ شخص جس نے بہ تکلف مشرقیت اختیار کی یا مشرقی بنا ہو"[1] اردو لغت میں بھی کم و بیش یہی مفہوم ہے یعنی مستشرق کا مطلب ہوگا "وہ فرنگی جو مشرقی زبانوں اور علوم کا ماہر ہو"[2] یا وہ فرنگی یا امریکانی جو مشرقی زبان یا علوم کا ماہر ہو"[3]

زبان ولغت کی مندرجہ بالا بحث سے استشراق اور مستشرق کا مفہوم اگرچہ کسی قدر واضح ہو جاتا ہے اور مستشرق کی نوعیت و ماہیت بھی بڑی حد تک سمجھی جا سکتی ہے، تاہم استشراق کی اصل حقیقت اس وقت سامنے آئی جبکہ استشراق' السنۂ مشرقیہ کی واقفیت اور اسلامی علوم و آداب کے یک رُخی مطالعہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام سے بغض وعناد، اس کا جزو لازم ٹھہرا، پھر یہی بغض وعناد، پہلے پہل تو مشنری جذباتیت کا آئینہ دار رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اُس نے متعین مقاصد[4] کے تحت علمیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ گویا اس دوسرے مرحلہ میں استشراق نے ایک تحریک، ایک مستقل رویّہ اور سلوک (Discipline) کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس رویّہ اور سلوک کے احاطہ میں رہتے ہوئے تمام ضروری مباحث کو موضوعِ سخن بنایا گیا، مثلاً اسلام اور اس کی تعلیمات کو مجبوراً یا تکلّفاً غلط طور پر پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ زمانے کے عہد بہ عہد ارتقا کے ساتھ وہ تعلیمات ہم آہنگ نہیں ہوسکتیں۔ قدیم تہذیبوں، قدیم زبانوں کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے مصر، عراق، شمالی افریقہ اور دوسرے علاقوں میں سرگرمیوں کو منظم کیا گیا تاکہ یہ تہذیبیں اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے چیلنج بن سکیں، عربی زبان کے لیے کہا گیا کہ قرآنی عربی عہدِ جدید کی ضروریات و حالات سے مطابقت پیدا نہیں کر سکتی اس لیے مقامی زبانیں اور مردہ لغات کو آگے بڑھانا چاہیے بلکہ عربی رسم الخط کو رومی رسم الخط سے تبدیل کر دینا چاہیے۔ پیغمبرِ اسلام کی سیرت و کردار کے بارے میں اُن نکات کو اچھالا گیا، جن سے عام ذہن کے

---

1 اس نکتہ کی وضاحت کے لیے دیکھیے: تاثرات۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڈھ۔ جولائی ۱۹۸۲ء۔ ص ۶۶ تا ۶۸ (بسلسلہ اسلام اور مستشرقین پر دار المصنفین کا بین الاقوامی سیمینار)

2 فیروز الدین۔ فیروز اللغات۔ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، حصہ دوم ص ۱۷۱

3 خویشگی۔ محمد عبداللہ۔ فرہنگ عامرہ۔ کراچی ۱۹۵۷ء (ص ۷۰۵)، یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ مستشرقین کی اصطلاح اگرچہ زیادہ تر اُن غیر مسلم مصنفین کے بارے میں استعمال ہوتی ہے جن کا تعلق یورپین ممالک سے ہو اور انہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ لکھا ہو۔ لیکن ہم یہاں زیادہ وسیع مفہوم میں ان تمام غیر مسلم مصنفین کو شمار کر رہے ہیں جنہوں نے اسلام کے بارے میں بالعموم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بالخصوص لکھا ہو۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صبرہ، دکتورہ عفاف۔ المستشرقون ومشکلات الحضارۃ ص ۹)

4 مثلاً مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرنا، ازالۂ اسلام کے لیے مناسب دلائل کی فراہمی، مسیحی تقدس کا نقش عالم اسلام پر قائم کرنا، مشنری سرگرمیوں کی توسیع و ترقی وغیرہ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صبرہ۔ ص ۴۳، ۴۴)

لوگ بھی اچھا تاثر نہ لے سکیں اور ان کے لائے ہوئے مشن کو ناقابلِ التفات گردانا جائے، اسلامی تہذیب و ثقافت کی تعمیر و ترکیب میں بیرونی عناصر کی کارفرمائی ثابت کی جائے تاکہ اسلامی ثقافت مجموعۂ خرافات ٹھہرے[1] وغیرہ وغیرہ، ان تمام مطالعات کا ہدف بہرحال مستشرقین کے نزدیک اپنے عزائم کی تکمیل کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حکمتِ عملی تبدیل ہوتی رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین جذباتیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقلیت علمیت اور استدلال کے اوزان و پیمانے استعمال کرنے لگے، اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے متعلق اپنے رویہ پر اُنھوں نے خود نظرِ ثانی کی اور بدنیتی کے باوجود مخالفت و مخاصمت کا اظہار رفتہ رفتہ سلیقہ سے کیا جانے لگا اور اسلام کے مقابلہ میں تعصب و تظلّم کا پھیلاؤ بھی نسبتاً کم ہوتا گیا۔

مختصر یہ کہ مستشرقین کا رویہ ہر زمانے میں یکساں نہیں رہا اور اسی لیے ان کے ہاں علم، تجربہ، اندازِ استدلال، مذہبی حیثیت اور وابستگی کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں اور اسی لحاظ سے اُن کے فکر و فن اور تحقیق و تالیف کا معیار بھی جداجدا ہے۔[2]

ممکن یہ اجمالی گفتگو کسی ذہنی اشکال کا سبب ہو اس لیے اس اجمال کی کچھ تفصیل آئندہ صفحات میں عرض کی جائے گی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ استشراق جذبہ و فکر سے آگے بڑھ کر تحریک کیسے بنا اور مطالعہ و تحقیق کے مختلف دائروں میں مستشرقین کا رویّہ و سلوک کیا رہا۔

تحریکِ استشراق کا آغاز

تحریکِ استشراق کو اگر خلافِ اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو یہ امر واقعہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا[3] اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی، اہلِ مغرب

---

[1] ان میں سے کچھ نکات کی وضاحت کے لیے دیکھیے: ابوالحسن علی، مولانا۔ (اسلام اینڈ ولیسٹرن اورینٹلسٹ) ص ۷ تا ۲۰۔

[2] مولانا شبلی نے مصنفین یورپ کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے اور تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں سے پہلا گروہ تو وہ ہے جو عربی زبان اور اصل مأخذوں سے واقف نہیں۔ دوسرے وہ مستشرقین ہیں جو عربی زبان اور علم، ادب، تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں۔ تیسری طرف وہ مستشرقین ہیں جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے لیکن جب سیرتِ رسولؐ پر قلم اٹھایا تو کذب و افترا اور تاویل و تعصب کی بھرمار کر دی۔ (شبلی ج ۱۔ ص ۹۵ تا ۹۰، ملخصاً)

[3] ایک مصنف LOOFTY LEVENIAN' لکھتا ہے کہ "افسوس کہ ماضی میں تمام تر تعلقات، سیاسی اور مذہبی دونوں دائروں میں، حریفانہ مخالفت و مخاصمت سے مغلوب رہے ہیں۔ حوالے کے لیے دیکھئے:

(Qureshi, Professor Zafar Ali - Military and Political Clash between Christendom and the world of Islam. Islamic Literature. Ed. Sh M. Ashraf. Lahore. vol. XIV No.4 (April 1968) p.).

اگر بعض مصنفین کا بیان صحیح مانا جائے تو ان کے بقول اسلام اور مسیحیت کے درمیان اولین تصادم (باقی آئندہ صفحہ)

کی طرف سے، اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف بالخصوص، بغض و عداوت کا اظہار موقع بہ موقع، تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا، اور وفورِ جذبات سے سرشار، رومی، بازنطینی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں، اور کبھی کبھار تحریر و تصنیف اور وقائع و اسفار کے قالب میں ڈھلتی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کا سرمایۂ افتخار قرار پائیں۔ چنانچہ ظہورِ اسلام کے بعد سے کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور بانیِ اسلامؐ کے حوالے سے اُن کی مخالفت و مخاصمت کا عام انداز یہی رہا۔ اور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی، مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق و واقعات کا صحیح ادراک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورتِ حال کا ایک بظاہر سبب، ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل اسلامی مآخذ تک رسائی ممکن نہ تھی، پھر تعصب، سُنی سنائی باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انھیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں۔ اس پر مستزاد تصادم و کشمکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دُہرائے گئے[۱] خاص طور پر، آنے والے زمانے میں صلیبی[۲] محاربات کا سلسلہ دشمنی و عداوت کا ایسا نشہ ان پر طاری کر گیا ہے جو آج تک نہیں اُترا۔ صلیبی جنگوں کے طویل محاربات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ عسکری قوت پاش پاش ہو گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا زبردست محرک بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسپا ہونے کے بعد ذہنی و فکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو زک پہنچائی جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اُس وقت پیش آیا جبکہ عیسائی لشکر ابرھہ کی سرکردگی میں مکہ پر حملہ آور ہوا مگر ناکام و نامراد ٹھہرا۔ اس واقعہ کے تقریباً دو ماہ بعد ہی پیغمبرِ اسلامؐ کی ولادت ہوئی (ایضاً ص ۱۹، بحوالہ تھامس رائٹ، ارلی کرسچنٹی ان اریبیہ۔ لندن ۱۸۵۵ء، ص ۱۵۲) کم و بیش یہی مضمون ایک جدید مصنف اپنی کتاب میں بیان کرتے ہوئے یہاں تک دریدہ دہنی سے کام لیتا ہے اور ذرا عار محسوس نہیں کرتا کہ اگر ابرھہ مکہ فتح کر لیتا تو پورا جزیرہ نمائے عرب مسیحی و بازنطینی پرچم تلے آ جاتا، صلیب کعبہ کی چھت پر آویزاں ہوتی اور شاید محمدؐ بس ایک پادری یا راہب کی زندگی گزار کر چلے جاتے۔ ملاحظہ ہو:

A history of Medieval Islam Routledge and Kegan Paul London, 1965. p.14.

۱؎ اس تصادم کی تفصیلات اگرچہ اسلامی تاریخ کے تمام مآخذ میں پائی جاتی ہیں تاہم پروفیسر ظفر علی قریشی کا فاضلانہ مضمون قابلِ مطالعہ ہے۔ دیکھئے (ماہنامہ اسلامک لٹریچر۔ مدیر شیخ محمد اشرف۔ لاہور۔ ج ۴ا شمارہ ۴ تا ۱۰ مطابق اپریل تا اکتوبر ۱۹۶۸ء)

۲؎ صلیبی محاربات میں پہل خود مسیحیت کی طرف سے ہوئی اور پوپ اربن ثانی کے خطبۂ جنگ ۱۰۹۵ء کے بعد ہی میدانِ کارزار گرم ہوا۔ صلیبی جنگیں ۱۰۹۹ء سے ۱۴۶۴ء تک جاری رہیں۔ ملاحظہ ہو: بارکر، ارنسٹ۔ حروبِ صلیبیہ، میراثِ اسلام۔ مرتبہ سر تامس آرنلڈ و الفریڈ گیام۔ اردو ترجمہ عبدالمجید سالک۔ مجلس ترقی ادب۔ لاہور ۱۹۶۰ء (ص ۵۵ تا ۱۰۵) نیز دیکھیے اظہر، ظہور احمد۔ صلیبی جنگیں۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب۔ لاہور ۱۹۷۳ء ج ۱۲ (ص ۲۰۹ تا ۲۲۱) نیز ملاحظہ ہو العقیقی، نجیب۔ المستشرقون۔ دار المعارف، مصر۔ طبع ثالث ۱۹۶۴ء ج ۱ (ص ۶۰ تا ۶۵) وغیرہ وغیرہ۔

اِس کی تدبیر اِس سے بہتر اور کوئی نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقاید، پیغمبرِ اسلام اور اسلامی معاشرہ کو ہدفِ تنقید بنایا جائے، چنانچہ اس کام کے لیے جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا، پھر لاطینی آبادکار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ علم، معلومات رکھتے تھے وہ کتنی ہی خام و ناکارہ سہی، ان کے لیے، بہرحال مفید مطلب تھیں، جن کی مدد سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی (خاکم بدہن) ایک نفرت انگیز، کریہہ المنظر اور بھیانک تصویر پیش کی جاسکتی تھی۔ اور سیرت ختم الرسلؐ کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیالی اور قیاسی انداز سے پیش کیا جاسکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس پورے عرصہ میں بحیثیت مجموعی، پیغمبرِ اسلام کے بارے میں، مغرب کے پاس معلومات انتہائی ناقص اور مبہم تھیں اور اس خلاء کو افسانہ طرازی اور دیو مالائی کہانیوں سے پُر کیا گیا۔ اس افسانوی مواد کے بھی دو حصے تھے۔ ایک حصہ تو وُہ تھا جس کے تحت آنحضرتؐ کے واقعاتِ سیرت کو پیکرِ خیال میں پیش کیا گیا، اور دوسرا حصہ وہ تھا جس کی اپنی کوئی اصل اور حقیقت نہ تھی بلکہ وہ مغربی ذہن کی ایجاد و اختراع اور کذب و افترا سے عبارت تھا[1]۔ اس عہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حد درجہ اہانت آمیز الفاظ استعمال کیے گئے۔ مثلاً (نقل کفر، کفر نباشد) آپ کو نبی کاذب، مخالفِ مسیح، موجدِ مذہبِ نو اور بہروپیا کہا گیا۔ اور بہر عداوت اس حد تک گر گئے کہ آپؐ کے لیے لفظ محمدؐ استعمال کرنے کے بجائے Mahound سے تعبیر کیا گیا جس کے معنی ہیں "شہزادۂ تاریکی"۔ پھر جب صلیبی جنگوں کی ناکامی نے ان کی آتشِ عداوت اور بھڑکا دی تو وہ حضورؐ کے لیے Maphomet، Baphomet اور Bafum کے الفاظ استعمال کرنے لگے۔ اور آپؐ کی سیرت و سوانح کے بارے میں مہمل کہانیاں، دیو مالائی قصّے اور بے سروپا باتیں مشہور کی گئیں۔ ایک خیال یہ پھیلایا گیا کہ مسلمان دراصل کچھ زیادہ ہی بُت پرست (PAGAN) تھے اور ان کا مرکزِ پرستش محمدؐ کا بُت تھا۔ پھر ایک سے زائد تین بتوں کی پرستش کرنے کا فسانہ تراشا گیا اور یہ انکشافِ حقیقت کیا گیا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو دراصل خود پیروِ دینِ عیسوی تھے لیکن پوپ منتخب نہ ہو سکے تو انتقاماً رومی چرچ سے بغاوت کر کے اسلام ایجاد کر لیا"۔ وحی و تنزیل کے حوالہ سے یہ افسانہ تراشا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سفید کبوتر، فاختہ یا قمری (Dove) کو سدھا رکھا تھا جو ان کے کندھے پر بیٹھا اُن کے کان سے دانے چُگا کرتا تھا جس سے ان کے خیال میں یہ آتا تھا کہ فرشتہ ان سے باتیں کرتا ہے اور دوسروں کو بھی یہ تاثر دیتے تھے کہ ان پر وحی نازل ہو رہی ہے[2]۔

ان مثالوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مغربی علماء و مستشرقین صدیوں کیسی شدید ناواقفیت کا شکار رہے وہ کیسی کیسی خرافات روایات کو ان کے بڑے بڑے علما سیرت و سوانح کے نام پر پھیلاتے رہے۔ اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی کیسی نفرت انگیز تصویر دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (ج ۱۲ ص ۶۰۵ تا ۶۰۹) نیز دیکھیے: حمادے، ص ۲۳۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے ص ۲۳ تا ۲۵، نیز دیکھئے ہیکل (حیات محمد) ص ۳۳ تا ۳۵۔

اس قسم کی تصویر کشی میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان کے نام تو بہت ہیں[1] لیکن یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے البتہ ان میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر جان آف دمشق ہے[2]۔ جان کو بازنطینی روایات کا بانی سمجھا جاتا ہے[3]۔ اسلام اور آنحضرتؐ کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ پہلے اُسی نے بھڑکائی۔ جان اور اُس کے پیروؤں نے (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کو بے دین اور جھوٹا نبی قرار دیا۔ اُس کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ اسلام میں محمدؐ کی پُوجا کی جاتی تھی۔ نیز جان ہی وہ پہلا مشنری تھا جس نے حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر جنسی و شہوانی الزامات کی بھرمار کر دی[4]۔ اس نے حضورؐ کو نبی کی حیثیت دینے کے بجائے بنیادی طور پر ملحد، بدعتی اور گمراہ (heratic) قرار دیا (نعوذ باللہ) اور اسلام کا تعارف ایک نبیؐ کاذب کے بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے کرایا اور یہ نکتہ پیش کیا کہ آنحضرتؐ کے پاس اللہ کا فرستادہ ہونے کی کوئی سند نہیں تھی[5]۔ جان کے بعد آنے والے قرونِ وسطیٰ کے تمام مصنفین نے بھی جان کا تتبع کرتے ہوئے تصویرِ رسولؐ کو خوب بگاڑا۔ گھسے پٹے الزامات و اتہامات عائد کیے اور چبائے ہوئے نوالوں کو پھر سے چبایا۔ اُس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ان کے مآخذ (sources) کم و بیش یکساں تھے[6]۔ اس لیے جب بھی انھوں نے سیرت و سوانح رسولؐ پر قلم اٹھایا، یا اپنا موضوعِ سخن بنایا تو نظم ہو یا نثر،

---

[1] مثلاً جربرڈی ارالیاک (Gerbert de Oraliac) زمانہ (۹۳۸ - ۱۰۰۳) قسطنطین افریقی (Constantian Africans) متوفی ۱۰۸۷ء، اڈلرباتھ (Adelard of Bath) زمانہ (۱۰۷۰ تا ۱۱۳۵) راجر بیکن (۱۲۱۴ تا ۱۲۹۴) - ملاحظہ ہو: العقیق، ج ۱ ص ۱۲۰ تا ۱۳۱، نیز گیبرٹ (Guibert)، میتھیوپریس، جیکوس ڈی ورٹی، ولیم آف ٹریپولی (حمادے ص ۲۳ تا ۲۵) وغیرہ۔

[2] جان آف دمشق کا زمانہ (۷۰۰ تا ۷۵۴ء) تھا۔ جان بنیادی طور پر ایک مذہبی عالم، مصنف، مشرقی کلیسا کا فارغ التحصیل راہب اور پادری تھا۔ دیکھئے: ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۷۸۰۔

[3] حمادے۔ ص ۲۶

[4] ندوی (پروفیسر حبیب الحق) اسلام اور مستشرقین۔ ماہنامہ معارف۔ اعظم گڑھ۔ شمارہ مئی ۱۹۸۳ء ص ۳۳۲۔ [5] حمادے۔ ص ۲۶

[6] اُس دور میں عام طور پر چند مآخذ ان کے نزدیک تسلیم شدہ تھے:

(۱) قیاس و گمان، افسانہ طرازی، (۲) جان دمشقی کی کتاب De Haere Sibus (۳) عربی مسیحی مآخذ جو زیادہ تر کٹ حجتی اور مناظرانہ مباحث پر مشتمل تھے (۴) وہ بازنطینی مناظرہ باز جنھوں نے مطالعہ کی زحمت کیے بغیر ہی گویا اسلام پر فتح پالی (۵) عبد المسیح بن اسحاق الکندی (جس کی نسبت آج بھی مشکوک ہے) کا رسالہ۔ الکندی ایک پڑھا لکھا نسطوری عیسائی تھا اور اسے خلیفہ مامون کے دربار میں خاص اثر و رسوخ حاصل تھا (۶) ایک بازنطینی مولف Nicctas کی کتاب Refutatco Mohammadis (۷) تھیوفین (Thophans ۷۵۸ - ۸۱۶) کے وقائع (Chronicles) اور (۸) اختلافی، نزاعی، مناظرانہ کتابیں جو جھوٹ و فریب کا پلندہ ہیں۔ وغیرہ

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے ص ۲۵ تا ۳۱ - نیز دیکھیے ندوی، ص ۳۳۲ تا ۳۳۵)

دونوں میں سیرت ختم الرسلؐ کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیال و قیاس کے سہارے پیش کیا۔[1] اس تفصیل کا مدعا یہ ہے کہ ظہورِ اسلام کے بعد کئی صدیوں تک بھی مسیحی نفرت و عداوت کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی اور اہلِ مغرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدستور جھوٹا، بہروپیا، دھوکا باز، مکار اور شیطان کا چیلہ قرار دیتے رہے تھے کہ اتنے میں صلیبی جنگوں کے طویل سلسلہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ صلیبی جنگوں میں صلیب سرنگوں ہوگئی اور تمام تیاریوں کے باوجود دنیائے اسلام کو زک پہنچانے کا منصوبہ ناکام ہُوا، اور انھوں نے دیکھ لیا کہ میدانِ جنگ میں رسد، کمک اور سامان جنگ کی فراوانی کے باوجود وہ مسلمانوں کا زیادہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے، تو پھر انھوں نے کمالِ عیاری سے اسباب، وسائل اور تدبیر و حکمتِ عملی کو یکسر بدل ڈالا اور گویا یہ فیصلہ کر لیا کہ جنگ جیتنے کے لیے نیا ترکش، نئے تیر استعمال کیے جائیں اور "گرم جنگ" نہ سہی، "سرد جنگ" میں مسلمانوں کو زیر کیا جائے اور یہ سرد جنگ "مادی" ہتھیاروں سے نہیں، علم و تحقیق کے "معنوی" ہتھیاروں سے لڑی جائے۔ شاید اس لیے رائمنڈ لل (Raymond Lull) نے اہلِ مغرب کو سب سے پہلے مشرقی علوم کی تحصیل پر آمادہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ایک پُرامن صلیبی جنگ جاری رکھی جائے جس کے اسلحہ خالص روحانی ہوں"۔[2]

اس سلسلہ میں اہلِ مغرب کو دو قسم کی سہولتیں حاصل تھیں۔ ایک طرف تو یہ کہ ان کے اپنے اسلاف نے مشرق و مغرب دونوں جگہ ذہنی پس منظر تو پہلے سے تیار کر رکھا تھا اور گزشتہ کئی صدیوں میں، اسلام، پیغمبرِ اسلام اور دنیائے اسلام کے بارے میں، مہمل خیالات، بے سرو پا قصّے کہانیوں، بیہودہ الزامات و اتہامات اور تشکیک و تذبذب کے بیج بو کر، خرافات کا ایسا جنگل اُگا دیا تھا، جسے کاٹنا آسان نہ تھا، بر سہا برس کے پروپیگنڈے نے مغربی ذہن کو اسلام دشمنی کے معاملہ میں ویسے ہی راسخ کر دیا تھا۔ دوسری طرف انھیں یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ اُس زمانے میں مسلمان علم و فن کے دائرے میں جو ترقیاں کر رہے تھے، اس کے سبب یونانی علوم و فنون کی سیکڑوں کتابیں ترجمہ کے ذریعہ عربی میں منتقل ہو چکی تھیں

---

[1] مثلاً نثر میں والٹر کی لاطینی زبان میں کتاب یا فرانسیسی زبان میں الگزینڈر ڈو پین کی کتاب یا گلبرٹ اور ولیم طرابلس کی تصانیف۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جی بھر کر لکھا گیا یا مثلاً نظم میں ہلدی برٹ (Hildeburt) سے منسوب ۱۱۴۲ ابیات پر مشتمل نظم، یا دانتے کی Divine Comedy دانتے کو گویا قرونِ وسطیٰ کے دور اور عہد بیداری یورپ کے درمیان میں ایک پل کی حیثیت حاصل ہے (دیکھیے ندوی ص ۳۳۹ تا ۳۴۴، حمادے ص ۲۵ تا ص ۲۹، نیز ایضاً ص ۳۲ تا ۳۵) دانتے نے اپنی شہرۂ آفاق نظم کی تدوین میں معراجِ نبویؐ سے استفادہ کیا لیکن (عیاذ باللہ) محمدؐ کو جہنم میں مبتلائے عذاب دکھایا ہے۔ دانتے پر صلیبی جنگوں کا ایسا اثر تھا کہ اس نے صلاح الدین ایوبی کو تو جہنم رسید کیا لیکن مسیحی صلیبی شہدا کو جنت میں فرحاں و شاداں دکھایا ہے۔

(ندوی ص ۳۳۹ تا ۳۴۴)

[2] بارکر، ارنسٹ (حروبِ صلیبیہ) ص ۸۸۔ نیز ملاحظہ ہو: سعید، ڈبلیو ایڈورڈ، ص ۳۳۱ - نیز

Southern, R.W. Western views of Islam in the Middle Ages. Harvard University Press 1962, p.72.

اور یوں اُن کے اپنے آباؤ اجداد کا وہ علمی ورثہ جس سے وہ پہلے خود بھی زیادہ واقف نہ تھے، عربی میں محفوظ ہو چکا تھا[۱]
علاوہ ازیں علوم و فنون اور آداب و معارف کے اسلامی مراکز سے اخذ و استفادہ کے لیے، اور اندلس و صقلیہ میں مسلمانوں کے اسلاف کی روشن کی ہوئی شمعِ عرفان و حقیقت کی روشنی سے اپنے آپ کو مستنیر کرنے کے لئے بھی عربی زبان میں مہارت اور اسلامی علوم و ثقافت سے واقفیت بالکل ناگزیر تھی۔[۲] چنانچہ سولھویں صدی عیسوی میں بالآخر وہ مرحلہ آگیا جبکہ ایک طرف تو عیسائیوں کے مختلف فرقوں کا اتحاد ہوا، سب نے مل کر اسلام کو اپنا واحد مشترک دشمن قرار دیا اور ایک متحدہ رومی کیتھولک چرچ کی بنیاد رکھی گئی[۳] اور دُوسری طرف یہ طے کیا گیا کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جس محاذ پر پہلے صرف عیسائی، یہودی، راہب، پادری، قصّہ گو، مناظر، شاعر وغیرہ ڈٹے ہُوئے تھے، اب اُن کی جگہ مغربی دنیا کے وہ عقلاء، فضلاء لیں گے جو کلاہِ علمی سے آراستہ ہوں گے اور درس و تدریس کی مسندوں پر فائز ہو کر دادِ تحقیق دیں گے، تاکہ اُدھر اُن کے اَن دیکھے جذباتِ نفرت و عداوت بھی تسکین پائیں اور اِدھر علم و تحقیق کے حوالے سے ان کا رعب و دبدبہ قائم ہو جائے۔

چنانچہ یہی ضرورتیں گیام پوسٹل (Guillaume Postel) کو سامنے لائیں،[۴] جو عام طور پر مستشرقینِ یورپ کا باوا آدم شمار ہوتا ہے۔ وہ پہلا اصولی مستشرق تھا جس نے تحریکِ استشراق کو منظم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور بطورِ خاص لغت و لسانیات کے حوالہ سے اہم خدمات انجام دیں۔[۵] پوسٹل ہی کے لیے ۱۵۳۹ء میں کلیۂ فرانس (College de France) قائم

---

[۱] اظہر، ظہور احمد۔ صلیبی جنگیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ) ص ۲۱۹۔ مشہور مصنف زکریا ہاشم زکریا نے تاریخِ استشراق کے بیان میں، ان باتوں کی مزید تفصیل "دورِ اوّل" کے تحت ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو: زکریا ہاشم (المستشرقون) ص ۱۶۷۔

[۲] عہدِ اسلامی میں اندلس اور صقلیہ کے مراکزِ علمی، ان کی اہمیت اور ان کے عروج و زوال کی مختصر تاریخ کے لیے ملاحظہ ہو: العقیقی ج ۱ ص ۴۸ تا ۶۰۔

[۳] مسیحیت و پاپائیت کی ضروری تاریخ، کلیسا کی درجہ بندی، مسیحی فرقوں، مسیحی عقاید، اہم اصطلاحات اور مسیحی عزائم سے عام واقفیت کے لیے: ڈاکٹر محمد نادر رضا۔ پاکستان میں مسیحیت۔ مسلم اکادمی۔ لاہور ۱۹۷۹ء۔

[۴] گیام پوسٹل فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ (۱۵۱۰ تا ۱۵۸۱) ہے۔ (دیکھیے: المنجد فی الادب والعلوم۔ المطبعۃ الکاثولیکیہ۔ بیروت ۱۹۵۶ء۔ ص ۸۹) پوسٹل کا اصل کام ابجدیات پر ہے (العقیقی ج ۱ ص ۱۶۰) پوسٹل اپنے زمانے کا زبردست مسیحی عالم تھا۔ ایڈورڈ سعید نے لکھا ہے کہ پوسٹل اور ارپی نیوس دونوں کا شمار یورپی نشأۃ ثانیہ کے مستشرقین میں ہوتا ہے۔ سعید کے بقول پوسٹل اس بات کا مدعی تھا کہ وہ اپنی زبان دانی کے سبب ایشیا سے لے کر چین کی سرحدوں تک بغیر کسی مترجم کے سفر کر سکتا ہے۔ دیکھیے: (سعید، ص ۵۰)۔

[۵] روڈنسن (میراثِ اسلام) ص ۳۴۔

کیا گیا[۱] اور وہ عربی کی پہلی کرسیِ صدارت پر فائز ہوا۔ گیام پوسٹل کے کام کو لغت و لسانیات کے ہی مگر حوالے سے اُس کے لائق و فائق شاگرد جوزف اسکالیجر (Joseph Scaliger) نے آگے بڑھایا[۲] بہرحال کم و بیش پینتالیس سال کی تیاری کے بعد ۱۵۸۶ء میں عربی مطبوعات کا سلسلہ یورپ میں شروع ہوا۔ جس کا سہرا بڑی حد تک ڈیوک آف تسکانی (Duke of Tuscany) کے سر ہے[۳]

اوپر کی تفصیل سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ یعنی :

(ا) یہ کہ سولھویں صدی عیسوی کو ہم باقاعدہ طور پر تحریک استشراق یا Orientalism کا سرآغاز قرار دے سکتے ہیں۔ یہی وہ دور ہے جبکہ مستشرقینِ یورپ نے کام کا مربوط و منظم نقشہ مرتب کیا۔ اور یہ کہ :

(ب) اس تحریک کی شروعات خالص مسیحی مشنری اور کلیسائی پس منظر میں ہوئی، جس کا اثر تاریخ مابعد پر جاری و ساری رہا۔ کیونکہ مستشرقین کا خانوادہ چرچ (کلیسا) کا ہی پروردہ تھا[۴]

(۸)

تحریک کا ارتقاء

تحریکِ استشراق کے حوالہ سے ۱۷ویں اور ۱۸ویں صدی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ تحریک کے ارتقاء، اُس کے پھلنے پھُولنے کا عہد ثابت ہوا۔ جہاں تک ۱۷ویں صدی عیسوی کا تعلق ہے۔ بقول مولانا شبلی یہ صدی یورپ کے عصرِ جدید کا مطلع ہے[۵] اور یورپ کی جدّوجہد، سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے[۶] پھر یہ عروجِ استعمار کی صدی ہے، جس کے پنجۂ استبداد میں رفتہ رفتہ عالمِ اسلام آتا چلا گیا۔ یورپی شہزادوں کی سرپرستی میں اسلامی مطبوعات کے بارے میں معلومات جمع کی جانے لگیں۔ عربی زبان کی ماہیت و خاصیت کو سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ارپی نیس (Erpenius 1584-1624) نے پہلی عربی کی قواعد شائع کی، جو لغوی اصولوں پر مرتب کی گئی تھی۔ پھر اُس کے اتباع میں اُس کے شاگرد جیکب جولیس (Jacob Goluis 1596-1667) نے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔[۷]

۱؎ ایضاً ص ۳۵ ۲؎ ایضاً

۳؎ دیکھیے روڈنسن ص ۳۵۔ ایک مصنف کے نزدیک مشرقی مطبوعات کا سلسلہ پرس میں ۱۵۱۹ء کو شروع ہوا (العقیقی ج ۱ ص ۱۶۰)۔

۴؎ ندوی، سید حبیب الحق۔ ص ۳۴۶۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے مسیحی پادریوں کی فہرست نقل کی ہے جو مدتوں مرتاض راہب بنے تربیت حاصل کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو، ہاشمی، مولانا سید عبدالقدوس۔ مستشرقین اور تحقیقات اسلامی۔ مکتبہ ملی (۱۹۶۹ء) ص ۲۷، ۲۸۔

۵؎ شبلی ج ۱ ص ۸۸ ۶؎ ایضاً ص ۸۹ ۷؎ روڈنسن ص ۳۶۔

اور پھر ۱۶۴۳ء میں ایڈورڈ پوکاک[1] (Edward Pococke 1604 - 1691) پہلا انگریز مستشرق تھا جسے آکسفورڈ میں شعبہ عربی کا صدر نشین بنایا گیا[2] مزید برآں عربی زبان کی قواعد اور لغت کی ترتیب کا کام آسٹریا کے میرنسکی (Lorriunuer Franz Meurnski) نے بھی ۱۶۸۰ء میں انجام دیا۔ اس کے علاوہ اسلامی علوم اور تہذیب و تمدن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک ادارہ ڈی ہربیلوٹ (d'Herbelot) کی سرکردگی میں قائم کیا گیا۔ اس ادارہ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ اس وقت تک جس قدر بھی مشرقی علوم پر کتابیں شائع ہوئی تھیں، ان کی ایک باقاعدہ فہرست مرتب کر کے شائع کر دی جو بڑی معلومات افزا تھی۔ اسی ادارہ کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتابچہ بھی شائع کیا گیا[3]

سترھویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بقول مولانا شبلی سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام و سیرت پیغمبر کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گو موقع بہ موقع معلوماتِ سابقہ کے مصالحہ کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا[4] اس صدی میں مستشرقین کے رویہ اور سلوک میں اس تبدیلی اور فرق کی اصل وجہ گویا ان کے مآخذ (sources) کے بدل جانے میں مضمر تھی۔ ازمنۂ وسطیٰ کے روایتی لاطینی اور بیزنطینی مواد کی سیاہیوں میں اسلامی اور عربی مصادر نے روشنی پیدا کی اور انھوں نے اس تضاد کو بھی سمجھ لیا جو سیاحوں کے سفرناموں کے اندراجات، ان کے تصورات اور اصل حقائق کے مابین پایا جاتا تھا[5] اس عہد میں بھی حسب سابق مطبوعات اور تصنیفات بہت کم ہیں[6] البتہ جو مستشرقین، مطالعۂ سیرت رسول کے حوالے سے سامنے آئے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

(۱) ولیم بیڈول (Bedwell.W) انگریز مستشرق تھا۔ جس کا زمانہ ۱۵۶۱ء تا ۱۶۳۲ء ہے۔

---

[1] انگلستان کا ایک مشہور عربی دان مستشرق تھا جو بلادِ مغرب میں، اویں صدی کے مستشرقین میں ایک بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ وہ ایک پادری کا بیٹا تھا جو ۱۶۰۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۴۱ء میں واپس آکسفورڈ آیا اور باقی عمر وہیں صرف کر دی۔ اُس نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ پوکاک کے علمی کارناموں نے یورپ میں عربی علوم کی تحقیقات کے لیے ایک نیا باب کھول دیا۔ اس کی وفات ۱۶۹۱ء میں ہوئی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵ ص ۷۰۰، ۷۰۸۔ نیز ملاحظہ ہو: ویلبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۱۹۴) اُس نے چند عربی کتب کے ترجمے کیے، سیرتِ محمدؐ پر نظر ثانی کی اور کئی افسانوں کو مسترد کر دیا (ندوی، ص ۳۴۷)۔

[2] روڈنسن۔ میراث اسلام ص ۳۶۔

[3] Hamadeh, Mohammad, Maher Muhammad, the Prophet - A selected Bibliography The University of Michigan. Ph.D. 1965. Lib. Sc. p. 57 (Photostat copy unpublished.)

[4] شبلی۔ ج ۱۔ ص ۸۹۔ اس صدی میں لب و لہجہ کی تبدیلی کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ حمادے ص ۴۴۔

[5] تفصیل کے لیے دیکھیے: ندوی۔ ص ۳۴۶ تا ۳۴۸۔

[6] حمادے ص ۴۶

اُس کے آثار و باقیات میں دو کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک عربی لغت جو سات جلدوں میں ہے اور ۱۶۱۰ء سے پہلے شائع ہوئی اور دوسرے سیرتِ رسول پر کتاب جو لندن سے ۱۶۱۵ء میں شائع ہوئی[۱] سیرت کی کتاب نہایت گستاخانہ ہے اور نہایت بے باکی سے کام لیتے ہوئے اُس کا نام ہی "محمد کاذب" (Mohammadis Imposturae) رکھا گیا ہے[۲]

(۲) واٹیئر (Vattier, P) فرانسیسی مستشرق تھا۔ اس کا زمانہ ۱۶۱۳ء تا ۱۶۶۷ء تھا۔ عربی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد بڑی کثرت سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا[۳]

(۳) ہاٹنجر (Hottinger, J.H) سوئٹزرلینڈ کا ایک مستشرق (۱۶۲۰ء تا ۱۶۶۷ء) اُس کے باقیات میں مشرقی تصانیف کی ایک فہرست (مطبوعہ ہائیڈلبرگ ۱۶۵۸ء) قابلِ ذکر ہے[۴]

(۴) ڈاکٹر ہنری اسٹب (Dr. Henry Stubbe) سترھویں صدی کا مشہور مستشرق بہ زمانہ (۱۶۳۲ء تا ۱۶۷۶ء)۔ اُس کی مشہور کتاب (جو پہلے پہل لندن سے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی[۵]) کا نام ہے: An Account of the rise and progress of Mohammetanism کہا جاتا ہے کہ اگر اس کی کتاب کی کچھ تاریخی غلطیاں نظر انداز کر دی جائیں، تو اسے سیرتِ رسول کی ایک معقول و معتدل تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جیسا کہ اُس کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ کتاب گویا مغرب کی جانب سے سیرتِ رسول کے بارے میں اولین اعتذار ہے۔ اِس کتاب میں اسٹب نے نہ صرف یہ کہ اُس رویّہ کا جائزہ لیا ہے جو پیغمبرِ اسلام کے ساتھ مسیحی مصنفین نے پہلے اختیار کر رکھا تھا[۶] بلکہ اُن مصنفین کی تصویر کو اُس نے مکروہ قرار دیا ہے جو اُنھوں نے اخلاق و کردارِ نبویؐ کی کھینچی تھی[۷] اور انتہائی عالمانہ شان سے یہ اقرار کیا ہے کہ "اِس آسمان کے نیچے سوائے محمدؐ کے کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو تمام دنیائے انسانیت کی مرکزِ توجہ بنی ہو کہ اپنے تو اُس پہ عقیدت کے پھول نچھاور کریں اور غیر اُسے نگاہِ آتشیں سے دیکھیں، مشرق میں اُسے سراہا گیا، لیکن مغرب نے التفات نہ کیا۔"[۸]

---

[۱] العقیقی۔ ج ۲ ص ۴۶۴

[۲] حمادے (ص ۶۴) بڈول نے کمال خباثت سے کام لیتے ہوئے نعوذ باللہ حضور کی جعل سازیوں، مکاریوں، دغابازیوں، جھوٹی پاکبازی کو گنوایا ہے (ایضاً)

[۳] العقیقی ج ۱ ص ۱۷۲ — [۴] ایضاً ج ۳ ص ۸۸۰

[۵] اب اس کی مکرر طباعت پاکستان میں "البیرونی" لاہور ۱۹۷۶ء کے ہوئی ہے اور راقم الحروف کے سامنے اس وقت یہی نسخہ ہے۔

[۶] دیکھیے اسٹب کی کتاب کا باب دوم، خصوصاً ص ۴۹ و مابعد، ص ۱۹۵ و مابعد۔

[۷] ایضاً باب ہشتم ص ۱۸۱ و مابعد۔

[۸] ایضاً ضمیمہ ص ۲۱۱۔

دوسرے مستشرقین میں سے جین بررڈ (Genebrard) کا زمانہ اگرچہ (۱۵۳۵ تا ۱۵۹۷) تھا لیکن اُس کا موقف تقریباً سترھویں صدی میں عام ہوا۔ وہ ایک مشہور کیتھولک مناظرہ باز تھا جین بررڈ کو سب سے بڑا اعتراض اس بات پر تھا کہ حضورؐ نے قرآن کو عربی زبان میں کیوں لکھا؟ وہ اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ قرآن کو عبرانی، یونانی اور لاطینی جیسی خالص مہذب زبانوں میں کیوں نہیں لکھا گیا؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ اس لیے کہ" محمد (خاکم بدہن) خود ایک حیوان (جانور، چوپایہ) تھے اور صرف ایک ہی حیوانی (وحشیانہ) زبان (عربی) جانتے تھے، جو اُن کے مخصوص وحشیانہ ماحول سے عین مطابقت رکھتی تھی[۱] اس لیے اس کے نقطۂ نظر کے مطابق، قرآن عربی جیسی وحشی زبان میں لکھا گیا۔

۱۶۵۳ء میں الیکزینڈر رُوس (Alexander Ross) نے اپنی جو کتاب Pandeblis شائع کی وہ اگرچہ تقابل ادیان کے حوالے سے سامنے آئی لیکن اس کے ایک حصہ میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارے میں کچھ بہتر مواد پایا جاتا ہے حالانکہ اس کی پہلی کتاب A brief sketch of the life and death of Mahomet, the prophet of the Turks, and author of the Al- caran accompanying the translation of the Koran. قرونِ وسطیٰ کے روایتی خرافاتی مواد، قصے کہانیوں اور زہریلے معاندانہ مواد پر مشتمل تھی[۲] لینسلوٹ ایڈلیسن (Lancelot Addison) نے ۱۶۷۸ء میں اپنی کتاب The first state of Mohammetanism.or an account of the author and doctrines of that imposture کے نام سے شائع کی لیکن اگلے سال یہی کتاب نئے عنوان The life and death of Mohammed (حیات و مماتِ محمدؐ) سے سامنے آئی[۳] مگر اس کے مصادر حسبِ معمول لاطینی خرافات تھے۔ آنحضرتؐ کے خلاف اُسے سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ" اپنی کتاب "قرآن" کو اپنی زندگی میں شائع نہیں کیا تھا"[۴] ایک اور مستشرق ہمفرے پرائی ڈیکس (Humphrey Pr ideaux) نے حضورؐ کی سوانح لکھی لیکن اپنے دامن کو وہ بھی خرافات سے نہ بچا سکا۔ اور دوسروں کی طرح آپؐ کو خدانخواستہ "مدعی کاذب"، مکار، فریبی (IMPOSTURE) قرار دیا۔ اس پر تماشہ یہ ہے کہ اُس کی کتاب تقریباً ایک صدی تک دوسروں کے لیے " معیاری کتاب حوالہ" (Standard work of reference) بنی رہی۔ ایک ہی سال (۱۶۹۷ء) میں دو اشاعتیں عمل میں آئیں اور فرانسیسی ترجمہ بھی ۱۶۹۸ء میں ہو گیا[۵] اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مستشرقین کے حلقوں میں عام مذاق کیا تھا اور کس قسم کے مواد کو ان کے بڑے بڑے علماء استعمال کرتے تھے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی کے دوران بھی تحریکِ استشراق منازلِ ارتقاء طے کرتی رہی البتہ سفر جیسے جیسے آگے بڑھتا رہا، رختِ سفر کم و بیش ہوتا رہا اور اپنے تمام تر مذہبی، مشنری، سیاسی اور استعماری عزائم کے

---

[۱] حمادے۔ ص ۴۶، ۴۷۔ [۲] ایضاً ص ۴۸

[۳] ایضاً [۴] ندوی ص ۳۴۷، ۳۴۸۔

[۵] حمادے ص ۴۹۔ ہمفرے کی کتاب کا بہت مفصل تعارف (ص ۴۹ تا ۵۲) دیا گیا ہے۔

علی الرغم، مستشرقین کے رویہ میں کچھ لچک اور نرمی بھی پیدا ہوگئی۔ اس نرمی اور لچک کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان میں سے چند کا رویہ، رنگ و آہنگ اور آواز و انداز بدلا اور نسبتاً انصاف پسندی سے کام لیا بلکہ دل و نگاہ میں گنجائش پیدا کر کے اثبات و معروضیت (Objectivity) سے آگے بڑھ کر توصیف و مدح (admiration) اسلام و پیغمبرِ اسلام میں بھی بخل سے کام نہیں لیا۔[1] ورنہ پرانے خیالات اور ان کے اپنے متقدمین کے قائم کیے ہوئے نظریات بہرحال گرم سفر رہے اور مقبولیت بھی انہی کو حاصل رہی، تاہم اتنا ضرور ہوا متشددانہ و متعصبانہ رویہ کے شانہ بہ شانہ معقولیت و انصاف پسندی کا رجحان بھی جاری و ساری ہوگیا۔ اور اس رجحانِ نو کا ساز غالباً اس صدی میں سب سے پہلے ولندیزی مستشرق ریلانڈ[2] (H.Reland) نے ۱۷۰۵ء میں De Religione Mohammadica لکھ کر چھیڑا۔ اور اپنے ہم مشربوں سے مطالبہ کیا کہ "ہم مشرق کو اس کے اپنے اصل مآخذ کے ذریعہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور برملا کہا کہ "تاریخی انصاف" کی ترازو میں تو ہمیں اسلام کو بھی تولنا چاہیے"[3] پھر اس "نے نوازی" میں پیری بائل[4] (Pierre Bayle) اور بولین ولیرز[5] (count of Boulainvilliers) وغیرہ بھی شامل ہوگئے۔

بہرحال مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اٹھارھویں صدی میں مغرب نے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کی طرف بہ نظرِ شفقت دیکھا اور افہام و تفہیم کی جانب پیشقدمی کی۔[6]

اس صدی میں مستشرقین کی ذاتی و انفرادی کاوشوں کے علاوہ، سرکاری اور اجتماعی سطح پر بھی سرگرمیاں منظم کی گئیں۔ خصوصاً اس صدی کے اواخر میں اِن رجحانات نے زیادہ زور پکڑا۔ بقول مولانا شبلیؒ "یہ وہ زمانہ ہے جب

---

[1] روڈنسن۔ ص ۳۷، ۳۸

[2] ریلانڈ نے اسلام کے بارے میں جو معروض رویہ پیش کیا وہ زیادہ تر اسلامی مآخذ پر مبنی تھا۔ (ایضاً ص ۳۷)

[3] حمادے ص ۵۲ (تفصیلات ص ۵۲، ۵۳)

[4] یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ رواداری برتنے کا قائل تھا۔ اُس نے اپنی تنقیدی لغت کے پہلے ایڈیشن میں پیغمبرِ اسلام کی سوانح بیان کرنے میں مثبت انداز اختیار کیا۔ (روڈنسن ص ۳۷)

[5] اس کی کتاب فرانسیسی زبان میں vie de Mohamet کے نام سے ۱۷۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کا اندازِ بیان بہت معذرت خواہانہ (apologetic) تھا۔ (دیکھیے ایضاً) یہ کتاب اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی جانب پہلی دوستانہ کاوش تھی جو مسیحی یورپ میں ظاہر ہوئی (ندوی ص ۳۴۹) بولین ولیرز کا انداز ایک دوسرے متعصب مستشرق جیگنیئر (Gagnier) کو بالکل پسند نہ آیا۔ جیگنیئر نے اُس کے مثبت اندازِ فکر اور تعمیری رجحان کے رَد میں vie de Mohamet (مطبوعہ ایمسٹرڈم ۱۷۴۸ء) لکھی (حمادے ص ۵۴)

اس وقت ہمارے سامنے بولین ولیرز کی کتاب کے انگریزی ترجمہ کی عکسی نقل ہے۔

[6] ملاحظہ ہو: روڈنسن ص ۴۰۔ پروفیسر ظفر قریشی کے بقول مغرب کی طرف سے ۱۸ ھویں صدی میں پہلی مرتبہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا مطالعہ شروع ہوا۔ دیکھئے ص ۸ (مارچ ۱۹۶۸ء)

یورپ کی قوتِ سیاسی، اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوگئی، جس نے "اورینٹلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کردی، جنھوں نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کیے، اورینٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔[1] "اور آخر کاران مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالکِ یورپ میں اس قسم کی درسگاہیں اور انجمنیں جاری ہوگئیں، عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔[2] "السنۂ مشرقیہ کے علاوہ مسلمانوں کے سائنسی علوم پر علمی و تحقیقی کام کی غرض سے پیرس میں ۱۷۹۵ء میں ایک اور ادارہ Eco Le des langues Orientales vivanless قائم کیا گیا۔ اس کے تحت اضافی طور پر مشرقی زبانوں کے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کی گئیں۔

اٹھارھویں صدی کی ایک خصوصیت اس تحریک کے حوالے سے یہ بھی ہے کہ استشراق (Orientalism) اور مستشرق (Orientalist) کی اصطلاحوں کا رواج اسی زمانے میں شروع ہوا۔[3] چنانچہ انگلستان میں ۱۷۷۹ء کے لگ بھگ" اور فرانس میں ۱۷۹۹ء کے قریب "مستشرق" کی اصطلاح رائج ہوئی اور پھر جلد ہی "استشراق" نے بھی رواج پایا۔[4] اور اس کے ساتھ ایک مخصوص تصوّر اور مخصوص سلوک اور رویہ (Discipline) نے بھی جنم لیا۔[5] بہرحال اس صدی کے مشاہیر علمائے مستشرقین میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں :

(۱) سائمن اوکلے (Ocklay, S.) انگریز مستشرق۔ جس کا زمانہ ۱۶۷۸ء تا ۱۷۲۰ء تھا۔[6] اُس کی کتاب مسلمانوں کی تاریخ پر History of the Saracens کے نام سے ۱۷۰۸ء تا ۱۷۱۸ء شائع ہوئی۔[7] یہ تین جلدوں میں تھی۔[8] کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جبکہ مستشرقین کے نتائج تحقیق کو عام لوگوں کی رسائی کے قابل بنایا گیا۔[9]

---

۱ شبلی ج ۱ ص ۹۰

۲ ایضاً ص ۹۱

۳ روڈنسن۔ ص ۴۷

۴ ایضاً۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۱۸۳۸ء میں فرانس سے شائع ہونے والی اُس لغت میں بھی یہ اصطلاح جگہ پاگئی۔ جس کا نام تھا : Dictionnaire del' A c ademic Francaise (فرانسیسی کی لغتِ علمی) اور اس میں مندرج ہوا Orientalisme دیکھیے : ایضاً۔

۵ ایضاً

۶ العقیقی ج ۲ ص ۴۶۹

۷ روڈنسن۔ ص ۳۹

۸ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۱۱۳۔

۹ روڈنسن۔ ص ۳۹۔

(۲) ایڈورڈ پوکاک (Pococke, G) انگریز مستشرق۔ جس کا زمانہ ۱۶۴۸ء تا ۱۷۲۷ء تھا[1]۔ اس کا ہم نام ایک مستشرق ۱۷ اھویں صدی میں گزر چکا ہے۔

(۳) جارج سیل (Sale, G) انگریز مستشرق۔ جس کا زمانہ ۱۶۹۷ء تا ۱۷۳۶ء تھا۔ اُس نے ۱۷۳۴ء میں قرآن کا ترجمہ شائع کیا[2] اور بعض مستشرقین کے کلماتِ خیر کے ردِّ عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کاذب اور اسلام کو فاسد مذہب (False religion) قرار دیا[3]۔

(۴) جین گیگنیر (Gagnier, J.) انگریز مستشرق۔ جس کا زمانہ ۱۶۷۰ء سے ۱۷۴۰ء تک تھا[4]۔ اس نے دو کتابیں شائع کیں۔ اِن دونوں کتابوں کا مقصد بولین ولیر کی تالیف کی تاثیر کو کم کرنا تھا۔ بلکہ بولین ولیر کے مقابلہ میں اس نے ایک نئی تالیف vie de Mohammet پیش کی جو ۱۷۴۳ء میں امسٹرڈم سے نمودار ہوئی[5]۔

(۵) رسک (Reiske, J.J) جرمن مستشرق جس کا زمانہ ۱۷۱۶ء سے ۱۷۷۴ء تک تھا[6]۔ وُہ جرمنی کا کلاسیکی لغوی اور عربی اسکالر تھا اور یونانی زبان وادب پر سند مانا جاتا تھا[7]۔

(۶) ایڈورڈ گبن (Gibbon, E) انگریز مورخ (زمانہ ۱۷۳۷ء تا ۱۷۹۴ء)۔ اپنی کتاب تاریخ زوالِ رومہ کے لیے خاص شہرت کا حامل ہے[8]۔ اس نے ۱۷۸۰ء میں کتاب مذکور کے پچاسویں باب میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت دلسوز رائے کا اظہار کیا اور رواداری کے دعوے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کاذب (Imposter) کا خطاب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ آخری ایام میں شہوت، لالچ، جاہ طلبی اور بوالہوسی میں مبتلا ہو گئے تھے[9] (نعوذ باللہ)

(۷) والٹیر (Voltaire Fr.) فرانسیسی مصنّف، زمانہ ۱۶۹۴ء تا ۱۷۷۸ء[10] اُس نے پیغمبرِ اسلام کے

---

[1] العقیقی ج ۲ ص ۴۷۱

[2] ایضاً

[3] ندوی ص ۳۵۰

[4] العقیقی ج ۲ ص ۴۷۱

[5] ندوی (ص ۳۵۰)۔ بدبخت مولف نے آنحضرتؐ کو نہ صرف انسانیت کا بدترین دشمن بلکہ خدا کا بھی دشمن قرار دیا۔ (ایضاً)

[6] العقیقی ج ۲ ص ۶۹۲۔

[7] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری، ص ۱۲۷۴۔

[8] ایضاً ص ۵۹۱۔ گبن جدید انگریزی تاریخ نگاری کا معمار ہے (حمادے ص ۵۵)۔

[9] ندوی ص ۳۵۱۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے ص ۵۵، ۵۶۔

[10] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۵۲۹۔

بارے میں اپنا مشہور ڈرامہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا (Le Fanatisme on Mohammetie Prophete) یہ ڈرامہ اگرچہ تاریخی لحاظ سے بے بنیاد تھا[1] تاہم یہ امر ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ اُس وقت تک مستشرقین شریعتِ اسلامی کی باریکیوں سے واقف نہ ہوئے تھے یہ ڈرامہ ۱۷۴۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اُس نے نہ صرف اسلام کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا بلکہ یورپ کے اُن تمام مستشرقین کی شدت کے ساتھ مذمت کی جنھوں نے اسلام اور آنحضرتؐ کی جانب نرمی کا رویہ اختیار کیا یا انصاف کا مطالبہ کیا۔

اُس نے آنحضرتؐ کو نبی کاذب (Imposter) اور اسلام کو وحشی اور فاسد مذہب سے موسوم کیا۔ اُس نے ڈرامہ کو پوپ XIV کے نام منسوب کیا اور اُس کے مقدمہ میں اسلام کے خلاف خوب زہر اگلا، پھر اپنے مقالات کے مجموعہ (۱۷۵۶ء) میں بھی والٹیر نے آنحضرتؐ اور اسلام کے خلاف سخت نفرت کا مظاہرہ کیا۔ والٹیر کی شخصیت اور تالیفات کا گہرا اثر دوسرے مستشرقین پر بھی پڑا[2] چنانچہ ڈیدی رَوٹ (Diderot) اس فحش نگاری پر بھی اتر آیا کہ محمدؐ دنیا میں سب سے بڑھ کر عورتوں کے دوست، اور سنجیدگی و معقولیت کے دشمن تھے۔[3] (نعوذ باللہ)

(۹)

تحریکِ استشراق کا عروج

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے ربع اوّل تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین دونوں کے لیے متعدد اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلی صدیوں میں عالمِ اسلام کو دنیا کے مختلف حصّوں میں سقوط و انحطاط کی جن منزلوں سے گزرنا پڑا تھا[4]، ایک تو اُن کے سبب ہی مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت ختم ہوئی، اس پر مستزاد یہ کہ ان کے پرانے حریف "مغرب"

---

[1] حادسے۔ ص ۵۶

[2] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً ص ۵۶ تا ۵۸۔

[3] ایضاً ص ۵۸۔

[4] سقوط و انحطاط کی یہ داستان تو بہت طویل ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا آغاز ۱۱ ھویں صدی عیسوی میں ہوا مثلاً اگر ایک طرف اندلس میں بنو امیہ کے بعد مسلم اسپین رُو بہ زوال ہُوا، اور رفتہ رفتہ عملاً عیسائیوں کا باجگزار بن گیا اور سقوط غرناطہ (۱۴۹۲ء) کے بعد تو گویا مسلمان وہاں سے نکل کر متفرق و منتشر ہو گئے تو دوسری طرف صقلیہ کی باری آئی تو نارمنوں نے ۱۰۷۱ء میں اُس کے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا اور پھر ۱۰۸۱ء تک پورا سسلی چھین لیا گیا۔ پھر ۱۲ ھویں صدی میں نارمن حملے افریقہ پر ہونے لگے، بحر روم میں طاقت کا توازن درہم برہم ہو گیا اور اسی صدی کے اواخر تک بحر روم پر نارمنوں اور اطالیوں کی برتری قائم ہو گئی۔ یہ جراحتیں اسی طرح پہنچتی رہیں یہاں تک کہ سولھویں صدی عیسوی کا زمانہ مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت کا آخری زمانہ ثابت ہوا۔ اور اہلِ یورپ کے اعزاز کا یہی اوّلین دور ہے (ذکریا ہاشم ص ۱۹۸) عالمِ اسلام اس کے بعد بڑی تیزی سے زوال پذیر ہوا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جبکہ تحریک استشراق کا بھی باقاعدہ آغاز ہوا۔

کو زمانۂ بیداری کے بعد سے سیاسی، عسکری، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر میدان میں مسلسل تفوق و بالادستی حاصل ہوتی چلی جا رہی تھی، اور اس کی سامراجی گرفت عہد بہ عہد مضبوط ہوتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے اُدھر عالمِ اسلام خستہ و نزار ہوا اور اِدھر مغرب کا پرچمِ استعمار اور بلند ہوا۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے کیسی ہی اذیت ناک کیوں نہ ہو، اقوامِ مغرب کے لیے بہرحال خوش آئند تھی اور اِس سے برابر کا فائدہ مستشرقین نے بھی اٹھایا۔ چنانچہ زیرِ نظر دَور (۱۹۰۰ تا ۱۹۲۵) تحریکِ استشراق کے عروج و کمال سے عبارت ہے۔ اس عہد میں تحریکِ استشراق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔ مستشرقین کے انداز و اطوار اگرچہ بدل گئے تاہم کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے اُن کے خلاف اپنے اسلاف پر بازی لے گئے۔ چنانچہ:

(ا) کمیّت کا اندازہ تو اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ زیرِ بحث دور میں مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آئی، اس میں ہر قسم کے مستشرقین شامل تھے جو خاموش صلیبی جنگ کے اِس محاذ پر یورپ کے تقریباً تمام علاقوں کی نمائندگی کرنے والے تھے۔ مثلاً فرانس، اٹلی، انگلستان، اسپین، پرتگال، آسٹریا، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، ہنگری، روس، بلجیم، چیکوسلواکیہ، فن لینڈ وغیرہ اور امریکہ والے بھی شریک ہو گئے۔[۱]

(ب) کیفیت کے اعتبار سے مستشرقین نے تصنیف و تالیف کے ڈھیر لگا دئے۔ ان کے مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کا دائرہ بھی محدود نہ رہا بلکہ عقائدِ اسلام، قرآن، حدیث، سنّت، فقہ، اجتہاد، عرب اور اہلِ عرب کے احوال، عرب اور ترکوں، عربوں کے تعلقات، اسلام کی اصلیت، اسلامی تہذیب و تمدّن، اور پیغمبرِ اسلام کی سیرت و سوانح وغیرہ پر کثرت سے لکھا گیا۔ اس دَور میں مستشرقین کا معیارِ تحقیق و استدلال بھی بلند ہوا۔ اور تحقیق و جستجو اور تفتیش و تفحص میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا جو آج بھی باعثِ حیرت ہے۔ قدیم عربی مآخذ کی تلاش، مخطوطات اور قلمی نسخوں کی دریافت، آثار و اکتشافاتِ قدیمہ کا مطالعہ، کتابوں کی تصحیح و اشاعت، اسلامی تاریخی مآخذ کی ترتیب و تدوین، فہرستوں، اشاریوں اور تبویب وغیرہ کی تیاری اور اسی طرح کی دوسری سرگرمیاں، ان کی محنت و ریاضت، علم شناسی اور مشرق نوازی کی روشن دلیل ہیں[۲] بلکہ یہ اُن کا مسلمانوں پر احسان ہے کہ اُن ہی کی کوششوں کے طفیل بہت سی نادر اور مفقود الخبر کتابیں مسلمانوں تک پھر سے پہنچیں اور مشہور و متعارف ہوئیں۔[۳]

---

[۱] نجیب العقیقی نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل سے ان تمام علاقوں کے زیرِ عنوان، مستشرقین کی فہرست، ان کے تراجم اور کارنامے مرتب کردئے ہیں۔ ملاحظہ ہو: المستشرقون ج ۱، ۲، ۳۔

[۲] اس کی کچھ تفصیل علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں بھی دی ہے۔ اور بطورِ خاص اُن مستشرقین کا تذکرہ کیا ہے جن کی محنت و ریاضت کے نتیجہ میں قدیم مآخذ سامنے آئے۔ دیکھیے: شبلی ص ۹۱، ۹۲۔

[۳] جس طرح خود مسلمانوں نے قرونِ وسطیٰ میں محنت و ریاضت کے نتیجہ میں اہلِ یورپ تک ان کی کتابیں پہنچائی تھیں۔

(ج) مستشرقین کے گروہ میں حسبِ سابق دونوں قسم کے افراد نے تصنیف و تالیف میں حصّہ لیا۔ ایک طرف اگر روایتی قسم کے متشدد اور متعصب علمائے استشراق تھے[1] تو دوسری طرف حقیقت بیں، انصاف پسند، نرم رَو اور معتدل قسم کے مصنفین بھی تھے۔ مثلاً گاڈ فرے ہگنز[2]، کاسن دی پرسیوال[3]، وِیل[4]، رینان[5]، گوئٹے[6]، شوول[7]،

---

[1] مثلاً اسپرنگر (۱۸۱۳ - ۱۸۹۳)، سرولیم میور (۱۸۱۹ - ۱۹۰۵)، ڈوزی (۱۸۲۰ - ۱۸۸۳)، ڈی گوجے (۱۸۳۶ - ۱۹۰۹)، گولڈ زیہر (۱۸۵۰ - ۱۹۲۱) وغیرہ۔ حالات و سوانح اور تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العقیقی ج ۲، ص ۶۳۱، ۷۹۲، ۶۵۸، ۶۶۰ تا ۶۶۳ - ج ۳ ص ۹۰۶ (بالترتیب) نیز دیکھیے ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۳۹۲، ۴۲۰ وغیرہ۔ نیز اردو دائرہ معارف الاسلامیہ (مطبوعہ لاہور۔ متعلقہ جلدیں)، ماہنامہ معارف اعظم گڈھ (جولائی ۱۹۸۲ء) وغیرہ۔

[2] اس کا زمانہ (۱۷۷۳ تا ۱۸۳۳) تھا۔ اس کی کتاب Apology for Mohammad کے زیرِ عنوان' لندن سے ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ ہمارے سامنے پریمیئر بک ہاؤس لاہور کا ایڈیشن ہے۔ حالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کا دیباچہ۔ سرسید بھی اس سے متاثر تھے اور انھوں نے اس کی کتاب کے ترجمہ کا انتظام بھی کیا تھا۔

[3] فرانسیسی مستشرق (۱۷۹۵ - ۱۸۷۱) اُس کے آثار میں تاریخ العرب (۳ جلدیں۔ مطبوعہ ۱۸۴۷ء) اور قبل اسلام و عہدِ رسالت پر تصنیف شامل ہے (العقیقی ج ۱ ص ۱۹۳) سیّد امیر علی نے اپنی کتاب (اے کریٹیکل اگزامینیشن آف دی لائف اینڈ ٹیچنگز آف محمد) مطبوعہ لندن ۱۸۷۳ء (طبع حاضر ایس ایم ببر کراچی ۱۹۷۸ء کے دیباچہ میں کاسن کے کام کو یورپین مصنفین نے ہر لحاظ سے عالمانہ اور بے لاگ قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ص ۵ تا ۸)۔

[4] جرمن مستشرق (۱۸۰۸ - ۱۸۸۹) متعدد کتابیں یادگار۔ عہدِ رسالت پر تین مجلدات، سیرت ابن ہشام کا جرمن ترجمہ مع تعلیقات و حواشی (العقیقی ج ۲ ص ۷۰۰) لیالی العرب کا بھی ترجمہ کیا اور تاریخ الخلفاء اور مسلمانوں پر ۵ مجلدات۔ (ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۵۵۵)

[5] فرانسیسی مستشرق (۱۸۲۳ - ۱۸۹۲)، مختلف تصانیف یادگار چھوڑیں مثلاً تاریخ الادیان مطبوعہ ۱۸۵۷ء، کتاب الرسل مطبوعہ ۱۸۶۶ء، کتاب تقدم الآداب الشرقیہ مطبوعہ ۱۸۷۶ (العقیقی ج ۱ ص ۲۰۳ - ۲۰۲) یہ فلسفی لغوی اور مورخ تھا (ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۲۴۸)

[6] شہرۂ آفاق جرمن شاعر (۱۷۴۹ - ۱۸۳۲) ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری (ص ۴ - ۶۰۳) اصل شہرت اُس کی مشہور نظم Le Mahomet's Gesang کے سبب ہوئی (شاخت و باسورتھ ص ۴۴) اس کی مزید تفصیل اور تنقید کے لیے ملاحظہ ہو: ندوی ص ۴۰۶۔

[7] جرمن ماہر آثاریات و حجریات اور نقاد بھی تھا۔
(ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۳۲۶)

کارلائل[۱]، درمنگھم[۲] وغیرہ۔

(د) مستشرقین کے سلوک اور رویہّ میں نکھار پیدا ہوا، اور بحیثیت مجموعی اس دور میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ ان کا رویہّ پہلے جیسانہ رہا۔ بلکہ مختلف عوامل کے نتیجہ میں نرم، حقیقت پسندانہ اور معقول ہوتا چلا گیا۔ اِس کی بظاہر ایک وجہ تو مشرقی مصادر تک ان کی رسائی، عربی اور دوسری مشرقی زبانوں سے واقفیت تھی کہ جس کے نتیجہ میں محض تخمین وظن کے بجائے وہ عقل واستدلال اور علم کی روشنی میں بات کرنے لگے، مشرقی ممالک کے مشاہدات واسفار نے ان کے اپنے اسلاف کی لغویت ثابت کر دی اور بیان وواقعہ کا تضاد سامنے آگیا۔ دوسری بڑی وجہ خود یورپ کی بدلتی ہوئی فضا تھی۔ نیز جدت پسندی، سائنسی ایجادات واختراعات، تعصب اور تقشف کے خلاف عام بے چینی، رومانی تحریک، کلاسیکی نظریات کے خلاف بغاوت، تاریخی تنقید کی تحریک وغیرہ بھی موثر عوامل ثابت ہوئے۔ ان باتوں کی روشنی میں گویا یہ کہنا درست ہوگا کہ مستشرقین کی اس فکری تبدیلی کی تہ میں، نہ تو اخلاص جلوہ گر تھا اور نہ کدورت ونفرت پر محبت و مودّت کے جذبات غالب آگئے تھے بلکہ درحقیقت حالات کی ستم ظریفی نے انہیں نقطۂ نظر بدلنے پر مجبور کیا تھا، ورنہ ان کے اصل مقاصد میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بہرحال اصل وجہ ہم کسی کو قرار دیں، واقعہ عملاً یہ پیش آیا کہ: (۱) اس دور میں ان کے یہاں لغویات کم ہوگئیں اور الزامات واتہامات کا دائرہ سمٹ کر محدود ہوگیا، نیز (۲) صورتِ حالات نے کلیسا کا طلسم توڑ کر ایسے مستشرقین بھی پیدا کر دیے، جنھوں سے جرأت سے کام لے کر اپنے پیشرو مصنفین کی تغلیط کی اور اُن کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دُور کیا۔

(ہ) اپنی سرگرمیوں کو منظم و مرتب کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اس دور میں متعدد تحقیقی ادارے قائم کیے۔ مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس ۱۸۲۲ء، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ ۱۸۲۳ء اور امریکن اورینٹل سوسائٹی ۱۸۴۲ء وغیرہ[۳]۔ ان تمام اداروں نے جلد ہی اپنے اپنے جریدے نکالنا شروع کر دئے جن سے ان کی تحریک کو بے پناہ تقویت حاصل ہوئی۔ لوگوں کے اذہان وقلوب کو متاثر کرنے میں رسائل وجرائد کو چونکہ ہمیشہ سے خاص اہمیت حاصل رہی ہے اس لیے متذکرہ بالا مجلات کی اشاعت کو کافی نہیں سمجھا گیا اور بلکہ اپنی حکمتِ عملی کا مستقل حصّہ بناتے ہوئے مستشرقین نے دوسرے متعدد رسائل وجرائد کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ چنانچہ ہندوستان سے The Muslim World کا اجرأ، روس سے ۱۹۱۲ء میں Revned el-Islam کا اجرأ، پیرس سے ۱۸۹۵ء میں Mir Islam

---

[۱] انگریز مستشرق (۱۷۹۵-۱۸۸۱) العقیقی ج ۲ ص ۴۸۱ نیز ویبسٹرز ص ۳۵۱۔ مزید تفصیل وتنقید کے لیے ندوی ص ۸۰-۲۰۰۔

[۲] العقیقی نے لکھا ہے: "مستشرقین میں سب سے بہتر اُسی نے لکھا ہے۔" دیکھیے ج ۱ ص ۲۹۰۔ عموماً افراط وتفریط سے گریز کیا (ہیکل ۳۳)

[۳] آکسفورڈ انگلش ڈکشنری (ج ، ص ۲۰۰)

[۴] دیکھیے اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (ج ۱۳، ص ۱۱۳-۱۱۲)

کا اجرا وغیرہ[۱]۔ رسائل وجرائد اور مجلات کی ان اشاعتی سرگرمیوں کا مقصد بظاہر تو یہ تھا کہ وُہ اپنی تحقیقات سے دوسروں کو روشناس کرا سکیں لیکن یہ باطن مدعا اپنے پرانے استشراقی مقاصد کی تکمیل ہی تھا۔ رہی اُن کی بلند آہنگی، تو وہ صاف نتیجہ تھی اقوامِ یورپ کی بالادستی کا، اور استعماری و سامراجی تسلط کا۔ بہرحال اب منزل وُہ بھی آئی کہ مستشرقین نے اپنی پہلی عالمی کانگریس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۸۷۳ء[۳] میں اسے پہلی بار عملی جامہ پہنا دیا گیا۔ عالمی کانگریسوں کا انعقاد بھی ان کے لیے بڑا مفید مطلب تھا مختلف اداروں کی سرگرمیاں، کارکردگی، نتائج، اطلاعات کا تبادلہ، بڑے بڑے علمأ فضلا کی شرکت، مقالات، خطبات، صلاح مشورے قرار دادیں وغیرہ، یہ سب باتیں تحریکِ استشراق کو فعال اور سرگرم بنانے کے لیے بہرحال ضروری تھیں اور مستشرقین نے اس پہلو کو تشنۂ توجہ نہیں چھوڑا اور ۱۹ویں صدی کے اواخر سے ہی سالانہ اجتماعات کو ایک روایت کے طور پر جاری کر دیا[۴]۔

بہرحال یہ تفصیل اس اجمال کی تھی کہ انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے رُبع اوّل تک کا زمانہ تحریکِ استشراق کا دورِ عروج و کمال تھا۔ اور پھر ہم نے دیکھا کہ تحریک کے تمام شعبوں میں انتہائی رفتار سے ترقی ہُوئی، مستشرقین کا ایک مستقل رویہ اور سلوک (Discipline) نکھرتا چلا گیا اور بحیثیتِ مجموعی ان کی تمام سرگرمیاں بہت منظم طریقے سے، ہر سطح پر اپنے اثرات کو ظاہر کرتی رہیں۔ اسی عہد کی آخری دہائی میں اگرچہ عالمی جنگ اور بین الاقوامی سیاست اور متعدد واقعات و حوادث نے ایک مرتبہ پھر سیاسی سماجی اور معاشی و ثقافتی حالات کا نقشہ منقلب کر ڈالا تاہم یہ جائزہ ہم آیندہ صفحات میں عہدِ جدید کے تحت لیں گے۔ یہاں زیرِ بحث دور کے کچھ مشاہیر کا تعارف کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار بطورِ خاص مدِ نظر رکھا ہے:

(۱) جان جاک سیدیلو (SEDILLOT, J. J.) مشہور فرانسیسی مستشرق، جس کا زمانہ ۱۷۷۷ تا ۱۸۳۲ تھا۔ متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ایک تاریخِ عرب پر بھی ہے[۵]۔

(۲) دیورجے (Desvergers A.N) ۔ فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۰۵ تا ۱۸۶۷۔ اس کے آثار میں متعدد تصانیف شامل ہیں۔ تاریخ ابی الفدا سے حیاۃ النبی کا خلاصہ متن و ترجمہ کے ساتھ ۱۸۳۷ء میں شائع کیا۔ بلادِ عرب پر کئی مجلدات بشمول تاریخِ خلافت، عہدِ معیّنہ تک، مطبوعہ ۱۸۴۷ء[۶]

(۳) ڈاکٹر پیرون (Perron A.) ۔ فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۰۵ تا ۱۸۷۶۔ مصنفِ کتاب نساء العرب قبل الاسلام و بعد، مطبوعہ ۱۸۵۸ء، نیز ترجمۂ کتاب الطب النبوی از جلال الدین ابی سلیمان داؤد مطبوعہ ۱۸۶۰ء[۷]

۱۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری ج، ص ۲۰۰

۳۔ العقیقی ج ۱ ص ۱۷۷

۴۔ زکریا ہاشم۔ ص ۱۶۸

۵۔ ایضاً ص ۱۹۵

۶۔ ایضاً ص ۱۹۰

(۴) گارسن دی تاسی (Tassy, Garcin, de.) فرانسیسی مستشرق بہ زمانہ ۱۷۹۴ تا ۱۸۷۸ء، صاحبِ تصانیف، دینِ اسلام، قرآن، مذہبی تعلیمات وفرائض وغیرہ۔[1]

(۵) جوزف وھایٹ (White J.) انگریز مستشرق، زمانہ ۱۷۴۶ تا ۱۸۱۴ء، اسلام اور نصرانیت کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل مقالات ومحاضرات[2] اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر خطبات[3]

(۶) ولیم رائٹ (Wright, W.) برطانوی مستشرق اور مصنف۔ زمانہ ۱۸۳۰ء تا ۱۸۸۹ء۔[4]

(۷) ایڈورڈ ہنری پامر (Palmer, E.H.) برطانوی مستشرق اور مشہور مترجم قرآن[5] ترجمۂ قرآن مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۸۰ء۔ اس کا زمانہ ۱۸۴۰ تا ۱۸۸۳ء تھا۔[6]

(۸) ڈی جونگ (Jong,P.de.) ہالینڈ کا مستشرق۔ زمانہ (۱۸۳۲ - ۱۸۹۰)۔ دوسرے ہم وطن مستشرق ڈی جوجے (Goeje,M.J.de) کے ساتھ مل کر سیرت ابنِ ہشام پر کام کیا۔ متن اور لاطینی میں ترجمہ لیدن سے ۱۸۸۱ء میں شائع کرایا۔[7]

(۹) ڈی جوجے (Goeje,M.J.de) ہالینڈ کا مستشرق۔ زمانہ (۱۸۳۶ - ۱۹۰۹)، کثیر التصانیف، وفیات الاعیان از ابنِ خلکان پر کام کیا اور اپنے ہم وطن مستشرق ڈی جونگ کے ساتھ مل کر سیرت ابن ہشام کے متن و ترجمہ کی اشاعت کی۔[8]

(۱۰) فلایشر (Fleischer, H.L) جرمن مستشرق تھا۔ زمانہ (۱۸۰۱ تا ۱۸۸۸)۔ متعدد کتابیں لکھیں۔ تاریخ ابی الفداء کو متن و ترجمہ کے ساتھ اور تعلیقات وحواشی سے آراستہ کرکے لیبزگ سے ۱۸۳۱ء میں شائع کرایا۔ ایک اور کتاب تاریخِ عرب قبل از اسلام پر لکھی جو لیبزگ سے اسی سنہ میں چھپی۔[9]

(۱۱) وسٹنفیلڈ (Wustenfeld, F.)۔ جرمن مستشرق۔ زمانہ (۱۸۰۸ تا ۱۸۹۹) زود قلم

---

[1] العقیقی ج ۱ ص ۱۹۶
[2] ایضاً ج ۲ ص ۴۷۴
[3] شبلی ج ۱ ص ۹۳
[4] العقیقی ج ۲ ص ۴۸۵
[5] قرآن کے تراجم میں تین مستشرقین بہت شہرت رکھتے ہیں ایک تو یہی پامر، دوسرے جارج سیل بہ زمانہ (۱۶۹۷ - ۱۷۳۶ء)، اور تیسرے راڈویل۔ یہ حضرات ترجمۂ قرآن کے سلسلہ میں جو بوالعجبیاں کرتے ہیں وہ تو الگ رہیں، دیباچوں اور مقدمات میں حضورؐ کی شان میں گستاخی اور بے باکی سے بھی باز نہیں آتے۔
[6] العقیقی ج ۲ ص ۴۸۳ - ۴۸۲
[7] ایضاً ص ۶۶۱
[8] ایضاً ص ۶۶۴ - ۶۶۳
[9] ایضاً ص ۷۰۷ - ۷۰۶

مصنف، تاریخ مکۃ المکرمہ، سیرت ابنِ ہشام معہ تعلیقات وحواشی (تین جلدیں)، اراضی مدینہ منورہ، اور تاریخ الشرافِ مکّہ وغیرہ یادگار ہیں۔[۱]

(۱۲) بیریزین (Beresine, N.) مشہور روسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۱۸ تا ۱۸۹۶۔ گویا روسی مستشرقین کے زمرۂ اساتذہ میں شامل۔ متعدد تصانیف۔ مصادرِ اسلامی، تہذیب وتمدّن اور اسلام کے درمیان تعلق وغیرہ پر کتابیں، رُوسی دائرۃ المعارف میں مشرق اور مشرقی علوم وآداب پر متعدد مقالات اسی مستشرق کے قلم سے ہیں۔[۲]

(۱۳) بلانکو (White Joseph Blanco) ۔مشہور مستشرق۔ برطانوی مذہبی مصنّف، زمانہ ۱۷۷۵ تا ۱۸۴۱، مستند پادری، خاص کام کا میدان اندلس کی تاریخ پر کیا۔[۳]

(۱۴) ایڈورڈ سخاؤ (Sachau Edward) ۔مشہور ومعروف جرمن مستشرق، برلن میں مشرقی زبانوں کے کلیہ کا سربراہ، خود بڑا اسکالر اور زبان دان تھا۔[۴] بقول مولانا شبلی پروفیسر سخاؤ کی ہی خاص کوششوں اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات جس سے زیادہ مبسوط سیرتِ نبویؐ میں کوئی تصنیف نہیں شائع ہوئی۔[۵]

(۱۵) سلیم نوفل۔ روسی استشراق کی تاریخ میں اہم نام، استادوں کا استاد، سرخیلِ مستشرقینِ روس میں سے ایک تھا۔ زمانہ (۱۸۲۸ - ۱۹۰۲) تو طن لبنانی، کام فرانسیسی میں کیا۔ سیرۃ نبویؐ اور اسلامی تعلیمات پر تصانیف۔[۶]

(۱۶) فان کریمر (Von Kremer) آسٹریا کا مشہور مستشرق، ولادت ویانا میں ہوئی اور تعلیم بھی وہیں پائی۔ ترقی کرکے وزارت کے درجہ تک پہنچا اور وفات تک، وزارتِ خارجہ اور دُوسری وزارتوں میں خدمات انجام دیتا رہا، اسلامی مصادر کی تقریباً بیس عربی کتابوں کو تلاش کرکے شائع کیا۔ ان میں سے واقدی کی "المغازی"، ماوردی کی الاحکام السلطانیہ، نشوان کا "قصیدۃ الحمیریہ" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اُس نے اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت کے بارے میں کثرت سے کتابیں لکھیں جو جرمن زبان میں ہیں۔[۷]

---

۱ العقیقی ج ۲ ص ۷۱۳

۲ العقیقی ج ۳ ص ۹۳۸، ۹۳۹۔

۳ ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری۔ ص ۱۵۶۷

۴ ایضاً ص ۱۲۹۹

۵ شبلی ج ۱ ص ۹۲

۶ العقیقی ج ۳ ص ۹۳۱-۹۳۰

۷ الزرکلی، خیر الدین، الاعلام (قاموس تراجم لاشہر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین) طبع مصر۔ طبع ثانی۔ ج ۱

(۱۷) سر ولیم میور۔ مشہور انگریز مستشرق۔ اس کا تفصیل تعارف مقالہ کے ابتدائی صفحات میں آچکا ہے۔

(۱۸) مینارڈ (Meynard, Barbier de) فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ (۱۸۲۷ تا ۱۹۰۸) اس نے استشراق پر پہلا رسالہ لکھا اور شائع کرایا۔ جغرافی، تاریخی ادبی لغت مرتب کی۔ مسعودی کی مروج الذہب کا متن و ترجمہ شائع کیا۔[۱]

(۱۹) رینی باسے (Basset, Rene) فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ (۱۸۵۵ تا ۱۹۲۴) بے شمار کتابوں کا مصنف۔ مثلاً الشعر العربی قبل الاسلام، مطبوعہ ۱۸۸۰ء۔ بوصیری کے قصیدۂ بردہ، نقد شرح مع ترجمہ مصنف، وغیرہ وغیرہ۔[۲]

(۲۰) ڈاکٹر لیبان (Lebon Dr.G) فرانسیسی مستشرق، مشہور عالم طبیب اور تمدن و حضارت مشرق کا جاننے والا، مورخ تھا۔ ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوا۔ متعدد ضخیم کتابیں لکھیں۔ تمدنِ مصر، تمدنِ عرب، اور اندلس میں عربی تمدن پر کام قابلِ ذکر ہے۔[۳] اس کا شمار ان مغربی مستشرقین میں ہوتا ہے جو انصاف پسند تھے اور اسلامی خوبیوں کے قائل تھے۔[۴]

(۲۱) گولڈزیہر (Goldziher, y.) ہنگری کا مشہور و معروف مستشرق، زمانہ (۱۸۵۰ تا ۱۹۲۱) کثیر التصانیف شخص تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت پر بے شمار دراسات شائع کیے۔[۵] گولڈزیہر کی خاص بات یہ ہے کہ اُس نے نالدیکے کے نقدِ حدیث سے آگے بڑھ کر انکارِ حدیث کے اسکول کی داغ بیل ڈالی، اور پھر رفتہ رفتہ مستشرقین کا ایک گروہ انکارِ حدیث میں اُس کا ہمنوا بن گیا۔ انکارِ حدیث کے بعد گولڈزیہر نے سیرت کے دوسرے مصادر کو بھی نشانہ بنایا۔[۶]

(۲۲) ولہازن (Wellhausen, J.) جرمن مستشرق۔ زمانہ (۱۸۴۴ تا ۱۹۱۸) بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ مختلف موضوعات پر لکھا۔ تاریخ یہود، محمدؐ مدینہ میں، دینِ اسلام کے مطالعات، عہدِ نبویؐ میں دستورِ مدینہ، مکاتیبِ نبوی اور وفود، منقول از ابن سعد مع متن و ترجمہ،[۷] وہ پروٹسٹنٹ تھیولوجین اور بائبل پر عبور رکھتا تھا۔[۸]

---

[۱] العقیقی ج ۱ ص ۲۱۴، ۲۱۵

[۲] ایضاً ص ۲۲۳ تا ۲۲۵

[۳] ایضاً ص ۲۲۸

[۴] ذکریا ہاشم، ص ۲۱۸، ۲۱۹

[۵] العقیقی ج ۳ ص ۹۰۶۔ نیز ملاحظہ ہو ویبسٹرز بایوگرافیکل ڈکشنری ص ۶۰۶۔

[۶] ندوی۔ ص ۲۱۵، ۲۱۶۔ گولڈزیہر پر ایک مستقل مضمون مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا ماہنامہ معارف اعظم گڈھ اگست ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا، قابلِ مطالعہ ہے۔

[۷] العقیقی ج ۲ ص ۲۴۷

[۸] ویبسٹرز بایوگرافیکل ڈکشنری، ص ۱۵۵۷۔

(۲۳) واشنگٹن ارونگ (Irving, Washington) - معروف امریکی اسکالر اور مستشرق[۱]
زمانہ ۱۷۸۳ تا ۱۸۵۹ - بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں - خصوصاً سیرتِ محمدؐ اور خلفاؓ پر دو جلدیں، جو ۱۸۴۹-۵۰ء میں
شائع ہوئیں[۲] اس کی کتاب حیاتِ محمدؐ کا ترجمہ عربی میں بھی شائع ہوا۔

(۲۴) یوجین ینگ (Eugene Young) - فرانسیسی مستشرق، متعدد کتابوں کا مصنف، ایک ضخیم
رسالہ "نورِ اسلام کی خاص کرن"، "دُوسرا" مشرق جس طرح اسے مغرب نے دیکھا" سیرت نبوی بزبان فرانسیسی وغیرہ وغیرہ۔
انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا[۳]

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہُوا کہ صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ قرونِ وسطیٰ کا مسیحی دماغ بدلتا چلا گیا[۴]
اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، اگرچہ اُن کے عزائم اور مقاصد میں فرق نہیں آیا، تاہم دینِ اسلام اور سیرتِ رسول کے
بارے میں مستشرقین کا رویہ اور سلوک (Treatm ent) یکساں نہیں رہا۔ اور جیسے جیسے عہدِ جدید کی منزل قریب آتی گئی، مجموعی
طور پر ان کے ظاہری رویہ میں معقولیت کا رنگ نمایاں ہوتا چلا گیا، اور وُہ خود یہ محسوس کرنے لگے کہ تعصب اور تشدد کی
انتہا پسندی خود ان کے لیے اور ان کی تحریک کے لیے ضرر رساں ہوگی۔ بہرحال اب ہم اگلے دور میں قدم رکھ رہے ہیں۔

(۱۰)

عہدِ جدید

پچھلا دَور جو بیسویں صدی کے رُبع اوّل میں اختتام کو پہنچا، جیسا کہ واضح ہوا، تحریکِ استشراق کا نقطۂ کمال ثابت
ہوا، اور ہر اعتبار سے استشراقی سرگرمیوں نے فروغ پایا۔ اب وہ دور جسے ہم عہدِ جدید سے تعبیر کرسکتے ہیں بیسویں صدی کے
ربع اوّل سے شروع ہُوا اور تا حال جاری و ساری ہے۔

عہدِ جدید آیا تو اپنے جلو میں نت نئے رجحانات لے کر آیا۔ اور سیاسی و عسکری، اور معاشی و سماجی سطح پر پچھلی
بہت سی باتوں کو زیر و زبر کر گیا، چنانچہ عالمی جنگیں اور اس کے نتیجہ میں مشرقی و مغربی معاشروں پر ہمہ گیر اثرات، نو آبادیاتی
علاقوں کی بیداری، ظلم و استحصال کی تاریکیوں کے خلاف حریت و آزادی کی روشنی، استعماری قوتوں کی شکست و ریخت،

---

[۱] العقیقی ج ۳ ص ۹۹۲، نیز ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری، ص ۷۶۲۔

[۲] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۷۶۲۔

[۳] زکریا ہاشم - المستشرقون والاسلام - ص ۱۰۹۔

[۴] دیکھیے: Gabrieli, Francesco, Muhammad and the conquests: of Islam (Translated from the Italian by Virginia Lulingand Rosaumd Linell) Mac Graw Hill Book Co. New York 1968. p.18.

ایجادات واختراعات کے ظہور، سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظریات کے نمو اور تہذیب وتمدن کے تنوع نے حالات ومسائل کی نوعیت کو بہت کچھ بدل ڈالا۔

اُدھر استشراق کے حوالہ سے یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تحریک استشراق پچھلے دَور میں جس نقطۂ کمال تک پہنچ چکی تھی، ہر کمالے را زوال کے مصداق، غالباً مزید پیش قدمی ممکن نہ رہی، اس لیے یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوا کہ کیا تحریکِ استشراق روبہ زوال ہوگئی ہے؟[1] بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مستشرقین کی کوششوں کا ایک رُخ تو یہ ٹھہرا کہ جو کچھ حاصل کر لیا گیا تھا اُسے بہرطور باقی رکھا جائے۔ دوسری طرف اسلام، پیغمبرِ اسلام اور عالمِ اسلام کے اعمال واحوال کے مطالعہ میں زیادہ انہماک، توجہ اور امعان نظر برتا جانے لگا، جز وقتی اسکالرز کے بجائے کل وقتی علما نے جگہ حاصل کی اور آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور مغرب کی دوسری جامعات میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، اور دوسرے اسلامی، مشرقی مباحث کے لیے باقاعدہ نشستیں مخصوص کی جانے لگیں[2] یہ مطالعہ لازماً خلوص پر مبنی نہ تھا مگر ان کے اشتغال وانہماک پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ اس سے خال خال مفید نتائج بھی پیدا ہوئے اور کعبہ کو صنم خانے سے بعض پاسبان بھی مل گئے۔

مطالعۂ سیرت کے حوالے سے کسی حد تک اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت جسے ویل، گوئٹے اور کارلائل وغیرہ نے آگے بڑھایا تھا، اس عہد میں بھی جاری وساری ہے اور الفانسو، آرچر، ٹائن بی، بلاشیر اور واٹ وغیرہ کے یہاں روایتی انتہا پسندی کے ساتھ ساتھ معقولیت ومعدلت کے نمونے بھی نظر آجاتے ہیں۔ اسلامی مصادر کی تحقیق ودریافت، ان کی تبویب، اور اشاریہ سازی (Indexing) کا کام نہ صرف آگے بڑھا بلکہ ایک طرف تو مستشرقین نے اس معاملے میں اپنی محنت وریاضت سے ایک طرح کی اجارہ داری حاصل کر لی[3]، اور دوسری طرف اسلامی مشرقی مصادر پر نقد وجرح کے کام کو بھی وسیع پیمانے پر انجام دیا جانے لگا۔ یہ غالباً تحریکِ استشراق کے مزاج سے بھی ہم آہنگ تھا کہ مصادر وماٰخذ کا اعتبار اسی طریقے سے اٹھ سکتا تھا اور مشرقی اذہان وقلوب میں تشکک وتذبذب کے بیج بوئے جا سکتے تھے۔ اس ضمن میں قرآن،

---

[1] شاخت وباسورتھ ص ۶۲ [2] زکریا ہاشم ص ۱۶۹

[3] کتابیات (Bibliography) کے بانی اگرچہ مسلمان تھے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پچھلی چند صدیوں سے اسلام اور اسلامی دنیا کے بارے میں کتابیاتی مواد اور لٹریچر پوری طرح مستشرقین کے قبضہ میں ہے مثلاً انڈیکس اسلامیکس وغیرہ (ماہنامہ دی مسلم ورلڈ۔ بک ریویو۔ لندن۔ ج ۱ نمبر ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء ص ۶، ۷) یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مستشرقین اور ان کے اداروں کی تیار کردہ فہرست کتب یا کتابیات، "حوالہ جاتی" اہمیت سے زیادہ "علمی مرعوبیت" قائم کرنے کا مدعا رکھتی ہیں۔ گویا مستشرقین کی یہ علمی ریاضتیں محض علمیت (SCHOLARSHIP) کے اظہار کے لیے نہیں ہیں بلکہ اس کے جلو میں دراصل ان کے نظریاتی اور سیاسی عزائم کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ اور آج کل کے مسلمان دانشور ان باتوں کا خوب ادراک رکھتے ہیں۔ (ایضاً)

سنت اور دوسرے مصادرِ سیرت کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا[۱] اور مآل کار یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بس ایک پکے مفاد پرست، سیاسی رہنما تھے اور مذہبی خلوص و سچائی ان میں بہت کم تھی[۲]

اس عہد میں جو نئے رجحانات پروان چڑھے اُن میں سے چند قابلِ ذکر ہیں۔ بعض مستشرقین نے سیرتِ نبوی کا مطالعہ طبی اور مرضیاتی (Pathological) نقطۂ نظر سے کیا، کچھ نے اس عہد کے معاشی اور سماجی عوامل سے متاثر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک معاشی اور معاشرتی مصلح کی حیثیت سے اہمیت دی، اور کچھ نے ان سب سے مرکب و مرتب شدہ نظریہ قائم کیا۔ یہ تمام نقطہ ہائے نظر دراصل مخصوص ذہنی و فکری پس منظر کی پیداوار تھے[۳]

طبی اور مرضیاتی نقطۂ نظر سے سیرت کے مطالعہ میں یہ موقف قائم کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (خاکم بدہن) نفسیاتی و دماغی امراض کا شکار رہتے تھے۔ انھیں مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ اور ہنری[۴] لامنس کی دریافت یہ ہے کہ یہ دورے حد درجہ اشتہا کے نتیجہ میں پیدا ہوئے[۵] اس سے پہلے اس نقطۂ نظر کی ترجمانی مشہور برطانوی مستشرق اسپرنگر بھی کر چکا تھا اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کر چکا تھا کہ خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ اعصاب (Nervous system) چونکہ مختل تھا اور آپؐ نعوذ باللہ ہذیان و اضطرابِ اعصابی کے مریض تھے اس لیے ان کے لائے ہوئے دین اور ان کی سیرت میں اس کا مظاہرہ نظر آتا ہے[۶] طبی اور مرضیاتی نقطۂ نظر کو مزید تقویت مطالعۂ سیرت میں علم النفس کے اصول کے اطلاق

---

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کے مصادر و مآخذ پر نقد و جرح کا آغاز تو ۱۹ ویں صدی کے اواخر میں ہی ہو گیا تھا تاہم اس دور میں یہ کام اور آگے بڑھا اور دوسرے مآخذ کے علاوہ خود قرآن اور حدیث کو بطورِ خاص نشانہ بنایا گیا۔ قرآن کے متن اور نزول و ترتیب کو زیرِ بحث لا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ ہمعصر مصدر ہونے کے باوجود قرآن سیرتِ رسول کا مستند ذریعۂ معلومات نہیں۔ حدیث کے سلسلے میں انکار کے لیے حدیث کے کذب و افترا، اور التباس کی داستانوں کو اچھالا گیا، نالدیکے، گولڈزیہر وغیرہ نے تو انکارِ حدیث کے مکتبِ فکر کو بطورِ خاص فروغ دیا۔ (ملاحظہ ہو: حمادے، ص ۶۸، ۶۹۔ نیز دیکھئے ندوی، ص ۴۱۵، ۴۱۶)

[۲] لامنس (Lammens) جس کی اسلام دشمنی معروف ہے، ظہورِ اسلام کو ایک "بدقسمت تاریخی واقعہ" قرار دیتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرتؐ ایک "تاریخی مسئلہ" ثابت ہوئے۔ اس کی تمام تحریریں بغض و عناد سے پُر ہیں۔ اقتباس کے لیے ملاحظہ ہو: حمادے، ص ۶۹، ۷۰۔

[۳] دیکھیے حمادے، ص ۶۷، ۶۸۔

[۴] لامنس (Lammens, P.H.) راہب مستشرق تھا، بلجیم میں پیدا ہوا، فرانس میں توطن اختیار کیا اور راہب بن گیا۔ اس کا زمانہ ۱۸۶۲ء تا ۱۹۳۷ء ہے۔ اس کی متعدد تصانیف ہیں: تاریخِ سیرت، اخلاصِ محمدؐ، فاطمہ اور دیگر بناتِ محمدؐ، اور گہوارۂ اسلام وغیرہ۔ (دیکھئے العقیقی ج ۳ ص ۱۰۶۸)

[۵] حمادے۔ ص ۶۹

[۶] ندوی۔ ص ۴۱۲، ۴۱۳۔

سے ملی۔ اس کے تحت اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کی نفسیاتی تحلیل کی کوششیں کی گئیں اور اس معاملہ میں فرانز بھل (Frants Buhl) اور طور اینڈرے (Tor Andrae) نے سبقت دکھائی اور حق ترجمانی ادا کیا[1]

زیر بحث دور میں جن نئے رجحانات اور نئی تحریکوں نے جنم لیا ان میں اشتراکی نقطۂ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ مارکس اور اینجلز کے خیالات اور تاریخ کی مادی تعبیر نے اپنا حلقۂ اثر پیدا کیا اور ایسے مستشرقین آگے آئے جن کی نظر میں اسلام کی اشاعت وفروغ اور پیغمبر اسلام کی کامیابیاں، دراصل سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کی کارفرمائیوں کا نتیجہ تھیں۔ چنانچہ اس ضمن میں جرمن مستشرق ہیوبرٹ کرائم (Hubert Crimme) کا نام معاشی نظریہ کے ارتقاء کی علامت بنا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام پر اس کی دو کتابیں شائع ہوئیں۔ اس کی تحقیقات کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام کو ایک مذہبی و دینی نظام کی بہ نسبت ایک سماجی اشتراکی نظام کی حیثیت سے سمجھنا چاہیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پیغمبر کے بجائے صرف ایک سیاسی سماجی اور معاشی مصلح ماننا چاہیے[2] سیاسی سماجی اور معاشی نقطہ ہائے نظر کا رنگ مارگولیتھ[3] (Margoliouth) نے اور گہرا کیا۔ اور مارگولیتھ نے اپنے مطالعۂ سیرت میں آنحضرتؐ کو محض ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے ہی پیش کیا۔ اور اپنی کتابوں اور مقالات میں یہاں تک لکھا کہ مکہ میں اپنی "دکان" سے لے کر مدینہ میں ایک مملکت کی تعمیر تک ۲۳ سال کا عرصہ لگایا۔ پھر دریدہ دہنی کی انتہا کرتے ہوئے آنحضورؐ کو نعوذ باللہ "ڈاکوؤں کا

---

[1] حمادے ص ۴۲، بھل اور طور اینڈرے نے آنحضرتؐ کا گہرا نفسیاتی مطالعہ کیا۔ چنانچہ ہالینڈ کے بھل کو اس بات میں کوئی شبہ نظر نہیں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اندرونی کوہ اعتقاد کے اچانک پھٹ جانے کا ایسا تجربہ حاصل ہوا کہ وہ "کلمۃ اللہ" کے (نعوذ باللہ) مدعی بن گئے۔ بھل اپنی بے باکی میں یہاں تک لکھتا ہے کہ "اپنے غیر معمولی جذباتی اعصابی نظام کے سبب ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (خدانخواستہ) اپنے آپ کو دھوکہ اور مغالطہ میں مبتلا رکھا۔ وہ" مرگی "سے انکار کر کے ہذیانی (Hysterical) سبب کو اصل قرار دیتا ہے۔ طور اینڈرے کی متعدد تصانیف ہیں لیکن اہم ترین سیرت رسولؐ ہے اس کتاب میں اس نے بھی آنحضرتؐ کا گہرا نفسیاتی مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلام کے فروغ میں صرف ایک شخص یعنی اس کے بانی کے دماغ نے اصل کردار ادا کیا اور آنحضرتؐ کی مذہبی سرگرمی میں اثرات ان مسیحی روایات کے پڑے جو شام کے راستے ان تک پہنچی تھیں۔ (ایضاً ص ۴۲، ۴۳)

[2] حمادے۔ ص ۰

[3] مارگولیتھ (Magolio u th, D.S) مشہور برطانوی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۵۸ تا ۱۹۴۰۔ اس کی کتاب "محمدؐ اور فروغ اسلام" نیویارک سے ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی (العقیقی ج ۲ ص ۵۱۸، ۵۱۹)۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۹۰۰۔ نیز ندوی صفحہ ۱۴۱، ۱۴۸۔ مارگولیتھ کے بارے میں مولانا شبلی کا تبصرہ ابتدائی صفحات میں گزر چکا ہے (دیکھیے مکاتیب شبلی، حصہ اول۔ ص ۱۰۲) نیز ان کا دوسرا تبصرہ دیکھیے۔ شبلی (سیرۃ النبیؐ) ج ۱ ص ۹۶۔

سردار" اور "مدینہ کا ظالم مستبد" لکھنے میں بھی تکلف نہیں کیا۔[۱] اطالوی مستشرق پرنس لیون کیتانی (Prince Leone Cadtani) نے اپنے دیو پیکر کام کا ماحصل یہ قرار دیا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بس ایک چالاک سیاست دان تھے اور انھوں نے معاشی و سیاسی مفادات کی خاطر مذہبی داعیات کو قربان کر دیا تھا۔[۲] وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ "محمدؐ (حاکم بدہن) پکے مفاد پرست (Opportunist) تھے اور اپنی سیاست بازی میں انھوں نے اپنی مذہبیت کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔[۳] مطالعۂ سیرت میں یہ انتہا پسندی خلافِ حقیقت بھی تھی اور خود گروہِ مستشرقین میں سے بھی بعض نے اسے بالکل پسند نہیں کیا۔[۴] تاہم بعض مستشرقین نے ایک بین بین رویہ اختیار کیا۔ مثلاً عہدِ جدید کا مشہور مورخ ٹائن بی اپنی عظیم الشان تصنیف "مطالعۂ تاریخ" میں دنیا جہان کی تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اور واقعات سے اصولوں کو اخذ کرتا ہے، پھر اسلام کے بارے میں بھی عمومی طور پر معقول رویہ کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن جب سیرتِ رسولؐ پر قلم اٹھاتا ہے تو آپؐ کی حیاتِ طیبہ کو دو مراحل میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک پہلا مرحلہ تو وہ ہے جبکہ آنحضورؐ کا قیام مکہ میں رہا۔ اس دوران بقول ٹائن بی آپ کلیۃً مذہبی مشنری سرگرمیوں میں منہمک رہے، لیکن دوسرے مرحلے میں مدینہ پہنچ کر انھوں نے بقول ٹائن بی، مذہبی مقاصد سے الگ ہو کر سیاسی سرگرمیوں کو جاری و ساری کیا۔ وہ بہرحال اس خیال کی پُرزور تردید کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہروپیا (Imposture) تھے۔[۵] ٹائن بی کے افکار کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک حضرت مسیح ایک مثالی پیغمبر تھے۔[۶] ایک اور جدید مصنف بلاشیر (Blachere) اپنی کتاب Le Proleme de Mahomet میں حضورؐ کی زندگی سے زیادہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے مصادر سے

---

[۱] حمادے، ص ۱۔

[۲] ایضاً ص ۲، ۷۔ اطالوی مستشرق کیتانی کا زمانہ ۱۸۶۹ تا ۱۹۳۶ء ہے۔ اُس کے آثار میں سے اسلام کی اشاعت اور تمدن، اور تاریخ اسلام از سنہ ۱ھ تا سنہ ۹۲۲ھ (۶۲۲ تا ۱۵۱۷ء) بہت مشہور ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العقیقی ج ۱ ص ۲۷۲۔ کیتانی پر ایک مفصل مضمون ڈاکٹر ریاض الحسن کے قلم سے مجلہ ہمدرد اسلامیکس ج ۳ ع ۱ اسپرنگ سنہ ۱۹۸۲ء میں قابلِ مطالعہ ہے۔

[۳] حمادے، ص ۲۔

[۴] ایضاً نیز دیکھیے ندوی ص ۴۱۸، ۴۱۹۔

[۵] کارلائل نے اپنے خطبات میں (نسخہ مطبوعہ اسلام سروس لیگ بمبئی) جو راستہ دکھایا تھا اُس کی پیروی وقتاً فوقتاً متعدد مستشرقین نے کی۔ مثلاً باسورتھ اسمتھ نے اپنی کتاب Muhammad and Muhammadian (مطبوعہ نقش ثانی، سندھ ساگر اکادمی لاہور) میں اپنے مخصوص طرزِ تحریر میں بڑا انفعالی اور اعتذاری رویہ اختیار کیا۔ اسی انداز کا کام الفانسو اٹینی ڈینٹ اور سلیمان ابن ابراہیم کے قلم سے "حیاتِ محمدؐ" کے عنوان سے سامنے آیا جس میں مصنفین نے سیرت ابنِ ہشام، طبقات ابنِ سعد اور سیرتِ حلبیہ کو اپنی تصنیف کی بنیاد بنایا۔ دیکھیے حمادے ص ۴، ۵، ۷۔ اسی طرح جے سی آر چر نے اسپرنگر کے مرضیاتی نقطۂ نظر کی تردید کی۔ (ندوی ص ۴۲۱)

[۶] دیکھیے حمادے ص ۵، ۷۔ نیز ندوی ص ۴۲۱ تا ۴۲۳

[۷] حمادے ص ۶۔

بحث کرتا ہے۔ اور غلو سے بچتے ہوئے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ احادیث و سیر کے ذخیرے میں بہرحال ایک حصہ ایسا ہے جسے جدید تکنیکی طریقوں سے جانچ پرکھ کر مستند تسلیم کیا جا سکتا ہے۔[۱] اسی قسم کا نقطۂ نظر ولیم منٹگمری واٹ کا بھی ہے۔[۲] مطالعہ سیرت کے ضمن میں واٹ نے متعدد کتابیں تحریر کیں۔[۳] واٹ کی تصنیفات کو بہرحال آخری جدید ترین کوششوں سے[۴] تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک مصادر نے جہاں تک اجازت دی اپنی دانست میں ایک مکمل تصویر پیش کرنے کی کوشش کی۔ واٹ کے کام کی خصوصیت یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال کے دوران "علمیت" نے جو ترقی کی ہے اس کا مظاہرہ اس کی تصانیف میں نظر آتا ہے اور اس کی تصانیف اسلامی مآخذ کی جدید ترین دریافت اور جرح و تنقید کے جدید اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں۔[۵] معلوم ایسا ہوتا ہے کہ واٹ کا موقف ٹائن بی سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے کہ وہ بھی آنحضرتؐ کی شخصیت کو مکہ اور مدینہ میں مختلف سمجھتا ہے۔[۶]

بہرحال عہد جدید کا یہ عمومی جائزہ اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ عہد جدید کے مستشرقین اگرچہ اپنے انداز تحریر، اپنی علمیت اور طرز ہائے تحقیق میں اپنے اسلاف سے بہت مختلف ہو گئے ہیں اور بہت سے معاملات میں انہوں نے بالکلیہ رجوع کر لیا ہے تاہم یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تمام تر جدیدیت کے علی الرغم تحریک استشراق کا اصل محرک جذبہ اب بھی کارفرما حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ عہد جدید کا ایک مصنف[۷] اپنی زبان قلم سے یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ پرانی دشمنی عہد جدید میں بھی جاری و ساری ہے۔[۸] علاوہ ازیں اس صورت حال میں ایک اور جدید ترین مصنف ایڈورڈ ڈبلیو سعید کا یہ تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ استشراق (Orientalism) اور اس کی تحریک کا اہتمام و انضباط بنیادی طور پر اٹھارھویں اور انیسویں صدی عیسوی میں ایک سیاسی ضرورت کے تحت ہوا[۹] اور استشراق کو

---

۱ حمادے ص ۷۶۔ نیز ندوی ص ۴۲۳۔

۲ حمادے ص ۷۶

۳ مثلاً محمدؐ ایٹ مکہ (۱۹۵۳ء) محمدؐ ایٹ مدینہ (۱۹۵۶ء) اور محمد پروفٹ اینڈ اسٹیٹس مین (۱۹۶۱ء) وغیرہ (ایضاً) واٹ اور اس کی تصانیف پر ملاحظہ ہو تبصرہ، ڈاکٹر سید عبداللہ (ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد۔ اپریل ۱۹۷۶ء ص ۸۳۲-۸۳۳)

۴ حمادے، ص ۷۶-۷۷۔

۵ ایضاً نیز ندوی ص ۵ (ماہنامہ معارف جولائی ۱۹۸۳ء)

۶ فرانسیسکو جبرئیلی (Gabrieli, Francesco)، اطالوی مستشرق، پیدائش ۱۹۰۴ء (العقیقی ج ۱ ص ۳۹۴)

۷ جبرئیلی، فرانسیسکو۔ محمدؐ اینڈ دی کونکوئسٹ آف اسلام (ترجمہ انگریزی از ورجینیا اور ردسو، میک گرا ہل، نیو یارک ۱۹۶۸ء) ص ۱۵۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بیسویں صدی کا کیتھولک عالم لامنس، جو سیرۃ پر اپنی فاضلانہ تحریروں کے لیے مشہور ہے، آتش عداوت میں بھڑکتے ہوئے قرون وسطیٰ کے اعتذاری ادب پر سخت ترین رد عمل کا اظہار کرتا ہے (ایضاً ص ۱۵)

۸ سعید، اورینٹلزم ص ۲۰۴ نیز ۲۰۱۔

جہاں مشرق پر اس وقت مسلط کیا گیا جبکہ مشرق مغرب کے مقابلہ میں مغلوب و منفعل تھا اور پھر "قوت و ضعف" کے اسی تفاوت نے بعض لازمی نتائج کو پیدا کیا۔[1] استشراق کے درحقیقت دو چہرے، دو رخ ہیں۔ ایک اس کا داخلی اور پوشیدہ پہلو (Latent) اور دوسرا ظاہری، خارجی رُخ (manifest)۔ پہلا داخلی پوشیدہ رُخ (LATENT Orientalism) تو ہمیشہ سے ایک ہے جسے کبھی کسی زمانہ میں نہیں چھوا گیا جبکہ دوسرا ظاہری پہلو (Manifest Orientalism) متغیر ہوتا رہا یعنی مشرقی معاشرہ و تہذیب، زبان، ادب، تاریخ، معاشرت وغیرہ کے بارے میں خیالات و افکار بدلتے رہے۔ مختصر یہ کہ مستشرقین کے خیالات میں تبدیلی اسی ظاہری استشراق کے حوالے سے آتی رہی لیکن داخلی جذبۂ استشراق، ہمیشہ سے لے کر آج تک یکساں محکم و مستحکم رہا اور کسی واضح تبدیلی سے آشنا نہیں ہوا۔[2] بہرحال خلاصہ یہ کہ استشراق کسی مثبت اور تعمیری رویّہ اور سلوک و دستور (Positive Doctrine) کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ موثر علمی روایت ہے۔[3]

عہدِ حاضر کے اس مختصر علمی جائزہ کے بعد مناسب ہے کہ اس دور کے چند مشاہیر مستشرقین کا تعارف پیش کر دیا جائے:

(۱) مونٹے (Montet, Ed.) فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۵۶ تا ۱۹۲۷۔ علمی یادگاروں میں اسلام، حال و مستقبل (مطبوعہ پیرس ۱۹۱۰ء) الاسلام (مطبوعہ ۱۹۲۱ء) تاریخ اسلام (مطبوعہ ۱۹۱۲ء) اور فرانسیسی میں ترجمۂ قرآن (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) شامل ہیں۔[4]

(۲) گاڈفرے ڈی مبائن (Goudefroy Demombynes, M.)۔ فرانسیسی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۶۲ء تا ۱۹۵۷ء۔ پیرس میں مشرقی علوم و السنہ کے شعبہ میں عربی کا استاذ، متعدد کتابوں کا مصنف مثلاً اسلام میں نظم (۱۹۲۱ء) مکہ و مدینہ (۱۹۱۸) عالم اسلامی اور بازنطینی صلیبوں تک (۱۹۳۱) وغیرہ۔[5]

(۳) کارلو الفانسو نلینو (Nallino, Carlo Alfanso) اطالوی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۷۲ تا ۱۹۳۸ء۔ بے شمار مصنفات و مطبوعات اُس سے منسوب ہیں۔ مثلاً منتخبات القرآن (لیپزگ ۱۸۹۳ء)، اسلام سے پہلے قبائلِ عرب کی تکوین و ترتیب (۱۸۹۳)، تاریخ یمن قبل اسلام (۱۹۲۷) ممالک عرب کی اسلام کے بعد عصرِ حاضر تک تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، عادات، اسماء، قبائل و تراجم رجال، فہرست مخطوطات اور شخصیات کی تحقیق، رواۃ، روایت اور مصادر کی تحلیل وغیرہ، اور حیاتِ محمدؐ جو اس کے انتقال کے بعد رومہ سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔[6]

(۴) سر تھامس آرنلڈ (Arnold, Sir Thomas) انگریز، برطانوی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۶۴ تا ۱۹۳۰۔ اُس کی مشہور ترین کتاب دعوتِ اسلام (The Preaching of Islam) مطبوعہ لندن ۱۸۹۶ء ہے۔[7]

---

[1] سعید، اورینٹلزم۔ ص ۲۰۴

[2] ایضاً ص ۲۰۶

[3] ایضاً ص ۲۰۳

[4] العقیقی ج ۱ ص ۲۲۹

[5] ایضاً ج ۱ ص ۲۸۴، ۲۸۵

[6] ایضاً ج ۱ ص ۴۷۷

[7] ایضاً ج ۲ ص ۵۰۴

(۵) رابرٹ بریفالٹ (Briffault, Robert Stephen) برطانوی مستشرق، انگریز سرجن اور ناول نگار، مشہور ترین کتاب "دی میکنگ آف ہیومینٹی" تھی۔[۱]

(۶) مارماڈیوک پکتھال (Pickthall M.W) زمانہ ۱۸۷۵ تا ۱۹۳۶۔ مشہور برطانوی شخصیت۔ ترجمۂ قرآن اور اسلامی تہذیب پر خطبات یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔[۲]

(۷) اسٹینلے لین پول (Stanlay Lane Poole) مشہور برطانوی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۵۴ تا ۱۹۳۱۔ مورخ، ماہر آثاریات، برٹش میوزیم میں پرانے سکوں کا محافظ (۱۸۷۴-۱۸۹۲)، تاریخ مسلمانانِ اندلس پر خاص کام ہے۔[۳]

(۸) نکلسن (Nicholson, R.A.) مشہور برطانوی مستشرق۔ متعدد تصانیف۔ لیکن خاص الخاص کتاب عرب کی ادبی تاریخ مطبوعہ لندن نیویارک ۱۹۰۷ء اور اس کا مضمون "محمدؐ اور قرآن" نیز "محمدؐ کی ایک نامعلوم سوانح" نکلسن کا زمانہ ۱۸۶۸ تا ۱۹۴۵ ہے۔

(۹) نولدیکے (Noldeke, Th.) مشہور جرمن مستشرق۔ زمانہ ۱۸۳۶ تا ۱۹۳۰۔ تصنیفات زیادہ تر سامی زبانوں پر اور تاریخ اسلامؐ پر، نیز قرآن کی سورتوں کی اصل اور ترکیب پر بحث ہے۔ نقدحدیث کے اسکول کا سرخیل،[۴] سیرت پر Das Hebsen Muhammad's nach der Quellen popular Largesteit مطبوعہ ۱۸۶۳ء۔

(۱۰) ہرگرونج (Snouck, Hergronje, C) ہالینڈ کا مستشرق۔ زمانہ ۱۸۵۷ تا ۱۹۳۶۔ اس کے آثار میں "مکہ کا حج، فقہ اسلامی اور سیاست نبوی شامل ہے۔[۵] مذہباً عیسائی، زیادہ تر کام ولندیزی زبان میں۔ ماہرِ اسلامیات سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنی ابتدا سے ہی سیاسی مذہب تھا۔ بہرحال اسلام کے بارے میں اسے بہت سی غلط فہمیاں تھیں اور اس نے نجی اسلام اور سرکاری اسلام کے درمیان فرق متصور کیا۔[۹]

(۱۱) ونسنک (Wensinck, A.J) ولندیزی مستشرق۔ زمانہ ۱۸۸۱ تا ۱۹۳۹۔ اس کی علمی یادگاروں میں "یہودِ مدینہ کے بارے میں رسول اللہؐ کا موقف" جو اس کے مقالہ ڈاکٹریٹ کا موضوع بھی تھا اور لیدن سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ اور محمدؐ اور یہود، الاسلام (مطبوعہ ۱۹۱۱) وغیرہ خاص ہیں۔[۱۰]

---

[۱] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۹۳
[۲] العقیقی ج ۲ ص ۵۱۲
[۳] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۸۵۶
[۴] العقیقی ج ۲ ص ۵۲۵، ۵۲۶
[۵] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۱۰۴
[۶] العقیقی ج ۲ ص ۷۳۸، تا ۷۴۰
[۷] ندوی ص ۴۱۵
[۸] العقیقی ج ۲ ص ۶۶۶، ۶۶۷
[۹] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جانسن (ملی ٹینٹ اسلام) ص ۷۷ تا ۸۱
[۱۰] العقیقی ج ۲ ص ۶۶۷

(۱۲) زاخاؤ (Sachau, E.) جرمن مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۴۵ تا ۱۹۳۰ء[۱]۔ جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ ابن سعد کی طبقات اس کی کوششوں سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی[۲]

(۱۳) جوزف ہورووز (Horovitz, J) جرمن مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۷۴ تا ۱۹۳۱ ۔ اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں مغازی واقدی پر قلم اٹھایا (مطبوعہ ۱۸۹۸ء)[۳]

(۱۴) جوزف ہیل (Hell, Joseph) جرمن مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۷۵ تا ۱۹۵۰ ۔ آثار میں عربی تہذیب پر اس کی کتاب مشہور ہے[۴]

(۱۵) کارل بروکلمان (Brockelmman, C) جرمن مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۶۸ تا ۱۹۵۶ ۔ بے شمار کتابوں کا مصنف ، لیکن مشہور ترین تصنیف "تاریخ اقوام مسلم" میں آنحضرتؐ پر تحریر قابلِ ذکر ہے[۵]

(۱۶) بارتھولڈ (Barthold V.V.) روسی مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۶۹ تا ۱۹۳۰ ۔ تصانیف کثرت سے مثلاً اسلامی تہذیب ، تاریخ ترکستان ، عالم اسلام ، خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہ[۶]

(۱۷) صموئیل زویمر (Zewemer S) امریکی مستشرق ۔ اجل علمائے مستشرقین میں سے اس کی تصانیف کثرت سے ہیں ، خاص طور پر مسیحیت اور اسلام کے تعلقات پر ، اس کی دیگر کتابوں میں اسلام سے پہلے بلادِ عرب ، دنیا میں اسلام ، حیاتِ محمدؐ ، اسلام صحرائے عرب میں ، ورثہ نبوی وغیرہ[۷]

(۱۸) ایچ' جی ویلز (Wells, Herbert, Gorge) انگریز مستشرق ۔ زمانہ ۱۸۶۶ تا ۱۹۴۶ ۔ افسانہ نگار ، ماہر عمرانیات اور مورخ[۸] متعدد تصانیف یادگار ہیں ۔ خصوصاً دی آؤٹ لائن آف ہسٹری میں محمدؐ اور اسلام ۔

(۱۹) گب (Gibb, Sir Hamilton, A.R) اس عہد کا مشہور ترین برطانوی بزرگ مستشرق ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوا ۔ اور ابھی چند سال پہلے وفات ہوئی ہے ۔ گب کی تصانیف اگرچہ بہت سی ہیں تاہم اصل شہرت کتاب

---

[۱] العقیقی ج ۲ ص ۴۰،

[۲] شبلی ، سیرت النبی ج ۱ ص ۹۲ ۔

[۳] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : العقیقی ج ۲ ص ۴۳ ، ۴۴ ،

[۴] ایضاً ص ۴۷۷ ،

[۵] ایضاً ص ۴۷۷ ، تا ۴۸۳ ۔ نیز دیکھیے ؛ بروکلمان پر مولانا عبدالقدوس ہاشمی کا تبصرہ ۔ (مستشرقین اور تحقیقات اسلامی) ص ۱۰۹ ۔
نیز دیکھیے اس کی کتاب کا انگریزی ترجمہ ؛ Brockelmann Carl, History of the Islamic Peoples. New York 1973

[۶] العقیقی ج ۳ ص ۹۴۳ ، ۹۴۴ ۔

[۷] ایضاً ص ۱۰۰۵

[۸] ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۱۵۵۸

[۹] العقیقی ج ۲ ص ۵۵۱ ۔

Mohammadenism (محمدیت) سے ہوئی، جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے نام کے سلسلے میں گب نے خود توجیہات پیش کیں۔ لیکن یہ نام و توجیہات خود اس کے شاگرد اسمتھ کو پسند نہیں آئیں[1]۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ گب کے یہاں مختلف نظریات، تصورات اور خیالات میں ارتقاء واقع ہوا اور وقت و حالات کے تحت بہت سے اندازے غلط ثابت ہوئے[2]۔ جس کا ثبوت اُس کی مختلف تحریروں سے ملتا ہے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں بہر حال اُس نے اسلام کے بارے میں نرم روی کا مظاہرہ کیا[3]۔

(۲۰) ولفریڈ کینٹویل اسمتھ (SMITH, W.C.)۔ گب کا شاگرد زندہ مستشرق، پیدائش جولائی ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ پی ایچ ڈی کی سند ۱۹۴۹ء میں ایک اور مستشرق فلپ کے حتّی[4] کے زیر نگرانی تحقیقی مقالہ (مجلۃ الازہر، تجزیہ و تنقید) پر حاصل کی۔ مذہبًا عیسائی، متعدد کتابوں کا مصنف، حال پروفیسر پبلیحبن ڈلہوزی یونیورسٹی کناڈا[5]۔

(۲۱) جوزف شاخت (Schacht, J) جدید، زندہ جرمن مستشرق۔ پیدائش ۱۹۰۲ء میں ہوئی[6]۔ خالص یہودی۔ اسلام اور علوم اسلامی پر متعدد تصانیف، لیکن اصل کام قانون اور اصولِ فقہ اسلامی پر کیا[7]۔

(۲۲) برنارڈ لوئیس (Levis, Berrnard) عہد جدید کا مشہور انگریز مستشرق، پیدائش لندن میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔ تصانیف کثرت سے ہیں لیکن مشہور کتابوں میں Arabs in History اور Islam in History، کیمبرج ہسٹری آف اسلام اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مدیر و مقالہ نگار۔ اسلام دشمنی کے لیے مشہور و معروف ہے اور آج کل یہود پرستی اور اسلام دشمنی میں غالبًا سرفہرست ہے۔

عہدِ جدید کے مشاہیر مستشرقین کا مندرجہ بالا تعارف اگرچہ مختصر ہے لیکن تحریک استشراق کے کیف و کم کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔ اور بطور خلاصہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحریک استشراق، اپنے آغاز اور عروج و ارتقاء کی مختلف منزلیں طے کرنے کے بعد آج کے عہد میں انتشار (Cris is) سے دوچار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مصنفین اپنی اصل

---

[1] ڈاکٹر مشیر الحق۔ ولفریڈ کینٹول اسمتھ۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ۔ جنوری ۱۹۸۳ء۔ ص ۱۳۔ حالانکہ بعد میں خود اسمتھ نے اسلام کے بجائے محمڈنزم کو قابلِ ترجیح سمجھا۔ (ایضاً ص ۱۴)

[2] مزید تفصیل اور تنقید کے لیے ملاحظہ ہو: جانسن (ملی ٹینٹ اسلام) ص ۸۱ تا ۸۵۔

[3] جس کا حوالہ ابتدائی صفحات میں گزر چکا ہے۔

[4] حتی، لبنانی الاصل، امریکی مستشرق، مشہور ترین کتاب "تاریخ عرب" (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) جو متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ حتی کی پیدائش ۱۸۸۶ء میں ہوئی تھی۔ دیکھیے العقیقی ج ۳ ص ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔

[5] ملاحظہ ہو مقالہ ڈاکٹر مشیر الحق (معارف۔ جنوری ۱۹۸۳ء)

[6] العقیقی ج ۲ ص ۸۰۳۔

[7] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقالہ محمد طفیل، جوزف شاخت اور اصولِ فقہ۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ۔ اپریل ۱۹۸۳ء۔

تحریک کو اب بھی سینہ سے لگائے ہوئے ہیں لیکن رویہ اور سلوک کی وہ یکسانیت بہرحال نظر نہیں آتی جو پہلے ان کا خاصہ تھا[1]۔ مستشرقین کی نوجوان نسل، زمانے کے حالات و مسائل کے پیش نظر ذہن و فکر کی نئی تبدیلیوں سے دوچار ہو رہی ہے، ادھر اسلامی دنیا میں سوچ کی نئی لہریں پیدا ہو رہی ہیں، اور بعض جدید مفکرین و مصنفین مشرق کی تحریروں نے خود مغربی دنیا میں مدوجزر پیدا کر دیا ہے۔ پھر یہ بات بھی صاف ہے کہ اب طاقت و قوت کے سارے اوزان اور پیمانے بدل گئے ہیں استعمار اور استحصال کی لغات منقلب ہو گئی ہیں۔ علمی و ذہنی مرعوبیت کا عالم پہلے جیسا نہیں رہا، اور اب مشرق بھی آنکھیں کھول کر فلک، فضا اور زمین دیکھ رہا ہے۔ اس لیے کیا عجب کہ آنے والا زمانہ تحریکِ استشراق کے کوچ کا بگل بجا دے اس لیے بقول ایک مصنف "وقت آ گیا ہے کہ اسلامی مفکرین و علماً اپنے حریفوں کے مدِمقابل آئیں اور معاندین و مخالفینِ اسلام کے خلاف، علمی محاذ پر حقیقی معرکہ کے لیے صف آرا ہو جائیں۔ البتہ معروضیت (Objectivity) کا خواہ مخواہ دعویٰ نہ کریں کہ علمی معروضیت تو درحقیقت فریبِ نظر (Myth) ہے[2]"

(۱۱)

اسباب و محرکات

تحریکِ استشراق نے اپنے آغاز سے لے کر عہدِ حاضر تک کا سفر جس انداز سے طے کیا ہے اُس کا ایک عمومی جائزہ اگرچہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے اور بین السطور، تحریک کے اغراض و مقاصد اور محرکات کی بڑی حد تک نشان دہی بھی ہو چکی ہے۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کے پسِ پردہ محرکات و اسباب کو صاف صاف بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ بطور خلاصہ انھیں مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے:

(۱) اسلام اور ادیانِ غیر میں بڑے بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اسلام کا نظریۂ حیات، اس کا نظامِ فکر و عمل، اس کے تہذیب و تمدن کا اظہار، یہودیت، عیسائیت اور دوسرے مشرکانہ مذاہب سے یکسر مختلف ہے۔ پھر دانائے سبل، ختم الرسل نے اسلام کی جو دعوت پیش کی اُس نے روزِ اوّل ہی ادیانِ باطلہ کی نفی کر دی تھی اس لحاظ سے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ دوسرے مذاہب کے علمبردار، اسلام، اہلِ اسلام اور عالمِ اسلام کے بارے میں

---

[1] جانسن نے تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب برطانیہ اور فرانس مسلمان ممالک کے قابو میں تھے اور اسلامی مخالفت کا سامنا کر رہے تھے تو برطانوی اور فرانسیسی Islamists اُن ممالک کے مخالف اور غیر ہمدرد تھے جبکہ امریکی مصنفین عام طور پر ہمدرد (sympathetic) تھے۔ لیکن حالیہ برسوں میں امریکی مصنفین اسلام کے بارے میں کم ہمدرد ہو گئے ہیں۔ یورپی مستشرقین اب غیر متعلق، بے پروا نظر آتے ہیں۔ کرداروں کا یہ تفاوت غالباً ۱۹۵۵ء کے لگ بھگ اختیار کیا گیا۔ (دیکھیے جانسن ص ۸۶)

[2] جانسن، جی۔ ایچ۔ ملی ٹینٹ اسلام۔ پین بک، لندن ۱۹۷۹ء، ص ۸۵۔

سخت معاندانہ جذبات رکھتے ہیں۔ اور اپنے بغض و عناد کا اظہار ہر ممکن طریقہ سے کرتے ہیں۔ اُن کا یہ رویّہ اور ان کی شقاوت و قساوت دراصل نظریاتی اور فکری بنیادوں پر استوار ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک جگہ[۱] اس حقیقتِ کبریٰ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ "تم دیکھو گے کہ اہلِ ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔ اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی، اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔"[۲] جہاں تک مستشرقین کا تعلق ہے، ان کے پُورے گروہ میں نمایاں ترین عناصر، یہود، نصاریٰ اور مشرکین ہیں[۳] انھیں اسلام، اہلِ اسلام اور عالمِ اسلام کی سرفرازی کسی طور پسند نہیں[۴] بلکہ وُہ ہر آن زک پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تحریک استشراق کی اٹھان اسلام دشمنی کے زیرِ سایہ ہُوئی اور مستشرقین کی مساعی کا ہدف یہ ٹھہرا کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو دنیا کے سامنے کریہہ المنظر بنا کر پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ان کی مساعی کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔

(۲) نظریاتی سبب کے علاوہ ایک سبب تاریخی بھی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا انقلاب آن کی آن میں پھیلتا چلا گیا۔ اور اس کے علمبرداروں نے انتہائی مختصر مدّت میں اسلام کا پرچم دنیا کے دُور دراز علاقوں میں جا کر لہرا دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اپنی پیش قدمی میں اسلام نے اپنی راہ کی تمام مزاحمتوں کو اِس آسانی کے ساتھ ختم کر دیا کہ دُنیائے مغرب آج تک انگشت بہ دنداں ہے۔ خاص طور پر اُس وقت کی معلوم دنیا کی دو بڑی طاقتوں روم و فارس کا سرِ غرور یُوں سرنگوں کیا کہ وہ صدیوں خمیدہ رہا۔ بہرحال اسلام کی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ وسعت و اشاعت نے جہاں ایک طرف دنیائے مغرب کی مذہبی و نظریاتی رفعتوں کو پامال کیا وہاں دوسری طرف اسلام کی عسکری فتوحات نے ان کی شوکت و سطوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ بازنطینی سلطنت کے زرخیز خطّوں (شام، فلسطین، مصر وغیرہ) پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، اور چرچ کے مضبوط قلعے فتح ہو گئے۔ شمالی افریقہ کو فتوحات، اندلس اور سسلی کی عرب فتوحات نے دنیائے مغرب کو زیر و زبر کر دیا اور یُوں اسلام اور مغرب کے درمیان عداوت کی مستقل بناء پڑ گئی۔

---

[۱] سورہ مائدہ (آیت ۸۲)

[۲] قرآن کا یہ بیان تاریخی صداقت کا حامل ہے۔ یہود اور مشرکین اسلام دشمنی کے معاملہ میں روزِ ازل سے ہی انتہائی متعصب و متشدد رہے ہیں اور آج بھی ہیں جبکہ یہ شدّتیں عیسائی مخالفین کے یہاں نسبتاً کم رہی ہیں۔ چنانچہ نجاشی شاہِ حبشہ کا قبولِ اسلام، قیصرِ روم کا پیغمبرِ اسلام کے بارے میں ابوسفیانؓ سے استفسار، مسیحیوں کے نجرانی وفد کا مباہلہ سے احتراز، اسلامی فتوحات کے نتیجہ میں مصر، شام، شمالی افریقہ، فارس اور دوسرے ممالک میں عیسائیوں کا کثرت سے قبولِ اسلام اور عہدِ جدید میں اسلام کی طرف ان کا میلان وغیرہ، کافی ثبوت ہیں۔

[۳] اس کا ایک اندازہ گزشتہ صفحات میں مستشرقین کے احوال سے ہو سکتا ہے۔ ایک مختصر فہرست مولانا ہاشمی کے کتابچہ میں بھی دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: ہاشمی، مولانا عبدالقدوس، ص ۲۰ و مابعد۔

[۴] سورۂ بقرہ (آیت ۱۲۰)

یہ تاریخی منظر مستشرقین کی معاندانہ سرگرمیوں اور مخاصمانہ کارروائیوں کا بھی نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔

(۳) محاربات صلیبی کو اگر ہم تحریکِ استشراق کا فوری سبب قرار دیں تو غلط نہ ہوگا۔ صلیبی جنگوں کو تاریخِ یورپ بلکہ تاریخِ عالم اور تاریخِ اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے اس کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے البتہ اس حد تک نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دنیائے اسلام کے خلاف دنیائے یورپ کی متحدہ کوششیں چونکہ ناکام و نامراد ہوئیں اور (۱۰۹۶ سے ۱۲۹۲ء تک کے) معرکہ ہائے صلیب و ہلال کے نتائج اربابِ کلیسا کے حق میں اچھے نہ نکلے[۱] اس لیے انھوں نے عسکری محاذ پر شکست کھانے کے بعد گویا یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے علمی و فکری محاذ کو منظم کیا جائے۔ یہی فیصلہ بالآخر تحریکِ استشراق کی شکل میں سامنے آیا۔ اس سلسلہ میں لارڈ ایی کا یہ تبصرہ قابلِ ذکر ہے کہ "فوجی اعتبار سے تو اب صلیبی جنگیں ختم ہو چکی ہیں مگر یورپی لوگ دینِ اسلام اور اس کی تہذیب کے بارے تحریراً جن خیالات کا اظہار کریں گے اُن میں تعصب کے اثرات ہمیشہ باقی رہیں گے۔" ایک فرانسیسی (Pierre Martino) اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "جب عیسائی ترکوں کے خلاف جنگ ہار گئے تو وہ ہرزہ سرائیاں کرنے لگے یہاں تک کہ انھوں نے عیسائیت کی شکست کا بدلہ میدانِ ادب میں لے لیا۔" چنانچہ تحریکِ استشراق کی صورت میں اہلِ یورپ اور اربابِ کلیسا کی تمنائیں پوری ہوئیں۔ اور اس طرح تحریکِ استشراق کے جلو میں دنیائے مغرب کا یہ منظم حملہ، واقعۃً عسکری محاذ پر اُن کے صلیبی حملوں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ مختصر یہ کہ اسلام دشمنی کی جو چنگاریاں پہلے سے دبی ہوئی تھیں وہ لو دینے لگیں اور رفتہ رفتہ ان کی آتشِ عداوت دامنِ مشرق کو جلانے لگی۔

(۴) مستشرقین من حیث المجموع چاہے قدیم ہوں یا جدید، مغرب کے ہوں یا مشرق کے، اپنی اصل و نسل کے اعتبار سے بہرحال یہودی، عیسائی اور مشرک ہی رہے ہیں۔ گویا اختلافِ دین و مذہب کی بنأ پر اُن کے جذبات و خیالات تو پہلے سے ہی، مذہبی بغض و عداوت (Religious Hostility) کے آئینہ دار تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے حقیقی مآخذ سے دور، صدیوں جہالت و بے خبری اور عدمِ واقفیت کا شکار رہے۔ اس کا واضح نتیجہ ایک طرف تو یہ سامنے آیا کہ اسلام اور داعیِ اعظم ؐ کے بارے میں، کم و بیش ۱۹ ویں صدی کے اواخر تک، دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ جو کچھ لکھتے رہے اور پھیلاتے رہے، وہ صریحاً ظن و تخمین، وہم و گمان کی پیداوار تھا۔ چنانچہ بے سروپا روایات،

---

[۱] یہ معرکہ ہائے صلیب و ہلال جنہیں "صلیبی جنگوں" کے نام سے شہرت حاصل ہے خالص کلیسائی محرکات کا نتیجہ تھیں اور اس کا سرآغاز پوپ اربن ثانی (۱۰۴۲ - ۱۰۹۹) کا وہ خطبۂ جنگ تھا جو اُس نے ۲۷ نومبر ۱۰۹۵ء کو دیا تھا جس نے پورے یورپ میں ایک آگ لگا دی تھی۔ پوپ اربن ثانی کے ترجمہ، حالات اور اثر انگیزی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

Hart, Michael H. The 100. Hart. P.co. New York 1978. p.268 270

[۲] غازی، عرفان، مستشرقین اور سنتِ نبوی۔ سیارہ ڈائجسٹ۔ رسول نمبر، ج ۲۰ شمارہ ۵۵ مطابق نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۳۹۲۔

من گھڑت حکایات، فسانہ و فسوں، لچر قصّے کہانیاں اور اسی طرح کا بلاتحقیق خام مواد مستشرقین اسلام اور پیغمبر اسلام کی نفرت انگیز تصویر پیش کرنے کے لیے بڑی دلیری کے ساتھ صدیوں استعمال کرتے رہے (جس کا کچھ اندازہ پچھلے تاریخی جائزہ میں بھی سامنے آچکا ہے اور کچھ جھلکیاں آئندہ فصل میں سامنے آئیں گی) پھر دوسری طرف جب جہالت و بے خبری کا پردہ چاک ہُوا اور مستشرقین اسلامی مآخذ کی تحقیق و تفتیش میں منہمک ہُوئے، تب بھی انھوں نے دانستہ طور پر قرآن و احادیث سے کھیلنے میں کوئی تکلف نہیں کیا[1] نیز مشرقی مصادر کی ترتیب و تبویب کے سلسلہ میں، تمام تر محنتوں کے باوجود، فاش قسم کی غلطیاں کرتے رہے[2] بہرحال ان تمام باتوں کا مقصد ایک تھا، یعنی تشکک و تذبذب کے بیج بو کر اسلام اور سرورِ عالم کے بارے میں مسلمانوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا اور انھیں آمادہ بہ نفرت کرنا۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ مستشرقین اپنی تحقیقات کے پردہ میں، بقول ایک مصنّف "ایسے خیالات کو خاموشی کے ساتھ اسلام کے نظامِ فکر میں داخل کر دیں جس کا ادراک راسخ العقیدہ لوگوں کے سوا دُوسرے نہ کر سکیں۔ انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ ان کی تحقیقات سے مرعوب ہو کر ان کی ہر بات کو بلا چُون وچرا درست مان لیا جائے گا۔ چنانچہ علومِ اسلامی کا ہر میدان انھوں نے اپنی جولانگاہ کے لیے منتخب کیا اور علومِ اسلامیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں اُنھوں نے خلطِ مبحث سے کام نہ لیا ہو[3]"

(۵) مسلمانوں کا زوال و انحطاط بحیثیت مجموعی، تحریکِ استشراق کے فروغ کا باعث ہوا۔

اِدھر عالمِ اسلام سیاسی انتشار کا شکار ہُوا، اندلس مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا، اور پھر سیاسی انحطاط، معاشرتی و اخلاقی زوال اور تہذیب و ثقافت کے تنزّل کا باعث ہُوا تو اُدھر مسیحی یورپ کی ہمتیں بلند ہوئیں، بلکہ اندلس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے واپس لے کر تو اتنا غرور پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر ۱۵ ویں صدی عیسوی کے بعد سے انھیں سیاسی عروج حاصل ہونے لگا تو اقوامِ یورپ نے ایشیا، افریقہ اور دوسرے مشرقی علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ اور یُوں استعماریت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اس کا نتیجہ واضح تھا۔ مغربی تہذیب کا غلبہ ہوتا چلا گیا اور مغربی تمدن اپنا اثر جمانے لگا تو مسلم ثقافت مغلوب ہونے لگی اور تمدنی چمک دمک ماند پڑ گئی۔ اور اس طرح مستشرقین کو موقع ملا کہ وُہ اپنے ہتھیار تیز کر لیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی زبانیں سیکھیں، ان کے افکار و علوم سے واقفیت حاصل کی اور اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ مسلمانوں کے مآخذ کو استعمال کر سکیں اور یُوں اپنی تحریک کو آگے بڑھا سکیں۔

(۶) ۱۵ ویں صدی عیسوی کے بعد یورپ نے پھر سے انگڑائی لی، اُس کے عہدِ تاریک کا خاتمہ ہوا، اور ان کے ہاں

---

[1] ہاشمی۔ مولانا سید عبدالقدوس۔ مستشرقین اور تحقیقاتِ اسلامی۔ مکتبہ ملّی۔ کراچی۔ ص ۲۰، ۲۱

[2] اس سلسلہ میں تفصیل اور مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو: ایضاً۔ نیز دیکھیے شبلی، ج ۱، ص ۱۱۰، ۱۱۱

[3] حسن، پیر محمد۔ مستشرقین کی تحقیقات پر تحقیق کی ضرورت۔ ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد۔ جلد ۱۳۔ شمارہ ۱۱ ص ۲۴، ۴۳۔

علم و تحقیق، بیداری، تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور شروع ہوا۔ یہ ان کے سیاسی فروغ سے ہم آہنگ تھا اور انھیں ضرورت تھی کہ ایشیا اور افریقہ میں اُنھوں نے اپنی جو کالونیاں قائم کی ہیں اُنھیں مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے مادّی وسائل اور اسلحہ سے زیادہ توجہ علمی و ذہنی کاوشوں پر صرف کی جائے۔ چنانچہ استعمارِ مغرب کے تحفظ کے لیے بجائے خود تحریکِ استشراق کی سرگرمی ناگزیر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے مفتوح ممالک کے تمام علوم و فنون کو حاصل کرنے اور تحقیقات کے پردہ میں اپنے مقاصد کو پُورا کرنے کے لیے یورپی حکمرانوں نے تحریکِ استشراق کی مکمل سرپرستی کی۔ یہ سرپرستی صرف مالی صورت میں نہیں تھی بلکہ مستشرقین کو وہ تمام سہولتیں مہیا کی گئیں جو ان کی تحقیق و تفتیش کے لیے ضروری تھیں۔

(۷) مذہبی اور سیاسی محرکات کے ساتھ تجارتی مفادات بھی تحریکِ استشراق سے وابستہ تھے۔ اقوامِ یورپ اور مشرقی ممالک میں رابطہ کی ابتداء تجارتی تعلقات سے ہی ہوئی تھی۔ پھر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ وہی تجار بالآخر سیاہ و سفید کے مالک اور حکمران بن بیٹھے۔ تاہم منڈی والی تجارت میں وہ اب بھی منہمک تھے۔ استشراقی سرگرمیوں کے نتیجہ میں کتابوں کی طباعت و اشاعت، مورخین کی کتابوں کی جلد فروخت اور مستشرقین کی تعداد میں مسلسل اضافہ اہلِ یورپ کے تجارتی مفادات کے تحفظ و فروغ کا باعث بھی ہوا۔

اسباب و محرکات کا یہ مختصر سا تجزیہ، تحریکِ استشراق کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور ان کے مالہٗ وماعلیہ کو جاننے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے اب ہم آگے بڑھ کر ایک نظر اُن اعتراضات، الزامات اور مفتریات پر ڈالنا چاہتے ہیں، جو مستشرقین کی طرف سے ہمارے ہادیِ برحق سیدالانبیاء والرسل کی شخصیت و کردار کو (نعوذ باللہ) مجروح کرنے کے لیے ان کی تحریروں میں بالعموم پائے جاتے ہیں۔

(۱۲)

اعتراضات، الزامات، مفتریات و ہفوات

مستشرقین کی جانب سے اسلام کے لیے بالعموم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بالخصوص جو طرزِ عمل اختیار کیا گیا اُس کا مختصر سا خاکہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اب جہاں تک سیرتِ رسول کے حوالے سے ان کے اعتراضات اور الزامات کا تعلق ہے اِس مختصر مقالہ میں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس لیے بھی ممکن نہیں کہ اعتراضات و الزامات کی کوئی حد نہیں ہے اور وہ مستشرقین کی تحریروں میں، اُن کے پیدا کردہ لٹریچر میں، اور ان کے خرافات کے ذخیرہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں (جو صدیوں پر پھیلا ہوا ہے) اُن کے ہاں الزامات و اعتراضات کی بہتات اس لیے بھی قابلِ فہم ہے کہ الزامات و اعتراضات قائم کر کے (خواہ وہ کتنے ہی بے بنیاد کیوں نہ ہوں) سیرتِ رسول کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا، مستشرقین کی حکمتِ عملی کا مستقل لازمی حصہ رہا ہے۔ کیونکہ اس جہت سے یہ گنجائش باقی رہتی ہے کہ معصوم الذہن لوگ، اور وُہ افراد جن کا علم و مطالعہ راسخ نہیں، ان کے پروپیگنڈہ سے بآسانی منفعل و متاثر

ہو سکتے ہیں[1]۔ حق تو یہ ہے کہ مستشرقین کے تمام اعتراضات و الزامات کو مرتب کر کے اُن کا مفصل جواب دیا جائے، لیکن اس کی نہ فرصت ہے نہ موقع، تاہم ذیل میں ہم مختصراً سیرتِ رسول کے حوالہ سے مستشرقین کے اعتراضات و الزامات بلکہ مفتریات کو نقل کر رہے ہیں تاکہ عام قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ سیرت نبویؐ کے باب میں مستشرقین نے کیا کیا گل کھلائے ہیں اور کیسے کیسے الزامات و اعتراضات عائد کیے ہیں۔ ان میں سے بیشتر اعتراضات ایسے ہیں جن کے بودے پن کو عام پڑھا لکھا مسلمان بھی محسوس کر سکتا ہے۔

نام، حسب و نسب

(۱) یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ پیغمبر اسلام کا نام نامی اسم گرامی "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں تھا بلکہ ماہومٹ (Mahomet) تھا۔ بعض نے دل کی انتہائی کدورتوں کے ساتھ "ماہونڈ" (Mahound) یعنی بقول ان کے "شہزادہ تاریکی" کا نام تجویز کیا۔ اور بعض کے نزدیک "بافومٹ" (Baphomet) اور بافم (Bafum) تھا[2]

(۲) نیچ ذات (Low birth) تھے[3] (العیاذ باللہ)

---

[1] ہمارے علم میں اردو ادب میں ایسی کوئی تحریر سامنے نہیں آئی ہے جس میں مستشرقین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات اور الزامات و اعتراضات کو یکجا کیا گیا ہو اور پھر ان کے جوابات کا اہتمام کیا گیا ہو۔ البتہ متفرق طور پر چند الزامات کو سیرت کی کتابوں میں بالعموم اور مولانا شبلی کی سیرۃ النبی میں بالخصوص ذکر کیا گیا ہے، علاوہ ازیں بعض اعتراضات (مثلاً تعددِ ازواج، انکارِ حدیث، نظم قرآن وغیرہ) کے بارے میں مفصل مضامین موجود ہیں تاہم حضورؐ کی شخصیت و کردار کے حوالہ سے تمام الزامات یکجا نہیں ملتے۔ انگریزی زبان میں جناب مظہر الدین صدیقی کا مضمون اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں غالباً پہلی مرتبہ مستشرقین کے قائم کردہ الزامات میں سے اٹھارہ[18] کا انتخاب کر کے مُسکت جوابات بھی شامل کر دیے ہیں (ملاحظہ ہو: (Siddiqi, Mazheruddin, The Holy Prophet and the orientalist, Islamic studies, Journal of the central Institute of Islamic Research, Islamabad, vol. XIX No.3 Autum 1980., p.143– 165).

[2] واضح رہے کہ یہ مفروضات زیادہ تر مغربی یورپ میں حروب صلیبیہ کے بعد مروّج و متداول رہے (دیکھئے حاشیے ص ۲۴) حضورؐ کا نام قرآن و حدیث میں محمدؐ اور احمدؐ مذکور ہے۔

[3] اس الزام کو خاص طور پر مارگولیتھ نے بڑی شد و مد کے ساتھ اپنی کتاب "محمد اینڈ دی رائز آف اسلام" مطبوعہ لندن (ص ۴۷) میں پیش کیا۔ اس الزام کو نہ صرف یہ کہ دوسرے مشہور برطانوی مستشرق سر ولیم میور نے (لائف آف محمدؐ۔ ایڈنبرا ۱۹۲۳ء ص CXIV, CXV) ہی مسترد کر دیا بلکہ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی شریف النسب تھے عرب کے شریف ترین گھرانے کے فرزند تھے، آپ کے جدامجد ہاشم تھے جن کے ذمہ شہری مملکت مکّہ میں "رفادہ" کی ذمہ داری تھی اور وہ اس پائے کے آدمی تھے کہ رومی امرا اور غسانی شہزادے ان سے معاہدہ کیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو صدیقی، مظہر الدین۔ ص ۱۴۳)

تعارف

(۳) محمدؐ، دراصل خود ایک مسیحی پادری (Cardinal) تھے۔ خواہش تھی کہ پوپ منتخب ہو جائیں۔ یہ تمنا پوری نہ ہوئی تو انتقاماً رومی کلیسا سے تعلق منقطع کر لیا اور عیسائیت کے بالمقابل ایک نئے مذہب "اسلام" کو ایجاد کر لیا اور اپنے آپ کو مخالف پوپ قرار دے لیا۔[1]

(۴) دنیائے مسیحیت میں نئے فرقے کے بانی تھے۔[2]

(۵) مخالف مسیح (anti-christ) اور دشمن عیسائیت تھے۔[3]

(۶) ترکوں کے پیغمبر تھے۔[4]

(۷) بُت پرست تھے۔[5] (نعوذ باللہ)

(۸) خود اپنے آپ کو مرکز پرستش قرار دے لیا تھا۔[6]

(۹) آپ بقول ایک مصنف "ءِ منافق و ناپاک تھے۔"[7]

(۱۰) جین بررڈ (Gembrard) کے نزدیک (خدانخواستہ) آپؐ حیوان (Beast) تھے۔[8]

(۱۱) آپؐ (حاشا للہ) شہوت پرست (Lescivarus) تھے۔ خود بھی ملوث، اپنے پیروکاروں کو بھی ملوث کیا۔[9]

(۱۲) دھوکہ باز، مکار، کاذب، جھوٹے، خوفناک حد تک بے شرم تھے۔[10] (استغفر اللہ)

---

[1] حمادے، ص ۲۵۔ یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ تعارف تاریخی صداقتوں کے سرتا سر خلاف ہے۔

[2] حمادے، ص ۲۴۔ [3] ایضاً

[4] ایضاً ص ۴۸ [5] ایضاً ص ۱۷

[6] ایضاً ص ۲۴۔ اولان نے اپنی نظم میں جو واقعہ بیان کیا ہے اس میں ہسپانوی عیسائی فوجوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے اصنام توڑے جانے کا ذکر ہے، یہ تین تھے: (۱) ترخاجان (۲) محمدؐ (۳) اپولون۔

ایک اطالوی شاعر نے ان لوگوں کی شہادت پر حضورؐ کی ہجو لکھی جنھوں نے آپؐ کی ایسی مورتی دیکھی تھی جو سونے اور چاندی سے بنی تھی۔ (ہیکل ص ۳۴)

[7] یہ تبصرہ ذروقی نے ۱۸۰۶ء میں کیا تھا۔ (ہیکل ص ۳۵)

[8] جین بررڈ (م ۱۵۹۷ء) دریدہ دہنی سے کام لیتے ہوئے لکھتا ہے کہ "محمدؐ ایک حیوان تھے اور صرف حیوانی (جنگلی) زبان (عربی) جاننے والے تھے جو ان کے حیوانی ماحول کے لیے بالکل مناسب تھی۔" دیکھئے حمادے (ص ۲۷)

[9] حمادے ص ۳۱۔

[10] بیڈول (Bedwell) کی ہرزہ سرائی اس کی کتاب Mohammadis imposture میں۔ (ایضاً ص ۲۶)

(۱۳) وہ ایک ہنرمند، مکمل سیاستدان تھے۔[1]

نبوت و رسالت

(۱۴) نبوت نتیجہ تھی ان کی طویل خود خیالی (auto suggestion)[2] یا خود ایعازی اور القائے نفس کا۔

(۱۵) وہ خواب بہت دیکھا کرتے تھے۔ وحی بھی بطور خواب دیکھا کرتے تھے۔[3]

(۱۶) وہ بزعم خود اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ یہ محض ایک ڈھونگ تھا۔ بہرحال دوسروں کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ اُن پر وحی اُترتی ہے محمدؐ نے ایک سفید دودھیا رنگ کے کبوتر (Pigeon) یا فاختہ (Dove) کو سدھار رکھا تھا، جو ان کے کندھے پر بیٹھا رہتا اور وقفہ وقفہ سے چونچ مار مار کر ان کے کان میں سے دانے (Grains) چُگا کرتا تھا۔ اور اس طرح وہ دوسروں پر یہ تاثر قائم کرتے تھے کہ فرشتۂ ربانی (جبریلؑ) ان پر وحی نازل کر رہا ہے اور انھیں املا کرا رہا (dictating) ہے۔[4]

(۱۷) انھیں (نعوذ باللہ) اعصابی مرض لاحق تھا اور وہ توہمات، فریب حسّی (Hallucination) میں مبتلا تھے۔[5]

(۱۸) نزولِ وحی کے وقت مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔[6]

(۱۹) مرگی زدہ تو نہیں البتہ جنونی (Hysterical) ضرور تھے۔ کیونکہ وہ غیر متوازن اعصابی مزاج والے (abnormal nervous temper) آدمی تھے۔[7]

(۲۰) اعصابی دورے پڑتے تھے، اور وہم ہو جاتا تھا کہ تابع الہام ہیں۔[8]

---

[1] یہ لامنس کا خیال ہے۔ (ایضاً ص ۷۰)

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] یہ افسانہ صدیوں یورپ میں مستشرقین کے حوالے سے مروّج رہا۔ اور ۱۹ ویں صدی کے اختتام تک اپنی موت آپ مرگیا۔ (ایضاً ص ۲۵)

[5] حمادے ص ۶۵

[6] ایضاً۔ عہدِ حاضر کا مستشرق، واٹ، اس کی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ الزام صریحاً بے بنیاد ہے (محمد پروفٹ اینڈ اسٹیس مین آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۱ء۔ ص ۱۹) تفصیل کے لیے دیکھئے: صدیقی، مظہرالدین، ص ۱۴۴۔

[7] حمادے ص ۷۳

[8] نولدیکے کے ذہن کی اختراع اور بوالعجبی۔ (ایضاً ص ۶۷)

(۲ ۱) اپنے الہامی اور الہیاتی مشن کے بارے میں خود مشکوک و متذبذب تھے[۱]
(۲ ۲) مذہبیت اور الہیات کی تشکیل میں شام کے مسیحی اثرات کو بڑا دخل تھا۔[۲]
(۲ ۳) ان کو بائبل کی تعلیمات کا علم تھا۔[۳]
(۲ ۴) نبوت کا تسلسل برقرار نہیں رہا۔[۴]
(۲ ۵) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُن کے فحش خیال میں نبی کاذب (false Prophet) تھے۔[۵]
(۲ ۶) وہ (نعوذ باللہ) مکار، دغاباز، مدعی کاذب (Imposture) تھے[۶]
(۲ ۷) شیطان کے آلۂ کار، اور توہین آمیز جاسوس (Blasphemous Emissary of Satan) تھے۔[۷]
(۲ ۸) ترویج و اشاعت مذہب کے لیے تشدد (Violence) کا سہارا لیا[۸]

---

[۱] میور کے نزدیک ابتداءً انھیں بالکل یقین نہیں تھا کہ وہ خدا کی طرف سے فرستادہ ہیں۔ البتہ ایک طویل عرصہ تک شک و تذبذب میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر آمادہ بہ تبلیغ ہوئے۔ (میور۔ لائف آف محمدؐ ۱۹۲۳ء ۔ ص ۴۶ - ۴۷)
یہ الزام سراسر واقعات کے خلاف ہے۔ اور تاریخی اعتبار سے گمراہ کن ہے۔ اگر ذرا بھی تذبذب ہوتا تو اپنی زوجۂ محترمہ خدیجہؓ کو، اپنے بھائی علیؓ کو، اپنے جگری دوست ابوبکرؓ کو کیونکر مطمئن کرتے۔

(ملاحظہ ہو: صدیقی، مظہر الدین۔ ص ۱۴۵، ۱۴۶)

[۲] حمادے، ص ۴۷۔

[۳] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: صدیقی، مظہر الدین (ص ۱۶۱)

[۴] یہ واٹ کا مفروضہ ہے۔ اس کی دلیل یہ دی ہے کہ مدنی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں کچھ عرصہ کے لیے یہودِ مدینہ سے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ وہ ان کو نبی و رسول کی حیثیت سے تسلیم کرلیں۔

(ملاحظہ ہو: تفصیل، صدیقی ص ۱۵۵، ۱۵۶)

[۵] حمادے، ص ۴۸

[۶] ایضاً (ص ۶۱) مستشرقین نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبی کاذب اور مدعی کاذب (Imposture) کے فحش القابات کو مختلف سابقوں اور لاحقوں کے ساتھ ہر زمانے میں اتنی بار استعمال کیا ہے کہ گویا ان کا تکیہ کلام ہیں۔ حالانکہ بعض مستشرقین مثلاً ماتن بی اس سے متفق نہیں وہ انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مدعی کاذب ہرگز نہیں تھے۔ (ایضاً ص ۵۷)

[۷] ایضاً ص ۴۴۔

[۸] ایضاً ص ۱۳۱۔

(۲۹) اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا[۱]

(۳۰) حتّی (Hitti) کے خیال میں حضورؐ کے ابتدائی حالات کا پتا نہیں چلتا[۲] اور لامنس کے نزدیک اُن کی مکی زندگی کے حالات محض افسانہ (fiction) ہیں[۳]

(۳۱) اصل استفادہ عیسائیت سے کیا چنانچہ مسیحی نسطوری راہب بحیرہ سے ملاقات خاص ہے[۴]

(۳۲) مستشرقین کے نزدیک ایک مقبول عام وزنی الزام یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی مکّہ تک پیغمبرانہ رہی لیکن مدینہ جاکر بادشاہی میں بدل گئی اور وہاں لشکرکشی انتقام خونریزی کا بازار گرم کردیا[۵]

کارہائے نبوت و رسالت ۔ واقعاتِ سیرت

(۳۳) دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی اختیار کی[۶]

(۳۴) میور لکھتا ہے: "کارِ نبوت کی ابتدا میں توایمان داری سے یہودی اور عیسائی طور طریقوں اور نظام کو اپنایا گیا اور اپنے مذہب کی انھیں بنیاد بنادیا گیا، لیکن جب مطلب حاصل ہوگیا اور اقتدار حاصل ہوگیا تو اُن سے برأت ظاہر کی اور پھر انھیں بالکل مردود قرار دے دیا۔"[۷]

---

[۱] مشہور مصنف زکریا ہاشم زکریا نے اپنی کتاب المستشرقون و الاسلام میں اس الزام کا خاص طور پر جائزہ لیا ہے اور بڑی تفصیل سے اس کا مدلل جواب لکھا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام ایک تاریخی دین ہے۔ اپنی اصل و فرع ہر لحاظ سے "سلامتی" تھا۔ اور اسے رسول اللہؐ نے اپنے اخلاق و کردار سے پھیلایا (ملاحظہ ہو: زکریا، ص ۷ تا ۱۷ نیز ص ۳۴ تا ۵۸) اس کے علاوہ مستشرقین کے دوسرے چند اعتراضات بھی نقل کیے ہیں (ص ۲۱۲ تا ۲۲۵) لیکن ان کے جوابات میں اتنی تفصیل سے کام نہیں لیا ہے۔ البتہ فصل سادس میں چند مستشرقین کے اعترافی بیانات نقل کرکے کسی حد تک تلافی کردی ہے۔ نیز دیکھیے شبلی ج ۱ ص ۱۰۰۔

[۲] حتی، فلپ کے۔ ہسٹری آف دی عربس۔ لندن ۱۹۳۷ء، ص ۱۱۱، ۱۱۲۔

[۳] حمادے ص ۶۹۔

[۴] یہ ملاقات بصریٰ میں جناب ابوطالب کے ہمراہ اس وقت ہوئی تھی جب آپ ۹ سال کے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: صدیقی، مظہر الدین، ص ۱۴۵۔

[۵] شبلی، ج ۱، ص ۹۹، ۱۰۰۔ مانٹ گمری واٹ نے اس الزام کو شدومد سے پیش کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، حمادے، ص د۔ نیز صدیقی مظہر الدین، ص ۱۵۱۔

[۶] شبلی، ج ۱، ص ۱۰۰۔

[۷] میور۔ لائف آف محمد، ص ۵۱۴۔ تفصیل کے لیے: صدیقی مظہر الدین، ص ۱۵۸۔

(۳۵) اسلام کو یہودیت سے بدلنے کی کوشش کی۔ واٹ لکھتا ہے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ جا کر یہ کوشش کی کہ اسلام کو مذہب قدیم" یہودیت" سے بدل دیا جائے"۔[۱]

(۳۶) تحویل قبلہ[۲] (ایک خاص وقت کے بعد یہودیت و عیسائیت سے بیزاری کی کوشش)

(۳۷) شاید اسلام یہودیت کا ایک حصہ یا فرقہ بن جائے[۳]

(۳۸) محمدؐ نے مسلمانوں کو اپنے آپ کی پرستش کی دعوت دی[۴]۔

(۳۹) منشور مدینہ (Charter of Madinah) میں حضورؐ کا مقام و مرتبہ غیر معین تھا۔[۵]

(۴۰) حضورؐ کی ہجرت سے قریشِ مکہ بڑے خوش ہوئے۔[۶]

(۴۱) حضورؐ نے قریشِ مکہ کو (بلاوجہ) اپنے خلاف بھڑکایا۔[۷]

(۴۲) غزوات محض لوٹ مار کی مہمیں (Plundering expeditions) تھیں[۸]۔ اور عربوں کی غربت و تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ۔

(۴۳) بعض یورپی مصنفین کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کا لایا ہوا انقلاب اور مذہبی اصلاحات اس لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں کہ وہاں کا ماحول دراصل ان کے موافق اور مناسب (congeniel) تھا۔ اور اہلِ عرب مذہبی معاشرتی تبدیلی کے متلاشی اور پیاسے تھے۔[۹]

---

[۱] اس دعوٰی بلا ثبوت کی تفصیل ملاحظہ ہو: میور، لائف آف محمد، ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

[۲] ایضاً ص ۱۵۸ [۳] ایضاً ص ۱۵۹

[۴] ایضاً ص ۱۶۱ [۵] ایضاً ص ۱۵۳

[۶] مارگولیتھ کہتا ہے کہ "یہ عین ممکن ہے کہ قریشی سردار (محمدؐ کی ہجرت کے بعد) آپس میں ایک دوسرے کو مبارک دے رہے ہوں کہ وہ اپنے ایک تکلیف دہ ہم وطن (Vexation countryman) سے بغیر کسی خون خرابے کے نجات پا گئے۔" (صدیقی، مظہرالدین۔ ص ۱۴۸ تا ۱۵۰) مارگولیتھ کی یہ خیال آفرینی بھی تاریخی واقعات کے بالکل خلاف اور لغو ہے۔

[۷] یہ واٹ کی خام خیالی ہے۔ مہمات سرایا کا مطلب اُس کے نزدیک یہ تھا کہ قریش کو اپنے خلاف بھڑکایا جائے (نہ کہ مدینہ کی حفاظت کے لیے احتیاطی تدابیر اور جنگی کاروانوں کو روکنے کے لیے معاشی ناکہ بندی وغیرہ) یہ واقعات کے خلاف بھی ہے اور واٹ کے بیان کا تضاد بھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: صدیقی، مظہرالدین۔ ص ۱۵۵۔

[۸] یہ مستشرقین کا عام الزام ہے اور وہ اس بات کے شدت سے قائل ہیں کہ غزوات پاکیزہ جذبات، اعلیٰ و ارفع مقاصد اور شوق شہادت کا نتیجہ نہ تھے بلکہ غریب و مفلوک الحال عربوں کی تنگدستی دور کرنے کا ذریعہ اور لوٹ مار کے تحت مال و دولت جمع کرنے کا شوق تھا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: قریشی، پروفیسر ظفر علی، ماہنامہ اسلامک لٹریچر۔ ج ۱۷× شمارہ ۵، مئی ۱۹۶۸ء۔ ص ۷، ۸۔ نیز شمارہ ۹، ستمبر ۱۹۶۸ء، ص ۸۷۔ [۹] دیکھیے: صدیقی، مظہرالدین۔ ص ۱۶۳، ۱۶۴۔

(۴۴) جنگ موتہ ——— جنگ کا مقصد متعین کرنا مشکل ہے[1]

متفرقات

(۴۵) ٹائن بی کے خیال میں آنحضرتؐ محض قیصرِ عرب تھے[2]۔ ایک سیاسی لیڈر تھے[3]۔

(۴۶) جے سی آرچر کے نزدیک محمدؐ محض ایک صوفی اور مجذوب (Mystic) تھے[4]۔

(۴۷) آپؐ (نعوذ باللہ) راہزنوں، قزاقوں کے سردار (Robber chief) تھے[5]۔

(۴۸) اسلام ایک بدقسمت تاریخی حادثہ تھا اور محمدؐ مرگی میں مبتلا ہو کر مر گئے جو شدتِ بھوک کا نتیجہ تھا[6]۔

(۴۹) اسلام ایک اشتراکی رجحان تھا[7] اور محمدؐ صرف ایک معاشرتی سماجی مصلح تھے نہ کہ پیغمبر[8]۔

(۵۰) وہ ایک موقع پرست، مفاد پرست تھے[9]۔

(۵۱) کثرتِ ازدواج اور میل الی النساء[10] عورتوں کے دوست، سنجیدگی اور معقولیت کے دشمن، بہت شادیاں کرنے والے[11]۔

(۵۲) آنحضرتؐ اور قرآن۔ تہذیب و تمدن، حریت و آزادی اور سچائی کے بدترین مخالف اور ضدی و سرکش دشمن Stubborn enemies) تھے کہ ان جیسا دشمن صفحۂ ہستی پر نمودار نہیں ہوا[12]۔

(۵۳) لونڈی، غلام بنانے کی اجازت دی اور اس پر عمل بھی کیا[13]۔

---

[1] قریشی، پروفیسر ظفر علی (شمارہ اپریل ۶۸ء، ص ۲۰) جنگ موتہ عیسائیت اور اسلام کے درمیان تصادم کا پہلا معرکہ تھا اور یہی صدیوں کے لیے تصادم کا سبب بن گیا۔ (ایضاً ص، ۲۲ نیز ۲۳)

[2] حمادے ص ۶۹۔ [3] ایضاً ص ۷۱۔ [4] ایضاً ص ۷۵۔

[5] ایضاً ص ۷۱۔ [6] ایضاً ص ۶۹۔ [7] ایضاً ص ۷۰۔

[8] ایضاً ص ۷۱۔ [9] ایضاً ص ۷۲۔

[10] شبلی، ج ۱ ص ۱۱۴

[11] صدیقی، مظہر الدین ص ۱۶۲

(حضورؐ کی شادیوں اور تعددِ ازواج کے بارے میں ذاتِ رسالت پر اعتراض مستشرقین کا محبوب ترین موضوع ہے جس کے ذریعہ (نعوذ باللہ) آپ کی بدمستی اور بوالہوسی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں انھیں کوئی خیر، پاکیزگی، عفت اور حکمت نظر نہیں آتی)

[12] حمادے ص ۶۶۔

[13] شبلی ج ۱ ص ۱۱۴۔

(۵۴) داستانِ غرانیق ۔ شیطانی آیات[1]

(۵۵) واقعۂ حضرت زید و زینب[2]

(۵۶) اُن کا آہنی تابوت (Iron coffin) خانۂ کعبہ میں دو ستونوں کے درمیان معلق رہا[3]

(۵۷) ابتداً میں اپنی نبوت کا جواز پیدا کرنے کے لیے تمام انبیائے بنی اسرائیل کو تسلیم کیا لیکن جب قوت و اقتدار مل گیا تو سب سے بڑے نبی خود بن بیٹھے اور سلسلۂ نبوت کو اپنی ذات پر ختم کر لیا۔

(۵۸) بانیِ اسلام سے معجزات کی نسبت محض انبیاءِ ماسبق کے ہم پلّہ ثابت کرنے کے لیے قائم کی گئی۔

(۵۹) ایک نیا اور جھوٹا مذہب جاری کیا، حالانکہ یہ ان کا خود ساختہ تھا[4]

(۶۰) بد اطوار، جادوگر، لٹیرا، ریاکار[5] (استغفر اللہ)

(۶۱) ایسا خدا بن بیٹھا، جس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اس کے پیرو انسان کی قربانی پیش کرتے ہیں[6]

(۶۲) محمدؐ نے شراب کی مستی میں جان دی، اس کے پیروؤں نے اُس کی لاش کوڑے کے ڈھیر پر پھنکوا دی[7] (اعاذنا اللہ منہ)

(۶۳) وہ دوسروں کو دھوکا دیتا تھا، بلکہ خود دھوکا میں مبتلا تھا[8] (نقل کفر، کفر نباشد)

---

[1] نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ حرم میں نماز ادا کی اور قرآن کی بھی تلاوت کی، اس وقت وہاں کفار بھی موجود تھے۔ جب آپؐ نے سورۂ نجم کی یہ آیت (۲۰) پڑھی ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ، تو کہا جاتا ہے کہ شیطان نے آپؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے: تلك الغرانیق العلیٰ و ان شفاعتھن لترتجیٰ (یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے) اس شیطانی آیت کے بارے میں واقعہ کو مستشرقین بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور رائی کا پہاڑ بنا ڈالتے ہیں۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے: شبلی ج ا، ص ۲۸-۲۲، ۲۲۶)

[2] حضورؐ نے اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ حضرت زیدؓ بن حارثہ کا نکاح کر دیا تھا لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھ گئی۔ آخر کار حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی۔ حضورؐ نے رسم جاہلیت مٹانے کے لیے اور حضرت زینبؓ کی دلجوئی کے لیے خود نکاح کر لیا۔ حضرت زینبؓ کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا۔ مستشرقین کے نزدیک یہ صریحاً بوالہوسی تھی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: نثار احمد۔ نقشِ سیرت۔ کراچی ۱۹۶۸ء۔ ص ۶۲۳ تا ۶۲۹۔

[3] حمادے ص ۲۵، ۴۷۔ یہ عجیب و غریب روایت مستشرقین کے یہاں ہمیشہ مروّج رہی ہے۔

[4] ڈیون پورٹ۔ این اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قرآن (اشاعت اول ۱۸۶۹ء۔ اشاعت دوم، البیرونی لاہور ۱۹۷۵ء۔ ص ۱۳۲)

[5] ہیکل۔ ص ۳۲

[6] ایضاً (کذب و افتراء کا ایک شاہکار)

[7] ایضاً (کذب و افتراء کا دوسرا شاہکار)

[8] حمادے ص ۴۹ (یہ ایڈیسن صاحب کا نادر قیاس ہے)

(۱۲)

اعترافات

اگرچہ، گزشتہ فصل کی روشنی میں مستشرقین کا انتہائی بے باکانہ، گستاخانہ اور معاندانہ رویہ بڑی حد تک سامنے آجاتا ہے تاہم یہ ان کے مطالعۂ سیرت کا صرف ایک رُخ ہے جو اوّل تا آخر کذب وافترا سے عبارت ہے۔ ایک دوسرا رُخ وہ ہے جس میں مستشرقین کے بعض سرکردہ افراد اپنے تعصب و تنظلم کا برملا اعتراف کرتے ہیں، اور جب ذرا انصاف و اعتدال سے کام لیتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں کہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے منزّہ ہر الزام سے مبرّا، خَلق و خُلق کی تمام خُوبیوں سے مرصّع دنیائے انسانیت کا حاصل تھی اور اُن کی کامیابیوں، کامرانیوں اور کارناموں کے حوالے سے اُن کا کوئی مثیل نہیں ہے۔ اس موضوع پر اگرچہ دفتر کے دفتر نقل کیے جا سکتے ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند نمونوں پر اکتفا کر رہے ہیں :

۱۔ اثر انگیز شخصیت

○ "جسٹینین کی وفات کے چار سال بعد ۵۶۹ء میں، مکہ میں وُہ آدمی پیدا ہُوا جس نے انسانیت پر تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اثر ڈالا۔" (ڈریپر[1])

۲۔ ناقابلِ فراموش

○ "اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج ! ان تین باتوں کو انسانی تعقل و تفکر کا معیار بلند مانا جائے

---

[1] ڈریپر، جون ولیم، اے ہسٹری آف دی انٹلیکچوئل ڈیولپمنٹ آف یورپ۔ لندن ۱۸۷۵ء (ج ۱ ص ۳۲۹)، یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ آنحضرتؐ کی اثر انگیزی کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی شخصیت کی اثر انگیزی کا فراخدلانہ اعتراف عہدِ حاضر کا ایک مصنّف ڈاکٹر ہارٹ بھی کرتا ہے۔ اور دُنیا بھر کی، ہر زمانے کی، عظیم ترین اور موثر ترین شخصیات کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ سرکارِ رسالتمآبؐ کو بجا طور پر اوّلین مرتبہ کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "قارئین میں سے ممکن ہے کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دُنیا جہان کی موثر ترین شخصیات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرِ فہرست کیوں رکھا ہے اور مجھ سے توجیہ طلب کریں گے۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پُوری انسانی تاریخ میں صرف وہی ایک انسان ایسے تھے جو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب، کامران اور سرفراز ٹھہرے۔" ملاحظہ ہو ہارٹ مَیخائل ایچ کی کتاب :

The 100: (A Ranking of the Most influential persons in history.). Hart Publishing Co. New York 1978 (p. 337).

تو کون ہے، جو تاریخ کی کسی قدیم یا جدید شخصیت کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل لانے کی ہمت کر سکے۔ لوگوں کی شہرت ہوئی کہ انھوں نے فوجیں بنا ڈالیں، قوانین وضع کرائے اور سلطنتیں قائم کر ڈالیں۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ انھوں نے حاصل کیا کیا؟ صرف مادی قوتوں کی جمع پونجی؟ وہ تو ان کی آنکھوں کے سامنے لٹ گئی۔ بس صرف یہی ایک آدمی ایسا ہے، جس نے یہی نہیں کہ فوجوں کو مرتب کیا، قوانین وضع کیے اور مملکتیں، سلطنتیں قائم کیں بلکہ اس کی نظر کیمیا اثر نے لاکھوں متنفس ایسے پیدا کر دئے، جو اس وقت کی معلوم دنیا کی ایک تہائی آبادی پر مشتمل تھے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر، انھوں نے قربان گاہوں کو، خداؤں کو، دین و مذہب کے پیروکاروں کو، خیالات و افکار کو، عقاید و نظریات کو، بلکہ رُوحوں تک کو بدل ڈالا۔ پھر صرف ایک کتاب کی بنیاد پر، جس کا لکھا ہوا ہر لفظ قانون تھا، ایک ایسی روحانی اُمت کی تشکیل کر دی گئی جس میں ہر زمانے، وطن، قومیت کا حامل فرد موجود تھا۔ وُہ ہمارے سامنے مسلم قومیت کی ایک ناقابلِ فراموش خصوصیت یہ چھوڑ گئے کہ صرف ایک ان دیکھے، خدا سے محبت، اور ہر معبود باطل سے نفرت۔" (لامارٹن)[1]

۲۔ جامعیتِ کُبریٰ

○ "عالم الٰہیات، فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار، رسول (بانیِ مذہب)، آئین و قانون ساز (شارع)، سپہ سالار، فاتح اصول و نظریات، معقول، عقاید کو جِلا بخشنے والے، بلا تصویر مذہب کے مبلّغ، بیسیوں علاقائی سلطنتوں کے معمار، دینی روحانی حکومت کے موسس، یہ ہیں محمد رسول اللہ ———— (جن کے سامنے پوری انسانیت کی عظمتیں ہیچ ہیں) اور انسانی عظمت کے ہر پیمانے کو سامنے رکھ کر ہم پُوچھ سکتے ہیں، ہے کوئی جو اُن سے زیادہ بڑا، اُن سے بڑھ کر عظیم ہو؟" (لامارٹن)[2]

۳۔ بے مثال کارنامہ

○ "کسی انسان نے اتنے قلیل ترین وسائل کے ساتھ، اتنا جلیل ترین کارنامہ انجام نہیں دیا، جو انسانی ہمت و طاقت سے اس قدر ماورا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی فکر کے ہر دائرے اور اپنے عمل کے ہر نقشہ میں، جس بڑے منصوبہ کو رُو بہ عمل لائے، اُس کی صورت گری بجز اُن کے، کسی کی مرہونِ منت نہ تھی، اور مُٹھی بھر صحرائیوں کے سوا ان کا کوئی معاون و مددگار نہ تھا۔ اور آخر کار ایک اتنے بڑے مگر دیرپا انقلاب کو برپا کر دیا، جو اس دنیا میں کسی انسان سے ممکن نہ ہو سکا۔ کیونکہ اپنے ظہور سے لے کر اگلی دو صدیوں سے بھی کم عرصہ میں اسلام، فکر و عقیدہ اور طاقت و اسلحہ دونوں اعتبار سے سارے

---

[1] LAMARTINE کی کتاب Histoire deca Turquie پیرس ۱۸۵۴ء۔ ج ۲ ص ۲۷۶، ۲۷۷۔

[2] ایضاً

عرب پر، اور پھر ایک اللہ کا پرچم بلند کرتے ہوئے، فارس، خراسان، ماوراء النہر، مغربی ہند، شام، مصر، حبشہ، شمالی افریقہ کے تمام معلوم علاقوں پر بحر متوسط کے جزیروں پر اور اندلس کے ایک حصہ پر بھی چھا گیا۔" (لامارٹن)[1]

۵۔ تاریخ کی پوری روشنی میں

○ "یہ صحیح ہے کہ تاریخ کی روشنی میں ہم حیاتِ مسیحؑ کے کچھ واقعات دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اُن تیس سالوں سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جو اُنھوں نے (نبوت سے پہلے) گزارے۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں، اس نے اگرچہ دنیا کی معلومات میں کسی حد تک اضافہ کر دیا ہے اور آیندہ مزید انکشافات متوقع ہیں، تاہم ایک مثالی زندگی۔ کون جانے، کتنی قریب ہے کتنی دور! کتنی ممکن ہے اور کتنی ناممکن! ہم ابھی بہت کچھ نہیں جانتے۔ ہم اُن کی ماں کے بارے میں، ان کی گھریلو زندگی کے بارے میں، ان کے ابتدائی دوست احباب اور ان کے تعلقات باہم کے بارے میں اور اس سلسلہ میں بھلا کیا جانتے ہیں کہ مسندِ نبوت پر وہ بتدریج فائز ہوئے یا وحی پا کر یکدم، خدائی مشن کے حامل بن گئے؟ بہرحال کتنے ہی سوال ایسے ہیں جو ہم میں سے اکثر کے ذہنوں سے ٹکراتے ہیں، مگر وہ بس سوالات ہیں، جواب کے بغیر! البتہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ میں صورت یکسر مختلف ہے۔ یہاں ہمارے پاس اندھیروں کے بجائے تاریخ کی روشنی ہے۔ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کہ لوتھر اور ملٹن کے بارے میں۔ یہاں واقعات کا دامن، خیالِ محض، قیاس، تخمین وظن، ماورائے فطرت روایات اور افسانہ وفسوں سے آلودہ ہونے کے بجائے، حقائق سے آراستہ ہے۔ اور ہم بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ یہاں کوئی شخص نہ خود اپنے آپ کو دجل و فریب میں مبتلا کر سکتا ہے نہ دوسروں کو۔ یہاں ہر چیز دن کی پوری روشنی میں جگمگا رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کی شخصیت کے بہت سے پرت ہیں اور ان میں سے ہر ایک تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے تاہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کے متعلق ہم ہر چیز جانتے ہیں۔ اُن کی جوانی، اُن کی اٹھان، اُن کے تعلقات، اُن کی عادتیں، ابتدائی حالات اور پہلی وحی کے نازل ہونے تک کا لمحہ، ذہنی سفر اور ارتقاء وغیرہ۔ نیز ان کی داخلی، باطنی زندگی کے متعلق بھی، اور یہ کہ جب اعلانِ نبوت کر چکے تو پھر ہم ایک ایسی مکمل کتاب پاتے ہیں جو اپنی ابتداء، اپنی حفاظت اور متن وغیرہ کے کئی پہلوؤں کے لحاظ سے بالکل ممتاز و منفرد ہے۔ اور اب تک ایسی کوئی معقول و مستند وجہ سامنے نہیں آئی جس کی بنیاد پر اس کتاب کے خلاف کوئی شدید اعتراض کیا جا سکے۔"[2]

(باسورتھ اسمتھ)

---

[1] ایضاً

[2] دیکھئے: Smith R.Bosworth, Muhammad and Mohammadanism London.. 1876 (Second Ed) Reprint. Sind Sagar Acadamy Lahore p.11, 12.

۶۔ انقلاب، انقلاب، انقلاب

○ "بہرحال مختصراً عرب کے یہ معاشرتی اور مذہبی حالات تھے، جن میں، اگر ہمیں والٹیر کی زبان کے استعمال کی اجازت دی جائے، عرب کا رُخ بدل گیا، انقلاب آ گیا۔ انقلاب بھی کیسا! ایسا انقلاب کہ آج تک کسی سرزمین پر نہیں آیا، مکمل ترین، اچانک ترین اور سرتاسر غیر معمولی انقلاب!"[1] (باسورتھ اسمتھ)

۷۔ منفرد مقام

○ "تاریخِ مذاہب و ادیان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ وہ نہ ولی تھے نہ فرشتہ۔ اور خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کر کے دکھایا، اس میں کوئی مافوق البشریت نہ تھی۔ اور ان کی عظیم شخصیت میں انسانی عمل کے اعتبار سے کوئی ایسی چیز نہ تھی جو عام حالات میں اُن کو دوسرے مسلمانوں سے ممتاز و ممیز کر سکے"[2] (بوڈلے)

۸۔ سب سے بڑا انسان

○ "دنیا کا سب سے بڑا انسان وُہ ہے، جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت، ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی۔ لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وُہ اُمّی اور ناخواندہ تھا۔ وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر! اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پُورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کے لیے، جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دئے۔"[3]

۹۔ عظیم و مخلص

○ "عظیم ——— محض اس لئے ہیں کہ وُہ ایک روحانی پیشوا تھے، انھوں نے ایک عظیم ملت کو جنم دیا۔ اور ایک

---

[1] ایضاً ص ۷۲

[2] ملاحظہ ہو: Bodley, R.C.V. The Messenger London 1946 p.338,

[3] ندوی، سید سلیمان۔ سیرت النبی۔ مطبع معارف۔ اعظم گڑھ۔ ۱۹۵۱ء۔ ج ۴ ص ۴۰۰۔ بیروت کے مسیحی اخبار 'الوطن' نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک مسیحی عالم (داور مجاعص) نے یہ تبصرہ لکھا تھا۔

عظیم سلطنت قائم فرمائی۔ بلکہ ان سب سے آگے بڑھ کر یہ کہ ایک عظیم عقیدہ کا پرچار کیا۔ مزید برآں اس لیے بھی (عظیم تھے) کہ وہ اپنے آپ سے بھی مخلص و وفادار تھے، اپنے امتیوں سے بھی مخلص تھے اور اپنے اللہ سے بھی مخلص و وفادار تھے۔ اِن باتوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام ایک کامل، سچا مذہب ہے، جو اپنے ماننے والوں کو انسانیت کی تاریک گہرائیوں سے نکال کر نور و صداقت کی رفعتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔"[1] (لیونارڈ)

۱۰۔ مقام و مرتبہ

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول تھے نہ کہ صوفی۔ یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ کوئی کہہ کر بھی شرمندہ ہو جائے۔ وہ جو ان کے گرد جمع ہوئے اور جو ملّتِ اسلامیہ کے اولین ارکان تھے، وہ قانون کی اطاعت پر، توحیدِ الٰہی پر راضی تھے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات اور اُن کے اُسوہ کی پیروی پر اکتفا کرنے والے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ وہ ایک سیدھے سادے اور مضبوط دین کے پیرو ہیں جو مختصر عبادات اور چند مراسم پر مشتمل تھا۔"[2] (گاڈفرے ڈی ممبانیز)

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے از خود کبھی معصومیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ایک موقع پر تو ایسی وحی نازل ہوئی، جس میں انھیں تنبیہ کی گئی کہ انھوں نے ایک باعزّت شہری سے بات کرنے میں ایک فقیر سے منہ کیوں موڑا؛ پھر انھوں نے اُس وحی کو شائع بھی کیا۔ یہ وہ آخری دلیل ہے جس کی روشنی میں اس بات کی تردید ہو جاتی ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) ایک مدعی کاذب (Imposter) تھے۔ جیسا کہ معصوم مسیحی اُس عظیم عرب کو الزام دیتے ہیں۔"[3] (لیتھر)

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا جو مذہبی نظام قائم فرمایا وہ نہ صرف یہ کہ ان کے اپنے ہم مشربوں کے فہم و ادراک کے مطابق تھا اور اس ملک میں پائے جانے والے رسوم و رواج اور اُن کے ساتھیوں کے جذبات سے ہم آہنگ تھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ عام انسانی حالات و نظریات سے بھی ایسی مناسبت و ہم آہنگی رکھتا تھا کہ جس کے نتیجہ میں تمام انسانوں کی نصف سے زیادہ آبادی نے اسے قبول کیا۔ اور یہ سب کچھ چالیس سال سے بھی کم عرصہ میں ہو گیا۔"[4] (کاونٹ ڈی بولین ولیرز)

---

[1] دیکھیے: Leonard, Major A.G. Islam — Her Moral and spiritual value. London 1927 p. 20,21;

[2] ملاحظہ ہو: Guadefroy Demombynes Muslim Institutions London 1950. p, 20.

[3] دیکھیے: Leither, G.W. Mohammadism. Lahore.1893. p.4

[4] Le counte de Boulainvilliers. La vie de Mahomet. Amesterdam. 1731 p.143- 44.

۱۱ - روشنی

○ "پس وہ روشنی آگئی، عربوں کی تاریک روحوں کو منور کرنے کے لیے۔ ایک ایسی تاریکی میں جو موت کی نقیب تھی۔ چکاچوند پیدا کرنے والی روشنی، زندگی اور آسمانوں کا جاہ و جلال لیے ہوئے، اُس نے اسے "وحی" کہا اور لانے والے فرشتہ کو جبرئیل۔ اور ہم ابھی تک سوچ رہے ہیں کہ اسے کیا نام دیں؟ یہ خدائے ذوالجلال کی طرف سے اشارہ ہے ہمارے سمجھنے کے لیے۔ کسی چیز کی سچائی اور حقیقت جاننے کی کوشش، دراصل ایک روحانی عمل ہے۔ جس کے بارے میں ہر منطق اور قیاس ہوا میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ بقول نوالی ایک خدا پر اعتقاد کا اعلان، کیا ایک معجزہ سے کم تھا؟ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود کامل، جسم و روح اس حقیقت اور سچائی کے نور سے مستنیر تھا۔"[1] (کارلائل)

۱۲ - نور ہی نور

○ "عرب قوم کو یہی نور ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں لایا۔ عرب کو اسی کے ذریعہ پہلے پہل زندگی ملی۔ بھیڑوں بکریوں کے چرانے والے لوگ، جو ازل سے، صحراؤں میں بے کھٹکے، بے روک ٹوک گھومتے پھرتے تھے کہ ایک "ہیرو پیغمبر" ان کی طرف بھیجا گیا۔ ایک پیغام کے ساتھ، جس پر وُہ ایمان لا سکتے تھے۔ اور پھر سب نے دیکھا کہ جو کسی کے نزدیک قابلِ اعتنا نہ تھے، دنیا بھر کے لیے قابلِ ذکر بن گئے۔"[2] (کارلائل)

۱۳ - عظیم فاتح

○ "فتح مکّہ کے اِس موقع پر یہ بات ان کے حق میں جائے گی اور وہ قابلِ تعریف ٹھہریں گے کہ اُس وقت جبکہ اہلِ مکّہ کے، ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر انھیں جتنا بھی طیش آتا، کم تھا اور ان کی آتشِ انتقام کو بھڑکانے کے لیے کافی تھا۔ مگر انھوں نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا، اور اپنے اللہ کے سامنے انتہائی بندگی و عبدیت کا مظاہرہ کیا اور شکرانہ بجا لائے۔ صرف دس بارہ آدمی ایسے تھے، جنھیں پہلے سے ہی ان کے وحشیانہ رویّہ کی وجہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور ان میں سے بھی صرف چار کو قتل کیا گیا۔ لیکن دوسرے فاتحوں کے وحشیانہ افعال و حرکات کے مقابلہ میں، اسے بہر حال انتہا درجہ کی شرافت و انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا (مثال کے طور پر صلیبیوں کے مظالم، کہ ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر انھوں نے ستّر ہزار سے زائد مسلمان مرد، عورتوں اور

---

[1] Carlyle, Thomas, The Hero as Prophet Islam Service League....Bombay p.23,24

[2] ایضاً، ص ۳۵

بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا' یا وہ انگریز فوج جس نے صلیب کے زیرِ سایہ لڑتے ہوئے ۱۸۷۴ء میں افریقہ کے سنہری ساحل پر ایک شہر کو نذرِ آتش کر ڈالا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فتح درحقیقت دین کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی' اُنھوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو پسِ پشت ڈالا اور کرّ و فرِ شاہی کے ہر نشان کو مسترد کر دیا۔ اور جب قریش کے مغرور متکبر سرداران کے سامنے سرنگوں ہو کر آئے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے پوچھا کہ "تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟" "رحم، اے سخی و فیاض برادر! رحم" وہ بولے۔ "جاؤ تم سب آزاد ہو" انھوں نے فرمایا۔[1] (آرتھر گلمین)

۱۴۔ صاحبِ خُلقِ عظیم

⊙ "اخلاق و عادات میں وُہ حد درجہ سادہ تھے۔ البتہ اپنے معمولات میں وہ بہت محتاط تھے۔ ان کا کھانا پینا، ان کا لباس اور فرنیچر وغیرہ وہی معمولی درجہ کا تھا اور ہمیشہ وہی رہا جبکہ وُہ اپنی طاقت و حکومت کی معراج تک پہنچے.... انھیں تخیّل و تصوّر کی بے پناہ قوتیں اور صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں، ان کا ذہن رسا تھا اور نازک سے نازک جذبات و احساسات کا پرتو قبول کر لیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پردے کے پیچھے بھی ایک کنواری سے زیادہ باحیا، عفّت مآب اور شرمیلے تھے..... اپنے چھوٹوں سے انتہائی رعایت کرتے اور یہ پسند نہ کرتے کہ ان کی کمزوریوں کو تلاش کر کے مذاق اڑایا جائے۔ ان کے خادم انس کہتے ہیں کہ میں دس سال تک اُن کی خدمت میں رہا لیکن انھوں نے کبھی اُف تک نہ کہا...... انھیں بچوں سے بہت محبت تھی، وُہ انھیں راستے میں روک لیتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ انھوں نے زندگی میں کسی کو نہیں مارا۔ اگر کسی کے بارے میں انتہائی برائی بیان کرتے تو بس اتنا کہتے کہ "اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو"۔ جب اُنؐ سے کسی کے بارے میں بددعا کرنے کی درخواست کی جاتی تو فرماتے: "میں بددعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں، میں تو انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ وہ بیماروں کی عیادت کرتے، کوئی جنازہ ملتا تو پیچھے چلتے، غلام کی دعوت کو بھی قبول کر لیتے، اپنے کپڑوں کی مرمت خود کر لیتے، بکریوں کا دودھ خود دوہ لیتے اور دوسروں کا ہمہ تن انتظار کر لیتے..... وُہ اپنی ازواج کے ساتھ ایک قطار میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے معمولی مکانوں میں رہتے تھے..... وہ آگ خود جلا لیتے، فرش کی جھاڑو دے لیتے۔ تھوڑا بہت کھانا جو کچھ بھی گھر میں موجود ہوتا، اس میں وہ لوگ ہمیشہ شریک ہوتے جو وہاں موجود ہوتے، ان کے گھر کے باہر ایک چھپّر (صفہ) تھا جہاں ایسے متعدد غریب افراد موجود رہتے جن کی گزر بسر کا تمام تر انحصار اُنہی کی فیاضی پر منحصر تھا۔"[2] (لین پول)

---

[1] ملاحظہ ہو: Arther Gilman. The Saracens. London 1887. p.184–6.

[2] ملاحظہ ہو: Lane Poole, Stainley. The speaches and Table talk of the Prophet Muhammad. London 1882. p.27-29.

۱۵۔ سنجیدگی، اخلاص، وفاداری

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کارلائل کے خطبات کے بعد سے مغرب کو یہ اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنجیدگی پر یقین کرنے کی معقول وجوہات موجود ہیں، اپنے ایمان و عقیدہ کی خاطر مظالم سہنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا، اُن پر اعتقاد رکھنے والوں کا اعلیٰ اخلاق و کردار، اور ان کی طرف امام و پیشوا کی حیثیت سے دیکھنا، پھر آخر کار ان کی عظمتیں اور کامیابیاں، یہ سب دلیل ہیں ان کے اخلاصِ کامل کی۔ اس لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک مدعی کاذب (Imposter) قرار دینے سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں تاریخ کی کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جسے مغرب میں اس قدر کم سراہا گیا ہو جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو۔ اس لیے اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ بھی سمجھنے کی نیت رکھتے ہوں تو ضروری ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے مشن میں دیانت دار قرار دیں اور مقصد سے ان کے خلوص اور وابستگی کے قائل ہو جائیں۔ اگر ہم اُن غلطیوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں جو اپنے ماضی سے ہم نے ورثہ میں پائی ہیں تو ہمیں ہر معاملہ میں ان کے خلوص اور دیانت کو بہر حال پیش نظر رکھنا ہو گا جب تک کہ کوئی الزام ان کے خلاف پوری طرح ثابت نہ ہو جائے۔"[۱] (واٹ)

○ "یہ بات ان کی زندگی کے ہر واقعہ سے ثابت ہے کہ ان کی زندگی اغراض و مفاد پرستی سے کلیتہً خالی تھی۔ مزید یہ کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اپنی نگاہوں کے سامنے دین کے مکمل قیام و استحکام اور لامحدود اختیارات حاصل ہو جانے کے بعد بھی انھوں نے اپنی ذات اور انا کی تسکین کا کوئی سامان بہم نہیں پہنچایا۔ بلکہ آخر وقت تک اُسی سادہ طرز و انداز کو برقرار رکھا جو اول دن سے اُن کے بُود و باش سے نمایاں تھا۔"[۲] (ڈیون پورٹ)

۱۶۔ مشن کی سچائی

○ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلاشک و شبہ اپنے مشن کی سچائی پر یقین تھا۔ وہ اس پر مطمئن تھے کہ اللہ کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے اُنھوں نے ملک کی تعمیر و اصلاح کی ہے۔ ان کا اپنا مشن نہ تو بے بنیاد تھا اور نہ فریب دہی، جھوٹ و افترا پر مبنی تھا بلکہ اپنے مشن کی تعلیم و تبلیغ کرنے میں نہ کسی لالچ یا دھمکی کا اثر قبول کیا اور نہ زخموں اور تکالیف کی شدتیں ان کی راہ کی رکاوٹ بن سکیں۔ وہ سچائی کی تبلیغ مسلسل کرتے رہے۔"[۳] (ڈیون پورٹ)

---

[۱] دیکھیے: Watt, W. Montgomery, Muhammad at Mecca, Oxford 1953, p 52.

[۲] و [۳] Davenport, John, Apology for Mohammad and the Quran London(1869) Reprint Lahore 1975 Chap.3 p. 133-34.

۱۷۔ سچے رسول

○ "جہالت ! جس کا مظاہرہ اکثر و بیشتر مسیحیوں کی طرف سے، مسلمانوں کے مذہب کے بارے میں ہوتا رہتا ہے، افسوسناک امر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت کی اقوام میں، ایک خدا پر یقین رکھتے تھے۔ اور دوسرے خداؤں کی نفی کرتے تھے۔ انھوں نے بہ تاکید راست بازی اور دین داری کو کردار کا سرچشمہ قرار دیا۔ اور بدرجۂ فرض متعدد نمازوں کی، حیّ و قیوم خدا کے لیے ادائیگی، تمام انسانوں کی عزت و احترام، اور سب کے ساتھ رحم و شفقت برتنے پر زور دیا۔ ہر قسم کی نشہ آور چیزوں سے پرہیز، ہر معاملے میں عدل و توازن، اور ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین ان کے دین و مذہب کا حصہ تھی۔ لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روحانی قوت کے مالک اور ایک سچے رسول تھے۔ مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے وہ خدا سے ہمکلام ہوتے تھے اور سرچشمۂ روحانی سے ان پر وحی اُترتی تھی۔"[۱] (لنڈسے)

۱۸۔ امتحانِ سخت سے گزرے

○ "اُن سے پہلے کوئی پیغمبر اتنے سخت امتحان سے نہ گزرا تھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ کیونکہ منصبِ نبوت پر سرفراز ہوتے ہی اُنھوں نے اپنے آپ کو سب سے پہلے اُن لوگوں کے سامنے پیش کیا جو انھیں سب سے زیادہ جانتے تھے اور جو ان کی بشری کمزوریوں سے بھی سب سے زیادہ واقف ہو سکتے تھے۔ لیکن دُوسرے پیغمبروں کا معاملہ برعکس رہا کہ وہ سب جگہ، سب کے نزدیک معزز و محترم ٹھہرے اِلّا یہ کہ جو انھیں اچھی طرح جانتے تھے۔"[۲] (گبن)

۱۹۔ آسمانوں کی بادشاہت زمین پر

○ "اسلام کے ذریعہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دس سال کے اندر ہی عربوں کی شدید ترین نفرتوں کو، انتقامی جذبات کو، نزاع و انتشار کو، رقابت و عداوت کو نکال پھینکا، لاقانونیت، عورتوں کی ذلت، سُود خوری، شراب نوشی، قتل و غارت گری، دختر کُشی کی رسوماتِ قبیحہ کا استیصال کیا اور انسانی قربانیوں، سفیہانہ خیالات و توہمات اور مادیت و اشیاء پرستی سے نجات دلائی۔ پھر اسی مذہب کے ذریعہ آسمانوں کی اُس بادشاہت کو اُنھوں نے عملاً اِس زمین پر قائم کر دیا جس کی بشارت بڑے ذوق و شوق سے جناب مسیح نے دی تھی۔"[۳] (گبن)

---

[۱] ملاحظہ ہو: Khattak, Mustafak. (Ed) Islam , The Holy Prophet. and non-muslim world. Sind Sagar Academay Lahore 1976 , p. 26. بحوالہ مقالہ "Muhammad's views of a future life." مطبوعہ Two Worlds مانچسٹر ۱۰ راگست ۱۹۲۰ء۔ [۲] ایضاً ص ۶۸ بحوالہ زوالِ سلطنت روما، ص ۱۰۸ [۳] ایضاً ص ۷۹ - ۸۰

۲۰ - ہمہ گیر اصلاح

○ "ممکن ہے یہ سوچا جائے کہ وہ آدمی، جس نے اتنی بہت سی اور تا دیر قائم رہنے والی اصلاحات کیں، انواع و اقسام کی بُت پرستی کے بدلے، جس میں لوگ مدتوں سے مبتلا تھے، ایک خدا کی عبادت کا داعی بنا، جس نے دُختر کشی کی رسمِ قبیح کو مٹایا، شراب اور دُوسری نشہ آور اشیا کو حرام ٹھہرایا، جُوئے کی ممانعت، نسبتاً ایک دائرہ میں رہتے ہوئے تعدّدِ ازواج کو محدود کیا، وغیرہ وغیرہ ـــــ کیا ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اُس کا خدائی مشن اُس کے ذہن کی محض اختراع تھی؟ اور کیا وہ جھوٹ کو جانتے بُوجھتے نبھاتا رہا؟ نہیں، ہرگز نہیں! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو درحقیقت سچے مذہبی ادراکات اور روحانی احساسات حاصل تھے، جن کے سبب انھوں نے اپنے مشن کو انتہائی مستقل مزاجی، پامردی و استقلال سے آگے بڑھایا اور نہ اُس کے جھٹلائے جانے کی پروا کی، نہ اس کی راہ میں مصائب و مشکلات کی۔ یہ سچائی، یہ حق کی معرفت انھیں ابتدا سے انتہا تک حاصل رہی یعنی حضرت خدیجہؓ کے سامنے پہلی وحی کے نزول سے لے کر حضرت عائشہؓ کی باہوں میں آخری سانس لینے تک۔" (ڈیون پورٹ)

۲۱ - عظمتوں کے نشاں

○ "حالات، مواقع اور وقت سب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دیا اور مختلف عوامل نے مل کر ان کی زندگی میں کامیابیوں کی اور ان کے بعد اسلام کی توسیع و ترقی کی راہ ہموار کی ..... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں صفات و کمالات کا جو حسین امتزاج موجود تھا، اُس کی تین جہتیں تھیں۔ ایک نبوت کا فیضان ..... دوسرے سیاست و حکمرانی میں اُن کی بصیرت ..... اور تیسرے ایک منتظم کی حیثیت سے اُن کی مہارت و حذاقت اور تمام مناصب پر اہل ترین افراد کا انتخاب ..... جب کوئی اسلام کی ابتدائی تاریخ اور سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس حد تک نظر ڈالتا ہے وہ اُسی حد تک ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں پر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ حالات نے انھیں کس درجہ سازگاری عطا کی، اُس طرح کے مواقع تو کسی کو شاذ و نادر حاصل ہوتے ہیں، بالکل وقت کی آواز بن کر، ایک پیغمبر اور ایک منتظم کی حیثیتیں انھیں اگر حاصل نہ ہوتیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے پیچھے ایک خدا پر انھیں غیر متزلزل اعتقاد نہ ہوتا، اور اگر وہ اِس یقینِ محکم سے بہرہ ور نہ ہوتے کہ وُہ خدا کے فرستادہ ہیں تو شاید تاریخِ انسانیت کا ایک اہم اور قابلِ ذکر باب رقم ہو جانے سے رہ جاتا۔"[1] (واٹ)

---

[1] ملاحظہ ہو: Watt, W. Montgomery. Mohammad Prophet and statesman. Oxford University Press- London 1961 p. 236, 237.

۲۲۔ صدق وصفا

"یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدق کی دلیل قاطع ہے کہ ان سے قربت رکھنے والے لوگ، اُن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ اُن کے اسرار و رموز سے پُوری طرح واقف تھے اور اگر اُنھیں ان کی صداقت میں ذرہ برابر بھی شُبہ ہوتا تو ان پر وُہ ہرگز ایمان نہ لاتے۔" [۱] (ایچ جی ویلز)

۲۳۔ اتمام واکمال

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے وقت اُن کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا۔ آپؐ ایک سلطنت کی، جس کا ایک سیاسی و مذہبی دار السلطنت مقرر تھا، بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپؐ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ آپؐ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا، جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔" [۲] (مارگولیتھ)

(۱۴)

فہرست مستشرقین

مستشرقین کی زیرِ نظر فہرست دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصّہ اوّل میں اکثر و بیشتر وہ مستشرقین شامل ہیں جنھوں نے سیرتِ رسولؐ پر مستقل تصنیف یادگار چھوڑی ہے یا جو مطالعۂ سیرت کے حوالے سے مشہور و معروف ہیں اور جن کا مکمل حوالہ بھی مل گیا ہے۔ دُوسرے حصّہ میں وہ مستشرقین شامل ہیں جن کی سیرت پر اگرچہ مستقل تصنیف نہیں ہے لیکن ان کے مضامین، مقالات اور کتابوں میں سیرت کے کسی ایک پہلو یا چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور جن کا پُورا حوالہ بھی دستیاب نہیں ہوا۔ دونوں حصّوں میں ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے قائم کی گئی ہے، زمانی تقدّم و تاخر کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ [۳]

---

[۱] زکریا ہاشم زکریا (بحوالہ ۔ ایچ ۔ جی ۔ ویلز) ص ۲۷۰ [۲] سید سلیمان ندوی (سیرۃ النبیؐ) ج ۴ ص ۳۹۹۔

[۳] اس فہرست کی تیاری میں اگرچہ اُن تمام کتابوں سے مدد لی گئی ہے جن کا حوالہ وقتاً فوقتاً تاریخی جائزہ کے سلسلہ میں دیا گیا ہے۔ تاہم بطورِ خاص تین کتابوں سے آزادانہ استفادہ کیا گیا ہے یعنی (۱) العقیقی، نجیب ۔ المستشرقون۔ (۲) الزرکلی، خیرالدین ۔ الاعلام (۳) حمادے ۔ محمدؐ دی پروفٹ ۔ اے سلیکٹڈ ببلیوگرافی ۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ وقت اور وسائل کی کمیابی کے سبب یہ ممکن نہ تھا کہ مستشرقین کے ناموں کے تلفظ اور ہجے، وطن ملک اور زبان کی رعایت سے تحقیق کر کے لکھے جاتے۔ اس سلسلہ میں عام انگریزی مفہوم کو سامنے رکھا گیا ہے۔ تاہم یہ توقع ہے کہ مزید کے ضمن میں یہ سرسری فہرست ان شاء اللہ نقطۂ آغاز ثابت ہوگی اور دوسرے کام کرنے والوں کے لیے مدد و معاون ہوگی۔ (وما توفیقی الا باللہ)

فہرست مستشرقین حصّہ اوّل

تصنیف / تالیف	نام	نام	نمبر شمار
Mohammad and Mohammadanism. Chicago 1900.	Adams,Isaac.	آدم	1.
The life and Death of Muhammad, the author of the Turkish religion(London.1679).	Addison, Lancelat	ایڈلیسن	2.
Moyammad.(Philladelphia 1901).	Addler, Felix.M.	ایڈلر	3.
Mohammadals Religions stifter (Leipzig.1935)	Ahren, Karl.	اہرن	4.
The Land of the Messiah, Mohomet and the Pope (London. 1854).	Aiton, John	ایٹن	5.
The Preaching of Islam(London.1896).	Arnold. T.W.	آرنلڈ	6.
Islam; its history, character and relation to christianity (London 1874).	Arnold, J.M.	آرنلڈ	7.
Life of Mahomet (New York 1811).	Irving, Washington	اردنگ	8.
History of the Saraceus (London 1847).	Ockley, Simon.	اوکلے	9.
Confutacion del Alovany Secta Mahammetana (Gronada 1555).	Oksegon, L.Le.	اوکسی گان	10.
Mohammad de Profet der Arabieren. (Amesterdam 1898).	Eigeman, Jakob.	ایج مین	11.
Des effects de tareligion de Mohammed	Oelsner, C.E.	اوسنر	12.
Islam under the Arabs (London. 1876).	Osbon, R.D.	اوسبم	13.
Vizlat Muhammad Kuranjanak Ethik ajabiz. Budapest.1902.)	Osztern. S.	اوزرن	14.
An Account of the rise and progress of Mahometanism. (London 1911).	Stubbe. h	اسٹیب	15.

History of the Ottomon Empire. Preceded by the life of Mohammad (Hurst. 1826 - 35).	Upham, Edward	افام	16.
(i) تاریخ العرب وآدابهم (لندن ۱۸۹۰ء)۔ (ii) ترجمہ روضة الصفا فی حیاة محمدؐ المصطفیٰ (لندن ۱۸۹۳ء) بمعاونة ربہا ستنسک	Arbuthnot,F.F.	اربتھنوٹ	17.
Life of Mohammad - (Allahabad.1851). (Das Lebas and die Lehrades Mohammad, 1851- 1861.)	Sprenger, A.	اشپرینگر	18.
Muhamad and Muhammadanism London. 1874 (Reprint - Lahore).	Smith, Bosworth.	اسمتھ	19.
Mahmomet at les Arabs (Rome.1878).	Bachelat, Theodore.	بخیلات	20.
Mohammad and Islam. A comparison with orthodox christianity. (New York 1911).	Bacon. A.S.	بیکن	21.
Mohammad und de Seinen (Leipzig 1907)	Backendarf.H.C.	بیکن ڈارف	22.
Talks on Mohammed and his followers. (London 1932).	Barton, Theodore.	بارٹن	23.
The dictionary historical and critical of Mr.Peter Bayle (Ed) (London. 1734- 1738).	Bayle, Pierre	بائیل	24.
Mohammedis impos turae (London 1615).	Bedwell.W.	بیڈویل	25.
Mohammad, His Biography and the beginning of the religion of Islam (Warsaw.1914).	Bernfeld, Simon.	برن فیلڈ	26.
The life and teachings of Muhammad (Adyar-1932).	Besant,Annie.	بیسان	27.
Le Problems de Mahomet Paris, 1952.	Blachore, Regis	بلاخر	28.
Mohammad of Koramen (Hamar)-1904.	Blom.P.	بلام	29.

Muhammad Islam Store profet. Kristiannica. 1911.)	Blytt.Eva.	بلائٹ	30.
Life of Mohammed. (Bombay 1851).	Bowen, George.	بووین	31.
Muhammad skuespiel. the akter. (Ohenhaven 1896).	Brandes. C.E.C.	برانڈے	32.
The Messenger - the life of Mohammed. (London 1946).	Bodley, R.V.C.	بوڈلے	33.
i) Historedes Arabes, aved. la vie de Mahomet (Amersterdam 1731). ii) Vie de Mahomet - 1730.	Boulain Villiers H.C.	بولین ولیرز	34.
Veber Muhammed (Frankfurt 1791).	Brequigny. H.D.	ری گگنی	35.
Budha, Muhammad, Jesus (London, 1938).	Briem. O.E.	بریم	36.
History of the Islamic people.(New York.1947). Eng.Tr.	Brockelmann C.	بروکلمان	37.
Islam' A short study.	Brooks, Archihald	بروکس	38.
The way of the Prophet: An Introduction to Islam. (London. 1962).	Brown, D.A.	براؤن	39.
The Era of Mahomet(London 1856).	Brown,G.L.	براؤن	40.
The Begger or the soldier Gautame or Mahomet. (London 1903)	Buckle, Henry.	بکل	41.
Des Leban Muhammeds (Leipzig 1930)	Buhl,F.P.W.	بوہل	42.
Founders of Great Religions: Being persnal sketches of the famous leaders. (New York 1931)	Burrows, Miller	براوز	43.
The life of Mohammed: Founder of the Religion of Islam and the Empire of the saracens. (New York 1830).	Bush, George.	بُش	44.

			of Islam and the Empire of the ;saraes. (New York 1830).
45.	باسے	Basset, Rene.	قصیدۃ البردہ۔ بوصیری مع سیرت مصنف، نقد و شرح ۱۸۹۴ء
46.	برٹن	Burt...	Pilgrimage to Mecca and Medina (1856).
47.	پونی	Ponet,Rudi	Mohammed undder Koran (Stuttgart. 1951).
48.	پائنی	Payne,P.S.R.	The Holy Sworel the story of Islam from Muhan to the present. (London 1961).
49	پیڈیو	Pedio,San Paswal.	Contra Lospartalista. Mahometanos (Rome. 1905-06).
50.	پروخش	Prucksch, otto.	Uber die Bluctrache beiden Voreslamisschen Arabern und Mahomeds. (Leipzig 1899).
51.	ٹیلر	Taylor W.C.	History of Mohametanism and its sects. (London 1834).
52.	ٹلسڈال	Tinsdall,W.st.C.	Sances of the Quien, (London 1905).
53.	ٹاؤن سینڈ	Townsend.Med.W.	Muhamad the Great Arabian (Houston 1912).
54.	ٹائن بی	Toynbee A.J.	A study of History (London.1954-61).
55.	ٹرمپے	Trampe.E.Von.	Muhammed (Leipzig 1907).
56.	ٹروٹر	Trotter, H.J.	Studies in Biography.(London 1865).
57.	ٹرپن	Turpin, F.R.	Historie de la vie de Mahomet, Legislative de L Arabic (Paris 1776 - 79).
58.	جبرئیلی	Gabrieli, Francesco.	Muhammed and the conquests of Islam. (New York 1968).
59.	جیگنیئر	Gagnier,J,	Vie de Mahomet (Amesterdam 1748).
60.	جینوسے	Genevay A.	Mohammed (Paris 1838).
61	جیورگن	Georgens, E P.	Mohammadein characrbild. (Berlin. 1878).
62.	جیفرے	Jaffery, Arthur	Islam Mohammed and his religion. (New York 1958).

63.	جانسٹن	Johnston, P.Lacy de	Muhammad and his power. New York 1901.
64.	جونگ	Jong, P.de	سیرۃ ابن ہشام مع متن و ترجمہ لاطینی ۔ لیڈن ۱۸۰۱ء بمعاونت دی خویہ ۔
65.	چیورغیو	Cheorghur,c.v.	La vie de Mahomet, (Paris 1962).
66.	چگاوٹ	Chagavat,Michel.S.	Mahomet les Khalifes (Paris.1912).
67.	درمنگھم	Dermenghem.E.	La vie de Mahomet, (Paris 1929).
68.	دوکات	Ducati,Bruno	Maomettòn.1931. (سیرۃ الرسول دفلورنس ۱۹۲۹)
69.	ڈاسے	Dale Codetrey.	Maishaya Muhammad(London 1909).
70.	ڈبلے	Dibble. R.F.	Mohammad (New York 1926), Dibble, R.F.
71.	ڈیون پورٹ	Davenport , John.	Apology for Mohammad and the Quran. (London. 1869). Reprint, Lahore 1975).
72.	ڈوریر	Duryer, Andre	The Alcoran of Mahomet(London 1649).
73.	ڈریکاٹ	Draycott.G.M.	Mahomet,Founder of Islam(London. 1915).
74.	ڈوکاسے	Ducasse Raymond.	Mahomet dauson lemps.(Geneva.1908).
75.	ڈیورجرس	Desvergers.N.	Vie de Mohammed. (Paris 1837)
76.	ڈوزی	Dozy.R.P.A.	Spanish Islam (1863). Het.Islaminne . (Kruseman.1863).
77.	ریلے	Raleigh, Sir.W.	The life and death of Mahomet (London 1637).
78	رام پوڈی	Ram Polde	Vita di Maometto(Milano 1922).
79.	ریکینڈر	Reckender,H.	Mohammad und die seninen (Leipzig.1907)
80.	ریلینڈ	Reeland. A.	Reflections on Mohammedenism and the conduct of Mohammed(London 1712).
81.	ریم	Rehm.H.S.	Mohammad und die welt des Islam. (Leipzig. 1755).

82.	رینو	Reinaud, J.J.	Notice Sur Mahomet.(Paris.1860).
83.	ریلان	Reland , H.	De religione Mohammedica Libra due. (utruht 1704)..
84.	رینان	Renan, Ernest.	Mahomet et ler origines de L Islamism. (Paris 1880).
85.	رنک	Rink,F.Th.	L.islam et son prophet- Lausanne 1870).
86.	ریولین	Rivlin, Josef. J.	Hayyey Muhammad (Mizz .1932).
87.	روڈنسن	Rodinson .M.	i). L' Islam: Mahomet et les origins de L'Islam.. Paris 1957.
			ii). Mahomet.(Paris.1961).
88.	روبک	Rosbuck J.A.	Life of Mahomet.(London 1833).
89.	رومرو	Romro, Jacob	Mohammed (Newyork 1907).
90.	زکریا	Zakarias, Henna.	Voici le vraj Mohammed et la faux Coran. Paris 1960).
91.	سیکو	Sacco,G.	Le Gedenze religiose de Maometto. Rome 1922.
92.	سیل	Sale, George.	The Koran or Al-Coran of Mohammed. (London 1734).
93.	سوارے	Sawary Claude E.	Morale de Mahomet. (Paris. 1784).
94.	سیل	Sell,Edward.	The life of Mohammed (London.1913).
95.	سوان	Svan Borg A.	Quosuccessu Davidiros. Hymanas Unltatussit Muhammed (Upsaluse.1886).
96.	سونڈرز	Saunders,J.J.	A History of Medieval Islam.(London.1965).
97.	شروڈر	Schroeder.M.G	Muhammadtestics veritatis contraseipsum. (Leipzig.1718).
98.	طور اینڈرے	Tor-Andrae.	Mohammad. The Man and his faith.(Tr.) London 1956.

Mahomet : La Science chezes Arabs. Paris 1866).	Favrot, Alexis	فیورٹ	99.
Mahometanism unveiled. (London 1829).	Forster Charles.	فارسٹر	100.
Mohammad a Pegebbi Zsidosag Megitelescben. Budapest.1934).	Fried, Dezro	فرائڈ	101.
i). Annali dell's Islam(Hepoli 1905-26). ii).Maometto Profeta d'Arabia(Italina 1910).	Forebing,J.C.	فوربنگ	102.
i). Annali de"'s Islam(Hepoli 1905-26). ii).Maometto Profeta d'Arabia(Italina 1910).	Caetani, Leone.	کیتانی	103.
The Hero as prophet - Mahomet.(Newyork.1902).	Carlyle, Thomas	کارلائل	104
Comte dp.L.Islam.Impressions et.etudes. (Paris 1912).	Castries,Henridelac.	کاستری	105.
Leban Muhammed's des stifters der Muhammadanism religion (Hamburg 1814).	Clemens, J.F.G.	کلیمن	106.
Muhammed's religionaus daen Koran(Atona 1908).	Cludius,H.H.	کلاڈلیس	107.
Maometto egli Ebrei (Milano 1925).	Corinaldi, Guid.'	کورینالڈی	108.
Anacdotes of Hazrat Mohammed(London 1939).	Karimi R.W.	کریمی	109.
Muhammad,Hans Lefnad berstted. (Stockholm.1908).	Kastman, Carl.	کاسٹ مین	110.
Mohammed and Mohammedanism (London 1889).	Koelle S.W.	کوئیل	111.
Mohammad der prophet (Hamburg 1851).	Kroppen,P.	کروپن	112.
Essai sur L' Historire des Arabes (1847).	Caussin de Perceval A.P.	کاسن ڈی پرسیوال	113.
Risalah - Ed. Tien, (London 1880). TheApology of al-kindi (London 1887). by Muir.	al-Kindi.	الکندی، عبدالمسیح بن اسحٰق	114.
Le Doctorine et les Deviors de La Religion Musulmene (Paris.1826).	Garcin de Tussy.	گارساں دی تاسی	115.

116.	گاڈفرے ڈی مبائن	Gaudefroy Demombynes	Mahomet. (Paris.1957).
117.	گب	Gibb. H.A.R.	Mohammedanism an Historical survey. London (1953).
118.	گبن	Gibbon, Edward.	Life of Mahomet (New York 1879).
119.	گولڈزیہر	Goldziher,Ignac	Mohammed & Islam.(Tr) Yale 1917).
120.	گلمین	Gilman. Arthur.	The Saracens (London. 1887).
121.	گولڈ	Gold I.L	Mahomet.at son Denure.(Paris 1897)
122.	گرین	Green Samuel	The life of Mahomet, founder of the religion of islam and the empire of the Saracens (London 1840).
123.	گریم	Grimme Hubert.	Mohamad Des Leban Nachden Quellen (Mimster 1892 - 95).
124.	لنگز	Lings Martin.	Muhammed (London 1983).
125.	لیمیریس	Lamairesse EFD.G.	Vie de Mahomet d apres la tredition. Paris 1897-98).
126.	لا مارٹن	Lamartine, A.M.	i) Mahomet in les grand Bommes-de orient (Paris 1889). ii) Histore de la Turquite Paris-1854
127.	لیٹنر	Leitner G.W.	Muhammadanism (woking 1889). Reprint Lahore 1893.
128.	لیروگ	Lerougue R.	vie de Mahomet (Paris 1939).
129.	لیوی	Levy, Simon.	Moise Jesus et Mahomet on les Trios grands (Paris 1887).
130.	لیو چی فی	Lew, Che, Fi.	The Arabian Prophet' a life of Mohammed from Chinese and Arabic Sources. (Shanghai 1921).
131.	لینارڈ	Leonard, Arthur G.	Islam, Her moral andspiritual value (London 1927).
132.	لین پول	Lane Pool,Stainley	The speeches and table talk of the Prophet Mohammad(London 1882)
133.	لامنس	Lammens P. H.	اخلاص محمدؐ (۱۹۱۱) فاطمہ و بناتِ محمدؐ (روم ۱۹۱۲) مہدالاسلام (روم ۱۹۱۴)

Mu[illegible]mmai mais hayake, Pamoje na hatu[illegible]za waslium na Maturuki (London 1888). E[illegible] T London 1896.	Madan,A.C.	میڈن	134.
i) Allahe-ilsue prefeta parma (Estere 1922). ii) Mahomet ne imposter London 1920.	Magna mi L.	مگنامی	135.
La vita di Maometto (Milano 1888).	Manfredi vit.	مینفریدی	136.
Mohammed and the rise of Islam New York, 1905).	Margolioth,D.S.	مارگولیتھ	137.
Mahomometiv ita rerunque gestarm synopsis (Roma 1691).	Maracci, Loius	مراکی	138.
Historia del falsay perverso profete Mahoma (Madrid 1781).	Martin M.J.	مارٹن	139.
The life and the religion of Mohamad and the prophet of Arabia (London 1912).	Menezes,J.L.	مینازلیس	140.
Maometto eil paradise (Milano 1946).	Messara, Pina.	مسارا	141.
An Histry of Muhammedanism (London 1817).	Mills, Charles.	مل	142.
Memories of the life of Mahomet (London 1727).	Millman .H'H.	مل مین	143.
Mahoma su vida (Madrid.1727).	Montero y vidal J,	مونٹیرو	144.
False divinites ؛: On Moses christ and Mahomet and other religions deceptives (London.1870).	Moses, the Lawgiver	موسٰس	145.
History of religios. Judaism,christianity, Mohammedanism (New York 1929).	Moore G.F.	مور	146.
The life of Mahomet from original sources. (London .77).	Muir,Sir William.	میور	147.
Spiritual heroes, a study of some of the worlds' prophets.(New York.1959).	Muzzay,D.S.	موزے	148.
Vita di Maometto (Rome 1946).	Nathene,C.A.	ناتھن	149.
A literary history of the Arabs. (New York. 1907).	Nicholson R.A.	نکلسن	150.
Das Heben Muhammed's nach der Quellen popular darquistett. (Hanover 1863).	Noldeke, Theodor	نولدیکے	151.
An outline of Islam (London 1934).	Norlth C.E.	نارتھ	152.
i) Muhammad at Mecca (1953) ii) Muhammad at Medina (1956). iii) Muhammad Prophet and statesman (London 1961).	Watt.W.M.	واٹ	153.
Mohammad de Prophet sein leban and scine lechre (Stuttgart 1843).	Weil, Gustav.	ویل	154.

Fra Missionen Blanst (Muhammedaners (Denmark 1909).	Wellejus, H.	ویلیجس	155.
Half hours with Muhammed: Being a popular Account of the prophet of Arabia and of His More immediate followers together with a short synopsis of the religion he founded (London.)	Wollaston Sir A.N.	والسٹن	156.
Muhammad und sein werk (Stuttgart 1923).	Wuezz, Friechich.	ویاز	157.
(تاریخ مکۃ المکرمہ۔ سیرۃ ابن ہشام مع تعلیقات، اراضی مدینہ منورہ، تاریخ اشرافِ مکّہ وغیرہ)	Wusten feld. F.	وسٹنفیلڈ	158.
L' Histore Mahometane (Paris 1667).	Vattier, Pierre.	ویٹیر	159
i) Mohammad Messenger d'Allah (Philip 1657). ii. Mohammad (A Bengali Account of the life of Muhammad) Calcutta 1892.	Vieillard, Rene	ویلارڈ	160.
Religio Turcica, Mahometisvita Succorum) 1659).	Wallich J.U.	والش	161.
Das Bilal Muhammeds in wandel der Zeiten (Berlin 1916).	Hoss Hans	ہوس	162.
Mohammad elete estana (Budapest 1878).	Hatala, Peter.	ہٹالا	163.
The three great prophets of the world (woking) 1923).	Headley Rowland G.	ہیڈلے	164.
An apology for the life and character of the celebrated prophet of Arabia called Mohammad or the illustrious (London 1829).	Higgins, Godfrey.	ہگنز	165.
History of Mahomet the Great Imposter. (Falkirk. 1821).	Hillard, Frederick H.	ہلارڈ	166.
Mohammed(Batavia 1939).	Hoevell, W.R.B.V.	ہوویل	167.
Moises, Jesus, Mahomet,(L. Valencia 1903)	Holbach, Paul H.	ہولباش	168.
Mohamet Prophete des Arabs (Paris.1946).	Holma Harri	ہولما	169.
The story of Mohammad (London 1914).	Holland, Edith	ہالینڈ	170.
Muhammad in selected works(ed) Leiden. 1957).	Hurgronje, C.S.	ہرگرونج	171.

فہرست مستشرقین حصہ دوم

172. تین مارک (Etieunne Marc Quatreimere)
173. اڈمنڈ کاسل (Edumund Castell
174. اڈولف وارمنڈ Adolf Wahrmund)
175. البرٹس شولٹنز (Albertus Schultens)
176. الفرڈ اکٹاف بل (Alfred Octave Bel)
177. امیلو لافونتے الکنترا Emilo Lafountey Alkontara)
178. اربی نیوس Erpenus)
179. ایڈلر (Adler, J.G)
180. اسٹینلے ڈین (Stanley Dean).
181. الفنسٹن (Elphistone)
182. امبریکو آف مینز (Embrico of Mainz).
183. اسمتھ (Smith W.C)
184. اوٹو (Otto, Richard)
185. الیکزینڈر روس (Allexander Ross).
186. الیس (Alles, T.W)
187. الکوک (Alcocke, Nathan).
188. اموس Amos Pseuel)
189. اوجودی سانتالا (Ugodi Santalla)
190. ایڈورڈ جے جرجی (Edward J.Jurji).
191. اہرٹ (Ehrharth, Jacob)
192. الورٹ (Ahlwardt, Wilhelm)
193. امبرڈس (Imberdis, Victor)
194. شپرہر Sperther, Jakob)
195. اسپائن (Spien, Bernard)
196. اسپائرو (Spiro, Jean)
197. اڈیلرڈ آف باتھ (Adelard of Bath)
198. براؤن (Brown, E.G)
199. بیریزین (Beresine, N.)
200 بارتھولڈ (Barthold, V.V)
201. برخارٹ (Burchardt. L)
202 بی وائز (Beauvais Vincentde)
203. بیجر (Badger, G.P)
204. بارو (Barrau J.J)
205: بارٹول (Bartol)
206. باڈیر (Baudier, Michel)
207. بازن (Bazin, Louis)
208. بینسن Benson A.C)
209. بتھمان (Bethman, W.C)
210. بیون (Bevan A.A)
211. بھلیانڈر (Bihliander,, Theodor)
212. بلم (Blum Ernest, Alfred)
213. برساشیو (Boccacio, Giovauni)
214. بولیتھو (Bolitho, William)
215. بیکر (Becker C.H)
216. بریفالٹ (Briffault, R.S)
217. بنگ (Byng, E.J)
218. بارکر (Barker E)
219. برنارڈ لوئیس (Lewis, B)
220. بیل (Bell.R)
221. پوکاک (Pococke E)
222. پوسٹل[1] (Postel G)
223. پیرون[2] Perron A)
224. پکتھال[3] (Pickthal M. M.)
225. پامر (Palmer E. H)
226. پالگریو (Palgrave.) Arabia 1867.
227. پرائس (Major Price) History of Mohammadan dynasties London 1812.
228. پیٹر (Peter the Venerable).
229. تھیوفنین (Theophanes, Saint).
230. تھامس برٹران (Thomss Bertran).
231. تھامسن (Thompsor, J.W)
232. تھامسن (Thomson, William).
233. ٹیٹس (Titus, M. T).
234. ٹوری (Tory, Fowford.H)
235. ٹریٹن (Tritton, A. S)
236. ٹرولش (Troltsch, Charlotle, F.K.)
237. تشودی (Tochudi, R.)

---

[1] قواعد اللغۃ العربیہ ۱۵۴۸ء [2] ترجمہ۔ الطب النبوی از جلال الدین ابی سلیمان داؤد ۱۸۶۰ء [3] ترجمۃ القرآن، الثقافۃ الاسلامیہ۔

238. تھیوڈور ولیم جان Theodore Wilhelum Jean Juynboll
239. جرترود مارگریٹ ل[1] (Gertrude Margaret LOrothian Bell)
240. جوتلف برگ (Gotlhelf Bergstrasser).
241. جارج جیکب (Jacob, George).
242. جویدی (Ignazio Guidi)
243. جلازر (Edward Glaser)
244 جان ارتوکی (Jean Arthorki)
245. جبرئیل فیران (Gabriel Ferrand).
246. جبرئیل لیوان (Gabried Levenq).
247. جربردی اورلیاک (Jarbert de oraliac).
248. جیر (Geer, B. J)
249. جرازبری (Jarazbhry. A.Q.A)
250. جیکل (Jackel, R.).
251. جمز ڈی روڈا (Jimez de Roda R).
252. جان (john. V.)
253. جونز (Jones, David).
254. جونگ (Jon P.De.)
255. جانسن (Johnson, E. N.)
256. جان کنتینو (Jon Contineau).
257. جونز (Sir Wallian Joes).
258. جان آف دمشق (John of Damascus)
159. جانسٹن (Johnston).
260. جان لڈگیٹ (John Lydgate)
261. جین بررڈ (Gene berard)
262 جانزکو
263. حتی ((Hitti, P.K).
264. درنبرگ (Derenbouirg. H)
265. دینی (Etienne Dinet))
266. دی ساسی (Antoine Isac Silvestre de sacy)
267. دورن (Bernhardt Dorn.)
268. دانتے (Dante)
269. دی خویہ (Goeje, M. J. de) .
270. ڈیکوئیل (Decuil)
271. ڈلبرگ (Dalberg. F. V.)
272. ڈلاپورٹ Dalaporte, P.H.).
273. ڈیس (Dias, Eduardo)
274. ڈیل (Diehl, Charles).
275. ڈابس (Dobs, Marcus).
276. ڈی لنگر (Deelinger J. J. I. V.)
277. ڈوگارک (Dugarric, F.)
278. ڈن (Dunn)
279. ڈیلاویڈا لیوی (Della vida G.Levi)
280. ڈیفریمرے (Charles Francois Defreimery)
281. رینکے (Ranke, Leopold, Von)
281. راتی جی (Rattigea, W.H)
282. ریناخ (Reinach, Satmon)
283. رسک (Reiske, J K,)
284. ریوش (Reusch, R)
285. ریمنڈ (Reymond, J)
286. رٹر (Ritter H)
287. روپر (Ruper, C. L.)
288. راجر بیکن (Roger Bacon)
289. راڈویل (Rodwell, J, M)
290. ریکنڈورف (Reckendorf)
291. روزنتھال (Rosenthal El.J.)
292. روزنتھال (Rosenthal, F)
293. رونزیوال Sabastien Ronzevalle)
294. روزن (Victor Romaunoiviche Rosen)
295. رازموسن (Lassen Rasmussen)).
296. زمبرینی (Zam Brini F))
297. زویمر (Zwemer, S. M.)
298. زخاؤ (Sachau, E)
299. زیٹرسٹین (Zettersteen, K. V)
300. ساسمنتو (Sasmieuto, Mantiu),
301. سرسانو (Sarsano.M.Y S)
302. سرویر (Servier, Andie)
303. ساتن (Sine W)

---

[1] انگریز مستشرقہ

304.	سائمن	Simon, Gottefried)
305.	سلیرو	(Solero, Silvio)
306.	سارڈل	(Sourdel, D,)
307.	سودے	(Southey, R.)
308.	سائیکس	(Sykes, Sir Percy)
309.	سائبرگ	(Syburg, F)
310.	سیورے	(Savery)
311.	سینٹ ہلیر	(Barthelonyst Hailaire.)
312.	سان پیڈرو پیسکال	(San Pedro Perseual)
313.	سدیو جان جاک	(Sedillot, J.J.)
314.	سلیم نوفل	(Salim Nofal)
315.	شن	(Schuon F. J.)
316.	شول	Scholl, Adolf
317.	شروڈر	(Schroeder E)
318.	شوون	(Victor Chauvin)
319.	شولنتز	(Henrik Alber Schultens)
320.	شاخت	(Schacht, J)
321.	شولنتز	(Schultens J.J)
322.	شوفاجیہ	(Jean Sauvaget)
323.	شیناگس	(Francis Joseph Steingass)
324.	طنطاوی، الشیخ محمد عیاد	
325	غریفینی	(Eugenio Griffini)
326.	فلکے	(Falke , Robert)
327	فنگر	(Finger, Charles)
328.	فنلے	(Finlay, G)
329.	فشر	(Fisher, A.M)
330.	فلیگل	(Flugel, G.L)
331.	فونٹیٹن	(Foutane Marivo E)
332.	فوسٹر	(Foster, H.F)
333.	فری مین	(Freeman, E A)
334.	فک	(Fuck, J)
335.	فان کریمر	(Alfred Von Kremer)
336.	فلایشر	(Fleischer H.L)
337.	فرڈیننڈ	(August Ferdinand Mehren)
338.	فیل	(Gotthold Wail)
339.	قسطنطین الافریقی	(Constantinus Africans)
340.	کانتو	(Cantu, Cesare)
341.	کارا	(Carra devon, B)
342.	کیش	(Cash W.W)
343.	کیو	(Cawe,Sydney)
344.	کلارک	(Clarke, James,F)
345.	کلینارڈس	(Clenardus,N)
346.	کریگ	(Cregg, Kenneth)
347.	کیوریو	(Curio,C.A)
348.	کیبل	(Kaibel, F.V)
349.	کلرہال	(Kellerhals,E)
350.	کلین	(Klein,F.A.P)
351.	کرے ہل	(Krehl, C.L'E)
352.	کارلائل	(Carlyl. H.H.Macartney)
353.	کیوریٹن	(William Cureton)
354.	کوزے گارٹن	(J.G.L.Kosegarten)
355.	کوندے	(Conde)
356.	کوڈیرا	(Franciscus Codera Zaydus)
357.	کروگر	(Kruger)
358.	کلود کاہن	(Cohen Cl)
359	کولن جارج	(Colin,G.S)
360.	کاظم میرزا بک	Kazim Mirza Bek
361.	کریمسکی	(Krynsky A.E.)
362.	کراتشوفسکی	(Kratch Kovsky I.J)
363.	کلورلے	(Calverley E.E)
364.	کاسٹینو	(Clestino Schea parelli)
365.	گیر	(Gear,IJoseph)
366.	گارڈے	(Gardet,L)
367.	گولڈسیک	(Goldsack,William)
368.	گڈرچ	(Goodrich,C.A)
369.	گیبرٹس	(Guibertus)
370.	گیدی	(Guidi M)
371.	گیام	(Guillaumme Alfred)
372.	گوئٹے	(Goethe)
373.	گرینبام	(Grunebaum G.E.V)
374.	لسڈن	(Leusden Johan)
375.	لابیوم	(La Beaume,J)

376.	لفیٹے	(Laffitte Pierre)
377.	لنٹ	(Lunt, Theodore)
378.	لاتھ	(Lyth,Henricus)
379.	لیبان	(Lebon Dr.G)
380.	لیفي پروفنسال	(Levi Proven .al, E)
381.	لارنس	(Lawrence,T.E)
382.	لین	(Edward William Lane)
383.	لینڈبرگ	(Carlo Landberg)
384.	لیس	(William Nassau Lees)
385.	میکڈونلڈ	(Macdonald,D.E)
386.	ماسی	(Mass'e Henri)
387.	مازاس	(Mazas,Alexender)
388.	مورلے	(William Hook Morley)
389.	مینسنگ	(J.Petrus M.Mensing)
390.	مل مین	(Milman)
391.	مورس	(Maurice,F.D)
392.	میلبوگنار	(Melbo Gunnar)
393	مرکاڈیر	(Mercadier,G)
394.	مارکیل	(Markel,G.H.C)
395.	میار	(Mayer Edward)
396.	میر	(Mayer J.J)
397.	میرس	(Meyerus, P)
398	میمیر	(Meymier,E)
399.	میرو	(Mierow C.C)
400.	میور	(Muir John)
401	موزرے	(Mouzer.n, f. de)
401	مویر	(Moyer,E.S)
402	منرو	(Munro,D.C)
403.	مینارڈ	(Maynard,Barbier de)
404.	مونٹے	(Montet,Ed)
405.	میشو	(Michaux Belleire,E)
406	ملر	(August Muller)
407	متوخ	(Eugen Mittwoch)
408	مرکس ملر	(Marcus Joseph Muller)
409	ناتھر	(Natber E.S)
410.	نوفال	(Nauphel.I)
411.	نیل	(Neale, W.H)
412.	نیلسن	(Neilson J.B)
413.	نی مین	(Niemann, A.K)
414.	نللینو	(Nallino Carlo Alfonso)
415.	نبیہ عبود	(Abbot,N)
416.	نسطاس بازنطینی	(Nicetas of Byzantine)
417.	والٹیئر	(Voltair,F.M)
418.	وارف	(Wayriffe V)
419.	ولہازن	(Wellhausen)
420.	ویلز	(Wells H.G)
421	ویلزوفر	(Welzhofer, H)
422	ونسنک	(Wensinck, A.J)
423	ولیم	(William Monier)
424	وڈس	(Woods, Mathew)
425	وہائٹ	(White Joseph Blanco)
426	ویبرن	(Wybarne, Joseph)
427	ولیم مارسے	(Marcais, W)
428	ولیم رائٹ	(Wright.W)
429	ورپکے	(Frentz Worpcke)
430	وٹسٹین	(Johann G.Wetzstein)
431	ہاٹنجر	(Hotrtinger,J.H)
432	ہالان	(Hallan)
433	ہیکس پین	(Hackspan)
434	ہال	(Hall, M.P)
435	ہارٹ مین	(Hartman.M)
436	ہیمر	(Hammer,P.J)
437	ہوری	(Hauri,Joh.)
438	ہارٹ	(Haurt,C.L)
439	ہیوٹ	(Havet.Ernest
440.	ہاکنس	(Hawkins, A.F.H.)
441	ہربلوٹ	(Herbelot:d)
442	ہیل	(Hell, Joseph.)
443	ہربل	(Herbel of de Molaimville)
444	ہالفن	(Halphen.L)
445	ہرمیلن	(Hermalin, D)
446	ہجین	(Higdeo, Ranulf.)
447	ہنڈاس	(Hondas, O.V)

448	ہبنر	(Hubner.F)	452	ہمفرے	(Prideauf Humphrey)
449	ہیوز	(Hughes,J.P)	453	یوپی نیوس	(Erpenus thomas)
450	ہیوز	(Husges, William)	454	یولوجیس قرطبی	(Eulogius Cordovan
451	ہاروے	(New comb Harvey)	455	یوجین یونگ	(Eugene Young)

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (الشوریٰ: ۱۵)

اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ (اپنے اور) تمھارے درمیان انصاف کروں



عہدِ رسالت
میں
عدلیہ اور انتظامیہ

عہدِ نبویؐ
میں
عدلیہ اور انتظامیہ

مصنّف
ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

مترجم
محمود عالم قریشی

باب ۱

عرب قبل از اسلام

نسب نامہ ، جغرافیہ ، سیاست

نسب نامہ

نسبی لحاظ سے عرب مندرجہ ذیل دو قسموں سے تعلق رکھتے تھے :

۱۔ قحطانیہ

۲۔ عدنانیہ

قحطانیہ یمن میں پیدا ہوئے جبکہ عدنانیہ نے حجاز کو اپنا وطن بنایا[۱]۔ مورخین میں اس بات پر تقریباً اتفاق رائے ہے کہ تاریخی اور روایتی طور پر عربوں کے تین گروہ تھے ،

۱۔ عرب بائدہ

۲۔ عرب عاربہ

۳۔ عرب مستعاربہ

عرب بائدہ معدوم قبائل ہیں[۲]۔ ان سے متعلق کتبوں اور آثار قدیمہ کے سوا کچھ باقی نہیں بچا[۳]۔

عرب عاربہ قحطان کی نسل سے تھے[۴]۔ بطلیموس نے قحطان سے ملتے جلتے ایک نام (کتانیہ) کا ذکر کیا ہے[۵]۔ اس کے بیٹوں کی تعداد مختلف بیان کی جاتی ہے جو دس سے اکتیس کے درمیان ہے[۶]۔ یعرب یمن میں اقتدار اعلیٰ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا جبکہ اس کے بھائی حضرموت اور عمان ان علاقوں پر حکومت کرتے رہے جو انھیں کے نام سے موسوم ہوئے۔ جرہم نے اپنا اقتدار حجاز میں قائم کیا[۷]۔ اس کی موت کے بعد جرہم دوم مکہ میں آباد ہو گیا۔

قحطانیہ کے نسبی مباحث کے ضمن میں ابتدائے اسلام، بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں قحطانیہ اور عدنانیہ کے مابین نسبی تفاخر اور تنازع کا مطالعہ ضروری ہے۔ عدنانیہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ اولادِ انبیاءؑ میں سے ہیں۔ ان کے جدِ امجد حضرت اسمٰعیلؑ تھے اور آخری پیغمبرِ اسلام بھی انھیں میں سے پیدا ہوئے۔ دوسری طرف قحطانیہ میں ان تمام امتیازات کی کمی تھی اس لیے وہ ان سے فروتر تھے۔ تاہم قحطانیہ ان کے اس مطالبہ کو رد کرنے کے لیے دعویٰ کرتے تھے

کہ قحطان کا باپ عابر تھا جسے بطور پیغمبر ہُودؑ شناخت کیا گیا۔ اس طرح وُہ بھی اپنا سلسلۂ نسب ایک پیغمبر سے منسلک کرتے تھے۔ انہوں نے اپنا نسب حضرت اسمٰعیلؑ سے ملانے کی بھی کوشش کی[۸]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ملک الشعراء حسانؓ بن ثابت نے عدنانیہ کے مقابلہ میں انصار کا دفاع کیا جو قحطان کے اخلاف میں سے تھے۔ اس نے لوگوں کو یہ بھی یاد دلایا کہ عدنانیہ کی سرکشی پر انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی[۹]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صحابی نعمانؓ بن بشیر اپنے قحطانی النسل ہونے پر فخر کرتے تھے[۱۰]۔

خلافت بنو امیہ کی ابتداء میں قحطانیہ اور عدنانیہ کے نسلی تنازعہ نے سنگین صورت اختیار لی۔ معاویہ، یزید اور مروان کے زمانہ میں بنو کلب ایک طاقتور یمنی قبیلہ نے بہت سیاسی اہمیت حاصل کر لی۔ معاویہ نے ایک کلبی خاتون میسون بنت بحدل سے شادی کرکے بنو کلب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ بنو قیس جو عدنانیہ کے نمایندے تھے اس بات پر قحطانیہ کی نمایندگی کرنے والے بنو کلب کے خلاف غضبناک ہو گئے۔ مرج راہط کی جنگ کے بعد جس میں بنو کلب نے مروان کی طرف سے حصہ لیا اور بنو قیس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی حمایت کی، ان کی یہ دشمنی شدت اختیار کر گئی۔ اس واقعہ کے بعد دونوں قبیلوں کے درمیان متعدد جنگیں ہوئیں جن کے نتیجہ میں بہت تباہی ہوئی[۱۱]۔ خلفاء بنو امیہ نے بھی ان کی رقابت سے خوب فائدہ اٹھایا[۱۲]۔

اس زمانہ کے عرب شعراء مثلاً الاخطل، الکمیت، دعبل الخزاعی، جریر بن عطیہ بن خطفی التمیمی اور اسحاق بن سوید العدوی نے اپنے مربیوں کی مدح اور مخالفین کی ذم میں نظمیں لکھ لکھ کر اس نسلی دشمنی کی آگ کو ہوا دی۔ قحطانیہ اور عدنانیہ کے نسلی تنازعات کے مطالعہ کے اہم مآخذ ان شعراء کے دیوان اور ان کے اشعار کے منتخبات جیسے "نقائض جریر و الفرزدق" ہیں[۱۳]۔

العرب المستعربہ وُہ تھے جنھوں نے عربی زبان اپنائی تھی اور وہ عدنانیہ یا نزاریہ یا معدیہ کہلاتے تھے۔ وہ اس لیے مستعربہ کہلاتے تھے کہ انھوں نے عاربہ سے الحاق کر لیا تھا اور عربی کو زبان کے طور پر اپنا لیا تھا۔ یہ حضرت اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ کی بیوی رعلہ بنت مضاض بن عمرو الجرہمی کی اولاد سے تھے[۱۴]۔ ان کے بارہ فرزند مکّہ میں پھلے پھُولے[۱۵]۔

یہ قرار پا چکا ہے کہ تمام عرب حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کے دو بیٹوں نابط اور قیذر کی نسل سے ہیں[۱۶]۔ ابن عباس کی روایت کے مطابق کہ قریش نبطیوں میں سے تھے[۱۷]۔ اسمٰعیل کی نسل میں سے عدنان نے ایسی شہرت پائی کہ عرب مستعربہ عدنانیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یمنیہ قحطان کے نام پر قحطانیہ مشہور ہوئے[۱۸]۔ بنو اسمٰعیل مکّہ میں اپنی افزائش نسل کے سبب تہامہ کے پُورے علاقہ میں پھیل گئے جو ان کا اصلی وطن سمجھا جاتا ہے۔ قضاعہ ساحلی علاقوں میں آباد ہوئے۔ انھوں نے جدّہ کی بندرگاہ کی بنیاد رکھی اور اپنی حدود کو حرم تک وسیع کر لیا۔ جنادہ، عنز کے علاقہ میں آباد ہو گئے اور معد کے دوسرے بیٹے مکّہ ہی میں جرہم کے ساتھ رہے۔ تہامہ کے محدود وسائل کے سبب بین القبائل منافشات پیدا ہوئے اور کمزور

قبائل دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے۔[۱۹] نزار کے ساتھ لڑائی کے بعد قضاعہ پہلے ہجرت کرنے والے تھے۔[۲۰] دیگر عدنانی قبائل نے قضاعہ کی پیروی کی اور وہ جزیرہ نما عرب کے وسیع علاقوں میں پھیل گئے، وہ عراق اور شام تک پہنچ گئے۔ دوسرے قبائل کے ساتھ گھل مل گئے اور ہر جگہ بس گئے۔[۲۱] عدنان کا بیٹا معد اہم شخصیت تھا۔ اس کے بعد عدنانیہ کو معد بھی کہا گیا۔[۲۲] قریش، عدنانیہ کی شاخ تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتوں کے دوران وہ منتشر ہو گئے۔ قصیّ بن کلاب نے قریش کو مختلف قبیلوں سے اکٹھا کیا اور مکہ میں آباد کر دیا۔[۲۳]

یوں عموماً حجازی، نجدی، نبطی اور تدمور متوطن عرب کہلائے۔ بازنطینیوں اور فارسیوں کے مابین جنگوں سے پیدا ہونے والے نشیب و فراز نے شمالی عرب میں عدنانیوں کے مخصوص نسلی مسکن کو متاثر کیا جس میں مزید آمیزش جنوبی قبائل کی شمال میں اس بڑی تعداد میں ہجرت سے پیدا ہوئی جو سد مآرب کے ٹوٹنے اور اس سے پیدا ہونے والی خوشحالی کے انحطاط کے سبب ہوئی تھی۔ انتہائی شمال میں غسان اور لخم اور حجاز میں مدنی لوگ وہ جنوبی قبائل تھے جو شمال میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس طرح ظہورِ اسلام تک شمالی عرب کے حدود میں مہذب و متمدن جنوبی عرب کے فنون و مہارت اور متوطن شمالی عربوں کی مجموعی توانائی جمع ہو چکی تھی۔

شمال کے قدیم اور متوطن عربوں کا معاشرتی نظام اپنی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سے لے کر قبائل کے وسیع تر وفاق تک خونی رشتوں پر استوار تھا۔ عرب ماہرینِ انساب نے عربوں کے نسب کی جزئیات تک کی تفصیل دی ہے۔ ماہرینِ انساب کا بیان کردہ معاشرتی نظام سراپا انسانی ڈھانچے کے مطابق ہے۔[۲۴] ایک قبیلہ کی یہ معاشرتی اکائیاں مجموعی طور پر مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔ مثلاً عشیرہ، رہط یا جذم۔ مگر حیّ ایک ایسی عام اصطلاح ہے جس کا عموماً ان پر اطلاق ہوتا ہے۔ خانہ بدوش کا ایک خیمہ یا خانہ نشین کا ایک گھر سب سے چھوٹی سماجی اکائی — خاندان کی نمایندگی کرتا۔ متعدد ہم رشتہ خاندان مل کر ایک قبیلہ بنتا۔ شمالی عربوں کا یہ سماجی آہنگ ان تجربات کے تحت جو انھیں پیش آئے مزید تقسیم ہوا۔ ثمود، نبطی، تدمور، لحیان، کندہ، غسان اور لخم کو منظم سیاسی زندگی کا تجربہ ہوا۔ حجاز کے خانہ نشین لوگ جو بحیرہ روم کے ممالک اور مشرقی ممالک کے درمیان راہداری بستیوں میں آباد تھے تجارت اور سوداگری میں ماہر تھے جبکہ شمالی عرب کے باشندوں کی بھاری اکثریت خانہ بدوش تھی۔

جغرافیہ

قدیم یونانی اور لاطینی جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نما عرب کو مندرجہ ذیل تین بڑے خطوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ العربیۃ السعیدہ

۲۔ العربیۃ الصحرادیہ

۳۔ العربیۃ الحجریہ

قدیم یونانی جغرافیہ دانوں کے بیان کے مطابق العربیۃ السعیدہ اصل عرب کے تمام منطقوں پر مشتمل تھا۔[۲۶] العربیۃ الصحراویہ، عراق اور شام کے درمیان واقع بیان کیا جاتا ہے جو عرفِ عام میں صحرائے شام کہلاتا ہے۔ تدمور کی قدیم بادشاہت اس کے شمالی اور مشرقی علاقوں میں قائم تھی۔ اس کی مغربی سرحد العربیۃ الحجریہ تک پھیلی ہوئی تھی اور تمام سرزمینِ شام اس میں شامل تھی اس کی مشرقی سرحد دریائے فرات کو چھوتی تھی۔[۲۷] بہت سے عرب قبائل حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے سیکڑوں سال قبل اس علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔[۲۸] العربیۃ الحجریہ جزیرہ نما سینائی پر مشتمل تھا۔ اس کی سرحد شمال میں دمشق اور مشرق میں مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔[۲۹] یہاں نبطیوں نے اپنی بادشاہت قائم کی تھی۔ اس کا دارالحکومت بطرا تھا۔[۳۰] سترابو نے نشان دہی کی ہے کہ العربیۃ الحجریہ' العربیۃ السعیدہ ہی کا حصّہ تھا[۳۱] جبکہ بطلیموس کی رائے میں یہ ایک آزاد خطّہ تھا جس میں پورا جزیرہ نما سینائی اور فلسطین سے اُردن تک قُرب و جوار کے علاقے شامل تھے۔[۳۲] یونانیوں اور رومیوں نے العربیۃ الصحراویہ اور العربیۃ الحجریہ فتح کر لیا تھا۔ لہٰذا ان کے جغرافیہ دانوں نے العربیۃ السعیدہ کے مقابلہ میں ان خطوں کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے جبکہ العربیۃ السعیدہ کے متعلق ان کی معلومات کم تھیں۔

عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نما عرب کی تقسیم میں قدیم یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں کی تقلید نہیں کی حالانکہ وہ بعض یونانی کتب مثلاً بطلیموس کے جغرافیہ سے واقف تھے۔[۳۳] عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نمائے عرب میں صرف ان علاقوں کو شامل کیا ہے جنھیں یونانی اور لاطینی اصطلاح میں العربیۃ السعیدہ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اس میں سے العربیۃ الصحراویہ اور العربیۃ الحجریہ کو خارج کر دیا۔[۳۴] چنانچہ عرب جغرافیہ دانوں نے جزیرہ نمائے عرب کو مندرجہ ذیل پانچ خطوں میں تقسیم کیا ہے:[۳۵]

۱۔ حجاز ۲۔ تہامہ
۳۔ یمن ۴۔ عروض
۵۔ نجد

موجود تاریخی شواہد کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلے شخص بیان کیے جاتے ہیں جنھوں نے جزیرہ نما عرب کی مندرجہ بالا تقسیم کی اطلاع دی ہے۔[۳۶]

سیاسیات

ظہورِ اسلام کے وقت عرب میں رائج نظامِ عدل کے پس منظر کا پتا لگانے کے لیے عدنانیہ کے علاقوں، شمالی اور وسطی عرب کے سیاسی حالات کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ جزیرہ نما کا یہ حصّہ اپنی زمین کے تنوع کے لحاظ سے عموماً تہامہ، حجاز اور نجد پر مشتمل تھا۔[۳۷] قدیم عرب بادشاہتوں اور طلوعِ اسلام کے وقت موجود عدالتی

اداروں کا شمالی اور وسطی عرب پر اثر موجود تھا۔ اس لیے ان حدود سے ماوراء قدیم عرب بادشاہتوں کا حوالہ بھی دیا جائے گا۔ عاد، ثمود، نبط، تدمور اور لحیان کی بادشاہتیں طلوعِ اسلام سے قبل معدوم ہو چکی تھیں جبکہ غسانی، لخمی اور کندہ کی بادشاہتیں موجود تھیں مسلمانوں نے اپنی خلافت میں شامل کر لیا تھا۔

نبطی اور تدموری کی بادشاہتیں عربوں نے قائم کی تھیں۔ یہ خاص طور پر جزیرہ نما عرب کی سرحدوں پر واقع تھیں۔ ثمود اور لحیان کی بادشاہتیں نسبتاً اندرونِ عرب کی ریاستیں تھیں کیونکہ ان کا محلِ وقوع شمال مشرقی حجاز اور وسطی عرب کا بڑا حصہ تھا۔ اسی طرح شمالی اور مشرقی عرب کی غسانی اور لخمی بادشاہتیں بازنطین اور فارس کی سرحدوں پر واقع ہونے کی وجہ سے سرحدی ریاستیں تھیں جبکہ وسطی عرب کی کندہ بادشاہت ایک اندرونی ریاست تھی۔

قدیم عرب بادشاہتیں

عاد کی ابتداء یمن اور حضرموت میں خلیج فارس کے ساتھ ساتھ عراق کے سرحدی علاقوں میں ہوئی[۳۹] ان کا تعلق معدوم عرب قبائل (بائدہ) سے تھا۔[۴۰] ان قبائل میں عاد سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ تھا۔ یہ بام، سام اور ارم تھے[۴۱] جو سب عمالیق کہلاتے تھے۔[۴۲] قومِ نوحؑ کی تباہی کے بعد یہ پہلے لوگ تھے جنہوں نے سیاسی قوت منظم کی اور وسیع علاقوں پر حکومت کی۔[۴۳] قبل از اسلام کے شعراء عاد کو بڑی مہم جو قوم کی حیثیت سے یاد کرتے تھے[۴۴] یہ قرار پا چکا ہے کہ عاد کا زمانہ قومِ نوحؑ کی تباہی اور حضرت موسیٰؑ کے عروج کے درمیان یعنی ۲۲۰۰ سے ۱۵۰۰ قبل مسیحؑ ہے۔[۴۵]

ان کا زمانۂ شان و شوکت ۲۲۰۰ سے ۰۰ ، ا قبل مسیحؑ بتایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ زمانہ حضرت مسیحؑ تک باقی رہے۔ چنانچہ پہلے اور دوسرے دور کے عاد بالترتیب عادِ اولیٰ اور عادِ ثانیہ کہلاتے ہیں۔[۴۶]

عرب مورخین کے اس دعویٰ کی تصدیق آثارِ قدیمہ سے ہو چکی ہے کہ عاد نے اپنی حکمرانی بابل، مصر اور دوسرے علاقوں میں قائم کی۔[۴۷] بابل میں اس خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ حمورابی تھا۔ یہ پہلا مقنن مانا گیا ہے۔ مصر کے فراعنہ بھی عمالیق کی نسل سے بیان کیے جاتے ہیں۔[۴۸] قرآن نے بھی عاد، ان کی برتری اور شان و شوکت کا ذکر کیا ہے۔[۴۹] پیغمبر ہُودؑ انھیں میں مبعوث ہوئے تھے جنھیں انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا اور آخر کار وہ تباہ کر دیے گئے۔[۵۰] عہدِ بنو امیہ میں قحطانیہ اور عدنانیہ کے درمیان نسلی تفاخر کی بحث میں قحطانیہ نے اپنا سلسلہ نسب پیغمبر ہُودؑ سے ملا کر عدنانیہ کی برتری کا دعویٰ رد کر دیا۔[۵۱]

ثمود

ثمود مشرقی اور وسطی عرب کے باشندوں میں سے تھے۔ وہ دومۃ الجندل، ہجر، تیماء اور العلاء کی تجارتی بستیوں کے مختار تھے۔[۵۲] قبل از اسلام کے شعراء کے کلام میں بھی ثمود کا حوالہ ملتا ہے[۵۳] قرآن نے بھی مختلف

مقامات پر ثمود کا ذکر کیا ہے[۵۴] قرآن نے ان کی کاریگری اور طاقت کا حوالہ بھی دیا ہے:[۵۵]

"وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔"

(اور ثمود وہ ہیں جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں)

"جابوا الصخر" کے معنی رہائش کے لیے چٹانیں تراشنا لیے گئے ہیں:

"قطعوا صخر الجبال واتخذوا فیہا بیوتا۔"[۵۶]

ثمود نے اپنا اقتدار وادی میں قائم کیا جس سے مراد وادی القریٰ ہے۔[۵۷] پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کی مہم کے دوران اس وادی سے گزرے تھے۔[۵۸]

لحیان

لحیان ایک اور عرب شاہی خاندان ہے جس نے ۱۱۵ قبل مسیح کے لگ بھگ ویدان کی سلطنت کا خاتمہ کیا۔[۵۹] اور مکہ کے شمال مشرق نیز نبطی سلطنت کے جنوب میں اپنا اقتدار قایم کیا۔ العلا (دادن علا) ان کا دارالسلطنت تھا۔ کاسکل نے لحیانیوں کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس موضوع پر دو کتابیں تصنیف کی ہیں۔[۶۰] ان کا دارالسلطنت یمن اور ہندوستان کو بحیرۂ روم کی بندرگاہوں سے ملانے والی شاہراہ پر ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ گمان غالب ہے کہ ۱۰۶ عیسوی میں نبطیوں کے زوال کے بعد لحیانیوں نے اپنی طاقت بڑھائی اور الحجر کو اپنے زیرِ اقتدار لائے۔ اندرونِ عرب ثمود کی بادشاہت عام طور پر مشرقی اور وسطی عرب کے تجارتی راستوں پر مختار تھی جبکہ لحیان کی طاقت بحیرۂ روم کے ممالک اور مشرق بعید کی درمیانی شاہراہِ تجارت پر مرکوز تھی۔[۶۱]

نبطی ——— بطراء

نبطیوں کی ابتدا جزیرہ نما عرب میں ہوئی۔ ان کا اصلی وطن شرقِ اردن کے مشرق میں بالائی مغربی حجاز تھا جہاں سے وہ ۵۰۷ قبل مسیح کے قریب شمال مغرب میں منتقل ہو گئے اور بحیرۂ روم کے آس پاس زرخیز علاقوں میں آباد ہو گئے۔[۶۲] جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے مغربی حجاز اور بحیرہ روم کا درمیانی علاقہ یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں کی اصطلاح میں العربیۃ الحجریہ کہلاتا تھا۔ پورا العربیۃ الحجریہ نبطی سلطنت تھا اور بطراء ان کا دارالسلطنت تھا۔ یہ یمن اور بحیرۂ روم کی درمیانی کاروان شاہراہ پر ایک بہت بڑا شہر تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں یہ دولت و خوشحالی کی معراج پر تھا۔ اپنے اقتدار کے زمانۂ عروج میں شمال میں دمشق سے لے کر شمالی حجاز میں الحجر تک سب سے اہم تجارتی مراکز نبطیوں کے تسلط میں تھے۔ انھوں نے بین الاقوامی بندرگاہ غزہ کو ترقی دی جو مشرق و مغرب کی تجارت پر مختار تھی اور نبطیوں کے لیے دولت و خوشحالی کا بڑا ذریعہ تھی۔[۶۳] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بطرا اپنے بڑے تجارتی مرکز کی حیثیت سے مختلف

ثقافتی گروہوں سے بین الاقوامی تجارتی اور ثقافتی تعلقات رکھتا تھا۔[۶۴]

اپنے دورِ عروج میں نبطیوں نے دمشق اور لبنان کے وسیع علاقے، فلسطین، حوران اور مدین کے جنوب مشرقی علاقے اور بحرِ احمر کے ساحلی خطے اپنی سلطنت میں شامل کر لیے۔ یہ بھی مسلّم ہے کہ کچھ نبطی نیل کے مشرقی ڈیلٹا میں منتقل ہو گئے تھے جیسا کہ وہاں سے ملنے والے کتبوں سے ثابت ہے۔[۶۵] مورخین نبطی خاندان کے بانی کا نام دریافت نہیں کر سکے اور نہ ہی وہ ان کے تمام فرمانرواؤں کے نام قلمبند کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اب تک جو کچھ مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کے حکمرانوں میں ایک بہت مقبول نام حارث تھا۔ بعض مورخین نے اخذ کیا ہے کہ شاید یہ نبطی بادشاہوں کا لقب تھا۔[۶۶] اس سلسلہ کا آخری بادشاہ ملک الثالث تھا جس نے ۱۰۱ سے ۱۰۶ عیسوی تک حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت ۱۰۵ء میں رومی شہنشاہ ٹروجن نے نبطی سلسلہ کا خاتمہ کیا۔ ۱۰۶ عیسوی میں العربیۃ الحجریہ صوبہ عرب کے نام سے سلطنت روم میں مدغم ہو چکا تھا۔ شام کے رومی گورنر کارنیلیس (۹۸ - ۱۱۷ء) نے حکومت کا صدر مقام بطرا سے بُصریٰ منتقل کر دیا۔ تیسری صدی عیسوی میں بطرا ایک حقیر سی جگہ میں بدل چکا تھا۔[۶۷]

تدمور

مسیح کے سو سال بعد بطرا کے زمانۂ انحطاط میں تجارتی راستوں میں تدریجی تبدیلی اور پارتھیوں کی فتح میسوپوٹامیہ نے ایک اور عرب تجارتی بستی تدمور کو فروغ دیا۔[۶۸] جغرافیائی لحاظ سے تدمور ایسی جگہ واقع تھا کہ وہ جلد ہی وسعت اختیار کر کے مشرقِ قریب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال کے درمیان تجارت کی یہ مرکزی گزرگاہ تھی۔ ۱۳۰ اور ۲۷۰ عیسوی کے عرصہ میں یہ اپنی شان و شوکت کے دور کو پہنچا اور اس کی تجارت چین تک پھیل گئی۔ ۲۶۲ عیسوی میں تدموریوں کا ایک بڑا بادشاہ اذینہ مشرق کا نائب السلطنت مقرر ہوا۔ اپنے لقب کی بدولت اس عرب سردار نے اپنے اقتدارِ اعلیٰ کو شام اور شمالی عرب کے کنارے کنارے ایشیائے کوچک اور مصر تک توسیع دی جو اس وقت تک اس کی قوت کا قلعہ تھا۔ بالآخر ۲۷۲ عیسوی میں تدمور کی بادشاہت بھی تباہ ہوئی۔[۶۹]

یونانیوں اور رومیوں کی قدیم جغرافیہ کی کتب، یہود اور نصاریٰ کا مذہبی ادب، قبلِ اسلام کے شعراء کا کلام، اسلامی ادب، احتفارات، کتبوں اور سکوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جواد علی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نبطی ہر لحاظ سے عرب تھے۔ ان کا بادشاہ "شاہِ عرب" اور عوام عربی کہلاتے تھے۔ عربی ان کی روزمرّہ کی زبان تھی اور ان کے معروف نام بھی عربی میں تھے۔ مذہب کے معاملہ میں عرب روایات زندہ رکھی گئی تھیں۔ بطراء کا بڑا دیوتا ذوشرا یعنی شرا کا مالک تھا۔ اس کی پرستش ایک سیاہ چوکور پتھر کی شکل میں مثلِ بطرائی کعبہ کے ہوتی تھی۔ ذوشرا سے متلازم عربوں کی سب سے بڑی دیوی آلاۃ تھی۔ ایک مونث اللہ کی نشان دہی آلاۃ کے نام سے ہو چکی ہے۔ نبطی، قریش اور حجاز کے ان دیگر قبائل سے نزدیک تر تھے جو طلوعِ اسلام کے وقت موجود تھے۔ اپنی ترقی یافتہ شکل میں نبطی رسم الخط عربی رسم الخط بن گیا تھا جو

اس رسم الخط سے ملتا جلتا تھا جس میں قرآن تحریر ہوا۔ ان کا عربی ذخیرۂ الفاظ جو آرامی زبان میں محفوظ تھا خالص عربی تھا۔ تدمور کی قوت کا قلعہ بھی جزیرہ نما عرب تھا جو یونانیوں اور لاطینیوں کی اصطلاح میں العربیۃ السعیدہ تھا جہاں سے انھوں نے اپنے اقتدار اعلیٰ کو العربیۃ الصحراویہ تک توسیع دی۔ موجود تاریخی شواہد کی چھان بین کے بعد جواد علی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تدمور عرب تھے اور ان کی نسلی و سیاسی حیثیت وہی تھی جو نبطیوں کی تھی[۳]۔

غسان

غسانی، لخمی اور کندہ کی سلطنتیں اپنے انحطاط اور انتشار کی شکل میں طلوعِ اسلام کے وقت تک باقی تھیں اور انھیں مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ غسانیوں نے تیسری صدی عیسوی کے آخر میں اپنا اقتدار دمشق کے جنوب مشرقی علاقہ میں اس عظیم راہ حمل و نقل کے شمالی سرے پر قایم کیا جو مآرب کو دمشق سے ملاتی تھی۔ پانچویں صدی کے آخر کے قریب ان کو بازنطین کے سیاسی حلقۂ اثر میں لایا جا چکا تھا اور انھیں بدوی گروہوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے ایک فاصل ریاست کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کا دار السلطنت الجابیہ تھا اور کچھ عرصہ کے لیے جلیق میں واقع تھا۔ اس نے چھٹی صدی عیسوی میں بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ ۶۱۳، ۶۱۴ عیسوی میں ساسانی خسرو پرویز کے یروشلم اور دمشق پر قبضہ نے اس خاندان پر آخری ضرب لگائی۔

متعدد قبل از اسلام کے عرب شعراء کی فراخدلانہ پذیرائی غسانی بادشاہوں کے یہاں ہوتی تھی۔ غسانی بادشاہ لبید، النابغہ الذبیانی اور حسان بن ثابت کے بڑے سخی اور فیاض سرپرست تھے[۴]۔

لخم

تیسری صدی عیسوی کی ابتدا میں لخمیوں نے فرات کے مغربی زرخیز علاقہ میں حیرہ کے مقام پر اپنی حکومت قایم کی۔ المنذر اوّل (۴۱۸ - ۴۶۲ء) نے اس وقت کے بڑے بڑے شعراء کو اپنا گرویدہ بنایا جن میں طرفہ بن عبد الحارث بن حلزہ اور عمرو بن کلثوم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ النعمان الثالث ابو قابوس (۵۸۰ - ۶۰۲ء) جو المنذر چہارم کا بیٹا تھا اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا اس کے ساتھ لخمی سلسلہ ختم ہوا۔ غسانیوں اور لخمیوں نے بازنطینی اور فارسی سیاسی اور ثقافتی روایات کو جذب کیا اور وہ اس حیثیت میں تھے کہ یہ روایات نجد اور حجاز کے عربوں کو منتقل کریں[۵]۔

کندہ

ماہرینِ انساب کی روایت کے مطابق کندہ ایک قحطانی قبیلہ تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب ایک شخص ثور تک پہنچتا ہے جو کندہ کہلاتا تھا[۶]۔ اپنی تعداد اور آبادیوں کے لحاظ سے کندہ عرب کے سب سے اہم قبائل میں سے تھا[۷]۔ مورخین کے

ہاں وہ" شاہانِ کندہ" کہلاتے ہیں۔[۱۱] کی ابتدا حضر موت کے قریب یمن کے پہاڑوں میں ہوئی"، یعقوبی نے حضر موت میں ان کی جنگ کی تفصیل بیان کی ہے"۔

یمن، حضر موت سے ہجرت کرنے کے بعد کندہ بنو معد بن عدنان کے علاقہ حجاز میں آباد ہو گئے۔ کندہ کا پہلا بادشاہ حُجر تھا۔ حُجر سے پہلے کندہ کے حکمران بغیر شاہی لقب (ملک) کے تھے۔ حُجر نے سیاسی قوت کو از سرِ نو منظم کیا۔ اس نے جابروں کے مقابلہ میں کمزوروں کو پناہ دی۔ اس نے اپنا اقتدار نجد میں قایم کیا جہاں لخمیوں نے بڑے علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا اس نے بکر بن وائل کے علاقہ سے لخمیوں کو بے دخل کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا اور مکہ و بصرہ کے درمیان وادی رُمّہ پر حکمرانی کرتا رہا۔ اس نے بہت سے عرب قبائل کو زیرِ نگیں کیا اور اپنی سرحدیں لخمی سلطنت کی سرحدوں تک وسیع کر دیں۔[۵۲]

حُجر کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں۔ اولنڈر نے ۵۲۸ عیسوی میں اس کے پوتے (حارث) کی وفات سے نتیجہ اخذ کیا کہ حُجر پانچویں صدی عیسوی کی آخری چوتھائی میں حکمران رہا۔[۵۳] حُجر کے بیٹے عمرو کا جانشین اس کا بیٹا حارث جنگجو (الحارث الحرّاب) ہوا۔[۵۴] اس نے فارسی شہنشاہ قباز کے دورِ حکومت میں حیرہ کی سلطنت کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قباز جو مزدکیت کا سرگرم حامی تھا،[۵۵] اس نے حیرہ کے بادشاہ المنذر کی جگہ حارث کو تخت نشین کرایا کیونکہ اس نے اس کا مذہب قبول کر لیا تھا جبکہ المنذر نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ حارث نے اپنی قوت مجتمع کی، اپنے اقتدار کو توسیع دی اور اپنے بیٹوں کو بکر، تمیم، قیس، تغلب اور اسد کے علاقوں میں تعینات کیا۔[۵۶] حارث اور فارس کے درمیان تعلقات انوشیروان کے دورِ حکومت میں کشیدہ ہو گئے تھے اور اس نے رومیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لیے تھے انھوں نے اسے فیلارک کا لقب دیا تھا۔[۵۷]

۵۲۸ عیسوی میں حارث کی وفات پر کندہ کی قوت منتشر ہو گئی۔ اس کے بیٹوں میں اقتدار اعلیٰ کے لیے جنگ چھڑ گئی۔ المنذر نے جو دوبارہ تخت نشین ہو گیا تھا اس کے بیٹوں کے درمیان دشمنی کی آگ کو ہوا دی، خصوصاً شرحبیل اور سلمہ کے درمیان جنگ نے شدت اختیار کر لی۔ آخر کار ۶۱۲ء میں کُلاب کی جنگ میں ان کی سیاسی قوت کے مکمل طور پر پرخچے اُڑ گئے۔ اس جنگ میں عملاً تمام عرب قبائل نے حصہ لیا۔ شرحبیل میدانِ جنگ میں مارا گیا اور کندہ کے شاہی سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔[۵۸]

جنوبی عرب میں بنو کندہ کا تُبّع کے ساتھ وہی تعلق تھا جو بنو غسّان کا بازنطینیوں کے ساتھ اور بنو لخم کا فارسیوں کے ساتھ تھا۔ جزیرہ نما عرب میں وہ واحد حکمران تھے جنھیں مَلِک (شاہ) کا لقب ملا جو عموماً ان عربوں نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا جو غیر ملکی اثر میں تھے۔ مشہور عرب شاعر امرأ القیس کندہ کے شاہی خاندان سے تھا۔ اس نے اپنی خاندانی عظمت حاصل کرنے کے لیے بہت سی ناکام کوششیں کیں۔ وہ رومی شہنشاہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے قسطنطنیہ گیا۔[۵۹] ابتدائے اسلام میں متعدد کندی نمایاں ہوتے ہیں۔ مثلاً الاشعث بن قیس۔ کئی لحاظ سے کندہ کا عروج دلچسپ تھا۔ سیاسی

طور پر وسطی شمالی عرب میں اُنھوں نے ایک مشترک سرِ دار کی طرح ڈالی ۔ ثقافتی لحاظ سے کندہ نے قبائلی لہجوں، لسانی وحدت اور ثقافت کے ارتقاء کو مہمیز لگائی ۔

خاص حجاز اور نجد میں صورتِ حال بہت مختلف تھی ۔ اس خطہ کی کثیر آبادی بدوی تھی ۔ حجاز کسی حد تک اپنی مرکزی حیثیت اور مآرب وغزہ کے درمیانی بڑے کاروانی راستہ پر واقع ہونے کے سبب مذہبی اور تجارتی سرگرمیوں کے لیے بہترین مواقع فراہم کرتا تھا ۔ کعبہ اور عکاظ ان کی سرگرمیوں کی دو علامتیں تھیں ۔ قریش کی فعّال قیادت اور انتظامیہ کے تحت کعبہ نے ایک قومی عرب متبرک مقام کی حیثیت حاصل کر لی تھی ۔ اسی طرح عکاظ کے میلہ کو ایک عرب تجارتی اور ادبی مرکز کا مقام حاصل ہو گیا تھا ۔ یثرب، حجاز کی ایک اور اہم آبادی بھی اسی عظیم کاروان شاہراہ پر واقع تھی ۔ یثرب نخلستانی علاقہ تھا جو کھجور کی کاشت کے لئے بہت موزوں تھا ۔ اس طرح حجاز اس دور میں اگرچہ بین الاقوامی واقعات کے اصل دھارے میں نہ تھا مگر یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ سیاسی لحاظ سے پیچھے تھا ۔

حوالہ جات و تشریحات

۱۔ ابنِ خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون، تاریخ العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب والعجم والبربر۔ (بیروت ۱۳۹۱، ۱۹۷۱) جلد دوم، صفحہ ۱۶، ۱۷۔

۲۔ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بغداد ۱۹۶۸) جلد اول، صفحہ ۲۵۳۔

۳۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو ایضاً صفحات ۲۹۴-۳۵۳، عرب بائدہ، عاد، لقمان، ثمود، طسم، جدیس، جرہم تھے۔

۴۔ ابنِ ہشام، عبدالملک، سیرۃ رسول اللہؐ، مطبوعہ مصر ۱۹۵۵، ۱۳۷۵ جلد اول ص ۵ ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری، الاخبار الطوال (قاہرہ ۱۹۶۰ء) ص ۹ - احمد بن ابی یعقوب یعقوبی، تاریخ (بیروت ۱۳۷۹، ۱۹۶۰) جلد اول صفحہ ۱۹۵۔

۵۔ Charles Foster, The Historical Geography of Arabia
جلد اول ص ۸۰۔ پولیمی، جغرافیہ، جلد ششم ۲۰، ۲۳۔

۶۔ ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۷۴ کہ یعرب، حضرموت، عمان اور جرہم ان میں سے تھے۔

۷۔ ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۷۴، ابوالعباس احمد بن علی القلقشندی، صبح الاعشیٰ فی صنعۃ الانشاء (مصر)، جلد پنجم، ص ۱۹۔

۸۔ جواد علی، المفصل، جلد اول، ص ۳۵۶۔

۹۔ حسان بن ثابت، دیوان حسان بن ثابت (ایڈیشن H. Hurschfeld لندن ۱۹۱۰) صفحات ۱، ۵، ۶، ۲۳، ۲۵، ۴۴، ۴۷۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسان، قحطانیہ کے مخالفین کے ذم میں بہت محتاط تھے اس غرض سے انھوں نے عموماً معد کے نام کو ترجیح دی ہے اور قریش یا مہاجرون کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

۱۰۔ الہمدانی، الاکلیل، جلد اوّل، ص ۹۴۔

۱۱۔ Warner Caskel, Die Pedeutung der Beduine in der Geschichte der Araber

۱۲۔ Wellhausen, Das Arabische Reich und sein Stürz

۱۳۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو جواد علی، متذکرہ بالا، جلد اوّل، باب دوم، صفحات ۴۶۶-۵۰۸۔

۱۴۔ ابنِ ہشام، متذکرہ بالا، ص ۴۔ ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۳۷۔ ابن اثیر الکامل فی التاریخ (بیروت ۱۳۸۵ھ - ۱۹۶۵ء) جلد اوّل ص ۱۲۵۔

۱۵ - ایضاً وہ نابت، قیدر، ازبل، ماشا، مسمعا ماشی، دما، آزر، تیما، تیور، بنیش قیدما۔ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے بعد اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑ دیا۔ ان کی پرورش اور شادی جرہم میں ہوئی۔ ان سے رشتہ داری کی بنا پر جرہم کعبہ کے متولی بن گئے۔ زہیر بن ابی سُلمیٰ نے ایک شعر میں اس کا ذکر کیا ہے (لسان العرب' ۱۲ : ۲۹۴) بعد میں جب جرہم نے لوگوں کو تنگ کیا اور بطور متولی اپنی حیثیت کو غلط استعمال کیا تو بنو خزاعہ نے انھیں مکہ سے نکال باہر کیا جن کو بعد میں قریش (قصیٰ) نے نکال دیا۔

۱۶ - ابنِ ہشام، متذکرہ بالا، ص ۵۔

۱۷ - محمد مرتضیٰ، الزبیدی، تاج العروس (دار مکتبۃ الحیات) ۵ : ۲۳۹

۱۸ - تاج العروس' ۹ : ۲۷۵۔ ماہرینِ انساب میں اسمٰعیل اور عدنان کی درمیانی پشتوں کی تعداد پر اختلاف ہے۔ یہ چالیس سے بیس اور پندرہ تک مختلف طور پر بیان ہوئی ہیں (شہاب الدین احمد النویری، نہایۃ العرب فی فنون الادب) قاہرہ، جلد دوم، ص ۳۲۴ : الطبری، التاریخ، جلد دوم، ص ۱۹۱۔ ابنِ ہشام، متذکرہ بالا، ص ۳۔ المسعودی، مروج الذہب، جلد اوّل، ص ۲۹۴۔ ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۲۹۸۔ صبح الاعشیٰ، جلد اول، ص ۳۰۷۔

۱۹ - ابنِ خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۲۴۰۔

۲۰ - ایضاً

۲۱ - جواد علی، متذکرہ بالا، جلد اوّل، صفحات ۳۸۰

۲۲ - امرأ القیس، شرح دیوان، ایڈیشن صندوبی، صفحہ ۱۶۰۔ النابغۃ الذبیانی، دیوان، شرح البطلیوسی، ص ۴۴۔ زہیر بن ابی سُلمیٰ، شرح دیوان زہیر، ایڈیشن امام ابی العباس ثعلب (۱۹۴۴) صفحات ۱۷، ۱۸، ۱۰۶، ۱۰۹۔

۲۳ - الطبری، تاریخ (ایڈیشن مطبع حسینیہ) جلد دوم، ص ۱۸۲۔ قصیٰ کے بیٹے عبدمناف، عبدالدار، عبد العزیٰ اور عبد قصی تھے۔ عبدمناف کے بیٹے ہاشم، عبد شمس، المطلب، نوفل اور ابو عمرو تھے۔

۲۴ - الشعب، کھوپڑی کا جوڑ چوٹی پر اس طرح کھڑا ہے جیسے فوارے کا سر، اس کے بعد قبیلہ ہے قبیل الرأس سے سر کی چار بڑی ہڈیوں میں سے ایک۔ پھر امارہ، بطن اور فصلہ بالترتیب سینہ، شکم اور ٹانگ کی طرح ہیں۔

۲۵ - مندرجہ ذیل یونانی اور رومی جغرافیہ دانوں نے عرب کے جغرافیہ کے بارے میں لکھا ہے:
ایسیلس (۵۲۵ - ۴۵۶ قبل مسیح)، چارلس فورسٹر نے اپنی کتاب The Historical Geography of Arabia میں ایسیلس کے بیشتر اقتباسات دئے ہیں۔ ہیرو ڈوٹس: Herodotus The History of ترجمہ جارج رالنسن دو جلدوں میں (ایڈیشن ۱۹۲۰) ہیروڈوٹس کے خوب صورت طرز اور منظم کام سے متاثر ہو کر سیسرو نے اسے "ابو التاریخ" کا لقب دیا۔ تھیوفراسٹس

(۳۷۱-۲۸۶ قبل مسیح) Historia Plantarum (ایڈیشن ہورٹ ۱۹۱۹) - سٹرابون - سٹرابو (۶۳-۱۹ قبل مسیح) The Geographic Geography of Strabo ترجمہ ہملٹن (لندن ۱۹۱۲ء، ۳ جلد) سٹرابون نے خاص طور پر اپنے جغرافیہ کا باب ۱۶ عرب علاقوں کے بیان کے لیے وقف کیا ہے اس نے اپنے زمانہ کی عرب آبادیوں، شہروں اور قبیلوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے تجارتی، معاشرتی و معاشی معاملات بیان کیے ہیں اور الیئس گیلس کے حملہ کا حوالہ دیا ہے۔ پلینی، ایلڈر گیلس پلینیس سیکنڈس (متوفی ۹، قبل مسیح) Naturalis Historia ایڈیشن سی، میتر ہاف (طبع ثانی ٹیوبنز سیریز ۱۸۸۲ - ۱۹۰۹ء، ۲ جلدیں) کلاڈیئس پولیموس Geographia Geographike Hyphegesis (ایڈیشن سی، ایف، ناب، ۳ جلد، لیپزگ ۱۸۴۳ - ۱۸۴۵) اس موضوع پر یہ ایک مشہور کتاب تھی اور قرون وسطی تک نصاب میں شامل تھی۔ اس نے جغرافیائی انداز میں عرب کے شہروں، قبیلوں اور حالات بیان کیے ہیں۔ اس نے ضروری نقشوں سے اپنی کتاب کی تزئین کی ہے۔ عرب کے حالات ہیروڈوٹس اور پلینی کے یہاں اتنے واضح نہیں جتنے پولیموس کے یہاں ہیں۔ اس نے بہت واضح طور پر عرب کو تین خاص علاقوں میں تقسیم کیا ہے جیسا کہ متن میں درج ہے۔

۲۶ - سٹرابو، ۱۶ - ۴: ۲، موصل، عربیہ صحراویہ، ص ۹۸۴ - "بائیبل ڈکشنری" جلد اوّل، ص ۹۸

۲۷ - موصل، صحراویہ، صفحہ ۹۹۴، ڈیوڈورس سکولس، Bibliotheca Historica ، ۱۱، ۴۵۔

۲۸ - ڈی ڈی لکن بل Ancient Records of Assyria and Babylonia ، جلد اول، ص ۶۱۱ -

۲۹ - فلپ کے حتّی History of the Arabs ص ۴۴، ڈیوڈورس Bible Hist. ، صفحہ ۱۱ - ۴۸

۳۰ - R.E.Brunnow Und A.V.Demrzewski, Die Provicia Arabia in 3 B.D.

۳۱ - سٹرابو، جلد سوم، ص ۳۰۹

۳۲ - ولیم سمتھ، A Dictionary of the Bible ، جلد اول، ص ۹۱۔

۳۳ - چارلس فورسٹر، ۲، ۱۰۹ - ایڈورڈ گبن The Decline and Fall of the Roman Empire EMPIRE جلد پنجم، ص ۲۰۹ (ایڈیشن Eneryman's Library ۱۹۳۱)

۳۴ - فورسٹر، جلد دوم، ص ۱۱۲۔

۳۵ - الہمدانی، ابومحمد الحسن بن احمد بن یعقوب بن یوسف (متوفی ۳۳۴ھ) صفت جزیرۃ العرب ،

ص ۷۴ ۔ یاقوت الحموی، معجم البلدان، جلد سوم، ص ۲۱۷ ۔ المفضل بن محمد الضبی الکوفی، المفضلیات، ص ۴۱۶ ۔

۳۶ ۔ صفت، ص ۴۶ ۔ جواد علی، المفصل، جلد اول، ص ۱۶۷

۳۷ ۔ ابوعبداللہ یاقوت عبداللہ الحموی، معجم البلدان (مصر ۱۹۰۶) الحجاز، جلد سوم، ص ۲۱۷، ۲۲۰ ۔ النجد، جلد سوم، صفحات ۲۵۳، ۲۵۷ ۔ التہامہ، جلد دوم، صفحات ۴۳۶، ۴۳۸ ۔ الحسن بن عبداللہ الاصفہانی، بلاد العرب الریاض (۱۹۶۸ء : ۱۳۸۸ھ) ص ۳۳۶، ۳۳۷ ۔ ایضاً ص ۱۴ ۔

۳۸ ۔ بعض علماً کے نزدیک جزیرہ نما عرب نے ان لوگوں کی پرورش کی جو بعد میں ہلال اخضر میں منتقل ہو گئے اور پھر تاریخ میں بابلی، کلدانی، آمور، آرامی، فنیقی اور عبرانی کہلائے۔ The Historians, History of the World ۔ کی پہلی اور دُوسری جلدیں انہی لوگوں سے متعلق ہیں اور ان میں اس عنوان پر مفصل بحث ہے۔

۳۹ ۔ ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) المعارف (مصر ۱۳۷۹ھ : ۱۹۶۰ء) صفحات ۲۶، ۲۷ قرآن ان کا وطن احقاف بتاتا ہے۔

۴۰ ۔ عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طِسم، جدیس معدوم عرب قبائل تھے۔

۴۱ ۔ قرآن ۴۶ : ۲۱

۴۲ ۔ سید سلیمان ندوی، ارض القرآن (اعظم گڑھ، ہندوستان ۱۹۴۴ء) ص ۱۳۰ ۔

۴۳ ۔ قرآن ۷ : ۶۹

۴۴ ۔ ندوی، متذکرہ بالا، ص ۱۳۰

۴۵ ۔ ایضاً

۴۶ ۔ قرآن ۵ : ۵۳

۴۷ ۔ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۲۷، مزید ملاحظہ ہو ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۵۹ ۔ یعقوبی، تاریخ، جلد اول، ص ۲۰، ۲۲ ۔

۴۸ ۔ ابن قتیبہ، ص ۲۷ ۔

۴۹ ۔ قرآن (۸۹ : ۸) عاد شیخی بھگارتے تھے کہ ان سے بڑے اور طاقتور کوئی نہیں ۔ قرآن ۴۶ : ۱۵ ۔

۵۰ ۔ قرآن ۲۶ : ۱۳۹

۵۱ ۔ ابن خلدون، متذکرہ بالا، جلد دوم، ص ۲۰

۵۲ ۔ ثمود، قدیم عرب باشندوں میں سے تھے جو عادِ ارم (آرام) کی طرح پیغمبر اسلام کی بعثت سے کچھ پہلے

معدوم ہو چکے تھے۔ سرگون کا ۷۱۵ قبل مسیح کا کتبہ ثمود کا ذکر مشرقی اور وسطی عرب کے ان باشندوں میں کرتا ہے جن کو آشوریوں نے زیرنگیں کر لیا تھا (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد چہارم، ص ۷۳۶)

۵۳۔ دیوان امیہ بن ابی صلت (1911 (fr. Schulthess ص ۴۴۔

۵۴۔ المفضلیات، ص ۴۲۸۔ القرآن ۹ : ۷۰، ۱۴ : ۹، ۲۲ : ۴۲، ۴۰ ؛ ۴۱، ۲۵ : ۳۸، ۵۰ : ۱۲، ۳۸ : ۱۳، ۲۹ : ۳۸، ۱ : ۱۳، ۵۳ : ۵۱، ۶۹ : ۴۔

۵۵۔ قرآن ۸۹ : ۹

۵۶۔ الزمخشری، الکشاف، جلد چہارم، ص ۲۰۹۔ الطبری، التفسیر، جلد ۳۰، صفحہ ۱۱۴۔ الآلوسی، روح المعانی، جلد ۳۰، ص ۱۲۴۔

۵۷۔ الیاقوت، البلدان، جلد سوم، ص ۲۲۱۔ ابن منظور، لسان العرب (مصر جلد پنجم، ص ۲۴۲۔ صبح الاعشیٰ، جلد اوّل، ص ۳۱۴، نہایۃ العرب، ۱۳ : ۷۱۔

۵۸۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد اول، ص ۱۳۱۔

۵۹۔ کاسکل Lihyanisch، ایس ۳۷۔

۶۰۔ کاسکل

Das Altarabische, Konigreich Lihyan, 1951

Lihyan Und Lihyanisch, 1954,

۶۱۔ ہذیل کی دیگر شاخوں کی طرح لحیان مکّہ کے شمال مشرقی علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔ قبل اسلام کے شعراء نے ان کا ذکر کیا ہے، مثلاً حماسہ، ص ۴۳ پر مشہور شاعر تابط شر کے ساتھ ان کی جنگوں کا حوالہ ہے۔ یاقوت نے اپنی معجم، ایڈیشن Wustengeld جلد دوم، ص ۲۷۲۔ جلد چہارم، ص ۱۰۴ (تقابل حماسہ از البختری، ص ۸۰، ۸۱۔ ابن الجراہ، ایڈیشن H.H.Brau نمبر ۸۹، ۱۹۲۷، ص ۳۱) دوم، ۶۱۴ میں خزاعہ کے ساتھ ایک جنگ کا ذکر کیا ہے۔ ظہورِ اسلام سے پہلے لحیان، قریش کے زیر اثر تھے۔

ابن الکلبی (کتاب الاصنام) صفحہ ۵۷۔ یاقوت، معجم، جلد سوم، ص ۱۸۱ نے لحیان کو بعض پروہتوں کے فرائض تفویض کیے ہیں، مثلاً (سدانا) ہذیلی مسلک میں دیوتا سُوا۔ شمالی حجاز میں سیکڑوں کتبوں اور گرافتی کی دریافت نے نہ صرف اس شُبہ کی تصدیق کر دی ہے بلکہ طلوعِ اسلام سے کئی صدی قبل لحیانی ریاست کا وجود بھی ظاہر کیا ہے (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد سوم، ص ۲۶)

۶۲۔ Sir Alexander B.W, Kennedy, Petra, Its History and Monuments (لندن ۱۹۲۵) ص ۳۳۔

۶۳۔ جواد علی، متذکرہ بالا، جلد سوم، ص ۶۔

۶۴ ۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، ج ۱۷، ص ۱۵۱ ۔

۶۵ ۔ Clermont Ganneau, Les Nabatien en Egypt in Recueil d Arab Vol.III, 1924, p. 229

۶۶ ۔ The Bible Dictionary, Vol. I, p. 107

۶۷ ۔ N.Glueck, The Story of the Nabataeans, نبطیوں کے متعلق ص ۵۴۳ ۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے مندرجہ ذیل تصنیفات ملاحظہ کیجئے :

Josephus Flavius (37-100 A.D.)

Goudaike Archaeologia and Periton Goidaikon Polemon, A.R. Shillato, The Works of flavius gosephus in 3 vols. (Bohns Standard Library). Mark Libzbarski, Handbuck der Nordsemitischen Epigraphike Nebst Ausgewahlten Inschriften, Weimar, 1898, Emphemeris fur Semitische Epigraphik, I, Giessen 1901 II, 1903 III, 1912.

G.A.Cooke, A test book of North- Semitic Inscriptions Moabite, Hebrew, Phoenician, Aramaic, Nahataean, Palmyrene, jewish, Oxford, 1903. Berytus, Archaeological Studies, published by the Museum of Archaeology of the American University of Beirut, Vol. I, American Press Beirut, 1934. Sir Alexander B.W.Kennedy, Petra, Its History And Monuments, London 1925.

J.Hastings, Ency: of Religion and Ethics, Vol. IX Murry, The Rock City Petra.

The Universal jewish Eneyclopeadia.

The Cambridge Ancient History. N.Glueck. The Story of the Nabataeans.

۶۸ ۔ پامیرا قومی کتبوں میں تدمور کہلاتا ہے اور یہی نام اس وقت عربوں میں شناسا ہے ۔ یہ جگہ دمشق سے ۱۵۰ میل شمال مشرق میں واقع ہے اور صحرائے شام کے ایک نخلستان فرات سے اونٹ پر پانچ دن کی راہِ سفر ہے ۔ قدیم زمانہ میں اس مرکز پر عظیم تجارتی راستے ملتے تھے ۔ فنیقی حصّوں سے خلیج فارس کو جانے والے ، اور

دُوسرا لطراء سے جنوبی عرب کو آنے والا تجارتی راستہ یہاں ملتے تھے (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا جلد ۱۷، صفحات ۱۶۱، ۱۶۲) یہ قابلِ غور ہے کہ قصیؔ نے مکہ میں مجلسِ شیوخ قایم کی جو تدمور کے عملی نمونہ پر تھی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے:

William Wright, Ancient Account of Polmyra and Zenibia with Travels and Adventures in Bashan and the Desert, London, 1896 , p.110. Freya Sterk Rome on the Euphrate, New York 1967, Mommsan Provinces of the Roman Empire, Rostoutzeff, Caravan cities Oxford, 1932, gibbon: The Decline And Fall of the Roman Empire, Musil, Palmyra.

۶۹ ۔ جواد علی، متذکرہ بالا، جلد سوم، ص ۸۱۔

۷۰ ۔ ایک کتبہ میں معبود وَدّ کا ذکر ہے ۔ یہ اصطلاح، جو یقیناً ایک قربان گاہ کا نام ہے، مسلم عرب روایات میں غیر معروف نہیں (آغانی ۹ ۳، ۶۸۸ ۔ ابن درید، کتاب الاشتقاق، ص ۱۹۷) ان کے چند معبود اللہ، الات، وَدّ، یغوث اور ایک الٰہ ذوغبت تھے (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، سوم، ص ۲۷)

۷۱ ۔ جواد علی، المفصل، جلد سوم

۷۲ ۔ ایضاً

۷۳ ۔ ایضاً ص ۸۰

۷۴ ۔ غسّان یمنی نژاد ایک عرب خاندان تھا۔ عرب مؤرخ اس کے متعلق مختصر حالات بتاتے ہیں۔ الہمدانی، صفت جزیرۃ العرب، ۲۰، اخبار (ایڈیشن (Gothwald) صفحات ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱ ۔ تاریخ لیعقوبی (ایڈیشن Houtsna جلد اوّل، ص ۱۷۵، ۲۲۵، ۲۳۶ ۔ مسعودی، مروج ۲ : ۲۲۲ ایڈیشن محمد محی الدین ۔ ابن قتیبہ، کتاب المعارف، ایڈیشن Wustanfeld ص ۳۱۳، ۳۱۴ ۔ ۳۱۶ ۔ العقد الفرید ۱ : ۸۸ ۔ تاریخ ابوالفدا (ایڈیشن Barbier de Meynard et panet de Courteille) III ص ۲۱۵، ۲۲۰، ۳۹۰، ۳۹۶ ۔ ابن الاثیر، کامل (ایڈیشن (Toruberg) i ۔ ۸ ۳۹ ۔ ۴۰۰، ۴۰۴ ۔ طبری، اخبار (ایڈیشن (de Geoje i ۔ ۹۵۸ ۔ الواقدی ص ۳۰۹ ۔ افغانی، نہم، ۱۶۵ ۔ ۱۶۷، چہار دہم ۳ ۔ ۵ اور اشاریہ ۷۰ ۔ s ۔ یاقوت، معجم، اوّل، ۳، ۷ ۔ دوم ۳۲۵، ۳۲۶ ۔ دیوان حسان بن ثابت، اخبار الطوال، صفحات ۶۸ ۔ ۹۱ ۔ جواد علی، المفصل، جلد سوم، صفحات ۳۸۷ ۔ ۴۲۶ ۔

۷۵ - ہجرت سے دو سو سال قبل لخمیوں کی فاضل آبادی جزیرہ نما کے علاقوں شام، فلسطین اور عراق میں پھیل گئی تھی جہاں انہوں نے حیرا میں ایک لخمی فیلارکی قایم کی۔ عرب مؤرخوں نے مندرجۂ ذیل کتابوں میں حال بیان کیا ہے:

ابن درید، کتاب الاشتقاق، صفحات ۲۲۵ - ۲۲۷۔ تاریخ الطبری، ج ۲ - ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ۲، ۸۵ - بلوغ الارب، ہمدانی، صفحت جزیرۃ العرب، ایڈیشن جی، ایچ ملر، صفحات ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۲۰۵، ۲۰۶ - یاقوت، البلدان، تاریخ، ایڈیشن Houtsma، ۱، ۲۲۹، ۲۶۴ - کتاب البلدان، ایڈیشن de Goeje، ص ۵۹، ۱۳۶ - ابن الاثیر، الکامل، ا : ۱۶۲ - مسعودی، مروج، ایڈیشن پیرس ۱۷، ۳۵۳، ۷، ۱۹۲ - نہایۃ العرب، ۱۵ : ۳۴۸ - الکندی، مصر کے گورنر اور قاضی، ایڈیشن Rhuvon Guest صفحہ ۴۵، ۱۵۱، ۱۶۲ - الافغانی ۱۰ - ۲۲ -

۷۶ - ابن درید، الاشتقاق، ج ۲ ص ۲۱۸ - ابن حزم، جمہرہ انساب العرب (مصر ۱۳۸۲ : ۱۹۶۲) ص ۴۲۵ -

۷۷ - Gunner Olinder, The Kings of Kindah, 1924, p. 114

۷۸ - الہدانی، صفت، صفحہ ۸۵ - ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۵۷ -

۷۹ - لیعقوبی، تاریخ، جلد اوّل، ص ۲۱۶ - ۲۲۰ -

۸۰ - لیعقوبی، جلد اوّل، ص ۲۱۹ - ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۷۳ -

۸۱ - ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد اوّل، ص ۵۱۳ ff - اولنڈر، ص ۴۲ -

۸۲ - ابوالفداء، کتاب المختصر فی اخبار البشر، بیروت، جلد اوّل، ص ۹۲ -

۸۳ - اولنڈر، ص ۴۶ -

۸۴ - شرح دیوان لبید بن ربیعہ العامری، ص ۵۵، ۲۷۵ - اولنڈر کے خیال میں حارث نے ۵۰۹ء عیسوی میں اقتدار حاصل کیا۔ (اولنڈر، ص ۵۶)

۸۵ - الطبری نے مزدکیت کی تعلیمات کا اختصار دیا ہے، تاریخ، ایڈیشن حسینیہ، جلد دوم، ص ۸۸ -

۸۶ - ابن اثیر، الکامل، جلد اول، ص ۵۱۲ - یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قباذ کی کمزوری کے پیش نظر حارث نے خود المنذر کو شکست دی اور حیرہ پر قبضہ کر لیا (جواد علی، جلد سوم، ص ۵ - ۳۳۴) اس نے قباذ کو راغب کر کے عرب کی سرحد کے ساتھ فرات کے زیریں علاقہ میں مراعات حاصل کر لیں (جواد علی، جلد سوم، ص ۳۳۶ - ۳۳۷) حیرہ ۵۲۵ سے ۵۲۸ تک حارث کے قبضہ میں رہا، فارس میں

مزدکیت کے زمانہ عروج میں (اولنڈر، ص ۶۵)۔

۸۷ - اولنڈر، ص ۶۶

۸۸ - ابن اثیر الکامل، جلد اول، ص ۵۱۱ اور اس سے آگے۔ المفضلیات، ص ۲۰۸ - النویری، نہایۃ العرب، ۱۵: ۴۰۶ - العقدالفرید ۶ : ۸۷ - ابوالفدا، کتاب المختصر، جلد اول، ص ۹۲ - نقائص جریر والفرزدق، جلد اوّل، ص ۴۵۲ (1907 Leiden) الیعقوبی، جلد اوّل، ص ۲۱۶ - القلقشندی، الصبح الاعشیٰ ۱ : ۳۲۸ -

۸۹ - ابن خلدون، جلد دوم، ص ۲۷۶ - ابوالفداء، جلد اوّل، ص ۹۳ - ابن الاثیر، الکامل، جلد اول، صفحات ۵۱۸ - ۵۱۹ -

باب ۲

قبل از اسلام عرب میں نظامِ عدل

سیاسی نظام

قبل از اسلام عرب معاشرہ دو قسم کے عربوں پر مشتمل تھا ؛
(۱) بدو اور خانہ نشین یا خیمہ میں رہنے والے (اہل الوبر)
(۲) ساکنانِ شہر (اہل المدر)

سرداری

سرداری (رئاسہ یا مشائخہ) خانہ بدوشوں میں سیاسی نظام کی بنیاد تھی اور خانہ نشینوں کا سیاسی نظام بادشاہت یا شہری ریاست (الملکیہ یا رئاسہ القریٰ والمدن) پر مبنی تھا۔[1] دونوں طریقوں کے سیاسی نظام اور عدالتی اداروں سے علیحدہ علیحدہ بحث کی جائے گی۔

قبیلہ سرداری کی بنیاد تھا جو خونی رشتوں پر استوار تھا (رابطہ الدم)۔ ایک شخص کی اولاد قبیلہ کی تشکیل کرتی تھی اور ان کا مشترک نسب ان کو ایک سماجی اور سیاسی نظام میں متحد رکھتا تھا۔ کسی قبیلہ کا وطن وہ سرزمین ہوتی جہاں ان کی ابتدا ہوتی یا جو ان کے قبضہ میں ہوتی۔ قبیلہ اور زمین کی بنیاد پر ایک سردار کی رہبری میں سرداری قائم ہوتی تھی۔ مختلف قبائل میں سرداروں کو مختلف نام دئیے گئے تھے ؛

رئیس، بعل، رب، سید اور شیخ جیسے نام خاص طور پر مشہور تھے۔ ہشام بن المغیرہ بطور رب قریش[2] پہچانا جاتا تھا۔ عمرو بن جعید سید تھا، ربیعہ اور حذیفہ بن بدر، سیدِ غطفان کہلاتا تھا[3] اور وہ ربِ معد کے طور پر بھی مشہور تھا۔[4] قیس بن عاصم، سیدِ اہل الوبر تھا۔[5]

سرداریوں کے اتحاد اور سالمیت کا انحصار ان کے سیاسی شعور کی سطح پر تھا۔ وسطی عرب میں واقع دور کے علاقوں میں ایک طاقتور مہم جو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے اپنی ذاتی حکومت قائم کر لیتا۔ چونکہ اس کی حکومت کی بنیاد اس کی ذات کے سوا کچھ نہ ہوتی اس لیے اس کی وفات پر اس کی سرداری انتشار کا شکار ہو جاتی۔

دورِ جاہلیت کی اسی روایت کی پیروی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعض عرب قبائل نے مذہب اسلام ترک کر دیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ان کی وفاداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی جو ان کی وفات پر ختم ہو گئی۔ پس وہ کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کریں گے نہ حکومت کے واجبات یعنی زکوٰۃ و صدقات ادا کریں گے۔ یہ تاریخی واقعہ قبل از اسلام کے ذاتی، مقامی، علاقائی اور قبائلی مفاد پر مبنی سیاسی اور عدالتی نظام اور عالمی اصولوں اور اعلیٰ نظریات پر قائم ہونے والے اسلامی نظام کے درمیان حدِ فاصل کی نشان دہی کرتا ہے۔

پانی، سبزہ اور روئیدگی کے مقامات پر قائم ہونے والی سرداری نے اہل قبیلہ کو اس اقتدار کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیا جو ان کے آباؤ اجداد کے اختراع کردہ بعض اصولوں پر مبنی تھا۔ ایک سردار کی اطاعت، امن و جنگ میں اس کے حکم کی تابعداری، قبیلہ کی روایات، رواج اور عادات کی پابندی اس دستور کے بنیادی اصول تھے۔ عموماً قبائل میں موروثی اصول رائج تھا جس کے مطابق سردار کا سب سے بڑا بیٹا اس کا جانشین ہوتا۔ حصن بن حذیفہ بن بدر نے اپنے بیٹے عُیَینہ کو اپنے بعد حکومت کے لیے جانشین مقرر کیا۔ عُیَینہ اپنے لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے دُوسروں سے زیادہ اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ حصن نے اپنے بیٹوں کو بُلایا اور عُیَینہ کو مخاطب کرکے اعلان کیا "تم میرے جانشین اور میرے بعد اپنے لوگوں کے سردار ہو۔" اس کے بعد اس نے انھیں ہدایات دیں۔ اس کے لوگوں نے اس کی نامزدگی قبول کی اور عُیَینہ کے اقتدار کے سامنے سرِتسلیم خم کیا۔

بعض حالات میں سرداروں کا تقرر چناؤ سے بھی ہوا۔ جب کسی سردار کا سب سے بڑا بیٹا لائق نہ ہوتا یا ایک سردار کی مختلف بیویوں سے کئی بیٹے دعویدار ہوتے تو قبیلہ کے ممتاز افراد اور شیوخ اپنے لیے آپس میں سے ایک مناسب سردار چُننے کے لیے جمع ہوتے۔ یہ چناؤ محض لیاقت کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

ایسی مثالیں بھی موجود ہیں جبکہ کسی سردار کا سب سے بڑا بیٹا جانشین نہ بنا اور شیوخ کی مجلس بھی اپنے میں سے کوئی مناسب شخص نہ چُن سکی تو یمن کے بادشاہوں سے درخواست کی گئی کہ خارج از قبیلہ ایک سردار مقرر کر دیں۔ کندہ خاندان کے بادشاہ اس دستور کی اچھی مثال پیش کرتے ہیں۔ ایسی سرداریاں نجد اور یمامہ کے بعض حصّوں میں قائم ہُوئیں۔ سرداری کے اقتدار اور علاقہ میں اس وقت توسیع ہوئی جب مختلف قبائل نے اتحاد قائم کیے۔

قبیلہ کے فیضان کے دُو سرچشمے ہوتے تھے: نسب اور بُت پرستی۔ کسی قبیلہ کا بڑا بزرگ اس کے افراد کو خُونی رشتوں میں مضبوط رکھنے کے لیے قوتِ محرکہ ہوتا تھا۔ حملوں اور جنگ کے دوران قبیلہ کے افراد کے جذبات اُبھارنے اور سُورماؤں کو بہادری کے کام پر اکسانے کے لیے اس کے نام کی دُہائی دی جاتی۔ بت ان کے لیے روحانی تسکین فراہم کرتے تھے۔ ان سے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کی جاتی اور برکت کے لیے انھیں میدانِ جنگ میں ساتھ لے جایا جاتا۔ قریشِ مکّہ نے پیغمبرِ اسلام کے خلاف جنگوں میں اپنے بتوں کو پکارا۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمان پسپائی پر مجبور ہو گئے تھے تو ابُوسفیان کی قیادت میں قریش نے اپنے بڑے بت ہبل (واہبل) کی عظمت کو خراجِ عقیدت

پیش کیا (اُعلُ ھبل)۔

بادشاہتیں

بادشاہتیں عرب کے ان حصوں میں قائم ہوئیں جو زرخیز تھے اور جہاں پانی، سبزہ اور روئیدگی کی بہتات تھی۔ یمن، عراق، شام اور عراق و شام کا درمیانی علاقہ جو جزیرہ نما عرب کی سرحد پر تھا۔ عرب بادشاہتوں کے لیے سب سے موزوں مقامات تھے۔ یمن میں معینیہ کی بادشاہت، حضرموت کی بادشاہت، قتبان اور سبا کی بادشاہتیں عرب کے جنوبی حصہ میں قائم ہوئیں جبکہ دیدان، لحیان، نبط، تدمور، حیرہ، کندہ اور غسان کی بادشاہتیں عرب کے مغربی اور شمال مغربی حصوں میں قائم ہوئیں۔ زمین کی زرخیزی اور پانی کی افراط ان عرب بادشاہتوں کے اپنے مقام پر قائم ہونے کی دو بڑی وجوہ تھیں۔ زیادہ تر ان کے دار السلطنت تجارتی مراکز بھی تھے۔ مشرق و مغرب کی تجارت انھیں کے ذریعہ رواں تھی جو ان کے لیے دولت و خوشحالی لائی۔ مکہ کی تجارتی بستی اور مدینہ کا نخلستان بادشاہتیں نہیں تھیں مگر علی الترتیب تجارت اور زراعت کے لیے بہت اہم تھیں۔ مکہؓ خصوصاً اپنے اندر سب سے بڑا مقدس مقام رکھنے کی وجہ سے مقبول تھا۔

وسطی مغربی عرب میں نظام عدل

سیاسی نظام خواہ سرداری کے تحت ہوتا یا بادشاہت پر قائم ہوتا اس کے تین عناصر تھے:

(۱) الہ یا الٰھہ جس کی تکریم حاکم اور عوام دونوں کرتے تھے۔

(۲) حاکم جو کاہن، ملک، امیر یا سیّد کہلاتا تھا۔ عوام کے لیے اس کی تابعداری اور امن و جنگ میں اس کے احکام کی تعمیل لازمی تھی۔

(۳) عوام دیوتاؤں کے اقتدار اور حاکم کے احکامات کے فرمانبردار اور اطاعت کیش تھے۔ سب سے قدیم تاریخی شہادت سے پتا چلتا ہے کہ عرب میں بادشاہتوں کے قیام سے پہلے مکربوں (مقرب کا مترادف) کی مذہبی حکومت تھی یہ کاہن، ملک تھے جو شاید ان علاقوں میں اللہ کے مبعوث انبیا کی نقل کرتے تھے۔ یہ تصور کیا جاتا تھا کہ ان کو الہام ہوتا تھا جس کی تعبیر وُہ اپنے عوام کے لیے کرتے تھے۔ وُہ خدا کے نائب تصوّر ہوتے تھے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وہ القا کے تحت فیصلہ کرتے تھے۔[۱]

آسمانی الہام سے فیضیاب حاکم کاہن ملک کی حکومت کی نقل اندرونِ عرب کی سرداریوں اور جزیرہ نما کے جنوب و شمال مغرب کی بادشاہتوں نے کی۔ جنوبی اور شمالی عرب کی بادشاہتوں کے حاکموں کا اختیار کردہ لقب "ملک تھا"۔ یہ لقب اتنا پُروقار تھا کہ بعض قبائل کے سرداروں نے جو دراصل بادشاہ نہیں تھے اسے از خود اختیار کر لیا۔

علم صرف کی رُو سے لفظ ملک سامی زبانوں میں کونسلر یا مشیر کے مفہوم میں استعمال ہوتا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک، بادشاہ بننے سے پہلے اپنے قبیلہ میں جج (قضاۃ) تھے اور عوام اپنے تنازعات کے تصفیہ کے لیے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے[۱۲]۔ ایسے حوالے مساوی طور پر ان پیغمبروں اور ججوں پر منطبق ہوتے تھے جن کا ذکر انجیل میں ہے جب ملک نے بادشاہ کے اختیارات اپنا لیے تب بھی اس نے اپنا اپنے عوام میں نظم و نسقِ عدل کا بنیادی فریضہ جاری رکھا اور ان کی رہنمائی و مدد کے لیے عدلیہ، مقننہ اور مشاورتی ادارے قائم کیے۔

عموماً قبائل میں سرداری اور بادشاہتوں میں شاہی موروثی تھی۔ سب سے بڑے بیٹے اپنے باپ کے جانشین ہوتے تھے۔ لیکن عملاً اہلِ قبیلہ نئے سردار یا بادشاہ کا تقرر محض وراثت کی بنا پر قبول نہ کرتے تھے۔ وہ اپنا اطمینان کرنا چاہتے کہ آیا ان کا نیا سردار یا بادشاہ ان خصائل کا حامل ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی چراگاہوں اور آبرو کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ عامر بن طفیل نے اس تخیل کو چند اشعار میں مختصراً بیان کیا ہے[۱۳]۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ نامزدگی اور چناؤ کے اصول بھی اپنائے جاتے تھے۔

قانون ساز اور مشاورتی ادارے

یُوں معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی اور شمالی عرب کے بادشاہ اور سردار اہلِ خرد کا لحاظ کرتے تھے۔ انھیں خدائی اختیار حاصل نہ تھا کہ جس طرح چاہتے طاقت کا استعمال کرتے۔ ان کے پاس مشاورتی ادارے تھے جو ریاست اور عوام سے متعلق نازک مسائل کا فیصلہ کرنے میں مشورہ دیتے اور رہ نمائی کرتے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ انتظامات ان بادشاہوں نے کیے ہوں جو ان پیغمبروں کی وحی اور تعلیم پر ایمان رکھتے تھے جو ان کے درمیان پیدا ہوئے تھے۔

کتبے اور دیگر تاریخی شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ جنوبی عرب کے بادشاہوں نے شیوخ کی مجلس کے زیرِ نگرانی حکومت کا ایک جامع طریقہ وضع کیا تھا[۱۴]۔ ان اداروں کا عام نام مزود تھا۔ معینیہ نے انھیں مزددن معین کہا ہے اور قتبانیہ نے طبن اور سخن، نیز سبا نے عہر بھی کہا ہے۔ ان اداروں کے ارکان اپنے سماجی مرتبہ، نجابت خاندان و کردار اور انسانی مسائل میں عملی فراست اور بصیرت کی بنیاد پر نامزد کیے جاتے۔ وہ سرکردہ، ممتاز اور نامور لوگ ہوتے تھے۔ آج کی اصطلاح میں وُہ چیدہ ترین اور منتخب روزگار (صفواہ وغیرہ) ہوتے تھے جو عوام کی رائے عامہ کی نمائندگی کرتے اور حاکم کو سیدھے راستہ پر رکھتے۔ مذہبی بزرگوں کو ایسے اداروں میں نمائندگی دی جاتی۔ پیشہ ور انجمنوں کے نمائندوں (اصحاب الحراف والعمل) سے بھی مشورہ کیا جاتا۔

مشاورتی اداروں کے فرائض و مناصب میں ریاست کو درپیش پیچیدہ مسائل کا اندازہ لگانا اور تشخیص کرنا، حاکم کو نازک معاملات کا فیصلہ کرنے میں مدد دینا، ٹیکس اور زرعی واجبات کی تجاویز مرتب کرنا شامل تھا[۱۵]۔ جب کہ قانون ساز ادارہ مزود قانونی، عدالتی، انتظامی، اقتصادی، زرعی اور مذہبی معاملات میں قرار دادیں منظور کرتا جو

بادشاہ کو اس کی منظوری کے لیے پیش کر دی جاتیں جس کے بعد وہ ملکی قانون بن جاتیں۔[۱۶] غیر مذہبی بادشاہتوں میں منتخب روزگار اور دیگر مشاورتی اداروں سے وہاں مشورہ لیا جاتا ہوگا جہاں اعلیٰ نسب افراد ملوث ہوتے اور عام آدمی کے معاملہ میں حاکم کی اپنی رائے غالب رہتی ہوگی۔

مغربی جزیرہ نما عرب میں قائم ہونے والی بادشاہتیں بھی شیوخ کی مجلس سے رہنمائی حاصل کرتیں اور ان کے زیرِ نگرانی چلتیں۔ عرب کے اس خطہ کے بادشاہ اپنے مشاورتی اداروں سے مشورہ حاصل ہونے کے بعد فیصلے کرتے اور پالیسی مرتب کرتے۔ لحیانی خاندان کی مجلسِ شوریٰ کو حبل کہا جاتا تھا۔[۱۷] ایک کتبہ اس وقار اور عزت کی بنا پر جو اسے حاصل تھی اس کو عظیم الشان مجلس (الاعلیٰ الشان) بیان کرتا ہے۔

تدمور نے رومن کونسل بزرگان کی طرز پر ایک مجلسِ شیوخ قائم کی تھی۔ یہ تدمور کے شرفا اور معززین پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ بڑی سماجی حیثیت کے مالک تھے۔ ان کو قانون سازی کا اختیار تھا۔ یہ مجلس ایک صدر اور ایک سیکرٹری کی سربراہی میں قائم تھی۔[۱۸] معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ صرف ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں تک محدود تھا۔ باقی عوام الناس کو شرفاء کی دانشمندی کا فائدہ نہیں پہنچتا تھا۔ ممکن ہے یہ مجالس حاکم خاندان کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لیے قائم کی گئی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصر، غسان اور کندہ کی بادشاہتوں میں کوئی مشاورتی ادارہ نہیں تھا اور ان خاندانوں کے بادشاہ ستمگری اور مطلق العنانی کی طرف مائل تھے۔[۱۹]

مندرجہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جنوبی اور مغربی عرب کی ان بادشاہتوں میں عدالتی فرائض عموماً ان ریاستوں کے مشاورتی اداروں کے ارکان ہی انجام دیتے تھے۔ تاریخ کے اس قدیم دور میں مقننہ اور عدلیہ کی علیحدگی کا تصور نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہی مجلس کے ارکان معاشرہ کے مختلف طبقوں سے لیے گئے ممتاز اور سرکردہ افراد تھے۔ انھیں اپنے ان عوام کا مکمل اعتماد حاصل تھا جو اپنے تنازعوں کے تصفیہ کے لیے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ سردار اور شیوخ جو قانون ساز بھی تھے تنازعوں کا فیصلہ قبائلی رسوم، رواج اور روایت کے مطابق کرتے تھے۔ اگر کسی فیصلہ کے دوران انھیں پتا چلتا کہ بدلے ہوئے حالات میں کسی خاص شعبۂ زندگی میں نیا قانون بنانے کی ضرورت ہے تو وہ ایک قرارداد منظور کر کے اور سردار یا بادشاہ کی منظوری حاصل کر کے یہ کام انجام دیتے۔

حجاز میں نظامِ عدل

حجاز میں حالات جنوبی اور مغربی عرب سے مختلف تھے۔ مکہ، یثرب اور طائف جیسے چند مقامات پر خانہ نشین آبادی (اہل المدر) پائی جاتی تھی اور بقیہ حجاز کے لوگ بدو (اہل الوبر) تھے۔ خانہ نشینوں میں نظامِ عدل بدوؤں کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ اور اعلیٰ تھا۔

بدوؤں میں سماجی نظام کی اساس قبیلہ تھا جو چند سو یا چند ہزار افراد پر مشتمل ہوتا۔ ایک قبیلہ اپنے آپ کو عموماً

مختلف نخلستانوں کے علاقہ سے وابستہ کر لیتا جو انھیں ضروری خوراک مہیا کرتا اور جسے وہ سنگین ناگہانی حالات میں ہی چھوڑتے۔

قبائل میں مقدمات کا تصفیہ

قبائلی نظام کے مجموعی خدوخال کو دیکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قبیلہ کے درمیان معمولی مقدمات اور تنازعے عموماً مقامی سردار اپنی ہی سطح پر فیصل کر دیتے۔ وہ قبائلی رسوم، رواج، روایت اور طریق سے بخوبی واقف ہوتے تھے، وہ اپنی برادری کے قائد اور نمایاں افراد ہوتے تھے۔ اہلِ قبیلہ کو ان پر مکمل اعتماد ہوتا تھا اور وہ بلا جھجک ان کے فیصلے قبول کرتے تھے۔

جہاں تک پورے قبیلہ سے متعلق معاملات کا تعلق ہے مثلاً دیگر قبائل کے ساتھ جنگ یا بین القبائل سماجی و سیاسی تنازعے یا زیادہ پیچیدہ قبائلی معاملات تو ان کا فیصلہ شیوخ کی مجلس قبیلہ کے سردار کی سربراہی میں کرتی تھی۔ ہر قبیلہ کا ایک سردار (رئیس یا شیخ) ہوتا اور قبیلہ کے ممتاز اور نامور افراد پر مشتمل ایک شیوخ کی مجلس (مجلس الشیوخ یا نادی القوم) ہوتی تھی۔ قبیلہ کا سردار ایک افضل رکن ہوتا تھا جس کی سربراہی اس کی عمیق فکر و ذکاوت اور اس کے مشورہ کی سنجیدگی، رہنمائی کی اہلیت اور عوام کو دوران جنگ تحفظ دینے اور قبیلہ میں امن و امان قائم رکھنے کی صلاحیت کے باعث تسلیم کی جاتی۔[۲۰] جب کبھی کوئی اہم معاملہ فیصلہ طلب ہوتا تو وہ سردار کے سامنے پیش کیا جاتا جو مجلس کا اجلاس طلب کرتا۔ معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور بحث ہوتی۔ ارکان کو اظہارِ رائے کی پوری آزادی ہوتی۔ دونوں فریق کو سننے اور معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کے بعد مجلس اپنی رائے قایم کرتی اور فیصلہ پر متفق ہوتی۔ آخر میں صدرِ مجلس فیصلہ کا اعلان کرتا۔ مجلس کا فیصلہ حتمی ہوتا جس کے خلاف عموماً کوئی اپیل نہ ہوتی۔ مقدمہ کے فریقین کو انھیں دلائل پر مقدمہ کو از سرِ نو شروع کرنے کی اجازت نہ تھی۔ مجلس قبیلہ کے چیدہ ترین اور منتخب روزگار افراد پر مشتمل ہوتی چنانچہ وہ اپنی قوم کے نمائندے سمجھے۔ اسی لیے ان کے متفقہ فیصلوں کو مستند سمجھا جاتا اور فریقین مقدمہ بخوشی انہیں قبول کرتے۔ زیادہ پیچیدہ سماجی و سیاسی مسائل پر مجلس قرار دادیں منظور کرتی اور آئندہ پیروی کے لیے ایک نئی سنت اور نظیر قایم کرتی۔ اس حیثیت میں یہ مجلس، قانون ساز ادارے کا کام بھی سرانجام دیتی۔

اگر قبیلہ کا کوئی رکن مجلس کے فیصلہ کی تابعداری نہ کرتا یا قبیلہ کے فرد کا مجرمانہ طرزِ عمل دوسروں کے لئے باعثِ ایذا ہوتا تو خاندان کے معاملات میں باپ اور قبیلہ یا بین القبائل معاملات میں سردار بڑے بڑے قبائلی اجتماعات جیسے حج یا عکاظ کے موقع پر اعلان کرتا کہ مجرم نے نقضِ عہد کر دیا ہے۔ اس کے بعد اسے باغی (خلیع) قرار دے دیا جاتا۔[۲۱] کسی بدو پر اس سے بڑی کوئی مصیبت نہ تھی کہ وہ اپنے قبیلہ سے رشتہ کھو بیٹھے۔ کیونکہ بے قبیلہ فرد عملاً حمایت و حفاظت کے دائرے سے خارج تھا۔ ایک باغی کو ہر کوئی، یہاں تک کہ خود اس کے قبیلہ کا رکن بلاخوفِ سزا



صفا مروہ کا ایک منظر

قتل کر سکتا تھا۔

مکّہ کی شہری ریاست

مکّہ ایک بہت قدیم بستی ہے۔ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی جنھوں نے اپنی بیوی ہاجرہ کو مع اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے مکّہ میں آباد کیا۔ جرہم کا قبیلہ یمن سے آیا اور وُہ بھی مکّہ میں بس گیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی جرہم میں ہُوئی۔ اس کے بعد جرہم عرصہ دراز تک اس مقدس مقام پر بااختیار رہے۔ پھر یہ خزاعہ کے ہاتھ میں چلا گیا جن کے ساتھ بنوبکر بن عبد مناۃ بن کنانہ شریک تھے۔ خزاعہ اور ان کے حلیفوں کو قصیؔ بن کلاب نے نکال باہر کیا۔ بقول ابن قتیبہ، رومی شہنشاہ سیزر نے خزاعہ کے خلاف قصیؔ کی مدد کی[۲۲]۔ قصیؔ کے تعلقات بنوعذرہ سے تھے۔ اس کے باپ کلاب کی وفات کے بعد اس کی ماں فاطمہ بنت سعد نے بنوعذرہ کے ربیعہ بن حرم سے شادی کر لی۔ چھوٹا بچہ ہونے کے سبب قصیؔ کو اس کی ماں بنوعذرہ کے علاقہ میں لے گئی جو شام کی سرحد پر تبوک کے نزدیک رہتے تھے۔ فاطمہ اپنے بڑے بیٹے زہرہ کو مکّہ میں اس کے لوگوں میں چھوڑ گئی تھی۔ بنوعذرہ غالباً بازنطینیوں کے زیر تھے۔ سنِ بلوغت کو پہنچ کر قصیؔ مکّہ واپس آ گیا اس نے اپنے آدمیوں کو خزاعہ کے خلاف متحد کیا[۲۳]۔ بنوعذرہ سے اس کی رشتہ داری نے اسے سیزر سے مدد حاصل کرنے کا موقع دیا۔ بکھرے ہوئے قریش کے لوگوں کو متحد کرنے کے سبب قصیؔ "جمع کرنے والا" (مجمعاً)[۲۴] کہلاتا۔ وُہ مکّہ کے سیاسی نظام کا سرخیل بانی تھا۔ اس نے قریش کو خانہ بدوشوں سے یک جگہ آباد برادری بنا دیا[۲۵]۔

ترقیاتی منصوبے

قصیؔ بن کلاب نے مکّہ کے لیے ایک ترقیاتی منصوبہ بنایا۔ اس کی زمین کی حد بندی کی۔ اس کو ضلعوں میں تقسیم کیا اور اپنے لوگوں میں بانٹ دیا اس نے مکانی بنانے کے لیے حرم کے درخت کاٹ ڈالے (ابن ہشام، سیرۃ، ایڈیشن قاہرہ، ج ۱، ص ۱۲۵) اس نے منتقل ہونے والے گھر (خیمے) جو وادیٔ مکّہ کے نواح میں حرم کے درختوں کے درمیان تھے گرواتے اور لکڑی کے ستونوں اور چھتوں والے غیر منتقل اور مستقل گھر بنائے۔ اس نے قریش کو دو حصّوں میں تقسیم کیا:

قریش البطاح اور قریش الظواہر۔ (ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۱۷۔ جواد علی، جلد چہارم، ص ۲۷)

البطاح

اس نے قریش کے سربراہ خاندانوں کو مستقل گھروں میں آباد کر دیا جو اس علاقہ میں بنائے گئے تھے جو لبطاح

کہلاتا تھا (ایضاً) یہ بنو عبد مناف، بنو عبد الدار، بنو عبد العزیٰ، بنو عبد بن قصی، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرہ، بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جمح، بنو عدی، بنو حسل، بنو ہلال تھے (رسائل، الجاحظ، ایڈیشن صندوبی، مطبعہ رحمانیہ، ۱۹۳۳ء، ص ۱۵۶۔ المسعودی، مروج الذہب، ۱۹۵۸ء، ج ۱، ص ۵۸) وہ قریش میں سب سے مکرم اور معزز تھے (تاج العروس، ج ۲، ص ۱۲۵ زیر لفظ بطاح) انہوں نے اپنے آپ کو تجارت اور خدمتِ کعبہ میں لگا لیا اور دولت مند و خوشحال ہو گئے۔ مکہ سے باہر خصوصاً طائف میں ان کی جائدادیں تھیں۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے جنھیں خانہ بدوش چراتے (ابن الاثیر، الکامل، جلد دوم، صفحہ ۸۔ البلاذری، انساب، جلد اول، ص ۳۹)

ظواہر

باقی قریشِ مکہ کے اطراف میں آباد ہو گئے تھے اور ظواہر قریش کہلاتے تھے۔ یہ خانہ بدوش تھے اور خیموں میں رہتے تھے۔ ان کی تہذیب و ترقی مکہ کے مستقل علاقوں میں رہنے والے قریش سے کمتر درجہ کی تھی۔ وہ اپنی جنگجو یانہ صلاحیتوں پر فخر کرتے تھے اور مضافات میں رکھے گئے تھے تاکہ بطاح کے دولتمند اور حرم کعبہ میں رہنے والے قریش کی حفاظت کریں (جواد علی، جلد چہارم، ص ۲۸۔ تاج العروس، جلد دوم، ص ۱۲۵) وہ بنو معیص، تیم الادرم، الحارث بن فہر، بنو ہلال، بنو عامر تھے (البلاذری، انساب، جلد ۱، ص ۳۹۔ الطبری، تاریخ، جلد دوم، ص ۲۶۱)

احابیش

مکہ کی آبادی کا تیسرا گروہ احابیش کہلاتا تھا۔ یہ قریش کے وفاقی تھے۔ یہ مکہ کے زیریں اضلاع کی احابیش نامی وادی میں وفاق (تحالفوا) قائم کرنے کے لیے مجتمع ہو گئے تھے اور اسی وادی کے نام پر وہ احابیش کہلاتے تھے (ابن ہشام، کتاب سیرۃ رسول اللہ، ایڈیشن ڈاکٹر فرڈیننڈ وسٹنفیلڈ، گوٹنجن ۱۸۵۸ء، ص ۲۴۶، نئی طباعت مصطفےٰ البابی، مصر ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء، جلد اوّل، صفحات ۲۷۲۔۲۷۳ اور الازرقی، کتاب اخبار مکہ، وسٹنفیلڈ، جلد اول، ص ۱)

احابیش کی ابتدا سے متعلق مختلف نظریات گھڑے گئے۔ ایچ لامانس کا خیال ہے کہ وہ حبشہ کے سیاہ فام تھے جب قریش اپنی جنگی صلاحیتیں کھو بیٹھے تو انھوں نے احابیش کی ایک فوج ضروریاتِ جنگ کے لیے ملازم رکھی مع پیشہ ور بدوؤں کے جو قزاقوں سے قدرے بہتر تھے (ایچ لامانس، مقالہ Les Ahabis et L' Organization - militaire de la Macque, au sude de l' hegire, journal of Asiatic ۱۹۱۶ء، ص ۴۲۵۔۸۲) اس کے نظریہ کو نہ تاریخی شواہد سے تقویت ملی ہے نہ دوسرے مستشرقین نے اسے قبول کیا ہے۔ منٹگمری واٹ (محمدؐ مکہ میں Excursus A، ص ۱۵۴۔۵۷) نے

ابن ہشام، الواقدی اور الطبری سے احابیش کے متعلق بنیادی روایات کا حوالہ دے کر رائے ظاہر کی ہے کہ ہو سکتا ہے، احابیش زیادہ تر بے قبیلہ لوگوں پر مشتمل رہے ہوں جو بعد میں دُوسرے قبیلوں کے حلیف بن گئے ہوں۔ وُہ مکّہ کے قُرب و جوار میں ایک کمزور نیم قبائلی گروہ تھے مکّہ والوں کے سیاہ فام غلام احابیش سے جُدا تھے۔ غلام اپنے آقاؤں کے ساتھ جنگ میں حصّہ لیتے اور اُحد میں ان کا ایک الگ گروہ تھا۔ غلام غالباً مکّہ میں رہتے تھے جبکہ احابیش مکہ سے، دو دن کے سفری فاصلہ پر رہتے تھے۔ لامانس کے شر انگیز تصور کہ مکّہ کی عسکری قوت کی بنیاد سیاہ فام غلاموں کی ایک فوج پر رکھی گئی تھی بے بنیاد ہے (ایضاً ص ۱۵۷)

جوّاد علی نے ایک اور نظریہ پیش کیا ہے اس کے مطابق بنو کنانہ تہامہ کے ساحلی علاقہ میں رہتے تھے جیسا کہ بطلیموس نے ذکر کیا ہے۔ یہ علاقہ عرصہ دراز تک حبشہ کے تحت رہا تھا اور حبشہ کے باشندوں اور بنو کنانہ کی مقامی آبادی خلط ملط ہو گئی۔ غالباً بنو کنانہ کو حبشہ کی اطاعت شعاری اور ابتداء زمانہ میں اہلِ حبشہ کے ساتھ ازدواجی تعلقات کے سبب انھیں احابیش کا لقب دیا گیا۔ مکّہ کے گرد و نواح میں آباد ہونے کے بعد ان کو کنانہ کے دوسرے خاندانوں سے ممیز کرنے کے لیے انھیں احابیش کہا گیا۔ گویا احابیش لازماً حبشہ کے سیاہ فام نہ تھے، وُہ عرب تھے۔ ان میں سے بعض غلام تھے اور دُوسرے مکّہ والوں کے کرایہ کے فوجی تھے۔ جواد علی نے اپنے نظریہ کو الطبری کے ایک متن سے تقویت دی ہے: جب ابو سفیان اور قافلہ کے شرکاء نے یہ کیا (رقم ادا کر دی) قریش اپنے احابیش اور دُوسرے اطاعت گزاروں کے ساتھ جو کنانہ قبائل سے تھے اور تہامہ کے ساتھ مل کر پیغمبرِ خدا سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے (جواد علی، جلد چہارم، ص ۳۳) جواد علی نے اپنے نظریہ کی مزید تائید اس شہادت سے کی ہے کہ احابیش قریش کی طرح بت پرست نہ تھے وہ خدا اور عیسائیت پر ایمان رکھتے تھے۔ انھوں نے یہ مذہب افریقی ساحل کے مقابل تہامہ کے ساحلی علاقہ میں اپنے قیام کے دوران اختیار کیا (جواد علی، جلد چہارم، صفحہ ۳۳) یوں احابیش عربوں کا ایک آزاد گروہ تھے جو مکّہ کے اطراف میں رہتے تھے۔ وہ بنو الحارث بن عبد منات بن کنانہ، الہون بن مدرکہ اور خزاعہ کے بنو المصطلق تھے (ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۲۴۵) وہ عرب کے مختلف مقامات مثلاً تہامہ اور عرب کے ساحلی علاقہ جو حبشہ کے بالمقابل تھا اور بنو کنانہ کا اصلی وطن تھا، سے اُٹھے تھے۔

بیشک احابیش نے بطور اخلافِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگوں میں عملی حصہ لیا لیکن یہ تصور کرنا ایک بڑا مغالطہ ہے کہ وہ اصل عسکری قوت تھے یا قریش اور ان کے اتحادیوں سے بہتر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگوں میں ان کی نفری برائے نام تھی غزوہٴ اُحد کے دوران تین میں سے ایک پرچم احابیش کے پاس تھا (الواقدی، کتاب المغازی، ص ۲۰۱) احابیش کا ابو عامر اہلِ مکّہ کے غلاموں کے ہمراہ پہلا شخص تھا جس کا سامنا دشمن سے جنگِ اُحد میں ہُوا (ابنِ ہشام، ج ۱، ص ۵۶۱) غزوہ الخندق میں قریش نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی جس میں کچھ احابیش، بنو کنانہ میں سے ان کے پیرو اور تہامہ کے لوگ بھی

شامل تھے (ایضاً ص ۳، ۶۷)۔

طلوعِ اسلام کے وقت ابن الدغنہ، احابیش کا لیڈر (ستید) تھا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریشِ مکہ نے بہت ستایا اور ہجرت سے پہلے بہت تکلیف پہنچائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اُنھوں نے مکہ چھوڑ دیا دو دن کی مسافت کے بعد انھیں ابنِ دغنہ ملا۔ انہوں نے اُس کی پناہ طلب کی (ایضاً ص ۲۴۵۔ تاج العروس، جلد نہم، ص ۰۰۲) الحلیس بن زبّان جنگِ اُحد میں ستید الاحابیش تھا (تاج العروس، جلد چہارم، ص ۱۴۰) اس نے ابو سفیان کو حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مسخ کرنے پر ٹوکا اور ابُوسفیان نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا (ابن ہشام، ص ۵۸۲) حدیبیہ میں قریش نے احابیش کے سردار الحلیس کو ایلچی بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بھیجا۔ اسے دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وُہ ان لوگوں میں سے ہے جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ الحلیس نے دیکھا کہ مسلمان اپنے ہمراہ قربانی کے جانور لے کر آئے ہیں اور اپنے ارادہ میں مخلص ہیں کہ وہ حج ادا کرنے آئے ہیں اور وُہ قریش کو نقصان پہنچانے کی کوئی نیّت نہیں رکھتے۔ اس نے ایمان داری سے اپنی رپورٹ قریش کو پیش کر دی۔ قریش کے بُرا بھلا کہنے پر اس نے دھمکی دی کہ اگر قریش نے مسلمانوں کو حج نہ کرنے دیا تو وہ احابیش کی متحدہ فوج کے ساتھ قریش پر حملہ کر دے گا (ابن ہشام، صفحہ ۷۴۳۔ الطبری، جلد دوم، ص ۶۲۷، الحدیبیہ) فتح مکہ کے وقت احابیش نے مکہ کے زیریں علاقہ میں بنو بکر اور بنو حارث بن عبد مناۃ کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیا۔ یہ ان چند لوگوں میں سے تھے جنھوں نے مسلمانوں سے مقابلہ میں مقاومت کی اور خالدؓ بن ولید سے شکست کھائی۔ (الطبری، ج ۳، ص ۵۶، فتح مکہ)

بے انتہا تاریخی شواہد کے باوجود بعض ایچ لامانس وغیرہ مستشرقین نے یہ مفروضہ گھڑا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرنے والے قریش جنگجو نہیں رہے تھے اور وہ بیشتر جنگی معاملات میں احابیش کی ایک فوج پر تکیہ کرتے تھے جو حبشہ اور دیگر سیاہ فاموں پر مشتمل تھی جن کے ساتھ کرایہ کے بدّو تھے جو قزاقوں سے قدرے بہتر تھے (واٹ، محمدؐ مکہ میں، ص ۱۵۴) مستشرقین میں سے منٹگمری واٹ نے تاریخی مواد کو باریک بینی سے جانچا ہے اور اس پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے:

ایچ لامانس نے ایک احمقانہ نظریہ اپنے مقالہ:

Les 'Ahabis' et L'Organization: Militaire de la Mecque, au Siecle de L'higire. Arabie, pp. 237 -94 originally in journal Asiatique, 1916.

میں پیش کیا ہے۔ لامانس کا نظریہ اور ماخذ کی من مانی تاویل دونوں غیر سائنسی ہیں۔ وہ اپنے من گھڑت مفروضات کے مطابق جس روایت کو چاہتا ہے مسترد کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قبول کرتا ہے۔ روایات کے رد و قبول میں اس کے پاس کوئی علمی اصول نہیں ہوتا (واٹ، ص ۱۵۴)

احابیش کے بارے میں واٹ اپنا نظریہ مندرجہ ذیل صورت میں پیش کرتا ہے:

کسی روایت سے یہ اشارہ نہیں ملتا کہ احابیش عرب نہ تھے بلکہ اکثر روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ

عرب تھے۔ قائل کرنے والے ایسے دلائل موجود نہیں جن سے ثابت ہو سکے کہ احابیش حبشی غلام تھے بلکہ اسے ناممکن ثابت کرنے کے بہت دلائل ہیں۔ متذکرہ جنگوں میں ان کی کوئی بنیادی اہمیت نہ تھی اگرچہ ان کی تعداد نے مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ کیا ہو۔ لامانس کا شر انگیز تصور کہ مکہ کی عسکری قوت سیاہ فام غلاموں کی فوج پر استوار تھی بے بنیاد ہے۔ تاجر شہزادے جنگ کے گرویدہ نہیں تھے اور اسے ٹالنے کی کوشش کرتے لیکن اگر ضرورت ہوتی تو وُہ اپنی شجاعت کا خُوب مظاہرہ کرتے (ملاحظہ ہو واٹ، صفحات ۱۵۴ تا ۱۵۷) مستشرقین کی یہ تضاد بیانی اس کے مصداق ہے (اس کے اپنے خاندان کے ایک گواہ نے شہادت دی: قرآن ۱۲: ۲۶)

ایچ لامانس نے اپنے نظریات کی اشاعت بیسویں صدی کے پہلے ربع میں کی جس وقت یورپی عیسائی مسلمان دنیا کے بڑے حصّہ کو اپنی نوآبادیات بنا چکے تھے۔ مستشرقین یورپ کی اعلیٰ اسلحی اور عسکری قوت کے دور میں مسلم دنیا کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے میں مصروف تھے خصوصاً احابیش کے حوالہ سے ایچ لامانس کا "احمقانہ نظریہ" اور "شر انگیز تصور" اس کی بدنیتی پر مبنی ہے جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کامیابی کا راز اسلام کے ابدی پیغام اور خود آپؐ کی زندگی کے نمونہ میں نہیں بلکہ قریش کی کمزوری میں ہے جو جنگجو نہیں رہے تھے۔ بقول اس کے سیاہ فام غلاموں کی فوج جوانہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کے لیے آگے بڑھائی تھی کرایہ کی تھی اور جس کا اپنا کوئی مقصد نہیں تھا۔

جبکہ منٹگمری واٹ نے اپنے نظریات کی اشاعت بیسویں صدی کے تیسرے ربع میں کی جس وقت مسلم دنیا آزاد ہو چکی تھی اور عیسائی یورپ پسپائی اختیار کر چکا تھا۔ مسلم اور عیسائی دنیا کی بدلی ہوئی سیاسی صورت حال کے ساتھ مستشرقین کے نظریات میں کسی قدر بہتر تبدیلی کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے۔ افسوس! مستشرقین کے رویہ میں یہ کتنا تضاد ہے؛ ایک طرف وہ حقیقت پسندی کی دُھوم مچاتے ہیں اور دُوسری طرف خود ہی اس "تحقیقِ انیق" کو "احمقانہ نظریہ" اور "شر انگیز تصور" قرار دیتے ہیں۔ قرآن نے اس صورتِ حال کو کس خوبی سے بیان کیا ہے:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ (قرآن ۳: ۱۱۷)	ان کے دل کا بُغض ان کے مُنہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہُوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو۔

یورپ وامریکہ کے مستشرقین یہود ونصاریٰ پر مشتمل ہیں۔ جن کی بالعموم دو قسمیں ہیں؛ ایک وُہ جنہوں نے اسلامی دین اور تاریخ کے اصل متون بڑی محنت سے ایڈٹ کر کے تشریحات کے ساتھ شائع کیے ہیں۔ ایسے مستشرقین کی مساعی قابلِ تعریف ہیں۔ دوسرے وہ جنھوں نے من گھڑت مفروضات کی تائید اور تقویت کے لیے اسلامی مصادر و ماخذ کی من مانی تاویل کر کے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ دُوسرا گروہ مستشرقین ہے جن کے متعلق قرآن میں ذکر ہے۔

مندرجہ بالا تین گروہوں : قریش البطاح، قریش الظواہر اور احابیش کے علاوہ بنوخزاعہ اور بنوکنانہ جیسے لوگ بھی شامل تھے جو قریش سے قبل وہاں آباد ہو گئے تھے اور مکہ کی آبادی میں شامل تھے۔ مزید یہ کہ مکہ کے تاجروں نے تجارت اور گھریلو خدمت کے لیے بہت سے سیاہ فام غلام خریدے ہوئے تھے۔ وہ ان کے محافظ کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ حضرت حمزہؓ انھیں میں سے تھے ان کو ہند کے ایک وحشی غلام نے اُحد میں شہید کر دیا تھا۔ روم اور فارس کے جنگی قیدی بھی مکہ میں غلاموں کے بازار میں فروخت ہوتے تھے۔ یوں روم، فارس اور حبشہ سے آئے ہوئے گورے اور کالے غلاموں کی زبانوں اور پیشہ ورانہ اصطلاحاتِ تجارت کے ایک دوسرے پر اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا (امام مسلم، صحیح مسلم، جلد دوم، ص ۱۸۹۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، جلد پنجم، ص ۵۷۹) ابن کثیر "فرت من قسورة" (۷۴ : ۵۰) والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابن عباس کا حوالہ دیتے ہیں اور روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس کے مطابق عربی زبان میں اسد، حبشی میں قسورة، فارسی میں شیر اور نبطی میں اوبا کہتے ہیں۔ الاسد بالعربیہ و بالفارسیہ شیر و بالنبطیہ اوبہ و یقال لہ بالحبشیہ قسورة (ابنِ کثیر، تفسیر القرآن، قاہرہ ۱۹۵۶ء/ ۱۳۷۵ھ، جلد چہارم، ص ۴۴۷)۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ گورے غلام خصوصاً رومی علاقوں کے غلام عام طور پر عیسائی تھے۔ اسی لیے قریش نے الزام لگایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کا پیغام انھیں غلاموں میں سے کسی نے سکھایا تھا۔ اس سلسلہ میں چند نام لیے جاتے ہیں:

جبر، بنو الحضرمی کا غلام (ابن ہشام، ص ۲۶۰)

بلعم لوہار، صفوان بن امیہ نطاس (الاغانی، جلد سوم، ص ۲۴۔ ابن ہشام، ص ۶۴۰)

صہیب الرومی (ابنِ ہشام، ص ۳۲۱)

قرآن نے بھی قریش کے عائد کردہ الزام کا حوالہ دیا ہے (قرآن ۱۶ : ۱۰۴، الفرقان : ۵) جو بالکل غلط، بے بنیاد اور گمراہ کن تھا۔ قرآن اللہ کی طرف سے وحی ہے جو خدا نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔

تجارت اور کاروبار

قصی کے تشکیل کردہ سماجی اور سیاسی نظام نے تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں کو مہمیز لگائی قبل ازیں مکہ حرم کے گرد صرف ایک حصار کی حیثیت رکھتا تھا۔ قریش اپنی روزی تجارت سے پیدا کرتے جو عام طور پر مکہ اور زیادہ سے زیادہ عرب کی حدود تک محدود تھی۔ شام، یمن اور دوسرے ممالک کے تجار مکہ سے گزرتے ہوئے وہاں کے لوگوں سے کچھ لین دین کر لیتے۔ قریش کچھ مال اپنے استعمال کے لیے خریدتے اور کچھ آپس میں اور مکہ کے نواحی قبائل میں فروخت کرنے کے لیے لیتے۔ ہاشم قصی کا پوتا قریش میں پہلا شخص تھا جس نے شام کا تجارتی سفر کیا۔ شہنشاہِ روم نے اسے ایک پروانۂ امن دیا جو مکہ کے تاجروں کو امن و امان دینے کا ضامن تھا۔ ہاشم نے وُہ خط مکہ اور شام کے

درمیان تجارتی شاہراہ پر تمام قبائل کو دکھایا اور قریش کے تجارتی قافلوں کے لیے امان حاصل کی ۔ یہ غیر ملکی تجارت کے ساتھ قریش کی تجارتی وابستگی (ایلافِ قریش) کی ابتدا تھی (ثعلبی ثمار القلوب، جلد اوّل ، ص ۸ ۔ جوّاد علی ، جلد چہارم ، ص ۷۹) جاحظ نے ایلاف کی اصطلاح کی اس معنی میں تشریح کی ہے کہ ہاشم نے قبائلی سرداروں کے ساتھ تجارتی راہوں پر معاہدہ کیا کہ لٹیروں (صعالیک) کے مقابلہ میں قافلوں کو سلامتی بہم پہنچائیں اور جرائم پیشہ (ذوٗبان) کے خلاف امان دیں ۔عرب بدوؤں کی ایک بڑی تعداد بطور رہنما محافظ اور ساربان ملازم رکھی گئی ۔قریش ہر سردار کو تجارتی نفع میں سے ایک مقررہ رقم اس کے علاقہ میں سے بحفاظت گزرنے ، پانی اور دیگر اشیاء کی فراہمی کے عوض دیتے تھے ۔ قریش کی مختلف شاخیں جو تجارتی قافلہ میں شریک ہوتیں ان کے سربراہوں پر وہ ایک ٹیکس عائد کرتا (جاحظ، رسائل الجاحظ ، ایڈیشن صندوبی ، صفحہ ۷۰) بقول الثعالبی ، ہاشم نے یمن ، حبشہ اور دیگر بادشاہوں سے موسم گرما کے دوران شام کی طرف تجارت کے لیے تحفظات حاصل کئے ۔ اس کے بعد عبدالمطلب ، عبد شمس اور نوفل نے بھی تجارتی روابط اور تعلقات کے استحکام کے عمل کو جاری رکھا (ثعالبی ، ثمار القلوب ، ص ۱۱۵) ہاشم ان دو تجارتی سفروں کا بانی تھا جن کا ذکر قرآن میں " رحلۃ الشّتاء والصّیف " ہے (الطبری ، جلد دوم ، ص ۲۵۲ ۔ البلاذری ، انساب ، جلد اوّل ، ص ۵۸ ۔ ابنِ سعد ، طبقات ، جلد اوّل ، ص ۷۵ ۔ القرطبی ، تفسیر ، جلد ۲۰ ، ص ۲۰۵ ۔ سورۃ قریش ، نویری ، نہایۃ العرب ، جلد ۱۶ ، ص ۳۳) ایک اور بیان کے مطابق یمن کے ساتھ تجارتی تعلقات عبد شمس نے اور عراق کے ساتھ نوفل نے قائم کیے (الطبری ، تاریخ ، جلد دوم ، ص ۲۵۲ ۔ الیعقوبی ، تاریخ ، جلد اول ، ص ۲۰۰)

طلوعِ اسلام سے نصف صدی قبل تک مکّہ ایک مرفوع الحال تجارتی شہر تھا ۔ یہ ان تجارتی راستوں کے چوراہے پر واقع تھا جو یمن سے شام اور حبشہ سے عراق کی طرف جاتے تھے ۔ چاروں طرف سے قافلوں کے ذریعہ مال یہاں آتا تھا ۔ قریش نے ان راستوں کی تجارت پر تسلط حاصل کر لیا تھا ۔ مغربی اور وسطی مغربی عرب کے قبائل میں قریش کی قیادت مانی جاتی تھی ۔ انھوں نے مختلف قبائل کے بہت سے افراد کو اپنے تجارتی کاروبار اور لڑاکا دستوں میں ملازم رکھا ہوا تھا ۔ وہ حالات کا رُخ موڑنے کی اہلیت رکھتے تھے ۔ مختلف قبائل کے وفاق کی فوجی قوت سے جو انھوں نے اپنی تجارتی مہم جوئی کے دوران حاصل کی تھی حالات پر اثر انداز ہو سکتے تھے ، اس طرح خانہ بدوش قبائل مکّہ کی تجارت میں شریک تھے اور انھوں نے جلد ہی پہچان لیا کہ ان کا مفاد کس طرح حاصل ہوتا ہے ۔ مکّہ کی خوشحالی ان کی اپنی خوشحالی تھی ، اور مکّہ کا نقصان ان کا اپنا نقصان تھا ۔ مکّہ کے سرکردہ لوگوں اور بعض قبائل کے درمیان ازدواجی رشتوں سے اور قبائلی سرداروں کے مکّہ کی تجارتی کمپنیوں میں حصّہ دار بننے سے بدوی عربوں کا مکّہ کے ساتھ اتحاد کا احساس اور زیادہ شدید ہو گیا (واٹ ، ڈبلیو منٹگمری ، محمّدؐ مکّہ میں ، آکسفورڈ پریس ، ۱۹۶۸ء ، ص ۱۱)

بلدیاتی نظام

آبادی کے مختلف گروہوں کو آباد کرنے کے بعد قصیّ نے اپنی حکومت قائم کی اور مکہ میں مذہبی بلدیاتی نظام کی تنظیم شروع کی۔ قصیّ کا گھر اس کی مسندِ حکومت تھا۔ تمام مدنی، فوجی، سماجی، تجارتی، مذہبی اور اہل مکہ کے خاندانی معاملات اس کے گھر پر طے ہوتے۔ قصیّ کا اقتدار اور حکومت قابلِ پیروی مذہب سمجھا جاتا۔ اس کے افعال اس کی قوم کے لوگوں کے لیے سنّت بن گئے[۲۷] وہ حاکمِ مطلق تھا اور اس کا تلفظ ہی قانون تھا[۲۸]۔ وہ پانچویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں حکومت کرتا تھا۔ وہ المنذر بن نعمان شاہِ حیرہ اور بہرام گور ساسانی فارس کے بادشاہ (۴۲۰ - ۴۳۸ ء[۲۹]) کا ہمعصر تھا۔

عدلیہ اور انتظامیہ کے اداروں کا قیام

انتظامیہ کو استوار کرنے، عموماً عوام کو اور بالخصوص حجّاج کو سہولتیں فراہم کرنے کے لیے قصیّ نے کئی باتیں ایجاد کیں اور مندرجہ ذیل اہم ادارے قائم کیے:

الحجابہ: کعبہ کی مجاورت

اللواء: پرچم کا انتظام اور دورانِ جنگ اس کو لے کر چلنا۔

السقایہ: انتظامِ آب رسانی خصوصاً حجّاج کی ضرورت کے لیے۔

الرفادہ: حجّاج کے لیے خوراک کی فراہمی۔

الندوہ: مجلسِ شوریٰ۔

القیادہ[۳۰]: سیاسی امور میں قیادت۔

قصیّ خود مندرجہ بالا امور اور عہدوں کا مختار تھا۔ اپنی عمر کے آخری سالوں میں اس نے یہ تمام اختیارات اپنے سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو تفویض کر دئے تھے[۳۱]۔ قصیّ کے چار بیٹے تھے:

عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزّٰی اور عبدقصیّ[۳۲]۔

قصیّ کی زندگی ہی میں عبدمناف نے نمایاں حیثیت اور بڑی عزّت حاصل کر لی تھی[۳۳]۔ عبدمناف کی مالی اور سماجی حیثیت اپنے بڑے بھائی عبدالدار کے مقابلہ میں زیادہ مستحکم تھی[۳۴]۔ اس کا احساس ان کی ماں حبّٰی کو بھی تھا۔ اس کا جھکاؤ اپنے بڑے بیٹے کی طرف تھا اور اسی کے اشارہ پر قصیّ نے اس کی حیثیت بڑھانے اور اس کے بھائی عبدمناف کے برابر کرنے اور اسے امتیازی مناصب سونپ کر مضبوط بنانے کا فیصلہ کیا تھا[۳۵]۔ کعبہ میں داخلہ کے لیے اس کی اجازت کی شرط عائد کر دی گئی کیونکہ حرم (الحجابہ) کی چابیاں اس کے پاس تھیں اور اعلانِ جنگ، میدانِ جنگ کی

طرف کوچ کرنے اور پرچم (اللواء) کے انتظامات وہی کرتا تھا۔ہر شخص آب رسانی (السقایہ) کے لیے اسی پر تکیہ کرتا تھا۔پانی مکہ سے باہر مختلف کنوؤں سے اُونٹوں پر لاد کر لایا جاتا اور کعبہ کے صحن میں رکھے ہوئے چرمی حوضوں میں رکھا جاتا۔[۳۴] حجاج خوراک کی فراہمی (الرفادہ) کے لیے اس کے محتاج ہوگئے۔ یہ خوراک قریش کے اس سالانہ چندہ سے مہیا ہوتی تھی جو اس کے متولی کے پاس جمع کیا جاتا تھا۔ عدلیہ، انتظامیہ، سماجی اور خاندانی امور کے فیصلوں کے لیے جلسہ اس کی صدارت میں ہوتا تھا (الندوہ) یوں قصیؔ کے جانشین کی حیثیت سے عبدالدار ان تمام فرائض اور امور کا مختار بن گیا جو قصیؔ کے ہاتھ میں تھے[۳۵] جس سے اس کا درجہ غیر معمولی طور پر بلند ہوگیا۔

قریش کے درمیان سیاسی گروہ بندیاں

قصیؔ کے کیے ہوئے جانشینی کے مندرجہ بالا انتظامات غالباً عرب میں مروّج بعض قبائلی سیاسی روایتوں کے مطابق تھے یعنی سب سے بڑا بیٹا باپ کی جگہ قبیلہ کا سردار ہو۔ لیکن ان خصوصی حالات میں جن میں مکہ کی تجارتی قوم وجود میں آئی محض قبائلی اصولِ توارث کے مقابلہ میں کسی شخص کی سیاسی جانشینی کی اہلیت کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ عبدمناف نے قصیؔ کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا کیونکہ نہ کبھی اس کے فیصلہ پر اعتراض کیا جاتا تھا نہ اس کی کارروائیاں مسترد کی جاتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ کم از کم عبدالدار اور عبدمناف کی زندگی میں ان کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں اُبھرا۔[۳۶] وقت گزرنے کے ساتھ البطاح کے قریش میں مزید تفریق شروع ہوگئی۔

عبدمناف کے بیٹے (عبدشمس، ہاشم، المطلب اور نوفل) اپنے تایا اور اس کے بیٹوں کی بالادستی کو مزید برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے بنوعبدالدار سے سارے مناصب لے لینے کا فیصلہ کر لیا ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی اعلیٰ سماجی حیثیت اور اقتصادی خوشحالی کے باعث ان مناصب کے زیادہ حقدار رہیں جبکہ بنوعبدالدار اس کو ایک بڑی بے انصافی اور اپنے دادا قصیؔ کے فیصلہ کی خلاف ورزی تصور کرتے تھے۔ مکہ دو متحارب حلقوں میں بٹ گیا اور دونوں ہی فریقوں کو اپنے اردگرد کے مختلف قبیلوں اور خاندانوں کی حمایت حاصل تھی۔ بنوعبدمناف نے اسد، زہرہ، تیم اور الحارث بن فہر کے ساتھ ایک وفاق بنا لیا جو مطیبون (خوشبو والے) کہلاتے تھے کیونکہ انھوں نے طیب (خوشبو) سے بھرے ایک پیالہ میں حلف اٹھایا تھا۔ بنوعبدالدار کے حلیف مخزوم، سہم، جمح اور عدی تھے۔ یہ گروہ احلاف (وفاق والے) کہلاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریش الظواہر کے عامر بن لوئی اور محارب غیر جانبدار رہے۔ صورت حال لڑائی کے قریب پہنچ گئی تھی لیکن بروقت ایک سمجھوتا ہوگیا جس کے مطابق بنوعبدمناف کو السقایہ اور الرفادہ کے حقوق دے دیے گئے جبکہ الحجابہ، اللواء اور الندوہ بنوعبدالدار ہی کے پاس رہے۔ یہ نظام طلوعِ اسلام تک جاری رہا۔[۳۹]

مکّہ کی شہری ریاست میں نظامِ عدل

مکہ کی پیچیدہ تجارتی برادری میں مختلف سطح پر انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ قصیؔ نے مکہ کی حد بندی کی اور اسے متعدد اضلاع میں تقسیم کیا جو آبادی[۳۹] کے لیے مختلف خاندانوں کو دے دئے گئے[۴۰] الازرقی نے مختلف خاندانوں اور متعدد اضلاع میں ان کے حلیفوں کے درمیان علاقوں کی نامزدگی کی تفاصیل دی ہیں[۴۱] تمام خاندان اپنے اپنے ضلعوں میں آباد ہو گئے۔ یہ آبادی مکی معاشرت کا مرکز بنی۔

عدلیہ کے ادارے

ضلعی کونسل[۴۲] (دار الاسرہ)

مکی آبادی کے ہر ضلع میں اپنا ادارۂ عدل تھا جو دار الندوہ کی طرز پر قائم تھا۔ دار الندوہ مکہ کی مرکزی اور سب سے بڑی عدالت تھی[۴۳] دار العجلہ قدیم ترین ضلعی کونسل تھی جو سعید بن سعد بن سہم نے ضلع بنو سہم میں قائم کی تھی[۴۴] یہ مقامی کونسلیں مجلس الشیوخ یا نادی القوم کہلاتی تھیں۔ قرآن نے ایک مجلس کا حوالہ دیا ہے[۴۵] خاندان کے ممتاز اور اہم افراد اپنے اپنے ضلع میں امن و امان قائم رکھنے کے ذمہ دار تھے۔ خاندان کے افراد کے درمیان تمام تنازعے متعلقہ مجلس کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ منفرد اور ممتاز افراد فیصلے صادر کرتے، ستم رسیدوں کی شکایات دُور کرتے اور تنازعے طے کرتے۔

نظامِ عدل کا یہی طرز قریش الظواہر اور احابیش کے اضلاع میں بھی پایا جاتا تھا۔ ابن الدغنہ، حُلیس اور ابو عامر، احابیش کے سردار (سادالاحابیش) تھے۔ وہ ان کے معاملات کے مختار تھے اور اپنے اضلاع میں امن و امان قائم رکھنے اور ان کے اندرونی تنازعے طے کرنے کے بھی ذمہ دار تھے۔

مقامی ضلعی کونسل کے ارکین خاندانی اور اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر چُنے جاتے تھے۔ وُہ اپنے عوام میں معزز اور ان کے معتمد ہوتے وُہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ با اثر اور طاقت والے ہوتے تھے۔ ان کے احکام کی تابعداری کی جاتی اور ان کے فیصلے نافذ ہوتے۔ مجرم اُن کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے اور ستم رسیدہ مطمئن ہوتے۔ خاندان کے کسی فرد کی سرتابی کی صورت میں پُورا خاندان اپنے سرداروں کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوتا اور مجرم ان کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاتا۔[۴۶]

مجلسِ اعلیٰ (دار الندوہ)

مکہ کی شہری ریاست کی آبادی متعدد قبائل اور خاندانوں پر مشتمل تھی۔ ان میں قریش البطاح، قریش الظواہر

احابیش، قدیم، بنو جرہم اور بنو خزاعہ تھے۔ ان میں سے کچھ خانہ نشین تھے اور بطنِ مکہ میں تعمیر شدہ مستقل مکانات میں رہتے تھے دوسرے اطرافِ مکہ میں خیموں میں رہنے والے بدو تھے۔ متمول تاجر پیشہ قریش البطاح اور خانہ بدوش الظواہر کا معیار تہذیب و تمدن ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔ مختلف گروہوں کے نفسیاتی رویہ اور ذہنی رجحانات کی تشکیل ان مختلف حرفتوں اور پیشوں سے ہوئی جو انھوں نے اختیار کیے۔ مکہ کی آبادی ایک مذہب کی پیرو نہ تھی۔ متعدد گروہ متعدد مذہبی رجحانات سے وابستہ تھے۔ مزید برآں نئے قائم کیے گئے اداروں الحجابہ، الرفادہ، السقایہ، اللواء اور الندوہ کا تقاضا تھا کہ ان کی کارکردگی کی رفتار بڑھائی جائے اور ان میں ربط قائم کیا جائے۔ متذکرہ پیچیدہ سوسائٹی کے پیدا کردہ پیچیدہ سماجی، اقتصادی، سیاسی اور خاندانی مسائل کے تقاضوں نے ایک مرکزی ادارہ کے قیام کی ضرورت پیدا کی۔ مکہ کے شیوخ کی مجلس اعلیٰ (دار الندوہ) قصی نے اپنی صدارت میں قایم کی تھی۔[۴۸] ندوہ کے معنی قومی اجلاس کے ہیں اور دار الندوہ کا مطلب قومی جلسہ گاہ ہے۔ یہ ندو سے نکلا ہے۔ جب بھی انہیں کوئی سنگین مسئلہ پیش آتا وہ اس پر غور و خوض کے لیے قومی جلسہ گاہ میں جمع ہوتے۔[۴۹]

مجلسِ اعلیٰ کا طریقِ عدل

مجلسِ اعلیٰ کے سماعت مقدمات کے طریقۂ کار کے مطابق صرف وہ مقدمات سماعت کے لیے قبول ہوتے جو ضلعی کونسل کی سطح اور اختیار سے بالا ہوتے۔ مختلف خاندانوں کے عوام کے درمیان چھوٹے چھوٹے تنازعے مقامی کونسل کے دائرۂ اختیار میں تھے جو اسی سطح پر طے ہوتے تھے۔ مجلس اعلیٰ صرف وہ مقدمات قبول کرتی جو اجتماعی مفاد کے ہوں اور تمام مکی آبادی سے متعلق ہوں یا وہ معاملات جو اس کے امن کے لیے خطرہ یا اس کے مستقبل پر اثرانداز ہوتے ہوں۔[۵۰]

روایتی تفصیل کے مطابق قصیؔ کا گھر قوم کا کونسل ہال تھا۔ قریش تمام سماجی، اقتصادی، سیاسی، تجارتی اور قانونی مقدمات مشورہ اور فیصلہ کے لیے وہیں لاتے تھے۔ مقدمات کے فیصلے، شادیوں کا انعقاد اور شکایات کا ازالہ یہیں ہوتا۔ بین القبائل مقدمات کی سماعت ہوتی اور مناسب کارروائی تجویز ہوتی۔ جنگ اور صلح کی صورتِ حال پر بحث ہوتی اور مناسب فیصلے کیے جاتے اور پرچم جنگ دیے جاتے۔[۵۱] سوداگری اور تجارت سے متعلق امور بھی یہاں زیر بحث آتے۔ مکہ کی تاجر برادری کے مشترکہ سرمایہ (جوائنٹ سٹاک) کے مسائل یہیں حل ہوتے۔ تجارتی قافلوں میں حصص کو آخری شکل ان کی آمد سے پہلے دی جاتی[۵۲] مختلف ممالک کے ساتھ تجارتی فروغ پر غور و فکر ہوتا اور قافلوں کی نقل و حمل، سلامتی اور حفاظت کی سہولتیں حاصل کرنے کے لئے ذرائع اور طریقے وضع کئے جاتے۔ سیاسی وفاق اور حلف پر بحث ہوتی، قبائل کے ساتھ یمن سے شام اور حبشہ سے عراق کے تجارتی راستوں کے معاہدے طے پاتے۔

کثیر المقاصد ادارہ

مجلسِ اعلیٰ کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات و معاملات اور ان پر بحث سے پتا چلتا ہے کہ دارالندوہ ایک کثیر المقاصد ادارہ تھا اور آج کی اصطلاح میں وہ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے فرائض ادا کرتا تھا۔ وہ اپنے اسلاف کی روایات، رواج، رسوم اور دستور العمل کا محافظ تھا۔ جہاں قدیم روایات مددگار نہ ہوتیں یہ نئی روایات اور مثالیں قائم کرتا۔ اس لحاظ سے مجلس مقننہ کے طور پر کام کرتی۔ چونکہ اس کے اراکین اپنی قوم کے چیدہ ترین اور سربرآوردہ اشخاص تھے اس لیے ان کے فیصلے پوری قوم کے لیے لازمی تھے۔ ان کے احکام اور فیصلے بلا جھجک اور با رضا و رغبت تسلیم اور نافذ کیے جاتے۔ اس انداز سے مجلس انتظامیہ کے مقاصد پورے کرتی۔ عرب روایات کے پابند لوگ تھے اور اپنے بزرگوں کے متفقہ فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرنا ان کی سرشت کا حصہ تھا۔ لہٰذا مجلس کا اوّلین فرض انصاف مہیا کرنا تھا۔

مجلسِ اعلیٰ کی ہیئت

دارالندوہ، پارلیمان اور ایوان نمائندگان ملأ اور سینٹ کہلاتے تھے۔ یہ مختلف خاندانوں کے سرداروں اور سرکردہ افراد پر مشتمل تھی۔ جنگِ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے ایک شخص کو کہتے سُنا کہ اُنھوں نے بُڈھے گنجے اشخاص کو مار ڈالا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور کہا: "وہ ملأ تھے قریش کے زعماء"[۵۳]

سینٹ کے انتخاب کا کوئی مخصوص طریقہ مرتب نہیں تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح قریش نے یہ فیصلہ کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا تھا کہ خاندان کے کون سے قابلِ ذکر افراد اہل تھے ہیں سینٹ کے اجلاس میں شرکت کرنی چاہیے۔ خاندان کا اثر اور اس کے افراد کی ذاتی خصوصیات اشخاص کو سینٹ کے انتخاب کا اہل قرار دینے کے لیے ضروری تھیں۔ موروثی جائداد اور کاروباری تعلقات ایک فرد کے لیے نقطۂ آغاز فراہم کرتے مگر اس کے لیے فیصلہ کن عناصر اس کی ذاتی خصوصیات، تجارتی و مالی زیرکی، دُوسرے خاندانوں اور قبائل اور بڑی طاقتوں کے نمائندوں سے روابط میں اس کی فراست، خاندان میں اپنے ہمسر کو قائل کرنے اور وسیع دائرہ میں اپنی رہنمائی منوانے کی اہلیت رکھتے تھے۔[۵۴] کسی طالع آزما کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ مسلّمہ معیار کو بالائے طاق رکھ کر بادشاہت قائم کرنے کی تمنّا کرے۔ عثمان بن الحویرث کی مثال مکی حکمتِ عملی کے عام رجحانات کی وضاحت کرتی ہے۔ اس نے بازنطینیوں سے گفت و شنید شروع کی کہ اسے مکّہ میں بادشاہ بنا دیں، اور مدد کا وعدہ بھی حاصل کر لیا۔ عثمان کی تجویز کو اس کے اپنے قبیلہ کے ایک شخص الاسود بن المطلب ابوزمعہ نے مسترد کر دیا۔ عثمان، قریش میں قابل ترین آدمی نہ تھا اور قریش پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ رومیوں اور فارسیوں کے درمیان اپنی غیر جانبداری کی حکمتِ عملی سے تجاوز کریں۔[۵۵]

یہ قصیّ کا استحقاق تھا کہ اس کے تمام اخلاف اور ان کے حلیف سینٹ میں حاضری کے اہل تھے۔ جہاں تک

غیر قریش کا تعلق ہے مختلف خاندانوں کے صرف وُہ افراد سینٹ میں حاضری کے حقدار تھے جو کم از کم چالیس سالہ ہوں۔[۵۹] مورخین نے عمر کی بابت چند استثنا بھی قلمبند کیے ہیں جہاں خاندان کے کم عمر افراد نے اپنی غیر معمولی ذہانت، پختگی رائے اور فیصلوں کی معقولیت کا مظاہرہ کیا۔ ابُو جہل بن ہشام کو تیس سال کی عمر میں داخلہ کی اجازت ملی[۵۹] اور حکیم بن حزام پندرہ سال کی عمر میں سینٹ میں شامل ہو گیا۔[۵۹]

شہری ریاست کا دستور

مکہ کی شہری ریاست کی مجلس اعلیٰ کا دستور ان کے آباؤ اجداد کی روایت تھی: "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک راہ پر پایا اور یقیناً ہم ان کے نقشِ قدم سے رہنمائی پاتے ہیں"۔[۵۹] بعض رہنماؤں کے قائم کردہ طرزِ عمل، فیصلے اور روایات کی بھی پابندی ہوتی۔ قصی ان میں سے ایک تھا۔ اس کے قائم کردہ نظائر کو قابلِ پیروی مذہب مان لیا گیا تھا۔ چنانچہ اپنے آباؤ اجداد کی روایات ہی سینٹ کے نزدیک حوالہ کے اعلیٰ ترین نکات تھے۔

مکہ کی شہری ریاست کی سینٹ اور ایتھنز والوں کی سینٹ کا مقابلہ کرتے ہوئے منٹگمری واٹ اظہارِ خیال کرتا ہے:

"مکہ کی ملاء ایتھنز کی اکلیسیا کے مقابلے میں زیادہ دانشمند اور زیادہ ذمہ دار مجلس تھی۔ اور اس لیے کہ اس کے فیصلے خالصۃً ارکان کی اہلیت، استحقاق اور ان کی حکمتِ عملی پر مبنی ہوتے نہ کہ فنِ خطابت کی بنا پر جو قبیح کو حسین بنا کر پیش کرتی ہے"۔[۶۰]

حلف الفضول (انجمنِ انصاف)

دار الندوہ کے ادارہ کے ذریعہ انصاف تسلی بخش طور پر حاصل ہوتا تھا۔ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ طلوعِ اسلام سے کچھ عرصہ قبل اس ادارہ کی اثر آفرینی کا معیار گر چکا تھا۔ متعدد جرائم میں مظلوموں کی شکایات کا ازالہ نہ ہوتا۔ عوام کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ قتل عام ہونے لگے تھے اور متعدد قبائل ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار بند تھے اور ان کی لڑائیاں سالہا سال جاری رہتیں۔ الفجار کی چار لڑائیاں یکے بعد دیگرے ہُوئیں۔ چوتھی فجار البراض کہلاتی تھی۔ ہوازن کے عروۃ الرحال نے نعمان بن منذر کی لطیمہ کو اُجرت پر حاصل کیا۔ کنانہ کے البراض نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ سخت گفتگو ہُوئی۔ البراض مناسب موقع کی تلاش میں رہا اور الرحال کو تیمان ذی طلال میں قتل کر دیا۔ یہ جنگ سب سے شدید تھی اور بقول ابنِ ہشام اور ابنِ سعد اس جنگ میں پیغمبرِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی بھی بیان کی جاتی ہے۔ ابنِ ہشام نے بیان کیا ہے کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت چودہ یا پندرہ سال کے تھے جبکہ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ وہ بیس سال کے تھے۔[۶۱] یہ تفاوت ایک ہی نام کی چار جنگوں کے سبب ہو سکتا ہے۔ پہلی لڑائی اس وقت ہُوئی جب وُہ چودہ سال کے تھے۔ یہ فجار کہلاتی تھی کیونکہ مجرم نے ماہ حرام کی حرمت توڑی تھی اور جرم کیا تھا یعنی البراض، قریش کا

ایک حلیف نطیمہ شاہی اُونٹنی کو چھین کر لے گیا اور اسے ذبح کر کے کھا گیا تھا۔ یہ جنگ قریش اور قیس کے قبائل کے درمیان ہُوئی تھی۔ قریش اور ان کے حلیف کنانہ کی فوج مندرجہ ذیل طور پر مرتب کی گئی تھی :

بنو ہشام کی قیادت الزبیر بن عبد المطلب کر رہے تھے اور بنو عبد شمس اور ان کے حلیفوں کی عکرمہ بن ہاشم ، بنو اسد بن عبد العزیٰ کی خویلد بن اسد ، بنو زہرہ کی مخرمہ بن نوفل ، بنو تیم کی عبد اللہ بن جدعان ، بنو مخزوم کی ہاشم بن المغیرہ ، بنو السہم کی العاص بن وائل ، بنو جمح کی امیہ بن خلف ، بنو عدی کی زید بن عمرو ، بنو عامر بن لوئی کی عمرو بن شمس ، بنو فہر کی عبد اللہ بن الجراح ، بنو بکر کی بلع بن قیس ، الاحابیش کی الحلیس الکنانی [۶۲] قریش کامیاب ہوئے اور قیس کو شکست ہُوئی۔

الفجار کی جنگوں کے علاوہ حجاج اور زائرین مکّہ کے خلاف کچھ اور جرائم بھی کئے جاتے تھے۔ العاص بن وائل نے یمن کے ایک زائر کے ساتھ سودا سطے کیا اور اس کا جائز حق ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ کوہِ ابو قبیس کی چوٹی پر چڑھ کر اس نے العاص کے جرم کے خلاف فریاد کی اور قریش سے مدد کی التجا کی [۶۳] قریش کے معقول افراد پر اثر ہُوا اور انھوں نے اس قسم کے واقعات کی روک تھام کے لیے موثر طریقے تجویز کرنے ، مظلوم کی مدد اور ظالم کی حوصلہ شکنی کرنے کا فیصلہ کیا۔ الزبیر بن عبد المطلب نے پہل کی اور دار الندوہ میں ایک اجتماع کا انتظام ہُوا جس میں مندرجہ ذیل نے شرکت کی :

بنو ہاشم ، بنو عبد المطلب ، بنو زہرہ ، بنو تیم ، بنو اسد اور بنو الحارث۔

انھوں نے اتفاق کیا کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حفاظت کی جائے۔ اس کے بعد وُہ عبد اللہ بن جدعان کے گھر کی طرف چل پڑے اور وہاں اُنھوں نے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد کے لیے ایک وفاق قائم کیا [۶۴] پھر اُنھوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا اور اقرار کیا کہ وہ مکّہ میں کسی شخص کو مظلوم نہ دیکھیں گے خواہ وہ شہر کا رہنے والا ہو یا باہر سے وہاں آیا ہوا ہو بلکہ وہ اس کا ساتھ دیں گے اور وہ اس کی مخالفت کریں گے جس نے اس پر ظلم کیا ہو حتیٰ کہ اس کا ازالہ ہو جائے [۶۵] یہ وفاق جو ۵۹۰ عیسوی میں قائم ہوا حلف الفضول کہلاتا ہے [۶۶] ابن سعد بیان کرتا ہے کہ یہ ذوالقعدہ میں جنگِ فجار کے ایک ماہ بعد جو ماہِ شوال میں ہُوئی ، قائم ہوا تھا [۶۷]

ادارہ کو مکّہ کے عقلمند اور منصف مزاج لوگوں کا تعاون حاصل تھا۔ تمام شرکا ایسی بے غرضی اور دیانتداری سے اس کے لیے کام کرتے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں امن و امان قائم ہو گیا۔ ایک اہم واقعہ بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ السہیلی کا بیان ہے ؛ خشعم خاندان کا ایک فرد عمرہ یا حج کرنے اپنی بیٹی القتول کے ساتھ ، جو دنیا (عرب) کی حسین ترین عورت تھی ، مکہ آیا۔ نبیہ بن الحجاج ، مکّہ کے ایک باشندہ نے اسے اغوا کر لیا اور اس کے باپ سے چھپا لیا۔ لڑکی کے باپ الخثعم نے اس شخص کے خلاف ایک عام فریاد کی۔ لوگوں نے اسے کہا کہ وہ حلف الفضول سے فریاد کرے۔ چنانچہ وہ کعبہ کے پاس کھڑا ہو کر چلّایا : "اے حلف الفضول کے اراکین ! مدد " اور وہ تلواریں سونت کر بھاگتے ہوئے ہر طرف سے وہاں آگئے اور بولے : "محافظ تیرے پاس آگئے ہیں، کیا بات ہے ؟" (اس نے) : "نبیہ نے میری بیٹی کی وجہ سے مجھے نقصان پہنچایا ہے اور اسے زبردستی مجھ سے چھین لے گیا ہے " وہ اس کے ساتھ گئے اور اغوا کنندہ کے دروازہ پر

پہنچے۔ وہ ان کے پاس باہر آیا۔ اُنھوں نے کہا: لڑکی نکالو، تم تباہ ہو، تم یقیناً جانتے ہو ہم کون ہیں اور ہم نے کیا قسم کھائی ہے؟" اس نے جواب دیا: "میں ایسا ہی کروں گا مگر مجھے آج کی رات اس کے ساتھ گزارنے دو۔" انہوں نے اس سے کہا: "خدا کی قسم! ہم تجھے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔" پس اس نے لڑکی ان کے حوالے کر دی۔[۹۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وفاق کے سرگرم رکن تھے۔ وہ اکثر فخریہ اس واقعہ کو یاد کرتے اور فرماتے: میں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر پر حلف برداری میں حصہ لیا۔ اگر اسلام میں بھی اس وفاق کے نام پر مجھے مدد کے لیے پکارا گیا تو میں سُرخ اونٹوں (عرب کی سب سے قیمتی شے) کی قیمت پر بھی اس کا جواب دوں گا۔

حلف الفضول پر بحث تمام کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منٹگمری واٹ کی رائے کا حوالہ دیا جائے جو اس بات سے منکر ہے کہ یہ ناانصافی کے خلاف ایک عام انجمن تھی۔ وقیع تاریخی شہادت کے خلاف واٹ کا نظریہ قائم نہیں رہ سکتا۔ بے شک اس نے ایچ لامانس کے "احمقانہ نظریہ" اور "شرانگیز خیال" پر تنقید کی ہے کہ "مکّی لوگ جنھوں نے محمدؐ کی مخالفت کی۔ جنگجو نہیں رہے تھے، اور فوجی معاملات میں حبشیوں اور سیاہ فام غلاموں پر مشتمل احابیش کی فوج پر بیشتر انحصار کرتے تھے، جس کی ریڑھ کی ہڈی کرایہ کے بدو تھے۔" یہاں حلف الفضول کے معاملہ میں ایک اور سیاق وسباق میں واٹ نے خود اس سے ملتا جلتا نظریہ قائم کیا ہے۔ اس کا قیاس ہے کہ ہاشم اور المطلب کمزور ہونے کے باعث ایک وفاق کے ضرورتمند تھے انھوں نے حلف الفضول بنو عبدشمس اور بنو نوفل، جو بغیر کسی وفاق کے گزر کرنے کے لیے کافی مضبوط ہو چکے تھے، کے خلاف اپنی اعانت کے لیے قائم کیا تھا۔"

اپنے مفروضہ کی تائید کے لیے واٹ نے دو واقعات کو اپنے حق میں معنی پہنائے ہیں۔ یعنی مطیبون اور احلاف کا اتحاد اور الحسین بن علی اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کا باہمی تنازعہ۔ دونوں واقعات واٹ کے نظریہ کے خلاف جاتے ہیں۔ مطیبون اور احلاف کا اتحاد اس وقت قائم ہوا جب بنو عبدمناف کا جھگڑا بنو عبدالدار سے اس بات پر ہوا کہ وہ بھی اپنے جدِ اعلیٰ قصی کے قائم کردہ اختیارات و مناصب میں حصہ رکھتے تھے۔ یہ معاملہ ثالثی سے طے ہوا تھا اور بنو عبدمناف کو رفادہ اور سقایہ کے مناصب دے گئے تھے۔ نوفل اور عبدالمطلب بن ہاشم کا وہ جھگڑا جس کا حوالہ واٹ نے دیا ہے، (جس نے اس کے مطابق حلف الفضول قائم کرنے کی ضرورت پیدا کی) جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ فجار کے سلسلہ میں جس عبارت کا اقتباس دیا گیا ہے صاف ظاہر کرتا ہے کہ عبدشمس، نوفل، ہاشم اور المطلب کے خاندانوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف بغیر آپس کی کش مکش اور افتراق ظاہر کئے ایک سخت متحدہ محاذ پیش کیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بقول ابن سعد حلف الفضول کا وفاق الفجار کی جنگ کے بعد ایک مہینہ کے اندر قائم ہو گیا تھا۔" یقیناً وہ واقعہ جس کا حوالہ واٹ نے دیا ہے ان چند دنوں میں وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔

حلف الفضول میں الحسین بن علی کے الولید بن عتبہ بن ابی سفیان سے جھگڑے کا حوالہ قدیم حلف کا حوالہ نہ سمجھنا چاہیے الحسین نے قدیم حلف الفضول کے نمونہ پر اتحاد قائم کرنے کی دھمکی دی تھی جو ظالموں کے خلاف مظلوموں کے تحفظ کے لیے۔

قائم کیا گیا تھا۔ الولید اپنا تنازعہ طے کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ کیونکہ اسے خوف تھا کہ اگر قدیم نمونہ پر حلف قائم ہو گیا تو وہ سخت مصیبت میں پڑ جائے گا۔"[۴] جواد علی نے اظہارِ خیال کیا ہے کہ الحسین کے حوالہ سے یہ اخذ کرنا ممکن نہیں کہ قدیم حلف الفضول اس وقت بھی زیرِ عمل تھا۔[۵] مزید یہ کہ اگر حلف الفضول بنو امیہ کے خلاف بنو ہاشم کا سیاسی اتحاد تھا جیسا کہ واٹ نے خیال کیا ہے تو الحسین بن علی کی زندگی میں اس کا بہترین موقع وُہ تھا جب ان کا سیاسی تنازعہ بنو امیہ سے ہوا تھا۔ یہ واضح ہے کہ الحسین نے اس نازک مرحلہ پر کبھی بھی حلف الفضول سے فریاد نہیں کی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واٹ کسی نہ کسی طرح اس عام رویّہ کی حمایت کرتا ہے جو مستشرقین میں رائج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل از اسلام کی زندگی گمنامی کی زندگی ہے اور یہ کہ اُنھوں نے کسی اہم تاریخی معاملہ میں حصّہ نہیں لیا چہ جائیکہ کسی ایسے وفاق میں حصّہ لیا ہو جو خاص طور پر امن و امان قائم رکھنے اور مظلوم کو ظالم سے بچانے کے لیے وجود میں آیا ہو۔

تحکیم (ثالثی)

فریقین کے درمیان تنازعے طے کرنے کے جو طریقے اختیار کیے گئے ان میں سب سے اہم ثالثی تھا۔ جب فریقین کے درمیان تنازعہ ہوتا تو وہ اسے طے کرنے کے لیے ایک تیسرے شخص یا چند اشخاص کے حوالے کر دیتے جو حکم (ثالث) کہلاتے۔ ایک قدیم اور مقدس روایت کے تحت کسی معاملہ کو ثالثی میں دینے کی ابتدائی رضامندی میں یہ بات شامل تھی کہ حکم کا فیصلہ متعلقہ فریقین کے لیے قابلِ پابندی ہوگا اور اس کے خلاف کوئی نظرِثانی یا اپیل کسی بھی خصوصی عدالت میں نہیں ہو سکے گی۔

ثالثی، جیسا کہ ہم نے دیکھا، قبل اسلام عرب میں انصاف کا ایک بہت اہم ادارہ تھا۔ قبیلہ کے اندر کے مقدمات ہمیشہ سردار کے پاس نہیں جاتے تھے۔ اکثر اوقات فریقین اپنے مقدمات کے تصفیہ کے لیے قبیلہ میں سے حکم چُن لیتے اور ایسے حکم کے فیصلے تقریباً بلا استثناء قبول کئے جاتے۔ ایک حکم عام طور پر وہ شخص ہوتا جو اپنی خاندانی نجابت، کردار، عمر اور دانشمندی سے اپنے اہلِ قبیلہ کا اعتماد اور احترام جیت چکا ہو۔ بطور ثالث اس کا اہم فریضہ تھا کہ وہ عکاظ جیسے سالانہ میلوں میں جائے اور حرام مہینوں میں تمام قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات سُنے اور انھیں موقع پر ہی نپٹائے اس کے احکام اور فیصلوں کا نفاذ کسی ایسی مقررہ مشینری کے ذریعے نہیں ہوتا تھا جو اس کے اپنے اختیار میں ہو بلکہ قبائلی اصول اخلاق کی قوت سے ہوتا تھا۔

بین القبائل تنازعوں میں روایتی قوانین کے تحت ضروری تھا کہ حکم کا تقرر برسرِپیکار فریقین کے باہر سے ہو۔ قبائلی قواعد کی عام گرفت ہی ظالم کو حجوں کے سامنے لانے اور ان کے فیصلوں کی اطاعت کرانے کے لئے کافی تھی۔

ثالثی عرب کا ایک ہمہ گیر ادارہ تھا۔ عرب اپنے ثالثوں پر فخر کرتے تھے۔ چند قبائل ثالثی کے لیے بہت مشہور رہیں مختلف قبائل کے بعض اہم ترین ثالث ان قبیلوں کے ناموں کے سامنے درج کئے جاتے ہیں:

تمیم[۶]	اکثم بن صیفی بن ریاح۔ حاجب بن زرارہ۔ الاقرع بن حابس۔
ابی عیینہ	ربیعہ بن مخاشن۔ ضمرہ بن ضمرہ التمیمی۔
قریش[۶۱]	الافعی بن الحسین۔ عیینہ بن حصن۔ حرملہ بن الاشعر۔
حریم بن قتیبہ	بشیر بن عبداللہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ ابی جہل بن ہشام۔ انس بن مکرک۔ ہاشم بن عبدمناف۔ عبدالمطلب۔ ابوطالب۔ العاص بن وائل القرشی۔
کنانہ[۶۲]	ربیعہ بن حذر الاسدی۔ یعمر بن الشداخ الکنانی۔ صفوان بن امیہ۔ سلمہ بن نوفل۔
قیس	عامر بن الزریب العدوانی۔ غیلان بن سلمہ۔

الیعقوبی نے مختلف قبائل کے ثالثوں کی لمبی فہرست دی ہے[۷۹]۔ چند خواتین کا بھی ذکر ہے جو ثالث مشہور تھیں[۸۰]۔ الافعی الجرہمی اولین ثالث بیان کیا جاتا ہے جس نے بنو نزر بن معد کی وراثت کے تنازعہ کا فیصلہ کیا[۸۱]۔ وہ الیمن کے صوبہ نجران کا رہنے والا تھا۔ اکثم بن صیفی کا نام و شہرت دور دور تک پھیلی۔ وہ شاہ حیرہ نعمان بن المنذر کا مشیر تھا۔ وہ بادشاہ کو دیوانی اور فوجداری معاملات میں مشورہ دیتا تھا[۸۲]۔ سرداران نجران، جُہَیْنَہ، مُزَیْنَہ، اسلم اور خزاعہ بھی اس سے رائے لیتے تھے[۸۳]۔ ربیعہ بن مخاشن، تمیم کا مشہور ثالث اپنی اونچی نشست کے لیے معروف تھا جس پر بیٹھ کر وہ فیصلہ کرتا[۸۴]۔ عامر بن الزریب العدوانی، قیس کا شہرت یافتہ ثالث تھا۔ بڑھاپے میں اس نے اپنی قوم پر یہ ذمہ داری عائد کی تھی کہ اگر وہ بھٹک جائے تو اسے چھڑی سے ٹھوکا دے[۸۵]۔

حکم اپنے اعلیٰ اخلاقی معیار، فراست، ہوشمندی، عملی دانش اور تجربہ کی بنا پر عوام میں سے اُبھرتے۔ چنانچہ ان کی عزت معلمینِ اخلاق کے طور پر کی جاتی۔ ان کے بعض فیصلوں اور تعلیمات نے عرب معاشرہ پر دوررس اثرات چھوڑے۔ عبدالمطلب نے اپنے اوپر شراب پینا حرام قرار دیا تھا۔ ان کی بعض تعلیمات یہ تھیں:

ہم جدی رشتوں (المحارم) سے شادی کی ممانعت، چور کا ہاتھ کاٹنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب پینے اور زنا کی ممانعت، اور برہنہ حالت میں کعبہ کے طواف کی ممانعت[۸۶]۔

ان ممانعتوں کو الولید بن مغیرہ سے بھی منسوب کیا جاتا ہے[۸۷]۔

مندرجہ بالا ممانعتوں کو عرب میں نافذ العمل قوانین تصور نہیں کرنا چاہیے۔ دراصل یہ عبدالمطلب اور الولید بن المغیرہ جیسے نیک دل اور ہوشمند افراد کے ذاتی افکار کا اظہار تھا۔ نہ تو یہ عام عربوں میں مقبول تھے نہ عوام میں مشتہر کیے گئے۔ بعض اشخاص نے انھیں رضاکارانہ طور پر قبول کر لیا ہوگا۔ ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ دُوَیک نے کعبہ کا خزانہ چرا لیا یہ خزاعہ کے بنو مُلیح بن عامر کا شریک تھا۔ چوری کا پتا لگنے پر قریش نے دُوَیک کے ہاتھ کاٹ ڈالے[۸۸]۔

ثالث اپنے قبیلہ کے لیے باعثِ فخر تھے۔ ایک مشہور شاعر اپنے قبیلے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

(ترجمہ) "ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے یمن میں قلاخ کے علاقے میں ثالثی کے فرائض انجام دئے ہیں۔ ہم مجرم کو سزا دینے اور ستم رسیدہ کی شکایت دُور کرنے کے لیے معتبر ضمانت ہیں۔" ۸۹

جریر اور الفرزدق کے نقائض میں اس شعر پر تبصرہ کرتے ہُوئے ابو عبیدہ کہتا ہے کہ پہلا مصرع یوں بھی بیان کیا جاتا ہے:

(ترجمہ) "ہم وُہ لوگ ہیں جنھوں نے عکاظ میں ثالثی کے فرائض انجام دیے ہیں۔"

ابو عبیدہ کہتا ہے:

"(جریر نے یہ الفاظ کہے) کیونکہ وہ ثالث تھے اور بنو تمیم کے عامر بن الزریب کے بعد مکّہ میں حج کے افسر انچارج۔ ان میں سے ایک شخص حج کی صدارت کیا کرتا تھا اور دوسرا التحکیم کی صدارت کرتا۔ پہلا شخص جسے دونوں فرائض اکٹھے سونپے گئے سعد بن زید مناۃ بن تمیم تھا۔ طلوعِ اسلام تک یہ عہدہ انہی کے پاس تھا۔ محمد بن سفیان بن مجاشع عکاظ میں تحکیم کی صدارت کرتا تھا۔ اس خاندان کا آخری فرد جو اس عہدہ پر تھا اور جس نے زمانۂ اسلام پایا اقرع بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان تھا۔"

اسی طرح الفرزدق بھی اپنے قبیلہ کی شیخی بگھارتے ہُوئے لکھتا ہے:

(ترجمہ) "میرا چچا وُہ شخص تھا جسے معد (شمالی عرب کے باشندے) نے ثالث چُنا تھا اور اسے ارسن کے پاس ایک عادل جج کی خدمات انجام دینے کے لیے بھیجا تھا۔" ۹۰

یہ چچا بنو تمیم، جس قبیلہ سے الفرزدق کا تعلق تھا، کا ایک مشہور قائد اقرع بن حابس تھا۔ اس شعر پر تنقید کرتے ہوئے ابو عبیدہ دورِ جاہلیت کے مشہور ثالثوں کے ناموں کا حوالہ دیتا ہے۔ الیعقوبی بیان کرتا ہے کہ ہر قسم کے مقدمات ثالثوں کے سامنے ان کی رائے اور فیصلہ حاصل کرنے کے لیے پیش ہوتے عموماً یہ سیاسی اور وراثت سے متعلق معاملات، پانی اور قتل کے تنازعے ہوتے تھے۔ ۹۱ مفید اور بصیرت افروز ہوگا کہ بعض مشہور ثالثی مقدمات کی مثال دی جائے۔

قصیّ نے خزاعہ سے کعبہ اور مکّہ کے معاملات پر تسلّط کے لیے جھگڑا کیا۔ خونریز جنگ کے بعد وہ ثالث کے ذریعہ جھگڑے کا تصفیہ کرانے پر راضی ہُوئے۔ ثالث کے لیے متفقہ طور پر مشہور ثالث یعمر بن عوف قرار پایا۔ معاملہ کے نسبی حقوق اور دیگر پہلوؤں کا جائزہ لے کر اس نے قصیّ کے حق میں فیصلہ دیا۔ جہاں تک ان لوگوں کے خونبہا کا تعلق ہے جو خزاعہ اور بنو بکر کے ہاتھوں مارے گئے اس نے فیصلہ سنایا کہ تمام خون اس کے پاؤں تلے روند دیا گیا۔ اس فیصلہ کی وجہ سے وہ الشدّاخ کہلایا۔ ۹۲

بنو تمیم کو تفویض ہونے سے پہلے ثالثی کا منصب ایک شخص عامر بن زریب کے پاس تھا۔ وہ قدیم تاریخ میں ایسا حَکَم (ثالث) مشہور ہے جس کے سامنے ہر قسم کے تنازعے، فوجداری اور دیوانی فیصلہ کے لیے پیش ہوتے۔ وضاحت

کے لیے یہاں صرف ایک مثال دی جاتی ہے :

ایک مرتبہ ایک مخنث کی وراثت کا مقدمہ اس کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش ہوا۔ وہ سخت مشکل میں تھا کہ کیا کرے، کیونکہ نہ وہ اس کو ایک مرد کا حصہ دے سکتا تھا نہ عورت کا۔ سوچ بچار کے لیے اس نے مقدمہ ایک دن کے لیے ملتوی کر دیا۔ رات کو وہ اپنے بستر میں بے چین لیٹا ہوا اسی مسئلہ پر غور کر رہا تھا اس کی ایک خادمہ سخیلہ تھی جو اس کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتی۔ جب اس نے اپنے آقا کو اس ذہنی کرب کے حال میں دیکھا تو اس نے وجہ پوچھی۔ عامر نے ہچکچاتے ہوئے اسے مشکل بیان کی۔ اس نے کہا، "واہ! یہ تو آسان ہے۔ اس شخص کو پیشاب کرنے کے لیے کہو، اگر وہ مردانہ عضو استعمال کرے تو اسے مرد سمجھو اگر وہ زنانہ عضو استعمال کرے تو اسے مؤنث جانو۔ عامر اس ترکیب سے بہت خوش ہوا اور اگلی صبح اس نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔"[۹۳]

جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس سال کی عمر کو پہنچے تو قریش نے کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا۔ حرم کی تعمیر کے دوران جب وہ ایک مقام پر پہنچے جہاں حجر الاسود دیوار میں نصب کیا جانا تھا تو قریش اس تقریب کی سعادت حاصل کرنے پر جھگڑ پڑے۔ بنو عبد الدار نے خون سے بھرے پیالہ پر عہد کیا جو کہ لاتقۃ الدم کہلاتا ہے اور اعلان کیا کہ اس تقریب کی بجا آوری ان کا استحقاق ہے۔ اس نازک مرحلہ پر ایک معمر شخص ابو امیہ بن المغیرہ کی تجویز پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو متفقہ طور پر ان کا ثالث مقرر کر لیا گیا۔ انہوں نے ایک کپڑا طلب کیا، پتھر اس پر رکھا اور مختلف خاندانوں کے سرداروں سے اسے دیوار تک لے جانے کے لیے کہا۔ جب وہ اس جگہ پہنچ گئے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے پوری طرح مطمئن ہو گئے۔[۹۴]

دراصل ایسی مثالیں حسبِ منشا پیش کی جا سکتی ہیں کیونکہ مختلف قبیلوں میں متعدد حکم (ثالث) تھے جو وقت کی عدالتی ضرورت کا حصہ، پوری کرتے تھے۔

کہانت

اس دور کا دوسرا اہم ادارۂ انصاف کہانت تھا۔ عموماً وہ تنازعے کاہنوں کے پاس لائے جاتے جن میں کوئی پیچیدہ اخلاقی مسئلہ درپیش ہوتا یا وہ مسائل جن میں کافی شہادت دستیاب نہ ہوتی یا جس میں فریقین کے درمیان سرداروں یا حکم کے ذریعہ پُرامن رضامندی ناممکن معلوم ہوتی۔ عام طور پر کاہن کو سردار یا حکم کے مقابلہ میں لوگوں کی طرف سے زیادہ عزت حاصل ہوتی کیونکہ وہ ایک مسلسل اور مستقل فرض ادا کرتے اور اس لئے بھی کہ ان کے گرد تقدس کا ایک ہالہ ہوتا اور روحانی طاقتوں سے ان کا تعلق متصور ہوتا۔ رات کے وقت ان کو خواب آتے جو ان پر مستقبل اور دیگر واقعات اور باتیں ظاہر کرتے جو ایک عام انسان سے پوشیدہ ہوتیں۔[۹۵] ان کا فیصلہ ایک طرح سے خدائی فیصلہ تصور ہوتا جس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ خوابوں کی تعبیر بھی بتاتے، گمشدہ اونٹوں کا پتا لگاتے، زنا کے

مقدمات کا فیصلہ کرتے اور دیگر بڑے اور چھوٹے جرائم خصوصاً چوری اور قتل وغیرہ واضح کرتے۔

وہ تنازعہ جو عبدالمطلب کے زمانہ میں چاہِ زمزم کی دریافت سے پیدا ہوا ایک اہم مقدمہ ہے جسے مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جس میں تصفیہ کے لیے بنو سعد حزیم کی ایک کاہنہ پر اتفاق ہوا۔ عبدالمطلب نے اپنے مخالفین سے کہا:

"اپنے اور میرے درمیان جسے چاہو ثالثی کے لیے مقرر کر لو۔"

اُنھوں نے بنو سعد حزیم کی کاہنہ کا نام تجویز کیا۔ عبدالمطلب نے ان سے اتفاق کیا اور وُہ اسے ملنے کے لیے شام کی سرحد کے نزدیک ایک جگہ کی طرف چل دیے۔ بقول علیؓ بن ابی طالب فریقین نے کاہنہ کی طرف جاتے ہوئے راستے ہی میں اپنا تنازعہ چُکا لیا اور مکّہ واپس آ گئے۔[۹۶] عبد مناف کا بیٹا ہاشم اپنی سخاوت اور قحط کے دوران مکہ والوں کو شوربہ میں بھیگی روٹی (ثرید) کھلانے کے لیے بہت مقبول تھا۔ امیہ بن عبد شمس ایک دولتمند آدمی تھا اس کے باوجود وہ مقبول نہ تھا اور ہاشم سے حسد کرتا تھا۔ ان کی آپس کی منافرت نے مبارزت کی شکل اختیار کر لی جس کا فیصلہ خزاعہ کے کاہن کے سپرد کیا گیا۔ مبارزت کی شرائط کے مطابق کاہن نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا اور امیہ کو دس سال کے لیے جلاوطن ہو کر شام جانا پڑا۔[۹۷]

گو امیہ ایک طاقتور قبائلی سردار اور شریف النسب تھا لیکن کاہن کے فیصلہ نے اسے اپنا قبیلہ چھوڑنے اور دس سال کے لیے جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرے کے بالاترین اور پست ترین افراد میں کاہنوں کی بڑی عزّت اور دبدبہ تھا۔

عرّاف، عرّافہ

قسمت کا حال بتانا ان ذرائع میں سے ایک تھا جو مقدمات کو فیصل کرنے کا فرض ادا کرتے۔ پیچیدہ نوعیت کے معاشرتی اور مذہبی معاملات عرّاف یا عرّافہ کے سپرد کیے جاتے۔ چاہِ زمزم کی دریافت نو پر عبدالمطلب نے محسوس کیا کہ اس کا خاندان بہت چھوٹا ہے۔ اس نے قسم کھائی کہ اگر اس کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ سنِ بلوغت کو پہنچے تو وہ ان میں سے ایک کو کعبہ پر قربان کر دے گا۔ اس کی خواہش پُوری ہُوئی اور اس نے اپنے دس جوان بیٹوں کے اجتماع میں ان کو اپنی قسم کی بابت بتایا۔ اُنھوں نے اس کی قسم پر سرِ تسلیم خم کیا۔ استخارہ کے تیر پھینکے گئے جو اس کے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے عبداللہ کے نام پڑے۔ وہ عبداللہ کے ساتھ اپنے ہاتھ میں چُھری لیے بتوں کی طرف چل دیا تاکہ اپنی قسم پُوری کرے۔ اُس کے بیٹے اور قریش کو یہ پسند نہ تھا کہ وُہ اپنے بیٹے کو قربان کرے۔ اُنھوں نے اسے کہا کہ وہ اپنا مقدمہ حجاز (مدینہ) میں ایک عرّافہ کو پیش کرے۔ عبدالمطلب نے عرّافہ کو خیبر میں پا لیا۔ اس نے مقدمہ کی تفصیل سُننے کے بعد ان کو اس وقت تک انتظار کرنے کی ہدایت کی جب تک اس کے پاس رُوح آئے۔ دُوسرے دن اس نے فیصلہ سُنا دیا کہ خونبہا (دیت) ان کی مشکل کا حل تھا۔ دس اونٹ خونبہا تھا مگر اس کے فیصلہ کے مطابق عبدالمطلب کو

اس وقت تک استخارہ کے تیر عبداللہ اور دس اونٹ کے لیے پھینکتے جاتا تھا جب تک کہ تیر اونٹوں کے نام نکلیں۔ دسویں مرتبہ تیر اونٹوں کے نام پر نکلے جن کی تعداد اس باری تک سو تک پہنچ چکی تھی۔ اپنی قسم کی قبولیت کی تصدیق کے لئے عبدالمطلب نے تین مرتبہ تیر پھینکے جو اونٹوں کے نام نکلے جنہیں عرافہ کے فیصلہ کے مطابق قربان کر دیا گیا۔[۹۸]

سالانہ میلوں پر انصاف

بدوی عربوں میں ذاتی انصاف اور بدلہ کا احساس بہت شدید تھا۔ ان میں سے پست ترین درجہ کے فرد کو ضرر پہنچایا جاتا تو وہ بھی انصاف کا طلبگار رہتا۔ اور ظالم فریق خوب جانتا تھا کہ اگر مظلوم کو اس کا حق نہ ملا تو وہ بدلہ لینے مکے لئے اپنی جان تک دے ڈالے گا۔ اصولاً مظلوم کا نزدیک ترین رشتہ دار بدلہ لیتا۔ پانچویں پشت تک خاندان کے مرد افراد قاتل اور اس کے اعزہ سے بدلے کا حق رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مقتول کا خون" ایک اُلو کی شکل میں روتا ہے اور اس کی تسکین قاتل کے خون کے بغیر نہیں ہو سکتی"۔ اس صورت حال نے باہمی احترام بڑھانے میں مدد کی۔ اسی وجہ سے جب کوئی فیصلہ سُنایا جاتا تو ظالم کو اس سے احتراز کی گنجائش نہ ہوتی۔

عرب معاشرہ میں سالانہ میلے بھی عدلیہ کے اداروں میں سے تھے۔ الیعقوبی نے ایسے دس میلوں کی فہرست دی ہے جو مختلف مہینوں میں عرب کے مختلف مقامات پر لگتے تھے[۹۹]۔ دومۃ الجندل، المشقر، الھجر، سُہر، الشہر، عدن، صنعاء، الربیہ حضرموت، عکاظ، ذوالمجاز۔ ان سب میں مشہور اور بڑا میلہ عکاظ کا تھا۔ میلہ کی اور سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ انصاف کی فراہمی اس کے بڑے مقاصد میں شامل تھی۔ روایتی طور پر ثالثی اور اس کی صدارت بنو تمیم کے پاس تھی۔ جواد علی نے بنو تمیم میں سے ججوں کے مندرجہ ذیل نام دئے ہیں:

سعد، حنظلہ، ذؤیب، مازن، ثعلبہ، معاویہ، سلسل، سفیان۔[۱۰۰]

عکاظ کے ججوں کے سامنے پیش ہونے والے مقدمات کی نوعیت اور حدود بہت وسیع تھیں۔ یہ ذوالقعدہ کے مہینے میں منعقد ہوتا جب جنگ اور یورش کی ممانعت تھی اور میلہ کے راستے محفوظ ہوتے مختلف علاقوں کے مقدمات کے فریق میلہ کی آمد کا انتظار کرتے اور اپنے تنازعوں کا تصفیہ کرانے کے لیے طویل سفر طے کرتے۔ مشاعرے بھی منعقد ہوتے اور جج ان مشاعروں کی صدارت کرتے جن میں سال کے بہترین شاعر کا فیصلہ ہوتا[۱۰۱]۔ وضاحت کے لیے ایک مقدمہ پیش کیا جاتا ہے جو بظاہر عکاظ کے میلے میں ایک جج نے فیصل کیا:

امام بخاری نے صحیح بخاری باب القسامہ فی الجاہلیۃ میں روایت درج کی ہے کہ خاندان بنو ہاشم کے ایک شخص (عمرو بن علقمہ بن المطلب بن عبد مناف) کو خداش نامی ایک شخص نے جو قریش کی ایک دوسری شاخ سے تھا اُجرت پر ملازم رکھا تاکہ اس کو اپنے ہمراہ چند اونٹوں کا نگران بنا کر شام لے جائے، راستہ میں بنو ہاشم کے ایک اور شخص کا اس ملازم کے پاس سے گزر ہوا جس کے اُونٹ کی رسی ٹوٹ گئی تھی اس نے ملازم سے درخواست کی کہ اسے اونٹ باندھنے

کی رسّی دے تاکہ اس کا اُونٹ بھاگ نہ جائے۔ ملازم نے اسے رسّی دے دی جس سے اس نے اپنا اونٹ باندھ لیا۔ جب ملازم کا قافلہ ایک جگہ اُترا تو انھوں نے سب اونٹ باندھ دیئے مگر ایک اونٹ پھرتا رہا۔ آجر نے ملازم سے پُوچھا: اس اونٹ کا کیا معاملہ ہے؟ دُوسرے اونٹوں میں اسے کیوں نہیں باندھا گیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی رسّی نہیں۔ آجر نے پُوچھا: اس کی رسّی کہاں ہے؟ پھر اس نے اپنی چھڑی اس کی طرف پھینکی جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ دریں اثنا اہلِ یمن میں سے ایک شخص اس کے پاس سے گزرا ملازم نے اس سے پُوچھا: کیا تم حج پر جاتے ہو؟ اس نے کہا: شاید کبھی جاؤں۔ ملازم نے کہا: کیا تم کبھی میرا پیغام پہنچا سکو گے؟ اس نے کہا: ہاں۔ ملازم نے کہا: جب کبھی تم حج پر جاؤ تو آلِ قریش کو پکارو، جب وہ تمھارے جواب پر حاضر ہوں تو ان میں سے بنو ہاشم کو پکارو، جب وہ حاضر ہوں تو ابو طالب کے متعلق دریافت کرو، پھر اسے بتاؤ کہ فلاں شخص نے مجھے ایک رسّی کے بدلے قتل کر دیا ہے اور میری موت واقع ہوگئی ہے۔ اس کے بعد جب آجر مکّہ آیا ابو طالب نے اس سے اپنے آدمی کے بارے میں پُوچھا۔ اس نے بتایا: وہ بیمار پڑ گیا تھا میں نے اس کی خوب تیمار داری کی مگر وہ مرگیا اور میں نے اسے دفنا دیا۔ ابو طالب نے کہا: تجھ سے یہی امید تھی۔ اس پر ایک مدت گزر گئی پھر جس شخص کو وصیت پہنچانے کے لیے کہا گیا تھا حج پر آیا اس نے آلِ قریش کو پکارا وہ حاضر ہوئے اس نے آل بنی ہاشم کو پکارا وہ حاضر ہوئے اس نے پوچھا ابو طالب کہاں ہے؟ انھوں نے کہا: ابو طالب یہ ہے۔ اس نے بتایا فلاں شخص نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کا پیغام تجھے پہنچا دوں کہ فلاں شخص نے ایک رسّی کے بدلے اسے قتل کر دیا ہے۔ ابو طالب اس کے پاس گیا اور کہا چاہو تو تین شرائط میں سے ایک مان لو۔ اگر تم نے ہمارے آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کی سَو اُونٹ دیت ادا کرو اگر تم چاہو تو تمہاری قوم کے پچاس آدمی حلف اٹھائیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اگر تم اس کا بھی انکار کرو تو ہم تمہیں اس کے بدلے قتل کریں گے۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ انھوں نے کہا: ہم حلف اٹھائیں گے۔ بنو ہاشم کی ایک عورت (زینب بنت علقمہ، اخت مقتول) ان میں سے ایک شخص کی بیوی تھی اس کے ایک لڑکے کو جنم دے چکی تھی ابو طالب کے پاس آئی اور کہا اے ابو طالب! پچاس حلف اٹھانے والوں میں سے میرے اس بیٹے (حویطب) کو مستثنیٰ قرار دے دے (رکن اور مقام کے درمیان) جہاں حلف لیے جاتے ہیں اس سے حلف نہ لیا جائے۔ ابُو طالب نے ایسا ہی کیا۔ پھر ان میں سے ایک اور شخص آیا اس نے کہا اے ابو طالب! تم چاہتے ہو کہ سَو اونٹوں کے بدلے پچاس آدمی حلف اٹھائیں ہر آدمی کے بدلے دُو اونٹ آتے ہیں یہ رہے دو اونٹ، انھیں قبول کیجئے مجھے حلف سے مستثنیٰ قرار دیجئے۔ ابو طالب نے قبول کر لیے۔ اڑتالیس آدمی آئے اور حلف اٹھایا[۱۴]۔ زبیر بن بکر کے مطابق دونوں فریقوں نے اپنا مقدمہ ولید بن مغیرہ کے سامنے پیش کیا جس نے یہ فیصلہ کیا۔

مندرجہ بالا سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عکاظ میں صدارت کرنے والا حکم عرب میں انتہائی وقار کا حامل تھا وہ بعید سنگین اور پیچیدہ مقدمات نبٹاتا اور بڑی عدالتی ذمّہ داریوں کو نباہتا۔

مندرجہ بالا مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ طلوعِ اسلام سے قبل عرب مختلف سطح کا سیاسی شعور رکھتے تھے، ان کی بڑی اکثریت خانہ بدوش تھی۔ ان کا سیاسی نظام سرداری پر مبنی تھا۔ بعض قبائل بادشاہتیں اور ریاستیں قائم کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ حجاز کے شہر مکّہ میں مختلف انتظامی اور عدالتی اداروں کے ساتھ ایک شہری ریاست قائم ہو چکی تھی۔ مجموعی طور پر عرب قبائلی معاشرت میں رہتے تھے ان کا کوئی متحدہ سیاسی نظام نہیں تھا نہ کوئی دستور اور نہ مرکزی حاکم تھا چنانچہ قبل از اسلام عرب میں نظامِ عدل بالکل ابتدائی حالت میں تھا۔ چند بادشاہوں کے بنائے ہوئے بعض مشاورتی ادارے اور مکّہ میں قائم کئے ہوئے عدلیہ کے ادارے مستثنیات میں سے تھے۔

حوالہ جات اور تشریحات

۱ - جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بیروت ۱۹۷۰) جلد پنجم، صفحہ ۱۸۶ -
۲ - ابن درید، الاشتقاق، ص ۴۹ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۱۸۸ -
۳ - ایضاً
۴ - ابن قتیبہ، المعارف، ص ۳۸ -
۵ - معجم الشعراء، ص ۳۲۴ - قیس تمیم کے ایک وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ نے اسے یوں مخاطب کیا : "ھذا سید اھل الوبر"
۶ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۱۸۶
۷ - ایضاً
۸ - ایضاً، ص ۳۴۹، ۳۵۰
۹ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۸۰ -
۱۰ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۹۰ -
۱۱ - ملوک العربیہ الجنوبیہ، ملوک الحیرہ، ملوک الغسان، ملوک کندہ -
۱۲ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۹۲ -
۱۳ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۱۹۷ - ۸
۱۴ - ایضاً، جلد پنجم، ص ۲۱۴
۱۵ - ایضاً، ص ۲۲۶ - ۲۲۸
۱۶ - ایضاً، ص ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹ -
۱۷ - کاسکل Lihyanisch نمبر ۷۱، ۷۷، ۸۷، ۹۱ - جواد علی، ص ۲۴۳ -
۱۸ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۲۳۴
۱۹ - جواد علی، جلد پنجم، ص ۲۳۳
۲۰ - ایضاً، ص ۲۳۴

۲۱ - کتاب الاغانی ۸ : ۲ ۵ - جواد علی، جلد چہارم، ص ۴۱۱
۲۲ - ابن قتیبہ، المعارف، ص ۶۴۰
۲۳ - ابن سعد، طبقات، جلد اول، ص ۶۶
۲۴ - ابن ہشام، سیرہ (ایڈیشن قاہرہ) جلد اول، ص ۱۲۵ - عقد الفرید، جلد سوم، ص ۳۱۲ - جواد علی، جلد چہارم، ص ۲۴ -
۲۵ - یہ قصیّ کے کارہائے نمایاں کا تفصیلی بیان ہے -
۲۶ - ابن ہشام، ص ۸۰ - البلاذری، انساب الاشراف، جلد اول، ص ۵۲ -
۲۷ - ایضاً ص ۵۵
۲۸ - ایضاً ص ۵۶
۲۹ - النویری، بلوغ الارب، جلد اول، ص ۲۴۷
۳۰ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۴، ص ۱۷۸
۳۱ - الازرقی، ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد، اخبار مکہ (ایڈیشن رشدی الصالح، دارالاندلس، بیروت ۱۳۸۹ھ - ۱۹۶۹ء) جلد اوّل، ص ۱۰۹، ۱۱۰ -
۳۲ - ابنِ ہشام، ص ۸۳ - الطبری، تاریخ، جلد دوم، ص ۲۵۹ - ابن الاثیر، الکامل، جلد دوم، ص ۱۰ - اللسان العرب، جلد سوم، ص ۱۸۱ - تاج العروس، جلد دوم، ص ۳۵۵ -
۳۳ - ابنِ ہشام، ص ۸۳
۳۴ - ایضاً
۳۵ - الازرقی، اخبارِ مکہ، جلد اول، ص ۱۰۹
۳۶ - ایضاً ص ۱۱۰
۳۷ - ابنِ ہشام، ص ۸۳
۳۸ - ابن ہشام، ص ۸۳، ۸۴ -
بقول الازرقی، قصیّ نے اپنی ضعیف العمری میں اپنے چھ مناصب مندرجہ ذیل طریق پر بانٹ دئے تھے:
عبدالدار: السدانہ یعنی الحجابہ، الندوہ، اللواء -
عبدمناف: السقایہ، الرفادہ، القیادہ (الازرقی، جلد اول، ص ۱۰۹-۱۱۰)
تاریخی طور پر یہ بیان قابلِ قبول نہیں کیونکہ السقایہ اور الرفادہ کے مناصب عبدمناف اور عبدالدار کے درمیان آپس کے جھگڑے میں تنازعہ کی جڑ تھے اور اسی کی بنیاد پر المطیبون اور الاحلاف کے مشہور وفاق قائم ہوئے تھے۔

ملاحظہ ہو متن زیرِ عنوان "قریش کے اندر گروہ بندیاں"۔

۳۹ - ابنِ ہشام، ص ۸۴

۴۰ - ایضاً، ص ۸۴، ۸۵

۴۱ - ازرقی، اخبارِ مکّہ، جلد دوم، ص ۲۳۳ تا ۲۶۵

۴۲ - یہاں ضلع عربی لفظ رب کا ترجمہ ہے۔ اسے ایک انتظامی اکائی کے معنیٰ میں لینا چاہیے جو برصغیر پاک و ہند میں رائج ہے۔

۴۳ - الماوردی، الاحکام السلطانیہ، صفحات ۱۶۲-۱۶۳ - البلاذری، فتوح البلدان، ص ۶۴۔

۴۴ - البلاذری، فتوح، ص ۶۴

۴۵ - القرآن، ۲۹ : ۲۹، ۹۶ : ۱۷

۴۶ - تاج العروس، جلد نہم، ص ۲۰۰ زیر لفظ "دغنیٰ"

۴۷ - جواد علی، جلد چہارم، ص ۴۹

۴۸ - ابن ہشام، ص ۸۰

۴۹ - اللسان (ناد) جلد ۱۵، ص ۳۱۷ - الازرقی، ج ۱، ص ۱۱۰۔

۵۰ - جواد علی، ج ۴، ص ۴۸

۵۱ - ابن ہشام، ص ۸۰

۵۲ - ابن سعد، طبقات، ج ۱ ص ۷۰

۵۳ - اللسان، ج ۱، ص ۱۵۹ زیر لفظ "ملاء"

۵۴ - واٹ، ڈبلیو منٹگمری، محمد مکہ میں، ص ۹۰

۵۵ - جواد علی، ج ۴، ص ۳۹، ۴۰

۵۶ - السہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۱۴۶ - الازرقی، اخبارِ مکّہ، ص ۱۰۹۔

۵۷ - الاشتقاق، ص ۹۷ - جواد علی، ج ۴، ص ۴۷

۵۸ - الثعالبی، ثمار القلوب، ص ۱۸۵ - جواد علی، ج ۴، ص ۴۸

۵۹ - القرآن ۴۳ : ۲۲ و ۲۴، ۲ : ۱۷۰ - قصیّ کے پایہ کے رہبر نے پہلے لوگوں کی روایات کا احترام کیا اور انھیں اختیار کرنے کے لیے اپنی قوم کو ہدایت کی (ابن ہشام ص ۸۰)۔

۶۰ - واٹ، ڈبلیو منٹگمری، محمدؐ مکّہ میں، ص ۹۔

۶۱ - ابن ہشام، ایڈیشن قاہرہ، ص ۴۸۱ - ابنِ سعد نے بیان کیا ہے کہ اس کی عمر بیس سال تھی۔ طبقات ج ۱، ص ۱۲۸۔

۶۲ - ابن ہشام، ص ۱۱۹ - المسعودی، مروج، ج ۲، ص ۲۷۱ -

۶۳ - البلاذری، انساب، ج ۱، ص ۱۰۲ -

۶۴ - بقول الیعقوبی حلف الفضول بنو اسد کے ایک شخص کی شکایت کے جواب میں قائم ہوا تھا - اس سلسلہ میں ایک نام اور بھی لیا جاتا ہے (الیعقوبی، ج ۲، ص ۱۳)

۶۵ - ابن ہشام، ص ۸۵، ۸۶ - المسعودی، مروج، ج ۲ ص ۲۷۰ - السیرۃ الحلبیہ، ج ۱ ص ۱۵۶ - الثعالبی، ثمار القلوب، ص ۱۴۰ -

۶۶ - ابن ہشام، ص ۸۵، ۸۶

۶۷ - ابن سعد، طبقات ج ۱، ص ۱۲۸

۶۸ - السہیلی، الروض الانف (مصر ۱۹۱۴ء) ج ۱ ص ۹۱، ۹۲

۶۹ - ابن ہشام، ص ۸۶

۷۰ - واٹ، محمدؐ مکہ میں، ص ۶

۷۱ - ایضاً

۷۲ - ابن سعد، طبقات، ج ۱ ص ۱۲۸

۷۳ - السیرۃ الحلبیہ، ج ۱، ص ۱۵۷

۷۴ - ایضاً

۷۵ - جواد علی، ج ۴، ص ۸۹

۷۶ - تاج العروس، ج ۸، ص ۲۵۲ زیر لفظ "حکم"

۷۷ - ایضاً

۷۸ - النویری، بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۲۰ - الجاحظ، البیان، ج ۱، ص ۱۰۹ -

۷۹ - الیعقوبی، تاریخ (بیروت ۱۳۷۹ھ - ۱۹۶۰ء) ج ۱، ص ۲۵۸

۸۰ - تاج العروس، ج ۸، ص ۲۵۲ زیر لفظ "حکم" - بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۳۸ -

۸۱ - الیعقوبی، ج ۱، ص ۲۵۸

۸۲ - ابن قتیبہ، عیون الاخبار، ج ۱ ص ۱۰۸ - الجاحظ، کتاب البخلاء، ص ۲۰۸ - ابن عبدربہ، العقد الفرید، ج ۱، ص ۱۷۰ -

۸۳ - جواد علی، ج ۵، ص ۶۴۱

۸۴ - النویری، بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۱۶ - جواد علی، ج ۵، ص ۶۴۲

۸۵ ۔ السہیلی، روض الانف، ج ۱، ص ۸۶۔ابن ہشام ج ۱، ص ۸۶
۸۶ ۔ النویری، بلوغ الارب، ج ۱، ص ۳۲۳۔ جواد علی، ج ۵، ص ۶۴۹۔
۸۷ ۔ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۲۴۰۔جواد علی، ج ۵، ص ۶۴۹
۸۸ ۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۱۲۲
۸۹ ۔ ابوعبیدہ، النقائض الجریر والفرزدق (ایڈیشن انتھونی آشلے بیون، لیڈن ۱۹۰۷ء) ج ۱، ص ۴۳۷
۹۰ ۔ ایضاً ص ۱۳۹
۹۱ ۔ الیعقوبی، تاریخ، ج ۱ ص ۲۵۸
۹۲ ۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۷۹، ۸۰۔ابن ہشام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ امورکعبہ قصیّ کے سسر حُلیل کے ہاتھ میں تھے۔اپنی وفات سے پہلے حُلیل نے کعبہ کی چابی اور کعبہ کے امور قصیّ کے سپرد کر دیے تھے (ابن ہشام، ص ۷۵، ۷۶) یہ یعمر بن عوف سے پہلے کی بات ہے کہ اس نے قصیّ کے حق میں فیصلہ کیا (الازرقی، اخبارِ مکّہ، ج ۱ ص ۱۰۵)
۹۳ ۔ ابنِ ہشام، ج ۱ ص ۸۷
۹۴ ۔ ایضاً ص ۱۲۵
۹۵ ۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۶۲۵
۹۶ ۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۲۔
۹۷ ۔ الطبری، تاریخ، ج ۲ ص ۱۰۸۰ زیرلفظ "ہاشم"
۹۸ ۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۷۔ ۱۰۰
۹۹ ۔ الیعقوبی، تاریخ، ج ۱، ص ۲۷۰، ۲۷۱۔
۱۰۰ ۔ جواد علی، ج ۵، ص ۶۵۳۔
۱۰۱ ۔ ایضاً
۱۰۲ ۔ بخاری، الصحیح (دہلی ۱۹۳۸ء) ج ۱، ص ۵۴۲۔

باب ۳

دستورِ مدینہ کے تحت عدلیہ

تمہید

قبل از اسلام عرب کی سیاسی فکر کا مرکزی تصور قبیلہ تھا۔ بنیادی طور پر قبیلہ خونی رشتوں پر استوار ایک گروہ تھا قبیلہ کی رکنیت جان و مال کی حفاظت کی واحد ضمانت تھی جس کے عوض قبیلہ اہلِ قبیلہ سے مکمل وفاداری کا تقاضا کرتا تھا۔ اسلام نے قبل از اسلام کے قبائلی تصور پر مبنی سماجی اور سیاسی ڈھانچہ کی بنیاد کو منہدم کر دیا اور قبیلہ کی جگہ اسلامی امہ قائم کی۔ امہ نسبی اور خونی قرابت داری کے بجائے آفاقی، دینی اور اخلاقی اصولوں پر قائم ہوئی۔ اس حقیقت کو نہ صرف نظریاتی بنیادوں پر استوار کیا گیا بلکہ اس پر باقاعدہ معاشرت قایم کر کے اس کا عملی طور پر بھی مظاہرہ کیا گیا۔ قرآن نے نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اسلام پر ایمان لانے والے تمام مسلمان بلا لحاظ رنگ، نسل، علاقہ ایک مضبوط و مستحکم اُمت ہیں:

"اِنما المؤمنون اخوۃ"۔

(سب مومن بھائی بھائی ہیں)

مکی دَور ہی میں مختلف النسل لوگوں، عرب کے مختلف قبائل کے اراکین اور برادریوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول تسلیم کر لیا تھا۔ انصارِ مدینہ کا آپؐ کو قبول کر لینا امہ کے تصور میں فروغ اور استحکام کے لیے سب سے بڑا واقعہ تھا۔ ہجرت ایک عظیم موڑ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پیروکاروں کا مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا اور عرب کے مختلف قبائل کے ارکان اور خانوادوں کا مدینہ جانا صرف تبدیلِ سکونت نہیں تھا بلکہ یہ رشتہ اور تعلق کی تبدیلی تھی ہجرت کا مطلب تھا اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اُمہ سے وابستہ ہونا۔ ذات برادری قوم قبیلہ کی عصبیت کو اپنانا "جاہلیت" قرار پایا، رنگ، نسل، علاقہ جیسی عصبیتوں سے بالا ہو کر اسلام کے آفاقی، عالمی، دینی اور اخلاقی اصولوں کو اپنانا امت سے وابستگی اور اسلام کے مترادف ہونا قرار پایا۔ مومنوں کی راہ سے ذرہ بھر انحراف معصیت سمجھا جاتا تھا اور اس کی پاداش سزائے جہنم تھی؟۔ امت کا یہ مفہوم اتنا واضح تھا کہ دشمنانِ اسلام فدیہ اور دیت کے معاملات میں پوری امت کو ایک قبیلہ تصور کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امہ کے سربراہ تھے۔ کسی شخص کے قبولِ اسلام میں اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی و سیاسی قیادت کو تسلیم کرنا شامل تھا۔ اسے قرآن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:

قل اطیعوا اللہ والرسول[۳]

(کہہ دو خدا اور رسول کی اطاعت کرو)

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ[۴]

(جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بلا شبہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے)

اُمّہ اپنے سربراہ سمیت وجود میں آ چکی تھی مگر مکہ کی سماجی و سیاسی فضا امت اسلامیہ کے اعلیٰ تصورات کے نفاذ کے لیے سازگار نہ تھی۔ ان کی تنفیذ کے لیے ایک نئے سماجی و سیاسی ماحول کی ضرورت تھی۔

اپنی نبوت کے تقریباً تیرہ سال بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مسلم سرداران اوس اور خزرج کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جنھوں نے آپ کو اپنے شہر آنے کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ وہ اسلامی احکامات کی پیروی کریں گے اور آپ کو دشمنوں خصوصاً قریش سے محفوظ رکھیں گے[۵] جس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لے گئے یہاں آپؐ کو موقع اور فرصت میسّر آئی کہ آپؐ نسبتاً سکون اور امن کے ساتھ حالات پر غور فرمائیں۔ آپؐ نے مسلمانوں، ہمدردوں اور اتحادیوں کو منظم کیا اور ایک ریاست کی بنیاد ڈالی جس کے لیے ایک دستور بنایا گیا۔ یہ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ یہ "دنیا کا پہلا تحریری دستور" ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع کی کتب کی نوعیت یا تو نصابی کتب کی تھی یا شہزادوں کے لیے ہدایت ناموں کی یا بعض علاقوں کی دستوری عملداری کے تاریخی بیان کی ان میں سے کسی کو بھی کسی ریاست کے مختار دستور کی حیثیت حاصل نہ تھی جسے ایک ملک کے فرمانروا نے باقاعدہ طور پر جاری کیا ہو۔ ہمارا دستور اپنی نوعیت کا دنیا میں پہلا ہے۔[۶]

ابن ہشام نے دستور کا پورا متن محفوظ کر دیا ہے[۷]۔ ذیل میں دستور کا متن اور ترجمہ دیا جاتا ہے:

دستورِ مدینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔
۱۔ ھذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بین المؤمنین والمسلمین من قریش و یثرب، و من تبعھم، فلحق بھم، وجاھد معھم۔	۱۔ یہ دستور محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (جاری ہوا) یہ قریش اور یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے اور جو ان کی اتباع کریں ان کے ساتھ الحاق کریں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔
۲۔ إنھم امۃ واحدۃ من دون الناس۔	۲۔ یہ تمام (گروہ) دوسرے لوگوں سے الگ امتِ واحدہ ہیں۔
۳۔ المھاجرون من قریش علیٰ ربعتھم یتعاقلون بینھم، وھم یفدون عانیھم بالمعروف	۳۔ قریش کے مہاجرین اپنے موجودہ رواج کے مطابق[۸] باہم خون بہا ادا کریں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ

والقسط بین المؤمنین۔

مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کریں گے۔

٤ - وبنو عوف علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الاولیٰ كل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۴ - بنو عوف، اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٥ - وبنو ساعدة علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولیٰ، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۵ - بنو ساعدہ اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٦ - وبنو الحارث علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولیٰ، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۶ - بنو الحارث اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٧ - وبنو جُشم علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولیٰ، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۷ - بنو جُشم اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٨ - وبنو النجار علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولیٰ، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۸ - بنو النجّار اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

٩ - وبنو عمرو بن عوف علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولیٰ، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۹ - بنو عمرو بن عوف اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

١٠ - وبنو النَّبيت علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولیٰ، وكل طائفة تفدى عانيها بالمعروف

۱۰ - بنو النبیت اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ہر ذیلی شاخ اپنے

والقسط بین المؤمنین۔

قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

۱۱۔ وبنو الأوس علیٰ ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة منهم تفدى عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

۱۱۔ بنو الاوس اپنے موجودہ رواج کے مطابق حسب سابق باہم خون بہا ادا کریں گے اور ان کی ہر ذیلی شاخ اپنے قیدیوں کا فدیہ مومنوں کے عُرف اور قسط کے مطابق ادا کرے گی۔

۱۲۔ وانّ المؤمنين لا يتركون مفرحا بينهم ان يعطوه بالمعروف فی فداء اوعقل۔

۱۲۔ مومن اپنے کسی زیر بار قرضدار کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے بلکہ عرف کے مطابق فدیہ اور دیت میں اس کی مدد کریں گے۔

۱۳۔ وأن لا يحالف مؤمن مولى مؤمن دونه۔

۱۳۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف[9] نہیں بنائے گا۔

۱٤۔ وإن المؤمنين المتقين على من بغى منهم، أو ابتغى دسيعة ظلم، أو إثم، أو عدوان، أو فساد بين المؤمنين، وإن أيديهم عليه جميعا، ولو كان ولد أحدهم۔

۱۴۔ مومنین متقین اپنے میں سے ہر اس شخص کے خلاف ہوں گے جو بغاوت کرے گا یا جو مومنین کے درمیان ظلم یا غداری یا عدوان یا فساد کا ارتکاب کرے گا ایسے شخص کے خلاف مومنین کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵۔ ولا يُقتل مؤمنٌ مؤمناً فی كافر، ولا ينصر كافرا على مؤمن۔

۱۵۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۱۶۔ وإنّ ذِمّة الله واحدة، يُجير عليهم ادناهم، وإن المؤمنين بعضهم موالى بعض دون الناس۔

۱۶۔ اللہ کا ذمہ ایک ہے، ادنیٰ ترین مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے مومنین دوسروں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔

۱۷۔ وإنه من تَبِعنا من يهود فان له النصر والأسوة، غير مظلومين ولا متناصرين عليهم۔

۱۷۔ یہودیوں میں سے جو بھی ہماری اتباع کرے گا اسے مدد اور مساوات حاصل رہے گی جب تک اس سے مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچے، نہ ہی وہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرے گا۔

۱۸۔ وإن سِلم المؤمنين واحدة، لا يسالم مؤمن دون مؤمن في قتال في سبيل الله، إلا على سوأ وعدل بينهم۔

۱۸۔ مومنوں کی صلح ایک ہو گی اللہ کی راہ میں جنگ کے دوران کوئی مومن دُوسرے مومن سے جُدا گانہ صلح نہیں کرے گا صلح صرف باہم مساوات اور عدل کے مطابق ہوگی۔

۱۹۔ وإن كل غازية غزت معنا يُعقب بعضها بعضا۔

۱۹۔ جو دستہ ہمارے ساتھ شریکِ جنگ ہوگا ایک دوسرے کا پشت پناہ ہوگا۔

۲۰۔ (i) وإن المؤمنين يُبئ بعضهم على بعض بما نال دماءهم في سبيل الله۔

(ii) وإن المؤمنين المتقين على أحسن هدى وأقومه۔

۲۰۔ (i) مومنین ایک دوسرے کا بدلہ لیں گے جو اللہ کی راہ میں خون بہانے پر انہیں پہنچے گا۔

(ii) مومنین متقین احسن اور اقوم ہدایت پر ہیں۔

۲۱۔ وانه لا يجير مشرك مالا لقريش ولا نفسا، ولا يحول دونه على مؤمن۔

۲۱۔ کوئی مشرک قریش کو جان اور مال کی پناہ نہیں دے گا۔ اور نہ کسی مومن کے خلاف ایسے کسی معاملہ میں دخل دے گا۔

۲۲۔ وإنه من اعتبط مؤمنا قتلا عن بينة فانه قَوَدٌ به إلا أن يرضى ولي المقتول، وإن المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم إلا قيام عليه۔

۲۲۔ جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا شہادت موجود ہوگی تو اس سے قصاص لیا جائے گا سوائے اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہوجائے۔ مومنین کی پوری قوت قاتل کے خلاف ہوگی۔ ان کے لیے بجز قیامِ حد کے کچھ جائز نہ ہوگا۔

۲۳۔ وإنه لا يحل لمؤمن أقر بما في هذه الصحيفة، وآمن بالله واليوم الآخر، أن ينصر مُحدِثا ولا يؤويه، وأنه من نصره أو آواه، فان عليه لعنة الله وغضبه يوم القيامة، ولا يؤخذ منه صرف ولا عدل۔

۲۳۔ کسی مومن کے لیے جو اس دستور کے مندرجات کا اقرار کرچکا ہو اور اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لاچکا ہو، جائز نہیں کہ وہ کسی فتنہ گر کی مدد کرے یا اسے پناہ دے جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو وُہ روزِ قیامت اللہ کی لعنت اور اس کے غضب کا مستوجب ٹھہرے گا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

۲۴۔ وإنكم مهما اختلفتم فيه من شئ، فان مردّه الى الله عزّ وجلّ، والى محمد صلى الله عليه وسلم۔

۲۴۔ جب کبھی تمہارے درمیان کسی معاملہ میں کوئی اختلاف پیدا ہو تو اس کا حوالہ اللہ عزّ وجل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہوگا۔

۲۵- وإن الیهود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین۔

۲۵- یہود مومنین کے ساتھ مل کر اخراجاتِ جنگ اٹھائیں گے جب تک وُہ دونوں (دشمن کے خلاف) حالتِ جنگ میں رہیں گے۔

۲۶- وإن یھود بنی عوف أُمّة مع المؤمنین، للیھود دینھم، وللمسلمین دینھم، موالیھم وأنفسھم، إلاّ من ظلم وأثم، فانّہ لایُوتِغ إلاّ نفسہ، وأھل بیتہ۔

۲۶- بنو عوف کے یہود مومنین کے ساتھ ایک اُمّت ہوں گے۔ یہود کے لیے اپنا دین ہوگا اور مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہوگا۔ اس میں ان کے موالی اور وہ خود (شامل ہوں گے) البتہ جو ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔

۲۷- وإن لیھود بنی النجّار مثل ما لیھود بنی عوف۔

۲۷- بنو النجّار کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۲۸- وإن لیھود بنی الحارث مثل ما لیھود بنی عَوف۔

۲۸- بنو الحارث کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۲۹- وإن لیھود بنی ساعدة مثل ما لیھود بنی عَوف۔

۲۹- بنو ساعدہ کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۳۰- وإن لیھود بنی جُشَم مثل ما لیھود بنی عوف۔

۳۰- بنو جُشَم کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۳۱- وإن لیھود بنی الأوس مثل ما لیھود بنی عوف۔

۳۱- بنو الاوس کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔

۳۲- وإن لیھود بنی ثعلبة مثل ما لیھود بنی عوف، إلاّ من ظَلَم و أَثم، فانہٗ لا یُوتِغ الاّ نفسہ وأھل بیتہ۔

۳۲- بنو ثعلبہ کے یہود کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں البتہ جو ظلم اور غدّاری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔

۳۳- وإن جَفْنة بطن من ثعلبة کأنفسھم۔

۳۳- جفنہ، ثعلبہ کی شاخ ہیں وہ انھیں کی حیثیت میں شمار ہوں گے۔

۳۴-(ا) وإن لبنی الشُّطَیْبَة مثل ما لیھود

۳۴-(ا) بنو شطیبہ کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو

بنی عوف۔
(ii) و إنّ البرّ دون الإثم۔
۳۵۔ و إن موالی ثعلبة كأنفسهم۔
۳۶۔ و إن بطانة يهود كأنفسهم۔
۳۷۔(i) و إنه لا يخرج منهم أحد إلا بإذن محمد صلى الله عليه وسلم۔
(ii) و إنه لا ينحجز على ثار جُرُح۔
۳۸۔(i) و إنه من فتك فبنفسه فتك، و اهل بيته، إلا من ظلم۔
(ii) و إن الله على ابرّ هذا۔
۳۹۔(i) و إن على اليهود نفقتهم و على المسلمين نفقتهم۔
(ii) و إن بينهم النصر على من حارب أهل هذا الصحيفه۔
(iii) و إن بينهم النصح والنصيحة۔
(iv) والبرّ دون الإثم۔
(v) و إنه لم يأثم امرؤ بحليفة۔
(vi) و إن النصر للمظلوم۔
۴۰۔ و إن اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين۔
۴۱۔ و إن يثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحيفة۔

بنو عوف کے یہود کے لیے ہیں۔
(ii) وفا شعاری کو اپنایا جاتے نہ کہ غداری کو۔
۳۵۔ ثعلبہ کے موالی انہیں کی حیثیت میں شمار ہوں گے۔
۳۶۔ یہود کے گہرے دوست انہیں کی حیثیت میں شمار ہوں گے۔
۳۷۔(i) ان میں سے کوئی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔
(ii) کسی کو زخم کا بدلہ لینے سے نہیں روکا جائے گا۔
۳۸۔(i) اگر کوئی شخص کسی کی لاعلمی میں خوں ریزی کرے گا تو وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کو ہلاکت میں ڈالے گا بجز اس کے جس پر ظلم ہوا۔
(ii) اللہ اس (دستور) کے صحیح ترین مشمولات کا محافظ ہے۔
۳۹۔(i) یہود اپنے اخراجات برداشت کریں گے اور مسلمان اپنے اخراجات۔
(ii) اس دستور والوں سے جو کوئی جنگ کرے گا وہ اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
(iii) وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی اور باہم مشاورت کریں گے۔
(iv) وفا شعاری کو اپنایا جائے گا نہ کہ غداری کو۔
(v) کوئی شخص اپنے حلیف سے غداری نہیں کرے گا۔
(vi) مظلوم کی بہر حال مدد کی جائے گی۔
۴۰۔ یہود مومنین کے ساتھ مل کر اخراجاتِ جنگ اٹھائیں گے جب تک دونوں (دشمن کے خلاف) حالتِ جنگ میں رہیں گے۔
۴۱۔ وادیٔ یثرب اس صحیفہ والوں کے لیے حرم پاک قرار پائے گی۔

٤٢ - وإن الجار كالنفس غير مُضارّ ولا آثم -

۴۲ - پناہ گزین، پناہ دہندہ کی مانند ہوگا نہ کوئی اسے ضرر پہنچائے گا اور نہ وُہ غداری کرے گا۔

٤٣ - و إنه لا تُجار حُرمة إلّا بإذن أهلها -

۴۳ - کسی عورت کو اس کے خاندان کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی۔

٤٤ - (i) وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدَث أو اشتجار يخاف فسادُه ، فان مردّه الى الله عزّوجل ، و إلى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم -

۴۴ - (i) جب کبھی اس صحیفہ والوں کے درمیان کوئی حادثہ پیش آئے یا کوئی تنازعہ اُٹھ کھڑا ہو جس سے فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا حوالہ اللہ عزّوجل کی طرف اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہوگا۔

(ii) و إن الله على أتقى ما في هذه الصحيفة و أبرّه -

(ii) اللہ اس صحیفہ کے مشمولات کا محافظ و ضامن ہے۔

٤٥ - وإنه لا تُجار قريش ولا من نصرها -

۴۵ - نہ قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ ان کو جو قریش کی مدد کریں گے۔

٤٦ - وإن بينهم النصر على من دهم يثرب -

۴۶ - یثرب پر حملہ آوروں کے خلاف وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

٤٧ - و إذا دعوا إلى صلح يصالحونه ويلبسونه، فانهم يصالحونه ويلبسونه ، و إنهم إذا دُعوا إلى مثل ذلك فانه لهم على المؤمنين ، إلا من حارب في الدّين -

۴۷ - جب انھیں کسی صلحنامہ میں شرکت یا اس کی پابندی کے لیے پکارا جائے گا تو وہ اس میں شرکت کریں گے اور اس کی پابندی کریں گے اور جب وہ ایسے ہی کام کے لیے بلائیں گے تو یہ پابندی مومنین پر بھی ویسے ہی لازم ہوگی بجز اس شخص کے جو دین کی خاطر جنگ کرے گا۔

٤٨ - على كل أناس حصّتهم من جانبهم الذي قبلهم -

۴۸ - ہر گروہ اپنے حصّے کا ذمہ دار ہوگا جو اس کی جانب ہوگا۔

٤٩ - (i) و إن يهود الأوس ، مواليهم و انفسهم، على مثل ما لأهل هذه الصحيفة ، مع البرّ المحض ؛ من أهل هذه الصحيفة -

۴۹ - (i) الاوس کے یہود، ان کے موالی اور خود ان کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو اس صحیفہ والوں کے لیے ہیں مع اس صحیفہ والوں کے ساتھ مکمل وفاشعاری کے۔

(ii) وإن البرّ دون الاثم -

(ii) وفاشعاری کو اپنایا جائے گا نہ کہ غدّاری کو۔

(iii) لا یکسب کاسب إلا علی نفسہ۔

(iii) کمانے والا جو کماتا ہے وہ اپنی کمائی کا ذمہ دار ہے۔

(iv) و إن اللہ علی أصدق ما فی ھٰذہ الصحیفۃ و أبرّہ۔

(iv) اللہ تعالیٰ اس صحیفہ کے صحیح ترین مشمولات کا محافظ ہے۔

۵۰۔(i) وإنہ لا یحول ھٰذا الکتاب دون ظالم و آثم، و إنہ من خرج آمن، ومن قعد آمن بالمدینۃ، إلا من ظلم أو آثم۔

۵۰۔(i) یہ دستور کسی ظالم اور غدار کے آڑے نہ آئے گا، جو کوئی باہر نکلے گا امن کا مستحق ہوگا اور جو کوئی گھر میں بیٹھا رہے گا وہ مدینہ میں امن کا مستحق ہوگا بجز اس کے جو ظلم کرے گا یا غداری کرے گا۔

(ii) و إن اللہ جار لمن برّ و اتقی، و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

(ii) اللہ ان کا محافظ ہے جو وفاشعار اور پرہیزگار ہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

دستور کا مطالعہ

صحتِ متن

دستورِ مدینہ ایک مکمل دستاویز ہے۔ اس کا متن، اسلوب، طرزِ تحریر اور قدیم ادبِ عربی اور زبان و بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی مصنّف کی تصنیف ہے۔ یہ ایک مستند دستاویز ہے۔ ابنِ اسحاق کے علاوہ اس کا پورا متن معتبر ترین راویوں نے بیان کیا ہے جن میں الزہری اور ابن خیثمہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ابن زنجویہ اور ابن سیدالناس نے بالترتیب ان کا حوالہ دیا ہے۔ اس دستور کی اہم دفعات حدیث کی کتب صحاح ستہ، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں روایت کی گئی ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی مسند، سنن دارمی اور عبدالرزاق کی المصنف میں بھی اس دستور کا حوالہ موجود ہے۔ ابنِ سعد، الطبری، البلاذری، الخطیب البغدادی، المقدلیسی، الزرقانی، المقریزی جیسے نامور مورخین نے بھی اسے روایت کیا ہے عظیم لغت نویس ابنِ منظور نے اپنی شہرۂ آفاق لغت "لسان العرب" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

مستشرقین میں سے ویلہاؤزن نے اس دستاویز کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور اس کے مستند ہونے کے دلائل پیش کیے ہیں۔ منٹگمری واٹ بھی اس کی صحت کو تسلیم کرتا ہے۔ حافظ ابنِ حجر، ایک محتاط نقّاد نے بغیر وجہ بیان کیے اس کی صحت کے متعلق استثناء کا اظہار کیا ہے۔ وہ دستور کی دفعہ ۲۶ کو قبول کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکے، جس میں یہود کو مومنین کے ساتھ ایک اُمت کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے (و ان یہود بنی عوف امۃ مع المؤمنین) حالانکہ یہاں اُمت سے مراد ایک سیاسی وحدت ہے نظریاتی لحاظ سے یہود توحید کے قائل تھے اور ایک خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے ان کے بالمقابل مدینہ کے مشرکین اور کفّار تھے جو توحید کے قائل نہ تھے۔ دستورِ مدینہ کے مطالعہ اور اس کی داخلی اور

خارجی شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ "دستور" ایک مستند دستاویز ہے۔ اس میں کوئی بات اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہیں۔ دُنیا کے قدیم ترین تین براعظموں کی غیر مسلم آبادی جو مسلمانوں کی فرمانروائی میں آئی اس کے ساتھ مسلمان حکمرانوں نے وہی سلوک روا رکھا جو دستورِ مدینہ میں غیر مسلموں کے متعلق بیان ہوا ہے۔

زمانۂ تحریر

قدیم ترین اسلامی ماخذ بیان کرتے ہیں کہ دستورِ مدینہ ہجرت کے پہلے ہی سال کی ابتداء میں مرتب کیا گیا۔ صحیح بخاری میں روایت کردہ حضرت انسؓ کے ایک بیان کے مطابق یہ دستاویز ان کے والدین کے گھر پر لکھی گئی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ میں مسجد نبویؐ کی تعمیر سے پہلے مرتب ہوئی تھی۔[11] کئی مستشرقین نے دستور کا ناقدانہ مطالعہ کیا ہے۔[12] ویل ہاؤزن اور کیتانی بہت سی شہادتیں اور دلائل پیش کرنے کے بعد اس دستاویز کو غزوۂ بدر سے پہلے کی تسلیم کرتے ہیں۔ کیتانی نے مشہور مستشرق رگرم کے دلائل کا بھی جواب دیا ہے جس کے نزدیک یہ دستاویز غزوۂ بدر کے بعد لکھی گئی۔

دستورِ مدینہ دو بڑے حصّوں پر مشتمل ہے :

پہلا حصہ ۱ تا ۲۴ دفعات پر مشتمل ہے جبکہ

دوسرا حصہ ۲۵ تا ۵۰ دفعات پر محیط ہے۔

دستور کے دوسرے حصہ سے بعض علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد پہلے حصے میں شامل کیا گیا تھا۔[14]
منٹگمری واٹ اس حد تک چلا گیا ہے کہ یہ دستور غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کے اخراج کے بعد مرتب ہوا۔[15] یہ نظریہ سراسر غلط اور خلافِ حقیقت ہے کیونکہ اس غزوہ کے بعد بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہود مدینہ چھوڑ چکے تھے اور یہودیوں کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ ایسی صورت میں یہود سے متعلق دستور میں دفعات کی کیا ضرورت تھی۔ منٹگمری واٹ نے اپنے نظریے کی بنیاد دستور کی لسانی نوعیت اور دفعات کے اعادے پر رکھی۔[16] ہم نے ان دلائل کا بغور جائزہ لینے کے بعد انھیں بے بنیاد پایا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نزدیک بدر کی شاندار فتح رسول اللہؐ کا قرب و جوار کے قبائل بنو ضمرہ اور جہینہ سے اتحاد، یہودی قبائل کی رقابت ایسی وجوہ تھیں جنھوں نے یہود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور کیا۔[17] حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ جیسا کہ آیندہ بیان ہو گا یہود نے غزوۂ بدر کے بعد تو نقضِ عہد کرنا شروع کر دیا تھا جس کی پاداش میں وہ جلا وطن ہوئے۔

مندرجہ بالا مصنّفین نے اپنے نظریات کی تائید کسی مستند تاریخی شہادت سے نہیں کی۔ اس کے برخلاف متذکرہ دور کے حالات یقیناً تصدیق کرتے ہیں کہ بدر سے پہلے کا زمانہ ہی یہود کے لیے بدر کے بعد کے زمانے سے زیادہ موزوں تھا کہ وہ اس دستور کی ترتیب میں حصہ لیں اور اس کے متن کی پابندی کریں۔ قرآن میں اس بات کا واضح طور پر ذکر موجود ہے کہ یہود کو توقع تھی کہ جب وہ پیغمبر آئے گا جس کا ذکر DEUT ۱۸ : ۱۸ میں ہے تو وہ ان کے کافر مخالفین پر انھیں

فتحمند کرے گا :

ولما جآءھم کتٰب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا [۱۹]

(اور جب ان کے پاس اللہ کے پاس سے ایک کتاب آئی اس کی تصدیق کرتی ہُوئی جو ان کے پاس موجود ہے اور اس سے پیشتر وُہ دعا کرتے تھے کافروں پر فتح کے لئے)

ان توقعات کے تحت یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں آمد پر آپ کو اپنی مدد اور تعاون پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ اور اس کے گردونواح کے ملحد اور لادین لوگوں کی نسبت ایک خدا پر یقین رکھنے والے یہودیوں سے زیادہ قریب تھے۔ مدینہ آمد پر آپ نے کعبہ کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنایا۔ اسی طرح دس محرم کے روزہ کو بھی اپنایا گیا[۲۰]۔ جب کسی یہودی کا جنازہ پاس سے گزرتا تو آپ احتراماً کھڑے ہوجاتے[۲۱]۔ آپ اس بات کو بھی ناپسند فرماتے کہ آپ کے اصحاب موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیں[۲۲]۔ امام بخاریؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امور میں جہاں خدا نے حکم صادر نہ فرمایا ہوتا اہلِ کتاب کے طریق کو اپنا کر خوش ہوتے تھے[۲۲]۔

ہجرت کے پہلے سال میں مسلم، یہود خوشگوار تعلقات کی مزید تصدیق قریش کے اس سخت رویہ سے ہوتی ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنایا تھا۔ مدینہ کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیتے ہُوئے قریش نے محسوس کیا کہ ان کے لیے یہود کے بجائے عبد اللہ بن اُبیّ کو اپنے ساتھ ملانے کے زیادہ مواقع ہیں۔ قریش نے عبد اللہ بن اُبیّ کی مدد طلب کرتے ہُوئے اسے ایک خط لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے یا انہیں مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا[۲۳]۔ بدر سے قبل کے ان خوشگوار تعلقات کے باعث یہود نے مدینہ میں ایک وفاقی ریاست کے قیام اور متفقہ دستور بنانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعاون کیا اس وقت وُہ آپ سے اتنی امیدیں وابستہ کیے ہُوئے تھے کہ انھوں نے اس دستور کی تدوین و ترتیب میں نہ صرف آپ کی رسالت پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ دستور کی دفعات ۱، ۲۴، ۴۲، ۴۴، ۵۰ میں واضح طور پر اس کا اندراج ہُوا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگِ بدر مسلم یہودی تعلقات میں ایک اہم موڑ ہے۔ اس جنگ سے ایک ماہ قبل شعبان ۲ھ میں اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل کردیا :

"فول وجھک شطر المسجد الحرام" [۲۴]

(پس اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لو)

اس بات سے یہود ناراض ہوگئے۔ دستور نے یہود کو مذہبی آزادی کی ضمانت دے رکھی تھی تاہم ان قابلِ اعتراض سماجی حرکات اور تکلیف دہ رویہ پر قرآن میں تنقید کی گئی اور ان کے خطرناک عزائم بے نقاب کیے گئے۔ یہ بات ان کی توقعات کے خلاف تھی وُہ امید کرتے تھے کہ نیا رسول ان کے رویہ اور عادات و خصائل کو جائز قرار دے گا اور دوسروں کو ان کی پیروی کی تلقین کرے گا

مگر ایسا نہ ہُوا۔ اس سے یہود برافروختہ ہو گئے۔ غزوۂ بدر کی عظیم الشان فتح نے ان کی مایوسی میں مزید اضافہ کر دیا۔

قریش نے غزوۂ بدر کے بعد بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان حالات میں عبداللہ بن اُبَیّ کے مقابلے میں یہود ان کے لیے زیادہ مفید ہیں جو ان کے مفادات میں بہتر طور پر کام آ سکتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک خط یہودیوں کو لکھا جس میں یہود کے اسلحہ اور قلعوں کی تعریف تھی اور یہود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب بھڑکایا گیا تھا۔[۲۵]

یہود کا قبیلہ بنو قینقاع سب سے مضبوط اور بہادر تھا۔ وہ سب سے پہلے یہود تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کی۔ ابنِ سعد کی روایت کے مطابق "انھوں نے دستور کو مسترد کر دیا" اور "وہ سب سے پہلے تھے جنھوں نے غدّاری کی" (فکانوا اوّل من غدر من الیہود)[۲۶] ابنِ ہشام اور الطبری نے بھی اسی نوعیت کی بات ابنِ اسحاق کے حوالہ سے روایت کی ہے:

"ان بنی قینقاع کانوا اوّل یہود نقضوا ما بینھم و بین رسول اللہ وحربوا فی ما بین بدر و اُحد۔"[۲۷]

(بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنھوں نے اپنے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مابین معاہدے کو توڑا اور بدر و اُحد کی درمیانی مدت میں جنگ کی)

مندرجہ بالا شہادت بالکل واضح کر دیتی ہے کہ دستور کا دُوسرا حصّہ بھی جو یہودیوں سے متعلق ہے پہلے سال ہجری میں غزوۂ بدر سے قبل لکھا گیا تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد تو بجائے دستور کی ترتیب و تدوین میں تعاون کرنے کے یہودیوں نے اس کی خلاف ورزی اور جو کچھ پہلے طے ہو چکا تھا اس کے خلاف غدّاری شروع کر دی۔

غزوۂ اُحد کے بعد یہودیوں کے دوسرے قبیلہ بنو نضیر نے غداری کی۔ غزوۂ اُحد کے بعد یہودیوں کے تیسرے قبیلہ بنو قریظہ نے دستور کی پابندی کی تجدید کی اور غزوۂ خندق کے دوران دونوں معاہدوں سے غداری کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دستور کے دونوں حصّے غزوۂ بدر سے پہلے لکھے گئے تھے۔

تعدادِ دفعات

دستور میں بچاس دفعات ہیں۔ مستشرقین نے ویل ہاؤزن کی پیروی میں انھیں سینتالیس گنا ہے۔[۲۸] بعض دفعات کو دُوسری دفعات کا حصّہ پڑھا گیا ہے، حالانکہ وہ بالکل جُداگانہ اور علیحدہ ہیں اس لیے انھیں الگ شمار کیا گیا ہے۔ محمد حمید اللہ نے باون شقیں شمار کی ہیں مگر یورپی مصنّفین کے ساتھ مطابقت کی خاطر انھوں نے بعض شقوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے اور الف و ب سے ان کی نشان دہی کی ہے۔

مندرجہ بالا تعداد سے غیر مطمئن ہونے کے سبب ہم نے دستاویز کے بغور مطالعہ کے بعد اس کی بچاس دفعات شمار کی ہیں۔ ان میں سے بعض کو جدید دستور سازی اور قانونی ضابطوں کے مطابق پیروں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس

طریقِ کار کو اپنانے کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں :

دستور کی سب سے پہلی شق "یہ ایک دستور ہے" کو دفعہ نمبر ایک شمار کیا گیا ہے جبکہ منٹگمری واٹ نے اس کو کوئی نمبر دیے بغیر چھوڑ دیا ہے بظاہر وُہ اسے ابتدائیہ کا حصہ تصور کرتا ہے حالانکہ یہ ایسا نہیں ہے کیونکہ دستور کے اجزا دستاویز کا ناگزیر حصہ ہیں۔

دستور کی شق "کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف نہیں بنائے گا..." دفعہ نمبر ۱۳ ہے کیونکہ یہ ایک مکمل دفعہ ہے۔ محمد حمید اللہ مستشرقین کی بھی گنتی کے خلاف اسے دفعہ ۱۲ کا جزو شمار کرتے ہیں۔

دستور کی شق "مومنین، متقین احسن اور اقوم ہدایت پر ہیں" دفعہ ۲۰ کا پیرا (۲) ہے کیونکہ اس کے اصل موضوع مومنین کا ذکر اسی دفعہ کے پیرا (۱) میں موجود ہے۔ واٹ نے بھی اسے یونہی پڑھا ہے مگر محمد حمید اللہ نے اسے اگلی جداگانہ دفعہ کو اس کا پیرا (ب) شمار کرتے ہوئے ایک الگ دفعہ شمار کیا ہے۔ دستور کی شق "اگر کوئی شخص خونریزی کرے گا تو وہ اپنے آپ کو...." دفعہ ۳۸ ہے۔ حمید اللہ اور واٹ نے اسے قبل ازیں دفعہ کے حصّہ کے طور پر پڑھا ہے حالانکہ یہ ایک مکمل دفعہ ہے جو کسی ایسے قاتل سے متعلق ہے جو کسی کی لاعلمی میں خُونریزی کرے۔ دستور کی شق "اللہ اس (دستور) کے صحیح ترین مشمولات کا محافظ ہے" اسی دفعہ نمبر ۳۸ کا ایک حصہ ہے۔ دستور میں بعض دیگر دفعات بھی اسی طرح بیان ہوئی ہیں۔

قبل ازیں تمام مصنّفین "البر" کو خدا کی صفت تصور کرتے رہے ہیں جبکہ ہمارے نزدیک یہ دستاویز کے مشمولات کی صفت ہے جیسا کہ متن میں اس کے ترجمہ سے ظاہر ہے۔ دستور کی شق "ہر گروہ اپنے حصّے کا ذمہ دار ہوگا جو اس کی جانب ہوگا" دفعہ نمبر ۴۸ ہے، یہ ایک الگ دفعہ ہے کیونکہ یہ اپنی جگہ بالذات اور مکمل ہے۔ اس کو اس سے پہلی دفعہ کا حصّہ شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وُہ تمام فریقین کے ایک صلح نامہ میں شرکت کا ذکر کرتی ہے۔

یہودی قبائل

بعض مصنّفین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہود کے تین بڑے قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کا ذکر دستور میں نہیں اس لیے وہ دستور کی ترتیب میں شامل نہیں تھے۔ اوّل تو مندرجہ بالا واضح تاریخی شواہد اس نظریہ کا کھلم کھلا ابطال کرتے ہیں۔ بنو قینقاع کا واضح طور پر ذکر موجود ہے کہ انہوں نے اس دستور کو مان کر سب سے پہلے اس سے غداری کی اسلامی تاریخ کے نامور اور چوٹی کے محدثین اور مورخین نے اسے روایت کیا ہے۔ اگر وہ دستور میں شامل نہ ہوتے تو ان کی غداری کا حوالہ بے معنی ہوتا۔ ہم اس موضوع پر گزشتہ اوراق میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں یہودی قبائل کی دستور میں شرکت و شمولیت کا دُوسرا بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ قبائل عربوں کے علاقوں اور محلّوں کی نسبت سے معروف تھے۔ دستور سازی کے وقت جن مختلف مسلم اور غیر مسلم گروہوں کا ذکر ہوا ان میں مہاجرین، انصار کے مختلف قبائل پھر ان کے موالی اور حلیف مذکور رہیں۔ اس طرز پر دستور میں یہود کا بحیثیت مجموعی ذکر کر کے ان کے قبائل کا تفصیلی ذکر انصار کے مختلف قبائل کی ذیل میں کیا گیا ہے کیونکہ یہ یہودی

قبائل انصار کے بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کے حلیف تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب یہود کے ایک قبیلہ بنو قینقاع نے دستور کے ساتھ غداری کی تو خزرجیوں کے سردار عبداللہ بن اُبی نے ثالثی کے فرائض انجام دئے اور جب دوسرے یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے غداری کی تو بنو اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ نے ثالثی کے فرائض سر انجام دئے۔ دستور کی ان باریکیوں کو سامنے رکھا جائے تو یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں کی شرکت و شمولیت واضح ہو جاتی ہے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ کا ذکر بنو اوس اور ثعلبہ کے یہودیوں کے طور آیا ہے کیونکہ وہ اوس اور ثعلبہ بن عمرو بن عوف کے درمیان رہتے تھے[۲۹] (دفعات ۳۱، ۳۲)۔ بنو قینقاع بنو خزرج میں سے بنو حارث کے حلیف تھے[۳۰] لہٰذا وہ دفعہ ۲۸ کے تحت مذکور ہیں۔

یعقوبی نے ایک بیان قلمبند کیا ہے جس کے مطابق بنو نضیر اور بنو قریظہ اپنی اصل میں یہودی نہیں تھے۔ وہ عربوں کی ایک شاخ جذام میں سے تھے جنہوں نے بعد میں یہودیت اختیار کر لی تھی[۳۱]۔ المسعودی نے بھی اس حقیقت کا ذکر کیا ہے[۳۲]۔ اس باب میں آیندہ صفحات پر ایک مقدمہ بیان ہوا جس میں عربوں میں سے یہودیت قبول کرنے والوں کا ذکر ہے وہ مزید ثبوت ہے۔ اس بنا پر یہ زیادہ قرینِ حقیقت ہے کہ مدینہ کے تین بڑے یہودی قبیلوں کو مدینہ کے عرب خاندانوں کے ساتھ حلف اور نسب کے تعلق کی بنا پر گروہ بند کر لیا گیا تھا اور دستور کی تدوین کے وقت مدینہ کی اس معاشرتی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں عرب قبیلوں کی ذیل میں بیان کر دیا گیا۔

اسلامی ریاست کا وفاق

دستورِ مدینہ قرار دیتا ہے کہ مومنین، مہاجرینِ قریش اور مسلمان و انصارِ مدینہ، ان کے پیروکار اور سیاسی حلیف سب مل کر ایک اُمت ہیں (امۃ واحدۃ[۳۳])۔ مدینہ کے دُوسرے باشندے جیسے یہودی، ان کے پیروکار اور حلیف جو دستور کو تسلیم کریں وُہ یکساں برتاؤ اور مساوی حقوق کے مستحق ہوں گے[۳۴] (النصوا لاسوہ)۔ وہ مومنین کے ساتھ مل کر ایک سیاسی امر قرار دیے گئے تھے (امہ مع المومنین[۳۵])۔ دستور یہ بھی قرار دیتا ہے کہ مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے مشرک بھی اگر دستور کی پابندی کریں تو وہ بھی دستور کے مطابق ریاستِ مدینہ کے شہری ہوں گے اور انہیں مساوی شہری حقوق حاصل ہوں گے[۳۶]۔ پس مدینہ اور اس کے گرد و نواح کی تمام آبادی مہاجرین و انصار، مسلم و غیر مسلم، مومن و غیر مومن، یہود اور مشرکین سب ریاستِ مدینہ کے وفاق تھے اور دستور کے مطابق برابر کے شہری تھے۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری اپیل کی عدالت تسلیم کر لیا۔

مذہبی اور سماجی خود مختاری

سیاسی طور پر اسلامی ریاست مدینہ کی پُوری آبادی پر مشتمل تھی۔ دستوری طور پر ریاست کے تمام وفاقی عناصر کو مذہبی آزادی اور داخلی خود مختاری حاصل تھی۔ دو بڑے وفاقی عناصر مہاجر اور انصار دیت اور قیدیوں کے فدیہ

جیسے معاملات میں اپنے اپنے قبل از اسلام کے رواج پر چلنے میں خود مختار تھے"۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی"۔ وہ دیت اور قیدیوں کے زرِ فدیہ کے معاملہ میں بھی اپنے دستور پر چلنے میں آزاد تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب

سربراہ ریاست

دستورِ مدینہ کی دفعہ ۴۴ میں قرار دیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریاست کے سربراہ ہوں گے۔ دستور کی سب وفاقی وحدتوں کو پابند بنایا گیا ہے کہ وہ تمام اختلافات، انتظامی تنازعے اور سیاسی مسائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کریں۔ اس دستوری دفعہ کے تحت امن و امان کے تمام اندرونی مقدمات اور بیرونی مسائل حرب و صلح آپ کے پاس پیش ہونا ضروری ہیں:

"وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عزوجل والى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔"

سپہ سالار

دستور کی دفعہ ۳۶ میں قرار دیا گیا ہے کہ ریاست کے شہری انفرادی اور اجتماعی طور پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر جنگ پر جانے کے مجاز نہیں۔ جنگ کے معاملہ میں آپ مختارِ کل ہوں گے۔ کسی بھی شخص کے خلاف آپ کی اجازت کے بغیر جنگ میں شریک ہونے پر کارروائی کی جا سکے گی:

"وانه لا يخرج منهم احد الا باذن محمد صلى الله عليه وسلم۔"

چیف جسٹس

دستور کی دفعہ ۲۴ اور ۴۴ کے تحت تمام قانونی تنازعے، عدالتی معاملات اور مقدمات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں گے:

"وانكم مهما اختلفتم فيه من شئ فان مرده الى الله عزوجل والى محمد صلى الله عليه وسلم۔" (دفعہ ۲۴)

"وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عزوجل والى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔" (دفعہ ۴۴)

عربی میں "مهما اختلفتم فيه من شئ" (دفعہ ۲۴) اور "اشتجار" (دفعہ ۴۴) جامع قانونی اصطلاحات ہیں۔ ان کا اطلاق تمام قسم کے قانونی، عدالتی، انتظامی، معاشرتی اور سیاسی جھگڑوں اور تنازعوں پر ہوتا ہے۔ ان دفعات کی رُو سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی ریاست کے چیف جسٹس قرار پائے۔ دستور نے حکام اور شہریوں کے حقوق اور فرائض کا تعین کر دیا۔ دستوری دفعات کی پابندی حاکمِ ریاست پر بھی مساوی طور پر لازمی تھی۔ تاریخ میں ایسے مقدمات محفوظ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دائر ہوئے تھے[۳۹]۔

دستورِ مدینہ میں سربراہِ ریاست، سپہ سالار اور چیف جسٹس کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اختیارات حاصل ہوئے ان کی مثال قبل از اسلام عربوں میں نہیں ملتی۔ بعض علاقوں کے عرب بادشاہوں، مختلف قبائل کے شیوخ مکہ کی شہری ریاست کے ملاء کو جو اختیارات حاصل ہوئے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستوری اختیارات سے کوئی تقابل نہ تھا۔ فطری طور پر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دستوری حیثیت سے وفاق کی تمام وحدتوں میں سے سب سے زیادہ مطمئن وحدت تھے۔ انصارِ مدینہ اپنی قبل از اسلام کی خانہ جنگیوں، خاندانی رقابتوں، خونریز لڑائیوں اور طویل جھگڑوں سے عاجز آچکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دستوری حیثیت کو مان کر وہ خوش تھے کہ ان کے باہمی تنازعے اور جھگڑے چکانے کے لیے اب ان میں ایک مرکزی شخصیت موجود ہے۔

یہ امر بہت دلچسپ ہے کہ مدینہ کے یہودیوں اور مشرکین نے آپؐ کو رسول مانے بغیر آپؐ کی متذکرہ بالا آئینی حیثیت کو تسلیم کر لیا اور دستور میں آپؐ کی رسالت کے ذکر پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس بات کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ دستورِ مدینہ کی تدوین کے چھ سال بعد صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تحریر کے وقت قریشِ مکہ نے آپؐ کی رسالت کا ذکر قبول نہیں کیا تھا[۴۰]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد عرب قبائلی سرداروں نے اپنے افرادِ قبیلہ کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس واقعہ نے قدیم معاشرتی اور سیاسی عرب معاشرت پر جو قبیلہ کی بنیاد پر استوار تھی کاری ضرب لگائی۔ قبائلی تنظیم کے درہم برہم ہونے سے مسلمانوں کے غیر مسلم اور مشرک رشتہ داروں نے خود کو اپنے تنازعوں کے فیصلے کے لیے سخت مشکل میں پایا۔ نئے دستور نے واضح طور پر قرار دیا تھا کہ وہ مرکزی نظامِ عدل اور مرکزی حکومت کے تحت تحفظ حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ وُہ ریاست کے سیاسی معاملات کے عمل میں رکاوٹ پیدا نہ کریں۔ انھیں اس بات کا بھی پابند بنایا گیا تھا کہ وہ قریش سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔

ریاستِ مدینہ کی وحدتوں نے متفقہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاست کا سربراہ، چیف جسٹس اور سپہ سالار تسلیم کیا تھا۔ دستور کے نفاذ کے ساتھ قبائلی افراتفری اور طوائف الملوکی کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ ایک انقلابی تبدیلی تھی۔ عوام کو اطمینان نصیب ہوا کہ وہ اپنے باہمی اور قبائلی جھگڑے ذاتی قوت یا قبائلی طاقت سے طے کرنے کی بجائے ایک مرکزی ادارۂ انصاف کی طرف سے عدل کی سہولت حاصل کر سکیں گے۔ مرکزی دستوری حکومت نے ایک بہت منظم اور مربوط ریاست کو جنم دیا جو تھوڑے ہی عرصہ میں پرانی دنیا کے تین براعظموں کو اپنے زیرِ نگیں لے آئی۔

عدالتی نظام

دستورِ مدینہ کے اجرا کے بعد دستوری حکومت تسلی بخش طور پر کام کرتی رہی[۴۱]۔ اس کی تمام وحدتیں، جنھوں نے

بخوشی دستور کی اطاعت قبول کی تھی۔ ریاست کی فلاح اور ترقی کے لیے مل کر کام کرتی رہیں۔ ہر وحدت اپنے دستوری فرائض ادا کرتی رہی اور اس کی کسی شق سے انحراف کی صورت میں دستور کی مدد طلب کی جاتی رہی۔ تاریخ میں بہت سے واقعات محفوظ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود نے اپنے تنازعے اور پیچیدہ قانونی مسائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریاستِ مدینہ کا چیف جسٹس مانتے ہوئے آپ کی خدمت میں پیش کیے۔

ابنِ اسحاق نے ایک مقدمہ کی تفصیل دی ہے جو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تصفیہ کے لیے پیش کیا، اور آپ نے اس پر جو فیصلہ دیا اُسے بھی درج کیا ہے۔

چند مقدمات

ایک شادی شدہ یہودی مرد نے ایک شادی شدہ یہودی عورت سے زنا کیا۔ یہودی علما بیت المدراس (ایک یہودی مذہبی دار العلوم) میں جمع ہوئے۔ بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ دستوری دفعات (دفعہ ۲۴ اور ۴۴) کے تحت مقدمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا جائے۔ اس سے یہودی علما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا امتحان بھی کرنا چاہتے تھے:

"اگر وہ تجبیہ (کھجور کی چھال سے کوڑے لگانا، مُنہ کالا کرنا، گدھوں پر دُم کی طرف مُنہ کر کے سوار کرنا) تجویز کرتے ہیں تو ان کی پیروی کرو اور ان کی اطاعت کرو کیونکہ وُہ ایک بادشاہ ہیں۔ اگر وہ ان کے لیے رجم تجویز کریں تو وہ پیغمبر ہیں اس صورت میں ان سے ہوشیار رہو کہیں وُہ تمھیں اس حیثیت سے محروم نہ کر دیں جو تمہاری ہے۔"

اس کے بعد یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہُوئے اور اپنا مقدمہ اس طرح پیش کیا:

" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس شادی شدہ آدمی نے ایک شادی شدہ عورت سے زنا کیا ہے۔ ان کے مقدمہ میں اپنا فیصلہ دیجئے، ہم ان کا مقدمہ آپ کو جج مانتے ہوئے آپ کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔"[۴۲]

مقدمہ کی روداد

ربّیون (علماء) کے ساتھ ملاقات

دستورِ مدینہ نے یہودیوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی تھی:

"یہود کے لیے اپنا دین ہوگا" (للیھود دینھم دفعہ ۲۶)

دستور کی اس دفعہ کے تحت آپ نے ان کی مذہبی کتاب تورات سے شہادت ریکارڈ کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ ربیوں سے،

ملنے بیت المدراس تشریف لے گئے اور یہودی ماہرینِ تورات کو طلب کیا۔ عبداللہ بن صوریا، ابویاسر اور وہب بن یہوذا پیش ہوئے۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ تینوں مستند ترین یہودی عالم ہیں عبداللہ بن صوریا یہودی معاصرین میں توراۃ کے سب سے بڑے عالم تھے۔[۴۳]

جرح اور حلف

یہودی ماہرینِ تورات کا بیان ریکارڈ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرح میں ان سے سوالات کیے۔ انھیں مقدمہ کی اہمیت جتاتے ہوئے آپؐ نے ابن صوریا کو مخاطب کیا:

"خدا کے نام پر اور اسرائیل کے سنہری دَور کے نام پر بیان کرو کیا تم جانتے ہو کہ خدا نے توراۃ میں شادی شدہ افراد کے زنا کی سزا رجم مقرر کی ہے؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں!"

اور اس نے مزید کہا: "ابوالقاسم! وُہ خوب جانتے ہیں کہ تم (خدا کے) بھیجے ہوئے رسول ہو۔ مگر وہ تم سے حسد کرتے ہیں۔"[۴۴]

متن پیش کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو توراۃ پیش کرنے کے لیے کہا۔ سب سے بڑا عالم ربّی وہاں موجود تھا جس نے توراۃ کا متن پڑھنا شروع کیا۔ اس نے رجم والی آیت پہ ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام (یہود میں سے ایک نومسلم) نے ربّی کے ہاتھ پر مارا اور کہا:

"اے خدا کے رسولؐ! یہ رجم کی آیت ہے جو یہ آپؐ کو پڑھ کر سنانے سے انکاری ہے۔"

اس کے بعد یہود نے اقرار کیا کہ توراۃ میں ایسی آیت موجود ہے۔[۴۵]

اپنا فیصلہ سُنانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیرِ سماعت مقدمہ کے مختلف پہلوؤں کی مزید چھان بین کی۔

قانون کو پوشیدہ رکھنے کے اسباب

مقدمہ کی کارروائی کے دوران جب یہودیوں نے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی جو بالآخر ظاہر ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ کے قانون کو دبانے کے اسباب دریافت کیے۔

"تم پر افسوس ہے اے یہودیو! تمہیں کس چیز نے خدا کا وُہ قانون چھوڑنے کی ترغیب دی جو تمہارے پاس ہے۔"

انہوں نے انکشاف کیا: "سزا کا اطلاق تورات کے مطابق ہوتا رہا حتیٰ کہ شاہی خاندان اور اعلیٰ نسب کے

ایک فرد نے زنا کا ارتکاب کیا اور بادشاہ نے اسے رجم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص نے زنا کیا، بادشاہ اسے رجم کرنا چاہتا تھا مگر انہوں نے کہا " نہیں! اس وقت تک ایسا نہیں ہو سکتا جب تک فلاں کو بھی رجم نہ کیا جائے"۔ جب انہوں نے اس پر اصرار کیا تو وہ بالآخر سب تجبیہ پر رضامند ہو گئے اور انہوں نے رجم کا ذکر اور اس پر عمل ترک کر دیا"۔

تورات کے قانون کے اخفا کا پس منظر سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " میں خدا کے قانون، اس کی کتاب اور اس پر عمل کو دوبارہ زندہ کرنے والا پہلا آدمی ہُوں "۔ [۴۶]

فیصلہ

ربیوں کے ساتھ بحث کے دوران جمع کی گئی شہادتوں، ان پر جرح، حلف لینے، تورات کے اصل قانون کے متن کے ملاحظہ اور خدا کے قانون کو چھپانے کے پس منظر کا علم ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا معاملہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ شہادت کے قائم ہونے اور ثبوت فراہم ہونے کے بعد آپ نے اپنا فیصلہ سُنا دیا کہ زنا کا ارتکاب کرنے والوں کو رجم کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس مقدمہ کے راوی روایت کرتے ہیں کہ "وہ رجم کر دیے گئے اور میں ان میں شامل تھا جنہوں نے انھیں رجم کیا"۔ [۴۷]

قانون میں امتیاز

قانون میں یہودیوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ مدینہ میں یکساں سلوک نہیں ہوتا تھا۔ بنو نضیر کے یہودی اپنے سماجی بلند رتبہ کے باعث بنو قریظہ سے فائق متصور ہوتے تھے۔ اگر بنو نضیر میں سے کوئی شخص قتل ہو جاتا تو پورا خُوں بہا ادا کیا جاتا، لیکن بنو قریظہ کے معاملہ میں خوں بہا کا صرف نصف ادا کیا جاتا۔ یہودیوں نے مدینہ کے چیف جسٹس کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا اور اس بہت اہم سماجی اور قانونی مسئلہ پر آپؐ سے فیصلہ چاہا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے مذہبی، نسبی اور سماجی حالات کی سماعت کے بعد اپنا فیصلہ سنایا کہ قانون میں سب یہودی برابر ہیں اور ان میں امتیاز کا کوئی جواز نہیں۔ اس فیصلے کے ذریعے آپؐ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خُون بہا کو برابر قرار دے دیا۔ [۴۸]

ایک مسلم اور یہودی کے درمیان جھگڑا

ایک مرتبہ ایک یہودی اور انصاری (مسلمان) پیغمبروں میں افضلیت پر بحث کر رہے تھے۔ دورانِ بحث یہودی نے موسیٰ علیہ السلام کو اس انداز سے پیش کیا جیسے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں۔ انصاری یہ برداشت نہ کر سکے اور اسے تھپڑ رسید کیا۔ یہودی نے اس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں شکایت پیش کی۔ فریقین کو

سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمہ کا فیصلہ سنایا اور نصیحت کے طور پر کہا: "دوسرے پیغمبروں پر میری فوقیت میں مبالغہ نہ کرو۔ روزِ قیامت سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں جاگنے والوں میں سب سے پہلا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے تخت کے برابر کھڑے ہیں (لا تخیرونی من بین الانبیاء فان الناس یصعقون یوم القیامۃ فاکون اوّل من یفیق قال فاذا انا بموسیٰ اٰخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جزی بصعقۃ الطور)۔"[۴۹]

غدّاری

قریشِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ پُرامن بقائے باہمی کے اصول کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ پہلے انھوں نے عبداللہ ابن اُبَیّ سے راہ و رسم پیدا کی جسے ہجرت سے پہلے اوس اور خزرج کا سردار بننے کی توقع تھی اور جو بعد میں مدینہ کے منافقین کا سرغنہ بنا۔ قریش نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکال دینے کے لیے کہا یا اس کے سنگین نتائج بھگتنے کی دھمکی دی:

"تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے بخدا تم اسے قتل کرو گے یا وہاں سے نکال دو گے یا ہم اپنی پوری قوت سے تم پر حملہ کریں گے اور تمہیں تباہ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی کریں گے۔"[۵۰]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست، دانشمندی اور تدبر نے قریش کی پہلی کوشش کو ناکام بنا دیا جو انھوں نے آپؐ کے اصحابؓ کے درمیان افتراق پیدا کرنے کے لیے کی تھی اور نہ ہی عبداللہ بن اُبَیّ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر کے سامنے، قریش کے لیے کچھ کر سکا۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے کی بات ہے۔

غزوۂ بدر کے بعد قریش نے دستور کی دوسری وحدت یہود سے راہ و رسم پیدا کی اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے یا سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنے کو کہا:

"تم اسلحہ سے لیس ہو اور تمہارے پاس قلعے ہیں۔ تمہیں ہمارے آدمی سے لڑنا چاہیے یا ہم تمہارے ساتھ ایسا اور ایسا کریں گے اور ہمیں کوئی چیز تمہاری مستورات کے زیوروں سے نہ روک سکے گی۔"[۵۱]

یہودیوں کو دستورِ مدینہ میں پوری خود مختاری حاصل تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانونی مقدموں کا فیصلہ انصاف اور مساوات کے ساتھ کرتے تھے اور انھیں شکایت کا کوئی موقع نہیں دیتے تھے۔ مگر یہودی فطرتاً فتنہ پرداز تھے۔ انھوں نے قریش کی آواز کا مثبت جواب دے دیا۔ دستور کے مطابق ریاستِ مدینہ کے دشمنوں کے ساتھ اس طرح کی سازباز شدید غداری تھی۔ مگر اس کے باوجود بحیثیت سربراہِ ریاست، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو قریش کا حشر یاد دلایا اور انھیں سنگین عواقب سے متنبہ کیا۔ اس کے باوجود یہودی نہ سمجھے اور انھوں نے شدید ردِّعمل کا اظہار کیا اور کہا:

"اے محمدؐ! تم اس دھوکہ میں نہ رہنا، تمہاری جنگ ان لوگوں سے تھی جنھیں جنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا اور تم نے یہ

جنگ جیت لی۔ بخدا! جب ہم لڑیں گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم اور طرح کے لوگ ہیں[۵۲]۔"

یوں انہوں نے دستور کو پامال کیا اور مسلمانوں سے جنگ کی[۵۳]۔ بنو قینقاع یہودیوں کا سب سے بہادر قبیلہ تھا[۵۴]۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان دستوری معاہدے کو سب سے پہلے پامال کیا۔ انہوں نے اعلانِ جنگ کر دیا اور غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے درمیان مسلمانوں کے خلاف لڑے[۵۵]۔

فیصلہ

یہ انتہائی غداری سزائے موت کی متقاضی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیف جسٹس کی حیثیت سے انھیں صفائی کا موقعہ دیا تاکہ عدل و قانون کے تمام تقاضے پورے ہو سکیں۔ بنو قینقاع کے حلیف عبداللہ بن اُبَیّ نے انھیں جلا وطن کرنے کی سفارش کی۔ بطور سربراہِ ریاست آپؐ اس سزا پر رضا مند ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں بنو قینقاع مدینہ سے جلا وطن کر دئیے گئے[۵۶]۔ دورِ جدید کے ہر دستور میں انتہائی غداری کی سزا موت ہے جسے ہر ملک و قوم نے آئین و قانون اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق قرار دیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستور میں غداری کی سزا موت کے باوجود بنو قینقاع کو صرف جلا وطن کیا، یہ بیّن ثبوت ہے کہ اسلام دینِ رحمت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔

بنو نضیر کی غداری

بنو نضیر یہودِ مدینہ کا دوسرا بڑا قبیلہ تھا ان کا ایک رہنما اور معروف شاعر کعب بن اشرف دستورِ مدینہ کو پامال کرتے ہوئے غزوۂ بدر کے بعد مکہ گیا۔ اس نے آگ لگانے والے اشعار پڑھے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا[۵۷]۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا بھی منصوبہ بنایا اور بالآخر مارا گیا۔

دستورِ مدینہ میں ایسی دفعات موجود تھیں جن کے مطابق وفاق کی ہر وحدت اپنے سابق رواج کے مطابق خونبہا کے معاملات طے کر سکتی تھی۔ اس پر عمل درآمد ریاست کی ذمہ داری تھی۔ عمرو بن امیہ الضمری نے بنو عامر کے دو آدمیوں کو ایک مسلمان کے بدلہ میں جو بئر معونہ میں قتل ہوا تھا ہلاک کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیف جسٹس کی حیثیت سے عمرو بن امیہ کے اس فعل کو پسند نہیں فرمایا اپنا فیصلہ سنایا کہ اس کا خوں بہا ادا کیا جائے[۵۸]۔ بنو عامر بنو نضیر کے حلیف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سربراہِ ریاست کی حیثیت سے اس فیصلہ کے نفاذ کا اہتمام کیا۔ آپؐ اس خوں بہا کی ادائیگی اور دیگر معاملات کو طے کرنے کے لیے بذاتِ خود بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے مگر یہودی اپنی فطرت سے مجبور تھے انہوں نے ریاستِ مدینہ کی عدالتی اور انتظامی اعلیٰ کارکردگی کو سراہنے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے خلاف سازش کی[۵۹]۔

دستور کی پامالی

بنو قینقاع کی جلا وطنی، کعب بن اشرف کی دغابازی اور بنو نضیر کی طرف سے دستور کی پامالی نے یہودیوں سے

تجدیدِ معاہدہ کی ضرورت پیدا کر دی ۔ بنو قریظہ تجدیدِ معاہدہ کے لیے تیار ہو گئے مگر بنو نضیر دستور کی پابندی سے نہ صرف منحرف ہو گئے بلکہ انہوں نے نیا معاہدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔[۶۰] ان کا یہ رویہ اعلانِ جنگ کے مترادف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضبوط قلعوں میں مورچہ بندی کر لی۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار وہ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

فیصلہ

دستور سے غداری اور ریاست کے خلاف سازش جیسے جرائم سزائے موت کے متقاضی تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سزائے موت دینے کے بجائے صرف جلاوطن کرنے کا فیصلہ کیا۔ بنو نضیر نے آپؐ کے اس فیصلہ پر اطمینان کا اظہار کیا اور انھوں نے اسے بخوشی قبول کیا کیونکہ وُہ جانتے تھے کہ دستور کے مطابق انہیں سزائے موت دی جاسکتی تھی مگر آپؐ نے صرف ان کی جلاوطنی پر اکتفا فرمایا جس پر وُہ بہت خوش تھے۔[۶۱]

بنو قریظہ کی غداری

بنو قریظہ ریاست مدینہ میں ایک سیاسی وحدت تھے۔ انہوں نے غزوۂ اُحد کے بعد دستورِ مدینہ سے وفا کی تجدید بھی کی تھی۔ غزوۂ خندق کے دوران کعب بن اسد، قریظہ کے رہنما نے حملہ آوروں کی مدد سے انکار کر دیا اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ اپنا عہد یاد دلایا۔ حُیَیّ بن اخطب، بنو نضیر کا ایک جلاوطن رہنما بنو قریظہ کو اپنے زیرِ اثر لانے میں کامیاب ہو گیا جس سے بنو قریظہ دستور سے غداری کرنے اور مسلمانوں کے مقابلے میں حملہ آوروں کی امداد کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو ان کے پاس بطور سفیر بھیجا کہ وہ انہیں دستور کے ساتھ وفا اور عہد کی پاسداری یاد دلائیں۔

چونکہ وہ آئین سے غداری اور دشمنوں کی فوج سے مل جانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے جواب دیا:

"ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہے اور معاہدہ کیا ہے"[۶۲]

وہ ریاست کے خلاف علی الاعلان جنگ میں شریک ہُوئے اور شکست کھائی شکست کے بعد وُہ اپنے قلعوں میں پسپا ہو گئے اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن حُیَیّ بن اخطب کو بھی لے گئے۔[۶۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو ہراول دستہ کے طور پر بنو قریظہ کی طرف بھیجا۔ جب وُہ ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ان کو بُرے ناموں سے پکارا۔ حضرت علیؓ یہ برداشت نہ کر سکے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھیج دی کہ یہود جنگ پر آمادہ ہیں۔ اس کے بعد ان کا محاصرہ کر لیا گیا جو پچیس دن جاری رہا۔[۶۴] جب وہ محاصرہ کو برداشت نہ کر سکے تو انھوں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی افواج کے سپہ سالار کو پیغام بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ ریاست مدینہ اور ان کے معاملے کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کے پرانے حلیف حضرت سعدؓ بن معاذ کو ثالث مقرر کر دیا جائے۔[۶۵] ان کی درخواست پر حضرت سعدؓ کو ثالث بنا دیا گیا اور یہ مقدمہ فیصلہ کے لئے

اس کے سپرد کر دیا گیا۔

فیصلہ کا اعلان

حضرت سعدؓ بن معاذ ثالثی کے لیے سب سے اہل آدمی تھے۔ انہوں نے دستورِ مدینہ کی تدوین میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ اور اس امر کے گواہ تھے کہ بنو قریظہ نے اپنی آزادی رائے سے دستور کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اس امر کے بھی گواہ تھے کہ بنو قریظہ نے بغیر کسی اندرونی یا بیرونی دباؤ کے معاہدہ کی تجدید کی تھی۔ وُہ یہود کے با اعتماد حلیف تھے اور ان کے مذہبی قانون، قواعد و عادات اور سماجی رسم و رواج سے کما حقہٗ آگاہ تھے۔ متذکرہ پس منظر، بنو قریظہ کے جرم اور دستور کی متعلقہ دفعات کو ذہن میں رکھتے ہُوئے حضرت سعدؓ نے اپنا مندرجہ ذیل فیصلہ سنایا جو تورات کے قانون کے عین مطابق تھا:

"میں ان کے متعلق اپنا فیصلہ سناتا ہُوں کہ ان کے مرد قتل کر دیے جائیں، ان کی املاک تقسیم کر دی جائیں، ان کے بچے اور عورتیں جنگی قیدی بنا لیے جائیں۔"[۶۶]

ریاست اور یہود دونوں نے اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور حکومت نے اسے نافذ کر دیا۔

یہودیت قبول کرنے والوں پر تنازعہ

بنو نضیر کی جلاوطنی پر یہود اور انصار میں اس بات پر تنازعہ پیدا ہو گیا کہ آیا انصار کے وہ نوجوان جنہوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی یہودیوں کے ساتھ جائیں گے یا اپنے والدین کے پاس رہیں گے۔ مقدمہ ریاست مدینہ کے چیف جسٹس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہُوا۔ یہ کوئی سیاسی یا سماجی مسئلہ نہ تھا۔ یہ خالصتاً ایک مذہبی مسئلہ تھا جس پر وحیِ الٰہی کی ہدایت کی ضرورت تھی جس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

"لا اکراہ فی الدین۔"

(دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں)[۶۷]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق مقدمے کا فیصلہ فرمایا۔[۶۸]

یہودیوں کے قرضے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخِ انسانیت میں سب سے پہلے حکمران تھے جنہوں نے تحریری آئین بنایا، آئینی حکومت قائم کی اور خود سختی سے آئین کی پابندی کی۔ دستور سے غداری کرنے والے اور ریاستِ مدینہ سے جنگ کرنے والے یہودیوں کے ساتھ آپؐ نے جو سلوک فرمایا وہ قیامت تک حکمرانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے آپؐ نے اپنے شکست خوردہ دشمنوں کو وہ قرض حق و انصاف کے مطابق دلائے جو انہوں نے مختلف لوگوں کو دے رکھے تھے۔

مندرجہ ذیل دو مقدمات اس حقیقت کا ثبوت پیش کرتے ہیں :

بنو قینقاع کی غداری ثابت ہو چکی تھی۔ آئین کے مطابق ان کے اخراج کا فیصلہ سنایا جا چکا تھا۔ فیصلہ سن کر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں یہ دعوٰی دائر کیا کہ ان کے وُہ قرضے انھیں دلائے جائیں جو ان کی طرف سے مختلف لوگوں کے ذمے ہیں۔ اس میں انہوں نے استدعا کی کہ انہوں نے وہ قرض بھی وصول کرنے ہیں جن کی تاریخ ادائیگی ابھی نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمہ سُنا۔ شہادت لی اور مدعا علیہان کو بھی سنا۔ یہودیوں کا حق ثابت ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ سُنایا :

"کٹوتی پر ان (قرضوں کی) تشخیص کرو۔" ۶۹

بنو نضیر کی جلاوطنی پر بھی یہی صورت دُہرائی گئی۔ انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں درخواست دی؛ مختلف لوگ ہمارے مقروض ہیں جن کی ادائیگی کی تاریخ ابھی نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت لینے کے بعد حکم دیا :

"کٹوتی پر ان (قرضوں) کی تشخیص کرو۔"

مندرجہ بالا مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک وفاق مدینہ کی تمام وحدتیں دستورِ مدینہ کی وفادار رہیں انہیں مساوی طور پر انصاف ملتا رہا۔ جب انھوں نے دستور کو پامال کیا اور ایک آئینی حکومت کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہُوئیں تو مجرموں پر مقدمہ چلایا گیا اور انھیں باقاعدہ عدالت میں پیش کیا گیا ان کے مقدمات کی سماعت ہوئی، آئینی، عدالتی اور قانونی تقاضوں کو پُورا کرتے ہُوئے ان کے خلاف سازش اور انتہائی غداری کا جُرم ثابت کیا گیا۔ ہم اس موقع پر اس حقیقت کو پُورے وثوق سے بیان کرتے ہیں کہ اگر مدینہ کے یہودی متفق علیہ دستور سے غداری نہ کرتے آئینی حکومت کے خلاف سازش کا ارتکاب نہ کرتے سربراہِ ریاست کو جان سے مار دینے کے منصوبے نہ بناتے تو انہیں مدینہ سے جلاوطن نہ کیا جاتا۔ اور نہ انہیں موت کی سزا دی جاتی بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا صرف اس لئے کہ انہوں نے دستورِ مدینہ سے غداری کی اور ریاست کے خلاف سازش کے مرتکب ہُوئے ان جرائم کی سزا آئین کے مطابق موت تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کی جلاوطنی پر اکتفا فرمایا۔ اس طرح بنو قریظہ نے آئین کو توڑا، دستور کو پامال کیا، ریاست کے خلاف کُھلّم کُھلّا دشمن کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کی۔ ان گھناؤنے جرائم کے ارتکاب کے باوجود انہوں نے اپنے پرانے من پسند اور پُرانے حلیف حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم بنانے کی درخواست کی، جسے حکومت نے تسلیم کر لیا۔ حکم نے جو فیصلہ دیا حکومت نے اُسے بھی مان لیا۔ اتنے واضح، بیّن اور کُھلے دلائل اور تاریخی حقائق کے باوجود بعد کے یہودیوں نے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے خلاف کی گئی آئینی کارروائی کو ظلم قرار دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئین اور دستور میں مقرر کردہ سزاؤں سے بھی کم سزا دی مگر اس کے باوجود آپؐ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے۔ اگرچہ یہ ساتویں صدی عیسوی کی بات ہے مگر ہم چیلنج کرتے ہیں کہ آج بیسویں صدی عیسوی میں بھی عیسائی

دنیا کی کوئی جدید سے جدید ریاست بھی آئین اور قانون کے اس معیار پر پُورا اتر کر دکھائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں صدی عیسوی میں قائم کیا تھا۔ آپ کا معیار یہ تھا کہ حکومت آئینی ہوگی جس کے آئین میں تمام سیاسی وحدتوں کے حقوق و فرائض وضاحت کے ساتھ بیان ہوں گے۔ کسی شہری یا سیاسی وحدت کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی جب تک اس کے خلاف باقاعدہ مقدمہ چلا کر عدالت میں جُرم ثابت نہ کر دیا جائے۔ ریاست کے ہر فرد کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوگی اور کسی شہری کو جُرم بتائے بغیر گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ کسی سیاسی وحدت پر ثبوت کے بغیر سازش اور غداری کا الزام نہیں لگایا جائے گا۔ اب ہم ان امور کا ثبوت دستورِ مدینہ سے پیش کرتے ہیں :

دستور کی دفعہ ۱۴ کا متن یہ ہے :

" ان المومنین المتقین علی من بغی منهم ، او ابتغی دسیعة ظلم ، او اثم او عدوان او فساد بین المومنین وان ایدیهم علیہ جمیعا ولوکان ولد احدهم "

(مومنین متقین اپنے میں سے ہر اس شخص کے خلاف ہوں گے جو بغاوت کرے گا یا جو مومنین کے درمیان ظلم یا غداری یا عدوان یا فساد کا ارتکاب کرے گا ایسے شخص کے خلاف مومنین کے ہاتھ ایک ساتھ اُٹھیں گے خواہ وُہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو)

دستورِ مدینہ کی یہ دفعہ اتنی واضح اور بیّن ہے کہ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس میں "ظلم"، "غداری"، "عدوان" اور "فساد" جیسے جرائم کا ذکر ہے۔ اس میں یہ امر بھی مذکور ہے کہ ریاست کے شہریوں میں سے جو کوئی ان جرائم کا ارتکاب کرے گا غدّار قرار پائے گا۔ اس دفعہ میں اس بات کی اس حد تک وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر غدّاری کا ارتکاب کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ کرے وہ بھی مُجرم ہوگا (ولوکان ولد احدهم) اسی دفعہ میں ان جرائم کی سزا موت بیان ہُوئی ہے خواہ کوئی شہری ان کا مرتکب ہو یا وفاقِ مدینہ کی کوئی سیاسی وحدت ان کا ارتکاب کرے دفعہ کے الفاظ "ان ایدیهم علیہ جمیعا" (مومنین کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے) کا مطلب یہ ہے کہ حکومت اپنی پوری قوت کے ساتھ ایسے غدّار کا خاتمہ کر دے گی۔ یعنی غدّار کی سزا موت ہوگی۔ گزشتہ صفحات میں مستند تاریخی شواہد سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہودیوں کے تینوں قبیلوں نے ظلم، غداری، عدوان اور فساد کا ارتکاب کیا تھا، جب یہ مسلّمہ حقیقت ہے تو ان کے خلاف اُنھیں کے متفقہ آئین کے مطابق سزا کا اجرا ظلم کیسے ہوا؟

اب ہم دستورِ مدینہ کی دفعہ ۱۷ کا حوالہ پیش کرتے ہیں :

" وانه من تبعنا من یهود فان له النصر والاسوہ غیر مظلومین ولا متناصرین علیهم "

(یہودیوں میں سے جو بھی ہماری اتباع کرے گا اُسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی جب تک اس سے مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچے گا اور نہ ہی وُہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرے گا)

اس دفعہ میں یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مساوی مدد اور حقوق دیے جانے کا ذکر ہے۔ "النصر" اور "الاسوہ" بغیر کسی ابہام کے بتا رہے ہیں کہ آئین مدینہ کی ترتیب میں یہودیوں کی رضا شامل تھی ان کی شرکت اور شمولیت کا سبب یہ تھا کہ انھیں دوسری سیاسی وحدتوں کے ساتھ مساوی مدد اور یکساں حقوق حاصل ہو رہے تھے۔ اس دفعہ کا دوسرا حصہ اپنے پہلے حصے کی طرح اہم ہے جس میں کہا گیا ہے:

"جب تک اس سے مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچے گا اور نہ ہی وہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد کرے گا"

دستور کی اس دفعہ سے ہم نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر یہودی آئین مدینہ سے غداری کا ارتکاب نہ کرتے تو وہ نہ جلاوطن ہوتے اور نہ ان میں سے کسی کو سزائے موت دی جاتی۔ مگر یہ مسلّم امر ہے کہ یہودیوں نے آئین کے خلاف مسلمانوں کو ضرر بھی پہنچایا اور ان کے خلاف دوسروں کی مدد بھی کی۔ جب تک اُنھوں نے آئین و ریاست سے وفاداری جاری رکھی ریاست نے انھیں مساوی حقوق دیے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ غزوۂ بدر تک یہ تینوں قبیلے وفادار تھے۔ چنانچہ اس دوران ریاست کے تمام شہریوں کی طرح انھیں مساوی حقوق حاصل رہے غزوۂ بدر کے بعد بنو قینقاع نے غدّاری کی اور آئین کے مطابق سزا پائی۔ مگر دوسرے دونوں قبیلوں ——— بنو نضیر اور بنو قریظہ کو مساوی اور برابر حقوق دیے جاتے رہے۔ غزوۂ اُحد کے بعد بنو نضیر نے دستور سے غداری کی اور اپنے جُرم کی سزا پائی۔ لیکن یہودیوں کے تیسرے قبیلہ ——— بنو قریظہ کو مساوی حقوق حاصل رہے، کیونکہ اُنھوں نے ابھی تک غدّاری کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ غزوۂ خندق کے بعد بنو قریظہ نے بھی غدّاری کی اور آئین کے مطابق سزا پائی۔ یہ تفصیل اس بات کا کافی ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اگر یہودی اسلامی ریاست اور دستورِ مدینہ کے وفادار رہتے تو انھیں نہ کوئی سزا دی جاتی اور نہ ہی وُہ جلاوطن ہوتے۔

دستور کی دفعہ ۲۶ سے ہماری دلیل کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔ اس کا متن یہ ہے:

"و ان یہود بنی عوف اُمّۃ مع المومنین، للیہود دینھم و للمسلمین دینھم موالیھم و انفسھم، الامن ظلم و اثم فانہ لایوتغ الا نفسہ و اھل بیتہ۔"

(یہود کے لیے اپنا دین ہوگا مسلمانوں کے لیے اپنا دین ہوگا اس میں ان کے موالی اور وہ خود شامل ہوں گے) البتہ جو ظلم اور غدّاری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا)

اس دفعہ کی رُو سے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی اُمّت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے (امۃ مع المومنین) انہیں دینی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے (للیہود دینھم) مگر یہ مساوی، سیاسی اور مذہبی حقوق اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ وُہ ظلم اور غدّاری کا ارتکاب نہ کریں اگر وہ ظلم و غداری کے مرتکب ہوں گے

تو وُہ اور ان کے خاندان اپنی ہلاکت کے خود آپ ذمہ دار ہیں۔ اس دفعہ پر جو شخص بھی مذہبی تعصب اور نسلی و نسبی تنگ نظری سے بالاتر ہو کر غور کرے گا اس پر یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی کہ ریاستِ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ

چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہر حال عہد حاضر کے لوگ اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی ترتیب و تدوین پر فرحاں و نازاں ہیں۔ کیا اس میں یہ دفعات موجود نہیں ہیں کہ اس چارٹر کو تسلیم کرنے والی قوم اگر اس کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی؟ اس ادارے کی جنرل اسمبلی اور سکیورٹی کونسل کی قراردادیں اور فیصلے محققین کے لیے اس بات کا کافی مواد فراہم کرتے ہیں کہ جس قوم نے اقوامِ عالم کے اس متفقہ دستور کے ساتھ غداری کی یا اس کی دفعات کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا اس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کا ذکر دستور کے اندر موجود ہے یہ ادارہ اگر کسی وقت کسی خود سر قوم کے خلاف رتی بھر انصاف کا مظاہرہ کرتا ہے تو دنیا بھر میں اس کی تعریف و تحسین میں آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے، اور اگر دستورِ مدینہ کے تحت ریاستِ مدینہ نے عدل و انصاف اور دستوری دفعات کے تقاضوں کے مطابق ریاست کی کسی سیاسی وحدت یا فرد کے خلاف کارروائی کی تھی تو اسے ظلم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ اقوامِ متحدہ کا چارٹر، دستورِ مدینہ کا ایک معمولی سا عکس ہے۔ یہ عجیب اور دلچسپ تاریخی تضاد ہے کہ اصل پر عمل تو ظلم کہلائے اور نقل پر عمل انصاف! میں مورخینِ عالم اور محققینِ وسائیر کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ علمی دیانت اور جراتِ فکری سے کام لے کر دستورِ مدینہ کا مطالعہ کریں یہودی مورخین نے تعصب و تنگ نظری سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جو معاندت اور منافرت کی فضا پیدا کر رکھی ہے اس سے آزاد ہو کر اسلام نے انسانی اخوت، مساوات، حریت اور وحدت کے جن عظیم اصولوں کو انسانیت کی عظمت و توقیر کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا دیانت داری اور خلوص سے انہیں سمجھیں اور علمی اور تحقیقی طور پر ان کا تجزیہ کریں۔

دستورِ مدینہ کی دفعہ ۴۶ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ گزشتہ اوراق میں مستند تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں نے ظلم اور غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کا ظلم اور غداری ثابت ہو جانے کے بعد عہدِ حاضر کے یہودی محققین بتائیں کہ دستورِ مدینہ کے مطابق ظالم اور غدار کی کیا سزا مقرر تھی؟ یقیناً ان کا جواب وہی ہو گا جو دستور میں درج ہے:

"البتہ جو ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔"

یہودی محققین سے میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا مدینہ میں آباد یہودیوں نے اس دستور کو تسلیم کیا تھا یا نہیں؟ تاریخ کی مستند روایات پر یقین رکھنے والے تمام مسلم و غیر مسلم مورخین نے ثابت کیا ہے کہ غزوۂ بدر سے قبل مدینہ کے یہودی آزاد، خود مختار، خوشحال، مسلح اور مضبوط قلعوں کے مالک تھے انہوں نے اپنی مضبوط اور مستحکم حیثیت کے ساتھ دستورِ مدینہ کو تسلیم کیا تھا کیونکہ اس میں انہیں مسلمانوں کے ساتھ برابر، مساوی اور یکساں حقوق حاصل تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا متوقع اور منتظر پیغمبر خیال کرتے تھے اور امید کرتے تھے کہ اس پیغمبر کے ساتھ مل کر وہ اپنے عرب حریفوں پر فتح پا لیں گے۔ یہ مستند تاریخی شواہد ہیں خود قرآن میں ان کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں مستشرقین

چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہر حال عہدِ حاضر کے لوگ اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی ترتیب و تدوین پر فرحاں و نازاں ہیں۔ کیا اس میں یہ دفعات موجود نہیں ہیں کہ اس چارٹر کو تسلیم کرنے والی قوم اگر اس کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو تو اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی؟ اس ادارے کی جنرل اسمبلی اور سکیورٹی کونسل کی قراردادیں اور فیصلے محققین کے لیے اس بات کا کافی مواد فراہم کرتے ہیں کہ جس قوم نے اقوامِ عالم کے اس متفقہ دستور کے ساتھ غداری کی یا اس کی دفعات کی خلاف ورزی کا ارتکاب کیا اس کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جس کا ذکر دستور کے اندر موجود ہے یہ ادارہ اگر کسی وقت کسی خود سر قوم کے خلاف رتی بھر انصاف کا مظاہرہ کرتا ہے تو دنیا بھر میں اس کی تعریف و تحسین میں آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے، اور اگر دستورِ مدینہ کے تحت ریاستِ مدینہ نے عدل و انصاف اور دستوری دفعات کے تقاضوں کے مطابق ریاست کی کسی سیاسی وحدت یا فرد کے خلاف کارروائی کی تھی تو اسے ظلم قرار دیا جاتا ہے حالانکہ اقوامِ متحدہ کا چارٹر، دستورِ مدینہ کا ایک معمولی سا عکس ہے یہ عجیب اور دلچسپ تاریخی تضاد ہے کہ اصل پر عمل تو ظلم کہلائے اور نقل پر عمل انصاف! میں مورخینِ عالم اور محققینِ وسائیر کو دعوت دیتا ہوں کہ وُہ علمی دیانت اور جراٗتِ فکری سے کام لے کر دستورِ مدینہ کا مطالعہ کریں یہودی مورخین نے تعصب و تنگ نظری سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف جو معاندت اور منافرت کی فضا پیدا کر رکھی ہے اس سے آزاد ہو کر اسلام نے انسانی اخوت، مساوات، حریت اور وحدت کے جن عظیم اصولوں کو انسانیت کی عظمت و توقیر کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا دیانت داری اور خلوص سے انہیں سمجھیں اور علمی اور تحقیقی طور پر ان کا تجزیہ کریں۔

دستورِ مدینہ کی دفعہ ۳۶ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو کوئی ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔ گزشتہ اوراق میں مستند تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہودیوں کے تینوں بڑے قبیلوں نے ظلم اور غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کا ظلم اور غداری ثابت ہو جانے کے بعد عہدِ حاضر کے یہودی محققین بتائیں کہ دستورِ مدینہ کے مطابق ظالم اور غدار کی کیا سزا مقرر تھی یقیناً ان کا جواب وہی ہو گا جو دستور میں درج ہے:

"البتہ جو ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔"

یہودی محققین سے میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا مدینہ میں آباد یہودیوں نے اس دستور کو تسلیم کیا تھا یا نہیں؟ تاریخ کی مستند روایات پر یقین رکھنے والے تمام مسلم و غیر مسلم مورخین نے ثابت کیا ہے کہ غزوہ بدر سے قبل مدینہ کے یہودی آزاد، خود مختار، خوشحال، مسلح اور مضبوط قلعوں کے مالک تھے انہوں نے اپنی مضبوط اور مستحکم حیثیت کے ساتھ دستورِ مدینہ کو تسلیم کیا تھا کیونکہ اس میں انہیں مسلمانوں کے ساتھ برابر، مساوی اور یکساں حقوق حاصل تھے۔ وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا متوقع اور منتظر پیغمبر خیال کرتے تھے اور امید کرتے تھے کہ اس پیغمبر کے ساتھ مل کر وُہ اپنے مخالف عربوں پر فتح پا لیں گے۔ یہ مستند تاریخی شواہد ہیں خود قرآن میں ان کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں مستشرقین

اور تمام عالم کے غیر مسلم متفق ہیں کہ اس میں کوئی ردّ و بدل نہیں یہ وہی ہے جو آپؐ پر نازل ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ یہودیوں نے دستورِ مدینہ کو برضا و رغبت تسلیم کیا تھا۔

یہودی علمأ و محققین سے میرا اگلا سوال یہ ہے کہ کیا مدینہ کے یہودیوں نے دستورِ مدینہ کو تسلیم کرکے اس سے غداری کا ارتکاب کیا تھا یا نہیں؟ ہم نے اسی باب میں وافر مستند حوالہ جات اور صحیح روایات سے ثبوت فراہم کیا ہے کہ مدینہ میں آباد یہودیوں کے تینوں قبیلوں ——— بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ ——— نے یکے بعد دیگرے دستورِ مدینہ، ریاستِ مدینہ اور سربراہِ ریاست کے خلاف غداری کا ارتکاب کیا تھا۔ جید محدثین اور نامور مورخین کی روایات کے مطابق سب سے پہلے بنو قینقاع نے غزوۂ بدر کے بعد غداری کی۔ پھر بنو نضیر نے غزوۂ اُحد کے بعد اور آخر میں بنو قریظہ نے غزوۂ خندق کے بعد غداری کا ارتکاب کیا۔ سند اور حوالہ کے لیے قارئین اس باب کے گزشتہ اوراق پر پھر سے ایک نظر ڈال لیں۔ یہ مستند تاریخی مواد ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کرتا ہے کہ یہودِ مدینہ ظلم اور غداری کے مرتکب ہُوئے تھے۔

یہودی اہلِ علم و دانش سے میرا اگلا سوال یہ ہے کہ دستور اور ریاست سے ظلم اور غداری کی سزا دستورِ مدینہ میں کیا بیان ہُوئی ہے؟ میرے خیال میں اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے کیونکہ یہ اس دفعہ زیرِ مطالعہ میں واضح طور پر درج ہے اور ہم اس کی طرف کئی بار رجوع کر چکے ہیں۔ بحث کو منطقی نتیجے تک پہنچانے کے لیے ہم دستور کی اس دفعہ کا متن ایک بار پھر نقل کر دیتے ہیں:

"البتہ جو ظلم اور غداری کا ارتکاب کرے گا وُہ اپنے آپ اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا۔"

اس موقع پر ہم صرف اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ غداری کی یہ سزا صرف یہودیوں کو سامنے رکھ کر تجویز نہیں کی گئی تھی بلکہ اس سے مراد ریاستِ مدینہ کی تمام سیاسی وحدتیں اور جملہ شہری تھے ان میں سے جو بھی ظلم اور غداری کے مرتکب ہوتے۔ ان سب کی سزا یہی تھی۔

اب ہم یہودیوں سے ایک سوال یہ پُوچھتے ہیں کہ ریاستِ مدینہ کا کوئی شہری یا سیاسی وحدت دستور، ریاست یا سربراہِ ریاست کے خلاف غدّاری کا ارتکاب کرتی تو حکومتِ وقت کو اس کے خلاف کیا کارروائی کرنی چاہیے تھی؟ یہودی یقیناً اس کا وہی جواب دیں گے جو خود دستور میں موجود ہے۔ دستور کا جواب یہ ہے:

"فانه لا یوتغ الا نفسه و اهل بیته" (دفعہ ۲۶)

(وہ اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا)

ہم اس سلسلے میں دستور کی دفعات ۱۷، ۲۳، ۲۴، ۳۲، ۳۴، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۹، ۵۰ کا خاص طور پر حوالہ دیتے ہیں۔ دستور کے مطابق یہودیوں کے اس جواب کے بعد دیکھنے کی صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ حکومتِ وقت نے مدینہ کے یہودی غداروں اور ظالموں کو جو سزا دی وُہ دستور میں درج سزا کے مطابق تھی یا کم تھی یا زیادہ تھی؟ اگر دستور کے

مطابق تھی تو حکومت اپنے آئینی، دستوری اور قانونی فرض سے عہدہ برآ ہوئی اور عدل و انصاف کے نفاذ کی ذمے داری کو پورا کیا۔ حکومت نے جو سزا دی اگر وہ دستور میں تجویز کردہ سزا سے کم تھی تو حکومت نے دینِ اسلام کی رُوح کے مطابق عمل کیا جس کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے عفو و درگزر اور رحمت و رأفت سے کام لیا جائے اور اگر سزا جرم سے زیادہ تھی تو زیادتی کی، یہودِ مدینہ میں سے جس قبیلہ نے سب سے پہلے غداری کا ارتکاب کیا وہ بنو قینقاع تھے۔ دستور کے مطابق ان کی سزا ہلاکت اور موت تھی مگر حکومت نے خود بنو قینقاع کے حلیف عبد اللہ بن اُبَیّ کی سفارش پر انھیں موت کی سزا دینے کی بجائے صرف جلا وطن کیا جس سے ظاہر ہے کہ حکومت نے دستور میں درج سزا سے کم سزا دی۔ بنو نضیر یہودیوں کا دوسرا قبیلہ تھا جو غداری کا مرتکب ہُوا۔ دستور کے مطابق انھیں موت کی سزا دی جانی چاہیے تھی مگر حکومت نے صرف ان کی جلاوطنی پر اکتفا کیا، جس کا مطلب یہ ہے حکومت نے دستور میں درج سزا سے کم سزا دی۔ بنو قریظہ یہودِ مدینہ کا تیسرا قبیلہ تھا جس نے غداری کا ارتکاب کیا، دستور کے مطابق ان کی سزا موت تھی مگر انہوں نے از خود اپنے پرانے حلیف حضرت سعدؓ بن معاذ کو حَکَم مقرر کرنے کی حکومت سے درخواست کی۔ دستور کے مطابق غداری کا ارتکاب کرنے والوں کی اس درخواست کو نظر انداز کر سکتی تھی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت سعدؓ کو حَکَم مقرر کر دیا جنھوں نے تورات کے حُکم کے مطابق سزائے موت کا فیصلہ دیا اور اس سزا کو صرف ان بالغ جنگجو مردوں تک محدود رکھا جنھوں نے دستور کو توڑا اور ایک آئینی اور دستوری حکومت کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر کے باقاعدہ جنگ کی اور شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ حَکَم نے اپنے فیصلے میں غداروں اور باغیوں کے علاوہ قبیلے کے تمام دیگر افراد، عورتوں اور بچّوں پر اس سزا کا اطلاق نہیں کیا اور انھیں اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔ بنو قریظہ کے واقعے سے چند اہم دستوری نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ بنو قریظہ نے غداری کی اپنے اس انتہائی جُرم کا جج خود اپنی مرضی سے مقرر کروایا۔

۲۔ حکومت چاہتی تو بنو قریظہ کی درخواست کو مسترد کر دیتی جس میں اُنھوں نے اپنا جج اپنی مرضی سے مقرر کرنے کی استدعا کی تھی مگر حکومت نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہودیوں کی مرضی کے مطابق حَکَم مقرر کر دیا۔

۳۔ حَکَم نے دستور کی بجائے یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات کے قانون کے مطابق فیصلہ کیا حکومت نے اسے بھی تسلیم کر لیا کیونکہ دستور کی ایک دفعہ (۲۶) کے مطابق یہودیوں کو مذہبی آزادی دی گئی تھی جس سے اس فیصلہ کی گنجایش نکلتی تھی۔

۴۔ اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنی یہ سزا خود تجویز کی کیونکہ انھوں نے اپنی مرضی کا حَکَم مقرر کروایا جس نے اس سزا کا فیصلہ سنایا۔

۵۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے واقعات کو سامنے رکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اگر بنو قریظہ اپنا حَکَم خود مقرر نہ کرواتے اور وُہ انھیں یہ سزا نہ سناتا تو حکومت بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح شاید بنو قریظہ کو بھی سزائے موت نہ دیتی بلکہ انھیں بھی صرف جلا وطنی کی سزا دیتی۔

اس تفصیل کے بعد ہم اصل سوال کی طرف لوٹتے ہیں کہ کیا بنو قریظہ کو دستور کے مطابق سزا دی گئی یا کم سزا دی گئی یا زیادہ سزا دی گئی؛ دستور کے مطابق اس جرم کی سزا موت تھی۔ اگرچہ حکم نے تورات کے مطابق سزا دی مگر اس سلسلے میں تورات کا حکم دستور کے مطابق تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ سزا دستور کے مطابق تھی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دستور میں بیان کردہ سزا سے کم نہ تھی اور آخری بات یہ کہ بنو قریظہ کو دی گئی سزا بہر حال دستور کی سزا سے زیادہ ہرگز نہ تھی۔

ان مباحث و تفصیلات کے بیان کے بعد ہم تحقیق کے اس مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں کہ مستشرقین یہود و نصاریٰ سے پوچھیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستورِ مدینہ پر عمل کر کے آئین، دستور، قانون اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا؛ یا آئین، دستور اور عدل و انصاف کو نافذ کر کے یہودِ مدینہ پر ظلم کیا؟ اگر دستور و قانون پر عملدرآمد عدل و انصاف کا عین تقاضا ہے اور یقیناً نہ صرف یہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے بلکہ تہذیب و تمدن، شرفِ انسانیت اور فطرت کے قوانین کے ساتھ مطابقت ہے تو پھر یہودیوں پر ظلم و ستم کی فرضی داستانوں، قتل و خونریزی کے من گھڑت قصوں، مذہبی و نسلی امتیازات و تعصبات کی وضعی روایتوں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؛ ہم بلا خوفِ تردید اور بلا اندیشہ لومۃ لائم پورے وثوق اور تاریخی حقائق کی مستحکم بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہودِ مدینہ نے خود اپنی آزادانہ، خود مختارانہ رائے اور برضا و رغبت دستورِ مدینہ کو تسلیم کیا اور جن نسلی تعصبات کی توقعات کے تحت انہوں نے ایسا کیا تھا جب وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں تو انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق متفقہ آئین کے ساتھ غداری اور بے وفائی کا رویہ اختیار کیا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اگر دنیا کے کسی یہودی کو اس کے متعلق کوئی شک و شبہ ہو تو وہ مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں اس کی تردید کرے، من گھڑت افسانوں، وضعی روایتوں اور فرضی داستانوں کا سہارا نہ لے۔

ہم نے دستورِ مدینہ کے تحت عدالتی نظام پر بحث کے دوران اس کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی تاکہ صدیوں سے یہودیوں نے اسلام کے خلاف جو محاذ آرائی قائم کر رکھی ہے۔ اس کے حقیقی پس منظر کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان حقایق کی پردہ کشائی سے یہودی حقیقت کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ انہوں نے قصداً اور عمداً تاریخ کو مسخ کر کے پیغمبرِ اسلام کے خلاف فضا پیدا کی ہے ان میں اگر دیانت دار اور مخلص محقق موجود ہوں تو وہ ضرور ہماری ان باتوں پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں گے اور اگر خدا نے انھیں توفیق دی تو حقیقت کو بھی پا لیں گے، البتہ ہم مغربی نصرانی مستشرقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ تعصبات سے بالاتر ہو کر کریں تو انہیں اپنی بہت سی تاریخی غلطیوں کی اصلاح کا موقع مل سکتا ہے بالخصوص ہم توقع کر سکتے ہیں کہ وہ اس کتاب کے دوسرے، تیسرے، پانچویں، چھٹے اور نویں باب سے ضرور استفادہ کریں گے۔ ان مستشرقین کو مخاطب کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ صلیبی جنگوں کی ابتدا سے لے کر اب تک مسیحی دنیا میں جو نفرت اسلام کے خلاف پائی جاتی ہے اس کا بنیادی سبب یہودِ مدینہ کے متذکرہ بالا تین قبیلوں کے خلاف ریاستِ مدینہ کی آئینی کارروائی ہے۔ یہودیوں نے اسے اسلام کے خلاف خوب استعمال کیا۔ یہودیوں کی وساطت سے یہ زہر یورپ میں پھیلا۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف من گھڑت افسانے اور فرضی

داستانیں وضع کی گئیں۔ عیسائی یورپ کو اکسا کر مغرب و مشرق کو صلیبی جنگوں کی آگ میں جھونک دیا گیا۔ اس وقت سے اب تک اسلام و عیسائیت کے درمیان اختلافات کی خلیج کو مسلسل وسیع کیا جاتا رہا۔ عہدِ حاضر میں مشرقِ وسطیٰ کے قضیے کی اصل جڑ بھی یہی ہے۔ یورپ و امریکہ میں اسلام اور مشرقِ وسطیٰ کے نام پر یہودی سرمائے سے قائم اکثر تحقیقی و تربیتی ادارے اسی مقصد کو بروئے کار لا رہے ہیں۔ اگرچہ مستشرقین میں بعض مخلص و دیانت دار محقق بھی موجود ہیں مگر اکثر اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ اگر ہماری یہ حقیر کوشش مستشرقین کی پھیلائی ہوئی اس تاریخی غلطی کی تصحیح میں ممد و معاون ثابت ہو سکی تو یہ معمولی کامیابی نہیں۔ غلط فہمی یہ پیدا کی گئی ہے کہ یہودِ مدینہ کے تین قبیلوں ——— بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ کے ساتھ ظلم ہوا تھا۔ اس بے بنیاد اور بے حقیقت فرضی اور وضعی داستان سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسلام، پیغمبرِ اسلام اور اُمتِ اسلامیہ (نعوذ باللہ) ظلم و بربریت کے داعی ہیں۔ اگر مشرقِ وسطیٰ میں عربوں کو چین نصیب ہو گیا تو وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ان کے پیغمبر نے متذکرہ یہودی قبیلوں کے ساتھ مدینہ میں کیا تھا۔ جبکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ان یہود قبیلوں کے ساتھ دستور، آئین اور قانون کے مطابق عدل و انصاف سے بھی بڑھ کر رحمت و رأفت اور عفو و احسان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔ لہٰذا ان کے ساتھ ظلم و بے انصافی کی پوری داستان بے بنیاد اور افسانوی ہے جس کی تائید تاریخ و تحقیق کے کسی بھی مسلمہ اصول سے نہیں ہوتی، اس لیے اسے نصرانی مستشرقین! آپ تو تعصب کی پٹی آنکھ سے اتاریں، حقیقت کو دیکھیں اور جو کچھ اب تک آپ کے آبا نے یہودیت کے زیرِ اثر جو غلط فہمی پیدا کی ہے اس کی تصحیح کریں۔ اگر یہ اپیل یہودی اہلِ علم و دانش پر اثر کرے تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں۔ اسلام کے خلاف بے بنیاد افسانہ طرازی سے باز آئیں، اور دُنیا کو اضطراب و بے چینی کی جگہ امن و سلامتی اور سکون و چین کا سانس لینے دیں۔ بالخصوص نصرانی مستشرقین تاریخی حقایق اور مستند روایات کی بنیاد پر اپنے باطل نظریات پر نظرِ ثانی کریں تاکہ انسانیت نفرت و کدورت کے خانوں میں بٹنے کی بجائے محبت و رحمت کے دامن میں سکون حاصل کرے اور قرآن کے اس ابدی پیغام اور دعوت کے لیے عالمی فضا سازگار بنے:

قل یاھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا و بینکم الّا نعبد الّا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابًا من دون اللہؕ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

(۳ : ۶۴)

(کہہ دو اے اہلِ کتاب! آؤ ایک کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں، اور اگر وہ پھر جائیں تو انہیں کہو ہم مسلمان ہیں)

دستورِ مدینہ کے تحت عدلیہ پر بحث ختم کرنے سے پہلے یہ بات بصیرت افروز ہوگی کہ ریاستِ مدینہ نے جو ضابطۂ دیوانی اختیار کیا تھا اس کا پاکستان میں رائج ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء (ایکٹ ۵-۱۹۰۸) کے ساتھ مندرجہ ذیل

معاملات میں تقابل کیا جائے :

(الف) کسی شخص کی طلبی اور حاضری لازمی قرار دینا اور اس کا حلفیہ بیان لینا۔

(ب) دستاویزات کو برآمد کرنے اور انھیں پیش کرنے کا لزوم۔

(ج) حلف ناموں کے ذریعے شہادت لینا۔

(د) گواہوں کے بیان اور دستاویزات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کمشن جاری کرنا۔

یہ امر بصیرت افروز ہے کہ ریاستِ مدینہ کے چیف جسٹس نے جو ضابطہ اختیار فرمایا پاکستان میں مروجہ ضابطہ دیوانی اس سے مماثلت رکھتا ہے۔ جن مقدمات اور فیصلہ جات کو اُوپر بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے وہ اس بات کی کافی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ آپؐ کی عدالتی بصیرت بیسویں صدی کے عدالتی تقاضے پورے کرتی ہے۔ اس تقابل کے لیے خصوصی طور پر ان تفصیلات کا حوالہ دیا جاتا ہے جو" عدالتی نظام " کے تحت اس باب میں پہلے مقدمہ کے سلسلہ میں دی گئی ہیں۔ اس سے اس نظریے کی نفی ہو جاتی ہے کہ اسلام صرف ساتویں صدی کے لیے موثر تھا۔ یہ تو بیسویں صدی کی بات ہے ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے بارے میں جو تعلیمات دی ہیں وُہ قیامت تک دیگر تعلیمات پر فوقیت رکھتی ہیں۔

حوالہ جات اور تشریحات

۱ - القرآن، ۴۹ : ۱۰
جائے تعجب ہے کہ منٹگمری واٹ نے یہ تمام شہادت نظر انداز کر دی اور یہ رائے قایم کر لی کہ "اس نظریہ کو کہیں بھی نظریاتی اظہار نہیں دیا گیا لیکن یہ ہر جگہ لاگو اور متصوّر ہے۔" (MUHAMMAD AT MEDINA ' ص ۲۲۹)
۲ - القرآن ۴ : ۱۱۵
۳ - ایضاً ۳ : ۳۱
۴ - ایضاً ۴ : ۸۰
۵ - ابنِ ہشام، سیرۃ (ایڈیشن مصر) ج ۱، ص ۴۴۶
۶ - ایم حمیداللہ "دنیا کا پہلا تحریری دستور" (انگریزی) (لاہور ۱۹۷۵ء) ص ۹ -
۷ - ابن اسحاق، ابن ہشام، ابو عبید القاسم بن سلام، ابن ابی خیثمہ، ابن کثیر، عمر بن محمد بن خضر الموصلی اور ابن زنجویہ نے دستور کا پورا متن روایت کیا ہے۔ متن کے پورے حوالے اور اس کے اقتباسات کے لیے ملاحظہ ہو: کتابیات حمیداللہ، مذکورہ بالا، ص ۶۵ -
۸ - علیٰ ربعتھم کی اصطلاح کے معنی ان کی پہلی یا اصلی صورت یا حالت کے ہیں جو قانون میں قانونی رواج و تعامل کے ہم معنی ہے۔ تاج العروس کی سند پر لین نے اس معنی کے دوسرے مترادفات دئے ہیں (ملاحظہ ہو ربع)۔ حمیداللہ کا ترجمہ "اپنے وارڈ کے (ذمہ دار)" صحیح مفہوم پیش کرتا نظر نہیں آتا (حمیداللہ، مندرجہ بالا، ص ۳۵)۔ انھوں نے ربعہ کو رَبعہ پڑھا ہے اور اس کا ترجمہ 'وارڈ' کیا ہے۔ رَبعہ اپنی مونث صورت میں 'کوارٹر' یا 'علاقہ' یا 'وارڈ' کے معنی نہیں رکھتا۔ اس کے معنی "عطریات رکھنے کی ایک ٹوکری" یا "ایک میانہ قد آدمی" کے ہیں۔ تاہم رَبعہ کی مذکر صورت میں رہائش گاہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ دستور میں لفظ رِبعہ استعمال ہوا ہے نہ کہ رَبعہ۔ نیز مہاجرین مدینہ کی کسی ایک بستی میں آباد نہیں ہوئے تھے۔ مہاجرین انفرادی طور پر انصارِ مدینہ کے ساتھ آباد کر دئے گئے تھے اور یوں وہ سارے شہر کے مختلف حصّوں میں پھیل گئے تھے۔ اس لغوی اور معاشرتی معنی کی وضاحت سے اس کا ترجمہ "قریش میں سے مہاجرین اپنے وارڈ (رَبعہ) کے ذمہ دار ہوں گے" متن کا اصل مطلب

ظاہر نہیں کرتا۔

۹۔ یُخالفوا، ابنِ ہشام، سیرہ (ایڈیشن مصر ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء) کو یخالفوا بھی پڑھا گیا ہے (ویسٹن فیلڈ، ایڈیشن) اور اس کا ترجمہ کیا گیا: "اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے حلیف کا اس (موخرالذکر) کے خلاف مقابلہ نہیں کرے گا۔ ملاحظہ ہو: ایم حمیداللہ، متذکرہ بالا۔ یخالفوا کی روایت کے حق میں بھی حضرت جابر کی سند پر احمد بن حنبل کی، ایک روایت ہے (iii-۳۴۲) جس کا ترجمہ ہے:

"اللہ کے رسولؐ نے ہر خاندان کے لیے اس کا خون بہا مقرر کر دیا اور پھر لکھ دیا:" اس کی بالکل اجازت نہیں ہوگی کہ مسلمان کے آزاد کردہ غلام سے بغیر اس کے سرپرست (ولی) کی رضامندی کے معاہدہ کیا جائے۔"

۱۰- WELLHAUSEN, "GEMEINDEORDNUNG VON MEDINA" IN HIS SKIZZEN AND VORALEITON, 1899, IV, 74-84.

دیگر مستشرقین کی تفصیل کے لیے جنہوں نے دستاویز پر کام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حمیداللہ، متذکرہ بالا، کتابیات۔

۱۱- ڈبلیو، منٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ (آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء) ص ۲۲۵۔

۱۲- بخاری، الصحیح، باب ۹۶، فصل ۱۸۔

۱۳- ویل ہاؤزن، بہل، اسپرنگر، گرم، مُلر، وینسنک، کیتانی، واٹ وغیرہ۔ مکمل حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو: حمیداللہ، متذکرہ بالا۔

۱۴- ہیوبرٹ گرم، MUHAMMAD، ایڈیشن منستر، ۱۸۹۲ء، i- ۷۵-۸۱- ایم حمیداللہ، متذکرہ بالا، ص ۲۲۔

۱۵- واٹ، متذکرہ بالا، ص ۲۲۷۔

۱۶- ایضاً ص ۲۲۶۔

۱۷- حمیداللہ، متذکرہ بالا ص ۲۲۔

۱۸- القرآن - ۲ : ۸۹

۱۹- بخاری، الصحیح، باب "اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ"

۲۰- ایضاً کتاب الجنائز۔

۲۱- ایضاً تفسیر سورہ اعراف۔

۲۲- ایضاً کتاب اللباس۔

۲۳- ابوداؤد، سنن، جلد ۲، باب بنو نضیر۔

۲۴ - قرآن ۲ : ۱۴۴

۲۵ - ابوداؤد متذکرہ بالا

۲۶ - ابن سعد، طبقات (ایڈیشن بیروت، ۱۹۵۷ء) جلد دوم ص ۲۹ -

۲۷ - ابن ہشام، سیرۃ (ایڈیشن مصر ۱۹۵۵ء) جلد دوم ص ۷۴ -

۲۸ - واٹ متذکرہ بالا -

۲۹ - WELLHAUSEN, SKIZZEN, iv, 80 AS QUOTED BY WATT OP. CIT 227.

۳۰ - مسلم، صحیح، جلد دوم، ص ۹۳ -

۳۱ - الیعقوبی، تاریخ، جلد دوم، ص ۴۹ -

۳۲ - المسعودی، کتاب الاشراف، ص ۲۴۷ -

۳۳ - دستورِ مدینہ دفعہ ۲ (ازاں بعد متن اور تشریحات میں ہر جگہ "دستور" سے مراد "دستورِ مدینہ" ہوگی)

۳۴ - ایضاً دفعہ ۱۷ -

۳۵ - ایضاً دفعہ ۲۶ -

۳۶ - ایضاً دفعہ ۲۱ -

۳۷ - ایضاً دفعات ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ -

۳۸ - ایضاً دفعہ ۲۶ -

۳۹ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنے عوام کی شکایات دُور کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کے ایک صحابیؓ نے آپؐ کے کسی فعل کے خلاف شکایت کی اور "الحق والعدل" کے نام پر آپؐ سے انصاف کی اپیل کی۔ آپؐ نے فوراً اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کر دیا۔ ابنِ اسحاق نے یہ مقدمہ یُوں روایت کیا ہے:

"بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی صفوں کو اپنے ہاتھ میں ایک تیر کی نوک سے سیدھا کیا۔ جب آپؐ سواد بن غزیہ کے پاس سے گزرے جو بنو عدی بن النجار کا حلیف تھا اور صف سے باہر کھڑا ہوا تھا تو آپؐ نے تیر اس کے پیٹ میں یہ کہتے ہوئے چبھویا: "اے سواد! صف میں کھڑے ہو" وہ چلایا: "اے پیغمبرِ خدا! آپؐ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے حالانکہ اللہ نے آپ کو حق و انصاف کے لیے بھیجا ہے۔" اور مزید کہا: "لہٰذا بدلہ میں مجھے اجازت دیجئے کہ آپؐ کو تیر چبھوؤں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اپنا پیٹ ننگا کر دیا اور کہا: "تیر چبھو لو۔" سواد آپؐ سے لپٹ گئے اور آپؐ کے شکم پر بوسہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "سواد! تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے" اس نے جواب دیا: "اے رسولِ خدا! آپؐ دیکھ رہے ہیں ہم کیسی جنگ سے دوچار ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے ساتھ یہ میری آخری ملاقات ہے۔"

یہ اپنا بدن آپؐ کے بدن سے چھونا چاہتا تھا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دُعا دی۔" (ابن ہشام، سیرہ، ایڈیشن مصر، ج ا ص ۶۲۹)

اس موضوع پر کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام اس نظریہ کو رد کرتا ہے کہ "بادشاہ ارتکاب جرم نہیں کرسکتا۔"

۴۰ - البخاری، صحیح، باب الشروط فی الجہاد۔ قریش کے نمایندہ سہیل نے اعتراض کیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مان لیا۔

۴۱ - قاضی محمد سلمان سلمانی منصورپوری، رحمت للعالمین (ایڈیشن شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۲ء) ج ا ص ۱۳۰۔

۴۲ - ابن ہشام، سیرہ (ایڈیشن مصر) ج ا ص ۵۶۴، ۵۶۶۔ مالک بن انس، موطا، کتاب الحدود۔

۴۳ - ایضاً

۴۴ - ایضاً

۴۵ - ایضاً

۴۶ - ایضاً، واحدی، اسباب النزول (مصر) ص ۱۴۵۔ مسلم، الصحیح، باب رجم الیہود۔

۴۷ - ابن ہشام متذکرہ بالا۔

۴۸ - ابن ہشام، ایڈیشن مصر، ج ا، ص ۵۶۶۔

۴۹ - بخاری، الصحیح، ج ۲، کتاب التفسیر، سورۃ الاعراف۔

۵۰ - ابوداؤد، سنن، جلد دوم، باب بنو نضیر۔

۵۱ - ایضاً۔ کتاب الخراج والامارہ۔ ابن حجر العسقلانی، اصابہ، ذکر طلحہ بن براء۔

۵۲ - ابن ہشام، سیرہ، ایڈیشن مصر ۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ، ج ا ص ۴۷۔

۵۳ - ابن سعد، الطبقات (ایڈیشن بیروت، ۱۹۵۷ء) ج ۲ ص ۲۹۔

۵۴ - ایضاً

۵۵ - ابن ہشام، سیرہ (ایڈیشن مصر، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء) ج ۲ ص ۴۷۔ الطبری، تاریخ (ایڈیشن المطبعۃ الحسینیہ) ج ۲ ص ۲۹۷۔

۵۶ - ابنِ ہشام ج ۲ ص ۴۸۔ ابنِ سعد ج ۲ ص ۲۹۔ الطبری ج ۲ ص ۲۹۸۔

۵۷ - ابنِ ہشام، ج ۲ ص ۵۲۔

۵۸ - ایضاً ص ۱۸۶۔

۵۹ - ایضاً ص ۱۹۰۔

۶۰ - ابو داؤد، سنن، باب بنو نضیر۔
۶۱ - شبلی نعمانی، سیرۃ، ج ا ص ۴۱۲۔
۶۲ - ایضاً ص ۴۲۳
۶۳ - ایضاً
۶۴ - ابن ہشام، جلد دوم، ص ۲۳۴، ۲۳۵۔
۶۵ - ابن ہشام نے روایت کیا ہے کہ یہود نے اوس سے رابطہ قایم کیا جو انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور سعد کو جج مقرر کرنے کے لیے اپنی درخواست بھیجی (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۹)۔ الطبری کی ایک روایت کے مطابق بنو قریظہ نے خود حضرت سعد کو جج مقرر کرنے کے لیے درخواست کی (الطبری، تاریخ، ج ۲، ایڈیشن مصر ۱۹۶۱ء، ص ۵۸۴ زیرِ عنوان غزوہ بنی قریظہ)۔ بنو قینقاع کے یہود سب سے پہلے انتہائی غداری کا ارتکاب کرنے والے تھے اور انھوں نے خزرج کی مدد بھی طلب کی قبل از اسلام ان کے حلیف تھے قریظہ کے یہودی اوس کے حریف تھے اور انہوں نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے تقرر کی درخواست کی جو اوس کے سردار تھے (ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۹)۔
۶۶ - ابن ہشام، سیرہ، ج ۲ ص ۲۴۰۔
۶۷ - قرآن۔
۶۸ - شبلی نعمانی، سیرہ، ج ۱، ص ۴۱۲۔ ابو داؤد نے یہ مقدمہ اپنی سنن میں درج کیا ہے زیر باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام۔
۶۹ - محمد حمید اللہؒ THE MUSLIM CONDUCT OF STATE لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۲۲۸۔ محمد حمید اللہ نے اس مقدمے کا حوالہ سرخسی سے دیا ہے المبسوط ج ۲، ص ۱۰۰ اور ۲۲۹۔
۷۰ - ایضاً۔

باب چہارم

قرآنی دستور کے تحت نظامِ عدالت

قرآن کے بنیادی دستوری اصول

عدل ایک خدائی ضابطہ

نظامِ عدل کو قرآن میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو حکماً اپنے معاملات عدل کے ساتھ درست کرنے کا پابند کیا گیا ہے:

"ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔"[1]

(یقیناً اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)

"عدل" (انصاف) یا اچھائی کے بدلے اچھائی اور "احسان" (نیکی) یا خود اچھائی اسلامی تصورِ عدل کی بنیادی عدالتی اصطلاحات ہیں۔ انصاف کا ادنیٰ درجہ "عدل" ہے اور اعلیٰ درجہ "احسان" ہے۔

عدل کا ماخذ

اسلام میں عدل کا مرکزی اور اوّلین ماخذ قرآن ہے۔ یہ اس کا مصدر اور سرچشمہ ہے:

"انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما ارٰىك اللہ۔"[2]

(یقیناً ہم نے تم پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقہ سے عدل کرسکو جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے)

"فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوائھم عمّا جاءك من الحق۔"[3]

(پس ان کے درمیان عدل کرو اس کے مطابق جو اللہ نے تم پر نازل کیا اور جو سچ تمہارے پاس آچکا ہے اس سے (منہ موڑ کر) ان کی گھٹیا خواہشات کی پیروی نہ کرو)

قرآن نے پہلے کے آئینی اور قانونی ماخذ پر فوقیت حاصل کرلی اور جو مصادر اس کے بنیادی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے تھے انھیں غیر ضروری قرار دے دیا:

"افحکم الجاھلیۃ یبغون"۔ [۴]

(تو کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں)

یہاں الجاھلیۃ کا مفہوم تعلیماتِ قرآن سے غیر مطابق ہے۔ جاہلیت کو قرآن کی ضد قرار دیا گیا ہے اور اسے بطور ماخذ عدل مسترد کر دیا گیا ہے۔ کوئی فیصلہ اس کے خلاف نہیں ہوگا "جو اللہ نے نازل کیا ہے" یہ قرآن کی بنیادی شرط ہے جو اس نے مقرر کی ہے:

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الکفرون"۔ [۵]

(جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وُہ کافر ہیں)

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الظّلمون"۔ [۶]

(جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ ظالم ہیں)

"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الفسقون"۔ [۷]

(جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وُہ فاسق ہیں)

اس الٰہی دستوری قانون کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل ضابطہ بنایا:

"کوئی مکان یا زمین جو دورِ جاہلیۃ میں تقسیم کی گئی تھی اسی تقسیم جاہلیہ کے مطابق منقسم رہے گی۔ کوئی مکان یا زمین جو طلوعِ اسلام تک تقسیم نہیں ہوئی تھی اسلامی قانون تقسیم کے مطابق تقسیم ہوگی"۔ [۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وُہ اپنے تمام مقدمات میں اللہ سے انصاف طلب کریں۔ یہ فرمان ابتداء ہی میں مکی دور کے وسط میں نازل ہوا۔ اللہ سے انصاف طلب کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے رسول کو مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے جج تسلیم کیا جائے۔

"وما اختلفتم فیہ من شیٔ فحکمہ الی اللہ ذٰلکم اللہ ربی علیہ توکّلت والیہ اُنیب"۔ [۹]

(اور جس میں تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔ اللہ میرا رب، میں اس پر بھروسا کرتا ہوں اور اسی کے پاس مجھے واپس جانا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی اور انتظامی اختیار کا ذکر خصوصاً اُن سُورتوں میں ہے جو مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اسلامی ریاست کا جواز مندرجہ ذیل بنیادی قرآنی احکام پر مبنی ہے:

"یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلك خیر و

احسن تاویلا۔"

(اے وہ لوگو! جو ایمان لائے، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے ان کی جو اقتدار میں ہوں۔ پھر بھی اگر تم کسی بات پر جھگڑو تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کر دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہترین اور مناسب ترین ہے نتیجہ (حاصل) کرنے کے لیے)

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا انتظامی (اطیعوا الرسول) اور عدالتی (فردوہ الی اللہ والرسول) اختیار تفویض کیا گیا ہے۔ یہ بیان کہ" اور اپنے میں سے ان کی جو اقتدار میں ہوں" ان مسلم حاکموں کی اطاعت لازم قرار دیتا ہے جو مسلمان عوام کے نمائندے ہوں اور ایسی اسلامی حکومت جو آئین اور قانون کے مطابق معرضِ وجود میں آئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامی اور عدالتی اختیار اعلیٰ اور آپؐ کے عمّال کی اطاعت نے قبل از اسلام کے تمام اختیارات منسوخ کر دئے سوائے ان احکام و قوانین کے جو قرآنی آیات کے مطابق ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں اور فیصلوں کی اطاعت حکمِ الٰہی ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کی مکمل اطاعت کے سوا چارہ نہیں:

"وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ط ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضللاً مبینا۔"[۱۲]

(اور کسی مومن مرد یا کسی مومن عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر چکیں تو وہ اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رکھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے وہ یقیناً کھلی ضلالت میں بھٹک گیا ہے)

ایک اور الٰہی ضابطہ میں اسلام پر ایمان اور مومنوں کے اپنے تنازعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کو مساوی قرار دیا گیا ہے۔ اس راہ سے ذرّہ بھر انحراف کو کفر تصور کیا گیا ہے:

"فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجًا مّمّا قضیت ویسلّموا تسلیما۔"[۱۳]

(سو تمہارے رب کی قسم! وہ ایمان نہیں لائے جب تک وہ تمہیں آپس کے تنازعوں میں اپنا جج نہ بنائیں اور پھر تم جو فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور مکمل اطاعت سے مان لیں۔"

یہاں پر اپنے تنازعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانا اور آپؐ کے فیصلہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا مومنوں کی محض ظاہری اطاعت کا بیان نہیں بلکہ ان پر لازم قرار دیا گیا ہے وہ خوش دلی سے آپؐ کے فیصلے قبول

کریں، اور اس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔" لا یجدوا فی انفسھم حرجًا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ ترین انتظامی اور آئینی اختیارات سونپتے ہوئے قرآن نے اسلامی ریاست کے سربراہِ عدلیہ کی حیثیت سے آپ کے فرائض بھی مقرر کیے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی ذمہ داری وحیِ الٰہی کے مطابق نظامِ عدل قائم کرنا ہے۔ آپ قرآن پاک کے متن میں سے نہ کچھ چھپا سکتے ہیں نہ اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ کر سکتے ہیں:

"قل ما یکون لی ان اُبدِّلہٗ من تلقآئ نفسی ان اتبع الا ما یوحٰی الیّ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم۔" [۱۴]

(کہہ دیجئے، اسے خود بدل دینا میرے بس میں نہیں۔ میں اس کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا جو مجھ پر نازل ہوئی۔ بیشک میں ڈرتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھ پر بڑے دن کا عذاب ہو)

یہ ضابطہ غیر مبہم الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمانروائے اسلامی ریاست کے فرائض متعین کرتا ہے۔ آپ کے انتظامی، قانونی اور عدالتی اختیارات کا واحد ماخذ قرآن ہے۔ آپ کی ذاتی حیثیت اور آپ کی رسالت کی حیثیت میں واضح فرق بیان ہوا ہے۔ فرمانروا کی ذات اور اس کی آئینی حیثیت کے درمیان اتنا واضح فرق دنیا کے کسی جدید ترین اور ترقی یافتہ دستور میں بھی موجود نہیں:

"قل انما انا بشر مثلکم یوحٰی الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد۔" [۱۵]

(کہہ دیجئے، میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے)

اس آئینی دفعہ کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل متن میں کی گئی ہے:

"ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتٰب و بما کنتم تدرسون۔" [۱۶]

(کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ (وہ تو کہے گا) اللہ کی عبادت کرنے والے ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اسے پڑھتے ہو)

قرآنی آئین کی یہ دفعہ واشگاف الفاظ میں تشریح کرتی ہے کہ رسول کا کام اللہ کی مرضی کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کرنا ہے اور متنازعہ مقدمات میں احکاماتِ الٰہی کا اطلاق ہے اور اپنی نفسانی خواہشات اور بشری اغراض کی طرف رجوع کرنا نہیں۔ قرآنی دستور کی ان بنیادی دفعات سے چند اہم ترین آئینی اصول وضع ہوتے ہیں:

اوّل : اُمتِ مسلمہ میں کوئی شخص دینی اور سیاسی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے مرتبے کا نہیں ہو سکتا۔
دوم : اپنی اعلیٰ ترین اور افضل ترین حیثیت کے باوجود آپؐ کو قرآنی دستور میں کمی بیشی یا ردّ و بدل کا کوئی اختیار حاصل نہیں ۔
سوم : آپؐ دستور کو کسی بھی ہنگامی صورت حال اور سنگین حالات کے باوجود نہ معطل کر سکتے ہیں اور نہ منسوخ۔
چہارم : جب کمی بیشی، ردّ و بدل ، تعطّل و تنسیخ کا اختیار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تو آپؐ کے بعد ایسا کرنے کا اختیار کسے حاصل ہو سکتا ہے !
پنجم : اُمتِ مسلمہ میں سے جو شخص، جو طبقہ یا جو جماعت دستور کو معطل یا منسوخ کرے وہ اللہ، رسول، قرآن کا باغی ہے۔
ششم : قرآنی دستور نے یہ اصول ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ اسلامی ریاست صرف وہ ریاست ہوتی ہے جو آئینی ہو۔آمریت کی قرآنی دستور میں قطعاً گنجایش نہیں، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئین کے پابند ہیں اور اسلامی ریاست کے آئینی سربراہ ہیں۔

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کی آئینی دفعات میں اس اصول کی کوئی گنجائش نہیں :

”بادشاہ ارتکابِ جُرم نہیں کر سکتا۔“

غیر مسلم خود مختاری

دستورِ مدینہ میں اسلامی ریاست کے حدود میں رہنے والے غیر مسلموں کو مذہبی اور سماجی خود مختاری کی ضمانت دی گئی ہے۔ سیاسی لحاظ سے انھیں اُمتِ مسلمہ کے ساتھ ایک اُمّت کا درجہ حاصل تھا (اُمّة مع المؤمنين) اور وہ ایک سیاسی وحدت تھے۔ سیاسی اور بین القبائلی تنازعے، دستورِ مدینہ کے تحت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کی دفعات موجود تھیں۔ مذہبی اور سماجی معاملات میں غیر مسلموں کو مکمل آزادی دی گئی تھی۔ وہ اپنے مقدمات کا فیصلہ اپنے مذہبی قوانین کے مطابق کرنے کے مجاز تھے۔ قرآنی دستور میں بھی غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے خاص طور پر اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو مذہبی خود مختاری کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہودیوں کی خود مختاری کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن قرار دیتا ہے :

”انا انزلنا التورٰىة فيها هدًى ونورٌ يحكم بها النبيّون الذين اسلموا للذين هادوا والربّانيّون والاحبار بما استحفظوا من كتٰب الله وكانوا عليه شهدآء فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا باٰيٰتى ثمنًا قليلًا ومن لم يحكم بما انزل الله فاولٰئك هم الكٰفرون ۔“ [17]

(بیشک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ انبیاؑ جنہوں نے اللہ کی اطاعت کی

اسی کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے اور ربّی اور قانون کے عالم بھی، کیونکہ انھیں اللہ کی کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور وہ اس پر گواہ تھے۔ پس لوگوں سے نہیں مجھ سے ڈرو اور میری آیات (احکامات) کی کم قیمت نہ لو۔ اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کافر ہیں)

قرآنی آئین کی اس دفعہ کا آخری حصہ اہم ہے:

"جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کافر ہیں۔"

یہ یہودیوں کے مذہبی قانون ـــــ تورات کے جواز کی تصدیق کرتا ہے جن کو اپنے مذہبی معاملات کا فیصلہ اس کے مطابق کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر وہ اس پر پورے نہیں اترتے تو وہ کافر ہیں۔

عیسائیوں کو مذہبی خود مختاری کی ضمانت قرآن کے مندرجہ ذیل بنیادی ضابطہ میں دی گئی ہے:

"ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ط ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الفٰسقون"۔ [۱۸]

(اہلِ انجیل اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ فاسق ہیں)

اس آئینی دفعہ کے مطابق عیسائیوں کو اپنے مذہبی معاملات میں اپنے مذہبی قوانین کی پیروی کی ضمانت دی گئی ہے۔ اگر وہ اپنے مقدمات کا فیصلہ نازل کردہ قوانین کے مطابق نہیں کریں گے تو وہ فاسق قرار پائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات تمیزی

آئین میں غیر مسلموں کی خود مختاری کے باوجود، یہودی اپنے مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کرتے تھے۔ ایسے مقدمات میں ان کی خواہش ہوتی تھی کہ فیصلے ان کی پسند کے ہوں۔ قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپؐ یہودیوں کے مقدمات سماعت کے لیے قبول کریں یا مسترد کردیں۔ سماعت کے لیے قبول کرنے کی صورت میں آپؐ ان کے مقدمات کا قانون اور انصاف کے مطابق فیصلہ کریں اور ان سے خوف نہ کھائیں۔ قرآن کا حکم ہے:

"فان جاءوك فاحكم بينهم او اعرض عنهم ج وان تعرض عنهم فلن يضروك شيئا، وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط ط ان الله يحب المقسطين ٥" [۱۹]

(پس اگر وہ آپ کے پاس آئیں، ان کے درمیان فیصلہ کیجئے یا اُن سے منہ موڑ لیجئے۔ اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں تو وہ آپ کو قطعاً نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیجئے۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

یہودیوں کو احکاماتِ تورات معلوم تھے اور وہ کما حقہٗ اس کے قوانین سے واقف تھے۔ تورات کے احکام و قوانین کے متوازی انھوں نے خودساختہ قانونی نظام اپنا لیا تھا جو اصل قانون کے خلاف تھا۔ وہ تورات کے خلاف اپنے خودساختہ قانونی نظام کی توثیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہتے تھے۔ قرآن نے ان کے مذموم عزائم کا پردہ چاک کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی :

"وکیف یحکمونك وعندھم التورٰیة فیھا حکم اللہ ثم یتولون من بعد ذٰلك وما اولٰئك بالمؤمنین ٥" [۲۰]

(وہ آپ کو کیسے منصف مقرر کر سکتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے! پھر بھی وہ اس کے بعد منہ موڑ لیتے ہیں! یہ ایمان لانے والے نہیں)

قانون اور انصاف کی بالادستی

قرآن کے نزدیک مُجرموں کے خلاف محض قانون کا نفاذ سب سے کم درجہ میں انصاف کی فراہمی ہے۔ عدل و انصاف کا بلندترین درجہ تو لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا اور انھیں روحانی طور پر اونچا کرنا ہے اور انھیں اس قابل بنانا ہے کہ وُہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے ان کی حفاظت اور نگہداشت کریں۔ اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی کوئی جُرم سرزد ہو جائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وُہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں :

"یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوٰمین للہ شھدآء بالقسط" [۲۱]

(اے لوگو، جو ایمان لائے! اللہ کی خاطر حق قایم کرنے والے بنو، انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے)

دشمنوں کی جارحیت اور تخریب کاری کے مقابلے میں مسلمانوں کو مستقل مزاجی سے معیارِ انصاف کو قایم رکھنا چاہیے :

"ولا یجرمنکم شنئان قوم علٰی ان لا تعدلوا ط اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی ز" [۲۲]

(کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو، یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقوٰی سے)

قرآنی دستور کی یہ دفعہ تاریخ دستور سازی میں تا قیامت روشنی کا مینار ثابت ہو رہی ہے۔ یہ مسلمانوں کو پابند کرتی ہے کہ اقوام میں باہم تنازعات کے باوجود عدل کا دامن تھامے رکھنا اسلامی امتیاز ہے ہر قوم دشمنی کے وقت عدل کی جگہ ظلم کو اپنا لیتی ہے نہ ان کے دستور میں ایسی حالت میں عدل کو اپنانے کی گنجایش ہوتی ہے اور نہ ان کے دل و دماغ میں تہذیب و شائستگی کا یہ معیار ہوتا ہے کہ وُہ عداوت کے باوجود عدل کریں۔ یہ صرف قرآنی دستور کی

عظمت ہے کہ اس میں ایسی دفعہ موجود ہے۔ قرآن کا پیغام جب اقوامِ عالم پر پوری طرح واضح ہوگا تو یقیناً عدل و آئین کی دلدادہ اقوام بصد شکریہ قرآنی آئین کو اپنائیں گی۔

وُہ جرائم جو افرادِ اُمّت ایک دُوسرے کے خلاف کریں ایسے مقدمات میں قرآن حکم دیتا ہے کہ مسلمان اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کی پیروی کرنے کے بجائے قرآنی احکام کی اطاعت کریں۔ اس دفعہ کا اطلاق ان مقدمات تک بھی بڑھا دیا گیا ہے جہاں کسی کو خود اپنے رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ پیش ہونا پڑے :

"واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ ج" ۲۳

(جب تم بات کرو تو عدل کرو خواہ وُہ تمہارے رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو)

ایک اور ضابطہ قرآن اس حکم کی مزید تصریح کرتا ہے اور اس کا اطلاق خود اپنے اور عزیز و قریب ترین رشتہ داروں تک بڑھا دیتا ہے :

یٰایها الذین اٰمنوا کونوا قوّامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ج ان یکن غنیا اوفقیرا فالله اولی بهما فلا تتبعوا الهویٰ ان تعدلوا ج" ۲۴

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اللہ کی خاطر حق قائم کرنے والے بنو انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے خواہ وُہ خود تمہارے اپنے یا والدین یا قریبی عزیزوں جو امیر ہوں یا غریب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ان دونوں کے مقابلہ میں اللہ کا حق زیادہ ہے۔ پس اپنی پست خواہشات کی پیروی نہ کرو، کہیں تم گمراہ ہو جاؤ)

غالباً دنیا کے دیگر آئین ایسی دفعات سے محروم ہیں یہ دینی اور اخلاقی معیار کی عظمت ہے کہ انسان اپنے قریب ترین رشتہ داروں کے خلاف گواہی دے۔ قرآنی دستور اس اصول کو کئی جگہ دُہراتا ہے کہ جان، عزّت، آبرو، عزیز و اقارب ایک طرف اور انصاف و عدل کے قیام کے لیے سچّی گواہی دوسری طرف ہو تو سچی گواہی کو ترجیح دی جائے اور احقاقِ حق کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا جائے تاریخ نے ایسا معاشرہ دیکھا ہے یہ مسلمانوں کی ذمّے داری ہے کہ وُہ پھر ان اصولوں کے مطابق اپنے آپ اور اپنے معاشرے کو ڈھالیں۔

قانون کا علم

"قانون سے لاعلمی کوئی عذر نہیں" مغرب میں رومن لاء اور کامن لاء کے حامیوں کا مقبول عام اصول ہے۔ قرآن اس اصول کو مسترد کرتا ہے۔ قرآنی آئین کے مطابق ایک شخص اسی صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار پائے گا۔ جب قانون اسے مناسب طور پر سمجھا دیا گیا ہو۔ قرآن کا حکم ہے :

"وما کنّا معذّبین حتّٰی نبعث رسولا" ۲۵

(ہم اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک ہم ایک پیغمبر نہ بھیج دیں)
لوگوں کی سہولت اور ان کی بہتر تفہیم قانون کے لیے انھیں لوگوں میں سے پیغمبر مبعوث کیے گئے جو انہیں کی زبان میں ان کو قانونِ الٰہی سمجھاتے:

"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبیّن لھم" ۲۶

(اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کا ہم زبان تاکہ وُہ انھیں صاف صاف سمجھا سکے)
اہلِ کتاب، یہود اور نصارٰی کو ایک رسول بھیج کر اور اللہ کے قانون کا متن سمجھا کر ان کے جرائم پر انھیں متنبہ کر دیا گیا تھا تاکہ وُہ، یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ وُہ لاعلمی میں پکڑے گئے:

"یا ھل الکتٰب قد جاءکم رسولنا یبیّن لکم علیٰ فترۃ من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر فقد جاءکم بشیر و نذیر" ۲۷

(اے اہلِ کتاب! بے شک ہمارا رسول رسولوں کے انقطاع کے بعد تمھیں کھول کھول کر سمجھانے تمھارے پاس آچکا ہے تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا اور تنبیہ کرنے والا نہیں آیا تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور تنبیہ کرنے والا آگیا ہے)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم ترین فریضہ لوگوں کو قرآنی احکام اور اسلامی قانون سمجھانا تھا:

"وما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبیّن لھم الذی اختلفوا فیہ وھدًی ورحمۃ لقوم یؤمنون" ۲۸

(اور ہم نے تم پر کتاب اس لیے نازل کی کہ تم انھیں کھول کھول کر سمجھا دو وہ جہاں اختلاف کرتے ہیں اور وُہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے)
لوگوں کو قانون کی خلاف ورزی کا ذمے دار ٹھہرانے سے پہلے انہیں قانون کو جاننے اور سمجھنے کا پُورا پورا موقع دیا گیا:

"وانزلنا الیک الذکر لتبیّن للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون" ۲۹

(اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو کھول کھول کر بیان کریں جو ان کے لیے نازل ہو اور شاید کہ وُہ سوچیں)

"کذٰلک یبیّن اللہ اٰیٰتہ للناس لعلھم یتقون" ۳۰

(اس طرح اللہ لوگوں کو اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقوٰی اختیار کریں)

"کذٰلک یبیّن اللہ لکم الاٰیٰت لعلکم تتفکرون" ۳۱

(اس طرح اللہ آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچو)

"ویبیّن اٰیٰتہ للناس لعلھم یتذکرون" ۳۲

(وہ اپنی آیتیں لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وُہ دھیان دیں)

"کذٰلک یبیّن اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تعقلون"۔ ۳۳

(اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو)

"کذٰلک یبیّن اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تھتدون"۔ ۳۴

(اس طرح اللہ تمھیں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ)

"کذٰلک یبیّن اللہ لکم اٰیٰتہ لعلکم تشکرون"۔ ۳۵

(اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو)

اس بحث کو منطقی نتیجہ تک پہنچانے کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ قانونی حدود اور ان کی سزائیں اس لیے واضح کر دی گئیں تاکہ وفاداروں اور فرمانبرداروں کو باغیوں اور مجرموں سے ممیز کیا جا سکے اور سزائیں اس وقت نافذ کی جائیں جب قانون مناسب طور پر سمجھایا اور بتایا جا چکا ہو:

"وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون"۔ ۳۶

(اور یہ حدود اللہ ہیں جنہیں اللہ کھول کھول کر بیان کرتا ہے اس قوم کے لیے جو جاننا چاہتی ہے)

یہ خیال کہ ملک کے ہر شہری کو قانون بتانا اور سمجھانا مشکل ہے درست نہیں۔ ہر نظریاتی ریاست کا اوّلین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا نظریۂ حیات قوم کے ہر فرد تک پہنچائے جب کسی دین کی تعلیم عام کی جاتی ہے تو قوم میں ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے دو گروہ خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ جن میں دین و قانون کی بحث شب و روز جاری رہتی ہے حکومت کی طرف سے دین و قانون کی تعلیم، تبلیغ اور تنفیذ اور مخالفین کی طرف سے تردید اور تنقید اس زور سے ہوتی ہے کہ کوئی شہری ناواقف نہیں رہ جاتا۔ ہر قانون سے ہر شہری کے حقوق و فرائض وابستہ ہوتے ہیں اگر ملک میں عوام کی نمایندہ حکومت قایم ہو تو قانون ہر شہری تک خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ عہدِ حاضر میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، جرائد و کتب موثر ذریعہ ابلاغ ہیں۔ اسلامی ریاست میں دین اور قانون کی تعلیم اور تبلیغ مسجدوں کے ذریعے ہوتی ہے جو ہر گاؤں اور محلہ میں موجود ہوتی ہیں جن کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وُہ رات دن حکومت کی طرف سے نافذ ہونے والے قوانین کی تبلیغ و تشہیر کے لیے کام کریں۔

قانونِ شہادت

شہادت تمام عدالتی نظاموں کی ریڑھ کی ہڈّی ہے۔ بغیر شہادت نہ کوئی حق ثابت ہوتا ہے نہ ہی انصاف قایم ہو سکتا ہے۔ شعبۂ عدل کے اس اہم ترین پہلو پر قرآن میں بنیادی احکامات موجود ہیں۔ قرآن میں قانونِ شہادت کی رُو سے اہم امور کے متعلق گواہی کے درجوں کی وضاحت کی جاتی ہے:

چار گواہوں کا لزوم

تمام مذاہبِ اسلامیہ متفق ہیں کہ زنا کا جُرم ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔ اس پر قرآن کی یہ دلیل موجود ہے:

"واللتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم"[۳۷]

(جو کوئی بدکاری کرے تمھاری عورتوں میں سے، ان پر چار گواہ لاؤ)

"والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابداً"[۳۸]

(جو لوگ باعصمت عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ پیش نہ کریں انھیں اسّی کوڑے لگاؤ، ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو)

السرخسی نے زنا کے لیے گواہوں کی زیادہ تعداد کی وجوہ بیان کرتے ہُوئے کہا کہ خدا خلوت کی حفاظت پسند کرتا ہے (یحب الستر) اور بے حیائی پھیلانا نہیں چاہتا (لا یرضی باشاعۃ الفاحشۃ)[۳۹]۔

فقہاء کی بحث کو دیکھا جائے تو وُہ اس معاملہ میں عورتوں کی گواہی کو معتبر ہی نہیں سمجھتے حالانکہ فقہاً ہی میں سے حضرات عطاؒ اور حماد جیسے قدآور فقیہ عورتوں کی گواہی کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں نے تین مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو جائز قرار دیا ہے۔ فقہ اسلامی کے مذہب ظاہری کے تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زنا کے معاملے میں صرف عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہے۔ ان فقہاً کے نزدیک ہر مرد کی بجائے دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ اس لیے صرف آٹھ عورتوں کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی (مغنی جلد ۱۰ ص ۱۷۵، اور ابن حزم، محلی جلد ۹، ص ۳۹۵) قرآن نے صرف ایک مقام پر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر کیا ہے جسے فقہ میں عمومی شکل دے دی گئی۔ اس پر مزید بحث آگے آئے گی۔

قرآن میں کسی بھی جُرم کے ثبوت کے لیے تین گواہوں کی گواہی کا ذکر نہیں، نہ فقہاً نے اس تعداد کو کسی جُرم کے ثبوت کے لیے ضروری قرار دیا ہے البتہ حضرت احمدؒ بن حنبل کا اس میں استثناً ہے ان کی رائے ہے کہ اگر ایسا شخص مفلس ہونے کا دعویٰ کرے جس کا تمول مشہور ہو تو اسے ثابت کرنے کے لیے تین گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ انہوں نے اس بارے میں حضرت قبیصہ بن مخارق کی حدیث سے سند لی ہے (ابن القیم الجوزیہ، الطرق الحکیۃ فی السیاستہ الشرعیۃ، مطبوعہ مصر ۱۳۱۸ھ، ص ۱۴۴)

دو گواہوں کا لزوم

دیگر دیوانی و فوجداری جرائم کے ثبوت کے لیے دو گواہ درکار ہیں۔ قرآن میں دو جگہ دو گواہوں کی گواہی کا ذکر

کیا گیا ہے، ایک جگہ وصیت کے معاملہ میں اور دوسری جگہ طلاق کے بارے میں۔ آیتِ وصیت یہ ہے:

"شهادة بينكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم او اخران من غيركم" (۵: ۱۰۶)

(جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو وصیت کے وقت دو دیانت دار گواہ ضروری ہیں خواہ تمہارے خاندان کے ہوں یا غیر)

آیتِ طلاق یہ ہے:

"فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوى عدل منكم واقيموا الشهادة لله۔" (۶۵: ۲)

(جب مطلقہ عورتیں عدت گزرنے کے قریب پہنچ جائیں تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو انہیں قاعدے کے موافق اپنے نکاح میں رہنے دو یا باقاعدہ انھیں چھوڑ دو اور اپنے میں سے دو معتبر گواہ بنا لو اور اللہ کے لیے شہادت قایم کرو)

دو گواہوں کے لزوم پر سنت سے دلیل یہ حدیث ہے:

"شاهداك او يمينه۔" (صحیح بخاری نیز شرح عینی ج ۱۳ ص ۲۴۳، ۲۴۸)

(اے مدعی! تیرے دو گواہ اور مدعا علیہ کی قسم ہے)

اگرچہ آیتِ وصیت اور آیتِ طلاق دونوں کا تعلق دیوانی معاملات سے ہے مگر فقہاء نے یہاں مذکور دو گواہوں کی گواہی کو زنا کے علاوہ تمام دیوانی اور فوجداری معاملات کے ثبوت کے لیے ضروری قرار دے دیا۔

دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی

قرآن میں صرف ایک جگہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے، یہ تعداد صرف میعادی قرضے کی دستاویز لکھے جانے کے لیے اس آیت میں بیان ہوئی ہے:

"واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احدهما فتذكر احدهما الاخرى۔"[۴۰]

(اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرو تاکہ اگر ان میں سے ایک غلطی کرے تو دوسری اسے یاد دلادے)

فقہاء کے مطابق اس قسم کی گواہی مقدماتِ مال میں قابلِ قبول ہے جیسے خرید و فروخت، قرضہ، غصب اور دیگر واجبات۔ احناف کے نزدیک ایسی گواہی تمام دیوانی معاملات میں قابلِ قبول ہے خواہ مالی ہوں یا غیر مالی جیسے نکاح و

طلاق ۔مگر ایسی گواہی حقوق اللہ میں مقبول نہیں ۔ وُہ جرائم جن کی سزائیں منجانب اللہ مقرر ہیں" مجلة الاحکام العدلیة" (دفعہ ۱۶۸۵) میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے ان فقہاء کے برعکس فقہاء کی دوسری جماعت فقہاءِ اہل الظاہر نے اس قسم کی گواہی کو تمام حقوق العباد میں اور سوائے زنا کے تمام حدود میں قابلِ قبول قرار دیا ہے (ابن قدامہ، المغنی، ج ۱۰، ص ۱۷۵ اور ابن حزم، محلی، ج ۹، ص ۳۹۵ - ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۳۸۵) اوّل الذکر فقہاء کی رائے میں قصاص (بدلہ) اور عقوبات (تعزیری جرائم) میں دو مردوں ہی کی شہادت لازمی ہے ۔خاندانی قوانین کے مقدمات جیسے نکاح ، طلاق ، عتاق (غلام کو آزاد کرنا) اور نسب وغیرہ میں وہ ایک مرد اور دو عورتوں کی مخلوط شہادت قبول کرتے ہیں۔[۱]

خاوند کی گواہی چار گواہوں کے برابر

ایسے مقدمات جن میں خاوند اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس اس کا کوئی دوسرا گواہ موجود نہ ہو تو ایسے مقدمات کے ثبوت کے لیے قرآن نے مندرجہ ذیل ضابطۂ شہادت مقرر کیا ہے :

"والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھدت باللہ انہ لمن الصدقین۔ والخامسۃ ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکذبین۔" (۲۴ - ۷)

(اور جو لوگ تہمت لگائیں اپنی بیویوں پر اور ان کے پاس اپنے آپ کے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ وُہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وُہ جھوٹا ہو۔)

بیوی کی گواہی چار گواہوں کے برابر

جب خاوند مندرجہ بالا طریق پر حلفیہ گواہی دے چکے تو قرآن کے قانونِ شہادت کے مطابق عورت کو اپنی صفائی میں ایسی ہی حلفیہ گواہی دینے کا اختیار حاصل ہے :

"ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھدت باللہ انہ لمن الکذبین۔ والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصدقین۔" (۲۴-۸، ۹)

(اور عورت سے سزا ٹل جائے گی اس طرح کہ وُہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ شخص سچا ہے)

خاوند کی گواہی بیوی کے خلاف اور بیوی کی طرف سے صفائی میں جو حلفیہ شہادت کا طریق کار بیان ہوا اس سے

قرآنی قانونِ شہادت کے چند بنیادی اصول وضع ہوتے ہیں :

۱۔ جو خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اوّلاً اس سے چار گواہ طلب کیے جائیں گے اگر وُہ پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔

۲۔ اگر خاوند تہمتِ زنا کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے کہا جائے گا کہ وہ چار بار قسم کھا کر بیان کرے کہ وُہ اپنے دعوے میں سچّا ہے اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ اگر وُہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

۳۔ جو خاوند چار گواہ پیش نہ کر سکے اور خود چار بار حلفیہ گواہی دے تو گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہُوئیں۔

۴۔ خاوند چار با حلفیہ گواہی دے مگر پانچویں بار یہ الفاظ کہنے سے انکار کرے کہ اگر وُہ اپنے دعوے میں جھُوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کی حلفیہ گواہی نامکمل تصوّر ہو گی۔

۵۔ بیوی چار بار حلفیہ گواہی دے اور پانچویں بار یہ الفاظ کہہ کر کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند اپنے دعوے میں سچا ہو تو بیوی اپنے خلاف تہمت کے الزام سے برأت حاصل کر سکتی ہے۔

۶۔ بیوی کی چار حلفیہ شہادتیں چار گواہوں کے برابر قرار پائیں گی۔

۷۔ بیوی چار بار حلفیہ گواہی تو دے مگر پانچویں بار یہ الفاظ کہنے سے انکار کرے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند اپنے دعوے میں سچا ہو تو بیوی کی طرف سے صفائی نامکمل ہو گی یا تو وُہ خاوند کے دعوے کی کھل کر تکذیب کرے جس سے اس کی برأت ہو یا اس کی صاف طور پر تصدیق کرے جس سے اس پر حدِ زنا جاری ہو۔

۸۔ خاوند اور بیوی کی طرف سے ایک دُوسرے پر اللہ کی لعنت اور غضب کے الفاظ کا استعمال لعان کہلاتا ہے جس کی تکمیل پر دونوں میں تفریق کرا دی جاتی ہے جو طلاق بائن کے حکم میں ہے۔

ایک گواہ اور قسم

عہدِ رسالت کے نظامِ عدالت میں قرآن کا قانونِ شہادت نافذ ہُوا۔ اس قانون کے نفاذ کے دوران ایسے حالات اور مقدمات بھی پیش ہُوئے جن میں گواہوں کی تعداد قرآن کے قانونِ شہادت سے کم تھی۔ اس نئے تقاضے نے یہ ضرورت پیدا کی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قرآنی قانونِ شہادت کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں خود مزید ضابطے وضع کر کے قانونِ شہادت میں نئی دفعات کا اضافہ فرمائیں۔ آپؐ کی عدالت میں بعض مقدمات ایسے پیش ہوئے جن میں صرف ایک ہی گواہ دستیاب تھا اس پر آپؐ نے ایک گواہ کے ساتھ مدعی سے قسم لے کر مقدمے کا فیصلہ فرما دیا اس طرح آپؐ نے قرآن کی عمومی تعلیمات اور اس کے بنیادی اصولوں کے پیشِ نظر قانونِ شہادت میں اس دفعہ کا اضافہ فرمایا۔" قضاء بالیمین مع

الشاهد" (ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ) ۔اس قانون کے مطابق حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فیصلے کیے ۔[۴۲]

شہری اور بدوی کی شہادت

ہر عدالتی نظام تدریجی مراحل سے گزر کر تکمیل و ترقی حاصل کرتا ہے ۔عہدِ رسالت کا عدالتی نظام بھی انھیں مراحل سے گزرا ۔ قرآن نے شہادت کا بنیادی قانون بیان کر دیا ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے اپنے عدالتی نظام میں نافذ فرمایا تو پیش آمدہ مقدمات اور ان کی نوعیت اور ندرت سے ظاہر ہُوا کہ حالات و ظروف کے تقاضے قانونِ شہادت میں مزید وسعت، اور نئی دفعات کے متقاضی ہیں ۔اس عہد میں ایک سوال شہری اور بدوی گواہوں کا پیدا ہُوا ۔مسئلہ یہ تھا کہ کیا شہری اور بدوی بطور گواہ برابر ہیں ؟ امام ابو داؤدؒ اور امام ابنِ ماجہؒ جیسے جلیل القدر محدثین نے اپنی اپنی سنن میں اس موضوع پر باب باندھ کر احادیثِ نبوی پیش کی ہیں ۔

سنن ابی داؤد میں زیرِ عنوان "کتاب القضاء، باب شهادة البدوی علی اهل الامصار" اور سنن ابنِ ماجہ میں زیرِ عنوان "کتاب الاحکام، باب من لا تجوز شهادته" یہ قضیہ بیان کیا گیا ہے ۔سنن ابو داؤد کی روایت یہ ہے :

"عن ابی هریرة انه سمع رسول الله صلّی الله علیه وسلم یقول، لا تجوز شهادة بدوی علی صاحب قریة ۔"

(حضرت ابو ہریرۃؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ایک بدوی کی شہادت ایک شہری کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی)

ابو سلیمان الخطابی نے اپنی "معالم السنن برحاشیہ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری، مکتبۃ السنۃ المحمدیہ ج ۵ ص ۲۱۹" میں قانونِ شہادت کے اس ضابطہ پر یہ تبصرہ کیا ہے :

"یشبه ان یکون انما کره شهادة اهل البادیة لما فیهم من الجفاء بالدین والجهالة باحکام الشریعة لانهم فی الاغلب لا یضبطون الشهادة علی وجهها ولا یقیمونها علی حقها لقصور علمهم عما یحیلها و تغییرها عن جهتها ۔"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدوؤں کی شہادت کو اس لیے قبول نہیں کرتے تھے کیونکہ بدو دین کے بارے میں سنگدل تھے وہ احکامِ شریعت سے جاہل تھے ان کی اکثریت شہادت کو بعینہٖ ضبط نہیں رکھ سکتی تھی اور نہ ہی وُہ کما حقہ، شہادت قایم کر سکتے تھے کیونکہ ان میں علم کی کمی تھی جو ان کے آڑے آتی تھی جس سے شہادت کی جہت بدل جاتی تھی)

ابو سلیمان الخطابی نے قانونِ شہادت کے اس ضابطہ پر فقہاء کی اکثریت کی رائے ان الفاظ میں نقل کی ہے :

"قال عامه اهل العلم شهادة البدوی اذا کان عدلا یقیم الشهادة علی وجهها جائزة "

(اہلِ علم کی اکثریت کا قول ہے کہ بدوی کی شہادت جبکہ وُہ عادل ہو، شہادت کو اس کی اصل جہت پر قایم کرنے کے قابل ہو تو اس کی شہادت جائز ہوگی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونِ شہادت میں شہری اور بدوی کے درمیان جو تمیز کی ہے اسے سمجھنا ضروری ہے۔ ابوسلیمان الخطابی نے "معالم السنن" میں اس کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے ہیں :

۱۔ دین کے متعلق سنگدلی

۲۔ قانونِ شریعت سے جہالت

۳۔ شہادت کو بعینہٖ ضبط نہ رکھ سکنا۔

۴۔ شہادت کو کما حقہٗ قایم نہ کر سکنا۔

۵۔ کم علمی کا آڑے آنا۔

۶۔ شہادت کا جہت بدل لینا۔

الخطابی نے فقہاء کی اکثریت کی جو رائے نقل کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوی کی شہادت کی عدمِ قبولیت بعض شرائط سے مشروط فرمائی تھی جب تک وُہ ان شرائط کو پُورا نہ کریں ان کی شہادت قبول نہ ہوگی اور جب وُہ ان شرائط کو پُورا کرلیں تو ان کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔

شہادت کی شرائطِ قبولیت یہ ہیں :

بدو کے دل میں دین سے سنگدلی کی جگہ محبّت۔ احکامِ شریعت سے جہالت کی جگہ واقفیت، شہادت کو ضبط نہ رکھنے اور قایم نہ کر سکنے کی جگہ شہادت ضبط اور قایم کرنے کی اہلیت، جہالت کی جگہ علم، ظلم کی جگہ عدالت اور شہادت کے غلط رُخ کی جگہ صحیح جہت دینے میں دیانت کا پیدا ہونا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قانونِ شہادت میں متذکرہ بالا دفعہ کا اضافہ بدوؤں کی مخصوص کیفیت، معاشرتی حالت، ان کی جہالت، یادداشت کی کمی، واقعات کی کم فہمی جیسے اسباب کے تحت کیا تھا۔ ہم نے فقہاء کی آراء کا جائزہ پیش کیا جن کے مطابق جب معاشرتی حالت میں تبدیلی واقع ہوجائے، دین کا علم عام ہوجائے، احکامِ شریعت سمجھ لیے جائیں ذہن کی تربیت ہوجائے، ضبط کی قوت بڑھ جائے تو بدوؤں کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ حکم کی علّت باقی نہ رہنے سے حکم کی تاثیر ختم ہوگئی۔ قانونِ شہادت کا یہ بڑا بنیادی اصول ہے اس اصول کی بنیاد پر عورت کی گواہی کا مسئلہ سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

امام مالک انھیں اسباب کے تحت بدوی کی شہادت قبول نہیں کرتے۔

"قال مالك : لا تجوز شهادة البدوی علی القروی لان فی الحضر من یغنیه عن البدوی الا ان یکون فی بادیة اوقریة ۔ والذی یشهد بدویا و یدع جیرته من اهل الحضر عندی مریب" (تہذیب الامام ابن القیم الجوزیہ برحاشیہ مختصر سنن ابی داؤد، ج ۵، ص ۲۱۹)

امام البیہقی نے اپنی سنن میں ایک انتہائی اہم نکتہ پیدا کیا ہے :

"هذا یحتمل ان یکون ورد فی الشهادة علی الاسعار وفیما یعتبر ان یکون الشاهد فیه من اهل الخبرة الباطنة" (شیخ خلیل احمد سہارن پوری، بذل المجهود فی حل ابی داؤد، جلد ۱۵، ص ۲۸۱)

(اس شہادت کا تعلق بھاؤ کے اتار چڑھاؤ سے ہو سکتا ہے جس میں ایسا گواہ ہی معتبر ہو گا جو ان معاملات کی اندرونی کیفیات سے پوری طرح باخبر ہو گا)

امام بیہقی کے اس مختصر تبصرے نے تہ کی بات منکشف کر دی ۔ بدوی کی معاشرت میں اقتصادیات کی باریکیاں ، مارکیٹ میں بھاؤ کے اتار چڑھاؤ ، مالیات کی پیچیدگیاں نہیں ہوتیں ۔ اس لیے اتفاق سے اگر اسے کسی سٹاک ایکسچینج سے واسطہ پڑ جائے تو ظاہر ہے وہ نہ اس کیفیت کو ذہن میں ضبط کر سکتا ہے نہ اسے اس شعبہ سے علمی واقفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ بوقت گواہی یہ سب کچھ عدالت میں بیان کر سکتا ہے ۔ اسی وجہ سے ایک ماہر تاجر کے خلاف اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی ، تقریباً یہی کیفیت ہے جو عورت کی نصف گواہی میں سورہ بقرہ میں بیان ہوئی ہے ۔

عورت کی گواہی

گواہ کے لیے قرآن نے عام طور پر جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ "شاہد" اور "شہید" ہے ۔ اسی اصطلاح کا تثنیہ کا صیغہ "شہیدین" اور جمع کے لیے مختلف صیغے "شاہدون"، "شاہدین" اور "شہداء" استعمال ہوئے ہیں ۔ مختلف سیاق و سباق جہاں تذکیر و تانیث کی تمیز کیے بغیر اس اصطلاح کا جمع کا صیغہ استعمال ہوا، وہاں اس سے مرد و زن دونوں برابر ہیں ۔ منجملہ دیگر مقامات کے طلاق کے معاملات میں جمع مذکر "واشهدوا ذوی عدل منکم" (۶۵ - ۲) استعمال ہوا ۔ "اشهدوا" اور "منکم" دونوں میں مرد و زن مراد ہیں ۔ یہی کیفیت اس کے استعمال کی وصیت کے معاملات میں ہے اور جہاں مردوں اور عورتوں کی گواہی میں جنس کے اعتبار سے اختصاص کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں مذکر اور مونث کے لحاظ سے اسم اور فعل کا ذکر موجود ہے ۔

قرآن میں تین جگہ خاص طور پر جنس کے اعتبار سے مرد و عورت کی گواہی بیان ہوئی ہے :

۱ - "واستشهدوا شهیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتن ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذکر احداهما الاخریٰ" ۔ (۲ - ۲۸۲)

(اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو گواہ پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنھیں تم پسند کرو تاکہ اگر بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلا دے اس کو وہ دوسری)

۲ - "والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداٰء الا انفسھم فشھادة احدھم اربع شھٰدٰت باللہ انہ لمن الصٰدقین - والخامسة ان لعنت اللہ علیہ ان کان من الکٰذبین" (۲۴ - ۶، ۷)

(اور جو لوگ تہمت لگائیں اپنی بیویوں پر اور اپنے سوا ان کے پاس گواہ نہ ہوں تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہوگی کہ وُہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ شخص سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اُس پر اگر وُہ جھُوٹا ہو)

۳ - "ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شھدٰت باللہ انہ لمن الکٰذبین - والخامسة ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصٰدقین" (۲۴ - ۸، ۹)

(اور عورت سے سزا ٹل جائے گی اس طرح کہ وہ گواہی دے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ مرد جھُوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ مرد سچا ہے)

مندرجہ بالا تینوں مقامات پہ واضح طور پر مرد اور عورت کی گواہی بطور جنس بیان ہُوئی ہے۔ ان جگہوں پر عورت کی گواہی کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ پہلے مقام پر مردوں کے لیے جمع کا صیغہ "رجال" اور تثنیہ کا صیغہ "رجلین" اور واحد کا صیغہ "رجل" استعمال ہوا ہے۔ عورتوں کے لیے تثنیہ کا صیغہ "امرأتٰن" اور فعل واحد مونث "تضل" اور "فتذکر" آئے ہیں۔ یہ تذکیر و تانیث کے اسمأ اور افعال واضح طور پر مردوں اور عورتوں کی گواہی کی تعداد کا ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح دوسرے مقام پر مردوں کی گواہی کا ذکر ہے جس میں عورتیں بالکل شامل نہیں جبکہ تیسری جگہ پر صرف عورتوں کی گواہی بیان ہُوئی ہے جس میں مردوں کی شہادت ہرگز شامل نہیں۔

پہلے مقام پر دو مردوں کی گواہی طلب کی گئی ہے اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قرضوں کے لین دین اور اس سلسلے کی دستاویزات کی تیاری جیسے خاص سیاق و سباق میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بیان ہُوئی ہے۔ بعد کے فقہأ کی ایک جماعت نے یہ قاعدہ بنا لیا کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی گواہی نصف ہے۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ جس مقدمے میں دو گواہوں کی گواہی درکار ہو اس میں اگر دو مرد دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کی جائے گی۔ آیت کے الفاظ پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وثیقہ نویسی کا تقاضا ہے۔ قرض کے معاملات کی وثیقہ نویسی بالعموم باہمی لین دین کے وقت کی جاتی ہے۔ مختلف معاشروں اور تمدنوں میں امصار و اعصار اور احوال و ظروف کے اختلاف سے اس وثیقہ نویسی کی کیفیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں چند مستثنیات کے علاوہ عورت

مالی معاملات میں وسیع حد تک شریک نہ تھی جس کی وجہ سے اسے ایسے معاملات اور باریکیوں کو ذہنی گرفت میں لینا اور انھیں تادیر محفوظ رکھنا آسان نہ تھا۔ یہ صرف عورت پر موقوف نہیں بلکہ مردوں کو بھی جن دوائرِ حیات کا تجربہ نہ ہو وہ بھی ان کی جزئیات، کیفیات، تفصیلات اور باریکیوں کو نہ ذہنی گرفت میں لے سکتے ہیں اور نہ تادیر محفوظ رکھ کر بوقتِ ضرورت بطورِ گواہ عدالت میں پیش کر سکتے ہیں۔ ویسے تو ہر دور میں بعض شعبے ایسے رہے ہیں جن کی پوری سمجھ اس دور کے چند مخصوص لوگوں تک محدود تھی اور اکثریت ان سے ناواقف تھی مگر دورِ حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے جس وسعت اور اختصاص کے ساتھ ترقی کی ہے اسے سمجھنا عوام تو عوام کافی حد تک خواص بھی اسے سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ میڈیکل سائنس، کمپیوٹر، انجنیئرنگ، فلکیات و دیگر سائنسی اور تکنیکی علوم و فنون اور ان کے فروغ نے جو فنی اور پیشہ ورانہ مہارت اور اختصاص کی کیفیت پیدا کی ہے اس کے مختلف شعبوں پر عبور تو درکنار ان میں سے کسی ایک محدود شعبہ میں مہارت کو زبردست کامیابی تصور کیا جاتا ہے اور ایک محدود سائنس میں ماہر کے لیے اس کے دوسرے شعبوں کے بارے میں عمومی معلومات کا حاصل ہونا اس کے لیے نقص تصور نہیں ہوتا۔ ایسی کیفیت میں اگر کسی سائنسی اور فنی دستاویز کی وثیقہ نویسی کے وقت یہ شرط عائد کر دی جائے کہ اس کے لیے دو ماہر گواہوں کی گواہی درکار ہے اور اگر دو ماہر دستیاب نہ ہوں تو ایک ماہر اور دو غیر ماہر اشخاص کی گواہی لی جا سکتی ہے تو ایسا ممکن ہے اس میں دو غیر ماہر اشخاص کی تنقیص مراد نہیں بلکہ متعلقہ شعبہ سائنس و فن سے عدمِ مہارت کا اظہار ہے۔

متذکرہ بالا مقام ایسا ہی سیاق و سباق رکھتا ہے جس میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بیان ہوئی ہے۔ اس میں مالیات اور قرضوں کے لین دین کے معاملات کا ذکر ہے قبل از اسلام عربوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے معاملات میں عورتیں کم سے کم شریک ہوتی تھیں، اس کا ثبوت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تنہا حوالہ ہے۔ ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کا نام پیش کرنا دشوار رہا ہے۔ اس کے معاشرتی، معاشی اور جغرافیائی اسباب تھے۔ مکہ ایک بے آب و گیاہ خطۂ ارضی پر واقع ہے۔ عرب تاجروں کو شمال میں شام، جنوب میں یمن، مشرق میں عراق وغیرہ اور مغرب میں مصر و حبشہ کے طویل اور دشوار گزار صحرائی ریگستانی بددی علاقوں سے گزر کر تجارت کے لیے جانا پڑتا تھا ایسے تجارتی کاروانوں اور قافلوں میں عورتوں کی شرکت مشکل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو مالیات اور قرضوں کے معاملات کی زیادہ سوجھ بوجھ نہ تھی مگر عملی زندگی میں ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جہاں حقوق کے تحفظ کے لیے غیر ماہر لوگوں کی شہادت کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں اگرچہ عورتوں کو ان معاملات کا تجربہ نہ تھا پھر بھی ان کی گواہی کو قبول کیا گیا۔

آیت زیرِ مطالعہ میں قرض کی دستاویز کی وثیقہ نویسی کا طریق کار باعثِ ہدایت ہے۔ اس میں مقررہ مدت کے قرض کے معاملات کو دستاویز کی صورت میں لکھنے کا حکم ہے۔ اس وثیقہ نویسی کے لیے "کاتب" کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ مذکر کا صیغہ ہے جو مرد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جو "کاتب" کے لفظ سے عورت کے

مفہوم کو خارج کر دے۔ اس صورت میں عورت بھی وثیقہ نویس ہو سکتی ہے مگر یہ اس صورت میں ممکن ہو گا کہ معاشرت تمدن کے اس مقام پر پہنچ جائے جس میں عام تعلیم کے ذریعے خواتین ایسے شعبوں میں کام کی مہارت حاصل کر لیں۔ اگر عورتیں وثیقہ نویسی کا تجربہ اور مہارت حاصل کر لیں تو وہ اس کام کو انجام دے سکتی ہیں۔

قرآن کے الفاظ:

" ولیملل الذی علیہ الحق "

(اور املا کرائے وہ شخص جس پر قرض ہے)

سے ثابت ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کے معاملے کا تعلق اس وقت سے ہے جب قرض کی دستاویز کی وثیقہ نویسی ہو رہی ہے یہ نکتہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اس گواہی کا عدالتی گواہی سے اس مرحلے پر کوئی تعلق نہیں۔ یہ عین ممکن ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرض خواہ اور قرض دار قرض کی دستاویز لکھ لیتے ہیں اور مدت مقررہ پر خود ہی اپنا حساب بے باق کر لیتے ہیں نہ دستاویز عدالت میں پیش کرنی پڑتی ہے اور نہ گواہوں کی گواہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس اعتبار سے ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی گواہی کا تعلق قرض کی دستاویز کی تحریر اور وثیقہ نویسی سے ہے جو ایک خارج از عدالت کارروائی ہے، عدالت میں گواہی دینے کا طریق کار اس سے مختلف ہے۔

مالیات اور قرض کے معاملات جن میں وثیقہ نویسی کر لی گئی ہو ان میں قرض خواہ اور قرضدار کے درمیان اگر جھگڑا پیدا ہو جائے اور نوبت عدالت میں مقدمہ بازی تک پہنچے تو ایسی صورت میں گواہ طلب کئے جائیں گے اور ان میں باقاعدہ عدالتی طریق کار کے مطابق گواہی لی جائے گی۔ اس گواہی کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے مرد گواہی دے گا پھر ایک عورت گواہی دے گی۔ اگر یہ عورت صحیح طور پر گواہی دے دے تو شہادت مکمل ہو جائے گی، دوسری عورت کی گواہی کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ اگر پہلی عورت غلطی کرے تو دوسری عورت اس کی تصحیح کرے گی (ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی) گواہی کا یہ طریق کار صاف اور واضح طور پر یہ بتا رہا ہے کہ اگر پہلی ہی عورت غلطی نہ کرے تو ایک ہی عورت کی شہادت مکمل گواہی ہے۔ عدالت میں دوسری عورت کی حیثیت حاضر (STANDBY) کی ہے جس سے بوقت ضرورت مدد لی جا سکتی ہے۔ اور اگر پہلی عورت ہی صحیح طور پر گواہی پیش کر دے تو اس کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ اسے مستقل گواہ کی حیثیت حاصل نہیں جس کی گواہی پر فیصلہ موقوف ہو۔ اس صورت میں عدالت میں اصل گواہی تو ایک مرد اور ایک عورت کی ہے۔

آیت میں لفظ "تضل" تحقیق طلب ہے۔ یہ لفظ "الضلال" سے ہے جس کے لغت میں کئی معنی ہیں۔ مفسرین نے اس لفظ کی تفسیر میں جتنے معانی بیان کئے ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر یہ دیکھنا پڑے گا کہ کیا "الضلال" کی صفت عورت کی جبلت کا حصہ ہے جس کی اصلاح کسی صورت ممکن نہیں یا یہ ایسی کیفیت ہے جو ایک خاص معاشرت کا حصہ ہے اور جب اس معاشرت میں تبدیلی پیدا ہو تو یہ کیفیت بھی بدل سکتی ہے۔ قرآن میں یہ لفظ اسماء اور افعال کے

مختلف وزنوں اور صیغوں میں استعمال ہوا۔ اگر ان مقامات کے سیاق وسباق کا احاطہ کیا جائے جن میں یہ استعمال ہوا ہے تو اس جگہ "ان تضل" کے معنی کو سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ قرآن میں زیادہ تر یہ لفظ ایمان کے بدلے کفر "ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل" (۲ : ۱۰۸) توحید کے بدلے شرک "ومن یشرك باللہ فقد ضل ضلالاً بعیدا" (۴ : ۱۱۶) ہدایت کے بدلے ضلالت "یآیھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" (۵ : ۱۰۵) سیدھے رستے کے بدلے گمراہی "واضلوا کثیرا وضلوا عن سوآء السبیل" (۵ : ۷۷) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ضلال کی صورت میں عام طور پر اس کا استعمال کھلی گمراہی "ضلال مبین" (۳ : ۱۶۴، ۶ : ۷۴، ۷ : ۶۰، ۱۲ : ۸، ۱۲ : ۳۰) یا "ضلال بعید" (۱۴ : ۳، ۱۴ : ۱۸، ۲۲ : ۱۲) کی صورت میں آیا ہے۔ لفظ ضلال جس سے آیت زیرِ غور میں "ان تضل" استعمال ہوا۔ اس کے مختلف موقع اور محل کے سیاق وسباق کا مطالعہ کیا جائے تو اس کا جو غالب معنی سامنے آتا ہے وہ راہ حق سے بھٹک جانا، ایمان کی جگہ کفر اور ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کرنا ہے۔ یہ جملہ کیفیات انسان کی جبلّت کا حصہ نہیں بلکہ ماحول، معاشرت، جہالت، لاعلمی، بے خبری اور عدم واقفیت کا نتیجہ ہیں۔ اگر ماحول اور معاشرت میں صحت مند تبدیلی آجائے، جہالت دور ہوجائے، لاعلمی، بے خبری اور ناواقفیت کی جگہ علم، خبر اور واقفیت لے لے تو کفر کی جگہ ایمان، ضلالت کی جگہ ہدایت، گمراہی کی جگہ صراطِ مستقیم حاصل ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت میں ضلال کو عورت کی جبلّت کا حصہ قرار دینے کی بجائے یہ ماحول اور معاشرت کا حصہ قرار دیا جائے گا اور اگر عورت کو ایسا ماحول دستیاب ہو جس میں وہ ضلال سے نجات پا سکے تو ایسا کرسکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت ضلال سے چھٹکارا حاصل کرلے تو اس صورت میں بھی وثیقہ نویسی کے وقت دو عورتوں کی گواہی ہی درکار ہوگی؟ یا ایک تعلیم یافتہ، باخبر، عالم، فاضل، معلّم، ڈاکٹر، انجنیئر، جج، ماہر، تجربہ کار، منتظم، سائنس داں، قانون داں عورت کی گواہی کافی سمجھی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جب علّت دُور ہوگئی تو مؤخرالذکر صورت پیدا ہوجائے گی۔

اس ضمن میں ہم سنّت سے رہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔ اسی باب میں ہم نے "شہری اور بدوی کی گواہی" کا مطالعہ کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری کے خلاف بدوی کی گواہی کو قبول نہیں کیا تھا۔ ہم نے اس پر جید فقہاء کی آراء پیش کی تھیں جن کے مطابق آپؐ نے بدوی کی شہادت اس ایک بنیاد پر قبول نہیں کی تھی کہ وہ بدّو ہے بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ ماحول اور معاشرت کی وجہ سے اس میں بعض نقائص پائے جاتے تھے جب ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے وہ نقائص دُور ہوگئے تو بدوی کی شہادت قبول کرلی گئی جس علّت کی وجہ سے وثیقہ نویسی کے وقت ایک کی بجائے دو عورتوں کی گواہی درکار ہے اگر وہ علّت دُور ہوجائے تو پھر بدوی کی طرح ایک عورت کی گواہی بھی قبول کی جانے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عورت کی گواہی میں ضلالت کی علّت بیان ہوئی ہے۔ یہ علّت جبلّی نہیں اس لیے دُور ہوسکتی ہے جب دُور ہوجائے تو عورت کی گواہی قابلِ قبول ہونی چاہیئے۔

اسلام انسان کی تعمیری اور تخلیقی صلاحیتوں کو ترقی دیتا ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت عرب وعجم کسی جگہ بھی

عورتوں کو وہ حقوق حاصل نہ تھے جو اسلام نے دئے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہُوئی کہ عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے مختصر دور کے بعد ملوکیت قائم ہوگئی جو اب تک مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ ملوکیت کے اس طویل دور میں ملوک کے زیرِ اثر ایسے قوانین بن گئے جو اسلام کی رُوح کے منافی تھے۔ چونکہ یہ قوانین صدیوں تک رائج رہے تھے اس لیے خود مسلمان ان سے ایسے مانوس ہو گئے کہ انھوں نے ان قوانین کو اسلام قرار دے لیا۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر مذہب ابتدا میں اپنے پیرو کاروں میں جوشِ عمل پیدا کرتا ہے۔ بعد میں رسوم و رواج اور روایات مذہب کی جگہ لے لیتی ہیں جو مخصوص حالات کی پیداوار ہوتی ہیں۔ حالات کی تبدیلی سے وُہ روایات روح اور جوشِ عمل سے عاری ہو جاتی ہیں، مگر اس مذہب کے پیرو کار ان روایات کو اصل مذہب قرار دے چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے فرسودگی کے باوجود انھیں روایات پر گامزن رہنے کو نجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس قرآن جیسی زندہ کتاب موجود ہے اس لیے وُہ اگر چاہیں تو اصل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ دُوسرے مذاہب کے ماننے والے روایات سے اس لیے نہیں نکل سکتے کیونکہ جہاں انھوں نے روایت پرستی پر شدّت اختیار کی وہاں انھوں نے اپنی اصل مذہبی کتابیں بھی مسخ کر ڈالیں اس لیے انہوں نے رجوع الی الاصل کا موقع ہی ضائع کر دیا۔

اس وقت جن ممالک میں عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے برابر ہے وہاں اس بات کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا کہ ان عدالتی نظاموں میں عورت کی پوری گواہی سے کیا اثرات مرتّب ہوئے! کیا جن مقدمات میں عورت کی گواہی پُوری مانی گئی حقوق تلف ہُوئے ہیں یا محفوظ ہوئے ہیں؟

پاکستان ان ممالک میں سے ایک ہے جن میں رائج الوقت قانونِ شہادت کے مطابق مرد اور عورت کی گواہی برابر ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس برابری نے کیا نتائج پیدا کئے ہیں؛ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے عورت کی مکمل گواہی کے نتائج اور اثرات کا آج تک مطالعہ نہیں کیا گیا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک بدیہی امر ہے اور دنیا نے اسے پُوری طرح تسلیم کر لیا ہے کہ عورت کی گواہی سے حقوق محفوظ ہُوئے، حقوق تلف نہیں ہوئے، ورنہ قانونی اور عدالتی بے شمار پہلوؤں پر شب و روز تحقیقات جاری ہے اور رپورٹیں مرتب ہو رہی ہیں مگر عورت کی مکمل گواہی کی افادیّت اتنی مسلّم ہے کہ اس پر علیحدہ تحقیق و مطالعہ کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔

اس مسئلے کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ عورت کو بطور گواہ پیش کرنا مدعی کا اپنا اختیار ہے۔ اگر عورت کی گواہی سے مدعی کو نقصان پہنچتا ہو تو وہ اپنا نقصان کرنے کے لیے عورت کو بطور گواہ کیوں پیش کرے گا؟ عورت کے خلاف یہی دلیل تو دی جاتی ہے کہ وہ بھُول جاتی ہے اور صحیح طور پر گواہی نہیں دے سکتی۔ اگر یہ درست ہے تو اس بارے میں مدعی کو سوچنا چاہیے کہ وُہ اپنے حق کے حصول کے لیے کمزور گواہ پیش نہ کرے۔ ظاہر ہے اگر مدعی عورت کو بطور گواہ عدالت میں پیش کرتا ہے تو وُہ اپنا نفع و نقصان سوچ کر ہی اسے پیش کرتا ہے اور یقیناً وُہ اپنے حق کی حفاظت اور انصاف کے حصول کے لیے ایسا کرتا ہے۔

جنس کے اعتبار سے گواہی کا ذکر دُوسری جگہ قرآن میں سورۃ النور کی آیت نمبر ۶ اور ۷ میں کیا گیا ہے جہاں اس خاوند سے جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وُہ جھوٹا ہو تو اُس پر اللہ کی لعنت ہو۔ خاوند کی چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر قرار دی گئی ہے کیونکہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانا ایسا واقعہ ہے جس کا خاوند کے علاوہ اس کے پاس کوئی دُوسرا گواہ نہیں اور زنا کے الزام کے ثبوت میں قرآن کے قانونِ شہادت کے مطابق چار گواہ ضروری ہیں۔

قرآن میں تیسرا مقام جہاں جنس کے اعتبار سے گواہی کا ذکر موجود ہے وہ سورۃ النور کی آیت ۸ اور ۹ ہیں۔ ان آیتوں میں اس بیوی سے جس پر اس کے خاوند نے زنا کی تہمت لگائی ہو یہ کہا گیا ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ اُس کا خاوند اپنے دعوے میں جُھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اُس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کا خاوند سچا ہے۔ زنا کی تہمت سے برأت کے لیے عورت سے چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر قرار دی گئی ہے۔ جس طرح زنا کی تہمت کے الزام کے ثبوت میں مرد سے چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ اگر سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں دُو عورتوں کی گواہی کا اطلاق عمومی ہوتا تو سورۃ النور کی آیت ۸ اور ۹ میں عورت سے چار بار حلفیہ گواہی کی جگہ آٹھ بار حلفیہ گواہی لی جاتی کیونکہ چار بار حلفیہ گواہی چار گواہوں کے برابر ہے اور خاوند کی ایک بار کی حلفیہ گواہی ایک گواہ کے برابر ہے اور چار گواہیاں چار گواہوں کے برابر ہیں۔ اسی طرح عورت کی ہر حلفیہ گواہی ایک گواہ کے برابر ہے اور چار گواہیاں چار گواہوں کے برابر ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ کا اطلاق عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے۔

قرآن میں گواہ کے لیے عام طور پر جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ "شاھد" ہے، جس کی جمع "شھداء" اور "شھیدین" آئی ہے۔ قرآن نے جہاں جہاں تذکیر و تانیث کا ذکر کر کے گواہی کو مردوں اور عورتوں کے ساتھ بطور جنس مخصوص قرار دے دیا ہے۔ ان مقامات کے علاوہ "شاھد"، "شھید"، "شھیدین"، "شھداء" اور "شھیدین" کے الفاظ استعمال ہُوئے ہیں۔ عربی قواعد کے مطابق اگرچہ یہ جمع کے صیغے ہیں مگر استعمال کے اعتبار سے یہ مرد و زن دونوں پر محیط ہیں۔ ان سے جس طرح مرد مراد ہیں اسی طرح عورتیں مراد ہیں۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸۲ میں اگرچہ تذکیر و تانیث کی تخصیص کی گئی ہے مگر اس تخصیص کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں "ممن ترضون من الشھداء"۔ اس جگہ "الشھداء" کا استعمال مسئلے کی تفہیم میں رہنمائی کرتا ہے۔ ان الفاظ سے پہلے "فرجل" خالص مذکر، اور "وامرأتن" خالص مونث کے الفاظ آئے ہیں جن کے آخر میں یہ لفظ "الشھداء" استعمال ہوا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ "الشھداء" مذکر اور مونث، مرد اور عورت دونوں کے لیے آیا ہے۔ اگرچہ جمع مذکر ہے مگر معنی اور مطلب کے اعتبار سے دونوں جنسوں پر محیط ہے۔

سنت سے عورت کی پُوری گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ امام زیلعی نے شرح کنز (ج ۴، ص ۲۰۹) پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کی ہے :

"شهادة النساء جائزة فيما لا يستطيع الرجال النظر اليه"۔

(تنہا عورتوں کی گواہی صرف ان معاملات میں جائز ہے جنہیں مرد نہیں دیکھ سکتے)

مسلمانوں کے تمام فقہی مذاہب نے بالاتفاق اور بالاجماع اس گواہی کو قبول کیا ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب "مجلّة الاحکام العدلیہ" (دفعہ ۱۶۸۵) میں صاف طور پر لکھا ہے کہ معاملاتِ مال میں ان چیزوں کے متعلق جنہیں مرد معلوم نہیں کر سکتے، تنہا عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ بچے کی ولادت اور نسوانی عیوب اور آحناف کے سوا دیگر تمام فقہائے جمہور کے نزدیک رضاعت (دودھ پلانے) کے معاملات میں تنہا عورت کی گواہی قبول ہوگی۔ حنفی اور حنبلی فقہا کے نزدیک ایسے معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی پیدائش کے بارے میں صرف دایہ کی گواہی کو جائز قرار دیا تھا۔ حضرت عقبہ بن حارث روایت بیان کرتے ہیں :

"میں نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے شادی کی ایک سیاہ فام عورت ان کے پاس آئی اور وثوق سے کہتی رہی کہ اس نے ہم دونوں کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی آپؐ نے میری طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اس پر میں نے کہا اے اللہ کے پیغمبرؐ! وہ جھوٹی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں کیا چیز ایسا سوچنے پر مجبور کرتی ہے جبکہ وہ کہہ چکی جو اس نے کہنا تھا، اسے اپنے سے دور رکھو۔" (حافظ المنذری، مختصر سنن ابی داؤد مکتبۃ السنۃ المحمدیہ جلد پنجم ص ۲۱۹، ۲۲۰ و اخرجہ البخاری و الترمذی و النسائی)

اس حدیث کو امام زیلعی نے "شرح کنز" میں روایت کیا ہے۔ حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ نے ایک عورت کی گواہی پر فیصلے کیے۔ (صبحی محمصانی، فلسفہ شریعتِ اسلام ص ۴۰۲)

امام مالکؒ بھی تنہا عورتوں کی گواہی کو قبول کرتے ہیں البتہ وہ کسی مقدمہ میں صرف ایک عورت کی گواہی کی بجائے دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کے قائل ہیں، جس طرح دو مردوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے سوائے مخصوص حالات کے جن میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔ "تبصرة الحکام" (ج ۱ ص ۲۴۰) پر اس کی مزید تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ ایک بڑے فقیہ عثمان البتی کے نزدیک تنہا تین عورتوں کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں مندرجہ ذیل حدیث بیان کر کے یہ رائے قائم کی ہے کہ خواتین سے متعلقہ امور میں تنہا چار عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے :

"قال فی شهادة النساء علی الشئ من امر النساء لا یجوز فیه اقل من اربع"۔

(مسند امام شافعی برحاشیہ کتاب "الام" ج ۶ ص ۲۵۳)

ہم نے اب تک ان معاملات اور مقدمات کا ذکر کیا ہے جو عورتوں سے مخصوص ہیں اور جن سے مرد واقف

نہیں ہو سکتے اور ان میں تنہا عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے۔ اب ہم ان معاملات اور مقدمات کو بیان کرتے ہیں جن سے مرد بھی واقف ہوتے ہیں مگر پھر بھی ان میں تنہا عورتوں کی گواہی جائز قرار پاتی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک معاملاتِ مال میں تنہا دو عورتوں کی گواہی اس طرح جائز قرار پاتی ہے کہ مدعی سے قسم بھی لی جائے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بن حنبل کا مسلک بھی یہی ہے۔ فقہ اسلامی کے جلیل القدر فقہاء اور ائمہ حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور قاضی شریحؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے طلاق اور مہر جیسے معاملات میں تنہا چار عورتوں کی گواہی قبول کی تھی۔ فقہائے اسلام کا ایک دُوسرے طبقے اہلِ ظاہر کے نزدیک تو تمام معاملات میں عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ ان کا اصول یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جائے گی۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "قوانین فقہیہ" ص ۳۱۰، "المحلی" جلد ۹ ص ۳۹۷ و بعدہٗ "مغنی" جلد ۱۲ ص ۱۵، "الطرق الحکمۃ" ص ۱۲۷، ۱۴۱۔ لہٰذا قرآن، سنّت اور فقہ ——— اسلامی قانون کے تینوں بنیادی ماخذ سے ثابت ہوا کہ اسلام میں بعض معاملات میں تنہا عورت کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ تنہا دو عورتیں، تین عورتوں اور چار عورتوں کی شہادت سے مختلف معاملات اور مقدمات میں ضروری قانونی اور عدالتی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں اور قاضی اور جج ایسے مقدمات میں تنہا عورتوں کی شہادت کو ثبوت کے طور پر تسلیم کر سکتے ہیں حتیٰ کہ تنہا ایک عورت کی شہادت بھی خاص معاملات میں فیصلے کیلئے کافی ثبوت مہیا کرتی ہے۔

مذاہب حنفی وغیرہ نے مخصوص حالات میں ایک مرد کی گواہی کو قبول کیا ہے۔ مثلاً بچّے کی ولادت جیسے معاملات میں جب تنہا ایک عورت کی گواہی مقبول ہے تو ایک مرد کی گواہی بطریقِ اولیٰ مقبول ہو گی (دیکھیے زیلعی مقام مذکور) درمختار (ج ۲ ص ۴۴۳) کے مطابق لڑکیوں کے معاملات میں صرف معلم کی گواہی کافی ہے۔ نقصان ثابت کرنے کے لیے ایک واقف کار مرد کی گواہی کو کافی خیال کیا گیا ہے۔ ابن وہبان نے اپنی تصنیف "منظومۃ الوہبانیۃ" میں اس قسم کی گیارہ مثالیں بیان کی ہیں جو مجیبہ کے حاشیہ ص ۶۱ پر موجود ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۹۶ھ میں چھپی۔ ابن نجیم نے ان پر ایک مزید مثال کا اضافہ کیا ہے (اشباہ ص ۸۰) حیدر علی نے "مجلہ" کی دفعہ ۱۸۲۵ کی تشریح میں پندرہ مثالیں بیان کی ہیں جو ابو مسعود سے منقول ہیں۔ اس موضوع پر مالکیہ کی مثالیں "تبصرۃ الحکام" (جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ اور اس کے بعد) میں دیکھی جا سکتی ہیں:

> "مسلمان فقہاء نے گواہی کی تعریف اس طرح ہے۔ درست رائے یہ ہے کہ جو چیز حق بات کو ثابت کر دے وہی گواہی ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کسی طریقے سے بھی حق ظاہر ہو جانے کے بعد ہرگز کسی کی حق تلفی نہیں کی ہے بلکہ اس خدا نے جس کے سوا کسی کو مجالِ حکم نہیں اور اس کے رسولؐ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ جب کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تنفیذ اور تائید ضروری ہے، اور حق تلفی کرنا قطعی حرام ہے۔"

مسلمان فقہاء کی یہ رائے حضرت امام ابن القیم الجوزیہ نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" (ج ۱، ص ۱۹۲، ۱۹۳) پر

نقل کی ہے ۔

ابن القیم نے قانونِ شہادت کے مزید اصول وضع کئے ہیں :

"اگر قاضی کو خدا کی مقرر کردہ حدود کے علاوہ دوسرے مقدمات کے موقع پر گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو وُہ ایک مرد کی گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ خدا نے حکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ وُہ بغیر دو گواہوں کے بالکل فیصلہ ہی نہ کریں ۔ البتہ حقدار کا حق محفوظ رہنا ضروری ہے ۔ یہ حق خواہ دو گواہوں کے ذریعے محفوظ ہو خواہ ایک مرد اور دو عورتوں کے ذریعے ۔ مگر اس حد بندی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حاکم ایک گواہی پر فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک گواہ اور ایک قسم بلکہ صرف ایک گواہ پر بھی فیصلہ فرمایا ہے ۔" (الطرق الحکمیہ ص ۶۶ ، ۶۷)

ابن القیم نے اس کی مزید تشریح اس طرح سے کی ہے :

"بالفاظِ دیگر یُوں سمجھیے کہ جو ذرائع حاکم فیصلہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے وہ ان ذرائع سے زیادہ وسیع ہوتے ہیں جنہیں حقدار اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے اپنے دل میں سوچتا ہے ۔" (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۸۱)

ابن القیم نے فقہأ کے اس قول کو زیادہ مضبوط اور مدلل بنانے کے لیے شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول بطور سند پیش کیا ہے :

"قرآن میں دو مرد اور ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ فیصلہ کرنے والے اس تعداد کے پابند ہیں بلکہ صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ اتنے گواہوں سے حقدار کا حق محفوظ رہتا ہے ۔"
(الطرق الحکمیہ ص ۷۰)

امام ابن القیم نے اپنے دعوے کی تائید کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عملی سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ آپؐ نے رؤیتِ ہلال کے موقع پر صرف ایک اعرابی کی گواہی قبول فرمائی تھی اور مالِ غنیمت کے معاملے میں ایک مرد کی گواہی کو قبول کیا تھا جیسا کہ حضرت ابو قتادہؓ کی روایت سے واضح ہے ۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نسوانی معاملات میں ایک ثقہ عورت کی گواہی قبول فرمائی ۔ حضرت خزیمہؓ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا اور فرمایا :

"من شهد له خزيمة فحسبه ۔"

(جس کی گواہی خزیمہ دے دے وہ اس کے لیے کافی ہے)

تنہا حضرت خزیمہؓ کی گواہی پر فیصلہ کرنے کے حکم سے حضرت ابن القیم نے ایک بنیادی اصول وضع کیا ہے وُہ کہتے ہیں :

"ایک گواہ پر فیصلہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ خزیمہؓ کے لیے مخصوص ہے اور خزیمہؓ سے بہتر یا خزیمہؓ کے ہم مرتبہ صحابہ کرامؓ پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا ۔ اگر حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ

گواہی دیں تو ان حضرات میں سے تنہا ہر ایک کی گواہی پر بطریقِ اولیٰ فیصلہ ہوگا۔"

"قال ابن القیم رحمہ اللہ وقد احتج بحدیث خزیمۃ من یری ان للحاکم ان یحکم بعلمہ۔ قال وجرت شہادۃ خزیمۃ فی ذلک مجری التوکید والاستظہار، ولہٰذا لم یکن معہا یمین، وھذا القول باطل، والنبی صلی اللہ علیہ وسلم انما امضی البیع بشہادۃ خزیمۃ، وجعلہا بمنزلۃ شاھدین، وھذا لان شہادۃ خزیمۃ علی البیع، ولم یرہ استندت الی امر ھو اقوی من الرؤیۃ، وھو تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالبراھین الدالۃ علی صدقہ، وان کل ما یخبر بہ حق و صدق قطعاً، فلما کان من المستقر عندہ انہ الصادق فی خبرہ، البار فی کلامہ، وانہ یستحیل علیہ غیر ذلک البتۃ، کان ھذا من اقوی التحملات فجزم بانہ بایعہ، کما یجزم لو رآہ و سمعہ، بل ھذہ الشہادۃ مستندۃ الی محض الایمان، وھی من لوازمہ و مقتضاہ، و یجب علی کل مسلم ان یشہد بما شہد بہ خزیمۃ، فلما تمیزت عن شہادۃ الرؤیۃ والحس، التی یشترک فیہا العدل وغیرہ، اقامہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام شہادۃ رجلین"۔

(امام ابن القیم الجوزیۃ، تہذیب الامام ابن القیم الجوزیہ برحاشیہ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری و معالم السنن لابی سلیمان الخطابی مکتبۃ السنۃ المحمدیۃ ۱۳۶۸ ھجری بمطابق ۱۹۴۹ عیسوی جلد پنجم ص ۲۲۳، ۲۲۴)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن القیم کے نزدیک حدیث مذکور میں تنہا خزیمہ کی گواہی قبول کرنے کی اصل وجہ خزیمہ کی سچائی ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے قاضی اس شخص کی تنہا گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے جس کی سچائی پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے۔ حدیث مذکور کتاب اللہ کے خلاف نہیں بلکہ دیگر احادیث کی طرح اس کے موافق ہے۔ ائمہ کا قاعدہ اور اصول ہے:

"یفسرہ و یبین مراد اللہ منہ و یقید مطلقہ"۔

(حدیث در اصل کلام کی تفسیر ہے جو اس کے حقیقی مقصد کی وضاحت کرتی ہے اور غیر معین مفہوم کو معین کرتی ہے)

ابن القیم نے گواہی کی تعریف اور ثبوت کی فراہمی اور ایک گواہ کی گواہی اور قاضی کو ثبوت فراہم ہو جانے کے بارے میں جو کچھ اوپر بیان کیا ہے اس مسلک کی تاریخ اسلام کے نامور مسلمان قضاۃ کے فیصلوں اور آرا سے تائید ہوتی ہے۔ ان قضاۃ میں حضرت قاضی شریح اور زرارہ بن ابی اوفی وغیرہ خاص طور پر نمایاں ہیں۔ اس کی مزید تفصیل "الطرق الحکمیہ" (ص ۴، ۵، ۸، ۷) اور "سنن ابی داؤد" (مطبع مصطفی محمد، مصر، جلد ۳، ص ۳۰۸، نمبر ۳۶۰۷) پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

تاریخ اسلام کے نامور قضاۃ کا اصول یہ تھا کہ وہ جب کسی کی سچائی معلوم کر لیتے تھے تو تنہا اس کی گواہی پر فیصلہ صادر فرما دیتے تھے۔

یہی قول ابو داؤد نے بھی اپنی سنن میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے:
"اذا علم الحاکم صدق الشاھد الواحد یجوز له ان یحکم به۔" (متن ابو داؤد، کتاب الاقضیۃ)
(باب اس حاکم کے بارے میں جب اسے ایک گواہ کی سچائی معلوم ہو جائے تو اسے اس کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہے)

اسی طرح قاضی ایاس بن معاویہ (متوفی ۱۲۲ ہجری) کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے تنہا عبدالعزیز بن صہیب کی گواہی جائز قرار دی۔ اس پر ابن قتیبہ کی "المعارف" (ص ۲۰۷) اور ابن خلکان (ج ۱، ص ۸۱، ۸۲) مزید مطالعہ کے لیے مفید ہے۔

ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے شہرہ آفاق فقہائے اسلام کی مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ وہ تاریخ اسلام کے نامور قضاۃ اور فقہاء کی طرح اس اصول کے قائل تھے کہ:

۱۔ جب کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تنفیذ ضروری ہے اور حق تلفی کرنا قطعی حرام ہے۔

۲۔ اگر قاضی کو حدود اللہ کے علاوہ دوسرے مقدمات میں گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو وہ ایک گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ خدا نے حکام پر یہ لازم قرار نہیں دیا کہ وہ بغیر دو گواہوں کے بالکل فیصلہ ہی نہ کریں۔

۳۔ امام ابن تیمیہ کا قول ہے: "قرآن میں دو مرد اور ایک مرد اور دو عورتوں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ فیصلہ کرنے والے اس تعداد کے پابند ہیں بلکہ صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ اتنے گواہوں سے حقدار کا حق محفوظ رہتا ہے۔"

قضاۃ اسلام اور فقہائے دین کے ان دلائل کی روشنی میں عورت کی گواہی کا مسئلہ سمجھنے میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب فقہائے اس بات کے قائل ہیں کہ "اگر کسی نہ کسی طریقے سے حق ظاہر ہو جائے تو اس کی تنفیذ ضروری ہے اور حق تلفی حرام ہے۔" تو کیا ایک ثقہ عورت کی گواہی "کسی نہ کسی طریقے" کے زمرے میں شامل نہیں ہے اگر ہے تو تنہا عورت کی گواہی قبول کرنے میں کون سی چیز مانع ہے! اسی طرح فقہاء نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ "اگر حدود اللہ کے علاوہ دوسرے مقدمات میں گواہی کی سچائی معلوم ہو جائے تو ایک گواہی پر فیصلہ ہو سکتا ہے تو کیا ایک ثقہ عورت کی گواہی سے سچائی معلوم نہیں ہو سکتی؟ اگر ہو سکتی ہے تو ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کیوں نہیں کیا جا سکتا ہے؟

دستاویزی شہادت

عدالتی نقطۂ نظر سے شہادت اسی صورت میں معتبر قرار دی جائے گی جب وہ عدالت میں پیش کی جائے۔ قرآن نے کچھ شرائط عائد کی ہیں جن سے عدالتی نظام کو منضبط کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مسلمانوں کو حکماً کہا گیا ہے کہ وہ نجی معاہدوں اور باہمی لین دین کو دستاویز کی صورت میں لکھ لیا کریں۔ ایسے معاہدوں پر باضابطہ دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی

گواہی ہونی چاہیے۔ اس طریقِ کار کو اپنانا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے عدالتوں کو مقدمات کا منصفانہ طور پر فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ قرآن میں یہ طریقِ کار مندرجہ ذیل طور پر بیان کیا گیا ہے:

"یاَیّھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مستمی فاکتبوہ ط ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللہ فلیکتب ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ ربہ ولا یبخس منہ شیئا ط فان کان الذی علیہ الحق سفیھا او ضعیفا اولا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتٰن ممن ترضون من الشھداء ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا۔"[۴۲]

(اے لوگو، جو ایمان لائے! جب تم ایک مقرّرہ مدّت کے لیے قرض کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ تمہارے درمیان ایک کاتب اسے دیانت داری سے لکھے۔ کاتب کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے پس وُہ لکھے۔ اور جس نے قرض لیا ہے وُہ اسے لکھائے اسے اپنے رب اللہ سے ڈرنا چاہئے اسے اس میں کوئی کمی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر وُہ جس نے قرض لیا ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا (اگر) وہ خود لکھانے کے قابل نہیں تو اس کے ولی کو دیانتداری سے لکھوانا چاہیے۔"

اسی طرح یتیم کے ولی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جائداد یتیم کے حوالے کرتے وقت گواہی ضبط کرا لے:

"فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم ط"[۴۳]

(پھر جب تم ان کے اموال ان کے حوالے کرو تو گواہوں کو ان کے سامنے بلاؤ)

زوجین اگر میاں بیوی کی طرح نہ رہ سکتے ہوں اور طلاق کے ذریعہ علیحدہ ہونے کا فیصلہ کرلیں تو انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ دو عادل گواہ طلب کریں:

"واشھدوا ذوی عدل منکم واقیموا الشھادۃ للہ۔"[۴۴]

(اور شہادت کے لیے اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ اور اللہ کی خاطر سیدھی سچی گواہی دو)

گواہوں کے لئے ہدایات

کسی مقدمہ کے فیصلے کا انحصار شہادت پر ہوتا ہے۔ تحریری اور دستاویزی شہادت کے علاوہ گواہوں کی دیانت اور ایمانداری متنازعہ فریقین کا حق ثابت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ گواہوں کی کلیدی حیثیت کے پیشِ نظر قرآن نے ایک طریقہ مقرر کیا ہے جس کے مطابق گواہوں پر عدالت میں حاضری اور شہادت دینا فرض ہے:

"ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا ط"[۴۵]

(اور گواہ جب بلائے جائیں تو ہرگز انکار نہ کریں)

قرآن کا قانونِ شہادت اس معنی میں بے مثل ہے کہ وہ کسی کا جھوٹا اور بے ایمان ثابت ہو چکنے والے گواہ کو اس کے بعد ہمیشہ کے لیے عدالت میں پیش ہونے سے روک دیتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر مدعی اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکتا تو وہ سزا کا مستوجب ہے اور ہمیشہ کے لیے گواہی دینے سے روک دیا جاتا ہے:

"والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعة شھدآء فاجلدوھم ثمٰنین جلدة ولا تقبلوا لھم شھادةً ابداً ج اولٰئک ھم الفٰسقون۔" [۴۶]

(اور وہ جو عیب لگائیں پاک دامنوں پر، پھر چار گواہ نہ لائیں ان کو اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور یہ حد سے گزرنے والے ہیں)

تاہم اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ سچّے اور ایمان دار گواہوں کی جان اور عزّت کی حفاظت و نگہداشت کرے تاکہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق عدالت میں بیان دیں:

"ولا یضار کاتب ولا شھید۔" [۴۷]

(اور کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچے)

گواہ کے جسم و جان کی حفاظت دستور کی تاریخ میں عظیم انقلاب ہے۔ گواہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ایک طرف مدعی اور مدعا علیہ کے دعووں اور حقوق کے صحیح تعین میں مدد دیتا ہے اور دوسری طرف حکومت اور مدعی کے درمیان حق و دیانت کا رابطہ ہے۔ گواہ ملک و معاشرے کی عام دیانت و اخلاقی حالت کو جانچنے کا پیمانہ بھی ہے۔ گواہ کی اس کلیدی اور محوری حیثیت کے پیشِ نظر اسلامی نظامِ عدالت کے قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین میں اس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے دوسرے نظاموں میں مدعا علیہ یا بسا اوقات حکومتیں جب گواہ ان کے خلاف مقدموں میں پیش ہوں گواہوں کو غیر قانونی طور پر روکنے کے غلط اور ناجائز ہتھکنڈے استعمال کرتی ہیں۔ قرآن کے قانونِ شہادت کی یہ دفعہ پوری انسانیت کے لیے راہِ ہدایت ہے۔

گواہوں کو دستوری پناہ دیتے ہوئے قرآن نے قرار دیا ہے کہ گواہ کو سچ کہنا اور حقائق کی تفصیل بلا خوف و طرفداری بیان کرنا چاہیے۔ اگر وہ اپنا فرض ایمانداری سے پورا نہ کرے اور حقائق کو چھپائے تو وہ گنہگار ہے:

"ولا تکتموا الشھادة ط ومن یکتمھا فانه اٰثم قلبه ط" [۴۸]

(اور گواہی مت چھپاؤ اور جو کوئی اس کو چھپائے گا اس کا دل یقیناً گناہگار ہے)

عدلیہ کی دستوری دفعات کی تنفیذ

قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عدلیہ کے سربراہ کی حیثیت سے اعلیٰ ترین اختیارات تفویض کیے۔ ریاست کے

شہری اپنے تنازعوں کے تصفیہ کے لیے آپؐ کی عدالت میں پیش ہونے کے پابند تھے:

"فان تنازعتم فی شیٔ فردّوہ الی اللہ والرسول۔"[۴۹]

(پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسولؐ کے)

یہ پابندی ان کے عقیدہ کے اقرار میں شامل تھی:

"ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر۔"[۵۰]

(اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو)

اگر وہ دستوری اور عدالتی تقاضے پُورے نہیں کرتے تو وہ مومن باقی نہیں رہتے:

"فلا وربّك لا یؤمنون حتّی یحکّموك فیما شجر بینهم ثمّ لا یجدوا فی انفسهم حرجًا ممّا قضیت ویسلّموا تسلیما۔"[۵۱]

(پس قسم ہے تمہارے رب کی، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک وہ تمہیں اپنے درمیان تنازعہ میں جج نہ بنائیں اور پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اس کی بابت جو تم فیصلہ کرو اور اسے مکمل اطاعت سے تسلیم کریں)

دستوری اور عدالتی اختیارات کی تفویض کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اساسی اور بنیادی اصولوں پر عمل کیا اور انھیں نافذ کیا۔ آپؐ نے ان کی تفصیلات طے کیں اور عاجلانہ اور غیر جانبدارانہ عدالتی نظام کے بنیادی قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین وضع کیے آپؐ نے ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کی تحقیق کے لئے جج کے فرائض متعین کیے۔ مقدمات کی درپیشی میں شہادت پیش کرنے اور اس کے قابلِ قبول ہونے کے قواعد مقرر کئے اور مجرموں پر مقدمہ چلانے کا عدالتی طریقِ کار بنایا۔[۵۲] اس نظام کے نفاذ سے عربوں کی قبائلی تنظیم ریگستانی علاقوں میں شیوخ کی اور چھوٹے چھوٹے شہزادوں اور سرداروں کی زرخیز علاقوں میں علاقائی اور غیر مرکزی حکمرانی نے متحدہ قانونی، اخلاقی اور مذہبی ضابطہ کے تحت ایک مضبوط اور مستحکم مرکزی حکومت کو جگہ دے دی۔[۵۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا عدالتی طریق کار

شہادت کی بالادستی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قایم کردہ عدالتی نظام میں سب سے زیادہ اہمیت عدالت میں پیش کی جانے والی شہادت کو حاصل تھی۔ فریقین تنازعہ کو اپنا مقدمہ اور اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی پُوری آزادی دی گئی تھی۔ تفصیلی تحقیق اور تفتیش کے ذریعے جُرم سرزد ہونے کے اصل حالات عدالت کے علم میں لائے جاتے۔ مقدمہ کے فیصلہ کا قطعی انحصار ظاہری

شہادت پر کیا جاتا۔ یہ طریق کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ مندرجہ ذیل عدالتی اصول پر مبنی تھا آپؐ نے ایک مقدمہ کے فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے عدالت میں فرمایا:

"انما انا بشر و انکم تختصمون الیّ ولعلّ بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی علی نحو ما اسمع فمن قضیت لہ بحق اخیہ شیئاً فلا یاخذہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار۔" [۵۴]

(میں ایک بشر ہوں، تم اپنے تنازعے میرے پاس لاتے ہو، ہوسکتا ہے تم میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی حجت زیادہ خوش آوازی سے پیش کرے اور میں جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ دے دوں۔ لہٰذا جس شخص کے حق میں میں اس کے بھائی (مخالف) کے حق کا فیصلہ دوں اسے اپنے بھائی کا حق نہیں لینا چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں درحقیقت میں اسے جہنم کا ٹکڑا دیتا ہوں)

مندرجہ بالا اصول کے یہ الفاظ: "فاقضی علی نحو ما اسمع" (پس میں جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ دے دوں) اور "فاحسب انہ صادق" (اور میں سمجھوں کہ وہ سچا ہے) [۵۵] اس اصول کی بنیادیں ہیں یہ طے کرتے ہیں کہ مقدمات ظاہری شہادت پر فیصل ہوتے تھے۔ ابن العربی مندرجہ بالا اصول کی تشریح میں یہ قاعدہ وضع کرتے ہیں کہ فیصلہ ظاہری شہادت پر ہوگا اس کے پوشیدہ معنی پر نہیں ہوگا:

"ان القضاء انما یکون بظاھر القول لا بباطن الحال فان کان الحکم فی الظاھر بما لا یحل لہ فی الباطن۔" [۵۶]

مندرجہ بالا مقدمے کا آخری حصہ جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اخلاقی نقطۂ نظر سے اہم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر کہ ظاہری شہادت پر مبنی حاکم کا فیصلہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں بنادیتا (فان قضاء الحاکم لا یحلّ حراماً و لا یحرمُ حلالاً) [۵۷] مقدمہ کے دونوں فریق رو پڑے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: "میرا حق تمہارے لیے ہے۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نصیحت کی کہ اگر ان میں سمجھوتہ ہوگیا ہے تو وہ قرعہ سے برابر برابر بانٹ لیں۔[۵۸]

قانون دانوں کو یہ عجیب لگے گا کہ عدلیہ کا سربراہ عدالت میں معلم اخلاقیات کا فرض ادا کرے۔ اس کی وضاحت ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین فریضہ نبوت تھا۔ آپؐ کا بنیادی فرض لوگوں کو تعلیم دینا اور انھیں اخلاقی طور پر باشعور بنانا تھا۔ ان فرائض کی انجام دہی کے دوران اگر لوگوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان جج کا فرض ادا کرتے زندگی کے قانونی اور اخلاقی پہلوؤں کا یہ امتزاج اور ترکیب اسلامی نظام عدل کی نمایاں خصوصیت ہے جو اسے دیگر عدالتی نظاموں سے ممیز کرتی ہے۔ یہاں یہ بتادینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اخلاق سے عاری قانون لوگوں کو مزید مقدمہ بازی پر اکساتا ہے اور محض قانونی کارروائی پر مبنی فیصلہ اور احکام ہمیشہ

اس شخص کی تسلی کا باعث نہیں ہوتے جس کا حق شہادت کی عدم فراہمی کی بنا پر مارا جائے۔ یہاں زیرِ حوالہ مقدمہ میں قانونی طور پر فیصلہ اس شخص کے حق میں ہو سکتا تھا جو زیادہ خوش الحان اور فصیح تھا اور جو اطمینان بخش دلائل دے سکتا تھا۔ اخلاقی طور پر اس کا مخالف زیادہ مضبوط موقف کا حامل ہو سکتا تھا، تاہم عدلیہ کے قواعد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب کیے بہت واضح ہیں:

عدالتی حکم اور فیصلے ظاہری شہادت کی بنیاد پر کئے جائیں گے تاہم فریقین کو نصیحت کی جانی چاہیے کہ مذہبی نقطۂ نظر سے عدالتی فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں بنا سکتا جس کے لیے مجرم یومِ حساب کو جوابدہ ہوگا۔

بطور گواہ مسلمانوں میں مساوات

تمام مسلمان بلا لحاظ مذہبی، سماجی اور سیاسی مرتبہ کے بطور گواہ برابر ہیں۔ اس جج کی گواہی کو جو واقعہ کا ذاتی شاہد ہو مقدمہ کے فیصلہ کے لیے کافی ثبوت نہیں سمجھا جائے گا، وہ دوسرے مسلمان کی طرح ایک گواہ تصور کیا جائے گا:

"قال عمر لعبد الرحمٰن بن عوف لو رایت رجلا علی حدّ زنی او سرقت وانت امیر فقال شهادتك شهادة رجل من المسلمین قال صدقت" ۵۹

(حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف سے دریافت کیا کہ اگر آپ ایک مرد کو حدِ زنا یا سرقہ کا ارتکاب کرتے دیکھیں اور آپ امیر ہوں، انہوں نے جواب دیا کہ آپ کی شہادت مسلمانوں میں سے ایک مرد کی شہادت تصور ہوگی۔ آپ نے جواب دیا: تم نے سچ کہا)

اس موضوع پر بہترین مثال وُہ مقدمہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بدو کے خلاف خود ایک فریق تھے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں آپ سے گواہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا تھا، جس میں حضرت خزیمہؓ بن ثابت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گواہی دی تھی اس کی تفصیل یہ ہے:

"ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ابتاع فرسا من اعرابی فاستتبعه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لیقضیه ثمن فرسه فاسرع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم المشیٔ وابطا الاعرابی، فطفق رجال یعترضون الاعرابی فیساومونه الفرس، ولا یشعرون ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ابتاعه فنادی الاعرابی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: ان کنت مبتاعا هذا الفرس والا بعته فقام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، حین سمع نداء الاعرابی فقال اولیس قد ابتعته منك فقال الاعرابی لا واللّٰه ما بعتك فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بلی قد ابتعته منك فطفق الاعرابی یقول هلم شهیدا فقال خزیمة بن ثابت انا اشهد انك قد بایعته فاقبل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی خزیمة فقال

بِمَ تشهد؟ فقال بتصديقك يا رسول الله فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادة خزيمة بشهادة رجلين۔ ۶۰

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدّو سے ایک گھوڑا خریدا اور اسے اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز قدم چل رہے تھے جبکہ بدّو اپنی سُست رفتاری کے باعث پیچھے رہ گیا تھا۔ بدّو کو لوگ ملنا شروع ہُوئے اور انہوں نے اس کے گھوڑے کی زیادہ قیمت لگائی۔ انھیں یہ علم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرید چکے ہیں۔ بدّو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا اور پُوچھا: آپ یہ گھوڑا خریدیں گے یا میں اسے (کسی دوسرے کے ہاتھ) بیچ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رُک گئے اور پُوچھا: کیا میں اسے تم سے خرید نہیں چکا؟ بدّو نے جواب دیا: نہیں، خدا کی قسم! میں نے یہ تمہارے ہاتھ نہیں بیچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے کہا: کیوں نہیں، میں یہ تم سے خرید چکا ہُوں۔ اس پر بدّو نے کہنا شروع کیا: کوئی گواہ لاؤ۔ خزیمہ بن ثابت بولے: "میں شہادت دیتا ہُوں کہ آپؐ اسے اس سے خرید چکے ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خزیمہ کی طرف آگے بڑھے اور دریافت فرمایا: "تم کس بنا پر شہادت دیتے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ آپ کی تصدیق پر، اے پیغمبرِ خدا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر تسلیم کیا)

اس مقدمے سے اسلامی نظامِ عدالت کے متعدد قواعد و کلیات اور اصول و ضوابط روشن ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا اصول یہ سامنے آیا کہ اس نظام میں سربراہِ حکومت و عدلیہ کو آئین اور قانون میں عام شہریوں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں۔

دوم: اسلامی ریاست کا عام شہری سربراہِ حکومت کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر سکتا ہے۔

سوم: سربراہِ حکومت کو اپنے خلاف مقدمہ کے دفاع میں وہی طریق کار اپنانا پڑے گا جو ایک عام شہری ایک دُوسرے عام شہری کے خلاف اپناتا ہے۔

چہارم: عدلیہ کا سربراہ اپنے ذاتی علم کو بطور ثبوت دعویٰ تسلیم نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اعرابی جھُوٹا ہے مگر آپؐ نے ذاتی علم پر انحصار کی بجائے حضرت خزیمہ کی گواہی پر فیصلہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو پہلا تحریری آئین دیا اور آپؐ نے اس کی پابندی فرمائی ایک عام شہری کی طرح عدالت میں پیش ہوئے۔ یہ شاید تاریخ میں نادر مثال ہے کہ ایک حاکمِ وقت نے اپنے آپ کو آئین کا پابند بنایا ہو۔ اس سے پہلے بھی اس کی نظیر نہیں ملتی بلکہ اس وقت بھی دنیا میں جتنے دساتیر موجود ہیں ان کے اندر بھی حکمرانوں کو آئینی، قانونی اور عدالتی تحفظ موجود ہے پاکستان میں اس وقت ۱۹۷۳ء کا جو آئین نافذ العمل ہے اس کی دفعہ نمبر ۲۴۸ میں صدر، وزیر اعظم، صوبائی گورنر، وفاقی و صوبائی وزراء کو تحفظ دیا گیا ہے کہ اگر یہ حاکم لوگ کسی قسم کی قانونی خلاف ورزی کا ارتکاب کریں تو وہ عدالت میں پیش ہونے سے

مستثنیٰ ہیں۔ ایسی کوئی شق ہمیں عہدِ رسالت کے نظامِ عدالت میں نہیں ملے گی۔ اس مقدمہ سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عام شہری کی طرح عدالت میں پیش ہوتے ہیں اور ایک اعرابی کو جو شکایت تھی وہ آپؐ کے سامنے پیش کی گئی اور آپؐ اس کے سامنے جواب دہ تھے۔ آیندہ ابواب میں ہم دیکھیں گے کہ خلفاء راشدین بھی خود کو عدالت میں ایک عام شہری کی طرح پیش کرتے۔ اس عہد کے بڑے بڑے گورنر جن میں حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو موسیٰ الاشعری، حضرت عیاض بن غنم، حضرت مغیرہ بن شعبہ شامل تھے۔ یہ سب کے سب بڑے پائے کے صحابۂ رسولؐ تھے ان میں "عشرہ مبشرہ" میں سے بھی تھے۔ ان کے خلاف عام شہری شکایت کرتے تھے تو وُہ بھی عدالت میں عام شہری کی طرح آکر جواب دہ ہوتے تھے۔ اسلامی نظامِ عدالت کا یہ طرّۂ امتیاز ہے کہ مسلمان فوجوں کے کمانڈر انچیف بھی اگر کسی زیادتی کے مرتکب ہوتے تو وہ بھی عدالت کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے۔ کوئی شخص بھی قانون سے بالا نہیں تھا بلکہ وُہ ایک مساویانہ عادلانہ نظام تھا سیاسی، معاشرتی، معاشی کسی بھی اعتبار سے شہریوں میں امتیاز کا قطعاً کوئی تصور نہیں تھا۔

قرآن کی ہدایت ہے کہ لین دین کی دستاویزات کے کاتب اور مقدمات کے گواہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔[61] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ بہترین گواہ وُہ ہیں جو شہادت کے لیے بلائے جانے سے پہلے ہی شہادت دیں۔ کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کے متعلق بتاؤں۔ وہ وہ ہے جو بلائے جانے سے پہلے آکر شہادت دے۔[62]

نا اہل گواہ

گواہوں کی دیانت اور ایمان داری اسلامی نظامِ عدل میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایسی کوئی دفعہ شاید کسی جدید عدالتی نظام میں موجود نہیں۔ قرآن نے جُھوٹی شہادت کے لیے ایک موٹا اصول مقرر کر دیا ہے:

فاجتنبوا الرجس من الاوثان و اجتنبوا قول الزور[63]

(پس بتوں کی گندگی سے بچو اور غلط بیانی (قول الزور) سے بچو)

اس قرآنی دفعہ کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھُوٹے شخص کو گواہی کے لیے نا اہل قرار دیا ہے۔ خریم بن فاتک الاسدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فجر کی نماز کے بعد مجلس منعقد کی اور قانونِ شہادت کی مندرجہ ذیل دفعہ کا اعلان فرمایا:

"جھُوٹی شہادت خدا کے ساتھ شریک بنانے کے مترادف قرار دے دی گئی ہے۔"

آپؐ نے یہ اعلان تین مرتبہ دُہرایا اور اس آیت کی تلاوت کی:

"پس بُتوں کی گندگی سے بچو اور غلط بیانی سے بچو۔"[64]

بے ایمانی، قانونِ شریعت کے تحت سزا اور ذاتی دشمنی اگر ثابت ہو جائے تو ایسے شخص کو گواہی کے نا اہل قرار دے دیا گیا ہے۔ متعلقہ ضابطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یُوں روایت کیا گیا ہے:

"بے ایمان مرد اور بے ایمان عورت کی شہادت قبول نہیں اور نہ اس کی جسے قانونِ شریعت کے تحت سزا دی جا چکی ہو اور نہ اس کی جو اپنے بھائی کے خلاف دشمنی رکھتا ہو۔"[۶۵]

سُنن ابو داؤد کی روایت کے مطابق کسی زانی مرد یا عورت کی گواہی بھی قابلِ قبول نہیں۔[۶۶]

قرائنی شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ نظامِ عدل بعض جرائم کا ارتکاب ثابت کرنے کے لیے قرائنی شہادت قبول کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے کردار کی برأت کے لیے قرآن نے بادشاہ کے خاندان کے ایک رُکن کی قرائنی شہادت پیش کرنے کی تجویز کا یُوں حوالہ دیا ہے:

"وشهد شاهد من اهلها ۚ ان كان قميصه قدّ من قبل فصدقت وهو من الكٰذبين ۝ وان كان قميصه قدّ من دبر فكذبت وهو من الصّٰدقين ۝ فلما رءا قميصه قدّ من دبر قال انه من كيدكنّ ۖ ان كيدكنّ عظيم۔"[۶۷]

(اور اس کے اپنے خاندان کے ایک گواہ نے گواہی دی: اگر اس کی قمیص سامنے سے پھٹی ہے تو یہ عورت سچ کہتی ہے اور یہ شخص جھُوٹا ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یہ عورت جھُوٹ بولتی ہے اور یہ سچّا ہے۔ پس جب اس نے اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی دیکھی تو وہ بولا: یقیناً یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔ تمہارا فریب بیشک بہت بڑا ہے)

ایسے مقدمات بھی بیان کئے گئے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرائنی شہادت قبول فرمائی۔ بچّے کی ولدیت کا مشہور مقدمہ ایسی ہی شہادت پر فیصل ہوا تھا۔

تاہم یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اسلامی نظامِ عدل نے بلا امتیاز قرائنی شہادت کو قبول نہیں کیا ہے۔ یہ صرف وہاں قبول کی جاتی ہے جہاں قرآن نے واضح طور پر گواہوں کی تعداد مقرر نہیں کی۔ لیکن سنگین جرائم جو زندگی، عزّت، جائداد، مذہب اور ریاست کے خلاف کیے گئے ہوں جو سخت سزا کے مستوجب ہوں مثلاً رجم، ہاتھ کاٹنا، کوڑے لگانا اور ریاست سے جلا وطنی جیسے جرائم کا فیصلہ اور سزا کا انحصار قرائنی شہادت پر کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ اسلامی نظامِ عدل کا فقید المثال امتیاز ہے جو اسے دیگر عدالتی نظاموں سے زیادہ ترقی یافتہ اور ممتاز بناتا ہے۔ بطور مثال ایک مقدمۂ قتل نیچے درج کیا جاتا ہے:

"عبد اللہ بن سہل اور محیصہ جہد و مشقت کے باعث خیبر گئے۔[۶۸] بعد میں محیصہ کو بتایا گیا کہ عبد اللہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور ایک ندی یا چشمہ میں پھینک دیا گیا ہے۔ وہ یہودیوں کے پاس گیا اور ان پر الزام لگایا: "بخدا تم نے اسے مار ڈالا ہے۔" انہوں نے کہا: "بخدا ہم نے اسے نہیں مارا۔" تب وُہ چل پڑا اور اپنے لوگوں کے

پاس پہنچا اور انھیں بتایا (جو کچھ اس نے خیبر کے یہودیوں سے سُنا تھا) وہ اُس کا بڑا بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل مقدمہ کی رپورٹ کرنے اور اس کی تشریح کرنے چل پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محیصہ کو ہدایت فرمائی کہ پہلے اس کا بڑا بھائی بولے۔ پس حویصہ نے اپنا بیان دیا۔ پھر محیصہ بولا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا: "یا وہ (یہود)[۶۹] تمہارے ساتھی کا خُون بہا ادا کریں یا وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں" (اما ان یدوا صاحبکم و اما ان یؤذنوا بحرب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم تحریری طور پر بھیج دیا۔ انھوں نے تحریری جواب دیا: "ہم نے اسے قتل نہیں کیا"۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ، محیصہ اور عبدالرحمٰن سے پُوچھا: "کیا تم حلفیہ بیان دیتے ہو اور اپنے ساتھی کے خُون کا حق ثابت کرتے ہو؟" (اتحلفون و تستحقون دم صاحبکم) انہوں نے انکار کردیا۔ تب آپؐ نے پُوچھا: "کیا تمہاری خاطر یہودی حلفیہ بیان دیں؟" (افتحلف لکم یہود) انہوں نے کہا: "وہ مسلمان نہیں" (لیس بمسلمین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں دیت میں سَو اونٹ دیئے (فوداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عندہ مائۃ ناقۃ)۔

ایک روایت میں "من ابل الصدقۃ" کے الفاظ آئے ہیں جس کا مطلب ہے "آپؐ نے حکومت کی طرف سے یہ دیت ادا کردی۔

مقدمہ کی مندرجہ بالا تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ مقدمہ کی سماعت کے لیے مفصّل طریق کار اختیار کیا گیا تھا۔ ابتدائی تفتیش چند مسلمانوں نے کی۔ انہوں نے یہودیوں سے دریافت کیا جن کے علاقہ میں قتل ہُوا تھا:

"وقالوا للذی وجد فیھم"۔

موقع واردات کا معائنہ اور دائرہ کار کا تعیّن واضح طور پر ثابت کرتا ہے۔ پھر ان پر قتل کا الزام لگایا: "قتلتم صاحبنا"۔ ملزمان پر فردِ جُرم عاید کرنے کا طریق کار وضع ہوا۔ تفتیشی رپورٹ پر مقدمہ مدینہ میں عدالت انصاف میں پیش کر دیا گیا۔ باضابطہ سماعت ہُوئی۔ بیانات سُنے گئے اور گواہوں پر جرح ہُوئی۔ ملزموں کو عدالت کا تحریری حکم بھیجا گیا۔ ملزمان پر تحریری فردِ جرم عائد کی گئی تاکہ انھیں اپنے خلاف الزام کی صفائی کا پورا پورا موقع دیا جائے اور عدل کے تقاضے پُورے ہوں انہیں جُرم کے سنگین عواقب سے بھی متنبہ کر دیا گیا (اما ان یؤذنوا بحرب) ان کا تحریری بیان (جواب دعویٰ) بھی حاصل کیا گیا۔ ملزمان سے تحریری جواب لینے کا یہ طریق کار اس دور کے حساب سے انتہائی ترقی یافتہ تھا اس کی عدالتی اولیت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دُنیا نے اب اس کی اہمیت کو پہچان کر عہدِ حاضر کے عدالتی نظاموں میں اپنایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عدالتی طریق کار تا ابد انسانیت کے لئے رہنما اور روشن مثال رہے گا۔ امام البخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تحریری حکم مقدمہ کی تفتیش کے لیے

خیبر میں تعینات اپنے ضلع مجسٹریٹ کی طرف بھیجا۔ البخاری کے نظریہ کا اظہار باب زیر بحث کے عنوان سے ہوتا ہے:

"کتاب الحاکم الیٰ عماله"

(حاکم کا مراسلہ اپنے گورنر، ججوں کے نام)

چشم دید گواہوں کی عدم موجودگی میں، مدعی اور تصدیق کرنے والے (تفتیشی عملہ) کو قسم اٹھانے کے لیے یا ملزم کی قسم قبول کرنے کے لیے کہا گیا جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔

مندرجہ بالا کارروائی کے پیش نظر چشم دید گواہوں کی عدم موجودگی میں عدالت کو کوئی واضح ثبوت نہیں ملا۔ اس لیے چیف جسٹس نے محض قرائنی شہادت پر ملزموں کو کوئی سزا نہ دینے کا فیصلہ کیا۔ دیت سرکاری خزانے سے ادا کر دی گئی تاکہ ایک مسلمان کا خون ضائع نہ جائے (فکرہ رسول اللہ ان یبطل دمه)[۴۴] ان فوجداری اور دیوانی مقدمات کی کارروائی سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کئے گئے اور آپؐ نے فیصل کیے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفتیش کرنے، مقدمہ چلانے اور عدالتی فیصلوں پر عملدرآمد کے لئے مناسب انتظامی عملہ موجود تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے عہدِ رسالت کا نظامِ عدالت سادہ، سستا اور جلد انصاف مہیا کرنے کے اصولوں پر قایم تھا۔ اس میں کورٹ فیس، وکالت اور دیگر عدالتی اخراجات کا کوئی تصور نہ تھا۔ اخراجاتِ مقدمہ انصاف کے حصول کی راہ میں رکاوٹ نہ تھے۔ ایک عام شہری اپنے حق کے حصول کے لیے بغیر کسی خرچ کے کسی وقت بھی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا۔ یہی اسلامی نظامِ عدالت کے نمایاں اوصاف ہیں۔

تفتیش اور قانونی کارروائی

کسی مقدمہ کا ابتدائی مرحلہ تفتیش ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدید طرز کے تھانے قایم نہیں کئے تھے۔ مقدمات اور تنازعے براہِ راست مدینہ میں چیف جسٹس کے سامنے پیش ہوتے یا آپؐ کے نائبین کے سامنے پیش کئے جاتے جو مختلف ضلعی صدر مقامات پر تعینات تھے۔ تاریخی مواد سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو مقرر کیا ہوا تھا جو حسبِ ضرورت پولیس افسروں کے فرائض انجام دیتے۔ صحیح البخاری میں حضرت انسؓ بن مالک کا ایک بیان ظاہر کرتا ہے کہ انصارِ مدینہ میں قیسؓ بن سعد کو پولیس کی جمعیت کے سربراہ کے فرائض تفویض کئے گئے تھے:

"ان قیس بن سعد کان یکون بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلة صاحب الشُرَط من الامیر۔"[۴۵]

(قیس بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرمانروا کے مامور کردہ پولیس افسر کے طور اپنے فرائض بجالاتے تھے)

اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے الکتانی نے واضح کیا ہے کہ لفظ "کون" کا تکرار اس عہدہ کے جاری رہنے کو ظاہر کرتا ہے (الاستمرار والدوام) یعنی پولیس کا مستقل محکمہ تھا اور حضرت قیسؓ مسلسل اپنے عہدے پر مامور رہے۔ وہ عارضی طور پر مقرر نہیں کیے گئے تھے"۔ "الشرطہ" کی جمع "الشرط" (پولیس) کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ ایک جمعیت موجود تھی جس کے سربراہ (صاحب الشرط) قیس تھے۔ حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں کہ "صاحب الشرط" کے معنی جمعیت کے سربراہ (کبیرھم)" کے ہیں۔ قیسؓ اپنی اس سربراہ جمعیت کی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ میں آمد پر آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور آپ کے احکامات نافذ کرتے جا رہے تھے (ماینفذ فی امورہ)^۔

اسلامی ماخذ کی یہ تفصیل ثابت کرتی ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک منظم اور منضبط انتظامیہ معرضِ وجود میں آچکی تھی جس کے فرائض میں امنِ عامہ کے قیام کے ساتھ ساتھ عدالتی احکام اور فیصلوں کی تنفیذ اور دیگر سرکاری امور کی انجام دہی تھی۔ اس دور میں یہ تصور تو نہیں تھا کہ بڑے بڑے دفاتر ہوں جن میں سرکاری عمال آج کی طرح بیٹھے ہوں مگر جہاں تک انتظامیہ کے اغراض، مقاصد اور انھیں بروئے کار لانے کا تعلق ہے وہ بدرجہ اتم موجود تھے۔ پولیس اور انتظامیہ کی جمعیت سے متعلق کچھ اور نام بھی بیان کیے گئے ہیں۔ انیس تصغیرِ انس بن الضحاک الاسلمی⁹ ایک زنا کے مقدمہ میں جو ان کے سپرد کیا گیا تھا افسر تفتیش مقرر ہوئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور زیدؓ بن خالد الجہنی نے یہ مقدمہ یوں بیان کیا ہے:

"ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرما دیجئے۔" اس کا مخالف اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: "اس نے سچ کہا ہے پس ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔" تب بدو نے بیان کیا: "میرا بیٹا اس کا ملازم تھا جس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ تمہارا بیٹا سنگساری کا مستوجب ہے پس میں نے سو بکریاں اور ایک غلام خوں بہا دیا۔ پھر میں نے عالموں سے پوچھا جنھوں نے مجھے بتایا کہ میرا بیٹا سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا مستوجب ہے۔" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں یقیناً تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا، جہاں تک تمہاری بکریوں اور غلام کا تعلق ہے وہ تمھیں واپس دی جاتی ہیں، تمہارا بیٹا سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا مستحق ہے، جہاں تک تمہارا تعلق ہے اے انیس! تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ (معاملہ کی تفتیش کرو) اگر وہ اقبالِ جرم کرے تو اسے سنگسار کر دو۔"⁸⁰

اس مقدمہ میں انیس کے سپرد مقدمہ کی تفتیش کی گئی تھی اور اسے اختیار دیا گیا تھا کہ اگر ملزمہ اقبالِ جرم کرے تو عدالت کے حکم کا نفاذ کرے۔

ابو بردہ بن نیر کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفتیش اور تحقیقات کے لیے مامور کیا تھا۔ الترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ وہ مندرجہ ذیل مقدمہ میں جو البراءؓ بن عازب نے روایت کیا ہے افسر تفتیش تھے:

"میرے چچا ابو بردہ بن نیر میرے پاس سے گزرے وہ ایک جھنڈا لئے ہوئے تھے جس کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کیا تھا۔ میں نے ان سے دریافت کیا : آپ کا کہاں جانے کا قصد ہے ؛ انھوں نے جواب دیا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک شخص کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے اس کے مرنے کے بعد شادی کر لی ہے اس لیے آپؐ نے مجھے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا ہے۔" [۸۱]

یہ مقدمہ ظاہر کرتا ہے کہ جونہی کسی جرم کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی جاتی آپؐ فوراً اس کی تفتیش کسی ذمہ دار شخص کے سپرد فرماتے ۔

معاویہؓ کے والد قرہ کے سپرد ایک مقدمہ کی تفتیش کی گئی تھی جس میں ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔[۸۲]

مندرجہ ذیل مقدمۂ ظلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجرم کی گرفتاری کے لیے ایک جماعت بھیجی گئی تھی ابن شرحبیل نے بیان کیا ہے :

"میں اپنے چچاؤں کے ساتھ مدینہ آیا۔ میں ایک باغ میں داخل ہوا اور وہاں سے اناج کی چند بالیاں لیں اور انھیں مسل ڈالا۔ اس موقعہ پر باغ کا مالک آن پہنچا جس نے میرے کپڑے اتار دئے اور مجھے مارا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے انصاف کی فریاد کی۔ آپؐ نے (ایک جماعت) ملزم کے پاس بھیجی جو اس کو اپنے ہمراہ لے آئی۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا: کس چیز نے تمھیں اسے مارنے پر مجبور کیا ؟ اس نے کہا : اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ میرے باغ میں داخل ہوا وہاں سے اناج کی کچھ بالیاں لیں اور انھیں مسل ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تنبیہ کی : اگر وہ لاعلم تھا تو تم نے اسے نہیں سکھایا اور اگر وہ بھوکا تھا تم نے اس کے لیے خوراک مہیا نہیں کی اس کے کپڑے واپس کرو۔ آپؐ نے میرے لیے ایک یا آدھا وسق[۸۳] (اناج کا پیمانہ) دینے کا حکم دیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ثابت کرتا ہے کہ کسی شہری کو کسی جرم کا ملزم قرار دینے سے پہلے اسے قانون کا علم سکھانا ضروری ہے۔ اسی طرح اس فیصلے سے اسلامی قانون کا دوسرا انتہائی بنیادی اور اہم اصول یہ سامنے آتا ہے کہ بھوکے کو چوری کی سزا دینے سے پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ملزم کی خوراک کا خاطر خواہ طور پر انتظام موجود تھا۔ جب تک شہریوں کو بنیادی ضروریات زندگی ——— خوراک، لباس، مکان، علاج وغیرہ ——— حاصل نہ ہوں ان ضروریات کے حصول کے لیے وہ جو طریقہ بھی استعمال کریں اس پر ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ بالفاظِ دیگر بنیادی ضروریات زندگی کا حصول ہر شہری کا بنیادی حق ہے اگر اسے ان میں سے کسی سے محروم رکھا جائے اور وہ محروم شہری جس طریقے سے بھی انھیں حاصل کرے وہ طریقہ قابلِ دست اندازی پولیس نہیں گردانا جا سکتا۔ نہ اسے چوری تصور کیا جائے گا اور نہ سزا کا مستوجب

قرار دیا جائے گا جبکہ یہ فیصلہ ثابت کرتا ہے کہ ایسے محروم اور بھوکے شخص کو سزا کی بجائے حکومت کی طرف سے اناج اور خوراک دی جائے گی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملزم مذکور کے حق میں فیصلہ دیا اور حکم میں لکھا کہ اسے ایک یا آدھا وسق اناج دیا جائے۔

عدالتی کارروائی

تفتیشی رپورٹوں اور ابتدائی تحقیقات کی بنا پر مقدمات مناسب تصفیہ کے لیے باضابطہ عدالت میں پیش کرئے جاتے۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عدالت میں جج کے رویہ (ادب القاضی) سے متعلق تفصیلی قواعد وضوابط اور اصول و قوانین دئے ہوئے ہیں جن کا بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تھے۔ فیصلہ کرتے وقت جج کو غصہ کی حالت میں نہیں ہونا چاہیئے۔[۸۳] اسے سختی سے کتاب اللہ پر عمل کرنا چاہیے اور ہمیشہ اس کے مندرجات کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور فیصلے کی پیروی ججوں پر لازم ہے۔ اگر یہ ماخذ کوئی رہنمائی نہ کریں تو ججوں کو اپنی رائے پر عمل کی اجازت ہے۔[۸۵] فریقین کو برابری سے بٹھانا چاہیئے[۸۶] اور بلاکسی امتیاز کے انھیں موقع دیا جانا چاہیے۔ دونوں فریق کو لازماً سنا جائے اور جب تک دُوسرے فریق کو اسی طرح نہ سُن لیا جائے جس طرح پہلے کو، مقدمہ کے فیصلے کا اعلان نہ کیا جائے۔[۸۷]

فریقین مقدمہ کی ذمہ داریاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دعوی میں حق ثابت کرنے کے لیے قواعد وضوابط وضع فرمائے اور مدعی و مدعاعلیہ کی ذمہ داری کے لیے بھی اصول مرتب کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضع کردہ ایک بنیادی اصول مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

"اگر مدعیوں کے دعووں کو (بغیر ثبوت) قبول کر لیا جائے تو وہ لوگوں کا خون اور ان کی جائدادیں طلب کرنا شروع کردیں گے مگر قسم کا بار مدعاعلیہ پر ہے۔"[۸۸]

مندرجہ بالا عام قاعدہ کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص ضابطہ مقرر فرمایا:

"ثبوت کا بار (البینہ) مدعی پر ہے اور مُدعاعلیہ کے لیے قسم ہے"[۸۹]۔ اس ضابطہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل فیصلہ میں عمل کیا: ایک شخص حضرموت سے اور دُوسرا کندہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرمی نے بیان کیا: "اُس شخص نے میری زمین میں مداخلت کی ہے۔" کندی نے کہا: "وہ میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس پر کوئی حق نہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے دریافت کیا: "تمہارے پاس کوئی ثبوت (بینہ) ہے؟" اس نے کہا: "نہیں"! آپؐ نے فرمایا: "پھر تم اس کی قسم قبول کرو۔" اس نے کہا: "اے رسولِ خدا!

یہ شخص آزاد خیال ہے، یہ اپنی قسم کی پروا نہیں کرتا اور کسی بات سے احتراز نہیں کرتا۔" آپؐ نے فرمایا: "اس کی طرف سے تمہارے لیے سوائے اس کے کچھ نہیں۔" دوسرا آدمی قسم کھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب وہ چلا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی سے کہا: "اگر وہ ناجائز طور پر تمہاری جائداد پر پھلنے پھولنے کے لئے جھوٹی قسم کھاتا ہے تو وہ اللہ سے یوں ملے گا کہ وہ اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہوگا۔"[90]

اقبالِ جرم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی نظام میں ملزم کا اقبال جرم مقدمہ کے فیصلہ کے لیے کافی ثبوت سمجھا گیا تھا۔ نمونہ کے طور پر کچھ اہم مقدمات جن کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقبالِ جرم کی بنیاد پر فرمایا درج ذیل ہیں۔ ماعزؓ بن مالک الاسلمی نے زنا کا ارتکاب کیا۔ اس نے عدالت میں اپنے جرم کا اقبال کیا اور اسے سزا دی گئی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ مقدمہ اس طرح روایت کیا ہے:

"ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ مسجد میں تھے۔ اس نے آپ کو مخاطب کیا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ وہ اس طرف گیا جدھر آپ کا رخ تھا اور کہا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔" آپؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ رسولؐ کے منہ کی طرف چلا گیا اور اقبالِ جرم کیا۔ اس طرح اس نے چار مرتبہ اپنے جرم کا اقبال کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (جرح کے لیے) بلایا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: "کیا تم جنون میں مبتلا ہو؟" "نہیں!" اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا: "کیا تم شادی شدہ ہو؟" اس نے کہا: "ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!" اس پر آپ نے لوگوں کو حکم دیا: "اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔"[91]

حضرت ابن عباسؓ نے جرح کے دوران کچھ اور سوال و جواب بھی روایت کیے ہیں:

آپؐ نے اس سے پوچھا: "شاید تم نے صرف اس کا بوسہ لیا تھا یا اسے چھوا تھا یا اس کی طرف دیکھا تھا؟" "نہیں" اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپؐ نے نتیجہ نکالا "کوئی شبہ چھوڑے بغیر تم نے اسے (جنسی) فعل کے لیے لٹا لیا تھا۔" اس پر آپؐ نے اس کی سنگساری کا فیصلہ صادر فرمایا۔[92]

یہاں مجرم کا اقبالِ جرم اتنا غیر مشتبہ تھا کہ اس کے لیے جرم ثابت کرنے کو کسی تائیدی شہادت یا گواہ کی ضرورت نہ تھی۔ پس عدالت نے سزا دینے کا فیصلہ سنا دیا۔

اقبالِ جرم کے لیے مرد اور عورت میں کوئی تمیز نہیں کی گئی۔ عورتوں کا اقبالِ جرم بھی ارتکابِ جرم کے لیے کافی

ثبوت مانا گیا ہے اور ان کی بنا پر بغیر تائیدی شہادت طلب کئے فیصلے صادر ہوئے تھے :

جہینہ میں سے ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنے جرمِ زنا کا اقبال کیا اس نے اس کا بھی انکشاف کیا کہ وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو طلب کیا اور اسے ہدایت کی "اس کو اچھی طرح رکھو جب یہ بچہ جنے تو مجھے اس کی اطلاع دو" اس نے ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے اس کی سنگساری کا حکم دیا۔[93]

چوری کے مقدمہ میں بھی اقبالِ جرم کو کافی ثبوت تسلیم کیا گیا۔ ابن ماجہ نے چوری کا ایک مقدمہ درج کیا ہے جو ابو امیہ نے روایت کیا :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوبرو ایک چور لایا گیا۔ چوری کا مال اس کے پاس سے برآمد نہیں ہُوا تھا تاہم اس نے اقبالِ جُرم کیا اور چیف جسٹس کے حضور دو مرتبہ اقبال کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم صادر فرمایا جو کاٹ دیا گیا۔[94]

مصالحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے مقدمات بھی پیش ہُوئے جن میں ثبوت اور دلائل کا وزن دونوں طرف برابر تھا۔ ایسے مقدمات میں حقیقی قبضہ نے ان کے فیصلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت جابرؓ کا روایت کردہ مندرجہ ذیل مقدمہ بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے :

دو آدمی ایک اونٹنی سے متعلق تنازعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ ان میں سے ہر ایک نے بیان کیا : "یہ اونٹنی اس کی تھی اور شہادت پیش کی" اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں فیصلہ دیا جس کے قبضہ میں دراصل وہ تھی۔[95]

ایسے مقدمات میں جہاں کوئی شہادت کسی طرف سے بھی پیش نہیں کی گئی تھی۔ عدالت نے فریقین کو راضی کر لیا اور ان کے درمیان مصالحت کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے مندرجہ ذیل مقدمہ روایت کیا ہے :

دو شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعویٰ پیش کیا۔ ان کے درمیان ایک جانور پر جھگڑا تھا۔ دونوں میں سے کسی کے پاس بھی ثبوت نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ دونوں کے درمیان جانور برابر برابر تقسیم کر دیا جائے۔[96]

غالباً جانور کی قیمت کے آدھے آدھے حصے کے دونوں مستحق قرار پائے ہوں گے۔

دو شخص ایک کنُوئیں کی کھدائی پر اکٹھے کام کر رہے تھے ان میں سے ایک نے اپنی کدال اٹھائی، اس سے اپنے ساتھی کے سر پر ضرب لگائی اور اسے مار ڈالا۔ مقتول کے بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔

مدعی کے بیان اور پیش کردہ شہادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ایک غیر ارادی قتل تھا۔ اس لیے آپؐ نے مدعی کو ترغیب دی کہ مصالحت کرلے۔ اس پر اس نے مجرم کو معاف کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی بنا پر مقدمہ کا فیصلہ کردیا۔[۹۷]

عدالتی حکم کا نفاذ

ترقی یافتہ، موثر اور کامیاب ترین عدالتی نظام کے بنیادی اصول مقدمات کا جلد تصفیہ، صحیح فیصلہ اور عدالتی فیصلوں کا نفاذ ہے۔ اوپر درج کیے گئے مقدمات اور ان کے فیصلے اس بات کا وافر ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قایم کردہ عدالتی نظام کامیاب ترین اور ترقی یافتہ عدالتی نظام کی شرائط پوری کرتا تھا قانونی مقدمات کا جلد تصفیہ اور صحیح فیصلہ مثبت اثرات پیدا کرنے میں ناکام ہوجاتا ہے جب تک ان کا اطلاق کسی موثر مشینری کے ذریعہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ فرمائی کہ آپؐ کے عدالتی فیصلے اور احکامات مناسب طور پر نافذ ہوں۔ آپؐ نے ایک ایسی انتظامی مشینری قایم کی جو آپؐ کے فیصلوں پر فوری کارروائی سے عملدرآمد کرتی۔ حضرت قیسؓ بن سعد نافذ کرنے والی جمعیت کے سربراہ تھے۔ حضرت ابو بردہؓ بن نیر، انیسؓ اور قرۃؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف فیصلوں کے نفاذ کے لیے مقرر فرمایا۔ مندرجہ بالا مختلف عنوانات کے تحت نمونہ کے طور پر دیے گئے مقدمات ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلے باقاعدہ نافذ ہوئے۔ زانی سنگسار کئے گئے، چوروں کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے، دیوانی تنازعات کے فیصلے نافذ ہوئے۔ اس موضوع پر مزید بحث کے لیے ایک اور فیصلہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اسے حضرت سمرہؓ بن جندب نے روایت کیا ہے:

> انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں، جو وہاں اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا، حضرت سمرہؓ ایک کھجور کے درخت کے مالک تھے۔ سمرہؓ باغ میں اپنے کھجور کے درخت کے پاس جاتے رہتے تھے جس سے انصاری کو تکلیف پہنچتی تھی اور انہیں زحمت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ اسے اس کے ہاتھ بیچ دے، اس نے انکار کردیا۔ اس نے اس سے تبادلہ کرلینے کے لیے کہا۔ اس نے انکار کردیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اپنا مقدمہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے ہاتھ بیچ دینے کو کہا، اس نے انکار کردیا۔ آپؐ نے اس کا تبادلہ کرلینے کے لیے کہا اس نے انکار کردیا۔ آپؐ نے اسے تحفۃً دینے کے لیے کہا اور فرمایا کہ اس کے عوض فلاں چیز تمہارے لیے ہے۔ آپؐ نے اسے رغبت دلائی اس نے انکار کردیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ صادر فرمایا: "تم تکلیف پہنچانے والے ہو۔" پھر آپؐ نے انصاری سے خطاب فرمایا اور حکم دیا: "جاؤ اور اس کے کھجور کے درخت کو کاٹ ڈالو" (اذهب فاقلع نخله)[۹۹]

مندرجہ ذیل مقدمہ بھی اس موضوع پر مناسب حوالہ ہے:[99]

الزبیر بن عوّام کا انصار میں سے ایک شخص (حاطب بن ابی بلتعہ، جو غزوۂ بدر میں شریک تھے) سے پانی کے چشمے پر تنازعہ تھا جس سے دونوں اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے تھے۔ انصاری نے کہا: "پانی کو بہنے دو، روک دو۔" الزبیر نے اس کی التجا ٹھکرا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الزبیر سے کہا "اے زبیر! اپنے کھیت کو پانی دے لو پھر اسے اپنے ہمسایہ کے لیے چھوڑ دو۔" انصاری غضب ناک ہو گیا اور بولا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس لیے کہ وہ آپ کا چچیرا ہے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ اس پر آپؐ نے حکم دیا: "اپنے کھیت کو پانی دو اس کے بعد پانی روک دو، یہاں تک کہ یہ شخص بہتر راہ اختیار کرے۔"[100]

فیصلہ فوراً نافذ کر دیا گیا۔ عدالتی فیصلہ سے انحراف انصاری کے لیے سزا کا موجب بنا۔ ایسی صورت آیندہ پیش آنے سے روکنے کے لئے مندرجہ ذیل ربانی قانون نازل ہوا:

"تمہارے رب کی قسم! وہ ایمان نہیں لائے جب تک وہ آپس کے تنازعوں میں آپؐ کو جج نہ بنائیں پھر اپنے دلوں میں اس پر کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں جو آپؐ فیصلہ کریں اور اس کی مکمل اطاعت کریں۔"[101]

بے رُو رعایت عدلیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قایم کردہ عدلیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی غیر جانب داری تھی۔ وُہ بے رُو رعایت انصاف کے بنیادی اصولوں کی پابند تھی اور سختی سے قانون کی عملداری قائم رکھتی تھی۔ کسی شخص کا سماجی، سیاسی یا مذہبی مرتبہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہوتا، مدینہ کے نظامِ عدل پر کبھی اثر انداز نہیں ہوا۔ مندرجہ ذیل مقدمہ جو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا، نمونہ کے طور پر درج کیا جاتا ہے:

"قریش، مخزوم کی عورت کے متعلق متفکر تھے جس نے چوری کی تھی۔ انھوں نے مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا۔ انہوں نے کہا: "کون ہمت کر سکتا ہے سوائے اُسامہ بن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظورِ نظر ہیں۔" اسامہ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی: "کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں مداخلت کرتے ہو؟" پھر آپؐ کھڑے ہو گئے اور خطاب فرمایا: "اے لوگو! تم سے پہلی قومیں تباہ کر دی گئیں کیونکہ جب ان میں سے بڑے سماجی مرتبے والا کوئی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے۔ اور جب ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو وُہ اس پر حد نافذ کرتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرتی تو محمدؐ اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"[102]

حوالہ جات اور تشریحات

۱۔ قرآن ۱۶ :۹۰
۲۔ قرآن ۴ : ۱۰۵
۳۔ قرآن ۵ : ۴۸
۴۔ قرآن ۵ : ۵۰
۵۔ قرآن ۵ : ۴۴
۶۔ قرآن ۵ : ۴۵
۷۔ قرآن ۵ : ۴۷
۸۔ مالک بن انس، الموطا، (ایڈیشن کراچی) ص ۳۱۲۔
۹۔ قرآن ۴۲ : ۱۰
۱۰۔ محمد اسد The Principles of State and Government in islam. - یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس ۱۹۶۱ء - ص ۴۴۔
۱۱۔ قرآن ۴ : ۵۹
۱۲۔ قرآن ۳۳ : ۳۶
۱۳۔ قرآن ۴ : ۶۵
۱۴۔ قرآن ۱۰ : ۱۵
۱۵۔ قرآن ۱۸ : ۱۱۰
۱۶۔ قرآن ۳ : ۷۸
۱۷۔ قرآن ۵ : ۴۴
۱۸۔ قرآن ۵ : ۴۷
۱۹۔ قرآن ۵ : ۴۲
۲۰۔ قرآن ۵ : ۴۳

۲۱ - قرآن ۵ : ۸
۲۲ - ایضاً
۲۳ - قرآن ۶ : ۱۵۳
۲۴ - قرآن ۴ : ۱۳۵-۲۵
۲۵ - قرآن ۱۷ : ۱۵
۲۶ - قرآن ۱۴ : ۴
۲۷ - قرآن ۵ : ۱۹
۲۸ - قرآن ۱۲ : ۶۴
۲۹ - قرآن ۱۲ : ۴۴
۳۰ - قرآن ۲ : ۱۸۷
۳۱ - قرآن ۲ : ۲۱۹
۳۲ - قرآن ۲ : ۲۲۱
۳۳ - قرآن ۲ : ۲۴۲
۳۴ - قرآن ۳ : ۱۰۲
۳۵ - قرآن ۵ : ۸۹
۳۶ - قرآن ۲ : ۲۳۰
۳۷ - قرآن ۴ : ۱۵
۳۸ - قرآن ۲۴ : ۴
۳۹ - السرخسی، شمس الدین، کتاب المبسوط (ایڈیشن مصر، مطبعۃ السعدہ) جلد ہشتم ص ۱۱۴ -
۴۰ - قرآن ۲ : ۲۸۲
۴۱ - السرخسی، متذکرہ بالا، ص ۱۱۴-۱۱۵
۴۲ - قرآن ۲ : ۲۸۲
مالک بن انس، الموطأ، کتاب الاقضیہ، باب القضا، بالیمین مع الشاہد - الترمذی، الصحیح، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الیمین مع الشاہد - ابوداؤد، سنن، ماجاء فی الیمین مع الشاہد - تنویر الحوالک ج ۲، ص ۱۰۸ - امام شافعی، مسند شافعی برحاشیہ "الام" ج ۶ ص ۱۵۶ - امام مسلم، صحیح مسلم - امام احمد بن حنبل سنن اربعہ کے مولفین اور دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے - شرح مسلم، نووی، ج ۱۲، ص ۴ -

نیل الاوطار، ج ۸، ص ۲۵۵۔ عینی، شرح بخاری ج ۱۳ ص ۴۴۲۔ بعض نے اس کو خبر احاد کہا ہے۔

۴۳۔ قرآن ۴ : ۶
۴۴۔ قرآن ۶۵ : ۲
۴۵۔ قرآن ۲ : ۲۸۲
۴۶۔ قرآن ۲۴ : ۴
۴۷۔ قرآن ۲ : ۲۸۲
۴۸۔ قرآن ۲ : ۲۸۳
۴۹۔ قرآن ۴ : ۵۹
۵۰۔ ایضاً
۵۱۔ قرآن ۴ : ۶۵
۵۲۔ انور، احمد قادری، Justice in Historical Islam (لاہور ۱۹۶۸ء) ص ۱۰۔
۵۳۔ ایس اے کیو حسینی، Arab Administration (لاہور ۱۹۶۶ء) ص ۱۹۔
۵۴۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، الصحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب موعظۃ الامام للخصوم، مجلد الثانی۔
۵۵۔ الصحیح البخاری، ایڈیشن مصطفی البابی ۱۳۷۷ھ جلد نہم ص ۹۰ کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔
۵۶۔ ابن العربی المالکی، شرح صحیح الترمذی (ایڈیشن المطبعۃ المصریہ بی الازہر ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء)۔ کتاب الاحکام جلد ششم ص ۸۳۔ ابن حجر نے زیر حوالہ قاعدہ کی مفصل تشریح دی ہے: فتح الباری، کتاب الاحکام، باب من قضی لہ بحق اخیہ فلا یأخذ، جلد ۱۶ ص ۲۹۵۔
۵۷۔ البخاری، مقدمہ کا عنوان: من قضیٰ لہٗ بحق اخیہ فلا یاخذ فان قضاء الحاکم لا یحلّ حراماً ولا یحرم حلالاً۔
۵۸۔ حافظ المنذری، مختصر سنن ابی داؤد (مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء) جلد پنجم، ص ۲۱۰۔
۵۹۔ البخاری، کتاب الاحکام، باب الشہادۃ تکون عند الحاکم فی ولایتہ القضاء۔
۶۰۔ حافظ المنذری، مختصر سنن ابی داؤد، باب اذا علم الحاکم صدق الشاہد الواحد یجوز لہٗ ان یحکم بہ، جلد پنجم، ص ۲۲۳-۲۲۴۔ واخرجہ النسائی و ہذا الاعرابی: ہو سواء بن الحرث وقیل سواد بن قیس المحاربی ذکرہ غیر واحد فی الصحابہ۔

ابن القیم نے ان لوگوں کے نظریہ کو ردّ کیا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمے کا فیصلہ تنقیح سے متعلق اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کیا اور خزیمہ کی شہادت ایک طرح سے اس کی توثیق تھی۔ اس کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل خزیمہ کی شہادت پر مقدمے کا فیصلہ کیا

جو دو گواہوں کے برابر سمجھا گیا۔ خزیمہ نے شہادت دی کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑے کی خریداری کے متعلق سُن رکھا تھا۔ رسولؐ کی حق گوئی کی بنیاد اور خزیمہ کے آپ کی رسالت پر ایمان کے سبب اس کی شہادت دو گواہوں کے برابر تسلیم کی گئی (ابن القیم، التہذیب، مختصر سُنن ابی داؤد کے فٹ نوٹ پر، جلد پنجم، صفحات ۲۲۳ - ۲۲۴)

۶۱ - قرآن ۲ : ۲۸۲

۶۲ - مسلم، الصحیح، کتاب الاقضیہ، باب خیر الشہود۔

۶۳ - قرآن ۲۲ : ۳۰

۶۴ - ابنِ ماجہ، سنن (ایڈیشن، عیسی البابی، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) کتاب الاحکام باب شہادۃ الزور، جلد دوم ص ۷۹۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیہ، باب فی شہادۃ الزور۔

۶۵ - ابن ماجہ، سنن، کتاب الاحکام، باب من لاتجوز شہادتہ۔

۶۶ - ابو داؤد، سنن، ابو داؤد (متذکرہ بالا)

۶۷ - قرآن ۱۲ : ۲۶ - ۲۸ اس موضوع پر مزید بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے عبدالقادر عودہ کی کتاب : التشریع الجنائی الاسلامی، قاہرہ، مصر ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء - ۱۹۶۰ء۔

۶۸ - الکرمانی، شرح البخاری ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء، جلد ۲۴ ص ۲۳۱۔

۶۹ - ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم الی عمالہ، ایڈیشن، ۱۳۸۰ھ/۱۹۵۹ء جلد ۱۶، ص ۲۰۸: کتب رسول اللہ..... الیہم۔ یعنی اہلِ خیبر، الکرمانی، ایضاً۔

۷۰ - البخاری کے متن میں فعل کَتَبَ کا واحد (اس نے لکھا) استعمال ہوا ہے۔ ابن حجر نے اسے ترجیح دی ہے اور اس سے خط کا کاتب مراد لیا ہے۔ فعل کی جمع کتبوا (انہوں نے لکھا) بھی پڑھی گئی ہے۔ الکرمانی نے مزید نشان دہی کی ہے کہ صیغہ واحد سے مراد یہودیوں کا قبیلہ ہو سکتی ہے۔ (ایضاً متذکرہ بالا)

۷۱ - البخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب کتاب الحاکم۔

۷۲ - ایضاً کتاب الدیہ باب القسامہ۔

۷۳ - ایضاً

۷۴ - ایک انصاری کا اس آسامی کے لیے انتخاب معنی خیز ہے کیونکہ ایک مہاجر کے مقابلہ میں وہ یہ فرائض زیادہ موثر طریقے سے سرانجام دے سکتا تھا جو نو آمدہ تھا اور شہر اور اس کے آس پاس کی تفصیل سے ناواقف۔

۷۵ - ایضاً، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل۔

۷۶ - الکرمانی، کتاب الاحکام، متذکرہ بالا، ص ۲۰۳۔

۷۷ - ابن حجر، متذکرہ بالا، ص ۲۵۴ اس نے نشان دہی کی ہے کہ بنو امیہ کے تحت باقاعدہ پولیس کی جمعیت تیار کی گئی تھی اور حضرت انسؓ نے اپنے مخاطبین کو قیسؓ کا مقام ان الفاظ میں سمجھایا جو ان کی سمجھ میں آ سکتے تھے۔ (متذکرہ بالا، ص ۲۵۵)

۷۸ - الکرمانی، متذکرہ بالا، ص ۲۰۳۔

۷۹ - ایضاً، ص ۲۳۳۔

۸۰ - البخاری، الصحیح، کتاب الاحکام متذکرہ بالا، کتاب الحدود، باب الاعتراف الزنا۔

۸۱ - الترمذی، الصحیح، ابواب الاحکام، باب فی من تزوج امرأۃ ابیہ۔ ماجہ میں السنن، کتاب الحدود، باب من تزوج امرأۃ ابیہ۔

۸۲ - ابن ماجہ، سنن، متذکرہ بالا۔

۸۳ - النسائی، السنن (ایڈیشن ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء) کتاب آداب القضاۃ، باب الاستعداد، جلد ۸، ص ۲۱۰، ۲۱۱۔

۸۴ - البخاری، کتاب الاحکام، جلد ۹، ص ۸۲۔

۸۵ - الترمذی، الصحیح (ایڈیشن ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) جلد ۲، ص ۶۸۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الاقضیہ۔

۸۶ - ابوداؤد، السنن (مختصر) متذکرہ بالا، جلد ۵، ص ۲۱۱۔ الترمذی، الصحیح، الاحکام، ج ۶، ص ۷۲۔

۸۷ - ایضاً، ص ۲۰۸۔

۸۸ - المسلم، الصحیح، مشکول، مدون محمد علی صبح ۱۳۳۴ھ کتاب الاقضیہ ج ۵ ص ۱۲۸۔

۸۹ - الترمذی، الصحیح، الاحکام ص ۸۷۔ البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعا علیہ۔

۹۰ - ایضاً، صفحات ۸۶، ۸۷۔ ابوداؤد متذکرہ بالا، ص ۲۲۵۔ ابن العربی مدعی کے بیان پر کہ مدعا علیہ آزاد خیال ہے تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: بغیر ثبوت کے یہ اس کی طرح سے تنقیص تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بنیادی مسئلہ پر خاموش نہ رہ سکے۔ (شرح الترمذی، متذکرہ بالا، ج ۶، ص ۸۹)

۹۱ - البخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب سؤال الامام المقر، مندرجہ بالا، ج ۸، ص ۲۰۷۔

۹۲ - ایضاً

۹۳ - الترمذی، الصحیح، الحدود، باب ترلبس الرجم بالحبل، متذکرہ بالا، ص ۲۱۱۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی پیدائش کے بعد اسے اس وقت تک کے لیے لوٹا دیا جب تک بچے کا دودھ چھوٹے (حتّٰی تفطِمَ ولدھا)۔ وہ بچے کے ساتھ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دئے آئی۔ تب آپؐ نے

اس کی سنگساری کا حکم دیا۔ (ابن العربی، شرح الترمذی، الحدود، متذکرہ بالا، ج ۶ ص ۲۱۲، ۲۱۳)

۹۴ - ابنِ ماجہ، السنن، کتاب الحدود، باب تلقین السارق (ایڈیشن ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء) ج ۲ ص ۸۶۶۔

۹۵ - علی بن عمر الدارقطنی، السنن (ایڈیشن قاہرہ ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) کتاب الاقضیہ والاحکام، ج ۴ ص ۲۰۹۔

۹۶ - ابنِ ماجہ، السنن (ایڈیشن ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) متذکرہ بالا، ج ۲ ص ۷۸۰۔

۹۷ - النسائی، السنن (ایڈیشن ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء قاہرہ) کتاب القسامہ، باب القود، ج ۸، ص ۱۴۔

۹۸ - ابو داؤد، السنن، ابواب من القضا (مختصر ایڈیشن) ج ۵ ص ۲۳۹۔

۹۹ - ابن الکثیر، التفسیر (ایڈیشن سہیل اکیڈمی، لاہور) ج ۱ ص ۵۲۱۔

۱۰۰ - البخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب اذا اشار الامام بالصلح، فابی (ایڈیشن مصطفیٰ البابی، مصر) ج ۲ ص ۱۰۱، ۲۷، کتاب المساقہ باب شرح الاعلیٰ قبل الاسفل۔ ابو داؤد، السنن، ابواب من القضا (مختصر ایڈیشن) ج ۵ ص ۲۴۔

۱۰۱ - قرآن ۴ : ۶۵

۱۰۲ - البخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب الکراہیۃ الشفاعۃ، متذکرہ بالا۔ الترمذی، الصحیح، الحدود، متذکرہ بالا، ج ۶ ص ۲۰۳۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب الحدود متذکرہ بالا، ج ۲ ص ۸۵۱۔

باب پنجم

عہدِ رسالت میں صوبائی نظامِ عدالت

تمہید

مدینہ گنجان شہر نہیں تھا۔ اس کی بستیاں مختلف مرتفعات پر پھیلی ہوئی تھیں۔ ان بستیوں کے لوگ محدود اقتصادی وسائل کے سبب عموماً غریب تھے اور ہمہ وقت اپنی روزی کمانے میں لگے رہتے تھے۔ وہ روزانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ باری باری آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس صورتِ حال نے ایک ایسے مقامی عدالتی نظام کے ارتقاء کی ضرورت پیدا کی جس کے مطابق چھوٹے چھوٹے جھگڑے مقامی طور پر ہی طے ہو سکتے۔ دانشمند اور تجربہ کار افراد ان کے مقامی قاضی بنائے جانے کے لیے زیرِ غور آئے۔ پیچیدہ تنازعے یا ریاست کی پالیسی سے متعلق مقدمات سب سے بڑے قاضی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کئے جاتے۔

مندرجہ بالا طرز کا نظامِ عدل اس وقت تک ممکن تھا جب تک مدینہ کی ریاست شہر اور گرد و نواح کے قبائل پر مشتمل تھی۔ بعد میں شہر ایک قصبہ سے بڑھ کر ایک ریاست کا دارالحکومت قرار پایا اور سیاسی و تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ ریاست کی حدود بھی پھیل گئیں اور اس میں حجاز، نجد، یمن اور آخر کار پورا جزیرہ نمائے عرب شامل ہو گیا۔ قدرتی طور پر دیوانی اور فوجداری جھگڑے، تنازعے اور مقدمہ بازیاں روز بروز بڑھتی گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی وقت خود انھیں نپٹانے کے لیے دینا پڑتا۔

قضاۃ اور عمّال

عبدالحیّ الکتانی نے اپنی کتاب "نظام الحکومۃ النبویۃ المسمّی التراتیب الاداریۃ" میں ان گورنروں، منتظمین اور ججوں کی ایک مفصل فہرست مرتب کی ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماتحت مختلف صوبوں اور ضلعوں پر مامور کیا تھا۔ الکتانی نے ان کے نام، مقام اور فرائض مختلف مورخین، جغرافیہ نویسوں، ماہرینِ انساب، محدّثین، تذکرہ نویسوں، ادیبوں اور شاعروں کی کتابوں سے اکٹھے کیے ہیں۔ عمّالِ ریاست کے نام اور مقام درج ذیل ہیں:

نام	مقام
عتاب بن اُسید	مکہ، شہر۔ عتاب اپنے تقرر کے وقت تقریباً بیس سال کے تھے۔
باذان یا باذام	صنعا، باذان اسلام سے قبل کسریٰ شہنشاہ فارس کا نائب تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یمن کے علاقے میں اپنا گورنر مقرر کیا۔ صنعا اس کا دارالحکومت تھا۔ وہ حجۃ الوداع کے بعد اپنی موت تک اس عہدے پر رہا۔ وہ پہلا عرب حاکم تھا جس نے اسلام قبول کیا۔
شہر بن باذان	صنعا، شہر کو اس کے باپ باذان کی موت کے بعد صنعاء کا گورنر مقرر کیا گیا۔
عامر بن شہر الہمدانی	یمن کے ایک ضلع کا منتظم۔
عبداللہ بن عمرو بن سبیع الثعالبی	بنو ثعالبہ، عبس اور بنو عبداللہ بن غطفان۔
ابوموسیٰ الاشعری	نصف یمن، زبید، عدن وغیرہ۔
حارث بن بلال المازنی	جدیلہ بنو طے کا نصف۔
حارث بن نوفل الہاشمی	مکی انتظامیہ کا حصہ۔
حسین بن نیر	جگہ کا ذکر نہیں۔
حارث بن عبدالمطلب	مکی انتظامیہ کا حصہ۔
رافع بن عمرو الطائی	جگہ کا ذکر نہیں۔
زیاد الباہلی	قبیلہ باہلہ۔
سائب بن عثمان	مدینہ، جنگِ بواط کے دوران
سعد الدوسی	قبیلہ دوس، اس نے اسلام قبول کیا اور اپنے لوگوں پر مقرر ہوا۔
سعید بن خفاف التمیمی	بنو تمیم۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اسے برقرار رکھا۔
سعد بن عبداللہ بن ربیعہ	الطائف۔
سَلَمہ بن یزید الجعفی	مروان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک خط لکھا تھا۔
سیفی بن عمرو الثعلبی	بنو ثعلبہ
ضحاک بن قیس	جگہ کا ذکر نہیں۔
امرأ القیس بن اصبغ الکلبی	بنو قضاعہ۔
عبدالرحمٰن الخزاعی	خراسان
عثمان بن ابی العاص	الطائف، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اسے اسی عہدہ پر فائز رکھا۔ سعد بن عبداللہ

بھی وہاں مقرر کیے گئے وہ شاید عثمان کے پیشرو تھے۔

عکاشہ بن ثور	سکاسک اور سکون۔
الاعلیٰ بن الحضرمی	بحرین
عمرو بن حزم الانصاری	نجران۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے انتظامیہ، اصول وراثت، زکوٰۃ، دیت وغیرہ امور سے متعلق ایک مفصل خط لکھا۔ ابن حجر کے مطابق وہ سترہ سال کے تھے۔
عمرو بن الحکم القضاعی	بنو قیس
عمرو بن سعید بن العاص	وادی القریٰ
عمر بن محجوب العامری	جگہ کا ذکر نہیں۔
عوف الورکانی	جگہ کا ذکر نہیں۔
عبداللہ بن زید الکندی	یمن کا ایک حصہ۔
عبداللہ بن سور	بحرین
فروہ بن مُسیک	مراد، مذحج
مَروَہ بن نفثہ السلولی	انہوں نے مع اپنے خاندان کے اسلام قبول کیا اور ان کے عامل مقرر ہوئے۔
ابوجدیع المراوی (مصری)	جگہ کا ذکر نہیں۔
قضاعہ بن عامر الدّوسی	بنو اسد
سنان بن ابی سنان	بنو اسد۔ قضاعہ کے بعد
قیس بن مالک الارجی	ہمدان۔ جب انہوں نے اور ان کے قبیلہ کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کے لوگوں کو ضمانتِ امن کا خط لکھا اور انہیں سمع و طاعت کا حکم دیا۔ آپؐ نے انھیں تقرر کا ایک خط بھی لکھا۔
مالک بن عوف النصری	ان کے اپنے قبیلہ پر جو اسلام لے آیا تھا۔
المنذر بن ساوی الدارمی	ہجر
سواد بن عزیہ البلوی الانصاری	خیبر
عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی	یمن میں الجند اور اس کے آس پاس کا علاقہ۔ وُہ حضرت عمرؓ کی وفات تک اپنے عہدہ پر فائز رہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں برقرار رکھا۔ وُہ بہت خوبصورت تھے۔ وُہ حضرت عمرو بن عاص کے ساتھ قریش کے ایک وفد میں شاہِ حبشہ کے پاس بھی گئے تھے۔

خالدؓ بن ولید	انھیں کمانڈر بنا کر نجران اور اس کے متصل علاقہ اور صنعاء فتح کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔
مہاجر بن ابی امیہ المخزومی	کندہ۔
زیاد بن لبیب	حضرموت۔
معاذ بن جبل	الجند۔
ابُوسفیان	نجران۔
ابو زید بن سفیان	نجران کے قریب ایک علاقہ میں۔
علی بن ابی طالب	یمن
عمرو بن العاص	اردن (عمان)
یزید بن ابی سفیان	تیماء

الحافظ العراقی نے اپنی کتاب الفیہ کی ایک طویل نظم میں مندرجہ بالا منتظمین اور ججوں کا ذکر کیا ہے جس میں ان کے تقرر کی جگہ بھی بیان کی گئی ہے[۱]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت عمال کی مندرجہ بالا فہرست اسلامی آئین وقانون کے ماہرین کے تقرر میں پنہاں ریاست کے حسنِ کارکردگی اور ان علاقوں کی دیکھ بھال اور انتظام ظاہر کرتی ہے جنہوں نے مدینہ کی ریاست کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور فرمانبرداری قبول کر لی۔ گورنروں، منتظمین اور ججوں کا فوری تقرر بتاتا ہے کہ ریاست اپنے زیرِ فرمان آنے والے علاقوں کا انتظام قرآنی دستور اور قانون کے مطابق چلانا چاہتی تھی۔ نومسلموں کی سیاسی اور نظریاتی تربیت کو برابر کی اہمیت دی گئی تھی۔ نئے مقرر کردہ منتظمین قانون اور دین کے عالم تھے اور انہیں اپنے فرائض سنبھالنے سے پہلے خصوصی ہدایات اور تربیت دی گئی تھی۔ اگر یہ پس منظر ذہن میں رکھا جائے تو ایک علاقہ میں دو افراد کے تقرر سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی۔ علی عبدالرازق[۲] اور ایمل تیان[۳] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی فتوحات اور مفتوحہ علاقوں میں گورنروں اور ججوں کے تقرر کے مخصوص پس منظر کو نظر انداز کر دیا ہے جس نے انہیں بعید از قیاس نتائج اخذ کرنے پر مائل کیا۔

ان تقرریوں سے متعلق ایک اور نکتہ اہم ہے، جہاں ایک ہی جگہ پر دو افراد کے نام آتے ہیں وہاں ہمیشہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ وہ دونوں بیک وقت مقرر کیے گئے تھے یا وہ ایک دوسرے کے جانشین تھے مثلاً شہر بن باذان، صنعاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اپنے باپ کا جانشین بن گیا تھا۔ اسی طرح جن صورتوں میں ایک ہی جگہ بیک وقت دو آدمی مقرر کیے گئے تھے ان کے مختلف فرائض نظر میں نہیں رکھے گئے۔ ایک نظریاتی ریاست میں ایسے منتظمین جو ان نظریات کا کماحقہ علم نہیں رکھتے تھے، ان کے ساتھ ماہرین قانون کا تقرر کیا گیا تھا۔ یہ اہم نکتہ مختلف افراد کے یمن کے مختلف علاقوں میں تقرر پر علی عبدالرازق کی الجھن دُور کر سکتا تھا۔ علی عبدالرازق کے نظریات پر اس کتاب کے چھٹے

باب میں بحث کی جائے گی۔ مندرجہ ذیل مقدمہ سے ایسے ججوں اور فقہا کی اسلامی ریاست کے مختلف حصوں میں موجودگی اور تقرر ظاہر ہوتی ہے:

دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا۔ ان میں سے ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اس نے اپنے علاقہ کے ماہرین سے مشورہ کیا تھا جنہوں نے اسے مشورہ دیا.... الکتانیؒ نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں یعنی مقدمہ سے واضح ہے کہ:

۱۔ ہر علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی سہولت کے لیے قانون کے ماہر عدلیہ کے عہدیدار مہیا کئے۔ لوگ اپنے اختلافات اور تنازعات میں قانونی اور انصاف کے مشورہ کے لیے ان کے پاس جاتے۔

۲۔ مقامی عہدیداروں کے فیصلہ اور مشورہ سے اطمینان نہ ہونے کی صورت میں مدینہ کی عدالتِ عظمیٰ میں اپیل کی جا سکتی تھی۔

عدالتی تربیت

مندرجہ بالا منتظمین عدالتی فرائض کی انجام دہی کے بھی مکلف تھے وہ اپنے اپنے علاقہ میں پیش آنے والے تنازعوں اور مقدموں کو نبٹانے کے ذمہ دار تھے۔ بعض حالات میں انتظامی اور عدالتی فرائض کی یکجائی ایک ایسی ضرورت ہے جس پر بیسویں صدی کی حکومتیں بھی عمل پیرا ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی حکومت کی قائم کردہ انتظامی مشینری کے مطابق ایک کمشنر جو ایک کمشنری کا سربراہ ہے، یہ امر اس کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنے علاقہ میں عدل سے متعلق بعض مسائل کا فیصلہ بھی کرے۔ کسی ضلعے کا ڈپٹی کمشنر، محاصل جمع کرنے والا ڈپٹی کلکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی کہلاتا ہے۔

تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کچھ صحابہ کو مخصوص اور صرف عدالتی امور و فرائض کی انجام دہی کی تربیت دی۔ انھیں خاص طور پر سے قانونِ الٰہی کی تعلیم دی گئی اور عدلیہ کے لیے انہیں خصوصی طور پر تیار کیا گیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بیان کرتے ہیں:

دو آدمی ایک مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے عمروؓ بن العاص سے کہا "ان کے درمیان فیصلہ کرو۔" انھوں نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کی موجودگی میں؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں"۔ اُنھوں نے پُوچھا: "میں کیسے فیصلہ کروں؟" آپؐ نے فرمایا: "اگر تم اجتہادی صلاحیت سے کام لو اور صحیح نتیجہ پر پہنچو تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا اور اگر تم اجتہاد سے کام لو اور غلط نتیجہ پر پہنچو تو تمہیں ایک اجر ملے گا۔"[۶]

حضرت عقبہ بن عامرؓ ایک اور صحابی بھی تربیت کے اسی عمل سے گزرے تھے وُہ خود اپنی تربیت کا حال بیان کرتے ہیں:

دو فریق ایک مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا: "اے عقبہ! کھڑے ہو جاؤ اور ان میں فیصلہ کرو۔" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس معاملہ میں آپؐ مجھ سے زیادہ موزوں ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "اس کے باوجود تم ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ اگر تم اجتہادی صلاحیت سے پوری طرح کام لو تو تمہیں دس گنا اجر ملے گا۔ اگر تم اجتہاد سے کام لو اور غلطی کرو تو تمہیں ایک اجر ملے گا۔" ۷

مدینہ کا مستقل قاضی

قانون اور عدل سے متعلق کتابوں میں اس امر پر کافی بحث ہوتی رہی ہے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنے ساتھ ساتھ دیگر مستقل قاضی بھی مقرر کیے تھے۔ وہ لوگ جو یہ موقف رکھتے ہیں کہ مستقل جج مقرر کئے گئے تھے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں جسے الترمذی نے اپنی سُنن میں بیان کیا ہے:

حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے کہا: "جاؤ اور لوگوں کے درمیان فیصلے کرو۔" اس نے کہا "کیا آپ مجھے معاف نہیں رکھیں گے یا امیرالمومنین!" انھوں نے دریافت فرمایا: "اس سے تمہیں کیوں خوف آتا ہے جبکہ تمہارے والد فیصلے کرتے رہے ہیں۔" ۸

اس گفتگو کی ایک اور روایت کے مطابق جو ابن العربی نے اپنی شرح الترمذی میں بیان کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی معذرت میں اس عذر کا اضافہ کیا:

"اگر انہیں کسی مقدمے میں الجھن پیش آتی تھی تو وہ اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کر لیتے۔ اور اگر کسی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی الجھن پیش آتی تو وہ اس کی وضاحت حضرت جبرائیلؑ سے طلب کر لیتے جبکہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پاتا جس سے میں مشورہ کر سکوں۔" ۹

ابن العربی نے اپنی شرح میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت عمرؓ کے جج کی حیثیت سے تقرر کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور اس کا یہی مطلب ابن عمرؓ نے لیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے حوالہ دیا کہ حضرت عمرؓ کو بحیثیت قاضی اگر کوئی الجھن پیش آتی تو وہ رسول اللہؐ سے اسکی وضاحت کر لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے تقرر کے سلسلہ میں مزید دلیل اس مقدمہ سے دی جا سکتی ہے جس میں ایک فریق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے مطمئن نہ ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس اپیل کی۔ یہ عدالتِ عظمیٰ کی توہین تھی اسی لیے حضرت عمرؓ توہینِ عدالت کے ارتکاب پر اس شخص پر سخت برافروختہ ہوئے۔ کیونکہ وہ شخص عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے کے بعد حضرت عمرؓ کی ادنیٰ عدالت کے سامنے آ گیا تھا۔ اس مقدمہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

دو آدمی اپنا تنازعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ جس کے خلاف فیصلہ دیا گیا تھا اس نے کہا: "ہم حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس چلتے ہیں۔" دوسرے نے کہا: "ٹھیک ہے، چلو۔" جب وہ دونوں آپؓ کے پاس پہنچے تو دوسرے آدمی نے کہا: "اے ابن الخطاب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے خلاف مقدمہ میرے حق میں فیصل کر دیا تھا، اس نے کہا ہمیں حضرت عمرؓ بن الخطاب کے پاس چلنا چاہیے لہٰذا ہم آپؓ کے پاس آگئے ہیں۔" آپؓ نے پوچھا: "کیا یہ درست ہے؟" اس نے کہا: "جی ہاں!" حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو جب تک میں نکل کر آؤں اور تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں۔" وہ تلوار سونت کر ان کے پاس باہر آئے اور جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمرؓ کے پاس چلنا چاہئے اسے قتل کر دیا۔"

اس مقدمے کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا منصب بطور جج عوام میں جانا پہچانا تھا۔ مندرجہ بالا مقدمہ میں مغرور فریق نے عدالتِ عظمیٰ کے فیصلہ کی توہین کی اور اپنے انجام کو پہنچا۔ بادی النظر میں یہ توہینِ عدالت ہے مگر درحقیقت یہ دینی مسئلہ ہے۔ قرآنی دستور کے مطابق جس کی تفصیلات اس کتاب کے باب چہارم میں بیان ہوئی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ایمان کا تقاضا ہے اور جو آپؐ کے فیصلے کو نہ مانے وہ مومن نہیں" فلا وربك لا يؤمنون حتّٰى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجاً ممّا قضيت ويسلّموا تسليما۔ (۴ : ۶۵) حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالتِ عظمیٰ کا فیصلہ نہ ماننے پر یہ سزا دی۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت سب ججوں کے تقرر کے واقعہ کی تصدیق حضرت حذیفہ بن الیمان کے تقرر سے بھی ہوتی ہے:

ایک مکان میں دو بھائی برابر کے شریک تھے۔ انھوں نے اس کے درمیان ایک دیوار بنا کر اس کے دو حصے کر لیے۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنے پیچھے وارث چھوڑے۔ ہر وارث نے تنازعہ کیا کہ تقسیم کرنے والی دیوار اس کی ہے۔ وہ اپنا تنازعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے اس مقدمہ کے تصفیہ کے لیے حذیفہ بن الیمان کو مقرر کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ دیوار اس کی ہے جو اس کو تھام رکھنے والی رسّی سے قریب تر ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "تم صحیح فیصلہ پر پہنچے ہو۔" [۱۲]

امام السیوطی، تدریب الراوی میں امام ابن حزم کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں بیس اعلیٰ پائے کے تربیت یافتہ اور تجربہ کار قاضی اور فقیہ تھے:

ابوبکر، عثمان، ابوموسیٰ، معاذ، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، انس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، سلمان، جابر، ابوسعید، الزبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، عمران بن حصین، ابوبکرہ،

عبادۃ بن الصامت ، معاویہ ، ابن الزبیر ، ابو الدردا یا حذیفہ ، ام سلمہؓ رضی اللہ عنہم ۔
مندرجہ ذیل اصحاب سب سے زیادہ تربیت یافتہ ، عالم اور تجربہ کار قاضی اور فقیہ تھے :
عمر ، علی ، ابن مسعود ، ابن عمر ، ابن عباس ، زید بن ثابت ، عائشہؓ رضی اللہ عنہم ۔
مدینہ کے مختلف حلقوں ، اسلامی ریاست کے صوبوں اور ضلعوں کے لیے حسبِ ضرورت مندرجہ بالا فہرست سے قاضیوں کے تقرر کے لیے چناؤ کیا جاتا تھا ۔

صوبائی اور ضلعی قاضی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلامی ریاست کی مندرجہ بالا انتظامی اکائیوں کی تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ بعض حصے دوسروں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے ۔ حجاز میں مکّہ اور مدینہ اور جنوب میں یمن اسلامی ریاست کے ترقی یافتہ حصّے تھے ۔ اس کے دوسرے حصے غیر ترقی یافتہ تھے ۔ اسلامی ریاست کے مختلف حصّوں کے اس سیاسی و سماجی پس منظر نے ہر علاقے کی ترقی کے مطابق انتظامی مشینری قایم کرنے کی ضرورت پیدا کی ۔ قبائلی اور بدوی علاقوں میں قبیلوں کے سرداروں کو قایم رکھا گیا ، انھیں تربیت دی گئی اور ریاست کے منتظم تسلیم کیا گیا ۔ انھیں اسلام کے بنیادی اصولوں کی تعلیم و تربیت دی گئی اور وہ انتظامی اور عدالتی فرائض و امور کے ذمردار بنا دئے گئے ۔ وہ اپنے اپنے علاقے کی ضروریات عدل کے مطابق معاملات نمٹانے کے اہل تھے ۔

ریاست کے ترقی یافتہ حصوں میں باضابطہ اور مفصّل عدالتی اور انتظامی مشینری کی ضرورت تھی ۔ اس ضمن میں پتا چلتا ہے کہ مدینہ ، مکّہ اور یمن میں اہل ترین اور اعلیٰ تربیت یافتہ منتظم اور قاضی مقرر کیے گئے تھے ۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مسائل کے تنوع اور کام کی زیادتی کے باعث ان علاقوں میں غیر ترقی یافتہ علاقوں کے مقابلہ میں عمّال کی تعداد زیادہ تھی ۔ مندرجہ بالا تمدنی اور معاشرتی تقاضوں کے پیش نظر حضرت علیؓ بن ابی طالب ، معاذؓ بن جبل ، ابو موسیٰ الاشعری اور عمروؓ بن حزم جیسے جلیل القدر اور نامور آئینی اور عدالتی ماہرین یمن میں قاضی مقرر ہوئے تھے ۔

عتابؓ بن اُسَید منتظمِ مکّہ

فتح مکہ ۸ھ میں حضرت عتاب بن اسید ایک بیس سالہ نوجوانؓ کو مکہ کا حاکم و منتظم مقرر کیا گیا ۔ اپنے اس تقرر کے بعد جب وہ ان تمام امور و معاملات کے مختار بن گئے جو قریش کو اپنے جدِّ اعلیٰ قصیّ سے ورثہ میں ملے تھے ۔ ظاہر ہے کہ حضرت عتابؓ کی عدلیہ اور انتظامیہ کی اساس اسلام تھی جبکہ اس کے پیشرو آبا و اجداد کی روایات کے پابند تھے ۔ گزشتہ عہدیدار جنہیں کی انتظامیہ کے مختلف فرائض سونپے گئے تھے یا تو مکہ چھوڑ کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ جا چکے تھے یا اسلام کے خلاف جنگوں میں کام آ چکے تھے یا قدرتی موت مر چکے تھے ۔ حضرت عتابؓ کو عدلیہ اور

انتظامیہ کا ڈھانچہ نئے سرے سے استوار کرنا پڑا اور اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا پڑا۔ حج وعمرہ کے دوران مکہ میں مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع اور الموسم ہوتا اس دوران مذہبی، تجارتی اور عدالتی امور و معاملات کا موثر انتظامات اہم ترین فرائض تھے (اقامۃ الموسم والحج بالمسلمین)[16] مکہ کے موثر کنٹرول اور انتظام کے لیے عتابؓ کی مدد کے لیے دو نائب حارث بن النوفل الہاشمی اور حارث بن عبد المطلب مامور تھے۔ دونوں کو مکہ کی انتظامیہ میں کچھ فرائض تفویض تھے۔"[17]

نظامِ عدالت کا قیام عاملِ مکہ کا بہت اہم فریضہ تھا۔ تاریخی شواہد سے ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ عدالتی نظام قایم کیا جس کے تحت مکی لوگوں کے تنازعے اور مقدمات نبٹائے جاتے تھے کہ چونکہ شہری ریاست کا تجربہ رکھتا تھا، اس لیے حضرت عتابؓ کی آزمائش تھی کہ وہ قبل از اسلام عدلیہ اور انتظامیہ سے بہتر نظام قایم کریں۔ انہوں نے عدلیہ کا جو نظام قایم کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کامیاب ترین نظام تھا بہت کم ایسے مقدمات ہوں گے جن میں مدینہ کی عدالتِ عظمیٰ کی طرف رجوع کرنا پڑا ہوگا۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ پیچیدہ مقدمات ہدایات کے لیے مدینہ کی عدالت عظمیٰ کو بھیجے گئے۔ اس حیثیت سے حضرت عتابؓ کے فرائض صوبائی عدالتِ عالیہ کے فرائض سے بہت مشابہ تھے۔ وہ ہر قسم کے مقدمے طے کرتے اور ان تنازعوں کا تصفیہ کرتے جو ان کی عملداری میں پیدا ہوتے۔ مندرجہ ذیل مقدمہ جو الطبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے یہ بتانے کے لیے کافی شہادت فراہم کرتا ہے کہ کس طرح پیچیدہ قانونی مسائل مدینہ میں عدالت عظمیٰ کو بھیجے جاتے تھے۔

مکہ میں بنو عمرو، بنو مغیرہ کو طلوعِ اسلام سے پہلے زیادہ شرح سود پر روپیہ قرض دیتے تھے۔ طلوعِ اسلام کے وقت بنو مغیرہ کے ذمہ بنو عمرو کا بہت بڑا قرض واجب الادا تھا۔ وہ اپنا سود طلب کرتے تھے جو بنو مغیرہ دینے سے انکار کرتے تھے کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت تھی۔ بنو عمرو نے مکہ میں حضرت عتابؓ کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا باقاعدہ سماعت اور تحقیق کے بعد حضرت عتابؓ کو مقدمہ کا فیصلہ کرنے میں دقت محسوس ہوئی اس کے لیے نئی قانون سازی کی ضرورت تھی جو ان کے دائرۂ اختیار میں نہیں تھی۔ اس پیچیدگی کے باعث انہوں نے ہدایات کے لیے مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی محسوس کیا کہ ایسے مقدمات کا تصفیہ کرنے کے لیے قانون ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ الطبری کے مطابق قرآن کی مندرجہ ذیل آیات اس موقعہ پر نازل ہوئیں:

"اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور ربا میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم ایمان لانے والوں میں سے ہو۔ اگر تم یہ نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ لیکن اگر تم توبہ کرو تو تمہیں تمہارا اصل زر مل جائے گا۔ نقصان نہ پہنچاؤ تمہیں بھی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔"[18]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانِ الٰہی حضرت عتابؓ کو پہنچا دیا۔ اسے مزید ہدایت کی گئی کہ بنو عمرو کو فیصلہ سے مطلع کر دو اگر وہ قبول کرلیں تو بہتر ورنہ انہیں جنگ کے لیے نوٹس دے دو۔"[19]

یمن میں نظامِ عدالت

یمن، ریاستِ مدینہ کا سب سے ترقی یافتہ اور آباد علاقہ تھا۔ اس کی صدیوں پرانی انتظامیہ اور عدلیہ کی روایات تھیں اس کی فتح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن پر باذان کی گورنری پھر سے قایم کر دی[۲]۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا شہر اس کا جانشین ہوا، مگر اس کو صنعا کا گورنر بنایا گیا جو اب ایک الگ صوبہ تھا۔ اس سے پہلے یمن سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا اور باذان اس کا گورنر تھا۔ اس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ یمن کے لوگوں کو شہنشاہِ فارس کا وفادار رکھے اور اس کے لیے محاصل اکٹھے کرے۔ فارسی حکومت کا بنیادی اصول مرکزیت تھا۔ صوبوں پر بھی اسی پالیسی کے تحت حکومت ہوتی۔ جبکہ اسلامی ریاست کا بنیادی اصول لوگوں کو مذہبی، سماجی اور اقتصادی نمایندوں کے استحصال سے آزاد کرنا، ان کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دینا اور انھیں روحانی اور اقتصادی ترقی دینا تھا۔ وفاقیت اور مقامی خودمختاری اس پالیسی کے لیے موزوں تھی چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ کسریٰ ایران کے زیرِ تسلط جنوبی جزیرہ نما عرب کا وہ حصہ جو سلطنتِ فارس کے تحت تھا اور یمن، نجران اور حضرموت کہلاتا تھا ایک گورنر کے زیرِ انتظام کر دیا گیا تھا جس کا مستقر صنعا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی یمن کو دو بڑے صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا:

یمن اور حضرموت۔

یمن میں نجران، صنعا، زمع، مأرب، زبید، عدن، ساحلی علاقوں، جند، ہمدان، عک کے اضلاع شامل تھے۔

حضرموت کے چار ضلعے تھے:

سکاسک، سکون، کندہ اور حضرموت[۲]

اس انتظامی طریق کے قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ضلع کا الگ گورنر مقرر فرما دیا تھا[۳]۔ وہ اپنے اپنے ضلع کے امن و امان اور عدل و انصاف کی فراہمی اور نظامِ عدالت کے قیام کے لیے مرکزی حکومت کے سامنے جوابدہ تھے۔

یمن میں قانون اور عدلیہ کے ماہرین کا تقرر

یمنی اضلاع کے گورنر اور منتظمین با اختیار عمّال تھے جو اپنے اپنے انتظامی حلقہ کے امن و امان کی صورتِ حال سے نبٹتے رہتے۔ یہ واضح کر دیا جائے کہ مدینہ کی اسلامی ریاست کا اوّلین اور پہلا فرض عوام میں اسلامی اخلاق اور روحانی اقدار پیدا کرنا اور مختلف علاقوں کے قبل از اسلام قوانین کو اسلام کے قوانین کے مطابق بنانا تھا۔ فتوحات کے بعد کی فوری ضرورت اور حالات کے تحت چند افراد جو پرانے نظام میں سے نچلی سطح پر برقرار رکھے گئے یا جو نئے ضلعی منتظم مقرر ہوئے لازمی طور پر اسلامی قانون اور فکر کے ماہر نہیں تھے۔ ان حالات میں ضلع کی نافذہ اور انتظامیہ مشینری

ایک الگ بالا قانونی اور عدلیہ کے ڈھانچہ کی متقاضی تھی اور ضرورت تھی کہ اس کے سربراہ بہت عالم افراد اور قانونِ شریعت کے ماہرین ہوں جنہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تعلیم و تربیت دی ہو۔ آپؐ کے بہترین اصحاب میں سے چار ماہر اور عالم قانون دان یمن میں تقرر کے لیے چنے گئے :

علیؓ بن ابی طالب ، ابوموسیٰؓ الاشعری، معاذؓ بن جبل اور عمروؓ بن حزم۔

یمن کو دو بڑے عدالتی علاقوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر علاقہ پر حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری کو علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا اور بالترتیب الجند اور الزبید[۲۵] ان کے مستقر تھے۔

البخاریؒ نے ان کے تقرر کو مندرجہ ذیل روایت میں بیان کیا ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰؓ اور معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجا ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ صوبہ (مخلاف) میں بھیجا گیا۔ یمن دو صوبوں (مخلافان) پر مشتمل تھا۔[۲۶] پھر انھیں فرمایا :

"یسّروا ولا تعسّرا و بشّرا ولا تنفرا۔"

(آسانی پیدا کرنا، تکلیف نہ دینا ، خوشی کا ماحول پیدا کرنا نفرت پیدا نہ کرنا)

دونوں میں سے ہر ایک اپنے دائرۂ عمل کی طرف روانہ ہو گیا دونوں کا علاقہ ایک دوسرے کے قریب تھا وہ وقتاً فوقتاً باہم ملتے رہتے۔

البخاریؒ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰؓ کا تقرر حضرت معاذؓ بن جبل سے پہلے یمن میں ہوا تھا۔[۲۷]

مختلف قانونی اور عدالتی معاملات پر (استفادہ و افادہ کے لیے) وہ اکثر آپس میں ملاقاتیں، مشورے اور مذاکرے کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت معاذؓ اپنے رفیقِ کار حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس خچر پر سوار ہو کر گئے، جب وہاں پہنچے تو ابوموسیٰ کرسی عدالت پر تشریف فرما تھے، عدالت میں کافی لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ ان کے سامنے ایک ملزم کی پیشی تھی جس کے ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ معاذؓ نے دریافت کیا : "اے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ کا نام) یہ کون شخص ہے؟" (اس پر کیا الزام ہے؟) انہوں نے بتایا : "یہ ایک شخص ہے جو مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گیا ہے" (هذا رجل كفر بعد اسلامه) بخاریؒ کی دوسری روایت میں ہے :"یہودی نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے ترک کر دیا ہے۔" (یهودی اسلم ثم ارتد) انہوں نے کہا کہ وہ اپنے خچر سے اس وقت تک نہیں اتریں گے جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے (لا انزل حتی یقتل)۔ انہوں (ابوموسیٰ) نے کہا : اس کو اسی لیے پیش کیا گیا ہے آپ اتریں۔ معاذؓ نے کہا، میں نہیں اتروں گا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ ابوموسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا اور وہ قتل کر دیا گیا، پھر وہ اترے۔ انہوں نے دریافت کیا ، اے عبداللہ! آپ قرآن کس طرح پڑھتے ہیں۔ انہوں نے بتایا : کچھ کچھ دیر بعد پڑھتا ہوں۔ انھوں نے پوچھا : اے معاذ! آپ کس طرح پڑھتے ہیں؟ انھوں نے بتایا : میں رات پہلے پہر سوتا ہوں پھر قیام کرتا ہوں اس طرح ساری رات کچھ سوتا اور کچھ قیام کرتا ہوں اللہ نے میرے لیے جو لکھ رکھا ہے

اس کی قرأت کرتا ہوں یعنی نیند کی راحت میں ثواب کا طلب گار رہوں، جس طرح قیام کی تھکاوٹ میں ثواب کا خواہشمند ہوں۔[۲۸]

مندرجہ بالا بحث اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کہ مختلف روایات اور حوالہ جات[۲۹] جو حضرت ابو موسیٰ الاشعری اور حضرت معاذ بن جبل کے یمن میں تقرر سے متعلق ہیں ان کا بطور جج اپنے اپنے صوبہ (مخلاف)[۳۰] میں تقرر ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملزمان کو عدالت میں پیش کرنے کا عدالتی طریق کار رائج تھا۔ مقدمہ کی سماعت کے وقت ملزم کی عدالت میں حاضری ضروری تھی۔ عدالتی کارروائی ملزم کے سامنے اور اس کی موجودگی میں ہوتی تھی۔ اس سے اسلام کے ان دو عظیم قاضیوں کے علم، تقویٰ، دیانت، عبادت اور تزکیہ پر روشنی پڑتی ہے جس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اسلامی نظام قضاء میں قاضی تدبر، حکمت و دانائی، معاملہ فہمی کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون کے ماہر عبادت گزار ہوتے ہیں۔ قرآن اسلامی نظامِ عدالت کا اوّلین اور بنیادی ماخذ ہے قاضی کو اس مصدر اوّل کا ماہر ہونا ضروری ہے وہ شب و روز اس کی تعلیمات اور مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کی حکمت پر غور و فکر اور تدبر و تعقل سے کام لیتے ہیں۔ وہ قرآنی علوم میں علم و عمل کے پیکر ہوتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی معاشرتی و سماجی معاملات اور سیاسی و معاشی امور پر کامل دسترس رکھتے ہیں۔ انتظامی و عدالتی افکار و نظریات اور طریق کار پر انہیں کامل مہارت حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قاضیوں کے تقرر پر انھیں جو عدالتی ہدایات دیں وہ اسلام میں قاضی کے طرزِ عمل اور روش کی بنیاد ہیں۔ ''یسرا'' سے مراد ہے کہ اسلامی نظامِ عدالت لوگوں کو سہولت فراہم کرتا ہے جس میں مقدمات کا جلد تصفیہ، اخراجات کے بغیر انصاف کی فراہمی اور عدالتی طریقِ کار کی سادگی جیسے امور شامل ہیں۔ یہ جلد، سستے اور آسان انصاف پر دلالت کرتے ہیں۔ طویل مقدمہ بازی، اخراجات کی بھرمار، عدالتی طریق کار کی پیچیدگی (عُسر) تنگی اور تکلیف والے نظامِ عدالت کی علامت ہے جو اسلامی نظام کے لیے اجنبی ہے۔ مظلوم و فریادی عدالت کے تصور سے شاداں و فرحاں ہو، وہ اس سے متنفر نہ ہو۔ یہ امور اسلامی عدالت کے بنیادی اصول ہیں۔

ابو موسیٰؓ بطور قاضی

ابو موسیٰؓ ایک صوبے کے قاضی مقرر کیے گئے[۳۱] جو نصف یمن پر مشتمل تھا[۳۲]۔ ان کا مستقر الزبید تھا۔ وہ یمن ہی کے باشندہ تھے۔ جو ایسی حقیقت ہے جس کا حوالہ وُہ خاص طور پر اپنے تقرر کے سلسلہ میں دیتے تھے:

''بعثنی رسول اللہ الی ارض قومی۔''

(خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے ہی لوگوں کے علاقہ پر تعینات کیا)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین صحابہؓ میں سے تھے جنہوں نے ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ وہ اسلامی قانون اور فقہ کے مشہور عالم تھے۔ یمن روانگی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عدالتی امور اور طریق کار کی اہم اور بنیادی ہدایات دیں جو اسلام میں قاضی کے کردار کے تعین میں رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتی ہیں:

"یسرا ولا تعسرا و بشرا ولا تنفرا وتطاوعا"۔[۳۳]

(آسانی پیدا کرنا، تکلیف نہ دینا، خوشی کا ماحول پیدا کرنا، نفرت پیدا نہ کرنا، متفقہ فیصلے کرنا)

یہ وہی عدالتی ہدایات اور طریقِ کار عدالت ہے جو حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ دونوں کو سکھایا گیا تھا مگر اس میں ایک اور بنیادی عدالتی اصول بیان ہوا ہے: "تطاوعا" جس کا مطلب ہے:

"کونا متفقین فی الحکم ولا تختلفا فان اختلافکما یؤدی الی اختلاف اتباعکما و تقع العداوۃ والمحاربۃ بینھم"۔ (حاشیہ متن بخاری از احمد علی سہارنپوری ج ۲ ص ۶۲۲)

(دونوں متفقہ فیصلے کرنا مختلف حکم نہ دینا کیونکہ تمہارے متضاد فیصلے اتباع میں تضاد پیدا کریں گے جس سے مدعیوں اور مدعا علیہم کے درمیان عداوت اور محاربت پیدا ہوگی)

اسلامی نظامِ عدالت کا یہ اہم اصول ہے یہ عدالتی فیصلوں، حکموں اور طریقِ کار میں یکسانیت، یک جہتی، نظم و ضبط پیدا کرتا ہے اسلامی آئین کے اصولوں کی تشریح و تعبیر اور تحقیق و تعیین میں رہنمائی کرتا ہے اس سے عدالتی نظام اختلاف و انتشار اور تضاد و تصادم کا شکار نہیں ہوتا ساتویں صدی عیسوی میں ایسے عمدہ اصولوں اور قواعد و ضوابط کی توضیع اور تقنین نظامِ عدالت کی تاریخ میں مضبوط و مستحکم اساس تھی۔

حضرت ابو موسیٰؓ قانون کے بڑے ماہر تھے مگر روانگی کے وقت انہوں نے خصوصاً بعض پیچیدہ قانونی مسائل پر مشورہ کیا۔ انہوں نے مندرجہ ذیل قسم کی شرابوں کے متعلق قانونی صورتِ حال دریافت کی:

"یا نبی اللہ ان ارضنا بھا شراب من الشعیر المزر و شراب من العسل البتع"۔

(اے اللہ کے نبیؐ! ہمارے علاقے میں جَو سے بنی ہوئی ایک شراب ہوتی ہے المزر اور ایک شہد سے بنی البتع۔ آپؐ نے ہدایت فرمائی: "تمام نشہ آور حرام ہیں" (کل مسکر حرام)۔[۳۴]

ان کو اپنے علاقے میں انتظامِ عدل کے لیے پورے عدلیہ اور انتظامیہ کے اختیارات دئے گئے تھے۔ وہ فیصلے کرتے اور انہیں نافذ بھی کرتے۔ ان کے علاقے میں ایک شخص مرتد ہو گیا۔ وہ گرفتار کر کے ان کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ سماعت اور کارروائی کے بعد اسے سزا دی گئی جس کا نفاذ بھی ہوا۔[۳۵] وکیع نے بیہقی کے حوالے سے ایک اور مقدمہ بیان کیا ہے جو یمن میں حضرت ابو موسیٰ کی عدالت میں پیش ہوا۔ یہ حضرت عمرؓ کے دور کی بات ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو موسیٰ یمن میں عدلیہ کے عہدہ پر حضرت عمرؓ کی خلافت تک برقرار رہے۔ ایک عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا۔ اس بارے میں حضرت ابو موسیٰؓ کا ذہن واضح نہیں تھا کہ مقدمہ کا فیصلہ کیسے کیا جائے۔ انہوں نے مقدمہ کی تفصیل حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی حضرت عمرؓ نے اس مقدمے پر اپنا فیصلہ محفوظ رکھتے ہوئے حضرت ابو موسیٰ کو لکھا کہ اس عورت اور اس کے خاندان والوں کو حج کے موقع پر مکہ لائیں۔ خود عورت کا بیان سُن کر انہوں نے فیصلہ دیا جس کے مطابق عورت کو معاف کر دیا گیا اور اس کے خاندان والوں کو مشورہ دیا گیا کہ اس سے اچھا سلوک کریں۔[۳۶]

اس مقدمے کی تفصیل سے کئی امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ ضلعی اور صوبائی قاضی جب تردّد اور تشکک محسوس

کرتے تو وہ غلط فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دیانت دار منصف کی حیثیت سے اعلیٰ عدالت سے رائے طلب کرتے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں عدالتی نظام میں درجہ بندی معرضِ وجود میں آ چکی تھی، ضلعی عدالتیں، صوبائی عدالتیں اور وفاقی عدالتیں قایم تھیں ادنیٰ عدالتیں اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کی پابند تھیں۔ جج کو عدالتی نظام میں اہم مقام حاصل تھا مشکل اور پیچیدہ مقدمات حج کے موقع پر عدالتِ عظمیٰ کے منصفِ اعلیٰ کے سامنے پیش ہوتے۔ ملزم کو سُنے بغیر فیصلہ نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے یمن سے اپنی عدالتِ عظمیٰ میں ملزمہ عورت کو طلب کیا۔ وہ حاضر ہوئی، سماعت ہوئی، بیان دیا جس پر فیصلہ ہُوا۔ اس سے اہم ترین اصول یہ سامنے آیا کہ تنہا عورت کی گواہی پر زنا کے مقدمے کا فیصلہ ہوا۔

معاذؓ بن جبل بطور قاضی

حضرت معاذؓ کے بطور قاضی یمن میں تقرر پر بحث تمام اسلامی قانونی، فقہی اور عدلیہ کی کتابوں میں ملتی ہے، انہیں ایک صُوبے کا قاضی مقرر کیا گیا تھا جو نصف یمن مخلاف پر مشتمل تھا۔ ان کا مستقر الجند تھا۔[۳۷] وہ اپنے عدالتی عہدے کا چارج لینے اس وقت گئے جب حضرت ابوموسیٰؓ پہلے ہی یمن کے دوسرے نصف میں قاضی کے فرائض سنبھال چکے تھے وہ قانونِ اسلامی اور فقہ میں بڑے ماہر تھے۔ انہیں مدینہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تربیت دی۔ روانگی کے وقت عدالت میں قاضی کے طرزِ عمل پر انہیں خصوصی ہدایات دی گئیں:

"آسانی پیدا کرنا، تکلیف نہ دینا، خوشی کا ماحول پیدا کرنا، نفرت پیدا نہ کرنا۔"[۳۸]

اپنے علاقے کے مذہبی اور سماجی پس منظر سے واقفیت کے بعد انھیں ان لوگوں کے ساتھ راہ و رسم اور برتاؤ کے لیے خاص ہدایات دی گئیں:

"تم اہلِ کتاب کے پاس جا رہے ہو جو تم سے پوچھیں گے جنّت کی کنجی کیا ہے؟ انہیں بتانا یہ اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اللہ جس کا کوئی شریک نہیں۔"[۳۹]

البخاریؒ نے یہ ہدایات یُوں بیان کی ہیں:

انك ستاتی قوما من اهل الکتاب فاذا جئتم فادعهم الی ان یشهدوا ان لا الٰه الا الله وان محمداً رسول الله فان اطاعوا لك بذٰلك فاخبرهم ان الله قد فرض علیکم خمس صلوات فی کل یوم ولیلة فان هم اطاعوا لك بذٰلك فاخبرهم ان الله قد فرض علیکم صدقة تؤخذ من اغنیاٴهم فترد علیٰ فقراٴهم فان هم اطاعوا لك بذٰلك فایاك وکراٴم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه لیس بین الله حجاب۔[۴۰]

(تم جلد ہی اہلِ کتاب کے پاس جا رہے ہو، جب تم ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو یہ

گواہی دینے کے لیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس کی اطاعت کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے لیے دن میں پانچ وقتہ نماز مقرر کی ہے۔ اگر وہ اس کی اطاعت کریں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان کے لیے صدقہ مقرر کیا ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں کو دیا جاتا ہے اگر وہ اس کی اطاعت کریں تو یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کے اموال کی حفاظت کرو۔ مظلوم کی آہ سے بچتے رہو اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں)

نظام عدالت پر یہ ہدایات بہت سے اہم امور کی نشان دہی کرتی ہیں۔ جس مقام پر کسی قاضی کو مقرر کیا جاتا وہاں کے مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی حالات سے اسے معلومات دی جاتیں۔ یہ نظم حکومت اور عدالت کا بنیادی نکتہ ہے اس سے لوگوں کے حالات، ان کی نفسیات اور ماحول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جو قومیں اس راز کو سمجھ لیتی ہیں وہ نئے مفتوحہ علاقوں کو ابدالآباد کے لیے فتح کر لیتی ہیں۔ یمن آج تک اسلامی ملک ہے۔ دوسرا اہم امر یہ سامنے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاضی، منتظم، عامل، گورنر سب مبلغینِ اسلام تھے ان کا اولین فریضہ تبلیغ توحید و رسالت تھا۔ نظام صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا قیام ان کے سرکاری فرائض کا حصہ تھا۔

ان ہدایات کا عقدہ دستاویز کے آخری فقروں میں ہے" واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينه وبين الله حجاب" قاضی کا اولین فرض لوگوں کے حقوق انہیں لوٹانا ہے، طاقتور کے مقابلہ میں کمزور کی مدد کرنا ہے اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی حمایت کرنا ہے۔ ملحدانہ اور مادہ پرستانہ عدالتی نظاموں کے ہیچ ضمیر کے اطمینان کو فیصلوں کی بنیاد بناتے ہیں۔ اسلامی عدلیہ کے قاضی کے سامنے اللہ کا خوف اور ضمیر کا اطمینان ہوتے ہیں جو درست فیصلے کی توفیق اور معاملہ فہمی میں زیادہ مضبوط احساس ہے۔ حضرت معاذؓ کے تقرر بطور قاضی پر اس مشہور مکالمہ کے باعث جو ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ان کے یمن روانگی کے وقت ہوا اسلامی قانون اور عدلیہ سے متعلق کتابوں میں بڑی توجہ دی گئی ہے۔ یہ انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ ایک دستاویز ہے جو واشگاف الفاظ میں اس عدالتی طریق کو بیان کرتی ہے جسے ایک قاضی کو فیصلہ صادر کرنے سے پہلے اختیار کرنا چاہیے۔ اس میں بنیادی اور اہم اصولِ عدل بیان ہیں جو تمام ممالک میں اسلامی نظام عدل کی اساس ہیں۔ ابوداؤد اور ترمذی نے یہ مکالمہ روایت کیا :

"لما اراد ان يبعث معاذا الى يمن قال : كيف تقضى اذا عرض لك القضاء، قال اقضى بكتاب الله، قال فان لم تجد فى كتاب الله، قال بسنّة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال فان لم تجد فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا فى كتاب الله، قال اجتهد برای ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره و قال الحمد لله الذى وفق رسول الله لما يرضى رسول الله صلى الله عليه وسلم" [41]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے پوچھا: "جب تمہارے

کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟"
معاذؓ نے جواب دیا "میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔"
آپؐ نے فرمایا: "اگر تم اس کا حکم کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟"
انھوں نے جواب دیا: "پھر سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق۔"
آپؐ نے پُوچھا: "اگر تم سنّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں پاؤ اور نہ ہی کتاب اللہ میں؟"
اُنھوں نے جواب دیا: "میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔"
آپؐ نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: "تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے فرستادہ رسول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم رائے ہونے کی توفیق دی۔")

خاتم الانبیاؑ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسلامی نظامِ عدالت کی اساس اس کی دینی، علمی، قانونی اور آئینی بنیاد کا پُوری وضاحت کے ساتھ اظہار فرما دیا ہے۔ اپنی اُمّت کے قاضیوں کو ایک مضبوط، مستحکم، مستقل آئینی اصول، قانونی قاعدہ اور عدالتی ضابطہ کی تعلیم دی۔ یہ غیر متغیر اور غیر متبدّل آئین، قانون، اصول، قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ قیامت تک مسلمان قاضی صرف تین آئینی، قانونی اور عدالتی اصولوں کے پابند ہوں گے:

اوّل: کتاب اللہ۔
دوم: سنّتِ رسولُ اللہ۔
سوم: اجتہاد۔

کتاب اللہ سے مراد قرآن، سنّتِ رسولؐ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل، آپؐ کے قواعد و کلیات جو اجتہاد، استنباط اور استدلال کی بنیاد ہیں۔ اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ قرآن و سنّت کی آفاقی، عالمگیر اور ہمہ گیر تعلیمات میں سے مختلف اعصار و امصار کے لیے دی گئی ہدایت کے حصول کے لیے انتہائی علمی اور ذہنی قوت و قابلیت کا استعمال، قرآن میں ہر دَور اور ہر مقام کے انسانوں کی رہنمائی موجود ہے ہر دَور اور ہر مقام کے تقاضے اور مسائل، پہلے اور اگلے دَور کے تقاضے اور مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری رسول ہیں اس لیے آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر دَور کے مسائل کو حل کرنے کا آخری قانون، اصول اور قاعدہ بتا دیا۔ قرآن و سنّت مستقل ہدایت ہے اس ہدایت، کو مختلف ادوار کے مجتہدین کے اجتہاد سے گہرا تعلق ہے وہ اپنی دینی، علمی اور ذہنی قابلیت اور اہلیت سے اپنے عہد کے مسائل حل کریں گے۔ آپؐ کی قرآن نے ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ آپؐ انسانوں کو فرسُودہ روایات، مردہ رسوم اور نقصان دہ رواجوں سے نجات دلاتے ہیں:

"ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم" (۷ : ۱۵۷)

قرآن و سنّت اور اجتہاد کو قانون و عدالت کی بنیاد قرار دے کر آپؐ نے اُمّتِ مسلمہ کو وقتی، عصری، علاقائی،

طبقاتی فقہ سے نجات دلائی ۔ قاضیوں پر صرف تین چیزوں کی پابندی ہے قرآن، سنت اور اجتہاد کی ۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی پابندی نہیں ۔ کسی امام کی فقہ ، قرآن وسنت کی طرح معصوم عن الخطا نہیں ہو سکتی ۔ مسلمان صرف اس ہدایت کے پابند ہیں جو معصوم عن الخطا ہو ۔ کسی خاص زمانے کے فقیہ کے خیالات ، نظریات اور آرا غیر متغیر اور غیر متبدل نہیں ہو سکتے جب کہ امت صرف غیر متغیر اور غیر متبدل قرآنی ہدایت کی مکلف ہے ۔ کسی عہد کے فقہا ان مسائل اور معاملات پر اظہارِ خیال کر سکتے ہیں جو انھیں درپیش ہوں قرآن وسنت کی تعلیمات میں آفاقیت ، عالمگیریت اور ابدیت ہے ۔ فقہاء کی فقہ عصری تقاضوں اور مقامی حالات پر مبنی ہوتی ہے اس لیے وہ قرآن وسنت کی طرح مستقل نہیں ہو سکتی ۔ امام مالکؒ فقیہِ حجاز تھے ، ان کے اجتہادات پر حجازی ماحول و معاشرت کی گہری چھاپ تھی ۔ امام ابو حنیفہؒ فقیہِ عراق تھے ان کے اجتہادات اور نتائج کئی مسائل و معاملات میں امام مالکؒ سے مختلف تھے ۔ عراق میں مسلمان عرب قبائل بھی آباد ہو گئے تھے اور اس خطے کی قبل از اسلام اپنی معاشرتی ، معاشی ، سیاسی ، تمدنی اور تہذیبی روایات تھیں ۔ یہ ماحول امام مالکؒ کو درپیش نہ تھا ۔ امام شافعیؒ کا اجتہاد بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ سے مختلف تھا کیونکہ انہیں جس ماحول میں اجتہاد کرنا پڑا وہ ان کے دونوں پیشروؤں سے مختلف تھا ۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے تینوں پیش روؤں سے اختلاف کیا اور اپنے نئے ماحول اور معاشرت کے مطابق نئے اجتہادات سے کام لیا ۔ اسلامی فقہ و قانون کی مشہور بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے درمیان اجتہادی اختلاف ہوا ۔ ابو یوسفؒ ، محمدؒ بن حسن الشیبانی ، زفرؒ وغیرہ ائمہ نے اپنے عظیم المرتبت استاد ابو حنیفہؒ سے کئی مسائل میں اجتہادی اختلاف کیا ۔ شام کے فقیہ امام اوزاعیؒ کے اجتہادات دوسرے علاقوں کے فقیہوں سے مختلف تھے کیونکہ اس علاقے کا اپنا تمدنی ، سماجی اور عمرانی پس منظر تھا ۔ لیثؒ ابن سعد فقیہِ مصر تھے وہ امام مالکؒ کے ساتھ مدینہ کے ماحول میں پلے بڑھے تھے ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی تھی مگر انھیں اجتہاد کے لیے جو ماحول و معاشرت میسر آئی وہ مصری تھی اس لیے ان کے اجتہادات اور نتائج فکر حجازی ، عراقی اور شامی فقیہوں سے مختلف تھے ۔ تاریخ فقہ اسلام سے ظاہر ہے کہ فقہائے اسلام صرف قرآن وسنت کے پابند تھے ۔ ان ماخذ کی بنیاد پر وہ درپیش مسائل پر اجتہاد کرتے تھے یہ جسے ہم فقہی اختلاف کہتے ہیں وہ دراصل مختلف علاقوں اور زمانوں کے معاشرتی ، عمرانی ، تہذیبی اور تمدنی حالات کے پیدا کردہ مسائل کا علاقائی ، صوبائی ، تہذیبی اور تمدنی اختلاف ہے جو بالکل فطری اور قدرتی ہے ، اسے اسلام کے بنیادی اور اساسی اصولوں کا اختلاف قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ یہ گھبراہٹ اور تشویش کی بات ہے ۔ آج بھی جو عمرانی ، تہذیبی ، سماجی اور سیاسی حالات مصری مسلمانوں کو درپیش ہیں وہ پاکستانی مسلمانوں سے مختلف ہیں ۔ اسی طرح انڈونیشیا ، ملائشیا ، تھائی لینڈ ، فلپائن میں آباد امتِ مسلمہ کے تمدنی اور تہذیبی تقاضے مراکش ، الجیریا ، لیبیا ، تونس اور سوڈان سے مختلف ہیں اور عراق ، شام اور اردن کے مسائل سعودی عرب ، یمن ، کویت ، ایران اور خلیجی ریاستوں جیسے نہیں ہیں ۔ جو لوگ ان تاریخی ، تمدنی ، عمرانی اور سماجی عوامل سے ناواقف ہیں وہ انہیں نظر انداز کر کے پاکستانی قانون ساز قومی اسمبلی کے

بنائے ہوئے قوانین کو شمالی افریقہ کے ممالک پر نافذ کرنا چاہیں گے یا انڈونیشیا اور ملائشیا کی اسمبلیوں کے قوانین کا اطلاق سعودی عرب، ترکی، عراق، شام، اردن اور مصر پر کرنا پسند کریں گے۔

حدیث معاذؓ ہمارے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔ اس کے مطابق کتاب وسنت متفق علیہ اور ایمان وعدالت کی بنیادیں ہیں۔ یہ اسلامی آئین وقانون کے ماخذ ومصادر ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی چیز ماخذ ومصدرِ قانون وآئین نہیں۔ اگر کسی امام کی فقہ ان کے علاوہ حجت اور دلیل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے سوال کے جواب میں حضرت معاذؓ اس کا ذکر کرتے اور کتاب وسنت کے بعد یہ کہتے کہ میں فلاں امام کی تقلید کروں گا۔ مگر انہوں نے کتاب و سنت کے بعد اجتہاد سے کام لینے کا ذکر کیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ اگر کسی مسئلے کا حل کتاب وسنت میں نہ ملا تو وہ مسئلہِ زیرِ غور کیسے حل کریں گے تو انہوں نے کہا، اجتہاد سے۔ صرف یہی ایک موقع تھا جب قرآن وسنت کے علاوہ کسی تیسری چیز کا ذکر آسکتا تھا مگر آنحضرتؐ نے حضرت معاذؓ کی قرآنی بصیرت، سنت میں مہارت، اسلامی آئین اور دستور پر دسترس وعبور کو سراہتے ہوئے ان کی قانونی، آئینی اور عدالتی رائے سے اتفاق فرمایا بلکہ یہ اتفاق اتنا قوی، واضح اور حوصلہ افزا تھا کہ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو رسول کا رسول قرار دیا۔ غالباً پوری اُمت میں یہ خطاب کسی اور کو نہیں ملا۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن وسنت ہی دو ماخذ ومصدرِ قانون، آئین اور عدالت ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وسنت کے علاوہ دیگر ماخذ ومصادر کا بوجھ مسلمان قاضیوں کے ذہن سے اتار کر ان پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ انھیں آئین وقانون کی تشریح، تعبیر اور تعیین کے وسیع اختیارات دئے۔ انہیں اجتہادی قوتوں سے کام لینے کے کھلے اور کشادہ راستوں پر چلنے کی راہ سجھائی۔ انھیں علمی، فکری، تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتوں پر انحصار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آئین، قانون اور عدالت کی تاریخ میں یہ منفرد، بے نظیر اور بے مثال اصول تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا۔

حدیثِ معاذؓ کے آخری الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ہمت افزائی کا نتیجہ ہیں۔ حضرت معاذؓ نے کہا: "اجتهد برائی۔" (میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا) اور انہوں نے آخر میں کہا: "ولا آلو۔" (اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا)۔ الخطابی نے اس کی تشریح میں کہا:

"معناه: لا اقصر فی الاجتهاد، ولا اترك بلوغ الوسع فیه۔" (معالم السنن لابی سلیمان الخطابی علی حاشیۃ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری ج ۵ ص ۲۱۲)

(میں اجتہاد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا اور اس کی وسعتوں تک پہنچے بغیر نہیں چھوڑوں گا)

درحقیقت اسلام جیسے آخری دین کے قاضیوں کو اتنے ہی وسیع اجتہادی اختیارات کی ضرورت تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کے آفاقی وہمہ گیر اصول فرسودہ روایات کی تقلید کے ڈھیر تلے دب کر رہ جاتے۔ الخطابی نے شرح سنن ابی داؤد میں اسی بلیغ نکتے کی طرف راہنمائی کی ہے، لکھتے ہیں:

"وفیه دلیل : علی انه لیس للحاکم ان یقلد غیره فیما یرید ان یحکم به و ان کان المقلد اعلم منه وافقه ، حتی یجتهد فیما یسمعه منه فان وافق رأیه واجتهاده أمضاه والا توقف عنه لان التقلید خارج من هذه الاقسام المذکورة فی الحدیث ۔" (معالم السنن حوالہ متذکرہ بالا ص ۲۱۲)

(یہ اس کا ثبوت ہے کہ قاضی اپنے سامنے درپیش مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت کسی کی تقلید نہ کرے اگرچہ مقلّد اس سے زیادہ عالم اور فقیہ ہی کیوں نہ ہو، حتّٰی کہ قاضی اس مقلّد کی رائے سنے اور خود اس میں اجتہاد کرے اگر اُس کی رائے اور اس کا اجتہاد موافق ہوں تو اس کی توثیق کرے وگرنہ اس سے توقف کرے کیونکہ تقلید حدیث میں مذکورہ اقسام سے خارج ہے)

الخطابی کی یہ شرح نہایت بصیرت افروز ہے ۔ قاضی کو فیصلہ کرتے وقت تقلید سے مکمل طور پر آزاد ہونا چاہئے، اس کے حکم اور فیصلے پر کسی خارجی قوت کا اثر نہیں ہونا چاہیے اس کا حکم کامل طور پر آزادانہ اجتہاد کا نتیجہ ہونا چاہیے ۔ قاضی کو تقلید سے اس حد تک اجتناب کی ہدایت ہے کہ وُہ اپنے سے بڑے عالم اور بڑے فقیہ کی بھی تقلید نہ کرے ۔ یہ بھی ایک قسم کی خارجی اثر پذیری ہے اور قاضی کو ہر اثر سے بالا رہنے کی ہدایت ہے ۔ قاضی کا حقیقی طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ اگر اس کے سامنے کسی بڑے عالم اور فقیہ کی رائے کا حوالہ پیش کیا جائے تو وہ اسے اس وقت تک نہ مانے جب تک اس رائے پر خود آزادانہ طور پر اجتہاد نہ کرے اور یہ نہ دیکھے کہ مقدمہ درپیش میں اس رائے کا کس حد تک تعلق ہے ۔ اگر قاضی کا اجتہاد اسے بتائے کہ فقیہ کی رائے مقدمہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہے تو اس کی توثیق کرے وگرنہ اسے مسترد کرتے ہوئے اس سے توقف کرے ۔ الخطابی نے تقلید کے خلاف یہ موقف اس لیے اختیار کیا کیونکہ حدیث معاذؓ میں جن ماخذ کا ذکر کیا گیا ہے ان میں قرآن وسنّت کے علاوہ کسی امام کی تقلید کا ذکر نہیں، تقلید ان مآخذ سے خارج ہے امام ابن القیمؒ نے حدیث معاذؓ کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں اختلافِ الفاظ کے ساتھ روایت ہوئی ہے جس کی اسناد پہلی حدیث سے عمدہ ہیں :

"وهذا اجود اسنادا من الاول ۔"

ابن ماجہ نے حضرت معاذؓ سے یہ روایت اس طرح کی ہے :

"لما بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الیمن قال ، لا تقضین ولا تفصلن الا بما تعلم وان اشکل علیك امر فقف حتی تبینه او تکتب الی فیه ۔" (تہذیب الامام ابن القیم الجوزیہ علیٰ حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری ج ۵ ص ۲۱۲)

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو فرمایا جب تک مقدمہ درپیش کو پوری طرح جان نہ لو نہ کوئی حکم جاری کرنا اور نہ فیصلہ کرنا، اگر کسی امر پر اشکال ہو اس کی تبیین تک توقف اختیار

کئے رکھنا یا اس کے متعلق مجھے لکھ بھیجنا)

ابنِ ماجہ کی اس روایت سے یہ بات زیادہ واضح ہوگئی کہ قاضی اس وقت تک فیصلہ نہ دے جب تک مکمل طور پر اس کا انشراحِ صدر نہ ہو جاتے، اس کا ضمیر پوری طرح مطمئن نہ ہو جائے اور پوری طرح جان نہ لے کہ اس بارے میں کتاب و سنت کا حکم کیا ہے۔ اور اگر قاضی کو کتاب و سنت کا حکم معلوم کرنے یا اس کا اطلاق کرنے میں اشکال ہو تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں :

اوّل : توقف اختیار کیے رکھے حتیٰ کہ اس پر حکم واضح ہو جائے۔

دوم : وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجے تاکہ آپؐ اس کی رہنمائی فرمائیں۔

ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت بیان نہیں ہوئی۔ اگر کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے علاوہ کسی فقہ کی تقلید میں کوئی حجت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر فرما دیتے مگر آپؐ نے صرف اتنا فرمایا کہ ثبوت کی تلاش جاری رکھو، جب ثبوت مل جائے، قاضی کا انشراحِ صدر ہو جائے، اس کا ضمیر اطمینان حاصل کر لے تو اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ حدیثِ معاذؓ نے ایک طرف قرآن و سنت کو ہمیشہ کے لیے اسلامی نظامِ عدالت کا اصل الاصول قرار دے دیا اور ان کے علاوہ قاضی کو ہر ماخذ سے آزاد کر دیا دوسری طرف اجتہاد کی اہمیت اور افادیت کو انتہائی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ثابت کر دیا۔

فیصلے

پہلا فیصلہ جس میں معاذؓ نے بطور سیاح تھی قاضی یمن میں ابو موسیٰؓ کی عدالت میں حصہ لیا وہ ایک مرتد کا مقدمہ تھا۔ سماعت اور کارروائی کے بعد ابو موسیٰؓ اپنے فیصلہ پر غور کر رہے تھے اسی دوران حضرت معاذؓ عدالت میں آئے۔ مقدمہ کی تفصیل سن کر انھوں نے فوراً ہی مقدمہ کی بنیادی باتیں ذہنی گرفت میں لے لیں جس سے وہ فیصلہ دینے کے قابل ہو گئے۔[۴۲]

وراثت پر ایک اہم قانونی نکتہ اٹھا کہ کیا ایک مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ دار کے ترکہ میں وارث ہو سکتا ہے؟ مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کی عملداری میں ایک یہودی فوت ہو گیا اس نے ایک مسلمان بھائی پیچھے چھوڑا، مسلمان بھائی حضرت معاذؓ کی عدالت میں مقدمہ لایا تاکہ ورثہ میں اپنا حصہ حاصل کرے۔ حضرت معاذؓ نے فیصلہ کیا :

"بلا شبہ اسلام پھیلتا ہے۔ پس انھوں نے مسلمان بھائی کو ورثہ دیا۔"[۴۳]

ورثہ کا ایک اور مقدمہ حضرت معاذؓ کی عدالت میں فیصلے کے لیے پیش ہوا۔ مقدمہ اور اس پر فیصلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر بیان کرنے والے نے خاص طور پر یہ ذکر کیا ہے کہ یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سنایا گیا تھا مقدمہ کا قانونی نکتہ یہ تھا کہ آیا بہن اپنے اس بھائی کے ترکے میں وارث ہوگی جس کی ایک بیٹی بھی موجود ہو۔ حضرت معاذؓ نے آدھا ترکہ بیٹی کو دے دیا اور باقی بہن کو دیا۔[۴۴]

عمروؓ بن حزم کا تقرر

اسلامی ریاست کا ایک اور اہم ضلع نجران تھا جو بنوالحارث بن کعب کا آبائی علاقہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو اس کی فتح پر مامور کیا۔ نجران کے لوگوں نے بلا مقابلہ ہتھیار ڈال دیئے اور اسلام قبول کر لیا۔ خالدؓ کو واپس بلا لیا گیا۔ وُہ اپنے ساتھ بنو الحارث کا ایک وفد مدینہ لائے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معافی مانگی جو منظور کر لی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن الحسین کو نجران کا گورنر مقرر کیا جو بنو الحارث میں سے تھے۔ سیاسی اور انتظامی طور پر قیس اپنے ضلع میں امن و امان قائم رکھنے کے اہل تھے۔ لیکن اسلامی نظریہ کی تبلیغ، عوام کی تعلیم و تربیت، قبل از اسلام کے قوانین، رسوم و رواج کو اسلامی قوانین کے مطابق بنانے اور مالیہ جمع کرنے اور تنازعوں کا فیصلہ اسلام کے مطابق کرنے کے لیے ایک تکنیکی قانونی ماہر کا تقرر ضروری تھا۔ عمروؓ بن حزم جو اسلامی قوانین کے ماہر تھے مندرجہ بالا ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ انھیں ایک تحریری دستاویز دی گئی تھی جس میں نظریاتی، دستوری، قانونی، عدالتی اور مالیاتی ضابطے بڑی تفصیل سے ان کے فرائض کی انجام دہی کے لیے تحریر تھے۔ یہ تاریخ اسلام میں نظامِ عدل میں بہت اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس طویل اور مفصل دستاویز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا کہ غیر جانبداری کے ساتھ انصاف کریں اور ظلم و زیادتی سے احتراز کریں۔ اس میں جسمانی ایذا و نقصان کی صورت میں حرجانہ کے ضوابط بھی درج تھے۔[۴۶]

جو فرائض ان کے تقرر نامہ میں بیان کئے گئے تھے وہ اسلامی ریاست کے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قانونی اور عدلیہ کے ماہرین کے فرائض کا ایک عمدہ نمونہ پیش کرتے ہیں:

۱ - وہ دینِ اسلام کے مبلغ تھے جو قرآن پڑھا کر اس کی تبلیغ کرتے (یعلموا الناس القرآن) اور ایک مثالی کردار پیش کرتے (امرہ بتقوی اللہ)۔

۲ - وہ لوگوں کے قانونی اور عدالتی مشیر تھے جو ان کو حقوق و فرائض بتاتے (یخبر الناس بالذی لھم، والذی علیھم)۔

۳ - وہ جج تھے جہاں کسی کا حق پامال ہوتا یا کوئی جُرم سرزد ہوتا انھیں انصاف طلب کرنے والوں کے ساتھ نرمی برتنے اور ظالم کے خلاف ثابت قدم رہنے کی ہدایت تھی کیونکہ اللہ کو ظلم بالکل پسند نہیں اور اس نے اس کی ممانعت کی ہے (یلین بالناس فی الحق ویشتد علیھم فی الظلم فان اللہ کرہ الظلم ونھی عنہ)۔

۴ - وہ اسلامی مالیاتی ضابطوں کے مطابق محاصل جمع کرنے والے تھے (امرہ ان یاخذ من المغانم خمس اللہ وما کتب علی المؤمنین فی الصدقہ)

یمن کی عدلیہ پر حضرت علیؓ کا تقرر

تاریخی مواد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب دو مرتبہ یمن میں تعینات ہوئے۔ پہلی مرتبہ وہ فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے فتح یمن کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ایک دوسری فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے خالدؓ بن ولید بھی یمن بھیجے گئے تھے۔ ان کی روانگی کے وقت واضح احکامات دئے گئے تھے تاکہ اگر کسی موقع پر دونوں کمانڈر اکٹھے ہو جائیں تو حضرت علیؓ کمانڈر انچیف ہوں گے :

"ان التقيتما فالامير علی بن ابی طالب"۔[۴۷]

اپنی کمانڈر انچیف کی حیثیت سے حضرت علیؓ کو خالدؓ سے غنائم میں سے خمس (ریاست کے لیے پانچواں حصہ)[۴۸] اور صدقہ (مسلمانوں سے لیا جانے والا مالیہ) اور نجران کے لوگوں سے جزیہ (غیر مسلموں سے لیا جانے والا ٹیکس) وصول کرنے کا اختیار اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کرنے کی ذمہ داری بھی تھی۔[۴۹] یہ ایک علیحدہ تقرر نہ تھا جیسا کہ ابن ہشام کے بیان سے مترشح ہوتا ہے۔

دوسری مرتبہ حضرت علیؓ یمن کے تمام اضلاع کے عمال عدلیہ کے سربراہ کے طور پر بھیجے گئے تھے۔ یہ بات ان بیانات سے اخذ ہوتی ہے جو یمن میں حضرت علیؓ کے قاضی مقرر ہونے سے متعلق ہیں۔ دوسرے ججوں کے تقرر کے حکمناموں میں ان کے اضلاع اور مستقر کے نام بھی درج تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ کا تقرر زبید میں ہوا تھا۔ حضرت معاذؓ کا الجند میں اور حضرت عمرو بن حزم کا نجران میں۔ حضرت علیؓ کے معاملہ میں یمن کا ذکر ہے اور اس کے کسی خاص ضلعے کا حوالہ نہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا" (بعثنی رسول الله الی اليمن قاضيا)۔[۵۰]

اس موقف کو حضرت علیؓ کی عدالتی معاملات میں اس اہمیت سے تقویت پہنچتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کی تھی :

"اقضی امتی علی"۔[۵۱]

حضرت عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے ماہرینِ فقہ و قانون نے بھی عدالتی معاملات میں ان کی فوقیت تسلیم کی ہے :

"علی اقضانا"[۵۲] اور "اقضی اهل المدينة علی بن ابی طالب"۔[۵۳]

حضرت علیؓ کے بطور یمن کے قاضی کے تقرر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص توجہ فرمائی۔ جب حضرت علیؓ کو یمن میں اختیار سنبھالنے کے لیے کہا گیا انھوں نے ہچکچاہٹ ظاہر کی اس لیے کہ یہ اسلامی ریاست کے بہت بڑے صوبے میں عدلیہ کی سب سے اعلیٰ حیثیت کی بڑی ذمہ داری تھی۔ اس عہدہ کی اہمیت کے احساس کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا :

"اس سے مفر نہیں۔ وہاں یا میں ذاتی طور پر خود جاؤں یا تمہیں جانا پڑے گا۔"

حضرت علیؓ نے کہا :

" اگر اس سے مفر نہیں تو میں جاتا ہوں۔"[۵۴]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی :

"ان اللہ سیھدی قلبك و یثبت لسانك۔" (سنن ابی داؤد)

(اللہ تمہارے دل کو راہِ ہدایت پر چلائے اور تمہاری زبان کو ثبات دے گا)

جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے اتنی اہمیت کسی دوسرے تقرر کو نہیں دی گئی۔ اگر یہ کسی ضلعے کے جج کی آسامی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے وہاں جانے کے متبادل کا ذکر نہ فرماتے۔

عدالتی طریق سے متعلق ہدایات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نئے منصب پر یمن جاتے ہوئے حضرت علیؓ کو عدلیہ سے متعلق خصوصی ہدایات دیں۔ عدالتی طریق کار کا اہم ترین اصول متعین کر دیا گیا تھا اور حضرت علیؓ کو مقدمات کی سماعت کے دوران اس پر عمل کی ہدایت کی گئی تھی :

"فاذا اجلس بین یدیك الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانه احری ان یتبین لك القضاء قال : فما زلت قاضیا او ما شککت فی قضاء بعد۔"[۵۵]

(جب دونوں فریق تمہارے سامنے اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں کوئی فیصلہ اس وقت تک صادر نہ کرو جب تک تم دوسرے کو بھی اسی طرح نہ سن لو جیسے پہلے کو سنا تھا۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ فیصلہ تم پر پوری طرح عیاں ہو جائے۔ حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد بطور قاضی میں نے کبھی غلطی نہیں کی یا اس کے بعد میں کسی فیصلہ میں شک میں مبتلا نہیں ہوا)[۵۵]

"معالم السنن" میں الخطابی نے یہ شرح بیان کی ہے :

"فیه دلیل علی ان الحاکم لا یقضی علی غائب و ذلك لانه اذا منعه ان یقضی لاحد الخصمین وھما حاضران حتی یسمع کلام الآخر فقد دل علی انه فی الغائب الذی لم یحضره ولم یسمع قوله اولی بالمنع و ذلك لامکان ان یکون معه حجة تبطل دعوی الحاضر۔" (معالم السنن علی حاشیہ مختصر سنن ابی داؤد، ج ۵، ص ۲۰۸)

(یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حاکم غیر حاضر کے خلاف فیصلہ نہیں دے گا۔ یہ اس لیے کہ جب قاضی کو

اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دو حاضر فریقوں میں سے دوسرے کی بات اسی طرح سنے بغیر فیصلہ دے جس طرح اس نے پہلے کی بات سُنی تھی تو وہ فریق جو حاضر ہی نہیں اور اس کی بات ہی سنی نہیں گئی اس کے خلاف ممانعت بدرجہ اولیٰ ہے یہ شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس ثبوت ہو جو حاضر کے دعویٰ کو باطل کر دے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضع کردہ عدالتی طریق کار سے ثابت ہُوا کہ اسلامی نظامِ عدالت نیچرل جسٹس کے اصولوں کو پُوری اہمیت دیتا ہے۔ فریقین مقدمہ میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی امتیازی سلوک کو روا نہیں رکھتا، دونوں کے ساتھ یکساں اور مساوی برتاؤ کرتا ہے۔ دونوں فریقوں کو مکمل آزادی ہے کہ وُہ اپنے موقف کی تائید میں گواہ اور ثبوت پیش کریں۔ ایک کی بات اُسی طریقے سے سنی جائے جس طرح دُوسرے کی سُنی جائے۔ ایک کو گواہ پیش کرنے کی مکمل آزادی ہے تو دوسرے کو اپنے خلاف دعویٰ کے ابطال میں ثبوت پیش کرنے کی اجازت ہے۔ یہ ایسا فطری عدالتی طریق کار ہے جس کے اتباع میں یورپ و امریکہ نے بعد میں یہ عدالتی طریق کار اپنایا۔ ہم چوتھے باب میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ اسلامی عدلیہ ظاہری شہادت پر فیصلہ دیتی ہے جو گواہی اور ثبوت عدالت میں پیش ہوں ان کا وزن فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک عدالتی نظام قایم ہوا، جس کی بنیاد یہ اصول، قاعدے، ضابطے اور قانون تھے۔ یورپ و امریکہ والوں کو یقین نہیں آ رہا کہ اتنے منضبط اور منظم اصولوں کی بنیاد پر اس دور میں ایسا عدالتی نظام قایم ہوا، وہ طرح طرح کے اوہام و باطل نظریات کا شکار ہیں۔ ہم نے اسلام کے مستند ترین ماخذ سے ثابت کیا ہے کہ ایسا عدالتی نظام بالفعل قایم ہوا جس کا عدالتی طریقِ کار انتہائی ترقی یافتہ تھا وہ اس حد تک ترقی یافتہ تھا کہ آج بیسویں صدی میں انھیں اصولوں کی بنیاد پر جب یورپ و امریکہ نے اس نظام کو اپنایا تو وہ اسے آج کی پیداوار قرار دے رہی ہیں حالانکہ یہ فیضان ہے اندلس، سسلی کی اسلامی عدالتوں کا، جہاں سے یورپ نے یہ نظام سیکھا اور پھر خود اپنایا۔

یمن میں حضرت علیؓ کے فیصلے

زیدؓ بن ارقم ایک مقدمہ میں حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ بیان کرتے ہیں :

"میری موجودگی میں یمن سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانہ میں حضرت علیؓ وہاں (یمن میں) تھے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانا شروع کیا "ایک عورت حضرت علیؓ کے پاس لائی گئی جس کے ساتھ تین آدمیوں نے ایک طہر میں زنا کیا تھا۔ انھوں نے پہلے دو سے پُوچھا مگر انھوں نے بچّے کو قبول نہ کیا۔ انھوں نے اس کے بعد دوبارہ ان سے (ہر مرتبہ ان کے الگ الگ گروہ قائم کر کے) دو دو کر کے دریافت کیا مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔ تب انھوں نے قرعہ اندازی سے مقدمے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے بچّے کی ذمہ داری اس شخص پر

ڈال دی جس کے نام قُرعہ نکلا تھا۔ انھوں نے دو تہائی معاوضہ بھی اس کے ذمہ ڈالا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنسے یہاں تک کہ آپؐ کی ڈاڑھ کے دانت نظر آنے لگے۔" ۵۶

ایک اور بیان کے مطابق مقدمہ کی تفصیل بتاتے ہُوئے حضرت علیؓ نے مقدمہ تحریری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلے کے لیے بھجوا دیا۔ فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: میرے پاس اس میں اضافے کی کوئی گنجایش نہیں اور میں سوائے حضرت علیؓ کے فیصلے کی توثیق کرنے کے کچھ نہیں کر سکتا۔" ۵۷

اس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علیؓ ایک بہت اہم صوبے میں عدلیہ کے ذمہ دار تھے اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ قائم رکھتے اور پیچیدہ اور مشکل قانونی مسائل پر آپؐ سے قانونی اور عدالتی امور پر مشورے لیتے رہتے۔ اس فیصلے کے مندرجات ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ عہدِ رسالت کا عدالتی نظام بہت منضبط اور منظم تھا عدالتیں ایک مربوط عدالتی طریق کار پر عمل پیرا تھیں صوبائی عدالتوں کے قاضی وفاقی عدالت عظمیٰ سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے۔ اس کے طریق کار کو اپناتے اور بوقتِ ضرورت مقدمات اس کے حوالے کرتے۔ جب عدالتِ عالیہ کی طرف سے حوالہ کردہ مقدمہ عدالت عظمیٰ کے زیرِ غور رہتا اس وقت تک فریقین مقدمہ پابند رہتے۔ چونکہ مغرب نے یہ عدالتی طریقِ کار بعد میں اپنایا اس لیے وہ اسلامی نظامِ عدالت کی اوّلیت و فضیلت کو تسلیم کرنے سے ہچکچا رہے ہیں حالانکہ علمی دیانت اور تحقیقی طرزِ عمل کا تقاضا ہے کہ وہ اسلام کی بالادستی تسلیم کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک اور مقدمہ جو اُنھوں نے اپنی تعیناتی کے دوران فیصل کیا، خود بیان کرتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا۔ بعض قبائلیوں نے شیر پکڑنے کے لیے ایک گڑھا کھودا اور اس کا انتظار کرنے لگے، وہ اس میں گر پڑا۔ وہ ایک دوسرے کو گڑھے کے گرد دھکیلنے لگے۔ ایک آدمی اس میں گر گیا، اس نے اپنے ساتھ والے کو پکڑا، اس نے دوسرے ساتھ والے کو، یہاں تک کہ چار آدمی گڑھے میں گر پڑے۔ شیر نے انھیں زخمی کر دیا۔ ایک آدمی نے اسے نیزہ مارا جو اسے چھیدتا چلا گیا۔ اس نے آدمیوں کو گڑھے سے نکالا بعض اس میں مر گئے تھے اور بعض زخمی ہو گئے تھے مگر ابھی زندہ تھے۔ آخر کار وہ سارے مر گئے۔ تین کے قبیلوں نے پہلے کے قبیلے سے کہا: تینوں کا خون بہا ادا کرو۔ اگر یہ تمہارے آدمی کی وجہ سے نہ ہوتا تو وہ گڑھے میں نہ گرتے۔ انھوں نے کہا "ہمارے آدمی نے صرف ایک کو پکڑا تھا پس ہم اس ایک کا خُون بہا دیں گے۔ وہ جھگڑتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے آپس میں لڑنے کا منصوبہ بنایا۔ ان میں سے ایک آدمی میرے پاس آیا۔ وُہ مجھ سے زیادہ دُور نہ تھے میں اُن کے پاس گیا اور کہا "کیا تم اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور میں تمہارے درمیان موجود ہُوں؛ تمہارے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے

میں جج ہوں۔ اگر تم میرے فیصلے سے مطمئن ہو گئے تو یہ تمہارے درمیان نافذ کر دیا جائے گا۔ اگر تم اس سے مطمئن نہ ہوئے تم اپنی ساری کارروائی بند رکھو گے۔ جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اس کا کوئی حق نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپیل پیش کرے وہ فیصلہ کرنے میں مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔" وہ اس (تجویز) پر رضا مند ہو گئے۔ انھوں نے انہیں حکم دیا کہ جو گڑھے پر موجود تھے ان سے ایک پورا خون بہا، ایک آدھا خون بہا، ایک تہائی خون بہا اور ایک چوتھائی خون بہا جمع کرو۔ اس پر میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ سب سے نیچے والے کو ایک چوتھائی خون بہا دیا جائے کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس پر تین آدمی پڑے تھے اس سے اوپر والے دوسرے کو ایک تہائی خونبہا دیا جائے کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس پر دو آدمی پڑے تھے۔ اس کے بعد والے کو آدھا خون بہا دیا جائے کیونکہ وہ اس حالت میں مرا جبکہ اس پر ایک آدمی تھا۔ سب سے اوپر والے کو پورا خون بہا دیا جائے کیونکہ اس کے اوپر کوئی نہیں مرا۔ ان میں سے بعض فیصلے سے مطمئن ہوئے اور بعض نے اسے ناپسند کیا۔ میں نے حکم دیا "میرے فیصلے پر قائم رہنا یہاں تک کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچو پھر وہ تمھارے درمیان فیصلہ کریں گے۔" وہ حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوئے۔ جب آپؐ نماز ختم کر چکے تھے اور مقام ابراہیم (کعبہ کے ساتھ) تشریف فرما ہو گئے تھے وہ آپؐ کے سامنے پیش ہوئے اور اپنا مقدمہ سنایا۔ اپنے گرد چادر لپیٹ کر بیٹھے ہوئے آپؐ نے فرمایا: "یقیناً میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔" مجلس کے کونے سے ایک شخص بولا: "علیؓ بن ابی طالب نے یمن میں پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے۔" آپؐ نے دریافت کیا: "انھوں نے کیا فیصلہ کیا؟" انہوں نے آپؐ کو وہ فیصلہ بیان کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فیصلہ جو میں نے کیا تھا برقرار رکھا۔"[۵۸]

یہ حضرت علیؓ کے اہم فیصلوں میں سے ایک ہے۔ یہ عہد رسالت کی عدلیہ کے عدالتی طریق کار کو پوری وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صوبائی اور ضلعی ججوں کو اپنے فیصلے نافذ کرنے کے لیے انتظامی اختیارات حاصل تھے "فھو نافذ بینکم"۔[۵۹] یہ ہمارے اس موقف کی تائید بھی کرتا ہے کہ حضرت علیؓ یمن میں اعلیٰ ترین عدالتی عہدہ دار تھے۔ ان کے فیصلے نافذ ہوتے یا فریقین مزید کارروائی سے باز رکھے جاتے جب تک عدالت عظمیٰ میں اپیل کا فیصلہ صادر نہ ہوتا "فھو حاجز بینکم فمن جوزہ فلا حق لہ"۔ اسلامی ریاست کی عدالت عظمیٰ جس کے پاس حضرت علیؓ کے فیصلے کے خلاف اپیل ہو سکتی تھی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت تھی جو اسلامی ریاست کی عدالت عظمیٰ کے سربراہ تھے: "تمسکوا بقضائی حتی تاتوا رسول اللہ فیقضی بینکم"۔

ہم نے تیسرے، چوتھے اور موجودہ باب میں جگہ جگہ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ عہد رسالت میں نظام عدالت

مستحکم، مضبوط اور منضبط اصولوں، قاعدوں، ضابطوں اور قانونوں پر قایم تھا، ایک واضح آئین تھا۔ اس آئین کے تحت قوانین مرتب ہو چکے تھے۔ عدالتی طریق کار منضبط اور مربوط شکل میں معرض وجود میں آ چکا تھا۔ تفتیش کا محکمہ قایم تھا۔ ملزمان و مدعاعلیہم پر فردِ جرم عائد کی جاتی تھی۔ فریقین مقدمہ کی عدالت میں حاضری ضروری قرار دی جا چکی تھی۔ فریقین کے ساتھ مساوی و یکساں سلوک کا طریق کار اپنایا جا چکا تھا۔ عدالتوں میں قاضیوں کے طرزِ عمل اور رویے کا طریق کار وضع ہو کر نافذ العمل تھا۔ ظاہری شہادت فطری انصاف کے اصولوں کے مطابق عدالتی فیصلوں کی بنیاد تھی۔ ادنیٰ، اعلیٰ اور اعلیٰ ترین عدالتیں اپنے اپنے دائرۂ عمل میں قایم تھیں۔ عہدِ رسالت میں نظامِ عدالت کا یہ نقشہ اتنا واضح اور روشن ہے کہ اس میں کسی ابہام کی گنجایش نہیں۔ اگرچہ حضرت عمرؓ نے نظامِ عدالت کو وسیع پیمانے پر نافذ کیا مگر یہ جغرافیائی وسعت تھی دینی، اسلامی، علمی، قانونی اور عدالتی قوانین، قواعد، ضوابط عہدِ رسالت میں مرتب ہو کر نافذ ہو چکے تھے اس لیے عہدِ فاروقی میں وسیع رقبے پر اس نظامِ عدالت کا نفاذ عہدِ رسالت کے نظامِ عدالت پر نظم و ضبط اور طریق کار پر ہرگز فوقیت نہیں رکھتا۔ عہدِ حاضر کے بعض مصنفین نے جن میں علامہ شبلی شامل ہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے نظامِ عدالت ابتدائی مراحل میں تھا جسے انہوں نے ترقی یافتہ بنایا مگر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ تاثر درست نہیں عہدِ رسالت کا نظامِ عدالت خوب منظم، مربوط اور ترقی یافتہ تھا۔

حوالہ جات اور تشریحات

۱۔ عبدالحیٔ الکتانی، نظام الحکومۃ النبویہ المسمیٰ التراتیب الاداریہ، ایڈیشن بیروت، جلد اول، صفحات ۲۴۰ تا ۲۴۵۔
۲۔ الحافظ العراقی، الالفیہ جیسا کہ الکتانی نے حوالہ دیا ہے۔ مندرجہ بالا، صفحات ۲۴۵-۲۴۶۔
۳۔ علی عبدالرازق، "الاسلام واصول الحکم"۔
۴۔ ایمل تیان
Emile Tyan, Histoire De L'Organisation Judiciare En Pay D' Islam, Leiden E.J. Brill, 1960
۵۔ الکتانی متذکرہ بالا، ج ا ص ۵۶۔
۶۔ علی بن عمر الدارقطنی، السنن، ایڈیشن ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء، ج ۴ ص ۲۰۳۔
۷۔ ایضاً
۸۔ الترمذی، الصحیح مع شرح از ابن العربی، ایڈیشن ۱۳۵۰ھ/۱۹۵۱ء، ج ۶ ص ۶۳، ۶۴۔
۹۔ ابن العربی ایضاً
۱۰۔ ایضاً ص ۶۵
۱۱۔ ابن الکثیر، التفسیر، ایڈیشن لاہور، ج ا ص ۵۲۱۔
۱۲۔ علی بن عمر الدارقطنی متذکرہ بالا، ج ۴ ص ۲۲۹۔
۱۳۔ الکتانی، متذکرہ بالا، ج ا ص ۵۸۔
۱۴۔ ایضاً
۱۵۔ ابن القیم
۱۶۔ الکتانی، متذکرہ بالا، ج ا ص ۲۴۰۔
۱۷۔ ابن حبّان نے "الصحابہ" میں بیان کیا ہے: "ولّاہ المصطفیٰ بعض عمل مکّۃ"۔ ابنِ سعد نے اس کو یُوں بیان کیا ہے: "صحب الحارث المصطفیٰ فستعملہ علی بعض عملہ بمکہ واقرّہ، اُبوبکر، عمر وعثمان"۔ الکتانی نے حارث بن عبدالمطلب کے بارے میں ایسے ہی بیانات کا حوالہ دیا ہے

(الکتانی، نظام الحکومۃ النبویہ، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۲۴۱-۲۴۲)

۱۸ - قرآن پاک ۲: ۲۷۹
۱۹ - الطبری، تفسیر الطبری، ایڈیشن ۱۳۲۴ھ اے ایچ بلاق، ج ۲ ص ۶۸، ۶۹ -
۲۰ - ابن ہشام، سیرہ، ایڈیشن قاہرہ ۱۳۵۶ھ، ج ۱، ص ۴۳-۴۴ -
۲۱ - الطبری، التاریخ، ج ۳ ص ۲۱۴ -
۲۲ - مندرجہ بالا عنوان کے تحت تفصیل ملاحظہ کیجئے: قضاۃ اور عمّال -
۲۳ - وکیع، محمد بن خلف، اخبار القضاۃ ایڈیشن ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء، ج ۱ ص ۱۰۰-۱۰۱ -
۲۴ - الکتانی، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۲۴۵ -
۲۵ - ایضاً، ص ۲۴۱ -
۲۶ - البخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰ ومعاذ الی الیمن -
۲۷ - ایضاً، کتاب الاحکام، باب الحاکم یحکم بالقتل -
۲۸ - ایضاً، کتاب المغازی متذکرہ بالا -
۲۹ - ابن سعد، طبقات، ج ۳ ص ۵۸۶ -
۳۰ - البخاری، کتاب المغازی متذکرہ بالا -
۳۱ - الکتانی، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۲۵۹ -
۳۲ - وکیع، اخبار القضاۃ، ج ۱ ص ۱۰۰-۱۰۱ -
۳۳ - البخاری، المغازی، متذکرہ بالا -
۳۴ - ایضاً
۳۵ - ایضاً
۳۶ - وکیع متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۱۰۱-۱۰۲ -
۳۷ - البخاری، المغازی متذکرہ بالا -
۳۸ - ایضاً
۳۹ - ابن ہشام، سیرہ، ج ۴ ص ۲۶۰ -
۴۰ - البخاری، المغازی، یہ غور طلب ہے کہ قاضی کو مبلغ کے فرائض بھی انجام دینا ہوتے تھے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ دینی تحریک کے ضمن میں ہو سکتا ہے جس کے لیے حضرت معاذ یمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ تھے -

۴۱ - ابوداؤد، سنن، کتاب الاقضیہ، باب اجتہاد الرائے فی القضاء - الترمذی، الصحیح ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء مع شرح ابن العربی، ابواب الاحکام ج ۶ ص ۶۸ - ۶۹ - ابن ماجہ، سنن -

۴۲ - البخاری، الصحیح، کتاب المغازی -

۴۳ - وکیع، اخبار القضاۃ، ج ۱، ص ۹۹ - بیشتر مسلم فقہاء اس نقطہ پر حضرت معاذؓ سے متفق نہیں - وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ نہ کوئی مسلمان اپنے غیر مسلم رشتے دار کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ کوئی غیر مسلم اپنے مسلمان رشتہ دار کا - وہ اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر رکھتے ہیں؛

لایرث المسلم الکافر ولا یرث الکافر المسلم - (مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض)

تاہم معاذؓ بن جبل، معاویہؓ، سعیدؒ بن المسیب، مسروقؒ، ابو درداءؓ، الشعبیؒ، الزہریؒ، نخعیؒ نے مسلمان کو اپنے غیر مسلم رشتہ دار کا وارث بننے دیا ہے - (شرح النووی، ایڈیشن نور محمد مع متن اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، دہلی، ج ۲، ص ۳۳، کتاب الفرائض)

۴۴ - ایضاً - ابن قیم نے ابن عباسؓ کی رائے بیان کی ہے جس کے مطابق ایک بہن اپنے بھائی کے ورثہ میں حصّہ کی حقدار نہیں جبکہ اس کی بیٹی بھی ہو - (ایضاً فٹ نوٹ ص ۹۹)

۴۵ - ابن ہشام، سیرہ، مندرجہ بالا، ج ۲، ص ۵۹۳ - ۵۹۴ -

۴۶ - ایضاً صفحات ۵۹۴، ۵۹۶ - الطبری، تاریخ، ج ۱ ص ۱۷۲۷ - ۱۷۲۹ - مالک بن انس، موطأ، ج ۱، ص ۳۴۳ - الکتانی نظام الحکومۃ (التراتیب الاداریہ)، ج ۵، ص ۲۷۴-۲۵۰ -

۴۷ - ابن ہشام، سیرہ، ج ۲، ص ۶۴۱ -

۴۸ - البخاری، الصحیح، کتاب المغازی - البراء کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے شاید حضرت علیؓ نے خالدؓ کی جگہ لی تھی "ثم بعث علیا بعد ذالك مکانه" (ایضاً) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہشام کا مندرجہ بالا بیان اپنے مشتملات کے لحاظ سے البخاری کے بیان سے زیادہ واضح ہے جس میں حضرت علیؓ کو دونوں کے ایک جگہ ملنے کی صورت میں کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا - یہ اسی فوجی معرکہ کے دوران کی بات ہے کہ حضرت علیؓ کو خالدؓ سے خمس وصول کرنے کے لیے کہا گیا تھا جیسا کہ بخاریؒ نے بیان کیا ہے؛

"بعث النبی علیا الی خالد لیقبض الخمس" (الصحیح ایضاً)

۴۹ - ابن ہشام، سیرہ، متذکرہ بالا، ج ۲ ص ۶۰۰ -

۵۰ - ابوداؤد، السنن، کتاب الاقضیہ، باب کیف القضاء، متذکرہ بالا، ج ۵، ص ۲۰۸ -

۵۱ - وکیع، اخبار القضاۃ، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۴۸ -

۵۲ - ایضاً، ص ۸۹ یہ حضرت عمرؓ کی تعریف ہے -

۵۲ - ایضاً، ص ۸۹ - ۹۰ یہ عبداللہ بن مسعود اور ابوہریرہؓ کے بیانات ہیں۔
۵۴ - ابن حبان، الصحیح، جیسا کہ وکیع نے حوالہ دیا ہے۔ اخبار القضاۃ، متذکرہ بالا، ج ۱، فٹ نوٹ ص ۸۴۔
۵۵ - ابوداؤد، السنن، کتاب الاقضیہ، باب کیف القضاء، متذکرہ بالا، ص ۲۰۸۔ الترمذی، الصحیح، ابواب الاحکام، متذکرہ بالا، ج ۶ ص ۶۷ - ابن ماجہ کی روایت کے مطابق، اس کے بعد میں کبھی دو فریقوں کے درمیان کسی بھی فیصلہ پر شک میں مبتلا نہیں ہوا۔ (ابن ماجہ، ابواب الاحکام، باب ذکر القضاۃ، ص ۴۷۷) اس موضوع پر بعض ماخذ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنا عدلیہ کا منصب سنبھالنے میں ہچکچاہٹ اس لیے ظاہر کی کہ وہ نو عمر تھے اور امورِ عدلیہ کے علم میں نوخیز تھے؛

"انا شاب اقضی بینھم ولا ادری ما القضاء"۔ (ابن ماجہ، السنن، متذکرہ بالا)

یا ابوداؤد کی روایت میں؛

"اناحدیث السن ولا علم لی بالقضاء"۔ (السنن متذکرہ بالا)

ایک بہت ہی مستند ماخذ الترمذی ان کی ہچکچاہٹ بیان نہیں کرتا (الصحیح متذکرہ بالا) مزید برآں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلوغت اور علم کا حوالہ اپنے مقابلے میں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہمت بندھائی اور اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا اور اللہ سے ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی؛

"ان اللہ سیھدی قلبك ویثبّت لسانك"۔ (مختصر سنن ابی داؤد، باب کیف القضاء)

۵۶ - وکیع، اخبار القضاۃ، متذکرہ بالا، ج ۱، ص ۹۱۔
۵۷ - ایضاً، ص ۹۴۔
۵۸ - ایضاً، ص ۹۵ - ۹۷۔ مسند احمد بن حنبل از حنش بن المؤتمر۔ الذہبی، میزان الاعتدال فی ترجمہ حنش مع وکیع کے حوالہ کے، متذکرہ بالا)
۵۹ - وکیع، متذکرہ بالا فیصلہ کے تمام عربی جملے وکیع کے متن سے ترجمہ کیے گئے ہیں۔ (متذکرہ بالا)

باب ششم

عہدِ رسالتؐ کا نظامِ عدالت
اور
جدید معترضین و مستشرقین

علی عبدالرازق اور ایمل تیاں

علی عبدالرازق نے اپنی کتاب "الاسلام و اصول الحکم" اور ایمل تیاں نے اپنی کتاب

al-Islám wa Uṣūl al- Hukm,- Histoire de l 'Organisation Judiciaire on pays
D'Islam. Section III: La Justice dans l'Oeuvre de Mahomet.

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے عدالتی نظام پر بحث کی ہے اور دور از افتادہ نتائج اخذ کئے ہیں۔ علی عبدالرازق نے حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت ابو موسیٰؓ الاشعری کے تقرر پر ان مختلف فرائض کے سبب جو انھیں یمن میں تفویض کئے گئے تھے شک کا اظہار کیا ہے[1]۔

تیاں کے نظریہ کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

رسول (صلعم) نے نئے قوانین جاری نہیں کئے اور قبل از اسلام کے طریقوں اور رسم و رواج کے ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے کام کیا[2]۔ انہوں نے کوئی عدالتی نظام قائم نہیں کیا۔ ذاتی انصاف اور بدلہ کا رواج قائم رہا۔ انہوں نے قبل از اسلام ثالثی کا طریقہ قائم رکھا۔ ان کا اپنا عدالتی رتبہ دورِ جاہلیت کے ثالث سے زیادہ نہ تھا[3]۔ چونکہ انھیں عدالتی نظام کا کوئی تصور نہ تھا لہٰذا ان کے صوبائی ججوں کے تقرر کا نظریہ بے بنیاد ہے[4]۔ ان کے پاس اپنے فیصلے نافذ کرنے کے لئے کوئی سرکاری اختیار نہ تھا انہوں نے نہ کوئی عدالتی طریق کار مرتب کیا تھا اور نہ کوئی قانونِ شہادت بنایا تھا[5]۔ جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قانون سازی کا تعلق ہے تیاں نے قبل از اسلام کے رواج "ثا" (بدلہ) اور دیت (خون بہا) کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ آپؐ اس پر بغیر کسی ترمیم کے عمل کرتے رہے۔ اس سے اس نے نتیجہ نکالا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی "دنیوی قانون" نہیں لائے، اور صرف قبل از اسلام کے طریقوں اور رواجوں پر عمل پیرا رہے[6]۔ یہ بہت ہی عجیب نتیجہ ہے! تیاں نے قتل، چوری، قزاقی، زنا، لعان پر فوجداری قوانین نکاح و طلاق اور وراثت کے شخصی قوانین، زکوٰۃ، عشر، فئے، جزیہ، زراعت، تجارت منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کے دیوانی اور مالیاتی کے قوانین۔ منکوحہ، غیر منکوحہ سے زنا اور دیگر فوجداری اور دیوانی معاملات اور مقدمات کے لیے شہادت کے قوانین سب نظر انداز کر دیئے۔ منکوحہ زانیوں کے مقدمات کے لیے چار گواہ لازم ہیں اور دوسری قسم کے لیے دو گواہ۔ مدعا علیہ کی طرف سے قسم کے ساتھ ایک گواہ کی شہادت بھی کافی شہادت تسلیم کی گئی ہے۔ اسلامی فقہ و قانون کی مختلف کتابوں میں مدون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر ایک سرسری نظر ہی یہ واضح کر دیتی ہے کہ قبل از اسلام کے طریقے اور رواج زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اسلامی

قوانین سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حلال و حرام، نکاح، طلاق (دو حیضوں کے درمیان یا بعد ایک نشست یا مختلف نشستوں میں) وطلاق رجعی وطلاق بائن خلع (عورت کا حقِ طلاق) لعان (زوجین کا ایک دوسرے پر اتہام)، نفقات (ایک مرد کس حد تک اپنی بیوی یا مطلقہ کے اخراجات کا ذمہ دار ہے) حضانت (بچوں کے دودھ پلانے اور پالنے کا زمانہ) کے قوانین پر غور کیجیے۔ قوانین فرائض (وراثت) وارثوں کے حقوق ان کے حصوں کا تقرر، وارث عورتوں کے حصوں کے تناسب کی تفصیل دیکھیے۔ قبل از اسلام کے رواج کا مقابلہ اسلامی ضابطۂ فوجداری بابت حدود (قتل، چوری، قزاقی، زنا اور لعان) دیت (مختلف فوجداری جرائم اور ضابطۂ فوجداری کی خلاف ورزی پر معاوضہ) سے کیجئے۔ اسلامی اقتصادی اصولِ مزارعت (قوانین زراعت)، مضاربت، شراکت اور ممانعت ربا و قوانینِ بیوع ملاحظہ کیجیے۔ ان قوانین پر توجہ کی ضرورت ہے: خمر (نشہ آور اشیاء)، ان کی ممانعت اور سزا) میسر (جوا، اس کی ممانعت اور سزا)، عتاق (غلام آزاد کرنا) ترغیب عتاق اور آزاد کرنے سے متعلق قوانین وضوابط اور آزاد افراد کے حقوق، جہاد (قوانین جنگ، غنائم کی تقسیم اور ان میں حقوق) خمس (ریاست کا حصہ)، شہادت (گواہی کے قوانین، گواہوں کی تعداد جو مختلف جرائم میں درکار ہے، مرد اور عورت کی گواہی، قسم کا جواز اور مدعا علیہان میں سے گواہ)۔

کوئی بھی قانونی نظام ہوا میں قائم نہیں ہوتا۔ جس معاشرہ میں یہ جنم لیتا ہے اس خاص معاشرے کے طریقوں، رسموں اور رواجوں کا بغور تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اصل حیثیت بنیادی اور اہم مذہبی اور اخلاقی اصولوں کی ہوتی ہے جن کے معیار اور اصول پر مروجہ قوانین اور قواعد کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے اور اگر ان میں کوئی تضاد ہو تو انھیں ان کے الفاظ و معنی کے مطابق ڈھالا جاتا ہے۔ ان کی بنا پر مزید قانون سازی کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از اسلام کے سارے رسم و رواج کو نہیں ٹھکرایا تھا جو مذہب اسلام کے مطابق تھے وہ جاری رہنے دیئے گئے دوسروں کو ترمیم و تنسیخ کر کے اسلام کے مطابق بنایا گیا اور باقی کلیتہً رد کر دیے گئے۔

قرآنی قوانین کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ابتدائے اسلام سے جاری و ساری تھی جو عمل و کردار کا ایک نمونہ تھی۔ آپؐ کا پیغام اپنی اخلاقی حیثیت اور روح کے لحاظ سے عربوں کے طریق سے جو عربوں کے باپ دادا کے عام رسم و رواج پر مبنی تھا، بالکل مختلف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام عربوں کے رواج سے بنیادی طور پر دو نکات پر مختلف تھا۔ اولاً اس کا نکتہ آغاز بجائے عربوں اور قبائلی نسب کے اللہ تھا۔ دوسرے اسلام نے عربوں کے مقررہ اصل اصول (یعنی اپنے اجداد کے طریق پر قائم رواج) کو مذموم قرار دے کر اسے مسترد کر دیا عربوں کے لیے درست، مناسب اور اصل طریقہ ہی وہ تھا جس میں قدامت ہو اور جو نسل در نسل چلا آ رہا ہو۔ اسلام نے اس بنیاد کو یہ کہہ کر مسمار کر دیا کہ ان کے رواج قائم کرنے والے اور جن کا ان کی نظروں میں قدامت کے باعث احترام تھا عقل و ہدایت سے عاری تھے۔ کیا وہ اس کے باوجود آباؤ اجداد کے طریقے پر جمے رہیں گے: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ "کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں نہ ہدایت رکھتے ہوں" اور لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ "نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں"۔ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

" چل پھر کر دیکھ لو مجرمین کا انجام کیا ہوا، آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو شرارتیں یہ کر رہے ہیں ان سے تنگ نہ ہو جئے یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔"

عرب جنہوں نے اپنے آبار و اجداد کا مذہب ٹھکرا کر اسلام قبول کیا انہوں نے ان کے وہ رسم و رواج بھی ترک کر دیئے جن کی بنیاد گمنام اجتماعی ورثہ پر تھی۔

قرآن نے زندگی کے دھارے کو کامیابی سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کے مثالی کردار کی طرف موڑ دیا۔ مومنین اسلامی طرز سے اپنے اعمال کی مطابقت کی فکر میں کوئی بھی قدم اٹھانے میں محتاط تھے جب تک اس کی کسی واضح حکم قرآنی سے توثیق نہ ہوئی ہو یا جب تک انہیں کلی اطمینان نہ ہو جاتا کہ ان کا طرزِ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپؐ کی سیرت و کردار کے مطابق ہو گا۔ قرآن میں بار بار "یستلونک" (وہ آپ سے پوچھتے ہیں) کا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو اپنانے میں کس قدر ذوق و شوق رکھتے تھے[۲]۔ مشہور مستشرق گولڈ زیہر کے مطابق "رسولؐ کی بعثت کے فوراً بعد ان کا عمل اور کردار نئی مسلم امت کے لیے سنت قرار پا گیا تھا اور قبل از اسلام کی عرب سنت ختم ہو کر رہ گئی تھی"[۱]۔ ڈنکن بی میکڈونلڈ[۲]، جوزف شاخت[۳]، مجید خدوری[۴]، این جے کولسن[۵] بھی اسی موقف کے حامی ہیں۔

اس مفروضے کے ثبوت میں کہ بعثت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اس کے کہ کوئی نیا نظام عدالت قائم کرتے قبل از اسلام کا ثالثی نظام جاری رکھا۔ تیاں یہ دلیل دیتا ہے: چونکہ آپؐ نے کوئی نیا قانونی نظام نافذ نہیں کیا، لہذا آپؐ کوئی نیا عدالتی نظام رائج کرنا بھی نہیں چاہتے تھے[۶]۔ ہم نے اوپر اسلام کے مستند بنیادی مآخذ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ ایک نیا قانونی نظام نافذ کیا جس نے قبل از اسلام کے اس رسم و رواج کی جگہ لی جو ان کے آباؤ اجداد کی مشترکہ مصنفی کے تصور پر مبنی تھا[۷]۔ اور مومنوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی زندگی ان کی اپنی زندگی اور کردار کے لیے فیضان کا منبع قرار پائی یہ دینی اور تاریخی مستند شواہد تیاں کے مفروضہ کی کلیتہً نفی کرتے ہیں۔

اپنے اس مفروضہ کی تائید میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از اسلام کے ثالثی نظام کی پیروی کی اور کوئی نیا عدالتی نظام قائم نہیں کیا۔ تیاں نے ایک بہت غیر معقول دعویٰ کیا ہے وہ لکھتا ہے:

> "یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ قرآن کے تمام متون میں جہاں انصاف کا ذکر ہے اس کو ہمیشہ اسی ایک اصطلاح سے پکارا گیا ہے جس کا اسلام سے پہلے اس پر اطلاق ہوتا تھا۔ یعنی "تحکیم" جو حتمی طور پر ثالثی نظام کا تصور دیتا ہے[۸]!"

ہم ذیل میں تیاں کے اس خود ساختہ مفروضے کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں:-

قرآن کی بنیادی قانونی اور عدالتی اصطلاحات:

تعجب ہے کہ تیاں نے قرآن میں استعمال ہونے والی بہت سی ایسی واضح اور غیر مبہم اصطلاحات کو نظر انداز کر دیا ہے جو

حکم کے مترادفات ہیں مثلاً امر، عدل، قسط اور قضاً وہ حکم کی اصطلاح کے معاملہ میں بھی معقولیت سے کام نہیں لیتا اس نے دانستہ اس اصطلاح کے صرف ایک معنی "ثالثی لئے ہیں[19]. قرآن کے مطابق یہ مفہوم کنایہ ہے۔ اصلی نہیں۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے اس اصل مفہوم کو رد کر دیا جو قرآن میں مستعمل ہے یعنی فیصلہ اور عدالتی نظام۔

تیاں جیسے مصنف یک طرفہ فیصلہ کر دیتے ہیں۔ جب وہ اسلام کی مذہبی اور اخلاقی تعلیمات پہ بحث کرتے ہیں تو وہ اس کے دستوری، قانونی، عدالتی اور سیاسی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ اس کے دنیوی پہلو پر لکھتے ہیں تو اس کی مذہبی اور اخلاقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اگر قرآن غیر جانب داری سے پڑھا جائے تو وہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے دستوری، عدالتی اور قانونی اصول انسانی زندگی کے مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں کے ساتھ باہم مربوط ہیں اور وہ مساوی طور پر اہم ہیں۔ وہ انسان پر منصف رہنے کا مذہبی فریضہ عاید کرتے ہیں اور انصاف سے کام لینے کا اخلاقی فرض اور قانون اور عدلیہ کی پابندی کا قانونی فرض بھی عاید کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف دنیوی نقطۂ نظر سے اسلام کے قانونی اور عدالتی پہلو اجاگر کرنے کی کوشش کرے اور اس کے مذہبی اور اخلاقی اثرات کو نظر انداز کر دے اور پھر ان کا دیگر نظام ہائے قانون و عدالت جو مذہب سے عاری ہیں سے مقابلہ کرے اور اپنے پہلے سے سوچے ہوئے نتائج اخذ کرے وہ یقیناً نہ اسلام سے انصاف کرتا ہے نہ اس مضمون سے جس پر وہ بحث کر رہا ہے۔

پانچ الفاظ ہیں جو قرآن میں بنیادی اصطلاحوں کے طور پر قانون اور عدالتی نظام کے تصور کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں: امر، حکم، قضاً، عدل اور قسط۔

دوسرے بہت سے مرکب فقرے اور کلمات بھی ہیں جو ایک ہی مطلب ظاہر کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان الفاظ کو جن اصل معنی میں استعمال کیا گیا ہے ان کا تعین کیا جائے تاکہ بہ تحقیق معنی کو واضح کر سکے اور انصاف کی نوعیت و شکل جو قرآن مقرر کرتا ہے واضح ہو سکے۔

ان اصطلاحات کو ذیل میں ایک ایک کرکے بیان کیا جاتا ہے:

ا۔ (الف) امر کے معنی قانون فطرت یا حکم الٰہی کے ہیں۔ اس حکم کی تابعداری در اصل ہر مخلوق اپنے فطری تقاضے کے مطابق کرتی ہے مثلاً قرآن کہتا ہے: والشَّمْسَ وَالقَمَرَ والنجوم مسخرات بامرہ[20] سورج چاند اور ستارے اسی کے امر کے تابع ہیں۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ "تخلیق اور حکم اسی کا ہے"[21]

ایسی آیات کتاب مقدس میں بہت عام ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے اس جاری اور سب پر حاوی قانون کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کی اطاعت ایک فطری تقاضے سے کل عالم کرتا ہے۔

(ب) "امر" شرع اسلامی کے فرامین ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔ "یقیناً اللہ تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے"[22] " اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو"[23]

قرآن کے بنیادی قوانین" امر" کی اصطلاح کے استعمال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور لاتعداد حوالوں سے ایسی مثالوں کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے۔

ج۔ "امر" اللہ کے عام ارادہ کو ظاہر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

"اور جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے عیش پسند باشندوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت کرتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔"[24]

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا۔

"پس ان کو مضبوطی سے تھامو اور اپنی قوم کو اس کے بہترین احکام پر عمل کا حکم دو۔"[25]

ان آیات میں پیغمبر کے ذریعہ قوموں کی ہدایت کا حکم موجود ہے۔

د۔ امر ایک سیاسی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ[26] "اور تم میں سے جو اقتدار میں ہیں۔"

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ[27]

"اور ان کے معاملات کا فیصلہ ان کے درمیان مشاورت سے طے پاتا ہے۔"

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ[28]

"بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔"

ان آیات میں منظم و شوری حکومت کا تصور بالکل عیاں ہے کیونکہ اللہ مومنوں کو شرع کے قوانین کی پابندی کا حکم دیتا اور رسولؐ کے عمال پر ان کے نفاذ کی پابندی عاید کرتا ہے۔ اسی طرح ان آیات میں جہاں مومنین کو انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اخلاقی برتاؤ اور قانونی انصاف کو یکساں طور پر بیان کرتی ہیں۔ کیونکہ قرآن اخلاقی ترغیب کے لیے خود متعدد دوسرے الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔ علاوہ ازیں، آیات کا متن ظاہر کرتا ہے کہ نظام عدالت کا نظریہ غالب ہے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کا حکم دیتا ہے جس میں شرعی ضابطے بالادستی رکھتے ہوں تاکہ عوام کو صحیح انصاف میسر آسکے۔ درحقیقت اس لفظ کے دوسرے مفہوم کسی نہ کسی طرح ایک ہی بنیادی نظریہ کے محور پر قائم ہیں کہ امر اجتماعی طور پر ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی ذمہ دار ہے جس میں انصاف قائم ہو اور مجرم اور غلط کار بچ کر نہ جا سکیں۔

۲۔ حکم (آرڈر): یہ لفظ بھی قرآن میں اپنے بہت سے مشتقات کے ساتھ کثرت سے استعمال ہوا ہے:۔

الف۔ اس کے معنی عالمی قاعدہ اور حاکمیت الٰہی کے ہیں وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا[29] "اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔"

وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ[30]

"اور تو تمام منصفوں سے زیادہ منصف ہے۔"

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ [۳۱]

"حکم تو صرف اللہ کا ہے" اور ایک بار پھر اسی سورۃ میں:

اَلَا لَہُ الْحُکْمُ ۵ وَھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ [۳۲]

"خوب سن لو حکم اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے"

مندرجہ بالا آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ خدا تمام مخلوق پر حکومت کرتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی حکومت اس معنی میں قطعی ہے کہ تمام عناصر فطرت کا وجود اللہ کے اٹل قانون کی تابعداری کے ساتھ وابستہ ہے۔

ب۔ حکم کی اصطلاح احکامات الٰہی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوئی ہے:

ا۔ ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ [۳۳]

"یہ اللہ کا حکم ہے"

ii۔ وَعِنْدَھُمُ التَّوْرٰۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ [۳۴]

"ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے"

iii۔ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ حُکْمًا عَرَبِیًّا [۳۵]

"اور یوں ہم نے اسے نازل کیا، عربی میں حکم"

iv۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ [۳۶]

"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب دی اور اقتدار اور نبوت دی تھی"

ان آیات میں لفظ حکم شرع کے قوانین کو ظاہر کرتا ہے۔ جو ایک مقتدر حکومت کے تحت روبہ عمل آتے ہیں۔

ج۔ یہ عقل و حکم کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے:

ا۔ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا [۳۷] "اور ہم نے اسے بچپن ہی میں عقل و فہم عطا کی"

ii۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا [۳۸] "اور جب وہ سن بلوغت کو پہنچے، ہم نے انھیں حکمت اور علم دیا"

دراصل عقل و دانش ایک ایسی خصوصیت ہے جو ایک شخص کو صحیح اور غلط کو الگ الگ سمجھنے کے قابل بناتی ہے۔ اس لئے کسی حاکم یا ایسے شخص کے لئے جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہو یہ خوبی لازمی ہے خواہ وہ اپنے فرائض اخلاقی طور پر ادا کرے خواہ قانونی طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن تمام انبیاء کو اس صفت سے متصف قرار دیتا ہے جو اللہ نے انھیں عطا فرمائی تھی۔

iii۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ [۳۹]

بیشک ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح احکامات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور انصاف کرنے کے حکم کو بھی نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

د۔ یہ خالصتاً قانونی اصطلاح کے طور پر فیصلے کرنے، لوگوں کے درمیان تنازعے طے کرنے اور انصاف نافذ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

ا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۔ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ [۴۰] بیشک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کر دو اور یہ کہ جب لوگوں کے درمیان تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو۔

اا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ [۴۱] پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ ان کے آپس میں واقع ہونے والے جھگڑے میں آپ سے تصفیہ نہ کرائیں پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے پورا پورا تسلیم کریں۔

ااا۔ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ [۴۲] جھوٹی باتیں سننے کے عادی لوگ بڑے حرام کے کھانے والے ہیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں۔

یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض عدالت بیان کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین ایک محکم نظام قائم کریں جس میں قانون الٰہی کی اطاعت ہو اور حصول انصاف کے لیے باقاعدہ ادارہ قائم ہو۔ علماء نے اکثر اس مسئلہ کو الجھایا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ بہت سے شرعی قوانین جن کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے ریاست کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے۔ یہ درست نہیں۔ قرآن کے مطابق اسلامی ریاست مومن کے افعال کا محاسبہ کر سکتی ہے اس لئے قرآن کے احکام قدرتاً ریاست کے دائرۂ اختیار اور حکم میں آتے ہیں۔ در اصل اسلامی ریاست اپنے باشندوں کی اخلاقی فلاح پر جتنا زور دیتی ہے ان کی اقتصادی فلاح کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتی ہے۔

۳۔ عدل۔ قرآن میں عدل کا لفظ مختلف مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں ہم ان کے اہم مفاہیم درج کرتے ہیں۔

۔ عدل کے معنی مکافات اور جزا کے ہیں۔ قرآن جب یوم آخرت کا ذکر کرتا ہے جس روز اللہ تعالیٰ میزان قائم فرمائیں گے۔ اور انسانوں کے اعمال کا فیصلہ حقیقت حال کے مطابق کریں گے تو اس لفظ کو عموماً انھیں معنی میں استعمال کرتا ہے۔ اس وقت کوئی شفاعت کوئی دوستی کسی کام نہ آئے گی۔ اس دنیا میں تین چیزیں انصاف میں حائل ہو سکتی ہیں: دوستی، سفارش اور معاوضہ لیکن یوم آخرت یہ ان میں سے کوئی بھی ذرا بھر کام نہ آئے گی۔ مندرجہ ذیل آیات اس عقیدہ کو پوری طرح واضح کریں گی:

ا۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ [۴۳]

اور ڈرو ایسے دن سے کہ نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش

قبول ہوگی اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان لوگوں کی طرفداری چل سکے گی۔
ii۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ج وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ہ[44]
اللہ کے سوا اس کا نہ کوئی مددگار رہوگا نہ سفارشی اور یہ کیفیت ہوگی کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جائے گا۔

ب۔ عدل برابر کرنے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ توحید، قرآن کا بنیادی نظریہ ہے۔ وہ اس شخص کو ملامت کرتا ہے جو کسی دوسری شے کو اللہ کے برابر خیال کرے۔ کتاب اللہ میں خدا واحد و برتر کا تصور واضح ہے۔ دراصل پوری وحی اسی ایک نکتہ کی تفسیر ہے اس لیے قدرتی طور پر قرآن غیر مصالحانہ الفاظ میں بت پرستوں کو ملامت کرتا ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل آیات میں:

i۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ہ[45]
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا پھر بھی کافر اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

ii۔ والذین لا یومنون بالآخرۃ وھم بربھم یعدلون[46]
اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ دوسروں کو اللہ کے برابر ٹھیراتے ہیں۔
اللہ کا شریک اور برابر ٹھیرانے کی مذمت و ملامت اس لفظ کے استعمال سے بیان کی گئی ہے۔

ج۔ عدل کے معنی حق سے انحراف کے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ ایسے شخص کی مذمت کے لئے استعمال ہوا ہے جو پشت خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور دانستہ راہ حق سے ہٹتا ہے۔ جیسے درج ذیل آیت میں بیان ہوا ہے۔

i۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ج[47]
سو تم خواہش نفس کا اتباع نہ کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ۔

یہ ہٹ جانا راہِ حق سے بھٹک جانا ہے جو خواہشات نفس کے پیچھے دوڑنے کا فطری نتیجہ ہے۔ اگر کوئی قاضی خواہشات نفس کا شکار ہے اس سے صحیح فیصلہ کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے قرآن یاد دہانی کراتا ہے ان لوگوں کو جو دوسروں کے معاملات کی سربراہی کرتے ہیں کہ وہ نفس کے اشاروں پر نہ چلیں ورنہ وہ حق اور انصاف سے بھٹک جائیں گے۔

یہ لفظ ایک اور لفظ صراطِ مستقیم کے معنی کو بیان کرتا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیت میں:

i۔ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہ[48]
جو عدل اور انصاف کا حکم دیتا ہے وہ صراط مستقیم پر ہے۔

د۔ یہ فطری انصاف کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ منصف ہے۔ اس نے ہر چیز انصاف اور یکانگت پر بنائی ہے۔ اس کی تخلیق میں کوئی چیز بیکار یا غلط نہیں۔ مثلاً:

ا - " الذی خلقک فسوٰک فعدلک " ۴۹

اس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا پھر تجھے برابر کیا۔

اا - وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۵۰

آپ کے رب کا کلام پورا ہوا صدق اور عدل کے ساتھ۔

ان آیات میں یہ لفظ کائنات میں فطری انصاف کے معنی ظاہر کرتا ہے۔

(ھ) اس لفظ کا ایک مفہوم شخصی انصاف کا ہے۔ جب قرآن انسان کو کائنات کے متعلق تفکر کی دعوت دیتا ہے اور کل عالم میں جاری فطری انصاف پر غور کرنے کو کہتا ہے تو وہ اسے اپنے ذاتی معاملات میں دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے کو بھی کہتا ہے۔ مثلاً مومن کو ایک وقت میں چار بیویوں کی اجازت دیتے وقت وہ اس کو اس متوقع نا انصافی سے آگاہ کرتا ہے جو وہ کر سکتا ہے۔ اس لیے اسے صرف ایک بیوی پر قناعت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

ا - فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۵۱

اگر تم کو خدشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے شادی کرو یا وہ لونڈی جو تمہاری ملکیت میں ہو وہی کافی ہے۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم بے انصافی کر بیٹھو۔

اا - وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۵۲

اگر تم چاہو بھی تو بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے۔ تو تم ایک سے مکمل طور پر دل نہ پھیر لینا کہ تم اسے ادھر میں لٹکا چھوڑ دو۔

ان آیات میں لفظ عدل کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انسان یقیناً غلط راہ پر چل کر خود کو نقصان پہنچا سکتا ہے پس اسے اپنی اغراض کو انصاف اور حق کے دائرہ میں رہتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔

و - یہ خالص انصاف کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے :

ا - وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۵۳

اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے مطابق انصاف بھی کرتے ہیں۔

اا - إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ۵۴

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

یہ آیت مومنوں کو انسانی معاملات میں انصاف کرنے کا ایک عام حکم دیتی ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ انصاف کرنے کو بھلائی کرنے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ اس حکم کے تحت لازمی ہے کہ مومنین اپنی ذاتی اور سرکاری دونوں حیثیتوں میں انصاف کریں۔

ااا - وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ ۵۵

اور تم میں سے جو شخص اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کی پاداش اس جانور کے مساوی ہوگی جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر افراد کریں گے ۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ایک عدالت قائم ہوگی جس میں مسلم امت میں سے دو انصاف پسند افراد فیصلہ کریں گے ان جانوروں کے متعلق جو مجرم پاداش میں دے گا ۔

۱۲۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى[۵۶]

جب تم بولو تو انصاف کرو خواہ وہ تمہارے عزیز کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں کہا گیا ہے کہ مسلم امہ کے ہر فرد کو اتنا راست باز ہونا چاہیے کہ رشتہ داری اسے راہِ حق سے نہ ہٹا سکے ۔ انصاف اور سچ اسلام میں بنیادی اصول ہیں اور انہیں رشتہ داری پر قربان نہیں کیا جا سکتا ۔

یہ آیت قرآن میں سب سے واضح نشانی ہے کہ مسلم معاشرہ میں ایک باقاعدہ عدالتی نظام ہونا چاہیے جو لوگوں کی شکایات اور تکالیف کو نبٹانے اور انھیں ان کے حقوق حاصل کرنے کے لیے دادرسی فراہم کرے ۔ انصاف کے قانونی تصور پر یہاں اس قدر زور دیا گیا ہے کہ اگر سچائی ثابت کرنے کے لیے اس کی ضرورت ہو تو مومنین کو عدالت میں اپنے قریب ترین رشتہ دار کے خلاف بھی گواہی دینے کا حکم دیا گیا ہے ۔

۱۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ[۵۷]

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے لیے پابندی سے انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو حق پر عمل کرنے سے نہ روک دے عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے ۔

یہاں یہ لفظ اخلاقی، انفرادی اور قانونی انصاف کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے اپنے بندوں کے لیے کہ وہ ہر حال میں انصاف پر چلیں یہاں تک کہ اپنے بدترین دشمن کے معاملہ میں بھی ۔ یہاں انصاف کو خوفِ خدا کے مساوی قرار دیا گیا ہے ۔ دراصل قرآن انسان کے لیے اپنے پیغام کے دوران انصاف کی مختلف خوبیاں اور شکلیں بیان کرتا ہے ۔

۱۴۔ لفظ عدل صلح کرنے اور انصاف قائم کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے :

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ[۵۸]

اور اگر ایمان والوں میں سے دو گروہ جھگڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے ۔ اگر وہ رجوع کر لے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۔

یہ آیت اسلام میں عدالتی نظام کے ایک بنیادی اصول کو بیان کرتی ہے۔ انسانوں کے درمیان اختلافات فطری چیز ہے مگر بعض اختلافات حق اور صداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض جھوٹ اور تعصب پر۔ ایسی صورت میں ایمان والوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ حق کی طرفداری کریں۔ ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صرف ان کی طرفداری کریں جو راہ حق پر ہوں۔ انھیں چاہیے کہ ہر قسم کا دباؤ جو ان کے بس میں ہو غلط راہ پر چلنے والے گروہ کے خلاف استعمال کریں حتیٰ کہ وہ انصاف پر آجائیں۔ یہ ایک جامع آیت ہے جو پوری امت مسلمہ پر حاوی ہے۔

"اِلیٰ اَمرِ اللہ" (اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف) اس آیت کا بہت اہم فقرہ ہے۔ یہ آیت ایک مربوط سماج اور مکمل سیاسی ریاست جو احکام الٰہی پر مبنی ہو کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ ایمان والوں کی ایک جماعت اسلامی نہج پر ریاست کو چلا رہی ہے لیکن دوسری جماعت آتی ہے جو حکومت کرنے والوں کا تختہ الٹنا چاہتی ہے۔ ایسے موقع پر ایمان والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس گروہ کی مدد کریں جو راہِ حق پر ہو اور اس کے مخالفین کو ملامت کرے۔ اس آیت کی ایک اور تفسیر بھی ہے یعنی ایمان والوں کے دو گروہ ہیں جو سیاسی اقتدار کے لیے کشمکش کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں اکثریت کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ راہِ راست پر چلنے والے گروہ کی مدد اور حمایت کریں اور غلط راہ والوں کی مذمت کریں۔ اور انھیں اپنی کوششیں اس وقت تک جاری رکھنا چاہئیں جب تک کہ اللہ کے احکام نافذ ہو جائیں۔

۴۔ قضاء لفظ قضاء مختلف معنی ظاہر کرتا ہے اور قرآن میں مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً یہ مار ڈالنے، موت، فیصلہ، مدت پوری کرنے وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے بعض اہم استعمال کا مطالعہ کرتے ہیں۔

الف ا۔ فَوَكَزَهٗ مُوسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ [59]

پس موسیٰ نے اسے مکا مارا اور اسے مار ڈالا۔

اس لحاظ سے یہ آیت بالکل واضح ہے۔ ایک مصری نے ایک اسرائیلی کے خلاف جرم کیا۔ حضرت موسیٰؑ یہ برداشت نہ کر سکے پس آپ نے مصری کو ایک ضرب لگائی اور اسے مار ڈالا۔

ii - اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ [60]

اللہ تعالیٰ انسانوں کی جان ان کی موت کے وقت لے لیتا ہے اور جو نہیں مرے ہوتے ان کی جان ان کی نیند کے دوران لے لیتا ہے۔ پھر وہ ان جانوں کو اپنے پاس روک لیتا ہے جن کے لیے اس نے موت کا حکم صادر کر دیا ہوتا ہے۔ یہ آیت بھی ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی روح لے جاتا ہے اور اس تصور کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ قضاء استعمال کیا گیا ہے۔

ب ۔ یہ موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ [61]

مومنوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اللہ سے کئے ہوئے عہد میں سچے ہیں پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی قسم (عہد) پوری کر چکے (اور اس راہ میں مرگئے) اور بعض اُن میں سے ایسے ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں۔
اس آیت کا مطلب ہے کہ بعض مومن حق کی راہ میں شہید ہوگئے جبکہ دوسرے اسی راہ میں جان دے ڈالنے کے لیے بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔

ج۔ قضا فطری قانون اور اللہ کے فیصلہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے:

وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ [۶۲]

جب وہ کسی کام کو کرنے کا فیصلہ کر لیتا تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

یہ آیت واضح طور پر اللہ کے فطری قوانین کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ الٰہی فیصلہ بھی ظاہر کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے وہ کیا چاہتا ہے اور اس کے فیصلے کسی مشورہ کے محتاج نہیں اور اسے سوچنے کے لیے وقت بھی درکار نہیں بلکہ جو وہ چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے۔

د۔ یہ مدت پوری کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔ [۶۳] جب موسیٰ یہ مدت پوری کر چکے اور اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہوئے تو انہوں نے پہاڑ کے ایک طرف آگ دیکھی۔

حضرت موسیٰؑ نے پیغمبر حضرت شعیبؑ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک مقررہ مُدت تک ان کی خدمت کریں گے یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰؑ نے مقررہ مدت پوری کی اور اس کے ختم ہونے پر وہ اپنے وطن کی طرف روانہ ہوگئے۔

ھ۔ یہ "جنسی تسکین" کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا۔ [۶۴]

جب زید پوری کر چکا اس سے اپنی غرض

اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا [۶۵]

جب وہ ان (بیویوں) سے اپنی جنسی غرض پوری کر چکے۔

یہ مفہوم واضح ہے اور کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

(د) مندرجہ ذیل آیات میں لفظ قضا خالصتاً قانونی اور سیاسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ [۶۶]
پس اپنا معاملہ طے کر لو اور اپنے ساتھیوں کو جمع کر لو۔ پھر اپنی راہِ عمل کو مشکوک و مشتبہ نہ ہونے دو۔ پس اس کو پورا کر دو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

ان آیات میں پیغمبرِ خدا حضرت نوحؑ اپنے مخالفین اور ان کے سیاسی اقتدار کو للکار رہے ہیں۔ وہ ان کی دھمکیوں سے خوفزدہ

نہیں اور کہتے ہیں "پس اپنے ساتھیوں کو جمع کر لو اور اپنا معاملہ طے کر لو" اور ان مخالفین نے درحقیقت اپنے اصلی حال میں اپنی راہ عمل طے کر لی اور تھوڑے عرصے بعد انہوں نے اس فیصلہ کے مطابق ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ خالصتہً ایک سیاسی اور قانونی فیصلہ تھا جس کو اس وقت کی ریاست نے اپنے خیال میں ایک باغی کے خلاف نافذ کیا۔

(ii) فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ط اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۶۷

پس جو تجھے کرنا ہے فیصلہ کرلے۔ تم صرف اس دنیا کی زندگی میں ہی فیصلہ کر سکتے ہو۔

ایک بار پھر یہ فرعون کی منظم ریاست کے خلاف بغاوت تھی۔ جب کھلے میدان میں جادوگروں نے جادو کے جھوٹ ہونے کا احساس کر لیا اور حقیقت ان پر روشن ہو گئی انہوں نے حق قبول کر لیا اور وہ معاہدہ جو ان کے اور فرعون کے درمیان تھا اسے ٹھکرا دیا۔

یہ سربراہ ریاست کی بہت سخت توہین تھی اور ملک کے قانون کی بھی تذلیل تھی۔ لہٰذا ان کے اعلان پر فرعون نے کہا:

(iii) قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۶۸ " اس نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا" انہوں نے جواب دیا۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا ۶۹ " ہم تم کو اس پر ترجیح نہیں دے سکتے جو واضح دلائل ہمیں ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا۔

اس آیت میں لفظ قضا قانونی انصاف کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ باغیوں نے ریاست کو للکارا تھا اور ریاست کو ان کے خلاف ملک کے قانون کے مطابق کارروائی کرنا تھی۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ج فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ٥

"ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا ہے۔ سو جب انکا وہ رسول (ان کے پاس) آ چکتا ہے اور احکام پہنچا دیتا ہے ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

اس آیت کے مطابق دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس کے پاس رسولؐ نہ بھیجا گیا ہو۔ پھر یہ رسل کے فرائض بھی واضح کرتی ہے جو دنیا میں امن وامان اور لوگوں کے حقوق جان اور مال کی حفاظت کے لیے انصاف قائم کرنا ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کا قیام رسالت کا سب سے اہم منصب ہے کیونکہ ہر رسول کو لوگوں کے درمیان انصاف قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔

(۷) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ٥

"کسی ایمان دار مرد اور کسی ایماندار عورت کو جبکہ اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے (حکم دے دے) اپنی مرضی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گنہگار ہو گا اور صریح گمراہی میں پڑ جائے گا۔"

یہ آیت نہایت واضح اور واشگاف الفاظ میں عدلیہ کے سربراہ کی حیثیت سے رسول کے اختیارات بیان کرتی ہے۔ یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ہر قیمت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو قبول کیا جائے۔ تمام مؤمنین کا فرض ہے کہ آپ کی فرمانبرداری کریں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ اور حکم سے سرتابی کرے اسے جان لینا چاہیے کہ اپنے لیے اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہے اور

وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے خارج ہو جاتا ہے ۔

(۷) فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما[۲]

"تمہارے رب کی قسم (یہ ایمان لانے والوں میں سے نہیں جب تک یہ اپنے تنازعوں میں آپ کو جج نہ بنائیں جو آپ فیصلہ فرما دیں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو کاملاً قبول کریں"

یہ آیت ایک بار پھر سب سے اعلیٰ جج اور مومنوں کے اخلاقی رہنما کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار تسلیم کرتی ہے ۔ آپ کے تمام فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم ہونا چاہیے اور تمام مومنوں کو آپ کے عدالتی اور مذہبی معاملات میں اقتدار و ختیار کے آگے سر جھکانا چاہیے ۔ آپ کے فیصلے قبول کرنا ایمان کا جزو ہے اور جو آپ کے فیصلوں پر بغیر دلی تسلی کے سر جھکائیں اپنے آپ کو اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے والے نہیں کہہ سکتے ۔ ان کے دعویٰ کی سچائی صرف اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب وہ دل و جان سے آپ کے فیصلے قبول کریں ۔

یہ آیت قرآن میں انصاف کے عدالتی قیام کا واضح ثبوت ہے ۔ مندرجہ بالا عدالتی اصولوں کے نفاذ کے لیے یہ تاریخی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت ایک ریاست قائم کی تھی اور اس کے عدالتی مناصب کی صدارت کی تھی ۔ قرآن کے مطابق رسول اللہ مومنوں کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین مثال ہیں ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا[۳]

"تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو رسول اللہ میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے ۔"

یہ آیت قرآن میں ایسی جگہ واقع ہے جہاں اہم اخلاقی مسائل پر بحث کی گئی ہے ۔ تب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجموعی مثال پیش کر سکتے تھے جب وہ تمام معاشرہ پر قابو رکھتے جس پر وہ حاکمِ اعلیٰ کے طور پر فرمانروائی کرتے تھے ۔ قدرتی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس ریاست کے عدلیہ کے سربراہ بھی تھے اور آپ کے فیصلے ماننا ضروری تھا خواہ وہ بطورِ نبی ہوں خواہ بطورِ چیف جسٹس ۔

(۵) قسط : قرآن کا پانچواں لفظ جو انصاف کے معنی دیتا ہے قسط ہے یہ بھی مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے ۔

(الف) یہ کاروباری انصاف اور دیانت کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے :-

(i) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا[۴]

اور جب ناپ تول کرو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تول کر دو ۔ یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے ۔

(ii) وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ[۵]

اور ناپ تول پورا پورا کیا کرو ۔

(iii) وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ[۶] ۔

اسے میرے اہلِ قوم! تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو۔
(۱۱) وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ"
اور قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا۔
یہ آیات صحیح اور درست لین دین پر زور دیتی ہیں خصوصاً روزمرہ کی تجارتی زندگی میں جہاں چیزیں وزن اور پیمانہ سے فروخت ہوتی ہیں۔

(ب) یہ ترازو کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ۔

اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اسی طرح فرشتے اور علم والے بھی جو عدل کے ساتھ انصاف کرنے والے ہیں۔

یہاں پر قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ کا فقرہ ان کے لیے استعمال ہوا ہے جو آسمانی کتاب کا سچا اور عمدہ علم رکھتے ہیں اور متوازن ذہن والے ہیں۔ یہی صحیح لوگ ہیں کیونکہ یہ انتہا پسند نہیں۔ اپنے ذہنی توازن کی بناء پر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں پس وحدانیت الٰہی پر ایمان متوازن ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

(ج) اس کے معنی مکمل انصاف کے ہیں۔ یہ معنی قرآن میں بہت سے الفاظ سے ظاہر ہے لفظ قسط ان میں منفرد ہے یہ تنہا مکمل اور بھرپور انصاف کا تصور دیتا ہے۔

(د) یہ اکثر ناپ ، پیمائش اور تول کے معنی میں استعمال ہوا ہے جو انصاف کے قیام کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس لفظ کو روز آخرت لوگوں کے اعمال جانچنے اور انصاف کرنے کے لیے استعمال کیا ہے؟؟

یہ اس مفہوم میں قرآن میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے۔

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ۔

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان کو بھی جو انسانوں میں قیام انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

(۱۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ

اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے ہو جاؤ۔ اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے خواہ وہ تمہارے اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو یا تمہارے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے۔

تیاں کے نظریات پر تبصرہ

مندرجہ بالا تفصیلی مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ لفظ "تحکیم" ایسی اصطلاح نہ تھی جو قرآن اور سنت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے عدالتی نظام پر لاگو ہو۔ یہ اصطلاح اس شکل میں قرآن میں استعمال ہی نہیں ہوئی۔ بنیادی لفظ حکم کے مختلف مشتقات جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اصلاً فیصلہ، قانونی تصفیہ اور عدالتی نظام کے معنی رکھتے ہیں۔ اگر کہیں یہ ثالثی کے معنی میں استعمال ہوا ہے تو بطورِ کنایہ ہوا ہے۔ دوسری اصطلاحات مثلاً امر، عدل، قسط اور قضاً بھی قانونی فیصلہ اور عدالتی نظام کے معنی میں استعمال ہوئی ہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کردہ عدالتی نظام قرآن سے ماخوذ ہے لہذا وہ یکساں طور پر مذہبی اخلاقی اور قانونی انصاف پر زور دیتا ہے جو اسلامی نظام عدالت کی خاص صفت ہے۔

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلط کاروں اور مجرموں سے نپٹنے اور عدالتی فیصلے نافذ کرنے کے حکومتی اختیار کا تعلق ہے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ تیاں نے دانستہ قرآن کی ان واضح اور غیر مبہم آیات کو نظر انداز کر دیا ہے یا انھیں غلط معنی پہنائے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت عامہ سے متعلق ہیں۔ قرآن کے ایک صریح ضابطہ میں فریقین مقدمہ کو لازمی طور پر اپنے تمام مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے [۸۲] اپنے تنازعے ان کے سامنے پیش کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں حاضر ہونا دین اسلام قبول کرنے کی اولین شرط تھی [۸۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بطورِ جج حکم عدولی یا سرتابی کی صورت میں وہ مومن نہیں رہتے تھے [۸۴] دین سے خارج ہونا تیاں جیسے منکر اسلام کی نظر میں ایک سزا نہ ہو لیکن مومنین کے لیے اس سے بڑی کوئی سزا نہیں۔ جدید قانونی اصطلاح میں اس کے معنی ہوں گے قومیت اور شہریت سے محرومی اور ملک و قوم سے جلا وطنی۔ یہی سزا ان کے لیے مقرر کی گئی تھی جو آپ کے عدالتی فیصلے تسلیم نہ کرتے۔ "پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہیں کرتے آپ کے فیصلہ کے متعلق اور کاملاً سر تسلیم خم کر دیتے ہیں [۸۵]۔ مخصوص عدالتی فیصلوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات جو آپ کے عدالتی حکم سے نافذ کئے گئے ان کا حوالہ پہلے ہی "تفتیش اور کارروائی" اور "عدالتی فیصلوں کا نفاذ" کے تحت دیا جا چکا ہے۔ ان میں سے بعض کا حوالہ مزید مثال کے لیے دیا جاتا ہے: عبداللہ بن سہل کے مقدمہ قتل میں ملزموں کو عدالت کا تحریری حکم بھیجا گیا تھا کہ وہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ قبول کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں (انما ان یوذنوا بحرب [۸۶])

"قانون شکنوں اور مجرموں کے خلاف پولس اور فوج کی قوت استعمال ہوتی ہے مندرجہ بالا مقدمہ میں عدالت نے اپنا حکم جنگ کی تنبیہ کے ساتھ بھیج دیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی منصب اور حاکمیت سے سرتابی کی جاتی۔ تو یقیناً حکومت اپنی طاقت استعمال کرتی۔

قیسؓ بن سعد، اُنیسؓ اور ابوبردہؓ کے تقرر پر تفتیش اور کارروائی کے سلسلہ میں بحث ہو چکی ہے اور ملزم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کرنے کے عدالتی طریق کار کو بیان کیا جا چکا ہے [۸۷] کھجور کے وہ درخت جو نقصان دہ تھے جن کے خلاف آپ کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی حکم پر کاٹ ڈالے گئے تھے اور ایک انصاری دہقان کو سزا دی گئی جس نے عدالتی فیصلہ کی حکم عدولی کی تھی [۸۸]

تیاں کی من گھڑت اس سے ثابت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از اسلام کے ثالثوں سے تقابل کرتے وقت رسول اللہ کے منصب اور اختیارات رسالت کا ذکر نہیں کرتا۔ اس طرح اس نے آپ کو بڑی ہوشیاری سے

آپؐ کے سب سے بڑے اور بنیادی منصب رسالت سے علیٰحدہ کر دیا اور آپؐ کو ایک ایسے عام عرب کی حیثیت دے دی جس کی خواہش تھی کہ اس کے اہل ملک اس کو عرب کے کسی دوسرے ثالث کی طرح ثالث تسلیم کر لیں یہ تیان کا دیانت دارانہ فیصلہ نہیں ۔ بلکہ حقائق سے چشم پوشی کر کے من گھڑت مفروضہ پیش کرنے کی غیر علمی کوشش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے ہی ایک ثالث کی مسند پر بٹھا دیا تھا۔ اس حیثیت سے آپ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں حجرِ اسود کو اس کی جگہ رکھنے پر قریش کے مشہور تنازعہ کا فیصلہ کیا[۹]۔ بعثت کے ساتھ آپ کو ایک ایسی مذہبی و سیاسی حیثیت حاصل ہو گئی جو اس سے قبل عرب میں کسی کو حاصل نہ تھی اس حیثیت کو ایک ثالث کے برابر تصور کرنا ناانصافی ہے ۔عرب کے لوگ ثالثوں کے فیصلے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں تھے جبکہ مومنین کا مذہبی تقاضا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار کو تسلیم کریں اور آپ کے عدالتی فیصلوں کو قبول کریں ۔ غیر مومن جو آپ کا سیاسی اقتدار تسلیم کرتے ان کی یہ سیاسی ذمہ داری تھی کہ وہ بھی آپ کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں ۔ کیا تیان قبل از اسلام کے کسی ثالث کی مثال پیش کر سکتا ہے جس کے مذہبی اور سیاسی ماننے والے ہوں اور جن کے ایمان کی پہلی شرط اس کے قانونی اور عدالتی اقتدار کو تسلیم کرنا ہو؟ ہرگز نہیں ۔ پس تیان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبل از اسلام عرب کے ثالث سے مقابلہ کرنا اور آپ کے قائم کردہ عدالتی نظام کا تقابل اس ثالثی نظام سے کرنا جو عرب میں رائج تھا بالکل بے بنیاد اور قوتِ قائلہ سے یکسر عاری ہے ۔

علی عبدالرازق کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تیان نے ایک اور حیرت انگیز نظریہ قائم کیا ہے مفروضہ یہ ہے کہ صوبوں کا عدالتی نظام اور صوبائی ججوں کا تقرر مشتبہ ہے[۹]۔ یہ نظریہ دو بنیادی نکات کے گرد گردش کرتا ہے ۔ اولاً حضرت علیؓ، معاذؓ اور ابو موسیٰ الاشعری جیسے ججوں کے سپرد ایک سے زائد فرائض تھے ۔ثانیاً ضلعی اور صوبائی ججوں نے کبھی کوئی مقدمہ مشورہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں بھیجا جیسا کہ عمرؓ کے تقرر سے اخذ ہوتا ہے ۔" صوبوں کا عدالتی نظام" کے حصہ میں صوبائی ججوں کے تقرر پر طویل بحث ہو چکی ہے ۔

حالات کا غلط اندازہ لگاتے ہوئے ججوں کو ایک سے زیادہ فرائض سونپنے کے متعلق جان بوجھ کر الجھن پیدا کی گئی ہے ۔ اول تو کسی عامل کے تمام فرائض کسی ایک بیان کرنے والے نے ایک حدیث میں بیان نہیں کئے ۔ مختلف افراد نے ان کو مختلف موقعوں پر بیان کیا ہے ۔ جدید نقادوں نے ان فرائض کو مختلف اشخاص اور بیانات سے اکٹھا کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ تمام فرائض انھیں بیک وقت تفویض کئے گئے تھے ۔ یہ دانستہ طور پر مواد کو اپنے نظریہ کے مطابق چھانٹنے اور جمع کرنے اور اس طرح مسئلہ کو الجھانے کے مترادف ہے۔ ورنہ اگر تمام تاریخی مواد کا جائزہ لے کر ان فرائض کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو یہ آئینہ کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تمام فرائض انھیں بیک وقت نہیں سونپے گئے تھے۔ مختلف اوقات میں انھیں مختلف فرائض سونپے گئے ۔ یمن میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی مثال لیجیے ۔ایک مرتبہ وہ یمن میں فوج کے کمانڈر مقرر کئے گئے ۔ انھیں سرکاری مالیہ جمع کرنے اور وصول کرنے کے اختیارات حاصل تھے ۔ایک اور موقع پر انھیں یمن میں جج مقرر کیا گیا اور شریعت کے عالم اور ماہر ہونے کی وجہ سے وہ یمن کے لوگوں کو مذہبی اور قانونی تعلیم دیتے تھے[۹]۔ اگر کوئی شخص مختلف مواقع اور ان سے متعلق ذمہ داریوں کی تخصیص کئے بغیر ان تمام مناصب کو یکجا کر دے اور کہے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ علیؓ کو کمانڈر فوج، مالیہ اکٹھا کرنے، قرآن پڑھانے اور ایک صوبہ کے جج کے فرائض بیک وقت

سونپے گئے تھے اور اس کو ایک مشتبہ تقرر کہے تو ایک جدید نقاد کی طرف سے یہ حقائق کو مسخ کرنے کی ضد محض ہوگی۔

اگر کسی عامل کو ایک سے زیادہ فرائض سونپے جائیں تو یہ انتظامیہ کی تشکیل اور طرزِ عمل کے منافی نہیں۔ بیسویں صدی کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی مالیہ جمع کرنے، امن وامان قائم رکھنے اور مقدمات و تنازعات طے کرنے کے فرائض ادا کرتا ہے۔ مختلف مواقع پر خاص فرائض بھی اس کے سپرد کئے جاتے ہیں تاکہ مختلف صورتِ حال سے نبرد آزما ہوا جا سکے۔ اگر یہ بیسویں صدی کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے لیے ضروری ہے تو یہ ساتویں صدی کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے لیے اور زیادہ ضروری تھا۔ حضرت علیؓ کے تقرر (جس کا ذکر الترمذی نے ابن عمر کی زبان سے بیان کیا) کی مشتبہ نوعیت ثابت کرنے کے لئے تیال نے در اصل ایک چیلنج دیا ہے اور ساتھ ہی ایک بہت ہی تعجب انگیز دعویٰ کیا ہے وہ کہتا ہے:

"اولاً ایک شخص اس داستان کے بارے میں کہہ سکتا ہے کہ کسی حدیث حتیٰ کہ بظاہر مشتبہ حدیث میں بھی کوئی ایسا مقدمہ بیان نہیں کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مبینہ طور پر ان کے مقرر کردہ کسی جج نے ان مشکلات کے حل کے لیے جو اسے اپنے فرائض کی ادائیگی میں پیش آئی ہیں۔ آپؐ سے رجوع کیا ہو۔ مزید برآں حدیث کوئی مخصوص مقدمہ بیان نہیں کرتی جس میں رسول اللہ پر لائی ہوئی حضرت جبرئیل کی وحی کے ذریعہ حل فراہم ہوئے ہوں [۹۲]۔"

تیال کے مندرجہ بالا دعویٰ پر بغیر کسی تبصرہ کے ایک مقدمہ (جس کا گذشتہ صفحات میں پہلے ہی حوالہ دیا جا چکا ہے) اس کی اہمیت کے پیشِ نظر پھر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ تیال کے باطل نظریہ کا کافی رد فراہم کرتا ہے اور اس کے موقف کے کھوکھلے پن کو پوری طرح بے نقاب کرتا ہے۔ عتاب بن اسید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قاضی و عامل مقرر کیا تھا۔ اس دوران ایک پیچیدہ مقدمہ ان کی عدالت میں دائر ہوا جیسا کہ الطبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس کو حل نہ کر سکنے پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قانونی مشورہ طلب کیا: بنو عامر مکہ میں بنو مغیرہ کو طلوعِ اسلام سے قبل بہت زیادہ سود پر رقم

قرض دیتے تھے۔ طلوعِ اسلام پر بنو مغیرہ ایک بڑے قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے جو ان پر بنو عامر کی طرف سے عائد تھا۔ انہوں نے اپنا سود طلب کیا اور بنو مغیرہ نے اس بنا پر اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا کہ اسلام میں اس کی ممانعت آگئی ہے۔ بنو عامر نے مکہ میں عتاب کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ مقدمہ کی باقاعدہ سماعت اور کارروائی کے بعد عتاب کو اس کا فیصلہ کرنے میں مشکل محسوس ہوئی۔ اس کے لیے قانون سازی کی ضرورت تھی جس کا وہ اہل نہ تھا۔ اس پیچیدگی کے باعث انہوں نے مقدمہ مشورہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ محسوس کیا کہ ایسے مقدمات سے نپٹنے کے لئے ابھی قانون نازل نہیں ہوا۔"

الطبری کی روایت کے مطابق قرآن کی مندرجہ ذیل آیات اس موقع پر نازل ہوئیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُواْ فَأْذَنُواْ بِحَرْبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَٰلِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ

وَلَا تُظْلَمُوْنَ[93]

اے ایمان والو اللہ سے اپنا عہد قائم رکھو اور سود میں سے جو کچھ باقی ہے چھوڑ دو (معاف کر دو) اگر تم مومن ہو اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سمجھو۔ اگر تم توبہ کرو تو تم کو تمہاری اصل رقم مل جائے گی۔ ظلم نہ کرو تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب کو حکم الٰہی بھیج دیا اور ہدایت کی کہ بنو عامر کو فیصلہ سے آگاہ کر دیں۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ وہ انہیں جنگ کے لیے تیار ہونے کو کہہ دیں[94]۔

تبیان صاحب یہ لیجیے ناقابلِ تردید ثبوت! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منظم، منضبط اور مربوط نظامِ عدالت قائم کیا۔ جس کے تحت مرکزی وفاقی عدالت عظمیٰ قائم تھی جس کے آپؐ خود چیف جسٹس تھے۔ صوبوں میں عدالت ہائے عالیہ قائم تھیں جن کے سربراہ جلیل القدر صحابہ کرام تھے جن میں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت معاذؓ، حضرت ابو موسیٰ الاشعری شامل تھے۔ ان کے تحت ضلعی عدالتیں تھیں جن پر قابل اور دیانتدار قاضی مقرر تھے۔ ضلعی جج صوبائی ججوں سے قانونی اور آئینی مشورہ لیتے تھے اور صوبائی جج عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قانونی اور آئینی رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

ہم ایک مغالطہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں، مغالطہ یہ ہے کہ پچھلے تقریباً دو سو سال سے مسلمان علمی، فکری اور تحقیقی طور پر زوال کا شکار ہیں۔ ان کے عدالتی، انتظامی اور قانون سازی کے ادارے دورِ حاضر کے تقاضے پورے نہیں کر رہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جب بیسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی کیفیت یہ ہے تو ساتویں صدی عیسوی میں تو یہ لوگ اسی نسبت سے اور زیادہ پسماندہ ہوں گے لہٰذا جدید معترضین اور بالخصوص مستشرقین جب تاریخ اسلام کے اولیں عہد میں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے انتہائی ترقی یافتہ اداروں کا حال پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ ادارے اعلیٰ آفاقی اور ہمہ گیر اصولوں پر قائم تھے تو اس تضاد کا ان کے ہاں ایک ہی حل ہے کہ وہ قرونِ اولیٰ کے اداروں اور اصولوں کی صحت سے انکار کر دیں۔ یہ صریحاً ناانصافی ہے اور اگر اسے علمی اور تحقیقی بد دیانتی کہا جائے تو بے انصافی نہ ہوگی۔

عہدِ رسالت میں نظامِ عدالت کے مباحث سے چند بنیادی نکات پیش کیے جاتے ہیں۔ اس میں نظامِ عدالت ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک ترقی یافتہ، منظم، منضبط اور مربوط نظام کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اگر اس نظام کا تقابل عہدِ حاضر کے عدالتی نظاموں سے کیا جائے تو جہاں تک اصولوں، نظریات، قواعد و ضوابط، عدالتی طریقِ کار کا تعلق ہے وہ اسی طرح موجود تھے جس طرح آج کے نظاموں میں ہیں، مگر جو بات عہدِ رسالت کے نظامِ عدالت کو صحیح طور پر سمجھنے کی راہ میں حائل ہے وہ عہدِ حاضر کی عدالتوں کی عظیم الشان عمارات وسیع پیمانے پر غیر ضروری اخراجات، مقدمات کو نپٹانے کے لیے عدالتی طریقِ کار کی پیچیدگیوں جیسے امور ہیں ان کا وجود عہدِ رسالت کے نظامِ عدالت میں مفقود رہا ہے۔ اگر عہدِ حاضر کے عدالتی نظام کی ترقی کا راز پُرشکوہ عمارات، وسیع اخراجات اور مقدمات کی پیچیدگیوں میں مضمر ہے تو اس اعتبار سے یہ نظام عہدِ رسالت کے نظام سے ترقی یافتہ ہے۔ مگر کوئی صاحبِ علم و عقل و دانش، عمارات، اخراجات اور عدالتی پیچیدگیوں کو ترقی یافتہ نظام کی علامت قرار نہیں دے سکتا کیونکہ یہ چیزیں نظام، عوام اور معاشرے کے لیے بوجھ ہیں جبکہ نظامِ عدالت کا پہلا

اور بنیادی مقصد ملک و معاشرے اور قوم و ملت کے بوجھ کو کم کرنا ہے۔ عہد رسالت کے نظام عدالت کا یہی بنیادی مقصد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں عمارات، اخراجات اور پیچیدگیوں کی بجائے سادگی، سستا پن، آسانی اور سہولت نظام عدالت کے نمایاں اوصاف تھے۔ آج عدالتی طریق کار فریقین مقدمہ کے لیے سہولت کی بجائے زحمت کا سبب ہے۔ آسانی کی بجائے تنگی اور رغبت کی جگہ نفرت پیدا کرتا ہے۔ موجودہ نظام عدالت کا عہد رسالت کے نظام عدالت کے طریق کار سے تقابل کیا جائے تو واضح طور پر نظر آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام عدالت ان اصولوں پر مبنی تھا جو آپ نے حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت ابوموسی الاشعریؓ اور حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کے قاضی مقرر کرتے وقت انھیں دیئے تھے۔ جن میں آپؐ نے فرمایا تھا" آسانی پیدا کرنا، تنگی پیدا نہ کرنا، خوشی کا ماحول پیدا کرنا نفرت پیدا نہ کرنا"۔ اس عہد کی عدالتی تاریخ کو بغور پڑھا جائے تو ان اصولوں کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے۔ کسی قاضی اور عدالت کے خلاف تنگی، پیچیدگی اور نفرت پیدا کرنے کا ایک بھی واقعہ نہیں ملتا بلکہ اس کے برعکس تمام عدالتوں کی تاریخ کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کو سہولت اور آسانی حاصل تھی۔ خوشی اور اطمینان کا ماحول میسر تھا۔ عدل و انصاف کے تقاضے بہت جلد پورے کیے جاتے تھے۔ پیشہ ور مقدمہ باز لوگوں کا وجود نہیں ملتا تھا۔ سہولت اور آسانی کو اس حد تک ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ اگر کسی فریق کو صوبائی یا ضلعی عدالت کے حکم کے خلاف وفاقی عدالت عظمیٰ میں اپیل کے ساتھ جانا پڑتا تھا تو عام طور پر اس کو حج کے موقع پر عدالت میں طلب کیا جاتا تھا تاکہ فریقین مقدمہ کو غیر ضروری طور پر اخراجات برداشت نہ کرنے پڑیں اور وہ فریضہ حج کی ادائیگی کے دوران عدالت میں بھی حاضری دے لیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ عہد حاضر میں پرشکوہ عمارات کی تعمیر و مرمت و دیکھ بھال، ججوں اور وسیع عدالتی عملہ کی تنخواہوں، کورٹ فیسوں، وکیلوں کی فیسوں اور جو دیگر عدالتی اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں اگر انھیں نظرانداز کر دیا جائے اور صرف اصولوں، نظریات، قواعد و ضوابط، قوانین اور عدالتی طریق کار کا تقابل کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ عہد رسالت کا نظامِ عدالت اس سے زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ اصولوں، قواعد و ضوابط اور عدالتی طریق کار پر مبنی تھا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مغربی نظام عدالت نے اصولی اور نظریاتی اعتبار سے اسلامی نظام عدالت کی نقل کی ہے مگر اس نقل کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مغرب نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔ یہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے بے انصافی ہے۔ عہد حاضر میں اگر اسلامی نظام عدالت کو پوری طرح اپنایا جائے تو مغرب نے اسلامی اصولوں، نظریات اور عدالتی طریق کار پر جو پرشکوہ عمارات، اخراجات اور پیچیدگیوں کا غلاف چڑھایا ہے ان کا پردہ چاک ہو جائے گا اور اندر سے عدل و انصاف اور آسانی اور سہولت کے روشن اور درخشندہ اصول ظاہر ہوں گے۔

حوالہ جات و تشریحات

۱۔ علی عبدالرازق، الاسلام و اصول الحکم اردو ترجمہ از ایف ایم مجید، لاہور، ۱۹۶۰ء صفحہ ۸۷ ۔
۲۔ ایضاً تیاں

Histoire De L'Organisation Judiciaire En Pays D'Islam, Leiden, E. J. Brill, 1960

۳- ایضاً صفحات ۶۲-۶۳ -

۴- ایضاً صفحات ۶۹-۷۰ ۵- ایضاً صفحہ ۶۸

۶- ایضاً صفحہ ۶۱ il parait certain qu'il n'eut pas l'intention d'instuer Une nouvella legislation profane

۷- قرآن ۲ : ۱۷۰ ۸- ایضاً ۵ : ۱۰۴

۹- ایضاً ۲۷ : ۶۹، ۷۰، ۷۱ -

۱۰- ایضاً ۲ : ۱۸۹ ، ۲ : ۲۱۵ ، ۲ : ۲۱۷ ، ۲ : ۲۱۹ ، ۲ : ۲۲۰ ، ۲ : ۲۲۲ ، ۵ : ۵ ، ۷ : ۱۸۶ ، ۸ : ۱ ، ۱۷ : ۸۵ ، ۱۸ : ۸۴ ، ۲۰ : ۱۰۵ -

۱۱- فضل الرحمٰن Islamic Methodology in History
ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی ۱۹۶۵ء صفحہ ۴

۱۲- Duncan B. Macdonald, Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory, Lahore, 1960, p.69

۱۳- Joseph Schacht, An Introduction to Islamic Law, Oxford, 1964, pp. 10-14.

۱۴- Majid Khadduri, War and Peace in the Law of Islam, Johns Hopkins, 1960, pp. 4, 8

۱۵- N. J. Coulson, A History of Islamic Law, Edinburgh, 1964, pp. 4,9,10,15,16,23,26

۱۶- Tyan, op.ct, p.64 "Lorsqu" on parcourt,

L'Ueuvre de Mahomet, on acquiert facilement la conviction que, comme il n'a pas introduit unnouveau systeme de legislation, il n'a pas entendu instituer un nouveau systeme de jurisdiction".

۱۷- قرآن نے ان کے بیانات قلمبند کئے ہیں: "کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم تنہا اللہ کا کام کریں اور وہ چھوڑ دیں جو ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ (۷ : ۷۰)
وہ کہتے ہیں" ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا (۵ : ۱۰۴)

Tyan op.c t. p. 64

-۱۸ il est tres frappant que, dans tous les textes du Coran Ou il est question de la justice, elle est toujours de signee par le terme meme qui etait employe avant L'Islam, celni de tahkim, qui exprime precisement la notion de jurisdiction arbitrale

-۱۹ See Iyau's section ! "Le systeme judiciaire dan l'oruve de Mahomet" (op. cit. p. 64)

۲۰- قرآن ۷:۵۴ ۲۱- ایضاً ۲۲- ایضاً ۲:۶۷
۲۳- ایضاً ۴:۵۸ ۲۴- ایضاً ۱۷:۱۶ ۲۵- ایضاً ۷:۱۴۵
۲۶- ایضاً ۴:۵۹ ۲۷- ایضاً ۴۲:۳۸ ۲۸- ایضاً ۱۶:۹۰
۲۹- ایضاً ۱۸:۲۶ ۳۰- ایضاً ۱۱:۴۵ ۳۱- ایضاً ۶:۵۷
۳۲- ایضاً ۶:۶۲ ۳۳- ایضاً ۶۰:۱۰ ۳۴- ایضاً ۵:۴۳
۳۵- ایضاً ۱۳:۳۷ ۳۶- ایضاً ۶:۹۰ ۳۷- ایضاً ۱۹:۱۲
۳۸- ایضاً ۱۲:۲۲ ۳۹- ایضاً ۵۷:۲۵ ۴۰- ایضاً ۴:۵۸
۴۱- ایضاً ۴:۶۵ ۴۲- ایضاً ۵:۴۲ ۴۳- ایضاً ۲:۴۸
۴۴- ایضاً ۶:۷۰ ۴۵- ایضاً ۶:۱ ۴۶- ایضاً ۶:۱۵۱
۴۷- ایضاً ۴:۱۳۵ ۴۸- ایضاً ۱۶:۷۶ ۴۹- ایضاً
۵۰- ایضاً ۶:۱۱۶ ۵۱- ایضاً ۴:۳ ۵۲- ایضاً ۴:۱۲۹
۵۳- ایضاً ۷:۱۵۹ ۵۴- ایضاً ۱۶:۹۰ ۵۵- ایضاً ۵:۹۵، ۵۶- ایضاً ۶:۱۵۲
۵۷- ایضاً ۵:۸ ۵۸- ایضاً ۹:۴۹ ۵۹- ایضاً ۲۸:۱۵
۶۰- ایضاً ۳۹:۴۲ ۶۱- ایضاً ۳۳:۲۳ ۶۲- ایضاً ۲:۱۱۷
۶۳- ایضاً ۲۸:۲۹ ۶۴- ایضاً ۳۳:۳۷ ۶۵- ایضاً
۶۶- ایضاً ۱۰:۷۱ ۶۷- ایضاً ۲۰:۷۲ ۶۸- ایضاً ۲۰:۷۱
۶۹- ایضاً ۲۰:۷۲ ۷۰- ایضاً ۱۰:۴۷ ۷۱- ایضاً ۳۳:۳۶
۷۲- ایضاً ۴:۶۵ ۷۳- ایضاً ۳۳:۲۱ ۷۴- ایضاً ۱۷:۳۵
۷۵- ایضاً ۶:۱۵۲ ۷۶- ایضاً ۱۱:۸۵ ۷۷- ایضاً ۲۱:۴۷

۷۸ - ایضاً ۳ : ۱۸

۷۹ - ایضاً ۲۱ : ۴۷

۸۰ - ایضاً ۳ : ۲۱

۸۱ - ایضاً ۴ : ۱۲۵

۸۲ - ایضاً ۴ : ۵۹

۸۳ - ایضاً

۸۴ - ایضاً ۴ : ۶۵

۸۵ - ایضاً

۸۶ - اوپر ملاحظہ کیجئے زیرِ عنوان "قرائنی شہادت" باب چہارم ۔

۸۷ - اوپر ملاحظہ کیجئے زیرِ عنوان "تفتیش" باب چہارم ۔

۸۸ - اوپر ملاحظہ کیجئے زیرِ عنوان "عدالتی فیصلوں کا نفاذ" باب چہارم

۸۹ - ابن ہشام ، سیرۃ ، جلد اوّل ۔

۹۰ - تیان متذکرہ بالا ، صفحہ ۷۰ ۔

۹۱ - اوپر ملاحظہ کیجئے حصہ سوم "صوبوں کا عدالتی نظام"

۹۲ - تیان ، متذکرہ بالا ، صفحات ۷۰ - ۷۱

۹۳ - قرآن ۲ : ۲۷۸ ، ۲۷۹ ۔

۹۴ - الطبری ، التفسیر ، ایڈیشن ۱۳۲۴ھ بلاق ، جلد دوم
صفحات ۶۸ ، ۶۹ ۔

اللہ نے توفیق دی تو ادارۂ نقوش
اسی اہتمام سے قرآن نمبر بھی پیش کرے گا

—— محمد طفیل

صلی اللہ علیہ وسلم

رسول نمبر

نقوش

۱۲

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمایندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد دوازدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰

جنوری ۱۹۸۵ء

مُدیر:

محمد طفیل

ادارۂ فروغِ اُردو ۔ لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۲۵ روپے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۳۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمایندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد دوازدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰
جنوری سنہ ۱۹۸۵ء

مُدیر:
محمد طفیل

اِدارۂ فروغِ اُردو • لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۲۵ روپے

فہرست

اس شمارے میں

عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت
(بقایا جلد پنجم)

ضمائم

(۱) مہموں کے قائدین ۸
(۲) سالارانِ رسالہ ۱۲
(۳) اُمرائے عَلَم ۱۴
(۴) گشتی دستے ۱۸
(۵) جاسوس ۲۰
(۶) راہ بر ۲۱
(۷) اموالِ غنیمت کے نگران ۲۲
(۸) اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر ۲۴
(۹) محافظ دستوں کے افسر ۲۵
(۱۰) خلفائے رسولؐ ۲۶
(۱۱) مشیرانِ نبویؐ ۲۸
(۱۲) کاتبینِ رسولؐ ۳۰
(۱۳) سفیرانِ نبویؐ ۳۲
(۱۴) مخصوص افسرانِ نبویؐ ۳۴
(۱۵) شعراء و خطباءِ رسولؐ ۳۵
(۱۶) متفرق ماتحت کارکن ۳۶
(۱۷) گورنر ۳۷

(۱۸) مقامی منتظمین ۳۹
(۱۹) نقبائے مدینہ ۴۱
(۲۰) مرکزی عاملینِ صدقات ۴۲
(۲۱) مقامی عاملینِ صدقات ۴۴
(۲۲) پیداوار کے تخمینہ کے افسران ۴۶
(۲۳) چراگاہ کے افسران ۴۷
(۲۴) مبلغین و معلمین ۴۸
(۲۵) مفتیانِ گرامی ۵۰
(۲۶) ائمۂ مساجد و نماز ۵۱
(۲۷) مؤذنینِ رسولؐ ۵۲
(۲۸) افسرانِ امورِ حج ۵۳

تعلیقات و حواشی

———— عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت

(۱) اسلامی ریاست کا ارتقاء (پہلا باب) ۱۰۰[1]
(۲) قبائل عرب اور اسلام (دوسرا باب) ۱۵۴
(۳) فوجی تنظیم عہد رسالت میں (تیسرا باب) ۲۱۱
(۴) اسلامی ریاست کا مالی انتظام (چوتھا باب) ۲۳۰
(۵) اسلامی ریاست کا شہری نظم و نسق (پانچواں باب) ۲۵۰
(۶) عہد نبویؐ کا مذہبی نظام (چھٹا باب) ۲۷۲

عہدِ نبویؐ کی ابتدائی مہمیں

(۱) پہلی مہم ۲۸۳
(۲) دوسری مہم ۲۸۶
(۳) تیسری مہم ۲۸۸

[1] جلد پنجم میں پہلا باب صفحہ ۳۴۱، دوسرا باب صفحہ ۳۹۸، تیسرا باب صفحہ ۵۲۳، چوتھا باب صفحہ ۵۷۸، پانچواں باب صفحہ ۶۴۰ اور چھٹا باب صفحہ ۷۰۲ پر موجود ہے۔

(۴) چوتھی مہم	۲۸۹
(۵) پانچویں مہم	۲۹۱
(۶) چھٹی مہم	۲۹۲
(۷) ساتویں مہم	۲۹۲
(۸) آٹھویں مہم	۲۹۶
تعلیقات و حواشی	۳۳۱

سرورِ انسانیت (بطرز پند و نصائح)

(۱) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قبل بعثت	۳۷۳
(۲) آنحضرتؐ کی حیات طیبہ ہجرت تک	۳۸۲
(۳) ہجرتِ حبشہ سے ہجرتِ مدینہ تک	۳۹۱
(۴) ہجرت سے لے کر مدینہ منورہ تک	۳۹۹
(۵) رسولؐ اللہ کے جنگی معرکے	۴۱۲
(۶) فتح مکہ سے وفات تک	۴۵۸

اشاریہ

۱ جلد اوّل سے چہارم تک	۴۹۳
۲ جلد پنجم سے دہم تک	۶۰۱
۳ جلد یازدہم سے دوازدہم تک	

محمد طفیل پرنٹر، پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغِ اردو سے شائع کیا

طلوع

میں اپنی موج سے کام کر رہا تھا۔ انسانی کوششوں کو لوگ سراہ رہے تھے، ہر طرف تحسین کے کلمات سنائی دیتے تھے۔
میں مطمئن تھا۔ اس کی خبر ایک فرشتے کو ہو گئی۔ وہ ہونکتا ہُوا میرے پاس آیا، عجیب سی گفتگو کرنے لگا:
"سُنو، سُنو!"

"کیا؟"

"تُو نے جیسا کام کیا ہے ویسا نہ کسی قطب نے کیا نہ کسی ابدال نے۔"

میں نے کہا: "کفر نہ بکو، کفر نہ بکو!"

وُہ بولا: "کفر کی بات نہیں، سچ کہہ رہا ہُوں۔"

انسان ناسمجھ ہے، بہلاووں میں آنے والا، اس لیے کھُد بُدی سی لگ گئی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے پوچھا: "تُو کون ہے؟"

"مَیں دنیا میں راست گوئی کی علامت ہُوں۔"

"تُو کیسا راست گو ہے، جو مجھ سے جھُوٹ بول رہا ہے؟"

"میں نے ہمیشہ حق آزادوں کی رہنمائی کا فرض ادا کیا ہے!"

"اگر تُو رہنما ہے تو پھر منزل کون کھوٹی کرتا ہے؟"

میں بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ مَیں نے دُنیا کا علم گھول کے پی رکھا ہے۔ اِسی بنیاد پر کہہ رہا تھا: "نہ کسی قطب نے ایسا کام کیا نہ کسی ابدال نے!"

ایک دم میری مدد کو یزداں پہنچا، اُس نے کہا: "اپنے کان بند کر لو اور اسے دیکھو۔"

فرشتہ غائب، آمنے سامنے مَیں اور آدم! وہ بھی خجل، میں بھی خجل!!

سیرت پر یہ میری آخری جلد ہے، آئیے قرآن کی بھی آخری سُورت پڑھیں:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

(آپ کہئے کہ میں انسانوں کے پروردگار کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی پناہ لیتا ہُوں پیچھے ہٹ جانے والے وسوسے ڈالنے والے (شیطان) کے شر سے۔ (وہی) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ جنّات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

محمد طفیل

اس شمارے میں

میں نے اپنے تئیں یہ اعلان کر دیا تھا کہ سیرت کے موضوع پر، میں جتنا کچھ کر سکتا تھا وُہ کچھ کر دیا۔ میرا مشن پُورا ہُوا۔ مگر جب نئی اور اہم دستاویزات ملتی چلی جائیں تو میں کیونکر چُپ سادھ لُوں؛ میں کیوں اپنی خوشی میں دُوسروں کو شریک نہ کروں؛

یہ جلد تو مجھے چھاپنی تھی کیونکہ یہ پانچویں جلد کے ایک اہم مضمون کے باقیات میں سے تھی۔ یہ سب کچھ اتنا اہم تھا کہ اس کے بغیر پانچویں جلد مکمل نہ تھی۔ پھر یہ پانچویں جلد کی تکمیل کا مسئلہ نہ تھا بلکہ سیرت کے موضوع پر اضافے کا مسئلہ تھا۔ ضمائم کے عنوان سے اب سیرت کو ایک نئے زاویے سے، بلکہ یہ کہ ایک نظر میں دیکھا جا سکے گا۔

ہم نے جس مضمون (عہدِ نبوی میں تنظیمِ ریاست و حکومت) کے یہ حواشی پیش کیے ہیں۔ وہ مضمون ۴۸۴ صفحات میں آیا تھا، اس کے حواشی ۹۷۲ صفحات میں آئے ہیں۔ میرے نزدیک حواشی ایک تصنیف (مضمون) کے بعد دوسری تصنیف (حواشی) کا درجہ رکھتے ہیں۔ حواشی کو ہمارے نمبروں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاکساری میں اتنا کچھ ہی کہہ سکتا ہُوں!

اس جلد میں ایک مضمون "سرورِ کائناتؐ" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون کا لب و لہجہ مختلف ہے۔ اسے بطرزِ پند و نصائح پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ انداز ایسا دلنواز ہے کہ بات ذہن میں اُترتی چلی جاتی ہے۔

جب دسوں جلدیں بازار میں آئیں تو سب نے کہا، اس کا اشاریہ بھی چھپنا چاہیے تاکہ ایک نظر میں سب کچھ دیکھا جا سکے۔ علمی نوعیت کے کاموں میں اشاریہ کا ہونا ازبس ضروری ہوتا ہے۔ سو وہ کمی بھی پُوری کر دی گئی ہے۔ ہر چند کہ اشاریہ کا شامل کرنا ہمارے پروگرام میں شامل تھا۔ مگر ہم یہاں یہ لکھے دیتے ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی! چُونکہ یہ جلدیں تین قسطوں میں سامنے آئیں اس لیے اشاریہ بھی آپ کو تین حصّوں میں ملے گا۔

مجھے دوست یہ کہہ رہے ہیں کہ اس موضوع کو جاری رہنے دو، ختم نہ کرو۔ دل میرا کیا کچھ چاہتا ہے وہ کچھ نہ آپ کو بتا سکتا ہُوں نہ سمجھا سکتا ہُوں۔ دیوانے کے خواب دیوانہ ہی جانے! مگر یہاں ایک بات عرض کرنی چاہتا ہُوں کہ میرا ارادہ تھا کہ دو ابتدائی جلدیں عالمِ اسلام کی سیرت کے موضوع پر ہوں، جس میں تمام سربراہانِ مملکت کے مضامین کے ساتھ اُس ملک کا سیرتی ادب بھی پیش کیا جائے۔ تاکہ اس نمبر کا تعلق عالمِ اسلام سے مربوط ہو۔ یہ چھوٹا کام نہیں ہے، بڑا کام ہے، ہو جائے تو کیا کہنے!

ہاں مجھے قرآن کے بارے میں بھی تو کچھ کرنا ہے۔ یہ منصوبہ میرا اوّل دن سے ہے، جسے میں نے رسول نمبر کے ساتھ ساتھ جاری رکھا۔ سیرت ایک امتحان تھا، قرآن دُوسرا ہو گا۔ میں تو یہ جانتا ہُوں کہ چیونٹی کے بدن پر پہاڑ کا وزن پہلے بھی تھا آج بھی ہے۔

محمد نقوش

عہدِ نبوی میں

تنظیمِ ریاست و حکومت

(بقایا جلد پنجم)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ضمیمہ اوّل - ا امرائے سرایا (مہموں کے قائدین)

[نوٹ: ضمائم کی حد تک دو صفحات کو ایک صفحہ شمار کیا گیا ہے کیونکہ پہلے صفحے کا تعلق دوسرے صفحے سے بھی ہے]

نمبر شمار	قائدِ مہم کا نام	قبیلہ/ خاندان	زمانۂ قبولِ اسلام	مہم	تاریخِ مہم	تعدادِ مجاہدین	مخالفین/ منازل
۱	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف	سیف البحر	رمضان ۱ھ/ مارچ ۶۲۳ء	۳۰ (رکاب)	قریش
۲	" عبیدہ بن حارث	" / مطلب	"	رابغ	شوال ۱ھ/ اپریل ۶۲۳ء	۸۰-۶۰ (رکاب)	"
۳	" سعد بن ابی وقاص	" / زہرہ	"	خرار	ذیقعدہ ۱ھ/ مئی ۶۲۳ء	۲۱-۸ (رجال)	"
۴	" عبداللہ بن جحش	اسد خزیمہ/ بنی غنم بن دودان	"	نخلہ	رجب ۲ھ/ جنوری ۶۲۴ء	۱۲-۶ (بعیر)	"
۵	" عمیر بن عدی	اوس / خطمہ	د	اسماء بنت مروان	رمضان ۲ھ/ مارچ ۶۲۴ء	۱ (راجل)	بنو امیہ بن زید/ خطمہ
۶	" سالم بن عمیر	خزرج / نجار	د	ابو عفک یہودی	شوال ۲ھ/ اپریل ۶۲۴ء	۱ ۰	یہود
۷	" محمد بن مسلمہ	اوس/ عبدالاشہل	د	کعب بن اشرف	ربیع الاول ۳ھ/ اگست ستمبر ۶۲۴ء	۵ (رجال)	"
۸	" زید بن حارثہ	کلب/ مولائے رسول	الف	القردہ	جمادی الآخرہ ۳ھ/ نومبر ۶۲۴ء	۱۰۰ (راکب)	قریش
۹	" سعد بن زید	اوس/ عبدالاشہل	س/ بدری	القردہ (تتمہ)	" "	۰	"
۱۰	" ابو سلمہ بن عبدالاسد	قریش / مخزوم	الف	قطن	محرم ۴ھ/ جون ۶۲۵ء	۱۵۰ -	اسد/ خزیمہ
۱۱	" عبداللہ بن اُنیس	خزرج	س	سفیان لحیانی	" "	۱ (راجل)	لحیان/ ہذیل
۱۲	" منذر بن عمرو	خزرج/ ساعدہ	د	بئر معونہ	صفر ۴ھ/ جولائی ۶۲۵ء	۷۰ - ۴۰	سلیم/ بنو عامر
۱۳	" مرثد بن ابی مرثد	قیس عیلانی/ بنو غنی	ب	رجیع	" "	۱۰ - ۷	لحیان
۱۴	" عبداللہ بن عتیک	خزرج / سلمہ	س	ابو رافع یہودی	ذی الحجہ ۴ھ/ مئی ۶۲۶ء	۵	ابو رافع
۱۵	" عمرو بن امیہ [1]	کنانہ/ ضمرہ	س	(مکہ)	"	۲	قریش
۱۶	" محمد بن مسلمہ	اوس/ عبدالاشہل	د	القرطاء	محرم ۶ھ/ جون ۶۲۷ء	۳۰	بکر بن کلاب
۱۷	" عکاشہ بن محصن	اسد خزیمہ/ بنو غنم	د	الغمر	ربیع الثانی ۶ھ/ اگست ستمبر ۶۲۷ء	۴۰	اسد

---

[1] بلاذری، انساب ۱/۹، ۳۰ کے مطابق یہ مہم سشہ ھ میں گئی تھی۔

حوالہ جات

افسر مخالف	تعداد مخالفین	نوعیت مہم	نتیجۂ مہم	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری انساب	طبری	اسد الغابہ
ابوجہل مخزومی	۳۰۰ کارواں والے	کارواں	بلا تصادم	۵۹۵	۹ - ۱۰	۶/۲	۳۷۱/۱	۴۰۲/۲	۴۶-۵۰/۲
ابوسفیان/عکرمہ مخزومی	۲۰۰ ″	″	″	۵۹۱	۱۰ - ۱۱	۷ ″	″ ″	۴۰۲-۳ ″	۳۵۶-۷/۳
·	۶۰ ″	″	بلا تصادم و بلا اتصال	۶۰۰	۱۱	۷ ″	″ ″	۴۰۳	۹۰-۹۳/۲
·	·	″	حملہ و غنیمت	۶۰۱	۱۳ - ۱۹	۱۰ - ۱۱	۳۷۱-۳ ″	۴۱۰-۱۵	۱۳۱-۲/۳
·	·	فوجی	کامیاب	۶۳۶	۱۷۲-۴	۲۷-۲۸	۳۷۳ ″	·	·
·	·	″	″	۶۳۵	۱۷۴-۵	۲۸	۳۷۳-۴ ″	·	۲۴۷-۸/۲
·	·	″	″	۶۰۹	۱۸۴-۹۳	۵۷	۳۷۴ ″	۴۸۹-۹۱	۳۳۰/۴
صفوان بن امیہ جمحی	·	کارواں/فوجی	″	۶۰۹	۱۹۷-۸	۳۶	″	۴۹۲-۳	۲۳۴-۷/۲
″	·	″	″	·	·	·	·	۱۵۴/۳	۲۷۹-۸/۲
·	·	فوجی	″	۵۹۸	۳۴۰-۴۶	۵۰	۳۷۴-۵ ″	۱۵۵/۳	۲۱۸/۵
سفیان لحیانی	·	″	″	۶۱۹	۵۳۱-۳۳	۵۰-۵۱	۳۷۶ ″	۱۵۶/۳	۲۰-۱/۳
·	·	مذہبی/تبلیغی	سب شہید	۶۰۹	۳۴۶-۵۳	۵۱-۵۴	۳۷۵ ″	۵۴۵-۸	۴۱۸-۱۹
·	·	″ ″	″	۱۶۹ ۶۰۹/۲	۳۵۴-۶۳	۵۵-۶	۳۷۵-۶	۵۳۸	۳۴۵/۴
ابو رافع	·	فوجی	کامیاب	۶۱۹	۳۹۱-۵	۹۱-۲	۳۷۶ ″	۴۹۳-۹	۳۵۸/۴
ابوسفیان	·	″	ناکام	۶۳۳	·	۹۳-۴	۳۷۹-۸۰ ″	۵۴۲-۵	۸۶/۴
·	·	″	کامیاب	۶۱۱-۲	۵۳۴-۵	۷۸	۳۷۶ ″	۱۵۵/۳	۳۳۰/۴
·	·	″	″	″	۵۵۰-۱	۸۴-۵	″ ″	۶۴۰	۲-۳/۴

ضمیمہ اوّل - ۱ امرائے سرایا (مہموں کے قائدین)

[نوٹ: ضمائم کی حد تک دو صفحات کو ایک صفحہ شمار کیا گیا ہے کیونکہ پہلے صفحے کا تعلق دوسرے صفحے سے بھی ہے]

نمبر شمار	قائدِ مہم کا نام	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخِ مہم	تعداد مجاہدین	مخالفین/منازل
۱	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب	قریش/ہاشم	الف	سیف البحر	رمضان ۱ھ/مارچ ۶۲۳ء	۳۰ (رکاب)	قریش
۲	〃 عبیدہ بن حارث	〃 /مطلب	〃	رابغ	شوال ۱ھ/اپریل ۶۲۳ء	۸۰-۶۰ (رکاب)	〃
۳	〃 سعد بن ابی وقاص	〃 /زہرہ	〃	خرار	ذیقعدہ ۱ھ/مئی ۶۲۳ء	۲۱-۸ (رجال)	〃
۴	〃 عبداللہ بن جحش	اسد خزیمہ/بنی غنم بن دودان	〃	نخلہ	رجب ۲ھ/جنوری ۶۲۴ء	۱۲-۶ (بعیر)	〃
۵	〃 عمیر بن عدی	اوس/خطمہ	د	اسماء بنت مروان	رمضان ۲ھ/مارچ ۶۲۴ء	۱ (راجل)	بنو امیہ بن زید/خطمہ
۶	〃 سالم بن عمیر	خزرج/نجار	د	ابو عفک یہودی	شوال ۲ھ/اپریل ۶۲۴ء	۱ .	یہود
۷	〃 محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	و	کعب بن اشرف	ربیع الاول ۳ھ/اگست ستمبر ۶۲۴ء	۵ (رجال)	〃
۸	〃 زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	القردہ	جمادی الآخرہ ۳ھ/نومبر ۶۲۴ء	۱۰۰ (راکب)	قریش
۹	〃 سعد بن زید	اوس/عبدالاشہل	س/بدری	القردہ (تتمہ)	〃	.	〃
۱۰	〃 ابو سلمہ بن عبدالاسد	قریش/مخزوم	الف	قطن	محرم ۴ھ/جون ۶۲۵ء	۱۵۰ -	اسد/خزیمہ
۱۱	〃 عبداللہ بن انیس	خزرج	س	سفیان لحیانی	〃	۱ (راجل)	لحیان/ہذیل
۱۲	〃 منذر بن عمرو	خزرج/ساعدہ	د	بئر معونہ	صفر ۴ھ/جولائی ۶۲۵ء	۷۰ - ۴۰	سلیم/بنو عامر
۱۳	〃 مرثد بن ابی مرثد	قیس عیلانی/بنو غنی	ب	رجیع	〃	۱۰ - ۷	لحیان
۱۴	〃 عبداللہ بن عتیک	خزرج/سلمہ	س	ابو رافع یہودی	ذی الحجہ ۴ھ/مئی ۶۲۶ء	۵	ابو رافع
۱۵	〃 عمرو بن امیہ ؎	کنانہ/ضمرہ	س	(مکہ)	〃	۲	قریش
۱۶	〃 محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	و	القرطاء	محرم ۶ھ/جون ۶۲۷ء	۳۰	بکر بن کلاب
۱۷	〃 عکاشہ بن محصن	اسد خزیمہ/بنو غنم	د	الغمر	ربیع الثانی ۶ھ/اگست ستمبر ۶۲۷ء	۴۰	اسد

؎ بلاذری، انساب ۱/۹، ۳ کے مطابق یہ مہم ۳ھ میں گئی تھی۔

				حوالہ جات						
افسر مخالف	تعداد مخالفین	نوعیت مہم	نتیجۂ مہم	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
ابوجہل مخزومی	۳۰۰ کارواں والے	کارواں	بلا تصادم	۵۹۵	۹ - ۱۰	۶/۲	انساب ۳۷۱/۱	۴۰۲/۲	۴۶-۵۰/۲	۱
ابوسفیان/عکرمہ/مکرز	۲۰۰ 〃	〃	〃	۵۹۱	۱۰ - ۱۱	〃 ۷	〃 〃	〃 ۴۰۲-۳	۳۵۶-۷/۳	۲
·	۶۰ 〃	〃	بلا تصادم و بلا اتصال	۶۰۰	۱۱	〃 ۷	〃 〃	۴۰۳	۹۰-۹۳/۲	۳
·	·	〃	حملہ و غنیمت	۶۰۱	۱۳ - ۱۹	۱۰ - ۱۱	〃 ۳۷۱-۳	۴۱۰-۱۵	۱۳۱-۲/۳	۴
·	·	فوجی	کامیاب	۶۳۶	۱۷۲ - ۴	۲۷ - ۲۸	〃 ۳۷۳	·	·	۵
·	·	〃	〃	۶۳۵	۱۷۴ - ۵	۲۸	〃 ۳۷۳-۴	·	۲۴۷-۸/۲	۶
·	·	〃	〃	۶۰۹	۱۸۴-۹۳	۵۷	〃 ۳۷۴	۴۸۹ - ۹۱	۳۳۰/۴	۷
صفوان بن امیہ جمحی	·	کارواں/فوجی	〃	۶۰۹	۱۹۷ - ۸	۳۶	〃	۴۹۲ - ۳	۲۳۴-۷/۲	۸
〃	·	〃	〃	·	·	·	·	۱۵۴/۳	۲۷۹-۸/۲	۹
·	·	فوجی	〃	۵۹۸	۳۴۰-۴۶	۵۰	〃 ۳۷۴-۵	۱۵۵/۳	۲۱۸/۵	۱۰
سفیان لحیانی	·	〃	〃	۶۱۹	۵۳۱-۳۳	۵۰ - ۵۱	〃 ۳۷۶	۱۵۶/۳	۱۲۰-۱/۳	۱۱
·	·	مذہبی/تبلیغی	سب شہید	۶۰۹	۳۴۶-۵۳	۵۱ - ۵۴	〃 ۳۷۵	۵۴۵ - ۸	۴۱۸ - ۱۹	۱۲
·	·	〃 〃	〃	۱۶۹ ۶۰۹/۲	۳۵۴-۶۳	۵۵ - ۶	۳۷۵-۶	۵۳۸	۳۴۵/۴	۱۳
ابو رافع	·	فوجی	کامیاب	۶۱۹	۳۹۱-۵	۹۱ - ۲	〃 ۳۷۶	۴۹۳-۹	۳۵۸/۴	۱۴
ابوسفیان	·	〃	ناکام	۶۳۳	·	۹۳ - ۴	〃 ۳۷۹-۸۰	۵۴۲-۵	۸۶/۴	۱۵
·	·	〃	کامیاب	۶۱۱ - ۲	۵۳۴-۵	۷۸	〃 ۳۷۶	۱۵۵/۳	۳۳۰/۴	۱۶
·	·	〃	〃	〃	۵۵۰ - ۱	۸۴ - ۵	〃 〃	۶۴۰	۲-۳/۴	۱۷

۱۸	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس/عبدالاشہل	د	ذوالقصہ	ربیع الثانی ۶ھ/اگست ستمبر ۶۲۷ء	۱۰	ثعلبہ
۱۹	〃 ابوعبیدہ بن جراح [1]	قریش/فہر بن حارث	الف	〃	〃 〃	۴۰	〃
۲۰	〃 زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	〃	الجموم	〃 〃	۰	سلیم
۲۱	〃 〃 〃	〃 〃	〃	العیص	جمادی الاولیٰ ۶ھ/ستمبر اکتوبر ۶۲۷ء	۱۷۰	قریش
۲۲	〃 〃 〃	〃 〃	〃	الطرف	جمادی الآخرہ 〃/اکتوبر۔ نومبر 〃	۱۵	ثعلبہ
۲۳	〃 〃 〃	〃 〃	〃	حسمٰی	〃 〃	۵۰۰	جذام
۲۴	〃 〃 〃	〃 〃	〃	وادی القریٰ	رجب ۶ھ/نومبر۔ دسمبر ۶۲۷ء	۰	فزارہ/غطفان
۲۵	〃 عبدالرحمٰن بن عوف	قریش/زہرہ	〃	دومۃ الجندل	شعبان ۶ھ/دسمبر ۶۲۷ء۔ جنوری ۶۲۸ء	۷۰۰	کلب
۲۶	〃 علی بن ابی طالب	〃/ہاشم	〃	فدک	〃 〃	۱۰۰	سعد
۲۷	〃 زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	〃	ام قرفہ	رمضان ۶ھ/جنوری۔ فروری ۶۲۸ء	۰	بدر بن فزارہ
۲۸	〃 عبداللہ بن رواحہ	خزرج/حارث	د	اسیر بن رازم	شوال ۶ھ/فروری مارچ ۶۲۸ء	۳۰	یہود خیبر
۲۹	〃 کرز بن جابر	قریش الظواہر/فہر	ط	الحرہ	〃 〃	۲۰	عرینہ
۳۰	〃 عبداللہ بن المعتم	قیس عیلان/عبس	ط	شاہراہ شام	قبل حدیبیہ	۹	قریش
۳۱	〃 زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	مدین	۰	۰	مدین
۳۲	〃 ابان بن سعید	قریش/بنو امیہ	ع	نجد	محرم ۷ھ/مئی۔ جون ۶۲۸ء	۰	۰
۳۳	〃 عمر بن خطاب	〃/عدی	ب	تربہ	شعبان ۷ھ/دسمبر ۶۲۸ء	۳۰	ہوازن
۳۴	〃 ابوبکر بن ابی قحافہ [2]	〃/تیم	الف	نجد	〃 〃	۰	ہوازن/کلاب
۳۵	〃 بشیر بن سعد	خزرج/حارث	د	فدک	〃 〃	۳۰	غطفان/مرّہ
۳۶	〃 غالب بن عبداللہ	کنانہ/لیث	۰	〃	〃 〃	۲۰۰	〃
۳۷	〃 〃 〃	〃 〃	۰	ثعلبہ	رمضان ۷ھ/جنوری ۶۲۹ء	۱۳۰	ثعلبہ
۳۸	〃 بشیر بن سعد	خزرج/حارث	د	جناب ویمن	شوال ۷ھ/فروری ۶۲۹ء	۳۰۰	غطفان
۳۹	〃 ابن ابی العوجاء	سلیم	۰	۰	ذی الحجہ ۷ھ/اپریل ۶۲۹ء	۵۰	سلیم
۴۰	〃 غالب بن عبداللہ	کنانہ/لیث	۰	الکدید	صفر ۸ھ/جون ۶۲۹ء	۱۰ یا زیادہ	سلیم/بنو الملوح
۴۱	〃 کعب بن عمیر	کنانہ/غفار	۰	ذات اطلاع	ربیع الاول ۸ھ/جولائی ۶۲۹ء	۱۵	قضاعہ

[1] بلاذری، انساب ۱/۳۷۷ نے حضرت ابوعبیدہ فہری کی ذوالقصہ کو دو مہمیں بتائی ہیں۔

[2] بلاذری، انساب ۱/۳۷۶ اور ۱/۳۷۹ نے بالترتیب دو مہمیں ۶ھ اور ۸ھ میں بیان کی ہیں ۶ھ کی مہم اتباع بنی لحیان کے خلاف تھی۔

۰	۱۰۰	فوجی	کامیاب	۰	۵۵۱-۲	۸۵	۳۷۷/۱	۶۴۰	۲-۳/۴	۱۸
۰	۱۰۰	〃	〃	۶۰۹	۵۵۲	۸۵-۶	۳۷۷ 〃	۶۴۱	۲۴۹/۵	۱۹
۰	۰	〃	〃	۶۱۱-۲	۵۵۳	۸۶	〃 〃	〃	۲۳۴/۲	۲۰
ابوالعاص بن ربیع	۰	کاروان/فوجی	〃	۰	۵۵۳-۵	۸۷	〃 〃	〃	〃	۲۱
۰	۰	فوجی	〃	۶۱۶	۵۵۵	〃	〃 〃	〃	〃	۲۲
۰	۰	〃	〃	۶۱۱-۲	۵۵۵-۶۰	۸۸	〃 〃	〃	〃	۲۳
بدر بن فزارہ	۰	〃	〃	۰	۰	۸۹	۳۷۷-۸ 〃	۶۴۲	〃	۲۴
الاصبغ بن عمرو	۰	〃	〃	۶۳۲	۵۶۰-۶۲	〃	۳۷۸ 〃	〃	۳۱۳-۱۷/۳	۲۵
وبر بن عُلیم	۲۰۰	〃	〃	۶۱۱-۲	۵۶۲-۳	۸۹-۹۰	〃 〃	〃	۱۶-۴۰/۴	۲۶
۰	۰	〃	〃	۰	۵۶۴-۵	۹۰-۹۱	〃 〃	۶۴۲-۳	۲۳۴-۷/۲	۲۷
اسیر بن رازم	۰	〃	〃	۶۱۸	۵۶۶-۸	۹۲-۳	〃 〃	۱۵۵/۲	۱۵۶-۹/۳	۲۸
۰	۰	〃	〃	۶۴۰	۵۶۸-۷۱	۹۳	۳۷۸-۹ 〃	۶۴۴	۲۳۴/۴	۲۹
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۲۹۵-۶/۱	۰	۹/۲	۱۲۵/اصابہ۲	۳۰
۰	۰	〃	〃	۶۳۵	۰	۰	۰	۰	۲۳۴-۷/۲	۳۱
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۰	۰	۰	۳۵-۷/۱	۳۲
۰	۰	〃	〃	۶۰۹	۷۲۲	۱۱۷	۳۷۹/۱	۲۲/۳	۵۲-۷۲/۴	۳۳
۰	۰	〃	〃	〃	〃	۱۱۷-۸	〃	۶۴۳/۲ ۲۲/۳	۲۵-۲۳/۳	۳۴
۰	۰	〃	ناکام	۶۱۱-۱۲	۷۲۳	۱۲۰	〃	۲۲/۳	۱۹۵/۱	۳۵
۰	۰	〃	کامیاب	۶۲۲	۷۲۳-۶	۱۲۶	〃	〃	۱۶۸/۴	۳۶
۰	۰	〃	〃	۰	۷۲۶-۷	۱۱۹	〃	۲۲-۲۳/۳	〃 〃	۳۷
۰	۰	〃	〃	۶۱۱-۱۲	۷۲۷-۳۱	۱۲۰	〃	۲۳/۳	۱۹۵/۱	۳۸
۰	۰	〃	〃	〃	۷۴۱	۱۲۳	〃	۲۶/۳	۲۶۶/۵	۳۹
۰	۰	〃	〃	۶۰۹	۷۵۰-۲	۱۲۴	〃	۲۷-۸/۳	۱۶۸/۴	۴۰
۰	۰	〃	ناکام	۶۲۱	۷۵۲-۳	۱۲۷-۸	〃	۲۹/۳	۲۴۶/۴	۴۱

۴۲	حضرت شجاع بن وہب	اسد خزیمہ/حلیف بنو امیہ	ب	سی	ربیع الاول ۸ھ/جولائی ۶۲۹ء	۲۴	ہوازن/عامر
۴۳	" زید بن حارثہ	کلب/مولائے رسول	الف	موتہ	جمادی الاولیٰ ۸ھ/ستمبر ۶۲۹ء	۳,۰۰۰	غسان
۴۴	" جعفر بن ابی طالب	قریش / ہاشم	"	"	" "	"	"
۴۵	" عبداللہ بن رواحہ	خزرج / حارث	د	"	" "	"	"
۴۶	" عمرو بن عاص	قریش / سہم	ع	ذات السلاسل	جمادی الآخرہ ۸ھ/ اکتوبر ۶۲۹ء	۵۰۰	بلی قضاعہ شمال
۴۷	" ابوعبیدہ بن جراح	" / فہر	الف	خبط	رجب ۸ھ/ نومبر ۶۲۹ء	۳۰۰	علاقہ جہینہ
۴۸	" ابوقتادہ	خزرج / ربیعہ	ط	خضرہ یا غابہ	شعبان ۸ھ/دسمبر ۶۲۹ء	۱۵ یا ۱۶	غطفان
۴۹	" " "	" "	"	بطن اضم	رمضان ۸ھ/ "	۸	شمالی حدود عرب
۵۰	" خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	نخلہ	" /جنوری ۶۳۰ء	۳۰	نخلہ/عزّیٰ
۵۱	" عمرو بن عاص	" / سہم	"	سواع	" "	۰	ہذیل/سُواع
۵۲	" سعد بن زید	اوس/عبدالاشہل	د	منات	" "	۲۰	مشلل/مناۃ
۵۳	" ہشام بن عاص	قریش/ امیہ	ب	یلملم	" "	۲۰۰	۰
۵۴	" خالد بن سعید	" "	الف	عُرنہ	" "	۳۰۰	۰
۵۵	" خالد بن ولید	" /مخزوم	ع	جذیمہ	" "	۳۵۰	بنو جذیمہ
۵۶	" طفیل بن عَمرو	ازد شنوءہ/دوس	ب	دوس	شوال ۸ھ/ "	۰	ازد دوس
۵۷	" غالب بن عبداللہ	کنانہ / لیث	۰	فدک	" "	۰	مرہ
۵۸	" ابوسفیان بن حرب	قریش / امیہ	ف	الات	شوال ذیقعدہ ۸ھ/جنوری فروری ۶۳۰ء	۰	ثقیف
۵۹	" مغیرہ بن شعبہ	ثقیف	ط				
۶۰	" عُیَینہ بن حصن	غطفان/ فزارہ	ع	العرج	محرم ۹ھ	۵۰	تمیم
۶۱	" قطبہ بن عامر	خزرج /سلمہ	د	مصحب	صفر ۹ھ/مئی جون ۶۳۰ء	۲۰	خثعم
۶۲	" ضحاک بن سفیان	ہوازن/ کلاب	ف	القرطاء	ربیع الاول ۹ھ/جون جولائی "	۰	۰
۶۳	" علقمہ بن مجزز	کنانہ / مدلج	۰	شعیبہ	ربیع الثانی ۹ھ/جولائی اگست "	۳۰۰	غارتگران حبشہ
۶۴	" جزء بن حدرجان	ازد	ق	طے	" "	۰	طے
۶۵	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	الفلس	" "	۱۵۰	طے/فلس
۶۶	" عکاشہ بن محصن	اسد خزیمہ/ بنو غنم	ب	الجناب	۰	۰	۰
۶۷	" خالد بن ولید	قریش/ مخزوم	ع	دومۃ الجندل	رجب ۹ھ/ اکتوبر ۶۳۰ء	۴۲۰	بنو کندہ/ملکت

۰	۰	فوجی	کامیاب	۰	۷۵۳-۵	۱۲۷	۳۷۹/۱	۲۹/۳	۳۰۶/۲	۴۱
۰	۱۰۰,۰۰۰	〃	کامیاب/ناکام				〃 〃	۰	۲۳۷/۲	۴۲
۰	〃	〃	〃 〃	۶۲۱ ۳۵۹/۲ ۳۷۳	۷۵۵-۶۹	۱۲۸-۳۰	〃 〃	۳۶-۴۲/۳	۲۰۶-۹/۱	۴۴
۰	〃	〃	〃 〃				〃 〃		۱۵۶-۹/۳	۴۵
۰	۰	〃	کامیاب	۶۲۳	۷۶۹-۷۴	۱۳۱	۳۸۰-۸۱ 〃	۳۱-۲/۳	۱۱۵-۱۸/۴	۴۶
۰	۰	〃	〃	۶۳۲	۷۷۴-۷	۱۳۲	۳۸۱ 〃	۳۲-۳/۳	۲۴۹/۵	۴۷
۰	۰	〃	〃	۰	۷۷۷-۸۰	〃	〃 〃	۳۴-۵/۳	۲۷۴/۵	۴۸
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۱۳۳	〃 〃	۳۵-۶/۳	〃	۴۹
۰	۰	مذہبی/فوجی	〃	۴۳۶/۲	۸۷۰	۱۴۵-۶	〃 〃	۶۵/۳	۹۳-۶/۲	۵۰
۰	۰	〃 〃	〃	۰	〃	۱۴۶	〃 〃	۶۶/۳	۱۱۵-۱۸/۴	۵۱
۰	۰	〃 〃	〃	۰	〃	۱۴۶-۷	〃 〃	〃	۱۷۹-۸۰/۲	۵۲
۰	۰	〃 〃	〃	۰	۸۷۳	۰	۰	۰	۶۳-۶۴/۵	۵۳
۰	۰	〃 〃	〃	۰	〃	۰	۰	۰	۸۲-۳/۲	۵۴
۰	۰	〃 〃	〃	۰	۸۷۵-۸۱	۱۴۷-۹	۳۸۱/۱	۶۶-۷/۳	۹۳-۶/۲	۵۵
عامر بن جحمہ	۰	〃 〃	〃	۰	۸۷۰،۹۲۳	۱۵۷-۸	۳۸۲/۱	۰	۵۴-۵/۳	۵۶
۰	۰	فوجی	〃	۰	۰	۰	۰	۰	۳۴۷/۴	۵۷
۰	۰	فوجی/مذہبی	〃	۵۴۱	۹۷۱	۰	۰	۹۹-۱۰۰/۳	۲۱۶/۵	۵۸
								〃	۴۰۶-۷/۴	۵۹
۰	۰	فوجی	〃	۶۲۱	۹۷۳-۵	۱۶۰-۹۱	۳۸۲/۱	۰	۱۶۶-۷/۴	۶۰
۰	۰	〃	〃	۰	۹۸۱	۱۶۲	۳۸۰/۱	۰	۲۰۵-۶/۴	۶۱
۰	۰	〃	〃	۰	۹۸۲-۳	۱۶۲-۳	۳۸۲/۱	۰	۳۶/۳	۶۲
۰	۰	〃	〃	۶۴۰	۹۸۳-۴	۱۶۳	۰	۰	۱۴/۴	۶۳
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۰	۳۸۲/۱	۰	۲۸۱-۸۲/۱	۶۴
۰	۰	فوجی/مذہبی	〃	۶۱۱-۱۲	۹۸۴-۹	۱۶۴	〃 〃	۱۱۱-۱۲/۳	۱۶-۴۰/۴	۶۵
۰	۰	〃 〃	〃	۰	۰	〃	۰	۱۵۵/۳	۲-۳/۴	۶۶
اکیدر بن عبدالملک	۰	فوجی	〃	۵۲۶/۲	۱۰۲۵-۳۰	۱۶۶	۳۸۲-۳۸۳/۱	۱۰۸-۹/۳	۹۳-۶/۲	۶۷

۶۸	حضرت خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	نجران / یمن	ربیع الاول ۱۰ھ / جون جولائی ۶۳۱ء	۴۰۰	الحارث بن کعب
۶۹	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	الف	"	رمضان ۱۰ھ / دسمبر ۶۳۱ء	۳۰۰	مذحج
۷۰	" جریر بن عبداللہ	بجیلہ	ق	ذوالخلصہ	" "	۱	بجیلہ
۷۱	" مسیب بن عمرو	•	د	•	•	•	•
۷۲	" عبداللہ بن حذافہ	قریش / سہم	ب	•	•	•	•
۷۳	" ثابت بن اقرم	بلی / عجلان	د	نجد	•	•	•
۷۴	" اسامہ بن زید	کلب / مولائے رسول	الف / پیدائشی	موتہ	صفر۔ ربیع الاول ۱۱ھ / جون ۶۳۲ء	۳،۰۰۰	غسان

۰	۰	مذہبی	کامیاب	۵۹۲/۲	۰	۱۶۹	۳۸۴/۱	۱۲۶-۷/۳	۹۳-۶/۲	۶۸
۰	۰	〃	〃	۶۹۱	۱۰۷۹-۸۳	۱۹۹-۷۰	〃 〃	۱۳۱-۲/۳	۱۶-۴۰/۴	۶۹
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۲۶۶و۳۴۷	〃 〃	۱۵۸/۳	۱۷۹-۸۰/۲	۷۰
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳۶۷/۴	۷۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۴۲-۴/۳	۷۲
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲۲۰/۱	۷۳
۰	۰	فوجی	کامیاب	۶۰۶	۱۱۱۷-۲۷	۱۹۰	۳۸۴/۱	۱۸۴-۵/۳	۶۴-۶/۱	۷۴

ضمیمہ اوّل-۲ اُمرائے خمیس (سالارانِ رسالہ)

نمبر شمار	سالار	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت قیس بن ابی صعصعہ	خزرج / نجار	د / عقبہ	بدر عظیم	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	" محمد بن مسلمہ	اوس / عبد الاشہل	د / عقبہ	اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۳	" ذکوان بن عبد قیس	•	•	"	" "
۴	" المنذر بن عمرو	خزرج / ساعدہ	د / عقبہ	"	" "
۵	" عبد اللہ بن جبیر	اوس / عمرو بن عوف	"	"	" "
۶	" حمزہ بن عبد المطلب	قریش / ہاشم	الف	"	" "
۷	" زبیر بن عوام	" / اسد	"	"	" "
۸	" سعد بن زید	اوس / عبد الاشہل	س	"	" "
۹	" سعد بن معاذ	" "	د	"	" "
۱۰	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۱۱	" صفوان بن معطل	سُلیم / ذکوان	س	مریسیع	شعبان ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۱۲	" عباد بن بشر	اوس / عبد الاشہل	د	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۱۳	" سعد بن ابی وقاص	قریش / زہرہ	الف	"	" "
۱۴	" اُسید بن حُضیر	اوس / عبد الاشہل	د / عقبہ	"	" "
۱۵	" عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	"	" "
۱۶	" زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	"	" "
۱۷	" سلمہ بن اسلم	اوس / عبد الاشہل	س	"	" "
۱۸	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی-جون ۶۲۷ء
۱۹	" اُسید بن حُضیر	اوس / عبد الاشہل	د / عقبہ	"	" "

	منصبِ سالار	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	ساقہ/مشاۃ اور عرض کے افسر	•	۲۶	۳/۵۱۷	•	۲/۴۲۳	۴/۲۱۸
۲	الحرس کے افسر	•	۲۱۷	۲/۳۹	•	•	۴/۳۲۱
۳	״ ״ ״ واپسی کے سفر میں	•	۲۱۷ و ۱۱۳	•	•	•	•
۴	میسرہ کے افسر	•	•	•	•	•	۴/۴۱۹
۵	تیراندازوں کے افسر	•	۲۱۹	۲/۴۰	۱/۳۱۷	۲/۵۰۷	۳/۱۳۰-۱
۶	مقدمہ کے افسر	•	•	•	•	۲/۵۰۸	۲/۴۶-۵۰
۷	الخیل (شہسواروں) کے افسر	•	•	•	•	״	۲/۱۹۶-۹
۸	״ ״ ״	•	•	•	•	״	•
۹	مدینہ کی محافظ فوج (الحرس) کے افسر	•	•	•	•	״	۲/۲۹۶-۹
۱۰	سالارِ معسکر	•	۳۷۱	•	•	•	•
۱۱	مستقل سالار ساقہ	•	۴۲۸ و ۱۰۹۳	•	۱/۳۴۲	•	۳/۲۶-۷
۱۲	شب بیدار الحرس کے افسر	•	۴۶۴	۲/۶۷	•	•	۳/۱۰۰-۱
۱۳	״ ״ ״	•	۴۶۳	•	•	•	•
۱۴	۲۰۰ شہسوار دستہ کے افسر	•	۴۶۷-۵ و ۴۷۳	۲/۶۸	•	•	۱/۹۲-۳
۱۵	شب بیدار الحرس کے افسر	•	۴۶۶	•	•	•	•
۱۶	۲۰۰ شہسوار محافظ دستہ (الحرس) کے افسر	•	۴۶۰	۲/۶۷	•	•	•
۱۷	۲۰۰ ״ ״ ״ ״	•	״	״	•	•	•
۱۸	مقدمہ کے افسر	•	۴۹۹	•	•	۲/۵۸۲	۴/۱۲-۴۰
۱۹	ایک دستہ کے افسر	•	״	•	•	•	۱/۹۲-۳

٢٠	حضرت محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د / عقبہ	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی جون ۶۲۷ء
٢١	″ سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	″	غطفان	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ۶۲۶ء
٢٢	″ سعد بن زید	اوس / عبدالاشہل	س	″	″ ″
٢٣	″ زید بن ثابت	خزرج / نجار	″	خیبر	صفر سنہ ھ / مئی جون ۶۲۸ء
٢٤	″ عثمان بن عفان	قریش / امیہ	الف	″	″ ″
٢٥	″ عمر بن خطاب	″ / عدی	ب	″	″ ″
٢٦	″ محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	عمرۃ القضیہ	ذی قعدہ سنہ ھ / مارچ ۶۲۹ء
٢٧	″ اوس بن خولی	خزرج / سالم	س	″	″ ″
٢٨	″ عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	″	″	″ ″
٢٩	″ اوس بن خولی	خزرج / سالم	″	″	″ ″
٣٠	″ قطبہ بن قتادہ	سعد ہذیم / عذرہ	•	غزوہ موتہ	جمادی الاولیٰ سنہ ھ / ستمبر ۶۲۹ء
٣١	″ عبایہ بن مالک	انصاری	•	″	″ ″
٣٢	″ عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	فتح مکہ	رمضان سنہ ھ / جنوری ۶۳۰ء
٣٣	″ زبیر بن عوام	″ / اسد	الف	″	″ ″
٣٤	″ ضحاک بن سفیان	عامر / کلاب	ف	″	″ ″
٣٥	″ ابوعبیدہ بن جراح	قریش / فہر	الف	″	″ ″
٣٦	″ خالد بن ولید	″ / مخزوم	ع	″	″ ″
٣٧	″ سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	″	″ ″
٣٨	″ زبیر بن عوام	قریش / اسد	الف	″	″ ″
٣٩	″ ورد بن خالد	سلیم	ف	″	″ ″
٤٠	″ خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	غزوہ حنین	شوال سنہ ھ / فروری ۶۳۰ء
٤١	″ ابو عامر	اشعر	ط	″ اوطاس	″ ذیقعدہ ″ / ″ ″
٤٢	″ خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	″ طائف	″ ″
٤٣	″ عبداللہ بن عتیک	خزرج / سلمہ	س	سریہ علی (الفلس)	ربیع الثانی ۹ھ / اگست ستمبر ۶۳۰ء
٤٤	″ عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	غزوہ تبوک	رجب، رمضان ۹ھ / اکتوبر نومبر ۶۳۱ء
٤٥	″ عبداللہ بن ابی ربیعہ	قریش / مخزوم	ف	یمن	۱۰-۹ھ / ۳۱-۶۳۰ء

شب بیدار الحرس کے افسر	•	۵۰۴	•	•	۵۸۶/۲	۳۳۱/۴	۲۰
مدینہ کی محافظ فوج (الحرس) کے افسر	•	۵۴۷	۸۰/۲	•	•	۲۸۳-۵/۲	۲۱
شہسوار فوج (الخیل) کے افسر	•	۵۴۷، ۵۴۵	•	•	۶۰۱/۲	۲۷۹-۸۰/۲	۲۲
افسر عرض	•	۶۸۹	۱۰۷/۲	•	•	۲۲۱-۳/۲	۲۳
لشکرگاہ رجیع کے افسر	•	۶۴۵	•	•	•	۳۷۶-۸۴/۳	۲۴
〃 〃	•	۶۴۷	•	•	•	۵۲-۷۲/۴	۲۵
شب بیدار الحرس کے افسر	•	۶۰۲، ۴۳۲، ۳۵	۱۲۱/۲	•	۱۲۶/۳	۳۳۱/۴	۲۶
〃 〃 〃	•	〃	•	•	•	۱۴۴-۵/۱	۲۷
〃 〃 〃	•	〃	•	•	•	۱۰۰-۱/۳	۲۸
الخیل/مقدمہ کے افسر	•	•	۱۲۳/۲	•	•	۱۴۴-۵/۱	۲۹
سالارِ میمنہ	•	•	۳۹/۳	•	•	۳۰۶/۴	۳۰
سالارِ میسرہ	•	•	〃	•	•	•	۳۱
الحرس کے افسر	•	۸۱۵	۱۳۵/۲	•	•	۵۲-۷۲/۴	۳۲
سالارِ مقدمہ	•	۸۰۱	•	۳۵۵/۱	•	۱۹۶-۹/۲	۳۳
سالار فوج سلیم	•	•	•	•	•	۳۶/۳	۳۴
سالار دستہ/مقدمہ	•	•	۱۳۵/۲	۳۵۵/۱ فب ۵۲	۵۷/۳	۲۴۹/۵	۳۵
سالار مقدمہ/میمنہ	•	۸۱۹، ۸۲۵	۱۲۵-۶/۲	۵۲ 〃	۵۶/۳	۹۳-۶/۲	۳۶
سالار دستۂ فوج نبوی	•	۸۲۵	〃		〃	۲۸۳-۵/۲	۳۷
〃 〃	•	〃	〃	〃 〃	۵۵-۶/۳	۱۹۶-۹/۲	۳۸
سالار میمنہ	•	•	•	•	•	۸۶/۵	۳۹
سالار مقدمہ	•	۸۹۷	۱۵۰/۲	•	•	۹۳-۶/۲	۴۰
〃	•	۹۱۵	۱۵۲/۲	۳۶۵-۶/۱ ۶۷ 〃	۷۹/۳	۲۳۸/۵	۴۱
〃	•	۹۲۳	۱۵۸/۲	•	•	۹۳-۶/۲	۴۲
مشاۃ (پیادہ سپاہ) اور سامان کے افسر	•	•	•	•	•	۲۰۳-۵/۳	۴۳
مستقل الحرس کے افسر	•	۱۰۳۴	۱۶۶/۲	•	•	۱۰۰-۱/۳	۴۴
فوج یمن کے مستقل افسر	•	•	•	•	•	۱۵۵/۳	۴۵

ضمیمہ اوّل - ۳   اُمرائِ عَلم/علمبردار (اصحاب الالویۃ والرایات)

نمبر شمار	علمبردار	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت ابو مرثد	قیس عیلان / بنو غنی	الف	سریہ حمزہ (سیف البحر)	رمضان ۱ھ / مارچ ۶۲۳ء
۲	" مسطح بن اثاثہ	قریش / مطلب	"	" عبیدہ بن حارث (رابغ)	شوال ۱ھ / اپریل ۶۲۳ء
۳	" مقداد بن عمرو	قضاعہ / بہراء	"	" سعد بن ابی وقاص (خرار)	ذیقعدہ ۱ھ / مئی ۶۲۳ء
۴	" حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	"	غزوہ ودان	صفر ۲ھ / اگست ۶۲۳ء
۵	" سعد بن ابی وقاص	" / زہرہ	"	" بواط	ربیع الاول ۲ھ / ستمبر ۶۲۳ء
۶	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	"	" بدر اولیٰ	" "
۷	" حمزہ بن عبدالمطلب	" / "	"	" ذات العشیرہ	جمادی الآخرہ ۲ھ / دسمبر ۶۲۳ء
۸	" مصعب بن عمیر [1]	" / عبدالدار	"	" بدر عظیم	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۹	" حباب بن منذر [2]	خزرج / سلمہ	س	" "	" "
۱۰	" سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	"	" "	" "
۱۱	" حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف	" بنی قینقاع	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء
۱۲	" علی بن ابی طالب	" "	"	" الکدر	محرم ۳ھ / جولائی ۶۲۴ء
۱۳	" مصعب بن عمیر [3]	" / عبدالدار	"	" اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۱۴	" ابوالروم بن عمیر	" "	"	" "	" "
۱۵	" اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	د	" "	" "

[1] طبری، ۲/ ۴۲۱ میں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو مہاجرین کا علمبردار بتایا گیا ہے۔

[2] " " " " سعد بن عبادہ خزرجی کو خزرج " " " "۔

[3] " " ۲/ ۵۱۶ " " علی بن ابی طالب ہاشمی کو مہاجرین " " " "۔

علم قبیلہ / خاندان	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
علم سریہ	۰	۰	۲/۶	۰	۲/۴۰۲	۵/۲۹۶	۱
〃	۰	۰	۲/۷	۰	〃	۴/۳۵۴-۵	۲
〃	۰	۰	〃	۰	۲/۴۰۳	۴/۴۰۹	۳
علم غزوۂ نبوی	۰	۰	۲/۸	۰	۲/۴۰۷	۲/۴۶-۵۰	۴
〃	۰	۰	〃	۰	〃	۲/۹۰-۳	۵
〃	۰	۰	۰	۰	〃	۴/۱۶-۴۰	۶
〃	۰	۰	۲/۹	۰	۲/۴۰۸	۲/۴۶-۵۰	۷
〃	۶۱۲-۱۳	۵۸، ۵۶	۲/۱۴	۰	۰	۴/۳۷۰	۸
〃 / خزرج	۰	۵۸	〃	۰	۰	۱/۳۶۴-۵	۹
〃 / اوس	۰	۵۸	〃	۰	۰	۲/۲۹۶-۹	۱۰
〃	۰	۰	۲/۲۹	۰	۲/۴۸۱	۲/۴۶-۵۰	۱۱
〃	۰	۰	۲/۳۱	۰	۲/۴۸۲	۴/۱۶-۴۰	۱۲
〃 / مہاجرین	۰	۲۱۵	۲/۵۸	/۳۱۷	۲/۵۰۸	۴/۳۶۸-۹	۱۳
〃 / شہادتِ مصعبؓ کے بعد	۰	۲۳۹	۰	..	۰	۰	۱۴
〃 / اوس	۰	۲۱۵	۲/۵۸	۱/۳۱۷	۲/۵۰۸	۱/۹۲-۳	۱۵

۱۶	حضرت حباب بن منذر [1]	خزرج / سلمہ	س	غزوہ احد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۱۷	" علی بن ابی طالب [2]	قریش / ہاشم	الف	" حمراء الاسد	" "
۱۸	" " " "	" "	"	" بنی نضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۱۹	" " " "	" "	"	" بدر الموعد	ذی قعدہ ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء
۲۰	" ابوبکر صدیق	" / تیم	"	" مریسیع	رجب ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۲۱	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	" "	" "
۲۲	" زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	" خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۲۳	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	" "	" "
۲۴	" علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	" بنی قریظہ	" ذی الحجہ ۵ھ / اپریل مئی ۶۲۷ء
۲۵	" مقداد بن عمرو	قضاعہ / بہراء	"	" غطفان	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ۶۲۷ء
۲۶	" ابوبکر صدیق	قریش / تیم	"	" خیبر	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء
۲۷	" عمر بن خطاب	" / عدی	ب	" "	
۲۸	" علی بن ابی طالب	" / ہاشم	الف	" "	
۲۹	" حباب بن منذر	خزرج / سلمہ	س	" "	" "
۳۰	" سعد بن عبادہ	" / ساعدہ	"	" "	" "
۳۱	" مسطح بن اثاثہ	قریش / مطلب	الف	" "	" "
۳۲	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	وادی القریٰ	" "
۳۳	" حباب بن منذر	" / سلمہ	"	"	" "
۳۴	" سہل بن حنیف [3]	اوس / مالک	"	"	" "
۳۵	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	"	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۳۶	" قیس بن سعد بن عبادہ [4]	" "	"	"	" "

[1] بلاذری نے حضرت سعد بن عبادہ کا نام لیا ہے۔

[2] واقدی نے ایک روایت میں حضرت ابوبکر صدیق کا نام لیا ہے۔

[3] ایک روایت میں حضرت عباد بن بشر کا نام ہے۔

[4] حکم نبوی پر باپ کی جگہ بیٹے نے دورانِ غزوہ لی تھی۔

علم غزوهٔ نبوی / خزرج	۰	۲۱۵	۲/۵۸	۰	۲/۵۰۸	۱/۳۶۴-۵	۱۶
〃	۰	۳۳۶	۲/۴۹	۰	۰	۴/۱۶-۴۰	۱۷
〃	۰	۰	۲/۵۸	۰	۰	〃	۱۸
〃	۰	۳۸۸	۲/۵۹	۰	۰	〃	۱۹
〃 / مہاجرین	۰	۴۰۷	۲/۶۴	۰	۰	۳/۲۰۵-۲۳	۲۰
〃 / انصار	۰	〃	〃	۰	۰	۲/۲۸۳-۵	۲۱
〃 / مہاجرین	۰	۰	۲/۶۷	۰	۰	۲/۲۳۴-۷	۲۲
〃 / انصار	۰	۰	〃	۰	۰	۲/۲۸۳-۵	۲۳
〃	۰	۴۹۷	۲/۷۴	۰	۰	۴/۱۹-۴۰	۲۴
〃	۰	۰	۲/۸۰	۰	۰	۴/۴۰۹	۲۵
	۰					۰	۲۶
〃 بالترتیب	۰				۳/۱۱-۱۲	۰	۲۷
	۲/۳۲۸	۵۴، ۶۴۹	۲/۱۰۶	۰	۰	۰	۲۸
〃 / خزرج	۰	۰	〃	۰	۰	۰	۲۹
〃 〃	۰	۰	〃	۰	۰	۰	۳۰
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴/۳۵۴-۵	۳۱
انصار						۲/۲۸۳-۵	۳۲
〃		۷۱۰				۱/۳۶۴-۵	۳۳
〃						۲/۳۶۴-۵	۳۴
علم نبوی / 〃						۲/۲۸۳-۴	۳۵
〃 〃		۸۰۰-۸۰۱				۴/۲۱۵-۶	۳۶

۳۷	حضرت قطبہ بن عامر	خزرج / سلمہ	د	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۳۸	〃 عمارہ بن حزم	〃 / نجار	〃	〃	〃 〃
۳۹	〃 عبداللہ بن زید	〃 / حارث	〃	〃	〃 〃
۴۰	〃 سلیط بن قیس	〃 / نجار	س	〃	〃 〃
۴۱	〃 زبیر بن عوام	قریش / اسد	الف	〃	〃 〃
۴۲	〃 علی بن ابی طالب	〃 / ہاشم	〃	〃	〃 〃
۴۳	〃 سعد بن ابی وقاص	〃 / زہرہ	〃	〃	〃 〃
۴۴	〃 ہلال بن امیہ	اوس / واقف	س	〃	〃 〃
۴۵	〃 ابو نائلہ	〃 / عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۴۶	〃 جابر بن عتیک	〃 / بنومعاویہ	〃	〃	〃 〃
۴۷	〃 ابولبابہ بن عبدالمنذر	〃 / خطمہ	〃	〃	〃 〃
۴۸	〃 خزیمہ بن ثابت	〃 / 〃	〃	〃	〃 〃
۴۹	〃 ابو اسید	خزرج / ساعدہ	〃	〃	〃 〃
۵۰	〃 قتادہ بن نعمان	〃 / ظفر	〃	〃	〃 〃
۵۱	〃 ابوبردہ ہانی بن نیار	〃 / حارثہ	〃	〃	〃 〃
۵۲	〃 حیان بن حکم	سلیم	ط	〃	〃 〃
۵۳	〃 یزید بن اخنس	〃	س	〃	〃 〃
۵۴	〃 خفاف بن ندبہ	〃	ط	〃	〃 〃
۵۵	〃 عوف بن مالک	غطفان / اشجع	〃	〃	〃 〃
۵۶	〃 خزاعی بن عبدنہم	مزینہ	〃	〃	〃 〃
۵۷	〃 نعمان بن مقرن	〃	〃	〃	〃 〃
۵۸	〃 عبداللہ بن عمرو	〃	〃	〃	〃 〃
۵۹	〃 بلال بن حارث	〃	〃	〃	〃 〃
۶۰	〃 بریدہ بن حصیب	اسلم	د	〃	〃 〃
۶۱	〃 ناجیہ بن اعجم	〃	〃	〃	〃 〃
۶۲	〃 معبد بن خالد	جہینہ	س	〃	〃 〃

علم نبوی / بنو سلمہ						۲۰۵-۶/۳	۳۷
" / بنو نجار						۴۸/۴	۳۸
" / ۰						۱۲۵-۷/۳	۳۹
" / ۰		۸۰۱ - ۸۰۰				۲۴۵-۶/۲	۴۰
" / مہاجرین					۵۵/۳	۱۹۶-۹/۲	۴۱
" / "						۱۲-۴۰/۴	۴۲
" / "						۹۰-۳/۲	۴۳
" / بنو واقف						۶۶/۵	۴۴
" / ۰						۳۱۱/۵	۴۵
" / بنو معاویہ		۸۰۰				۲۵۸-۹/۱	۴۶
" / ۰						۲۸۴-۵/۴	۴۷
" / خطمہ						۱۱۴/۲	۴۸
" / ۰		۸۰۰				۱۲۷/۵	۴۹
" / ظفر		"				۱۹۵-۷/۴	۵۰
" / حارثہ		۰				۱۴۶/۵	۵۱
" / سلیم						۳۶۶/۱	۵۲
" / "						۱۰۲-۳/۵	۵۳
" / "						۱۱۸-۹/۲	۵۴
" / اشجع						۱۵۶/۴	۵۵
" / مُزینہ						۱۱۳/۲	۵۶
" / "		۸۰۰				۰	۵۷
" / "		۰				۳۰-۱/۵	۵۸
" / "		۸۰۰				۲۰۵/۱	۵۹
" / اسلم		"				۱۶۵-۶/۱	۶۰
اسلم		"				۴/۵	۶۱
جہینہ		۰				۲۹۰/۴	۶۲

۶۳	حضرت سوید بن صخر	جہینہ	د	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۶۴	〃 زید بن خالد	〃	س	〃	〃 〃
۶۵	〃 عبد اللہ بن بدر	〃	ط	〃	〃 〃
۶۶	〃 بشر بن ابی سفیان	خزاعہ / کعب	〃	〃	〃 〃
۶۷	〃 ابو شریح	〃 / 〃	〃	〃	〃 〃
۶۸	〃 عمرو بن سالم	〃 / 〃	〃	〃	〃 〃
۶۹	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	غزوہ حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۷۰	〃 سعد بن ابی وقاص	〃 / زہرہ	〃	〃	〃 〃
۷۱	〃 عمر بن خطاب	〃 / عدی	ب	〃	〃 〃
۷۲	〃 حباب بن منذر	خزرج / سلمہ	س	〃	〃 〃
۷۳	〃 سعد بن عبادہ	〃 / ساعدہ	〃	〃	〃 〃
۷۴	〃 اسید بن حضیر	اوس / عبد الاشہل	د	〃	〃 〃
۷۵	〃 ابو بکر صدیق	قریش / تیم	الف	غزوہ تبوک	شوال - ذی قعدہ ۹ھ / اکتوبر - نومبر ۶۳۱ء
۷۶	〃 زبیر بن عوام	〃 / اسد	〃	〃	〃 〃
۷۷	〃 اسید بن حضیر	اوس / عبد الاشہل	د	〃	〃 〃
۷۸	〃 عمارہ بن حزم	خزرج / نجار	د	〃	〃 〃
۷۹	〃 ابو دجانہ	〃	س	〃	〃 〃
۸۰	〃 حباب بن منذر	〃 / سلمہ	〃	〃	〃 〃
۸۱	〃 زید بن ثابت	〃 / نجار	〃	〃	〃 〃
۸۲	〃 ابو زید	〃 / عمرو بن عوف	〃	〃	〃 〃
۸۳	〃 معاذ بن جبل	〃 / سلمہ	〃	〃	〃 〃
۸۴	〃 عبد اللہ بن مالک	〃 / بنو قطیعہ بن عبس	.	.	.
۸۵	〃 عامر بن سالم	اسلم	د	.	.
۸۶	〃 بریدہ بن حصیب	〃	〃	سریہ اسامہ بن زید	محرم - ربیع ۱۱ھ / مارچ - جون ۶۳۲ء

جہینہ						۳۷۸/۲	۶۳
″	۰	۸۰۰	۰	۰	۰	۲۲۸/۲	۶۴
″						۱۲۳-۴/۳	۶۵
خزاعہ / کعب						۰	۶۶
″ ″	۰	۸۰۱	۰	۰	۰	۲۲۵/۵	۶۷
″ ″						۱۰۴-۵/۴	۶۸
مہاجرین						″	۶۹
″	۰	۸۹۵	۱۵۰/۲	۰	۰	″	۷۰
″						″	۷۱
خزرج	۰	″	″	۰	۰	″	۷۲
″						″	۷۳
اوس	۰	۸۹۵-۶	″	۰	۰	″	۷۴
مہاجرین						″	۷۵
″						″	۷۶
اوس						″	۷۷
خزرج						″	۷۸
″	۰	۹۹۶-۱۰۰۳	۰	۰	۰	۱۸۴/۵	۷۹
″						″	۸۰
″						″	۸۱
″						″	۸۲
″						″	۸۳
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲۵۱/۳	۸۴
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۸۱/۳	۸۵
علم نبوی	۰	۱۱۱۸	۱۹۰/۲	۰	۰	۱۷۵-۶/۱	۸۶

ضمیمہ اوّل - سہ افسرانِ طلیعہ (گشتی دستے)

نمبر شمار	طلیعہ افسر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت طلحہ بن عبید اللہ	قریش / تیم	الف	کاروان قریش قبل بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	،، سعید بن زید	،، / عدی	،،	،،	،، ،،
۳	،، زبیر بن عوام	،، / اسد	،،	غزوۂ بدر	،، ،،
۴	،، علی بن ابی طالب	،، / ہاشم	،،	،،	،، ،،
۵	،، بسبس بن عمرو	جہینہ	س	،،	،، ،،
۶	،، زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	،،	،، ،،
۷	،، عبد اللہ بن رواحہ	خزرج / حارث	د	،،	،، ،،
۸	،، مالک بن خلف	اسلم	س	غزوہ اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۹	،، نعمان بن خلف	،،	،،	،،	،، ،،
۱۰	،، سلیط بن خالد	،،	،،	،،	،، ،،
۱۱	،، سفیان بن خالد	،،	،،	،،	،، ،،
۱۲	،، (نامعلوم)	،، / بنو عویر	،،	،،	،، ،،
۱۳	،، ابو لیلیٰ	خزرج / مازن	،،	غزوہ بنی قینقاع	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۱۴	،، عبد اللہ بن سلام	بنو قینقاع	،،	،،	،، ،،
۱۵	،، جعال بن سراقہ	کنانہ / ضمرہ	ب	ذات الرقاع	محرم ۵ھ / جون ۶۲۶ء
۱۶	،، سعد بن معاذ	اوس / عبد الاشہل	س	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۱۷	،، اسید بن حضیر	،، ،،	د	،،	،، ،،
۱۸	،، سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	،،	،، ،،
۱۹	،، ابو بکر صدیق	قریش / تیم	الف	بنو لحیان	ربیع الاول ۶ھ / جولائی ۶۲۷ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
کاروان قریش کی آمد کا وقت و راستہ معلوم کرنا	•	۲۰ - ۱۹	۲/۱۲ - ۱۱	۱/۲۸۸	۲/۴۷۸	۳/۵۹	۱
〃 〃 〃	•	〃	〃	〃	〃	۲/۳۰۶	۲
بدر کے کنووں کے قریب جا کر دشمن کی خبر لانا	•	۵۱	۲/۱۳	•	۲/۴۲۲، ۴۳۶	۲/۹ - ۱۹۶	۳
〃 〃 〃	•	〃	•	•	•	۴/۴۰ - ۱۶	۴
〃 〃 〃	•	〃	•	•	•	۱/۹ - ۱۷۸	۵
فتح بدر کی خوشخبری اہل العالیہ کو دینا	•	۱۱۴	•	۱/۲۹۴	۲/۴۵۸	۲/۷ - ۲۳۳	۶
〃 〃 〃 زیریں مدینہ کے لوگوں کو دینا	•	〃	۲/۱۳	•	〃	۳/۹ - ۱۵۶	۷
						۴/۲۷۸	۸
دشمن کے بارے میں خبریں حاصل کرنا	•	•	•	•	•	۵/۲۵	۹
							۱۰
دشمن کی پسپائی کے بعد ان کے ارادوں کا پتا لگانا	•	۳۳۷	•	•	•	۴/۲۹۷	۱۱
							۱۲
						۵/۲۸۶	۱۳
کھجوروں کے بعض درخت کاٹنا	•	۳۷۲	•	•	•	۳/۷ - ۷۶	۱۴
مدینہ والوں کو مسلم فوج کی خیریت سے آگاہ کرنا	•	•	۲/۶۱	•	•	۱/۴ - ۲۸۳	۱۵
						۲/۷ - ۱۹۶	۱۶
بنو قریظہ کے بارے میں پتا لگانا	•	۴۵۸	•	•	•	۱/۳ - ۹۲	۱۷
						۲/۵ - ۲۸۳	۱۸
غمیم تک خبریں معلوم کرنے گئے تھے	•	۵۳۶	۲/۷۹	•	•	۳/۲۳ - ۲۰۵	۱۹

۲۰	حضرت عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۲۱	〃 〃 〃	〃 〃	〃	خیبر	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء
۲۲	〃 عمرو بن طفیل	ازد / دوس	〃	〃	〃 〃
۲۳	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۲۴	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	فتح مکّہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۲۵	〃 زبیر بن عوام	〃 / اسد	〃	〃	〃 〃
۲۶	〃 نہیک بن اوس	خزرج	س	حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۲۷	〃 اسید بن حضیر	اوس	〃	تبوک	۹ھ / ۶۳۱ء
۲۸	〃 زیاد بن حنظلہ	تمیم	•	مسیلمہ کذاب کے خلاف	۱۱ھ / ۶۳۲ء

دشمن کی خبر معلوم کرنا۔ ۲۰ سپاہ کے افسر	•	۵۷۴	۹۵/۲	•	•	•	۱۰۰-۱/۳	۲۰
〃 〃	•	۶۴۰	•	•	•	•	〃	۲۱
اپنے قبیلہ سے کمک لانا	•	۹۲۳	•	•	•	•	۱۱۵/۳	۲۲
لشکرگاہ کے لیے مناسب جگہ حاصل کرنا	•	۶۴۴	•	•	•	•	۳۳۱/۴	۲۳
ایک جاسوس عورت سے خط وصول کرنا	•	،۹۷ – ۸	•	•	۴۸-۹/۳		〃	۲۴
							〃	۲۵
مدینہ والوں کو مسلم سپاہ کی خیریت پہنچانا	•	•	•	•	•	•	۴۴/۵	۲۶
پانی وغیرہ حاصل کرنا/جگہ کا پتا لگانا	•	۱۰۴۱	•	•	•	•	۹۲-۹۳/۱	۲۷
اس کے ارادوں کا پتا لگانا	•	•	•	•	•	•	۲۱۳/۲	۲۸

ضمیمہ اوّل ۔ ۵ جاسُوس (عیون)

نمبر شمار	جاسوس	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت بسبس بن عمرو	جُہینہ	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	〃 عدی بن ابی الزغباء	〃	〃	〃	〃 〃
۳	〃 عمّار بن یاسر	مذحج / عنس	الف	〃	〃 〃
۴	〃 عبداللہ بن مسعود	ہذیل	〃	〃	〃 〃
۵	〃 انس بن فضالہ	خزرج / ظفر	س	غزوۂ اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۶	〃 مونس بن فضالہ	〃 〃	〃	〃	〃 〃
۷	〃 حباب بن منذر	〃 / سلمہ	د	〃	〃 〃
۸	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	〃	〃 〃
۹	〃 امیہ بن خویلد	کنانہ / ضمرہ	س	رجیع	صفر ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء
۱۰	〃 عمرو بن امیہ	〃 〃	〃	〃	〃 〃
۱۱	〃 بریدہ بن حصیب	اسلم	د	مریسیع	شعبان ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۱۲	〃 خوات بن جبیر	خزرج	س	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل مئی ۶۲۷ء
۱۳	〃 حذیفہ بن یمان	غطفان / حلیف عبد الاشہل	〃	〃	〃 〃
۱۴	〃 زبیر بن عوام	قریش / اسد	الف	〃	〃 〃
۱۵	〃 بسر بن سفیان	خزاعہ / کعب	س	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۱۶	〃 انس بن ابی مرثد	قیس عیلان / غنی	الف	حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۱۷	〃 عبداللہ بن ابی حدرد	اسلم	س	〃	〃 〃

	کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	جنگ سے قبل بدر جاکر دشمن کی خبر معلوم کرنا	۰	۲۲	۱۲ / ۲	۲۸۹ / ۱	۴۳۳ و ۳۷	
۲	〃 〃						۱۷۸ - ۹/۱
۳	دشمن کے خیمہ زن ہونے کے بعد ان کی خبریں معلوم کرنا	۰	۵۴	۰	۰	۰	۴۳-۴۷/۴
۴	〃 〃						۰
۵	اُحد سے قبل دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرنا	۰	۲۰۶ - ۷	۳۷/۲	۰	۰	۱۲۵ - ۶/۱
۶	〃 〃						۴۲۵-۶/۴
۷	احد میں خیمہ زن ہونے کے بعد دشمن کے بارے میں خبریں معلوم کرنا	۰	۲۰۷	〃	۰	۰	۳۶۴-۵/۱
۸	جنگ کے بعد 〃 〃 〃 〃	۰	۰	۰	۰	۵۲۷-۸/۲	۱۶-۴۰/۴
۹	قریش کے ارادوں کا پتا لگانا	۰	۰	۰	۰	۰	۱۱۷/۱
۱۰	〃 〃 〃	۰	۰	۰	۰	۵۴۱-۲/۲	۸۶/۴
۱۱	بنو مصطلق کے ارادوں کے بارے میں تصدیق کرنا	۰	۴۰۴	۶۳/۲	۰	۰	۱۷۵ - ۶/۱
۱۲	بنو قریظہ 〃 〃 〃	۰	۴۶۰ - ۶۱	۰	۰	۰	۰
۱۳	احزاب 〃 〃 معلوم کرنا	۰	۴۸۹ - ۹۰	۶۹ / ۲	۰	۵۷۹-۸۱/۲	۳۹۰-۲/۱
۱۴	بنو قریظہ کی غداری کی خبروں کی تصدیق کرنا	۰	۴۵۷	۰	۰	۰	۱۹۶-۹/۱
۱۵	قریش کے ارادوں کا پتا لگانا	۰	۵۷۳	۹۵ / ۲	۰	۰	۱۸۱/۱
۱۶	ہوازن 〃 〃 〃	۰	۸۹۴	۰	۰	۰	۱۲۹-۳۰/۱
۱۷	دشمن کی کمینگاہ کا پتا لگانا	۰	۸۹۳	۱۵۰/۲	۰	۷۳/ ۳	۱۴۱-۲/۳

ضمیمہ اوّل ۔ ۶ راہ بر (دلیل)

نمبر شمار	راہ بر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت عبداللہ بن اریقط	/ دئل	س	سفر ہجرت نبوی	صفر۔ربیع الاول سنہ ۱ھ / اگست ستمبر سنہ ۶۲۲ء
۲	" سعد العرجی	کنانہ / اسلم	"	"	" "
۳	" ابو حثمہ	اوس / حارث	"	اُحد	شوال سنہ ۳ھ / مارچ سنہ ۶۲۵ء
۴	" ثابت بن ضحاک	خزرج / عمرو بن عوف	"	حمراء الاسد	" "
۵	" مذکور	عذرہ	•	دومۃ الجندل	ربیع الاول و الثانی سنہ ۵ھ / اگست ستمبر سنہ ۶۲۶ء
۶	" مسعود بن ھنیدہ	اسلم	د	مریسیع	رجب سنہ ۵ھ / جنوری سنہ ۶۲۷ء
۷	" ابو حدرد	"	"	غطفان	ربیع الثانی سنہ ۶ھ / اگست سنہ ۶۲۷ء
۸	" عمرو بن عبد نہم	"	ط	حدیبیہ	ذی قعدہ سنہ ۶ھ / مارچ سنہ ۶۲۸ء
۹	" حسیل بن خارجہ / نویرہ	غطفان / اشجع	"	خیبر	صفر سنہ ۷ھ / مئی۔جون سنہ ۶۲۸ء
۱۰	" عبداللہ بن نعیم	" "	"	"	" "
۱۱	" یاسر	یہود خیبر	ع	"	" "
۱۲	" ابو عریض	"	"	"	" "
۱۳	" سماک	"	"	"	" "
۱۴	" حسیل بن خارجہ / نویرہ	غطفان / اشجع	ط	سریہ بشیر بن سعد	شوال سنہ ۷ھ / فروری سنہ ۶۲۹ء
۱۵	" غالب بن عبداللہ	کنانہ / لیث	س	فتح مکہ	رمضان سنہ ۸ھ / جنوری سنہ ۶۳۰ء
۱۶	" علقمہ بن فغواء	خزاعہ / عامر بن ربیعہ	د	غزوہ تبوک	رجب۔رمضان سنہ ۹ھ / اکتوبر۔نومبر سنہ ۶۳۱ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
مکہ سے العرج تک راہ بری	٠	٠	٠	٠	٠	٠	۱
العرج سے مدینہ تک راہ بری	٠	٠	٠	٠	٠	۲۸۶-۷/۲	۲
مدینہ سے احد تک ”	٠	۲۱۸	۳۹/۲	٠	۵۰۶/۲	۱۶۹/۵	۳
مدینہ سے حمراء الاسد تک ”	٠	٠	٠	٠	٠	۲۲۵-۶/۱	۴
مدینہ سے دومہ تک ”	٠	۴۰۳	٠	٠	٠	۳۴۲/۴	۵
مدینہ سے مریسیع تک ”	٠	٠	٠	٠	٠	۳۶۰/۴	۶
” ” علاقہ غطفان تک راہ بری	٠	٠	٠	٠	٠	۱۶۹-۷۰/۵	۷
” ” حدیبیہ تک ”	٠	۵۸۴	٠	٠	٠	۱۱۹-۲۰/۴	۸
” ” خیبر ” ”	٠	۶۳۹	۲۳/۳	٠	٠	۱۶/۲	۹
خیبر کی مہم کے دوران	٠	”	٠	٠	٠	۲۶۸/۳	۱۰
” ”	٠	۶۴۱	٠	٠	٠	٠	۱۱
” ”	٠	٠	٠	٠	٠	۲۵۳/۵	۱۲
” ”	٠	۶۴۷-۸	٠	٠	٠	۳۵۲/۲	۱۳
دوران سریہ اور مدینہ سے علاقہ مہم تک	٠	۷۲۷	٠	٠	٠	۱۶/۲	۱۴
مکہ کا مختصر ترین راستہ بتایا اور راہبری کی	٠	٠	٠	٠	٠	۱۶۸/۴	۱۵
مکہ سے تبوک تک	٠	۹۹۹	٠	٠	٠	۱۳-۱۴/۴	۱۶

ضمیمہ اوّل:- اموالِ غنیمت اور قیدیوں کے نگراں افسر (اصحاب المغانم)

نمبر شمار	صاحب المغانم	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت عبداللہ بن کعب	خزرج / نجار	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	" " "	" "	"	متعدد - غیر متعینہ	
۳	" صالح شقران	حبشی / مولائے رسول	الف	غزوۂ بدر	"
۴	" محمد بن مسلمہ	اوس / حارث	د	غزوہ بنی قینقاع	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء
۵	" عبادہ بن صامت	خزرج	د	"	" "
۶	" منذر بن قدامہ	اوس / سالم[1]	س	"	" "
۷	" محمد بن مسلمہ	اوس / حارث	د	" بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء
۸	" ابو رافع	مولائے رسول	الف	" "	" "
۹	" بریدہ بن حصیب	اسلم	د	مریسیع	شعبان ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۱۰	" صالح شقران	حبشی / مولائے رسول	الف	"	" "
۱۱	" محمیہ بن جزء	زبید / حلیف بنی جمح	ب	"	" "
۱۲	" مسعود بن ھنیدہ	اسلم	د	"	" "
۱۳	" سعد بن زید	اوس / عبدالاشہل	س	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۱۴	" مسلم بن بجرہ	انصاری	ط	"	" "
۱۵	" محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	"	" "
۱۶	" محمیہ بن جزء	زبید	ب	"	" "
۱۷	" عبداللہ بن سلام	بنو قینقاع	س	"	" "

[1] بلاذری کے مطابق سُلَمی تھے۔

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
اموال غنیمت کے افسر	•	۱۰۰	۱۸/۲	•	۴۵۸/۲	۲۴۸-۹/۳	۱
خمس کے افسر	•	•	•	•	•	〃	۲
قیدیوں کے افسر	•	۱۰۵	•	•	•	۳-۴/۳	۳
قیدیوں کے افسر اخراج اور مغانم کے افسر	•	۱۷۸	۳۰، ۵۸/۲	•	•	۳۳۱/۴	۴
یہود کے اخراج کے انتظامات کے نگراں	•	•	۲۹/۲	•	۴۸۱/۲	۱۰۶-۷/۳	۵
قیدیوں کو ہتھکڑیاں پہنانے کے ذمہ دار	•	۱۷۷	〃	۳۰۹/۱	•	۴۱۹/۴	۶
یہود کے اخراج کے نگراں افسر	•	۳۷۴	۷۵/۲	•	•	۳۳۱/۴	۷
اموال غنیمت کے افسر	•	۳۷۹	•	•	•	۱۹۱/۵	۸
قیدیوں کے نگراں افسر	•	۴۱۰	۶۴/۲	•	•	۱۷۵-۶/۱	۹
اموال غنیمت کے افسر	•	〃	〃	•	•	۳-۴/۳	۱۰
خمس اور سہمان مسلمین کے افسر	•	〃	〃	•	•	۳۳۴/۴	۱۱
خمس کے افسر	•	•	•	•	•	۳۶۰/۴	۱۲
قیدیوں کو بطور غلام فروخت کرنے کے افسر	•	۵۹۱-۲	•	•	•	۲۷۹-۸۰/۲	۱۳
قتل ہونے والے قیدیوں کے نگراں افسر	•	•	•	•	•	۳۶۰/۴	۱۴
〃 〃 〃 〃 〃 ہتھکڑی لگانا	•	۵۰۹	•	•	•	۳۳۰-۱/۴	۱۵
خمس کے افسر	•	•	۷۵/۲	•	•	۳۳۴/۴	۱۶
قیدیوں کے افسر اعلیٰ	•	۵۰۹	〃	•	•	۱۷۶-۷/۳	۱۷

۱۸	حضرت علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۱۹	؍؍ زبیر بن عوام	؍؍ / اسد	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍
۲۰	؍؍ سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	س	؍؍	؍؍ ؍؍
۲۱	؍؍ مرداس بن مروان	؍؍ / سلمہ	ط	غزوہ خیبر	صفر ۷ھ / مئی۔جون ۶۲۸ء
۲۲	؍؍ فروہ بن عمرو	؍؍ / بیاضہ	د	غزوہ خیبر	؍؍ ؍؍
۲۳	؍؍ ابوجہیمہ	انصاری	۰	؍؍	؍؍ ؍؍
۲۴	؍؍ خزاعی بن عبدنہم	مُزینہ	س	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۲۵	؍؍ مسعود بن عمرو	غفار	ب	حنین	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۲۶	؍؍ عمرو بن قاری	قارہ	د	؍؍	؍؍ ؍؍
۲۷	؍؍ بدیل بن ورقاء	خزاعہ	ف	؍؍	؍؍ ؍؍
۲۸	؍؍ بسر بن سفیان	؍؍	ط	؍؍ طائف	؍؍ ؍؍
۲۹	؍؍ زید بن ثابت	خزرج / نجار	س	؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍
۳۰	؍؍ ؍؍ ؍؍	؍؍ ؍؍	؍؍	جعرانہ	؍؍ ؍؍
۳۱	؍؍ عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	؍؍	؍؍ ؍؍
۳۲	؍؍ ابورہم کلثوم بن حصین	غفار	؍؍	؍؍	؍؍ ؍؍
۳۳	؍؍ ابوقتادہ	خزرج / سلمہ	س	سریہ علی طرف الفلس	ربیع الثانی ۹ھ / جولائی۔اگست ۶۳۰ء

قتل کے مجرم قیدیوں کے قتل کے افسر	۰	۵۱۳	۰	۰	۰	۱۶-۳۰/۴	۱۸
〃 〃 〃	۰	〃	۰	۰	۰	۱۹۶-۷/۲	۱۹
بعض قیدیوں کے فروخت کے نگراں افسر	۰	۵۲۳	۰	۰	۰	۲۸۳-۵/۲	۲۰
اموالِ غنیمت کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۳۴۷-۸/۴	۲۱
〃 〃 〃	۰	۶۸۰	۱۰۷/۲	۰	۰	۱۷۸-۹/۴	۲۲
〃 〃 مدینہ پہنچانے کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۱۶۵/۵	۲۳
〃 〃 پر قبضہ کرنے کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۱۱۳/۲	۲۴
〃 〃 اور قیدیوں کو جعرانہ میں اکٹھا کرنے کے افسر	۴۵۹/۲	۰	۰	۰	۸۱/۳	۳۵۹/۴	۲۵
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۰	۰	۰	۰	۰	۱۲۲/۴	۲۶
جعرانہ میں جمع شدہ اموالِ غنیمت کے افسر	۰	۹۸۳	۰	۰	۰	۱۷۰/۱	۲۷
حنین کے قیدیوں کے لیے کپڑے خریدنے کے افسر	۰	۹۴۳	۰	۰	۰	۱۸۱-۲/۱	۲۸
اموالِ غنیمت اور قیدیوں کو شمار کرنے کے افسر	۰	۹۴۹	۰	۰	۰	۲۲۱-۲/۲	۲۹
انصار سے قیدیوں کو رہا کرانے کے ذمہ دار	۰	۹۵۲	۰	۰	۰	〃	۳۰
مہاجرین سے اسیرانِ حنین کو رہا کرانا	۰	〃	۰	۰	۰	۵۲-۷۲/۴	۳۱
بدوی قبائل سے 〃 〃 〃 〃	۰	〃	۰	۰	۰	۱۹۷/۵	۳۲
اموالِ غنیمت اور قیدیوں کے افسر	۰	۰	۱۶۴/۲	۰	۰	۲۰۴-۵/۵	۳۳

ضمیمہ اوّل - ۸ اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر (اصحاب السلاح والفرس)

نمبر شمار	افسر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت سعد بن ابی وقاص	قریش / زہرہ	الف	بدر سے قبل	۱-۲ھ / ۶۲۲-۴ء
۲	" بشیر بن سعد	خزرج / ساعدہ	س	عمرۃ القضیہ	ذی قعدہ ھ / مارچ ۶۲۹ء
۳	" اوس بن خولی	"	"	"	" "
۴	" عبدالرحمٰن بن ازہر	قریش / زہرہ	ف	حنین	شوال ھ / فروری ۶۳۰ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
ریاستی گھوڑوں کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۲۶۸/۲	۱
اسلحہ کے افسر	۰	۷۳۳	۱۲۱/۲	۰	۲۶/۳	۱۹۵/۱	۲
〃 〃	۰	۷۳۵	〃	۰	۰	۰	۳
گھوڑوں کے افسر	۰	۰	۰	۰	۰	۲۷۹/۳	۴

ضمیمہ اوّل - ۹ (محافظ دستوں کے افسر)

نمبر شمار	محافظ	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	مہم	تاریخ مہم
۱	حضرت سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	س	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	〃 〃 〃	〃 〃	〃	〃 اُحد	شوال ۳ھ / اپریل ۶۲۵ء
۳	〃 اسید بن حضیر	〃 〃	〃	〃 〃	〃 〃
۴	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	〃 〃	〃 〃
۵	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / حارث	〃	〃 〃	〃 〃
۶	〃 ذکوان بن عبدقیس	〃 / زریق	〃	〃 〃	〃 〃
۷	〃 سعد بن عبادہ	〃 / ساعدہ	〃	حمراء الاسد	〃 〃
۸	〃 حباب بن منذر	〃 .	〃	〃	〃 〃
۹	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۱۰	〃 اوس بن خولی	خزرج / سالم	س	〃	〃 〃
۱۱	〃 قتادہ بن نعمان	اوس / ظفر	د	〃	〃 〃
۱۲	〃 عبید بن اوس	〃 〃	س	〃	〃 〃
۱۳	〃 عباد بن بشر	〃 / عبدالاشہل	د	〃	〃 〃
۱۴	〃 〃 〃	〃 〃	〃	ذات الرقاع	محرم ۵ھ / جون ۶۲۶ء
۱۵	〃 عمار بن یاسر	مذحج / عنس	الف	〃	〃 〃
۱۶	〃 عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / اگست ستمبر ۶۲۷ء
۱۷	〃 سلمہ بن اسلم	〃 / حارث	〃	〃	〃 〃
۱۸	〃 بلال بن رباح	حبشی / مولائے رسول	الف	وادی القریٰ	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
میدانِ جنگ میں العریش کے باہر نگران و محافظ	۰	۵۵	۰	۰	۲/۴۴۹	۲/۲۹۶-۹	۱
رسول کریم کے مکان پر محافظ دستے کے افسر	۰	۲۰۸	۲/۳۷	۱/۳۱۴	۰	″	۲
″ ″ ″	۰	″	″	″	۰	۱/۳-۹۲	۳
″ ″ ″	۰	″	″	″	۰	۲/۵-۲۸۳	۴
پچاس سپاہیوں کے دستے کے افسر	۰	۰	۰	۱/۳۱۵	۰	۰	۵
رسول کریم کے شیخین نامی مقام پر محافظ	۰	۲۱۷	۰	۰	۰	۲/۱۳۷	۶
محافظِ رسول	۰	۳۳۴	۰	۰	۰	۲/۵-۲۸۳	۷
″	۰	″	۰	۰	۰	۱/۵-۲۶۴	۸
″	۰	″	۰	۰	۰	۲/۷-۲۹۶	۹
″	۰	″	۰	۰	۰	۱/۱۴۴	۱۰
″	۰	″	۰	۰	۰	۴/۶-۱۹۵	۱۱
″	۰	″	۰	۰	۰	۳/۳۴۶	۱۲
″	۰	۳۳۶	۰	۰	۰	۳/۱-۱۰۰	۱۳
محافظ افواجِ اسلامی	۰	۳۹۷	۰	۰	۰	″	۱۴
″	۰	″	۰	۰	۰	۴/۷-۴۳	۱۵
محافظ رسول	۰	۶۰۶	۰	۰	۰	۳/۱-۱۰۰	۱۶
″	۰	″	۰	۰	۰	۲/۳۳-۲۳۲	۱۷
″ و فوج اسلامی	۰	۰	۰	۰	۳/۱۷	۱/۲۰۶	۱۸

ضمیمہ دوم - ۱ خلفائے رسولؐ (نواب، خلفاء)

نمبر شمار	خلیفہ / نائب	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم / موقعہ	تاریخ مہم / تقرری
۱	حضرت سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	ودان	صفر ۲ھ / اگست ۶۲۳ء
۲	" سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	"	بواط	ربیع الاول ۲ھ / ستمبر ۶۲۳ء
۳	" زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	بدر اولیٰ / سفوان	" "
۴	" ابوسلمہ بن عبدالاسد	قریش / مخزوم	"	ذات العشیرہ	جمادی الآخرہ ۲ھ / دسمبر ۶۲۳ء
۵	" عمرو بن ام مکتوم	" / عامر بن لوی	"	بدر الکبریٰ	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۶	" ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر	اوس / عمرو بن عوف	س	"	" "
۷	" حارث بن حاطب	" "	"	"	" "
۸	" عاصم بن عدی	" / عجلان	"	"	" "
۹	" ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر	اوس / عمرو بن عوف	"	بنو قینقاع	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء
۱۰	" " " "	" "	"	سویق	ذی قعدہ ۲ھ / مئی-جون ۶۲۴ء
۱۱	" عمرو بن ام مکتوم [1]	قریش / عامر بن لوی	الف	الکدر	محرم ۳ھ / جولائی ۶۲۴ء
۱۲	" عثمان بن عفان	" / امیّہ	"	ذوامر / غطفان	ربیع الاول ۳ھ / ستمبر ۶۲۴ء
۱۳	" عمرو بن ام مکتوم	" / عامر بن لوی	"	بحران	جمادی الاولیٰ ۳ھ / اکتوبر-نومبر ۶۲۴ء
۱۴	" " "	" "	"	احد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۱۵	" " "	" "	"	حمراء الاسد	" "
۱۶	" ابوسلمہ بن عبدالاسد	" / مخزوم	"	ذات العشیرہ	محرم ۴ھ / جون ۶۲۵ء
۱۷	" عمرو بن ام مکتوم	" / عامر بن لوی	"	بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ / اگست ۶۲۵ء

[1] اس مہم میں دوسری روایت کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاری نائب رسول تھے۔

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
.	۱/۶۱-۵۹	.	۲/۸	انساب ۱/۲۸۷	۲/۴۰۷	۲/۲۸۳-۵	۱
ابن ہشام ۱/۵۹۸ کے مطابق حضرت سائب بن عثمان جمحی	.	.	〃	〃/〃	〃	۲/۲۹۶-۹	۲
.	.	.	۲/۹	〃/〃	〃	۲/۲۳۴-۷	۳
.	۱/۵۹۸	.	〃	〃/۲۹۴	۲/۴۰۸	۵/۲۱۸	۴
ابن ہشام کے بقول حضرت عمرو کی جگہ ابولبابہ نے لی تھی	۱/۶۱۲	.	.	.	.	۴/۱۲۷	۵
حضرت ابولبابہ کو روحاء سے بھیجا گیا تھا	.	۱۸۰	۲/۱۲	〃/〃	۲/۴۷۸	۵/۲۹۸	۶
بالائی مدینے کے علاقے میں	.	〃	〃	〃/۲۸۹	〃	〃	۷
مدینہ زیریں کے لیے	.	〃	〃	〃/〃	〃	.	۸
پندرہ دن عہدہ مدت	.	〃	۲/۲۹-۴۲	〃/۳۰۹	۲/۴۸۱	ایضاً	۹
پانچ 〃 〃 〃	۲/۴۵	۸۲ و ۱۸۰	۲/۳۰-۴۲	〃/۳۱۰	〃	〃	۱۰
پندرہ 〃 〃 〃	۲/۴۳	۱۸۴	۲/۳۱	〃/〃	۲/۴۸۳	〃	۱۱
گیارہ 〃 〃 〃	۲/۴۶	۱۹۶	۲/۳۵	〃/۳۱۱	.	۳/۳۷۶-۸	۱۲
دس 〃 〃 〃	〃	۱۹۷	۲/۳۵-۶	〃/〃	.	۴/۱۲۷	۱۳
.	〃	۱۹۹	۲/۳۹	〃/۳۳۸	.	〃	۱۴
پانچ دن عہدہ مدت	۲/۱۰۲	.	۲/۴۹	〃/〃	۲/۵۳۶	〃	۱۵
.	.	.	〃	〃/.	.	۵/۲۱۸	۱۶
پندرہ دن عہدۂ مدت	.	۳۷۱	۲/۵۸	〃/۳۳۸	۲/۵۵۵	۴/۱۲۷	۱۷

۱۸	حضرت عبداللہ بن رواحہؓ [1]	خزرج	س	بدر الموعد	ذی قعدہ ۴ھ / اپریل ۶۲۶ء
۱۹	〃 عثمان بن عفان	قریش / امیہ	الف	ذات الرقاع	محرم ۵ھ / جون ۶۲۶ء
۲۰	〃 سباع بن عرفطہ	غفار	ب	دومۃ الجندل	ربیع الاول و الثانی ۵ھ / اگست ستمبر ۶۲۶ء
۲۱	〃 زید بن حارثہ	کلب / مولائے رسول	الف	مریسیع	رجب ۵ھ / جنوری ۶۲۷ء
۲۲	〃 عمرو بن ام مکتوم	قریش / عامر بن لوی	〃	خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۲۳	〃 〃 〃	〃 〃	〃	بنو قریظہ	〃 ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۲۴	〃 〃 〃	〃 〃	〃	لحیان	ربیع الاول ۶ھ / جولائی ۶۲۷ء
۲۵	〃 〃 〃	〃 〃	〃	الغابہ	ربیع الثانی ۶ھ / اگست ۶۲۷ء
۲۶	〃 〃 〃 [2]	〃 〃	〃	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۲۷	〃 سباع بن عرفطہ [3]	〃 〃	ب	خیبر / فدک / وادی القریٰ	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء
۲۸	〃 ابو رہم کلثوم بن حصین [5]	غفار	س	عمرۃ القضیہ	ذی قعدہ ۷ھ / مارچ ۶۲۹ء
۲۹	〃 عمرو بن ام مکتوم [6]	قریش / عامر بن لوی	الف	فتح مکہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۳۰	〃 〃 〃	〃 〃	〃	حنین / طائف	〃 شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۳۱	〃 محمد بن مسلمہ [7]	اوس / عبدالاشہل	د	تبوک	رجب۔رمضان ۹ھ / اکتوبر۔دسمبر ۶۳۱ء
۳۲	〃 علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	〃	〃 〃
۳۳	〃 سباع بن عرفطہ [8]	غفار	س	حجۃ الوداع	ذی الحجہ ۱۰ھ / مارچ ۶۳۲ء

[1] ابن ہشام ۲ / ۲۰۹ کے مطابق حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول نائبِ رسول تھے۔

[2] وکان ابن ام مکتوم علی الصلاۃ ۱ / ۳۵۰۔

[5] ابن ہشام، ۲/۴۰۰ کے مطابق حضرت عویف بن الاضبط نائبِ رسول تھے۔ بلاذری ۱/۳۵۳ میں ابو ذر غفاری کا نام بھی ہے۔

[8] طبری ۳/۱۰۳ کے مطابق حضرت سباع بن عرفطہ غفاری نائبِ رسول تھے۔

سولہ دن عہدۂ مدت	-	۳۸۴	۵۹/۲	•	۵۹۱/۲	۱۵۶-۹/۳	۱۸
پندرہ دن ″	۲۰۳/۲	۴۰۲	۶۱/۲	انساب ۳۴۰/۱	۵۵۹/۲	۳۷۶-۸۴/۳	۱۹
پچیس دن ″	۲۱۳/۲	۴۰۴	۶۲/۲	۳۴۱/″	۵۶۴/۲	۲۵۹/۲	۲۰
اٹھائیس دن ″	•	•	۶۳/۲	۳۴۲/″	•	۲۳۴-۷/۲	۲۱
پندرہ دن ″	۲۲۰/۲	۴۴۱	۶۶/۲	۳۴۵/″	•	۱۲۷/۴	۲۲
″ ″ ″ ۲۳ ذی قعدہ تا ۷ ذی الحجہ	۲۳۴/۲	۴۹۶	۷۴/۲	۳۴۷/″	•	″	۲۳
•	۲۷۹/۲	۵۳۷	۷۹/۲	۳۴۸/″	•	″	۲۴
پانچ دن ″	۲۸۴/۲	۵۳۸-۵۴۷	۸۰/۲	۳۴۹/″	•	″	۲۵
تقریباً دو ماہ ″	•	۵۷۳	۹۵/۲	۳۵۰/″	•	″ [۳]	۲۶
•	•	۶۳۶	۱۰۶/۲	۳۵۲/″	۹/۳	۲۵۹/۲	۲۷
•	•	•	۱۲۰/۲	•	•	۲۵۰/۵	۲۸
تقریباً دو ماہ ″	•	•	۱۳۵/۲	۳۶۴/″	۵۰/۳	″	۲۹
•	•	•	″	•	•	″	۳۰
۳ ماہ تقریباً مدتِ عہدہ	۵۱۹/۳	۹۹۵	۱۶۵/۲	۳۶۸/۱	•	۳۳۱/۴	۳۱
خلیفۂ رسول در امور بنی ہاشم	۵۲۰/۳	•	•	•	•	۱۹-۳۰/۴	۳۲
•	۶۰۰/۳	•	•	•	•	۱۸۴-۵/۵	۳۳

۵ ابن ہشام ۳/۳۰۸، کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ لیثی نائبِ رسول تھے۔

۶ ابن ہشام ۳/۳۲۸ اور اسد ۵/۳۳۴ کے مطابق نمیلہ بن عبداللہ لیثی نائبِ رسول تھے۔

۷ ابن ہشام، ۲/۳۹۹ کے مطابق حضرت ابورہم غفاری نائبِ رسول تھے مگر واقدی نے تردید کی ہے۔ نیز بلاذری ۱/۳۶۴۔

۸ ایک روایت میں حضرت ابودجانہ انصاری کا نام ہے۔ بلاذری، ۱/۳۶۸ میں حضرت ابن ام مکتوم کا نام ہے۔

ضمیمہ دوم - ۲ مشیرانِ نبوی (المشیرون)

نمبر شمار	مشیر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم / موقعہ	تاریخ مہم / موقعہ
۱	حضرت ابوبکر صدیق	قریش / تیم	الف	غزوۂ بدر	رمضان ۲ھ / مارچ ۶۲۴ء
۲	〃 عمر بن خطاب	〃 / عدی	ب		
۳	〃 مقداد بن عمرو	قضاعہ / بہراء	〃		
۴	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	د		
۵	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	〃		
۶	〃 حباب بن منذر	〃 / سلمہ	〃		
۷	〃 〃 〃	〃 〃	〃	〃	〃 〃
۸	〃 حمزہ بن عبدالمطلب	قریش / ہاشم	الف	غزوۂ اُحد	شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء
۹	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د		
۱۰	〃 نعمان بن مالک	اوس / سالم	س		
۱۱	〃 مالک بن سنان	خزرج / حذرہ	〃		
۱۲	〃 ایاس بن اوس	اوس / عبدالاشہل	〃		
۱۳	〃 خیثمہ بن حارث	〃 / عمرو بن عوف	〃		
۱۴	〃 انس بن قتادہ	〃 / 〃	〃		
۱۵	〃 سلمان فارسی	ایرانی / مولائے رسول	〃	غزوۂ خندق	ذی قعدہ ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۱۶	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د	〃	〃 〃
۱۷	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	〃	〃	〃 〃
۱۸	〃 عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	حدیبیہ	ذی قعدہ ۶ھ / اپریل ۶۲۸ء
۱۹	〃 حباب بن منذر	خزرج / سلمہ	د	خیبر	صفر ۷ھ / جون ۶۲۸ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
(۱) جنگ سے پہلے لڑنے یا نہ لڑنے				۱/۴-۲۹۳		۲۰۵-۲۳/۴	۱
کے بارے میں مشورہ۔سب کا بالاتفاق				۲۹۲/۱ ؍؍		۵۲ - ۷۲/۴	۲
جنگ کرنے کے حق میں مشورہ۔		۵۳ - ۴۸ ، ۱۰۴		؍؍	۴۳۴-۴۰/۲ ، ۴۷۴-۷/۲	۴۰۹/۴	۳
(۲) جنگ کے بعد قیدیوں کے ساتھ				؍؍		۲۹۶-۹/۲	۴
سلوک کے بارے میں مشورہ خاص کر				؍؍		۲۸۳-۵/۲	۵
اول الذکر دو سے۔				؍؍		۳۶۴-۵/۱	۶
خیمہ گاہ کے موزوں مقام کا مشورہ	•	۵۳	•	۲۹۳/۱	۴۴۰/۲	؍؍	۷
						۴۶-۵۰/۲	۸
						۲۸۳-۵/۲	۹
ان تمام صحابہ کرام نے شہر سے باہر نکل کر جنگ						۲۹-۳۰/۵	۱۰
کرنے کا نہ صرف مشورہ دیا تھا بلکہ رسول کریم	•	۲۰۹-۱۳	•	•	۵۰۲-۳/۲	۲۸۱/۴	۱۱
صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال اور فیصلہ کو تبدیل کرایا تھا						۱۵۳/۱	۱۲
						۱۲۹/۲	۱۳
						۱۲۶/۱	۱۴
مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ	۴۵۰/۲	۵ - ۴۴۴	•	۳۴۳/۱	۵۶۶/۲	۲۲۸-۳۲/۲	۱۵
قبیلہ غطفان کو میدانِ جنگ سے واپسی کے عوض	•			۳۴۶/۱	۵۷۳/۲	ایضاً	۱۶
مدینہ کی ۱/۳ پیداوار کی تجویز کے خلاف مشورہ						؍؍	۱۷
حضرت عثمان کی بطور سفیر نبوی تقرری کی تجویز	۳۱۵/۲	۶۰۰	۹۷/۲	•	۶۳۰-۳۱/۲	ایضاً	۱۸
قلعہ سے ذرا دور ہٹ کر خیمہ زن ہونے کا مشورہ	•	۶۴۳-۴	•	•	•	۳۶۴-۵/۱	۱۹

۲۰	حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ	قریش/تیم	الف	خیبر	صفر ھ / جون ۶۲۸ء
۲۱	" سعد بن عبادہ	خزرج/ساعدہ	د	"	" "
۲۲	" ابوبکر صدیق	قریش/تیم	الف	سریہ بشیر بن سعد	شعبان ھ / فروری ۶۲۹ء
۲۳	" عمر فاروق	" /عدی	ب	"	" "
۲۴	" " "	" "	"	غزوۂ حنین	شوال ھ / فروری ۶۳۰ء
۲۵	" جباب بن منذر	خزرج/سلمہ	د	" طائف	" "
۲۶	" سلمان فارسی	ایرانی/مولائے رسول	س	"	" "
۲۷	" نوفل بن معاویہ	دئل	ط	"	" "
۲۸	" عمر بن خطاب	قریش/عدی	ب	تبوک	رمضان ۹ھ / دسمبر ۶۳۱ء

دباؤ ڈالنے کے لیے بعض کھجور کے درختوں کے کاٹنے کا مشورہ	۰	۶۴۳/۴	۰	۰	۰	سابق	۲۰
حضرت ابوبکر کے مشورہ کے خلاف نہ کاٹنے کا مشورہ	۰	۶۵۱/۲	۰	۰	۰	〃	۲۱
دونوں کا متفقہ مشورہ کہ حضرت بشیر کو افسرِ سریہ مقرر کیا جائے	۰	۷۲۸	۰	۰	۰	۰	۲۲، ۲۳
طریقِ جنگ کے بارے میں مشورہ	۰	۸۹۳	۰	۰	۷۳/۳	سابق	۲۴
خیمہ گاہ کے انتخاب کے بارے میں	۰	۹۲۵/۶	۰	۰	۰	〃	۲۵
منجنیق بنانے اور استعمال کرنے کا مشورہ	۰	۹۲۷	۰	۳۶۷/۱	۰	〃	۲۶
محاصرہ اٹھا لینے کا مشورہ	۰	۹۳۷	۰	۰	۸۴/۳	۴۷/۵	۲۷
مدینہ کو واپس ہونے کا مشورہ	۰	۱۰۱۹	۰	۰	۰	سابق	۲۸

ضمیمہ دوم - ۳ سکریٹری (کاتبینِ رسول)

نمبر شمار	کاتب / سکریٹری	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	مہم / موقعہ	تاریخ مہم / موقعہ
۱	حضرت ابی بن کعب	خزرج / نجار	س	مدنی عہد	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۲	″ زید بن ثابت	″ ″	″	″	″ ″
۳	″ علی بن ابی طالب ؎	قریش / ہاشم	الف	″	″ ″
۴	″ عثمان بن عفان ؎	″ / امیہ	″	″	″ ″
۵	″ خالد بن سعید ؎	″ ″	″	″	″ ″
۶	″ ابان بن سعید	″ ″	ط	″	سنہ ۸-۱۱ھ / سنہ ۶۳۰-۳۲ء
۷	″ شرحبیل بن حسنہ ؎	کندہ	الف	″	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۸	″ معاویہ بن ابی سفیان	قریش / امیہ	ع	″	سنہ ۷-۱۱ھ / سنہ ۶۲۹-۳۲ء
۹	″ مغیرہ بن شعبہ	ثقیف	ط	″	سنہ ۵-۱۱ھ / سنہ ۶۲۷-۳۲ء
۱۰	″ ارقم بن ابی الارقم ؎	قریش / مخزوم	الف	″	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۱۱	″ علاء بن عقبہ	۰	۰	″	″
۱۲	″ علاء بن حضرمی	حضرموت	ب	″	″
۱۳	″ عبداللہ بن زید	انصاری	۰	″	″
۱۴	″ جہیم بن صلت	قریش / مطلب	ط	″	سنہ ۶-۱۱ھ / سنہ ۶۲۷-۳۲ء
۱۵	″ زبیر بن عوام	″ / اسد	الف	″	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۱۶	″ عبداللہ بن ارقم	″ / زہرہ	ع	″	سنہ ۷-۱۱ھ / سنہ ۶۲۹-۳۲ء
۱۷	″ حنظلہ الاسیدی	تمیم / اُسیّد	۰	″	۰
۱۸	″ عقبہ	۰	۰	″	۰
۱۹	″ قضاعی بن عمرو	عذرہ	۰	″	۰
۲۰	″ سجل	۰	۰	″	۰

؎ مکی عہد میں بھی کاتب تھے۔

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
وحی الٰہی اور خطوط لکھنا - کاتبِ اعظم	۰	۴۹۲-۳ ۷۸۲، ۶۹۴ وغیرہ	۲۶۷-۷۸/۱	۵۳۱/۱	۱۷۳/۳	۴۹/۱	۱
نائب کاتب اعظم - وحی / خطوط	۰	۰	۰	〃	〃	۲۲۱-۲/۲	۲
وحی، خطوط، معاہدے، فرامین / صلح حدیبیہ	۰	۶۱۰	۲۶۷-۷۴/۱ ۹۷/۲	۰	۶۳۴-۵/۲ ۱۷۳/۳	۶۲-۴۰/۴	۳
وحی اور خطوط	۰	۰	۲۸۴/۱	۵۳۲/۱	۱۷۳/۳	۳۷۶-۸۴/۳	۴
〃 〃	۵۴۳/۲	۹۶۷	۲۶۵-۸۵/۱	〃	〃	۸۲/۲	۵
خطوط	۰	۰	۰	〃	〃	۳۵-۷/۱	۶
وحی اور خطوط	۰	۰	۰	〃	۰	۰	۷
وحی، خطوط، فرامین اور معاہدے / مستقل	۰	۰	۲۶۶-۸۷/۱	〃	۱۷۳/۳	۳۸۵-۷/۴	۸
خطوط اور فرامین	۰	۰	۲۶۶-۷۴/۱	۰	۰	۴۰۶-۷/۴	۹
وحی، خطوط	۰	۰	۲۶۸-۷۴/۱	۰	۰	۵۹-۶۱/۱	۱۰
خطوط	۰	۰	۲۷۱-۳/۱	۰	۰	۹/۴	۱۱
〃	۰	۷۸۲	۲۶۹-۷۱/۱	۵۳۲/۱	۱۷۳/۳	۷-۸/۴	۱۲
〃	۰	۰	۲۶۶-۷/۱	۰	۰	۱۶۸/۳	۱۳
〃	۰	۰	۲۶۸/۱	۵۳۲/۱	۰	۳۱۱-۲/۱	۱۴
〃	۰	۰	۲۶۹/۱	۰	۰	۱۹۶-۹/۱	۱۵
〃	۰	۰	۰	۰	۰	۱۱۵/۳	۱۶
وحی اور خطوط	۰	۰	۰	۰	۱۷۳/۳	۵۸/۲	۱۷
خطوط	۰	۰	۲۷۱/۱	۰	۰	۴۱۸-۹/۳	۱۸
〃	۰	۰	۲۷۰/۱	۰	۰	۲۰۵/۵	۱۹
وحی اور خطوط	۰	۰	۰	۰	۰	۲۶۱/۲	۲۰

۲۱	حضرت نامعلوم نصرانی ۔ نومسلم[1]	۰	۰	مدنی عہد	۰
۲۲	″ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح[2]	قریش / عامر بن لوی	ب / ف	″	سنہ ۵-۱ھ / سنہ ۲۷-۶۲۲ء
۲۳	″ یزید بن ابی سفیان	″ / امیہ	ع	″	سنہ ۱۱-۷ھ / سنہ ۳۲-۶۲۹ء
۲۴	″ ابوبکر صدیق	″ / تیم	الف	″	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۳۲-۶۲۲ء
۲۵	″ عمر فاروق	″ / عدی	ب	″	″ ″
۲۶	″ ابوسفیان بن حرب	″ / امیہ	ف	″	سنہ ۱۱-۸ھ / سنہ ۳۲-۶۳۰ء
۲۷	″ عامر بن فہیرہ	″ / تیم مولائے صدیق	الف	″	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۳۲-۶۲۲ء
۲۸	″ طلحہ بن عبیداللہ	″ ″	″	″	″ ″
۲۹	″ عبداللہ بن رواحہ	خزرج / نجار	د	″	سنہ ۸-۱ھ / سنہ ۲۹-۶۲۲ء
۳۰	″ خالد بن ولید	قریش / مخزوم	ع	″	سنہ ۱۱-۷ھ / سنہ ۳۲-۶۲۸ء
۳۱	″ حاطب بن عمرو	″ / عامر بن لوی	الف	″	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۳۲-۶۲۲ء
۳۲	″ حویطب بن عمرو	″ ″	″	″	″ ″
۳۳	″ حذیفہ بن یمان	اوس / عبدالاشہل	س	″	″ ″
۳۴	″ حصین بن نمیر	۰	۰	″	۰
۳۵	″ ابوایوب خالد انصاری	خزرج / نجار	″	″	″ ″
۳۶	″ معیقب بن ابی فاطمہ	دوس	الف / ب	″	″ ″
۳۷	″ عمرو بن عاص	قریش / سہم	ع	″	سنہ ۱۱-۷ھ / سنہ ۳۲-۶۲۸ء
۳۸	″ بریدہ (بن حصیب)	(اسلم ؟)	س	″	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۳۲-۶۲۲ء
۳۹	″ ابوسلمہ بن عبدالاسد	قریش / مخزوم	الف	″	″ ″
۴۰	″ عبد ربہ	۰	۰	۰	۰
۴۱	″ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول	خزرج	د	″	″ ″
۴۲	″ ثابت بن قیس	″	س	″	″ ″
۴۳	″ محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	″	″ ″
۴۴	″ عبداللہ بن ہلال[3] (ابن خطل)[3]	قریش / ادرم	الف	۰	۰
۴۵	″ عبداللہ بن ابی بکر صدیق	″ / تیم	″	″	″ ″

[1] مرتد ہوگئے۔ [2] مکی عہد میں بھی کاتب تھے۔ [3] مرتد ہوئے اور قتل کے جرم میں قتل ہوئے۔

وحی	.	.	.	بخاری، قصہ	اسلام ابی ذر	.	۲۱
〃	۴۰۹/۲	۸۵۵	.	۵۳۱/۱	۱۷۳/۳	۱۷۳-۴/۳	۲۲
خطوط	.	.	.	.	.	.	۲۳
وحی، خطوط/فرامین	.	.	.	.	.	.	۲۴
〃 〃 〃	.	.	.	.	.	.	۲۵
خطوط	.	.	.	.	.	.	۲۶
〃	.	.	.	.	.	.	۲۷
〃	.	.	.	.	.	.	۲۸
〃	.	.	.	.	.	.	۲۹
〃	.	.	.	.	.	.	۳۰
〃	.	.	.	.	.	.	۳۱
〃	.	.	.	.	.	.	۳۲
〃	.	.	.	.	.	.	۳۳
.	.	.	.	.	.	.	۳۴
.	.	.	.	.	.	.	۳۵
خطوط / خاتم نبوی کے محافظ بھی تھے	.	.	.	.	.	۴۰۳/۴	۳۶
خطوط	.	.	.	.	.	.	۳۷
.	.	.	.	.	.	.	۳۸
.	.	.	.	.	.	.	۳۹
.	.	.	.	.	.	.	۴۰
.	.	.	.	.	.	.	۴۱
خطوط	.	.	۲۸۶/۱	.	.	۲۲۹-۳۰/۱	۴۲
〃	.	.	〃	.	.	۳۳۰-۱/۱	۴۳
〃	.	.	.	.	.	.	۴۴
〃	.	.	۲۸۶/۱	.	.	.	۴۵

ضمیمہ دوم - ۴ سفیرانِ نبوی (رسل الرسول)

نمبر شمار	سفیر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / منزل	تاریخ تقرری
۱	حضرت عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	بدر / قریش مکّہ	۲ھ / ۶۲۴ء
۲	〃 محمد بن مسلمہ	اوس / عبدالاشہل	د	بنو نضیر	ذی قعدہ ۴ھ / ۰
۳	〃 نعیم بن مسعود	غطفان / اشجع	ط	غطفان، قریش / قریظہ	〃 ۵ھ / اپریل ۶۲۷ء
۴	〃 سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	د	بنو قریظہ	〃 〃
۵	〃 سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	〃	〃	〃 〃
۶	〃 عبداللہ بن رواحہ	〃 / نجار	〃	〃	〃 〃
۷	〃 خراش بن امیہ	خزاعہ / کعب	س	قریش مکہ	ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء
۸	〃 عثمان بن عفان	قریش / امیّہ	الف	〃	〃 〃
۹	〃 علی بن ابی طالب	〃 / ہاشم	〃	〃	〃 〃
۱۰	〃 دحیہ بن خلیفہ	کلب	س	قیصر روم ہرقل	محرم ۷ھ / مئی جون ۶۲۸ء
۱۱	〃 حاطب بن ابی بلتعہ	لخم / خلیفہ	الف	مقوقس مصر	〃 〃
۱۲	〃 عبداللہ بن حذافہ	قریش / سہم	〃	کسرائے ایران خسرو پرویز	〃 〃
۱۳	〃 شجاع بن وہب	اسد خزیمہ / حلیف بنی امیہ	〃	حارث بن ابی شمر شاہ تخوم شام	〃 〃
۱۴	〃 مہاجر بن ابی امیّہ	قریش / مخزوم	ف	شاہِ یمن (حمیر)	〃 〃
۱۵	〃 سلیط بن عمرو	قریش / بنی عامر بن لوی	الف	سردار یمامہ ہوذہ بن علی	〃 〃
۱۶	〃 عمرو بن امیہ	کنانہ / ضمرہ	س	شیخِ مکہ ابوسفیان اموی	〃 〃
۱۷	〃 〃 〃	〃 〃	〃	شاہِ حبشہ نجاشی	〃 〃
۱۸	〃 عمرو بن العاص	قریش / سہم	ع	شاہانِ عمان جیفر و عبد	ذی قعدہ ۸ھ / فروری مارچ ۶۳۰ء
۱۹	〃 علاء بن حضرمی	حضرموت	الف / ب	شاہِ بحرین منذر بن ساوی	〃 〃

نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
لشکرِ قریش کو واپس مکہ جانے کا حکم پہنچانا	۰	۰	۰	۲۹۲/۱	۰	۰	۱
یہودی قبیلہ کو اخراج کے فیصلہ نبوی سے آگاہ کرنا	۰	۳۶۶	۵۷/۲	۰	۰	۳۳۱/۴	۲
احزاب کے مختلف گروہوں سے گفتگو کے لیے	۰	۰	۰	۰	۵۵۲-۳/۲	۳۳/۵	۳
						سابق	۴
یہودی قبیلہ کو معاہدہ پر قائم رہنے کی یاد دہانی	۳۰۳/۲	۴۵۸-۹	۰	۰	۵۷۱/۲	〃	۵
						〃	۶
مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ کی اجازت کے حصول کے لیے	۰	۶۰۰	۹۶/۲	۰	۶۳۱/۲	۱۰۸/۲	۷
〃 〃 〃 〃	۳۱۵/۲	〃	۹۷/۲	۰	۶۳۰-۱/۲	سابق	۸
صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے کرنے کے لیے	۰	۰	۰	۰	۶۳۰/۲	۰	۹
دعوتِ اسلام، معاہدۂ صلح، دوستی	۶۰۷/۱	۰	۲۵۸-۳/۱	۵۳۱/۱	۶۴۴-۵/۲	۱۳۰/۲	۱۰
〃 〃 〃	〃	۰	〃	〃	〃	۳۶۰-۲/۱	۱۱
〃 〃 〃	〃	۰	〃	〃	〃	۱۴۲-۴/۳	۱۲
〃 〃 〃	〃	۰	〃	〃	〃	۳۸۶/۱	۱۳
〃 〃 〃	〃	۰	۰	۰	۰	۴۲۲/۴	۱۴
〃 〃 〃	〃	۰	۲۶۲/۱	۵۳۱/۱، فب ۹۷	۶۴۴-۵/۲	۳۴۴/۲	۱۵
تحائف لے کر	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۶
مسلمانوں کو لانے کے لیے، دعوت	۳۵۹، ۶۰۷/۲	۰	۲۵۸/۱	۵۳۱/۱	۶۴۴-۵۵/۲	۸۶/۴	۱۷
دعوت اسلام، معاہدۂ صلح، دوستی	۶۰۷/۱	۰	۲۶۱/۱	۰	۶۴۵/۲، ۲۹/۳	۱۱۵-۱۸/۴	۱۸
〃 〃 〃	〃	۰	۲۶۳/۱	فب ۸۹	۶۴۵/۲، ۱۳۷/۳، ۲۹	۰	۱۹

۲۰	حضرت ابوزید	انصاری	س	شاہِ عمان	ذی قعدہ ۸ھ / فروری مارچ ۶۳۰ء
۲۱	″ علقمہ بن فغواء	خزاعہ / عمرو بن ربیعہ	۰	شیخ مکہ ابوسفیان	غالباً ۹ھ / ۶۳۰ء
۲۲	″ عمرو بن فغواء	″	۰		
۲۳	″ نمیر بن خرشہ	ہوازن / ثقیف	۰	طائف، ثقیف	″ ″
۲۴	″ ظبیان بن مرثد	سدوس	ف	بکر بن وائل	″ ″
۲۵	″ حارث بن عمیر [۱]	ازد / لہب	۰	شاہ بصریٰ شرحبیل بن عمرو غسانی	″ ″
۲۶	″ عیاش بن ابی ربیعہ	قریش / مخزوم	الف	شاہ حمیر (قوم)	″ ″
۲۷	″ دحیہ بن خلیفہ	کلب	س	ضغاطر الاسقف / نجران	″ ″
۲۸	″ وبر بن عنیس	خزاعہ	۰	ابناء الیمن	۱۰-۱۱ھ / ۶۳۱-۲ء
۲۹	″ ابوعامر	۰	۰	حدود شام	″ ″
۳۰	″ قطن بن حارثہ	کلب	ق	بنو کلیب اور حلفاء	″ ″
۳۱	″ عمرو بن امیہ	کنانہ / ضمرہ	س	مسیلمہ کذاب / یمامہ	″ ″
۳۲	″ حبیب بن زید [۲]	خزرج / نجار	د	″ ″	″ ″
۳۳	″ عبداللہ بن وہب	اسلم	س	″ ″	″ ″
۳۴	″ فرات بن حیان عجلی	ربیعہ / عجل	″	حضرت ثمامہ بن اثال شیخ یمامہ	″ ″
۳۵	″ صلصل بن شرحبیل	۰	۰	بنو عامر	″ ″
۳۶	″ ضرار بن الازور	اسد خزیمہ	ق	بنو صیداء / اسد بنی دویل	″ ″
۳۷	″ عبداللہ بن عوسجہ	ہوازن / عرینہ	″	بنو حارثہ ... بن قریظ	″ ″
۳۸	″ عبداللہ بن بدیل بن ورقاء	خزاعہ / کعب	ب	قبائل یمن	″ ″
۳۹	″ عبدالرحمٰن ″ ″ ″	″ ″	″	″	″ ″
۴۰	″ جریر بن عبداللہ	بجیلہ	ق	ذوالکلاع و ذو ظلیم	″ ″
۴۱	″ اقرع بن عبداللہ	حمیر	″	ذوزود و ذومران	″ ″
۴۲	″ زیاد بن حنظلہ	تمیم / عمرو	″	تمیم	″ ″
۴۳	″ نعیم بن مسعود	غطفان / اشجع	ط	اشجع	″ ″

[۱] شاہ بصریٰ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

[۲] مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

دعوتِ اسلام ، معاہدۂ صلح ، دوستی	.	.	.	ف ب ۸۷-۸۸	.	۲۲۱-۲/۲	۲۰
قریش سے غرباء کے لیے رقم لے کر	.	.	.	.	.	۱۳-۴/۴	۲۱
						۱۲۶/۴	۲۲
دعوت ، معاہدۂ صلح ، دوستی	.	.	۲۸۵/۱	.	.	۴۱/۵	۲۳
〃 〃 〃	.	.	۲۸۲/۱	.	.	.	۲۴
〃 〃 〃	.	.	۱۲۸/۲	.	.	۳۴۱-۲/۱	۲۵
〃 〃 〃	.	.	۲۸۲/۱	.	.	۱۹۱/۴	۲۶
〃 〃 〃	.	.	۲۷۶/۱	.	.	سابق	۲۷
اسود عنسی کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر	.	.	.	.	۱۸۷/۳	۳۳۸/۴ ۸۳/۵	۲۸
.	.	.	.	.	.	۲۴۰/۵	۲۹
.	.	.	.	.	.	۲۰۷/۴	۳۰
اس کے خط کے جواب میں	.	.	۲۷۳/۱	.	.	۸۶/۴	۳۱
دعوت ، معاہدۂ صلح ، دوستی	.	.	.	ف ب ۱۰۲	.	۳۷۰/۱	۳۲
〃 〃 〃	.	.	.	.	.	۲۷۲-۳/۳	۳۳
مسیلمہ کی بغاوت کو کچلنے کا حکم لے کر	.	.	.	.	۱۸۷/۳	۱۷۵/۴	۳۴
.	.	.	.	.	〃	۲۹/۳	۳۵
.	.	.	.	.	〃	۳۹-۴۰/۳	۳۶
.	.	.	.	.	.	۲۳۹/۳	۳۷
.	.	.	.	.	.	۱۲۴-۵/۳	۳۸
.	.	.	.	.	.	۲۸۲/۳	۳۹
دعوت ، صلح ، دوستی	.	.	۲۶۶/۲	.	۱۸۷/۳	۲۷۹-۸۰/۱	۴۰
〃 〃 〃	.	.	.	.	〃	۱۱۰/۱	۴۱
〃 〃 〃	.	.	.	.	〃	۲۱۳/۲	۴۲
〃 〃 〃	.	.	.	.	〃	۳۳/۵	۴۳

ضمیمہ دوم - ۵ مخصوص افسرانِ نبوی / کمشنر

نمبر شمار	افسرِ خاص	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقۂ تقرری	تاریخ تقرری
۱	حضرت سعد بن معاذ	اوس / عبدالاشہل	د	بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ / مئی ۶۲۷ء
۲	″ علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	جذام	جمادی الاولیٰ ۶ھ / نومبر ۶۲۷ء
۳	″ ابو امامہ	ازد / باہلہ	ط	ازد / باہلہ	۷ھ / ۶۲۸ء
۴	″ علی بن ابی طالب	قریش / ہاشم	الف	مکّہ	رمضان ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۵	″ ″ ″ ″	″ ″	″	بنو ضبیب / بنو جذیمہ	شوال ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۶	″ ″ ″ ″	″ ″	″	مکّہ	ذی قعدہ ۹ھ / مارچ ۶۳۱ء
۷	″ طلحہ بن عبیداللہ	″ / تیم	″	مدینہ	۹ھ / ۶۳۱ء
۸	″ مالک بن الدخشم	اوس / سالم	د	″	۹ھ / ۶۳۱ء
۹	″ معن بن عدی	″ / عجلان	″	″	
۱۰	″ عاصم بن عدی	″ ″	″	″	
۱۱	″ عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	″	۱۱-۱ھ / ۶۲۲-۳۲ء
۱۲	″ انیس بن ضحاک	اسلم	س	قبیلہ اسلم	″ ″
۱۳	″ حنظلہ بن یمان	غطفان / حلیف اوس	″	مدینہ	″ ″
۱۴	″ علاء بن عقبہ	.	.	.	″ ″
۱۵	″ ارقم	.	.	.	″ ″

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ دینا۔ حکم	•	۵۱۰	۷۵/۲	۳۴ ،/۱ فب ۳۵	۵۸۳-۸/۲	۲۹۶-۹/۲	۱
حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھوں مقتولوں کا قصاص ادا کرنا	•	۵۵۹	•	•	•	•	۲
خون کھانے کی حرمت کا اعلان کرنے کے لیے جانا	•	•	•	•	•	۱۰/۵	۳
حضرت خالد کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کا قصاص ادا کرنا	۴۳۰/۲	•	•	•	•	۱۶-۴۰/۴	۴
〃 〃 〃 〃 〃	•	۸۸۲	•	•	•	۶۷-۸/۴	۵
حج ابی بکر میں قرآن کریم کے بعض احکام کا اعلان کرنا	•	•	•	•	•	〃	۶
منافقوں کے ایک سازشی اڈے کو منہدم کرنا	•	•	•	•	•	۵۹-۶۰/۳	۷
						۲۷۸-۹/۴	۸
منافقوں کی مسجد ضرار کو منہدم کرنا	•	۱۰۴۶	۱۱۰/۲	•	•	۴۰۱/۴	۹
						۰/۳	۱۰
ایک نصرانی کی آدھی دولت ضبط کرنا	•	•	•	•	•	۵۲-۷۲/۴	۱۱
اپنی قوم کی ایک زانیہ کو رجم کرنا	•	•	•	•	•	۱۳۳/۱	۱۲
دو بھائیوں کے جائداد پر اختلاف کو دور کرنا	•	•	•	•	•	•	۱۳
•	•	•	•	•	•	•	۱۴
•	•	•	•	•	•	•	۱۵

ضمیمۂ دوم - ۶ شعراء و خطبائے رسول

نمبر شمار	افسر خاص	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقۂ تقرری	تاریخ تقرری
۱	حضرت حسان بن ثابت	خزرج / نجار	س	مدینہ	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۶۳۲ء
۲	" کعب بن مالک	" / سلمہ	د	"	" "
۳	" عبداللہ بن رواحہ	" / حارث	"	"	سنہ ۱-۸ھ / سنہ ۶۲۲-۶۲۹ء
۴	" عامر بن سنان	اسلم	س	"	سنہ ۱-۷ھ / سنہ ۶۲۲-۶۲۸ء
۵	" ثابت بن قیس بن شماس	خزرج	"	"	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۶۳۲ء

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
ناموسِ رسول و مسلمانان کی حفاظت کرنا	•	۱۲۲ - ۲۶ ۹۷۷ - ۷۸	۲۹۴/۱	•	۵۲۳-۴۸/۲ ۱۱۷-۱۹/۳	۲۴۸/۲	۱
〃 〃	•	•	•	•	۴۸۴،۵۴۸/۲	۲۴۸/۴	۲
〃 〃	•	•	•	•	•	۲۴۸/۳	۳
〃 〃	•	•	•	•	•	۸۲-۳/۳	۴
〃 〃	•	۹۷۶	۲۹۴/۱	•	۱۱۶/۳	۲۲۹-۳۰/۱	۵

ضمیمہ دوم - ۷ متفرق ماتحت کارکن

نمبر شمار	افسر خاص	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقۂ تقرری	تاریخ تقرری
۱	حضرت عبداللہ بن زمعہ	قریش / اسد	ف	مدینہ	۸-۱۱ھ / ۶۳۰-۳۲ء
۲	" عویم بن ساعدہ	اوس / عمرو بن عوف	د	"	شوال ۲ھ / اپریل ۶۲۴ء
۳	" رباح الاسود	حبشی / مولائے رسول	الف / س	"	۹ھ / ۶۳۱ء
۴	" عنبسہ	•	•	"	•
۵	" ابوموسیٰ اشعری	اشعر	ب	"	•
۶	" انس بن مالک	•	س	"	•

کام کی نوعیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
مستقل دربانی دولتکدۂ رسالت	۰	۰	۰	۰	۰	۱۶۴-۵/۳	۱
ایک بار ″ ″ ″	۰	۱۷۸	۰	۰	۰	۱۵۸/۴	۲
″ ″ ″ ″	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳
″ ″ ″ ″	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۴
″ ″ ″ ″	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۵
″ ″ ″ ″	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۶

ضمیمہ دوم - ۸ والی/ولاۃِ نبوی (گورنر)

نمبر شمار	والی	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/ولایت	تاریخ تقرری
۱	حضرت عمرو بن سعید	قریش / امیہ	الف	وادی القریٰ	غالباً ۷ھ / ۶۲۸ء
۲	" یزید بن ابی سفیان	" "	ع	تیماء	" "
۳	" سواد بن غزیہ	خزرج / نجار	س	خیبر	" "
۴	" عبداللہ (حکم) بن سعید	قریش / امیہ	ع	قریٰ عربیہ	" "
۵	" ہبیرہ بن شبل	ہوازن/ثقیف	ع	مکہ مکرمہ	شوال ۸ھ / جنوری ۶۳۰ء
۶	" عتاب بن اسید	قریش/ امیہ	ف	"	ذی قعدہ ۸ھ / فروری ۶۳۰ء
۷	" عثمان بن ابی العاص	ہوازن/ثقیف	ف	طائف/ثقیف	۹ھ / ۶۳۰ء
۸	" حذیفہ بن الیمان	ازد	ب	دبا	" "
۹	" حارث بن نوفل	قریش/ہاشم	ط	جدہ	" "
۱۰	" عمرو بن العاص	" / سہم	ع	عمان	" "
۱۱	" جیفر بن جُلندیٰ	.	ق	"	" "
۱۲	" عبد بن جُلندیٰ	.	ق	"	" "
۱۳	" علاء بن الحضرمی	حضرموت	ب	بحرین	" "
۱۴	" ابان بن سعید	قریش / امیہ	ف	"	۱۰-۹ھ / ۶۳۱ء
۱۵	" منذر بن ساویٰ	تمیم	ف	"	" "
۱۶	" شرحبیل بن حسنہ	کندہ	الف	ایلہ	" "
۱۷	" معاذ بن جبل	خزرج / جشم	د	یمن کے گورنر جنرل	" "
۱۸	" یعلیٰ بن امیہ	تمیم/حنظلہ	ق	الجند	" "
۱۹	" خالد بن سعید	قریش/امیہ	الف	صنعاء	" "

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
تا وفاتِ نبوی	•	•	•	فب ۴۸	•	۱۰۷-۸/۴	۱
〃	•	•	•	〃	•	۱۱۲-۳/۵	۲
〃	•	•	•	•	•	۳۷۴/۲	۳
شہید موتہ	•	•	•	کتاب المجبر ۱۲۹	جمہرہ ۷۳	•	۴
مدتِ عہدہ ایک ماہ سے اوپر۔ مبدل	•	•	۱۴۵/۲	•	•	۵۵/۵	۵
تا وفاتِ نبوی	۴۴/۲ : ۵۰۰/۳	۸۸۹، ۹۵۹	۱۳۷/۲	فب ۴/۶ : ۷۰/۳	۷۳، ۹۴/۲	۳۵۸-۹/۳	۶
〃	۵۴۰/۳	۹۶۸	۳۱۳/۱	فب ۷۰	۹۹/۳	۳۷۲-۴/۳	۷
〃	•	•	۵۲۷/۵	•	•	•	۸
〃	•	•	•	•	•	۳۵۰/۲	۹
〃	۶۰۷/۲	۷۸۸	۱۶۱/۲	فب ۸۷	۹۵/۳	۱۱۵-۱۸/۴	۱۰
〃	•	•	•	•	•	•	۱۱
〃	•	•	•	•	•	•	۱۲
ایک سال ۔ مبدل بہ حضرت ابان بن سعید	۵۷۶ : ۶۹۶/۲	•	۲۷۶ ، ۲۸۲/۱	فب ۹۲، ۸۹	۱۳۷/۳	۷-۸/۵	۱۳
تا وفاتِ نبوی	•	•	•	فب ۹۲	•	۳۵-۷/۱	۱۴
〃	•	•	•	•	•	۴۱۷/۴	۱۵
تا وفاتِ نبوی (ماتحت افسر: ابی بن کعب، حرملہ، حریث اور جہیم)	•	•	۲۷۸، ۸۹/۱	•	•	۳۹۰/۲	۱۶
〃 (ماتحت افسر: مالک بن مرہ، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمیر)	۵۹۰/۲	•	۲۶۴-۵/۱	فب ۳-۸۰	۱۲۱-۹ ، ۲۲۸/۳	۳۷۶-۸/۴	۱۷
تا وفاتِ نبوی	•	•	•	•	۲۲۸/۳	۱۲۸-۹/۵	۱۸
〃	۵۴۳/۲	•	۲۶۵/۱	فب ۸۰	〃	۸۲-۴/۲	۱۹

۲۰	حضرت باذان	ایرانی / الانبار	ع	یمن	سنہ ۹-۸ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۲۱	〃 شہر بن باذان	〃 〃	〃	〃 / صنعاء	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۱ء
۲۲	〃 طاہر بن ابی ہالہ	تمیم / اسد	ب	عک و اشعر	〃 〃
۲۳	〃 عکاشہ بن ثور	غوث	٠	سکاسک و سکون	〃 〃
۲۴	〃 ابوعبیدہ بن جراح	قریش / فہر	الف	نجران	سنہ ۹ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۲۵	〃 عمرو بن حزم	خزرج / نجار	س	〃 / بنو الحارث	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء
۲۶	〃 ابوسفیان بن حرب	قریش / امیہ	ف	جرش	〃 〃
۲۷	〃 سعید بن قشیب	ازد / حلیف بنی امیہ	〃	〃	سنہ ۱۱-۱۰ھ / 〃
۲۸	〃 ابوموسیٰ	اشعر	د	زبید، رمع، عدن، ساحل	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۲۹	〃 زیاد بن لبید	خزرج / بیاضہ	〃	حضرموت	〃 〃
۳۰	〃 عامر بن شہر	ہمدان	٠	ہمدان	〃 〃
۳۱	〃 مہاجر بن ابی امیہ	قریش / مخزوم	ف	کندہ / بنو معاویہ	〃 〃
۳۲	〃 عدی بن حاتم طائی	طے	ق	علاقہ طے	〃 〃

وفات پا گئے	•	•	•	•	•	۳/۸-۲۲۷	۱/۱۶۳	۲۰
اسود عنسی کی بغاوت میں شہید	•	•	•	•	•	۳/۳۰-۲۲۸	۳/۶	۲۱
تا وفاتِ نبوی	•	•	•	•	•	۳/۲۲۸	۳/۵۰	۲۲
〃	•	•	•	•	•	〃	۵/۲	۲۳
کچھ مدت - مبدل بہ حضرت عمرو	•	•	•	•	•	•	۵/۲۴۹	۲۴
تا وفاتِ نبوی	۳/۵-۵۹۴	•	•	•	ف ۸۰	۳/۱۲۲، ۲۲۸	۴/۹-۶۸	۲۵
کچھ مدت - قبل وفات نبوی	•	•	•	•	ف ۸۰، ۷۰	•	۲/۳-۱۱۲	۲۶
تا وفاتِ نبوی	•	•	•	•	•	•	۲/۳۱۵	۲۷
〃	•	•	•	•	ف ۸۰	۳/۲۲۸	۵/۳۰۸	۲۸
〃	۲/۶۰۰	•	•	•	〃	۳/۱۲۷، ۲۲۸	۲/۲۱۷	۲۹
〃	•	•	•	•	•	•	•	۳۰
〃	•	•	•	•	•	•	•	۳۱
〃	•	•	•	•	•	•	•	۳۲

ضمیمہ دوم۔ ۹ مقامی منتظمین (رؤسا، شیوخ)

نمبر شمار	منتظم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
شمالی قبائل					
۱	حضرت امرؤ القیس (ابن الاصبغ)	کلب	ط	دومۃ الجندل	سنہ ۶ھ / سنہ ۶۲۸ء
۲	" دومی بن القیس	کلب / بنی ذھل	۰	بنی ذھل / کلب	۰
۳	" رفاعہ بن زید	جذام / ذبیب	ع	خولان	سنہ ۷ھ / سنہ ۶۲۸-۹ء
۴	" قیس بن زید	"	"	بنو سعد بن مالک	" "
مغربی قبائل					
۱	حضرت سعد بن ابی ذباب	ازد / دوس حجاز	ع	اپنی قوم	سنہ ۷ھ / سنہ ۶۲۸-۹ء
۲	" عثمان بن عمرو دُئلی	کنانہ / دئل	۰	بنو اسد	وفد کے زمانے میں
مشرقی قبائل					
۱	حضرت مالک بن عوف نصری	ہوازن / نصر	ف	نصر، ثمالہ، سلمہ، فہم	سنہ ۸ھ / سنہ ۶۳۰ء
۲	" صفوان بن صفوان	۰	ق	بنو عمرو	سنہ ۹ھ / "
جنوبی قبائل					
۱	حضرت صرد بن عبداللہ	ازد جرش	ق	اپنی قوم کے مسلمان	سنہ ۱۰ھ / سنہ ۶۳۱ء
۲	" مالک بن نمط	ہمدان / خارف	"	"	" "
۳	" عامر بن شہر	" / بکیلہ	"	ہمدان	" "

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	#
ایک سریہ میں مسلمان، وفد میں حاضر خدمت نبوی	۰	۵۶۱	۰	۰	۰	۱/۱۱۵	۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲/۱۳۴	۲
۰	۰	۰	۰	۰	۳/۱۴۰	۲/۱۸۱	۳
۰	۰	۰	۰	۰		۰	۴
		۰					
حضرت عمر کی خلافت تک برقرار	۰	۰	۰	۰	۰	۲/۲۷۶	۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲
۰	۲/۴۹۱	۹۵۵	۱/۳۱۲	۰	۳/۸۸-۹	۴/۲۹۰	۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳/۲۳	۲
اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے	۲/۵۸۷	۰	۱/۳۲۸	۰	۳/۱۳۰-۱	۳/۱۷	۱
〃	۰	۰	۰	۰	۰	۴/۲۹۴	۲
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳/۸۳	۳

۴	حضرت فروہ بن مسیک	مراد	ق	مراد، زبید، مذحج	۱۰ھ	/ ۶۳۱ء
۵	" قتادہ بن عیاش	جرش	"	اپنی قوم	"	"
۶	" قیس بن حصین	مذحج / حارث	"	بنوالحارث بن کعب	"	"
۷	" قیس بن سلمہ	جعفی / سعد العشیرہ	"	مرآن، ہویم، کلاب، موالی	"	"
۸	" قیس بن مالک	ہمدان / ارحب	د	اپنی قوم	•	
۹	" مالک بن مرارہ	رہا	ق	یمن	"	"
۱۰	" وائل بن حجر	حضرموت	"	حضرموت	"	"
۱۱	" حیان بن بح	صُداء	"	صُداء	"	"
۱۲	" اشعث بن قیس	کندہ	"	کندہ	"	"

قبائل پراگندہ عرب

۱	حضرت جارود بن معلی	عبدالقیس	ق	عبدالقیس	۸-۹ھ	/ ۳۱-۶۳۰ء
۲	" زبرقان بن بدر	تمیم / سعد	"	تمیم / بنوعوف سعد	"	"
۳	" قیس بن یزید	•	"	اپنی قوم	"	"
۴	" قیس بن عمیر	•	"	"	"	"
۵	" عبادہ بن اشیب	عنز بن وائل	"	"	"	"

۴	۱۸۰/۵	۱۳۴-۹/۱	۰	۳۲۷/۱	۰	۵۸۳/۲	اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے۔ عامل بھی تھے
۵	۱۹۴/۵	۰	۰	۰	۰	۰	اپنی قوم کے وفد میں آئے تھے
۶	۰	۱۲۸/۳	۰	۳۴۰/۱	۰	۵۹۴/۲	〃
۷	۲۱۷/۴	۰	۰	۳۲۵/۱	۰	۰	〃
۸	۲۳۴-۵/۵	۰	۰	۳۴۰-۱/۱	۰	۰	〃
۹	۲۹۳/۴	۰	۰	۰	۰	۰	〃
۱۰	۸۱/۵	۰	۰	۰	۰	۰	〃
۱۱	۶۸/۲	۰	۰	۰	۰	۰	〃
۱۲	۹۷-۹/۱	۰	۰	۱۳۸-۹/۱	۰	۰	〃

۱	۲۶۰-۱/۱	۰	۰	۱۳۶-۷/۱	۰	۰	اپنی قوم کے وفد میں آئے
۲	۱۹۴-۵/۲	۰	۰	۱۱۵-۹/۱	۰	۰	〃
۳	۲۲۹/۵	۰	۰	۰	۰	۰	〃
۴	۲۲۳/۵	۰	۰	۰	۰	۰	〃
۵	۱۰۴/۳	۰	۰	۰	۰	۰	〃

ضمیمہ دوم - ۱۰ نقباءِ مدینہ

نمبر شمار	نقیب	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت اسعد بن زرارہ	خزرج / نجار	د	بنو نجار	۶۲۲ء
۲	" سعد بن ربیع	" / حارث	"	بنو حارث	"
۳	" عبداللہ بن رواحہ	" "	"	"	"
۴	" رافع بن مالک	" / زریق	"	بنو زریق	"
۵	" براء بن معرور	" / سلمہ	"	بنو سلمہ	"
۶	" بشر بن براء بن معرور	" "	"	"	"
۷	" عبداللہ بن عمرو	" •	"	•	"
۸	" سعد بن عبادہ	" / ساعدہ	"	بنو ساعدہ	"
۹	" منذر بن عمرو	" "	"	"	"
۱۰	" عبادہ بن صامت	" / قواقلہ	"	قواقلہ	"
۱۱	" عمرو بن جموح	" / سلمہ	"	بنو سلمہ	"
۱۲	" اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	"	عبدالاشہل	"
۱۳	" سعد بن خیثمہ	" / غنم	"	بنو غنم	"
۱۴	" رفاعہ بن عبدالمنذر	" / بنو ظفر	"	بنو ظفر	"
۱۵	" ابوالہیثم بن التیہان	" / "	"	بنو عمرو بن عوف	"
۱۶	" رافع بن خدیج	" / عمرو بن مالک	"	عمرو بن مالک	•
۱۷	" میتب بن عمرو	خزرج	•	•	•
۱۸	" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	قریش / ہاشم	اولین مسلم	بنو نجار	۶۲۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
(سلئہ متوفی) نقیب اعظم یا نقیب النقباء بھی تھے	۲۰۴/۲	•	۲۲۰-۱۳/۱	انساب ۲۵۲ قب ۲۰	•	۷۱-۲/۱	۱
احد میں شہید	″	•	۶۱۲″/۳	انساب ۲۵۲	•	۲۷۷-۸/۲	۲
موتہ میں شہید	″	••	۶۱۲-۳″/۳	″	•	۱۵۶-۹/۳	۳
•	″	•	۶۲۱-۲″/۳	″	•	۱۵۷-۹/۲	۴
متوفی سلمہ قبل از ہجرت نبوی	″	•	۶۱۸-۲۰″/۳	″	•	۱۷۳-۴/۱	۵
اپنے والد کی وفات کے بعد	•	•	•	•	•	۱۸۳-۴/۱	۶
•	″	•	۶۲۰-۱″/۳	″	•	۲۳۱-۳/۳	۷
•	″	•	۶۱۳-۷/۳	″	•	۲۸۳-۵/۲	۸
•	″	•	۳۱۸/۳	″	•	۴۱۸-۹/۴	۹
•	″	•	۶۲۱/۳	″	•	۱۰۶-۷/۳	۱۰
•	•	•	•	•	•	۹۳-۵/۴	۱۱
•	″	•	۶۰۳-۷/۳	″	•	۹۲-۳/۱	۱۲
•	″	•	۶۰۷/۳	″	•	۲۷۵-۶/۲	۱۳
•	″	•	•	•	•	۱۸۱-۲/۲	۱۴
•	•	•	۶۰۷/۳	•	•	•	۱۵
•	•	•	•	•	•	۱۵۱-۵۲/۲	۱۶
•	•	•	•	•	•	۳۶۷/۴	۱۷
حضرت اسعد بن زرارہ کے انتقال کے بعد نقیب النقباءؓ	•	•	۶۱۱/۳	•	•	•	۱۸

ضمیمہ سوم-۱ مرکزی عاملین صدقات (عمّال الصّدقات)

نمبر شمار	عامل صدقات	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت ابی بن کعب	خزرج / نجار	د	سعد ہذیم / جذام	غالباً ۷ھ / ۶۲۹ء
۲	〃 عنبسہ	〃 〃	۰	〃 〃	〃 〃
۳	〃 ولید بن عقبہ اموی	قریش / امیہ	ع/ف	بنو مصطلق	〃 〃
۴	〃 عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	〃	〃 〃
۵	〃 عمرو بن عاص	قریش / سہم	ع	ہوازن / علاقہ حنین	۸ھ / ۶۳۰ء
۶	〃 〃 〃	〃 〃	〃	غطفان / فزارہ	۸-۹ھ / ۶۳۰-۳۱ء
۷	〃 〃 〃	〃 〃	〃	قضاعہ	〃 〃
۸	〃 〃 〃	〃 〃	〃	عمان	۱۰-۱۱ھ / ۶۳۱-۳۲ء
۹	〃 کلاب بن امیہ	کنانہ / لیث	۰	ثقیف	آغاز ۹ھ / ۶۳۱ء
۱۰	〃 سالف بن عثمان بن معتب	ثقیف	۰	〃	〃 〃
۱۱	〃 بسر بن سفیان [۱]	قریش / عدی	ع	خزاعہ / کعب	〃 〃
۱۲	〃 بریدہ بن حصیب	اسلم	س	غفار و اسلم	〃 〃
۱۳	〃 رافع بن مکیث	جہینہ	〃	جہینہ	〃 〃
۱۴	〃 عباد بن بشر	اوس / عبدالاشہل	د	مزینہ اور سلیم	〃 〃
۱۵	〃 ضحاک بن سفیان	کلاب / عامر بن صعصعہ	س	کلاب	〃 〃
۱۶	〃 معاذ بن جبل	خزرج / جشم	د	قری عربیہ	〃 〃
۱۷	〃 عکرمہ بن ابی جہل	قریش / مخزوم	ف	ہوازن	۹-۱۰ھ / ۶۳۱-۲ء

[۱] ایک روایت میں ان کی جگہ حضرت نعیم بن عبداللہ النحام قریشی عدوی کا نام ہے۔ واقدی ص ۲-۹۷۳

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
دونوں کو مشترکہ طور پر بھیجا گیا تھا۔	۰	۰	۲۷۰/۱	۰	۰	۴۹-۵۱/۱	۱
	۰	۰	〃	۰	۰	۱۵۱/۴	۲
تقرری ہوئی مگر وصولیابی نہیں کر سکے	۰	۹۸۰-۸۱	۱۶۱/۲	۰	۰	۹۰-۹۱/۵	۳
حضرت ولید اموی کی جگہ مقرر۔ تقرری بنو مصطلق کی فرمائش پر	۰	۹۸۱	۱۶۱-۲/۲	۰	۰	۱۰۰-۱/۳	۴
۰	۰	۰	۰	۰	۹۵/۳	۱۱۵-۱۸/۴	۵
۰	۰	۹۷۳	۱۶۰/۲	۰	۰	〃	۶
۰	۰	۰	۰	۰	۰/۳	〃	۷
۰	۰	۰	۰	۰	۰	〃	۸
اونٹوں کے عشور کے لیے	۰	۰	۰	۰	۰	۲۵۰/۴	۹
غالباً عام صدقات کے لیے	۰	۰	۰	انساب ۵۳۱	۰	۰	۱۰
خزاعہ نے صدقات ادا کرنا چاہے مگر تمیم نے ان کو جبراً روک دیا	۰	۹۷۳	۲۹۳/۱	۰	۰	۱۸۱-۲/۱	۱۱
۰	۰	〃	۱۶۰/۲	۰	۰	۱۷۵-۶/۱	۱۲
۰	۰	〃	〃	۰	۰	۱۵۹-۶۰/۲	۱۳
۰	۰	〃	〃	۰	۰	سابق	۱۴
۰	۰	〃	۳۰۰/۱	۰	۰	۳۶/۳	۱۵
۰	۰	۰	۰	۰	یحییٰ بن آدم	۰	۱۶
روایت کے مطابق وفاتِ نبوی کے سال تقرری	۰	۰	۳۰۴/۷	۰	۲/۳	۴-۶/۴	۱۷

۱۸	حضرت حذیفہ بن یمان	ازد	س	ازد	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۲ء
۱۹	〃 معاویہ بن ابی سفیان	قریش / امیّہ	ع	اقیال حضرموت	〃 〃
۲۰	〃 عُیینہ بن حصن فزاری	غطفان / فزارہ	ف	تمیم	〃 〃
۲۱	〃 ابن اللتبیہ	ازد	۔	بنی ظبیان	〃 〃
۲۲	〃 سنان بن ابی سنان	اسد / حلیف عبدالاشہل	د	بنو مالک	〃 〃
۲۳	〃 قضاعی بن عمرو	عذرہ	۔	بنو حارث	〃 〃
۲۴	〃 عکرمہ بن حصفہ	قیس عیلان / ہوازن	۔	بدیل، بسر اور ان کے حلفاؔ	۔
۲۵	〃 عبادہ بن صامت	خزرج / عمرو بن عوف	د	۔	۔
۲۶	〃 ارقم بن ابی الارقم	قریش / مخزوم	الف	۔	۔
۲۷	〃 زیاد بن حنظلہ	تمیم	۔	۔	۔
۲۸	〃 عمر بن خطاب	قریش / عدی	ب	۔	۔
۲۹	〃 عبداللہ بن خطل [1]	قریش / ادرم	د	۔	۔
۳۰	〃 ادرم بن غالب [2]	۔	۔	۔	۔

[1] و [2] دونوں مرتد ہو گئے اور بعد میں قتل ہوئے۔

۱۸	•	•	•	•	•	•	
۱۹	۳۸۵-۷/۴	•	•	•	•	•	
۲۰	۱۶۶-۷/۴	•	•	۱۶۰/۲	•	•	روایت ہے کہ ان کو ۹ھ میں بھیجا گیا تھا
۲۱	۳۲۹-۳۰/۵	•	•	〃	۹۷۳	•	〃
۲۲	۳۵۸/۲	۱۷۸/۳	•	•	•	•	•
۲۳	۲۰۵/۵	〃	•	۲۷۰/۱	•	•	•
۲۴	•	•	•	۲۷۲-۳/۱	•	•	•
۲۵	۱۰۶-۷/۳	•	•	•	•	•	•
۲۶	۵۹-۶۱/۱	•	•	•	•	•	•
۲۷	۲۱۳/۲	•	•	•	•	•	•
۲۸	بخاری بحوالہ کتانی اول ص ۳۹۶		•	•	•	•	•
۲۹	•	۵۹/۳	•	•	۵۹-۶۰ھ	•	•
۳۰	ابن خلدون اوّل ۸۰۴	•	•	•	•	•	•

ضمیمہ سوم۔۲ مقامی عاملین صدقات

نمبر شمار	عامل صدقات	قبیلہ/خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ/قبیلہ تقرر	تاریخ تقرر
	شمالی قبائل				
۱	حضرت عمرو بن حکم	قضاعہ / قین	ق	قین	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء
۲	" ابن الاصبغ	کلب	ط	کلب	سنہ ۹-۶ھ / سنہ ۶۲۸-۳۱ء
۳	" عبداللہ بن حکیم	بنو ضبیب	ق	بنو ضبیب	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۱-۲ء
	مشرقی قبائل				
۱	حضرت قضاعی بن عمرو	عذرہ	ع	بنو اسد	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۱-۲ء
۲	" عدی بن حاتم طائی	طے	ق	بنو اسد و طے	" "
۳	" کافیہ بن سبیع	اسد	۰	اسد	" "
۴	" کہل بن مالک	ہذیل	۰	ہذیل	" "
۵	" خزیمہ بن عاصم	عکل	ق	الاحلاف	" "
۶	" مرداس بن مالک	قیس عیلان / غنی	"	بنو غنی	" "
۷	" الہیثم	سلیم	"	سلیم	" "
	مغربی قبائل				
۱	حضرت جندب بن مکیث	جہینہ	ط	جہینہ	" "
۲	" حارث بن ضرار	بنو مصطلق	"	بنو مصطلق	" "

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
•	•	•	•	•	•	۱۹۰/۵	۱
•	•	•	•	•	•	۹۹/۵	۲
•	•	•	•	•	•	۱۴۵/۳	۳
•	•	•	۲۷۰/۱	•	•	۲۰۵/۵	۱
•	۶۰۰/۲	•	۳۲۲/۱	•	۱۴۷/۳	۲۹۲-۴/۳	۲
•	•	•	•	کتانی اول ۳۹۶	•	•	۳
•	•	•	•	〃 ۳۹۷	•	•	۴
•	•	•	•	〃 〃	•	•	۵
•	•	•	•	〃 ۳۹۸	•	•	۶
•	•	•	•	〃 〃	•	۷۵/۵	۷
•	•	•	•	•	•	۳۰۶/۱	۱
•	•	•	•	•	•	۳۳۴-۵/۱	۲

قبائل پراگندہ عرب

۱	حضرت قیس بن عاصم	تمیم / سعد	ق	تمیم / سعد	سنہ ۹-۱۰ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء
۲	〃 سہل بن منجاب	〃	〃	〃 •	〃 〃
۳	〃 زبرقان بن بدر	〃 〃	〃	〃 〃	〃 〃
۴	〃 صفوان بن صفوان	〃 •	〃	〃 •	〃 〃
۵	〃 مالک بن نویرہ	〃 / یربوع	〃	〃 / یربوع	〃 〃
۶	〃 متمم بن نویرہ	〃 〃	〃	〃 〃	〃 〃
۷	〃 خزیمہ بن عاصم	وائل / عوف	〃	بنو عوف / وائل	〃 〃
۸	〃 غاضرہ بن سمرہ	تمیم / عنبر	〃	•	〃 〃
۹	〃 شبیر بن صعقوق	•	•	•	•
۱۰	〃 ابوجہم بن حذیفہ	•	•	•	•
۱۱	〃 قرہ بن دعموص	•	•	•	•

۱	۲۱۹-۲۱/۴	۱۴۷/۳	•	•	•	۶۰۰/۲	•
۲	۳۶۹-۷۰/۲	•	•	•	•	•	•
۳	۱۹۴-۵/۲	۱۴۷/۳	•	•	•	۶۰۰/۲	•
۴	۲۷-۸/۳	•	•	•	•	•	•
۵	۲۹۵/۴	۱۴۷/۳	•	•	•	۶۰۰/۲	•
۶	•	•	کتاب اول، ۳۹۷	•	•	•	•
۷	۱۱۶/۲	•	•	•	•	•	•
۸	۱۶۷/۵	•	•	•	•	•	•
۹	۳۸۴/۲	•	•	•	•	•	•
۱۰	•	•	کتاب اول، ۳۹۷	•	•	•	•
۱۱	•	•	۳۹۸ 〃	•	•	•	•

ضمیمہ سوم-۳ پیداوار کے تخمینہ کے افسر (خارص)

نمبر شمار	خارص / افسر	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت فروہ بن عمرو	خزرج / بیاضہ	د	مدینہ	۱۱-۳ھ / ۳۲-۶۲۵ء
۲	״ عتاب بن اسید	قریش / امیہ	ف	طائف	۱۱-۸ھ / ۳۲-۶۳۰ء
۳	״ عبداللہ بن رواحہ	خزرج / حارث	د	خیبر	۸-۷ھ / ۹-۶۲۸ء
۴	״ ابوالہیثم بن التیہان	اوس / عبدالاشہل	״	״	۱۱-۸ھ / ۳۲-۶۳۰ء
۵	״ جبار بن صخر	خزرج / سلمہ	״	״	״ ״
۶	״ زید بن سلمہ	״ / نجار	س	״	״ ״
۷	״ عمرو بن سعید	قریش / امیہ	الف	״	•
۸	״ ابوحثمہ عمرو بن ساعدہ	خزرج / حارث	س	״	۱۱-۱۰ھ / ۲-۶۳۱ء
۹	״ سہل بن ابی حثمہ	״ ״	״	•	•
۱۰	״ ابوزبید بن الصلت	کندہ	ق	•	•
۱۱	״ الصلت بن معدی کرب	״	״	•	•

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسدالغابہ	
مدینہ کی پیداوار کا تخمینہ لگاتے تھے خوشوں کی بنیاد پر	۰	۰	۰	۰	۰	۴/۹-۱۷۸	۱
طائف میں قریشی باغات کے افسر تخمینہ	کتانی اول ۴۰۰	۰	۰	۰	۰	سابق	۲
شہید موتہ	۲/۳۵۴	۶۹۱	۲/۱۱۰	فب ۳۷	۳/۲۱-۲۰	۳/۹-۱۵۶	۳
حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد	۰	〃	۰	۰	۰	۵/۳۱۸	۴
حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعد اور حضرت ابوالہیثم کے ساتھ	۲/۳۵۴	۰	۰	۰	۳/۲۰	۱/۲۶۵	۵
〃 〃 〃 〃 〃	۰	۰	۰	۰	۰	۲/۲۳۲	۶
ایک بار تخمینہ لگایا	۰	۰	۰	۰	۰	۴/۸-۱۰۷	۷
حضرت علی کی خلافت تک برقرار رہے	۰	۰	۰	۰	۰	۵/۱۶۹	۸
۰	کتانی اول ۴۰۰	۰	۰	۰	۰	۰	۹
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۵/۲۰۵	۱۰
۰	کتانی اول ۴۰۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۱

ضمیمہ سوم ۔ سہ   عاملین علی الحمیٰ (چراگاہ کے افسر)

نمبر شمار	حارس / افسر	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت ذر بن ابی ذر	غفار	ب	مدینہ / الجمع	سنہ ۱-۲ھ / سنہ ۶۲۲-۲۴ء
۲	حضرت یسار	حبشی/مولائے رسول	الف/س	〃 / ذوالجدر	سنہ ۱-۶ھ / سنہ ۶۲۲-۲۸ء
۳	〃 ابورافع	〃 〃	〃	〃 .	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۴	〃 عریب المالکی	. .	ب	〃 / الغابہ	سنہ ۱-۲ھ / سنہ ۶۲۲-۲۴ء
۵	〃 بلال بن حارث	مزینہ	س	نقیع	سنہ ۵-۱۱ھ / سنہ ۶۲۷-۳۲ء
۶	〃 عبید بن مروح	〃	〃	〃	〃 〃
۷	〃 سعد بن ابی وقاص	قریش / زہرہ	الف	وج / طائف	سنہ ۹-۱۱ھ / سنہ ۶۳۰-۳۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
کرز بن جابر فہری کے ہاتھوں شہید	•	•	•	•	•	•	۱
عرینہ کے لوگوں کے ہاتھوں شہید	•	•	•	•	۳/۱۰۲	۵/۱۲۴	۲
•	•	•	•	•	•	۵/۱۹۱	۳
•	•	•	•	•	•	•	۴
•	•	۹/۵۳۸	۲/۱-۸۰	انساب ۳۴۸	کتانی اول ۳۳۹	•	۵
•	•	۷/۴۲۶	•	•	•	۳/۳۵۳	۶
•	•	•	•	•	•	〃	۷

ضمیمہ چہارم - ۱ مبلّغین و معلّمین

نمبر شمار	مبلّغ / معلّم	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	زمانہ تقرر
۱	حضرت مصعب بن عمیر	قریش / عبدالدار	الف	مدینہ / اوس و خزرج	سنہ ۶۲۱ء
۲	حضرات شہدائے بئر معونہ	•	•	•	•
۳	″ ″ رجیع	•	•	•	•
۴	حضرت معاذ بن جبل	خزرج / جشم	د	مکہ مکرمہ	سنہ ۸ھ / سنہ ۶۳۰ء
۵	″ ابوموسیٰ اشعری	اشعر	ب	″	″ / ″
۶	″ عباد بن بشر [1]	اوس / عبدالاشہل	د	بنو مصطلق	سنہ ۸-۹ھ / ″
۷	″ خالد بن ولید مخزومی	قریش / مخزوم	ع	نجران / بنو حارث بن کعب	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۸	″ علی بن ابی طالب	″ / ہاشم	الف	یمن / مذحج	″ / ″
۹	″ اوس بن حدثان	ہوازن	ط	منیٰ / مکہ مکرمہ	سنہ ۹ھ / سنہ ۶۳۱ء
۱۰	″ محیصہ بن مسعود	اوس / حارث	د	فدک	″ / ″
۱۱	″ عمرو بن مرہ	جُہینہ	•	جہینہ	•
۱۲	″ ضحاک بن سفیان	عامر بن صعصعہ / کلاب	س	کلاب	•
۱۳	″ جرثوم بن ناشیب	قضاعہ	ط	اپنی قوم	•
۱۴	″ ساریہ بن اوفیٰ	بنو قیس	•	بنو مرہ	•
۱۵	″ جریر بن عبداللہ	بجیلہ	ق	ذوالکلاع، ذوعمرو	سنہ ۱۰-۱۱ھ / سنہ ۶۳۲ء
۱۶	″ وبر بن یحنس / عنیس	خزاعہ	•	فیروز دیلمی وغیرہ ابنائے یمن	″ / ″
۱۷	″ اقرع بن عبداللہ	حمیر	ق	ذوزود، ذومران	″ / ″

[1] بلاذری، انساب ۱/۲۴۱، کے مطابق جنگ مریسیع سے قبل حکم نبوی پر حضرت عمر نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تھا۔

کیفیت	ابنِ ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
مدینہ کے بیشتر لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور تعلیم دی	•	•	۲۲۰/۱	•	•	۳۶۸-۹/۴	۱
•	•	•	•	•	•	•	۲
•	•	•	•	•	•	•	۳
قریش کے نومسلموں کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے	۵۰۰/۲	۸۰۹ ،۹۵۹	۱۳۷/۲	۳۶۵/۱	۹۴/۳	۳۷۶-۸/۴	۴
						۳۰۸-۹/۵	۵
بنو مصطلق کے نومسلموں کو ،، ،، ،، دس دن قیام کیا	•	•	۱۶۱-۲/۲	•	•	۱۰۰-۱/۳	۶
تبلیغ و تعلیم	•	•	•	•	۲۲۶-۷/۳	سابق	۷
،، ،،	•	•	•	•	۲۳۰-۱/۳	،،	۸
مذہبی اعلان اور تعلیمات بیان کرنے کے لیے	•	•	•	•	•	۱۴۱-۲/۱	۹
تبلیغ و تعلیم	•	۷۰۶-۷	•	۴۲ ف	•	۳۳۴/۴	۱۰
،،	•	•	۳۳۳-۴/۱	•	•	۱۳۱/۴	۱۱
،، قبیلہ والے مسلمان ہو گئے	•	•	•	•	•	•	۱۲
،، ،، ،، ،،	•	•	•	•	•	۲۷۶/۱	۱۳
•	•	•	•	•	•	۲۴۴/۲	۱۴
وہاں وفات نبوی تک قیام کیا	•	•	•	•	۱۸۷/۳	۲۷۹-۸۰/۱	۱۵
،، ،، ،،	•	•	•	•	،،	۸۳/۵	۱۶
•	•	•	•	•	،،	۱۱۰/۱	۱۷

۱۸	حضرت فرات بن حیان	ربیعہ / عجل	ط	ثمامہ اور اسد	سنہ ۱۰-۱۱ھ / سنہ ۶۳۲ء
۱۹	" زیاد بن حنظلہ	تمیم / عمرو	ق	بنو تمیم	" "
۲۰	" صلصل بن شرحبیل	•	"	بنو عامر	" "
۲۱	" ضرار بن الازور	اسد خزیمہ	"	بنو صیدار	" "
۲۲	" نعیم بن مسعود	غطفان / اشجع	ط	ابن ذی اللحیان وجبیری	" "
۲۳	" عبداللہ بن مسعود	ہذیل	الف		سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۲۴	" ابی بن کعب	خزرج / نجار	و	مدینہ	" "
۲۵	" سالم مولیٰ ابی حذیفہ	مولیٰ بنی امیہ	الف		" "
۲۶	" عبادہ بن صامت	•	د		" "
۲۷	" خالد بن سعید	قریش / امیّہ	الف		
۲۸	" عمرو بن سعید	" "	"		
۲۹	" ابان بن سعید	" "	ف	مدینہ / طائف	سنہ ۸ھ / سنہ ۶۳۰ء
۳۰	" عثمان بن عفان	" "	الف		
۳۱	" سعد بن عبادہ	خزرج / ساعدہ	د		
۳۲	" اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	"		

۱۸	۱۷۵-۶/۴	۱۸۷/۳	۰	۰	۰	۰	۰
۱۹	۲۱۳/۲	〃	۰	۰	۰	۰	۰
۲۰	۲۹/۳	〃	۰	۰	۰	۰	۰
۲۱	۳۹-۴۰/۳	〃	۰	۰	۰	۰	۰
۲۲	۳۳-۴/۵	〃	۰	۰	۰	۰	۰
۲۳							
۲۴							
۲۵	۰	۰	۰	۰	۰	۰	مدینہ کے اور شہر رسول میں آنے والے مسلمانوں کو تعلیم دیتے تھے
۲۶							
۲۷							
۲۸							
۲۹	۰	۰	۰	۰	۰	۰	طائف کے غلاموں کے معلّمین و مربّی
۳۰							
۳۱							
۳۲							

ضمیمہ چہارم - ۲ مفتیانِ گرامی

نمبر شمار	مفتی	قبیلہ / خاندان	زمانۂ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	زمانہ تقرر
۱	حضرت ابوبکر صدیق	قریش / تیم	الف	مدینہ منورہ	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۳۲-۶۲۲ء
۲	" عمر فاروق	" / عدی	ب	"	" "
۳	" عثمان غنی	" / امیہ	الف	"	" "
۴	" علی مرتضیٰ	" / ہاشم	"	"	" "
۵	" عبدالرحمٰن بن عوف	" / زہرہ	"	"	" "
۶	" معاذ بن جبل	" / جشم	د	" / یمن	" "
۷	" ابی بن کعب	" / نجار	"	"	" "
۸	" زید بن ثابت	" "	"	"	" "
۹	متعدد دوسرے گمنام حضرات	•	•	•	" "

	کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ
۱	•	•	•	۲/۳۳۵	•	•	۳/۲۳-۲۰۵
۲	•	•	•	۲/۳۵۰	•	•	۴/۳۷۷
۳	•	•	•	〃	•	•	〃
۴	•	•	•	〃	•	•	〃
۵	•	•	•	۲/۳۴۰	•	•	۳/۷-۳۱۳
۶	•	•	•	۲/۳۴۸-۳۵۰	•	•	۴/۳۷۷
۷	•	•	•	۲/۳۵۰	•	•	〃
۸	•	•	•	〃	•	•	〃
۹	•	•	•	•	•	•	•

ضمیمہ چہارم ۔ ۳ ائمہ مساجد و نماز

نمبر شمار	امام مسجد	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	زمانۂ تقرر
۱	حضرت اسعد بن زرارہ	خزرج / نجار	د	مدینہ	سنہ ۱ھ / سنہ ۶۲۱-۲ء
۲	// مصعب بن عمیر	قریش / عبدالدار	الف	//	// //
۳	// سالم مولیٰ ابی حذیفہ	مولیٰ بنی امیہ	الف / س	//	// //
۴	// حنظلہ بن ابی حنظلہ	انصاری	د	// / قبا	// //
۵	// عتبان بن مالک	خزرج / سالم	//	//	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۶	// عبداللہ بن عمیر	اوس / خطمہ	//	// مسجد بنی خطمہ	// //
۷	// معاذ بن جبل	خزرج / جشم	//	// مسجد جشم	سنہ ۹-۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۰ء
۸	// اسید بن حضیر	اوس / عبدالاشہل	//	// // عبدالاشہل	سنہ ۱۱-۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۹	// ابوزید	انصاری	//	عمان	سنہ ۹-۸ھ / سنہ ۶۳۰ء
۱۰	// شداد بن ثمامہ	بنو کعب بن اوس	ق	اپنی قوم	سنہ ۱۰-۹ھ / سنہ ۶۳۰-۳۱ء
۱۱	// عمرو بن سلمہ	بنو جرم	د / س	//	سنہ ۱۱-۲ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۱۲	// عبدالرحمٰن بن عوف	قریش / زہرہ	الف	لشکر مسلمانانِ تبوک	سنہ ۹ھ / سنہ ۶۳۱ء
۱۳	// ابوبکر صدیق	// / تیم	//	//	// //
۱۴	// //	// / //	//	مدینہ / مسجد نبوی	ربیع الاول سنہ ۱۱ھ / جون سنہ ۶۳۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۵۶/۲	۴
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲۵۹-۶۰/۳	۵
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲۳۷/۳	۶
۰	۰		۰		بخاری ۔ بدء الاذان	۰	۷
۰	۰	۰	۰		سنن ابی داؤد	۰	۸
۰	۰	۰	۰	۸-۸۷	۰	۲۰۳/۵	۹
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۳۸۸/۲	۱۰
۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۱
ایک نماز پڑھائی تھی	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۱۲
نصف لشکر کے مستقل امام تھے	۰	۹۹۵	۱۶۵/۲	۰	۰	۲۰۵-۲۳/۳	۱۳
رسول کریم کے مرض الموت میں سترہ نمازیں پڑھائیں	۰	۰	۲۱۵-۶/۲	۰	۱۹۶-۸/۳	〃	۱۴

ضمیمہ چہارم - ۴ مؤذّنینِ رسول

نمبر شمار	مؤذن	قبیلہ / خاندان	زمانہ قبول اسلام	علاقہ / قبیلہ	تاریخ تقرر
۱	حضرت بلال بن رباح	حبشی / مولائے رسول	الف	مدینہ منورہ / مسجد نبوی	سنہ ۱-۱۱ھ / سنہ ۶۲۲-۳۲ء
۲	" عمرو بن ام مکتوم	قریش / عامر بن لوی	"	" "	" "
۳	" سعد بن عائذ (سعد القرظ)	مولیٰ عمار بن یاسر	س	مسجد قبا	" "
۴	" عبدالعزیز بن اصم	•	•	•	" "
۵	" زید بن حارث	صداء	•	•	•
۶	" ثوبان	مولائے رسول	س	مدینہ	•
۷	" عثمان بن عفان	قریش / امیہ	الف	"	" "
۸	" ابو محذورہ اوس بن معیر	" / جمح	ف	خانہ کعبہ / مکہ / جعرانہ	سنہ ۸-۱۱ھ / سنہ ۶۳۰-۳۲ء
۹	" سفیان بن قیس	کندہ	ق	قبیلہ کندہ	سنہ ۱۰-۱۱ھ / سنہ ۶۳۱-۳۲ء

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر کے مؤذن	.	.	۲۴۸/۱	۵۲۶/۱	.	۲۰۶-۹/۱	۱
رمضان میں شب میں ایک اذان دیتے تھے	.	.	۲۳۴/۳	〃	.	〃	۲
مستقل مؤذن	.	.	.	.	.	۲۸۲-۳/۲	۳
〃 / ایک بار اذان دی تھی	.	۸۴۶، ۷۳۸	.	.	.	۳۲۸/۳	۴
. 〃	.	.	.	.	کتانی اول ۵/۷	.	۵
〃	.	.	.	.	〃 ۷۶	.	۶
جمعہ کی ایک اذان دیتے تھے / دی تھی	.	.	.	۵۲۷/۱	〃 〃	.	۷
مسجد حرام کے مستقل مؤذن / جعرانہ میں پہلی اذان	.	.	۲۴۸/۱	۵۲۶، ۵۲۸/۱	.	۲۹۲/۵	۸
قبیلہ کندہ کے مستقل مؤذن مقرر ہوئے تھے	.	.	.	.	.	۳۲۱/۲	۹

ضمیمہ چہارم - ۵ افسرانِ امورِ حج

نمبر شمار	افسر	قبیلہ/خاندان	زمانہ قبول اسلام	موقعہ/مہم	تاریخ تقرر
	امراءِ حج				
۱	حضرت عتاب بن اسید	قریش/امیہ	ف	فتح مکہ	۸ھ / ۶۳۰ء
۲	" ابوبکر صدیق	" / تیم	الف	سال دیگر	۹ھ / ۶۳۱ء
۳	" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	" / ہاشم	اول المسلمین	حجۃ الوداع	۱۰ھ / ۶۳۲ء
	خانہ کعبہ کے متولی اور ساقی حرم				
۱	حضرت عثمان بن طلحہ	قریش/عبدالدار	ع	خانہ کعبہ/حجابہ	۸-۱۱ھ / ۶۳۰-۳۲ء
۲	" عباس بن عبدالمطلب	" / ہاشم	ف	" / سقایہ	" / "
	حدودِ حرم کی تعیین کے افسر				
۱	حضرت تمیم بن اسید	خزاعہ	ف	حرم مکہ	۸ھ / ۶۳۰ء
	ھدی (قربانی کے جانوروں) کے نگراں افسر				
۱	حضرت ناجیہ بن جندب	اسلم	س	مدینہ تا مکہ	۶-۱۱ھ / ۶۲۸-۳۲ء
۲	" ذویب بن حلحلہ	خزاعہ/کعب	.	"	.
۳	" عمرو بن ثمالی	ہوازن/ثمالہ	.	"	.
۴	" علی بن ابی طالب	قریش/ہاشم	الف	"	.
۵	" خالد بن سیار	کنانہ/غفار	-	"	.

کیفیت	ابن ہشام	واقدی	ابن سعد	بلاذری	طبری	اسد الغابہ	
بحیثیت والیِ مکہ امیرِ حج بنے	۵۰۰/۲	۹۵۹	۱۳۷/۲	فب ۵۳	۳۷،۹۴/۳	۳۵۸-۹/۳	۱
رسولِ کریم کے نائب کی حیثیت سے	۵۴۳، ۶۵۲/۲	۱۰۷۷	۱۶۸/۲	•	۱۲۲-۳/۳	۲۰۵-۲۳/۳	۲
سربراہِ مملکتِ اسلامی کی حیثیت سے	•	•	•	•	•	•	۳
مستقل متولی اور کلید بردارِ کعبہ	•	۸۳۳-۸	۱۳۷/۲	•	•	۳۷۲/۳	۱
مستقل سقایہ کے عہدہ دار	•	۸۳۸	〃	•	•	۱۰۹-۱۲/۳	۲
از سرِ نو تنصیبِ حرم کی گئی	•	۸۴۲	۱۳۷/۲	•	•	۲۱۴/۱	۱
مستقل افسر حدیبیہ، عمرۃ القضیہ، حج ابی بکر، حجۃ الوداع	•	۷۳۲، ۵۷۲، ۱۰۹۰، ۱۰۷۷	۱۲۱، ۱۶۸/۲، ۱۷۳	۳۵۳/۱	۶۲۴/۲	۴/۵	۱
•	•	•	•	•	•	۱۴۷/۲	۲
•	•	•	•	•	•	۹۲/۴	۳
ایک بار	•	•	•	•	بخاری - کتاب الحج		۴
•	•	•	•	•	جمہرہ ۱۷۶	اصابہ ۲۱۷۰	۵

تعلیقات و حواشی

باب اوّل

(۱) اسلامی سلطنت اور دنیاوی سلطنت کے فرق کے لیے ملاحظہ کیجیے: سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، جلد ہفتم، نقوش (لاہور) رسول نمبر، جلد دوم، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۳۳۰ تا ۳۹۹؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۸۰-۱۳۔

(۲) ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ فرڈیننڈ وستنفلڈ، بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۵۰ تا ۱، وغیرہ؛ ابن عبدربہ، العقد الفرید، مرتبہ احمد امین، احمد زین، ابراہیم ابیاری، قاہرہ ۱۹۵۲ء، جلد سوم، ص ۱۵-۳۱۴؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، آکسفورڈ ۱۹۵۳ء، ص ۱۶-۴۔

(۳) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۸-۱۷؛ گرونی بام، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۲۹-۱۳۔

(۴) مذکورہ بالا

(۵) سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، جلد ہفتم، ص ۱۷-۳۶۵ (عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکومت)

(۶) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، لندن ۱۹۵۶ء، ص ۲۳۹۔

(۷) ملاحظہ ہو: سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت کا باب اوّل۔

(۸) سید سلیمان ندوی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی، مذکورہ بالا۔

(۹) ابنِ اسحاق، سیرۃ رسول اللہ، انگریزی ترجمہ الفریڈ گلیوم، لندن ۱۹۵۵ء، ص ۲۳۴؛ ابنِ سعد، سوم، مختلف تراجم صحابہ؛ نیز ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۹۔ نیز ملاحظہ ہو: ابنِ سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، جلد سوم، ص ۳-۲۲؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۹۔ لیکن ابنِ سعد نے اپنی دوسری روایت میں حضرت سہل بن حنیف انصاری سے مواخاۃ کا ذکر کیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں کا تعلق بالترتیب مکی اور مدنی زمانے سے ہے۔

(۱۰) ابنِ اسحاق، مذکورہ بالا، ص ۷-۱۹۶۔

(۱۱) ابن اسحاق، مذکورہ بالا، ص ۱۹۷۔

(۱۲) ابنِ اسحاق، مذکورہ بالا، ص ۰-۱۹۷؛ ابنِ سعد، طبقات، اول ص ۲۱۹؛ طبری، تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری)، مرتبہ محمد ابوالفضل ابراہیم، دارالمعارف، قاہرہ ۱۹۶۱ء، دوم ص ۵۵-۳۵۴؛ بلاذری، انساب الاشراف مرتبہ محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء، اوّل ص ۲۳۹-

ان صالح خزرجیوں کے نام مع ان کے خاندانوں کے حسبِ ذیل ہیں:

۱- اسعد بن زرارہ ——— بنو نجار
۲- عوف بن حارث ——— بنو غنم
۳- رافع بن مالک ——— بنو زریق
۴- قطبہ بن عامر ——— بنو سلمہ
۵- عقبہ بن عامر ——— بنو سلمہ
۶- جابر بن عبداللہ ——— بنو سلمہ

مؤخر الذکر تینوں بزرگ بنو سلمہ کے مختلف گھرانوں سے متعلق تھے۔

(۱۳) ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۱۹۸؛ ابنِ سعد، سوم ص ۲۱-۴۲۰ کا بیان ہے کہ اوس/عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ کے قبولِ اسلام کا اتنا اثر ہوا کہ پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ مدینہ میں اسلام کے پُرجوش وزبردست داعی و مبلغ اس زمانہ میں حضرات اسعد بن زرارہ وغیرہ اور کچھ زمانے بعد حضرات سعد بن معاذ اور مصعب بن عمیر عبدری تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ پہلے چھ خزرجی مبلغین نے اس تندہی سے کام کیا تھا کہ اللہ و رسول کا نام ہر گھر میں پہنچ گیا تھا۔ طبری، دوم ص ۳۵۵ بھی یہی بیان کرتے ہیں۔

نیز ملاحظہ کیجیے: ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ، محمد اینڈ رائز آف اسلام، لندن ۱۹۰۵ء، ص ۲۰۲؛ ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ، دی پریچنگ آف اسلام، لندن ۱۹۳۵ء، ص ۲۴-۲۲؛ میکسیم روڈنساں، محمد، انگریزی ترجمہ این کارٹر، پینگوئن بکس ۱۹۷۶ء، ص ۳-۱۴۲؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دار المصنفین اعظم گڈھ ۱۹۷۶ء اوّل ص ۲۶۶-

(۱۴) ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۹۹-۱۹۸ کا بیان ہے جو کافی اہم ہے کہ "عقبہ کی یہ بیعت جنگ کا حکم ملنے سے پہلے ہوئی تھی"۔ شرائطِ بیعت یہ تھیں:

۱- وہ خدا کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔ ۲- چوری نہیں کریں گے۔
۳- زنا نہیں کریں گے۔ ۴- اولاد کشی نہیں کریں گے۔
۵- بہتان تراشی نہیں کریں گے۔ ۶- اور امر بالمعروف میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ ہجرت سے قبل اور اسلامی ریاست کے قیام سے پہلے مدینہ کے مسلمانوں سے

مکمل اطاعت وفرمانبرداری کا مطالبہ کیا گیا تھا جیسا کہ آخری شرطِ بیعت سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل نافرمانی اور حکم عدولی آپ کی رسالت کے انکار کے مترادف ہوتی۔

نیز ملاحظہ کیجئے: انساب الاشراف، اوّل ص ۲۳۹؛ طبری، دوم ص ۲۵۶؛ ابن سعد، سوم ص ۳-۶۰۲؛ رودنسان، محمد، ص ۴۴-۱۴۳؛ واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۴۶-۱۴۴۔

شرکاءِ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے اسماءِ گرامی کے لیے دیکھئے: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۹۹-۱۹۸۔

(۱۵) ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۸-۱۹۷۔

(۱۶) اس زمانہ میں یثرب میں اشاعتِ اسلام کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۹۹-۱۹۸۔

(۱۷) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۱۹۹؛ ابنِ سعد، سوم ص ۱۱۸؛ انساب الاشراف، اوّل ص ۲۳۹؛ طبری، دوم ص ۳۵۷ اور ص ۳۶۶۔

(۱۸) ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۰؛ طبری، دوم ص ۳۵۹؛ نیز دیکھئے، ابن سعد، سوم ص ۱۱۸، ص ۲۱-۲۲۰۔ اوس مناۃ کے قبول اسلام کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلہ کا نام اوس اللہ رکھ دیا تھا۔ ناموں کے سلسلے میں یا کسی بھی معاملہ میں شرک کا شائبہ تک قابلِ برداشت نہیں تھا۔ قدیم نام ایک بڑے بُت کی نسبت رکھتا تھا۔

(۱۹) عام طور سے خیال یہ ہے کہ اس بیعت میں صرف ۲۷ مسلمانانِ مدینہ شریک تھے، ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل ص ۲۶۴۔ لیکن اس میں شرکاء کی کل تعداد ۷۵ تھی۔ ملاحظہ ہو: بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۵۲-۲۴۰۔ بلاذری نے ان میں سے صرف ستر کے مختصر سوانحی خاکے بھی دئیے ہیں۔ ابنِ سعد، اوّل ص ۲-۲۲۱؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، اردو ترجمہ نذیر حق، نقوش رسول نمبر، جلد دوم ص ۵۶۷۔ یہ بات اہم ہے کہ مسلمان مدنیوں میں دو عورتیں بھی شریکِ بیعت تھیں اور ان میں سے ایک کے ہاں اسی زمانے میں ایک بچّے کی بھی ولادت ہوئی تھی۔ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے شرکاء گرامی کے ناموں کے لیے دیکھئے ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۱۲-۲۰۸، جن کے نزدیک اس میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں شامل تھیں۔ ابنِ اسحاق وغیرہ نے ان شرکاءِ بیعت کے قبائل اور خاندانوں اور ان کے تناسب کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۲۰) ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۴-۲۰۳ کا بیان ہے کہ انصارِ مدینہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان و مال کا تحفظ دیتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم عہد کرتے ہیں اور ہم اہلِ حرب لوگ ہیں۔ ہمارے پاس اسلحے ہیں جو ہم تک ہمارے آباؤ اجداد سے پہنچے ہیں۔ ہم اسی طرح آپ کا تحفظ کریں گے جس طرح ہم اپنے خاندان والوں کا تحفظ کرتے ہیں خواہ اس کے لیے ہمیں ساری دنیا سے (اسود و احمر سے) جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ہم ہر صورت میں آپ کا ساتھ دیں گے خواہ آپ کے مدِمقابل ہمارے رشتہ دار ہوں یا اجنبی لوگ۔" جواب میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یقین دلایا تھا کہ "میں ان سے لڑوں گا جن سے تم لڑو گے اور ان سے صلح کروں گا جن سے تم صلح کرو گے۔ میرا خون تمہارا خون ہے

میں تمہارا اور تم میرے ہو"۔ اس پر بحث کے آخر میں ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ "اب انھوں نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ساری دنیا سے جنگ کرنے اور ہر دُکھ سُکھ، عُسر و یُسر، تنگی و فراخی ہر حال میں آپ کا ساتھ دینے کا عہد کر لیا تھا۔"

ابنِ اسحاق اور دُوسرے مورخین اور مولفینِ سیرت کے بیان بیعت عقبہ ثانیہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیعت حرب محض دفاعی جنگ تک محدود نہیں تھی جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے (مثلاً شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۳۱۶؛ طبری، دوم ص ۶۴ - ۳۶۳؛ آرنلڈ ص ۲۴؛ محمد ایٹ مکّہ، ص ۹۴ - ۱۴۷؛ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۳ - ۴؛ فرانسسکو جبرئیل، محمد اور فتوحاتِ اسلام، انگریزی، لندن ۱۹۶۸ء، ص ۶۰) حقیقت یہ ہے کہ بیعت، حرب میں دفاعی اور جارحانہ جنگ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا تھا۔ حیرت بلکہ شدید حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے قدیم و جدید مورخین و سیرت نگاروں نے یہ نتیجہ کہاں سے اخذ کیا ہے کہ انصارِ مدینہ نے بیعتِ حرب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محض دفاعی جنگ میں ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جارحانہ یا اقدامی جنگ میں نہیں۔ ان مورخین کا خاص عنصر یا مورخین کا خیال ہے کہ اسی بنا پر انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی مہموں میں ساتھ نہیں دیا تھا کیونکہ وہ اقدامی مہمیں تھیں۔ اگرچہ یہاں ابتدائی مہموں سے بحث نہیں تاہم بیعتِ حرب پر مآخذ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیعت دونوں قسم کی جنگوں کے لیے تھی۔ اور جدید و قدیم مورخین کا یہ تاثر کہ وہ صرف دفاع کے پابند تھے صحیح نہیں ہے۔ شاعرِ رسول حضرت حسّان بن ثابت نے اپنے اشعار میں جو ابنِ اسحاق کی سیرت (ص ۶۲۵) میں محفوظ ہیں ان مہاتِ نبوی کو گنایا ہے جن میں انصار نے شرکت کا شرف حاصل کیا تھا۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصارِ مدینہ ان ابتدائی مہمات میں سے غزوات ودان اور ذوالعشیرہ میں شریک رہے تھے۔ واقدی کا بیان ہے (کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونس، آکسفورڈ، ۱۹۶۶ء، ص ۹) کہ اسلام کے پہلے سریے جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی کمان میں سیف البحر کے علاقے میں گیا تھا مسلمان شرکاء نصف مہاجر اور نصف انصار تھے اور وہ ان کے نام بھی گناتا ہے۔ اگرچہ دوسری روایت ہیں وہ اس کی تردید کر کے وہی کہتا ہے جو سب کہتے آ رہے ہیں کہ انصار نے ابتدائی مہمات میں شرکت نہیں کی تھی کیونکہ وہ دفاعی جنگ کے پابند تھے۔ واٹ کا خیال ہے (محمد ایٹ مدینہ، ص ۲) کہ انصار بعض ابتدائی سرایا و غزوات میں ضرور شامل رہے ہوں گے۔ بہرحال وہ ابتدائی مہموں میں شامل رہے ہوں یا نہ رہے ہوں یہ حقیقت ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ کا جو لشکر قریشی کارواں کی ناک میں نکلا تھا اس میں انصار مہاجرین سے کہیں زیادہ شامل تھے۔ کیا وہ ایک اقدامی معاملہ نہ تھا؟ دراصل دفاعی اور جارحانہ یا اقدامی جنگ کی تفریق اس دل کی پھانس سے کی جاتی ہے جس کا سبب یہ عقیدہ ہے کہ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ دفاع کبھی اقدام کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے۔

(۲۱) ابنِ اسحاق، سیرۃ ص ۲۰۴؛ ابن سعد، دوم ص ۲۰۲؛ انساب الاشراف، اول ص ۲ - ۲۵۲؛ طبری، دوم ص ۵۶ - ۳۵۵۔ نیز ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص ۸ - ۱۴۷، جنھوں نے اصلاح نقیب کا ترجمہ

نمائندہ (REPRESENTATIVE) کیا مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ سردار، سید یا شیخ ہوگا۔ ملاحظہ کیجئے: رچرڈ بیل، دی قرآن ایڈنبرا ۱۹۳۷ء، ص ۹۵، حاشیہ نمبر ۴ جن کا خیال ہے کہ اس لفظ کا معنی "لیڈر" ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: اے، جی، آربری، دی قرآن انٹرپریٹڈ (THE QUR'AN INTERPRETED)، لندن ۱۹۵۵ء، اول ص ۱۲۹۔ مکمل بحث کے لیے دیکھیے اس کتاب کا باب چہارم بحث بر نقیب۔

(۲۲) جزیرہ نمائے عرب کے جن مقامات سے آپ کو دعوتِ ہجرت ملی یا جن پر آپ کی نگاہِ انتخاب روایات کے مطابق گئی ان میں قبیلہ ازد شنوءہ کے خاندان دوس کے شیخ قبیلہ حضرت طفیل بن عمرو کے علاقہ یا جنوب میں بنو ہمدان کے علاقہ یا یمامہ اور ہجر کے کسی پُر بہار و سرسبز و شاداب شہر کا ذکر آتا ہے۔ روایات ہم کو باور کراتی ہیں کہ مدینہ کا انتخاب خداوندی تھا جو القاء یا رؤیا کے ذریعے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۹۴-۹۳؛ مسلم، جامع صحیح، باب الدلیل علی ان قاتلہ نفسہ لایکفر؛ بخاری، جامع صحیح، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، قاہرہ، طبع غیر مورخہ، اول ص ۳۵۹۔

ابن اسحاق، سیرہ ص ۱۹۵ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بنو حنیفہ کے ایک خاندان اور بنو عامر بن صعصعہ کے ایک شیخ قبیلہ بحیرہ بن فراس نے اسلام قبول کرنے اور آپ کو اپنے ہاں پناہ دینے کی پیشکش اس شرط پر کی تھی کہ اسلام کو عروج ملنے پر ان کو حکومت میں شریک یا خلافت کا مجاز قرار دیں جسے آپ نے مسترد فرما دیا۔ بہرحال وہ تمام روایات جو آپ کو پناہ دینے کا ذکر کرتی ہیں ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ قبائلِ عرب سے اپنے ذاتی تحفظ کا مطالبہ کرتے تھے یا قبائلِ عرب آپ کو اس کی ضمانت کی پیشکش کرتے تھے۔ بنیادی طور پر آپ کا مطالبہ اسلام کی نصرت و پناہ کا تھا جس کا مطلب تھا قبولِ اسلام کے بعد اس علاقہ میں اسلامی نظام قائم کرنا۔ قبائلِ عرب بھی اس کے مضمرات سمجھتے تھے کہ وہ محض ایک عقیدہ، طرزِ فکر یا چند مذہبی رسوم کا قبول کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے دوررس اور گہرے سیاسی اور سماجی مضمرات ہیں جو موجودہ نظامِ حیات کے قاتل ہوں گے اور ان کے سبب ایک عظیم سیاسی اور سماجی انقلاب آئے گا۔ گوناگوں اسباب سے مذکورہ بالا یا دوسرے قبائلِ عرب کے علاقوں کو وطنِ ہجرت نہ بنایا جا سکا۔

(۲۳) مدینہ کا وطنِ ہجرت بنانے کا خیال خالص ٹھوس تاریخی عوامل کے سبب پختہ ہوا اور عمل میں آیا تھا۔ خواب اور القاء کا جہاں تک تعلق ہے اس سے اس معنی میں انکار نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قدم اور ہر کام اذن و رضائے الٰہی سے ہوتا تھا مگر ہمارے قدیم مورخین و سیرت نگار یا محدثین و مفسرین کرام ان تاریخی عوامل کی مذہبی توجیہ تلاش کر لیتے ہیں اور یہ ان کے عہد کا تاریخی شعور تھا۔ مگر صرف تاریخی نقطۂ نظر سے یا تاریخی تناظر میں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۶۲۰ء اور سنہ ۶۲۲ء کے درمیان مدینہ میں اسلام کی ہمہ گیر اشاعت اور شہر کا تقریباً تمام کا تمام مسلمان ہو جانا (یہودی قبائل کے سوا)، عرب کی مغربی شاہراہِ تجارت پر اس کا محلِ وقوع جو اقتصادی اور فوجی لحاظ سے قریش کی عداوت اسلام کے پس منظر میں بے انتہا اہم تھا، وغیرہ ایسے اسباب تھے جنہوں نے درحقیقت مدینہ کو وطنِ ہجرت بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

(۲۴) مثلاً ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل ص ۲۶۰، ۲۶۴ اور ۲۸۴؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہؐ، ص ۵۶۸، ۵۷۱؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکّہ، ص ۱۵۰؛ محمد ایٹ مدینہ، ص ۵-۲؛ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۲۲۴۔ تقریباً تمام جدید مورخین اور سیرت نگاروں نے بلا استثناء ہجرتِ مدینہ کے باب میں دو نکات پر اتفاق کیا ہے: اوّل یہ کہ مسلمان خاص طور سے مکّہ کے مسلمان چوری چھپے اور چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں یا اِکا دُکا ہجرت کے سفر پر نکلے تھے؛ دوم یہ کہ معدودے چند کو چھوڑ کر تمام مہاجرین خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں مآخذ سے ثابت نہیں ہوتیں بلکہ اس سے قطعی مختلف صورتِ حال اُبھرتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے: خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرینِ مکّہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڈھ، اپریل ۱۹۸۳ء۔

(۲۵) تفصیلات اور مآخذ کے لیے ملاحظہ کیجئے مضمون مذکورہ درحاشیہ نمبر ۲۴۔

(۲۶) اسی طرح یہ خیال کہ ہجرت نبوی کے وقت مکّہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکابر صحابہ میں محض حضرات ابوبکر و علی رہ گئے تھے صحیح نہیں ہے۔ یہ یقیناً صحیح ہے کہ اکثر بزرگ صحابہ مدینہ جا چکے تھے مگر ان کی معتد بہ تعداد اب بھی مکّہ میں موجود تھی۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "سیرت نبوی میں ہجرت کی اہمیت"۔ یہاں یہ مختصراً کہہ دیا جائے کہ اس غلط فہمی کا سبب ابنِ اسحاق کا عمومی تبصرہ ہے کہ ان دو بزرگوں کے سوا اور کوئی مدینہ میں باقی نہیں رہا تھا۔ ملاحظہ کیجئے ص ۲۲۱۔ بعد کے قدیم و جدید مورخین نے بلا تنقید و جرح یہ بیان قبول کر لیا۔

(۲۷) ہجرت نبوی کی اب تک مسلمہ تاریخ زیادہ تر مورخین و سیرت نگاروں کے نزدیک یہی ہے۔ لیکن یہ اس تقویم کے مطابق ہے جس میں ولادتِ نبوی ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تسلیم کی گئی ہے۔ اس سے متعدد علماء نے اختلاف کیا ہے اور متعدد دوسری تاریخیں بھی ہجرت نبوی کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مذکورہ بالا، ص ۵۰، کے نزدیک وہ پیر ۱۲ ربیع الاول ۳۱ مئی ۶۲۲ء تھی۔ اسحاق النبی علوی، مذکورہ بالا، ص ۵۵-۵۲ کی جدول کے مطابق دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو ۲۲ نومبر ۶۲۲ء تھی۔ جبکہ مارگولیتھ مذکورہ بالا، ص ۲۱۲؛ ایچ جی ویلز، آؤٹ لائن آف ورلڈ ہسٹری، ص ۶۰۰؛ کارل بروکلمن، ہسٹری آف دی اسلامک پیپل، انگریزی ترجمہ، لندن ۱۹۷۹ء، ص ۲۰ اور تقریباً تمام دوسرے مورخین و مستشرقینِ مغرب کا خیال ہے کہ ۸ ربیع الاول ۱ھ کو ۲۰ ستمبر تھی۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل ص ۲۷۷ نے اس تاریخ سے اتفاق کیا ہے اور سند میں محمد بن موسیٰ خوارزمی اور الیعقوبی کو ذکر کیا ہے۔ جدید مورخین میں مونٹگمری واٹ کا خیال ہے یہ تاریخ ۴ ستمبر ۶۲۲ء تھی یا اس کے لگ بھگ، اور مدینہ خاص آپ ۲۴ ستمبر کو وارد ہوئے تھے۔

بہرحال اسحٰق النبی علوی کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ہجرتِ نبوی کی مختلف منزلوں اور مرحلوں کی تاریخیں حسب ذیل تھیں:

۱۔ غارِ ثور کو روانگی	جمعہ ۲ ربیع الاوّل / ۱۲ نومبر ۶۲۲ء	
۲۔ غار میں قیام سہ روزہ	جمعہ تا دوشنبہ ۲ تا ۵ ربیع الاول / ۱۲-۱۵ نومبر ۶۲۲ء	
۳۔ قبا میں آمد	دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل / ۲۲ نومبر ۶۲۲ء	

۴ - مدینہ میں نمازِ جمعہ	جمعہ ۱۶ ار ربیع الاول / ۲۶ نومبر ۶۲۲ء
۵ - مدینہ میں مستقل قیام	یکشنبہ یا دوشنبہ ۲۵ یا ۲۶ ر / ۵ ر دسمبر ۶۲۲ء

(۲۸) ابن اسحاق، ص ۲۲۸ -

(۲۹) مورخین کے مختلف نقطہ ہائے نظر کے لیے ملاحظہ کیجئے حاشیہ نمبر ۲۷ -

(۳۰) مضمون "کیا مہاجرین مکّہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"

(۳۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے باب پنجم - حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض مورخین جو مہاجرین کی ناداری کے قائل ہیں ہجرت کے بعد ان کی اقتصادی زندگی خاص کر ہجرت کے فوراً بعد ان کے پیشوں پر بھی روشنی ڈالتے ہیں - مثلاً ملاحظہ ہو مارگولیتھ مذکورہ بالا، ص ۶ - ۲۳۵؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۸۰ - ۲۸۶ -

(۳۲) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۱۸ نے انصار کے گھرانوں میں مختلف مہاجرین کے قیام کی تفصیلات دی ہیں - نیز ملاحظہ کیجئے ابنِ سعد، سوم اور چہارم میں صحابہ کرام کے سوانحی خاکے؛ طبری، دوم، ص ۳۸۷؛ بخاری، باب فضل المنیحہ - نیز دیکھئے: آرنلڈ، مذکورہ بالا، ص ۲۶؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱ -

(۳۳) مثلاً حضرت بلال حبشی کی وابستگی بنو خثعم سے، حضرت حسان بن ثابت انصاری کی حضرت عثمان بن عفّان اُموی سے حضرت عمر بن خطاب عدوی کی حضرت عتبان بن مالک انصاری سے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری کی سعد بن ربیع انصاری سے اور نہ جانے کتنے دوسرے صحابہ کرام کی اخوت کا یہ رشتہ تا عمر قائم و دائم رہا - ملاحظہ ہو: ابنِ سعد، سوم اور چہارم میں سوانحی خاکے - حضرت بلال نے عہدِ فاروقی میں اپنے عطا کو اپنے اسلامی بھائی ابو رویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی کے خاندان کے ساتھ شامل و مندرج دیوان کرایا تھا - ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۵ -

(۳۴) بخاری، کتاب التفسیر، الانفال آیت نمبر ۱، نیز کتاب المناقب، باب اخبار النبی -
ہمارے جدید مورخین نے بھی اس خیال کو تسلیم کر لیا ہے مثلاً شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ۵ - ۲۸۴؛
مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴۹؛ آرنلڈ مذکورہ بالا، ص ۳۳ -

(۳۵) ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۹ -

(۳۶) شبلی نعمانی، مذکورہ بالا، ص ۶ - ۲۸۵ -

(۳۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مذکورہ بالا، ص ۷۲ - ۵۷۱، کا خیال ہے کہ "سیکڑوں مکی مسلمان مدینہ میں پناہ لے چکے تھے - ان کی یہاں کوئی جائیداد وغیرہ نہ تھی - انھیں مقامی معیشت میں کھپانا وقت کی اشد ضرورت تھی .... انھوں نے تجویز کیا کہ مدینہ کے باوسیلہ اور متمول مسلمان ایک ایک مکی کو اپنا بھائی بنا لیں - دونوں بھائیوں کے خاندان مل کر کمائیں اور کھائیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے ترکہ میں بھی حصہ دار ہوں .... یہ انتظام کئی سال تک جاری رہا - مکی مسلمان طفیلی بن کر رہنے کے خواہشمند نہیں تھے - جب انھوں نے محنت سے کافی دولت پیدا کر لی تو انھوں نے اپنے مکّی (مدنی)

بھائیوں کی املاک ان کے سپرد کر دیں۔ ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کر دی"۔
گویا کہ مواخات اقتصادی مجبوریوں اور معاشی ضرورتوں کے تحت عمل میں لائی گئی تھی۔ اور وہ ایک عارضی انتظام تھا۔
شبلی نعمانی بھی اسے اقتصادی اور عارضی ہی سمجھتے ہیں اگرچہ اس کے دیرپا اثرات کی بنا پر "عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان" بھی سمجھتے ہیں۔

(۳۸) مآخذ اور جدید مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مواخاۃ کو مدینہ میں پہلی بار اس وقت رُو بہ عمل لایا گیا جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر تکمیل کے قریب تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۴؛ شبلی نعمانی، مونٹگمری واٹ وغیرہ کے مذکورہ بالا حوالے۔ ابن سعد، سوم، ص ۲۲ کا یہ بیان دلچسپ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے قبل پہلے مہاجرین کے درمیان پھر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کی تھی۔ اور آپ نے یہ مواخاۃ سچائی اور باہمی تعاون کی بنیادوں پر استوار کی تھی۔

(۳۹) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، اس کے قائل ہیں۔

(۴۰) ملاحظہ کیجئے، ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۴ پر مذکورہ اسمائے گرامی صحابہ۔ نیز ابنِ سعد، سوم اور چہارم میں سوانحی خاکے۔

(۴۱) واٹ، مذکورہ بالا، اس نظریے کے جدید عہد میں بانی ہیں۔

(۴۲) مسلم مفکرین و علماء کا خیال ہے کہ اذن جہاد و قتال دوسری بیعت عقبہ سے کچھ پہلے ملا تھا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۱۳-۲۱۲؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۳۰۸ - ۳۰۹ کی تحقیق کے مطابق اجازت جہاد ۱۲ صفر ۲ھ/ اگست ۶۲۳ء کو ملی تھی جیسا کہ زرقانی نے مواہب اللدنیہ میں تصریح کی ہے۔

(۴۳) ابن سعد، سوم، ص ۵۵۵۔

(۴۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، سیرہ، ۳۲۸ - ۳۲۷، بدری صحابہ کی فہرست اور ابنِ سعد، سوم۔

(۴۵) مہاجرین میں سے جو صحابہ کرام میدانِ بدر میں موجود نہ تھے ان میں حضرت عثمان بن عفان اموی اور حضرت ابوذر غفاری کافی ممتاز تھے۔ انصار میں حضرات سعد بن عبادہ خزرجی، خارجہ بن زہیر اور عتبان بن مالک نمایاں تھے۔ ان کے علاوہ متعدد مہاجر و انصاری بھائیوں میں کوئی ایک موجود نہ تھا۔ ابنِ سعد، سوم نے تین سو چودہ بدری صحابہ کرام میں سے صرف ایک سو چار بھائی جوڑوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ۵۸ جوڑے مہاجرین کے اور ۴۶ انصار کے ہیں اور متعدد ان میں سے ایک دوسرے میں مشترک ہیں۔

(۴۶) ملاحظہ کیجئے حضرات جعفر طیار بن ابی طالب، ابوہریرہ دوسی وغیرہ کی مواخات کے لیے ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۳۴؛ ابنِ سعد، چہارم کے سوانحی خاکے؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۷۱۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کی مواخاۃ حضرت الحتات بن یزید سے قائم کی گئی تھی۔ حضرت معاویہ حدیبیہ کے بعد کسی وقت مسلمان ہوئے تھے۔

(۴۷) ابن اثیر، اسد الغابہ (اسد)، تہران ۱۳۷۷ھ، دوم ص ۳۲۸؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ

(اصابہ)، مصر ۱۹۳۸ء، دوم ص ۹۰۱؛ ابو عمر یوسف بن عبداللہ قرطبی، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب (استیعاب) قاہرہ ۱۹۳۹ء، دوم ص ۴۹۵۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۷۹۔

(۸۴) متن دستور نبوی میں کتاب اور صحیفہ کے الفاظ آئے ہیں۔ محمد حمید اللہ اس کو میثاق اور انگریزی میں دستور (CONSTITUTION) کہتے ہیں۔ یہی انگریزی اصطلاح مونٹگمری واٹ، سرجنٹ، موسٹے گل اور ولہاوزن کے انگریزی مترجم نے بھی استعمال کی ہے۔ برکات احمد اسے دستور نہیں مانتے اور صحیفہ کہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ بعض مستشرقین جیسے ریوبن لیوی وغیرہ نے چارٹر (CHARTER) کی اصطلاح استعمال کی ہے تو مار گولیتھ وغیرہ نے کنٹریکٹ کی۔

(۹۴) متن دستور کو سب سے پہلے ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۲۱-۲۳۳ نے بیان کیا جو ابن ہشام، سیرہ، اول، ص ۵۰۱-۵۰۴ میں نقل ہوا اور وہی تاریخی اعتبار سے قدیم ترین متن ہے۔ اور اسی متن کو بعد کے تمام مورخوں نے نقل کیا ہے۔ ان میں اہم ترین ابو خیثمہ، ابو عبید اور ابن کثیر ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس متن کو مختلف متون سے ملا کر مع اپنے تبصرے کے لاہور کے ایڈیشن ۱۹۶۸ء میں "دنیا کے پہلے تحریری دستور" کے نام سے شائع کیا ہے۔ ریوبن لیوی اور مونٹگمری واٹ نے وینسنک وغیرہ دوسرے مستشرقین کے علاوہ اپنی کتابوں میں اس کا مکمل ترجمہ مع پیراگراف کے دیا ہے۔ محمد حمید اللہ کے مترجم نے اپنی کتاب محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۷۶-۷۵ میں اس کا ترجمہ بھی دیا ہے لیکن اس میں اصل ترتیب نہیں قایم رکھی گئی ہے۔

اگرچہ دوسرے ابتدائی مآخذ میں صحیفہ نبوی کا متن نہیں پایا جاتا تاہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے مختلف طبقات سے خاص کر یہود سے ایک معاہدہ یا عہد کا حوالہ برابر ملتا ہے۔ واقدی، مغازی، ص ۱۷۶، کا بیان ہے کہ "جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو تمام یہود آپ کے ساتھ ایک معاہدہ (عہد) میں داخل ہوئے آپ نے اپنے اور ان کے درمیان ایک تحریر (کتاب) لکھی۔ اور آپ نے ہر قوم کو ان کے حلیفوں کے ساتھ شامل رکھا۔ آپ نے اپنے اور ان کے درمیان صلح (امان) قائم کیا۔ اور ان کے کچھ فرائض مقرر کیے۔ یہودیوں کے منجملہ فرائض میں سے ایک یہ تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔"

ابن سعد، دوم، ص ۲۹ کا محض یہ کہنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایک صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ جبکہ طبری، دوم ص ۴۷۹، کا بیان ہے کہ آپ نے یہود مدینہ کے ساتھ دوستی کا ایک معاہدہ کیا تھا۔ جب آپ وہاں پہنچے تھے (وکان قد وادع حین قدم المدینۃ یہودھا)۔ شرائط معاہدہ یہ تھیں کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی بھی مدد نہیں کریں گے اور اگر مدینہ پر کوئی دشمن حملہ کرے تو وہ آپ کی مدد کے پابند ہوں گے۔ نیز بلاذری، فتوح البلدان، مصر ۱۹۳۲ء، ص ۳۰۔

مآخذ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل امت اور قیام ریاست کا آغاز کیا تو آپ نے دو طرح کے معاہدے مختلف طبقات مدینہ سے کئے تھے۔ پہلے تو وہ انفرادی

معاہدے تھے جو آپ نے یہودِ مدینہ کے مختلف قبیلوں اور ان کے اہم خاندانوں سے الگ الگ کیے تھے۔ اس ضمن میں یہ خیال غلط ہے کہ صرف دستورِ مدینہ ہی واحد معاہدہ تھا جو آپ نے یہود مدینہ سے اجتماعی طور سے کیا تھا۔ چنانچہ بدر کی مہم کے بعد جب بنو قینقاع نے معاہدہ شکنی کی تو دُوسرے تمام قبیلوں خاص کر بنو نضیر اور بنو قریظہ نے اپنے اپنے معاہدوں کی تجدید کر لی تھی۔ پھر بنو نضیر کی معاہدہ شکنی اور نتیجتاً جلا وطنی کے ضمن میں ذکر آتا ہے کہ بنو قریظہ نے اپنے معاہدے کی تجدید کی تھی۔ اور بنو قریظہ کے معاملہ کے طے ہونے کے بعد دوسرے تمام یہودی قبیلوں اور خاندانوں نے اپنے اپنے معاہدوں کی تجدید کی تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۴ - ۳۶۳، ص ۳۷۴ اور ص ۴۶۸؛ ابوداؤد، سنن، کتاب الخراج والامارہ، باب خبر النضیر؛ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب المغازی، باب غزوہ خندق؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مصر غیر مورخہ، چہارم، ص ۱۱۳؛ نیز مسلم، جامع صحیح، باب ذکر اجلاء الیہود من الحجاز۔

اس ضمن میں یہ نکتہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ بنو نضیر جب مدینہ سے جلا وطن کیے گئے تھے تو انھوں نے اور ان کے سرداروں خاص کر حیی بن اخطب نے معاہدہ کیا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرح معاھدہ کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔ ملاحظہ ہو بلاذری، فتوح البلدان ص ۳۵۔

لیکن اس سے الگ ایک اجتماعی معاہدہ تھا جو قریشی مہاجرین اور انصار مدینہ کے درمیان کیا گیا تھا جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے دونوں طبقات اور ان کے حلیفوں اور موالی کو جو مسلمان تھے شامل کیا تھا۔ بعد میں اسی معاہدے میں یہودیوں یا کہنا چاہیے کہ انصار کے یہودی حلیفوں اور موالی کو بھی شامل کر لیا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یہودی حلفاء انصار مدینہ کے یہودی قبیلے نہیں تھے بلکہ وہ عرب یہود تھے جو ان کے اپنے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔

(۵۰) بحوالہ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۶ - ۲۲۵ -

(۵۱) ایضاً (۵۲) ایضاً (۵۳) برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۵۰-۴۷

(۵۴) محمد رسول اللہ، ص ۶ ، ۷ - ۱ ، ۵

(۵۵) "دستورِ مدینہ" دی اسلامک کوارٹرلی، ہشتم، جنوری - جون ۱۹۶۴ء، ص ۱۶ - ۳ -

(۵۶) ریوبن لیوی، سوشل اسٹرکچر آف اسلام، ص ۷ ، ۲۷۳ -

(۵۷) موشے گل "دستورِ مدینہ - ایک تجزیہ" اسرائیل اورینٹل اسٹڈیز، تل ابیب، جلد چہارم، ص ۱۹۷۴ -

(۵۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۱ ، حاشیہ ۱ -

(۵۹) واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص ۲۲۱، حاشیہ ۲ کا خیال ہے کہ من دون الناس کے فقرہ کا اگرچہ ظاہری اور لغوی مطلب یہود سے ہے لیکن وہ ایسا اغلباً معلوم نہیں ہوتا۔ یعنی مستشرق موصوف یہود کو خارج امت نہیں سمجھتے اور اس فقرہ سے مراد کچھ اور لوگ لیتے ہیں ان کا خیال قطعی غلط ہے۔

(۶۰) ولہاوزن کا خیال ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ اونٹ پر باری باری بیٹھنا ہے جبکہ کیتانی کا خیال ہے کہ تمام فوجی

امور میں مسلمان باری باری فریضہ ادا کریں گے۔ ملاحظہ ہو: واٹ، محمد ایٹ مدینہ ص ۲۲۲، حاشیہ ۲۔ بظاہر موخرالذکر کا خیال زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ولہاوزن کا خیال مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔

(۱۱) بطانہ کے معنی واٹ کے نزدیک (ص ۲۲۴، حاشیہ ۳) مجہول ہیں۔ غالباً اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہود مدینہ کے ساتھ حلف کے معاہدے و دوستی کی وجہ سے متحد تھے، خون کا رشتہ ان میں نہ تھا۔ جبکہ ونسنک کا خیال یہ ہے کہ غالباً یہ وہ عرب تھے جو اوس و خزرج کے آنے سے قبل یہود کے ساتھ شامل تھے۔ یہ دونوں نقطۂ نظر یا خیالات صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ بطانہ کے معنی لغت کے اعتبار سے اہل خانہ یا گھروالوں کے ہوتے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں کہ معاہد یہودیوں کے ساتھ ان کے اہل خانہ بھی انھیں جیسے شمار ہوں گے اور سمجھے جائیں گے۔ اس کی کچھ تشریح دفعہ ۲۴ سے ہوتی ہے جس میں موالی کو ان کے سرپرست خاندانوں کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

(۲۰۱) واٹ، ص ۲۲۴، حاشیہ ۴ کا خیال ہے کہ اس دفعہ کا نصف حصہ مجہول المعنیٰ ہے اور آخری حصہ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "خدا اس سے دور ہے"۔ یہ ترجمہ وہی کرسکتا ہے جس کو عربی زبان سے ذرا بھی مس نہ ہو۔

(۳۰) واٹ کا خیال ہے (ص ۲۲۵ حاشیہ ۱) کہ اس دفعہ کا بھی مفہوم واضح نہیں ہے۔ وہ اس کے متضاد معنی دیتے ہیں۔

(۶۴) محمد فؤاد عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، قاہرہ ۱۹۴۵ء، ص ۸۰۔

(۶۵) محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۶-۲۲۵: نیز ملاحظہ ہو ان کا مضمون "IDEAL FACTORS IN THE ORIGIN OF ISLAM" اسلامک کوارٹرلی، جلد دوم، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۹۱ وغیرہ۔

(۶۶) اے، جے، ونسنک (A. J. WENSNICK)، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، لیڈن ۱۹۳۶ء، اول، ص ۹۲ ب یا ۹۸ الف۔

(۶۷) غالباً ولہاوزن، عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال، انگریزی ترجمہ، لندن ۱۹۲۷ء، ص ۱۲-۱۱، اس نظریہ کا بانی اول تھا ہوسکتا ہے کہ اس نے یہ خیال اپنے پیش رو جرمن علمائے تاریخ سے مستعار لیا ہو۔ بہرحال اس کا خیال ہے جو عجیب و غریب تضادات اور نرالی منطق پر مبنی ہے کہ "رشتۂ اتحاد مذہب ہے۔ اور مومنین اس کے حامی و ناصر ہیں۔ چنانچہ ان کو خاص حقوق اور فرائض حاصل ہیں پھر بھی ایسا نہیں ہے کہ صرف مومنین ہی امہ میں شامل ہیں، بلکہ وہ تمام لوگ جو ان سے اتحاد کرلیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ یعنی تمام باشندگانِ مدینہ۔ امہ ایک وسیع علاقے یا خطے پر حاوی تھی۔ مدینہ کے تمام اطراف و حدود ناقابل تنسیخ معاہدہ کا علاقہ تھا۔ انصار میں اس وقت بھی غیر مسلم عرب تھے اور وہ بھی امہ سے خارج نہیں کیے گئے تھے بلکہ واضح طریقہ سے ان کو شامل کیا گیا تھا۔ یہود بھی اس میں شامل تھے۔ اگرچہ امہ میں ان کو وہ قریبی تعلق اور مقام حاصل نہ تھا جو انصار اور مہاجرین کو حاصل تھا اسی لیے ان کے حقوق و فرائض بھی ویسے ہی اور برابر و یکساں نہ تھے"۔ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۶-۲۲۵ اور ص ۴۲-۲۴۱ بھی ولہاوزن کے اتباع میں مدینہ کے تمام ذیلیقوں اور طبقوں ——— مسلمانوں، یہودیوں اور غیر مسلم عربوں ——— کو امت میں شامل کرتے ہیں۔

اسی طرح شامل کرتے ہیں ایف، ای، پیٹر، اللہ کی کامن ویلتھ (ALLAH'S COMMON WEALTH)، ص ۹۳؛ برکات احمد، مذکورہ بالا، ص ۴۸ - ۴۹؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، ص ۱۷، ۵؛ مضمون امہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، اول طبع۔

حیرت ہوتی ہے کہ اگر امتہ مذہب ——— اسلام ——— پر مبنی تھی، جس کا اعتراف تمام جدید مورخین کو ہے تو یہ کیسی امت تھی جس میں یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہ برابر کے شامل تھے۔ منطقی لحاظ سے تو صرف اس میں مسلمانوں کے طبقات ——— مہاجرین و انصار ——— ہی سے امتہ اللہ یا امت اسلامی عبارت ہو سکتی تھی یا یہ امت سرے سے مذہبی بنیادوں پر ہی قائم نہ تھی یا نہ ہونی چاہیے۔ امت کے نظریہ کے لیے ملاحظہ ہو ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام کا نظامِ حیات، دہلی ۱۹۶۷ء، ص ۱۷ وغیرہ۔

(۶۸) مومنین اور مسلمین دونوں قرآنی اصطلاحات ہیں اور ان کے بہترین معانی قرآن ہی نے بیان کیے ہیں۔ ویسے ایمان کے معنی ہیں عقیدہ اور یقین۔ جبکہ اسلام کا مفہوم ہے خدا کی مرضی کے آگے جھک جانا یا حلقۂ اسلام میں داخل ہو جانا۔ اسلامی دینیات میں ان کے درمیان ایک نازک سا فرق ہے جس کو قرآن نے کیا خوب بیان کیا ہے:

"کہتے ہیں گنوار ہم ایمان لائے، تو کہہ تم ایمان نہیں لائے، پر تم کہو مسلمان ہوئے۔ اور ابھی نہیں بیٹھا ایمان تمہارے دلوں میں۔۔۔۔

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ اور اس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور بیچے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے - وہ جو ہیں، وہی ہیں سچے۔"

سورۂ حجرات، آیت ۱۵ - ۱۴؛ اردو ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی؛ دو ترجمہ حمائل شریف، مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۳ھ، ص ۵۸۵؛ نیز ملاحظہ ہو: رچرڈ بیل، مذکورہ بالا، ص ۵۲۶؛ آربری، دوم، ص ۲۳۲؛ بخاری اور مسلم، جامع صحیح، کتاب الایمان۔

(۶۹) واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۱ نے دستورِ مدینہ کی اس دفعہ کا ترجمہ غلط کیا ہے اور صحیح ترجمہ بعد میں دیا لیکن اس کی تعبیر و تشریح الٹی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "اس دفعہ کا مطلب ممکن طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود بنی عوف مسلمانوں کے متوازی ایک امت تھے لیکن غالباً اس کا مطلب ہے وہ ایک ہی امت میں شامل تھے۔" ابن ہشام، دوم، ص ۴ - ۱۰۵ کے متن میں بنو عوف کے یہود کے لیے فقرہ ہے امۃ مع المومنین نہ کہ امۃ من المومنین۔ جس کا واضح مفہوم ہے کہ یہود بنی عوف مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ایک اور امت ہیں جو بہر حال مسلمانوں سے الگ اور ممتاز تھی۔ عربی زبان میں مِن (سے) اور مع (ساتھ) کا فرق بدیہی ہے جو تمام علمائے لغت جانتے ہیں۔ مستشرق موصوف بھی اس سے نابلد نہیں اسی وجہ سے وہ اس کا صحیح مفہوم بھی دیتے ہیں لیکن اس کی تشریح الٹی کرتے ہیں ورنہ ان کا نظریۂ امت باطل ٹھہرے گا۔ یہاں یہ نکتہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس دفعہ میں "مسلمانوں کے لیے

ان کا دین اور بنو عوف کے یہودیوں کے لیے ان کا دین" مزید کہہ کر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ امت ہیں۔ اسی ضمن میں قرآن مجید کی سورہ کافرون کی آخری آیت لکم دینکم ولِیَ دین " تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے" بھی سامنے رکھنی چاہیے۔ کیا دستورِ مدینہ کی متعلقہ دفعہ آیت قرآنی کی صدائے بازگشت نہیں ہے؟ محض مستشرقین ہی نے نہیں بلکہ اس سلسلے میں ان کے خوشہ چین مشرقی مسلم مورخین جیسے برکات احمد اور حمید اللہ نے امت کا مفہوم بے انتہا غلط اور غیر تاریخی بنا دیا ہے۔

(۷۰) ولہاوزن، مذکورہ بالا، ص ۱۱ کا خیال ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستورِ مدینہ میں " اللہ کا رسول" کہیں نہیں کہا گیا ہے۔ جبکہ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۸، کا بیان ہے کہ محمد رسول اللہ کا فقرہ صرف دیباچہ دستور میں آیا ہے، متن میں کسی جگہ نہیں ہے۔ لیکن دونوں کا خیال خام ہے۔ ابنِ ہشام کے ذکر کردہ متن میں یہ فقرہ علیحدہ تین جگہوں پر بیان ہوا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ خود واٹ کے انگریزی ترجمہ میں یہی فقرہ ان تینوں مقامات پر بھی موجود ہے۔ ملاحظہ کیجئے: محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۵، ۲۴، ۲۲۱ پر دفعات دستور ۴۲ اور ۴۷ کے علاوہ دیباچۂ دستور۔

(۷۱) زرِ فدیہ کی رقم اصولی طور سے فریقین کی مفاہمت یا فریق غالب کے فیصلہ پر متعین ہوتی تھی۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زرِ فدیہ کی گراں ترین اور غالباً مقبول و مسلّم ترین شرح چار ہزار درہم تھی جو اکثر اسیرانِ بدر سے مسلمانوں نے مانگی تھی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی کی مسلم معیشت میں اموالِ غنیمت کا تناسب" تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۸۲ء، ص ۱۵۔

(۷۲) دیت کی عام شرح عہدِ نبوی میں یا قریش کے یہاں سَو اونٹ تھے۔ یہی مسلم اصول تھا۔ ملاحظہ ہو: حجۃ الوداع میں خطبۂ نبوی، محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، ص ۹۰۔

(۷۳) چونکہ عربوں کے قبائلی نظام میں یا اس وقت تک کے اسلامی معاشرے میں قوانین کو نافذ کرنے والی کوئی طاقت یا ادارہ جیسے پولیس وغیرہ نہیں تھا جو مجرم کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچا سکتا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سماجی تحفظ کا نظام اجتماعی ذمہ داری پر مبنی تھا۔ کیونکہ صرف ایک بڑا انسانی گروہ خاندان یا قبیلہ ہی قوانین کو نافذ کر سکتا تھا یا مجرم کو جرم کے ارتکاب سے روک سکتا تھا اور ارتکابِ جرم کی صورت میں اس کو سزا دے سکتا تھا یا جرمانہ وصول کر سکتا تھا افراد اپنی انفرادی حیثیت میں اس کی ضمانت نہیں دے سکتے تھے۔

(۷۴) چونکہ قریشی یا غیر قریشی مہاجرین اپنے خاندانوں اور گھرانوں سے کٹ گئے تھے اور وہ عملاً مختلف قبیلوں، خاندانوں کے افراد تھے اس لیے ان کو ایک نیا سماجی شعور یا جماعتی تصور دینے کے لیے اور اس سے زیادہ عملی اعتبار سے آسانی فراہم کرنے کے لیے ان کو ایک سماجی وحدت قرار دیا گیا تھا اور سماجی تحفظ کے نظام میں ان کی ایک قبیلہ کے مانند اجتماعی ذمہ داری سمجھی گئی تھی۔

(۷۵) دیت اور زرِ فدیہ کی ادائیگی کو اجتماعی ذمہ داری کے اصول کی بنا پر پورے قبیلہ یا خاندان کی ذمہ داری قرار دیا گیا تھا



غلافِ کعبہ کا قدیم ٹکڑا فریم میں لگا ہوا جہاں غلافِ کعبہ تیار ہوتا ہے

کیونکہ فرد/ افراد سے ان کی وصولیابی کی ضمانت نہ تھی۔ علمی اعتبار سے یہ قومی/ قبائلی/ گروہی اخراجات تھے۔

(۷۶) اس سماجی برتری کا اعتراف مستشرقین کو بھی ہے، ملاحظہ ہو ولہاوزن، ص ۱۲؛ واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۲۸-۲۲۷۔

(۷۷) مدینہ کے یہودی قبائل کے اسلام سے انکار اور عداوت کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۴۷-۲۳۹؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۰۴-۳۹۷؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲۰-۱۹۱۔

(۷۸) مثلاً فتح مکہ سے قبل ایک عظیم مخلص و مومن صحابی رسول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے محض قریش کی محبت و حمایت میں ان کو مسلم منصوبوں سے آگاہ کرلنے کی کوشش کی تھی۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، سیرہ، ص ۵۴۵۔

(۷۹) یہودِ مدینہ اور قریش کے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، سیرہ، ص ۳۶۱ جب غزوہ سویق کے دوران مکی قریشی افواج کے سالار ابوسفیان بن حرب کی ضیافت بنو نضیر کے سردار قبیلہ سلام بن مشکم نے کی تھی۔ یہی نہیں بلکہ کیوں کو اس نے مدینہ کے بارے میں فوجی اہمیت کی تمام معلومات اور فوجی راز بہم پہنچائے تھے۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے، شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۲۵-۳۹۵۔

(۸۰) بدر سے ذرا پہلے جب حضرت سعد بن معاذ اوسی عمرہ کے لیے مکہ گئے تھے تو روایات کے مطابق اپنے پرانے دوست امیہ ابن خلف جمحی کے گھر مقیم ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو، بخاری، جامع صحیح، کتاب المغازی، غزوہ بدر۔

(۸۱) ولہاوزن نے اس بحث کا آغاز کیا اور بنیاد فراہم کی جس پر بعد کے تمام مغربی مورخین نے اپنی تحقیق کی پوری عمارت تعمیر کی ہے۔ ان میں مونٹگمری واٹ سب سے اہم ہیں جنہوں نے کافی طویل بحث اس موضوع پر کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ولہاوزن، مذکورہ بالا، ص ۱۶-۱۴؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۸-۲۲۸۔

(۸۲) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۹-۲۲۸۔ (۸۳) ایضاً، ص ۳۰-۲۲۹۔

(۸۴) ملاحظہ ہو: سیرت النبی، اوّل، ص ۳۹۴۔

(۸۵) واقعۂ افک میں ملوث ہونے پر عبداللہ بن ابی کے مومن صادق فرزند حضرت عبداللہ نے اپنے باپ کو خود قتل کرنے کی اجازت نبوی مانگی تھی جو رحمۃ للعالمین نے نہیں دی۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار اعلیٰ کا سب سے بڑا ثبوت ہے مورخ موصوف کو نظر نہیں آیا۔ ملاحظہ کیجئے واقعہ کے لیے: اسد الغابہ، سوم، ص ۱۹۷۔

(۸۶) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۶۱۰-۶۰۹۔

(۸۷) ایضاً، ص ۳۲-۲۳۱۔ مورخ موصوف نے اس ضمن میں مال غنیمت خصوصاً بدر کے موقعہ پر غنیمت کے تقسیم کے معاملہ کو بھی اٹھایا ہے۔ دراصل ان کی پوری بحث بڑی بے جان، غیر علمی اور غیر تاریخی ہے۔ وہ ایک کمزور مقدمہ کی ناکام دفاعی کوشش کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۸۸) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۲۸۳؛ ابنِ ہشام، اول، ص ۵۹؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶؛ طبری، دوم، ص ۴۳۲-۴۳۳۔

زیادہ تر جدید مورخین نے واقدی کی ترتیب و تواریخ سرایا و غزوات کو قبول کیا ہے۔ چنانچہ وہی اس کتاب میں بھی تسلیم کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو؛ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲ اور ۸۶ - ۸۵ اور ضمیمہ ب؛ محمود شیت خطاب، الرسول القائد، بغداد ۱۹۵۵ء، ص ۵۲ - ۵۱؛ جے، ایم، بی، جونس "THE CHRONOLOGY OF THE MAGHAZI - A TEXTUAL SURVEY" بلیٹن آف دی اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز (BSOAS)، جلد ۱۹، ۱۹۵۷ء؛ نیز "ابن اسحاق اینڈ واقدی"، BSOAS، جلد ۲۲، ۱۹۵۹ء؛ ڈبلو، ایم، واٹ، "دی میٹیریل یوزڈ بائی ابن اسحاق" (HISTORIANS OF MIDDLE EAST مرتبہ برنارڈ لیوس اینڈ پی، ایم، ہولٹ، لندن ۱۹۶۲ء، ص ۲۴ - ۲۳؛ مارسدن جونس کا مقدمہ بر واقدی، کتاب المغازی، ص ۳۵ - ۲۵۔

اس موضوع پر مکمل اور جامع بحث کے لیے دیکھیے میرا مضمون "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں ——— محرکات، مسائل اور مقاصد" بُرہان دہلی، دسمبر ۱۹۸۲ء تا ستمبر ۱۹۸۳ء۔

(۸۹) محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۱۱۱ - ۱۱۰۔

(۹۰) ملاحظہ ہو میرا مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، اپریل ۱۹۸۳ء۔

(۹۱) مضمون "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں ——— محرکات، مسائل اور مقاصد"

(۹۲) مثلاً مارگولیتھ، سر ولیم میور، مونٹگمری واٹ وغیرہ۔ مضمون مذکورہ بالا، حوالوں کے لیے۔

(۹۳) مثلاً شبلی نعمانی، محمد حمید اللہ وغیرہ۔ حوالوں کے لیے مضمون مذکورہ بالا۔

(۹۴) کتاب المغازی، ص ۲؛ مضمون عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں۔

(۹۵) "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں ——— محرکات، مسائل اور مقاصد" (۹۶) ایضاً

(۹۷) ایضاً۔ واٹ نے اس خیال کو زیادہ قوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

(۹۸) ایضاً (۹۹) ایضاً (۱۰۰) ایضاً

(۱۰۱ — ۱۱۶) حوالوں اور مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۱۷) ایضاً۔ پہلی مہم میں مسلمانوں کی تعداد محض تیس ۳۰ تھی جبکہ دشمن کی تعداد تین سو تھی۔ دوسری مہم میں مسلمان ۶۰ - ۸۰ کے درمیان تھے اور قریشی کاروان دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ خرار میں مسلم آٹھ دشمن نامعلوم تعداد میں۔ سریہ نخلہ آٹھ یا بارہ افراد پر مشتمل تھا۔ غزواتِ نبوی میں پہلے دوسرے اور تیسرے موقعہ پر مسلمانوں کی عددی طاقت بالترتیب ۶۰، ۲۰۰ اور ۱۵۰ یا ۲۰۰ تھی، باقی کے بارے میں تعداد نہیں معلوم۔ قریشی کاروانوں کی عددی طاقت بھی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلم مہموں کا ہدف تھے نہیں مذکور رہے۔

(۱۱۸) ان تعلقات کے لیے دیکھیے : جواد علی، تاریخ العرب قبل الاسلام ، بیروت ۱۹۶۸ء ، سہ جلد، کتاب المنمق، ص ۹-۸۸-

(۱۱۹) مکی عہد میں حضرت ابوذر غفاری کے مسلمان ہونے پر قریش مکہ نے ان کو زدوکوب کرنا شروع کیا مگر جونہی حضرت عباس بن عبدالمطلب نے ان کو احساس دلایا کہ ان کا تجارتی راستہ غفار کے قبیلہ کے علاقے سے ہو کر گزرتا ہے انھوں نے ہاتھ کھینچ لیے تھے۔ ایضاً ؛ نیز ابنِ سعد، چہارم، ص ۲۲۵-

(۱۲۰) اس موقع پر قریشی مخالفین کی تعداد ستر یا اس سے کم تھی۔ واٹ، مونٹگمری، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰ کا خیال ہے کہ وہ غالباً کچھ کم ہی تھی۔ تفصیلی بحث کے لیے مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۲۱) بدر سے کچھ قبل جب حضرت سعد بن معاذ اوسی عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ گئے اور اپنے دوست امیہ بن خلف جمحی کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو ابوجہل مخزومی نے ان کو عمرہ و حج سے محروم کر دینے کی دھمکی دی تھی اگر انھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت سے ہاتھ نہ کھینچا۔ جواب میں حضرت سعد نے ابوجہل کو مکی تجارت کے شامی راستے کو بند کر دینے کی دھمکی دی تھی اور دشمنِ اسلام خاموش ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ بلاریب و اشتباہ ثابت کرتا ہے کہ بدر تک نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی اقتصادی ناکہ بندی کی تھی اور نہ مکی قریشیوں کو اپنی تجارت کے لیے کوئی خطرہ محسوس ہوا تھا اور نہ ہی ابتدائی مہمیں قریشی کاروانوں سے چھیڑ چھاڑ، لوٹ مار یا اقتصادی ناکہ بندی کے لیے بھیجی گئی تھیں۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۲۲) مضمون مذکورہ بالا۔ (۱۲۳) ایضاً (۱۲۴) ایضاً

(۱۲۵) ان معاہدوں کے متون کے لیے دیکھیے : محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، قاہرہ ۱۹۴۱ء، ص ۱ - ۱۵ ؛ اردو خلاصہ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۸ - ۶، ۵ ؛ نیز اردو ترجمہ نثار احمد فاروقی، الرسالات النبویۃ، نقوش لاہور رسولؐ نمبر ۱۹۸۲ء، جلد دوم، ص ۲۴۱ - ۲۳۹، ص ۲۴۴ وغیرہ۔

(۱۲۶) ملاحظہ کیجیے نقشہ جزیرہ نمائے عرب۔

(۱۲۷) غزوۂ بدر کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، سیرہ ص ۲۳۹ - ۲۸۹ اور آگے : واقدی، ص ۱۷۱ - ۱۹ ؛ ابنِ سعد، دوم ص ۲۷ - ۱۱ ؛ انساب الاشراف، اول ص ۳۰۸ - ۲۸۸ -

(۱۲۸) ابن اسحاق، سیرہ، ص ۱۱ - ۳۰۹ ؛ واقدی، ص ۳ - ۲۰۱ ؛ ابنِ سعد، دوم ص ۳۸ - ۳۷ ؛ نیز ملاحظہ کیجیے محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی)، حیدر آباد دکن ۱۹۷۳ء، ص ۲۱ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۶-۱۳- واقدی اور ابنِ سعد کے متعدد حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشِ مکہ کو اپنے جانی نقصان سے اپنے سیاسی وقار اور فوجی برتری کے صدمے کا زیادہ غم تھا۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، ص ۶۰ - ۳۴۰، جن کا بیان ہے کہ قریشی وان کے ہمدرد شعرائے عرب کو بدر کی شکست کا یہ زیادہ اندوہ تھا کہ "قریش کو اب وہ سماجی عزت و مرتبہ اور رعب داب نہیں حاصل رہے گا جو ان کو پہلے کبھی تھا ؛ کیونکہ ان کے عظیم ترین قائدین کی اکثریت بدر میں کھیت رہی تھی"۔

(۱۲۹) حوالہ سابق۔

(۱۳۰) ملاحظہ ہو: کتاب المنمق ص ۹-۸۸؛ نیز ابن اسحاق ص ۴۹۰؛ واقدی ص ۲۹-۲۳۸۔

(۱۳۱) بدر کے معاً بعد خزاعہ کے لوگوں نے مدینہ کا قریش مکہ کے مقابلہ میں ساتھ دینا شروع کیا تھا۔ ملاحظہ ہو معبد خزاعی اور دوسرے خزاعی حلیفوں کا رویہ غزوات سویق، اُحد، بدر الموعد، خندق وغیرہ کے مواقع پر۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ کے منصوبوں کی اطلاع زیادہ تر انھیں خزاعیوں کے ذریعہ پہنچتی تھی؛ ابن اسحاق ص ۴۹۰؛ واقدی ص ۲۹-۲۳۸ وغیرہ؛ طبری، دوم، ص ۵۵۳ وغیرہ؛ نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۳۸۶ وغیرہ۔

(۱۳۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم، بحث بر اسلام خزاعہ، اسلم و غفار۔

(۱۳۳) محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی) ص ۲۱۔

(۱۳۴) مآخذ کا بیان ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے اور زیادہ قریش کے بارے میں محتاط ہو گئے تھے اور ان کی کارروائیوں اور منصوبوں پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے۔ مکہ میں آپ کے خفیہ جاسوسوں اور ہمدردوں کا ایک خاصا بڑا طبقہ تھا جو آپ کو ان کے ارادوں کے بارے میں برابر خبریں بھیجتا رہتا تھا۔ ہمارے مسلم قدیم اور جدید مورخین عام طور سے حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی کو سب سے زیادہ شرف دیتے ہیں۔ جبکہ مستشرقین عموماً خزاعی ہمدردوں اور حلیفوں اور بنو غفار و اسلم وغیرہ کے دوسرے قبائل کے دوستوں کو نمایاں مقام دیتے ہیں۔ اگرچہ حضرت عباس کی ہمدردئ رسولِ کریم سے انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے قدیم مآخذ اور جدید مسلم مورخین دونوں ضرورت سے زیادہ ان کے کردار پر زور دیتے ہیں۔ اور یہ غالباً عہد عباسی کی اس تاریخ نویسی کا اثر تھا جس میں عباسی بزرگوں کو اسلام کے صدر اول میں نمایاں مقام دینا لازمی سمجھا گیا تھا۔ بہر حال مآخذ سے تنقیدی مطالعہ کے بعد سہی یہ واضح ہوتا ہے کہ بنو خزاعہ کے حلیفوں نے اس سلسلہ میں اسلامی ریاست کی زیادہ خدمت کی تھی۔ اس خیال کو مزید تقویت اس حقیقت سے ملتی ہے کہ خزاعہ کے کردار کو واقدی نے جو عام طور سے شیعی رجحانات کا حامل سمجھا جاتا ہے نمایاں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب المغازی ص ۹-۲۳۸ وغیرہ۔

مسلم نقطۂ نظر کے لیے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول ص ۳۷۱ وغیرہ؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۲۲۔ مستشرقین کے نقطۂ نظر کے لیے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۷۱ وغیرہ۔

(۱۳۵) مآخذ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں جنگ کے تین مرحلے تھے۔ پہلا جب مسلمانوں کو برتری حاصل تھی اور مکی پسپا ہو رہے تھے۔ دوسرا جب تیراندازوں کی غلطی سے پسپا ہونے والے مکیوں نے حضرت خالد بن ولید مخزومی اور حضرت عمرو بن عاص سہمی کی قیادت میں مسلم لشکر پر عقب اور بازوؤں سے حملہ کر کے مسلمانوں کی صفوں میں ابتری پیدا کر دی جس کے نتیجے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور اس سے بڑھ کر آپ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی اور تیسرا اس وقت جب آپ نے زخمی ہونے کے باوجود دل شکستہ مسلمانوں کو نہ صرف جوش و

ولولہ سے بھر دیا بلکہ منتشر ہونے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے والے مسلمانوں کو بھی از سرِ نو اقدام پر آمادہ کر دیا جس کے نتیجے میں مکی لشکر پسپا ہو گیا۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، ص ۳۹۰-۴۰۰؛ واقدی ص ۲۹۹-۳۳۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴۷-۴۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۸-۳۲۰؛ طبری، دوم، ص ۵۱۶-۵۱۰؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲-۲۷؛ محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۲۸-۲۶؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۳۷۵-۳۸۱۔

واٹ کا خیال دلچسپ ہے کہ مسلمانوں نے خود غزوۂ احد کو زیادہ تاریک رنگوں میں اور غمناک بنا کر پیش کیا ہے جبکہ مآخذ سے بالکل برعکس تاثر اُبھرتا ہے۔ مستشرق موصوف نے مآخذ پر اس ضمن میں مبالغہ آرائی کے الزام کی تردید بھی کی ہے۔ اگرچہ واٹ نے اس کا جو سبب بتایا ہے وہ انتہائی غیر علمی اور غیر تاریخی ہے۔

(۱۳۶) واقدی، ص ۲۹۹

(۱۳۷) ابنِ اسحاق، ص ۳۸۹-۳۹۰ کا بیان ہے کہ "حمراء الاسد کے غزوہ میں صرف ان مسلمانوں کو شرکت کی اجازت دی گئی تھی جنھوں نے اُحد کے میدان میں زخم کھائے تھے اور دادِ شجاعت دی تھی۔ آپ نے پسپا ہوتے ہوئے دشمن کا تعاقب اس لیے کیا تھا کہ دشمن کو معلوم ہو جائے کہ آپ ابھی تک طاقتور ہیں اور آپ کے نقصانات نے آپ کو کسی طرح کمزور نہیں کیا تھا اور یہ کہ آپ نے یہ تعاقب علانیہ اور اظہار کر کے کیا تھا تاکہ دشمن کو اس تعاقب کا علم بھی ہو جائے اور وہ مرعوب ہو جائے۔" ظاہر ہے کہ حمراء الاسد تک دشمن کا پیچھا کرنے سے عرب قبائل پر خاص کر اردگرد کے قبائل پر یہ تاثر قائم ہوا ہوگا کہ مسلم ریاست اب بھی اتنی ہی طاقتور ہے یا کم از کم اس نے صرف ایک معرکہ ہارا ہے جنگ نہیں۔ عرب قبائل کے تاثرات و ردِ عمل کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، ص ۳۹۰-۳۹۱؛ واقدی، ص ۳۳۶-۳۴۰؛ طبری، دوم، ص ۵۴۰-۵۵۰؛ الرسول القائد، ص ۱۱۰ وغیرہ۔

شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۰۰ کا خیال ہے کہ "..... بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے تھے لیکن احد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اُٹھ کھڑے ہوئے سیرت نبوی میں سراپا..... کا جو اچانک سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس زنجیر کی کڑیاں ہیں ....." چنانچہ سریہ قطن، سریہ انیس واقعہ بئرِ معونہ اور واقعۂ رجیع کو انھوں نے اسی سلسلے میں شمار کیا ہے۔ جبکہ محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۲۹ نے اُحد میں قریش کی ناکامی اور مدینہ پر قبضہ کرنے میں کوتاہی کو نہ صرف مسلمانوں کی فوجی و سیاسی طاقت کی بحالی قرار دیا ہے بلکہ اگلے مہینوں میں طاقت کے استحکام اور مختلف سمتوں میں توسیعِ حلقۂ اثر و نفوذِ اسلام قرار دیا ہے۔ موخر الذکر کا تجزیہ مآخذ کے بیان کردہ واقعات و حقائق سے زیادہ قریب ہے۔

(۱۳۸) ابنِ اسحاق، ص ۳۹۰؛ واقدی، ص ۳۳۸-۳۳۹۔

(۱۳۹) ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۳۶۱، ۳۶۴، ۴۴۶، ۴۴۷۔

(۱۴۰) قریشی اتحاد کی فوجی طاقت کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق ص ۴۵۰؛ واقدی ص ۲۰۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۷؛ طبری، دوم ص ۵۰۵؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۰-۴۱۹؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۶؛ محمد حمید اللہ: عہد نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۲۱-۲۹۔ موخرالذکر کا خیال ہے کہ غزوۂ احزاب دراصل خیبر کے یہودی سازشیوں کا آخری اور جامع منصوبہ تھا۔ یہی بات شبلی نے بھی کہی ہے اور ماخذ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مونٹگمری واٹ کو بھی احزاب کو مدینہ کے خلاف آمادہ کرنے میں یہودِ خیبر کا کلیدی کردار نظر آتا ہے۔

(۱۴۱) قرآن کریم، سورۂ احزاب، آیت ۲۔

(۱۴۲) ابنِ اسحاق، ص ۶۰-۴۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۷-۶۵؛ نیز ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۹-۳۵؛ مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۳۲۹؛ خطاب، الرسول القائد، ص ۶۲-۱۵۷۔

(۱۴۳) بخاری، الجامع الصحیح، باب غزوۃ الخندق، روایت حضرت سلیمان بن صرد۔ مکمل روایت یُوں ہے: "عن سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب نغزوھم ولا یغزوننا"

(۱۴۴) بدر کے اسیروں میں حضرت خالد بن ولید مخزومی کے بھائی حضرت ولید بن ولید اسی زمانہ اسیری میں اسلام سے متاثر ہوئے اور کچھ بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۴۱-۱۴۰۔ دُوسروں کے لیے ملاحظہ کیجئے، واقدی، ص ۱۳۸ تا ۱۴۴۔

(۱۴۵) ان یہودی حلیفوں میں یہ لوگ شامل تھے:

(۱) اسماء بنت مروان، اوس/بنو خطمہ کی حلیف، جس کا قتل رمضان ۲ھ/۶۲۴ء میں ہوا۔

(۲) ابو عفک، خزرج/بنو نجار کا حلیف جس کا قتل ایک ماہ بعد ہوا۔

(۳) کعب بن اشرف اوس کا حلیف جو ربیع الاول ۳ھ/اگست، ستمبر ۶۲۴ء میں مقتول ہوا۔

یہ تینوں یہودی حلیف اسلامی ریاست کے خلاف نفرت پھیلانے، قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے اور مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرنے کے مجرم تھے۔ جیسا کہ ماخذ سے اور خاص کر ان کی شاعری سے معلوم ہوتا ہے جو ابن اسحاق کی سیرۃ میں محفوظ ہے۔ سیرت نگار کا بیان ہے کہ اسمأ بنت مروان کا تعلق بنو امیہ بن زید سے تھا اور وُہ خود بنو خطمہ کے ایک شخص یزید بن زید سے بیاہی تھی۔ اس نے اپنے اشعار میں بنو مالک، بنو نابت اور بنو عوف و خزرج کی ہجو کرتے ہوئے کہا تھا کہ تم ایک ایسے اجنبی کی اتباع کرتے ہو جو تم میں سے نہیں ہے۔ نہ وہ مراد کا نہ مذحج کا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تم کو وہ تمہارے سرداروں کو قتل کرنے کے بعد چھوڑ دے گا۔ کاش کوئی ایسا عزت والا تم میں ہوتا جو اس کا کام تمام کرتا اور اس کے ساتھیوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سب سُنا تو فرمایا کہ کون اس سے میرا پیچھا چھڑائے گا۔ بنو خطمہ ہی کے ایک شخص حضرت عمیر بن عدی نے اسی رات اس کا کام تمام کر دیا۔ اور پھر بڑی جرأت کے

ساتھ صبح اس کے پانچ جوان بیٹوں کے سامنے اس کے قتل کا اعتراف کر لیا۔ قبیلہ والوں میں سے کوئی کچھ نہ کر سکا کیونکہ بقول ابن اسحاق انھوں نے اسلام کی طاقت دیکھ لی تھی۔ بنو خطمہ کے چھپے ہوئے مسلمانوں نے نہ صرف اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کر دیا بلکہ غیر مسلم بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ دراصل حلف کے معاہدے کو توڑنے کی سزا تھی۔

ابو عفک کا معاملہ بھی اسی طرح کا تھا۔ اس کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ اس نے بھی اپنی شاعری کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انصار کے دو طبقوں میں منافرت پھیلانی چاہی تھی۔ چنانچہ بنی عوف ہی کے سالم بن عمیر نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

کعب بن اشرف کا معاملہ کافی مشہور ہے۔ وہ بنو نضیر کا ایک شخص اور اسلامی ریاست کا معاہد تھا مگر غزوۂ بدر قریش کی شکست اور مسلمانوں کی فتح پر اس قدر برافروختہ ہوا کہ مکہ گیا اور وہاں اپنی شاعری سے جنگ کی آگ بھڑکا آیا۔

ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۳۶۴ اور ص ۶۷۵ - ۶۷۴؛ ابن ہشام، اول، ص ۶۰۹ اور ص ۶ - ۶۳۵؛ واقدی، ص ۵ - ۱۷۲ اور ۹۳ - ۱۸۴؛ ابن سعد، دوم ص ۲۸ - ۲۷ اور ۷ ، ۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴ - ۳۷۳؛ طبری، دوم، ص ۹۱ - ۴۸۹؛ بخاری اور مسلم، کتاب المغازی، قتل کعب بن الاشرف۔ آخری تین ماخذ اسماء اور ابوعفک کے قتل کے بارے میں کچھ نہیں کہتے ہیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۸، جن کا خیال ہے کہ یہ تینوں قتل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پالیسی کے نظریاتی پہلو کی اہمیت کے احساس وادراک کے سبب ہوئے تھے۔ دیکھئے رودنساں، محمد، ص ۱۵۷، ۱۷۰ - ۱۶۳۔

(۱۴۶) مثلاً مارگولیتھ، ص ۲۷۷۔

(۱۴۷) ابن اسحاق، ص ۳۱۲ کا بیان ہے کہ جب سہیل کو جنگِ بدر میں گرفتار کر لیا گیا تو حضرت عمر بن خطاب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ سہیل کے اگلے دو دانت اکھڑوا لیے جائیں تاکہ اس کی زبان باہر نکل آئے اور وہ اس فصاحت و بلاغت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا نہ کر سکے جیسے کہ وہ کر سکتا تھا۔" مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اس کو مثلہ نہیں کروں گا، شاید کسی دن وہ اسلام کے لیے ایسا کام کرے جس پر تم اسے الزام نہ دے سکو۔" مزید ملاحظہ کیجئے: زبیری (عبداللہ بن مصعب) کتاب نسب قریش، مرتبہ لیفی بروفنسال، قاہرہ ۱۹۵۳، ص ۴۱۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۲؛ طبری، دوم، ص ۴۶۵۔

(۱۴۸) گو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے مگر بیس سال تک اسلام دشمنی میں آپ کی ہجو کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، چہارم، ص ۵۱ - ۴۹۔

(۱۴۹) فتح مکہ تک اسلام اور رسول کے سخت دشمن رہے اور کیا کچھ نہ کیا۔ مگر رحمتِ عالم نے معاف کر دیا۔ ابن اسحاق، ص ۵۵۱؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۵ - ۴۔

(۱۵۰) فتح مکہ تک قریشی افواج کے قائد کی حیثیت سے مدینہ کی اسلامی ریاست کو مٹانے کے درپے رہے۔ لیکن نہ صرف

ان کو معاف کر دیا بلکہ ان کے گھر کو دار الامان قرار دے دیا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۸ - ۷۴۵۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آپ کے عمِ مکرم کا جگر چاک کر کے چبا ڈالا تھا۔ صفوان بن امیہ جمحی نے ساری زندگی اسلام کی مخالفت میں صرف کی تھی اور بدر کے بعد آپ کو قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔ عبداللہ بن زبعری نے اپنی آتش نوائی سے اسلام کے خلاف کتنی سازش کی اور آپ کی ہجویں کی تھیں۔ اور نہ جانے کتنے ایسے ہی دشمنانِ اسلام تھے۔ لیکن آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد آپ کو زہر دینے والی یہودی عورت تھی آپ نے اس کے خون سے بھی درگزر کیا۔ ان متعدد روایات اور مثالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، ص ۵۶ - ۵۴۹؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۱۶۔ اور شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۲۷ - ۵۲۱۔

(۱۵۱) ابنِ اسحاق، ص ۳۶۳، کا بیان ہے کہ "بنو قینقاع پہلے یہودی تھے جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ شکنی کی تھی اور جنگ لڑی تھی۔" مزید دیکھیے: ابوداؤد، سنن، باب کیف کان اخراج الیہود؛ واقدی، ص ۸ - ۱۷۶؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۰ - ۲۸؛ طبری، دوم، ص ۸۳ - ۴۷۹؛ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۹ - ۳۰۸؛ نیز ملاحظہ ہو، شبلی، سیرت النبی، اول، ص ۵ - ۴۰۳؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰ - ۲۰۹؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۴۷۔

(۱۵۲) ابنِ اسحاق، ص ۲۹ - ۴۳۷؛ واقدی، ص ۶۶ - ۳۶۳؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۹ - ۵۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۹؛ فتوح البلدان، ص ۳۲ - ۳۱؛ طبری، دوم، ص ۵۵ - ۵۵۰۔ ان تمام مورخین کا بیان ہے کہ انھوں نے معاہدہ شکنی کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی۔ زرقانی نے شرح المواہب اللدنیہ، دوم، ص ۹۳ میں مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت و استناد پر ثابت کیا ہے کہ بنو نضیر نے قریش سے ایک دفاعی اور جارحانہ معاہدہ اسلامی ریاست کے خلاف کیا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے نہ صرف ایسے معاہدے کر رکھے تھے بلکہ دشمن کو مدینہ کے فوجی رازوں سے بھی باخبر کیا تھا۔ ابوداؤد، سنن، مذکورہ بالا باب' میں مزید بیان کرتے ہیں کہ بنو قینقاع کے معاملے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے باقی یہودی قبائل سے اپنے معاہدوں کی از سرِ نو تجدید کے لیے کہا تھا۔ چنانچہ بنو قریظہ اور دوسروں نے اسے قبول کر لیا تھا مگر بنو نضیر نے تجدیدِ عہد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب المغازی، غزوہ بنی نضیر؛ اور مسلم، اجلاء الیہود من الحجاز؛

مزید دیکھیے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۱۲ - ۴۰۹؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲ - ۲۱۱؛ محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۴۷؛ برکات احمد، محمد اور یہود، ص ۶۶ - ۶۲۔

(۱۵۳) ابن اسحاق، ص ۷۰ - ۴۶۹، واضح طور سے غزوۂ احزاب کے دوران قریشی اتحاد کے ساتھ ایک جنگی معاہدہ کرنے اور مسلمانوں کی ریاست کو مدینہ سے بیخ و بُن سے اکھاڑنے کا ذکر کرتے ہیں، اگرچہ وہ معاہدہ کبھی روبہ عمل نہ آسکا

تاہم بنو قریظہ غداری کے مرتکب ہو چکے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص ۳۵، احزاب میں اس یہودی قبیلہ کے جنگی جرائم کے لیے؛ بخاری اور مسلم، مذکورہ بالا؛ ابوداؤد، مذکورہ بالا؛ واقدی، ص ۴۹۶-۵۲۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۴-۷۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۲-۳۵۰؛ طبری، دوم ص ۵۸۱-۵۹۳؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۳۲-۴۳۹؛ مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا، ص ۲۱۳-۲۱۶؛ محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۴۹-۵۰۔

(۱۵۴) کتاب المحبر، ص ۱۰۷-۱۰۸۔

(۱۵۵) وفاء الوفاء، ص ۱۱۴-۱۱۶؛ نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۵۹۔

(۱۵۶) محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۲۰۹ کا بیان ہے کہ "چنانچہ نبی نے پورے بنی قینقاع کو تو نہیں بلکہ قصوروار خاندانوں کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور وہ مدینہ سے نکل شام چلے گئے"۔ موصوف نے اپنے نظریہ کو دلائل سے نہیں ثابت کیا ہے۔

(۱۵۷) برکات احمد، محمد اور یہود، ص ۵۸-۸۰ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ بنو قینقاع کے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دینے پر ان کو مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

(۱۵۸) برکات احمد کے دلائل یہ ہیں:

(۱) بنو قینقاع کے غیر مشروط ہتھیار ڈال دینے کے بعد ان کی طاقت ٹوٹ گئی تھی اور ان کے حامی منافقین کو سبق سکھایا جا چکا تھا۔ ان کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی منافقت کا نہ صرف پردہ چاک کر دیا گیا تھا بلکہ اس کی بھی سیاسی و قبائلی قوت توڑ دی گئی تھی۔ اس لیے مزید کارروائی کی ضرورت نہیں رہی۔

(۲) پہلے سیرت نگار ابن اسحاق نے اپنی سیرہ میں ان کے مدینہ سے اخراج کا قطعی ذکر نہیں کیا ہے۔ واقدی اور ابن سعد نے ان کی جلا وطنی کا ذکر کیا ہے۔

(۳) بخاری اور مسلم نے بنو قینقاع کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصادم کا الگ سے ذکر نہیں کیا ہے اگرچہ وہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے ساتھ جنگ کا ذکر کرتے ہیں۔ دونوں محدثین نے مدینے کے یہود کی جلا وطنی کے ضمن میں ہی بنو قینقاع کے اخراج کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لیکن ان کی روایات میں کسی تاریخ کا ذکر نہیں اور بنو قینقاع کا ذکر بنو نضیر اور بنو قریظہ کے بعد آیا ہے۔ اس لیے اس اخراج کا تعلق حضرت عمرؓ کی خلافت سے ہے۔ حیاتِ نبوی میں مدینہ سے یہودیوں کے عام اخراج کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

(۴) عظیم فقہاء و علماء مثلاً قاضی ابو یوسف (۱۱۳ھ/۷۳۱ء - ۱۸۲ھ/۷۹۸ء) اور یحییٰ بن آدم (۱۴۰ھ/۷۵۷ء - ۲۰۳ھ/۸۱۸ء) نے جو اموالِ غنیمت اور اراضی مفتوحہ پر بحث کرتے ہیں بنو قینقاع کی جلاوطنی اور ان کی زمینوں کی تقسیم کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہتے بلکہ موخر الذکر نے تو بنو نضیر کو پہلا جلا وطن کیا جانے والا یہودی قبیلہ بتایا ہے۔

(۵) امام شافعی (۱۵۰ھ/۷۶۷ء - ۲۰۴ھ/۸۲۰ء) نے بیان کیا ہے کہ خیبر کی مہم کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے کرائے کے سپاہی بھرتی کیے تھے۔

(۶) ابن العماد (۱۰۳۲ھ/۱۶۲۳ء - ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۹ء) صاحب شذرات الذہب نے بھی بنو قینقاع کی جلاوطنی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۷) قرآن کریم بنو نضیر کی جلاوطنی کو پہلی جلاوطنی بتاتا ہے۔ وُہ ان کی اور بنو قریظہ کی سزاؤں کا تو ذکر کرتا ہے لیکن بنو قینقاع کے بارے میں قطعی کچھ نہیں کہتا۔

(۸) ابن اسحاق نے تو بنو قینقاع کے بازار اور جائدادوں کی تقسیم کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن واقدی وغیرہ بھی جو ان کی جلاوطنی کے قائل ہیں مسلمانوں کے درمیان ان کی اراضی کی تقسیم کا ذکر نہیں کرتے۔

(۹) اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گو بنو قینقاع کے اسلحے اور ہتھیار چھین لیے گئے تھے مگر ان کو مدینہ میں ان کی جائدادوں سمیت بحال رکھا گیا تھا۔

برکات احمد کی نظر سے ایک اہم قدیم تاریخی دستاویز اوجھل رہ گئی ہے۔ ان کے دلائل کی مزید تائید بلاذری کی فتوح البلدان سے بھی ہوتی ہے جو بنیادی طور سے مسلمانوں کی فتوحات ممالک و اراضی سے بحث کرتی ہے۔ یہ اہم بات ہے کہ بلاذری ہجرت نبوی کے ذکر کے بعد ایک اہم نکتہ پیش کرتا ہے کہ بنو قینقاع کے یہودی پہلے لوگ تھے جنھوں نے معاہدہ شکنی اور مخالفت کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے نکال دیا اور پہلی زمین بنو نضیر کی اراضی تھی جس کو آپ نے فتح کیا۔ وُہ بنو قینقاع کی زمینوں کی فتح اور ان کی مسلمانوں میں تقسیم کا ذکر نہیں کرتا۔ عہدِ نبوی میں اراضی فتوحات کا آغاز اول بنی نضیر سے کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱ - ۳۰۔

(۱۵۹) برکات احمد، ص ۹۴ - ۱۷، کے اہم دلائل یہ ہیں:

(۱) ابنِ اسحاق کی روایات کی اسناد میں الجھن، تضاد اور اختلاف ہے۔ وہ بعد کے زمانے کے اثرات سے متاثر تھے اور یہودیوں کی روایات و قوانین سے نابلد تھے یا ان کا صحیح علم نہیں رکھتے تھے۔

(۲) ابنِ اسحاق، ابنِ ہشام، واقدی اور ابنِ سعد کے یہاں بنو قریظہ کے بیان میں زبردست اختلافات اور تضادات ہیں۔ مثلاً محاصرہ کے دنوں کی تعداد، بنو قریظہ کے ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں حکم نبوی یا حکم سعد بن معاذ، سعد بن معاذ کا ثالث مقرر ہونا، اوس کی ان سے سفارش اور ان کا جواب، بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ صادر کرنا، اور یہود بنی قریظہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو اعلان سے پہلے قبول کرنا، مردوں کا قتل اور عورتوں بچوں کو قیدی بنانا، فیصلہ سعد کے بعد اظہار مسرت نبوی، ۶۰۰ - ۹۰۰ افراد کے قتل کے لیے قبریں کھودنا۔ ان تمام نکات پر مصادر میں زبردست اندرونی تضادات ہیں۔

(۳) ابنِ اسحاق کا پُورا بیان دوسرے بیانات سے طریق نقل و بیان میں میل نہیں کھاتا۔

(۴) حضرت سعد بن معاذ اوسی کا ثالث مقرر کیا جانا عقل و درایت کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ اگرچہ ان کی بطور ثالث تقرری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام پالیسی کے عین مطابق تھی تاہم راویوں نے یا تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے اس میں کہانی اور افسانے کے عناصر شامل کر دئیے ہیں۔

(۵) اصل فیصلہ یعنی بنو قریظہ کے قتل کے بارے میں روایات کی اسناد کمزور ہے۔ کن کو قتل کیا جائے؟

اس مسئلہ پر بھی روایات مختلف ہیں: کچھ تمام بالغ مردوں کو قتل کرنا بتاتی ہیں اور کچھ مقاتل (جنگ کرنے والوں) کو۔ تمام مردوں کا قتل قرآن مجید، حدیث اور اسلامی قانون کے خلاف ہے اس لیے وہ ازخود مردود قرار پاتا ہے۔ اب معاملہ صرف ان لوگوں کا رہ جاتا ہے جو جنگ کرنے کے مجرم تھے۔

(۶) ان جنگجو یہودی مردوں کی تعداد جن کو قتل کیا گیا ابن اسحاق کے مطابق ۶۰۰ سے ۹۰۰ تک تھی۔ بنو قریظہ کی کل آبادی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اگر ان مبینہ مقتولین کی تعداد پر ان کے خاندانوں کو قیاس کر لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ بنو قریظہ کے کل ۲۰۰۰ سے ۴۵۰۰ اشخاص نے ہتھیار ڈالے ہوں گے۔ اتنے لوگوں کو رسّی سے باندھ کر ایک ایک انصاری عورت کے گھر میں قید کر کے رکھنا اس زمانے کے مدینہ شہر کے لیے ناممکن تھا۔

(۷) ابن اسحاق کی روایت کے پہلے حصہ میں یہود بنی قریظہ کو بزدل بتایا گیا ہے اور آخر میں وہ ہیرو نظر آتے ہیں۔

(۸) قتل یہود کے ذمہ دار صرف دو صحابی حضرات علی اور زبیر تھے۔

(۹) یہود بنی قریظہ کافی فاصلے پر رہتے تھے ان کو مدینہ کس طرح لایا گیا۔

(۱۰) نو سو لاشوں کو ایک ہی رات میں کس طرح خندقیں کھود کر دفن کر دیا گیا۔

(۱۱) مسلمانوں میں اس قتلِ عظیم پر کوئی ردِ عمل نہیں ہوا۔

ان تمام تضادات کی بنا پر بنو قریظہ کی قتل کی کہانی درایت کے معیار پر صحیح نہیں اُترتی۔ کیونکہ

(ا) ۶۰۰ یا ۹۰۰ آدمیوں کے قتل کے بعد ان کو کہاں دفن کیا گیا اور اس سے بیماری پھیل سکتی تھی مگر ان کا کہیں ذکر ماخذ میں نہیں ملتا۔

(ب) قتل کرنے والوں پر اس کے مضر اثرات کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ اس لیے نفسیاتی اعتبار سے یہ قتل غیر واقعی معلوم ہوتا ہے۔

(ج) ۶۰۰ یا ۹۰۰ مفروضہ مقتولین کی تعداد مبالغہ آمیز ہے۔ بخاری اور مسلم نے نہ تو ان کی تعداد بیان کی ہے اور نہ ہی قتل کے فیصلے کے نافذ کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔

(د) قیدی عورتوں اور بچّوں کو بازاروں میں غلام بنا کر بیچے جانے اور ان کے بدلے میں ہتھیاروں اور گھوڑوں کے خریدے جانے کی روایت عمل نبوی کے خلاف ہے۔ یہودی اپنے قیدیوں کو ہمیشہ خرید لیتے تھے اور اس واقعہ میں بھی ہے کہ انھوں نے بعض قیدیوں کو خریدا تھا۔ لہٰذا ان قیدیوں کو نجد کے بازاروں میں بیچنے سے کہیں بہتر اور منافع بخش حجاز کے بازاروں میں یا مدینہ خاص میں بیچنا تھا۔

(ہ) مسلم فقہا امام شافعی، قاضی ابو یوسف، یحییٰ بن آدم وغیرہ نے اراضی و اموالِ غنیمت کی مسلمانوں میں تقسیم کے مسئلہ پر بنو قریظہ کے معاملہ سے کوئی استشہاد نہیں کیا ہے۔

(س) ہتھیار ڈالنے کے بعد بنو قریظہ کے یہودیوں کے سرداروں کے ایک فریق کو گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت سعد نے ان کے بارے میں قتل کا غلط فیصلہ کیا اور وہ وہیں یعنی بنو قریظہ کے علاقے میں قتل کر دیے گئے۔ ان کو

مدینہ نہیں لایا گیا تھا۔

ـــ حیی بن اخطب، کعب بن اسد، نباش بن قیس اور غزال بن سموال جیسے لیڈروں کو حضرات علی اور زبیر نے قتل کیا۔

ـــ کچھ دوسرے درجے کے قریظی سرداروں کو اوس کے حوالے کر دیا گیا۔ ان میں سے ہر دو مجرموں کو بنو اوس کے مختلف خاندانوں بنو عبد الاشہل، حارثہ، ظفر، معاویہ، عمرو بن عوف اور امیہ بن زید کے حوالے قتل کرنے کے لیے کیا گیا تاکہ بنو قریظہ کے قتل میں تمام اوسی خاندان شریک ہو جائیں۔

(ص) بنو قریظہ کا قبیلہ ۷۰۰ یا ۹۰۰ مردوں پر مشتمل تھا اور صرف ان کے مجرم سرداروں کو قتل کیا گیا تھا اور ان کی تعداد سولہ یا سترہ سے زیادہ نہیں تھی۔

(ط) احزاب میں حصہ لینے کا جرم یا فیصلہ سرداروں نے کیا تھا۔ پوری قریظی آبادی اس کی ذمہ دار نہیں تھی اور ان کا قتل قرآن کریم کے فیصلہ کے صریح خلاف ہوتا۔

(ع) قرآن مجید خود ایک فریق کے قتل اور ایک فریق کے گرفتار ہونے کا ذکر کرتا ہے۔

(ف) حضرت سعد بن معاذ کی تحکیم کا افسانہ گھڑا ہوا ہے اور اس کو اموی حامی عناصر نے واقعہ صفین کے بعد گھڑا تھا۔

ـــ اصل نتیجہ یہ کہ بنو قریظہ کے صرف سولہ یا سترہ اہم ترین جنگی جرائم کے مرتکب سرداروں کو قتل کیا گیا تھا۔

(۱۶۰) ڈبلیو، این، عرفات، "NEW LIGHT ON THE STORY OF BANU QURAYZA AND THE JEWS OF MEDINA."، جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، لندن، ۱۹۷۶ء، ۲، ص ۱۰۱-۱۰۰۔ کا نظریہ یہ ہے کہ بنو قریظہ کی قتل کی کہانی مسدا کے قتل عام کی کہانی سے بالکل مشابہ ہے۔ مسدا کا المیہ یروشلم کے بادشاہ سکندر کے زمانے میں جو ہیرو د اعظم کا پیشرو تھا پیش آیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ دونوں واقعات میں مماثل چیزیں اتنی ہیں کہ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ بعد کی یہودی نسلوں نے المیۂ مسدا کی تفصیلات بنو قریظہ کے المیہ کی طرف منسوب کر دیں۔ عرفات کے باقی دلائل برکات احمد کی مانند ہیں۔ لیکن موخر الذکر نے اپنے دلائل زیادہ تفصیل، گہرائی اور گیرائی اور تحقیق کے ساتھ پیش کیے ہیں۔

(۱۶۱) ابن اسحاق، ص ۴۶۰-۴۶۲۔

(۱۶۲) اس کا تعلق خزرج کے سالم بن غنم بن عوف کے خاندان بنو الحبلیٰ سے تھا۔ ہمارے مآخذ عام طور سے اس کو رئیس المنافقین کہتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ہجرت نبوی سے کچھ قبل مدینہ کے اوس و خزرج کے دونوں جنگ سے تنگ آئے ہوئے قبیلے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینے کے لیے تیار ہو گئے تھے اور بعض روایات کے مطابق سونے کا تاج بنانے کی تیاری بھی شروع ہو گئی تھی کہ اسلام نے یثرب پہنچ کر اس کی طاقت کا قلعہ توڑ دیا۔ ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق،

ص ۶ - ۲۴۵ ؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۶ - ۳۰۵ اور ۱۶۱۴ وغیرہ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۶، ۱۷، ۲۱، ۱۵۹ اور ۸۸ - ۱۸۰ -

اگرچہ منافقین کے مدنی سیاست میں کردار سے بروقت ہمارا تعلق نہیں ہے تاہم یہ تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ماٰخذ اور ہمارے جدید مورخین دونوں نے منافقین اور خاص کر عبداللہ بن ابی کی طاقت و قوت اور منافقت کا مبالغہ آمیز بیان اختیار کیا ہے۔ ماٰخذ اور مسلم جدید مورخین ان کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں مبالغہ کرتے ہیں اور مستشرقین خاص کر مونٹگمری واٹ نے ہجرت سے کچھ قبل اور بعد کے پانچ برسوں میں عبداللہ بن ابی کو مدینہ کا سب سے بڑا سردار اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمان سیاسی حریف بنا کر پیش کرنے میں خاصا غیر علمی مبالغہ کیا ہے۔

(۱۶۳) یہودی قبائل سے اوس و خزرج کے حلف کے تعلقات قدیم زمانے سے چلے آرہے تھے۔ اور ان کا پر تو عہدِ نبوی میں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے جنگوں کے علاوہ غزوۂ اُحد اور خندق کے مواقع پر پڑتا نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو؛ بنو قینقاع اور بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہود کے ساتھ معاملہ نبوی میں اوس و خزرج کے لوگوں کا رویہ۔ برکات احمد، ص ۵۸ وغیرہ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰ - ۲۰۹ -

(۱۶۴) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۶ - ۳۰۵ وغیرہ -

(۱۶۵) دیکھیے حوالہ ۱۵۱ بالا -

(۱۶۶) دیکھیے حوالہ ۱۵۲ بالا -

(۱۶۷) دیکھیے حوالہ ۱۵۳ بالا -

(۱۶۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۲ کا خیال ہے کہ ابن ابی کا عین جنگِ اُحد سے پہلے اپنے آدمیوں کے ساتھ الگ ہو جانا عجیب اور غیر فطری معلوم ہوتا ہے اور ماٰخذ کا بیان اس ضمن میں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ عین ممکن ہے کہ ابن ابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور مشورے سے میدانِ جنگ سے ہٹ کر مدینہ کی حفاظت کے لیے آیا ہو۔ یا اس کی پہلو تہی اس خیال سے رہی ہو کہ غیر جانبداری سے اس کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔

ممکن ہے کہ دوسرا خیال صحیح ہو کیونکہ جنگِ بعاث کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ابن ابی اوس و خزرج کے اس تصادم کے موقع پر بھی غیر جانبدار رہا تھا۔ مگر پہلا خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ماٰخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر غزوہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے دفاع کا بندوبست کیا تھا اور ہمیشہ ایک فوجی دستہ شہر میں تعینات کیا تھا۔ جنگِ اُحد کے موقعہ پر یہ خدمت حضرت سعد بن معاذ اوسی نے انجام دی تھی۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے باب سوم، بحث برالعرس۔

لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ابن ابی کے اس طرح واپسی کی خبر کو مکی فوج نے اسی روشنی میں لیا ہوگا کہ مدینہ کی حفاظت کے لیے ایک فوج وہاں موجود ہے۔

(۱۶۹) سورۂ احزاب، آیات ۱۲ اور آگے؛ نیز شبلی، سیرت النبی، اول، ص ۴۲۰ وغیرہ۔

(۱۷۰) ابنِ اسحاق، ص ۴۶۳ وغیرہ۔

(۱۷۱) ابن اسحاق، ص ۴۹۱۔

(۱۷۲) ابن اسحاق، ص ۴۹۵ وغیرہ۔

(۱۷۳) ابن اسحاق، ص ۶۰۹۔

(۱۷۴) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۳-۹۲، کا یہودی مسئلہ پر یہ تبصرہ کافی حقیقت پسندانہ ہے کہ "اصل نکتہ یہ تھا کہ اسلامی معاشرہ سے وفاداری تمام دوسرے اتحادوں اور تعلقات سے بالاتر تھی.... یہودیوں کی تنقید و نکتہ چینی اس پورے سیاسی اور سماجی تجربے کے لیے خطرہ تھی جس میں آپ اس وقت مصروف تھے اور جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی بنا پر المناک واقعات کا پورا سلسلہ قائم ہو گیا"۔

واٹ کے اس تبصرہ میں یہ اضافہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہودی محض تنقید و نکتہ چینی کے مجرم نہیں تھے بلکہ وہ باقاعدہ سازشوں اور قبائل عرب کو بھڑکانے اور اسلامی ریاست کو ہر ممکن طریقے سے تباہ کرنے کے مجرم تھے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔

(۱۷۵) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۸۰ کا یہ خیال کہ بدر کی فتح نے صرف رعب بٹھایا اور قبائل عرب کو خاموش کر دیا تھا بالکل صحیح نہیں ہے۔ تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ اس فتح نے کچھ قبائل کو بھڑکا بھی دیا تھا۔ چنانچہ بدر اور اُحد کے درمیان تقریباً ۹ مہیں واقع ہوئی تھیں جن میں سے چار یہودیوں کے خلاف، دو قریش اور تین مہیں چار قبائلِ عرب کے خلاف بھیجی گئی تھیں۔ جبکہ اُحد اور خندق کے درمیان گیارہ مہیں ہوئی تھیں جن میں سے ایک دو قریش کے، دو یہودیوں اور سات قبائل عرب کے خلاف بھیجی گئی تھیں مگر ان سات مہموں میں سے بئر معونہ اور رجیع کی مہیں فوجی نہ تھیں بلکہ مذہبی مشن تھے جبکہ سفیان لحیانی کے خلاف ایک شخصی کارروائی تھی۔ اس لحاظ سے صرف چار مہیں رہ جاتی ہیں جو قبائل عرب کے خلاف دراصل گئی تھیں۔

(۱۷۶) ابن اسحاق، ص ۳۶۰؛ واقدی، ص ۱۸۲-۱۸۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۱، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ کا قیام وہاں صرف تین دن رہا جبکہ واقدی اور ان کے کاتب کا خیال ہے کہ قیام کی مدت پندرہ دن تھی۔ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کوئی جنگ یا لڑائی نہیں ہوئی اگرچہ کچھ مالِ غنیمت ضرور ملا تھا، جو انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱۰ کے مطابق پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا۔

(۱۷۷) ابن اسحاق، ص ۳۶۲؛ واقدی، ص ۱۹۶-۱۹۷؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵-۳۶؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱۱؛ طبری، دوم، ص ۴۸۷۔ ابن اسحاق اور طبری کا خیال ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحران میں دو ماہ تک مقیم رہے تھے مگر واقدی، ابنِ سعد اور بلاذری کا بیان ہے کہ صرف دس روز قیام رہا تھا۔ اس مہم میں نہ کوئی جنگ ہوئی تھی اور نہ ہی کچھ غنیمت ہاتھ لگی تھی۔

(۱۷۸) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے؛ واقدی، ص ۱۹۵-۱۹۶؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵؛ نیز باب دوم، بحث بر اسلام

قبیلہ محارب۔

(۱۷۹) دیکھئے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۱، ۱۷۔

(۱۸۰) ابن اسحاق، ص ۴۳۴، ۴۵۲؛ واقدی، ص ۳۴۶-۳۵۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۴-۵۱؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۵؛ طبری، دوم، ص ۵۵۰-۵۴۵؛ بخاری، غزوۃ الرجیع ورعل و ذکوان۔ ماخذ کے متفقہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں مبلغین اس لیے بھیجے گئے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عامر بن طفیل اور اس کے نجدی قبیلہ والوں سے حملہ کا خدشہ تھا۔ چنانچہ ابو براء عامری نے اپنے قبیلہ کی طرف سے تحفظ کی ضمانت دی تھی جب انھوں نے اپنے قبیلہ میں مسلم مبلغین کو بھیجے جانے کی درخواست دربار نبوی میں پیش کی تھی۔ اسی ضمانت کے سبب بنو عامر کے کسی قبیلہ نے عامر بن طفیل کے اشتعال دلانے کے باوجود مسلمانوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ لیکن بنو سلیم کے تین خاندانوں نے اسلام دشمنی میں عامر بن طفیل عامری کا ساتھ دیا تھا۔ مسلمانوں کے قتل عام کی خبر جب ابو براء کو پہنچی تو نہ ان کو نہ صرف شدید تکلیف ہوئی بلکہ اُنھوں نے المیہ کے مجرم عامر بن طفیل کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر وہ شدید زخم کھانے کے باوجود بچ گیا۔ یہ بات اہم ہے کہ بنو عامر کے کسی بھی شخص نے عامر بن طفیل کا قصاص ابو براء سے طلب نہیں کیا تھا۔

زبیری، نسب قریش، ص ۱۹۸-۱۹۹، بئر معونہ کے المیہ کا سبب بیان کرتے ہیں جو عام طور سے مورخین نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان مورخین کے نزدیک شہداء بئر معونہ کے قتل کی ساری ذمہ داری حضرت ابو براء پر تھی جنھوں نے دھوکہ سے بلا کر ان مسلم مبلغین کا قتل عام کرایا تھا بلکہ ہمارے بعض مسلم مورخین تو حضرت ابو براء کے اسلام کے بھی قائل نہیں ہیں (ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت، اوّل، ص ۳۸۹-۳۹۰ اور حاشیہ ۳ اور ۴)۔ بہر حال زبیری کا کہنا ہے کہ مسلم مبلغین کو قریش کے خاندان بنو نوفل کے ایک شخص طعیمہ بن عدی بن مطعم کے قتل کے بدلے میں مارا گیا تھا، ابن اسحاق کے بقول (ص ۴۳۶) طعیمہ کو جنگ بدر میں حضرت نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی نے قتل کیا تھا۔ موخر الذکر صحابی بئر معونہ میں طعیمہ بن عدی کے ماموں انس بن عباس سُلمی کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ ابن اسحاق نے اگرچہ واضح انداز سے اس المیہ کے سبب پر روشنی نہیں ڈالی ہے لیکن مضمر انداز سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہر حال زبیری کے مطابق طعیمہ کے ماموں انس بن عباس سُلمی نے عامر بن طفیل عامری کو اپنے بھانجے کا قصاص لینے پر مدد دینے کے لیے اکسایا تھا۔ یہ بھی بات یاد رکھنے کی ہے کہ سُلیم کے خاندان رعل اور ذکوان قریش کے بنو نوفل کے حلیف تھے اور ان میں ازدواجی تعلقات بھی تھے۔ زبیری نے اس المیہ کا سارا الزام سُلیم کے چار قبیلوں رعل، ذکوان، عصیہ اور فالج پر عائد کیا ہے جبکہ دوسرے مورخین موخر الذکر کا نام نہیں لیتے ہیں۔

مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۱-۳۲ نے یہ تحقیق کی ہے کہ بنو عامر بن صعصعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے "تاہم ان میں قبائلی سیاست کے نتیجہ میں رسہ کشی تھی۔ قبیلہ کے سردار ابو براء ضرور تھے لیکن سیاسی اقتدار اصل میں دو نوجوان خاص ابو براء کے بھتیجے عامر بن طفیل کے ہاتھوں میں تھا۔ ابو براء نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

اسلام کی تبلیغ کے بہانے دراصل اپنے قبیلہ میں اپنی سیاسی طاقت کو مضبوط کرنا اور اپنے حریفوں کو زیر کرنا چاہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سیاسی رسّہ کشی سے فائدہ اٹھا کر قبیلہ کی اندرونی سیاست میں مداخلت کرنا مصلحت آمیز سمجھا اور مسلمانوں کا ایک دستہ بھیج دیا۔ واٹ کی اس تحقیق میں اندرونی تضادات بھی ہیں اور بعض دُوسرے خارجی دلائل سے بھی ان کی تردید ہوتی ہے۔ واٹ کو اعتراف ہے کہ ابو براء کو قبیلہ میں طاقت حاصل تھی اور ان کی ضمانت کو قبیلہ والوں نے نہیں توڑا تھا بلکہ کسی نے بھی عامر بن طفیل کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ جو کچھ اس کو مدد ملی تھی وہ دوسرے قبیلہ سے، حالانکہ زہری کے بیان سے پُوری طرح اور ابنِ اسحاق وغیرہ سے کسی قدر واضح ہوتا ہے کہ اصل مُجرم انس بن عباس اور اس کے چار سُلمی خاندان تھے۔ عامر بن طفیل کا جُرم زیادہ سے زیادہ صرفِ نظر کرنے کا تھا یا سلیم کے قاتلوں کا ساتھ دینے کا۔ اس کے علاوہ یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ بئر معونہ کی جماعت مسلمین سراسر مذہبی اور تبلیغی نوعیت کی تھی کیونکہ اس میں جو لوگ شریک تھے ان کا تعلق اصحاب صُفّہ سے تھا۔ واٹ کا یہ خیال کہ شہدائے بئر معونہ کی تعداد مختلف روایتوں کے مطابق ستّر یا چالیس تھی مگر چونکہ ان کے بیان کردہ ناموں کی تعداد بیس سے بھی کم ہے اس لیے تعداد میں مبالغہ کیا گیا ہے اور وہ کافی کم تھی۔ شاید بیس کے لگ بھگ۔ ان کی یہ دلیل بھی ان کی تحقیق کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اتنی چھوٹی سی جماعت جو کوئی خاص مسلح بھی نہ تھی عامر بن صعصعہ کی اندرونی سیاست پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔ مزید برآں بنو عامر بن صعصعہ سے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات کے اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے زمانے میں ثبوت ملتے ہیں جن کے بھی وہ قائل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ریاست کو ان کی حمایت پہلے سے حاصل تھی اور بعد میں بھی حاصل رہی جیسا کہ ابو براء کے ضمانت دینے اور ان کی ضمانت و عہد کا عامر بن صعصعہ کی طرف سے مکمل احترام و پابندی کرنے کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ لہذا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ کی 'اندرونی سیاست' جو دراصل تھی ہی نہیں، میں دخل دینے کی ضرورت کیا رہ جاتی تھی؟ اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ واٹ کی تشریح و تعبیر نہ صرف مآخذ سے متصادم و متعارض ہے بلکہ وہ حقیقت کے بالکل برخلاف ہے۔ بئر معونہ کی مہم اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ایک درخشاں باب ہے اگرچہ وُہ خونچکاں بھی ہے۔ لیکن یہ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کہ مذاہب کی سرخروئی میں خُون کی سُرخی ہمیشہ شامل رہی ہے۔

اُبلتے خُون کی یہی سُرخی تھی جس نے حضرت عامر بن فہیرہ کے لبوں پر شہادت کے وقت وہ دلگداز کلمہ ثبت کر دیا تھا جس نے اُن کے قاتل جبّار کے دل و دماغ کو ہلا دیا تھا اور اتنا متاثر کیا تھا کہ وہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ شہید نے کہا تھا: "فزت ورب الکعبہ: کعبہ کے رب کی قسم، میں تو کامیاب ہو گیا۔" اور پھر قاتل پشیمان، تائب اور مسلم تھا۔ ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، ص ۴۳۹؛ نیز باب دوم، بحث بر اسلام عامر بن صعصعہ۔

(۱۸۱) روایات میں شہدائے بئر معونہ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حدیث کی کتابوں میں عموماً یہ تعداد ستّر بتائی گئی ہے، جبکہ ابنِ اسحاق نے چالیس بتائی ہے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۴۷، جن کا خیال ہے کہ چالیس والی روایت زیادہ صحیح (ثبت) ہے۔

(۱۸۲) ابن اسحاق، ص ۵۰۴ ؛ واقدی، ص ۳۴۴ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۶ -

(۱۸۳) ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۲-۶۱۱ ؛ واقدی، ص ۵۵۲ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۶ ؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۷، کا بیان ہے کہ بعض قیدی بھی اس مہم میں پکڑے گئے تھے۔

(۱۸۴) ابنِ سعد، چہارم، ص ۲۶۹-۲۷۷، نے اس زمانے میں قبیلہ بنو سلیم کے کثیر تعداد میں مسلمان ہونے والوں کا ذکر کیا ہے؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۵۸۱ - تفصیلات کے لیے باب دوم، بحث بر اسلامِ سلیم۔

(۱۸۵) ملاحظہ کیجئے باب دوم، مذکورہ بالا۔

(۱۸۶) ابن اسحاق، ص ۵۰۴، کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر لشکرِ نبوی میں سات سو سلیم کے مسلمان موجود تھے جبکہ واقدی، ص ۸۰۰، کے نزدیک ان کی تعداد ایک ہزار یا اس سے اوپر تھی۔

(۱۸۷) بنو سلیم بحران اور عسفان کے قریبی علاقوں میں آباد تھے۔ ملاحظہ ہو باب دوم، مذکورہ بالا۔

(۱۸۸) واقدی، ص ۱۹۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۴ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۱ ؛ ابن اسحاق، ص ۳۶۲ اور طبری، دوم، ص ۴۸۷، نے اس مہم کا سبب نہیں بیان کیا ہے۔ دوسروں کے مطابق بنو محارب نے اسلامی ریاست پر حملہ کی غرض سے جماؤ کیا تھا۔

ذوامر میں بھی قیامِ لشکرِ نبوی کی مدت خاصی طویل تھی۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ آپ غالباً مدینہ سے محرم کے آغاز میں مہم کے لیے نکلے اور "نجد میں تقریباً پورے صفر مقیم رہے۔" اس طرح آپ کے قیام کی مدت تقریباً دو ماہ بنتی ہے۔ طبری کا بیان ہے کہ آپ نے مدینہ میں ماہِ محرم کے اواخر تک قیام کیا اور صفر میں آپ نجد میں یعنی صرف ایک ماہ مقیم رہے۔ واقدی مدینہ سے آغازِ سفر کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۳ھ / ۲۴ اگست ۶۲۵ء دیتے ہیں اور قیام کی مدت محض گیارہ دن بتاتے ہیں اگرچہ ابن سعد نے تاریخِ سفر نہیں دی ہے تاہم وہ اپنے استاد کی تائید کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۳۶۲ ؛ واقدی، ص ۱۹۵ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵ ؛ طبری، دوم، ص ۴۸۷ - نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۱۔

(۱۸۹) ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۲-۶۱۱ ؛ واقدی، ص ۳۵-۵۲۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۸ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱۱ ؛ طبری، سوم، ص ۱۵۵۔

(۱۹۰) انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰، کا بیان ہے کہ اس مہم کا یہ نام اس لیے پڑا کہ اس کی منزل مقصود ایک ایسے پہاڑ کا علاقہ تھا جو رنگدار چھینٹ کے کپڑے (رقاع) کی مانند معلوم ہوتا تھا۔

(۱۹۱) واقدی، ص ۳۹۶، کا بیان ہے کہ مسلم سپاہ کی تعداد چار سو تھی جبکہ بعض دوسرے مآخذ میں سات اور آٹھ سو بھی ہے؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۱، نے صرف چار سو اور سات سو کی تعداد بیان کی ہے۔

(۱۹۲) ربیع الثانی ۶ھ / اگست، ستمبر ۶۲۷ء میں حضرت محمد بن مسلمہ کا سریہ ذوالقصہ؛ واقدی، ص ۵۵۱-۵۲ ؛ ابن سعد

دوم، ص ۸۵ ؛ طبری، دوم، ص ۶۴۰ - ابنِ سعد کے بیان میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد سو بتائی گئی ہے جو بقول واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۲، کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ -

(۱۹۳) اسی ماہ میں ابو عبیدہؓ بن جراح کی مہم ذوالقصہ - ابن ہشام، ص ۶۰۹ ؛ واقدی، ص ۵۵۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۶-۸۵ ؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ -

(۱۹۴) جمادی الآخرہ ۶ھ / اکتوبر، نومبر ۶۲۷ء میں حضرت زید بن حارثہ کی مہم جانب طرف - ملاحظہ فرمائیے: ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۲ ؛ واقدی، ص ۵۵۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۷ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ ؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱ ؛ الطرف کے لیے ملاحظہ کیجئے: معجم البلدان، بیروت ۱۹۵۶ء، چہارم، ص ۳۱، جس کے مطابق وہ مدینہ سے ۳۶ میل مشرق میں تھا۔

(۱۹۵) رمضان ۸ھ / جنوری ۶۲۹ء میں غالب بن عبداللہ لیثی کا سریہ میفعہ - واقدی، ص ۷۲۶-۷۲۷ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۹ ؛ طبری، سوم، ص ۲۲-۲۳ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹ -

یہ نکتہ اہم ہے کہ پہلی تین مہمیں یکے بعد دیگرے پیش آئی تھیں مگر چوتھی مہم تقریباً ایک سال سے زیادہ کے وقفہ کے بعد بھیجی گئی تھی۔ خیال یہ ہے کہ یہ تبلیغی مشن تھے نہ کہ فوجی مہمیں۔ کیونکہ اتنی چھوٹی مہمیں کسی قسم کی گڑبڑ یا انتشار کو دور کرنے کے لیے دشمن علاقے میں ناکافی ہوتیں۔

(۱۹۶) ابن سعد، دوم، ص ۵۰ کے مطابق طلیحہ بن خویلد اسدی (جس نے خلافتِ صدیقی میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا) اور اس کے بھائی سلمہ نے اپنے قبیلہ کے ایک حصے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے: انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴-۳۷۵ -

(۱۹۷) ابنِ ہشام، دوم، ص ۵۹۸ ؛ واقدی، ص ۳۴۰-۳۴۶ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۰ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۵ ؛ طبری، سوم، ص ۱۵۵ -

(۱۹۸) معجم البلدان، چہارم، ص ۲۱۱ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۶ -

(۱۹۹) ابنِ ہشام، ص ۶۱۲-۶۱۱ ؛ واقدی، ص ۵۵۱-۵۵۰ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۴-۸۵ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ ؛ طبری، دوم، ص ۶۴۰ -

(۲۰۰) ابن اسحاق، ص ۲۶۶ ؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۹ ؛ واقدی، ص ۳۴۳-۳۵۱ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۱-۵۰ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷ ؛ طبری، دوم، ص ۶۴۰ -

(۲۰۱) ابن اسحاق، ص ۳۲۶-۳۲۴ ؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۰۹ ؛ واقدی، ص ۳۵۴-۳۶۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۵-۵۶ ؛ طبری، دوم، ص ۵۳۰ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۵ -

واقعہ رجیع اپنے محرکات، واقعات، تفاصیل اور نتائج کے لحاظ سے المیۂ بئرِ معونہ ہی جیسا تھا۔ عضل اور قارہ کے

دو خاندانوں جو خزیمہ سے متعلق تھے بنولحیان سے ان کے سردار سفیان بن خالد ہذلی کے قتل کے بعد ساز باز کر کے دربارِ رسالت سے مسلم مبلغین کو اپنے قبیلہ میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بلایا۔ سات یا دس افراد پر مشتمل ایک تبلیغی جماعت کو عضل و قارہ کے لوگوں نے بدعہدی کر کے بنولحیان کے حوالے کر دیا۔ اور موخر الذکر نے پانچ یا سات آٹھ کو قتل کر دیا اور باقی میں سے دو حضرات خبیب اور زید بن دثنہ کو گرفتار کر کے قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔ قریش کے بنو حارث بن عامر اور صفوان بن امیہ جمحی نے جنگِ اُحد میں اپنے اپنے مقتولوں کے عوض قتل کر دیا۔ جدید مورخین اور ہمارے مآخذ بجا طور پر اس واقعہ کی ذمہ داری عضل و قارہ کے ساتھ بنولحیان پر ڈالتے ہیں۔ لیکن کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ اس واقعہ کے پیچھے قریش کے کچھ لوگوں کا بھی ہاتھ تھا بئرِ معونہ اور واقعہ رجیع دونوں میں قریش کی سازش اور مخالفت کار فرما نظر آتی ہے۔

(۲۰۲) کتاب المحبر، ص ۱۱۴۔ بغدادی اس غزوہ کو غزوہ بنی لحیان من ہذیل کہتا ہے اور مقامِ تصادم کدر بتاتا ہے۔ اسی بنا پر اس کے نزدیک یہ غزوہ منگل یکم جمادی الاولیٰ ۵ھ میں ہوا تھا۔ جبکہ دوسرے مآخذ کے مطابق وہ محرم ۳ھ میں واقع ہوا تھا۔

(۲۰۳) شہیدِ رجیع حضرت خبیب بن عدی کے قریشی قاتل ابو سروعہ بن حارث بن عامر جنھوں نے صحابی موصوف کو اپنے باپ کے قتل کے قصاص میں قتل کیا تھا بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح حضرت زید بن دثنہ کو قتل کروانے والے صفوان بن امیہ اور ان کے قاتل غلام نسطاس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ زرقانی، جلد ۲، ص ۷۰ اور ۷۴؛ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ اول، ص ۳۹۳ - ۳۹۲۔ واقعہ رجیع کے نفسیاتی و مذہبی اثرات کے لیے ملاحظہ کیجئے؛ ابنِ اسحاق، ص ۴۲۹ - ۴۲۸۔

(۲۰۴) ابنِ اسحاق، ص ۴۴۹؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۸؛ واقدی، ص ۴۰۲ - ۴۰۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۳ - ۶۲؛ طبری، دوم، ص ۵۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱۔

ابنِ سعد کے مطابق دومۃ الجندل شامی سرحدوں کے قریب دمشق سے پانچ راتوں کی مسافت پر واقع تھا، جبکہ مدینہ سے اس کا فاصلہ ۱۵ یا ۱۶ راتوں کا تھا۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق مدینہ سے اس کی مسافت سات منزلوں کی تھی۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: معجم البلدان، دوم، ص ۴۸۷ - ۴۸۶۔

(۲۰۵) یہ نکتہ اہم ہے کہ مدینہ کی اسلامی ریاست نے جو دومہ سے دمشق کی بہ نسبت تین گنا فاصلے پر واقع تھی۔ ان قزاقوں کے خلاف کارروائی کی تھی۔ شام و فلسطین کی بازنطینی حکومت یا ان کی ماتحت غسانی بادشاہت جو مدینہ کے مقابلے میں کافی قریب تھیں کوئی اقدام کرنے سے باز یا قاصر رہی تھیں زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ دومۃ الجندل میں خود ایک کندی خاندان کی بادشاہت قائم تھی جو اچھی خاصی طاقتور تھی یا کم از کم ان لٹیروں کو کچلنے کی قوت رکھتی تھی مگر اس نے بھی کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا ان حقائق و شواہد و قرائن کی روشنی میں یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ قزاق صرف ان کاروانوں کے خلاف کارروائی کرتے تھے جو مسلمانوں کے ہوتے تھے یا اسلامی ریاست کے علاقوں سے تجارت کرتے تھے۔ عین ممکن ہے کہ ان قزاقوں کو مسلمانوں کی اقتصادی ناکہ بندی کرنے کے لیے شمال کے طاقتور قبائل یا منظم حکومتوں نے اکسایا ہو اور یہ تقریباً یقینی

معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم لوٹ مار کی ان کارروائیوں میں قبائل عرب اور سلطنت شام و بصریٰ و فلسطین کی درپردہ یا خاموش حمایت و رضامندی حاصل رہی تھی۔ اس کی تائید اس سے اور بھی ہوتی ہے کہ حضرت زید کی قیادت میں شام جانے والا ایک مسلم کارواں اسی زمانے کے قریب لوٹ لیا گیا تھا۔ پھر حضرت دحیہ بن کلبی کو کچھ مدت بعد اسی علاقے میں لوٹا گیا اور دوسرے مسلم کاروانوں یا قافلوں یا جماعتوں پر غارتگری کی گئی تھی۔

(۲۰۶) واقدی، ص ۴۰۳ اور ابن سعد، دوم، ص ۶۲ سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص انھیں سرایا کے زمانے میں مسلمان ہوگیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اپنا ایک تبلیغی اثر رہا ہوگا۔ لیکن یہ قیاس بے جا نہیں کہ یہ تنہا واقعہ دراصل اس اجتماعی اور مکمل اثر کا ایک اظہار ہے اور نہ جانے کتنے ایسے ہوں گے جو ان سرایا کے دوران یا دومہ کے اس غزوہ میں اسلام کی دولت سے شرفیاب ہوئے ہوں گے۔ (۲۰۷) ایضاً، ص ۵۶۴۔ (۲۰۸) واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۵۔

(۲۰۹) طبری، ص ۵۶۴؛ یاقوت حموی، معجم البلدان، دوم، ص ۳۹-۲۵ اور ۵۵-۲۵۴ کے مطابق ثعلبین ذہل بن ثعلبہ کے ایک چشمے تقیدہ کے نواح میں ایک مقام تھا۔ دوسری روایت کے مطابق وہ اس علاقہ کے بالائی علاقے (الحزن) میں ایک مقام تھا جہاں بنو تیم اللہ، بنو عجل اور قیس بن ثعلبہ کے قبیلے آباد تھے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ بنو تیم کا نام تیم اللہ غالباً اس غزوہ کے دوران یا بعد میں اس کے مذہبی و تبلیغی اثرات کا ایک نتیجہ ہوگا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق میں اس معاہدہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ غالباً وہ ان کی نظر سے چوک گیا۔

(۲۱۰) ابن سعد، دوم، ص ۶۳؛ نیز دیکھیے واقدی، ص ۴۰۴۔

(۲۱۱) واقدی، ص ۴۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴۔

(۲۱۲) بخاری، باب العتق، اور مسلم، کتاب الجہاد والسیر، کا بیان ہے کہ بنو المصطلق پر اچانک حملہ کر دیا گیا تھا لیکن واقدی، ص ۴۰۷، اور انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ کا واضح بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بنو المصطلق کے سامنے اپنے دستور کے مطابق اسلام پیش کیا تھا۔ مگر جب انھوں نے انکار کر دیا تو حملہ کیا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۴۹۰؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۰-۲۵؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴۔ صحیحین کی روایت معمول و ابن اسحاق، ص ۴۹۰؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۰-۲۵؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴۔ صحیحین کی روایت معمول و دستور نبوی نیز احکام اسلامی کے خلاف ہے اس لئے اسے بلا کسی جھجک کے مسترد کر دینا چاہیے۔ شبلی نعمانی، سیرت، اول، ص ۴۱۵ نے ابن حجر کا قول نقل کیا ہے کہ "صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح نہیں ہو سکتی" لیکن پھر انہوں نے صحیح روایت کو "اصول حدیث کی رو سے قابل حجت نہیں سمجھا ہے کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور جنگ میں شریک ہونا تو ایک طرف، نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا اس لیے یہ روایت اصطلاح محدثین میں منقطع ہے۔" شبلی نعمانی کی اس کوشش پر ان کے جامع سید سلیمان ندوی نے حاشیہ ۲ میں استدراک کیا ہے کہ اسناد میں موجود ہے کہ نافع نے "اس روایت کو

حضرت عبداللہ بن عمر سے سنا جو اس لڑائی میں شریک تھے ..... اس تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہیں باقی رہتی ہے" سید سلیمان ندوی نے حدیث صحیحین کے اسناد کی رو سے تو صحیح اور مرفوع ثابت کر دیا تاہم انھوں نے صحیحین اور سیرت کی روایتوں میں سے کسی موازنے پر کلام کرنے سے گریز کیا ہے۔ بہرحال روایتِ اسناد کی رُو سے صحیحین کی روایت صحیح ہو سکتی ہے مگر درایت کی کسوٹی پر صحیح نہیں اُترتی کہ علماءِ حدیث کا اتفاق ہے کہ ہر وہ حدیث و روایت جو معمول نبوی یا حکم اسلامی کے مخالف، متعارض یا متصادم نظر آئے ناقابل قبول ہوگی۔ لہٰذا اس باب میں اربابِ سیرت کی روایت کو ہر حال میں ترجیح حاصل ہوگی۔

(۲۱۳) ابن اسحاق، ص ۴۹۰ اور طبری، دوم، ص ۶۰۴ کے مطابق مریسیع قدید کی سمت میں ساحل کی طرف تھا۔ سمہودی، وفاء الوفاء، قاہرہ ۱۳۲۶ھ، ص ۳، ۷۰، کے مطابق خزاعہ کا یہ چشمہ فرع سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔

(۲۱۴) ابن اسحاق، ص ۴۹۳؛ واقدی، ص ۱۰۱ و ۴۰۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱؛ طبری، دوم، ص ۶۰۴ و ۱۰ - ۶۰۹؛ بخاری اور مسلم، مذکورہ بالا ابواب۔

(۲۱۵) ابنِ اسحاق، ص ۴۹۳؛ واقدی، ص ۴۱۱؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ - صرف طبری، دوم، ص ۶۱۰ کا بیان ہے کہ ایک سو خاندان (مائۃ اہل بیت) اس طرح آزاد کیے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب العتق؛ مسلم، کتاب الجہاد والسیر؛ ابوداؤد، سنن، کتاب العتاق۔

(۲۱۶) مذکورہ بالا تمام مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ بنو مصطلق کے کافی لوگ اس غزوہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور باقی کچھ مدت کے بعد حضرت حارث بن ابی ضرار خزاعی سردار قبیلہ کے قبول اسلام کے وقت ہوئے۔ بہرحال فتح مکہ سے کافی قبل یہ پورا خاندان اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم، بحث بر اسلام بنی مصطلق۔

(۲۱۷) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے خزاعہ کے ساتھ قدیم تعلقات کے لیے دیکھئے: ابنِ سعد، اول، ص ۸۸ - ۸۷؛ زبیری، نسب قریش، ص ۷۰ - ۶۹؛ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدر آباد دکن ۱۹۶۴ء، ص ۹۲ - ۸۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۷۰ - ۶۹؛ طبری، دوم، ص ۲۵۰۔

(۲۱۸) صرف ابن اسحاق غزوہ بنی المصطلق کے غزوہ احزاب کے بعد ہونے کے قائل ہیں۔ بقیہ مورخین و سیرت نگار اس کو اس واقعہ عظیم سے پہلے کا بتاتے ہیں۔

(۲۱۹) قریش کی قیادت میں قبائل عرب کا احزاب عظیم دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا جن میں سے غطفان کے مذکورہ بالا تین خاندانوں — فزارہ، اشجع اور مرہ — نے بالترتیب ایک ہزار، چار سو اور چار سو سپاہی فراہم کیے تھے۔ ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۴۴۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۶؛ نیز دیکھئے ابن اسحاق، ص ۴۵۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۳ - ۳۴۲ اور طبری، دوم، ص ۵۶۶ جو ان کے دستوں کی عددی طاقت کا ذکر نہیں کرتے البتہ یہ کہتے ہیں کہ ان خاندانوں ہائے غطفان کے دستے اپنے اپنے قبائلی سرداروں کی کمان میں تھے۔

(۲۲۰) سب سے اہم سبب وہ فوجی تکنیک تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائی تھی۔ مآخذ کا بیان ہے کہ خندق دیکھ کر

قبائل عرب کے سالار اور فوجی ماہرین حیران و ششدر رہ گئے تھے کیونکہ ان کے لیے فنِ حرب کی تکنیک قطعی نئی اور غیر متوقع تھی وہ اس کا توڑ نہیں تلاش کر سکے ۔ دوسرا اہم سبب ان کے سالاروں کی عسکری قیادت اور فوجی سوجھ بوجھ کی کمی تھی کہ پورے ایک ماہ تک محاصرہ کرنے کے باوجود وہ خندق عبور کرنے کی ترکیب یا تدبیر اختیار کرنے میں ناکام رہے ۔ اسی سے متعلق تیسرا سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم تر اور برتر عسکری قیادت اور فوجی لیاقت تھی جس نے مقابل اور حریف سالاروں کی ہر تدبیر و ترکیب کا کامیاب توڑ تلاش کر لیا ۔ چوتھا سبب احزاب میں سیاسی ، فوجی اور سماجی اتحاد کی کمی تھی اور اس کے برخلاف پانچواں سبب مسلمانوں میں عظیم اتحاد اور مثالی تعاون تھا ۔ چھٹا سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی و فوجی حکمت عملی تھی جس نے اتحادیوں میں پھوٹ ڈال دی تھی ۔ ساتواں اہم سبب جنگ سے قبل مدینہ کی فصلوں کی قبل از وقت کٹائی تھی جس نے دشمن سپاہ کو غذا اور چارے کی کمی سے دوچار کر دیا تھا ۔ آٹھواں سبب قدرتی آفات و مصائب تھے جنھوں نے دشمن کی صفوں میں ابتری پھیلا دی تھی ۔ نواں اہم سبب محاصرہ کی طویل مدت تھی جس نے دشمنوں میں بددلی ، اکتاہٹ ، اپنے سالاروں کے بارے میں بدگمانی ، ان کی قیادت و سیادت پر شک وشبہ اور اپنے مقصد جنگ کے بارے میں اشتباہ و تزلزل پیدا کر دیا تھا ۔ اور اسی سے متعلق دسواں سبب تھا جو فوجی MORALE (حوصلہ) کی کمی کی صورت میں ظاہر ہوا تھا جبکہ مسلمانوں کا حوصلہ بلند ، جذبہ ناقابلِ تسخیر اور اعتماد غیر متزلزل تھا ان کے علاوہ متعدد اور چھوٹے بڑے اسباب بھی تھے ۔

(۲۲۱) ابن سعد ، دوم ، ص ۸۰ کا بیان ہے کہ عُیینہ بن حصن فزاری نے چالیس شہسواروں کے ساتھ حملہ کیا تھا اور چراگاہ کے نگران جو حضرت ابو ذر غفاری کے صاحبزادۂ گرامی تھے مار ڈالا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ریاست اسلامی کی بیس اونٹنیاں ہنکا لے گیا تھا ۔ نیز ملاحظہ کیجئے : واقدی ، ص ۹-۵۳۷ اور ابن اسحاق ، ص ۴۸۶ ، جن کے بیان میں یہ اضافہ ہے کہ نگران چراگاہ کو قتل کرنے کے بعد وہ اونٹوں کے ساتھ نگران کی بیوی کو بھی اٹھا لے گیا تھا ۔ مزید دیکھئے : انساب الاشراف ، اوّل ، ص ۴۹-۳۴۸ ؛ طبری ، دوم ، ص ۵۹۶ اور آگے ۔

(۲۲۲) ابنِ سعد ، دوم ، ص ۸۱ کے مطابق ذو قرد خیبر کی ایک نواحی بستی تھی ۔

(۲۲۳) ابنِ اسحاق ، ص ۹۰-۴۸۸ ؛ واقدی ، ص ۷-۵۳۶ ؛ ابن سعد ، دوم ، ص ۸۴-۸۱ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۹-۳۴۸ ؛ طبری ، دوم ، ص ۶۰۴-۵۹۹ ؛ نیز دیکھیے بخاری ، غزوۂ ذی قرد ۔

(۲۲۴) ابنِ اسحاق ، ص ۵-۶۶۴ ؛ واقدی ، ص ۵-۵۶۴ ؛ ابنِ سعد ، دوم ، ص ۹۱-۹۰ ؛ طبری ، دوم ، ص ۴۳-۶۴۲ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۳۷۸ ۔

(۲۲۵) ابنِ ہشام ، دوم ، ص ۱۲-۶۱۱ ؛ واقدی ، ص ۷۲۳ ؛ ابن سعد ، دوم ، ص ۱۲۰ ؛ طبری ، سوم ، ص ۲۲ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۳۷۹ ۔

(۲۲۶) ان کا انتقام جس مہم نے لیا تھا وہ حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کی قیادت میں گئی تھی اور سریۂ فدک کہلاتی ہے ۔ ملاحظہ ہو

ابن اسحاق، ص ۸۰ - ۶۶۶؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۲؛ واقدی، ص ۲۶ - ۶۲۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۶؛ طبری، سوم، ص ۲۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹ -

(۲۲۷) ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۰ میں یَمن اور جبار ہے۔ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹، میں یُمن اور جُبر ہے۔ اور مزید یہ اضافہ ہے کہ یہ دونوں مقامات جناب کے نواح میں تھے۔

(۲۲۸) ابنِ ہشام، دوم، ص ۱۲-۶۱۱؛ واقدی، ص ۳۱ - ۷۲۷؛ طبری، سوم، ص ۲۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹ - ابن سعد، دوم ص ۱۲۰-

(۲۲۹) یہ حضرت ابوقتادہ خزرجی کا سریہ تھا جو شعبان ۸ھ / دسمبر ۶۲۹ء میں غابہ نامی مقام تک گیا تھا۔ ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۸۰ - ۷۷۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۳-۱۳۲؛ طبری، سوم، ص ۳۵ - ۳۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۱-

(۲۳۰) ابنِ اسحاق، ص ۲-۶۶۲؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۱؛ واقدی، ص ۷ - ۵۵۵- ان تینوں مغازی وسیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ اسی زمانے کے آس پاس جذام کا ایک خاندان بنو ضُبیب کا ایک اہم اور سربرآوردہ سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں مدینہ حاضر ہوا اور اسلام سے سرفراز ہوا۔ بعد میں اس کو ایک کتاب نبوی (معاہدہ) کا مزید شرف ملا۔ مدینہ سے واپسی پر اس نے اپنے قبیلے میں اسلام کی تبلیغ کی اور اس کا پُورا خاندان وقبیلہ مسلمان ہوگیا۔ کچھ مدت کے بعد قیصرِ روم کے دربار سے سفیرِ نبوی حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی جذام کے اسی علاقے سے گزرے۔ قبیلہ کے ایک خاندان نے جو روایات کے مطابق لٹیروں پر مشتمل تھا حضرت دحیہ پر حملہ کرکے ان کا سارا سامان لُوٹ لیا، اس میں وُہ تحائف بھی تھے جو قیصر روم نے خدمت نبوی میں بھیجے تھے۔ بہرحال یہ بات بہت اہم بھی ہے اور دلچسپ بھی کہ جُوں ہی سفیرِ نبوی کے لُوٹے جانے کی خبر پھیلی اسی بنی ضُبیب نے لٹیروں کے خلاف کارروائی کی اور نہ صرف ان کو سزا دی بلکہ ان سے تمام لُوٹا جانے والا سامان واپس بھی لے لیا اور پھر قاصدِ رسول کو بحفاظت تمام اپنے علاقے سے گزرنے کے انتظامات بھی کیے۔ ملاحظہ کیجئے: ابنِ سعد، دوم، ص ۸۸؛ نیز رفاعہ بن زید جذامی سے معاہدے کے لیے دیکھیے: مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۶؛ میثاق، ص ۱۷۵؛ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے باب دوم، بحث بر اسلام جذام۔

(۲۳۱) ابنِ سعد، دوم، ص ۸۸، کے مطابق حِسمیٰ وادی القریٰ سے پرے شمال میں ایک مقام یا علاقہ تھا۔

(۲۳۲) ابنِ اسحاق، ص ۴ - ۶۶۳؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۱۲؛ واقدی، ص ۶۰ - ۵۵۸؛ ابن سعد، دوم ص ۸۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷؛ طبری، دوم، ص ۶۴۱-

(۲۳۳) ابنِ ہشام، دوم، ص ۱۲-۶۱۱؛ واقدی، ص ۳ - ۵۶۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰ - ۸۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۸؛ طبری، دوم، ص ۶۴۲ -

(۲۳۴) ابنِ اسحاق، ص ۶۷۲؛ ابنِ ہشام، دوم، ص ۶۳۲؛ واقدی، ص ۶۲ - ۵۶۰؛ ابن سعد، دوم،

ص ۸۹ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۸ اور طبری، دوم، ص ۶۴۲۔

(۲۳۵) واقدی، ص ۶۲-۵۶۱ کا نہایت واضح و صریح بیان ہے کہ مسلم سالار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری نے دومہ پہنچنے کے بعد تین دن تک بنو کلب کو مسلسل اسلام کی دعوت دی۔ دو دن تک اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا لیکن تیسرے دن قبیلہ کا سردار مسلمان ہو گیا۔ مورخ کا مزید بیان ہے کہ رئیس قبیلہ الاصبغ کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے ایک قاصد کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سردار قبیلہ کی دختر نیک اختر تماضر بنت اصبغ سے شادی کرنے کی اجازت چاہی جو آپ نے مرحمت فرما دی۔ دُوسری روایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے لشکر کی روانگی کے وقت ہی حضرت عبدالرحمٰن کو حکم دیا تھا کہ اگر سردار قبیلہ مسلمان ہو جائے تو اس کی لڑکی سے شادی کرلیں۔ بہرحال دونوں روایتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کی تماضر بنت الاصبغ سے شادی رئیس قبیلہ کے اسلام لانے کے بعد ہی ہوئی تھی۔ ابن سعد، دوم، ص ۸۹، کا مزید اضافہ یہ ہے کہ اپنے سردار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بنو کلب کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور جو لوگ اپنے پرانے دین پر قائم رہے ان پر جزیہ عاید کر دیا گیا۔ ان بیانات نیز دوسرے مآخذ کے بیانات کی روشنی میں یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ بنو کلب کے اس حصہ کے سردار کے مسلمان ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا ہے۔ مگر مونٹگری واٹ (محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۵) کا اصرار ہے چونکہ جزیہ وصول کیا گیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ (سردار قبیلہ) عیسائی ہی رہا ہوگا۔ مگر یہ خیال خام ہے اور مآخذ کے واضح اور متفقہ بیانات کے بالکل خلاف ہے۔ ابن سعد کی روایت بالکل واضح ہے جو یہ کہتی ہے کہ "جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا گیا تھا جو اپنے پرانے دین پر قائم رہے تھے اور جنھوں نے اسلام نہیں قبول کیا تھا"۔ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۸، جس کا عام بیان یہ ہے کہ "جب لوگ (قوم) مسلمان ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تماضر بنت اصبغ سے شادی کر لی"۔ حالانکہ وہ جزیہ کے عاید کئے جانے کا ذکر نہیں کرتی ؛ نیز دیکھیے: طبری، دوم، ص ۶۴۲ جو بلاذری کی مکمل پیروی کرتے ہیں۔

(۲۳۶) مونٹگری واٹ نے صرف اسی موقعہ پر یا محض بنو کلب کے معاملے میں جانب داری سے کام نہیں لیا ہے بلکہ شمال بعید اور جنوب بعید کے قبائل عرب کے معاملہ میں عام طور سے اور عیسائی قبیلوں کے معاملے میں خاص طور سے ان کا نقطۂ نظر جانبدارانہ، غیر علمی اور غیر تاریخی معلوم و ثابت ہوتا ہے۔ ان قبائل کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاسی تعلقات اور ان میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے بارے میں مورخ موصوف کا جھکاؤ غالباً ان کے اپنے مذہبی رجحانات کے سبب اس جانب رہتا کہ وہ عہد نبوی میں مسلم نہیں ہُوئے تھے یا ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات محض سیاسی مفاہمت پر مبنی تھے۔ جس کو وہ دوسرے الفاظ میں سیاسی موقعہ پرستی بھی کہتے ہیں۔ باب دوم میں شمالی یا لیبسی اور شمالی قبائل سے اسلام کے تعلقات پر ہم ان کے نقطۂ نظر کو مفصل طور سے دیکھیں گے۔

(۲۳۷) محمد ایٹ مدینہ، ص ۵۲-۴۶۔

(۲۳۸) ابتدائی مآخذ میں صرف واقدی، ص ۲، ۵، نے خواب میں حکمِ خداوندی کا ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق، ص ۴۹۹ وغیرہ اور ابن سعد وغیرہ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ دوسرے طبقہ کے مورخین کے مطابق یہ فیصلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صوابدید اور حالات کے تجزیے کے بعد کیا تھا۔

(۲۳۹) سیرت النبی، اول، ص ۹-۴۴۸۔

(۲۴۰) مآخذ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ غطفان کے دو قبائل اشجع اور مرّہ جنگِ احزاب کی ناکامی کے بعد ریاست اسلامی سے اپنے تعلقات کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہی حال سلیم اور اسد کا تھا۔ تفصیل ہم دوسرے باب کی متعلقہ فصول میں دیکھیں گے۔

(۲۴۱) ابن اسحاق، ص ۴۹۹ کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف واکناف کے پڑوسی بدو قبائل عرب کو بھی عمرہ کے اس سفر پر چلنے کی دعوت اس غرض سے دی تھی کہ آپ کو خدشہ تھا کہ قریش مکہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے بزورِ شمشیر روکیں گے، جیسا کہ انھوں نے بعد میں حقیقتاً کیا بھی۔ بہت سے بدوی قبائل اس مسلح تصادم کے ڈر سے آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ چنانچہ آپ اس سفر پر ان لوگوں کے ساتھ نکلے جو انصار و مہاجرین میں سے تھے اور جو بدوی قبائل میں سے آپ سے وفادار رہے۔ یہ نکتہ اہم ہے کہ ابنِ اسحاق کا یہ بیان بلا کسی سند کے بیان ہوا ہے اور ان کے اپنے تاثر اور خیالات کا عکاس ہے۔ اس کے معاً بعد جو روایات ابن اسحاق نے بیان کی ہیں وہ زہری کی سند پر بیان ہوئی ہیں جن میں قبائل عرب کو عمرہ میں شرکت کی دعوت دینے، ان کے قبول نہ کرنے اور قریش کے مسلح روک تھام کرنے کا حوالہ نہیں ملتا ہے۔ زہری کی پہلی روایت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی سند پر بیان ہوئی ہے اور اس میں عمرہ کرنے والوں کی تعداد صرف سات سو دی گئی ہے۔ جبکہ ابن اسحاق نے بلا سند حضرت جابر بن عبد اللہ، جو اس قافلۂ مشتاقان پر توجمالِ الٰہی میں شامل تھے، کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہم حدیبیہ والے چودہ سو تھے۔" (ص ۵۰۰)

بہر حال ابن اسحاق کے بیان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حلیف اور مسلم بدوی قبائل کو شرکت کی دعوت دی تھی اور وہ قریش کے خوف سے غیر حاضر رہے صحیح نہیں ہے۔ اور یہ تو حقیقت کے خلاف ہو گا کہ انصار و مہاجرین میں سے کسی نے حکم نبوی سے عدول و انحراف کرنے کی جرأت بھی کی ہو گی۔ جنگِ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی عددی طاقت جو محاذ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی تین ہزار کے قریب تھی۔ اگر آپ بدوی حلیف قبائل کو اپنے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں کر سکے تھے تو کم از کم آپ مدینہ کے تین چار مسلمانوں کو ساتھ لے جا سکتے تھے۔ دراصل آپ مسلمانوں کی پوری طاقت یا جمعیت کے ساتھ اس سفر مبارک پر نہیں نکلے تھے بلکہ قرائن اور حقائق دونوں یہ کہتے ہیں کہ اس سفر میں شرکت اختیاری تھی۔ انصار و مہاجرین میں سے جس کا جی چاہا ساتھ ہو لیا تھا اور آپ نے سب کے چلنے پر اصرار نہیں کیا تھا۔ اسی طرح یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ کے اس سفر میں غیر مسلم زائرین شامل تھے یا ان کو آپ نے شامل ہونے کی دعوت دی تھی صحیح نہیں ہے۔ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴-۴۶، نے ابن اسحاق کے تاثر پر

بنیاد رکھ کر ہی دو غلط نتیجے نکالے ہیں۔

(۲۴۲) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۰، زہری کی روایت جو حضرات مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی سند پر بیان ہوئی ہے۔

(۲۴۳) ابنِ اسحاق، ص ۲-۵۰۱ کا بیان ہے کہ مکرز بن حفص عامری کے بعد قریش نے اپنے احابیش اتحادیوں کے سردار حُلیس بن علقمہ، جو ابن زبان کی کنیت سے زیادہ مشہور تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کے لیے بھیجا لیکن اس نے قربانی کے جانور (ھدی) دیکھ کر گفت وشنید کی ضرورت نہیں محسوس کی اور مکہ لوٹ گیا اور قریش کو مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے کی اپنی پوری کوشش کی لیکن قریش نے اس کو بدو جاہل کہہ کر خاموش کر دیا کیونکہ وہ بنو حارث بن عبد مناۃ بن بکر بن کنانہ کا سردار تھا۔
الحلیس نے جو کچھ کہا تھا وہ مکہ والوں کے مزاج اور سیاست کو بھی سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قبائل عرب کے ایک عام رویے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مسلمانوں کے اس اقدام و اعلان مذہب نے کس قدر عرب قبائل کے حلقوں میں ان کے لیے حمایت و طرفداری و ہمدردی پیدا کر دی تھی۔ عبداللہ بن ابوبکر کی روایت ہے کہ قریش کے اس سخت جواب نے الحلیس کو برہم کر دیا اور اس نے سخت لہجے میں کہا "اے قریش! کیا اسی لیے ہم نے تم سے اتحاد و دوستی کی تھی؟ کیا ایک شخص جو خدا کے گھر کی زیارت کے لیے آنا چاہتا ہے اس سے محروم رکھا جائے گا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا تو تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی اجازت دے دو گے جس کے لیے وہ آئے ہیں یا میں احابیش کے آخری آدمی کو بھی واپس لے جاؤں گا۔" قریش نے اس پر حلیس کو خاموش کیا اور اپنے عندیہ کا یوں اظہار کیا کہ وہ اپنے لیے قابلِ قبول شرائط منوا کر مسلمانوں کو زیارتِ کعبہ کی اجازت دے دیں گے۔" اسی طرح عروہ بن مسعود ثقفی کے تاثرات تھے اور وہ بھی مسلمانوں کو زیارت دینے کے حق میں تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳-۵۰۲۔

(۲۴۴) حضرات خراش بن امیہ خزاعی کو انھیں احابیش نے بچایا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان اُموی کو ان کے خاندان والے یعنی بنو امیہ کے سعیدی گھرانے ابان بن سعید بن العاص نے تحفظ دیا تھا، اور قریش نے اس تحفظ کا احترام کیا تھا۔ ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، ص ۵۰۳۔

(۲۴۵) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۰ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ قریش مسلمانوں کے مکہ میں بلا اجازت و اذن قریش داخل ہونے سے روکنا چاہتے تھے۔ گویا کہ وہ اپنے اقتدار و سیادت کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ اور حضرت خالد کے دستہ کو اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو قریش کی اجازت کے بغیر اور زور زبردستی سے داخل ہونے سے روکے۔

(۲۴۶) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۲ - ۴۹۹۔ (۲۴۷) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۱۔

(۲۴۸) ابن اسحاق، ص ۵۰۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۵۰۰ نے اس ضمن میں یہ کہہ دیا ہے کہ "قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا۔" یہ بیان کسی حد تک صحیح ہے کیونکہ بدیل بن ورقاء خزاعی کی سفارت کے سلسلہ میں ابن اسحاق ص ۵۰۱ کا بیان ہے کہ خزاعہ کے مسلمان اور مشرک دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے۔ یعنی خزاعہ کے لوگ اسلام لا چکے تھے۔ ملاحظہ کیجئے باب دوم بحث بر اسلام خزاعہ۔

(۲۴۹) ابن اسحاق، ص ۵۰۱۔

(۲۵۰) ابنِ اسحاق، ص ۳-۵۰۲۔

(۲۵۱) ابن اسحاق، ص ۵۰۳۔

(۲۵۲) ابن اسحاق کی روایت میں بیعت رضوان کو موت تک لڑنے یا جنگ سے نہ فرار ہونے کا عہد قرار دیا گیا ہے لیکن ابنِ ہشام نے یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے بیعت لی تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۴-۵۰۳ اور ص ۷۶۹۔

(۲۵۳) سہیل عامری کو قریش نے صلح کا معاہدہ کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی تھی کہ مسلمان اس سال واپس جائیں تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ مکہ میں زبردستی اور قریش کی مخالفت کے باوجود داخل ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۰۴۔

(۲۵۴) حضرت عثمان بن عفان اموی کی سفارت کے ضمن میں ابنِ اسحاق ص ۳-۵۰۲ نے "ابوسفیان اور دوسرے قریشی سرداروں" کا ذکر کیا ہے جن سے ان کو گفت وشنید کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن اس صلح کے سلسلہ میں انھوں نے خاص کر ابوسفیان نے کیا کردار ادا کیا تھا ماخذ عام طور پر اس نکتے سے بحث نہیں کرتے۔ ہمارے جدید مورخین نے عام طور سے ابوسفیان کو اس موقعہ پر مکہ سے غیر حاضر تصور کر لیا ہے۔ مونٹگمری واٹ، ص ۵۹ کو ان کی مکہ میں موجودگی یا غیر موجودگی کا یقین نہیں ہے تاہم ان کا خیال ہے جو صحیح ہے کہ وہ صلح و امن حدیبیہ یا صلح کی پالیسی کے حامی تھے۔

قیاس کہتا ہے اور اس کی تائید ماخذ میں مذکورہ کئی واقعات سے ہوتی ہے جو ابوسفیان کے کردار پر روشنی ڈالتی ہے کہ ابوسفیان بن حرب مکہ میں اس صلح کے وقت نہ صرف موجود تھے بلکہ اس میں انھوں نے کافی فعال اور مثبت حصہ لیا تھا۔ قریشی قائدین میں جو لوگ مدینہ سے مفاہمت کی پالیسی کے حق میں تھے ان میں ابوسفیان سرِفہرست نظر آتے ہیں۔

(۲۵۵) حضرت عمرو بن عاص سہمی سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے ذہین و فطین اور معاملہ فہم تھے پھر بھی اتنی دیر سے اسلام لائے، ایسا کیوں؟ انھوں نے جواب دیا: "ہم ایسے لوگوں (قوم) کے سایہ میں تھے جو بزرگ اور عمر دراز تھے اور جن کی عقلیں پہاڑوں جیسی بلند تھیں۔ وہ جس وادی میں بھی گئے ہم ان کے پیرو رہے اور ہم نے اس راستہ کو آسان پایا۔ چنانچہ جب انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا تو ہم نے بھی بلا سوچے سمجھے انکار کر دیا اور ان ہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔ لیکن جب وہ چلے گئے اور معاملہ ہمارے ہاتھوں میں آیا تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں غور کیا اور وہ بالکل صاف اور واضح تھا۔ بس میرے دل میں اسلام جم گیا۔" ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۱-۴۱۰۔

(۲۵۶) بحث و مباحثہ معاہدہ کی شرائط کے علاوہ متن میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اور "محمد رسول اللہ" لکھے جانے پر ہوا تھا۔ قریش کے نمائندے کو دونوں پر اعتراض تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کاتبِ معاہدہ سے قریش کی مرضی کے مطابق "باسمك اللّٰهم" اور "محمد بن عبد الله" لکھوایا۔ ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، ص ۵۰۴۔ ابن اسحاق نے حضرت علی کے اس فقرہ کا حوالہ نہیں دیا ہے جس کے مطابق انھوں نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول اللہ کو مٹانے سے انکار کر دیا تھا۔ شبلی نے (سیرت النبیؐ اول، ص ۴۵۵) اس واقعہ کو بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء نیز

مسلم، ایضاً کی بنیاد پر بڑے طمطراق سے نقل کیا ہے۔

(۲۵۷) ابن اسحاق، ص ۵۰۴۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۵۶؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴۸۔ موخرالذکر کا خیال ہے کہ موجودہ متن معاہدہ حدیبیہ اصل متن نہیں ہے کیونکہ اس میں صیغے اچانک تبدیل ہوتے ہیں لیکن بہرحال وہ اصل متن کی شرائط ہی کو دوسرے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ متن کے لیے نیز ملاحظہ کیجئے: محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴-۱۳۔

(۲۵۸) حوالہ جات سابق

(۲۵۹) ابن اسحاق، ص ۵۰۰۔ نیز ملاحظہ کیجئے: بخاری، کتاب الشروط؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۶۰-۴۵۹؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۵۲-۵۱۔

(۲۶۰) باب دوم، بحث بر اسلام قبائلِ عرب۔

(۲۶۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے باب دوم، اسلامِ قریش۔

(۲۶۲) ابن اسحاق، ص ۵۰۷-۱۰؛ ابنِ سعد، چہارم، باب دوم۔ ایضاً حضرات خالد اور عمرو بن العاص کے اسلام کی اس زمانے میں قبولیت کی شہرت عام ہے لیکن فرزندانِ ابوسفیان کو عموماً ہمارے مورخین فتح مکہ کا مسلمان بتاتے ہیں۔ اس کے متعدد اسباب ہیں جن سے یہاں بحث نہیں۔ تاہم مآخذ کی چھان پھٹک سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ بھی صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام لے آئے تھے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے باب دوم، بحث بر اسلام قریش۔ ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۶۷ اور ۵۴۳۔ جو حضرات معاویہ اور یزید کو فتح مکہ کا مسلمان قرار دیتے ہیں اور اپنے دعویٰ کی دلیل عام سیرت کے مآخذ سے لاتے ہیں اور اسی بنا پر مسند احمد بن حنبل جلد ۴، ص ۷۰ کی ایک حدیث کو جس کے مطابق حضرت معاویہ نے نامۂ نبوی کے جواب میں آنے والے ہرقل کے خط کو ۸ھ میں کسی وقت پڑھا تھا، غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔ لیکن سید سلیمان ندوی نے اپنے استدراک ص ۴۶۷ حاشیہ ۱ میں ابن حجر کی فتح الباری جلد ۸، ص ۹۰ اور زرقانی کی المواہب اللدنیہ جلد ۳ ص ۸۰ کی بنیاد پر اس حدیث کو غزوۂ تبوک کا واقعہ قرار دیتے ہوئے صحیح قرار دیتے ہیں اور حضرت معاویہ کو "صلح حدیبیہ یا فتح مکہ کا مسلمان" سمجھا ہے۔ سید صاحب موصوف نے مزید حوالہ ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، مصر، ص ۲۵۵ کا بھی دیا ہے۔ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۰، بھی ان کے فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے دیکھیے: ص ۶۰، ۵۹۔

(۲۶۳) تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے ابواب سوم، چہارم، پنجم۔

(۲۶۴) ابن اسحاق، ص ۱۸-۵۱۰؛ واقدی ص ۹۳-۶۳۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۷-۱۰۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۲؛ طبری، سوم، ص ۱۶-۹۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری اور مسلم، غزوۂ خیبر؛ بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۲-۳۶۔ انتظامی تفصیلات کے لیے دیکھیے باب چہارم و پنجم۔ جدید مورخین میں دیکھئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل۔

ص ۵۰۲-۴۸۰؛ واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۸-۲۱۷۔

(۲۶۵) ابن اسحاق، ص ۵۲۳؛ واقدی، ص ۷-۷۰۶؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۴-۱۱۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۲؛ فتوح البلدان، ص ۴۷-۴۲؛ طبری، سوم، ص ۱۵۶ اور ص ۲۰۔

(۲۶۶) ابنِ اسحاق، ص ۵۱۶؛ واقدی، ص ۱۱-۷۰۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵-۱۱۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۲؛ طبری، سوم، ص ۱۶؛ نیز ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۴۸-۴۷۔

(۲۶۷) واقدی، ص ۷۱۱؛ فتوح البلدان، ص ۴۸۔

(۲۶۸) ان تین یہودی بستیوں سے معاہدات نبوی کا سب سے اچھا بیان بلاذری کی فتوح البلدان میں ملتا ہے۔ جس کے مطابق یہود فدک اور وادی القریٰ نے اپنی پیداوار کا نصف دینے کا معاہدہ کیا تھا جبکہ یہود تیماء پر جزیہ عائد کیا گیا تھا۔ اغلب خیال یہ ہے کہ یہ جزیہ اپنے اصطلاحی معروف معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اس سے مراد عام ٹیکس ہے جو بصورت خراج دوسری یہودی بستیوں سے لیا گیا تھا۔ اس استنباط کی تائید بلاذری کا وہ جملہ کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس طرح وہ لوگ اپنے علاقہ میں بحال رہے اور ان کی اراضی انھیں کے قبضے میں رہیں۔" یہ بھی ممکن ہے کہ صلح کے نتیجے میں ان سے پچاس فیصد خراج نہ لیا گیا ہو۔ ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۱۸ جو اس کو جزیہ کے اصطلاحی معنوں میں مراد لیتے ہیں۔

(۲۶۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے باب چہارم اور پنجم۔

(۲۷۰) سفارت ہائے نبوی کی تفصیلات دیکھئے باب چہارم بحث بر سفیران نبوی

مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳-۱۱۲' کا خیال ہے کہ ان نبوی سفارتوں کے بیانات میں سے بیشتر کو مسترد کر دینا چاہیے کیونکہ وہ نامہ ہائے نبوی جن میں اسلام کو قبول کرنے کی دعوت شاہانِ روم و بصری و ایران وغیرہ کو دی گئی تھی بعد کی تحریریں ہیں جو جعلی ہیں اور گھڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام منسوب کر دی گئی ہیں۔ مورخ موصوف نے ان کے مسترد کرنے کے اسباب و علل سے بحث نہیں کی ہے۔ جیسے کہ پہلے ذکر آچکا ہے واٹ اور ان کے پیشرو اور ہم عصر مغربی مورخین عیسائی بادشاہوں اور سلاطین کے نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و خطوط بھیجے جانے کے اس لیے منکر ہیں کہ اس سے ان کے بنیادی معتقدات و نظریات پر زد پڑتی ہے۔ مستشرقین بلا استثنائیہ ثابت کرنے کی کوشش اب یہ کرتے ہیں کہ اسلام ایک عربی دین تھا اور آپ کا پیغام صرف عربوں کے لیے تھا۔ وہ عالمی مذہب نہ تھا اور نہ آپ آفاقی رسول۔ بہرحال تاریخی تحقیقات نے ان خطوط و فرامین کی اصلیت و سچائی ثابت کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، ص ۴۰-۲۱ و ۵۲-۴۹ وغیرہ؛ محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۱۵-۶۰۵۔

(۲۷۱) ابنِ اسحاق، ص ۵۰۰، کے مطابق آپ نے ان سے فرمایا تھا "جاؤ، خدا تم کو راحت دے گا اور تمہاری نجات کا راستہ ضرور نکالے گا"۔ اور حضرت ابوجندل اپنے کافر و مشرک باپ سہیل بن عمرو عامری کی قید میں دوسرے مکی مسلمانوں کی طرح ظلم و ستم اٹھانے کے لیے چلے گئے تھے۔ حضرت ابوجندل صلح حدیبیہ کے لکھے جانے سے قبل بیڑیوں میں جکڑے

مسلمانوں میں پہنچ گئے تھے مگر معاہدہ کی رُو سے ان کو دل پر جبر کرکے واپس کرنا پڑا تھا۔ اور حضرت عمر اسی پر بے تاب ہوگئے تھے۔

(۲،۲) ابن اسحاق، ص ۵۰۷ - ۵۰۸ کے مطابق حضرت ابوبصیر کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بھی مکہ کے مسلمان گرفتاران بلا میں سے ایک تھے لیکن وہ کسی طرح مکہ سے نکل بھاگے اور مدینہ پہنچے۔ ازہر بن عبدعوف اور اخنس بن شریق نے بنو عامر بن لوی کے ایک شخص اور ایک آزاد غلام کو خط دے کر خدمتِ نبوی میں بھیجا اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ معاہدہ سے مجبور ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس مکہ جانے کا حکم دیا اور تشفی دی کہ "خدا ان جیسے مجبوروں اور بے کسوں کی نجات کی کوئی سبیل نکالے گا۔" اور ان کے احتجاج کے باوجود ان کو مکہ والوں کے حوالے کر دیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت ابوبصیر نے عامری کی تلوار کی تیزی اور کاٹ کی تعریف کی اور اس پر ترکیب سے قبضہ کر لیا۔ اور پھر ایک ہی وار میں عامری کا سر تن سے جُدا تھا اور آزاد کردہ غلام لرزاں و ترساں مدینہ خدمتِ نبوی میں پہنچا اور اس کے پیچھے پیچھے حضرت ابوبصیر بھی۔ رسالت مآب کی سرزنش کہ "تم نے جنگ بھڑکا دی ہوتی اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے" سے حضرت ابوبصیر نے سمجھ لیا کہ وہ پھر مکہ واپس بھیجے جائیں گے چنانچہ وہ یہ کہہ کر کہ "آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا مگر میں نے اپنی حفاظت خود کر لی" چپکے سے العیص کے علاقے کی طرف نکل گئے اور وہیں شاہراہ تجارت کے قریب پڑاؤ ڈال دیا جس سے مکی کارواں شام کو جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ مکی مسلمانان ابتلاء بھی مکہ سے نکلنے اور حضرت ابوبصیر کے پاس جمع ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد ستر کے قریب ہوگئی۔ انھوں نے قریشی کاروانوں کو اتنا پریشان کیا کہ خود قریشِ مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو مدینہ واپس بلا لینے کی درخواست کی۔ اور اس طرح معاہدہ حدیبیہ کی وہ شرط جو مسلمانوں پر انتہائی شاق گزری تھی کالعدم قرار پائی۔

مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۶۱ نے حضرت ابوبصیر کے قیام العیص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرفِ نظر یا باقاعدہ حوصلہ افزائی کا نتیجہ قرار دیا ہے اور بلاشبہ یہ تاثر ابن اسحاق کے ایک جملہ سے ملتا ہے۔ تاہم دو اہم تر سوال پیدا ہوتے ہیں جن سے واٹ نے بحث نہیں کی ہے۔ اوّل یہ کہ مکی سرداروں نے ابوبصیر کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کی تھی یا دوسرے یہ کہ انھوں نے دیت کا مطالبہ کیوں نہیں کیا تھا؛ ابنِ اسحاق ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ عامری مقتول کے خون بہا کو حاصل کرنے کی کوشش خود سہیل بن عمرو نے کی تھی مگر غالباً اس کو مکہ کے سرداروں خصوصاً ابوسفیان بن حرب کا تعاون و حمایت نہیں ملی تھی۔ دوسرے یہ کہ قانوناً مکہ والے دیت کا یا حضرت ابوبصیر کی واپسی کا مطالبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کر سکتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکہ کے ستر مسلمان جو عیص میں اس طرح قریشی کاروانوں کے لئے بلائے ناگہانی و بے درماں بن گئے تھے سب کے سب قدیم گرفتار شدہ یا مقید مکی نہیں تھے۔ زیادہ تر ایسے رہے ہوں گے جو اسی زمانے میں مسلمان ہوئے اور چونکہ ان کو خوف تھا کہ ان کے رشتہ دار ان کی واپسی کا مطالبہ کریں گے اس لیے انھوں نے مدینہ کے بجائے ہجرت عیص کو کی۔ چونکہ اسی زمانے میں مکہ کے بعض سربرآوردہ اور عظیم خاندانوں کے افراد نے بھی اسلام قبول کرکے مدینے کی راہ لی تھی اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ والوں نے معاہدہ حدیبیہ کی اس شق کو کالعدم کرنا ہی مناسب سمجھا تھا کیونکہ کس کس فرد کو وہ اسلام سے روکتے یا مدینہ سے واپس بلاتے۔ نیز ملاحظہ فرمایئے: واقدی، ص ۶۲۴

طبری، دوم، ص ۲۹ - ۶۳۸ -

(۲۷۲) حضرت ام کلثوم اموی کا اسلام اور ان کی مہاجرت اسلام کی اثر پذیری کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی تھیں۔ حدیبیہ کے زمانے میں وہ مسلمان ہوئیں یا اس سے قبل مسلمان ہو چکی تھیں مگر اسی زمانے میں انھوں نے یکہ و تنہا مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ مکہ سے باہر نکلی ہی تھیں کہ ایک عرب مکی مل گیا جس کی غیرت و حمیت نے ایک عورت کو تنہا سفر کرنے دینے کی اجازت نہ دی اور وہ ان کو بصد عزت و احترام مدینہ پہنچا کر واپس مکہ چلا گیا۔ ان کے گھر والوں کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے ان کے دو بھائیوں ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ کو واپس لانے کے لیے مدینہ بھیجا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حجرات میں حکم خداوندی کے مطابق مومن و مہاجر عورتوں کو کافروں میں واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے بھائی ناکام مکہ لوٹ گئے۔ اس طرح اس شق کا ایک حصہ یوں کالعدم ہوا۔ مگر اس سے زیادہ حیرت انگیز ہے کی ردعمل۔ مآخذ سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ اس شق کے سلسلے میں انھوں نے کوئی احتجاج کیا ہو جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود مکیوں کو بھی اس شق کے کم از کم غیر انسانی ہونے کا احساس تھا اور اسی لیے اس پر انھوں نے مزید احتجاج بے سود سمجھا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۰۹-۵۱۰؛ واقدی، ص ۶۲۹-۶۳۰؛ زبیری، ص ۱۴۵؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۲۳۰-۲۳۱؛ ابن حزم، جوامع السیرہ (مصر غیر مورخہ) ص ۲۱۱؛ ابن اثیر، الکامل، بیروت ۱۹۶۵ء، اوّل، ص ۲۰۶۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے خاکسار کی کتاب "حضرت ولید بن عقبہ اموی ——— حیات و شخصیت" (زیر طبع) باب اول -

(۲۷۳) یعنی معاہدہ کی دوسری شرط -

(۲۷۴) حضرت عمر بن خطاب کا سریہ تربہ جو محض تیس سپاہیوں پر مشتمل تھا اور شعبان ۷ھ / دسمبر ۶۲۸ء میں بھیجا گیا تھا۔ اور جس کی حیثیت محض ایک گشتی دستے سے زیادہ نہ تھی۔ ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۹؛ واقدی، ص ۷۲۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹؛ اور طبری، سوم، ص ۲۲۔ بلاذری کے مطابق مفسدوں کا تعلق بنو جشم بن معاویہ بن بکر، بنو نصر بن معاویہ بن بکر، سعد بن بکر اور ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن سے تھا۔ ان کو عجز ہوازن کہا جاتا تھا جو دراصل ہوازن کی تلچھٹ تھے (لسان العرب، لفظ عجز)۔ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۷ کے مطابق تربہ ایک مقام کا نام تھا جو عبلاء کے نواح میں مکہ سے چار دن کی مسافت پر صنعاء اور نجران کو جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔

(۲۷۵) حضرت ابوبکر صدیق اسی زمانے میں نجد کے علاقے زریہ کی جانب ایک گشتی دستہ لے کر گئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد دوم، ص ۱۱۷-۱۱۸؛ واقدی، ص ۷۲۲؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۹؛ طبری، دوم، ص ۶۴۳؛ بخاری، کتاب المغازی -

(۲۷۶) حضرت شجاع بن وہب اسدی کا سریہ بنو عامر بن ہوازن کے خلاف ربیع الاول ۸ھ / جولائی ۶۲۹ء میں -

ابن سعد کے مطابق یہ علاقہ معدن سے پرے رکبہ کے نواح میں مدینہ سے پانچ راتوں کی مسافت پر واقع تھا -

ملاحظہ ہو ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۷؛ واقدی، ص ۵ - ۷۵۲؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۸۰؛ طبری، سوم، ص ۲۹ -

(۲۷۷) ابن ہشام، دوم، ص ۱۲ - ۶۱۱؛ واقدی، ص ۷۲۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۰؛ طبری، سوم، ص ۲۲ -

(۲۷۸) ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۲؛ واقدی، ۲۶ - ۷۲۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۹؛ طبری، سوم، ص ۲۲ -

(۲۷۹) ابن ہشام، دوم، ص ۱۲ - ۶۱۱؛ واقدی، ص ۳۱ - ۷۲۷؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۰؛ طبری، سوم، ص ۲۳ -

(۲۸۰) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۱ - امراء سرایائے نبوی (۲۸۱) ایضاً

(۲۸۲) ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۱؛ واقدی، ص ۲ - ۷۵۲؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۲۸ - ۲۷؛ طبری، سوم، ص ۲۹؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۰ نے اس مہم کی نوعیت کو نہیں سمجھا ہے -

(۲۸۳) ابنِ اسحاق، ص ۹ - ۵۳۱؛ ابن ہشام، ص ۳۵۹ اور ۳۷۱ اور ۶۲۱؛ واقدی، ص ۶۹ - ۷۵۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰ - ۲۸؛ طبری، سوم، ص ۴۲ - ۳۶؛ بخاری، باب فی الجنائز، کتاب المغازی، غزوہ موتہ - نیز ضمیمہ اول - ۱ -

اس مہم کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے تین سالار بیک وقت نامزد فرمائے تھے - اوّل حضرت زید بن حارثہ تھے اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت جعفر بن ابی طالب کو امارت سنبھالنی تھی اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی کو - اتفاق یہ کہ تینوں امیران سریہ یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنا زیادہ رومی لشکر کے سامنے پسپا ہونا پڑا - حضرت خالد بن ولید مخزومی نے اس مہم میں جو فوجی کارنامہ انجام دیا اس پر اور اس کے علاوہ دوسری تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے باب سوم، بحث بر امیرانِ سرایا -

مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴ - ۵۳ پر غزوہ موتہ کو نہ صرف "پراسرار شمالی پالیسی" کا حصہ بتایا ہے بلکہ اس کو بجائے خود "سربستہ راز" قرار دیا ہے - واٹ کو خود اعتراف ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار پر مشتمل اسلامی لشکر کو موتہ کے علاقے میں اس لیے بھیجا تھا کہ سفیر نبوی حضرت حارث بن عمیر ازدی کے قتل کا قصاص لینے کے لیے بصریٰ کے حاکم شرحبیل بن عمرو غسانی کے خلاف بھیجا تھا - معان میں مسلم سالاروں کو ایک بازنطینی لشکر جرار جس میں شمالی سرحد کے متعدد قبائل بھی شامل ہو گئے تھے کے آنے کی خبر مل گئی تھی لیکن پھر بھی انھوں نے دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور موتہ جا پہنچے جہاں یہ عظیم معرکہ برپا ہوا - بہرحال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامزد کردہ تینوں سالاروں کی شہادت کے بعد حضرت ثابت بن اقرم اور حضرت خالد بن ولید مخزومی نے منتشر مسلم لشکر کو از سرِ نو ترتیب و تنظیم دے کر مقابلہ کیا اور کچھ مزید مقابلے کے بعد مسلم سپاہ پسپا ہو گئی - ایک روایت کے مطابق مسلم لشکر نے بازنطینی لشکر کو فرار پر مجبور کر دیا -

اس قدر اعتراف کرنے کے بعد یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ واٹ کو اس غزوہ میں کیا "راز" یا "عقدہ" نظر آتا ہے؛ واٹ موتہ کے قصے کو بہت زیادہ گھڑا ہوا سمجھتے ہیں اور اس میں متعدد تضادات اور الجھنیں پاتے ہیں - چنانچہ ان کا سب سے بڑا شبہ و اعتراض یہ ہے کہ یہ سارا قصہ حضرت خالد کو مطعون کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے - اور حضرت زید،

جعفر اور عبداللہ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نامزدگی بھی اس بنا پر گھڑی گئی ہے کہ حضرت خالد کو بلا اجازت نبوی یا غیر قانونی طور پر قیادت و کمان سنبھالنے کا مجرم قرار دیا جائے۔ پھر حضرت ثابت بن اقرم نے حضرت خالد کو کمان سنبھالنے پر جو اصرار کیا تھا اس کو مستشرق موصوف حضرت خالد کو مطعون کرنے والی روایت کا تریاق یا ردِّ عمل بتاتے ہیں۔ پھر حضرت خالد کے مدینہ پہنچنے پر مدینہ کے کچھ لوگوں نے ان پر اور مسلم لشکر پر کنکریاں پھینکیں، بُرا بھلا کہا اور بزدلی کے طعنے دئے تھے۔ اس کو بھی وہ حضرت خالد کے مدینہ واپس آنے کے فیصلے کو ہدفِ ملامت بنانے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مورخ موصوف بازنطینی لشکر کے ایک لاکھ سپاہ پر مشتمل ہونے کی روایت کو حضرت خالد کے دفاع میں گھڑی جانے والی روایت تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خالد کے خلاف منافرت اور دوسرے امراد یا ایک خاندان کے امیر کی تعریف و توصیف کے مبالغہ کو نکالنے کے بعد صرف تین نکات یقینی طور پر ان کے نزدیک رہ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :

۱۔ دشمن سے کچھ تصادم۔

۲۔ حضرات زید، جعفر، عبداللہ وغیرہ سمیت کچھ لوگوں کی شہادت (زیادہ مسلمان شہید نہیں ہوئے تھے)۔ اور

۳۔ مسلم لشکر کا حضرت خالد کی کمان میں مدینہ واپس ہونا۔

باقی نکات کو وہ غیر یقینی اور راز سربستہ سمجھتے ہیں اور معدودے چند مسلم مقتولوں کی تعداد کے پیش نظر ان کا خیال ہے کہ تصادم پوری بازنطینی فوج کے بجائے صرف اس کے ایک حصہ سے ہوا ہوگا۔ ورنہ کسی بڑے تصادم کی صورت میں مسلمان مقتولین کی تعداد آٹھ یا بارہ سے جیسا کہ واقدی اور ابنِ ہشام کے بیان سے بالترتیب معلوم ہوتا ہے کہیں زیادہ ہونی چاہیے تھی۔ اس لیے یہ محض معمولی جھڑپ تھی۔ موصوف کو ایسی معمولی جھڑپ میں فوج کے سالارِ اعلیٰ اور ان کے دو عظیم ترین رفقاء کی شہادت بھی ناقابلِ تصور معلوم ہوتی ہے اگرچہ وہ عرب انداز و طریق جنگ میں ایسا ہونا ناممکن بھی نہیں سمجھتے۔ ممکن ہے کہ اس جھڑپ میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا ہو ورنہ مسلمانوں کا نقصان بہت زیادہ ہوا ہوتا۔ واٹ نے مسلم لشکر کی مدینہ واپسی کا سبب نہ دشمن کا خطرہ سمجھا ہے نہ بزدلی کو، بلکہ مرکز سے زیادہ دنوں تک غیر حاضری کو اور کسی حد تک ممکن ہے کہ حضرت خالد کی مہم کے صحیح مقاصد سے لاعلمی بھی اس کی ذمہ دار رہی ہو۔ موصوف کا خیال ہے کہ حضرت زید کو جو ہدایات نبوی ملی تھیں وہ بعد کی گھڑی ہوئی ہیں۔ بہرحال واٹ اس کے قائل ہیں کہ اس مہم سے مسلمانوں کی طاقت کا احترام بڑھا ہوگا، اگرچہ سالارِ اعلیٰ کے قتل کا بعض لوگوں پر بُرا اثر بھی پڑا ہوگا۔

غزوۂ موتہ کے بارے میں مونٹگمری واٹ کی پوری بحث اندرونی تضادات سے بھری ہوئی ہے۔ یہاں اس پورے بیان کا تنقیدی جائزہ لینا ممکن نہیں ہے تاہم چند اہم نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اوّل : حضرت خالد بن ولید مخزومی کو مطعون کرنے کے لیے روایات گھڑنا اور پھر ان کے دفاع میں روایات اختراع کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ ایک ہی قسم کی روایت میں یہ دونوں عناصر نہیں پائے جا سکتے۔ دوسرے یہ کہ تمام روایات

یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت خالد کا انتخاب کمانداروں کی شہادت کے بعد خود مسلم فوج نے کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایسے کسی مرحلے پر جب پوری فوج کی زندگی معرضِ خطر میں ہو سالار کی قیادت کا انتخاب نہیں کیا جاتا بلکہ زندہ قومیں اور فوجیں خود ایسے افراد رکھتی ہیں جو کسی نازک مرحلے پر قیادت سنبھال لیتے ہیں۔ مآخذ سے کسی طرح یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت خالد کے اعلیٰ کمان سنبھالنے کو خود جناب رسالت مآب نے یا مدینہ کے مسلمانوں نے "غیر قانونی یا غیر دستوری" قرار دیا ہو بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف حضرت خالد کی فہم و فراست کی طرفداری کی تھی بلکہ ان کو سیف اللہ کا خطاب اسی موقعہ پر عطا فرمایا تھا۔ مدینہ کے لوگوں کا سخت ردِّ عمل محض حضرت خالد کے خلاف نہیں تھا بلکہ پوری فوج کا تھا اور یہ فطری جذبہ یا ردِّ عمل تھا جب ان کو معلوم ہوا کہ فوج نے فرار کی راہ اختیار کی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرار نہیں حکمت عملی سمجھا تھا اور آپ کے تبصرے نے ہی لوگوں کو مطمئن کیا تھا اور پوری فوج کو تسلی دی تھی۔ چنانچہ یہ کہنا کہ حضرات زید، جعفر اور عبداللہ کی نامزدگی کی کہانی گھڑی ہوئی ہے اور حضرت خالد کو مطعون کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے بالکل صحیح نہیں ہے۔ دراصل مستشرقین میں سے اکثر و بیشتر اس خیال کے ہمارے مآخذ حضرت خالد کے خلاف میں اس قدر حامی ہیں کہ ان کو ہر چیز میں حضرت خالد کی مخالفت نظر آنے لگتی ہے۔

دوم یہ کہ یہ معمولی جھڑپ تھی اور زیادہ سنگین معرکہ نہیں تھا محض اس لیے کہ مسلمان مقتولین کی تعداد بہت کم گنائی گئی ہے صحیح نہیں ہے۔ ابنِ اسحاق، ابن ہشام اور واقدی وغیرہ نے جن مسلمان شہداء کے نام گنائے ہیں وہ اہم ترین لوگ تھے۔ پھر ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی کل مقتولین کی تعداد نہیں تھی۔

سوم یہ کہ ممکن ہے کہ رومی فوج اتنی زیادہ نہ رہی ہو اور اس کی تعداد میں مبالغہ رہا ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ مسلم لشکر سے کئی گنا بڑی تھی اور اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے جگری نے یقیناً اچھا اثر ڈالا ہوگا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اس کثیر تعداد نے مسلمانوں کی پسپائی کی صورت میں ان پر عقب سے حملہ کیوں نہیں کیا اور کیونکر ان کو میدانِ جنگ سے اس طرح پسپا ہونے دیا۔

چہارم یہ تصور کہ حضرت خالد جیسے شخص کو مہم کے مقصد کا علم نہ رہا ہو صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو نہ حضرت خالد کی شخصیت سے واقف ہو، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب و تنظیم سرایا کی نوعیت سے نہ تاریخی عناصر و واقعات سے۔ اس سے بڑھ کر کور دیدہ ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟ جہاں تک اس مہم میں لگنے والے وقت کا سوال ہے دو ماہ سے کم کی مدت لگی تھی۔

پنجم یہ کہ خود واٹ کو اعتراف ہے کہ اس مہم سے مسلمانوں کی قدر و منزلت بڑھی تھی اور فوجی حیثیت کو احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا۔ اب آخر میں یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ اس مہم میں کیا چیز سربستہ راز یا پُراسرار ہے؟

غزوۂ موتہ پر عمدہ بحث کے لیے دیکھئے سید سلیمان ندوی کا تبصرہ و حاشیہ سیرت النبی، اوّل، ص ۵۰۷-۵۰۸، حاشیہ ۳ جو انھوں نے بخاری، غزوہ موتہ کی بنیاد پر تحریر کیا ہے۔

(۲۸۴) ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۳؛ واقدی، ص ۴۷- ۷۶۹؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۳۱؛ طبری، دوم، ص ۲-۱۳۱؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۸ - ۱۱۵۔

(۲۸۵) ایضاً (۲۸۶) ایضاً؛ نیز باب دوم، بحث بر اسلام قبائل متعلقہ۔

(۲۸۷) فتح مکہ کے حالات کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۵۶ - ۵۴۰؛ واقدی، ص ۸۷۱ - ۷۸۰؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۴۵ - ۱۳۴؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۶۴ - ۳۵۳؛ طبری، سوم، ص ۶۹-۴۲۔

(۲۸۸) ملاحظہ کیجئے باب چہارم، بحث بر والیانِ نبوی۔

(۲۸۹) ابن اسحاق، ص ۸۷، ۵۶۶؛ ابن ہشام، دوم، ص ۸۰ - ۶۷۷؛ واقدی، ص ۹۲۲ - ۸۸۵؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۵۹ - ۱۴۹؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۶۶ - ۳۶۴؛ طبری، سوم، ص ۷۹ - ۷۰؛ نیز ملاحظہ کیجئے: بخاری، کتاب الجہاد، غزوہ حنین؛ مسلم، غزوہ حنین؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۰ - ۵۳۰، نے ابتدائی ہزیمت کی ذمہ داری سراسر مکہ کے نومسلموں پر جن کو عام طور سے طلقاء کہا جاتا ہے ڈالی ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ سید سلیمان ندوی نے بھی ص ۳۸-۵۴۴ پر اپنے حواشی میں انھیں طلقاء کو شکست کا پورا الزام دیا ہے اور کثرت سے مفسرین، محدثین اور راویوں کی آراء اپنے دلیل و دعویٰ کے ثابت کرنے میں نقل کی ہیں۔ لیکن تاریخی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جس نے پہلے پیٹھ دکھائی اور فرار حاصل کیا تھا وہ حضرت خالد کی کمان میں بنو سلیم کا شہسوار دستہ تھا جو نوسو یا کچھ زیادہ پر مشتمل تھا۔ ان کا فرار کسی بزدلی یا دون ہمتی یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے یا منافقت کے سبب نہ تھا جیسا کہ سید صاحب موصوف نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بنیادی طور پر یہ جنگی اور تکنیکی ہزیمت تھی۔ چونکہ دشمن پہلے سے وادی کے دروں اور غاروں میں چھپ گیا تھا اور مسلم فوج کے مقدمہ پر اس نے اچانک تیراندازی کرنی شروع کر دی تھی اس لیے ان کے قدم نہ ٹک سکے تھے۔ قرآن کریم کی آیات (سورہ توبہ ع ۴) واضح طور سے فرار کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ڈالتی ہیں اور اسی کو مسلمانوں کی نازش بے جا کا عمل مکافات قرار دیتی ہیں۔ قرآن مجید نے کسی ایک خاص طبقۂ مسلم کو اس کا ذمہ دار نہیں قرار دیا ہے۔ دوسری اہم چیز یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرار کے لیے کسی کو بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا تھا اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی فرد یا طبقہ کو خاص کیا تھا۔ اس لیے فرار کی ذمہ داری صرف طلقاء یا نومسلمانانِ مکہ پر ڈالنا نہ صرف صریح زیادتی ہے بلکہ قرآن کریم کی واضح آیات کے خلاف ہے۔ مسلمان مورخین، محدثین اور مفسرین کو دراصل مسلمانوں کی اور وہ عہد نبوی کے مسلمانوں کی شکست و ہزیمت شاق گزرتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے لیے صرف فتح بنی تھی۔ یہی رویہ یا طرزِ فکر ہے جس نے ہمیشہ ان کو ہر شکست کے موقعہ پر "قربانی کے بکرے" تلاش کرنے پر اکسایا ہے اور اسی بنا پر انھوں نے حنین کی ابتدائی شکست کا الزام طلقاء کے نام لکھ دیا ہے۔ اس سے پہلے اور اس سے زیادہ سنگین ہزیمت اُحد کے میدان میں ہو چکی تھی: وہاں نہ تو منافقین تھے نہ غیر راسخ مسلمان نہ طلقاء۔ پھر کون ذمہ دار تھا؟

(۲۹۰) ابن اسحاق، ص ۵۹۲ کے مطابق چھ ہزار عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے تھے، اور بھیڑ بکری اور اونٹ کی تعداد

بے شمار تھی۔ واقدی، ص ۹۵۰ کا بیان ہے کہ ہوازن کے مسلمانوں کا ایک وفد جو ۲۴ آدمیوں پر مشتمل تھا خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور آپ کے لطف و کرم، عفو و حلم اور رحمت و رافت کا واسطہ دے کر "اپنی خالاؤں، پھوپھیوں اور رضاعی ماؤں، جنھوں نے آپ کی بچپن میں دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت کی تھی، کو رہا کرنے کی درخواست کی" یہ اصل میں بنو سعد بن بکر کے قیدیوں کی جانب حوالہ تھا جو آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کا گھرانا تھا۔ انھیں قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن شیماؓ بھی تھیں۔ وہ جب خدمت نبوی میں لائی گئیں تو آپ نے ان کو شناخت کر لیا اور ان کا اعزاز و اکرام کیا۔ دل کو چھو لینے والے مناظر، اپنے رضاعی رشتہ داروں کی حالت زار، قبیلۂ ہوازن کے مسلمانوں کی درد بھری درخواست اور ان سب سے بڑھ کر آپ کی فطری رحمت و رافت کا تقاضا تھا کہ ان قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنے خاندان بنو عبدالمطلب کے حصہ آنے والے قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا اور مسلمانوں سے اپنے قیدیوں کو رہا کرنے کی درخواست کی۔ آپ کا حکم اور مثال نے مسلمانوں کو قیدیوں کے رہا کرنے پر آمادہ کر دیا اور چند گھنٹوں میں تمام قیدی آزاد تھے۔ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر ہزارہا ہوازن کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان واقعات وحقائق کے لیے ملاحظہ ہو: ابنِ اسحاق، ص ۹۴-۵۹۲؛ واقدی، ص ۵۴-۹۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۴-۱۵۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۶۶-۳۶۷؛ طبری، سوم، ص ۸۶-۰۷؛ بخاری، غزوۂ حنین؛ مسلم، غزوۂ حنین؛ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، مذکورہ بالا۔

(۲۹۱) ہوازن کی شکست خوردہ فوج نے حنین سے بھاگ کر طائف میں پناہ لی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دنوں کے محاصرہ کے بعد جعرانہ میں قیام کیا جہاں ثقیف کے ایک وفد نے صلح کی گفتگو کی تھی۔ ملاحظہ کیجئے: بلاذری، فتوح البلدان، ص ۹۷؛ نیز دیکھیے: ابنِ اسحاق، ص ۹۲-۵۸۷؛ واقدی، ص ۳۷-۹۲۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۰-۱۵۸؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۶۷-۳۶۶؛ طبری، سوم، ص ۸۵-۸۲۔ یہ تمام مورخین جعرانہ میں آنے والے ثقفی وفد کی آمد کا ذکر نہیں کرتے ہیں لیکن دوسری تفصیلات میں وہ بلاذری کے بیان کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔ طائف کی مہم کے لیے بخاری و مسلم وغیرہ کی کتب احادیث بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۲۹۲) اصنام عرب کو توڑنے کے لیے جو مہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجی تھیں وہ حسب ذیل تھیں:

(ا) حضرت خالد بن ولید مخزومی نے تیس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ نخلہ میں نصب عزّیٰ کا بت توڑا تھا۔

(ب) حضرت عمرو بن عاص سہمی نے بنو ہذیل کا بُت سواع جو ینبوع کے اطراف رباط میں تھا خاک میں ملایا تھا۔

(ج) حضرت سعد بن زید اوسی نے ازد، غسان، اوس و خزرج کے بت مناۃ کو مشلل میں جاکر توڑا تھا۔

(د) حضرت ابوسفیان بن حرب اموی اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے لات کے بت کو توڑا اور اس کے مندر کو ڈھایا تھا۔

(س) حضرت طفیل بن عمرو دوسی نے اپنے قبیلہ کے بُت ذوالکفین کو توڑا تھا۔

(س) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے اپنے قبیلہ کے بُت کو جو ذوالخلصہ میں نصب تھا شکست کیا تھا۔

ان کے علاوہ چھوٹی موٹی اور مہمیں بھی ممکن ہے بھیجی گئی ہوں۔ ان مہموں کے حوالوں اور مآخذ کے لیے ملاحظہ کیجیے ضمیمہ اول۔ ا؛

نیز دیکھیے، شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۹ - ۵۲۷؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۶۹۔

(۲۹۳) ابن اسحاق، ص ۶۲۸ وغیرہ؛ ابن سعد، اول، ص ۲۶۰ - ۲۹۱؛ طبری، سوم، ص ۱۹ - ۱۱۱؛ بخاری، وفود عرب کے مختلف ابواب جیسے وفد بنی تمیم، وفد بنی حنیفہ، وفد اہلِ نجران، قدوم الاشعریین وغیرہ۔ نیز ملاحظہ کیجئے: باب دوم، بحث بر وفودِ عرب۔

(۲۹۴) ابن سعد، اول، ص ۲۹۱ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا وفد عرب قبیلہ مزینہ کا تھا جو ۵ھ / ۶۲۷ء میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ وفود کی آمد اس سے بھی پہلے شروع ہو گئی ہو جیسا کہ بعض شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض بدوی قبائل کے وفود ہجرت کے فوراً بعد آنے لگے تھے۔ ابن اسحاق نے بعض وفودِ عرب کا ذکر مکی زمانے میں بھی کیا ہے ملاحظہ ہو، ص ۱۷۹، ۲۷۰ وغیرہ۔

(۲۹۵) طبقات، اوّل، ص ۲۶۰ - ۲۹۱ - وفودِ عرب کی تعداد ہر سیرت نگار و مورخ کے یہاں مختلف ہے۔ بعض مورخین صرف چند وفود کا ذکر کرتے ہیں اور بعض دوسرے کچھ بڑی تعداد کا۔ ابن سعد کی ذکر کردہ تعداد بھی آخری نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وفاداری اور خلوص کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کا وفد مدینہ آیا۔ بقول ابن قیم کے مدینہ میں اتنے ہی وفد آئے جتنے کہ عرب کے قبیلے تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنے وفودِ عرب آئے جتنے کہ قبائل عرب اور ان کے بڑے آزاد خاندان تھے جو عملی لحاظ سے خود قبیلہ بن چکے تھے۔

مغربی مورخین اور سیرت نگار خاص طور سے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹، اور باب چہارم مکمل، اس خیال کے حامی ہیں کہ قبائل عرب کے اس سرعت کے ساتھ اور اتنی بڑی تعداد میں وفودِ عرب کی آمد میں ماخذ نے بہت مبالغہ کیا ہے لہذا وہ نہ تو یہ مانتے ہیں کہ تمام قبائل عرب نے عہد نبوی میں اسلام قبول کیا تھا اور نہ ہی اسلامی ریاست کی سیاسی بالادستی۔ بلکہ بہت سے قبائلِ عرب مدینہ کے خلاف تھے حتیٰ کہ بہت سے ان قبائل نے جنھوں نے کسی نہ کسی وجہ سے اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کر لی تھی۔ عہد نبوی کے اواخر اور عہدِ صدیقی کے اوائل میں مدینہ سے منحرف ہو گئے تھے اور ان کو طاقت کے ذریعہ اسلامی ریاست کا مطیع اور اسلام کا ماننے والا بنایا گیا تھا۔ اس خیال پر مزید بحث و تبصرہ کے لیے ملاحظہ کیجیے باب دوم — بحث بر اسلام قبائل عرب۔

(۲۹۶) تفصیلات کے لیے دیکھیے باب دوم — بحث بر اسلام قبائل عرب۔

(۲۹۷) مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے بنو مدلج، بنو ضمرہ، جُہَینہ، مُزَینہ، اسلم و غفار وغیرہ سے، محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، ص ۸۰ - ۱۵۱ وغیرہ؛ نثار احمد فاروقی، الرسالات النبویہ، نقوش، رسول نمبر جلد دوم، ص ۲۳۹، ۲۴۴ وغیرہ۔

(۲۹۸) مثلاً مقابلہ و موازنہ کیجئے رسالاتِ نبوی کا جو قبائل عرب جیسے اہلِ یمن، ہجر، نجران وغیرہ سے کئے گئے۔ محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۰ - ۵۶ وغیرہ؛ نثار احمد فاروقی، الرسالات النبویہ، مذکورہ بالا، ص ۳۲ - ۲۲۵ وغیرہ۔

(۲۹۹) واقدی، ص ۷۵۵؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۸؛ بخاری، غزوہ موتہ۔ موتہ کے لیے ملاحظہ کیجئے: معجم البلدان، چہارم، ص ۶۷۶؛ فلپ کے حتی، ہسٹری آف سیریا، لندن ۱۹۵۱ء، ص ۴۰۹ وغیرہ۔

(۳۰۰) ابنِ اسحاق، ص ۹-۶۶۸؛ ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۳؛ واقدی، ص ۷۷-۷۶۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱-۳۸۰؛ طبری سوم ص ۳۲-۳۱۔ یہ مہم سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ سلاسل نامی مقام مدینہ سے دس دن کی مسافت پر واقع ہے اور بلاذری کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس علاقے میں بعض اہم شمالی قبائل جیسے بلی، عذرہ، لخم، جذام، قضاعہ اور عاملہ وغیرہ بستے تھے۔

اس مہم کے بارے میں جو تفصیلات ابنِ سعد نے فراہم کی ہیں وُہ کافی اہم اور وقیع ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقے میں اسلامی ریاست کا اقتدار کہاں تک وسیع ہو چکا تھا۔ ابن سعد کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی روانگی سے قبل معمول کے مطابق حضرت عمرو بن عاص سہمی امیرِ سریہ کو ہدایات دیں۔ من جملہ ایک ہدایت یہ تھی کہ وُہ جب قبائل بلی، عذرہ اور بلقین کے علاقے سے گزریں تو ان سے مدد و اعانت طلب کریں کیونکہ وُہ حضرت عمرو بن عاص کی والدہ کے خاندان کے لوگ تھے اور اس طرح ان سے اعانت غیر متوقع نہ تھی۔ بہرحال اس مہم نے بلی کا علاقہ اپنے مکمل قابو میں کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اس قبیلہ کے خطے سے گزرنا اور قبضہ کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وُہ ان کے آخری سرے تک پہنچ گئی اور کسی قدر عذرہ اور بلقین کے علاقے پر بھی اقتدار قائم کر دیا۔ آخر میں ان کا مقابلہ شمالی عرب کے بعض دشمن اور مخالف قبائل کے ایک لشکر سے ہُوا جو ایک ہلکی سی جھڑپ کے بعد پسپا ہو گئے۔ ان کو اس کے بعد ایک زبردست شکست ہُوئی اور وہ منتشر ہو گئے۔ اس بیان سے کم از کم دو اہم نکات نکلتے ہیں۔ اوّل یہ کہ بلی، عذرہ اور بلقین کے قبائل میں مسلمانوں اور اسلامی ریاست کے کچھ ہمدرد اور متفقین موجود تھے جن سے فوجی امداد کی توقع کی گئی تھی۔ دوم یہ کہ یہ پُورا علاقہ اسلامی ریاست کے زیر اثر کم سے کم آ گیا تھا اگرچہ اس پر اسلامی ریاست کا مکمل قبضہ نہیں ہُوا تھا۔ اس حقیقت کی تائید ان تاریخی حقائق سے ہوتی ہے کہ جن کے مطابق بلی، عذرہ، جذام، سعد ہذیم، بہراء وغیرہ کے قبائل کے وفود پہلے ہی مدینہ آ چکے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی اور تعاون کے معاہدے کر چکے تھے۔ ملاحظہ کیجئے ابن سعد، اول، ص ۳۲، ۳۲۹ اور ۵۵-۳۵۴ وغیرہ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۵۹-۱۵۲؛ مزید دیکھیے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۶-۱۰۶۔

(۳۰۱) تبوک سے پہلے اور سریہ ذات السلاسل کے بعد صرف دو مختصر اور غیر اہم سرایا بھیجے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ابو قتادہ ربعی کا آٹھ نفری دستہ تھا جو بطن اضم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہ مقام مدینہ سے تین برد کے فاصلے پر تھا۔ اور یہ ایک طلیعہ تھا جس کا مقصد مکہ والوں کو فتح مکہ کے منصوبے سے تاریکی میں رکھنا تھا۔ ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۱۳۳؛ واقدی، ص ۰۰۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۱؛ طبری، سوم، ص ۶-۳۵۔ اور دوسرا حضرت عکاشہ بن محصن کا سریہ تھا جو تبوک سے قبل عذرہ اور بلی کے علاقے میں بھیجا گیا تھا۔ یہ بعض شر پسندوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے

کہ یہ ایک تبلیغی مشن تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعدؔ دوم، ص ۱۶۴۔

(۳۰۲) بلقاء، شام میں بازنطینی سلطنت کی ایک اہم سرحدی چوکی تھی۔ ملاحظہ ہو: معجم البلدان، اول، ص ۲۶۱؛ ابن اسحاق، ص ۱۰۳؛ حتی، تاریخ شام، مذکورہ بالا، ص ۴۰۳۔

(۳۰۳) واقدی، ص ۹۹۰؛ ابنِ سعدؔ دوم، ص ۱۶۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو: فتوح البلدان، ص ۷۱۔

(۳۰۴) واقدی، ص ۹۹۰ - ۹۸۹ کا بیان ہے کہ ساقطہ یا انباط (یعنی شامی تاجروں) کا مسلسل مدینہ آنا جانا ہوتا رہتا تھا۔ ان کے جزیرہ نمائے عرب بالخصوص مدینہ وغیرہ سے تجارتی تعلقات زمانۂ جاہلیت سے قائم تھے۔ ان کے اشیائے تجارت میں گیہوں کے عمدہ آٹے اور زیتون کے تیل وغیرہ شامل تھے جن کی مدینہ میں بہت مانگ تھی۔ ان لوگوں کے ذریعہ مسلمانوں کو شمالی سرحدوں پر ہونے والے اہم واقعات وحالات کی برابر اطلاع ملتی رہتی تھی۔ اس موقعہ پر بھی شمالی سرحد کے مدینہ دشمن قبائل اور بازنطینی سلطنت کی سازباز کی خبریں بھی پہلے پہل انھیں تاجروں کے ذریعہ مدینہ پہنچی تھیں۔ اس کے علاوہ اسلامی ریاست کو شمالی خطرہ کا بخوبی احساس تھا کیونکہ بازنطینی سلطنت اسلامی ریاست کی روزافزوں ترقی اور استحکام کو پسند نہیں کرتی تھی اور وہ اپنے ایشیائی مقبوضات خصوصاً شام وفلسطین کے علاقوں کے لیے اس کو ایک خطرہ تصور کرتی تھی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ بازنطینی سلطنت خاص کر جزیرہ نمائے عرب کے معاملات میں مداخلت کرتی رہی تھی اور اس زمانے میں اپنی قدیم حریف ایران کی ساسانی سلطنت سے نبرد آزما ہونے کا سبب فوری مداخلت نہیں کرسکتی تھی تاہم ۶۲۸-۶۲۹ء میں اس کو ذرا سا موقع ملا تو اس نے عرب کے معاملات کی طرف توجہ دینی ضروری سمجھی۔ اسلامی ریاست اور مسلمانوں کو اس خطرہ کا کس قدر احساس تھا، اس کا اندازہ بخاری کی ایک حدیث (کتاب العلم) سے بخوبی ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں ایلاء کا واقعہ مدینہ میں پیش آیا تھا۔ حضرت عمر کے ندیم حضرت عتبان بن مالک انصاری ایک دن حیران و پریشان آئے اور چلا کر حضرت عمر کو اطلاع دی کہ ایک اہم واقعہ ہوگیا۔ حضرت عمر کا پہلا ردِّ عمل یہ تھا: "کیا غسانیوں نے حملہ کر دیا؟" ملاحظہ کیجئے: مسلم، کتاب النکاح؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۵۵۳ خاص کر، ص ۶۲ - ۷۴ ۵ عام طور سے۔

(۳۰۵) ابن اسحاق، ص ۶۰۲ - ۹؛ واقدی، ص ۱۰۰۲ - ۱۶؛ ابنِ سعد، ص ۱۶۵ - ۲۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۶۸؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ طبری، سوم، ص ۱۰۷ - ۸؛ بخاری اور مسلم، غزوۂ تبوک۔

واقدی اور ابن سعد کے مطابق مسلم سپاہ تیس ہزار مجاہدین اور دس ہزار گھوڑوں پر مشتمل تھی۔ بلاذری کا اضافہ یہ ہے کہ اس میں بارہ ہزار اونٹ بھی تھے۔

(۳۰۶) ابن اسحاق، ص ۶۰۷؛ واقدی، ص ۱۰۳۱؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ طبری، سوم، ص ۱۰۸؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۳۴۔

ان مآخذ کے مطابق شاہِ ایلہ یوحنا بن روبہ خدمتِ نبوی میں بذاتِ خود حاضر ہوا تھا اور اس نے اظہارِ وفاداری واستواری کے علاوہ آپ سے ایک معاہدہ بھی کیا تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ شاہِ ایلہ نے سالانہ تین سو دینار

بطور جزیہ اسلامی ریاست کو دینا منظور کیا تھا۔ یہ رقم اس کی چھوٹی سی مملکت کے تین سو کمانے کے لائق مردوں کی تعداد کی بنیاد پر مقرر کی گئی تھی۔ بلاذری نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ فی بالغ مرد ایک دینار جزیہ کے علاوہ ایلہ کے لوگوں پر یہ فرض بھی عائد کیا گیا تھا کہ وہ اپنے علاقے سے گزرنے والے مسلمانوں کی مہمان داری اور پاسداری بھی کریں گے۔ اس "فرضِ مزید" کی اور تائید اس نامۂ نبوی سے بھی ہوتی ہے جو کچھ مدت بعد شاہ و اشرافِ ایلہ کے نام مدینہ سے بھیجا گیا تھا۔ اس کے مطابق اہلِ ایلہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ حاکم حضرت حرملہ کو چار قاصدانِ نبوی کے لیے عمدہ قبائیں اور تین وسق گیہوں ادا کرنا تھا۔

(۳۰۷) واقدی، ص ۱۰۳۲؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۳۹ - ۳۶۔ بلاذری کے مطابق اہلِ مقنا پر سالانہ جزیہ جنس میں مقرر کیا گیا تھا جو ان کے پھلوں اور کپڑے اور ہتھیاروں کی پیداوار اور مچھلی کی یافت کا چوتھائی تھا۔

(۳۰۸) ابن اسحاق، ص ۶۰۷؛ واقدی، ص ۳۲ - ۱۰۳۱؛ فتوح البلدان، ص ۷۱؛ طبری، سوم، ص ۱۰۸؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۳۵۔ ان دونوں مقامات کے یہودیوں کو ہر سال ماہِ رجب میں سو دینار فی آبادی اسلامی ریاست کو بطور جزیہ ادا کرنا تھا بعض دوسری روایات کے مطابق جزیہ کی رقم ایک ہزار دینار فی آبادی تھی۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۶ - ۱۱۵۔

(۳۰۹) ابن اسحاق، ص ۸ - ۶۰۷؛ واقدی، ص ۳۰ - ۱۰۲۵؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۶۶؛ فتوح البلدان، ص ۷۴، ۷۲؛ طبری، سوم، ص ۹ - ۱۰۸؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۶۸ - ۱۶۶۔ روایات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید مخزومی کو ایک لشکر کے ساتھ دومۃ الجندل کی مملکت کے حکمراں اُکیدر بن عبدالملک کندی سکونی کے خلاف بھیجا۔ حضرت خالد نے ایک معمولی سی جھڑپ کے بعد شاہِ دومہ کو گرفتار کر لیا اور اس سے جنگ کے خاتمہ پر دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہ بکتر اور اتنے ہی نیزے وصول کیے۔ اس کے بعد عیسائی بادشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہاں اس نے ایک معاہدہ کیا جس کے مطابق اس نے سالانہ جزیہ ادا کرنے کا عہد کیا۔ ایک نامہ نبوی سے جو یقینی طور پر بعد کے زمانے کا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست نے مملکتِ دُومہ کی اراضی کی ملکیت کا اپنا حق جتایا تھا اور اُکیدر اور ان کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ کیونکہ اس نامۂ مبارک کے مطابق اب ان کو "اپنے اموال پر زکوٰۃ ادا کرنی تھی اور مقررہ اوقات پر نماز ادا کرنی تھی"۔ نیز ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۵، جنھوں نے ان نامہ ہائے نبوی کو نہ سمجھا ہے اور نہ صحیح طریقے سے پیش کیا ہے۔

(۳۱۰) ملاحظہ کیجئے باب چہارم، بحث بر والیانِ نبوی۔

(۳۱۱) ابن سعد، اوّل، ص ۳۳ - ۳۳۲ و ص ۴۰ - ۳۳۸ کے بیان کے مطابق اس زمانے میں شمالی عرب کے جو وفود مدینہ پہنچے تھے ان میں سلامان، غسان اور حارث بن کعب کے علاوہ بعض اور وفود قبائل تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مجموعۃ الوثائق، ص ۴۸ - ۴۲، ص ۵۹ - ۱۵۵، ص ۷۰ - ۱۶۸، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خطوط و فرامین ہیں جو بعض اہم شمالی قبائل

جیسے جذام، سعد ہذیم، قضاعہ، عذرہ، کلب، لخم، بلی اور غسان وغیرہ کے اہم شیوخ اور افراد کے نام میں ان خطوط نبوی میں ان کے حاملین کو اسلامی ریاست یعنی خدا اور اس کے رسول کا "ذمہ" عطا گیا ہے بشرطیکہ وُہ صدقات مقررہ اور مفروضہ ادا کرتے رہیں اور اسلام کے دُوسرے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کریں۔ یہ بات بر حال طے شدہ ہے کہ ان قبائل کے ان افراد و جماعتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی اقتدار کو قبول کر لیا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے: واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۵ - ۱۰۷؛ شمالی قبائل سے مزید تعلقات کے لیے دیکھئے باب دوم، متعلقہ بحث۔

(۳۱۲) یہ دونوں مہیں حضرات قطبہ بن عامر اور ضحاک بن سفیان کلابی کی قیادت میں بالترتیب تبالہ اور قرطاء کے علاقوں میں بھیجی گئی تھیں ان دونوں مہموں میں عددی طاقت بیس نفر کے لگ بھگ تھی۔ پہلی مہم کے بارے میں بلاذری کا بیان ہے کہ تبالہ اور جرش کے لوگوں نے بلا کسی جنگ و جدال کے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۷۰؛ نیز دیکھیے واقدی، ص ۹۸۱-۹۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۲-۱۶۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲۔

(۳۱۳) واقدی، ص ۹۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲؛ نیز دیکھیے ابن اسحاق، ص ۶۷۷ اور ابن ہشام، ص ۶۴۰ جن کے مطابق یہ مہم حضرت وقاص بن مجزز کا انتقام وقصاص لینے کے لیے گئی تھی جن کو ان غارتگروں نے مار ڈالا تھا۔

(۳۱۴) ابن ہشام، دوم، ص ۵۹۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹؛ بخاری، کتاب المغازی؛ طبری، سوم، ص ۱۲۶-۱۲۸۔ طبری نے دو خطوط نقل کیے ہیں جو کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلا خط حضرت خالد بن ولید کا ہے جو انھوں نے خدمت نبوی میں بھیجا تھا اور جس میں انھوں نے قبیلہ کے اسلام قبول کرنے کی خوشخبری دی تھی اور دوسرے حکم نبوی کی درخواست کی تھی۔ دوسرا نامہ نبوی تھا جو حضرت خالد کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا اور جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد کے اہم کام کی بہت تحسین فرمائی تھی اور ان سے مسلمان ہونے والے قبیلہ کا ایک نمائندہ وفد مدینہ بھیجنے کا حکم دیا تھا جس کی انھوں نے فوری تعمیل کی تھی۔ مزید ملاحظہ کیجیے ابن سعد، اول، ص ۳۳۹-۳۴۰ جس کے مطابق بنو حارث بن کعب (نجران) کے وفد نے شوال ۱۰ھ/جنوری ۶۳۲ء میں بارگاہِ نبوی میں حاضری و زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔

(۳۱۵) ابن ہشام، دوم، ص ۶۴۱؛ واقدی، ص ۱۰۷۹-۱۰۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹-۱۷۰؛ طبری، سوم، ص ۱۳۱-۱۳۲؛ بخاری، کتاب المغازی۔

(۳۱۶) فتوح البلدان، ص ۷۹-۸۰۔ بلاذری نے متعدد دوسری روایات بھی بیان کی ہیں جن سے اہل یمن کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی ریاست سے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔

(۳۱۷) طبقات، اوّل، ص ۲۵۹-۲۹۱۔

باب دوم

(۱) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۱۶۔

(۲) بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت پر ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون، برہان، دہلی جنوری ۱۹۸۰ء۔

(۳) اسلام کی مخالفت کرنے والوں میں قریش مکہ کے تمام خاندانوں کے بڑے بڑے شیوخ اور سردار شامل تھے۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۹-۱۱۸؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۰-۲۱۲؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۳۶-۱۰۰۔

(۴) ابن اسحاق، ص ۱۵-۱۱۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱۱۲؛ ابن سعد، سوم، ص ۴۴۔

(۵) ابن اسحاق، ص ۱۸-۱۱۷، طبری، دوم، ص ۲۲-۳۱۹؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو: انساب الاشراف، اول، ص ۱۹-۱۱۸۔

(۶) صحیح بخاری، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۲۱-۱۱۹؛ طبری، دوم، ص ۲۲-۳۲۲۔

(۷) ابن اسحاق، ص ۱۵-۱۱۱؛ طبری، دوم، ص ۱۰-۳۰۹؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۱۳-۱۱۲۔

(۸) شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۶-۲۰۵۔

(۹) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸۶۔

(۱۰) زمانہ ماقبل اسلام میں بھی حضرت ابوبکر مکہ کے ممتاز و سربرآوردہ اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ وہ قریشی اشرافیہ کے ایک ممتاز رکن تھے۔ اس کے علاوہ انساب کی مہارت و قدرت کی وجہ سے وہ مرجع خلائق تھے۔ ان کی ذاتی خوبیاں بھی ان کی سماجی قدر و منزلت کا سبب تھیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عہد اسلامی میں ان کو جو بلند و بالا مرتبہ ملا تھا اس کا اثر ان کے جاہلی زمانے پر پڑا تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۲-۱۷۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۱۲۳؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۰۶۔

(۱۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۵، ۱۰۲، ۱۲۴، ۱۳۹، ۲۱۵۔

(۱۲) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸۷-۸۶ کا خیال ہے کہ چونکہ اسلام میں شرافت و نجابت کا معیار اسلام میں سبقت اور اس کی خدمات تھیں اس لیے بعض بعد کے مسلمانوں نے اپنے پیش رووں کو سابقین اولین میں شمار کرنا ہی نہیں شروع کیا بلکہ اس کے لیے روایات گھڑیں۔ اسی وضع احتیاط کی بنا پر واٹ کا خیال ہے کہ چونکہ حضرات عثمان، زبیر، عبدالرحمن، سعد اور طلحہ حضرت عمر بن خطاب کی نامزد کردہ مجلس شوریٰ کے رکن تھے جو ان کے بعد خلیفہ ثالث کا انتخاب کرنے کے لئے مجاز بنائی گئی تھی اس لیے ان کے سبقت اسلام کے دعوے کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ بعض متاخر صحابہ کے لئے ان کے جانشینوں نے سبقت اسلام ثابت کرنے کے لیے جھوٹی روایات کا سہارا لیا ہے لیکن ان پانچ صحابہ کرام کے

اوّلین مسلمان ہونے کی روایات کو محض اس ظنی و قیاسی معیارِ تنقید پر نہیں مسترد کیا جا سکتا۔

(۱۳) ابنِ ہشام، سوم، ص ۲۰۳؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱-۲۱۹؛ بخاری اور مسلم، اسلام ابی ذر؛ اصابہ نمبر ۴۸۷۴، جمہرہ، ص ۱۷۵۔

(۱۴) ملاحظہ کیجیے قریش کے خاندان بنوعدی کے قبولِ اسلام پر آئندہ بحث۔

(۱۵) قرآن کریم، سورہ انفال، آیات ۲، ۴، ۷۴، ۷۵؛ سورۂ توبہ، آیت ۲۰۔

(۱۶) قرآن کریم، سورہ توبہ، آیت ۱۰۰۔

(۱۷) ابنِ اسحاق، ص ۱۷-۱۱۶۔

(۱۸) ایضاً، ص ۱۱۷۔

(۱۹) یہ ایک عام اور سخت غلط فہمی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ساتھ بھی زیادہ تر کم زوروں ہی نے دیا"۔ ہمارے جدید مسلم مورخوں اور سیرت نگاروں نے اولین مسلمانوں کے "کمزور" اور رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے پہلے پیروؤں کے کمزور طبقات سے ہونے کا اتنے زور و شور سے ڈھنڈورا پیٹا ہے کہ اب اسے تاریخی حقیقت سمجھا جانے لگا ہے حالانکہ تاریخی واقعات سے اس کی قطعی تردید ہوتی ہے۔ ابتدائی مسلمانوں میں ضعفاء (کمزور) بھی شریک تھے تاہم اکثریت قریشی خاندانوں کے سربرآوردہ اور معزز لوگوں اور ان کی اولادوں کی تھی جیسا کہ ابن اسحاق کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے۔ کمزور طبقات کی حمایت کے لیے ملاحظہ کیجیے سیّد جلال الدین عمری کا مضمون "کم زور کے مسائل اسلام نے حل کیے ہیں"۔ تحقیقاتِ اسلامی، علی گڈھ، جنوری ۱۹۸۲ء، خاص کر ص ۸۴۔

(۲۰) مآخذ میں سے کسی نے بھی ان کے زمانہ قبول اسلام کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

(۲۱) ابن اسحاق، ص ۴۵-۱۴۳۔

(۲۲) ابن اسحاق، ص ۳۲-۱۳۱ نے کسی زمانہ کی صراحت نہیں کی ہے۔ ابن سعد، سوم، ص ۹ نے البتہ یہ وضاحت کی ہے کہ وہ دارِ ارقم میں قیامِ نبوی کے بعد نبوت کے چھٹے برس اسلام لائے تھے۔

(۲۳) ابن اسحاق، ص ۵۹-۱۵۵ کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے ہجرتِ حبشہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ ابن سعد، سوم، ص ۲۶۹ کی دوسری روایت ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد چالیس یا پینتالیس تھی۔ تیسری روایت میں ۴۵ مرد اور گیارہ عورتوں کی تصریح ہے۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، سوم، ص ۳۹-۶۳۴ نے شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ اول، ص ۸۰، ۱۵ پر حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں سیرتوں کی روایت قبول کرنے پر تنقید کی ہے۔ اور بخاری صحیح، باب اسلام عمرؓ کے حوالے سے ان کے قبول اسلام کا صحیح واقعہ لکھا۔ سیّد صاحب مرحوم نے روایات کی صحت و ضعف سے زیادہ بحث کی ہے لیکن ان کے زمانہ قبول اسلام کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔

(۲۴) ابن اسحاق، ص ۴۶-۱۴۶۔ اول ہجرت حبشہ کے مہاجروں کے ناموں اور تعداد میں روایات کا اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو

سیّد سلیمان ندوی کا تبصرہ و حاشیہ، سیرت النبی، اول، ص ۳۵ - ۲۲۴ (حاشیہ ۱)۔

(۲۵) ابن اسحاق، ص ۴۸ - ۱۴۷۔

(۲۶) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ اور ۱۶۱ وغیرہ۔

(۲۷) ابن اسحاق، ص ۶۷ - ۱۶۱۔

(۲۸) ابن اسحاق، ص ۵ - ۱۴۴۔

(۲۹) بناتِ مطہرات کے لیے ملاحظہ ہو: بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۰۵-۴۰۔ ۳۹۶؛ ابنِ سعد، ہشتم، ص ۳۹ - ۱۹۔

(۳۰) حضرت زید بن حارثہ کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۵ - ۱۱۴؛ ابنِ ہشام، اوّل، ص ۲۶۵؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۳۰ - ۲۲۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، سوم، ص ۴۴۔ قبول اسلام کے وقت حضرت زید تیس سال کے تھے۔

(۳۱) بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۶۹؛ ابن ہشام، ہشتم، ص ۲۲۳۔

(۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۶۱ اور ۷۲؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۲۶۹ اور ۷۶-۴۷۲۔ وفات نبوی کے وقت حضرت اسامہ کی عمر بیس سال تھی۔

(۳۳) ابن اسحاق، ص ۸۲؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۷۰۔

(۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۴۴-۳۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۸۰ - ۴۷۷۔

(۳۵) ابن سعد، سوم، ص ۵۰ - ۴۹؛ انساب الاشراف، ص ۹ - ۴۷۸۔

(۳۶) انساب الاشراف، اوّل، ص ۸۰ - ۴۷۹ کے مطابق حضرت یسار مدنی عہد کے مسلم تھے جبکہ حضرت رافع یا رُوَیفع مکی مسلم تھے ملاحظہ ہو: ص ۴۸۲۔

(۳۷) ابنِ سعد، سوم، ص ۹۴؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۸۰۔

(۳۸) ابنِ سعد، سوم، ص ۸۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۸۰۔

(۳۹) ابنِ اسحاق، ص ۱۱۶؛ زبیری، ص ۶ - ۲۷۵۔

(۴۰) ابن اسحاق، ص ۱۱۶۔

(۴۱) ابن حزم، جمہرہ، ص ۱۲۶؛ زبیری، ص ۲۷۵۔

(۴۲) ابن سعد، ہشتم، ص ۲۷۶۔

(۴۳) حضرت عبداللہ بن ابی بکر کے بارے میں تمام مآخذ ذکر کرتے ہیں کہ وُہ مکی مسلمان تھے مگر ان کو مکّی مسلمانوں کی فہرست میں شامل نہیں کرتے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۷ - ۱۱۶ اور ص ۲۲۴ - ان کے اسلام اور ہجرت کے لئے ملاحظہ کیجئے زبیری، ص ۲۷۵ اور اصابہ نمبر ۴۵۶۸۔

(۴۴) زبیری، ص ۲۷۷۔

(۴۵) مثلاً ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۲، جنھوں نے خاندانِ صدیقی سے صرف حضرت ابوبکر اور ان کے مولیٰ حضرت عامر بن فُہیرہ کو شامل کیا ہے۔

(۴۶) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۳۔ ابن اسحاق نے تو ان کا بھی نام مکی مسلمانوں میں شامل نہیں کیا ہے؛ نیز ملاحظہ کیجئے زبیری، ص ۲۷۸؛ اصابہ، نمبر ۴۸۲۵؛ نیز ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۲ وغیرہ۔

(۴۷) ابن سعد، ہشتم، ص ۸۱؛ زبیری، ص ۲۷۸-۲۸۱؛ اصابہ نساء نمبر ۲۹۴۔

(۴۸) زبیری، ص ۲۷۸-۲۷۹۔ حضرات عبدالرحمٰن الاکبر اور ان کی والدہ ماجدہ کے لیے مزید دیکھیے اصابہ نمبر ۵۱۶۵ اور اصابہ نساء نمبر ۷۹۴۔

(۴۹) زبیری، ص ۲۸۰-۲۷۷ اور ۳۶۳۔

(۵۰) زبیری، ص ۳۶۵-۳۶۶۔

(۵۱) زبیری، ص ۳۶۳۔

(۵۲) زبیری، ص ۳۶۹۔

(۵۳) ابن سعد، سوم، ص ۹۲-۳۹۱۔

(۵۴) زبیری، ص ۹۵-۹۳؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۰۔

(۵۵) زبیری، ص ۹۴-۳۹۳۔

(۵۶) ابن اسحاق، ص ۲۱۵-۲۱۴؛ زبیری، ص ۳۹۴-۳۹۳؛ ابنِ سعد، سوم، ص ۸۹ اور ص ۹۷؛ ابن حزم، جمہرہ انساب العرب (جمہرہ)، ص ۲۰۰-۱۹۹۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو: محمد یٰسین مظہر صدیقی "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، اپریل-جون ۱۹۸۳ء، ص ۲۲-۲۱ خاص کر۔

(۵۷) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۵-۱۷۴۔

(۵۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ نے جتنے نام گنا دیے ہیں اتنے ہی مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۲-۱۷۳ نے بھی شمار کئے ہیں حالانکہ ان کی تعداد کہیں زیادہ تھی ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۱۷۳۔

(۵۹) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۱ نے حضرات ابو مرثد اور مرثد کا ذکر کیا ہے۔

(۶۰) ابن اثیر جزری، اسد الغابہ، اول، ص ۱۲۹ اور ۱۳۵ نے ان کے دو اور فرزندوں حضرات انس اور انیس کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۶۱) مثلاً ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۵۰ وغیرہ۔

(۶۲) انساب الاشراف، اوّل، ص ۱۲۳۔

(۶۳) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۰ - ۸۶۔

(۶۴) مثلاً ملاحظہ ہو: ابن سعد، سوم، ص ۵۲، ص ۱۰۰ - ۱۹۱ وغیرہ ؛ چہارم، ص ۲۴ - ۱۰۲ وغیرہ۔

(۶۵) ابن اسحاق، ص ۱۷۱۔

(۶۶) مثلاً ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۲۶۷۔

(۶۷) ابن اسحاق، ص ۲۳۰ - حیرت ہے کہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی، اوّل، ص ۲۸۰ پر خاندان رسول اور خاندان صدیقی کے ہجرت نبوی کے بعد ہجرت کرنے کا واقعہ خود بھی لکھا ہے۔ شبلی سے اس ضمن میں ایک اور تسامح ہوا ہے اور وُہ یہ کہ حضرت رقیہ اپنے شوہر حضرت عثمان بن عفان اموی کے ساتھ ہجرت نبوی کے بعد تک حبش میں تھیں۔ حالانکہ ابن اسحاق، ص ۱۶۴ اور دوسرے مآخذ نے بھی یہ واضح طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان حبشہ سے مکہ لوٹ آئے تھے اور پھر وہاں سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ نیز ملاحظہ کیجئے: انساب الاشراف، اوّل، ص ۹۹ - ۳۹۶۔

(۶۸) انساب الاشراف، اوّل، ص ۷۰ - ۲۶۹؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۸۰۔

(۶۹) بخاری، صحیح، باب ہجرۃ النبی؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۷۳ اور ص ۲۱۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۷ کے مطابق یہ دونوں حضرات ہجرت نبوی سے کچھ قبل تجارت کے لیے شام گئے تھے۔ واپسی پر وُہ مدینہ کے راستے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے اور آپ کی خدمت میں کپڑوں کا تحفہ پیش کیا تھا اور پھر وہ مکہ چلے گئے تھے اور اس کے کچھ دنوں بعد وہاں سے مدینہ ہجرت کی تھی۔ ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۲۷۴، جنھوں نے حضرت زبیر کا حوالہ دیا ہے؛ نیز ملاحظہ ہو: قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، اول، ص ۱۰۔

(۷۰) ابن اسحاق، ص ۲۳۰ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد بھی مہاجرین مکہ کی ہجرت کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا کہ "مکہ کے مہاجر ایک ایک کرکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر مدینہ ملنے لگے۔"

(۷۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۸

(۷۲) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۳

(۷۳) ابن اسحاق، ص ۱۹ - ۳۱۸ - حضرت وہب بن عمیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے مدینہ میں پہنچے مگر بارگاہ نبوی میں پہنچ کر ایسے مبہوت و ششدر ہو گئے کہ اسلام قبول کر کے مومن و جاں نثارِ رسول بن گئے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۰ - ۱۹۹؛ زبیری، ص ۲۹۱۔

(۷۴) غزوۂ بدر میں مکی فوج میں شامل تھے۔ جنگ میں گرفتار ہو کر مدینہ میں اسیر بدر بن کر رہے۔ ان کے دونوں مخزومی بھائی حضرات خالد بن ولید اور ہشام بن ولید نے زرِ فدیہ دے کر ان کو آزاد کرا لیا اور ان کو مکہ لے گئے مگر راستے سے وہ پلٹ کر مدینہ پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے دونوں بھائی پیچھے پیچھے مدینہ پہنچے اور ان کو لعنت ملامت کی کہ زرِ فدیہ کی ادائیگی سے پہلے ہی کیوں نہ اسلام قبول کر لیا۔ اُنھوں نے جواب میں فرمایا کہ صرف اس لئے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ

پیسے کی ادائیگی سے بچنے کے سبب وہ مسلمان ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۴۴-۱۴۱؛ زبیری، ص ۲۴-۳۲۳۔

(۷۵) ابن اسحاق، ص ۵۰۷ کا بیان ہے کہ اسلام میں اس سے بڑی اور کوئی فتح نہیں تھی۔ اس سے پہلے جب لوگ ملتے تھے تو صرف جنگ وجدال کے لیے۔ لیکن جب یہ صلح ہوگئی اور جنگ بند کر دی گئی تو لوگ ایک دوسرے سے صاف ذہنی سے ملنے لگے اور وہ اسلام کے بارے میں ٹھنڈے دل سے بات چیت کرنے لگے۔ اور جو بھی اسلام کو سمجھ لیتا تھا وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد لوگ پہلے کے زمانے کے مقابلے میں دوگنے یا دوگنے سے بھی زیادہ مسلمان ہو گئے تھے۔

(۷۶) ابن سعد، چہارم، ص ۵۳-۲۵۲ و ۲۵۴ و ۲۶۲۔

(۷۷) زبیری، ص ۲۵-۱۲۴ کا بیان واضح ہے کہ دونوں بھائی صلح حدیبیہ کے دوسرے سال عمرۃ القضاء میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: اصابہ نمبر ۹۲۶۵ اور ۹۲۶۷؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، چہارم، ص ۸۷-۲۸۵ اور پنجم ص ۱۳-۱۱۲۔ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا تھا۔

(۷۸) مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ کے بعد پورا مکہ مسلمان ہو گیا تھا اور گنتی کے بعض افراد بچ رہے تھے انھوں نے کچھ دنوں بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔

(۷۹) "بنو عبد مناف" کے متحدہ خاندان پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے محمد یٰسین مظہر صدیقی، بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت کا تاریخی پس منظر" برہان، دہلی جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۲۰-۵۔

(۸۰) ملاحظہ ہو حوالہ مذکورہ بالا، ص ۲۷ تا ۳۷۔

(۸۱) ابوالفرج اصفہانی (متوفی ۳۵۶ھ) نے خاندانِ حضرت علی کے شہداء پر ایک مکمل کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے "مقاتل الطالبین"۔

(۸۲) ابوطالب کے قبول اسلام کے بارے میں دو مختلف نظریات کے لیے ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۹۴-۲۴۷۔ شبلی ان کے اسلام کے قائل نظر آتے ہیں جبکہ ان کے شاگرد و جامع سید سلیمان ندوی کو ان کے نظریہ سے اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو: جامع کا حاشیہ ۳۔

(۸۳) ابن اسحاق، ص ۱۱۴؛ ابن سعد، سوم، ص ۲-۲۱۔

(۸۴) ابن سعد، چہارم، ص ۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۱۱۹؛ زبیری، ص ۳۹۔

(۸۵) ایضاً، نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، ہشتم؛ ابن اسحاق، ص ۱۴۶؛ زبیری، ص ۸۰؛ اصابہ نساء نمبر ۵۱۔

(۸۶) زبیری، ص ۳۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۸۶۔

(۸۷) ابن سعد، چہارم، ص ۴۴-۴۲۔

(۸۸) زبیری، ص ۴۰؛ اصابہ نساء نمبر ۱۳۷۔

(۸۹) واقدی، کتاب المغازی، ص ۹۱۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ازدواجی تعلقات"، برہان دہلی، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۲۳-۲۱۔

(۹۰) زبیری، ص ۴۰۰-۳۹۰ نے ابوطالب کی دو صاحبزادیوں حضرت اُمّ ہانی اور جُمانہ کا ذکر کیا ہے۔ دونوں کے لیے مزید دیکھیے: اصابہ نساء نمبر ۱۱۰۲، نمبر ۱۵۳۲ اور نساء نمبر ۲۲۳ بالترتیب۔

(۹۱) ابولہب کی اولاد و اخلاف کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، چہارم، ص ۶۱-۵۹؛ زبیری، ص ۹۰-۸۹؛ اصابہ نمبر ۵۴۱۳ اور ۸۱۲۰۔

(۹۲) ابن اسحاق، ص ۳۰۱-۳۰۴ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۱-۱۰ اور بعض دوسرے مآخذ کا اصرار ہے کہ وہ اگرچہ مکی عہد کے مسلمان تھے اور عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ میں بھی شریک تھے اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر کے سلسلے میں اکثر روایات یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ وہ مکی عہد میں مسلمان تو ہو گئے تھے مگر اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے اور قریش کے اکراہ و اجبار (زور زبردستی) سے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے چنانچہ ان روایات کا یہ بھی اصرار ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدینِ بدر کو ہدایت کی تھی کہ اگر حضرت عباس ان کے مقابل آ جائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ بحالتِ مجبوری میں آئے تھے۔ لیکن پھر یہی روایات یہ بھی بیان کرتی ہیں کہ وہ حضرت عقیل بن ابی طالب کے ساتھ غزوۂ بدر کے اسیروں میں تھے اور انھوں نے زرِ فدیہ دے کر رہائی حاصل کی تھی۔ اس سلسلے میں یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زر فدیہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا تو انھوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا مگر اس کے باوجود آپ نے ان کا اور حضرت عقیل کا فدیہ وصول کیا۔

ان روایت میں شدید تضادات ہیں۔ اوّل یہ کہ متعدد قریشی افراد اور خاندان جن میں طالب بن ابی طالب ہاشمی اور بنو عدی اور بنو زہرہ وغیرہ شامل تھے قریشی کارواں کے محفوظ ہو جانے کی خبر سُن کر واپس مکہ چلے گئے تھے اور ان کو جنگ میں شریک ہونے پر کوئی مجبور نہیں کر سکا تھا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرات عباس و عقیل نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ دوم یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد اسیرانِ بدر کو خاص کر مسلمان ہو جانے والوں کو بلا فدیہ رہا کر دیا تھا۔ اگر حضرت عباس کے قبول اسلام کی روایت صحیح ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی بلا زرِ فدیہ رہا کر دیتے۔ زرِ فدیہ کی ادائیگی ان کے اس وقت تک عدمِ قبولِ اسلام کی دلیل ہے۔ چنانچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث نبوی جو حضرت عباس کے مجبوراً بدر میں آنے کو ظاہر کرتی ہے در اصل کلامِ رسول نہیں ہے۔ اور یہ سارے تضادات، الجھنیں اور ابہام صرف اس لیے ہیں کہ ان کے بعد کے زمانے میں اسلام لانے کی حقیقت پر پردہ ڈال کر ان کو ابتدائی مکی مسلم ثابت کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ساری علمی کاوشیں عہدِ عباسی میں ان کے جدِ امجد کی قدامت اسلام کو ثابت کرنے کے لیے کی گئی تھیں۔

اسی ضمن میں ایک اور نکتہ بھی پیدا کیا گیا ہے اور وہ ہے ان کے مکی قیام کا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ

اسلام لا چکے تھے تو انھوں نے ہجرت کیوں نہیں کی تھی۔ اس کے لیے عموماً یہ دلیل دی جاتی ہے کہ وہ اسلام کی خدمات کی خاطر اور ہدایاتِ نبوی کے بموجب مکہ میں مقیم رہے تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے منصوبوں اور سازشوں سے آگاہ کرتے رہیں چنانچہ اس سلسلے میں غزوات احد، بدر الموعد اور خندق وغیرہ کے مواقع پر آپ کو قریشی منصوبوں سے آگاہ بھی کیا تھا (ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۶۴، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۴۴ اور ۳۷۱ وغیرہ)۔ ابن سعد، چہارم، ص ۴۷-۴۶ نے تو ان کی غزوہ خندق میں ہجرتِ مدینہ کی بھی ایک روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے نوفل بن حارث ہاشمی کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ لیکن یہ تمام کوششیں بھی ان کے ابتدائی مسلم اور مہاجر ہونے کے مفروضہ کو ثابت کرنے کے لیے ہیں۔ ورنہ واقدی کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی منصوبوں سے آگاہ کرنے والے آپ کے خزاعی حلیف تھے۔ شبلی نے اگرچہ ان کی ہجرت کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم غزوۂ اُحد سے قبل ان کے مسلمان ہونے کی روایت بیان کر دی ہے۔

اور سب سے زیادہ حیرت ناک معاملہ ہے ان کے قبول اسلام کے زمانے کا۔ کسی نے بھی ان کے قبول اسلام کا زمانہ نہیں متعین کیا ہے، صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قدیم مسلم تھے۔ بہرحال اندازہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فتح مکہ سے کچھ قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ کے قریب بقول ابن ہشام جحفہ میں اس وقت ملے تھے جب آپ فتح مکہ کے لیے وہاں پہنچ چکے تھے اور یہی ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اسی زمانے میں اور بھی قریشیوں بلکہ ہاشمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۵۴۶ اور ابن ہشام کا تبصرہ ص ۷۷۳ (حاشیہ ۹۶)۔ ابن ہشام کا یہ تبصرہ غلط ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر رہے تھے کیونکہ بعض روایات کے مطابق ہم ان کو حضرت ابوسفیان بن حرب کے ساتھ لشکرِ رسول کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کے لیے مکہ سے نکلتے ہوئے پاتے ہیں۔

(۹۳) زبیری، ص ۲۸-۲۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے اصابہ نمبر ۷۰۰۳، ۴۷۸۱، اور استیعاب، جلد دوم، ص ۱۰۸-۲۰۸۔ مذکورہ بالا مآخذ نے ان کی اولاد میں سے صرف حضرات عبداللہ بن عباس اور فضل بن عباس کو صحابہ میں شامل کیا ہے۔

(۹۴) زبیری نے حضرت حمزہ کے خاندان کا سرے سے ذکر نہیں کیا ہے اور اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ ان کی نسل نہیں چلی تھی؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۹-۸۔

(۹۵) بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۵۰۴، جنھوں نے یہ واقعہ صحیح بخاری اور زرقانی کی سند پر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۔

(۹۶) ابن سعد، سوم، ص ۸-۴۷؛ اسد الغابہ، اول، ص ۱۲۹ اور ۱۳۵۔

(۹۷) زبیری، ص ۸۵۔

(۹۸) ابن سعد، چہارم، ص ۴۶-۴۵ کا ان کے بارے میں بھی یہی بیان ہے کہ وہ مجبوراً غزوۂ بدر میں مکی لشکر کی طرف سے لڑے تھے۔ انھوں نے اپنا زرِ فدیہ خود ادا کیا تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فدیہ میں ایک ہزار نیزے وصول کیے تھے کیونکہ وہ اسلحہ کے تاجر تھے۔ پھر وہ اسلام لائے تھے اور مکہ لوٹ گئے تھے اور خندق کے زمانے میں ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ وہ فتح مکہ کے ہی مسلم معلوم ہوتے ہیں ملاحظہ ہو زبیری، ص ۶-۸۵؛ اصابہ نمبر ۸۰۲۶۔ وہ حارث بن عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ حضرت نوفل کے ایک صاحبزادے حضرت حارث بن نوفل عہدِ نبوی میں جوان ہو چکے تھے۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۸۶ اور اصابہ نمبر ۱۵۰۰۔

(۹۹) ابن سعد، چہارم، ص ۴۸-۴۷، ۵۴-۴۹ کا خیال ہے کہ حضرت ربیعہ حارثی ہاشمی غزوہ خندق کے زمانے کے مسلم اور مہاجر تھے جبکہ بقیہ دونوں حضرات فتح مکہ کے مسلم۔ زبیری، ص ۸۸-۸۶۔

(۱۰۰) زبیری، ص ۸۸-۸۶۔

(۱۰۱) زبیری، ص ۸۸-۸۶، در اصل ان میں سے کسی کا واضح ذکر نہیں کیا ہے۔

(۱۰۲) زبیری، ص ۹۰ اور اصابہ نساء ص ۲۲۳۔

(۱۰۳) زبیری، ص ۹۱-۱۵ نے ہاشمی خانوادوں میں خاندان رسالتمآبؐ کے علاوہ علوی، عباسی، حارثی، جعفری اور عقیلی خاندانوں کا ذکر کیا ہے، یہ ذکر کافی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پھر صرف ایک سے کچھ زیادہ صفحہ میں "بقیہ ولد ہاشم بن عبد مناف" کی سرخی کے تحت ہاشم کے تین فرزندوں ابوصیفی، نضلہ اور اسد کا ذکر کیا ہے۔ اول الذکر کے خاندان میں حضرت سارہ کا ذکر کیا ہے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے کر قریش مکہ کے پاس فتح مکہ سے پہلے لے جا رہی تھیں اور وہ عمرو بن ابی صیفی کی مولیٰ تھیں۔ ثانی الذکر کی نسل میں ارقم بن نضلہ کو "رجال قریش" مردانِ قریش میں شمار کیا ہے لیکن وہ بعثت سے پہلے گزر چکے تھے۔ ان کی نسل میں صرف خواتین تھیں جن میں سے شفاءؓ بنت ارقم حضرت سائب بن عبید مطلبی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ صحابی موصوف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ ان کے علاوہ دو اہم خواتین ہند اور ام جمیل تھیں۔ موخر الذکر کی نسل میں حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ عذری تھے جو زہری کے ایک راوی تھے۔ اسد بن ہاشم کی اولادوں میں سب سے اہم شخصیت حضرت فاطمہ بنت اسد کی تھی جو ابوطالب بن عبدالمطلب کی زوجہ محترمہ حضرت علی کی والدہ ماجدہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔ وہ در اصل ابوطالب کی تمام اولادوں کی ماں تھیں۔ ان کے علاوہ مردوں میں کوئی اہم شخصیت نہیں ہوئی۔ بہرحال ان تینوں کی نسل منقطع ہو گئی تھی۔

(۱۰۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ پھوپھیاں تھیں: ام حکیم بیضاء جو والد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جڑواں بہن (توأمہ) تھیں، ان کے علاوہ عاتکہ، برّۃ، امیمہ، اروٰی اور صفیہ تھیں۔ ان کے شوہروں اور ان کے خاندانوں کے نام جاننا دلچسپی کا باعث ہوگا:

۱۔ ام حکیم بنت عبدالمطلب کی شادی کُریز بن ربیعہ/حبیب بن عبد شمس سے ہوئی تھی۔ ان کی اولادیں تھیں: عامر بن کریز، ام طلحہ جو حضرمی کی زوجہ تھیں اور جن کے بطن سے خالد، عامر اور عمر پیدا ہوئے تھے۔ عامر

بن حضرمی وہ نخلہ کا مقتول تھا جس کے سبب بدر کی جنگ ہوئی تھی اور یہ بنی عبد شمس کے حلیف تھے۔ ام حکیم کی ایک صاحبزادی اروٰی بنت کریز تھیں جو حضرت عثمان بن عفان اموی اور عقبہ بن ابی معیط کے فرزندان گرامی ولید، عمارہ، خالد اور ام کلثوم اور ہند کی والدہ تھیں۔

۲۔ عاتکہ بنت عبدالمطلب ابوامیہ مخزومی کے نکاح میں تھیں جن سے تین بچے عبداللہ، زہیر اور قُریبہ پیدا ہوئے تھے۔

۳۔ برّہ بنت عبدالمطلب عبدالاسد بن ہلال مخزومی کی اہلیہ تھیں اور ان سے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی پیدا ہوئے تھے۔ عبدالاسد کے بعد برّہ نے ابورہم بن عبدالعزّیٰ / عبدوُد سے شادی کر لی تھی اور ان سے ابوسبرہ تھے۔

۴۔ اُمیمہ بنت عبدالمطلب جحش بن رباب / بنی غنم بن دودان / اسد کے نکاح میں تھیں اور ان کی اولادوں عبداللہ، ابواحمد، عبیداللہ، زینب بنت جحش، حمنہ بنت جحش، حبیبہ بنت جحش کی ماں تھیں۔

۵۔ اروٰی بنت عبدالمطلب عمیر بن وہب / عبد بن قصی کے نکاح میں تھیں اور اُن سے حضرت طُلیب بن عمیر پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے پھر کلدہ بن ہاشم عبدری سے شادی کر لی تھی اور ان کی متعدد اولادیں ہوئی تھیں۔

۶۔ صفیہ بنت عبدالمطلب عوام بن خویلد اسدی قریشی کی زوجہ تھیں اور ان کی اولادوں میں حضرت زبیر بن عوام، ان کے بھائی سائب اور بہن ام حبیب تھیں۔

اس نسبی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زبیری، ص ۲۰-۱۸۔

آپ کی مسلم پھوپھیوں کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، ہشتم، ص ۴۵-۴۱۔

(۱۰۵) طبری، دوم، ص ۳۲۰۔

(۱۰۶) روایات کا اتفاق ہے کہ ذکر یازدہ سالہ حضرت علی بن ابی طالب کے سوا اور کسی نے اسلام نہیں قبول کیا تھا۔ ملاحظہ ہو ۵ کے حوالہ جات۔

(۱۰۷) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ کے ازدواجی تعلقات" برہان، دہلی، جون ۱۹۸۰ء، ص ۸-۷۔

(۱۰۸) ان دونوں نظریات کے لیے ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اوّل، ص ۲۱۶۔

(۱۰۹) خاکسار کے مضمون "بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت کا تاریخی پس منظر" برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۱۰) تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے مضمون مذکورہ بالا (محولہ در ۱۰۹)

(۱۱۱) خاندان عبد شمس کی یہ تفصیل زبیری، ص ۹۷-۱۹۶ سے ماخوذ ہے۔ نیز ملاحظہ ہو جمہرہ ص ۱۰۶-۶۷۔

(۱۱۲) ابواحیحہ سعید بن عاص کا گھرانا ۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۸۳ - ۱۷۴ ؛ جمہرہ، ص ۵ - ۷۳ ۔

(۱۱۳) ابن سعد، چہارم، ص ۹۵ - ۹۴ ؛ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المُنمّق، ص ۶۰ - ۲۵۷ ؛ نیز ملاحظہ ہو : ابن اسحاق، ص ۱۱۶ اور ۱۴۶ ۔

(۱۱۴) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۴ - ۱۰۰ کی روایت ہے کہ حضرت عمرو سعیدی دوسری ہجرتِ حبشہ کے بعد اسلام لائے تھے اور پھر مکہ سے ہجرت کر کے اپنے بھائی حضرت خالد سعیدی سے جا ملے تھے جبکہ کتاب المنمق ص ۸۰ - ۲۵۷ کا خیال ہے کہ دونوں بھائیوں نے ساتھ ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۱۱۶ اور ۱۴۶، جنھوں نے حضرت خالد کو ابتدائی چھیالیس مسلمانوں میں شامل کیا ہے لیکن حضرت عمرو کو نہیں کیا ہے البتہ اُنھوں نے دونوں بھائیوں کو دوسری ہجرتِ حبشہ کا مہاجر بتایا ہے اور کہا ہے کہ دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ ابن سعد نے بھی حضرت خالد کو دوسری ہجرتِ حبشہ ہی میں شامل بتایا ہے ۔

(۱۱۵) ابن اسحاق اور ابن سعد، مذکورہ بالا ؛ زبیری، ص ۱۰۴ ۔

(۱۱۶) زبیری، ص ۱۷۴ ۔ (۱۱۷) ایضاً

(۱۱۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۶۷ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۶ - ۵۵ ؛ ہشتم، ص ۷ - ۳۶ ؛ نیز ملاحظہ ہو : زبیری، ص ۱۰۱ ۔

(۱۱۹) زبیری، ص ۱۲۱ - ۱۰۱ نے حضرت عثمان بن عفان کے اور کسی حقیقی بھائی بہن کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ البتہ ان کی متعدد اولادوں کا کافی طویل ذکر کیا ہے ۔

(۱۲۰) ابن سعد، ہشتم، ص ۴۲ ۔

(۱۲۱) زبیری، ص ۵ - ۱۰۴ - زبیری کا یہ بھی بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ نے حضرت رملہ کے قبول اسلام پر ان کو طعنہ دیا تھا اور شیبہ کے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کیے جانے پر عار بھی دلایا تھا۔ زبیری نے ہند کے دو شعر نقل بھی کئے ہیں ۔ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۵۶ ۔

(۱۲۲) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۳ ؛ چہارم، ص ۳۴۸ ۔

(۱۲۳) زبیری، ص ۱۵۹ کے مطابق حضرت حکم بن عاص اموی کے کل فرزندوں کی تعداد اکیس تھی ۔ ان کے علاوہ متعدد صاحبزادیاں بھی تھیں ۔ یہ سب اولادیں مختلف ماؤں سے تھیں ۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے متعدد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اور مسلم تھے ۔

(۱۲۴) ابن سعد، چہارم، ص ۱۱۸ ۔

(۱۲۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۶۷ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۸۴ ؛ زبیری، ص ۱۵۳ ۔

(۱۲۶) ابن سعد، سوم، ص ۸ - ۸۵ ۔

(۱۲۷) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ اور ص ۵۲۷؛ ابن سعد، ہشتم ؛ زبیری، ص ۲۴-۱۲۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی حبشہ کے پاس بھیجا تھا کہ وہ حضرت ام حبیبہ کا نکاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیں۔ چنانچہ حضرت خالد بن سعید اموی ان کی طرف سے وکیل بنے تھے اور ان کی اجازت سے نجاشی نے نہ صرف نکاح کر دیا تھا بلکہ چار سو دینار مہر اپنی جانب سے ادا کیا تھا۔ اس کے بعد حضرت ام حبیبہ سمیت تمام مسلمانوں کو بحفاظت تمام مدینہ بھیج دیا تھا۔

(۱۲۸) زبیری، ص ۱۲۴ اور ۲۶-۱۲۵۔

(۱۲۹) ان کی اولادوں میں جو فتح مکہ میں زندہ تھیں زبیری نے نو فرزند اور سات صاحبزادیاں گنائی ہیں۔ ملاحظہ ہو ص ۲۶-۱۲۳۔ نیز ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۴-۱۰۲۔

(۱۳۰) ابن اسحاق، ص ۱۱۹، ۱۴۶، ۲۱۵۔

(۱۳۱) ابن سعد، سوم، ص ۹۰-۸۹؛ چہارم، ص ۴-۱۰۲۔

(۱۳۲) ابن اسحاق، ص ۲۱۵۔ نیز ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"

(۱۳۳) ابن سعد، ہشتم، ص ۶-۴۵۔

(۱۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۱۸-۱۱۶۔

(۱۳۵) ابن اسحاق، ص ۱۶۴ وغیرہ؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۱۴۸۔ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۸-۱۳۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب حضرت ولید بن عقبہ اموی ——— حیات و شخصیت (زیر طبع)، باب اول۔

(۱۳۶) ابن سعد، ششم، ص ۲۴؛ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۳۱۹؛ ابنِ اثیر، اسد الغابہ، پنجم، ص ۹۰؛ اصابہ نمبر ۹۱۴۲؛ زبیری، ص ۱۳۸ و ص ۶-۱۴۵؛ استیعاب، برحاشیہ اصابہ (مصر ۱۹۳۹ء)، سوم، ص ۴۹۴؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، تحقیق محمد اسعد طلس، قاہرہ ۱۹۶۲ء، سوم، ص ۴۱۵؛ خاکسار کی مذکورہ کتاب کا باب اول۔

(۱۳۷) زبیری، ص ۳۶-۱۳۸، نے عقبہ بن ابی مُعَیط اُموی کے چار فرزندوں ولید، عمارہ، خالد، ہشام اور تین دختروں ام کلثوم، ام حکیم اور ہند کا ذکر کیا ہے۔ ان کی سوانح کے لیے ملاحظہ کیجئے اصابہ نمبر ۹۱۴۲ و ۵۷۲۴؛ نیز دیکھئے ابن اسحاق، ص ۵۰۹۔

(۱۳۸) ابن اسحاق، ص ۱۷-۲۱۶؛ زبیری، ص ۵۸-۱۵۷؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۴۰-۳۹۔

(۱۳۹) زبیری، ص ۱۸۷؛ ابن ہشام، دوم، ص ۴۰۴؛ سوم، ص ۵۰۰؛ واقدی، ص ۸۸۹ اور ۹۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۷؛ پنجم، ص ۴۴۶؛ طبری، سوم، ص ۷۳ اور ۹۴؛ انساب الاشراف، اول؛ فتوح البلدان، ص ۵۳؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۲ اور اسد الغابہ، سوم، ص ۹-۳۵۸۔

(۱۴۰) زبیری، ص ۹۶-۱۸۷۔

(۱۴۱) مثلاً بنو ابوالعاص بن امیہ میں حضرت عثمان بن عفان کے تین اور چچاؤں عفیف، عوف اور عثمان کے گھرانے تھے۔ حرب بن امیہ میں ابوسفیان بن حرب کے ایک اور فرزند عتبہ بن ابی سفیان کا گھرانا تھا۔ ان کے ایک اور فرزند عنبسہ بن ابی سفیان کا گھرانا تھا۔ پھر حرب بن امیہ کے ایک فرزند عمرو بن حرب کا خاندان تھا۔ حارث بن حرب کا ایک گھرانا اسی بطن میں تھا۔ ان کے بنو عمرو بن امیہ ایک الگ خاندان تھے۔ خاندان ابو عمرو بن امیہ میں عقبہ بن ابو مُعیط کے علاوہ کُمیم بن ابی عمرو اور ابو وحرہ بن ابی عمرو کے دو گھرانے تھے پھر حبیب بن عبد شمس کے تین ذیلی خاندان تھے جن کا حوالہ اُوپر آ چکا ہے لیکن ان کے مسلمانوں کا ذکر کم ملتا ہے۔ تاہم زبیری نے ان کے متعدد مردوں اور عورتوں کے نام گنائے ہیں جن میں حضرات ابو کبشہ حارث بن کُریز، عامر بن کریز اور ان کے فرزند عبداللہ بن عامر، عبدالرحمٰن بن سمرہ وغیرہ عظیم صحابی تھے۔ ایک اور خاندان امیہ اصغر بن عبد شمس کا تھا جن میں کافی مرد اور عورتیں تھیں۔ عبد شمس کے ایک اور فرزند عبد امیہ کا گھرانا تھا جن کے متعدد مرد اور عورتیں مسلمان اور معاصر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ بنو نوفل بن عبد شمس میں حضرات عثمان، ہبار وغیرہ متعدد صحابی تھے۔

عتبہ اور شیبہ یعنی بنو ربیعہ بن عبد شمس کے بھی متعدد گھرانے تھے جن کے کئی مردوں اور عورتوں کے بارے میں یقین ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اور مسلم تھے۔ اسی طرح بنو عبد العزّٰی کے خاندان میں بنو ربیع کے علاوہ دوسرے گھرانے تھے۔ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ حکم بن ابی العاص کے اکیس فرزند تھے اور ان سب کی نسلیں خُوب پھلی پھُولی تھیں۔ چنانچہ مروان بن حکم کے علاوہ حارث بن حکم، عبدالرحمٰن بن حکم، یحییٰ بن حکم، حبیب بن حکم کے خاندان تھے۔ ابوالعاص کے ایک اور فرزند مغیرہ کا گھرانا تھا۔ اسی طرح اور بھی متعدد گھرانے تھے جن کے مسلمانوں کے نام سے ہم واقف نہیں ہو سکے۔ ملاحظہ ہو زبیری ص ۱۰۰، ۴۴-۱۳۲، ۵۲-۱۴۷، ۵۷-۱۵۴، ۹-۱۵۸، ۶۳-۱۶۹ وغیرہ۔

(۱۴۲) خلافت یزید بن معاویہ میں واقعہ حرہ سے قبل مدینہ والوں نے اپنے شہر کے اُمویوں کے ساتھ بڑا نازیبا سلوک کیا تھا اور ان سب کو شہر بدر کیا تھا۔ اس ضمن میں ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: طبری، تاریخ، پنجم، ص ۳-۴۸۲ وغیرہ۔ یہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے۔

(۱۴۳) ابن اسحاق، ص ۵۹۔

(۱۴۴) ابن اسحاق، ص ۶۱۔

(۱۴۵) ابن سعد، سوم، ص ۵۳-۵۰؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۵۴۔

(۱۴۶) زبیری، ص ۹۷-۹۲۔

(۱۴۷) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۳-۵۰؛ زبیری، ص ۹۵-۹۳۔

(۱۴۸) زبیری، ص ۹۴-۹۵ کے مطابق وہ غزوۂ بدر میں شہید ہُوئے تو ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔

(۱۴۹) جمہرہ، ص ۶۷-۶۶۔

(۱۵۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸۸
(۱۵۱) زبیری، ص ۹۵' نے ان میں سے کسی کی اولاد کا ذکر نہیں کیا ہے۔
(۱۵۲) ابن سعد، سوم، ص ۵۳ - ۵۰ ؛ جمہرہ، ص ۶۷ - ۶۶۔
(۱۵۳) زبیری، ص ۹۵ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۳ ؛ اصابہ نمبر ۵۹۳۵ ؛ اسدالغابہ، چہارم، ص ۳۵۴۔
(۱۵۴) زبیری، ص ۹۵ ؛ اصابہ نساء نمبر ۱۴۹۔ زبیری کے مطابق حضرت مسطح کی والدہ ام مسطح اور حضرت ابوبکر کی والدہ ام الخیر دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔
(۱۵۵) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸۹۔
(۱۵۶) زبیری، ص ۹۳ - ۹۲ ؛ اصابہ نمبر ۲۳۵۷، ۱۲۵۶۔
زبیری نے اس خاندان کے کئی مردوں کا ذکر کیا ہے جو عام طور سے مسلم لکیوں میں نہیں شمار کیے جاتے ہیں۔ مردوں میں قاسم بن مخرمہ، صلت بن مخرمہ اور ان کی مذکورہ بالا اولادوں کے علاوہ حکیم بن صلت، عمرو بن صلت، کہیم بن صلت اور مخرمہ بن قاسم بن مخرمہ کا ذکر کیا ہے اور یہ سب مسلم ہیں۔ ان میں سے بیشتر کو خیبر سے طعمہ ملا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو: باب پنجم، بحث بر طعمہ نبی۔
(۱۵۷) زبیری، ص ۹۶ - ۹۵۔ (۱۵۸) زبیری، ص ۹۷ - ۹۶۔
(۱۵۹) زبیری، ص ۱۹۷ ؛ طبری، دوم، ص ۳۶ - ۳۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸ - ۶ ؛ خاکسار کا مضمون بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت پر، ص ۱۲۔
(۱۶۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے مضمون محولہ بالا۔
(۱۶۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ پر کسی نوفلی کا ذکر نہیں ہے اور ص ۱۴۶ میں مہاجرین حبشہ میں اور ص ۳۲۸ فہرست مجاہدین بدر میں ان کے دو حلیفوں حضرات عتبہ بن غزوان مازنی اور حضرت جناب مولیٰ عتبہ کا ذکر کیا ہے۔
(۱۶۲) ابن سعد، سوم اور چہارم (۱۶۳) ایضاً
(۱۶۴) ملاحظہ ہو رقابت بنی امیہ اور بنی ہاشم پر مضمون مذکورہ بالا۔
(۱۶۵) ابن اسحاق، ص ۱۹۴ (یہ طبری کی اصل میں روایت ہے)؛ زبیری، ص ۲۰۰۔
(۱۶۶) زبیری، ص ۲۰۱ ؛ استیعاب، ص ۹۰ - ۸۹ ؛ اسدالغابہ، اول، ص ۲۷۱۔
(۱۶۷) زبیری، ص ۲۰۵ - ۱۹۷۔
(۱۶۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸ - ۶ اور ۹۴ - ۹۳۔
(۱۶۹) ابوجہل مخزومی کہا کرتا تھا کہ ہم (بنو مخزوم) نے بنو عبد مناف سے ہر چیز میں برابری کی۔ انھوں نے کھلایا تو ہم نے کھلایا، انھوں نے یہ کیا تو ہم نے وہ کیا، یہاں تک کہ ہم مسابقت میں برابر ہو گئے اور شانہ بشانہ

چلنے لگے تو اُنھوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ بخدا ہم اس نبی کو کبھی نہیں مانیں گے۔

(۱۷۰) انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۶ - ۱۲۵۔

(۱۷۱) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۲۔

(۱۷۲) ابن اسحاق، ص ۱۹ - ۱۱۸۔

(۱۷۳) ملاحظہ کیجئے: سیرت النبی، سوم، ص ۶۲۴ وغیرہ۔

(۱۷۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۶' نے حضرت سلمہ کو شامل نہیں کیا تھا کیونکہ وُہ کم عمر تھے اور نہ ہی حضرت ام سلمہ کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اپنی فہرست مہاجرینِ حبشہ میں موخرالذکر کا نام شامل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ابنِ سعد، سوم، ص ۴۰ - ۲۳۹۔ زبیری، ص ۸۰۔۳۳۷ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ بن ابی سلمہ کی شادی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی ایک دختر سے کر دی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عہدِ نبوی میں جوان ہو چکے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ام سلمہ کے بطن سے حضرت ابو سلمہ کے ایک اور فرزند حضرت عمر بن ابی سلمہ اور دو دختر حضرت درّہ اور حضرت زینب تھیں۔ اور یہ غالباً سب مکی عہد کے مسلمان تھے۔ ان میں سے حضرت سلمہ اور حضرت درہ سے ان کی نسل نہیں چلی لیکن باقی دو حضرت عمر اور حضرت زینب کی اولادیں خوب ہوئیں۔ اسی خاندان میں حضرت ابو سلمہ کے دو بھائی اور تھے۔ ان میں سے ایک اسود بن عبدالاسد بدر میں کافر مقتول ہوئے تھے جبکہ دوسرے بھائی سفیان بن عبدالاسد زندہ رہے تھے اور اسلام کی دولت سے فیضیاب ہوئے تھے ان کا ذکر کچھ آگے آ رہا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو اصابہ نمبر ۴۷۷۰، نساء نمبر ۱۳۰۲، نمبر ۲۷۶ ۳ وغیرہ خاندان عبدالاسد کے لیے۔

(۱۷۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۹۷ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۹؛ زبیری، ص ۱۸ - ۳۱۷۔

(۱۷۶) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ ابن سعد، سوم، ص ۲۴۲؛ زبیری، ص ۴۳۴؛ اصابہ نمبر ۳۷۔

(۱۷۷) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶، ۱۹۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۳۱ - ۱۳۰؛ زبیری، ص ۳ - ۳۰۲؛ اصابہ نمبر ۳۴۰۳۔

(۱۷۸) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۲؛ عبدالمتعال صعیدی، شباب قریش، ص ۹ - ۵۳۔

(۱۷۹) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، ص ۷ - ۲۴۶؛ چہارم، ص ۱۳۶ - ابن سعد کے مطابق یہ عنسی خاندان ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کا حلیف تھا اور اس میں حضرات یاسر، سمیّہ اور ان کے دو فرزند عمار اور عبداللہ شامل تھے۔

(۱۸۰) ابن اسحاق، ص ۱۴۷۔

(۱۸۱) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ زبیری، ص ۲۴۳' کے مطابق وہ مہاجر مدینہ تھے اور غزوۂ اُحد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں جان نچھاور کر دی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو اصابہ نمبر ۲۹۱۴۔

(۱۸۲) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۵؛ زبیری، ص ۳۲۸۔

یہ حضرت ابو سلمہ کے حقیقی چچا زاد بھائی سفیان کے فرزند تھے۔ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ زبیری نے ان کے ایک اور بھائی عمر بن سفیان کو مہاجرینِ حبشہ میں شمار کیا ہے۔

(۱۸۳) ابن اسحاق، ص ۱۴۱؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۵؛ زبیری، ص ۳۳۸۔
یہ بھی حضرت ابو سلمہ مخزومی کے حقیقی بھتیجے تھے۔ زبیری نے ان کے ایک اور بھائی حضرت عبیداللہ بن سفیان کا بھی ذکر کیا ہے جو یرموک میں شہید ہوئے تھے۔ اور دُوسری ماں سے ان کے مزید سات بھائیوں کا ذکر کیا ہے۔ گویا کہ کل گیارہ کم از کم افرادِ خاندان مسلمان تھے اس گھرانے سے۔

(۱۸۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۱؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۵؛ زبیری، ص ۳۱۵؛ اصابہ نمبر ۸۹۶۳۔

(۱۸۵) ابن اسحاق، ص ۱۰۰، اُنے اگرچہ واضح الفاظ میں ابولہب کی ضمانت و عہد کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم مراد وہی ہے۔ یہ دل چسپ بات ہے کہ جب ابوسلمہ مخزومی نے اپنے ہاشمی ماموں ابو طالب سے جوار مانگی تو بنو مخزوم کے کچھ سرداروں نے ابو طالب کو ایسا کرنے سے روکا۔ ابو طالب سے ان کی اس گفتگو کے موقع پر ابولہب بھی موجود تھا۔ ابو طالب کی اس دلیل پر کہ ابوسلمہ نے ان سے جوار کی درخواست کی ہے اور وہ ان کا بھانجا بھی ہے اس لیے وُہ انھیں پناہ کیوں نہ دیں جب بنو مخزوم کے سرداروں نے سخت کلامی کی تو ابولہب کو غصہ آگیا اور اس نے کہا "او قریش! تم اس بزرگ کو بہت ستاتے رہے ہو۔ یا تو تم اس بات کو اب یہیں رہنے دو ورنہ میں بھی ان کا ساتھ دوں گا یہاں تک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔" اس پر بنو مخزوم کے سردار یہ کہہ کر اُٹھ گئے کہ وہ ابولہب کی مدد و اعانت کی قدر کرتے ہیں اور اس سے محروم ہونا پسند نہیں کریں گے۔

(۱۸۶) ابن ہشام کا تبصرہ حضرت شماس کے بارے میں ملاحظہ ہو ابن اسحاق میں ابن ہشام کے تعلیقات ص ۲۱، (نمبر ۱۹۴)۔ نیز زبیری، ص ۳۴۲۔

(۱۸۷) ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۴۶-۲۹۹۔

(۱۸۸) ابن اسحاق، ص ۲۸۰؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۷۔ وہ ہشام بن مغیرہ مخزومی کے مولیٰ تھے یعنی ابوجہل مخزومی کے والد کے مولیٰ۔

(۱۸۹) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴-۱۳۱؛ زبیری، ص ۲۴-۳۲۳؛ اصابہ نمبر ۹۱۵۲؛ استیعاب، سوم، ص ۲۰-۶۲۸۔

(۱۹۰) زبیری، ص ۳۲۴۔ حضرت خالد بن ولید مخزومی کے قبول اسلام کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، چہارم، ص ۵۳-۲۵۲؛ زبیری، ص ۳۲۰؛ اصابہ نمبر ۲۱۹۷؛ استیعاب، اول، ص ۱۰-۴۰۵۔

(۱۹۱) ابن اسحاق، ص ۱۵۵؛ زبیری، ص ۱۱-۳۱۰؛ اصابہ نمبر ۸۶۳۸د؛ استیعاب، سوم، ص ۱۴۸۔

(۱۹۲) اصابہ، نساء نمبر ۵۵؛ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۰۲۔

(۱۹۳) ابن اسحاق، ص ۵-۵۹۴؛ زبیری، ص ۲-۳۰۱۔ وہ ابوجہل کے حقیقی بھائی تھے۔

(۱۹۴) ابن اسحاق، ص ۵-۵۹۴؛ زبیری، ص ۳۳۳؛ اصابہ نمبر ۳۲۸۴۔

(۱۹۵) زبیری، ص ۳۱۲، نے اس سلسلے میں ایک دل چسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت علی نے حضرت جویریہ بنت ابی جہل کو پیغام دیا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناپسندیدگی کی وجہ سے نکاح نہیں کیا۔ اور حضرت عتاب بن اسید نے خوشنودیِ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ان سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عتاب پیدا ہوئے تھے جو جنگِ جمل میں حضرت عائشہ کی طرف سے لڑتے اور شہید ہوئے تھے۔ حضرت جویریہ کے لیے مزید دیکھئے اصابہ نساء نمبر ۲۲۹۔

زبیری، ص ۳۱۲ نے ابوجہل مخزومی کے متعدد فرزندوں اور دختروں کا ذکر کیا ہے جو سب کے سب فتح مکہ میں غالباً مسلمان ہو گئے تھے اور جنھوں نے بعد میں اسلامی ریاست کے لیے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ ان میں ابو علقمہ، زرارہ بن ابوجہل، ابو حاجب، تمیم بن ابوجہل اور علقمہ بن ابی جہل تھے۔ موخر الذکر کی ماں مختلف تھیں۔ ابو جہل کی چار صاحبزادیاں تھیں جن میں حضرت جویریہ بنت ابی جہل کے علاوہ صحرہ، حنفاء اور اسماء تھیں۔ ان میں سے حنفاء سہیل بن عمرو بن عبدشمس عامری کی اہلیہ تھیں اور اسماء ولید بن عبدشمس بن مغیرہ مخزومی کی اور تیسری دختر صحرہ ابو سعید بن حارث بن ہشام کے نکاح میں تھیں۔ ان میں سے موخر الذکر کی نسل نہیں چلی تھی اور باقی کی نسلیں خوب پھلی پھولی تھیں۔

(۱۹۶) زبیری، ص ۱۶ - ۳۱۵؛ اصابہ نمبر ۴۳۵۴؛ استیعاب، دوم، ص ۶۴ - ۲۶۲ اور اصابہ نمبر ۸۲۴۸ بالترتیب۔

(۱۹۷) زبیری، ص ۳۱۷؛ اصابہ نمبر ۵۹۶ اور ۶۶۲۴۔ ان کا اصل نام بُحَیر تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو: استیعاب، دوم، ص ۹۹ - ۲۹۸۔

(۱۹۸) زبیری، ص ۳۳۰؛ اصابہ نمبر ۹۱۴۷۔

(۱۹۹) زبیری، ص ۳۳۲؛ اصابہ (کنیت) نمبر ۱۰۸؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۲ - ۲۶۱۔

(۲۰۰) زبیری، ص ۳۳۲۔

(۲۰۱) زبیری، ص ۳۳ - ۳۳۲؛ اصابہ نمبر ۵۱۶۷ اور ۵۸۰۳؛ نیز اصابہ نمبر ۳۲۴۶۔

(۲۰۲) زبیری، ص ۳۳۳ اور اصابہ نمبر ۳۲۴۶۔

(۲۰۳) زبیری، ص ۳۴ - ۳۳۳، ۳۴۵، اصابہ نمبر ۴۶۸۹، ۵۱۱۹، ۹۰۸۷، ۱۹۹۶۔ حضرت سہل بن وہب مخزومی کا اصل نام حزن تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل دیا تھا۔

(۲۰۴) زبیری، ص ۳۴۴ (۲۰۵) زبیری، ص ۳۴۵

(۲۰۶) ایک موٹے سے اندازے کے لیے ملاحظہ کیجئے: زبیری، ص ۳۴۶ - ۲۹۹۔ اس کا کچھ اندازہ بنو مخزوم کے خاندانوں کی تفصیل سے بھی ہوتا ہے جو مختصراً حسب ذیل ہے:

(الف) بنو مخزوم بن یقظہ کے بنیادی خاندان چار تھے: (۱) بنو عُمر بن مخزوم (۲) بنو عامر بن مخزوم (۳) بنو عمران بن مخزوم اور (۴) بنو عمیرہ بن مخزوم۔ بنو عمر بن مخزوم کے تین فرزند تھے عبداللہ، عبیداللہ اور عبدالعزیٰ۔ عبداللہ بن عمر کے چھ فرزند تھے: مغیرہ، عثمان، عائذ، خالد، ابوجندب اسد اور قیس۔ لیکن تعداد و شرف اور عظمت کے لحاظ سے اصل گھرانا بنو مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم کا تھا۔

(ب) بنو المغیرہ بن عبداللہ: (۱) بنو ہاشم بن مغیرہ (۲) بنو ہشام بن مغیرہ (۳) بنو ابی حذیفہ مہشم بن مغیرہ،

(۴) بنو ابی ربیعہ عمرو بن مغیرہ (۵) بنو ابو امیہ حذیفہ بن مغیرہ (۶) بنو حذاش بن مغیرہ (۷) بنو زہیر بن مغیرہ (۸) بنو ابی زہیر تمیم بن مغیرہ (۹) بنو فاکہ بن مغیرہ (۱۰) بنو ولید بن مغیرہ (۱۱) بنو عبد شمس بن مغیرہ (۱۲) بنو حفص بن مغیرہ (۱۳) بنو عثمان بن مغیرہ ——ان خاندانوں کے اہم ترین افراد سے ان کا تعارف ذیل میں پیش ہے۔

۱ - بنو ہاشم بن مغیرہ : حنتمہ بنت ہاشم حضرت عمر بن خطاب کی والدہ ماجدہ۔ اولادِ نرینہ سے نسل نہیں چلی۔

۲ - بنو ہشام " : عثمان بن ہشام اور حارث بن ہشام، ابو جہل عمرو بن ہشام، سلمہ بن ہشام وغیرہ۔

——بنو حارث بن ہشام :(۱) عبدالرحمٰن الشرید ——بہت بڑا گھرانا تھا اور متعدد دختر فرزند تھے جو بعد میں مشہور ہوئے۔

——بنو ابی جہل بن ہشام :(۱) حضرت عکرمہ وغیرہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔

۳ - بنو ابی حذیفہ بن مغیرہ؛ حضرت ہشام بن ابی حذیفہ - مہاجر حبشہ۔

۴ - بنو ابی امیہ " : عبداللہ بن ابی امیہ، ان کی بہن ام سلمہ بنت ابی امیہ زوجہ کریمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، زہیر اور مہاجر وغیرہ۔

۵ - بنو ابی ربیعہ " : عبداللہ (بحیر) بن ابی ربیعہ، عیاش بن ابی ربیعہ - موخر الذکر کا گھرانا کافی بڑا تھا۔

۶ - بنو فاکہ بن مغیرہ : ابو قیس جو بدر میں کافر مقتول ہوا۔ نسل ختم ہوگئی۔

۷ - بنو عبداللہ " : عثمان بن عبداللہ، بدر میں اسیر ہوا اور نخلہ میں بچ نکلا تھا۔ نوفل خندق میں مقتول ہوا، نسل نہیں چلی۔

۸ - بنو ولید " : حضرت خالد بن ولید مخزومی اور ان کے محترم بھائی اور ان کی اولادیں - کافی بڑا گھرانا تھا۔

۹ - بنو عبد شمس " : حضرت ولید بن عبد شمس یمامہ میں حضرت خالد بن ولید کے شریک تھے۔ شہید ہوئے۔ ان کی اولادیں تھیں۔

۱۰ - بنو حفص " : حضرت عمرو بن حفص اور ان کی اولادیں۔

(ج) بنو عثمان بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم : حضرات حریث، حویرث، سعید بن حریث، عمرو بن حریث۔

(د) بنو عائذ بن عبداللہ " " : حضرت عبداللہ بن ابوالسائب وغیرہ۔

(س) بنو اسد " " " : حضرت ارقم بن ابی الارقم کا خاندان۔

(ط) بنو خالد " " " : حضرت وابصہ بن خالد کا خاندان۔

(ع) بنو ہلال " " " : حضرات ابو سلمہ بن عبدالاسد، سفیان بن عبدالاسد وغیرہ کا خاندان۔ کافی بڑا گھرانا تھا۔

(ف) بنو عبید بن عمر بن مخزوم : حضرت مطلب بن عبداللہ بن مطلب بن حنطب کا خاندان جو بعد میں بہت وسیع و عظیم ہوا۔

(ل) بنو عامر بن مخزوم : حضرت عثمان الشماس بن عثمان اور ان چچاؤں کا خاندان جن میں حضرت سعید بن یربوع بھی شامل تھے۔

(م) بنو عمران " " : ابو ہبیرہ بن وہب زوج ام ہانی بنت ابی طالب اور حضرت سہل (حزن) ابی وہب کا گھرانا جو متعدد ذیلی خاندانوں پر مشتمل تھا۔

(ن) بنو عمیرہ " " : نسل نہیں چلی۔

یہ تفصیل صبر آزما تو ضرور ہے مگر اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے بنو مخزوم کے تقریباً ہر گھرانے میں ابتدا ہی سے اپنے ماننے والے بنا لیے تھے اور دوسرا اہم نکتہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عددی لحاظ سے عہد نبوی میں یہ گھرانا / بطن قریش اصل میں قبیلہ بن چکا تھا اور اس میں مرد و عورت اور بچوں سمیت ہزاروں افراد تھے۔

(۲۰۷) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت پر، ص ۱۸-۱۷۔

(۲۰۸) زبیری، ص ۵-۳۶۴ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۸۰ - ۳۷۹ وغیرہ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے فرمایا کرتے تھے کہ زید بن عمرو بن نفیل خود ایک اُمّت ہو کر قیامت کے دن اُٹھیں گے۔

(۲۰۹) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۶-۱۵۵ ؛ زبیری، ص ۳۶۵ ؛ اصابہ نمبر ۳۲۵۴۔

(۲۱۰) زبیری، ص ۳۶۵ ؛ اصابہ نساء نمبر ۶۹۲ ؛ استیعاب، چہارم، ص ۳۶۵۔

(۲۱۱) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۱۔

(۲۱۲) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۳۹ - ۱۳۸ ؛ زبیری، ص ۸۱ - ۳۸۰ ؛ اصابہ نمبر ۸۰۷۷، ۴۰۴، نساء ۵۷۴، ۱۸۶۱ و نساء ۱۱۸، نساء ۸۲۔

(۲۱۳) زبیری، ص ۳۶۸ ؛ اصابہ نساء ۶۱۹ اور ۳۶۴۰۔

(۲۱۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۳۹ ؛ زبیری، ص ۸۲ - ۳۸۱ ؛ اصابہ ۵۴۸۳ اور ۸۷۴۸۔

(۲۱۵) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۴۰ ؛ زبیری، ص ۸۲ - ۳۸۱ ؛ اصابہ ۵۴۸۳ اور ۸۷۴۸۔

(۲۱۶) ابن اسحاق، ص ۱۴۶ ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۴۱ ؛ زبیری، ص ۳۸۱ ؛ اصابہ ۵۰۷۱ اور ۵۵۰۸۔

(۲۱۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۴۱۔

(۲۱۸) ابن سعد، چہارم، ص ۱۴۱-۴۲؛ زبیری، ص ۲۶۷۔

(۲۱۹) ابن سعد، چہارم، ص ۱۸۸-۹۔

(۲۲۰) اصابہ نساء، ۲۷۔ زبیری، ص ۳۸۱۔

(۲۲۱) زبیری، ص ۳۴۷-۸؛ اصابہ ۲۸۹۱؛ استیعاب، اول، ص ۵۴۱-۴۴۔

(۲۲۲) ابن اسحاق، ص ۱۵۵-۶۔

(۲۲۳) ابن اسحاق، ص ۱۵۹؛ زبیری، ص ۴۰۹۔

(۲۲۴) زبیری، ص ۳۴۷-۶۳۔

(۲۲۵) ابن سعد، چہارم، ص ۱۴۲ وغیرہ؛ زبیری، ص ۲۴۷؛ اصابہ ۴۸۲۵۔

(۲۲۶) ابن سعد، ہشتم، ص ۸۱-۵؛ زبیری، ض ۳۴۷؛ اصابہ نساء ۴۲۹۴۔

(۲۲۷) ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۴۷-۶۳؛ اصابہ ۵۱۲۵، ۲۹۵۳؛ ۶۱۴۹ اور استیعاب، سوم، ص ۱۳۶-۳۷؛ اصابہ ۶۲۳۵ اور ۶۲۲۲۔

(۲۲۸) ابن سعد، سوم، ص ۳۷۷؛ زبیری، ص ۳۶۳؛ اصابہ ۶۲۰۷؛ اسدالغابہ، سوم، ص ۲۹۵۔

(۲۲۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، سوم، ص ۶۳۷-۸۔

(۲۳۰) واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۱۔

(۲۳۱) ابن اسحاق، ص ۲۱۷۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟"

(۲۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۳۹۱؛ ابن اسحاق، ص ۳۰۰۔ وہ غزوہ بدر میں پہلے شہید تھے۔

(۲۳۳) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، چہارم اور ہشتم وغیرہ۔

(۲۳۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۶ وغیرہ؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۲۶۷۔

(۲۳۵) ابن اسحاق، ص ۵۰۳ کا بیان ہے کہ مکہ میں بنو عدی بن کعب میں سے کوئی نہیں باقی رہ گیا تھا۔

(۲۳۶) ابن اسحاق، ص ۲۹۶۔

(۲۳۷) زبیری، ص ۳۶۹-۷۶؛ اصابہ (کنیت) نمبر ۲۰۶، (کنیت) ۲۵۵، ۲۶۴۰، نساء ۶۱۹۔ بنو عویج بن عدی میں مذکورہ بالا مسلمانوں کے علاوہ متعدد مسلمان عہدِ نبوی کے تھے۔ بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ متعدد گھرانے مسلمان تھے۔ زبیری کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم سے کم چار پانچ سو افراد کے درمیان ان کی عددی طاقت رہی ہوگی۔

(۲۳۸) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بنو ہاشم و بنو امیہ کی رقابت پر۔

(۲۳۹) زبیری، ص ۲۹۱؛ نیز ملاحظہ کیجئے: کتاب المنمق، ص ۵۴-۴۵۔

(۲۴۰) ملاحظہ کیجئے حوالہ سابقہ ۹ اور ۱۱۔

(۲۴۱) ابن اسحاق، مذکورہ بالا؛ ابن سعد، سوم، ۱۷۱-۱۷۲ وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے قبول کرنے میں کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کیا مگر صرف ایک شخص یعنی حضرت ابو بکر صدیق ایسے تھے جنھوں نے سنتے ہی قبول کر لیا۔

(۲۴۲) ملاحظہ کیجئے حوالہ جات سابق ۳۹ تا ۵۴۔

(۲۴۳) ابن سعد، سوم، ص ۱۹۹ کے مطابق ایک صاحبزادی کا نام ام کلثوم تھا۔

(۲۴۴) حوالہ جات سابق ۴۰ و ۴۱؛ نیز ابن اسحاق، ص ۱۱۶۔

(۲۴۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۲۱۴-۲۱۶؛ زبیری، ص ۲۸۰-۲۸۱؛ اصابہ ۴۲۶۶۔ زبیری نے ان کے متعدد فرزندوں کا ذکر کیا ہے جن میں موسیٰ، عمران، محمد، یعقوب، اسماعیل، اسحاق، زکریا، عیسیٰ، یحییٰ شامل ہیں ان کے علاوہ متعدد صاحبزادیاں بھی تھیں۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں سے عہد نبوی میں کتنے تھے۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ کچھ اولادیں عہد نبوی کی مسلم تھیں۔ ان کے ایک بھائی عثمان بن عبید اللہ بھی تھے مگر ان کی نسل کچھ زیادہ نہیں چل سکی تھی۔ یہی حال ان کے ایک اور بھائی مالک بن عبید اللہ کا ہوا تھا۔

(۲۴۶) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ زبیری، ص ۲۹۴ کا بیان ہے کہ ان کا حبشہ میں انتقال ہو گیا تھا۔ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۸ نے عمرو بن عثمان کو قادسیہ کا شہید بتایا ہے۔ البتہ زبیری نے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔

(۲۴۷) زبیری، ص ۲۷۶؛ اصابہ ۵:۱۵۱۔

(۲۴۸) اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۷۵۔

(۲۴۹) زبیری، ص ۲۹۵؛ اصابہ ۸۲۴۵، نساء ۹۷۔

بنو تیم بن مرہ کے کل تین چار خاندان تھے: بنو عمرو بن کعب بن سعد بن تیم، بنو عبد مناف بن کعب اور بنو کعب بن سعد۔ ان میں سے اصل خاندان اول الذکر تھا جس میں شرف و عظمت و نجابت تھی۔

(۲۵۰) بنو سہم کے اصل گھرانے حسب ذیل تھے:

سہم بن عمرو کے دو فرزند تھے: سعد اور سُعَید۔ بنو سعد بن سہم تھے: عدی، حذیم، حذافہ، حذیفہ، سُعَید۔ اور انھیں کی نسلیں اصل میں بنو سہم کے گھرانے بنے۔ ذیل میں یہ گھرانے اور ان کے اہم اشخاص کا تعارف پیش ہے:

۱- بنو عدی بن سعد بن سہم: قیس بن عدی، اپنے زمانے میں قریش کے سید تھے اور ان کے فرزند عبد المطلب اور عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف میں منافرہ ہوا تھا۔ بنو سہم مکے میں اتنے زیادہ ہو گئے تھے کہ وہ بنو عبد مناف کے

ہم پلّہ ہوگئے تھے لیکن بعثتِ نبوی کے وقت ان کی تعداد کم ہوگئی تھی کیونکہ ان میں بیماری پھیلی اور ایک ایک دن میں کئی کئی موتیں واقع ہوتی گئیں۔

— بنو قیس بن عدی: حارث اور حذافہ۔ ابو قیس بن حارث، سعید بن حارث وغیرہ۔

— بنو زبعریٰ: عبداللہ بن الزبعریٰ، مشہور شاعر۔

— بنو حذافہ بن قیس بن عدی: خنیس بن حذافہ، حضرت حفصہ کے پہلے شوہر کا خاندان۔

۲۔ بنو حذیم بن سعد بن سہم: جلد خاندان ختم ہو گیا۔

۳۔ بنو عبد قیس بن عدی بن سعد بن سہم: حضرت عمر بن خطاب کی ماں کا خاندان۔

۴۔ بنو حذیفہ بن سعد بن سہم: نبیہ و منبّہ فرزندان حجاج سہمی کا خاندان۔

۵۔ بنو حذافہ بن سعد بن سہم: قیس بن حُذافہ اور ان کے فرزند عدی، فروہ اور نعمان۔ زیادہ تر عورتیں تھیں۔

۶۔ بنو سُعَید بن سعد بن سہم: متعدد فرزند تھے۔ ابو وداعہ کا خاندان۔

۷۔ بنو سُعَید بن سہم: ہاشم، مہشم اور ہشام کا خاندان

— بنو ہاشم بن سُعَید: حضرت عمرو بن العاص کا خاندان۔

— بنو مہشم بن سُعَید: حضرت عمیر بن رئاب بن مہشم کا خاندان۔

(۲۵۱) ابن اسحاق، ص ۱۲۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۲ وغیرہ۔ (۲۵۲) ایضاً

(۲۵۳) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۷-۱۴۶ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۹۱ - ۱۸۹؛ زبیری، ص ۴۰۲؛ اصابہ ۲۲۹۰، ۶۱۱۴۔ زبیری نے قیس بن حذافہ کی جگہ ابوالاخنس بن حذافہ کا ذکر کیا ہے۔

(۲۵۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۹۴-۱۹۱؛ زبیری، ص ۴۰۹؛ اصابہ ۸۹۲۶۔

(۲۵۵) ابن اسحاق، ص ۷-۱۴۶؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۹۷۔

(۲۵۶) ابن سعد، چہارم، ص ۹۰-۱۹۴؛ نیز زبیری، ص ۲-۴۰۱؛ اصابہ ۹۳۱ (کنیت)، ۳۲۴۴، ۸۳۶، ۴۵۹۶۔

(۲۵۷) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۷۷۔

(۲۵۸) ابن سعد، چہارم، ص ۶۱ - ۲۵۴؛ زبیری، ص ۱۰-۴۰۹؛ اصابہ ۵۸۷۷؛ استیعاب، دوم، ص ۱۵-۵۰۸۔

(۲۵۹) ابن سعد، چہارم، ص ۲۶۲؛ زبیری، ص ۴۱۱؛ اصابہ ۴۷۳۸۔

(۲۶۰) ابن ہشام (ابن اسحاق ص ۸۸۰) کے مطابق حضرت عدی بن قیس بن حذافہ ان سردارانِ قریش میں شامل تھے جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ ہوازن میں سے عطیۂ خاص عطا فرمایا تھا۔

(۲۶۱) زبیری، ص ۴۰۲؛ اصابہ ۴۶۷۰؛ استیعاب، سوم، ص ۱۱-۳۰۹۔

(۲۶۲) زبیری، ص ۴۰۶ ؛ اصابہ ۱۲۰۵ (کنیت)، استیعاب، چہارم، ص ۲۱۰ اور اصابہ ۸۰۲۳ اور استیعاب، سوم، ص ۱۳-۱۲۴ ؛ اصابہ ۵۰۱۱ نیز ۵۴۳ (کنیت) ؛ اصابہ ۳۰۵۱ ؛ نیز استیعاب، دوم، ص ۱۰۲۔

(۲۶۳) زبیری، ص ۴۰۵ ؛ اصابہ نساء ۳۵۴۔

(۲۶۴) بنو زہرہ بن کلاب کے اہم خاندان اور ان کے نمائندہ افراد حسب ذیل تھے :

۱ - بنو زہرہ بن کلاب : عبد مناف، حارث - تعداد کے لحاظ سے بنو حارث بن زہرہ اور شرف کے اعتبار سے بنو عبد مناف بن زہرہ اہم تھے۔ زہرہ بن کلاب دراصل قصی بن کلاب کے بھائی تھے۔

۲ - بنو عبد مناف بن زہرہ : وہب، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا کا خاندان۔

ــــ بنو وہب بن عبد مناف : اسود بن عبد یغوث بن وہب - رسول کریم کا مخالف اور مذاق اڑانے والا۔

ــــ بنو اہیب بن عبد مناف : مخرمہ بن نوفل بن اہیب - فتح مکہ کے مسلم اور ماہر انساب، حضرت سعد بن ابی وقاص کا خاندان بھی یہی تھا۔

۳ - بنو حارث بن عبد مناف : عبد، عبداللہ، وہب، شہاب - نسل زیادہ تر عبد کے خاندان میں چلی۔

ــــ بنو عبد بن حارث : حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد کا خاندان - حضرت عبدالرحمٰن کے متعدد بھائی اور ان کے گھرانے تھے۔

ــــ بنو عبداللہ بن حارث : حضرت شہاب بن عبداللہ کا خاندان۔

ــــ بنو وہب بن حارث : نسل منقطع ہوگئی۔

ــــ بنو اہیب بن حارث : نسل زیادہ نہیں چلی۔

(۲۶۵) ابن اسحاق، ص ۲۹۶۔

(۲۶۶) زبیری، ص ۴۷-۲۵۰۔ (۲۶۷) زبیری، ص ۶۶-۲۶۵۔

(۲۶۸) ایضاً۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے ؟"

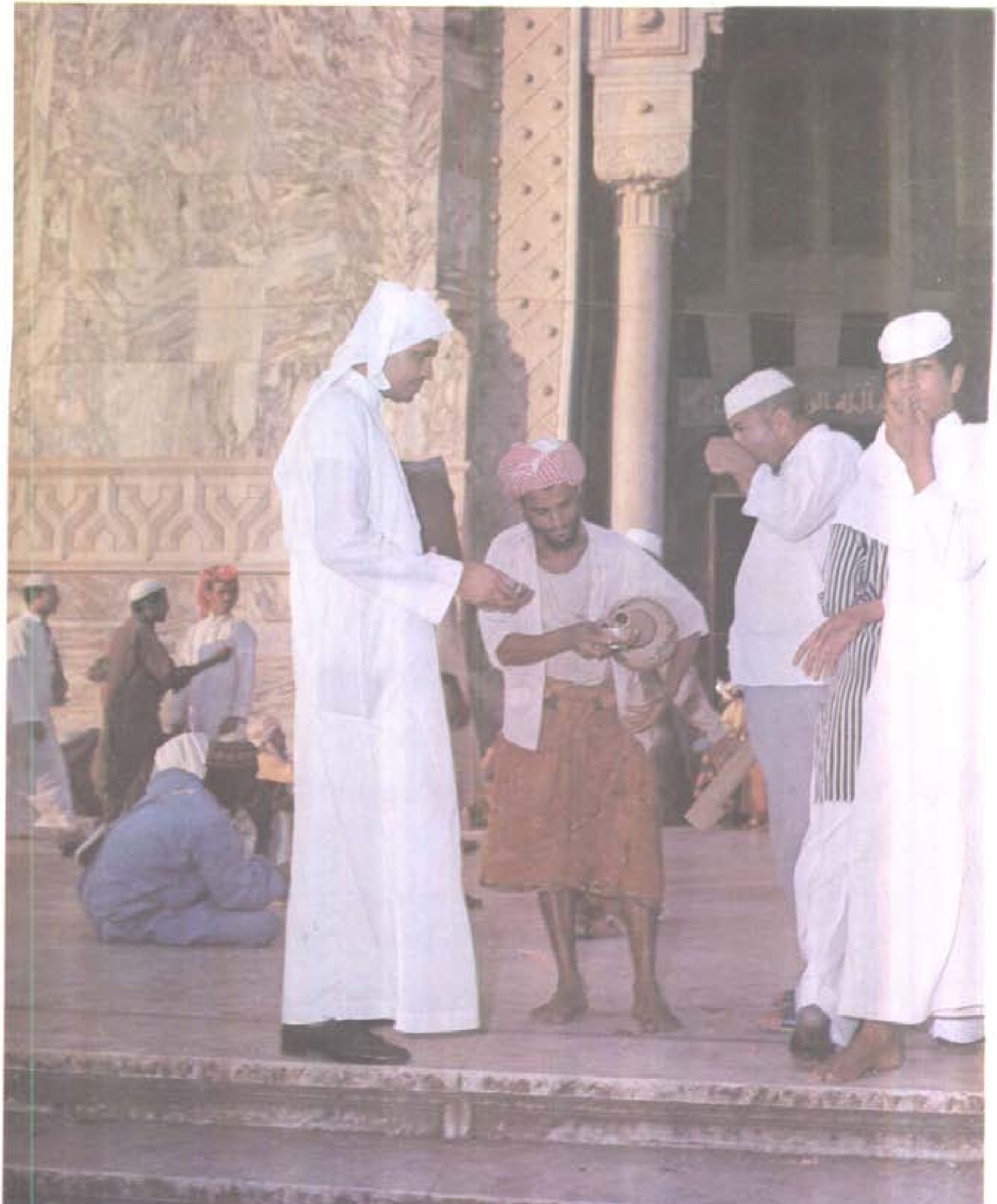
(۲۶۹) زبیری، ص ۶۶-۲۶۵ اور ۶۳-۲۶۲ بالترتیب حضرت شفا اور حضرت عاتکہ کے لیے ؛ نیز ملاحظہ کیجئے حضرت مسور بن مخرمہ کے لیے اصابہ ۷۹۹۳ ؛ استیعاب، سوم، ص ۱۸-۱۶۴۔

(۲۷۰) زبیری، ص ۶۶-۲۶۵۔

(۲۷۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۴ ؛ زبیری، ص ۲۷۴ ؛ اصابہ ۸۰۲۴، ۴۲۸۵، ۵۰۰۸۔

(۲۷۲) ابن اسحاق، ص ۱۴۷۔

(۲۷۳) ابن سعد، سوم، ص ۱۳۰-۱۳۴ وغیرہ - نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۱۱۶-۱۱۵، ۱۴۷ وغیرہ ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۳-۱۲۴ ؛ زبیری، ص ۲۶۳-۲۶۴ ؛ اصابہ ۴۳۱۹ ؛ استیعاب، دوم، ص ۱۸-۲۳ ؛



حرم المکی کے دروازے پر آبِ زمزم پلایا جا رہا ہے

اصابہ ۶۰۵۷، ۴۴۲۳، ۸۹۱۲ ۔

(۲۷۴) ابن سعد، چہارم، ۶-۱۲۵ ؛ زبیری، ص ۲۷۴ ۔

(۲۷۵) ابنِ سعد، چہارم، ص ۱۲۵

(۲۷۶) ابن سعد سوم ص ۵۱-۱۵۰ ؛ چہارم، ص ۲۸-۱۲۶ ۔

(۲۷۷) ابن سعد، چہارم، ص ۸-۱۲۷

(۲۷۸) ابن اسحاق، ص ۱۴۷ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۶۱ ۔

(۲۷۹) ابن سعد، سوم، ص ۱۶۷

(۲۸۰) ابن اسحاق، ص ۱۱۶

(۲۸۱) زبیری، ص ۲۶۲ ؛ اصابہ ۸۴۰۰ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے : اسد الغابہ، چہارم، ص ۷ ۔

(۲۸۲) بنو اسد دراصل خاندان قصی بن کلاب کی شاخ تھے کیونکہ وہ عبد العزیٰ بن قصی کی نسل سے تھے ۔ عبد العزیٰ کے ایک فرزند اسد میں نسل چلی ۔ اسد بن عبد العزیٰ کے متعدد فرزند اور اتنے ہی گھرانے تھے جو حسب ذیل ہیں :

(۱) بنو حارث بن اسد (۲) بنو مطلب (نسل نہیں چلی) (۳) بنو عبد اللہ (نسل نہیں چلی) (۴) بنو نوفل (۵) بنو حبیب (۶) بنو صیفی (نسل نہیں چلی اور اسی طرح طالب، طلیب اور خالد کی نسلیں بھی منقطع ہو گئیں) (۷) بنو حویرث بن اسد (۸) بنو ہاشم (۹) بنو مہشم (۱۰) بنو عمرو (ان تینوں کی بھی نسلیں نہیں چل سکیں) (۱۱) خویلد بن اسد (اصل گھرانا تعداد کے اعتبار سے یہی تھا)

○ بنو نوفل بن اسد : ورقہ بن نوفل کا خاندان مگر خود ان کی اپنی نسل نہیں چلی ۔ صفوان بن نوفل کی بھی نسل منقطع ہو گئی ۔ البتہ عدی بن نوفل کا گھرانا چلا ۔

○ بنو حویرث بن اسد : عثمان بن حویرث مکہ کے ممتاز ترین سرداروں میں تھے لیکن وہ مکہ کے بادشاہ نہیں بن سکے ان کی نسل بھی نہیں چلی ۔ مطلب بن حویرث کی نسل بھی منقطع ہو گئی ۔

○ بنو حبیب بن اسد : کوئی قابلِ ذکر شخص نہیں ہوا ۔

○ بنو حارث بن اسد : اصل گھرانا تھا اور نسل بھی خوب پھلی پھولی ۔ ان کے دو بیٹے تھے : زہیر اور ہاشم ۔ اسلامی عہد میں ان دونوں کے گھرانے خوب پھلے ۔ ان کے اہم ذیلی گھرانے تھے :

—— بنو امیہ بن حارث : حضرت عمرو بن امیہ، مہاجر حبشہ، سفیان بن حارث وغیرہ ۔

—— بنو ہاشم بن حارث : ابو البختری عاصی، شاعرِ وقت، بدر میں مقتول ۔ حضرت الاسود بن ابی البختری وغیرہ ۔

○ بنو مطلب بن اسد : ابو زمعہ اسود بن مطلب، اسلام و رسول کے مذاق اڑانے والوں میں اور سردار قریش ۔ اس کا فرزند زمعہ مقتولِ بدر ۔ حضرت ہبار بن اسود بعد میں اسلام لائے ۔ ان کی اولاد ۔ اور دوسرے صحابہ مثلاً یزید بن زمعہ ۔

—— بنو ابی حُبَیش بن مطلب : حضرت عبد اللہ بن سائب صحابیِ رسول ۔

○ بنو خویلد بن اسد: عدی، حزام، عوّام، نوفل، حضرات خدیجہ و ہالہ۔
—— بنو عدی: نسل نہیں چلی۔
—— بنو حزام: حضرت حکیم بن حزام اور ان کے فرزند ہشام، خالد وغیرہ۔
—— بنو عوّام: حضرات زبیر بن عوام اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن، سائب وغیرہ کا خاندان۔

ملاحظہ ہو زبیری، ص ۲۵۶ - ۲۰۵۔
(۲۸۳) ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۱۲۷ اور ۱۳۳ وغیرہ؛ زبیری، مذکورہ بالا۔
(۲۸۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۲ - ۱۰۰؛ زبیری، ص ۲۳۵؛ اصابہ ۳۷۰۹۔
(۲۸۵) ابن سعد، ہشتم، ص ۱۴۱۔ (۲۸۶) ابن سعد، چہارم، ص ۱۱۹؛ زبیری، ص ۶-۲۳۵۔
(۲۸۷) زبیری، ص ۲۳۵، ان کا اصل نام عبدالکعبہ تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل دیا تھا؛ نیز اصابہ ۵۱۸۰۔ ان کی زوجہ محترمہ حُمینہ بنت عبدالعزّیٰ خزاعی مبایعات میں سے تھیں۔ ملاحظہ ہو اصابہ نساء ۲۱۸۱، ۲۸۸ اور ۳۰۹۔ ان کے دو فرزند عبداللہ اور عبیداللہ تھے۔ اول الذکر حضرت عثمان غنی کے ساتھ اور ثانی الذکر جنگِ صفین میں شہید ہوئے تھے۔
(۲۸۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۱؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۵۲؛ زبیری، ص ۳۱-۲۳۰؛ اسدالغابہ، پنجم، ص ۵-۴۴۴ وغیرہ۔
(۲۸۹) زبیری، ص ۲۳۴۔ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، چہارم، ص ۱۱۹۔
(۲۹۰) زبیری، ص ۲۳۰؛ اصابہ نساء ۱۰۷۵؛ اسدالغابہ، پنجم، ص ۸ - ۵۵۷۔
(۲۹۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۰؛ زبیری، ص ۲۳۰؛ اصابہ ۱۷۱۔
(۲۹۲) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۰؛ زبیری، ص ۲۱۲؛ اصابہ ۵۷۶۶۔
(۲۹۳) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۱؛ زبیری، ص ۲۲۱۔
(۲۹۴) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۲ کا یہ خیال ہے۔
(۲۹۵) ابنِ اسحاق، ص ۱۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، ص ۵ - ۱۱۴۔
(۲۹۶) زبیری، ص ۲۱۹؛ اصابہ ۹۲۷۹؛ استیعاب، سوم، ص ۱۰ - ۶۰۹۔ ان کی متعدد اولادیں بھی مسلمان تھیں۔
(۲۹۷) زبیری، ص ۲۳۱؛ اصابہ ۱۸۰۰؛ ابن اسحاق، ص ۵۹۴۔ ان کے فرزند ہشام کے لیے ملاحظہ کیجئے: زبیری، ص ۲۳۱ اور اصابہ ۸۹۶۵۔
(۲۹۸) بنو اسد کے دوسرے مسلمانوں میں یہ حضرات شامل تھے: حضرات اسود بن ابوالبختری، عدی بن نوفل بن اسد، عطاء بن ذُویب بن تُویت اور حولاء بنت تُویت، اسود بن ابوالبختری کی والدہ عاتکہ بنت امیہ/

بنو حارث بن اسد، عبد اللہ بن سائب بن ابی حبیش بن مطلب، عبد اللہ بن زمعہ، عبد اللہ بن زبیر بن عوام وغیرہ۔
ظاہر ہے کہ بنو اسد کے عہد نبوی کے کل مسلمان مردوں اور عورتوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

(۲۹۹) بنو جمح کے اہم خاندان یہ تھے:

(۱) بنو خلف بن وہب: امیہ بن خلف، ابی بن خلف۔ دشمنانِ رسول کریم جو بالترتیب بدر اور اُحد میں مقتول ہوئے۔
ـــ بنو وہب بن خلف، بنو امیہ بن خلف، بنو اسید بن خلف، بنو ابی بن خلف، بنو احیحہ بن خلف۔

(۲) بنو حبیب بن وہب: حضرت عثمان بن مظعون کا گھرانا۔ / بنو معمر بن حبیب بن وہب: بنو حارث بن معمر۔

(۳) بنو وہبان بن وہب: کوئی مشہور شخص نہیں گزرا۔

(۴) بنو اہیب بن حذافہ بن جمح: کئی ذیلی گھرانے تھے: بنو عمیر، بنو عمرو، بنو عبد مناف بن عمیر وغیرہ۔

(۵) بنو سعد بن جمح (۶) بنو عویج بن سعد، بنو لوذان بن سعد، بنو ربیعہ بن سعد۔ موخر الذکر کا ذیلی گھرانا تھا
بنو عامر بن حذیم، جس کے نمائندہ شخص تھے حضرت سعید بن عامر۔

ملاحظہ ہو زبیری، ص ۴۰۰ - ۳۸۶۔

(۳۰۰) ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۸۰ - ۱۳۷؛ ابن اسحاق، ص ۱۲۷ اور ۱۳۳ وغیرہ؛ زبیری، ص ۳۸۷۔

(۳۰۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۷۔

(۳۰۲) ایضاً؛ ابن سعد، سوم، ص ۴۰۱ - ۳۹۳؛ زبیری، ص ۳۹۳ - ۳۹۴؛ اصابہ ۵۴۴۵؛ استیعاب، سوم،
ص ۸۹ - ۸۵؛ اصابہ ۳۰۶۶، ۴۹۵۵، ۷۰۸۲۔

(۳۰۳) زبیری، ص ۳۹۴۔

(۳۰۴) ابن اسحاق، ص ۲۱۵ - ۲۱۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے مضمون "کیا مہاجرینِ مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" ص ۲۱۔

(۳۰۵) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ ابن سعد، سوم، ص ۴۰۲ وغیرہ؛ چہارم، ص ۲۰۲ - ۲۰۱؛ زبیری، ص ۳۹۵؛ اصابہ
۱۶۵۵، ۱۵۳۴، ۵۱۴۵، ۷۷۵۹، ۱۳۸۰، نساء ۱۱۷۹۔

(۳۰۶) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۲؛ زبیری، ص ۳۹۴ - ۳۹۵؛ اصابہ ۱۱۹۰؛ استیعاب،
اول، ص ۲۳۹؛ اصابہ ۳۳۲۲ وغیرہ۔

(۳۰۷) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۳؛ زبیری، ص ۳۹۶ نے حضرت نُبَیہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۳۰۸) ابن اسحاق، ص ۲۱۸ - ۲۲۰؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۰۱ - ۱۹۹؛ زبیری، ص ۳۹۱؛ اصابہ ۹۱۷۱؛
استیعاب، سوم، ص ۶۲۶ - ۶۲۷۔ حضرت عمیر بن وہب جمحی کے لیے ملاحظہ کیجئے؛ زبیری، ص ۳۹۱؛ اصابہ
۶۰۵۳؛ استیعاب، دوم، ص ۴۸۴ - ۴۸۶؛ نیز ابن اسحاق، ص ۵۵۵۔

(۳۰۹) ابن سعد، چہارم، ص ۲۷۹؛ زبیری، ص ۳۹۹؛ اصابہ ۳۲۶۳۔

(۲۱۰) ابن اسحاق، ص ۵۵۵؛ زبیری، ص ۳۸۸؛ اصابہ ۴۰۶۸۔

(۲۱۱) زبیری، ص ۳۸۹؛ اصابہ ۶۱۷۳، ۶۲۱۹ اور نساء ۱۶۱ نیز استیعاب، دوم، ص ۹-۳۴۸۔

(۲۱۲) زبیری، ص ۳۹۲؛ اصابہ ۱۷۹ اور ۵۴۔

(۲۱۳) زبیری، ص ۳۹۹؛ اصابہ ۳۵۵ اور ۱۰۰۸ (کنیت)؛ نیز ملاحظہ کیجئے؛ ابن سعد، پنجم، ص ۴۵۰۔

(۲۱۴) زبیری، ص ۴۰۰-۴۰۸، نے بنوجمح کے مزید مسلمانوں میں حسب ذیل حضرات وخواتین کو شمار کیا ہے:
حضرت عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف (اور غالباً ان کا پورا خاندان)، اولاد واخلاف امیہ بن خلف اور ابی بن خلف، حضرت عبدالرحمٰن بن سابط بن ابی حُمیضہ بن عمرو بن اہیب (اور ان کے بقیہ بھائی بھی)، حضرت مُرّہ بن ابوعزّہ جمحی اور ان کی اولاد ذکور واناث، حضرت ابو محذورہ کے کل بھائی، حضرت سعید بن عامر کی بہن حضرت فاطمہ بنت عامر جو حضرت معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص کی زوجہ تھیں اور جن سے عبدالملک بن مروان کی ماں حضرت عائشہ پیدا ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہ بھی عہد نبوی کی مسلم تھیں۔ ان کے لیے بالترتیب ملاحظہ ہو اصابہ ۲۰۴۴، ۳۰۲۶، ۵۰۹۵، نساء ۱۴۱۸ اور نساء ۷۰۹۔ یقینی طور پر یہ بھی مکمل فہرست نہیں ہے متعدد دوسرے ایسے ہوں گے جن کا ذکر دوسرے مآخذ میں ملے گا۔

(۲۱۵) ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "بنو امیہ اور بنو ہاشم کی رقابت کا تاریخی پس منظر"، مذکورہ بالا۔

(۲۱۶) مونٹگمری واٹ، ص ۹۴، کا خیال ہے کہ وہ بعثتِ نبوی کے وقت مکہ کے معاملات میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی پرانی حیثیت نہیں باقی رہی تھی لیکن اب بھی مکی سیاست وسماج میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔

(۲۱۷) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ ابن سعد، سوم، ص ۲۲-۱۱۶؛ زبیری، ص ۲۵۴؛ اصابہ ۸۰۰۳۔

(۲۱۸) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۷ وغیرہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۱؛ زبیری، ص ۲۵۴؛ اصابہ ۸۲۳۳۔

(۲۱۹) ابن اسحاق، ص ۱۴۷۔

(۲۲۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۳-۱۲۱۔

(۲۲۱) ابن اسحاق، ص ۱۶۸۔

(۲۲۲) ابن اسحاق، ص ۳۲۸؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۱۶، ۱۲۲۔

(۲۲۳) زبیری، ص ۲۵۶؛ اصابہ نساء ۱۷۲۔
بنو عبدالدار کے مذکورہ بالا مسلموں کے لیے دیکھئے زبیری، ص ۶-۲۵۴؛ اصابہ ۱۲۴۸، ۸۷۲۰، ۳۵۹۱۔

(۲۲۴) ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۲؛ زبیری، ص ۲۵۱۰؛ اصابہ ۵۴۴۰؛ استیعاب، سوم، ص ۹۳-۹۲۔

(۲۲۵) ابن اسحاق، ص ۵۹۴، ۸۰۷۔ ابن اسحاق نے حضرت حارث بن حارث بن کلدہ عبدری کا نام لیا ہے جبکہ

ابن ہشام نے شیبہ بن عثمان، ابوالسنابل بن بعکک بن حارث اور عکرمہ بن عامر بن ہاشم کو بنو عبدالدار سے شمار کیا ہے؛ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۲۵۵؛ اصابہ ۵۶۲۰۔

(۳۲۶) کتاب المنمق، ص ۲۹۹؛ زبیری، ص ۷-۲۵۶؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۲۳؛ اصابہ ۴۲۰۸۔

(۳۲۷) بنو عامر بن لوی کے اہم گھرانے حسب ذیل تھے:

۱ - بنو حسل بن عامر: بنو مالک جس کے ذیلی گھرانے تھے بنو جذیمہ، بنو عبدِ وُدّ، اور موخرالذکر کا ذیلی گھرانا تھا بنو ابو قیس جو کافی بڑا گھرانا تھا۔

۲ - بنو معیص بن عامر: بنو عبد بن معیص اور بنو عمرو بن معیص، اور ان کے بھی اہم ذیلی گھرانے تھے۔

۳ - بنو عویص بن عامر۔

(۳۲۸) ابن اسحاق، ص ۵۰۴؛ ابن سعد، پنجم، ص ۳۵۴؛ زبیری، ص ۴۱۴؛ اصابہ ۲۵۶۶؛ استیعاب، دوم، ص ۱۱۲-۱۰۸۔

(۳۲۹) ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۴-۲۰۳؛ زبیری، ص ۲-۴۲۱۔

(۳۳۰) ابنِ سعد، چہارم، ص ۲۰۴؛ ہشتم، ص ۵۲؛ زبیری، ص ۴۲۳۔

(۳۳۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲-۲۰۵؛ زبیری، ص ۴۳۴؛ اصابہ ۵۷۵۹ اور ۵۹۳۰۔

(۳۳۲) ابن اسحاق، ص ۱۴۷۔

(۳۳۳) ابن سعد، سوم، ص ۴۰۳؛ زبیری، ص ۴۲۸؛ اصابہ ۵۰۰ (کنیت)؛ نیز ابن اسحاق، ص ۳۲۸۔

(۳۳۴) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، ہشتم، ص ۲۷۲۔

(۳۳۵) زبیری، ص ۴۲۶؛ ابن سعد، سوم، ص ۴۰۴؛ اصابہ ۴۹۳۰۔

(۳۳۶) ابن سعد، سوم، ص ۴۰۶؛ زبیری، ص ۴۱۹؛ اصابہ ۴۷۲۷۔

(۳۳۷) زبیری، ص ۴۲۲؛ اصابہ ۷۹۲۸۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ کے ایک بھائی تھے۔

(۳۳۸) ابن اسحاق، ص ۱۴۷ (۳۳۹) ابن سعد، سوم، ص ۴۰۵

(۳۴۰) ابن اسحاق، ص ۱۴۷ (۳۴۱) ابن اسحاق، ص ۳۲۸

(۳۴۲) ابن اسحاق، ص ۹-۱۹۷؛ زبیری، ص ۲۰-۴۱۹؛ اصابہ ۲۰۲ (کنیت)؛ استیعاب، چہارم، ص ۳۵-۳۳۔

(۳۴۳) زبیری، ص ۲۱-۴۱۹ نے اس خاندان کے حسب ذیل مزید مسلمانوں کا ذکر کیا ہے: حضرت عتبہ بن سہیل بن عمرو، ہند بنت سہیل اور عمرو بن سہیل اور حاطب بن عمرو، سلیط بن سلیط۔

نیز ملاحظہ کیجئے: اصابہ ۵۳۹۵، نساء ۵۹۲، ۱۵۳۶، ۳۴۱۲۔

(۳۴۴) زبیری، ص ۳۳۴؛ اصابہ ۴۰۲، ۷؛ استیعاب، دوم، ص ۷۷ - ۳۷۵ - زبیری کے مطابق ان کے کئی بھائی تھے جیسے اویس اکبر، اویس اصغر، ایاس اور ابو ہند۔

(۳۴۵) زبیری، ص ۴۱۰؛ کتاب المنمق، ص ۶۱ - ۲۶۰؛ اصابہ ۳۵۶۶؛ استیعاب، دوم، ص ۱۲ - ۱۰۸۔

(۳۴۶) زبیری، ص ۴۲۶؛ اصابہ ۸۰۱۸۷ - حضرت معاویہ کی آخر خلافت میں انتقال فرمایا جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔

(۳۴۷) زبیری، ص ۴۳۱؛ اصابہ ۸۹۷۲۔

(۳۴۸) زبیری، ص ۴۲۱؛ اصابہ ۵۲۶۵؛ استیعاب، دوم، ص ۳۴۴۔ نیز اصابہ ۶۲۰۶؛ استیعاب، دوم، ص ۴۱۰ - بالترتیب -

(۳۴۹) بنو عامر بن لوی کے دوسرے مسلمانوں میں زبیری نے حسب ذیل کا نام گنایا ہے:

۱ - بنو قدان بن عبد شمس : حضرت عبداللہ بن السعدی — اصابہ ۴۷۰۹

۲ - بنو ابو قیس بن عبدِ وُدّ : حضرت ابو قیس بن عَمرو بن عبدوُدّ — اصابہ ۹۳۲ (کنیت)

حضرت مجلل بن عبد وُد ابی قیس اور ان کی صاحبزادی ام جمیل۔ — اصابہ نساء ۱۱۷۶

حضرت ابو الحکم بن حویطب — اصابہ ۶۲۰۶

حضرت عبد الرحمٰن بن حویطب اور ابو سفیان بن حویطب

۳ - بنو معیص بن عامر بن لوی : علاء بن وہب بن عبد بن وہبان — اصابہ ۵۶۴۴

مکرز بن حفص بن الاحنف — اصابہ ۸۱۸۹

ابو علی بن حارث بن رخصہ اور علی بن عبیداللہ بن حارث - یمامہ میں شہید ہوئے۔

اصابہ ۵۶۸۵

بُسر بن ارطاۃ — اصابہ ۶۲۹

یہ یقینی ہے کہ مذکورہ بالا صحابہ کرام سے کہیں زیادہ تعداد اب بھی ان گمنام مسلمانانِ عہد نبوی کی ہے جن کا تذکرہ نہیں آسکا ہے۔

(۳۵۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۸ - ۶ -

(۳۵۱) ابن اسحاق، ص ۱۱۶ -

(۳۵۲) ابن اسحاق، ص ۱۲۷؛ زبیری، ص ۴۳۵؛ اصابہ ۴۳۹۳ -

(۳۵۳) زبیری، ص ۴۴۵ ' نے ان کے دو فرزندوں یزید اور عمیر اور ان کی والدہ ہند بنت جابر بن وہب بن جناب کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ان کی اور ان کے بھائیوں کی نسل منقطع ہوگئی۔

(۳۵۴) ابن اسحاق، ص ۱۱۶؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۲؛ اصابہ ۳۵۱۳۔ ان کا اصل نام سہیل بن وہب تھا اور وہ زبیری ص ۴۴۶ کے مطابق بدری صحابی تھے۔

(۳۵۵) ابن اسحاق، ص ۱۴۷؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۳؛ زبیری، ص ۴۴۶؛ اصابہ ۵۸۳۳، ۹۱۶۲ نیز ابن اسحاق، ص ۳۲۰۔

(۳۵۶) ابن اسحاق، ص ۳۲۰؛ زبیری، ص ۴۴۶؛ اصابہ ۳۵۵۴ اور ۴۰۸۵۔

(۳۵۷) زبیری، ص ۴۴۶، نے حضرت عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال اور ان کے بھائی وہب کو بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو اصابہ ۵۸۳۳، ۹۱۶۲۔

(۳۵۸) بنو عامر بن لوی کے دوسرے مسلمانوں کا ذکر زبیری، ص ۴۴۶ - ۴۵۵ کے مطابق حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت نافع بن عبد قیس بن لقیط بن عامر بن امیہ اصابہ ۸۶۵۳

۲۔ حضرت سہیل بن وہب (وہ حضرات سہل بن بیضا اور ان کے بھائی صفوان کے حقیقی بھائی تھے) اصابہ ۳۵۵۴

۳۔ حضرت عیاض بن غنم بن زہیر (جنھوں نے خلافتِ صدیقی اور فاروقی میں کارہائے نمایاں انجام دئے) اصابہ ۶۱۳۵

ان کے علاوہ بھی یقیناً متعدد بلکہ بہت سے عام مسلمان عہد نبوی میں تھے۔

(۳۵۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۴۶-۲۴۷؛ زبیری، ص ۴۴۸؛ اصابہ ۸۰۰۳۔

زبیری، ۴۴۸-۴۴۷ نے متعدد فہری صحابہ میں حضرات ضحاک بن قیس فہری، حبیب بن مسلمہ فہری اور ضرار بن خطاب فہری اور رباح بن عمرو بن المغترف کو بھی بنو محارب سے شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اصابہ ۴۱۶۴، ۱۵۹۵ (استیعاب، اول، ص ۳۰-۳۲۸) ۴۱۶۸ اور ۲۵۵۷۔

بلاشک و شبہ بنو محارب بن فہر یا بنو حارث بن فہر کے بہت سے مسلمانوں کا نام مآخذ میں نہیں آسکا ہے۔

(۳۶۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۴-۸۶ اور ۹۷-۱۷۱ نے بنو محارب بن فہر کو بھی شامل نہیں کیا ہے۔

(۳۶۱) یہ جائزہ بنیادی طور سے زبیری، نسب قریش، ص ۴۴۸-۴۴۰ اور ابن حزم اندلسی، جمہرہ انساب العرب، ص ۱۵۶ پر مبنی ہے۔

(۳۶۲) زبیری اور جمہرہ کے علاوہ ان صحابہ کرام کے ذکر کے لیے مزید دیکھئے: اصابہ ۴۱۶۴، ۱۵۹۵، ۴۱۶۸، ۲۵۵۷۔ نیز استیعاب، اول، ص ۳۰-۳۲۸۔ نیز اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۴۵، ۳۲۸ وغیرہ؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۰۲ نے ایک صحابی حضرت ابو خلیدہ فہری کا ذکر کیا لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان کا کس بنو فہر سے تعلق تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور فہری صحابی ہیں زیاد بن نعیم اسد الغابہ، دوم، ص ۲۱۸۔

(۳۶۳) بنیادی طور پر یہ تجزیہ ابن حزم اندلسی، جمہرہ، ص ۱۳-۲۶ اور ۴۷-۳۲۶ پر مبنی ہے۔

(۲۶۴) ابن اسحاق، ص ۵۴۵ اور ۵۵۰، کا بیان ہے کہ غزوہ فتح مکہ میں مسلم سپاہ کی تعداد دس ہزار تھی جس میں حسب ذیل قبائلِ عرب نے حصہ لیا تھا۔ قوسین میں ان کے سپاہ کی تعداد ہے۔

۱۔ بنو سلیم	۷۰۰ یا ۱۰۰۰
۲۔ غفار	۴۰۰
۳۔ اسلم	۴۰۰
۴۔ مُزینہ	۱۰۰۳

باقی قریش اور انصار اور ان کے حلفاء کی سپاہ تھی اور کچھ جماعتیں تمیم، قیس اور اسد کے عربوں کی بھی تھیں۔ ابن اسحاق کا مزید بیان ہے کہ اس غزوہ میں تمام قریشیوں اور انصار نے حصہ لیا تھا اور کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریشی مہاجرین کی تعداد سات سو (۷۰۰) تھی۔ اس طرح انصار کے علاوہ بقیہ مجاہدین کی تعداد تین ساڑھے تین ہزار کے درمیان آتی ہے۔

(۲۶۵) مآخذ کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ نے جزیرہ نمائے عرب کے پڑوسی ملکوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی تھی اور سوائے خسرو پرویز کسرائے ایران کے اور دوسری تمام مملکتوں میں سفراءِ نبوی کا بہتر استقبال ہوا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب میں بھی ردِ عمل بہتر ہوا تھا صرف بُصریٰ کے غسانی حکمراں نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ سفیر نبوی کو انتہائی بیدردی سے قتل کر دیا تھا۔ سُفراءِ نبوی پر بحث باب چہارم میں ملاحظہ فرمائیے۔ سلاطینِ وقت کو اسلام کی دعوت کے لیے ملاحظہ کیجئے: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۴۷۰-۴۶۲؛ محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، مذکورہ بالا، ص ۱۵-۶۰۵؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۴۵-۳۰۰، ان سفارتوں کی صحت کو بوجوہ معلوم مشتبہ سمجھتے ہیں۔

(۲۶۶) ابن اسحاق، ص ۱۵۴-۱۵۰۔ بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے شبلی اور محمد حمید اللہ، مذکورہ در ص ۲۶۵۔

(۲۶۷) قرآن کریم: سورہ ۳۴، آیت ۲۸۔

(۲۶۸) ملاحظہ ہو جول لابوم (JULES LA BEAUME) LE KORAN ANAYSE عربی ترجمہ تفصیل آیات القرآن الحکیم، از محمد فؤاد عبدالباقی، قاہرہ ۱۹۵۵ء، ص ۳۴-۱۴ (الباب الثانی)

(۲۶۹) قرآن کریم، سورہ حجر، نمبر ۱۵۔

(۲۷۰) عام طور سے تمام مستشرقین کا یہی خیال ہے ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۳-۱۵۰ وغیرہ۔

(۲۷۱) ابن اسحاق، ص ۱۸-۱۱۴، ص ۸-۱۹۴ وغیرہ۔

(۲۷۲) مغربی مورخین میں گرونی بام (GRUNEBAUM)، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۲۰۷، نے قبائل عرب کی عددی طاقت کا جو تخمینہ لگایا ہے وہ کسی حد تک صحیح ہے۔ لیکن بڑے

قبیلوں کے بارے میں ان کا تخمینہ زیادہ صحیح نہیں ہے۔ ہمارا تخمینہ مآخذ کے بیانات پر مبنی ہے خاص طور سے ان کی فوجی طاقت کے بارے میں ان کے بیانات پر۔ اس کے علاوہ انساب کی کتابوں سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی بنیاد بنے ہیں۔

(۳۲) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۶۱ - ۱۵۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱۹۹۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو: باب اوّل۔

(۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۶ - ۲۴۵۔

(۳۵) ابن ہشام، سوم، ص ۳۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۴ - ۹۳؛ سوم، ص ۹ - ۲۴۸؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۸۶۔

(۳۶) اسد الغابہ، اوّل، ص ۱۱۶۔

(۳۷) ابن ہشام، دوم، ص ۶۴۰؛ واقدی، ص ۴ - ۹۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۲؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۴۔

(۳۸) اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۱۳۔

(۳۹) ملاحظہ ہو باب سوم، چہارم اور پنجم، نیز حوالہ جات آئندہ۔

(۳۸۰) ابن ہشام، دوم، ص ۶۴۰؛ واقدی، ص ۴ - ۹۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۲؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۴۔

(۳۸۱) ابن اسحاق، ص ۵۶۱ اور آگے۔

(۳۸۲) ابن ہشام، سوم، ص ۲۰۳؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۱ - ۲۱۹؛ بخاری اور مسلم صحیح، اسلام ابی ذر؛ اصابہ ۴ / ۳۷؛ جمہرہ، ص ۱۷۵۔

(۳۸۳) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۹؛ اصابہ ۲۸۹؛ جمہرہ، ص ۱۷۶۔

(۳۸۴) ترجمہ ابی ذر کے مذکورہ بالا مآخذ۔ (۳۸۵) ایضاً

(۳۸۶) ابن سعد، چہارم، ص ۲۲۱؛ نیز ملاحظہ ہو: ابنِ ہشام، سوم، ص ۲۱۳؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۵۰ اور پنجم، ص ۱۹۷ وغیرہ۔

(۳۸۷) ابن سعد، چہارم، ص ۴۵ - ۲۴۴؛ اصابہ، ص ۴۱۶؛ جمہرہ، ص ۱۷۶۔

(۳۸۸) اسد الغابہ، پنجم، ص ۹ - ۱۴۸، ۱۸۲، ۲۰۸، ۲۸۸، ۳۲۰ وغیرہ؛ نیز جمہرہ، ص ۶ - ۱۷۵۔

(۳۸۹) ابن اسحاق، ص ۱۸ - ۵۱۷۔ (۳۹۰) ایضاً، ص ۵۵۔

(۳۹۱) ابن سعد، چہارم، ص ۵ - ۲۴۴

(۳۹۲) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۵ (۳۹۳) حوالہ ۳۸۶

(۳۹۴) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۴۔

(۳۹۵) ابن سعد، چہارم، ص ۲۴۵ (۳۹۶) ایضاً، ص ۳۰۸ وغیرہ۔

(۳۹۷) ابن ہشام، سوم، ص ۲۷۰؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۵۱؛ جمہرہ، ص ۱۷۴؛ اصابہ ۶۸ اور ۳۰۳۴۔

(۳۹۸) جمہرہ، ص ۵-۱۷۴؛ اصابہ ۳۰۳۴۔

(۳۹۹) واقدی، ص ۵۶۰، ۷۸۲، ۷۸۴، ۷۸۹، ۸۱۲، ۸۴۶ وغیرہ۔

(۴۰۰) ابن اسحاق، ص ۶۲-۵۶۱؛ ابن ہشام، سوم، ص ۳۶۴؛ واقدی، ص ۸۱-۸۷۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۹-۱۴۷؛ طبری، سوم، ص ۶۷-۶۶؛ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب المغازی۔

(۴۰۱) ابن ہشام، دوم، ص ۶۲۲؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۶۸۔

(۴۰۲) ابن ہشام، دوم، ص ۳۲۸؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۴۳؛ واقدی، ص ۸۷۵ و ۸۶۰۔

(۴۰۳) جمہرہ، ص ۳-۱۷۱؛ نیز ملاحظہ ہو: اصابہ ۶۰۵، ۷۲۸، ۱۹۷، ۴۳۶۳، ۷۷۵۳، ۳۸۳۳، ۸۸۰۶، ۱۸۶۳، ۱۴۳، ۱۲۱۱، ۶۶۹، ۳۷۳، ۲۱۴۷، ۶۱، ۴۳، ۴۳۶۸، اور ۹۰۸۷ بالترتیب۔

(۴۰۴) واقدی، ص ۹-۱۰۲۸ (۴۰۵) طبری، سوم، ص ۴۴۲

(۴۰۶) ایضاً (۴۰۷) ایضاً

(۴۰۸) خزاعہ مکہ اور اس کے نواح کے قدیم باشندے تھے اور مدتوں وہ مکہ کی سیاست اور سماج پر چھائے رہے۔ جب قصی بن کلاب کا عروج مکی سیاست میں ہوا تو خزاعہ کو مکہ چھوڑنا پڑا تھا اور وہ اس کے نواح میں جا بسے تھے عبدالمطلب بن ہاشم کے زمانے میں ان کے تعلقات پھر قریش خاص کر بنو ہاشم سے استوار ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں بنو خزاعہ کا اثر ضرور موجود رہا اگرچہ قریشی قبائل کی بالادستی کے قائم ہو جانے کے بعد ان کا سابقہ مقام رسوخ برقرار نہیں رہ سکا تھا۔ خزاعہ کی قدیم تاریخ اور مکہ سے اس کے تعلقات کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۹-۴۸، ۵۲ وغیرہ؛ ابن سعد، اول، ص ۹-۶۸؛ کتاب المنمق فی اخبار قریش، مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدر آباد دکن ۱۹۶۴ء، ص ۹۳-۸۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۰-۴۹؛ ازرقی، ص ۶۶-۶۴؛ طبری، دوم، ص ۴۲ وغیرہ۔

(۴۰۹) بخاری، باب اسلم وغفار؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳۹۰۔

(۴۱۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۲۲۔

(۴۱۱) ابن اسحاق، ص ۳۲۸، کا بیان ہے کہ خزاعہ کے کم از کم دو آدمی مکی عہد میں مسلمان ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت ایمہ تھے جو بنو مخزوم کے حلیف تھے اور دوسرے حضرت ذوالشمالین خزاعی تھے جو نہ صرف ابتدائی مسلم تھے بلکہ مہاجر مدینہ اور بدری صحابی بھی تھے۔ ایک اور ابتدائی مسلم حضرت نافع بن بدیل بن ورقاء تھے جو مہاجر اور

بئر معونہ کے شہید تھے۔ ایک خزاعی صحابی حضرت معتب بن عوف تھے جو مہاجر حبشہ اور بدری تھے۔ بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن سعید اموی کی اہلیہ محترمہ بھی خزاعی تھیں اور ان کا اسم گرامی خمینہ بنت خلف تھا۔ وہ ابتدائی مسلم ہونے کے علاوہ حبشہ کی مہاجر بھی تھیں۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۴۴۴؛ ابن سعد، چہارم، ص ۲۹۴؛ نیز سوم، ص ۲۶۵ اور انساب الاشراف، اوّل، ص ۱۹۹ اور ۱۲۰ - ۲۱۱۔

(۱۲ م) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴ - ۱۴۲ اور ۳۲۵ - ۲۹۸۔

(۱۳ م) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۷۸؛ پنجم، ص ۲۵۰۔

(۱۴ م) ابن سعد، دوم، ص ۲۱ - ۱۲۰، ۱۵۰، ۱۶۸، ۱۷۳؛ طبری، دوم، ص ۷۳؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۲ - ۱۴۱؛ پنجم، ص ۷۰ - ۱۴۹۔

(۱۵ م) ملاحظہ کیجئے اس کتاب کے ابواب سوم، چہارم، پنجم اور ششم۔

(۱۶ م) مجموعۃ الوثائق، ص ۹ - ۱۴۷ کا بیان ہے کہ قبیلہ کا ایک حصّہ ہجرت کر کے مدینہ جا بسا تھا جبکہ دوسرا حصّہ اپنے روایاتی علاقہ میں آباد رہا تھا۔

(۱۷ م) ملاحظہ ہو: محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۵۔

(۱۸ م) ابن اسحاق، ص ۷۵۵؛ واقدی، ص ۸۰۱ - ۸۰۰؛ نیز اسد الغابہ، اول، ص ۶ - ۱۷۵؛ چہارم، ص ۲۲۵، جس کا بیان ہے کہ اس مہم عظیم وجلیل میں اسلام کے دو پرچم تھے۔ پرچم کی اہمیت پر بحث ملاحظہ کیجئے باب سوم — بحث بر علمبردارانِ نبوی۔

(۱۹ م) ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۱م۔

(۲۰ م) مثلاً حضرت خراش بن امیہ خزاعی (بنو کعب بن عمرو) نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی جبکہ حضرت بُسر / بِشر بن سفیان خزاعی نے ایک جاسوس کے فرائض انجام دئے تھے۔ ملاحظہ ہو: ابن سعد، دوم، ص ۹۶ - ۹۵: طبری، دوم، ص ۶۳۱: اسد الغابہ، اول، ص ۲۵۱ اور دوم ص ۱۰۸۔

(۲۱ م) ابن سعد، اول، ص ۲۹۳، کا بیان اہم بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ بنو تمیم کی ایک شاخ نے جو مدینہ کی مخالف اور بنو کعب بن عمرو / خزاعہ کی پڑوسی تھی۔ انھوں نے بنو کعب کو صدقات نہ ادا کرنے پر مجبور کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بنو کعب نے خود ہی اس کی اطلاع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور آپ نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کی۔

(۲۲ م) واقدی، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ اسد الغابہ، اول، ص ۶ - ۱۷۵۔ تفصیل ملاحظہ کیجئے باب پنجم میں۔

(۲۳ م) حوالہ جات کے لیے ملاحظہ کیجئے سابقہ حوالہ ۱۸م۔

(۲۴ م) واقدی، ص ۹۸۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۱ - ۱۶۰: نیز ابنِ اسحاق، ص ۴۹۳۔

(۲۵ ۴) مکمل بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیے: محمد یٰسین مظہر صدیقی، حضرت ولید بن عقبہ اموی ——— شخصیت و حیات (زیر طبع)

(۲۶ ۴) واقدی، ص ۸۱ - ۹۸۰؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۱ - ۱۶۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰ -

(۲۷ ۴) واقدی، ص ۲۰۵، ۴۰، ۳۳۸ - ۴۰، ۵ - ۴۴۴، ۵۳۲ وغیرہ -

(۲۸ ۴) واقدی، ص ۵۸۱، ۳، ۵۹۳ وغیرہ -   (۲۹ ۴) واقدی، ص ۶۱۲ -

(۳۰ ۴) واقدی، ص ۹۴۷ -   (۳۱ ۴) واقدی، ص ۸۰۰ - ۱ اور ۹۱ - ۹۹۰ -

(۳۲ ۴) ان کے اسمائے گرامی تھے: حضرات عَمرو بن مُرّہ، لبسبس بن عَمرو، عدی بن ابی الزغباء، جندب بن مکیث، معبد بن خالد، سوید بن صخر، زید بن خالد، عبداللہ بن بدر اور ضمرہ ——— ملاحظہ ہو بالترتیب اسد، پنجم، ص ۱۳۱؛ واقدی، ص ۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ اسد، اول، ص ۳۰۶؛ ایضاً، پنجم، ص ۳۹۰؛ ایضاً، دوم، ص ۳۷۸؛ ایضاً، دوم، ص ۲۲۸؛ ایضاً، سوم، ص ۴ - ۱۲۳؛ واقدی، ص ۲۶ -

(۳۳ ۴) ابن سعد، سوم، ص ۷ - ۴۹۶، ۶۰ - ۵۵۹ -

(۳۴ ۴) ابن سعد، چہارم، ص ۵۳ - ۳۴۳ -

(۳۵ ۴) ابن سعد، اول، ص ۳۳۳ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسجد کے لیے پہلی زمین عطا کی تھی وہ یہی تھی -

(۳۶ ۴) ابن سعد، اول ص ۴ - ۳۳۳ -

(۳۷ ۴) ابن اسحاق، ص ۵۴۹، ۵۵۴، ۵۵۷؛ واقدی، ص ۸۰۰ اور ۸۲۰ -

(۳۸ ۴) واقدی، ص ۹۹۰ -

(۳۹ ۴) ان کے نام تھے: حضرات نعمان بن مقرن ——— اسد، پنجم، ص ۳۱ - ۳۰؛ خزاعی بن عبد نہم ——— اسد، دوم، ص ۱۱۳؛ عبید بن مروہ ——— اسد، سوم، ص ۳۵۳؛ بلال بن حارث ——— اسد، اول، ص ۲۰۵؛ عبداللہ بن عمرو ——— واقدی، ص ۸۰۰ -

(۴۰ ۴) ابن سعد، سوم، ص ۸ - ۲۴۷، کا بیان ہے کہ حضرت وہب بن قبوب مزنی اور ان کے بھتیجے حضرت حارث بن مُزینہ کی پہاڑیوں کی طرف سے اپنے جانوروں کے گلّے کے ساتھ آئے اور اسلام قبول کر کے مسلم فوج میں شریک ہو گئے اور لڑ کر جان خدا کی راہ میں نچھاور کر دی۔

(۴۱ ۴) کتاب الاشتقاق، مرتبہ وسٹنفیلڈ، گوٹنگن ۱۸۵۴ء، ص ۱۲ - ۱۱۱ -

(۴۲ ۴) اسد، پنجم، ص ۳۱ - ۳۰؛ ابن سعد، اول، ص ۴ - ۳۳۳ -

(۴۳ ۴) ابن سعد، اول، ص ۳۲۹ - نیز ملاحظہ فرمائیے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۵، جنھوں نے جُہَینہ کے دو نفری وفد کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے تبصرہ کیا ہے کہ یہ دونوں اپنی قوم کے نمائندے نہیں تھے بلکہ انھوں نے ذاتی

طور سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ واٹ نے مُزینہ کے اتنے اہم وفد کی آمد کا ذکر سرے سے نہیں کیا ہے۔

(۴۴) ملاحظہ کیجئے حوالہ سابقہ ۴۳۔ (۴۵) ابن اسحاق، ص ۵۶۸۔ (۴۶) واقدی، ص ۹۹۰۔

(۴۷) ابن سعد، چہارم، ص ۲۴۱؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، اول، ص ۲۲۹۔

(۴۸) مسلم، صحیح، باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ فیہا، باب تخفیف الصلاۃ والخطبات۔ نیز ابن سعد، چہارم، ص ۲۴۱۔

(۴۹) ابن سعد، اول، ص ۲۲۹۔ (۵۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۴۱۔

(۵۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۸-۱۱۱۔ نیز ملاحظہ ہو: اسد، چہارم، ص ۴۰۳۔

(۵۲) حضرت طفیل کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۶-۱۱۱؛ واقدی، ص ۸۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۸-۱۵۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۳-۱۱۹؛ طبری، دوم، ص ۲۹-۳۲۲؛ بخاری، صحیح، قصۂ دوس۔ نیز اسد، سوم، ص ۵۵-۵۴۔ ان کے صاحبزادہ گرامی کے لیے ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۹۲۳ اور اسد، چہارم، ص ۱۱۵۔

(۵۳) ملاحظہ فرمائیے: صحیح مسلم، کتاب الایمان۔

(۵۴) ابن سعد، اول، ص ۳۵۳۔

(۵۵) ابن سعد، چہارم، ص ۱۴-۳۲۵ اور اول، ص ۳۵۳۔ نیز ابن سعد، دوم، ص ۲۷۶۔

(۵۶) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴۱ اور اسد، دوم، ص ۲۷۶۔

(۵۷) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴۲۔ مُجَینہ ان کی والدہ کا نام تھا اور وہ اپنی ماں کی نسبت سے زیادہ مشہور تھے۔

(۵۸) ایضاً (۵۹) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴۳ کا بیان ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ ازد کے ایک گھرانے بنو لہب سے تھا۔

(۶۰) محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۰۔

(۶۱) قبائل عرب مشرق کا یہ تجزیہ بنیادی طور سے نسب کی کتاب جمہرہ پر مبنی ہے۔

(۶۲) مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو باب سوم۔

(۶۳) محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر کا بیان ہے کہ بنو اسد کی ایک شاخ بنو غنم بن دودان مکہ میں غالباً چھٹی صدی عیسوی کے وسط کے قریب آکر بس گئی تھی اور انھوں نے بنو امیہ کے شیخ حرب اور بعد میں ان کے فرزند ابوسفیان سے حلف کے تعلقات قائم کر لیے تھے جبکہ ازدواجی تعلقات انھوں نے بنو ہاشم کے شیخ عبدالمطلب سے استوار کیے تھے نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۴۶ اور ۲۲۸؛ ابن سعد، سوم، ص ۹۷-۸۹۔ نیز خاکسار کا مضمون بنو امیہ اور بنو ہاشم کے ازدواجی تعلقات پر۔ خزیمہ کی ایک اور شاخ بنو قارہ جو ھُون بن خزیمہ کے اخلاف تھے

بنوزہرہ/قریش کے حلیف تھے۔ ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۸۱، ۱۷۹؛ نیز واقدی، ص ۱۶۴، جن کے مطابق بنومازن/نجار (انصارِ مدینہ) کے ایک حلیف حضرت عُصَیم تھے جو بدر میں مسلمانوں کی طرف سے شریکِ جہاد تھے۔

(۴۶۴) ابن اسحاق، ص ۱۶ - ۲۱۵؛ ابن سعد، سوم، ص ۹۰ - ۸۹؛ جمہرہ، ص ۸۱ - ۱۸۰

(۴۶۵) ابن اسحاق، ص ۵۶۸۔ (۴۶۶) ابن سعد، اول، ص ۹۲ - ۲۹۲۔

(۴۶۷) طبری، تفسیر، سورۂ حجرات، آیت ۱۷۔

(۴۶۸) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ اسد، سوم، ص ۴ - ۳۹۲۔

(۴۶۹) طبری، سوم، ص ۴۴۲، ۵۸ - ۲۵۳۔ (۴۷۰) طبری، سوم، ص ۵۸ - ۲۵۳۔

(۴۷۱) جمہرہ، ص ۱۸۰ (۴۷۲) جمہرہ، ص ۵ - ۱۸۲۔

(۴۷۳) جمہرہ، ص ۱۷۹؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۱۶، ص ۳۲۸؛ واقدی، ص ۱۵۵۔

(۴۷۴) اسد، پنجم، ص ۳۵۹۔ (۴۷۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۴۔

(۴۷۶) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۹؛ سوم، ص ۱۶۹؛ واقدی، ص ۳۵۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶ - ۵۵؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۷۵؛ طبری، دوم، ص ۵۳۸۔

(۴۷۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۸ - ۲۱۴، کا بیان ہے کہ ان کی ملاقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عکاظ کے میلے میں ہوئی تھی۔

(۴۷۸) ابن سعد، چہارم، ص ۲۱۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۱۱۶ اور جمہرہ، ص ۲۵۲۔

(۴۷۹) ایضاً

(۴۸۰) ابن اسحاق، ص ۳۲۸؛ واقدی، ص ۱۵۴؛ ابن سعد، سوم، ص ۹۹؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۰۱۔ اگرچہ نسبی لحاظ سے ان کا تعلق بنومازن سے تھا مگر وہ ایک اعتبار سے بنوسلیم ہی کے فرد سمجھے جاتے تھے کیونکہ بنومازن سلیم کے بھائی کی نسل میں تھے۔ ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۲۴۸۔

(۴۸۱) ابن اسحاق، ص ۵ - ۴۴۴؛ واقدی، ص ۳۵۳۔

(۴۸۲) ابن اسحاق، ص ۴۳۵؛ واقدی، ص ۳۴۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۲؛ طبری، دوم، ص ۵۴۸۔

(۴۸۳) ابن اسحاق، ص ۴۹۷؛ واقدی، ص ۲۸۴ اور ص ۱۰۹۳؛ بخاری، صحیح، کتاب الشہادات؛ اسد، سوم، ص ۷ - ۲۶؛ جمہرہ، ص ۲۵۲۔

(۴۸۴) واقدی، ص ۳۴۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۶۔

(۴۸۵) واقدی، ص ۹۱ - ۴۸۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۲ - ۷۱۔

(۴۸۶) ابن سعد، چہارم، ص ۷۷-۲۵۵۔

(۴۸۷) مثلاً ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۵۲-۲۴۹۔

(۴۸۸) ابن اسحاق، ص ۵۸۱ نے اس سلسلے میں جو شعر نقل کیے ہیں ان کا آزاد ترجمہ حسب ذیل ہے:

"اور سلیم کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے
کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے خدا کی مدد کی
اور رسول کے پیغام و دین کو اس وقت قبول کیا
جب لوگوں کے معاملات الجھے اور پراگندہ تھے"

(۴۸۹) ابن سعد، چہارم، ص ۷۷-۲۶۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۵۲-۲۴۹۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بنو سلیم کے ابتدائی مسلمان اور ان کے سردار قبیلہ کی بعض دشمن اسلام شاخوں عُصَیَّہ، رِعل اور ذکوان سے متعلق تھے جو بئر معونہ کے المیہ کے ذمہ دار تھے۔ مثلاً حضرات عباس بن مرداس اور ان کے فرزند جہیمہ اور صفوان بن معطل کا تعلق بنو ذکوان سے تھا جبکہ خُفاف بن عُمیر، ہوذہ بن حارث اور سب سے اہم ترین شخصیت حضرت خنساء جو عہد نبوی کی عظیم ترین شعراء میں شمار ہوتی ہیں کا تعلق بنو عُصَیَّہ سے تھا۔

(۴۹۰) ابن اسحاق، ص ۸۰۰-۷۹۹؛ واقدی، ص ۷۹۹، ۸۱۳-۸۱۲، ۸۱۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، دوم، ص ۵-۱۴۴۔ موخرالذکر نے بنو سلیم کے دستے کی موجودگی اور شرکت کا حوالہ تو دیا ہے مگر اس کی تعداد نہیں بیان کی ہے۔

(۴۹۱) واقدی، ص ۸۱۹، ۸۹۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۵۸۳۔

(۴۹۲) واقدی، ص ۹۵۲ کا بیان ہے کہ شروع میں ان کے سردار حضرت عباس بن مرداس اپنے قبیلہ کے حصے میں آنے والے قیدیوں کو رہا کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن بعد میں وہ بھی فیصلہ نبوی سے متفق ہو گئے تھے۔ یہاں یہ ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کی رہائی کے سرکاری یا نبوی احکام جاری نہیں کئے تھے بلکہ انسانیت کے ناطے ان کے رہا کرنے کی درخواست کی تھی جو قانوناً یا مذہباً ضروری نہیں تھی۔ ان کے رہا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار در اصل ان کے گرفتار کرنے والوں کو حاصل تھا۔

(۴۹۳) ابن اسحاق، ص ۶۴-۵۶۱؛ واقدی، ص ۸۷۵۔

(۴۹۴) واقدی، ص ۹۹۰۔

(۴۹۵) ابن سعد، اوّل، ص ۹-۳۰۷۔

(۴۹۶) ابن سعد، اوّل، ص ۴-۲۷۳؛ اسد، چہارم، ص ۲۳۱ وغیرہ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۸۴-۱۸۰۔

(۴۹۷) واقدی، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۳۰۔

(۴۹۸) اسد، دوم، ص ۷۵۔

02072

(۴۹۹) ردہ کے زمانے میں بنوسلیم کے لوگوں نے اسلام نہیں ترک کیا تھا۔ جن لوگوں نے بغاوت میں حصّہ لیا تھا وہ زکوٰۃ کو ادا کرنے سے انکار کر رہے تھے۔

(۵۰۰) ابن حزم، جمہرہ، ص ۵۴ - ۲۳۶ -

(۵۰۱)— بنو اشجع —— ریث بن غطفان کی اولاد۔

— بنو فزارہ —— ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کی نسل میں۔

— بنو مرہ —— عوف بن سعد بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کے خاندان میں۔

— بنو ثعلبہ —— سعد بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان کا گھرانا۔

— بنو محارب —— خصفہ بن قیس عیلان کے اخلاف۔

— بنو عبس —— بغیض بن ریث بن غطفان کا قبیلہ۔

— بنو ذبیان —— بغیض بن ریث بن غطفان کا بطن۔

ان کے علاوہ بعض ذیلی گھرانے تھے جیسے بنو عبدالعزّٰی بن غطفان، اور بنو انمار بن بغیض بن ریث بن غطفان وغیرہ۔

(۵۰۲) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۱؛ جمہرہ، ص ۲۳۸ - ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض حارث بن جمیل کہتے ہیں اور بعض جاریہ۔

(۵۰۳) ابن سعد، چہارم، ص ۸۴ - ۲۷۷ -

(۵۰۴) ابن سعد، چہارم، ص ۶۹ - ۲۷۷؛ نیز ابن اسحاق، ص ۶۰ - ۵۸۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۹؛ واقدی، ص ۸۷ - ۴۸۰؛ طبری، دوم، ص ۹ - ۵۰۸؛ اسد، سوم، ص ۲۶۸ -

(۵۰۵) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۰؛ اسد، سوم، ص ۲۶۸ -

(۵۰۶) ابن سعد، چہارم، ص ۸۱ - ۲۸۰؛ اسد، چہارم، ص ۱۵۶ -

(۵۰۷) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۰، کا بیان ہے کہ ان کے والد کا نام نُوَیرہ تھا جبکہ طبریؒ سوم، ص ۲۳ اور اسد، دوم، ص ۱۶ کا خیال ہے کہ ان کا نام خارجہ تھا۔

(۵۰۸) ابن سعد، چہارم، ص ۸۳ - ۲۸۲ - فتح مکہ کی مہم کے دوران وُہ اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔

(۵۰۹) ابن سعد، چہارم، ص ۲۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۲۳۸، جو ان کا نام مسعود بن عائذ بتاتی ہے۔

(۵۱۰) ابن اسحاق، ص ۵۰۸؛ نیز ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۲ کا خیال ہے کہ پُورے قبیلہ نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن واقعات اس کے خیال کے برعکس ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۲۳۸، جو اشجع کے ایک اور مسلمان حضرت نُبیت بن شُریت کا ذکر کرتی ہے۔

(۵۱۱) ابن سعد، اول، ص ۳۰۶ -

(۵۱۲) ابن سعد، اول، ص ۳۰۶۔ نیز ملاحظہ کیجئے: مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۵، جس کا خیال ہے کہ یہ معاہدہ حضرت نعیم بن مسعود سے ہوا تھا۔

(۵۱۳) واقدی، ص ۸۰۰ - ۷۹۹، کا بیان ہے کہ حضرات معقل بن سنان اور نعیم بن مسعود کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قبیلے سے فوجی دستے فراہم کرنے کے لیے مدینہ سے بھیجا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، چہارم، ص ۲۷۸۔

(۵۱۴) واقدی، ص ۹۹۰۔

(۵۱۵) ابن اسحاق، ص ۵۹۳؛ واقدی، ص ۹۵۱-۵۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۳-۵۴؛ طبری، سوم، ص ۸۶۔

(۵۱۶) واقدی، ص ۶۵۲، ۷۲۹، اور ۷۳۱ وغیرہ۔

(۵۱۷) ابن اسحاق، ص ۵۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۴۳-۲۲۹۔ مونٹگری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۴، کا خیال ہے کہ ان مواقع پر حضرت عُیَینہ بن حِصن فزاری کے ساتھ ان کے قبیلہ کا ایک معمولی سا بھی دستہ نہیں تھا۔ لیکن یہ خیال ماٰخذ کی صریح شہادتوں سے متصادم ہے کیونکہ ان سے بنو فزارہ کے دستوں کی موجودگی کا حتمی علم ہوتا ہے۔

(۵۱۸) ابن اسحاق، ص ۵۹۳؛ واقدی ص ۶-۹۴۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۳؛ طبری، سوم، ص ۹۰۔ ان مورخین کے مطابق مختلف قبائل کے بارہ سرداروں کو سو اونٹوں کا حصہ ملا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی اکثریت یعنی ۳/۴ کا تعلق قریشِ مکہ کے مختلف بطون سے تھا جبکہ صرف ۱/۴ کا تعلق بدوی قبائل سے تھا۔

(۵۱۹) ابن اسحاق، ص ۶۶۰؛ ابن ہشام، سوم، ص ۶۲۱؛ واقدی، ص ۵-۹۷۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۱-۱۶۰۔ یہ دستہ پچاس شہسواروں پر مشتمل تھا جو سب کے سب بدوی اور غالباً فزاری تھے۔

(۵۲۰) ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۷-۱۶۶۔

(۵۲۱) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰۔ نیز ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۹۰۲، جن کا خیال ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کو فزارہ کا مصدق/عامل صدقات مقرر کیا گیا تھا۔

(۵۲۲) ابن سعد، اول، ص ۲۹۷؛ نیز ملاحظہ ہو: طبری، سوم، ص ۱۲۲، جن کا خیال ہے کہ حضرت عُیَینہ بن حِصن فزاری کے بھائی حضرت خارجہ ان میں شامل تھے۔

(۵۲۳) جمہرہ، ص ۵-۲۴۳۔ حضرت سمرہ بن جندب کے لیے مزید ملاحظہ کیجئے: اصابہ ۲۴۷۵۔

(۵۲۴) طبری، سوم، ص ۲۵۶؛ نیز ملاحظہ ہو: ص ۲۶۰۔ طبری کا بیان ہے کہ جب حضرت عُیَینہ بن حصن فزاری کو پابہ زنجیر مدینہ لایا گیا اور مدینہ کے لڑکوں نے ان پر طنز و طعن کیا تو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: "خدا کی قسم، میرا خدا پر کبھی ایمان نہ تھا۔" لیون کیتانی اور مونٹگری واٹ کا خیال ہے کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ ملاحظہ ہو: محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۵-۹۴۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ محض اس خبر واحد کی بنیاد پر حضرت عُیَینہ کے اسلام سے انکار کر دیا گیا اور متعدد

دوسری روایات کو جو ان کے قبولِ اسلام کی شہادت دیتی ہیں نظرانداز یا مسترد کر دیا گیا۔ پھر اس خبرِ واحد میں اسلام اور ایمان کے نازک فرق کی جانب اشارہ ہے جسے مورخین نے عام طور سے نہیں سمجھا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عُیَینہ اور ان کے سات سو پیروؤں کے مُرتد ہو جانے یا طُلیحہ اسدی کا ساتھ دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا قبیلہ فزارہ اسلام سے پھر گیا تھا۔ اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ عبس اور ذبیان کے اس وفد میں جو حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور جو صرف زکوٰۃ سے استثنا چاہتا تھا حضرت عُیَینہ کے بھائی حضرت خارجہ بھی بنو فزارہ کے ساتھ شامل تھے۔ اس کے علاوہ بنو فزارہ کے درمیان معتد بہ مسلمان ـــــ پکّے اور ثابت قدم مسلمانوں ـــــ کی موجودگی کا ناقابلِ تردید ثبوت طبری کے ایک صریح بیان سے ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے جب ذوالقصہ میں جمع ہونے والے مانعینِ زکوٰۃ اور مرتدوں کو شکست دے دی تو بنو عبس اور ذبیان کے لوگ اور دوسرے شکست خوردہ بھی اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں پر جا پڑے اور ان میں خُوب بے رحمی سے خُون ریزی کی۔" ملاحظہ ہو: طبری، سوم، ص ۲۴۴ اور ۲۴۶ وغیرہ۔

(۵۲۵) واقدی، ص ۲۹، (۵۲۶) واقدی، ص ۴۰۸ (۵۲۷) واقدی، ص ۲۹،
(۵۲۸) واقدی، ص ۳۱، (۵۲۹) اسدالغابہ، دوم، ص ۲۴۴ (۵۳۰) بنو فزارہ کے ضمن میں مذکور حوالے ملاحظہ کیجئے
(۵۳۱) انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۰۔ (۵۳۲) ابن سعد، اول، ص ۸-۲۹۷
(۵۳۳) طبری سوم، ص ۲۴۴، ۲۴۶۔
(۵۳۴) طبری، سوم، ص ۲۵۰، کا بیان ہے کہ وفاتِ نبوی کے بعد غطفان کے قبیلہ بنو فزارہ اور اسد/خزیمہ نے اپنے جاہلی زمانے کے معاہدۂ حلفت کی تجدید کی تھی۔ اس زمانے میں اس معاہدہ کے تین فریق تھے: غطفان، اسد اور طے۔ لیکن بعثتِ نبوی کے متصل زمانے میں اسد اور غطفان نے طے کے دو قبیلوں غوث اور جدیلہ کو نکال باہر کیا تھا اور اس طرح معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ بنو مرہ نے اس معاہدہ شکنی کو پسند نہیں کیا اور طے کے ان دونوں قبیلوں سے اپنے اتحاد کی تجدید کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے ان دونوں قبیلوں کو اپنے علاقوں میں پھر سے آ بسنے میں ہر طرح کی اخلاقی اور مادی امداد دی تھی۔ وفاتِ نبوی کے بعد بھی بنو مرہ نے اسد اور غطفان کے اس جاہلی زمانے کی یادگار معاہدے میں شرکت نہیں کی تھی۔
(۵۳۵) ملاحظہ کیجئے واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۱، حاشیہ ۲، جنھوں نے اس خاندان کے کل ایک مسلمان کا ذکر کیا ہے۔
(۵۳۶) ابن حزم، جمہرہ، ص ۲۴۰۔ (۵۳۷) ابن اسحاق، ص ۵۶۸۔
(۵۳۸) ابن سعد، اوّل، ص ۲-۲۹۵؛ طبری، سوم، ص ۱۳۹۔
(۵۳۹) انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۳۰۔
(۵۴۰) طبری، سوم، ص ۲۴۴، ۸-۲۴۶، ۵۸-۲۵۳۔

(۵۴۱) واقدی، ص ۱۹۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۵۔

(۵۴۲) واقدی، ص ۹۶ - ۱۹۳، ۳۹۵-۴۰۲، ۵۵۲، ۵۵۵ اور ۷۲۶ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۵-۳۴، ۶۲-۶۱، ۷-۸۶ اور ۱۱۹۔

(۵۴۳) ابنِ سعد، اوّل، ص ۲۹۸۔

(۵۴۴) ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۱۶۸، ۸ - ۲۴۷ اور ۲۸۰، جس کا بیان ہے کہ اس نام کے تین قبیلے/بطون تھے۔ محارب بن خصفہ کے علاوہ دو اور بنو محارب بن فہر (قریش الظواہر کا ایک خاندان) اور بنو محارب بن عمرو (ربیعہ کی ایک شاخ) تھے۔

(۵۴۵) واقدی، ص ۶-۱۹۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۵' کے مطابق اس مہم کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سایے میں آرام فرما تھے اور آپ نے تلوار درخت سے لٹکا دی تھی کہ اچانک حضرت دعثور نمودار ہوئے اور تلوار ہاتھ میں سونت کر آپ سے پوچھا: "اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟" آپ نے بڑے سکون اور اطمینان سے جواب دیا: "اللہ"۔ حضرت دعثور اسم اعظم اور آپ کے اطمینان و سکون سے اس قدر متاثر، مبہوت اور ششدر رہ گئے کہ تلوار ان کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ ایک عالم حیرانی اور لمحہ جا ودانی میں کھڑے سوچتے رہ گئے۔ ان کو ہوش تب آیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور ان سے وہی سوال پوچھا "تم کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟" وہ حیران تھے اور جواب وہی دے سکے جو متوقع تھا "کوئی نہیں"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جاؤ تم آزاد ہو"۔ مگر اب وہ آزادی کے خواہاں نہیں تھے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بے دام بن چکے تھے۔

(۵۴۶) ابن سعد، اوّل، ص ۲۹۹ ؛ طبری، سوم، ص ۱۲۹۔

(۵۴۷) ان کے نسب کے لیے ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۲۵۲۔

(۵۴۸) واقدی، ص ۷-۸۸۵۔

(۵۴۹) جمہرہ، ص ۷۵-۲۶۱ اور ۴-۲۵۳، ۵۹ - ۲۵۷ اور ۵۷-۲۵۴ بالترتیب۔

(۵۵۰) ابن اسحاق، ص ۵۶۶ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۸۲۶ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۰-۱۴۹ ؛ طبری، سوم، ص ۷۱-۷۰ وغیرہ۔

(۵۵۱) ابن اسحاق، ص ۵۶۶ ؛ واقدی، ص ۸۸۶۔ (۵۵۲) ایضاً (۵۵۳) ابن اسحاق، ص ۵۶۶

(۵۵۴) ملاحظہ ہو: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۰۔

(۵۵۵) جمہرہ، ص ۲۶۲ ؛ اصابہ نساء ۱۰۲۶۔

(۵۵۶) جمہرہ، ص ۲۶۲ ؛ اصابہ نساء ۹۴۲ اور ۹۴۳۔

(۵۵۷) جمہرہ، ص ۲۶۲ ؛ اصابہ ۷۰۶۱، ۴۹۹۸ اور ۱۸۳۴ بالترتیب۔

(۵۵۸) جمہرہ، ص ۲۶۲؛ اصابہ ۹۱۶۶ اور ۱۰۱۸ بالترتیب۔

(۵۵۹) ملاحظہ ہو جمہرہ، ص ۶۵-۲۶۳؛ اصابہ ۱۰۳، ۷۶۹، ۹۵۸، ۶۵۸۸، ۷۔ ابن حزم کا بیان ہے کہ حضرات خالد اور حرملہ فرزندان ہوذہ خدمت نبوی میں وفد میں حاضر ہوئے تھے جبکہ حضرت خالد کے فرزند العدّاء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چشمہ کی زمین عطا فرمائی تھی۔ چوتھے مسلمان حضرت ثوران بن فزارہ بھی اپنے قبیلہ کے وفد میں حاضر ہوئے تھے۔ ملاحظہ کیجئے: اصابہ ۹۲۲، ۱۶۶۳ اور ۶۷، ۵۴۔

(۵۶۰) اصابہ ۱۶۶۱۴؛ نیز جمہرہ، ص ۶۷-۲۶۶ کا بیان ہے کہ اس گھرانے کے دو اور بھی مسلمان تھے: ایک حضرت نواس بن سمعان اور دوسرے عاصی بن عامر۔ موخر الذکر کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھ دیا تھا۔ ملاحظہ ہو اصابہ ۸۸۲۲ اور ۸۰۳۳۔

(۵۶۱) واقدی، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، اول، ص ۳۰۰؛ دوم، ص ۱۶۰؛ اسد، سوم، ص ۳۶۔

(۵۶۲) ابن ہشام، سوم، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، اول، ص ۳۰۰؛ اسد، سوم، ص ۳۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۲۶۷ اور اصابہ ۶۶۱۴۔

(۵۶۳) ملاحظہ کیجئے باب سوم، بحث بر امراء سرایا۔

(۵۶۴) جمہرہ، ص ۷۱-۲۷۰؛ اصابہ ۵۹۵۰، ۸۲۷۳ اور ۴۸۰۷۔ مولہ بن کنیف کے بارے میں روایت ہے کہ نبی کریم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتے وقت ان کی عمر بیس سال تھی اور اس کے بعد وہ مزید سو سال زندہ رہے۔ وہ مشہور صحابی رسول حضرت ابوہریرہ کے شاگرد اور ساتھی (صاحب) تھے۔

(۵۶۵) جمہرہ، ص ۷۴-۲۷۱؛ اصابہ ۴۳۷۴، ۸۶۳۹، ۸۱۰۵، ۴۸۹۴ اور ۵-۵۵۴، اور ۷۷۱۰۔
حضرت مطرف کا شمار صحابہ کرام کے طبقہ علماء میں ہوتا ہے۔ جبکہ بنو عقیل کے تین مسلمانوں کے نام تھے: جرد بن منتفق، ابو رازن لقیط بن عامر اور معاویہ بن عبادہ۔

(۵۶۶) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱-۵۲۰ کا بیان ہے کہ حضرت عامر بن مالک بن جعفر پورے قبیلہ عامر بن صعصعہ کے عامل صدقات تھے جبکہ حضرت ضحاک بن سفیان کلابی بنو کلاب کے، حضرت قرہ بن ہبیرہ بنو قشیر کے اور حضرت جعدہ بنو عامر کے ایک اور گھرانے کے عامل صدقات تھے؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن سعد، اول، ص ۳۰۰ اور جمہرہ، ص ۷۳-۲۷۲۔

(۵۶۷) ملاحظہ فرمائیے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۹۹۔

(۵۶۸) ابن سعد، اول، ص ۳۰۵-۳۰۰ (۵۶۹) طبری، سوم، ص ۱۴۴ (۵۷۰) ایضاً

(۵۷۱) ملاحظہ کیجئے: اسد، سوم، ص ۲۳۹؛ نیز واقدی، ص ۹۸۳؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۱۹۶۔

(۵۷۲) واقدی، ص ۸۰۶، نے ہوازن کے ایک گمنام مسلمان کا حوالہ دیا ہے۔

(۵۷۳) واقدی، ص ۵۴، (۵۷۴) اسد، سوم، ص ۲۳۹ (۵۷۵) اسد، چہارم، ص ۹۲۔
(۵۷۶) ابن ہشام، سوم، ص ۶۸-۵۶۶؛ واقدی، ص ۸۷-۸۸۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۰-۱۴۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۶۵-۳۶۴ اور طبری، سوم، ص ۷۱-۷۰۔
(۵۷۷) واقدی، ص ۸-۸۸۷؛ طبری، سوم، ص ۷۲-۷۱۔
(۵۷۸) ابن اسحاق، ص ۵۹۲؛ واقدی، ص ۹۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۴-۱۵۳؛ طبری، سوم، ص ۸۶۔
(۵۷۹) ابن اسحاق، ص ۹۴-۵۹۳؛ واقدی، ص ۵۵-۹۵۴؛ طبری، سوم، ص ۹-۸۸۔
(۵۸۰) ابن اسحاق، ص ۶۳۵۔ (۵۸۱) ابن سعد، اول، ص ۵۴-۳۵۳۔
(۵۸۲) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۵۵؛ طبری، سوم، ص ۸۹۔
(۵۸۳) اسد، چہارم، ص ۶-۴ (۵۸۴) جمہرہ، ص ۲۵۵
(۵۸۵) جمہرہ، ص ۲۵۵؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۶۲۔
(۵۸۶) ابن سعد، چہارم؛ جمہرہ، ص ۳۵۵؛ اصابہ ۸۱۷۹۔
(۵۸۷) ان حضرات کے لیے ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۷-۲۵۵؛ اصابہ ۶۹۲۴، ۴۴۱۴، ۵۷۶۷، ۱۷۸۵، ۳۸۷ (کنیت)، ۳۲۰۳؛ نیز واقدی، ص ۹۶۲۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کے لیے ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۶۲-۹۶۰؛ ابن سعد، اول، ص ۳۱۲؛ طبری، سوم، ص ۷-۹۶۔

(۵۸۸) ابن سعد، اول، ص ۱۴-۳۱۲۔

(۵۸۹) طبری، سوم، ص ۹۹-۹۸؛ نیز ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۶۴-۹۶۳۔
(۵۹۰) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۴-۱۰۱۔
(۵۹۱) ابن اسحاق، ص ۳۲۸؛ واقدی، ص ۱۵۳؛ ابن سعد، سوم؛ چہارم، ص ۴۸-۴ کا بیان ہے کہ وہ بدری صحابی تھے؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۹؛ سوم، ص ۱۹۹؛ واقدی، ص ۶۳-۳۵۴؛ ابن سعد، اول، ص ۶-۵۵؛ طبری، دوم، ص ۵۳۸؛ اسد، چہارم، ص ۵-۲۵۴؛ پنجم، ص ۲۹۶؛ نیز دیکھئے: ابن سعد، دوم، ص ۶؛ طبری، دوم، ص ۴۰۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۵ اور جمہرہ، ص ۲۳۶۔
(۵۹۲) جمہرہ، ص ۲۴۳، کے مطابق بنو باہلہ مالک بن اعصر بن سعد بن قیس عیلان کی نسل میں تھے جبکہ بنو غنی کا تعلق مالک بن اعصر کے بھائی عمرو کے خاندان سے تھا۔
(۵۹۳) جمہرہ، ص ۲۴۴۔
(۵۹۴) جمہرہ، ص ۲۴۵؛ اصابہ ۴۰۵۹، ۹۸۹۴۔ حضرت ابوامامہ باہلی حدیث نبوی کے ایک اہم عالم اور راوی تھے۔ ملاحظہ کیجئے: بخاری، صحیح، کتاب الحرس، کتاب الجہاد، کتاب الاطعمہ۔

(۵۹۵) ابن سعد، اول، ص ۳۰۷؛ نیز ملاحظہ ہو: مجموعۃ الوثائق، ص ۶۶ - ۱۶۵۔

(۵۹۶) جمہرہ، ص ۱۸۷، کا بیان ہے کہ وہ مکّہ کے پڑوس میں رہتے تھے اس لیے قریش سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ ابن اسحاق (ص ۲۵) کا بڑا دلچسپ بیان ہے کہ مکہ مکرمہ پر حبشی سردار ابرہہ کے حملہ کے دوران مکہ کے شیخ عبد المطلب جب گفتگو کے لیے گئے تھے تو ان کے ساتھ اس وقت کے سردار ہذیل حویلد بن واثلہ تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن سعد، چہارم، ص ۱۵۰، جس کے مطابق مشہور صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود کے والد مسعود بن غافل ہذلی نے بنو زہرہ/قریش سے زمانہ جاہلیت میں حلف کے تعلقات استوار کئے تھے۔

(۵۹۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۵۱ - ۱۵۰ کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود قریشِ مکّہ کے ایک سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں اُجرت پر چراتے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۱۸۶؛ ابن اسحاق، ص ۴۲ - ۱۴۱۔

(۵۹۸) جمہرہ، ص ۱۸۶

(۵۹۹) جمہرہ، ص ۱۸۵؛ اصابہ ۹۲۔

(۶۰۰) واقدی، ص ۵۸۹۔ ہذیل کے دو اور مسلمانوں کے لیے ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۶۹ - ۸۶۲، ۸۷۳ وغیرہ ان کے نام تھے: ابو حصین ہذلی اور سعید بن عمرو ہذلی۔

(۶۰۱) واقدی، ص ۲۶ - ۸۲۳، کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکّہ کے موقعہ پر شہر میں حضرت خالد بن ولید کے زیرِ کمان دستے کو داخل ہونے سے جس گروہ نے روکا تھا اس میں ہذیل کے چار شخص تھے جو معرکہ میں مارے گئے تھے نیز ملاحظہ ہو: واقدی، ص ۸۷۰، جن کے مطابق ہم کو ہذیل کے قومی بُت سُواع کی بربادی اور اس کا پجاری و متولی (سادِن) کے قبول اسلام کا علم ہوتا ہے۔

(۶۰۲) واقدی، ص ۹۲۴۔

(۶۰۳) جمہرہ، ص ۳۷۵۔

(۶۰۴) مجموعۃ الوثائق، ص ۶ - ۱۹۳

(۶۰۵) واقدی، ص ۹۰۶۔

(۶۰۶) واقدی، ص ۱۵۱، کا بیان ہے کہ عمرو بن سفیان اور اس کا بھائی جبار جو بنو طے کے حلیف تھے جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۰؛ ابن اسحاق، ص ۳۲۸۔

(۶۰۷) واقدی، ص ۴۱۵ وغیرہ۔

(۶۰۸) واقدی، ص ۴۴ - ۱۴۳؛ نیز ابن سعد، چہارم، ص ۲۴ - ۱۲۳۔

(۶۰۹) ابن اسحاق، ص ۳۶۵، کا بیان ہے کہ کعب بن اشرف بنو طے کے خاندان بنو نبہان کا فرد تھا جبکہ اس کی ماں مدینہ کے یہودی قبیلے بنو نضیر کی فرد تھی۔

(۶۱۰) ابن سعد، چہارم، ص ۵۳۹۔

(۶۱۱) واقدی، ص ۷۲ - ۷۷۱۔

(۶۱۲) ابن ہشام، سوم، ص ۱۲ - ۶۱۱؛ واقدی، ص ۹ - ۹۸۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۴؛ طبری، سوم، ص ۱۲ - ۱۱۱۔

(۶۱۳) ابن اسحاق، ص ۲۹ - ۶۲۷؛ واقدی، ص ۹ - ۹۸۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے: اسد، سوم، ص ۴ - ۳۹۲؛ اصابہ، ۵۴۷۵۔

(۶۱۴) جمہرہ، ص ۸۰-۲۷۶ نے دو مسلمان بنو فزارہ سے: حضرات حریر بن اوس اور ان کے پوتے عروہ، بنو سلامان سے: حضرت مالک بن عبداللہ، ایک بنو عدی بن اخزم سے: حضرت عدی بن حاتم طائی، ایک بنو جرم سے: حضرت قبیصہ بن اسود، ایک بنو نبہان سے: حضرت زید الخیل بن مہلہل کا ذکر کیا ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے: اصابہ ۱۱۳۵، ۵۵۲۷، ۵۵۴۵، ۷۰۵۷، اور ۲۹۴۱ بالترتیب۔

(۶۱۵) ابن اسحاق، ص ۶۳۷؛ ابن سعد، اوّل، ص ۳۲۱-۳۲۲؛ طبری، سوم، ص ۱۴۵-۱۴۶۔ حضرت زید کا نام الخیل سے بدل کر زید الخیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔

(۶۱۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۲۰-۱۲۷۔

(۶۱۷) ابن ہشام، سوم، ص ۴۰۰؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ طبری، سوم ص ۱۴۱؛ اسد، سوم، ص ۲۹۲-۲۹۴؛ اصابہ ۵۴۷۵؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۳۷-۶۳۹؛ نیز دیکھئے ابن سعد، اول، ۳۲۱-۳۲۳ جس کے مطابق بنو طے کے متعدد لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد قطائع عطا فرمائے تھے۔

(۶۱۸) طبری، سوم، ص ۲۴۴، ۲۵۳-۲۵۵، کا بیان ہے کہ طے کے صرف دو قبیلے جدیلہ اور غوث کچھ متزلزل ہوئے تھے، لیکن پھر وہ اسلام پر ثابت قدم رہے تھے۔ اس کا مزید بیان ہے کہ "بنو طے کے کسی فرد نے اسلام سے روگردانی نہیں کی تھی"۔ اس سلسلہ میں بنو طے کے کسی اور گھرانے کا ذکر نہیں کیا ہے تاہم ابن حزم، ص ۲۷۸ اور ۳۷۷ کا بیان ہے کہ جدیلہ کا تعلق اسد بن ربیعہ بن نزار سے تھا جبکہ غوث کا تعلق بنو طے سے تھا۔

(۶۱۹) ملاحظہ فرمائیے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۹-۹۰، جن کا خیال ہے کہ بہت سے بلکہ اکثر بنو طے کے عیسائی تھے اگرچہ وہ اسلامی ریاست کے وفادار رہے تھے۔ لیکن ان کا یہ خیال مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرے ان کا یہ خیال کہ بنو طے کے بارے میں معلومات ناقص ہیں بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ معلومات بہت زیادہ بھی نہیں ہیں تاہم اتنی ضرور ہیں جن سے ان کے قبول اسلام کا پختہ ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۶۲۰) ملاحظہ کیجئے جمہرہ، ص ۳۱-۴۱۱۔

(۶۲۱) جمہرہ، ص ۳۱-۴۱۱۔

(۶۲۲) ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۲۸، جن کا بیان ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے شام جانے والے قریشی کارواں کے سالار ابو سفیان بن حرب کو شام کی حدود ہی میں قبیلہ جذام کے ایک شخص نے مطلع کیا تھا کہ مدینہ کے مسلمان ان کے کارواں کی واپسی پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

(۶۲۳) مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ایک زوجہ مکرمہ کا نام سہلہ بنت عاصم تھا اور ان کا تعلق بلی سے تھا، جبکہ

حضرت عمرو بن العاص سہمی کی والدہ اسی قبیلہ سے تھیں ۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم ؛ واقدی، ص ۷۷۰ ۔

(۶۲۴) واقدی، ص ۶۸ ۔ ۱۵۸ کے مطابق ان کے نام یہ تھے :
(۱) ابو بردہ بن نیار حلیف بنی سلمہ، (۲) ابو الہیثم بن التیہان اور (۳) ان کے بھائی عبید حلیف بنی عبد الاشہل، (۴) عبداللہ بن طارق اور (۵) ان کے سوتیلے بھائی معتب بن عبید حلیف بنی ظفر، (۶ ۔ ۱۲) معن بن عدی، ربیع بن رافع، ثابت بن اقرم، عبداللہ بن سلمہ، زید بن اسلم، ابو عقیل بن عبداللہ اور عاصم بن عدی حلفاء بنی عمرو بن عوف، (۱۳) نعمان بن اعصر حلیف بنی معاویہ، (۱۴) سواد بن غزیہ، حلیف بنی عدی بن نجار، (۱۵ ۔ ۱۸) مجزر بن زیاد، عبدہ بن ﺧﺸﺨﺶ، بعاث بن ثعلبہ اور ان کے بھائی عبداللہ، حلفاء بنی لوذان بن غنم ۔ نیز ملاحظہ ہو :
ابن اسحاق، ص ۳۲۷ ۔ ۳۳۰ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۲۷ ۔ ۴۱۹ ؛ جمہرہ، ص ۱۴ ۔ ۴۱۳ ۔

(۶۲۵) واقدی، ص ۳۸۵ ۔

(۶۲۶) جمہرہ، ص ۱۵ ۔ ۴۱۳ ؛ اصابہ ۴۵۳۰، ۳۵۲۹، ۴۲۵۸، ۷۷۲۶، ۵۲۸۶، ۳۸۹۸ اور ۵۱۶۳ ۔

(۶۲۷) واقدی، ص ۷۶۰

(۶۲۸) واقدی، ص ۷۷۱ ۔ ۷۷۰

(۶۲۹) واقدی، ص ۱۰۴۱

(۶۳۰) واقدی، ص ۹۹۰

(۶۳۱) طبقات، چہارم، ص ۳۵۴ ۔ ۳۵۵

(۶۳۲) ابن سعد، اوّل، ص ۳۳۰

(۶۳۳) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰

(۶۳۴) مجموعۃ الوثائق، ص ۹۴

(۶۳۵) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۱، کا خیال کہ بنو جعیل کو بعض گھرانوں کے صدقات اس لیے عطا کیے گئے تھے کہ وہ اسلام قبول کر لیں، نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی حوالہ متن میں نہیں ملتا بلکہ وہ گمراہ کن بھی ہے کیونکہ وہ صحیح تعبیر کے خلاف ہے ۔

(۶۳۶) ابن سعد، سوم، ص ۱۳۷ ۔ ۸، کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص کی دو شمالی عرب کی بیویاں تھیں، ایک کا تعلق بہراُ سے تھا اور دوسری کا کلب سے ۔

(۶۳۷) ملاحظہ کیجئے بالترتیب واقدی، ص ۱۵۵ اور ۱۶۸ اور ابن سعد، سوم، ص ۱۶۱ اور ۵۵۴ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے : انساب الاشراف، اول، ص ۲۰۴ ۔ ابن سعد اور بلاذری دونوں حضرت مقداد کو مہاجرین حبشہ میں شمار کرتے ہیں ۔

(۶۳۸) ابن اسحاق، ص ۲۲۸ اور ص ۳۳۳ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۱۶۱، ص ۵۵۴ ؛ جمہرہ، ص ۱۳ ۔ ۴۱۲ ۔

(۶۳۹) واقدی، ص ۶۰ ۔ ۵۵۷

(۶۴۰) ابن سعد، اول، ص ۳۳۱ ؛ طبری، سوم، ص ۱۲۲ ۔

(۶۴۱) جمہرہ، ص ۲۱ - ۴۱۸ -

(۶۴۲) ابن سعد، چہارم، ص ۵۵۶، کے مطابق بنو عذرہ جناب اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد تھے۔ ابن سعد اس علاقہ کو عذرہ اور بلی کا علاقہ کہتے ہیں کیونکہ دونوں قبیلے پڑوسی تھے۔ جناب کا علاقہ خیبر اور وادی القریٰ کے پار تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۲۰ -

(۶۴۳) بنو عذرہ کا سب سے اہم گھرانا بنو رزاح کا تھا جس کے بانی اوّل مکہ کے قریشی شیخ قصی بن کلاب کے سوتیلے بھائی تھے۔ انھیں کی مدد سے قصی مکہ میں بنو بکر بن عبد مناۃ کے سیاسی و سماجی تفوق ختم کر کے اپنی بالادستی قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس طرح قریش سے بنو عذرہ کے ازدواجی اور حلف کے تعلقات مدت مدید سے قائم تھے۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۱۵-۱۴، ۹-۴۸، ۵۲، ؛ ابن سعد، اول، ص ۹-۶۸ ؛ کتاب المنمق، ص ۱۷، ۴-۸۳ ؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۰-۴۹ ؛ طبری، دوم، ص ۲۵۶ ؛ ازرقی، ص ۶۳-۶۲ اور جمہرہ، ص ۴۲۰ -

(۶۴۴) حضرت ثابت بن ثعلبہ انصاری ایک عذری عورت کے فرزند تھے جبکہ حضرت خالد بن عرفطہ عذری بنو زہرہ/قریش کے حلیف تھے۔ ملاحظہ ہو، بالترتیب: ابن سعد، سوم، ص ۵۶۹ اور چہارم ص ۳۵۵ -

(۶۴۵) ابن سعد، چہارم، ص ۳۵۶ ؛ جمہرہ، ص ۴۲۰ ؛ اصابہ ۲۱۸۲، ۲۱۱۰ وغیرہ -

(۶۴۶) جمہرہ، ص ۴۲۰ ؛ اصابہ ۲۸۱۶، ۲۹۴۲ اور ۶، ۵۷۴ - حضرت زمیل بن عمرو کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرچم (لواء) عطا فرمایا جس کے ساتھ بعد میں وہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔

(۶۴۷) ابن سعد، اول، ص ۲۷۰ ؛ طبری، سوم، ص ۱۷۸ اور اسد، پنجم، ص ۲۰۵ - نیز مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷-۱۷۶

(۶۴۸) اسد، چہارم، ص ۳۰۶

(۶۴۹) واقدی، ص ۴۰۳

(۶۵۰) واقدی، ص ۵۵۷، ۱۱۲۲ اور ۱۱۲۴ -

(۶۵۱) واقدی، ص ۱۰۱۷

(۶۵۲) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۸

(۶۵۳) ایضاً، ص ۱۵۷

(۶۵۴) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰ ؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۷۳، جن کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ہذیم ہی کے ایک شخص کو ان کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

(۶۵۵) ابن سعد، چہارم، ص ۳۵۶ ؛ نیز جمہرہ، ص ۴۲۰ ؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۸، کو اس روایت کی صحت پر شبہ ہے اور وہ اس کے آخری حصے کو "پراسرار و عجیب" سمجھتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حمزہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کی یہ دلیل ضرور عجیب ہے۔ بنو عذرہ حجاز کے بالائی علاقے میں رہتے تھے، جیسے کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ کچھ گھرانے شامی حدود میں بھی آباد ہوں۔ اس لئے محض اپنے جغرافیائی تخمینے اور گمان کے سبب روایت کو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔

(۶۵۶) واقدی، ۴-۱۰۳۳، کا یہ بیان بہت اہم ہے کہ غزوۂ تبوک سے پہلے اسلام سعد ہذیم کے ایک خاص حصے تک محدود تھا

مگر غزوہ کے بعد وُہ ان کے تمام گھرانوں اور بطون میں سرعت کے ساتھ پھیلا تھا اور اس نے پورے قبیلہ کو اپنی آغوشِ رحمت میں سمیٹ لیا تھا۔

(۶۵۷) ابن سعد، اوّل، ص ۳۲ - ۳۲۹؛ طبری، سوم، ص ۱۳۰۔

(۶۵۸) واقدی، ص ۱۷ - ۷۷۰۔

(۶۵۹) جمہرہ، ص ۴۲۴؛ نیز ملاحظہ ہو؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۴۳۔

(۶۶۰) ملاحظہ ہو؛ جمہرہ، ص ۲۲ - ۴۲۱؛ اصابہ ۹۰۱۵، ۱۳۸۰ اور ۵۸۵۷۔

(۶۶۱) جمہرہ، ص ۴۲۳؛ اصابہ ۴۵۵۰۔

(۶۶۲) جمہرہ، ص ۴۲۵؛ اصابہ ۱۲۳۷؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۶۴ جن کا بیان ہے کہ عمرو بن جرہم غزوۂ خیبر میں موجود تھے جبکہ ابن حزم کا بیان ہے کہ وہ صلح حدیبیہ میں بھی شریک تھے۔

(۶۶۳) ابن سعد، اول، ص ۳۲۹
(۶۶۴) ایضاً، ص ۶ - ۳۳۵

(۶۶۵) اسد، اول، ص ۲۷۶
(۶۶۶) ابن سعد، سوم، ۴۲ - ۴۱

(۶۶۷) قریش مکہ اور بنو کلب کے حلف و دوستی کے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۵۲ - بدر کی جنگ میں بنو عامر بن لوی کا ایک کلبی حلیف معبد بن وہب مکی فوج میں موجود تھا۔

(۶۶۸) ابن سعد، چہارم، ص ۵۰ - ۲۴۹؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۸۷؛ جمہرہ، ص ۴۲۸؛ اصابہ ۲۳۹۰۔

(۶۶۹) واقدی، ص ۶۹۵
(۶۷۰) جمہرہ، ص ۴۲۶ - ۴۲۵

(۶۷۱) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۵۶۱-۲، ۵۰۷ اور ۱۰۲۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۹۔
(۶۷۲) ایضاً
(۶۷۳) ابن سعد، اول، ص ۵ - ۳۳۴۔

(۶۷۴) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱ - ۵۳۰۔

(۶۷۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۰ - ۱۶۶۔

(۶۷۶) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۵ - ۱۱۴

(۶۷۷) واقدی، ص ۷ - ۵۵۵
(۶۷۸) ابن سعد، دوم، ص ۸۸۔

(۶۷۹) جمہرہ، ص ۳۹۶
(۶۸۰) واقدی، ص ۵۸، ۵۵۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۸۔

(۶۸۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۶
(۶۸۲) ابن سعد، اول، ص ۵ - ۳۵۴۔

(۶۸۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۷ - ۱۵۶
(۶۸۴) ایضاً

(۶۸۵) واقدی، ص ۱۰۳۲

(۶۸۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے: مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۹۔ واٹ کا خیال ہے کہ حِسمی کے قریب

آباد جذام کا قبیلہ مسلمان نہیں ہوا کیونکہ غزوۂ تبوک کے دوران ہم کو بنو وائل اور سعد ہذیم کے محض دو افراد کے قبولِ اسلام کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی یہ دلیل بڑی عجیب وغریب ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ ان کا خیال ہے کہ جذام کا وہ حصہ جو حضرت رفاعہ بن زید کی سرکردگی وقیادت میں تھا مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے اسلامی حکومت سے اسلام قبول کیے بغیر صرف سیاسی اتحاد کر لیا تھا۔ ان کا یہ تبصرہ ونتیجہ مآخذ کے صریح بیانات کے خلاف ہے اس لیے قابل قبول نہیں ہے۔

(۶۸۷) جمہرہ، ص ۳۹۶۔

(۶۸۸) واقدی، ص ۶۰، ۷، ۹۹۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۹ اور ۱۶۵؛ نیز جمہرہ، ص ۳۹۸۔

(۶۸۹) ابن سعد، سوم، ص ۱۵ - ۱۱۴؛ جمہرہ، ص ۳۹۷؛ اصابہ ۱۵۳۸۔

(۶۹۰) ابن سعد، اول، ص ۴۴ - ۳۴۳؛ واقدی، ص ۶۹۵ کے مطابق ان کا تعلق بنو الدار بن ہانی سے تھا اور ان کے اسمائے گرامی تھے:

(۱) ہانی بن حبیب، (۲) فاکہ بن نعم، (۳) جبلہ بن مالک، (۴) ابو ہند بن برّ، (۵) ان کے بھائی طیب/ عبداللہ، (۶) تمیم بن اوس، (۷) ان کے بھائی نُعیم بن اوس، (۸) یزید بن قیس، (۹) عزیز/ عبد بن رحمٰن بن مالک اور (۱۰) ان کے بھائی مُرّہ۔ مزید ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۳۹۶؛ اصابہ ۸۳، ۷۶، ۸۷۶، ۹۱۲۴، ۹۲۳۸۔

(۶۹۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۴۳ - ۴۲

(۶۹۲) غسان کے مخالفانہ رویے کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۰ - ۵۵ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰ - ۱۲۸ وغیرہ۔

(۶۹۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۴۲ - ۴۱

(۶۹۴) ایضاً

(۶۹۵) محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۳

(۶۹۶) ابن سعد، اول، ص ۹ - ۳۴۸

(۶۹۷) ابن اسحاق، ص ۵۶۸

(۶۹۸) قرآن کریم، سورہ ۱۷، آیت ۵۴۔

(۶۹۹) خطبہ حجۃ الوداع کا جملہ۔ ملاحظہ فرمائیے

(۷۰۰) قرآن کریم، سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰

(۷۰۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۵

(۷۰۲) جمہرہ، ص ۴۱۰ - ۳۱۰

(۷۰۳) محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۷

(۷۰۴) ابن سعد، چہارم، ص ۶ - ۱۰۵ اور ۹ - ۳۵۷۔

(۷۰۵) ابن سعد، اول، ص ۹ - ۳۴۸؛ چہارم، ص ۱۶ - ۱۰۵، ۵۹ - ۳۵۷

(۷۰۶) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۶؛ بخاری، قدوم الاشعریین۔

(۷۰۷) ابن سعد، چہارم، ص ۱۰۸؛ فتوح البلدان، ص ۸۰؛ اسد، پنجم، ص ۳۰۸؛ نیز ملاحظہ ہو: بخاری، کتاب وجوب الحج۔

(۷۰۸) بخاری، قدوم الاشعریین واہل الیمن۔

(۷۰۹) جمہرہ، ص ۳۶۵

(۷۱۰) ایضاً، ص ۳۶۶

(۱۱۷) ابن سعد، اول، ص ۸ - ۳۴۷؛ جمہرہ، ص ۳۶۶۔ موخرالذکر کا بیان ہے کہ قبیلہ میں متعدد ابتدائی مسلمان موجود تھے۔

(۱۱۲) ابن سعد، دوم، ص ۲۶۶ ، ۳۴۷ ؛ طبری، سوم، ص ۱۵۸ ؛ بخاری، فضل الجہاد ؛ اسد، دوم، ص ۸۰-۲۷۹؛ اصابہ ۱۱۳۶؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۵۔

نیز ملاحظہ فرمائیے : مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۱، جنھوں نے تبالہ اور ذوالخلصہ کی مہموں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ پہلی مہم حضرت قطبہ بن عامر کی کمان میں صفر ۹ھ / مئی جون ۶۳۰ء میں گئی تھی (واقدی، ص ۹۸۱) دوسری مہم حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کی قیادت میں رمضان ۱۰ھ / دسمبر ۶۳۱ء میں بھیجی گئی تھی۔ مونٹگمری واٹ کا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے کے لوگوں کو اپنے پڑوسیوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے پر ابھارا تھا" غلط ہے۔ ان کے قومی بُت کو توڑنے کا معاملہ دراصل ان کے قبول اسلام کا نتیجہ تھا نہ کہ باعث و محرک۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کے پختہ ایمان اور عزم بالجزم کا بھی ایک ثبوت تھا۔

(۱۱۳) جمہرہ، ص ۶-۳۶۵

(۱۱۴) ابن سعد، اول، ص ۳۲۶؛ طبری، سوم، ص ۱۷۸؛ اسد، اوّل، ص ۸۰-۲۷۹؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۵۔

(۱۱۵) ابن سعد، اول، ص ۸ - ۳۴۷۔

(۱۱۶) واقدی، ص ۲۲۷۔

(۱۱۷) ابن سعد، اول، ص ۳۴۸؛ نیز ملاحظہ فرمائیے: جمہرہ، ص ۳۶۸، جس کا بیان ہے کہ ارکانِ وفد کا تعلق بنو معاویہ سے تھا لیکن جب وہ مدینہ پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنو رشد کا خطاب ان کے بلاپس و پیش کے اسلام قبول کر لینے کے سبب عطا فرمایا تھا۔

(۱۱۸) جمہرہ، ص ۷۳ - ۳۶۹

(۱۱۹) ابن سعد، اول، ص ۴۱ - ۳۴۰؛ اسد، پنجم، ص ۲۵ - ۲۲۴۔

(۱۲۰) جمہرہ، ص ۳۷۲؛ اصابہ ۱۷۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے: مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۷۔

(۱۲۱) اسد، پنجم، ص ۲۹۴، ۵ - ۳۲۴؛ ابن سعد، اول، ص ۴۱ - ۳۴۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز دیکھیے اسد، سوم، ص ۸۲ ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۱۶ - ۱۱۵، کے مطابق اس کے کم از کم پندرہ خاندانوں میں معتدبہ مسلم آبادی ہوگئی تھی۔

(۱۲۲) جمہرہ، ص ۳۷۳؛ اصابہ ۲۹۱۷

(۱۲۳) حوالہ سابقہ ۲۱۷

(۱۲۴) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۷

(۱۲۵) ایضاً، ص ۱۱ - ۱۱۰

(۱۲۶) طبری، سوم، ص ۱۳۲، کا بیان ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے قبولِ اسلام کی اطلاع ملی تھی تو

آپ نے خداوند قدوس کا شکر ادا کیا تھا اور ہمدان کے مسلمانوں کے ایمان و یقین کی تعریف و تحسین فرمائی تھی اور ان کے لیے برکاتِ الٰہی کی دعا مانگی تھی۔

(۲۷) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵ - ۱۰۹، جس سے ہر سردار قبیلہ اور اس کے لوگوں کے بارے میں تفصیلات ملتی ہیں۔ ان سے وہ فرائض اور احکام بھی معلوم ہوتے ہیں جو آپ نے حمیری مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دئے تھے۔ ان پر نمازوں کو قائم کرنا، زکوٰۃ خمس اور صفی رسول ادا کرنا عائد کیا گیا تھا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں پر عائد ہونے والے محاصل جیسے زکوٰۃ اور صدقہ کی شرح واضح طور سے بیان کی گئی ہے اس طرح غیر مسلموں کے لیے جزیہ کی شرح کا بھی غیر مبہم ذکر موجود ہے۔

(۲۸) واقدی، ص ۱۰۸۵

(۲۹) ابن سعد، اول، ص ۲۸۲؛ طبری، سوم، ص ۱۷۰؛ اسد، چہارم، ص ۱۶۱؛ اول ۱۱۰ بالترتیب۔

(۳۰) ایضاً

(۳۱) جمہرہ، ص ۸۰ - ۳۸۱

(۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۵۰ - ۲۴۶؛ اسد، چہارم، ص ۴۷ - ۴۳

(۳۳) واقدی، ص ۱۰۱۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۴؛ اسد، چہارم، ص ۳۴۴؛ جمہرہ، ص ۸۰ - ۳۰۸۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ ان کے ایک بھائی حضرت حارث بن جزء زبیدی اور ایک فرزند حضرت عبداللہ بن محمیہ زبیدی مکی عہد کے مسلمان تھے۔ نیز ملاحظہ ہو: اصابہ ۳ ۸۲۳ ۷ اور ۸ ۴۵۹ ۸۔

(۳۴) ابن سعد، اوّل، ص ۳۴۲۔

(۳۵) واقدی، ص ۱۰۸۰ کا بیان ہے کہ مذحج کے متعدد سردار اور شیوخ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے نہ صرف اپنے قبول اسلام کا اعتراف و اقرار کیا بلکہ اپنے پورے قبیلہ کے مسلمان ہونے کی ضمانت دی۔ اور اس کے پہلے عملی ثبوت کے طور پر انھوں نے اپنے پورے قبیلہ والوں کی جانب سے صدقات بھی ادا کر دئے۔

(۳۶) ابن سعد، اول، ص ۴۲ - ۳۴۱۔

(۳۷) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۰؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ فتوح البلدان، ص ۸۰۔

(۳۸) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۰ - ۱۱۹۔

(۳۹) اسود عنسی کی بغاوت اور اس کے متعلقہ امور کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فتوح البلدان، ص ۱۵ - ۱۱۳؛ طبری، سوم، ص ۳۰ - ۲۲۷ اور جمہرہ، ص ۳۸۳۔

(۴۰) طبری، سوم، ص ۱۳۲۔

(۴۱) طبری، سوم، ص ۳۶ - ۱۳۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۴۰ - ۶۳۹

(۴۲) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے اس کے برعکس ثبوت کے لیے ابن اسحاق، ص ۴۰ - ۶۳۹

(۴۳) ملاحظہ فرمائیے ابن ہشام، سوم، ص ۵۸۳؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۷؛ ابن خلدون، ص ۸۲۳؛ اسد،

پنجم، ص ۱۸۰؛ جمہرہ، ص ۳۸۲؛ اصابہ ۱۸۱۹۶۔

(۴۴) ایضاً (۴۵) ایضاً (۴۶) جمہرہ، ص ۴ ۔ ۳۸۳

(۴۷) ابن سعد، اول، ص ۶ ۔ ۳۲۴؛ جمہرہ، ص ۵ ۔ ۳۸۴؛ اصابہ ۱۸۳۷۔

(۴۸) جمہرہ، ص ۳۸۵؛ ابن سعد، اول، ص ۳۲۵؛ اسد، پنجم، ص ۲۱۷؛ اصابہ ۱۸۳۷۔

(۴۹) واقدی، ص ۱۰۸۲ (۵۰) ایضاً (۵۱) ابن سعد، اول، ص ۳۲۸؛ طبری، سوم، ص ۳۳۔۱۳۲

(۵۲) طبری، سوم، ص ۳۳ ۔ ۱۳۲ (۵۳) ایضاً، ص ۳۵ ۔ ۱۳۳

(۵۴) ابن سعد، اول، ص ۴۵ ۔ ۳۴۴؛ طبری، سوم، ص ۱۳۹۔

(۵۵) واقدی، ص ۶۹۵؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۷، جس کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں ہر ایک کو ایک "کتاب" (تحریر) عطا فرمائی تھی۔ اگرچہ مآخذ سے ان "کتب نبوی" کے متون و مواد کا علم نہیں ہوتا لیکن اندازہ یہ ہے کہ ان کو اسلام کی ہدایات و احکام دی گئی ہوں۔ بہرحال ان راویوں نے اپنے اپنے حصے حضرت معاویہ کے ہاتھ گراں قیمت پر فروخت کر دیے تھے۔

(۵۶) جمہرہ، ص ۸ ۔ ۳۸۷؛ ابن سعد، اول، ص ۶ ۔ ۳۲۵

(۵۷) اسد، دوم، ص ۶۸۔

(۵۸) ابن سعد، اول، ص ۳۴۶؛ طبری، سوم، ص ۲۴۰؛ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۳۸۹۔

(۵۹) جمہرہ، ص ۳۸۹؛ نیز اصابہ ۲۷۹۵۔

(۶۰) جمہرہ، ص ۳۹۰؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۶ ۔ ۱۲۵

(۶۱) جمہرہ، ص ۹۲ ۔ ۳۹۱۔

(۶۲) ابن ہشام، سوم، ص ۵۹۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹؛ طبری، سوم، ص ۷ ۔ ۱۲۶؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۲۸؛ اسد، دوم، ص ۹۶ ۔ ۹۳؛ بخاری، کتاب المغازی؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۷۲ ۔ ۱۷۔

(۶۳) طبری، سوم، ص ۲ ۔ ۱۳۱۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ طبری نے خود اس روایت کی تردید پہلے ایک اور روایت میں کی ہے جس میں حضرت خالد کی کاتبی کا واضح ذکر ہے ملاحظہ ہو: ایضاً، ص ۷ ۔ ۱۲۶۔

(۶۴) ایضاً (۶۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷ ۔ ۳

(۶۶) ابن سعد، اول، ص ۳۲۴ (۶۷) طبری، سوم، ص ۲۶ ۔ ۳۲۴

(۶۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۹ (۶۹) جمہرہ، ص ۴۱۸

(۷۰) مجموعۃ الوثائق، ص ۹۷ ۔ ۷۷ (۷۱) جمہرہ، ص ۳۱۲ (۷۲) ایضاً

(۷۳) واقدی، ص ۹۲۳، کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے فوراً بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طفیل بن عمرو کو

ازد ذی الخلصہ کی مہم پر بھیجا۔ واپسی پر حضرت طفیل کے ساتھ ازد کے چار سو مسلمان تھے، جنھوں نے طائف کے غزوہ میں حصہ لیا۔

(۷۴) ابن ہشام، سوم، ص ۶۴۲؛ ابن سعد، اوّل، ص ۸-۳۴۷؛ طبری، سوم، ص ۲۴۵-

(۷۵) ابن سعد، اول، ص ۳۴۵، ۳۵۲؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۲۱-۱۱۹

(۷۶) واقدی، ص ۱۰۸۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے: ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، ص ۹۰-۱۸۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۳-۲۶۲؛ نثار احمد فاروقی، مذکورہ بالا، ص ۹۱-۸۹

(۷۷) جمہرہ، ص ۴۰۵-۳۹۹-

(۷۸) جمہرہ، ص ۴۰۳- بانی خاندان اشرس کی والدہ کا نام تُجیب تھا اور اسی کے نام سے قبیلہ موسوم ہوا۔ اس کے متعدد بطون ہو گئے تھے۔

(۷۹) ابن سعد، اول، ص ۳۲۳ کے مطابق وفد کے ارکان کی تعداد صرف تیرہ تھی جبکہ ابن اسحاق ص ۶۴۱ اور طبری، سوم، ص ۳۹-۱۳۸ کے مطابق وہ ساٹھ تھے۔ ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، ص ۳۳۳ اور محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۲۹۱ کے مطابق ستر تھی۔ بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سب مسلمان تھے۔

(۸۰) کتاب المحبّر، ص ۶-۱۲۵

(۸۱) جمہرہ، ص ۴۰۳-۳۹۹؛ اصابہ ۲۰۵، ۳۸۷۰، ۱۹۲۹، ۳۸۸۷، ۹۲۳۰، ۱۲۳۴، ۳۰۷۷، ۲۵۰، ۸۰۶۲ بالترتیب-

(۸۲) ابن خلدون، اوّل، ص ۸۴۳؛ اسد، پنجم، ص ۲-

(۸۳) جمہرہ، ص ۴۲۹-

(۸۴) ابن سعد، چہارم، ص ۶۳-۳۵۹؛ جمہرہ، ص ۴۳۰؛ اصابہ ۵۶۴۲-

(۸۵) ابن سعد، چہارم، ص ۳۶۳-

(۸۶) جمہرہ، ص ۳۰-۴۲۹؛ اصابہ ۹۱۰۰؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۳۰-۱۲۷- (۸۷) ایضاً

(۸۸) ابن سعد، اول، ص ۵۱-۳۴۹؛ نیز ملاحظہ ہو: ص ۳۲۹؛ جمہرہ، ص ۴۳۱-

(۸۹) طبری، سوم، ص ۸-۲۲۷ وغیرہ؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ اسد، اول، ص ۱۶۳؛ سوم، ص ۶- (۹۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۹-

(۹۱) طبری، سوم، ص ۴۰-۲۳۱؛ ان کے قبول اسلام کے لیے مزید دیکھئے: ص ۱۵۸-

(۹۲) جمہرہ، ص ۳۰۸-۲۷۵-

(۷۹۳) ابن سعد، پنجم، ص ۴۶۵؛ کتاب المعارف، ص ۳۳۸؛ بخاری، کتاب الجمعہ۔

(۷۹۴) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ ابن سعد، اول، ص ۲۶۳؛ فتوح البلدان، ص ۸۹؛ کتاب المحبر، ص ۷۷؛ طبری، دوم، ص ۶۴۵ اور سوم، ص ۲۹؛ اسد، پنجم، ص ۷-۸؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۵۵-۵۷؛ نیز ملاحظہ فرمائیے: واقدی، ص ۳۴۹-۳۵۰ اور ۴۰۵-۴۰۶، عبدالقیس کے دو شخصوں کے غزوہ مریسیع کے دوران قبولِ اسلام کے لیے۔

(۷۹۵) کتاب المحبر، ص ۷۷ میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ رقم دیناروں میں تھی یا درہموں میں۔ وہ اس کے لیے لفظ مال (خطیر دولت) استعمال کرتی ہے۔ قیاس یہی ہے کہ یہ رقم دراہم میں تھی۔

(۷۹۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۶۱-۶۲ کے مطابق ان دونوں افسرانِ صدقات کے نام تھے: حضرت قدامہ اور حضرت ابوہریرہ۔

(۷۹۷) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۲، کا عجیب و غریب خیال یہ ہے کہ حضرت منذر بن ساویٰ اور ان کی رعایا کا قبول اسلام دراصل ایک سیاسی سمجھوتہ تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ ایرانی سلطنت کے زوال سے ان کو خطرات لاحق ہو گئے تھے اور مملکتِ بحرین کو کسی سیاسی اور فوجی امداد یا معاہدہ کی ضرورت تھی حالانکہ مدینہ کی اسلامی ریاست اس وقت کوئی فوجی مدد دینے کے لائق نہیں تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی ریاست فوجی اور سیاسی مدد دینے کے اہل نہیں تھی تو شاہِ بحرین نے اس سے سمجھوتہ کیا ہی کیوں تھا؟ اور پھر اس کے اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ان کے بقول قبولِ اسلام کے بغیر بھی سیاسی سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔ واٹ کا نظریہ اور اس کی تائید میں ان کی دلیلیں تضادات سے بھرپور ہیں۔

(۷۹۸) ابن سعد، اوّل، ص ۳۱۴-۱۵، کا بیان ہے کہ ۵ھ / ۶۲۶ء میں ان کا بیس افراد پر مشتمل وفد پہنچا تھا جبکہ طبری، سوم، ص ۱۳۶-۷، کا خیال ہے کہ ۱۰ھ / ۶۳۱ء میں وہ وفد آیا تھا۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ حضرت جارود دو بار وفود لے کر پہنچے ہوں۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۳۵-۶؛ کتاب المعارف، ص ۳۳۹-۴۰

(۷۹۹) ایضاً۔ نیز ملاحظہ ہو: مجموعۃ الوثائق، ص ۶۸-۹

(۸۰۰) ایضاً۔ نیز ملاحظہ کیجئے: جمہرہ، ص ۲۷۹-۸۰؛ اصابہ ۱۰۴۲، ۲۰۱، ۸۲۱۸ اور ۳۳۰۹؛ طبری، سوم، ص ۳۰۲ وغیرہ۔

(۸۰۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۶۴-۶۲

(۸۰۲) محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۱

(۸۰۳) ابن اسحاق، ص ۶۹۱-۹۲، (ابن ہشام کا تبصرہ و اضافہ) نیز ملاحظہ ہو: ص ۶۷۶-۷۷؛ بخاری، وفد بنی حنیفہ، حدیث ثمامہ بن اثال۔

(۸۰۴) نجد کے علاقے میں انھیں دو زمانوں میں ہماری معلومات کے مطابق مہمیں بھیجی گئی تھیں۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ اول -۱۔

(۸۰۵) ابن سعد، اول، ص ۲۹۲، نے ان کو یمامہ کے بادشاہ کہا ہے۔
(۸۰۶) فتوح البلدان، ص ۹۷؛ طبری، دوم، ص ۴۵-۶۴۴؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۸؛ کتاب المحبر، ص ۷۷۔
(۸۰۷) طبری، سوم، ص ۱۳۷۔
(۸۰۸) ابن اسحاق، ص ۶۳۶؛ ابن سعد، اول، ص ۱۷-۳۱۶؛ کتاب المحبر، ص ۷۷ اور فتوح البلدان، ص ۹۷؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۸-۱۲۷۔
(۸۰۹) مغربی مورخین نے مسیلمہ کذاب کے مذہبی خلوص اور عقیدہ میں تجربات پر بہت کچھ لکھا ہے اور اس کو ایک سچا متلاشیِ حق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے اثرات کو ثابت کرنے کا فرض انجام دیا ہے۔ اگرچہ مسیلمہ کذاب پر بحث سردست ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس ضمن میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہرحال ایک علمی اور سنجیدہ بحث کے معیار سے کہیں فروتر ہے۔ ملاحظہ کیجئے ڈی، ایس، مارگولیتھ کا مضمون "مسلم اور حنیف کے ناموں کا ماخذ اور اہمیت پر" جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن ۱۹۰۳ء؛ جے، لیل (J. LYALL) کے مضامین مسلم اور حنیف پر۔ مذکورہ بالا۔ ایف، بہل (F. BUHL) کا مضمون "مسیلمہ پر" انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۷-۱۳۴۔
(۸۱۰) جمہرہ، ص ۲۹۲
(۸۱۱) جمہرہ، ص ۲۹۳؛ اصابہ ۴۲۸۳
(۸۱۲) جمہرہ، ص ۹۲-۲۹۱
(۸۱۳) ایضاً، ص ۹۳-۲۹۱؛ اصابہ ۹۶۱۔
(۸۱۴) طبری، سوم، ص ۱۸۷؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۱۷۵۔
(۸۱۵) فتوح البلدان، ص ۸۷؛ جمہرہ، ص ۳۲۳، ص ۳۲۳، ص ۳۵۰، ص ۳۵۸ اور ص ۳۶۲۔
(۸۱۶) ابن سعد، اول، ص ۲۶۲؛ کتاب المحبر، ص ۷۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۸؛ جمہرہ، ص ۳۶۲۔
(۸۱۷) مذکورہ بالا؛ نیز مجموعۃ الوثائق، ص ۷۱-۶۹۔
(۸۱۸) فتوح البلدان، ص ۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۱، جن کا خیال ہے کہ عمان کے ان دونوں حکمرانوں نے خود سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات قائم کرنے کے لیے سلسلہ جنبانی کی تھی۔
(۸۱۹) فتوح البلدان، ص ۸۸-۸۷
(۸۲۰) جمہرہ، ص ۴۱۲
(۸۲۱) فتوح البلدان، ص ۸۸۔
(۸۲۲) ابن سعد، اول، ص ۶-۳۵۵؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۳۱۔
(۸۲۳) فتوح البلدان، ص ۸۸؛ طبری، سوم، ص ۱۸-۳۱۳۔
(۸۲۴) جمہرہ، ص ۱۹۶ وغیرہ
(۸۲۵) جمہرہ، ص ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۰۳ اور ۲۲۱۔

(۸۲۶) ابن سعد، سوم، ص ۹۷ - ۱۶۴۔ (۸۲۷) ابن سعد، سوم، ص ۱۹۰

(۸۲۸) ابن سعد، چہارم، ص ۱۹۷

(۸۲۹) جمہرہ، ص ۲۰۰-۱۹۹ ؛ اصابہ ۹۰۰۷ ، ۹۰۰۸ ، ۱۵۰۱ ، ۴۰۷۶ (نیز اسد، سوم، ص ۲۸-۲۷)، ۴۰۸۶، ۱۸۵۹ ؛ نیز ملاحظہ ہو : طبری، سوم، ص ۹ - ۲۶۸۔

(۸۳۰) واقدی ، ص ۴-۸۰۳۔ ملاحظہ کیجیے ابن اسحاق ، ص ۶۲۸ ؛ طبری ، سوم ، ص ۶۵ ، جن کا خیال ہے کہ اس مہم میں تمیم کا ایک بڑا دستہ شریک تھا۔

(۸۳۱) ابن اسحاق ، ص ۹۵-۵۹۳ ؛ واقدی ، ص ۲۰-۹۱۹۔

(۸۳۲) واقدی ، ص ۹۴۶ (۸۳۳) ابن اسحاق ، ص ۶۸۶

(۸۳۴) ابن سعد، اول، ص ۵ - ۲۹۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو : ابن اسحاق ، ص ۳۱-۶۲۸ ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۲۷-۱۳۳۔

(۸۳۵) ابن اسحاق، ص ۶۳۱ (۸۳۶) واقدی ، ص ۸۰-۹۷۹

(۸۳۷) طبری، سوم، ص ۲۰-۱۱۵ ؛ نیز ملاحظہ ہو : مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۳۸ ، جن کو ان کے اسلام سے انکار ہے صرف اس بنا پر کہ حضرت مالک بن نویرہ بھی اس میں شامل تھے۔ ان کا بیان عجیب و غریب تاویلات اور دُور از کار دلائل کا مجموعہ ہے۔

(۸۳۸) ابن ہشام ، دوم ، ص ۸ - ۱۹۷ ؛ انساب الاشراف ، اول، ص ۵۳۰ ؛ طبری، سوم ، ص ۱۴۷ ؛ ابن خلدون ، اول ، ص ۳۴۳ ؛ اسد ، دوم ، ص ۸ - ۲۷ ، ۵ - ۱۹۴ ، ۷۰ - ۳۶۹ ؛ چہارم ص ۲۱ - ۲۱۹ اور ص ۲۹۵ -

(۸۳۹) جمہرہ ، ص ۹-۱۹۷ ، ۲۰ - ۲۰۰ ؛ اصابہ ۶۹۰ ، ۳۴۷۸ ، ۹۱۲۴ ، ۱۸۹۳ ، ۱۷۳۲ ، ۷۲۱۹ ، ۷۱۵۸ ، ۵۳۳۴ ، ۹۰۰۷-۸ ، ۱۵۰۱ ، ۴۰۷۶ ، ۴۰۸۶ ، ۱۸۵۹ ، ۱۱۴۹ ، ۱۶۱ ، ۵۶۳۷ ، ۱۵۷۷ ، نساء ۴۳ ، نساء ۵۵ ، ۶۱۲۸ ، ۵۵۷۶ ، ۱۰۱۷ ، ۸۳۰ ، ۹۳۵۸ ، ۷۱۹۴ ، ۳۴۱۳ ، ۸۴۸۵ -

(۸۴۰) مونٹگمری واٹ ، محمد ایٹ مدینہ ، ص ۴۰-۱۳۹۔ (۸۴۱) اسد ، دوم ، ص ۵ - ۱۹۴

(۸۴۲) جمہرہ، ص ۳۰۸ - ۲۸۰ ؛ نیز واقدی ، ص ۹۷۰ ، ۱۰۳۲ -

(۸۴۳) جمہرہ ، ص ۶ - ۲۸۵ ؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۱۹۵ ؛ اصابہ ۳۳۸۱ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، ص ۵۹۰ ؛ ابن سعد، اول، ص ۵ - ۲۶۴ ؛ انساب الاشراف ، اول ، ص ۵۲۹ ؛ فتوح البلدان ، ص ۸۳ - ۸۰ ؛ طبری ، سوم ، ص ۱۲۱ ؛ بخاری ، باب وجوب الزکاۃ ؛ اسد ، چہارم ، ص ۸ - ۳۷۶ -

(۸۴۴) واقدی ، ص ۴۴ ، ۱۹۸ ، ۵۵۴ ؛ جمہرہ ، ص ۲۹۵ ؛ اصابہ ۲۲۵ ۔ موخر الذکر دونوں ماخذ دو اور عزی

مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں۔

(۸۴۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۳۳-۱۳۲؛ جمہرہ، ص ۲۹۷؛ اصابہ ۱۷۰۹۔

(۸۴۶) ابن سعد، اول، ص ۳۱۵ (۸۴۷) ایضاً، ص ۱۷-۳۱۶

(۸۴۸) طبری، سوم، ص ۳۱۰؛ نیز ملاحظہ ہو: جمہرہ، ص ۳۰۸-۲۹۰۔

(۸۴۹) جمہرہ، ص ۹۹-۲۹۸؛ اصابہ ۷۰۴، اور ۲۳۲۱، سدوس/شیبان کے دو مسلمانوں بشیر بن معبد اور خالد بن مُعمّر کے لیے۔

(۸۵۰) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۴۱، کا نظریہ ہے کہ عیسائی طبقات نے عہد نبوی میں اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

باب سوم

(۱) ملاحظہ ہو باب اوّل۔

(۲) ابنِ اسحاق، ص ۲۳۲؛ باب اوّل ——— بحث بر دستورِ مدینہ۔

(۳) مہاتِ نبوی پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو باب اول۔

(۴) ملاحظہ ہو ضمیمہ اوّل - ۱۔

(۵) ایضاً۔ ابن سعد، سوم، ص ۴۵ اور انساب الاشراف، اول، ص ۴۷۰-۴۷۲ کی ایک روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو نو مہموں میں کم از کم امیر مقرر فرمایا تھا (یُؤَمِّرُہٗ) مگر بعض دوسرے مآخذ کا بیان ہے کہ انھوں نے کم از کم تیرہ مہموں میں قیادت کی تھی۔ ملاحظہ ہو اسد الغابہ، دوم، ص ۲۴-۲۲۴ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ کی اتنی کثیر تقرریوں کے پیچھے دوسرے اسباب و عوامل کے علاوہ سیاسی اسباب بھی کافی کارفرما تھے۔ صحابی موصوف کی فوجی صلاحیتوں اور قائدانہ لیاقتوں سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ انھوں نے اپنی تمام مہموں میں سوائے غزوہ موتہ کے کامیابی حاصل کی تھی اور اسلامی ریاست کو بے انتہا فوائد پہنچائے تھے۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کو مقرر کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عربوں پر عام طور سے اور مسلمانوں پر خاص طور پہ یہ تاثر قائم کرنا چاہتے تھے کہ اسلامی سیاسیات و نظم و نسق میں مناصب اور عہدوں کی اصل بنیاد صلاحیت و لیاقت ہے نہ کہ اعلیٰ خاندان میں پیدائش کا اتفاقی حادثہ یا حسب و نسب پر مبنی سماجی مرتبہ۔ عرب دوسرے اقوام عہد وسطیٰ کی مانند سماجی اونچ نیچ اور خاندانی و قبائلی شرافت و نجابت کے قائل تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ان کو ایک مولیٰ کی قیادت میں لڑنا ناگوار ہوتا تھا۔ اس کا اظہار حضرت اسامہ بن زید کی تقرری کے ضمن میں ہوتا ہے۔ حیات طیبہ کے اواخر میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو امیرِ لشکر مقرر کیا اور ان کی ماتحتی میں تمام بڑے بڑے صحابہ دے دئے گئے تو بعض نجیب و شریف و اعلیٰ خاندان کے عربوں نے ایک مولیٰ زادہ کے اس منصب جلیل پر تقرر پر اعتراض کیا۔ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنی شدید بیماری اور نقاہت کے باوجود خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "مجھے معلوم ہے کہ تم کو اسامہ کے مقرر کیے جانے پر اعتراض ہے اور اس سے قبل تم نے ان کے والد زید کی تقرری پر بھی اعتراضات کئے تھے لیکن خدا کی قسم دونوں اِمارہ (منصب امیر) کے پُورے اہل تھے۔" بہرحال بعد میں معترضین کو ندامت ہوئی اور لشکرِ اسامہ کو عہد صدیقی میں روانہ کیا گیا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۹ - ۱۱۱۸ اور آئندہ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۷۴۔

(۶) ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۴۶ - ۴۵ اور اسد الغابہ، دوم، ص ۷ - ۲۲۴۔

(۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول - ۱۔ (۸) ایضاً

(۹) بنو امیہ کے اسلام اور اسلامی ریاست کے ساتھ تعلقات کے بارے میں بہت اہم غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو اس بحث کے لیے میرے مضامین بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان رقابت اور ازدواجی تعلقات پر، برہان دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء اور مئی۔ اگست ۱۹۸۰ء۔

(۱۰) ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ فرڈیننڈ وستنفلڈ، بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۶۶ - ۶۴؛ نیز میرا مضمون، برہان دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء۔

(۱۱) مکی اشرافیہ کے مناصب کے لیے ملاحظہ ہو: ابن عبد ربہ، العقد الفرید، قاہرہ ایڈیشن، سوم، ص ۳۱۵؛ فاکہی، کتاب المنتقی فی اخبار ام القریٰ، بیروت ۱۹۶۴ء، دوم ص ۱۴۳۔ نیز ملاحظہ ہو: گرونی بام، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۳۰؛ شبلی نعمانی، اوّل، ص ۷ - ۱۵۶؛ خاکسار کا مضمون مذکورہ بالا۔

(۱۲) قبہ کے منصب میں شہسوار دستوں کی سالاری کے علاوہ مکی فوج کے لیے فرودگاہ وغیرہ کے انتظامات کی ذمہ داری بھی شامل تھی۔ ملاحظہ ہو العقد الفرید، سوم، ص ۳۱۵؛ شبلی نعمانی، اوّل، ۷ - ۱۵۶۔

(۱۳) اسلام کے اس عظیم سالار پر کئی عالمانہ کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں محمود شیت خطاب کی تازہ تصنیف خالد بن ولید المخزومی اور قادۃ فتح العراق والشام جدید تحقیقات سے بھرپور ہیں۔

(۱۴) ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۲۱۲ - ۱۹۹؛ اسد، سوم، ص ۲۳ - ۲۰۲؛ بخاری اور مسلم، فضائل اصحاب النبی۔

(۱۵) ابن سعد، سوم، ص ۳۷۵ - ۲۶۵؛ اسد، چہارم، ص ۲۷ - ۵۲؛ بخاری و مسلم، ایضاً۔

(۱۶) ابن سعد، سوم، ص ۱۵ - ۴۰۹؛ اسد، پنجم، ص ۲۴۹؛ بخاری اور مسلم، ایضاً۔

(۱۷) ملاحظہ ہو: جمہرہ انساب العرب، ص ۲۶ - ۳۱۲ اور ۴۷ - ۳۲۶ بالترتیب اوس اور خزرج کے لیے۔

(۱۸) حوالوں کے لیے ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اوّل - ۱۔

(۱۹) ایضاً (۲۰) ایضاً (۲۱) ایضاً (۲۲) ایضاً (۲۳) ایضاً

(۲۴) ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل، ص ۴۰۹، ۴۲۲، ۴۳۸؛ طبری، سوم، ص ۶۵-۱۶۱۔

(۲۵) ملاحظہ ہو: ابن سعد، سوم، ص ۹۳-۳۹۲؛ اسد، سوم، ص ۴۴ - ۱۴۲۔

(۲۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول -۱۔

(۲۷) ایضاً (۲۸) ایضاً (۲۹) ایضاً (۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً (۳۲) ایضاً (۳۳) ایضاً (۳۴) ایضاً (۳۵) ایضاً

(۳۶) حضرت خالد بن ولید مخزومی کے فوجی کارناموں کے لیے ملاحظہ کیجئے محمود شیت خطاب کی مذکورہ بالا دونوں کتابیں۔

(۳۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول -۱۔

(۳۸) ایضاً (۳۹) ایضاً (۴۰) ایضاً (۴۱) ایضاً

(۴۲) ایضاً (۴۳) ایضاً (۴۴) ایضاً (۴۵) ایضاً

(۴۶) ایضاً (۴۷) ایضاً (۴۸) ایضاً

(۴۹) ملاحظہ ہو ابنِ اسحاق، ص ۵۰۷؛ نیز باب دوم بحث بر اسلام قریش و قبائلِ عرب بعد صلح حدیبیہ۔

(۵۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۲، ۶۱ - ۲۵۴

(۵۱) ان میں خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن عاص، ابوسفیان بن حرب وغیرہ شامل تھے۔

(۵۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت و ملوکیت، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۱۰۹ وغیرہ۔

(۵۳) انساب الاشراف، اول، ص ۳۱-۵۳۰۔

(۵۴) اس کے لیے ملاحظہ کیجئے: شمالی اور جنوبی قبائل میں اسلام کی اشاعت باب دوم میں۔

(۵۵) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول -۱۔

(۵۶) مہماتِ نخلہ، قطن، سفیان ہذلی کے خلاف حضرت عبداللہ بن انیس کے سریہ، دومۃ الجندل کے سریہ عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمر کے سریہ تربہ، غزوہ موتہ، حضرت ابو قتادہ اور حضرت قطبہ کے سرایا، سریہ خالد بن ولید طرف دومۃ الجندل، حضرت علی کے سریہ یمن اور حضرت اسامہ کے سریہ کے دوران ہدایات و احکامِ نبوی کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۳، ۲۴۱، ۳۲-۲۳۱، ۵۶۱، ۷۲۲، ۸-۷۵۷، ۷۸۷، ۹۸۱، ۱۰۲۶، ۱۰۷۹ اور ۱۸ - ۱۱۱۷۔

آپ اپنے تمام سالاروں کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ وہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس کا تقویٰ اختیار کریں، اپنے ساتھی و ماتحت مجاہدین کے ساتھ محبت و شفقت کا سلوک کریں، صرف ان لوگوں کے خلاف لڑیں جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔ جنگ کا آغاز ہمیشہ خدا کے نام سے کریں اور جنگ سے پہلے دشمن کو اسلام کی

دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو وہ بھی جنگ سے ہاتھ روک لیں اور ان نومسلموں کو مدینہ ہجرت کرنے کی تاکید کریں۔ اگر وہ اسے بھی قبول کرلیں تو ان کو مہاجرین کے حقوق سے مطلع کریں، اور اگر وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر جانے سے انکار کریں تو ان کو امت اسلامی میں اعراب (بدوؤں) کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کریں اور ان کو بتائیں کہ اس صورت میں وہ فے اور غنیمت میں کسی حصہ کے حقدار نہیں ہوں گے سوائے ان مہموں کے جن میں کہ وہ شرکت کریں۔ لیکن اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کا حکم دیں۔ اور اگر وہ جزیہ بھی ادا کرنے سے انکار کریں تب ان سے جنگ کریں۔

سالاروں کو یہ بھی ہدایت دی جاتی تھی کہ محاصرہ کی صورت میں دشمنوں سے وہ حکم خداوندی پر ہتھیار ڈالنے کو نہ کہیں بلکہ اپنے حکم پر ان سے گفتگو کریں کیونکہ وہ حکم خداوندی کو خود بھی نہیں جانتے کہ وہ کیا ہوگا۔ غالباً یہ ہدایت نبوی اس مقصد سے دی گئی تھی کہ اگر کسی مخصوص معاملہ میں مسلمانوں کے فیصلے سے فیصلۂ خداوندی مختلف ہو تو معاہدہ کی شرائط میں اسی کے مطابق تبدیلی کی جا سکے۔ اسی طرح اگر کسی شہر یا قلعہ کے لوگ ذمہ (عہد) طلب کریں تو سالاروں کو حکم تھا کہ وُہ اپنا ذمہ دیں نہ کہ اللہ یا اس کے رسول کا ذمہ دیں۔ جنگ میں پہل کرنے سے بھی سالاروں کو روکا گیا تھا۔ اور حکم دیا گیا تھا کہ دشمن کو صلح، گفتگو اور ترغیب و ترہیب ہر طریقے سے جنگ کرنے سے روکیں اور صلح کرنے پر آمادہ کریں۔

ان کے علاوہ کچھ ہدایات اخلاقی نوعیت کی تھیں جن میں احترامِ انسانیت کو ملحوظ رکھا گیا تھا مثلاً عورتوں، بچوں، بُوڑھوں اور کمزوروں کو قتل نہ کریں۔ بلا وجہ دشمن کو نقصان نہ پہنچائیں اور نہ ان کا مثلہ کریں یا ان کے ناک کان کاٹیں۔ کھجور کے درختوں کو خاص کر اور عام سایہ دار درختوں کو عام طور سے نہ کاٹیں۔ گھروں کو مسمار نہ کریں شکست خوردہ دشمنوں یا ان کے گھروں اور علاقوں کو آگ نہ لگائیں۔ سالاروں اور ان کے ماتحت مجاہدین کو حکم تھا کہ وہ اموالِ غنیمت میں کسی طرح کی خیانت نہ کریں۔

کچھ عمومی ہدایات فوجی نوعیت کی بھی دی جاتی تھیں۔ مثلاً راتوں کو سفر کریں اور دن کے وقت چُھپ جائیں۔ راہبروں کی خدمات ضرور حاصل کریں۔ تیز رفتاری سے اور کوچ در کوچ روانہ ہوں، دشمن کے سر پر اچانک جا پہنچیں (تاکہ وہ مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دے اور اس طرح مسلمان خُوں ریزی سے بچ جائیں)، گشتی دستوں (طلائع) اور جاسوسوں (عیون) کی خدمات حاصل کریں۔ دشمن کی حربی تیاریوں کے بارے میں ممکنہ حد تک مکمل معلومات حاصل کریں۔ اپنی مہموں کے متعلقہ علاقوں کی جغرافیائی معلومات سے پُوری طرح لیس رہیں۔ دشمن سے محفوظ فاصلے پر خیمہ زن ہوں۔ دشمن کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور اس کی ناکہ بندی کرلیں۔ صبح کے وقت حملہ کریں اور کامیاب مہم کے بعد میدانِ جنگ یا دشمنوں کے علاقے کو جلد سے جلد چھوڑ دیں۔

ان ہدایاتِ نبوی کے لیے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۷-۳۸۶، ۶۷۲ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم،

ص ۱۰، ۲۲، ۵۱، ۸۹، ۱۲۸، ۲-۱۳۱، ۱۶۹ اور ۱۹۰ ؛ طبری، دوم، ص ۴۱۰، ۴۶۲ ؛ سوم، ص ۲۲، ۳۶-۳۷، ۲-۱۳۱ اور ۵-۱۸۴۔

(۵۷) ملاحظہ ہو باب اول، بحث بر سریہ نخلہ ؛ نیز دیکھیے خادم کا مضمون "عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں — محرکات، مسائل اور مقاصد، بحث بر سریہ نخلہ۔

(۵۸) واقدی، ص ۶۴۷ ؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۵۳۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۹ ؛ طبری، سوم، ص ۴۰۔

(۵۹) واقدی، ص ۸۰۰-۸۰۱ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۹-۱۴۸ ؛ طبری، سوم، ص ۶۷۔

(۶۰) ابن خلدون، المقدمۃ، مطبعہ مصطفیٰ محمد، قاہرہ غیر مورخہ، فصل ۳۷، ص ۳-۲۷۲ ؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۸۸ اور ۲۳۰ وغیرہ برائے اصطلاح تعبیہ ؛ محمود شیت خطاب، محمد القائد، ص ۹-۷۰، برائے بحث بر طریق جنگ الکفر والفر اور تعبیہ۔

(۶۱) ملاحظہ ہو ریوبن لیوی، دی سوشل اسٹرکچر آف اسلام (THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM) کیمبرج ۱۹۶۲ء، ص ۲۸۴، جن کا خیال ہے کہ "خمیس نظام عہدِ نبوی میں ابتدا ہی سے یعنی جنگِ بدر سے موجود تھا اور اس کی مثالیں بدر اور موتہ میں ملتی ہیں۔ اس نظامِ جنگ کی بدولت ہی کہا جاتا ہے کہ آپ کو اپنی مہموں میں کامیابی ملی تھی کیونکہ ابھی تک آپ کے دشمن حملہ کا غیر منظم طریقہ اپنائے ہوئے تھے"۔ جہاں تک شواہد کا تعلق ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خمیس نظام غیر مسلم عربوں میں بھی موجود تھا۔ اور عہدِ نبوی سے قبل عہدِ جاہلیت کی جنگوں میں ہم کو اس کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر طبری کا بیان ہے کہ ایرانیوں کے خلاف عربوں نے جو جنگ ذی قار کے مقام پر لڑی تھی اس میں خمیس نظام عرب فوج میں موجود تھا۔ ملاحظہ ہو طبری، دوم، ص ۱۰-۲۰۹۔

(۶۲) ابن خلدون، ص ۲۷۲ ؛ نیز ملاحظہ ہو لیوی، مذکورہ بالا، ص ۲۷۴، جنھوں نے ابن خلدون کے متعلقہ اقتباس کا ترجمہ یوں کیا ہے: "قلب امیر سریہ/غزوہ کا مقام ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے خدام اور سپاہی ہوتے ہیں اور دونوں پہلو میں دو بازو ہوتے ہیں جن کے اپنے سالار ہوتے ہیں وہ امیر کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان سے آگے اور قلب سے کچھ دوری پر مقدمہ ہوتا ہے جو اپنے سالار کی ماتحتی میں ہوتا ہے۔ اس کے پاس اپنا پرچم بھی ہوتا ہے۔ ساقہ عقب پر نظر رکھتا ہے اور اسباب اور سامان رسد، ہتھیاروں اور بھاری محاصرہ کے مشینوں کا ذمہ دار ہوتا ہے"۔ لیوی کا یہ بھی خیال ہے کہ "یہ فوجی نظام یا طریقہ ہر حال میں اختیار کیا جاتا ہے چاہے اسلامی فوج پیش قدمی کر رہی ہو یا پریڈ کر رہی ہو یا جنگ میں ہو اور اسی کو تعبیہ کہتے ہیں"۔

(۶۳) ابن خلدون، ص ۲۷۱ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے قرآن کریم، سورہ انفال، آیت ۱۵ جس میں لفظ زحف استعمال ہوا ہے۔ آیت کریمہ کا لفظی ترجمہ ہے: "اے مومنو! جب تمھارا مقابلہ دشمن سے ہو تو تم ہرگز پیٹھ نہ دکھانا"۔

(۶۴) قرآن حکیم، سورہ التوبہ، آیات ۱۲ - ۱۱۱۔
(۶۵) ملاحظہ کیجئے محمد حمید اللہ، عہد نبوی کے میدانِ جنگ (انگریزی)، ص ۵۸۔
(۶۶) واقدی، ص ۵۸، ۷۱ - ۷۰ وغیرہ۔
(۶۷) ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۳۰۰ - ۲۹۹؛ واقدی، ص ۶ - ۵۵ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵؛ طبری، دوم، ص ۴۴۱، ۹ - ۴۴۶۔
(۶۸) واقدی، ص ۵۸۔ لشکر نبوی میں مختلف بازوؤں کی موجودگی ہی میں ان کے سالاروں کی تقرری بھی مضمر ہے۔
(۶۹) ایضاً۔ اس روایت کے مطابق مکی فوج میں شہسوار دستوں کا افسر حارث بن ہشام مخزومی تھا جبکہ میمنہ اور میسرہ بالترتیب ہبیرہ بن وہب مخزومی اور زمعہ بن اسود اسدی کی کمان میں تھے۔ اس روایت کی صحت کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ یہ روایت مغیرہ بن عبد الرحمٰن مخزومی کی سند پر بیان ہوئی ہے جس کے پردادا حارث بن ہشام تھے۔ یہ واضح رہے کہ حارث بن ہشام ابوجہل مخزومی کا حقیقی بھائی تھا اور خود اس جنگ میں موجود و شریک تھا۔ بعدہٗ وہ ایک اچھے مسلمان بن گئے تھے۔ اس کے علاوہ باقی دونوں مکی سالار قریش کے دو سربرآوردہ خاندانوں کے افراد ہونے کے علاوہ بجائے خود سردارانِ قریش اور عظیم دھرتی کے لال تھے "اَفْلَاذُ کَبِدِھَا" ان کے لیے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۲، ۳۴، ۴۲، ۴۶، ۹ - ۵۸، ۱۴۴ اور ۹۴، ۲۰۱، ۲۰۳ وغیرہ بالترتیب؛ طبری، دوم، ص ۴۳۷ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ایک تیسری روایت بھی ہے جس کے مطابق ان دونوں بازوؤں کے سالاروں کے نام تھے حارث بن عامر اور عمرو بن عبد بالترتیب۔ یہ دونوں بھی مکی خاندانوں کے ممتاز افراد تھے۔ لیکن اس روایت کو خود مآخذ نے ضعیف و مردود قرار دیا ہے۔ سالاروں کے ناموں پر اختلاف کے باوجود یہ یقینی امر ہے کہ مکی فوج میں خمیس نظام موجود تھا اور ان دونوں بازوؤں کے دوسرے بازوؤں کے علاوہ سالار بھی تھے۔
(۷۰) واقدی، ص ۷۱
(۷۱) واقدی، ص ۲۲۰، ۲۲۵، ۳۰ - ۲۲۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۰ - ۳۹۔
(۷۲) اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۱۹۔
(۷۳) طبری، دوم، ص ۵۰۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے: اسد، دوم، ص ۵۰ - ۴۶
(۷۴) واقدی، ص ۲۱، ۲۱۶ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۹ - ۳۸ وغیرہ؛ طبری، دوم، ص ۵۰۷ وغیرہ۔
(۷۵) واقدی، ص ۴۹۹؛ طبری، دوم، ص ۵۸۲۔
(۷۶) واقدی، ص ۶۴۲؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۱۰۶
(۷۷) واقدی، ص ۷۳۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱۔

(۷۸) اسد، چہارم، ص ۳۰۶۔

(۷۹) واقدی، ص ۹۶۴، نے اس موقعہ پر چار بازوؤں مقدمہ، ساقہ اور میمنہ اور میسرہ کا ذکر کیا ہے۔

(۸۰) واقدی، ص ۱۰۰۸، ۸۱۵، ۲۵-۸۱۹۔

(۸۱) واقدی، ص ۸، ۸۹۷، ۹۱۲ اور ۹۲۳۔

(۸۲) ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۹۹۶، جن کے بیان اسلامی فوج کے کوچ کرنے کا بیان بڑا دلچسپ اور اہم ہے۔تیس ہزار سپاہ پر مشتمل عظیم اسلامی فوج اپنے اقدام کے سفر پر شام کے وقت روانہ ہوتی تھی اور رات بھر اس کے مختلف دستے کوچ کرتے رہتے یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ صبح سویرے روانہ ہوتا تھا اور جب اصل فوج کا آخری سپاہی تک روانہ ہو چکا تھا تو ساقہ اپنا کوچ شروع کرتا تھا جو اسلامی خیمہ گاہ میں دوسرے دن ہی پہنچ پاتا تھا۔

(۸۳) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۸۴) ایضاً (۸۵) ایضاً (۸۶) ایضاً (۸۷) ایضاً (۸۸) ایضاً

(۸۹) ایضاً (۹۰) ایضاً (۹۱) ایضاً (۹۲) ایضاً

(۹۳) ۵ھ/۶۲۷ء میں بنو قریظہ کی طاقت کی شکست ہونے تک اسلامی امت کو یہودیوں کی جانب سے ایک خطرۂ مسلسل لاحق تھا غزوۂ احزاب کے دوران اس خطرہ کی شدت میں بے انتہا اضافہ ہو گیا تھا، کیونکہ یہودیوں نے ایک انتہائی نازک موقعہ پر اسلامی ریاست کے استیصال کی سازش کی تھی۔

(۹۴) اسد، دوم، ص ۷-۲۹۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۹۵) واقدی، ص ۴۴۰، ۴۷، ۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۷، ۸۰ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۹۶) واقدی، ص ۴۷، ۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۰؛ نیز ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۲۔

(۹۷) ملاحظہ ہو ریوبن لیوی، مذکورہ بالا، ص ۴۳۶ - انھوں نے شہنشاہ لیو چہارم کا وہ بیان نقل کیا ہے جو TACTICA (میگنے، پٹرولوجیا گریشیا لے ٹینا (MIGNE, PATROLOGIA GRAECEA-LATINA) جلد ۱۰۷ میں بیان ہوا ہے۔ اس کے مطابق عرب "ہمیشہ شب خون کے خدشہ کی پیش بندی کرتے تھے خاص کر غیر ملکی یا اجنبی علاقوں میں۔ وہ اس کے بھرپور انتظامات کرتے تھے۔ شب بیدار محافظ رات بھر پہرہ دیتے تھے یا خیمہ گاہ کی اس طور پشتوں اور خندقوں سے حفاظت کی جاتی تھی کہ اس پر اچانک چھاپہ مار کر قبضہ نہ کیا جا سکے۔"

(۹۸) ملاحظہ ہو ضمیمہ اول - ۲۔

(۹۹) ایضاً (۱۰۰) ایضاً (۱۰۱) ایضاً (۱۰۲) ایضاً (۱۰۳) ایضاً

(۱۰۴) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۶۴-۴۶۳۔

(۱۰۵) واقدی، ص ۳۷۱، کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا تو پہلی شب محاصرہ

میں آپ اپنے دولتکدہ پر واپس آگئے اور حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت علی کی بجائے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنا جانشین بنایا تھا۔

(۱۰۶) واقدی، ص ۶۴۵۔

(۱۰۷) واقدی، ص ۲۱ کا بیان ہے کہ لشکر اسلامی کا پہلا معائنہ اَلْبَقْعَة نامی مقام پر ہوا تھا جو مدینہ کے بالکل نواح میں تھا۔ یہ عرض ۱۲ رمضان ۲ھ / ۱۰ مارچ ۶۲۴ء کو ہوا تھا۔ اس عرض کے بعد ان نوجوانوں کو مسترد کر دیا گیا تھا جو فوجی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ ان میں شامل تھے حضرات عبداللہ بن عمر، رافع بن خدیج، اسامہ بن زید، البراء بن عازب، اسید بن ظہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت۔ جبکہ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کے خورد سال بھائی حضرت عمیر زہری کو ان کی تیراندازی میں مہارت اور فوجی عمر کو پہنچ جانے کی بنا پر اجازت دے دی گئی تھی۔

(۱۰۸) واقدی، ص ۲۶۔

(۱۰۹) ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ نیز ملاحظہ کیجئے طبری، دوم، ص ۵۰۵۔

(۱۱۰) واقدی، ص ۲۱۶۔ اس موقعہ پر جن نوجوانوں کو مسترد کیا گیا تھا ان کے نام تھے، حضرات عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم، البراء بن عازب، اسید بن ظہیر، عرابہ بن اوس اور ابوسعید خدری۔ یہ سب مشہور صحابۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنھوں نے بعد کے زمانے میں اسلام کے لیے عظیم کارنامے انجام دئے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ طبری، دوم، ص ۶-۵۰۵۔

(۱۱۱) واقدی، ص ۳۵۴۔

(۱۱۲) واقدی، ص ۶۸۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۰۷۔

(۱۱۳) نیز ملاحظہ کیجئے اسد، دوم، ص ۲۲-۲۲۱، جس کا بیان ہے کہ حضرت زید بن ثابت فرائض (ترکہ کے حصوں یا مالِ غنیمت کے حصوں سے متعلق فن) کے ایک بڑے ماہر تھے۔ درحقیقت وہ ریاضی اور علم ہندسہ سے متعلق تمام مروجہ علوم کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۲۶

(۱۱۵) ابن سعد، سوم، ص ۵۱۷

(۱۱۶) ابن اسحاق، ص ۲۹۳

(۱۱۷) طبری، دوم، ص ۴۳۳

(۱۱۸) طبری، دوم، ص ۵۰۸

(۱۱۹) ایضاً

(۱۲۰) ابن سعد، دوم، ص ۱۲۳

(۱۲۱) اسد، سوم، ص ۵ - ۲۰۳

(۱۲۲) واقدی، ص ۲۶، ۶۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲؛ طبری، دوم، ص ۴۳۴ وغیرہ۔ (۱۲۳) ایضاً

(۱۲۴) واقدی، ص ۱۰۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۰ کے مطابق مسلمانوں کو تیس گھوڑے ملے تھے۔

(۱۲۵) واقدی، ص ۱۹۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۴۔

(۱۲۶) واقدی، ص ۲۱۵ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷۔

(۱۲۷) واقدی، ص ۲۱۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۴۰؛ طبری، دوم، ص ۵۰۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، تاریخ، اول، ص ۷۶۲؛ اسد، سوم، ص ۱۳۱-۱۳۰؛ بخاری، فضل الجہاد۔

(۱۲۸) ابن سعد، دوم، ص ۶۳۔ (۱۲۹) واقدی، ص ۴۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۷۔

(۱۳۰) ابن سعد، دوم، ص ۷۹۔ (۱۳۱) ابن سعد، دوم، ص ۸۱۔

(۱۳۲) واقدی، ص ۵۴۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۵۔

(۱۳۳) ابن سعد، دوم، ص ۱۰۰، کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں مسلم فوج میں دو سو شہسوار تھے۔

(۱۳۴) ابن سعد، دوم، ص ۱۳۰، کے مطابق اس موقعہ پر شہسواروں کی تعداد صرف سو تھی۔

(۱۳۵) واقدی، ص ۸۰۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۵۔ عام خیال یہ ہے کہ فتح مکہ میں مسلم فوج میں شہسوار دستے صرف بنو سلیم کے تھے جن کی تعداد نو سو تھی۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ دوسرے مسلم طبقات نے بھی شہسوار دستے فراہم کیے تھے۔ ذیل میں ایک مختصر سی فہرست دی جا رہی ہے جو تمام مسلم طبقات کے شہسواروں کی تعداد کو ظاہر کرتی ہے۔

(۱)	انصار (اوس و خزرج) کے متعدد بطون	۵۰۰ شہسوار
(۲)	مہاجرین (قریش)	۳۰۰ "
(۳)	مُزینہ	۱۰۰ "
(۴)	جُہینہ	۵۰ "
(۵)	اسلم	۳۰۰ "
(۶)	بنو سلیم	۹۰۰ "
	میزان	۲۱۵۰ "

ماخذ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہرست شہسواران اسلامی مکمل نہیں ہے۔ اس میں بعض مسلم طبقات جیسے خزاعہ اور اسد وغیرہ کے شہسواروں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر شہسواروں کی تعداد ڈھائی ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ بلکہ امکان یہ ہے کہ وہ اس سے متجاوز رہی ہو۔ شہسواروں کی اس تفصیل کا ذکر عموماً علمبرداروں کے ذیل کے ماخذ میں ملتا ہے اس لیے وہ مورخین اور سیرت نگاروں کی نگاہ سے اوجھل رہ جاتا ہے۔

(۱۳۶) واقدی، ص ۱۰۰۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۶۔

(۱۳۷) قرآن کریم، سورہ انفال، آیت ۶۰ و اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم و اٰخرین من دونھم لا تعلمونھم، اللہ یعلمھم .... (اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر

جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے ان کو اللہ ہی جانتا ہے) — ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی۔

(۱۳۸) شہسواروں کے حصۂ مالِ غنیمت پر مختلف روایتوں کے لیے ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق، ص ۵۲۲، ۶۹۰ - ۶۸۹ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴، ۱۱۴؛ طبری، سوم، ص ۱۹؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲-۱۰۱، جنھوں نے مشہور صحابیِ رسول حضرت مقداد بن عمرو کی سند پر ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ صحابی موصوف غزوہ خیبر میں بحیثیت ایک شہسوار کے شریک ہوئے اور ان کو دو حصے ملے: ایک ان کا اپنا اور دوسرا ان کے گھوڑے کا۔ لیکن بعض روایات جن کا تعلق مریسیع اور بنو قریظہ کے غزوات سے ہے یہ بتاتی ہیں کہ شہسواروں کو ان مواقع پر پیادہ سپاہی کے مقابلے میں تین گنا حصہ ملا تھا: ایک ان کی ذات کا اور دو حصے ان کے گھوڑے کے لیے۔ اگرچہ واقدی کا یہ بیان کہ شہسوار کو دو ہی حصے پورے عہدِ نبوی میں ملتے رہے تقریباً تمام مورخین کے نزدیک مسلّم اور واقعی ہے تاہم اس امکان سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابتدا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو گھوڑے حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے لیے تین حصے بھی مرحمت فرمائے ہوں۔

(۱۳۹) واقدی، ۲-۵۹۱ - وہ تمام افسرانِ حکومت نبوی جن کو قیدیوں اور اسیرانِ جنگ کو بازاروں میں بطور غلام فروخت کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا اپنی واپسی پر ہتھیار اور گھوڑے خرید کر لاتے تھے۔ اسی طرح بعض خمس کے افسروں کو بھی اسی مقصد سے عرب اور شام وغیرہ کے بازاروں میں بھیجا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو ضمیمہ اول - ۷ -

(۱۴۰) مثال کے طور پر حضرت ضحاک بن سفیان کلابی / بنو سلیم فتح مکہ کے غزوہ میں متعدد قبائلی سالاروں میں سے ایک سالار تھے ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۳۶؛ نیز ملاحظہ ہو ضمیمہ اوّل - ۳ - اس نکتہ پر مفصل بحث ہم عہدِ نبوی کی فوجی تنظیم میں قبائلی علمبرداروں کے مقام و مرتبہ اور کردار کے مطالعہ میں کریں گے۔

(۱۴۱) اسد الغابہ، سوم، ص ۱۵۵۔

(۱۴۲) واقدی، ص ۶-۹۹۵ -

(۱۴۳) مآخذ اس ضمن میں دو الفاظ یا دو مترادفات لِواء اور رایۃ استعمال کرتے ہیں۔ ان دونوں ہی کے معنی جھنڈے اور پرچم کے ہیں اور ان دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ بخوبی استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ لغوی اعتبار سے ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور عموماً مآخذ اسی طرح ان کو درحقیقت استعمال بھی کرتے ہیں۔ لیکن بعض مورخین نے لِواء اور رایۃ میں عام و خاص کا فرق بھی پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اس نظریہ/خیال کے مطابق عام معنوں میں لِواء (جمع الویۃ) دئے جاتے تھے لیکن رایۃ (جمع رایات) کا استعمال پہلی بار واقدی کے مطابق غزوۂ خیبر میں ہوا تھا۔ ہمارے جدید مورخین نے عام طور سے اس بیان کو بلا تنقید و جرح قبول کر لیا ہے۔ واقدی کے اس بیان کے مطابق اس مہم میں تین رایات بنائے گئے تھے جو حضرات علی بن ابی طالب، حباب بن منذر اور سعد بن عبادہ کو دئے گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کا پرچم مبارک (رایۃ) سیاہ تھا جو حضرت عائشہ کی چادر (بُرد) سے بنایا گیا تھا۔ اس کو عقاب (شاھین) کہا جاتا تھا جبکہ آپ کا لواء سفید تھا۔ ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۴۹۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ لواء اور رایہ کا یہ فرق بتانے اور یہ بیان دینے کے باوجود کہ رایہ کا پہلا استعمال غزوہ خیبر میں ہوا تھا۔ یہی مورخ دوسرے دو مقامات (ص ۵۶ اور ۲۲۶) پر بیان کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں اپنا رایہ حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو عطا فرمایا تھا۔ جبکہ ابن قتیبہ دینوری، کتاب المعارف، ص ۱۵۳، کا بیان یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سیاہ رایہ حضرت علی کو اور سفید لواء حضرت مصعب بن عمیر عبدری کو عطا کیا تھا۔ سرفراز ہونے والے صحابی کے نام میں اختلاف کے باوجود موخر الذکر کے بیان سے یہ البتہ ثابت ہوتا ہے کہ لواء اور رایۃ کا فرق پہلی اہم مہم سے اسلامی عسکری تنظیم میں موجود رہا تھا۔ خود واقدی کا دو مقامات پر بیان بھی مضمراً اسی کی تائید کرتا ہے۔ بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لواء عام پرچم ہوتا تھا جو سالارانِ سرایا یا قبائلی سرداروں کو دیا جاتا تھا جبکہ رایہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص پرچم ہوتا تھا جو اسلامی ریاست یا مرکزی حکومت کی نمائندگی کرتا تھا۔ اور یہ تفریق ابتداء ہی سے موجود تھی اور پہلی بار اس کا اظہار غزوۂ بدر میں ہوا تھا نہ کہ غزوۂ خیبر میں، جیسا کہ عام طور سے جدید و قدیم مورخین کا خیال معلوم ہوتا ہے۔

(۱۴۴) ازرقی، ص ۷۱-۷۰

(۱۴۵) ریوبن لیوی، مذکورہ بالا، ص ۵-۴۴۴؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۳۷۹؛ واقدی، ص ۵۶۔

(۱۴۶) زبیری، ص ۵۴-۲۵۱؛ بلاذری، انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۵-۵۳؛ ازرقی، ص ۷۱-۶۷؛ جمہرہ، ص ۱۱۸؛ نیز ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، ص ۴-۳۷۳، جن کا بیان بڑا دلچسپ ہے۔ روایت ہے کہ غزوۂ اُحد کے موقعہ پر مکی سالار فوج ابوسفیان بن حرب اموی نے عبدالدار کے علمبرداروں سے طنزاً کہا تھا کہ "اے بنو عبدالدار! بدر کے موقعہ پر تم ہی ہمارے علمبردار تھے۔ تم جانتے ہی ہو کہ اس روز کیا ہوا تھا۔ سپاہی بڑی حد تک اپنے پرچموں سے اپنی قسمت وابستہ کر لیتے ہیں۔ تو یا تم ہمارے پرچم کی پوری جاں نثاری اور ثابت قدمی سے حفاظت کرو یا اس اعزاز سے دستبردار ہو جاؤ تاکہ ہم اس کو کسی اور کے سپرد کر دیں اور تم کو اس زحمت سے بچالیں۔" انھوں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد جواب دیا "کیا ہم اپنا پرچم اٹھانے کا اعزاز تمھارے حوالے کر دیں؟ کل جب جنگ کا بازار گرم ہوگا تو تم خود دیکھ لوگے کہ ہم کیا کرتے ہیں۔" بنو عبدالدار اپنے قول کے پکے نکلے اور انھوں نے اپنے قومی پرچم کی حفاظت میں جانیں نچھاور کر دیں اور اس سلسلہ میں بڑی عدیم المثال مردانگی اور شجاعت بلکہ تہور کا ثبوت دیا۔ زبیری کے بقول اس دن بنو عبدالدار کے نو سرفروشوں نے اپنے قومی پرچم کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دی تھیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے: واقدی، ص ۲۱-۲۲۰، ۲۸-۲۲۵، ۸-۳۰۷۔

(۱۴۷) ابن سعد، دوم، ص ۶؛ طبری، دوم، ص ۴-۴۰۲؛ اسد، پنجم، ص ۲۹۶؛ نیز ملاحظہ ہو لیوی، مذکورہ بالا،

ص ۲۵۴ - موخر الذکر کا یہ بیان صحیح ہے کہ نشان/علم کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام علمبرداروں کے ناموں کو نمایاں طور سے بیان کیا جاتا ہے اور اسی طرح انصار کے بعض لوگوں کا غزوۂ بدر میں امتیاز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعد کے غزوات و سرایا میں بھی علمبرداروں کے ناموں کو خوب نمایاں جگہ دی ہے۔ کسی مہم کو بھیجنے کے لیے ایک فقرہ عقد لواء استعمال کیا جاتا ہے اور علم کا عطا کیا جانا در اصل کمان سے سرفراز کیا جانا تھا۔"

(۱۴۸) واقدی، ص ۹۹۶، کا بیان ہے کہ غزوۂ تبوک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مخصوص رایہ حضرت ابوبکر صدیق کو عطا فرمایا تھا۔

(۱۴۹) ملاحظہ کیجئے: عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی)، حیدر آباد دکن ۱۹۶۳ء، ص ۵۰-۵۲ (باب ہشتم)۔

(۱۵۰) واقدی، ص ۵۱؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، دوم، ص ۴۲۲، ۴۲۶، جن کا خیال ہے کہ یہ طلیعہ کافی بڑا تھا کیونکہ اس میں متعدد دوسرے صحابی بھی شامل تھے۔

(۱۵۱) واقدی، ص ۵۱؛ طبری، دوم، ص ۴۲۲، ۴۲۶۔

(۱۵۲) طبری، دوم، ص ۴۲۲۔

(۱۵۳) واقدی، ص ۵۲، نے ان کی تعداد تین بتائی ہے اور ان کے نام یسار، اسلم اور ابو رافع بتائے ہیں جو بالترتیب عبید بن سعید بن عاص اموی، منبہ بن حجاج سہمی اور امیہ بن خلف جمحی کے غلام (عُبیل) تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکی فوج پانی وغیرہ کی فراہمی جیسی ضروریات کے لیے اپنے غلاموں پر منحصر تھی۔ یہ غلام عموماً جنگجو سپاہی کی حیثیت سے نہیں بھرتی کیے جاتے تھے۔ بعض سپاہی بھی ہوتے تھے مگر اکثر کی حیثیت خدام اور گھریلو کاموں کے ملازموں کی سی ہوتی تھی۔ غالباً اسی غلط فہمی کے سبب بعض غیر ملکی مورخین نے احابیش کو سیاہ غلاموں کی قریشی فوج سمجھ لیا ہے جو قطعی غلط ہے۔ بحث کے لیے ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۱۵۴-۱۵۷۔

(۱۵۴) واقدی، ص ۵۲-۵۴؛ نیز ملاحظہ ہو باب چہارم، بحث بر مشیران نبوی۔

(۱۵۵) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۷۸۔

(۱۵۶) واقدی، ص ۲۳۰، کا بیان ہے کہ یہ طلیعہ سفیان بن خالد سہمی کے دو فرزندوں حضرات سلیط اور نعمان پر مشتمل تھا اور ایک بنو عُویر کے گمنام صحابی بھی شامل تھے۔ موخر الذکر صحابی اپنی سست روی کے سبب پیچھے رہ گئے جبکہ ان کے دونوں ساتھی تیز رفتاری سے مکی فوج کے قریب جا پہنچے۔ مکیوں نے ان دونوں کا پتا لگا لیا اور ان کو فوراً مار ڈالا۔ جب مسلم فوج وہاں پہنچی تو انھوں نے وہاں ان کی لاشیں پائیں اور ان کو دفن کر دیا۔

(۱۵۷) واقدی، ص ۵۳۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۹۔

(۱۵۸) واقدی، ص ۵۷۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۵۔

(۱۵۹) واقدی، ص ۱۴ - ۶۴۰ - (۱۶۰) ایضاً، ص ۶۴۴ -

(۱۶۱) واقدی، ص ۸ - ۹۷ ؛ نیز ملاحظہ ہو: یعقوبی، تاریخ، دوم، ص ۵۸، جس کے مطابق اس عورت کا نام سارہ تھا اور وہ ابُو لہب بن عبد المطلب ہاشمی کی کنیز تھی۔

(۱۶۲) واقدی، ص ۱۰۴۱ - (۱۶۳) کتاب المحبر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۴) واقدی، ص ۱۴۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳؛ طبری، دوم، ص ۴۵۸ - اس خوشخبری پر مدینہ والوں کا ردِّ عمل بڑا دلچسپ تھا۔ خبر اتنی خوش آیند اور اتنی اچانک تھی کہ پہلے ان کو یقین نہیں آیا اور انھوں نے دونوں منادیوں کو جھوٹا سمجھا اور میدانِ جنگ سے مفرور قرار دیا۔ لیکن ان کے بار بار اور بہ اصرار یقین دلانے پر خبر کا جب یقین آیا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے کہ اتنی سی چھوٹی اسلامی فوج نے جو پُوری طرح مسلح بھی نہ تھی کیونکر اتنی بڑی قریشی اور مسلح و منظم فوج کو ہرا دیا؟ اور آخر آخر میں ان کو جب حیرت سے چھٹکارا ملا تو ان کی خوشی اور مسرت کی انتہا نہ رہی۔ نیز ملاحظہ کیجئے: کتاب المحبّر، ص ۲۸۷ جو مختلف منادیوں کے نام گناتی ہے اور ان کے بارے میں تفصیلات سے گریز کرتی ہے۔

(۱۶۵) ابن سعد، دوم، ص ۶۱؛ کتاب المحبر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۶) کتاب المحبّر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۷) اسد الغابہ، پنجم، ص ۴۴؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبّر، ص ۲۸۷ -

(۱۶۸) قرآن کریم، سورہ حشر، آیت ۵ - (۱۶۹) واقدی، ص ۳۷۲ -

(۱۷۰) ان افسروں اور فوجی کارکنوں کے لیے ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۳، جس میں ان میں سے ایک کے بارے میں حوالے مذکور ہیں۔

(۱۷۱) جاسُوسوں اور ان کی کارگزاری کی اہمیت کے لیے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ، ص ۵۷ - ۵۳ -

(۱۷۲) واقدی، ص ۲۲؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۲ -

(۱۷۳) واقدی، ص ۴۵، کا بیان اس سلسلے میں کافی دلچسپ اور اہم ہے جو اس زمانے کے لوگوں کی بصیرت اور مہارت پر روشنی ڈالتا ہے۔ روایت ہے کہ مکہ کا مشہور سردار منبہؔ بن حجاج سہمی لوگوں کے نشان قدم پہچان لینے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ ان دونوں مسلم جاسوسوں کے نرم مٹی پر نشانِ قدم کو دیکھ کر اس نے مدینہ کے جاسوسوں کی موجودگی اپنی فوج کے افسروں کو بتا دی تھی۔ اسی ذیل میں وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جو ابوسفیان بن حرب اموی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بدر کے کنوؤں کے قریب ابوسفیان نے شام سے لَوٹتے وقت مسلم جاسوسوں کے اونٹوں کی لید میں سے مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیوں کو دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ مدینہ کے لوگ گرد و نواح میں موجود ہیں اور اسی بصیرت کے سبب انھوں نے اپنے زیر کمان مالا مال قریشی کارواں کا راستہ بدل دیا تھا۔

(۱۷۴) واقدی، ص ۷ - ۲۰۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷ -

(۱۷۵) واقدی، ص ۸ - ۲۰۷

(۱۷۶) واقدی، ص ۸ - ۲۰۷ کا بیان ہے کہ حضرت حباب بن منذر نے اپنی واپسی پر مکی فوج کی عددی طاقت ایک ہزار کے لگ بھگ بتائی تھی جس میں سے شہسوار دو سو تھے اور سات سو سپاہی زرہ بکتر پوش تھے۔ ان کی یہ خبر بالکل صحیح ثابت ہوئی تھی۔

(۱۷۷) طبری، دوم، ص ۸ - ۵۲۷، کے اس بیان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ "اگر تم دیکھو کہ مکہ والے گھوڑوں کو چھوڑ کر اونٹوں پر سوار ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا رُخ مکہ کی طرف ہے دوسری صورت میں وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے۔" حضرت علی کو بھی یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وُہ اپنے مشاہدہ کا اعلان سب کے سامنے نہ کریں لیکن وہ قریشی فوج کے مکہ واپس ہونے کی خبر سے اتنے خوش ہوئے کہ واپسی میں سب کے سامنے قریشیوں کے مکہ واپس ہونے کا اعلان کر گئے۔

(۱۷۸) واقدی، ص ۴۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۳۔ (۱۷۹) ایضاً (۱۸۰) واقدی، ص ۶۱ - ۶۰۴

(۱۸۱) واقدی، ص ۵۴، کے مطابق اُنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ بنو قریظہ کے یہودیوں نے اپنے قلعوں (آطام) کی مرمت کر لی ہے، اپنے سپاہیوں کو جمع اور منظم کر لیا ہے اور اپنے مویشیوں کو گڑھیوں میں اکٹھا کر لیا ہے۔ یہ دراصل ان کی فوجی تیاریوں کی جانب اشارہ تھا؛ نیز ملاحظہ کیجئے: بخاری، فضل الجہاد۔

(۱۸۲) ایضاً (۱۸۳) واقدی، ص ۹۰ - ۴۸۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے مسلم، باب الجہاد۔

(۱۸۴) واقدی، ص ۳ - ۵۷۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۵۔

(۱۸۵) واقدی، ص ۳ - ۵۹۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۰؛ طبری، سوم، ص ۳ - ۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۲۔

(۱۸۶) واقدی، ص ۴۴ - ۳۴۱۔ (۱۸۷) ایضاً، ص ۳۴۶۔

(۱۸۸) ابن سعد، سوم، ص ۳ - ۱۷۲، کے مطابق حضرت عبداللہ بن اریقط دُئلی اس وقت تک کافر تھے اور ان کی خدمات اُجرت پر حاصل کی گئی تھیں۔

(۱۸۹) اسد الغابہ، دوم، ص ۷ - ۲۸۶ کے مطابق حضرت سعد العرجی ہجرت نبوی کے اسی سفر کے دوران اسلام لائے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ہی انھوں نے حضرت عبداللہ بن اریقط دُئلی کی جگہ سنبھالی تھی۔

(۱۹۰) واقدی، ص ۱۸ - ۲۱۷، کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر دو اور روایتیں بیان کی جاتی ہیں جو مختلف راہبروں کا ذکر کرتی ہیں لیکن مذکورہ بالا روایت زیادہ صحیح ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ طبری، دوم، ص ۵۰۶؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۶۹۔

(۱۹۱) اسد الغابہ، اوّل، ص ۶ - ۲۲۵۔

(۱۹۲) واقدی، ص ۴۴ - ۳۴۳، کے مطابق وہ ایک ماہر راہبر (دلیل خریت) تھے۔

(۱۹۳) واقدی، ص ۳۴۶ - ۳ - اس مہم میں شریک ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کا بیان ہے کہ" جب ہم نے راہ گم کر دی تو بدوی قبائل میں سے ایک شخص کی خدمات بطور ایک راہبر ہم نے حاصل کیں۔ اس نے پوچھا: " اگر میں آپ لوگوں کو ایسی جگہ کی نشان دہی کردوں جہاں آپ کو کافی مال غنیمت ملے تو میرا کیا حصہ ہوگا؟ لوگوں نے کہا" خمس (۱/۵) ملے گا"۔ چنانچہ وہ بدو قبیلوں کے مویشیوں کی طرف لے گیا اور اس نے اپنا حصہ وصول کر لیا۔

(۱۹۴) ایضاً، ص ۴۰۳

(۱۹۵) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۰

(۱۹۶) ایضاً، پنجم، ص ۷۰ - ۱۶۹

(۱۹۷) واقدی، ص ۵۵۷ نے اس کا نام نہیں بتایا ہے۔

(۱۹۸) واقدی، ص ۵۸۴

(۱۹۹) واقدی، ص ۶۴۱، ۸ - ۶۴۷

(۲۰۰) طبری، سوم، ص ۲۳؛ اسد، دوم، ص ۱۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۴۱۔

(۲۰۱) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۶۸۔

(۲۰۲) واقدی، ص ۷۲۷؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۱۶۲۔

(۲۰۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۶۸۔

(۲۰۴) واقدی، ص ۹۹۹؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، ص ۱۴ - ۱۳۔

(۲۰۵) واقدی، ص ۱۱۲۲۔

(۲۰۶) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول - ۶۔

(۲۰۷) واقدی، ص ۱۰۰ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۸؛ طبری، دوم، ص ۴۵۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۵۵۷؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۹ - ۲۴۸۔

(۲۰۸) واقدی، ص ۱۰۵؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، سوم، ص ۴ - ۳۔

(۲۰۹) واقدی، ص ۵ - ۱۰۴، کا بیان ہے کہ بدر میں شریکِ جہاد ہونے والے تمام غلاموں کو مال غنیمت میں حصہ کی بجائے انعام و اکرام سے نوازا گیا تھا۔

(۲۱۰) اسد، سوم، ص ۹ - ۲۴۸۔

(۲۱۱) واقدی، ص ۱۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴۔

(۲۱۲) واقدی، ص ۱۰۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴، کا بیان ہے کہ وہ خمس کے بھی نگراں مقرر کیے گئے تھے۔

(۲۱۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۰، کا خیال ہے کہ اس افسر کا نام مسعود بن ہنیدہ تھا جنھوں نے خمس کے نگراں افسر کی حیثیت سے کام کیا تھا۔

(۲۱۴) واقدی، ص ۱۷۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰ اور ۵۸۔

(۲۱۵) واقدی، ص ۱۷۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۱۹۔

(۲۱۶) ابن سعد، دوم، ص ۲۹؛ طبری، دوم، ص ۴۸۱؛ ابن خلدون، اول، ص ۷۵۹؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۷ - ۱۰۶۔

(۲۱۷) واقدی، ص ۳۷۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۳۱۔

(۲۱۸) واقدی، ص ۴۷۹؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۹۱۔

(۲۱۹) واقدی، ص ۵۰۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۷-۱۷۶۔

(۲۲۰) ابن سعد، دوم، ص ۷۵؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۳۴۔

(۲۲۱) واقدی، ص ۵۰۹

(۲۲۲) واقدی، ص ۵۱۳

(۲۲۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۰

(۲۲۴) واقدی، ص ۵۲۳؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۵-۲۸۳۔

(۲۲۵) طبری، دوم، ص ۲-۵۹۱؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، دوم، ص ۸۰-۲۷۹

(۲۲۶) واقدی، ص ۶۰۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۰۷؛ اسد، چہارم، ص ۹-۱۷۸

(۲۲۷) اسد الغابہ، چہارم، ص ۸-۳۴۷

(۲۲۸) ایضاً، پنجم، ص ۱۶۵

(۲۲۹) ایضاً، دوم، ص ۱۱۳

(۲۳۰) طبری، سوم، ص ۸۱؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۵۔

(۲۳۱) اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۲۶۔

(۲۳۲) واقدی، ص ۹۲۳۔

(۲۳۳) واقدی، ص ۹۴۳۔

(۲۳۴) ایضاً، ص ۹۴۹۔

(۲۳۵) ایضاً، ص ۹۵۲۔

(۲۳۶) ابن سعد، دوم، ص ۱۶۴۔

(۲۳۷) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ اول — ۷۔

(۲۳۸) ان افسران کے علاوہ جو اسلحہ اور گھوڑوں کے آزاد و خود مختار افسر تھے صاحب المغانم (اموال غنیمت کا عام افسر) بھی اسلحوں کا نگراں افسر ہوتا تھا جیسا کہ واقدی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ غزوۂ خیبر کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ ہر قسم کا مال غنیمت صاحب المغانم کی نگرانی و حفاظت میں تھا جس میں اسلحہ بھی شامل تھے اور جس کسی کو دوران غزوہ جنگ کے لیے ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی تھی وہ صاحب المغانم سے مستعار لیتا تھا اور فتح یا جنگ کے خاتمے کے بعد ان کو لوٹا دیتا تھا۔

(۲۳۹) اسد الغابہ، دوم، ص ۲۶۸

(۲۴۰) اسد، سوم، ص ۲۷۹

(۲۴۱) ملاحظہ ہو واقدی، ص ۸۴، ۸۶، ۱۰۰-۹۹۔

(۲۴۲) واقدی، ص ۱۶-۱۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۔

(۲۴۳) واقدی، ص ۸۲، ۹۲، ۱۰۱-۱۰۰۔

(۲۴۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ میں مکی سردار منبہ بن حجاج سہمی کی ذوالفقار نامی تلوار صفی میں لے لی تھی (تَنَفَّلَ) اور دو اور مقتول مکی سرداروں ابنِ عائذ مخزومی اور عاص بن منبہ سہمی کی تلواریں اپنے دو ساتھیوں کو عطا کر دی تھی۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۰۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۹-۱۸۔

(۲۴۵) واقدی، ص ۱۰۴-۱۰۳۔ واقدی اور ان کے کاتب دونوں کا بیان ہے کہ بیضہ (لوہے کا خود) مغفر (کپڑے یا چرڑے وغیرہ کا خود) کے اوپر پہنا جاتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۲۱۹ اور ابن سعد، دوم، ص ۳۹ جن کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہ بکتر تلے اوپر پہنے تھے اور ایک مغفر اور اس کے اوپر ایک بیضہ پہنا تھا۔

(۲۴۶) واقدی، ص ۱۰۴-۱۰۳ (۲۴۷) ایضاً، ص ۱۰۳

(۲۴۸) واقدی، ص ۲۱۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۹۔

(۲۴۹) واقدی، ص ۲۳۰ (۲۵۰) واقدی، ص ۱۷۷

(۲۵۱) ہتھیار اس شرط پر ڈالے گئے تھے کہ بنو قینقاع مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور اپنے تمام ہتھیار (حلقہ) مویشی (کُرَاع) اور زرگری کے اوزار (آلۃ الصیاغۃ) چھوڑ جائیں گے؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۷۹-۱۷۸۔

(۲۵۲) واقدی، ص ۱۷۹۔ (۲۵۳) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۰۹۔

(۲۵۴) واقدی، ص ۳۷۷۔ (۲۵۵) ایضاً، ص ۵۱۰ (۲۵۶) ایضاً، ص ۵۲۳۔

(۲۵۷) واقدی، ص ۶۴۸-۶۴۷۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک یہودی جس کا نام سماک تھا رجیع میں واقع مسلم خیمہ گاہ کے اردگرد گھومتا پایا گیا تھا اور اس کو خیمہ گاہ کے افسر حضرت عمر بن خطاب عدوی اور ان کے سپاہیوں نے پکڑا تھا۔ پوچھ گچھ کے دوران اس نے اس جگہ کی نشان دہی کی جہاں یہ آلاتِ حرب یہودیوں نے مسلمانوں کے قبضے میں جانے کے ڈر سے زمین میں دفن کر دئے تھے۔ اس پر قبضہ کے بعد مسلمانوں نے مذکورہ بالا یہودی قیدی کی رہ نمائی میں کھود کر نکال لئے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے بعد وُہ یہودی قیدی مسلمان ہو گیا تھا۔

(۲۵۸) دبّابہ اور منجنیق دونوں محاصرہ شکن آلاتِ حرب ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ قلعہ یا گڑھی کی دیواروں کو توڑا جاتا ہے تاکہ محصورین کو ہتھیار ڈالنے یا کھلے میدانِ جنگ میں لڑنے پر مجبور کیا جائے۔ منجنیق دراصل پتھر پھینکنے والا ایک بڑا سا آلہ ہوتا ہے جو اسپرنگ کے اصول پر کام کرتا ہے۔ اس کے ایک سرے پر وزنی اور بھاری پتھر رکھ دیا جاتا ہے اور دُوسرے سرے پر دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ دباؤ پڑتے ہی پتھر تیزی سے اچھل کر سامنے والی چیز سے ٹکراتا ہے اور اس طرح کے بار بار عمل سے دیوار میں شگاف پڑ جاتا ہے۔ جبکہ دبّابہ ایک رواں اور چلتا پھرتا منارہ ہوتا ہے جس کی کئی منزلیں ہوتی ہیں۔ ہر منزل میں کافی سپاہیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ ہوتی ہے اور یہ سپاہی نقب زنی کے آلات سے لیس ہوتے ہیں۔ اُوپری منزل کے سپاہی تیر کمانوں سے مسلح ہوتے ہیں تاکہ وُہ اپنے ساتھیوں کی حفاظت کر سکیں اور قلعہ کے دشمن کے تیروں کا جواب بھی دے سکیں۔ ان کی مزید حفاظت کے لیے ان تمام منزلوں کو کھالوں سے ڈھانک دیا جاتا تھا۔ پھر اس منارہ کو دھکیل کر قلعہ کی دیوار سے لگا دیا جاتا تھا اور تمام منزلوں کے سپاہی اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اس آلہ میں قلعہ کی دیواروں پر چڑھنے کے لئے بھی ساز و سامان ہوتا تھا اور مجاہدین اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر اوپر پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔

نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۲۷ ؛ ریوبن لیوی، مذکورہ بالا، ص ۴۴۰۔

(۲۵۹) واقدی، ص ۶۶۸ اور ص ۶۷۰ کا بیان ہے کہ مرمت کے بعد جُوں ہی منجنیق کو دبابہ کے ساتھ استعمال کے لیے کھا گیا توں ہی قلعۂ شق کے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ نزار اور قموص کے یہودیوں نے منجنیق کو استعمال کے لیے تیار دیکھ کر دہشت کے مارے گھٹنے ٹیک دیے جبکہ اس آلہ محاصرہ شکن سے ایک بھی پتھر نہیں پھینکا گیا تھا۔

(۲۶۰) واقدی، ص ۶۶۴ کا بیان ہے کہ قلعۂ صعب بن معاذ کے زوال کے بعد مسلمانوں کو اس سے ایک منجنیق اور متعدد دبابوں کے علاوہ کافی تعداد میں مختلف النوع ہتھیار اور آلاتِ حرب ملے تھے۔ یہودیوں نے اس قلعہ میں کافی تعداد میں اسلحہ کا ذخیرہ کر رکھا تھا۔

(۲۶۱) واقدی، ص ۶۷۱ - ۶۷۰۔ مورّخ موصوف یہ نہیں بیان کرتے کہ باقی دو قلعوں میں بھی مالِ غنیمت ملا تھا یا نہیں۔

(۲۶۲) واقدی، ص ۶۸۰۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ خمس کا ۱/۵ حصہ فروخت کر دیا گیا تھا اور غالباً اس سے حاصل شدہ رقم کو معمول کے مطابق آلاتِ حرب و ہتھیاروں کی خرید پر صَرف کیا گیا تھا۔

(۲۶۳) اموالِ غنیمت کی مالیت کے لیے ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی کی مسلم معیشت میں اموالِ غنیمت کا تناسب" تحقیقاتِ اسلامی، علی گڈھ، شمارہ ۴، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۲ء۔

(۲۶۴) واقدی، ص ۶ - ۵۴۴۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب بنو قریظہ کے یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور حلیف تھے (سلمٌ للنبی) اور انھوں نے معاہدہ شکنی نہیں کی تھی۔ (۲۶۵) ایضاً

(۲۶۶) واقدی، ص ۷۳۳ ؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۲۱۔ یہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُور اندیشی، حربی عاقبت بینی اور عملی ہونے کا ایک اہم ثبوت ملتا ہے۔ مآخذ کے مطابق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مسلمان نے پوچھا تھا "آپ اتنے سارے ہتھیار اور اسلحہ لے کر کیوں آئے ہیں جبکہ قریش نے ہم پر یہ پابندی عائد کر دی ہے کہ ہم مکہ میں صرف تلواروں کے ساتھ داخل ہوں اور کوئی دُوسرا ہتھیار ہمارے پاس نہ ہو؟" آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ "ہم ان کو اپنے ساتھ حرم میں لے کر داخل نہیں ہوں گے لیکن وہ ہمارے قریب ہوں گے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہُوئی تو ہم ان کو آسانی سے استعمال کر سکیں گے۔" یہ فراستِ نبوی تھی جو محض غلط قسم کے توکل پر بھروسا نہیں کرتی تھی بلکہ ہر ممکن تدبیر اختیار کرتی تھی اور اسی فراست اور عملیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ہر جنگی تدبیر کامیاب ہوتی تھی۔

(۲۶۷) ایضاً (۲۶۸) واقدی، ص ۷۳۵ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱۔

(۲۶۹) واقدی، ص ۸۱۳۔ (۲۷۰) ایضاً

(۲۷۱) واقدی، ص ۸۱۴ - ۸۱۳ کے مطابق بنو فزارہ نے اپنی کثرتِ تعداد، آلاتِ حرب، اسلحوں اور ساز و سامان سے لیس گھوڑوں (الفرس الخیل) پر فخر کا اظہار کیا تھا۔ اس پر بنو سلیم نے بہتر شہسوار، بہتر تیر انداز اور

بہتر تیغ زن (جو مشرفی تلواریں استعمال کرتے تھے) ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ مشرف شام کا علاقہ تھا جہاں کی تلواریں بہت عمدہ ہوتی تھیں۔

(۲۷۲) واقدی، ص ۸۲۱ (۲۷۳) ایضاً (۲۷۴) واقدی، ص ۳-۸۲۲

(۲۷۵) واقدی، ص ۸۵۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۰؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۰-۸۸۹۔

(۲۷۶) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۷۹۔

(۲۷۷) واقدی، ص ۹۲۳، کا دعویٰ ہے کہ جنوبی عرب سے آنے والی اس منجنیق سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر حضرت سلمان فارسی نے ایرانی طرز کی ایک منجنیق اسی محاصرہ کے دوران بنائی تھی۔

(۲۷۸) واقدی، ص ۹۲۷، کے مطابق حسب ذیل تین صحابیوں میں سے کوئی ایک یہ منجنیق اور دبابہ لایا تھا: حضرات یزید بن زمعہ، طفیل بن عمرو ازدی، خالد بن سعید اموی۔ موخر الذکر کے بارے میں روایت یہ ہے کہ وہ اسے صنعاء سے لائے تھے۔ روایات کی تنقیح سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو ازدی کے بارے میں روایت زیادہ صحیح ہے۔

(۲۷۹) ایضاً (۲۸۰) ایضاً (۲۸۱) واقدی، ص ۱۰۲۷۔

(۲۸۲) ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "عہدِ نبوی کی مسلم معیشت میں اموالِ غنیمت کا تناسب"۔

(۲۸۳) واقدی، ص ۹۹۱؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۶۸، جس کے مطابق حضرت عثمان غنی نے تنہا ستر ہزار درہم یا اس سے زیادہ کی خطیر رقم صرف کی تھی۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تمام دولت عطا کر دی تھی جو ایک اندازے کے مطابق چار ہزار درہم تھی۔ دُوسروں نے بھی فیاضی کے ساتھ حصّہ لیا تھا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی فنڈ میں دل کھول کر عطیات دیے تھے۔ ان میں سے حضرت عمر بن خطاب نے اپنی آدھی دولت دے دی تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے مالدار اور مخیر مسلمان جنھوں نے مال (زرکثیر) دیا تھا، یہ تھے: حضرات عبدالرحمٰن بن عوف زہری، عباس بن عبدالمطلب ہاشمی، طلحہ بن عبیداللہ تیمی، سعد بن عبادہ خزرجی، محمد بن مسلمہ اوسی اور عاصم بن عدی خزرجی۔ متعدد بلکہ کثیر مسلمان وُہ تھے جن کے ناموں کو محفوظ رکھنے کی سعادت ماخذ کو نہیں حاصل ہوئی۔

(۲۸۴) واقدی، ص ۵۵؛ طبری، دوم، ص ۳۴۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد، دوم، ص ۹-۲۹۶۔

(۲۸۵) واقدی، ص ۲۰۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۷۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر انصار کے دونوں قبیلوں کے تین محافظ دستے تھے جو اپنے اپنے کمانداروں کی ماتحتی میں باری باری سے پہرہ دیتے رہے تھے۔

(۲۸۶) واقدی، ص ۳۳۴ اور ۳۳۶۔

(۲۸۷) صحابی موصوف نے حمراء الاسد کی مہم کے دوران اپنی ذمہ داری بے مثال محبت و جذبے کے ساتھ

انجام دی تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے ذات الرقاع، حدیبیہ وغیرہ متعدد دوسری مہموں میں بھی یہ سعادت حاصل کی تھی۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۳۶، ۳۹۰، ۶۰۶ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد، سوم، ص ۱۰۱-۱۰۰

(۲۸۸) طبری، سوم، ص ۱۷؛ اسد الغابہ، اوّل، ص ۲۰۶۔

باب چہارم

(۱) ابن ہشام، دوم، ص ۵۹۰، ۵۹۸ وغیرہ؛ واقدی، ص ۱۰۰ اوغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۸ وغیرہ؛ طبری؛ دوم، ص ۴۰۷ وغیرہ؛ ابن خلدون، اول، ص ۴۴ وغیرہ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۰ اور ۲۸۰ وغیرہ؛ کتانی، اول، ص ۱۶-۳۱۴۔

(۲) مذکورہ بالا۔

(۳) ابن ہشام، دوم، ص ۶۱ - ۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۰؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۴۴، اور اسد، دوم، ص ۵ - ۲۸۳۔

(۴) ابن سعد، دوم، ص ۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۰؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷؛ اسد، دوم، ص ۷ - ۲۹۶۔

(۵) ابن سعد، دوم، ص ۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۰؛ طبری، دوم، ص ۴۰۷؛ اسد، دوم، ص ۷ - ۲۳۴۔

(۶) اس کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۶۷۹؛ واقدی، ص ۱۹- ۱۱۱۷؛ طبری، سوم، ص ۱۸۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۷۴، بخاری، بعث اسامہ اور مناقب زید بن حارثہ۔

(۷) ابن ہشام، دوم، ص ۵۹۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۹، انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۰؛ طبری، سوم، ص ۴۰۸؛ اسد، پنجم، ص ۲۱۸۔

(۸) ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۹ - ۴۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۹۔

(۹) واقدی، ص ۱۰۰؛ طبری، دوم، ص ۴۰۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۹۔ موخر الذکر نے حارث بن حاطب کی جگہ حضرت عاصم بن عدی کا نام لیا ہے۔

(۱۰) ابن سعد، دوم، ص ۱۲۔

(۱۱) ابن ہشام، دوم، ص ۵۴؛ واقدی، ص ۸۱ - ۱۸۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰-۲۹؛ طبری، دوم، ص ۴۸۱ اور ۴۸۵؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۱۰- ۳۰۹؛ اسد، پنجم، ص ۵-۲۰۴۔

(۱۲) ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۱۲۷۔

(۱۳) ابن ہشام، دوم، ص ۲۶ ؛ واقدی، ص ۱۹۶ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۲۵ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۱؛ اسد، سوم، ص ۸۴ - ۳۷۶ -

(۱۴) واقدی، ص ۳۸۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۹ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، دوم، ص ۲۰۹، جن کے مطابق اس موقعہ پر نائب رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ کی جگہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول تھے۔ مزید دیکھئے اسد، سوم، ص ۹ - ۱۵۶۔

(۱۵) ابن ہشام، دوم، ص ۲۰۳ ؛ واقدی، ص ۴۰۲ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰ اور طبری، دوم، ص ۵۵۱۔

(۱۶) ابن ہشام، دوم، ص ۲۱۳ ؛ واقدی، ص ۴۰۴ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۲ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ اور طبری، دوم، ص ۵۶۴ -

(۱۷) ابن سعد، دوم، ص ۶۳ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۲ ؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، دوم، ص ۷۰ - ۲۴۴۔

(۱۸) حضرت ابن ام مکتوم کی تیرہ تقرریوں کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، دوم، ص ۶۱۲ ؛ سوم، ص ۴۳، ۴۹، ۱۰۲، ۲۲۰، ۲۳۴، ۲۷۹، ۲۸۴ اور ۳۹۹ ؛ واقدی، ص ۱۸۴، ۱۹۷، ۱۹۹، ۳۷۱، ۴۴۱، ۴۹۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۴۷، ۵۷۳ ؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۱، ۶ - ۳۵، ۳۹، ۴۹، ۵۸، ۶۶، ۷۴، ۷۹، ۸۰، ۹۵، ۱۳۵ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۲۸، ۳۳۹، ۵۰ - ۳۴۷، ۳۶۴، ۶۸ - ۳۶۶ ؛ طبری، دوم، ص ۴۸۳، ۵۳۶، ۵۵۵ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد، چہارم، ص ۱۲۷ اور ابن خلدون، اول، ص ۹ - ۴۸۷۔

(۱۹) ملاحظہ کیجئے، ضمیمہ دوم - ۱ -

(۲۰) ایضاً (۲۱) ایضاً (۲۲) ایضاً (۲۳) ایضاً

(۲۴) قرآن کریم، سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔

(۲۵) واقدی، ص ۵۴ - ۴۴۴ -

(۲۶) ابن اسحاق، ص ۴۹ - ۲۹۳ ؛ واقدی، ص ۸ - ۱۰۷ ؛ بخاری، باب فضائل اصحاب النبی ؛ طبری، دوم، ص ۷۷ - ۴۷۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۷ - ۶ ؛ مسلم، غزوۂ بدر ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴ - ۲۹۳ -

(۲۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم - ۲ -

(۲۸) واقدی، ص ۸ - ۱۰۷ ؛ طبری، دوم، ص ۷ - ۴۷۴ ؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۷ - ۳۸۶، جن کا بیان ہے کہ غزوہ بدر الموعد کے موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ابوبکر و عمر کا مشورہ قبول کر لیا تھا کہ دشمنوں سے

جنگ کے لیے نکلا جائے۔

(۲۹) واقدی، ص ۱۳-۲۰۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۲۷-۳۷۱؛ طبری، دوم، ص ۲-۵۰۲ اور انساب الاشراف، اول، ص ۵-۳۱۴۔

(۳۰) واقدی، ص ۱۸۷، کا بیان ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی شاعر سے پہنچنے والی تکالیف کا ذکر کیا تو حضرت محمد بن مسلمہ اوسی نے آپ کو اس کی شرارتوں کا مکمل سدِ باب کر دینے کا یقین دلایا مگر وہ کئی دنوں تک اس کے بارے میں کوئی طریقہ نہ سوچ سکے۔ انھوں نے آپ سے رجوع کیا اور آپ نے ان کو حضرت سعد بن معاذ سے مشورہ کرنے کی ہدایت کی۔ انجام کار قبیلہ اوس کے تمام بڑے بڑے سرداروں نے کئی دن کے مباحثے کے بعد اس دشمنِ اسلام کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔

(۳۱) ابن اسحاق، ص ۴۵۰ وغیرہ؛ واقدی، ص ۵-۴۴۴؛ طبری، دوم، ص ۵۶۶۔

(۳۲) ابن اسحاق، ص ۴۵۴؛ واقدی، ص ۹-۴۷۷؛ طبری، دوم، ص ۵۷۳۔

(۳۳) ابن ہشام، دوم، ص ۳۱۵؛ واقدی، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۷؛ طبری، دوم، ص ۳۱-۶۳۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۵۷۔

(۳۴) واقدی، ص ۴۴-۶۴۳

(۳۵) قرآن کریم، سورہ الحشر، آیت ۵۔

(۳۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم - ۲۔ (۳۷) واقدی، ص ۶۵۱

(۳۸) واقدی، ص ۲۸۷ (۳۹) واقدی، ص ۸۹۳؛ طبری، سوم، ص ۳۷۔

(۴۰) واقدی، ص ۹۲۷ (۴۱) ایضاً، ص ۹۳۷ (۴۲) ایضاً، ص ۱۰۱۹

(۴۳) ابن اسحاق، ص ۶-۲۳۵؛ بخاری، باب الاذان؛ ابوداؤد، باب بدء الاذان؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶-۲۳۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳-۲۷۲۔ اذان کی تجویز رکھنے والے صحابی کے بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں: ایک کے مطابق حضرت عبداللہ بن زید نے مشورہ دیا تھا اور دوسری کے مطابق تجویز حضرت عمر بن خطاب کی تھی۔

(۴۴) بخاری، باب المساجد، باب الھجرہ، باب الحج، کتاب البیوع۔

(۴۵) ملاحظہ کیجئے باب اول بحث بر مواخاۃ؛ نیز ابن اسحاق، ص ۲۳۴ وغیرہ۔

(۴۶) فتوح البلدان، ص ۲۲۰؛ زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، طبع اول، قاہرہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء، دوم، ص ۸۷۔

(۴۷) بخاری، فضائل الانصار؛ یحیٰی بن آدم، کتاب الخراج، لیڈن ۱۸۹۶ء، ص ۱۹۔

(۴۸) ابن سعد، دوم، ص ۲۲۔

(۴۹) ابن اسحاق، ص ۲۱۴؛ واقدی، ص ۳۱-۱۰۳۔

(۵۰) ابن اسحاق، ص ۱۷-۲۱۶۔

(۵۱) ابن اسحاق، ص ۹۹-۴۹۵؛ واقدی، ص ۴۲۸، ۳۲-۴۳۰ وغیرہ؛ بخاری، باب الحدیث الافک؛ مسلم، مذکورہ متعلقہ؛ نیز ملاحظہ کیجئے قرآن کریم، سورہ نور، آیات ۲۰-۱۱۔

(۵۲) بخاری، باب فضائل اصحاب النبی، فضائل عمر۔

(۵۳) اسد الغابہ، چہارم، ص ۶۷-۶۳۔

(۵۴) بخاری، غزوۃ الحدیبیہ' اور کتاب الشروط۔

(۵۵) ابو داؤد، سنن، باب فی المرء والعبد یخدمان من الغنیمۃ۔

(۵۶) انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۵، کا بیان ہے کہ یہ مشورہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب ہاشمی نے دیا تھا جو حضرت ابوسفیان بن حرب اموی کے ندیم (دوست اور تجارت کے شریک) تھے۔

(۵۷) بخاری، کتاب النکاح، باب موعظۃ الرجل؛ کتاب اللباس، باب ماکان یتجوز رسول اللہ من اللباس۔

(۵۸) طبری، دوم، ص ۶۳۰؛ نیز ملاحظہ ہو مسلم، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ۔

(۵۹) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم۔ ۲۔

(۶۰) عبد الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، لفظ متعلق۔

(۶۱) زبیری، ص ۱۷۴، حضرت عبد اللہ (سابق حکم) بن سعید اموی کو ہمیشہ عبد اللہ الکاتب کہتا ہے۔ فنِ کتابت میں ان کی اتنی شہرت ہوئی تھی کہ الکاتب ان کے نام کا جزو بن گیا تھا۔

(۶۲) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸۔

(۶۳) مجموعۃ الوثائق، دستاویز ۴۳، ص ۴۴-۴۳۔

(۶۴) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸، جو صبح الاعشیٰ (اول باب) جلد چہارم، ص ۸۹ کو نقل کرتے ہیں۔

(۶۵) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم۔ ۳۔

(۶۶) ایضاً (۶۷) ایضاً (۶۸) ایضاً

(۶۹) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۷-۱۱۵

(۷۰) ضمیمہ دوم۔ ۳۔ (۷۱) ایضاً

(۷۲) بحوالہ کتانی، اول، ۱۷-۱۱۵۔

(۷۳) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۱۸۔

(۷۴) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۲، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ ایک بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی کو حضرت معاویہ کو بلانے کے لیے بھیجا کیونکہ کوئی اہم دستاویز لکھوانا چاہتے تھے۔ حضرت عبداللہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ انھوں نے حکمِ نبوی سننے کے بعد کہا کہ وہ کھانا ختم کر کے فوراً پہنچ رہے ہیں۔ ان کے پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت عبداللہ کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا مگر وہ اس وقت بھی کھا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے واپس آکر سارا ماجرا کہہ سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر کہا کہ "خدا کرے ان کا پیٹ کبھی نہ بھرے"! بعد کے زمانے حضرت معاویہ کہا کرتے تھے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لگ گئی کیونکہ وہ سارے دن کئی بار اور بہت سا کھاتے تھے۔ بہرحال اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ان پر اعتماد کرتے تھے اور دستاویزات مخصوص صرف انھیں سے لکھواتے تھے؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸۔

(۷۵) اسد، اول، ص ۴۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ المعارف، ص ۲۶۱؛ بخاری، باب فضائل الجہاد والسیر؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۸۔

(۷۶) اسد، دوم، ص ۲۲۱-۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ بخاری، مذکورہ بالا باب؛ طبری، سوم ص ۱۷۳؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱۷۔

(۷۷) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۱۷۔

(۷۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۱-۲۴۶

(۷۹) اس کے لیے ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۶۸۹، ۷۰۰، ۷۱۸-۱۹، ۷۲۰-۲۱، ۹۲۹، ۹۳۲، ۹۴۶؛ بخاری، کتاب الاحکام، باب مایستحب للکاتب ان یکون امیناً عاقلا؛ نیز باب فضل الجہاد والسیر۔

(۸۰) بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۲۳۔ (۸۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۳-۱۴۔

(۸۲) ایضاً، ص ۲۶ (۸۳) ایضاً، ص ۷۵ (۸۴) ایضاً، ص ۱۱۵ (۸۵) ایضاً، ص ۱۳۳۔

(۸۶) ایضاً، ص ۱۴۵؛ اس کے انگریزی ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۳۵۷۔

(۸۷) کتانی، اوّل، ص ۱۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۲۶، جن کا بیان ہے کہ اس کو تحریر کرنے والے حضرت ابوبکر تھے، ان کے مولیٰ نہیں۔

(۸۸) کتانی، اوّل، ص ۱۲۰-۲۱؛ نیز ملاحظہ ہو جہشیاری، ص ۱۲۔

(۸۹) کتانی، اوّل، ص ۱۲۱، نے اس روایت کو شرح المواہب اللدنیہ اور جہشیاری ص ۱۲ سے لیا ہے۔

(۹۰) ان معاہدات و خطوط کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق ص ۷۷، ۹۶ وغیرہ اور ص ۱۲۷-۳۰۔

(۹۱) ان کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۹-۶۵، ص ۷۷-۴-۷۲، ۱۴۳، ۱۴۷، ۴۲-۴۰-۱۴۰، ۷، ۱۴۶-۹۰-۱۸۰، ۷۷-۱۹۳۔

(۹۲) کتانی، اول، ص ۴-۱۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو العقد الفرید، دوم، ص ۱۴۲، جس کا بیان ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان حجاز کی پیداوار کا تخمینہ (خوص) تحریر کیا کرتے تھے۔

(۹۳) کتانی، اول، ص ۳-۱۲۲؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۲۷-۱۲۵، جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاتب کو ان ہدایات کے بارے میں ذکر ہے جن کے مطابق وہ اپنا قلم کہاں رکھا کرے اور کس طرح لکھا کرے؟

(۹۴) بسملہ دراصل بسم اللہ الرحمن الرحیم کا اختصار ہے۔ اس کے لیے ملاحظہ کیجئے جہشیاری، ص ۱۴۔

(۹۵) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے بعد عموماً فقرہ رسول اللہ یا اسی کا ہم معنی فقرہ ثانی آتا تھا جبکہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد اس کا دنیاوی خطاب یا قبائلی القاب لکھا جاتا تھا جس سے اس کی شخصیت کے بارے میں پوری طرح سے وضاحت کر دی جاتی تھی۔

(۹۶) ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۲۰۰-۱۔

(۹۷) بخاری اور شمائل ترمذی، بحوالہ کتانی، اول، ص ۸-۱۷۷۔

(۹۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۵۰ اور ۵۶ کے سامنے والے صفحات پر اس کا نقش ملاحظہ فرمائیے۔

(۹۹) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۷۸۔

(۱۰۰) اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۰۳۔

(۱۰۱) العقد الفرید، دوم، ص ۱۲۲ اور ۱۷۴۔

(۱۰۲) ابو داؤد، سنن، باب قبول ہدایا المشرکین۔

(۱۰۳) واقدی، ص ۲۴۸، ۳۲۹، ۶-۹۷۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۱۸۷، ۸-۵۵۷۔

(۱۰۴) انساب الاشراف، اول، ص ۱۹۰، ۵۲۴ وغیرہ۔

(۱۰۵) اس کے لیے حدیث و فقہ کی کتابوں میں باب السترۃ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱۰۶) اسد الغابہ، اول، ص ۲۰۶۔ (۱۰۷) واقدی، ص ۹۴۸۔

(۱۰۸) ابن اسحاق، ص ۶۴۴، کا بیان ہے کہ حضرت بلال نے ایک اونس سونا دیا تھا جبکہ واقدی، ص [illegible] کا بیان ہے کہ ایک اوقیہ چاندی جو چالیس درہم کے مساوی تھی دو مزید قیراط [illegible] ادا کی گئی تھی [illegible] ملاحظہ کیجئے بخاری، صحیح، کتاب الوکالۃ۔

(۱۰۹) واقدی، ص ۵-۹۴۴۔ (۱۱۰) ایضاً، ص ۹۴۸۔

(۱۱۱) واقدی، ص ۹۸۰، کے مطابق ہر رکن وفد کو ½۱۲ اوقیہ (اثنی عشر اوقیہ والنش) چاندی عطا کی گئی تھی جبکہ

ایک بچے یا غلام (غلام) کو صرف ۵ اوقیہ ملے تھے۔

(۱۱۲) بخاری، باب القسمۃ، ابو داؤد، مذکورہ بالا۔

(۱۱۳) واقدی، ص ۷-۳۲۶، ۳۷۱، ۴۹۷۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۶۴۵ (۱۱۵) ایضاً، ص ۹۱۷۔

(۱۱۶) مسند احمد بن حنبل، دوم، ص ۳۵۸۔ (۱۱۷) واقدی، ص ۱۹۴۔

(۱۱۸) واقدی، ص ۹۶۸، ۹۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، اول، ص ۳۲۳، ۳۳۰، ۳۵۶ وغیرہ بقیہ دوسرے وفود کے لیے۔

(۱۱۹) ابن اسحاق، ص ۵۱۵؛ واقدی، ص ۶۷۳ (۱۲۰) ابن اسحاق، ص ۶۷۲۔

(۱۲۱) واقدی، ص ۸۳۲؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۷۷۴، (ابن ہشام کا یہ دراصل تبصرہ ہے)

(۱۲۲) ازرقی، ص ۷۱؛ العقد الفرید، سوم، ص ۳۱۴۔

(۱۲۳) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابت کے پس منظر پر۔

(۱۲۴) کتانی، اول، ص ۹۰-۱۸۳۔

(۱۲۵) ابن اسحاق، ص ۶۵۳؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۸۵؛ مسلم، کتاب الایمان؛ طبری، دوم، ص ۶۴۶۔

(۱۲۶) کتانی، اول، ص ۲۰۱-۱۹۴۔

(۱۲۷) واقدی، ص ۳۶۶؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۵۔

(۱۲۸) ابن اسحاق، ص ۴۵۲ اور طبری، دوم، ص ۵ نے بنو عمرو بن عوف کے ایک انصاری صحابی حضرت خوّات بن جُبیر کا بھی اس فہرست میں اضافہ کیا ہے۔ لیکن واقدی نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے کہ اول الذکر روایت زیادہ صحیح ہے۔

(۱۲۹) ابن اسحاق، ص ۴۵۳؛ واقدی، ص ۹-۴۵۸؛ طبری، دوم، ص ۵۱۔

(۱۳۰) ابن اسحاق، ص ۵۰۳؛ واقدی، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۶؛ طبری، دوم، ص ۵۳-۵۵۲۔ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۹۵، جنھوں نے ان کو صلح کے سفیروں کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

(۱۳۱) ابن اسحاق، ص ۵۰۳؛ واقدی، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۶؛ طبری، دوم، ص ۶۳۱؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۸۴-۳۷۶؛ ابن خلدون، اول، ص ۷۸۵؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۹۵، نے ان کو بھی صلح کا سفیر قرار دے کر ان کا ذکر حضرت خراش بن امیہ خزاعی کے ساتھ کیا ہے۔

(۱۳۲) واقدی، ص ۶۰۳۔ (۱۳۳) طبری، دوم، ص ۶۳۰۔

(۱۳۴) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۵-۶۵۲۔

(۱۳۵) ابن سعد، اول، ص ۵۹ - ۲۵۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۵-۶۵۲؛ ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۱؛ طبری، دوم، ص ۵-۶۴۴؛ کتاب المحبر، ص ۷۷-۷۵؛ کتانی، اول، ص ۹۵-۱۹۴۔ موخرالذکر نے ان چھ سفارتوں کے ساتھ شاہانِ بحرین و یمن کے نام حضرات علاء بن حضرمی اور مہاجر بن ابی امیہ مخزومی کی سفارتوں کو "اسلام کی تبلیغ کے لیے مقرر کیے جانے والے سفیروں کے زمرہ" میں شمار کیا ہے۔ مزید ملاحظہ کیجئے ابن خلدون، اول، ص ۹۰ - ۸۸۔

(۱۳۶) ان گرامی ناموں کے متون کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۵۳ وغیرہ اور مجموعۃ الوثائق، ص ۵۶-۱۲۱ وغیرہ

(۱۳۷) ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۵۳؛ ابن سعد، اول، ص ۲۵۸؛ طبری، دوم، ص ۵-۶۴۴؛ کتانی، اول، ص ۱۹۴۔

(۱۳۸) ایضاً

(۱۳۹) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۷؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶۵۴۔

(۱۴۰) ابن سعد، اول، ص ۶۳ - ۲۶۲

(۱۴۱) ابن سعد، اول، ص ۲۷۹، ۲۸۲، ۲۸۵؛ دوم، ص ۱۲۸۔

(۱۴۲) اسد الغابہ، چہارم، ص ۱۴-۱۳، ۱۲۶۔

(۱۴۳) الاستیعاب، ترجمہ عمرو بن امیہ ضمری بحوالہ کتانی، اول، ص ۱۹۸۔ موخرالذکر نے ان کو تحائف لے جانے والے سفیروں کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

(۱۴۴) ابن سعد، اول، ص ۲۷۳؛ دوم، ص ۲۶۶ بالترتیب؛ نیز ملاحظہ ہو آخری سفارت کے لیے کتاب المحبر، ص ۷۵۔

(۱۴۵) طبری، سوم، ص ۱۷۸۔

(۱۴۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم - ۳۔

(۱۴۷) ابن سعد، اول، ص ۲۷۳؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۶ - ۲۰۵۔

(۱۴۸) فتوح البلدان، ص ۱۰۲۔ (۱۴۹) ایضاً (۱۵۰) ایضاً (۱۵۱) طبری، سوم، ص ۱۸۷۔

(۱۵۲) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو باب دوم، بحث بر اسلام بنو حنیفہ۔

(۱۵۳) طبری، سوم، ص ۱۷۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، اول، ص ۸۴۵۔

(۱۵۴) کتانی، اول، ص ۶ - ۱۹۵۔

(۱۵۵) ایضاً، ص ۲۰۱ - ۱۹۹

(۱۵۶) ایضاً

(۱۵۷) اس کے لیے باب اول میں بنی قریظہ پر بحث ملاحظہ کیجئے۔

(۱۵۸) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن ہشام، دوم، ص ۲۳۰؛ واقدی، ص ۸۰۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۰، ۸۳۸؛ نیز اسد الغابہ، چہارم، ص ۴۰ - ۱۶۔

(۱۵۹) واقدی، ص ۵۵۹۔

(۱۶۰) ابن خلدون، اول، ص ۸۱۹؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۶۰ - ۵۹۔

(۱۶۱) واقدی، ص ۱۰۴۶؛ طبری، سوم، ص ۱۱۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۲۲؛ ملاحظہ ہو اسد الغابہ، چہارم، ص ۹ - ۴۰۸، ۴۰۱۔

(۱۶۲) قرآن کریم، سورہ توبہ، آیت ۱۰۷۔ (۱۶۳) اسد الغابہ، اول، ص ۱۳۲۔

(۱۶۴) ایضاً، چہارم، ص ۴۲ - ۵۲۔ (۱۶۵) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۸۰۔

(۱۶۶) ایضاً، ص ۸۱ - ۲۸۰ (۱۶۷) اصابہ، جلد سوم، ص ۲۴۰ (۱۶۸) واقدی، ص ۱۰۷۶۔

(۱۶۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۴۸؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اوّل، ص ۲۱۰ اور زرقانی، سوم، ص ۳۷۲ وغیرہ۔

(۱۷۰) سیرت ابن اسحاق میں شامل حضرت حسان وغیرہ کی شاعری کی صحت پر مختصر بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیے ابن اسحاق کے انگریزی مترجم الفریڈ گلیوم کا مقدمہ اور مکمل بحث کے لیے ملاحظہ ہو ایم اے عزام اور ڈبلو عرفات کے پی ایچ ڈی کے مقالے جو انھوں نے لندن یونیورسٹی میں جمع کیے اور ابھی تک شرمندۂ طباعت نہیں ہو سکے۔

(۱۷۱) ابن اسحاق، ص ۵ - ۱۶۴ (۱۷۲) ایضاً، ص ۷ - ۲۰۶ (۱۷۳) ایضاً، ص ۲۴۵

(۱۷۴) ایضاً، ص ۷ - ۳۰۶؛ نیز ص ۳۲۰ ملاحظہ ہو بدر میں سراقہ کے مکیوں کو چھوڑ بھاگنے پر۔ ص ۹ - ۳۴۵ پر حضرت حسان نے مکیوں کی اس نکتہ چینی کا جواب دیا تھا جو انھوں نے بدر کے بعد مسلمانوں کے خلاف شروع کی تھی۔

(۱۷۵) ابن اسحاق، ص ۶۷ - ۳۶۵؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۳۶۹ جو یہودی سازشی سرداروں کے قتل کے بارے میں ان کی شاعری سے پُر ہے؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۲۳ - ۱۲۲، ۸ - ۱۸۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۵؛ طبری، دوم، ص ۹۱ - ۴۸۹؛ بخاری اور مسلم، کتاب المغازی، متعلقہ ابواب۔

(۱۷۶) ایضاً، ص ۸۰ - ۳۷۹، مکیوں کے اس غزوہ میں اپنے قومی پرچم کی حفاظت نہ کر سکنے پر حضرت حسان کی تنقید کے لیے؛ ص ۳۸۲ ابی بن خلف کے قتل کے لیے؛ ص ۳۸۶ ہند زوجہ ابوسفیان بن حرب اموی کے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی لاش کا مثلہ کرنے اور دوسرے بے رحمانہ کاموں کے لیے؛ ص ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۱۲ اور ۴۱۷ اہلِ مکہ کی شاعرانہ تنقید و نکتہ چینی کے جواب کے لیے۔

(۱۷۷) ابن اسحاق، ص ۳۳ - ۴۳۰۔ (۱۷۸) ایضاً، ص ۶ - ۴۳۵

(۱۷۹) حضرت حسان کی شاعری کے اور نمونوں کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۴۴۸، ۸ - ۴۵۷، ۴۶۲-۷۶، ۸۰ - ۴۷۸، ۴۸۳، ۹ - ۴۸۸، ۹۹ - ۴۹۷، ۲۱ - ۵۲۰، ۹۰-۵۳۷، ۵ - ۵۴۴، ۵۵۶، ۵۵۸، ۶ - ۶۲۴، ۳۱ - ۶۲۹، ۶۷۶، ۹۰ - ۶۸۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن ہشام کے تبصرے ایضاً، ص ۹۹ - ۷۲۲۔ مزید ملاحظہ کیجئے دیوان حسان بن ثابت، مرتبہ ڈبلو عرفات۔

(۱۸۰) حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شاعری کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۱۳، ۴۲۲، ۴۳۶، ۴۴۸ وغیرہ اور حضرت کعب بن مالک کی شاعری کے لیے ایضاً، ص ۳۶، ۹-۴۷۸، ۳۴۴، ۳۵۰، ۳۶۲، ۳۸۱، ۴۰۵، ۴۰۹ وغیرہ۔ مزید ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۱-۲۱۰۔

(۱۸۱) کتانی، اول، ص ۱۲-۲۱۱ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو ان کے نمونوں کے لیے ابن اسحاق کے مختلف صفحات اور زرقانی، سوم، ص ۶-۳۷۲۔

(۱۸۲) ابن اسحاق، ص ۳۱-۴۲۸؛ واقدی، ص ۷۹۶؛ ابن سعد، اول، ص ۴۹۴؛ طبری، سوم، ص ۱۱۶؛ اسد الغابہ، اول، ص ۳۰-۲۲۹؛ نیز ملاحظہ ہو زرقانی، سوم، ص ۳۷۶۔

(۱۸۳) بخاری، لم یکن لہ بواب؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۶-۲۴، اس حدیث اور اس کی مختلف تعبیرات و تشریحات پر محدثین کی بحث کے لیے۔

(۱۸۴) واقدی، ص ۸۷۱۔

(۱۸۵) اس واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو بخاری، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العلم وغیرہ؛ مسلم، باب النکاح؛ ابوداؤد، سنن، باب الامام یصلی من قعود۔

(۱۸۶) ابوداؤد، سنن، مذکورہ بالا باب، کا بیان ہے کہ وہ حضرت عائشہ کی چھت پر واقع ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ باقی ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ کے باغ میں کوئی باہری کمرہ تھا۔

(۱۸۷) ایضاً؛ نیز کتانی، اول، ص ۲۵-۲۴۔

(۱۸۸) انساب الاشراف، اول، ص ۴۸۴ اور طبری، سوم، ص ۱۷۱۔

(۱۸۹) انساب الاشراف، اول، ص ۴۸۷؛ طبری، سوم، ص ۱۷۱؛ کتاب المحبر، ص ۲۵۸؛ نیز ملاحظہ ہو العقد الفرید، سوم، ص ۳۱۶، جو ان کو حاجب قرار دیتی ہے۔ ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۱۔

(۱۹۰) بخاری، باب الادب .....؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۲-۲۱۔

(۱۹۱) بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۱۔ (۱۹۲) اسد الغابہ، سوم، ص ۵-۱۶۴۔

(۱۹۳) بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۴-۲۳۔ (۱۹۴) ایضاً، ص ۶-۲۵۔

(۱۹۵) واقدی، ص ۸-۱۹۷، ۳۸۸؛ نیز ملاحظہ ہو باب اول اور باب دوم کے متعلقہ مباحث۔

(۱۹۶) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸۔

(۱۹۷) واقدی، ص ۷۱۱، کا خیال ہے کہ وادی القریٰ کا علاقہ حجاز میں تھا اور اس کے شمال کا علاقہ حدود شام میں شمار ہوتا تھا۔

(۱۹۸) ملاحظہ ہو زبیری، ص ۸۴-۱۷۶؛ جمہرہ، ص ۵۷-۳۷؛ فتوح البلدان، ص ۸۴۔

(۱۹۹) کتاب المحبر، ص ۱۲۶؛ کتانی، اول، ص ۲۲۴ اور ۲۴۶۔

(۲۰۰) کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔

(۲۰۱) کتانی، اول، ص ۲۴۶ میں قُریٰ عُرَیْنَہ ہے جو کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، مرتبہ چارلس شیفر (CHARLES SCHEFER)، لیڈن ۱۸۹۶ء، ص ۱۲۲ کا بیان ہے کہ قریٰ عربیہ ایک خاص علاقے (ارض) کا اسم معرفہ تھا۔ اس روایت کے مطابق ایک بار حضرت معاذ بن جبل خزرجی کو "قریٰ عربیہ" سے اس کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ نیز ملاحظہ کیجئے بلاذری، انساب الاشراف، چہارم، حصہ دوم، ص ۱۲۸، جن کا بیان ہے کہ تبوک، خیبر اور فدک کے علاقے "قریٰ عربیہ" کے علاقے تھے جن کے گورنر / والی حضرت عمرو بن سعید اموی تھے۔ بلاذری کی اس روایت میں دو غلطیاں ہیں: اوّل یہ کہ حضرت عمرو بن سعید اموی مآخذ کے متفقہ بیانات کے مطابق وادی القریٰ کے والی تھے نہ کہ قریٰ عربیہ کے۔ اس میں قریٰ عربیہ کو وادی القریٰ سے خلط ملط کر دیا گیا ہے اور اس کو اسم نکرہ سمجھا گیا ہے جس میں کئی مذکورہ بالا علاقے شامل تھے۔ حالانکہ حقیقت وہ ہے جو یحییٰ بن آدم نے بیان کی ہے۔ دوم یہ کہ خیبر اور فدک کی تبوک سے سیکڑوں میل کی مسافت ہے اور عملی طور سے یہ ممکن نہیں کہ اتنی بڑی ایک ولایت ہوتی۔ بہرحال قریٰ عربیہ کے جغرافیائی محلِ وقوع پر اب تک کسی ماخذ سے کوئی روشنی نہیں پڑ سکی ہے۔ قیاس ہے کہ وادی القریٰ اور تبوک کے بیچ کا خطہ "قریٰ عربیہ" کے اسم خاص سے موسوم تھا۔

(۲۰۲) ابن حزم اندلسی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن سعید اموی کی شہادت بدر میں ہوئی تھی مگر یہ صریحاً غلط ہے کہ دوسرے مآخذ سے ان کے بعد میں زندہ ہونے کا قطعی ثبوت ملتا ہے اور دوسرے تمام مآخذ ان کا نام بدری شہید صحابہ میں نہیں گناتے۔ زبیری کا بیان ہے کہ وُہ موتہ میں شہید ہوئے تھے لیکن دوسرے مآخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اگر زبیری کا بیان صحیح ہے تو ان کی گورنری کی کل مدت محض سال بھر رہی تھی۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۷۴؛ جمہرہ، ص ۷۳؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۳۷ - ۳۲۲، ۵۳۴؛ واقدی، ص ۷ - ۱۴۵، ۷۲ - ۱۵۲، ۶۹۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۶ - ۲۹۵؛ اصابہ ۱۷۸۱۔

(۲۰۳) فتوح البلدان، ص ۴۸؛ زبیری، ص ۱۲۴۔ ان دونوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یزید بن سفیان اموی عمرۃ القضیہ کے سال یعنی ۷ھ / ۶۲۹ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور اسی سال تیماء فتح ہوا تھا جس کی فتح کے برس ہی ان کو اس کا والی مقرر کیا گیا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔

(۲۰۴) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۷۴؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۵ - ۲۴۴ اور ۳۹۳، جو ابن قدامہ کی الاستبصار کی شہادت پر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار وہ خیبر کی کھجوروں کی پیداوار کا نصف لے کر مدینہ حاضر ہوئے تھے۔ وہ ان کے عمالہ (گورنری) کا علاقہ تھا۔

(۲۰۵) ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۰۵ - ۱۱۷ خاص کر آخری دو صفحات جن کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمالی پالیسی بڑی پُراسرار بلکہ راز سربستہ تھی۔

(۲۰۶) اسلامی ریاست کی شمالی پالیسی کے لیے ملاحظہ ہو باب دوم بحث بر اسلام قبائل شمالی۔

(۲۰۷) ابن سعد، دوم، ص ۱۴۵، کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا (یستخلفه) جب آپ طائف کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ مگر طائف سے آپ جب مکہ واپس آئے اور مدینہ کے لیے روانہ ہونے والے تھے تو آپ نے حضرت عتاب بن اسید اموی کو مکہ اور حج کا امیر مقرر کیا تھا (استعمله)۔ واقدی کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے لیے ۶؍ شوال ۸ھ / ۲۷؍ جنوری ۶۳۰ء کو روانہ ہوئے تھے اور مدینہ کے لیے آپ کی روانگی مکہ یا جعرانہ سے ۱۸؍ ذیقعدہ ۸ھ / ۸؍ مارچ ۶۳۰ء کو ہوئی تھی۔ توقیتی اعتبار سے حضرت ہبیرہ بن شبل ثقفی کی گورنری مکہ کی کل مدت ایک ماہ بارہ دن رہی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۵۵۔ دوسری طرف واقدی، ص ۸۸۹ اور ۹۵۹ کا بیان ہے کہ حنین کے غزوہ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی سے قبل حضرت عتاب بن اسید کی بطور والی مکہ تقرری ہوئی تھی۔ لیکن واقدی کے اس بیان کی خود اس کے دوسرے بیان سے تردید ہوتی ہے جس کے مطابق وہ حضرت عتاب کی تقرری کا زمانہ مدینہ کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کو قرار دیتا ہے۔ اس سے بالواسطہ سہی مگر ابن سعد اور اسد کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کتانی نے بھی حضرت ہبیرہ بن شبل کی تقرری کا حوالہ نہیں دیا ہے ملاحظہ ہو اس بحث پر اس کی چوتھی فصل، ص ۲۴۰ - ۲۴۶؛ نیز ملاحظہ ہو ازرقی، ص ۱۲۷ - ۱۲۸، جن کا خیال ہے کہ حضرت عتاب کی تقرری جنگِ حنین سے قبل ہوئی تھی؛ نیز دیکھئے ابن قتیبہ دینوری، المعارف، ص ۱۶۳؛ ابن سعد، پنجم، ص ۴۴۶۔

(۲۰۸) ابنِ ہشام، سوم، ص ۵۰۰؛ طبری، سوم، ص ۷۳، ۹۴؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۸ اور ابن سعد، دوم، ص ۱۲۷۔

(۲۰۹) ابن ہشام، سوم، ص ۴۴۰، ۵۰۰؛ واقدی، ص ۸۸۹، ۹۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۴۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۸؛ فتوح البلدان، ص ۵۳؛ زبیری، ص ۱۸۰؛ ازرقی، ص ۱۲۷ - ۱۲۸؛ جمہرہ، ص ۱۰۴؛ فاکہی، ص ۳۶، ۴۰؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔

(۲۱۰) جمہرہ، ص ۱۰۴؛ اسد، سوم، ص ۳۵۸ - ۹۔ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۱۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹۔ اور فاکہی، ص ۳۵۔ نیز ملاحظہ ہو ابن قتیبہ، مذکورہ بالا، ص ۲۸۳۔

(۲۱۱) فاکہی، ص ۴۰۔ لیکن اسد الغابہ، سوم، ص ۲۵۸ - ۹ کا بیان ہے کہ ان کو روزانہ تنخواہ صرف دو درہم ملتی تھی۔ جس کا مطلب ہوا کہ ان کی ماہانہ تنخواہ ۶۰ درہم اور سالانہ آمدنی ۷۲۰ درہم تھی۔ لیکن اگر ایک اوقیہ چاندی میں چالیس درہم ہوتے تھے جیسا کہ کتانی کا خیال ہے تو ان کی تنخواہ سولہ سو درہم سالانہ تھی یعنی ۱۳۳ ۱/۳ درہم ماہانہ یا ۴ ۴/۹ درہم روزانہ۔ ایک اور روایت کا اصرار ہے کہ ان کی تنخواہ صرف ایک درہم روزانہ تھی۔ جبکہ ایک اور روایت کا مدعا یہ ہے کہ ان کو کچھ بھی تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۶۴۔ سکوں اور اوزان کے لیے ملاحظہ ہو

مقریزی، النقود الاسلامیۃ، مرتبہ محمد السید علی، نجف ۱۹۶۷ء؛ اور شذور العقود، مرتبہ ایل اے، میئر، اسکندریہ ۱۹۳۳ء؛ اے، ایم، کرملی، النقود العربیۃ، قاہرہ ۱۹۳۹ء؛ نیز جہشیاری، کتاب الوزراء والکتاب، قاہرہ ۱۹۳۸ء؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، لیڈن، ص ۶۷-۱۵۱؛ نیز ملاحظہ ہو بلاذری، فتوح البلدان، ص ۶-۴۵۱۔

(۲۱۲) ابن ہشام، سوم، ص ۵۸۴؛ واقدی، ص ۹۶۸؛ ابن سعد، اول، ص ۳۱۳؛ چہارم، ص ۹-۵۰۸؛ فتوح البلدان، ص ۸۰؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۲۹؛ کتاب المحبر، ص ۱۲۷؛ طبری، سوم، ص ۹۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے اسد، سوم، ص ۴-۳۷۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۲؛ کتانی، اول، ص ۲۴۳ اور دیکھیے ابن قتیبہ، مذکورہ بالا، ص ۹-۲۶۸۔

(۲۱۳) ابن اسحاق، ص ۶۱۶، ابن ہشام، سوم، ص ۵۴۰۔ اس زمانے میں اسلامی یا مذہبی تعلیم و تفقہ کا مطلب تھا قوانین و دستور کی سمجھ۔ پھر ثقیف کے وفد میں ان کی شمولیت ان کی فراست اور ذہانت کی دلیل تھی۔ اس کے علاوہ واقعاتی شہادت ان کی قائدانہ صلاحیتوں اور لیاقتوں کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ جس کے مطابق وہ خلافتِ صدیقی اور خلافت فاروقی میں بحرین اور عمان کی حیثیت سے اور اس سے قبل آٹھ برس تک مکہ کے گورنر کی حیثیت سے کام کر چکے تھے۔ گورنری پر اتنے طویل زمانے پر فائز رہنا بجائے خود ایک بڑا کارنامہ تھا۔

(۲۱۴) ابن سعد، پنجم، ص ۵۲۷۔

(۲۱۵) اسد الغابہ، سوم، ص ۳۵۰؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۴۱۔

(۲۱۶) ابن سعد، چہارم، ص ۷-۵۶، کا خیال ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن نوفل ہاشمی کو مکہ کے بعض ماتحت علاقوں (اعمال) پر مقرر کیا تھا اور حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کے زمانے میں اس عہدے پر بحال رہے تھے تا آنکہ وہ انتقالِ وطن کر کے بصرہ جا بسے تھے۔ ان کی ترکِ سکونت کا زمانہ حضرت عثمان غنی کی خلافت کا آخری زمانہ معلوم ہوتا ہے؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۲-۲۴۱۔

(۲۱۷) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۷؛ واقدی، ص ۷۸۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹-۳۰؛ فتوح البلدان، ص ۸۰، اور طبری، سوم، ص ۹۵۔

(۲۱۸) کتاب المحبر، ص ۱۲۶۔ حضرت علاء بن حضرمی کی تقرری اور مدتِ گورنری کے بارے میں خاصا اختلاف بلکہ ابہام ہے ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۹۲ اور آئندہ بحث بھی۔

(۲۱۹) فتوح البلدان، ص ۹۲؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹؛ اسد، اول، ص ۷-۳۵: ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳-۸۴۴؛ کتانی، اول، ص ۲۴۶۔ موخر الذکر نے حافظ زین الدین عراقی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابان بن سعید اموی کو الخط علاقہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ کتانی نے اس ضمن میں حضرت علاء بن حضرمی کا نام بالکل نہیں لیا ہے۔

(۲۲۰) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۲۹ - ۳۲ اور باب پنجم بحث بر صدقات وجزیہ۔

(۲۲۱) ابن سعد، چہارم، ص ۱۲۷ (۲۲۲) اسد، اول، ص ۴۰۰

(۲۲۳) اسد، اول، ص ۳۹۷۔ (۲۲۴) ایضاً، ص ۳۹۸

(۲۲۵) ایضاً، ص ۱۲ - ۳۱۱؛ نیز ملاحظہ ہو زبیری، ص ۹۳؛ جمہرہ، ص ۲۶؛ اصابہ ۱۲۵۶۔

(۲۲۶) ابن سعد، اول، ص ۹ - ۲۰۸؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۴۴ - ۴۳؛ اسد، اول، ص ۴۹، ۱۲-۳۱۱، ۸ - ۳۹۷۔

(۲۲۷) نجران کے معاہدۂ صلح کے لیے ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۷۰ - ۷۵؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۹۲ - ۸۰ اور باب پنجم، بحث بر جزیہ۔

(۲۲۸) ابن ہشام، دوم، ص ۱۶ - ۲۱۵؛ نیز ملاحظہ کیجئے بخاری، کتاب المغازی؛ فتح الباری، ہفتم، ص ۷۴؛ ابن ماجہ، سنن، اول، ص ۳۲۔

(۲۲۹) ابن اسحاق، ص ۷۷۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۱۲ - ۱۱۴۔

(۲۳۰) ابن اسحاق، ص ۷۷۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۳۷۔

(۲۳۱) ابن سعد، سوم، ص ۲۱۴؛ نیز دیکھئے اسد، پنجم، ص ۲۴۹؛ اصابہ ۴۳۹۳۔

(۲۳۲) ابن ہشام، سوم، ص ۵ - ۵۹۴؛ فتوح البلدان، ص ۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰ - ۵۲۹؛ طبری، سوم، ص ۱۲۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز دیکھیے اسد، چہارم، ص ۹ - ۶۸ جس کا بیان ہے کہ تقرری کے وقت صحابی موصوف کی عمر صرف سترہ سال کی تھی۔ مزید ملاحظہ کیجئے حضرت خالد بن ولید مخزومی کے کام کے لیے مجموعۃ الوثائق، ص ۴۳ - ۱۷؛ نئے گورنر کو ہدایات نبوی کے لیے ایضاً، ص ۹ - ۱۰۴۔

(۲۳۳) فتوح البلدان، ص ۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، دوم، ص ۱۲ - ۱۲ جس کا بیان ہے کہ حضرت ابو سفیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک جرش کی گورنری پر فائز رہے اور آپ کی وفات کے بعد ہی مدینہ واپس آئے تھے مگر انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹ کے مطابق واقدی کی رائے ہے کہ حضرت ابو سفیان وفاتِ نبوی کے وقت مدینہ میں موجود تھے جبکہ کلبی کی رائے ہے کہ وہ اس وقت جرش میں تھے؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۹-۶۸۔

(۲۳۴) فتوح البلدان، ص ۷۰؛ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۰ - ۵۲۹ کا بیان ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضرت یزید بن ابی سفیان اموی کو اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عوف بن مالک کو نجران بھیجا گیا تھا۔

(۲۳۵) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۱۵۔

(۲۳۶) ان کے قبولِ اسلام کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۹ - ۶۵۸؛ طبری، سوم، ص ۸ - ۲۲۷؛ اسد، اول، ص ۱۶۳؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۱ - ۲۴۰۔ ایک روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ انھوں نے خسرو پرویز کے قتل کے فوراً بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ یعنی ۶ھ/۶۲۸ء کے بعد۔

(۲۳۷) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۲-۱۲۱ کا خیال ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا اسلام دراصل سیاسی وفاداری اور سیاسی اتحاد تھا۔ مستشرق موصوف دراصل سرحدی علاقوں کے تمام سرداروں کے اسلام کو مذہبی تبدیلی کے بجائے سیاسی تبدیلی سمجھتے ہیں۔

(۲۳۸) طبری، سوم، ص ۲۲۸-۲۲۷ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور اس کے تمام ماتحت علاقوں (مخالیف) پر حضرت باذان کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا اور ان کے ساتھ حکومت میں کسی اور کو شریک نہیں کیا تھا؛ نیز ملاحظہ فرمائیے ابن خلدون، اول، ص ۴۴۸؛ اسد الغابہ، اول، ص ۱۶۳۔

(۲۳۹) اسد الغابہ، سوم، ص ۶؛ ابن خلدون، اول، ص ۴۴۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۶۵۹؛ طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ کتانی، اول، ص ۲۴۱۔

(۲۴۰) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸ کا بیان ہے کہ ان میں ہر ایک کو ایک مخصوص علاقے (حیز) پر مقرر کیا گیا تھا۔

(۲۴۱) مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۴۲؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۳۷۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ "معاذ بن جبل کو پورے یمن اور حضرموت کے ان علاقوں میں جو دوسرے نمائندوں (AGENTS) کو سپرد کیے گئے تھے بعض فرائض سونپے گئے تھے۔ ان فرائض میں مذہب اسلام کی تعلیم دینا اور کم از کم کچھ علاقوں میں صدقات وصول کرنا شامل تھا۔ لیکن مقامی نمائندوں کی نگرانی کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔" مستشرق موصوف کا یہ بیان تاریخی شواہد کے خلاف اور غلط ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاذ کو ان تمام علاقوں میں مذہبی، سیاسی اور انتظامی اختیارات حاصل تھے اور مقامی منتظمین اور دوسرے گورنروں کے کاموں کی نگہداشت بھی ان کے فرائض میں سے تھی کہ وہ گورنر جنرل تھے۔

(۲۴۲) ابن اسحاق، ص ۶۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۱؛ فتوح البلدان، ص ۸۱ نے حضرت معاذ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادوں کا "امیر" کہا ہے۔

(۲۴۳) فتوح البلدان، ص ۸۰، دوسرے صفحہ پر ایک روایت ہے کہ ان کو یمن کے صدقات پر مامور کیا گیا تھا، ص ۸۲-۸۳ پر ان کے عدلیاتی/عدالتی اور انتظامی فرائض و اختیارات بتائے گئے ہیں۔

(۲۴۴) انساب الاشراف، اول ص ۵۲۹۔

(۲۴۵) ابن ہشام، سوم، ص ۵۹۰۔

(۲۴۶) ابن سعد، اول، ص ۵-۲۶۴۔

(۲۴۷) بخاری، صحیح، باب وجوب الزکاۃ۔

(۲۴۸) اسد، چہارم، ص ۳۷۶-۸؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۹ جس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت معاذ کو ایک گرامی نامہ بھیجا تھا جس میں حضرت ابومکنف عبدالرضا خولانی کے معاملہ میں کوئی ہدایت دی گئی تھی۔

(۲۴۹) ابن خلدون، اول، ص ۲۶-۸۲۵۔

(۲۵۰) طبری، سوم، ص ۲۲۸۔

(۲۵۱) معلم کے معانی کے لیے ملاحظہ ہو لسان العرب، متعلقہ لفظ" ہنس وہر" عربک۔ انگلش ڈکشنری، اور عبدالحفیظ بلیاوی' مصباح اللغات۔

(۲۵۲) طبری، سوم، ص ۲۳۵، کی روایت کے مطابق جنوبی عرب کے تمام والی اسود عنسی کی بغاوت کے خاتمے کے فوراً بعد یعنی حیاتِ نبوی میں ایک مقام پر جمع ہوئے تھے اور ان کی (امارة) پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور پھر وہ سب اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے تھے۔

(۲۵۳) ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴۔

(۲۵۴) ملاحظہ فرمائیے کتانی، اول، ص ۲۴۱۔

(۲۵۵) طبری، سوم، ص ۳۰-۲۲۹ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۸۔

(۲۵۶) طبری، سوم، ص ۱۴۷ کی ایک روایت کہ جنوبی عرب کے" امیروں" اور" عاملوں" کی روانگی ۱۰ھ / ۶۳۱ء میں ہوئی تھی ناقابلِ قبول معلوم ہوتی ہے۔

(۲۵۷) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸۔

(۲۵۸) طبری، سوم، ص ۹-۲۲۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۸۳۔

(۲۵۹) فتوح البلدان، ص ۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، پنجم، ص ۲۰۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ بخاری، کتاب وجوب الحج وفضائلہ؛ ابن سعد، چہارم، ص ۱۲-۱۰۵۔

(۲۶۰) طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۹۶؛ اسد، دوم، ص ۶۴-۶۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔ مزید دیکھیے فتوح البلدان، ص ۸۰ اور انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹ جن کے مطابق حضرت خالد بن سعید اموی کو صنعاء اور اس کے ماتحت علاقے سونپے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ حضرت شہر کے انتقال کے بعد یہ انتظام ہوا ہو۔

(۲۶۱) طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ اسد، سوم، ص ۵۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔

(۲۶۲) طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ اسد، پنجم، ص ۹-۱۲۸؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔

(۲۶۳) ابن ہشام، سوم، ص ۶۰۰؛ فتوح البلدان، ص ۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹؛ طبری، سوم، ص ۲۲۸؛ اسد، دوم، ص ۲۱۷؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۲؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۱۸۶؛ کتانی، اول، ص ۲۴۵۔

(۲۶۴) طبری، سوم، ص ۹ - ۲۲۸؛ اسد، چہارم، ص ۲۳ - ۲۲۴؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ کتانی، اول، ص ۲۴۵ -

(۲۶۵) طبری، سوم، ص ۹ - ۲۲۸؛ اسد، پنجم، ص ۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز کتانی، اوّل، ص ۲۴۳ -

(۲۶۶) طبری، سوم، ص ۲۲۸، کا مزید بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور حضرموت کے علاقوں کی وضاحت کی تھی اور ان میں سے ہر ایک مخصوص علاقے کو ان امیروں کے سپرد کیا تھا۔

(۲۶۷) ابن اسحاق، ص ۳۴۳؛ طبری، سوم، ص ۱۲۱؛ فتوح البلدان، ص ۸۱؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۱۱-

(۲۶۸) اسد، سوم، ص ۱۵۱ -

(۲۶۹) اسد، سوم، ص ۱۵۵؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۴۵، جنھوں نے نووی کی تہذیب کی بنیاد پر کہا ہے کہ حضرت عبداللہ مخزومی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے الجند اور اس کے ماتحت علاقوں پر (امیر) مقرر کیا تھا اور وُہ حضرت عثمان کی خلافت تک وہاں تعینات رہے۔ یقیناً وہ امیر (گورنر/ والی) نہیں تھے جیسا کہ نووی اور کتانی ہم کو یقین دلانا چاہتے ہیں۔ ان کی حیثیت ایک صوبائی سالار فوج کی تھی جو علاقہ کے گورنر جنرل کا ماتحت تھا۔ مزید دیکھئے زبیری، ص ۳۱۷؛ اصابہ ۵۹۶، ۶۶۲۴؛ الاستیعاب، دوم، ص ۹۹ - ۲۹۸؛ جمہرہ، ص ۱۴۷ -

(۲۷۰) انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹؛ نیز فتوح البلدان، ص ۸۰ -

(۲۷۱) ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴؛ ترمذی، سنن -

(۲۷۲) ابن اسحاق، ص ۶۴۴؛ ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴ وغیرہ -

(۲۷۳) ابن اسحاق، ص ۶۴۴؛ مسلم، کتاب الایمان -

(۲۷۴) ابن سعد، سوم، ص ۵۸۴ وغیرہ -

(۲۷۵) ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۸، کا خیال ہے کہ امکان یہ ہے کہ نقل کے دوران ان ہدایات میں کافی تغیّر و تبدّل اور اضافہ ہوا ہے۔ اور وُہ عہدِ نبوی کے زمانے میں رائج طریقوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ واٹ کا یہ شبہ بے بنیاد ہے۔

(۲۷۶) ابن اسحاق، ص ۸ - ۶۴۷؛ ابویوسف، کتاب الخراج، ص ۴۱ - ۴۰؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۸ - ۱۰۴؛ نیز ملاحظہ ہو واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۲۸ -

(۲۷۷) کتانی، اول، ص ۲۴۵ -

(۲۷۸) انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۴ -

(۲۷۹) ازرقی، ص ۸ - ۱۲۷ -

(۲۸۰) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۸-۵۶، ۶۲-۶۱، حضرت منذر بن ساوٰی کے نام ہدایاتِ نبوی کے لیے؛ ص ۶۹ جیفر بن عبد کے نام ہدایات کے لیے۔ خطِ نبوی، ۵ میں ہے کہ "میرے فرستادوں (رسل) کی اطاعت میری اطاعت کے مترادف ہے۔" خط ۵۸ میں جو حضرت منذر بن ساوٰی نے بارگاہِ نبوی میں بھیجا تھا انھوں نے اپنے غیر مسلم باشندوں کے اسلامی ریاست میں مقام و مرتبے کے بارے میں سوالات پوچھے تھے اور آپ کا فیصلہ چاہا تھا۔ اسی طرح خط ۵۹ اور ۶۰ ہجر کے لوگوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ آپ کے امیروں کی اطاعت کریں۔ خط ۶۳ حضرت منذر بن ساوٰی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صدقات و جزیہ کی رقم جو انھوں نے اپنے علاقہ میں جمع کی ہے مدینہ کے دو مرکزی نمائندوں حضرات ابو ہریرہ اور قدامہ کے حوالے کر دیں۔ یہی خط ۶۴ حضرت علاء بن حضرمی گورنر بحرین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صدقات، جزیہ اور عشور کی تمام رقوم حضرت منذر بن ساوٰی سے وصول کر کے مذکورہ بالا دونوں مرکزی نمائندوں کے حوالے کر دیں۔

(۲۸۱) ایضاً، ص ۶۲ (۲۸۲) ایضاً، ص ۸-۶۷۔

(۲۸۳) ایضاً، ص ۸۲-۸۰۔ خط ۹۴ اہل نجران کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ "میرے رسل (فرستادوں) کی طاعت اور مدد کریں۔" نیز ملاحظہ ہو ص ۸۴-۸۳۔

(۲۸۴) ایضاً، ص ۲-۱۱۱ (۲۸۵) ایضاً، ص ۱۵-۱۱۴

(۲۸۶) ایضاً، ص ۲۸-۱۲۶، ۳۰-۱۲۹۔ (۲۸۷) ایضاً، ص ۱۳۱۔

(۲۸۸) ایضاً، ص ۱۵۷۔ یہ گرامی نامہ قضاعہ کے لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ دو مرکزی منتظموں حضرات ابی اور عنبسہ کو صدقات ادا کریں۔

(۲۸۹) ایضاً، ص ۸-۱۶۶ (۲۹۰) ایضاً، ص ۹-۱۶۷

(۲۹۱) ایضاً، ص ۷-۱۷۶۔ اس گرامی نامے نے بنو اسد کے لوگوں کو تمام معاملات میں مرکزی منتظم حضرت قضاعی بن عمرو کے فیصلوں کو بخوشی قبول کرنے کا حکم دیا تھا۔

(۲۹۲) واقدی، ص ۵۶۱؛ نیز اسد، اول، ص ۱۱۵۔

(۲۹۳) اسد، دوم، ص ۱۴۴؛ سوم، ص ۱۰۴ بالترتیب۔

(۲۹۴) ابن ہشام، دوم ص ۴۹۱؛ واقدی، ص ۹۵۵؛ ابن سعد، اول، ص ۳۱۲؛ طبری، سوم، ص ۹-۸۸؛ نیز اسد، چہارم، ص ۲۹۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۱۸۔

(۲۹۵) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، اوّل، ص ۳۲۲؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، سوم، ص ۴-۳۹۲؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔

(۲۹۶) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم۔ ۸

(۲۹۷) ایضاً، ضمیمہ دوم - ۹ ؛ نیز دیکھئے طبری، سوم، ص ۷ - ۱۳۶، اور ص ۱۹ - ۱۱۵ بالترتیب۔
(۲۹۸) قرآن کریم، سورہ الاعراف، آیت ۱۶۰ ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ترجمہ مولانا اشرف علی ؛ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن رچرڈ بیل، دی قرآن، ایڈنبرا، ۱۹۳۶ء، اول، ص ۱۵۲۔
(۲۹۹) قرآن کریم، سورہ مائدہ، آیت ۱۵ ؛ طبری، تفسیر، جلد دہم، ص ۱۸ - ۱۰۹ ؛ نیز رچرڈ بیل، اول، ص ۹۵۔
(۳۰۰) دی بائبل (انجیل مقدس) اعداد (NUMBERS)، باب اول، آیات ۲ اور ۴ - آیات ۱۵ - ۵ بارہ یہودی نقیبوں کے نام بیان کرتی ہیں ؛ نیز ملاحظہ کیجئے کتاب المحبر، ص ۴۶۴ ؛ طبری، تاریخ، اول، ص ۳۰ - ۴۲۹ ان کے مسلم ماخذیں ناموں کے لیے۔
(۳۰۱) ایضاً، آیت ۱۶
(۳۰۲) ایضاً
(۳۰۳) رچرڈ بیل، مذکورہ بالا، اول، ص ۹۵، حاشیہ ۴۔
(۳۰۴) سینٹ میتھیوز، دہم، آیات ۱ تا ۴ - ان کے ناموں کے لیے مسلم ماخذ دیکھیے کتاب المحبر، ص ۵ - ۴۶۴۔
(۳۰۵) ایضاً، آیات ۷ - ۵ - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے شاگردوں کو مکمل ہدایات کے لیے ملاحظہ کیجئے باب دہم، آیات ۸ تا ۴۲۔
(۳۰۶) ابن اسحاق، ص ۲۰۴
(۳۰۷) ابن سعد، سوم ص ۳ - ۶۰۲۔
(۳۰۸) انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴۔
(۳۰۹) کتاب المحبر، ص ۷ - ۴۶۴۔
(۳۱۰) طبری، دوم، ص ۳۶۳
(۳۱۱) انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴۔
(۳۱۲) ابن اسحاق، ص ۲۰۴۔
(۳۱۳) ابن اسحاق، ص ۲۰۴ ؛ ابن سعد، سوم، ص ۶۰۲ ؛ طبری، دوم ص ۳۶۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول ص ۲۵۴، کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقرر کیا تھا یا ان کے نام لیے تھے صحیح نہیں ہے۔
(۳۱۴) ایضاً۔
(۳۱۵) ابن سعد، سوم، ص ۳ - ۶۰۲ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴ ؛ فتوح البلدان، ص ۲۰۔
(۳۱۶) انساب الاشراف، اول، ص ۲۵۴۔
(۳۱۷) ملاحظہ ہو ضمیمہ دوم - ۱۰ ؛ نیز ابن سعد، سوم، ص ۶۶ - ۶۰۳۔
(۳۱۸) ابن اسحاق، ص ۱۲ - ۲۰۹ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۴۸ - ۲۴۰۔
(۳۱۹) مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۸۔
(۳۲۰) ایضاً۔
(۳۲۱) ابن سعد، سوم، ص ۶۱۱ ؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۴۳۔
(۳۲۲) انساب الاشراف، اول، ص ۲۴۲ ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۶۱۹۔

(۲۲۳) اسد الغابہ، اول، ص ۴، ۱۸۳۔

(۲۲۴) اسد الغابہ، چہارم، ص ۹۵ - ۹۳۔

(۲۲۵) اسد الغابہ، دوم، ص ۲-۱۵۱۔

(۲۲۶) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۷۔

(۲۲۷) عباسی نقیبوں کے لیے ملاحظہ کیجئے خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، تہران اڈیشن غیر مورخہ، دوم، ص ۱۶۴؛ ہفتم ص ۳۶۰، ۳۷۹ ؛ نہم، ص ۳۰۷ ؛ دوازدہم، ص ۲۲۷؛ طبری، چہارم، ص ۵۶۲ وغیرہ ؛ ابن اثیر، الکامل، پنجم، ص ۵۳، ۶۔۲۵۵ اور ۳۰۸۔

علوی نقیبوں کے لیے ملاحظہ کیجئے؛ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، یازدہم، ص ۴۰۲؛ الکامل، ہشتم، ص ۶-۵۶۵، ۱۰؛ نہم، ص ۲۵، ۷۷، ۱۰۵، ۲۱۹، ۲۴۲، ۲۶۳، ۴۴۵، ۵۱۳، ۵۲۶، ۵۹۶؛ ابن طولون، قضاۃ دمشق، دمشق ۱۹۶۴ء، ص ۴۱-۴۰۔

(۲۲۸) عباسی انقلاب کے داعیوں کے لیے ملاحظہ کیجئے؛ فاروق عمر، طبیعۃ الدعوۃ العباسیۃ، بیروت ۱۹۷۰ء؛ نیز ولہاوزن مذکورہ بالا، آخری دو باب۔

(۲۲۹) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدالتی فیصلوں پر مبسوط کتابیں لکھی گئی ہیں۔کتانی، اول، ص ۳ - ۲۵۱ نے اس موضوع پر ایک خاص فصل باندھی اور ان میں سے بیشتر کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ذیل میں ان میں سے کچھ کتابوں کے نام درج ہیں؛

(الف) ابن الطلاع، "کتاب اقضیۃ رسول اللہ"۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل کتاب (ب) پر مبنی ہے۔

(ب) ابوبکر ابن ابی شیبہ، "کتاب اقضیۃ رسول اللہ"۔

(ج) ظہیر الدین علی بن عبدالعزیز المرغینانی الحنفی (متوفی ۵۰۶ھ/ ۱۱۱۲ء)، "کتاب اقضیۃ الرسول"۔ اس کتاب پر متعدد حواشی اور شروح لکھی گئیں۔

(د) ابن ابی مروان اشبیلی (متوفی ۵۴۹ھ/ ۱۱۵۴ء) "المنتخب المنتقیٰ"۔ مندرجہ ذیل کتاب (س) اس پر مبنی ہے۔

(س) ابو محمد عبدالحق اشبیلی کی تصنیف۔

(ص) ابو علی حسین بن المبارک الموصلی (متوفی ۷۴۲ھ/ ۱۳۴۱ء)، "الفتاوی النبویۃ فی المسائل الدینیۃ و الدنیویۃ"۔

(ط) ابن قیم الدمشقی (شمس الدین محمد بن ابی بکر) (متوفی ۷۵۱ھ/ ۱۳۵۰ء)، "اعلام الموقعین عن رب العالمین"۔

(ع) سید صدیق حسن خاں بھوپالی (متوفی ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) "بلوغ الصول فی اقضیۃ الرسول"۔

اس موضوع پر قدیم و جدید مورخین اور محققین نے جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں، متعدد کتابیں لکھی ہیں۔

اتنی بڑی تعداد میں اس موضوع پر کتابوں کا لکھا جانا بلا ریب ثابت کرتا ہے کہ عہدِ نبوی میں عدالتی ارتقاء ہو چکا تھا چاہے اس کی شکل بالکل ابتدائی رہی ہو۔

(۴۳۰) مذکورہ بالا (۴۳۱) ایضاً، ص ۵۶ - ۲۵۳۔

(۴۳۲) ایضاً، ص ۶۴-۲۵۶ (۴۳۳) ایضاً، ص ۲۵۸۔

(۴۳۴) کتاب المحبر، ص ۸-۱۲۵، ان کے لیے لفظ "امراء" استعمال کرتی ہے جبکہ فتوح البلدان، ص ۸۰ کا بیان ہے کہ حضرت معاذ کو "قضا" کا عہدہ سونپا گیا تھا۔ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۹، نے ایسے عدالتی کارکنوں کا ذکر "عمال" میں کیا ہے اور حضرت معاذ کا نام ان میں شامل ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق، ص ۶۴۴؛ ابن ہشام، ص ۵۹۰؛ ابن سعد، اول، ص ۵ - ۲۶۴؛ طبری، سوم، ص ۱۲۱، ۹ - ۲۲۸؛ بخاری، باب وجوب الزکاۃ؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۸ - ۳۷۶؛ نیز کتانی، اول، ص ۲۴۰ وغیرہ۔

(۴۳۵) کتانی، اول، ص ۲۵۸ - (۴۳۶) ایضاً، ص ۲۵۹ - (۴۳۷) ایضاً

(۴۳۸) ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، مرتبہ سید احمد خاں، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۷-۳۱۶۔

(۴۳۹) کتانی، اول، ص ۵ - ۲۸۴ - (۴۴۰) ایضاً

(۴۴۱) ایضاً۔ کسی شے کا بغیر تولے، ناپے اور شمار کیے یوں ہی ڈھیری کی شکل میں خریدنا یا بیچنا مجازفہ کہلاتا ہے۔

(۴۴۲) ایضاً (۴۴۳) ایضاً

(۴۴۴) طبقات، دوم، ص ۱۴۵ - نیز ملاحظہ کیجئے محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق، ص ۵۲، جس کا بیان ہے کہ مکہ میں روزانہ بازار لگتا تھا۔

(۴۴۵) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۸۷ -

(۴۴۶) ملاحظہ ہو باب پنجم بحث اقتصادی دولت مہاجرین و انصار۔

(۴۴۷) واقدی، ص ۹۰ - ۹۸۹ -

باب پنجم

(۱) ملاحظہ کیجئے محمد تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام، علی گڑھ ۱۹۸۰ء؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی، معاشیات اسلام، مرتبہ خورشید احمد، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۸۱ء۔

(۲) مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۸-۲۰۵؛ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مکہ، ص ۹۶-۸۲۔

(۳) سید جلال الدین عمری، "کمزور کے مسائل اسلام نے حل کئے ہیں"، تحقیقات اسلامی، جنوری ۱۹۸۲ء، ص ۸۹-۸۴۔

(۴) مذکورہ بالا صحابہ کرام کی مکی عہد میں دولتمندی کے لیے ملاحظہ کیجئے: بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۲، ۲۶۱، ۲۷۰ وغیرہ؛ ابن سعد، سوم، ص ۶۰، ۲۶-۱۲۵، ۳-۱۶۲، ۲۱۵، ۲۲۸، ۲۶۲؛ ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ ص ۱۷-۲۱۹، ۲۲۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے مارگولیتھ MUHAMMAD AND THE RISE OF ISLAM، لندن ۱۹۰۵ء، ص ۹۶، ۱۰۰-۹۹، ۱۰۱؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۱۹۱ وغیرہ؛ نیز خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" تحقیقات اسلامی، اپریل۔ جون ۱۹۸۳ء، ص ۲۳-۱۴۔

(۵) خاکسار کا مضمون "کیا مہاجرین مکہ خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے؟" (۶) ایضاً

(۷) انساب الاشراف، اول، ص ۲۶۱۔ (۸) ایضاً

(۹) اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو مہاجرین پر خاکسار کا مضمون مذکورہ بالا۔ نیز "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں: محرکات، مسائل اور مقاصد" برہان دہلی، دسمبر ۱۹۸۲ء۔ اگست ۱۹۸۳ء۔

(۱۰) ان مباحث کے لیے ملاحظہ ہوں خاکسار کے دو مضمون، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۱، شمارہ ۴ اور جلد ۲، شمارہ ۲۔

(۱۱) تحقیقات اسلامی، جلد ۲، شمارہ ۲۔

(۱۲) ابن اسحاق، ص ۴-۳۶۳؛ واقدی، ص ۱۷۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے برکات احمد، محمد اینڈ دی جیوز، مذکورہ بالا۔

(۱۳) ابن اسحاق، ص ۸-۳۷۴؛ واقدی، ص ۳۰۰، ۳۷۲، ۵-۳۷۴، ۸-۳۷۷؛ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۴-۳۱؛ نیز برکات احمد، مذکورہ بالا۔

(۱۴) واقدی، ص ۵۰۱، ۵۲۱ وغیرہ؛ فتوح البلدان، ص ۳۶-۳۴؛ نیز برکات احمد، مذکورہ بالا۔

(۱۵) واقدی، ص ۶۳۴، کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی حداد اسلمی نے مدینہ کے ایک یہودی مہاجن ابوالشحم سے پانچ درہم قرض لیا تھا جو غزوۂ خیبر کے ذرا پہلے ادا کیا تھا۔ اس روایت میں سودی رقم کا ذکر نہیں ہے۔ دوسرے قرض کی رقم بہت معمولی ہے۔ خیال ہے کہ کاتب کی غلطی سے پانچ کے بعد کوئی تعداد تحریر میں آنے سے رہ گئی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۷۹ اور ص ۳۷۴، جس کے مطابق بنو قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں نے انصار کو کافی بڑی رقمیں سود پر ادھار دی تھیں جو انھوں نے اپنی جلاوطنی سے پہلے وصول کی تھیں۔ واقدی، ص ۳۷۴ ہی کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسید بن حضیر نے جو اوس کے ایک بڑے سردار تھے بنو نضیر کے ایک مالدار یہودی مہاجن ابو رافع سلام بن ابی الحقیق سے اسی دینار ایک سال کے عرصہ کے لیے لیے تھے اور اس پر ان کو پچاس فیصد سود کے مطابق سال کے بعد ایک سو بیس دینار ادا کرنے تھے۔ بہرحال اس سے پہلے ہی یہودی مہاجن کو جلاوطن ہونا پڑا اور معاہدہ کے مطابق اسے صرف اصل مال یعنی اسی دینار ہی پر اکتفا کرنا پڑا۔ واقدی، ص ۹-۱۸۸، کا مزید بیان ہے کہ بنو نضیر سے متعلق ایک اور یہودی مہاجن کعب بن اشرف رہن کی ضمانت پر سودی ادھار دیتے تھے۔ متعدد مآخذ

سے معلوم ہوتا ہے کہ رہن میں زمین ، باغ ، کھیت ، ہتھیاروں، سونے چاندی کے زیورات کے علاوہ بیوی بچوں کو بھی رکھنے کا رواج تھا۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم ، ص ۱۰۳ کے مطابق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے مقروض اپنے آخری وقت میں بھی تھے ۔ ان کے علاوہ متعدد اور مثالیں بھی مسلمانانِ مدینہ کے یہودیوں کے مقروض ہونے کی مآخذ میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی مہاجن مسلمانوں کے ساتھ لین دین کا کاروبار کر کے ہی مالدار بنے تھے ۔

(۱۶) بلاذری ، انساب الاشراف ، اول، ص ۳۱۳ وغیرہ ۔

(۱۷) اراضی مدینہ کی تقسیم کے لیے ملاحظہ کیجئے اس باب میں بحث پر " نظام قطائع "۔

(۱۸) ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۷ - ۲۸۶ ؛ مارگولیتھ ، مذکورہ بالا ، ص ۹۶ ، ۱۰۱ - ۹۹ -

(۱۹) ابن سعد، سوم، ص ۶۱۵ وغیرہ۔ بخاری ، باب فضل المنیحہ ؛ شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۲۷۰؛ زرقانی کے مطابق وہ ایک دن میں اسی مہمانوں کو کھانا کھلاتے تھے اور ان کی بھرپور خاطر تواضع کرتے تھے ؛ نیز ملاحظہ کیجئے ان کے عطیات کے لیے اگلی بحث۔

(۲۰) ابنِ سعد، سوم ، ص ۳۶ - ۴۲۰ ۔

(۲۱) انساب الاشراف ، اول، ص ۲۶۷ ۔

(۲۲) واقدی، ص ۳۱ - ۳۲۹ ۔

(۲۳) مسلم، صحیح ، باب الصدقات ۔

(۲۴) بخاری، باب الرطب والتمر ؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی ، ص ۴۰۲ - ۴۰۰ ۔

(۲۵) بخاری، کلام الرب مع اہل الجنۃ ؛ واقدی، ص ۲۰۷ ، ۲ - ۴۰۱ ، ۴۰۵ ۔

(۲۶) واقدی، ص ۲۰۷ ، ۳۷۵ ، ۲ - ۴۰۱ ، ۹ - ۵۳۵ وغیرہ ۔

(۲۷) اسد الغابہ ، سوم، ص ۳۱۶ ، ان کا مالِ تجارت عہدِ نبوی ہی میں سات سو اونٹوں پر لد کر آنے لگا تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۳۳ - ۱۲۴ ؛ بخاری ، کتاب البیوع ۔

(۲۸) ابن سعد، سوم، ص ۶۰ وغیرہ ؛ بخاری، کتاب البیوع ، کتاب الشرب ؛ مسند احمد بن حنبل، اول ، ص ۶۲ ؛ چہارم، ص ۴۰۰ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی ، اول ، ص ۲۶۶ ؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۵۲۳ ۔

(۲۹) بحوالہ مارگولیتھ، ص ۱۴ ، ۶۸ ، ۶۹ ؛ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۱۲ اور ۳۷۴ جو سوق الظہر اور سوق المدینہ کا حوالہ دیتے ہیں ۔ اول الذکر بقیع کے پاس واقع تھا۔ یہ دونوں سوق بنی قینقاع کے علاوہ تھے ۔

(۳۰) کتاب المحبر، ص ۸ - ۲۶۳ ؛ نیز ملاحظہ ہو ازرقی ، مذکورہ بالا ، ص ۳۲ - ۱۳۱ ۔

(۳۱) ازرقی ، مذکورہ بالا ، ص ۲ - ۱۳۱ ؛ واقدی ، ص ۲۹۵ ۔

(۲۲) واقدی، ص ۸۰-۳۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰۔

(۲۳) ایضاً

(۲۴) واقدی، ص ۱۰۲ وغیرہ۔

(۲۵) واقدی، ص ۶۸۲-۶۸۰ وغیرہ۔

(۲۶) واقدی، ص ۵۶۴۔

(۲۷) مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، چہارم، پنجم، اور اسد الغابہ اور اصابہ، استیعاب وغیرہ میں ان صحابہ کرام کے سوانحی خاکے۔

(۲۸) بخاری، فضائل الانصار؛ نیز ملاحظہ ہو قرآن کریم، سورہ الدہر، آیت ۷، ؛ طبری، تفسیر، آیت مذکورہ بالا۔

(۲۹) بخاری اور مسلم، کتاب المغازی، کتاب الصدقات؛ ترمذی، باب معیشۃ النبی؛ زرقانی، اصحاب الصفہ؛ ابوداؤد، کتاب الادب، کتاب الاطعمہ، کتاب الصدقات؛ نیز ترمذی، کتاب الصدقات۔

(۴۰) مسلم، باب الصدقات۔

(۴۱) ابن اسحاق، ص ۳۰۹ وغیرہ؛ واقدی، ص ۱۱۹؛ بخاری، غزوہ بدر؛ بخاری ہی کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر حضرت عباس بن عبدالمطلب کو جو اس وقت تک کافر تھے عبداللہ بن ابی بن سلول نے اپنا کرتا دیا تھا کہ اور کسی کا کرتا ان کے آتا ہی نہ تھا۔ اس احسان کے بدلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتا عبداللہ بن ابی کے کفن کے لیے عطا کیا تھا۔

(۴۲) واقدی، ص ۴۹۵، کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بسر بن سفیان کو کپڑے خریدنے کا حکم دیا تھا جو وہ مکہ سے خرید کر لائے تھے۔

(۴۳) واقدی، ص ۴۵۲ وغیرہ۔

(۴۴) واقدی، ص ۵۰۰۔

(۴۵) واقدی، ص ۵۴۷۔

(۴۶) واقدی، ص ۵۷۷-۶۔

(۴۷) سنن، باب فی المرأۃ والعبد یخدمان من الغنیمۃ۔

(۴۸) واقدی، ص ۶۹۱۔

(۴۹) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۳۰۴؛ طبری، سوم، ص ۱۰۲۔

(۵۰) مذکورہ بالا، سوم، ص ۳۱۶-۲۳ وغیرہ۔

(۵۱) ابن سعد، سوم، ص ۶۲۳۔

(۵۲) بخاری، باب بناء المسجد، باب الہجرۃ؛ نیز ابوداؤد، باب بناء الہجرۃ۔

(۵۳) بخاری، باب فضل المنیحہ۔

(۵۴) ابن سعد، سوم، ص ۴۸۸۔

(۵۵) طبری، اول، ص ۱۵۲۸ بحوالہ مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۵۲۔

(۵۶) ابن اسحاق، ص ۲۴۲؛ واقدی، ص ۲۶۲-۳۔ واقدی نے ان کے نام اس طرح گنائے ہیں: المیثاب،

العضبۃ، الدلال، حُسنیٰ، برقہ، الاعوف، اور مشربہ ام ابراہیم۔

(۵۷) انساب الاشراف، اوّل، ص ۵۳۶، کا بیان ہے کہ انھوں نے اس کو چار ہزار دینار میں خریدا تھا مدینہ کے کنوؤں کے لیے جن سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تھا ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۲۸-۵۲۵۔

(۵۸) واقدی، ص ۱۷۔

(۵۹) ابن اسحاق، ص ۲۸۷؛ واقدی، ص ۱۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۷۲۔

(۶۰) انساب الاشراف، اول، ص ۳-۲۷۲، کا بیان ہے کہ دو قیدیوں میں سے ایک حضرت حکم بن کیسان مسلمان ہوگئے تھے جبکہ عثمان بن عبداللہ بن ابی امیہ نے زرِ فدیہ ادا کرکے رہائی پائی تھی۔ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۸۸؛ واقدی، ص ۱۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱ اور طبری، دوم، ص ۱۳۔

(۶۱) واقدی، ص ۳-۱۰۰؛ اونٹوں کے لیے تین الفاظ ـــ بعیر، جمل اور ظہر ـــ استعمال کیے گئے ہیں۔

(۶۲) واقدی، ص ۹۹۔

(۶۳) واقدی، ص ۱۰۳، کے مطابق آپ کی صفی میں مشہور تلوار ذوالفقار شامل تھی جو دراصل منبہ بن حجاج سہمی کی تھی۔ آپ کو ابوجہل مخزومی کا قیمتی اونٹ اور حصہ مالِ غنیمت ملا تھا جس کی قیمت کچھ برسوں بعد سو اونٹوں کے برابر آنکی گئی تھی۔ واضح رہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ غنیمت ایک عام مجاہد کے حصہ کی مانند تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۱۹-۱۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۹۴۔

(۶۴) واقدی، ص ۱۰۱-۱۰۰۔ (۶۵) واقدی، ص ۹۸۔

(۶۶) ملاحظہ فرمائیے واقدی ص ۱۴۰، جن کا بیان ہے کہ ابو عزیز عبدری کی والدہ قریشِ مکہ میں بڑی متمول تھیں۔ انھوں نے پہلے یہ معلوم کیا تھا کہ فدیہ کی گراں ترین شرح کیا ہے اور پھر اس کے مطابق اپنے فرزند کا زرِ فدیہ ادا کیا تھا کیونکہ وہ اپنے لیے افتخار یہاں بھی برقرار رکھنا چاہتی تھیں۔

(۶۷) مکمل بحث کے لیے ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۱۸-۳۱۱؛ واقدی، ص ۴۴-۱۳۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۵-۳۰۱؛ نیز ملاحظہ ہو لیعقوبی، تاریخ، دوم، ص ۴۶ جس کے مطابق ۶۸ قیدیوں نے فدیہ ادا کیا تھا لیکن یہ روایت بوجوہ معلوم غلط ہے۔

(۶۸) واقدی، ص ۳-۱۴۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳-۳۰۲؛ نیز ابن اسحاق، ص ۳۱۲۔

(۶۹) واقدی، ص ۹-۱۷۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۰-۲۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔

(۷۰) مذکورہ بالا مورخین کے مطابق صفی رسول تین کمانوں، اتنی ہی تلواروں اور نیزوں اور دو زرہ بکتروں پر مشتمل تھی۔

(۷۱) برکات احمد، مذکورہ بالا۔

(۷۲) ابن اسحاق، ص ۳۶۱؛ واقدی، ص ۸۲-۱۸۱؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۱-۳۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰۔

(۷۳) واقدی، ص ۱۸۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۳۱؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۱۰، جس کا بیان ہے (ایک روایت کے مطابق) کہ مالِ غنیمت "نعم اور شاۃ" پر مشتمل تھا۔

(۷۴) واقدی، ص ۱۹۸؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۳۶؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴؛ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق ص ۳۶۴۔ بیان یہ کیا جاتا ہے کہ قریش نے اس کاروانِ تجارت میں خاصی خطیر رقم لگا دی تھی۔ ان کے دو اہم تاجروں ابوزمعہ اور صفوان بن امیہ نے تقریباً تین سو مثقال چاندی اور سونے کے علاوہ تین ہزار درہم کی مالیت کی چاندی کی سلاخیں (خام چاندی) بھی تجارت کے لیے بھیجی تھی۔ اس سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ مکی تاجر خام چاندی کے علاوہ چاندی اور سونے کی بنی ہوئی اشیا کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مگر یہ تجارت جو شام سے ہوتی تھی بدر کے معرکۂ عظیم کے بعد بند ہوگئی تھی جیسا کہ واقدی، ص ۱۹۷ کا بیان ہے کیونکہ "باشندگانِ سواحل نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدۂ اتحاد کر لیا تھا"۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بدر کی جنگ نے سیاسی اور اقتصادی معاہدوں کی نوعیت بدل دی تھی اور جزیرہ نمائے عرب کی سیاست میں توازن کا پلّہ مدینہ کے حق میں جھکا دیا تھا؛ نیز ملاحظہ کیجئے واقدی، ص ۲۵-۶، جہاں انھوں نے بدر سے قبل شام جانے والے مکی کارواں کی مالیت پچاس ہزار دینار بیان کی ہے۔ اس موقعہ پر بھی ان کا خاص مالِ تجارت چاندی ہی تھی۔

(۷۵) واقدی، ص ۳۴۵؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۴-۵۔

(۷۶) واقدی، ص ۳۷۴، ۳۷۷ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۳۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۴۳۷-۳۹۔

(۷۷) واقدی، ص ۴۰۳-۴؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۰۔

(۷۸) ابن اسحاق، ص ۴۹۳؛ واقدی، ص ۴۱۱ اور ابن سعد، دوم، ص ۶۴ کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے بنو مصطلق کے سو خاندانوں کو اپنی طرف سے آزادی دے دی تھی لیکن انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۱ نے اپنی دو روایات میں سے ایک میں یہ بیان کیا ہے کہ قیدیوں کی رہائی حضرت جویریہ کی شادی کی شرط تھی۔ یہ دوسری روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ حضرت جویریہ کی شادی کی اگر کوئی شرط کہی جا سکتی ہے تو وہ مکاتبت کی رقم تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے "دو حصہ داروں" کو ادا فرمائی تھی۔

(۷۹) واقدی، ص ۴۱۲-۱۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان قیدیوں نے زرِ فدیہ دے کر رہائی حاصل کرنے کا کام حضرت جویریہ کی شادی سے قبل انجام دے لیا تھا ورنہ وہ بھی بلا فدیہ آزاد ہو جاتے۔

(۸۰) واقدی، ص ۴۱۲۔

(۸۱) واقدی، ص ۴۱۱۔

(۸۲) واقدی، ص ۴۱۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۴؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۲۔

(۸۳) واقدی، ص ۵۱۰، ۵۱۳، ۲۲-۵۲۱ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۷۔

(۸۴) واقدی، ص ۲۳-۵۲۲۔

(۸۵) روایت ہے کہ حضرت ثابت کی سفارش پر زبیر بن باطا کے خاندان کو جن سے صحابی موصوف کے پرانے خاندانی تعلقات تھے ان کی تمام جائداد غیر منقولہ (اموال) اور منقولہ سمیت آزاد کر دیا گیا تھا اور ان کو مدینہ منورہ میں سکونت پذیر رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ ان کے ہتھیار البتہ لے لئے گئے تھے۔ بعد میں یہ یہودی خاندان مدتوں تک انصاری ثابت کے خاندان کے ساتھ مل کر رہا تھا اور مدینہ کی آبادی کا ایک اٹوٹ حصہ بن گیا تھا۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۵۲۰۔

(۸۶) حضرت ام منذر کی سفارش پر ایک اور یہودی رفاعہ بن سموال کو رہا کر دیا گیا تھا۔ روایت میں اگرچہ اس کے خاندان اور اموال کا ذکر نہیں ہے تاہم اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ان کا معاملہ بھی زبیر بن باطا کے خاندان کے معاملے سے مختلف نہیں تھا ملاحظہ ہو واقدی ص ۱۵-۵۱۴۔

(۸۷) واقدی، ص ۵۲۳۔

(۸۸) واقدی، ص ۵۲۴؛ نیز ملاحظہ ہو مذکورہ بالا 'ص ۳-۵۲۲' جس کے مطابق ابوالشحم یہودی نے جو مدینہ منورہ کا ایک مالدار مہاجن اور تاجر تھا دو یہودی قیدی عورتوں کو ان کے چھ چھوٹے چھوٹے بچوں سمیت صرف ایک سو پچاس دینار میں خریدا تھا۔ درہم میں یہ رقم ۱۸۰۰ کے قریب آتی ہے۔

(۸۹) واقدی، ص ۵-۵۴۴ 'کے بیان کے مطابق ایک جزور (عام اونٹ) دس بھیڑ بکریوں کے برابر مانا جاتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۶۔

(۹۰) واقدی، ص ۵۵۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۵؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۱) واقدی، ص ۲-۵۵۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۲) واقدی، ص ۴-۵۵۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۳) واقدی، ص ۵۵۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۸۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔ بھیڑ بکریوں کی تعداد میرے حساب پر مبنی ہے۔ واقدی کا بیان صرف اتنا ہے کہ بیس اونٹ اس سریہ کے پندرہ مجاہدین میں تقسیم کیے گئے تھے اور اس سے قبل مالِ غنیمت کا خمس نکال لیا گیا تھا۔ چنانچہ ہر مجاہد کو دو اونٹ یا اس کے مساوی بھیڑ بکریاں حصہ میں ملی تھیں، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک اونٹ کی شرح تبادلہ دس بھیڑ بکریاں تھیں۔

(۹۴) واقدی، ص ۵۵۹؛ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۷۔

(۹۵) واقدی، ص ۵۶۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۹۰۔

(۹۶) روایت یہ ہے کہ وہ باندی بطور تحفہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی مگر آپ نے اس کی

شادی حضرت حزن بن وہب سے کر دی۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۵۶۵۔

(۹۷) واقدی، ص ۶۶۴، ۶۶۸، ۶۷۲، ۶۸۰ وغیرہ۔ اشیائے خوردنی اور رسد جو، کھجور، گھی (سمن)، شہد، تیل (زیت) اور مکھن (ودک) پرمشتمل تھی۔ برتنوں میں سونے، چاندی، تانبے کے علاوہ کافی تعداد میں مٹی کے (فخار) بھی تھے۔ صعب بن معاذ کے قلعہ میں جو مالِ غنیمت ملا تھا وہ کشیدہ کاری کے کام کے یمنی کپڑے کے بیس تھانوں (عِکَم) اور پندرہ سو چادروں (قطیفہ/ قطائف) پرمشتمل تھا۔ ابی الحقیق کے خزانے میں ملنے والے زیورات میں کڑے (اسورہ)، بازو بند (دمالف)، پازیب (خلاخل)، چھوٹی انگوٹھیاں (خواتم)، بڑی انگوٹھیاں (فتخ)، بُندے بالیاں (قراط)، سونے کے اور ہیروں کے ہار (نُظم) چاندی سونے کے برتنوں کے علاوہ تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے قیدی بھی گرفتار ہوئے تھے۔ لیکن وہ صرف نزار اور کتیبہ کے قلعہ میں ملے تھے۔ کتیبہ کے قیدیوں کی تعداد دو ہزار سے اوپر تھی مگر وہ سب رہا کر دئے گئے تھے اور ان کے اموال ان کے تصرف میں دے دیئے گئے تھے جبکہ ان سے صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔

(۹۸) واقدی، ص ۶۸۸۔ (۹۹) ایضاً، ص ۷۰۰۔

(۱۰۰) ایضاً، ص ۷۱۱۔ (۱۰۱) ایضاً

(۱۰۲) انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔

(۱۰۳) واقدی، ص ۷۲۷، ۷۲۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱۹-۱۲۰۔

(۱۰۴) واقدی، ص ۷۵۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۵؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۷۹۔

(۱۰۵) واقدی، ص ۷۵۳-۷۵۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۷؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۰۔

(۱۰۶) واقدی، ص ۷۶۹، کا بیان ہے کہ اس طرح جو مالِ غنیمت ملا تھا وہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ گویا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خمس نہیں نکالا گیا تھا۔

(۱۰۷) واقدی، ص ۷۷۱۔

(۱۰۸) واقدی، ص ۷۸۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۱۔

(۱۰۹) واقدی، ص ۹۴۳-۹۴۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۴-۱۳۵۔

(۱۱۰) ابن اسحاق، ص ۵۹۲ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۴۹-۹۵۰ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۵۴۔

(۱۱۱) ابن اسحاق، ص ۶۶۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۲ جس کا بیان ہے کہ ان پر حملہ اس لئے کیا گیا تھا کہ انھوں نے صدقات (محاصل) روک لیے تھے۔

(۱۱۲) واقدی، ص ۹۷۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۲۔

(۱۱۳) واقدی، ص ۹۸۴، ۹۸۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۴۔ انساب الاشراف، اول ص ۳۸۲۔

(۱۱۴) واقدی، ص ۱۰۲۷، ۱۰۲۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۹۔
(۱۱۵) واقدی، ص ۱۰۸۰-۱۰۸۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۷۰؛ نیز ملاحظہ کیجئے انساب الاشراف، اول، ص ۳۸۴، جس کا بیان ہے کہ حضرت علی نے اس مہم میں کسی سے کوئی جنگ نہیں کی تھی اور وہ صرف وہاں سے "صدقہ" لے کر آئے تھے۔ طبری، سوم، ص ۱۳۱-۱۳۲، کا یہ بیان قطعی غلط ہے کہ جب حضرت خالد بن ولید مخزومی یمن کی اپنی مہم میں ناکام ہو گئے تھے تو ان کی جگہ حضرت علی کو بھیجا گیا تھا اور انھوں نے کامیابی کے ساتھ ہمدان کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کر لیا تھا۔ حالانکہ معاصر تاریخی دستاویزات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اپنے مشن میں پورے کامیاب رہے تھے۔
(۱۱۶) کتاب المحبر، ص ۱۱۲۔
(۱۱۷) واقدی، ص ۱۷۶-۱۸۱؛ برکات احمد، مذکورہ بالا؛ حمید اللہ، مذکورہ بالا۔
(۱۱۸) ابن اسحاق، ص ۳۶۳-۳۶۴؛ واقدی، ص ۱۷۶، ۱۰۲۹، کا بیان ہے کہ سوق بنی قینقاع مدتوں تک موجود اور تجارتی مرکز رہا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔
(۱۱۹) وہ لوگ مآخذ کے الفاظ میں "قلعوں والے" تھے کیونکہ قلعوں (حصون) کے مالک تھے اور ان کے اندر ہی بستے تھے ملاحظہ ہو واقدی، ص ۱۸۱، ۵۶۳، ۶۳۴، ۶۲۹۔
(۱۲۰) واقدی، ص ۱۸۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔
(۱۲۱) واقدی، ص ۱۸۲؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۰۹۔
(۱۲۲) ابن اسحاق، ص ۳۶۳؛ واقدی، ص ۱۷۷۔
(۱۲۳) ابن اسحاق، ص ۳۷۴-۳۷۹؛ واقدی، ص ۳۶۹، ۳۷۲ وغیرہ۔
(۱۲۴) واقدی، ص ۳۷۸۔
(۱۲۵) واقدی، ص ۳۷۷-۳۷۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۸، جس کا بیان ہے کہ وہ اراضی بطور تحفہ/ انعام تقسیم کی گئی تھی نہ کہ بطور مال غنیمت کے حصہ کے۔
(۱۲۶) یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۲۱؛ نیز ابو یوسف، کتاب الخراج، بلاق طبع، قاہرہ ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء، ص ۳۹۔
(۱۲۷) واقدی، ص ۳۷۸۔
(۱۲۸) واقدی، ص ۳۷۸-۳۷۹۔ (۱۲۹) ایضاً۔
(۱۳۰) مذکورہ بالا، ص ۲۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے ص ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۴۔
(۱۳۱) واقدی، ص ۳۷۹-۳۸۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۳۹، جن کا خیال ہے کہ بنو نضیر اور

بنو قریظہ کی اراضی میں سے کوئی بھی تقسیم نہیں کی گئی تھی؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، دوم، ص ۵۸ جو واقدی سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔

(۱۳۲) ابن سعد، سوم، ص ۳ - ۱۴۲۔

(۱۳۳) واقدی، ص ۴۹۹، ۲-۵۰۱ اور ۵۲۱ وغیرہ۔

(۱۳۴) کتاب الخراج، ص ۷۰ اور ۷۴۔

(۱۳۵) واقدی، ص ۵۲۱ وغیرہ؛ کتاب الخراج، مذکورہ بالا۔

(۱۳۶) واقدی، ص ۲-۵۲۱۔

(۱۳۷) یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۷۰، ۷۴، حضرت زبیر بن عوام اور ان کے ایک پڑوسی انصاری کاشتکار کے درمیان آبپاشی کے لیے پانی کے بٹوارے کے ضمن میں وادی مہروز کا حوالہ دیتے ہیں۔ روایت کے مطابق چشمہ کا پانی پہلے حضرت زبیر کی زمین سے ہو کر گمنام انصاری کے کھیتوں میں جاتا تھا۔ انصاری نے دعویٰ کیا کہ پانی پہلے انھیں ملنا چاہیئے حضرت زبیر نے انکار کیا۔ مقدمہ دربارِ رسالت میں پہنچا۔ آپ نے حضرت زبیر کے حق میں فیصلہ دیا اور ہدایت کی کہ ضرورت بھر کا پانی لینے کے بعد پھر پانی انصاری کے کھیتوں میں جانے دیں کیونکہ ان کے کھیت پانی کے زیادہ قریب تھے انصاری کو نہ صرف یہ کہ فیصلہ سے اختلاف تھا بلکہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر روایت کے مطابق اقرباپروری کا الزام لگایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ پہلے میں نے فیصلہ انسان دوستی اور صلۂ رحمی کی بنیاد پر کیا تھا مگر اب حق و انصاف کی بنا پر فیصلہ کرتا ہوں کہ زبیر اپنے کھیتوں کو سیراب کر لینے کے بعد بھی بقیہ پانی روکے رکھیں اور انصاری کے کھیت میں نہ جانے دیں کہ اس پانی پر مؤخرالذکر کا کوئی حق نہیں۔

(۱۳۸) ابن اسحاق، ص ۵۲۱ کا بیان ہے کہ" اس کی دو وادیاں السُّریر اور خاص در اصل خیبر کا علاقہ تھیں اور پورا علاقہ انھیں دونوں کی اراضی پر مشتمل تھا جبکہ اس کے دو قلعے نطاۃ اور الشق میں اٹھارہ حصے (سہمان) تھے: النطاۃ میں صرف ۵ اور الشق میں ۱۳۔ ان دونوں علاقوں کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ہر حصہ مسلمانوں کے سو حصوں کا نمائندہ تھا گویا ان دونوں علاقوں میں مسلمانوں کے کل ۱۸۰۰ حصے واقع تھے۔

(۱۳۹) واقدی، ص ۶۹۰۔

(۱۴۰) ابن اسحاق، ص ۵۲۵؛ واقدی، ص ۸-۷۷۳، ۲-۶۹۲، ۶۸۹ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۲-۲۱؛ طبری، سوم، ص ۱۹۔

(۱۴۱) واقدی، ص ۶۹۰ کا خیال ہے کہ اس کی پیداوار کی پچاس فیصد تقسیم کھجوروں اور تمام دوسری فصلوں کو حاوی تھی۔

(۱۴۲) کتاب الخراج، ص ۳۹۔

(۱۴۳) ابن اسحاق، ص ۵۲۲ کے مطابق کتیبہ کا دوسرا نام "وادی خاص" تھا۔

(۱۴۴) واقدی، ص ۶۹۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۲۱۔

(۱۴۵) واقدی، ص ۶۹۳ میں شعیر (جَو) ہے جبکہ مجموعۃ الوثائق، ص ۲۲ میں قمح (گیہوں) ہے۔ لیکن یہ اس کے کئی دستاویزات میں سے ایک میں ہے۔ یعنی بہ اختلافِ روایات جَو اور گیہوں دونوں کا ذکر آیا ہے۔

اوزان وسق اور صاع وغیرہ کے لیے ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۱۰۰-۹۶ جن کے مطابق ان کا باہمی تناسب یہ تھا:

۱ وسق = ۶۰ صاع

یا ۱ وسق = ۶۰ قفیز (حجاجی، یعنی حجاج بن یوسف ثقفی گورنرِ عراق در خلافت اموی)

۱ صاع/قفیز = ۸ رطل

حجاجی قفیز در اصل حضرت عمر بن خطاب کے صاع پر مبنی تھی۔ ملاحظہ ہو، ص ۱۰۱-۱۰۰۔

ہندوستانی اوزان میں صاع اور وسق کی تبدیلی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ علمائے ہندوستان کے مطابق ایک صاع پونے دو کلو سے کچھ کم ہوتا ہے اس طرح ایک وسق میں ۹۵ کلو کے قریب پڑتے ہیں۔ آسانی کے لیے اس کو ایک کوئنٹل کر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد حسابی کوئنٹل نہیں ہے۔

(۱۴۶) واقدی، ص ۶۹۱۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل پیداوار خیبر اس طرح تھی:

کھجور = ۸۰,۰۰۰ وسق

جَو = ۳۰,۰۰۰ صاع

نوی = ۱۰,۰۰۰ صاع

(۱۴۷) مذکورہ بالا، ص ۵۱۔

(۱۴۸) ابن اسحاق، ص ۴-۵۲۳؛ واقدی، ص ۶۹۱؛ طبری، سوم، ص ۲۱-۲۰۔

(۱۴۹) ابن اسحاق، ص ۵-۵۲۳ اور واقدی، ص ۶۹۱ کا بیان ہے کہ "تخمینہ و تقسیم نصفین کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ یہودیوں سے کہا کرتے تھے: "اگر تمہیں یہ پسند ہے یہ تمہارا (ڈھیر) ہے اور تم کو میرے تخمینہ اور تقسیم کے نصف کی ضمانت دینی ہوگی۔ اگر تم چاہو تو یہ ہم لے لیں اور ہم تم کو اپنی تقسیم کے نصف ہونے کی ضمانت دوں گا۔" نیز ملاحظہ کیجئے ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۲۹۔ واقدی کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کھجوروں (نخل) کی پیداوار کو چالیس ہزار وسق کے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ یہودیوں نے اپنی عورتوں کے زیورات جمع کیے اور حضرت عبد اللہ کو بطور رشوت پیش کیے اور کہا کہ "یہ سب آپ کے لیے ہے اگر آپ تقسیم میں کچھ ہمارے لئے چھوڑ دیں۔" حضرت عبد اللہ نے سخت لہجہ میں جواب دیا "او یہودیو! میں خدا کی مخلوق میں تم سے سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں تمہارے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی نہیں کر سکتا۔" نیز دیکھئے

ابو یوسف، ص ۵۱۔

(۱۵۰) مذکورہ بالا، ص ۵۱۔

(۱۵۱) ابن اسحاق، ص ۵۲۱، ۵۲۲۔

(۱۵۲) ابن اسحاق، ص ۵۲۲؛ واقدی، ص ۹۰-۶۸۹۔

(۱۵۳) واقدی، ص ۹۰-۶۸۹، ۹-۷۱۸۔

(۱۵۴) ایضاً (۱۵۵) ایضاً، ص ۵۲۲ اور حاشیہ ا۔

(۱۵۶) واقدی، ص ۶۹۱ (۱۵۷) واقدی، ص ۶۹۶ وغیرہ۔

(۱۵۸) ابن اسحاق، ص ۳-۵۲۲؛ واقدی، ص ۹۶-۶۹۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۲۲-۲۰۔

(۱۵۹) ایضاً، ص ۵۲۳۔ (۱۶۰) ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۲۲۔

(۱۶۱) اس روایت کا تعلق ذی قعدہ ۷ھ / مارچ ۶۲۹ء سے ہے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضیہ کے لیے روانہ ہونے والے تھے۔ ملاحظہ ہو واقدی، ص ۷۱۴۔

(۱۶۲) واقدی، ص ۱۴-۷۱۳۔

(۱۶۳) ابن اسحاق، ص ۵۲۳؛ نیز ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۲۸؛ ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۲۹۔

(۱۶۴) واقدی، ص ۷-۷۰۶؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۲۳؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۲؛ طبری، سوم، ص ۱۵ وغیرہ۔

(۱۶۵) واقدی، ص ۷۱۳۔ (۱۶۶) ایضاً، ص ۷۰۷۔

(۱۶۷) واقدی، ص ۷۰۸؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۰-۵۱۹۔

(۱۶۸) طبری، سوم، ص ۱۵۔

(۱۶۹) ابن اسحاق، ص ۵۱۵ اور ۵۲۵؛ طبری، سوم، ص ۱۵۔

(۱۷۰) ایضاً، ص ۷۱۱، کا بیان ہے کہ تیماً اور وادی القریٰ کو شامی حدود میں شمار کیا جاتا تھا؛ نیز ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۴۲۔

(۱۷۱) واقدی، ص ۷۱۱؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۵۲۔

(۱۷۲) ایضاً

(۱۷۳) جزیہ اور خراج یعنی جزیہ علی الرقاب اور جزیہ علی الارض کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو ڈینیل، سی، ڈنیٹ DANIAL C. DENNETT کی معرکۃ الآرا کتاب CONVERSION AND THE POLL TAX IN EARLY ISLAM کیمبرج ۱۹۵۰ء۔

(۱۷۴) ملاحظہ ہو باب چہارم، بحث بر والی۔

(۱۷۵) کتاب الوزرأ و الکتّاب، ص ۱۲۔

(۱۷۶) واقدی، ص ۱۰۱۴، ۴ - ۵۲۳، ۶۹۷، ۸۰۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۵، وغیرہ؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۳۴۔

(۱۷۷) ملاحظہ کیجئے ڈینیٹ کی مذکورہ بالا کتاب اور اس کا اردو ترجمہ از غلام رسول مہر بعنوان جزیہ اور اسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۲ء۔ مزید بحث کے لیے دیکھیے یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۴ - ۵۳ اور ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۳۳، ۳۸ وغیرہ جزیہ کی تعریف کے لیے۔

(۱۷۸) مجموعۃ الوثائق (مکتوبات ۵، ۵۸، ۵۹)، ص ۸ - ۵۶؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۹۲۔

(۱۷۹) ایضاً، ص ۶۱ - ۶۰۔

(۱۸۰) ایضاً، ص ۶۲ - ۶۱ (مکتوب ۶۳، ۶۴) (۱۸۱) ایضاً

(۱۸۲) مجموعۃ الوثائق، ص ۸۲ - ۸۱؛ نیز انگریزی ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۶۰، ۳۵۹۔ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۹۲۔

(۱۸۳) ایضاً (۱۸۴) ایضاً، ص ۷ - ۱۰۶ (۱۸۵) ایضاً، ص ۱۱ - ۱۱۰

(۱۸۶) ایضاً، ص ۱۲ - ۱۱۱ (۱۸۷) واقدی، ص ۱۰۳۰۔

(۱۸۸) واقدی، ص ۱۰۳۱؛ نیز ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۵۴، جن کا بیان ہے کہ جزیہ صرف بالغ مردوں پر عائد کیا جاتا تھا۔ عورتیں اور بچے ہمارے فقہا کی متفقہ رائے کے مطابق اس سے مستثنیٰ تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ استثنا حضرت عمرو بن حزم کے نام مکتوب نبوی میں بیان شدہ تصریحات سے متصادم ہے۔

(۱۸۹) واقدی، ص ۱۰۳۲۔

(۱۹۰) واقدی، ص ۱۰۳۲؛ مجموعۃ الوثائق، ص ۳۶۔

(۱۹۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۳۶۔ یہاں خاندان سے مراد بنو عبد مناف ہے یا قریش کا قبیلہ، نہ کہ بنی ہاشم۔

(۱۹۲) کتاب الخراج، ص ۵۴۔

(۱۹۳) ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۹۳ جنھوں نے اپنے بیان کی بنیاد بخاری اور ابو داؤد کی دو حدیثوں پر رکھی ہے۔

(۱۹۴) زکوٰۃ کے بارے میں آیاتِ قرآنی کے لیے ملاحظہ ہو محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، قاہرہ ۱۹۵۳ء، لفظ زکوٰۃ، ص ۳۲ - ۳۳۱۔

(۱۹۵) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دستاویزات میں اس اصطلاح کے استعمال کے لیے ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۴۳ - ۴۲، ۹ - ۸۸، ۱۲ - ۱۱۰ وغیرہ۔ مزید صفحات کے حوالے آئندہ بھی آئیں گے۔

(۱۹۶) واقدی، ص ۵-۱۰۸۴؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۰۶ مویشیوں اور زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ کے لیے۔
عام طور سے اس ضمن میں فقہی کتب کے حوالوں کو کم دیا گیا ہے کیونکہ ان کے بارے میں عام دلیل یہ ہے کہ ان کے بیانات نظریاتی زیادہ عملی یا تاریخی کم ہیں۔ بہرحال فقہ کے نقطۂ نظر کے لیے ملاحظہ ہو ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۵-۲۴؛ ہدایہ، کتاب الزکوٰۃ۔

(۱۹۷) واقدی، ص ۱۰۸۵- یہی بیان کم و بیش الفاظ میں مجموعۃ الوثائق کے خط بنام حضرت عمرو بن حزم والیٔ نجران کے پایا جاتا ہے ملاحظہ ہو ص ۱۰۶؛ نیز ملاحظہ ہو ص ۱۱۰-۱۲ اور ۱۶۷-۷۰؛ یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۸۱-۸۷۔

(۱۹۸) یحییٰ بن آدم، ص ۹۶- اوزان/نصاب کے لیے ملاحظہ ہو ص ۱۰۰-۹۸۔

(۱۹۹) مذکورہ بالا، ص ۱۰۵، ۱۰۹ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام انھیں ہدایات کے لیے ملاحظہ کیجئے۔

(۲۰۰) یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۱۲۲- اس روایت کا بیان ہے کہ حضرت سفیان ثوری کے مطابق یہ زکوٰۃ پیداوار کا ثلث (⅓) یا ربع (¼) تھی۔

(۲۰۱) انساب الاشراف، چہارم، ص ۱۵۰؛ ابو داؤد، سنن، بحوالہ کتانی، اول، ص ۴۰۰۔

(۲۰۲) انساب الاشراف، اول، ص ۵۳۰۔

(۲۰۳) ملاحظہ کیجئے مجموعۃ الوثائق، ص ۴۰، ۴۲-۳، ۶۲-۴، ۶۷-۸، ۷۰-۷۱، ۷۹، ۸۷-۸، وغیرہ۔

(۲۰۴) مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۲۵۳-۴، جن کا بیان ہے کہ "یہ مسئلہ کہ زکوٰۃ نے کیونکر قانونی مذہبی محصول (LEGAL ALMS) کے معنی حاصل کیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ یہ تبدیلی بعد کے زمانے میں آئی تھی ..... بہرحال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات کے دوران ایک متعینہ تناسب تمام مسلمانوں کے لیے لازمی کر دیا گیا تھا، ایسا سوچنے کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے۔"
مستشرق موصوف اور ان کے ہمنوا جدید مورخوں کا یہ خیال کہ زکوٰۃ تمام مسلمانوں کے لیے ایک فریضہ حیات نبوی کے بعد بنی تھی انتہائی غلط اور گمراہ ہونے کے علاوہ کثیر تاریخی شہادتوں کے خلاف بھی ہے، اس لیے مردود ہے۔

(۲۰۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۴۰، ۴۲، ۷۸-۹، ۱۱۰-۱۱، ۱۲۰ وغیرہ، ۱۴۷-۸، ۱۶۶، ۱۷۰-۲ اور ۱۹۵ وغیرہ۔

(۲۰۶) ایضاً، ص ۱۱۱-۱۲ (۲۰۷) ایضاً، ص ۱۶۴

(۲۰۸) ایضاً، ص ۷۰-۷۱، ص ۷۰ پر عمان کے ایک گاؤں دما کے لوگوں سے زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

(۲۰۹) ایضاً، ص ۴-۶۳۔

(۲۱۰) ایضاً، ص ۸-۶۷؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر، ص ۷۷، جس کا بیان ہے کہ بحرین کے لوگوں نے اپنا خراج حضرت علاء بن حضرمی کے ہمراہ مدینہ بھیجا جو ستر ہزار (درہم) تھا۔ اس کا مزید دعویٰ ہے کہ یہ پہلا "مال" تھا جو مدینہ

پہنچا تھا۔

(۲۱۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۳۰-۱۲۸۔ (۲۱۲) ایضاً، ص ۱۴۹

(۲۱۳) ایضاً، ص ۱۶۵ (۲۱۴) ایضاً، ص ۷۰-۱۶۶۔

(۲۱۵) ایضاً، ص ۷-۱۰۴ (۲۱۶) ایضاً

(۲۱۷) قرآن حکیم، سورہ توبہ، آیت ۱۰۳؛ نیز ملاحظہ ہو واحدی، اسباب النزول، قاہرہ، ص ۹۰-۱۸۹۔

(۲۱۸) طبری، سوم، ص ۴-۱۲۳۔

(۲۱۹) طبری، سوم، ص ۹۵۔

(۲۲۰) ان اصطلاحات کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن ہشام، ص ۹۶۵ وغیرہ؛ واقدی، ص ۹۷۲ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۱-۵۲۹؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۹۲-۹۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، تاریخ، اول، ص ۴-۸۰۳؛ زرقانی، سوم، ص ۳۶۸؛ کتانی، اول، ص ۲۸۳۔ سعایہ کے لیے خاص کر ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۴۰۔

(۲۲۱) ابن سعد، اول، ص ۲۷۰؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۷؛ کتانی، اول، ص ۳۹۲۔ موخر الذکر کا بیان ہے کہ محدث ابو داؤد کی روایت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر ثقفی کو اس کی تعلیم بنفس نفیس دی تھی کہ وہ اپنی قوم کے صدقات کیسے وصول کریں۔

(۲۲۲) ابن اسحاق، ص ۹۴۴؛ واقدی، ص ۹۷۴؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰۔

(۲۲۳) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۶۵۔

(۲۲۴) نسائی، سنن، ص ۳۹۰ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۵۷۔

(۲۲۵) ایضاً۔

(۲۲۶) طبری، سوم، ص ۹۰-۳۸۹؛ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، مرتبہ صلاح الدین المنجد، دمشق، اول، ص ۳۵۴؛ ابن خلدون، اول، ص ۹-۸۹۸۔

(۲۲۷) ملاحظہ کیجئے ضمیمہ سوم۔ (الف) (۲۲۸) ایضاً

(۲۲۹) بخاری اور مسلم، کتاب الصدقات؛ طبری، سوم، ص ۱۲۲؛ نیز ملاحظہ کیجئے حوالہ آئندہ ص ۲۳۷۔

(۲۳۰) ضمیمہ سوم (الف)

(۲۳۱) مسلم، صحیح، کتاب الصدقات۔

(۲۳۲) واقدی، ص ۷-۹۹۶؛ نیز ملاحظہ کیجئے صحیحین، کتاب الصدقات، جہاں یہی واقعہ دہرایا گیا ہے۔

(۲۳۳) واقدی، ص ۹۷۳؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۰؛ نیز طبری، سوم، ص ۱۴۷، اگرچہ ان کی روانگی کی

تاریخ نہیں بیان کرتے تاہم ان کی روانگی کو ۱۰ھ / ۳۲-۶۳۱ء کے سال کے واقعات میں شمار کرتے ہیں۔ انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱ - ۵۲۹، قطعی کسی تاریخ یا زمانہ کا حوالہ نہیں دیتی۔ نیز ملاحظہ ہو زرقانی، سوم، ص ۳۶۸۔

(۲۴۴) مذکورہ بالا، سوم، ص ۱۴۷۔

(۲۴۵) واقدی، ص ۴ - ۹۷۳۔ حضرت عیینہ بن حصن فزاری کے بارے میں واقدی کا بیان زیادہ واضح نہیں ہے۔ نیز ملاحظہ ہو زرقانی، سوم، ص ۹-۳۶۸۔

(۲۴۶) ابن سعد، دوم، ص ۱۹۰۔

(۲۴۷) طبری، سوم، ص ۱۴۷، کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا افسروں حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی کو نجران کے لوگوں سے صدقہ اور جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ایک ہاشمی کو کیونکر عامل صدقات مقرر کیا جا سکتا تھا جبکہ اس کی ممانعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ کی تھی۔ کتانی نے اس موضوع پر جو بحث کی ہے وہ دلچسپ بھی اور اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو پیش بھی کرتی ہے۔ مآخذ کا یہ دعویٰ کہ حضرت علی کو نجران کے علاقے کا "ساعی" (عامل صدقات) مقرر کیا گیا تھا ناقابلِ قبول اور غلط ہے۔ کیونکہ حضرت موصوف کا تعلق بنو ہاشم سے تھا اور اس بنا پر وہ اس منصب پر مقرر نہیں کیے جا سکتے تھے۔ لیکن نسائی کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گورنر مقرر کیا تھا (امرہ) نہ کہ عامل (استعملہ)۔ قاضی عیاض کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت علی کو صدقات کا عامل مقرر کیا گیا ہو لیکن ان کو تنخواہ نہ دی گئی ہو یا ان کو گورنری (عمالہ) ملی ہو لیکن صدقات کی وصولیابی ان کے فرائض میں شامل نہ ہو۔ لیکن بعد کا خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ مآخذ کا واضح بیان ہے کہ وہ وہاں سے صدقات وصول کر کے لائے تھے۔ کتانی کا اپنا خیال ہے کہ حضرت علی کو بطور "مستوفی" بھیجا گیا تھا یعنی وہ افسر جو امام کی جانب سے صدقات و محاصل (مال) عمال صدقات سے وصول کر کے موخر الذکر کو ان کے فرائض سے عہدہ برآ کر دیتا ہے اور پھر مال کو امام کے پاس لاتا ہے۔ بظاہر اس نظریہ یا خیال میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ان کی حیثیت حضرات قدامہ اور ابو ہریرہ کے مانند معلوم ہوتی ہے جن کو منذر بن ساویٰ اور حضرت علاء بن حضرمی سے صدقات و جزیہ کی رقوم وصول کرنے کے لیے بحرین بھیجا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۱۰۔

لیکن کتانی کے اس نظریہ میں ایک جھول ہے وہ یہ کہ حضرت علی کو براہِ راست عاملِ صدقات مقرر کیا گیا ہو یا بعد میں صدقات کی وصولیابی کے لیے بھیجا گیا ہو بات کم و بیش ایک ہی ہے اور اعتراض بدستور باقی رہتا ہے۔ بہرحال مآخذ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہی صحیح ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ بطور معلم اور مبلغ یمن بھیجے گئے تھے اور یہی کام وہاں انھوں نے انجام بھی دیا تھا اور واپسی پر اپنے مسلمان کیے ہوئے لوگوں کے صدقات بھی ساتھ لے کر آئے تھے۔ عین ممکن ہے کہ مصدق کوئی دوسرا رہا ہو جو ان کے ساتھ آیا ہو یا انھوں نے خود کسی اور کو صدقات کا نگراں بنا دیا ہو۔

(۲۳۸) ملاحظہ کیجئے خاکسار کا مضمون "تاریخ اسلام میں فنِ شانِ نزول کی اہمیت ——— ایک تنقیدی نظر" مجلہ تحقیقات اسلامی سہ ماہی، علی گڑھ جلد ۲-۱ شمارہ ۲-۱ (جنوری تا جون ۱۹۸۲ء)۔ نیز صحابی موصوف کے کردار و شخصیت کے لیے ملاحظہ کیجئے خاکسار کی زیرِ طبع کتاب "حضرت ولید بن عقبہ اموی ——— حیات و شخصیت"

(۲۳۹) ابنِ اسحاق، ص ۴۹۳؛ واقدی، ص ۱ ۸-۰ ۰ ۹؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۱۶۱؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، پنجم، ص ۹۱-۹۰؛ ابنِ خلدون، اوّل، ص ۴-۳-۴۷؛ نیز ملاحظہ ہو میری اس موضوع پر کتاب۔

(۲۴۰) مضمون "تاریخ اسلام میں فنِ شانِ نزول کی اہمیت"۔

(۲۴۱) ملاحظہ ہو طبری، دوم، ص ۵۰۰ اور سوم، ص ۱۵۴، ۱۶۰؛ فتوح البلدان، ص ۶-۱۰۵؛ ابن اثیر، کامل، دوم، ص ۲۰۵؛ نیز میری زیرِ طبع کتاب۔

(۲۴۲) انساب الاشراف، اوّل، ص ۳۱-۵۳۰۔

(۲۴۳) ایضاً، اول، ص ۲۰۰، ۳-۲۷۲؛ نیز ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۱۷۸۔

(۲۴۴) طبری، سوم، ص ۹۵، ۱۷۸۔ (۲۴۵) ایضاً

(۲۴۶) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۵۰۔

(۲۴۷) اسد الغابہ، چہارم، ص ۶-۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، ہفتم، ص ۴۰۴؛ اسد، چہارم، ص ۵؛ اصابہ، چہارم، ص ۲۵۸؛ ابنِ سعد، پنجم، ص ۵-۴۴۴، کا بیان ہے کہ ان کا صدر مقام تبالہ تھا۔

(۲۴۸) الکامل، اول، ص ۶۱-۵۹۔

(۲۴۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۷-۳۸۵؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۳۵۔ اقیال حضرموت کے حضرت وائل بن حجر سے تعلقات کے لیے ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۷۸۔

(۲۵۰) اسد، سوم، ص ۷-۱۰۶ اور دوم، ص ۲۱۳ بالترتیب۔

(۲۵۱) واقدی، ص ۶۰-۲۵۹؛ طبری، سوم، ص ۹ ۵؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۰۷۔

(۲۵۲) بحوالہ کتانی، اول، ص ۳۹۶۔

(۲۵۳) بحوالہ کتانی، اول، ص ۳۹۶ اور ۲۶۵ بالترتیب ان کی تقرری اور تنخواہ کے لیے۔

(۲۵۴) بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۳۷۔

(۲۵۵) ابن قیم، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، بحوالہ کتانی، اول، ص ۲۳۷۔

(۲۵۶) ابوداؤد، ارزاق العمال۔ نیز ملاحظہ ہو بخاری، باب رزق الحکام والعاملین علیہا؛ مصنف عبد الرزاق؛ کتانی، اول، ص ۶۶-۲۶۴۔

(۲۵۷) سورۃ توبہ، آیت ۶۰۔

(۲۵۸) طبقات، پنجم، ص ۵۲۸۔ (۲۵۹) ایضاً، ص ۵۲۹ (۲۶۰) ایضاً، ص ۵۲۴-۵۔

(۲۶۱) واقدی، ص ۹۸۱-۲ (۲۶۲) ایضاً، اول، ص ۲۲۴-۵۔

(۲۶۳) اسد الغابہ، سوم، ص ۳۸۴ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن عمرو دئلی اپنی قوم کے عامل تھے اور مقامی منتظم بھی۔

(۲۶۴) اسد الغابہ، اوّل، ص ۳۰۶ کا بیان ہے کہ وہ دونوں جہینہ کے صدقات کے عامل مقرر کیے گئے تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے:
مجموعۃ الوثائق، ص ۱۳۸-۹ اور ۱۴۲ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مختلف بطون اور گھرانوں سے الگ الگ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے مویشیوں پر صدقہ اور خمس اور عشر ادا کریں۔ (۲۶۵) اسد، دوم، ص ۲۷۶۔

(۲۶۶) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰؛ ابن سعد، اول، ص ۲۲۲؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۲۹۲-۴؛
ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳۔

(۲۶۷) ابن سعد، اول، ص ۲۷۰؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۰۵۔

(۲۶۸) ایضاً، اول، ص ۲۹۶۔ (۲۶۹) مجموعۃ الوثائق، ص ۴۹۔

(۲۷۰) کتانی، اول، ص ۳۹۷۔

(۲۷۱) ایضاً، اول، ص ۳۹۷-۸۔ حضرت خزیمہ کے لیے "ساعی" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

(۲۷۲) ایضاً، پنجم، ص ۷۵۔

(۲۷۳) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۸۔ اس کا مزید بیان ہے کہ حضرت زمیل بن عمرو کو قبیلہ عذرہ کے مسلم اور غیر مسلم دونوں طبقات کے پاس بھیجا گیا تھا اور ان سے مکمل فرمانبرداری کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں صدقات اور جزیہ کی ادائیگی بھی شامل ہے۔

(۲۷۴) واقدی، ص ۵۹۱؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۹۹؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۶۸-۷۰، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گرامی نامہ کے لیے جس میں کلب کے لوگوں سے صدقات کی ادائیگی کے مطالبہ کا ذکر ہے۔

(۲۷۵) ایضاً (۲۷۶) ایضاً (۲۷۷) مجموعۃ الوثائق، ص ۴۲-۳ (۲۷۸) ایضاً، ص ۴۰۲

(۲۷۹) ایضاً، ص ۱۶۵ (۲۸۰) ایضاً، ص ۱۶۶ (۲۸۱) ایضاً، ص ۷۸

(۲۸۲) ایضاً، ص ۷۹ (۲۸۳) ایضاً، ص ۱۶۴ (۲۸۴) ایضاً، ص ۱۲۸-۳۰

(۲۸۵) اسد الغابہ، پنجم، ص ۸۱؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۳۶۔

(۲۸۶) ابن ہشام، دوم، ص ۶۰۰؛ طبری، سوم، ص ۱۴۷؛ اسد الغابہ، دوم، ص ۱۹۴-۵، ۳۶۹-۷۰؛ سوم، ص ۲۷-۸؛ چہارم، ص ۲۱۹-۲۱، ۲۹۵؛ پنجم، ص ۱۷۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۸۴۳؛ نیز ملاحظہ ہو:
کتانی، اول، ص ۳۹۷-۸۔

(۲۸۷) اسد، دوم، ص ۱۱۶۔

(۲۸۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۸-۶۷؛ ابن سعد، اول، ص ۳-۱۶۲ بالترتیب۔

(۲۸۹) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۳۱۔

(۲۹۰) کتاب المحبر، ص ۷۷۔

(۲۹۱) کتاب المعارف، ص ۳۰۲۔

(۲۹۲) جوامع السیرہ اور قضاعی، بحوالہ کتانی، اول، ص ۹-۲۹۸۔

(۲۹۳) کتانی، اول، ص ۳۹۹۔ (۲۹۴) ایضاً

(۲۹۵) صحیح مسلم، باب غزوۂ تبوک؛ نیز واقدی، ص ۹۰-۹۸۹ وغیرہ۔

(۲۹۶) واقدی، ص ۶۹۱۔

(۲۹۷) ابن ہشام، دوم، ص ۳۶۴-۳؛ طبری، سوم، ص ۲۰؛ ابن خلدون، اول، ص ۷۹۶؛ اسد، اول، ص ۲۶۵۔

(۲۹۸) ابن خلدون، اول، ص ۷۹۶؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، دوم، ص ۲۳۲۔

(۲۹۹) اسد الغابہ، چہارم، ص ۸-۱۰۷۔

(۳۰۰) اسد الغابہ، پنجم، ص ۱۶۹؛ نیز کتانی، اول، ص ۴۰۱-۴۰۰۔

(۳۰۱) اسد الغابہ، چہارم، ص ۹-۱۷۸؛ کتانی، اول، ص ۴۰۰۔

(۳۰۲) کتانی، اول، ص ۴۰۰۔ (۳۰۳) ایضاً

(۳۰۴) انساب الاشراف، چہارم، ص ۱۵۰۔

(۳۰۵) اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۰۵؛ کتانی، اول، ص ۴۰۰۔

(۳۰۶) ابن اسحاق، ص ۲۸۶؛ واقدی، ص ۱۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۹؛ انساب الاشراف، اول، ص ۲۸۷۔

(۳۰۷) واقدی، ص ۵۶۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۶۷۔

(۳۰۸) واقدی، ص ۷۰-۵۶۹؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۶۷؛ نیز ملاحظہ ہو انساب الاشراف، اول، ص ۴۷۸، ۴۸۰، جس کا بیان ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے مویشی چرانے کے لیے مقرر کیا تھا۔

(۳۰۹) ابنِ اسحاق، ص ۶۸۴، حاشیہ ۱۔

(۳۱۰) واقدی، ص ۹-۵۳۸؛ ابنِ سعد، دوم، ص ۸۱-۸۰؛ انساب الاشراف، اول، ص ۳۴۸؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۲۳۹۔

(۳۱۱) واقدی، ص ۶-۴۲۵۔ اس روایت کا بیان ہے کہ اس حمٰی میں چرنے والے جنگی گھوڑوں کی تعداد خلافتِ فاروقی میں بہت بڑھ گئی تھی۔

(۳۱۲) اسد الغابہ، سوم، ص ۳۵۲۔

(۲۱۳) واقدی، ص ۳۰۹؛ نیز ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۹۔
(۲۱۴) معجم البلدان، پنجم، ص ۳۶۱ (ب)
(۲۱۵) ملاحظہ ہو محمد ایٹ مدینہ، ص ۸۔
(۲۱۶) ابن سعد، سوم، ص ۵۱۔ ان کا قطیعہ حضرت زبیر بن عوام کی بقیع نامی اراضی/ باغ اور بنو مازن کے قطعات کے درمیان واقع تھا۔
(۲۱۷) ایضاً، سوم، ص ۵۶۔ روایت کے مطابق حضرت عثمان کے ورثہ نے ان کا قطیعہ ترکہ میں پایا تھا اور ابن سعد کے زمانے میں انھیں کے قبضہ و تصرف میں تھا۔
(۲۱۸) ایضاً، ص ۳-۱۰۳۔
(۲۱۹) ایضاً، ص ۱۲۶ اور ۱۵۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ کے قطائع مسجد نبوی کی پشت پر واقع تھے۔
(۲۲۰) ایضاً، ص ۱۳۹۔
(۲۲۱) ایضاً، ص ۱۶۱۔ صحابی موصوف کو ان کا قطیعہ بنو جدیلہ/ خزرج کے علاقے اور اراضی میں ملا تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس جگہ ان کو بسنے کی دعوت اسی قبیلہ کے مشہور صحابی حضرت ابی بن کعب نے دی تھی۔
(۲۲۲) ایضاً، ص ۱۷۵۔ جیسا کہ معروف ہے کہ آپ کا گھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے متصل تھا اور مسجد نبوی میں اس کا ایک دروازہ کھلتا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۳۴۔
(۲۲۳) ایضاً، ص ۲۱۶
(۲۲۴) ایضاً، ص ۲۴۰۔
(۲۲۵) ایضاً، ص ۲۴۴۔ صحابی موصوف کو بنو زریق کے محلہ میں قطیعہ ملا تھا۔
(۲۲۶) ایضاً، ص ۲۵۰۔
(۲۲۷) ایضاً، ص ۲۷۲؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۳۴۔
(۲۲۸) ایضاً، ص ۳۹۶۔
(۲۲۹) ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۳۔
(۲۳۰) ابن سعد، چہارم، ص ۲۰-۹
(۲۳۱) ابن سعد، چہارم، ص ۲۳
(۲۳۲) واقدی، ص ۲۰
(۲۳۳) ابن سعد، سوم، ص ۱۰۴؛ چہارم، ص ۲۵۳؛ نیز ملاحظہ ہو یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۷۴، جن کا بیان ہے کہ حضرت زبیر کا قطیعہ حرہ کے شرج یعنی لاوا کے میدان کے کونے میں واقع تھا اور یہ مدینہ کے زرخیز ترین علاقوں میں سے تھا۔
(۲۳۴) ابن سعد، چہارم، ص ۳۱۳۔
(۲۳۵) اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۲۳۔

(۲۳۶) اسد، پنجم، ص ۷۵۔

(۲۳۷) ابو یوسف، مذکورہ بالا، ص ۴۳؛ یحییٰ بن آدم، مذکورہ بالا، ص ۶۵۔

(۲۳۸) مجموعۃ الوثائق، ص ۷-۱۴۶؛ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، ص ۳۵؛ ماوردی، الاحکام السلطانیۃ، قاہرہ، طبع (غیر مورخہ)، ص ۲۴۲؛ ابو داؤد، دوم، ص ۳۲۔

(۲۳۹) کتاب الخراج، ص ۶۷۔

(۲۴۰) اسد الغابہ، چہارم، ص ۲۹۸۔

(۲۴۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۲۔ مویشی پالنے والے قبائل پر زکوٰۃ ان کے جانوروں پر عائد کی گئی تھی۔

(۲۴۲) ایضاً، ص ۱۴۲۔

(۲۴۳) ایضاً، ص ۱۴۰؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۲، جنہوں نے ہشام بن محمد کلبی کی روایت پر بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذی مرکا علاقہ قطیعہ میں دیا تھا لیکن ابن سعد نے اس روایت کو شاذ بتا کر کہ انھوں نے اس کو کسی اور سے نہیں سنا اس کی کمزوری (ضعف) یا عدم صحت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

(۲۴۴) اسد الغابہ، پنجم، ص ۳۰؛ سوم، ص ۳۱۰ بالترتیب۔

(۲۴۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۴۹۔

(۲۴۶) مجموعہ، ص ۱۸۵۔

(۲۴۷) ایضاً، ص ۱۸۲۔

(۲۴۸) ایضاً، ص ۱۹۳۔

(۲۴۹) ایضاً، ص ۱۸۰، ۲-۱۸۱، ۱۸۴؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، مذکورہ بالا صحابہ کے تراجم اور سوانحی خاکے۔

(۲۵۰) ایضاً

(۲۵۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۸۴

(۲۵۲) ایضاً

(۲۵۳) ایضاً، ص ۱۹۰

(۲۵۴) ایضاً، ص ۱۹۷

(۲۵۵) ایضاً، ص ۸-۱۷۷

(۲۵۶) ایضاً، ص ۹-۱۸۸

(۲۵۷) ایضاً

(۲۵۸) ابن سعد، چہارم، ص ۲۵۶؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، دوم، ص ۵۲۔

(۲۵۹) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۹۳۔

(۲۶۰) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۵۷۔

(۲۶۱) مجموعۃ الوثائق، ص ۵۴-۳۴؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۱۱۲؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۲۷۴ وغیرہ جن کے مطابق حضرات میمون شامی اور ذوالجوشن الضبابی الکلابی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو شام اور حیرہ میں بالترتیب ان کی فتوحات سے قبل اقطاعات دئے گئے تھے۔

(۲۶۲) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷-۲۰۷۔ کم از کم وہ ایسے ۸ قطائع کا ذکر کرتا ہے۔

(۲۶۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷۔

(۲۶۴) اسد الغابہ، پنجم، ص ۶۸۔

(۲۶۵) مجموعۃ الوثائق، ص ۷۷۔

(۲۶۶) مجموعۃ الوثائق، ص ۹-۶۵؛ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۰۰۔

(۲۶۷) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۲۷۔

(۲۶۸) ایضاً، ص ۹-۶۸ (۲۶۹) ایضاً

(۲۷۰) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو اصابہ ترجمہ صحابی موصوف۔

(۲۷۱) ایضاً، ص ۱۶۵۔

(۲۷۲) یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص ۶۷۔ (۲۷۳) ایضاً، ص ۶۵۔

(۲۷۴) واقدی، ص ۶۹۳، ۳۷۹ وغیرہ؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۵۲۲ وغیرہ۔

(۲۷۵) واقدی، ص ۳-۶۹۳، کا مزید بیان ہے کہ ان دونوں صحابہ کو مشترکہ طور سے تین سو وسق ملے تھے جن میں سے دو سو وسق حضرت فاطمہ کے لیے تھے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق ص ۵۲۲ جو واقدی سے اتفاق کرتے ہیں۔

(۲۷۶) واقدی، ص ۶۹۴، کا بیان ہے کہ حضرت اسامہ کو ایک سو پچاس وسق میں سے چالیس وسق شعیر کے ملے تھے اور پچاس وسق نوی کے۔ جبکہ ابن اسحاق، ص ۵۲۲ کا بیان ہے حضرت اسامہ کو دو سو وسق ملے تھے جن میں سے پچاس وسق کھجوریں تھیں۔

(۲۷۷) واقدی، ص ۶۹۴ کا بیان ہے کہ ان کے ورثہ نے حضرت معاویہ کے ہاتھ ان کی خلافت کے زمانے میں کسی وقت اپنا طعمہ بیچ دیا تھا۔

(۲۷۸) واقدی، ص ۶۹۵، کے مطابق چالیس وسق ان کے دو بیٹوں کے لیے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۳-۵۲۲، جن کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ اور ان کی دو دختروں کو نوّے وسق ملے تھے جن میں سے چالیس وسق ان کے دو بیٹوں کے لیے تھے۔

(۲۷۹) واقدی، ص ۶۹۵، نے ان کے نام بھی گنائے ہیں۔

(۲۸۰) مجموعۃ الوثائق، ص ۱۶-۱۱۵۔

(۲۸۱) ایضاً، ص ۲۳۔ (۲۸۲) واقدی، ص ۱۰۰۶

(۲۸۳) ملاحظہ ہو ماوردی، الاحکام السلطانیہ۔

(۲۸۴) واقدی، ص ۶۹۷، ۶۹۸ اور ۶۹۹ نے طعمہ کے وراثت میں منتقل ہونے کے کئی واقعات کا ذکر کیا

(۲۸۵) ایضاً، ص ۸-۶۹۷

باب ششم

(۱) ابن سعد، اوّل، ص ۲۲۰؛ زبیری، نسب قریش، ص ۲۵۴؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۶۸-۹؛ نیز باب اول۔

(۲) ابن سعد، اول، ص ۲۲۰؛ فتوح البلدان، ص ۲۰۔

(۳) ابن اسحاق، ص ۲۸۰؛ واقدی، ص ۱۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۱؛ طبری، دوم، ص ۴۱۳؛ نیز ملاحظہ کیجئے باب اول اور پنجم۔

(۴) باب پنجم بحث بر زرِ فدیہ اسیران بدر۔

(۵) ملاحظہ کیجئے باب دوم بحث بر اسلام قبائل عرب۔ یہاں اس قسم کی دعوت کی چند مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت دعثور بن حارث، فرات بن حیان عجلی، بنوکلب دومۃ الجندل، بنو مصطلق وغیرہ نے مہمات ذوامر، قردہ، دومۃ الجندل اور مریسیع کے دوران اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے علاوہ بہت سے دوسرے تھے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۳۵-۶، ۹۲، ۶۴-۵۔

(۶) ابن اسحاق، ص ۴۷۵ وغیرہ؛ واقدی، ص ۵۰۸ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۴ وغیرہ اور طبری، سوم، ص ۵۳ وغیرہ۔

(۷) باب دوم۔ باب اول بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۸) ابن اسحاق، ص ۶۵۱-۲؛ واقدی، ص ۱۱۰۳-۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۴۳ وغیرہ؛ طبری، سوم، ص ۱۵۰-۲۔

(۹) ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۸۹، ۱۲۳، ۱۴۷، ۱۶۹-۷۰؛ نیز ملاحظہ ہو باب دوم۔

(۱۰) ملاحظہ ہو فتوح البلدان، ص ۴۲، جس کے مطابق خیبر کی مہم کے بعد حضرت محیصہ بن مسعود نے فدک کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی؛ نیز ملاحظہ ہو اسد، چہارم، ص ۴۴۳۔

(۱۱) ابن اسحاق، ص ۶۷۲ وغیرہ؛ ابن سعد، ص ۸۹، ۱۴۷، ۱۷۸ وغیرہ۔

(۱۲) ملاحظہ ہو باب دوم متعلقہ مباحث۔

(۱۳) ابن اسحاق، ص ۴۳۳-۴؛ واقدی، ص ۲۴۵-۵۱؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۱-۴؛ طبری، دوم، ص ۵۴۵-۵۵؛ نیز باب دوم۔

(۱۴) ابن اسحاق، ص ۴۲۶-۳۳؛ واقدی، ص ۳۵۴-۶۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۵۵-۶؛ طبری، دوم، ص ۵۲۸-۴۲۔

(۱۵) ملاحظہ ہو ضمیمہ چہارم (الف) جس کے مطابق حضرت خالد بن ولید نے عزّیٰ کو، حضرت عمرو بن عاص نے سواع کو،

حضرت سعد بن زید نے مناۃ کو اور حضرات ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ نے لات کو تباہ کیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت طفیل بن عمرو نے اپنے قومی بت ذوالکفین کو اور حضرت علی بن ابی طالب نے طے کے صنم کدہ الفلس کو برباد کیا تھا۔

(۱۶) فتوح البلدان، ص ۸۹؛ ابن سعد، اوّل، ص ۹۳-۲۶۲ بالترتیب۔

(۱۷) ابن ہشام، سوم، ص ۴۲۹، ۵۹۲؛ طبری، سوم، ص ۸-۱۲۶؛ اسد، چہارم، ص ۹-۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو بخاری، صحیح، کتاب المغازی؛ نیز باب دوم۔

(۱۸) ابن ہشام، سوم، ص ۱۴۱؛ واقدی، ص ۸۳-۱۰۷۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۷۰-۱۶۹؛ طبری، سوم، ص ۲-۱۳۱؛ نیز بخاری، مذکورہ بالا۔

(۱۹) طبری، سوم، ص ۱۸۷؛ نیز ملاحظہ ہو ضمیمہ چہارم۔ الف۔

(۲۰) باب چہارم ملاحظہ کیجئے۔

(۲۱) ملاحظہ ہو مجموعۃ الوثائق، ص ۲۳، ۲۹، ۴۱، ۴۹، ۴-۵۳، ۶-۵۵، ۶۹، ۱۰۸ وغیرہ؛ نیز باب چہارم بحث بر سفراء نبوی۔ (۲۲) ایضاً

(۲۳) اسد الغابہ، اول، ص ۲۷۶، دوم، ص ۴۴۲ اور چہارم، ص ۱۳۱؛ نیز باب دوم وسوم۔

(۲۴) باب چہارم (۲۵) ایضاً (۲۶) ایضاً (۲۷) طبری، سوم، ص ۱۸۷۔

(۲۸) قرآن کریم، سورہ توبہ، آیت ۲۴۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ

(۲۹) قرآن کریم، سورہ حجرات، آیت ۱۴۔

(۳۰) ابن سعد، اول، ص ۲۲۰؛ زبیری، ص ۲۵۴؛ فتوح البلدان، ص ۲۰؛ اسد، اول، ص ۲-۱۷۱؛ چہارم، ص ۹-۳۶۸؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۲۰-۱۱۶، ۱۲-۶۰۸؛ انساب الاشراف، اوّل، ص ۲۵۲؛ نیز دیکھئے ابن اسحاق، ص ۲۰۱-۱۹۹۔

(۳۱) بخاری، صحیح، باب الہجرۃ۔

(۳۲) ابوداؤد، سنن، ص ۱۲۹، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۹۰۔ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۴۰۔

(۳۳) احمد بن حنبل، مسند، سوم، ص ۱۳۷ بحوالہ شبلی نعمانی، دوم، ص ۹۰۔

(۳۴) واقدی، ص ۳۴۴، کا بیان ہے کہ انصار میں ستر نوجوان اتنے پڑھے لکھے تھے کہ وہ القراء (جمع قاری) کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اس کے لفظی معنی تو پڑھنے والے کے ہیں لیکن اصطلاح میں وہ عالم اور معلّم کے معنی میں مستعمل ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے ابن سعد، دوم، ص ۵۲، ۵۶؛ طبری، دوم، ص ۵۳۸، ۶-۵۴۵؛ نیز دیکھیے بخاری، غزوہ بئر معونہ۔ اس کے علاوہ شہداء بئر معونہ و رجیع کے سوانحی خاکے ملاحظہ کیجئے ابن سعد، جلد سوم میں۔

(۳۵) ملاحظہ کیجئے ابن سعد، چہارم، ص ۴۱ - ۳۲۵۔

(۳۶) بخاری، فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳۷) بحوالہ کتانی، اول، ص ۴۱-۴۰۔ (۳۸) ایضاً

(۳۹) زبیری، نسب قریش، ص ۱۷۴؛ جمہرۃ انساب العرب، ص ۲۷۔

(۴۰) کتاب المحبر، ص ۲۸۶۔ (۴۱) ابن سعد، سوم، ص ۵۱۳۔

(۴۲) بحوالہ کتانی، اول، ص ۴۳-۴۲۔ یہاں عہد صدیقی کے آغاز ہی میں جنگ یمامہ میں بڑی تعداد میں قراء کی شہادت پر حضرت عمر بن خطاب کے خدشہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت سے بالواسطہ سہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم سات سو حافظ قرآن صحابہ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ بہت سے حافظ و عالم مسلمان اس وقت بھی زندہ تھے۔ اور یہ سب کے سب عہد نبوی کے ساختہ و پرداختہ اور تعلیم و تربیت یافتہ تھے ملاحظہ ہو طبری، سوم، ص ۲۸۵ وغیرہ۔

(۴۳) بحوالہ شبلی نعمانی، دوم، ص ۸۸۔

(۴۴) بخاری، صحیح، باب رحمۃ البہائم۔

(۴۵) ابن سعد، پنجم، ص ۴۶۵؛ المعارف، ص ۳۳۰۔

(۴۶) ابن سعد، چہارم، ص ۴-۳۴۳ کا بیان ہے کہ جہینہ کے ایک نومسلم حضرت عقبہ بن عامر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ بیعت ہجرت کریں گے یا بیعت عربیت۔ انھوں نے بیعت ہجرت کو پسند کیا اور مدینہ میں آکر بس گئے۔ دوسری کئی مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے بدوی عربوں نے بیعت عربیت کی تھی۔ چنانچہ ان کو کچھ دنوں تک مدینہ میں تعلیم دے کر رخصت کر دیا گیا تھا؛ نیز ملاحظہ ہو مونٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، ص ۶-۸۵ اور ۳-۲۴۲۔

(۴۷) مونٹگمری واٹ، مذکورہ بالا۔

(۴۸) بخاری، صحیح، غزوۂ فتح مکہ؛ نیز ملاحظہ ہو ابوداؤد اور نسائی، کتاب الصلوٰۃ۔

(۴۹) طبری، سوم، ص ۲۸۲۔

(۵۰) ابن ہشام، سوم، ص ۵۰۰؛ واقدی، ص ۸۸۹ اور ۹۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۷؛ طبری، سوم، ص ۹۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن خلدون، اول، ص ۸۱۸؛ اسد الغابہ، چہارم، ص ۸-۳۷۶؛ پنجم، ص ۹-۳۰۸؛ کتانی، اول، ص ۳۴۔

(۵۱) واقدی، ص ۲-۹۳۱۔

(۵۲) ملاحظہ کیجئے باب چہارم بحث بر ولاۃ رسول۔

(۵۳) مجموعۃ الوثائق، ص ۳-۱۷۲، نے حضرت خالد کے مکتوب بنام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ "میں ان کے (بنو الحارث) کے درمیان مقیم ہوں اور ان کو اس چیز کا حکم دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے لیے فرض قرار دی ہے اور اس سے منع کرتا ہوں جو اس نے حرام بتائی ہے۔ اور ان کو اسلام کی بنیادی تعلیمات (معالم الاسلام) اور سنتِ نبوی سکھاتا ہوں۔"

(۵۴) ملاحظہ ہو باب پنجم، بحث بر صدقات۔

(۵۵) ایضاً (۵۶) ایضاً

(۵۷) ملاحظہ ہو باب پنجم بحث بر اموال غنیمت/خمس۔

(۵۸) اسد الغابہ، دوم، ص ۲۲۲؛ طبری، دوم، ص ۱۶۵ کے مطابق یہ واقعہ ۳ھ/۶۲۵-۶ء کا ہے۔

(۵۹) حضرت ابو ہریرہ کی سند پر موطا میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ دو آدمیوں نے اپنے ایک مقدمے کے بارے میں مدینہ کے بعض اہلِ علم کی رائے جاننے کے بعد معاملہ دربارِ رسالت میں پیش کیا۔ غالباً ان دونوں فریقین کو یا ان میں سے کسی ایک کو "مدنی اہل علم" سے اتفاق یا اس پر اطمینان نہ تھا اسی لیے اس نے مقدمہ عدالتِ نبوی میں پیش کیا تھا۔ بہرحال اس سے "مدینہ میں ایسے اہلِ علم کی موجودگی عہدِ نبوی میں ثابت ہوتی ہے جو مذہبی امور پر اپنی رائے دے سکتے تھے یا قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر کر سکتے تھے"؛ ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۵۶۔

(۶۰) ملاحظہ ہو باب چہارم، بحث بر والیانِ رسول۔

(۶۱) ابن سعد، دوم، ص ۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۸، ۳۵۰۔ اگرچہ ابنِ سعد نے مفتیانِ عہدِ نبوی کی تعداد صرف چھ بیان کی ہے لیکن دوسری روایت میں دو نئے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں روایتیں مفتیوں کی "زیادہ سے زیادہ حد" کو متعین نہیں کرتی ہیں بلکہ ان کے مختلف طبقات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ نیز ملاحظہ کیجئے اسد الغابہ، چہارم، ص ۳۷۷ صرف چھ اشخاص کا ذکر کرتی ہے اور حضرات ابو بکر اور عبد الرحمٰن بن عوف کا کوئی حوالہ نہیں دیتی ہے۔

(۶۲) الطالقہ، بحوالہ کتانی، اول، ص ۵۷۔

(۶۳) کتانی، اول، ص ۵۷۔ (۶۴) ایضاً، ص ۵۸۔ (۶۵) ایضاً۔

(۶۶) ابن سعد، سوم، ص ۶۰۹، کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرات سہل اور سہیل فرزندان رافع بخاری (بنو غنم بن مالک) کے مربد (باڑے) میں ایک مسجد بنا لی تھی جہاں وہ پنجوقتہ نمازوں کی امامت کرتے تھے۔ بعد میں اسی جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باقاعدہ مسجد تعمیر کی تھی؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۰۰-۱۹۹۔

(۶۷) ایضاً (۶۸) ایضاً (۶۹) اسد الغابہ، دوم ص ۵۶۔

(۷۰) ابن اسحاق، ص ۱۹۹؛ بخاری اور ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ۔

(۷۱) بخاری، صحیح، کتاب الصلوٰۃ۔ ان مساجد کا حوالہ اس فصل میں ملتا ہے جس میں امام بخاری نے اس مسئلہ پر بحث

کی ہے کہ آیا مساجد کو انسانوں کے نام سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔

(۷۲) ایضاً۔ اس مسجد کے سلسلہ میں دلچسپ روایت آتی ہے جو حضرت انس بن مالک کی سند پر بیان ہوتی ہے۔ اس کے مطابق ایک بار بنو عمرو بن عوف نے اپنی مسجد میں عصر کی نماز اس وقت پڑھی تھی جبکہ وہ مسجد نبوی میں ہو چکی تھی۔

(۷۳) واقدی، ص ۱۰۴۶، ۱۰۴۸ اور ۱۰۷۳؛ بخاری، کتاب الصلوٰۃ۔ (۷۴) ایضاً

(۷۵) اسد الغابہ، سوم، ص ۶۰ - ۴۵۹؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، سوم، ص ۵۵۰؛ ابو داؤد اور نسائی، کتاب الصلوٰۃ؛ واقدی، ص ۱۰۴۶، جن کا خیال یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبا میں واقع تھی۔

(۷۶) اسد، سوم، ص ۲۳۷۔

(۷۷) بخاری، صحیح، کتاب الصلوٰۃ۔ (۷۸) ایضاً

(۷۹) ایضاً۔ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۹۲؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اوّل، ص ۷۷، کا بیان ہے کہ ان تمام نو مسجدوں میں نماز پنجگانہ حضرت بلال کی اذان پر ہوتی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف حضرت بلال ہی موذن مدینہ نہیں تھے اور نہ ہی ان کی آواز پورے مدینہ میں سنی جا سکتی تھی بلکہ ان کی اذان دوسری مساجد کے لیے علامت تھی کہ نماز کا وقت ہو چکا اور ان کے اپنے موذن اذان دیتے اور ان کے اپنے امام نماز پڑھاتے تھے۔

(۸۰) ابن سعد، چہارم، ص ۳۴۵۔

(۸۱) ایضاً بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم، ص ۹۲۔ ان تمام مساجد میں سے واقدی نے صرف مسجد الفضیح کا حوالہ دیا ہے جو بنو خطمہ کے محلہ (فضاء) یا میدان میں واقع ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ ملاحظہ ہو کتاب المغازی، ص ۳۷۱۔

(۸۲) نسائی، سنن، کتاب المساجد؛ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، دوم، ص ۹۳۔

(۸۳) ملاحظہ ہو باب دوم بحث بر اسلام عبد القیس۔

(۸۴) ابن سعد، پنجم، ص ۴۴۶؛ نسائی، کتاب الصلوٰۃ، شبلی نعمانی، دوم، ص ۹۸۔

(۸۵) ابن سعد، پنجم، ص ۹ - ۵۰۸؛ نیز ملاحظہ ہو باب چہارم بحث بر والیانِ رسول۔

(۸۶) فتوح البلدان، ص ۸ - ۸۷؛ اسد الغابہ، پنجم، ص ۲۰۳۔

(۸۷) ملاحظہ ہو باب چہارم بحث بر ولاۃ نبوی۔

(۸۸) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۸۸۔

(۸۹) ایضاً، باب الامامۃ۔

(۹۰) واقدی، ص ۸۷۷ - ۸۸۲۔ (۹۱) ایضاً، ص ۹۸۰۔

(۹۲) واقدی، ص ۹۹۵؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۵۔

(۹۳) واقدی، ص ۷۷۱، کا بیان ہے کہ ذات السلاسل کی مہم کے دوران جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح کمک لے کر پہنچے تو حضرت عمرو بن العاص امیرِ لشکر ہی نے اپنے عہدہ کے سبب نمازوں کی امامت کی تھی۔

(۹۴) واقدی، ص ۱۰۱۲؛ زبیری، ص ۲۶۵؛ اصابہ ۶۱۷۹۔

(۹۵) طبری، سوم، ص ۷- ۱۹۶؛ بخاری، باب بدء الاذان۔

(۹۶) بخاری، باب، بدء الاذان؛ مسلم، نسائی اور ترمذی، باب الاذان۔ روایات میں اس پر اختلاف ہے کہ اذان کی تجویز کس نے دربارِ رسالت میں پیش کی تھی۔ بخاری کے مطابق حضرت عمرؓ نے اور دوسروں کے مطابق حضرت عبداللہ بن زید نے یہ تجویز پیش کی تھی۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۶- ۲۳۵ جو بعد کے صحابی کا نام بیان کرتے ہیں؛ نیز ملاحظہ ہو کتاب المعارف، ص ۳۶۹۔

(۹۷) ایضاً؛ نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق، ص ۲۳۶؛ المعارف، ص ۳۶۹ اور ابن سعد، سوم، ص ۲۳۴۔

(۹۸) ابن سعد، اول، ص ۲۴۸؛ سوم، ص ۲۳۴؛ اسد، اول، ص ۹- ۲۰۶۔

(۹۹) بخاری، باب مواقیت الصلوٰۃ۔

(۱۰۰) مآخذ مذکورہ بالا در باب حضرت بلال۔

(۱۰۱) ابن سعد، سوم، ص ۲۳۴؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، اول، ص ۲۴۸؛ المعارف، ص ۷۱- ۳۷۰؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۲۔

(۱۰۲) بخاری، باب مواقیت الصلوٰۃ۔

(۱۰۳) زبیری، ص ۳۹۹؛ المعارف، ص ۳۰۶؛ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، پنجم، ص ۴۵۰، جن کی بیان کردہ ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابو محذورہ حضرت بلال حبشی کے ساتھ مکہ کی فتح کے بعد مسجد حرام میں اذان دیا کرتے تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد بھی وہ وہاں اذان دیتے رہے تھے۔

(۱۰۴) ابن سعد، پنجم، ص ۴۵۰ کا بیان ہے کہ ان کے اپنے زمانے میں (تیسری صدی ہجری کے وسط میں) حضرت ابو محذورہ جمحی کے ورثہ ہی مسجد حرام میں اذان کے ذمہ دار تھے۔ ملاحظہ ہو زبیری، ص ۳۹۹؛ المعارف، ص ۳۰۶؛ الفاکہی، مذکورہ بالا، ص ۱۲؛ اسد، پنجم، ص ۲۹۲۔ فاکہی اور زبیری دونوں کا بیان یہ ہے کہ ان کے ورثہ کے ختم ہو جانے کے بعد اذان کی خدمت ربیعہ بن سعد جمحی کے خاندان اور ورثہ میں منتقل ہو گئی تھی۔

(۱۰۵) اسد الغابہ، دوم، ص ۳- ۲۸۲۔

(۱۰۶) المعارف، ص ۲۵۸ اور ۷۱- ۳۷۰؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۷۷، جن کا بیان ہے کہ ان کے وارثین نے امام شافعی (۷۶۸ء تا ۸۲۰ء) کے زمانے تک یہ خدمت انجام دی تھی۔

(۱۰۷) اسد الغابہ، سوم، ص ۲۲۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے کتانی، اول، ص ۷۹، جو ان کو "برموی" کہتے ہیں۔

(۱۰۸) ایضاً، ص ۴۷۔

(۱۰۹) ایضاً۔ صحابی موصوف نے حضرت بلال حبشی کی عدم موجودگی میں ایک بار فجر کی اذان کہی تھی اور نمازِ فجر کی اقامت کہی۔

(۱۱۰) ایضاً، ص ۷۶۔ (۱۱۱) ایضاً (۱۱۲) اسد الغابہ، دوم، ص ۳۲۱۔

(۱۱۳) ازرقی، کتاب اخبار مکہ، ص ۸ - ۱۲۷۔ ازرقی کا یہ بیان بڑا دلچسپ ہے کہ ۸ھ / ۶۳۰ء میں فتح مکہ کے سال حج فرض نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس برس حج جاہلی روایات وتقویم کے مطابق ذی قعدہ میں منعقد ہوا تھا اور مسلمانوں نے ان روایات کے مطابق حضرت عتاب کی امارت میں قدیم غیر مسلم عربوں کے ساتھ ادا کرلیا تھا۔

(۱۱۴) ابن سعد، پنجم، ص ۴۴۶؛ کتاب المحبر، ص ۱۱؛ نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، سوم، ص ۵۰۰؛ واقدی، ص ۹۵۹؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۷؛ طبری، سوم، ص ۳۷؛ فتوح البلدان، ص ۵۳؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۹-۳۵۸؛ کتانی، اول، ص ۱۰۹۔

(۱۱۵) ابن ہشام، سوم، ص ۵۴۵؛ واقدی، ص ۸ - ۱۰۷۷؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۶۸؛ طبری، سوم، ص ۳ - ۱۲۲؛ نیز ملاحظہ ہو بخاری، کتاب الحج۔

(۱۱۶) ایضاً۔ بخاری کا بیان ہے کہ اعلان حضرت ابوبکر صدیق نے کیا تھا۔

(۱۱۷) سورۃ التوبہ، آیت ۲۸۔

(۱۱۸) بخاری، حجۃ الوداع؛ ابن اسحاق، ص ۵۲ - ۶۴۹؛ واقدی، ص ۱۰۸۸ وغیرہ؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۷۲ وغیرہ؛ طبری، سوم، ص ۱۴۸ وغیرہ۔

(۱۱۹) مسلم اور ابوداؤد، حجۃ الوداع؛ کتانی اول، ص ۱۰۹۔

(۱۲۰) بخاری، مذکورہ بالا؛ واقدی، ص ۵۴۸۔

(۱۲۱) ابن اسحاق، ص ۶۵۲؛ طبری، سوم، ص ۱۵۱۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جملہ در جملہ دہراتے تھے۔ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۷۰۔

(۱۲۲) ایضاً۔ حجۃ الوداع؛ نیز کتانی، اول، ص ۷۱۔

(۱۲۳) اسد الغابہ، اول، ص ۲ - ۱۴۱۔

(۱۲۴) طبری، دوم، ص ۶۲۴ کے مطابق ان کے والد کا نام عمیر تھا۔

(۱۲۵) واقدی، ص ۵۲۲، ۵۳۲، ۱۰۷۷، ۱۰۹۰؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱، ۱۶۳، ۱۶۸؛ نیز ملاحظہ کیجئے طبری، دوم، ص ۶۲۴ اور اسد الغابہ، پنجم، ص ۴۔ صاحب البدن کے کام اور اس کی نوعیت کے سلسلہ میں کتانی، اول، ص ۱۱۰ نے موطا امام مالک اور نسائی کی روایات بیان کی ہیں

(۱۲۶) بخاری، صحیح، کتاب الحج۔

(۱۲۷) اسد الغابہ، دوم، ص ۴۷۸ اور چہارم، ص ۹۲۔
(۱۲۸) جمہرہ، ص ۱۷۹؛ اصابہ ۲۱۷۰۔
(۱۲۹) واقدی، ص ۸۳۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۷؛ نیز دیکھئے ابن سعد، چہارم، ص ۲۵؛ بخاری، کتاب الحج؛ اسد الغابہ، سوم، ص ۱۲-۱۰۹۔
(۱۳۰) ملاحظہ ہو میرا مضمون مذکورہ بالا، برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۰ء۔
(۱۳۱) واقدی، ص ۸۳۷-۸۳۸؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۳۷؛ بخاری، کتاب الصلوٰۃ؛ اسد، سوم، ص ۳۷۲؛ زبیری، ص ۲۵۱-۲۵۲؛ موخرالذکر کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کلید حضرات طلحہ بن عثمان اور شیبہ بن عثمان کو عطا فرمائی تھیں اور باقی بنو عبدالدار کو اس سے محروم رکھا تھا نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول، ص ۱۳-۱۱۰۔
(۱۳۲) ایضاً۔
(۱۳۳) واقدی، ص ۸۴۲؛ ابن سعد، دوم، ص ۱۲۱؛ اسد، اول، ص ۲۱۴۔
(۱۳۴) ایضاً؛ نیز خاکسار کا مضمون محولہ بالا در حاشیہ ۱۳۰۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (الانعام : ۴۵)

اس طرح جڑ کاٹ دی گئی اُن لوگوں کی جو ظلم کرتے تھے ۔



عہدِ نبویؐ کی ابتدائی مہمیں

عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں

—— محرکات، مسائل اور مقاصد

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرتِ نبویؐ کے اولین مؤلف ابن اسحاق اور مغازی نگاروں کے سرخیل واقدی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی مہموں کے بارے میں جو نقطۂ نظر اپنے زمانے میں متعین کر دیا تھا وہ بعد کے دوسرے تمام سیرت نگاروں اور مغازی نویسوں نے بلا تحقیق و تنقید قبول کر لیا۔ ابتدائی مؤلفین سیرت و مغازی بنیادی طور پر اپنے پیشرو "راویوں" اور "اخباریوں" کی "روایات" اور "اخبار" کے پابند تھے۔ اور وہ اپنے پیشرؤوں کے طے کردہ خطوطِ فکر و نظر سے ہٹنا بدعت تصور کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو فکری رخ ابتدائی رواۃ و اخباریوں نے اپنی دانست میں صحیح سمجھ کر آنے والی نسلوں کے لیے متعین کیا تھا وہ دوسری اور تیسری صدیوں کے جامعین سیرت و تاریخ کی تحریروں میں انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ اس میں ابتدائی راویوں اور اخباریوں کی کسی بدنیتی یا غلط بیانی کو عموماً دخل نہیں تھا بلکہ اس کی ذمہ داری دراصل ان کے غیر مورخانہ اور غیر تنقیدی طرزِ روایت و نگارش پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک راوی یا اخباری کا فرض بس یہ تھا کہ اس تک پہونچنے والی روایت کو جوں کا توں بیان کر دے۔ ابتداً تاریخ نگاری اسلام میں تو راویوں کی شخصیت، دیانت اور ثقاہت وغیرہ کو بھی نہیں پرکھا جاتا تھا لیکن جب مختلف، متصادم اور موضوع روایات ایک ہی واقعہ یا معاملہ کے بارے میں ان کے سامنے آئیں تو اصل منبعِ روایت تک کسی روایت کو جانچنے اور پرکھنے کا اصول وضع کیا گیا اور سند کا سلسلہ شروع ہوا لیکن اس کے بعد بھی صرف توجہ اس پر مرکوز رہی کہ راویوں کے ثقہ اور قابلِ اعتماد ہونے کا یقین کر لینے کے بعد روایت کو بیان کر دیا جائے۔ اس کے سوا نہ تو متنِ روایت کو تنقید کی کسوٹی پر کسا جاتا تھا اور نہ ہی درایت کے دوسرے اصولوں پر حتیٰ کہ راوی اپنی رائے دینے سے بھی اجتناب کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی کتب تاریخ و سیرت میں ایک ہی واقعہ یا معاملہ کے بارے میں متعدد اور بسا اوقات متصادم روایات و اخبار جمع ہو گئے اور دوسرے جو نقطۂ نظر یا نقطہ ہائے نظر شروع میں متعین ہو گئے تھے، غلط یا صحیح طور پر وہ بعد کے مؤلفوں کے یہاں راہ پا گئے جو بقول ابن خلدون محض ناقابل اور منطقوں (بچکانہ ذہن و دماغ والے) تھے۔

ابتدائی راویوں اور ان کی اتباع میں ابتدائی مؤلفین سیرت و مغازی نے بنیادی طور سے ہجرت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر تحریک کو عام طور سے اور ابتدائی مہموں کو خاص طور سے قریش مکہ کی اسلام سے عداوت کے پس منظر میں دیکھا اور سمجھا ہے۔ وہ صحیح سمجھتے تھے کہ قریش مکہ مدینہ میں اسلام کے کسی مذہبی، سیاسی اور فوجی نظام کو پنپنے نہیں دیں گے کیونکہ وہ اثرات مکہ کی سیاسی اور مذہبی بالا دستی کے خاتمے کے مترادف ہوتا، عداوت قریش کے اس پس منظر میں اخباریوں نے یہ خیال کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جو بھی سیاسی یا فوجی کارروائی کی یا کرنی چاہی وہ دراصل قریش کے عداوتِ اسلام کے بطن سے پیدا ہونے والی ممکنہ کارروائیوں کی پیش بندی تھی۔ چنانچہ اپنے اس خیال کے مطابق انھوں نے یہ سمجھا کہ ہجرت

کے بعد اور غزوہ بدر سے پہلے سترہ اٹھارہ مہینوں کے عرصے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اردگرد کے علاقوں میں جو سیاسی اور فوجی حکمتِ عملی اختیار کی تھی اس کا اصل نشانہ قریشی کارواں تھے جو مدینہ کے قریب سے گذرنے والی بین الاقوامی شاہراہِ تجارت پر ہر سال شام اور دوسرے شمالی علاقوں کو جایا کرتے تھے۔

جدید مؤرخین نے عام طور سے اور مغربی مؤرخین نے خاص طور سے مآخذ اسلامی کے متعین کردہ نقطۂ نظر کی روشنی میں ان ابتدائی مہموں کی تاریخی تشریح و تعبیر کا کام شروع کیا اور ان کے اسباب و عوامل، مسائل و وسائل اور مقاصد و محرکات کی چھان بین کی اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ مدینہ ایک چھوٹی سی بستی تھی جو خالی ہاتھ آنے والی کثیر مہاجر آبادی کا بوجھ نہیں برداشت کر سکتی تھی۔ چنانچہ ان مہاجرین کی معاشی اور اقتصادی ضروریات کی فراہمی کے لیے پیغمبر اسلام نے عربوں کے قدیم اور مسلّمہ طریق غارت گری یعنی "رزیہ" کو اختیار کیا کہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ قریش مکہ کے تجارتی کاروانوں سے بڑھ کر اور کون سا فوری اور مفید ذریعۂ آمدنی تھا چنانچہ ان کاروانوں پر چھاپے مارنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے بعد میں کچھ ایسے واقعات بھی پیش آ گئے جن سے اس تاثیر یا نتیجہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔ مغربی مصنفین و مؤرخین نے پہلے دور میں چونکہ اسلام کا مطالعہ یہودیت اور اسلام یا عیسائیت اور اسلام کی مذہبی اور سیاسی آویزش کے پس منظر میں کیا تھا اس لیے انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر شدید اور بسا اوقات متعصبانہ و مخالفانہ حملے کیے اور اسلامی غزوات و سرایا کو عموماً اور ابتدائی مہموں کو خصوصاً قبل اسلام عرب کے "رزیوں" یا لوٹ مار کے حملوں اور چھاپوں کے مماثل قرار دیا اور مسلمانوں اور ان کے پیغمبر کو ایک غارتگر جماعت کے روپ میں پیش کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ مطالعہ معاندانہ تھا اور اسلامی تاریخ و تہذیب کو مسخ کرنے کی نیت سے کیا گیا تھا۔ ہمارے موجودہ عہد میں خاص کر بیسویں صدی کے وسط میں جب مغربی مصنفوں اور مستشرقوں نے اسلام کا مطالعہ معروضی اور سائنٹیفک بنیادوں پر کرنے کا دعویٰ کیا تو ان مہموں کے دوسرے سماجی اور سیاسی محرکات و مقاصد تلاش کیے لیکن بنیادی طور پر ابتدائی مہموں کے بارے میں ان کے یہاں بھی اولیت اقتصادی محرکات و عوامل کو حاصل رہی جس کی داغ بیل ان کے پیشروؤں نے ڈالی تھی البتہ یہ ضرور ہوا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر معاندانہ حملوں سے گریز کیا گیا اور ذمہ داری انسانی طمع و حرص اور لٹیرانہ ذہنیت سے حالات و زمانہ کی اقتصادی مجبوریوں اور معاشی محرکات کی طرف منتقل کر دی گئی۔ یعنی ابتدائی مہموں کو لوٹ مار اور غارت گری کی پرانی کارروائیوں کی ہی رہی البتہ مسلمان اس کے لیے کسی حرص و ہوس کی وجہ سے ذمہ دار نہ تھے بلکہ حالات ذمہ دار تھے۔ جدید مغربی مؤرخین میں سے اکثریت اسی نقطۂ نظر کی حامی ہے لیکن اب بھی کوئی نہ کوئی ان مہموں کی پرانی تشریح و تعبیر کو اپنا مذہبی اور ملّی فرض سمجھ لیتا ہے۔

ہمارے مشرقی اور مسلم جدید مؤرخین کی اکثریت جدید مغربی مؤرخین کے نقطۂ نظر کو قبول کرتی ہے لیکن تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔ ان کا خیال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اصلاح امّت کے کام کے بعد قریش مکہ کے خلاف ایک جارحانہ یا اقدامی پالیسی اختیار کی اور اس کا پہلا اظہار ان ابتدائی مہموں کی شکل میں ہوا یعنی آپ نے ہجرت اور غزوۂ بدر کے درمیان سات آٹھ فوجی مہمیں ترتیب دیں جن کا اصل نشانہ قریشی کارواں تھے لیکن مقصد ان کا لوٹنا نہیں تھا بلکہ اشراف مکہ کے ذہنوں پر یہ نقش

مرتسم کرنا تھا کہ اسلامی ریاست ایک فوجی اور سیاسی طاقت تھی جس کے ساتھ ان کو کسی قسم کی مصالحت یا مفاہمت کرنا ناگزیر ہوگا۔ یہ مفاہمت اور مصالحت اس مقصد سے کی جا رہی تھی کہ عداوت اور دشمنی کا دور ختم ہو اور دوستی اور بھائی چارے کے زمانے کا آغاز ہو کیونکہ اسلام کا اصل پیغام یہی ہے۔ اسی طرح ان مسلم مورخین کے نزدیک ان ابتدائی مہموں کا مقصد یہ تھا کہ اقتصادی دباؤ ڈال کر مکیوں کو سیاسی مفاہمت پر مجبور کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس نقطۂ نظر کے مطابق بھی ابتدائی مہموں کا اصل نشانہ قریشی کارواں ہی تھے چاہے ان کا مقصد ان کو لوٹنا رہا ہو، محض اقتصادی دباؤ ڈالنا رہا ہو۔

ان جدید مسلم مشرقی مورخین کے علاوہ خال خال کچھ ایسے بھی مسلمان سیرت نگار پائے جاتے ہیں جنہوں نے ابتدائی مہموں کو ان کے صحیح تناظر میں سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کا طرزِ نگارش و طریق استدلال یا تو معذرت خواہانہ اور دفاعی ہو گیا ہے یا انہوں نے اپنی رائے کو دلائل و براہین سے مستحکم نہیں کیا ہے۔ ضرورت تھی کہ ان مہموں کا ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا جائے تاکہ ان کے محرکات، مسائل اور مقاصد کی نشاندہی کی جائے اور واضح کیا جائے کہ آیا ان مہموں کا مقصد لوٹ مار و غارت گری تھی تاکہ ننگے بھوکے مہاجرین کی مادی ضروریات پوری کی جا سکیں یا قریش مکہ کو اقتصادی طور پر زک پہونچانا اور سیاسی اشتعال دلانا تھا کہ آئندہ کے لیے فوجی اقدام کا راستہ کھل جائے اور اس کی ذمہ داری مکیوں پر ہی رہے۔ یا محض اقتصادی دباؤ ڈال کر ان کو سیاسی مفاہمت پر مجبور کیا جائے اور اس طرح عرب دنیا میں اسلام اور مکی اشرافیہ باہمی مفاہمت کے سائے میں دو الگ الگ اور خود مختار اکائیوں کی طرح جئیں اور جینے دیں یا ان تمام صورتوں سے الگ ان مہموں کی کوئی اور تشریح و تعبیر کی جا سکتی ہے جو ان کی اصل نوعیت اور ماہیت کو اُجاگر کرتی ہے اور جو اسلامی تعلیمات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و مزاج اور اسلامی تہذیب سے میل کھاتی ہے کیوں کہ موجودہ تمام تعبیرات و تشریحات تمام اسلامی اصولوں اور اقدار کی نفی کرتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ماخذ میں مذکور بعض اہم حقائق سے بھی ان کی تائید نہیں ہوتی اور ان پر بعض شدید اور اہم اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن سے ذہنوں میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان مہموں کا محرک اور مقصد کچھ اور تھا جو ابھی تک پوری طرح سے واضح نہیں ہوا ہے۔ یہ مضمون اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔

۱۔ پہلی مہم :-

مغازی نگاروں کے سالار واقدی کا بیان ہے کہ مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کے چھ ماہ کے اندر پہلی مہم (سریہ) ترتیب دی جو ایک نواحی علاقے میں بھیجی گئی تھی اور ہجرت کے تقریباً اٹھارہ ماہ کے اندر سات مزید مہمیں منظم کی گئی تھیں۔ ان میں چار سرایا اور چار ہی غزوات تھے اور انھیں مہموں کو ابتدائی مہموں کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اسلامی ریاست کی تشکیل کے آغاز میں اور غزوۂ بدر سے پہلے واقع تھیں۔ محمد بن حبیب بغدادی کے نزدیک ابتدائی مہموں کی تعداد دس تھی جن میں سے چھ غزوات تھے۔ آخری دو غزوات بدر سے پہلے واقع ہوئے تھے۔ ابتدائی مورخین و سیرت نگاروں کے درمیان اس امر پر اختلاف ہے کہ پہلی مہم کی قیادت کی سعادت (لواء) کس کے حصہ میں آئی تھی؟ ابن اسحاق کا بیان و خیال ہے کہ یہ خوش نصیبی حضرت عبیدہ بن حارث

کے حصہ میں آئی تھی۔ اور یہی خیال ابن اسحاق کے بعض متبعین کے یہاں پایا جاتا ہے۔ سیرت نگاروں کا دوسرا طبقہ جس کی سرخیل واقدی کو حاصل ہے اور جس میں ابن سعد، بلاذری وغیرہ شامل ہیں اس خیال کا حامی ہے کہ اولیت کا سہرا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے سر بندھا تھا۔ جدید مؤرخین کی غالب اکثریت دوسرے نقطۂ نظر کے حق میں ہے اور ایک جدید مغربی مستشرق جے، ایم، بی جونس (J. M. B. JONES) کی تحقیق ہے کہ واقدی کی ترتیب مغازی رسولؐ زیادہ صحیح ہے اس لیے جہاں روایات میں تناقض و تصادم ہو وہاں واقدی کی روایت و ترتیب کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے۔

بہر حال اگر واقدی اور ان کے ہمنواؤں کا نقطۂ نظر تسلیم کر لیا جائے تو عہد نبوی کی پہلی مہم رمضان ۱ھ مطابق مارچ ۶۲۳ء میں حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی سرکردگی میں ساحلی پٹی (سیف البحر) کی جانب گئی تھی۔ اس مہم میں کل تیس مسلم سپاہی تھے۔ واقدی نے ان مسلم سپاہیوں کی قبائلی نمائندگی و نسبت کے بارے میں دو روائتیں بیان کی ہیں۔ عام اور مشہور روایت تو یہ ہے کہ تمام شرکاء مہم مہاجر تھے اور ان میں انصاری کوئی نہ تھا۔ لیکن دوسری روایت کے مطابق جو پہلے اور زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے اس پہلی مہم میں مہاجر اور انصار برابر شامل تھے۔ ساحلی پٹی پر مسلمانوں کا سامنا (تعرض) ایک قریشی کارواں سے ہوگیا جو شام سے مکہ سے لوٹ رہا تھا۔ اس میں تین سو مکی تھے اور ان کا قائد ابوجہل تھا۔ سامنا ہوتے ہی وہ جنگ (قتال) کیلئے صف آرا ہو گئے (اصطفوا) لیکن ان کے درمیان جہینہ کا سردار مجدی بن عمرو حائل ہو گیا کبھی وہ ان کی طرف کبھی وہ اُن کی طرف دوڑتا رہا یہاں تک کہ مکہ والے اپنے کارواں اور محافظوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت حمزہؓ مدینہ کو واپس ہولئے اور ان کے بیچ کوئی لڑائی (قتال) نہیں ہوئی۔

ابن سعد کا بیان تقریباً یہی ہے۔ صرف اضافہ یہ ہے کہ وہ مہم کی منزل کا نام العیص بتاتا ہے۔ اس کا بیان دراصل ابن اسحاق، ان کے جامع ابن ہشام اور واقدی کے بیانات کا مجموعہ ہے۔ ابن اسحاق اور ان کے جامع کے بیان میں مہم کے شرکاء میں انصار کی شمولیت کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف یہ دعویٰ بھی ہے کہ انصار میں سے کوئی اس مہم میں شریک نہ تھا۔ بلاذری نے واقدی اور ابن سعد سے اتفاق کیا تو یعقوبی اور ابن اثیر نے ابن اسحاق سے۔ طبری کے بیان میں کچھ اضافے ہیں۔ اول یہ کہ العیص اور اس کے نواح میں قبیلہ جہینہ بستا تھا جس کی تائید بالواسطہ دوسرے تمام مذکورہ ماخذ سے بھی ہوتی ہے لیکن ابن اثیر کے بیان سے بصراحت ہوتی ہے۔ دوسرے طبری کا اپنا تبصرہ یہ ہے کہ واقدی کے بقول یہ سریہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی کارروانوں (عیرات قریش) پر چھاپہ مارنے کے لیے (للیعترض) ترتیب دیا تھا۔ مذکورہ بالا تمام ماخذ میں یہ بات ضرور کہی گئی ہے کہ یہ مہم ساحل کی جانب گئی جہاں اس کا سامنا ایک قریشی کارواں سے ہوا۔ مگر طبری کے بیان سے قریشی کارواں پر چھاپہ مارنا یا روک ٹوک کرنا اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے طرفہ ستم یہ کہ طبری نے اپنی طرف سے اضافہ کر کے واقدی کے نام سے اسے منسوب کر دیا۔ طبری کے سوا تمام ماخذ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ قریشی کارواں سے سامنا اور ملاقات اتفاقی تھی جبکہ اول الذکر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بھیجی گئی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مہم کیوں اور کس علاقے میں بھیجی گئی تھی؟ اگر اس کا مطالعہ آزادانہ کیا جائے جیسا کہ طبری نے کیا یا جو ہمارے جدید مورخین کا طریقہ ہے تو یہی تاثر نکلتا ہے کہ قریشی کاروان اس کا اصل نشانہ تھا۔ لیکن یہ مطالعہ تاریخی تناظر میں نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں کئی معاملات تشنہ رہ جاتے ہیں۔ اوّل تو مہم کا علاقہ ہے۔ طبری اور ابن اثیر کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ العیص اور اس کے نواح قبیلہ جہینہ کے علاقے تھے۔ دوسرے مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ جہینہ مدینہ کے انصار کے ایک قبیلہ خزرج کا قدیم حلیف و دوست تھا جبکہ اسی نواح کا دوسرا بدوی قبیلہ مزینہ مدینہ کے اوس قبیلے کا حلیف و دوست تھا۔ اور اسی رشتہ حلف اور دوستی کے سبب ان دونوں بدوی قبیلوں نے اپنے اپنے مدنی حلیفوں کی جانب سے جنگ بعاث میں فعال حصہ لیا تھا۔ اور صرف اسی جنگ میں نہیں بلکہ اوس اور خزرج کی اور بھی آویزشوں میں یہ دونوں بدوی قبیلے حصہ لیتے رہے تھے۔ اور اس طرح ان کا اپنے اپنے مدنی حلیفوں سے رشتہ اتحاد مضبوط تر اور مستحکم تر ہوتا گیا تھا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی سیاسی اور سماجی نظام قائم کیا تو پرانے حریف و متحارب اوس و خزرج کے قبیلے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور مہاجرین کے ساتھ مل کر وہ اسلامی امت کے رکن رکین ہوئے۔ عرب دستور کے مطابق حلیف کے حلیف دوست ہوتے تھے چنانچہ بظاہر اوس اور خزرج کے حلیف مزینہ اور جہینہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے حلیف اور دوست ہو گئے تھے بالکل اسی طرح جس طرح وہ انصار کے تھے۔ گویا کہ وہ اب انصار کے دو الگ الگ قبیلوں کے حلیف نہ تھے بلکہ اسلامی امت کے حلیف تھے۔ اسلامی مآخذ میں ان قبائل سے اس رشتۂ حلف کے استوار ہونے کی حقیقت کا بصراحت کہیں بھی ذکر نہیں ہے لیکن وہ ان کے متعدد بیانات میں مضمر ہے۔ قبیلۂ جہینہ کے سردار مجدی ابن عمرو کے مصالحانہ کردار کے ذیل میں مآخذ کا بیان ہے کہ اس نے قریش کہ اور سریہ حمزہ کے بیچ مصالحت اس لئے کرائی تھی کہ وہ دونوں فریقوں کے ساتھ صلح کے تعلقات رکھتا تھا۔ موجودہ عہد کے ایک اہم مستشرق مونٹگمری واٹ (MONTGOMERY WATT) کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ مہاجرین و انصار کے بعد سب سے زیادہ مدد و تعاون اسلامی ریاست کو انھیں دو مغربی بدوی قبیلوں سے ملا تھا اور ان کے بعد باقی دوسرے مغربی قبائل بھی اسلامی امت کے زیر اثر آ گئے تھے اور کچھ مدت بعد وہ امت کے مکمل رکن بن گئے تھے۔

اس تاریخی تناظر میں اس مہم کو دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل مقصد قبیلۂ جہینہ سے دوستی کے تعلقات استوار کرنا تھا جیسا کہ طبری اور ابن اثیر کے ایک فقرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ مزید تصدیق بالواسطہ بعد کی تمام دوسری مہموں سے بھی ہوتی ہے جو مغربی ساحل کے دوسرے علاقوں میں گئی تھیں۔ اس کے علاوہ جہنی سردار کا رویہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ مزید برآں فریقین کی عددی طاقت بھی اس کے حق میں ہے تیس مسلمانوں کا مقابلہ تین سو مکیوں سے تھا۔ اگر بعض مغربی محققین کا یہ نظریہ کہ مکی کاروانوں کے محافظوں کی تعداد میں مبالغہ ہے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بہر حال فریق مخالف کو مسلم جماعت پر کئی گنا برتری حاصل تھی۔ اور ظاہر ہے کہ مسلم جماعت اپنے سے کئی گنا طاقتور فریق پر حملے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی وہ گھات لگا کر کامیاب ہو سکتی تھی۔ پھر یہ کہ اگر یہ مہم چھاپہ مار کارروائی کے لیے ترتیب دی گئی تھی تو ظاہر ہے کہ مخبروں اور جاسوسوں کی اطلاعات پر ہی کی گئی ہوگی۔ یہ تسلیم کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ مسلم جاسوسوں نے فریق مخالف

کی تعداد و عسکری قوت کو معلوم نہ کرنے کی غلطی کی ہو گی - اگر مسلمانوں کو قریشی کارواں کی عددی طاقت کا ذرا بھی اندازہ تھا تو اتنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اس پر چھاپہ مارنے کے لیے نکلنا زیادہ سے زیادہ جرأت بے جا کہلائے گی اور سب سے بڑھ کر یہ حقیقت بھی مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ مآخذ سے چھاپہ مار منصوبے یا مقصد کی تصدیق نہیں ہوتی - ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قریشی کارواں اور مسلم جماعت کا سامنا اتفاقاً اور اچانک ہو گیا تھا - ورنہ درحقیقت یہ مہم قبیلہ جہینہ سے کسی کا معاہدہ یا دوستی کا رشتہ استوار کرنے گئی تھی اور سردار جہینہ کی موقعہ پر موجودگی بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے -

۲- دوسری مہم :-

واقدی کی ترتیب مغازی کے مطابق دوسری مہم پہلی مہم کے ایک ماہ کے اندر حضرت عبیدہؓ بن حارث کی زیر قیادت رابغ کے علاقے میں بھیجی گئی تھی، رابغ قُدَید جانے والے راستے پر جُحفہ سے دس میل کی مسافت پر واقع ہے - اس مہم میں ساٹھ سوار تھے - ان کا سامنا ایک قریشی کارواں سے جو ابوسفیان کی سرکردگی میں (غالباً مکہ سے آرہا) تھا - وادی رابغ میں واقع ایک احیاء نامی چشمے پر ہوا - قریشی کارواں میں دو سو مکی تھے - اگرچہ کوئی جنگ نہیں ہوئی تاہم حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مسلم جماعت کی طرف سے ایک اور دوسری روایت کے مطابق اپنے ترکش کے کل بیس تیر چلا ڈالے - پھر فریقین اپنے اپنے راستے ہو لئے - حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ اس مہم میں سب کے سب مہاجر تھے اور کوئی انصار نہ تھے اور انہوں نے عبیدہ سے کہا تھا کہ قریشی مرعوب ہو گئے ہیں اگر ہم ان کا تعاقب کریں تو ان کو بہ آسانی جا پکڑیں گے مگر کسی نے ہماری بات نہ مانی اور ہم مدینہ لوٹ آئے -

ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان اس مہم کے بارے میں کچھ مختلف ہے - اوّل یہ کہ دونوں کے نزدیک یہ اسلام میں پہلا سریہ تھا - دوم یہ کہ شرکائے مہم کی تعداد ساٹھ یا اسی تھی - سوم یہ کہ مہم کی منزل کی تصریح نہیں کی گئی ہے صرف یہ کہا گیا ہے کہ حجاز میں ثنیۃ المرۃ کے زیریں علاقے کے ایک چشمہ کی طرف کی گئی تھی - چہارم یہ کہ مسلمانوں کے حامی تھے (وللمسلمین حامیۃ) پنجم یہ کہ مشرکوں کی جماعت سے بنو زہرہ کے حلیف مقداد بن عمرو بہرانی اور بنو نوفل کے حلیف عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی ٹوٹ کر مسلمانوں سے آملے تھے کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے اور اسی غرض سے قریشی کارواں میں شامل ہو کر آئے تھے - ششم یہ کہ قریشی کارواں کے قائد عکرمہ بن ابی جہل مخزومی اور دوسری روایت کے مطابق مکرز بن حفص تھے -

ابن سعد کی روایت اگرچہ واقدی کے مماثل ہے تاہم اس میں کچھ قابلِ قدر اضافے ہیں - اوّل یہ کہ اسلامی مہم کا پرچم (لواء) سفید رنگ کا تھا اور علمبردار حضرت مسطح بن اثاثہ مطلبی تھے - دوم یہ کہ دونوں فریقوں کا آمنا سامنا جس جگہ ہوا وہ شاہراہ تجارت سے ذرا بائیں کو ہٹ کر تھی اور سوم یہ کہ مشرکین کہ اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے شاہراہ چھوڑ کر اُتر آئے تھے - بلاذری کی روایت واقدی کی تلخیص ہے - سوائے اس نکتہ کے کہ وہ اس مہم کو سریہ ثنیۃ المرۃ کے نام سے یاد کرتا ہے - یعقوبی کی روایت ابن اسحاق اور ان کی جامع کی روایات کا مکمل چربہ ہے - صرف تشریحی تعلیقات کا اضافہ ہے طبری نے اپنی روایت میں واقدی اور ابن سعد کی روایات کے تمام اہم نکات کو جمع کر دیا ہے -

مآخذ میں سے اس مہم کے بارے میں کسی کا دعویٰ نہیں ہے کہ یہ مہم قریش کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ ان سب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وادی رابغ کے چشمے پر ان کی ملاقات اتفاقی تھی۔ ابن سعد کے بیان سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ اگر قریشی کارواں نے اپنا راستہ چھوڑ کر قیام نہ کیا ہوتا اور جانوروں کو چرانے کے لئے وادی میں داخل نہ ہوئے ہوتے تو مسلم جماعت سے ان کا سامنا بھی نہ ہوا ہوتا۔ اس سے ایک نکتہ اور روشنی میں آتا ہے جو کافی اہمیت کا حامل ہے۔ مآخذ میں سے بعض نے صراحتاً اور بعض نے اشارتاً کہا ہے کہ مسلم مہم کی منزلِ مقصود ثنیۃ المرۃ کے زیریں علاقہ کا ایک چشمہ تھا اور یہ چشمہ عام راستے سے ہٹ کر تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں نے یا تو قریشی تجارت کی شاہراہ پر سفر ہی نہیں کیا تھا یا کیا بھی تھا تو وہ اس راستے سے ہٹ کر اندرون وادی گئے تھے اگر تجارت کا قریشی کارواں ان کا اصل نشانہ تھا تو ان کے راستے سے ہٹنا نہ تھا بلکہ اسی پر سفر کرنا تھا اور جہاں موقع ملتا گھات لگا کر حملہ کرتے۔ دوسری طرف کاروانِ قریش کے راستے سے ہٹ کر قیام کرنے اور جانوروں کے چرانے کا مسئلہ تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ مرکز اسلام کے بالکل قریب اور مسلمانوں کے حلیفوں اور زیر اثر قبیلوں کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ ان کا اس علاقہ میں قیام کرنا، راستہ چھوڑ کر اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے چھوڑ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو کم از کم مدینہ کے مسلمانوں سے اپنے اس کارواں یا تجارت کے لیے کوئی خطرہ اب تک محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس ضمن میں یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ صرف ایک ماہ پہلے ان کے شام سے مکہ لوٹنے والے ایک کارواں کی مسلم جماعت سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کارواں کے لوگوں سے مکہ والوں نے اس ملاقات کا ذکر ضرور کیا ہوگا۔ اگر مکہ والوں کو ذرا سی بھی بھنک مل گئی ہوتی یا تھوڑا سا بھی احساس ہوا ہوتا کہ مدینہ کے مسلمان ان کے کارواں پر حملہ کرنے کی نیت رکھتے ہیں تو وہ اس کے تدارک کا مکمل بندوبست کرتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مآخذ اور جدید محققین دونوں کا دعویٰ ہے کہ مکی اپنی تجارت اور اس کے تحفظ کے بارے میں بڑے حساس تھے اور ظاہر ہے کہ یہ قدرتی بھی تھا کیونکہ ان کی مادی آسائشوں بلکہ پوری اقتصادی زندگی کا انحصار اسی تجارت پر تھا۔ بہرحال اس کے برخلاف ہمارے مشاہدے میں آتا ہے کہ اس بار مکی کارواں کے افراد میں ایک تہائی کی کمی آتی ہے۔ اور وہ محض دو سو رہ جاتے ہیں جبکہ پہلے کارواں میں ان کی عددی طاقت تین سو تھی۔ اس کے علاوہ ایک اہم نکتہ اس ضمن میں یہ ہے کہ بقول ابن اسحاق مسلمانوں کے حامی بھی تھے۔ یہ حامی کون تھے؟ اور ان کا ذکر کیوں کیا گیا؟ ان سوالوں کا جواب مآخذ کے ان بیانات سے تو نہیں ملتا تاہم دوسرے مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ وادی رابغ جحفہ اور ابوا یا ودان کے درمیان واقع تھی اور وہاں حاجیوں کا راستہ گزرتا تھا (تجارتی قافلوں کا نہیں) اور یہ پورا علاقہ قبائل خزاعہ اور ان کے حلیف بنو ضمرہ کا تھا۔ خزاعہ سے خاندانِ رسولؐ کے قدیم حلیفانہ تعلقات تھے جبکہ بنو ضمرہ سے آپؐ نے مدینہ پہنچ کر معاہدۂ حلف کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں مغربی قبیلے نہ صرف مدینہ کے زیر اثر تھے بلکہ ان کے انصار سے قریبی تعلقات اسلام سے پہلے کے تھے اور غالباً یہی قبیلے مسلمانوں کے حامی بتائے گئے ہیں۔ اگر مسلم جماعت کی عددی طاقت کاروان قریش سے فروتر تھی تو اس کی تلافی ان بدوی قبیلوں سے کمک مانگ کر پوری کی جا سکتی تھی بشرطیکہ مسلمانوں کو اس کارواں پر چھاپا مارنا مقصود ہوتا۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ بیان کہ انہوں نے قریشی کارواں کی مرعوبیت دیکھ کر حملہ کرنے کی ترغیب دی تھی مگر امیر سریہ یا ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے اسے قبول نہیں کیا صاف ظاہر کرتا ہے

کہ مسلمانوں کا مقصد کچھ اور تھا، کارواں پر چھاپہ مارنا کم از کم نہ تھا اس ضمن میں یہ نکتہ بھی خاصا اہم ہے کہ اگر بفرضِ محال یہ قریشی کارواں مسلم مہم کے چنگل سے نکل گیا تھا تو اس کو آگے کی کسی منزل پہ پھر گھیرا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ شام کو جا رہا تھا۔ مسلم امیر سریہ ایک یا دو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ مدینہ خبر بھیج کر ایسا بندوبست بہ آسانی کروا سکتے تھے کیونکہ وہ لامحالہ مدینہ کے قریب سے دو چار دن کے بعد ضرور گزرتا اور مدینہ سے ایک بڑا یا برابر کا لشکر لا کر اس کو بہ آسانی گھیرا جا سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم مہم کا مقصد قریشی کارواں پہ چھاپہ مارنے کے بجائے اور کچھ تھا اور یہ کچھ غالباً اس علاقے کے بدوی قبیلوں سے رشتہ دوستی استوار یا مضبوط کرنا معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ تیسری مہم :-

اس سلسلے کا تیسرا سریہ خرّار تھا جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے زیرِ کمان خرار نامی علاقے تک گیا تھا۔ واقدی کے بقول یہ دوسری مہم کے ٹھیک ایک ماہ بعد ذی قعدہ ۱ھ مطابق مئی ۶۲۳ء میں بھیجی گئی تھی۔ مہم کی منزل کے علاقہ میں چشمہ خم کے قریب تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے کہا تھا کہ ایک قریشی کارواں گزرنے والا ہے لہٰذا وہ خرّار جائیں اور اس سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ وہ بیس یا اکیس پیادوں (راجل) کے ساتھ مہم پر نکلے اور دن میں چھپتے اور رات کو سفر کرتے پانچویں صبح کو منزل پہ پہنچے مگر قافلۂ تجارت کچھ مدت پہلے (بالامس) گذر چکا تھا۔ حضرت سعد کی طرف بیان منسوب ہے کہ اگر ممانعتِ نبوی نہ ہوتی تو وہ خرّار سے آگے بڑھ کر قافلے کو جا لیتے۔ ابن سعد کے بیان میں صرف اضافہ یہ ہے کہ اس سریہ میں بھی پرچم سفید تھا جس کے بردار حضرت مقداد بن عمرو بہرانی تھے۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے متحدہ بیان میں شرکائے مہم کی تعداد محض آٹھ بتائی ہے۔ جو سب کے سب مہاجر تھے۔ اس کے مطابق خرار ارضِ حجاز میں تھا۔ مسلمانوں کی ملاقات کسی کید (لڑائی بھڑ) سے نہیں ہوئی اس لیے وہ واپس لوٹ آئے۔ اس بیان میں کسی قریشی کارواں کی طرف نہ تو اشارہ ہے نہ کوئی حوالہ۔ بلاذری نے واقدی کی روایت کی تلخیص کر دی ہے۔ یعقوبی نے ایک اہم اور دلچسپ اضافہ کیا ہے کہ جب حضرت سعدؓ کی مہم نے خرّار نامی چشمے پر پڑاؤ کیا تو اس نے بنو ضمرہ کے کچھ مویشی پکڑ لیے اور واپسی میں اپنے ساتھ مدینہ لائے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سارے مویشی بنو ضمرہ کو لوٹا دیئے کیوں کہ ان سے آپ کا دوستی (حلف) کا معاہدہ تھا۔ یعقوبی بھی کسی قریشی کارواں کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ طبری نے واقدی اور ابن سعد کی روایت بیان کی ہے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ کاروان قریش حضرت سعد کے خرّار پہنچنے سے صرف ایک دن پہلے (قبل ذلک بیوم) نکلا تھا۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ طبری نے مسلمانوں کی تعداد پندرہ یا اکیس مہاجر پیادے بتائی ہے جبکہ قریشی کارواں کی عددی طاقت ساٹھ بتائی ہے۔

مآخذ میں سے ابنِ اسحاق، ابنِ ہشام، یعقوبی وغیرہ سے اس مہم کا قریشی کارواں کے خلاف بھیجا جانا ثابت نہیں ہوتا بلکہ واضح ہوتا ہے کہ اس کا مقصد کم از کم قریشی کارواں پر چھاپا مارنا نہ تھا بلکہ یعقوبی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنو ضمرہ کا علاقہ تھا۔ غالباً ان سے گفت و شنید یا کسی قسم کا معاملہ طے کرنے کے لیے اس کو بھیجا گیا تھا مسلمانوں نے غلطی سے ان کے بعض مویشی پکڑ لیے تو ان کو

واپس کر دیا گیا۔ اس سے مزید معلوم ہوتا ہے کہ بنو ضمرہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدۂ حلف پہلے سے ہو چکا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کب اور کہاں یہ معاہدہ ہوا تھا؟ اس کا ممکن اور قرینِ قیاس جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ معاہدہ حضرت عبیدہ کی مہم رابغ کے دوران ہوا ہوگا۔ بہرحال یہ حتمی ہے کہ یہ معاہدہ حضرت سعدؓ کی مہم خرار سے پہلے تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

جہاں تک واقدی، ابن سعد، بلاذری اور طبری کی روایت کا تعلق ہے وہ واضح طور سے ایک قریشی کارواں کا ضرور ذکر کرتی ہیں۔ لیکن کیا اس سے یہ سمجھ لینا صحیح ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کارواں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ جدید مؤرخین نے اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ کسی طور سے بھی نہیں نکلتا۔ بلکہ اس کی تردید کے متعدد ثبوت ملتے ہیں۔ پہلا نکتہ اور ثبوت تو یہ ہے کہ ماخذ میں سے کسی نے بھی قریشی کارواں پر حملہ کرنا مقصود یا محرک نہیں بتایا ہے۔ پھر اگر چھاپہ مارا اور لوٹ مار ہی مقصد تھا تو حضرت سعد کو خرار سے آگے بڑھنے سے کیوں روکا گیا تھا؟ بالخصوص یہ حقیقت بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ اگر ممانعتِ رسولؐ آڑے نہ آتی تو وہ کارواں کو جا لیتے۔ ظاہر ہے کہ قرینِ قیاس تو یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے کہ کسی بھی طور سے قریشی کارواں پر حملہ کرنا ہے۔ پھر جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کاروانِ قریش کے گزرنے کا علم تھا اور غالباً تاریخ کا بھی۔ پھر آپ نے یہ ساری مہم پیادوں پر کیوں مشتمل بھیجی تھی جس نے سفر میں چار قیمتی دن ضائع کر دیئے۔ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر یہ مہم سواروں پر مشتمل ہوتی تو قافلے کے گزرنے سے بہت پہلے (طبری روایت کے مطابق) ورنہ کچھ پہلے (دوسروں کی روایت کے مطابق) تو ضرور اپنے مقام تک پہنچ گئی ہوتی۔ اس کے علاوہ دونوں مہموں یعنی فریقین کی عددی طاقت کا معاملہ ہے۔ اس تیسری مہم میں دونوں کی تعداد گھٹتی جا رہی ہے۔ کیا دونوں فریق کم تعداد کرنے کی مسابقت کر رہے تھے؟ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ قریش کو اپنی تجارت کے لئے مدینہ کی طرف سے کوئی خطرہ اب تک محسوس نہیں ہوا تھا۔ تو جدید مؤرخین کے دعوے کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو پورے ہوش و حواس اور منصوبے کے ساتھ قریشی کاروانوں پر حملہ کرنا یا ان کو مرعوب کرنا چاہ رہے تھے۔ بیس اکیس یا محض آٹھ پیادوں کے ساتھ تو یہ دونوں مقصد حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ رات میں سفر کرنا اور دن میں چھپے رہنا بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مقصد جو اس مہم کا ہو سکتا ہے وہ قریشی کارواں کے بارے میں خبریں اور معلومات فراہم کرنا تھا۔

۴۔ چوتھی مہم :۔

واقدی اور ان کے طبقۂ فکر کے مؤرخین کے بقول ان تین "سرایا" کے بعد پے در پے چار غزوات پیش آئے جن کی قیادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ ان میں سے پہلا غزوہ ایوا یا ودان کہا جاتا ہے۔ واقدی کے بقول صفر ۲ھ / اگست ۶۲۳ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھ سواروں کے ساتھ کاروانِ قریش کو روکنے کی غرض سے نکلے لیکن کسی کے کید (لڑائی کی مڈبھیڑ) نہ ہوئی۔ اسی غزوہ میں آپ نے کنانہ کے ایک خاندان بنو ضمرہ سے معاہدہ (کتاب) کیا کہ نہ وہ آپ پر حملہ کریں اور نہ آپ کے خلاف کسی کی مدد کریں۔ معاہدہ لکھ کر آپ مدینہ واپس آئے جہاں سے آپ کی غیر حاضری کی مدت پندرہ راتوں کی تھی ابن سعد نے

اپنے استاد کی روایت پر کچھ اضافے کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس مہم میں علمبردار حضرت حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ اور مدینہ میں نائب رسول حضرت سعد بن عبادہ خزرجی تھے۔ دوسرے یہ کہ شرکائے مہم سب مہاجر تھے اور ان میں کوئی انصاری نہ تھا۔ تیسرے یہ کہ یہ غزوۂ ابوا بھی کہلاتا اور غزوۂ ودان بھی اور ان دونوں مقامات میں محض چھ میل کا فاصلہ تھا۔ چوتھے یہ کہ یہ پہلا غزوہ تھا۔ پانچویں یہ کہ آپ نے معاہدہ بنوضمرہ کے اس زمانے کے سردار مخشی بن عمرو ضمری سے کیا تھا۔ چھٹے یہ کہ معاہدہ کی شرطیں یہ تھیں کہ نہ آپ بنوضمرہ پر حملہ کریں گے اور نہ بنوضمرہ آپ پر۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اس غزوہ کو آپ کا پہلا غزوہ قرار دیا ہے اور اس کو تمام سرایا سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس کے مطابق آپ قریش اور بنوضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ارادے سے نکلے تھے اور اس غزوہ میں بنوضمرہ نے اپنے مذکورہ بالا سردار کے ذریعہ آپ سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا اور بغیر کسی جنگ و جدال کے آپ مدینہ لوٹ آئے تھے۔ بلاذری نے حسب دستور واقدی کی روایت کی تلخیص کر دی ہے۔ جبکہ یعقوبی نے صرف ایک سطر میں آپ کے ودان جانے اور وہاں کسی کید (لڑائی) سے نہ ملنے پر مدینہ لوٹ آنے کو بیان کیا ہے۔ طبری کا بیان واقدی، ابن سعد اور ابن اسحاق کے بیانات کا مجموعہ ہے۔

تمام روایات کو جانچنے پرکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق، ابن ہشام اور طبری کے نزدیک اس مہم میں آپ نے قریش اور بنوضمرہ دونوں کو مقصود بنایا تھا۔ جبکہ واقدی، ابن سعد اور بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نکلے تو آپ کاروانِ قریش کے لئے تھے مگر بعد میں آپ نے بنوضمرہ سے معاہدہ صلح کر لیا۔ یعقوبی کے یہاں مقصدِ مہم پر سکوت پایا جاتا ہے۔ اس مہم کے بارے میں پہلا اہم نکتہ یہ ہے کہ واقدی اور ان کے متبعین کے سوا اور کسی نے کسی کاروانِ قریش کا ذکر نہیں کیا ہے خود ان مورخین کی روایات میں بھی کارواں کی مزید تفصیلات یا اشارے نہیں ملتے وہ کہاں سے آ رہا تھا کہاں جا رہا تھا، اس میں کتنے اشخاص تھے اور وہ کس کی قیادت میں جا رہے تھے ان تمام سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھر اس کارواں کا کیا ہوا! محض قیاس کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اکثر جدید مورخین نے کیا ہے کہ وہ نکل گیا ہوگا؟ چونکہ قریش کا کارواں ہاتھ نہیں آیا تھا اس لیے آپ نے بطورِ مجبوری بنوضمرہ سے صلح کا معاہدہ کر لیا۔ پھر ابن اسحاق وغیرہ کے اس تبصرہ کا کیا مطلب ہوگا کہ آپ قریش اور بنوضمرہ دونوں کے بارے میں کوئی ارادہ لے کر نکلے تھے۔ اگر یہ قیاس کر لیا جائے کہ بنوضمرہ سے لڑنے کے بجائے صلح و دوستی میں مصلحت دیکھی تھی اور آپ نے ان کی خواہشات و جذبات کے احترام میں ان کی دوستی کا ہاتھ تھام لیا تھا تو کیا اگر قریشی کارواں ہاتھ لگ جاتا اور وہ آپ سے صلح کا طالب ہوتا تو آپ کا کیا رویہ ہوتا؟ قیاس کہتا ہے کہ آپ ان سے بھی صلح کر لیتے۔ اگر ایسا تھا تو پھر کارواں پر حملہ کرنے کا منصوبہ کہاں رہ گیا؟ پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ بنوضمرہ اور قریشی کارواں سے ملاقات کی صورت میں کہ وہ آپ صلح سے انکار کر دیتے تو ظاہر ہے کہ آپ ان سے نبرد آزما ہوتے۔ تو کیا ساٹھ مسلمانوں کے ساتھ آپ بنوضمرہ کے علاقے ہی میں ان سے یا ان کی اور قریشی محافظ فوج کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے تھے! اور بصورتِ جنگ کامیابی کی توقع کر سکتے تھے فوجی حکمت عملی کا ایک معمولی سا طالب علم بھی بیانگِ دہل کہہ سکتا ہے کہ اتنی مختصر سی فوج کے ساتھ آپ دشمن کے علاقے میں ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے کے لئے نہیں نکلے تھے۔ اس لیے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا اصل مقصد بنوضمرہ سے معاہدۂ صلح کرنا یا اس کی تجدید کرنا تھا۔ قریشی کارواں پر حملہ کرنا نہیں تھا۔

۵- پانچویں مہم :-

دوسرا غزوۂ بُواط ابتدائی مہموں کے سلسلے کی پانچویں کڑی تھی - واقدی کے مطابق بُواط ایک مقام تھا جو ضبۃ کے کنارے ذی خشب کے نواح میں واقع تھا اور مدینہ سے اس کا فاصلہ محض تین بُرد تھا - ربیع الاول ۲ھ / ستمبر ۶۲۳ء میں یعنی چوتھی مہم کے ایک ماہ کے اندر اندر آپ کاروانِ قریش کو روکنے کی غرض سے نکلے - اس بار کاروان مکہ میں سو قریشی تھے - اور پندرہ سو اونٹ اور سالار کارواں امیہ بن خلف جمحی تھا لیکن کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور آپ لوٹ آئے - مدینہ سے آپ کی غیر حاضری تقریباً ایک ماہ رہی - ابن سعد کی روایت میں کچھ اہم اضافے ہیں - اول آپ کے سپید پرچم کے علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص تھے اور مدینہ میں آپ کے جانشین حضرت سعد بن معاذ اوسی - دوم یہ کہ مسلم لشکر دو سو صحابہ پر مشتمل تھا - سوم یہ کہ بواط ایک پہاڑی کا نام تھا جو قبیلہ جہینہ کا علاقہ تھا اور جو رضوی پہاڑ کے نواح میں واقع تھا - چہارم یہ کہ بواط مدینہ سے تین برد نہیں بلکہ چار برد کے فاصلے پر تھا - بلاذری کی روایات ان دونوں پیشروؤں کی روایات کی تلخیص ہے - جبکہ یعقوبی نے اس کو ابوا کے مانند قرار دیا ہے اور طبری نے ایک بار پھر واقدی اور ابن سعد کی روایات کو جمع کر دیا ہے - ابن اسحاق اور ابن ہشام کی مختصر روایات میں قریش کے ارادے سے نکلنے اور کسی مڈبھیڑ کے نہ ہونے پر مدینہ واپس آنے کا ذکر ہے -

اگرچہ اکثر مآخذ میں اس مہم کا مقصد یا نشانہ کاروان قریش یا صرف قریش کو بتایا گیا ہے - اور کارواں کے بارے میں بعض مآخذ میں کچھ تفصیلات بھی ہیں خاص کر پہلے غزوہ کے مقابلے میں - لیکن پھر بھی بعض تفصیلات تاریکی میں ہیں - یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کارواں کہاں سے کہاں کو جا رہا تھا؟ پھر اس بار مسلم فوج کی تعداد بعض روایت کے مطابق قریشی کارواں سے دوگنی تھی - موقعہ اچھا تھا - اور اگر کارواں نکل بھی گیا تو اس کا تعاقب آسانی سے کیا جا سکتا تھا - کیونکہ مسلمان سب کے سب سوار تھے اور قریشی کارواں خاصا بڑا تھا - (وہ پندرہ سو اونٹوں پر مشتمل تھا) اور ان کے ساتھ محافظ محض سو تھے اس لیے وہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتے تھے - اور اگر مسلمان بالکل مکہ کے قریب سے ایک کارواں پکڑ لا سکتے تھے جیسے کہ ہم سریہ نخلہ کے ضمن میں دیکھیں گے تو پھر چند منزل دور اس کارواں کو جا پکڑنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقصد نبوی کاروانِ قریش نہ تھا بلکہ ان کی منزل قبیلہ جہینہ کا علاقہ تھا جہاں وہ کسی سیاسی و سماجی مصلحت سے گئے تھے - جیسا کہ ابن سعد کے ایک اشارے سے معلوم ہوتا ہے - وہ مقصد یا مصلحت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ پرانے حلیفوں اور دوستوں سے رشتۂ اتحاد مستحکم تر کیا جائے - اس سلسلہ میں ایک اہم نکتہ مدینہ سے آپ کی غیر حاضری کی مدت تھی - پہلے غزوہ میں آپ پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے تھے اور اس غزوہ میں ایک ماہ - ظاہر ہے کہ یہ دونوں مقامات مدینہ سے ایک یا دو دن کی مسافت پر واقع تھے - باقی مدت آپ وہاں کیوں مقیم رہے؟ ظاہر ہے کہ آپ قریشی کارواں کی واپسی کی توقع اتنی مدت میں نہیں کر سکتے تھے - چنانچہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاقہ جہینہ میں آپ کا قیام کسی اور مقصد سے تھا اور غالب گمان ہے کہ یہ مقصد اس علاقے کے لوگوں سے دوستی کرنا اور مدینہ کی اسلامی ریاست کا حلیف بنانا تھا - کاروانِ قریش پر حملہ کرنا اور اس کو لوٹنا کم از کم اس غزوہ کا مقصد تو کسی طور سے ثابت نہیں ہوتا اور اس کی تردید خود مآخذ کی داخلی شہادتوں

سے ہو جاتی ہے۔

٦- چھٹی مہم

تیسرا غزوہ بدر اولیٰ اور غزوۂ سفوان کے نام سے جانا جاتا ہے۔ واقدی کا بیان ہے کہ ربیع الاوّل ۲ھ میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے اونٹوں پر جو چراگاہ اور اس کے نواح میں چرتے تھے حملہ کیا تھا۔ خبر سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حملہ آوروں کے تعاقب میں نکلے مگر وہ بچ کر نکل گئے۔ ابن سعد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں بھی مسلم فوج کا پرچم سفید تھا اور علمبردار حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ اور مدینہ میں آپ کے نائب حضرت زید بن حارثہ تھے۔ جماءً ایک پہاڑی تھی جو وادی عقیق میں جُرُف کی سمت میں واقع تھی اور مدینہ سے اس کا فاصلہ محض تین میل تھا۔ کرز بن جابر نے نہ صرف حملہ کیا تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے جانوروں میں سے کچھ پکڑ بھی لے گیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے نواح میں واقع وادی سفوان تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے بلاذری اس غزوہ کو غزوۂ سفوان کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اس کا بیان واقدی اور ابن سعد کی روایتوں کی تلخیص ہے یعقوبی نے اس غزوہ کو قرقرۃ الکدر سے خلط ملط کر دیا ہے۔ طبری کے بیان کے مطابق اضافہ ہے کہ شرکاءِ مہم سب کے سب مہاجر تھے لیکن ان کی تعداد کسی نے بھی نہیں بیان کی ہے ابن اسحاق اور ابن ہشام کے بیانات بھی دوسروں کی مانند ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ ان کے یہاں اس غزوہ کی تاریخ وقوع چوتھے غزوہ کے بعد جمادی الآخر ۲ھ میں اور واقعہ نخلہ سے متصلاً پہلے بتائی گئی ہے۔ اس غزوہ کے بارے میں کسی بھی مورخ کا چاہے وہ قدیم ہو یا جدید دعویٰ نہیں ہے کہ وہ کسی کاروانِ قریش کے خلاف تھا اور نہ اس کی کسی سیاسی یا فوجی اہمیت کا ذکر کرتا ہے حالانکہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ پہلی اینٹ تھی جو دشمن کی طرف سے پھینکی گئی تھی۔ صرف منٹگمری واٹ نے اس کی اہمیت کا احساس کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے خطرات سے مستقل طور سے باخبر رہنا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے قرب وجوار کے ایک لیڈر کے خلاف تادیبی کارروائی کی تھی اور آئندہ آپؐ نے اس قسم کے لیڈروں کے ساتھ بڑی سختی کا سلوک کیا تھا۔

۷- ساتویں مہم :-

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا غزوہ اور اس عہد کی ساتویں مہم غزوہ ذی العُشَیرہ کے نام سے موسوم ہے۔ واقدی کا خیال ہے کہ جمادی الآخر ۲ھ / دسمبر ۶۲۳ء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کو جانے والے قریشی کاروانوں (عیرات قریش) پر چھاپہ مارنے کے لیے منظم کیا تھا۔ مسلمان شرکاء کی تعداد ڈیڑھ سو یا دو سو تھی۔ آپ کو خبر ملی تھی کہ مکہ والوں نے اپنا سارا مال (اموال) اس کارواں میں لگا دیا تھا اور پھر آپ کو شام کے لیے مکہ سے کارواں کی روانگی کی خبر ملی تھی۔ آپ ینبو دینار کے راستے (نقب) سے بیوتُ السقیا کے لیے روانہ ہوئے۔ یہی غزوہ ذوالعشیرہ تھا۔ مدینہ سے آپ کی غیر حاضری تقریباً ڈیڑھ دو ماہ رہی تھی۔ واقدی کا بیان یہاں ختم ہو جاتا ہے اور باقی تفصیلات تشنہ رہ جاتی ہیں۔ البتہ واقدی کے شاگرد و کاتب ابن سعد نے باقی دوسری تفصیلات بہم پہنچائی ہیں اس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اپنا جانشین حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو مقرر کر کے اپنی فوج کے ساتھ روانہ

ہوئے جس کے علمبردار حضرت حمزہؓ تھے اور جس کا پرچم سفید تھا۔ پوری فوج کے لیے کل تیس اونٹ تھے جن پر وہ باری باری بیٹھتے تھے۔ ذوالعشیرہ قبیلہ بنو مدلج کا علاقہ تھا اور وہ ینبع کے نواح میں واقع تھا۔ مدینہ سے ینبع کا فاصلہ نو برد تھا۔ آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے کارواں کئی دن پہلے نکل چکا تھا۔ یہ وہی کارواں تھا جس کو آپ نے اس کی واپسی کے موقع پر بھی روکنا چاہا تھا مگر کارواں نے ساحل کے کنارے کنارے سفر کرکے اپنے کو بچا لیا تھا اور قریشِ مکہ کو آپ کے ارادے سے باخبر کر دیا چنانچہ انہوں نے اپنے کارواں کی حفاظت کے لیے ایک فوج بھیج دی تھی اور جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ اسی غزوہ میں آپ نے حضرت علیؓ کو زمِ مٹی (الیوغار) میں سوتے دیکھ کر جگایا تھا اور ابوتراب کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا اور اسی غزوہ میں آپ نے قبیلہ بنو مدلج اور بنو ضمرہ میں ان کے حلفاء سے معاہدہ کیا تھا۔ آپ کی کسی سے کوئی مڈ بھیڑ نہیں ہوئی اور آپ واپس مدینہ لوٹ آئے تھے۔ بلاذری نے مختصراً ابن سعد کی روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا ہے کہ مسلم فوج میں صرف ایک گھوڑا تھا اور جب مسلم فوج بنو مدلج کے علاقہ سے گذری تو انہوں نے مسلمانوں کی خوب خوب مہمان نوازی کی مگر قریشی کارواں بچ کر نکل گیا۔ ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ آپ اس غزوہ میں قریش کے ارادے سے نکلے تھے اور ابن ہشام نے صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ مدینہ میں آپ نے ابوسلمہ کو اپنا جانشین بنایا۔ پھر دونوں کا بیان زیادہ تر مسلم جماعت کے سفر کی مختلف منازل اور ان میں ان کے قیام، کھانے پینے اور نماز پڑھنے یا مساجد بنانے سے متعلق ہے۔ بنو دینار کے راستے سے آپ روانہ ہوئے اور فیفاءُ الخبار کے راستے آپ وادی ابن ازہر میں داخل ہوئے جہاں آپ نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا، نماز پڑھی اور کھانا پکا کر کھایا اور المشترب کے چشمہ سے پانی پیا۔ پھر الخلائق کو اپنے بائیں چھوڑتے ہوئے ایک تنگ وادی سے گزرے جو آج تک وادی عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ پھر بائیں جانب کے راستے سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ وادی یلیل پہنچے اور اس حصہ میں قیام کیا جو ضبوعہ سے ملتا ہے اور اس کے کنوئیں سے پانی پیا پھر آپ مل کے میدان سے سفر کرتے ہوئے صخیرات الیمام میں شاہراہ پر پہنچے اور اس پر سفر کرتے ہوئے آپ وادی ینبع میں واقع مقام مقصود۔ ذوالعشیرہ۔ پہنچے یہاں آپ نے پورے ماہ جمادی الاولیٰ اور دوسرے مہینے کے کچھ دنوں تک قیام کیا۔ آپ نے بنو مدلج اور ان کے بنو ضمرہ کے حلیفوں سے دوستی کا معاہدہ کیا اور بغیر کسی جنگ وجدال کے مدینہ واپس آگئے۔ اسی غزوہ میں آپ نے حضرت علیؓ کو ابوتراب کی کنیت عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں کئی روایات بیان کی ہیں۔ یعقوبی نے صرف اتنا بیان کیا ہے کہ ان دو بدوی عربی قبیلوں سے معاہدہ آپ نے ان کے سردار مخشی بن عمر ضمری کی معرفت کیا۔ طبری میں مندرج روایات ابن اسحاق اور ان کے جامع اور واقدی اور ان کے کاتب کی روایات کا حسبِ معمول مجموعہ ہیں تاہم ان میں غزوہ کی تفصیلات سے زیادہ زور حضرت علیؓ کی کنیت کے بارے میں روایات پر ہے۔ بلکہ ایک طرح سے طبری سے پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ غزوہ کس مقصد سے ہوا تھا اور اس میں کیا مسائل و مقاصد مسلمانوں کے پیش نظر تھے؟

مذکورہ بالا مآخذ سے اکثریت غزوہ کے بیان کے شروع میں یہ کہہ کر مسلم فوج قریش کے ارادے سے نکلی تھی پھر کاروان قریش کا کوئی ذکر نہیں کرتی حتیٰ کہ واقدی نے بھی بعد میں صرف اتنا کہا ہے کہ قریش نے اس کارواں میں اپنا سارا مال لگا دیا تھا۔ اور وہ مسلم جماعت کے ذوالعشیرہ پہنچنے سے پہلے نکل گیا تھا۔ تفصیلات صرف ابن سعد کی روایات سے ملتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن سعد نے جس قریشی کارواں کی طرف اشارہ کیا ہے یہ وہ کارواں تھا جو ابوسفیان بن حرب اموی کی قیادت میں بدر سے کچھ پہلے شام گیا تھا اور جس کو واپسی پر مسلمان

نے روکنا چاہا تھا اور جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ عظیم و مالا مال کاروانِ قریش کب شام کے لئے مکہ سے روانہ ہوا تھا کیونکہ واقدی نے جنگ بدر کے اسباب کے بارے میں اپنی دو روایتوں میں اور ابن سعد نے غزوۂ العشیرہ کے سبب و محرک پر اپنی ایک روایت میں دعویٰ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کاروانِ قریش کو اس کی آمد و رفت دونوں مواقع پر روکنا چاہا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقدی اور ان کے کاتب نے صراحتاً کہا ہے کہ یہ کارواں مکہ سے جمادی الآخر میں غزوہ العشیرہ سے پہلے روانہ ہوا تھا۔ دوسری طرف ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان ہے کہ غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الاولیٰ کے شروع میں پیش آیا تھا۔ گویا کہ بالواسطہ طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کو اس سے اتفاق نہیں کہ غزوہ ذوالعشیرہ نے ابوسفیان کے زیر قیادت تجارتی قافلے کو شام جاتے وقت روکنا چاہا تھا۔ طبری میں مذکورہ ایک روایت جو عروہ بن زبیر نے عبدالملک بن مروان کے استفسار پر اپنے خط میں لکھی تھی، سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نخلہ کے بعد یہ کاروان قریش مکہ سے شام کے لیے روانہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے مطابق یہ سریہ نخلہ ہی تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکائے تھے۔ (وكانت تلك الموقعة هاجت الحرب بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين قريش واول ما اصاب به بعضهم بعضا من الحرب و ذلك قبل مخرج ابى سفيان واصحابه الى الشام ۔۔۔۔۔۔) اس کے علاوہ اس کاروانِ قریش کا ایک سیاسی مقصد جس پر ہم کچھ بعد میں بحث کریں گے اور واقعہ نخلہ کے نتائج کے علاوہ بعض دوسری تفصیلات یہ واضح کرتی ہیں کہ یہ قریشی کارواں واقعہ نخلہ کے بعد کسی وقت رجب ۲ھ میں روانہ ہوا تھا اور اس کی واپسی دو ماہ بعد رمضان ۲ھ میں ہوئی تھی۔ اگر یہ تعین وقت صحیح ہے تو واقدی اور ابن سعد کا یہ دعویٰ کہ غزوہ ذوالعشیرہ میں آپؐ نے اسی کارواں پر حملہ کرنا چاہا تھا غلط معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ واقعۂ بدر کے اسباب کی بعض تفصیلات ثابت کرتی ہیں کہ آپؐ نے اس قریشی کارواں پر اس کی واپسی پر ہی حملہ کرنا چاہا تھا۔ خود واقدی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کارواں کی واپسی کے وقت کا انتظار کرتے رہے تھے اور جب وہ وقت آ گیا تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو بلا کر کہا کہ:

"یہ قریش کا کارواں آ رہا ہے جس میں ان کا تمام مال لگا ہے شاید اللہ تم کو اس میں غنیمت عطا فرمائے۔"

اس کے علاوہ ابن اسحاق اور ان کے جامع اور ان کے تمام مآخذ سے ثابت ہوتا ہے کہ شام سے واپسی کے دوران کاروان قریش پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ خاص کر ابن اسحاق کا یہ جملہ کہ مسلمانوں میں سے بعض نے یہ حکم نبوی بخوشی قبول کیا تھا اور بعض نے ناگواری سے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آپؐ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کے لیے نہ خود جائیں گے نہ ان سے کہیں گے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے آپؐ کی تمام مہمیں بشمول غزوۂ ذوالعشیرہ چھاپہ مار کارروائی یا جنگ کے لیے نہ تھیں کیونکہ چھاپہ مار کارروائی میں بھی جنگ کا اور خونریزی کا خطرہ ضرور تھا اور اسی خطرے سے بعض لوگ بچنا چاہتے تھے۔

قریشی کارواں کی تعیین اوقات آمد و رفت کے علاوہ اس غزوہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جادۂ سفر کا معاملہ بہت اہم ہے۔ ابن اسحاق کے بیان پر کسی قسم کا شبہ کرنے کا کوئی سبب نہیں ہے بہر حال اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ نے عام

سفر کے راستے سے ہٹ کر کافی دور سفر کیا تھا اور منزل مقصود کے قریب معمول کے راستے پر آئے تھے جہاں سے ذوالعشیرہ پہنچے ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاصا پیچدار اور لمبا راستہ تھا۔ عام راستہ کو چھوڑنا تو رازداری کی خاطر بھی ہوسکتا تھا مگر ایک طویل تر اور پیچیدہ تر راستہ اختیار کرنا قیمتی وقت لیتا ہے جیسا کہ اس مہم کے دوران ہوا اگر آپ مدینہ سے سیدھے شاہراہ تجارت کا رُخ کرتے اور بجائے مغرب شمال کے مغرب جنوب یا سیدھے مغرب میں جاتے تو زیادہ جلد اور شاید وقت پر پہنچ جاتے جیسا کہ آپؐ نے غزوۂ بدر سے پہلے کیا تھا لیکن مد اصل شاہراہ تجارت آپؐ کی اصل منزل نہ تھی۔ آپ کی اصل منزل تو بنو مدلج کا علاقہ تھا جن کی خاطر آپ نے یہ سفر کیا تھا۔

تقریباً تمام ماخذ سے عام طور پر اور بلاذری کے ایک جملے سے خاص کر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس مہم کا مقصد بنو مدلج اور ان کے ضمری حلیفوں سے معاہدۂ اخوت و دوستی تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ آپ نے ذوالعشیرہ میں مختلف روایات کے مطابق ایک ماہ سے زیادہ اور دو ماہ سے کم وقت گذارا یہ وقت گذاری محض عام قریشی کاروانوں کے گذرنے یا اس مخصوص بڑے قریشی کاروانوں کی واپسی کی خاطر نہ تھی جیسا کہ واقدی کی دو روایتوں میں ایک جذامی شخص کے تاثر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بیّن امر تھا کہ قافلہ جلد ہی گزر چکا تھا اور ماہ ڈیڑھ ماہ میں اس کی واپسی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لیے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آپ کا علاقۂ بنو مدلج میں قیام قریشی کارواں کی واپسی کے انتظار میں نہ تھا بلکہ اس علاقہ کے لوگوں کی خاطر تھا۔ اس خیال کی مزید تائید خود واقدی ہی کی روایتوں سے ہوتی ہے جن میں کہا گیا ہے کہ آپؐ قریشی کارواں کی واپسی کے سلسلے میں وقت شماری کرتے رہے تھے یعنی آپ کو اندازہ تھا کہ اس کی واپسی کا متوقع وقت کون سا ہوگا اور غزوۂ بدر کے لیے آپ کی ۱۲ ررمضان ۲ھ کو روانگی اور وہ بھی اپنے ان جاسوسوں کی واپسی کا انتظار کئے بغیر جو قریشی کارواں کے بارے میں حتمی معلومات حاصل کرنے گئے تھے کہ مراجعت مدینہ سے پہلے اور پھر ۱۶ ررمضان ۲ھ کو بدر میں پہنچنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو اس تاریخ یا اس کے مابعد قافلۂ مکہ کے بدر سے گزرنے کا کتنا صحیح اندازہ تھا۔ ابوسفیان نے اپنا قافلۂ تجارت مسلمانوں کی اندازۂ تاریخ و وقت مقام گذر و راہ گزر وغیرہ کی وجہ سے نہیں بچا لیا تھا بلکہ محض اپنی دُور اندیشی، سوجھ بوجھ اور عین بدر سے پہلے اصل راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرکے اور تیز رفتاری سے قریش کو خبر کرکے اور مسلم فوج کے تعاقب کی راہ کو مسدود کرکے بچایا اور محفوظ کیا تھا۔

اسی ذیل میں ایک اہم نکتہ اور ابھرتا ہے۔ واقدی، ابن اسحاق اور بغدادی کے بیان سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیڑھ ماہ کے قریب قیام کیا تھا۔ اگر اس غزوہ کی تاریخ واقدی کی بتائی ہوئی تسلیم کرلی جائے تو مدینہ کو آپ کی واپسی ماہ رجب کے اواخر یا کم از کم اواسط کے بعد ہونی چاہیے مگر یہ نتیجہ ماخذ کے صریح بیانات سے عموماً اور ابن اسحاق کے بیان سے خصوصاً مردود قرار پاتا ہے۔ تقریباً تمام ماخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمادی الآخر، رجب، شعبان اور رمضان کے پہلے ہفتہ تک آپ مدینہ میں مقیم رہے تھے اور غزوۂ ذوالعشیرہ سے واپسی پر آپ نے سریہ نخلہ بھیجا تھا اس سے دو اہم نتیجے سامنے آتے ہیں اوّل یہ کہ غزوہ ذوالعشیرہ کے بارے میں ابن اسحاق کی بیان کردہ تاریخیں زیادہ صحیح ہیں اور واقدی کی مشتبہ۔ دوم یہ کہ ابوسفیان کا کارواں

شام اس وقت تک روانہ ہی نہ ہوا تھا۔ تو پھر اس پر مسلم چھاپے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے!

پھر آخری نکتہ اس کاروان قریش کے بارے میں یہ ہے کہ اس عظیم و مالا مال قافلے کے ساتھ کل تیس چالیس اور ایک روایت کے مطابق ستر آدمی تھے اور وہ کل ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس پر تمام مآخذ کا اتفاق ہے کہ ماضی قریب میں یہ سب سے بڑا کاروان مکہ تھا جس میں ہر مکی مرد و عورت کا کچھ نہ کچھ پیسہ لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ بعض قریشی کاروانوں کا ذکر آ چکا ہے اور ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ کسی میں تین سو کسی میں دو سو اور کسی میں سو محافظ یا اشخاص تھے۔ ایک کارواں کے بارے میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اس میں پندرہ سو اونٹ تھے۔ ظاہر ہے کہ سب کے سب ابو سفیان کے زیر قیادت مکی کارواں کے مقابلے میں کافی حقیر تھے۔ ان میں اتنی بڑی تعداد میں محافظوں یا تاجروں کی موجودگی کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی تعداد میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے اس خیال کو مغربی مورخین خصوصاً مونٹگمری واٹ نے قبول کر لیا ہے۔ دوسرے یہ کہ مکی تاجروں نے شروع میں مدینہ میں اور مسلم حکومت کے قیام سے خوف محسوس کیا تھا اور حفاظت کی خاطر زیادہ سے زیادہ محافظ ساتھ لیے تھے لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا ان کے دل سے خوف دور ہوتا گیا اور اسی وجہ سے قریشی کاروانوں میں شامل افراد کی تعداد گھٹتی گئی تا آنکہ ان کے عظیم ترین کارواں میں افرادی طاقت سب سے کم رہ گئی اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جب ابو سفیان اپنا کارواں لے کر شام روانہ ہوئے تھے تو نہ صرف ان کو بلکہ مکہ والوں کو مدینہ کے مسلمانوں سے کم از کم کوئی خطرہ اپنی تجارت کے لئے محسوس نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی اس قافلے والوں نے پورے سفر کے راستے میں خاص کر مدینہ کے قریب سے گذرتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ ان کو پہلی بار خطرہ شام میں قیام کے دوران یا اپنی واپسی پر شام کی سرحد پر بنو جذام دعذرہ کے علاقہ میں محسوس ہوا تھا اور وہ ہوشیار ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنی پہلی فرصت میں اس کی حفاظت کا بندوبست کیا تھا۔ ان تمام نکات و حقائق کی روشنی میں یہ بات حتمی طور سے کہی جا سکتی ہے کہ غزوہ ذوالعشیرہ کا مقصد و محرک قریشی کاروانِ تجارت پر چھاپہ مارنا نہیں تھا بلکہ اس علاقے کے بڑی قبائل سے صلح و دوستی کے معاہدے کرنا تھا۔

۸۔ آٹھویں مہم :۔

ابتدائی مہموں کے سلسلے کی آخری اور غالباً اہم ترین مہم نخلہ کی تھی جو حضرت عبد اللہ بن جحش بن رباب الاسدی کی قیادت میں مکہ کے بالکل قریب واقع مقام نخلہ کو بھیجی گئی تھی۔ ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ سفوان یا بدر اولیٰ سے اپنی واپسی پر رجب میں آٹھ مہاجرین پر مشتمل یہ مہم روانہ فرمائی تھی۔ آپؐ نے حضرت عبد اللہ بن جحش کو ایک ہدایت نامہ (کتاب) عطا فرما کر حکم دیا تھا کہ دو دن کے سفر کے بعد اسے کھول کر دیکھیں اور اس میں تحریر شدہ حکم پر عمل کریں اور اگر ان کے ساتھیوں میں سے کوئی نہ چلے تو اس کو مجبور نہ کریں۔ ان آٹھ مہاجرین کے نام یہ تھے:۔

۱۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ اموی رضؓ
۲۔ حضرت عبد اللہ بن جحش اسدیؓ (حلیف بنو امیہ)
۳۔ حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضؓ (حلیف بنو امیہ)
۴۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ۔
۵۔ حضرت عامر بن ربیعہ عنزی (حلیف بنو عدی)
۶۔ حضرت عتبہ بن غزوان مازنی (حلیف بنو زہرہ)

۷۔ حضرت بکیر خالد بن بکیر لیثیؓ (حلیف بنو سعد) ۸۔ حضرت سہیل بن بیضا حارثیؓ

دو دن کے سفر کے بعد جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نامۂ مبارک کھولا تو اس میں تحریر تھا:

اذا نظرت فی کتابی ھذا فامض حتی تنزل نخلة بین مکة و الطائف فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم

(جب تم میرا یہ خط پڑھو تو چلتے رہو یہاں تک مکہ اور طائف کے درمیان واقع نخلہ میں قیام کرو اور وہاں قریش پر کڑی نظر رکھو اور ہمارے لئے ان کی خبریں معلوم کرو۔)

خط کا مضمون پڑھ کر انہوں نے آمنا و صدقنا کہا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو نخلہ جا کر قریش پر نظر رکھنے اور ان کی خبریں معلوم کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپؐ نے مجھ کو تم میں سے کسی کو مجبور کرنے سے منع کیا ہے۔ اگر کسی کو شہادت کی تمنا ہے تو وہ آگے چلے اور جس کو نہ ہو وہ واپس چلا جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کروں گا۔"

چنانچہ وہ روانہ ہوگئے اور ان کے تمام اصحاب نے ان کا ساتھ دیا اور کسی نے بھی پیچھے رہنا پسند نہ کیا۔ وہ حجاز کے راستے سفر کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ فرع کے علاقہ بالا میں واقع ایک کان (معدن) پر پہنچے جس کو بحران کہا جاتا تھا تو سعد اور عتبہ کا اونٹ گم ہوگیا جس پر وہ آگے پیچھے بیٹھتے تھے۔ چنانچہ وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے۔ جبکہ حضرت عبداللہ اور ان کے بقیہ ساتھی نخلہ جا پہنچے۔ ایک قریشی کارواں جو سوکھی کھجوریں (زبیب) کھالیں (ادم) اور کچھ دوسرا سامان تجارت (تجارۃ من تجارۃ قریش) لے جا رہا تھا۔ ان کے پاس سے گذرا۔ اس میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور اس کا بھائی نوفل مخزومی اور ہشام بن مغیرہ مخزومی کا مولیٰ حکم بن کیسان شامل تھے۔ جب کارواں والوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو خوفزدہ ہوگئے کیونکہ وہ ان کے قریب ہی خیمہ زن ہوئے تھے عکاشہ نے جنہوں نے اپنا سر گھٹا لیا تھا ان کے سامنے آگئے اور ان کو یہ دیکھ کر اطمینان ہوگیا کہ "وہ عمرہ کرنے والے ہیں اور ان سے خوف کی کوئی ضرورت نہیں" مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کیونکہ یہ رجب کا آخری دن تھا اور آپس میں کہا کہ "اگر تم ان کو آج کی رات چھوڑتے ہو تو یہ حرم مکہ میں داخل ہوجائیں گے اور تم سے بچ نکلیں گے اور اگر تم ان کو قتل کرتے ہو تو تم ایسا ماہ مقدس میں کرو گے۔" چنانچہ وہ ان پر حملہ کرنے سے گریزاں و ترساں تھے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ہمت دلائی اور آخر کار فیصلہ کر لیا کہ ان میں جتنوں کو قتل کرنا ممکن ہو ان کو مار ڈالا جائے اور ان کے مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ واقد بن عبداللہ تمیمی نے عمرو بن حضرمی پر ایک تیر چلایا اور اس کو مار ڈالا۔ عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکم بن کیسان نے اپنے کو حوالہ کر دیا اور نوفل بچ کر نکل گیا۔ حضرت عبداللہ اور ان کے اصحاب نے کارواں اور دونوں قیدیوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ عبداللہ کے ایک خاندان والے کا بیان ہے کہ اول الذکر نے کہا تھا کہ: "مال غنیمت میں سے خمس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے۔" (یہ فیصلہ مال غنیمت میں خمس کا حکم خداوندی کے نازل ہونے سے پہلے کیا گیا تھا) بہرحال

انہوں نے خمس الگ کر کے باقی مال اپنے تمام اصحاب میں تقسیم کر دیا۔

جب یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ:

"میں نے تم کو ماہ مقدس میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔"

اور آپ نے کارواں اور دونوں قیدیوں کا معاملہ معطل رکھا اور ان میں سے کچھ بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تو اصحاب سریہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور ان کو اپنی ہلاکت نظر آنے لگی۔ ان کے مسلمان بھائیوں نے ان کو ان کے فعل پر لعن طعن شروع کر دیا اور قریش نے کہا۔ "محمدؐ اور ان کے اصحاب نے ماہ مقدس کی بے حرمتی کی ہے اس میں خون ریزی کی، مال لوٹا اور قیدی بنائے۔"

مکہ میں موجود مسلمانوں نے اس کی تردید کی اور جواباً کہا کہ انہوں نے یہ سب کچھ شعبان میں کیا ہے۔ یہودیوں نے اس واقعہ سے فال نکالی (جس کا مفہوم و مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں اور مکہ والوں کے درمیان اس واقعہ کی بنا پر جنگ چھڑنے والی ہے) لیکن خدا نے اس (فال) کو ان پر ہی الٹ دیا اور ان کے حق میں نہ رہنے دیا اور جب اس معاملہ پر بہت گفتگو ہونے لگی تو خدا نے اپنے رسول پر نازل فرمایا:

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ قل قتال فیہ کبیر، وصدٌ عن سبیل اللہ وکفرٌ بہ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللہ، والفتنۃ اکبر من القتل، ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا....

(۲ : ۲۱۷)

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حرام کے مہینے کو اس میں لڑائی کرنے، تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے زیادہ گناہ ہے اللہ کے ہاں اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے زیادہ اور وہ تو لگے ہی رہتے ہیں تم سے لڑنے کو یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر مقدور پاویں۔

(ترجمہ از شاہ عبدالقادر دہلوی)

جب اس معاملہ کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور اللہ نے مسلمانوں کی تشویش دور کر دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کارواں اور قیدیوں پر قبضہ کر لیا۔ قریش نے آپؐ کے پاس عثمان اور حکم کو رہا کرانے کے لئے بھیجا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ:

"ہم ان کو اس وقت تک رہا نہیں کریں گے جب تک ہمارے دونوں ساتھی واپس نہیں آ جاتے (آپ کی مراد حضرت سعدؓ اور عتبہؓ سے تھی) اگر تم ان کو مار ڈالو گے تو ہم تمہارے ساتھیوں کو قتل کر دیں گے۔"

لیکن جب حضرت سعدؓ اور عتبہؓ واپس آ گئے تو آپ نے ان دونوں قیدیوں کو زر فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ جہاں تک حکم کا تعلق ہے وہ اچھے مسلمان بنے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقیم رہے یہاں تک کہ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔ عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا جہاں وہ کافر

کی حیثیت سے مرا۔ قرآن کے نازل ہونے پر جب حضرت عبداللہ کی تشویش دور ہو گئی تو ان کو اجر و ثواب کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اور انہوں نے پوچھا: "کیا ہمارے اس کارنامے کو جہاد مانا جائے گا اور ہم کو مجاہدین کا اجر ملے گا؟"

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا:

ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولئك یرجون رحمۃ اللہ واللہ غفور رحیم (۲-۲۱۸)

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے اللہ کی راہ میں، وہ امیدوار ہیں اللہ کی مہر کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی)

اس طرح اللہ نے ان کی سب سے بڑی آرزو پوری کر دی۔

حضرت عبداللہؓ کے ایک خاندان والے کا کہنا ہے کہ خدا نے مالِ غنیمت کے چار حصے مجاہدین کے لئے اور خمس خدا اور اس کے رسولؐ کے لیے مقرر فرما دیئے۔ یہ فیصلۂ خداوندی اس کاروانِ قریش کے مالِ غنیمت کے بارے میں حضرت عبداللہؓ کے فیصلہ کے مطابق تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عبداللہ کے سریے کے بارے میں کچھ اشعار کہے تھے اور بعض راویوں کا خیال ہے کہ یہ اشعار خود امیر سریۂ نخلہ نے کہے تھے۔ ان اشعار کا مفہوم قرآنی آیت ۲ : ۲۱۷ کے مطابق ہے۔ صرف اضافہ یہ ہے کہ ابن حضرمی کے قتل اور واقد کے ہاتھوں جنگ کے شعلے بھڑکائے جانے اور عثمان مخزومی کے مسلمانوں کے قبضہ میں ہونے کی طرف اشارہ کئے گئے ہیں) ابن اسحاق کی روایت بیان کرنے کے بعد ابن ہشام نے اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ پہلا مالِ غنیمت تھا جو مسلمانوں کو ملا، عمرو بن حضرمی، پہلا مقتول تھا جس کو مسلمانوں نے مارا تھا جبکہ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان ان کے پہلے قیدی تھے۔

واقدی کی روایت میں حسبِ ذیل اہم اضافے اور اختلافات ہیں:

۱۔ یہ مہم ہجرت کے سترھویں مہینے کے آغاز میں (علی راس سبعۃ عشر شھرا) نخلہ بھیجی گئی تھی جو ابن عامر کا باغ تھا۔

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے ایک شام قبل حضرت عبداللہ کو نمازِ عشاء کے وقت طلب فرمایا تھا اور اگلی صبح مسلح ہوکر آنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میں صبح کو تمھیں کہیں بھیجوں گا۔

۳۔ حسبِ ہدایت نبوی جب وہ صبح کو حاضر ہوئے تو تلوار، تیر کمان و ترکش اور چمڑے سے بنی ہوئی ڈھال سے مسلح تھے۔ نمازِ صبح کے بعد لوگوں کے منتشر ہونے پر حضرت عبداللہ دولتکدہ نبوی پر پہنچے تو وہاں پہلے سے قریش کے کچھ لوگ موجود تھے۔

۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب کو بلا کر خولانی چمڑے کے ٹکڑے (ادیم خولانی) پر خط لکھوایا۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن جحش کے استفسار پر آپؐ نے ان کو رکیۃ کی سمت میں نجدی راستے (نجدیۃ) سے سفر کی ہدایت فرمائی تھی۔

۶۔ آپ نے امیر سریہ کو ابن ضمیرہ کے کنوئیں (بئر) نامی مقام پر پہنچنے کے بعد خط پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

۷۔ نخلہ پہنچنے پر ان کو واقدی کے مطابق قریش پر نظر رکھنے کے بجائے کاروانِ قریش پر "ٹوٹ پڑنے" کا حکم نامۂ نبوی میں دیا گیا تھا (فترصد بھا عیر قریش)

۸۔ حضرت عکاشہ نے مکی کارواں والوں کا خوف دور کرنے کے لیے فوراً "حلق" کرایا تھا اور عامر بن ربیعہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ان کا سر مونڈا تھا۔

۹۔ قریشیوں نے اپنی سواریاں (رکابیں) کھول دی تھیں اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

۱۰۔ دن اور تاریخ کے بارے میں اصحاب نبیؐ میں اس پر اختلاف تھا کہ وہ آخری رجب تھی یا یکم شعبان۔

۱۱۔ مسلم جماعت دو فریقوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک کا خیال تھا کہ ان پر حملہ کرکے ان کا مال و متاع چھین لیا جائے اور دوسرے فریق نے اس خیال کی مخالفت کی تھی اور پہلے فریق کو دنیاوی مال کی طمع (عرض اللہ) سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لوگ غالب ہوئے تھے جو دنیاوی مال و دولت کی فکر میں تھے۔"

۱۲۔ حضرت مقداد بن عمرو کا بیان ہے کہ میں نے جب حکم بن کیسان کو پکڑ لیا تو ہمارے امیر نے ان کی گردن مارنی چاہی مگر ہم نے ان کو اس سے باز رکھا۔ واقدی نے حضرت حکم کے مسلمان ہونے کی تفصیلات اسی جگہ بیان کی ہیں اور کہا ہے کہ ان کے مدینہ پہنچنے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے جب اسلام پیش کیا تو کافی دیر تک کلام کرتے رہے اور ان کو سمجھاتے رہے لیکن وہ برابر خاموش رہے۔ حضرت عمر نے ان کی عدم قبولیتِ اسلام کو دیکھ کر ان کی گردن مارنے کی دھمکی دی لیکن پھر بھی ان کے بند لب نہ کھلے۔ آخر کار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تبلیغ کام کر گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ واقدی نے زہری کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت حکم بن کیسان نے اسلام لانے سے پہلے اسلام کی تعریف پوچھی تھی اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا کہ اسلام توحید الٰہی اور رسالت محمدیؐ کا اقرار صادق ہے تو وہ اسلام لے آئے۔

۱۳۔ واقدی کے مطابق قریشی کارواں میں ادم، زبیب کے علاوہ خمر (شراب) بھی تھی اور یہ سامان وہ طائف سے لا رہے تھے۔

۱۴۔ بحران نامی کان کے بارے میں واقدی نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ بنو سُلیم کی مشہور کان کا ایک حصہ (ناحیۃ) تھی۔

۱۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کا بیان یہ ہے کہ اس مہم میں بارہ اشخاص تھے۔ پھر انہوں نے اپنے بچھڑ جانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ بحران میں ہم نے اپنے اونٹ چرنے کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ ہر دو آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر وہ مشترکہ طور سے سواری کرتے تھے۔ ان کا اونٹ چرتے چرتے کھو گیا تھا اس لیے وہ مہم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے واپسی کے سفر کی تفصیلات معہ منازل کے بیان کی ہیں۔

۱۶۔ واقدی کے مطابق قریش کے ہر قیدی کا زر فدیہ چالیس اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے تھے۔

۱۷۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے کہ خمس (۱/۵) کی جگہ جاہلیت کے زمانے میں ربع (۱/۴) ہوتا تھا۔

۱۸۔ ابو بردہ بن نیار کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف خمس کو معطل نہیں کیا تھا بلکہ پورا کارواں ہی موقوف رکھا تھا اور نخلہ کے مالِ غنیمت کو بدر کے مالِ غنیمت کے ساتھ تقسیم کیا تھا۔

۱۹۔ مقتول مکی ابن حضرمی کی روایت کے سلسلے میں دو متضاد روایتیں ملتی ہیں اوّل عروہ کی روایت ہے جس کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کی تھی۔ اور ماہ مقدس کی حرمت کی تصدیق کی تھی اللہ اس کو برقرار رکھا تھا۔ جبکہ دوسری روایت ابن عباس

کی ہے جس کے مطابق آپؐ نے ابن حضرمی کی دیت نہیں ادا کی تھی۔

۴۰۔ ابو معشر کی روایت ہے کہ اسی غزوہ میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو امیر المومنین کا خطاب ملا تھا۔

۴۱۔ آخر میں واقدی نے شرکائے مہم کی فہرست دی ہے جس میں کل آٹھ نام گنائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ ہی روایت زیادہ صحیح (اثبت) ہے بعض دوسری روایتوں کے مطابق ان کی تعداد بارہ اور تیرہ بھی بتائی گئی ہے۔

ابن سعد کی روایت ان کے استاد واقدی کی روایت کی تلخیص ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے یہاں شرکاء مہم کی تعداد بارہ ہی بتائی گئی ہے اور نامہ نبوی کی عبادت کی جگہ ان کے اپنے الفاظ میں کاروان قریش (عیر قریش) پر نظر رکھنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے۔ بلاذری کی روایت بھی واقدی کی روایت کا چربہ ہے لیکن کچھ فرق کے ساتھ۔ ایک تو فرق یہ ہے کہ اس میں حکم بن کیسان کو بھی مقتول بتایا گیا ہے، دوم نامۂ نبوی کے اصل فقرے میں فعل مختلف ہے اور فارصد بھا عیر قریش کے الفاظ ہیں۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ شہر حرام میں جنگ و جدال کے بارے میں استفسار جس کی طرف قرآنِ کریم کی متعلقہ آیت میں حوالہ ہے مسلمانوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ یعقوبی کی روایت ابن اسحاق کی روایت کا اختصار ہے۔ طبری نے تین روایات بیان کی ہیں اس سلسلہ میں پہلی تو ابن اسحاق کی روایت ہے جو پوری مفصل ہے۔ دوسری واقدی کا صرف ایک مختصر حوالہ ہے اور تیسری روایت سُدّی کی ہے جو مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایتوں سے کافی مختلف ہے۔ اس تیسری روایت کے مطابق نخلہ کی مہم میں کل سات نفر تھے۔ ان میں عمار بن یاسر اور عامر بن فہیرہ کے دو نئے نام ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن جحش نے جس جگہ نامۂ مبارک پڑھا تھا اس کا نام بطن ملل یا وادی ملل بتایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو موت کے لیے تیار رہنے اور وصیت کر لینے کی ہدایت بھی کی تھی۔ مکی کارواں کے شرکاء کی تعداد چار ہی بتائی گئی ہے اور ایک کے سوا سب کے نام بھی دوسروں کی طرح ہیں۔ نیا نام مغیرہ بن عثمان ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہی شخص مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ نکلا تھا۔ ایک نیا فرق یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کافروں نے رجب میں قتل و خونریزی کرنے کا الزام لگایا اور طعن طعن کیا تھا تو مسلمانوں نے اپنے جواب میں تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ مہینہ جمادی الآخر کا تھا۔ ابو جعفر کی روایت کے مطابق پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو امیر سریہ بنا کر بھیج دیا تھا مگر پھر ان کو واپس بلا کر حضرت عبداللہ بن جحش کو ان کی جگہ امیر سریہ مقرر کر کے روانہ کیا تھا۔

جدید مغربی مورخین نے خاص طور پر اور عام جدید مصنفین نے عام طور سے اس سریہ پر کافی بحث کی ہے اور مسلمانوں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی کاروان پر ماہ مقدس میں مال و دولت کی حرص و ہوس میں غدارانہ حملے کا مورد الزام قرار دیا ہے کارل بروکلمن (CARL BROCKELMANN) کا خیال ہے کہ مسلم مہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ماہ مقدس کی بے حرمتی کر کے ایک مالا مال کاروان کو لوٹ لیا کیونکہ مکی کارواں کے محافظ ماہ مقدس کی وجہ سے اس کے تحفظ کی طرف سے مطمئن تھے۔ لیکن اس قبائلی اخلاقی ضابطہ کی اس خلاف ورزی پر جب خود مدینہ میں ایک طوفان ناراضگی اٹھ کھڑا ہوا تو رسولؐ نے حملہ کرنے کا حکم دینے کی واقفیت سے انکار کر دیا حالانکہ اس کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ حملہ آپ کی خواہشات کے مطابق ہوا تھا اور بعد میں آپ کی تردید یا انکار آپ کے اپنے احکام کی غلط تعبیر و تشریح تھی۔ لیکن جب کثیر مالِ غنیمت نے آپ میں شدید حرص پیدا کر دی تو آپ نے ایک بعد کی آیت

منزلہ میں کافروں کے خلاف اعلان جہاد کرنے، اور مال غنیمت کی تقسیم اور ماہ مقدس میں جنگ کے جواز کا اعلان کرنے کی جرأت کی۔ فرانسسکو جبرئیلی (FRANCESCO GABRIELI) نے اس مہم کو مدینہ کی کثیر آبادی کی مادی ضروریات پوری کرنے کے عوامل کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے اس کو ایک غدارانہ حملہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس نے صلح کے زمانے کا خاتمہ کر دیا اور جس کے نتیجہ میں مکہ میں شدید ردعمل ہوا اور مدینہ میں بھی خاصی بے چینی پیدا ہو گئی [۱۰]۔ مونٹگمری واٹ نے ان سب میں سب سے طویل بحث کی ہے [۱۱] اور تقریباً انھیں خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے ہمارا سابقہ اگلے صفحات میں پڑے گا۔ مآخذ کی مختلف روایات اور مغربی مورخین کی شدید بحث میں سریہ نخلہ کی اصل نوعیت اجاگر نہیں ہوتی اس لیے "تاریخی دیانت کا تقاضہ ہے کہ اس پر مفصل بحث کی جائے" تاکہ اس متنازعہ فیہ آخری سریہ کے محرکات، مسائل اور مقاصد تاریخی حقائق کی روشنی میں واضح ہو سکیں۔

بحث کا آغاز اس نکتے سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مہم کا محرک و مقصد کیا تھا؟ اور کیا مآخذ سے وہ نتیجہ نکلتا ہے جو جدید مغربی مورخین نے نکالا ہے؟ ہم اوپر مآخذ کی بیان کردہ روایات میں دیکھ چکے ہیں کہ مآخذ کو دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک طبقہ ابن اسحاق، ابن ہشام، الیعقوبی، طبری اور ابن اثیر پر بنیادی طور سے مشتمل ہے۔ جن کے مطابق سریہ نخلہ کا مقصد و محرک قریش کے آئندہ ارادوں، منصوبوں اور کارروائیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھا۔ دوسرا طبقہ واقدی، ابن سعد اور بلاذری پر مشتمل ہے اور ان کے مطابق ان کا مقصد کسی قریشی کارواں پر نظر رکھنا تھا۔ ان دونوں طبقات کا نقطۂ نظر درحقیقت نامۂ نبویؐ کی عبارت پر منحصر ہے۔ یہ دلچسپ اور اہم حقیقت ہے کہ مختلف مآخذ میں نامۂ نبوی کی عبارت مختلف انداز میں نقل ہوئی ہے۔ نقلی اختلافات تو اتنے زیادہ اہم نہیں ہیں کیونکہ ان سے اصل معنی و مفہوم پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا ہے۔ البتہ بعض الفاظ اور فقروں کی موجودگی اور حذف سے صورت حال خاصی مختلف اور پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ پہلے طبقہ کے مطابق "سریہ نخلہ کے مجاہدین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نخلہ جائیں اور وہاں قریش پر نظر رکھیں اور مسلمانوں کے لیے ان کی خبریں فراہم کریں۔ جبکہ دوسرے طبقہ کے مطابق ان کو" کسی خاص کاروان قریش پر نظر رکھنی تھی۔ چنانچہ ان کے یہاں پہلے طبقہ کی نقل کردہ عبارت کا آخری فقرہ" وتعلم لنا من اخبارھم" (ہمارے لیے ان کی خبریں حاصل کرو) نہیں ہے۔ جبکہ پہلے ٹکڑے میں ترصد بھا قریشا (قریش پر نظر رکھو) کی جگہ ترصد بھا عیر قریش عبارتوں میں سے کون سی عبارت زیادہ صحیح ہے؟ تاریخی اصولوں اور تاریخ نویسی کے قواعد کا تقاضا تو یہی ہے۔ کہ اختلاف و تضاد کی صورت میں قدیم ترین روایت کو ترجیح حاصل ہو۔ چنانچہ اس بنا پر ابن اسحاق اور ان کے متبعین کی روایت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے حق میں یہ بات بھی جاتی ہے کہ اکثر مورخین ان ہی کی روایات سے اتفاق کرتے ہیں۔ اس لئے بنیادی طور پر اس سریہ کا مقصد قریش کے ارادوں پر نظر رکھنا اور ان کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہی قرار پاتا ہے۔

پھر اگر واقدی اور ان کے ہمنوا مورخین کی روایت کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی خاص مکی کارواں پر نظر رکھنے کی ہدایت مہم والوں کو دی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں دو نکتے ابھرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے کون سا کارواں مراد تھا؟ طائف سے مکہ آنے والا کارواں جس پر مجاہدین نخلہ نے چھاپہ مارا تھا۔ یا کوئی اور؟ بیشتر جدید محققین نے اس سے یہی مراد لیا ہے کہ نامۂ نبوی میں نخلہ کے کارواں کی طرف اشارہ تھا۔ مونٹگمری واٹ نے اس نکتہ پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کاروان کے اس راستہ سے نخلہ سے گزرنے کا علم تھا کہ نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو اس کارواں کے نخلہ سے گذرنے کا علم تھا لیکن وقت و تاریخ کے بارے میں یقین نہ تھا۔ غالباً وہ کچھ مدت بعد گزرنے والا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ کارواں وقت سے پیشتر آ نکلا تھا۔ اس لیے آپ کے تمام اندازے غلط ہوگئے اور مسلمان مجاہدین کو مجبوراً ماہ مقدس میں حملہ کرنا پڑا۔

دوسرا امکان مونٹگمری واٹ کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کو اس کارواں کے گذرنے کا علم نہ رہا ہو۔ بلکہ آپ نے عمومی امکان کو مدِنظر رکھ کر ہدایت دی ہو کہ اس نسبتاً محفوظ راستے پر کارواں عموماً گذرتے ہی رہتے ہیں۔ غالباً آپ کو یہ خیال تھا کہ شامی شاہراہ تجارت کے مقابلے میں اس مقامی شاہراہ پر کارواں کے ساتھ محافظ بھی کم ہوں گے۔[۱۰۸] واٹ کی یہ دلیلیں تسلیم کرنے میں کئی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اول یہ کہ مکہ سے اتنی دور مدینہ میں بیٹھ کر آپ کو نخلہ سے کسی مخصوص کارواں کسی مخصوص تاریخ کو گذرنے کا علم ہونا ناممکن نہیں مگر محال ضرور تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو علم کیونکر ہوا ہوگا؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ مسلم جاسوسوں کے ذریعے یا کسی مسافر کے ذریعے۔ مسافر کا ذریعہ قطعیت کے ساتھ خبر فراہم کرنے کا وسیلہ نہیں بن سکتا جہاں تک مسلم جاسوسوں کا تعلق ہے تو اول تو یہ ناممکن نظر آتا ہے کہ مرکزِ اسلام سے اتنی دور ان کی جولان گاہ رہی ہو اور اگر مکی مسلمانوں کے امکان کو مدِنظر رکھ کر یقین بھی کر لیا جائے تو پچھلے چھ تجربات کی روشنی میں اس کی واقعاتی تردید ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جدید مورخین کے خیال کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اپنی زیرِ کمان یا آپ کی بھیجی ہوئی مہمیں محض اس بنا پر اکثر حالات میں ناکام رہی تھیں کہ ان کو قریشی کارروانوں کے گذرنے کی صحیح تاریخ اور وقت کا علم نہیں تھا۔ پھر اگر اپنے زیرِ اثر علاقے اور قریبی شاہراہ سے گزرنے والے قافلوں کا وقتِ گذر مسلم جاسوس معلوم کرنے میں کامیاب نہیں رہے تھے۔ تو اتنی دور کے کسی قافلے کے گزرنے کے وقت کا حتمی علم ان کو کیونکر ہو سکتا تھا؟ جہاں تک کاروانوں کے عمومی امکان کا تعلق ہے یہ خاصا اہم اور وزنی امکان ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کسی قریشی کارواں پر صرف نظر رکھنے سے مسلمانوں کا بھلا ہو سکتا تھا؟

چنانچہ جدید مغربی مورخین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہدایت نبوی میں قریشی کارواں پر نظر رکھنا یا نگرانی کرنا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ اصل مقصد ان پر چھاپہ مارنا تھا۔ اور مالِ غنیمت حاصل کرنا تھا۔ اور اسی بنا پر ان مورخین کے نزدیک "ترصّد" کے معنی نگاہ رکھنے یا نگرانی کرنے کے بجائے گھات لگانے کے ہیں۔ واٹ نے مزید تحقیق یہ کی ہے کہ لفظ ترصد کے معنی گھات لگانے کے بجائے نگرانی کرنے کے قرار دینے کے لیے بعض روایتوں میں تعلم لنا من اخبارھم (یعنی ان کی خبریں ہمارے لئے معلوم کرو) کا فقرہ الحاقی ہے جو بعد میں راویوں نے جوڑ دیا ہے۔[۱۰۹] لیکن واٹ کی یہ تحقیق عربی نحو کے قواعد اور تاریخی اصولوں کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی لغوی اعتبار سے کسی بھی قاموس و لغت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نامۂ نبوی کی منقولہ عبارت میں لفظ ترصّد کے معنی گھات لگانے اور چھاپہ مارنے کے ہوتے ہیں۔ تمام لغات کیا قدیم کیا جدید اس پر متفق ہیں کہ اس لفظ کے معنی نگرانی کرنے، امید کرنے، انتظار کرنے یا توقع کے ہیں۔[۱۱۰] عربی نحو کے مطابق جب تک لفظ ترصّد کے لیے لِ کا صلہ نہ آئے اس وقت تک اس کے معنی گھات لگانے کے لئے نہیں بن سکتے۔[۱۱۱]

چنانچہ اس قاعدے کے مطابق واقدی وغیرہ کے یہاں عبارت ترصّد بھا لعیر قریش ہونا چاہیے تھی۔ یہ تصور بھی نہیں کیا

جا سکتا کہ ان راویوں کو ترصّد اور ترصد کا فرق نہ معلوم ہو۔ پھر اگر لفظ ترصد کے معنی نگرانی کرنے کے قرار دینے کے لیے ایک پورا فقرہ الحاق کیا جا سکتا تھا۔ تو صرف ایک حرف کا اضافہ زیادہ آسان ہوتا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جس روایت میں تعلم لنا من اخبارھم والا مبینہ الحاقی فقرہ موجود ہے اس میں لفظ غیر موجود نہیں ہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ فقرہ ابن اسحاق وغیرہ کی روایت میں موجود ہے جو کاروان قریش کے بجائے صرف قریش پر نظر رکھنے کی ہدایت نبوی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس فقرہ کے الحاقی ہونے کے ثبوت میں کوئی دلیل مورخ موصوف نے نہیں دی ہے۔

دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ الحاقی ہونے کا الزام "بعد" کی روایت پر لگانا تو قرین قیاس ہے لیکن ترتیب زمانی کے لحاظ سے کسی قدیم تر یا اولیں روایت پر لگانا تو خلاف عقل ہی ہوگا۔ اس بنا پر تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقدی وغیرہ جو ابن اسحاق کے نصف صدی اور اس سے زیادہ مدت کے بعد لکھ رہے تھے۔ بلا غور و فکر کئے اپنی روایتوں میں قریش سے پہلے لفظ غیر بڑھانے کے مرتکب ہوئے تھے۔ نہ کہ ابن اسحاق۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ واٹ نے لفظ ترصد کے معنی و مفہوم پر خاصی گفتگو کر ڈالی مگر اس نکتے کی طرف اشارہ تک نہ کیا اور اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انہوں نے زہری اور یزید بن رومان کے واسطے سے عروہ بن زبیر کی اس معیاری روایت میں جو ابن اسحاق کے یہاں پہلی بار مذکور ہوئی ہے۔ مکی کاروان پر گھات لگانے کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ اصل روایت میں قریش ہے۔ کاروان قریش نہیں [۱۱۲]

مورخ موصوف نے نامۂ رسالت کی عبارت سے گھات لگانے کے مفہوم کی مزید تائید اس دلیل سے فراہم کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سریہ کی ترتیب و تنظیم میں کافی احتیاط اور رازداری سے کام لیا تھا۔ آپؐ نے نہ صرف مجاہدین پر مہم کی منزل اور اس کے مقصد کو واضح نہیں کیا تھا بلکہ قائد سریہ کو ایک مہر بند خط عطا فرمایا تھا۔ جس کے مضمون سے آپؐ کے علاوہ آپؐ کے کاتب اور غالباً ایک دو مشیروں کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا اس کے علاوہ آپؐ نے مہم کو عام راستے کے بجائے نسبتاً ایک غیر معروف نجدی راستے سے جانے کی تاکید کی تھی۔ ان کا سفر تقریباً مشرقی سمت میں ہوا تھا۔ جبکہ منزل مقصود قریباً بالکل مکہ کے جنوب میں تھی۔ بلاشبہ آپؐ نے یہ ساری احتیاط و رازداری صرف اس لئے برتی تھی کہ آپؐ مکیوں کے جاسوسی نظام کو اپنے اصل ارادوں کے بارے میں تاریکی میں رکھنا چاہتے تھے۔ غالباً آپؐ کی بعض سابقہ مہمیں صرف اس لیے ناکام رہی تھیں۔ کہ ان کے مقاصد کا علم دشمن کو ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ مہم مدینہ کے بجائے مکہ کے زیادہ قریبی علاقے میں جا رہی تھی۔ اس لیے اس کے منصوبے کے دشمنوں کی نظر میں آ جانے کی صورت میں ہشتر کا، مہم کی زندگی خطرہ میں پڑ سکتی تھی۔ [۱۱۳]

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اگر اس مہم کے بارے میں دشمن کو ذرا بھی پتہ لگ جاتا یا سن گن مل جاتی تو نہ صرف ان مسلمان مجاہدین کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جاتا۔ بلکہ اس مہم کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ لیکن آپؐ کے محتاط اور رازدارانہ اقدامات سے یہ مفہوم کیونکر نکلتا ہے کہ اس مہم کا مقصد چھاپہ مار کارروائی تھا۔ چاہے ابن اسحاق کا نقطۂ نظر تسلیم کیا جائے چاہے واقدی کا۔ دونوں صورتوں میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ساری احتیاط اور رازداری کے پیچھے یہ مقصد کار فرما تھا کہ قریش کو اپنے اتنے قریب ایک مسلمان مخبر جماعت یا طلیعہ کی موجودگی کا علم نہ ہونے پائے اور اگر ان کو علم ہو جاتا تو پھر اس صورت میں مسلمان مجاہدین نہ تو قریش کے بارے میں خبریں حاصل کر سکتے اور

نہ ان کی نگرانی کر کے ان کے اصل ارادوں پر نظر رکھ سکتے اور نہ ہی قریش کے مخصوص کارواں کی کارروائیوں، مقاصد اور تیاری وغیرہ پر نظر رکھ سکتے ۔ مزید خود ان کا تحفظ ذاتی خطرہ میں پڑ جاتا اس لئے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ نخلہ میں قیام کر کے قریش یا کاروانِ قریش کے بارے میں خبریں حاصل کرنے کے لیے بھی احتیاط اور رازداری کی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی کہ کسی کارواں پر چھاپہ مارنے کے لیے۔

واٹ نے ایک دلیل یہ مزید دی ہے کہ نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد مسلم جماعت کو احکام نبویؐ پر عمل کرنے میں ہچکچاہٹ تھی اور وہ اس بنا پر نہیں تھی کہ ان کو تعمیلِ احکام کی صورت میں کسی قسم کی اخلاقی ضابطہ شکنی یا اپنی مہم کے اخلاقی پہلوؤں کے بارے میں کسی قسم کا احساس ستا رہا تھا۔ ان کی جھجک بلاشبہ اس مہم میں مضمر واضح خطرہ کے سبب تھی۔ کیونکہ عرب خون جوش کھا جانے پر عاقبت نااندیش حد تک شجاعت کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ لیکن عام حالات میں اپنے پورے ہوش وحواس کی درستگی کی صورت میں وہ گمبھیر خطرات سے حتی الامکان گریز کرتا ہے۔ بلاشبہ اسی بنا پر امیر سریہ کو ہدایت نبویؐ تھی۔ کہ وہ صرف اس منصوبے کے حامی صحابہ کے ساتھ کارروائی کریں اور جو اصحاب اس سے پوری طرح متفق نہ ہوں۔ ان کو واپس مدینہ بھیج دیں۔ واٹ نے اس سلسلہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کے ہم سفر و ہم رکاب ساتھی حضرت عتبہ بن غزوان کے معاملہ کو پیش کیا ہے۔ ان کا اخذ کردہ نتیجہ یہ ہے کہ اونٹ کے گم ہو جانے اور اس کی تلاش میں ان کے قافلے سے بچھڑ جانے کی کہانی انہوں نے مہم کی کامیابی مدینہ واپسی کے کئی دنوں بعد مدینہ پہنچ کر سنائی تھی۔ واٹ کا کہنا ہے کہ ان کا یہ کہانی بیان کرنا ایک واقعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کہانی صحیح ہی تھی اور ایک روایت تو یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ کہانی صحیح نہیں تھی۔[114] ان دونوں نے یقیناً کافی وقت ضائع کیا تھا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ واقعہ بنو سلیم کے علاقے میں ہوا تھا۔ جو عتبہ بن غزوان کی ولادت کا علاقہ بھی تھا۔[115]

منٹگمری واٹ نے اس سلسلے میں ان دونوں اصحاب پر صرف اسی مہم میں بزدلی کا الزام نہیں لگایا ہے۔ بلکہ حضرت سعد کو خاص طور سے نشانہ بناتے ہوئے ان کو جنگ قادسیہ میں بھی دوں ہمتی کا طعنہ صرف اس بنا پر دیا ہے کہ اس جنگ میں انہوں نے مسلم فوج کی کمان بیماری کے سبب ساقۂ لشکر میں ایک پالکی میں بیٹھ کر کی تھی۔ غالباً ان دونوں مواقع پر ان کی دوں ہمتی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس روایتی مواد کو حقیقت کا روپ دیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت سعد کے شرف میں یہ روایت گھڑی گئی کہ انہوں نے اسلام کی راہ میں پہلا تیر چلایا تھا۔ اس پر مہم نخلہ میں واقد بن عبداللہ تمیمی کے ہاتھوں عمرو بن حضرمی کے قتل کے واقعہ سے کہیں زیادہ زور دیا گیا ہے حالانکہ یہ صحابی اسلام میں پہلے قتل کرنے والے کا شرف رکھتے تھے واٹ کا خیال ہے کہ یہ فرق غالباً اس لئے روا رکھا گیا ہے کہ حضرت واقد خلافتِ فاروقی کے آغاز میں وفات پا گئے تھے اور ان کے جانشین نہ تھے۔ جبکہ حضرت سعد چالیس برس تک زندہ رہے تھے اور نہ صرف یہ کہ وہ امت کے ایک سرآوردہ اور اہم فرد تھے۔ بلکہ ان کے کافی تعداد میں اولاد و اخلاف تھے۔ اور حضرت کے کارناموں کے بارے میں زیادہ روایات جن میں بعض تضادات بھی ہیں یا تو خود ان سے مروی ہیں یا ان کے خاندان کے افراد سے۔ بہرحال واٹ کی مراد صرف اتنی سی ہے کہ حضرت سعد اور ان کے ہم سفر نے بزدلی کا ثبوت دیا تھا کیونکہ وہ مہم نخلہ کے خطرات سے واقف تھے اور منصوبہ سے متفق نہ ہونے کے سبب جان بوجھ کر پیچھے رہ گئے تھے اور اس سے ان کے نزدیک پوری جماعت کی ہچکچاہٹ اور پس و پیش ثابت ہوتا ہے۔[116]

اب ذرا مآخذ پر نظر ڈالی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کیا مسلم جماعت مجاہدین کی جھجک کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ بلاشبہ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد اپنے اصحاب سے کہا تھا کہ" رسول کریمؐ نے مجھے نخلہ جا کر وہاں قریش کی خبریں معلوم کرنے کی ہدایت کی ہے اور مجھ کو تم میں سے کسی پر جبر در زور' زبردستی کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ تم سے جس کسی کو تمنائے شہادت ہو وہ آگے ساتھ چلے اور جس کو نہ ہو وہ واپس چلا جائے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تعمیل حکم کرنے جا رہا ہوں۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گئے اور اسی طرح ان کے تمام ساتھی بھی چل پڑے اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ وہ حجاز کے راستے چلتے رہے۔ یہاں تک بحران نامی کان کے علاقے میں پہنچے اور جہاں بعد میں دو اصحاب کا اونٹ گم ہو گیا اور وہ اس کی کھوج میں پیچھے رہ گئے اور باقی جماعت نخلہ جا پہنچی۔"[۱۱۷] ابن اسحاق کے اس بیان سے مسلم جماعت میں سے کسی ایک کے بھی پیچھے ہٹنے، دوں ہمتی دکھانے یا پس و پیش کرنے کی طرف ذرا سا حوالہ اور اشارہ تک نہیں ملتا۔ پھر اگر دو صحابیوں کے اونٹ کی تلاش کے بہانے پیچھے رہ جانے کو بفرض محال ان کی بزدلی سے تعبیر بھی کر لیا جائے۔ تو اس سے پوری جماعت کی ہچکچاہٹ کہاں ثابت ہوتی ہے۔ جماعت کے دو ارکان ہی تو اس دعوے کے مطابق ہمت ہار گئے تھے۔ بقیہ چھ یا دس یا نو اصحاب تو بلا تکلف و تامل نخلہ جا پہنچے تھے۔

پھر ایک اہم نکتہ یہ بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ نامۂ مبارک پڑھنے کے معاً بعد ان دونوں پیچھے رہ جانے والے اصحاب نے پس و پیش نہیں کیا تھا بلکہ وہ اس کے بعد بھی مہم کے ساتھ رہے تھے۔ اور بحران کے علاقے میں جہاں بقول واقدی انہوں نے اپنے اونٹ چرنے کے لیے کھول دیئے تھے۔ وہ قافلے سے بچھڑ گئے تھے۔"[۱۱۸] گویا کہ انہوں نے پس و پیش کا مظاہرہ فوراً نہیں کیا تھا۔ بلکہ سوچ سمجھ کر اور منصوبہ بندی کر کے کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ امیر سریہ نے ان کو بخوشی اجازت دے دی تھی۔ پھر ان کو تھوڑی دور جا کر منصوبہ بندی کے ماتحت بہانہ بنانے اور پیچھے رہ جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے علاوہ مدینہ واپس آ کر ان کو اپنے پیچھے رہ جانے کی کہانی بنانے کی کیا حاجت تھی؟ کسی سے اس سلسلہ میں تو کوئی مواخذہ ہونے والا نہیں تھا۔ کیوں کہ انہوں نے محض اجازت نبویؐ سے فائدہ اٹھایا تھا اور یہ رعایت تو ان کو اخلاق، قانون اور ہر طرح کے روایتی ضابطہ کی رو سے حاصل تھی۔ اس طرح ان دلیلوں سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ان دونوں صحابیوں کی کہانی محض واقعہ نہیں تھی بلکہ صحیح بھی تھی۔ اس کی تائید واقدی اور ان کے پیرو مورخین کی روایات سے بھی ہوتی ہے اگرچہ اصحاب مہم میں سے کسی کو مجبور نہ کرنے کا فقرہ واقدی کے یہاں نامۂ مبارک کی عبارت کا جز ہے جب کہ ابن اسحاق کے یہاں حضرت عبداللہ بن جحش کی تقریر کا جو انہوں نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے سامنے کی تھی۔ واقدی کی تائید میں ابن ابی حاتم کی روایت ملتی ہے جو ابن کثیر نے نقل کی ہے اور جو جندب بن عبداللہ کی سند پر بیان ہوئی ہے۔"[۱۱۹] باقی تمام روایات زیادہ تر ابن اسحاق کی تائید میں ہیں۔ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کے مطابق رسول کریمؐ نے اپنی زبانی ہدایات میں کسی کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت بھی دی ہو گی لیکن اگر واقدی وغیرہ کے نقل کردہ مبارک نامے کی عبارت ہی کو معیاری مان لیا جائے تو بھی کسی جھجک کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ جہاں تک غیر متفقین کے مدینہ واپس بھیجے جانے کے واٹ کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس کی مذکورہ بالا کسی روایت سے تصدیق و تائید نہیں ہوتی ہے۔ طبری نے اپنی تفسیر میں محمد بن عبدالاعلیٰ الصنعانی کے واسطہ سے حضرت جندب بن عبداللہ کی ایک اور روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمی لوٹ آئے تھے۔"[۱۲۰]

لیکن کہاں سے اور کیوں لوٹ آئے تھے۔ اس کی تصریح نہیں ملتی ہے۔ بہرحال بیشتر شواہد ثابت کرتے ہیں کہ مسلم جماعت کو خاص طور سے اور افرادِ جماعت کو عام طور سے کسی قسم کا تردد یا تامل نہ تھا۔ جہاں تک حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی اس موقعہ اور جنگِ قادسیہ میں بزدلی یا دونِ ہمتی کے مظاہرے اور پھر اس کو چھپانے کے لئے ان کے تیر چلانے کی روایت گھڑنے اور اس پر بلا ضرورت زور دینے اور حضرت واقد کے کارنامے کو گھٹانے اور دونوں کے بارے میں ماخذ کے رویہ میں ان کے سیاسی اور سماجی پس منظر کے بہ نظر فرق پائے جانے کا تعلق ہے اس کا سردست ہمارے اس موضوع سے تعلق نہیں ہے لیکن مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ پر دون ہمتی کا الزام سراسر بہتان ہے اور اس کی تاریخی واقعات سے تردید ہوتی ہے۔ حضرت سعد کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ بیشتر بلکہ تمام ابتدائی مہموں میں شریک رہے تھے اور بعد کے تمام غزوات میں اور بعض سرایا میں بھی پورا پورا حصہ لیا تھا۔[121]

ابن سعد اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ اصحابِ نبیؐ میں ان کا شمار ماہر تیر اندازوں میں ہوتا تھا۔[122]

سریہ عبیدہ میں ان کے تیر چلانے کی فضیلت کا واقعہ کوئی تنہا نہیں ہے۔ جنگِ احد میں انہوں نے ماہرانہ تیر اندازی کا وہ مظاہرہ کیا تھا کہ متعدد روایات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف و توصیف فرمائی تھی۔[123]

اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے غزوات و مواقع پر ان کی شجاعت و مردانگی کے حوالے ملتے ہیں۔[124]

یہ صحیح ہے کہ ان کے کارناموں کے بارے میں بعض روایات ان کی سند پر یا ان کے اہل خاندان سے ہی کسی سے مروی ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ تعداد ان روایتوں کی ہے جو ان کے علاوہ دوسرے غیر متعلق راویوں سے مروی ہیں۔[125] پھر واٹ کا یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کی تیر اندازی کی خیرہ کن روشنی میں حضرت واقد کے کارنامے کو کم کرکے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ابن ہشام[126] نے اپنے تبصرے میں ابن حضرمی کے قتل کو اسلام کے پہلے ولین قتل قرار دے کر ان کے کارنامے کی قدر و قیمت کا اعتراف و اعلان کیا ہے بہرحال یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ حضرت واقد بن عبداللہؓ تمیمی کے مقابلے میں امت کے زیادہ اہم اور نمایاں ترفرد تھے۔ اگر ان کے کارنامے زیادہ اجاگر نظر آتے ہیں تو یہ فطری بھی ہے اور تاریخی حقیقت بھی اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ان کی سماجی و مذہبی برتری اور کثرتِ اولاد کی نعمت بعض دوسرے صحابہ یا افرادِ امت خاص کر امویوں کو حاصل تھی۔ پھر وہ کیوں مطعون و بدنام نظر آتے ہیں۔ کیا ان کے اخلاف و جانشین ان کی تعریف و توصیف میں یہ خدمت انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ واٹ کی اس سلسلے میں تمام دلیلیں نہ صرف بے وزن اور لچر ہیں۔ بلکہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ ماخذ کے بالکل خلاف ہیں۔

نامۂ نبوی پڑھنے کے بعد حضرت عبداللہ کی اپنے ساتھیوں کے سامنے کی جانے والی تقریر میں ایک فقرہ شہادت کی تمنا کے بارے میں ہے جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ امیر سریہ یا ان کے ساتھیوں کو یا خود ذاتِ نبویؐ کو جانی نقصان کا خدشہ تھا۔ واٹ اور ان کے حامی دوسرے جدید مورخین نے اس فقرے اور بعض دوسرے قرائن سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ مہم اس لیے خطرناک تھی کہ مسلمان مجاہدین چھاپہ مار کارروائی کے لیے جا رہے تھے۔ جس میں دونوں فریقوں کے لیے جانی نقصان کا احتمال و اندیشہ رہتا ہے۔[127]

کسی حد تک یہ بات صحیح ہو سکتی ہے لیکن معاملہ صرف مبہم نکتہ تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے جدید مغربی مورخین کا تو دعویٰ ہے کہ اس سے

پہلے چھ نہیں اسی نوعیت کی اور اسی غرض سے بھیجی گئی تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی اتنے جانی خطرے کا احساس نہیں پایا جاتا۔ بلکہ انھیں مؤرخین کے دلائل کے مطابق ان مہموں میں جانوں کو زیادہ خدشہ و خطرہ لاحق ہو سکتا تھا کیونکہ وہ شامی شاہراہ تجارت پر گذرنے والے قریشی کاروانوں کے خلاف بھیجی گئی تھیں جو عددی طاقت کے لحاظ سے کافی بڑے ہوتے تھے اور اس طرح ان مہموں کے مجاہدین کے لیے جانی نقصان کا احتمال زیادہ تھا۔ پھر ان مہموں میں اس حقیقتِ صادقہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا حتی کہ خرار کی مہم میں بھی اس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا جو صرف آٹھ افراد پر مشتمل تھی اور کسی اور کی قیادت میں نہیں بلکہ خود حضرت سعدؓ کی قیادت میں گئی تھی جو بقول واٹ اسی خطرے سے نخلہ کی مہم میں جان چرا گئے تھے بہرحال واضح ہوتا ہے کہ اگر امیر سریہ یا ان کے اصحاب میں سے کسی کو اس قسم کے احتمالات تھے تو ان کا سبب مہم جوئی یا چھاپہ مار کارروائی نہ تھی بلکہ سریہ نخلہ کی مخصوص نوعیت تھی اور یہ مخصوص نوعیت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ دیدہ دانستہ شیروں کی کچھار میں جا رہے تھے۔ سریہ کا اہل طائف کو ہو جاتا تو وہ ہر قیمت پر مسلمانوں کو پکڑنے یا ختم کرنے کی کوشش کرتے کیونکہ ان کے اپنے گھر کے پچھواڑے دشمن جاسوسوں کی موجودگی نہ صرف ان کو اشتعال دلاتی بلکہ ان کو خدشات سے بھی دوچار کر دیتی اور وہ اس صورت میں ہر قسم کا اقدام کر سکتے تھے۔ اسی لیے امیر سریہ نے شہادت کی تمنا رکھنے والوں کو ساتھ لے جانا چاہا تھا اور متذبذب لوگوں کو روکنا چاہا تھا کیونکہ دوسرے قسم کے لوگوں کی موجودگی مضبوط دل والوں کے لیے بھی کسی وقت اضطراب کا سبب بن سکتی تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے اس جماعت مجاہدین میں کوئی بزدل، دوں ہمت یا شہادت سے گریزاں نہ تھا۔

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کم از کم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کاروانِ قریش پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا آپ کی ہدایت صرف قریش پر نظر رکھنے اور ان کے بارے میں خبریں فراہم کرنے یا کسی خاص کاروانِ قریش کے بارے میں معلومات حاصل کرنے تک محدود تھی۔ تمام مآخذ کا اس پر حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اس موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چھاپہ مارنے کا حکم نہ تھا اور اس تاریخی شہادت کی قدر و قیمت اور اہمیت میں اس حقیقت سے اور اضافہ ہو جاتا ہے کہ یہ انھیں تمام رواۃ اور مؤلفین سیرت اور مغازی نگاروں کی فراہم کردہ ہے جو سابقہ چھ مہموں کے بارے میں براہ راست یا بالواسطہ صراحت کے ساتھ یا مضمرانہ میں چھاپہ مار کارروائی اور کارواں لوٹنے کے مقصد و محرک کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس دعوے کی ان مغازی نویسوں اور تذکرہ نگاروں نے ماہِ حرام میں کاروانِ قریش لوٹنے کی ذمہ داری کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمان مجاہدین مہم کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ از خود تردید ہو جاتی ہے مونٹگمری واٹ کا تو یہ دعویٰ ہے کہ اس غدارانہ حملے اور ماہ مقدس کی بے حرمتی پر جب خود مدینہ میں شدید ردِ عمل ہوا تو آپؐ نے اس حقیقت سے انکار کر دیا کہ آپؐ ہی نے کارواں پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس طرح امیر سریہ اور ان کے جانبازوں کے کندھوں پر اس کی تمام ذمہ داری ڈال دی[۱۲۳]۔ گویا کہ آپؐ رائے عامہ کے خوف سے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ حکم کی حقیقت سے مکر گئے بلکہ وفادار مسلم مجاہدین کو معرضِ خطر میں ڈال دیا اور مسلمان مورخین نے آپ کے دفاع میں نامۂ مبارک کی عبارت میں الحاق و تحریف کی اور خاص کر "ان کی خبریں ہمارے لیے معلوم کرو۔" والا فقرہ گڑھ کر شامل کر دیا تاکہ آپ کو اس حملہ کی ذمہ داری سے بچایا جائے اور بیچارے مسلم مجاہدین کو قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔

اور شہادتوں کے علاوہ جن میں سے کچھ اوپر گزر چکی ہیں خود مآخذ کی تمام روایات کی داخلی شہادتوں سے اس دعوے کی تردید ہوتی ہے ابن اسحاق اور واقدی اور ان کے متبعین کا اتفاق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی پڑھنے کے بعد مجاہدین کو "حکم نبویؐ" کا بخوبی علم ہو گیا تھا اور بقول واقدی برایتِ ضمیرہ اور بقول سدی بطن ملل میں نامۂ نبوت پڑھنے کے بعد نخلہ تک وہ بلاشبہ تعمیل حکم نبوی کی خاطر ہی آئے تھے اور اسی لیے وہاں فروکش ہوئے تھے پھر ان مجاہدین کو ابن حضرمی والے کارواں پر حملہ کرنے میں نخلہ پہنچ کر تذبذب کیوں ہوا تھا؟ انہوں نے بحث و مباحثہ کیوں کیا تھا؟ اور بقول ابن اسحاق وہ حملہ کرنے سے گریزاں و ترساں کیوں تھے؟ کیوں ایک دوسرے کو ہمت دلا رہے تھے؟ اور بالآخر انھوں نے یہ فیصلہ کیوں کیا تھا کہ جتنا ممکن ہو کارواں والوں کو مار ڈالا جائے اور ان کے مال پر قبضہ کر لیا جائے؟ مال پر قبضہ کرنے اور اس سلسلہ میں ممکنہ خونریزی کرنے کے لیے تو وہ نخلہ تک آئے ہی تھے پھر یہ سارا تذبذب، مباحثہ و مناقشہ اور بالانجام کاروانِ لوٹ لینے کا فیصلہ کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا اس سے پوری طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ان کا اپنا فیصلہ تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو اس کی ہدایت نہیں ملی تھی؟ یہ دعویٰ کہ ان کو حملہ کرنے کا حکم نبوی کی تعمیل میں تردد ماہ مقدس کے سبب تھا تو اس کی تردید بھی اسی دلیل سے ہوتی ہے۔ جب وہ نامۂ گرامی کے مضمون سے واقف ہونے کے بعد روانہ ہوئے تھے تو بخوبی جانتے تھے کہ وہ مہینہ مقدس و حرام تھا۔ یہ علم ان کو مآخذ کی بیشتر روایات کے مطابق مدینہ سے روانگی کے وقت سے تھا اور اچانک پہونچنے پر نہیں ہوا تھا۔ پھر واٹ کا دعویٰ تو ہے کہ حملہ کا وقت اول یا آخر رجب نہ تھا بلکہ وسط رجب تھا۔[129] جبکہ ان کے نزدیک اشتباہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔ اس نکتہ پر ہم مفصل بحث ذرا بعد میں کریں گے لیکن کیا اس سے ان کے اس دعوے کی تردید نہیں ہو جاتی کہ حملہ کی ذمہ داری کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجاہدین کی طرف دیدہ دانستہ نہیں منتقل کیا گیا ہے اور کیا اس سے بخوبی واضح نہیں ہوتا کہ حملہ کرنے اور لوٹنے کا فیصلہ مسلم مجاہدین کا تھا جو انہوں نے مخصوص حالات و اسباب کی بنا پر کیا تھا؟ اس نتیجہ کی مزید تائید واقدی کی روایت کے مذکورہ بالا گیارھویں نکتے سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق مسلم جماعت مجاہدین کارواں نخلہ پر حملہ کرنے اور ان کا مال لوٹنے کے معاملہ پر دو فریقوں میں بٹ گئی تھی اور حملہ کے مخالف فریق نے حملہ کے حامی فریق کو دنیاوی مال کی طمع پر لعن طعن کیا تھا۔ اگر وہ نخلہ کارواں لوٹنے ہی آئے تھے تو پھر مسلم جماعت کے حامی و مخالفِ حملہ فریقوں میں منقسم ہونے کے کیا معنی تھے اور کیوں ایک فریق کو دنیاوی دولت کا حریص قرار دے کر مطعون کیا گیا تھا۔ مالِ غنیمت مقصود تھا تو دنیاوی مال و دولت کی حرص کا الزام ہر دو فریق مجاہدین نخلہ کے بجائے سرکارِ مدینہؐ پر عائد ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ جدید مغربی مورخین نے کیا ہے لیکن نہ صرف اس کا ثبوت مآخذ سے نہیں ملتا بلکہ اس کی واضح تردید ان سے ہوتی ہے۔ مزید تصدیق مآخذ کے اس تبصرے سے ہوتی ہے جس کے مطابق سریہ نخلہ کی مدینہ واپسی پر مسلمانانِ شہر نے مجاہدین کو حملہ کرنے اور مال لوٹنے کا ملزم قرار دیا تھا اور ان کو اس پر لعنت ملامت کی تھی۔ کسی روایت کے فقرے یا اشارے سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ مسلمانوں میں سے کسی نے بھی حملہ کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ کہ آپؐ نے پہلے حکم دیا اور پھر ردِعمل دیکھ کر مکر گئے۔ آپؐ کی پوری سیرت و کردار کے منافی ہے دشمن تک آپؐ کے صادق اور امین ہونے کے قائل اور گواہ تھے اس کے علاوہ اپنے ساتھیوں کو معرض خطر میں ڈال دینا یا ان کو کسی مشکل وقت میں عاق کر دینا یا

چھوڑ دینا ایک عام سیاسی قائد کے کردار سے فروتر سمجھا جاتا ہے پھر آپؐ کے بارے میں اس کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ آپؐ دنیا کے چند عظیم ترین سیاسی مدبروں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ تاریخی شہادتوں سے بھی اس دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ آپؐ کی پوری نجی اور عوامی زندگی کے کسی ایک واقعہ یا پہلو سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا جب آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو کسی مشکل وقت میں چھوڑا ہو یا ان کے دفاع، تحفظ اور امداد سے گریز کیا ہو یا کسی قسم کی روگردانی کی ہو۔

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ ابن حضرمی کے کارواں کو لوٹنے کا منصوبہ خود مجاہدین نخلہ کا تھا اس سلسلہ میں دو اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ حملہ کس تاریخ کو ہوا تھا اور دوسرے یہ کہ کیوں ہوا تھا جبکہ وہ ایک طرح سے حکم نبویؐ سے تجاوز تھا۔

جہاں تک وقت و تاریخ حملہ کا تعلق ہے ماٰخذ کی متعدد روایات میں اختلاف و تناقض ہے۔ ابن اسحاق و ابن ہشام کی مطبوعہ سیرتوں میں عروہ کی معیاری روایت میں مدینہ سے مہم کی روانگی کا وقت ماہ رجب بتایا گیا ہے۔[130]

محمد بن حبیب بغدادی نے رجب کے آخری عشرے میں روانگی اور یکم شعبان کو واپسی کی تاریخیں دی ہیں۔ ابن اسحاق کے تمام متبعین نے اپنے یہاں اسی ماہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق نخلہ میں کارواں پہ حملہ کرنے یا نہ کرنے کی بحث چھڑی تو ابنِ اسحاق کے نزدیک وہ حتمی طور سے رجب کا آخری دن تھا اور مجاہدین نخلہ نے پورے علم و دانست میں ماہ مقدس میں حملہ کیا تھا۔[131] واقدی کی روایت میں مدینہ سے مہم نخلہ کی روانگی کی تاریخ ہجرت کے سترھویں مہینے بتائی گئی ہے جس سے بالواسطہ مراد رجب ہی ہے۔[132] لیکن نخلہ میں کارواں پہ حملہ کرنے سے قبل مسلمانوں نے جو بحث کی تھی اس میں یہ اختلاف یا اشتباہ ابھرا تھا کہ وہ رجب کی آخری تاریخ تھی یا شعبان کی۔[133] واقدی کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجاہدین کو اس معاملے پر دو فریقوں میں منقسم پاتے ہیں۔ ایک آخر رجب کا قائل تھا تو دوسرا یکم شعبان کا۔ یعنی یہ معاملہ اشتباہ کا نہ تھا اختلاف کا تھا۔ طبری میں مذکورہ سدی کی روایت میں تاریخ حملہ آخر رجب تھی نہ اول شعبان بلکہ وہ آخری جمادی الاخریٰ یا یکم رجب تھی۔[134] یہ بہت اہم حقیقت ہے کہ طبری نے اپنی تفسیر میں زہری کی سند پہ عروہ کی اسی روایت کو ہو بہو نقل کیا ہے مگر اس میں حملہ کی تاریخ کو جمادی الاٰخریٰ کا آخری دن قرار دیا گیا ہے۔[135] تفسیر طبری میں سریہ نخلہ کے بارے میں مذکورہ سترہ روایتوں میں سے اکثر میں یہ مذکور ہے کہ در اصل تھی تو وہ یکم رجب لیکن مسلمان جانبازوں کا خیال تھا کہ وہ آخری جمادی الاخریٰ کا دن تھا۔[136] بعض روایتوں میں حتمی طور سے اس کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات قرار دیا گیا۔[137] بہرحال یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ طبری نے اپنی کسی بھی روایت تفسیر میں شعبان کے مہینے یا اول تاریخ کا حوالہ تک نہیں دیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احادیث و آثار کے علماء کے نزدیک مہم نخلہ کا مہینہ جمادی الاخریٰ تھا۔ نہ کہ رجب اور حملہ کا دن آخری رات تھی جمادی الاخریٰ کی یا اول رجب تھی، گویا شعبان کا یہاں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے اسی طرح ابنِ کثیر نے اپنی روایات تفسیر جن کی تعداد تقریباً دس ہے حملہ کی تاریخ آخری جمادی الاخریٰ یا اول رجب قرار دی ہے۔ اور طبری سے مکمل اتفاق کیا ہے۔[138]

یہ امر خاصہ اہم ہے کہ ابن کثیر کی روایات کی اسناد اکثر و بیشتر روایات میں طبری کی روایات سے قطعی مختلف اور نئی ہیں۔ اور ان میں دو روایتوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ ایک زہری سے موسیٰ بن عقبہ کی روایت۔ موسیٰ کو محدثین نے

صحیح ترین اور ثقہ ترین مغازی نویس کہا ہے۔[139] اور دوسری روایات میں ابن کثیرؒ نے ابوبکر بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ کا حوالہ دیا ہے جس کے مطابق حافظ موصوف نے اس معاملہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے۔ ان کے علاوہ تفسیر و حدیث کے متعدد دوسرے علماء و مصنفین نے بھی اسی کی تائید میں متعدد روایات بیان کی ہیں۔[140] مزید برآں ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں مہم نخلہ کی روانگی کے بارے میں جو جملہ تحریر کیا ہے وہ بھی بالواسطہ طور پر اس خیال کی تصدیق کرتا ہے کہ مہم دراصل جمادی الاخریٰ میں روانہ ہوئی تھی اور رجب ناکام متین روایت میں یا تو مصنف کی غلط فہمی کی بنا پر یا کاتب کی غلطی سے راہ پا گیا۔[141] اس کی تصدیق و تائید ان تمام دوسرے مورخین، مفسرین اور محدثین کی بیان کردہ روایات سے ہوتی ہے۔ جو انہوں نے اسی سند پر یعنی زہری کے واسطہ سے عروہ بن زبیر سے بیان کی ہیں۔ اس طرح روایات و آثار کی غالب اکثریت کا فیصلہ یہ ہے کہ سریہ نخلہ ماہ جمادی الاخریٰ کے اواخر میں کسی وقت بھیجا گیا تھا اور حملہ کاروان نخلہ پر اس ماہ کے آخری دن/رات یا رجب کی پہلی رات کو ہوا تھا۔ اس غالب اکثریتی فیصلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حملہ کی تاریخ آخری جمادی الاخریٰ تھی یا اوّل رجب نہ کہ آخری رجب یا اول شعبان۔ اس طرح واٹ کا خیال کہ حملہ وسط رجب میں ہوا تھا۔ بالکل بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔

اب یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ آخری جمادی الاخریٰ کا یا رجب کا۔ مجاہدین کو یقین تھا یا اس کو معاملہ میں سچ مچ اشتباہ ہو گیا تھا۔ ابن اسحاق میں عروہ کی روایت سے بصراحت معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجاہدین میں سے کسی کو بھی شبہ نہیں تھا کہ حملہ کی تاریخ ماہ حرام کی تھی۔ لیکن طبری نے اپنی تفسیر میں یہی روایت بیان کی ہے اور اس میں صراحت کی ہے کہ مجاہدین نے جب حملہ کیا تو ان کو یقین تھا کہ وہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا۔ تفسیر طبری ہی میں مجاہد کی روایت میں بھی اسی کی تائید ہے اور ذکر آچکا ہے کہ تاریخ طبری میں سدی کی روایت اسی کی تائید کرتی ہے اور یہی روایت پھر طبری نے تفسیر میں بھی دی ہے۔ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو اپنی تفسیر میں معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے اس کے علاوہ بعض دوسری روایتوں میں بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ مجاہدین کو تاریخی سلسلہ میں کوئی اشتباہ نہ تھا اور ان کو حتمی یقین تھا کہ وہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن تھا اور یہی حقیقت بھی تھی۔

ان روایتوں کے بالمقابل متعدد اور کثیر روایات اس مضمون کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان تاریخوں کے بارے میں اشتباہ تھا اور یہ واقعی بھی تھا۔ وہ یقینی طور پر یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ دن آخری جمادی الاخریٰ کا تھا یا رجب کا طبری کی تفسیر میں اس نوع کی روایات میں کئی کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر کی کئی روایات میں یہی مضمون پایا جاتا ہے۔ واقدی کے یہاں اگرچہ مہینے مختلف ہیں تاہم حرام مہینوں میں اشتباہ کا جہاں تک تعلق ہے یہی خیال اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ان دونوں نقطہ ہائے نظر کے علاوہ کچھ روایات ایسی بھی ہیں جو تیسرے نقطہ نظر کی ترجمان ہیں۔ یعنی حقیقتاً مخصوص دن تھا تو یکم رجب کا لیکن صحابہ کرام کی مجاہد جماعت اس کو اپنے یقین و اعتماد و علم کی حد تک جمادی الاخریٰ کا آخری دن سمجھتی رہی۔

تفسیر طبری میں حسن بن یحییٰ کی سند پر مقسم مولیٰ ابن عباس کی روایت، محمد بن سعد کی سند پر ابن عباس کی دوسری روایت اور عمار بن حسن کی سند پر ابو مالک غفاری کی روایت اور تفسیر ابن کثیر میں عوفی کی سند پر ابن عباس کی روایت کے علاوہ متعدد اسناد پر مروی متعدد روایتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

بہر حال تاریخ، حدیث، تفسیر اور آثار و تذکرہ کی تمام روایات ان میں تین انواع میں سے کسی نہ کسی کی ہیں۔ اس شدید تناقض اختلاف کی صورت میں بعد کے کسی مورخ کے لئے حتمی فیصلہ کرنا کہ حملہ کے دن کی اصلی تاریخ کیا تھی۔ خاصہ دشوار کام ہے ابن اسحاق کے مکتب فکر کا واضح فیصلہ ہے کہ بعض ناگریز اسباب کی بنا پر جماعت مجاہدین نے دیدہ و دانستہ کارواں پر ماہ حرام میں حملہ کیا تھا جبکہ واقدی اور ان کے حامیوں کا زور اس پر ہے کہ تاریخ میں اختلاف رائے تھا۔ لیکن ان دونوں ابتدائی مآخذ سے دو الگ نکات پر زور معلوم ہوتا ہے۔

ابن اسحاق وغیرہ کے نزدیک وقت عمل سے زیادہ شناعت فعل پر زور ہے بہر حال ان تینوں امکانات کا قوی احتمال تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ وزن آخری نقطۂ نظر کے حق میں جاتا ہے اس کی مزید تائید مکہ والوں کے اس الزام کہ مسلمانوں نے ماہ حرام کی بے حرمتی کی تھی۔ کی تردید میں کی مسلمانوں کا جواب تھا کہ حملہ ماہ حلال میں کیا گیا تھا نہ کہ ماہ حرام میں۔ بہر حال کوئی بھی صورت رہی ہو البتہ یہ قطعی اور حتمی ہے کہ ماہ حرام کی بے حرمتی کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں تھی اور اگر کسی پر تھی بھی تو وہ امیر سریہ اور ان کے حامی مجاہدین کے سر تھی۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حملہ کا کوئی حکم سرے سے دیا ہی نہیں گیا تھا۔

مغربی مورخین نے حملہ کی ذمہ داری اور اس کے ذریعہ ماہ حرام کی بے حرمتی کی ذمہ داری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ڈالنے کی غیر معقول حد تک کوشش کی ہے۔ مونٹگمری واٹ نے اس سلسلے میں عجیب و غریب منطق سے کام لیا ہے۔ ایک طرف تو وہ سر توڑ کوشش کرتے ہیں کہ ماہ مقدس کی بے حرمتی کا جرم ذات نبوی سے منسوب کر دیں اور دوسری طرف اس کی تردید بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر آپؐ نے رجب میں حملہ کا منصوبہ بنایا بھی تھا۔ اور آپؐ کے ساتھیوں نے اس کو عملی جامہ پہنایا بھی تھا تو آپؐ نے ایسا کر کے ارادتاً بے حرمتی کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ کیونکہ آپؐ ماہ رجب یا مقدس مہینے کے تصور کو جاہلی مذہب کا حصہ سمجھتے تھے اور پورے جاہلی قدیم مذہب کے خلاف برسر پیکار تھے اس لئے اس خاص مہینے یا کسی بھی مقدس مہینے کی تقدیس کے قائل ہی نہ تھے۔ اس لیے آپؐ کے نزدیک اس ماہ میں کارواں پر حملہ کرنا کوئی گناہ کا کام نہ تھا۔ پھر آپؐ نے سریہ نخلہ کی واپسی پر مجاہدین مہم کو کیوں سرزنش کی تھی کہ آپؐ نے ان کو ماہ مقدس میں جنگ کرنے کا تو حکم نہیں دیا تھا۔ اور کیوں مال غنیمت کو قبول نہیں کیا تھا اور کیوں اس کو معطل رکھا تھا؟

واٹ کا خیال ہے کہ مہم روانہ کرنے سے پہلے آپؐ کو مدینہ والوں کے اس معاملہ پر اتنے شدید رد عمل اور اتنے نازک و مشتعل جذبات کا علم نہیں تھا اس کا احساس آپؐ کو مہم کی واپسی پر مدینہ کے مسلمانوں کے رد عمل سے ہوا۔

واٹ کی یہ بھی منطق نرالی ہے کہ مدنی مسلمانوں میں بہت سوں کو غالباً اس بات کا ڈر تھا کہ ماہ مقدس کی بے حرمتی کی پاداش میں قدیم دیوی دیوتاؤں کا عذاب کہیں ان کو یا اس جرم میں پوری قوم کو نہ آن لپٹے۔ اسی رد عمل اور شدید بے چینی کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو حملہ کرنے کے اپنے سابقہ حکم کی تردید کر دی تھی۔ اور اس وجہ سے آپؐ نے مجاہدین کو سرزنش کی تھی اور مال غنیمت کی تقسیم کو معطل رکھا تھا۔[142]

واٹ کی اس سلسلہ میں تمام دلیلیں اور خیالات حماقت کی حد تک بچگانہ ہیں۔ یہ خیال کہ آپؐ کو مدینہ کے مسلمانوں کے ماہ مقدس کی بے حرمتی کے بارے میں شدید جذبات اور نازک احساسات کا علم نہیں تھا قابل قبول نہیں ہے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز

اور نامعقول یہ تصور ہے کہ مدینہ کے مسلمان ماہ حرام کی بے حرمتی پہ دیوتاؤں کے عذاب سے ترساں ولرزاں تھے۔ یعنی مدنی مسلمانوں کو اپنے پرانے دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں توڑنے میں تو کوئی خوف ان کے عذاب کا نہ محسوس ہوا اور ہوا بھی تو ماہ مقدس کے بلے احترام ہونے پر۔ واٹ نے اس سلسلہ میں دو نادر تحقیق کے نمونے اور پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ مدینہ کے لوگوں کو قدیم مذہب سے مکہ والوں کی بہ نسبت زیادہ لگاؤ تھا اور دوسرے یہ کہ مکیوں کے مقابلے میں مدینہ والوں کو جنگ و جدال کا اتنا تجربہ نہ تھا۔ مکہ والوں کو چونکہ مسلسل جنگ و جدال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لیے ان کے یہاں نہ تو ماہ مقدس کا اتنا احترام تھا اور نہ ہی دوسرے محرمات کا۔ جنگ کے زمانے میں ان کے یہاں ان تقدیسات کی مکمل خلاف ورزی ہوتی ہے۔[۱۴۳]

واٹ کا یہ پورا تجزیہ غیر علمی اور سطحی ہے جہاں تک قدیم مذہب سے وابستگی کا تعلق ہے۔ مدینہ والوں کے یہاں وہ مکہ والوں سے کسی طور زیادہ نہ تھی۔ تاریخی روایات اور شواہد سے اس کا قطعی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس کی تردید کے متعدد قوی ثبوت ملتے ہیں۔ اور سب سے بڑا ثبوت ان کی تیز رفتاری کے ساتھ اور خلوص سے قبول اسلام کی حقیقت ہے اس کے علاوہ متعدد مدنی صحابہ کرامؓ کے دل چسپ بت شکنی کے واقعات سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔[۱۴۴]

اس ذیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وابستگی، ان کی محبت اور تعمیل حکم میں جاں نثاری اور خاص کر آپ کی سماجی اور مذہبی اصلاحات کو بطیب خاطر قبول کرنے کے حقائق کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ ان سے براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سے اسلامی دین سے وابستگی اور محبت معلوم ہوتی ہے۔ وہیں قدیم مذہب سے بیزاری اور بے تعلقی کا بھی علم ہوتا ہے۔

جہاں تک جنگ وجدال کے ان کے تجربے کا تعلق ہے وہ بھی مدینہ والوں سے اگر زیادہ نہ تھا تو کچھ کم بھی نہ تھا۔ واٹ نے اس سلسلہ میں یہ تاریخی حقیقت بھلا دی کہ مدینہ کے انصاری قبیلوں اوس اور خزرج نے پہلے یہودی قبائل کے خلاف مدتوں نبرد آزمائی کی تھی اور پھر بعد میں باہم دست بگریباں ہو گئے تھے اور جس کے نتیجے میں بیس بیس سال طویل اور خون آشام جنگیں جیسے حرب سمیر، حرب حالب، حرب کعب بن عمرو اور جنگ بعاث وغیرہ لڑی گئی تھی۔[۱۴۵]

ان جنگوں کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ نہ صرف مدینہ کے متعدد قبائل دو متحارب اتحادوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ بلکہ قرب و جوار کے بدوی قبائل جیسے جہینہ، مزینہ، بنو غطفان وغیرہ بھی ان اتحادوں کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔[۱۴۶]

بلکہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ دور دراز شمالی علاقوں کے بعض بدوی قبائل بھی ان اتحادوں میں حلیف کی حیثیت سے شامل تھے۔[۱۴۷]

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ واٹ کی ماہ حرام سے مدینہ والوں کی جذباتی وابستگی کی پوری تحقیق غیر علمی، غیر سنجیدہ اور غیر معقول ہے اسی ذیل میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس ماہ حرام کی بے حرمتی کے نکتہ پہ مدینہ میں مسلمانوں کی طرف سے شدید رد عمل بے چینی و اضطراب اور ناگواری کا کیا ثبوت ماخذ سے ملتا ہے۔ یا یہ محض روایات سے نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ جہاں تک ماخذ کا تعلق ہے ایک روایت میں بھی اس نکتہ پر مدینہ والوں کے شدید رد عمل یا ناگواری و اضطراب کا ثبوت نہیں ملتا ہے مغربی مورخین کے استدلال کی ساری عمارت ان کے روایات و حقائق سے استنباط پہ ہے۔ واٹ کے نزدیک اس کے دو ثبوت ہیں۔ اول یہ کہ آپؐ نے مال غنیمت کی تقسیم کو معطل رکھا اور سریہ کے مجاہدین کو سرزنش کی اور دوم یہ کہ قرآن مجید کی متعلقہ آیت میں ماہ حرام میں

جنگ کرنے کے بارے میں جن سوال کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے مسلمانانِ مدینہ مراد ہیں۔ جہاں تک مالِ غنیمت کے معطل یا موقوف رکھنے کا سوال ہے مآخذ سے بصراحت واضح ہوتا ہے کہ ایسا کرنا مسلمانوں کے کسی مخالفانہ ردِعمل کے نتیجے میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کاروانِ نخلہ پر حملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کیا گیا تھا اور اس بنا پر وہ حملہ اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت دونوں غیر قانونی اور ناجائز تھے۔ غالباً منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا جائے کہ بلا صریح حکم و اجازت کے حملہ کرنا اور مالِ غنیمت لوٹ لانا جائز نہیں ہے اور مسلمان حملہ آوروں کو مستقبل میں کسی مالی منفعت کی امید ایسے حملوں یا چھاپوں میں نہ رکھنی چاہئے۔ دراصل یہ مستقبل میں حکم عدولی یا حکم سے تجاوز سے باز رکھنے کی پیش بندی تھی۔ اسی بنا پر غالباً مآخذ کے مطابق مسلمان مجاہدین کو اپنی ہلاکت کا اور عذابِ الٰہی کا اندیشہ ہوا تھا۔ اس سے بڑا سبب یہ تھا کہ مالِ غنیمت کے سلسلے میں ابھی تک کوئی قرآنی نص نہ تھی۔ مسلمان مفسرین اور علمائے نے اس پر تقریباً اتفاق کیا ہے کہ مالِ غنیمت کے سلسلے میں تمام احکام غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئے تھے۔ تاریخی مآخذ میں ابن اسحاق، واقدی وغیرہ تمام سیرت نگاروں نے اسی کی تائید میں روایات نقل کی ہیں اور تفسیری و حدیثی روایات بھی اسی کی تائید میں ہیں۔[148] حتیٰ کہ جدید مغربی مؤرخین نے بھی اس کو قبول کیا ہے۔[149]

حیرت کی بات ہے کہ خود منٹگمری واٹ کو بھی اس حقیقت سے انکار نہیں ہے۔[150] کیا یہ ان کے دعووں کی تردید کے لئے کافی نہیں ہے۔ جہاں تک سورہ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت کا تعلق ہے تو کسی تفسیری یا تاریخی روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے کہ ماہ مقدس میں قتال و جدال کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں نے سوالات کئے تھے۔ صرف واقدی اور بلاذری کا خیال ہے کہ بعض مسلمانوں نے اس سلسلے میں استفسار کیا تھا۔ جبکہ ابن اسحاق نے سوالات کرنے والوں کی صراحت نہیں کی ہے طبری اور ابن کثیر نے اپنی تفاسیر میں متعدد روایات بیان کی ہیں جن سے عیاں ہوتا ہے کہ آیت میں مذکورہ سائلین سے مراد کفار و مشرکین مکہ تھے۔ نہ کہ مسلمانانِ مدینہ۔[151] پھر بعض مفسرین اور علمائے نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ آیت کا سیاق و سباق بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں کفار سائلین اور ان کے اعتراضات کا جواب مذکور ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خدا کی راہ سے روکنے اور مسجد حرام میں نہ داخل ہونے دینے اور کفر الٰہی کرنے اور مسجد حرام کے باسیوں کو جلاوطن کرنے اور قتل سے زیادہ فتنہ کے خطرناک ہونے کا مسلمانوں کو جواب میں طعنہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ دراصل یہ وہ جرائم تھے جن کے مرتکب کفارِ مکہ ہوئے تھے اور شہر حرام میں قتال پر ان کی طعنہ زنی کے جواب میں ان کے تمام بڑے بڑے جرائم گنائے گئے تھے۔[152] اس کے علاوہ آیت کا آخری فقرہ کہ وہ تم سے برابر لڑتے رہیں گے۔ اور اپنی استطاعت بھر تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ سے آیت کے اولین فقرے کی تصریح ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ الزامی جوابات مکہ کے قریش کے اعتراضات کے ردِعمل کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ جہاں تک "شہرِ حرام" میں قتال کی خطرناکی کا تعلق ہے قرآن مجید اس کا سبب بے حرمتی کو خاصا اہم معاملہ (کبیر) تصور کرتا ہے اور اس حقیقت سے نہ صرف اس آیت میں انکار کیا گیا ہے بلکہ قرآن مجید کی ماہ حرام سے متعلق دوسری آیات میں بھی اس سے انکار نہیں ہے بلکہ حرمت مقدس ماہ کو اسلام میں بھی برقرار رکھا گیا ہے۔ جیسے کہ ابھی ہم دیکھیں گے اسی طرح تاریخی روایات میں بھی مقدس مہینے یا مہینوں کی حرمت و تقدیس کا اعتراف کیا گیا ہے۔ ضمناً اس سے واٹ کے اس خیال کی تردید بھی ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہ مقدس کی

حرمت کا خیال نہ تھا۔ یا آپؐ ان کی بے حرمتی کو جائز سمجھتے تھے۔ مقدس مہینوں کے معاملہ میں عرب کے قدیم جاہلی مذہب اور دین اسلامی میں بنیادی طور پر کوئی فرق خداوندکریم نے نہیں روا رکھا ہے اگر کوئی فرق ہے بھی تو وہ ان مہینوں میں قتال کی ممانعت کا مشروط ہونا ہے یعنی مسلمان اپنی طرف سے جنگ کا آغاز تو نہیں کرسکتے لیکن اگر اینٹ دوسری طرف سے آئے تو اس کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔[154] اسی بنا پر اکثر مسلمان علماء اس آیت کے ناسخ ہونے کے قائل ہیں۔[155] اور اسی سبب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد کے زمانے میں متعدد غزوات وسرایا مختلف مقدس مہینوں میں بھیجے یا خود لے کر گئے تھے۔[156] جدید محققین کی اسلامی سال میں مقدس مہینوں کے بارے میں تحقیق بڑی دل جیب مگر غیر منطقی ہے۔ واٹ کا خیال ہے کہ "شہر حرم" (مقدس مہینوں) کی تعیین خاصی مشکل ہے حالانکہ سورہ توبہ کی آیت ۳۶ کی نص قرآنی میں جن مقدس مہینوں کا ذکر ہے ان کی تعیین مسلم علماء و محققین نے بصراحت اور حتمی طور سے کر دی ہے۔ چنانچہ مفسرین اسلام۔ اسلامی تقویم کے چار ماہ۔ رجب ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم کو مقدس و حرام بتاتے ہیں۔ واٹ کا یہ بھی کہنا ہے کہ قرآن بعض دوسری جگہوں پر صرف ایک ماہ مقدس کا ذکر کرتا ہے اور پھر انہوں نے ایک اور مستشرق کے اس خیال سے اتفاق کیا ہے کہ غالباً عرب میں مختلف علاقے اور قبیلے مختلف مہینوں کی تقدیس و حرمت کے قائل تھے۔ چنانچہ ان دونوں مستشرقین کے نزدیک چار ماہ مقدس کی قید و شرط دراصل ایک مصالحانہ کوشش ہے اس سے[157] یہ واضح ہوتا ہے کہ واقعہ نخلہ پر مدینہ میں اتنا شدید ردعمل کیوں ہوا تھا۔ اور آپؐ کو اس ردعمل پر کیوں حیرت سے دوچار ہونا پڑا تھا؟ یہ پورا تجزیہ غیر علمی اور غیر مستند ہے اور محض اپنے دعویٰ کی دلیل فراہم کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ ورنہ اس میں تضاد ہیں۔ اور گہرائی سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے دعوے کی دلیل نہیں فراہم ہوتی بلکہ اس کی ان ہی کی دلیل سے تردید ہوتی ہے نص قرآنی میں بصراحت فیصلہ خداوندی ہے کہ "مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں۔ اللہ کے حکم میں جس دن پیدا کئے زمین و آسمان۔ اون میں چار ہیں ادب کے"۔[158] اگرچہ نص قرآنی میں ان کی تعیین نہیں ملتی۔ لیکن تفسیری روایات احادیث و آثار اور تاریخی شہادتوں سے ان کی واضح و غیر مبہم تصریح ملتی ہے۔ اور تمام روایات و شواہد میں مکمل اتفاق ہے اور ایک روایت بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے یہ شبہ ہی پیدا ہو سکے کہ مذکورہ بالا چاروں مہینوں کے سوا اور کوئی مہینہ مقدس تھا یا ہو سکتا ہے۔[159] واٹ نے قرآن کریم کی ان آیتوں سے جن صرف ایک ماہ حرام کا ذکر ہے۔ یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ قرآن کے نزدیک بھی متبرک مہینوں کا معاملہ مشتبہ یا کم از کم غیر متعین ہے۔ لیکن یہ استنباط غیر علمی ہے۔ جہاں جہاں قرآن نے ماہ مقدس کے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے وہاں انھیں مذکورہ بالا مقدس مہینوں میں سے کوئی ایک مخصوص مہینہ مراد ہے۔ جس کا آیت متعلقہ کے سیاق و سباق سے صاف پتہ چل جاتا ہے۔[160] تاریخی شواہد اس پر قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ مقدس مہینوں کے بارے میں قرآنی تصریح اور احادیث و آثار اور عربوں کے سماجی دستور و عادت میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ مستشرقین کا یہ خیال کہ چار ماہ کی قید ایک مصالحانہ کوشش ہے ورنہ مختلف علاقوں میں مختلف مہینے مقدس سمجھے جاتے تھے۔[161] نہ تو تاریخی ثبوت اور نہ ہی تنقید کی کسوٹی پر کھرا اترتا ہے۔ اس خیال کی تردید عربوں کے "قاعدہ نسی"[162] سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے مطابق وہ اپنی دنیاوی مصلحتوں کی خاطر ماہ حرام کو حلال کر لیتے تھے۔ قرآن مجید کی اگلی آیت ہی میں اس بے حرمتی ماہ مقدس پر شدید نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مختلف علاقے

میں مختلف مہینے مقدس یا حرام ہوتے تو شاید سال کا کوئی حصہ اس سے خالی نہ جاتا۔ لہٰذا مختلف مقامات "پرنسی" کی ضرورت ہی نہ پڑتی اس کے علاوہ اس صورت میں مقدس مہینوں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ ان مقدس مہینوں میں جان و مال کی حفاظت کی ضمانت ملتی تھی کیونکہ جنگ و جدال کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ جنگ و جدال، لوٹ مار سے بھرپور اور غیر محفوظ و غیر مامون زندگی میں عرب قبائل کو ان میں مقدس مہینوں میں امن و چین کا سانس لینے کا موقع ملتا تھا اور بلا خوف و خطر وہ ایک دوسرے علاقے میں سماجی و معاشی ضروریات سے آجا سکتے تھے۔ اگر پلسنر (PLESSNER) اور لیون کیبانی وغیرہ کا خیال قبول کر لیا جائے تو عرب سماج میں جان و مال کے تحفظ کا تصور ہی ختم ہو جائے گا اور سال کا کوئی حصہ بھی محفوظ و مامون نہیں سمجھا جا سکتا اس کے علاوہ اس خیال سے ان کے اپنے دعوے کی تردید ہوتی ہے اور وہ یوں کہ اس خیال کے مطابق عین ممکن تھا کہ رجب کا مہینہ مدینہ والوں کے لیے مقدس نہ رہا ہو اور اس کی تقدیس کے قائل صرف مکہ والے رہے ہوں۔[163] یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانانِ مدینہ نے مجاہدین نخلہ کو ماہ مقدس کی بے حرمتی پر لعن طعن نہیں کیا تھا۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی وجہ سے کیا تھا۔[164] پھر ماہ مقدس کا اعتراض اٹھانے والے مکی تھے۔ مدنی مسلمان نہیں۔[165] تاہم قرآن تسلیم کرتا ہے کہ اس ماہ مقدس کی تقدیس بدستور قائم تھی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو بحال رکھا اور تسلیم کیا تھا۔ بہرحال یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی تقویم میں چار مخصوص ماہ حرام تھے اور ان کی تعیین میں کسی قسم کا اشتباہ و اختلاف نہ تھا اور یہ کوئی مصالحانہ کوشش نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔

اب آخر میں اس نکتہ پہ توجہ کرنا ضروری ہے کہ آخر مجاہدین نخلہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے تجاوز کر کے یا ایک طرح سے آپؐ کے حکم کی مخالفت کر کے ماہ مقدس میں کاروانِ نخلہ پر حملہ کیا ہی کیوں تھا؟ وہ تو قریش یا کاروانِ قریش کی خبریں فراہم کرنے گئے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ واقدی وغیرہ کے خیال میں یہ حملہ عرض دنیا کے طالبوں کی طلب کی وجہ سے ہوا تھا اور مغربی مورخین تو اس حملہ کا مقصد و محرک ہی لوٹ مار قرار دیتے ہیں۔ ماہ مقدس میں حملہ و لوٹ مار کا ارتکاب کرنے کی توجیہہ مآخذ سے یہ ہوتی ہے کہ تاخیر کی صورت میں کارواں ہاتھ سے نکل جاتا۔ واٹ نے ایک مزید توجیہ یہ کی ہے کہ کاروان نخلہ نے متوقع تاریخوں سے کچھ پہلے آکر سارے اندازے گڑبڑ کر دیئے تھے۔ لیکن ان دونوں توجیہات کی تردید روایات و تنقید سے ہوتی ہے اگر وہ کارواں اپنی تقدیم آمد کے سبب توقع کے خلاف آ گیا تھا۔ تو اسے نکل جانے دیتے کیونکہ اس راہ پہ تو کارواں گزرتے ہی رہتے ہیں۔ ایک دن کے صبر کے بعد وہ کسی اور کارواں کو نشانہ بنا لیتے یا پھر جس کاروانِ قریش کا حوالہ واقدی وغیرہ کے یہاں موجود ہے۔ اس سے یہی مخصوص کارواں مراد تھا۔ لیکن اس خیال کی تردید مختلف شہادتوں سے ہوتی ہے۔ واقدی کی روایت کا وہ حصہ جو مسلم مجاہدین کے حملہ حامی و مخالف طبقوں میں بٹ جانے کا ذکر کرتا ہے۔[166] اس کی تردید کرتا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "عرض دنیا" اور حملہ مخالف طبقہ کیوں حملہ میں شریک اور حملہ حامی طبقہ سے متفق ہوا تھا۔ روایات میں اس کا کوئی جواب یا توجیہ نہیں ہے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حملہ حامی فریق کے پاس کچھ دلائل اور مصالح تھے جنہوں نے حملہ مخالف فریق کو بھی ان کے خیال سے متفق ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

دراصل صورتِ حال یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلم مجاہدین غالباً سرِ شام نخلہ میں پہنچ کر مقیم ہی ہوئے تھے کہ اچانک غیر متوقع طور پر

کاروان نخلہ وہاں پہنچ گیا اور اتفاق سے ان کے قریب ہی میں خیمہ زن ہوا دو مسرے جماعتوں کو ایک دوسرے سے خوف محسوس ہوا۔ کاروانِ نخلہ والوں کو تو غارتگری کا خوف تھا جسے حضرت عکاشہ بن محصن اسدی نے فوری طور پر حلق کرا کے اور اس کے ذریعہ ان کو یہ تاثر دے کر کہ وہ زائرین کی جماعت ہے۔ غارتگر دل کی نہیں۔ قریشیوں کا خوف تو فوری طور سے دور کر دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں حضرت عکاشہ کا حلق کرانا مخالف جماعت کو اطمینان دلانے کے لئے تھا وہاں مسلمانوں کا یہ بھی مطمح نظر تھا کہ قریشی ان کے بارے میں مزید تفتیش نہ کریں۔ یہ ترکیب غارت گری کے منصوبے کی تکمیل کے لیے نہیں کی گئی تھی جیسا کہ اس کو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مسلم جماعت غارت گری کے لیے نہیں بلکہ خبروں کی فراہمی اور جاسوسی کے لئے آئی تھی۔ ابن اسحاق اور واقدی دونوں کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عکاشہ کا حلق کرانا قریشی کاروان آنے کے فوراً بعد ہوا تھا۔ اور اس پر مجاہدین نے حملہ کرنے کا فیصلہ بعد میں کیا تھا۔[۹۷] روایات کی یہ ترتیب زمانی ہے اور اس کے اس طرح ماننے کا ایک سبب یہ ہے کہ مسلمان مجاہدین خود بھی قریشیوں کی نظر میں آنے سے کترا رہے تھے۔ اور بچنا چاہتے تھے۔

چنانچہ روایات میں صراحت ہے کہ قریشیوں کے سامنے صرف حضرت عکاشہ آئے تھے مسلمانوں کے قریشیوں کی نگاہ سے بچنے کا سبب ظاہر یہی تھا کہ وہ سب کے سب مخلوق نہ تھے۔ اور اگر ان کو قریشی دیکھ لیتے تو سمجھ جاتے کہ وہ جماعت زائرین نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ لیکن اس ظاہری سبب کے علاوہ اس سے کہیں زیادہ ایک اور باطنی سبب تھا اور وہ یہ تھا کہ مسلم جماعت میں قریشِ مکہ کے کئی جانے پہچانے چہرے تھے اور کوئی ہو یا نہ ہو لیکن کم از کم دو حضرات ایک تو خود امیر سریہ حضرت عبداللہ بن جحش[۹۸] اور دوسرے حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ اموی[۹۹] کہ اور قریش کی جانی بوجھی شخصیتیں تھیں اور کسی بھی مکی کی نظروں سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر بات ہے کہ مکی کارواں پورے کا پورا بنو مخزوم کے اہم اشخاص پر مشتمل تھا۔ اور ان کے اور بنو امیہ کے درمیان تجارتی، معاشی اور سماجی تعلقات بہت گہرے اور قریبی تھے۔[۱۰۰] اس لیے ان دونوں مسلموں کی شناخت اور بھی آسان تھی۔ بظاہر حضرت عکاشہ کو مخلوق دیکھ کر قریشی مطمئن ہو گئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کا اضطراب ختم نہ ہوا تھا۔ ان کا سامنا اس کارواں سے اچانک ہوا تھا اور فوری طور پر وہ اپنی شناخت سے بچ بھی گئے تھے۔ لیکن اس کا احتمال تھا کہ کسی وقت کوئی قریشی تفتیشِ حال یا کسی ضرورت سے مسلم جماعت کے قریب آنکلے تو وہ بڑی آسانی سے مسلمان مجاہدین کی شناخت کر کے پورے قافلے کو ہوشیار کر سکتا تھا اور نہ صرف ان کو بلکہ قرب جوار کے قبیلوں کو اور مکہ والوں کو بھی اور مسلمانوں کی شناخت سے نہ صرف یہ کہ قریش کے بارے میں خبروں کی فراہمی کا کام مختل ہو جاتا بلکہ خود مسلم مجاہدین کی زندگی کے لالے پڑ جاتے اور غالباً یہی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم جماعت کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کاروانِ قریش پر حملہ کر کے ان کے تمام آدمیوں کو مار ڈالنے یا گرفتار کرنے کی کوشش کریں تاکہ ان کی وہاں موجودگی کا راز نہ کھلنے پائے اور درحقیقت انہوں نے ایسا اسی لیے کیا بھی تھا اور اس میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن ایک شخص کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اس طرح مجاہدین کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔

ماخذ میں مسلمانوں کے کاروانِ نخلہ پر حملہ کرنے کے فیصلے کے ضمن میں دو جملے بہت اہم ہیں۔ ان کا فیصلہ تھا کہ ان میں

سے جو مل جائے اسے قتل کر دیا جائے ۔ یا گرفتار کر لیا جائے اور ان کے سامان پر قبضہ کر لیا جائے ۔ یہ دونوں جملے ثابت کرتے ہیں کہ اصلاً حملہ کرنا یا چھاپہ مارنا مقصود نہ تھا بلکہ یہ ایک وقتی فیصلہ تھا جو حالات کے تحت فوراً کیا گیا تھا اور رازداری یا بالخود حفاظتی کے اسباب و عوامل کی وجہ سے کیا گیا تھا ۔ کارواں کے ایک شخص کے نکل جانے کی وجہ سے مسلم جماعت کا نخلہ میں قیام بے معنی ہو گیا تھا ۔ اس لئے مدینہ واپس ہونا فطری اور حقیقی تھا ۔ ماٰخذ کے اس اصرار کی روشنی میں کہ نخلہ کی مہم کا مقصد قریش یا کاروانِ قریش پر نظر رکھنا تھا مسلم مجاہدین کے کاروانِ قریش پر حملہ کرنے کی یہی فطری اور قابلِ قبول توجیہہ کی جا سکتی ہے ۔

محققین نے اب تک اس نکتہ سے بحث نہیں کی ہے اور نہ ہی ماٰخذ سے اس کا بدیہی طور پر پتہ چلتا ہے کہ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش یا کاروانِ قریش پر نظر رکھنے کے لیے ایک مختصر سی جماعت کو مکہ کے اتنے قریب نخلہ کیوں بھیجا تھا ؟ ظاہر ہے کہ آپ کو ان کے بارے میں کوئی خاص خبر یا پریشان کن اطلاع ملی تھی اس لیے آپ نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا ۔ وہ خبر یا اطلاع کیا تھی ؟ قیاس یہ کہتا ہے کہ وہ خبر یہ تھی کہ قریش ایک بہت بڑا کارواں شام کو بھیجنا چاہتے ہیں جس کے بارے میں ماٰخذ کا بیان یہ ہے کہ اس میں قریش کے ہر مرد و عورت نے جس کے پاس ایک مثقال یا اس سے زیادہ رقم تھی حصہ لیا تھا حتیٰ کہ بوڑھی عورت اور کمزور عورتوں نے سوت کات کر اس کارواں میں مال لگایا تھا ۔ جس کی مالیت پچاس ہزار کی خطیر رقم کے برابر تھی ظاہر ہے کہ یہ خبر مسلمانانِ مدینہ کے لئے خاصی چونکا دینے والی تھی اس میں حیران کن عنصر تجارتی مفادات نہ تھے بلکہ اس مخصوص کارواں کی نوعیت اور اس کے اسباب و عوامل تھے ۔ آخر ایسی کون سی فوری معاشی اور اقتصادی ضرورت پیش آگئی تھی ۔ جس کے لیے قریش نے غیر معمولی کارواں ترتیب دیا تھا ؛ کسی حد تک یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کارواں کی غیر معمولی نوعیت ہی تھی ۔ جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تفتیش حال کے لیے ایک مختصر سا طلیعہ مکہ کے بالکل عقب میں بھیجنے پر مجبور کیا تھا ۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض روایات میں قریش کے بجائے قریشی کارواں پر نظر رکھنے کی وجوہات کہی گئی ہیں ۔ غالباً کیا یقیناً اس سے ہی غیر معمولی اور عظیم کاروانِ قریش مراد تھا ، کاروانِ نخلہ نہیں ۔

موٴخر الذکر تو محض موقعہ و محل کی وجہ سے اور مسلم جماعت کی کارروائی کی وجہ سے اہمیت اختیار کر گیا اور اس طرح سے غلط فہمی اور صورتِ حال کے صحیح تجزیے میں ناکامی کا سبب بن گیا ۔ بہرحال اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اس عظیم و غیر معمولی کاروانِ قریش کی ترتیب و تنظیم اور اس کے محرکات و عوامل سے جن کی سن گن آپ کو کسی طرح سے مل گئی تھی تو آپ کو خدشہ تھا کہ یہ ساری تیاری غالباً مدینہ کی اسلامی ریاست اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی بڑے منصوبے کی خاطر کی جا رہی ہے وہ منصوبہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ تجارتی دولت کو سیاسی و فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور مسلمانوں پر ایک کاری ضرب لگائی جائے[۱۷]

واضح رہے کہ یہ قریشی سیاسی و فوجی پالیسی کسی نئے معاشی سبب یا مسلمانوں کی جانب سے اپنی تجارت کو خطرہ میں دیکھ کر نہیں اپنائی گئی تھی جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں اور اپنے آخری مجموعی تجزیے میں تفصیل کے ساتھ دیکھیں گے بلکہ اس قدیم عداوتِ اسلام اور دشمنی رسولؐ کے سبب تھی جو ان کو مکی عہد سے تھی اس کے بعض سیاسی اسباب بھی تھے قریش مکہ دیکھ رہے تھے کہ مدینہ کی اسلامی ریاست روز بروز دیسیع تر اور طاقتور ہوتی جا رہی تھی ۔ شہر کے اردگرد کے علاقے میں بسے ہوئے بدوی قبائل اس کے حلیف دوست

بنتے جا رہے تھے"[۱۲] اور اس طرح مدینہ مکہ کے حریف کی حیثیت سے ابھر رہا تھا وہ جانتے تھے کہ اگر اس کو اسی طرح اور پنپنے کا موقعہ دیا گیا تو وہ ایک دن اتنا طاقت ور ہو جائے گا کہ ان کی سیاسی بالا دستی کو ختم کر دے گا اس سیاسی حیثیت کا خاتمہ نہ صرف ان کی سیاسی موت کے مترادف ہوتا بلکہ ان کے مذہبی تخصص اور معاشی طاقت کے لیے بھی آخری کیل ثابت ہوتا چنانچہ انہوں نے مدینہ پر ایک کاری ضرب لگانے کے لئے اپنی تمام دولت ایک کارواں میں جھونک دی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں قریش کے متعدد مقتدر افراد مدینہ سے مخاصمت اور جدال مول لینے کے حق میں نہ تھے اور وہ تاریخی فطری عناصر کو ان کی قدرتی نشو و نما کی بلا روک ٹوک اجازت دینے کے حق میں نہ تھے۔ لیکن تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کا یہ معتدل اور نرم مزاج طبقہ آہستہ آہستہ ختم یا کمزور ہو رہا تھا۔ اور اس کی جگہ سیاسی قیادت اور زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں آتی جا رہی تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہی نہ تھے بلکہ وہ تلوار کے زور سے ان کو مٹا دینے کی پالیسی میں یقین رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت غزوہ بدر کے موقعہ پر مکہ کے معتدل و صلح جو طبقہ پر اس کے جنگ جُو اور جدال پسند طبقہ کی برتری سے ملتا ہے۔ کیونکہ آخر کار یہ موخر الذکر طبقہ ہی تھا جو جنگ کرانے اور مستقبل میں اس کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا تھا"[۱۳]

اس طرح یہ بات تقریباً پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مہم نخلہ کا مقصد قریش کے آئندہ منصوبوں کی ٹوہ لینے کے لیے تھا اور اس کا محرک اس عظیم قریشی کارواں کی ترتیب و تنظیم تھی جو ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں شام جانے والا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی غیر معمولی نوعیت اور زبردست تیاریوں کی خبریں سن کر تشویش ہونی لازمی تھی کیوں کہ آپ کے سامنے مدینہ کے دفاع اور امت مسلمہ کی جانی حفاظت کا زبردست سوال تھا اور دونوں مقاصد کو اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا تھا جبکہ دشمنوں کے ہر منصوبے سے باخبر رہا جائے۔ اسی لیے آپ نے نخلہ کی مہم ترتیب دی تھی۔ واقعات، شواہد اور دلائل کی روشنی میں یہ بلا ریب ثابت ہوتا ہے کہ اس مہم کا محرک و مقصد غارت گری مال کی حرص اور روز افزوں امت کی اقتصادی ضروریات کو پورا کرنا نہ تھا جیسا کہ مغربی مورخین نے دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ اس کا محرک و مقصد سیاسی اور دفاعی تھا اس کی مزید تصدیق سریہ نخلہ میں شامل مجاہدین کی تعداد سے بھی ہوتی ہے محض آٹھ یا بارہ آدمیوں پر مشتمل کوئی دستہ بڑا کارواں اور وہ بالکل دشمن کے گھر میں نہیں لوٹ سکتا تھا اور نہ ہی لوٹ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ پھر یہ کارروائی اصلاً چھ آدمیوں کے دستے نے کی تھی اتفاق سے کاروان نخلہ مختصر تھا لیکن اس کا بھی تو احتمال تھا کہ وہ مسلم دستے سے کافی بڑا ہوتا ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں چھاپا مارنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس سے یہ خیال تقویت حاصل کرتا ہے کہ اگر چھاپہ مار کارروائی مقصود ہوتی تو نسبتاً بڑا فوجی دستہ بھیجا جاتا اور علاقائی یا جغرافیائی اسباب کی بنا پر یہ ضروری تھا کہ فوجی دستہ اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیے تھا کہ وہ ہر قسم کی ممکنہ و غیر متوقع صورتِ حال سے پوری طرح نمٹنے کا اہل ہوتا اس تمام طویل بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مآخذ کا یہ بیان صحیح ہے کہ مہم نخلہ کا مقصد دشمن کی جاسوسی تھی نہ کہ غارت گری اور لُوٹ مار ان کے علاوہ متعدد دوسری دلیلیں اور شواہد ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ نہ صرف یہ آخری ابتدائی مہم بلکہ ابتدائی مہمیں اقتصادی محرکات و مقاصد نہیں رکھتی تھیں۔

(۹/ ۱۰) **نویں اور دسویں مہمیں** : ہمارے مقبول و معروف مآخذ میں ابتدائی مہموں کی تعداد آٹھ بیان کی گئی

ہے جن میں چار سرایا اور باقی کے ہی غزوات شامل کئے جاتے ہیں۔ ان کا ہم مفصل مطالعہ کر چکے ہیں۔ لیکن ابتدائی مگر معروف مورخ یا مصنف نے ان ابتدائی مہموں کی تعداد دس بتائی ہے اور چار کے بجائے چھ غزوات غزوہ بدر سے پہلے ہونے کا ذکر کیا ہے اگرچہ موجودہ مورخین اور ان کے طرزِ تاریخ نویسی کا اندازہ یہ ہے کہ مسلمہ مآخذ سے مختلف یا مستزاد روایات کو آسانی سے قبول نہیں کرتے اور اس کو ماننے میں غیر ضروری احتیاط برتتے ہیں تاہم ایک ابتدائی مورخ کی روایت کو بلا کسی منطقی سبب یا معقول شہادت کے نظر انداز کرنا محال ہے بہر حال محمد بن حبیب بغدادی (متوفی ۲۴۵ھ) کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر سے پہلے ماہ شعبان میں دو مہمیں دو مختلف علاقوں میں لے کر گئے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق نویں ابتدائی مہم بروز جمعرات ۲۰ شعبان ۲ھ کو ینبع کے علاقے میں گئی تھی۔ وہاں کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور آپؐ واپس آ گئے لیکن دسویں ابتدائی مہم کے بارے میں بڑا دلچسپ بیان ہے اور وہ یہ کہ ۱۴ شعبان ۲ھ بروز منگل آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور سفوان پہنچے وہاں آپؐ نے قبیلۂ غفار سے باہمی امداد و اعانت کا ایک معاہدہ (کتاب موادعۃ) لکھا اور ایسا دوسرا معاہدہ بنو اسلم سے بھی کیا اس غزوہ میں بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی[۱۷۴] بظاہر یہ بیان مسلمہ مآخذ کے خلاف ہے کیونکہ اول تو وہ ان غزوات کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے۔ دوم یہ کہ بعض مآخذ کا اصرار ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمادی الآخرہ تا اول رمضان مدینہ میں قیام پذیر رہے اور کہیں باہر تشریف نہیں لے گئے[۱۷۵] سوم یہ کہ غزوات و سرایا کی تعداد سے جو ان مآخذ میں صراحتاً بیان ہوئی ہے[۱۷۶] یہ بیان متصادم ہے اور اوپر کی بیان شدہ دلیلوں کی تردید کرتے ہیں۔ مسلمہ مآخذ پر اضافہ یا اضافی معلومات کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ وہ غلط ہیں پھر آپ کے مدینہ میں جہاں تک مدت قیام کا تعلق ہے اس کی توثیق بعض دوسرے مآخذ سے نہیں ہوتی بلکہ کہیں کہیں تو تردید ہوتی ہے[۱۷۷] اس کے علاوہ ستائیس غزوات اور اڑتیس سرایا کی تعداد بھی بعض مآخذ میں کم یا زیادہ پائی جاتی ہے[۱۷۸] اس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ در اصل مورخین اور اصحاب سیرت کو جتنی مہموں اور ان کی تفصیلات کا علم ہو سکا اور جہاں تک وہ معلومات ان کے طریق نگارش یا طبیعت کتاب سے لگا سکیں انہوں نے ان کو بیان کیا۔ یہی سبب ہے کہ سیرت نبویؐ کے بارے میں عموماً اور مہموں کے بارے میں خصوصاً مختلف مآخذ میں معلومات کم و بیش ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ کم از کم دوسری مہم کے بارے میں واقعاتی شہادت یہ ہے کہ بنو غفار اور بنو اسلم سے جو معاہدے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے تھے ان کے متن دستیاب ہیں[۱۷۹] اور دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ ان معاہدوں کے پس منظر کے بارے میں کہ وہ کب اور کہاں ہوئے کچھ بھی مآخذ میں نہیں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ بغدادی کا بیان صحیح ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ معاہدے انہیں مہموں کے دوران ہوئے ہوں مزید برآں ان معاہدوں کی زبان و طرز بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ معاہدے عہد نبوی کے مدنی دور کے ابتدائی زمانے کے ہیں۔ بہر حال ان شواہد و دلائل کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ بغدادی کا بیان صحیح ہے اور ابتدائی مہموں کی تعداد آٹھ نہیں بلکہ دس تھی اگرچہ بغدادی نے اپنی اختصار پسندی اور تفصیلات سے گریز کی بری عادت[۱۸۰] کی وجہ سے ان مہموں کے پس منظر، حالات و اسباب وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ تاہم موجودہ تحقیقات اور معیارِ تحقیق کی بنا پر ان کے اسباب و علل اور عوامل کا پتہ لگانا اب کچھ مشکل نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں مہموں کے حالات و اسباب و عوامل وہی تھے جو دوسری ابتدائی مہموں کے تھے یعنی عرب کے بدوی قبائل سے تعلقات محبت و دوستی اختیار کرنا اور اسلامی ریاست

سے ان کو کسی نہ کسی طرح وابستہ کرنا خوش قسمتی ہے بنو غفار اور بنو اسلم سے غزدۂ سفوان کے ذیل میں معاہدۂ باہمی نصرواعانت کا جو ذکر کیا ہے اس کی مکمل تصدیق ان معاہدوں کے متن سے ہوتی ہے جو دوسرے مآخذ میں مذکور ہیں اور یہ ایک مزید دلیل ہے جو ابتدائی مہموں کے بارے میں وضاحت کرتی ہے کہ ان کے محرکات اقتصادی نہ تھے جیسا کہ ہمارے جدید مؤرخین کا اصرار ہے اس پہ مزید بحث ہم اپنے آخری تجزیے میں کر رہے ہیں، جواب شروع ہوتا ہے ۔

آخری تجزیہ

اَب تک ہم نے دس ابتدائی مہموں کے محرکات، مسائل اور مقاصد کا الگ الگ جائزہ لیا ہے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ "یہ تمام کوششیں اور کاوشیں کارروائیاں اور مجاہدے مساعی اور سرگرمیاں دراصل ایک سوچی سمجھی اور منصوبہ بند سیاسی حکمت عملی کی مختلف کڑیاں تھیں۔ ان مہموں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانانِ مدینہ ۔مہاجرین اور انصار۔ کے سیاسی و سماجی پس منظر میں دیکھنا چاہیے ہجرت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ایک مذہبی اور سماجی نظام کا ڈھانچہ کھڑا کر رہے تھے۔ جس کی ابتدا مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارے (مواخاۃ) سے ہوئی تھی اور پھر جب مسلمانوں کے ان دو علاقائی طبقوں کو دین کی بنیاد پر متحد کر لیا گیا تو مدینہ میں ایک اسلامی امت وجود میں آئی۔[۱۸۱] اس امت کی اساسِ اوّل اسلام تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ عرب کے قبائلی پس منظر میں بالکل نیا تجربہ تھا۔ جس میں سماجی نظام یا معاشرت کا انحصار خون کے رشتوں کے بجائے مذہبی اخوت اور یگانگت پر تھا۔ امت مسلمہ کی تشکیل کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مدینہ کی یہودی قبائل اکا دکا عیسائی افراد کا مسئلہ تھا پھر انصار کے دونوں عرب قبیلوں اوس وخزرج کے ان یہودی قبائل سے سیاسی، سماجی اور فوجی نوعیت کے تعلقات تھے جو کافی قدیم تھے ان کے علاوہ مدینہ کے لوگوں کے قرب وجوار کے بدوی قبائل سے دوستی اور حلیفانہ تعلقات تھے۔ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان تعلقات کو نہ تو نظر انداز کر سکتے تھے اور نہ ان کو جوں کا توں رہنے دے سکتے تھے ۔ امت مسلمہ دنیا سے کٹ کر اور اپنی اردگرد کی بستیوں اور قبیلوں سے منہ پھیر ایک سماجی خلا میں زندہ نہیں رہ سکتی تھی اور نہ ہی پرانے تعلقات نئے حالات میں اور نئے لوگوں کے لیے مفید ہو سکتے تھے۔ ان سماجی تقاضوں اور ضروریات نے امت مسلمہ کے سربراہ کے لیے ایک عملی اور مفید لائحہ عمل تیار کرنا ناگزیر بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے پہلے ایک سیاسی وسماجی نظام قائم کیا جس کو عام طور سے سماجی تحفظ کا نظام (SOCIAL SECURITY SYSTEM) کہا جاتا ہے اس کے مطابق امت مسلمہ کے سماجی تعلقات مدینہ کے یہودی قبیلوں سے قائم کئے گئے اور ایک معاہدہ کے ذریعہ جس کو عموماً دستورِ مدینہ کہا جاتا ہے اور جس کو ابن اسحاق نے "کتاب رسول" یا "صحیفۂ رسول" کا نام دیا ہے مدینہ کی پوری آبادی کو سماجی و سیاسی تحفظات و ضمانتوں کی خاطر ایک سیاسی نظام کے تحت مجتمع کر دیا گیا۔ مذہبی اختلافات کے باوجود مسلمان اور یہود اور ان کے حلیف ایک دوسرے کے حلیف و دوست قرار پائے اور ان کے بعض فرائض و ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے حقوق واضح کر دیئے گئے۔[۱۸۲] اس طرح مدینہ میں ایک نیا سیاسی نظام از خود وجود میں آ گیا اس سیاسی وسماجی نظام کا دائرہ کار مدینہ تک محدود نہ رہ سکا۔ کیونکہ مسلمانوں کو اپنے پڑوسیوں سے سماجی تعلقات فطرتاً رکھنے تھے اور سیاسی تعلقات بھی بعض اسباب کی بنا پہ قائم کرنا ناگزیر تھا۔

قرب وجوار خاص کر مغربی علاقے کے بدوی قبائل سے انصار کے قدیم حلیفانہ دوستانہ تعلقات نے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی اور وہ اپنے پرانے تعلقات کی بنا پر مہاجرین وامیر مہاجرین کے بھی دوست بن گئے لیکن اب نوعیت دوسری ہو چکی تھی مدینہ میں عملاً مہاجرین وانصار کے دو ممتاز طبقات کی تفریق مٹ چکی تھی اور ایک امت مسلمہ قائم ہو چکی تھی اس امت کا ایک سیاسی نظام قائم ہو چکا تھا جس میں ایک باقاعدہ حکومت کا تصور ابھرنے لگا تھا۔ پڑوس کے قبائل کے تعلقات اب انفرادی قبائل اور چھوٹی بڑی سماجی اکائیوں سے نہیں بلکہ ایک بڑے سماجی وسیاسی نظام اور ایک باقاعدہ منظم حکومت سے استوار ہوئے تھے۔ مدینہ کی شہری ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی قبائل سے دوستانہ وحلیفانہ تعلقات قائم کئے لیکن کب اور کیسے؟ اس پر ہمارے ماخذ کا واضح جواب نہیں ملتا البتہ ابتدائی مستند مؤرخین اور جدید مورخین دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تعلقات ہجرت کے فوراً بعد قائم ہو گئے تھے اور معاہدوں کے ذریعہ وجود میں آئے تھے۔ ابتدائی مہمیں جن کو بدقسمتی اور غلط فہمی سے فوجی مہمیں سمجھ لیا گیا ہے۔ دراصل سیاسی سفارتیں یا مشن تھے اور انھیں مہموں کے دوران قرب وجوار کے علاقوں سے تعلقات قائم ہوئے تھے۔

علاقائی یا جغرافیائی سیاست ایک اہم عنصر مکہ کا قریشی اشرافیہ تھا پورے عرب میں اس کو مذہبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی بالادستی حاصل تھی[143] اگرچہ بعض اوقات اس کے بعض حریفوں سے نبرد آزما ہونے کے واقعات ملتے ہیں[144] تاہم تمام عرب قبائل قریش کی ہمہ جہت بالادستی کے معترف تھے۔ اسلام کی آمد نے اور پھر اس کی بتدریج ترقی وتوسیع نے اس بالادستی کو چراغ دکھانا شروع کر دیا تھا اور اسی بنا پر مکی اشرافیہ نے اس کی بھرپور مخالفت کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکی اور بالآخر مسلمانوں کو ایک جائے پناہ یثرب میں مل گئی اور مکی مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر اپنے دینی مدنی بھائیوں کے ساتھ ایک سیاسی وسماجی نظام قائم کر لیا۔ ظاہر ہے کہ مکی اشرافیہ کو یہ نظام کسی طور پر پسند نہیں آسکتا تھا اور وہ اس کے لئے نفرت وعناد کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں رکھتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سیاسی بصیرت نے بخوبی محسوس کر لیا تھا کہ قریش مکہ کی اسلام ورسولؐ دشمنی ایک دن رنگ لا کر رہے گی[145] اس لئے عرب دستور قبائل کے مطابق آپ نے ایک سیاسی اتحاد کا منصوبہ بنایا جس کے تحت اس علاقے کے تمام عناصر کو اس کا رکن بنانا مقصود تھا کہ بوقتِ ضرورت قریش کی سیاسی وفوجی طاقت کا کامیاب مقابلہ کیا جا سکے چنانچہ آپ کے سامنے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ قریب کے بدوی قبائل سے حلف ودوستی کے تعلقات از سرِ نو اور نئی بنیادوں پر قائم کئے جائیں[146] جن کا ابتدائی مہموں کے دوران کیا گیا تھا۔

خوش قسمتی سے ماخذ میں ان ابتدائی مہموں کے سلسلے میں بعض ایسے اشارے، حوالے اور کہیں کہیں واضح تصریحات ایسی موجود ہیں جو ان مہموں کے اس مقصد ومحرک کی طرف صاف نشاندہی کرتی ہیں۔ پہلی مہم کے ذیل میں ماخذ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک مغربی قبیلہ۔ جہنہ کے علاقے میں گئی تھی۔ ان لوگوں سے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات تھے جیسا کہ جہنی سردار مجدی بن عمرو کے بارے میں ماخذ نے صراحت سے کہا ہے اور جس طرح کہ قریشی کارواں اور مسلم جماعت کے درمیان اس کے مصالحانہ رویے سے مضمر طور سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسری مہم جس علاقے میں گئی تھی۔ وہ بنو خزاعہ اور بنو ضمرہ کا تھا۔ ان دونوں بدوی قبیلوں سے مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے اور ان سے معاہدوں کا کیا جانا یا اس کے سلسلے میں گفت وشنید کرنا اسی زمانے

میں ہوتا نظر آتا ہے۔ تیسری مہم سریہ خرار بھی بنو ضمرہ کے علاقے میں گئی تھی۔ اور یعقوبی نے تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کا ان لوگوں سے بھی دوستی کا معاہدہ تھا چوتھی مہم میں مآخذ کا واضح بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس بنو ضمرہ سے ایک معاہدہ ان کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ذریعہ کیا تھا۔ اس سلسلہ میں کیا یہ محض اتفاق تھا یا ایک منصوبہ بند پالیسی کہ مؤخر الذکر تین مہمیں یکے بعد دیگرے بنو ضمرہ کے علاقے میں پہنچی تھیں؛ پہلی دو مہموں کے سیاق میں مآخذ نے مبہم انداز سے صرف دوستی اور معاہدہ کا ذکر کیا ہے جبکہ تیسری مہم میں ایک معاہدہ صلح طے پا جانے کی بات بصراحت کہی گئی ہے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ بنو ضمرہ کے علاقے میں جانے والی پہلی دو مہموں میں زمین ہموار کی گئی تھی۔ اور تیسری مہم میں ان سے باقاعدہ معاہدہ عمل میں آیا۔ پانچویں ابتدائی مہم علاقہ بنو جہینہ میں گئی تھی۔ غالباً پہلی ابتدائی مہم اور اس مہم کا مقصود ایک تھا یعنی قبیلہ جہینہ سے تعلقات دوستی استوار کرنا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ قبیلہ جہینہ اور مزینہ اسلامی امت کے اولیں ارکان میں تھے لیکن ان سے مسلمانان مدینہ کے تعلقات قائم ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا لیکن یہ حقیقت تھی اور مسلم حقیقت تھی اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قبیلے سے انہیں مہموں کے دوران دوستی کے تعلقات قائم ہوتے ہوں گے۔ اسی طرح اس نوع کی چھٹی مہم میں مآخذ کا واضح بیان ہے کہ آپ نے ذو العشیرہ کے بنو مدلج اور ان کے پڑوسی بنو ضمرہ جو ان کے حلیف بھی تھے، سے معاہدۂ صلح کیا تھا جہاں تک ساتویں اور آٹھویں مہموں کا تعلق ہے ان کی نوعیت قطعی جداگانہ تھی، ایک تادیبی کارروائی تھی اور ایک غارت گر کے تعاقب میں بھیجی گئی تھی اور دوسری خبر گیری اور اطلاعات کی فراہمی کی مہم تھی۔ اگرچہ نویں مہم کے بارے میں بغدادی نے تصریح نہیں کی ہے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ تاہم اندازہ یہی ہوتا ہے کہ بنو سلیم کے لوگوں سے دوستی اور معاہدہ مقصود ہوگا جس طرح کہ دسویں مہم میں غفار و اسلم سے ہوا تھا۔

مآخذ کے بیانات میں بلاشبہ یہ اقتباحی کلمہ ملتا ہے کہ آپ یا آپ کی بھیجی ہوئی مہم قریش یا قریش کے کارواں یا کاروانوں کے ارادے سے نکلی لیکن ان بیانوں میں استقامت و یکسانیت نہیں ہے۔ کہیں قریش کے ساتھ بعض بدوی قبیلوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اور کہیں آپ کے یا مہم کے محرک و مقصد کا بیان نہیں ہے۔ صرف درمیان کلام میں قریش کا یا قریشی کارواں کا ذکر ملتا ہے۔ اور کہیں قریشی کارواں یا قریش کا ذکر شروع میں تو آ گیا ہے لیکن پھر بعد میں ان کا کوئی حوالہ ہے اور نہ ذکر اس کے علاوہ مآخذ کے بیانات اس ضمن میں ایک دوسرے سے اگر متصادم نہیں ہیں تو مختلف ضرور ہیں پہلی مہم سریہ العیص کے بارے میں ابن اسحاق اور ان کے جامع واقدی اور ان کے شاگرد بلاذری، یعقوبی اور ابن اثیر نے کسی محرک کا ذکر نہیں کیا ہے اور جہاں قریشی کارواں کا ذکر ہے وہاں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مہم جب اپنی منزلِ مقصود پر پہنچی تو اس کی نشاندہی کر دی گئی تھی کہ قریشی کارواں سے سامنا ہو گیا۔ صرف طبری ایسے مورخ ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مہم اس لئے ترتیب دی گئی تھی کہ قریشی کاروانوں کے سامنے ہوا جائے (لیعترض لعیرات قریش)، دوسری مہم کے بارے میں کسی مورخ نے بھی دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ قریش یا قریشی کاروان کے خلاف بھیجی گئی تھی۔ قریشی کارواں سے اس کا سامنا پہلی مہم کی طرح "اتفاقاً" ہو گیا تھا۔ اس مہم کے سلسلے میں اس کے ایک شریک حضرت سعد بن ابی وقاص کا یہ بیان کہ قریشی کارواں پر چھاپہ مارنے کی ان کی تجویز سے کسی نے اتفاق نہیں کیا تھا۔ بڑا اہم ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ بنیادی طور پر اس کا مقصد چھاپہ مارنا ہرگز نہ تھا۔ تیسری مہم کے سلسلے میں مآخذ کو دو طبقوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک طبقہ جس میں ابن اسحاق، ابن ہشام، یعقوبی شامل ہیں کسی "قریشی کارواں" کا ذکر کرتا ہے۔ نہ قریش کا حوالہ دیتا ہے جبکہ واقدی اور

ان کے دو دیگر متبعین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو خرار اس لیے بھیجا تھا کہ وہاں سے ایک قریشی کاروان گزرنے والا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب کیوں کر لے لیا جائے کہ اس سے مراد چھاپہ مارنا تھا۔ اس کا مقصد ان کے بارے میں خبریں فراہم کرنا بھی تو ہو سکتا تھا۔ غزوہ ابوا یا ودان کے بارے میں تین نقطہ ہائے نظر ملتے ہیں۔ ابن اسحاق اور ان کے متبعین کا خیال ہے کہ آپ قریش اور بنو ضمرہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے ارادے سے نکلے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ارادہ کیا ہے۔ کیا دونوں کے بارے میں ایک ارادہ تھا یا الگ الگ البتہ واقدی اور ان کے دو پیروکاروں کا بیان ہے کہ قریشی کارواں کا سامنا کرنے کے لئے نکلے تھے تیسرا نقطہ نظر یعقوبی کا ہے اور وہ مکمل سکوت ہے۔ دوسرے غزوۂ بواط کے بارے میں ابن اسحاق اور ان کے جامع کا بیان ہے کہ آپ کا مقصود قریشی تھے جبکہ واقدی اور ان کے متبعین نے مقصود کاروان قریش کو روکنا بتایا ہے۔ یعقوبی پھر خاموش ہیں اس نوع کی آخری مہم کے بارے میں ابن اسحاق کے مکتب فکر کا خیال ہے کہ آپ قریش کے ارادے سے، اور واقدی کے مکتب فکر کے مطابق کاروانِ قریش پر چھاپہ مارنے کے لئے نکلے تھے سریہ نخلہ کے بارے میں کسی بھی مورخ نے اپنا تبصرہ نہیں کیا ہے کہ اس کا محرک کیا تھا۔ ان دونوں کاتب فکر کے مطابق قریش یا قریش کے کاروان کی نگرانی اور خبر گیری کرنا تھا۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ ان مہموں میں سے بواط اور ذوالعشیرہ کے بارے میں واقدی اور ابن سعد نے کھل کر کہا کہ ان کا مقصد مکہ کے کاروانوں کو روکنا تھا۔ لیکن کسی اور سریہ یا غزوہ کے بارے میں ایسا واضح بیان نہیں ہے۔ مآخذ میں اس کے لیے جو افعال استعمال ہوئے ہیں وہ بڑے دلچسپ ہیں اور ان میں کسی کے معنی لوٹنے، چھاپہ مارنے کے نہیں ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کے معنی لوٹ مار کے کیونکر لیے گئے ہیں۔[186] اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مآخذ کی داخلی شہادتوں سے بھی ان مہموں کا مقصد لوٹ مار، مالِ غنیمت حاصل کرنا یا قریش کو اشتعال دلانا اور ان کی تجارت کے لیے خطرہ پیدا کرنا ثابت نہیں ہوتا۔

اس سے ایک اہم نکتہ ابھرتا ہے اور وہ ہے مختلف منازل کا۔ بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ ان مہموں کا مقصد قریشی کاروانوں پر تاخت تھی تو مہموں کو شاہراہ تجارت یا قریشی کاروانوں کی گذرگاہ کے مختلف منازل پر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ مہمیں مدینہ سے جن مختلف منازل کی جانب بھیجی گئی تھیں ان کی مسافت شہر رسول سے بیس اور سو میل کے درمیان تھی۔ یہ نکتہ حسب ذیل نقشے سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

مہم	منزل	مدینہ سے فاصلہ
سریہ حمزہ	العیص / سیف البحر	تقریباً ۳۰ میل
سریہ عبیدہ	رابغ	〃 ۶۰ میل
سریہ سعد	خرار	〃 ۱۰۰ میل
غزوہ ودان	ابواء / ودان	〃 ۸۰ میل
غزوہ بواط	بواط	〃 ۲۰ میل
ذوالعشیرہ	ذوالعشیرہ	〃 ۹۰ میل
ینبع	ینبع	
سفوان	سفوان	

اس نقشہ میں سریہ نخلہ اور پہلے غزوہ سفوان کی مسافت نہیں دکھائی گئی ہے کیونکہ ان کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ لیکن اگر سریہ نخلہ

کو بھی شامل کر لیا جائے جیسا کہ جدید تاریخ دانوں کا اصرار ہے کہ اس کی منزل مدینہ سے چار سو کلو میٹر کے قریب تھی۔[187] اور اس سے ہماری دلیل کو اور تقویت ملتی ہے عام تاثر بلکہ یقین یہ ہے کہ مذکورہ بالا پہلی چھ مہمیں اس بین اقوامی شاہراہ تجارت پر گزرنے والے قریشی کاروانوں کو لوٹنے کے لیے گئی تھیں جو یمن سے شام کو براہ مدینہ جاتا تھا۔ کیا یہ سب مختلف منازل مہمات نبوی یہ مہم اسی شاہراہ کارواں پر واقع تھیں؟ جدید محققین کا جواب اثبات میں ہے لیکن یہ جواب مآخذ کے واضح بیانات کے خلاف ہے۔ خوش قسمتی سے بعض مہموں کے سلسلے میں مسلم جماعت کے راستے اور قریشی کاروانوں کی گزرگاہ کے بارے میں بعض ایسے اشارے ملتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ بعض مواقع پر دونوں کے راستے الگ الگ تھے۔ بالکم ازکم مسلم مہم کی منزل قریشی کاروانوں کے راستے سے ہٹ کر تھی۔ دوسری ابتدائی مہم کے سلسلے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اگر قریشی کارواں نے ابن سعد کے بیان کے مطابق اپنا راستہ چھوڑ کر جانوروں کی وادی میں چرانے کے لیے قیام نہ کیا ہوتا تو مسلمانوں سے اس کا سامنا ہوا ہوتا۔ تمام مآخذ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلم مہم کی منزل ثنیۃ المرۃ کا ایک چشمہ تھا جو قرائن کے مطابق اس عام شاہراہ تجارت سے پرے تھا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے شاہراہ تجارت سے ہٹ کر سفر کیا تھا اور وہ اندرون وادی سفر کرتے رہے تھے خرار کے بارے میں اگرچہ مآخذ کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ کارواں کے راستے پر تھا کہ نہیں لیکن اس مہم کے سیاق و سباق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اندرون وادی تھا اور راستے سے کچھ دور تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ رسول کریم نے اپنے سفر ہجرت کے دوران جو راستہ اختیار کیا تھا۔ اس پر خرار پڑا تھا۔[188] جہاں تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے غزوہ کا تعلق ہے تو ابواء یقیناً مکی کارواں کے راستے پر واقع تھا۔ لیکن ودان راستے سے چھ میل اندر کی جانب تھا۔ یہ دلچسپ حقیقت یاد رکھنے کی ہے کہ زیادہ تر مآخذ اس کو غزوۂ ودان ہی کہتے ہیں اور یہ بھی اہم نکتہ ہے کہ کسی نے بھی کسی کارواں کے گزرنے نہ گزرنے، اس کی آمد و رفت کی منازل، تعداد و قیادت وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے جو بالواسطہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ آپ کی منزل قریشی کارواں کے راستے پر نہ تھی۔ اس طرح باقی دونوں غزوں کی منازل بواط اور ذوالعشیرہ شاہراہ تجارت سے ہٹ کر واقع ہوئی تھیں۔

اسی ذیل میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ فوجی حکمت عملی کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اگر چھاپا مارنا ہو تو گزرگاہ یا راستے کے قریب چھپ کر گھات لگانی چاہیے اور بہتر طریقہ ہوتا کہ کسی ایک مقام کو خاص کر منتخب کر لینا چاہیے تھا تاکہ کارواں بچ کر نہ نکلنے پائے اسلامی تاریخ میں اس کی ایک دلچسپ مثال خود عہد نبوی ہی سے ملتی ہے صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں نے العیص میں قیام کر کے قریشی کاروانوں کی زندگی عذاب کر دی تھی اور انہوں نے مختصر سی مدت میں کسی کارواں کو وہاں سے گزرنے نہ دیا تھا۔[189] کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے بارے میں ایک مغربی مورخ واٹ کی تحقیق ہے کہ ابوبصیر کا العیص میں قیام اور قریشی کاروانوں پر تاخت کرنا آپ کی مرضی یا مضمر اجازت سے تھا۔[190] بذاتِ خود وہاں کسی دستے کو مستقل طور سے متعین نہیں کر سکتے تھے؟ یہ نکتہ اس حقیقت کی روشنی میں مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اسلام کے پہلے سریہ کی منزل العیص ہی تھی اور وہاں ایک کارواں سے اتفاقاً مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہو چکی تھی۔ غالباً یہ نقطۂ سفر تھا جہاں سے کاروانِ قریش کا گزرنا ناگزیر تھا۔ جیسا کہ ابوبصیر کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خاص کر اس ذات کے بارے میں جس نے اپنی تمام جنگوں اور مہموں میں بہترین حکمت عملی کا شاندار مظاہرہ کیا تھا کہ وہ کاروانوں کی تاخت کے مسئلہ پر ایسی فوجی بے تدبیری کا مظاہرہ کرے گی کہ مسلسل اپنی فوجی گھات کے علاقوں اور منزلوں کو بدلتی رہے اور اس طرح کاروانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا احتمال پیدا کرے

ایک اہم حقیقت جو جدید مؤرخین کی نظر سے اب تک اوجھل رہی ہے وہ ابتدائی مہموں کے دوران مسلم جماعت کی اپنے علاقے یا منزل پر قیام کی مدت ہے۔ بغدادی کے مطابق سریہ عبیدہ اور سریہ حمزہ میں بالترتیب تقریباً ایک ماہ پندرہ دن لگے تھے۔ سریہ خرار کے بارے میں مدت قیام کا علم نہیں ہوتا ہے البتہ غزوۂ ابواء یا ودان میں واقدی کے بقول پندرہ دن اور بغدادی کے مطابق قریب ایک ماہ کی مدت لگی تھی۔ غزوہ بواط میں تقریباً سترہ دن لگے تھے اور واقدی کے مطابق یہ مدت ایک ماہ کی تھی۔ غزوۂ ذوالعشیرہ کے بارے میں بغدادی کا حتمی فیصلہ ہے کہ ایک ماہ بائیس دن لگے تھے۔ جبکہ دوسرے ماخذ سے ڈیڑھ دو ماہ کی مدت معلوم ہوتی ہے سریہ نخلہ میں بغدادی کا حتمی فیصلہ ہے کہ ایک ماہ بائیس دن لگے تھے۔ جبکہ دوسرے ماخذ سے ڈیڑھ دو ماہ کی مدت معلوم ہوتی ہے۔ سریہ نخلہ میں بغدادی کے مطابق کل دس بارہ دن لگے تھے جبکہ ینبوع کے غزوہ کے بارے میں وہ تاریخ روانگی کا ذکر تو کرتا ہے مگر تاریخ واپسی کا کوئی حوالہ نہیں دیتا ہے غالباً ہفتہ عشرہ سے زیادہ مدت نہیں لگی ہوگی کیونکہ اسی کے مطابق وسط شعبان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا آخری ابتدائی غزوہ لے کر سفوان گئے تھے۔ بدقسمتی سے اس غزوہ کی مدت کا ذکر نہیں ملتا ہے بہرحال مدینہ سے مسلم مہمات کی مختلف منزلوں کے فاصلے کو مد نظر رکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ تیس اور ستر میل کے درمیان ان تمام منازل کا سفر دو سے چھ سات دن کے اندر کیا جا سکتا تھا اور واپسی ہی میں اتنی مدت لگتی۔ دو چار دن سفر کی تکان دور کرنے کے لیے منزل پر قیام کے لیے درکار ہوتے اس لحاظ سے حضرت حمزہ کو ہفتہ عشرہ اور حضرت عبیدہ کو دس پندرہ دن کافی تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دوسرے غزوہ میں صرف پانچ چھ دن اور باقی میں دس پندرہ دن سے زیادہ درکار نہ تھے۔[۱۹۱] خاص کر غزوہ ذوالعشیرہ میں آپ کا قیام کافی طویل تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنی مدت تک آپ کا قیام مبینہ قریشی کارواں کے انتظار میں نہیں تھا۔

واقدی نے بنو جذام کے جس مخبر کی روایت بیان کی ہے وہ اس کے غلط اندازے پر مبنی تھی۔ ورنہ یہ بڑی حیرت کی بات ہوگی کہ آپ قریشی کارواں کے ایک دو دن پہلے گزرنے کے بعد ذوالعشیرہ پہونچے اور پھر ڈیڑھ ماہ تک وہاں ٹھہرے رہے اس کے انتظار میں ماہ رجب اس کے شام سے لوٹنے کا وقت قریب آیا تو واپس مدینہ آ گئے اور پھر وہاں سے ایک نیا لشکر لے کر اس کارواں کو روکنے کے لئے بدر پہونچے اور بالآخر وہ اسی آمد و رفت کے چکر اور حیص بیص کے نتیجہ میں نکل گیا۔ اگر وہی کاروان قریشی مراد تھا تو بہتر حکمت عملی یہ ہوتی کہ جہاں اتنی مدت قیام کیا تھا۔ تھوڑا اور روک لیتے اور اگر کمک کی ضرورت تھی تو چند ہرکارے یا ایک مختصر دستہ مدینہ بھیج کر طلب فرما لیتے بہرحال مختلف مہموں میں منازل پر قیام کی مدت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطمح نظر کم از کم قریشی کارواں نہ تھے اسی فوجی حکمت عملی سے وابستہ ایک اور پہلو جاسوسی کے نظام کا ہے۔[۱۹۲] جدید مؤرخین کا اصرار ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریشی کاروانوں کے شاہراہ تجارت پر مدینہ کے قریب سے گزرنے کا علم مسلم جاسوسوں کے ذریعہ ہوتا تھا اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ مسلم جاسوس قریشی کاروانوں کے گزرنے کا صحیح وقت و تاریخ معلوم کرنے میں ناکام رہتے تھے۔ اسی لئے آپ کسی موقع پہ تاخت کرنے میں کامیاب نہیں رہے دوسری طرف ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس کے برخلاف مکی جاسوسی نظام بہت طاقتور اور مستعد تھا اور وہ مسلمانوں کے منصوبوں سے قبل از وقت یا بروقت واقف ہو جاتا تھا۔ اس لئے وہ مسلم فوج یا مہم کے چنگل سے اپنے آپ کو بچا لے جاتا تھا۔[۱۹۳] ایک مورخ واٹ نے اپنی ان دلیلوں کی کاٹ خود نخلہ کی مہم کے سلسلے میں کر دی ہے کہ آپ کو وہاں سے گزرنے والے کارواں کی تاریخ گذر کا اتنا حتمی علم تھا کہ مدینہ کا فوجی دستہ تین چار سو کلومیٹر کا سفر کر کے کارواں کو لوٹنے میں کامیاب رہا۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ اتنی دور تو

مسلم جاسوسوں کی اطلاع صحیح نکلی لیکن اپنے گھر کے پچھواڑے کی صحیح خبر معلوم کرنے میں وہ ناکام رہے اور اس سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے زیر اثر و اقتدار علاقے میں ایک دو بار نہیں پورے چھ سات بار ناکام رہے تھے۔ اس دعوے کو بعض دوسرے حقائق کی روشنی میں دیکھنے سے جدید مؤرخین کی دلیلوں کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ بدر سے پہلے جس عظیم قریشی کارواں کو آپ نے پہلی بار شام سے واپسی پر روکنا چاہا تھا اس کے بارے میں آپ کی معلومات اتنی پکی تھیں کہ آپ نے ان دونوں مسلم جاسوسوں کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا تھا۔ جن کو آپ نے قریشی کارواں کے بارے میں تازہ خبریں معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا اور آپ شاہراہِ تجارت کی طرف نکل کھڑے ہوئے تھے اور عین اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں سے وہ کارواں بہرحال گزرنے والا تھا۔ مگر وہ اپنے زیرک امیر کارواں کی دور اندیشی اور فوجی حکمتِ عملی کے سبب بچ نکلا تھا۔[۱۹۴] بدر اور حدیبیہ کے دوران جب مکہ و مدینہ ایک دوسرے سے باقاعدہ جنگ پر تھے مسلم فوج نے کسی قریشی کارواں کو بچ کر نکلنے نہیں دیا تھا۔ اس مدت میں حضرت زید بن حارثہؓ نے دو قریشی کاروانوں پر نومبر ۶۲۴ء[۱۹۵] اور ستمبر اکتوبر ۶۲۷ء[۱۹۶] میں کامیاب چھاپے مارے تھے۔ پس یہی دو کارواں اس دوران گزرے تھے جو مسلمانوں سے بچ کر نہ جا سکے یعنی نہ تو مسلم جاسوسوں نے ناکامی کا منہ دیکھا تھا نہ فوجی غارت گر دستوں اور مہموں نے اور نہ ہی مسلم فوجی حکمت عملی نے منہ کی کھائی تھی۔ اس دوران مسلم فوجی حکمت عملی کی وجہ سے مکی تجارت ختم ہو گئی تھی اور مفرور مکی تاجر بھوکوں مرنے لگے تھے۔ غالباً صلح حدیبیہ پر ان کو مجبور کرنے کا سب سے بڑا سبب بھی اقتصادی صدمہ تھا کیوں کہ اس کے بعد ان کی تجارت کو نئی زندگی ملی تھی اور جب ابو بصیر اور ان کے ستر ساتھیوں نے ان کی تجارت کو پھر تہس نہس کر دیا تو وہ صلح حدیبیہ کی اس شق کو بھی ختم کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ متدعی ہوئے تھے جو مسلمانانِ مدینہ و مکہ کو سخت ناگوار تھی اور اس طرح انھوں نے اپنی گرتی ہوئی اقتصادی زندگی کو سنبھالا دینے کی کوشش کی تھی۔

اس بحث سے ایک اہم حقیقت یہ اجاگر ہوتی ہے کہ قریش مکہ کیا مدینہ کے مسلمانوں سے مخاصمت کی پالیسی اپنا کر اقتصادی طور سے زندہ رہ سکتے تھے؟ جواب نفی میں ملتا ہے اس کی کئی دلیلیں اور ثبوت ہیں اوّل تو مکی تجارتِ شام جس پر ان کی اقتصادیات کا دار و مدار تھا کے بارے میں قریش کا شدید احساس بلکہ حساسیت تھی وہ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے۔ کہ ان کی اقتصادیات کی زندگی اور ان کی اپنی مادی خوشحالی کا انحصار شاہراہ تجارت کے اردگرد بسے ہوئے تمام بدوی قبائل کی دوستی اور تعاون پر ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس پورے علاقے کے تمام عربوں سے حلف اور دوستی کے معاہدے کر رکھے تھے۔[۱۹۷] یہ عین ممکن ہے کہ ان بدوی قبائل کو قریش سے دوستی کرنے پر ان کی مذہبی، سماجی اور فوجی بالادستی نے بھی مجبور کر دیا ہو لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غالباً ان بدوؤں کو قریشی کاروانوں کے گزرنے سے مادی فوائد حاصل ہوتے ہوں گے بعض جدید مغربی مورخین کو اعتراف ہے کہ تاجر عرب قبیلے بدوی قبائل کو اپنے تجارتی کاروانوں کی بسلامتی اور بحفاظت گزران کے لیے کچھ معاوضہ دیتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ قریش نے ایسا کوئی محصول دینا کسرِ شان اور اپنے مقام سے فروتر سمجھا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ علاقے کے بدوی قبائل کو خوش رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ اور حتی الامکان ان کی مادی ضروریات کی تسکین کی کوشش کرتے تھے تاکہ ان کی مدد و تعاون حاصل رہے اس سلسلہ میں ماخذ کا بیان کردہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ کس طرح غزوۂ بدر کے موقع پر بدر کے کنویں کے قریب دو باندیاں آپس میں ایک معمولی رقم کے قرض کے معاملے میں دست بگریباں تھیں اور کس طرح قرضدار اپنی قرض خواہ سہیلی کو تسلی دے رہی تھی کہ قریشی کارواں کے آنے پر وہ اس کا قرض چکا دے گی۔[۱۹۸]

اس کے سوا یہ حقیقت بھی مآخذ سے بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ قریشی تاجران مکہ اپنی شاہراہ تجارت پر بسے ہوئے بدوی قبائل سے نہ صرف مخالفت و مخاصمت مول لینے سے گریزاں رہتے تھے بلکہ اس کے لئے کوشاں رہتے تھے کہ ان کو کسی طرح سے ناراض نہ ہونے دیں۔ اس سلسلے میں دو مثالیں کافی ہوں گی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسلام کے ابتدائی مکی عہد میں جب اپنے قبول اسلام کا برملا اعلان حرم مکہ میں کیا تو قریش کی دینی و سیاسی حمیت اس کو برداشت نہ کر سکی اور انہوں نے صحابی موصوف کو زد و کوب کرنا شروع کر دیا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، نے اُن کو روکا اور کہا "تم لوگ تاجر ہو اور تمہاری تجارت کا راستہ بنو غفار کے راستے سے گزرتا ہے کیا تم اپنی تجارت کو ختم کرنا چاہتے ہو؟" حضرت عباس کے اس سادہ سے سوال نے بجلی کا کام کیا اور مارنے والے ہاتھ رک گئے اور نہ صرف رُکے رہے بلکہ پھر کبھی ان پر اُٹھ نہ سکے حالانکہ وہ پہلے سے زیادہ اشتعال انگیز اعلان اسلام کیا کرتے تھے۔[199] دوسرے واقعہ کا تعلق ہجرت کے بعد اور غزوۂ بدر سے پہلے زمانے سے ہے۔ واقدی اور بخاری کی روایت ہے کہ اس زمانے میں حضرت سعد بن معاذ اوسی عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ گئے اور وہاں اپنے عزیز و قدیم دوست امیہ بن خلف جمحی کے گھر مقیم ہوئے ایک دن عمرہ کرتے ہوئے ان کا سامنا ابوجہل سے ہو گیا اس نے حضرت سعد کو دیکھتے ہی کہا "تم لوگوں نے صابیوں (مسلمانوں) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اس لئے تم لوگوں کو زیارت کعبہ کی اجازت نہیں دی جائے گی اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو آج ہی بچ کر نہ جا پاتے"۔ حضرت سعد نے جواب دیا تھا "کہ اگر تم ہمیں حج و عمرہ کی ادائیگی سے روکو گے تو ہم تمہاری تجارت کا راستہ کاٹ دیں گے"۔[200] ظاہر ہے کہ اس جواب نے قریش کے مغرور ترین اور بدترین اسلام دشمن کو بھی ان مشکلات و دقتوں کا احساس دلا دیا تھا۔ جو مدینہ کے مسلمانوں سے مخاصمت و جنگ کی صورت میں ان کی تجارت کو لاحق ہو سکتی تھیں اور جو درحقیقت بدر اور حدیبیہ کے دوران اس کو لاحق بھی رہیں جیسا کہ حضرت زید بن حارثہ کی مہلیں[201] اور حضرت ابوبصیر کی کامیاب تاختیں ثابت کرتی ہیں۔ اس لیے مدینہ سے مکیوں کی دشمنی انھیں کو زیادہ مہنگی پڑتی اور اسی لئے وہ کسی قسم کی مسلح مخاصمت و کھلی جنگ سے پہلوتہی کرتے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مکی مدینہ مخالف یا جنگی پالیسی اختیار کرنے سے گریزاں تھے تو انہوں نے ابوسفیان کے زیر قیادت بدر سے پہلے شام سے واپس ہونے والے قافلے کی اجازت کے لیے فوجی کارروائی کیوں کی تھی؟ اور قریشی کارواں کے بچ جانے پر مدینہ سے چھیڑ کر جنگ کیوں مول لی تھی؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے آئے تھے اس کے ثبوت تو متعدد ہیں مگر یہاں دو کافی ہوں گے۔

مآخذ کا بیان ہے کہ جوں ہی مکیوں کو ممکنہ مسلم حملے کی خبر ملی تو ان میں شدید رَدِّ عمل ہوا اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کو کارواں نخلہ کی کہانی دہرانے نہ دیں گے۔[202] اور پھر یہ کہ مقتدر و ذی اثر مکی نے اپنی اقتصادیات کو بچانے کے لیے یا تو خود بھرپور حصہ لیا تھا یا اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔[203]

مآخذ کی کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مکہ سے جنگ کی غرض سے نکلے تھے۔ اولیں مقصد کارواں کی حفاظت تھی۔ لیکن وہ ہر قسم کی تیاریوں کے ساتھ ہر قسم کے حالات کے لئے مستعد ہو کر آئے تھے۔ دوسرے یہ کہ قریشی کارواں کے بچ جانے کے بعد مکی قائد ابوسفیان نے ان کو واپسی کا حکم بھیجا تھا کیونکہ مکی فوج کا مقصد — کارواں کا بحفاظت نکال لے جانا۔ حاصل ہو چکا تھا انھیں[204]

جذبات اور خیالات کا اظہار قریشی فوج کے اکثر سربرآوردہ سرداروں نے کیا تھا اور بعض قبیلے/خاندان تو پورے کے پورے اور کچھ افراد اسی سبب سے واپس بھی چلے گئے تھے۔[۲۰۶] جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب میں مآخذ سے ثبوت ملتا ہے کہ قریش کے کارواں کے بچ نکلنے کے بعد بدر تک اقدام کرنا اور وہاں قیام کرنا جنگ کی خاطر نہ تھا بلکہ قبائل عرب کے لئے عموماً اور مسلمانان مدینہ کے لیے خصوصاً طاقت کا مظاہرہ تھا جیسا کہ ابوجہل کی تقریر و اصرار سے ظاہر ہوتا ہے اور جو اتفاقاً صحیح بھی تھا لیکن[۲۰۷] بدر میں مسلم فوج کی موجودگی نے مسلم دشمن طبقے کو موقعہ سے فائدہ اٹھانے پر اکسایا۔ کیونکہ اس طرح ان کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے مسلم خطرہ کو مٹا دیں گے۔[۲۰۸] معتدل طبقہ قریش اس موقعہ پر بھی سماجی و قبائلی اسباب کے علاوہ اقتصادی پہلوؤں سے جنگ سے گریزاں تھا۔ لیکن حامیٔ جنگ طبقہ یقینی فتح دیکھ کر پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ اپنی عددی قوت بہتر سامانِ جنگ، جنگ کے طویل تجربے وغیرہ پر ان کو غرور تھا اور یقین تھا کہ فتح ان ہی کی ہوگی۔[۲۰۹] اگر ان کو ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ شکست کا بھی امکان ہے تو وہ یقیناً جنگ سے ہاتھ روک لیتے لیکن ان کے اندازے غلط نکلے اور انہوں نے اپنی شامی تجارت کو خطرات میں ڈال لیا جو اب تک اس کو درپیش نہ تھے اور اگر تھے تو خطرات کے بادل بکھر چکے تھے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور اہم نکتے پر بحث کی جائے جدید مغربی مورخین کا خیال ہے کہ ابتدائی مسلم مہموں کی قریشی تجارت پر چھاپہ مار کارروائیوں کی وجہ سے قریش مکہ اپنی تجارت کی سلامتی کی طرف سے متفکر و متردد تھے اور دراصل یہ مسلم مہمیں مکہ والوں کے لیے شدید اشتعال انگیز کارروائیاں تھیں کیا مآخذ سے قریشی تجارت کو ان مہمات سے پیچ پیچ خطرات درپیش ہونا ثابت ہوتا ہے اور کیا قریشیوں کو ان خطرات کا واقعہ نخلہ تک بلکہ اس کے بعد قریشی کاروان کے شام سے واپسی تک کا احساس ہوا تھا اور کیا وہ ان مسلم مہموں کو انھیں نظروں سے دیکھتے تھے۔ جن نظروں سے جدید مغربی مورخین اور ہمارے بعض مسلم سیرت نگار دیکھتے ہیں؟ اس سلسلے میں کئی نکات پر غور کرنا ضروری ہے۔

اوّل نکتہ مکیوں کے جاسوسی نظام سے متعلق ہے جدید مورخین کا دعویٰ ہے کہ چھ سات مواقع پر متعدد چالاک مکی جاسوسوں کی چوکس نظر و خبر پر وہ اپنے کاروانوں کو بچا لے جانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ مآخذ میں مکی جاسوسوں اور ان کی کارگزاری کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ اس کے برخلاف عظیم قریشی کارواں کو مکہ سے شام تک جاتے ہوئے ابن سعد اور ان کے استاد کے دعوے کے مطابق مسلم اقدام تاخت کی خبر کیا سن گن تک نہ ملی تھی۔ بلکہ جب پہلی بار ان کو واقدی کے بقول حدود شام میں واپسی پر ایسی کسی صورت حال کے امکان کا علم ہوا تھا تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور کارواں والوں نے اعتراف کیا تھا ان کو مسلم ارادوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم[۲۱] قریش کے عظیم ترین کارواں کے بارے میں مکی جاسوسوں کی یہ کارگزاری اور مستعدی تھی اس سے باقی کاروانوں کے بارے میں ان کی مستعدی اور کارگزاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدر سے پہلے تک ان کو مسلم تاخت و غارت گری کے ارادوں کا قطعی کوئی علم نہ تھا اور نہ کوئی احساس ہی۔ اگر مکی تجارت کو مسلم مہموں سے کوئی واقعی خطرہ تاجرانِ قریش کو محسوس ہوا تھا تو ان کی بکثرت آمد و رفت پر تھوڑی بہت پابندی تو لگنی فطری تھی یا کم از کم اسی پیمانے پر ان کی آمد و رفت نہیں ہو سکتی تھی جتنی کہ خطرے کے احساس سے پہلے ہو رہی تھی۔ ابتدائی مہموں کے سلسلے میں مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ مارچ ۶۲۳ء اور جنوری ۶۲۴ء کی دس

ماہ مدت کے دوران قریش نے چھ کارواں بھیجے تھے مگر مدینہ سے جنگ مول لے لینے کے بعد نومبر ۶۲۴ء اور ستمبر، اکتوبر ۶۲۷ء کی تین سال کی مدت میں وہ صرف دو کارواں مغربی و مشرقی شاہراہ تجارت پر بھیج سکے تھے اس تقابل سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ نے کس طرح مکی اقتصادیات کو متاثر کیا تھا اور کس طرح ان کے کاروانوں کی تیز رفتار آمد و رفت پر پابندی لگی تھی۔ ہجرت اور بدر کے درمیان اتنی زیادہ تعداد میں مکی کاروانوں کا شام جانا مدلوں بھی مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ مآخذ نے ابتدائی مہموں کے بارے میں اگرچہ تاثر یہی دیا ہے کہ مسلمانوں نے ہر موقعہ پر کسی نہ کسی کاروان مکہ کو نشانہ بنایا تھا۔ یا بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ شامی تجارت کی شاہراہ پر سفر کرنے والے کاروانوں میں سے صرف تین کا واضح انداز میں ذکر ملتا ہے۔ ایک سریہ حمزہ کے دوران دوسرا سریہ عبیدہ کے موقعہ پر اور تیسرا غزوہ بواط میں ان میں سے بھی پہلے دو کاروانوں کا مسلم مہم والوں سے آمنا سامنا ہوا تھا۔ باقی کسی کا نہیں اس سے زیادہ حیرت انگیز معاملہ یہ ہے کہ اس پورے زمانے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مڈبھیڑ کسی کارواں سے تینوں مہموں میں نہ ہو سکی غزوۂ مذکورہ بالا میں جس قریشی کارواں کا ذکر ہے وہ بھی آپ کی منزل پر آمد سے قبل نکل چکا تھا۔ بہرحال ان تین قریشی کاروانوں کے بارے میں مکمل تفصیلات ملتی ہیں کہ وہ کہاں سے آ رہے تھے کہاں جا رہے تھے۔ اس میں کتنے لوگ تھے اور ان کے قائد کون تھے؟ غزوۂ بواط کے کاروان قریش کے بارے میں سامانِ تجارت کا بھی ذکر یا حوالہ ملتا ہے بہرحال یہ تفصیلات اعتماد پیدا کرتی ہیں۔ کہ یہ مکی کارواں حقیقتاً اسی زمانے میں گزرے تھے۔ اگرچہ غزوۂ بواط میں کوئی قریشی کارواں کا معاملہ بھی خاصا مشتبہ ہے۔ باقی تین مواقع سریہ خرار اور غزوات ودان وذو العشیرہ کے بارے میں قریشی کاروانوں کا ذکر بڑے مبہم انداز میں کیا گیا ہے۔ ان میں کسی قسم کی کوئی واضح خبر نہیں ملتی ہے اس سے شبہ کو تقویت ملتی ہے کہ یہ کارواں دراصل کبھی گزرے ہی نہ تھے۔ ورنہ راوی ان کی کچھ ضروری تفصیلات بیان کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مؤلفین سیرت اور راویان صدر اول قریش کی اسلام دشمنی کے پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تحریک کو سمجھتے تھے جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں اور اسی بنا پر انہوں نے ہر مہم کے ساتھ قریش یا قریشی کارواں کا ذکر کر دیا یا اس کی طرف اشارہ کر دیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض مؤرخین و مؤلفین کے نزدیک بھی کاروانوں کا معاملہ مشتبہ تھا۔ اسی لیے ان کے یہاں ان کا بعض مواقع پر حوالہ بھی نہیں ملتا ہے خصوصاً محمد بن حبیب بغدادی نے اس کی دس ابتدائی مہموں کے بارے میں کسی قریشی کارواں کا حوالہ تک نہیں دیا ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قریش کی شام سے تجارت اسلام سے پہلے زمانے میں یا عہد نبوی میں خاص یا وسط درجہ کی تھی اندازہ قریش کے عظیم ترین کارواں کی مالیت سے لگایا جا سکتا ہے قریش نے جب اپنی تمام اقتصادی دولت اور سامان تجارت اس میں جھونک دیا تھا۔ تو اس کی مالیت پچاس ہزار دینار یا چھ لاکھ درہم ہو سکی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ مالیت اصل سرمایہ کی تھی یا بشمول منافع تھی۔ جو بعض اندازوں بلکہ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سو فیصد تھا۔[۲۱۱] اصل سرمایہ کی صورت میں شام سے واپسی پر کل مالیت کا تخمینہ ایک لاکھ درہم رہا ہوگا۔ یعنی تقریباً بارہ لاکھ درہم۔ بظاہر یہ رقم خاصی خطیر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس پس منظر میں کہ پورے شہر مکہ کے تاجروں کی کل دولت تھی۔ یا اس کا بیشتر حصہ تھا۔ خاصی حقیر رقم تھی۔ خاص کر چند برسوں کے بعد مسلم تاجروں میں سب سے کمزور اور پست طبقے کے تاجر کا سرمایہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔[۲۱۲]

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ مکی تجارت بہت ہی مختصر پیمانے پر ہو رہی تھی اور اس حقیقت کی روشنی میں مکی کاروانوں کی اتنی تیز رفتاری سے شام جانا خاصا مشتبہ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی سے متعلق ایک مسئلہ عددی طاقت کا ہے۔ جدید مورخین کے اس دعویٰ کی روشنی میں کہ مکی تجارت کو ان مہموں سے خطرہ پیدا ہو چکا تھا اور اس پر مکیوں کو تشویش تھی کہ اس لیے کہ مکی کاروانوں کے ساتھ محافظوں کی تعداد یا افرادی طاقت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے تھی تاکہ مسلم ارادوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوا جا سکے لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے کاروانوں کی عددی طاقت ہر کارواں میں کم ہوتی چلی جاتی ہے ہم دیکھ چکے ہیں کہ پہلے کارواں میں تعداد تین سو بتائی گئی ہے دوسرے میں دو سو اور تیسرے میں صرف ساٹھ جبکہ پانچویں کارواں میں ان کی تعداد دس ہو جاتی ہے۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ عظیم ترین قریشی کارواں میں ابتدائی مورخین کے بقول صرف تیس یا چالیس اور عروہ کے خط بنام عبدالملک کے مطابق زیادہ سے زیادہ ستر تھی۔ موخر الذکر کارواں میں قریشی محافظوں کی قلت تعداد کی وجہ سے بعض مورخین کا خیال ہے کہ پہلے قریشی کاروانوں میں ان کے محافظوں کی تعداد میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ بہرحال مبالغہ ہو یا نہ ہو قریشی کاروانوں کی عددی قوت کی ہر کارواں میں مسلسل کمی ثابت کرتی ہے کہ جنگ بدر تک قریشیوں کو اپنی تجارت کیلئے کم ازکم کوئی خطرہ مسلمانان مدینہ سے عموماً اور مسلم ابتدائی مہموں سے خصوصاً محسوس نہیں ہوا تھا وہ اتنے غیر محتاط لوگ نہ تھے۔

کو اپنی تجارت کے لیے کم ازکم کوئی خطرہ مسلمانان مدینہ سے عموماً اور مسلم ابتدائی مہموں سے خصوصاً محسوس نہیں ہوا تھا بہرحال یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ قریشیوں نے دیدہ و دانستہ خطرات کو دیکھ کر اپنے کاروانوں کی حفاظت کا بندوبست نہیں کیا تھا وہ اتنے غیر محتاط لوگ نہ تھے۔

اسی طرح خود مسلم مہموں میں افرادی طاقت ثابت کرتی ہے کہ ان مہموں کا مقصد لوٹ مار نہ تھا۔ پہلی مہم میں تیس مسلمانوں کا سامنا تین سو سے ہو چکا تھا فوجی حکمت عملی کے علاوہ محض عقل سلیم کا تقاضہ تھا کہ آئندہ مہم میں مسلم فوجی طاقت زیادہ سے زیادہ کی جاتی اتنی کہ اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں اگر برتر نہ ہوتی تو بہت زیادہ فروتر بھی نہ ہوتی یا کم ازکم ان دونوں کا تفاوت کئی گنا تو نہ ہوتا مگر دوسری مہم میں یہ تعداد محض دوگنی ہو سکی اور تیسری مہم میں مسلمان صرف، آٹھ یا پندرہ بیس تھے۔ چوتھی مہم میں یہ تعداد بڑھ کر اگرچہ پھر ساٹھ ہو گئی تھی لیکن پھر بھی بہت کم تھی۔ پانچویں مہم میں البتہ یہ تعداد معتدبہ تھی یعنی دو سو لیکن پھر چھٹی مہم میں وہ کم ہو گئی تھی اور ڈیڑھ دو سو کے بیچ تھی اور آٹھویں مہم میں تو محض آٹھ آدمی تھے اور کارروائی صرف چھرنے کی تھی۔ باقی دو مہموں میں مسلم جماعت کی عددی طاقت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم بہرحال یہ گھٹتی بڑھتی تعداد یہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے تجربات سے کچھ نہ سیکھا تھا۔ لیکن یہ حقیقت کے خلاف ہے بعد زمانے میں جب مسلمان اپنے دشمنوں سے برسرپیکار تھے تو ہم مسلمانوں کی تعداد میں ہر آنے والی مہم میں چند در چند اضافہ پاتے ہیں اور ایک موٹے سے اندازہ کے مطابق دو مہموں کے درمیان یہ اضافہ تقریباً تین گنا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمان تین سو سے اوپر تھے[۲۱۳] تو جنگ احد میں ان کی تعداد ساڑھے سات سو تھی بلکہ شروع میں ایک ہزار تھی[۲۱۴]۔ جنگ خندق میں مسلم سپاہ تین ہزار تھی[۲۱۵] اور فتح مکہ کی مہم میں دس ہزار کا لشکر جرار تھا جو بقول[۲۱۶] ابوسفیان بن حرب پورا لوہے میں غرق تھا[۲۱۷]۔ اور اگرچہ غزوۂ تبوک مکیوں کے خلاف نہ تھا تاہم اس میں مسلم فوج کی تیس[۲۱۸] ہزار تعداد ثابت کرتی ہے کہ اسلامی مملکت نے تصادم اور جنگ کے زمانے میں اپنی فوج کی عددی طاقت کو ہمیشہ بڑھایا ہی تھا اور کبھی گھٹانے کی غلطی نہیں کی تھی اس پس منظر میں ابتدائی مہموں میں مسلم جماعتوں کی گھٹتی بڑھتی تعداد کو دیکھنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ان مہموں میں دشمن سے کسی قسم کی نبرد آزمائی مقصود نہ تھی۔

تعلیقات و حواشی

۱۔ محمد بن اسحاق (متولد ۸۵ھ۔ مدینہ / متوفی ۱۵۱ھ۔ بغداد)

۲- محمد بن عمر واقدی (متولد سنہ ۱۳۰ھ متوفی سنہ ۲۰۷ھ بغداد)

۳- اسلامی تاریخ نویسی کے لئے ملاحظہ کیجئے: اے، گلیوم (A. Guillaume) کا مقدمہ "سیرت رسول اللہ" از ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ، لندن سنہ ۱۹۵۵ء، ص xiii تا xlvii، Historians of the Middle East مرتبہ برنارڈ لوئس اور پی ایم ہولٹ (Bernard Leuis & P. M. Holt)، لندن سنہ ۱۹۶۲ء، خاص کر مضامین مونٹگمری واٹ، عبدالعزیز دوری، روزنتھال، وغیرہ، مارگولیتھ (D. S. Margolioth) Lectures on Arabic Historians کلکتہ سنہ ۱۹۳۰ء، روزنتھال (F. Rosenthal) History of Muslim Historiography، لندن سنہ ۱۹۵۲ء، خاص کر شروع کے ص ۱۷۰-۱، نثار احمد فاروقی Early Muslim Historiography دہلی سنہ ۱۹۷۹ء، "The Earliest Biographies of the Prophet and their Biographers" جوزف ہوروویٹس (Joseph Horovits)، اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء اور اس کا اردو ترجمہ سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین، ادارۂ ادبیات دلی، سنہ ۱۹۷۴ء، خاص کر شروع کے صفحات، اول ص ۵۹-۵۳۵، دوم ص ۵-۲۲ وغیرہ۔ جواد علی "موارد التاریخ الطبری"، مجلہ مجمع العلمی العراقی، بغداد عراق سنہ ۱۹۵۳ء۔ اور اس کا اردو ترجمہ از نثار احمد فاروقی، دہلی سنہ ۱۹۸۰ء، جگدیش نرائن سرکار، History of History writing in Medilval India، کلکتہ سنہ ۱۹۷۷ء باب دوم، نیز شبلی نعمانی، سیرت النبی، اعظم گڈھ سنہ ۱۹۷۶ء، اول ص ۸۵-۱۲۔

۴- عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون (متولد سنہ ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ء تیونس/متوفی سنہ ۸۰۸ھ/۱۴۰۶ء مصر)

۵- ابن خلدون، مقدمہ، انگریزی ترجمہ فرانز روزنتھال (Franz Rosenthal)، جلد اول ص ۱۲۔

۶- ابن اسحاق، مذکورہ بالا ص ۲۲۱، کا ہجرت مدینہ کے بارے میں ابتدائی بیان یہاں ذکر کرنے کے قابل ہے:

"جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جماعت اور اصحاب جمع ہو گئے جو صرف قریش اور مکہ سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ دوسرے علاقوں کے بھی تھے اور آپؐ کے اصحاب نے ہجرت کر کے ان سے جا ملنا شروع کر دیا تھا اور ان کو علم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے نئے گھر میں نہ صرف بس گئے تھے بلکہ وہاں ان کے حامی و ناصر بھی تھے تو ان کو خوف محسوس ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہی ان سے جا ملیں گے کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ آپ نے ان سے جنگ کرنے کا عزم مصمم کر رکھا تھا۔"

آخری جملہ کس طرح ثابت کرتا ہے کہ ابن اسحاق یا ان کے راوی کس طرح عداوتِ قریش برائے رسولؐ سے متاثر و مغلوب تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت تک مسلمانوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ نئے وطن میں پہونچ کر قریش کے خلاف محاذِ جنگ کھول لیں گے۔ اس وقت اگر کوئی محرک تھا تو وہ قریش کے چنگل سے نکلنا اور کسی مرکزِ اسلام میں امت مسلمہ کی تنظیم کرنا۔ ظاہر ہے کہ ہجرت کے مقاصد و محرکات کی یہ تشریح و تعبیر ابن اسحاق نے حیاتِ نبوی کے اس دور

کے پس منظر میں کی ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے سچ مچ برسر پیکار تھے اور یہی سبب ہے کہ ابن اسحاق نے ابتدائی مہموں کو اسی عداوتِ قریش کے پس منظر میں دیکھا ہے۔ اسی طرح سیرت نگار مذکور نے بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد قریش اور جماعت انصار کے درمیان ایک گفتگو کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ قریشیوں کو شبہ تھا کہ اس بیعت کی منجملہ شرائط میں سے ایک یہ تھی کہ وہ قریش کے خلاف جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔ ظاہر ہے کہ قریش تو یہ شبہ کرنے میں حق بجانب ہو سکتے تھے، یا ان کے الزام کو بے بنیاد قرار دیا جا سکتا تھا جیسا کہ جماعتِ اوس و خزرج کے غیر مسلموں نے کیا بھی تھا، لیکن ابنِ اسحاق نے اس سے جو تاثر دیا ہے وہ یہ ہے کہ قریش سے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل کر رکھا تھا۔ یہ توصحیح ہے کہ اس بیعت یا معاہدے میں جنگ کی شرط شامل تھی لیکن کیا واضح طور سے قریش مراد تھے؟ یہ کہنا تاریخی حقیقت کے خلاف ہوگا۔

۷۔ اس نقطۂ نظر کے لئے ملاحظہ ہو: لیون کیتانی Leone Caetani Annalide'll Islam' ملان ۱۹۰۵ء، جلد اول، صـ ۴۰۸-۵۴۵، کارل بروکلمن History of the Islamic People' (Carl Brockelmann) انگریزی ترجمہ از جوئل کارمیخائیل (Joel Carmichael) اور موشے پرلمن (Moshe Perlmann) لندن ۱۹۴۹ء، صـ ۲۳-۲۴، فلپ، کے ہٹی Islam, A way of life' (Phillip K. Hitti) لندن ۱۹۷۰ء، صـ ۱۵ History of the Arabs لندن ۱۹۴۹ء صـ ۱۱۶-۱۱۷، منٹگمری واٹ Muhammad at Medina' (Montgomery Watt) لندن ۱۹۶۸ء، صـ ۲-۹، فرانسسکو جبریلی (FRANCESCO GABRIELI) Muhammad and the conquest of Islam، انگریزی ترجمہ از ورجینا لولنگ (Virgina Luling) اور روزامنڈ لنل (Rosamand Linell)' لندن ۱۹۶۸ء، صـ ۶۸، ڈبلو، سی ٹیلر The History of Mohammadanism' (W. C. Taylor) لندن ۱۸۴۴ء، صـ ۹-۱۰۸، جی، ای وان گرونی بام (G. E. Von Grunebowm)، کلاسیکل اسلام، انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن (Katherine Watson)، لندن ۱۹۷۰ء، صـ ۳۶-۳۵، اور منٹگمری واٹ (Muhammad: Prophet and statesman)، لندن ۱۹۶۱ء صـ ۱۰۹-۱۰۲، نے یہ اچھوتا خیال پیش کیا ہے کہ ہجرت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً "رزیہ" کے بارے میں منصوبہ بنا لیا تھا۔ مزید یہ کہ "رزیہ" سے "جہاد" تک پہونچنا محض نام کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ فوجی کارروائی کی نوعیت اور ماہیت میں تبدیلی آئی تھی"۔ "رزیہ" محض ایک قبیلہ کی دوسرے قبیلہ پر تاخت کا نام تھا جبکہ جہاد میں مسلمان غیر مسلموں سے بطور جماعت یا امت نبرد آزما ہوتے تھے۔

۸۔ یہ نقطۂ نظر زیادہ وضاحت سے منٹگمری واٹ نے پیش کیا ہے۔ مختصراً فرانسسکو جبریلی کے یہاں بھی پایا جاتا ہے۔

۹۔ فلپ ہٹی نے اپنی تازہ ترین تصنیف "اسلام۔ ایک طریق حیات" میں یہی فرض انجام دیا ہے۔

۱۰۔ ان جدید مسلم مورخین میں ممتاز حسب ذیل ہیں: محمد حمید اللہ "عہد نبوی کے میدان جنگ"، انگریزی، حیدرآباد دکن ۱۹۷۳ء

صلا، محمد حسین ہیکل "حیاۃ محمد" انگریزی ترجمہ از اسمٰعیل رازی فاروقی، علی گڑھ طبع، غیر مورخہ ص۱۹۹-۲۰۰ شبلی نعمانی، سیرت النبی دار المصنفین اعظم گڈھ، طبع چہارم (غیر مورخہ)، اول ص۳۱۱-۳۰۹، فرماتے ہیں کہ "کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے، قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا، اور اپنے قبائل متحدہ میں یہ آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپ نے دو تدبیریں اختیار کیں، اوّل یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ غرور تھی بند کر دی تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب وجوار کے جو قبائل ہیں ان سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے۔"

۱۱- سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، دار المصنفین اعظم گڈھ، اول ص۳۱۲ حوالہ ۲؎ شاہ محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور ۱۹۲۱ء، دوم، ص۴۵-۲۴۳ اور ص۶۳-۱۶۲، نیز خاکسار کی کتاب Organisation of Government Under the Prophet ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۸۲ء، ص۲۳-۱۵ تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے جس میں پہلی بار یہ نقطۂ نظر مفصل ومدلل پیش کیا گیا ہے۔ مکمل بحث اس مضمون میں پیش کی جا رہی ہے۔

۱۲- واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونز (Marsden Jonos) آکسفورڈ ۱۹۶۶ء، ص۲ اور ص۱۳-۹

۱۲ ب- کتاب المحبر ص۱۱۱ کے مطابق یہ دونوں غزوات بالترتیب جمعرات ۲ شعبان ۲ھ کو ینبوع اور منگل ۴ شعبان ۲ھ کو سفوان گئے تھے۔ موخر الذکر میں آپ نے قبیلہ غفار اور قبیلہ اسلم سے ایک معاہدۂ دوستی (کتاب مداجحۃ) کیا تھا۔

۱۳- ابن اسحاق، انگریزی مذکورہ بالا، ص۲۸۱۔

۱۴- ابن ہشام، سیرۃ النبی، مرتبہ محمد محی الدین عبد الحمید، قاہرہ غیر مورخہ، دوم ص۲۲۴ اور ص۳۰-۲۲۹۔ نیز ملاحظہ کیجئے: محمد بن حبیب بغدادی (متوفی ۲۴۵ھ/۸۵۹ء) کتاب المحبر، مرتبہ ایلزہ لیختن شٹیتر، حیدر آباد، حیدر آباد دکن ۱۹۴۲ء۔ ص۱۱۶۔

۱۵- محمد بن سعد (متولد ۱۶۸ھ بصرہ / متوفی ۲۳۰ھ - بغداد)۔

۱۶- احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ/۸۹۲ء - بغداد)۔

۱۷- واقدی، ص۲ اور ص۱۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۷ء، دوم ص۶-۷۔ بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء اول ص۲۸۷، یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، بیروت ۱۹۶۰ء، دوم ص۶۹۔ طبری، تاریخ الطبری، مرتبہ محمد ابو الفضل ابراہیم، قاہرہ ۱۹۶۱ء، دوم ص۱۵-۴۰۲، ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء جلد دوم ص۱۱۱۔

۱۸- جے، ایم، بی، جونس "The chronology of the Maghazi — A textual Survey," Bulletin of the School of Oriental and African studies، یونیورسٹی آف لندن، جلد ۱۹، حصہ دوم ۱۹۵۷ء، ص۸۰-۲۴۵، خصوصاً ص۲۴۵ اور ص۲۶۰ اس خیال کا اظہار بعض اور مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ لیکن بعض مہموں کے سلسلے میں واقدی کی روایت پر ابن اسحاق کی روایت کو ترجیح دی جانی چاہیے جیسا کہ غزوۂ ذو العشیرہ سے واضح ہوتا ہے ایک کم معروف مورخ محمد بن حبیب بغدادی (متوفی ۲۴۵ھ) نے ان مہموں کی متعین اگرچہ مختلف تاریخیں دی ہیں، ملاحظہ ہو کتاب المحبر ص۲۵-۱۱۰۔

۱۹- واقدی ص۱۲ اور ص۹۔

۲۰- واقدی نے مہاجرین میں حضرات ابو عبیدہ بن جراح، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عامر بن ربیعہ، عمرو بن سراقہ، زید بن حارثہ، کناز بن حصین اور ان کے فرزند مرثد اور غلام رسول کریم انیسہ کے نام گنائے ہیں۔ اور انصار میں حضرات ابی بن کعب، عمارہ بن حزم، عبادہ بن صامت، عبید بن اوس، اوس بن خولی، ابو دجانہ، منذر بن عمرو، رافع بن مالک، عبداللہ بن عمرو بن حرام اور قطبہ بن عامر بن حدیدہ کے۔ یہ کل انیس آدمیوں کے نام ہیں جن میں سے ۹ مہاجر ہیں اور ۱۰ انصار۔ باقی ۱۱ کے نام غیر مذکور ہیں۔ اگرچہ واقدی نے واضح کر دیا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور بدر سے پہلے کسی مہم میں کوئی انصاری شریک نہ تھا اور اسی کو اکثر جدید و قدیم مورخین تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہ خیال یا روایت صحیح نہیں ہے۔ نہ صرف قرائن بلکہ مسلمہ تاریخی حقائق سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ان ابتدائی مہموں میں مہاجرین کے شانہ بشانہ انصار برابر کے شریک وسہیم تھے البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض بہت ہی مختصر سرایا میں جیسے سریہ نخلہ اور سریہ خرار میں وہ شریک نہ رہے ہوں۔ بعض مستشرقین نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابتدائی مہموں میں انصار مہاجرین کے برابر کے شریک وسہیم تھے ملاحظہ ہو: واٹ، محمد مدینہ میں ص۳-۲ لیکن ابھی تک اس موضوع پر کوئی خاص تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔

۲۱- واقدی، ص۹۔ مجدی بن عمرو جہنی کے لیے ملاحظہ کیجئے: مذکورہ بالا۔ نیز دیکھئے کتاب المحبر، ص۱۱۶ جس کے مطابق روانگی نصف ربیع الاول کو اور واپسی آخر ماہ میں ہوئی تھی۔

۲۲- ابن سعد، دوم ص۶ العیص، ابن اسحاق ص۲۸۰ کے مطابق، ساحلی علاقے میں ذو المروہ کے خطے میں قریشی شاہراہ تجارت پر واقع تھا جس پر شام کو کارواں جایا کرتے تھے۔

۲۳- ابن اسحاق۔ ص۲۸۱۔

۲۴- ابن ہشام، جلد دوم ص۲۳۔

۲۵- بلاذری، جلد اول ص۳۷۱۔

۲۶- یعقوبی، جلد دوم ص۶۹ (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح یعقوبی۔ متوفی بعد ۲۹۲ھ۔ بغداد)

۲۷- ابن اثیر، اسد الغابہ، طہران ۱۳۷۷ھ، پنجم ص۴۸-۴۹۔ (عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم جزری (متوفی ۶۳۰ھ۔ بغداد)

۲۸- طبری، تاریخ، دوم ص۴۰۲ (ابو جعفر محمد بن جریر طبری، (متولد ۲۲۴ھ رمتوفی ۳۱۰ھ۔ بغداد)

۲۹- واقدی کا جملہ ہے: اول لواء عقدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ان قدم المدینۃ لحمزۃ بن عبد المطلب، بعثہ ثلاثین راکبا شطرین ..... فبلغوا سیف البحر، یعترض لعیر قریش ...... طبری کا جملہ ملاحظہ کیجئے: وزعم الواقدی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقد ...... لحمزۃ بن عبد المطلب لواء ابیض فی ثلاثین رجلا من المہاجرین یعترض لعیرات القریش ...... طبری کی روایت میں نہ صرف اضافہ ہے بلکہ اِس کے اضافہ نے ایک اتفاقی واقعہ کو محرک و مقصد بنا دیا ہے۔

۳۰- طبری، تاریخ، جلد دوم ص۴۰۴، ابن اثیر، اسد الغابہ جلد دوم ص۵-۴۶۔ العیص کے لئے ملاحظہ کیجئے: یاقوت حموی،

معجم البلدان، بیروت ۱۹۵۷ء، جلد چہارم ص۱۶۳۔ یاقوت نے ابن اسحاق کے بیان پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا ہے بس اتنا کہا ہے کہ وہ ذی المروہ کے نواح میں ساحل بحر (سیف البحر) پر واقع تھا جس پر قریش شام کا سفر کیا کرتے تھے۔

۳۱۔ بڑوسی بدوی قبائل جہینہ و مزینہ وغیرہ سے انصارِ مدینہ کے رشتۂ حلف کے لئے ملاحظہ کیجیے: خاکسار کی مذکورہ بالا کتاب باب دوم بحث بر قبائل جہینہ و مزینہ و دیگر مغربی بدوی قبیلے، محمد مدینہ میں ص۸۶-۸۲۔ اے پی کیسن ڈی پرسیول Essai Sural' Histoire ('A.P. Caussin de Perceval) des Arabs avant l' Islamis me، پیرس ۱۸۴۷ء جلد دوم ص۹۱۸ وغیرہ۔ محمد احمد جاد المولیٰ بک، علی محمد بجاوی اور محمد ابوالفضل ابراہیم، ایام العرب فی الجاھلیة، مصر ۱۹۴۲ء، ص۸۴-۶۲۔

۳۲۔ واٹ، محمد مدینہ میں (انگریزی) ص۸۴-۶۲۔

۳۳۔ طبری، جلد دوم ص۴۰۴۔

۳۴۔ ابن اثیر، اسد الغابہ، جلد دوم ص۵۰-۴۶

۳۵۔ واٹ، محمد مدینہ میں (انگریزی) ص۳-۲۔

۳۶۔ رابغ ایک وادی کا نام تھا جسے حجاج بزواء اور جحفہ غرور سے پرے طے کرتے تھے۔ ابن السکیت کا خیال ہے کہ رابغ جحفہ اور ودان کے درمیان ہے جبکہ واقدی کا بیان ہے کہ ابواء اور جحفہ کے درمیان واقع شاہراہ پہ جحفہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان، سوم ص۱۱۔ قدید مکہ کے قریب ایک مقام تھا۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد چہارم ص۳۱۳۔ معجم البلدان، جلد دوم ص۱۱۱ جحفہ کے لئے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان کے راستے پر اوّل الذکر سے چار مرحلوں پر وہ ایک بڑا گاؤں تھا۔ شامی و مصری حجاج کے لیے وہ میقات تھا اگر وہ مدینہ سے نہ گذریں، لیکن مدینہ ہو کر آنے والوں کے لیے ذوالحلیفہ میقات تھا۔ ساحل سے جحفہ کا فاصلہ محض تین مراحل کا ہے۔ جبکہ ساحل سمندر پر واقع مقام اقرن سے چھ میل اور مدینہ سے چھ مراحل پر واقع ہے اور غدیر خم سے محض دو میل پر جحفہ مدینہ کی جانب سے مکہ کی پہلی سرحد ہے۔

۳۷۔ واقدی، ص۱۱-۱۰۔

۳۸۔ ابن اسحاق ص۲۸۱۔ ابن ہشام جلد دوم ص۲۵-۲۲۴۔ نیز ملاحظہ کیجیے: کتاب المحبر، ص۱۱۶ میں مہم کی منزل ثنیة المرة اور قائدِ کاروانِ قریش کا نام عکرمہ بن ابی جہل بتایا گیا ہے۔ روانگی کی تاریخ پہلی ربیع الاول اور واپسی آخر ماہ میں بتائی گئی ہے۔

۳۹۔ ابن سعد، جلد دوم ص۷۔

۴۰۔ انساب الاشراف، جلد اوّل ص۲۸۷۔

۴۱۔ یعقوبی، دوم ص۶۹۔

۴۲۔ طبری، دوم، ص۴۰۲۔

۴۳۔ معجم البلدان، جلد اول ص۷۹ ابواء اور ودان مدینہ کے فرع کے نواح میں تھا اور مدینہ سے اس کا فاصلہ تینتیس ۳۳ میل تھا۔ اور وہ عزوور سے پرے بزواء اور جحفہ کے درمیان واقع تھا۔ موخر الذکر مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع شاہراہ پر ایک گاؤں تھا۔ ساحل سے وہ تین مراحل پر اور مدینہ سے چھ مراحل پر واقع تھا۔ نیز ملاحظہ کیجیے معجم البلدان جلد دوم ص۸۵ اور ص۱۱۱ جلد سوم ص۱۱

یاقوت نے ثنیۃ المُرّہ کی کوئی تصریح یا وضاحت نہیں کی ہے۔

۴۴۔ خزاعہ سے قریش کے قریبی تعلقات کے لیے ملاحظہ کیجیے: ابن اسحاق ص ۹-۴۸، ص ۵۲، ابن سعد جلد اوّل ص ۶۹-۶۸، جلد چہارم ص ۲۲۲، محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المنمق فی اخبار قریش، مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدرآباد دکن ۱۹۲۴ء ص ۴۷، انساب الاشراف جلد اوّل ص ۵-۴۹، ازرقی، کتاب اخبار مکہ، مرتبہ فرڈینینڈ وسٹنفلڈ (Ferdinand Wiistenfeld) بیروت ۱۹۶۴ء ص ۶۶-۶۴ اور طبری، جلد دوم ص ۴۳، نیز خاکسار کی کتاب مذکورہ بالا باب دوم۔ خاندانِ رسولؐ سے معاہدۂ خزاعہ کے لیے عموماً اور قریش سے تعلقات کے لیے خصوصاً ملاحظہ کیجیے: واٹ، محمدؐ مدینہ میں ص ۸۴-۸۲۔

۴۵۔ یاقوت، معجم البلدان، جلد دوم ص ۳۵، نے خرّار کے بارے میں کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ وہ حجاز میں جُحفہ کے قریب ایک مقام تھا۔ مدینہ کی وادیوں میں سے ایک تھا اور ایک روایت کے مطابق وہ مدینہ کی وادیوں میں سے ایک چشمہ تھا اور ایک اور روایت کے مطابق وہ خیبر میں ایک مقام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کے کئی مواضع تھے جیسا کہ ابنِ اسحاق کے اضافی فقرے "من ارض الحجاز" سے معلوم ہوتا ہے لیکن یہ خرّار ارضِ حجاز میں اس عام شاہراہِ تجارت سے ہٹ کر تھا جس پر مکی کارواں شام کو جایا کرتے تھے۔ ابنِ اسحاق ص ۲۲۶ کے ہی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے قُدید سے پہلے گذرے تھے۔

۴۶۔ واقدی ص ۱۱، نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر ص ۱۱۶، جس کا خیال ہے کہ یہ مہم رجب کے نئے چاند کو دیکھ کر روانہ ہوئی تھی۔

۴۷۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۷

۴۸۔ ابنِ اسحاق، ص ۲۸۶، ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۳۸۔

۴۹۔ انساب الاشراف، جلد اوّل ص ۲۸۷۔

۵۰۔ یعقوبی، جلد دوم ص ۶۹۔

۵۱۔ طبری، "تاریخ، جلد دوم ص ۴۰۳۔

۵۲۔ واقدی، ص ۱۲-۱۱۔ نیز دیکھئے کتاب المحبر، ص ۱۱۱، جس کے مطابق صفر کی چند راتوں کے بعد آپ روانہ ہوئے تھے اور بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا تھا۔ اور ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو واپس آئے تھے۔ بغدادی نے کسی کاروانِ قریش کا حوالہ تک نہیں دیا ہے۔

۵۳۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۸

۵۴۔ ابن اسحاق ص ۲۸۱، ابن ہشام، جلد دوم ص ۲۴-۲۲۳

۵۵۔ انساب الاشراف، جلد اوّل ص ۲۸۷۔

۵۶۔ "تاریخ یعقوبی، جلد دوم ص ۶۶۔

۵۷۔ "تاریخ طبری، دوم ص ۴۰۳ اور ص ۴۰۷۔

۵۸۔ واقدی، ص ۱۲۔ محمد بن حبیب بغدادی، کتاب المحبر، ص ۱۱۱، کا خیال ہے کہ بُواط مدینہ سے صرف تین مراحل پر شام کے راستے میں واقع تھا۔ ۳ ربیع الآخر ۲ھ کو روانگی اور اسی سال ۲۰ ربیع الآخر کو واپسی ہوئی تھی۔

۵۹۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۹-۸۔

۶۰۔ انساب الاشراف جلد اوّل ص ۲۸۷۔

۶۱- تاریخ یعقوبی، جلد دوم ص۶۶ ۔

۶۲- تاریخ طبری، جلد دوم ص۴۰۷ ۔

۶۳- ابن اسحاق، ص۲۸۵ ، ابن ہشام، جلد دوم ص۲۳۵ ۔

۶۴- ابن سعد کے بیان کی تائید یاقوت سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان جلد اول ص۵۰۳

۶۵- معجم البلدان جلد دوم ص۹-۱۵۸، کی ایک روایت کے مطابق مکہ کو جانے والے راستہ پر مدینہ کے نواح میں واقع تھا۔

۶۶- واقدی ص۱۲ ۔

۶۷- ابن سعد، جلد دوم ص۹ ، نیز ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۲۸۶ ، بغدادی، کتاب المحبر، ص۱۱۱ ، اس کو محض غزوہ بدر اولی کہتا ہے اور سفوان کا ذکر نہیں کرتا ۔

۶۸- انساب الاشراف جلد اول ص۲۸۷ ۔

۶۹- تاریخ یعقوبی، جلد دوم ص۶۶

۷۰- تاریخ طبری، جلد دوم ص۴۰۷ ۔

۷۱- ابن اسحاق، ص۲۸۶ - ابن ہشام، جلد دوم ص۲۳۸ - نیز دیکھئے کتاب المحبر، ص۱۱۱ ، جس کے مطابق دو شنبہ ۱۲ جمادی الاخری سنہ ۲ھ کو غزوہ کی روانگی ہوئی اور اس ماہ کی چند راتیں باقی بچی تھیں کہ واپسی ہوئی ۔

۷۲- واٹ، محمدؐ مدینہ میں، ص۴ - تعجب ہے کہ واٹ نے کرز فہری کو پڑوسی علاقے کا ایک لٹیرا ثابت کرنے کی کوشش ہے جبکہ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنی فہر سے تھا۔ گویا کہ جارحیت کا آغاز قریش کی طرف سے ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو اصابہ، سوم ص۲۰۱ ۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، اول ۳۱۲، رحمۃ للعالمین، جلد دوم ص۱۵-۱۱۴ ۔

۷۳- واقدی، ص۱۳-۱۲ - نیز ملاحظہ ہو کتاب المحبر ص۱۱۱ ، جس کا بیان ہے کہ یکم جمادی الاولیٰ کو روانگی اور ۲۲ جمادی الآخرہ کو واپسی ہوئی - اس میں بنو مدلج اور اس کے ضمری حلیفوں سے معاہدہ ہوا - بغدادی نے اس میں بھی کسی کاروانِ قریش کا حوالہ نہیں دیا ہے ۔

۷۴- ابن سعد، جلد دوم ص۱۰-۹ ۔

۷۵- انساب الاشراف، جلد اول ص۲۸۷ ۔

۷۶- ابن اسحاق ص۶-۲۸۵ ۔

۷۷- ابن ہشام، جلد دوم ص۳۷-۲۳۴ ۔

۷۸- تاریخ یعقوبی، دوم ص۶۶ ۔

۷۹- تاریخ طبری، جلد دوم ص۱۰-۴۰۹ ۔

۸۰- واقدی ص۲۰-۱۹ اور ص۲۸ ۔

۸۱- تاریخ طبری، جلد دوم ص۴۲۱

۸۲- واقدی ص۲۰-۱۹ ، ابن سعد، جلد دوم ص۱۳-۱۲ ۔

۸۳- ابن اسحاق ص۲۸۹ - ابن ہشام، جلد دوم ص۲۴۴ - موخر الذکر نے اول الذکر کی روایت کو یوں شروع کیا ہے :
"لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بأبی سفیان مُقبِلاً من الشام ندب المسلمین الیھم..."

۸۴- واقدی ص۲۸ ۔

۸۵۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی اور سعید بن زید عدوی کو کاروانِ قریش کی خبر لانے بھیجا تھا۔ واقدی ص۱۹ اور ابن سعد جلد دوم ص۱۱ کے مطابق ۱۲ رمضان ۲ھ بروز ہفتہ بدر کے لئے روانہ ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں جاسوسوں کو دس دن پہلے یعنی ۲ رمضان کو بھیجا تھا۔ ان دونوں نے قبیلۂ جہینہ کے ایک سردار کے گھر قیام کیا تھا اور چھپ کر معلومات فراہم کی تھیں۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ جہنی سردار نے کارواں والوں کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ملاحظہ ہو: واقدی ص۱۹-۲۰، ابن سعد، جلد دوم ص۱۱-۱۲، طبری جلد دوم ص۴۷۵، اسد الغابہ جلد دوم ص۳۰۶ اور سوم ص۵۹ ۔ ابن ہشام اور محمد بن حبیب بغدادی کا خیال ہے کہ آپ بدر کے لئے ۸ رمضان کو روانہ ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۲۸۷ اور کتاب المحبر ص۱۱۱ ۔ اول الذکر کے مطابق دن دوشنبہ تھا اور موخر الذکر کے مطابق بدھ

۸۵۔ ماخذ نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات فراہم کی ہیں وہ فوجی حکمت عملی کے اعتبار سے بہت اہم ہیں اور ان سے فریقین کی دور اندیشی، منصوبہ بندی اور دقتِ نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ بدر کے قریب پہونچنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک ساتھی کے ساتھ قریش کی خبر لانے کے لئے روانہ ہوئے اور راہ میں ایک بوڑھے بدو سے دریافت حال کیا۔ اس نے فریقین کی اپنے اپنے مقام سے روانگی کی خبروں کی بنیاد پر ان کے موجودہ جائے قیام کی بالکل صحیح تعیین کی تھی۔ مگر اس سے زیادہ اہم اور دلچسپ آپؐ کے دو جاسوسوں کا واقعہ ہے جن کو آپؐ نے بدر جا کر خبر لانے کو کہا تھا۔ یہ دونوں جاسوس حضرات بسبسؓ اور عدیؓ (جو دونوں قبیلہ جہینہ کے تھے) بدر پہونچے اور وہاں دو بدوی باندیوں کی کاروان قریش کے بدر پہونچنے کی تاریخ کے بارے میں گفتگو سن کر اس نتیجے پر پہونچے کہ اسی دن یا دوسرے دن کاروانِ قریش وہاں پہونچنے والا ہے۔ ان دونوں نے یہ خبر واپس آکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ اس کے کچھ دیر بعد ابو سفیان بن حرب، کاروان قریش کے سربراہ، اسی جگہ پہونچے اور وہاں کے کنوئیں پر موجود مجدی بن عمرو جہنی سے پوچھا کہ کیا اس نے کوئی غیر معمولی بات دیکھی ہے۔ ابو سفیان اپنے کارواں سے آگے نکل آئے تھے تاکہ مدینہ کے مسلمانوں کے بارے میں سنی ہوئی خبروں کی تصدیق کر سکیں اور مجدی بن عمرو جہنی اس وقت بھی کنوئیں پر موجود تھے جب دونوں مسلمان جاسوسوں نے وہاں سے پانی لیا تھا۔ بہر حال جیسے ہی جہنی سردار نے ابو سفیان کو بتایا کہ صرف دو سوار آئے تھے اور انہوں نے مشک میں پانی بھرا تھا ابو سفیان کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً اس جگہ پہونچا جہاں دونوں جاسوس رکے تھے۔ وہاں آکر انہوں نے ان کے اونٹوں کے فضلہ کو چیر کر دیکھا اور اس میں مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں پائیں اور سمجھ گئے کہ دشمن جاسوس تھے۔ وہ فوراً اپنے کارواں کی طرف واپس ہوئے اور اس کا راستہ بدل دیا۔ معمول کی شاہراہ سے ہٹ کر انہوں نے ساحلی پٹی کا رخ کیا اور بدر سے بائیں طرف کترا کر نکل کر برق رفتاری سے نکل گئے۔ ملاحظہ کیجیے: ابن اسحاق ص۲۹۴-۲۹۵، واقدی ص۲۲، ابن سعد، جلد دوم ص۱۲، طبری جلد دوم ص۴۳۳ اور ص۴۳۷، ابن خلدون تاریخ جلد اول ص۴۹۷، اسد الغابہ جلد اول ص۱۷۸-۹

۸۷۔ ایضاً۔

۸۸۔ کتاب المحبر، ص۱۱۱، نے روانگی اور واپسی دونوں کی قطعی تاریخیں دی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں تقریباً

ایک ماہ اکیس دن لگے تھے۔ یہ بالواسطہ ابن اسحاق کی تائید کرتی ہے۔

۸۹- ابن اسحاق ص۲۸۹، طبری، تاریخ جلد دوم ص۴۲۱، نیز بحوالہ ابن اسحاق ص۴۲۷۔

۹۰- واقدی ص۲۸۔

۹۱- واٹ، محمدؐ مدینہ میں (انگریزی) ص۲۔ مستشرق موصوف نے ایک دلچسپ تحقیق کاروان قریش کے بارے میں یہ فرمائی ہے کہ غالباً متعدد کاروانوں نے جن میں سے بعض اپنے شمالی سفر کے دوران مسلمانوں کی توجہات کا مرکز بن چکے تھے عظیم تر تحفظ و حفاظت کی خاطر مل کر ایک کارواں بنا لیا تھا۔ (ص۱) موصوف نے یہ نتیجہ ایسا لگتا ہے کہ واقدی کی ایک روایت سے اخذ کیا ہے۔ مغازی نگار کا کہنا ہے کہ اس عظیم کاروان قریش میں قریش کے متعدد خاندانوں کے کاروان شامل تھے (واقدی ص۲۸) اس کی تصدیق دوسرے ماخذ سے ہوتی ہے جو مختلف خاندان ہائے قریش کی شمولیت اور ان کے سرمایہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے دو اہم نکتے ابھرتے ہیں اول یہ کہ قریش مکّہ کے مختلف خاندان اپنے اپنے کارواں الگ بھیجتے تھے۔ اور یہ طرز عمل بنیادی طور پر اقتصادی روایت کی وجہ سے تھا جو ایک تاجرانہ معیشت کا لازمی جزو ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ شام کو جانے والا یہ عظیم قریشی قومی کارواں مخصوص حالات و اسباب کی بنا پر بھیجا گیا تھا اور اس میں متعدد خاندانوں کے کارواں مکہ سے اپنے سفر کے آغاز ہی میں شامل تھے۔ اور انہوں نے شام میں تحفظ کی خاطر یہ اتحاد نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ اتحاد اقتصادی اور اس کے محرکات سیاسی تھے جن کا ذکر کہیں اور آتا ہے۔ اس لیے مستشرق موصوف کا یہ خیال کہ قریشی کاروانوں نے یہ اتحاد شام میں مسلمانوں کے خطرے کے پیش نظر اور ان کے بارے میں اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں کیا تھا گمراہ کن ہے۔

۹۲- نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان مشرقی مقامی راہ تجارت پر واقع تھا۔ وہ بنو سُلیم کے علاقے کا ایک مذہبی مرکز تھا جہاں واقدی کے بقول عُزّیٰ کا بت اور مندر تھا اور جس کی تولیت بنو سُلیم کے خاندان بنو شیبان کے ہاتھوں میں تھی۔ نیز ملاحظہ ہو: یاقوت، معجم البلدان جلد پنجم ص۲۷۷۔

۹۳- بحران فرع کے نواح میں تھا اور فرع کا مدینہ سے فاصلہ آٹھ بُرد تھا یعنی تقریباً اسی میل۔ ملاحظہ ہو: معجم البلدان، جلد اول ص۳۴۱۔

۹۴- ابن اسحاق ص۲۸۹ اور ص۴۳۸، ابن ہشام، جلد دوم ص۲۳۷-۲۳۴۔ نیز ملاحظہ ہو، کتاب المحبر، ص ۱۷ - ۱۱۶ جس کے مطابق یہ مہم رجب کے آخری عشرہ میں روانہ اور یکم شعبان کو واپس مدینہ ہوئی تھی۔

۹۵- یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر کا باغ (بستان) وادی نخلہ کے زیریں علاقہ میں تھا اور شہر نخلہ سے اس کا فاصلہ ایک رات کے سفر کا تھا جبکہ نخلہ اور مکہ کے درمیان دو راتوں کی مسافت تھی۔ گویا یہ باغ طائف اور مکہ کے بالکل بیچ میں اور اس لیے کاروانوں کے قیام کا بالکل یقینی مقام تھا۔ معجم البلدان، اول ص۴۱۴ اور پنجم ص۲۷۷۔

۹۶- واقدی کے مرتب نے "رُکَیۃ" کے معنی بئر (کنوئیں) کے دیئے ہیں۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام کنواں نہ تھا بلکہ ایک مخصوص مقام کا نام تھا جہاں کنواں بھی تھا جیسے بئر ابن ضمیرہ، بئر معونہ، بئر ابن المرتفع اور بئر ابی عنبہ وغیرہ تھے۔ ملاحظہ ہو صفحات ۱۳، ۲۶، ۱۶۳، ۲۴۰، ۲۴۰ وغیرہ۔

۹۷۔ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ امیر سریہ نے خمس محفوظ رکھا تھا اور باقی مالِ غنیمت مجاہدینِ نخلہ میں تقسیم کر دیا تھا جبکہ اس روایت کے مطابق پورا کا پورا مال معطل رکھا گیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بعد مجاہدین نے بھی اپنا حصہ موقوف کر دیا ہو اور کل مالِ غنیمت کی تقسیم بعد میں ہوئی ہو جیسا کہ دوسرے ماخذ سے معلوم ہوتا ہے۔

۹۸۔ عروہ کی اس روایت کی دوسری تمام روایات سے تردید ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مقتول نخلہ کی دیت نہیں ادا کی تھی۔ اس سلسلہ میں ماخذ کی وہ متفقہ روایت بہت دلچسپ ہے جس کے مطابق عتبہ بن ربیعہ نے جو عمرو بن حضرمی کے حلیف تھے صلح جویانِ قریش کے مشورے پر اپنے مقتول حلیف کی دیت ادا کر کے مسلمانوں سے بدر میں تصادم ٹالنا چاہا تھا مگر ابو جہل مخزومی کے بھڑکانے پر مقتول ابن حضرمی کے بھائی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے اور قصاص کے علاوہ اور کچھ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں جنگِ بدر ہو کر رہی تھی۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق ص ۹۸ - ۲۹۷، واقدی ص ۶۵، ۶۳۔

۹۹۔ واقدی ص ۱۹ - ۱۳۔

۱۰۰۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۱۱ - ۱۰۔

۱۰۱۔ انساب الاشراف، جلد اول ص ۷۲ - ۳۷۱۔

۱۰۲۔ تاریخ یعقوبی، جلد دوم۔ ص ۷۰ - ۶۹۔

۱۰۳۔ تاریخ طبری جلد دوم ص ۱۵ - ۴۱۰۔ سدی کی روایت کی تائید احادیث و آثار سے ہوتی ہے۔

۱۰۴۔ وادی ملل، مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع شاہراہ پر مدینہ سے ۲۸ میل کی مسافت پر واقع تھی۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان، پنجم ص ۱۹۴۔ گویا مسلم جیش نے دو دن کا سفر روزانہ ۱۴ میل کے حساب سے کیا تھا۔

۱۰۵۔ مذکورہ بالا ص ۲۳۔

۱۰۶۔ مذکورہ بالا ص ۶۸۔

۱۰۷۔ مذکورہ بالا ص ۹ - ۵۔

۱۰۸۔ مذکورہ بالا ص ۷۔

۱۰۹۔ مذکورہ بالا ص ۷۔

۱۱۰۔ ابن منظور، لسان العرب، لفظ متعلق۔ لوئس معلوف نے المنجد (موضوع) میں اس کے معنی یوں بیان کئے ہیں: ارتصدہ و ترصدہ: ترقبہ الف۔ اشٹینگاس (F. Steingass) نے A Comprehensive Arabic English Dictionary میں حسبِ ذیل معانی بیان کئے ہیں: (۱) Observing steadly (۲) expleting (۳) waiting for (۴) expletation (۵) hope

۱۱۱۔ لوئس معلوف اور اشٹینگاس وغیرہ کی لغات ملاحظہ کیجئے۔

۱۱۲۔ مذکورہ بالا ص ۵۔

۱۱۳۔ مذکورہ بالا ص ۶۔

۱۱۴۔ واٹ نے یہ نتیجہ طبری میں مذکورہ سدی کی روایت سے نکالا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۱۱۵۔ واٹ اس نکتہ کی طرف اشارہ کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں واضح نہیں ہے۔ اگر مقصد یہ دکھانا ہے کہ عتبہ بن غزوان مازنی نے اپنے وطن مالوف یا جائے پیدائش میں وقت گزاری کی تھی اور بنو سلیم سے اپنے دیرینہ تعلقات سے فائدہ اٹھایا تھا تو یہ

حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بنو سُلیم کے قریش سے خاص کر بنو عبد شمس (یعنی بنو امیہ) اور بنو ہاشم سے بہت پرانے اور قریبی تعلقات تھے۔ یہ تعلقات تجارتی، اقتصادی اور ازدواجی تھے۔ ان کا اعتراف خود واٹ نے (ص ۹۵-۹۴) کیا ہے۔ اس ذیل میں یہ حقیقت زیادہ اہم ہے کہ ایک مسلم مہاجر سے تعلقات کے مقابلہ میں بہرحال قریش کے تعلقات اہم تھے اور یہ پورا علاقہ دراصل مکہ کے دائرۂ اثر و اقتدار میں تھا۔

۱۱۶- واٹ، مذکورہ بالا، ص ۷-۶۔

۱۱۷۔ ابن اسحاق ص ۲۸۷۔

۱۱۸- دو دن کے سفر کے بعد کا مقام، بئر ابن ضمیرہ یا بطن ملل جس جگہ نامہ نبوی پڑھا گیا تھا اور بحران کا مقام جہاں یہ دونوں صحابی قافلے سے بچھڑے تھے پانچ چھ دن کی مسافت پر واقع تھے۔ ایک دلچسپ حقیقت اس سلسلے میں یہ ہے کہ تقریباً ایک سال بعد (جمادی الاولیٰ ۳ھ / اکتوبر- نومبر ۶۲۴ء میں) رسول کریمؐ کی سربراہی میں ایک مسلم مہم جو تین سو مجاہدین پر مشتمل تھی اسی علاقے میں آئی تھی۔ مآخذ اور ان کی بنیاد پر جدید مورخین کا دعویٰ ہے کہ یہ فوجی نوعیت کی مہم تھی اور بنو سُلیم کے بعض سرکش اور مسلم مخالف خاندانوں کے باغیانہ و مدینہ دشمن ارادوں و عزائم کو کچلنے کے لئے گئی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ابن اسحاق اور طبری کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے میں تقریباً دو ماہ تک اور واقدی اور ان کے متبعین کے مطابق دس دن قیام کیا تھا۔ یہ قیام جنگ جوئی کے لیے نہ تھا جیسا کہ مآخذ نے تصریح کی ہے کہ اس غزوہ میں کوئی جنگ و جدال نہیں واقع ہوا تھا۔ یہ طویل مدت قیام کس مقصد سے تھی یہ ظاہر ہے۔ ملاحظہ ہو: ابن اسحاق ص ۳۶۲۔ واقدی ص ۷-۱۹۶: ابن سعد جلد دوم ص ۳۶-۳۵۔ انساب الاشراف، جلد اول ص ۳۱۱۔ طبری جلد دوم ص ۴۸۷۔

۱۱۹- ابن کثیر، تفسیر، مطبع عیسٰی البابی الحلبی، قاہرہ، (غیر مورخہ)، اول ص ۲۵۲۔

۱۲۰- طبری، التفسیر، مرتبہ محمود محمد شاکر اور احمد محمد شاکر، قاہرہ، چہارم ص ۷-۳۰۶۔

۱۲۱- ابتدائی مہموں میں سے سریہ رابغ اور سریہ خرار اور سریہ نخلہ میں ان کی شمولیت کا ذکر صراحتاً ملتا ہے اور چار ابتدائی غزوات میں بھی ان کی شمولیت تقریباً یقینی معلوم ہوتی ہے کیونکہ مآخذ کا اصرار ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مشاہد (مہموں) میں شریک رہے تھے۔ بعد کے تمام اہم غزوات میں بدر سے تبوک تک۔ ان کی شمولیت کا ذکر بوضاحت ملتا ہے۔ مآخذ کے اصرار اور ان واقعاتی شہادتوں کے بعد یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تقریباً تمام اہم غزوات و سرایا میں شامل رہے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، جلد سوم ص ۱۴۱-۱۴۰۔ اسد الغابہ، جلد دوم ص ۱-۱۹۰۔

۱۲۲- ابن سعد، جلد سوم ص ۱۴۱، اسد الغابہ جلد دوم ص ۲۹۔ نیز ملاحظہ کیجیے ابن اسحاق ص ۲۷۷، ص ۳۸۱ وغیرہ۔

۱۲۳- ابن اسحاق ص ۳۸۱، ابن ہشام، جلد سوم ص ۳۰۔ واقدی ص ۲۴۱-۲۴۰۔ ابن سعد جلد سوم ص ۱۴۱-۱۴۰۔ ان مستند مورخین کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں جن صحابہ کرام نے غزوۂ احد میں بے مثال قربانی و جاں نثاری کا ثبوت دیا تھا ان میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص زہری سرفہرست تھے۔ ابن اسحاق نے محمد بن عمرو کی سند پر روایت میں کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ

کو تیر دے کر کہتے رہتے تھے ارم سعد، فداك ابی وامی ——— سعد تیر چلاتے رہو تم پر میرے ماں باپ قربان)۔ (ابن سعد نے بھی ایک روایت غزوہ احد میں ان کی ماہرانہ تیر اندازی کے بارے میں دی ہے ۔ اور ایک ایک روایت سریہ خرار اور غزوۂ بدر میں ان کی شجاعت کے بارے میں دی ہے۔ جبکہ چار روایتیں سریہ عبیدہ میں ان کی اسلام کے لیے پہلی تیر اندازی کی فضیلت میں بیان ہوئی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے حوالہ جات مذکورہ بالا۔

۱۲۴۔ ملاحظہ کیجیے: ابن سعد، جلد سوم، ص۱۴۱-۲، اسد الغابہ، جلد دوم ص۲۹۲ وغیرہ۔ اصابہ، جلد سوم ص۸۴، استیعاب جلد دوم ص۶۰۷ وغیرہ۔ ابن قتیبہ، المعارف، ص۵۷۵ کا بیان ہے کہ حضرت سعد تیر و کمان سازی کی صنعت میں عہد جاہلیت سے امتیاز رکھتے تھے اور یہ فن جنگ کے علاوہ بیر و شکار کے لیے بھی اہم تھا چنانچہ ان کو اس سے بہت دولت ملی تھی۔

۱۲۵۔ غزوۂ احد میں ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں کے نام جن میں حضرت سعد سرِ فہرست ہیں حضرت مقدادؓ کی روایت پر مروی ہیں اسی طرح میدان جنگ میں دادِ شجاعت دینے کی روایت بہت سے راویوں سے بیان ہوئی ہے جس کے لئے واقدی نے قالوا کا لفظ استعمال کیا ہے واقدی ص۲۴۰-۲۴۱۔ اسی طرح جہاں حضرت سعد کے اسلام میں پہلے تیر چلانے والے واقعہ کے بارے میں کچھ روایتیں خود حضرت سعد سے مروی ہیں وہیں تین روایتیں حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن، عبداللہ اور داؤد بن حصین سے مروی ہیں۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، جلد سوم ص۱۴۰-۱۴۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے کہا تھا کہ "تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان"۔ اس حدیث کو حضرت علیؓ اور قیس بن ابی حازم نے بھی بیان کیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ان کی فضیلت میں تمام یا اکثر روایات خود حضرت سعد یا ان کے اہلِ خاندان سے مروی ہیں صحیح نہیں ہے۔

۱۲۶۔ ابن اسحاق ص۳۴۷، ابن ہشام جلد دوم ص۲۳۵۔

۱۲۷۔ واٹ، مذکورہ بالا ص۶

۱۲۸۔ مذکورہ بالا ص۷۔

۱۲۹۔ مذکورہ بالا ص۸-۷

۱۳۰۔ مضمون ہذا کا ص۲۸۔

۱۳۱۔ ایضاً ص۲۹

۱۳۲۔ ایضاً ص۳۲۔

۱۳۳۔ ایضاً ص۳۳

۱۳۴۔ ایضاً ص۳۵۔

۱۳۵۔ تفسیر طبری، جلد چہارم ص۳۰۳-۴۔

۱۳۶۔ اس ذیل میں مجاہد کی روایت، مقسم مولیٰ بن عباس کی روایت۔ محمد بن عباس کے واسطے سے ابن عباس کی ایک اور روایت، ابو مالک غفاری کی روایت بیان کی جا سکتی ہیں۔ ملاحظہ ہو مذکورہ بالا ص۳۰۷-۱۲۔

۱۳۷۔ مثلاً زہری کی سند پر عروہ کی روایت، مجاہد کی روایت وغیرہ، مذکورہ بالا ص۳۰۲۔ اور ص۳۰۷۔

۱۳۸۔ تفسیر ابن کثیر، اول ص۵۵-۲۵۲۔

۱۳۹۔ موسیٰ بن عقبہ کی ثقاہت کے لیے ملاحظہ کیجیے: ابن اسحاق کے انگریزی مترجم کا مقدمہ بر سیرت ابن اسحاق، ص XX-XXI، نثار احمد فاروقی، سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین ص۱۰۴-۵: Early Muslim Historiography ص۲۶۱-۷۔

۱۴۰۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، جلد اول ص۵۵-۲۵۲

۱۴۱۔ ابن اسحاق ص۲۸۶ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر اولیٰ سے اپنی واپسی پہ سریہ نخلہ بھیجا تھا۔ اور ایک سطر پہلے مورخ نے بیان کیا ہے کہ بدر اولیٰ سے آپ جمادی الآخرہ میں واپس مدینہ آئے اور باقی جمادی، رجب، شعبان کے مہینے آپ نے مدینہ میں گذارے۔ بدر اولیٰ سے واپسی پہ رجب میں مہم کا بھیجا جانا کچھ عجیب سا لگتا ہے جب کہ واپسی کا مہینہ جمادی تھا۔ پھر تفسیر طبری میں جب یہ روایت نقل ہوتی ہے تو اس میں مہینہ جمادی ہی مذکور رہے۔ ان شہادتوں کی بنا پہ یہ یقین ہوتا ہے کہ مہم نخلہ کی روانگی کا مہینہ جمادی تھا۔ اور بغدادی نے قطعیت کے ساتھ جو آخری عشرے کی بات کہی ہے اس میں بھی ماہ کا اشتباہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۴۲۔ مذکورہ بالا ص۹-۸۔

۱۴۳۔ ایضاً ص۸۔

۱۴۴۔ مدنی انصاری مسلمانوں کی بُت شکنی کے واقعات کے لیے ملاحظہ کیجئے ابن اسحاق ص۲۰۷، ص۸-۲۲۷ وغیرہ۔

۱۴۵۔ اسلام سے پہلے اوس و خزرج کے باہمی نزاع اور جنگ جوئی کے لئے ملاحظہ ہو محمد احمد جاد المولیٰ بک، علی محمد البجادی اور محمد ابوالفضل ابراہیم کی مرتب کردہ کتاب ایام العرب فی الجاھلیۃ، مصر ۱۹۴۲ء باب ششم (حروب الاوس والخزرج) ص۴۴-۶۲۔ مرتبین نے صرف چار بڑی جنگوں کا ذکر کیا ہے اور آخر میں اپنے تبصرہ میں کہا ہے کہ مدینہ کے ان دونوں قبیلوں کے درمیان بہت سی جنگیں (حروب کثیرۃ) برپا ہوئی تھیں جن میں سے ہم نے چند پہ اکتفا کی ہے۔

۱۴۶۔ مذکورہ بالا کتاب کا ص۴۳-۴۷ اور خاص کر ص۴۶۔ نیز واٹ، مذکورہ بالا ص۸۶-۸۳ وغیرہ۔

۱۴۷۔ ملاحظہ ہو واٹ، مذکورہ بالا ص۱۱۱-۱۰۷۔

۱۴۸۔ مال غنیمت کے سلسلے میں حکم خداوندی اور قوانین کے لئے ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۳۲۷-۳۲۱ خاص کر صفحہ ۳۲۴۔

۱۴۹۔ فرانسسکو جبرئیلی، مذکورہ بالا، ص۷۰۔

۱۵۰۔ واٹ، مذکورہ بالا ص۱۲ اور ص۲۵۵۔

۱۵۱۔ تفسیر طبری۔ جلد چہارم ص۳۱۵-۲۹۹، خاص کر ص۳۱۱-۳۰۷، تفسیر ابن کثیر، جلد اول ص۵۵-۲۵۲، خاص کر ص۵۳-۲۵۲۔ طبری کی بیان کردہ تمام روایات میں صرف ابوجعفر کی روایت میں مسلمانوں کو سوال کرنے والا بتایا گیا ہے۔ باقی تمام روایات میں مشرکین مکہ کو۔ اسی طرح ابن کثیر کی بیان کردہ تمام روایات میں یسئلونک سے مراد مشرکین مکہ لیے گئے ہیں۔

۱۵۲۔ مذکورہ بالا۔

۱۵۳۔ تفسیر طبری، جلد چہارم ص۳۰۲-۳۰۱ میں تین الفاظ قتال، کبیر اور صد کے مختلف معانی پر بحث دیکھئے۔

۱۵۴۔ تفسیر طبری، جلد چہارم ص۳۰۲ میں حضرت جابر کی سند پہ روایت مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر حرام میں اس وقت تک غزو/جہاد نہیں کرتے تھے جب تک کہ آپ پر حملہ نہ کر دیا جاتا (یُغزیٰ)

۱۵۵۔ زہری کا خیال ہے کہ پہلے شہر حرام میں قتال ناجائز تھا لیکن اس آیت کے نزول کے بعد جائز کر دیا گیا۔ لیکن دوسرے علماء کا خیال ہے کہ اس آیت سے شہر حرام میں قتال کسی کے لئے جائز ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قتال کو ایک بڑا معاملہ بتایا ہے اور اس نقطۂ نظر کے حامی علماء میں عطاء شامل ہیں جبکہ ابو جعفر کا خیال زہری سے متفق ہے۔ خود مفسر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت ناسخ ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن (حنین) طائف اور اوطاس کے غزوات لڑے تھے اور ان میں سے بعض کا زمانہ شہر حرام میں تھا۔ اسی طرح بیعت رضوان ماہ ذوالقعدہ میں کی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو طبری، تفسیر، جلد چہارم ص ۳۱۳-۳۱۵۔

لیکن بنیادی طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ "اشہر حرم" میں جنگ و جدال ناجائز ہے اور مقدس مہینوں کی حرمت بدستور قائم ہے اور آیت مذکورہ بالا ان میں قتال کی حرمت کو ختم یا منسوخ نہیں کرتی ہے۔ اپنی طرف سے اقدام کرنا ہر حال میں ناجائز ہے البتہ اس آیت کریمہ نے دفاعی جنگ کرنے کی اجازت دے دی ہے جس طرح کہ ایک اور حکم خداوندی نے "حرم مکہ" میں دفاع کے لئے قتال کی اجازت دی ہے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۱۔

چنانچہ اس سے یہ فرق ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ بالا کے نزول کے بعد جو غزوات وسرایا مقدس مہینوں میں بھیجے وہ اقدامی نہ تھے بلکہ دفاعی تھے جن کا مقصد فتنہ کا سر کچلنا تھا۔

۱۵۶۔ غزوات وسرایا جو مقدس مہینوں میں سے کسی میں بھیجے گئے تھے حسب ذیل نقشے سے معلوم ہوتے ہیں:۔

نمبر شمار	نام سریہ/غزوہ	مہینہ و سال	قائد
۱	سریہ خرارہ	ذی قعدہ ۱ھ	حضرت سعد بن ابی وقاص
۲	سریہ نخلہ	رجب ۲ھ	حضرت عبداللہ بن جحش
۳	غزوہ سویق	محرم/صفر ۲ھ	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
۴	غزوہ کُدر	محرم ۳ھ	"
۵	سریہ قطن	محرم ۴ھ	حضرت ابو سلمہ
۶	سریہ سفیان لحیانی	"	حضرت عبداللہ بن اُنیس
۷	غزوہ بدر الموعد	ذوالقعدہ ۴ھ	رسول کریم ؐ
۸	غزوہ ابو رافع یہودی	ذوالحجہ ۴ھ	حضرت عبداللہ بن اُنیس
۹	غزوہ ذات الرقاع	محرم ۵ھ	رسول کریمؐ
۱۰	غزوۂ خندق	ذوالقعدہ ۵ھ	"
۱۱	غزوۂ بنی قریظہ	ذوالقعدہ/ذوالحجہ ۵ھ	"
۱۲	غزوہ قرطاء	محرم ۶ھ	"

نمبر شمار	نام سریہ / غزوہ	مہینہ و سال	قائد
۱۳-	سریہ وادی القریٰ	رجب ۶ھ	حضرت زید بن حارثہؓ
۱۴-	غزوۂ حدیبیہ	ذوالقعدہ ۶ھ	رسول کریمؐ
۱۵-	غزوہ خیبر	محرم ۷ھ	"
۱۶-	سریۂ نجد	"	حضرت ابان بن سعیدؓ
۱۷-	عمرۃ القضیہ	ذوالقعدہ ۷ھ	رسول کریمؐ
۱۸-	سریہ بنی سُلیم	ذوالحجہ ۷ھ	حضرت ابن ابی العوجار سُلمیؓ
۱۹-	سریہ خبط / سیف البحر	رجب ۸ھ	حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ
۲۰-	غزوۂ طائف	شوال۔ ذوالقعدہ ۸ھ	رسول کریمؐ
۲۱-	سریہ العرج	محرم ۹ھ	حضرت عیینہ بن حصن فزاری
۲۲-	غزوۂ تبوک	رجب۔ رمضان ۹ھ	رسول کریمؐ
۲۳-	سریہ دومۃ الجندل	رجب ۹ھ	حضرت خالد بن ولیدؓ
۲۴-	حج ابی بکر	ذوالقعدہ / ذی الحجہ ۹ھ	حضرت ابوبکر صدیقؓ
۲۵-	حجۃ الوداع	ذوالحجہ ۱۰ھ	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مذکورہ بالا مہموں میں سے تین یقینی طور پر مذہبی مقاصد رکھتی تھیں۔ باقی بائیس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فوجی نوعیت کی تھیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر سیاسی تھیں۔

۱۵۷- مذکورہ بالا ص ۹-۸۔

۱۵۸- سورہ توبہ آیت ۳۶ "ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوات والارض منھا اربعۃ حرم ......" مذکورہ بالا آیت کا اُردو ترجمہ از شاہ عبدالقادر دہلویؒ۔

۱۵۹- تفسیر طبری، مرتبہ محمود محمد شاکر، مصر ۱۹۵۸ء، ص ۱۵-۲۴۳-۲۴۴، نے چھ احادیث اور اتنے ہی آثار کا ذکر کیا ہے جس کے مطابق مذکورہ بالا چار مہینے ایام جاہلیت سے حرام چلے آرہے تھے اور اسلام میں بھی برقرار رہے۔ حضرت ابن عمر وغیرہ متعدد صحابہ کرام کی سند پر مروی روایات کے مطابق ان مہینوں کی حرمت کا واضح ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے آخری خطبہ میں منیٰ میں کیا تھا۔ اس روایت کی تصدیق کتب سیر و تاریخ سے بخوبی ہوتی ہے ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص ۶۵۱۔ خاص کر مترجم گلیوم کا حاشیہ ۲ جس میں انہوں نے ایک مستشرق کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ رجب مضر کو مضر اس لیے کہا جاتا تھا کہ مضر تو اس ماہ کو محترم و حرام سمجھتے تھے جبکہ دوسرے عرب اس کی حلت کے قائل تھے۔ مترجم کا خیال ہے کہ برونل (BRONNLE) کے ایڈیشن میں ص ۴۹۴ پر لفظ کو تحرم پڑھا گیا ہے جبکہ وہ اصلاً تحرم ہے۔ اگر یہ دلیل مان لی جائے تو واٹ اور دوسرے مستشرق مورخین کے

ماہ رجب میں مسلمانان مدینہ کے حملہ پر اعتراض غلط ثابت ہوتا ہے اور اس سے خود ان کی اپنی دلیلوں کی کمزوری نمایاں ہوتی ہے۔

۱۶۰ - مثلاً سورہ بقرہ آیات ۱۹۴-۱۹۰ ، سورہ بقرہ آیات ۲۱۷ اور ۲۲۴ ، سورہ مائدہ آیت ۲ اور ۹۸-۹۷ - ملاحظہ کیجئے تفسیر طبری، اول ۵۶۹-۵۶۲ ، تفسیر ابن کثیر، جلد اول ۲۲۸ وغیرہ -

۱۶۱ - یہ خیال ایم پلیسنر (M. Plessner) نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اپنے دو مضامین جو بالترتیب محرم اور رجب کے مقدس مہینوں کے بارے میں ہیں ظاہر کیا ہے ملاحظہ ہو EI یعنی طبع اول - مونٹگمری واٹ نے اس خیال سے اتفاق کیا ہے - ملاحظہ ہو مذکورہ بالا ص۸ - نیز اے ڈی ایچ (A. Dh) نے بھی یہی خیال پیش کیا ہے - ملاحظہ ہو ابن اسحاق کا بونل ایڈیشن ص۴۴۹ اور ابن اسحاق انگریزی ترجمہ ص۶۵۱ ، حاشیہ ۲ -

۱۶۲ - قرآن مجید کی آیت کریمہ (سورہ توبہ ۳۷) میں "نسی" کا ذکر ہے تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے تفسیر طبری جلد ۱۴ ص۲۴۲-۲۳۴ - طبری نے پہلے نسی کی لغوی تحقیق کی ہے اور اس کی مختلف قرأت بیان کی ہیں پھر آیت قرآنی کے ایک حصہ کہ " وہ اس کو ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام رکھتے ہیں " کے معنی بیان کئے ہیں - اہل تاویل و تفسیر کے نزدیک اس کی جو تشریح و تعبیر تھی وہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ محرم کو صفر بنا کر حلال کر لیتے تھے اور اس میں حملے کرتے ، مال لوٹتے اور غارت گری کرتے تھے اور پھر دوسرے سال محرم کو حرام قرار دیتے تھے - مہینوں کی ترتیب میں وہ ایک برس محرم کو خارج کر دیتے تھے اس طرح حج ماہ ذوالقعدہ میں پڑتا تھا - طبری کا خیال ہے کہ حضرت ابو بکر نے ۹ھ میں اپنی امارت میں جو حج کیا تھا وہ ذوالقعدہ میں ہوا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ کے اپنے آخری حج میں اسلامی تقویم کی قدیم ترتیب بحال کر دی تھی اور حج اپنے زمانے یعنی ماہ ذوالحجہ میں انجام دیا گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض بلا ریب زمانہ - وقت - اپنی اسی حالت پر لوٹ آیا ہے جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا) طبری نے متعدد احادیث و آثار بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "نسی" عام طور سے ہوازن، غطفان، بنو سلیم اور کنانہ کے بعض خاندانوں میں رائج تھی - مآخذ و مصادر اور کتب جدیدہ میں اس موضوع پر بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے :

لیون کیتانی ، مذکورہ بالا ، جلد اول ص۳۵۶ وغیرہ ، بہل ، محمد ص۳۵ وغیرہ ، پلیسنر کا مضمون محرم پر مذکورہ بالا ، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ، طبع اوّل -

محمد حمید اللہ ، عہد نبوی کے میدان جنگ (انگریزی) ص۹ حوالہ ۲ - نیزان کا مضمون ، جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ، اکتوبر ۱۹۶۸ء ، جلد ۱۶ ص۲۱۳-۱۹ ، واٹ ، محمد مدینہ میں ، مذکورہ بالا ، ص۳۰۰-۲۹۹ -

۱۶۳ - لیون کیتانی ، پلیسنر ، مونٹگمری واٹ اور تمام دوسرے مستشرقین کے مطابق جو مقدس مہینوں کے بارے میں اس خیال کے قائل ہیں کہ مختلف علاقے مختلف مہینوں کی حرمت کے قائل تھے یہ عین ممکن تھا کہ مدینہ کے انصار رجب کی حرمت کے قائل نہ رہے ہوں پھر ان کو تقدیس ماہ حرام کی خلاف ورزی کا مطعون یا مورد الزام کیوں بنایا جا سکتا ہے ؟

۱۶۴ - مضمون ہذا کا ص۳ ۱۶۵- ایضاً۔

۱۶۶ - ص۳۳ مذکورہ بالا۔ ۱۶۷- ص۲۹ اور ص۳۳ بالا۔

۱۶۸ - حضرت عبداللہ بن جحش قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اسدی کہلاتے تھے۔ وہ مکہ کے دو عظیم خاندانوں بنو ہاشم اور بنو امیہ سے یکساں قریبی تعلقات بیک وقت رکھتے تھے۔ اول الذکر سے ان کا ننہالی رشتہ تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کے فرزند اور آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور بنو امیہ کے حلیف تھے خاص کر ابوسفیان بن حرب اموی سے اُن کے بہت قریبی حلف کے تعلقات تھے۔ مکہ کے ان دونوں خاندانوں سے یہ تعلقات ان کے والد جحش بن رِئاب اسدی نے قائم کئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابتدائی مسلمان تھے اور دار ارقم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام سے قبل اسلام لائے تھے۔ وہ مہاجرین حبشہ میں شامل تھے اور مکہ والوں کے اسلام کی خبر سن کر لوٹ آئے تھے اور پھر وہاں اپنی ہجرت مدینہ تک مقیم رہے تھے۔ وہ ابتدائی مہاجرین مدینہ میں بھی شامل تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۱۱۶، ص۱۴۶، ص۱۶۸ وغیرہ - ابن سعد سوم، ص۴۶۔

۱۶۹- حضرت ابو حذیفہؓ مکہ کے ایک عظیم ترین سردار عتبہ بن ربیعہ کے فرزند اور خاندان بنو عبد شمس بن عبد مناف کے ایک بڑے رکن تھے۔ یہ خاندان بنو امیہ سے بہت قریب تھا اور حقیقتاً اس کو بھی اموی ہی سمجھا جاتا ہے۔ حضرت ابو حذیفہ اپنی کنیت سے زیادہ معروف ہیں ورنہ ان کا اصل نام ابن ہشام کے مطابق ہشیم تھا۔ وہ بھی ابتدائی مسلمانوں میں سے ہیں۔ ابن اسحاق نے ان کو پہلے چالیس مسلمانوں میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے بھی حبشہ کو ہجرت کی تھی اور پھر مکہ والوں کے اسلام لانے کی خبر سن کر واپس آ گئے تھے اور مکہ میں مقیم رہے تا آنکہ اجازتِ نبوی ملنے کے بعد مدینہ کو ہجرت کی اور پہلے مہاجرین میں شمار ہوئے ملاحظہ کیجئے: ابن اسحاق ص۱۱۷، ص۱۴۷، ص۱۶۸ وغیرہ ابن سعد جلد سوم ص۸۴۔

۱۷۰- بنو مخزوم اور بنو امیہ کے درمیان تعلقات کے لئے ملاحظہ ہو واٹ، محمدؐ مکہ میں ص۸-۵۔

۱۷۱- قریش کی مدینہ سے مخاصمت و دشمنی کے پس منظر اور اس پر بحث کے لئے ملاحظہ کیجیے شبلی نعمانی: سیرت النبی، جلد اول ص۳۰۹-۳۰۵۔

۱۷۲- ملاحظہ کیجئے حوالہ مذکورہ بالا

۱۷۳- مکی سماج کے جس معتدل طبقہ نے جنگ بدر کو براہِ راست یا بالواسطہ روکنے کی کوشش کی تھی اس میں عتبہ بن ربیعہ اموی اور اس کا بھائی شیبہ، عمیر بن وہب جمحی، حکیم بن حزام اسدی وغیرہ شامل تھے جبکہ جنگ بھڑکانے والے بیشتر بنو مخزوم سے تھے خاص کر ابوجہل مخزومی، اسود بن عبدالاسد مخزومی وغیرہ، ملاحظہ ہو..... ابن اسحاق ص۲۹۷-۲۹۹۔ جہاں تک قریش مکہ کے معتدل و نرم رو طبقہ کا تعلق ہے تو اس میں مختلف بطون (خاندانوں/شاخوں) کے لوگ شامل تھے۔ ان میں ہشام بن عمرو، زہیر بن ابوامیہ بن مغیرہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ اموی، شیبہ بن ربیعہ اموی، ابوسفیان بن حرب اموی، سعید بن العاص اموی وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ اسلام کے مخالف ضرور تھے

لیکن مسلمانوں کی بیخ کنی یا مسلح کشمکش کے قائل نہ تھے جیساکہ مکہ میں مسلمانوں کے قریشی مقاطعہ کے مسئلہ یا جنگ بدر کے معاملہ پر ان کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح شدید مخاصمت اور جنگ و جدال کا حامی اور اسلام کی یکسر و مکمل بیخ کنی کا قائل طبقہ بھی قریش کے مختلف طبقات کے افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں ابوجہل مخزومی، امیہ بن خلف جمحی اور اس کا بھائی عمرو، نُبَیہ بن حجاج سہمی اور اس کا بھائی مُنَبِّہ، عاص بن وائل سہمی، عقبہ بن ابی معیط اموی، ابولہب ہاشمی اور سفیان بن حارث ہاشمی وغیرہ کافی ممتاز تھے۔ ملاحظہ کیجئے:۔ ابن اسحاق ص۱۱۹-۱۲۰، ص۱۳۳-۱۳۵، ص۱۴۳-۱۴۵، ص۱۵۹-۱۶۷، ص۱۷۰-۱۷۳ وغیرہ۔

۱۷۴۔ کتاب المحبر، ص۱۱۱۔

۱۷۵۔ مثلاً ابن اسحاق۔ ص۲۸۶۔

۱۷۶۔ ابن ہشام، جلد چہارم ص۶۰۸-۶۱۲، میں ۲۷ غزوات اور ۳۸ سرایا یعنی کل مہموں کی تعداد ۶۵ بتائی گئی ہے۔ واقدی، مذکورہ بالا اول تا آخر نے کل مہموں کی تعداد ۷۴ بیان کی ہے۔ ابن سعد دوم ص۱-۶۶، اور بلاذری، انساب الاشراف جلد اول ص۲۸۷-۴۹۰ نے واقدی کا اتباع مکمل طور سے کیا ہے۔ طبری، دوم ص۴۰۳، نے ابن اسحاق اور واقدی کی پیروی تو کی ہے مگر بعض مہموں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جیسے قتل کعب بن اشرف کے لیے سریہ محمد بن مسلمہ انصاری۔ بعد کے دوسرے سیرت نگاروں نے عام طور سے واقدی یا ابن اسحاق کی متابعت کی ہے۔ جدید مورخین نے اصلاً ان دونوں مآخذ پر انحصار کر کے تمام غزوات و سرایا کی تاریخ وار فہرست تیار کی ہے لیکن انہوں نے اس میں بعض دوسرے مسلمہ مآخذ سے استفادہ کر کے تعداد میں اضافہ کیا ہے۔ لیون کیتانی، مذکورہ بالا، کی تیار کردہ فہرست غزوات و سرایا اب تک مکمل جامع اور صحیح سمجھی جاتی رہی ہے اور اسی پر انحصار کر کے مونٹگمری واٹ محمدؐ مدینہ میں، ص۳۳۹-۳۴۳۔ اپنی تازہ ترین فہرست تیار کی ہے جو غالباً مکمل ترین کہی جا سکتی ہے۔ لیکن محمد بن حبیب بغدادی کے ذکر کردہ غزوات و سرایا میں سے بعض اور خاص طور سے یہ دو ابتدائی مہمیں اس میں کبھی بار نہیں پاسکی ہیں۔ غالباً ان مؤرخین کو اس ماخذ کا علم نہیں تھا۔ بہرحال بغدادی کے مطابق کل مہموں کی تعداد چوراسی تھی جن میں سے ۳۲ غزوات تھے اور ۵۲ سرایا۔ واٹ کے مطابق ان کی تعداد ۸۹ تھی۔ گویا کہ کل تعداد ان دو غزوات کو شمار کر کے ۹۱ ہوگی۔ واٹ اور ان کے پیشرو کیتانی نے بتوں کو توڑنے کی متعدد مہموں کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ اگر ان کی تعداد بھی شمار کر لی جائے تو کل میزان کہیں زیادہ ہوگا۔

۱۷۷۔ مثلاً ابن اسحاق اور واقدی کے یہاں غزوات و سرایا کی تاریخوں میں کافی زمانی اختلاف اور ظاہر ہے کہ اول الذکر کے معاملے میں اگر اختلاف ہوگا تو آپ کے قیام مدینہ کی مدت از خود مختلف ہوگی۔ ملاحظہ ہو جے ایم بی جونس کا مضمون مذکورہ بالا بہ ترتیب و تاریخ غزوات و سرایائے نبوی۔

۱۷۸۔ حوالہ ص۱۹۶ سابق۔

۱۷۹۔ ملاحظہ کیجیے مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ، مرتبہ محمد حمید اللہ قاہرہ ۱۹۴۱ء ص۱۴۵ اور ص۱۹۵ وغیرہ۔

۱۸۰۔ محمد بن حبیب بغدادی کی اب تک معروف و معلوم دونوں کتابوں کتاب المحبر اور کتاب المنمق مرتبہ خورشید احمد فارق، حیدرآباد

دکن ۱۹۴۲ء میں بیانیہ انداز کے بجائے اشاراتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے ۔

۱۸۱- تفصیلات ملاحظہ ہوں خاکسار کی انگریزی کتاب مذکورہ بالا کا باب اول خاص کر ص ۲۳-۵ ۔

۱۸۲- ایضاً ۔ نیز واٹ ، مذکورہ بالا ، ص ۲۲۱-۲۲۷ ۔ برکات احمد ، محمدؐ اور یہود (Muhammad and the Jews) دہلی ۱۹۸۰ء ، ص ۲۰-۲۷ ، ولہاسن (Arab Kingdom and its Fall, (Wellhasan) - لندن ۱۹۷۳ء ص ۱۱-۱۶

۱۸۳- قریش کو یہ بالادستی کئی وجوہ سے حاصل تھی ۔ بنیادی طور سے ان کا مذہبی تشخص کعبہ کی تولیت و پاسداری کے سبب تھا اور حج کے مذہبی فریضہ حجاج کے لیے سقایہ اور رفادہ کے فرائض انجام دینے کے سبب ان کو پورے عرب میں مذہبی افضلیت حاصل تھی اور حج کے موقعہ پر میلوں ٹھیلوں کی وجہ سے ان کی معیشت کو تجارتی استحکام کی بدولت فوقیت حاصل ہو گئی تھی جس کو انہوں نے پڑوسی ممالک (شام ، یمن ، ایران اور حبشہ) سے تجارتی تعلقات قائم کر کے باعث رشک بنا دیا تھا ۔ مذہبی اور اقتصادی تفوق نے ان کو سماجی مرتبہ بھی بخش دیا تھا ۔ اور اسی کے نتیجہ میں انہوں نے مختلف بدوی قبائل سے بزرگانہ تعلقات قائم کیے تھے ۔ اپنے تجارتی اور قبائلی حریفوں سے کامیابی سے نمٹنے کے لئے انھوں نے ایک عظیم فوجی طاقت بھی جمع کر لی تھی ۔
قریش کی بالادستی کے لئے مزید تفصیلات پر ملاحظہ کیجئے : واٹ ، محمدؐ مکہ میں (Muhammad at Mecca) لندن ۱۹۵۳ء ، ص ۲۲-۱ ۔ نیز شبلی نعمانی ، سیرت النبی ، جلد اول ص ۳۰۷ ۔

۱۸۴- ہوازن (قیس عیلان) اور بنو بکر بن عبد مناۃ اور خزاعہ ، قریش مکہ کے روایتی حریف تھے اور ان کے درمیان کئی جنگیں بھی ہوئی تھیں جن میں جنگ فجار کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ ان منازعات کے لیے ملاحظہ ہو : ایام العرب فی الجاہلیۃ ص ۳۲۲-۳۲۷ وغیرہ ۔

۱۸۵- قریش سے مدینہ والوں کو خطرہ کوئی تصوراتی نہ تھا بلکہ حقیقی تھا ۔ شیوخ قریش مہاجرین مکہ کو کسی قیمت پر اپنے چنگل سے نکلنے نہیں دینا چاہتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے ان کو روکنے کی بھرپور کوشش کی تھی ۔ لیکن جب وہ بچ بچا کر مکہ سے نکل کر مدینہ بسنے میں کامیاب ہو گئے تو قریش نے ان کو مدینہ سے نکالنے یا واپس لانے کے جتن کئے بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے کچھ برس قبل مہاجرین حبشہ کو واپس مکہ لانے کی ناکام کوشش کی تھی ۔ محدث ابو داؤد کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد قریش نے مدینہ کے سب سے بااثر سردار عبداللہ بن ابی بن سلول خزرجی کو خط لکھا تھا جس میں مسلمانوں کو قتل کرنے یا جلاوطن کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور بصورت عدم تعمیل جنگ و جارحیت کی دھمکی دی گئی تھی ۔ قریش کی اس جارحانہ پالیسی کے سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مسلسل متفکر و متردد رہے یہاں تک کہ امام نسائی کے مطابق آپؐ اور آپؐ کے ساتھی راتیں جاگ جاگ کر گزارتے تھے ۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؐ اکثر گشت لگایا کرتے تھے ۔ مآخذ کے دوسرے متعدد بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش سے مسلمانان مدینہ کو شدید خطرہ لاحق تھا ۔ ملاحظہ کیجئے : سنن ابی داؤد ، باب خبر النضیر ، سنن نسائی ، باب اجلاء النضیر ، بخاری الجامع الصحیح ، باب الحراد (حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمائش رسولؐ پر رات بھر پہرہ دیا تھا) ۔ سیوطی ، لباب فی اسباب النزول ، تفسیر سورۂ نور آیت ۵۵ ۔

۱۸۶- ابتدائی مہموں کے بارے میں اہم مآخذ کے افتتاحی کلمات مضمون ہذا میں ہر مہم کے آغاز سے صاف معلوم ہوتے ہیں ۔

۱۸۷- ان مقامات کے مدینہ سے فاصلوں کے لیے ملاحظہ کیجئے : خاکسار کی مذکورہ بالا کتاب (انگریزی) صفحہ ۱۶-۱۵

۱۸۸- ابن اسحاق صفحہ ۲۲۱- تمام مآخذ کا اتفاق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر ہجرت میں معمول کا راستہ یعنی شاہراہ تجارت قریش چھوڑ کر ایک دوسرے پیچیدہ راستے سے سفر کیا تھا تاکہ تعاقب اور دشمن کی تاخت سے محفوظ رہ سکیں۔

۱۸۹- صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے مدینہ آنے والے مسلمانوں یا غیر مسلموں کو واپس کرنا ہوگا جبکہ مدینہ سے مکہ بھاگ جانے والوں پر ایسی کوئی پابندی نہ تھی۔ مکی مسلمانوں کے لیے یہ شرط بڑی تکلیف دہ تھی کہ وہ قریش کے آہنی پنجے اور ظلم و ستم سے کسی طور فرار نہ حاصل کر سکتے تھے لیکن حضرت ابو بصیرؓ نے ان غریب و بے کس مسلمانوں کے لیے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ وہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچے تو ان کی واپسی کا مطالبہ کرنے کے لیے ازہر بن عبد عوف زہری اور اخنس بن شریق ثقفی نے ایک عامری کو ایک مولیٰ کے ساتھ بھیجا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بصیر عتبہ بن اسید ثقفی کے احتجاج کے باوجود ان کو واپس مکہ بھیج دیا۔ ذوالحلیفہ میں جب ان لوگوں نے قیام کیا تو حضرت ابو بصیر نے اپنے عامری محافظ کی تلوار کی تیزی کی تعریف کی اور بہانے سے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ایک وار میں عامری کو مار ڈالا۔ مولیٰ بھاگ کر مدینہ پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا پیچھے پیچھے حضرت ابو بصیر بھی بارگاہ نبویؐ میں پہنچے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے اپنا عہد پورا کر دیا اب آپ پر میری واپسی کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ لیکن آپ نے صحابی موصوف کو جنگ کا بھڑکانے والا بتایا۔ غالباً ابو بصیر نے سمجھ لیا کہ آپ ان کو واپس کر کے ہی رہیں گے۔ چنانچہ وہ از خود ذوالمروہ کے ساحلی مقام العیص میں آکر بس گئے۔ ان کی مثال کی تقلید کرتے ہوئے مکہ کے مسلم گرفتاران بلا ایک ایک کر کے ابو بصیر ثقفی سے العیص میں آکر ملتے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد ستر ہو گئی اور انہوں نے قریشی کاروانوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود قریش مکہ نے معاہدۂ حدیبیہ کی اس شرط کی منسوخی کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور مکی مسلمانوں کو بلا خوف و خطر مدینہ آکر رہنا نصیب ہوا تو قریش کو شاہراہ تجارت پر پھر سے بلا روک ٹوک آنے جانے کا موقع ملا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق صفحہ ۵۰۷-۵۰۸۔

۱۹۰- واٹ، مذکورہ بالا صفحہ ۶۲-۶۱

۱۹۱- مختلف مہمات کے دوران مسلم جماعتوں کے اپنے علاقوں میں قیام کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ حوالہ جات سابقہ۔ عام حالات میں ایک دن کے اونٹ کے سفر میں تقریباً پندرہ میل طے کیے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو: محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ کے میدان جنگ (انگریزی) صفحہ ۴۲۔ لیکن سریہ نخلہ میں مسلم جماعت طلیعہ کے سفر اور مدت سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر معمولی حالات میں جبکہ تاخت کرنی ہو یا کسی اور سبب سے جلدی ہو تو اس سے کئی گنا زیادہ سفر کیا جا سکتا ہے۔ وادی نخلہ مدینہ سے ۲۸۰ میل کے فاصلہ پر تھی اور مسلم جماعت نے وہ مسافت صرف دو دنوں میں طے کی تھی۔

۱۹۲- عہد نبویؐ کے جاسوسی نظام کے لیے ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ کے میدان جنگ (انگریزی) صفحہ ۵۸-۶۰۔ فوجی جاسوسی نظام پر تاریخی و واقعاتی بحث کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار کی انگریزی کتاب، باب سوم، بحث "عیون" اور "طلیعہ"۔

۱۹۳ - واٹ، محمد مدینہ میں (انگریزی) صلا

۱۹۴ - ملاحظہ ہو مضمون ہذا کا صفحہ ۲۶ اور حواشی ۸۶ اور ۸۷ -

۱۹۵ - یہ غزوہ قردہ تھا۔ قریش مکہ نے ایک بڑا کارواں شام کے لیے روانہ کیا۔ اس میں زیادہ تر سامانِ تجارت چاندی پر مشتمل تھا۔ ابن اسحاق کے بقول اس کارواں کی کمان اور کسی کے ہاتھ میں نہیں خود ابوسفیان بن حرب کے ہاتھ میں تھی اور اس کا رہنما و رہبر فرات بن حیان عجلی جیسا ماہر شخص تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت زید بن حارثہ نے اس پر قردہ نامی چشمہ پر چھاپہ مارا۔ لوگ تو بچ نکلے مگر سارا سامانِ تجارت مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق صفحہ ۳۶۴، ابن ہشام دوم صفحہ ۲۰۹ - واقدی صفحہ ۱۹۷-۱۹۸ - ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۶ - طبری جلد دوم صفحہ ۴۹۲-۴۹۳ - نیز ملاحظہ ہو: واٹ، محمد مدینہ میں، صفحہ ۱۰ - ابن اسحاق وغیرہ کے علاوہ دوسرے مآخذ میں کارواں قریش کی امارت صفوان بن امیہ جمحی کے ہاتھ میں تھی۔ واٹ کا اس سے نتیجہ نکالنا کہ مکہ میں ابوسفیان کا ایک مخالف فریق ابھر رہا تھا صحیح نہیں ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قریشی کارواں مختلف سردارانِ قریش کی قیادت میں شام جاتے رہے تھے۔ اور عموماً یہ کارواں قریش کے انفرادی خاندانوں کے ہوتے تھے۔ عام طور سے پورے قبیلہ کا ایک قافلہ نہیں جاتا تھا۔ صرف بدر سے پہلے جانے والا کارواں قومی یا قبائلی سطح کا تھا جس کے خاص اسباب تھے۔

۱۹۶ - حضرت زید بن حارثہ کا یہ سریہ العیص گیا تھا۔ ایک مکی کارواں ابوالعاص بن ربیع، داماد رسول کریم کی زیر قیادت شام سے مکہ واپس ہو رہا تھا۔ اس میں حضرت ابوالعاص کی اپنی تجارت کے علاوہ بعض دوسرے قریشی تاجروں کی دولت بھی لگی تھی۔ بہر حال العیص میں اس پر حضرت زید نے چھاپہ مارا اور اس بار کارواں کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کو بھی پکڑ لیا اگرچہ امیر کارواں بچ نکلے تھے۔ لیکن وہ بعد میں خود مدینہ آ گئے تھے اور اپنی مسلم بیوی حضرت زینب کے یہاں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اس سریہ میں دو اہم نکات توجہ کے طالب ہیں۔ اول یہ کہ یہ چھاپہ العیص میں مارا گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مقام سے قریشی کاروانوں کا گزرنا ناگزیر تھا جیسا کہ کہیں اور کہا جا چکا ہے۔ دوسرے غالباً مکہ والوں نے اپنی گرتی ہوئی تجارت کو آخری سنبھالا دینے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد کا سہارا لیا تھا شاید اس خیال سے کہ مسلمان ایسے کسی قریشی کارواں پر حملہ نہ کریں گے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق صفحہ ۳۱۶ - واقدی صفحہ ۵۵۳-۵۵۴ - ابن سعد جلد دوم صفحہ ۸۷، طبری جلد دوم صفحہ ۶۴۱، نیز واٹ محمد مدینہ میں، صفحہ ۴۵ - موصوف کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص بن ربیع کو حضرت زینب کی مداخلت پر پناہ اور بعد میں ان کا مالِ تجارت واپس دے کر ایک نئی پالیسی اختیار کی تھی اور جس کا مقصد مکہ والوں کو جیتنا تھا۔ در حقیقت میں اس کا یہی اثر ہوا تھا۔ اس سریہ کے سلسلے میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ مکہ والوں نے یہ کارواں عراقی شاہراہ سے بھیجا تھا لیکن اس پر بھی وہ شامی شاہراہ پر جانے والے کاروانوں کی طرح مسلمانوں سے بچ نہ سکا۔

۱۹۷ - متعدد جدید مورخوں نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً واٹ، محمد مکہ میں صفحہ ۳-۲ -

۱۹۸ - ابن اسحاق صفحہ ۲۹۵ کا بیان ہے کہ گاؤں کی ان دو باندیوں کے درمیان مصالحت اس علاقے کے ایک جہنی سردار مجدی

بن عمرو جہنی نے کرائی تھی۔ اور قرض دار سے قرض خواہ کو اس کی رقم واپس دلانے کا وعدہ کیا تھا۔

۱۹۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، اسلام ابی ذر، ابن سعد جلد چہارم ص۲۲۵۔

۲۰۰۔ واقدی ص۳۵۔ بخاری، کتاب المغازی، روایت حضرت سعد بن معاذ۔

۲۰۱۔ غزوہ قردہ کے بارے میں ابن اسحاق کا ایک جملہ مدینہ سے مخاصمت اور اس کی خطرناکی کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ بدر میں جو کچھ ہو چکا تھا اس کی وجہ سے قریش اپنے شامی راستے پر کارواں بھیجنے سے خوفزدہ تھے۔ گویا کہ بدر سے پہلے ان کے کارواں اس راستے پر جو گذرتے تھے وہ اس حقیقت کا اعلان تھے کہ اب تک ان کی تجارت کو کوئی خاص خطرہ نہیں محسوس ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو، مذکورہ بالا ص۳۶۴

۲۰۲۔ ابن اسحاق ص۲۹۱۔

۲۰۳۔ ابن اسحاق ص۲۹۱۔

۲۰۴۔ ابن اسحاق ص۲۹۶ کا بیان ہے کہ ابوسفیان نے قریش کو جو پیغام بھیجا تھا اس کا مفہوم یہ تھا کہ "چوں کہ تم لوگ اپنے کارواں اپنے آدمیوں اور اپنے مال کو بچانے نکلے تھے اور خدا نے اس کو بچا بھی دیا ہے اس لیے اب واپس آجاؤ۔"

۲۰۵۔ ابن اسحاق، ص۲۹۸ وغیرہ۔

۲۰۶۔ اخنس بن شریق ثقفی نے جو بنو زہرہ کے حلیف تھے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا جس کے نتیجہ میں تمام زہری مکہ واپس چلے گئے تھے اور مآخذ کے مطابق ایک زہری نے بھی جنگ میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ اسی طرح بنو عدی بن کعب بھی جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ بنو ہاشم میں حضرت علی کے بڑے بھائی طالب کچھ اور قریشیوں کے ساتھ مکہ لوٹ گئے تھے جب کہ عقیل بن ابی طالب اور عباس بن عبدالمطلب شامل ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق ص۲۹۶ اور ص۳۱۲۔

۲۰۷۔ ابن اسحاق ص۲۹۶ کے مطابق ابو جہل نے کہا تھا

"خدا کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے جب تک بدر تک نہ ہو آئیں وہاں ہم تین دن گذاریں گے اونٹ قربان کریں گے، دعوتیں اڑائیں گے اور شرابیں پئیں گے اور باندیاں ہمارے لیے ناچیں گائیں گی اور تمام عرب سن لیں گے کہ ہم یہاں آئے اور جمع ہوئے چنانچہ مستقبل میں وہ ہمارا احترام کریں گے۔"

۲۰۸۔ ابن اسحاق ص۲۹۷-۹۔

۲۰۹۔ ایضاً۔

۲۱۰۔ واقدی ص۲۸۔

۲۱۱۔ واقدی ص۲۷

۲۱۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (متوفی ۳۲ھ) دولت مند ترین صحابہ میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی وفات کے

وقف راہ خدا میں پچاس ہزار دینار کی رقم وقف کی تھی جبکہ ان کی کل دولت کا اندازہ مشکل تھا۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، جلد سوم ص ۱۳۶۔
حضرت سعد بن وقاص زہری (متوفی ۵۵ھ) نے اپنی وفات کے وقت دو لاکھ پچاس ہزار درہم ترکہ چھوڑا تھا۔ ایضاً ص ۱۴۹۔
حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی کو عراق سے چار پانچ لاکھ سالانہ اور صرف سراۃ سے دس ہزار دینار سالانہ کی آمدنی بشکل غلہ ہوتی تھی، ابن سعد جلد سوم ص ۲۲۱۔ جبکہ ان کا ترکہ بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار پر مشتمل تھا، ایضاً ص ۲۲۲۔

۲۱۳۔ ابن اسحاق ص ۳۳۶۔

۲۱۴۔ ابن اسحاق ص ۳۷۳۔

۲۱۵۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۶۶

۲۱۶۔ ایضاً ص ۱۳۵۔

۲۱۷۔ واقدی ص ۸۲۱ اور ص ۸۲۳۔

۲۱۸۔ ابن سعد، جلد دوم ص ۱۶۶۔

أُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل: ١٢٥)

آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلائیے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے۔



سرورِ انسانیت ﷺ

(بطرز پند و نصائح)

سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰت والتسلیمات

بطرز پند و نصائح

تالیف : ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعیؒ سابق پرنسپل شریعت کالج، شام

مترجم: نورالٰہی بی۔اے (آنرز) ایل ایل بی۔ ایڈووکیٹ

عرضِ مترجم

سیرتِ طیبہ سے شغف دیرینہ تھا چنانچہ اس ضمن میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم سے بھی مراسلت رہی۔ لیکن اپنی علمی بے بضاعتی کے پیشِ نظر کبھی گمان بھی نہ گزرا تھا کہ میں اس سلسلے میں کوئی علمی کام کر سکوں گا۔ ربیع الاول میں میں بیمار ہو گیا کچہری جانا ترک کیا۔ حسنِ اتفاق سے ایک روز برادرِ عزیز جناب مولانا محمد نصراللہ خاں خازن تیمار داری کے لیے تشریف لائے اور ڈاکٹر شیخ مصطفیٰ سباعی مرحوم کی عربی کتاب "السیرۃ النبویہ" لے آئے اور فرمائش کی کہ اس کا ترجمہ کر دیا جائے۔ اس وقت میری ذہنی کیفیت دو گونہ تھی۔ اپنی علمی کوتاہی و کم مائگی کو دیکھتا تو ہمت جواب دے جاتی اور کتاب کی ورق گردانی کرتا تو چھوڑنے کو جی نہ چاہتا۔ فرمائش ایسی تھی کہ رد نہ کی جا سکتی تھی کیونکہ معاملہ سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر میں نے ترجمہ کرنے کا وعدہ کر لیا اور کام کا آغاز کر دیا۔ جُوں جُوں کام کرتا گیا کارگزاری کی رفتار بڑھتی گئی، اور اللہ کا احسان ہے کہ ترجمہ جلد مکمل ہو گیا اور میں صحت یاب بھی ہو گیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے ورنہ بقولِ حافظ شیرازی: ؎

صلاحِ کار کجا و منِ خراب کجا
ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

قرآنی آیات اور چند احادیث کا ترجمہ میں نے 'تفہیم القرآن' سے نقل کیا ہے جس کے لیے میں ادارہ ترجمان القرآن کا شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر سباعی مرحوم اپنے مجوزہ خاکہ کے مطابق کتاب کی تکمیل سے قبل ہی داعیِ اجل کو لبیک کہہ کر عالمِ آخرت کو سدھار گئے۔ خیال تھا کہ بقایا چار فصلیں تالیف کر کے بطور ضمیمہ اپنی طرف سے شاملِ کتاب کر دوں لیکن احباب کا اصرار ہے کہ ترجمہ کا مسودہ جلد بھیجا جائے۔ اس لیے جو کچھ لکھا جا چکا ہے پیشِ خدمت ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سیرتِ پاک کے بقایا مضامین پر کام کرنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔ وما توفیقی الّا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

گجرات
۱۲ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۳ھ
۲۷ر مارچ ۱۹۸۳ء

خاکسار
نور الٰہی ایڈووکیٹ

ترتیبِ مضامین

— مقدمہ
— حیاتِ طیبہ قبلِ بعثت
— بعثت سے ہجرتِ حبشہ تک
— ہجرتِ حبشہ سے ہجرتِ مدینہ تک
— ہجرت اور قیامِ مدینہ
— رسولِ اکرم کے جنگی معرکے
— حجۃ الوداع اور وفات

عرضِ مؤلّف

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور انھیں اس خدا کا راستہ دکھائیں جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

اور درود و سلام ہو خاتم الرسل سیّدنا محمد مصطفیٰؐ پر جو رسولوں میں سب سے افضل اور داعیانِ الی اللہ میں بزرگ ترین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی سیرتِ مطہرہ کو زندگی کے تمام شعبوں میں ہر مومن کے لیے نمونہ بنایا ہے۔ آپ کے دین سے جملہ شرائع سابقہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ آپؐ کی رسالت کامل ترین ہے اور تمام امکنہ وازمنہ میں لوگوں کی حاجات کو پورا کرنے کے لیے کافی و وافی ہے۔ اللہ کا درود و سلام ہو آپؐ پر اور آپ کے اصحاب پر جو حق وصداقت کی راہ پر گامزن رہے اور جنھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فرماں برداری اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سلیم الفطرت انسانوں کی عظیم قربانیوں اور صدقِ عقیدہ کے باعث انھیں اقوامِ عالم تک اسلام کے ابدی پیغام کو پہنچانے کے شرف سے سرفراز فرمایا۔ انھوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ کر دور دراز کے سفر اختیار کیے اور اس راہ میں اپنے خُون کے نذرانے پیش کیے اور اس طرح انھوں نے امانت اسلام کی ادائیگی اور تبلیغ دین کا حق ادا کر دیا اور وُہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ انھیں بنی نوع انسان پر بے پایاں فضیلت حاصل ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی گردنیں ان کے احسانات کے نیچے دبی ہوئی ہیں اللہ کی خوشنودی کی سند ہے ان کے لیے اور ان خوش بختوں کے لیے جو ان کے بعد ان سے محبت کریں اور دعوت الی اللہ کے عَلم کو قیامت تک تھامے رکھیں۔

یہ نصائح مَیں نے شدّتِ مرض کے دوران میں بعجلت قلمبند کی ہیں اور قبل ازیں میں نے انھیں شریعت کالج کے سالِ اوّل کے طلبہ کے سامنے بالتفصیل بیان کیا جس سے میری غرض وغایت یہ تھی کہ میں سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان زرّیں واقعات کو اُجاگر کروں جن کا جاننا ہر فردِ مسلم، ہر قانون دان اور فقیہ اور ہر اسلامی تحریک کے لیے ضروری ہے تاکہ وُہ ان میں غور وفکر کریں اور ان کو اپنا نصب العین بنائیں نیز اس ذریعہ سے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا مقام حاصل ہو اور لوگوں کے مابین دعوتِ اسلام کی کامیابی اور ان کے لیے اللہ جل شانہٗ کی مقبولیت اور خوشنودی کی راہیں کھل جائیں اور نعمت بھری جنّتوں میں انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ کی معیت کا شرف حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنّات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا وذٰلک الفوز

العظیم۔ (النساء ۔ ۱۳)

(ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے)

میں نے سیرتِ مطہرہ کا بیان درج ذیل طریقے پر کیا ہے:

ا ۔ مقدمہ جو ان دو امور پر مشتمل ہے۔

(۱) سیرت نبوی کی خصوصیات اور اس کے مطالعہ کا فائدہ۔

(۲) سیرت نبوی کے مصادر و مآخذ صحیحہ۔

ب ۔ سیرت النبیؐ کی تفصیل و تفہیم، اور یہ دس فصلوں پر حاوی ہے:

فصلِ اول ——— نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قبل بعثت۔

فصلِ دوم ——— آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد ہجرتِ حبشہ تک کے واقعات۔

فصلِ سوم ——— ہجرتِ حبشہ تا ہجرتِ مدینہ۔

فصلِ چہارم ——— ہجرتِ مدینہ اور آنحضرتؐ کا قیامِ مدینہ۔

فصلِ پنجم ——— آنحضرتؐ کے جنگی معرکے از غزوۂ بدر تا فتح مکّہ۔

فصلِ ششم ——— فتح مکّہ کے بعد جزیرۃ العرب میں اسلام کی نشر و اشاعت۔

فصلِ ہفتم ——— فتح مکّہ سے لے کر آپؐ کی وفات تک کے واقعات۔

فصلِ ہشتم ——— مدینہ منورہ میں قانونِ اسلامی کے نفاذ کی خصوصیات۔

فصلِ نہم ——— آنحضرتؐ کے اخلاقِ حمیدہ اور اس ضمن میں مستشرقین اور مشنریوں کی افتراء پردازیاں۔

فصلِ دہم ——— آنحضرتؐ کی ذات والا صفات اور آپؐ کی رسالت کے اثرات۔

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو عجلت میں قلمبند کیا گیا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان گوشوں کو اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن کے مطالعہ سے شریعت کالج کے طلبہ اور طالبات کو سیرۃ مطہرہ سے عشق و محبت کا لگاؤ پیدا ہو اور وہ اس کے معانی و اسباق سے اپنے اخلاق کی اصلاح کریں اور اپنے آپ میں وہ صفات پیدا کریں جن پر استقامت و مداومت کے ذریعے انھیں لوگوں میں قیادت کا مقام حاصل ہو وہ لوگوں کو ہدایت کی دعوت دیں یہاں تک کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس جاہلیت جدیدہ کے دور میں بھی سراجِ منیر ثابت ہو، جس کی ضیا پاشیوں سے تاریکیاں کافور ہوں، لوگوں کے فکر و نظر میں اسلام کی حرارت پیدا ہو، وہ اسلام کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہوں اور سیرتِ مطہرہ جو اسوۂ حسنہ ہے ہم مسلمانوں کو از سرِ نو عالمِ انسانیت میں امامت و قیادت کا عام عطا فرمائے اور امت مرحومہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دوبارہ متحقق ہو جائے کہ:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔

(آل عمران : ۱۱۰)

(ترجمہ: اب دنیا میں وُہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے
تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

دمشق ۱۳۸۱ھ ○ مصطفیٰ السباعی

مقدمہ

۱۔ سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات

سیرتِ نبوی متعدد فضائل و محاسن کی جامع ہے جن کا مطالعہ روحانی، عقلی اور تاریخی فوائد کا حامل ہے۔ یہ مطالعہ علماءِ قانون، داعیان الی اللہ اور اجتماعی اصلاح کا اہتمام کرنے والوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے ذریعے لوگوں تک مسائلِ شریعت کی تبلیغ بدیں طور مقصود ہے کہ وہ اپنے گھمبیر مسائل اور پیچیدہ اور مشکل ترین حالات میں سیرۃِ مطہرہ سے رہنمائی حاصل کریں اور اسے ملجا و ماویٰ قرار دیتے ہوئے مضبوط پکڑیں تاکہ عامۃ الناس کے دل و دماغ دعوت اسلامی کے کارکنوں کے لیے کھل جائیں اور وہ اصلاح جس کی دعوت مصلحین دیتے ہیں روبکار آئے اور کامیابی سے ہمکنار ہو۔

ہم یہاں سیرتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واضح ترین خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

اوّلاً یہ کہ یہ سیرت کسی نبیِ مرسل یا کسی عظیم ریفارمر کی صحیح ترین تاریخی سیرت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت صحیح ترین علمی طریقے سے اور مضبوط ترین ثبوت کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے جیسا کہ ہم ماخذِ سیرت کی بحث میں بیان کریں گے۔ سیرتِ مطہرہ کے اہم ترین واقعات و احوال میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اگرچہ ازمنہ متاخرہ میں جاہلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹے معجزات اور خلافِ سنّت واقعات اختراع کئے جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے انحراف و تجاوز کا نتیجہ اور شانِ نبوت میں افراط و تفریط پر مبنی ہیں لیکن ان کی چھان پھٹک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی جلالتِ شان اور قدسیتِ رسالت اور عظمتِ سیرت کی معرفت ان مآخذ کے ذریعے بہت آسان ہے۔

صحتِ سیرت کی خصوصیت ایسی ہے کہ اس میں شک و شبہ کا گزر نہیں اور یہ صحتِ احوال انبیاءِ سابقین علیہم السلام میں سے کسی کی سیرت میں بھی نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے صحیح واقعات خلط ملط ہیں کیونکہ یہود نے ان میں کتربیونت اور تحریف کر دی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی حقیقی سیرت کے استخراج کے لیے ہم موجودہ توراۃ پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ مغربی ناقدین میں سے اکثر نے تورات کے بعض پاروں پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے اور کچھ ناقدین کا موقف یہ ہے کہ بعض اسفارِ توراۃ موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ یا اس سے قریبی زمانہ میں نہیں لکھے گئے بلکہ کافی عرصہ بعد غیر معروف کاتبوں نے انھیں قلمبند کیا اور صرف یہی امر توراۃ میں بیان کردہ موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کو مشکوک قرار دینے کے لیے کافی ہے اس لیے کسی مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اس میں سے کسی بات کی صحت کو

تسلیم کرے ماسوائے ان واقعات کے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم یا سنتِ نبویہ صحیحہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسیحی کلیسوں میں موجودہ مروجہ اناجیل سیّد نا مسیح علیہ السلام کے صدیوں بعد قلمبند ہوئیں۔ اور اس وقت عیسائیوں کے پاس جو سیکڑوں انجیلیں تھیں ان میں سے بغیر کسی علمی تحقیق کے منتخب کی گئیں اور ان مروجہ انجیلوں کی نسبت اور سند ان کے لکھنے والوں کے ساتھ کسی علمی طریقے سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی بلکہ غیر متصل ہے جس پر اظہارِ اطمینان نہیں کیا جا سکتا، نیز مغربی ناقدین کے نزدیک ان کے اناجیل کے مولفین کے نام بھی مختلف فیہ ہیں اور اس امر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ کس زمانے میں ہوئے ہیں۔

جب ان رسولوں کی سیرتوں کا یہ حال ہے جن کے مذاہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں تو بدھ اور کنفیوشس جیسے بانیانِ مذاہب اور دیگر مفکرین جو ہزار ہا سال پہلے گزر چکے ہیں ان کی سیرتوں میں رطب و یابس کے پائے جانے کا زیادہ قوی احتمال ہے۔ ان کے متبعین ان کے بارے میں جو روایات نسلاً بعد نسلٍ نقل کرتے آئے ہیں وہ علمی نقطۂ نظر سے معتبر نہیں کیونکہ ان میں ہر دور میں کاٹ چھانٹ اور تحریف ہوتی رہی ہے اور وہ اساطیر و خرافات کے قبیل سے ہیں جن کی تصدیق ایک غیر متعصب ناقد نہیں کر سکتا۔

اس طرح ہمارے پاس صحیح ترین اور متواتر ثبوت کے اعتبار سے قوی ترین سیرت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک ہی ہے۔

ثانیاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ میں آپ کے والد ماجد سیّد عبداللہ اور والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ کے نکاح سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے جملہ واقعات پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ کی ولادت، طفولیت، شباب، قبل نبوت کاروبار اور مکہ مکرمہ کے باہر مختلف سفروں کے بارے میں ہمارے پاس کثیر معلومات ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت کے منصب پر مبعوث فرمایا تو اس کے بعد کے جملہ حالات و واقعات بھی ہم سال بہ سال دقیق ترین، واضح ترین اور کامل ترین شکل میں محفوظ پاتے ہیں۔ آپ کی سیرت سورج کی طرح چمک رہی ہے جیسا کہ بعض مغربی ناقدین نے کہا ہے کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت ہی ایک اکلوتی شخصیت ہے جو اپنے ساتھ سورج کی روشنی لیے ہوئے ہے۔ اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر یا اس کے لگ بھگ مثل انبیاء سابقین میں سے کسی نبی و مرسل کی سیرت میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کی طفولیت، شباب اور قبل نبوت کی معیشت کا ہمیں کچھ علم نہیں اور بعثت کے بعد کی زندگی کے بارے میں بھی ہماری معلومات بہت قلیل ہیں اور آپ کی مکمل شخصیت کا نمونہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسی طرح کہا جاتا ہے اور ہم آپ کی طفولیت کے بارے میں صرف وہی کچھ جانتے ہیں جس کا تذکرہ موجودہ اناجیل میں ہے یعنی یہ کہ آپ یہود کی ہیکل میں داخل ہوئے اور ان کے علماء سے مباحثہ کیا۔ آپ کے لڑکپن کے بارے

میں بھی ایک واقعہ ہے جو مذکور ہے۔ پھر ہم آپ کی نبوت کے بعد کے حالات کے بارے میں ماسوائے آپ کی دعوت و تبلیغ کے کچھ نہیں جانتے آپ کے اسلوبِ معیشت کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں تک دیگر امور کا تعلق ہے آپ کی شخصیت خمول کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔

اس کے برعکس ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی زندگی کی جزئیات مثلاً آپ کا کھانا پینا، قیام و قعود، لباس، شکل و ہیئت، بول چال، اہلِ خاندان سے معاملہ، آپ کی عبادت گزاری اور نماز اور اپنے اصحاب کے ساتھ آپ کی معاشرت کی دقیق ترین تفصیلات سیرتِ صحیحہ کے مآخذ میں موجود ہیں بلکہ آپ کی سیرت کے راویوں نے اس حد تک باریک بینی کا مظاہرہ کیا ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے سفید بالوں تک کا ذکر بھی کیا ہے۔

ثالثاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک ایسے انسان کی سیرت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔ آپ کی سیرت ایک کامل ترین انسان کی سیرت ہے جسے کبھی بھی انسانیت سے علیحدہ کر کے الوہیت کا مقام نہیں دیا گیا لیکن عیسائیوں کے بقول عیسیٰ علیہ السلام اور بدھوں کی روایات کے مطابق بدھ کی طرف اور بت پرستوں کے ہاں ان کے معبودانِ باطلہ کی طرف الوہیت منسوب کی گئی ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں خدا بنا دیا گیا ہے تو ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور دوسروں کی سیرتوں میں جلی فرق معلوم ہوتا ہے اور اسی لیے ان کے متبعین کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں نمایاں اختلاف موجود ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اور بدھ کے متعلق الوہیت کی نسبت نے ان دونوں کو ایسا مقام دے دیا ہے کہ وہ ہر دو انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ اس شخص کے لیے کامل ترین انسانی نمونہ ہے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ سعادتمندانہ اور اپنی ذاتی حیثیت سے اپنے خاندان اور قبیلے میں شریفانہ زندگی گزارے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر۔ (الاحزاب ۲۱)

(ترجمہ: درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو)

رابعاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت انسانیت کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے۔ سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منصبِ رسالت پر سرفراز فرمائے جانے سے قبل ایک امین اور راستباز نوجوان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمیں اس خدا کی طرف بلاتی ہے جس نے آپ کی دعوت کی پذیرائی کے لیے بہترین ذرائع و وسائل مہیا فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری طاقت اور جدوجہد ابلاغِ رسالت میں لگا دی۔ آپ کی سیرت کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مملکت کے ایسے سربراہ کی طرح ہیں جو اپنی مملکت کا انتظام و انصرام بہترین

طریقے اور سلیقے سے سرانجام دیتا ہو اور راتوں کو جاگ کر اور اخلاص و صداقت کے ساتھ مملکت کی نگرانی کرتا ہو اور اس کی کامیابی کا ضامن ہو۔ رسول اللہ کی سیرت ہمارے لیے واضح کرتی ہے کہ آپ ایک شفیق و مہربان اور حسنِ سلوک کرنے والے خاوند اور باپ ہیں۔ آپ کی سیرت سے زوجین اور اولاد کے حقوق و واجبات کی واضح نشان دہی ہوتی ہے۔ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مربی اور مرشد ہیں جو اپنے اصحاب کی مثالی تربیت کرتے ہیں اور اپنی روحانیت اور ذات ان کے ارواح و نفوس تک اس طرح منتقل کرتے ہیں کہ وہ ہر چھوٹے بڑے کام میں آپ کے نقشِ قدم پر چل کر مکمل فرمانبرداری بجالاتے ہیں آپ کی سیرت ایک ایسے سچے دوست کی سیرت ہے جو اپنے اصحاب کے واجبات ادا کرتا ہو اور اس ضمن میں جملہ التزامات و آداب بجالاتا ہو جس کی وجہ سے آپ کے اصحاب آپ کے ساتھ اپنی جانوں اور اہل و عیال اور رشتہ داروں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ آپ کی سیرت ایک شجاعت پرور فوجی جرنیل ایک غالب و فاتح قائد ایک کامیاب سیاستدان ایک امانتدار پڑوسی اور ایک سعادت شعار معاہد کی سیرت ہے۔ المختصر یہ کہ آپ کی سیرت مبارکہ انسانیت کے جملہ گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور آپ کی ذات بابرکات میں ہر اسلامی تحریک، ہر قائد، ہر باپ، ہر خاوند، ہر دوست، ہر مربی، ہر سیاستدان اور ہر سربراہِ مملکت وغیرہ کے لیے صالح ترین نمونہ موجود ہے۔

اس قسم کا جامع ترین یا اس سے قریب تر نمونہ انبیاء سابقین، بانیانِ مذاہب اور متقدمین و متاخرین فلاسفہ کی سیرتوں میں نہیں ملتا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی مثال ایک ایسے زعیم کی سی ہے جس نے اپنی اُمت کو غیر اللہ کی عبادت سے نجات دلائی اور اصلاحِ اُمت کے لیے قواعد و مبادی وضع کیے لیکن آپ کی سیرت میں جنگ کرنے والوں یا مربیوں یا سیاستدانوں یا سربراہانِ مملکت یا باپوں یا خاوندوں وغیرہ کے لیے نمونہ نہیں ملتا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ایک ایسے عابد و زاہد داعی کی سی ہے جس نے دنیا کو ٹھکرا دیا اور جس کے پاس گھر نہ گھاٹ تھا اور نہ مال و متاع۔ عیسائیوں کے ہاں آپ کی جو سیرت موجود ہے اس میں فوجی جرنیل، رئیسِ مملکت، باپ، خاوند اور قانون دان وغیرہ کے لیے کوئی نمونہ نہیں ملتا جس طرح کہ سیرتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ میں ملتا ہے۔ اسی طرح بدھ، کنفیوشس، ارسطو، افلاطون اور نپولین وغیرہ عظیم تاریخی شخصیتوں کی سیرتیں بھی نمونہ نہیں بن سکتیں کیونکہ ان میں جامعیت مفقود ہے اور وہ زندگی کے متعدد پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو نمایاں کرتی ہیں جس کی وجہ سے ان مشاہیر کو شہرت نصیب ہوئی اور تاریخ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد انسان ہیں جو تمام اقوامِ عالم اور تمام لوگوں کے لیے ہر حال میں قائد و راہبر بن سکتے ہیں۔

خامساً یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت آپ کی رسالت و نبوت کی صداقت کے ایسے دلائل مہیا کرتی ہے جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ درحقیقت یہ ایک کامل ترین انسان کی سیرت ہے جو اپنی دعوتی زندگی میں یکے بعد دیگر مختلف مراحل سے گزر کر کامیابی سے ہمکنار ہوا اس کامیابی کا حصول خارق عادت یا معجزانہ طور پر نہ تھا بلکہ یہ کامیابی خالص طبیعی طریقے سے حاصل ہوئی۔ آپ نے دعوت پیش کی جس کی پاداش میں آپ کو ایذا دی گئی۔ آپ نے دین کی تبلیغ کی

اور اس طرح آپ کو تحریک کے لیے حامی و ناصر میسر آئے۔ آپ کو جنگ پر مجبور کیا گیا اور آپ نے جنگی معرکے سر کیے۔ آپ فہیم و دانشمند تھے اور قیادت و امامت کی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ آپ کی وفات سے قبل پُورے جزیرۃ العرب میں آپ کی دعوت کی پذیرائی بطریقِ ایمان و تسلیم ہو چکی تھی اور اس قبولیتِ دعوت میں کسی قہر و غلبہ یا ظلم و زیادتی کا دخل نہ تھا بلکہ جو شخص بھی عربوں کے عقاید و عادات سے واقف تھا اور اس بات سے بھی آگاہ تھا کہ انہوں نے کس طرح مختلف ہتھکنڈوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا راستہ روکنے کی کوشش کی یہاں تک کہ آپ کے قتل کے منصوبے تیار کیے لیکن وُہ اپنے مذموم عزائم میں ناکام رہے اور جس شخص کو بھی معلوم ہوا کہ آپ کے پاس جنگی ساز و سامان اور افرادی قوت آپ کے دشمنوں کے مقابلے میں کم تھی لیکن اس کے باوجود آپ ہر معرکے میں فتحیاب ہوئے اور جس نے بھی دیکھا کہ تھوڑی سی مدت یعنی ۲۳ سال میں آپ کی تحریکِ رسالت عظیم کامیابی سے ہمکنار ہُوئی وہ یہ یقین کیے بغیر نہ رہ سکا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر ثابت قدمی و قوت اور تاثیر و تائید سے صرف اسی لیے نوازا کہ آپ نبی برحق ہیں اور جو کوئی بھی نبی برحق کے لیے اس بے مثل تاریخی تائیدِ ایزدی کو تسلیم نہیں کرے گا وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے لیے خالص عقلی طریقے سے آپ کی رسالت کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات وقوع پذیر ہُوئے ہیں وہ آپ کی دعوت پر عربوں کے ایمان لانے کے لیے بطور اساسِ اوّل نہیں ہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ معاند کافر آپ کے کسی معجزے کی وجہ سے آپ پر ایمان نہیں لائے باوجود اس کے کہ مادی معجزات دیکھنے والوں کے لیے حجت کا کام دیتے ہیں اور یہ بات قطعی ہے کہ اہلِ تسلیم و رضا نے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش نہیں کی اور نہ ہی معجزات کا مطالبہ کیا بلکہ وُہ آپ کے دعوائے نبوت کی صداقت کے لیے خالص عقلی دلیلوں کی بنیاد پر آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور انہی عقلی دلائل میں سے قرآن کریم بھی ہے جو ایک عقلی معجزہ ہے اور ہر انصاف پسند عقلمند کو مجبور کرتا ہے کہ وہ دعوائے رسالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لائے۔

سیرتِ محمدیہ کی اس مذکورہ خصوصیت میں اور انبیاء سابقین کی جو سیرتیں ان کے متبعین کے ہاں محفوظ ہیں ان میں اس اعتبار سے مکمل اختلاف موجود ہے۔ یہ سیرتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ ان انبیاءؑ پر لوگ ان کی دعوت کے اصول و مبادی کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر ایمان نہ لائے اور ان کے فرمانبردار نہ بنے بلکہ صرف اسی وقت ایمان لائے جب انہوں نے انبیاءؑ کے ہاتھوں معجزات و خوارق کا مشاہدہ کیا۔ اس کی واضح ترین مثال سیدنا مسیح علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انہوں نے اپنی رسالت کی صداقت پر یہود کو مطمئن کرنے اور انہیں قائل کرنے کے لیے جن معجزانہ دلائل کا سہارا لیا وُہ یہ تھے کہ وہ اللہ جل شانہٗ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے ہیں، بیماروں کو شفایاب اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور انہیں یہ بتاتے ہیں کہ وہ کیا کھاتے ہیں اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں۔ موجودہ انجیلیں ہمیں بتاتی ہیں کہ صرف انہی معجزات کے سبب لوگ

جوق در جوق ان پر ایمان لائے اور انہیں خدا اور خدا کا بیٹا تسلیم کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ انجیلوں کے مطابق وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا رسول جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے تسلیم نہ کرتے تھے۔ مسیح علیہ السلام کے بعد مسیحیت کی نشرو اشاعت معجزات و خوارق عادات ہی کے ذریعہ ہوئی اور اس کی سب سے بڑی شہادت عہد نامہ جدید کی کتاب "اعمال الرسل" میں موجود ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ موجودہ مسیحیت جس پر اس کے متبعین کا ایمان ہے ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد معجزات و خوارق پر ہے نہ کہ عقلی ترغیب پر۔ اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی یہ خصوصیت بالکل واضح ہے کہ آپ پر کوئی ایک شخص بھی معجزاتِ خارقہ کے ذریعے ایمان نہیں لایا بلکہ جو کوئی بھی دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوا معقول طریقے سے وجدانی طور پر رسالت کی صداقت کا قائل ہو کر ایمان لایا۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزاتِ خارقہ سے بھی مشرف فرمایا ہے لیکن یہ معجزات آپ کو عظمت و کرامت کے طور پر اور آپ کے متکبر دشمنوں کا منہ بند کرنے کے لیے دئے گئے۔ جو شخص بھی قرآن کریم کا تتبع کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے لوگوں کو قائل کرنے کے لیے عقلی محاکمہ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم صناعی کے محسوس مشاہدہ اور اُمّی نبی کی معرفت تامہ پر انحصار کیا ہے اور اس طرح قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے:

وقالوا لولا انزل علیه اٰیات من ربه ۔ قل انما الاٰیات عند الله ، وانما انا نذیر مبین ، اولم یکفهم انا انزلنا علیك الكتاب یتلی علیهم ، ان فی ذلك لرحمة وذکری لقوم یؤمنون ۔ (العنکبوت : ۵۰، ۵۱)

(ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ "کیوں نہ اتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں اس کے رب کی طرف سے؟" کہو "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف خبردار کرنے والا ہوں کھول کھول کر"۔ اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں)

جب کفارِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت و تکرار کے ساتھ معجزات کی فرمائش کی جیسا کہ امم سابقہ فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتی آئی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ وہ ان کو قرآن کے الفاظ میں یہ جواب دے دیں:

سبحان ربی هل کنت الا بشراً رسولا ؟

(ترجمہ: پاک ہے میرا پروردگار، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟)

اس ضمن میں سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان غور طلب ہے:

وقالوا لن نؤمن لك حتی تفجر لنا من الارض ینبوعاً، او تکون لك جنة من نخیل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجیراً، او تسقط السمآء کما زعمت علینا کسفاً او تاتی باللہ والملئکة قبیلا، او یکون لك بیت من زخرف او ترقی فی السمآء، ولن نؤمن لرقیك حتی تنزل علینا کتاباً نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا!

(بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳)

(ترجمہ: اور انھوں نے کہا "ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تُو ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے، یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے، یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اُوپر گرا دے، جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔ یا خدا کو رو در رو ہمارے سامنے لے آئے۔ یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے، یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تُو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔" اے نبی! ان سے کہو، پاک ہے میرا پروردگار، کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟)

اس طرح قرآن صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیغام لانے والے انسان ہیں اور یہ کہ دعوائے رسالت میں آنحضرتؐ کا انحصار خوارق و معجزات پر نہیں بلکہ آپ صرف لوگوں کے دل و دماغ کو خطاب کرتے ہیں۔

(فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔ الانعام: ۱۲۵)

(ترجمہ: پس یہ حقیقت ہے کہ جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے)

ب۔ سیرۃ نبویہ کے مآخذ

سیرت نبویہ کے قابلِ اعتماد بڑے بڑے مصادر کا انحصار مندرجہ ذیل چار مآخذ پر ہے:

ا۔ قرآن کریم

یہ سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و محاسن کے ضمن میں بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن کریم آپ کی پیدائش، نشوونما اور تربیت کے بارے میں بیان کرتا ہے:

الم یجدك یتیماً فاٰوی، ووجدك ضآلاً فھدیٰ۔ (الضحیٰ: ۶-۷)

(ترجمہ: کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمھیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی)

قرآن کریم آپ کے اخلاقِ عالیہ کریمانہ کو اس طرح پیش کرتا ہے:

وانك لعلیٰ خلق عظیم۔ (القلم: ۴)

(ترجمہ: اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو)

دعوتِ اسلامی کے سلسلے میں جو تکالیف و مصائب آپ کو برداشت کرنا پڑے قرآن انہیں بھی بیان کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ مشرکین اللہ عزّ وجل کے دین کا راستہ روکنے کے لیے آپ پر سحر اور جنون کے الزامات بھی لگاتے رہے اور دیگر آوازے بھی کستے رہے۔ قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور اس کے بعد آپ کے جنگی معرکوں مثلاً بدر، اُحد، احزاب، صلح حدیبیہ، فتح مکّہ اور غزوۂ حنین کے حالات بھی بیان کرتا ہے اور آپ کے بعض معجزات مثلاً معجزۂ اسراء و معراج کا ذکر بھی ملتا ہے۔ المختصر یہ کہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و بیشتر واقعات کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔ چونکہ یہ کتاب کریم رُوئے زمین پر ثقہ ترین کتاب ہے اور ایسے تواتر کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ کسی عاقل و فہیم انسان کو اس کے نصوص اور تاریخی ثبوت کے بارے میں شک و ارتیاب کا وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے قرآن کریم علی الاطلاق سیرت کے واقعات کے لیے صحیح ترین ماخذ ہے۔

لیکن قرآن کے ملاحظہ سے معلوم ہو گا کہ قرآن وقائع نبویہ کی تفصیلات بیان نہیں کرتا بلکہ واقعات کا اجمالی ذکر کرتا ہے۔ جب قرآن کسی جنگی معرکے کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کے اسباب بیان نہیں کرتا نیز مسلمانوں اور مشرکوں کی افرادی قوت اور جنگی مقتولین اور مشرک قیدیوں کی تعداد بیان نہیں کرتا بلکہ اس معرکے پر تبصرہ کرتا ہے اور جو ہدایات اور پند و نصائح اس سے حاصل ہوتی ہیں صرف ان کا ذکر کرتا ہے نیز انبیاءِ سابقین اور اُمم ماضیہ کے جو قصص قرآن میں بیان ہوئے ہیں ان میں بھی یہی اسلوب کارفرما ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل حالاتِ زندگی کے استخراج کے لیے ہم نصوصِ قرآنی متعلقہ سیرتِ نبویہ پر اکتفا نہیں کر سکتے۔

۲۔ سنّتِ نبویہ صحیحہ

سنّتِ نبویہ صحیحہ کے بارے میں عالمِ اسلامی میں ائمۂ حدیث کی جن کتابوں کو صحت و صداقت و ثقاہت کے اعتبار سے مستند مانا جاتا ہے وہ صحاح ستّہ ہیں۔ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ۔ اور موطا امام مالک اور مسند امام احمد بھی اسی قبیل سے ہیں۔ یہ سب کتابیں بالخصوص بخاری و مسلم صحت و ثقاہت اور تحقیق کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث کی دیگر کتابوں میں صحیح و حسن روایات بھی ہیں اور کچھ کتابوں میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں۔

یہ کتابیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ، آپ کے معمولات اور دیگر واقعات و جنگی معرکوں پر حاوی ہیں اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے غور و فکر کے لیے مواد مہیا کرتی ہیں اگرچہ بعض شاذ واقعات کا مواد نا تمام ہی کیوں نہ ہو۔ ان کتابوں سے متعلق یہ امر ہمارے لیے موجبِ اطمینان ہے اور ان پر ہمارے اعتماد کو مضبوط کرتا ہے کہ ان کی روایت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تک متصل سند سے ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت و ملازمت اختیار کی اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی امداد فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس ان کی تربیت فرمائی اور ایسی جماعت تیار کی جو استقامتِ اخلاق، قوتِ ایمان، صدقِ مقال، معراجِ روحانیت اور کمالِ دانش و بینش کے اعتبار سے تاریخ انسانی میں کامل ترین جماعت تھی۔ اور جو کچھ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سندِ صحیح متصل کے ذریعے روایت کیا ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم اسے بطور تاریخی حقیقت تسلیم کریں اور ہمیں اس میں کسی قسم کا شک و خلجان لاحق نہ ہو۔

فتنہ پرداز مستشرقین اور مغرب آزاد منش مسلمان جنہوں نے اپنے دین کو ہلکا سمجھ رکھا ہے اور علماءِ مغرب کی اندھی تقلید کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں ان کی یہ کوشش ہے کہ ہمارے پاس سنت کی معتمد کتب جو موجود ہیں انھیں مشکوک قرار دیا جائے اور ذریعے سے شریعت کے انہدام کی راہ ہموار کی جائے اور واقعات سیرت میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور اسی کی توفیق سے معاندین کے باطل تیروں کو ان پر لوٹایا جاتا ہے اور ان کی پُر فریب چالوں کو ان ہی کے حلقوم کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ میں نے اپنی کتاب "السنۃ ومکانتہا من التشریع الاسلامی" میں علماءِ اسلام کی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے سنتِ نبویہ کی تحقیق و تفحص میں صرف کیں۔ نیز مستشرقین اور ان کے مقلدین کے جملہ شبہات کا ازالہ کیا ہے اور علمی طریقے سے ان کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دئے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے امیدوار ہوں کہ وہ مجھے اس کا ثواب عطا کرے اور قیامت کے روز میری اس حقیر کوشش کو میرے نامۂ اعمال کے حسنات کے پلڑے میں ڈالے۔ آمین۔

۳۔ عہدِ رسالت کے ہمعصر عرب شعرا کا کلام

یہ حقیقت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی دعوت کے برخلاف اپنے شعراء کی زبانوں سے بھرپور حملے کروائے اس لیے مسلمانوں نے بھی مجبوراً اپنے شعراء مثلاً حسان بن ثابت اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہ سے ان کی تردید کروائی۔ کتبِ ادب اور کتبِ سیرت میں ان اشعار کا بیشتر حصہ موجود ہے۔ جن سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کے بارے میں اور دعوتِ اسلامی کی ابتدا سے لے کر اس کے پروان چڑھنے اور کامیابی سے ہمکنار ہونے تک کے بہ کثرت واقعات و حقائق معلوم کر سکتے ہیں۔

۴۔ کُتبِ سیرت

سیرت نبویہ کے واقعات حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے بعد آنے والوں کو روایت کیے ہیں۔ اور بعض صحابہ نے تو سیرت کے دقائق اور تفصیلات کے تتبع میں خصوصی کام کیا ہے۔ پھر ان اخبار و وقائع کو تابعین نے تبع تابعین تک منتقل کیا اور اپنے ہاں صحیفوں میں مدوّن کیا۔ بعض حضرات تابعین تو ان کی پوری طرح حفاظت کرنے میں خصوصیت کے حامل ہیں۔ مثلاً ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۳۲ھ ـ ۱۰۵ھ) اور عروہ بن زبیر بن العوام (۲۳ھ ـ ۹۳ھ) اور چھوٹے تابعین میں سے عبداللہ بن ابوبکر انصاری (متوفی ۱۳۵ھ) اور محمد بن مسلم بن شہاب (۵۰ھ ـ ۱۲۴ھ، جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں ان کے حکم سے سنت کو جمع کیا) اور عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (متوفی ۱۲۹ھ)۔

پھر سیرت کی حفاظت کا کام ان کے بعد والوں کے حصے میں آیا جنھوں نے یکسوئی کے ساتھ اس کی تصنیف کا بیڑا اٹھایا۔ سیرت کے اولین مصنفین میں سے مشہور ترین مصنف محمد بن اسحاق بن یسار (متوفی ۱۵۲ھ) ہے جمہور علماء اور محدثین (ماسوائے مالک اور عروہ بن زبیر کے) اس کی توثیق پر متفق ہیں۔ صرف ان دو بڑے عالموں نے محمد بن اسحاق کی کتاب کی عیب چینی کی ہے لیکن علماء محققین نے ان دونوں کی تجریح کو شخصی عداوت پر محمول کیا ہے جو ان دونوں اور ابن اسحاق کے مابین تھی۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب "المغازی" ان احادیث اور روایات سے تالیف کی جو اس نے بذاتِ خود مدینہ منورہ اور مصر میں سنیں۔ اگرچہ یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی اور ہمارے قیمتی علمی ورثے سے مفقود ہو چکی ہے لیکن اس کتاب کے اکثر مضامین سیرت ابن ہشام میں محفوظ اور باقی ہیں جنہیں ابن ہشام نے اپنے شیخ بکائی کے حوالے سے روایت کیا ہے جو ابن اسحاق کے مشہور ترین تلامذہ میں سے تھا۔

سیرت ابن ہشام

وہ ابو محمد عبدالملک بن ایوب حمیری ہے جس کی پیدائش، نشوونما اور تربیت بصرہ میں ہوئی اور وفات بر بنائے اختلاف روایت ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں ہوئی۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" ان روایات کی بناء پر تالیف کی جو اس کے شیخ بکائی نے ابنِ اسحاق سے روایت کیں۔ اس کے علاوہ ابن ہشام نے اپنے دیگر شیوخ سے بھی روایات حاصل کیں جن کا مذکور ابنِ اسحاق کی سیرت میں نہیں ہے اور ابن اسحاق کی ان روایات کو ترک کر دیا جو اس کے ذوق علمی اور تنقید کی کسوٹی پر پوری نہ اُتریں اور اس نے اس طرح سیرت نبویہ کے صحیح ترین، دقیق ترین اور کامل ترین مآخذ سے ایک کتاب تالیف کی جسے وہ قبولِ عام نصیب ہُوا کہ دوسرے لوگ بھی اپنی کتابوں کو اسی کی طرف منسوب اور اسی نام سے موسوم کرنے لگے اور اندلس کے دو عالموں سہیلی (۵۰۸ھ ـ ۵۸۱ھ) اور خشنی (۵۳۵ھ ـ ۶۰۴ھ) نے سیرت ابن ہشام کی شرح لکھی۔

طبقات ابنِ سعد

وہ محمد بن سعد بن منیع زہری ہے جو ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا اور ۲۳۰ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ وہ مغازی اور سیرت کے مشہور مورخ واقدی (۱۳۰ھ - ۲۰۷ھ) کا منشی تھا۔ ابن سعد نے اپنی کتاب " الطبقات" میں سیرۃ رسول علیہ السلام کے ذکر کے بعد صحابہ اور تابعین کا ذکر ان کے طبقات، قبائل اور اماکن کے لحاظ سے کیا ہے اور اس کی کتاب " الطبقات" سیرت کے ابتدائی ثقہ ترین مصادر میں سے ہے اور صحابہ اور تابعین کے ذکر میں محفوظ ترین ماخذ شمار ہوتی ہے۔

تاریخ طبری

وہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (۲۲۴ھ - ۳۱۰ھ) ہے جو ایک امام، فقیہ اور محدث ہے نیز فقہ میں صاحب مذہب بھی ہے لیکن اس کے فقہی مسلک کو زیادہ فروغ حاصل نہیں ہوا۔ اس نے اپنی مبسوط تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں کتاب تالیف کی اور پھر اپنی وفات کے قریب تک دولت ہائے اسلامیہ کی تاریخ لکھتا رہا۔

طبری کو اپنی مرویات کے باب میں ثقہ حجت کا مقام حاصل ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی روایت کردہ اکثر احادیث ضعیف یا باطل ہیں کیونکہ اس نے ان کی اسناد کو اپنے دور کے معروف راویوں تک بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے مثلاً ابی مخنف کی روایات ہیں جو ایک متعصب شیعی تھا لیکن اس کے باوجود طبری نے اس کی مرویات میں سے اکثر اس کی سند اس طرح لی ہیں گویا کہ وہ ان کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بری قرار دے رہا ہو اور پورا بوجھ ابی مخنف پر ڈال رہا ہو۔

"تالیفِ سیرت کے اسلوب میں تبدیلی

بعد ازاں سیرت کی تالیف میں انقلاب رونما ہوا اور سیرت کے بعض پہلوؤں کو تالیف کے لیے مختص کر لیا گیا۔ اس ضمن میں یہ کتابیں قابلِ ذکر ہیں:

اصفہانی کی " دلائل النبوۃ"، ترمذی کی " الشمائل المحمدیہ"، ابن قیم جوزی کی " زاد المعاد"، قاضی عیاض کی کتاب " الشفاء" اور قسطلانی کی " المواہب اللدنیہ" جس کی شرح زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ نے آٹھ جلدوں میں لکھی)

ہر دور کے علماء امت سیرتِ رسول علیہ الصلٰوۃ والسلام اپنے ابنائے زمانہ کے ذوق کے مطابق نئے نئے اسلوب سے لکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ ہمارے اس دورِ جدید میں سیرت کی مشہور ترین

مولفات میں سے شیخ محمد خضری رحمہ اللہ کی کتاب " نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلینؐ " ہے جسے بہترین پذیرائی حاصل ہوئی اور یہ کتاب دنیائے اسلام کے اکثر علاقوں میں دینی مدارس کے نصاب میں شامل کر لی گئی ہے۔

فصلِ اوّل

آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ قبل بعثت

۱۔ تاریخی واقعات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ قبل بعثت سے متعلق ثابت شدہ خبروں سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

(۱) آنحضرتؐ اہلِ عرب کے گھرانوں میں سے بزرگ ترین گھرانے میں پیدا ہوئے اور آپ کا خاندان قبیلہ قریش کی عالی قدر شاخ یعنی بنی ہاشم تھا۔ قریش دربارِ عرب میں برگزیدہ، پاک نسب اور بلند پایہ قبیلہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا اور مجھے بہترین مخلوق اور سب سے بہتر گروہ (یعنی انسانوں) میں پیدا کیا اور (انسانوں کے) دونوں فریق (یعنی عرب و عجم) کو بہتر بنایا، پھر قبیلوں کا انتخاب کیا اور مجھے سب سے بہتر قبیلے (یعنی قریش) میں پیدا کیا۔ پھر تمام گھرانوں کا چناؤ عمل میں آیا اور مجھے بہترین گھرانے (یعنی بنی ہاشم) میں پیدا کیا گیا۔ پس میں اپنی ذات (حسب) کے لحاظ سے بھی تمام لوگوں میں بہتر ہوں اور خاندان (نسب) کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں[۱]۔"

چونکہ آپ کا نسب قریش میں مشہور و معروف تھا اس لیے نسبی بلند پائیگی سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی اعتراض نہیں کیا گیا حالانکہ اس کے علاوہ دیگر امور میں آپ پر متعدد افتراء پردازیاں کی گئیں۔

(۲) آپ کی نشوونما اور تربیت حالتِ یتیمی میں ہوئی۔ آپ کے والد عبداللہ اس وقت فوت ہوئے جب آپ شکمِ مادر میں تقریباً دو ماہ کے تھے۔ آپ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صغر سنی ہی میں والدین کی شفقت و محبت سے حرماں نصیبی کا مزہ چکھنا پڑا۔ اس کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالی۔ لیکن جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو دادا بھی فوت ہو گئے۔ پھر آپ کے

---

[۱] رواہ الترمذی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ اس طرح آپ کی نشو و نما ہوئی اور آپ کی کلائی مضبوط ہوگئی۔ قرآن کریم نے بھی آپ کی یتیمی کی نشان دہی اس آیت کریمہ میں کی ہے:

الم يجدك يتيماً فاٰوٰى۔ (الضحٰى : ۶)

(ترجمہ: کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن کے ابتدائی چار سال قبیلہ بنی سعد میں صحرائی علاقے میں بسر کیے۔ وہاں آپ خوب تنومند ہو گئے۔ آپ کی نشو و نما ایک سلیم الجسم، فصیح اللسان اور جری دل و دماغ والے بچے کی طرح ہوئی۔ آپ صغرسنی کے باوجود گھوڑے کی سواری بڑی اچھی طرح کر سکتے تھے۔ صحرا کی پاک و صاف اور پرسکون زندگی اور وہاں کی سورج کی روشنی اور لطافت و نظافت سے بھرپور آب و ہوا کی وجہ سے آپ کی فطری صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوا۔

(۴) صغرسنی ہی سے آپ میں شرافت و نجابت کا جوہر موجود تھا اور آپ کے بشرے سے ذہانت کے آثار چمکتے تھے اور اس وجہ سے جو کوئی بھی آپ کو دیکھتا وہ آپ کو پیار کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ جب آپ کے دادا بزرگوار اپنی مسند پر تشریف فرما ہوتے تو ان کے ادب کی وجہ سے ان کی اولاد (آنحضرتؐ کے اعمام) میں سے کوئی بھی ان کی مسند پر بیٹھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا لیکن حضورؐ جو اس وقت ایک تنومند لڑکے تھے آپ سیدھے اپنے دادا کی مسند پر آکر بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے لیکن عبد المطلب فرماتے: "میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔"

(۵) اوائل شباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کی بکریاں کچھ قراریط[1] کی مزدوری پر چرایا کرتے تھے۔ اور یہ بات آپ سے ثابت شدہ ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔"

صحابہؓ نے عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ! کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟"

تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

"ہاں، میں نے بھی چرائی ہیں۔"

ایک[2] دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔"

---

[1] قراریط۔ قیراط یا قراط کی جمع ہے جو ایک دینار کے بیسویں یا چوبیسویں حصے کو کہتے ہیں۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری، کتاب الاجارہ۔ (مترجم)

آپ کے اصحابؓ نے آپ سے پوچھا: "کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟"
آنحضرتؐ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا:
"میں اہل مکہ کی بکریاں کچھ قراریط پر چرایا کرتا تھا۔"
پھر جب آپ کی عمر پچیس برس کی ہوئی تو آپ خدیجہ بنت خویلد کے لیے تجارت کا کاروبار کرتے تھے جس کی مزدوری وہ آپ کو ادا کرتی تھی۔[1]

(۶) عنفوانِ شباب ہی سے آپ دانائی و زیرکی کے رجحان اور اصالت رائے کے لیے معروف تھے اور اس کی واضح دلیل حجرِ اسود نصب کرنے کے واقعہ میں موجود ہے۔ کعبہ کی عمارت کو سیلاب سے نقصان پہنچا اور اس کی دیواریں پھٹ گئیں اس لیے اہل مکہ نے یہ طے کیا کہ بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے کعبہ کی تعمیرِ نو کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا کیا لیکن جب حجرِ اسود کو اس کے مقام پر نصب کرنے کا موقع آیا تو ان میں اس بارے میں شدید اختلاف رونما ہوا کہ حجرِ اسود نصب کرنے کا شرف کس کو حاصل ہونا چاہیے۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت و شرف اسے حاصل ہو۔ اور اس پر اتنا شدید جھگڑا ہوا کہ آپس میں لڑائی تک کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ بالآخر کافی رد و کد کے بعد وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ سب سے پہلے جو شخص مسجد کے باب بنی شیبہ سے داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے۔ چنانچہ سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا:
"یہ امین ہیں، ہم ان کے فیصلے پر رضا مند ہیں۔"
جب آپ کو بتلایا گیا کہ اس قضیہ کا فیصلہ آپ نے کرنا ہے تو آپ نے یہ مشکل معاملہ ایسے طریقے پر حل کر دیا کہ سب جھگڑا کرنے والے مطمئن ہو گئے۔ آپ نے اپنی چادر بچھا دی اور حجرِ اسود کو پکڑ کر اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا کہ ہر قبیلہ ایک ایک طرف سے اس چادر کو پکڑے۔ جب سب نے چادر کو اٹھایا اور پتھر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کو لگانا تھا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے وہاں لگا دیا اور وہ سب راضی ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی کمال عقلمندی اور حکمت کے باعث عربوں کو خوں ریزی سے بچا لیا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس قدر خونریزی ہوتی۔

(۷) آنحضرتؐ اپنے شباب ہی سے اپنی قوم میں صادق اور امین سمجھے جاتے تھے اور حسنِ معاملہ، ایفائے عہد، سیرت کی پختگی اور ذکرِ خیر کے لیے مشہور تھے۔ اسی وجہ سے خدیجہ کو رغبت ہوئی کہ وہ شہر بصریٰ کی طرف جانے والے تجارتی قافلہ میں اپنے اموال آنحضرتؐ کے سپرد کرے اور اس کے لیے یہ پیشکش کی کہ جتنی مزدوری وہ اپنی قوم کے دوسرے کسی فرد کو دیتی تھی اس سے دگنی مزدوری آپ کو ادا کرے گی۔ جب آپ مکہ واپس آئے اور خدیجہ کے غلام میسرہ نے آنحضرتؐ کی امانت و اخلاص کے بارے میں اپنے مشاہدات بیان کیے اور خدیجہ نے دیکھا کہ اس سفر سے اسے

---

[1] ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (مترجم)

بہت، زیادہ نفع حاصل ہوا ہے تو اس نے جتنی مزدوری کی پیشکش آپؐ کو کی تھی اس سے بھی زیادہ کر دی اور اسی چیز نے اسے آمادہ کیا کہ وہ آپ کو شادی کا پیغام دے۔ چنانچہ آپؐ نے اسے قبول کر لیا درانحالیکہ آپؐ کی عمر حضرت خدیجہؓ سے پندرہ سال کم تھی۔ نبوت سے قبل آنحضرتؐ کے حُسنِ اخلاق سے متعلق حضرت خدیجہ کا بیان بہترین شہادت ہے۔ جب غارِ حرا میں اچانک آپؐ پر نزولِ وحی کے باعث کپکپی کی حالت طاری ہوگئی آپ گھبراہٹ میں گھر واپس آئے اور جان کے خطرے کا اظہار کیا تو حضرت خدیجہ نے فرمایا:

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم، آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رُسوا نہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، بے سہارا (کمزور) لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔"

(۸) آپؐ نے دو مرتبہ مکہ سے باہر سفر کیے۔ پہلا سفر اپنے چچا ابوطالب کی معیت میں جبکہ آپ کی عمر بارہ سال کی تھی اور دُوسرا سفر پچیس سال کی عمر میں کیا جب آپ نے خدیجہ کے ساتھ مالِ تجارت میں شرکت اختیار کی۔ یہ دونوں سفر شام کے شہر بصریٰ کی طرف تھے۔ ان دونوں سفروں میں آپ تاجروں کی باتیں سنتے تھے اور جن شہروں سے آپ کا گزر ہوتا وہاں کے آثار اور وہاں کے باشندوں کی عادات و اطوار کا مشاہدہ کرتے تھے۔

(۹) بعثت سے کچھ سال قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنہائی پسند بنا دیا تھا۔ آپؐ مکہ کی آبادی کو چھوڑ کر کوہِ حرا[1] کے ایک غار میں چلے جاتے تھے۔ جبلِ حراء مکہ کے قریب ہی شمال مغربی جانب واقع ہے۔ آپ وہاں ہر سال ایک ماہ تک خلوت گزینی اختیار فرماتے تھے۔ آپ ماہِ رمضان میں ایسا کیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ خلوت پسندی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی عظیم قدرت کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لیے تھی۔ آپ کا یہ معمول اسی طرح جاری رہا یہاں تک کہ آپ کے پاس وحی آئی اور آپ پر قرآنِ کریم نازل ہوا۔

ب۔ پند و نصائح

مندرجہ بالا واقعات سے درج ذیل اسباق و نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:

(۱) جب کوئی داعی الی اللہ یا مصلح اپنی قوم میں شرافت و نجابت کا حامل ہو تو لوگ اس کے پیغام کو بڑے غور سے سُنتے ہیں اور اس کی دعوت میں زیادہ وزن ہوتا ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ اگر داعیان اور مصلحین بلند مرتبہ اور عالی نسب نہ ہوں تو ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور اگر داعی ایسا ہو کہ لوگ اس کی نسبی بزرگی اور خاندانی وجاہت کا انکار

---

[1] کوہِ حرا کو اب جبلِ نور بھی کہتے ہیں۔ وہ غار جس میں آپ خلوت گزینی اختیار فرماتے تھے اس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز تھا۔ (مترجم)

نہ کر سکتے ہوں تو وہ اس کی ذاتی حیثیت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کی دعوت و پیغام کو غور و خوض سے سننے کے بعد صرف اسی بارے میں افترا پردازی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہِ قسطنطنیہ کی طرف نامۂ مبارک ارسال فرمایا جس میں اسے اور اس کی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو ہرقل نے ابوسفیان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سب سے پہلے آپ کے نسب کے متعلق سوال کیا۔ ابوسفیان جو اس وقت مشرک تھا، نے جواب دیا کہ وہ نسب کے اعتبار سے ہمارے اشراف میں سے ہیں۔ جب ہرقل نے اپنے سوالات ختم کیے اور جوابات سن لیے تو اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ابوسفیان سے جو سوالات کیے تھے ان کی وجہ بیان کی۔ ہرقل نے کہا: "میں نے تم سے ان کے خاندان اور نسب کے متعلق سوال کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے شرفا میں سے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جن کو بھی نبی بنایا وہ اپنی قوم کے بزرگ ترین اور نسب کے اعتبار سے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے تاکہ ان کی اطاعت و اقتدا میں کسی کو عار محسوس نہ ہو۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام اعمال کے مقابلے میں شرافتِ نسبی کو کوئی وزن نہیں دیتا لیکن جو شخص شرافتِ نسب اور شرافتِ کردار کا جامع ہو وہ مرتبے کے لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہونے والا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا:

"خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام ان فقھوا۔"

(ترجمہ: تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں ممتاز تھے وہ اگر دین کی سمجھ حاصل کر لیں تو وہ اسلام میں بھی ممتاز ہی رہیں گے)

(۲) جس داعی کا بچپن کا زمانہ حالتِ یتیمی میں گزرا ہو اور اس نے زندگی کی سختیاں جھیلی ہوں وہ انسانیت کی شرافت و اعلیٰ اقدار کے بارے میں حساس ہو جاتا ہے اس کا سینہ یتیموں، محتاجوں اور ستم رسیدہ لوگوں کے لیے محبت و شفقت کے جذبات سے لبریز ہوتا ہے اور وہ ان حرماں نصیب اور پسماندہ طبقوں کے ساتھ زیادہ عدل و انصاف اور احسان و ترحم کا برتاؤ کرتا ہے۔ ہر داعی اس امر کا محتاج ہے کہ وہ انسانیت کی ایسی شریفانہ خصوصیات سے بہرہ مند ہو جن کے ذریعے وہ کمزوروں اور بے کسوں کی تکالیف و مصائب کا ادراک کر سکے اور اگر اسے بذاتِ خود اپنی زندگی میں یتامیٰ، فقرا اور مساکین جیسے حالات سے سابقہ پیش آیا ہو تو یہ تجربہ اس کے لیے بہترین محرک ثابت ہوتا ہے اور وہ ضعیف اور خستہ حال لوگوں کی تکالیف سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے۔

(۳) جو داعی ایسی فضا میں زندگی گزارے جو فطرت سے قریب تر اور تکلفات سے پاک ہو اس کا ذہن زیادہ صاف ہوگا اور وہ روحانی، جسمانی اور عقلی اعتبار سے زیادہ قوی اور حسنِ گفتار اور غور و فکر کی صلاحیتوں سے مالامال ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسالتِ اسلام کے مشن کی سرانجام دہی کے لیے عرب کا انتخاب الل ٹپ طریقے سے بلاوجہ نہیں کیا بلکہ اس لیے کیا کہ اہلِ عرب اپنے قرب و جوار کی متمدن قوموں کی بہ نسبت زیادہ سادہ اور صاف دل، سلیم الفکر اور پختہ

اخلاق کے حامل تھے اور اللہ کی دعوت کے سلسلے میں اور چار دانگِ عالم میں اس کی رسالت کی نشر و اشاعت کے کٹھن کام میں جنگی مہمات وغیرہ کے دوران زیادہ تکلیفیں برداشت کرنے کا دم داعیہ رکھتے تھے۔

(۴) مرکز دعوت اور اس کی قیادت کے اہل صرف ذہین و فطین اور نامی گرامی لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ کند ذہن اور نجابت و شرافت میں درمیانہ درجے کے لوگ فکری، اصلاحی یا روحانی قیادت کی صلاحیت سے بہرہ یاب نہیں ہوتے، بلکہ وُہ لوگ جو کند ذہن ہوں یا جن کی فکر و رائے اضطراب و بے قاعدگی کا شکار ہو وہ تو زندگی کے متعدد گوشوں میں سے کسی ایک گوشے میں بھی قیادت و سیادت کے مستحق اور اہل قرار نہیں دیے جا سکتے جب زندگی کے تمام گوشوں کے ہدف اور احوال و ظروف باہم مماثل ہیں تو اسی سے مرکز قیادت کے بارے میں قیاس کر لیا جائے۔ اگر مرکز قیادت کسی نااہل کے سپرد ہو تو وہ اسے بہت جلد تنزل کی گہرائیوں تک پہنچا دے گا اور جب اس کی حماقت، بے قاعدگی اور اضطراب فکر کے کارنامے ظاہر ہوں گے تو قوم اس سے کوئی سروکار نہ رکھے گی۔

(۵) داعی کے لیے لازم ہے کہ وُہ اپنی معیشت کے معاملے میں خود کفیل ہو اور اس کا انحصار اپنے ذاتی کاروبار یا ایسی شریفانہ ملازمت پر ہو جس میں اسے دوسروں کا دستِ نگر نہ ہونا پڑے اور ذلت و اہانت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ مخلص اور شریف داعیان بذاتِ خود اس چیز کو ناپسندیدہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے صدقات و عطیات پر گزارہ کریں۔ اگر وہ دُوسروں کے دست نگر ہوں اور سوال کی ذلت میں مبتلا ہوں (خواہ یہ سوال پوشیدہ اور خفی ہی کیوں نہ ہو) تو لوگوں کی نظروں میں ان کی عزّت و شرافت جاتی رہے گی۔ جب ہم ایسے آدمی کو دیکھتے ہیں جو دعوت و ارشاد کا مدعی ہو لیکن مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کے اموال لُوٹ رہا ہو تو اس کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود اپنے آپ کو ذلیل و خوار سمجھتا ہے چہ جائیکہ اس کے پڑوسی یا دوسرے لوگ اس کے بارے میں یہ خیال کریں اور جس نے اپنی ذات کے لیے اہانت و رسوائی کو پسند کر لیا ہو وہ دوسروں کو مکارمِ اخلاق کی دعوت دینے، سرکشوں اور مفسدین کا مقابلہ کرنے، شر و فساد سے نبرد آزما ہونے اور اُمتِ مرحومہ میں کرامت و شرافت و استقامت کی روح بیدار کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

(۶) اگر داعی اپنی جوانی میں صراطِ مستقیم پہ گامزن ہو اور حُسنِ اخلاق میں پختہ کار ہو اور اس کی دعوت سے قبل کی زندگی لوگوں کی نظروں میں بے داغ ہو تو اس کی دعوت الی اللہ، اصلاح اخلاق اور برائیوں کے خلاف جہاد کی تحریک ضرور کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔ ہمارا تجربہ یہ ہے اور ہم نے ایسے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے دعوتِ اصلاح اور بالخصوص اصلاحِ اخلاق کی تحریکیں چلائیں لیکن لوگوں نے ان کے ساتھ تعاون نہ کیا اور اس کی سب سے بڑی وجہ ان داعیان کا گناہوں سے آلُودہ ماضی اور غیر مستقیم اخلاق تھا بلکہ یہ معیوب ماضی دعوتِ اصلاح جیسی تحریک کی صداقت کو بھی مشکوک بنا دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے داعیان پر یہ تہمت لگائی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اپنی دعوتِ اصلاح کے پردے میں مخصوص اغراض چھپا رکھی ہیں اور ان پر یہ الزام بھی عاید کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے دعوتِ اصلاح کی

تحریک اس وقت شروع کی جبکہ وہ زندگی کی بڑی بڑی لذّات وشہوات سے بہرہ اندوز ہو چکے ہیں اور اب وہ اس حالت اور عمر کے اس مرحلے پر پہنچ چکے ہیں جہاں ان کے لیے شہرت وجاہ اور عزت و مال حاصل کرنے کی کوئی امید نہیں رہی۔ اس لیے ایسے لوگوں کی دعوتِ اصلاح میں لوگوں کے لیے کوئی کشش نہیں ہوتی اور اس کی کامیابی مخدوش اور غیر یقینی ہوتی ہے۔

اگر داعی جوان ہو اور استقامت کی صفت سے متصف ہو تو وہ ہمیشہ سرافراز اور شگفتہ جبیں ہوتا ہے اور دشمنانِ تحریک اس کے ماضی قریب یا بعید کی وجہ سے اس کی تشہیر یا اس پر الزام تراشی نہیں کر سکتے اور لوگوں سے اس کا استخفاف نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ صدق و اخلاص کے ساتھ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اس کی حالیہ نیکیوں کے سبب اس کے سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن جہاں تک دعوتِ اصلاح کا تعلق ہے اس کے لیے ایک ایسا داعی مطلوب ہے جس کی سیرت مستقیم ہو اور وہ اچھی شہرت کا مالک ہو اور صرف اسی صورت میں اس کی دعوت کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔

(۷) داعی کے سفر کے تجربات، جمہور کے ساتھ اس کی معاشرت، لوگوں کے حالات و واقعات کی پہچان اور ان کی مصائب و مشکلات میں شرکت، یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں دعوت کی کامیابی میں بڑا عمل دخل حاصل ہے۔ وہ لوگ جو صرف اپنی کتابوں اور مقالات کے ذریعے لوگوں سے رابطہ رکھتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم نہیں ہوتے وہ دعوتِ اصلاح میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ لوگ ان کی دعوت پر کان نہیں دھرتے اور لوگوں کے دل و دماغ ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتے کیونکہ لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ان کے حالات و مشکلات سے بے خبر ہیں۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دیندار طبقے کی اصلاح کرے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کی مسجدوں، مجلسوں اور اجتماعات میں شریک ہو۔ جو شخص مزدوروں اور کسانوں کی اصلاح کا پروگرام بنائے اس کو چاہیے کہ وہ ان کے دیہات اور کارخانوں میں ان کے ساتھ رہے اور ان کے گھروں میں جا کر ان کی خبر گیری کرے اور اجتماعات میں انہیں خطاب کرے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کرے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کے بازاروں، منڈیوں، کارخانوں، مجلسوں اور اجتماعات میں ان کے ساتھ رابطہ رکھے۔ اور جو شخص سیاسی حالات کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے اس کو چاہیے کہ وہ سیاستدانوں سے میل جول رکھے، ان کی تنظیموں کے بارے میں معلومات حاصل کرے، ان کے خطابات میں شمولیت اختیار کرے، ان کے پیروکاروں اور ان کی پارٹیوں اور جتھوں کو تعلیم دے، ان کے طرزِ زندگی، تہذیب و ثقافت، تحریکی مقاصد اور نصب العین کا بغور مطالعہ کرے اور معلوم کرے کہ وہ انھیں کس طریقے سے خطاب کرے تاکہ وہ بدکنے نہ پائیں اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں وُہ اپنی ذاتی اصلاح کس طور پر کرے تاکہ وہ ناراض ہو کر الٹے دُور نہ ہو جائیں اور اس کے ساتھ محاذ آرائی پر نہ اُتر آئیں۔

اس طرح داعی کے لیے واجب ہے کہ وُہ زندگی کے تجربات اور لوگوں کے حالات کی معرفت حاصل کرے

تاکہ وُہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر فی الحقیقت عمل پیرا ہونے کے قابل ہو جائے :

ادع الیٰ سبیل ربّك بالحکمة والموعظة الحسنة۔ (النحل - ۱۲۵)

(ترجمہ : اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ)

اور یہ قول ماثور کس قدر انوکھا اور جامع ہے :

خاطبوا الناس علیٰ قدر عقولھم ، اتریدون ان یکذب اللّٰہ ورسولہٗ ؟

(ترجمہ : لوگوں کی سمجھ کے مطابق ان سے خطاب کرو ، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی تکذیب کی جائے ؟)[1]

(۸) داعی الی اللہ کے لیے واجب ہے کہ وُہ اپنے مختلف اوقات میں سے کچھ وقت ایسا نکالے جس میں وُہ خلوت گزینی اختیار کرے۔ اس دوران میں وہ اپنی روح کو اللہ جل شانہٗ کے ساتھ متصل کر دے ، اخلاقِ ذمیمہ کی کدورتوں سے اپنے آپ کو پاک وصاف کرے اور اپنے اردگرد کی مضطرب و بے چین زندگی کے بکھیڑوں سے علیحدگی اختیار کرلے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اس کی نیکی میں کمی واقع ہوگئی ہو یا اپنے نصب العین میں ٹھوکر کھا چکا ہو یا حکمت کے راستے سے ہٹ گیا ہو یا اس سے کسی معاملے میں کسی قسم کی کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو یا وہ لوگوں کے ساتھ جنگ و جدال یا مناقشت میں اُلجھ گیا ہو تو یہ خلوت کے اوقات اس کو محاسبۂ نفس کی دعوت دیں گے اور اس طرح اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے ذکر سے محبت پیدا ہوگی اور اسے آخرت، جنّت ، دوزخ ، موت اور اس کے گلوگیر پھندے اور آلام یاد آئیں گے اسی لیے نمازِ تہجد نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے حق میں فرض کی گئی تھی اور دوسروں کے حق میں مستحب قرار دی گئی ہے اس نفل نماز کی ادائیگی کے سب سے زیادہ سزاوار وہ خوش نصیب ہیں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ، شریعت اور جنّت کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ خلوت، تہجد اور رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے قیام میں ایک خاص لذّت جس کا ادراک صرف وہی شخص کرسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کرامت و شرافت سے نوازا ہو۔ ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ اپنے متعلق کہا کرتے تھے :

"تہجد و عبادت میں ہم ایسی لذّت حاصل کرتے ہیں کہ اگر اس کا علم بادشاہوں کو ہو جاتا تو وہ اس کے لیے ہمارے ساتھ آمادۂ پیکار ہو جاتے۔"

اور ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کافی ہے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا :

---

[1] بخاری، کتاب العلم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "حدثوا الناس بما یعرفون ، اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ۔

ایک روایت میں خاطبوا کی جگہ تکلموا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

یاایہا المزمل o قم الیل الا قلیلا o نصفہٗ اوانقص منہ قلیلا o اوزد علیہ ورتل القران ترتیلا o انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا o ان ناشئۃ الیل ھی اشد وطأً واقوم قیلا o (مزمل۔ ۱-۶)

(ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے)

فصل دوم

آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ بعثت سے ہجرت تک

۱۔ واقعات

اس دوران میں ہمارے لیے مندرجہ ذیل تاریخی واقعات ثابت شدہ ہیں :

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس سال کی عمر پوری کر لی اور آپ غارِ حرا میں خلوت گزین تھے تو سوموار کے روز یکایک جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا اور اس کے ختم ہونے میں ابھی سترہ دن باقی تھے[1]۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متصل سند کے ساتھ آنحضرتؐ پر نزولِ وحی کی کیفیت کے بارے میں حدیث بیان کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدأ سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ جو خواب بھی آپ دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ پھر آپ تنہائی پسند ہو گئے اور غارِ حرا میں خلوت گزین ہو کر عبادت کرنے لگے۔ (حضرت عائشہؓ نے تحنث کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی کئی کئی شب و روز تک مسلسل عبادت گزاری

---

[1] اولین وحی کب نازل ہوئی اس باب میں اختلاف ہے۔ اہلِ روایت کے بقول تاریخِ نزولِ وحی ۷ یا ۱۲ یا ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ یا ۲۴ رمضان بیان کی جاتی ہے لیکن قرآن میں ارشاد ہوا ہے :

انّا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر ۔

(ترجمہ : ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا)

اور اکثر علماءِ امت کی یہ رائے ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں کوئی ایک طاق رات شب قدر ہے بلکہ ان میں سے زیادہ اہلِ علم ستائیسویں رات کو شب قدر کہتے ہیں۔

کے ہیں) آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جا کر وہاں چند روز گزارتے، پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور وہ مزید چند روز کے لیے سامان مہیا کر دیتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے پاس امرِ حق آ گیا اور اس وقت آپ غارِ حرا میں تھے۔ فرشتے نے رو در رو آپؐ کے سامنے آ کر آپ سے کہا: "پڑھو"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھو"۔ میں نے کہا: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچا اور میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: "پڑھو"۔ میں نے پھر کہا: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔ اس نے تیسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ و ربك الاكرم الذی علم بالقلم، علم الانسان ما لم يعلم۔ (العلق ۱ - ۵)

(ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا اکریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانپتے لرزتے ہوئے وہاں سے واپس آ گئے اور خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس پہنچ کر کہا:

"مجھے اُڑھاؤ، مجھے اُڑھاؤ۔"

چنانچہ آپؐ کو اُڑھا دیا گیا۔ جب آپ پر سے خوف زدگی کی کیفیت دُور ہو گئی تو آپ نے فرمایا:

"اے خدیجہ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔"

پھر آپ نے سارا قصہ ان کو سنایا اور کہا: "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔"

خدیجہ نے کہا: "ہرگز نہیں، خدا کی قسم، آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رُسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور اصل مصیبت زدگان کی امداد کرتے ہیں۔"

پھر وہ حضورؐ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے گئیں جو خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ عربی اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے۔ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا: "بھائی جان! ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سُنیے۔"

ورقہ نے حضورؐ سے کہا: "بھتیجے! تم کو کیا نظر آیا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا۔ ورقہ نے کہا: یہ وہی ناموس (عالمِ بالا سے وحی

لانے والا جبریل فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں آپ کے زمانۂ نبوت میں قوی اور جوان ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟"

ورقہ نے کہا: "ہاں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپؐ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پر زور مدد کروں گا۔" مگر زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔

ابن ہشام نے ابن اسحاق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں سوئے ہوئے تھے۔ اسی حالتِ خواب میں جبریلؑ نے آکر ایک ریشمی کپڑے میں لکھی ہوئی تحریر آپ کو دکھائی اور کہا: اقرا... الخ (پڑھو... الخ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے اس تحریر کو پڑھا۔ فرشتہ چلا گیا اور جب میں نیند سے بیدار ہوا تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ تحریر میرے سینے میں لکھی ہوئی ہے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: "میں غار سے نکلا اور پہاڑ کے وسطی حصے میں آگیا، وہاں اچانک آسمان کی جانب سے ایک آواز میرے کانوں میں سنائی دی جو یہ تھی: "اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے دیکھنے کے لیے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ جبرائیلؑ ایک انسان کی شکل میں نمودار ہے اس کے دونوں پاؤں اکٹھے آسمان کے افق پر ہیں اور وہ کہہ رہا ہے:

"اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے اس کی طرف دیکھنے کے لیے توقف اختیار کیا اور اپنے مقام سے آگے پیچھے نہ ہوا۔ بعد ازاں آفاقِ آسمانی میں اس کی طرف سے میں اپنا رُخ پھیرتا رہا لیکن جس طرف بھی رُخ کرتا جبریل کو اسی طرف اسی شکل و صورت میں موجود پاتا۔ چنانچہ میں اُسی حالت میں کھڑا رہا نہ آگے جاتا نہ پیچھے پلٹتا یہاں تک کہ خدیجہؓ نے میری تلاش میں اپنے آدمی بھیج دئے..... الخ

(۲) سب سے پہلی ایمان لانے والی اور اسلام میں داخل ہونے والی آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ تھیں، ان کے بعد آپؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ ایمان لائے، جن کی عمر اس وقت دس سال کی تھی۔ پھر آپ کے آزاد کردہ حضرت زیدؓ بن حارثہ (مولیٰ) ایمان لائے اور بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے[1] غلاموں میں

---

[1] یہ بات متفق علیہ ہے کہ سب سے پہلی مسلمان خاتون حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اس کے بعد اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ میں سے کون سب سے پہلے اسلام لایا۔ بہرحال یہ بالاتفاق تسلیم کیا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد اولین اسلام لانے والے یہی تین حضرات تھے۔ (بحوالہ سیرت سرورِ عالمؐ، ج ۲، ص ۱۴۳) مترجم

سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت بلالؓ بن ابی رباح حبشی تھے۔ اس طرح حضرت خدیجہؓ علی الاطلاق سب سے پہلی ایمان لانے والی خاتون ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ سوموار کو دن کے آخری حصے میں نماز پڑھی اور یہ آپ کی نماز کا پہلا روز تھا۔ اس وقت صرف دو نمازیں فجر و عصر کی فرض ہوئی تھیں جن میں دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔

(۳) بعد ازاں ایک مدت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول بند رہا۔ اس مدت کے تعین کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ یہ وقفہ زیادہ سے زیادہ تین سال اور کم از کم چھ مہینے تھا، اور یہ آخری روایت ہی صحیح ہے۔ نزولِ وحی کی بندش کا زمانہ آپ پر بہت شاق گزرا اور آپ پر اس قدر شدید غم کی کیفیت طاری رہی کہ بعض اوقات آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینے کے لیے آمادہ ہو جاتے تھے کیونکہ آپؐ کو یہ شبہ گزرتا ہو گا کہ شرفِ رسالت کے لیے منتخب کیے جانے کے بعد کہیں اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہو۔ پھر اس کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک روز میں راستے سے گزر رہا تھا یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سُنی، میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کُرسی پر بیٹھا ہُوا ہے میں اسے دیکھ کر سخت دہشت زدہ ہو گیا اور گھر پہنچ کر میں نے کہا: "مجھے اُڑھاؤ، مجھے اڑھاؤ۔" چنانچہ گھر والوں نے مجھ پر لحاف (یا کمبل) اڑھا دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی: "یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ... تا ... وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ"[1] پھر لگاتار وحی کا نزول شروع ہو گیا۔

(۴) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پُوری قوت اور حکمت کے ساتھ تین سال تک اسلام کی دعوت پیش کی یہاں تک کہ ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی مسلمان ہو گئی جو صحیح الفکر اور سلیم الفطرت تھے۔[2]

(۵) جب اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد تقریباً تیس ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا

---

[1] ترجمہ: اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے! اُٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دُور رہو۔

[2] ابتدائی تین سال تک آنحضرتؐ خفیہ طور پر تبلیغ کرتے رہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی تحقیق کے مطابق اس سہ سالہ دور میں ۱۳۴ اشخاص نے اسلام قبول کیا جن کے اسمائے گرامی سیرتِ سرورِ عالمؐ جلد دوم کے صفحات ۱۵۵ تا ۱۶۲ پر درج ہیں۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کی تین صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمِّ کلثوم بھی اپنی ماں حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ایمان لائی تھیں۔ اور اگر حضرت امّ الفضلؓ زوجہ حضرت عباسؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کو بھی قدیم الاسلام تسلیم کیا جائے تو ان لوگوں کی کل تعداد ۱۳۹ بن جاتی ہے۔

(مترجم)

کر وہ دعوت کی تبلیغ کھلے بندوں کریں جیسا کہ سورہ الحجر کی آیت ۹۴ میں فرمایا گیا:

فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین۔

(ترجمہ: پس اے نبی! جس چیز کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو اور شرک کرنے والوں کی ذرا پروا نہ کرو)

(۶) جب آپ نے علانیہ دعوتِ عام شروع کی تو کفار کی مخالفت زور پکڑ گئی اور انہوں نے نئے نئے ایمان لانے والوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی کا تختۂ مشق بنایا۔ مشرکین کو یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بودے عقاید و مراسم کا قلع قمع کر دیں گے اور ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پردہ چاک کر دیں گے کیونکہ وہ ایک ایسے دین کا پرچار کر رہے ہیں جو صرف ایک خدا کی طرف دعوت دیتا ہے اور جس کی صفت یہ ہے کہ آنکھیں اور نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔

(۷) اس دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ارقم بن ابی ارقم جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے ان کے مکان کو مسلمانوں کے اجتماع اور دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مسلمانوں کو قرآن کریم کی نازل شدہ آیات سناتے اور دین کے ان احکام و قوانین کی تعلیم دیتے جو وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہتے۔

(۸) اس مرحلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ آپ کوہِ صفا پر کھڑے ہوئے اور قریش کے ایک ایک قبیلے اور خاندان کا نام لے لے کر آپ نے آواز دی اور انھیں اسلام قبول کرنے اور بُتوں کی عبادت چھوڑ دینے کی دعوت دی، جنّت کی رغبت دلائی اور دوزخ سے ڈرایا۔ اس پر آپؐ کے چچا ابُولہب نے آپ کو کہا:

ستیاناس جائے تیرا، کیا اس لیے تُو نے ہمیں جمع کیا تھا!

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے کے لیے قریش نے پَے در پَے آپ کے چچا ابوطالب کے پاس وفد بھیج کر ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ ان کی حمایت چھوڑ دیں اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد کر دیں تاکہ وُہ ان سے نمٹ لیں۔ لیکن آپ کے چچا آپ کی حمایت سے دست بردار نہ ہوئے۔ ایسے ہی ایک وفد کے چلے جانے کے بعد انہوں نے آنحضرتؐ کو بلایا اور مشورہ دیا کہ دعوت کے کام میں ذرا تخفیف کر دی جائے تاکہ قریش کو آپ کا مشن ناگوار نہ ہو۔ چچا ابُوطالب کی یہ بات سُن کر آنحضرتؐ نے یہ گمان کیا کہ چچا کے لیے اب میری حمایت کرنا مشکل ہو گیا ہے اور وہ اس سے دست کش ہونے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔ اس وقت آنحضرتؐ نے اپنا وُہ مشہور جواب ارشاد فرمایا:

"خدا کی قسم، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں یہ

کام نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ یا تو اللہ اسے کامیاب کر دے یا میں اس راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔"

(۱۰) اس کے بعد مشرکین کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعذیب شدّت اختیار کرگئی اور انہوں نے مسلمانوں کو دین سے ہٹانے کے لیے بے رحمی، درندہ طبعی اور سفّاکی کا بے پناہ مظاہرہ کیا اور ظلم و ستم کے عبرتناک کارنامے سرانجام دیے خاص طور پر بے کس، غریب مسلمانوں اور غلاموں اور کنیزوں کی تو شامت آ گئی۔ مثلاً حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیّہؓ کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جُرم میں برچھی ماری اور وہ ہلاک ہو گئیں، اور حضرت زنیرہؓ (کنیز) کو ابوجہل نے اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

(۱۱) جب قریش نے دیکھا کہ ایذا رسانی کی شدت بھی مومنین کے پائے استقلال میں لغزش پیدا کرنے اور ان کو اپنے عقیدے سے ہٹانے میں ناکام ہو چکی ہے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی کوشش کی، اور یہ پیشکش کی کہ اگر آپ کو مال و دولت مطلوب ہو تو آپ جتنا مال لینا چاہیں لے لیں اور اگر بادشاہ بننا مقصود ہو تو وہ آپ کو بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

(۱۲) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش کی ایذا رسانی کا سلسلہ طول پکڑتا جا رہا ہے اور ان کی ستم رانی صحابہ کرام کے لیے ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "اچھا ہو کہ تم لوگ یہاں سے نکل حبش چلے جاؤ، وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہیں ٹھہرے رہو۔" اس ارشاد کے مطابق سرزمینِ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ہوئی جس میں ۱۲ مردوں اور ۴ خواتین نے حبش کی راہ لی۔ جب انہیں حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے اور غلبۂ اسلام کی خبر پہنچی تو وہ مکہ میں واپس آ گئے لیکن یہاں زیادہ دیر قیام نہ کیا بلکہ دوبارہ حبش چلے گئے اور ان کے ہمراہ اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ یہ دوسری ہجرتِ حبشہ ہے جس میں مہاجرین کی تعداد ۸۳ مردوں اور ۱۱ خواتین تک پہنچ گئی۔

(۱۳) مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا مقاطعہ باقی سب خاندانوں سے کرا لیا کہ ان کے ساتھ خرید و فروخت، شادی بیاہ اور میل جول کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا اور نہ ہی ان سے کبھی صلح کی جائے گی یہ مقاطعہ دو تین سال تک رہا۔ (اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم اور بنی عبدالمطّلب کے ہمراہ شعبِ ابی طالب میں محصور رہے) اور آپؐ کو اور آپ کے ہمراہیوں کو سخت تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ بالآخر قریش کے کچھ عقلمند لوگوں کی مساعی سے اس مقاطعہ کا خاتمہ ہوا۔

ب- پند و نصائح

(۱) یہ حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دعوتِ خیر و اصلاح کی توفیق دیتے ہیں تو اس کے

دل میں معاشرے میں پھیلی ہوئی گمراہی اور بگاڑ کے خلاف کراہت و ناپسندیدگی کے جذبات پیدا کر دیتے ہیں۔

(۲) غارِ حرا میں فرشتے کی آمد سے پہلے تک حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات سے خالی الذہن تھے کہ آپ کو شرفِ نبوت سے نوازا جائے گا۔ اس چیز کا طلبگار ہونا تو درکنار آپ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ کوئی ایسا معاملہ آپ کے ساتھ پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں خلوت گزینی کے لیے جو جذبہ بیدار کیا وہ تو صرف عبادت گزاری کے لیے تھا تاکہ اس طریقے سے آپ کی تطہیر ہو اور روحانی طور پر آپ میں رسالت کا بارِ گراں اٹھانے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اگر آنحضرت شرفِ نبوت سے نوازے جانے کے امیدوار ہوتے تو آپ نزولِ وحی سے کبھی خوف زدہ نہ ہوتے اور نہ ہی غارِ حرا میں پیش آنے والے واقعہ کے بعد حضرت خدیجہؓ کے پاس کانپتے ہوئے آکر استفسار کرتے۔ آپ کو اپنی رسالت کے بارے میں پختہ یقین اس وقت ہوا جب آپؐ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا:

"اے محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔"

مزید برآں ورقہ بن نوفل نے بھی آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہؓ کے روبرو اس امر کی تصدیق کر دی کہ جو کچھ آپ نے غار میں دیکھا ہے یہ وہی ناموس (عالمِ بالا سے وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا تھا۔

(۳) جب دعوتِ اصلاح اور جمہور کے اعتقادات و افکار میں ہم آہنگی نہ ہو تو داعی کو چاہیے کہ وہ اس وقت تک علانیہ دعوت کا کام نہ کرے جب تک کہ اس دعوت پر ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ایمان نہ لے آئے جو اس کے راستے میں ہر قسم کے مخالف و موافق حالات میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے آمادہ ہو۔ چنانچہ اگر داعی پر کوئی افتاد پڑے اور اسے ایذا رسانی کا ہدف بنایا جائے تو اس کی دعوت پر ایمان لانے والے اس کے پیروکار اشاعت دعوت کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔ صرف اسی صورت میں دعوت کی لگاتار اشاعت کی ضمانت حاصل ہو سکتی ہے۔

(۴) یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ عرب کو یکایک وُہ پیغام دیا جو ان کے نظریات و ایمانیات کے خلاف تھا۔ انہوں نے آپ کی دعوت کا انکار شدومد سے کیا اور ان کی تمامتر خواہش و کوشش یہ تھی کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کو ہلاک کر دیا جائے۔ دورِ حاضر کے بعض داعیانِ قومیت کے زعمِ باطل کا رد اس واقعہ میں موجود ہے۔ ان داعیانِ قومیت کا گمان یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تحریکِ رسالت اس وقت کے اہلِ عرب کی خواہشات اور نصب العین کے مطابق تھی۔ یہ ایک مضحکہ خیز گمان ہے جس کی تردید تاریخی واقعات سے ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے داعیان اس طرح کی باتیں دعوائے قومیت کے بارے میں اپنے غلو کی بنا پر کرتے ہیں اور وُہ اسلام کو ایک ایسا نظامِ زندگی قرار دیتے ہیں جس کا دھارا اہلِ عرب کی قومیت اور ان کے افکار سے پھوٹا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا برملا انکار ہے اور رسالتِ اسلام کی عظیم توہین ہے۔

(۵) اگر اشرار اور گمراہ لوگ مومنین کو ہر طرح کے جور و ستم کا نشانہ بنائیں اور مومنین اس کے باوجود اپنے عقیدے اور نصب العین پر ثابت قدم رہیں تو یہ ان کے حق میں صدقِ ایمان، اخلاصِ عقیدہ اور ذاتی و روحانی بلندی کی بیّن

دلیل ہے۔ انھیں اپنے لائحہ عمل میں ضمیر کی راحت اور روحانی وفکری اطمینان حاصل ہوتا ہے اور وہ کفار کی ایذا رسانی اور ظلم و تعدی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہیں۔

سچے اور پختہ کار مومنین اور اخلاص پیشہ داعیان کی تمام تر لگن اور دائمی تگ و دَو تن پروری کی بجائے اپنی روحانی آسودگی کے لیے ہوتی ہے وہ ہمیشہ اپنے روحانی جذبات کی تسکین میں کوشاں رہتے ہیں اور اپنی جسمانی داعیات و شہوات مثلاً حصولِ راحت و لذت اور شکم سیری کی چنداں فکر نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کی دعوتِ اصلاح کو فروغ نصیب ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے جمہور تاریکیوں اور جہالتوں سے نجات حاصل کرتے ہیں۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے مشورۂ تخفیفِ دعوت کا جو جواب دیا اور کفارِ قریش کی طرف سے بادشاہت اور مال و دولت کی پیشکش کو جس طرح رد کر دیا یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ آپ اپنے دعوائے رسالت میں کس قدر سچے ہیں اور لوگوں کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو کس درجہ مرغوب و مطلوب ہے۔ اسی طرح ایک داعی کو چاہیے کہ وُہ اپنی دعوت میں پختہ کار اور مستقیم ہو اور اگر اہلِ باطل اس کو جاہ و منصب کا لالچ دے کر راہِ راست سے ہٹانے کی کوشش کریں تو اسے ایسی پیشکش کو ٹھکرا دینا چاہیے۔ مومنین کو راہِ حق میں جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ ان کے ضمیر اور قلب و نظر کے لیے راحت کا سامان مہیا کرتی ہیں اور ان کے نزدیک دُنیا کے مناصب و درجات اور مال و منال سے کہیں زیادہ مرغوب و عزیز اور قیمتی متاع اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت کا حصول ہے۔

(۷) داعی کو چاہیے کہ وہ ہر روز یا ہر ہفتے وقفوں وقفوں سے اپنے رفقاء کے اجتماعات منعقد کرتا رہے اور انہیں دعوت کے طریق کار اور اس کے اسالیب و آداب کی تعلیم دیتا رہے تاکہ انہیں ایمان و یقین میں زیادتی حاصل ہو اگر علانیہ اجتماعاتِ عام میں داعی کو اپنی جان اور اپنے رفقاء کی ہلاکت کا خطرہ محسوس ہو تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ خفیہ طور پر خصوصی اجتماعات منعقد کرے تاکہ اہلِ باطل ان کے برخلاف کوئی سازش یا منصوبہ تیار کر کے انہیں جور و ستم کا ہدف نہ بنا سکیں اور ان کی ہلاکت کا اقدام نہ کر سکیں۔

(۸) داعی کے لیے واجب ہے کہ وُہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے بھی دعوتِ اصلاح کی تبلیغ کا اہتمام کرے اور اگر وہ اس سے مُنہ موڑ جائیں اور گمراہی اور بگاڑ کی روش پر قایم رہیں تو وہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے سامنے معذرت پیش کر سکے۔

(۹) اگر داعی کو محسوس ہو کہ کفار کی فتنہ پردازی کے باعث اس کی جماعت کے لوگوں کی زندگیاں اور اعتقادات خطرے کا شکار ہیں تو اسے چاہیے کہ وُہ ان کے لیے ایسا مامن تلاش کرے جہاں وہ اہلِ باطل کی سرکشی اور ظلم و زیادتی سے امان حاصل کر سکیں۔ اور یہ چیز داعیان کے جذبۂ قربانی کے منافی نہیں ہے۔ اگر داعیان کی افرادی قوت کم ہو تو اہلِ باطل ان کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی تحریک کو کچل سکتے ہیں اس لیے داعیان کو چاہیے کہ وُہ ایسے ناسازگار حالات میں اپنی دعوت اور وجود کو بچا کر کسی دارالامان کی طرف نکل جائیں تاکہ ان کی دعوت کو استمرار اور نشر و اشاعت

کی ضمانت حاصل ہو جائے۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اختلافِ مذاہب کے باوجود دینداروں کے مابین دینی رابطہ بت پرستوں اور ملحدوں کے ساتھ رابطہ کی بہ نسبت زیادہ مضبوط اور قابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ آسمانی ادیان جس طرح اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور یوم آخر پر ایمان لانے کے بارے میں باہم متفق ہیں اسی طرح وہ اجتماعیت کبریٰ کے نصب العین کے مآخذ اور اصول صحیحہ کے بارے میں بھی باہم ملتے جلتے ہیں اس لیے ان کے درمیان قرابت کی بنیادیں زیادہ قابلِ اعتماد اور پختہ ہیں۔ اس کے برعکس الحاد، بت پرستی اور شرائع الٰہیہ سے انکار کے ساتھ رنگ و نسل اور زبان و وطن کے اشتراک کی بنیاد غیر پختہ اور ناقابلِ اعتماد ہے۔

(۱۱) اہلِ باطل کا معمول ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ اہلِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر دعوتِ حق کا مقابلہ کرنے اور اسے کچلنے کے لیے ایک ذریعہ ناکارہ ثابت ہو جاتا ہے تو وہ دیگر ذرائع و وسائل مہیا کر لیتے ہیں اور حق و باطل کی یہ کشمکش مسلسل جاری رہتی ہے جب تک کہ حق پوری طرح کامیابی سے ہمکنار نہ ہو جائے اور باطل پوری طرح نیست و نابود نہ ہو جائے۔

فصلِ سوم

ہجرتِ حبشہ سے ہجرتِ مدینہ تک

۱۔ تاریخی واقعات

اس وقفہ کے دوران میں مندرجہ ذیل واقعات پیش آئے :

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابُو طالب بعثت کے دسویں سال وفات پا گئے۔ وہ اپنی زندگی بھر کفار کے مقابلے میں اپنے بھتیجے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت وحمایت کرتے رہے۔ جب تک وہ زندہ رہے ان کی ہیبت واحترام کی وجہ سے کفارِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو کوئی ایذا نہ پہنچا سکے۔ ابو طالب کے انتقال کے بعد قریش کو یہ جرأت ہُوئی کہ وُہ آنحضرتؐ کو شدید ایذا رسانی کا نشانہ بنا سکیں۔ اس لیے چچا کی وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتہائی رنج و ملال کا باعث ثابت ہُوئی۔ جب ابو طالب کی موت کا وقت قریب آیا اور وُہ بسترِ مرگ پر تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ وہ کلمۂ اسلام کہیں، لیکن انہوں نے اس خوف کی وجہ سے کلمہ کہنے سے انکار کردیا کہ کہیں ان کی قوم انہیں رُسوا نہ کرے۔

(۲) حضرت خدیجہؓ نے بھی اسی سال وفات پائی۔ دشمنانِ قریش کی طرف سے جو غم وآلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتے تھے حضرت خدیجہؓ کی رفاقت ان کو ہلکا کردیتی تھی۔ ایسی رفیقۂ حیات کی وفات سے آنحضرتؐ کو شدید صدمہ ہوا۔ چونکہ اس سال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار چچا اور غمگسار بیوی دونوں انتقال کرگئے اس لیے آپ نے اس سال کو عام الحزن (یعنی سالِ غم) کا نام دیا۔

(۳) چچا اور بیوی کی وفات کے بعد جب قریش کی ریشہ دوانی اور ستم رانی شدت اختیار کرگئی تو آپ نے اس خیال سے طائف کا رُخ کیا کہ شاید وہاں آپ کی دعوت کو قبیلہ بنی ثقیف کی طرف سے حُسنِ قبول اور نصرت حاصل ہو۔ لیکن نہ صرف

---

[1] اس امر میں اختلاف ہے کہ آپ نے طائف میں کتنا عرصہ قیام فرمایا۔ اختلافِ روایت کی بناء پر آپ وہاں دس دن یا بیس دن ٹھہرے۔ اور ایک روایت میں طائف کے قیام کی مدت ایک مہینہ بتائی گئی ہے۔ (مترجم)

یہ کہ طائف میں آپ کی دعوت کو پذیرائی نصیب نہ ہوئی بلکہ اہلِ طائف نے آپ کے ساتھ غیر شریفانہ سلوک کیا۔ انہوں نے اپنے لڑکے بالوں کو آنحضرتؐ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے آپؐ پر سنگباری کی اور آنحضرتؐ کے دونوں مبارک قدموں سے خون بہنے لگا۔ آپؐ نے طائف کے باغوں میں سے ایک باغ میں پناہ حاصل کی اور اس عجز و انکسار کی حالت میں اپنے اللہ کی طرف رجوع کیا اور گڑگڑا کر یہ رقت انگیز دعا مانگی :

"الٰہی ! میں تیرے ہی حضور اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی توہین کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین ! تُو سارے ہی کمزوروں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تُو ہی ہے۔ تُو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؛ کیا کسی بیگانے کے سپرد' جو مجھ سے درشتی کا برتاؤ کرے؛ یا کسی دشمن کے سپرد جو مجھ پر قابو پا لینے کی طاقت رکھتا ہے؛ اگر تُو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے ان مصائب کی کچھ پروا نہیں۔ اگر تیری طرف سے مجھے آسُودگی نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشائش ہے۔ میں پناہ مانگتا ہُوں تیری ذات کے اس نور کی جس سے اندھیروں میں اجالا ہوتا ہے اور دنیا و آخرت کے معاملات درست ہو جاتے ہیں، مجھے اس سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا تیری ناراضامندی مجھ پر وارد ہو۔ میں تیری رضا پر راضی ہُوں یہاں تک کہ تُو مجھ سے راضی ہو جائے اور بدی سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی توفیق مجھے تیری ہی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔"

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے اور بنی ثقیف میں سے کسی نے بھی آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا ماسوائے "عداس" کے جو عتبہ اور شیبہ فرزندانِ ربیعہ کا عیسائی ملازم تھا۔ ایک روز بنی ثقیف کے اوباشوں نے آپ کا گھیراؤ کیا اور آپ کو اس حد تک تنگ کیا کہ آپؐ ایک باغ کے احاطے میں جانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ باغ عتبہ اور شیبہ پسرانِ ربیعہ کا تھا۔ جب انہوں نے آنحضرتؐ کو اس عاجزی و درماندگی کی حالت میں دیکھا تو انہوں نے غلام کو کہا کہ انگوروں کا ایک خوشہ اس شخص کو دے آؤ۔ جب غلام نے انگور آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیے تو آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر انگور کھانا شروع کیے۔ اس چیز نے عداس کو آپؐ کی طرف مائل کر دیا کیونکہ وہاں تو کوئی بھی یہ کلمہ کہنے والا نہیں تھا۔ اس کے بعد عداس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت ہوئی اور وہ مسلمان ہو گیا۔

(۵) معجزۂ اسراء[1] و معراج[2] وقوع پذیر ہوا۔ یہ واقعہ کب پیش آیا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں اور مؤکد قول یہ ہے کہ یہ ہجرتِ مدینہ سے قبل ۱۲ھ بعدِ بعثت کا واقعہ ہے۔ جمہور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اسراء و معراج دونوں واقعات ایک ساتھ پیش آئے تھے۔ ایک ہی رات میں آپ کو جسم و روح کے ساتھ بیداری کی حالت

---

[1] اسرأ سے مراد، رات کے وقت آپؐ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی (بیت المقدس) تک لے جانا ہے۔ (مترجم)

[2] معراج سے مراد ہے آپؐ کا مسجدِ اقصٰی سے سدرۃ المنتہٰی تک پہنچنا۔ (مترجم)

میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا پھر آپ عالمِ بالا کی انتہائی بلندیوں سے گزرتے ہُوئے بارگاہِ ربّ العزت میں پہنچے اور پھر اسی رات صبح ہونے سے قبل مکّہ مکرمہ اپنے گھر میں واپس بھی تشریف لے آئے۔ آپؐ نے قریش کو اس معجزہ کی روداد سُنائی تو انہوں نے آپ کا استہزاء کیا اور مذاق اڑایا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اور دیگر راسخ الایمان مسلمانوں نے آپؐ کی تصدیق کی۔

(۶) اسی شبِ معراج میں ہر عاقل بالغ مسلمان پر پنجوقتہ نماز فرض کی گئی۔

۷۔ **انصار کے اسلام کی ابتداء** ۱۱ھ بعد بعثت کے موسمِ حج میں آنحضرتؐ اپنے قاعدے اور سالانہ معمول کے مطابق ہر قبیلے کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے اور انہیں بتوں کی عبادت ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اسی اثناء میں پھرتے پھراتے آپ اس عقبہ (گھاٹی) کے قریب پہنچے جو منٰی کے علاقے میں مکّے کے راستے پر واقع ہے جس کے قریب رمی جمار کی جاتی ہے وہاں قبیلہ اوس وخزرج کے ایک گروہ سے آپؐ کی ملاقات ہُوئی۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی وہ اسلام لے آئے ان کی تعداد سات[1] تھی۔ جب وہ مدینہ کی طرف واپس گئے تو انہوں نے اپنی قوم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی اس ملاقات اور دینِ اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا۔ اس طرح وہاں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔

۸۔ **پہلی بیعتِ عقبہ** آیندہ سال یعنی ۱۲ھ بعد بعثت کے زمانہ حج میں انصار کے ۱۲ افراد نے اسی عقبہ کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات حاصل کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب وہ واپس گئے تو آنحضرتؐ نے ان کے ہمراہ مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ مسلمانوں کو قرآنِ کریم پڑھائیں اور انہیں اسلام کی تعلیم دیں۔ اس طرح مدینہ منوّرہ میں اسلام کی نشرواشاعت وسیع پیمانے پر ہوگئی۔

۹۔ **دُوسری[2] بیعتِ عقبہ** تیسرے سال یعنی ۱۳ھ بعد بعثت انصار مدینہ کی ایک جماعت موسمِ حج میں مکّہ مکرمہ آئی اور انہوں نے خفیہ طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بمقام عقبہ ملاقات کی۔ یہ جماعت ستر[3] مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وتائید اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ آپ کی ہر اس

---

[1] بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد چھ تھی اور یہ سب کے سب قبیلہ خزرج کے تھے۔ اور کچھ دیگر روایات میں ہے کہ یہ آٹھ آدمی تھے۔ (مترجم)

[2] بعض مورخین نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کا نام پہلی بیعت عقبہ رکھا ہے اور انہوں نے ۱۲ افراد والی بیعت کو دوسری بیعت عقبہ اور ۷۲ آدمیوں والی بیعت کو تیسری بیعت عقبہ کے عنوان سے معنون کیا ہے۔ (مترجم)

[3] ایک روایت کے مطابق اس بیعت میں دو عورتیں اور ۷۳ مرد شامل تھے جن میں سے ۱۱ قبیلہ اوس کے تھے اور ۶۲ قبیلہ خزرج کے۔ (مترجم)

چیز سے حفاظت کریں گے جس سے وُہ خود اپنی عورتوں اور اولاد کی کرتے ہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ۱۲ نقیب منتخب کیے جو اپنے اپنے قبیلے کے ذمہ دار بنائے گئے۔ اس کے بعد وُہ مدینہ واپس چلے گئے۔

ب۔ پند و نصائح

(۱) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ داعی کی حمایت اس کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار کرتا ہے جو اس کی دعوت پر ایمان نہیں لاتا بلکہ صرف قرابت کی عصبیت کے باعث وُہ ایسا کرتا ہے۔ وُہ اشرار کو داعی کے خلاف ظلم و عدوان روا رکھنے سے روکتا ہے اور اس طرح دعوت کو فائدہ پہنچتا ہے جب کہ وُہ ابھی کمزور حالت میں ہو۔ اگر داعی اپنے قبیلے اور خاندان کی برائیوں میں ان کا شریکِ کار نہ ہو تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وُہ اپنے قبیلے اور خاندان کی عصبیت کا فائدہ اپنی ذات اور دعوت کے لیے حاصل کرے۔

۲۔ ایک نیکوکار بیوی اگر اپنے داعی خاوند کی دعوت پر ایمان رکھتی ہو اور اس کے دُکھ درد میں برابر کی شریک ہو تو وُہ اپنے خاوند کی بیشتر صعوبتیں نرم کر دیتی ہے اور اس کے رنج و غم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی دعوت کے سلسلے میں استقامت اور ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ایک غمگسار بیوی کا دعوت کی کامیابی و کامرانی میں نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ ایک ایمان دار اور وفا شعار بیوی جو اپنے خاوند کی دعوتِ خیر کی کامیابی، اس کی ثابت قدمی اور دعوت کے لیے پیہم جدوجُہد میں اچھا کردار ادا کرنا چاہے اس کے لیے آنحضرتؐ کے ساتھ سیدہ خدیجہؓ کا حُسنِ سلوک ایک اعلیٰ نظیر اور بہترین نمونۂ عمل ہے۔ اور معرکہ اصلاح کی سرگرمیوں کے دوران میں ایسی رفیقۂ حیات کا فقدان داعی خاوند کے لیے حُزن و یاس کا باعث اور بہت بڑا نقصان ہے۔

(۳) دعوتِ حق کے کسی غیر مومن حامی رشتہ دار کی وفات پر غمزدہ ہونا ایک مخلص داعی کے لیے قدرتی امر ہے۔ اسی طرح ایک مومن و مخلص رفیقۂ حیات جو دعوت کے لیے ہر طرح کی قربانیاں کرتی ہو اور ہر قسم کے حالات میں دعوت کی نُصرت و تائید پر کمر بستہ رہتی ہو۔ ایسے مثالی کردار کی حامل بیوی کی موت کا صدمہ بھی قدرتی ہے اور داعی کے اخلاص و وفاکیشی کا مظہر ہے۔ جب ابو طالب فوت ہُوئے تو اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور آپ کی مغفرت فرمائے۔ میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا کرنے سے منع نہ کر دے۔"

دُوسرے مسلمان بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اپنے مشرک مردہ رشتہ داروں کے لیے مغفرت کی دُعا کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہُوا:

ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبیّن لھم انھم اصحاب الجحیم۔ (التوبہ۔ ۱۱۳)

(ترجمہ: نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دُعا کریں، چاہے وُہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وُہ جہنم کے مستحق ہیں)

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے لیے مغفرت کی دُعا ترک کر دی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے اپنے مشرک مردہ رشتہ داروں کے لیے دُعا مانگنے سے اجتناب کی روش اختیار کر لی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی بھر حضرت خدیجہؓ کی فضیلت و شرافت کا ذکر کرتے رہے ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہے۔ ان کی سہیلیوں کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے رہے اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ان کی اس قدر تعریف فرماتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت خدیجہؓ پر رشک آتا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی پر مجھے اتنا رشک نہیں آتا تھا جس قدر رشک کہ مجھے حضرت خدیجہؓ پہ آتا تھا حالانکہ میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر بکثرت فرمایا کرتے تھے۔ آپ جب کبھی کوئی بکری ذبح کرتے اور اس کے ٹکڑے کرتے تو انہیں حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ہاں بھجواتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے یہ کہنے کی جسارت کی (کہ آپؐ تو خدیجہؓ کی اس طرح تعریف کرتے ہیں) گویا ان کے سوا دنیا میں کوئی اور عورت ہی نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! وہ ایسی اور ایسی تھی اور اس کے بطن سے میرے ہاں اولاد بھی ہوئی۔"

(۴) جب اہلِ مکہ نے آنحضرتؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور آپؐ نے طائف کا رُخ کیا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کی پیہم تبلیغ کے لیے عزمِ صمیم کے حامل تھے اور اس سلسلے میں کبھی نا امیدی کا شکار نہ ہُوئے۔ اگر ایک مقام پر آپؐ کی دعوت کے آگے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں تو آپ اس کے لیے نئے نئے میدانوں کی تلاش و جستجو کے لیے نکلتے رہے۔ طائف کے بنی ثقیف نے اپنے لڑکے بالوں اور بیوقوفوں کو ورغلا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شر پسندی کی طبعی خاصیت اور اس کے طور طریقے ہر جگہ یکساں ہوتے ہیں یعنی یہ کہ بیوقوفوں کو داعیانِ خیر و صلاح کی ایذا رسانی کے لیے اکسانا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے خُون بہنا، ایک داعی حق کے ظلم و ستم برداشت کرنے کی بہت بڑی مثال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے ایک باغ میں جو دعا فرمائی وہ ایک ابدی دعا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص اور مصائب کے علی الرغم دعوت کے مسلسل جاری رکھنے کا عزمِ صمیم نمایاں نظر آتا ہے۔ دعا کا یہ فقرہ کہ "اگر تُو مجھ پر ناراض نہیں ہے تو مجھے کچھ پروا نہیں" ظاہر کرتا ہے کہ یہ دُعا صرف خدائے واحد و یکتا کی رضا جوئی کے لیے تھی نہ کہ بڑے لوگوں، سرداروں یا عامۃ الناس کی بھیڑ کی خوشنودی کے لیے۔ اس میں ایک داعی کے لیے یہ سبق بھی ہے کہ اگر ایذا رسانی

شدید ہو تو اسے صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کرنی چاہیے اور اسی سے امداد و اعانت طلب کرنی چاہیے۔ نیز اس سے داعی کو یہ نصیحت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کی ناراضامندی سے ڈرنا چاہیے اور اس کے ماسوا کسی دوسری چیز کے خوف کو خاطر میں نہ لانا چاہیے۔

(ہ) معجزۂ اسراؑ و معراج میں بے شمار اسرار و رموز پنہاں ہیں یہاں تک کہ مندرجہ ذیل تین نکات بھی اس میں مضمر ہیں:

ا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ مکرمہ عالمِ اسلامی کے اتحاد اور اس کی سرگرمیوں کا محور و مرکز بن چکا ہے تو معجزۂ اسراؑ و معراج میں مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے قضیہ کا عالمِ اسلامی کے مسائل و معاملات کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسطین کا دفاع عین اسلام کا دفاع ہے۔ اس لیے روئے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ اگر فلسطین کے دفاع اور اس کو آزاد کرانے میں کوئی کسر اٹھا رکھی گئی تو یہ اسلام کے حق میں ہماری کوتاہی شمار ہوگی اور یہ ایک جُرم ہے جس پر ہر مومن سے مواخذہ کیا جائے گا۔

ب۔ اس میں یہ راز بھی پوشیدہ ہے کہ ایک مسلمان کا مقام بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا کی سفلی لذات و شہوات سے پرہیز کرے اور اس اعلیٰ نظیر کے پیش نظر بلندی درجات اور بلند و بالا نصب العین کے حصول کے لیے اپنی تمام تر سعی و جہد ہمیشہ صرف کرتا رہے تاکہ دیگر بنی نوع انسان کی بہ نسبت اسے منفرد عالی مقام حاصل ہو۔

ج۔ اس واقعہ معراج میں یہ اشارہ بھی مخفی ہے کہ انسان کے لیے ارضی جاذبیت کے بندھن سے باہر نکل کر فضاؤں کی تلاش و جستجو ممکن ہے اور فضائی پرواز کے بعد دوبارہ زمین پر سلامتی کے ساتھ واپس آجانا بھی ممکن ہے۔ اس پورے عالم کی تاریخ میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے واقعۂ اسراؑ و معراج میں عالمِ بالا کی سیر کی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ واقعہ ان کے حق میں معجزہ کے طور پر پیش آیا تو دوسرے لوگوں کے لیے علمی و فکری طریقے سے فضاؤں کی جستجو ممکن ہے۔[1]

---

[1] مولف رحمہ اللہ نے صرف مادی ذرائع و وسائل سے فضائی سیر کا ذکر کیا ہے۔ اس نکتہ کی طرف علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں متعدد اشارات کیے ہیں۔ مثلاً: ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے　　　کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

(بالِ جبریل)

(باقی بر صفحہ آیندہ)

(۶) شبِ اسراء و معراج کو پنجوقتہ نماز فرض ہوئی۔ سفرِ معراج میں فرضیتِ نماز کی حکمت کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کہتے ہیں کہ تمہارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عالمِ بالا کی طرف معراج جسم و روح کے ساتھ معجزہ کے طور پر پیش آئی اور تمہارے لیے ہر روز پانچ مرتبہ اللہ کے دربار کی حاضری مقرر کر دی گئی جس میں تمہاری ارواح اور دل و دماغ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ روحانی معراج اس وقت متحقق ہوگی جب تم اپنی خواہشات و شہوات کی پیروی سے رُوگردانی کر لوگے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور وحدانیت کی شہادت ادا کرو گے۔ تمہیں زمین کی سیادت قہر و غلبہ اور لوگوں کو اپنا غلام بنا کر حاصل نہیں ہوگی بلکہ خیر و صلاح، بلند کرداری، پاکیزگی اور بزرگی میں سبقت لے جانے اور نماز کے ذریعے تمہیں امامتِ ارضی کے منصب پر سرفراز کیا جائے گا۔

(۷) زمانۂ حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف قبائل کے پڑاؤ پر جانے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایک داعی کو صرف اس بات پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ اس کی دعوت اپنے اجتماعات اور دفاتر تک محدود ہو کر رہ جائے بلکہ اس کے لیے واجب ہے کہ وہ ہر ایسے مقام کا دورہ کرے جہاں لوگ جمع ہوں یا لوگوں کے اجتماع کا امکان ہو، نیز اس کو چاہیے کہ اگر لوگ اس کی دعوت سے اعراض کی روش اختیار کریں تو وہ اس سے مایوس نہ ہو جائے۔ بعض اوقات دعوتِ حق و خیر کی نشر و اشاعت میں اور شر پسندوں اور ان کے حامیوں کے برخلاف انتہائی غلبہ حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید عجیب کرشمے دکھلاتی ہے۔ انصارِ مدینہ کے وہ پہلے سات مومنین جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا ان کی مساعی سے مدینہ میں اسلام کا چرچا ہونے لگا اور دعوت کا ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ اس کے ذریعے مکہ مکرمہ کے مظلوم مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی راہ ہموار ہوئی جہاں وہ سب اکٹھے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مدینہ دارالامان بن گیا جہاں آپ کی ریاست قائم ہوئی، آپ کی دعوت کی نشر و اشاعت ہوئی۔ آپ کے اصحاب اس قابل ہوئے کہ وہ جنگوں اور

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

رہ یک گام ہے ہمّت کے لیے عرشِ بریں   کہ رہی ہے یہ مسلماں سے معراج کی رات

(بانگِ درا)

ناوک ہے مسلماں! ہدف اس کا ہے ثریا   ہے سرِ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج

(ضربِ کلیم)

ورنہ جس مقامِ بلند تک آنحضرتؐ کو معراج ہوئی وہاں تک کسی دیگر مخلوق کی پرواز نہیں ہو سکتی۔ اس سفر میں جبریل علیہ السلام جو آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے وہ بھی ساتوں آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ (جو عالمِ خلق اور بارگاہِ خداوندی کے درمیان حدِ فاصل ہے) پر ٹھہر جاتے ہیں اور آنحضرتؐ تنہا آگے جاتے ہیں اور پیشگاہِ رب العزت میں ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ واقعۂ اسراء و معراج کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوت السمٰوٰت والارض یعنی اس کائنات کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا، اور ایسا عظیم تجربہ کسی دیگر نبی و رسول کو بھی نہیں کرایا گیا۔ (مترجم)

معرکوں میں مشرکین کا مقابلہ کریں جن میں اہلِ ایمان کو غلبہ و فتح اور مشرکین کو ابدی ہزیمت و شکست نصیب ہوئی۔ اللہ تعالےٰ اوس و خزرج کے انصار سے راضی ہوا۔ انہیں اہلِ اسلام اور جملہ عالم پر ایسی فضیلت حاصل ہے جس کی بھلائی لامحدود ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اخوان مہاجرین سے بھی راضی ہُوا جو ان سے قبل دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے اور جنہوں نے اسلام کے راستے میں اپنے قیمتی مال و متاع اور گھر بار کی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنتِ رضوان میں ان سب کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین

فصلِ چہارم

ہجرت سے لے کر مدینہ منورہ میں ٹھکانا حاصل کرنے تک

۱۔ تاریخی واقعات

(۱) جب قریش کو یہ معلوم ہوا کہ اہلِ یثرب کے ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو انہوں نے مکہ مکرمہ میں مومنین پر ظلم و تشدد میں زیادتی شروع کر دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کی جانب ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اِکّا دُکّا مخفی طور پر ہجرت اختیار کی ماسوائے حضرت عمرؓ کے جنھوں نے اپنی ہجرت کے بارے میں کھل کر اعلان کیا اور مشرکین قریش کو چیلنج کیا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اولاد سے محروم ہو جائے وہ کل صبح اس وادی کے درمیان مجھ سے مقابلہ کرے۔ لیکن کسی مشرک کو باہر نکل کر ان کا راستہ روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

(۲) جب قریش کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمان مہاجرین مدینہ منورہ میں عزت و حفاظت سے زندگی گزار رہے ہیں تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ تیار کرنے کے لیے دار الندوہ میں ایک اجلاس طلب کیا اور باتفاق رائے یہ طے کیا گیا کہ تمام قبیلوں میں سے ایک ایک مضبوط نوجوان منتخب کیا جائے اور وہ سب یکبارگی حملہ کر کے آنحضرتؐ کو قتل کر دیں۔ اس طرح آپؐ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور مجبوراً خون بہا پر راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ تمام نوجوان جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے پر مامور کیا گیا تھا وہ ہجرت کی رات آنحضرتؐ کے دروازے پر اکٹھے ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ آنحضرتؐ باہر نکلیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔

(۳) اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر نہ سوئے اور حضرت علیؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ وہ ان کی جگہ ان کے بستر پر سو جائیں۔ نیز حضرت علیؓ کو یہ حکم دیا کہ کفارِ قریش کی جو امانتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ صبح کے وقت کفار کو واپس کر دی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے اپنے گھر سے نکل گئے اور قتل کے لیے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ آپؐ حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے پہلے سے دو اونٹنیاں ایک اپنے لیے اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کر رکھی تھیں ان دونوں نے نکلنے کا ارادہ کیا حضرت ابو بکرؓ نے بنی الدیل کے ایک شخص عبداللہ بن اریقط کو جو اس وقت مشرک تھا اجرت پر بطور بدرقہ مقرر کیا کہ وہ ان

دونوں کو مدینہ جانے والی عام گزرگاہ سے ہٹ کر کسی غیر معروف راستے سے مدینہ لے جائیں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترپن سال کی عمر میں حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں بتاریخ یکم ربیع الاول بروز جمعرات نکل کھڑے ہوئے۔ آپؐ کی ہجرت کی خبر ماسوائے حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی اولاد کے کسی دوسرے کو نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی دونوں بیٹیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے ان کے لیے زادِ راہ تیار کیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنا نطاق (کمر بند یا وُہ کپڑا جو اس زمانہ میں عورتیں کمر پہ لپیٹتی تھیں) کھول کر اسے پھاڑا اور اس کے ایک ٹکڑے سے توشہ دان کا منہ باندھا۔ اسی بنا پر حضرت اسماءؓ کو ذات النطاقین (دو نطاقوں والی) کہا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بدرقہ کی معیت میں یمن کے راستہ کا رُخ کیا اور غارِ ثور تک پہنچ گئے اور وہ دونوں وہاں تین رات تک چھپے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ رات ان کے پاس گزارتے تھے۔ سحر کے وقت وہاں سے چل کر علی الصبح منہ اندھیرے مکہ میں پہنچ جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا انہوں نے رات مکہ ہی میں بسر کی ہو۔ اس وقت ان کا عنفوانِ شباب تھا اور وُہ ایک ہوشیار اور فہیم نوجوان تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے خلاف جو منصوبہ بھی قریش رات کو تیار کرتے تھے یہ صبح کو اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے شام کے وقت اس کی اطلاع غار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قتل سے بچ کر نکل گئے تو قریش کے لیے قیامت برپا ہو گئی وہ آپؐ کی تلاش میں مکہ کے معروف راستے سے نکلے لیکن بے سُود۔ پھر یمن کے راستے کی طرف متوجہ ہُوئے اور غارِ ثور کے دہانے پر آ کر ٹھہر گئے ایک نے کہا:

"شاید آنحضرتؐ اور ان کے ساتھی اس غار میں ہوں۔"

دوسروں نے کہا:

"کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اس غار کے دہانے پر مکڑی نے اپنا جالا تنا ہُوا ہے اور اس میں پرندوں نے انڈے دے رکھے ہیں۔ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس غار میں مدّتِ مدید سے کوئی شخص داخل نہیں ہُوا۔"

اس وقت ابوبکرؓ غار کے دہانے پر کھڑے ہونے والوں کے پاؤں دیکھ رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے خوف سے کانپتے ہُوئے آپؐ سے کہہ رہے تھے:

"خدا کی قسم، یا رسولؐ اللہ! اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے قدموں کے نیچے کی طرف سے دیکھے تو ہمیں دیکھ لے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں یہ کہہ کر تسلی دے رہے تھے کہ "اے ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔"

(۶) قریش نے لوگوں کو لالچ دینے کے لیے مختلف قبائل میں اعلانِ عام کر دیا کہ جو شخص آنحضورؐ اور ان کے ساتھی کے بارے میں مخبری کرے یا ان کو پکڑ کر لاتے یا قتل کر دے تو اسے خطیر رقم بطور انعام دی جائے گی۔ اس پیشکش کے پیش نظر سراقہ بن جعشم نے اپنے آپ کو تیار کیا اور وہ تن تنہا آنحضرتؐ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تاکہ آپ پر قابو پا کر انعام حاصل کرے۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی کی تلاش و جستجو دوسرے مرحلے میں داخل ہوگئی اور آپؐ اپنے بدرقہ کی معیت میں غارِ ثور سے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے بحر احمر کا ساحلی راستہ اختیار کیا اور کافی راستہ بلا روک ٹوک طے کر گئے۔ اس کے بعد سراقہ آپ سے جا ملا۔ اس نے آنحضرتؐ کے قریب جانے کی کوشش کی تو اس کے گھوڑے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں اور گھوڑے میں چلنے کی سکت نہ رہی۔ سراقہ نے تین مرتبہ کوشش کی کہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چلے لیکن بے سُود۔ اس وقت سراقہ کو یقین ہوگیا کہ آنحضرتؐ امام اور رسول کریم ہیں۔ سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ وہ آپؐ کی امداد کرے گا۔ آنحضرتؐ نے اسے خوشخبری دی کہ اسے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ مکہ کی جانب لوٹ آیا اس نے آنحضرتؐ کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہ دی اور آنحضرتؐ کسی مزاحمت کے بغیر اپنا سفر طے کر گئے۔

(۸) مدینہ منورہ میں آپؐ کے اصحاب بڑی بے چینی سے آپؐ کا انتظار کر رہے تھے اور وہ ہر روز صبح کے وقت نکل کر مدینہ کی اونچی جگہوں پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت تک واپس نہ جاتے تھے جب تک کہ دوپہر کے وقت دھوپ کی گرمی ناقابلِ برداشت نہ ہو جاتی۔ یہ انتظار طول پکڑ گیا یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ پہنچ گئے۔ جب مدینہ والوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو انہیں بے انتہا خوشی نصیب ہوئی اور لڑکیوں نے دفوں پر یہ گیت گانا شروع کیا:

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — مادعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

(ترجمہ: وداع کی پہاڑیوں کی جانب سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا، جب تک کوئی اللہ سے دعا مانگنے والا دُعا مانگے ہم پر شکرگزاری واجب ہے۔ اے ہم میں مبعوث کئے گئے! تو ایسے احکام لے کر آیا جو واجب الاطاعت ہیں)

(۹) جب آپؐ "قبا" پہنچے جو مدینہ کے راستے میں جانبِ جنوب دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے تو وہاں آپؐ نے چار روز تک قیام فرمایا اور دَورِ اسلام کی سب سے پہلی مسجد (مسجد قبا) کی بنیاد رکھی۔ جمعہ کی صبح کو وہاں سے چل دیے۔ بنی سالم بن عوف کے محلے میں نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ نے وہاں بھی ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اسلام میں پہلا جمعہ قایم کیا اور خطبۂ جمعہ دیا۔ پھر آپؐ نے مدینہ کا رُخ کیا۔ جب آپؐ وہاں پہنچے تو سب سے پہلے

جو کام آنحضرتؐ نے سرانجام دیا وہ یہ تھا کہ جہاں آپؐ کی اُونٹنی جا کر رُکی اُس جگہ کو مسجد کی تعمیر کے لیے انتخاب کیا۔ یہ جگہ انصار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی آں حضرتؐ نے انہیں قیمت کی پیشکش کی لیکن انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم اسے ہبہ کرتے ہیں۔" آپؐ نے بطور ہبہ قبول کرنے سے انکار فرمایا اور اسے سونے کے دس دینار کے عوض خریدا۔ یہ قیمت حضرت ابو بکرؓ کے مال سے ادا کی گئی۔ پھر آپؐ نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ سب مل کر اس کی تعمیر کریں۔ وہ اس کام میں بلا توقف مشغول ہو گئے۔ آپؐ بھی دوسروں کے ہمراہ مٹی کی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ یہاں تک کہ تعمیر مکمل ہو گئی مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور چھت کا چھپر کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں کا تھا۔

(۱۰) مسجد نبوی کی تعمیر سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے مہاجرین و انصار کے مابین رشتۂ اخوت قائم فرما دیا۔ ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے جاتا اور جملہ مال و متاع کے بارے میں کہتا کہ یہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔

۱۱۔ **یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدہ** پھر آنحضرتؐ نے مسلمانوں (مہاجرین و انصار) اور یہودِ مدینہ کے مابین معاہدہ کی ایک دستاویز تحریر کروائی، جس میں ان کے دین اور اموال کو تحفظ فراہم کیا گیا تاکہ کوئی کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے۔ سیرت ابنِ ہشام میں اس دستاویز کا مفصل ذکر موجود ہے۔ اس میں وہ مبادیات درج ہیں جن پر اسلام کی سب سے پہلی مملکت قائم ہوئی اور انسانیت، عدلِ اجتماعی، دینی رواداری اور مصلحتِ عامہ کے اصول درج ہیں۔ ہر طالب علم کو چاہیے کہ وہ اس دستاویز کا مطالعہ کرے، اسے سمجھے اور اس کے مبادیات کو ازبر کرے۔

یہ ابدی تاریخی دستاویز مندرجہ ذیل مبادیات پر مشتمل ہے،

۱۔ امتِ مسلمہ کی وحدت بلا تفریق۔

۲۔ ابنائے امت کے مابین حقوق و شرافت میں مساوات۔

۳۔ ماسوائے ظلم و زیادتی اور گناہ کے کاموں کے دیگر امور میں ابنائے امت کا آپس میں تعاون۔

۴۔ دشمنوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں امت کا اشتراک۔

۵۔ ہیئت اجتماعیہ کی بہترین تنظیم جو راستی اور استقامت پر مبنی ہو۔

۶۔ مملکت اور اس کے نظام کے برخلاف خروج کرنے والوں کو بے نقاب کرنا اور ان کی امداد سے باز رہنا۔

۷۔ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ مصالحت و تعاون سے رہنا چاہیں ان کی حمایت کرنا اور ان کے حقوق پر دست درازی نہ کرنا۔

۸۔ غیر مسلموں کے لیے ان کا دین اور اموال ہیں۔ انہیں دین اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے اموال زبردستی حاصل کیے جائیں گے۔

۹۔ مملکت کے اخراجات برداشت کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے غیر مسلم حلیف بھی حصہ دار ہوں گے۔
۱۰۔ غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہو گا کہ وہ مملکت کے برخلاف ہر قسم کی سرکشی و بغاوت کو کچلنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کریں۔
۱۱۔ غیر مسلموں پر یہ بھی واجب ہو گا کہ جب تک مملکت کو حالتِ جنگ درپیش ہو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کے مصارف اٹھائیں۔
۱۲۔ اگر غیر مسلموں کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے تو مملکت کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ اسی طرح ان کی امداد کرے جس طرح ہر مظلوم مسلمان کی امداد کی جاتی ہے۔
۱۳۔ مملکت کے دشمنوں اور ان کے مددگاروں کی حمایت نہ کرنا مسلمانوں اور ان کے غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہے۔
۱۴۔ جب اُمت کی بھلائی صلح میں ہو تو مسلمانوں اور غیر مسلم حلیفوں پر واجب ہے کہ وہ سب کے سب صلح قبول کریں۔
۱۵۔ کسی شخص سے کسی دُوسرے کے گناہ کا مواخذہ نہیں ہو گا، اور کسی شخص سے صرف اس کی ذات یا خاندان کے بارے میں تاوان لیا جائے گا۔
۱۶۔ حدودِ مملکت کے اندر اور باہر نقل و حرکت کی آزادی مملکت کی حمایت کے ساتھ مشروط ہو گی۔
۱۷۔ کسی گناہگار اور ظالم کی حمایت نہیں کی جائے گی۔
۱۸۔ ہیئت اجتماعیہ کی بنیاد نیکی اور تقویٰ پر قایم ہو گی نہ کہ گناہ اور زیادتی پر۔
۱۹۔ ان مبادیات کا تحفظ یہ دُو طاقتیں کریں گی:

ا۔ قوتِ معنویہ۔ یہ عبارت ہے اس سے کہ ہیئتِ اجتماعیہ کا اللہ پر غیر متزلزل ایمان ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر نیکوکار اور وفا شعار کا محافظ و نگہبان ہے۔

ب۔ قوتِ مادیہ۔ یہ مملکت کی سربراہی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مرکوز ہے۔

ب۔ پند و نصائح

(۱) جب کسی مومن کو اپنے زورِ بازو پر اعتماد ہوتا ہے تو اس کی عملی جدّ و جہد پوشیدہ نہیں ہوتی بلکہ وہ علانیہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے اور جب تک اسے تحریکی دشمنوں کے غلبے کا خطرہ نہ ہو وہ ان کی مخالفت کی پروا نہیں کرتا، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ہجرت کے موقعہ پر کیا تھا۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جب داعی قوی موقف اختیار کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عمرؓ کے چیلنج کے جواب میں دشمن حضرت عمرؓ کے قتل کا منصوبہ تیار کرنا چاہتے تو وُہ ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے

جرأت مندانہ موقف سے ان میں سے ہر ایک کے دل پر رُعب طاری ہوگیا اور وُہ ڈر گیا کہ اگر اس نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو وُہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور اس کی ماں اس سے محروم ہوجائے گی کیونکہ ہو شر پسندوں کو اپنی متاعِ حیات بہت عزیز ہوتی ہے اور وُہ اسے خطرے میں ڈالنے سے گریز کرتے ہیں۔

(۲) جب اہلِ باطل دعوتِ حق و اصلاح کی پیش قدمی روکنے سے مایوس ہوجاتے ہیں اور مومنین ان کی دستبرد سے نجات حاصل کرکے کسی دارالامان میں چلے جاتے ہیں تو اس وقت دشمن طاقتیں اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آتی ہیں اور مخلص داعی کے قتل کے درپے ہوجاتی ہیں۔ انھیں یہ گمان لاحق ہوتا ہے کہ اگر داعیِ تحریک کو قتل کردیا جائے گا تو اس کی تحریک آپ سے آپ مُردہ ہوجائے گی اور اس طرح وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے۔ ہر دَور میں شر پسند دشمنانِ اصلاح کی سوچ کا یہی انداز رہا ہے اور ہم نے اپنے زمانے میں بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

(۳) تحریکِ اصلاح کا ایک اخلاص پیشہ مجاہد اپنے قائد پر اپنی زندگی قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے کیونکہ قائد کی سلامتی تحریک کی سلامتی کی ضامن ہوتی ہے اور قائد کی ہلاکت تحریک کی رسوائی و توہین کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ کی ہجرت کی رات آپؐ کے بستر پر رات گزاری۔ ان کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بچانے کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کے مترادف ہے۔ اس وقت یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت علی انتقامی کارروائی کے طور پر قریش کے نوجوانوں کی تلواروں کا نشانہ بن جاتے کیونکہ حضرت علیؓ نے ہی آنحضرتؐ کے دشمنوں کے حملہ سے بچ جانے کی راہ ہموار کی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالنے کی مطلق پروا نہ کی اور آپؓ کا مقصود صرف یہ تھا کہ قائدِ تحریک حضرت نبی الامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صحیح و سالم بچ جائے۔

(۴) مشرکین اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ آرا تھے اور آنحضرتؐ کے قتل کی منصوبہ بندی کررہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی امانتیں آنحضرت کے پاس ودیعت رکھتے تھے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دشمنانِ اصلاح کو داعی کی راست روی، امانت اور پاکدامنی کا پورا پورا یقین ہوتا ہے اور ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ وہ ان کی بہ نسبت اعلیٰ سیرت اور پاکیزہ کردار کا حامل ہے۔ لیکن ان کی گمراہی، جھگڑالو پن اور عادات و عقایدِ باطلہ پر ان کی ہٹ دھرمی انھیں اکساتی ہے کہ وُہ داعی کے خلاف محاذ آرائی پر آمادہ ہوں اس سے ہر قسم کا مکر و فریب روا رکھیں اور اگر ہوسکے تو اس کے قتل کا منصوبہ تیار کریں۔

(۵) کسی قائدِ تحریک یا رئیس مملکت یا دعوتِ اصلاح کے لیڈر کا اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے قتل کے درپے دشمنوں کے نرغے سے بچ نکلنے کی کوشش کرنا یا کسی ایسے دارالہجرت کی تلاش کرنا جہاں اس کی تحریک قوت و زور حاصل کرسکے اور کامیابی سے ہمکنار ہوسکے تو اس کی کوشش کو بُزدلی یا موت سے فرار یا جانی و روحانی قربانی سے گریز پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ کے کردار سے ثابت ہوتا ہے کہ نوجوان کسی تحریک کو پروان چڑھانے میں بڑے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ وُہ ہر دعوتِ اصلاح کے ستون ہوتے ہیں اور بڑی سرگرمی سے قربانی اور فدا کاری کے لیے تیار ہوجاتے ہیں

اور اس طرح تحریک نصرت و غلبہ کی جانب تیز رفتاری سے پیش قدمی کرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ اسلام میں مومنین سابقین سب کے سب جوان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بوقت بعثت چالیس سال تھی۔ حضرت ابو بکرؓ آنحضرتؐ سے تین سال چھوٹے تھے۔ حضرت عمرؓ ان دونوں سے کم عمر تھے۔ حضرت علیؓ سب سے خورد سال تھے۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں کم تھے۔ اسی طرح حضرات عبداللہؓ بن مسعود، عبدالرحمانؓ بن عوف، ارقمؓ بن ابی ارقم، سعیدؓ بن زید، بلالؓ بن رباح، عمارؓ بن یاسر وغیرہ سب کے سب جوان سال تھے۔ انہوں نے اپنے کندھوں پر تحریک کا بوجھ اٹھایا اور اس راستے میں قربانیاں پیش کیں اور عذاب و آلام اور موت تک کے مزے چکھے۔ ان کی وجہ سے اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ اور ان کی اور ان کے بھائیوں کی جد و جہد سے خلافتِ راشدہ کے قیام کی راہ ہموار ہوئی اور اسلامی فتوحات پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ یہ ان ہی کی کرم فرمائی ہے کہ دینِ اسلام ہم تک پہنچا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہالت و جاہلیت، گمراہی و بت پرستی اور کفر و فسق سے نجات بخشی۔

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے دوران میں حضرات عائشہؓ و اسماءؓ کے کردار سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین تک دعوتِ اصلاح کی تبلیغ کس قدر ضروری ہے۔ خواتین طبعاً نرم مزاج، دعوت کو جلد قبول کرنے والی، نیک نفس اور پاک دل ہوتی ہیں۔ جب ایک عورت ایک دفعہ ایمان لے آتی ہے تو پھر اس دعوت کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں مصائب و آلام کی پروا نہیں کرتی، وہ اپنے خاوند، بھائیوں اور بیٹوں کو اس دعوت کی طرف راغب کرتی ہے۔ عہدِ رسالت میں فروغِ اسلام کے لیے خواتین کی جد و جہد سے تاریخ کے ابواب روشن و تابناک ہیں۔ ہمیں اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ اگر دورِ حاضر میں اسلامی اصلاحی تحریک میں خواتین کو شامل نہ کیا گیا اور نوجوان بچیوں کی نشو و نما ایمان و اخلاق اور عفت و طہارت کے اصولوں کے مطابق نہ کی گئی تو یہ بہت بڑی کوتاہی ہوگی اور اس کے نتیجے میں اجتماعی زندگی میں تحریک اپنا بھرپور کردار ادا نہ کر سکے گی۔ دورِ جدید میں ہماری اجتماعی زندگی کی اصلاح کے لیے مردوں کی بہ نسبت نوجوان لڑکیاں حلقہ خواتین میں بہترین طریقے سے دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہیں۔ وہ خانگی ذمہ داریوں سے کسی حد تک فارغ البال ہوتی ہیں۔ خورد سال صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعینؒ کی تربیت تمام تر خواتینِ اسلام کی مرہونِ منت ہے جنہوں نے اپنی اولاد کو اسلامی اخلاق و آداب سے آراستہ اور محبتِ اسلام اور محبتِ رسولؐ کی لازوال دولت سے مالا مال کیا۔ تاریخ اسلام میں صحابہؓ و تابعینؒ کی جماعت عالی ہمتی، استقامتِ سیرت اور دین و دنیا کی بھلائی کے نقطۂ نظر سے بہترین جماعت ہے۔

دورِ حاضر میں ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اس حقیقت کا ادراک حاصل کریں اور کوشش کریں کہ حلقہ خواتین میں ہماری نوخیز لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں اسلامی اصلاحی تحریک کا بیڑا اٹھائیں۔ ان کی تعداد نصفِ اُمت سے زیادہ ہے۔ اس کا عملی تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ایسی قابلِ اعتماد درسگاہوں میں تعلیم دلوائیں جہاں اسلام کی تدریس بطریقِ احسن ہوتی ہو۔ مثلاً ہماری یونیورسٹی کا شریعت[1] کالج۔ جوں جوں نوخیز پود علمِ دین، فقہ، شریعت

[1] مؤلف نے شریعت کالج شام کو معیاری درسگاہ قرار دیا ہے۔ ہمارے ہاں سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہٗ کی نگرانی میں الجامعۃ الاسلامیہ لبنات الاسلام گجرات میں بچیوں کی دینی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہے۔ (مترجم)

تاریخِ اسلام کی معلومات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور آنحضرتؐ اور امّہات المومنینؓ کے اخلاق سے آراستہ ہو جائے گی ہم اس قابل ہوتے جائیں گے کہ اسلامی اصلاحی تحریک کو پُوری قوت کے ساتھ آگے بڑھا سکیں اور اپنی اجتماعی زندگی میں احکام اسلام اور شریعت کو نافذ کر سکیں۔ ان شاء اللہ یہ مرحلہ قریب ہے۔

(۸) غارِ ثور کے پاس پہنچ کر بھی مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرتؐ کے ساتھی کو نہ دیکھ سکے روایات کی رُو سے وہاں مکڑی نے اپنا جالا تنا تھا اور غار کے دہانے پر پرندوں نے انڈے دے رکھے تھے۔ اس قسم کی خارق عادت عنایات سے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں، داعیوں اور احباب کو نوازتا رہتا ہے اور اس قبیل کے واقعات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف دلوں کا میلان ہوتا ہے۔ خاکم بدہن اگر مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے اور آپ کے قتل اور آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے منصوبے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ صورتِ حال اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے حق میں رحمت کے تقاضے کے منافی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا والوں کے حق میں رحمت کے طور پر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اخلاص پیشہ بندگان کی امداد شدائد و آلام کے مواقع پر کیا کرتا ہے۔ انہیں ہر قسم کے گزند سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کی گھات میں بیٹھے ہوئے شر پسندوں اور غداروں کی آنکھوں سے اکثر اوقات انھیں اوجھل کر دیتا ہے غارِ ثور میں مشرکین کے گھیراؤ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی کی نجات کے واقعہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان اقوال کی تصدیق ہوتی ہے:

انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشہاد۔ (غافر / المومن - ۵۱)

(ترجمہ: یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے)

ان اللہ یدافع عن الذین اٰمنوا۔ (الحج - ۳۸)

(ترجمہ: یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں)

(۹) جب حضرت ابوبکرؓ غار میں تھے تو انہیں خوف لاحق ہُوا کہ کہیں مشرکین ان دونوں کو دیکھ نہ لیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحریک کا ایک سچا مجاہد جو اپنے امانت دار قائد کے ہمراہ ہو اور اسے اپنے قائد کی زندگی خطرے میں گھری ہوئی معلوم ہو تو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ابوبکرؓ کو اس وقت اپنی موت کی مطلق پروا نہ تھی۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ اس سفرِ ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اختیار نہ کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر مشرکین نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گرفتار کر لیا تو ایسی صورت میں ان کی کم از کم سزا قتل ہی ہوگی لیکن حضرت ابوبکرؓ کو تو اس بات کا خوف دامنگیر تھا کہ اگر خدانخواستہ مشرکین آنحضرتؐ کو گرفتار کر لیتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اسلام کا مستقبل خطرے میں تھا۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اس خوف و خطر کے عالم میں تسلی دینے کے لیے یہ جواب دیا:

"اے ابوبکرؓ! تیرا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔"

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان، اس کی امداد پر پختہ اطمینان اور کٹھن گھڑیوں میں اللہ پر کس قدر توکل تھا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ دعوائے نبوت میں سچے تھے۔ جب آپؐ انتہائی خطرناک حالات سے دوچار تھے اس وقت بھی آپؐ کو اس بات کا کامل اطمینان نصیب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اور رحمت کے طور پر مبعوث فرمایا ہے اس لیے وہ ایسے سنگین مواقع پر آپؐ کو ہرگز بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ اس قسم کا قلبی اطمینان کسی ایسے مدعیِ نبوت کو بھی حاصل ہوسکتا ہے جو صفتِ رسالت کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی کٹھن مراحل میں سچے داعیانِ اصلاح اور خودساختہ مدعیانِ اصلاح کے کردار کا فرق واضح ہوتا ہے۔ سچے داعیان کے دل ہمیشہ اللہ کی رضاجوئی اور اس کی امداد پر اعتماد کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں اور جھوٹے مدعیان خوف کے مواقع پر بزدلی کا شکار ہوجاتے اور آلام و شدائد میں استقامت کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور پھر اللہ کے مقابلے میں تم کسی کو ان لوگوں کا حامی و مددگار نہ پاؤ گے۔

(۱۱) سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا لیکن آپؐ تک پہنچنے سے عاجز آگیا۔ یہ آنحضرتؐ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہوا تو اس کے گھوڑے کی ٹانگیں ریت میں دھنس گئیں۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کا رُخ مکہ کی طرف کیا تو گھوڑے کا ہانپنا ختم ہوگیا اور وہ تازہ دم ہوگیا۔ لیکن جب دوبارہ اس نے گھوڑے کا رُخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موڑا تو گھوڑا پھر عاجز ہوکر زمین میں دھنس گیا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایسا معجزہ کسی نبی مرسل ہی کے لیے وقوع پذیر ہوسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اعانت و نصرت کی تائید حاصل ہو۔ سراقہ نے بھی یہی سمجھا اور اس نے عاجز آکر آنحضرتؐ کو امان کے لیے پکارا، نیز اس نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی حفاظت سے نوازتا ہے جس پر غلبہ پانے سے انسانی قویٰ عاجز ہیں۔ سراقہ اپنی اس مہم کی ناکامی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ حاصل کرنے کی کامیابی پر راضی ہوگیا۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہنانے کا جو وعدہ فرمایا وہ بھی ایک معجزہ ہے۔ جو شخص اپنی قوم سے بھاگ کر جا رہا ہو وہ فتحِ ایران اور کسریٰ کے خزانے حاصل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اِلّا یہ کہ وہ نبی مرسل ہو۔ سراقہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وعدہ پُورا ہوکر رہا۔ جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے ایران کے اموالِ غنیمت میں کسریٰ کے کنگن دیکھے تو انھوں نے حضرت سراقہؓ کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کو پورا کیا۔

حضرت عمرؓ نے سراقہ کو دونوں کنگن صحابہ کرامؓ کے بھرے اجتماع میں پہنائے اور فرمایا:

"تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے کسریٰ سے اس کے کنگن چھین لیے اور ایک بدو سراقہ بن جعشم کو پہناتے۔"

اس طرح ہجرت کے دوران میں یکے بعد دیگرے متعدد معجزات کا ظہور ہوا تاکہ مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو اور

اہلِ کتاب جو تردّد اور انکار و جحود کا شکار تھے انہیں یقین آجائے کہ آنحضرت رب العالمین کے رسول ہیں۔

(۱۳) انصار و مہاجرین جو یثرب میں تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور صحیح و سالم پہنچ جانے پر بہت خوش ہُوئے۔ عورتیں اور بچّے شاداں و فرحاں گھروں سے باہر نکل آئے اور مردوں نے آنحضرتؐ کے استقبال کے لیے اپنا کام کاج چھوڑ دیا۔ اس وقت یہودِ مدینہ کے کردار سے بھی مترشح ہوتا تھا کہ وُہ بظاہر اہلِ یثرب کی خوشی میں شریک ہیں لیکن بباطن وہ اس نئی قیادت کے برخلاف رقابت اور حسد کے جذبات کی وجہ سے غمزدہ تھے۔ مومنین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے جو خوشی نصیب ہوئی اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ آپؐ ہی نے انہیں اپنے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف خدائے عزیز و حمید کے راستے کی ہدایت فرمائی۔ یہود کا موقف بھی معلوم اور واضح ہے۔ وہ اجتماعی معاشرہ جس کی سیادت ان کے ہاتھ میں تھی اس کے ساتھ ان کا رویّہ خوش آمد اور منافقت کا تھا اور وہ بظاہر لوگوں کی خوشی میں شامل تھے۔ لیکن جن کی وجہ سے وہ قبائل کی سیادت کے منصب سے معزول ہو رہے تھے ان کے برخلاف وہ غیظ و غضب کی آگ میں جل رہے تھے۔ اب وُہ قرض کی آڑ میں لوگوں کے اموال پر ڈاکہ ڈالنے سے محروم ہو رہے تھے اور خیر خواہی اور مشاورت کے نام پر عربوں کے قبائل کو آپس میں جنگ و جدال میں اُلجھا کر ان کے خون سے ہولی نہیں کھیل سکتے تھے۔ یہود ہر اس شخص کے دشمن تھے جو لوگوں کو ان کے استحصال اور چالبازیوں کے چنگل سے نجات دلائے لیکن وہ اپنی اس دشمنی کو عیاری و مکاری سے چھپائے ہوئے تھے اور اگر ہو سکے تو دھوکہ دہی سے قتل کے منصوبے بھی کرتے تھے یہ ان کا طرزِ عمل تھا اور ان کی قومی سرشت کے عین مطابق تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو قرار گاہ بنایا تو اسی قسم کا سلوک یہود نے آنحضرتؐ کے ساتھ روا رکھا باوجودیکہ آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ باہمی تعاون اور سلامتی کے ساتھ رہنے کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ لیکن یہود تو ایسی قوم ہے جو ہمیشہ سے جنگوں کی آگ بھڑکاتی رہی ہے:

كلما اوقدوا ناراً للحرب اطفاها الله۔ (المائدہ - ۶۴)

(ترجمہ: جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے)

(۱۴) ہجرتِ مدینہ کے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس مقام پر بھی ٹھہرے وہاں سب سے پہلا کام جو آپؐ نے سرانجام دیا وہ مسجد کی تعمیر تھا جس میں مومنین عبادت کے لیے جمع ہوں۔ آپؐ نے قبا کے مقام پر چار یوم قیام فرمایا تو وہاں ایک مسجد قائم کر دی۔ جب آپؐ نے قبا سے مدینہ کی طرف کُوچ کیا تو راستے میں بطنِ وادی (وادی رانونا) میں بنی سالم بن عوف کی بستی میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تو آپؐ نے وہاں بھی ایک مسجد کی بنا ڈالی۔

جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سب سے پہلا کام جو آپؐ نے کیا وہ مسجد کی تعمیر کا تھا۔

اس سے ہمیں یہ راہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ اسلام میں مسجد انتہائی اہمیت کی حامل ہے اسلام کی جملہ عبادات، تہذیبِ نفس، تزکیۂ اخلاق اور مسلمانوں کے باہمی تعاون کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں۔ نمازِ باجماعت اور جمعہ و عیدین کے اجتماعات میں اتحادِ امت، فکر و نظر کی ہم آہنگی، وحدتِ نصب العین اور نیکی و پرہیزگاری میں تعاون کا

مظاہرہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ مسجد مسلمانوں کی زندگی میں عظیم الشان اجتماعی و روحانی شعار ہے۔ مسجد مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا کرتی ہے، ان کے نفوس کی تہذیب کرتی ہے، ان کے دل و دماغ کو تازگی عطا کرتی ہے، ان کی مشکلات کو دُور کرتی ہے۔ اور مسجد ہی کے ذریعے مسلمانوں کی قوت و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

اسلام میں مسجد کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق مسجد ہی سے اسلامی لشکر زمین کو فتح کرنے کے لیے نکلے، وہیں سے لوگوں کی ہدایت کے لیے نور کی شعاعیں پھُوٹیں۔ مسجد میں ہی اسلامی شریعت کے بیج پھلے پھُولے اور پروان چڑھے۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، خالدؓ، سعدؓ، ابو عبیدہؓ وغیرہ جو تاریخ اسلام کی عظیم شخصیتیں ہیں وہ مدرسہ محمدیہ کے شاگرد تھے جو مسجد نبوی میں قایم تھا۔

اسلام میں مسجد کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہاں ہر ہفتے خطیب کی زبان سے کلمۂ حق بلند ہوتا اور فضا میں گونجتا ہے۔ خطباتِ جمعہ میں منکرات سے روکا جاتا ہے اور معروفات کا حکم دیا جاتا ہے، بھلائی کی دعوت دی جاتی ہے، خوابِ غفلت سے جگایا جاتا ہے، اتحادِ ملت کا پیغام دیا جاتا ہے، ظالم کے خلاف احتجاج کیا جاتا ہے اور سرکش کو ڈرایا جاتا ہے۔ ہم نے اپنے عہدِ طفولیت میں مشاہدہ کیا ہے کہ مسجدیں فرانسیسی استعمار کے خلاف وطنی تحریکوں کا مرکز تھیں۔ استعمار اور صیہونیت کے خلاف جہاد کرنے والے قائدین مسجدوں میں پناہ لیتے تھے۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسجدیں اس عظیم فریضے کی ادائیگی سے خالی ہیں۔ اس صورتِ حال کے لیے بعض تنخواہ دار خطیب اور جاہل غفلت شعار نوکر پیشہ قصور وار ہیں۔ جس دن مساجد کے محرابوں میں امامت اور منبروں پر خطابت کے فرائض داعیانِ حق، علماءِ شریعت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخلصین اور جمہور مسلمانوں کے خیر خواہ سرانجام دیں گے، تو ہمارے معاشرے میں مسجد کو اجتماعی مسائل کے ضمن میں دوبارہ صدارت کا مقام حاصل ہو جائے گا اور مسجد از سرِ نو تربیتِ رجال کا کام شروع کر دے گی، عظیم شخصیتیں پیدا کرے گی۔ فتنہ و فساد کی اصلاح کا عمل شروع ہوگا، منکرات ختم ہوں گے اور معاشرہ کی تعمیر اللہ تعالیٰ کے ڈر اور اس کی خوشنودی کی بنیاد پر ہوگی۔

ہمیں امید ہے کہ جب ہمارے نوجوانوں میں سے اللہ پر ایمان لانے والے، دینی تہذیب و ثقافت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو اپنانے والے مسجد کے منبر و محراب کے وارث بنیں گے تو ان شاء اللہ یہ پاکیزہ دَور ضرور آئے گا۔

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ یہ انسانی و اخلاقی بنیادوں پر اسلام کے عدل اجتماعی کے مظاہر میں سے قوی ترین مظہر ہے۔ مہاجرین نے اللہ کے راستے میں اپنے اموال اور اراضی کو خیرباد کہا اور وہ مدینہ منورہ اس حالت میں آئے کہ ان کے پاس دنیا کے مال میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ انصار غنی تھے وُہ باغات و اموال اور صنعتوں کے مالک تھے۔ بھائی نے بھائی کا بوجھ اٹھایا۔ اسے اپنی زندگی کے رنج و راحت میں برابر کا شریک کیا۔ اگر اس کے گھر میں دونوں کے ٹھہرنے کی گنجائش تھی تو اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ بصورتِ دیگر اس کے لیے دُوسرا سامان مہیا کیا اور اپنے پورے مال و متاع کا نصف بانٹ کر اسے

دے دیا۔ دُنیا میں عدل اجتماعی کی ایسی کون سی مثال ہے جو اس کے مقابلے میں پیش کی جا سکے۔

درحقیقت جو لوگ اسلام میں عدلِ اجتماعی کا انکار کرتے ہیں وہ کور چشم ہیں اور نہیں چاہتے کہ نورِ اسلام لوگوں کو بصارت و بصیرت عطا کرے یا وہ دقیانوسی میں جو جمود کا شکار ہیں اور ہر جدید مستقل اصطلاح کو ناپسند کرتے ہیں اگرچہ اس اصطلاح کا مدلول اسلام میں موجود ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام میں عدل اجتماعی کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے جبکہ اسلام میں یہ مواخات موجود ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے جس کا عقد صاحبِ شریعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ نے بذاتِ خود باندھا اور بہ نفس نفیس اسے نافذ فرمایا اور اس کی بنیاد پر اسلام میں پہلا معاشرہ اور پہلی مملکت قائم فرمائی؛

(۱۶) وہ مکمل دستاویز جس کے ذریعے آنحضرتؐ نے مہاجرین و انصار کو بھائی قرار دے کر ان کے اور غیر مسلموں کے مابین تعاون کا معاہدہ کیا وہ اس امر کی دلیل ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کی بنیاد عدلِ اجتماعی پر قایم کی گئی۔ مسلمانوں اور غیر مسلم معاہدین کے درمیان تعلقات کی بنیاد سلامتی پر رکھی گئی جب تک ہر دو فریق سلامتی و مصالحت اختیار کریں۔ بلاشبہ حق و عدالت کا قیام، نیکی و تقوٰی میں تعاون، لوگوں کی خیر خواہی اور شر پسندوں کو معاشرہ کے خلاف ایذا رسانی سے روکنا اسلامی مملکت کے نمایاں ترین شعار ہیں جن کی بنیاد پر مملکتِ اسلامیہ قائم ہوتی ہے اور جس زمانے میں بھی وہ قائم ہو ان ہی بہترین اور عادلانہ اصول و مبادی کی حامل ہوتی ہے اور دورِ حاضر کی اعلیٰ اصولوں پر قائم مملکتوں سے مطابقت رکھتی ہے جس کے سائے میں مختلف قومیں امن و سلامتی سے زندگی گزارتی ہیں۔ مملکت کے مفہوم کے بارے میں فکر انسانی میں اختلاف کے باوجود دورِ جدید میں یہ کوشش جاری ہے کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں ایسی مملکتیں قایم ہوں جو اسلام کے اصول و مبادی پر مبنی ہوں کیونکہ مسلمانوں کے لیے اسلام ہی ایک ایسی جامع بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر ایک مکمل، سعادت مند اور ترقی یافتہ معاشرہ قایم ہو سکے۔

بہر حال ہماری مصلحت اسی میں ہے کہ ہم اپنی مملکت کو اسلام کی اساس پر قایم کریں۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ہمیں ہلاکت و بربادی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم، ایذا رسانی سے محفوظ ہوتے ہیں، ان کے عقاید سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا اور ان کے حقوق پوری طرح ادا کیے جاتے ہیں اس لیے بلادِ اسلامیہ میں اسلامی احکام کی ترویج اور شرائع اسلام کے نفاذ سے غیر مسلموں کو کسی قسم کا خوف لاحق نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شرائع اسلام تو بالجملہ عدل و انصاف، قوت و مؤاخاۃ اور اجتماعی کفالت مبنی بر محبت و تعاون کا سرچشمہ ہیں۔ ہم استعماری طاقتوں کے چنگل سے صرف اسی صورت میں نجات حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم سب مل کر اللہ کی رسی (اسلام) کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اس لیے سب مسلمانوں کو اپنی تمام تر کوشش اس کے لیے وقف کر دینی چاہیے؛

ولو ان اھل القرٰی اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکات من السمآء والارض۔ (الاعراف - ۹۶)

(ترجمہ: اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقوٰی کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے)

وان ھٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ۔ (الانعام۔۱۵۳)

(ترجمہ: اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے)

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ۞ ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شئی قدراً ۞ (الطلاق۔۳۔۲)

(جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے)

ومن یتق اللہ یجعل لہٗ من امرہ یسراً۔ (الطلاق۔۴)

(ترجمہ: جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے)

ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیاٰتہ ویعظم لہ اجراً۔ (الطلاق۔۵)

(جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا)

فصل پنجم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی معرکے

۱۔ تاریخی واقعات

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو قیام گاہ بنایا تو آنحضرتؐ اور قریش اور ان کے حامی عرب قبائل کے درمیان جنگی معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ مسلمان مورخین نے ہر اس معرکے کو جس میں آنحضرتؐ بہ نفس نفیس شریک ہوئے غزوہ کا نام دیا ہے اور فریقین کے درمیان ہر ایسی محاذ آرائی جس میں آنحضرتؐ بذاتِ خود شامل نہ ہونے اسے سریہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ غزوات کی تعداد ۲۷ تک پہنچتی ہے اور سرایا کی تعداد ۳۸ ہے۔ ہم اس مختصر رسالہ میں مشہور ترین غزوات کے ذکر پر اکتفا کریں گے جو تعداد میں گیارہ ہیں :

۱۔ غزوہ بدرِ کبریٰ

۱۷ رمضان سنہ ۲ھ کو یہ جنگ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اس سے تعرض کرنے کی ترغیب دلائی[۱] اور آپ کا اس سے لڑنے کا کوئی ارادہ

---

[۱] عام مورخین نے یہی لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہؓ کو تجارتی قافلہ سے تعرض کے لیے فرمایا۔ کچھ لوگ تیار ہو گئے اور بعضوں نے اس مہم میں شمولیت اختیار نہ کی۔ بعد ازاں چند منزل سفر کر کے جب معلوم ہوا کہ قریشِ مکہ کا ایک لشکر قافلے کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے تو آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے مشاورت کر کے یہ طے فرمایا کہ قریش کے لشکر سے فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ مولف مرحوم نے بھی عام اربابِ سیر کے تتبع میں قریش کے تجارتی قافلے سے تعرض کا لکھ دیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اس موقف کی تائید نہیں کرتیں :

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق و ان فريقا من

(ترجمہ : (اس مالِ غنیمت کے معاملہ میں بھی) ویسی ہی صورت پیش آ رہی ہے جیسی اس وقت

(باقی برصفحہ آئندہ)

نہ تھا۔ قافلہ بلا روک ٹوک نکل گیا۔ لیکن سردارِ قافلہ ابوسفیان نے پہلے سے اصحابِ رسولؐ کے تعرض کے خوف سے قریش مکہ کی طرف ایک آدمی بھیج رکھا تھا تاکہ وہ قافلہ کی حمایت کے لیے کمک لے آئے۔ قریش کے تقریباً ایک ہزار جنگجو نکل آئے جن میں ۶۰۰ زرہ پوش پیادہ تھے اور ۱۰۰ زرہ پوش سواروں کا رسالہ تھا۔ اس لشکر کے ساتھ ۷۰۰ اُونٹ بھی تھے اور ان کے ہمراہ دف بجانے اور گانے والی عورتیں بھی تھیں جو مسلمانوں کی ہجو کے اشعار گاتی تھیں۔

دوسری جانب مسلمانوں کی افرادی قوت ۳۱۳ یا ۳۱۴ تھی جن میں اکثریت انصار کی تھی۔ ان کے پاس ۲ یا ۳ گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے جن پر صحابہ کرام باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ جنگ کا فیصلہ کرنے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب بالخصوص انصار سے مشاورت کی۔ مہاجرین نے معرکہ آرائی کے حق میں رائے دی اور بڑی اچھی تقریر کی۔ اس کے بعد انصار نے سمجھا کہ آنحضرتؐ کا روئے سخن ان کی طرف ہے۔ اس پر سیّد الانصار حضرت سعد بن معاذؓ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

المؤمنین لکارھون ٥ یجادلونك فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون ٥ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہٖ ویقطع دابر الکافرین ٥

پیش آ ئی تھی جبکہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا وہ اس معاملہ کے حق میں تجھ سے جھگڑ رہے تھے درانحالیکہ وہ صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمھیں مل جائے گا۔ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمھیں ملے۔ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ (الانفال - ۵ - ۷)

اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو گھر (یعنی مدینہ منورہ) سے لشکرِ قریش کا مقابلہ کرنے کے لیے نکالا۔ چونکہ جنگ درپیش تھی اس لیے موت کا خطرہ تھا۔ اگر صرف قافلے کو لوٹنا مقصود ہوتا تو قافلہ والوں کی قلتِ تعداد کے پیشِ نظر لڑائی کا خدشہ نہ تھا اور موت کی طرف ہانکے جانے کا کوئی سوال نہ تھا۔ نیز آیت نمبر ۷ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب مشاورت ہوئی تھی تو اس وقت تجارتی قافلہ اور لشکرِ قریش دونوں زیرِ بحث تھے اور مدینہ منورہ میں ہی جنگ کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ (مترجم)

سب کی طرف سے کہا "یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، اور آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وُہ حق ہے۔ ہم آپ سے سمع و طاعت کا عہد و پیمان باندھ چکے ہیں۔ یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے جو کچھ ارادہ فرمایا ہے اسے عملی جامہ پہنائیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اگر آپ ہمیں اس سمندر پر لے چلیں اور اس میں اتر جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں اُتریں گے اور ہم سے ایک فرد بھی پیچھے نہ ہٹے گا۔ ہمیں یہ گوارا ہے کہ آپ ہمیں لے کر کل ہی دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم لڑائی میں ثابت قدمی دکھائیں گے اور مقابلہ میں سچی وفاشعاری کا ثبوت دیں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوگی۔ اللہ کی برکت کے پیشِ نظر آپ ہمیں جہاں چاہیں لے چلیں۔ ایک دوسرے انصاری نے بھی اسی قسم کی تائیدی تقریر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ان جذبات سے خوش ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا:

"اللہ کی برکت کے بھروسے پر نکلو اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ بشارت سے خوش ہو جاؤ کہ دو گروہوں ——— قافلۂ تجارت (عیر) یا لشکرِ قریش (نفیر) میں سے ایک تمھیں مل جائے گا اور تم اس پر غالب آؤ گے۔"

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا یہاں تک کہ آپ بدر کے مقام پر قریب ترین پانی کی جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ حباب بن منذر نے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! کیا یہ ایسی منزل ہے جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ٹھہرنے کا حکم دیا ہے کہ آپ اس سے آگے پیچھے نہ جائیں یا جنگی افادیت کے نقطہ نظر سے اس جگہ کا انتخاب آپ نے اپنی رائے سے کیا ہے؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ میری اپنی رائے کے مطابق فوجی تدبیر ہے۔ اس پر حباب بن منذر نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ اس سے بہتر ایک دوسری جگہ ہے جہاں سے مسلمان مشرکین کو بدر کے پانی سے روک سکیں گے۔ آنحضرتؐ نے حباب بن منذر کی یہ تجویز منظور فرمائی اور وہاں سے اٹھ کر اس جگہ چلے گئے جس کی نشان دہی حباب بن منذر نے کی تھی اور وہاں قیام فرمایا۔

پھر سعد بن معاذ نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے آنحضرتؐ کے لیے ایک اونچا چبوترہ (عریش) بنا دیا جائے جہاں سے پورا میدانِ جنگ آپ کی نظروں میں ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی تو یہ پسندیدہ ہے ورنہ سواریوں پر بیٹھ کر واپس مدینہ جا سکتے ہیں اور سعد نے یہ بھی عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ! کچھ لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں جو ہماری بہ نسبت آپ سے کم محبت کرنے والے نہیں ہیں۔ اگر انہیں یہ گمان ہوتا کہ آپ کو جنگ درپیش ہے تو وہ آپ سے پیچھے نہ رہ جاتے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے لیے دُعا فرمائی اور حکم دیا کہ آپ کے لیے چبوترہ بنا دیا جائے۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صف بندی کی اور انھیں قتال پر ابھارا اور شہادت کا شوق

دلایا اور فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ آج جو شخص صابر اور ثواب کا امیدوار ہو گا اور پیٹھ نہ پھیرے گا بلکہ آگے بڑھ کر کفار کا مقابلہ کرتا ہوا قتل ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔"

آنحضرتؐ اپنے چبوترے پر لوٹ آئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ بھی تھے اور حضرت سعد بن معاذ بے جگری سے آپ کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی:

"اے اللہ! تُو نے جو وعدہ مجھ سے کیا ہے وہ پُورا فرما۔ اے اللہ! اگر آج ان مومن مجاہدین کا گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر قیامت تک تیری عبادت نہ کی جائے گی۔"

آنحضرتؐ دیر تک اللہ کے حضور سر بسجود رہے بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے خدمتِ اقدس میں عرض کی:

"حضورؐ! اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پُورا فرمائے گا۔"

پھر گھمسان کا رن پڑا اور مسلمان فتحیاب ہُوئے۔ مشرکین کے ستر آدمی قتل ہُوئے جن میں ان کا سردار ابوجہل اور دیگر رؤسائے قریش بھی شامل تھے[1]۔ ستر مشرکین قید کیے گئے۔ پھر آپؐ نے سب مقتولین کو دفن کرنے کا حکم دیا[2] اور مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے وہاں آپؐ نے قیدیوں کے بارے میں صحابہؓ سے مشاورت کی۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ انھیں قتل کر دیا جائے اور حضرت ابوبکرؓ کی رائے یہ تھی کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو قبول فرمایا اور مشرکین نے مال ادا کر کے اپنے قیدیوں کو رہائی دلوائی۔[3]

قرآن کریم کی متعدد آیات معرکۂ بدر کے بارے میں نازل ہُوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں فرمایا:

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم	جنگِ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس
اذلة فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون	وقت تم بہت کمزور تھے۔ لٰہذا تم کو چاہیے کہ اللہ
اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم	کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار
ان یمدکم ربکم بثلاثة آلاف	بنو گے۔ یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے
من الملٰئکة منزلین بلیٰ	"کیا تمھارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار

---

[1] ابن ہشام کے مطابق اس جنگ میں ۱۴ اصحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا جن میں ۶ مہاجرین اور ۸ انصار تھے۔ (مترجم)

[2] مشرکین کی لاشوں کو آنحضرتؐ نے ایک کنویں میں ڈلوا دیا۔ (مترجم)

[3] جو قیدی مفلس تھے اور فدیہ ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے انھیں یونہی چھوڑ دیا گیا اور جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے قیدیوں سے لکھنا سیکھا تھا۔ (مترجم)

ان تصبروا و تتقوا و یاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین وما جعله الله الا بشرٰی لکم و لتطمئن قلوبکم به وما النصر الا من عند الله العزیز الحکیم ۵ لیقطع طرفا من الذین کفروا او یکبتھم فینقلبوا خآئبین ۵
(آل عمران - ۱۲۳-۱۲۷)

فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟" بے شک اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں گے اسی آن تمہارا رب (تین ہزار نہیں) پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ۔ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والا اور دانا و بینا ہے (اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔

قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بطور عتاب فرمایا:

ما کان لنبی ان یکون له اسرٰی حتی یثخن فی الارض و تریدون عرض الدنیا والله یرید الاٰخرة ط والله عزیز حکیم ۵ لولا کتٰب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔
(الانفال - ۶۷ - ۶۸)

کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے، اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔

۲۔ غزوۂ اُحد

وسط شوال ۳ھ میں بروز ہفتہ اُحد کی جنگ ہوئی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے جنگِ بدر کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور وہ تیاریاں کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں جنگ کرنے کا

سازوسامان مہیا کرلیا۔ وہ احابیش کے ماسوا تین ہزار جنگی جوان لے کر نکلے۔ ان میں سات سو زرہ پوش اور دو سو سواروں کا رسالہ تھا۔ ان کے ہمراہ سترہ عورتیں تھیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی ان میں شامل تھی جس کا باپ جنگِ بدر میں قتل ہوگیا تھا۔ مشرکین مکہ سے چل کر مدینہ کے بالمقابل احد کے نزدیک بطنِ وادی میں پہنچ گئے۔ اُحُد ایک اونچا پہاڑ ہے جو مدینہ کے شمال میں دو میل کی مسافت پر واقع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کرامؓ کی یہ رائے تھی کہ مسلمان ان کے مقابلے کے لیے باہر نہ نکلیں بلکہ شہر ہی میں محصور رہ کر مشرکین کے حملہ کی مدافعت کریں۔ لیکن بعض نوجوان صحابہؓ اور کچھ مہاجرین وانصار بالخصوص وہ حضرات جو معرکۂ بدر میں شمولیت اختیار نہ کرسکنے کی وجہ سے شرفِ قتال سے تاحال محروم تھے انہوں نے اصرار کیا کہ باہر نکل کر اور کفار کے پڑاؤ میں جا کر ان سے جنگ کی جائے۔ بالآخر ان کے اصرار کے تحت آنحضرتؐ نے باہر نکلنے ہی کا فیصلہ فرما لیا۔

آنحضرتؐ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنی زرہ پہنی، پشت پر ڈھال لٹکائی، دستِ مبارک میں نیزہ سنبھالا اور تلوار گلے میں حمائل کر کے باہر مسلمانوں کے پاس تشریف لے آئے۔ اب ان لوگوں نے ندامت محسوس کی جنہوں نے آنحضرتؐ کو اپنی ذاتی رائے کے خلاف باہر نکلنے پر مجبور کیا تھا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم اپنی تجویز واپس لیتے ہیں آپؐ جس طرح چاہیں عمل کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کبھی کسی نبی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ ہتھیار پہنے اور اتار دے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔"

پھر آں حضرتؐ نکل پڑے اور آپ کے ہمراہ ایک ہزار آدمی تھے جن میں سے صرف ایک سو کے پاس زرہیں تھیں اور دو گھوڑے بھی ساتھ تھے۔

جب مسلمان نکلنے کے لیے اکٹھے ہوئے تو آنحضرتؐ نے دیکھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کے ہمراہ یہود کی ایک جماعت بھی مسلمانوں میں شامل ہونا چاہتی ہے۔ آپؐ نے پوچھا:

"کیا انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے؟"

جواب نفی میں دیا گیا۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"انھیں واپس چلے جانے کا حکم دے دو کیونکہ ہم مشرکوں کے مقابلے میں مشرکوں سے امداد نہیں لیتے۔"

راستے میں عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر الگ ہوگیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد سات سو کے قریب رہ گئی۔ آپ انھیں لے کر آگے بڑھے اور جبلِ اُحد کے دامن میں پہنچ گئے۔ آپ نے اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ پشت پر پہاڑ تھا اور سامنے لشکرِ قریش۔ آپ نے ہر فوجی دستے کا ایک ایک سردار مقرر فرمایا۔[1] عبداللہ بن جبیر کی کمان میں

---

[1] حضرت زبیرؓ بن العوام رسالے کے سردار مقرر کیے گئے۔ حضرت حمزہؓ کو فوج کے اس دستہ کی قیادت سپرد کی گئی جو زرہ پوش نہ تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو علمبردار بنایا گیا۔ (مترجم)

پچاس تیر اندازوں کو ایک درے پر بٹھا دیا تاکہ وہ اس جانب سے مسلمانوں پر مشرکین کو حملہ کرنے سے باز رکھیں اور تاکیداً فرمایا :

" تم ہماری حفاظت اس طرح کرو کہ مشرکین پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں اور تیر اندازی کے ذریعے انہیں ہمارے نزدیک نہ آنے دو۔ اگر تم ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر ڈٹے رہے تو ہمیں ضرور غلبہ نصیب ہوگا کیونکہ گھوڑے تیروں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔ اے اللہ ! میں آپ کو ان پر گواہ بناتا ہوں "

ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے انھیں فرمایا :

" اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ کر لے جا رہے ہیں تب بھی تم اپنے اس مقام کو نہ چھوڑنا جب تک کہ میں تمہیں اس کا حکم نہ دوں "

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے مقابلے مسلمانوں کی امداد فرمائی۔ متعدد دشمن قتل ہو گئے اور قریش پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ مسلمان لشکرِ مشرکین کی غنیمت سمیٹنے میں مشغول ہو گئے۔ ان کے پیچھے متعین تیر اندازوں نے جب یہ سماں دیکھا تو کہا :

" ہمیں اب کیا کرنا چاہیے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی امداد فرمائی ہے ! "

پھر انہوں نے سوچا کہ انہیں وہ درہ چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ بھی غنیمت میں اپنا حصہ حاصل کریں۔ ان کے سردار عبداللہ بن جبیر نے انہیں آنحضرتؐ کا حکم یاد دلایا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ لڑائی تو اختتام پذیر ہو چکی ہے اس لیے اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ اور دیگر دس آدمیوں نے اپنی جگہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ خالد بن ولید جو مشرکین کے میمنہ کا قائد تھا اس نے دیکھا کہ تیر اندازوں نے مسلمانوں کی پشت پناہی چھوڑ دی ہے تو اس نے اچانک پیچھے سے ان پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر طرف سے تلواروں کی زد میں تھے۔ ان کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور مشہور کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔ بعض لوگ اس غیر متوقع صورت حال سے سراسیمہ ہو کر مدینہ کی طرف بھاگ نکلے۔ اب مشرکین کے لیے ممکن ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ سکیں۔ انہوں نے آنحضرتؐ پر پتھر پھینکے آپؐ بیہوش ہو کر گر پڑے آپ کے چہرے پر ضربیں آئیں، گھٹنے پر خراش آئے، نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا، سر مبارک پر پہنا ہوا خود ٹوٹ گیا، منہ پر ڈالی ہوئی زرہ (مغفر) کی دو کڑیاں آپ کے رخساروں پر چبھ کر رہ گئیں۔ مشرکین نے آپؐ کو قتل کرنے کے لیے آپؐ پر ہلہ بول دیا۔ آنحضرتؐ ان کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور آپؐ کے ہمراہ مومنین کی ایک چھوٹی جماعت بھی مقابلہ کرتی رہی۔ ان میں حضرت ابو دجانہؓ تھے جو آنحضرتؐ کے سامنے ڈھال بن کر مشرکین کے تیروں سے آپ کی حفاظت کرتے رہے اور تیروں کے وار اپنی پیٹھ پر روکتے رہے۔ ان میں سعدؓ بن ابی وقاص بھی تھے جنہوں نے اس روز تقریباً ایک ہزار تیر چلائے۔ انہی جانباز صحابہ کرامؓ میں ایک صحابیہ حضرت نسیبہؓ ام عمارہ انصاریہ بھی تھیں جنہوں نے زخمیوں کو پانی پلانا چھوڑ دیا اور تلوار سے قتال اور تیر اندازی شروع کر دی اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا یہاں تک کہ ان کی گردن میں گہرا زخم آیا جس میں غار پڑ گیا۔ ان کے ساتھ ان کا خاوند اور دو بیٹے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا:

باركَ اللهُ عليكم اهلَ البيت۔

(اے گھر والو! اللہ تعالیٰ تمہیں برکتوں سے نوازے)

نسیبہؓ نے عرض کی:

"ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ ہمیں جنّت میں آپؐ کی رفاقت نصیب ہو جائے۔"

آنحضرتؐ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! انہیں جنت میں میری رفاقت عطا فرما۔"

نسیبہؓ نے اس کے بعد کہا:

"دنیا کی جو تکلیفیں ہمیں پہنچی ہیں مجھے ان کی ذرہ برابر پروا نہیں۔"

آں حضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

"جنگِ اُحد میں مَیں نے اپنے دائیں بائیں جدھر نظر دوڑائی میں نے دیکھا کہ نسیبہؓ میرے بچاؤ کے لیے لڑ رہی ہے۔"

اس جنگ میں اس صحابیہؓ نے تیر اور تلوار کے بارہ زخم کھائے۔

اس شدت کے موقع پر ابی بن خلف نے آنحضرتؐ کو قتل کرنے کے لیے آپ پر دھاوا بول دیا اور قسم کھائی کہ وہ اس سے باز نہیں آئے گا۔ آنحضرتؐ نے اس پر ایک حربہ سے وار کیا جو اس کے حلقوم میں لگا اور اس کی ہلاکت کا سبب بنا۔ یہ ایک ہی مقتول ہے جو تمام جنگی معرکوں میں آنحضرتؐ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبید اللہ کے شانوں پر چڑھ ادھر ادھر نظر دوڑائی اور دیکھا کہ مشرکین کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھی ہوئی ہے آپؐ نے کچھ مسلمانوں کو انہیں نیچے اتارنے کے لیے بھیجا اور فرمایا:

"وہ ہم پر غالب نہیں آسکتے۔ اے اللہ! ہمارے پاس اپنا کوئی زور نہیں اور ہمیں صرف تیری قوت پر بھروسا ہے۔"

معرکہ اختتام پذیر ہُوا تو ابُوسفیان نے اپنی اور مشرکین کی خوشی کا اظہار کرتے ہُوئے جنگِ بدر کی شکست کے حوالے سے کہا:

"آج جنگِ بدر کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔"

اس معرکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ بھی شہید ہو گئے۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے ان کے ناک کان کاٹ لیے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ اور دل نکال کر چبا گئی لیکن کڑواہٹ محسوس کی اور اُگل دینا پڑا۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے قریش پر فتح کا

موقع نصیب فرمایا تو میں ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کر دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد مثلہ کرنے سے منع فرما دیا۔
اس معرکے میں تقریباً ستر مسلمان اور تئیس مشرکین قتل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دلجوئی اور اس شکست کے اسباب سے سبق حاصل کرنے کے لیے غزوۂ اُحد کے بارے میں متعدد آیات نازل فرمائیں۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا:

ولا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین ○ ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ ط و تلک الایام نداولھا بین الناس ج و لیعلم اللہ الذین اٰمنوا و یتخذ منکم شھدآء ط و اللہ لا یحب الظّٰلمین ○ و لیمحص اللہ الذین اٰمنوا و یمحق الکٰفرین ○ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ و لما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم و یعلم الصّٰبرین ○

(آل عمران ۱۳۹ - ۱۴۲)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں، اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں، اور وہ اس آزمائش کے ذریعہ سے سچے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔

پھر چند آیات کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولقد صدقکم اللہ وعدہٗ اذ تحسونھم باذنہ ج حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر و عصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون ط منکم من

اللہ نے (تائید و نصرت) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ ابتداء میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم

یرید الدنیا و منکم من یرید الاٰخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذوفضل علی المؤمنین ۝ اذ تصعدون ولا تلوٗن علیٰ احد والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غمًّا بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیرٌ بما تعملون ۝

(آل عمران ۱۵۲ - ۱۵۳)

اختلاف کیا، اور جُونہی کہ وُہ چیز اللہ نے تمھیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے تب اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمھیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظرِ عنایت رکھتا ہے۔ یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا ہوش تمھیں نہ تھا اور رسول تمھارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا اس وقت تمھاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمھیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دئے تاکہ آیندہ کے لیے تمھیں سبق ملے اور جو کچھ تمھارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

۳۔ غزوہ بنی نضیر[1]

بنی نضیر یہودی تھے اور نواحِ مدینہ میں آباد تھے۔ قبیلہ خزرج کے ساتھ ان کے حلیفانہ تعلقات تھے اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان سلامتی اور تعاون کا معاہدہ ہو چکا تھا جس کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے لیکن شرارت و غداری یہود کی سرشت میں داخل ہے اور انھوں نے نقضِ عہد کی ٹھان لی۔ آنحضرتؐ اور آپ کے بعض اصحابؓ بنی نضیر کی بستی میں کسی کام کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ آپ ان کے ایک مکان کی دیوار کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے درپردہ یہ سازش تیار کی کہ مکان کی چھت سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کو

---

[1] یہ غزوہ ربیع الاوّل ۴ھ میں واقع ہوا۔ (مترجم)

اس کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ آپ فوراً وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے گویا کہ آپ کو کوئی حاجت درپیش ہے اور مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ آپ کے اصحاب بھی آپ سے آملے۔

واپس آکر آپؐ نے محمد بن مسلمہ کو یہ پیغام دے کر بنی نضیر کے پاس بھیجا کہ میرے اس شہر سے نکل جاؤ تم جانتے ہو کہ تم نے میرے ساتھ کیا غداری کرنی چاہی تھی تم یہاں میرے ساتھ رہنے کے اہل نہیں ہو۔ آپ نے خروج کے لیے انہیں دس یوم کی مہلت دی۔ بنی نضیر نے اس دھمکی کے پیشِ نظر نکل جانے کی تیاری کر لی لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انہیں نکلنے سے روک دیا اور کہلا بھیجا کہ وہ اپنی جماعت کے دو ہزار آدمیوں سے ان کی مدد کرے گا۔ اس وعدۂ امداد کے بھروسے پر بنی نضیر ڈٹ گئے، انہوں نے نکلنے سے انکار کر دیا، وہ اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم اپنی جگہ نہیں چھوڑیں گے آپ سے جو کچھ ہو سکے کر لیں۔

آں حضرتؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ ان کی سرکوبی کے لیے نکل پڑے۔ عَلَم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ جب یہود نے مسلمانوں کو دیکھا تو ان پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دئے۔ رئیس المنافقین نے حسبِ وعدہ یہود کی امداد کے لیے کوئی کمک نہ بھیجی۔ آنحضرتؐ نے یہود کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہود ڈٹے رہے۔ پھر آں حضرتؐ نے ان کے قلعہ کے اردگرد کھجور کے جو درخت تھے وہ کٹوا دئے۔ اس وقت یہود نے کہا کہ وہ مدینۃ النبیؐ سے نکل جائیں گے چنانچہ ان کے لیے یہ شرط طے کی گئی کہ وہ اپنے ساتھ اسلحہ لے کر نہیں جا سکتے لیکن دیگر مال و اسباب جس قدر بھی وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکیں لے جائیں ان کی جانوں کو کسی قسم کا کوئی گزند نہیں پہنچایا جائے گا اور انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ جب وہ نکلے تو اپنا تمام اثاثہ جو وہ ساتھ لے جا سکتے تھے لے گئے اور جاتے ہوئے اپنے مکانوں کو منہدم کر گئے تاکہ مسلمان ان سے استفادہ نہ کر سکیں۔ ان میں سے کچھ افراد خیبر کے مقام پر جو مدینہ سے تقریباً ایک سو میل کی مسافت پر واقع ہے آباد ہو گئے اور بعض لوگ شام کی جنوبی سرحد پر "جرش" کے نواح میں مقیم ہو گئے۔ ان میں سے صرف دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔

اس غزوہ کے بارے میں سورۃ الحشر نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هو الذی اخرج الذین کفروا من	وہی ہے جس نے اہلِ کتاب کافروں کو پہلے
اهل الکتاب من دیارهم لاوّل	ہی حملے میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔
الحشر ما ظننتم ان یخرجوا و	تمہیں ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے
ظنوا انهم مانعتهم حصونهم من	اور وہ بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ان کی گڑھیاں
الله فاتهم الله من حیث لم یحتسبواق	انہیں اللہ سے بچالیں گی مگر اللہ ایسے رُخ
وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون	سے ان پر آیا جدھر ان کا خیال بھی نہ گیا تھا۔
بیوتهم بایدیهم وایدی	اس نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا۔

المومنین ق فاعتبروا یا اولی الابصار ○ ولولا ان کتب اللہ علیھم الجلاء لعذبھم فی الدنیا ط ولھم فی الاٰخرۃ عذاب النار ○

(الحشر ۲-۳)

نتیجہ یہ ہوا کہ وُہ اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو برباد کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں بھی برباد کروا رہے تھے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو! اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔

۴۔غزوۂ احزاب

اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ کفر و اسلام کا یہ تصادم شوال ۵ھ میں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب بنی نضیر کی جلاوطنی مکمل طور پر ہوگئی تو ان کے کچھ سردار مکّہ پہنچ گئے اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بر خلاف جنگ کی دعوت اور ترغیب دی۔ قریش نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ اس کے بعد رؤسائے یہود قبیلہ غطفان کی طرف گئے۔ چنانچہ بنو فزارہ، بنو مرہ اور اشجع نے بھی قتال میں شرکت پر آمادگی کا اظہار کیا۔ ان سب قبائل عرب نے پوری تیاری کر کے مدینہ کا رُخ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ نے مشورہ دیا کہ مدینہ کے اردگرد خندق کھود دی جائے۔ آنحضرتؐ نے خندق کھودنے کا حکم دیا اور بذاتِ خود بھی اس کی کھدائی میں حصہ لیا۔ جب قریش اور دیگر ہمراہی قبائل مدینہ پہنچے تو خندق کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ ڈر گئے کیونکہ عرب خندق وغیرہ کے طور طریقوں سے ناواقف تھے۔

دشمن کی تعداد دس ہزار اور مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ حیی بن اخطب (حضرت صفیہؓ ام المومنین کا باپ) ان یہودی سرداروں میں سے ایک تھا جنھوں نے قریش اور دیگر قبائل کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی تھی وہ بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ سلامتی کے معاہدے کو توڑ دیا جائے۔ کعب نے شروع میں انکار کیا لیکن حیی مسلسل اسے مسلمانوں سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ اسے بھی اپنا ہمنوا بنا لیا اور بالآخر بنی قریظہ بھی دیگر حملہ آور قبائل کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اب مسلمان سخت نازک ترین صورتِ حال سے دوچار ہو گئے۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے پھلوں کے ⅓ حصہ پر بنی قریظہ سے صلح کی بات چیت کرنا چاہی لیکن انصار نے دینی حمیت کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یہ خیانت کار ہیں جنہیں عہد و پیمان کا کوئی پاس نہیں اس لیے خراج کے طور پر ایک حبّہ بھی انھیں نہیں

دینا چاہیے ۔

خندق کی چوڑائی ایک جگہ سے کم تھی ۔ مشرکین کے کچھ سواروں نے وہاں سے خندق کو عبور کر کے اچانک حملہ کر دیا ۔ لیکن مسلمانوں نے ان کو گھیرے میں لے لیا اور قتل کر دیا ۔

پھر نعیم بن مسعود بن عامر (جو قبیلہ غطفان کی شاخ اشجع کا رئیس تھا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں لیکن میری قوم کو میرے قبول اسلام کی تا حال خبر نہیں اور بنی قریظہ سے میرے دوستانہ روابط ہیں وہ مجھ پر اعتماد اور بھروسا کرتے ہیں آپ مجھ سے جو خدمت لینا چاہیں میں انجام دوں گا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہماری جماعت میں ایک ہی آدمی ہو، ہم سے علیحدگی اختیار کر کے اگر کوئی تدبیر کر سکو تو کر لو کیونکہ جنگ میں دھوکہ دینا جائز ہے ۔ نعیم اپنی ہوشیاری و ذہانت کو کام میں لائے یہاں تک کہ انھوں نے قریش و حلفائے قریش اور بنی قریظہ میں پھوٹ ڈال دی اور ایک فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں شک و بدگمانی میں مبتلا کر دیا ۔

سردی کا موسم تھا ، محاصرہ طول پکڑ چکا تھا ، دشمن کے حوصلے پست ہو چکے تھے ۔ ایک رات جس میں شدید سردی تھی اچانک اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سخت آندھی آئی جس نے دشمن کی دیگوں کو اُلٹ دیا اور خیموں کو اکھاڑ دیا ۔ قبائل میں افراتفری مچ گئی ۔ وہ مرعوب ہو گئے اور اسی رات بے نیلِ مرام کُوچ کر گئے ۔ جب صبح ہُوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ وہاں ایک دشمن بھی موجود نہ تھا ۔

اس غزوہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا :

يٰٓايها الذين اٰمنوا اذكروا نعمة الله عليكم اذ جآءتكم جنود فارسلنا عليهم ريحًا وجنودًا لم تروها ۚ وكان الله بما تعملون بصيرًا ۚ اذ جآءوكم من فوقكم ومن اسفل منكم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون بالله الظنونا ۝ هنالك ابتلى المؤمنون وزلزلوا زلزالاً شديدًا ۝ (الاحزاب ۹ - ۱۱)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں ۔ اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اس وقت کر رہے تھے جب وہ اُوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں ، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے ۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کے موقف کی وضاحت فرمائی کہ انہوں نے کن حیلوں بہانوں سے جنگ سے دست برداری اور علیحدگی اختیار کر لی اور پھر مومنین صادقین کی توصیف اس طرح فرمائی :

ولما رءا المؤمنون الاحزاب لا قالوا هٰذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليماً ؏ من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه ج فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر صلے وما بدلوا تبديلاً ؏ ليجزى الله الصادقين بصدقهم ويعذب المنافقين ان شآء او يتوب عليهم ط ان الله كان غفوراً رحيما ج ورد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيراً ط وكفى الله المؤمنين القتال ط وكان الله قوياً عزيزاً ؏

(الاحزاب ۲۲ - ۲۵)

اور سچے مومنوں (کا حال اس وقت یہ تھا کہ) جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ "یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی"۔ اس واقعہ نے ان کے ایمان اور ان کی سپردگی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔ اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا۔ پھر وہ کوئی فائدہ حاصل کئے بغیر اپنے دل کی جلن لیے یونہی پلٹ گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہوگیا، اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔

۵۔ غزوۂ بنی قریظہ

یہ غزوہ ۵ھ میں غزوۂ احزاب کے فوراً بعد پیش آیا۔ بنی قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔ جنگِ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ یہود بنی قریظہ نے انتہائی سفلہ پن اور غداری کا ارتکاب کیا ہے اور مسلمانوں کے برخلاف قریش و حلفائے قریش کا ساتھ دیا ہے۔ نیز

یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ معرکۂ احزاب کی شدت کے وقت انہوں نے عہد توڑ دیا اور ان کی کوشش یہ تھی کہ جملہ مسلمانوں کو شرِ عظیم میں مبتلا کریں۔ اگر معرکۂ احزاب کا انجام اس طرح نہ ہوتا جس طرح کہ ہوا تو بنی قریظہ کی شر انگیزی ضرور رنگ لاتی۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ ان خیانت کاروں اور غداروں کی سرکوبی کی جائے۔ مدینہ منورہ جو آپ کی تحریک جہاد کا مرکز تھا اسے ان کے ناپاک وجود سے یکسر پاک کر دیا جائے تاکہ انہیں دوبارہ موقعہ نہ مل سکے کہ وُہ اپنی سفلہ اور غدارانہ سرشت کے تحت اسی قسم کی حرکتوں سے مسلمان ہمسایوں کے لیے ابتلاء و ہلاکت کا سامان مہیا کریں۔

امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ خندق سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے اسلحہ اتارا اور غسل فرمایا۔ آپؐ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے جن کا سر غبار آلود تھا اور کہا:

"آپؐ نے اپنا اسلحہ اتار دیا ہے، اللہ کی قسم میں نے ابھی نہیں اتارا۔"

آپؐ نے پوچھا:

"کون سی مہم در پیش ہے؟"

جبریلؑ نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان سے اسی وقت نمٹ لینا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس حکم کے تحت آں حضرتؐ نے نکلنے کی تیاری کر لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت منادی کرا دی کہ کوئی شخص عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھے جب تک بنی قریظہ کی بستی میں نہ پہنچ جائے۔ آپ خود بھی تشریف لے گئے۔ حضرت علیؓ نے عَلم اٹھایا۔ تین ہزار مسلمان جمع ہو گئے۔ چھتیس سوار بھی تھے۔ جب حضرت علیؓ بنی قریظہ کے قلعہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے سنا کہ یہودی آنحضرتؐ اور آپ کی ازواجِ مطہرات کو گالیاں دے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے یہود کی بدکلامی کی خبر آنحضرتؐ کو دی اور عرض کی کہ آپ ان خبیثوں کے قریب نہ جائیں آنحضرتؐ یہود کی اخلاقی گراوٹ اور ان کی منافقت اور چاپلوسی سے باخبر تھے۔ آپؐ نے جواباً فرمایا کہ جب وُہ مجھے دیکھیں گے تو ایسی باتیں نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب یہود نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو انہوں نے نرم گفتاری اختیار کی جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا مسلمانوں نے پچیس روز تک ان کا محاصرہ کیا یہود تنگ آ گئے۔ بالآخر انہوں نے اپنے آپ کو آنحضرتؐ کے حوالے کر دیا۔ آپؐ نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم مقرر فرمایا۔ بنی قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ سعد نے فیصلہ صادر کیا کہ بنی قریظہ کے جنگجو جوان موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں اور ان کی اولاد کو قید کر لیا جائے۔ ان کے اموال و اسباب بطور غنیمت تقسیم کیے جائیں۔ آنحضرتؐ نے سعدؓ کا یہ فیصلہ نافذ فرمایا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریک کے خلاف مدینہ اور اس کے نواح میں یہود کی سازشوں، ہتھکنڈوں اور چیرہ دستیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

اس غزوہ کے بارے میں قرآن کریم میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہود کی غداری و بدعہدی اور جنگِ احزاب میں ان کی طرف سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کا بیان ہے:

واذقالت طآئفة منهم یاھل یثرب لا مقام لکم فارجعوا ویستاذن فریق منھم النبی یقولون ان بیوتنا عورۃ ط وما ھی بعورۃ ج ان یریدون الا فرارا ہ ولو دخلت علیھم من اقطارھا ثم سئلوا الفتنۃ لاتوھا وما تلبثوا بھا الا یسیراً ہ ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل لا یولون الادبار ط وکان عھد اللہ مسئولا ہ قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذاً لا تمتعون الا قلیلاً۔

(الاحزاب ۱۳-۱۶)

جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ "اے یثرب کے لوگو! تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پلٹ چلو۔" جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبیؐ سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ "ہمارے گھر خطرے میں ہیں" حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے، دراصل وہ (محاذِ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔ اگر شہر کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اُس وقت انہیں فتنے کی طرف دعوت دی جاتی تو یہ اس میں جا پڑتے۔ اور مشکل ہی سے انہیں شریکِ فتنہ ہونے میں کوئی تامل ہوتا۔ ان لوگوں نے اس سے پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ یہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی باز پرس تو ہونی ہی تھی اے نبی! ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا۔ اس کے بعد زندگی کے مزے لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع مل سکے گا۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے:

وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً ج واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضاً لم تطؤھا ط وکان اللہ علیٰ کل شیء قدیراً ہ

(الاحزاب ۲۶-۲۷)

پھر اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں اس نے ایسا رعب ڈال دیا کہ آج ان میں ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۶۔ غزوۂ حدیبیہ

یہ واقعہ ذی قعدہ ۶ھ میں پیش آیا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ بلا خوف و خطر اور پورے امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے، اپنے سر منڈوائے اور بال ترشوائے۔ اس اشارۂ الٰہی کے تحت آنحضرتؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وُہ عمرہ ادا کرنے کے لیے سفر کی تیاری کریں۔ اس سفرِ زیارت میں قریش کے ساتھ جنگ و قتال کا آپ کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مسلمانوں کے لیے بیت اللہ کا راستہ گزشتہ ۶ سال سے بند تھا اس لیے مہاجرین و انصار شوقِ زیارت میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ دیہاتی لوگ جو جانا چاہتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بیت اللہ کی تعظیم و تکریم کے لیے قربانی کے اونٹ اور چوپائے بھی ساتھ لے لیے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر عمرے کا احرام باندھا تاکہ عوام الناس اور خصوصاً قریش کو معلوم ہو جائے کہ آنحضرتؐ کا قتال کا ارادہ نہیں۔ ان زائرینِ حرم کی تعداد تقریباً پندرہ سو تھی۔ سب کے سب غیر مسلح تھے۔ صرف ایک ایک تلوار نیام میں بند ساتھ رکھ لی گئی جو اس زمانے میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی اور عرب کے معروف قاعدے کے مطابق ہر مسافر کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت تھی۔

آنحضرتؐ اس مبارک سفر پر چل پڑے یہاں تک کہ قافلہ مقام عُسفان تک پہنچ گیا۔ وہاں ایک شخص نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ قریش کے لوگوں کو آپؐ کے آنے کی خبر ہو چکی ہے اور وُہ چیتے کی کھالوں کا لباس پہن کر آپ کا راستہ روکنے کے لیے نکل پڑے ہیں۔ انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ آپ کو مکہ میں کبھی داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا:

"قریش کا طرزِ عمل افسوسناک ہے۔ میں تو ان سے لڑنا نہیں چاہتا۔ ان کا کیا بگڑتا ہے اگر وہ مجھے دوسرے عرب قبائل میں تبلیغ کر لینے دیں۔ انہوں نے عمداً مجھے مصائب سے دوچار کر رکھا ہے۔ اگر اللہ نے مجھے ان پر غلبہ عطا فرمایا تو یہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے ورنہ اگر انھیں طاقت ہُوئی تو مزید قتال کریں گے۔ قریش کا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم کہ اس نے جس حق کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے میں اس کے لیے پیہم کوشش کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں بے یار و مددگار رہ جاؤں۔"

جب آپؐ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ کے قریب جدہ کے راستے پر واقع ہے تو بنی خزاعہ کے کچھ آدمی آپ کے پاس آئے اور آپ کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ آپ نے انہیں بتلایا کہ میں صرف زیارتِ بیت اللہ اور عمرے کے لیے آیا ہُوں۔ انھوں نے واپس جا کر قریش کو کہا:

"تم محمدؐ کے معاملے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو وُہ کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف بیت اللہ کی زیارت ان کے پیشِ نظر ہے۔"

قریش نے جواباً کہا :

" اللہ کی قسم ، وُہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر کبھی مکّہ میں داخل نہیں ہو سکتے ۔ اگر ایسا ہو جائے تو پورے عرب میں ہم ذلیل ہو جائیں گے اور لوگ ہمارے بارے میں چہ میگوئیاں کریں گے ۔"

پھر قریش نے مسعود ثقفی کو اس صورتِ حال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کے لیے بھیجا ۔ اس نے آنحضرتؐ سے بات چیت کی اور بعض صحابہؓ سے بھی تبادلہ خیالات کیا ۔ واپس جا کر اس گفت و شنید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی عقیدت و محبت کا جو نظارہ دیکھا اس کے متعلق قریش کو خبر دی اور بتلایا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ صلح کے خواہشمند ہیں لیکن قریش نہ مانے ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو اہلِ مکّہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ انھیں آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے آنے کی غرض و غایت سے آگاہ کریں ۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا اور مسلمانوں میں یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ وہ قتل کر دئے گئے ہیں ۔ اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لیے اب ہم قتال کئے بغیر نہ جائیں گے ۔ آپؐ نے صحابہؓ کو بلایا کہ وُہ جہاد اور اللہ کے راستے میں شہادت کی بیعت کریں ۔ تمام صحابہؓ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر جاں نثاری کی بیعت کی اور آپ نے فرمایا کہ صلح ہو گی یا شہادت ہو گی ۔

جب قریش کو اس بیعت کے متعلق معلوم ہُوا تو وہ ڈر گئے اور انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ صلح پر آمادگی ظاہر کی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آ کر صرف تین دن قیام کر سکتے ہیں اور اپنے ساتھ مسافر کا اسلحہ یعنی تیر اور نیام میں بند تلوار لا سکتے ہیں ۔ صلح کی تکمیل کے لیے قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا اور بالآخر قریش کی مرضی کے مطابق صلحنامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا ۔ اس میں مزید یہ شرطیں رکھی گئیں کہ دس سال تک فریقین کے درمیان جنگ بند رہے گی اور یہ کہ محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے لیکن قریش کا جو آدمی محمدؐ کے پاس چلا جائے گا اسے آپ واپس کر دیں گے ۔ یہ شرطیں بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھیں اور ذلت آمیز معلوم ہوتی تھیں اس لیے مسلمانوں میں اضطراب کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا ۔ بعض صحابہؓ نے جن میں حضرت عمرؓ پیش پیش تھے آنحضرتؐ سے ان شرائط کے بارے میں بحث و تکرار بھی کی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" میں اللہ کا بندہ ہُوں ، اللہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا ۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ عمرہ کا احرام کھول دیا جائے لیکن زیارت بیت اللہ سے محرومی اور نامساوی شرائطِ صلح کی بنا پر صحابہ کرام رنج و غم سے اس قدر مغلوب تھے کہ انھوں نے تعمیل نہ کی ۔ حضور علیہ السلام نے بذاتِ خود پہل کر کے عمرے کا احرام ختم کر دیا ۔ پھر سب مسلمانوں نے آپ کے عمل کی پیروی کی ۔ یہ شرائطِ صلح جو اس وقت مسلمانوں پر گراں گزریں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عقلمندی ، بالغ نظری اور وحی کی ہدایت کے تحت

منظور فرمایا تھا ان کی افادیت بعد میں ظاہر ہوئی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس غزوۂ حدیبیہ کو فتح مبین کا نام دیا ہے۔ فرمایا گیا:

انا فتحنا لك فتحاً مبيناً ۙ ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نعمته عليك ويهديك صراطاً مستقيماً ۙ وينصرك الله نصراً عزيزاً ۙ (الفتح ۱-۳)

اے نبیؐ! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے اور تم کو زبردست نصرت بخشے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے جو بیعت لی اس کے بارے میں فرمایا گیا:

ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم فمن نكث فانما ينكث على نفسه ومن اوفى بما عاهد عليه الله فسيؤتيه اجراً عظيماً ۙ (الفتح ۱۰)

اے نبیؐ! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا، اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

وہ صحابہ کرامؓ جو بیعتِ رضوان میں شامل ہوئے انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کی سند عطا کی اور فرمایا:

لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحاً قريباً ۙ (الفتح ۱۸)

اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا ذکر کیا گیا جس کی وجہ سے غزوہ حدیبیہ پیش آیا۔ ارشاد ہوا:

لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق ۚ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين محلقين رءوسكم ومقصرين لا تخافون ۖ فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذلك فتحاً

فی الواقع اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ ان شاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا

قریباً ○ — وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے

(الفتح ۲۷) — اس لیے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔

یہ اشارہ فتح مکّہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جو صلح حدیبیہ کے ثمرات میں سے ہے ان شاء اللہ ہم اس کا ذکر پندونصائح کے تحت کریں گے پھر اس دین مبین کے غلبہ وکامرانی کی نوید ان الفاظ میں سنائی گئی :

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ وکفٰی باللہ شھیداً ○ (الفتح ۲۸)

وُہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

صدق اللہ العظیم۔

۷۔ غزوۂ خیبر

یہ غزوہ اواخر محرم ۷ھ میں پیش آیا۔ خیبر مدینہ منورہ کے شمال میں شام کی طرف ایک وسیع نخلستانی علاقہ ہے جہاں یہود سکونت پذیر تھے۔

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ صلح حدیبیہ کی تکمیل سے قریش کی جانب سے مسلمانوں کو امن میسر آگیا تھا، نیز مدینہ منورہ کی آبادی یہودیوں سے پاک ہو چکی تھی اور مدینہ کے مضافات میں یہودی آبادیوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ البتہ خیبر میں یہودیوں کے مضبوط قلعے قائم تھے جن میں تقریباً دس ہزار سپاہ تھی۔ ان کے پاس کثیر مقدار میں اسلحہ اور سازوسامان تھا یہود مکّاری وفریب کاری اور بیہودگی کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے ان کی اس پیہم شر انگیزی کا قلع قمع کیا جانا ضروری تھا تاکہ یہود مسلمانوں کے مرکز مدینہ منورہ کے لیے آئے دن اضطراب و بے چینی کا سبب نہ بن سکیں۔

آنحضرتؐ نے اواخر محرم میں خیبر کی طرف لشکر کشی کا فیصلہ فرمایا۔ آپؐ سترہ سو مجاہدین لے کر روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں دوسو اسپ سواروں کا رسالہ بھی تھا۔ آنحضرتؐ نے اس غزوہ میں اپنی ہم رکابی کے لیے ان صحابہ کو نکالا جو غزوہ حدیبیہ میں شامل تھے۔ جب آپ کو خیبر کی عمارتیں نظر آئیں تو صحابہؓ کو فرمایا کہ یہاں ٹھہر جاؤ۔ پھر آپؐ نے اللہ سے یہ دعا مانگی :

"اے اللہ! تُو آسمانوں اور ان کے زیرِ سایہ ہر چیز کا مالک ہے، زمینوں اور ان پر بسنے والوں کا مالک ہے۔ شیطانوں اور جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں ان کا مالک ہے، ہواؤں اور جن چیزوں کو وہ اڑاتی اور بکھیرتی ہیں ان کا مالک ہے۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اس قریہ کی قریہ والوں کی اور

یہاں کی ہر چیز کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں"۔

جب آپ خیبر پہنچے تو قلعہ نطاۃ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ اس میں یہود نے اپنے فوجی سپاہی جمع کیے ہوئے تھے آنحضرتؐ نے حباب بن منذر کو اس قلعہ کے محاصرہ کا حکم دیا کیونکہ وہ اہلِ نطاۃ کے حالات سے اچھی طرح باخبر تھے۔ یہودی فوجی ماہر تیر انداز تھے۔ وہ اونچی جگہ پر تھے جہاں سے وہ مسلمانوں کی صفوں پر بڑی سرعت کے ساتھ تیر برسا سکتے تھے۔ ان پر غلبہ پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور وہ رات کے اندھیرے میں کھجور کے گھنے درختوں کی اوٹ میں چھپ کر بھی مسلمانوں پر حملے کر سکتے تھے۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے ایک دستے کی ہمراہی میں ایک دوسرے قلعے کا محاصرہ کیا۔

معرکہ آرائی شروع ہوئی اور مسلمان یکے بعد دیگرے قلعے فتح کرنے لگے۔ صرف دو قلعے رہ گئے یہودیوں کی تمام جانی و مالی و جنگی قوت اب ان کے اندر مجتمع ہو گئی۔ بالآخر بے بس ہو کر یہود نے آنحضرتؐ سے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح کی پیشکش کی :

(الف) ان کے جنگی جوانوں کی جان بخشی کی جائے۔

(ب) ان کی اولاد اور اہل و عیال کو چھوڑ دیا جائے۔

(ج) انھیں ایک ایک جوڑا کپڑے لے کر خیبر سے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔

آنحضرتؐ نے ان شرائط پر ان سے صلح کر لی[1] اور فرمایا کہ اگر انہوں نے کوئی چیز چھپائی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ بری الذمہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ قلعوں سے باہر نکل آئے۔ مسلمانوں کو ان قلعوں سے بھاری مقدار میں اسلحہ ہاتھ آیا۔ اور توراۃ کے متعدد صحیفے دستیاب ہوئے۔ بعد میں یہود نے ان کی واپسی کی درخواست کی اور آنحضرتؐ نے واپس کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ اس معرکہ میں ۹۳ یہودی کام آئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔

۸۔ غزوۂ موتہ

یہ غزوہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں پیش آیا۔ شام کے بالائی حصّہ میں موتہ ایک قصبہ ہے جس کا موجودہ نام "کرک" ہے اور بحرِ مردار کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر ازدیؓ کو دعوتِ اسلام کا ایک خط دے کر بصریٰ کے رئیس حارث بن ابی شمر غسانی[2] کے پاس بھیجا۔ جو

---

[1] خیبر چھوڑنے سے قبل یہود نے دوبارہ آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی کہ خیبر کی اراضی اور باغات کی کاشت ان کے سپرد کر دی جائے اور ان کو یہیں رہنے کی اجازت دی جائے۔ حضورؐ نے یہ درخواست قبول کر لی اور طے ہوا کہ یہود پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج مسلمانوں کو دیا کریں گے۔ (مترجم)

[2] حارث بن ابی شمر کے پاس آنحضرتؐ کا نامہ مبارک شجاع بن وہب اسدیؓ لے کر گئے تھے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)



میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت

ہرقل کا نائب السلطنت تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد نبیؐ نے متعدد شاہانِ عالم اور امراءِ عرب کی طرف دعوتی خطوط ارسال کیے تھے اور امیرِ بصریٰ کی جانب یہ نامہ مبارک بھی تبلیغی سلسلے میں تھا۔ حارثؓ جب موتہ پہنچے تو عیسائی عربوں کے ایک عیسائی امیر نے جو براہِ راست قیصرِ روم کے ماتحت تھا آنحضرتؐ کے ایلچی حارثؓ سے دریافت کیا کہ تم محمدؐ کے ایلچی معلوم ہوتے ہو، کہاں جارہے ہو؟ اس نے ایلچی کو گرفتار کرلیا اور اسے قتل کردیا۔ اس واقعہ کی خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپ سخت رنجیدہ خاطر ہُوئے۔ عیسائیوں کی طرف سے یہ ایک سنگین نوعیت کا اقدام تھا۔ اس سے قبل آپ کے کسی سفیر کو کبھی کسی نے قتل نہیں کیا تھا۔

آنحضرتؐ نے قصاص لینے کی غرض سے مسلمانوں کا ایک لشکر تیار کیا جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ زیدؓ بن حارثہ کو سالارِ لشکر مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابوطالب کو امیر بنانا اور اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کرلیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کو لشکر کی امارت سپرد کرنا۔ نیز سالارِ لشکر حضرت زیدؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ اظہارِ ہمدردی کے لیے حارث بن عمیرؓ کے مقتل پر جائیں، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو جنگ کی ضرورت نہیں ورنہ اللہ کی امداد طلب کرکے ان سے قتال کیا جائے۔ مثال کے متعلق آنحضرتؐ نے ان الفاظ میں انہیں حکم دیا:

"میں تمہیں اللہ کے ڈر اور اپنے ساتھیوں سے بھلائی کا حکم دیتا ہُوں۔ کافروں کے ساتھ اللہ کے نام سے اور اللہ کے راستے میں قتال کرنا، دھوکہ نہ دینا، چوری نہ کرنا، بچّوں، عورتوں، بوڑھوں اور گوشہ نشین راہبوں کو قتل نہ کرنا، نخلستانوں اور دوسرے درختوں کو نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو منہدم نہ کرنا۔"

اللہ کی برکت کے بھروسے پر یہ لشکر روانہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے بذاتِ خود لشکر کو مدینہ سے رخصت فرمایا۔ مجاہدین چلتے گئے یہاں تک کہ مُعان پہنچ گئے۔ وہاں جاکر انہیں معلوم ہوا کہ ہرقل شاہِ روم عظیم لشکر لے کر بلقاء کے علاقہ میں مآب کے مقام پر ٹھہرا ہوا ہے اس کے علاوہ نصرانی عربوں نے بھی تقریباً ایک لاکھ فوج تیار کر رکھی ہے۔ رومی لشکر کا پڑاؤ مسلمانوں اور نصرانی عربوں کے قریب ہی تھا۔ مسلمانوں نے آپس میں مشاورت کی۔ اس صورتِ حال کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تاریخ الکامل لابن الاثیر میں ہے: و اما الحارث بن ابی شمر الغسانی فاتاہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع شجاع بن وھب"۔ اور سیرۃ النبی لابن ہشام میں ہے: "و بعث شجاع بن وھب الاسدی الی الحارث بن ابی شمر الغسانی ملك تخوم الشام"۔ اس سے ظاہر ہے کہ حارث بن ابی شمر کی طرف حارث بن عمیر ازدیؓ کو بھیجا ہی نہیں گیا اور آنحضرتؐ کے اس قاصد و سفیر کو جس عیسائی رئیس نے قتل کیا تھا اس کا نام شرحبیل بن عمرو غسانی ہے۔ اس ضمن میں "نورالیقین" مطبوعہ سبحانی اکادمی لاہور کے صفحات ۱۹۶، ۱۹۷ ملاحظہ فرمائے جائیں۔
(مترجم)

پیش نظر ان کی رائے یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمک طلب کی جائے یا دربارِ رسالت سے مزید احکام حاصل کیے جائیں۔ عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا :

"اللہ کی قسم، جس کام کے لیے تم نکلے تھے اب تم اس سے جی چرا رہے ہو، تمہارا مطمحِ نظر تو شہادت ہونا چاہیے۔ ہم لوگوں سے اپنی تعداد اور کثرت اور قوت کے بھروسے پر نہیں لڑتے بلکہ ہم اس دینِ حق کے بل بوتے پر لڑتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اعزاز و اکرام سے نوازا ہے۔ اگر قتال ہوگی تو دو بھلائیوں میں سے ایک ہمیں ضرور میسر آئے گی ــــ فتح یا شہادت "

جنگ کے جملہ پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد لوگ اس رائے سے متفق ہو گئے اور جنگ کا آغاز ہوا۔ زیدؓ نے قتال کیا یہاں تک کہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بعد ازاں حضرت جعفرؓ نے علم سنبھالا۔ وہ اپنے گھوڑے پر لڑتے رہے۔ جب اُترنے پر مجبور ہوئے تو پیدل لڑتے رہے۔ آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو علم سینے پر سنبھالے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم تلواروں اور نیزوں کے تھے۔ پھر عبداللہؓ بن رواحہ کو علمبرداری سونپی گئی وہ بھی قتال کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ پھر اتفاقِ رائے سے لشکر کی امارت حضرت خالدؓ بن ولید کے سپرد کی گئی۔ کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ تھا جس میں وہ اسلام کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی جنگی حکمتِ عملی سے کئی گنا طاقت کے مقابلے میں اسلامی فوج کو ہلاکت سے بچا لیا پھر مدینہ واپس چلے آئے۔

مسلمانوں نے جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے باہر رومیوں کے برخلاف یہ پہلی جنگ لڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اس میں شرکت نہیں فرمائی لیکن اسے غزوہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس جنگ میں دوسرے سرایا کی بہ نسبت مسلمان مجاہدین کی تعداد زیادہ تھی جو لگ بھگ تین ہزار تھی۔

اس جنگ میں حضرت خالدؓ بن ولید نے بے جگری اور شجاعت کا جو مظاہرہ کیا اس کی بنا پر دربارِ رسالت سے انھیں "سیف اللہ" کا خطاب عطا ہوا۔

۹ - غزوۂ فتح

مکہ مکرمہ رمضان ۸ھ میں فتح ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ صلح حدیبیہ کی رو سے قبائل عرب میں سے ہر ایک قبیلہ کو اجازت تھی کہ اگر وہ چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بن کر یا قریش کا حلیف بن کر اس معاہدے میں شامل ہو جائے۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ محالفت کا وعدہ کر لیا اور بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے۔ ۸ھ میں بنو بکر نے خزاعہ پر چڑھائی کر دی۔ تقریباً بیس آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قریش نے اپنے مال اور اسلحہ سے بنو بکر کی امداد کی[۱]۔ اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آنحضرتؐ سخت برہم ہوئے۔

[۱] عکرمہ بن ابو جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو بھیس بدل کر بنو بکر کی طرف سے بنو خزاعہ کے برخلاف عملاً جنگ میں شرکت اختیار کی۔ (مترجم)

آپ نے قریش کے برخلاف جنگ کی تیاری شروع کردی لیکن آپ نے اس معاملے کو صیغۂ راز میں رکھا تاکہ قریش بھی مزاحمت کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔ جنگ کی صورت میں مکہ مکرمہ کی حرمت کی پامالی اور حرم میں کشت و خون کا احتمال تھا اس لیے آپ اچانک حملہ کرکے قریش کی سرکوبی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدریؓ نے پوشیدہ طور پر مکہ جانے والی ایک عورت کے ہاتھ رؤسائے قریش کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کی اطلاع دی کہ آنحضرتؐ ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کے بارے میں مطلع فرما دیا۔ آپؐ نے فوراً اپنے چند صحابہ کو اس نامہ بر عورت کے تعاقب میں بھیج دیا تاکہ وہ اس عورت سے وہ خط حاصل کر لیں۔ صحابہؓ خط حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطبؓ کو طلب کیا اور فرمایا کہ یہ کیا حرکت ہے، حاطب نے جواب دیا: "اللہ کی قسم، اللہ اور اس کے رسولؐ پر میرا پختہ ایمان ہے، میں کافر و مرتد نہیں ہوا۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ میں قریش کے قبیلے کا فرد نہیں ہوں میرے اہل و عیال قریش کے درمیان آباد ہیں اور ان کے رحم و کرم پر ہیں یہ خط اس لیے انہیں ارسال کیا تھا کہ وہ اس احسان کے بدلہ میں میرے اقرباء سے تعرض نہ کریں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کی: "یا رسولؐ اللہ! یہ منافق ہو گیا ہے، مجھے اجازت ہو تو میں اس کی گردن اڑا دوں۔"

آپؐ نے عمرؓ سے فرمایا: "یہ بدری ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بدر سے واقف ہے اور اس نے یہ فرمایا ہے کہ تم اب جو عمل چاہو کرو تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے یا (یہ فرمایا) کہ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ چونکہ سفر جہد و مشقت کا تھا اور قتال درپیش تھا اس لیے راستے میں آپ نے روزے چھوڑ دئے اور آپ کے ہمراہ دوسروں نے بھی روزے نہ رکھے مدینہ سے نکلتے وقت مسلمان فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ راستے میں کچھ دیگر قبائل بھی آکر آپ سے مل گئے۔ مرالظہران کے مقام پر آنحضرتؐ کے چوکیداروں نے ابوسفیان اور دوسرے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیا ابوسفیان مسلمان ہو گیا۔ قبل حضرت عباسؓ اسلام قبول کرکے مدینہ کی طرف ہجرت کرکے آرہے تھے کہ راستے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ حضرت عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ "ابوسفیان فخر و مباہات کو بہت پسند کرتا ہے آپ اس کے لیے کوئی ایسی خصوصیت تجویز فرمائیں جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے امن ہے۔"

پھر اسلامی لشکر مکہ پہنچ گیا۔ آنحضرتؐ کے منادی نے اعلان کیا:

"جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو کر اپنا دروازہ بند کر لے گا اس کے لیے امن ہے، جو مسجد حرام میں چلا جائے گا اس کے لیے بھی امن ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کے لیے بھی امن ہے۔"

مکہ میں پندرہ اشخاص ایسے تھے جن کے جرائم اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف بہت گھناؤنے تھے

اور قابلِ تعزیر تھے اس لیے انہیں امن کے اس اعلانِ عام سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ لیکن عاجزی کے مارے اس طرح جھکے ہوئے تھے کہ آپ کی پیشانی مبارک کجاوے کو چھو رہی تھی اور اس فتحِ اکبر پر اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے آنحضرتؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور اردگرد جو تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے ان کا صفایا کر دیا پھر خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو کے دو رکعت نماز ادا کی پھر کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ قریش کا ہجوم منتظر تھا کہ آپ ان کی قسمت کے بارے میں کیا فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ آپ نے ان سے اس وقت مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے قریش! تم کو کچھ معلوم ہے کہ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

انہوں نے کہا:

"ہمیں آپ سے بھلائی کی توقع ہے کیونکہ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں آج تمہارے بارے میں وہی بات کہتا ہوں جو مجھ سے پہلے میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی:

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔

(آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے)

جاؤ، تم آزاد ہو"

پھر لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے آپ کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ آنحضرتؐ کوہِ صفا پر تشریف فرما ہوئے اور آپؐ نے لوگوں سے حسبِ استطاعت سمع وطاعت کی بیعت لی۔ پہلے مردوں سے بیعت لی گئی اور پھر خواتین سے۔ آنحضرتؐ نے خواتین میں سے کسی سے مصافحہ نہیں کیا۔ بیعت کرنے والی مستورات میں ہند زوجہ ابوسفیان بھی تھی جس کا خون آپ نے مباح قرار دے رکھا تھا۔ لیکن جب اس نے آنحضرتؐ کی بیعت کر لی تو اسے معاف کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر ظہر کی اذان دیں۔ اس سے قریش کی جاہلیت کی رگ پھر پھڑک اٹھی۔ لیکن اس کے بعد انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم ایک عظیم مصلحت اور حکمتِ بالغہ کے تحت عمداً دیا تھا تاکہ قریش کی جاہلیت کا غرور ہمیشہ کے لیے کافور ہو جائے۔

۱۰۔ غزوہ حنین

فتح مکہ کے کچھ دنوں کے بعد یہ غزوہ ۱۰ شوال ۸ھ کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی امداد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے سرداروں نے یہ گمان کیا کہ مکہ کو سر کرنے کے بعد آنحضرتؐ ان کی طرف متوجہ ہوں گے اس لیے انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ آنحضرت سے جارحانہ جنگ کی

پہل کر دیں۔ انہوں نے مالک بن عوف کو اپنا سالار مقرر کیا۔ اُس وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔ اس نے حکم دیا کہ وہ جنگ آزمائی کے وقت اپنے اموال و مواشی اور اہل و عیال کو بھی ساتھ رکھیں تاکہ قتال میں ثابت قدمی کا مظاہرہ ہو۔ اس ہونے والی جنگ میں ان کی سپاہ بیس سے تیس ہزار تک تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے مقابلے میں قتال کے لیے نکلنے کا اعلان فرما دیا۔ مکہ میں جو کوئی بھی تھا وہ لڑائی کے لیے نکل آیا۔ یعنی آنحضرتؐ کے وہ صحابہؓ جو آپؐ کے ساتھ غزوہ فتح میں شریک ہوئے تھے اور ان کے علاوہ مکہ مکرمہ کے وہ لوگ جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا وہ بھی شامل ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ جب آپؐ وادی حنین میں پہنچے تو صبح کے دھندلکے میں قبیلہ ہوازن اور ان کے حلفاء سے آپؐ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے اور شکست کھا گئے۔ اب مسلمان غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ مشرکین نے موقع شناسی کر کے ان پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اس اچانک حملہ سے مسلمان فوج سراسیمہ ہو گئی۔ اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ وہ تتر بتر ہونے لگی اور اس نے پسپائی اختیار کی۔ خصوصاً وہ لوگ جو نئے نئے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے بھاگ نکلے۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نظیر ثابت قدمی و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ آپؐ اپنے خچر پر سوار یہ رجز پڑھتے رہے:

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

(ترجمہ: میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں)

مسلمانوں میں یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دئے گئے ہیں۔ اکثر مسلمانوں نے مایوسی کے عالم میں اپنا اسلحہ پھینک دیا۔ لیکن مہاجرین و انصار کا ایک دستہ آنحضرتؐ کے گرد ثابت قدمی سے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ حضرت عباسؓ بلند آواز تھے انہوں نے مسلمانوں کو زور سے پکارا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ یہ آواز کانوں میں پڑتے ہی تمام فوج لوٹ آئی اور دوبارہ غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مسلمانوں نے مشرکین کا تعاقب کر کے ان کو قتل کیا اور انھیں قیدی بنا لیا۔ جنگ کے نتیجے میں کثیر غنیمت ہاتھ آئی۔ آنحضرتؐ نے اسے نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں میں تالیفِ قلوب کے لیے تقسیم کیا۔ اس میں سے انصار کو کچھ نہ دیا گیا کیونکہ وہ تو آزمودہ اور قابل اعتماد تھے اور اپنے ایمان و اسلام کا ثبوت بہم پہنچا چکے تھے۔

اس معرکے کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ	اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے
و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم	ابھی غزوۂ حنین کے روز (اس کی دستگیری
فلم تغن عنکم شیئاً و	کی شان دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرت
ضاقت علیکم الارض بما رحبت	تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور

ثم ولیتم مدبرین ٥ ثم انزل اللہ سکینتہٗ علیٰ رسولہٖ وعلی المؤمنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا ط و ذٰلک جزآء الکافرین ٥
(التوبہ ۲۵-۲۶)

زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرینِ حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔

مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان یہ آخری قابلِ ذکر معرکہ تھا جس کے بعد اہلِ عرب نے بتوں کو توڑ دیا اور وُہ دینِ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۱۱- غزوۂ تبوک

اسے غزوۂ عسرت بھی کہتے ہیں۔ یہ غزوہ ماہ رجب ۹ھ میں پیش آیا۔ تبوک سرزمینِ حجاز کی وادی قریٰ اور شام کے درمیان ایک موضع کا نام ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہے کہ رومیوں نے ایک لشکرِ جرار شام میں اکٹھا کیا جس میں عرب عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ اور غسان بھی شامل ہو گئے۔ قیصرِ روم ہرقل کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اس فوج سے مدینہ منورہ پر حملہ کرے اور جزیرہ نمائے عرب کی اس نئی اُبھرتی ہُوئی مملکت کو تاخت و تاراج کر دے جس کے غلبہ و فتوحات کی خبریں آئے دن سُننے میں آتی تھیں اور قیصر اس روز افزوں ترقی سے کبیدہ خاطر اور خوف زدہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومی لشکر کے مقابلے پر نکلنے کی ترغیب دلائی۔ گرمی زوروں پر تھی اور عسرت کا عالم تھا۔ سچے مومن بطیبِ خاطر تیار ہو گئے۔ ان صادق الایمان لوگوں میں سے صرف تین پیچھے رہ گئے اور لشکر میں شامل نہ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیشِ عسرت کے لیے ساز و سامان مہیا کرنے کا حکم دیا۔ وہ کثیر مال لے آئے۔ ابو بکرؓ نے اپنا سارے کا سارا مال لا کر ڈھیر کر دیا جس کی مالیت چالیس ہزار درہم تھی۔ حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے آئے۔ حضرت عثمانؓ نے مالِ کثیر خدمتِ نبوی میں پیش کر دیا اور ایک تہائی لشکر کی ضروریات کے لیے سامانِ جنگ مہیا کیا۔ آنحضرتؐ نے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا:

"آج کے بعد عثمانؓ جو کچھ بھی کرے اس کے لیے ضرر رساں نہیں ہوگا۔"

کچھ تنگ دست صحابہؓ بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس سواریاں نہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر میں تمہیں سوار کر کے لے جا سکوں۔"

وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کیونکہ ان کے پاس زادِ راہ نہیں تھا۔ انہی سے زیادہ منافقین

بھی پیچھے رہ گئے۔ متعدد بدویوں نے بھی غلط اور جھوٹے عذرات پیش کیے۔ آنحضرتؐ نے ان سب کے عذرات قبول کر لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ آپؐ کی ہمراہی میں تیس ہزار مردانِ جنگ تھے جن میں سے دس ہزار کے پاس گھوڑے بھی تھے۔ یہ عظیم ترین لشکر تھا جو اس وقت عربوں نے دیکھا۔ آپؐ منزلوں پر منزلیں طے کرتے گئے اور پیہم سفر کر کے تبوک پہنچ گئے۔ وہاں آپؐ نے بیس دن تک قیام فرمایا۔ رومی دشمنوں کو مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی اور ان کے عزائم پر اوس پڑ گئی۔

یہ آخری غزوہ تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم ط انہ بهم رؤف رحیم ۵ وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت وضاقت علیهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ ط ثم تاب علیهم لیتوبوا ط ان اللہ هو التواب الرحیم ۵

(التوبہ ۷، ۱۱۷ - ۱۱۸)

اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین و انصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبیؐ کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبیؐ کا ساتھ ہی دیا تو) اللہ نے معاف کر دیا۔ بیشک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے اور ان تینوں کو بھی معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اس کے علاوہ منافقین اور بدوی معذرت خواہوں کے موقف کے بارے میں کثیر آیات نازل ہوئیں جنھیں معذرت قبول کرنے پر عتاب کا ذکر بھی ہے۔ یہ آیتیں سورہ توبہ میں ہیں۔

ب - پند و نصائح

سب سے پہلے ہم اسلام میں قتال کی فرضیت، اس کے اسباب اور عام قواعد وضوابط سے بحث کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز شہادتِ حق اور وعظ و نصیحت سے کیا۔ اللہ کی کتاب جو آپؐ پر نازل ہوتی تھی آپؐ اسے لوگوں کو سناتے تھے اور اس میں اپنے دل و دماغ کی پوری توانائیاں صرف کرتے تھے تاکہ لوگ بت پرستی و خرافات اور جہالت و گمراہی کے بُرے انجام سے واقف ہو جائیں، ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ حق کو پہچان لیں۔ لیکن آپ کی قوم نے پہلے مرحلے پر تحریک کا مقابلہ اس طرح کیا کہ آپ کی ہدایت قبول نہ کی، دوسروں کو بھی ہدایت قبول کرنے سے روکا اور آپؐ کا تمسخر اڑایا۔ دوسرے مرحلے میں آپؐ پر بہتان باندھے گئے اور آپؐ کو ایذا دی گئی۔ جب یہ حربے تحریک کا راستہ روکنے میں ناکام ثابت ہوئے تو بالآخر آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعوت کے لیے مدینہ منورہ کی سرزمین میں امن و اطمینان کا ایک ٹھکانا مہیا فرما دیا۔ لیکن اس نئی قرارگاہ میں بھی دو طاقتیں آپؐ کی تحریک کی گھات میں رہیں اور آئے دن آپؐ کا گھیراؤ کرتی رہیں۔ ایک طاقت قریش کی تھی جن کی مخالفت نے آنحضرتؐ اور آپؐ کے اصحاب کو ہجرت پر مجبور کیا انھیں اپنے لیے ایک دارالامان میسر آگیا۔ تحریک کو قدرے تقویت حاصل ہوئی اور قریش کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ دوسری طاقت یہودِ مدینہ تھے جنہوں نے مدینہ میں آنحضرتؐ کی آباد کاری کے بعد آپؐ کے ساتھ سلامتی کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن کینہ پروری، مکر و فریب اور شر پسندی یہود کی سرشت میں ہے اور جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو مستقر بنایا وہاں مہاجرین و انصار کی قیادت سنبھالی تو یہود کے حسد اور غیظ و غضب کی آگ بھڑک اُٹھی کیونکہ اس نئی قیادت نے انہیں نیچا دکھا دیا اور مدینہ منورہ پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا۔

قیامِ مکہ کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی نازل شدہ آیات میں آپ کو معاندین کی باتوں پر صبر کی تلقین فرمائی گئی۔

واصبر علیٰ مایقولون واھجرھم ھجراً جمیلا۔ (المزمل ۱۰)

(اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ)

آنحضرتؐ کو مشرکین کی ایذا رسانی پر جوں جوں صبر کی تلقین کی جاتی مشرکین آپ کے خلاف ظلم و زیادتی اور مکر و فریب کی کارروائیوں میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ اس وقت تک مسلمان اپنی قلتِ تعداد اور کمزوری کے باعث اس ایذا رسانی کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

جب آنحضرتؐ کو قیامِ مدینہ کے دوران میں قرار نصیب ہوا اور مسلمانوں کو شوکت اور کفار کے مقابلے کی طاقت میسر آئی تو انہیں قریش کی قوت و عداوت اور یہود کی کینہ توزی و بیہودگی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ قریش و یہود کو ہمہ وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ یہ اُبھرتی ہوئی طاقت ان پر قابو پا جائے گی۔ اسلام ایک حقیقت پسند دین ہے اور واقعات سے

چشم پوشی نہیں کرتا۔ وہ کفار و معاندین کے مقابلے میں توہم پرستی کا قائل نہیں اس کی جولانگاہ محض فکری بھول بھلیاں نہیں ہیں بلکہ وہ عمل کا دین ہے اس لیے اس پر لازم تھا کہ وہ قوت بہم پہنچائے ظلم و زیادتی کی بیخ کنی کے لیے استعداد مہیا کرے اور باطل کی قوت و شوکت کو ملیامیٹ کر دے تاکہ اس دینی و اصلاحی دعوت کو بلا روک ٹوک ترقی کرنے کا کھلا میدان میسر آجائے، لوگوں کی فہم و فراست کو اپیل کی جائے، ان کے نفوس کا تزکیہ کیا جائے، بگاڑ کی اصلاح کی جائے، بھلائی کے سنگِ میل نصب کیے جائیں جن سے لوگ جادہ و منزل کا پتا چلائیں اور روشنی کے مینار تعمیر کیے جائیں جن سے ہدایت و خیر و صلاح کے طالب تاریکیوں میں صراطِ مستقیم کی رہنمائی حاصل کریں۔

اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے ۲ھ میں مومنوں پر قتال فرض کیا، جس کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں،

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا ط و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیرہ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ط ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ط ولینصرن اللہ من ینصرہ ط ان اللہ لقوی عزیزہ الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصّلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ط وللہ عاقبۃ الامور ہ

(الحج ۳۹-۴۱)

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: "ہمارا رب اللہ ہے۔" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ اوّلیں آیات ہیں جو قتال کے بارے میں نازل ہوئیں اور جن کے ذریعے مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی گئی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم یہاں توقف کر کے ذرا ان پر غور کریں کہ قتال کی اس اجازت میں کیا حکمت اور

افادیت ہے اور اس کا دائرہ کار کیا ہے۔

۱۔ اس آیہ مبارکہ کی ابتدا میں فرمایا گیا ہے کہ مومنوں کو قتال کی اجازت دی گئی ہے یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے بارے میں فرمایا:

الذین یقاتلون۔ یعنی وہ مومن جن کے ساتھ جنگ کی جا رہی ہے۔

لغت کا یہ معروف قاعدہ ہے کہ اگر جو حکم کسی مشتق لفظ کے ذریعے دیا جائے تو اس حکم کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ جس مصدر سے یہ مشتق اخذ کیا گیا ہو اس پر غور کیا جائے۔ یقاتلون کا مصدر مقاتلہ ہے یعنی یہ مومن جن کو قتال کی اجازت دی گئی ان سے جنگ کی جا رہی تھی اور وہ ظلم و تعذیب کا شکار تھے اس طرح ان پر جنگ مسلط ہو چکی تھی چنانچہ اس بات کی صراحت موجود ہے کہ انھیں جنگ کی اجازت دینے کی علت پہلے سے موجود تھی یعنی ان پر ظلم و تشدد ہو رہا تھا اور اسے روکنے کے لیے یہ اجازت دی گئی۔ یہ علاج بالمثل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فمن اعتدٰی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدٰی علیکم۔ (البقرہ ۱۹۴) — لہٰذا جو کوئی تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو۔

وجزآء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ (الشوریٰ ۴۰) — بُرائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔

۲۔ یہ مضمون نفسِ آیت میں بالتصریح بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ظلم و عدوان کے ذریعے جنگ کا تختۂ مشق بنایا گیا تھا نہ کہ کسی حق کی بنا پر۔ بانھم ظلموا میں یہ صراحت موجود ہے کہ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران میں مومن نہ ظالم تھے نہ بے راہ رو، بلکہ وہ تو اپنے عقیدے کا دفاع ہی کرتے رہے اور اپنی قوم کو اوہام و خرافات اور غیر اخلاقی حرکتوں سے بچنے کی دعوت دیتے رہے۔

۳۔ دوسری آیت میں تاریخی حقائق بیان ہوئے ہیں کہ ان پر ظلم کی نوعیت کیا تھی۔ وہ مومن جن کو قتال کی اجازت دی گئی انھیں ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لیے اس کو اس کے وطن سے نکال دینے اور اس کی جنم بھومی سے ہجرت پر مجبور کر دینے سے زیادہ بڑا ظلم اور کوئی نہیں۔

۴۔ نفسِ آیت میں یہ بیان بھی موجود ہے کہ کس وجہ سے ان مومنوں کو ان کے گھروں سے نکالا گیا۔ مسلمان بت پرستی اور باطل خداؤں کی عبادت کے مخالف تھے۔ واحد و یکتا خدا کی عبادت کرتے تھے۔ یہی ان کا جُرم تھا۔ اسی عقیدہ کی وجہ سے ان پر ظلم روا رکھا گیا۔ قریش انھیں اس عقیدہ کو ماننے کی آزادی دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

۵۔ مومنوں کو اعتقاد کی آزادی حاصل نہ تھی اس آزادی کو بحال کرنے کے لیے جنگ فرض کی گئی۔ اور اس دنیا کی زندگی میں یہ گراں ترین قیمت ہے جو شرفِ انسانی کے پیشِ نظر حریت عقیدہ کے تحفظ کے لیے مقرر کی گئی۔

۶۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ یہ جنگ جسے مسلمانوں کے لیے فرض کیا گیا ہے صرف مسلمانوں ہی کی دینی آزادی کے تحفظ کے لیے مفید نہیں بلکہ اس کے فوائد تمام سماوی ادیان کے ماننے والوں کو پہنچتے ہیں خواہ

وہ یہودی ہوں یا نصرانی۔ مسلمان اس وقت بُت پرستوں سے لڑتے تھے جن کا کوئی دین نہ تھا۔ جب مسلمانوں کو قوت وشوکت حاصل ہوگئی تو وہ اس قابل ہوگئے کہ اپنی مساجد کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہود و نصارٰی کی عبادت گاہوں کا بھی تحفظ کریں۔ بت پرستوں اور ملحدوں کو بالادستی حاصل نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ الٰہی ادیان سے جنگ آزمائی پر اتر آئیں اور ان کی عبادت گاہوں کو بند کردیں۔ اس آیہ مبارکہ میں اس کی وضاحت موجود ہے:

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدّمت صوامع و بیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً۔

صوامع 'صومعہ کی جمع ہے۔ اور صومعہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں تارک الدنیا فقیر رہتے ہوں۔ بیع بیعہ کی جمع ہے اس سے مراد عیسائیوں کے گرجے ہیں۔ صلوات یہود کی عبادت گاہوں کو کہتے ہیں۔ اس سے بظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی جنگ سماوی ادیان کو ملیا میٹ کرنے اور ان کی عبادت گاہوں کو گرانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ جنگ کی غرض وغایت یہ ہے کہ ان ادیان کو ملحدوں اور بت پرستوں کی دست درازیوں سے بچایا جائے اور عبادت خانوں کو گرانے اور بند کر دینے سے محفوظ رکھا جائے۔

۷۔ تیسری آیت میں ان نتائج کی تصریح کی گئی ہے جو اس شرعی جنگ میں مومنین کے غلبہ سے مترتب ہوتے ہیں۔ ان کا ماحصل قوموں کا استعمار، بھلائیوں کو مٹانا، مال و دولت لُوٹنا اور شریفانہ قدروں کو پامال کرنا نہیں بلکہ اسلامی جنگ سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور معاشرے کے فائدے کے لیے ہیں:

(ا) نظامِ عبادت کی اقامت سے پُوری دنیا میں روحانی اقدار کی نشر واشاعت (اقاموا الصلٰوۃ)

(ب) زکوٰۃ کے ذریعے سے قوموں کے درمیان عدلِ اجتماعی کی ترویج (وآتوا الزکوٰۃ)

(ج) معاشرے کی بھلائی، شرافت اور ترقی کے لیے تعاون (وامروا بالمعروف)

(د) شرپسندی، جرائم اور بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے تعاون (ونھوا عن المنکر)

کفر و اسلام کی جنگ میں مسلمانوں کے غلبہ سے مذکورہ نتائج مترتب ہوتے ہیں اور مملکت اسلامیہ کی اقامت، روحانی ترقی، معاشرے کی کفالت، بھلائیوں کی ترویج اور شر کو روکنے کی ضامن ہوتی ہے۔ بنی نوع انسان کی کون سی ایسی ضرورت ہے جو ان اغراض و مقاصد کے حصول سے بہتر و برتر ہو حتی کے لیے اسلام میں قتال کو فرض کیا گیا ہے، زمانہ ماضی و حال میں کون سی ایسی جنگ ہے جو پُوری انسانیت کو اس قدر عمومی فائدہ پہنچائے اور سوسائٹی کی تعمیر ان بنیادوں پر کرے جس سے انسانیت ترقی کی منازل طے کرے۔ اس کی مثال جاہلیت اولیٰ کی ملحدانہ، اباحیت پسندانہ لامتناہی خُون ریزیوں اور جنگوں میں نہیں ملتی اور موجودہ مغربی مادہ پرستانہ معاشرہ

بھی ایسی پاکیزہ نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ ہیں قتال کی اجازت کے اسلامی اغراض و مقاصد۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوگیا کہ اسلامی جنگ محض فی سبیل اللہ ہوتی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ ایسا جہاد ہے جو انسانیت کی بہبود، سلامتی و ترقی اور عدل اجتماعی کے قیام کے لیے ہو۔ اس کے حصول کا راستہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور اللہ کی طرف لے جانے والا راستہ گناہ و سرکشی میں تعاون کا راستہ نہیں بلکہ صرف بھلائی، باہمی محبت اور نیکی و تقویٰ میں تعاون کا راستہ ہی ہو سکتا ہے۔

اسلامی قتال کی فرضیت کے اغراض و مقاصد اور اس کی اجازت کے بارے میں تاریخی اسباب کا مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا ہے، اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی ابتدائی اسلامی جنگوں کے بارے میں پند و نصائح بیان کریں گے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ ہر معرکے سے متعلق علیحدہ علیحدہ اسباق قلمبند کیے جائیں لیکن وقت ناکافی ہے اور اس کام کے لیے بیسیوں صفحات درکار ہیں اس لیے میں نے ان پند و نصائح کو مجبوراً یکجا جمع کر دیا ہے اور ہر معرکہ کے بارے میں ایک سے زیادہ نصیحت درج کی ہے۔ اگر فراغت نصیب ہوئی اور بیماری کا افاقہ ہوا تو ان شاء اللہ آیندہ سال ہر معرکے سے متعلق علیحدہ علیحدہ اسباق تحریر کروں گا۔

(۱) سب سے پہلا معرکہ بدر میں واقع ہوا۔ قریش کا ایک قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے تعرض کے لیے نکلے تھے لیکن قافلہ کسی مزاحمت کے بغیر نکل گیا۔ مشرکینِ قریش نے قتال کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا اور اس لیے بدر کا وہ معرکہ پیش آیا جس کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ قریش کے قافلے سے تعرض کرنے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ اقدام مال لوٹنے اور ڈاکہ زنی کی غرض سے تھا جیسا کہ بہتان تراش مستشرقین کا دعویٰ ہے بلکہ صورت واقعہ اس سے مختلف تھی۔ اس اقدام کے اسباب میں سے ایک سبب قریش سے قصاص لینا بھی تھا کیونکہ انہوں نے مہاجر مومنوں کے اموال ہتھیا لیے تھے۔ اور مومنین کو اس قدر ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا کہ وہ اپنے اموال و متاع، گھر بار اور جائداد چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے جس مکی مسلمان کے بارے میں بھی قریش کو معلوم ہوا کہ وہ ہجرت کر گیا ہے قریش اس کا مکان بیچ دیتے تھے اور اس کے مال پر قبضہ کر لیتے تھے۔ آج کے بین الاقوامی قانون میں معاملہ بالمثل کا قانون مسلمانوں کے تعرض کو مباح قرار دیتا ہے یہ اسی طرح کے حالات تھے جیسا کہ اس دور میں فلسطینی مہاجرین اور اسرائیل کا طرزِ عمل ہے۔ اس سلسلۂ واقعات میں قابلِ لحاظ ایک اہم بات یہ ہے کہ جنگِ بدر سے قبل قریش کے قافلوں پر مسلمانوں کی طرف سے سات عدد تاختیں ہوئی ہیں ان مہمات میں سب کے سب مہاجرین صحابہؓ ہی نکلے ہیں اور کسی ایک انصاری کو بھی ان میں شمولیت کی غرض سے نہیں بھیجا گیا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ اگر مہاجرین قریش کے قافلے سے تعرض کریں اور اس پر قابو بھی پالیں تو تمام الٰہی اور وضعی قوانین کے مطابق مہاجرین اپنے ایک قانونی حق کی بنا پر ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ جن سات تاختوں کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہیں :

۱ - سریہ حمزہؓ (رمضان ۱ھ) یہ دستہ ہجرت کے سات ماہ بعد ارسال کیا گیا۔

ب - سریہ عبداللہؓ بن حارث (شوال سنہ ۱ھ) یہ مہم ہجرت کے آٹھ ماہ بعد بھیجی گئی۔
ج - سریہ سعدؓ بن ابی وقاص (ذی قعدہ سنہ ۱ھ) یہ تاخت ہجرت کے ۹ ماہ بعد کی گئی۔
د - غزوۂ ودان (صفر سنہ ۲ھ) یہ غزوہ ایک سال بعد پیش آیا۔
ھ - غزوۂ بواط (ربیع الاول سنہ ۲ھ) } یہ دونوں غزوات ہجرت کے ایک سال بعد پیش آئے۔
و - غزوہ بدر اولیٰ (ربیع الاول سنہ ۲ھ) }
ز - غزوۃ العشیرہ (جمادی الاخری سنہ ۲ھ) یہ غزوہ سولہ ماہ بعد پیش آیا۔

ان جملہ سرایا و غزوات میں صرف مہاجرین کو بھیجا گیا اور کسی ایک انصاری کو بھی ان میں شامل نہیں کیا گیا۔ ان حقائق سے ہمارے مذکورہ موقف کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) جنگوں میں فتح کا انحصار کثرتِ تعداد اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں ہوتا بلکہ لشکر کی قوتِ معنوی یا قوتِ اخلاقی (MORALE) پر ہوتا ہے۔ ان جنگوں میں اسلامی لشکر کا اخلاقی کردار یہ تھا کہ وہ ایک پاکیزہ عقیدے اور روشن ایمان کے حامل تھے۔ انہیں شہادت سے فرحت حاصل ہوتی تھی۔ وہ اللہ سے ثواب اور جنت کے طلبگار تھے اور انھیں گمراہی، تفرقہ بازی اور شرانگیزی سے نجات حاصل کرنے کی بھی خوشی تھی۔ اس کے برعکس قریش کا لشکر فسادِ عقیدہ اور بداخلاقی میں ڈوبا ہوا تھا، اجتماعی روابط کو قطع کرنے والا اور شہوات کی پیروی میں منہمک تھا اور اپنے جاہلی رسم و رواج، اپنے آباؤ اجداد اور باطل خداؤں کی اندھی تقلید کے تعصب کا شکار تھا۔

دونوں لشکروں نے جنگ سے پہلے جو عملی نمونے پیش کیے وہ قابلِ دید تھے۔ مشرکین معرکۂ بدر سے قبل تین دن تک شراب کے نشے میں مخمور رہے۔ گانے والی عورتوں کے گانے سنتے رہے۔ ان کے لیے دفیں اور ساز بجتے رہے اور آگ جلائی گئی تاکہ لوگ ان کی اس ہنگامہ آرائی کو دیکھ کر ڈر جائیں اور ان کا گمان یہ تھا کہ اس طرح کے مظاہرے فتح و کامرانی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ دُوسری جانب جنگ سے قبل مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ صمیمِ قلب سے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب تھے۔ اس سے امداد کے طلبگار اور شہادت کے امیدوار تھے۔ انہیں جنت کی خوشبو آ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاجزی کے ساتھ اپنے اللہ سے یہ دُعا مانگ رہے تھے کہ وُہ اپنے مومن بندوں کی امداد فرمائے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا سے ڈرنے والے اور عاجزی کرنے والے مومنین۔ فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے اور لہو و لعب میں بدکرداروں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

جنگوں میں مسلمانوں اور مشرکین کی افرادی قوت کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر معرکے میں مشرکین کی سپاہ مسلمانوں کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ تھی اس کے باوجود فتح ہمیشہ مسلمانوں کو حاصل ہُوئی۔ حتیٰ کہ اُحد اور حنین کے دُو معرکوں میں بھی ابتدائی طور پر مسلمان ہی فتحیاب ہوئے۔ اگر ان دونوں معرکوں میں مسلمانوں سے غلطی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی سرزد نہ ہوتی تو انھیں کبھی بھی شکست نہ ہوتی۔

(۳) جنگ کے موقعہ پر لشکر کی اولوالعزمی، مستعدی اور حوصلہ مندی کے مظاہرے سے سالارِ لشکر کا اعتماد بحال ہوتا ہے اور وہ اپنی جنگی حکمتِ عملی کو پوری طرح نافذ کر کے دشمن کے مقابلے میں فتح و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بدر کے موقعہ پر رونما ہوا۔

(۴) سالارِ لشکر کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے لشکر کو قتال پر مجبور نہ کرے اور لڑائی سے جی چرانے والی اور کمزور سپاہ کو لڑائی کی آگ میں نہ جھونکے جب تک کہ فوج کی رضامندی اور ارادے کی پختگی کا اسے پورا پورا یقین نہ ہو جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر سے قبل صحابہؓ سے مشاورت کے دوران میں کیا تھا۔

(۵) سالارِ لشکر کی زندگی کی حفاظت کی تدابیر اختیار کرنے پر جنگ اور دعوت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ سالار کو چاہیے کہ وہ ایسی تدابیر کو قبول کرے کیونکہ سالار کی زندگی سے تحریک کو فروغ نصیب ہوتا ہے اور اگر قائد کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے تو یہ معرکے کی ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔

معرکۂ بدر میں آنحضرتؐ کے لیے چبوترہ تعمیر کرنے کی تجویز پر آپؐ راضی ہو گئے تھے اور دیگر معرکوں اُحد اور حنین میں ہم نے دیکھا ہے کہ سچے مومن مرد اور مومن عورتیں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حصار بنا کر لڑتے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دشمنوں کے تیروں کے بالمقابل رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شجاعت اور اللہ کی تائید کے باوجود صحابہ کرامؓ کے اس ایثار و قربانی کا انکار نہیں فرمایا بلکہ ان حفاظت کرنے والوں کی تحسین فرمائی حضرت نسیبہؓ ام عمارہ کی تو خصوصی تعریف فرمائی اور ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اسے اور اس کے خاوند اور اس کی اولاد کو جنت میں میری (آنحضرتؐ کی) رفاقت نصیب ہو۔

(۶) کفر و اسلام کے معرکوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پاس سے خصوصی لشکر بھیج کر اپنے سچے مومن بندوں کی پشت پناہی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر میں فرشتے نازل فرمائے اور جنگِ احزاب میں آندھی بھیج دی۔ جب تک مومن اللہ کے راستے میں لڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وکان حقاً علینا نصر المومنین۔ (الروم ۴۷)

(اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں)

نیز فرمایا:

ان اللہ یدافع عن الذین اٰمنوا۔ (الحج ۳۸)

(یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں)

(۷) ایک صداقت شعار داعی کی سرشت میں داخل ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے کوشش کرتا رہے۔ چنانچہ اس امید پر وہ انہیں ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں راہِ راست پر چلنے کا جذبہ پیدا کر دے۔ جنگِ بدر کے قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حکمت کی

کار فرمائی معلوم ہوتی ہے۔ آپؐ اللہ سے اس بات کے امیدوار تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے گا اور ان کے بعد ان کی ذریت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے۔ قرآن کریم میں ایک دیگر اسلامی مصلحت کے پیش نظر اس اقدام پر عتاب بھی وارد ہوا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو خوب کچل دینا چاہیے اور فتنہ وگمراہی کے سرچشموں کو بند کر دینا چاہیے۔ اگر جنگِ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تو قریش میں اسلام کے مقابلے کی طاقت ختم ہو جاتی کیونکہ ان کے سرخیل اور مومنوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانے والے تو موت کی آغوش میں جا چکے ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیدیوں سے فدیہ قبول کرنے کے رجحان میں ایک اور حکمت بھی معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ قیدیوں میں شامل تھے، اور حضرت عباسؓ کے بارے میں معلوم ہے کہ انہوں نے اعلانِ اسلام سے قبل متعدد مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد فرمائی تھی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر وہ خفیہ طور پر آنحضرتؐ کے ساتھ تھے اور قریش کی جملہ معاندانہ کارروائیوں کے بارے میں آنحضرتؐ کو خبریں بہم پہنچاتے تھے۔ اس سے میرا رجحان یہ ہے کہ حضرت عباسؓ درپردہ مسلمان تھے اور حضرت عباسؓ کی ان پوشیدہ خدمات کی موجودگی میں انہیں کیونکر قتل کر سکتے تھے، ایسی صورت میں آنحضرتؐ کا انہیں قتل کرنا قتل مسلم کی حرمت کے قانون کی خلاف ورزی تھی اور اگر انہیں قتل سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا درانحالیکہ وہ مشرک تھے تو اسلامی قانون ایسے رشتہ دار اور غیر رشتہ دار کے درمیان جو اللہ اور رسول کے خلاف محاربت کریں کوئی تفریق و امتیاز روا نہیں رکھتا۔ اس صورت میں مشرکین اور منافقین کو پراپیگنڈہ کا موقعہ میسر آجاتا اور وہ آنحضرتؐ کی عدالت اور بےنفسی کے خلاف طوفان برپا کر کے آپؐ پر صحابہؓ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے اور یہ چیز تحریکی مصلحت کے منافی ہوتی۔

(۸) ایک پختہ کار صاحبِ بصیرت قائد کے حکم کی خلاف ورزی معرکہ کی ناکامی پر منتج ہوتی ہے۔ جیسا کہ جنگِ احد میں وقوع پذیر ہوا۔ اگر وہ تیر اندازوں کا دستہ جو آنحضرتؐ نے لشکر کی پشت پناہی کے لیے درے پر متعین فرمایا تھا آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق اپنی جگہ پر قایم رہتا تو مشرکین کو یہ جسارت نہ ہوتی کہ وہ پیچھے سے دوبارہ حملہ کر دیتے اور اپنی شکست کو فتح سے بدلنے کی کارروائی عمل میں لاتے۔ اسی طرح دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے موقعہ کو ضائع کر دینے کا نتیجہ بھی ناکامی کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ اگر مومن اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے:

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم ○
(النور ۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

(۹) غنیمتوں وغیرہ کے مادی لالچ سے کمزوری اور بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اور شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے جیسا کہ جنگِ اُحد میں واقع ہوا جبکہ تیر اندازوں نے غنیمت حاصل کرنے کے لالچ میں اپنی چوکی چھوڑ دی اور جیسا کہ جنگِ حنین میں پیش آیا جبکہ ابتدا میں مسلمان فتحیاب ہو گئے اور ان میں سے بعض نے غنیمت کا لالچ کیا اور دشمن کا تعاقب چھوڑ دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دشمن نے پلٹ کر مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر دیا اور مسلمان شکست کھا گئے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اور آپؐ کے اردگرد دیگر صداقت شعار مومنین ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کرتے تو یہ شکست فتح مبین میں تبدیل نہ ہو سکتی تھی۔ اگر داعیانِ تحریک پر دنیا کی غنیمت، مال و دولت اور جائداد و اراضی حاصل کرنے کا لالچ سوار ہو جائے تو اس سے تحریک بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے اور لوگوں کے دلوں سے تحریک کے مثبت اثرات محو ہو جاتے ہیں بلکہ لوگ داعیان کی صداقت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح کے بہتان باندھنے شروع کر دیتے ہیں کہ اس تحریک کی غرض و غایت اللہ عزّ و جل کی رضا جوئی نہیں بلکہ دین و اصلاح کے نام پر دنیا کا مال اکٹھا کرنا مقصود ہے اور جب لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کے خدشات جنم لیتے ہیں تو اللہ کے دین میں رکاوٹ آجاتی ہے اور وُہ لوگ جو فی الحقیقت صداقت و اخلاص کے ساتھ تحریکِ اصلاح چلاتے ہیں ان کے بارے میں بھی بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور تحریک کا کام رُک جاتا ہے۔

(۱۰) جنگِ اُحد میں جب مسلمان منتشر ہونے لگے اور حضرت نسیبہؓ اُمِ عمارہ اور ان کا خاوند اور اولاد ثابت قدمی کے ساتھ آنحضرتؐ کے اردگرد ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کرتے رہے تو یہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ایک مسلمان عورت دعوتِ اسلام کے ضمن میں بہت بڑی خدمات سرانجام دے سکتی ہے۔ دورِ حاضر میں بھی ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ مسلمان مستورات نئے سرے سے دعوتِ الی اللہ کا بوجھ اُٹھائیں اور نوجوان لڑکیوں، شادی شدہ اور صاحبِ اولاد خواتین کے حلقوں میں اللہ کی دعوت کو پھیلائیں اور اپنی نئی نسل کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کریں، انہیں اسلام اور تعلیماتِ اسلام کا گرویدہ بنائیں اور سوسائٹی کی خیر و صلاح کے لیے کام کرنے پر آمادہ کریں۔

اگر دعوت کا میدان مسلمان داعی مستورات کے لیے خالی رہے گا یا اس کارِ خیر میں خواتین کی کافی تعداد بھرپور حصہ نہیں لے گی تو دعوت کا کام کمزور رہے گا اور تحریکِ اصلاح لنگڑاتی رہے گی اور یہ صورتِ حال اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک کہ اُمتِ مسلمہ کا نصف حصہ یعنی خواتین دعوتِ خیر سے روشناس نہ ہوں گی ان کے دلوں میں نیکی کی محبت اور دین پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ پیدا نہ ہوگا اور وہ دین کے مضبوط حلقے کو جلد از جلد نہ تھام لیں گی۔

(۱۱) داعیان کو اللہ کے راستے میں مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہیں جسمانی ایذا دی جاتی ہے۔ ان کی آزادی پر قید و بند کے ذریعے قدغن بھی لگائی جاتی ہے۔ انھیں سزائے موت بھی سنائی جاتی ہے اور کبھی دھوکہ سے انہیں قتل بھی کر دیا جاتا ہے۔ ایسی صورتوں میں داعیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے جنہیں جنگِ اُحد میں زخم آئے تھے اور یہ واقعہ

داعیان کے لیے صبر کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

الم ○ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ○ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین ○ (العنکبوت ۱-۳)

(ترجمہ: الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون)

(۱۲) جنگ اُحد میں مشرکین نے مسلمان شہداء خصوصاً حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ دشمنانِ اسلام میں انسانیت کا شائبہ تک نہیں اور وہ ضمیر سے خالی ہیں مقتول کے مثلہ کرنے سے مقتول کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی جس طرح ایک ذبح شدہ بکری کی کھال اتارنے سے بکری کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ کفار کے سینوں میں مسلمانوں کے خلاف جو سیاہ کینہ بھرا ہوا ہے اس قسم کے وحشیانہ اعمال کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہے اور اس طرح کی غیر انسانی حرکات دیکھ کر ہر زندہ صاحب وجدان اور انسانی ضمیر رنج محسوس کرتا ہے۔

مشرکین نے جنگِ اُحد میں مسلمان شہداء کے ساتھ یہ سلوک کیا اور ہم دیکھتے ہیں کہ فلسطینی معرکوں میں اسی قسم کا سلوک یہود نے ہمارے شہداء کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے۔ یہ دونوں فریق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ان کے دلوں میں یکساں کجی پائی جاتی ہے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخر پر ایمان سے محروم ہیں اور اسی لیے وہ ان مومنوں کے خلاف کینہ توزی میں ملوث ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور یومِ آخر پر صحیح و سچے ایمان کی دولت سے مالا مال اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔

(۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں معرکہ کے لیے جس جگہ کا انتخاب فرمایا تھا اسے آپ نے حباب بن منذر کی تجویز پر تبدیل فرمایا اور اسی طرح جنگِ خیبر میں ان کا مشورہ قبول فرمایا۔ اس سے دورِ حاضر کے ڈکٹیٹروں کا غرور خاک میں مل جاتا ہے جو قوموں پر ان کی مرضی اور ارادہ کے بغیر مسلط ہو چکے ہیں۔ یہ ڈکٹیٹر اپنے بارے میں اس زعمِ باطل کا شکار ہیں کہ وہ عقلی فضیلت اور دور رس فکر کے حامل ہیں اور اس وجہ سے وہ قوموں کے ارادہ اور ان کے عقلاء، حکماء اور مفکرین کے مشوروں کو پرکاہ کے برابر وقعت اور اہمیت نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کامل ترین صفات سے نوازا اور اپنی خاتمی اور اکمل رسالت کا بوجھ اٹھانے کا اہل قرار دیا اس کے باوجود آنحضرتؐ اپنے ان صحابہؓ کی رائے کو قبول فرماتے تھے جو فنونِ حرب اور میدانِ جنگ کے بارے میں باخبر تھے اور آنحضرتؐ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ "میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ میرا ہی منصب ہے کہ میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں اور کسی چیز سے روکوں اور تمہیں دخل در معقولات کا کوئی حق نہیں ہے۔" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معاملات میں صحابہؓ کے مشوروں کو قبول فرمایا جن میں آپؐ پر وحی نازل نہ ہوتی تھی تو وہ ڈکٹیٹر جنہیں عوام الناس پر علم و عقل اور تجربہ میں کسی قسم کی فوقیت و برتری حاصل نہیں ہے بلکہ

وُہ حکومت کے وسائل پر جابرانہ قبضہ کرکے برسرِ اقتدار آ گئے ہیں انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اجتماعی معاملات میں اپنی من مانی چلائیں۔ اور وہ آمر جو اپنی رعایا کی بہ نسبت ثقافت، علم اور تجربہ میں فروتر ہیں ان پر تو یہ واجب ہے کہ وہ اصحاب الرائے سے مشاورت کریں۔ ناصحین اور تجربہ کار ماہرین کی نصائح و آراء کو قبول کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

ماضی و حال کے تاریخی واقعات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آمروں کا غرور انھیں اور ان کی قوم کو لے ڈوبا ہے انہوں نے امت کو تنزل کے ایسے عمیق گڑھے میں دھکیل دیا ہے کہ جہاں سے نکلنے میں بیسیوں سال یا صدیاں درکار رہیں۔ جنگِ بدر اور جنگِ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبابؓ کا مشورہ قبول فرمایا۔ آپ کے اس طرزِ عمل میں ہر مخلص فرمانروا، دانا قائد اور صداقت شعار داعی کے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔

اسلام میں حکومت کا واضح ترین اصول "شورائیت" ہے (وامرھم شوریٰ بینھم۔ (الشوریٰ ۳۸) ترجمہ: اور وہ اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں) اور ایک حکمران جسے تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی اس کی نمایاں ترین صفت یہ ہے کہ وہ جبر و استبداد سے پرہیز کرے۔ مشاورت کے اصول پر عمل پیرا ہو اور ہر معاملے میں ماہرین کی رائے سے استفادہ کرے۔

وشاورھم فی الامر۔ (آل عمران ۱۵۹)

(ترجمہ: اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو)

فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ (النحل ۴۳ - الانبیاء ۷)

(ترجمہ: اہلِ ذکر سے پُوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے)

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر معرکے میں پیش قدمی کا مظاہرہ فرمایا اور ہر آڑے وقت میں آپ صحابہؓ کرام کے ساتھ رہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ قیادت کے منصب کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو شجاعت اور ثابت قدمی کی صفات کا حامل ہو۔ بزدل، کمزور اور کم ظرف لوگ قوموں کی سربراہی، لشکروں کی سالاری، اصلاحی تحریکوں اور دعوتِ خیر کی قیادت کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں۔ کردار و عمل کے ذریعے قائد اور داعی کی شجاعت اس کے لشکروں اور حامیوں کے دلوں میں مردانگی و بہادری کے ایسے جذبات ابھارتی ہے اور اس سے وہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ جنگ پر ابھارنے والی ہزار عوامی تقریروں سے بھی ایسے نتائج برآمد نہیں ہوتے لشکروں اور تحریک کے حامیوں کا یہ معمول ہے کہ وہ اپنے سالار اور سربراہ کی قوت سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ اگر جنگ کے موقعہ پر سالار بزدلی دکھائے اور آڑے وقت میں کمزوری کا مظاہرہ کرے تو اس کا جھنڈا کبھی اونچا نہیں رہ سکتا۔

(۱۵) لشکروں اور تحریک کے حامیوں پر لازم ہے کہ وُہ اپنے پختہ کار اور صاحبِ بصیرت قائد کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ قائد سب سے بڑی ذمہ داری کے منصب پر فائز ہوتا ہے اور اس کی جواب دہی بھی زیادہ ہے۔ جب کسی معاملہ پر تبادلۂ آراء ہو جائے، معاملے کے تمام پہلو سامنے آ جائیں اور اس کے بعد کسی کام کا عزم کر لیا جائے

تو لشکروں پر واجب ہے کہ وہ اپنے قائد پر اعتماد کریں اور اس کے حکم کی تعمیل کریں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ کو ایک پیچیدہ معاملہ درپیش تھا آنحضرتؐ نے شرائطِ صلح کو تسلیم کر لیا۔ یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ شرائط تحریک کی مصلحت میں ہیں۔ یہ صلح فی الحقیقت مسلمانوں کی سیاسی فتح تھی اور صلح کے بعد دو سال کے اندر اندر مومنوں کی تعداد میں پہلے کی بہ نسبت کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ لیکن بعض صحابہؓ کو یہ شرائط ناگوار تھیں اور وہ وفورِ اضطراب کی حالت میں اپنے محبوب قائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کما حقہٗ ادب ملحوظ نہ رکھ سکے۔ اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی کرنا پڑا۔ ان کے عہدِ خلافت میں ارتداد کے واقعات رونما ہوئے۔ جملہ صحابہؓ کی یہ رائے تھی کہ مرتدین کے ساتھ قتال نہ کیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی انفرادی رائے قتال کے حق میں تھی اور جب حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے کے مطابق عمل پیرا ہونے کا تہیہ کر لیا تو سب صحابہؓ نے آپؓ کی اطاعت کی اور سب کے سب بخوشی قتال کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور یہ امر واضح ہو گیا کہ مرتدین کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے سے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کو استحکام اور ثبات نصیب ہوا اور مومنین اس قابل ہو گئے کہ وہ اسلام کی رُشد و ہدایت کا پھریرا لے کر چار دانگِ عالم میں نکلیں اور فتحیاب ہوں۔

(۱۶) جنگِ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہؓ[1] بن مسعود کو فرمایا کہ اگر وہ کفار کے مختلف گروہوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوئی تدبیر کر سکتے ہیں تو کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمنوں سے جنگ کے دوران میں اسی طرح کی کارروائی جائز ہے جبکہ ایسا کرنے سے فتح کی امید ہے۔ کیونکہ غداری اور خیانت کے علاوہ ہر ایسا طریقہ جنگ میں جائز ہے جس کے ذریعے خُونریزی سے بچ کر فتح حاصل کی جا سکے۔ یہ سیاسی اور عسکری حکمتِ عملی کے قبیل سے ہے اور یہ اسلامی اخلاق کے مبادیات کے منافی نہیں ہے کیونکہ جنگوں میں خُون خرابہ نہ کرنے میں انسانیت کی مصلحت ہے۔

شر انگیزی، کفر اور فتنہ کو مغلوب کرنے میں انسانی و اخلاقی مصلحت ہے لیکن جنگوں میں شر برپا ہوتا ہے اور جب جنگ کی ضرورت لاحق ہو جائے تو جنگ ناگزیر بھی ہو جاتی ہے۔ اگر ہو سکے تو محاذ آرائی سے بچنا چاہیے۔ اس لئے جنگوں میں کوئی ایسی چال چلنا جس کے ذریعے جنگ میں خُونریزی کے بغیر فتحیاب ہونا ممکن ہو انسانی اخلاق کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قتال کو صرف دینِ اسلام، اُمتِ مسلمہ اور دارالاسلام کی حمایت کے نقطۂ نظر سے فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ دشمنوں کے ساتھ ایسی چال چلنا جس سے وہ شکست کھا جائیں اور ان باطل پرستوں کے مقابلے میں اہلِ حق کو فوری فتح نصیب ہو جائے ایک اسلامی حکمتِ عملی ہے۔ اس لیے غزوۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اثر نعیم بن مسعود کے بارے میں وارد ہے۔

الحرب خدعة۔ (جنگ میں چالبازی جائز ہے)

اور یہ اصول جملہ شرائع و قوانین میں مسلم ہے۔

---

[1] ان صحابی کا نام نعیم بن مسعودؓ ہے نہ کہ عروہ بن مسعودؓ۔ (مترجم)

(۱۷) خندق کھودنے کے بارے میں آنحضرتؐ نے سلمانؓ فارسی کا مشورہ قبول فرمایا۔ اس سے قبل اہل عرب خندق کے ترقی یافتہ اصولِ جنگ سے ناواقف تھے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دینِ اسلام دوسری قوموں کے ان تجربوں سے استفادہ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا جو اُمت اور سوسائٹی کے لیے مفید اور نافع ہوں۔ بلاشبہ خندق کی کھدائی نے مدینہ منورہ سے قبائل کی شرانگیزی کو روکنے میں بہت فائدہ پہنچایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورے کو قبول کرنے سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسری اقوام کی اچھی چیزوں کو اپنانے کی عظیم استعداد تھی آنحضرتؐ نے ایک سے زاید مرتبہ ایسا کیا ہے۔ جب آنحضرتؐ نے بادشاہوں، امراء اور رؤسا کی طرف دعوتی خطوط ارسال کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ بادشاہوں کے ہاں معمول ہے کہ وہ کسی ایسے مکتوب کو قبول نہیں کرتے جس پر ارسال کرنے والے کے نام کی مہر ثبت نہ ہو۔ آنحضرتؐ نے فوراً حکم دیا کہ آپؐ کے لیے ایک مہر تیار کی جائے جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا جائے۔ یہ مہر آنحضرتؐ اپنے خطوط پر ثبت فرماتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے مختلف اطراف سے آنحضرتؐ کے پاس اعلانِ اسلام کے لیے وفود آنے لگے تو آنحضرتؐ سے عرض کی گئی کہ بادشاہوں اور امراء کا یہ معمول ہے کہ وہ اعلیٰ قسم کا خوب صورت لباس پہن کر وفود کا استقبال کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ آپ کے لیے نئے کپڑوں کا ایک جوڑا خریدا جائے۔ ایک روایت کے مطابق اس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ اور ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کی قیمت چار سو بار بردار چوپائے تھی۔ آنحضرتؐ یہ لباس زیب تن کر کے وفود کا استقبال فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا دین دے کر بھیجا گیا اور یہ آنحضرتؐ کا طرزِ عمل تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ کے متبعین کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر زمان و مکان میں دُوسری اقوام کی بہترین چیزوں کو اخذ کریں جو ان کے لیے مفید ہوں اور ان کی شریعت کے احکام اور قواعدِ عامہ سے متعارض نہ ہوں۔ ایسا نہ کرنا جمود ہے جو اسلام کے منافی ہے اور اس کے ابدی دستور یعنی قرآن کریم میں درج ہے۔

فبشر عباد ۝ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ۔ (الزمر ۱۷-۱۸)

(پس (اے نبیؐ!) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سُنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں)

یہ جمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناگوار ہے جنہوں نے بذاتِ خود دُوسری قوموں کی اچھی چیزوں کو حاصل کیا۔ آپؐ کا فرمان ہے:

"حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے وُہ اسے جہاں بھی پاتا ہے حاصل کرتا ہے۔"

لیکن جب مسلمان غفلت کا شکار ہو گئے، خصوصاً یورپ کی ترقی کے بعد مسلمانوں نے اپنے دورِ انحطاط میں دوسروں کی ہر اصلاح کی مخالفت کی دراںحالیکہ انہیں اس کی ضرورت تھی اور وُہ قعرِ تنزل میں گرتے گئے۔ اس طرح دیگر اقوامِ عالم ترقی کی منازل طے کر گئیں اور مسلمان پسماندگی کا شکار ہو گئے (وللہ عاقبۃ الامور۔ الحج - ۴۱) اور تمام معاملات کا

انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۸) غزوۂ موتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کو جو احکام دیئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی جنگ انسانیت کے لیے رحمت کی حامل ہے۔ اسلامی قتال میں غیر مقاتلین کو قتل نہیں کیا جاتا اور نہ راستے میں موجود کسی چیز کی تخریب کی جاتی ہے صرف اشد ضرورت کے تحت راستے کی رکاوٹوں کو ہٹایا جا سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ اور ان کے بعد مختلف ادوار میں مسلمانوں نے ان احکام پر عمل کیا۔ مسلمانوں کی جنگیں تاریخ کی ایسی جنگیں ہیں جن میں رحمت و رافت جھلکتی ہے۔ مسلمان جنگ کے دوران مشفقانہ اور نرم اخلاق کا مظاہرہ کرنے والے اور غیر مسلم مصالحین کی بہ نسبت بھی زیادہ رحیم تھے۔ اس ضمن میں مسلمانوں کا تاریخی ریکارڈ روشن ہے جبکہ غیر مسلموں کی ماضی و حال کی جنگوں کے ابواب تاریک ہیں۔ ہم میں سے کون اس امر سے ناواقف ہے کہ عیسائیوں نے بیت المقدس کی فتح کے دوران صلیبی جنگوں میں وحشت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے برعکس جب صلاح الدین ایوبی نے فرنگیوں کو وہاں سے نکالا تو ان کے ساتھ انسانیت اور مہربانی کا سلوک کیا گیا۔

ہم میں سے کس کو یاد نہیں کہ صلیبی امرا اور ان کے لشکروں نے جب مسلمانوں کی راجدھانیوں طرابلس اور المعرہ وغیرہ پر غلبہ حاصل کیا تو انہوں نے وحشیانہ سلوک روا رکھا لیکن جب مسلمانوں کے امرا اور لشکروں نے ان علاقوں کو مکار غاصبوں کے چنگل سے نجات دلائی تو ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا۔

آج ہم یورپی منافقت کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں جبکہ وہ تہذیب و ثقافت، انسانیت کی بھلائی اور اقوامِ عالم کی محبت کے دعویدار ہیں حالانکہ وہ شہروں کو برباد کرتے ہیں اور نہتے اور بے گناہ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام کرتے ہیں۔ جب اسرائیل نے ارضِ فلسطین کو ہتھیا لیا تو ہم نے وہاں عسرت کے دن کاٹے۔ دیریاسین، قبلیہ، حیفا، یافا، عکا اور صفد وغیرہ شہروں اور دیہات میں یہود کے وحشیانہ حملوں کے سیاہ کارناموں سے پوری دنیا واقف ہے۔ اس کے باوجود وہ انسانیت کا مدعی ہے لیکن کردار برعکس ہے۔ ہم مسلمانوں کی کارروائیاں انسانیت کی بھلائی کے لیے ہیں لیکن ہم اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔ ہم ایسی قوم ہیں جن کے سینوں میں حق و صداقت ہے اور صلح و جنگ میں حق و صداقت کا اصول بہترین اخلاقی اصول ہے اور ہم اس حق کو ضمیر کی خوشی اور اطمینان کے ساتھ نافذ کرتے ہیں جبکہ غیر مسلم اقوام ان اصولوں سے عاری ہیں لیکن منافقت اور پوشیدہ حیلوں کے ذریعے اخلاقی اصولوں کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہیں۔ ہم ایسی قوم ہیں جو قوی اور رحیم خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور ہماری طاقت سے صرف شفقت و رحمت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور کفار ایسی قوم ہیں جن کا طرزِ عمل منافقت پر مبنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور گرفت کا انکار کرتے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریف محبت و رحمت کی صفات سے کرتے ہیں حالانکہ دیگر اقوام کے ساتھ کفار کے تعلقات اور مسلمانوں اور بعض دوسرے کفار کے ساتھ کفار کی جنگوں میں اس محبت و رحمت کا نام و نشان نہیں ملتا۔ ہم وہ قوم ہیں کہ ہماری جنگیں صرف انسانیت

کی بھلائی کے لیے ہیں اور ہم انسانیت کے سب سے زیادہ خیرخواہ ہیں لیکن کفار کے حربی معرکوں کا مقصد جنگ وجدال، لوٹ مار، کشور کشائی اور استعمار ہے اور وہ انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

آج ہم کفار کے ساتھ اپنی جنگوں میں صرف اپنی سرزمین، حق اور شرافت کا دفاع کر رہے ہیں اور ہمارا مقابلہ اس قوم سے ہے جو رحمت، شرافت اور انسانیت جیسے الفاظ کے مفہوم سے ناواقف ہے لیکن ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم ان کے ساتھ اپنے معرکوں میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی شریعت کے اصولوں کی پوری پوری پیروی کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے اور اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔

(۱۹) جب لشکر میں ایسے لوگ ہوں جو شجاعت، ایمان اور اخلاص میں برابر نہ ہوں بلکہ اس میں ایسے لوگ بھی شامل ہو جائیں جو کنارہ کشی اختیار کرنے والے، نوکر پیشہ، تنخواہ دار اور بزدل ہوں تو دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کا امکان ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوۂ حنین میں پیش آیا۔ یہ اصول تحریکوں پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ تحریکوں میں تالیاں بجانے والوں کی کثرت پر انحصار نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہی کارکن قابلِ اعتماد ہوتے ہیں جو پختہ ایمان کے حامل اور تحریک کے راستے میں قربانیاں پیش کرنے والے ہوں۔

(۲۰) جنگوں اور معرکوں کے سلسلے میں آنحضرتؐ کی سیرت سے ہم ایک اور سبق حاصل کرتے ہیں۔ اس ضمن میں آنحضرتؐ کا یہود کے ساتھ طرزِ عمل اور آنحضرتؐ اور آپؐ کی تحریک کے بارے میں یہود کا ردِ عمل قابلِ ملاحظہ ہے۔ قیامِ مدینہ کے اوائل ہی میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ یہود کے ساتھ آپؐ کی مصالحت ہو جائے اور ان کے دین اور اموال سے تعرض نہ کیا جائے۔ یہود کے ساتھ معاہدے کی ایک دستاویز بھی تحریر کی گئی۔ لیکن یہود ایک غدار قوم ہے۔ انہوں نے بلاتاخیر آپؐ کے قتل کا منصوبہ تیار کیا اور اس کے نتیجہ میں غزوۂ بنی نضیر پیش آیا۔ جنگِ احزاب میں آڑے وقت پر انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی جس کے باعث غزوۂ بنی قریظہ پیش آیا۔ پھر انہوں نے اپنی پوری قوت کو مجتمع کیا۔ اسلحہ تیار کیا اور خفیہ سازش کر کے دھوکے اور کمینہ پن سے مدینہ اور وہاں کے مومنین پر حملہ کی تیاری کی، جس کے سبب غزوہ خیبر پیش آیا۔

یہود ایسی قوم ہیں جن کے ساتھ حُسنِ سلوک کارآمد ثابت نہیں ہوتا۔ انھیں وعدوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کا کوئی لحاظ نہیں۔ جب بھی کوئی مشکل مرحلہ آیا انہوں نے دھوکا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ان کی سرکوبی کی وہ اسی کے مستحق تھے۔ آنحضرتؐ پر یہ واجب نہیں تھا کہ وُہ ان کی پیہم سازشوں، خیانتوں اور معاہدے کی خلاف ورزیوں کو برداشت کرتے رہتے اور ایسی فضا میں زندگی گزارتے کہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب مسلسل بے چینی، خطرات، فتنہ پردازی اور سازشوں کے چکر میں پھنسے رہتے۔ آنحضرتؐ نے یہود کے ساتھ ہوشمندی اور چابک دستی سے کارروائی کر کے اپنی نئی مملکت کی حدود کو مستحکم کیا اور جزیرہ نمائے عرب اور بعد ازاں اطرافِ عالم میں اپنی دعوت کی نشر و اشاعت کی راہ ہموار کی۔ آنحضرتؐ کے یہود کے ساتھ اس محتاط طرزِ عمل کی عیب چینی صرف ایک یہودی یا متعصب زدہ یا یہود نواز

استعماری ہی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد بھی تاریخ میں یہود کا کردار سازشوں، ہتھکنڈوں، فساد انگیزی اور خیانت کاری سے عبارت ہے اور ہمارے اس دورِ جدید میں بھی ان کا طرزِ عمل اسی نوعیت کا ہے۔ جنگِ فلسطین اور اسرائیلی ریاست کے قیام سے قبل ہم میں ایسے لوگ موجود تھے جو اپنی شیریں گفتاری سے ہمیں دھوکہ دیتے تھے اور یہود کے ساتھ کی دعوت دیتے تھے۔ ہم میں بڑی طاقتوں کے ایسے حاشیہ بردار بھی تھے جو یہود کے ساتھ تعاون پر مجبور تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلہ فلسطین کا حل فکری و عملی انتشار کی وجہ سے کھٹائی میں پڑ گیا۔ اس کے بعد بھی ہم غفلت و بے عملی کا شکار رہے اور اب ہمارے لیے یہود کی شر انگیزی سے نجات کا کوئی ذریعہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہوشمندی اور چابکدستی کا طرزِ عمل اختیار کریں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مقابلہ کیا تھا تاکہ ہم اپنے علاقے ان سے حاصل کر سکیں اور آنے والے نئے دور میں اسلام اور سلامتی کا پیغام جملہ اقوامِ عالم تک پہنچا سکیں۔

ہمارے پاس یہ امانت ہے جسے ہم صدق و ایمان کے ساتھ اپنی نئی نسل کے سپرد کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ کامیابی و فلاح کا ایسا طرزِ عمل اختیار کرے گی جو فکری و عملی انتشار کا شکار پچھلی نسل نہیں کر سکی۔

(۲۱) غزوۂ موتہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان پہلی جنگ تھی۔ اگر امیر بصریٰ کی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کو غسانی عرب قتل نہ کرتے تو یہ تصادم پیش نہ آتا۔ ایلچی کا قتل جملہ شرائع کی رُو سے ایک ظالمانہ اور گھناؤنی کارروائی ہے اور اچھی ہمسائیگی کے اصولوں کے منافی ہے۔ اس سے رومی گورنروں اور کارپردازوں کی شرپسندی کی نشان دہی ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے لشکرِ موتہ ارسال فرمایا تاکہ رومی سردار اور گورنر مسلمانوں کی نئی مملکت اور اس کی دفاعی قوت سے خوف زدہ ہو جائیں اور مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کا سوچ نہ سکیں۔ جب مسلمان موتہ پہنچے تو انھوں نے رومیوں اور ان کے ماتحت عرب نصرانیوں کا ایک لشکرِ جرار دیکھا مورخین کے نزدیک جس کی تعداد دو لاکھ تھی۔ ہرقل شاہ روم کا بھائی اس لشکر اور موجودہ عمان کے قریب مآب کے مقام پر خیمہ زن سپاہ کا سالار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ اہلِ روم عرب کی سرزمین میں قائم مسلمانوں کی جدید مملکت پر حملہ آور ہونے کا پختہ عزم کیے ہوئے ہیں اور اس کو ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ جزیرہ نمائے عرب کی حدود کے اندر ایک مستقل عرب سلطنت کے قیام سے وہ گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے اور انھیں یہ خدشہ لاحق ہو چکا تھا کہ وہ عرب علاقے جو حجاز سے ملحق عرب کی سرحدوں پر واقع ہیں اور جنھیں شاہِ روم نے غلام بنا رکھا ہے وہ بھی اس کے استعمار سے آزاد ہو جائیں گے۔ اس طرح مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان محاذ آرائی کا آغاز ہوا۔

(۲۲) غزوۂ تبوک یا غزوۂ عسرت میں ایسی واضح نشانیاں موجود ہیں کہ ایمانِ صادق کس طرح مومنوں کو قتال کے لیے عزمِ صمیم عطا کرتا ہے اور وہ کس خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اپنا مال پیش کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا جوئی اور اس کے راستے میں دور دراز سفر کی تکالیف، مصائب اور شدید گرمی کا عذاب برداشت کرنے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن سچے مومن بلا عذرِ معقول اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقاطعہ کا حکم دیا اور

جمہور مسلمین کے علاوہ ان کی بیویوں اور ان کے بڑوں نے بھی ان سے بات چیت کرنا چھوڑ دیا، جس سے مجبور ہو کر ایک نے اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا اور دُوسروں نے اپنے گھروں میں گوشہ نشینی اختیار کر لی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس واقعہ سے مسلمانوں نے یہ بلیغ سبق حاصل کیا کہ بلا عذر فرض کی ادائیگی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے خواہ آرام کو چھوڑ کر مصیبت اختیار کرنا پڑے اور گھنے سائے کو ترک کر کے گرمی اور سختی برداشت کرنا پڑے۔

(۲۳) فتح مکہ میں اس قدر پند و نصائح ہیں کہ ان کی تشریح کے لیے یہ قلیل صفحات ناکافی ہیں آنحضرتؐ ایک ایسے داعی ہیں جن کے دل میں اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی نفرت یا کینہ نہیں۔ کفارِ مکہ نے مسلسل اکیس سال تک آنحضرتؐ کی تحریک کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور محاذ آرائی کا ہر ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے آنحضرتؐ، آپؐ کے اصحاب اور آپؐ کی تحریک کو ختم کیا جا سکے۔ لیکن جب آنحضرتؐ نے پُوری طرح اُن پر قابُو پا لیا اور مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو انھیں معاف کر دیا اور ان کی آزادی بحال کر دی۔ تاریخ انسانی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اس طرح کی کارروائی ایک رسول کریم ہی کر سکتا ہے جس کی تحریک کا مقصود کشور کشائی اور غلبہ حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اس غرض کے لیے بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت و رہنمائی مہیا کرے اور ان کے ضمیر اور دل و دماغ پر فتح حاصل کرے۔ اسی لیے آنحضرتؐ مکہ مکرمہ میں عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہُوئے اور آپ نے عظیم فاتحین کی طرح کسی قسم کے طُمطراق یا کرّ و فر کا مظاہرہ نہ کیا۔

(۲۴) آنحضرتؐ نے اہلِ مکہ کے ساتھ انتہائی حُسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا۔ اس میں ایک اور حکمت بھی ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ اہلِ عرب اللہ کے پیغام کو دنیا والوں تک پہنچائیں گے اور اہلِ مکہ عربوں کے سردار تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کو باقی رکھا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں اور اپنے جسم و جان کی پوری توانائیاں خرچ کر کے ہدایت و نور کا پیغام دیگر اقوامِ عالم تک پہنچائیں اور ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں۔

(۲۵) سب سے آخر میں پند و نصائح کے ذیل میں ہم جس سبق اور دور رس نصیحت کا ذکر کریں گے وہ یہ ہے کہ اللہ کی دعوت مختصر سے عرصے میں عظیم ترین کامیابی سے ہمکنار ہوئی جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اسلام اللہ کی دعوت ہے۔ اس تحریک کے داعیوں، اس پر ایمان لانے والوں اور اس کے جھنڈے کو تھامنے والوں کو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرنے کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دعوت رحمت و شفقت اور حق اور نور سے عبارت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حامی ہے۔ اللہ حق ہے اور رحمان و رحیم ہے جس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ کسی میں طاقت نہیں کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا سکے۔ اور اللہ کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ حق باطل سے مغلوب ہو جائے، اور نہ ہی اللہ کو یہ گوارا ہے کہ رذالت، سنگدلی اور بگاڑ مہربانی و شفقت اور صلاحیت پر غلبہ حاصل کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمانوں کو جنگِ اُحد اور جنگِ حنین میں زخم آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت و تحریک کا

راستہ انتہائی کٹھن اور دشوار گزار ہے۔ اس ضمن میں ابتلاء و آزمائش اور مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ ط ان اللہ لقوی عزیز ۔ (الحج ۔ ۴۰)

(اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے)

فصل ششم

فتح مکہ کے بعد سے رسولؐ کی وفات تک کے اہم واقعات

۱ ۔ غزوۂ حنین

جب اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ پر فتح نصیب فرمائی اور قریش کی مخالفت جو آغازِ دعوت سے مسلسل اکیس سال تک جاری رہی ختم ہوگئی تو قبیلہ ہوازن نے رسولؐ کے ساتھ جنگ کی تیاری کر لی اور معرکہ حنین پیش آیا جس کی تفصیلات سیرت ابن ہشام میں موجود ہیں۔

اس معرکہ کے بارے میں ہم مندرجہ اسباق کا ذکر کریں گے :

(۱) مالک بن عوف ہوازن و ثقیف کی قیادت کا خواہشمند تھا۔ وہ ایک مغرور اور متکبر نوجوان تھا۔ اس نے دُرید بن صمہ ایک پختہ کار اور جہاں دیدہ بوڑھے کی نصیحت پر کان نہ دھرا کیونکہ وہ اس زعمِ باطل میں مبتلا تھا کہ وہ درید کی بہ نسبت زیادہ صائب الرائے ہے وہ اپنے بارے میں اپنی قوم سے یہ تعریفی کلمات سُننا چاہتا تھا کہ مالک جوان اور صاحبِ قوت اور سردار ہے۔ اگر وہ درید کی نصیحت پر عمل کرتا تو اس کی قوم عظیم نقصان سے بچ جاتی اور ان کی عورتیں گرفتار نہ ہوتیں۔ لیکن غرور اور قیادت کا تکبر قوموں کو ہلاکت سے دوچار کرتا ہے اور بالآخر خسارے کا موجب بنتا ہے مالک کا غرور اس کے آڑے آیا کہ وہ اسلام کی قوت و بالادستی کو تسلیم کرلے جس کے آگے قریش نے طویل مزاحمت اور شدید محاذ آرائی کے بعد ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اس نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ وہ اپنی افرادی قوت اور مالی وسائل کے بل بُوتے پر اسلام کی نئی اُبھرنے والی قوت پر غالب آئے گا اور اسلام کے مشن، نصب العین اور تنظیم کو پاش پاش کر دے گا۔ پھر اس کے غرور نے ہی اسے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی قوم کی عورتیں اور اموال ساتھ لے کر جنگ آزمائی کرے تاکہ اس کی فوج بے جگری سے لڑے اور اس حیلہ کے ذریعے وہ شکست سے بچ جائے۔ بوڑھے درید نے اسے نصیحت کی تھی کہ شکست خوردہ فوج اپنی ہر چیز سے محروم ہو جاتی ہے لیکن اس نے اس نصیحت کو کوئی وقعت نہ دی اور وہ اس حقیقت سے بھی غافل ہو گیا کہ مسلمان جن کے ساتھ اس کا مقابلہ ہے وہ ایسی قوم ہیں جو فتح کے لیے اپنے مالی وسائل، افرادی قوت اور جنگی سازوسامان پر انحصار نہیں کرتے بلکہ انھیں اس خدائے عزیز و جبار کی طاقت پر بھروسا ہوتا ہے جس نے مسلمانوں کے لیے

فتح اور جنّت کا وعدہ کر رکھا ہے مسلمان اپنی عورتوں اور اموال کی حفاظت کی خاطر میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر نہیں بھاگتے بلکہ وُہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کے طلب گار ہوتے ہیں اور میدانِ جہاد سے منہ موڑنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب اور سخت انتقام کی جو وعید سنائی ہے اس سے ڈرتے ہیں :

ومن یولھم یومئذ دبرہٗ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الیٰ فئۃ فقد باۤء بغضبٍ من اللّٰہ وماوٰنہ جھنم ط و بئس المصیر ٥ (الانفال - ١٦)

جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری، الّا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے ۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا اس کا ٹھکانا جہنّم ہو گا ، اور وُہ بہت بُری جائے بازگشت ہے ۔

مالک بن عوف، اس کا قبیلہ ہوازن اور ان کے حلیف شکست کھا گئے اور اس کے غرور و تکبّر کی نحوست کا وبال اس اکیلے پر نہ پڑا بلکہ اس کی پُوری قوم کو لے ڈوبا کیونکہ اُنھوں نے اس غرور میں اس کی اطاعت کی تھی۔ جب مالک نے ڈرامائی انداز میں ان کو یہ دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ تلوار سے اپنا پیٹ چاک کرے گا۔ تو وہ اس کی اطاعت پر فوراً مائل ہو گئے اگر وُہ اپنے تجربہ کار بوڑھے (درید) کا اتباع کرتے اور اپنے نوجوان سردار مالک کی متکبرانہ کارروائی کا ساتھ نہ دیتے تو اس مصیبت سے بچ جاتے جس کا وبال ان سب پر پڑا۔ وُہ اپنے مغرور سردار کی ناراضگی سے ڈر گئے تھے۔ اگر وُہ سوچتے کہ اس کی ناراضگی کا کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ وُہ اپنے مغرور سردار سے محروم ہو جاتے، اور یہ کوئی خاص نقصان نہ تھا۔ ایک مغرور اور انانیت زدہ قائد جو دُوسرے جہاندیدہ لوگوں کی بہ نسبت جنگی حالات و واقعات اور جنگوں کے نتائج سے باخبر نہ ہو اور صرف سپہ سالاری کا طالب ہو اگر وہ ضائع بھی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ایسے شخص کی زندگی کسی طرح بھی ایک قبیلے اور ایک پُوری امت کی زندگی کے متوازی قرار نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مغرور سرداروں اور قائدوں کی خواہشات کی اجتماعی غلامی کے بُرے نتائج و عواقب سے ہمیں متنبہ فرمایا ہے ۔ موسیٰ علیہ السّلام اور فرعون کے قصّے میں بیان کیا گیا :

فاستخف قومہ فاطاعوہ ط انھم کانوا قوماً فٰسقین ٥ فلمّآ اٰسفونا انتقمنا منھم فاغرقناھم اجمعین ٥ٌ فجعلنٰھم سلفاً ومثلاً للاٰخرین ٥ (الزخرف ۵۴ - ۵۶)

اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی ، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ ۔ آخر کار جب انہوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو اکٹھا غرق کر دیا اور بعد والوں کے لیے پیش رو اور نمونۂ عبرت بنا کر رکھ دیا۔

(۲) صفوان بن امیہ جو اس وقت مشرک تھا اس سے آنحضرت ؐ نے ایک سو زرہیں اور ان کا متعلقہ اسلحہ مستعار لیا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ قتال کے لیے پوری تیاری کرنا واجب ہے۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کافروں سے اسلحہ خریدنا یا مستعار لینا نہ صرف جائز ہے بلکہ ایسا اسلحہ جو مسلمانوں کے لیے ایذا رسانی یا ضرر کا موجب بن سکتا ہو وہ کافروں سے ضرور لے لینا چاہیے تاکہ کوئی دوسری کافر طاقت اسے حاصل کر کے مسلمانوں پر لشکر کشی نہ کر سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد صفوان سے یہ اسلحہ حاصل کیا اس وقت وہ کمزوری و رسوائی کی حالت میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی شرائط عاید کرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا:

"اے محمدؐ! کیا آپ اسلحہ غصب کرنا چاہتے ہیں۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"نہیں بلکہ ہم عاریۃً لینا چاہتے ہیں اور ضمانت دیتے ہیں کہ ہم اسے واپس کر دیں گے۔"

مسلمانوں کی اپنے شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ شریفانہ سلوک کی یہ بہترین مثال ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوان کا اسلحہ غصب کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور صفوان کچھ بھی نہ کر سکتا تھا لیکن فتح حاصل کرنے کے بعد مغلوبین کے ساتھ حُسنِ معاملہ کی ایسی مثال ایک نبی ہی پیش کر سکتا ہے کہ جنگ کے بعد دشمنوں کے مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ان کا اسلحہ انہیں کے پاس رہے۔ ہمارے علم میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کے قبل یا آپ کے بعد کسی فاتح نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے اس قول کی تائید ہمارا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی لشکر فتحیاب ہوتا ہے تو وہ مفتوحین کے اموال پر قبضہ کر لیتا ہے اور اُن کی شرافت اور حقوق کو پامال کرتا ہے۔ واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل (الاحزاب - ۴) مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(۴) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معرکے میں قتال کے لیے نکلے تو اس وقت آنحضرتؐ کے ہمراہ بارہ ہزار سپاہ تھی۔ دس ہزار مجاہدین تو وہ تھے جو مدینہ منورہ سے آئے تھے اور فتح مکہ میں شریک ہوئے، ان میں مہاجرین، انصار اور مدینہ کے قُرب و جوار یا راستے میں آباد قبائل شامل تھے اور دو ہزار وہ تھے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا چونکہ یہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لیے ان میں سے اکثر ایسے تھے جو ابھی اسلام کی ہدایات و تعلیمات سے پوری طرح آگاہ نہ تھے اور کچھ لوگ صرف اس لیے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے کہ وہ اسلام کے مقابلے اور اس پر غلبہ پانے کی طاقت سے محروم ہو چکے تھے۔ اس لشکر میں صداقت شعار مومنین بھی تھے جنہوں نے اپنے جسم و جان کو دین کی سربلندی کے لیے اللہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور ایسے بھی تھے جو ابھی دین کے معاملے میں کمزور تھے اور ایسے منافق بھی تھے جو سیاسی قوت سے محروم تھے اور خوف کی وجہ سے مسلمان ہو گئے تھے ان کے سینے اسلام کے خلاف کینہ سے معمور تھے اور وہ اسلام کے غلبہ کی وجہ سے رنج و الم کا شکار تھے۔ معنوی قوت کے لحاظ سے پورا لشکر یکساں نہ تھا۔

ایمان کا اپنا ہدف اور نصب العین ہے جس کے حصول کے لیے وہ کفر سے جنگ کرتا ہے لیکن کچھ فتح کی وجہ سے غنیمت اور کمائی کے متلاشی ہوتے ہیں اس لیے ابتدائی مرحلے پر شکست سے دوچار ہونا تعجب خیز نہ تھا۔ جب آنحضرتؐ نے اپنے ہمراہ کثرت دیکھی تو فرمایا کہ آج ہم غالب نہیں آسکیں گے۔ یعنی اس قسم کا کثیر التعداد لشکر صرف ایسے معنوی امور کے باعث فتح حاصل کر سکتا ہے جن کا تعلق افراد کی جان، ایمان، روحانی قوت، اخلاص اور قربانی سے ہو۔ آنحضرتؐ نے ہمارے لیے ایک اعلیٰ اصول وضع فرمادیا ہے اور وہ یہ ہے کہ فتح کا انحصار فوج کی کثرتِ تعداد اور اسلحہ کی بہتات پر نہیں ہوتا بلکہ فتح ایک معنوی چیز کی مرہونِ منت ہوتی ہے جو لڑنے والوں کی اخلاقی قوت سے عبارت ہے اور انھیں قربانی اور فداکاری پر اُبھارتی ہے۔ ایک دوسرے موقعہ پر قرآن کریم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

کم من فئۃٍ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ ط واللہ مع الصابرین۔ (البقرہ۔ ۲۴۹)	بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا۔ ہے اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اس معرکہ کے اختتام پر جو آیات نازل ہوئیں وہ صراحت کے ساتھ اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئًا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ○ ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنودًا لم تروھا وعذب الذین کفروا ط وذٰلک جزآء الکافرین ○ (التوبہ ۲۵-۲۶)	ابھی غزوہ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز تمہیں اپنی کثرتِ تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کا جو حق کا انکار کریں۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے حنین کی جانب تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بہت بڑا سرسبز درخت تھا جسے متبرک سمجھا جاتا تھا۔ قریش ہر سال اس استھان پر آتے تھے اس درخت کے ساتھ اپنا اسلحہ لٹکا دیتے تھے، قربانیاں کرتے تھے اور ایک روز وہاں اعتکاف کرتے تھے۔ اس کا نام انہوں نے "ذات انواط" رکھا ہوا تھا۔ یعنی ایسا درخت جس کے ساتھ چیزیں لٹکائی جائیں۔ اسی سفر کے دوران راستے میں ایک بہت بڑا بیری کا ہرا بھرا درخت تھا اُسے دیکھ کر بعض نئے مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

"یا رسولؐ اللہ! ہمارے لیے بھی ایک 'ذات انواط' مقرر فرمادیا جائے جس طرح کہ قریش کا ایک متبرک

درخت ذات انواط ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا :

"اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے تم نے ویسی ہی فرمائش مجھ سے کی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰؑ نے کہا: تم بڑی نادانی کی بات کرتے ہو (اجعل لنا الٰهًا كما لهم اٰلهة قال انكم قوم تجهلون۔ الاعراف: ۱۳۸)"۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے مزید فرمایا :

"یہ عبادت کے طریقے ہیں تم بھی سابقہ قوموں کے طریقوں کی پیروی کرو گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اُمّتِ مسلمہ بھی پہلی امتوں کی تقلید اختیار کرے گی اسی لیے آنحضرتؐ نے ہمیں تقلید کے بُرے انجام سے ڈرایا ہے اور امتِ مسلمہ کی یہ حالت اس وقت ہوگی جب اُمت پر جہالت غالب آجائے گی۔ جو قومیں خیر و شر کے اسباب اور نفع نقصان کے طریقوں سے واقف ہوتی ہیں۔ خیر کو مضبوطی سے تھامتی ہیں اور بگاڑ سے اعراض کرتی ہیں نیز ضرر رساں طور طریقوں سے روگردانی کرتی ہیں خواہ دوسری قوموں نے وہ طریقے اختیار کر رکھے ہوں تو ایسی ہوشمند قومیں کامیاب ہیں لیکن اگر وہ نتائج سے بے پروا ہو کر تقلید کا راستہ اختیار کریں تو یہ اپنے حق میں ظلم کرنے کے مترادف ہے اور یہی وہ جہالت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔ (انكم قوم تجهلون)

جس قوم کو اپنے آپ پر اعتماد اور اپنی شخصیت کا پاس ہو اور جو بھلائی اور حق اس کے پاس ہے وہ اس پر مطمئن ہو اور دُوسری قوموں کی ایسی چیزوں کی تقلید سے انکار کر دے جو ضرر رساں اور اس کے اصولوں کے منافی ہوں تو وہ قوم کبھی گمراہ نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی قوم کا لائحہ عمل دُوسروں کی تقلید ہی ہو تو قوم کی شخصیت کمزور اور اس کی فکر مضطرب ہوتی ہے نیز وُہ خواہشات کی پرستار اور ضعف و بُزدلی کا شکار رہتی ہے۔ یہی وہ جاہلیت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب و شریعت کے ذریعے ہمیں نجات دی۔ اصلاحی تحریکوں کی نظر میں علم کا مفہوم خواندگی اور جہالت کا مفہوم ناخواندگی نہیں ہے بلکہ علم بداہت و فقاہت اور جہالت ضلالت و ناواقفیت سے عبارت ہے، سمجھدار قوم وُہ ہوتی ہے جو اپنے نفع و نقصان کو پہچانے خواہ وہ ناخواندہ ہی کیوں نہ ہو اور جو قوم بھلائی کا راستہ اور منہاج اختیار نہیں کرتی وہ جاہل ہے خواہ وہ متعدد علوم اور مختلف ثقافتوں کی حامل ہی کیوں نہ ہو۔

جب کوئی قوم دوسروں قوموں کی گرویدہ ہوتی ہے اور ان کی تقلید اختیار کرتی ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ ابنائے قوم اور ان کی خواہشات پر جاہلیت مسلط ہو چکی ہے۔ تاریخ سے پوچھو کہ کیا یونان و روما کی تہذیبیں جاہلیت کے غلبہ ہی کے باعث غارت نہیں ہوئیں؟

تقلید کرنے والے علم کے باوجود جاہل اور کبرسنی کے باوجود نابالغ ہوتے ہیں اور اس وقت تک جاہل و

نابالغ رہتے ہیں جب تک وُہ غیر قوموں کی ذہنی غلامی سے آزادی حاصل نہیں کر لیتے۔

(۵) جنگِ حنین میں ابتدائی مرحلے پر مسلمانوں کو شکست ہوئی اور افراتفری میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچھڑ گئے۔ اس وقت شیبہ بن عثمان نے گمان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کا بدلہ لے جو جنگِ اُحد میں مارا گیا تھا۔ شیبہ کا بیان ہے کہ جب میں قتل کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو دفعتہً کوئی چیز آڑے آگئی اور اس نے میرے دل کو ڈھانپ لیا۔ میری طاقت سلب ہوگئی اور مجھے معلوم ہوگیا کہ میں آنحضرتؐ پر قابُو نہیں پا سکتا۔

آنحضرتؐ کی سیرت کے باب میں اس قسم کے متعدد واقعات — مکہ مکرمہ میں ابوجہل وغیرہ کے ساتھ اور مدینہ منورہ میں بھی — پیش آئے۔ ان سب واقعات سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی ذات کا احاطہ ہیبت کے پرتو سے کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپؐ کے قتل کا ارادہ کرنے والوں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ یہ آپؐ کے دعوائے رسالت کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی سازشوں سے اپنے نبی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا تھا اور اللہ کا مقصود یہ تھا کہ وہ آپؐ کو اس دنیا میں باقی رکھے "تا آنکہ تبلیغی حجت پوری ہو جائے۔ امانتِ رسالت لوگوں تک پہنچ جائے، جزیرہ نمائے عرب سے جاہلیت کا قلع قمع ہو جائے اور مومنین کی ایسی جماعت تیار ہو جائے جو دنیا والوں کو اسلامی تعلیم و تہذیب سے آراستہ کرے اور انھیں جاہلیت سے نجات دلائے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو مشرکین آغازِ دعوت ہی میں آپؐ پر قابو پا جاتے۔ ایسی صورت میں دین مکمل نہ ہوتا، اللہ کی نعمت تمام نہ ہوتی اور ہم تک رسالت، ہدایت اور رحمت کا نور نہ پہنچتا اور تاریخ کا دھارا اس سمت نہ مڑتا جس سے اسلام کی نشر و اشاعت کے ذریعے انسانیت نے گمراہی اور شقاوت سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اور قوموں پر جابرانہ حکومتوں اور خود مختار پادشاہوں اور سرداروں کی استبدادی کارروائیاں ختم ہوئیں جن کی سلطنتوں کی بنیاد بغاوت، ظلم، انسانی شرافت کی پامالی اور تشدد پر قائم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و نصرت فرمائی اور اس کی بدولت دینِ اسلام پایۂ تکمیل کو پہنچا اور آنحضرتؐ امانتِ رسالت کی ادائیگی سے پُوری طرح اور بلاکم و کاست عُہدہ برآ ہوئے۔

بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا بہت فضل تھا (وكان فضل الله عليك عظيما۔ النساء - ۱۱۳) اور اللہ کا فضل تم پر بہت ہے اور عالم بشریت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل بھی بہت ہے (وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ۔ الانبياء - ۱۰۷) اور ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

یقیناً دشمنوں کی خفیہ چالوں اور سازشوں سے داعیانِ حق کی نجات اللہ تعالیٰ کے اس فضل عظیم کا تسلسل ہے جس کی ابتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت سے ہوئی تھی۔

داعیانِ حق پر واجب ہے کہ وہ خوف و خطر سے حفاظت کے نقطۂ نظر سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملجا تلاش کریں اس کی طاقت وقدرت کی حمایت طلب کرتے رہیں اور اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے اور ان کا مددگار اور حافظ ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے ارادہ فرمائے کہ اسے دشمنانِ ہدایت کے مکر و فریب سے نجات دلائے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ہی نجات دلاتا ہے خواہ دشمنوں کی طاقت شدید ہو اور انہوں نے مکر و فریب اور ارتکابِ جرم کا عظیم منصوبہ تیار کر رکھا ہو۔ جان لو کہ حمایت و نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے حاصل ہو سکتی ہے اور اللہ جس کی امداد نہ کرے کوئی دوسرا اس کی مدد نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ کا فیصلہ اور حکم ہی نافذ العمل ہے۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم۔ (آل عمران ۱۶۰) — اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں۔

کبھی کبھی ظالم انسان مکر و فریب کے عظیم منصوبے تیار کرتے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں خدائے عادل کی امداد بہت بڑی اور بے انتہا ہوتی ہے۔ ایک داعی کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرتا اور ایک مصلح کبھی عدمِ استقلال کا شکار نہیں ہوتا اور ایک مومن باللہ جسے اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید پر کامل بھروسا ہوتا ہے وہ شہادتِ حق کے فریضہ کی ادائیگی سے باز نہیں آتا۔

وکان حقا علینا نصر المؤمنین۔ (الروم ۴۷) — اور ہم پر یہ حق تھا کہ مومنوں کی مدد کریں۔

ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئک فی الاذلین ○ کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ط ان اللہ قوی عزیز ○ (المجادلہ ۲۰-۲۱) — یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ فی الواقع اللہ زبردست اور زور آور ہے۔

اگر اللہ کے دشمن بعض ائمۂ ہدایت اور داعیانِ اصلاح پر قابو پانے، انہیں قتل کرنے یا ان کی ایذا رسانی میں کامیاب ہو جائیں تو یہ چیز داعیان کے حق میں اللہ کے فضل کے منافی نہیں ہے کیونکہ موت تو برحق ہے اور وہ ہر ابنِ آدم کا نصیب ہے۔ جس کی موت ظالموں کے ہاتھوں مقدر ہو وہ مرنے والے کے حق میں اللہ کی طرف سے کرامت اور فضل ہے۔ اللہ کے راستے میں جو موت آئے شہادت ہے۔ دعوتِ حق کے سلسلے میں جو ایذا پہنچے وہ شرف و بزرگی سے عبارت ہے اور اصلاح کے سبب سے اگر ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑے تو اس سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے: ؎

اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

ذلک بانھم لا یصیبھم ظما و لا نصب و لا مخمصۃ فی سبیل — اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف

الله ولا یطئون موطئا یغیظ الکفار و لا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم بہ عمل صالح ط ان الله لا یضیع اجر المحسنین ہ (التوبہ ۱۲۰)

وہ جھیلیں، اور منکرینِ حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ اٹھائیں اور کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) کوئی انتقام وہ لیں گے اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عملِ صالح نہ لکھا جائے۔ یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا حق الخدمت مارا نہیں جاتا۔

(۶) جنگ کی ابتداء میں دشمنوں نے کمین گاہوں سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جس سے مسلمانوں کی صفوں میں افراتفری پھیل گئی، وہ تتر بتر ہونے لگے اور اس انتشار کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جُدا ہو گئے اور صحابہؓ کی ایک قلیل تعداد آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدم رہ گئی۔ آنحضرتؐ نے پکارنا شروع کیا:

"اے لوگو! میری طرف آؤ، میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں۔"

آنحضرتؐ کی آواز لوگوں نے نہ سُنی۔ حضرت عباسؓ بلند آواز تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ وہ منادی کریں:

"اے گروہِ انصار! اے گندم گوں رنگ والو!"

لوگوں نے جواب دیا: "ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں۔"

چونکہ لشکر کا شیرازہ بکھر چکا تھا اس لیے جو مجاہد اپنی سواری کو موڑنا چاہتا تھا وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا، وہ اپنی زرہ لیتا اور اسے اپنی سواری کے گلے میں ڈال دیتا، اپنی تلوار اور ڈھال لیتا اور اپنی سواری کی اوٹ سے حملہ آور ہو کر اپنا راستہ بناتا اور اس آواز کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا۔ اس طرح آنحضرتؐ کے پاس ایک سو صحابہ کرامؓ اکٹھے ہو گئے۔ وہ آگے بڑھے۔ اُنھوں نے قتال کیا اور اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

اس ضمن میں متعدد پند و نصائح حاصل ہوتی ہیں۔ داعیانِ حق اور لشکروں کو چاہیے کہ وہ انھیں یاد رکھیں۔ بعض اوقات لڑنے والوں کی کمزوری اور حق کے لیے ان کا عدمِ اخلاص اور قتال کے لیے پورے جنگی ساز و سامان سے مسلح نہ ہونا جنگ میں شکست کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح مہمات میں قائدِ تحریک کی ثابت قدمی و جراٗت اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی امداد پر بھروسا شکست کو فتح میں بدل دیتا ہے۔ نیز کمزور اور شکست و تردد میں مبتلا ساتھیوں کے حوصلے بڑھانا اور حق کے لشکروں میں سچے مجاہدین کی ثابت قدمی اور ان کا اپنے مخلص اور جری قائد کے ارد گرد جم کر لڑنا بھی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ابتدائی شکست کے بعد جو صحابہؓ آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور جو صحابہ بعد ازاں آنحضرتؐ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اکٹھے ہو گئے اور جن کی تعداد ایک سو سے زائد نہ تھی جب انہوں نے لڑنا شروع کیا تو میدانِ جنگ کا نقشہ بدلنا شروع ہو گیا۔ اللہ کی امداد اپنے مومن بندوں کے لیے آئی۔ دشمنوں نے پسپائی اختیار کی ان کے دلوں اور ان کی صفوں میں کمزوری راہ پا گئی۔ دُوسری طرف قائدِ تحریک علیہ السلام نے لشکر کو یاد دلایا کہ وہ حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ سچے مومنوں کا ساتھ دیتا ہے تو ان کی اخلاقی قوت میں اضافہ ہو گیا اور

فدا کاری اور قربانی کے لیے وہ زیادہ مستعد ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:
"انا رسول اللہ۔"
اور ابنِ ہشام کے علاوہ ایک دُوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"انا النبی لا کذب
انا ابن عبد المطلب"
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے دعوائے رسالت میں سچے تھے اور آپؐ کو اپنے رب کی امداد پر کامل بھروسا تھا۔ قائد کو چاہیے کہ وُہ ہمیشہ شدائد و آلام کے مواقع پر خود اعتمادی کا مظاہرہ کرے۔ اپنے رب کو اپنا ملجا سمجھے اور اللہ کی امداد و عنایت پر اسے پورا پورا یقین ہو۔ اگر قائد اپنے ہدف، نصب العین اور تحریک کے بارے میں پوری طرح یکسو ہو گا تو اسے اپنے مقصد میں کامیابی اور لوگوں کی طرف سے مقبولیت اور پذیرائی نصیب ہو گی اور اس میں شدائد و آلام برضا و رغبت برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جائے گی۔

(۷) جنگ میں ام سلیمؓ بنت ملحان کی کارکردگی صدرِ اسلام میں مسلمان خواتین کے باعثِ افتخار جنگی کارناموں میں سے ہے۔ وہ جنگ میں اپنے خاوند ابوطلحہؓ کے ساتھ تھی۔ وہ اُمید سے تھی اور اس نے اپنا پیٹ ایک دھاری دار کپڑے کے ساتھ مضبوطی سے باندھا ہوا تھا۔ اس کے پاس ابوطلحہؓ کا اونٹ بھی تھا، وہ ڈرتی تھی کہ اُونٹ کہیں اس سے چھُوٹ نہ جائے۔ اس لیے اُونٹ کی مہار کے ساتھ اونٹ کی ناک میں ڈالے ہوئے چھلے میں بھی اس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسے دیکھا تو پُوچھا:
"تم ام سلیم ہو؟"
اس خاتون نے جواب دیا:
"جی ہاں، یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں انہیں قتل کر رہی ہُوں جو آپ سے شکست خوردہ ہیں جس طرح حضورؐ ان لوگوں سے قتال کر رہے ہیں جو آپؐ کے مدِمقابل ہیں کیونکہ وہ اسی سلوک کے مستحق ہیں۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اے ام سلیم! اللہ کافی ہے۔"
اس خاتون کے پاس ایک خنجر بھی تھا، اس کے خاوند ابوطلحہؓ نے خنجر کے بارے میں اس سے سوال کیا۔ ام سلیم نے کہا:
"میں نے یہ خنجر اس لیے لیا ہوا ہے کہ اگر مشرکین میں سے کوئی میرے قریب پھٹکا تو میں خنجر کے ساتھ اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔"
ابوطلحہؓ اس جواب سے خوش ہو گیا۔ آنحضرتؐ اس خاتون کی باتوں کو غور سے سُنتے رہے۔
صدرِ اسلام میں مسلمان خواتین اس طرح کے کارنامے سرانجام دیتی تھیں اور ایک مسلمان خاتون کا کردار ایسا ہی ہونا چاہیے۔

مسلمان خاتون جرأت مندی کے ساتھ دفاعی جنگوں میں شامل ہوتی تھی۔ اگر ضرورت پیش آئے یا دشمن اس کے قریب آ جائیں تو وہ بذاتِ خود دشمنوں کے شر کو دفع کرتی تھی تاکہ گرفتار کر کے قیدی نہ بنالی جائے۔ اسلام کی ابتداء ہی سے مسلمان خواتین کی فداکاری، قربانی، آزمائش اور شجاعت کے کارناموں سے تاریخ اسلام کے صفحات روشن ہیں اسی لیے متعصب مستشرقین اور دیگر مغربی راہنما اسلام پر یہ الزام تراشی کرتے ہیں کہ اسلام عورت کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے اور اسے معاشرے میں وہ مقام عطا نہیں کرتا جو اس کی فطری ساخت کے مطابق ہو بلکہ وہ اس حد تک افتراء پردازی کرتے ہیں کہ اسلام ایک عورت کو جنت میں داخل ہونے اور چلنے پھرنے کی اجازت نہیں دیتا خواہ وہ کتنی ہی نیکوکار، عبادت گزار اور تقوٰی شعار کیوں نہ ہو۔

اس بہتان طرازی کی تردید میں قرآن کریم اور سنتِ صریحہ کی نصوص سے قطع نظر تاریخ اسلام میں مسلمان خواتین نے اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے راستے میں قربانی و فداکاری کی جو اعلیٰ مثالیں قایم کی ہیں ان کی نظیر دیگر ادیان پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ معرکہ حنین میں ام سلیمؓ کا کردار اس قسم کی سیکڑوں مثالوں میں سے ایک ہے۔ ہمارے لیے ضروری نہیں کہ ہم اس ضمن میں متعصب دشمنانِ اسلام کی الزام تراشی کا رد کریں بلکہ ہم پر لازم ہے کہ ہم ام سلیمؓ کے کردار سے سبق حاصل کریں اور مسلمان خاتون کو دعوت دیں کہ وہ نئے سرے سے اپنے فطری ماحول کے اندر رہ کر خدمتِ اسلام کا فریضہ انجام دے اور آنے والی نسلوں کی تربیت اسلام کی ہدایت و رہنمائی کے مطابق کرے۔

دورِ حاضر کی مسلمان خواتین دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں، ایک طبقہ نیکو شعار اور راہِ راست پر گامزن خواتین کا ہے لیکن یہ صرف اقامتِ صلوٰۃ اور قرأتِ قرآن کی نیکی اور محرمات سے اجتناب پر اکتفا کرتی ہیں۔ دوسرا طبقہ منحرف خواتین کا ہے۔ انہوں نے جوشیلی مغربی تہذیب کی تقلید میں اسلامی آداب کی بجائے مغربی آداب اور ایک مسلمان عرب خاتون کے اخلاق کی بجائے مغربی اخلاق کو اپنا لیا ہے اور اپنے آپ کو اور اپنے خاندان اور قوم کو مصیبت و شقاوت میں مبتلا کر دیا ہے۔ بعض مغرب زدہ لوگوں نے اس بات کا بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ مسلمان عرب خواتین ان اخلاقی قدروں اور خصوصیات سے بیگانہ اور عاری ہو جائیں جن کی بدولت تاریخ اسلام میں عظمت و شرافت اور ناموری کے نقطۂ نظر سے عظیم سپوت پیدا ہوئے۔ دورِ حاضر بلاشبہ اسلام اور اس کی تاریخ اور خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی سیرت سے مرعوب ہے۔ مسلمان خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں، بچوں کی دیکھ بھال اور شرافت، عفت، حشمت اور حیا کی کریمانہ خصوصیات کے ساتھ نئے سرے سے اسلام اور اسلامی معاشرے کی خدمت کا فریضہ انجام دیں۔ کیا ہماری مسلمان متدین نوجوان خواتین حضرات خدیجہؓ، عائشہؓ، اسماءؓ، خنساء اور ام سلیمؓ وغیرہا کی تاریخ دہرائیں گی؟ کیا یہ مشاہیر مومن عورتیں جن کی سیرتیں آسمان کے ستاروں کی مانند چمک رہی ہیں ان کی تقلید دورِ حاضر میں کی جائے گی؟ کیا حضرات خدیجہؓ، عائشہؓ، اسماءؓ اور ام سلیمؓ کے نقوشِ قدم پر چلنے والی بیسیوں مسلم خواتین دورِ حاضر میں پیدا ہوں گی؟ تاریخ اپنے آپ کو دہرایا کرتی ہے اور یقیناً ایسا ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہمارا نصب العین صحیح ہو اور ہمارا ایمان پختہ، روشن اور نصب العین کی طرف رہنمائی کرنے والا ہو۔ مزید برآں یہ بھی ضروری ہے کہ دورِ جدید کی مسلم خواتین بھلائی، حق، فضیلت اور دین کے

دشمنوں کے استہزا کے علی الرغم گمراہ کرنے والوں کی گمراہی سے بچ کر اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تاریخی کارنامے سرانجام دیں۔

(۸) اس معرکے میں حضرت خالد بن ولید نے ایک خاتون کو قتل کر دیا تھا۔ لوگ اس کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ آنحضرتؐ کا گزر وہاں سے ہوا تو آپؐ نے دریافت فرمایا: "کیا معاملہ ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ ایک عورت کو خالد بن ولید نے قتل کر دیا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ خالد کو میرا یہ حکم پہنچا دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی لڑکے یا خاتون یا تنخواہ دار ملازم کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

کمزور طبقے یا ایسے لوگ جو قتال میں شامل نہ ہوں مثلاً رہبان، خواتین، شیوخ اور اطفال یا ایسے لوگ جنہیں بالجبر جنگ میں شامل کیا گیا ہو جیسے کسان اور مزدور، ان کو قتل نہ کرنا۔ دنیا کی جنگی تاریخ میں اسلام کا ایک منفرد حکم ہے اس قسم کا رحمت و شفقت اور شرفِ انسانیت کا مرقع مخصوص قانون دورِ اسلام کے قبل یا بعد میں آج تک مدون نہیں کیا گیا۔ جملہ اقوامِ عالم میں یہ امر مسلّم اور متفق علیہ ہے کہ جنگ میں ہر قسم کے دشمنوں کو بلا استثناء قتل کرنا مباح ہے۔ دورِ حاضر میں انسانی حقوق کا بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ ظلم و زیادتی کو روکنے اور کمزور قوموں کو سہارا دینے کے لیے بین الاقوامی ہیئت حاکمہ قائم ہے لیکن انسانی ضمیر ہنوز اس بلندی اور شرافت تک نہیں پہنچ سکا کہ جنگوں میں کمزور اور معذور طبقوں کے قتل کو ممنوع قرار دے۔ سابقہ دونوں عالمی عظیم جنگوں میں ہم نے دیکھا ہے کہ شہروں کے شہر مکینوں سمیت تباہ و برباد کر دئے گئے اور وہاں کے ہر جاندار کے قتل کو مباح قرار دے دیا گیا۔ قومی تحریکوں کے برخلاف استعماری جنگوں میں بھی ہم نے یہی کچھ مشاہدہ کیا ہے حالانکہ قومی تحریکیں زندگی اور شرافت کے حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں۔

انقلابی تحریکوں کو کچلنے کے لیے استعماری طاقتیں شہروں اور دیہات کی تخریب اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے قتلِ عام کو مباح سمجھتی ہیں۔ فرانسیسیوں نے متعدد دفعہ الجزائر میں اس قسم کے مظالم روا رکھے۔ انگریزوں نے اپنی اکثر نو آبادیات میں اسی طرح کی وحشت اور درندگی کا مظاہرہ کیا اور اسی طرح کی حرکتیں پرتگیز اپنی افریقی نو آبادیات میں کر رہے ہیں۔

قدیم و جدید اقوامِ عالم میں سے کسی قوم نے بھی جنگ میں بالجبر شامل کردہ مزدوروں اور کسانوں کے قتل کو ممنوع قرار نہیں دیا لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل بالصراحت ان طبقوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور اسے صرف قانونی طور پر منع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ واقعاتی اور حقیقی سطح پر اسے عملی جامہ پہنایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شریعت تھے اور اللہ کی طرف سے لوگوں تک شریعت کے پہنچانے والے تھے۔ آنحضرتؐ نے ایک عورت کے قتل کیے جانے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا اور اپنے سالاروں کی طرف حکم بھجوایا کہ وہ عورتوں، بچوں اور مزدوروں سے تعرض نہ کریں۔ اپنے آخری ایام میں آنحضرتؐ نے رومیوں کے برخلاف قتال کے لیے جو لشکر حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں ارسال فرمایا اسے دیگر احکام کے ساتھ یہ حکم بھی دیا کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جنگ نہ کرنے والے اور جنگ میں امداد

نہ دینے والے راہبوں کو قتل نہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا تو یہی حکم دیا، نیز حضرت ابوبکرؓ نے جب دیگر لشکر اللہ کے راستے میں یعنی حق، بھلائی، ہدایت اور عدالت کے راستے میں نکالے تو ان کو بھی یہی تلقین کی۔ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید نے بھی فتوحاتِ عراق میں اس کے مطابق عمل کیا۔ اور ایسے کسانوں سے تعرض نہ کیا جو اپنے کھیتوں کی کاشت میں مصروفِ عمل تھے۔ اسلامی لشکروں نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں اسی شریفانہ انسانی اصول پر عمل کیا جبکہ دنیا کے دیگر لشکر اس اصول سے ناواقف محض ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے جب عیسائیوں سے بیت المقدس واپس لے لیا اور فتح حاصل کر لی تو اسی قسم کا سلوک عیسائیوں سے کیا گیا۔ اس نے بوڑھوں، پادریوں، عورتوں اور بچوں بلکہ شدید جنگ کرنے والوں تک کو امان دے دی اور انہیں اسلامی لشکر کی حراست میں ان کے ساتھیوں تک پہنچا دیا اور ان سے کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی، حالانکہ جب عیسائیوں نے بیت المقدس کو فتح کیا تھا تو اس وقت انہوں نے انتہائی غداری، کمینگی، وحشت اور دنائت کا مظاہرہ کیا تھا۔ عیسائیوں نے بیت المقدس میں پناہ گزین مسلمانوں کی جان و مال کی امان کا اعلان کیا۔ لیکن جب مسلمانوں نے مسجدِ اقصیٰ پر سفید جھنڈا لہرا دیا تو امان کے اس عہد میں مسلمانوں سے غداری کی گئی۔ عیسائیوں نے بیت المقدس میں داخل ہو کر مسجدِ اقصیٰ میں اقامت گزین تمام مسلمانوں کو بلا امتیاز تہ تیغ کر دیا۔ قتل کیے جانے والے عالموں، زاہدوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد ستر ہزار تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ ایک عیسائی اہلِ قلم نے اس فتح مبین سے یہ بشارت بھی دی کہ البابا تک فتوحات ہوں گی اور فخریہ انداز میں لکھا کہ سڑکوں پر مسلمانوں کا اتنا خون بہایا گیا کہ عیسائیوں کے گھوڑے ٹانگوں تک خون میں ڈوب گئے۔

ہمارے لشکروں، سپہ سالاروں اور فتوحات کے بارے میں لوبون نے کہا تھا کہ عربوں سے زیادہ رحم دل اور عدل گستر فاتحین سے تاریخ ناآشنا ہے۔ ہم یہ قول فخر و مباہات کے طور پر نقل نہیں کرتے بلکہ ہم دُنیا کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم بیسویں صدی کے اہلِ مغرب کی بہ نسبت انسانیت کے ساتھ زیادہ نیکی اور رحمت و شفقت کا سلوک کرنے والے ہیں۔ اہلِ مغرب انسانی تہذیب کے صرف بلند بانگ دعوے کرتے ہیں، یومِ اطفال اور یوم امہات منعقد کرتے ہیں اور اپنی تہذیب و تمدن کا ڈھنڈورا پیٹ کر ہمیں دھوکا دیتے ہیں بلکہ ہم میں سے ان سادہ لوح اور کم فہم لوگوں کو فریب دیتے ہیں جنہیں اُمتِ مسلمہ اور اپنی قومی تاریخ پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری موجودہ نسل اغیار کی ان دسیسہ کاریوں سے آگاہ ہو اور اسے اپنے دین اور شریفانہ انسانی تہذیب کے ورثے پر پورا اعتماد حاصل ہو اور وہ اہلِ مغرب کے حضور اس طرح نہ جھکیں جس طرح ایک ذلیل گداگر ایک طاقتور غنی کے آگے جھکتا ہے اور ہمیں مغربی افکار و نظریات کے دسترخوان پر رطب و یابس اور مفید و غیر مفید کا امتیاز کیے بغیر اس طرح نہ گرنا چاہیے جس طرح پروانے آگ پر گرتے ہیں اور جل جاتے ہیں۔

یہ حقیقت علمی طور پر ثابت شدہ ہے کہ اسلام جملہ ادیان سے بہتر اور انسانی فطرت کے قریب ترین دین ہے اور جملہ نظامہائے زندگی کی بہ نسبت لوگوں کی اصلاح کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اور یہ امر تاریخ سے ثابت ہے،

کہ اسلام کی جنگیں نوعِ انسانی کے ساتھ رحمت و شفقت کے جذبات کے تحت لڑی گئی ہیں وہ کم از کم نقصان اور زیادہ سے زیادہ بھلائی کی ضامن ہیں اور ان کا مقصود انتہائی شریفانہ ہے اور رہ آنے والا دن اس امر کی نئی دلیل مہیا کرتا ہے کہ اسلام اللہ کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور سچے مسلمان اللہ کے بندوں میں سے چیدہ چیدہ اور انسانیت کے سرتاج ہیں۔

(۹) آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے ہوازن کے شکست خوردگان کا تعاقب طائف کے علاقے میں ثقیف کے مقام تک کیا اور چند دن تک ثقیف کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہ ہوئی۔ آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا رُخ کیا۔ راستے میں جنگِ حنین کی غنیمت تقسیم کی گئی جس میں چھ ہزار بچے اور عورتیں اور لاتعداد اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں۔ اس میں سے زیادہ حصہ آنحضرتؐ نے رؤسائے عرب کو ان کی تالیفِ قلوب کے لیے عطا کیا۔ بہت سا مال قریش کو بھی دیا اور انصار کو اس میں سے کچھ بھی نہ دیا۔ بعض انصار نے غنیمت سے محرومی کے بارے میں چہ میگوئیاں کیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے مل گئے ہیں یعنی آنحضرتؐ نے فتح مکہ اور قریش کے قبولِ اسلام کے بعد ہمیں نظرانداز کر دیا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے انصار کا اجتماع بلایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے گروہِ انصار! تمہاری طرف سے ایک بات مجھے پہنچی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دلوں میں میرے بارے میں گمان وارد ہوا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میرے ذریعے سے ہدایت دی۔ تم نادار تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔"

سب نے اثبات میں جواب دیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ احسان اور مہربانی کرنے والے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اے گروہِ انصار! کیا تم مجھے اپنے احسانات نہیں جتا سکتے۔"

انصار نے جواب دیا:

"یا رسولؐ اللہ! ہم تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے، ہم تو اللہ تعالیٰ اور آپؐ کے زیرِ بارِ احسان ہیں۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اگر تم چاہو تو یہ کہنے میں حق بجانب ہو کہ ہم آپؐ کے پاس اس وقت آئے جب آپ کی تکذیب کی جاتی تھی اور ہم نے آپ کی تصدیق کی آپؐ امداد سے محروم تھے ہم نے آپؐ کی تائید کی۔ آپؐ کو اپنے گھر سے نکالا گیا اور ہم نے آپؐ کو ٹھکانا مہیا کیا۔ آپؐ نادار تھے ہم نے اپنے مال سے آپؐ کی امداد کی۔ اے گروہِ انصار! میں نے دنیا کا مال ان جدید الاسلام لوگوں کو تالیفِ قلوب کے لیے دیا اور تمہیں محروم رکھا ہے کیونکہ تم تو قدیم الاسلام تھے۔ اے گروہِ انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ

لوگ بکریاں اور اُونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اگر تحریک اسلامی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا مرحلہ مقرر نہ کیا جاتا تو میں انصار میں سے ہوتا، اور اگر دو پہاڑوں کے درمیان لوگ ایک راستے پر چلیں اور انصار دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں انصار کے راستے پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار کو اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اپنی بے پایاں رحمت سے نواز۔"

اس پر انصار بے اختیار رو پڑے، یہاں تک کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہوگئیں اور انہوں نے کہا: "ہمارے حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں اور ہم اس تقسیم پر راضی ہیں۔"

یہاں مندرجہ ذیل مسائل حل طلب ہیں؛

اوّل۔ غنیمتوں کا معاملہ اسلام کے جنگی نظام کا حصہ ہے لیکن دشمنانِ اسلام نے اسے طعنہ زنی کا مورد ٹھہرایا ہے، وہ اسے اسلام میں اعلانِ جنگ کے اسباب میں سے ایک مادی سبب سمجھتے ہیں اور اسلامی لشکروں کو قربانی اور فداکاری پر اکسانے کے لیے ایک مؤثر ذریعہ قرار دیتے ہیں اور اسی لیے وہ جنگ کے بعد غنیمت پر ٹوٹ پڑتے ہیں جیسا کہ اس معرکے میں پیش آیا۔ بلاشبہ ہر انصاف پسند شخص اس دعوے کی تردید کرے گا۔ دراصل اسلام میں جنگ کے اسباب معنوی ہیں جن کا مقصود حق کی نشر و اشاعت اور ظلم و زیادتی کو روکنا ہے اور اس مضمون کی صراحت قرآن و حدیث کی کثیر التعداد قطعی نصوص سے ثابت ہے۔ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ انسان مادی غنیمت کے حصول کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کرے اور اپنے خاندان کا مستقبل ضائع کر دے۔

صدر اسلام میں مسلمان محاربین نے بہادری و شجاعت کے جو خارقِ عادت کارنامے سرانجام دیئے مادی غنیمت کے لالچ کی خاطر ان کی بجا آوری ناممکن تھی۔ آنحضرتؐ کی حیاتِ طیّبہ میں عربوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے دوران جو حیران کن نتائج برآمد ہوئے اور اسی طرح ایران و روما اور مابعد کی جنگوں میں جو واقعات رونما ہوئے وہ مادی غنیمت کے طمع کے تحت ناممکن الوقوع تھے۔ مزید برآں دشمنانِ اسلام کو بھی مادی طمع کچھ کم نہ تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کی شکست کی صورت میں مسلمان گرفتار ہو کر اور ان کے اموالِ غنیمت کے طور پر دشمنوں کے حصے میں آتے اور صرف مسلمان ہی فتح کی صورت میں دشمنوں کے مال تقسیم نہ کر سکتے تھے بلکہ اس میں تو دونوں متحارب لشکر یکساں تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مادی طمع دشمن کی طرف سے خارقِ عادت شجاعت کے کارناموں اور حیران کن تابناک نتائج کا موجب نہ ہوا۔ اسلامی جنگوں میں پیش آنے والے واقعات اس امر کی قطعی نفی کرتے ہیں کہ ایک مسلمان مجاہد کو جہاد پر اکسانے والا سب سے بڑا محرک مادی طمع ہے۔ بدر، اُحد، موتہ وغیرہ کی جنگوں سے ظاہر ہے کہ مسلمان مجاہدین صرف شرفِ شہادت اور جنّت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لیے معرکوں میں پیش قدمی کرتے رہے ہیں۔ ایک صحابی نے آنحضرتؐ سے شہدا کے بارے میں جنت کی بشارت سُنی وہ کھجوریں کھا رہا تھا اس نے یہ کہتے ہوئے کھجوریں پھینک دیں کہ یہ کھجوریں میرے جنت کے داخلے

میں تاخیر کا موجب ہیں اور یہ تاخیر میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ معرکے میں کُود پڑا اور قتال میں مصروف رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ ایک دوسرا صحابی بے جگری کے ساتھ دشمنوں سے قتال کر رہا تھا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے:
"خدا کی قسم، میں اُحد کے پہاڑ کے قریب جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، کیوں نہ ہو جنت تو مجھے نظر آ رہی ہے۔" یہ واقعات معرکۂ اُحد میں پیش آئے۔

ایرانی جنگوں میں رستم نے یہ عرضداشت پیش کی کہ اگر مسلمان لڑائی سے باز آجائیں تو وہ مسلمانوں کو اپنے اموال اور پارچات دینے کو تیار ہے۔ اس پر اسلامی وفد کے سالار نے رستم کو یہ جواب دیا:
"خدا کی قسم، ہم غنیمت سمیٹنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم تمھیں بندوں کی غلامی سے نجات دلا کر خدائے واحد و قہار کا بندہ بنانے کے لیے آئے ہیں۔ اگر تم اسلام قبول کر لو تو ہم واپس چلے جائیں گے اور تمہاری سرزمین اور تمہاری مملکت تمہاری تحویل میں رہے گی۔ ہم ان کے بارے میں تم سے کوئی تنازع نہ کریں گے۔" کیا یہ کسی ایسی جماعت کا جواب ہو سکتا ہے جو غنیمت حاصل کرنے اور کشور کشائی کے لیے نکلی ہو۔

اگر کفار کے اس باطل دعوٰی کے ثبوت میں معرکۂ حنین کی غنیمت کی تقسیم کے واقعہ کو پیش کیا جائے جہاں اکثر صحابہؓ کو غنیمت دی گئی اور انصار کو محروم رکھا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غنیمت جدید الاسلام لوگوں میں تالیفِ قلوب کے لیے تقسیم کی گئی جن کے دلوں میں اسلام کی ہدایت قدیم الاسلام صحابہؓ کی طرح پوری طرح جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ اسی لیے بزرگ ترین صحابہؓ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ابنِ عوف، طلحہ، زبیر جو السابقون الاوّلون میں سے تھے ان کو کچھ بھی نہ دیا گیا۔
جہاں تک انصار کے معاملے کا تعلق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بعض مجاہدین جن کی جنگی کارکردگی دوسروں کے مقابلے میں کمتر نوعیت کی تھی لیکن اس کے برعکس غنیمت کی تقسیم میں انہیں ترجیح دی گئی تو اس پر کسی انصاری نے اگر انگشت نمائی کی، تو اس طرح کی صورتِ حال میں ایسا واقعہ پیش آجانا فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے خطاب کے دوران میں فرمایا "کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔" تو انصار رو پڑے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مقصود رضائے الٰہی، ثواب، جنّت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تھا۔
ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، آپؐ کے قرب اور پڑوس کو اموالِ غنیمت اور رزق پر ترجیح دی، ان کے بارے میں یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ اموال اور روزی کمانے کے لیے لڑتے تھے۔
کفار کا یہ اعتراض بھی فضول اور لایعنی ہے کہ اسلام نے غنیمت مجاہدین کے لیے کیوں مشروع کی ہے اور اسے مملکت کا مال کیوں قرار نہیں دیا جیسا کہ ہمارے اس دور میں مروج ہے۔ یہ اعتراض اس دور کے جنگی دستور اور رسم و رواج سے ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ اس زمانے میں صرف اسلامی لشکر میں غنیمت کا ⅘ حصہ تقسیم نہیں ہوتا تھا، بلکہ رومی اور ایرانی حاکم بھی اپنی فوجوں میں اسی طرح غنیمت تقسیم کرتے تھے۔ اگر دورِ حاضر کا اجتہاد یہ فیصلہ کر دے کہ اسلامی لشکر کی غنیمت ساری کی ساری مملکت کے خزانہ میں جانی چاہیے تو یہ مسئلہ اسلام کے فقہی مزاج اور اسلامی

اصولوں کے منافی نہیں ہوگا۔

دوم، جو لوگ جدید الاسلام تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت میں سے بہت زیادہ مال عطا کیا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے تھے۔ آنحضرتؐ اپنی قوم کے مزاج شناس تھے اور حالات کو درست کرنے میں انتہائی بالغ نظری سے کام لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آنحضرتؐ کی دعوتِ اسلام کو نہ صرف یہ کہ قبول نہ کیا بلکہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ فتح مکّہ تک برسرپیکار رہے۔ جنگِ حنین میں پہلے مرحلے پر مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو اس ناکامی پر ان میں سے بعض نے ملامت محسوس کی۔ اس لیے اسلام پر ان کی تالیفِ قلوب ضروری تھی اور انہیں یہ جتلانا مقصود تھا کہ اسلام قبول کرنے سے انہیں مادی فائدہ بھی حاصل ہوا ہے جس کے لیے وہ دورِ جاہلیت میں جنگ آزمائی کرتے رہتے تھے حالانکہ فی الحقیقت سردارانِ قوم تو صرف اپنی سیادت کی بحالی اور اپنے مادی مصالح کی پاسداری کے لیے جنگ کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ میں اسلام نے ان کی شان و شوکت کے بُت کو توڑ دیا تھا اور فتح حنین ان کی شکست و ہزیمت کے بعد ہوئی تھی اس لیے یہ ممکن تھا کہ اس فتح کے برخلاف ان کے دلوں میں کینہ و نفرت کے جذبات ہوں۔ اسلام ہدایت و اصلاح کا دین ہے وہ اپنا اقتدار قہر و غلبہ کے ذریعے قائم رکھنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کرتا ہے اور انھیں اپنی ہدایت کی خوشخبری سناتا ہے اور اپنے اصولوں سے عشق و محبت کا درس دیتا ہے حالانکہ دیگر نظام جن کے قیام و بقا کا انحصار صرف قوت پہ ہے وہ جبر و اکراہ کے ذریعے اپنی سلطنت قائم رکھتے ہیں اور لوگوں کو قلب و ضمیر کی آزادی نہیں دیتے۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر بعض لوگوں کے دلوں کی اصلاح اور ان کی عداوت کو دفع کرنے کے لیے داد و دہش مفید ہو تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں اس قدر عطیات سے نوازا جائے کہ وُہ راضی ہوجائیں جیسا کہ آنحضرتؐ نے حنین کے موقع پر کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس کی دعوتِ اسلام جسے بالآخر جزیرہ نمائے عرب میں غلبہ نصیب ہوا اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی نشر و اشاعت مشرق و مغرب تک کی جائے اور یہ بھی لابدی تھا کہ جملہ اہلِ عرب اس تحریک کا بیڑا اٹھانے کی تیاری کریں اور اس کے راستے میں فداکاری پر آمادہ ہوں جب حنین کی غنیمت کے عطیات سے عرب رؤسا کے دلوں کی اصلاح ہوگئی، ان کے قلب و نظر اس دعوت کے انوار سے روشن ہوگئے اور وہ اس تحریک کا بوجھ اٹھانے پر راغب ہوگئے تو حنین کی غنیمت کا یہ ماحصل کس قدر قیمتی تھا۔ جب آنحضرت نے عرب رؤسا کے دلوں کو فتح کر لیا تو ان کے دلوں سے اسلام اور اس کی دعوت کے برخلاف ہر قسم کا کینہ و نفرت زائل ہوگئی۔ نیز جب اسلامی لشکر دنیا کو اسلام کے اصولوں کی بشارت دینے اور لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے کے لیے آمادہ ہُوا تو پُورے کا پورا جزیرہ نمائے عرب اس عظیم تاریخی کارروائی کے لیے مستعد تھا اور وہ عرب رؤسا، جو اوائل میں مولفۃ القلوب تھے بالآخر انہوں نے اپنی رضا و رغبت سے دنیا کو کفر و شرک سے نجات دلانے کے لیے معرکہ آرائی کی اور تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے انتہائی شدید اور مشکل ترین جنگیں لڑ کر فتوحات حاصل کیں اور جزیرہ نمائے عرب کے باہر اسلام کے جھنڈے گاڑ دئے اور اسلامی مملکت کی توسیع اور اس کے لشکروں کی آناً فاناً بالادستی قایم کرنے میں بہترین کردار ادا کیا۔

ان مجاہدین کے لیے یہ امر کسی طرح بھی ضرر رساں نہیں ہے کہ انہیں اسلام پر استقامت عطا کرنے کے لیے اوائل میں ان کی تالیف قلوب کی گئی یا فتح مکہ کے بعد یہ اسلام میں داخل ہوئے کیونکہ بہت سے متاخرین سابقین سے مل جاتے ہیں اور ایک کمزور آدمی طاقتور کی فضیلت حاصل کر لیتا ہے اور ایک ایسے کو خالص کر دیتا ہے جسے اس نے ابتداء میں مخلصانہ شروع نہیں کیا تھا۔ حسن رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ہم نے علم غیر اللہ کے لیے حاصل کیا لیکن بالآخر اس میں للّٰہیت آگئی۔"

ایک اور بزرگ کا قول ہے:

"ہم نے علم بلا نیت حاصل کیا پھر اس کی تحصیل میں ہماری نیت بھی شامل ہوگئی۔"

متاخرین کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اچھے اجر کا وعدہ فرمایا ہے:

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل ط اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا ط وکلا وعد اللہ الحسنٰی ط واللہ بما تعملون خبیر ۝ (الحدید – ۱۰)

تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔

سوم، انصار کی غنیمت سے محرومی پر ان کو راضی کرنے کے لیے آنحضرتؐ نے ان کا اجتماع طلب کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ انتہائی خوش اخلاق اور بہترین سیاسی بصیرت کے حامل تھے۔ جس وقت آنحضرتؐ کو یہ خبر پہنچی کہ کسی انصاری نے غنیمت کے بارے میں چہ میگوئی کی ہے، آنحضرتؐ نے اسی وقت ان کو راضی کرنے کے لیے اجتماع بلا لیا اور ان سے نہایت حکیمانہ خطاب فرمایا باوجودیکہ آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ انصار آنحضرتؐ سے محبت کرتے ہیں اور آپؐ کے فرمانبردار ہیں، انہوں نے اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال کی قربانیاں پیش کی ہیں اور آنحضرتؐ کو ان کے بارے میں کوئی خدشہ نہ تھا کہ ان کے ایمان میں کوئی نقص واقع ہوا ہے یا اُنھوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ناخوشنودی کا کام کیا ہے۔ لیکن آنحضرتؐ نے ضروری سمجھا کہ ان میں سے بعض کے ذہنوں میں غنیمت کے بارے میں جو خلش پیدا ہوئی ہے اس کا ازالہ کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک بہترین سنّت ہے۔ مسلمان قائدین اور زعماء کو اپنے انصار اور محبین کے معاملے میں اس سنّت کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ دشمن ہمیشہ اس گھات میں رہتے ہیں کہ کوئی ایسی بات یا حادثہ پیش آئے جس سے محبین کا اپنے رہنماؤں کے ساتھ رابطہ کمزور ہو جائے اور شیطان بُری سازشیں کرنے والا اور تیز مکار ہے۔ جب انصار کا اپنے قائد پر اعتماد ہو جاتا ہے تو شیطان قائد کو ورغلاتا ہے اور وہ اپنے انصار کو راضی رکھنے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

وُہ بلیغ اور موثر اسلوب خطاب قابلِ ملاحظہ ہے جو آنحضرتؐ نے انصار کو راضی کرنے اور غنیمت کی حکیمانہ تقسیم پر مطمئن کرنے کے لیے اختیار فرمایا۔ آنحضرتؐ نے انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرما کر انہیں گمراہی، انتشار اور باہمی عداوت سے نجات دلائی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے دعوتِ اسلامی کو قبول کرنے میں انصار کی فضیلت کا ذکر فرمایا اور اس امر کا اعتراف کیا کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی امداد اور تصدیق میں پیش قدمی کی جبکہ آپؐ کی قوم نے آنحضرتؐ کے ساتھ تکذیب اور محاذ آرائی کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ اس طرح ان کے دنیا کے مال سے محرومی کے احساس کو زائل کیا اور ان کے لیے سعادتِ ہدایت قبول کرنے کی راہ ہموار کی۔ آپ نے ان کے لیے دو باتوں کی تاکید فرمائی:

(ل) یہ کہ آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو انصار پر فوقیت نہیں دی اور نہ ہی انصار کو فراموش کر دیا ہے جیسا کہ ان میں سے بعض کا احساس تھا۔

(ب) یہ کہ جب آنحضرتؐ نے غنیمت میں سے انصار کو کچھ نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ کو انصار کی دینی قوت، ایمانی عظمت اور محبتِ خدا و رسول پر پُورا پُورا اعتماد تھا۔ خدا کی قسم! ایسے سچے اور مخلص ایمان دار جو جزا اور شکریہ کے طالب نہ ہوں اور جن کی ایمانی فضیلت اور دعوت کے قبول کرنے میں مسابقت مسلّم ہو انھیں راضی کرنے کے لیے اس اسلوبِ خطاب سے زیادہ بلیغ اسلوب اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آنحضرتؐ پر درود و سلام ہو، اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے بارے میں کتنی سچی بات فرمائی ہے:

و انّک لعلیٰ خلقٍ عظیم۔ (ن۔ ۵) — اور بیشک تم اخلاق کے بہترین مرتبے پر ہو۔

چہارم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سن کر انصار نے جو موقف اختیار کیا اس میں صداقتِ ایمانی، رقّتِ قلوب اور ہدایت و تقویٰ کے بارے میں اللہ کی مہربانی کی یاد کی بہترین تعجب انگیز مثال موجود ہے۔ انہوں نے نصرت و تائیدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد فی سبیل اللہ کے قیام کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی قرار دیا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہوتی تو وُہ ہدایت حاصل نہ کر سکتے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی میسر نہ آتی تو ان کے دل و دماغ نورِ اسلام سے روشن نہ ہوتے اور اگر اسلام نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے انتشار کو اتحاد میں تبدیل نہ کرتا اور ان کے خُون جو مباح تھے محفوظ نہ ہوتے اور انہیں یہود کے غلبہ اور پڑوسیوں کی سرکشی سے نجات حاصل نہ ہوتی اور وُہ اسلام کی عزّت و شوکت سے سرفراز نہ ہوتے۔ پھر انہوں نے دنیا کے جملہ مال و متاع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ترجیح دینے کا اعلان کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے لیے اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے رحمت کی دُعا کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور دعائے مستجاب کی خوشی میں ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ کیا صداقتِ ایمانی کی اس سے بڑی کوئی اور دلیل ہو سکتی ہے اور اس محبّت کی بہ نسبت کوئی اور محبت اعلیٰ و ارفع ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ انصار سے راضی ہُوا اور اس نے انہیں راضی کیا اور ان کے تذکرے کو کائنات میں دوام عطا کیا۔

اے اللہ! اپنے رسولِ حبیب و عظیم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن لوگوں پر تُو نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور مقربین، ان کی معیت میں ہمیں انصار کے ساتھ نعمت بھری جنتوں میں ملا (وحسن اولئك رفيقا) اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

ہر داعی اور طالب علم کو چاہیے کہ وُہ انصار کا یہ موقف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا ماجرا یاد رکھے کیونکہ اس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ محبت و اشتیاق کی آگ بھڑکتی ہے۔

ب - بُت شکنی

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ابوالانبیاء ہیں انہوں نے اپنی قوم کی بت پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ یہاں تک کہ ان کی قوم نے ان کو آگ میں جلا دینے کا منصوبہ تیار کیا جیسا کہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور انہوں نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو وہاں آباد کیا۔ جب اسماعیل علیہ السلام عنفوانِ شباب کو پہنچے تو ان دونوں باپ بیٹا نے مل کر کعبہ تعمیر کیا تاکہ لوگ وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کا حج کریں۔ اسماعیل علیہ السلام کے ہاں کثیر اولاد پیدا ہوئی جو عرب مستعربہ کہلاتے ہیں اور مورخین بھی ان کو یہی نام دیتے ہیں۔ وہ مورتیوں اور بُتوں کی عبادت سے ناآشنا تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کی عبادت اس طرح شروع ہوئی کہ جب کوئی شخص مکہ مکرمہ سے نقل مکانی کر کے حرم سے دُور چلا جاتا تو وہ حرم کی تعظیم اور مکہ کی محبت کے پیشِ نظر حرم کا ایک پتھر بھی اپنے ساتھ لے جاتا اور یہ لوگ جہاں کہیں قیام کرتے وہاں اس پتھر کو رکھ کر اس کے گرد اسی طرح طواف کرتے جس طرح کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ عمل حرم کی محبت و شوق کے تحت کعبۃ اللہ کی برکت حاصل کرنے کے لیے تھا۔ یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ ایک شخص جس کا نام عمرو بن لحی تھا اس نے عربوں میں بُت پرستی کو رواج دیا۔ روایات کے مطابق یہ واقعہ بعثتِ نبوی سے تقریباً پانچ سو سال قبل کا ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کر دیا۔ کعبہ کی ولایت کے ضمن میں یہ شخص جرہم کو مکہ اور اس کے نواح سے نکال کر بیت اللہ کا محافظ بن بیٹھا۔ بعد ازاں یہ شخص ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا، اسے مشورہ دیا گیا کہ شام کے علاقہ بلقاء میں گرم پانی کا ایک چشمہ ہے (جسے آجکل "الحمہ" کہا جاتا ہے) اگر تم وہاں چلے جاؤ تو صحت یاب ہو جاؤ گے۔ وُہ وہاں گیا، اس نے گرم پانی میں غسل کیا اور تندرست ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے بُتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اس نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہیں۔ انھوں نے جواب دیا:

"ان کے ذریعہ ہم بارش طلب کرتے ہیں اور دشمن کے خلاف امداد حاصل کرتے ہیں۔"

اس نے ان سے عرض کی کہ کچھ بُت اسے بھی دے دئے جائیں۔ انھوں نے اسے دے دئے اور وہ بت لے کر مکہ مکرمہ آگیا۔ انھیں کعبہ کے گرد نصب کر دیا۔ اس کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بُتوں کی پرستش کا عام رواج ہو گیا یہاں تک کہ مکہ میں ہر اہلِ خانہ نے اپنے گھر میں ایک بُت رکھ لیا جس کی وہ اپنے گھر میں پُوجا کرتے تھے۔ جب کوئی شخص سفر کا

ارادہ کرتا تو سب سے آخری کام جو وہ گھر میں کرتا وہ یہ تھا کہ بُت پر ہاتھ پھیر کر وہ سفر کے لیے باہر نکلتا اور جب سفر سے واپس آتا اور گھر میں داخل ہوتا تو سب سے پہلے بت کو مسح کرتا۔

پھر اہلِ عرب بُت پرستی کے انتہائی شیفتہ و گرویدہ ہو گئے۔ چنانچہ کسی نے ایک مندر بنا لیا اور کسی نے ایک بت تراش لیا اور جسے نہ بُت بنانے کی استطاعت تھی اور نہ مندر تعمیر کرنے کی، تو وہ حرم کے سامنے یا کسی اور پسندیدہ چیز کے سامنے ایک پتھر رکھ کر اس کا طواف اس طرح کرتا جس طرح کہ بیت اللہ کا طواف کیا کرتا تھا۔ جب کوئی شخص سفر اختیار کرتا اور کسی جگہ پڑاؤ کرتا تو چار پتھروں کو لیتا ان میں سے حسین ترین پتھر کو رب بنا لیتا اور باقی تین پتھروں سے اپنی ہنڈیا کے لیے چولھا بنا لیتا۔ جب وہاں سے کُوچ کرتا تو اپنے اُس رب کو وہیں چھوڑ دیتا۔ جب دوسری منزل پر پڑاؤ کرتا تو وہاں بھی یہی کارروائی کرتا۔

عربوں کے تین بڑے بُت تھے جن کی وہ تعظیم کرتے تھے۔ ان کا حج کرتے تھے اور ان بُتوں کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے ان کا قدیم ترین بُت "مناۃ" تھا۔ یہ بت ساحلِ سمندر پر مدینہ اور مکہ کے درمیان قدید میں مشلل کی جانب نصب کیا ہُوا تھا، تمام اہلِ عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اوس اور خزرج کے قبیلے سب سے بڑھ کر اس کی تعظیم بجا لاتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ھ میں فتح مکہ کے لیے نکلے تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اس کی طرف بھیجا، انھوں نے اسے منہدم کر دیا اور اس استھان کی تمام جائداد اور دولت پر قبضہ کر لیا اور اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس سامان میں دو تلواریں بھی تھیں جنھیں حارث بن ابی شمر غسانی شاہِ غسان نے نذرانہ کے طور پر یہاں پیش کیا تھا اور یہ حارث وہی ہے جس نے شجاع بن وہب اسدیؓ کو قتل کر دیا تھا جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعوتی مکتوب دے کر اس کی طرف ارسال کیا تھا۔ ان کے علاوہ آنحضرتؐ کے کسی دوسرے سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔[1]

---

[1] غزوۂ موتہ کے ذیل میں مولف مرحوم نے تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ کے سفیر حارث بن عمیر ازدیؓ کو قتل کیا گیا تھا اور یہاں مولف مرحوم نے لکھا ہے کہ شجاع بن وہب اسدیؓ کو قتل کیا گیا اور ان کے علاوہ آنحضرتؐ کا کوئی دیگر ایلچی قتل نہیں ہُوا شاید یہ تسامح ازدی اور اسدی کی وجہ سے ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حارث بن عمیر ازدیؓ کو شرحبیل بن عمر غسانی نے قتل کیا تھا اور شجاع بن وہب اسدیؓ آنحضرتؐ کا نامہ مبارک لے کر حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس گئے تھے اگرچہ اس نے نامہ مبارک دیکھ کر خفگی کا اظہار کیا لیکن سفیر کو قتل نہیں کیا بلکہ اعزاز کے ساتھ واپس کیا۔ (بحوالہ نور الیقین) تاریخ الکامل لابن الاثیر میں ہے:

"فلما قرأہٗ قال انا سائرٌ الیہ فلما بلغ قولہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بار ملکہٗ۔"

یعنی جب اس نے آنحضرتؐ کا نامہ مبارک پڑھا تو کہا میں خود مدینہ پر چڑھائی کریں گے اور جب آنحضرتؐ کو اس کی یہ بات پہنچی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا ملک تباہ ہوا۔ (مترجم)

دوسرا بڑا بت "لات" تھا۔ اس کا استھان طائف میں تھا۔ یہ ایک مربع شکل کی چٹان تھی۔ قریش اور تمام اہلِ عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی پر ثقیف کا ایک وفد آیا انہوں نے آنحضرتؐ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ تین سال تک اس بت کو مسمار نہ کریں لیکن آنحضرتؐ نے ان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ ایک ایک سال میعاد گھٹاتے گئے لیکن آنحضرتؐ انکار کرتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے ایک مہینہ کی مہلت طلب کی لیکن آنحضرتؐ نے ان کی اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ انہوں نے مہلت کی یہ درخواست اپنی خواتین، اولاد اور بیوقوفوں کی فرمائش پر کی تھی۔ وفد کا خیال تھا کہ لات کے مسمار کرنے سے ان کی قوم ڈر جائے گی اس لیے وہ یہ چاہتے تھے کہ قوم کے مسلمان ہونے تک لات کے انہدام کو موخر کر دیا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ نے اس فرمایش کو قبول نہ فرمایا۔ آپؐ نے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا اور ان دونوں نے اسے مسمار کر دیا۔ جب مغیرہ نے اپنے تیشہ سے اسے توڑنا شروع کیا تو ثقیف کی عورتیں حسرت سے روتی ہوئی باہر نکل آئیں، ان کی زبان پر یہ شعر تھے : ؎

لتبکین دُفّاع اسلمها الرضاع

لم یحسنوا المصاع

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہائے افسوس اس دیوی کے حال پر جو دشمنوں سے ہماری مدافعت کیا کرتی تھی اور ہم سے مصیبتیں ہٹاتی تھی۔ کمینے لوگوں نے اسے مسمار کیے جانے کے لیے چھوڑ دیا ہے اور اس کی مدافعت نہیں کی اور اس کے راستے میں تلواریں نہیں چلائیں۔

تیسری دیوی "عزّٰی" تھی۔ اس کا استھان مکہ سے عراق جاتے ہوئے مسافر کے دائیں جانب تھا۔ قریش خاص طور پر اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ جب قرآن کریم میں "عزّٰی" اور دوسرے بتوں کی نفرت کے بارے میں نازل ہوا تو یہ بات قریش پر بڑی گراں گزری۔

ابواُحیحہ سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف مرض الموت میں مبتلا ہوا تو ابولہب اس کی عیادت کے لیے اُس کے ہاں آیا، اس نے دیکھا کہ سعید بن عاص رو رہا ہے۔ ابولہب نے کہا:

"اے احیحہ! کیا تم موت کے خوف سے روتے ہو؛ حالانکہ موت سے تو کسی کو مفر نہیں ہے۔"

اس نے جواب دیا:

"نہیں، مجھے یہ اندیشہ لاحق ہے کہ میرے بعد عُزّٰی کی پُوجا نہیں کی جائے گی۔"

ابولہب نے کہا:

"خدا کی قسم، تیری زندگی میں اس کی عبادت تیری وجہ سے نہیں کی جاتی تھی اور تیرے بعد بھی تیری موت کی وجہ سے اس کی پرستش ترک نہیں کی جائے گی۔"

ابو احیحہ نے کہا :

"مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ میرا جانشین بھی ہے۔"

اور وہ "عزیٰ" کی پرستش کے بارے میں ابولہب کے مضبوط موقف سے خوش ہو گیا۔

فتح مکّہ کے سال آنحضرت ؐ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو بلایا اور حکم دیا کہ "عزیٰ" کو مسمار کر دیا جائے۔ جب خالد ؓ وہاں پہنچا تو استھان کے محافظ دبیہ بن حرمی شیبانی پکار اُٹھا :

اعزاء شدی شدۃ لا تکذبی   علی خالد القی الخمار وشمری

فانك الا تقتلی الیوم خالداً   تبوئی بذل عاجل وتنصری

(اے عزیٰ! خالد پر بھرپور حملہ کرو اور پسپائی اختیار نہ کرو۔ اوڑھنی اتار دو اور اپنا دامن چن لو۔ اگر آج تم نے خالد کو موت کے گھاٹ نہ اتارا تو تو عنقریب ذلت کی مستحق ہو جائے گی اور نصرانی بن جائے گی)

خالد ؓ نے اس کے جواب میں فرمایا :

یا عز کفرانك لا غفرانك

انی رایت اللہ قد اھانك

(اے عزیٰ! میں تیری خدائی کا انکار کرتا ہوں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے)

لوگوں کا گمان ہے کہ عزیٰ ایک شیطان عورت تھی جس نے اپنے بال بکھیرے ہوئے تھے اور اپنا ہاتھ اپنے کندھے پر رکھا ہوا تھا وہ ایک درخت کے بیچ میں تھی جسے خالد ؓ نے کاٹ ڈالا تھا وہ اس شکل میں خالد ؓ کے سامنے آگئی۔ خالد ؓ نے تلوار ماری اور اس کا سر چیر دیا اور دیکھا تو وہ راکھ بنی ہوئی تھی۔ جب حضرت خالد ؓ نے یہ مہم سر کرنے کے بعد آں حضرت ؐ کو اطلاع دی تو آپ ؐ نے فرمایا :

"یہ عزیٰ تھی آج کے بعد اس کی پُوجا نہیں کی جائے گی اور آیندہ عربوں میں کوئی عزیٰ نہیں ہوگی۔"

دورِ جاہلیت میں یہ عربوں کے مشہور ترین بُت تھے ان کا ذکر قرآنِ کریم میں اس طرح کیا گیا ہے :

افرأیتم اللات والعزّٰی ۝ ومناۃ الثالثۃ الاخرٰی ۝ (النجم - ۱۹ - ۲۰)   اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات، اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی مناۃ کی حقیقت پر کچھ بھی غور کیا ؟

جب آں حضرت ؐ فتح مکّہ کے دن بیت الحرام میں داخل ہوئے تو وہاں آپ ؐ نے فرشتوں وغیرہ کی

مُورتیاں دیکھیں، آپؐ نے وہاں ابراہیم علیہ السلام کی شبیہ بھی دیکھی جن کے ہاتھ میں قرعہ کے تیر تھے جن سے قسمت معلوم کی جاتی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ انھیں تباہ کرے، انھوں نے ہمارے بزرگ کو اس صورت میں پیش کیا ہے کہ پانسوں کے ذریعے قسمت معلوم کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام اور پانسوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔

ماکان ابرٰھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما ط وما کان من المشرکین ہ (آل عمران - ۶۷)	ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا۔ اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب تصویروں کے بارے میں حکم دیا اور وہ غارت کر دی گئیں۔

حضرت ابن عباس نے کہا، فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور اسی حالت میں آپؐ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے اردگرد متعدد بت سیسہ پلا کر نصب کیے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کے دستِ مبارک میں کمان یا چھڑی تھی آپؐ اس کی نوک سے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور اس وقت یہ پڑھ رہے تھے:

جآء الحق و زھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقا ہ (بنی اسرائیل - ۸۱)	حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

جس بُت کے منہ پر آپ ٹھوکر لگاتے وہ الٹا گر پڑتا اور جس کی پشت کی جانب اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا، یہاں تک کہ سارے بت گر پڑے۔

فتح مکہ کو ابھی چند ماہ گزرے تھے کہ بت شکنی کی تحریک پُورے عرب میں پھیل گئی اور بتوں کے پجاریوں نے ان سے اعلانِ بیزاری کر دیا۔ یہ صورتِ حال ہو گئی کہ کل جو شخص بتوں کی پرستش کرتا تھا وہ آج اپنی کم فہمی پر خجلت محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک پتھر کو پُوجتا تھا جو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی حادثاتِ زمانہ کے مقابلے میں کوئی کام دے سکتا ہے۔

عرب میں ان بُتوں اور جھُوٹے خداؤں کی بہت شہرت تھی۔ اب ان کی پرستش کی تشنیع بھی بڑے پیمانے پر ہوئی اس لیے اسلام کے پیغام، دینِ فطرت کی دعوت اور اللہ خالقِ کائنات و رب العالمین کی عبادت کا چرچا بھی پھیلنے لگا۔ اور قریش کی سرکردگی میں پورے جزیرۂ عرب نے اس دعوت کا مقابلہ کیا اور تعجب انگیز نتائج برآمد ہُوئے۔

اجعل الاٰلھۃ الٰھاً واحدا ان ھذا لشیٔ عجاب۔ (ص - ۵)	کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

تحریکِ اسلامی سے پورے عرب میں ہیجان و اضطراب برپا ہو گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں بھی کی گئیں لیکن اکیس سال کی مسلسل کشمکش کے بعد بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیابی نصیب ہُوئی۔

مکہ مکرمہ جو بت پرستی کا گڑھ تھا مفتوح ہو گیا۔ جھوٹے خداؤں کو پاش پاش کر دیا گیا۔ شرک کے لشکروں کو شکست ہوئی اور ان کے سرداروں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان واقعات کی موجودگی میں عقل یہ باور کرنے پر مجبور ہے کہ اس تحریک کو اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی حاصل تھی جو لشکروں کی تجہیز اور معرکوں کا اہتمام کر رہا تھا۔

وما رمیت اذ رمیت ولکنّ اللہ رمٰی۔ (الانفال۔ ۱۷) | اور تو نے نہیں پھینکا جب تو نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔

بت پرستی عربوں کا ایک فکری اور نظریاتی المیہ ہے جو پانچسو سال یا اس سے زاید عرصہ کو محیط ہے۔ آنحضرتؐ نے اس کا قلع قمع کیا اور عربوں کے عقل و شعور کو بت پرستی کی لعنت اور اس کے خرافات سے آزاد کرایا اور عربوں کی شرافت کو اہانت و ذلت سے نجات دلائی۔ اس طرح عربوں کے لیے ابدی نجات کے دروازے کھول دیئے جن میں داخل ہونے کے بعد وہ نکلنے کا نہیں سوچیں گے۔ آنحضرتؐ کا یہ فرمان سچا ہے کہ :

"اس کے بعد عربوں کے لیے کوئی عزّیٰ نہیں ہوگی اور آج کے بعد اس کی پرستش نہیں کی جائے گی۔"

جزیرۂ عرب نے بت پرستی کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا اور عربوں کی عقل سن رشد کو پہنچ گئی اور پھر دوبارہ طفولیت کی طرف رجوع پر راضی نہ ہوئی۔ طفولیت سے مراد بت پرستی کی طفولیت ہے جو بت پرست کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی پیشانی کو گونگے اور بہرے بے جان پتھروں کے سامنے رگڑے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جنگیں بھی لڑی گئیں۔ ہر طرح کے فتنے رونما ہوئے۔ نبوت کے جھوٹے دعوے کیے گئے۔ قرآن کریم کا مقابلہ کیا گیا لیکن ہم نے یہ نہیں سنا کہ کسی ایک عرب نے بھی بت پرستی اور بتوں کی طرف لوٹ جانے کا سوچا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جو سن رشد کو پہنچ چکا ہو وہ طفولیت کی طرف نہیں لوٹتا۔ بت شکنی کے عمل کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت کے ذریعے ہوئی۔ دنیا کے اختتام تک ہر عربی پر آنحضرتؐ کا یہ احسان ہے کہ آنحضرتؐ نے بتوں کی پرستش سے آزادی و نجات دلائی اور مزید برآں آپؐ کا یہ احسان بھی ہے کہ عربوں کے ذریعے دنیا کی دوسری قوموں تک ہدایت پہنچی خواہ کوئی قوم اس کا اتباع کرے یا نہ کرے۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا :

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۝ (الجمعہ۔ ۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انھیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ج۔ غزوہ تبوک

اس غزوہ میں مندرجہ ذیل اہم پند و نصائح ہیں جو اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں :

(۱) اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ رومیوں نے شام میں لشکرِ گراں جمع کیا اور ہرقل شاہِ روم نے اپنے فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہیں بھی ادا کر دیں۔ اس لشکر کے ساتھ لخم، جذام، غسان اور عاملہ کے عرب قبائل بھی شامل ہو گئے۔ انھوں نے اپنا مقدمۃ الجیش بلقاء کی طرف بھیج دیا جو شام اور وادی القریٰ کے درمیان اضلاعِ دمشق کا ایک شہر ہے۔ جب اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے تبوک کی طرف لشکر کشی کے لیے لوگوں کو توجہ دلائی نیز سامانِ جنگ مہیا کرنے اور سفر کی تیاری کے لیے اعلانِ عام کر دیا اور اغنیاء سے مالی اعانت اور انفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ کیا۔

اس سے اسلام میں جنگ کی ہیئت و نوعیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلامی معرکہ آرائی ظلم و زیادتی کرنے یا فساد پھیلانے اور دھوکہ دینے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ دینِ اسلام اور بلادِ اسلامیہ کے دفاع اور ظالموں کو ایذا رسانی اور فساد سے روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ اسلام میں جنگ کی قانونی حیثیت اور اس کے نصب العین اور طریق کار کے بارے میں ہم سالِ اول کے اسباق میں ذکر کر چکے ہیں اور رومیوں کی تیاری اور فوجوں کے اجتماع کے بعد آنحضرتؐ کے تبوک کی طرف فوج کشی سے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے مقابلے میں بعض عرب قبائل کے رومی فوجوں کے ساتھ شامل ہو جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی تعلیمات سے ناواقف تھے اور اسلام کے اس پیغام سے ناآشنا تھے جو نوعِ انسانی کے لیے بالعموم اور عربوں کے لیے بالخصوص آزادی کا چارٹر ہے۔ اگر انہیں اسلام کی واقفیت ہوتی تو وہ اپنے ہم قوم عرب مسلمانوں کے برخلاف رومیوں کی امداد و اعانت کرنے سے گریز کرتے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم اس وقت دیا جبکہ بے سروسامانی اور عسرت کا عالم تھا اور پھلوں کے پکنے کا موسم قریب تھا۔ سچے مومنوں نے آنحضرتؐ کی دعوت پر فی الفور لبیک کہا اور سفر کی مشقت و بے آرامی کی پروا نہ کی۔ لیکن منافقین مختلف حیلے بہانے کر کے اپنے گھروں میں پیچھے رہ گئے۔ اس طرح سختی کے مواقع پر مخلص اہلِ ایمان منافقین سے ممیز ہو جاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ مصیبت کے ایام میں جھوٹے مدعیان کی قلعی کھل جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الم ٥ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا
امنا وھم لا یفتنون ٥ ولقد فتنا الذین
من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا و
لیعلمن الکاذبین ٥
(العنکبوت ۱-۳)

الف، لام، میم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے سے چھوڑ دئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

تحریکوں کی کامیابی و کامرانی اور قوموں کی قوت کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اپنی صفوں کو منافقین اور دھوکہ دینے والوں سے پاک رکھیں۔ مصیبت کے وقت میں صرف وہی شخص ثابت قدم رہتا ہے جو صاحبِ عزیمت نیک نیت اور با اصول ہو۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کمزوروں اور دھوکہ بازوں نے امت کی اصلاحی تحریکوں کا راستہ روک دیا اور وہ ان کی کامیابی میں حائل ہو گئے یا کچھ عرصہ کے لیے کامیابی میں تاخیر کا باعث بن گئے۔ غزوۂ تبوک کے جیش عسرت میں اس قسم کے لوگ شامل نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کا مقابلہ عیاں ہو گیا تھا اور ان کا ضعفِ ایمان کھل کر سامنے آ گیا تھا اور ان کے عزائم کی کمزوری بے نقاب ہو گئی تھی۔ ایسا لشکر جو قوی الایمان، عہد کا پاسدار اور یکسو ہو اور جس کی صفوں میں اتحاد ہو وہ اُمت کے لیے مفید ترین ہے خواہ اس کی تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہو اور وہ یقیناً ایسے کثیر التعداد لشکر پر کامیابی حاصل کرے گا جو فکر و نظر اور قوت و ثبات کی ہم آہنگی اور یکسوئی سے محروم ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے:

کم من فئةٍ قليلةٍ غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين ○ (البقرہ۔ ۲۴۹)

بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

(۳) مالدار صحابہ کرامؓ مثلاً حضرات ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ نے اپنا مال اللہ کے راستے میں فوری طور پر پیش کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنوں کے دلوں میں نیکی کے کاموں میں مسابقت اور نفسانی خواہشات و داعیات کا مقابلہ کرنے کا جذبہ ایمان کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور دشمنوں پر فتح کی ضمانت اور اس ضمن میں ضروری لوازمات کے حصول کے لیے ہر اُمت اور ہر تحریک اس کی محتاج ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو اس وقت اس کی شدید ضرورت ہے کیونکہ اس کی تعداد زیادہ ہے، بوجھ بھاری ہیں، معرکہ کٹھن ہے اور دشمن طاقتور اور چالباز ہے اس کے مقابلے میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مالی و جانی اور خواہشات و شہوات کی قربانیاں پیش کریں اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے تکالیف برداشت کریں۔ امید ہے کہ جنگی معرکوں میں مجاہدین کی ثابت قدمی کے مطابق اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرے گا۔

مصلحین اور تحریکوں کے قائدین کے کرنے کا بہترین کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں دین کا بیج بو کر اس کی آبیاری اور نگہداشت کرتے رہیں۔ دین کا مقابلہ کرنا یا بے راہروی کی دعوت دینا یا دین کا استخفاف کرنا ایک ایسا قومی و دینی جرم ہے جو بدترین نتائج اور خطرناک اثرات کا موجب ہے۔ اس بارے میں ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی راہنمائی موجود ہے اور زمانہ ماضی کی تاریخ اور دورِ حاضر کا تجربہ بھی اس پر شاہد ہے۔ اس بدیہی حقیقت کا انکار ایک ایسا مغالطہ ہے جس میں وہی لوگ پھنسے ہوئے ہیں جن کے دل خلوص سے خالی ہیں اور دماغ بھلائی قبول کرنے اور طبیعتیں اعلیٰ و شریف اقدار کی طرف مائل و آمادہ نہیں ہیں۔

(۴) کچھ مخلص مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض کے لیے حاضر ہوئے کہ انہیں جہاد میں شامل کیا جائے لیکن آنحضرتؐ نے انہیں اس لیے واپس کر دیا کہ ان کے لیے سواریوں کا انتظام نہ تھا۔ اور وہ اس

حال میں واپس آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد سے محرومی پر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔
اس قصہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ ایمان کے معجزانہ اثرات کی یہ بہترین مثال ہے۔ انسانی طبیعت بالعموم خطرات سے نجات اور جنگوں سے بچاؤ پر خوش ہوتی ہے۔ لیکن یہ سچے مسلمان اس کے برعکس جہاد میں عدم شرکت پر رو رہے تھے۔ کیونکہ ان کے دل یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ اللہ کے راستے میں شہادت اور ثواب سے محروم ہو رہے ہیں ایمان کے علاوہ ایسی کون سی چیز ہے جو لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے جذبات پیدا کرتی ہے اور جب امت میں اس قسم کے مخلص لوگ نہ رہیں تو امت کے حق میں اس سے بڑا نقصان اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۵) تین سچے ایمان دار صحابہؓ جنھوں نے راحت کو تکلیف پر، چھاؤں کو دھوپ پر اور اقامت کو سفر پر ترجیح دی ان کے قصہ میں بہت عظیم اجتماعی سبق ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان کی خاموش شمع جلد ہی روشن ہو گئی اور ان کے دلوں میں یہ احساس بیدار ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں سے پیچھے رہ کر ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس کی انہیں سخت اذیت ناک سزا دی گئی۔ سوسائٹی نے ان کا مکمل مقاطعہ کیا۔ تمام لوگوں نے یہاں تک کہ ان کی بیویوں نے بھی ان سے کلام کرنے اور ان کی بات سننے سے انکار کر دیا بالآخر انہوں نے سچی توبہ کی اور ان کی ندامت، رنج و الم اور حسرت انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ جب انھیں قبولیتِ توبہ کی خوشخبری سنائی گئی تو ان کو بے انتہا خوشی نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بخشش کی نعمت پر شکر گزاری کے جذبہ کے تحت بعض نے اپنا مال اور کپڑے راہِ خدا میں دے دیے۔

اس قسم کے نظائر ایک سچے مومن کو فرائض کی ادائیگی پر ابھارتے ہیں اور اسے اس بات سے روکتے ہیں کہ وہ اپنے لیے راحت و آرام پسند کرے جبکہ دوسرے رفقاء اللہ کے راستے میں تکالیف و مصائب برداشت کر رہے ہوں یہ ایمان کا خاصہ ہے، اور تمہارا یہ شعوری احساس ہر وقت بیدار رہنا چاہیے کہ تمہاری حیثیت جماعت کے ایک فرد کی ہے اور تم کل کا ایک جزو ہو۔ اگر جماعت پر مصیبت آئے تو تمہیں وہ مصیبت ضرور پہنچے گی اور جماعت کو فائدہ پہنچے تو تمہیں بھی اس کا فائدہ پہنچے گا۔ جب امت شقاوت و مشقت کا شکار ہو تو انسان کی انفرادی خوشحالی بے معنی ہے اور اگر دوسرے لوگ مصائب و شدائد میں مبتلا ہوں تو فردِ واحد کی راحت بے مزہ ہے۔ فریضہ کی ادائیگی سے جی چرانا ایمانی کمزوری اور دینی خلل ہے اور ایک ایسا گناہ ہے جس سے توبہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اس قصہ سے ہمیں یہ سبق بھی حاصل ہوتا ہے کہ عقیدہ، رشتہ داری سے بالاتر ہے اور شرعی نظام کا نفاذ اپنی خواہشات اور قرابت کی محبت پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناپسندیدگی کے سامنے قرابتداری کسی کام نہیں آتی۔

فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم	رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں

عذابٌ الیم ۔ (النور۔ ۶۳) یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔

د۔ حجۃ الوداع

حجۃ الوداع ایک ہی حج ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد ادا کیا۔ جب لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امسال حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں تو وہ جزیرۂ عرب کے مختلف اطراف سے انبوہ در انبوہ آنا شروع ہوئے یہاں تک کہ بعض مورخین کے نزدیک ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تک پہنچ گئی۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ یہ تعداد اندازاً ہے اور یہ کیونکہ ممکن تھا کہ ان کی گنتی کے شمار کو اسی قدر تعداد تک محدود کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جو ہر طالب علم کو یاد کرنا چاہیے کیونکہ اس میں اسلام کے عام اصول و مبادی بیان کیے گئے ہیں۔ اور یہ آنحضرتؐ کا آخری خطبہ ہے، اس میں فرمایا گیا ہے:

"اے لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو، شاید اس سال کے بعد میں تم سے پھر کبھی اس مقام پر نہ مل سکوں" (یہ بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے)

"اے لوگو! تمہارے خون اور تمہارے اموال قیامت تک باہمدگر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تم آج کے دن اور اس مہینہ کی حرمت کی پاسداری کرتے ہو۔ تم عنقریب اپنے رب کے رو برو حاضر ہو گے وہ تمہارے اعمال کی تم سے باز پرس کرے گا۔ میں نے اللہ کا پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔ جس کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اسے چاہیے کہ وہ اس کے مالک کو ادا کر دے۔ تمام سودی رقوم کالعدم قرار دی جاتی ہیں۔ تم صرف راس المال کے حقدار ہو۔ تم نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سود حرام ہے اس لیے عباس بن عبدالمطلب کا سود بھی ملیا میٹ کیا جاتا ہے۔ دورِ جاہلیت کے تمام خون کالعدم ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے قبیلے بنی ہاشم میں سے ابن ربیعہ بن حارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور جسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا ختم کرتا ہوں۔

اما بعد اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ شیطان اس بات سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا کی جائے گی لیکن عبادت کے ماسوا دیگر امور میں اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اس پر راضی ہے۔ اس لیے دین کے معاملے میں محتاط رویہ اختیار کرو اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنے کی کوشش کرو۔

اے لوگو! نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد بھی پوری ہو جائے اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی ہو جائے

اور اللہ کا حلال کیا ہوا حرام قرار دیا جا سکے ۔ حج کا موسم گردش کرتا ہُوا ٹھیک اس تاریخ پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے اور ان میں چار مہینے حرام ہیں ۔ تین پے درپے یعنی ذی القعدہ ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک مہینہ علیحدہ ہے یعنی رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان واقع ہے ۔

امّا بعد ، اے لوگو ! تمہاری خواتین پر تمہارا حق ہے اور تم پر ان کا حق ہے ۔ تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں جس کا آنا تمھیں ناگوار ہو اور کسی صریح بد چلنی کا ارتکاب نہ کریں اگر وُہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم خوابگاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو ۔ اگر وہ اس سے باز آ جائیں تو وہ معروف طریقے کے مطابق کھانے اور لباس کی حقدار ہیں ۔ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو ، یقیناً وہ تمہارے ماتحت ہیں وہ اپنے لیے بطورِ خود کچھ نہیں کر سکتیں ۔ خدا کے نام کی ذمہداری سے تم نے ان کو اپنی ازدواجی رفاقت میں لیا ہے اور خدا کے قانون کے تحت تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال کیا ہے ۔

اے لوگو ! میری بات کو سمجھو ، میں نے پیغام پہنچا دیا ہے ۔ میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ۔ وہ نمایاں چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنّت ہے ۔

اے لوگو ! میری بات سُنو اور سمجھو ۔ خوب جان لو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ کسی شخص کے لیے دوسرے شخص کی وہی چیز حلال ہے جسے وہ بہ طیبِ خاطر اسے عطا کرے ۔ تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرو ۔ اے اللہ ! میں نے تیرے احکام پہنچا دئیے ہیں ۔"

حجۃ الوداع میں سب سے پہلی چیز جو جاذبِ نظر ہے وہ جمہور کا وہ جم غفیر ہے جو جزیرہ عرب کے مختلف اطراف سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ سب کے سب آنحضرتؐ پر ایمان لانے والے ، آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور آپؐ کے فرمانبردار تھے ۔ تیئیس سال قبل یہی لوگ بت پرستی اور شرک کے دلدادہ تھے آپؐ کے پیغام کے اصول و مبادی کا انکار کرتے تھے ۔ آپ کی دعوتِ توحید کو مضحکہ خیز قرار دیتے تھے اور آنحضرتؐ ان کے مشرک آباؤ اجداد کے مسلک کی تردید اور ان کی توہم پرستی کو نادانی پر محمول کرتے تھے لیکن یہ لوگ آنحضرتؐ کے موقف کو بُرا جانتے تھے بلکہ ان میں سے اکثر نے آنحضرتؐ کے ساتھ عداوت کی روش اختیار کی آپ کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی خفیہ سازشیں کیں ۔ آنحضرتؐ کے خلاف لشکر کشی کی اور تلواروں اور نیزوں سے آپ کا مقابلہ کیا ۔ یہ ایک عجیب انقلاب ہے جو مختصر سی مدت

میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ جملہ اہلِ عرب نے بت پرستی و جاہلیت سے رجوع کیا وہ تنزل اور تفرقہ سے نجات حاصل کر کے موحد بن گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم حاصل کیا۔ وہ متحد ہو گئے اور وحدتِ فکر و عمل کے علمبردار بن گئے۔ قبل ازیں آنحضرتؐ ان ہی لوگوں کی عداوت کا شکار تھے اور یہ انتہائی کینہ توز اور مخاصمت میں شدید تھے لیکن آنحضرتؐ نے ان کے دلوں کو جیت لیا اور ان کے محبوب بن گئے۔ ایک انسان خواہ کتنا ہی عبقری، ذہین اور شخصی قوت کا مالک ہو لیکن اس کے لیے اتنی بڑی کامیابی کا حصول صدیوں میں بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس عظیم انقلاب کی مثال ازمنہ سابقہ و متاخرہ میں نہیں ملتی۔ یہ کامیابی آسمانی تائید، اللہ کی امداد اور آپ کی رسالت کی سچائی کی رہینِ منت ہے اور یہ اس کامل و ہمہ گیر دین کا اعجاز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی نعمت کو تمام کیا اور اپنی رسالت کو لوگوں کے لیے ختم کیا اور یہ ارادہ فرمایا کہ اس قوم کو بدبختی سے نجات دلائے جو زندگی کی بھول بھلیوں میں پھنس کر گمراہ رہی تھی اور خواہشات و تعصبات کے چکر میں ذلت و رسوائی سے دوچار تھی۔ اور یہ بھی ارادہ فرمایا کہ اسے ہدایت کا راستہ دکھلائے اور اس کی آنکھیں کھولے تاکہ وہ نبوت کے سورج کی شعاعیں دیکھ سکے نیز قدرت کو یہ بھی منظور تھا کہ اسے اقوامِ عالم کی قیادت کے منصب پر فائز کرے، اس کے ذریعے تاریخ کے دھارے کو بدلے اور انسانیت کو ذلت سے نجات دلائے اور اس قوم کو حکمت و کتاب کا وارث بنائے جو عقل و دانش رکھنے والوں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔

ایک لاکھ چودہ ہزار افراد، جو آنحضرتؐ کی تکذیب کرنے والے تھے وہ آپؐ کی تصدیق کرنے والے بن گئے۔ وہ آپؐ سے برسرپیکار تھے پھر آپؐ کے فرمانبردار بن گئے۔ قبل ازیں وہ آپؐ سے بغض رکھتے تھے پھر آپ کے محب بن گئے۔ وہ آپؐ سے سرکشی اختیار کیے ہوئے تھے لیکن اطاعت گزار بن گئے۔ یہ انقلاب تئیس سال میں رونما ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقت پر مبنی ایک کھلا کرشمہ ہے۔ اللہ بہت بلند و برتر ہے ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور آنحضرتؐ کی ذات ملحدوں کی افترا پردازیوں سے مبرا ہے اور پاک ہے تیرا رب، عزت کا مالک، ان تمام باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں، اور سلام ہے مرسلین پر، اور ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔

حجۃ الوداع میں دوسری چیز جس کی طرف توجہ مبذول کیے بغیر چارہ نہیں آنحضرتؐ کا وہ جاندار اور محکم خطاب عام ہے جس کے مخاطب جملہ انسان ہیں اس میں آنحضرتؐ اور اپنی قیادت کی کامیابی کے بعد ان تمام اصول و مبادی کا اعلان فرمایا جن کا بیان آپؐ نے اپنی دعوت کے ابتدائی دور میں کیا تھا جبکہ آپؐ اکیلے اور مظلوم تھے اور جب آپؐ کی جماعت قلیل اور ضعیف تھی۔ یہ ثابت شدہ اور غیر متبدل اصول ہیں جن پر قلت و کثرت، جنگ و سلامتی، شکست و فتح، دنیا کی پذیرائی و روگردانی اور دشمنوں کی قوت و کمزوری کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا پرست لیڈروں کے عقائد و اصول بدلتے رہتے ہیں۔ کمزوری کی حالت میں ان کے اصول اور ہوتے ہیں اور قوت حاصل کرنے کے بعد وہ ان اصولوں سے انحراف کر لیتے ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن میں اختلاف ہوتا ہے۔ وہ ایسے نعرے لگاتے ہیں جن پر ان کا اعتقاد نہیں ہوتا۔ کمزوری کی حالت میں وہ درویشوں کا لباس پہن لیتے ہیں اور قوت کی حالت میں بھیڑیوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ

اس وجہ سے ہے کہ وہ مصلحت کے پیغامبر ہیں۔ ان کے برعکس انبیاء علیہم السلام اللہ کے پیغامبر ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو مردار پر منڈلاتا ہے اور جو نور کے سمندروں میں تیرتا ہے ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ جو اپنی نفسانیت کے لیے کام کرتے ہیں اور جو انسانیت کی بھلائی چاہتے ہیں ان دونوں گروہوں میں بڑا فرق ہے، شیطان کے ساتھی اور رحمان کے دوست کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور ط والذین کفروا اولیاؤھم الطاغوت لا یخرجونھم من النور الی الظلمات ط اولئک اصحاب النار ج ھم فیھا خٰلدون o

(البقرہ - ۲۵۷)

جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔ اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انھیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

ھ - جیشِ اُسامہؓ

دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت اور حمایت کے لیے نیز نئی اسلامی مملکت پر سرکشوں کی غارت گری کو روکنے اور گھات میں بیٹھے ہوئے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے آنحضرتؐ نے سب سے آخری کام جو انجام دیا وہ تھا کہ اسامہؓ بن زید کی قیادت میں ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ رومیوں کا وہ لشکر جو ارضِ فلسطین میں بلقاء اور داروم کے مقام پر ٹھہرا ہُوا ہے اسے کچل دیا جائے۔ اس لشکر میں جملہ مہاجرین و انصار شامل ہوئے اور نواحِ مدینہ میں جو مسلمان آباد تھے ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ جب لشکر مدینہ سے باہر نکل کر کوچ کی تیاری کرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کا آغاز ہُوا اس لیے لشکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفایابی کے انتظار میں اور آنحضرتؐ سے معلومات اور ہدایات حاصل کرنے کے خیال سے توقف کیا۔ لیکن آنحضرتؐ کچھ روز کے بعد اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ آنحضرتؐ نے اللہ تعالیٰ کی سپرد کردہ امانت کا حق ادا کر دیا، رسالت کی پوری طرح تبلیغ کر دی اور ایک ایسی فوج تیار ہو گئی جو تاریخ انسانی میں اس وسیع الاثر امانت کا بار اٹھانے کے قابل ہو۔ نیز صالحین کے ایسے لشکر مہیا ہو گئے جو معرکہ آرائی کر سکیں اور ایسی قیادت فراہم ہو گئی جو اسلامی جنگوں کی قیادت کی اہل ہو اور ایسے عظیم اور صالح افراد تیار ہو گئے جو اسلامی مملکت کا نظام چلا سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اپنے جوارِ رحمت میں بُلا لیا صلی اللہ وسلم علیٰ رسولہ۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور پُوری انسانیت کی طرف سے آنحضرتؐ کو بہترین جزا عطا فرمائے۔ اگر آنحضرتؐ تشریف نہ لاتے اور آنحضرتؐ کے تربیت یافتہ وفاشعار اور امانتدار متبعین نہ ہوتے

تو ہم آج کھلی گمراہی میں مبتلا ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شرف عطا فرمایا جو آپ سے قبل کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی دعوت کے ثمرات دیکھ لیے۔ آپؐ کی تحریکی سرگرمیوں نے پورے جزیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اسے ہمیشہ کے لیے بُت پرستی سے پاک کردیا۔ جن لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑا وہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر خوش تھے کہ انھیں گمراہی سے نجات عطا کی گئی۔ یہی وُہ لوگ تھے جو قبل ازیں بتوں کے پجاری تھے ان کے سامنے اپنی پیشانیاں زمین پر رگڑتے تھے اور اُن کا قرب حاصل کرتے تھے۔ پھر ان ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا اور وہ نورِ ہدایت کو لے کر زمین میں پھیل گئے اور اسے پُوری مستعدی کے ساتھ لوگوں تک پہنچایا۔ یہ ایک ہی نسل ہے جو ایک زمانہ میں بتوں کی پُوجا کیا کرتی تھی اور انہیں خدائی کا مرتبہ دیتی تھی۔ عہدِ جاہلیت میں یہ ژولیدہ فکری کا شکار رہتی اور توہم پرستی کے رسم و رواج کے تحت زندگی گزارتی تھی۔ پھر عہدِ اسلام میں اسی نسل نے بتوں کو پاش پاش کردیا اور تاریخ عرب میں عربوں کی پہلی مملکت قایم کی جو رسالت کی حامل ایک نظریاتی مملکت تھی اور اردگرد کی بڑی بڑی قوموں کی نجات دہندہ اور معلّم بن گئی، دوسری قوموں کو اس نے عزّت کا راستہ دکھایا کیونکہ اس کے پاس ہدایت، روشنی اور مشفقانہ بھلائی تھی اور دُوسری قومیں جہالت اور ظلمت کے قعرِ مذلت میں گری ہوئی تھیں حالانکہ قبلِ اسلام اہلِ عرب دوسری قوموں کو کبیر و عظیم گردانتے تھے اور سیاسی، فکری اور اجتماعی نقطۂ نظر سے اپنے آپ کو ان سے کمتر سمجھتے تھے۔ زمانہ ماضی و حال کی تاریخ میں یہ ایک منفرد انقلاب ہے اور جیشِ اسامہؓ اس انقلاب کا عنوان اور آں حضرتؐ کی سعید و مبارک رسالت کے ثمرات میں سے ہے۔

اسامہؓ بن زید کو آنحضرتؐ نے سالارِ لشکر مقرر فرمایا وہ اس وقت بیس سالہ نوجوان تھے اور ان کے جھنڈے کے نیچے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ وغیرہ جیسے بزرگ مہاجرین و انصار تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو قدیم الاسلام تھے اور اسلام کی خاطر آزمائشوں سے گزرے تھے اور عمر اور مرتبے کے لحاظ سے اسامہؓ سے برتر تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان مرتبے، عمر اور فضیلت کے فرق کو مٹانے کے لیے آنحضرتؐ کی یہ بہترین سنت ہے نیز اس سے یہ رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے کہ عمر اور مرتبے کو نظر انداز کرتے ہوئے قابل اور باصلاحیت کارکن کو آگے لانا چاہیے۔ بزرگ مہاجرین و انصار جو تاریخ کی مسلّمہ عظیم شخصیتیں ہیں اور جن کی مثل و نظیر ناپید ہے۔ وہ نوجوان اسامہؓ کی امارت پر راضی ہو گئے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جلیل القدر حضرات انتہائی پاکیزہ نفوس اور مہذب اخلاق کے حامل تھے اور ان کا یہ تزکیہ آنحضرتؐ کی ہدایت، تربیت اور ارشاد کا مرہونِ منّت ہے۔

حضرت اسامہؓ کو حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ جیسے اکابر پر امیر مقرر کرنا ایک عظیم واقعہ ہے، جس کی مثال اممِ سابقہ میں سے کسی امت میں بھی نہیں ملتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں عبقری اور قابل نوجوانوں کے لیے میدان کھلے ہیں اور بشرطِ صلاحیت ان کو امور کی قیادت سپرد کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک

بہت بڑا سبق ہے۔ اگر بعد کے ادوار میں مسلمان اس کو یاد رکھتے تو تاریخ اسلام شدائد و آلام سے پاک ہوتی اور اس اہم سبق کو بھلا دینے کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان سلطنتوں کی تاریخ فتنوں اور المیوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ارکانِ سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کی طاقت کو کمزور کر دیا۔

آنحضرتؐ کو وحیِ آسمانی کی تائید حاصل تھی، آپ کو ایسی حکمت، راستی، دُور اندیشی اور عظیم سیاسی بصیرت عطا کی گئی تھی کہ آپؐ سے قبل کسی نبی پر ایسی نوازش نہیں کی گئی اور تاریخ میں آپؐ جیسی عظیم شخصیت نہ آپؐ سے پہلے اور نہ آپؐ کے بعد پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسامہؓ نوجوان سے راضی ہوا اور یہ امر بھی اسامہؓ کو مبارک ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اہلیتِ قیادت، صدقِ عزیمت اور حُسنِ اسلام پر پورا اعتماد تھا اللہ تعالیٰ اسامہؓ سے راضی ہوا اور انہیں ہمارے ایمان دار اور باعمل نوجوانوں کے لیے پیشوا بنایا۔

د۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کی اجل قریب ہے۔ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں لوگوں سے کلماتِ تودیع فرمائے تھے۔ یہ خبرِ وحشت اثر سُن کر صحابہ کرامؓ کے دل مضطرب و بے قرار اور خوف زدہ تھے کہ آنحضرتؐ کا آخری وقت قریب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہُوا وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ بروز دوشنبہ بوقتِ چاشت اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ جب آنحضرتؐ کی وفات کی خبر پھیلی تو جملہ صحابہؓ اس اندوہناک سانحہ سے اضطراب و بے قراری کا شکار ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں زلزلہ آگیا اور کہرام مچ گیا۔ اکثر قدیم الاسلام اکابر صحابہؓ پر حیرانی و وارفتگی کا عالم تھا۔ ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کسی نے چپ سادھ لی۔ کوئی سراسیمہ و ششدر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ حضرت عمرؓ پر مدہوشی طاری تھی انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور وُہ لوگوں کو یہ کہنے سے منع کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا گمان یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے غیوبت اختیار کر لی ہے اور آپ دوبارہ واپس تشریف لائیں گے۔ صرف حضرت ابوبکرؓ ہی کو اپنے جذبات پر قابو تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے حجرہ میں داخل ہوئے، آنحضرتؐ اپنے بستر پر تھے، آپؐ کا چہرۂ مبارک کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو بوسہ دیا اور کہا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں کس قدر پاکیزہ ہیں۔ یہی ایک موت تھی جو آپؐ کا مقدر تھی۔ اس کے بعد آپؐ پر موت وارد نہیں کی جائے گی۔ یا رسولؐ اللہ! اپنے پروردگار کے ہاں ہمارا ذکر فرمانا۔"

پھر حضرت ابوبکرؓ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یہ خطاب فرمایا:

"اے لوگو! جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو

رحلت فرما گئے ہیں اور جو اللہ کا عبادت گزار تھا تو یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے اور اس کے لیے موت نہیں"۔

پھر حضرت ابوبکرؓ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی :

وما محمد الا رسول ط قد خلت من قبله الرسل ط افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ط و من ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر اللّٰه شیئًا ط و سیجزی اللّٰه الشاکرین ۝

(آل عمران - ۱۴۴)

محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؛ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا

جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہؓ کو صدمہ کی دہشت سے افاقہ ہو گیا۔ اس سے قبل انہوں نے گویا یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا :

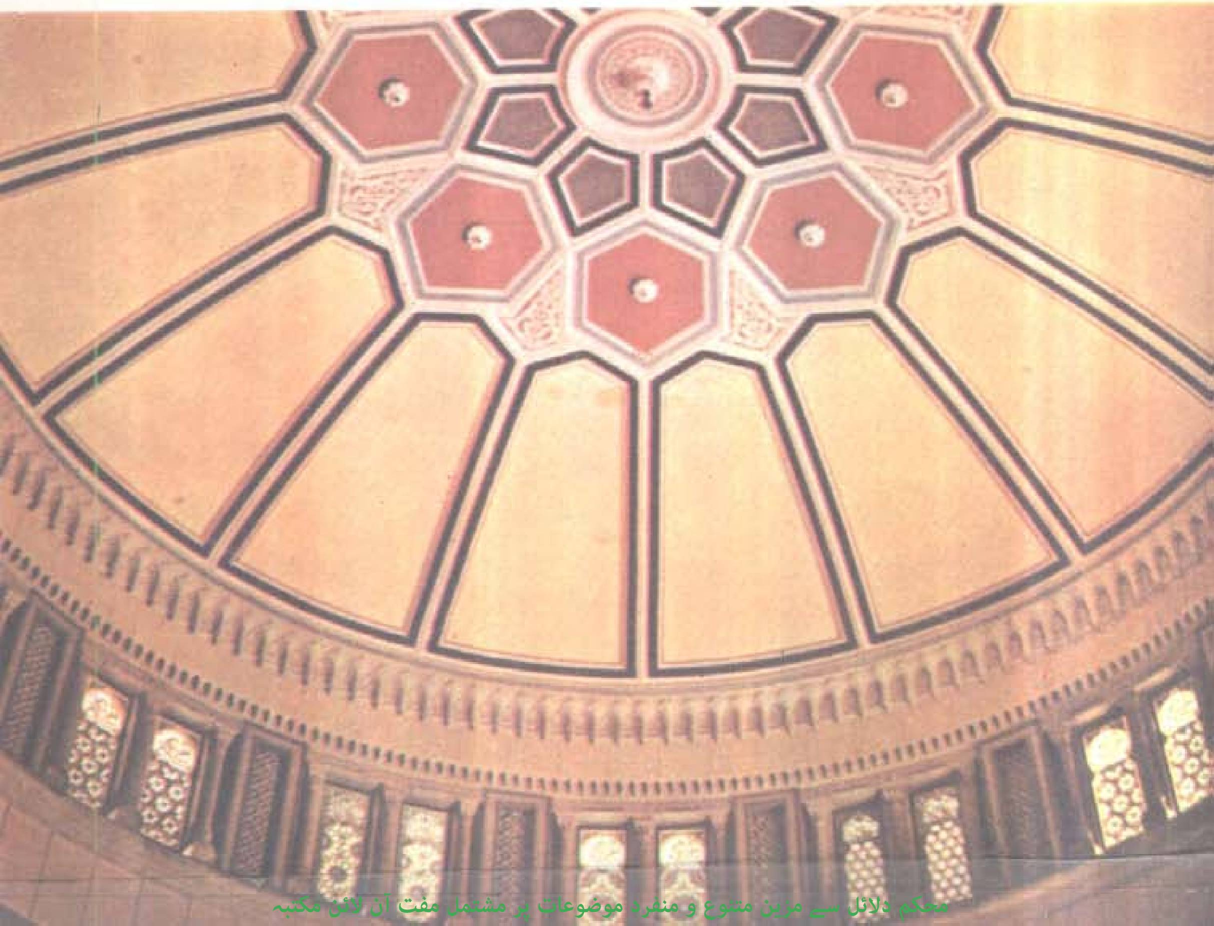
"اللہ کی قسم، میری یہ کیفیت تھی کہ جب میں نے یہ آیت حضرت ابوبکرؓ سے سنی تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی میرے پاؤں مجھے سہار نہ سکے اور میں دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور مجھے اس وقت معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں"۔

یہاں ہمارے لیے مندرجہ ذیل دو بلیغ سبق ہیں :

(۱) آنحضرتؐ کی وفات سے صحابہ کرامؓ پر دہشت طاری تھی اور انہیں یہ گمان ہوا کہ آنحضرتؐ پر موت وارد نہیں ہو سکتی حالانکہ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ صحابہؓ کی یہ کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے تھی جو ان کے جسم و جان میں رچی بسی ہوئی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ احباب کے فقدان کا صدمہ بقدر محبت ہوتا ہے۔ ہمارے مشاہدہ میں ایسے واقعات بھی آئے ہیں کہ کسی کا عزیز، لختِ جگر یا والد فوت ہو گیا تو کئی روز تک اس کی یہ حالت رہی کہ اسے اس عزیز کی موت کا یقین ہی نہ آیا اور دنیا میں کون سی ایسی محبت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی محبت سے بڑھ کر ہو، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو ہدایت نصیب کی۔ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی مہیا کی گئی۔ ان کی زندگیوں میں انقلاب رونما ہوا۔ انھیں بصیرت و بصارت عطا ہوئی اور انھیں قیادت و عظمت کے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا گیا۔ آنحضرتؐ اپنی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرامؓ کے مربی، قاضی اور مرشد تھے جن کے پاس وہ مصائب و شدائد میں پناہ حاصل کرتے تھے اور حادثات میں آپؐ سے رہنمائی لیتے تھے اور آپؐ ہی کے ذریعے ان تک اللہ تعالیٰ کے پیغامات، اقوال اور تعلیمات پہنچتی تھیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے باعث یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس صدمہ سے بڑا اور دور رس نتائج کا حامل اور کون سا صدمہ ہو سکتا ہے ؟

(۲) حضرت ابوبکرؓ نے اس سانحہ کے وقت جس پامردی کا ثبوت دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ میں تکالیف و مصائب سے عہدہ برآ ہونے کی بے پناہ روحانی و جسمانی طاقت تھی اور اس صفت میں دوسرا کوئی صحابی ان کا ہم پایہ نہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار قرار پائے۔ نیز حضرت ابوبکرؓ نے جزیرۂ عرب میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی جس طرح کی اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہی منصب خلافت کیلیے اہل ترین تھے۔

اشاریہ



اشاریہ نقوش

رسول نمبر

جلد اوّل تا چہارم

شمارہ نمبر ۱۳۰ دسمبر ۱۹۸۲ — جنوری ۱۹۸۳

مرتبہ

سید جمیل احمد رضوی

تعارُف

آئندہ صفحات میں نقوش رسُولؐ نمبر، جلد اوّل تا چہارم، شمارہ ۱۳۰ (دسمبر ۱۹۸۲ء—جنوری ۱۹۸۳ء) کا اشاریہ مرتب کیا گیا ہے، اس میں پانچ قسم کے اشاریے شامل ہیں۔

پہلا اشاریہ مقالہ نگاران اور مقالات کے اہم نکات پر مشتمل ہے، اس میں پہلے مقالہ نگار کا نام ہے، اس کے بعد مقالے کا عنوان درج کیا گیا ہے۔ بعد میں قوسین میں جلد نمبر کو ظاہر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان صفحات کی نشاندہی کر دی ہے جن پر وہ مقالہ موجود ہے۔ اس تفصیل کے بعد مقالے کے اہم نکات مع صفحات درج کر دیے ہیں۔ ان نکات کو مقالہ نگار کے الفاظ ہی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر کسی مقالے میں ذیلی سُرخیاں موجود نہیں ہیں، تو پھر مقالے سے اہم نکات کو اخذ کر کے درج کر دیا ہے۔ اس طرح پُورے مقالے کے اہم نکات کو ایک نظر میں دیکھا جا سکتا ہے، گویا اس کی حیثیت توضیحی اشاریے کی ہے۔

دوسرا اشاریہ مقالات کا ہے، اس میں پہلے مقالے کا عنوان ہے۔ اس کے بعد مقالہ نگار کا نام ہے۔ بعد میں قوسین میں جلد نمبر کو لکھا گیا ہے، اس کے بعد ان صفحات کو درج کر دیا ہے جن پر وہ مقالہ مشتمل ہے۔

تیسرا اشاریہ موضوعات کا ہے، اس میں موضوعی سرخیوں کے تحت ان مقالات کو درج کیا گیا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہیں، اگر کوئی مقالہ ایک سے زیادہ موضوعات سے بحث کرتا ہے، تو اس کو ایک سے زیادہ موضوعی سُرخیاں (SUBJECT HEADINGS) دی گئی ہیں۔ موضوعات کے ذیل میں مقالات کی ترتیب مقالہ نگار کے نام کے اعتبار سے الفبائی ہے، پہلے مقالہ نگار کا نام، اس کے بعد مقالے کا عنوان اور اس کے بعد قوسین میں جلد نمبر ہے۔ بعد میں ان صفحات کو درج کر دیا ہے، جن پر وہ مقالہ مشتمل ہے۔

چوتھا اشاریہ مقامات سے متعلق ہے۔ اس میں پہلے مقام کا نام، پھر قوسین میں جلد نمبر اور اس کے بعد اس صفحے کا نمبر درج کیا ہے جس پر وہ نام موجود ہے۔ اگر ایک صفحے میں کسی مقام کا نام کئی بار آیا ہے، تو اس کو صرف ایک بار ہی درج کیا ہے۔

آخری اشاریہ کتب کے بارے میں ہے۔ اس میں پہلے کتاب کا عنوان، پھر مصنّف کا نام درج کیا ہے۔ اس کے بعد قوسین میں جلد نمبر کو ظاہر کیا گیا ہے۔ بعد میں اس صفحے کا نمبر درج کیا ہے جس پر کتاب کا ذکر آیا ہے۔ اگر کسی صفحے پر ایک سے زیادہ بار اس کتاب کا حوالہ آیا ہے، تو زیرِ نظر شماریہ میں صرف ایک مرتبہ اس کا اندراج کیا ہے، یہ اشاریہ ان مآخذ و مصادر کی نشان دہی کرتا ہے جن سے مقالہ نگاروں نے استفادہ کیا ہے۔

آخر میں ان سب کا ممنون ہوں جنہوں نے اشاریہ سازی میں کسی قسم کی مدد کی بالخصوص اپنے پُرانے رفیقِ کار جناب محمدؐ حنیف کا سپاس گزار ہُوں جنہوں نے ایک مرحلے پر اشاریے کے کارڈوں کو ترتیب دینے میں دستِ تعاون بڑھایا۔ خداوندِ عالم ان سب کو جزائے خیر دے۔

مقالہ نگاران

(اور مقالات کے اہم نکات)

ا

آزاد، ابوالکلام: پیغامِ محمدؐ (۳)، ۳۰۶—۳۲۷

عالمگیر دعوت ۳۰۶، پیامِ زندگی ۳۰۶، توحید ۳۰۷، بعض ضروری نکتے ۳۰۷، نبوت کی روشن ترین دلیل ۳۰۸، پیغمبرِ اسلام کی صداقت ۳۰۹، دین میں جبر نہیں ۳۱۰، خداپرستی اور نیک عملی ۳۱۰، اوامر و نواہی ۳۱۱، فرمانبرداروں کے نشان ۳۱۲، ایمان والوں کے پانچ وصف ۳۱۲، راہِ حق کے پیرو ۳۱۲، طریقِ خیر و سعادت ۳۱۳، نظم و فلاح میں اصل اصول ۳۱۳، مسلمانوں کے لیے اصل دین ۳۱۴، قوامون بالقسط ۳۱۴، بنیادی دستورالعمل ۳۱۴، انسانی مساوات ۳۱۵، دین کی اصلِ عظیم ۳۱۵، ابراہیم کی راہ ۳۱۶، عمل کی کمائی ۳۱۶، دنیاپرستی کا غرور ۳۱۷، آخرت کی نجات ۳۱۷، حق و باطل کا معیار ۳۱۷، منکرین آخرت ۳۱۸، مشکلیں اور آزمائشیں ۳۱۸، صبر و ثبات ۳۱۸، مسلمانوں کا نصب العین ۳۱۹، وحدتِ دعوت ۳۱۹، ایمان اور محبت ۳۱۹، قرآن مجید کے چار وصف ۳۲۰، اعلان ہی نہیں دلیل بھی ۳۲۰، صراطِ مستقیم اور دینِ قیم ۳۲۱، دین کے تین بنیادی اصول ۳۲۱، دکھاوے کی خیرات ۳۲۲، محبت و ہمدردی کے تقاضے ۳۲۲، مومن اور امید و یقین ۳۲۲، قبولِ حق کی استعداد ۳۲۳، دعوتِ اسلام کی تین خصوصیتیں ۳۲۳، درخشاں حقائق ۳۲۴، تذکیر و توکیل ۳۲۵، تذکیر و تبلیغ اور پسند و قبول ۳۲۵، خوف و حزن ۳۲۶، عقل اور ماورائے عقل ۳۲۶، مرد عورت کی اخلاقی مساوات ۳۲۷، قرآن کریم کی شہادت ۳۲۷، صبر اور شکر ۳۲۸، اکتسابِ مال اور انفاقِ مال ۳۲۹، بدعملی کا بڑا مرکز ۳۲۹، فضیلت و کامرانی کے طریقے ۳۳۰، ذات و صفات ۳۳۱، درماندگیوں کا ایک ہی حل ۳۳۱، محکمات و متشابہات ۳۳۲، وفائے عہد اور قرآن ۳۳۲، قرآنی ارشادات ۳۳۳، رسولِ اکرمؐ کی شان رافت و رحمت ۳۳۴، پیامِ موعظت کی ضرورت ۳۳۵، تاریخ انسانیت کے نوادر ۳۳۵، نذیر و بشیر ۳۳۶، سورۂ فاتحہ کی تعلیمی روح - ۳۳۶، (۸)

آزاد، ابوالکلام: کارنامہ سیرت، بے رحم تاریخ کی کسوٹی پر (۳)، ۲۸۹—۳۰۵

وجودِ مقدس کی لاانتہائیت ۲۸۹، مطالعہ سیرت کے طریقے ۲۸۹، قرآنی معیار ۲۸۹، رحمۃ للعالمین ۲۹۰، بےکس اور مجبور انسان ۲۹۰، ظہورِ نبوی اور نویدِ امن ۲۹۱، تاریخ کی شہادت ۲۹۲، دورِ شہنشاہیت ۲۹۲، پاپائیت اور عقلِ انسانی کی مجبوری ۲۹۳، سرچشمہ ضلالت ۲۹۳، مسیحی دنیا کے نام اسلام کا پیغام ۲۹۵، ارباباً من دون اللہ کی تفسیر ۲۹۶، یورپ کا دورِ نشأۃ ثانیہ ۲۹۶، کلیسا کا

مصلح ۲۹۷، ساتویں صدی عیسوی کا عہد سعادت
۲۹۸، تاریخ عالم کی مسلمہ حقیقت ۲۹۸، قدیم ہندوستان
۲۹۹، عقیدۂ تناسخ، ہندوستان کا عہد سعادت ۳۰۱،
عرب کا عہد جاہلیت ۳۰۲، عرب کا عظیم الشان
انقلاب ۳۰۳
آزاد، محمد اسماعیل: اسلامی معاشرہ اور نابینا افراد
(۳) ۴۷۶ — ۴۹۸ -
نابینا افراد کے مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں ۴۷۷،
نابینائی اور مذاہب عالم ۴۷۹
نابینائی دربار رسالت میں ۴۸۰، عہد رسالت میں نابینا
افراد کی تعلیم و تربیت ۴۸۲، دور رسالت میں نابینا افراد
کی کارگزاریاں ۴۸۵، دور رسالت میں نابینا افراد کے
ساتھ ان کے اہل خاندان کا رویہ ۴۹۰، دور رسالت
میں نابینا افراد اور ان کی ازدواجی زندگی ۴۹۲،
دور رسالت میں نابینا افراد برسر روزگار ۴۹۴، اسلام
میں نابینا افراد کے حقوق ۴۹۶، خلاصہ ۴۹۷ -
ابوالاعلیٰ مودودی، سید دیکھئے مودودی، سید ابوالاعلیٰ
ابوبکر غزنوی، سید: رحمت عالمؐ کا ہمہ گیر انقلاب
(۴) ۳۳ — ۳۹
محمدی انقلاب ابتدائی مرحلوں میں ۳۳، محنت کش
اور مزدور کو عزت بخشی ۳۴، سب کچھ لٹا دیا ۳۷،
معاشرے کے منتشر اجزا کو مرتب کیا۔ ۳۸
ابوالحسن علی ندوی، سید دیکھئے ندوی سید ابوالحسن علی
ابوسلمان شاہجہانپوری: الدفاع فی الاسلام (۴) ۲۸۷ - ۲۹۷
جہاد ۲۸۷، جہاد کی قسمیں ۲۸۹، حقیقت حکم دفاع
۲۸۹، نفیر کا مطلب ۲۹۱، احکام قطعیہ دفاع ۲۹۲،
ترتیب وجوب دفاع ۲۹۳، فضائل دفاع ۲۹۵

ابوالکلام آزاد، دیکھئے آزاد، ابوالکلام
ابو محمد ثاقب کانپوری دیکھئے ثاقب کانپوری، ابو محمد
احسان عباس، ناصر الدین اسد: ابن حزم الاندلسی اور جوامع السیرۃ
ترجمہ و اضافہ: محمد اجمل اصلاحی (۱) ۵۹۵ — ۶۱۴
تقدیم و تعارف ۵۹۵، مصنف ۵۹۷، وجہ تالیف
۶۰۱، ماخذ ۶۰۲، مقبولیت و اہمیت ۶۰۳، ابن حزم
کی تاریخ نویسی اور جوامع السیرۃ کی خصوصیات ۶۰۴،
سیرت ابن حزم کا نام ۶۰۷، مخطوطہ اور اس کی سند ۶۰۷
حواشی و حوالہ جات ۶۱۱
احمد شاہ، معین الدین: دعوت نبویؐ کے اصول و مقاصد
(۲) ۶۷۴ — ۶۸۶
دعوت نبوی کی اصل عظیم علم و عمل کی ہم آہنگی ۶۷۵،
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی کارنامہ ۶۸۰، دعوت
نبوی کا اقتضائے طبعی مصالحت و امن پسندی ۶۸۲
احمد شلبی: اسلامی عہد میں تعلیم نسواں (۴) ۱۰۶ — ۱۱۴
اسلام اور تعلیم نسواں ۱۰۷، دینیات ۱۰۹، ادب ۱۱۰
موسیقی و نغمہ ۱۱۱، طب ۱۱۳، فوجی خدمات ۱۱۳، دیگر سرگرمیاں
۱۱۴
ارشد، رشید احمد: رسول اللہ اور طرز معاشرت
(۳) ۴۱۸ — ۴۲۶
سیرت نبویؐ کی اہمیت ۴۱۸، کامل شخصیت ۴۱۹،
عزم و استقلال ۴۱۹، نظام حکمرانی ۴۲۰، حکام کا تقرر
۴۲۰، تقرر کا معیار ۴۲۰، حکام کے فرائض ۴۲۰،
خوش اخلاقی کی ہدایت ۴۲۱، تشدد کی ممانعت ۴۲۲،
محصلین اور عمال ۴۲۲ - محصلین کو ہدایت ۴۲۲
نذرانے کی ممانعت ۴۲۳، خویش پروری کا خاتمہ ۴۲۴
درخواست کی ممانعت ۴۲۳، مزدوروں سے حسن سلوک ۴۲۴

محنت کی فضیلت ۴۲۴، خطاب وکلام ۴۲۴،
راست گفتاری ۴۲۵، غیرت وحیا ۴۲۵، صفائی اور
پاکیزگی ۴۲۵، سادگی ۴۲۵، جودوعطا ۴۲۶،
خدمتِ خلق ۴۲۷۔

ارشد، سید رشید احمد: عہدِ رسولؐ میں نظامِ تعلیم
(۴)، ۱۲۸—۱۳۶
یمن کا تمدن ۱۲۸، مخصوص رسم الخط ۱۲۸، دورِ جاہلیت
۱۲۹، مکہ معظمہ کی مرکزیت ۱۲۹، تعلیم کا سنگ بنیاد ۱۲۹، تعلیم و
تبلیغ ۱۲۹، علم کی فضیلت ۱۳۰، احادیث نبوی ۱۳۱،
معلم مدینہ ۱۳۱، عام اور لازمی تعلیم ۱۳۲، اقامتی
جامعہ ۱۳۲، اصحابِ صفہ ۱۳۲، طلبہ کی تعداد ۱۳۲،
نصابِ تعلیم ۱۳۳، تعلیم بالغاں ۱۳۳، قرآن کی
شہادت ۱۳۳، جنگی قیدیوں کی تعلیمی خدمات ۱۳۴،
غیر زبانوں کی تعلیم ۱۳۴، ماہر السنہ ۱۳۴، مخصوص
اساتذہ ۱۳۵، فنونِ سپہ گری ۱۳۵، خواتین کی
تعلیم ۱۳۵، طریقہ تعلیم ۱۳۶، انقلابی نتائج ۱۳۶
ارشد میر: جنابِ رسالت مآبؐ کی شگفتہ مزاجی
(۴)، ۲۶۹—۲۷۳
مزاح ۲۶۹، مزاح میں متانت کا پہلو ۲۶۹،
شائستہ مزاح تبلیغی اور دینی ضرورت ۲۷۰، مزاح
کے واقعات ۲۷۱، آپؐ کا تبسم ۲۷۲، آپؐ کا مزاح
شگفتگی اور پاکیزگی کا حامل تھا ۲۷۳
اسحاق النبی علوی دیکھئے، علوی، اسحاق النبی
اسد، ناصر الدین (شریک مقالہ): ابنِ حزم الاندلسی اور جوامع
السیرۃ از ڈاکٹر احسان عباس رو، ڈاکٹر ناصر الدین اسد
ترجمہ و اضافہ از محمد اجمل اصلاحی (۱)، ۵۹۵—۶۱۴

اسرار احمد، ڈاکٹر: نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں
(۳)، ۳۳۸—۳۶۵ (تقریر)
ایمان ۳۳۹، توقیر و تعظیم ۳۴۰، اطاعت ۳۴۲،
محبت ۳۴۳، اتباع ۳۴۵، نصرت رسولؐ ۳۴۸،
تبلیغ کا بارگراں ۳۴۹، اتباع کا اقتضاء ۳۵۵،
منفقہ سنتِ رسولؐ ۳۵۶، نصرت کا قرآن میں
مقام ۳۵۷، اتباعِ قرآنِ مجید ۳۵۸، حبل اللہ
۳۵۹، حرفِ آخر ۳۶۴
اسرار احمد، ڈاکٹر: نبی کریمؐ کا مقصدِ بعثت (قرآنِ حکیم کی
روشنی میں)، (۱)، ۳۱۲—۳۵۰
بعثت انبیاء کی اساسی غرض و غایت ۳۱۲، بعثتِ
محمدیؐ کی اتمامی اور تکمیلی شان ۳۲۳، انقلابِ نبویؐ کا
اساسی منہاج ۳۳۸
اشرف علی تھانوی: سرورِ کائناتؐ کے حقوق امت پر
(۳)، ۴۲۷—۴۳۴
حبِ رسولؐ ۴۲۷، پہلی روایت ۴۲۷، دوسری
روایت ۴۲۸، تیسری روایت ۴۲۸، چوتھی روایت
۴۲۸، پانچویں روایت ۴۲۹، آنحضرتؐ کے ادب و
احترام کا واجب ہونا ۴۲۹، آپؐ کی عظمت اور احترام
کے بارے میں روایات ۴۳۲
اشرف علی تھانوی (مترجم)، شیم الحبیب از الٰہی بخش کاندھلوی
(۴)، ۲۴۹—۲۶۸
اصلاحی، امین احسن۔ نبیؐ اپنے گھر میں (۳)، ۳۸۵—۳۹۵
اہلِ بیت کا مشغلہ ۳۸۶، آزادانہ انتخاب ۳۸۸،
محبت، اعتماد، در خودداری کی فضا ۳۹۰، محاسبہ ۳۹۲
اصلاحی، امین احسن: نبیؐ بحیثیت ایک مدبر اور ماہرِ سیاست

(۳)، ۶۲۳ — ۶۲۸

اسلام سے پہلے عرب قوم کی سیاسی حالت ۶۲۳، آپؐ کی سیاست کا ایک اہم پہلو ۶۲۴، اصولوں کے لیے جان ومال کی قربانی ۶۲۵، پاکیزہ سیاست ۶۲۵، اجتماعی اور سیاسی زندگی کی اخلاقیات ۶۲۵، امن وعدل کی حکومت ۶۲۶، اسلامی انقلاب میں ناموس کی حفاظت ۶۲۶، دنیوی کروفر کی بجائے فقر، غلاف الٰہی کا جلال ۶۲۷، اسلامی انقلاب کو آگے بڑھانے کے لیے ایک جماعت کی ترتیب ۶۲۷

اصلاحی، امین احسن و محمود حسن شیخ الہند: حقیقتِ توحید اور حقیقتِ وحی (۲)، ۲۶۷ — ۳۲۷

قرآن کے اوّلین مخاطب ۲۶۸، قرآن کا طرزِ استدلال ۲۶۸، قرآنی استدلال کی اساس ۲۷۰، توحید کے عمومی دلائل ۲۷۲، کائنات کا حسن وجمال ۲۷۳، کائنات کے مختلف اجزا کا باہمی توافق ۲۷۹، ضد سے ضد کا وجود ۲۸۰، متضادات سے منفعت کا وجود ۲۸۱، مظاہر کائنات کی تسخیر ۲۸۲، کائنات کی محکم تدبیر ۲۸۳، ہر نظمِ اجتماعی کے لیے لازم ہے کہ حاکمیت غیر منقسم ہو ۲۸۴، حق وباطل کی آویزش اور حق کا غلبہ ۲۸۵، اشارات ۲۸۷، توحید کے دلائل انفس میں ۲۹۰: عہدِ فطرت ۲۹۰، علم ویقین کی فطری طلب ۲۹۵، فطرتِ انسانی کا علو ۲۹۷، انسان کا ضعف وافتقار ۳۰۰، توحید کے خصوصی دلائل - دلائل بلحاظ مسلّمات مخاطب ۳۰۲: شرکا کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے ۳۰۴، لوازم سے استدلال ۳۰۶، دلیل عدل ۳۱۵، اہلِ کتاب اور منافقین ۳۱۶، پچھلی فصلوں کا خلاصہ ۳۱۸، توحید کے اثرات ۳۲۰، توحید کی اہمیت دین میں ۳۲۴

اِصلاحی، شرف الدین: عہدِ جدید کے مسائل اور آنحضرتؐ کا پیغام (۳)، ۷۰۳ — ۷۱۱

عصرِ حاضر کے مسائل ۷۰۳، عہدِ جدید کے خاص خاص مسائل ۷۰۸، انسان، انسان کی بقا وسلامتی کا مسئلہ ۷۰۸، رنگ زبان اور وطن کے امتیازات کا مسئلہ ۷۰۹، سیاسی کش مکش ۷۰۹، کردار کی پستی اور اخلاقی گراوٹ ۷۱۰، معاشی مسائل ۷۱۰، سرمایہ داری ۷۱۰، اسلام کے اقتصادی نظام کے نفاذ کا اثر ۷۱۱

اصلاحی، محمد اجمل: ابنِ ہشام اور سیرتِ ابنِ ہشام (۱)، ۴۵۲ — ۴۹۷

ابن ہشام ۴۵۲، حالاتِ زندگی ۴۵۴، شیوخ واساتذہ ۴۵۹، علمی مرتبہ ۴۶۲، تلامذہ ۴۶۳، تصنیفات ۴۶۴، وفات ۴۶۵، سیرتِ ابنِ ہشام: مؤلفِ سیرت ۴۶۶، راوی سیرت ۴۶۷، ابنِ ہشام کا کارنامہ ۴۶۸، تلخیص وتدوینِ جدید ۴۶۹، تہذیبِ متن ۴۷۱، حواشی اور تعلیقات ۴۷۳، شعری مواد کی تحقیق وتنقید ۴۷۴، ابنِ ہشام کے مآخذ ۴۷۸، اسناد میں ابنِ ہشام کا منہج ۴۷۹، معروف مآخذ ۴۸۰، مجہول مآخذ ۴۸۳، مقبولیت اور اشاعت ۴۸۴، شروح ۴۸۵، تلخیصات ۴۸۶، منظومات ۴۸۷، تراجم ۴۸۸، ایڈیشن ۴۸۸، حواشی اور حوالہ جات ۴۸۹

اصلاحی، محمد اجمل (مترجم) پہلے سیرت نگار — حضرت عروہ بن الزبیر از خلیل ابراہیم (۱)، ۳۹۷ — ۴۰۹

اصلاحی، محمد اجمل (مترجم) الدُّرر فی اختصار المغازی

والتیراز شوقِ ضیف

(۱) ۶۱۵ — ۶۳۶

اعجاز الحق قدوسی دیکھئے قدوسی، اعجاز الحق
افضل حق: ظہورِ قدسی (۴) ۷۰۴ — ۷۰۷

دعائے خلیل اور نوید مسیحا ۷۰۴، میلاد النبی ۷۰۵،
صحرائی تربیت ۷۰۵، آمنہؓ کا لالؐ ۷۰۶، یتیم مکّہ
۷۰۶، دینِ حنیف کا آخری معمار ۷۰۶، قدوسیت کا
شاہکار ۷۰۷

اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد: جنابِ رسالت مآبؐ کا ادبی تبصرہ

(۴) ۶۴۷ — ۶۴۸

امراء القیس کے بارے میں آپؐ کی رائے ۶۴۷،
عنترہ کے بارے میں آنحضرتؐ کی رائے ۶۴۸
اقبال، علّامہ ڈاکٹر محمد: محفل میلاد النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم

(۴) ۶۴۹ — ۶۵۰

ورود صلوٰۃ ۶۴۹، اسوۂ رسولؐ سے واقف ہونا
۶۴۹، یادِ رسولؐ کا قلوب پر اثر ۶۴۹، مکارمِ اخلاق
کی تکمیل ۶۵۰، اخلاق نبوی کی تعلیم ۶۵۰
اقبال احمد نوری دیکھئے نوری، اقبال احمد
الٰہی بخش کاندھلوی: شیم الحبیب۔ ترجمہ اشرف علی تھانوی

(۴) ۲۴۹ — ۲۶۸

شمائل نبوی ۲۴۹، وصل دوم آپ کے تقسیم اوقات و
طرزِ معاشرت ۲۵۱، وصل سوم تتمہ وصل اوّل میں
۲۵۳، وصل چہارم آپؐ کے طیب و مطیب ہونے
میں ۲۵۵، وصل پنجم آپؐ کی قوت بصیرت میں ۲۵۶،
وصل ششم آپ کی قوت بدنیہ وغیرہ میں ۲۵۶، وصل
ہفتم آپ کے بعض خصائص کے بارے میں ۲۵۶، وصل
ہشتم آپ کے کلام و طعام و منام وقیود و قیام میں
۲۵۷، وصل نہم آپ کی بعض صفات و مکارمِ اخلاق
شجاعت و سخاوت ہیبت و جاہ و بے نفسی و ایثار وغیرہ
میں ۲۵۷، وصل دہم آپ کی عصمت میں ۲۵۸، وصل
یازدہم تتمہ وصل نہم ۲۵۸، وصل دوازدہم دوسرے
بعض اخلاق جمیلہ و طرزِ معاشرت میں ۲۵۹، وصل
سیزدہم تتمہ وصل ہشتم میں ۲۶۰، وصل چہاردہم آپ کے
تنگی معیشت اختیار کرنے میں ۲۶۱، وصل پانزدہم آپؐ
کی خشیت و مجاہدہ میں ۲۶۱، وصل شانزدہم آپ کے حسن و جمال
میں ۲۶۱، وصل ہفتدہم آپؐ کے رفق و تواضع و پاکیزگی
طبیعت میں ۲۶۲، وصل ہشدہم آپؐ کے اعتدال تزئین
میں ۲۶۲، وصل نوزدہم تتمہ وصل ہشتم و سیزدہم میں ۲۶۴،
وصل بستم آپؐ کی وفات شریف میں ۲۶۵، وصل بست و یکم
میں ۲۶۶، وصل بست و سوم۔ تتمہ وصل ہفتم و بست و دوم
تتمہ وصل ہفتم میں ۲۶۵، وصل بست و دوم آپؐ کے مزاح
میں ۲۶۶، وصل بست و چہارم آپؐ کے بعض عوارضہ
بشریت کے ظہور اور اس کی حکمت میں ۲۶۶، وصل بست و
پنجم آپؐ کی روح پر ان عوارض کے اثر نہ ہونے میں ۲۶۷،
امیر علی، سیّد: دنیائے قبل از اسلام پر ایک نظر۔ ترجمہ از محمد
ہادی حسن (۳) ۲۱ — ۴۰

اہلِ بابل کا مذہب ۲۲، ہندوستان میں آریائی مذہب
۲۴، ہندوؤں کی حماسہ سرائی میں ان کے مذہبی عقیدے
۲۷، قدیم ایران پر ایک نظر ۳۰، یہودیوں کے مظالم ۳۵،
حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات ۳۶
امین الدین، سیّد: طب نبوی (صلّی اللہ علیہ وسلّم)
(۴) ۹۲ — ۱۰۰

شریعت اسلامیہ اور حفظانِ صحت ۹۲، دانتوں کی صفائی

۹۳، پانی پینے کے آداب ۹۴، لباس کی صفائی
۹۴، جسم کی صفائی ۹۵، آپؐ کی پسندیدہ غذائیں
۹۷، پرہیز ۹۸

انوار الحق، محمدؐ اوصافِ رسولؐ (۴)، ۱۶۳—۲۲۷
سادہ زندگی ۱۶۳، حسنِ معاشرت اور خوش خلقی ۱۶۷،
شجاعت ۱۷۱، ثبات و استقلال ۱۷۴، حلم اور تحمل
۱۷۸، عفو و رحم ۱۸۱، صبر و شکر ۱۸۴، سخاوت
۱۹۰، ایثار اور حسن سلوک ۱۹۴، محبت و شفقت
۱۹۶، عدل و انصاف ۲۰۱، تواضع اور انکسار ۲۰۴
صدق ۲۰۹، حیا ۲۱۴، وقار و متانت ۲۱۶، زندہ دلی
اور شگفتہ مزاجی ۲۱۷، اتباعِ سنت اور رسم ۲۲۰،

ب

بمبئی، اے۔جی: محمدؐ اور عیسیٰؑ (۴)، ۵۴۸—۵۴۹
اس مقالے میں حضرت عیسیٰ اور آپؐ کے عہد کے
حالات کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔

برق، غلام جیلانی: ابن الجوزی اور سوانحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۱)، ۷۰۱—۷۰۸
حضورؐ کی ولادت ۷۰۱، حسب و نسب ۷۰۲، حضورؐ
کی رضاعی مائیں ۷۰۳، حضرت آمنہ کی وفات اور مابعد
۷۰۳، تجارتی سفر ۷۰۳، حضورؐ کے چچے ۷۰۴، حضورؐ
کی پھوپھیاں ۷۰۴، حضورؐ کی کنیزیں ۷۰۵، حضورؐ کے
خدام و غلام ۷۰۵، حضورؐ کی اولاد ۷۰۵، حضورؐ کے
مرکب ۷۰۶، حضورؐ کے دودھیالے جانور ۷۰۷،
حضورؐ کی تلواریں ۷۰۷، حضورؐ کی کمانیں ۷۰۷، حضورؐ کے
نیزے ۷۰۸، حضورؐ کی ڈھالیں ۷۰۸، حضورؐ کی زرہیں ۷۰۸

برق، غلام جیلانی: رسالتؐ نامہ — دریا بہ حباب اندر
(۲) ۴۳—۵۰
سیرتِ نبویؐ کی توقیت ۴۳، نبی کریمؐ کی ازواج مطہرات
۴۴، آپؐ کی صاحبزادیاں اور صاحبزادے ۴۵، آپؐ
کا لباس ۴۶، حضورؐ کا اسلحہ ۴۶، عہدِ نبویؐ کی مساجد ۴۶
سرورِ کونینؐ کے قاصد ۴۷، مقرر کردہ محصلین ۴۷، مدینہ
میں نائبین ۴۸، عمالِ نبویؐ (گورنر) ۴۸، بیعتِ عقبۂ اولیٰ
کے چھ افراد ۴۸، رسولِ اکرمؐ کے مدنی نقیب ۴۸، حضورؐ
کے آزاد کردہ غلام ۴۹، حضورؐ کے کاتبانِ وحی ۴۹، حضورؐ
کے محافظ ۴۹، وہ لوگ جن کی شکل و صورت حضورؐ سے ملتی
تھی ۴۹، حضورؐ کے خدام ۴۹، عہدِ رسولؐ کے مفتی ۴۹
ہجرت ۵۰۔

برق، غلام جیلانی: مہماتِ رسولؐ (۴)، ۳۷۲—۴۳۲۔
اسلام بزورِ شمشیر کا الزام ۳۷۶، مکہ میں حضورؐ کی
مشکلات ۳۷۷، بعد از ہجرت ۳۷۹، اذنِ جہاد ۳۸۰،
دفاعی تدابیر ۳۸۱، مہمات کی قسمیں ۳۸۱، سریہ حمزہ بن
عبدالمطلب ۳۸۲، عبیدہ بن حارث کی مہم ۳۸۲، حضرت
سعد بن ابی وقاص کی مہم ۳۸۳، غزوۃ الابواء ۳۸۳،
الابواء ۳۸۳، غزوۃ بواط ۳۸۴، غزوہ تلاش کرز ۳۸۴،
غزوہ ذی العشیرہ ۳۸۴، عبداللہ بن جحش کی مہم ۳۸۵،
غزوہ بدر ۳۸۶، حضورؐ کی بدر کو روانگی ۳۸۷، غزوہ بنی
قینقاع ۳۸۸، غزوہ سویق ۳۹۱، غزوۃ قرقرۃ الکدر
۳۹۲، غزوۃ غطفان ۳۹۳، غزوہ بنو سلیم ۳۹۳، حضرت
زید بن حارثہ کی مہم ۳۹۳، غزوۃ احد ۳۹۴، مہم قطن ۳۹۷
وادی عُرنہ کی مہم ۳۹۷، بئرِ معونہ کی مہم ۳۹۸، رجیع کی
مہم ۳۹۹، غزوہ بنو نضیر ۴۰۰، غزوہ بدر الموعد ۴۰۰،
غزوہ ذات الرقاع ۴۰۱، غزوہ دومۃ الجندل ۴۰۱،

غزوۂ مریسیع (یا بنی مصطلق) ۴۰۱، واقعۂ افک ۴۰۲، غزوۂ احزاب (یا خندق) ۴۰۲، غزوہ بنو قریظہ ۴۰۴، مہم قرطا ۴۰۴، غزوۂ بنو لحیان ۴۰۴، غزوہ غابہ ۴۰۵ عکاشہؓ کی مہم ۴۰۵، مہم ذو القصہ ۴۰۵، مہم جموح (یا جموم) ۴۰۶، مہم عیص ۴۰۶، مہم طرف ۴۰۶، مہم حسمیٰ ۴۰۶، سریہ دومۃ الجندل ۴۰۶، مہم فدک ۴۰۶ مہم ابن عتیک ۴۰۶، مہم عبداللہ بن رواحہ ۴۰۶، مہم کرز بن جابر ۴۰۶، عمرو بن امیہ کی مہم ۴۰۷، غزوہ حدیبیہ ۴۰۷، غزوۂ خیبر ۴۰۹، مہم فدک ۴۱۰، مہم تربہ ۴۱۱، مہم بنی کلاب ۴۱۱، مہم بشیر بن سعد ۴۱۱، مہم میفعہ ۴۱۱، مہم الجناب ۴۱۱، مہم ابن ابی العوجا ۴۱۲، مہم کدید ۴۱۲، مہم بنو مرہ ۴۱۲، مہم سی ۴۱۲، مہم کعب بن عمیر ۴۱۳، مہم موتہ ۴۱۳، مہم ذات السلاسل ۴۱۳، مہم خبط ۴۱۴، مہم خضرہ ۴۱۴، فتح مکہ ۴۱۴، عزیٰ کی تباہی ۴۱۵، سواع کی تباہی ۴۱۵، مناۃ کی تباہی ۴۱۵، غزوۂ حنین ۴۱۵، غزوۂ طائف ۴۱۶، مہم بنو تمیم ۴۱۶، مہم قطبہ بن عامر ۴۱۷، مہم بنی کلاب ۴۱۷، مہم علقمہ ۴۱۷، مہم الفلس ۴۱۷، غزوہ تبوک ۴۱۷، مہم یمن ۴۱۸، آخری حج ۴۱۸، مہم اسامہ ۴۱۸، غیر اہم مہمات ۴۱۹، حرفِ آخر ۴۲۰، ضمیمہ اول۔ قبائل ۴۲۲، قبائلِ حرمین کے مغرب میں ۴۲۴، قبائل حرمین کے مشرق میں ۴۲۴، شمالی قبائل ۴۲۴، جنوبی قبائل ۴۲۴، عرب کے باقیماندہ قبائل ۴۲۵، قبائل مدینہ ۴۲۵، ضمیمہ دوم۔ مقاماتِ عرب ۴۲۸، ضمیمہ سوم۔ ان عمال کی فہرست جو حضورؐ نے مقرر فرمائے تھے ۴۲۹، ضمیمہ چہارم، اشاریہ، حواشی، کتابیات ۴۳۲

بشیر الدین پنڈت، ہندوؤں کی کتبِ مقدسہ میں بشاراتِ آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم (۴)، ۵۵۵ — ۵۵۹

اُپ نشد ۵۵۵۔ سام میں آنحضرت صلعم کا ذکر ۵۵۵، تشریح ۵۵۶، اتھرو وید کے کنتاپ سوکت میں بشارات. ۵۵۶، کنتاپ سوکت کا پہلا منتر۔ اسمِ مبارک آنحضرت صلعم ۵۵۶، واضح اسمِ گرامی ۵۵۷، جنگِ احزاب کا مفصل ذکر ۵۵۸۔

البوصیری، محمد شرف الدین : قصیدۂ بردہ شریف۔ فارسی ترجمہ از ملا محمد عبدالرحمٰن جامیؒ اردو ترجمہ از محمد فیاض الدین نظامی، بہزاد دکن (۲)، ۷۴۰ — ۷۶۰

اس میں قصیدہ بُردہ کا عربی متن شامل کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ دو منظوم ترجمے فارسی اور اردو میں درج کیے گئے ہیں

ت

تحسین فراقی (مترجم) : ابن اسحٰق اور "سیرۃ الرسول اللہ" از الفریڈ گیوم (۱)، ۴۱۰ — ۴۵۱

تمنا عمادی : کتاب اللہ — مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (۱) ۳۵۱ — ۳۶۸۔

تعلیم رسولؐ ۳۵۵، سامانِ ہدایت ۳۵۷، وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ۳۵۹، فرائض انسانی ۳۶۰، حقوق اللہ ۳۶۰، عبادت ۳۶۰، حقوق نفس ۳۶۲، آپس کے حقوق و فرائض ۳۶۳، زن و شوہر کے باہمی حقوق ۳۶۳، اہل قرابت کے حقوق ۳۶۴، اقربا پروری ۳۶۴، پڑوسیوں کے حقوق ۳۶۴، عام مسلمانوں کے حقوق ۳۶۵، ذمی کفار اور مسلمانوں کے حقوق ۳۶۶، حربی دشمن کفار کے حقوق ۳۶۶، باہمی تعاون ۳۶۷۔

توحیدی، محمد سالم : تاجدارِ مدینہ کی گھریلو زندگی (۴) ۲۳۷ — ۲۴۰

ازدواجِ نبیؐ ۲۳۷، یکساں سلوک ۲۳۸، کاشانۂ اقدس
۲۳۹، عظمت و محنت ۲۴۰

ث

ثاقب کانپوری، ابو محمد: عرب اور علومِ طبیہ (۴) ۸۹—۹۱
علم طب اور عربوں کی خدمات ۸۹، رازی کی تصنیفات
۸۹، علی عباس (طبیب) ۹۰، بوعلی سینا ۹۰، ابیقاس
(جراح) ۹۰ شفاخانے ۹۱، فنِ جراحی ۹۱

ج

جامی، محمد عبدالرحمٰن (مترجم)، قصیدہ بُردہ شریف از محمد
شرف الدین البوصیری (۲)، ۷۴۰ —— ۷۶۰

جعفر شاہ پھلواری: اسلام اور جہاد (۴)، ۲۹۸ — ۳۱۵۔
مقصد کی محبت ۲۹۸، سب سے زیادہ محبوب مقصد
۲۹۹، قربانی ۲۹۹، اقسام قربانی ۲۹۹، جہاد بالنفس کا
مطلب ۲۹۹، جانی جہاد ۳۰۰، جانی قربانی ۳۰۰،
دفاعی جنگ ۳۰۰، جھوٹے پروپیگنڈے ۳۰۱، پروپیگنڈے
کی غرض ۳۰۱، مدافعانہ اور جارحانہ ۳۰۲، اجزائے جہاد
۳۰۲، جہاد کی فرضیت ۳۰۳، اُمتِ مسلمہ کا وجود کیوں
عمل میں آیا ۳۰۳، وعظ اور امر ۳۰۳، جہاد کا مطلب
۳۰۴، معروف اور اسلام ۳۰۴، امر و نہی کے لیے
طاقت ۳۰۴، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خلاصہ
۳۰۴، فتنہ و فساد کا مطلب ۳۰۴، جنگ اور فطرت
۳۰۵، جنگ کے دو رخ اور جہاد فی سبیل اللہ ۳۰۵، حصولِ
مقصد کی تیاری ۳۰۵، دو طرح کے دشمن ۳۰۶، آزادی
کی قدر و قیمت ۳۰۶، اعداد قوت کی غرض ۳۰۷، بقائے وجود
مقدم ہے ۳۰۷، اعداد قوت کا مقصد ۳۰۸، اعداد قوت
کے شعبے ۳۰۸، پروپیگنڈا ۳۰۸، جاسوسی ۳۰۹، ذرائع
حمل و نقل ۳۰۹، آلاتِ حرب و ضرب ۳۰۹، طبی امداد
۳۰۹، سامان خورد و نوش ۳۰۹، لباس ۳۰۹، حوصلے ۳۰۹،
اخذ حذر ۳۱۰، مالی جہاد ۳۱۰، جانی جہاد کا مقصد ۳۱۰،
جہاد سے پہلوتہی ۳۱۱، اگلوں کے نمونے ۳۱۱، بائبل ۳۱۱،
لا مذہبوں کے اعداد و شمار ۳۱۲، اسلامی و غیر اسلامی جنگوں
کا فرق ۳۱۳،
اسلامی آدابِ جنگ ۳۱۴، دونوں کا فرق ۳۱۵۔

جعفر شاہ پھلواری، محمد: حضورِ اکرمؐ اور تبلیغ (۳) ۴۱۴ — ۴۱۷
تبلیغ ـ قرآنی اصطلاح ۴۱۴، تبلیغ کے لیے شرائط
۴۱۵، حضورؐ کی تبلیغ اور اس کے اثرات ۴۱۶۔

جعفر شاہ پھلواری، محمد، حضورِ اکرمؐ اور تعددِ ازدواج
(۴) ۶۵۴ — ۶۶۷
یہ مقالہ لکھنے کا سبب ۶۵۴، متعدد شکوک ۶۵۴، دوسرا شبہہ
۶۵۴، تیسرا شبہہ ۶۵۵، دیگر مصالح ۶۶۱، توسیع دین ۶۶۱
اصلاح و قیامِ امن ۶۶۱، آدھی دنیا کی تعلیم ۶۶۱، نصف دین
کی تکمیل ۶۶۲، حسنِ معاشرت کا درس ۶۶۳، دوسرے
غیر مسلم ۶۶۴، حسنِ معاشرت کا سبق ۶۶۴، خانگی زندگی
کی شہادت ۶۶۶

جلال حامدی، سید: حیاتِ نبویؐ میں غاروں کی اہمیت
(۴) ۶۳۴ — ۶۴۰
غارِ حرا میں پہلی وحی ۶۳۵، غارِ ثور میں پناہ ۶۳۹

جناح، قائدِ اعظم محمد علی: رحمۃ للعالمینؐ (۳) ۱۷۶ — ۱۸۱
عہدِ جاہلیت ۱۷۶، اصحابِ فیل کا واقعہ ۱۷۷، صحرائی
تربیت ۱۷۸، حضرت خدیجہؓ ۱۷۸، صلح و امن کا داعی
۱۷۹، سیرت اور اخلاق کا معجزہ ۱۷۹، اولاد ۱۸۰، انقلابِ
عظیم ۱۸۰،

چ

چراغ علی خان، محمد: پیغمبرؐ پر سحر (۴) ۶۴۱ — ۶۴۲
اس میں سحر والی روایات کو تنقیدی زاویۂ نگاہ سے دیکھا گیا ہے، مقالہ نگار کہتے ہیں کہ "ایسے لغو اور واہی خیالات کو تو قرآن مجید جھٹلا چکا۔ پس جو روائتیں بھی اس مضمون کی ہوں گی وہ کب لائق التفات ہوں گی" ص ۶۴۱

ح

حبیب احمد: اسلامی انقلاب کا اثر جاہلی معاشرے پر (۳) ۸۶ — ۹۲
اسلام سے پہلے عربوں کی اجتماعی زندگی ۸۶، اسلام کے اثر سے شرک کا خاتمہ ۸۹، اقتصادی نظام پر اسلام کے اثرات ۸۹ء

حسن میاں پھلواری: کتب سابقہ کی بشارتیں (۴) ۴۳۸ — ۴۴۶
حضرت موسیٰ کی بشارت ۴۳۸، سیدنا داود علیہ السلام کا توصیف کرنا ۴۴۰، حضرت سلیمانؑ کی اپنے محبوب سے ملنے کی خواہش ۴۴۲، حضرت عیسیٰ کی بشارت ۴۴۳

حفیظ اللہ پھلواری، محمد: عہدِ نبوی میں علمی ترقیاں، (۴) ۱۴۱ — ۱۴۷
علم کی اہمیت ۱۴۱، دار ارقم۔ تبلیغی مرکز ۱۴۱، شعب ابی طالب ۱۴۱، مدینہ منورہ میں تعلیم دینے کا انتظام ۱۴۲، صفہ کی درس گاہ ۱۴۲، اقامتی درس گاہ دار القراء ۱۴۲، کتابت و تحریر کی ترقی ۱۴۴، اخلاقی اور حکیمانہ شاعری کی حوصلہ افزائی ۱۴۵، تدریس کا طریقہ ۱۴۶، قرآنِ حکیم کا فارسی میں ترجمہ ۱۴۷

حمید اللہ، محمد: عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم (۴) ۱۱۵ — ۱۲۷
عرب میں زمانۂ جاہلیت میں تعلیم ۱۱۵، قبل ہجرتِ اسلام ۱۱۸، بعد ہجرت ۱۲۰، درس گاہ صفہ ۱۲۰، تعلیم و تربیت کے لیے معلم بھیجنا ۱۲۱، مدینہ میں شرح خواندگی ۱۲۳، عہدِ رسالت میں فنی ذوق یا تخصص ۱۲۴، تعلیم نسواں کے لیے اہتمام ۱۲۵، یمن میں ناظرِ تعلیمات کا تقرر ۱۲۶، علماء کی فضیلت ۱۲۷

حمید اللہ، محمد: عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار (۳) ۵۵۵ — ۵۶۱
مدینہ میں شہری مملکت کا قیام ۵۵۴، یہودیوں کی اسلام کے خلاف جد و جہد ۵۵۶، مکہ والوں کا صلح کے لیے آمادہ ہونا ۵۵۷، صلح نامہ حدیبیہ اور اس کی شرائط ۵۵۹، حدیبیہ کی صلح کو فتح مبین کہا گیا ۵۵۹، معاہدۂ حدیبیہ ۵۶۰ ماخذ کے متن ۵۶۱، ماخذ کے اقتباسِ متن ۵۶۱، جدید بحث و ترجمہ ۵۶۱

حمید اللہ، محمد: عہدِ نبویؐ کے اصولِ سیاسیات (۳) ۶۴۴ — ۶۵۱
سیاست کاری ۶۴۴، مکہ کی اہمیت ۶۴۵، تبلیغ رسالت ۶۴۶، اندرونی استحکام ۶۴۶، انسانی خون کی عزت ۶۴۷، فنون حرب کی ترقی و استفادہ ۶۴۷، خبر رسانی اور ناکہ بندی ۶۴۸، معاشی دباؤ ۶۴۹، غنیم کے دستوں کو توڑ لینا ۶۴۹، دشمنوں سے گھیرنا ۶۵۰، دعا کاری ۶۵۰، دشمن کے ایک طبقے کو موہ لینا ۶۵۰، معزز دشمنوں کا اسلام میں اعزاز ۶۵۱

حمید اللہ، محمد: عہدِ نبویؐ کے عربی ایرانی تعلقات (۳) ۶۳۴ — ۶۴۳
قبل اسلام ۶۳۴، ابتدائے اسلام ۶۳۶، تتمہ ۶۴۲، ضمیمہ ۶۴۳

حمیداللہ، محمد: سرورِ کائنات کی حکومت (۳) ۶۰۷—۶۲۲
آنحضرتؐ کا ماحول ۶۰۷، ظہور قدسی ۶۰۸، سرورِ کائناتؐ کا مقصد رسالت ۶۰۸، حکمرانی کی تربیت ۶۰۸، حکومتیں کس طرح قائم ہوتی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت ۶۰۹، ابتدائے کار ۶۱۰، اجنبی استعمار پر حملہ ۶۱۳، حقوق شہریت کا منشورِ اعظم ۶۱۳، حکومت کے ادارے ۶۱۳، فرائض و مقاصدِ حکومت کی انجام دہی ۶۱۵، تبلیغ و تعلیم ۶۱۸، سول سروس ۶۱۹، فوج ۶۱۹، دارالانشا ۶۱۹، صیغۂ داخلہ ۶۱۹، حوالے ۶۱۹۔

حمیداللہ، محمد: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ از نذیر حق (۲) ۵۱۳—۶۸۲
یہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کے سولہ ابواب ہیں۔ اہم نکات کی نشاندہی کے لیے ان ابواب کے عنوان ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:
۱۔ تعارف ۵۱۵؛ ۲۔ نیا دین کیوں؟ ۵۳۴؛ ۳۔ پیغام اور اس کے متعلقات ۵۴۴؛ ۴۔ تبلیغ اسلام اور اس کے نتائج ۵۵۱؛ ۵۔ یثرب — مدینۃ النبیؐ ۵۶۴؛ ۶۔ مکہ سے تعلقات ۵۷۹؛ ۷۔ عرب قبائل سے تعلقات ۵۹۶؛ ۸۔ یہود سے تعلقات ۶۰۲؛ ۹۔ خارجہ تعلقات ۶۰۵؛ ۱۰۔ اسلامی معاشرہ کی تنظیم ۶۱۶؛ ۱۱۔ رسولِ اسلام کی تعلیمات ۶۳۳؛ ۱۲۔ رسولؐ کی عائلی زندگی ۶۴۳؛ ۱۳۔ دورِ نبویؐ کا معاشرہ ۶۶۲؛ ۱۴۔ رسول اللہ کے کام پر ایک نظر ۶۷۰؛ ۱۵۔ رسولِ خدا کا وصال ۶۷۴؛ ۱۶۔ تدفین اور جانشینی ۶۷۸

حیدر زمان صدیقی: عہدِ نبوت کے عمرانی اور تمدنی مسائل (۳) ۷۳۴—۷۴۸
زمانہ قبل نبوت کے اجتماعی مفاسد ۷۳۵، بے روح اور غلط کارانہ مذہب پرستی ۷۳۵، نظامِ تمدن کی ہیبت ناکیاں ۷۴۱، زہرناک قومی تعصب اور بے قید سیاست ۷۴۲، نتائج بحث و فکر ۷۴۴

خ

خالد کمال مبارک پوری: برناڈشا اور عرب (۴) ۵۵۰—۵۵۴
برناڈشا اور الف لیلیٰ ۵۵۰، برناڈشا اور محمدؐ ۵۵۱، برناڈشا اور تعدد ازواج ۵۵۲، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بت پرستی ۵۵۳۔

خالد مسعود: سیاستِ نبویؐ کا ایک اہم پہلو (۳) ۵۷۳—۵۷۵
تبوک جانے کا اعلان ۵۷۳، مسجد ضرار کا گرانا ۵۷۴، لات کے توڑنے کا مسئلہ ۵۷۴، نبیؐ کی سیاست ۵۷۵

خدیجۃ النساء ایم سراج: رسول اللہ اور طبقہ نسواں (۳) ۵۰۷—۵۱۷ معاشرے میں عورت کا درجہ ۵۰۷، اجر کے سلسلے میں مرد و عورت میں مساوات ۵۰۸، فرائض کے عائد ہونے میں عورتوں کے لیے بعض رعائتیں ۵۰۹، ماں ہونے کے ناطے سے عورت کا بلند مقام ۵۰۹، نکاح سنت رسول مقبولؐ ہے ۵۰۹، حقوقِ اولاد ۵۱۰، حقوق نسواں ۵۱۱، وراثت میں عورت کا حصہ ۵۱۲، طلاق و خلع ۵۱۴، رسول اللہ نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ۵۱۶۔

خلیل ابراہیم: پہلے سیرت نگار حضرت عروہ بن زبیر۔ ترجمہ محمد اجمل صلاحی (۱) ۳۹۷—۴۰۹، حالات زندگی ۳۹۷، بنو امیہ سے عروہ کے روابط ۳۹۹، عروہ کے راوی ۴۰۰، عروہ کے تاریخی آثار ۴۰۰، عروہ کا طرزِ تحریر ۴۰۳، حواشی اور حوالہ جات ۴۰۵۔

خلیل حامدی، عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ کی تعلیمی سرگرمیاں
(۴) ۱۳۷ ــــ ۱۴۰
درس گاہ کی تاسیس ۱۳۷، سزا دینے کا نظریہ ۱۳۷، درس گاہ کے ایک نامور طالب علم ۱۳۸، غیر ملکی زبان کی تعلیم ۱۳۸، مسجدی مدرسہ بستی ۱۳۹، حصول تعلیم کی ترغیب ۱۳۹، معلم کی شخصیت ۱۳۹، مدتِ تعلیم ۱۴۰، طرزِ تحریر ۱۴۰،

خورشید احمد، پروفیسر: نبی اکرمؐ بحیثیت داعی الی الحق
(۲) ۳۹۶ ــــ ۴۰۱، انبیاءؑ کے مبعوث ہونے کی غرض و غایت ۳۹۶، قرآن اور بعثت انبیاءؑ ۳۹۷، حضورؐ داعی الی اللہ ۳۹۸، کلی انقلاب کی جدوجہد ۳۹۹، دعوتِ دین کی راہیں ۴۰۰، حضورؐ کی دعوتِ دین کے لیے ثابت قدمی ۴۰۰

د

درد، رگھوناتھ راؤ: ظہورِ قدرت (۴) ۴۳۳ ــــ ۴۳۷
اس میں سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے آثار کا ذکر کیا گیا ہے۔

ر

رحمٰن، ایس اے: رسولؐ اللہ کے عہد میں نظامِ عدل
(۳) ۶۵۲ ــــ ۶۶۵
قانون ۶۵۲، قرآنی قانون کی خصوصیات ۶۵۳، نظریۂ اجتہاد ۶۵۳، قانونی نوعیت کی احادیث ۶۵۴، معاہدوں کی پابندی ۶۵۴، ریاست کے معاملات ۶۵۶، اجتہاد کی اہمیت ۶۵۶، حاکم کی صفات ۶۵۶، کتمانِ شہادت ۶۵۷، سود کی ممانعت ۶۵۸، قرض کا لین دین ۶۵۹، امتحانی آزادی ۶۶۲، کوئی امتیاز نہیں ۶۶۲

رشید احمد ارشد، دیکھیے ارشد، رشید احمد

رئیس احمد جعفری: سرورِ کائناتؐ کا رویہ منافقوں سے
(۳) ۵۱۸ ــــ ۵۲۴، منافق کا کردار ۵۱۸، منافق کی سازش ۵۱۹، منافق ساتھی ۵۱۹، منافق باپ کا مومن بیٹا ۵۲۰، منافقوں کا عذر لنگ ۵۲۱، منافق کو شبہ کا فائدہ ۵۲۲، مسجدِ ضرار ۵۲۳، منافقوں کی فتنہ انگیزی ۵۲۳، منافق کی سپر ۵۲۳، منافق کا اقرار سے انکار ۵۲۴،

ز

زبیری، محمد نعیم الدین (مترجم): خطبہ حجۃ الوداع
(۲) ۷۳۵ ــــ ۷۳۹، اس مقالے میں خطبہ حجۃ الوداع کا عربی متن اور اس کا اُردو ترجمہ شامل ہے۔

س

سجاد سرحدی، زین العابدین: پیغمبرِ اسلام کا پیغامِ امن و سلام
(۳) ۴۶۰ ــــ ۴۷۰، دنیا کے اجابلیت ۴۶۰، ادب جاہلی کی شہادت ۴۶۱، ندائے صفا ۴۶۲، شہنشاہیت ۴۶۴، سرمایہ داری ۴۶۵، وطنیت ۴۶۵، مذہبی منافرت ۴۶۶، انتقام در انتقام ۴۶۸۔

سلیم، قاری محمد عبداللہ: پیغمبرِ انسانیت خدا کی نظر میں
(۱) ۲۱۲ ــــ ۲۲۰ انبیائے ماسلف کی شان محبوبیت ۲۱۲، آپ کی شان محبوبیت ۲۱۴، آپ کے مکارم اخلاق ۲۱۶، آپؐ کا مقام عبدیت ۲۱۸، قرآن آنحضرتؐ کا علمی معجزہ ۲۱۹، روزِ آخرت آپؐ کی شہادت ۲۱۹

سلیمان ندوی، سید: حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے
(۲) ۲۳۰ ــــ ۲۴۱ یہ مضمون سید سلیمان ندوی کی کتاب سیرۃ النبی جلد ساتویں سے لیا گیا ہے۔

قانون کا حاکم اور امر و نہی کا واضع صرف اللہ تعالےٰ
ہے ۳۳۱، اطاعت کا حکم ۳۳۳، طاغوت کیا ہے ۳۳۵،
اللہ تعالیٰ ہی حاکم آمر اور واضع شرع ہے ۳۴۰
سلیمان ندوی، سید: سلطنت اور دین کا تعلق (۲) ۳۴۲-۳۶۴
سلطنت اور دین کا تعلق ۳۴۲، لفظ رعیت ۳۴۹،
سلطنت و ملکیت کی حقیقت ۳۵۳، اسلام نے ملکیت
کے الفاظ ترک کر دیے ۳۵۳، لفظ ملک الملک کی ممانعت
۳۵۴
سلیمان ندوی، سید: عہدِ نبوی میں نظامِ حکومت
(۲) ۳۶۵—۳۹۹، عرب میں اسلامی نظامِ حکومت
کے قیام میں مشکلات ۳۶۵، اسلام کا اصولِ سلطنت
۳۶۷، نظامِ محاصل ۳۷۲، امیر کا تصور ۳۸۱ باہمی
مشورے کی ضرورت ۳۸۲، دنیوی سلطنت اور اسلام
کے نظامِ سلطنت میں فرق ۳۸۹
سید قطب شہید دیکھیے قطب، سید
سید محمد عبدالستار گیلانی، دیکھیے گیلانی، سید محمد عبدالستار
سید محمد عبداللہ دیکھیے عبداللہ، سید محمد

ش

شبلی نعمانی: ظہورِ قدسی (۲) ۳۲۸
رسولِ خدا کے ظہورِ قدسی کو شبلی نعمانی نے اپنے خاص
پیرایۂ بیان میں لکھا ہے۔
شبیر احمد: اسلام کا بنیادی فلسفہ (۳) ۷۱۲—۷۲۱
قرآنِ کریم میں غلط نظریوں کی تردید ۷۱۲، اسلام کا
اصولی نظریہ ۷۱۴، نصب العین انداز فکر کے بنیادی
اجزا ۷۱۵، اسلام کے بنیادی عقائد ۷۱۶، نصب العینیت
کی غیر اسلامی توجیہات پر ایک نظر ۷۱۶، اسلامی فکر کے
بنیادی اجزا ۷۱۸
شبیر احمد خاں غوری: صدرِ اسلام میں دینی علوم کے ارتقا کا اجمالی
جائزہ (۳) ۵۷—۷۳، سیرتِ مقدسہ ۵۷، خلافت
راشدہ ۵۹، امیر معاویہ اور ان کی اولاد کا عہدِ حکومت
۶۳، مروانیوں کا عروج ۶۶، مروانیوں کا زوال ۶۹
شرف قادری، محمد عبدالحکیم: علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی
(۱) ۶۹۱—۷۰۰
علامہ نبہانی کے ابتدائی حالات ۶۹۱، ان کی تالیفات
۶۹۲، حجۃ اللہ علی العالمین کے مندرجات
۶۹۷، معجزاتِ نبوی ۶۹۸، مآخذ ۶۹۹
شرف قادری، محمد عبدالحکیم: قاضی عیاض (۱) ۶۳۷—۶۴۵
اکتسابِ علم ۶۳۷، منصبِ قضا ۶۳۷، تلامذہ و
شعر و شاعری ۶۳۷، نمونۂ کلام ۶۳۸، تصانیف ۶۳۸
وفات ۶۳۹، شفا شریف ۶۳۹، بارگاہِ رسالت میں شفا
شریف کی مقبولیت ۶۳۹، شفا شریف کا ماخذ اور
جرح و تعدیل ۶۴۲، مضامین شفا ۶۴۲، شروح و تعلیقات
۶۴۳، حواشی ۶۴۴
شرف الدین اصلاحی دیکھیے، اصلاحی، شرف الدین
شروانی، محمد حبیب الرحمٰن خاں: ذکر الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم
(۳) ۱۸۲—۱۹۰
معجزاتِ نبوی ۱۸۶، جود و سخا ۱۸۸، شجاعت و بہادری ۱۸۸،
حیا ۱۸۸، تمکین و وقار ۱۸۹، تواضع و انکساری ۱۸۹، امانت
۱۹۰، خوفِ خدا ۱۹۰
شریفی، محمد حسام الدین: نبی اکرمؐ اور اصلاحِ معاشرہ
(۲) ۴۰۹—۴۱۳، غیبت کی ممانعت ۴۰۹، رشوت
کی مذمت ۴۱۰، سود کی حرمت ۴۱۰، پردے کی اہمیت ۴۱۲

معاشرہ اور خوفِ خدا ۴۱۳
شمس اللہ قادری، سید: تجارت العرب قبل الاسلام
(۳) ۶۶ — ۸۵، تجارت عرب کی قدامت ۶۶، تجارت عرب کی وسعت ۶۶، دنیا کے وہ ممالک جہاں عرب تجارت کیا کرتے تھے ۶۷، مصریوں کے عربوں سے تعلقات ۶۷، فونیقین اور عربوں کے تعلقات ۶۸، بنی اسرائیل سے عربوں کے تعلقات ۶۹، بابل والوں سے عربوں کے تعلقات ۶۹، ایرانیوں سے عربوں کے تعلقات ۷۰، چین سے عربوں کے تجارتی تعلقات ۷۰، ہندوستان اور سیلان سے عربوں کے تجارتی تعلقات ۷۱، افریقہ اور عربوں کے تجارتی تعلقات ۷۲، عربوں اور یونانیوں کے تجارتی تعلقات ۷۳، عربستان کی تجارت گاہیں ۷۳، عربوں کے تجارت پیشہ قبائل ۷۷، قبیلہ قریش کے چند مشہور تجار ۷۸، وہ اشیاء جن کی تجارت اہلِ عرب کیا کرتے تھے ۷۹، عربوں کی وہ تجارتی اجناس جو خاص خاص ممالک کی پیداوار ہیں ۸۰، عربستان کی پیداوار ۸۲، معدنیات وجواہرات ۸۴، صنعت وحرفت ۸۴

شمیم احمد، سید: ادبِ نبویؐ (۴) ۷۴ — ۸۲
احادیث ۷۵، مکاتیب ۷۵، خطبات ۷۵، رسولؐ اور عربی ادب ۷۶، قصیدۂ بردہ ۷۶، سعدی ۷۷، امیر خسرو کا نعتیہ کلام ۷۷، نعت قدسی ۷۸، اردو میں سیرت نگاری ۷۸، اردو شعراء اور مدح رسولؐ ۸۰

شوقی ضیف، الدرر فی اختصار المغازی والسیر
ترجمہ محمد اجمل اصلاحی (۱) ۶۱۵ — ۶۳۶
تقدیم ۶۱۵، مصنف ۶۱۶، الدرر کے مآخذ ۶۱۸، استناد اور قدر وقیمت ۶۲۱، سیرت ابن عبدالبر کا مخطوطہ ۶۳۰، حواشی ۶۳۲

شیر محمد خاں اعوان: رسولِ اکرمؐ کا معاشی نظام
(۳) ۷۲۲ — ۷۲۸، موجودہ معاشی واقتصادی عدم توازن کے نظام ۷۲۲، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ۷۲۳، کمیونزم اسلام کا حریف نہیں ۷۲۴، اسلامی اقتصادی نظام کے بنیادی عناصر ۷۲۴، معاشی عدل ۷۲۵، اسلام کے قوانین وراثت ۷۲۶، اسلام کے اقتصادی نظام کی برکات ۷۲۸

ص

صارم، عبدالصمد: قرآن، اسلام اور رسولؐ
(غیر مسلموں کی نظر میں) (۴) ۷۴۴ — ۷۴۹
اس میں غیر مسلم دانش وروں کے وہ اقتباسات جمع کئے گئے ہیں جو قرآن، اسلام اور رسولؐ خدا کے بارے میں ہیں۔ اُن میں آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

صلاح الدین، محمد: خُلقِ عظیم (۴) ۵۰۲ — ۵۰۹
خلق عظیم کی سند ۵۰۲، مکارم اخلاق کی تکمیل ۵۰۳، عالم انسانیت کی تعلیم کے مراحل ۵۰۴، انسانی معاشرہ کی عدل پر استواری ۵۰۶، قلم اور کتاب کا اخلاق سے تعلق ۵۰۷، اسلام کا تصور اخلاق ۵۰۷

ظ

ظفر علی خاں: گنجِ شائگاں (۴) ۲۳۹ — ۲۴۲
حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث جمع کرنا باعث فوزِ عظیم ہے۔ مولانا جامی نے اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر چالیس احادیث کا منظوم ترجمہ اربعین جامی کے نام سے فارسی میں کیا تھا مولانا ظفر علی خاں نے انہی احادیث کا ترجمہ اردو نظم میں کیا (ص ۲۳۹)

ظفر علی خاں: میرِ حجاز (۲) ۶۵۱ — ۶۵۳
رحمت خداوندی کا ظہور ۶۵۱، حریت اور آزادی کا دور ۶۵۲، عید میلاد النبیؐ ۶۵۲

ظفر نظامی نوشہروی: سرورِ کائناتؐ (غیر مسلم منکرین کی نظر میں)
(۴) ۴۸۰ — ۵۰۰
غیر مسلم منکرین نے رسولِ خداؐ کی خدمت میں اپنی تحریروں
میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں مختلف
منکرین کی تحریروں سے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ ہر اقتباس
ایک عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔

ظفر الدین، محمد: رحمتِ عالم کا پیش کردہ نظامِ حیات
(۳) ۶۸۷ — ۷۰۲
چالیس سال اپنوں میں ۶۸۷، زندگی کے تیس سالہ مکہ
اور مدینہ میں ۶۸۷، تعلیمات نبوی ۶۸۸، انسانیت کا
مقام ۶۸۸، مرکز و اجتماعیت ۶۸۸، نظامِ اجتماع
۶۸۹، نظامِ مساوات ۶۹۱، نظامِ عدل و انصاف ۶۹۲،
نظامِ جنگ اور انتقام ۶۹۳، نظامِ معیشت ۶۹۵،
نظامِ عفت و عصمت ۶۹۷، نظامِ امن و امان ۶۹۹،
نظامِ تعلیم ۷۰۰، نظامِ اخلاق و اعمال ۷۰۱

ع

عبد الحق انصاری، محمد: ابتدائے اسلام میں اخلاقی فکر کا
ارتقاء (۳) ۱۲۸ — ۱۵۲، قرآن و سنت میں اخلاق
۱۲۹، متکلمین کے اخلاقی تصورات ۱۳۸، فلسفیانہ
اخلاقیات ۱۴۱، تصوف کا اخلاقی آئیڈیل ۱۴۷

عبد الحکیم، خلیفہ: آزادی کا علمبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم
(۳) ۴۷۱ — ۴۷۵، اصل دین توحید ہے ۴۷۲،
غلاموں کو آزادی دینے کی ترغیب ۴۷۳، حقوق نسواں ۴۷۳،
غلامی کی دو قسمیں — سیاسی غلامی اور معاشی غلامی ۴۷۴

عبد الحکیم، خلیفہ: اسلام اور مذہبی رواداری (۳) ۶۶۶ — ۶۷۳
دینی آزادی کا مفہوم ۶۶۶، صلح پسندی ۶۶۷، یہود و
نصاریٰ سے مراعات ۶۶۷، عبادت گاہوں کا احترام
۶۶۸، آزادی و رواداری ۶۶۹، غیر مسلموں سے معاہدے
۶۷۰، تبلیغ کے طریقے ۶۷۱، بنیادی تصور ۶۷۲

عبد الحکیم، خلیفہ: اسلام کا سیاسی و معاشی تصور
(۳) ۵۹۷ — ۶۰۶ اخلاقی اور ذہنی نقطۂ نگاہ میں تبدیلی
۵۹۸، اسلامی مساوات ۵۹۸، اخلاق کی سطح کی بلندی
۵۹۹، اسلامی مملکت ۶۰۰، مملکتِ فلاح و خیر ۶۰۱، سود
کا خاتمہ ۶۰۲، حق ملکیت اور ذاتی جائداد ۶۰۳، زکوٰۃ کا آئین
۶۰۴، نظامِ زکوٰۃ کی اہمیت ۶۰۵

عبد الحکیم، خلیفہ: رحمۃ للعالمینؐ بحیثیت انسان کامل
(۳) ۲۱۸ — ۲۲۳ انسانوں کے اخلاق اچھے نمونوں سے
متاثر ہو کر عمدہ سانچوں میں ڈھلتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ
تعداد میں اچھے نمونے محمد رسول اللہ ہی کی زندگی میں مل سکتے
ہیں۔ ایسے ہی انسان کو انسان کامل کہہ سکتے ہیں۔ ص
(۲۲۳

عبد الحکیم، خلیفہ: نبی کریم کے بنیادی عناصر
(۳) ۴۵۵ — ۴۵۹ توحید — تعلیم محمدی کی اساس ۴۵۵،
دیگر ادیان میں تصور توحید ۴۵۶، اسلام میں خدا کا
تصور ۴۵۶، خدا انسان پر جبر روا نہیں رکھتا ۴۵۸،
اجتہاد کی ضرورت ۴۵۸، آپؐ کا اسوۂ حسنہ ۴۵۹

عبد الحمید صدیقی: عہد جاہلیت میں عربوں کے مذہبی معتقدات
(۳) ۵۶ — ۶۵ عرب میں بت پرستی کا آغاز ۵۶، عرب
کے مشہور بت اور بت کدے ۵۷، عربوں کی قومی بت پرستی ۵۹

عبد الرحمٰن عزام: تاجدارِ دو عالم کی فصاحت و بلاغت
(۴) ۱۵۱ — ۱۵۸ فصاحتِ نبوی ۱۵۱، آپؐ کا اندازِ گفتگو
۱۵۲، آپؐ کی معجز بیانی ۱۵۲، رسولِ خداؐ کے چیدہ کلمات ۱۵۲،

میدان عرفات میں آنحضرتؐ کا خطبہ ۶ ۱۵
عبدالرحمٰن عزام بک : رحمت و رافت کی روح رواں (۳) ۴۴۲ - ۴۴۸
آپؐ کی رحمت و رافت ۴۴۲، آنحضرتؐ کی جود و سخا ۴۴۳،
آپؐ مسکینوں کی صحبت میں رہتے ۴۴۳، غلاموں کے ساتھ
حسنِ سلوک ۴۴۴، غلاموں کو آزادی ۴۴۵، جانوروں
کے ساتھ نرمی اور رحم ۴۴۵، بچوں کے ساتھ محبت
۴۴۶، جنازہ کا احترام ۴۴۷، آپؐ کی رحمت و شفقت
تمام دُنیا کو گھیرے ہوئے ہے۔ ۴۴۸
عبدالرحمٰن عزام بک : بندگی کا انقلابی تصور (۴) ۴۸ - ۵۵
آپؐ کی عبادت ۴۸، آنحضرتؐ نے دین و دنیا کو ہم آہنگ
کر دیا ۴۸، غارِ حرا میں خلوت گزینی ۴۹، آپ محبتِ الٰہی
اور خشیتِ ایزدی سے لبریز تھے ۵۰، رہبانیت سے منع
فرمایا ۵۳، رسولِ خداؐ کی دعا ۵۴
عبدالرحمٰن ندوی دیکھیے ندوی، عبدالرحمٰن
عبدالرزاق، محمد: طبِ رسولؐ (۴) ۱۰۱ - ۱۰۵، کلونجی کے فوائد
چھوہارے کا استعمال ۱۰۱، قسطِ بحری اور زیت سے علاج کا حکم ۱۰۲، سنا
کے فوائد ۱۰۲، معدہ بدن کا حوض ہے ۱۰۳، بچھو کے کاٹے
کا علاج ۱۰۳، گوشت کھانے کے فوائد ۱۰۴، رات کا کھانا
۱۰۴، کھنبی آنکھوں کے لیے شفا ہے ۱۰۴، سوتی کپڑے
پہننے کے فائدے ۱۰۵
عبدالستار خان نیازی: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم (۳) ۲۴۷ - ۲۶۰
تمہید ۲۴۷، آغازِ کلام ۲۴۸، عقل کی حد کا تقاضا
عقل کرتی ہے ۲۴۹، انبیاء علیہم السلام کا تاریخی اور
عقلی منصب ۲۵۰، پیغمبروں کے درمیان تفریق نہیں
لیکن تفضیلت ہے ۲۵۴، پیغمبرؐ کی سنت سے اجماع
امت کا رشتہ ۲۵۵، عالمی مسائل اور پیغمبر اسلام ۲۵۶،
انسانیت کی نجات رحمۃ للعالمین کی پیروی میں ہے ۲۵۸،
ختم نبوت ۲۶۰
عبدالصمد صارم دیکھیے صارم، عبدالصمد
عبدالقدوس ہاشمی: سیرتِ طیبہ کا مطالعہ (۴) ۲۸۲ - ۲۸۵
سیرت کے مطالعے کی ضرورت ۲۸۲، سیرت طیبہ کی ہمہ
جہتی اہمیت ۲۸۴، انسانی زندگی کے مسائل اور سیرتِ پاکؐ
سے راہنمائی ۲۸۴
عبدالقیوم، پروفیسر: اُمی نبی کا مفہوم (۴) ۷۰۸ - ۷۱۴
امی لقب ۷۰۸، امی کا مطلب ۷۰۹، مفسرین کے نزدیک
امی کا مفہوم ۷۰۹، دورِ حاضر کے مفسرین کے نزدیک امی
کا مطلب ۷۱۱
عبداللہ سید محمد: سیرت نبویؐ کا پیغام عصرِ حاضر کے نام
(۳) ۲۶۶ - ۲۷۴ آنحضرتؐ کی جامع شخصیت ۲۶۶،
اسوۂ حسنہ ۲۶۷، اتحادِ اسلامی ۲۶۷، دعوتِ حق اور
آج کی زبان ۲۶۸، حضورؐ کی تعلیمات اور مغرب ۲۶۸،
مغرب کی پریشانیاں ۲۶۹، ایمان ۲۷۱، آپؐ کی تعلیمات
اور معاشی نظام ۲۷۲
عبداللہ قدسی: اسلام سے پہلے عرب کے تصورات
(۳) ۴۱ - ۵۵ مذاہب عرب ۴۳، بت پرستی ۵۰، توحید
۵۱، عرب میں یہودیت و نصرانیت ۵۲، عرب کا قانون
۵۳، عرب کا فلسفۂ اخلاق ۵۴
عبداللہ یوسف علی، علامہ: محمدؐ رسول اللہ (۲) ۲۰۴ - ۲۱۷
شخصیت اور کامیابی ۲۰۴، غیر مسلموں سے استدعا
۲۰۴، مناظرِ قدرت کا اثر ۲۰۵، خاندانی وجاہت ۲۰۵، صحرائی
تہذیب ۲۰۶، والدین ۲۰۷، بی بی حلیمہؓ ۲۰۶، قلب میں
انوارِ تجلیات ۲۰۸، ابوطالب ۲۰۸، تجارتی مراکز کا سفر ۲۰۹،

دیانت و امانت ۲۱۰، حضرت خدیجہؓ اور حضرت
فاطمۃ الزہرا ۲۱۰، بعثت کا اعلان ۲۱۲، صبر و استقلال
کی مستحکم چٹان ۲۱۲، دنیا نے پیغام حق کیسے سنا ۲۱۳،
عمر بن الخطابؓ ۲۱۴، ظلم و ستم کا دور ۲۱۵، مدینہ شریف
کی ہجرت ۲۱۵، رحم ۲۱۵، غزوات ۲۱۶، عالمگیر اخوت
۲۱۶، موجودہ زمانہ کا پیغام ۲۱۷
عبدالماجد دریا بادی: سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں
۲۳۲ـ۳۰۲ ظہور کی پیش خبریاں ۲۳۲ فضائل خصائص
اور مشاغل ۲۳۶، رسالت و بشریت ۲۵۴، معاصرین
۲۶۱، مشرکین ۲۶۴، منافقین ۲۸۰، مؤمنین ۲۹۲
عبدالماجد دریا بادی: سیرت نبویؐ کی روشنی میں سچی باتیں
(۲) ۲۶۱ ـ ۲۶۹ بابرکت نکاح ۲۶۱، دورِ جاہلیت
کی واپسی ۲۶۱، نیت عمل کا فرق ۲۶۲، مثالی ایفائے
عہد ۲۶۳، حب دنیا ۲۶۴، پابندیٔ عہد ۲۶۴، مقصودِ
زندگی ۲۶۵، جذبہ حب زر ۲۶۵ سہل الحصول نسخہ
۲۶۶، جشن ولادت ۲۶۷، جنتی بیوی ۲۶۷، حقیقتِ
دنیا ۲۶۸، رنگ و نسل ۲۶۹
عبدالواحد ہالے پوتا دیکھئے ہالے پوتا، عبدالواحد
علوی، اسحاق النبی: سیرت النبیؐ (توقیت کی روشنی میں)
(۲) ۵۲ ـ ۲۰۴ درست تاریخیں ۵۹، مہینوں
اور موسموں میں اختلاف ۶۰، موسمی مطابقت کی مثالیں
۶۳، تیسری قسم کی نامطابقتیں ۶۴ صحیح توقیت کی مثالیں
۶۶ توقیتی تضادات کی چوتھی قسم ۶۷، واقعاتی ترتیب
میں تضاد ۷۰، اہل مکہ کا نظام سنی ۷۹، مدنی کیلنڈر
۱۱۶، دو تقویمی نظریہ کی ابتداء ۱۲۰، توقیتی اختلافات کا
واقعاتی ترتیب پہ اثر ۱۲۳، ابن حبیب اور محبّر کی

حیثیت ۱۳۸، ہجرت ۱۵۲، سن ۲ اور ۳ ہجری کے
واقعات ۱۵۶، معرکہ احد اور غزوہ حمراء الاسد ۱۶۴،
غزوہ بدر موعد ۱۷۰، غزوہ ذات الرقاع ۱۷۳، صلح حدیبیہ
۱۷۷، غزوہ خیبر ۱۸۳، فتح مکہ ۱۸۵، غزوہ تبوک ۱۹۴
حجۃ الوداع ۱۹۸، جیش اسامہ اور رحلت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲۰۰)
علوی، سید بدرالدین: عہد نبوی میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین
(۱) ۲۶۹ ـ ۲۹۶ کتابت وحی ۲۶۹، سورتوں کی ترتیب
۲۷۱، عہد نبوی میں قرآن مجید کے چھ نسخے ۲۷۲، قرآن
مجید کی تعلیم دینے کا انتظام ۲۷۸، عہد نبوی کی ترتیب
اور موجودہ مصحف کی ترتیب میں مطابقت ۲۸۰
علی حافظ: مسجد نبوی (۴) ۵۶۰
علی شیر: آنحضرتؐ کی نسبت بعض عیسائیوں کی رائے
(۴) ۵۲۹ ـ ۵۳۸ آنحضرتؐ کی شکل و شمائل ۵۲۰،
آپ کا اعزاز خاندان ۵۳۰، آنحضرتؐ کی فصاحت ۵۳۰،
آنحضرتؐ کی معرفت اور دیگر خصائل ۵۳۰، آنحضرت کا
برسرحق ہونا ۵۳۱، تعلیم محمدی و اصلاحات ۵۳۲، آنحضرت
کی مقرر کردہ اذان ۵۳۴، تعلیم محمدی کی برکتیں ۵۳۴، اسلام
بزور شمشیر نہیں پھیلا ۵۳۵، آنحضرتؐ کا سلوک غیر
مذاہب کے ساتھ ۵۳۵، آنحضرتؐ کی نسبت اتہام مرض
صرع ۵۳۵،
عمرالدین: اسلام میں اخلاقی فکر کی ابتدا
(۳) ۱۵۳ ـ ۱۶۶ اخلاق قبل اسلام ۱۵۳، قرآن مجید کا اخلاق
۱۵۳، سنت کا اخلاق ۱۵۵، اخلاقی فکر کا اولین منظر ۱۵۷،
کلامی اخلاقیات ۱۵۹، معتزلہ ۱۵۹، اشاعرہ ۱۶۰، ماتریدیہ
۱۶۱، فلسفہ اخلاقیات ۱۶۱، کندی (م ۲۵۹ھ/۸۷۳ء)

۱۶۱، فارابی (م ۳۳۹ھ/۹۵۰ء) ۱۶۲، ابن سینا (م
۴۲۰ھ/۱۰۳۶ء) ۱۶۳، اخوان الصفا ۱۶۳، مسکویہ
(م ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) ۱۶۴، صوفیانہ اخلاق ۱۶۶
عنایت اللہ، شیخ: رسولِ اکرمؐ کے سیرت نگار (۱) ۷۰۹ — ۷۱۹
سیرت کے مطالعہ کی ضرورت ۷۰۹، سیرت نگاری کی
ابتدا ۷۱۰، سیرت نبویؐ کے قدیم مصادر ۷۱۰، امام زہری
۷۱۱، موسیٰ بن عقبہ ۷۱۱، سیرت ابن ہشام ۷۱۲، متقدمین
کی مؤلفات: کتاب المغازی مؤلفہ الواقدی ۷۱۴، کتاب
الطبقات الکبیر لابن سعد ۷۱۵، انساب الاشراف مؤلفہ
علامہ بلاذری ۷۱۵، تاریخ الرسل والملوک مؤلفہ امام طبری
۷۱۶، متاخرین کی تالیفات: کتاب الشفاء بتعریف حقوق
المصطفیٰ ۷۱۶، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل
والسیر ۷۱۷، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ۷۱۷، المواہب
اللدنیہ بالمنح المحمدیہ تالیف القسطلانی ۷۱۷، الخمیس فی
احوال انفس نفیس ۷۱۸، انسان العیون فی سیرۃ الامین
المامون ۷۱۸

غ

غلام جیلانی برق دیکھیے برق، غلام جیلانی
غلام السیدین، خواجہ: انسانِ کامل (۳) ۲۲۸ — ۲۴۶
آنحضرتؐ کے ابتدائی حالات ۲۲۹، صادق اور امین کا
خطاب ۲۳۰، غار حرا میں پہلی وحی ۲۳۰، اعلان نبوت کے وقت عرب کے
حالات ۲۳۲، اخلاق نبوی ۲۳۶، آداب جنگ کی
تعلیم ۲۳۹، اعجاز بلاغت کی چند مثالیں ۲۴۱، اسلام
کی تعلیم ۲۴۲
غلام مصطفیٰ خاں: اردو احادیث کے محاورے
(۴) ۵۹۰ — ۶۲۲ اس میں حضورؐ کی ایسی احادیث
نقل کی گئی ہیں جو اردو میں محاورات یا ضرب الامثال
کی طرح بولی جاتی ہیں، اردو شعراء کے اشعار بھی درج کئے
گئے ہیں۔
غلام مصطفیٰ خاں: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات
(۳) ۴۳۵ — ۴۴۱
غلام مصطفیٰ خاں: ہمہ قرآن در شان محمد (۱) ۸۹ — ۲۰۲
"آپ کی حیات طیبہ کا ایک ایک واقعہ قرآن کی ترجمانی کرتا
ہے اور اس کے احکام کی صحیح عملی تصویر پیش کرتا ہے"
(ص۔ ۸۹) سو اس مقالے میں سورۃ الفاتحہ سے لے کر
سورۃ الناس تک اس موضوع کو واضح کیا گیا ہے

ف

فاروقی، محمد طاہر: غزوات نبویؐ (۴) ۳۱۶ — ۳۲۱
جہاد کا حکم ۳۱۶، قریش کا یہود کو اکسانا ۳۱۷، غزوہ بدر
۳۱۸، غزوہ احد ۳۱۸، غزوہ خندق ۳۱۹، قریش یہود
اور منافقین — تین بڑے گروہ ۳۱۹، فتح مکہ ۳۱۹، غزوۂ
تبوک ۳۱۹، نتائج جنگ ۳۲۰
فاروقی، نثار احمد: انسانیت کا منشورِ آزادی
(۴) ۷۴۳ — ۷۴۶، اس میں خطبہ حجۃ الوداع کو زیر بحث
لایا گیا ہے اس فصیح و بلیغ خطبے کے اقتباسات اردو ترجمے
کی صورت میں دیئے گئے ہیں۔ آخر میں دس اصول بیان
کئے گئے ہیں جو اس خطبے سے ماخوذ ہیں
فاروقی، نثار احمد: رسالات النبویہ یعنی رسول اکرمؐ فخر عالم و
آدم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتخب مکتوبات و فرامین
کا اردو متن، مع ترجمہ و مختصر حواشی (۲) ۲۰۵ — ۲۶۶
مقالہ نگار نے اس مقالے میں آنحضرتؐ کے مکتوبات اور
دستاویزات کا انتخاب دیا ہے۔ اردو ترجمہ بھی متن کے ساتھ

موجود ہے نثار احمد فاروقی مقدمہ میں رقمطراز ہیں "رسولؐ اللہ کے (۲۵۰ سے زائد) مکاتیب اور وثائق مختلف مصادر میں ملتے ہیں اور یکجا سب سے زیادہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی قابل قدر کتاب الوثائق السیاسیہ میں دیئے گئے ہیں" (ص۔ ۱۲۵) زیر حوالہ مقالے میں جو مکتوبات اور دستاویزات شامل کئے گئے ہیں، اُن کی تعداد ۹۹ ہے

فاروقی، نثار احمد: طبقات ابن سعد (سیرت نبوی کا قدیم ماخذ)

(۱) ۴۹۸ — ۵۶۲ محمد بن عمر الواقدی ۵۰۰، ابن سعد کے شیوخ ۵۰۲، وفات ۵۰۵، طبقات اور ان کی تدوین ۵۰۶، ابن سعد کے دوسرے مآخذ ۵۰۷، تقسیم طبقات ۵۱۱، طبقات کی اہمیت ۵۱۳، طبقات ابن سعد میں سیرۃ کا مواد ۵۱۶، مکتوبات وفرامین ۵۲۱، اہل کتاب سے تعلقات ۵۲۲، آنحضرت کے فضائل واخلاق اور سیرۃ طیبہ ۵۲۴، طبقات ابن سعد میں مغازی اور مدنی زندگی کا بیان ۵۴۰

فخر الدین، فواد: حضورؐ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا۔ ترجمہ از خلیل حامدی (۲) ۴۴۹ — ۴۵۳

دعوتِ حق کا ابلاغ ۴۵۰، تواضع اور رواداری ۴۵۰، عام مساوات ۴۵۱، اسلامی اور انسانی اخوت ۴۵۱، اعتماد علی النفس ۴۵۳

فراق، ناصر نذیر: تصویر ہجرت (۴) ۷۲۴ — ۷۲۹

ہجرت کے لئے تیاری ۷۲۶، غار ثور میں قیام ۷۲۸، مدینہ کی طرف روانگی ۷۲۹، حضور کا مدینہ میں استقبال ۷۲۹

فواد فخر الدین دیکھئے فخر الدین، فواد

ق

قدوسی، اعجاز الحق۔ رسولؐ اکرم کی سیرۃ طیبہ دائمی نمونۂ عمل ہے (۴) ۲۲۲ — ۲۳۶ حسنِ معاملہ اور ایفائے عہد ۲۲۲، جوہر انصاف ۲۲۳، عفو و درگزر ۲۲۴، جود و سخا ۲۲۴، خرید و فروخت کے آداب ۲۲۵

قطب، سید: ہمارا پرچم انقلاب — لا الٰہ الا اللہ (۴) ۷ — ۱۵ مکی دور کا بنیادی مسئلہ ۷، کار رسالت کا آغاز اسی مسئلہ سے ہوا ۸، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قومیت کے نعرہ سے کیوں کام کا آغاز نہیں کیا ۹، قومی نعرے کو اختیار نہ کرنے کی وجہ ۱۰، آپؐ نے اقتصادی انقلاب کا طریق کار کیوں نہ اختیار کیا ۱۱، ایسا طریق کار اختیار نہ کرنے کی وجہ ۱۱، آپ نے اصلاح اخلاق کی مہم سے دعوت کا آغاز کیوں نہ کیا ۱۲، اس طریقہ میں کیا کمزوری تھی ۱۳، ہمہ گیر انقلاب ۱۳، یہ انقلاب عظیم کیسے برپا ہوا ۱۴، نظام حق کی کامیابی کا واحد راستہ ۱۵

ک

کارلائل، ٹامس: سید الانبیاءؐ (۴) ۵۳۹ — ۵۴۷

حضرت محمدؐ پیغمبرِ صادق ہیں ۵۳۹، سفرِ شام اور راہب سے ملاقات ۵۴۰، مدینہ میں دس سال کی جدوجہد ۵۴۳، آپؐ کی صفات ۵۴۵، اسلام نور کا ظہور تھا ۵۴۶

کوثر نیازی: پیغمبرِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم (۴) ۱۶ — ۳۲ اسلامی انقلاب ۱۶، اسلام سے قبل دنیا کی حالت ۱۶، روم اور ایران ۱۷، اسلام سے پہلے دنیا کی مذہبی حالت ۱۹، مذہبی رواداری کا ارتقاء ۲۱، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی تعلیمات ۲۳، سیاسی تعلیمات ۲۳، آزادی نسواں ۲۴، اقتصادی تعلیمات ۲۵، علم و مشاہدہ کی ضرورت پر زور ۲۸

گ

گلزار احمد: خاتم النبیینؐ کا بچپن (۴) ۵۶۱ — ۵۷۱

آپ کا خاندان ۵۶۲، حلیمہ سعدیہ کی خدمات ۵۶۲،

جناب آمنہ کا یثرب کا سفر ۵۶۶، حضرت عبدالمطلب
کی کفالت ۵۶۶، حضرت ابوطالب اور آپؐ کی نگہداشت
۵۶۶، حضرت ابوطالب کے ہمراہ سفر شام ۵۶۷
گلزار احمد: غزواتِ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم
(۴) ۳۲۲ — ۳۷۰ غزوات نبوی پر تحقیق کی ضرورت
۳۲۲، میثاق مدینہ ۳۲۵، غزوہ بدر ۳۳۶، غزوہ احد
۳۴۵، غزوہ خندق ۳۵۳، صلح حدیبیہ ۳۶۲، فتح خیبر
۳۶۴، موتہ کی لڑائی ۳۶۷، فتح مکہ ۳۶۹
گلزار حسین: دورِ نبوی میں عرب قوم (۴) ۱۵۹ — ۱۶۱
جاہلیت ۱۶۱، عائلی زندگی ۱۶۱، معاشرتی برائیاں ۱۶۱،
سادہ زندگی ۱۶۰، ایفائے عہد ۱۶۲، مہمان نوازی ۱۶۳،
احساس برتری ۱۶۰، راست گوئی ۱۶۱
گیلانی، سید محمد عبدالستار: علوم عرب (۴) ۸۳ - ۸۸
علم متن اللغتہ ۸۴، علم الصرف ۸۴، علم النحو ۸۴،
علم المعانی ۸۶، علم البیان ۸۶، علم البدیع ۸۶، علم
القوانی ۸۶، علم النقد ۸۷، علم الحساب ۸۷
گیوم، الفرڈ: ابن اسحٰق اور سیرۃ الرسول اللہ، ترجمہ تحسین فراقی
(۱) ۴۱۰ — ۴۵۱ ابن اسحٰق۔ تعارف ۴۱۰، سیرت: سیرت
کے پیش رو ۴۱۲، خصوصیات ۴۱۸، شاعری ۴۲۱،
گم شدہ اصل نسخے کی تفویض ۴۲۶، ابن اسحٰق کی شہرت
۴۳۰، ترجمہ و متن ۴۳۸، مدیر ابن ہشام ۴۳۹، موسیٰ
بن عقبہ کی گمشدہ کتاب کا کچھ حصہ ۴۴۱، حواشی ۴۴۷

م

مالک رام: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
(۳) ۱۷۲ — ۱۷۵ اکلمہ میں آنحضرتؐ کا اسم گرامی توحید
خالص کا اعلان ہے اس کا پڑھنے والا عہد کرتا ہے کہ
آج سے میں کسی غیر اللہ کی عبادت نہیں کروں گا۔
(ص - ۱۷۵)
ماہر القادری: محمدؐ عبدہٗ و رسولہٗ (۳) ۲۲۴ — ۲۲۷
قیصر کے ابوسفیان سے رسولِ خداؐ کے بارے میں سوالات
۲۲۵، مدینے میں ورود مسعود اور آپؐ کا استقبال ۲۲۶،
اخلاق نبویؐ ۲۲۷
مائرگانی، محمد جمعہ: سرور کونینؐ اور سماجی انصاف۔ ترجمہ از وحید
عثمانی (۳) ۴۰۵ — ۴۰۸
مکہ والوں کا ظالمانہ رویہ ۴۰۶، ہجرت نبوی ۴۰۶، مدینے
میں ورود مسعود ۴۰۷، اسوۂ رسولؐ پر عمل کی اہمیت ۴۰۸
محمد اجمل اصلاحی دیکھئے اصلاحی، محمد اجمل
محمد اسلم ملک: مدینہ کی قدیم تاریخ (۲) ۴۲۲ — ۴۶۸
شہر کب آباد ہوا ۴۲۳، مدینہ کا قدیم نام ۴۲۴، یہود کی
آمد ۴۲۵، یہود کا بسایا ہوا شہر یثرب ۴۲۷، یثرب کہاں
واقع تھا؟ ۴۲۸، یہود نے یثرب کی سکونت کیوں ترک
کی؟ ۴۲۹، اوس اور خزرج کی آمد ۴۳۰، بعاث ۴۳۱،
قبائلی تقسیم ۴۳۴، یثرب کی تعمیرات اور مکانات ۴۳۵،
ہجرت کی نوعیت ۴۳۸، دارالخلافہ کے لئے جگہ کا انتخاب
۴۳۹، حرم مدینہ ۴۴۳، حرم مدینہ کی حدود ۴۴۴، اسلام
میں اولین مسجد کی تعمیر ۴۴۵، مسجد نبویؐ کی تعمیر ۴۴۶،
ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے ۴۴۹، دارالخلافہ کی تعمیر کا تصور
۴۵۱، مہاجرین کی آبادکاری ۴۵۳، شہر کی توسیع ۴۵۵،
گلی کوچے ۴۵۶، حمام اور طہارت خانے ۴۵۷،
بیت الخلا ۴۵۸، قبرستان اور عیدگاہ ۴۵۹، باغات
۴۵۹، خندق ۴۶۰، سرکاری مہمان خانہ ۴۶۰، مدینہ
کی مساجد ۴۶۲، مدینہ کی فوجی چھاؤنی ۴۶۵، مدینہ کا بازار
۴۶۸

محمد اسلم ملک: مکہ کی قدیم تاریخ (۲)، ۴۰۲ — ۴۲۱
مکہ مکرمہ کی بنیاد ۴۰۲، حضرت اسمٰعیلؑ کی بنی جرہم
میں شادی ۴۰۶، خاندانِ اسمٰعیلؑ خانۂ خدا کا متولی
۴۰۸، مکہ کے حکمران ۴۰۹، قطے کا مکے پر قبضہ کرنا ۴۱۲،
شہر مکہ کی آبادی اور تعمیری منصوبہ اور وقت گزرنے کے
ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں ۴۱۴
محمد اسماعیل آزاد دیکھیے آزاد، محمد اسماعیل
محمد اشرف: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم (۳)، ۱۹۱ — ۲۰۳
رحمۃ للعالمین ۱۹۱، اللہ تعالےٰ کی رحمت و شفقت
۱۹۴، دینِ اسلام کی رحمت و رافت ۱۹۷، رحمتِ
محمدیہ اور نظامِ اقتصاد و معاشیات ۱۹۹
محمد اشرف خاں، رسولؐ اللہ کے عہد کا اقتصادی اور معاشی نظام
(۴)، ۷۳۰ — ۷۳۸
دینِ توحید ۷۳۰، نظامِ حیات ۷۳۱، بنیادی حقوق
۷۳۲، عادلانہ نظام ۷۳۲، سرمایہ دارانہ نظام ۷۳۴،
اشتراکی نظام ۷۳۵، طبقاتی کشاکش ۷۳۶، حدودِ
الٰہی ۷۳۷
محمد انوار الحق دیکھیے انوار الحق، محمد
محمد جعفر شاہ پھلواری دیکھیے جعفر شاہ پھلواری، محمد
محمد جمعہ مائرگانی دیکھیے مائرگانی، محمد جمعہ
محمد چراغ علی خاں دیکھیے چراغ علی خاں محمد
محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی دیکھیے، شروانی، محمد حبیب الرحمٰن خاں
محمد حسام الدین شریفی دیکھیے، شریفی، محمد حسام الدین
محمد الحسنی، سید (مترجم)، بارگاہِ نبوی میں از سید ابوالحسن ندوی
(۴)، ۷۱۵ — ۷۲۳
محمد حفیظ اللہ پھلواری دیکھیے حفیظ اللہ پھلواری، محمد۔

محمد حمید اللہ دیکھیے حمید اللہ، محمد
محمد حنیف ندوی دیکھیے ندوی، محمد حنیف
محمد زاہد: دربارِ رسالتؐ کا پیغمبرانہ طمطراق (۴)، ۶۲۳ — ۶۲۶
تعیینِ اوقات ۶۲۳، بحث و گفتگو کے مسائل و موضوعات
۶۲۴، عملیات کی پایہ شناسی ۶۲۴، شگفتہ مزاجی ۶۲۴،
عورتوں کے لیے انتظام ۶۲۵، صحبتِ نبویؐ کے فیوض ۶۲۶
محمد سالم توحیدی دیکھیے، توحیدی، محمد سالم
محمد سلیمان منصور پوری: وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعالمین
(۴)، ۵۸۰ — ۵۸۹، قرآن مجید میں للعالمین کا لفظ کن کن
اشیا یا اشخاص کے متعلق آیا ہے ۵۸۰، آپ عالمین کے
لیے رحمت ہیں ۵۸۱، آپ کا یہودیوں کے ساتھ معاہدہ
۵۸۴، رحمت کے مختلف پہلو ۵۸۵
محمد صالح: آدابِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام (۴)، ۶۸۳ — ۷۰۲
صدیق اکبرؓ کا طریق ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۶۸۴،
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اپنے باپ کو آنحضرتؐ کی گستاخی کرنے
کے سبب طمانچہ مارنا ۶۸۵، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے منبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر بیٹھنا خلافِ ادب
سمجھا ۶۸۶، حضرت عمر خطابؓ کا طریق ادب رسول صلی اللہ
علیہ وسلم ۶۸۶، حضرت عثمانؓ کا طریق ادب رسول صلی اللہ علیہ
وسلم ۶۸۷، حضرت علیؓ کا طریق ادب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ۶۸۹۔ حضرت علی کا نماز عصر کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث قضا کرنا ۶۹۰، حضرت
قباث عثمان و عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کا ادب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ۶۹۱، حضرت براء بن عازبؓ کا طریق
ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۶۹۲، حضرت ابوہریرہؓ
کا ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۶۹۳، حضرت اسلع بن
شریکؓ کا ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۶۹۳، امام

جعفر صادق کا طریق ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۶۹۴، امام
مالک بن انس رض کا طریق ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۶۹۴، حضرت ابو محذورہ رض کا طریق ادب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ۶۹۵، خالد بن ولید رض کا طریق ادب رسول صلی اللہ
علیہ وسلم ۶۹۵، امیر معاویہ کا ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۶۹۵۔ عبداللہ بن عمر کا ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ۶۹۶۔ حضرت محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی تعظیم و تکریم کا زندگی اور بعد وصال یکساں واجب
ہونا ۶۹۷، روضہ مبارک کے قریب میخ گاڑنے پر عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تہدیدی حکم ۶۹۷، مسجد نبوی میں
چلا کر بولنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری حکم ۶۹۷،
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ ابو جعفر کو مسجد نبوی میں چلا
کر بولنے پر ڈانٹنا ۶۹۸، صحابۂ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے نام مبارک کے ساتھ باادب کہتے ۷۰۰، آپ کے نام مبارک
کا ادب کافر بھی کرتے تھے ۷۰۰، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ
کا طریق ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۰۱، امام
بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ادب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ۷۰۱، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا طریق ادب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۰۱، سلطان محمود غزنوی کا طریق ادب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۰۲

محمد صغیر حسن معصومی دیکھیے معصومی، محمد صغیر حسن

محمد صلاح الدین دیکھیے، صلاح الدین، محمد

محمد طاہر فاروقی دیکھیے، فاروقی محمد طاہر

محمد طیب، قاری: سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول
(۱) ۳۸ - ۵۱، آپ کا خلق (سیرت) اور قرآن
۳۸، حدیث قرآن کی شرعی تفسیر ۳۹، قرآن اور دعوت
فکر ۴۲، عصری مسائل کے حل کے لیے سیرت نبوی کی
ضرورت و اہمیت ۴۷

محمد ظفیر الدین دیکھیے، ظفیر الدین، محمد

محمد عبدالحکیم شرف قادری، دیکھیے شرف قادری، محمد عبدالحکیم

محمد عبدالرزاق دیکھیے، عبدالرزاق، محمد

محمد کرم شاہ: نبی کریم بحیثیت معلم اخلاق (۴)، ۲۴۱ - ۲۴۸،
معاشرے میں حقوق و فرائض ۲۴۱، لفظ خلق کی تشریح
۲۴۲، مکارم اخلاق کی تکمیل ۲۴۴، انداز تعلیم ۲۴۵،
جن چیزوں کو حسن اخلاق کہا گیا ہے، وہ کیا ہیں ۲۴۶،

محمد مبارک: دین رسول اور دیگر مذاہب فکر (۴) ۵۰۱ - ۵۲۵
اسلام اور دور جدید ۵۰۱، یورپ جس سے ہم دوچار ہیں
۵۰۲، شخصیتوں کا اختلاط ۵۰۵، اسلامی مصنوعات
میں رنگ آمیزی ۵۰۶، اسلامی نظام میں نسبتوں کی تعیین
۵۰۹، اسلام اور جدید مشکلات کا مقابلہ ۵۱۲، نصوص
کو سمجھنے میں دقت ۵۱۲، جدید حالات میں شریعت کے
قوانین کی تطبیق ۵۱۳، اصطلاحات اور جدید تصنیفات
۵۱۶، نئی قسمیں ۵۱۸، جمہوریت اور اشتراکیت ۵۲۰،
جمہوریت ۵۲۰، اشتراکیت ۵۲۱، اسلام کی اشتراکیت
۵۲۴، مفہومات کی تشریح ۵۲۴۔

محمد مظہر الدین صدیقی دیکھیے، مظہر الدین صدیقی، محمد

محمد نعیم الدین زبیری دیکھیے زبیری، محمد نعیم الدین

محمد ہادی حسن دیکھیے ہادی حسن، محمد

محمد یسین مظہر صدیقی دیکھیے مظہر صدیقی، محمد یسین

محمد حسن: وحی (۲) ۶۸۳ - ۷۳۴
وحی کا مفہوم ۶۸۳، حامل وحی کی صداقت ۶۸۴،
وحی کی تکذیب اور تحریف ۶۹۱، لا ایمان لمن لا
امانۃ لہ ۶۹۸، کار خلافت کے لیے علمی و جسمانی قوت
کی ضرورت ۷۰۲، فطرت سلیم کو فاسد کرنے والے اسباب

۱۱۷، عصمت انبیاء ۱۱۷، بارِ امانت کو سہل و
آسان بنانے کے لیے انبیاء کی ضرورت ۲۲۲، علم وحی
اور صفتِ امانت کے حصول کی اہمیت ۲۲۳
محمود حسن شیخ الہند (شریکِ مقالہ) حقیقتِ توحید اور حقیقتِ
وحی از امین احسن اصلاحی و شیخ الہند محمود حسن
(۲) ۲۶۷ — ۳۲۷
محمود عبدالحلیم (شیخ الازہر) جوہرِ خلق رسول (صلی اللہ علیہ
وسلم) ترجمہ از ڈاکٹر سید مطلوب حسین (۴) ۲۲۸ — ۲۳۱
آپ کا اخلاق قرآن تھا ۲۲۸، آپ کو اخلاق عالیہ اور
اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے فائز کیا گیا تھا، ۲۳۰
مرتضیٰ حسین فاضل، سید: آنحضرت کی پہلی سیاسی فتح (ہجرت
حبشہ) (۳) ۵۷۶ — ۵۹۶
بصیرتِ نبوت کا اعجاز ۵۷۶، ابرہہ کا کعبہ پر حملہ
۵۷۸، جناب عبدالمطلب کی ابرہہ سے ملاقات ۵۷۹،
حبشہ کی جانب پہلی ہجرت ۵۸۱، پہلا مہاجر گروہ ۵۸۲
روانگی ۵۸۲، جعفر بن ابی طالب کی سربراہی ۵۸۷، قریش
کا وفد ۵۸۸، حضور شاہ میں اہلِ حق کی آزمائش ۵۸۹،
جعفر بن ابی طالب کا خطبہ ۵۸۹، حضرت ابوطالب
اور امدادِ اسلام ۵۹۳، حبشہ کے عیسائیوں کے وفد
کی روانگی ۵۹۴، ایک عجیب واقعہ ۵۹۵، خلاصۂ
نتیجہ ۵۹۵، مصادر و مراجع ۵۹۶
مسعود الرحمٰن خان ندوی دیکھیے ندوی، مسعود الرحمٰن خان
مطلوب حسین، سید (مترجم) جوہرِ خلق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
از شیخ الازہر عبدالحلیم محمود (۴) ۲۲۸ — ۲۳۱
مظہر الدین صدیقی، محمد: اسلام اور جنسی مساوات
(۳) ۴۹۹ — ۵۰۶، جنسی مساوات سے مراد ۴۹۹

قبل اسلام عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت ۵۰۰،
اسلام کی تعلیم میں عورت کے حقوق ۵۰۲، ماں کا بلند مقام
۵۰۴، عورتوں اور مردوں کے فرائض ۵۰۶
مظہر الدین صدیقی، محمد: انسانیت اسلام سے پہلے
(۳) ۷ — ۲۰، بعثت نبوی کے وقت دنیا کی سیاسی
اور اقتصادی حالت ۷، زن و مرد کی عدم مساوات ۱۱،
ترک دنیا اور رہبانیت کا زور ۱۴، انسانی فکر و نظر کا
انحطاط ۱۶
مظہر صدیقی، محمد لیسین: تاریخ یعقوبی — سیرت نبوی کا ایک
قدیم ماخذ (۱) ۵۶۳ — ۵۹۴، تاریخی پس منظر ۵۶۳،
مصنف: حیات و رجحانات ۵۶۵، تاریخی یعقوبی میں
سیرت نبوی کا مواد ۵۷۳، تعلیقات و حوالہ جات ۵۸۷
معصومی، محمد صغیر حسن: نقشِ پیمبر — سماجی انصاف (۳) ۲۲۹ — ۲۴۳
سماجی انصاف ۲۲۹، اسلامی معاشرہ کو "امت وسط"
کا لقب ملا ۲۳۰، اسلامی مساوات ۲۳۲، معاملات
کے بارے میں ہدایات ۲۳۲، سماجی انصاف اور جہاد ۲۴۳
معین الحق: سیرت نگاری کے چند پہلو (۱) ۷۰ — ۸۰
سیرت کے متعلق ہمعصر ماخذ کی کثرت ۷۱، تدوین حدیث
۷۲، اسلام میں فن تاریخ نویسی ۷۳، عروہ بن زبیر
پر پروفیسر واٹ کی تنقید ۷۵، تاریخ اسلام پر مستشرقین
کے اعتراضات ۷۹،
معین الدین احمد شاہ دیکھیے احمد شاہ، معین الدین
مفتاحی، محمد ظفر الدین: رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظام
حیات (۴) ۶۶۸ — ۶۸۲
اسلامی آئینی حکومت ۶۶۸، انسانی عظمت کا اعلان ۶۶۸،
دعوت توحید ۶۶۹، مساوات اور اخوت انسانی ۶۷۰،

شرافت کا معیار ۶۷۰، اسلامی عبادت میں مساوات کا مظاہرہ
۶۷۱، نیکوکار کا درجہ ۶۷۱، انصاف اور عدل ۶۷۱، انصاف
میں کوئی جذبہ حائل نہ ہونے پائے ۶۷۱، مشورہ کی اہمیت ۶۷۲،
صحابہؓ کرام کا عمل ۶۷۳، امیر جماعت کی اطاعت ۶۷۳،
حکمران کے فرائض ۶۷۳، ایک صحابی کی تقریر ۶۷۴، جنگ و
انتقام ۶۷۴، جذبہ صلح و آشتی ۶۷۵، درگذر کا درجہ ۶۷۵،
انسانیت کا لحاظ ۶۷۵، دین کے سلسلہ میں زبردستی نہیں
۶۷۵، آنحضرت کا عمل ۶۷۶، فتنہ ختم ہونے کے بعد امن
۶۷۶، دوسری حکومتوں سے تعلقات ۶۷۷، رواداری
۶۷۷، محتاجوں اور معذوروں کے لئے انتظام ۶۷۸، قانون
امن و سلامتی ۶۷۹، عفت و عصمت کا لحاظ ۶۸۰، تعلیم و
تربیت ۶۸۱، اخلاق و اعمال کی پاکیزگی ۶۸۲

مقبول احمد نظامی سیوہاروی: ہجرتِ رسولؐ
(۴) ۶۲۷ — ۶۳۳ ہجرت کا مطلب ۶۲۷، ہجرت کا
باعث ۶۲۸، حبشہ کی جانب ہجرت ۶۲۹، مدینہ کی
جانب ہجرت ۶۳۰، سفر ہجرت کے واقعات ۶۳۲

ملا واحدی: سرورِ کائناتؐ کا دربار (۳) ۶۲۹ — ۶۳۳
مسجد نبوی کے اجلاس ۶۲۹، دربار کی سادگی ۶۲۹، دربار
نبویؐ میں مساوات ۶۳۰، حاضرین کے ساتھ بے تکلفی ۶۳۱
آپ کا طریق تعلیم ۶۳۱، حضورؐ کی مجالس میں اثر آفرینی ۶۳۲

مناظر احسن گیلانی، سید: مدنی زندگی (۲) ۴۹۱ — ۵۱۲
مسجد نبوی کی تعمیر اور "صفہ" کے مدرسہ کا قیام ۴۹۲، تحویل
قبلہ ۴۹۲، داخلی نظم و نسق ۴۹۳، خارجی تعلقات ۴۹۷،
عورت کا مقام ۵۰۲، تخلیق انسان کی غرض و غایت ۵۰۹

منہاج، عبدالرحیم: شانِ محمدؐ بزبان بائیبل (۴) ۵۲۶ — ۵۲۸
اس میں آنحضرتؐ کی بعثت کی پیشگوئی، جو حضرت عیسٰی
نے دی تھی، بیان کی گئی ہے۔

مودودی، سید ابوالاعلیٰ: نبوت محمدیؐ پر قرآن میں استدلال (چند اہم
نکات) (۱) ۲۰۳ — ۲۱۱ امی ہونے سے نبوت پر استدلال
۲۰۳، نبوت سے پہلے کی زندگی سے استشہاد ۲۰۶، قرآن
ایک معجزانہ کلام اور نبوت کی دلیل ہے ۲۱۰

مہر، غلام رسول: حجۃ الوداع (۴) ۷۴۷ — ۷۵۲
حضور صلعم کا عزم حج ۷۴۷، تلبیہ کی معنوی حیثیت ۷۴۸،
مکہ مکرمہ میں داخلہ ۷۴۸، ایک ارشاد کی توضیح ۷۴۸، کیفیت
حج ۷۴۹، حضور صلعم کے خطبات ۷۴۹، عالمگیر مساوات
۷۴۹، اسلامی اخوت ۷۵۰، امن و سلامتی کی راہ ۷۵۱، گمراہی
سے بچنے کا طریقہ ۷۵۱، تکمیل دین ۷۵۲

ن

نامعلوم: جغرافیہ اسلامی عہد میں (۴) ۱۴۸ — ۱۵۰
معروف مسلمان جغرافیہ دان ۱۴۹، جغرافیہ کی قاموس کی طرز پر
ترتیب ۱۴۹، سیاحت ۱۴۹

نامعلوم: معلم انسانیت کی پسندیدہ غذائیں (۴) ۲۷۴ — ۲۸۱
شہد ۲۷۴، کھجور ۲۷۵، گوشت ۲۷۷، کدو ۲۷۸، ثرید و
حلوہ ۲۷۹، سالن روٹی ۲۷۹، دودھ ۲۸۰

ناصر، نصیر احمد: رسولؐ اللہ کے اسوۂ حسنہ کے سترہ نکات
(۳) ۲۷۰ — ۲۸۷ معرفت میرا راس المال ہے ۲۷۶، عقل
میرے دین کی اساس ہے ۲۷۷، محبت میری بنیاد ہے ۲۷۸،
شوق میرا مرکب (سواری) ہے ۲۷۸، ذکر الٰہی میرا انیس ہے
۲۷۹، اعتماد میرا خزانہ ہے ۲۸۰، غم میرا رفیق ہے ۲۸۰،
علم میرا ہتھیار ہے ۲۸۱، صبر میرا لباس ہے ۲۸۲، رضا میرا
مالِ غنیمت ہے ۲۸۳، عجز میرا فخر ہے ۲۸۳، زہد میرا پیشہ
ہے ۲۸۴، یقین میری قوت ہے ۲۸۴، صدق میرا حامی و

سفارشی ہے ۲۸۵، طاعت میری کفایت کرنے والی ہے
۲۸۶، جہاد میرا خلق ہے ۲۸۶، نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک
ہے ۲۸۷
ناصر نذیر فراق دیکھیے فراق، ناصر نذیر
نثار احمد فاروقی دیکھیے فاروقی، نثار احمد
ندوی، ابوالجلال: فخر موجودات (آنحضرتؐ کی مکی زندگی)
(۲) ۴۶۹ — ۴۹۰ ایام قبل نبوت ۴۷۰، آغاز نبوت
۴۷۶، ایام وحی والہام ۴۷۶، آغاز دعوت ۴۷۸، سابقین
اولین ۴۸۱، انذار عشیرہ ۴۸۱، دار الارقم ۴۸۴، اسلام
حمزہؓ ۴۸۵، اسلام عمرؓ ۴۸۶، حصار شعب ۴۸۷،
انشقاق قمر ۴۸۸
ندوی، سید ابوالحسن علی: بارگاہ نبوی میں ترجمہ از سید محمد الحسنی
(۴) ۱۵ — ۲۳، علماء و ائمہ کا درود وسلام ۱۶، صوفیہ
کا درود وسلام ۱۷، صالح، عبادت گزار اور عفیف خواتین
کے جذبات تشکر و عقیدت کا اظہار ۱۷، ائمہ نحو ولغت و
بلاغت کا سلام ۱۸، سلاطین کا ہدیۂ درود وسلام
۲۰، شعراء کے جذبات عقیدت ۲۱
ندوی، سید ابوالحسن علی: بعثت محمدی سے پہلے
(۳) ۹۳ — ۱۲۷ چھٹی صدی مسیحی کی دنیا ۹۳، اقوام و مذاہب
پر ایک نظر ۹۴، مسیحیت چھٹی صدی عیسوی میں ۹۴،
رومی سلطنت میں مذہبی خانہ جنگی ۹۵، اجتماعی بدنظمی اور
معاشی بے چینی ۹۶، یورپ کی شمالی و مغربی قومیں ۹۷، یہود
۹۸، ایران اور وہاں کی تخریبی تحریکات ۹۹، ایران کی شاہ
پرستی ۱۰۰، ایرانیوں کی قوم پرستی ۱۰۲، آتش پرستی اور انسانی
زندگی پر اس کے اثرات ۱۰۲، بودھ مت اور اس کے
تغیرات ۱۰۲، وسط ایشیا کی قومیں ۱۰۴، ہندوستان مذہبی
اجتماعی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے ۱۰۴، نت نئے دیوتا ۱۰۴،
جنسی بحران ۱۰۶، طبقہ واریت ۱۰۶، بدقسمت شودر ۱۰۹،
ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت ۱۰۹، عرب ۱۱۰،
دور جاہلیت کے بت ۱۱۰، معبودوں کی کثرت ۱۱۱، اخلاقی و
اجتماعی امراض ۱۱۲، عورت کا درجہ ۱۱۲، قبائلی و خاندانی
عصبیت ۱۱۳، جنگجو فطرت ۱۱۴، دنیا کا عمومی جائزہ ۱۱۴،
زمانۂ جاہلیت کا سیاسی و معاشی نظام ۱۱۶، مطلق العنان
بادشاہت ۱۱۶، مصر و شام کی رومی حکومت ۱۱۷، ایران میں
خراج اور ٹیکس وصول کرنے کا انتظام ۱۱۸، شاہی خزانے
اور ذاتی دولت ۱۱۹، طبقاتی تفاوت ۱۱۹، ایران کے
کسان ۱۲۰، حکام کا رویہ ۱۲۱، مصنوعی معاشرت اور
پرعشرت زندگی ۱۲۱، حکومت کی دولت ستانی ۱۲۴،
عوام کی خستہ حالی ۱۲۵، سرکش دولت مند اور خود فراموش
مفلس ۱۲۵،
ندوی، سید ابوالحسن علی: پندرھویں صدی ہجری — ماضی و حال
کے آئینہ میں (۱) ۹ — ۳۷
ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کی یلغار ۱۲، دسویں صدی
ہجری میں ہندوستان میں دین الٰہی کی تحریک ۲۰، شیخ
احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۷۹ھ) کا
اس کے خلاف جہاد ۲۱، ہندوستان میں اصلاحی اور تجدیدی
تحریکیں ۲۲،
بیرون ہند کی اسلامی تحریکیں ۲۳، چودھویں صدی ہجری میں
اسلامی حکومتوں کا قائم ہونا ۲۷، پندرھویں صدی ہجری
میں عالم اسلام کے لیے دس نکاتی پروگرام ۳۰
ندوی، سید ابوالحسن علی: سیرت نگاری کی ذمہ داریاں (۱) ۸۱ — ۸۸
سیرت نگار کے لیے حسن بیان، حسن ترتیب اور حسن
انتخاب کی ضرورت ۸۲، عقل و جذبات دونوں کی کارفرمائی

۸۲، چھٹی صدی عیسوی کی عالمگیر جاہلیت سے
سیرت نگاری کی واقفیت ۸۳، مقالہ نگار کی سیرت
نبویؐ کے متعلق تالیف ۸۸
ندوی، سید ابوالحسن علی: عالم عربی کی قیادت (۳) ۵۶۲-۵۶۷
عالم عربی کی اہمیت ۵۶۲، محمد رسول اللہ عالم عربی
کی روح ہیں ۵۶۲، ایمان عالم عربی کی طاقت ہے
۵۶۴، شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت ۵۶۴
طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ ۵۶۶، تجارت
اور مالی نظام میں خود مختاری ۵۶۶، انسانیت کی سعادت
کے لیے عربوں کی ذاتی قربانی ۵۶۷
ندوی، سید ابوالحسن علی: نبوت کا عطیہ (۳) ۳۷۵-۳۸۰
خدمت انسانیت اور حکماء و فلاسفہ ۳۷۵، ادباء و شعراء
کی جماعت ۳۷۶، فاتحین کی جماعت ۳۷۶، سائنسدانوں
کا گروہ ۳۷۷، انبیاء کا گروہ ۳۷۷، تعلیمات محمدیہ
کے معاشرے پر اثرات ۳۸۰
ندوی، عبدالرحمٰن: اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۳) ۱۶۷-۱۷۱
اس میں سرکار رسالت مآبؐ کے نام مبارک محمدؐ کے
چند خصائص بیان کیے گئے ہیں۔
ندوی، محمد حنیف: آنحضرتؐ کا اسلوب دعوت و ارشاد
(۴) ۴۴-۴۷، آپؐ کے انداز وعظ و نصیحت
کی خصوصیات ۴۴، تبلیغ دین کی مثالیں ۴۵
ندوی، محمد حنیف: قرآن حکیم اور اطاعت رسول
(۱) ۳۰۳-۳۱۱
آنحضرتؐ کی اطاعت ۳۰۱، آپؐ کا منصب و فرائض
۳۰۶، قرآن میں تصور رسالت و نبوت ۳۰۹
ندوی، محمد حنیف: قرآن سے مظہر نبوت کی تشریح
(۱) ۲۲۱-۲۳۱
نبوت کے بارے میں شسرو کا نقطہ نظر ۲۲۲، مظہر
نبوت کی تشریح ۲۲۲، تصور نبوت کے بارے میں ڈاکٹر
صبحی صالح کی عرفیت پسندی ۲۲۵، وحی کا مفہوم
۲۲۷، نبوت کی اس روایت سے کلیسا کا انحراف ۲۲۹
ندوی، مسعود الرحمٰن خاں: ابن کثیر (سیرت نگار رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم) (۱) ۶۴۶-۶۹۰
خلاصہ سیرت: سیرت یا حیات طیبہ ۶۵۱، ماقبل ہجرت
واقعات ۶۵۱، مابعد ہجرت واقعات ۶۵۲، شمائل یا
صفات و اخلاق مبارکہ ۶۵۷، دلائل یا آپ کی زندگی کے اعجازی گوشے
۶۵۷، مصادر و مآخذ (سیرت) سیر و مغازی اور تاریخ کی کتابیں شمائل
کی کتابیں ۶۷۳، دلائل کی کتابیں ۶۷۴، قرآن شریف کی تفسیریں ۶۷۹،
آسمانی کتابیں ۶۸۰، حدیث کے مجموعے ۶۸۱، تراجم اور
نقد رجال کی کتابیں ۶۸۵، حاصل بحث: طریقہ کار ۶۸۷،
علمی دیانت ۶۸۸، تنقیدی غیر جانب داری ۶۸۸،
ترتیب کتاب ۶۸۹، اسلوب بیان ۶۸۹، مقبولیت
۶۸۹، خاتمہ ۶۹۰
ندیم الواجدی: سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو (۱) ۵۲-۶۹
سیرت کیا ہے؟ ۵۲، حدیث اور سیرت میں فرق ۵۲، سیرت اور تاریخ
میں فرق ۵۷، سیرت نگاری کی ابتداء ۶۰، سیرت کی چند کتابوں کا تعارف
۶۳، سیرت کے مآخذ ۶۵، سیرت کی ضرورت کیا ہے ۶۸،
نصیر احمد ناصر دیکھئے ناصر، نصیر احمد
نظامی، محمد فیاض الدین (مترجم): قصیدہ بردہ شریف از محمد شرف
الدین البوصیری (۲) ۷۴۰-۷۶۰
نعیم صدیقی: رسول اللہؐ۔ ایک نظر میں (۲) ۷-۴۲
ایک جامع لفظی تصویر ۱۲، لباس ۱۳، وضع قطع اور آرائش

۱۷، رفتار ۱۸، تکلم ۱۸، خطابت ۲۴، عام سماجی روابط
۲۶، خالص نجی زندگی ۳۰، اکل و شرب ۳۲، نشست و
برخاست ۳۵، بشری حاجات ۳۵، سفر ۳۵، جذبات
۳۶، ذوق مزاح ۳۷، تفریحات ۳۹، چند متفرق
ذوقیات ۴۱، اخلاق ۴۲

نوری، اقبال احمد: رسول اللہ کی بین الاقوامیت (۲)، ۵۲۵ـ۵۵۴،
عرب ۵۲۵، عرب کی وجہ تسمیہ ۵۲۵، مختلف تفصیلات
۵۲۵، عرب کی تہذیب، اخلاق اور معاشرتی حالت
۵۲۶، بین الاقوامی رسول ۵۲۷، سوانح رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم ۵۲۷، سلسلہ نسب ۵۲۷، حضرت
ہاشم کی تولیت کعبہ ۵۲۸، عبدالمطلب ۵۲۹، چاہ زمزم
کی دوبارہ کھدائی ۵۲۹، ذبیح اللہ حضرت عبداللہ
۵۲۹، حضرت عبداللہ کی شادی ۵۲۹، حضرت عبداللہ
کا انتقال ۵۳۰، ولادت رسول عالم ۵۳۰، ولادت
اور چند خصوصیات ۵۳۲، حضور کے اسماء مبارک
۵۳۳، ایام رضاعت ۵۳۳، میلاد کی خوشی منانے
والا ابولہب ۵۳۳، حلیمہ سعدیہ رض ۵۳۴، مکہ کا چاند
اور حلیمہ کا گھر ۵۳۶، حلیمہ کے گھر خیر و برکت کی بارش
۵۳۶، مفت کا دارالشفاء ۵۳۸، دُرِّ یتیم گہوارے
میں ۵۳۸، نورِ خدا کا نوری کھلونا ۵۳۸، قوت گویائی
۵۳۸، سات ماہ کی عمر میں چلنا ۵۳۹، بچپن کے کھیل
۵۳۹، بکریاں چرانا ۵۴۰، بے مثل بشر کا شق صدر ۵۴۱
مکہ میں واپسی ۵۴۱، والدہ ماجدہ کی آغوش شفقت
سے جدائی ۵۴۳، عبدالمطلب کی کفالت ۵۴۵،
عبدالمطلب بھی رخصت ہوتے ہیں
۵۴۵، ابوطالب کی سرپرستی ۵۴۷، حضور کے اشارے
پر پانی برسنا ۵۴۷، ملک شام کا سفر ۵۴۸، حرب فجار
میں شرکت ۵۴۸، مبارک عہد ۵۴۸، قافلہ تجارت کے
ساتھ ملک شام کا دوسرا سفر ۵۴۹، حضرت بی بی خدیجہ رض
کے مختصر حالات زندگی ۵۴۹، ایک حسین خواب ۵۵۱،
حضور کی بی بی خدیجہ رض کے قافلے میں شمولیت ۵۵۱، مکہ
سے روانگی ۵۵۲، دوست و دشمن ۵۵۲، دو تھکے
اونٹوں کا دستِ شفا سے کھڑا ہو جانا ۵۵۲، نسطورا راہب
۵۵۳، بصریٰ کا بازار ۵۵۴، قدوم مبارک کی برکت ۵۵۴

و

وحید عثمانی (مترجم)، سرورِ کونین اور سماجی انصاف از محمد حمید بارگانی
(۳)، ۴۰۵ـ۴۰۸

ہ

ہاشمی فرید آبادی، سید: عطیاتِ محمدی (۲)، ۴۰۲ـ۴۰۴
توحید الٰہی ۴۰۳، مساواتِ انسانی ۴۰۳، ربا (سود) کی
قطعی حرمت ۴۰۳، قمار و مسکرات کی ممانعت ۴۰۴، جہاد
۴۰۴، تعداد ازدواج ۴۰۴

ہالے پوتا، عبدالواحد: انقلابِ محمدی (۴)، ۴۰ـ۴۳
انبیاء اور انقلاب ۴۰، انقلابِ محمد ۴۱، آپ کی تعلیمات کا
انقلاب آفریں اثر ۴۱، آپ کی جامع کمالات اور بے مثال
شخصیت ۴۲

ہورووٹس، جوزف: سیرتِ نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین
ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱ـ۸۱۶
مغازی کی ابتداء ۷۲۱، ابان بن عثمان ۷۲۲، عروہ بن الزبیر
۷۲۶، شرجیل بن سعد ۷۳۴، وہب بن منبہ ۷۳۵، ابن
اسحٰق کے شیوخ: عبداللہ بن ابی بکر ۷۳۹، عاصم بن عمر ۷۴۴، ابن شہاب
الزہری ۷۴۵، الزہری کے تلامذہ: موسیٰ بن عقبہ ۷۵۳، معمر
بن راشد ۷۵۶، محمد بن اسحٰق ۷۵۷، ابن اسحٰق کے بعد: ابو معشر
السندی ۷۶۸، الواقدی ۷۷۰، الواقدی کی کتب ۷۷۷، محمد
بن سعد ۷۸۳، حوالہ جات ۷۸۶

مقالات

ا

آداب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام : محمد صالح
(۴) ۶۸۳ - ۷۰۳

آزادی کا علمبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم : خلیفہ عبدالحکیم
(۳) ۴۷۱ - ۴۷۵

آنحضرتؐ کا اسلوب دعوت وارشاد : محمد حنیف ندوی
(۴) ۴۴ - ۴۷

آنحضرتؐ کی پہلی سیاسی فتح (ہجرت حبشہ) : سید مرتضیٰ حسین فاضل
(۳) ۵۷۹ - ۵۹۶

آنحضرتؐ کی نسبت بعض عیسائیوں کی رائے ۔ علی شبیر
(۴) ۵۲۹ - ۵۳۸

ابتدائے اسلام میں اخلاقی فکر کا ارتقاء : محمد عبدالحق
انصاری (۳) ۱۲۸ - ۱۵۲

ابن الجوزی اور سوانح رسول صلی اللہ علیہ وسلم
غلام جیلانی برق (۱) ۷۰۱ - ۷۰۸

ابن حزم الاندلسی اور جوامع السیرۃ : ڈاکٹر احسان عباس (د)
ڈاکٹر ناصرالدین اسد ۔ ترجمہ و اضافہ
از محمد اجمل اصلاحی (۱) ۵۹۵ - ۶۱۴

ابن اسحٰق اور "سیرۃ الرسول اللہ" : الفریڈ گیوم
ترجمہ از تحسین فراقی (۱) ۴۱۰ - ۴۵۱

ابن کثیر (سیرت نگار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) :
مسعود الرحمٰن خان ندوی (۱) ۶۴۶ - ۶۹۰

ابن ہشام اور سیرت ابن ہشام : محمد اجمل اصلاحی
(۱) ۴۵۲ - ۴۹۷

ادب نبوی : سید شمیم احمد (۴) ۷۴ - ۸۲

اردو احادیث کے محاورے : ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
(۴) ۵۹۰ - ۶۲۲

اسلام اور جنسی مساوات : محمد مظہر الدین صدیقی
(۳) ۴۹۹ - ۵۰۶

اسلام اور جہاد : محمد جعفر شاہ پھلواری
(۴) ۲۹۸ - ۳۱۵

اسلام اور مذہبی رواداری : خلیفہ عبدالحکیم (۳) ۶۶۶ - ۶۷۳

اسلام سے پہلے عرب کے تصورات : عبداللہ قدسی
(۳) ۴۱ - ۵۵

اسلام کا بنیادی فلسفہ : شبیر احمد (۳) ۷۱۲ - ۷۲۱

اسلام کا سیاسی ومعاشی تصور : خلیفہ عبدالحکیم
(۳) ۵۹۷ - ۶۰۶

اسلام میں اخلاقی فکر کی ابتداء : عمرالدین
(۳) ۱۵۳ - ۱۶۶

اسلامی انقلاب کا اثر جاہلی معاشرے پر : حبیب احمد
(۳) ۶۶ - ۸۵

اسلامی عہد میں تعلیم نسواں : احمد شبلی
(۴) ۱۰۶ - ۱۱۴

اسلامی معاشرہ اور نابینا افراد: محمد اسماعیل آزاد
(۳) ۴۷۶—۴۹۸
اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم: عبدالرحمٰن ندوی (۳) ۱۶۷—۱۷۱
اُمی نبی کا مفہوم: پروفیسر عبدالقیوم (۴) ۴۰۸—۴۱۴
انسان کامل: خواجہ غلام السیدین (۳) ۲۲۸—۲۴۶
انسانیت اسلام سے پہلے: محمد مظہرالدین صدیقی
(۳) ۷—۲۰
انسانیت کا منشور آزادی: نثار احمد فاروقی (۴) ۴۷۲—۴۷۶
انقلاب محمدی: عبدالواحد ہالے پوتا (۴) ۳۰—۴۲
اوصاف رسول: مفتی محمد انوار الحق (۴) ۱۶۳—۲۲۷

ب

بارگاہ نبوی میں: سید ابوالحسن علی ندوی (۴) ۷۱۵—۷۲۲
برباد شاہ اور عرب: خالد کمال مبارک پوری
(۴) ۵۵۰—۵۵۴
بعثت محمدی سے پہلے: سید ابوالحسن ندوی
(۳) ۹۳—۱۲۷
بندگی کا انقلابی تصور: عبدالرحمٰن عزام بک
(۴) ۴۸—۵۵

پ

پندرھویں صدی ہجری۔ ماضی وحال کے آئینہ میں:
سید ابوالحسن علی ندوی (۱) ۹—۲۷
پہلے سیرت نگار۔ حضرت عروہ بن الزبیر: خلیل ابراہیم
ترجمہ از محمد اجمل اصلاحی (۱) ۳۹۷—۴۰۹
پیغام محمد: ابوالکلام آزاد (۳) ۳۰۶—۳۲۷
پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم: عبدالستار خان نیازی
(۳) ۲۴۷—۲۶۰
پیغمبر اسلام کا پیغام امن وسلام: زین العابدین سجاد میرٹھی
(۳) ۴۴۰—۴۷۰
پیغمبر انسانیت خدا کی نظر میں: قاری محمد عبداللہ سلیم
(۱) ۲۱۲—۲۲۰
پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم: کوثر نیازی
(۴) ۱۶—۳۲
پیغمبر پُرسحر: محمد چراغ علی خاں (۴) ۶۴۱—۶۴۶

ت

تاجدار دوعالم کی فصاحت وبلاغت: عبدالرحمٰن عزام
(۴) ۱۵۱—۱۵۸
تاجدار مدینہ کی گھریلو زندگی: محمد سالم توحیدی
(۴) ۲۳۷—۲۴۰
تاریخ یعقوبی۔ سیرت نبوی کا ایک قدیم ماخذ: محمد لیٰسین
مظہر صدیقی (۱) ۵۶۳—۵۹۴
تصویر ہجرت: ناصر نذیر فراق (۴) ۷۲۴—۷۲۹

ج

جناب رسالت مآب کا ادبی تبصرہ: علامہ ڈاکٹر محمد اقبال
(۴) ۶۴۷—۶۴۸
جناب رسالت مآب کی شگفتہ مزاجی: ارشد میر
(۴) ۲۶۹—۲۷۳
جغرافیہ اسلامی عہد میں: نامعلوم (۴) ۱۴۸—۱۵۰
جوہر خلق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم): عبدالحلیم محمود
ترجمہ سید مطلوب حسین (۴) ۲۲۸—۲۳۱

ح

حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے: سید سلیمان ندوی
(۲) ۳۳۰—۳۴۱

حجۃ الوداع: غلام رسول مہر (۴)، ۷۴۷ — ۷۵۲
حضور اکرمؐ اور تبلیغ: محمد جعفر شاہ پھلواری
(۳) ۴۱۴ — ۴۱۷
حضورِ اکرمؐ اور تعددِ ازواج: محمد جعفر شاہ پھلواری
(۴) ۶۵۴ — ۶۶۷
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیات: غلام مصطفےٰ خاں
(۳) ۴۳۵ — ۴۴۱
حضورؐ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا: فواد فخرالدین۔
ترجمہ از خلیل حامدی (۳) ۴۴۹ — ۴۵۴
حقیقتِ توحید اور حقیقتِ وحی: امین احسن اصلاحی (د)
شیخ الہند محمود حسن (۲)، ۲۶۷ — ۳۲۷
حیاتِ نبویؐ میں غاروں کی اہمیت: سید جلال حامدی
(۴) ۶۳۴ — ۶۴۰

خ

خاتم النبیینؐ کا بچپن: گلزار احمد (۴)، ۵۶۱ — ۵۷۱
خطبہ حجۃ الوداع: ترجمہ از حکیم محمد نعیم الدین زبیری
(۲) ۷۳۵ — ۷۳۹
خلقِ عظیم: محمد صلاح الدین (۴)، ۵۷۲ — ۵۷۹

د

دربارِ رسالتؐ کا پیغمبرانہ طمطراق: محمد زاہد (۴)، ۶۲۳ — ۶۲۶
الدُّرر فی اختصار المغازی والسیر: شوقی ضیف
ترجمہ از محمد اجمل اصلاحی (۱)، ۶۱۵ — ۶۳۶
دعوتِ نبویؐ کے اصول و مقاصد: معین الدین احمد شاہ
(۳) ۶۷۴ — ۶۸۶
الدفاع فی الاسلام: ابو سلیمان شاہجہانپوری
(۴) ۲۸۷ — ۲۹۷

دنیا سے قبل از اسلام پر ایک نظر: سید امیر علی
ترجمہ محمد ہادی حسن (۳)، ۲۱ — ۴۰
دورِ نبویؐ میں عرب قوم: گلزار حسین (۴)، ۱۵۹ — ۱۶۱
دینِ رسولؐ اور دیگر مذاہبِ فکر: محمد مبارک (۴)، ۵۰۱ — ۵۲۵

ذ

ذکر الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم: محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی
(۳) ۱۸۲ — ۱۹۰

ر

رحمتِ عالمؐ کا پیش کردہ نظامِ حیات: محمد ظفیر الدین
(۳) ۶۸۷ — ۷۰۲
رحمتِ عالمؐ کا ہمہ گیر انقلاب: سید ابوبکر غزنوی (۴)، ۳۳ — ۳۹
رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظامِ حیات:
محمد ظفیر الدین مفتاحی (۴) ۶۶۸ — ۶۸۲
رحمت و رأفت کی روح: عبدالرحمٰن عزام بک
(۳) ۴۴۲ — ۴۴۸
رحمۃ للعالمینؐ: قائد اعظم محمد علی جناح (۳)، ۱۶۷ — ۱۷۱
رحمۃ للعالمینؐ بحیثیت انسان کامل: خلیفہ عبدالحکیم
(۳) ۲۱۸ — ۲۲۳
الرسالات النبویۃ، یعنی رسول اکرم فخرِ عالم و آدم محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتخب مکتوبات و فرامین کا اردو متن مع
ترجمہ و مختصر حواشی: نثار احمد فاروقی (۲)، ۲۰۵ — ۲۶۶
رسالتؐ نامہ۔ دریا بہ حباب اندر: غلام جیلانی برق
(۲) ۴۳ — ۵۰
رسولِ اکرمؐ کا معاشی نظام: شیر محمد خاں اعوان
(۳) ۷۲۲ — ۸۲۸
رسولِ اکرمؐ کی سیرۂ طیبہ دائمی نمونۂ عمل ہے: اعجاز الحق قدوسی
(۴) ۲۳۲ — ۲۳۶

رسول اکرمؐ کے سیرت نگار: ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ
(۱) ۷۰۹ — ۷۱۹
رسول اللہ اور طبقۂ نسواں: بیگم خدیجۃ النسا ایم سراج
(۳) ۵۰۷ — ۵۱۷
رسولؐ اللہ اور طرزِ معاشرت: سید رشید احمد ارشد
(۳) ۴۱۸ — ۴۲۶
رسول اللہؐ — ایک نظر میں: نعیم صدیقی (۲) ۷ — ۴۲
رسول اللہ کی بین الاقوامیت: اقبال احمد نوری
(۳) ۵۲۵ — ۵۵۴
رسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ کے ستّرہ نکات: نصیر احمد ناصر
(۳) ۲۷۰ — ۲۸۷
رسولؐ اللہ کے عہد کا اقتصادی اور معاشی نظام: محمّد اشرف خان
(۴) ۷۳۰ — ۷۳۸
رسول اللہ کے عہد میں نظامِ عدل: ایس اے رحمٰن
(۳) ۶۵۲ — ۶۶۵

س

سرورِ کائناتؐ (غیر مسلم منکرین کی نظر میں): ظفر نظامی نوشہروی
(۴) ۴۸۰ — ۵۰۰
سرورِ کائناتؐ کا دربار: ملا واحدی (۳) ۶۲۹ — ۶۳۲
سرورِ کائنات کا رویّہ منافقوں سے: رئیس احمد جعفری
(۳) ۵۱۸ — ۵۲۴
سرورِ کائنات کی حکومت: ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۳) ۶۰۷ — ۶۲۲
سرورِ کائناتؐ کے حقوق امت پر: اشرف علی تھانوی
(۳) ۴۲۷ — ۴۳۴
سرورِ کونینؐ اور سماجی انصاف: محمد جمعہ مارگانی - ترجمہ
وحید عثمانی (۳) ۴۰۵ — ۴۰۸

سلطنت اور دین کا تعلق: سید سلیمان ندوی
(۳) ۳۴۲ — ۳۶۴
سیاست نبویؐ کا ایک اہم پہلو: خالد مسعود (۳) ۵۷۳ — ۵۷۵
سید الانبیاءؐ: ٹامس کارلائل (۴) ۵۳۹ — ۵۴۷
سیرتِ رسولؐ قرآن کی روشنی میں: عبدالماجد دریا بادی
(۱) ۲۳۲ — ۳۰۲
سیرتِ طیبہ کا مطالعہ: عبدالقدوس ہاشمی (۴) ۲۸۲ — ۲۸۵
سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول: قاری محمد طیب
(۱) ۳۸ — ۵۱
سیرت نبویؐ (توقیت کی روشنی میں): اسحٰق النبی علوی
(۲) ۵۲ — ۲۰۴
سیرتِ نبویؐ کا پیغام عصرِ حاضر کے نام: ڈاکٹر سید
محمد عبداللہ (۳) ۳۶۶ — ۳۷۴
سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور اُن کے مؤلفین:
جوزف ہورووتس - ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
(۱) ۷۲۱ — ۸۱۶
سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں سچی باتیں: عبدالماجد دریابادی
(۳) ۲۶۱ — ۲۶۹
سیرت نگاری کی ذمّہ داریاں: سید ابوالحسن علی ندوی
(۱) ۸۱ — ۸۸
سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو: ندیم الواجدی (۱) ۵۲ — ۶۹
سیرت نگاری کے چند پہلو: سید معین الحق (۱) ۷۰ — ۸۰

ش

شانِ محمدؐ بزبان بائبل: عبدالرحیم منہاج (۴) ۵۲۶ — ۵۲۸
شیم الحبیب: الٰہی بخش کاندھلوی - ترجمہ
اشرف علی تھانوی (۴) ۲۴۹ — ۲۶۸

ص

صدرِ اسلام میں دینی علوم کے ارتقا کا اجمالی جائزہ : شبیر احمد خاں غوری (۴) ۵۷ — ۷۳

ط

طبِ رسول : محمد عبدالرزاق (۴) ۱۰۱ — ۱۰۵

طبِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) : سید امین الدین (۴) ۹۲ — ۱۰۰

طبقات ابن سعد (سیرتِ نبوی کا قدیم ماخذ) : نثار احمد فاروقی (۱) ۴۹۸ — ۵۶۲

ظ

ظہورِ قدرت : رگھوناتھ راؤ درد (۴) ۴۳۳ — ۴۳۷

ظہورِ قدسی : افضل حق (۴) ۴۰۴ — ۴۰۷

ظہورِ قدسی : شبلی نعمانی (۲) ۲۳۸

ع

عالمِ عربی کی قیادت : سید ابوالحسن علی ندوی (۳) ۵۶۲ — ۵۷۲

عرب اور علومِ طبیہ : ابو محمد ثاقب کانپوری (۴) ۸۹ — ۹۱

عطیاتِ محمدی : سید ہاشمی فرید آبادی (۳) ۴۰۲ — ۴۰۴

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی : محمد عبدالحکیم شرف قادری (۱) ۶۹۱ — ۷۰۰

علومِ عرب : سید محمد عبدالستار گیلانی (۴) ۸۳ — ۸۸

عہدِ جدید کے مسائل اور آنحضرت کا پیغام : شرف الدین اصلاحی (۳) ۷۰۳ — ۷۱۱

عہدِ رسول میں نظامِ تعلیم : سید رشید احمد ارشد (۴) ۱۲۸ — ۱۳۶

عہدِ جاہلیت میں عربوں کے مذہبی معتقدات : عبدالحمید صدیقی (۳) ۵۶ — ۶۵

عہدِ نبوت کے عمرانی اور تمدنی مسائل : حمید زمان صدیقی (۳) ۲۴۴ — ۲۴۸

عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہؓ کی تعلیمی سرگرمیاں : خلیل حامدی (۴) ۱۳۷ — ۱۴۰

عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم : محمد حمید اللہ (۴) ۱۱۵ — ۱۲۷

عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار : ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۳) ۵۵۵ — ۵۶۱

عہدِ نبوی کے اصولِ سیاسیات : ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۳) ۶۴۴ — ۶۵۱

عہدِ نبوی کے حربی ایرانی تعلقات : ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۳) ۶۳۴ — ۶۴۳

عہدِ نبوی میں علمی ترقیاں : محمد حنیف اللہ پھلواری (۴) ۱۴۱ — ۱۴۷

عہدِ نبوی میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین : سید بدرالدین علوی (۱) ۳۶۹ — ۳۹۶

عہدِ نبوی میں نظامِ حکومت : سید سلیمان ندوی (۲) ۳۶۵ — ۳۹۹

غ

غزواتِ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم : گلزار احمد (۴) ۳۲۲ — ۳۷۲

غزواتِ نبوی : محمد طاہر فاروقی (۴) ۳۱۶ — ۳۲۱

ف

فخر موجودات (آنحضرت کی مکی زندگی)، الجلال ندوی (۲) ۴۶۹ — ۴۹۰

ق

قاضی عیاض : محمد عبدالحکیم شرف قادری (۱) ۶۳۷ — ۶۴۵

قرآن، اسلام اور رسول (غیر مسلموں کی نظر میں) : عبدالصمد صارم (۴) ۴۴۷ — ۴۷۹

قرآن حکیم اور اطاعتِ رسولؐ : محمد حنیف ندوی (۱)، ۳۰۳ — ۳۱۱

قرآن سے مظہر نبوت کی تشریح : محمد حنیف ندوی
(۱)، ۲۲۱ — ۲۳۱

قصیدہ بردہ شریف : محمد شرف الدین البوصیری : فارسی ترجمہ
از ملا محمد عبدالرحمن جامی، اردو ترجمہ از محمد فیاض نظامی
بہزاد دکن (۲)، ۷۴۰ — ۷۶۰

ک

کارنامہ سیرت، تاریخ کی بے رحم کسوٹی پر : ابوالکلام آزاد
(۳)، ۲۸۹ — ۳۰۵

کتاب اللہ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ :
تمنا عمادی (۱)، ۳۵۱ — ۳۶۸

کتبِ سابقہ کی بشارتیں : حسن میاں پھلواری (۳)، ۴۳۸ — ۴۴۶

گ

گنجِ شائگاں : ظفر علی خاں (۴)، ۷۳۹ — ۷۴۲

ل

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ : مالک رام
(۳)، ۱۷۲ — ۱۷۵

م

محفلِ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم : علامہ ڈاکٹر محمد اقبال
(۴)، ۶۴۹ — ۶۵۰

محمد و عیسیٰؑ : اے۔ جی۔ بھٹی (۴)، ۵۴۸ — ۵۴۹

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : علامہ عبداللہ یوسف علی ۲۰۴ — ۲۱۷

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نذیر حق
(۲)، ۵۱۳ — ۶۸۲

محمد عبدہٗ و رسولہٗ : ماہر القادری (۳)، ۲۲۴ — ۲۲۷

مدنی زندگی : سید مناظر احسن گیلانی (۲)، ۴۹۱ — ۵۱۲

مدینہ کی قدیم تاریخ : محمد اسلم ملک (۲)، ۴۲۲ — ۴۶۸

معلم انسانیت کی پسندیدہ غذائیں : نامعلوم (۴)، ۲۷۴ — ۲۸۱

مکہ کی قدیم تاریخ : محمد اسلم ملک (۲)، ۴۰۲ — ۴۲۱

مہاتِ رسولؐ : غلام جیلانی برق (۴)، ۳۷۳ — ۴۳۲

میرِ حجاز : ظفر علی خاں (۴)، ۶۵۱ — ۶۵۲

ن

نبوتِ محمدیؐ پر قرآن میں استدلال (چند نکات) :
سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱)، ۲۰۳ — ۲۱۱

نبوت کا عطیہ : سید ابوالحسن علی ندوی (۲)، ۳۷۵ — ۳۸۴

نبیؐ اپنے گھر میں : امین احسن اصلاحی (۲)، ۳۸۵ — ۳۹۵

نبی اکرمؐ اور اصلاحِ معاشرہ : محمد حسام الدین شریفی
(۲)، ۴۰۹ — ۴۱۳

نبی اکرمؐ بحیثیت داعی الی الحق : پروفیسر خورشید احمد
(۳)، ۳۹۶ — ۴۰۱

نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں : ڈاکٹر اسرار احمد
(۳)، ۳۳۸ — ۳۶۵

نبیؐ بحیثیت ایک مدبر اور ماہرِ سیاست : امین احسن اصلاحی
(۲)، ۶۲۳ — ۶۲۸

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم : محمد اشرف (۳)، ۱۹۱ — ۲۰۳

نبی کریمؐ بحیثیت معلم اخلاق : محمد کرم شاہ
(۴)، ۲۴۱ — ۲۴۸

نبی کریمؐ کا مقصد بعثت (قرآن حکیم کی روشنی میں) :
ڈاکٹر اسرار احمد (۱)، ۳۱۲ — ۳۵۰

نبی کریمؐ کے بنیادی عناصر : خلیفہ عبدالحکیم
(۳)، ۴۵۵ — ۴۵۹

نقشِ پیمبر — سماجی انصاف : محمد صغیر حسن معصومی
(۳)، ۷۲۹ — ۷۳۳

و

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ :
محمد سلیمان منصور پوری (۴) ۵۸۰ — ۵۸۹
وحی : محمود حسن (۲) ۶۸۳ — ۷۳۴

ہ

ہجرتِ رسولؐ : مقبول احمد نظامی سیوہاری
(۴) ۶۲۷ — ۶۳۳

ہمارا پرچم انقلاب ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ :
سید قطب شہید (۴) ۷ — ۱۵
ہمہ قرآن در شان محمدؐ : غلام مصطفٰی انجاں
(۱) ۸۹ — ۲۰۳
ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم :
بشیر الدین پنڈت (۴) ۵۵۵ — ۵۵۹

موضوعات

ا

آزادی

عبدالحکیم خلیفہ: آزادی کا علمبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم
(۳) ۴۷۱ — ۴۷۵

ابان بن عثمان (م ۱۰۵ھ ؟)

ہورووتس، جوزف: سیرتِ نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین۔ ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
(۱) ۷۲۱ — ۸۱۶

ابن اسحٰق (۸۵ھ — ۱۵۱ھ)

گیوم، الفریڈ: ابن اسحٰق اور "سیرۃ الرسول اللہ"۔ ترجمہ از تحسین فراقی
(۱) ۴۱۰ — ۴۱۵

ہورووتس، جوزف: سیرتِ نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین
ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱) ۷۲۱ — ۸۱۶

ابن الجوزی (۵۱۰ھ — ۵۹۷ھ)

برات، غلام جیلانی: ابن الجوزی اور سوانح رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۱) ۷۰۱ — ۷۰۸

ابن حزم الاندلسی (۳۸۴ — ۴۵۶)

احسان عباس، ڈاکٹر واسد، ناصر الدین، ڈاکٹر: ابن حزم الاندلسی اور جوامع السیر۔ ترجمہ و اضافہ از محمد اجمل اصلاحی
(۱) ۵۹۵ — ۶۱۴

ابن سعد (۱۶۸ھ — ۲۳۰ھ)

نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر: طبقات ابن سعد (سیرت نبوی کا قدیم ماخذ (۱) ۴۹۸ — ۵۶۲

ہورووتس، جوزف: سیرتِ نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین
ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱) ۷۲۱ — ۸۱۶

ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ)

شوقی ضیف: الدرر فی اختصار المغازی والسیر
ترجمہ از محمد اجمل اصلاحی (۱) ۶۱۵ — ۶۳۶

ابن کثیر (۷۰۱ھ — ۷۷۴ھ)

ندوی، مسعود الرحمٰن خان: ابن کثیر (سیرت نگار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۱) ۶۴۶ — ۶۹۰

ابن ہشام (م ۲۱۸ھ)

اصلاحی، محمد، محمد اجمل: ابن ہشام اور سیرت ابن ہشام
(۱) ۴۵۳ — ۴۹۷

ابو معشر السندی (م ۱۷۰ھ)

ہورووتس، جوزف: سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین
ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱) ۷۲۱ — ۸۱۶

اخلاقِ نبوی

ارشد میر: جنابِ رسالت مآب کی شگفتہ مزاجی
(۴) ۲۶۹ — ۲۷۳

اقبال، علا، ڈاکٹر محمد: محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(۴) ۶۴۹ — ۶۵۰

انوار الحق، محمد: اوصافِ رسول ﷺ (۴)، ۱۹۳ — ۲۲۷
الٰہی بخش کاندھلوی: شیم الحبیب۔ ترجمہ از اشرف علی تھانوی (۴)، ۲۴۹ — ۲۶۸
توحیدی، محمد سالم: تاجدارِ مدینہ کی گھریلو زندگی (۴)، ۲۳۷ — ۲۴۰
سلیم، قاری محمد عبداللہ: پیغمبرِ انسانیت خدا کی نظر میں (۱)، ۲۱۲ — ۲۲۰
صلاح الدین، محمد: خلقِ عظیم (۴)، ۵۷۲ — ۵۷۹
عبدالحکیم خلیفہ: رحمۃ للعالمین ﷺ بحیثیت انسانِ کامل (۳)، ۲۱۸ — ۲۲۲
عبدالرحمٰن عزام بک: رحمت و رافت کی روحِ رواں (۳)، ۴۴۲ — ۴۴۸
قدوسی، اعجاز الحق: رسولِ اکرم ﷺ کی سیرۃ طیبہ دائمی نمونۂ عمل ہے (۴)، ۲۳۲ — ۲۳۶
محمد کرم شاہ: نبی کریم ﷺ بحیثیت معلمِ اخلاق (۴)، ۲۴۱ — ۲۴۸
محمود عبدالحلیم (شیخ الازہر) جوہرِ خلقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ترجمہ از ڈاکٹر سید مطلوب حسین (۴)، ۲۲۸ — ۲۳۱
ملا واحدی: سرورِ کائنات کا دربار (۳)، ۶۲۹ — ۶۳۳
نامعلوم: معلمِ انسانیت کی پسندیدہ غذائیں (۴)، ۲۷۴ — ۲۸۱

اخلاقیات

انوار الحق، محمد: اوصافِ رسول ﷺ (۴)، ۱۹۳ — ۲۲۷
سلیم، قاری محمد عبداللہ: پیغمبرِ انسانیت خدا کی نظر میں (۱)، ۲۱۲ — ۲۲۰
صلاح الدین، محمد: خلقِ عظیم (۴)، ۵۷۲ — ۵۷۹
قدوسی، اعجاز الحق: رسولِ اکرم ﷺ کی سیرۃ طیبہ دائمی نمونۂ عمل ہے (۴)، ۲۳۲ — ۲۳۶
محمد کرم شاہ: نبی کریم ﷺ بحیثیت معلمِ اخلاق (۴)، ۲۴۱ — ۲۴۸
محمود عبدالحلیم (شیخ الازہر) جوہرِ خلقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ترجمہ از ڈاکٹر سید مطلوب حسین (۴)، ۲۲۸ — ۲۳۱
مفتاحی، محمد ظفیر الدین: رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظامِ حیات (۴)، ۶۶۸ — ۶۸۸
ملا واحدی: سرورِ کائنات کا دربار (۳)، ۶۲۹ — ۶۳۳

ادبِ نبوی

شمیم احمد، سید: ادبِ نبوی ﷺ (۴)، ۷۴ — ۸۲

اسلام — سیاست و حکومت

اصلاحی، امین احسن: نبی ﷺ بحیثیت ایک مدبر اور ماہرِ سیاسیات (۳)، ۶۲۳ — ۶۲۸
حمید اللہ، محمد: سرورِ کائنات کی حکومت (۳)، ۶۰۷ — ۶۲۲
حمید اللہ، محمد: عہدِ نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار (۳)، ۵۵۵ — ۵۶۱
حمید اللہ، محمد: عہدِ نبوی ﷺ کے اصولِ سیاسیات (۳)، ۶۴۴ — ۶۵۱
حمید اللہ، محمد: عہدِ نبوی ﷺ کے عربی ایرانی تعلقات (۳)، ۶۳۴ — ۶۴۳
خالد مسعود: سیاستِ نبوی ﷺ کا ایک اہم پہلو (۳)، ۵۷۳ — ۵۷۵
رحمٰن، ایس اے: رسول اللہ کے عہد میں نظامِ عدل (۳)، ۶۵۲ — ۶۶۵
عبدالحکیم خلیفہ: اسلام کا سیاسی و معاشی دستور (۳)، ۵۹۷ — ۶۰۶
عبدالحکیم خلیفہ: اسلام اور مذہبی رواداری (۳)، ۶۶۶ — ۶۷۳

اسلام اور عصرِ حاضر

محمد مبارک : دین رسولؐ اور دیگر مذاہب فکر (۴) ۵۰۱—۵۲۵

اسلامی انقلاب

آزاد، ابوالکلام : کارنامۂ سیرت، بے رحم تاریخ کی کسوٹی پر (۳) ۲۸۹—۳۰۵

ابوبکر غزنوی، سید : رحمتِ عالمؐ کا ہمہ گیر انقلاب (۴) ۳۲—۳۹

حبیب احمد : اسلامی انقلاب کا اثر جاہلی معاشرے پر (۳) ۸۶—۹۲

عبدالحکیم خلیفہ : آزادی کا علمبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) ۴۷۱—۴۷۵

قطب، سید : ہمارا پرچم انقلاب — لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ (۴) ۷—۱۵

کوثر نیازی : پیغمبرِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم (۴) ۱۶—۳۲

مفتاحی محمد ظفیر الدین : رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظامِ حیات (۴) ۶۶۸—۶۸۲

ندوی، محمد حنیف : آنحضرتؐ کا اسلوبِ دعوت و ارشاد (۴) ۴۴—۴۷

ہالے پوتا، عبدالواحد : انقلابِ محمدی (۴) ۴۰—۴۳

اسلامی تحریکیں

ندوی، سید ابوالحسن علی : پندرھویں صدی ہجری۔ ماضی و حال کے آئینہ میں (۱) ۹—۳۷

اسلامی ریاست

اصلاحی، امین احسن : نبیؐ بحیثیت ایک مدبر اور ماہر سیاسیات (۳) ۶۲۳—۶۲۸

عبدالحکیم خلیفہ : اسلام اور مذہبی رواداری (۳) ۶۶۶—۶۷۳

عبدالحکیم خلیفہ : اسلام کا سیاسی و معاشی تصور (۳) ۵۹۷—۶۰۶

حمیداللہ، محمد : سرورِ کائناتؐ کی حکومت (۳) ۶۰۷—۶۲۲

حمیداللہ، محمد : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ از نذیر حق (۲) ۶۱۳—۶۸۲

سلیمان ندوی، سید : حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (۲) ۳۳۰—۳۴۱

سلیمان ندوی، سید : سلطنت اور دین کا تعلق (۲) ۳۴۲—۳۶۴

سلیمان ندوی، سید : عہدِ نبوی میں نظامِ حکومت (۲) ۳۶۵—۳۹۹

ندوی، سید ابوالحسن علی : عالمِ عرب کی قیادت (۳) ۵۶۲—۵۷۲

اسلامی معاشرہ

آزاد، ابوالکلام : پیغامِ محمدؐ (۳) ۳۰۶—۳۲۷

آزاد، محمد اسماعیل : اسلامی معاشرہ اور نابینا افراد (۳) ۴۷۶—۴۹۸

اسرار احمد، ڈاکٹر : نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں (۳) ۲۳۸—۲۶۵

ارشد، رشید احمد : رسول اللہ اور طرزِ معاشرت (۳) ۴۱۸—۴۲۶

خدیجۃ النساء ایم سراج : رسول اللہ اور طبقۂ نسواں (۳) ۵۰۷—۵۱۷

سجاد میرٹھی، زین العابدین : پیغمبرِ اسلام کا پیغامِ امن و سلام (۳) ۴۶۰—۴۷۰

شریفی، محمد حسام الدین : نبی کریمؐ اور اصلاحِ معاشرہ (۲) ۴۰۹—۴۱۲

ظفیر الدین، محمد : رحمتِ عالمؐ کا پیش کردہ نظامِ حیات (۲) ۶۸۷—۷۰۲

فخرالدین فواد : حضورؐ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا۔ ترجمہ از خلیل حامدی (۳) ۴۴۹—۴۵۴

مائرگانی، محمد جمعہ : سرورِ کونینؐ اور سماجی انصاف (۳) ۴۰۵—۴۰۸

مظہر الدین صدیقی، محمد : اسلام اور جنسی مساوات (۳) ۴۹۹—۵۰۶

ندوی، سید ابوالحسن علی : نبوت کا عطیہ (۳) ۳۷۵—۳۸۴

ہاشمی فرید آبادی : عطیاتِ محمدی (۳) ۴۰۲—۴۰۴

اقتصادیات

اصلاحی، شرف الدین : عہدِ جدید کے مسائل اور آنحضرتؐ کا پیغام
(۳) ۷۰۳ — ۷۱۱
حبیب احمد: اسلامی انقلاب کا اثر جاہلی معاشرے پہ
(۳) ۸۶ — ۹۲
شبیر محمد خاں اعوان : رسولِ اکرمؐ کا معاشی نظام
(۳) ۷۲۴ — ۷۲۸
ظفر الدین، محمد: رحمتِ عالمؐ کا پیش کردہ نظامِ حیات
(۳) ۶۸۶ — ۷۰۲
عبدالحکیم، خلیفہ : اسلام کا سیاسی و معاشی تصور
(۳) ۵۹۷ — ۶۰۶
محمد اشرف خاں : رسول اللہ کے عہد کا اقتصادی اور معاشی نظام (۳) ۷۳۰ — ۷۳۸
معصومی، محمد صغیر حسن : نقشِ پیغمبرؐ ـ سماجی انصاف
(۳) ۷۲۹ — ۷۳۳

امراء القیس

اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد: جنابِ رسالت مآب کا ادبی تبصرہ
(۴) ۶۴۷ — ۶۴۸

امہات المومنینؓ

جعفر شاہ پھلواری، محمد : حضورِ اکرمؐ اور تعددِ ازواج
(۴) ۶۵۴ — ۶۶۷
حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ترجمہ از نذیر حق (۲) ۶۱۳ — ۶۸۲

ب

بعثتِ نبویؐ اور بائبل

منہاج، عبدالرحیم : شانِ محمدؐ بزبانِ بائبل (۴) ۵۲۶ — ۵۲۸

بدھ مت

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ترجمہ نذیر حق
(۲) ۵۱۳ — ۶۸۲

بشریتِ رسولؐ

عبدالماجد دریا بادی : سیرتِ رسولؐ قرآن کی روشنی میں
(۱) ۲۳۲ — ۳۰۲

بلاغتِ نبویؐ

زبیری، محمد نعیم الدین (مترجم) خطبہ حجۃ الوداع (۲) ۷۳۵ — ۷۳۹
ظفر علی خاں : گنجِ شائگاں (۴) ۷۳۹ — ۷۴۲
عزام، عبدالرحمٰن : تاجدارِ دو عالم کی فصاحت و بلاغت
(۴) ۱۵۱ — ۱۵۸
غلام مصطفیٰ خاں : اردو احادیث کے محاورے (۴) ۵۹۰ — ۶۲۲
فاروقی، نثار احمد : انسانیت کا منشورِ آزادی (۴) ۷۴۳ — ۷۴۶
مہر، غلام رسول : حجۃ الوداع (۴) ۷۴۷ — ۷۵۲
ناصر نصیر احمد : رسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ کے سنہرے نکات
(۳) ۲۷۰ — ۲۸۷

پ

پندرھویں صدی ہجری

ندوی، سید ابوالحسن علی : پندرھویں صدی ہجری - ماضی و حال کے آئینہ میں (۱) ۹ — ۳۷

ت

تبلیغِ اسلام

احمد شاہ، معین الدین : دعوتِ نبویؐ کے اصول و مقاصد
(۳) ۶۷۴ — ۶۸۶
جعفر شاہ پھلواری، محمد : حضورِ اکرمؐ اور تبلیغ (۲) ۴۱۴ — ۴۱۷
حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - ترجمہ از نذیر حق
(۲) ۶۱۳ — ۶۸۲

تبلیغ و دعوت

ندوی، محمد حنیف : آنحضرتؐ کا اسلوبِ دعوت و ارشاد
(۴) ۴۴-۴۷

تجارت

شمس اللہ قادری، سید : تجارت العرب قبل الاسلام (۲)، ۶۶-۸۵

تصاویر

خانہ کعبہ اور زمزم (تصویر) (۱) ۳۰۰ کے بعد

خانہ کعبہ کا ایک اور منظر (تصویر)، (۱)، ۲۹۶ کے بعد

خانہ کعبہ کا ایک منظر (تصویر) ۳، ۴۰ کے بعد

خانہ کعبہ کا ایک منظر (تصویر)، (۴)، ۲۳۲ کے بعد

غارِ حرا جہاں پہلی وحی نازل ہوئی (تصویر) (۳)، ۶۱۶ کے بعد

غلافِ کعبہ پر چند آیاتِ قرآنی (تصویر) (۲)، ۱۵۲ کے بعد

گنبدِ خضریٰ (تصویر) (۲) ۸ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا اندرونی منظر (تصویر)، (۳)، ۴۴ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا بیرونی منظر (تصویر) (۳)، ۳۱۲ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا ایک منظر (تصویر) (۴)، ۱۲۰ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا ایک دروازہ (تصویر) (۲)، ۶۰ کے بعد

منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (تصویر) (۲)، ۳۶۰ کے بعد

ہیلی کاپٹر سے جبلِ رحمت کا منظر (تصویر) (۱)، ۶۱۶ کے بعد

تصوف

عبدالحق انصاری محمدؐ : ابتدائے اسلام میں اخلاقی فکر کا ارتقاء
(۳)، ۱۲۸-۱۵۲

عمرالدین : اسلام میں اخلاقی فکر کی ابتدا (۳)، ۱۵۳-۱۶۶

تقویم

علوی، اسحاق النبی : سیرتِ نبویؐ (توقیت کی روشنی میں
(۲)، ۵۲-۲۰۴

تعلیمِ نسواں

ارشد، سید رشید احمد : عہدِ رسول میں نظامِ تعلیم (۴)، ۱۲۸-۱۳۶

احمد شلبی : اسلامی عہد میں تعلیمِ نسواں (۴)، ۱۰۶-۱۱۴

تعلیمات

احمد شلبی : اسلامی عہد میں تعلیمِ نسواں (۴) ۱۰۶-۱۱۴

ارشد، سید رشید احمد : عہدِ رسولؐ میں نظامِ تعلیم (۴)، ۱۲۸-۱۳۶

حنیف اللہ پھلواری، محمد : عہدِ نبوی میں علمی ترقیاں (۴)، ۱۴۱-۱۴۷

حمید اللہ، محمد : عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم (۴)، ۱۱۵-۱۲۷

خلیل حامدی : عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ کی تعلیمی سرگرمیاں
(۴)، ۱۳۷-۱۴۰

شبیر احمد خاں غوری : صدرِ اسلام میں دینی علوم کے ارتقاء کا اجمالی
جائزہ (۴)، ۵۷-۷۳

تعددِ ازواج

جعفر شاہ پھلواری، محمد : حضورؐ اکرم اور تعددِ ازواج
(۴)، ۶۵۴-۶۶۷

توحید

اصلاحی، امین احسن (محمود حسن، شیخ الہند : حقیقتِ توحید اور حقیقتِ
وحی (۲)، ۲۶۷-۳۲۷

عبدالحکیم خلیفہ : آزادی کا علمبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم
(۳)، ۴۷۱-۴۷۵

عبدالحکیم، خلیفہ : نبی کریمؐ کے بنیادی عناصر (۳)، ۴۵۵-۴۵۹

مالک رام : لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (۳)، ۱۴۲-۱۷۵

ج

جبلِ رحمت (تصویر)

ہیلی کاپٹر سے جبلِ رحمت کا منظر (تصویر)، (۱)، ۶۱۶ کے بعد

جغرافیہ

نامعلوم: جغرافیہ اسلامی عہد میں (۴)، ۱۴۸ — ۱۵۰

جہاد

ابو سلیمان شاہجہانپوری: الدفاع فی الاسلام (۴)، ۲۸۷ — ۲۹۷
برق، غلام جیلانی: مہماتِ رسولؐ (۴)، ۳۷۲ — ۴۳۲
جعفر شاہ پھلواری: اسلام اور جہاد (۴)، ۲۹۸ — ۳۱۵
فاروقی، محمد طاہر: غزواتِ نبویؐ (۴)، ۳۱۶، ۳۲۱
گلزار احمد: غزوات خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم (۴)، ۳۲۲ — ۳۷۲

ح

حلیہ مبارک

نثار احمد فاروقی: طبقات ابن سعد (سیرتِ نبویؐ کا قدیم ماخذ) (۱)، ۴۹۸ — ۵۶۲
نعیم صدیقی: رسول اللہؐ — ایک نظر میں (۱)، ۷ — ۴۲

حقوق العباد

آزاد، محمد اسماعیل: اسلامی معاشرہ اور نابینا افراد (۳)، ۴۷۶ — ۴۹۸
تمنا عمادی: کتاب اللہ — مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (۱)، ۳۵۱ — ۳۶۸

حقوق اللہ

تمنا عمادی: کتاب اللہ — مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (۱)، ۳۵۱ — ۳۶۸

حقوق نسواں

خدیجۃ النساء ایم سراج: رسول اللہ اور طبقہ نسواں (۳)، ۵۰۷ — ۵۱۷
مظہر الدین صدیقی، محمد: اسلام اور جنسی مساوات (۳)، ۴۹۹ — ۵۰۶

خ

خانہ کعبہ (تصویر)

خانہ کعبہ اور زمزم (تصویر) (۱)، ۲۰۰ کے بعد
خانہ کعبہ کا ایک اور منظر (تصویر) (۱)، ۲۹۶ کے بعد
خانہ کعبہ کا ایک منظر (تصویر) ۴۰ کے بعد
خانہ کعبہ کا ایک منظر (تصویر) (۴)، ۲۳۲ کے بعد

خدا

عبدالحکیم، خلیفہ: نبی کریمؐ کے بنیادی عناصر (۳)، ۴۵۵ — ۴۵۹

خطابت نبویؐ

نعیم صدیقی: رسول اللہؐ — ایک نظر میں (۲)، ۷ — ۴۲

خطبات نبویؐ

زبیری، محمد نعیم الدین (مترجم): خطبہ حجۃ الوداع (۲)، ۴۳۵ — ۴۳۹
فاروقی، نثار احمد: انسانیت کا منشور آزادی (۴)، ۷۴۳ — ۷۴۶
مہر، غلام رسول: حجۃ الوداع (۴)، ۷۴۷ — ۷۵۲

د

درود و سلام

ندوی، سید ابوالحسن علی: بارگاہ نبویؐ میں (۴)، ۷۱۵ — ۷۳۳

دفاع

ابو سلیمان شاہجہانپوری: الدفاع فی الاسلام (۴)، ۲۸۷ — ۲۹۷

ر

رسالت نامہ

برق، غلام جیلانی: رسالت نامہ — دریا بحباب اندر (۲)، ۴۳ — ۵۰
نعیم صدیقی: رسول اللہ — ایک نظر میں (۲)، ۷ — ۴۲

ز

زرتشتی مذہب

حمید اللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - ترجمہ نذیر حق (۲)، ۵۱۳ — ۶۸۲

الزہری ابن شہاب

ہوروٹس جوزف: سیرتِ نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین — ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱ — ۸۱۶

س

سحر

چراغ علی خان: پیغمبر پر سحر (۴) ۶۴۱ — ۶۴۶

سیاسیات

حمید اللہ، محمد: عہدِ نبویؐ کی سیاست خارجہ کا شاہکار
(۳) ۵۵۵ — ۵۶۱
حمید اللہ، محمد: عہدِ نبویؐ کے اصولِ سیاسیات
(۳) ۶۴۴ — ۶۵۱
حمید اللہ، محمد: عہدِ نبوی کے عربی ایرانی تعلقات
(۳) ۶۳۴ — ۶۴۳
حمید اللہ، محمد: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ از نذیر حق
(۲) ۶۱۳ — ۶۸۲
خالد مسعود: سیاستِ نبوی کا ایک اہم پہلو (۳) ۵۷۳ — ۵۷۵
ایمن، ایس اے: رسول اللہ کے عہد میں نظامِ عدل
(۳) ۶۵۲ — ۶۶۵
سلیمان ندوی، سید: حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے (۲) ۳۳۰-۳۴۱
سلیمان ندوی، سید: سلطنت اور دین کا تعلق (۲) ۳۴۲-۳۴۶
سلیمان ندوی، سید: عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکومت (۲) ۳۶۵-۳۹۹
عبدالحکیم، خلیفہ: اسلام اور مذہبی رواداری (۳) ۶۶۶ — ۶۷۳
مرتضیٰ حسین فاضل، سید: آنحضرت کی پہلی سیاسی فتح (ہجرت حبشہ)
(۳) ۵۷۶ — ۵۹۶
ندوی، سید ابوالحسن علی: عالمِ عربی کی قیادت (۳) ۵۶۲ — ۵۷۲

سیرتِ نبویؐ

اصلاحی، امین احسن: نبی اپنے گھر میں (۳) ۳۸۵ — ۳۹۵
جنلج، محمد علی: رحمۃ للعالمین (۳) ۱۶۷ — ۱۸۱
حمید اللہ، محمد: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترجمہ از نذیر حق
(۲) ۶۱۳ — ۶۸۲
خورشید احمد، پروفیسر: نبی اکرم بحیثیت داعی الی الحق (۲) ۳۹۶-۴۰۱
رئیس احمد جعفری: سرورِ کائناتؐ کا رویہ منافقوں سے
(۳) ۵۱۸ — ۵۲۴
شروانی، محمد حبیب الرحمٰن خان: ذکر الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم
(۳) ۱۸۳ — ۱۹۰
عبدالستار خان: پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
(۳) ۲۴۷ — ۲۶۰
عبدالقدوس ہاشمی: سیرتِ طیبہ کا مطالعہ (۴) ۲۸۲ — ۲۸۵
عبدالقیوم، پروفیسر: امی نبی کا مفہوم (۴) ۷۰۸ — ۷۱۴
عبدالماجد دریابادی: سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں سچی باتیں
(۳) ۲۶۱ — ۲۶۹
عبداللہ یوسف علی، علامہ: محمد رسول اللہ (۳) ۲۰۴ — ۲۱۷
گلزار احمد: خاتم النبیین کا بچپن (۴) ۵۶۱ — ۵۷۱
ماہر القادری: محمد عبدہٗ و رسولہٗ (۳) ۲۲۴ — ۲۲۷
محمد سلیمان منصورپوری: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
(۴) ۵۸۰ — ۵۸۹
محمد طیب، قاری: سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول
(۱) ۳۸ — ۵۱
مناظر احسن گیلانی، سید: مدنی زندگی (۲) ۴۹۱ — ۵۱۲
ندوی، ابوالجلال: فخر موجودات (آنحضرتؐ کی مکی زندگی)
(۲) ۴۶۹ — ۴۹۰
ندوی، سید ابوالحسن علی: سیرت نگاری کی ذمہ داریاں (۱) ۸۱ — ۸۸
نوری، اقبال احمد: رسول اللہ کی بین الاقوامیت (۳) ۵۲۵ - ۵۵۴

سیرتِ نبویؐ اور عصرِ حاضر

اصلاحی، شرف الدین: عہدِ جدید کے مسائل اور آنحضرتؐ کا پیغام
(۳) ۷۰۳ — ۷۱۱

سجاد میرٹھی، زین العابدین : پیغمبرِ اسلام کا پیغام امن و سلام

(۳) ۴۶۰ — ۴۷۰

عبدالقدوس ہاشمی : سیرتِ طیبہ کا مطالعہ (۴) ۲۸۲ — ۲۸۵

عبداللہ، سید : سیرتِ نبوی کا پیغام عصرِ حاضر کے نام (۳) ۳۶۶-۳۷۴

محمد طیب، قاری : سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول

(۱) ۳۸ — ۵۱

ندوی، سید ابوالحسن علی : پندرھویں صدی ہجری، ماضی و حال کے آئینہ

میں (۱) ۹—۳۷

ندوی، سید ابوالحسن علی : نبوت کا عطیہ (۳) ۲۷۵ — ۲۸۴

سیرتِ نبوی اور غیر مسلم دانشور

بشمی، اے۔جی : محمدؐ اور عیسیٰؑ (۴) ۵۴۸ — ۵۴۹

بشیر الدین پنڈت : ہندوؤں کی کتبِ مقدسہ میں بشارت آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم (۴) ۵۵۵ — ۵۵۹

خالد کمال مبارک پوری : بیناؤشا اور عرب (۴) ۵۵۰-۵۵۴

صارم، عبدالصمد : قرآن، اسلام اور رسولؐ (غیر مسلموں کی نظر میں)

(۴) ۴۴۷ — ۴۷۹

ظفر نظامی نوشہروی : سرورِ کائناتؐ (غیر مسلم مفکرین کی نظر

میں) (۴) ۴۸۰ — ۵۰۰

علی شبیر : آنحضرتؐ کی نسبت بعض عیسائیوں کی رائے

(۴) ۵۲۹ — ۵۳۸

کارلائل، ٹامس : سید الانبیاء (۴) ۵۳۹ — ۵۴۷

سیرتِ نبویؐ اور قرآن

اسرار احمد، ڈاکٹر : نبی کریمؐ کا مقصدِ بعثت (قرآن حکیم کی روشنی

میں) (۱) ۳۱۲ — ۳۵۰

سلیم، قاری محمد عبداللہ : پیغمبرِ انسانیت خدا کی نظر میں

(۱) ۲۰۰ — ۲۱۲

عبدالماجد دریا بادی : سیرتِ رسولؐ قرآن کی روشنی میں

(۱) ۲۳۲ — ۳۰۲

غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر : ہمہ قرآن در شانِ محمد (۱) ۸۹-۲۰۲

مودودی، سید ابوالاعلیٰ : نبوتِ محمدیؐ پر قرآن میں استدلال

(چند نکات) (۱) ۲۰۳ — ۲۱۱

ندوی، محمد حنیف : قرآنِ حکیم اور اطاعتِ رسول (۱) ۳۰۳-۳۱۱

سیرتِ نبویؐ ۔ آداب

محمد زاہد : دربارِ رسالت کا پیغمبرانہ طمطراق (۴) ۶۲۳ — ۶۲۶

سیرتِ نبویؐ ۔ توقیت

علوی اسحاق النبی : سیرت النبیؐ (توقیت کی روشنی میں)

(۲) ۵۲ — ۲۰۴

سیرت نگارانِ رسولؐ

احسان عباس، ڈاکٹر و اسد، ناصر الدین، ڈاکٹر : ابن حزم الاندلسی

اور جوامع السیرۃ ۔ ترجمہ و اضافہ از اجمل اصلاحی

(۱) ۵۹۵ — ۶۱۴

اصلاحی، محمد اجمل : ابن ہشام اور سیرت ابن ہشام

(۱) ۴۵۲ — ۴۹۷

برق، غلام جیلانی : ابن الجوزی اور سوانح رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) ۷۰۱ — ۷۰۸

خلیل ابراہیم : پہلے سیرت نگار ۔ حضرت عروہ بن الزبیر ۔

ترجمہ از محمد اجمل اصلاحی (۱) ۳۹۷ — ۴۰۹

شرف قادری، محمد عبدالحکیم : علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی

(۱) ۶۹۱ — ۷۰۰

شرف قادری، محمد عبدالحکیم : قاضی عیاض (۱) ۶۲۷ — ۶۴۵

شوقی ضیف : الدّرر فی اختصار المغازی والسّیر ترجمہ از محمد اجمل

اصلاحی (۱) ۶۱۵ — ۶۲۶

عنایت اللہ، شیخ: رسولِ اکرمؐ کے سیرت نگار (۱) ۷۰۹ — ۷۱۹
قیوم، الفریڈ: ابن اسحٰق اور "سیرۃ الرسول اللہ" ترجمہ از تحسین فراقی (۱) ۴۱۰ — ۴۵۱
مظہر صدیقی، محمد یٰسین: تاریخ یعقوبی — سیرت نبویؐ کا ایک اہم قدیم ماخذ (۱) ۵۶۳ — ۵۹۴
نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر: طبقات ابن سعد (سیرت نبویؐ کا قدیم ماخذ (۱) ۴۹۸ — ۵۶۲
ندوی، مسعود الرحمٰن خان: ابن کثیر (سیرت نگار رسول صلی اللہ علیہ وسلم) (۱) ۶۴۶ — ۶۹۰
ہوروِوِتس، جوزف: سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین۔ ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱) ۷۲۱ — ۸۱۶

سیرت نگاری

ندیم الواجدی: سیرت نگاری کے بعض اہم پہلو (۱) ۵۲ — ۶۹
معین الحق، سید ڈاکٹر: سیرت نگاری کے چند پہلو (۱) ۷۰ — ۸۰
ندوی، سید ابوالحسن علی: سیرت نگاری کی ذمہ داریاں (۱) ۸۱ — ۸۸

سیرت نگاری اور مستشرقین

معین الحق، سید: سیرت نگاری کے چند پہلو (۱) ۷۰ — ۸۰

ش

شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ)

ہوروِوِتس، جوزف: سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین۔ ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱) ۷۲۱ — ۸۱۶

ط

طب

ثاقب کانپوری، ابو محمد: عرب اور علوم طبیہ (۴) ۸۹ — ۹۱

طب نبویؐ

امین الدین، سید: طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) ۹۲ — ۱۰۰
عبدالرزاق، محمد: طب رسولؐ (۴) ۱۰۱ — ۱۰۵

ظ

ظہور قدسی

افضل حق: ظہور قدسی (۴) ۴ — ۲۰۷
درد، رگھوناتھ راؤ: ظہور قدرت (۴) ۴۳۳ — ۴۳۷

ظہور قدسی — بشارتیں

حسن میاں پھلواری: کتب سابقہ کی بشارتیں (۴) ۴۳۸ — ۴۴۶

ع

عالم انسانیت (قبل از اسلام)

امیر علی، سید: دنیائے قبل از اسلام پر ایک نظر۔ ترجمہ از محمد ہادی حسن (۳) ۲۱ — ۴۰
مظہر الدین صدیقی: انسانیت اسلام سے پہلے (۳) ۷ — ۲۱
ندوی سید ابوالحسن علی: بعثت محمدی سے پہلے (۳) ۹۳ — ۱۲۷

عالم عرب (قبل از اسلام)

حبیب احمد: اسلامی انقلاب کا اثر جاہلی معاشرے پر (۳) ۸۶ — ۹۲
شمس اللہ قادری، سید: تجارت العرب قبل الاسلام (۳) ۶۶ — ۸۵
عبدالحمید صدیقی: عہد جاہلیت میں عربوں کے مذہبی معتقدات (۳) ۵۶ — ۶۵
عبداللہ قدسی: اسلام سے پہلے عرب کے تصورات (۳) ۴۱ — ۵۵

عالم عرب — عہد نبوت

حیدر زمان صدیقی: عہد نبوت کے عمرانی اور تمدنی مسائل (۳) ۷۳۴ — ۷۴۸

عبادت نبویؐ

عبدالرحمٰن عزام بک: بندگی کا انقلابی تصور (۴) ۴۸ — ۵۵

عبادات

عبدالرحمٰن عزام بک: بندگی کا انقلابی تصور (۴) ۴۸ — ۵۵

عدل

رحمن، ایس اے : رسول اللہ کے عہد میں نظام عدل
(۳) ۶۵۲ — ۶۶۵

عرب معاشرہ (قبل از اسلام)

گلزار حسین : دورِ نبوی میں عرب قوم (۴) ۱۵۹ — ۱۶۱

عربی شاعری - نقد و نظر

اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد : جناب رسالت مآبؐ کا ادبی تبصرہ
(۴) ۶۴۷ - ۶۴۸

عروۃ بن الزبیر (م ۹۴ھ)

خلیل ابراہیم : پہلے سیرت نگار - حضرت عروہ بن الزبیر
ترجمہ از محمد اجمل اصلاحی (۱) ۳۹۷ — ۴۰۹

ہوروویتس، جوزف : سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین
ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱) ۷۲۱ — ۸۱۶

علوم

گیلانی، سید محمد عبدالستار : علوم عرب (۴) ۸۳ — ۸۸

عنترہ

اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد : جناب رسالتمآب کا ادبی تبصرہ
(۴) ۶۴۷ — ۶۴۸

عیاض، قاضی ابوالفضل (م ۴۷۶ھ)

شرف قادری، محمد عبدالحکیم : قاضی عیاض (۱) ۶۳۷ — ۶۴۵

عیسائیت

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - ترجمہ نذیر حق
(۲) ۵۱۳ — ۶۸۲

غ

غار ثور

جلال حامدی، سید : حیات نبویؐ میں غاروں کی اہمیت
(۴) ۶۳۴ — ۶۴۰

غار حرا

جلال حامدی، سید : حیات نبویؐ میں غاروں کی اہمیت
(۴) ۶۳۴ - ۶۴۰

غار حرا (تصویر)

غار حرا جہاں پہلی وحی نازل ہوئی (تصویر) (۳) ۴۱۶ کے بعد

غلاف کعبہ (تصویر)

غلاف کعبہ پر چند آیات قرآنی (تصویر) (۲) ۱۵۲ کے بعد

غزوات

برق، غلام جیلانی : مہمات رسولؐ (۴) ۳۷۲ — ۴۳۲
فاروقی، محمد طاہر : غزوات نبویؐ (۴) ۳۱۶ — ۳۲۱
گلزار احمد : غزوات خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم (۴) ۲۲۲-۳۷۲

ف

فضائل نبوی

اشرف علی تھانوی : سرور کائنات کے حقوق امت پر
(۳) ۴۲۷—۴۳۴

عبدالحکیم، خلیفہ : رحمۃ للعالمینؐ بحیثیت انسان کامل
(۳) ۲۱۸ — ۲۲۳

عبدالرحمن عزام بک : رحمت و رأفت کی روحِ رواں (۳) ۴۴۲ - ۴۸۸
غلام السیدین، خواجہ : انسان کامل (۳) ۲۲۸-۲۴۶
غلام مصطفیٰ خاں : حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی
خصوصیات (۳) ۴۳۵ — ۴۴۱
محمد اشرف : نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم (۳) ۱۹۱ — ۲۰۳
ندوی، عبدالرحمن : اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۳) ۱۴۷-۱۶۱

فکر اسلامی

شبیر احمد : اسلام کا بنیادی فلسفہ (۳) ۷۱۲ — ۷۲۱
عبدالحق انصاری، محمد : ابتدائے اسلام میں اخلاقی فکر کا ارتقاء
(۳) ۱۲۸ - ۱۵۲

عمرالدین : اسلام میں اخلاقی فکر کی ابتدا (۳)، ۱۵۳—۱۶۶

فلسفہ

شبیر احمد : اسلام کا بنیادی فلسفہ (۳)، ۱۲—۲۱

عبدالحق انصاری، محمد : ابتدائے اسلام میں اخلاقی فکر کا ارتقاء (۳)، ۱۲۸—۱۵۲

عمرالدین : اسلام میں اخلاقی فکر کی ابتداء (۳)، ۱۵۳—۱۶۶

ق

قرآن — جمع و ترتیب

علوی، سید بدرالدین : عہدِ نبوی میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین (۱)، ۳۶۹—۳۹۶

قصیدہ بُردہ

البوصیری، محمد شرف الدین : قصیدہ بردہ شریف - فارسی ترجمہ از ملا عبدالرحمٰن جامی، اردو ترجمہ از محمد فیاض الدین نظامی بہزاد دکن (۲)، ۷۴۰—۷۶۰

گ

گنبدِ خضریٰ (تصویر)

گنبدِ خضریٰ (تصویر) (۲)، ۸۸ کے بعد

م

مدحِ صحابہ کرامؓ

عبدالماجد دریا بادی : سیرت رسول قرآن کی روشنی میں (۱)، ۲۳۲—۳۰۲

مدنی تقویم

علوی، اسحاق النبی : سیرتِ نبویؐ (توقیت کی روشنی میں) (۲)، ۵۲—۲۰۴

مدینہ — تاریخ

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - ترجمہ از نذیر حق (۲)، ۶۱۳—۶۸۲

محمد اسلم ملک : مدینہ کی قدیم تاریخ (۲)، ۴۲۲—۴۶۸

مزاح

ارشد میر : جنابِ رسالت مآبؐ کی شگفتہ مزاجی (۴)، ۲۶۹—۲۷۳

مستشرقین

معین الحق، سید : سیرت نگاری کے چند پہلو (۱)، (۷۰—۸۰)

مسجدِ نبویؐ

علی حافظ : مسجدِ نبوی (۴)، ۵۶۰

مسجدِ نبویؐ (تصویر)

مسجدِ نبویؐ کا ایک دروازہ (تصویر) (۲)، ۶۰۰ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا اندرونی منظر (تصویر) (۳)، ۲۴۰ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا ایک منظر (تصویر) (۴)، ۱۲۰ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا بیرونی منظر (۳)، ۳۱۳ کے بعد

معجزات

شرف قادری، محمد عبدالحکیم : علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی (۱)، ۶۹۱—۷۰۰

ندوی، مسعود الرحمٰن خان : ابن کثیر سیرت نگار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱)، ۶۴۶—۶۹۰

معاشرہ، اسلامی

اسرار احمد، ڈاکٹر : نبی کریمؐ کا مقصد بعثت (قرآن کی روشنی میں) (۱)، ۳۱۲—۳۵۰

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترجمہ از نذیر حق (۲)، ۶۱۳—۶۸۲

معمر بن راشد (م ۱۵۴ھ)

ہورووتس، جوزف : سیرتِ نبویؐ کی اولین کتابیں اور اُن کے مؤلفین (۱)، ۷۲۱—۸۱۶

مکتوباتِ نبویؐ

نثار احمد فاروقی : الرسالات النبویہ یعنی رسول اکرم فخر عالم و آدم محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منتخب مکتوبات و فرامین کا اردو متن، مع ترجمہ و مختصر حواشی (۲)، ۲۰۵-۲۶۶

مکہ ۔ تاریخ

محمد اسلم ملک : مکہ کی قدیم تاریخ (۲)، ۴۰۲-۴۲۱

مکی تقویم

علوی، اسحاق النبی : سیرت نبویؐ (توقیت کی روشنی میں)، (۲)، ۵۲-۲۰۴

منبر رسولؐ (تصویر)

منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم (تصویر) (۲)، ۳۶۰ کے بعد

موسیٰ بن عقبہ

ہورووٹس، جوزف : سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱-۸۱۶

میثاق مدینہ

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ از نذیر حق (۲)، ۶۱۳-۶۸۲

میلاد النبیؐ

اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد : محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴)، ۶۴۹-۶۵۰

ظفر علی خاں : میر حجاز (۴)، ۶۵۱ — ۶۵۲

ن

نبوت و رسالت

اسرار احمد، ڈاکٹر : نبی کریمؐ کا مقصد بعثت (قرآن کریم کی روشنی میں) (۱)، ۳۱۲-۳۵۰

تمنا عمادی : کتاب اللہ محمد رسول اللہ والذین معہ (۱)، ۳۵۱-۳۶۸

عبدالماجد دریا بادی : سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں (۱)، ۲۳۲ — ۳۰۲

ندوی، محمد حنیف : قرآن سے مظہر نبوت کی تشریح (۱)، ۲۲۱ — ۲۳۱

ندوی، محمد حنیف : قرآن حکیم اور اطاعت رسول (۱)، ۳۰۳ — ۳۱۱

نبہانی، یوسف بن اسماعیل (۱۲۶۵ھ/۱۳۵۰ھ)

شرف قادری، محمد عبدالحکیم : علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی (۱)، ۶۹۱-۷۰۰

نفاق

عبدالماجد دریا بادی : سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں (۱)، ۲۳۲-۳۰۲

نعت

شمیم احمد، سید : ادب نبویؐ (۴)، ۴۷ — ۸۲

و

الواقدی، محمد بن عمر (م ۲۰۷ھ)

ہورووٹس، جوزف، سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱ — ۸۱۶

وحی

محمود حسن : وحی (۲)، ۶۸۳-۷۳۴

ندوی، محمد حنیف : قرآن حکیم اور اطاعت رسولؐ (۱)، ۳۰۳ — ۳۱۱

ندوی، محمد حنیف : قرآن حکیم سے مظہر نبوت کی تشریح (۱)، ۲۲۱-۲۳۱

وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ)

ہورووٹس، جوزف : سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین ترجمہ از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (۱)، ۷۲۱ — ۸۱۶

ھ

ہندومت

حمید اللہ، محمد : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ نذیر حق (۲)، ۵۱۳-۶۸۲

ہجرت

فراق، ناصر نذیر: تصویر ہجرت (۴) ۴۲۴ — ۴۲۹

مرتضےٰ حسین فاضل، سید: آنحضرتؐ کی پہلی سیاسی فتح (ہجرت حبشہ)

(۳) ۵۷۶ — ۵۹۶

مقبول احمد نظامی سیوہاروی: ہجرت رسولؐ (۴) ۶۲۷-۶۳۲

ہیئت

حلویٰ اسحاق النبی: سیرت نبویؐ (توقیت کی روشنی میں)

(۲) ۵۲ — ۲۰۴

ی

یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وھب بن واضح

(م ۲۹۲ ھ)

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: تاریخ یعقوبی - سیرت نبویؐ کا ایک

اہم قدیم ماخذ (۱) ۵۶۳ — ۵۹۴

یہودیت

حمید اللہ، محمد: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - ترجمہ نذیر حق

(۲) ۵۱۳-۶۸۲

مقامات

ا

آذربائیجان (۳)، ۲۲ — ۶۷۰
آرام (۳)، ۷۸
آرمینیہ (۱)، ۳۹۴
آریانا (افغانستان) (۴)، ۱۴۸
آسٹریا (۴)، ۳۱۳
آکسفورڈ (۱)، ۴۱۰، ۵۸۷، ۵۹۴، ۷۰۹، ۷۱۳ — ۷۱۴
(۳)، ۱۳۸ (۴)، ۱۱۷، ۴۳۲، ۴۶۵
آگرہ (۴)، ۴۵۹
اباکورہ (۱)، ۴۸۸
ابرہہ (۲)، ۶۰۷
ابلہ (۳)، ۷۵
انیوسوس (۳)، ۹۸
ابواء (مدینہ کے جنوب میں اسّی میل دور ایک مقام)
(۱)، ۵۱۳، ۵۱۷، ۷۰۳ (۲)، ۷۰، ۱۲۷، ۱۵۶،
۱۶۰ — ۱۶۱، ۵۱۹
(۳)، ۵۴۴ (۴)، ۳۲۸، ۳۷۴، ۳۸۳، ۴۲۸
۵۶۶، ۷۰۶
ابولہ (بصرہ) (۲)، ۵۲۳
ایسالہ (۱)، ۵۱۵
اٹلی (۳)، ۹۷ (۴)، ۱۴۸، ۳۱۳

اجزم (فلسطین کا ایک قصبہ) (۱)، ۶۹۱
اجمیر (۴)، ۸۰، ۴۵۸
اجیاد (۲)، ۴۳۷
احد (۱)، ۴۰۱ — ۴۰۳، ۴۲۲، ۴۲۵، ۴۷۳، ۵۴۰،
۵۵۵، ۵۵۶، ۵۶۷، ۵۸۳، ۵۹۴، ۶۶۶،
۷۳۴، ۷۴۵، ۷۶۳، ۷۹۰، ۷۹۶، ۸۱۵ (۲)
۴۲، ۴۴، ۴۸، ۵۸، ۶۰، ۶۱، ۶۹، ۷۳،
۱۱۶، ۱۲۷، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۷،
۱۶۸، ۱۷۷، ۳۹۹، ۴۲۲، ۴۲۸ — ۴۲۹،
۴۴۴، ۴۹۶، ۴۹۹، ۶۵۲ — ۶۵۳ (۳)، ۲۳۸،
۲۶۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۴۰۱، ۴۲۶، ۴۴۸،
۴۷۰، ۴۹۵، ۵۱۸ — ۵۱۹، ۵۵۶، ۶۹۵،
۶۷۷، (۴)، ۷۵، ۱۱۳، ۱۷۳، ۱۷۸، ۱۹۱،
۲۳۴، ۲۵۸، ۲۶۶، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۴۶،
۳۵۰، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۶، ۳۶۷، ۳۷۴،
۳۷۶، ۳۷۹، ۳۸۲ — ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۹۷،
۳۹۴، ۳۹۶، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۲، ۴۱۰، ۴۱۷،
۵۶۱، ۶۵۸
احسا (۳)، ۷۴
ادرنہ (۱)، ۲۵
ادریس بابا (۲)، ۲۰۹

ازاما (۲) ۲۴۳
اذرعات (شام) (۳) ۶۸۵
اذرح (۲) ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۶۰۶ (۳) ۶۴۶، ۶۸۵
اذنبہ (۲) ۲۳۶
ار (۲) ۴۲۵ (۳) ۲۳
ارام (۲) ۲۴۴
اردن (۱) ۳۸، ۵۹۶ (۴) ۴۲۳
ارمینیا (۱) ۵۶۶
اریس (۱) ۵۳۹ (۲) ۲۱۴
اذھر (۳) ۱۳۸
اسپین (۱) ۲۷، ۳۲، ۷۷۹ (۲) ۲۰۹ (۳) ۱۱۶ (۴) ۱۴۸
استنبول (۱) ۴۱۰، ۶۶۱، ۷۱۵، ۷۱۷ (۲) ۲۲۱، ۵۱۶، ۵۷۱، ۶۰۷، ۶۲۶، ۶۲۹ (۳) ۱۳۸ (۴) ۱۴۵
اسٹٹگارٹ (۱) ۴۸۸
اسرائیل (۳) ۲۵۸ (۴) ۳۸۱، ۴۲۳-۴۲۸
اسکاٹ لینڈ (۲) ۲۰۹
اسکندریہ (۱) ۴۶۶، ۷۰۵ (۲) ۲۰۶، ۲۲۴ (۳) ۱۲، ۱۴، ۱۷، ۲۷، ۳۵، ۴۰، ۸۱ (۴) ۲۱
اسکنڈی نیویا (۴) ۵۴۴
اسوان (۱) ۲۵
اشبیلیہ (۱) ۵۹۸، ۶۰۹، ۶۱۶ (۴) ۱۱۰
اصفہان (۱) ۴۵۱ (۳) ۳۰۳
اطالیہ (۴) ۱۷، ۹۰، ۴۶۵
اعشاش (۱) ۷۴۳
اعظم گڑھ (۲) ۴۰۳، ۴۲۶ (۳) ۵۹۶
افریقہ (۱) ۲۵، ۲۲۶، ۷۲۶ (۲) ۵۲ (۳) ۳۷، ۶۶-۶۷، ۷۰، ۷۳-۷۴، ۷۹، ۸۱، ۹۸، ۱۷۱، ۱۷۶، ۳۶۷، ۵۲۵، ۵۵۵، ۵۸۱، ۵۸۲، ۶۶۹، ۷۳۹ (۴) ۱۴۴، ۳۲۹، ۵۶۷
افغانستان (۱) ۲۷ (۳) ۳۰، ۳۴، ۷۶۹، ۳۶ (۴) ۱۴۸، ۶۵۰
اقصیٰ (۲) ۷۵۳
اکسوم (۳) ۵۸۲، ۵۸۳
البانیہ (۱) ۲۵
الہ آباد (۴) ۴۵۹
ام البلاد (۲) ۵۹۵
ام رحم (۲) ۴۱۹
ام القریٰ (۱) ۲۳۳ (۲) ۴۱۹، ۴۸۶، ۵۰۱، ۵۹۵
امج (۲) ۱۸۹
امریکہ (۲) ۴۹۳، ۶۴۰، ۶۷۱ (۳) ۲۵۸، ۲۶۶، ۳۲۶، ۳۶۹، ۳۷۳، ۴۷۷، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۹۷، ۶۲۱، ۶۴۶، ۷۲۴ (۴) ۳۱۳، ۳۲۰
اناطولیہ (۲) ۶۷۱
اندلس (۱) ۴۵۴، ۴۸۵، ۴۸۷، ۵۶۶، ۵۹۷، ۵۹۹، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۶، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۳، ۶۱۶-۶۱۷، ۶۲۰، ۶۲۹، ۶۳۷، ۷۱۳ (۲) ۶۲۶، ۶۳۷ (۴) ۶۶، ۷۱۰
انڈونیشیا (۱) ۲۷ (۳) ۶۶۹
انطاکیہ (۳) ۱۳، ۹۸
انقرہ (۲) ۵۱۶، ۵۲۳، ۶۶۳

انگلستان (۱) ۱۳، ۴۱۰ (۲) ۶۷۱ — ۶۷۲ (۳) ۱۱۶، ۲۶۹، ۴۶۵، ۵۹۷، ۶۰۱، ۶۲۰، ۶۶۲ (۴) ۱۰۶ — ۴۶۵، ۴۸۷، ۴۹۷، ۵۸۹، ۶۲۶

اڑیسا (ORSA) (۱) ۵۱۵

ارسطو (۲) ۴۹۳

اوطاکس (۱) ۵۵

ایاصوفیا (۱) ۶۴۶

ایتھنز (۲) ۶۱۰ (۳) ۱۶

ایتھوپیا (۳) ۷۲

ایڈنبرا (۱) ۵۹۰

ایران (۱) ۹، ۱۲، ۱۴، ۱۹ — ۲۰، ۱۵۰، ۱۵۱، ۲۲۷، ۳۸۶، ۴۸۸، ۵۱۵، ۶۷۰، ۷۳۵، ۷۷۰ (۲) ۴۷، ۶۵، ۷۸، ۱۰۷، ۱۷۸، ۲۰۰، ۲۰۶، ۲۲۱، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۸۱، ۳۹۸، ۵۰۰، ۵۰۹، ۵۱۶، ۵۵۴، ۵۸۹، ۵۹۷، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۹ — ۶۱۰، ۶۱۳، ۶۱۵ (۳) ۷، ۹، ۱۲، ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۴۲، ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۲، ۷۴ — ۷۵، ۹۹ — ۱۰۱، ۱۱۵ — ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۵۷، ۱۸۴، ۳۷۶، ۴۱۷، ۴۶۶، ۵۲۵، ۵۵۵، ۵۵۸، ۵۷۷، ۵۸۱، ۶۰۴، ۶۲۰، ۶۳۴، ۷۴۰، ۷۴۲، ۷۴۵ — ۷۴۶ (۴) ۱۷، ۶۰، ۷۵، ۱۴۸، ۳۸۳، ۴۲۳، ۴۲۸، ۵۶۷، ۵۸۳، ۶۳۷، ۶۵۰

ایشیا (۲) ۵۳، ۴۹۳ (۳) ۲۳، ۳۲، ۳۵، ۵۳، ۹۸، ۱۷۶، ۵۲۵، ۵۵۵، ۵۸۱، ۷۳۹ (۴) ۱۴۴، ۴۹۱

ایشیائے کوچک (۱) ۱۹، ۷۲۳ (۳) ۳۳، ۳۸، ۳۹، ۶۶، ۵۲۹ (۴) ۱۷

ایفیس (۳) ۱۳

ایلہ (۱) ۴۰۲ (۲) ۲۰۷، ۲۴۸ — ۲۴۹، ۲۶۴، ۲۶۵، ۶۰۶ (۳) ۶۸۵ (۴) ۴۲۸

ایلیا (۲) ۲۲۱، ۲۲۶، ۴۱۸

ایلیوس (۳) ۳۸

ب

بابل (۱) ۲۳۷ (۲) ۴۳ (۳) ۲۲، ۳۱ — ۳۲، ۳۴، ۴۱، ۴۹، ۶۷، ۶۹، ۷۸، ۷۴۶

باختر (۳) ۲۲، ۳۳ — ۳۴

بازنطین (۲) ۵۱۶، ۵۹۷ (۴) ۳۶۶

باقیتان (۲) ۴۲۷

بانکی پور (۳) ۶۳۸

بحران (۲) ۵۹۶، ۵۹۸، ۶۱۵، ۶۱۹ (۴) ۳۹۳

بحرین (۱) ۳۸۶، ۴۴۵، ۷۶۸، ۸۱۰ (۲) ۴۷ — ۴۸، ۲۰۶ — ۲۰۷، ۲۲۹، ۲۴۶، ۲۵۶، ۳۶۵، ۳۶۹، ۴۳۹، ۴۶۳، ۵۲۳، ۵۹۶، ۵۹۸، ۶۱۲، ۶۱۹ (۳) ۷۴، ۷۷، ۸۴ — ۸۵، ۴۱۷، ۶۲۶ — ۶۳۸، ۶۴۳، ۶۴۵ — ۶۴۶، ۶۴۹، ۶۵۸ (۴) ۱۹۱، ۲۶۴، ۳۸۵، ۴۲۳، ۴۲۸، ۴۲۹

بدخشاں (۳) ۲۳

بدر (۱) ۳۳۶، ۳۵۱، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۱۵، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۳۸، ۴۴۵، ۴۵۶، ۴۷۱، ۴۷۳، ۵۱۳، ۵۴۱، ۵۸۲، ۵۵۵، ۵۹۰، ۶۲۶، ۶۳۰، ۶۵۴

۶۶۸، ۶۷۳، ۶۸۰، ۷۰۴، ۷۰۶، ۷۲۳، ۷۲۵،
۷۳۲، ۷۳۴، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۵۵، ۷۶۱ —
۷۸۲، ۷۹۰، ۷۹۶، ۸۱۴ (۲) ۴۰، ۴۴،
۴۸، ۵۰، ۵۷ — ۵۸، ۶۰، ۶۳،
۶۷، ۶۸، ۷۱ — ۷۲، ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۳۱، ۱۳۴
۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۵۷، ۱۶۴، ۱۶۶،
۱۶۹، ۱۷۰، ۱۹۵، ۳۲۶، ۳۷۱، ۳۷۶، ۳۸۳
۳۹۰، ۳۹۸، ۴۶۱، ۴۶۶، ۴۸۰، ۴۹۶،
۴۹۹، ۵۵۲، ۵۵۷، ۵۷۹، ۵۸۳، ۵۹۸،
۶۵۲، ۷۵۶ (۳) ۱۸۰، ۱۹۵، ۲۶۲،
۳۵۴، ۴۰۱، ۴۲۰، ۴۷۰، ۵۱۸،
۵۵۶، ۶۴۰، ۶۸۵ (۴) ۵۸، ۷۵، ۱۱۰، ۱۲۰،
۱۳۷ — ۱۳۸، ۱۷۳، ۱۸۳ — ۱۸۴، ۲۴۷، ۲۶۰،
۲۹۶، ۳۱۸ — ۳۲۰، ۳۲۹، ۳۳۲، ۳۳۴ -
۳۳۵، ۳۳۶ — ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۷
۳۵۲، ۳۵۶، ۳۶۱، ۳۷۴، ۳۷۶ — ۳۷۸
۳۸۲، ۳۸۳ — ۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۱، ۳۹۴
۳۹۶، ۳۹۸ — ۴۰۱، ۴۰۷ — ۴۰۸، ۴۱۰،
۴۱۴ — ۴۱۵، ۴۲۲، ۵۵۷
برطانیہ (۳) ۱۱۶، ۲۶۶، ۳۸۱، ۷۲۴ (۴) ۳۱۳، ۵۸۹
بُرقہ (۱) ۳۳، ۴۶۳
برک الضماد (۲) ۳۹۹
برلن (۱) ۴۱۵، ۴۶۵، ۴۸۶، ۵۱۵، ۶۱۴، ۷۱۴،
۷۷۵، ۷۸۳ (۲) ۶۱۳
برنسٹن (۱) ۴۹۱
برمعاط (۳) ۵۷

بُستان (۳) ۶۱
بصرہ (۱) ۶۳، ۴۲۶، ۴۳۹، ۴۵۶، ۴۵۸ — ۴۶۲،
۴۸۲، ۴۹۸، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۲۰، ۵۵۴، ۵۵۷،
۶۶۳، ۷۱۵، ۷۵۶، ۷۸۳، ۷۷۹، ۸۰۹، ۸۱۱،
(۲) ۳۴۷، ۴۵۰، ۴۵۴، ۴۵۸، ۴۶۷، ۵۲۳،
۵۶۳، ۶۰۶ (۳) ۱۸۷ (۴) ۶۶، ۷۰، ۷۳، ۲۷۰
۴۱۲، ۷۰۷
بُصریٰ (۱) ۵۷۶ (۲) ۴۷، ۲۲۰، ۴۷۲ (۳) ۵۴۸
۵۵۳ — ۵۵۴.
بطحاؔ (۱) ۶۵۶ (۲) ۴۱۹، ۴۲۱ (۳) ۱۸۳ (۴) ۵۲۹، ۶۲۲
بطحان (۲) ۴۵۳، ۴۵۶، ۴۵۹
بطلیوس (۱) ۶۱۶
بطن اضم (۴) ۴۲۰
بعاث (۲) ۴۳۲ — ۴۳۳
بعلبک (۳) ۷۵، ۷۶
بعلت [بعلبک کا قدیم نام] (۳) ۷۵
بغداد (۱) ۱۶، ۶۳، ۴۱۰ — ۴۱۱، ۴۲۶، ۴۶۶، ۴۹۸، ۵۰۱
۵۰۸، ۵۱۰ — ۵۱۱، ۵۹۰، ۶۶۱، ۷۰۱، ۷۱۲
۷۱۴ — ۷۱۵، ۷۶۰، ۷۶۴، ۷۶۹، ۷۷۱، ۷۷۶ —
۷۷۷، ۷۷۹، ۷۸۳، ۷۹۳، ۸۱۲ (۲) ۴۹۱ — ۶۶۲
(۳) ۷۰، ۷۷ — ۷۸، ۸۵، ۱۸۴ (۴) ۸۹، ۹۱،
۱۰۹، ۴۲۲
بقیع (۱) ۵۵۷ (۲) ۴۶۶ (۴) ۳۹۰
بقیع الغرقد (۲) ۴۵۶
بحتریا (۳) ۷۱
بکہ (۲) ۴۱۴، ۴۱۶، ۶۲۵ (۴) ۵۵۶

بلجیم (۴) ۳۱۳
بلخ (۳) ۲۳ (۴) ۱۶۶
بلغاریہ (۴) ۳۱۳
بلقان (۴) ۶۲۱
بلقاء (۱) ۴۰۲ (۲) ۲۵۳
بلکثہ (۲) ۲۴۱
بَلَنسیہ (۱) ۷۹۷، ۵۹۸، ۶۰۹—۶۱۰، ۶۱۶
بمبئی (۴) ۸۰، ۴۵۱، ۴۷۷، ۴۹۵
بنگال (۳) ۲۷ (۴) ۵۴۸
بنگالہ (۳) ۸۰
بواط (۲) ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۷ (۴) ۲۳۲، ۲۸۴، ۴۲۸
بوصیر (۳) ۷۰
بوقبیس (۳) ۱۸۳
بھارت (۴) ۳۸۱
بہار (۴) ۸۰
بھوپال (۱) ۸
بئرمعونہ (۱) ۴۴۳ (۲) ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۶۹، ۵۹۸، ۶۵۳ (۴) ۲۵۱، ۲۷۴، ۲۷۶، ۳۸۵، ۳۹۲

۳۹۸، ۴۲۸
بیت الحرام (۴) ۵۸۱
بیت عتیق (۲) ۴۴۶
بیت المقدس (۱) ۲۵، ۹۵، ۹۹، ۱۳۱، ۵۴۳، ۵۴۹، ۶۵۵ (۲) ۱۰۵، ۲۲۱، ۲۲۶، ۴۴۶، ۴۴۸، ۴۹۲، ۵۶۲—۵۶۳، ۵۸۱ (۳) ۱۴، ۱۱۵، ۲۵۲، ۲۳۹، ۲۷۷ (۴) ۲۵۶-۳۱۹-۳۲۳-۵۳۳-۵۸۱

بیت اللہ (۲) ۱۰۵، ۱۷۷-۱۷۸، ۲۳۱، ۴۰۶، ۴۱۹-۴۲۰، ۴۳۷، ۴۴۷، ۴۵۰، ۴۶۰، ۵۸۱، ۵۸۹، ۵۹۵، ۶۷۴، ۷۳۶ (۳) ۱۱۱، ۳۹۹ (۴) ۱۴۸، ۳۴۱، ۵۶۶
بیروت (۱) ۵۷۴، ۵۹۰، ۶۱۱، ۶۴۴ — ۶۴۵، ۶۴۹، ۶۹۲، ۶۹۷ (۲) ۲۲۰، ۲۴۳ (۳) ۶۶—۶۷، ۷۶، ۷۸، ۸۴، ۸۳، ۵۹۶

پ

پاک دیکھیے پاکستان
پاکستان (۱) ۲۷، ۶۴ — ۶۵، ۶۱۲، ۶۵۴ (۲) ۶۳۵ (۳) ۱۸۱، ۲۵۹، ۲۶۷، ۳۶۳، ۶۳۷، ۶۶۹ (۴) ۶۶، ۹۹، ۵۹۰۔
پاموک (۲) ۶۱۵
پامنج (۲) ۶۱۵
پٹنہ (۱) ۴۸۷ (۳) ۶۳۷ (۴) ۸۰، ۴۹۴
پٹی (۴) ۴۵۷، ۴۵۸
پولینڈ (۴) ۳۱۳
پھلواری (۴) ۸۰
پیٹرس برگ (۳) ۷۱
پیرس (۱) ۷۱۲ (۳) ۸۰ (۴) ۹۰
پیکن (۳) ۷۰

ت

تاشقند (۲) ۶۲۶
تبت (۳) ۸۱
تبع (۲) ۴۳۰ — ۴۳۱
تبوک (۱) ۱۲۰، ۶۵۵ (۳) ۴۴، ۴۸، ۵۰، ۶۲، ۷۰، ۱۸۴

۱۹۳–۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۱، ۲۵۴، ۳۶۷، ۴۶۶،
۵۸۷، ۶۰۶، ۶۱۵، ۶۲۱ (۳) ۳۵۴، ۴۸۹، ۵۷۳
۵۷۴، ۶۱۳، ۶۴۹، ۶۸۵ (۴) ۲۷۰، ۳۱۹، ۳۷۵
۳۷۹، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۰۱، ۴۰۵، ۴۱۷،
۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۳، ۵۴۶

تدمور (۳) ۷۵–۷۶

ترَبہ (۴) ۴۱۱

ترکستان (۱) ۱۲، ۲۷، ۳۲ (۳) ۶۶، ۷۰–۷۱، ۸۱، ۵۸۱
(۴) ۴۹

ترکی (۱) ۲۴–۲۶، ۲۸، ۶۴۶ (۲) ۲۲۵، ۲۰۷ (۳)
۵۸۱ (۴) ۴۲۸

تونس (۱) ۲۵، ۲۷، ۴۸۷، ۵۱۵، ۶۰۸

تہامہ (۲) ۲۴۹، ۳۶۶ (۳) ۵۴۳

تیماء (۱) ۴۵۸، ۷۰۴ (۲) ۴۸، ۲۶۴، ۴۲۶، ۵۸۳
(۳) ۴۲۰، ۵۵۶ (۴) ۴۰۶، ۴۱۰، ۴۲۳، ۴۲۸

ٹ

ٹرکی (۴) ۳۱۳

ٹکسلا (۳) ۷۰۲

ٹیونس (۳) ۷۲

ث

ثعلبہ (۲) ۶۹

ثمالہ (۲) ۲۶۰

ثنیات الوداع (۲) ۵۷۰

ثور (۲) ۴۴۵، ۴۹۱

ج

جاپان (۲) ۵۰۷ (۳) ۱۵، ۲۵۷، ۴۷۶ (۴) ۳۱۳

جبارستہ (۲) ۴۳۵

جامع کردی (۱) ۶۳۱

جبل بنی دعبید (۲) ۴۳۵

جبل تہامہ (۲) ۲۰۷

جبل ثور (۴) ۲۶۶، ۳۹۸

جبل القبلہ (۲) ۲۴۱

جبل تیم (۲) ۴۴۴

جبلین (۲) ۲۱۳، ۲۵۲

جحفہ (۱) ۶۵۶ (۲) ۴۲۳ (۴) ۳۳۲، ۳۸۳

الجدر (۲) ۴۳۵

جدّہ (۲) ۵۳۰ (۳) ۴۷، ۷۲، ۷۴ (۴) ۳۲۹، ۳۶۲، ۴۱۷
۴۲۳، ۴۲۸

جربا (۲) ۲۰۸، ۲۶۶، ۲۶۴، ۶۰۶ (۳) ۶۸۵، ۷۴۶

جرجان (۳) ۶۷۰

جرس (۲) ۴۶۰

جرش (۲) ۴۳۶

جرف (۲) ۲۰۱، ۲۰۳، ۴۳۵، ۴۶۷

جرمنی (۲) ۶۲۶، ۶۷۱، ۶۸۸ (۳) ۴۶۵ (۴) ۳۱۳

جری (۲) ۲۳۵

الجزائر (۱) ۲۷ (۳) ۲۵۸

جزائر الہند (۳) ۸۱

الجزیرہ (۱) ۴۱۱، ۴۶۶، ۷۶۰

جزیرۃ العرب (۱) ۲۵ (۲) ۴۴۵، ۴۵۰، ۴۶۸ (۳) ۸۶، ۴۶۸
(۴) ۱۲، ۳۳۳، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۵۵–۳۵۶، ۳۵۹
۳۶۵، ۳۶۸، ۳۷۱، ۵۶۴

جزیرہ قبرص (۱) ۲۵

جعرانہ (۲) ۱۸۷، ۲۲۹

الجعفر (۲) ۲۴۳

جفلات (۲) ۲۴۱

جلعاد (۳) ۸۳

جمّاع (۲) ۲۳۶
الجناب (۴) ۴۱۱
جنت البقیع (۱) ۵۶۱ (۲) ۴۵۹، ۶۷۵
جند (۲) ۴۸، ۶۱۰ (۴) ۴۲۹
جنوبی افریقہ (۴) ۳۸۱
جنوبی عرب (۱) ۴۱۶ (۲) ۷۳۱ (۳) ۲۱، ۱۲۸
جنوبی یمن (۱) ۲۷
جنوبی ہند (۳) ۸۱
جوڈیا (۳) ۱۴
جوزہ (بغداد کا ایک محلہ) (۱) ۷۰۱
جیرہ (۳) ۷۳—۷۴
جیفر (۲) ۲۲۷

چ

چکن دگاؤں، (۱) ۲۷
چین (۱) ۲۳۷ (۲) ۳۲۸، ۴۵۶، ۵۰۷، ۵۲۳، ۵۲۹
۶۱۲، ۶۱۵، ۶۲۶، ۶۳۷
چین (۳) ۶۶—۶۷، ۶۹—۷۱، ۷۳—۷۵، ۷۹—۸۱، ۱۰۳
۱۱۶، ۲۳۲، ۲۵۷، ۵۵۵، ۶۱۸، ۶۲۰، ۷۴۲، ۷۴۴
۷۴۵
چینی ترکستان (۱) ۲۷

ح

الحاطمہ (۲) ۴۱۹
حبش (۲) ۳۶۶، ۳۶۹، ۴۸۳—۴۸۴ (۳) ۲۴۰، ۵۲۹
۳۱۶، ۳۱۶ (۴) ۷۵، ۸۱—۱۴۵—۳۱۶، ۵۸۳
حبشہ (۱) ۵۶، ۵۸، ۳۶۶، ۳۶۹، ۴۳۷، ۴۸۳—۴۸۴ (۳) ۲۴۰
۵۴۴، ۵۴۶، ۵۵۶، ۵۶۲، ۵۶۸—۵۷۹، ۵۹۳،
۶۵۵، ۶۲۶، ۶۲۹، ۶۶۱، ۶۶۴، ۷۳۱، ۷۵۵، ۷۶۳
۷۹۵ (۲) ۴۳، ۱۴۹، ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۷—۲۱۹
۲۲۳—۲۲۴، ۴۰۳، ۴۲۷، ۴۵۳، ۵۱۶، ۵۲۳—
۵۲۴، ۵۵۲، ۵۵۷، ۵۵۹، ۵۷۷، ۵۸۰—۵۸۱،
۶۰۵، ۶۰۷—۶۰۹، ۶۱۳، ۶۴۸—۶۴۹،
۶۵۳—۶۵۴، ۶۶۳ (۳) ۷۲، ۷۴، ۷۸، ۸۰،
۳۹۳، ۴۱۷، ۵۵۷، ۵۷۶—۵۷۸، ۵۸۰—
۵۸۱، ۵۸۳، ۵۸۷—۵۸۹، ۵۹۳—۵۹۵،
۶۸۷، ۷۲۹، ۷۴۳ (۴) ۲۳۸، ۲۵۶، ۲۳۳،
۲۷۸، ۳۸۵، ۳۹۷، ۴۰۵، ۴۱۰، ۵۶۶،
۶۵۷—۶۵۹
: ۵۸۳، ۵۸۷—۵۸۹، ۵۹۳—۵۹۵، ۶۸۷، ۷۲۹
۷۴۳ (۴) ۲۳۸، ۲۵۶، ۳۳۳، ۳۷۸، ۳۸۵، ۳۹۷
۴۰۵، ۴۱۰، ۵۶۶، ۶۵۷—۶۵۹
حبط (۴) ۴۱۴
حجاز (۱) ۲۵، ۶۲، ۴۳۷، ۶۵۱، ۷۱۱، ۷۱۴، ۷۲۵، ۷۴۸،
۷۴۹، ۸۰۰ (۲) ۵۲، ۵۷، ۶۳، ۱۶۷، ۱۸۲، ۱۹۱،
۲۲۲، ۲۴۹، ۲۶۶، ۲۶۹، ۴۰۵—۴۰۶، ۴۱۳،
۴۱۴، ۴۲۰، ۶۴۱ (۳) ۶۸، ۷۲، ۷۴، ۷۷،
۸۳، ۸۵—۸۶، ۱۱۲، ۱۷۶، ۱۸۹، ۲۶۶، ۵۲۵،
۵۵۵، ۵۷۶—۵۷۷، ۵۸۲، ۶۴۵ (۴) ۱۵۹،
۲۵۷، ۴۲۲، ۴۲۶، ۵۸۳، ۷۴۴
حجر (۲) ۱۹۰، ۲۵۶، ۴۲۵
حجون (۱) ۵۱۷
الحدان (۲) ۲۶۰
حدیبیہ (۱) ۴، ۵، ۱۷۳، ۲۰۳، ۳۰۰، ۴۰۱—۴۰۲، ۵۴۱
۵۸۴، ۶۵۵ (۲) ۴۴، ۵۰، ۵۹، ۶۵، ۶۶، ۶۹،
۷۴، ۱۲۷، ۱۷۵—۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۸، ۲۱۷، ۲۲۴،
۲۶۶، ۳۷۶—۳۷۷، ۳۹۸، ۴۳۵، ۴۵۴، ۴۵۹

۵۸۱، ۵۸۴، ۶۰۲ – ۶۰۳، ۶۰۵، ۶۵۸
(۳) ۱۸۶، ۳۵۶، ۵۵۸ – ۵۶۰، ۶۱۳، ۶۳۶-
۶۳۷، ۶۳۹ – ۶۴۰، ۶۴۲ – ۶۴۳، ۶۵۰، (۴)
۵۸، ۷۵، ۲۰۳، ۲۱۲، ۲۱۷، ۳۲۰، ۳۶۴،
۳۶۸ – ۳۶۹، ۳۷۵، ۳۹۵، ۴۰۸ – ۴۰۹،
۶۶۰۔
حرازۃ (۱) ۴۹۱
حرامن (۳) ۶۱
حرہ واقم (۲) ۲۶۰
حریض (۲) ۶۳
الحساء (۲) ۶۱۰، ۶۱۲ (۳) ۶۳۶ (۴) ۱۴۳
حسمی (۲) ۱۸۲ (۳) ۳۷۴، ۴۰۶
الحسینیہ (محل) (۲) ۲۱۲
حصات (۳) ۷۷
حصار (۴) ۴۹۸
حصن الاغراب (۲) ۴۳۰
حضرموت (۱) ۵۳۸ (۲) ۴۷ – ۴۸، ۲۰۷، ۲۲۳،
۲۵۶، ۲۶۱، ۴۶۲، ۵۱۶، ۵۶۳، ۶۳۰ (۳)
۶۹، ۷۴، ۷۶، ۳۹۹، ۶۴۵، ۷۲۹ (۴)
۴۲۳، ۴۲۸ – ۴۲۹
حضیرہ (۴) ۴۱۴
حطیم (۳) ۵۳۱، ۵۴۲
حطمہ (۲) ۴۳۵
حفیان (۲) ۴۴۴
حلب (۲) ۲۲۰ (۳) ۶۳۴ (۴) ۴۲۳
حمراء الاسد (۲) ۱۲۷، ۱۶۳ – ۱۶۴، ۱۶۶ – ۱۶۸ (۴)
۳۵۰، ۳۹۶، ۴۱۹
حمص (۱) ۳۷۹، ۶۱۰ (۲) ۱۹۴، ۲۲۰-۲۲۱، ۲۳۶ (۴) ۴۲۳
حمیر (۲) ۲۳۱، ۳۶۹
حنین (۱) ۵۵ (۲) ۴۲، ۴۴، ۴۷، ۵۰، ۵۸ – ۶۰
۶۲، ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۴۶، ۱۸۶ – ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۴،
۳۸۳، ۳۸۸، ۴۶۶، ۴۹۸، ۵۸۶، ۷۵۶، (۳)
۳۵۴، ۳۵۶، ۶۳۶ (۴) ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۹۱، ۳۱۹-
۳۲۰، ۳۷۱، ۳۷۵، ۳۸۲، ۳۸۸، ۳۹۳، ۳۹۵،
۳۹۸، ۴۰۱، ۴۱۵ – ۴۱۶، ۶۲۲
حیدرآباد دکن (۱) ۶۶، ۶۷، ۴۸۸، ۴۹۳، ۴۹۴، ۵۸۷
۵۹۱، ۶۱۱، ۶۳۲، ۶۳۴، ۶۴۴، ۶۴۶، ۶۶۲
۶۸۹، ۷۱۳، ۷۱۵ – ۷۱۶، ۷۱۸، ۷۶۴، ۷۹۲،
۸۰۹ (۲) ۱۲۱، ۳۴۴، ۶۴۵ (۳) ۱۴۱ – ۱۴۴
۵۵۵، ۶۳۶، ۶۳۸ (۴) ۳۸۲، ۴۵۳، ۴۶۱
حیرہ (۱) ۴۶۶، ۵۶۸، ۷۶۰ (۲) ۳۶۵، ۳۷۴، ۶۰۹
۶۱۳ (۳) ۵۲، ۷۵، ۱۲۲ – ۱۲۳، ۶۳۴،
۶۳۹، ۷۲۷

خ

خالدیار (۳) ۶۹
خان بالغ (۳) ۷۰
خانفو (۳) ۷۰
خانہ خدا (۲) ۵۲۷، ۵۹۳
خانہ کعبہ (۱) ۹۴، ۹۵، ۱۳۱، ۲۰۷، ۲۷۵، ۴۲۰، ۵۴۲،
(۲) ۳۰۶، ۴۸۷ (۳) ۵۱، ۵۷، ۲۳۲، ۲۳۹،
۵۵۰، ۵۶۹، ۵۷۷ – ۵۷۹، ۵۹۵ (۴) ۲۵۶
۲۱۷، ۴۲۹

خبط (۴) ۳۷۵، ۴۱۴
الخجر (۱) ۷۴۱
خرار (۴) ۳۳۲
خراسان (۱) ۲۵۱ (۴) ۷۰، ۷۲
خضرہ (۴) ۳۷۵
خط (۲) ۸۵
خطا (۲) ۶۶، ۷۰
خطۃ الحافر (۱) ۴۵۴
خنساء (۲) ۷۰
خیبر (۱) ۵۳-۵۴، ۳۳۷، ۳۳۹، ۴۴۴، ۵۰۱، ۵۲۷، ۵۴۲، ۵۷۲، ۵۸۴، ۶۴۴، ۶۵۷، ۶۶۶، ۶۷۱، ۶۷۳، ۷۶۰، ۷۶۳، ۷۷۷، ۷۷۹ (۲) ۴۴، ۴۷—۴۸، ۵۰، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۷۲، ۱۸۲—۱۸۵، ۱۸۷، ۲۰۰، ۴۴۷، ۴۹۶، ۵۷۱، ۵۸۲—۵۸۳، ۵۹۸، ۶۰۰—۶۰۳، ۶۰۵، ۶۵۷ (۳) ۷۵، ۱۸۶، ۵۲۲، ۵۵۶—۵۷۷، ۵۵۹، ۶۳۶، ۶۴۸، ۶۵۰، ۷۲۹، ۷۳۹ (۴) ۱۲۳، ۱۴۷، ۱۸۲، ۲۲۸، ۳۱۹، ۳۵۱، ۳۵۵، ۳۶۱، ۳۶۴—۳۶۶، ۳۷۱، ۳۷۵، ۳۸۲، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۰۰—۴۰۱، ۴۰۷، ۴۰۸—۴۱۰، ۴۲۰، ۴۲۳، ۴۲۸، ۶۶۰، ۶۹۰

د

دار ارقم (۱) ۴۷۵ (۲) ۴۳۷، ۴۸۴—۴۸۶ (۴) ۱۴۱
دار ابی جہم (۲) ۴۶۸
دار اجالہ (۲) ۴۳۷
دار الندوہ (۲) ۱۵۳، ۴۱۲، ۴۲۱، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۵۰، ۴۶۰—۴۶۱ (۳) ۴۰۶ (۴) ۱۱۷، ۵۶۴، ۷۲۵
۷۹۷ (۲) ۱۹۴، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۲۰، ۲۲۶
۳۳۱، ۴۹۱، ۶۰۶، ۶۰۸ (۴) ۴۸، ۷۵
۶۳۴، ۷۴۶ (۴) ۱۱۱، ۳۷۷، ۴۲۳
دمینہ (۱) ۴۹۱
دومۃ (۲) ۲۱۳، ۲۶۳
دومۃ الجندل (۲) ۴۷—۴۸، ۵۰، ۱۲۷، ۱۴۲—۱۴۳، ۱۶۹—۱۷۰، ۱۹۵، ۲۶۳—۲۶۴، ۴۲۵، ۵۹۶، ۶۰۶، ۶۵۵ (۳) ۷۶، ۷۸، ۴۱۷، ۵۵۶، ۶۴۵، ۶۴۸، ۷۴۶ (۴) ۲۱۹، ۳۷۴، ۴۰۱، ۴۰۶، ۴۲۰، ۴۲۳، ۴۲۸
دومۃ الحر (۲) ۴۳۷
دھلک (۱) ۷۴۷
دہلی (۱) ۲۳، ۶۰، ۶۵، ۷۰۱ (۲) ۲۱۲، ۲۱۵—۲۱۶، ۴۹۲ (۳) ۷، ۱۸۱ (۴) ۸۰، ۴۳۲، ۴۵۹—۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۶، ۴۶۸، ۴۹۸، ۵۴۷
دیرنجیرا (۲) ۴۷۲
دیوبند (۱) ۲۲، ۵۸، ۶۳، ۶۵، ۷۱۲،

ڈ

ڈنلاپ (۲) ۲۱۰

ذ

ذات الاساود (۲) ۲۵۸
ذات اطلاح (۴) ۴۱۳، ۴۱۹
ذات الجیش (۲) ۴۴۴
ذات الحناظی (۲) ۲۵۸
ذات الرقاع (۲) ۴۸، ۶۹، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۴ (۴) ۳۱۹، ۳۶۵، ۴۲۸
ذات العشیرہ (۲) ۱۴۴، ۱۶۱
ذباب (۲) ۴۳۵
ذرامر (۲) ۵۹۸

ذوالحلیفہ (۲) ۱۶۵، (۴) ۷۴۷
ذوالخلصہ (۲) ۸۸ (۳) ۵۱
ذوالعشیرہ (۲) ۴۴۴، (۴) ۳۸۴، ۴۲۸
ذوالقصہ (۴) ۴۰۵، ۴۱۹
ذی خشب (۱) ۷۹۴
ذی طوی (۴) ۷۴۳
ذی الغصتہ (۲) ۲۳۷
ذی المردۃ (۲) ۲۴۰

ر

رابغ (۴) ۳۲۹
رابیہ (سوق) (۳) ۶۴۵
رام پور (۲) ۱۱۹، ۱۴۲، ۱۴۷
رباط (۱) ۶۱۴، ۶۱۸
رجیع (۱) ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۶۴، ۴۰۱، ۴۹۶ (۴) ۳۹۹، ۳۷۶،
۴۲۸
رشبونۃ (۱) ۶۱۶
رصافہ (۱) ۷۷۷
رصد (۱) ۴۵۴
رضوی (۲) ۱۴۲
رقم (۲) ۴۲۵
رقہ (۱) ۷۷۱—۷۷۲، ۸۱۲
رقیم (۲) ۴۲۷
رمل (۱) ۶۵۶
رملہ (۲) ۴۱۸
روڈیشیا (۴) ۳۸۱
روس (۱) ۹، ۱۳، ۳۳۴، ۳۳۸ (۳) ۶۶، ۲۵۷، ۲۶۶،
۷۲۴ (۴) ۱۶، ۳۱۳، ۳۲۰، ۷۳۵
روسی ترکستان (۱) ۲۷
روم (۱) ۱۵۰—۱۵۱، ۷۷۴، ۶۵۵ (۲) ۲۱، ۴۷، ۸۳، ۱۸۴،
۲۰۳، ۲۰۶، ۲۱۴، ۲۲۰—۲۲۱، ۲۳۱—۲۳۲، ۲۵۳،
۳۲۸، ۳۵۴، ۳۶۶، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۹۸، ۶۱۰ (۳)
۱۶، ۳۸، ۵۳، ۶۷، ۸۲، ۹۵—۹۶، ۹۹، ۱۱۵، ۱۱۸،
۱۲۱—۱۲۲، ۱۲۵، ۵۲۹، ۵۵۵، ۵۵۸، ۵۷۷، ۵۶۸،
۵۸۱، ۶۳۹، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۶ (۴) ۶۹، ۷۵، ۲۶۳
۳۶۸، ۳۸۱، ۵۴۹، ۵۷۸، ۶۷۴،
روما (۲) ۳۲، ۳۴—۳۵، ۳۷، ۱۱۵، ۷۴۲—۷۴۳،
۷۴۶ (۴) ۱۷، ۳۰۲
رومانیہ (۴) ۳۱۳
رومہ (۱) ۲۳۷، ۶۵۵ (۲) ۳۸۱
رہاط (۲) ۲۴۳
رے (۱) ۴۱۱، ۴۱۵، ۴۲۰، ۴۲۶—۴۶۶، ۵۰۸، ۷۶۰، ۷۶۴
ریاض (۴) ۴۲۳

ز

زبید (۴) ۴۲۹
زبیر (قلعہ) (۴) ۴۱۰
الزج (۲) ۲۴۲
زرقان (۱) ۷۱۸

س

سائبیریا (۴) ۱۴۸
سبا (۱) ۴۲۳ (۲) ۸۸، ۳۶۹، ۴۸۰ (۴) ۴۲۶
سبتہ (۱) ۶۳۷—۶۳۸، ۷۱۶
سپین (۲) ۹، ۶۰۵، ۶۲۶
سنج (۲) ۴۵۳، ۴۶۰

سراف (۳) ۷۱
سراندیپ (۳) ۷۲
سرہند (۱) ۲۱
سریادمانٹینگرو (۴) ۳۱۳
سریا (۲) ۴۰۳
سسلی (۴) ۱۴۸
السطح (۲) ۴۱۲
سعودی عرب (۱) ۱۰ (۲) ۶۱۲
سفوان (۴) ۳۸۴
سقام (۳) ۶۳
سلالم (۱) ۵۸۴ (۴) ۴۱۰
سَلع (۲) ۴۲۴، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۴۲، ۴۴۴–۴۴۵، ۴۶۰، ۴۹۱
سلوق (۳) ۸۵
سماوہ (۲) ۶۱۳ (۳) ۶۳۷
سمرقند (۴) ۱۴۸
سنخریب (۱) ۳۱
سندھ (۱) ۵۹۰، ۷۶۸، ۸۰۹ (۲) ۵۳، ۵۲۳، ۶۱۳ (۳)
۶۹، ۷۱–۷۲، ۷۴–۷۵، ۷۷، ۵۸۱ (۴)
۶۴، ۴۲۰
سوریا (۴) ۵۸۳
سوسیانہ (۳) ۳۰
سوق الشحر (۳) ۷۷
سویڈن (۱) ۱۳، ۵۱۵ (۲) ۶۷۲
سہارنپور (۱) ۲۲
سہیل (۱) ۷۱۳
سوئٹزرلینڈ (۲) ۶۷۲
سیام (۳) ۷۱
سیرینی (۳) ۳۵
سیلون (۲) ۵۳۷ (۳) ۷۱–۷۲، ۸۰–۸۱
سینا (۳) ۲۲۴، ۲۵۶ (۴) ۴۲۳، ۴۲۸
سیوط (۱) ۴۸۷

ش

شاطبہ (۱) ۶۱۶
شام (۱) ۲۳–۲۵، ۲۷، ۲۰۰، ۳۸۶–۳۸۷، ۳۹۹، ۴۰۹،
۴۱۵، ۴۴۲، ۴۵۱، ۴۸۷، ۵۰۵، ۵۱۴–۵۱۵، ۵۱۷،
۵۲۳–۵۲۴، ۵۴۸، ۵۵۴، ۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۶،
۵۷۶، ۵۹۱، ۶۰۲، ۶۵۲، ۶۶۸، ۷۰۴، ۷۲۸، ۷۶۹
۷۹۸، ۸۰۰، ۸۱۲ (۲) ۴۳، ۷۸، ۱۶۵، ۱۸۷، ۳۱۱،
۲۲۴، ۲۳۵، ۲۴۹، ۲۶۴–۲۶۶، ۳۷۴،
۳۹۳، ۴۱۱، ۴۱۳–۴۱۴، ۴۲۲، ۴۷۰، ۴۷۲
۴۷۵، ۴۹۳، ۵۲۳، ۵۵۷، ۵۷۶، ۵۷۹، ۵۸۱
۵۸۳، ۶۰۱–۶۰۲، ۶۰۹ (۳) ۳۹، ۵۷، ۶۷، ۶۸،
۷۴–۷۵، ۷۸–۷۹، ۹۵، ۹۸، ۱۱۵، ۱۱۷–۱۱۸،
۱۲۲، ۱۲۴، ۱۵۷، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۸۹، ۲۰۹–۲۱۰
۲۶۴، ۳۰۴، ۴۱۷، ۴۲۵، ۴۴۸، ۵۲۹، ۵۳۰،
۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۱–۵۵۲، ۵۵۴–۵۵۵، ۵۵۸،
۵۶۰، ۵۶۲، ۵۷۷، ۵۸۰–۵۸۱، ۶۱۱–۶۱۲، ۶۲۰،
۶۲۴، ۶۴۹، ۶۵۵، ۷۲۹، ۷۴۳، ۷۴۵، ۷۴۶
(۴) ۱۲۸، ۱۴۸، ۲۱۳، ۲۵۷، ۲۹۶، ۳۱۸، ۳۱۹،
۳۲۹، ۳۳۴–۳۳۵، ۳۳۷–۳۳۸، ۳۴۵
۳۵۲، ۳۶۶، ۳۷۷، ۳۸۱–۳۸۲، ۳۸۴، ۳۸۷
۳۹۳، ۳۹۷، ۴۰۱، ۴۰۶، ۴۲۳، ۴۲۸، ۵۴۰،

۵۶۷، ۵۷۸، ۷۰۷، ۷۱۳
شامہ (مکہ کی پہاڑی یا چشمہ) (۱)، ۴۰۸
شجران (۲)، ۴۷
شرقِ اردن (۱)، ۲۵
شرق اوسط (۳)، ۱۲۲
شَعَیبَہ (۳)، ۵۸۲
شعب (۱)، ۷۱۱، ۷۴۹، ۸۰۰
شق (قلعہ) (۱)، ۵۸۴ (۴)، ۴۱۰
شقران (۱)، ۶۳۵
ششترین (۱)، ۶۱۶
شواق (۲)، ۲۴۳
الشوط (۴)، ۳۴۶—۳۴۷
شہرزور (۱)، ۲۳
شیراز (۳)، ۶۹

ص

صحار (۳)، ۷۶
صحارہ (۱)، ۴۹۱
صحرا (۱)، ۷۰۷
صفا (۱)، ۵۶۰، ۵۷۸ (۲)، ۴۸۲، ۴۸۵ (۳)، ۳۸۱
۴۶۲ (۴)، ۲۱۰—۲۱۱
صفین (۳)، ۴۸۹ (۴)، ۹۰، ۱۱۳، ۳۷۸
صنعاء (۱)، ۷۷، ۶۵۶، ۷۵۶ (۳)، ۵۸، ۷۴، ۷۶،
۳۹۹، ۴۲۰، ۵۷۸ (۴)، ۱۴۱، ۴۲۳،
۴۲۹
صور (۳)، ۶۸، ۷۴
صیدا (۳)، ۶۸

صین (۳)، ۷۰ (۴)، ۵۹
صین العین (۳)، ۷۰—۷۱، ۸۱
صین الکبیر (۳)، ۷۰

ط

طائف (۱)، ۵۵، ۱۸۹، ۳۳۹، ۴۰۲، ۵۱۲، ۵۱۹، ۵۴۲،
۵۴۹، ۵۸۱، ۵۸۴، ۶۵۵، ۷۶۲ (۲)، ۴۲،
۴۴، ۸۸، ۱۱۷، ۱۸۶—۱۸۷، ۴۳۰، ۴۳۶،
۴۴۹، ۴۶۰، ۴۶۲، ۴۸۹، ۴۹۱، ۴۹۷
۴۹۹، ۵۵۹—۵۶۰، ۵۶۶، ۵۸۲، ۵۸۶
۵۹۹—۶۰۰، ۶۰۸، ۶۲۲، ۶۲۹، ۶۴۵، ۶۴۹
۶۶۳، ۶۶۶ (۳)، ۶۰، ۷۷، ۲۰۲، ۲۰۶، ۲۵۴
۳۵۶، ۴۰۱، ۴۱۷، ۴۳۴، ۴۴۸، ۵۳۴،
۵۴۱—۵۴۲، ۵۷۵، ۵۷۸، ۶۳۶، ۶۴۵، ۷۲۹
۷۴۷ (۴)، ۱۸۴، ۲۶۶، ۳۲۹، ۳۷۱، ۳۷۵،
۳۷۷، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۸۸، ۳۹۳—۳۹۴، ۴۰۶
۴۲۸۔
طرابلس (۱)، ۲۳، ۲۵
طبرستان (۱)، ۷۱۶
طفیل (مکہ کی ایک پہاڑی یا چشمہ) (۱)، ۴۰۸
طور (۴)، ۳۲۳
طہران (۳)، ۵۹۶
طیسیقون (مدائن کا قدیم نام) (۳)، ۷۰، ۱۱۹

ظ

ظفار (۳)، ۷۴

ع

عبدالاشہل (۲)، ۴۳۵

عدن (۳) ۶۸، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۶
عدنان (۲) ۴۰۸
عراق (۱) ۱۴، ۱۹، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۳۸۷، ۳۹۸، ۴۱۵
۴۵۱، ۴۹۸، ۵۰۸، ۵۱۵، ۵۵۷، ۵۶۱، ۶۲۰
۷۲۴، ۷۵۷ — ۷۵۸، ۷۶۱، ۷۶۹، ۷۷۱، ۸۱۰
(۲) ۶۳، ۷۸، ۱۰۷، ۱۶۵، ۳۶۵، ۴۰۶، ۴۱۸
۵۲۳، ۵۷۶، ۵۸۹، ۶۰۹، ۶۱۹ (۳)
۵۲، ۵۸، ۶۱، ۷۰، ۷۴ — ۷۵، ۷۹، ۱۲۲،
۱۵۷، ۱۸۹، ۲۳۷، ۵۵۱، ۵۵۵ — ۵۵۶، ۵۶۰،
۵۶۲، ۵۸۱، ۶۴۹، ۷۴۵، ۷۴۶ (۴) ۶۵ — ۶۶،
۶۸، ۷۱، ۱۲۸، ۱۴۸، ۱۶۰، ۲۵۷، ۳۴۵، ۴۵۶، ۵۸۲،
۶۹۱، ۷۱۲
عراق قدیم (بابل)، (۲) ۱۷۳
عرب (۱) ۲۵، ۲۲۵، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۹، ۴۱۲، ۴۴۴
۴۴۹، ۵۱۸، ۵۴۵، ۵۶۹، ۵۷۴، ۵۸۱، ۵۸۳،
۶۰۳، ۶۲۰، ۶۵۲ — ۶۵۳، ۶۵۵، ۶۶۳، ۶۹۱،
۷۰۴، ۷۲۵، ۷۴۲، ۷۵۲، ۷۶۲ — ۷۶۳، ۷۶۵،
۷۶۸، (۲) ۵۲ — ۵۳، ۶۱، ۷۰، ۷۶ — ۷۹، ۸۴،
۸۸ — ۹۰، ۹۵، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۴ — ۱۰۵، ۱۴۸،
۱۸۱، ۱۹۴ — ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۸۸، ۳۰۲، ۳۰۵ —
۳۰۷، ۳۱۱ — ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۴۵ —
۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۴، ۳۸۶ — ۳۸۷، ۳۹۸،
۴۰۳، ۴۱۴، ۴۲۱، ۴۲۵، ۴۳۶، ۴۵۸، ۴۶۰،
۴۶۴، ۴۶۹، ۴۸۰، ۴۹۲ — ۴۹۵، ۴۹۷ — ۴۹۸،
۵۰۰ — ۵۰۱، ۵۰۳، ۵۰۶، ۵۰۹، ۵۱۵، ۵۲۰
— ۵۲۱، ۵۲۳، ۲۲۵ — ۵۲۶، ۵۵۲، ۵۵۸،
۵۶۴، ۵۶۶، ۵۶۹ — ۵۸۴، ۵۸۹، ۵۹۷، ۶۰۶،
۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۲ — ۶۱۵، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۵،
۶۵۲، ۶۵۴، ۶۶۲ — ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۸۰، ۶۸۷ —
۶۸۸، ۶۹۲، (۳) ۷، ۱۱، ۴۱ — ۴۶، ۴۸، ۵۵، ۵۷، ۶۲، ۶۶،
۷۷، ۷۹ — ۸۰، ۸۲، ۸۸، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۲۹ —
۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۲ — ۱۸۴، ۱۸۹، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۰۹،
۲۱۳، ۲۲۴ — ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۲ — ۲۳۴، ۲۳۹،
۲۴۱ — ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۷۱، ۲۷۴، ۳۰۲ — ۳۱۳،
۳۰۷، ۳۲۱، ۳۲۲ — ۳۲۴، ۳۵۲ — ۳۵۴، ۳۶۵،
۳۶۷، ۴۰۶، ۴۰۹، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۶۱، ۴۶۶، ۴۸۱،
۴۹۴، ۵۲۵ — ۵۲۹، ۵۳۳، ۵۴۲، ۵۴۵ —
۵۴۶، ۵۴۹ — ۵۵۱، ۵۵۵، ۵۵۶ — ۵۵۸،
۵۶۰، ۵۶۲ — ۵۶۶، ۵۷۰ — ۵۷۲، ۵۷۷ —
۵۷۸، ۵۸۱، ۵۸۷ — ۵۸۸، ۵۹۵، ۶۰۷ — ۶۰۹،
۶۱۱ — ۶۱۳، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۶ — ۶۲۸، ۶۳۴ —
۶۳۷، ۶۴۳ — ۶۴۸، ۶۵۰، ۶۵۴، ۶۶۲، ۶۶۷،
۶۸۵، ۷۲۳، ۷۲۷، ۷۲۹ — ۷۳۰، ۷۳۹، ۷۴۵،
۷۴۶ — ۷۴۷ (۴) ۷، ۹، ۱۱، ۱۶، ۲۲، ۲۷، ۴۰،
۴۳، ۴۴، ۸۲، ۸۹ — ۹۰، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۱۵، ۱۱۷،
۱۲۳، ۱۲۸، ۱۳۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰،
۱۶۳، ۱۶۶، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۹۵، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۸،
۲۵۷، ۲۹۵، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۴۵، ۳۵۵،
۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۲، ۴۰۶، ۴۱۴، ۴۱۶ — ۴۱۷،
۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۸، ۴۳۷، ۴۵۵ —
۴۵۷، ۴۷۷ — ۴۷۸، ۴۸۳ — ۴۸۴، ۴۹۱، ۴۹۳،
۴۹۵ — ۴۹۶، ۵۱۸، ۵۳۰، ۵۳۳، ۵۳۸،

۵۴۲—۵۴۳، ۵۴۷، ۵۴۹، ۵۵۱، ۵۹۰، ۵۹۵،
۶۲۶، ۶۲۸—۶۲۹، ۶۳۱، ۶۴۳، ۶۴۹—۶۵۰،
۶۵۵، ۷۰۵، ۷۱۳—۷۱۴، ۷۴۸

عربستان (۲) ۴۳۰، ۴۳۶ (۳) ۴۲، ۵۱، ۷۳، ۷۶، ۸۲

عرج (۱) ۵۴۳ (۲) ۱۹۲

عرس (۲) ۴۱۹

عرفات (۲) ۴۰۶، ۴۱۶، ۵۸۹، ۵۹۴، ۶۱۷، ۶۲۸ (۳)
۱۱۴ (۴) ۷۵، ۴۱۸، ۷۴۳، ۷۴۷، ۷۴۹

عرفہ (۱) ۶۵۶

عرض (۲) ۴۱۹

عرازة (۱) ۴۹۱

عسفان (۲) ۱۸۹ (۴) ۲۹۹

عسیر (۱) ۲۳، ۲۵

العشیرہ (۲) ۵۷۷

عقبہ (۱) ۴۱۳

العقیق (۱) ۷۸، ۷۸۸ (۲) ۴۵۶

عک (۲) ۴۳۰

عکاظ (۱) ۵۵۷ (۲) ۴۷۱، ۵۱۸، ۶۶۸ (۳) ۷۶،
۶۴۵ (۴) ۱۱۷

علیگڑھ (۱) ۵۹۳ (۳) ۱۳۶

عمان (۲) ۴۷—۴۸، ۲۱۱—۲۱۲، ۲۲۷، ۲۵۳، ۳۶۵،
۵۲۲—۵۲۳، ۵۵۷، ۵۹۶، ۶۰۲، ۶۱۰،
۶۱۲، ۶۱۹ (۳) ۷۷، ۷۶، ۸۴، ۲۶۶، ۴۱۷،
۴۲۰، ۵۵۸، ۶۳۶—۶۳۷، ۶۴۳ (۴)
۴۲۳، ۴۲۸

عمواس (۴) ۴۰۶

عوالی (۲) ۴۵۳

عورا (۲) ۴۲۵

عیر (۲) ۴۲۲، ۴۴۴—۴۴۵

عیص (۴) ۳۷۴، ۴۰۶، ۴۲۸

عین التمر (۱) ۱۱۴، ۴۶۶، ۷۵۷

عینون (۲) ۲۳۵

غ

غار ثور (۱) ۳۳۶، ۳۳۹ (۲) ۴۲، ۱۵۳—۱۵۴، ۱۵۶،
۵۶۹ (۴) ۲۹۸، ۶۳۹

غار حرا (۱) ۱۹۷ (۲) ۴۳، ۴۷۶، ۵۰۳، ۵۲۹—
۵۳۰، ۵۳۲، ۵۶۰، ۶۸۶ (۳) ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۳۰،
۴۶۲، ۷۲۳ (۴) ۴۹، ۴۶۶، ۶۳۵—۶۳۶،

غبغب (۳) ۶۳

غدیر خم (۱) ۶۵۶، ۶۷۸

غرناطہ (۱) ۶۰۹ (۲) ۴۹۲ (۳) ۱۸۱ (۴) ۱۱۰—۱۱۱، ۵۴۷

غزنی (۲) ۴۹۲

غزہ (۳) ۲۲۵

غسان (۱) ۷۴۲ (۲) ۱۲۳ (۳) ۶۰

غطفان (۲) ۶۹ (۳) ۵۵۶

ف

فاران (۱) ۲۹۶ (۳) ۱۸۹، ۲۲۴—۲۲۵، ۴۰۰ (۴)
۵۷، ۶۵۲

فارس (۱) ۳۸۶، ۵۶۸ (۲) ۲۲۳، ۳۲۸، ۳۶۵، ۵۷۱،
۵۸۳، ۶۷۱—۶۷۲، ۶۸۸ (۳) ۷۸، ۱۸۴،
۲۶۴، ۷۴۶ (۴) ۲۱، ۱۴۸

فاس (۱) ۴۱۵، ۶۳۷، ۶۴۴
فجا (۳) ۶۹
فدک (۱) ۸۵۴ (۳) ۷۲۹ (۴) ۱۶۷، ۳۷۴–۳۷۵،
۳۹۱، ۴۰۶–۴۰۷، ۴۱۹–۴۲۰، ۴۲۳، ۴۲۸
فرانس (۱) ۳۳۴، ۳۳۸ (۳) ۹۷، ۱۱۶، ۳۲۶، ۴۷۶
(۴) ۱۶، ۹۰، ۱۴۸، ۳۱۳، ۳۲۰، ۵۸۹
فزان (۱) ۲۵
فسطاط (۱) ۴۳۹، ۴۴۵، ۴۵۶، ۴۵۹، ۴۶۳–(۲) ۴۵۰،
۴۶۷ (۴) ۱۰۹
فلپائن (۴) ۲۱۳
الفلج (۲) ۲۱۴
فلس (۳) ۶۰
فلسطین (۱) ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۳۷۹، ۵۹۵، ۵۹۶، ۶۹۱،
(۲) ۷۸–۷۹، ۱۰۵، ۲۰۹، ۴۰۳، ۴۰۶، ۴۲۳
۴۲۵–۴۲۶، ۴۹۲، ۵۱۶، ۵۱۹، ۵۲۳، ۵۲۵
۵۵۷، ۵۸۹، ۶۰۶–۶۰۷، ۶۰۹، ۶۱۹، ۶۴۸
۶۷۲ (۳) ۱۴، ۴۲، ۶۹، ۲۵۸، ۲۶۴، ۴۶۰،
۵۲۵، ۵۶۲، ۵۶۸، ۶۱۳، ۶۳۴، ۶۴۹، ۶۷۰
۷۴۳، ۷۴۵–۷۴۶
فن لینڈ (۴) ۳۱۳
فینقیا (۲) ۴۰۳
فینیقیہ (۳) ۴۲
فینکینیا (۳) ۶۷

ق

قادسیہ (۱) ۴۰۲ (۲) ۴۱۹ (۳) ۴۹۰ (۴) ۳۸۷
قاہرہ (۱) ۵۳، ۴۱۰، ۴۳۹، ۴۵۱، ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۸۹
۵۹۵–۵۹۶، ۶۰۰، ۶۱۲–۶۱۳، ۶۱۵، ۶۲۹
۶۳۲، ۶۴۶، ۶۵۲، ۶۶۴، ۶۶۹، ۶۸۳، ۶۹۰،
۷۱۳، ۷۱۵–۷۱۹، ۸۰۷ (۲) ۴۹۲، ۶۲۴،
(۳) ۱۵۰، ۵۵۵
قباء (۱) ۱۲۰، ۵۴۹، ۷۳۵ (۲) ۴۶، ۵۰، ۵۶، ۱۵۴،
۱۵۶، ۴۳۵، ۴۳۹، ۴۲۲، ۴۴۵–۴۴۶، ۴۶۰
۴۶۲، ۴۶۴، ۴۹۱، ۵۷۰–۵۷۱ (۳) ۳۷۹،
۳۹۰، ۴۲۸
قبط (۲) ۴۳۷
قبرص (۳) ۳۵
قدید (۲) ۱۹۰ (۳) ۵۹
قردۃ (۲) ۶۳
قرطاجنہ (۳) ۷۴۵
قرطاء (۴) ۷۳۴
قرطبہ (۱) ۵۹۷، ۶۰۸، ۶۱۶، ۶۳۷–۶۳۸ (۴) ۱۱۴
قرقرۃ الکدر (۲) ۱۲۹، ۵۹۸ (۴) ۳۹۲
قرن الثعلب (۲) ۴۹۱، ۴۹۴
قریۃ النمل (۲) ۴۱۹
قریظہ (۲) ۴۳۵
قسطنطنیہ (۱) ۷۶۱ (۲) ۲۲۱، ۲۳۲، ۳۶۵، ۶۰۵ (۳) ۱۲،
۳۵، ۱۱۵، ۱۹۰، ۴۱۷، ۴۶۰، ۵۸۱
قصارہ (۱) ۴۸۴ (۴) ۴۱۰
قضیمہ (۴) ۳۲۹
قطر (۲) (۴) ۲۶۴، ۴۲۸
قطن (۴) ۳۷۴
قطیب (۳) ۷۴

قمع (صحرا کا ایک گاؤں) (۱) ۷۰۷
قوص (قلعہ) (۱) ۵۷۲، ۵۸۴ (۴) ۴۱۰
قناطر (۴) ۳۴۷
قندھار (۴) ۵۴۸
قنوج (۳) ۱۰۵
قیب حجرا (۲) ۴۱۹
قیروان (۱) ۵۹۸

ک

کارتھج (۳) ۷۲
کاشغر (۱) ۱۶
کاظمہ (۲) ۷۴
کانپور (۱) ۶۴ (۴) ۸۰
کدید (۴) ۲۷۵، ۴۱۲
کراچی (۱) ۷۱۷ (۳) ۵۹۶ (۴) ۳۸۲، ۴۳۲، ۵۹۰، ۶۱۷
کربلا (۴) ۶۹، ۴۲۳، ۴۲۸
کرمان (۴) ۱۴۶
کریٹ (۳) ۷۴۵
کشمیر (۳) ۷۲
کعبہ (۱) ۴۴۱، ۵۱۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۷۰، ۵۷۶، ۶۳۰، ۶۵۲، ۷۱۴، ۷۶۳ (۲) ۴۳، ۵۰، ۷۸، ۸۸، ۱۰۴، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۳۷۶، ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۳۷، ۴۹۲، ۴۹۳، ۵۰۱، ۵۱۶، ۵۲۴-۵۲۹-۵۳۰، ۵۳۹، ۵۵۴، ۵۵۷-۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۳-۵۶۴، ۵۶۹، ۵۸۵، ۵۸۷، ۵۹۰، ۵۹۴-۵۹۵، ۶۰۷-۶۰۸، ۶۱۱، ۶۵۳، ۶۶۳، ۶۶۸ (۳) ۵۷، ۶۲-۶۳، ۶۶، ۸۸، ۱۱۱، ۱۷۶-۱۷۷، ۱۷۹، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۱، ۲۱۳، ۴۷۰، ۴۸۰، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۵، ۵۴۱، ۵۴۷، ۵۵۸، ۵۷۸، ۷۴۰، ۷۴۳ (۴) ۵۸، ۱۱۷، ۱۵۹، ۲۰۴، ۳۲۷، ۳۷۰، ۳۸۷، ۵۳۱، ۵۳۳، ۵۴۱، ۵۶۵-۵۶۶، ۶۵۳، ۶۷۶، ۷۰۷
کلکتہ (۲) ۵۰۰ (۴) ۸۰
کندہ (۲) ۴۸، ۳۶۹، ۵۱۶
کوفہ (۱) ۴۱۱، ۴۲۰، ۴۲۶، ۴۵۹، ۴۶۶-۴۶۸، ۵۰۱، ۵۰۵، ۵۱۲، ۵۲۷، ۵۵۶، ۶۶۳، ۷۶۰، ۷۶۴، ۷۷۹ (۲) ۳۴۵، ۴۵۰، ۴۵۴، ۴۵۸، ۴۶۷، ۴۹۱، ۶۰۹، ۶۱۳
کوفہ (۳) ۵۲ (۴) ۷۳، ۴۲۸
کوہِ حرا (۴) ۵۴۱
کوہِ طور (۲) ۵۶۳
کھلاں (۴) ۴۲۶
کورگ (۴) ۴۹۶
کویت (۱) ۱۰، ۶۳۲، ۶۴۴ (۴) ۴۲۳، ۴۲۸
کیپیڈوشیا (۳) ۱۱۵
کیمبرج (۱)، (۳) ۱۴۴، ۱۴۷
کینٹن (۳) ۷۰

گ

گجرات (۳) ۶۹
گوٹنگن (۱) ۴۸۸، ۷۱۲
گیلان (۳) ۲۲

ل

لاہور (۱) ۴۸۸، ۶۱۲، ۷۱۳، ۷۱۷ (۲) ۲۱۵، ۶۲۵ (۳)
۸۰، ۲۶۷، ۵۹۶، ۶۳۸ (۴) ۳۵، ۸۰
۴۳۲، ۴۵۹—۴۶۰، ۴۵۳، ۴۵۷، ۴۹۹
۶۱۹
لاسپزش (۱) ۷۸۰
لائل پور (۴) ۴۶۷
لائیڈن (۱) ۴۱۰، ۴۸۸—۴۸۹، ۴۹۷، ۶۰۰ (۳) ۱۴۳
لبلہ (۱) ۵۹۷
لبنان (۱) ۱۵ (۳)
۵۹۶ (۴) ۴۲۳، ۴۲۸
لکھنؤ (۱) ۲۲، ۳۲، ۳۷ (۳) ۵۹۶ (۴) ۸۰، ۶۱۹
۶۲۰
لندن (۱) ۴۶۵، ۴۹۷، ۵۸۸ (۲) ۲۰۹، ۲۱۱، ۶۸۸
(۳) ۱۳۵
لنکا (۲) ۵۳۷ (۳) ۳۷، ۷۲
لوابة الخزار (۲) ۲۴۲
لوائر (۳) ۱۱۶
لیبیا (۱) ۲۷، ۵۹۶
لیبزیک (۱) ۴۸۸

م

مآرب (۲) ۴۸ (۴) ۳۲۶، ۳۲۹
ماچین (۳) ۷۰
ماد (۲) ۳۰
مالابار (۲) ۶۱۳—۶۱۴
مالٹا (۳) ۳۶۳
مالقہ (۱) ۶۰۹
مالقہ (اندلس کا ایک ضلع) (۱) ۷۱۳
ماوراء النہر (۲) ۶۲۶
متھرا (۳) ۳۹ (۴) ۵۹۱
مجمع الجزائر (۳) ۷۱
المحزاف (۱) ۵۶۲ /
مخلاف (یمن کا صوبہ) (۱) ۴۵۴
مخیض (۲) ۴۴۴
مدائن (۲) ۶۰۹، ۶۱۳
(۳) ۷۰، ۷۵، ۱۲۲، ۱۸۴، ۳۰۴، ۶۴۰، ۶۳۸
۶۴۳، ۶۷۰
مدراس (۳) ۲۲۷
مدقوار (۲) ۲۴۳
مدین (۲) ۴۷۷
مدینہ (۱) ۲۳، ۵۸، ۶۰، ۸۴، ۹۵، ۱۸۳، ۲۶۴، ۲۸۵
۲۹۸، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۷، ۲۹۸، ۴۰۱، ۴۱۰—
۴۱۱، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۶، ۴۳۶، ۴۴۱، ۴۵۱، ۴۶۲
۴۶۶، ۴۹۸، ۵۰۱، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۸، ۵۱۱، ۵۱۲،
۵۱۹، ۵۲۰، ۵۳۹، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۹، ۵۵۵—
۵۶۰، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۷، ۵۷۱، ۵۸۱، ۵۸۳،
۵۸۹—۵۹۰، ۵۹۲، ۶۰۴—۶۰۵، ۶۰۷،
۶۱۰، ۶۲۴، ۶۲۶—۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۵، ۶۴۴،
۶۵۱، ۶۵۳—۶۵۴، ۶۵۶، ۶۶۱، ۶۶۳، ۶۶۶
۶۹۲، ۷۰۳—۷۰۴، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۱۱، ۷۱۲،
۷۱۴، ۷۲۲—۷۲۳، ۷۲۵—۷۳۱، ۷۳۴ —
۷۳۶، ۷۳۹—۷۴۰، ۷۴۲—۷۵۰، ۷۵۷،
۷۵۹—۷۶۱، ۷۶۵، ۷۶۸—۷۶۹، ۷۷۱—

۷۷۴، ۷۷۹، ۷۸۱، ۷۸۳، ۷۹۰، ۷۹۳–۷۹۴،
۷۹۶، ۸۰۱، ۸۰۶، ۸۱۰–۸۱۱، ۸۱۳، ۸۱۶ (۲)
۲۸، ۲۹، ۳۶، ۴۴–۴۸، ۵۵، ۵۸، ۶۰،
۶۴–۶۷، ۷۲–۷۳، ۷۶، ۷۹، ۱۰۳، ۱۰۵–
۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۶–۱۱۸، ۱۳۴، ۱۳۹–۱۴۰، ۱۴۲،
۱۴۴، ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۸۷، ۱۹۴،
۱۹۶، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۳۹،
۲۴۴، ۲۵۱، ۳۴۵، ۳۶۶، ۲۷۶، ۳۸۲، ۳۸۳،
۳۹۴–۳۹۵، ۴۲۲–۴۳۴، ۴۴۳–۴۴۶،
۴۴۹–۴۶۰، ۴۶۲–۴۶۶، ۴۶۸، ۴۷۴،
۴۸۴، ۴۸۹–۴۹۵، ۴۹۷، ۴۹۸، ۵۰۰،
۵۰۳، ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۳، ۵۲۵، ۵۶۴–
۵۷۳، ۵۷۶–۵۷۸، ۵۸۰–۵۸۴،
۵۸۶–۵۸۷، ۵۸۹، ۵۹۴، ۵۹۶–۵۹۷،
۵۹۹–۶۰۳، ۶۰۶–۶۱۲، ۶۱۸–۶۱۹،
۶۲۱، ۶۲۶–۶۲۷، ۶۲۹، ۶۴۹، ۶۵۱–
۶۵۳، ۶۵۵–۶۵۶، ۶۵۹–۶۶۰، ۶۶۲–
۶۶۴، ۶۶۶–۶۶۹، ۶۷۵–۶۷۶، ۶۷۹–
۶۸۰ (۳) ۴۹، ۵۷، ۵۹، ۱۲۴، ۱۷۸،
۱۸۵، ۱۸۸، ۲۰۶، ۲۱۵–۲۱۶، ۲۲۶
۲۳۴، ۲۳۸، ۲۴۰، ۳۰۴،
۳۴۰، ۳۵۳، ۳۷۳، ۳۸۳، ۴۰۰، ۴۰۷، ۴۱۷،
۴۲۰، ۴۲۶، ۴۳۰، ۴۴۷–۴۴۸، ۴۸۶،
۴۸۹، ۴۹۵، ۵۱۶، ۵۱۹، ۵۲۲، ۵۲۹–۵۳۰،
۵۳۶، ۵۴۳–۵۴۴، ۵۵۵–۵۵۷، ۵۵۹–
۵۶۰، ۵۷۰، ۶۱۱–۶۱۳، ۶۳۱، ۶۳۸–۶۳۹،
۶۴۲–۶۴۳، ۶۴۵–۶۴۶، ۶۴۸–۶۵۰،
۶۵۴–۶۵۵، ۶۶۷، ۶۸۵، ۶۸۷–۶۸۸،
۷۲۴، ۷۲۹–۷۳۱، ۷۳۹، ۷۴۱ (۴) ۵۹، ۶۰،
۶۴، ۶۸، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۲۰–۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۶،
۱۳۱–۱۳۴، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱–۱۴۳، ۱۴۵–۱۴۶،
۱۶۷، ۱۷۲، ۱۸۸، ۲۱۳، ۲۳۷، ۲۴۷، ۲۵۶، ۲۵۹،
۲۶۸، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۹۶، ۳۱۶–۳۱۸،
۳۲۲–۳۲۶، ۳۲۸–۳۳۴، ۳۳۷–۳۳۸،
۳۴۱–۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹–۳۶۱، ۳۶۳–
۳۶۶، ۳۶۸–۳۷۲، ۳۷۸–۳۹۳، ۳۹۶–
۳۹۷، ۳۹۹–۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۲–۴۱۵،
۴۱۷–۴۱۸، ۴۲۵–۴۲۶، ۴۲۸، ۴۵۶، ۵۶۲،
۵۷۸، ۶۲۲–۶۲۳، ۶۳۸، ۶۴۰، ۶۵۸، ۶۷۴،
۶۷۶، ۶۹۱، ۶۹۳، ۷۰۱، ۷۴۷

مدینۃ النبیؐ (۴) ۳۴۱–۳۴۲، ۵۶۶
مربطۃ (۱) ۵۸۴
مربطہ (۴) ۴۱۰
مرالظہران (۲) ۱۹۹ (۴) ۴۱۴
مراکش (۱) ۲۳، ۲۷، ۷۴، ۶۰۹، ۷۱۳ (۲) ۶۲۴
مراکو (۱) ۷۱۶
مرحب (قلعہ) (۱) ۵۷۲
مردہ (۱) ۵۷۷–۵۷۸، ۶۵۶ (۲) ۲۵۸، ۵۸۹
مری (۴) ۴۶۱
مریس (۲) ۲۱۱
مُریسیع (۲) ۱۲۷، ۱۷۳ (۴) ۴۰۱
مُرَیّہ (۱) ۵۹۷، ۶۱۰

مزدلفہ (۱) ۶۵۶ (۴) ۷۴۹
مزہ (دمشق) (۱) ۶۶۳
مستورہ (۴) ۳۲۹
مسجد اقصیٰ (۱) ۱۳۱ (۲) ۷۵۳ (۳) ۴۳۷
مسجد بنو اسلم (۲) ۴۶
مسجد بنو بیاضہ (۲) ۴۶
مسجد بنو جہینہ (۲) ۴۶
مسجد بنو زریق (۲) ۴۶، ۴۴۵
مسجد بنو سلمہ (۲) ۴۶
مسجد بنو ساعدہ (۲) ۴۶
مسجد بنو عبید (۲) ۴۶
مسجد بنو عمرو (۲) ۴۶
مسجد بنو غفار (۲) ۴۶
مسجد بیت المقدس (۱) ۷۴۵، ۷۹۷،
مسجد حرام (۱) ۱۱۸، ۷۴۵، ۷۹۸ (۲) ۱۸۸، ۲۱۷، ۴۹۳
(۳) ۴۳۷ (۴) ۳۸۶، ۵۱۱، ۵۸۵
مسجد دمشق (۱) ۷۳۵
مسجد ضرار (۱) ۶۵۵ (۲) ۵۰، ۴۶۴ (۳) ۵۲۳، ۵۷۴
مسجد قباء (۱) ۲۱، ۵۲۱، ۶۵۳، ۶۶۶ (۲) ۴۴۵ — ۴۴۶، ۴۶۳،
(۳) ۵۲۳، (۴) ۲۴۰
مسجد مدینہ (۲) ۴۶۵
مسجد نبوی (۱) ۲۹۹، ۳۹۹، ۴۷۲، ۴۷۴، ۵۲۰، ۵۴۵،
۵۵۸، ۵۸۲، ۶۵۳، ۶۶۶، ۷۲۳، ۷۲۷ —
۷۲۸، ۷۴۵، ۷۵۴، ۷۹۷ (۲) ۴۶، ۵۰، ۴۴۶،
۴۹۲، ۶۲۱ — ۶۲۲، ۶۲۶، ۶۵۹، ۶۷۶
(۳) ۲۹۳، ۴۲۶، ۴۳۳، ۴۸۳، ۶۲۷، ۶۲۹،
۶۳۱ (۴) ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۴۲ — ۱۴۳،
۱۴۶، ۱۶۴، ۲۳۹ — ۲۴۰، ۲۴۷، ۲۷۱، ۳۴۰،
۳۶۰، ۳۹۰، ۴۰۰، ۴۰۴، ۵۶۰۰، ۶۳۳، ۶۹۷ —
۶۹۹، ۷۲۳
مسجد نبیؐ (۲) ۴۳۹ — ۴۴۰، ۴۴۵ — ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۱،
۴۵۴، ۴۵۷، ۴۵۹، ۴۶۱ — ۴۶۴، ۴۶۸
مسقط (۴) ۴۲۳
مشارف (۴) ۳۶۷
مشرقِ بعید (۳) ۱۱۵، ۵۶۲
مشرقِ وسطیٰ (۱) ۱۹ (۲) ۵۲، ۸۲، ۱۰۷ (۳) ۱۲۲
(۳) ۱۱۵، ۲۵۲، ۲۵۶
مشرقی افریقہ (۳) ۶۳۴، ۷۴۵
مشرقی چین (۳) ۸۱
مشرقی یورپ (۳) ۱۱۵
مشقر (۲) ۶۱۳ (۳) ۷۶، ۶۴۵
مشیرب (۲) ۴۴۴
المصانعہ (۲) ۲۴۲
مصر (۱) ۲۴ — ۲۵، ۲۷ — ۲۸، ۱۲۳، ۲۳۷، ۳۸۶ — ۳۸۷،
۳۹۸، ۴۱۱، ۴۳۹، ۴۵۳ — ۴۵۶، ۴۵۹، ۴۶۲ —
۴۶۳، ۴۷۵ — ۴۷۶، ۴۸۴ — ۴۸۵، ۴۸۷ —
۴۸۹، ۴۹۶ — ۴۹۷، ۵۱۲، ۵۱۵، ۵۵۷، ۵۶۶،
۵۸۸ — ۵۹۰، ۶۰۸، ۶۱۱ — ۶۱۲، ۶۲۹، ۶۲۲،
۶۴۴، ۶۶۵، ۶۹۰ — ۶۹۱، ۷۰۰، ۷۱۲ — ۷۱۳،
۷۱۶، ۷۱۸ — ۷۱۹، ۷۵۸، ۷۶۱، ۷۶۴ (۲)
۴۵، ۴۷، ۲۰۱، ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۳۵، ۲۳۸، ۲۴۰،
۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۹، ۲۶۱، ۴۰۲ — ۴۰۳، ۴۰۵ —

۴۰۶، ۴۷۷، ۵۱۱، ۵۳۷، ۵۴۷، ۵۷۶، ۶۰۷،
۶۲۹، ۶۳۵ (۳) ۱۳، ۲۱، ۲۵، ۲۷، ۴۱، ۴۵، ۶۶—
۶۸، ۷۴، ۷۷—۷۹، ۸۳، ۹۶، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۳۲،
۱۳۸، ۱۴۱—۱۴۳، ۱۵۷، ۲۰۹—۲۱۰، ۲۳۲، ۲۶۴
۲۷۳، ۲۷۶—۲۷۷، ۴۰۳، ۴۱۷، ۵۲۵، ۵۴۲،
۵۵۱، ۵۵۵، ۵۶۰، ۵۶۲، ۵۷۷، ۵۹۶، ۶۲۹،
۶۵۵، ۷۲۹، ۷۴۳، ۷۴۵، ۷۴۶ (۴) ۶۰، ۷۵،
۱۴۸، ۲۸۱، ۳۷۸، ۳۸۲، ۴۲۲، ۵۵۶، ۵۷۸،
۶۵۰، ۷۱۰—۷۱۳، ۷۳۵

مصطلق (۴) ۳۵۹
معتصر (۲) ۲۴۱
معاد (۲) ۴۱۹
معان (۲) ۲۰۱
مَعَد (۱) ۷۴۲
معطشہ (۲) ۴۱۹
مغربی ایشیا (۱) ۲۵ (۲)، ۲۳، ۳۱، ۳۷، ۱۱۵

مقنا (۲) ۱۷۲، ۲۰۷، ۲۴۸، ۲۶۶، ۶۰۶ (۲) ۵۵۶
مکاریا (۲) ۴۱۴
مکران (۱) ۵۹۰
مکہ (۱) ۵۶، ۵۸، ۶۵، ۸۴، ۱۱۷، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۷۹، ۱۸۳،
۱۹۲، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۷—۲۰۸، ۲۱۱، ۲۶۴،
۲۸۵، ۲۹۶، ۳۰۲، ۳۲۹، ۳۵۱، ۴۰۲، ۴۰۸،
۴۱۳، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۲۳—۴۲۴، ۴۴۱، ۴۴۹،
۴۵۸، ۴۶۹، ۵۱۲—۵۱۳، ۵۱۹، ۵۲۳، ۵۲۴،
۵۳۸، ۵۴۸—۵۴۹، ۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۷،
۵۶۹، ۵۷۱، ۵۷۷—۵۷۸، ۵۸۰—۵۸۱، ۵۸۴،
۵۸۹، ۵۹۲، ۶۲۲، ۶۲۷، ۶۳۰، ۶۳۵، ۶۵۲—
۶۵۶، ۶۶۴، ۶۶۸، ۷۲۶—۷۲۸، ۷۳۲، ۷۳۶،
۷۴۵، ۷۵۴، ۷۷۰، ۷۷۹، ۷۹۳، ۷۹۷ (۲) ۱۱،
۱۵، ۲۰، ۲۴، ۲۹، ۴۲، ۴۴، ۴۶—۴۸، ۵۰، ۵۸—
۶۲، ۷۰—۷۳، ۷۸—۷۹، ۸۲—۸۳، ۸۵—
۸۶، ۸۹، ۱۰۴، ۱۰۷—۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۶—۱۱۸، ۱۲۷،
۱۴۶، ۱۵۳—۱۵۴، ۱۶۴—۱۶۵، ۱۷۷—۱۸۲،
۱۸۶—۱۹۲، ۱۹۸—۱۹۹، ۲۴۳—۲۴۴، ۲۵۱،
۲۵۸، ۳۶۵—۳۶۶، ۳۸۹، ۴۰۲—۴۰۳، ۴۰۶—
۴۱۵، ۴۱۷—۴۲۰، ۴۲۲، ۴۳۰، ۴۳۳، ۴۳۵—
۴۳۹، ۴۴۳—۴۴۴، ۴۵۵، ۴۵۹—۴۶۱،
۴۶۳، ۴۶۵، ۴۷۰—۴۷۱، ۴۷۳، ۴۷۶، ۴۷۸،
۴۸۳، ۴۸۹—۴۹۲، ۴۹۵—۴۹۶، ۴۹۸،
۵۰۰—۵۰۱، ۵۰۳، ۵۱۵—۵۱۶، ۵۱۸—۵۲۰،
۵۲۲—۵۳۰، ۵۳۶، ۵۳۹، ۵۵۱—۵۵۳،
۵۵۴—۵۶۰، ۵۶۳—۵۶۴، ۵۶۷—۵۷۳،
۵۷۶—۵۸۷، ۵۸۹، ۵۹۳—۶۰۰، ۶۰۲—
۶۰۳، ۶۰۵، ۶۰۷—۶۰۸، ۶۱۴، ۶۱۶، ۶۱۹—
۶۲۰، ۶۲۲، ۶۴۱—۶۴۲، ۶۴۷—۶۴۹، ۶۵۲،
۶۵۴—۶۵۵، ۶۵۷—۶۵۸، ۶۶۲—۶۶۳،
۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۰، ۶۷۹، ۷۵۳ (۳) ۴۹، ۵۷،
۵۹، ۷۴، ۷۷، ۸۳، ۸۶، ۱۱۱، ۱۲۲، ۱۷۷—۱۷۹،
۱۸۲، ۱۸۵—۱۸۶، ۲۰۱—۲۰۲، ۲۰۶—۲۰۷،
۲۱۲، ۲۱۴—۲۱۶، ۲۲۴، ۲۳۰—۲۳۱، ۲۳۷،
۲۳۹، ۲۶۴، ۲۹۱، ۳۰۴، ۳۵۶، ۴۰۰—۴۰۱،

۴۰۶ — ۴۰۷، ۴۲۰، ۴۵۱، ۵۲۳، ۵۲۹ —
۵۳۰، ۵۳۵، ۵۳۶ — ۵۳۷، ۵۴۰، ۵۴۱ —
۵۴۴، ۵۴۸ — ۵۴۹، ۵۵۲، ۵۵۴ — ۵۵۵،
۵۵۶ — ۵۶۱، ۵۶۹، ۵۷۷ — ۵۷۸، ۵۸۱ —
۵۸۳، ۵۹۴، ۶۰۷ — ۶۰۸، ۶۱۰ — ۶۱۴، ۶۱۸،
۶۲۶، ۶۳۱، ۶۳۶، ۶۴۲، ۶۴۳ — ۶۴۶،
۶۴۸ — ۶۵۰، ۶۵۵، ۶۶۷، ۶۷۹، ۶۸۵،
۶۸۷، ۷۲۴، ۷۳۱، ۷۴۳، ۷۴۴ (۲) ۳۸، ۴۹ —
۵۰، ۵۷ — ۵۸، ۶۴، ۶۶، ۶۸، ۷۵، ۱۱۴ —
۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۱،
۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۸۳، ۱۸۸، ۱۹۸ — ۱۹۹، ۲۰۳،
۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۳۳ — ۲۳۴، ۲۵۴،
۲۵۶، ۲۶۲، ۳۱۴، ۳۱۶ — ۳۱۹، ۳۲۴، ۳۲۷ —
۳۳۴، ۳۳۶ — ۳۳۷، ۳۳۹ — ۳۴۵، ۳۵۰ —
۳۵۲، ۳۵۵، ۳۵۸، ۳۶۱ — ۳۶۴، ۳۶۸ —
۳۷۱، ۳۷۴ — ۳۷۷، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۴ — ۳۸۶،
۳۸۸ — ۳۹۰، ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۷ — ۳۹۹،
۴۰۳ — ۴۰۵، ۴۰۸ — ۴۰۹، ۴۱۱ — ۴۱۲، ۴۱۴ —
۴۱۷، ۴۲۰، ۴۲۸، ۵۵۶ — ۵۵۷، ۵۶۱ —
۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۶ — ۵۶۷، ۶۳۷ — ۶۳۹،
۶۵۲، ۶۵۷، ۶۷۶، ۷۰۶، ۷۲۵، ۷۴۳،
۷۴۸ — ۷۴۹، ۷۵۲
ملتان (۳) ۶۹ (۴) ۶۴، ۸۰
ملل (۲) ۱۶۶
ملیبار (۳) ۷۱، ۷۲، ۸۰ — ۸۱
ملیبہ (۲) ۴۱۹
ملیشیا (۱) ۲۷
منگولیا (۳) ۷۰
منیٰ (۱) ۶۵۶ (۲) ۵۳۰، ۵۶۴، ۵۶۷ — ۵۶۸، ۵۸۹،
۵۹۴، ۶۱۷ (۳) ۷۴۷، ۷۵۲
(۱) ۴۰۱، ۶۵۵، ۷۶۳ (۲) ۴۴، ۵۰، ۶۱، ۶۴،
۱۸۴، ۱۹۴، ۳۶۵، ۴۹۴، ۶۰۵، ۶۰۶
(۳) ۴۴۴ (۴) ۳۶۷ — ۳۶۸، ۳۷۵، ۴۰۰، ۴۱۰، ۴۳۰
موصل (۴) ۴۲۳، ۴۲۸
مہرہ (۳) ۶۴۵
میدغاشفار (میڈگاسکر) (۳) ۸۱
میڈرڈ (۱) ۶۱۱/
میفعہ (۴) ۴۱۱
میورقہ (۱) ۵۹۸

ن

ناعم (۴) ۴۱۰
نانڈری (۴) ۴۹۸
نجد (۲) ۶۸، ۱۳۲، ۱۷۰، ۱۷۴، ۳۶۶، ۳۶۹
۳۹۵، ۴۰۶، ۶۲۲، ۶۵۲، ۶۵۸ (۳)
۸۶، ۲۶۶، ۵۵۶ (۴) ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۸۲، ۳۳۴،
۳۴۴ — ۳۴۵، ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۰۱، ۴۰۴ — ۴۰۵،
۴۰۷، ۴۱۱ — ۴۱۲، ۴۱۹، ۴۲۲ — ۴۲۳، ۴۲۸
نجدیہ (۱) ۴۰۱
نجران (۱) ۹۸، ۵۸۵، ۵۹۲، ۶۵۶، ۷۳۹، ۷۴۱، ۷۹۳.
(۲) ۱۶۴، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۳۲، ۲۹۲، ۳۳۸، ۳۹۲،
۶۱۰ — ۶۱۱ (۳) ۴۳ — ۴۴، ۵۷۸، ۶۷،
۷۲۹، ۷۴۳ (۴) ۳۹۵، ۴۱۱، ۴۲۳، ۴۲۹، ۵۶۱، ۵۸۴

نجف (۱) ۵۶۶

نخاس (۱) ۱۷۷

نخلہ (۱) ۵۵، ۱۸۹ (۲) ۵۵۹، ۵۹۸ (۴) ۲۲۲
۲۳۳، ۲۸۵، ۴۱۵، ۴۲۸

نخلۃ الشامیہ (۳) ۶۱

نطاۃ (۱) ۵۸۴ (۴) ۴۱۰

نیقیہ (۴) ۲۰

نینوا (۳) ۳۰—۳۱، ۵۵۸، ۶۳۶، ۶۳۹ (۴) ۴۲۳

نیوجرسی (۱) ۴۱۰

و

وادی اعجارۃ (شہر)

وادی بطحان (۴) ۳۹۰

وادی زینب (۲) ۴۲۹

وادی عقیق (۲) ۱۶۵ (۴) ۳۹۰

وادی عُرنہ (۴) ۳۹۷

وادی القریٰ (۱) ۵۸۴ (۲) ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۵۶،
۴۲۵—۴۲۶، ۴۲۹، ۴۳۵، ۵۳۲، ۵۶۳،
۵۸۳ (۳) ۵۵۶، ۷۳۹ (۴) ۴۰۶،
۴۰۷، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۹، ۴۲۳،
۴۲۸

وَج (وادی) (۳) ۲۳۶

ودان (۲) ۱۶۰—۱۶۱ (۴) ۲۲۸، ۲۳۱، ۳۵۹

وسط ایشیا (۱) ۲۷ (۳) ۱۰۴

الوطیع (۴) ۴۱۰

ویانا (۱) ۵۱۵

ونیس (۲) ۶۲۲ (۳) ۶۷ (۴) ۹۰

ہ

ہارورڈ (۳) ۳۷۱

ہاشمیہ (۱) ۴۱۱

ہالینڈ (۱) ۳۱ (۳) ۶۷۰ (۴) ۳۱۳، ۴۳۲

ہائیڈل برگ (۱) ۷۳۸

ہجر (۱) ۵۸۵، ۷۳۳ (۲) ۲۰۶—۲۰۷، ۲۲۹، ۲۴۵،
۲۶۶، ۴۲۵ (۳) ۶۳۶

ہسپانیہ (۴) ۴۲۰

ہمبرگ (۲) ۶۴۳

ہمدان (۱) ۵۸۵ (۲) ۱۳۱ (۳) ۲۲ (۴) ۴۲۳، ۴۲۹

ہند (۳) ۶۸—۶۹، ۷۱—۷۲، ۷۶، ۷۸، ۸۰—۸۱،
۱۰۲، ۱۰۴، ۲۶۷، ۴۷۷، ۵۵۵، ۵۷۷، ۵۸۱،
۶۲۰، ۶۶۹، ۷۴۲، ۷۴۴ (۴) ۶۶، ۵۹۰

ہندوستان (۱) ۹، ۱۴، ۱۹—۲۰، ۲۲، ۲۳، ۲۶، ۲۸، ۵۸،
۶۴، ۲۳۷، ۳۳۲، ۶۰۷، ۶۱۰، ۶۴۶، ۷۱۷ (۲) ۸۲،
۳۰۰، ۴۲۵، ۵۰۰، ۵۰۷—۵۰۸، ۵۱۰—۵۱۱
۵۲۳—۵۲۴، ۵۳۹، ۶۱۳—۶۱۵، ۶۲۹، ۶۳۲
۶۶۵ (۳) ۱۱، ۱۴، ۲۴—۲۸، ۳۱، ۳۲، ۳۵،
۶۶—۶۷، ۶۹—۷۶، ۷۹، ۸۱، ۱۰۲—۱۰۵،
۱۱۰، ۱۱۵، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۸۱، ۲۰۴، ۲۲۲،
۲۶۷، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۷۳، ۳۷۵—۳۷۶، ۴۶۰،
۴۶۵—۴۶۶، ۷۴۱، ۷۴۴، ۷۴۷ (۴) ۱۴۸،
۳۰۶، ۴۵۷

ہنگری (۴) ۳۱۳

ہوازن (۱) ۴۴۴

ہوانگ چو (۳) ۷۰

ہیلیو پولس (۳) ۷۵

ی

یثرب (۱) ۵۷۱، ۸۰۶، (۲) ۴۴ — ۴۵، ۴۸، ۴۰۶، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۲۷ — ۴۴۰، ۴۴۲ — ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۸، ۴۶۰ — ۴۶۱، ۴۶۵، ۴۷۰ (۳) ۲۷۴، ۴۰۶، ۵۴۴، ۷۳۰ (۴) ۱۴۱، ۳۲۵، ۳۴۱، ۵۶۴ — ۵۶۵، ۶۳۰

یرموک (۱) ۴۰۲ (۲) ۱۱۳، ۴۰۸

یروشلم (۴) ۵۸۳

یزداد (۱) ۴۹۱

یمامہ (۱) ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۱ — ۳۹۲، ۵۱۲، ۷۶۸، ۸۱۰ (۲) ۲۰۶، ۲۲۷، ۳۶۶ (۳) ۴۱۷، ۴۴۸، ۵۵۷ — ۵۵۸، ۶۴۹ — ۶۵۰ (۴) ۳۹۳، ۴۲۰، ۴۰۲، ۴۲۳

یمن (۱) ۲۳، ۲۵، ۶۰، ۱۲۴، ۲۰۰، ۲۸۶ — ۳۸۷، ۴۰۲، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۵۴، ۴۵۶، ۴۶۲، ۴۶۹، ۵۱۲، ۵۱۷، ۵۲۰، ۵۵۴، ۵۸۵، ۶۲۶، ۶۵۵، ۶۶۲، ۶۷۸، ۷۳۵ — ۷۳۶، ۷۳۹، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۶۳، ۷۶۵، ۷۶۸، ۷۹۱، ۸۰۹ (۲) ۱۵، ۴۷ — ۴۸، ۷۷، ۱۹۷ — ۱۹۸، ۲۰۶، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۶۴، ۳۶۵ — ۳۶۶، ۳۶۹، ۳۹۹، ۴۰۵ — ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۲۲، ۴۳۰، ۴۳۸، ۴۷۵، ۴۹۵، ۵۱۶، ۵۲۲ — ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۵۲، ۵۵۷، ۵۶۳، ۵۷۹، ۵۹۶، ۶۰۲، ۶۰۷ — ۶۰۸، ۶۱۰ — ۶۱۱، ۶۱۳ — ۶۱۴، ۶۱۹، ۶۲۳، ۶۶۳، ۶۶۸ (۳) ۴۲، ۵۷، ۶۷، ۶۸، ۷۲ — ۷۴، ۷۷، ۷۸، ۸۰ — ۸۵، ۱۷۷، ۱۸۹، ۲۰۹، ۲۶۶، ۳۱۷، ۴۲۰ — ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۹، ۵۵۸، ۵۷۷ — ۵۷۸، ۵۹۵، ۶۱۶، ۶۳۵، ۶۳۷ — ۶۳۸، ۶۴۲ — ۶۴۳، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۹، ۶۵۵، ۷۲۹، ۷۴۳، ۷۴۶ (۴) ۲۱، ۱۲۸، ۱۴۳، ۲۳۹، ۲۵۷، ۳۷۵ — ۳۷۶، ۴۰۱، ۴۲۳، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۸، ۷۰۷

ینبع (۲) ۵۷، ۱۶۲ (۳) ۵۷ (۴) ۳۸۴

ینبوع (۲) ۲۳۹، ۵۷۰ (۳) ۶۴۹

یوگوسلاویہ (۴) ۳۱۳

یورپ (۱) ۹، ۲۳، ۲۵، ۷۵ (۲) ۸، ۵۲، ۳۴۲، ۳۸۶، ۴۹۳، ۵۰۷ — ۵۰۹، ۵۱۱، ۵۷۹، ۶۲۲، ۶۸۸، (۳) ۹، ۳۲، ۳۷، ۶۶ — ۶۷، ۷۶، ۷۸، ۹۷، ۹۸، ۱۷۶، ۲۹۴، ۳۶۹، ۴۷۶، ۵۲۵، ۵۵۵، ۵۶۲، ۵۶۶، ۵۸۱، ۷۲۴، ۷۳۹، ۷۴۵ (۴) ۴۰، ۹۰، ۱۴۹، ۳۲۳، ۵۰۲ — ۵۰۴، ۵۱۷ — ۵۱۸، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۵۲، ۷۲۲، ۷۳۵

یونان (۱) ۹، ۲۳۷ (۲) ۸۲، ۸۸، ۳۸۱ (۳) ۱۲، ۳۳، ۳۸، ۵۳، ۶۶ — ۶۷، ۷۲ — ۷۳، ۱۱۵، ۱۹۲، ۲۵۲، ۳۷۵، ۵۵۵

کتب

ا

الآثارالباقیہ عن القرون الخالیہ : البیرونی (۱)، ۵۱۵ (۲)، ۵۶،
۶۴ — ۶۵، ۷۸ — ۷۹، ۸۱ — ۸۳، ۸۵ —
۸۶، ۹۲ — ۹۵، ۹۷، ۹۹ — ۱۰۱، ۱۰۷ — ۱۰۸
۱۱۶، ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۵۵

آداب المتعلمین (۴)، ۱۰۸

آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ : فارابی (۳)، ۱۴۲

آفتاب : صادق حسین صادق (۴)، ۷۹

آمنہ کا لال : علامہ راشد الخیری (۴)، ۸۰

آؤٹ لائن آف ہسٹری : ایچ۔جی۔ ویلز (۴)، ۴۹۰

آئین اکبری : ابوالفضل (۳)، ۸۱

ابن حزم : ابوزہرہ (۱)، ۶۱۲

ابن رشد : محمد یونس فرنگی محلی (۳)، ۱۹

ابن کثیر، دراسۃ تحلیلیۃ الکتاب البدایۃ والنہایۃ :
مسعود الرحمٰن خاں ندوی (۱)، ۶۴۸

ابن الوقت : نذیر احمد (۴)، ۶۱۸

ابواب التواریخ : کلیتی (۲)، ۶۰، ۱۵۵، ۲۰۳

اپالوجی : گاڈفری ہیگنز (۴)، ۵۳۲

اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن : جان ڈیون پورٹ
(۴)، ۴۸۱، ۵۳۰

اتحاف المسلم جعلہ خاصا بما ذکرہ صاحب الترغیب والترہیب
من احادیث البخاری ومسلم : نبہانی (۱)، ۶۹۵

اتقان : جلال الدین السیوطی (۱)، ۳۸۲ — ۳۸۳، ۳۸۵

اتھروید (۴)، ۵۵۵

اثبات امامۃ ابی بکر الصدیق : ابوبکر محمد بن حاتم بن زنجویہ
البخاری (۱)، ۶۷۸

اثبات المفارقات : فارابی (۳)، ۱۴۲

الاجوبۃ المخیرہ عن اسئلۃ الحیرہ : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹

الاحادیث الاربعین فی امثال افصح العالمین : نبہانی (۱)، ۶۹۴

الاحادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین : نبہانی (۱)، ۶۹۴

الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المومنین : نبہانی (۱)، ۶۹۴

الاحاطہ فی اخبار غرناطہ : ابن الخطیب (۱)، ۶۱۲ — ۶۱۴

الاحتفال فی بیان احوال الرجال : ابن حجر عسقلانی (۱)، ۶۶

الاحکام فی اصول الاحکام : ابن حزم (۱)، ۶۰۰

الاحکام الکبیر : ضیاء الدین محمد المقدسی (۱)، ۶۵۴، ۶۷۳

الاحوذی : ابوبکر ابن العربی (م ۵۴۳ھ) (۱)، ۶۷۲

احیاء العلوم : امام غزالی (۳)، ۱۳۲ (۴)، ۲۴۲

اخبار الحکماء : قفطی (۱)، ۶۱۱

اخبار عبید بن شریح الجرھمی (۱)، ۴۹۴

اخبار القرطبیین : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹

اخبار الماضیین : عبید بن شریح (۱)، ۶۰

اخبار مکہ۔ الازرقی (۱)، ۴۱۶

انساب مکہ : محمد بن عمر الواقدی (۱، ۴۹۹، ۷۷۸

اخبار النبی : ابن سعد، م ۲۳۰ھ (۱، ۴۲۸، ۵۰۲

اختلاف الائمہ : محمد زکریا (۱، ۵۵

اخوان الصفاء : عمر فروخ (۲، ۱۴۵، ۱۴۶

الادب الجاہلی : طٰہٰ حسین (۳، ۴۴، ۵۲

ادب العرب (۴، ۴۷۰ — ۴۷۱

الادب العربی المعاصر فی مصر : شوقی ضیف (۱، ۶۱۵

الادب الکبیر : ابن المقفع (۱، ۶۳۳

ادب المفرد : امام بخاری (۲، ۴۵۱، ۴۵۴، ۴۵۷

الادب و مذاہبہ فی الشعر العربی : شوقی ضیف (۱، ۶۱۵

الاربعین : اربعین من احادیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (۱، ۶۹۵

اردو انسائیکلو پیڈیا (۱، ۴۹۳، ۴۹۵، ۴۹۷ (۴، ۷۷۳

اردو دائرہ معارف اسلامیہ پاکستان (۱، ۶۱۲

ارشاد الاریب : یاقوت (۱، ۵۱۰ (۴، ۱۱۱

ارشاد الباری الی شرح البخاری : قسطلانی (۱، ۵۴

ارشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین عن مدارس النصاری التی ہلکت دین المسیح : نبہانی (۱، ۶۹۴

ارشاد الساری : شرح بخاری : القسطلانی (۱، ۷۱۷ (۴، ۶۴۵

ارض القرآن : سلیمان ندوی (۱، ۹۲ (۲، ۴۰۳ — ۴۰۶، ۴۰۸، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۲۰ — ۴۲۵، ۴۲۷، ۴۳۰ — ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۶۰

ارشاد الفحول : شوکانی (۲، ۳۳۹

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء : شاہ ولی اللہ دہلوی (۱، ۳۲۲ (۴، ۶۹۱

الازمنۃ والامکنۃ : مرزوقی (۲، ۱۰۱، ۱۰۷ (۴، ۱۱۷

ازہار الریاض فی اخبار قاضی عیاض : ابو العباس المقری (۱، ۷۱۷

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم : واقدی (۱، ۷۷۸

الاساطیر العربیۃ قبل الاسلام (۲، ۴۵

الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ و اقناع الشیعۃ : نبہانی (۱، ۶۹۵

اسپرٹ آف اسلام : سید امیر علی (۱، ۸۰

الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء اللہ الحسنیٰ : نبہانی (۱، ۶۹۵

الاستذکار فی شرح مذاہب علماء الامصار رمارسمہ الامام مالک فی الموطا من الرای والآثار : ابن عبد البر (۱، ۶۱۷

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب : ابن عبد البر، م ۴۶۳ھ (۱، ۲۷۲، ۵۱۴، ۵۸۹، ۶۲۰ — ۶۲۱، ۶۲۲ — ۶۲۳، ۶۳۰، ۶۳۳ — ۶۳۵، ۶۸۵ (۳، ۵۵۷ (۴، ۱۲۰، ۳۷۸ — ۳۷۹، ۳۸۲ — ۳۸۸، ۳۹۱ — ۴۰۳، ۴۰۵ — ۴۰۸، ۴۱۰ — ۴۱۷، ۴۳۲

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ : ابن الاثیر، م ۶۳۰ھ (۱، ۵۸ — ۵۹، ۴۱۵، ۵۱۴، ۵۸۹، ۶۸۵، ۷۶۴ (۳، ۶۸۱

اسرائیلیات : ابو عبد اللہ وہب بن منبہ (۱، ۴۱۶

اسلام : منٹگمری واٹ (۲، ۴۳۱ — ۴۳۲، ۴۳۸، ۴۵۱، ۴۶۴

اسلام : نولدیکیہ (۱، ۴۴۸

اسلام اینڈ دی ڈیوائن کامیڈی پیلیپو اسن (۱، ۴۴۸

اسلام کا قانون جنگ و امن : (انگریزی) مجید خدوری (۳، ۵۶۱

اسلام کا قانون خارجہ (جرمن) ہیفننگ (۳، ۵۶۱

اسلام کا نظامِ حکومت (۴)، ۱۴۴

اسلام کی اقدار: ریورنڈ ٹو سورتھ سمتھ (۴)، ۳۱

اسلام کی مذہبی فکر کی تشکیلِ جدید: ڈاکٹر محمد اقبال (۳)، ۵۱۳

اسلامک سولزیشن: خدابخش (۴)، ۱۱۴

اسلامیت اور مغربیت کی کش مکش: سید ابوالحسن علی ندوی
(۱)، ۲۹، ۳۴-۳۶

اسماء الخلفاء والولاۃ وذکر مدھم: ابن حزم (۱)، ۵۹۶

اسماء الصحابۃ الرواۃ وما لکل واحد من العدد: ابنِ حزم
(۱)، ۵۹۶

الاسماء والصفات: بیہقی (م ۴۵۸ھ) (۱)، ۶۸۳

اسوۃ الرسولؐ: اولاد حیدر فوق بلگرامی (۳)، ۵۹۶

الاشباہ والنظائر: ابنِ نجیم (۴)، ۵۲۳

اشتقاق: ابنِ درید (۳)، ۶۳۶

الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ابن حجر العسقلانی (۱)، ۵۱۴، ۵۸۹،
۷۶۴ (۲)، ۶۱۵ (۳)، ۴۸۷، ۷۲۷ (۴)، ۱۰۹، ۱۱۳،
۳۸۶

اصح السیر: عبدالرؤف داناپوری (۱)، ۵۳، ۵۵-۵۶، ۵۹-
۶۰ (۴)، ۷۸-۷۹

اصحاب الفتیا من الصحابۃ ومن بعدھم: ابن حزم (۱)، ۵۹۶

الاصطفاء لبیان معانی الشفاء: شمس الدین محمد بن محمد الدلجی الشافعی
العثمانی م ۹۴۷ھ (۱)، ۶۴۳

اصولِ قانون: سائمنڈ (۳)، ۶۱۵، ۶۱۶

الالماع فی ضبط الروایہ وتقیید السماع: قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹

الاعلام: خیرالدین الزرکلی (۱)، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۵-۴۹۷-
۴۹۸-۵۰۴، ۵۱۰، ۵۱۵، ۵۶۶، ۵۸۸، ۵۹۰،
۵۹۱، ۶۱۲، ۶۶۹، ۶۸۴

اعلام بحدود قواعد الاسلام: قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹

اعلام السائلین عن کتب سید المرسلینؐ: ابن طولون (۲)، ۲۱۴
(۳)، ۶۳۸

اعلام فلسفۃ العربیہ: کمال الیازجی وانطون غطاس کرم
(۳)، ۱۴۷

اعلام الموقعین: ابنِ قیم (۳)، ۶۶۵

اعلام النبوۃ: ابوجعفر احمد بن قتیبہ (۱)، ۶۰۳

اعلام النبوۃ: ابوداؤد سجستانی (۱)، ۶۰۳

الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اہل التاریخ: سخاوی، م ۹۰۲ھ
(۱)، ۵۷، ۴۶۸، ۴۹۶، ۵۰۳، ۶۶۰، ۶۶۴

اعیان الشیعہ: عاملی (۱)، ۵۸۸، ۸۱۴

اعیان العصر: صفدی (۱)، ۶۱۴

افضل الصلوات علی سید السادات صلی اللہ علیہ وسلم:
بنہانی (۱)، ۶۹۳

الاقتصاد فی الاعتقاد: الغزالی (۳)، ۱۳۸

اقناع (۴)، ۲۸۷

اکتفاء فی شرح الفاظ الشفاء: امام ابوالمحاسن عبداللہ
یمانی (۱)، ۶۴۳

اکتفاء فی قرأۃ نافع وابی عمرو بن العلاء بترجمۃ ما اختلفا فیہ
ابنِ عبدالبر (۱)، ۶۱۷-۶۱۸

الاکلیل: ہمدانی (۱)، ۴۵۴، ۴۹۱، ۴۹۴ (۳)، ۴۱

اکمال المعلم فی شرح مسلم: قاضی عیاض (۱)، ۶۳۸

اکمال فی اسماء الرجال: محمد بن عبداللہ خطیب (۴)، ۷۷۳،
۳۷۸، ۳۸۳، ۴۳۲

اکنامکس آف اسلام (۴)، ۷۳۶

الفیہ ابن معطی الزواوی (۱)، ۵۱۵

الشفیہ : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹

امتاع الاسماع : مقریزی (۱)، ۵۱۴، ۶۰۳، ۶۱۳

امر الحبشہ والفیل : واقدی (۱)، ۷۷۸

امعان النظر : اکرم ابن عبدالرحمٰن (۱)، ۶۷

الاملاء علی سیرۃ ابن ہشام : ابوذر مصعب بن محمد بن مسعود خشنی (۵۳۵ھ — ۶۰۶ھ) (۱)، ۴۸۵

الاموال : ابن سلام (۱)، ۴۰۷ — ۴۰۸

انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ : قفطی (۱)، ۴۵۳، ۴۶۵، ۴۸۹، ۴۹۶

الانباہ علی قبائل الرواۃ : ابن عبدالبر (۱)، ۶۱۸

الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمہ الفقہاء : ابن عبدالبر (۱)، ۶۱۸

انٹرنیشنل انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز (۲)، ۴۵۰، ۴۵۲، (۴)، ۱۶، ۳۱

انجیل (۱)، ۱۴، ۱۲۱، ۱۸۱، ۲۱۷، ۲۲۳ — ۲۲۵، ۲۹۷، ۳۰۲، ۳۸۱، ۵۲۴، ۵۵۰، ۷۶۵، (۲)، ۳۴۲، ۴۷۵، ۴۷۸، ۵۳۷، ۵۴۰، ۵۴۲، ۵۴۶، ۵۴۷، ۶۲۴، ۶۲۷، ۶۴۰ — ۶۴۱، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۶۵، ۶۸۸، (۳)، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۵۴، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۳۳، ۳۳۹، ۵۹۴، (۴)، ۳۹، ۴۴۴ — ۴۴۵، ۴۷۷ — ۴۷۸، ۵۳۳، ۵۸۳

اندریسیا : امانت (۲)، ۵۰۵

انساب : الذہبی (۱)، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۴

انساب : سمعانی (۱)، ۸۰۹، ۸۱۱

انساب الاشراف : بلاذری (۱)، ۴۰۵ — ۴۰۸، ۵۱۳، ۵۸۸، ۵۹۰، ۵۹۲ — ۵۹۴، ۷۱۵، ۷۸۷، — ۷۸۸، ۷۹۷، ۸۱۵، (۲)، ۶۱۵، ۶۶۲

انساب حمیر وملوکہا : ابن ہشام، دیکھئے کتاب التیجان فی ملوک حمیر : ابن ہشام

انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون : علی بن برہان الدین الحلبی (م ۱۰۴۴ھ) (۱)، ۵۴، ۶۳، ۷۱۸

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر : سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۸۳

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (۱)، ۴۴۷، ۵۱۵، (۲)، ۱۰۰، ۴۰۲، ۴۱۶، ۴۱۹ — ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۲۴ — ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۳۹، ۴۴۲، ۴۴۵، ۴۴۷ — ۴۵۰، ۴۵۹، ۴۶۲ — ۴۶۴، (۲)، ۴۰۲، (۳)، ۵۴، ۶۴۳

انسائیکلو پیڈیا آف ایجوکیشن (۴)، ۱۰۶

انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز (۲)، ۴۰۸، ۴۱۹، ۴۵۶

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (۱)، ۵۱۵، (۴)، ۱۷، ۴۸۰

انموذج اللبیب : سیوطی (۳)، ۶۷۴

الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ : یوسف ابن اسماعیل نبہانی (۱)، ۶۴۱، ۶۹۵

اورنگ زیب عالمگیر : شبلی نعمانی (۱)، ۸۰

اوستا (۲)، ۵۳۶ — ۵۳۷

اہمیۃ الحضارۃ فی تاریخ الدیانات وحیاۃ اصحابہا : سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۳۵

ایام العرب (۳)، ۱۱۴

ایران بعہد ساسانیاں : آرتھر کرسٹن سین (۳)، ۹۹، ۱۰۱، ۱۱۹ — ۱۲۱، ۱۲۳ — ۱۲۴

الایصال الی فہم کتاب الخصال الجامعۃ لجمل شرائع الاسلام فی الواجب والحلال والحرام وسائر الاحکام علیٰ ما اوجبہ القرآن والسنۃ والاجماع

ابنِ حزم (۱) ۵۹۹

ایضاح المکنون فی الذیل علیٰ کشف الظنون : اسماعیل پاشا بغدادی (۱) ۵۰۴، ۶۴۵ ـ ۶۴۶

ب

باطل شکن (۴) ۴۷۴، ۴۷۸

الباعث الحثیث الیٰ معرفۃ علوم الحدیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر : عبدالرزاق حمزہ (۱) ۶۴۷

بال جبریل : اقبال (۴) ۶۰۶

بائبل (۱) ۵۱۶، ۵۲۳ (۲) ۸۱، ۸۳، ۱۴۱، ۲۰۰، ۵۳۷ (۳) ۲۷، ۱۲۶ (۴) ۲۱۲، ۴۷۹، ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۵۶

بائبل گزیٹیر (۳) ۸۲

البحث الادبی : شوقی ضیف (۱) ۶۱۵

بحث فی نشاۃ علم التاریخ عند العرب : عبدالعزیز الدوری (۱) ۶۵۹، ۶۶۱، ۶۶۴، ۶۶۷

بحرالرائق شرح کنز الدقائق (۳) ۴۹۶

بحر نبوت، مہاتما ستیہ دہاری (۳) ۴۸۱

بدایۃ المجتہد : ابن رشد (۲) ۴۴، (۳) ۶۴۴، ۶۲۱، ۶۶۳

البدایہ والنہایہ : ابن کثیر (۱) ۱۶، ۶۲، ۸۸، ۴۴۳، ۴۶۵، ۴۸۹، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۰۳، ۶۱۳، ۶۴۴ ـ ۶۵۱، ۶۵۸، ۶۶۰ ـ ۶۶۳، ۶۶۵ ـ ۶۷۱، ۶۷۴ ـ ۶۸۰، ۶۸۴ ـ ۶۸۵، ۶۸۷ ـ ۶۸۸، ۶۹۰ (۲) ۵۸، ۶۱، ۶۸ ـ ۶۹، ۱۰۵، ۱۲۸، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۶۵، ۱۶۷ (۳) ۵۹۱، ۵۹۳، ۶۳۹ ـ ۶۴۰ (۴) ۷۶، ۱۰۹

البدر الطالع بمحاسن القرن السابع : الشوکانی (۱) ۶۹۰

البدء والتاریخ : مقدسی (۲) ۵۶، ۱۵۵

برالاعظم : رازی (۴) ۸۹

البرہان فی توجیہ متشابہ القرآن : برہان الدین ابوالقاسم محمود بن حمزہ ابن نصر الکرمانی المقری الشافعی (م بعد ۵۰۰) (۱) ۳۸۲

البرہان المسدد فی اثبات نبوۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم : نبہانی (۱) ۴۹۴

بستان المحدثین : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱) ۹، ۳، ۶، ۶۴۴، ۶۴۵

بطلان الجزیۃ عن یہود خیبر : ابن کثیر (۱) ۶۸۳

البعث والنشور : امام بیہقی (۱) ۶۷۷

بغیۃ الرائد لما تضمنہ حدیث ام زرع : قاضی عیاض دیکھیے حدیث ام زرع : قاضی عیاض (۱) ۴۳۸

بغیۃ العلماء والرواۃ : السخاوی (۱) ۵۰۴

بغیۃ الملتمس : الضبی (۱) ۶۱۱، ۶۱۴، ۶۲۲ ـ ۶۲۳

بغیۃ الوعاۃ : سیوطی (۱) ۵۵، ۴۸۵، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۷، ۵۱۰، ۶۱۴

بلاغ مبین : محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی (۲) ۲۱۵

البلاغۃ، تطور و تاریخ : شوقی ضیف (۱) ۶۱۵

بلوغ الارب : آلوسی (۲) ۱۱۰ (۳) ۴۸، ۷۷ ـ ۷۸، ۸۴ ـ ۸۵، ۱۱۳

بلوغ المرام : تقی الدین ابوبکر بن علی بن عبداللہ قادری حنفی (۷۷۷ ـ ۸۳۷ھ) (۱) ۴۸۶

بوستان : سعدی (۴) ۷۷

بہجۃ المجالس وانس المجالس : ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبر القرطبی (۱) ۶۱۸، ۶۲۳ (۴) ۲۹۲

بھگوت گیتا (۲، ۲۵-۲۶
البیان عن تلاوۃ القرآن : ابن عبدالبر (۱، ۶۱۷
البیان والتبیین : الجاحظ (۱، ۳۰۶ (۴، ۱۱۰
بیوتات العرب : ابن سلام الجمحی (م ۲۳۲ھ) (۱، ۵۱۰
بینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من القرآن : محمد عزت دروزہ (۳، ۱۱۱

پ

دی پاپولر ریلیجن آف دی ورلڈ (۴، ۴۷۲
پیشین لٹریچر : اسٹوری (۱، ۴۹۷
پریچنگ آف اسلام : آرنلڈ (۴، ۴۷۴
پس چہ باید کرد ای اقوام شرق : علامہ محمد اقبال (۴، ۷۷
پیجران اسلام (۴، ۴۷۳
پیغمبر اعظم : فضل الدین واعظ (۴، ۷۸

ت

تاج العروس فی شرح جواہر القاموس : محمد مرتضیٰ زبیدی، م ۱۲۰۵ھ
(۱، ۶۱۴، ۶۳۱، (۲، ۹۹
تاج المفرق (مخطوط) بلوی (۱، ۶۱۴
تاریخ : ابن خلدون (۱، ۴۹۱ (۲، ۵۸، ۶۵، ۶۷-۶۸، ۸۸،
۱۷۸، ۳۹۱-۳۹۲، ۴۳۲-۴۳۴، ۴۳۷،
۴۲۹، ۴۴۶، ۴۵۹، ۴۶۲ (۳، ۷۸، ۴۸۶،
۷۴۵ (۴، ۷۶، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۴، ۳۹۷، ۳۹۹،
۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۹، ۴۱۹، ۴۲۲
تاریخ : ابوالفداء (۱، ۴۸۹، ۸۰۳ (۴، ۶۴
تاریخ : ابو حسان زیادی (۱، ۶۰۲
تاریخ : بخاری (۱، ۴۰۶، ۴۶۶، ۷۲۳، ۷۸۹، ۷۹۷، ۷۹۸
۸۰۵ - ۸۰۶، ۸۱۰
التاریخ : خلیفہ ابن خیاط (۱، ۳۹۸، ۴۰۵، ۴۰۷، ۴۰۸، ۶۰۲

تاریخ طبری دیکھئے تاریخ الرسل والملوک : ابن جریر الطبری
تاریخ : یعقوبی (۱، ۴۹۶، ۶۳۸، ۷۹۷
تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ : جرجی زیدان (۱، ۴۹۰، ۴۹۷-۴۹۸
۵۰۴
تاریخ الادب الاندلسی : ڈاکٹر احسان عباس (۱، ۵۹۵
تاریخ ادب عربی : زیات احمد حسن (۴، ۱۴۵
تاریخ الادب العربی : شوقی ضیف (۱، ۶۱۵
تاریخ الاسلام : الذہبی (۱، ۵۱۴ (۳، ۶۱۳
تاریخ اسلام : عبدالحلیم شرر (۳، ۱۲۲
تاریخ اسلام (اطالوی) کائتانی (۲، ۵۶۱، ۶۲۸
تاریخ الاشراف الکبیر : ہیثم بن عدی، م ۲۰۷ھ (۱، ۶۶۸
تاریخ اصبہان : ابونعیم اصبہانی، م ۴۳۰ھ
(۱، ۶۰
تاریخ ایران : مکاریوس (۳، ۱۰۱
تاریخ بغداد : خطیب بغدادی (۱، ۴۹۳، ۴۹۵، ۴۹۸، ۵۰۰،
۵۰۳، ۵۰۵، ۵۱۰، ۶۶۹، ۶۷۱-۶۷۲ (۲، ۱۳۸
(۴، ۱۰۹
تاریخ تدوین حدیث : مناظر احسن گیلانی (۱، ۷۸۶
تاریخ چین : جمیس کارکرن (۳، ۱۱۶
تاریخ حبیب الٰہ : مفتی عنایت احمد (۱، ۶۵
تاریخ الخلفاء : سیوطی
(۲، ۴۳۹ (۴، ۶۹۵
تاریخ الخمیس : دیار بکری (۱، ۶۰۳، ۷۱۸، ۷۵۵، ۸۰۵ (۲،
۵۸، ۶۳، ۶۶، ۶۸-۶۹، ۱۴۷، ۱۶۸، ۱۷۷،
۱۸۰، ۱۸۹-۱۹۰، ۶۸۰ (۳، ۵۳۸، ۵۶۰-۵۶۱
تاریخ دمشق : ابن عساکر (۱، ۵۱۴، ۶۷۲

تاریخ دعوت و عزیمت : سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۱۹، ۲۱
تاریخ الرسل والملوک : ابن جریر الطبری، م ۳۱۰ ھ
(۱)، ۵۶، ۴۰۱-۴۰۲، ۴۰۶-۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۲
۴۱۴، ۴۲۹، ۴۴۳، ۴۴۷-۴۴۸، ۴۵۰، ۶۶۷
۶۶۸، ۶۷۰، ۷۵۶، ۷۶۲، ۷۶۶، ۷۱۲-۷۱۳،
۷۱۶-۷۸۶-۷۹۵-۷۹۷-۷۹۸، ۸۰۰، ۸۰۲
۸۱۴ (۲)، ۵۷-۵۸، ۶۱، ۶۲-۶۵، ۶۷-۶۸
۷۷، ۷۹، ۱۰۵، ۱۱۸، ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۳۹-۱۴۰،
۱۴۲-۱۴۳، ۱۴۵، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۸، ۱۶۰-
۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۷-۱۷۹، ۱۸۱
۱۸۴، ۱۸۹، ۲۰۹، ۲۱۷-۲۱۸، ۲۲۲-۲۲۴
۲۲۷، ۲۲۹، ۲۴۳، ۳۶۱، ۴۳۲، ۴۳۳
۴۳۶-۴۳۷، ۴۳۹، ۴۴۰-۴۴۱، ۴۴۶،
۴۵۳، ۴۵۴، ۴۶۲، ۵۲۴، ۵۵۷ (۳)، ۱۴، ۵۵
۹۹، ۱۰۰-۱۰۱، ۱۱۴، ۱۲۲-۱۲۳، ۴۹۵، ۵۵۸
۵۶۰-۵۶۱، ۶۲۶-۶۲۷، ۶۲۹-۶۴۰-۶۴۲
۶۷۸، ۷۲۹، ۷۴۳ (۴)، ۶۴، ۷۶، ۱۱۳، ۱۲۴،
۱۲۶، ۱۴۳، ۴۰۳، ۴۱۱، ۴۳۲
تاریخ روم : ایڈورڈ گبن (۴)، ۵۳۰
تاریخ زوال و انحطاط روما : گبن (۳)، ۷۴۲، ۳۴۶-۳۴۷
(۴)، ۱۹، ۲۱
تاریخ سلاطین مصر و شام (۱)، ۵۱۵
تاریخ صغیر : امام بخاری (۲)، ۴۳۹
تاریخ طبری کے مآخذ : جواد علی (۱)، ۴۹۵
تاریخ العراق (۱)، ۵۰۴
تاریخ عرب : ہٹی (۲)، ۴۲۶، ۴۳۰ (۳)، ۵۱۰، ۴۰۳

تاریخ عرب کے قدیم راویوں کا مطالعہ : ایڈورڈ سخاؤ
(۱)، ۸۱۳
تاریخ الغرباء القادمین علی مصر : حافظ ابن یونس (۲۸۱-
۳۴۷ھ) (۱)، ۴۵۳، ۴۵۴
تاریخ فلسفہ : دبیر (۳)، ۷۱۳
تاریخ الفقہاء : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۵۰۰، ۷۷۹
تاریخ القرآن : مفتی عبداللطیف (۱)، ۳۸۷ (۳)، ۶۱۹
تاریخ القرآن : نولدکے (۱)، ۸۰۸، ۸۱۶
تاریخ قضاۃ الاندلس : النباہی (۱)، ۶۱۴
التاریخ الکبیر : امام بخاری (۱)، ۶۶ (۴)، ۲۵۵
التاریخ الکبیر : یعقوب بن سفیان الفسوی، م ۲۷۷ الفسوی (۱)، ۶۷۰
التاریخ الکبیر : واقدی (۱)، ۷۷۸-۷۷۹
التاریخ المحیط : السخاوی (۱)، ۵۰۴
تاریخ مسجد حرام : عبدالشکور پھلواری (۲)، ۴۰۲، ۴۱۹
تاریخ المدینتین : السخاوی (۱)، ۵۰۴
تاریخ مشائخ چشت : خلیق احمد نظامی (۱)، ۲۱، ۳۰
تاریخ مکہ : الازرقی (۱)، ۷۶۲
تاریخ ملت (۳)، ۶۹۵
تاریخ النقد الادبی : ڈاکٹر احسان عباس (۱)، ۵۹۵
تالمود (۱)، ۵۱۶
تاویل مختلف الحدیث : ابن قتیبۃ الدینوری (م ۲۷۶ ھ)
(۱)، ۵۵-۵۸
تاویل مشکل القرآن : ابن قتیبہ (۳)، ۴۸۹
التبر المسبوک : السخاوی (۱)، ۵۰۳
التشذیبہ : ابو زید الفازی، م ۲۱۵ ھ (۱)، ۴۶۱
تجرید اسماء الصحابہ (۱)، ۵۱۴

تجرید البخاری (۴)، ۴۳۲
التجرید والمدخل الی علم القرآن بالتجرید: ابن عبدالبر
(۱)، ۶۱۷، ۶۳۳
التحذیر من اتخاذ الصور والتصویر: نبہانی (۱)، ۶۹۴
تحریر: ابن ہمام، م ۸۶۱ھ (۲)، ۳۳۸
تحریک پیام انسانیت کے بارے میں ایک اہم انٹرویو
سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۳۷
تحصیل السعادۃ: فارابی (۳)، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴
تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف: جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی
(۱)، ۶۸۲
التحفۃ اللطیفۃ فی اخبار مدینۃ الشریفۃ: السخاوی (۱)، ۵۰۴
تحفۃ المجاہدین فی بعدر؟، اخبار اترنگالین: زین العابدین المعبری
(۲)، ۶۱۵
تحفۃ النظار (۴)، ۱۱۰
تدریب الراوی: نووی، م ۶۷۷ھ (۱)، ۶۷، ۳۹۰
تدوین حدیث: سید مناظر احسن گیلانی (۴)، ۱۴۳
تذکرہ: ابوالکلام آزاد (۱)، ۶۹
تذکرۃ الحفاظ: ذہبی (۱)، ۶۶، ۷۶، ۳۸۰، ۴۶۴، ۴۹۳
۴۹۴، ۴۹۸، ۵۲۰، ۵۹۰ـ۵۹۱، ۶۰۷، ۶۱۱ـ
۶۱۲، ۶۱۴، ۶۳۲، ۶۳۷، ۶۴۴ـ۶۴۵،
۶۶۳، ۶۶۵، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۸ (۴)، ۷۲
التذکرۃ فی احوال الآخرۃ: القرطبی، م ۶۷۱ھ (۱)، ۶۷۳
التربیۃ والتعلیم عند العرب: خلیل طوطح (۴)، ۱۰۸
ترتیب المدارک وتقریب المسالک فی ذکر فقہاء مذہب مالک:
قاضی عیاض (۱)، ۶۳۸
التراتیب الاداریہ: عبدالحی کتانی (۱)، ۶۰۷، ۶۱۴ (۳)، ۶۵۶

ترغیب وترہیب: عبدالعظیم بن عبدالقوی (۴)، ۲۱۰
ترجمان السنۃ: بدر عالم (۲)، ۳۶۸
التطور والتجدید فی الشعر الاموی: شوقی ضیف (۱)، ۶۱۵
التعرف لمذہب التصوف: کلاباذی (۳)، ۱۶۶
تشکیل الہیات جدیدہ ـ علامہ محمد اقبال (۴)، ۳۶
تعلیقۃ: ابو حامد محمد بن یونس م ۶۰۸ھ (۱)، ۶۵۰، ۶۷۳
التعلیقات (۳)، ۱۴۲
التعلیم عند القابسی (۴)، ۱۰۸
تفاسیر اربع (۴)، ۷۱۱
تفسیر: ابن ابی حاتم م ۳۲۷ھ (۱)، ۶۸
تفسیر: ابن جریر الطبری، م ۳۱۰ھ (۱)، ۶۸۰، ۷۲۲، ۷۸۹
(۳)، ۱۱۲، ۵۶۰ـ ۵۶۱ (۴)، ۱۱۲ ۷۰۹ـ۷۱۰
تفسیر: ابن مردویہ، م ۴۱۰ھ (۱)، ۶۸۰
تفسیر: ابی السعود (۳)، ۴۶
تفسیر: بقی بن مخلد، م ۲۷۶ھ (۱)، ۶۸۰
تفسیر: بیضاوی (۲)، ۸۹، ۳۶۰ (۴)، ۷۱۰
تفسیر: السدی الکبیر م ۱۲۷ھ (۱)، ۶۸۰
تفسیر: عبدالرزاق، م ۲۱۱ھ (۱)، ۶۸۰
تفسیر: القاضی الماوردی، م ۴۵۰ھ (۱)، ۶۸۰
تفسیر: القرطبی (۳)، ۴۶
تفسیر بیان القرآن: محمد علی (۳)، ۶۲۰
تفسیر خازن (۴)، ۱۲۱، ۲۰۲، ۷۱۰
تفسیر روح المعانی (۲)، ۳۶۰
تفسیر القرآن الکریم: ابن کثیر (۱)، ۶۴۶، ۶۷۹ ـ ۶۸۰
تفسیر القرآن الکریم: محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹
تفسیر القرآن الکریم: محمود حمزہ، حسن علوان، احمد برانق (۴)، ۷۱۲

تنسیر قرۃ العین عن البیضاوی والجلالین : بنہانی (۱)، ۶۹۵
تفسیر کبیر: امام رازی (۲)، ۸۵، (۳)، ۴۷۹، (۴)، ۶۴۲
تفسیر کشاف : زمخشری (۲)، ۳۶۰، (۴)، ۷۱۰
تفسیر المراغی : مراغی (۴)، ۷۱۲
تفسیر المنار : محمد عبدہ (۳)، ۴۶۳، (۴)، ۷۱۱
التفسیر الواضح (۳)، ۴۸۹
تفہیم القرآن : سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱)، ۲۱۰ (۲)، ۴۱۷،
۴۲۳، ۴۲۶، ۴۳۰، ۴۶۴
تقریب التہذیب : ابن حجر (۱)، ۶۷
التقصی لما فی الموطا من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ابن عبدالبر (۱)، ۶۱۷
تقویم ہنگھم (۲)، ۱۸۲
تقویم وستنفیلڈ (۲)، ۱۷۱، ۱۷۵، ۱۷۸-۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۵
۱۹۸-۱۹۹، ۲۰۲، ۲۰۴
تقویم البلدان : ابوالفدا (۳)، ۷۰، ۷۶، ۸۰
تکملہ (۱)، ۶۱۲
التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل :
ابن کثیر (۱)، ۶۸۱
تلاش ہند : جواہر لعل نہرو (۳)، ۱۰۳
تلخیص ابن مکتوم (۱)، ۴۹۰
تلخیص طبقات القراء : السخاوی (۱)، ۵۰۴
تلقیح : ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی القرشی البغدادی م ۵۹۷ھ
(۲)، ۴۳، ۴۹، ۶۹ (۴)، ۳۸۲ - ۳۸۵، ۳۸۸،
۳۹۱-۳۹۴، ۳۹۷ - ۴۱۳، ۴۱۵ - ۴۱۹
۴۳۲
تمدن عرب : محمد احسان الحق سلیمانی (۴)، ۱۴۲
تمدن عرب : موسیو رینان (۴)، (۳)، ۵۱، ۵۳
تمدن ہند : گستاولی بان (۲)، ۳۰۵، ۴۲۷، ۴۶۰، ۱۰۲-
۱۰۵-۱۰۶-۱۰۷، ۱۰۹- ۱۱۰، ۱۱۶، ۶۲۰ (۴)
۴۶۴، ۴۷۴
التمہید : باقلانی (۳)، ۱۴۰
التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید : ابن عبدالبر (۱)، ۶۱۷
التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمان : ابن ابی بکر م ۷۴۱ھ
(۱)، ۵۱۴
تنبیہ الافکار لحکمۃ اقبال الدنیا علی الکفار : بنہانی (۱)، ۶۹۴
التنبیہ علی سبیل السعادۃ : فارابی (۳)، ۱۴۲، ۱۴۴
التنبیہ والاشراف : مسعودی (۲)، ۵۶-۶۶-۶۷، ۷۷،
۷۹، ۸۶، ۱۱۰-۱۱۱، ۱۲۱، ۱۲۳ (۳)، ۶۳۴
تنبیہات : ابن الوقشی، م ۴۸۹ھ (۱)، ۴۸۵-۴۸۶
التنبیہات المستنبطہ فی شرح مشکلات المدونۃ والمختلط :
قاضی عیاض (۱)، ۶۳۸
تنزیہ الانبیاء عن تشبیہ الاغبیاء : سیوطی (۴)، ۷۰۱
تنزیہ القرآن : مولوی سید محمد مجتہد (۱)، ۳۸۷
توبۃ النصوح : ڈپٹی نذیر احمد (۴)، ۵۹۲، ۵۹۵
توجیہ النظر : طاہر صالح الجزائری (۱)، ۶۷، ۲۹۰
توریت (۱)، ۴۴، ۱۲۱، ۲۳۳-۲۳۵، ۳۰۲، ۳۸۱،
۵۱۶، ۵۲۴، ۵۵۰، ۷۶۲، ۷۶۵ (۲)، ۳۵۵
۴۰۳، ۴۰۵، ۴۱۴، ۴۲۴، ۵۳۲، ۵۳۹ -
۵۴۱، ۵۴۹، ۵۸۸، ۶۹۰ (۳)، ۶۶، ۶۹، ۷۷،
۷۹، ۸۲-۸۳، ۱۷۶، ۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۲۴،
۲۹۹، ۳۳۹، ۵۹۴ (۴)، ۳۱۹، ۴۰۴، ۴۳۹
۴۷۷-۴۷۸، ۵۵۰، ۵۵۴، ۵۶۲، ۵۸۳

تورات دیکھئے توریت
تہذیب الاخلاق: مسکویہ (م ۴۲۱ھ) (۳) ۱۶۴
تہذیب الاسماء: النووی (۴) ۱۰۹
تہذیب تاریخ دمشق (۴) ۱۰۹
تہذیب التہذیب: ابن حجر (۱) ۵۸، ۶۲–۶۳، ۶۶–۶۷،
۸۰، ۲۷۲، ۲۹۰–۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۸، ۴۰۵–۴۰۶،
۴۴۷، ۴۵۵–۴۵۷، ۴۵۹، ۴۹۱–۴۹۴، ۴۹۶،
۴۹۸، ۵۱۴، ۵۲۰، ۶۶۲، ۶۶۸، ۶۷۰، ۶۸۴،
۷۱۱، ۷۸۷–۷۸۸، ۷۹۰–۷۹۵، ۸۰۱–
۸۰۲، ۸۰۴–۸۰۶، ۸۰۸–۸۱۲، ۸۱۴، ۸۱۶
تہذیب سیرۃ ابن اسحاق (سیرت ابن ہشام): ابن ہشام (۱) ۴۶۴
تہذیب سیرۃ ابن ہشام: عبدالسلام ہارون (۱) ۴۸۷
تہذیب السیرۃ النبویہ: ابن ہشام (۱) ۵۶۴
تہذیب الکمال فی اسماء الرجال: جمال الدین ابوالحجاج یوسف
المزی م ۷۴۲ھ (۱) ۶۶، ۶۸۶
تہذیب اللغۃ: الازہری (۱) ۵۱۵
تہذیب النفوس فی ترتیب الدروس مختصر ریاض الصالحین للنووی:
نبہانی (۱) ۶۹۵
التیجان فی اخبار ملوک الزمان: ابن ہشام دیکھئے، کتاب التیجان
فی ملوک حمیر

ٹ

ٹرائسعٹ بلگرمیج: اوررلتر (۴) ۳۰

ث

الثمرات المرضیۃ فی بعض الرسالات الفارابیہ: فارابی (۲) ۱۴۳

ج

الجامع: محمد بن سعدان (۱) ۵۰۵
جامع الاحکام القرآن: قرطبی (۴) ۷۱۰
جامع بیان العلم وفضلہ وما ینبغی فی روایتہ وحملہ: ابن عبدالبر
م ۴۶۳ھ (۱) ۵۹–۶۰، ۶۱۸
جامع تاریخ: قاضی عیاض (۱) ۶۳۸
جامع ترمذی: ترمذی (۱) ۳۵۹، ۳۶۰–۳۶۲، ۳۷۷–۳۷۸،
۳۸۸، ۳۹۳ (۲) ۱۱، ۱۶، ۲۲، ۳۳۴، ۳۴۵
۳۵۰، ۳۸۱، ۳۸۳، ۴۳۳، ۴۳۶، ۴۳۷،
۴۳۹، ۴۴۷، ۴۵۰–۴۵۱، ۴۵۳، ۴۵۶، ۴۶۲
۴۶۳، ۴۶۵، ۶۱۰ (۳) ۳۴، ۱۹۷، ۲۶۵، ۲۶۸
۴۲۱، ۴۸۹، ۵۲۸، ۵۴۸، ۶۱۶، ۶۴۳، ۶۶۰،
۶۸۱، ۷۰۲ (۴) ۲۹، ۷۵، ۹۴، ۹۹–۱۰۲، ۱۱۸،
۱۲۲، ۱۲۴–۱۲۷، ۱۳۱، ۱۶۴–۱۶۵، ۲۱۰، ۲۱۹
۲۳۷، ۲۵۹، ۲۶۵، ۳۰۷، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۲۳
جامع الثناء علی اللہ وھو یشتمل علی جملۃ من احزاب اکابر الاولیاء:
نبہانی (۱) ۶۹۴
جامع الصلوات علی سید السادات: نبہانی (۱) ۶۹۵
الجامع الکبیر: امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) (۱) ۶۸۲، (۴) ۱۰۴
جامع کرامات الاولیاء ومعہ رسالۃ فی اسباب التالیف: نبہانی
(۱) ۶۹۵
جامع المسانید والسنن: ابن کثیر (۱) ۶۸۱
جائزہ مدارس عربیہ اسلامیہ: حافظ نذر احمد (۴) ۱۴۴
جذب القلوب: عبدالحق محدث دہلوی (۴) ۷۰۱
جذوۃ المقتبس: حمیدی (۱) ۶۱۱، ۶۱۳، ۶۳۲، ۶۳۳
الجرح والتعدیل: ابن ابی حاتم (۱) ۵۲۰، ۶۶۲
الجمع: ابوزید الانصاری م ۲۱۵ھ (۱) ۴۶۱
جمع الجوامع: السیوطی (۴) ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۶–۱۲۷

جمع الفوائد (۳)، ۱۹۷، ۱۹۹ (۴)، ۴۷۳-۴۷۴
جمل فتوح الاسلام بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ابن حزم
(۱)، ۵۹۶
جمہرۃ انساب العرب (۱)، ۵۰۶، ۵۹۱، ۶۰۰، ۶۰۲، ۶۰۳،
۶۱۰
جمہرۃ الخطب : احمد زکی صفوت (۲)، ۲۵
الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح : ابن تیمیہ (۱)، ۶۵۸، ۶۷۷
جوامع السیرۃ : ابن حزم (۱)، ۵۹۵ — ۶۱۰، ۶۱۳ — ۶۱۴،
۶۲۵ — ۶۲۸ (۳)، ۴۸۶ (۴)، ۴۱۳
جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم، نبہانی
(۱)، ۶۹۵
جوامع الکلم (۱)، ۶۳۳
الجواہر المجموعہ : السخاوی (۱)، ۵۰۴
الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی السخاوی
(۱)، ۵۰۴، ۶۹۰
جویلئے حق : عبدالحلیم شرر (۴)، ۷۹

چ

چیمبرس انسائیکلوپیڈیا (۴)، ۴۶۷
چنگیز خاں : ہیرلڈ لیمب (۱)، ۱۳

ح

حاضر العالم الاسلامی : امیر شکیب ارسلان (۱)، ۲۳، ۲۷
حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم،
نبہانی (۱)، ۶۹۴، ۶۹۷
حجۃ اللہ البالغہ : شاہ ولی اللہ دہلوی (۱)، ۳۴۷ — ۳۴۸ (۲)
۴۱۶ (۳)، ۷، ۱۲۶ — ۱۲۷، ۲۵۳ (۴)، ۱۹
حدیث دفاع : اکبر خاں (۲)، ۴۲۹، ۴۳۸، ۴۴۲
حدیث منبع الاصول الی اصطلاح احادیث الرسول :
صدیق حسن بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ)، (۱)، ۶۷
حدیقۂ آخرت : شفیق عمادپوری (۴)، ۸۰
حرب الاوس والخزرج : واقدی (۱)، ۴۷۸
حزب الاستغاثات : نبہانی (۱)، ۶۹۴
حسن الشرعۃ فی مشروعیۃ صلاۃ الظہر بعد الجمعہ : نبہانی (۱)، ۶۹۴
حسن المحاضرۃ : سیوطی م ۹۱۱ھ ۴۹۶ (۱)، ۴۸۹
حضارۃ الاسلام فی دار السلام : جمیل نخلہ (۴)، ۱۱۴
حقانیت اسلام (۴)، ۴۸۳
الحقوق والفرائض (۴)، ۱۹۶
حکمت : وہب بن منبہ (۱)، ۴۳۸
حلیۃ الاولیاء : ابونعیم (۱)، ۵۱۴
حماسہ : ابوتمام (۲)، ۴۵، ۴۹، ۱۱۲، ۱۱۴
حولیات اسلام : کیتانی (۱)، ۴۷۹، ۸۱۳، ۸۱۵ (۲)، ۲۱۲
حیاۃ الصحابہ : محمد یوسف کاندھلوی (۳)، ۲۰۲
حیات القلوب : محمد باقر مجلسیؒ (۲)، ۵۹۳، ۵۹۵ — ۵۹۶
حیات محمد : حسنین ہیکل (۲)، ۴۰۲، ۴۱۱، ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۲۶
حیات محمد (اردو ترجمہ) محمد حسنین ہیکل (۲)، ۳۶۸، ۵۹۶

خ

خاتم المرسلینؐ : عبدالحلیم شرر (۴)، ۷۸
خریدۃ القصر : عماد الدین اصفہانی الکاتب (۱)، ۵۹۵
خصائص علی : امام نسائی م ۳۰۳ھ (۱)، ۶۷۰، ۶۷۸
خصائص کبریٰ : السیوطی (۴)، ۲۰۹
خصائل نبوی : محمد زکریا سہارنپوری (مترجم) (۱)، ۶۵
خطبات احمدیہ : سرسید احمد خاں (۲)، ۵۴ (۴)، ۷۸، ۶/۵
خطبات مدراس : سید سلیمان ندوی (۱)، ۷۱، ۸۰ (۲)، ۷۸، ۷۹

خطط : مقریزی (۱)، ۴۹۰-۴۹۱ (۲)، ۵۶۳
خطط مبارک (۱)، ۵۰۴
خطط الشام : محمد کرد علی (۳)، ۱۸، ۱۲۵
خطیبِ قرآن : مرتضیٰ احسین (۳)، ۵۹۶
خلاصۃ السیرۃ النبویہ : علی بن الامام المؤید باللہ (۱)، ۴۸۷
خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام : نبہانی (۱)، ۶۹۴
الخلافیات : بیہقی (م ۴۵۸ھ) (۱)، ۶۸۳
خلفائے راشدین : (۳)، ۷۲۷
خلق الانسان : سعید بن اوس بن ثابت ابوزید انصاری
م ۲۱۵ھ (۱)، ۴۶۱
الخمیس فی احوال انفس نفیس : دیار بکری (۱)، ۱۸۷

د

الدارس فی تاریخ المدارس : النعیمی (۱)، ۶۸۹
دائرۃ المعارف : البستانی (۱)، ۵۲
دائرہ معارف اسلامیہ (اردو) (۴)، ۳۷۷ - ۴۲۵ - ۴۳۳
دائرۃ المعارف الاسلامیہ فرید بن مصطفیٰ وجدی (۱)، ۴۳۲، ۴۱۸
دائرۃ المعارف العثمانیہ (۱)، ۶۶۵، ۶۸۹
دائرہ معارف القرن العشرین : فرید وجدی
(۱)، ۶۴۴ (۴)، ۳۹۲
دبستانِ مذاہب : محسن فانی (۳)، ۳۵
درِ مکنون : شوکت علی شاہ جہاں پوری (مترجم) (۱)، ۶۴
الدر المنثور : جلال الدین السیوطی (۲)، ۵۷، ۷۰، ۱۵۷ (۳)،
۴۹۴ (۴)، ۶۹۴
درِ یتیم : ماہر القادری (۴)، ۷۹
دراسات : زخاؤ (۱)، ۸۱۹
دراسات اسلامیہ : گولڈ زیہر (۱)، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۶، ۸۱۰
دراسات فی الشعر العربی المعاصر : شوقی ضیف (۱)، ۶۱۵
الدرۃ المکللۃ فی فتح مکۃ المشرفۃ المبجلہ : بکری (۲)، ۴۰۲،
۴۱۲، ۴۱۹
الدرر فی اختصار المغازی والسیر : ابن عبد البر م ۴۶۳ھ
(۱)، ۴۰۶ – ۴۰۸، ۴۹۶، ۶۰۳، ۶۱۵ - ۶۳۶
الدرر الکامنۃ فی اعیان المئۃ الثامنۃ : ابن حجر (۱)، ۴۹۷،
۶۱۴، ۶۹۰
الدرۃ الفاخرہ : حمزۃ الاصفہانی (۳)، ۴۷
دعوتِ اسلام : آرنلڈ (۱)، ۱۵ (۴)، ۵۳۵
دفع الاحزان : کندی (۳)، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۹۱
الدلالات الواضحات : نبہانی (۱)، ۶۹۵، ۶۹۹
دلائل النبوۃ : ابن شاہین م ۳۸۵ھ (۱)، ۶۷۵
دلائل النبوۃ : ابن قتیبہ م ۲۷۶ھ (۱)، ۶۷۴
دلائل النبوۃ : ابو اسحٰق ابراہیم بن اسحٰق الحربی م ۲۵۸ھ
(۱)، ۶۷۴
دلائل النبوۃ : ابو داؤد (۱)، ۶۷۴
دلائل النبوۃ : ابو زرعہ الرازی م ۲۶۴ھ (۱)، ۶۷۵
دلائل النبوۃ : ابو محمد عبداللہ بن حامد الفقیہ
(۱)، ۶۷۴، ۶۷۶
دلائل النبوۃ : ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی م ۴۳۰ھ (۱)،
۶۷۴ – ۶۷۵، ۶۸۴، ۶۸۷ (۲)، ۱۷۹ (۳)، ۵۲۲،
۵۳۸، ۶۳۸ – ۶۴۰، ۶۴۲
دلائل النبوۃ : بیہقی (۱)، ۶۶۷، ۶۷۰، ۶۷۵، ۶۸۳ –
۶۸۴، ۶۸۷ (۴)، ۶۹۱ – ۶۹۲
دلائل النبوۃ : عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی م ۲۴۶ھ (۱)، ۶۷۴

دیل التجار الی اخلاق الاخیار : نبہانی (۱)، ۶۹۴

دول الاسلام : السخاوی (۱)، ۵۰۴

دیوان المدائح المسمیٰ العقود اللؤلؤیہ فی المدائح النبوۃ : نبہانی (۱)، ۶۹۵

الدیباج المذہب : برہان الدین ابن فرحون مالکی (۱)، ۶۳۲-۶۴۵

دیوان : احمد حمدیس صقلی (۱)، ۵۹۵

ذ

الذخیرہ (۱)، ۶۱۱

الذخیرہ فی مختصر السیرہ : برہان الدین ابراہیم بن محمد بن المرحل دمشقی (م ۷۲۸ھ) (۱)، ۴۸۶

الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ : آغا بزرگ (۱)، ۸۱۴

الذریۃ الطاہرۃ : ابوالبشر محمد بن احمد الدولابی م ۳۱۰ھ (۱)، ۷۶۸

ذکر النبیؐ : اشرف علی تھانوی (۴)، ۸۰

ذیل طبقات الحفاظ الذہبی : السیوطی (۱)، ۶۹۰

الذیل علی طبقات القراء لابن الجزری : السخاوی (۱)، ۵۰۴

ذیل تاریخ المقریزی : السخاوی (۱)، ۵۰۳

ذیل مرأۃ الزمان (۱)، ۴۹۷

ر

الراۃ العربیۃ : عفیفی (۴)، ۱۱۳

رامائن (۱)، ۳۳۳

الرأیۃ الصبغرۃ فی ذم البدعۃ و مدح السنۃ الغرا : نبہانی (۱)، ۶۹۵

رحمۃ للعالمین : سلیمان منصور پوری (۱)، ۸۱، ۱۹۰، ۲۰۱ (۳)، ۳۱۵، ۳۶۹، (۴)، ۷۸، ۱۳۲-۱۴۵، ۱۴۵، ۴۳۲

الرحلۃ الحلبیہ : السخاوی (۱)، ۵۰۴

الرحلۃ السکندریہ : السخاوی (۱)، ۵۰۴

الرحلۃ الملکیہ : السخاوی (۱)، ۵۰۴

الرحمۃ المہداۃ فی فضل الصلات : نبہانی (۱)، ۶۹۴

الرد علی ابن نغریلۃ الیہودی و رسائل اخری : ابنِ حزم (۱)، ۶۰۰

رد المختار : مصنف (۴)، ۲۹۰، ۲۹۴

الردۃ والدار : واقدی (۱)، ۷۷۸، ۷۷۹

رگ وید (۴)، ۳۱۲، ۵۵۵

رسالات نبویہ : عبدالمنعم خان (۲)، ۲۱۵

رسالات نبویہ : عبدالمنعم خان (۳)، ۶۳۸

رسالۃ : نبہانی (۱)، ۶۹۴

رسالۃ الخلفاء : ابنِ حزم (۱)، ۶۱۴

الرسالہ فی التصوف : القشیری (۳)، ۱۵۰

رسالہ فی ما ینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفہ : فارابی (۳)، ۱۴۳، ۱۴۴

رسائل : ابن حزم (۱)، ۵۹۵

رسائل اخوان الصفا (۳)، ۱۴۵-۱۴۷

رسائل الکندی الفلسفیۃ : کندی (۳)، ۱۴۱، ۱۴۲

رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی : محمد حمید اللہ (۲)، ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۲۰-۲۲۱، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۴۶، ۲۰۸، ۴۱۰، ۴۱۳، ۴۲۱، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۳، ۴۵۵، ۴۶۱

رسولِ رحمت : ابوالکلام آزاد و غلام رسول مہر (۲)، ۴۳۹ (۳)، ۵۹۶

الرافع والتکمیل فی الجرح والتعدیل : عبدالحی لکھنوی (۱)، ۶۷

روداد دائرۃ معارف اسلامیہ (۲)، ۱۸۰

روح البیان غلام رسول مہر (۳)، ۴۶۳

روح المعانی : آلوسی زادہ (۲) ۳۵۹
روزگار فقیر : فقیر وحید الدین (۲) ۴۵۶
الروض الانف : القاسم عبدالرحمٰن سہیلی، م ۵۱۸ھ
(۱) ۶۱، ۴۵۸، ۴۶۶، ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۸۹،
۴۹۴–۴۹۵، ۶۰۸–۶۰۹، ۶۳۱، ۶۶۵–
۶۶۶، ۶۷۰، ۶۷۵، ۶۸۰، ۶۹۵، ۷۱۳ (۲)
۳۸۴ (۴) ۱۲۰، ۷۱۳
الروضۃ البہیۃ : ابوعذبہ (۳) ۱۴۱
ریاض الصالحین : امام نووی (۲) ۱۳۰، ۱۳۲، ۴۱۰،
۴۳۷، ۶۹۶ (۴) ۶۷۸

ز

زاد المعاد فی ہدی خیر العباد : ابن القیم الجوزی، م ۷۵۱ھ
(۱) ۵۹، ۶۴، ۸۱، ۸۸، ۴۸۹،
۶۴۳، ۷۱۷ (۲) ۳۲، ۲۰۹–۲۱۰، ۲۱۵،
۲۱۸، ۲۴۶، ۴۵۵ (۳) ۳۹۳، ۴۸۶،
۶۹۲ (۴) ۲۴، ۶۷۰–۶۷۱
زبور (۱) ۲۲۵، ۳۸۱، ۷۳۸ (۲) ۶۲۴، ۶۲۷، ۶۳۳ (۳)
۲۹۰ (۴) ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۷۷–۴۷۸

س

السابقات الجیاد فی مدح سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم : نبہانی
(۱) ۶۹۴
سام دید (۴) ۵۵۵
سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان : غلام علی آزاد بلگرامی
(۲) ۶۱۴
سبعہ معلقہ (۲) ۶۶۳ (۳) ۴۴، ۴۷ (۴) ۱۱۷
سبل الہدیٰ والارشاد فی سیرۃ خیر العباد : شمس الدین شامی
(۱) ~~۶۴~~ ۷۱۸، ۷۱۹

سبیل النجاۃ فی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ : نبہانی (۱) ۶۹۴
اسپرٹ آف اسلام : امیر علی (۳) ۱۱
سحر البیان : میر حسن (۴) ۶۰۴
سراجیہ (۴) ۲۹۰
سرور المحزون : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۱۷۶ھ
(۱) ۶۴، ۶۵
سرور العباد (۳) ۵۳۷
سرور القلوب (۳) ۵۳۵، ۵۳۷، ۵۴۰–۵۴۱
سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علی سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم :
نبہانی (۱) ۶۹۴
سفر السعادۃ : مجد الدین فیروز آبادی م ۸۱۷ھ (۱) ۶۴
سفرنامہ : ابن بطوطہ (۳) ۸۱،
سفرنامہ : مارکوپولو (۳) ۸۰
سفرنامہ : ہیون سیانگ (۳) ۱۰۵
السقیفۃ و بیعۃ ابی بکر : واقدی (۱) ۷۷۸
المساعۃ الغربی فی توضیح شرح النخبۃ : عبدالحی (۱) ۹۷
سنن : ابن ماجہ، م ۲۷۳ھ (۱) ۳۴۳، ۶۸۳ (۲) ۱۶، ۴۴۲،
۴۴۹، ۴۵۳–۴۵۴، ۴۵۷–۴۶۰، ۴۶۲–۴۶۵
(۳) ۶۵۸–۶۵۹ (۴) ۷۵، ۹۴، ۹۹–۱۰۲،
۱۲۴، ۱۲۶–۱۲۷
سنن : ابوداؤد (۱) ۵۹، ۳۷۱، ۳۷۴، ۶۸۳ (۲) ۱۱، ۱۴،
۱۷، ۴۴۱، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۴–۴۵۵
۴۵۸–۴۵۹، ۴۶۱، ۴۶۳، ۴۶۵ (۳) ۴۶،
۴۲۳، ۴۳۲، ۴۳۴، ۴۸۸، ۵۱۹، ۶۵۹–۶۶۰
۶۶۳، ۶۷۹ (۴) ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۴–۱۲۷، ۲۱۵
سنن : البیہقی، م ۴۵۸ھ (۱) ۶۸۳ (۲) ۱۱، ۱۸۱، ۱۸۹،
(۳) ۱۳۴، ۴۸۴

سنن دار قطنی، م ۳۸۵ھ (۱)، ۵۹
سنن : دارمی (۱)، ۳۷۰ - ۳۷۱ (۳)، ۶۶۰ (۴)، ۱۱۹، ۱۲۶
۱۲۷
سنن : نسائی، م ۳۰۳ھ (۱)، ۶۷۰ (۲)، ۱۴، ۱۶، ۴۲۴، ۴۳۸،
۴۴۱، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۶ - ۴۵۸، ۴۶۰ -
۴۶۱، ۴۶۴ - ۴۶۵، ۶۱۳ (۳)، ۲۶۵ (۴)،
۷۵، ۹۳، ۳۸۰
سقوط و زوال روما : ایڈورڈ گبن (۱)، ۱۳
سوانح و تعلیمات محمدی (جرمن) اسپرنگر (۳)، ۵۶۱
لاسویلیزیشن دی عربس : لی بان (۳)، ۶۶ - ۶۷، ۷۱،
۷۳ - ۷۴، ۷۶
سیاحۃ المعارف (۳)، ۶۸، ۷۲
السیاسۃ المدنیۃ : فارابی (۳)، ۱۴۲، ۱۴۴
السیاسات المدنیہ : کندی (۳)، ۱۴۴
سیاسی وثیقہ جات : محمد حمید اللہ (۲)، ۲۱۵
سیر اعلام النبلاء : ذھبی (۱)، ۵۶، ۶۶، ۴۹۰، ۵۱۱ (۳)،
۴۸۸، ۴۹۰
السیر الکبیر : امام محمد شیبانی (۳)، ۶۲۱
سیرت : ابن اسحٰق [اس کتاب کے دیگر نام : کتاب المغازی،
کتاب المغازی والسیر، کتاب السیرت والابتداء والمغازی]
(۱)، ۴۱۵، ۵۶۴، ۵۸۷، ۵۹۲، ۶۰۲
۶۰۳، ۶۱۰، ۶۱۸ - ۶۱۹، ۶۲۴ - ۶۲۵، ۶۶۴
۶۶۵، ۶۶۷، ۶۶۹، ۶۷۷، ۶۸۴، ۷۱۲، ۷۱۳،
۷۶۷ - ۷۶۸، ۷۸۹، ۷۹۵ (۲)، ۵۷، ۶۷، ۶۹،
۱۲۵ - ۱۳۰، ۱۳۲ - ۱۴۲، ۱۴۶ - ۱۴۷، ۱۵۴
۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۲ - ۱۶۴، ۱۶۷ - ۱۷۱، ۱۷۴ -
۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۸۴ - ۱۸۵، ۱۸۹ - ۱۹۰،
۱۹۴ - ۱۹۶، ۲۱۹، ۴۱۴، ۶۲۴، ۶۲۹ (۳)
۲۶۲، ۵۶۰ - ۵۶۱، ۵۹۳، ۵۹۶، ۶۳۸،
۶۷۸ (۴)، ۲۱
سیرت (جوامع السیرۃ) ابن حزم (۱)، ۶۳۶
سیرت : ابن ہشام (۱)، ۶۱ - ۶۳، ۸۱، ۸۸، ۴۰۸ - ۴۰۹،
۴۲۹ - ۴۳۰، ۴۴۴، ۴۶۰، ۴۶۵، ۶۱۰، ۶۲۷
۶۳۶، ۶۶۴، ۶۶۲، ۶۶۶ - ۶۶۷، ۶۷۱،
۶۸۴، ۷۱۲ - ۷۱۳، ۷۷۸، ۷۹۴ - ۷۹۶،
۸۰۴، ۸۰۷ - ۸۰۹، ۸۱۵ (۲)، ۵۶ - ۵۸، ۶۱،
۶۳، ۶۷ - ۷۰، ۸۹، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۷ -
۱۳۹، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۵۳، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۸، ۴۰۶
۴۰۷، ۴۱۰ - ۴۱۲، ۴۱۴ - ۴۱۶، ۴۱۹ - ۴۲۰،
۴۲۹، ۴۳۱، ۴۳۳ - ۴۳۴، ۴۳۶ - ۴۳۷،
۴۵۲، ۵۲۱، ۵۲۳، ۵۶۴
۶۱۳، ۶۴۵ (۳)، ۴۱، ۴۸ - ۴۹، ۷۸، ۷۹،
۲۶۱، ۲۶۴، ۳۱۰، ۵۳۷، ۵۵۷، ۵۶۰ - ۵۶۱،
۵۷۴، ۶۱۳، ۶۳۸ - ۶۳۹، ۶۷۸ (۴)، ۲۵، ۷۶
۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۷۵ - ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۵، ۲۰۰،
۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۳
سیرت : ابن عبدالبر (۱)، ۶۱۳
سیرت جلیلہ (۳)، ۵۳۲
السیرۃ : واقدی (۱)، ۷۷۸
سیرۃ ابی بکر ووفاتہ : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۵۰۰، ۷۷۸
سیرت حلبیہ : علی ابن برہان الدین الحلبی (۱)، ۶۳، ۳۷۰، ۷۱۸ -
۷۱۹، ۸۱۴ (۳)، ۴۸۶ - ۴۸۷، ۵۶۱
سیرت خاتم النبیین : مرزا بشیر الدین محمود (۴)، ۷۸

سیرت خیر البشر: محمد علی لاہوری (۴)، ۷۸

سیرتِ رسولِ عربی (۳)، ۵۴۰

سیرتِ سرورِ دو عالم: ابوالاعلیٰ مودودی (۳)، ۵۹۳، ۵۹۶

سیرتِ شامی (۳)، ۵۳۳

سیرۃ صغیرۃ: ابن کثیر (۱)، ۶۴۶

سیرۃ عمر بن عبدالعزیز: ابن الجوزی (۱)، ۷۰۱

سیرۃ محمدؐ: حسنین ہیکل (۱)، ۶۴

سیرت محمدی: ولیم میور (۴)، ۵۳۳

سیرت محمدی: اے اسپرنگر (۵)، ۵۳۰

سیرت محمدی دعاؤں کے آئینہ میں: سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۸۶

سیرت محمدیہ: مرزا حیرت دہلوی (۴)، ۷۸

سیرۃ المصطفےٰ: محمد ادریس کاندھلوی (۲)، ۸

السیرۃ النبویہ: ابن کثیر (۱)، ۶۴۶–۶۵۱، ۶۵۷، ۶۵۹، ۶۶۲، ۶۶۴–۶۹۰

السیرۃ النبویۃ لابن ہشام (تلخیص)، عمر عبدالعزیز امین (۱)، ۴۸۷

سیرۃ النبیؐ: ابوعمر و صالح بن اسحاق الجرمی النحوی، م ۲۲۵ھ (۱)، ۶۳

سیرۃ النبیؐ: سید سلیمان ندوی (۱)، ۶۵، ۸۰، (۲)، ۶۰، ۴۰ (۳) ۷۴۰

سیرۃ النبیؐ: شبلی نعمانی (۱)، ۸، ۵۲، ۶۲، ۶۵، ۷۴، ۸۰، (۲) ۹، ۵۶، ۱۲۶، ۱۵۵–۱۵۶، ۱۹۲، ۱۹۵، ۴۲۶، ۴۳۰–۴۳۲، ۴۳۴، ۴۳۹ (۳) ۵۹۶، ۶۱۳، ۶۱۹، ۶۹۵، ۶۲۰، (۴)، ۷۸–۷۹، ۸۲، ۱۲۴، ۳۷۹–۳۸۰، ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۸۸–۳۸۹،

۳۹۱–۳۹۲، ۳۹۵، ۳۹۷، ۳۹۸–۴۰۰، ۴۰۴، ۴۰۹–۴۱۰، ۴۱۵–۴۱۶، ۴۱۹، ۴۲۲

سیرت النبوی: سیماب اکبر آبادی (۴)، ۷۸

سیرت النبیؐ: شہاب الدین احمد بن اسمٰعیل الاشبیلی، م ۵۸۳ھ (۱)، ۶۹۰

سیرۃ النبیؐ: محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری (۱)، ۶۳

السیف المسلول علی من سبّ اصحاب الرسول: قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹

سینٹ ہیلنا کی یادداشتیں (فرانسیسی) (۴)، ۱۱۵

ش

شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۲)، ۴۲۲

الشاق من الالم وفیات الامم فی القرنین الثامن والتاسع: السخاوی (۱)، ۵۰۴

شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات: خلیق احمد نظامی (۱)، ۲۲

شذرات الذہب: ابن العماد م ۱۰۸۹ھ (۱)، ۴۹۰، ۴۹۳، ۵۰۴، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۳۲، ۶۴۶، ۶۶۹، ۶۸۹، ۷۱۸ (۳)، ۴۹۳

شرح الاحوذی: ابوبکر ابن العربی (۱)، ۶۸۳

شرح الفیہ: العراقی (۱)، ۵۰۳، ۵۲۰

شرح انساب حمیر وملوکہا: ابن ہشام دیکھئے کتاب التیجان فی ملوک حمیر: ابن ہشام

شرح بخاری: قسطلانی (۴)، ۶۴۴

شرح البخاری: مہلب بن ابی صفرۃ م ۴۳۵ھ (۱)، ۶۸۲

شرح حدیث ام زرع: قاضی عیاض (۱)، ۶۳۸

شرح تحریر: شیخ الاسلام ذکریا انصاری (۱)، ۶۹۱

شرح سفر السعادت : عبدالحق دہلوی (۴)، ۶۴۱
شرح السیر الکبیر (۲)، ۶۴۵ (۳)، ۵۵۷
شرح صحیح البخاری : ابن کثیر (۱)، ۶۸۱
شرح صحیح بخاری : عینی (۴)، ۱۲۱
شرح السیرۃ : خشنی، م ۶۰۴ھ (۱)، ۴۸۹
شرح شرح النخبۃ : ملا علی قاری، م ۱۰۱۴ھ (۱)، ۶۷
شرح شفاؒ : شہاب خفاجی (۲)، ۳۸۰
شرح شفاء : ملا علی قاری (۱)، ۶۴۴، ۶۴۵
شرح غریب سیرۃ ابن اسحٰق : ابوذر مصعب بن مسعود خشنی، م ۶۰۶ھ (۱)، ۴۸۵
شرح العنیۃ : ابوعبداللہ بن حسن مخلوف الراشدی المعروف بابرکان (۱)، ۶۴۳
شرح ما وقع اشعار السیر من الغریب : ابن ہشام (۱)، ۴۶۵
شرح مسلم : قاضی عیاض، م ۵۴۴ھ (۱)، ۶۸۲
شرح مسلم : نووی (۱)، ۵۶، ۵۸، ۶۳۹، ۶۸۲ (۲)، ۳۸۳ (۳)، ۴۸۷ (۴)، ۶۴۵
شرح مسلم الثبوت : ملا عبدالعلی بحر العلوم (۱)، ۳۸۷ (۲)، ۳۳۹
شرح منہج : زکریا انصاری (۱)، ۶۹۱
شرح المواہب اللدنیہ : زرقانی (۱)، ۵، ۱۸۷ (۲)، ۱۶۰ (۳)، ۴۸۲
الشرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم : نبہانی (۱)، ۶۹۵، ۶۹۹
شعب الایمان : بیہقی (۴)، ۱۰۳
شعر الہند : عبدالسلام ندوی (۴)، ۶۲۱
شفاء : ابن السبع (۱)، ۶۴۲
الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۷ — ۶۴۵ (۲)، ۲۳ (۳)، ۱۲۵، ۱۶۴ — ۱۶۵، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۹ — ۱۸۰، ۱۹۲، ۲۰۶، ۲۰۷ — ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۵ — ۲۱۷، ۲۲۹، ۲۴۹، ۶۴۳، ۶۹۰
شمائل : ترمذی (۱)، ۶۷۴، ۶۸۴، ۶۸۷ (۲)، ۷، ۹، ۱۴، ۱۹، ۳۰ — ۳۵، ۳۷ — ۳۸، ۴۰ (۴)، ۷۶، ۱۲۲، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۱۹، ۳۴۹
شمائل الرسولؐ : ابن کثیر (۱)، ۶۴۷ — ۶۴۸، ۶۵۸، ۶۷۵ — ۶۷۸
شمائل النبیؐ : ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفری م ۴۳۲ھ (۱)، ۶۴، ۶۷۴
شمائل النور الساطع : ابن المقری غرناطی م ۵۵۲ھ (۱)، ۶۴
شمس العلوم : نشوان حمیری (۱) ۵۱۵
شمیم الریاض : (ترجمہ کتاب الشفاء) محمد اسماعیل کاندھلوی (مترجم) (۱) ۷۱۷
شواہد الحق : نبہانی (۱) ۶۹۹، ۷۰۰
شواہد الحق (تعارف) : محمد حبیب اللہ بن بابلی الجکنی (۱) ۷۰۰
شوقی شاعر العصر الحدیث : شوقی ضیف (۱) ۶۱۵

ص

صبح الاعشیٰ : قلقشندی (۲) ۲۰۹ — ۲۱۰، ۲۱۸، ۲۲۸ (۳) ۶۲۰، ۶۲۷
صحاح : جوہری (۴) ۶۸۵
صحیح : ابن خزیمہ، م ۳۱۱ھ (۱) ۶۸۲
صحیح بخاری : محمد بن اسماعیل بخاری، م ۲۵۶ھ (۱) ۳، ۵، ۵۵ — ۵۶، ۵۸ — ۶۰، ۶۲، ۹۱، ۲۰۳ — ۲۰۴،

۳۱۹، ۳۷۵—۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۴، ۳۸۸،
۳۸۹، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۴، ۴۴۱—۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵،
۶۳۸، ۶۵۲، ۶۸۲، ۶۸۳، ۷۱۷، ۸۰۴ (۲) ۲۵،
۲۷، ۳۴، ۳۶، ۴۲، ۶۴، ۶۶، ۶۹—۷۰، ۷۲،
۸۹، ۹۸، ۱۰۲—۱۰۵، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۴۶، ۱۵۳،
۱۵۶، ۱۶۱، ۱۸۱، ۱۸۵، ۱۹۱، ۱۹۵، ۲۴۳، ۲۴۷—
۲۴۸، ۲۵۵، ۲۷۱—۲۷۲، ۲۷۴—۲۷۵، ۲۷۷،
۲۸۴—۲۸۹، ۲۹۴، ۲۹۶—۲۹۷، ۴۰۴، ۴۰۷،
۴۱۰، ۴۱۷، ۴۲۳—۴۲۴، ۴۳۲—۴۳۶، ۴۳۸،
۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۴—۴۴۸، ۴۵۰—۴۵۵، ۴۵۷—
۴۶۰، ۴۶۲—۴۶۸، ۵۳۲، ۵۷۳، ۶۰۸، ۶۱۲،
۶۱۹، ۶۳۴، ۶۸۱، ۶۸۶، ۶۹۳ (۳) ۱۱۱، ۱۳۰،
۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۱—۲۰۲، ۴۱۰—۴۱۲، ۴۲۸ —
۴۲۹، ۴۳۳—۴۳۴، ۴۳۹، ۴۴۳، ۴۴۷، ۵۰۴
۵۱۳، ۵۶۱، ۵۶۵، ۶۳۸، ۶۷۸، ۶۰۵، ۶۸۶،
۶۹۰، ۷۲۷ (۴) ۳۱، ۷۵، ۹۳، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۶،
۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲—۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۶۴—
۱۶۶، ۱۶۸—۱۷۰، ۱۷۲—۱۷۳، ۱۷۷، ۱۷۹—۱۸۴،
۱۸۶—۱۸۹، ۱۹۱—۱۹۵، ۱۹۸—۲۰۰، ۲۰۲—۲۰۶،
۲۰۸—۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۵۹، ۲۶۳—
۲۶۴، ۲۸۹—۲۹۰، ۲۹۵—۲۹۶، ۳۸۰، ۳۸۸،
۳۹۶، ۴۲۴—۴۲۵، ۴۳۲، ۴۴۲، ۴۸۴، ۴۹۲،
۴۹۸، ۷۰۱، ۷۱۲—۷۱۳، ۷۲۳

صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج بن مسلم القیشری، م ۲۶۱ھ (۱) ۵۲،
۵۳، ۲۰۴، ۳۷۰، ۳۷۲—۳۷۵، ۳۷۷، ۶۳۸،
۶۸۲، ۶۸۱، ۶۸۳ (۲) ۲۷، ۳۳—۳۴، ۳۶،
۴۰، ۴۲، ۶۰، ۲۱۸، ۳۴۳، ۳۴۷—۳۴۸، ۳۵۰،
۳۷۴، ۳۷۶، ۳۸۷، ۳۹۳—۳۹۴، ۴۲۵، ۴۲۷،
۴۳۳، ۴۳۸، ۴۴۰—۴۴۱، ۴۴۴—۴۴۸، ۴۵۱،
۴۵۳، ۴۵۵—۴۵۸، ۴۶۲—۴۶۸، ۶۲۴ (۳)
۴۶، ۱۳۰، ۲۰۰، ۲۰۲، ۳۰۵، ۴۱۰—۴۱۱، ۴۲۱، ۴۲۳،
۴۳۴، ۴۸۳، ۴۸۷، ۵۰۳—۵۰۴، ۵۶۱، ۵۶۵،
۶۳۸، ۶۹۰، ۷۲۳ (۴) ۷۵، ۹۳، ۱۰۱، ۱۳۱، ۱۳۹،
۲۱۰، ۲۴۵، ۲۹۵، ۵۲۲، ۶۴۲، ۷۱۲

صحیفہ: ھمام بن منبہ (۱) ۵۹، ۷۸۶

الصفاء تبحر الشفاء: قطب الدین محمد بن محمد الحیفری، م ۸۹۴ھ (۱) ۶۴۴

صفۃ جزیرۃ العرب: (۱) ۴۹۱

صفۃ الصفوہ: ابن الجوزی (۱) ۷۰۱

صفین: واقدی (۱) ۷۷۸

الصلۃ: ابن بشکوال (۱) ۶۰۹، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۲۲—۶۲۳

صلۃ الصلۃ: ابن الزبیر (۱) ۶۱۴

صلوٰت الاخیار علی النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم: بنہانی (۱) ۶۹۵

الصلوٰت الالفیۃ فی الکمالات المحمدیۃ: بنہانی (۱) ۶۹۵

صلوٰت الثناء علی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم: بنہانی (۱) ۶۹۵

صواعق المحرقہ: ابن حجر (۴) ۶۹۱

صورۃ الاقالیم: ابوزید بلخی (۴) ۱۴۹

ض

ضرب الدنانیر والدراہم: محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹، ۵۰۰، ۷۷۸

ضرب کلیم: علامہ محمد اقبال (۳) ۷۴۰ (۴) ۵۹۳

الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع: السخاوی (۱) ۵۰۳—۵۰۴، ۶۳۱ (۴) ۱۰۹

ضمیمہ I بسد کمان (۱) ۴۹ (۴۹۸)

ط

طبقات : ابن سعد (۱) ۵۲، ۵۸ – ۶۰، ۶۳، ۷۵، ۳۷۲،
۳۷۵، ۴۰۵ – ۴۰۶، ۴۱۲، ۴۳۸، ۴۴۱،
۴۴۷، ۴۶۱، ۴۶۴، ۵۰۲، ۵۱۰، ۵۸۵، ۵۸۸
۵۹۰، ۵۹۲، ۵۹۴، ۶۳۵، ۶۶۲، ۶۶۷،
۷۰۸، ۷۱۵، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۸۳، ۷۹۵، ۷۹۷،
۷۹۸، ۸۰۰ – ۸۰۷، ۸۱۰ – ۸۱۳، ۸۱۵، ۸۱۶ (۲)
۵۶، ۶۰، ۶۲ – ۶۳، ۶۷، ۷۲، ۱۲۵، ۱۲۹ –
۱۳۰، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۲ – ۱۴۷،
۱۵۱، ۱۵۳ – ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۳ – ۱۶۴، ۱۶۸،
۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۴ – ۱۷۵، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۷،
۱۹۰، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۱۰، ۲۱۲ – ۲۱۵، ۲۱۷ –
۲۱۸، ۲۲۱ – ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۳۱،
۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۹ – ۲۴۰، ۲۴۲،
۲۴۴، ۶۴۶ – ۲۴۸، ۲۵۰ – ۲۵۳، ۲۵۵،
۲۵۷ – ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۴، ۴۰۶، ۴۰۸،
۴۱۱ – ۴۱۲، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۳، ۴۲۹، ۴۳۱
۴۳۲، ۴۴۱، ۴۵۳، ۵۱۶، ۶۱۳، ۶۲۳، ۶۸۰
(۳) ۵۴، ۲۶۲، ۵۶۱، ۵۸۳، ۵۹۶
۶۳۸، ۶۴۹، ۶۸۵، ۷۲۸ (۴) ۷۶، ۱۲۰ – ۱۲۱،
۱۲۴، ۱۲۶، ۱۹۳، ۳۸۲، ۳۸۹، ۴۰۸ – ۴۱۹،
۴۳۲۔

طبقات : ابن سلام (۱) ۴۶۲، ۴۹۳
طبقات : الواقدی (۱) ۵۱۴، ۷۷۹، ۷۸۶
طبقات الاطباء : ابن ابی اصیبعہ (۴) ۱۱۳
طبقات الامم : صاعد الاندلسی (۱) ۶۱۱ (۳) ۱۱۲
طبقات الحفاظ : ابن حجر عسقلانی (۱) ۵۹، ۶۷
طبقات الشافعیہ : ابن قاضی شہبتہ (۱) ۴۹۷، ۶۴۶، ۶۸۹
طبقات الشعراء : الجمحی (۱) ۴۹۶، ۷۸۸، ۸۰۹،
طبقات فحول الشعراء : (۱) ۵۱۰
طبقات القراء : ذھبی (۱) ۳۷۹
طبقات اللغویین والنحاۃ : ابن قاضی، شہبہ م ۸۵۱ھ (۱) ۴۹۰
الطبقات المالکیہ تلخیص تاریخ الیمن : السخاوی (۱) ۵۰۴
طبقات النحویین : (۱) ۵۱۰
الطریق الی المدینۃ : سید ابوالحسن علی ندوی (۱) ۳۲، ۸۱
طرفتہ الاصحاب : اشرف الرسولی (۱) ۵۱۵
طوق الحمامہ : ابن حزم (۱) ۶۰۰

ظ

ظفر فی مختصر الجرجانی : خلیفہ محمد عاقل (مترجم) (۱) ۶۴
ظہر الاسلام : احمد امین (۳) ۱۴۵، ۱۴۶،
ظہور المحزون : خلیفہ محمد عاقل (مترجم) (۱) ۶۴

ع

العاقبۃ : عبدالحق الاشبیلی (۱) ۶۷۳
عبدالوہاب البیاتی : ڈاکٹر احسان عباس (۱) ۵۹۵
العبر فی خبر من غبر : ذہبی (۱) ۴۸۹، ۶۳۲، ۶۳۷، ۶۴۴
، ۶۴۵
عبقریۃ محمد : محمود عقاد (۱) ۶۴
عجالہ نافعہ : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
(۱) ۵۲، ۶۶ – ۶۸
العجائب الغریبہ (= العجائب والغرائب)، محمد بن المنذر بن سعید
الھردی م ۳۰۳ھ (۱) ۶۷۷

عجائب المخلوقات : مصنف (۳)، ۴۸
العجائب والجواہر : محمد بن المنذر بن سعید الھروی، م ۳۰۳ ھ
(۱)، ۶۷۷
العقد الفرید : ابن عبد ربہ (۱)، ۶۷۳ (۲)، ۲۸، ۵۲۸ (۳)، ۱۱۲، ۶۳۶
عرائس المجالس فی قصص الانبیاء : الثعلبی (۱)، ۷۹۱
العرب فی صقلیہ : ڈاکٹر احسان عباس (۱)، ۵۹۵
(۳)، ۱۱۲، ۶۳۶
عظمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم : سر فلپ گبز (۴)، ۳۲
عقد جوہر فی مولدِ خیر البشر : جعفر بن حسین برزنجی (۴)، ۸۰
: ابنِ عبد ربہ (۴)، ۱۱۳
علم التاریخ عند المسلمین : فرانز روزنتھال (۱)، ۶۴۷
عمدۃ الادب : مصنف (۳)، ۴۸
عمدۃ التفسیر : ابنِ کثیر (۱)، ۶۴۶
عمدۃ القاری والسامع : السخاوی (۱)، ۵۰۴
علوم الحدیث : ابن الصلاح (۱)، ۴۸۸
عن سیرۃ النبی محمدؐ : محمد توفیق حسین (۱)، ۶۴۹، ۶۶۰، ۶۶۴
۶۶۷
علی ہامش السیرۃ : طٰہٰ حسین (۱)، ۶۴۱
عہد نامہ قدیم (۳)، ۱۹۲
عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ : محمد حمید اللہ (۲)، ۴۲۸، ۴۲۹،
۴۳۵ - ۴۳۷، ۴۴۳، ۴۴۴ - ۴۴۴، ۴۵۹ - ۴۶۰
(۴)، ۲۸۸، ۴۰۰، ۴۰۲
عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی : ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۴)، ۱۴۲، ۱۴۳
عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر : ابن سید الناس، م ۷۳۴ ھ
(۱)، ۲۶۹، ۴۳۳، ۴۹۵، ۴۹۸، ۶۰۷، ۶۱۳، ۶۲۸ -
۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۵، ۷۱۷ - ۷۱۸، ۸۰۷ (۲)، ۵۸،
۶۳، ۶۸ - ۶۹، ۱۶۸، ۱۷۱
عیون التواریخ : مصنف (۱)، ۴۹۰
العیون المسنتہ فی اخبار السبتہ : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹

غ

الغایہ فی شرح الھدایہ : السخاوی (۱)، ۵۰۴
غازیانِ ہند (۴)، ۴۶۱، ۴۶۴
غایۃ النہایۃ : مصنف (۱)، ۵۰۵
غریب الحدیث : قاسم بن ثابت العوفی، م ۳۰۲ ھ (۱)، ۶۸۶
غریب الشہاب : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹
غریب القرآن : ابن سلام الجمحی، م ۲۳۲ ھ (۱)، ۵۱۰
الغنیۃ الوسطیٰ : ابو عبداللہ بن حسن مخلوف الراشدی المعروف بابرکان
(۱) ۶۴۳

ف

الفاروق : شبلی نعمانی (۱)، ۸۰ (۲)، ۴۵۲ (۳)، ۷۹، ۶۱۵
فتاوی : امام النواوی (۱)، ۶۵۰
فتاویٰ عالمگیری (۳)، ۴۹۵، ۴۹۷
فتح افریقیہ : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹
فتح الباری : ابن حجر (۱)، ۲، ۵۴، ۵۵ - ۵۵، ۲۰۴، ۳۹۰، ۴۰۹
(۲)، ۳۸۲ (۳)، ۲۱، ۷۴۸ (۴)، ۲۹۱
فتح العجم : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹
فتح القدیر (شرح ھدایہ) : امام ابن الھمام، م ۸۶۱ ھ (۱)
۵۲ (۴)، ۲۹۳
فتح القدیر (تفسیر) : امام شوکانی (۴)، ۷۱۱
فتح القریب فی سیرۃ الحبیب : ابن الشہید، م ۷۹۳ ھ (۱)، ۴۸۷
الفتح الکبیر فی ضم الروایات الی جامع الصغیر : نبہانی (۱)، ۶۹۳
فتح مصر والاسکندریہ : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹

فتح الملہم: شبیر احمد عثمانی (۱) ۲، ۵۲-۵۳، ۶۰، ۶۷
فتوح: وھب بن منبہ (۱) ۳۸۷
فتوح البلدان: البلاذری (۱) ۸، ۵، ۴۰۹، ۴۲۹، ۵۱۳، ۵۱۵،
۷۸۸، ۷۹۰، ۸۱۶ (۲) ۲۹۹، ۴۰۶ — ۴۰۸، ۴۲۰،
۴۲۳، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۳۷، ۴۶۴ — ۴۶۵، ۵۶۸
(۳) ۵۶۰ — ۵۶۱، ۶۳۷ (۴) ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۲۳،
۱۴۴، ۳۹۱، ۴۱۹
فتوح الشام: واقدی (۱) ۷۶۷، ۷۷۸
فتوح العراق: واقدی (۱) ۵۰۰، ۷۷۸
فتوحات مکیہ: ابن عربی (۲) ۵۳۴
فجر الاسلام: احمد امین (۳) ۴۱
فسانۂ عجائب: رجب علی بیگ سرور (۴) ۵۹۹
الفصل فی الملل والاھواء والنحل: ابن حزم (۱) ۴۰۰، ۶۱۳
الفصول فی اختصار سیرۃ الرسولؐ: ابن کثیر (۱) ۶۴۶
الفصول فی سیرۃ الرسول: ابن کثیر (۱) ۶۰۳، ۶۴۶
الفضائل المحمدیہ ترجمہا لبعض السادات العلویہ للغتہ الجاویہ:
نبہانی (۱) ۶۹۴
فلاح دارین: محمد اسماعیل (۳) ۹۷
فلسفہ: ابن رشد (۳) ۱۶
فلسفۃ التشریع فی الاسلام: ڈاکٹر صبحی محمصانی (۳) ۶۵۴
فن السیرۃ: ڈاکٹر احسان عباس (۱) ۵۹۵، ۶۴۹
فن الشعر: ڈاکٹر احسان عباس (۱) ۵۹۵
الفن و مذاہبہ فی الشعر العربی: شوقی ضیف (۱) ۶۱۵
فواتح الرحموت (برحاشیہ المستصفیٰ): ابوعلی محمد بن نظام الدین
انصاری (۳) ۱۴۱
فوائد بدریہ: بدرالدولہ (۳) ۶۲۰
الفہرس التمہیدی (۱) ۵۰۴
فہرس الفہارس: عبدالحی الکتانی (۱) ۶۳
الفہرست: ابن الندیم م ۳۸۵ھ (۱) ۶۰، ۲۴۴، ۲۴۶، ۴۴۸، ۴۶۴،
۴۶۴، ۴۹۳، ۴۹۸ — ۴۹۹، ۵۰۱ — ۵۰۲، ۵۱۰، ۵۲۰،
۶۶۴، ۶۶۷ — ۶۷۰، ۷۱۴، ۷۳۵، ۷۳۷، ۷۴۰،
۷۴۷، ۷۵۷، ۷۵۹، ۷۶۵، ۷۶۷، ۷۷۷، ۷۷۹،
۷۸۲ — ۷۸۳، ۷۹۸، ۸۰۶، ۸۰۹ — ۸۱۰، ۸۱۲،
۸۱۴ — ۸۱۵، (۲) ۱۲۶، ۱۳۷ (۴) ۶۶، ۱۱۷
فہرست: ابوبکر محمد ابن خیر الاشبیلی م ۵۷۵ھ (۱) ۴۹۶، ۶۱۳،
۷۳۸، ۷۷۹
فی ظلال السیرۃ: محمد لبیب البوھی (۱) ۴۸۷
فی مفردات القرآن: ابن الجوزی (۱) ۷۰۱
فی النقد الادبی: شوقی ضیف (۱) ۶۱۵

ق

القاموس: فیروز آبادی (۱) ۴۹۱
قاموس الکتب (۱) ۴۹۷
قانون: بوعلی سینا (۴) ۹۰
قدیم ہندوستان کی تہذیب: آر۔سی۔دت (۴) ۲۱۲
قرآن (۱) ۳۸ — ۴۰، ۴۲، ۴۹، ۵۱، ۵۷ — ۵۸، ۶۵-۶۶،
۸۹، ۹۱ — ۹۳، ۹۵ — ۹۶، ۹۹، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۴،
۱۲۰ — ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۰ — ۱۳۳، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱ —
۱۴۳، ۱۴۵ — ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۶ — ۱۶۶،
۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۷، ۱۸۹،
۱۹۰، ۱۹۳ — ۱۹۴ — ۱۹۸ — ۲۰۲ — ۲۰۳، ۲۰۵،
۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۰ — ۲۱۱، ۲۱۹ — ۲۲۰، ۲۲۵،
۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۷ — ۲۳۹، ۲۴۰،
۲۴۴، ۲۴۶ — ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۳ — ۲۵۴

۲۵۸–۲۵۹، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۵–۲۸۰،
۲۸۳–۲۸۴، ۲۸۷–۲۸۸، ۲۹۳، ۲۹۶،
۲۹۸، ۳۰۲–۳۰۳، ۳۰۹–۳۱۱، ۳۱۵،
۳۱۸، ۳۲۱–۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۶–۳۲۸
۳۳۱، ۳۴۲–۳۴۵، ۳۴۷–۳۴۸، ۳۵۱،
۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۸–۳۶۹، ۳۷۱–
۳۷۴، ۳۷۶–۳۸۰، ۳۸۶–۳۸۹، ۳۹۱،
۳۹۴–۳۹۵، ۴۱۷، ۴۲۰–۴۲۱، ۴۸۸،
۴۴۹، ۴۷۰، ۵۰۶، ۵۱۵–۵۱۶–۵۱۹
۵۲۱–۵۲۳–۵۲۴، ۵۴۶، ۵۴۹،
۵۵۲، ۵۵۴–۵۵۵، ۵۵۷–۵۵۸،
۵۶۰–۵۶۱، ۵۸۰–۵۸۱، ۵۸۹، ۶۱۶، ۶۲۴،
۶۵۷، ۶۷۹، ۶۹۰–۶۹۱، ۶۹۶، ۶۹۸، ۷۱۰–
۷۱۱، ۷۱۸، ۷۲۰، ۷۳۱–۷۳۲، ۷۴۸، ۷۵۱
۷۶۲–۷۶۳ (۲) ۱۹–۲۰، ۲۴، ۳۲، ۳۷،
۴۲، ۶۰، ۶۲، ۷۳، ۸۱، ۸۲، ۸۴–۸۷، ۸۸
۹۰، ۱۱۰، ۱۴۱، ۱۹۵–۱۹۶، ۱۹۹، ۲۱۷، ۲۴۲،
۲۴۹، ۲۶۹–۲۷۱، ۲۷۳–۲۷۷، ۲۷۹،
۲۸۲–۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۸–۲۸۹، ۳۰۱–۳۰۲
۳۰۴–۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۱۴–۳۱۸، ۳۲۳
۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۳۵–۳۳۷، ۳۴۵
۳۵۱–۳۵۲، ۳۵۴–۳۵۵، ۳۵۷–۳۶۴،
۳۷۴، ۳۷۸، ۳۹۰، ۴۰۳–۴۰۶، ۴۱۴، ۴۱۶
۴۱۹–۴۲۰، ۴۲۵، ۴۲۷–۴۲۸، ۴۴۵
۴۴۶، ۴۵۱، ۴۵۷، ۴۶۱، ۴۶۵، ۴۶۶،
۴۷۳، ۴۷۷–۴۷۸، ۴۸۶، ۴۸۸–۴۹۱
۵۱۰، ۵۱۵–۵۱۶، ۵۲۰، ۵۲۹، ۵۳۱–
۵۳۳، ۵۳۷، ۵۳۹–۵۴۱، ۵۴۸–۵۵۰

۵۵۳، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۹–۵۶۳، ۵۶۵
۵۶۶، ۵۶۹–۵۷۰، ۵۷۹، ۵۸۱، ۵۸۷–
۵۸۸، ۵۹۱، ۵۹۳، ۵۹۵، ۶۰۳، ۶۰۸–
۶۰۹، ۶۱۱، ۶۱۴، ۶۲۲–۶۲۸، ۶۳۰–
۶۳۱، ۶۳۴–۶۳۵، ۶۳۷–۶۳۹،
۶۴۱، ۶۴۳–۶۴۴، ۶۴۶–۶۴۷، ۶۵۱،
۶۵۵، ۶۵۸، ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۰،
۶۷۸، ۶۸۳، ۶۸۵، ۶۸۸–۶۹۱، ۶۹۳،
۷۰۲، ۷۲۲، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۵۱–۷۵۲، ۷۵۷
(۳) ۴۶، ۵۰–۵۱، ۵۳، ۵۵، ۵۹، ۶۲، ۶۶،
۸۹، ۹۱، ۹۵، ۹۸، ۱۲۹–۱۳۵، ۱۴۷، ۱۵۱
۱۵۵، ۱۵۸، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۹۰–۱۹۴،
۱۹۸، ۲۰۰، ۲۱۴–۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۷–
۲۵۰، ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۳،
۲۷۷، ۲۸۱–۲۸۲، ۲۸۵، ۲۸۹–۲۹۰، ۲۹۲
۲۹۳، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۲–۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۰
۳۱۲، ۳۱۶، ۳۱۹–۳۲۳، ۳۳۶، ۳۳۸–
۳۳۹، ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۵۵، ۳۵۷–۳۶۴،
۳۶۸، ۳۷۰–۳۷۳، ۳۸۶، ۳۹۱، ۳۹۳،
۳۹۶–۳۹۷، ۴۰۳–۴۰۴، ۴۰۹، ۴۱۲،
۴۱۵–۴۱۶، ۴۲۱، ۴۳۵–۴۳۶، ۴۴۱
۴۴۲، ۴۵۲، ۴۵۵–۴۵۹، ۴۶۳، ۴۶۶–
۴۶۷، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۷، ۴۸۱، ۴۸۵–۴۸۶
۴۸۹–۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴، ۵۰۰–۵۰۱، ۵۰۴،
۵۰۹، ۵۱۱–۵۱۵، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۳۳، ۵۳۵،
۵۵۹، ۵۶۵، ۵۷۴–۵۷۷، ۵۹۰، ۵۹۳–
۵۹۵، ۵۹۸–۵۹۹، ۶۰۱، ۶۰۳–۶۰۵، ۶۱۲
۶۱۳، ۶۱۵، ۶۲۲، ۶۳۲، ۶۳۶، ۶۳۹، ۶۵۲،

۶۵۸، ۶۶۰، ۶۶۶، ۶۶۸ — ۶۶۹، ۶۷۱ —
۶۷۳، ۶۷۶، ۶۸۱، ۶۸۳، ۶۹۲، ۶۹۶، ۷۰۱،
۷۰۵، ۷۱۰، ۷۱۲ — ۷۱۴، ۷۱۹ — ۷۲۱ — ۷۲۶
۷۲۷، ۷۲۹، ۷۳۸، ۷۴۳، ۷۴۶ — ۷۴۷ (۴)
۷ — ۸، ۱۰، ۱۵، ۲۳ — ۲۶، ۲۸، ۳۶، ۴۱ —
۴۲، ۴۴، ۵۷، ۵۹، ۶۱ — ۶۵، ۶۸، ۷۱
۷۵ — ۷۶، ۹۶ — ۹۷، ۱۰۸، ۱۱۶-۱۲۷
۱۲۹ — ۱۳۵، ۱۳۹ — ۱۴۰، ۱۴۴ — ۱۴۵،
۱۴۷، ۱۵۱، ۱۸۱، ۱۸۵، ۲۰۷، ۲۱۸، ۲۲۸
۲۳۱، ۲۵۸، ۲۶۵، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۲،
۲۹۰، ۲۹۴ — ۲۹۵، ۲۹۷، ۳۰۳ — ۳۰۶
۳۱۱، ۳۲۶، ۳۳۵ — ۳۳۶، ۳۵۶، ۳۸۰،
۳۸۸، ۴۰۳، ۴۳۹، ۴۴۷، ۴۶۸ — ۴۷۷،
۴۸۶، ۴۹۲، ۵۲۱، ۵۲۸، ۵۳۱، ۵۳۳،
۵۳۵، ۵۷۲، ۵۷۴، ۵۷۷، ۵۸۰ — ۵۸۱،
۵۸۹ — ۵۹۰، ۵۹۲، ۶۴۱، ۶۵۰، ۶۵۹،
۶۷۵، ۶۸۱، ۷۰۱، ۷۰۸ — ۷۱۰، ۷۱۳،
۷۱۵، ۷۳۲، ۷۳۴، ۷۳۷ — ۷۳۸

قران السعدین : (۴) ۴۸۳
قرۃ العینین علی منتخب الصحیحین : نبہانی (۱) ۶۹۳ -
قرۃ العیون در شرح سرور المحزون از شاہ ولی اللہ
(۱) ۶۵
قسطنطین اعظم : جان بی فرتھا سکوائر (۳) ۹، ۱۵
قصص الانبیاء : ابن الجوزی (۱) ۷۰۱
قصص الانبیاء : وہب بن منبہ (۱) ۷۲۷
قصیدہ بردہ : البوصیری (۴) ۶۶، ۷۷
قصیدۃ الرائیۃ الصغری : نبہانی (۱) ۶۹۲، ۶۹۷
القصیدۃ الرائیۃ الکبری فی مجموعۃ منہا سعادۃ الانام فی اتباع دین
الاسلام : نبہانی (۱) ۶۹۲، ۶۹۴
قصیدۃ سعادۃ المعاد فی موازنۃ بانت سعاد : نبہانی (۱) ۶۹۴
قوت القلوب : ابوطالب مکی (۲) ۱۶۶
القول البدیع فی احکام الصلوٰۃ عن الحبیب الشفیع : السخاوی
(۱) ۵۰۳
القول اتمام فی فضل الرمی بالسہام : السخاوی (۱) ۵۰۴
القوال الحق فی مدح سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم : نبہانی (۱) ۶۹۵
القیان والغناء فی الشعر الجاہلی : ڈاکٹر ناصر الدین اسد (۱) ۵۹۶
قیصر ہرقل کی جنگی مہمیں (جرمن) گرلانڈ (۳) ۵۵۸

ک

الکاشف فی اسماء الرجال : ذہبی (۱) ۶۶
الکامل : ابن عدی (۴) ۱۲۷
کامل : المبرد (۱) ۷۸۸ (۳) ۵۹۵ (۴) ۱۱۱
الکامل فی التاریخ : ابن الاثیر (۱) ۱۲، ۴۲۹، ۷۰۶ (۳) ۵۶۱، ۶۲۷
(۴) ۷۶، ۱۰۹، ۱۱۴، ۵۵۷
الکافی فی الفقہ علی مذہب اہل مدینہ ابن عبد البر (۱) ۶۱۷
کتاب الآداب : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹
کتاب الادب : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۷۷۸
کتاب الاحکام فی اصول الاحکام : آمدی م ۶۳۱ھ (۲) ۳۳۷
کتاب اخبار مکہ : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹ — ۵۰۷
کتاب اخبار النبی : ابن سعد (۱) ۷۸۲
کتاب الاختلاف : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹، ۷۷۷
کتاب الازمنہ والامکنہ : ازرقی (۲) ۹۲ — ۹۵، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۱۱
کتاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم : الواقدی (۱) ۴۹۹، ۵۰۷
کتاب الاستذکار : ابن عبد البر (۱) ۶۲۰ — ۶۳۱
کتاب الاسرائیلیات : وھب بن منبہ (۱) ۷۳۷
کتاب اسماء البلدان : یعقوبی (۱) ۵۶۵

کتاب الاسماء فیما لسیدنا محمد من الاسماء : نبہانی (۱) ۴۹۴

کتاب الاسماء والصفات : امام بیہقی (۱) ۶۷۳

کتاب الاصنام : ہشام بن محمد بن السائب الکلبی (۱) ۲۲۷، ۵۲۳
(۲) ۸۱ (۳) ۴۹ — ۵۰، ۱۱۱ — ۱۱۲

کتاب الاصنام تکملہ : احمد زکی پاشا (۲) ۸۷، ۹۷

کتاب الاقلام : سخاوی (۴) ۱۳

کتاب الاغانی : ابوالفرج الاصفہانی (۱) ۵۸، ۲۹۹، ۴۰۵ — ۴۰۷،
۴۲۴، ۷۱۴، ۷۲۴، ۷۲۹، ۷۵۰، ۷۵۶، ۷۸۷ —
۷۸۸، ۷۹۰، ۷۹۸، ۸۰۰ — ۸۰۱، ۸۰۳، ۸۰۵،
۸۱۱ (۲) ۱۴، ۵۱ — ۵۲، ۱۱۳، ۱۳۸، ۶۳۶، ۷۴۱
(۴) ۷۰، ۱۰۸، ۱۱۲، ۴۱۵

کتاب الافراد : دارقطنی، م ۳۸۵ھ (۱) ۴۸۳، ۶۸۶

کتاب الاکتفاء : الکلاعی البلنسی (۱) ۵۱۴

کتاب الاکلیل : ہمدانی (۱) ۴۶۵

کتاب امتاع الاسماع : مقریزی (۴) ۱۳۸

کتاب الامثال : یونس بن حبیب نحوی، م ۱۸۲ھ (۱) ۴۶۱

کتاب امر الحبشہ والفیل : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹

کتاب الاموال : ابو عبید القاسم بن سلام (۱) ۶۵۰ (۲) ۴۳۵، ۴۴۱،
۴۶۱ (۳) ۵۶۰ — ۵۶۱، ۶۲۸

کتاب الانتہا : القرطبی، م ۶۶۳ھ (۴) ۳۹۲

کتاب الانساب : سمعانی (۱) ۴۹۱، ۸۱۲

کتاب الانوار (۲) ۸۹، ۹۲ — ۹۳، ۹۸

کتاب ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب
والفنون : اسماعیل پاشا البغدادی (۱) ۵۸۸

کتاب البر والاثم : ابن سینا (۳) ۱۶۳

کتاب التاریخ : یعقوبی (۱) ۵۶۵

کتاب التاریخ علی السنین : ہیثم بن عدی، م ۲۰۷ھ (۱) ۶۶۸

کتاب التاریخ والمغازی والمبعث : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹

کتاب التاریخ الکبیر : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹

کتاب تاریخ الفقہا : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹

کتاب الترغیب فی علم القرآن : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹، ۷۷۴

کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف ، کلاباذی (انگریزی ترجمہ
از آربری) (۳) ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۲

کتاب التکملہ : ابن بشکوال (۱) ۶۰۹

کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ابن عبدالبر (۱)
۶۲۲، ۶۳۰ — ۶۳۱

کتاب التیجان : ابن ہشام (۱) ۴۱۳، ۴۱۷، ۴۵۴، ۴۵۸، ۴۶۴ —
۴۶۵، ۴۵۹ — ۴۶۰، ۴۹۰ — ۴۹۱، ۷۳۷، ۷۹۲
(۳) ۴۴، ۴۸

کتاب الجمل محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹ — ۵۰۰

کتاب حرب الاوس والخزرج : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹

کتاب الحیل : ابن سعد (۱) ۵۰۲

کتاب الخراج : ابو یوسف (۲) ۴۱، ۴۴۱، ۴۴۵، ۴۶۱ (۳) ۶۳۹ —
۶۴۰، ۷۲۷ (۴) ۳۶

کتاب الخراج : قدامہ بن جعفر (۴) ۱۱۷

کتاب الخلفاء : ابن اسحق (۱) ۵۰۸

کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر : القرطبی (م ۴۶۳ھ) (۴) ۳۹۱

کتاب الدلائل : قاسم بن ثابت العوفی، م ۳۰۲ھ (۱) ۶۷۵

کتاب ذکر القرآن : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹، ۷۷۸

کتاب الردۃ والدار : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹، ۶۶۷

کتاب الرسالۃ : امام شافعی (۱) ۶۵۰، ۶۸۴

کتاب الزہری وحکمہ الذین ساروا الی ہشام بن عبدالملک : الزہری
(۱) ۷۴۷

کتاب الزیادات : عبداللہ، م ۲۹۰ھ (۱) ۶۸۴

کتاب السقیفہ وبیعۃ ابی بکر : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹، ۷۷۸

کتاب السنۃ : ابن ابی عاصم، م ۲۸۶ھ (۱)، ۶۸۴
کتاب السنۃ والجماعۃ وذم الھوی وترک الخوارج فی الفتن : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹، ۷۷۸
کتاب السیاسۃ : ابن سینا (۳)، ۱۶۳
کتاب السیر: امام نسائی م ۳۰۳ھ (۱)، ۶۷۰
کتاب السیر: سعید بن یحیٰی اموی (۱)، ۳۰۳، ۶۰۳، ۶۲۱
کتاب السیرۃ : ابو محمد علی ابن حزم الاندلسی (۱)، ۶۷۱
کتاب السیرۃ : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹، ۵۰۷
کتاب سیرۃ ابی بکر و وفاتہ : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹
کتاب الشعر: ارسطو (۱)، ۵۹۵
کتاب الشعر والشعراء : ابن قتیبہ (۱)، ۷۸۷
کتاب الشفاء فی حقوق المصطفیٰ : قاضی عیاض، م ۵۴۴ھ (۱)، ۶۴
کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ : قاضی عیاض (۱)، ۶۷۲، ۷۱۶-۷۱۷
کتاب الشکوا (۴)، ۱۱۰
کتاب الشمائل : امام ترمذی م ۲۷۹ھ (۱)، ۶۴-۶۵
کتاب الصحابہ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب) : ابن عبدالبر (۱)، ۶۱۹
کتاب صفین (۱)، محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۵۰۰
کتاب الصلۃ : ابن بشکوال (۱)، ۶۳۷
کتاب الصناعتین : ابو ہلال العسکری (۳)، ۶۳۷
کتاب الضعفاء : محمد بن عبداللہ، م ۲۴۹ھ (۱)، ۴۶۳
کتاب الطب : ابونعیم (۴)، ۱۰۴
کتاب الطبقات : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹
کتاب الطبقات الکبیر : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۵۰۰
کتاب طعم النبیؐ : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۵۰۷، ۷۷۹
کتاب العلم : ابن عبدالبر (۴)، ۱۲۱-۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۶-۱۲۷
کتاب غلط الحدیث : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹-۷۷۷
کتاب فتوح الشام : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹، ۵۰۰
کتاب فتوح العراق : محمد بن عمر الواقدی (۱)، ۴۹۹
کتاب فی جزیرۃ العرب : ابوسعید السیرافی (۴)، ۳۲۲
کتاب فی قبائل العرب وانسابھم : القرطبی م ۶۳۴ (۴)، ۳۹۲
کتاب القصاص : ابن الجوزی (۱)، ۴۰۱
کتاب غزوات : ابن حبیش، م ۵۸۴ھ (۱)، ۷۷۹
کتاب الفتن والملاحم : الخلیل بن احمد بن عیسیٰ بن الشیخ ابوصالح (۱)، ۶۷۹
کتاب الفتن والملاحم : نعیم بن حماد الخزاعی (م ۲۲۸ھ) (۱)، ۶۷۹
کتاب فی اخبار الامم السالفۃ : یعقوبی (۱)، ۵۹۵
کتاب الکامل : ابن عدی، م ۳۶۵ھ (۱)، ۶۸۶
کتاب الکامل : المبرد (۱)، ۲۴۵
کتاب المبتداء : ابن اسحٰق (۱)، ۵۰۸
کتاب المبتداء : ابوعبداللہ وھب بن منبہ (۱)، ۴۱۶، ۷۳۷
کتاب اللباب (۱)، ۵۱۰
کتاب اللغات : یونس بن حبیب نحوی، م ۱۸۲ھ (۱)، ۴۶۱
کتاب المبعث : ہشام بن عمار م ۲۴۵ھ (۱)، ۶۵۹، ۶۷۶
کتاب المحبر: ابن حبیب (۱)، ۶۰۷، (۲)، ۵۷-۵۹، ۶۷، ۷۰، ۷۸، ۸۳، ۸۸، ۱۱۱، ۱۲۹، ۱۳۸-۱۴۷، ۱۵۷-۱۵۸، ۱۶۰-۱۶۲، ۱۷۰-۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۳

۱۹۳، ۱۹۶، ۱۹۸، ۶۱۳، ۶۱۵ (۳) ۶۳۶، ۶۴۵

کتاب المحلی : ابن حزم (۱) ۶۰۸

کتاب مداعی قریش والانصار فی القطائع ووضع عمر الدواوین وتصنیف القبائل ومراتبها وانسابها : محمد بن عمرؓ الواقدی (۱) ۴۹۹

کتاب المسائل : ابن الصباغ (۱) ۶۵۰

کتاب مشاکلۃ الناس لزمانہم : الیعقوبی (۱) ۵۶۵

کتاب المعارف : ابن قتیبہ (۱) ۶۰۷، ۶۷۱ (۲) ۹۲، ۹۵، ۹۷، ۹۹، ۱۰۰ (۳) ۷۳۹

کتاب المعرفۃ : یعقوب بن سفیان الفسوی، م ۲۷۷ھ (۱) ۶۷۰

کتاب المغازی : ابومعشر السندی (۱) ۵۰۸، ۶۹۷

کتاب المغازی (سیرت) : ابن اسحٰق (۱) ۵۰۷، ۶۱۷، ۷۴۶

کتاب المغازی : عبدالرزاق بن ہمام (۱) ۷۵۷

کتاب المغازی : عبدالملک بن محمد القاضی (۱) ۷۴۰

کتاب المغازی : معمر بن راشد (۱) ۷۵۷

کتاب المغازی : موسیٰ بن عقبہ (۱) ۵۰۷، ۷۵۴ - ۷۵۶

کتاب المغازی : عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم انصاری م ۱۷۶ھ (۱) ۷۹۴

کتاب المقدمات : ابن کثیر (۱) ۶۸۱

کتاب الملوک المتوجہ من حمیر واخبارھم وقصصھم وقبورھم واشعارھم وھب بن منبہ (۱) ۴۴۶، ۷۴۷، ۷۹۲

کتاب الممالک : ابواسحٰق اصطخری (۴) ۱۴۹

کتاب المناسک : ابن اسماک (۱) ۶۵۰

کتاب المناسک : طبرانی م ۳۶۰ھ (۱) ۶۸۵

کتاب المناکح : محمد بن عمرؓ الواقدی (۱) ۴۹۹

کتاب المولد : ابن ابی عاصم (۱) ۶۸۴

کتاب نسب الانصار : عبداللہ بن محمد بن عمارۃ الانصاری (۱) ۷۸۵

کتاب نسب قریش : مصعب زبیری (۱) ۵۸۹، ۵۹۱ - ۵۹۲

کتاب النوادر : یونس بن حبیب نحوی، م ۱۸۲ھ (۱) ۴۶۱

کتاب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم : محمد بن عمرؓ الواقدی (۱) ۴۹۹، ۵۰۷

کتاب الیوم واللیلہ : امام نسائی، م ۳۰۳ھ (۱) ۶۷۰

کاروانِ مدینہ : سید ابوالحسن علی ندوی (۱) ۸۲

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون : حاجی خلیفہ (۱) ۶۱، ۶۳، ۴۳۰، ۶۳۹، ۶۴۳، ۶۴۵، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۹، ۶۷۴، ۶۹۰، ۷۱۶، ۷۳۸، ۷۸۹

کشف المحجوب : علی ہجویری (۲) ۱۵۲

کعب بن زہیر : پروفیسر علی محسن صدیقی (۴) ۱۴۵

کلید القرآن (۴) ۱۹۵

کنز العمال : شیخ علاؤ الدین الہندی (۱) ۵۹، ۳۷۳ (۳) ۲۰۱، ۲۰۲، ۵۰۲ (۴) ۳۶، ۶۹۲

کنسائز انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (۴) ۳۰۴

کنسائز انسائیکلو پیڈیا آف عربک سولیزیشن (۴) ۳۲۳، ۳۲۴

الکواکب السائرہ (۱) ۵۰۴

الکواکب المضئی : السخاوی (۱) ۵۰۴

کیپٹل : مارکس (۱) ۳۳۸

کیمیائے سعادت : غزالی (۴) ۶۸۷

گائڈ ٹونس آف ہولی قرآن (۴) ۴۷۲

گرنتھ صاحب (۴) ۴۷۷

گلزار نسیم : دیا شنکر نسیم (۴) ۶۲۲

گلستان : سعدی (۴) ۷۷

گریمر آف پولیٹکس : ایچ۔ لاسکی (۳) ۶۱۸، ۶۲۲

ل

دی لائف آف محمدؐ : ابن اسحاق، مترجم پروفیسر گلامی (۱) ۷۴

دی لائف آف محمد: سر ولیم میور (۱) ۹ ۷ (۴) ۲۲، ۴۴۹، ۴۷۱، ۴۲۷
لائف آف محمد: امیڈ ورمنگھم (۴) ۴۹۰
لائف آف محمد: واشنگٹن ارونگ (۴) ۵۳۱
لائف آف دی ہولی پرافٹ: ٹامس کارلائل (۴) ۱۴۷
لائف آف ہولی محمد: فیضل (۴) ۴۹۳
الامالات: ابوزید انصاری م ۲۱۵ھ (۱) ۴۶۱
اللباب فی تہذیب الانساب: ابن اثیر (۱) ۴۹۰
لسان العرب: ابن منظور (۱) ۴۰۸، ۴۹۱، ۸۰۲ (۲) ۸۹، ۹۹، ۱۰۲ (۴) ۲۴۴-۷۰۹
لسان المیزان: ابن حجر (۱) ۴۶، ۴۹۴، ۴۹۷، ۶۱۱
لسانی وتہذیبی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق: سید ابوالحسن علی ندوی (۱) ۴۳۲
لغۃ الغریب فی مصطلع آثار الحبیب: مرتضیٰ ابن محمد حسین بلگرامی (۱) ۴۷
لغات القرآن (رسالہ): سعید بن ادس بن ثابت ابوزید انصاری، م ۲۱۵ھ (۱) ۴۶۱
لکچرز آن ہیروز: ٹامس کارلائل (۴) ۲، ۵۳۲، ۵۳۴

م

مادر گیتی (۴) ۴۰۷
ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین: سید ابوالحسن علی ندوی (۱) ۸۳
مارکس ان ایوالیوشن: باب ہارڈ (۳) ۴۲۱
المامون: شبلی نعمانی (۱) ۸۰
مباحث فی علوم القرآن: ڈاکٹر صبحی صالح (۱) ۲۲۵
مبادیٔ تدبر قرآن: امین حسن اصلاحی (۱) ۳۴۸
متابعات: امام مسلم (۱) ۴۶۶
مبسوط: سرخسی (۲) ۶۴۵ (۳) ۵۵۶-۵۵۷، ۶۵۶ (۴) ۱۴۷
المبشرات المنامیہ: بنہانی (۱) ۶۹۵
المقتفی فی حل الفاظ الشفاء: برہان الدین ابراہیم ابن محمد الکلبی، م ۸۴۱ھ (۱) ۴۴۳
مثالب العرب: مصنف (۴) ۶۴
مثیر العزم: ابن جوزی (۲) ۸۸
مثال نعلہ الشریف: بنہانی، م ۱۳۵۰ھ (۱) ۶۹۴
مجاز القرآن: ابو عبیدہ معمر بن المثنی، م ۲۰۹ھ (۱) ۴۹۳
المجرد: محمد بن سعدان (۱) ۵۰۵
مجمع البیان: طبرسی (۴) ۴۶۱
مجمع الزوائد: ابن حجر الہیثمی (۱) ۴۷۰ (۳) ۱۹۷
المجموعۃ النبہانیۃ فی المدائح النبویہ واسماء رجالہا: بنہانی (۱) ۶۹۴
محسن انسانیت: نعیم صدیقی (۲) ۴۲۳، ۴۳۹ (۴) ۷۸-۷۹
المحلی: ابن حزم (۱) ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۱۴ (۳) ۴۹۷
محفل میلاد: ضیاء المصطفیٰ (۳) ۵۳۹
محمد صلی اللہ علیہ وسلم: میریڈیتھ ٹاؤنسنڈ (۴) ۲۴
محمدؐ اور آپؐ کے جانشین: واشنگٹن ارونگ (۴) ۴۹۰
محمدؐ اور ظہور اسلام: مارگولیتھ (۱) ۷۰۹
محمدؐ اور محمدن ازم: باسورتھ سمتھ (۴) ۴۷۹، ۴۸۹
محمدؐ ایٹ مدینہ (محمدؐ مدینہ میں): منٹگمری واٹ (۲) ۲۰۷، ۴۲۹ (۴) ۳۸۲، ۳۹۸، ۴۰۱-۴۰۳، ۴۰۵، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۲۲، ۴۲۷، ۴۳۲
محمدؐ ایٹ مکہ (محمدؐ مکہ میں): منٹگمری واٹ (۴) ۳۹۴
محمدؐ مدینہ میں: لیس ویل ہاؤزن (۱) ۷۸۰
محمدؐ رسول اللہ: شیخ رضا (۲) ۴۲۲، ۴۳۱، ۴۳۴
محمدؐ کا جیون چرتر: شانتارام (۴) ۴۸۹
محمد بن الحق: نیبرک (۱) ۷۵۷، ۷۹۹، ۸۰۲، ۸۰۶-۸۰۸

مختصر: شریف جرجانی، م ۸۱۶ھ (۱) ۶۷
مختصر ابن حاجب (تخریج الاحادیث): ابن کثیر (۱) ۶۸۱
مختصر ارشاد الحیاری: نبہانی (۱) ۶۹۵
مختصر تاریخ سندھ: ڈبلیو۔ ایچ۔ مورلینڈ و اے۔ سی۔ چٹرجی (۱) ۲۰
مختصر جامع بیان العلم: ابن عبدالبر (۴) ۱۱۶، ۱۱۹
مختصر الزواہر: زباجی (۱) ۴۸۴
مختصر سیرۃ ابن اسحاق: ابن ہشام (۱) ۴۸۴
مختصر سیرۃ ابن ہشام: عماد الدین احمد بن ابراہیم واسطی م ۷۱۱ھ (۱) ۴۸۶
مختصر العین: زبیدی (۱) ۴۸۴
المختصر فی علم التاریخ: کافیجی م ۸۷۹ھ (۱) ۵۷
مختصر الواضحۃ: فضل بن سلمہ (۱) ۴۸۴
مخزن الادویہ (۳) ۸۰
مخصص: ابن سیدہ (۲) ۶۷-۷۹، ۹۲، ۹۷، ۹۹
مدارج النبوۃ: عبدالحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ (۱) ۶۴ (۲) ۴۵۵ (۳) ۵۴۴ (۴) ۴۸۴، ۷۲۷، ۷۲۹
مدارک التنزیل: عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی (۳) ۴۹۱
مداراۃ النفوس: ابن حزم (۱) ۶۰۰
المدد الفیاض: الشیخ حسن العدوی الحمزاوی (۱) ۶۴۴
المدونۃ فی فروع المالکیہ: ابوعبداللہ عبدالرحمن القاسم (م ۱۹۱ھ) (۱) ۶۳۸-۶۳۹
المدینۃ الفاضلۃ: فارابی (۲) ۱۴۳، ۱۴۴
مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم: غزالی (۳) ۸۷۸
مرآۃ الجنان و عبرۃ الیقظان: یافعی م ۷۶۸ھ (۱) ۶۸۹، ۶۱۱، ۶۳۲، ۶۶۵
المراسیل: ابوداؤد (۱) ۶۸۳
مراعی قریش والانصار فی القطائع و وضع عمر الدواوین: واقدی (۱) ۸۷۷
مردوں کی مسیحائی: عبدالماجد دریابادی (۴) ۸۷
مروج الذہب: المسعودی (۱) ۴۹۱، ۸۱۲ (۲) ۶۱۵ (۳) ۷۹ (۴) ۷۶
المزہر: السیوطی (۱) ۴۹۶
المزدوجۃ الغرا فی الاستغاثۃ باسماء اللہ الحسنیٰ: نبہانی (۱) ۶۹۴
مزیل الخفاء عن الفاظ الشفاء: تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد الشمنی (۱) ۶۴۳
مسالک والممالک: ابن حوقل (۴) ۱۴۹
مسالک الابصار: ابن فضل اللہ العمری (۱) ۶۱۴ (۲) ۲۰۹
المسائل: ابن الصباغ (۱) ۶۴۲
مستدرک: حاکم نیشاپوری (۱) ۴۵۰، ۴۸۲، ۶۴۴، ۷۶۷ (۲) ۱۱، ۵۷، ۶۱-۶۲، ۱۹۱-۱۹۲، ۲۴۴، ۳۸۴ (۳) ۳۰۴، ۴۸۴ (۴) ۴۸۴، ۶۹۶
مسدس: حالی (۴) ۸۱، ۶۰۱
المستشرقون: نجیب العقیقی (۱) ۶۱۴
المستصفی: الغزالی (۳) ۱۳۹-۱۴۱
مسلم الثبوت: محب اللہ بہاری م ۱۱۱۹ھ (۲) ۳۲۹ (۳) ۶۲۱
مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت: سید مناظر احسن گیلانی (۱) ۲۱
مسلمانوں میں تفسیر کے رجحانات: گولڈ تسیہر (۱) ۸۰۸
مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ: محمد حمید اللہ (۲) ۴۲۵، ۴۴۳، ۴۶۰-۴۶۲
مسند: ابوبکر البزار (۱) ۶۸۴
مسند: ابوبکر السلیاسی م ۲۰۴ھ (۱) ۶۸۴
مسند: ابوداؤد (۲) ۲۷۱-۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۵ (۴) ۹۴
مسند: ابوشیبہ (۱) ۴۴۰
مسند: ابویعلی الموصلی (۱) ۶۸۴

مسند: احمد بن حنبل (۱) ۵۴، ۵۸، ۳۸۱، ۶۸۳، ۷۲۱، ۷۴۵،
۸۰۴ (۲) ۹۷، ۱۰۶، ۱۹۱، ۳۳۴، ۳۴۵، ۳۸۰، ۳۸۲–
۳۸۴، ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۲، ۳۹۵، ۳۹۸–۳۹۹،
۵۲۳، ۶۱۳ (۳) ۱۳۳–۱۳۴، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۶۷،
۳۵۵، ۶۳۸، ۶۵۷ (۴) ۲۸، ۷۵، ۹۴، ۱۱۸، ۱۲۰،
۱۲۵–۱۲۶، ۱۳۱، ۲۳۷، ۳۹۱، ۷۳۳

مسند: اسود بن الشریح (۳) ۲۷۲

مسند: امام شافعی (۱) ۶۸۴

مسند: دارمی (۳) ۱۳۰

مسند: عبد بن حمید م ۲۴۹ھ (۱) ۶۸۴

مسند فردوس: دیلمی (۴) ۳۸۳، ۶۹۷

مسلوی: شاہ ولی اللہ (۴) ۲۹۱

مشارق الانوار فی اقتفاء صحیح الآثار: قاضی عیاض (۱) ۶۳۸ (۴) ۵۷

مشکل الحدیث: ابوجعفر الطحاوی، م ۳۲۱ھ (۱) ۶۸۶

مشکوٰۃ: ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبد الخطیب، م ۷۴۰ھ (۱)
۵۷ (۲) ۲۲، ۴۰ (۳) ۱۳۱، ۱۳۴، ۲۰۲، ۲۶۱، ۴۲۸،
۴۳۳–۴۳۴ (۴) ۷۴، ۷۵، ۹۹، ۱۶۴، ۱۶۷–۱۶۸،
۱۸۴، ۱۹۰، ۲۰۷–۲۰۹، ۲۱۴–۲۱۵، ۲۱۹–۲۲۰،
۶۲۰

مصابیح الاسلام: گنگا پرشاد (۳) ۱۴۷

المصادر: ابوزید انصاری م ۲۱۵ھ (۱) ۴۶۱

مصادر الشعر الجاہلی وقیمتہا التاریخیۃ: ڈاکٹر ناصر الدین اسد (۱) ۵۹۶

مصادر الفقہ الاسلامی: ابوزہرہ (۴) ۷۱۲

مصنف: ابن ابی شیبہ م ۲۳۵ھ (۱) ۳۸۴، ۶۸۴

مصنف: عبدالرزاق (۲) ۳۸۲

مطامح الافہام فی شرح الاحکام: قاضی عیاض (۱) ۶۳۹

مطمع الانفس: فتح بن خاقان (۱) ۶۲۲

مظاہر حق (۴) ۶۱۹، ۶۲۰

المظہر: جلال الدین السیوطی (۱) ۴۵۱

مع العقاد: شوقی ضیف (۱) ۶۱۵

معارج الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ (۱) ۵۱۵

معارج النبوۃ: معین الدین فراہی (۳) ۵۴۴

المعارف: ابن قتیبہ (۱) ۳۹۸، ۴۰۵–۴۰۶، ۴۲۸، ۴۴۲، ۴۹۱، ۷۸۸–
۷۸۹، ۷۹۱–۷۹۲، ۷۹۶، ۷۹۸، ۸۰۰، ۸۰۶–۸۰۷، ۸۱۱–۸۱۲
(۴) ۱۱۷

معانی القرآن: یونس بن حبیب نحوی (۹۰–۱۸۲ھ) (۱) ۴۶۱

معجزات اسلام مصنف (۴) ۴۴۸، ۴۶۱–۴۶۲، ۴۶۶، ۴۶۷–۴۷۴، ۴۷۴،
۴۷۶، ۴۷۸

معجم الادباء: یاقوت حموی (۱) ۳۹۳، ۴۹۸، ۵۰۲، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۶۵–
۵۶۶، ۵۸۷، ۶۱۲، ۶۶۹، ۷۱۴، ۷۷۷، ۷۹۱–۷۹۲، ۷۹۵،
۸۰۶، ۸۱۴ (۲) ۱۲۸ (۴) ۱۱۰

معجم البقاع: ابوعبید البکری الاندلسی (۴) ۴۲۲

معجم البلدان: یاقوت حموی (۱) ۴۰۸، ۴۲۲، ۴۵۴، ۴۹۱، ۴۹۳،
۵۱۳، ۵۱۷، ۵۳۹، ۶۱۴، ۷۲۳، ۷۵۹، ۷۸۸، ۷۹۰،
۸۰۶–۸۰۷، ۸۰۹ (۲) ۸۱، ۸۸، ۲۲۰، ۲۲۱–۲۲۲،
۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۱–۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۴۰،
۲۴۲–۲۴۵، ۲۴۸–۲۴۹، ۲۵۲، ۲۶۰، ۲۶۳،
۲۶۵–۲۶۶، ۴۲۲ (۴) ۱۴۹، ۲۸۲، ۲۸۵، ۲۹۳،
۴۰۶، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۲۲، ۴۳۲

معجم: طبرانی (۱) ۵۹ (۴) ۱۲۵، ۱۲۱، ۲۴۶

معجم السلفی (۱) ۶۱۴

معجم الصحابۃ: ابوعبداللہ محمد بن اسحٰق مندہ م ۳۹۵ھ (۱) ۶۰۵

معجم الصحابۃ: ابوالقاسم عبداللہ البغوی (۱) ۶۸۵

المعجم فی شرح ابن سکرۃ : قاضی عیاض (۱) ۶۲۶

معجم قبائل العرب : کحالہ (۱) ۴۹۱ — ۴۹۲

المعجم الکبیر : طبرانی م ۳۶۰ھ (۱) ۵۸۵ (۴) ۶۴۲، ۵۱۱

معجم المطبوعات العربیۃ : سرکیس (۱) ۴۹۷، ۵۰۵

معجم المؤلفین : عمر رضا کحالہ (۱) ۴۶۶، ۴۹۰، ۴۹۳، ۴۹۶ —

۴۹۵، ۴۹۷، ۵۶۶، ۵۸۸، ۶۱۲، ۶۰۵ — ۶۰۶، ۷۰۷

معجم المطبوعات العربیۃ : یوسف الیان سرکیس (۱) ۵۰۵

المعرب عن الکلام الاعجمی : الجوالیقی (۱) ۵۰۵

معرفۃ الصحابۃ : ابوعبداللہ محمد بن اسحاق مندہ م ۳۹۵ھ (۱) ۶۰۵

معرفۃ الصحابۃ : ابونعیم الاصبہانی (۱) ۶۸۵

مغازی الرسولؐ : ابن اسحٰق (۱) ۶۲ — ۶۳

معرکۂ مذہب و سائنس : ڈریپر (۳) ۱۲

مغازی : ابن عائذ الدمشقی م ۲۳۳ھ (۱) ۶۶۹

مغازی : سعید بن یحییٰ الاموی م ۲۴۹ھ (۱) ۶۶۹

مغازی الرسولؐ : موسیٰ بن عقبہؒ م ۱۴۱ھ (۱) ۶۲

مغازی الرسولؐ : محمد بن عمر الواقدی م ۲۰۷ھ (۱) ۶۲ —

۶۳، ۴۰۲، ۴۰۷ — ۴۰۸، ۴۲۷ — ۴۲۹،

۴۳۱، ۴۴۵، ۴۴۹، ۵۰۷، ۵۸۷، ۵۸۹ — ۵۹۰،

۵۹۳، ۶۰۵، ۶۶۷، ۷۱۴، ۷۲۱، ۷۵۵، ۷۸۰ —

۷۸۱، ۷۸۴، ۸۱۲، ۸۱۵ (۲) ۵۷، ۵۹ — ۶۱

۶۳، ۶۷ — ۷۰، ۱۲۵ — ۱۲۸، ۱۳۰ — ۱۳۵،

۱۳۸ — ۱۴۴، ۱۴۶ — ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۷ —

۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۳ — ۱۶۴، ۱۶۶ — ۱۷۱، ۱۷۴،

۱۷۹ — ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۴ — ۱۹۵

۲۰۳، ۲۱۳، ۲۲۵، ۶۸۱ (۳) ۵۹۱ — ۶۲،

(۴) ۶ —

المغازی الاولیٰ و مؤلفوہا : جوزف ہوروٹس (۱) ۳۹۹، ۴۰۳،

۴۰۶، ۴۰۸، ۶۶۳، ۶۶۶، ۶۶۷ — ۶۶۸

المغرب (۱) ۴۹۰

المغرب فی حلی المغرب : ابن سعید (۱) ۶/۳، ۶/۵

المغنی : ابن قدامہ (۱) ۶۰۰

المنافقین بین الصحابہ : ابن حزم (۱) ۶۰۱، ۶۱۳

مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ : طاش کبری زادہ (۱) ۶۸۹

مفتاح کنوز السنۃ : فنسنک (۲) ۶۱ ۵ (۲) ۱۲۱

مفرج القلوب : نبہانی (۱) ۶۹۴

مفردات القرآن : راغب اصفہانی (۲) ۳۵۹ (۳) ۲۸۵ —

۲۸۶

المفصل : زمخشری (۱) ۴۸۷

مفید العلوم و مبید الہموم : قزوینی (۳) ۶۳۸

مقاصد الحسن فی ما یلزم الانسان : قاضی عیاض (۱) ۶۳۹

المقاصد الحسنہ : السخاوی (۱) ۵۰۲ (۲) ۳۸۵

مقالات الاسلامیین : الاشعری (۳) ۱۳۸، ۱۳۹

المقتبس : ابن حیان (۱) ۵۸۰

مقتل الحسنؓ : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۸۱۵

مقتل الحسین علیہ السلام : محمد بن عمر الواقدی (۱) ۴۹۹ —

۵۰۰، ۷۷۸، ۸۱۵

مقدمہ ابن الصلاح م ۶۴۳ھ (۱) ۶۷، ۴۹۶

مقدمہ : شبیر احمد عثمانی م ۱۳۶۹ھ (۱) ۶۷

مقدمہ انوار الباری : احمد رضا بجنوری (۱) ۶۲

مقدمہ فتح الملہم : شبیر احمد عثمانی (۱) ۵۸۰

مکتوبات نبویؐ : سید محبوب رضوی (۲) ۲۱۵

مکہ کے حکمران (۲) ۴۰۹، ۴۱۲، ۴۱۴ — ۴۱۵، ۴۵۰

ملکی: علی عباس (۴)، ۹۰

الملل والنحل: ابن حزم، م ۴۵۶ھ (۱)، ۶۷۸

الملل والنحل: شہرستانی (۲)، ۸۸، ۱۰۹-۱۱۱ (۳)، ۴۵، ۴۹، ۵۰، ۹۹-۱۰۰، ۱۳۸-۱۴۰

من حدیث الشعر والنثر: طٰہٰ حسین (۲)، ۴۷

من عاش بعد الموت: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا، م ۲۸۱ھ (۱)، ۶۷۷

المناسک: ابوذر الھروی (۱)، ۶۷۳

المنائح: واقدی (۱)، ۶۷۸

مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء: جلال الدین سیوطی (۱)، ۶۴۲ - ۶۴۴

منتخب الصحیحین: نبہانی (۱)، ۶۹۳

منتخب اللغات (۲)، ۸۳

المنتظم فی تاریخ الملوک الامم: ابن الجوزی (۱)، ۴۹۴، ۵۰۱

المنتقی: ابونعیم (۳)، ۶۳۸

منتھی الآمال: شیخ عباس قمی (۳)، ۵۹۶

المنبع: نظام الدین حلوی کاکوروی (۱)، ۶۷

المنجد: لوئیس معلوف (۴)، ۴۰۰

منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین: سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۳۳، ۸۶

المنصوریہ: رازی (۴)، ۸۹

المنقذ من الضلال: غزالی (۳)، ۱۵۰

منوشاستر (۳)، ۱۰۷-۱۰۹

منہاج الاصول: بیضاوی (۱)، ۴۸۸ (۲)، ۳۳۸

منہاج الاستقامۃ فی اثبات الامامۃ: جمال الدین ابومنصور حسن بن یوسف المطہر الحلی، م ۷۲۶ھ (۱)، ۶۷۹

منہاج السنۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ: ابن تیمیہ (۱)، ۶۷۹

المنہل الاصفیٰ فی شرح ماتمس الحاجۃ الیہ من الفاظ الشفاء: ابوعبداللہ محمد بن علی بن ابی الشریف (۱)، ۶۴۳

موارد الصفاء و موائد الشفاء: رضی الدین محمد ابن ابراہیم المعروف بابن الحنبلی الحلبی (۱)، ۶۴۴

موازنہ انیس و دبیر: شبلی نعمانی (۴)، ۶۲۱

المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ: شیخ شہاب الدین احمد ابن محمد القسطلانی، م ۹۲۳ھ (۱)، ۶۳، ۶۰۳، ۷۱۷، ۷۱۸ (۲)، ۱۱، ۱۳، ۱۵، ۲۰، ۲۷، ۲۹، ۳۰-۳۱، ۳۳، ۳۶-۳۸، ۵۸، ۶۳، ۶۹، ۱۴۵، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۹۶، ۲۰۹ - ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۲۵، ۲۲۸ (۳)، ۴۲۸، ۴۳۳، ۵۳۷، ۵۳۸، ۶۳۸

موطا: امام مالک م ۱۷۹ھ (۱)، ۵۹، ۳۷۳، ۴۳۷، ۶۰۸، ۶۱۷، ۶۳۸، ۶۸۱، ۷۱۲، ۷۵۹ (۲)، ۶۲، ۹۸، ۱۰۶، ۴۳۸ - ۴۳۹، ۴۴۷ - ۴۴۸، ۴۵۳ - ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۶۵، ۶۶۵ (۳)، ۴۶، ۶۵۶ (۴)، ۷۵، ۱۲۴، ۲۹۱، ۶۸۸

المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ للترمذی: شیخ ابراہیم بیجوری (۱)، ۶۱

المواہب اللدنیہ للقسطلانی (شرح مواہب اللدنیہ) زرقانی محقق (۱)، ۵۹ (۲)، ۵۸ (۴)، ۷۰۰، ۷۱۳

الموضوعات ابن الجوزی، م ۵۹۷ھ (۱)، ۶۸۶

الموضوعات: ملا علی قاری، م ۱۰۱۴ھ (۱)، ۶۲

موعظہ: وہب بن منبہ (۱)، ۷۳۰

موقف العلم والعقل والعالم من رب العالمین :
ڈاکٹر مصطفےٰ صبری (۱)، ۶۱
مولد الحسن والحسین : واقدی (۱)، ۷۷، ۸۱۵
مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ابن الزملکانی، م ۷۲۷ھ
(۱)، ۶۷۷
مولد النبی صلعم : ابن الجوزی (۱)، ۷۰۱
مولود طیش : مصنف (۴)، ۸۰
مہابھارت (۱)، ۳۳۳ (۴)، ۳۲۰
مہاجرین : معین الدین ندوی (۳)، ۷۲۷
المیرۃ فی حل مشکل السیرۃ : یوسف بن عبدالہادی صالحی، م ۹۰۹ھ
(۱)، ۴۸۶
میزان الاعتدال فی نقد اسماء الرجال : شمس الدین ذہبی، م
۷۴۸ھ (۱)، ۶۰، ۶۶، ۳۹۰، ۳۹۳، ۴۹۸،
۵۱۰، ۶۶۹، ۶۸۶، ۷۸۵
میزان التحقیق : آرنلڈ (۴)، ۴۷
میزان العمل : الغزالی (۳)، ۱۴۹
میلاد اکبر : (۴)، ۸۰
میلاد نامہ : خواجہ حسن نظامی (۴)، ۷۸

ن

النبی الخاتم : مناظر احسن گیلانی (۱)، ۶۹
نتائج الافہام : احمد زکی آفندی (۲)، ۱۲۱
نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ : سید ابوالحسن علی ندوی (۱)، ۲۴
نخبۃ الدہر فی عجائب البر والبحر (۳)، ۷۱
نداء الحیاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض : محمد بن عبدالسلام
البنانی (۱)، ۶۴۴
النجوم الزاہرۃ : ابن تغری بردی (۱)، ۴۹۵، ۵۱۴

نجوم المہتدین فی معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم والرد علی اعداء
اخوان الشیاطین : نبہانی (۱)، ۶۹۴
نخبۃ الفکر : ابن حجر (۱)، ۶۷
نزہۃ الالباء : (۱)، ۴۹۳، ۵۰۵، ۵۱۰
نزہۃ الجلساء فی الاخبار النساء : السیوطی (۴)، ۱۱۱
نزہۃ المشتاق : ادریسی (۴)، ۱۴۹
نسیم الریاض فی شرح شفاء للقاضی عیاض : احمد شہاب الدین
خفاجی (۱)، ۶۴، ۶۴۴، ۶۴۴، ۶۴۵ — ۶۴۴ (۴)
۲۰۹
نشأۃ علم التاریخ عند العرب : عبدالعزیز الدوری (۱)، ۳۹۷
۳۹۸، ۴۰۲، ۴۰۴، — ۴۰۷، ۴۰۹
نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ : زیلعی
(۳)، ۶۳۸
النظم البدیع فی مولد الشفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : نبہانی
(۱)، ۶۹۴
نظم البرہان علی صحۃ جزم الاذان : قاضی عیاض (۱)، ۶۳۹
نظام الحکومت النبویۃ : کتانی (۴)، ۱۲۰
نفح الطیب : مقری (۱)، ۶۱۱، ۶۱۴ (۴)، ۱۱۱ — ۱۱۲
نقائص جریر و فرزدق : ابوعبیدہ معمر بن المثنی، م ۲۰۹ھ
(۱)، ۴۶۱
النقائص (تحقیق : بیون) (۱)، ۷۹۵
نقط العروس فی تواریخ الخلفاء : ابن حزم
(۱)، ۶۰۰ — ۶۰۱، ۶۱۴
نکت الھمیان : الصفدی (۱)، ۵۵، ۶۱۴ (۳)، ۴۷۶ — ۴۷۷
النوادر : القالی (۳)، ۱۰۰
نوادرات : اسلم جیراجپوری (۳)، ۴۷۷

النور الاجلی فی اختصار المحلی : ابن حزم (۱)، ۶۰۸
النور السافر : عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ العیدروسی
(۱)، ۵۰۴

نہایۃ الارب : نویری (۱)، ۳۵۴، ۴۰۱ (۴)، ۱۱۲
نہایۃ الاقدام : شہرستانی (۳)، ۱۳۸، ۱۳۹
نہایۃ غریب الحدیث (۲)، ۱۰۲
نیل الاوطار : محمد بن علی بن محمد شوکانی (۴)، ۳۰
الوافی بالوفیات : مصنف (۱)، ۵۱۰
الوثائق السیاسیۃ : محمد حمید اللہ (۲)، ۲۱۷، ۲۰۹، ۴۴۴، ۴۴۱
(۳)، ۵۵۵، ۵۶۰، ۶۲۷، ۶۵۴ (۴)، ۱۲۳
وجیز الکلام فی الذیل علی کتاب الذہبی : السخاوی (۱)، ۵۰۳
الورد الشافی یشتمل علی الادعیہ والاذکار النبویہ : نبہانی (۱)، ۶۹۴
وسائل الوصول الی شمائل الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :
نبہانی (۱)، ۶۹۳
وسیلۃ المتعبدین : عمر الموصلی (۳)، ۶۳۸
الوفاء فی فضائل المصطفیٰ : ابن الجوزی (۱)، ۷۰۱ (۲)، ۲۱۷، ۲۱۸
۲۲۱-۲۲۴، ۲۲۶-۲۲۷، ۲۳۱-۲۳۲،
۲۵۳
وفاء الوفاء : سمہودی (۱)، ۵۰۴ (۲)، ۴۳۱-۴۳۲
وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ (۳)، ۴۹۹
وفات النبیؐ : واقدی (۱)، ۷۸۵
وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم : واقدی (۱)، ۷۸۵،۷۷۸
وفیات الاعیان : ابن خلکان (۱)، ۳۹۸، ۴۰۵-۴۰۶
۴۸۹-۴۹۲-۴۹۵، ۴۹۸، ۵۰۳، ۶۱۲،
۶۳۲-۶۳۳، ۶۳۸، ۶۴۵، ۶۶۹، ۷۱۴،
۷۲۷، ۷۸۸، ۷۹۹، ۸۰۳، ۸۰۶، ۸۱۲،
(۳)، ۴۶۲، ۴۶۳

ہ
ہادی المرید الی طرق الاسانید ثبت الجامع النافع نبہانی (۱)، ۶۹۴
ہادی النساء : سید احمد دہلوی (۴)، ۶۱۹
ہسٹری آف دی اسلامک پیپل : دائل (۴)، ۴۶۴
دی ہسٹری آف دی لاز آف نیشنس ورکر (۳)، ۶۸۰
ہسٹری آف دی مورشش ایمپائر : لین پول (۴)، ۴۴۹
ہسٹری آف دی ورلڈ (۴)، ۴۶۹
ہسٹری لاٹرکی : الفریڈ۔ ڈی لمرٹائن (۴)، ۴۸۸
ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک : مسعود عالم ندوی
(۱)، ۲۲
ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم : مناظر احسن گیلانی (۴)، ۱۴۲
ہندوستانی تمدن : الیشوراٹوپا (۳)، ۱۰۲
ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ : سید ابوالحسن علی ندوی
(۱)، ۲۲
ھدی الرسول : محمد ابوزید (۱)، ۷۱۷
ھدیۃ العارفین فی اسماء المؤلفین و آثار المصنفین : اسماعیل پاشا
بغدادی (۱)، ۴۹۰، ۴۹۷، ۵۶۶، ۵۸۸، ۶۴۵، ۶۴۶
الہمزیۃ الالفیہ (طیبۃ الغراء) فی مدح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم :
نبہانی (۱)، ۶۹۴
ہواتف الجان وعجائب مایحکی من الکہان : ابوبکر محمد بن جعفر بن
سہل الخرائطی م ۳۲۷ھ (۱)، ۶۷۲
ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ اینڈ دی ہیروئک ان ہسٹری : طامس کارلائل
(۴)، ۴۸۹، ۵۳۹

ی
یحیی رویہ (۴)، ۵۵۵
یوم الجمل : واقدی (۱)، ۷۷۸

A

Ancient Monarchies : Rawalinson (3) 23

The Arab Woman (4) 113

The Arabs Conquest of Egypt and the Last Thirty Years of the Roman Dominion : Alfred J. Butler (3) 96,98,118

B

Babylonian Literature (3) 149

Beitrage Far Kritik and Zur Sprachichlichen .... : D. H. Brenth (1) 813

Bibliotheca Arabo-Hispana (1) 812

Bibliotheca Geographoram (1) 806

Biographien Muhammads Seiner Gefahiten Und Der .... Ibn Sad (1) 815

Biographien : Fischer (1) 709

The Blind in India (3) 476

Book III : Herodotus (3) 42

C

The Challange of Islam : Altaf Gohar (3) 366, 370

The Caliphate : T. W. Arnold (1) 588

Das Classenbuch des Ibn Sad : Otto Loth (1) 450, 815 - 816

A Concise History of the World: H. G. Wells (1) 333.

Conquest of Egypt and the Last Thirty Years of the Roman Dominion : Alfred J. Butler (3) 96

Cultural Contradictions of Capitalist : T. W. Bell (3) 371

Chalida : Ragozin (2) 80

Chambers' Encyclopaedia (2) 77, 80, 83

The Chronology of Ancient Nations : C. E. Sachan (2) 65

D

Dictionary of the Bible : W. Smith (2) 77, 78 - 79, 81 - 83

Development of Metaphysics in Persia : Allamah Dr. Muhammad Iqbal (3) 35

E

Early Muslim Architecture : (2) 437-38, 447 - 449

Early Muslim Historiography : N. A. Faruqi (1) 523-24,587(2)210

Eeclesiastical History : Moshim (3) 36

Encyclopaedia Britannica (2) 96

Encyclopaedia of Islam (2)77,79,83-84,86-88 102,125 (3) 43,50,54

Encyclopaedia of Religion and Ethics (1)590 (2) 402, 419 (2)79 (3) 49

English Life and Manners in the Middle Ages : (4) 107

F

Foreign Vocabulary : Arthur Jeffery (2) 79

G

The Gentile and the Jaw :Dollinger (3) 33

Geschichte des Qorans : (1) 450

H

A Handbook of Early Muhammadan Tradition: Wensinch(1)722

Historians of the Middle East (1) 587

A History of Historical Writings (2) 154

History of the Arab: P. K. Hitti (1) 30-31, (3) 52, 142

History of the Church of Christ: Milner (3) 37

History of Decline and Fall of the Roman Empire : Gibbon (2) 180 (3) 96

The Historians History of the World (3) 52-53, 97-98

History of the Mongols : Howorth (1) 15

I

Introduction to Philosophy : W. Windelband (3) 718

Islam and Introduction of Society M. Watt (2) 434, 442

J

Jurisprudence : Simond (3) 620

L

Legacy of Islam : Arnold (4) 111

De Legendis Quae Dicuntur Propheticis: Lidzbatskia (1) 791,

The Letter of Prophyry to Marcella : Alice Zimmeru (3) 137

The Life of Muhammad: A Guillume (1) 408,472,488,587,713

Life of Muhammad : W. Muir (2) 56,61,66,70,72-73,82;84, 86,87,108,122,123,155,165, 167,185,190-192,195

M

The Making of the Humanity Robert Briffault (3) 97,117, 120

Mohammed at Mecca: Montgomery Walt (1) 73,76;77

Mohammed and the Rise of Islam: D.S. Margoliouth (1) 709(2) 56,66,74,84, 101-102,104,153, 155,203.

Mohammed en de Joden to Medina : Wensinck (1) 807

Muhammdanische Studien : Goldzieher (1) 447, 786

Muslim Historiography: (1)503

Q

Organisation of Government Under the Prophet : N.A.Faruqi (1) 594

P

Persian Literature : (1)490

Preaching of Islam : Arnold (1) 14, 17

Principles of Psychology : William James (3) 47

Die-Persiscke Feldzuge Des Kaisers Heraklius Gerland (3)640

Political Thought in Medieval Islam : Rosen Thal (3)144

Q

Quran (translated by Palmer) (2) 84

R

Religion of Palestine (3)42

The Religion of the Ancient World: G. Rowlinson (2) 79

Religion of Semites : W. R. Smith (2) 79,87-88,102(3)48

Roman Society from Nero to Marcus Aurelivs (3)38,40

Rulers of Mecca : Gevalde Gaury (2) 408, 409

S

A Short History of the World: G. H. Wells (3) 97

Short History of the Saracens (4) 113

Short History of Women : Jonn Lang Don Davis (4) 106

A Shorkhif of Soraccu (4)110

Studien Fur Altesten Geschicht-
suberlieferungber Araber
Sachau (1) 813
Studies in Muslim Ethics : Donald-
son (3) 135
Studies on the Civilisation of Islam:
H. A. R. Gibb (1) 588

T

Talmud Tract Samliedzin
(2) 83

U

Unification of Mankind
(3) 373

W

Waqidis' History of Mohammads'
campaigns' Alfred Von Kremer
(1) 813

اشاریۂ نقوش

رسول نمبر

جلد پنجم تا دہم

شمارہ ۱۳۰ (دسمبر ۱۹۸۳ء تا جنوری ۱۹۸۴ء)

مقالہ نگاران

(اور مقالات کے اہم نکات)

آزاد، ابوالکلام: حضرت عمرؓ کے آخری لمحات (۹) ۶۹۶ — ۶۹۹

فیروز نے قتل کی دھمکی دی ۶۹۷، حضرت عمرؓ پر فیروز کا قاتلانہ حملہ ۶۹۷، خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ۶۹۸، آخری وقت میں وصیتیں ۶۹۹

آزاد، ابوالکلام: سیرت اور مطالعہ سیرت (۹) ۱۰۹-۱۲۸

حافظ ابن کثیر ۱۰۹، امام ابن تیمیہ کی ایک صحبت درس ۱۰۹، فلاسفہ و متکلمین کی محرومی ۱۰۹، ایک نصیحت ۱۱۰، امام موصوف کا مرتبہ تجدید و مقام فاتحیت ۱۱۰، موجودہ دور کا فتنہ عقائد اور اس کا علاج ۱۱۱، حیاتِ طیبہ نبوت، علم و بصیرت کا اصلی سرچشمہ ۱۱۲، آثار و سیرت صحابہ رضی ۱۱۲، جوامع الکلم نبویہ ۱۱۳، عدم یقین و بصیرت اور عوارض قلب و روح ۱۱۴، دارالشفائے وحی و حکمت نبوت ۱۱۵، حقائق و معارف کتاب و سنت ۱۱۷، نسخہ شفائے شک و ریب ۱۱۹، وقائع و اعمال حیات نبوت۔ حجۃ اللہ البالغہ ۱۲۰، منتہائے مرتبہ سیادت ۱۲۱، جامعیت کبریٰ ۱۲۲، خصائص قرآن کا ایک عظیم الشان پہلو ۱۲۳، قرآن حکیم اور سیرت طیبہ ۱۲۴، قرآن حکیم اور حالات و خصائص صحابہ کرام رض ۱۲۴، قرآنی سیرت نبویؐ ۱۲۵، دائرہ حقیقت محمدیہ ۱۲۶،

آفتاب حسین، شیخ: رسولِ اکرمؐ بحیثیت مظہر ختم نبوت (۸) ۶۶۱ - ۶۸۵

تکمیل رسالت و نبوت ۶۶۱، انبیاء کے معجزات ۶۶۲، اعجاز قرآن ۶۶۲، آپؐ کے پیغام کی صداقت پر قرآن کی شہادت ۶۶۴، اچھائی اور برائی کا حسن و قبح ۶۶۷، قرآن میں علم والوں کی فضیلت اور ان کی گواہی ۶۶۹، حصول علم کی تاکید ۶۷۰، تدبر فی القرآن کی دعوت ۶۷۲، تخلیق میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں ۶۷۴، تسخیر کائنات ایک فرض ہے ۶۷۷، حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ میں عدل و احسان ۶۸۱، جدید اور قدیم علموں کی اہمیت اور افادیت ۶۸۵،

آفتاب حسین، شیخ: وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۹) ۲۹۱ — ۲۹۵

اصلاح فرد ۲۹۱، ان قوانین کا نفاذ جو معاشرے کو راہِ راست پر رکھنے میں مدد ہوں ۲۹۱، آپؐ کا اسوۂ حسنہ ۲۹۱، حضورؐ کی مکی زندگی کے اثرات ۲۹۲، حدود و تعزیر کی ضرورت ۲۹۲، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت و ضرورت ۲۹۳، اصلاحِ معاشرہ ۲۹۳، پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کا مطالبہ ۲۹۴، اصلاح معاشرہ کس طرح ممکن ہے؟ ۲۹۵

آل احمد رضوی، سید: ادب قبل از اسلام میں ذکر رسول (۹) ۲۶ — ۵۰

ہندو مت کے ویدوں میں آپؐ کی بعثت کے اشارے

۲۶، بھگوت گیتا میں حضورؐ کے متعلق اشارات ۲۷، مہابھارت میں آپؐ کا تذکرہ ۲۸، گوتم بدھ نے آپؐ کے متعلق اشارہ کیا ۳۰، پارسی مذہب کے بانی زرتشت کی تعلیمات میں آپؐ کے بارے میں پیش گوئی ۳۱، صحفِ آدمؑ میں حضورؐ کے متعلق بشارت ۳۳، حضرت ادریسؑ کی پیش گوئی ۳۴، حضرت نوحؑ کی بشارت ۳۵، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل کی دعا میں آپؐ کا تذکرہ ۳۵، حضرت اشعیاء کی پیش گوئی ۳۷، حضرت شعیبؑ کی پیش گوئی ۳۹، حضرت یسعیاہ علیہ السلام کی پیش گوئی ۳۹، حضرت موسیٰ کی پیش گوئی ۴۱، حضرت سلیمان نے آپؐ کا تذکرہ کیا ۴۳، حضرت یحییٰؑ کی پیش گوئی ۴۴، حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ۴۶

ابن حکیم غلام مصطفیٰ: رحمت للعالمینؐ کی قائم کردہ چراگاہیں (۹)
۱۸۳ — ۱۸۶ حمی النقیع ۱۸۴، حمی الربذہ ۱۸۴، چراگاہوں کا انتظام ۱۸۴، چراگاہوں کے بارے میں حکم ۱۸۵، چراگاہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۸۵، چراگاہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۸۵، چراگاہ اشرف ۱۸۵، چراگاہ ربذہ ۱۸۵، چراگاہ ضریہ ۱۸۵، چراگاہ فید ۱۸۵، چراگاہ تیمیہ اور دوسری چراگاہیں ۱۸۵

ابن ہشام المعافری۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والے وفود۔
ترجمہ از محمد عبدالحکیم شرف قادری (۷) ۶۶۰ — ۷۰۲ وفد بنو تمیم ۶۶۰، بنو تمیم کا خطاب ۶۶۱، حضرت ثابت بن قیس کا خطاب ۶۶۱، زبرقان کے اشعار ۶۶۲، حضرت حسان کا جواب ۶۶۳، زبرقان کے مزید اشعار ۶۶۶، حضرت حسان کا جواب ۶۶۶، وفد کا مشرف باسلام ہونا ۶۶۷، وفد بنو عامر ۶۶۸، اللہ تعالیٰ کی حفاظت ۶۶۸، عامر کی حسرت ناک موت ۶۶۹، اربد کی ہولناک ہلاکت ۶۶۹، وفد سعد بن بکر ۶۶۹، وفد عبدالقیس ۶۷۰، دور آزمائش میں ثابت قدمی ۶۷۱، وفد بنو حنیفہ اور مسیلمہ کذاب کی آمد ۶۷۲، وفد بنو طے ۶۷۳، قیادت: زید الخیل ۶۷۳، عدی بن حاتم ۶۷۳، عدی کا فرار ۶۷۴، بہن کی گرفتاری ۶۷۴، الطاف کریمانہ ۶۷۵، عدی بارگاہِ رسالت میں ۶۷۵، شان نبوت ۶۷۵، پیش گوئی کی صداقت ۶۷۶، فروہ ابن مسیک مرادی کی آمد ۶۷۶، فروہ کی خوش بختی ۶۷۶، وفد بنو زبید ۶۷۷، قیادت: عمر بن معدیکرب ۶۷۷، وفد کندہ ۶۷۸، قیادت: اشعث ابن قیس ۶۷۸، آکل المرار کی طرف انتساب کی نفی ۶۷۸، آکل المرار کی وجہ تسمیہ ۶۷۹، وفد ازد ۶۷۹، قیادت: صرد ابن عبداللہ ۶۷۹، غیبی خبر ۶۷۹، اہل جرش آغوش اسلام میں ۶۸۰، بادشاہان حمیر کا قاصد ۶۸۰، احکام اسلام ۶۸۰، حضرت معاذ بن جبل کو نصیحت ۶۸۱، شوہر کا بیوی پر حق ۶۸۲، فروہ ابن عمر جذامی کا اسلام ۶۸۲، حضرت فروہ کی مظلومانہ شہادت ۶۸۳، وفد بنو الحرث ابن کعب ۶۸۳، بنو الحرث کا حضرت خالد ابن ولید کے ہاتھ پر اسلام ۶۸۳، حضرت خالد بن ولید کا عریضہ ۶۸۳، بارگاہِ رسالتؐ کا جواب ۶۸۴، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات ۶۸۵، رفاعہ ابن جذامی کی حاضری ۶۸۶، وفد ہمدان ۶۸۶، لفظ وفد کی تحقیق ۶۸۹، بیعتِ انصار ۶۹۰، انصار کا دوسرا وفد ۶۹۰، تعلیمات ۶۹۰، وفد عبدالقیس ۶۹۱، شرکا وفد ۶۹۱، بارگاہ رسالتؐ میں ۶۹۲، وفد مزینہ ۶۹۳، طعام میں برکت ۶۹۴، وفد اسد ۶۹۴، وفد عبس ۶۹۵، وفد فزارہ ۶۹۶، دعا کی قبولیت ۶۹۷، وفد مرہ ۶۹۷، وفد ثعلبہ ۶۹۸، وفد محارب ۶۹۸، چودھویں کے چاند ایسا چہرہ ۶۹۹، وفد کلاب ۷۰۰، وفد عقیل ابن کعب ۷۰۰، وفد جعدہ ۷۰۰، وفد قشیر ابن کعب ۷۰۱، وفد بنو البکاء ۷۰۱، وفد کنانہ ۷۰۱،

وفد بنو عبد ابن عدی ۷۰۲، وفد اشجع ۷۰۲، وفد باہلہ ۷۰۳، وفد سُلیم ۷۰۳، وفد ابن عامر ۷۰۴، وفد ثقیف ۷۰۴، وفد بکر ابن وائل ۷۰۵، وفد تغلب ۷۰۶، وفد شیبان ۷۰۶، وفد تُجیب ۷۰۶، وفد خولان ۷۰۷، وفد جُعفی ۷۰۷، وفد صُداء ۷۰۸، وفد صدف ۷۰۸، وفد خُشَین، وفد سعد ھذیم وفد بلی ۷۰۹، وفد بہراء ۷۰۹، وفد عذرہ ۷۰۹، وفد سلامان ۷۱۰، وفد جہینہ، وفد کلب ۷۱۰، وفد جرم ۷۱۱، وفد غسان ۷۱۱، وفد سعد العشیرۃ ۷۱۲، وفد عنس ۷۱۲، وفد الداریین ۷۱۲، وفد رہاویین ۷۱۳، وفد غامد ۷۱۳، وفد نخع ۷۱۳، وفد بجیلہ ۷۱۴، وفد خثعم ۷۱۴، وفد اشعریین ۷۱۵، وفد حضر موت ۷۱۵، وفد ازد عمان ۷۱۶، وفد غافق ۷۱۶، وفد بارق ۷۱۷، وفد دوس ۷۱۷، وفد ثمالہ وحُدّان ۷۱۸، وفد اسلم ۷۱۸، وفد مہرہ ۷۱۸، وفد نجران ۷۱۹، وفد جیشان ۷۲۰

ابوالکلام آزاد دیکھیے آزاد، ابوالکلام

ابونعیم احمد اصبہانی : اصحاب صُفّہ۔ ترجمہ از حافظ محمد سعداللہ (۸)

۷۵۱ – ۸۱۵ اصحاب صفہ ۷۵۱، اوس بن اوس الثقفی ۷۵۹، اسماء بن حارثہ ۷۵۹، الاغر المزنیؓ ۷۶۰، بلالؓ بن رباح، البراء بن مالک ۷۶۳، ثوبان مولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۶۴، ثابت بن ضحاک ۷۶۵، ثابت بن ودیعہ ۷۶۶، ثقیف بن عمرو ۷۶۶، ابوذر غفاریؓ ۷۶۶، جرہد بن خویلد ۷۶۶، جُعیل بن سراقہ ۷۶۷، جاریہ بن جمیل ۷۶۷، حذیفہ بن یمانؓ ۷۶۷، حذیفہ بن اسید ۷۶۸، حبیب بن زید ۷۶۸، حارثہ بن نعمان ۷۶۹، حازم بن حرملہ ۷۶۹، حنظلہ بن ابی عامر ۷۷۰، حجاج بن عمرو ۷۷۰، حکیم بن عمیر ۷۷۰، حرملہ بن ایاس ۷۷۱، خبابؓ بن الارت ۷۷۱، خنیس بن حذافہ ۷۷۲، خالد بن یزید (ابو ایوب انصاریؓ) ۷۷۲، خریم بن فاتک ۷۷۳، خریم بن اوس ۷۷۴، حبیب بن یساف ۷۷۵، دکین بن سعید ۷۷۵، ذوالبجادین (عبداللہ) ۷۷۶، رفاعہ ابولبابہ ۷۷۶، ابورزین ۷۷۶، زید بن خطاب ۷۷۷، سلمان فارسیؓ ۷۷۷، سعد بن ابی وقاص ۷۷۸، سعید بن عامر ۷۷۸، سفینہ ابوعبدالرحمان ۷۷۹، سعد بن مالک (ابوسعید الخدری) ۷۸۰، سالم مولے ابی حذیفہ ۷۸۰، سالم بن عبید الاشجعی ۷۸۱، سالم بن عمیر ۷۸۲، سائب بن خلاد ۷۸۲، شقران مولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۸۲، شداد بن اسید ۷۸۲، صہیب بن سنان بن مالک ۷۸۳، صفوان بن بیضاء ۷۸۴، طخفہ بن قیس ۷۸۴، طلحہ بن عمرو ۷۸۵، الطفاوی الدوسی ۷۸۵، عبداللہ بن مسعود ۷۸۵، ابوہریرہ ۷۸۷، عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی ۷۹۱، عبداللہ بن حوالۃ الازدی ۷۹۱، عبداللہ بن ام مکتوم ۷۹۱، عبداللہ بن عمرو بن حرام الانصاری ۷۹۲، عبداللہ بن انیس ۷۹۲، عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی ۷۹۳، عبداللہ بن عمر بن الخطاب ۷۹۴، عبدالرحمان بن قرط ۷۹۷، عبدالرحمن بن جبر بن عمرو ۷۹۷، عتبہ بن غزوان ۷۹۷، عمار بن یاسر ۷۹۸، عثمان بن مظعون ۷۹۹، عامر بن عبداللہ (ابوعبیدہ بن الجراح) ۸۰۱، عویمر ابوالدرداء ۸۰۲، عقبہ بن عامر الجہنی ۸۰۳، عباد بن خالد الغفاری ۸۰۴، عمرو بن عوف المزنی ۸۰۴، عمرو بن تغلب ۸۰۵، عویم بن ساعدہ الانصاری ۸۰۵، عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۸۰۶، عکاشہ بن محصن الاسدی ۸۰۶، عبداللہ بن حبشی الخثعمی ۸۰۷، عتبہ بن عبید السلمی ۸۰۷، عتبہ بن الندر السلمی ۸۰۸، عمرو بن عبد السلمی ۸۰۸، عبادہ بن قرص ۸۰۸، عیاض بن حمار المجاشعی ۸۰۸، فضالہ بن عبید الانصاری ۸۰۹، فرات بن حیان العجلی ۸۰۹، ابوفراس

الاسلمی ۵۰۹، قرہ بن ایاس المزنی ۵۱۰، کناز بن الحصین ۵۱۰، کعب بن عمرو ۵۱۰، ابوکبشہ (موالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ۵۱۱، مصعب بن عمیر الداری ۵۱۱، المقداد بن الاسود ۵۱۲، مسطح بن اثاثہ ابوعباد ۵۱۴، مسعود بن ربیع القاری ۵۱۴، معاذ ابوحلیمہ القاری ۵۱۴، واثلہ بن الاسقع ۵۱۴، وابصہ بن معبد الجہنی ۵۱۶، ہلال مولی المغیرہ بن شعبہ ۵۱۶، یسار ابوفکیہہ ۵۱۷

اظہر، ظہور احمد: فصاحت نبویؐ (۸) ۳۳۷ — ۳۹۲ فصاحت و بلاغت اور نبوت ۳۳۷، فصاحت نبویؐ کے عناصر ترکیبی ۳۳۸، قرشیت ۳۴۲، بنو سعد اور دیگر قبائل کا ماحول ۳۴۳، قرآن کریم ۳۴۴، فطرت محمدیؐ کا عطیہ ربانی ۳۴۵، فصاحت و بلاغت کا نظریہ نبوی ۳۴۹، افصح العرب کی نظر میں ۳۵۰، خطابت کا اسلوب نبویؐ اور اس کے خصائص ۳۵۷، فصاحت نبویؐ سلف اور خلف کی نظر میں ۳۶۲، خطابت نبویؐ کے اثرات ۳۷۰، کلام اللہ اور کلام نبویؐ میں فرق ۳۷۳، انواع کلام نبویؐ ۳۹۱

احمد خاں (مترجم): صدر اسلام میں حدیث کی کتابت و تدوین از محمد عجاج الخطیب (۶) ۲۲۶ — ۲۲۹

مقالے کے اہم نکات مقالہ نگار کے اندراج میں دیکھیں

ارشد القادری: رسالت محمدیؐ کا عقلی ثبوت (۸) ۶۲۷ — ۶۳۵ رسولؐ کی شناخت کا پہلا عقلی ذریعہ ۶۲۸، زندگی کا پہلا رخ ۶۲۸، زندگی کا دوسرا رخ ۶۳۰، رسولؐ کی شناخت کا دوسرا عقلی ذریعہ ۶۳۱، زندگی کا تیسرا رخ ۶۳۲، ایک شبہ اور اس کا ازالہ ۶۳۲، رسولؐ کی شناخت کا تیسرا عقلی ذریعہ ۶۳۳، ان امور کی نشاندہی جن کا کسی بھی الہامی کتاب میں ہونا ضروری ہے ۶۳۳، آپؐ کے ساتھ الہامی کتاب — قرآن ۶۳۴

اسد اللہ (مترجم): ابوالحسن علی بن حسین علی المسعودی از فاروق خورشید (۹) ۷۱ — ۸۲

مقالے کے اہم نکات مقالہ نگار کے اندراج میں دیکھیں

اسعد گیلانی، سید: رسول اکرمؐ کی حکمت سیاست (۷) ۶۱۱ — ۶۵۹

اسلامی انقلاب کے لیے اتحاد اور امن کا اہتمام ۶۱۲، عرب کردار پر اسلام کا اصلاحی غازہ ۶۱۳، معاشرتی مرتبے کی بجائے قبولیت حق، معیار فضیلت ۶۱۳، غلاموں کی آزادی اور مظلوموں کی داد رسی کی تحریک ۶۱۴، حجر اسود کی خونی نزاع کا متوازن قابل قبول فیصلہ ۶۱۶، کلمہ طیبہ اسلامی تحریک کے لیے ایک جامع انقلابی نعرہ ۶۱۶، مکہ سے باہر دور کے علاقوں میں اسلامی تحریک کے اثرات پہنچانے کی کوشش ۶۱۷، اصولوں کے بارے میں ناقابل مصالحت رویہ ۶۱۸، جدید مستقر کا قیام ۶۲۰، آپؐ نے اسلامی تحریک کا منشور پیش فرمایا ۶۲۱، معاہدۂ مدینہ اور ایک نظریاتی اسلامی ریاست کے قیام کا سنگ بنیاد ۶۲۳، مواخاة ـ نظریاتی اسلامی برادری کا قیام ۶۲۴، دعوت اسلامی کے مرکز کی تعمیر ۶۲۵، قریش کی دھمکی پر اندرونی فتنے کا علاج ۶۲۶، تجارتی قافلہ کی بجائے مسلح لشکر سے ٹکراؤ کا فیصلہ ۶۲۷، کفر کے مقابلے میں ڈٹ کر رہنے کا پرعزیمت راستہ ۶۲۷، دشمن کی درخواست صلح پر بے جھجک جرأت مندانہ پذیرائی ۶۲۹، دشمنوں کو ممنون احسان کرنا ۶۳۰، خبر رسانی اور دشمنوں کی صفوں میں اپنے آدمی بھیجنا ۶۳۰، دشمنوں سے باری باری نپٹنے کی حکمت ۶۳۱، حرب کا افزائش ... قوت محفوظ رکھنے کا اہتمام ۶۳۳، صلح حدیبیہ ـ وقفہ دعوت و تبلیغ ۶۳۵، صلاحیت اور جوہر قابل کا اعتراف اور استعمال ۶۳۷، جانشین کے مسئلے کا پیشگی حل ۶۳۹، نسلی ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا خاتمہ ۶۴۰،

تلوار اور قوت کا استعمال ۶۴۱، کعب بن اشرف کا قتل اور گوریلا
تدابیر ۶۴۲، خطرے کا بروقت نوٹس لینا ۶۴۳، معاہدات صلح
کے ذریعے قبائل کو حلیف اور غیر جانبدار بنانا ۶۴۴، چیلنج کو
جرأت و مردانگی سے قبول کرنا ۶۴۵، دعوتی قوت اور سیاسی دباؤ
کا استعمال ۶۴۶، ساتھیوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک ۶۴۷،
فتح مکہ پر دشمنوں کے ساتھ آپؐ کا بلند پایہ اخلاقی سلوک
۶۴۹، انصار کا گلہ اور ان کی دلجوئی ۶۵۰، مردم شناسی
اور قیادت کے لئے ایک مؤثر گروہ کی تیاری ۶۵۱،
عصبیتوں کو بھڑکانے سے اجتناب ۶۵۲، زندگی کے ہر
پہلو میں سادگی کا خصوصی اہتمام ۶۵۳، عزم مصمم کے حامل
اور متوکل ۶۵۵، عالمگیر دعوت کا منشور انسانیت ۶۵۶،
سیاست عبادت کی مانند ہر آلودگی سے پاک ۶۵۸
اسعد گیلانی، سید: ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۸) ۲۴۶ —
۳۲۰۔ ہجرت کی تاریخ ۲۴۶، ہجرت کا پس منظر ۲۴۷،
قریش کی رعونت ۲۴۷، سرچشمے سے بالاتمت ایمان
۲۴۸، ہجرت مدینہ کی کڑیاں ۲۴۹، ہجرت۔ تعمیر
اسلامی کی بنیاد ۲۴۹، مکہ کی تربیت گاہ ۲۵۱، قریش کے
خوفناک منصوبے ۲۵۲، اہل مدینہ کی دعوت ۲۵۳، فلسفہ
ہجرت ۲۵۵، انقلابی سیرت سازی کا ذریعہ ۲۵۶، ہجرت
نفاق شناسی کا علاج ۲۵۸، باطل کے مقابل مورچہ بندی ۲۵۹،
ہجرت اجتماعی قوت کا ذریعہ ۲۶۰، ہجرت: اپنے پرائے
کی شناخت کا ذریعہ ۲۶۱، ہجرت جہاد کا دروازہ ۲۶۲
کی شناخت کا ذریعہ ۲۶۱، ہجرت
جہاد کا دروازہ، ہجرت، انقلاب اسلامی
کا نقطہ آغاز ۲۶۳، طاغوت سے برابر کی ٹکر ۲۶۴،
ہجرت کامیابی کا زینہ ۲۶۶، ہجرت طریق کار میں تبدیلی
کا اعلان ۲۶۷، ہجرت معیار وفاداری ۲۶۸، احکام
ہجرت ۲۶۹، قرآن کا اشارہ ہجرت ۲۷۰، ہجرت کے
احکام قرآنی ۲۷۱، ارشاد نبیؐ ۲۷۲، رسول اکرمؐ کو ہجرت
کا حکم ۲۷۳، روداد ہجرت بزبانی حضرت عائشہ صدیقہؓ
۲۷۶، واقعات ہجرت ۲۷۷، کمزور و مظلوم مسلمانوں کو
علاقہ امن میں جانے کی ہدایت ۲۷۸، ہجرت کے لئے
مدینہ کا انتخاب ۲۷۹، ہجرت کی تیاری ۲۸۰، اہل مدینہ
کا ایمان ۲۸۲، مسلمان مہاجرین ۲۸۳، ہجرت کا سفر ۲۸۴، ہجرت
ہجرت کے پڑاؤ ۲۸۶، اثرات ہجرت ۲۸۷، غم و اندوہ اور سوز و فکر
۲۸۷، حضرت عمرؓ کا پہلا تاثر ۲۸۸، خاندان ابو سلمہؓ کے مصائب
۲۸۹، حضرت ابوبکر صدیق اور قبیلہ قارہ کا سردار ۲۹۰، مقام
ہجرت ۲۹۰، تاریخی پس منظر ۲۹۰، مدینہ۔ ہجرت سے پہلے اور
بعد ۲۹۲، مرکز اسلام اور داعی اسلام ۲۹۳، پہلی اسلامی ریاست
کا صدر مقام ۲۹۵، مدینہ محبوب بستی ۲۹۶، فوائد ہجرت ۲۹۷،
ہجرت کے تبلیغی فائدے ۲۹۷، ہجرت اور حکمت تبلیغ ۲۹۸،
ہجرت کامرانی کا باب ۳۰۰، ہجرت کے سیاسی فائدے ۳۰۲،
نتائج ہجرت ۳۰۶، ہجرت، ایمان کا امتحان ۳۰۶، ہجرت خدا
کی بادشاہت کی طرف سفر ۳۰۸، بے دینی کا علاج، اصول
مواخات ۳۰۹، معاشی مسئلے کا حل ۳۱۰، قانونی تقاضے اور
ہجرت ۳۱۲، بالاتر مرکز وفاداری ۳۱۳، جینے کا حق ۳۱۵،
ہجرت جہاد اور غلبہ ۳۱۵، ہجرت تشکیل اجتماعیت کا ذریعہ
۳۱۶، ہجرت اور اسلامی انقلاب ۳۱۸
اصلاحی، شرف الدین: حضورؐ کے جوامع الکلم (۸) ۵۲۹ — ۵۴۸
جوامع الکلم کی لغوی تشریح ۵۳۹، تاریخی جائزہ ۵۴۰، جوامع
الکلم کا سب سے بڑا خزانہ قرآن مجید ہے ۵۴۲، ایجاز و
اختصار جوامع الکلم کی بنیادی خصوصیت ۵۴۳، جوامع الکلم
کی دوسری خصوصیت جامعیت ہے ۵۴۳، جوامع الکلم کے
چند نمونے ۵۴۴
اصلاحی، ضیاء الدین: حدیثوں کی جمع و تدوین (۶) ۲۱۵ — ۲۲۵
احادیث کے نقل و روایت میں اہتمام ۲۱۵، علم دین کی زندہ

اشاعت ۲۱۶، عربوں کا قوی حافظہ اور اس کے نتائج ۲۱۷، روایت حدیث میں صحابہ کرام کی احتیاط پسندی ۲۱۸، عہد صحابہ میں راویوں پر نقد و جرح ۲۱۹، فن سیرت نگاری ۲۲۱، کتب حدیث کے مجموعے مرتب کرنے میں احتیاط ۲۲۴

اظہر، ظہور احمد: ارشاداتِ نبویؐ (جوامع الکلم) (۸) ۵۴۹ — ۵۶۵ جوامع الکلم سے مراد ۵۴۹، جوامع الکلم کے بارے میں اقتباسات ۵۵۰، فیضانِ نبوت کے کچھ جوامع الکلم ۵۵۲

ت

تابش، حفیظ: اردو نعت (۱۰) ۱۶۹ — ۱۹۲
فخر الدین نظامی کے نعتیہ اشعار ۱۶۹، سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۷۳ھ تا ۱۰۲۰ھ) ۱۷۰، مثنویوں میں نعتیہ اشعار ۱۷۱، مولود نامے ۱۷۱، وفات نامے ۱۷۱، معراج نامے ۱۷۲، نور نامہ ۱۷۲، منظوم سیرت ۱۷۲، بارہویں صدی ہجری میں دلی دکنی کے نعتیہ اشعار ۱۷۲، قاضی محمود بحری (م ۱۱۳۰ھ) ۱۷۳، سید محمد فراقی بیجاپوری (م ۱۱۴۴ھ) ۱۷۳، شیخ محمد فاضل الدین بٹالوی (م ۱۱۵۱ھ) ۱۷۳، مرزا محمد رفیع سودا (م ۱۱۹۵ھ) ۱۷۴، نور نامے ۱۷۴، معراج نامے ۱۷۵، تیرھویں صدی ہجری میں اردو نعت ۱۷۶، کرامت علی شہیدی (م ۱۲۵۶ھ) ۱۷۶، انیس (م ۱۲۹۱ھ) اور دبیر (م ۱۲۹۲ھ) کے مراثی میں نعتیہ عنصر ۱۷۷، کفایت علی کافی ۱۷۷، غلام امام شہید (م ۱۲۹۶ھ) کی نعت گوئی ۱۷۸، لطف علی خاں لطف بریلوی (م ۱۲۹۸ھ) کی نعت نگاری ۱۷۹، مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ) کی اردو نعت ۱۷۹، میر اعظم علی خاں شائق حیدر آبادی (م ۱۳۱۵ھ) ۱۸۰، غلام مصطفیٰ العشقی کی نعت نگاری ۱۸۰، سید احمد علی وحید سسوی (م ۱۳۱۶ھ) کی نعت ۱۸۰، مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی (م ۱۳۱۷ھ) کا نعتیہ دیوان ۱۸۰، سید محمد مرتضیٰ بیان دیزدانی (م ۱۳۱۷ھ) ۱۸۰، امیر مینائی (م ۱۳۱۸ھ) ۱۸۱، محسن کاکوروی (م ۱۳۲۲ھ) کی نعت نگاری ۱۸۱، حالی (م ۱۹۱۴ء) ۱۸۲، شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) ۱۸۲، نظم طباطبائی (۱۹۳۳ء) ۱۸۳، ظفر علی خاں (م ۱۹۵۶ء) ۱۸۳، علامہ اقبال (۱۹۳۸ء) ۱۸۳، شاد عظیم آبادی (م ۱۳۴۵ھ) ۱۸۴، احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) کی نعت نگاری ۱۸۴، حسن رضا خاں بریلوی (۱۳۲۶ھ) ۱۸۴، اس عہد کے اور نعت نگار شعراء ۱۸۵، پاکستانی نعت نگار ۱۸۹، ماخذ ۱۹۲

ج

جعفر شاہ پھلواری: احادیث میں تمثیلات (۹) ۲۵۵ — ۲۵۶ مقامِ نبوت کی تمثیل ۲۵۵، خاتم النبیینؐ کا صحیح مقام ۲۵۶، صدیقؓ و فاروقؓ کی تمثیل ۲۵۶ (الف)، صراطِ مستقیم ۲۵۶ (الف)، واعظ بے عمل ۲۵۶ (ب)، نماز اور مغفرتِ گناہ ۲۵۶ (ب)، مجمع کو چیرنا ۲۵۶ (ب)، جان و مال کا احترام ۲۵۶ (ج)، اقامت حدود اللہ ۲۵۶ (ج) تلاوتِ قرآن اور اثر صحبت ۲۵۶ (د) حب جاہ و مال ۲۵۶ (د)

جمیل احمد رضوی، سید (مترجم): علم باب العلم کے الفاظ میں (۹) ۲۲۳ — ۲۲۸ اس میں حضرت علیؓ کے ان کلماتِ قصار کو مع ترجمہ جمع کیا گیا ہے جو "علم" کے بارے میں ہیں یہ کتاب: "ارشادات حضرت علیؓ" کے صفحات ۱۴ تا ۲۵ سے ماخوذ ہیں علم کے متعلق کلمات کی تعداد ۶۲ ہے۔ نمونے کے طور پر چند کو یہاں پر درج کیا جاتا ہے العلمُ کنز علم ایک خزانہ ہے ۲۲۷، العلمُ حیاۃ، الایمانُ نجاۃ۔ علم زندگی ہے اور ایمان نجات ۲۲۷، العلمُ قاتلُ الجہل۔ علم جہالت کو مٹا دیتا ہے ۲۲۵، العلمُ لا ینتہی۔ علم کی انتہا نہیں ۲۲۵، العلمُ حاکمٌ والمالُ محکومٌ علیہ۔ علم حاکم ہے اور مال اُس کا محکوم ہے ۲۲۷

ح

حامد علی، سید: موجودہ مشکلات اور سیرت رسولؐ (۹) ۳۸۲ — ۳۹۴

معاشرتی برائیاں ۲۸۳' حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے' ۲۸۴' اس حاکمیت پر سب انسان اکٹھے ہو سکتے ہیں ۲۸۴' وحدت انسانی کی بنیاد ۲۸۵' انسانی مساوات کا تصور ۲۸۵' انسان کی زندگی کا نصب العین خالق کی اطاعت ہے ۲۸۶' مرد کا عقیدہ اور اس کی اہمیت ۲۸۷' اسلامی نظام کی انسانیت کے لیے اہمیت ۲۸۹' معاشرے میں اخلاقیات کی ضرورت و اہمیت ۲۹۰' آپؐ نے تعمیر سیرت کا بہترین انتظام کیا ۲۹۰' خدا کے ساتھ محبت کی اہمیت ۲۹۱' عبادات کی ضرورت ۲۹۲' آپؐ کا اسوۂ حسنہ سب کے لیے عملی نمونہ ہے ۲۹۴

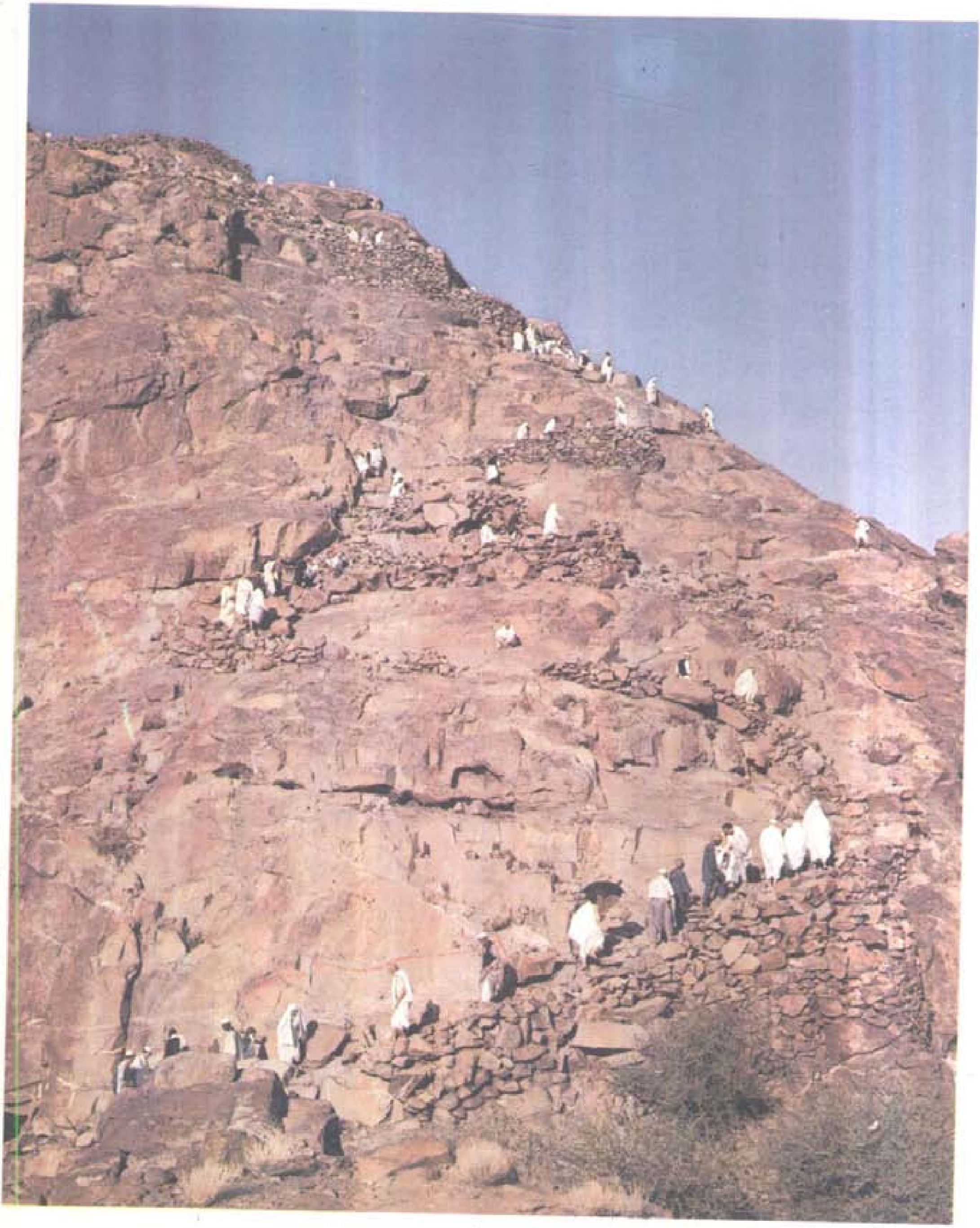
حجازی، عبدالوہاب: سرورِ عالمؐ نازک لمحات کی میزان پر (۸) ۶۰۰—۶۲۶
زندانِ شعب ابی طالب ۶۰۰' طائف کا تبلیغی سفر ۶۰۲' واقعہ ہجرت ۶۰۳' غزوۂ بدر ۶۰۹' غزوۂ احزاب ۶۰۹' غزوہ بنی قریظہ ۶۱۱' حادثۂ افک ۶۱۲' صلح حدیبیہ ۶۱۵' صلح کے شرائط ۶۱۷' فتح مکہ ۶۱۹' غزوۂ حنین طائف ۶۲۲'

حریری، غلام احمد: رسول اکرمؐ اور تعمیر انسانیت (۹) ۲۹۵—۳۰۲
شرفِ انسانیت ۲۹۵' اسلام اور انسان ۲۹۵' نبوت کا کارنامہ ۲۹۶' سیرت سازی کے درخشاں نمونے ۲۹۷' خلفائے راشدین کا زندگی اور ان کی سادگی ۲۹۸' پہلا اسلامی معاشرہ ۳۰۰' حضورؐ کی سیرت سازی کا اثر بعد کی نسلوں پر ۳۰۰

حسان بن ثابت: شان حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نظر میں (۹) ۵۴۳
اس میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے پانچ اشعار مع ترجمہ اور شرح شائع ہیں۔ یہ دیوان حسانؓ کی شرح از عبدالرحمن برقوقی مطبوعہ مصر ۱۹۲۹، صفحہ ۲۹۹ سے ماخوذ ہیں۔

حسن، عبدالستار: حدیث کے ظنی ہونے کا ثبوت (۹) ۲۴۶—۲۵۴
ظن کی اصل حقیقت ۲۴۷' ظن کے مراتب و اقسام ۲۴۷' مراتب الیقین ۲۴۹' خبر واحد کا یقینی پہلو ۲۵۱' چند شبہات ۲۵۲' ایک لاکھ روایات ۲۵۳' روایت بالمعنیٰ ۲۵۴

حمید یزدانی، خواجہ: فارسی نعت۔ سرسری جائزہ (۱۰) ۱۴۶—۱۶۸
نعت کے لغوی معنی ۱۴۶' فخرالدین اسعد گرگانی کی نعت ۱۴۷' سنائی کی نعتیں ۱۴۸' انوری (م ۵۸۷ھ) ۱۴۸' خاقانی (م ۵۹۵ھ) کے نعتیہ قصائد ۱۴۹' نظامی (م ۶۱۴ھ) ۱۵۰' فریدالدین عطار (م ۶۲۷ھ) کے نعتیہ اشعار ۱۵۱' قطب الدین بختیار کاکیؒ (م ۶۳۳ھ) ۱۵۲' کمال اسمٰعیل (مقتول ۶۳۵ھ) کی نعتیں ۱۵۲' جلال الدین رومی (م ۶۷۲ھ) ۱۵۳' عراقی (م ۶۸۸ھ) کے نعتیہ قصائد ۱۵۴' صابر کلیری (م ۶۹۰ھ) ۱۵۴' سعدی (م ۶۹۰ھ) ۱۵۴' خواجہ ہمام الدین تبریزی (م ۷۱۴) ۱۵۵' امیر خسرو (م ۷۲۵ھ) ۱۵۶' حسن سجزی دہلوی (م ۷۳۸ھ) ۱۵۶' بوعلی قلندر پانی پتی کی نعتیہ غزلیں ۱۵۷' بدرالدین فخرالزمان عرف بدر چاچ (م ۷۴۶ھ) کی نعت ۱۵۷' خواجو کرمانی (م ۷۵۰ھ) ۱۵۷' سلمان ساوجی (م ۷۷۸ھ) ۱۵۷' حافظ شیرازی ۱۵۸' جامی ۱۵۸' محتشم کاشانی (م ۹۹۶ھ) ۱۶۰' عرفی (م ۹۹۹ھ) فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کے نعتیہ اشعار ۱۶۱' نظیری (م ۱۰۲۲ھ) ۱۶۲' جان محمد قدسی (م ۱۰۵۶ھ) مسیحا پانی پتی ۱۶۲' غنیمت کنجاہی (م ۱۱۱۰ھ) ۱۶۳' میرزا داراب بیگ جویا ۱۶۳' عبدالقادر بیدل (۱۱۳۳ھ) ۱۶۳' میر سید علی مشتاق اصفہانی (م ۱۱۷۱ھ) ۱۶۳' حزیں (م ۱۱۸۰ھ) ۱۶۴' قاآنی (م ۱۲۷۰ھ) ۱۶۴' اسداللہ خاں غالب دہلوی (م ۱۸۶۹ء) کے نعتیہ اشعار ۱۶۵' گرامی جالندھری



جبلِ نورؑ

(م ۱۹۲۷ء) کی نعتیں ۱۶۵، اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) ۱۶۶

خ

خازن میدوی، محمد نصراللہ خاں: رسولِ اکرمؐ کے کلام کی فصاحت و بلاغت (۸) ۴۴۱ — ۴۴۹
حکیمانہ ادب پارے ۴۴۱، پرحکمت تمثیلات ۴۴۴، جواہرِ حکمت ۴۴۵

الخطیب، محمد عجاج: صدرِ اسلام میں حدیث کی کتابت و تدوین۔ ترجمہ از احمد خاں (۶) ۲۲۶ — ۲۳۸
حدیث کی کتابت ۲۲۶، حضرت ابوہریرہؓ (م ۵۹ھ) کے پاس محفوظ تحریریں ۲۲۸، عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۶۵ھ) کا صحیفہ صادقہ ۲۲۸، ابن عباسؓ کی تحریریں ۲۲۹، صحیفہ جابر بن عبداللہ انصاری (م ۷۸ھ) ۲۲۹، صحیفہ ہمام بن منبہ (۴۰ — ۱۳۱ھ) ۲۳۰، حوالہ جات و حواشی ۲۳۲

خلیق نقوی (مترجم): کتابتِ احادیث، عہدِ نبوی میں از محمد زبیر صدیقی (۶) ۲۳۹ — ۲۴۵
مقالے کے اہم نکات مقالہ نگار کے اندراج میں دیکھیں

خلیق دہلوی: معجزانہ قوتِ انقلاب کا داعی (۹) ۲۸۶ — ۲۹۰
عربی بادشاہ ہدایت کا ظہور ۲۸۶، معجزانہ قوتِ انقلاب ۲۸۷، روحانی انقلاب کی ارتقائی منزلیں آسان نہیں ۲۸۹، انقلاب لانے کی توفیق قدیر و حکیم کے دستِ قدرت میں ہے ۲۹

خلیل احمد: دنیا کا آخری پیغمبرؐ (۹) ۳۳۲ — ۳۵۲
محمدؐ قرآن میں ۳۳۲، مخلوقِ خدا کی خدمت ۳۳۳، دشمنوں کی نظر میں ۳۳۳، آپؐ کی زندگی کا مقصد ۳۳۳، آزادی ۳۳۴، پست اور کم درجہ انسانوں اور قوموں کے ساتھ اسلام کا سلوک ۳۳۵، اچھوت اسلام سے پہلے ۳۳۵، آنحضرتؐ اور پسماندہ قومیں ۳۳۵، غریبوں کا ہمدرد محمدؐ ۳۳۶، انسانیت ۳۳۷، آنحضرتؐ نے انسان کو انسان بنایا ۳۳۷، آنحضرتؐ نے انسان کو بلند مرتبے پر پہنچایا ۳۳۸، شرافت اور عہدوں کی پابندی ۳۳۸، آنحضرت بحیثیت انسان ۳۳۹، اسلامی تمدن ۳۴۰، آنحضرتؐ کی تعلیم اور تمدن ۳۴۱، آنحضرتؐ کی بعثت اور مدنیت ۳۴۲، عورت اسلام سے پہلے ۳۴۲، عورتوں پر احسانات ۳۴۳، اسلام میں عورت کا مرتبہ ۳۴۳، عورت کے لیے تحصیلِ علم ۳۴۴، عورت کا حق وراثت میں ۳۴۴، بیوہ کا نکاح ۳۴۵، بچوں کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ، غلامی ۳۴۶، بحیثیت انسان سب برابر ہیں ۳۴۶، حضرت نے غلامی کو روکا ہے ۳۴۷، آنحضرتؐ اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ ۳۴۸، آنحضرتؐ کا سلوک ہمسایہ قوموں سے ۳۴۹، خاتمہ ۳۵۱

خورشید احمد گیلانی، سید (مترجم): معمولاتِ رسولؐ (۹) ۴۲۳ — ۵۰۷
رسولِ اکرمؐ کا اپنے اصحاب سے مشورہ ۴۲۳، رسولِ اکرمؐ کی مجلس اور اس کے آداب اور متعلقات کا ذکر ۴۲۴، بیٹھنے کا مقام ۴۲۵، اہلِ مجلس کا خیال رکھنا ۴۲۶، صحابہؓ کی مجلس میں تربیت ۴۲۶، چھینک مارنے والے کو جواب دینا اور چھینکنے والا کیا کہے ۴۲۸، رسول اللہ کا بازار آنا جانا اور معاملہ فرمانا ۴۲۹، آپؐ کا معاملہ کرنا ۴۳۰، رسول اللہ کے کہیں جانے اور واپس آنے کے معمولات ۴۳۱، یہ بھی آپؐ کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے، تو جو بھی گھر میں ہوتا اسے سلام کرتے ۴۳۲، گھر سے نکلتے وقت تیاری کا معمول ۴۳۳، اجازت اور سلام و مصافحہ کا ذکر ۴۳۴، دربان بٹھانے اور اس کا کسی کو روکنے کا ذکر ۴۳۵، سلام اور مصافحہ ۴۳۵، بچوں اور عورتوں کو سلام کرنا ۴۳۵، مشرکوں اور اہلِ کتاب کا سلام کرنا ۴۳۶، کسی

کا سلام رد کر دینا ۴۳۶، آپؐ کا یہ کہنا کہ تم کیسے ہو کیسے صبح کی؟ اور کچھ ایسی ہی باتیں ۴۳۷، رسول اللہؐ جس شخص کو سلام کا جواب نہ دیتے اور جسے اشارے سے جواب دیتے ۴۳۸، مصافحہ کرنا ۴۳۹، رسول اللہ فرمایا کرتے پورا سلام تو ہاتھ ملانا ہی ہے ۴۳۹، اٹھ کر استقبال اور معانقہ کرنا ۴۴۰، رسول اللہؐ کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ چومنا ۴۴۰، رسول اللہ کے کھانے کی خصوصیات ۴۴۱، آپؐ کی یہ خصوصیت کہ آپ کے لیے دنیوی زندگی کی چمک دمک کی طرف توجہ کرنا ممنوع تھا ۴۴۲، کہ آپؐ کے لئے کن انکھیوں سے دیکھنا اور اشارہ کرنا ممنوع تھا ۴۴۵، بعض وہ باتیں جو اُمت کے بعض افراد کے لیے مخصوص ہیں ۴۴۵، رسول اکرم کے لیے کچھ اوقات کی خصوصیت ۴۴۷، صدقات میں خصوصیات ۴۴۸، جہاد اور مال غنیمت میں آپؐ کی فضیلت ۴۵۰، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز، شرائط نماز ۴۵۲، خاص مقامات کی خصوصیت اور فضیلت ۴۵۶، حرم کے مخصوص فضائل کا بیان ۴۵۷، کعبہ کا فضل و شرف ۴۵۷، مقام عرفات کی فضیلت ۴۵۸، منیٰ اور مسجد خیف کے فضائل ۴۵۹، مدینہ منورہ کے فضائل ۴۵۹، مسجد قبا کی خصوصیت کا ذکر ۴۵۹، کوہ احد کی فضیلت کا ذکر ۴۶۰، یمن کی برکت کی خصوصیت کا ذکر ۴۶۰، شام کی فضیلت اور برکت کا ذکر اور بیت المقدس ۴۶۰، بیت المقدس اور دیگر شہروں کی فضیلت ۴۶۱، مساجد کے مجموعی فضائل ۴۶۱، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصایا ۴۶۲، حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے لئے ۴۶۶، وفات کے وقت وصیت ۴۶۷، مواعظ اور وصایا ۴۶۷، ایک اور وعظ جس میں دجال کا ذکر ہے ۴۶۸، عورتوں کے لئے ایک وعظ اور اُن سے صدقات کی وصولی ۴۶۸، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کبریٰ ۴۸۶، مہر نبوت اور آپؐ پر بادلوں کے سایہ کرنے کا ذکر ۴۸۶، آپ کے چہرۂ اقدس کی نورانیت کا ذکر ۴۸۷، اللہ تعالےٰ کے ہاں آپؐ کی عزت اور کتاب اللہ میں آپؐ کی قدر و منزلت کی خصوصیت کا بیان ۴۸۷، آپؐ کے مختلف اعضاء شریفہ کی خصوصیت ۴۹۳، آپؐ کی نیند کی خصوصیت کا ذکر ۴۹۴، رسول اللہ کی تمام انبیاء پر فضیلت ۴۹۴، اُمتِ محمدیہ کی تمام امتوں پر فضیلت ۴۹۵، حضورؐ کی حاضر جوابی ۴۹۸، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تعبیر خواب ۴۹۹، خواب کی تعبیر ۴۹۹

ر

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب): خطبات رسولؐ
(۸)، ۱۱ — ۱۱۲، ابتدائیہ ۱۱، خطبہ کے لغوی معنیٰ ۱۲، آپؐ کی خطابت کا انداز ۱۳، آپ کی فصاحت و بلاغت ۱۴، کوہ صفا کا خطبہ ۱۶، صفات باری تعالیٰ ۱۸، اسلام کیا ہے ۱۹، صراط مستقیم ۲۰، کلام الٰہی ۲۲، نماز ۲۳، اللہ کا ذکر اور نماز جمعہ ۲۴، تاکید جمعہ ۲۵، برکات جمعہ ۲۶، انفاق فی سبیل اللہ ۳۰، اسلام اور رہبانیت ۳۱، خطبۂ بدر ۳۲، الجماعت ۳۴، ضابطۂ حیات ۳۵، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۳۶، سنت اور بدعت ۳۷، تصور دیانت ۳۸، دیانت اور طمع ۳۹، خیانت سے اجتناب ۴۰، دنیا کا فتنہ ۴۱، دنیا اور نیکی ۴۲، اللہ سے عافیت طلب کرو ۴۳، قرابت داروں کے لئے صدقہ ۴۴، ایک مبارک خواب ۴۵، دوزخ سے بچو ۴۷، نیکی اور بدی کے راستے ۴۸، جہاد کی فضیلت ۴۹، جہاد ۵۰، کبائر سے اجتناب ۵۱، خطبۂ تبوک ۵۲، بہتر اور بدتر انسان ۵۴، سورج اور چاند گہن ۵۵، خطبۂ نکاح ۵۷، ضابطۂ حیات ۵۹، اسلام اور جاہلیت ۶۱، پانچ برائیاں ۶۲، فتح مکہ کے موقع پر ۶۴، جنگ کے اصول ۶۷، تین اہم باتیں ۶۹، آخری دور کے

نقشے ۷۰، دنیا کی مہلت غنیمت ہے ۷۱، رسول خدا کی حکمت ۷۲، انصار سے خطاب ۷۳، فتنۂ دجال ۷۷، پھر دجال کا ذکر ۷۹، آخرت یقینی ہے ۸۰، فکر آخرت ۸۱، آخرت کی تیاری ۸۲، شرعی حدود ۸۴، موت کی یاد ۸۵، اچانک موت ۸۷، آخری وصیتیں ۸۸، حکمرانوں کی اطاعت ۸۹، آخری نصیحتیں ۹۰، موت کی دعوت قبول ۹۲، حوض کوثر ۹۳، آخرت ۹۵، موت کا وقت ۹۶، موت کے بعد قبر میں ۹۹، عذاب قبر ۱۰۱، قبر کی آزمائش ۱۰۳، حشر میں احتساب ۱۰۵، حشر میں شفاعت رسولؐ ۱۰۶، شفاعت رسولؐ ۱۰۹، شفاعت رسولؐ ۱۱۰، حوض کوثر پر ۱۱۱، کتاب اللہ ۱۱۲

ریاست علی فاروقی، محمد: سرورِ عالمؐ نازک ترین لمحات کی میزان پہ (۸) ۵۷۷ — ۵۹۹، انسان کی آزمائش ۵۷۷، آپؐ کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ ساز تھا ۵۷۹، حجر اسود کی تنصیب ۵۸۱، شعب ابو طالب ۵۸۲، غم کا سال ۵۸۳، حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ۵۸۴، سفر طائف ۵۸۵، صلح حدیبیہ ۵۸۸، فتح مکہ اور عام معافی ۵۹۵

ریاض مجید: نعت (لغوی مفہوم) (۱۰) ۹ — ۶۳

نعت کا لغوی مفہوم ۹، نعت اور وصف کا فرق ۱۱، فارسی زبان میں لفظ نعت ۱۴، اردو زبان میں لفظ ۱۵، اصطلاحی مفہوم ۱۶، وصفِ رسولؐ میں لفظ نعت کا اولین استعمال ۱۷، نعت کا موضوع ۱۹، نعت کا فن ۲۴، عشق رسولؐ ۲۵، حفظ مراتب کا خیال ۲۶، ادب و احترام ۲۸، مضامین ۲۹، طرز اظہار ۳۰، انتخاب الفاظ ۳۱، تشبیہ و استعارات ۳۲، انداز خطاب ۳۳، حقیقت نگاری ۳۴، متفرق لوازمات ۳۶، ہیئتی تنوع ۳۷، نعت کی قسمیں ۴۱، رسمی نعت ۴۲، حقیقی نعت ۴۳، نعت کے مختلف انداز اور اسالیب ۴۴، توصیفی انداز نعت ۴۴، عشقیہ انداز نعت ۴۵، غزلیہ انداز نعت ۴۵، مقصدی انداز نعت ۴۶، ذاتی مقاصد ۴۶، معاشرتی مقاصد ۴۷، ملی مقاصد ۴۷، آفاقی مقاصد ۴۷، تاریخی انداز نعت ۴۸، نعت میں استمداد و استغاثہ کا انداز ۴۸، نعت میں صلوٰۃ و سلام کا انداز ۵۰، زمانی اعتبار سے نعت کے اسالیب ۵۱، قدیم اسلوب نعت ۵۱، جدید اسلوب نعت ۵۲، اردو نعت کے مضامین اور فن پر ہندوستانی اثرات ۵۳، نعت کے فن پر ہندی اثرات ۵۵

س

سالک، علم الدین: مساوات کا علمبردار (۹) ۲۹۶ — ۳۰۵

حقیقی مساوات اسلام اور داعیٔ اسلام کی تعلیمات میں ہے ۲۹۶، مذہبی نقطۂ نظر ۲۹۶، تمدنی پہلو ۲۹۷، مصری قدیم تمدن میں صورت حال ۲۹۷، یونان میں ایتھنز والوں کے حالات ۲۹۸، یورپ کے جدید تمدن میں نظریۂ مساوات ۲۹۸، امریکی حالات ۲۹۸، اسلام کا تصور مساوات ۲۹۹، خطبۂ حجۃ الوداع میں پیغام مساوات ۳۰۰، غلامی کا خاتمہ ۳۰۱، اسلام میں عورتوں کے حقوق ۳۰۲، آپ کے معمولات میں مساوات کی مثالیں ۳۰۳

سعداللہ، حافظ محمد: (مترجم) کاتبانِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم (۷) ۱۳۴ — ۱۸۹

حضرت ابان بن سعید بن العاصؓ ۱۳۴، سیدنا حضرت ابو ایوب الانصاریؓ ۱۳۵، سیدنا ابوبکر الصدیقؓ ۱۳۶، حضرت ابو سفیان حضرت ابوسلمۃ عبداللہ بن عبد الاسدؓ ۱۳۹، حضرت اُبی بن کعبؓ ۱۴۰، حضرت ارقم بن ابی الارقم عبد مناف بن اسد المخزومیؓ ۱۴۲، حضرت بریدہ بن الحصیبؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ، حضرت جعفرؓ ۱۴۴، حضرت جہم بن سعدؓ ۱۴۵، حضرت جہیم بن الصلتؓ ۱۴۵، حضرت حاطبؓ بن عمرو بن عبد الشمس ۱۴۶، حضرت حذیفہ بن الیمان العبسیؓ ۱۴۶، حضرت حصین بن نمیرؓ ۱۴۸، حضرت حنظلہ بن الربیعؓ ۱۴۸، حضرت حویطب بن عبد العزیٰؓ ۱۵۰، حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ ۱۵۱، بنو سعید کا وفاتِ رسول اللہؐ کے بعد عہدوں اور وظیفوں کو چھوڑ دینا ۱۵۲، حضرت خالد بن ولید بن مغیرہؓ ۱۵۳، حضرت زبیر بن عوامؓ ۱۵۴، حضرت زید بن ثابتؓ ۱۵۶

اسمعیل ۱۵۸، سعید بن سعید بن العاص ۱۶۰، شرجیل بن حسنہؓ ۱۶۱،
طلحہ بن عبیداللہ بن عثمانؓ ۱۶۱، عامر بن فہیرہؓ ۱۶۳، العباسؓ
۱۶۵، عبداللہ بن الارقمؓ ۱۶۵، عبداللہ بن ابی بکر الصدیقؓ
۱۶۷، عبداللہ بن خطل یا عبدالعزی بن خطل (قتل مرتداً)
۱۶۸، عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہؓ ۱۶۹، عبداللہ بن زید بن
عبد ربہؓ ۱۷۱، عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ ۱۷۲، عبداللہ
بن عبداللہ بن ابی بن سلولؓ ۱۷۶، عثمان بن عفانؓ ۱۷۷،
عقبہؓ ۱۷۸، العلاء بن الحضرمیؓ ۱۷۸، العلاء بن عقبہؓ ۱۷۹،
علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب الہاشمی، عمر بن الخطابؓ
عمرو بن العاص القرشی السہمیؓ ۱۸۲، محمد بن مسلمہ بن سلمہؓ ۱۸۲،
معاذ بن جبل الخزرجیؓ ۱۸۴، معاویہ بن ابی سفیانؓ معیقب
بن ابی فاطمہ الدوسیؓ ۱۸۷، المغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر الثقفیؓ
نصرانی من انصار ۱۸۸، یزید بن ابی سفیان الامویؓ ۱۸۹

سعد اللہ محمد (مترجم): اصحاب صفہ از ابونعیم احمد اصبہانی (۸)
۴۵۱ — ۵۱۷ اہم نکات مقالہ نگار کے اندراج میں دیکھیں

سلیس سلطانہ: حضورؐ کی دعائیں (۹) ۵۰۸ — ۵۲۰
دعا اور اُس کے آداب ۵۰۸، قبولیت دعا کے شرائط
۵۰۹، دعا کے باطنی اور ظاہری آداب ۵۰۹، اوقات
دعا ۵۱۱، دعا کے مقامات ۵۱۱، مستجاب الدعوات ۵۱۲
فلسفۂ دعا ۵۱۲، دعائیں ۵۱۵

سلیمان منصور پوری، محمد: اصحاب بدرؓ (۸) ۱۱۳ — ۲۰۸
مقام بدر ۱۱۳، مجلس شوریٰ ۱۱۵، میدان جنگ ۱۱۶، نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا عریش ۱۱۶، ملاحظہ میدان جنگ ۱۱۶، جنگ کے لیے
صف بندی ۱۱۶، عریش اور دعا ۱۱۷، قتل ابوجہل
لعنہ اللہ ۱۱۸، جذبات جاں نثاری و جوش صداقت
دین ۱۱۸، قیدیوں سے حسن سلوک ۱۱۹، مشرکین
کی مردہ لاشوں سے سلوک ۱۱۹، اسیران بدر اور فدیہ ۱۲۰،
فدیہ اور غنیمت کے

فہرست اسماء مبارکہ ۱۲۲، شہدائے غزوۂ بدر ۱۲۲، مہجع
بن صالحؓ ۱۲۲، عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب بن عبد مناف
بن قصی ۱۲۲، عمیر بن ابی وقاص (مالک) بن اُہیب بن عبد
مناف ۱۲۲، عاقل بن بکیر بن عبد یالیل، عمیر بن عبد عمرو بن
نضلہ ۱۲۲، عوف یا عوذ بن عفراء ۱۲۲، حارث (یا
حارثہ بن سراقہ بن حارث) ۱۲۲، یزید بن حارث یا حرث
بن قیس بن مالک ۱۲۳، رافع بن معلی بن لوذان ۱۲۳، عمیر
بن حمام بن جموح بن زید بن حرام ۱۲۳، عمار بن زیاد بن سکن بن
رافع ۱۲۳، سعد بن خیثمہ الانصاری الاوسی ۱۲۳، مبشر بن
عبدالمنذر بن زبیر بن زید ۱۲۳
مہاجرین ۱۲۴، سیدنا مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ۱۲۴، حضورؐ کا مختصر نسب نامہ ۱۲۵، ابوبکر صدیقؓ
۱۲۶، امیر المومنین عمر فاروقؓ ۱۲۸، ولادت ۱۲۸، قومی عہدہ
۱۲۸، حلیہ ۱۲۸، اسلام ۱۲۸، ہجرت مدینہ ۱۲۹، فضائل ۱۲۹،
خلافت ۱۳۱، ان صحابہ کے نام جنہوں نے فاروق اعظم سے
روایت حدیث کی ۱۳۵، ان تابعین کے نام جنہوں نے فاروق اعظم
سے روایت حدیث کی ۱۳۶، اولیات عمرؓ ۱۳۶، حکومت پر عام
رائے ۱۳۷، اسم عمر کی اہلبیت میں قبولیت اور نفاذ ۱۳۷،
مشاہد غزوات ۱۳۷، امیر المومنین عثمان ذوالنورینؓ ۱۳۷،
امیر المومنین علی مرتضیٰؓ ۱۳۸، حلیہ مبارک ۱۳۹، ارقم بن ابی الارقم
۱۴۰، ایاس بن بکیرؓ ۱۴۰، بلال حبشیؓ ۱۴۱، حاطب بن ابی
بلتعہؓ ۱۴۱، امیر المومنین حمزہ بن عبدالمطلبؓ ۱۴۱،
خنیس بن حذافہؓ ۱۴۲، ربیعہ بن اکثم بن سنجرۃ الاسدی
۱۴۲، ناہر بن حرام الاشجعیؓ ۱۴۲، زبیر بن العوامؓ
۱۴۲، زید بن خطاب القرشی العدوی ۱۴۳، زیاد بن کعب
بن عمرو ۱۴۳، سالم بن معقلؓ ۱۴۳، سائب بن مظعون
القرشی الجمحیؓ ۱۴۴، سائب بن عثمان بن مظعون القرشی
الجمحی ۱۴۴، ... الاسدی ۱۴۴، سعد بن ابی

وقاص قرشی الزہری ۱۴۴، سعد بن خولی رضؓ ۱۴۴، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل قرشی العدوی رضؓ ۱۴۵، سلیط بن عمرو القرشی العامری ۱۴۵، سوید بن مخشی الطائی ۱۴۵، سویبط بن سعد القرشی العبدری ۱۴۵، سہل بن بیضاء القرشی الفہری ۱۴۵، شجاع بن ابی وہب الاسدی ۱۴۶، شقران حبشی ۱۴۶، شماس بن عثمان بن شرید القرشی المخزومی ۱۴۶، صفوان بن بیضاء القرشی الفہری ۱۴۷، صہیب بن سنان الرومی رضؓ، طفیل بن حارث القرشی المطلبی رضؓ ۱۴۷، طلحہ بن عبید اللہ القرشی التیمی رضؓ ۱۴۸، طلیب بن عمیر بن وہب القرشی العبدری رضؓ ۱۴۸، عاقل بن بکیر رضؓ ۱۴۹، عامر بن حارث الفہری ۱۴۹، عامر بن ربیعہ العنزی العدوی رضؓ ۱۴۹، عامر بن عبد اللہ بن جراح القرشی رضؓ ۱۴۹، عامر بن فہیرہ ازدی رضؓ ۱۵۰، عبد اللہ بن جحش بن رباب الاسدی ۱۵۰، عبد الرحمن بن سہل الانصاری ۱۵۰، عبد اللہ بن سراقہ القرشی العدوی رضؓ ۱۵۰، عبد اللہ بن سعید القرشی الاموی ۱۵۱، عبد اللہ بن سہیل بن عمرو القرشی العامری ۱۵۱، عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال القرشی المخزومی رضؓ ۱۵۱، عبد اللہ بن مخرمہ رضؓ ۱۵۲، عبد اللہ بن مسعود الہذلی رضؓ ۱۵۲، عبید اللہ بن مظعون قرشی الجمحی رضؓ ۱۵۳، عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف قرشی المطلبی رضؓ ۱۵۳، عبد الرحمن بن عوف القرشی الزہری رضؓ ۱۵۴، عبد یالیل بن ناشب اللیثی رضؓ ۱۵۵، عمرو بن الحارث بن زہیر القرشی الفہری رضؓ ۱۵۵، عمرو بن سراقہ القرشی العدوی رضؓ ۱۵۶، عمرو بن ابی عمرو بن ابی شداد القرشی الفہری ۱۵۶، عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ القرشی الفہری ۱۵۶، عثمان بن مظعون القرشی الجمحی رضؓ ۱۵۶، عمار بن یاسر رضؓ ۱۵۷، عمیر بن ابی وقاص القرشی الزہری رضؓ ۱۵۸، عمیر بن عوف مولی سہیل بن عمرو العامری ۱۵۸، عتبہ بن وہب ۱۵۸، عوف بن اثاثہ قرشی المطلبی ۱۵۸، عیاض بن زہیر بن ابی شداد القرشی الفہری ۱۵۸، قدامہ بن مظعون القرشی الجمحی رضؓ ۱۵۹، کثیر بن عمرو السلمی رضؓ ۱۶۰، کناز بن حصین ابو مرثد الغنوی رضؓ ۱۶۰، مالک بن امیہ بن عمرو السلمی رضؓ ۱۶۰، مالک بن ابو خولی الجعفی رضؓ ۱۶۰، مالک بن عمرو السلمی رضؓ ۱۶۰، مالک بن نمیلہ بن السباق ۱۶۰، محرز بن نضلہ الاسدی ۱۶۰، مدلاج بن عمرو السلمی رضؓ ۱۶۱، مرثد بن ابو مرثد الغنوی رضؓ ۱۶۱، مسعود بن الربیع القاری ۱۶۲، سیدنا مصعب بن عمیر القرشی العبدری رضؓ ۱۶۲، معتب بن حمراء الخزاعی السلولی رضؓ ۱۶۲، معمر بن ابی سرح بن ابی ربیعہ القرشی رضؓ ۱۶۳، مہجع بن صالح المہاجر ۱۶۳، واقد بن عبد اللہ تمیمی الیربوعی ۱۶۳، وہب بن محصن الاسدی ۱۶۴، وہب بن ابی سرح القرشی الفہری رضؓ ۱۶۴، وہب بن سعد بن ابی سرح القرشی ۱۶۴، ہلال بن ابی خولی رضؓ ۱۶۴، یزید بن قیس رضؓ ۱۶۴، ابو حذیفہ بن عتبہ رضؓ ۱۶۴، ابو سبرہ قرشی العامری رضؓ ۱۶۵، ابو کبشہ مولی رسول اللہ ﷺ ۱۶۵، ابو واقد اللیثی رضؓ ۱۶۵،

انصار ۱۶۵، ابی ثابت الانصاری رضؓ ۱۶۵، ابی بن کعب ۱۶۵، اسعد بن یزید بن فاکہ رضؓ ۱۶۶، السیرہ بن عمرو انصاری النجاری رضؓ ۱۶۶، انس بن مالک بن نضر رضؓ ۱۶۷، انس بن معاذ بن انس بن قیس ۱۶۷، انیس بن قتادہ ۱۶۷، انسہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶۷، اوس بن ثابت الانصاری ۱۶۷، اوس بن خولی بن عبد اللہ ۱۶۸، اوس بن صامت الانصاری ۱۶۸، ایاس بن ورقہ الانصاری الخزرجی رضؓ ۱۶۸، بشیر بن سعد بن ثعلبہ رضؓ ۱۶۸، ثابت بن اخرم ۱۶۹، ثابت بن جذع وثعلبہ رضؓ ۱۶۹، ثابت بن خالد بن نعمان بن خنساء الانصاری رضؓ ۱۶۹، ثابت بن عامر بن زید الانصاری ۱۶۹، ثابت بن عبید الانصاری ۱۶۹، ثابت بن عمرو بن زید بن عدی رضؓ بن سواد بن مالک بن النجار الانصاری ۱۶۹، ثابت بن ہزال بن عمرو الانصاری رضؓ ۱۷۰، ثعلبہ بن حاطب بن عمرو ۱۷۰، ثعلبہ بن عمرو بن عامرہ ۱۷۰، ثعلبہ بن غنمہ بن عدی ۱۷۰، جابر بن عبد اللہ بن رباب ۱۷۰، جابر بن عتیک الانصاری المعاوی الاوسی رضؓ ۱۷۰، حارثہ بن سراقہ رضؓ ۱۷۱، خبیب بن عدی الانصاری ۱۷۱، خلاد بن رافع رضؓ ۱۷۱،

ربیع بن ایاس ۱۷۲، رفاعہ بن حارث بن رفاعہ رض ۱۷۲،
رفاعہ بن رافع رض ۱۷۲، ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر الانصاری رض
۱۷۲، رفاعہ بن عمرو بن زید الخزرجی ۱۷۲، رفاعہ بن عمرو الجہنی ۱۷۲، زید بن اسلم بن ثعلبہ
بن عدی العجلانی رض ۱۷۳، زید بن وثنہ الانصاری البیاضی رض
۱۷۳، زید بن سہل الانصاری ۱۷۳، زید بن عاصم المازنی
الانصاری ۱۷۳، زید بن المزین الانصاری البیاضی ۱۷۳،
زید بن ودیعہ الانصاری رض ۱۷۴، زیاد بن لبید بن ثعلبہ انصاری
البیاضی ۱۷۴، سالم بن عمیر الانصاری رض ۱۷۴، سبیع بن قیس
بن علیشہ الانصاری الخزرجی ۱۷۴، سراقہ بن عمرو بن عطیہ الانصاری
۱۷۴، سفیان بن بشر بن حارث الانصاری الخزرجی ۱۷۴،
سراقہ بن کعب الانصاری رح سعد بن خولی الانصاری
رضی اللہ عنہ سعد بن خثیمہ الانصاری
الاوسی رض ۱۷۵، سعد بن ربیع الانصاری الخزرجی ۱۷۵، سعد
بن زید زرقی الانصاری ۱۷۵، سعد بن سہل الانصاری
۱۷۵، سعد بن عبید الانصاری الاوسی رض ۱۷۵، سعد مولیٰ عتبہ
بن غزوان رض ۱۷۶، سعد بن عثمان بن خلدہ الانصاری الزرقی
۱۷۶، سعد بن معاذ الانصاری سید الاوس رض ۱۷۶، سعید بن سہیل
الانصاری الاشہلی رض ۱۷۷، سفیان بن بشیر ۱۷۷، سلمہ بن
اسلم الانصاری الحارثی رض ۱۷۷، سلمہ بن ثابت بن وقش الانصاری
الاشہلی ۱۷۷، سلمہ بن حاطب انصاری ۱۷۷، سلمہ بن سلامت
بن وقش ۱۷۷، سلیط بن قیس الانصاری ۱۷۷، سلیم بن حارث
الانصاری رض ۱۷۸، سلیم بن قیس بن فہد الانصاری رض ۱۷۸، سلیم
بن عمرو الانصاری السلمی رض ۱۷۸، سلیم بن ملحان الانصاری ۱۷۸،
سماک بن خرشتہ الانصاری رض ۱۷۸، سماک بن سعد الانصاری رض ۱۷۸،
سنان بن ابی سنان رض ۱۷۹، سنان بن صیفی رض ۱۷۹، سہل بن حنیف
الانصاری الاوسی رض ۱۷۹، سہل بن عتیک الانصاری ۱۷۹، سہل
بن قیس الانصاری السلمی رض ۱۷۹، سہیل بن عمرو بن ابی عمرو الانصاری
۱۸۰، سہیل بن رافع الانصاری رض ۱۸۰، سواد بن غزیہ الانصاری

السلمی رض ۱۸۰، ضحاک بن حارثہ الانصاری السلمی رض ۱۸۰، ضحاک بن عبد
عمرو الانصاری ۱۸۰، حمزہ بن عمرو الانصاری
۱۸۰، طفیل بن مالک الانصاری السلمی رض ۱۸۰، عاصم
بن بکیر الانصاری ۱۸۱، عاصم بن ثابت الانصاری الاوسی رض ۱۸۱،
عاصم بن قیس بن ثابت رض ۱۸۱، عامر بن امیہ رض ۱۸۱، عامر بن ثابت
انصاری رض ۱۸۱، عامر بن سلمہ بن عامر البلوی رض ۱۸۲، عامر بن عبد
عمرو الانصاری رض ۱۸۲، عامر بن مخلد بن الحارث الانصاری ۱۸۲،
عائذ بن ماعص انصاری رض ۱۸۲، عبداللہ بن ثعلبہ البلوی الانصاری
۱۸۲، عبداللہ بن جبیر بن النعمان انصاری رض ۱۸۲، عبداللہ بن الجد رض
۱۸۲، عبداللہ بن الحمیر الاشجعی رض ۱۸۲، عبداللہ بن ربیع بن قیس انصاری
الخزرجی ۱۸۲، عبداللہ بن رواحہ الانصاری الخزرجی رض ۱۸۲، عبداللہ
بن زید بن ثعلبہ بن عبداللہ الانصاری الحارثی رض ۱۸۴، عبداللہ بن
سعد بن خیثمہ الانصاری الاوسی رض ۱۸۴، عبداللہ بن سلمۃ العجلانی
البلوی الانصاری رض ۱۸۴، عبداللہ بن سہل الانصاری رض ۱۸۴،
عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک البلوی الانصاری رض ۱۸۵، عبداللہ
بن عامر البلوی الانصاری رض ۱۸۵، عبداللہ بن عبد مناف الانصاری رض
۱۸۵، عبداللہ بن عبس الانصاری رض ۱۸۵، عبداللہ بن عبس
الانصاری رض ۱۸۵، عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول الانصاری
الخزرجی رض ۱۸۵، عبداللہ بن عرفطہ الانصاری ۱۸۶، عبداللہ
بن عمرو بن حرام انصاری رض ۱۸۶، عبداللہ بن عمیر بن عدی
انصاری الخزرجی ۱۸۶، عبداللہ بن قیس الانصاری رض ۱۸۷،
عبداللہ بن کعب انصاری المازنی رض ۱۸۷، عبداللہ بن نعمانی
بن بلذمہ الانصاری رض ۱۸۷، عبدالرحمٰن بن جبر الانصاری رض ۱۸۷،
عبدالرحمٰن بن عبداللہ البلوی انصاری ۱۸۷، عبدالرحمٰن بن
کعب المازنی الانصاری رض ۱۸۷، عبداللہ بن حق الانصاری
الساعدی رض ۱۸۸، عباد بن بشر بن وقش الانصاری الاشہلی رض ۱۸۸،
عباد بن الخشخاش بن عمرو انصاری ۱۸۸، عباد بن عبید بن
التیہان رض ۱۸۹، عباد بن قیس رض ۱۸۹، عباد بن قیس الانصاری رض

١٨٩، عبادہ بن الصامت الانصاری السالمیؓ ١٨٩، عبادہ بن قیس الانصاریؓ ١٨٩، عبید بن ابو عبید الانصاریؓ ١٨٩، عبید بن اوس الانصاری الظفریؓ ١٨٩، عبید بن تیہان الانصاریؓ ١٩٠، عبید بن زید الانصاری الزرقیؓ ١٩٠، عبس بن عامر الانصاریؓ ١٩٠، عتبہ بن ربیعہ البہرانی الانصاری ١٩٠، عتبہ بن عبداللہ بن صخر بن خنساء الانصاریؓ ١٩٠، عتبہ بن غزوان بن جابر المازنیؓ عتبان بن مالک الانصاری السلمیؓ ١٩٠، عدی بن الزغباء الجہنی الانصاری ١٩٠، عصمت الانصاریؓ ١٩١، عصمت بن الحصین الانصاریؓ ١٩١، عصیمۃ الاسدیؓ ١٩١، عصیمۃ الاشجعیؓ ١٩١، عطیہ بن نویرہؓ ١٩١، عقبہ بن عامر الانصاری الخزرجی السلمیؓ ١٩١، عقبہ بن ربیعہ الانصاریؓ ١٩١، عقبہ بن عثمان بن خلدہؓ بن مخلد بن عامر بن زریق الانصاریؓ ١٩١، عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابومسعود الانصاریؓ ١٩٢، عقبہ بن وہب بن کلدۃ الغطفانیؓ ١٩٢، علیفہ بن عدی بن عمرو الانصاری البیاضیؓ ١٩٢، عمرو بن ایاس بن زید الیمنی الانصاریؓ ١٩٢، عمرو بن ثعلبہ بن وہب الانصاری ١٩٢، عمرو بن الجموح الانصاری السلمیؓ ١٩، عمرو بن عتمہ بن عدی الانصاری الخزرجیؓ ١٩٣، عمرو بن عوف الانصاریؓ ١٩٣، عمرو بن غزیہ بن عمرو الانصاری المازنیؓ ١٩٣، عمرو بن قیس بن زید الانصاری النجاری ١٩٣، عمرو بن معاذ بن النعمان الانصاری الاشہلیؓ ١٩٣، عمارہ بن حزم الانصاری الخزرجیؓ ١٩٣، عمرو بن معبد ١٩٣، عمیر بن عامر بن مالک الانصاری المازنی ١٩٤، عمیر بن حارث بن ثعلبہ الانصاری ١٩٤، عمیر بن حرام بن عمرو بن الجموح الانصاری السلمیؓ ١٩٤، عمیر بن معبد بن ازعر الانصاریؓ ١٩٤، عمیر الانصاریؓ ١٩٤، عمارہ بن زیاد بن سکن الانصاریؓ ١٩٤، عنترہ السلمی ثم ذکوانیؓ ١٩٥، عوف بن عفراء الانصاریؓ ١٩٥، عویم بن ساعدہ بن عائشؓ ١٩٥، عویم بن اشقر بن عوف الانصاری ١٩٥، غنامؓ ١٩٥، فروہ بن عمرو الانصاریؓ ١٩٥، فاکہہ بن بشیر الانصاری الزرقیؓ قتادہ بن نعمان بن زید الانصاری الظفری ١٩٥، قطبہ بن عامر بن حدیدۃ الانصاری الخزرجیؓ ١٩٦، قیس بن السکن الانصاری الخزرجیؓ ١٩٦، قیس بن عمرو بن سہل الانصاری المدنیؓ ١٩٦، قیس بن محصن بن خالد بن مخلد الانصاری الزرقیؓ ١٩٦، قیس بن مخلد الانصاری المازنیؓ ١٩٦، قیس بن ابی صعصعہ الانصاری المازنیؓ ١٩٧، کعب بن جماز الانصاریؓ ١٩٧، کعب بن زید الانصاریؓ ١٩٧، کعب بن عمرو بن عباد الانصاری السلمیؓ ١٩٧، مالک بن تیہان ١٩٧، مالک بن دخشم الانصاریؓ ١٩٧، مالک بن رافع بن مالک الانصاری ١٩٨، مالک بن ربیعہ الانصاری الساعدیؓ ١٩٨، مالک بن قدامہ الانصاری الاوسیؓ ١٩٨، مالک بن مسعود بن البلدان الانصاری الساعدیؓ ١٩٨، مالک بن نمیلہ مزنی الانصاریؓ ١٩٨، مبشر بن عبدالمنذر الانصاریؓ ١٩٨، المجذر بن زیاد البلوی الانصاری ١٩٨، محرز بن عامر بن مالک الانصاریؓ ١٩٩، محمد بن مسلمہ الانصاری الحارثی ١٩٩، مرارہ بن ربیعہ العمری الانصاریؓ ١٩٩، مسعود بن اوس بن زید الانصاریؓ ١٩٩، مسعود بن خلدہ بن عامر بن زریق الانصاری الزرقیؓ ١٩٩، مسعود بن ربیع القاریؓ ٢٠٠، مسعود بن سعدؓ ٢٠٠، مسعود بن عبد سود الانصاری ٢٠٠، امام العلماء معاذ بن جبل الانصاری الخزرجیؓ ٢٠٠، معاذ بن عفراء الانصاری ٢٠١، معاذ بن عمرو بن الجموح الانصاری السلمیؓ ٢٠٢، معاذ بن ماعص الانصاری الزرقی ٢٠٢، معبد بن عبادہ الانصاری السالمیؓ ٢٠٢، معبد بن قیس بن صخر الانصاریؓ ٢٠٢، معبد بن وہب العبدی من عبدالقیسؓ ٢٠٢، معتب بن بشیر بن ملیل الانصاریؓ ٢٠٢، معتب بن عبید بن ایاس البلوی الانصاریؓ ٢٠٢، معقل بن منذر بن سرح الانصاری ٢٠٢، معمر بن حارث القرشی الجمحی ٢٠٣، معن بن عدی بن جد بن عجلان بن ضبیعہ البلوی الانصاریؓ ٢٠٣، معن بن یزید بن اخنس بن خباب

السلمیؓ ۲۰۳، معن بن عضرا الانصاریؓ ۲۰۳، معوذ بن عفرا بن الجموحؓ الانصاری ۲۰۳، بلیل بن وبرہ بن خالد بن عجلان الانصاریؓ ۲۰۳، منذر بن قدامہ الانصاری الاوسیؓ ۲۰۳، منذر بن عرفجہ الاوسی الانصاریؓ ۲۰۳، منذر بن محمد بن عقبہ الانصاری ۲۰۳، نحاث بن ثعلبہ بن حزمہ البلویؓ ۲۰۴، نصر بن حارث بن عبید بن رزاح بن کعب الانصاری الظفریؓ ۲۰۴، نعمان بن ابی حزمہ الانصاری الاوسیؓ ۲۰۴، نعمان بن سنان الانصاریؓ ۲۰۴، نعمان بن عبد عمرو بخاری الانصاریؓ ۲۰۴، نعمان بن اعصر بن الربیع البلوی الانصاریؓ ۲۰۴، نعمان بن عمرو بن رفاعہ الانصاری ۲۰۴، نعمان بن توقل (بن ثعلبہ) ۲۰۴، نعمان بن مالک بن ثعلبہ الانصاری ۲۰۴، نعمان بن عمرو بن رفاعہ الانصاری ۲۰۵، نوفل بن ثعلبہ الانصاری السالمی الخزرجیؓ ۲۰۵، ہانی بن نیارؓ ۲۰۵، ہبیل بن وبرہ الانصاریؓ ۲۰۵، ہلال بن امیہ الانصاری الواقفیؓ ۲۰۵، ہلال بن معلی الانصاری الخزرجی ۲۰۶، ہمام بن حارث بن ضمرہؓ ۲۰۶، ورقہ بن ایاس الانصاریؓ ۲۰۶، ودیعہ بن عمرو بن جراد بن یربوع الجہنیؓ ۲۰۶، یزید بن اخنس السلمیؓ ۲۰۶، یزید بن ثابت بن الضحاک الانصاری ۲۰۶، یزید بن ثعلبہ بن خزیمہؓ ۲۰۶، یزید بن عامر بن حدیدۃ انصاریؓ ۲۰۶، یزید بن منذر الانصاری ۲۰۷، ابو صرمہ الانصاری المزنیؓ ۲۰۷، ابو الضیاح الانصاری الاوسیؓ ۲۰۷، ابو عقیل الحارثی الانصاریؓ ۲۰۷، ابو خسالہ انصاریؓ ۲۰۷، ابو قتادہ انصاری السلمیؓ ۲۰۷، ابو طلیل انصاری الضبیؓ ۲۰۸

سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں علم حدیث (۶) ۷ — ۴۴

صحابہ اور ہندوستان ۷، ہندوستان میں پہلا محدث ۷، ہندوستان میں ایک تابعی ۸، ہندوستان کے ایک تاجر تبع تابعی ۸، دو نو مسلم سندھی محدث ۸، درہ خیبر کے راستے سے پہلا محدث ۸، دوسرا محدث صنعانی ۹، علم دانائی اور دانشمندی اور حدیث سے بے توجہی ۹، بہمنیہ اور علم حدیث ۱۱، سلاطین گجرات اور علم حدیث ۱۱، ایران میں صفویوں کے تعصب کا اثر ۱۲، ہندوستان میں علم حدیث کا آغاز ۱۲، حافظ سخاوی کے تلامذہ ۱۲، دلی کے مرکز میں پہلا محدث ۱۳، پہلا شارح بخاری ۱۴، حافظ ابن حجر کے تلامذہ ۱۴، عہد اکبری ۱۴، محدث سرہندی ۱۵، ابوالحسن بکری کے تلامذہ ۱۵، شیخ علی متقی ۱۵، عبدالوہاب متقی ۱۶، محمد طاہر فتنی ۱۷، متقی کے تلامذہ ۱۷، شیخ بہلول دہلوی ۱۸، ملا قاری اور ان کے تلامذہ ۱۹، درس بخاری لاہور میں ۱۹، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۹، جوہر ناتھ کشمیری ۲۰، شیخ محمد قاسم ۲۰، شیخ عبدالحق دہلوی کا سلسلہ ۲۰، استدراک و اضافہ ۲۳، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی ۲۳، مولانا برہان الدین محمود ۲۴، مولانا کمال الدین زاہد دہلوی ۲۴، حضرت نظام الدین سلطان الاولیا ۲۴، مولانا شمس الدین یحییٰ اودھی ۲۵، مولانا فخرالدین زرادی ۲۵، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہاری ۲۵، شیخ بکسماری کاکوروی ۲۶، کشمیر میں سلسلۂ حق ۲۶، صوبہ بہار میں علم حدیث اور سلسلۂ حق ۲۶، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی ۲۷، سلسلہ مجددیہ ۲۸، عبداللہ لاہوری ۳۰، حاجی عبدالولی طرخانی کشمیری ۳۰، شیخ محمد حیات سندھی ۳۰، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ۳۰، مدارس میں علم حدیث ۳۱، شیخ نورالدین احمد آبادی گجراتی ۳۲، شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ۳۲، شاہ صاحب کی اولاد و امجاد ۳۴، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ۳۴، شاہ رفیع الدین ۳۴، شاہ عبدالقادرؒ ۳۴، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تلامذہ ۳۴، شاہ عبدالعزیزؒ کے تلامذہ ۳۵، شاہ رفیع الدین کے تلامذہ ۳۶، دلی کے دو چراغ ۳۶، مرزا حسن علی محدث لکھنوی ۳۶، مولانا حسین احمد ملیح آبادی ۳۶، شاہ محمد اسحاق ۳۷، شاہ عبدالغنی صاحب مجددی ۳۷، شاہ عبدالغنی صاحب کے تلامذہ ۳۷، مولانا عبدالحی بڈھانوی اور مولانا اسماعیل شہید کے تلامذہ ۳۷، مولانا سخاوت علی صاحب جونپوری ۳۷، فرنگی محل اور علم حدیث ۳۸، ملا نظام الدین

۴۰، مولانا بحر العلوم ۴۰، ملا مبین ۴۰، ملا حیدر ۴۰، مولانا عبدالرزاق
۴۰، مولانا عبدالحلیم ۴۱، مولانا محمد نعیم صاحب ۴۱، مولانا عبدالحیٔ
۴۱، مولانا عبدالباری صاحب مرحوم ۴۲

سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ (۶)
۴۴ — ۴۸ قاضی ابوسعید الکریم سمعانی (م ۵۶۲ھ) ۴۴،
ربا سندھی ۴۵، منصوری ۴۵، دیبل ۴۶، لاہور ۴۷، ہندی ۴۸

سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں کتب حدیث کی نایابی (۶) ۴۹ — ۵۲
عہد محمد تغلق المتوفیٰ ۷۵۰ھ میں مشارق الانوار کا وجود ۴۹،
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی خدمات ۴۹، سلاطین تیموریہ کے
کتب خانے ۵۰، بنگال میں کتب حدیث کی صورتحال ۵۰،
ہندوستان میں شمائل ترمذی کا نسخہ ۵۰، عرب سے ہندوستان
میں کتب احادیث کی آمد ۵۱

ش

شاکر علیمی: اُردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات (۱۰)
۶۴ — ۹۲ نعتیہ شاعری کی ابتدا ۶۴، حضرت حسان بن
ثابتؓ اور کعب بن زہیرؓ کے چند اشعار ۶۵، فارسی شاعری
پر قرآن و حدیث کے اثرات ۶۸، اردو کی نعتیہ شاعری پر
قرآن و حدیث کے اثرات ۷۰، غلام امام شہید کی نعت گوئی
۷۱، محمد قلی قطب شاہ معانی ۷۲، مولانا نصرتی ۷۲، عاصی
۷۳، ولی دکھنی ۷۴، مفتی غلام سرور لاہوری ۷۶، مومن خاں
مومن ۷۷، نظیر اکبر آبادی ۷۸، محسن کاکوروی ۸۰، امیر مینائی
۸۲، مولانا حالی ۸۴، امجد حیدر آبادی ۸۶، مولانا احمد رضا خاں
۸۸، مولانا ظفر علی خاں ۹۰

الشامان، صعد سولیم: سیرت کی چھیالیس مطبوعہ اور قلمی کتابیں ترجمہ
از انجمن اصلاحی (۹) ۸۴ — ۱۰۸ کتاب المغازی مؤلفہ واقدی ۸۴،
فتوح الشام کے ترجمے ۸۵، سیرت ابن ہشام کا ترکی ترجمہ ۸۶،
مختصر سیرۃ رسولؐ مؤلفہ ابوالحسین احمد فارس بن زکریا قزوینی
(م ۳۹۵ھ) ۸۶، وسیلۃ المتعبدین فی سیرۃ سید المرسلین مؤلفہ عمر
بن محمد بن خضر اردبیلی (م ۵۷۰ھ) ۸۷، سیرۃ النبی مؤلفہ ابو الولات
سعد اللہ بن الحسین بن ابی تمام التکریتی ۸۷، کتاب اللوامع
المنیرۃ فی جوامع السیرۃ مؤلفہ عمر بن عیسیٰ بن درباس الہمدانی
المازانی (م ۶۰۲ھ) ۸۰، کتاب نخبۃ السیرۃ فی اختصار السیرۃ
مؤلفہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن حسن بن الفرات (م بعد
۶۸۳ھ) ۸۸، الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ مؤلفہ
علاء الدین علی بن ابی الحزم القرشی المعروف بابن النفیس (م
۶۸۷ھ) ۸۹، السیرۃ النبویۃ مؤلفہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ
البکری البصری الواعظ (م بعد ۶۹۴ھ) ۸۹، مختصر السیرۃ
النبویۃ مؤلفہ احمد بن عبداللہ محمد محب الدین طبری (م ۶۹۴ھ)
۹۰، الذروۃ العلیا فی سیرۃ المصطفیٰ
مؤلفہ ظہیر الدین علی بن محمد کازرونی (م ۶۹۷ھ)
۹۰، کتاب الشجرۃ فی ذکر نسب (فی سیرۃ) النبیؐ و اصحابہ العشرۃ
مؤلفہ عز الدین عبدالعزیز بن احمد بن سعید الدہری اندیریني
(م ۶۹۷ھ) ۹۱، مختصر سیرۃ ابن ہشام مؤلفہ احمد بن ابراہیم
بن عبدالرحمٰن واسطی (م ۷۱۱ھ) ۹۱، المورد العذب الہنی فی
شرح السیرۃ للحافظ عبدالغنی مؤلفہ عبدالکریم بن عبدالنور بن
منیر حلبی (م ۷۳۵ھ) ۹۲، الجوہر الثمین من نخب سیر الامین
مؤلفہ شہاب الدین احمد بن بیلیک المحسنی (م ۷۵۲ھ) ۹۲،
المنتقیٰ فی مولد المصطفیٰ مؤلفہ سعد الدین محمد بن مسعود گازرونی
(م ۷۵۸ھ) ۹۲، مختصر سیرۃ النبی / یا المختصر الصغیر فی سیرۃ
البشیر النذیر مؤلفہ ابوعمر عز الدین عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم
بن جماعہ کنانی (م ۷۶۷ھ) ۹۲، الفصول فی اختصار سیرۃ
الرسول مؤلفہ ابوالفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۴ھ)
۹۳، منتخب اللبیب فی سیرۃ الحبیب مؤلفہ شمس الدین
محمد بن احمد بن محمد بن احمد باعونی (م ۷۷۶ھ) ۹۳، المنتقیٰ

من سیرۃ المصطفیٰ مؤلفہ بدرالدین بن الحسن بن عمر بن حبیب حلبی (م ۷۷۹ھ) ۹۴، فتح القریب فی سیرۃ الحبیب مؤلفہ فتح الدین محمد بن ابراھیم بن محمد الشہید النابلسی (م ۷۹۳ھ) ۹۴، الدرر السنیۃ فی السیرۃ الزکیۃ مؤلفہ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن عراقی (م ۸۰۶ھ) ۹۴، شرح نظم السیرۃ النبویۃ / یا شرح العذر فی ھجرۃ سید البشر / یا العدرر الصفویۃ فی الھجرۃ النبویۃ مؤلفہ شہاب الدین احمد بن عماد الدین اقفہی (م ۸۰۸ھ) ۹۵ المنظومۃ الحلبیہ فی سیرۃ، مؤلفہ ابوالولید محمد بن محمد بن محمود بن الشحنہ زین الدین حلبی (م ۸۱۵) ۹۵ نور النبراس علی سیرۃ ابن سیدالناس مؤلفہ برہان الدین ابراہیم بن محمد بن خلیل حلبی سبط ابن العجمی (م ۸۴۱ھ) ۹۵، جامع الاخبار النبویہ دلوا مع انوار المصطفویہ مؤلفہ محمد بن ابراہیم (م ۸۴۲ھ) ۹۵، الاخبار المرویۃ فی سیرۃ خیر البریہ، مصنف نامعلوم ۹۶، طیب الانفاس بمختصر سیرۃ ابن سیدالناس مؤلفہ محمد بن عبداللطیف بن احمد اقصری حلبی (م ۸۷۲ھ) ۹۷، مختصر سیرۃ الرسول وثلاثۃ من الخلفاء الراشدین مؤلفہ برہان الدین ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط بقاعی (م ۸۸۵ھ) ۹۸، بہجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل فی تلخیص السیر والمعجزات والشمائل مؤلفہ ابوزکریا عماد الدین یحییٰ بن ابی بکر عامری (م ۸۹۳ھ) ۹۸، غایۃ المسئول فی سیرۃ الرسول مؤلفہ عبدالباسط بن خلیل بن شاہین الملاطی بن الوزیر (م ۹۲۰ھ) ۹۸، الالمام بالروض وسیرۃ ابن ہشام الملقب بجلاء الافکار بسیرۃ المختار مؤلفہ ابوالفتح محمد بن ابراہیم بن محمد بن مقبل (م ۹۳۷ھ) ۹۸ الفتوحات السبحانیہ فی شرح نظم الدرر السنیہ للعراقی، مؤلفہ عبدالرؤف مناوی (م ۱۰۳۱ھ) ۹۹، خلاصۃ الاخبار فی احوال النبی المختار مؤلفہ عزیز محمود الاسکداری المعروف بہدائی (م ۱۰۳۸ھ) ۹۹، السیرۃ الحلبیہ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون مؤلفہ ابوالفرج علی بن ابراہیم بن احمد بن علی بن عمر بن نورالدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) ۱۰۰، الدرۃ المنیفہ فی سیرۃ النبویۃ الشریفۃ ۱۰۱، السیرۃ النبویۃ مؤلفہ محمد بن بسطام بن رستم بن قنبر الحسینی الخوشانی (م ۱۰۹۶ھ) ۱۰۲، اتحاف البریۃ بتحقیق السیرۃ الحلبیہ مؤلفہ تاج الدین موفق قالسی شافعی، (م بعد ۱۱۵۵ھ) ۱۰۲، الاخبار المرضیۃ فی سیرۃ خیر البریۃ مولفہ احمد بن احمد حاتمی فیومی ۱۰۳، اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ وفضائل اہل بیت الطاہرینؓ مولفہ ابوالوفا محمد بن علی الصبان (م ۱۲۰۶ھ) ۱۰۳، تحفۃ الطریقہ فی بیان السیرۃ الشریفہ مولفہ علاء الدین ابوالحسن علی بن سیفی (؟) ۱۰۳، کشف الحجاب فی سیرۃ النبی المجتبیٰ والاصحاب مؤلفہ احمد بن سلیمان بن عثمان خالدی نقشبندی اروادی (م تقریباً ۱۲۷۵ھ) ۱۰۴، تحفۃ العالم فی اخبار سید ولد آدم مؤلفہ عبدالقادر بن مصطفیٰ بن سعید: الحسنی (؟) ۱۰۴، سیرت پہ ایک منظوم کتاب (؟) ۱۰۵، سیرت پہ ایک کتاب (؟) ۱۰۵، حواشی وتعلیقات ۱۰۵

شاہ ولی اللہ دہلوی دیکھیے ولی اللہ دہلوی، شاہ

شبلی نعمانی: عہد فاروقیؓ میں تمدنی ترقی (۹) ۶۶۸ — ۶۹۵

ملک کی تقسیم، صوبجات اور اضلاع ۶۶۸، حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے ۶۶۸، نوشیروانی عہد کے صوبے ۶۶۹، صوبوں کے افسر ۶۶۹، حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی ۶۷۰، عامل ۶۷۱، عمالانِ فاروقی کی فہرست ۶۷۱، صیغۂ محاصل ۶۷۲، خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا ۶۷۲، حضرت عمرؓ کا استدلال ۶۷۳، عراق کا بندوبست ۶۷۳، افسرانِ بندوبست ۶۷۴، عراق کا کل رقبہ ۶۷۴، عراق کا خراج ۶۷۴، زمیندار اور تعلقدار ۶۷۴، پیداوار اور آمدنی میں ترقی ۶۷۵، ہر سال مالگذاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا ۶۷۵، خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا ۶۷۵، مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد مالگذاری ۶۷۵، رومیوں کا اضافہ، حضرت عمرؓ نے قدیم زمانے کی اصلاح کی ۶۷۶، مصر میں وصول مالگذاری کا طریقہ ۶۷۶، مصر کا کل خراج ۶۷۷، مصر کا خراج بنوامیہ

اور عباسیہ کے زمانے میں ۶۷۷، شام ۶۷۷، قانون مالگذاری
میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات ۶۷۸، بندوبست مالگذاری میں
ذمیوں سے رائے لینا ۶۷۹، ترقی زراعت ۶۷۹، محکمہ آب
پاشی ۶۸۰، خراجی اور عشری ۶۸۰، اور ہر قسم کی آمدنیاں ۶۸۱،
گھوڑوں پر زکوٰۃ ۶۸۱، عشور ۶۸۱، صیغۂ عدالت ۶۸۱، محکمہ
قضا ۶۸۱، قواعدِ عدل کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر
۶۸۳، قضاۃ کا امتحان کے بعد تقرر ۶۸۴، رشوت سے
محفوظ رکھنے کے وسائل ۶۸۴، انصاف میں مساوات ۶۸۵،
آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا ۶۸۵، ماہرینِ فن
کی شہادت ۶۸۵، محکمہ افتاء ۶۸۶، فوجداری اور پولیس ۶۸۶،
جیل خانے کی ایجاد ۶۸۷، جلاوطنی کی سزا ۶۸۷، بیت المال
(یا خزانہ) ۶۸۷، بیت المال پہلے نہ تھا ۶۸۷، بیت المال کس
سنہ میں قائم ہوا ۶۸۸، بیت المال کے افسر ۶۸۸، بیت المال
کی عمارتیں ۶۸۸، پبلک ورکس یا نظارت نافعہ ۶۸۹، حضرت
عمرؓ نے جو نہریں تیار کروائیں ۶۸۹، نہر ابی موسیٰ ۶۸۹، نہر
معقل ۶۸۹، نہر سعد ۶۸۹، نہر امیر المومنین ۶۹۰، جو عمارتیں
تیار کرائیں ۶۹۰، دفتر ۶۹۱، خزانہ ۶۹۱، قید خانے ۶۹۱، مہمان
خانے ۶۹۱، سڑکوں اور پلوں کا انتظام ۶۹۲، مکہ معظمہ سے
مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں ۶۹۲، شہروں کا آباد کرنا ۶۹۲،
بصرہ ۶۹۲، کوفہ ۶۹۳، فسطاط ۶۹۴، موصل ۶۹۵، جیزہ ۶۹۵
شبیر احمد خان غوری و رضاء اللہ انصاری: علم و تہذیب کی ترقی میں معارف
محمدی کا حصہ (۸) ۵۱۸ — ۵۲۸۔ اسلام کا عقلیت پسند
مزاج ۵۱۹، اسلام کی آئیڈیالوجی ۵۱۹، اسلام کی اجتماعی تنظیم
۵۱۹، اسلام کا نظام اقدار ۵۲۰، تسخیر کائنات کی ترغیب و تشجیع
۵۲۰، سائنسی علوم کے بارے میں اسلام کا رجحان ۵۲۲، مختلف
سائنسی علوم کا سنگِ بنیاد ۵۲۲، اسلامی ثقافت کے ترقی پذیر
تقاضے ۵۲۸، عملی سوال کا جواب ۵۲۶
شجاعت علی قادری، سید: جوامع الکلم (۸) ۵۶۶ — ۵۷۶

معجزات انبیاءؑ ۵۶۶، آپؐ کو جوامع الکلم دیئے گئے ۵۶۶،
اعجاز قرآن کی وجوہ ۵۶۷، دعاؤں میں جوامع الکلم ۵۶۹،
جوامع الکلم بصورت امثال و حکم ۵۷۱
شرف قادری، محمد عبدالحکیم (مترجم): بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر
ہونے والے وفود از ابن ہشام المعافری (۷) ۶۶۰ — ۶۷۱
شرف الدین اصلاحی دیکھیے اصلاحی، شرف الدین
شیروانی، محمد حبیب الرحمٰن خاں: سیرۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۹) ۵۴۴ — ۶۴۱ باب اول ۵۴۴، نام، نسب، لقب،
والدین ۵۴۴، ولادت ۵۴۴، ایام جاہلیت ۵۴۴،
اسلام ۵۴۵، ہجرت ۵۴۸، ہجرت سے وفات آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم تک ۵۵۱، غزوہ بدر ۵۵۲، غزوہ
احد یما، رمضان ۳ھ بروز شنبہ ۵۵۳، غزوۂ خندق شوال
۵ھ ۵۵۵، حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ ۵۵۶، خیبر محرم ۷ھ
۵۵۸، فتح مکہ رمضان ۸ھ ۵۵۸، حنین ۵۵۹، تبوک
رجب ۹ھ ۵۶۰، حج ۹ھ ۵۶۱، وفات رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ۵۶۱،
باب دوم ۵۶۶، سقیفہ بنی ساعدہ ۵۶۶، بیعت عامہ
۵۷۰، جیش اسامہؓ ۵۷۲، ارتداد ۵۷۵، مہم قبیلۂ طے
(نمونۂ آشتی) ۵۸۰، مسیلمہ کذاب (معرکۂ رزم) ۵۸۱، مہم
عراق ۵۸۵، حج (ذی حجہ ۱۲ھ) ۵۹۲، شام (۱۳ھ)
۵۹۲، ذاتی حالات ۶۰۲، حلیہ شریف ۶۰۵، اصول حکومت
۶۰۵، عمال و کاتب ۶۰۷، عمال ۶۰۷، علمی کمالات
و علمی خدمات ۶۰۷، قرآن ۶۰۷، حدیث ۶۰۸، فقہ ۶۰۹،
تعبیر رؤیا ۶۰۹، تصوف ۶۰۹، عقائد ۶۱۰، علم انساب
۶۱۰، بلاغت خطب ۶۱۰، محبت رسولؐ ۶۱۱، ازواج و اولاد ۶۱۱،
باب سوم: فضائل ۶۱۲، آیات کلام مجید ۶۱۲، احادیث
نبویؐ ۶۱۷، اشعار ۶۲۱، اقوال صحابہ کرام و اہل بیت
اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین ۶۲۳، خطبہ ۶۲۵

باب چہارم :۔ ادبیات صدیقی ۴۳۱، خاتمہ ۶۳۲،
فرمانِ رسالت ہوا ۶۳۵، علمی خدمات ۶۳۹

شفا، محمد یحییٰ خاں: تقابلِ تقویمین (۹) ۲۶۹ — ۲۸۵

شمسی اور قمری نظام ۲۶۹، فلکیات کی اساس ۲۷۰، بارہ مہینوں کا مقرر کرنا ۲۷۱، قمری نظام مواقیت ۲۷۱، بروج دوازدہ ۲۷۲، جدول شہور سنین شمسی، قمری متداولہ ۲۷۲، حرمت والے مہینے ۲۷۳، مہینوں کی تقدیم و تاخیر کا جدول ۲۷۴، اسلامی سن کی تعیین اور ہجری سال کی تقدیم اختیار کرنے کا موجب ۲۷۵، ادوار صغیرہ کی جدول ۲۷۶، عربی مہینے اور ان کے ایام کی جدول، تقویمی رموز کے ساتھ ۲۷۷، آپؐ کی ولادت باسعادت کے سال مہینے اور دن کی تطبیقات کا عالمی تقویمی نقشہ ۲۷۸، اہم واقعات کی معروف مروج تقویموں سے تطبیق ۲۷۸، اسلامی تقویم کا مدار علیہ قمری نظام المواقیت ہے ۲۸۰، سات ستارے ۲۸۲، شب و روز کی مقررہ ساعتوں کی جدول ۲۸۲، جدول ماہانہ طلوع و غروب آفتاب ۲۸۳، کتابیات ۲۸۵

شفا، محمد یحییٰ خاں: عربی زبان میں نعتیہ کلام (۱۰) ۱۲۱ — ۱۴۵

عرب قبل از اسلام اور مدحیہ ادب ۱۲۱، اسلام، شعر و شاعری کا مقام ۱۲۱، جوامع الکلم و بدایع الحکم ۱۲۲، شاعرِ رسالت ۱۲۲، نعت گوئی کا آغاز ۱۲۳، اسلامی شاعری میں حقیقت افروزی ۱۲۴، فخرِ رسل کا ذوقِ سخن ۱۲۴، مدحتِ ختم الرسل کا وجوب ۱۲۵، نعت گوئی کے مباحات ۱۲۵، خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست ۱۲۷، صاحب القرآن ۱۲۷، مدحیہ ادب کی وسعت و مقبولیت ۱۲۸، لمحۂ فکریہ ۱۲۹، نعت گوئی کا ارتقاء ۱۲۹، اندازِ نعت میں تحوّل کی کارفرمائی ۱۳۰، انتخاب المدایح ۱۳۱، جناب ابوطالب کے نعتیہ اور مدحیہ قطعات ۱۳۱، حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے اشعار ۱۳۲، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اشعار ۱۳۲، حضرت حسان بن ثابتؓ کے اشعار ۱۳۲، حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شعر ۱۳۴، حضرت عبداللہ زبعری کے شعر ۱۳۴، حضرت کعب بن زہیر کا قصیدہ ۱۳۵، خلفائے راشدین کے اشعار ۱۳۶، سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے شعر ۱۳۷، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ۱۳۷، حضرت حسان بن ثابت کے علاوہ شعراء ۱۳۸، امام زین العابدین علی بن الحسین کے اشعار ۱۳۸، امام اعظم ابو حنیفہ النعمان کے نعتیہ اشعار ۱۳۹، سعدی شیرازی کے شعر ۱۳۹، ... کے اشعار ۱۳۹، الشیخ شرف الدین ابی عبداللہ محمد البوصیری کا سلام ۱۴۰، قصیدہ لامیہ ۱۴۱، اشعار محمود کی نعت ۱۴۱، حافظ ابن حجر العسقلانی کی نعت ۱۴۲، شیخ تقی الدین محمد ابن دقیق العید کے نعتیہ شعر ۱۴۲، محمد ابن العربی الاندلسی کے شعر ۱۴۲، شاہ ولی اللہ کے اشعار ۱۴۳، شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نعتیہ اشعار ۱۴۴، ملا غلام علی آزاد بلگرامی کے چند شعر ۱۴۵، نواب صدیق حسن خان البخاری القنوجی کے شعر ۱۴۵

شفا، محمد یحییٰ خاں: مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اوّلین اسلامی حکومت (۹) ۱۲۱ — ۱۶۲

خداوند کی آسمانی بادشاہت ۱۲۱، اسلام کا شجرۂ طیبہ ۱۲۱، وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے ۱۲۱، اے مسلمان آنے والے دور کی تصویر دیکھ ۱۲۲، اسلامی حکومت کے شہ رو پشت منافقین ۱۲۳، سرِ دو زمینا ظلم نئی طرز ستم ہے ۱۲۳، وقوعہ بئر معونہ، عامر بن طفیل کی سازش ۱۲۳، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دُور اندیشی ۱۴۴، فزت برب الکعبہ ۱۴۴، سریۂ رجیع ۱۴۵، حضرت زید کی شہادت ۱۴۶، حضرت خبیبؓ کا واقعۂ شہادت ۱۴۶، کبیدہ دلوں کا کا ۱۴۸، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم جزم ۱۴۹، یہ بخشش نبوت کی برہان ہے ۱۴۹، منافقین کی دسیسہ کاریاں ۱۵۰،

ابو عامر کی ایک نئی فتنہ انگیزی ۱۵۰، غزوۂ تبوک جیش العسرۃ ۱۵۱، جنگی امور کے ماہرین حیران ہیں ۱۵۲، اہلِ کتاب کی
زبی تیاریاں ۱۵۲، جیش عسرت کا اہتمام ۱۵۳، ایک
عظیم الشان مہم (معرکۂ تبوک) ۱۵۴، چہ خوش بود کہ برآید
بیک کرشمہ دوکار ۱۵۴، مجاہدین اسلام کی دلیرانہ پیش قدمی
۱۵۵، نتائج و ثمرات ۱۵۶، عام الوفود ۱۵۶، تاریخ عالم میں
بے مثال سیاسی فتح ۱۵۷، نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
عظیم الشان اخلاقی قوت ۱۵۸، رحمۃ للعالمین کی امن پسندی ۱۵۹،
ومَا اُرِيدُ الاصلاح ما استطعت ۱۶۰، محمد عربی صلی اللہ
علیہ وسلم کی انسان دوستی ۱۶۱، باطل کی نگونساری ۱۶۲، ابلق
ایام بر سر درِ نام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کنٹرول ۱۶۲۔

شمس بریلوی: رسول اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت
(۸) ۳۹۲ — ۴۴۰

تاریخ عرب کے آخذ ۳۹۲، عرب بائدہ، عرب عاربہ اور
عرب متعربہ ۳۹۴، آلِ اسماعیلؑ ۳۹۶، عربی زبان سامی الاصل
ہے ۳۹۹، سبعہ معلقات ۴۰۰، عرب میں شاعر کا مقام ۴۰۳،
اعجاز قرآن ۴۰۵، کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و
بلاغت ۴۰۹، آپؐ کے چند ارشاداتِ گرامی ۴۱۴، حضور سرور
کونین کے گرامی مکتوبات ۴۲۵، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم
کے مکتوبات گرامی دعوتِ اسلام کے سلسلے میں ۴۲۷، قیصرِ روم
ہرقل عظیم کے نام ۴۲۷، مکتوب گرامی اسامی بنام خسرو پرویز
(کسریٰ) ۴۲۸، نجاشی شاہ حبشہ کے نام حضور سرور کونین
صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ گرامی ۴۲۹، حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کے خطبات گرامی کی فصاحت و بلاغت ۴۳۱، خطبہ
حجۃ الوداع اور کمال فصاحت و بلاغت ۴۳۳، ادعیۂ ماثورہ
اور ان کی فصاحت و بلاغت ۴۳۶،

ض

ضیاء الدین اصلاحی: دیکھئے اصلاحی، ضیاء الدین

ظ

ظفر الاسلام (مترجم) اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصہ از
عبدالعزیز دوری (۹) ۵۱ — ۷۰
مقالے کے اہم نکات مقالہ نگار کے اندراج میں دیکھیں۔
ظہور احمد اظہر دیکھئے اظہر، ظہور احمد

ع

عاصم، عبدالوہاب خاں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شعر
(۹) ۴۱۱ — ۴۲۲
کاہن اور شاعر ۴۱۱، شعر و شاعری کا اسلامی تصور ۴۱۲،
شعر کی حقیقت ۴۱۴، شعر کی تعریف ۴۱۵، وزن شعر کا
جز و لاینفک ہے ۴۱۶، شعر کا ماخذ نغمہ ہے ۴۱۶،
رفع اشتباہ ۴۱۷، شعر اور حکمت ۴۱۸، قرآن اور شعریت
۴۱۸، آپؐ کا ذوقِ سخن ۴۱۹

عبدالحی: رسول اکرمؐ کا انتباہ (۹) ۲۷۳ — ۲۸۲
علامات قیامت ۲۷۳، معاشرتی برائیاں ۲۷۶، ایک شخص
کا خواب اور اس کی تعبیر ۲۷۸، معاشرتی اصلاح ۲۷۹، جامع
دعائیں ۲۸۰، توبہ کی اہمیت ۲۸۱

عبدالعزیز دوری: اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصہ۔ ترجمہ از ظفر
الاسلام (۹) ۵۱ — ۷۰
زہری کے ابتدائی حالات ۵۱، زہری کی کتاب کے
متفرق اجزا ۵۳، زمانہ ماقبل از اسلام ۵۳، عہد رسالتؐ کی
دور ۵۳، ہجرت حبشہ ۵۴، مدنی دور ۵۴، سفر ہجرت ۵۴،
غزوۂ بدر ۵۴، غزوہ سویق ۵۵، غزوۂ
بنی قینقاع ۵۵، غزوۂ احد ۵۵، مدینہ سے بنو نضیر کا

اخراج ۵۵، غزوۂ خندق ۵۵، صلح حدیبیہ ۵۵، فتح خیبر ۵۶، فتح مکہ ۵۶، فتح مکہ کے بعد کے غزوات ۵۶، خلافت راشدہ کے بارے میں بحث ۵۹، تعلیقات و حواشی ۶۲

عبدالغفار حسن : تدوین سنت (۶) ۱۹۲ — ۲۱۴
حدیث کی روایت کا حکم ۱۹۲، سنت اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ ہے ۱۹۳، کتابت حدیث کے بارے میں دو رائیں ۱۹۴، شروع شروع میں سنت کے ذخائر سینوں میں محفوظ رہے ۱۹۵، مشہور حافظین حدیث ۱۹۶، دور اوّل کا تحریری سرمایہ ۱۹۷، جامعین حدیث ۱۹۹، علوم حدیث ۲۰۱ ۔ علم اسماء الرجال ۲۰۱، علم مصطلح الحدیث ۲۰۱، علم غریب الحدیث ۲۰۲، علم تخریج الاحادیث ۲۰۲، علم الاحادیث الموضوعہ ۲۰۲، علم الناسخ والمنسوخ ۲۰۲، علم التوفیق بین الاحادیث ۲۰۲، علم مختلف والمؤتلف ۲۰۲، علم اطراف الحدیث ۲۰۲، فقہ الحدیث ۲۰۳، تیسرے دور کے جامعین ۲۰۳، طبقات کتب حدیث ۲۰۴، سنت نبوی اور خلفائے راشدین ۲۰۶

عبدالقدوس انصاری : ہجرت نبویؐ (قیام، راہیں، منزلیں) ترجمہ و تلخیص از محمد مسعود مشہدی (۸) ۳۲۱ — ۳۳۶
ابتدا تین الہامی اشاروں سے ۳۲۱، دوسرا الہامی اشارہ ۳۲۱، تیسرا الہامی اشارہ ۳۲۲، آخر وہ عظیم شب آ ہی گئی ۳۲۲، دستک ۳۲۳، ہجرت کی پہلی منزل جبل ثور ۳۲۶، صبح اسلام شام کفر ۳۲۶، ہجرت کا دوسرا مرحلہ ۳۲۸، سورج ڈھلنے کے بعد روانگی سے قبل کی مختصر تفصیل ۳۲۹، انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں ۳۳۴، فہرست مراجع ۳۳۵

عبداللہ، سید محمد : سیرت طیبہ حضورؐ کے اسماء والقاب کے آئینہ میں (۹) ۷ — ۲۵ حضورؐ کے اسمائے مبارکہ ۸، اسمائے قرآنیہ باعتبار حروف تہجی ۱۲، اسمائے مبارکہ مذکورہ کتب احادیث و سیر ۱۶

عبداللہ، محمد نیاز : سرور کائنات کی پیش گوئیاں (۹) ۳۵۳ — ۳۷۲
خندق میں سلطنتوں کی کنجیاں عطا ہوئیں ۳۵۳، آپؐ کے وعدے پورے ہوئے ۳۵۳، میں نے اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا ۳۵۴، عبرت پر عبرت ۳۵۴، امیر باذان مسلمان ہو گیا ۳۵۴، فاتح ایران کی بیماری اور حضورؐ کا ارشاد ۳۵۵، کسریٰ ہلاک ہو گیا اس کے بعد نہ کسریٰ ہو گا اور قیصر بھی ہلاک ہو جائے گا، اس کے بعد قیصر نہ ہو گا ۳۵۵، تم قسطنطنیہ کو ضرور فتح کرو گے ۳۵۶، کسریٰ کے خزانے جو خدا کی راہ میں تقسیم ہوئے ۳۵۶، تو دیکھ لے گا کہ ایک شخص زکوٰۃ کا سونا اور چاندی لئے ہوئے پھرے گا اور اُسے کوئی نہ ملے گا جو زکوٰۃ کا پیسہ لینے والا ہو ۳۵۸، ابوہریرہ پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آتے ہیں ۳۵۸، الطاف مسلسل ۳۵۹، آج بھی مسلمان دنیا میں ہر اعتبار سے بلند ہیں ۳۶۱، اسلام کی نمایاں باتیں ۳۶۲، چند معجزات ۳۶۲، ستون حنانہ ۳۶۲، ابوجہل کی مٹھی میں کنکریاں ۳۶۳، شق القمر ۳۶۳، کیا یہ نظر بندی تھی ۳۶۴، ایک تازہ نظیر ۳۶۴، اسم اقدس آسمان پر ۳۶۵، فتنۂ تاتار اور اہل فرنگ کے موجودہ تفوق کی خبر ۳۶۵، فتنۂ تاتار ۳۶۵، اہل فرنگ کا موجودہ تفوق ۳۶۶، مدینہ منورہ کے متعلق ۳۶۶، نفی معجزہ بھی اسلام کا معجزہ ہے ۳۶۷، کفار معجزے طلب کیا کرتے تھے ۳۶۷، اس مطالبہ کا جواب ۳۶۷، اللہ تعالیٰ کی بے نیازی ۳۶۸، دور جدید کا رنگ ۳۶۹، آیات مندرجہ بالا کو نفی معجزہ کا ثبوت سمجھا گیا ۳۶۹، جاہل سے جاہل اقوام میں مسلمانوں کا خالص توحید کی روح پھونک، دنیا نہایت حیرت انگیز ہے ۳۶۹، مسیحیت اور تائید ربانی ۳۷۰، مسیحیت اور اسلام کے حالات کا مقابلہ ۳۷۰، اسلام کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے ۳۷۲

عبداللہ یٰسین حسنی دیکھئے یٰسین حسنی، عبداللہ

عبدالمالک، محمد : نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے (۸) ۴۵۳ — ۴۶۰
معرفت کے لئے عقل کی ضرورت ۴۵۳، نبی اور رسولؐ کی

ضرورت ۶۵۳، نبی کے اوصاف ۶۵۵، انبیا و رسل اور
تبلیغ احکام ۶۵۶، معجزات اور خوارق ۶۵۶، نظام شمسی
۶۵۷، خاتم النبیینؐ کا سہرہ ۶۵۸، آپؐ کے اخلاق معاشرت
اور تمدن کا ایک نمونہ ۶۵۹، آپؐ کے فضائل ۶۶۰۔

عبدالوہاب حجازی دیکھئے حجازی، عبدالوہاب
علم الدین سالک دیکھئے سالک، علم الدین
علی ہجویری، شیخ: عثمانؓ امام صوفیہ (۹) ۷۰۰ — ۷۰۲
حضرت حسن ابن علیؓ کا آپؐ کی خدمت میں آنا ۷۰۰، حضرت
ابراہیمؑ اور آتش نمرود ۷۰۱، حضرت عثمانؓ نے ایندھن کا گٹھا
اُٹھا رکھا تھا ۷۰۲

غ

غلام احمد حریری دیکھئے حریری، غلام احمد

ف

فاروق خورشید: ابوالحسن علی بن حسین علی المسعودی۔ ترجمہ از اسد اللہ (۹)
۷۱ - ۸۳ مسعودی کے ابتدائی حالات ۷۱، مسعودی کی کتب ۷۱،
مروج الذہب ۷۱، اسلامی مورخین کے بارے میں ابن خلدون کا قول
۷۷، مسعودی نے پہلے مورخین کی تالیفات سے استفادہ کیا ۷۸،
مسعودی نے غیر عربی اجنبی کتب سے بھی استفادہ کیا ۸۰، ڈاکٹر سیدہ
اسماعیل کاشف کی مسعودی کے طرز تالیف کے بارے میں رائے
۸۱، مسعودی کی دوسری اہم کتاب "اجنبیہ والاشراف" ہے ۸۲
فضل حق خورشید: اُردو کے نعتیہ گلدستے (۱۰) ۹۲ - ۱۲۰
اُردو شاعری کے گلدستے ۹۲، اہمیت ۹۳، نعتیہ گلدستے ۹۳،
منشور شفاعت ۹۴، سفینۂ نجات دہلی ۹۵، گلزار خلد ۹۵،
اشتہارات ۹۶، گلدستوں اور اخبار و جرائد کے اشتہارات ۹۶، تصانیف
کے اشتہارات ۹۷، مذہبی منظومات ۹۷، دواوین میں ۹۸، ناولوں
میں ۹۸، دیگر کتب میں ۹۸، سفینۂ نجات ۱۰۰، ادبی معلومات ۱۰۱،
طرحی مصرعے ۱۰۳، بعض شعراء کے نام جن کا کلام ایک ہی طرح

پر ملتا ہے۔ ۱۰۵
فیض اللہ منصور دیکھئے منصور، فیض اللہ

ق

قدیر الدین احمد: حضورؐ بہ حیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت (۸)
۷۳۲ — ۷۵۱، عنوان کا تجزیہ ۷۳۲، تعلیم کے لوازمات
۷۳۳، بنی نوع انسان کی تعلیم کا انتظام ۷۳۴، بنی نوع
انسان کی تعلیم میں ارتقاء کا تصور ۷۳۶، آخری پیغام ہونے
کا دعویٰ اور اس کی نوعیت ۷۳۹، آخری پیغام کی چند خصوصیات
۷۴۱، اختتام تدریس ۷۴۶، ختم نبوت کی ضرورت اور اثرات
۷۴۹، ختم نبوت کا تاریخی ثبوت ۷۵۰، آزادی عمل ۷۵۱
قطب شہید، سید: محمد رسول اللہؐ کی فتح (۹) ۲۲۸ — ۲۳۱
فتح کی جیتی جاگتی دلیل ۲۲۸، اس پر فتح کے اسباب ۲۲۸،
قربانیوں کا منطقی نتیجہ ۲۲۸، تین بنیادی مراحل ۲۲۹، تبلیغ
دین میں عزم مصمم ۲۲۹، صحابہ کرام ایمان کی زندہ تصویریں
۲۲۹، اسلامی حکومت کا قیام ۲۳۰۔

ل

لعل شاہ بخاری، سید: نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے۔
(۸) ۶۳۲ —— ۶۵۲
قرآن مجید میں دعوتِ غور و فکر ۶۳۲، سلسلۂ نبوت ۶۳۹،
نبوت محمدیؐ کے دلائلِ عقلیہ ۶۴۰، صداقتِ رسولؐ ۶۴۰،
استقامت رسولؐ ۶۴۱، صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ جماعت بھی
نبوتِ محمدیؐ کی دلیل ہے ۶۴۲، صحابہؓ کی استقامت
۶۴۳، اسلام کے بارے میں قیصر اور ابوسفیان کا مکالمہ
۶۴۵، آنحضرتؐ کا اُمی ہونا ۶۴۷، معجزات کا وقوع ۶۵۲

م

محمد ایوب قادری: اسلام کا نظام اقتصاد (۹) ۲۲۹ - ۲۵۹
زراعت ۲۲۹، مدینہ میں لگان ادا کرنے کا طریقہ ۲۲۹،

عہد اسلام میں زراعت ۲۳۰، ایک شبہہ اور اس کا ازالہ ۲۳۱، لگان اور مالگزاری ۲۳۲، لگان بصورت زر ۲۳۲، کاشت کار کی حیثیت ۲۳۳، عشری و خراجی زمین ۲۳۳، زمین کے اقسام ۲۳۴، لگان اور مالگزاری کا کم سے کم ہونا ۲۳۶، خصوصی حقوق و مراعات ۲۳۷، بعض بنیادی اصول ۲۳۹، بنجر زمین کو مزروعہ بنانا ۲۳۹، وسائل آبپاشی کی بہم رسانی اور سہولت ۲۴۰، تجارت ۲۴۱، قبل از اسلام ۲۴۲، بعد از اسلام ۲۴۲، بنیادی اصول ۲۴۳، فاسد اصول ۲۴۳، وکالت و کفالت ۲۴۵، اعتبارات اور ذمہ داریاں ۲۴۵، شرکت العنان ۲۴۵، شرائط ۲۴۵، ذمہ داریاں اور اختیارات ۲۴۶، شرکت الوجود ۲۴۶، شرکت الصنائع ۲۴۶، مضاربت یا قراض ۲۴۸، وضاحت ۲۴۹، صنعت ۲۴۹، اسلام سے قبل عرب کی صنعتی حالت ۲۴۹، طائف ۲۴۹، مکہ ۲۴۹، صنعت اور قرآن کریم ۲۵۰، صنعت اور احادیث ۲۵۰، عمل صحابہ کرامؓ ۲۵۰، مسلمانوں کا مختلف صنعتوں سے اعتناء ۲۵۱، دست کاروں اور مزدوروں کے چند بنیادی اصول ۲۵۱، صنعت کی ترقی کے لئے سہولتیں بہم پہنچانا ۲۵۱، ملیں اور کارخانے ۲۵۲، اجرت ۲۵۱، مزدوروں کی زبوں حالی ۲۵۲، قریش کا مسئلہ آجر و مزدور ۲۵۳، محنت اور قرآن ۲۵۳، اجیر اور آجر کی خصوصیات ۲۵۴، نبی کریمﷺ کا اسوۂ حسنہ ۲۵۴، عمل صحابہ کرام ۲۵۵، عظمت مزدور ۲۵۵، مسئلہ اجرت کی اہمیت ۲۵۶، تعیین اجرت ۲۵۶، چند ضروری ہدایات ۲۵۷، شرکت منافع ۲۵۸، حکومت کی نگرانی ۲۵۸

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی دیکھئے شروانی، محمد حبیب الرحمٰن خاں

محمد حسین ہیکل دیکھئے ہیکل محمد حسین

محمد ذکی: مقام رسولؐ (۹) ۳۰۶-۳۲۷

آپؐ کی سیرت پر تحقیقی کام کی وسعت ۳۰۶، آپؐ کی سیرت کے مستند مآخذ موجود ہیں ۳۰۷، حضورؐ کی سیرت کا اولین ماخذ قرآن حکیم ہے ۳۰۷، دوسرا اہم ماخذ احادیث کا مجموعہ ہے ۳۰۸، اس مجموعہ کی خصوصیات ۳۰۹، سیرت اور تاریخ کی کتابیں ۳۱۰، سیرت کے مختلف پہلو اور ان پر تحقیقی کام ۳۱۰، اصلاحی کوششوں کی مشترک خصوصیات ۳۱۱، انقلابات ۳۱۲، اسلام کا انقلاب ۳۱۳، اس کی خصوصیات ۳۱۳، انقلاب اللہ کی طرف سے اور اُسی کے نام سے رونما ہوا ۳۱۵، دنیا کے رہنماؤں کی خصوصیات ۳۱۶، زندگی کے ہر شعبے میں آپؐ کا اسوۂ حسنہ رہنمائی کے لئے موجود ہے ۳۱۷

محمد رفیع الدین ہاشمی دیکھئے رفیع الدین ہاشمی، محمد

محمد زبیر صدیقی: کتابت احادیث، عہد نبوی میں ۔ ترجمہ از خلیق نقوی (۶) ۲۳۹-۲۴۵

جمع و تدوین حدیث کے متعلق مقالات ۲۳۹، سپرنگر اور گولڈ سیہر کی رائے ۲۴۰، صحابہ کرامؓ کے صحیفے ۲۴۱، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے صحیفے ۲۴۲، رسول اللہ کی عربوں میں لکھنے پڑھنے کے فن کے فروغ کی کوشش ۲۴۳، تحریر حدیث کی قدامت ۲۴۵

محمد سلیمان منصور پوری دیکھئے سلیمان منصور پوری، محمد

محمد سعد اللہ دیکھئے سعد اللہ، محمد

محمد شریف باجوہ: حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (۷) ۲۳۶-۲۴۵

نام و نسب ۲۳۶، قبول اسلام ۲۳۶، ہجرت ۲۳۶، غزوات ۲۳۶، متفرق خدمات ۲۳۸، شام کی سپہ سالاری ۲۳۹، فتح دمشق ۲۳۹، اردن کی فتح ۲۳۹، حمص کی فتح ۲۴۰، یرموک کا فیصلہ کن معرکہ ۲۴۰، رومیوں کی آخری کوشش ۲۴۲، امارت

۲۴۲، طاعون عمواس ۲۴۲، اخلاق و عادات ۲۴۴،
حلیہ ۲۴۵، اولاد و ازواج ۲۴۵
محمد شریف، راجہ: حضرت اسامہ بن زید (۷) ۴۷۳—۴۸۰
نام و نسب ۴۷۳، پیدائش، اسلام اور ہجرت ۴۷۳، غزوات
۴۷۴، فتح مکہ ۴۷۴، سریہ اسامہؓ بن زید ۴۷۴، دور فاروقی
۴۷۶، عہد عثمانی ۴۷۶، عہد معاویہؓ و علیؓ ۴۷۶، وفات
۴۷۶، اہل و عیال ۴۷۶، ذریعہ معاش ۴۷۷، فضائل و اخلاق
۴۷۷، فضل و کمال ۴۷۹، اخلاق و عادات ۴۷۹، رسولؐ
خدا کی خدمت ۴۷۹، سنت کی پابندی ۴۷۹، اطاعت
والدین ۴۸۰
محمد شریف، راجہ: حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۲۳—۲۲۸
پیدائش ۲۲۳، قبول اسلام ۲۲۳، شہادت ۲۲۳، نام و
نسب ۲۲۳، مواخات ۲۲۴، ہجرت ۲۲۴، غزوات:
غزوہ ودان ۲۲۵، غزوہ ذوالعشیرہ ۲۲۵، غزوہ بدر ۲۲۵،
غزوہ بنو قینقاع ۲۲۵، غزوہ احد، شہادت، تجہیز و تکفین،
سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حزن و ملال ۲۲۷، اخلاق
۲۲۸، ازواج و اولاد ۲۲۸
محمد شریف، راجہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (۷) ۴۴۴—۴۷۲
نام و نسب ۴۴۴، خاندانی حالات ۴۴۴، قبول اسلام سے
پہلے ۴۴۵، قبول اسلام ۴۴۸، غزوات ۴۴۹، سریہ موتہ ۴۴۹،
فتح مکہ ۴۵۰، سریہ خالدؓ بن ولید انہدام عزیٰ ۴۵۰،
سریہ خالد بن ولید الیٰ بنو جذیمہ ۴۵۰، غزوہ حنین ۴۵۱،
غزوہ طائف ۴۵۱، تبوک ۴۵۱، سریہ خالد بن ولید (سریہ
نجران) ۴۵۲، حضرت خالد یمن میں ۴۵۲، دور صدیقیؓ
کی مشکلات ۴۵۲، کاذب مدعی نبوت طلیحہ کی سرکوبی ۴۵۲،
ام زمل کی سرکوبی ۴۵۳، مالک بن نویرہ کا قتل ۴۵۳، مسیلمہ
کذاب کی پامالی جنگ یمامہ ۱۱ھ ۴۵۴، مرتدین کی سرکوبی
۴۵۵، عراق پر فوج کشی کے اسباب ۴۵۵، جنگ الیہ ۴۵۶،
جنگ مذار ۴۵۶، جنگ ولجہ ۴۵۶، جنگ الیس ۴۵۷، فتح
امغیشیا ۴۵۷، حیرہ کی فتح ۴۵۷، نماز فتح ۴۵۸، جنگ انبار
۴۵۸، معرکہ عین التمر ۴۵۹، معرکہ دومۃ الجندل ۴۵۹، حصید
کی تسخیر ۴۵۹، فتح مصیخ ۴۶۰، جنگ ثنی اور بشر ۴۶۰، جنگ
فراض ۴۶۱، حضرت خالد کا خفیہ حج ۴۶۱، فتوحات شام
۴۶۲، جنگ بصریٰ ۴۶۲، اجنادین ۴۶۲، فتح دمشق ۴۶۲،
معرکہ فحل ۴۶۳، دمشق کا دوسرا معرکہ ۴۶۳، حمص ۴۶۳،
فتح حاضر ۴۶۴، فتح قنسرین ۴۶۵، بیت المقدس
۴۶۵، حمص کی بغاوت ۴۶۵، حضرت خالد کی معزولی ۴۶۵،
گورنری ۴۶۷، وفات ۴۶۷، اولاد ۴۶۸، فضل و کمال ۴۶۸،
رضائے نبویؐ ۴۶۹، احترام نبویؐ ۴۶۹، آثار نبویؐ سے
تبریک ۴۶۹، جہاد فی سبیل اللہ ۴۶۹، آنحضرت صلعم کا مدح
کرنا ۴۷۰، خلیفۂ رسولؐ کا مدح کرنا ۴۷۰، حضرت خالدؓ کی
جنگی قابلیت ۴۷۱، حق پرستی ۴۷۲، اشاعت اسلام ۴۷۲
محمد شریف راجہ: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) ۲۲۹—۲۳۵
نام و نسب ۲۲۹، ابتدائی حالات ۲۲۹، اسلام ۲۳۱، شادی
۲۳۱، ہجرت ۲۳۱، غزوات ۲۳۲، متفرق کارنامے ۲۳۲، سریہ
موتہ اور شہادت ۲۳۳، اخلاق ۲۳۴، اسلام سے محبت ۲۳۵،
حلیہ اور عمر ۲۳۵، ازواج و اولاد ۲۳۵
محمد شریف، راجہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۷) ۴۱۵—۴۴۳
نام و نسب ۴۱۵، قبل از اسلام ۴۱۵، اسلام کی طرف میلان ۴۱۶،
قبول اسلام ۴۱۶، ہجرت ۴۱۸، غزوات و سرایا ۴۱۸، سریہ
ذات السلاسل ۴۱۸، سریہ عمرو بن العاص انہدام سواع ۴۱۹،

سفارت ۴۱۹، فتنہ ارتداد ۴۲۰، فتوحات شام ۴۲۱، اجنادین ۴۲۱، دمشق ۴۲۲، فحل اور بیسان ۴۲۲، یرموک ۴۲۲، بقیۂ فلسطین ۴۲۳، بیت المقدس ۴۲۳، طاعون عمواس ۴۲۴، فتوحات مصر ۴۲۴، فرما کی فتح ۴۲۵، بلبیس اور ام دنین کی فتح ۴۲۵، عین شمس یا فسطاط ۴۲۵، اسکندریہ کی طرف پیش قدمی ۴۲۶، مقوقس ۴۲۶، کریون ۴۲۶، اسکندریہ کی فتح ۴۲۶، فتوحات مغرب برقہ ۴۲۹، زویلہ ۴۲۹، طرابلس ۴۲۹، صبراتہ (سبرۃ) ۴۲۹، مصر کی گورنری اور سکندریہ کی بغاوت ۴۳۰، معزولی ۴۳۰، فلسطین کی سکونت ۴۳۲، عہد علیؓ و معاویہؓ ۴۳۲، مصر پر حملہ ۴۳۴، مؤقف میں اختلاف، قاتلانہ حملہ ۴۳۶، وفات ۴۳۶، اولاد ۴۳۸، حلیہ ۴۳۸، عادات و فضائل ۴۳۸، قوت ایمان ۴۳۹، حق پسندی ۴۴۰، تدبیر و سیاست ۴۴۰، جہاد فی سبیل اللہ ۴۴۰، صدقہ و خیرات ۴۴۱، فضل و کمال ۴۴۱، تعلیم و تلقین ۴۴۲، علم اجتہاد ۴۴۲، فصاحت و بلاغت ۴۴۲

محمد شریف، راجہ: سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) ۲۹۷ — ۳۳۹

نام و نسب، خاندان ۲۹۷، قبول اسلام تک ۲۹۸، رسول اللہؐ سے تعلق ۲۹۹، قبول اسلام ۲۹۹، اشاعت اسلام ۳۰۰، مکی زندگی ۳۰۱، مسلسل رفاقت ۳۰۱، ہجرت حبشہ کا ارادہ ۳۰۲، رشتۂ مصاہرت ۳۰۳، صدیق کا لقب ۳۰۳، ہجرت مدینہ اور رفاقت نماز ۳۰۳، مدینہ میں ورود مسعود ۳۰۷، مواخات ۳۰۷، تعمیر مسجد ۳۰۷، غزوات ۳۰۷، غزوہ بدر ۳۰۸، غزوہ احد ۳۰۸، آل ابوبکرؓ کی برکات ۳۰۸، واقعہ افک — ایک کڑی آزمائش ۳۰۹، سریہ ام قرفہ ۳۱۰، واقعہ حدیبیہ ۳۱۰، سریہ بنو کلاب ۳۱۱، فتح مکہ ۳۱۲، غزوہ حنین و طائف ۳۱۲، غزوہ تبوک اور انفاق فی سبیل اللہ ۳۱۲، امارت حج ۳۱۲، صحابہ کی امامت، ایک عظیم شرف ۳۱۳، پیکر صبر و استقلال ۳۱۴، سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت ۳۱۴، حضرت علیؓ کی بیعت میں تاخیر کا سبب ۳۱۶، قضیہ فدک ۳۱۶، اسامہ بن زیدؓ والی مہم ۳۱۷، مدعیان نبوت کا استیصال ۳۱۸، مرتدین کا استیصال ۳۱۹، منکرین زکوٰۃ کی تادیب ۳۱۹، تدوین قرآن ۳۱۹، یہ نسخہ کب تک محفوظ رہا ۳۲۰، فتوحات — ایران و روم کی مخالف حکومتیں ۳۲۰، عراق کی مہم ۳۲۱، شام پر فوج کشی ۳۲۲، مرض الموت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف ۳۲۳، آخری وصیتیں اور وفات ۳۲۳، ازواج و اولاد ۳۲۴، حلیہ ۳۲۴، لباس و غذا ۳۲۴، ذریعۂ معاش ۳۲۴، وظیفۂ خلافت ۳۲۵، انفاق فی سبیل اللہ ۳۲۵، اخلاق و عادات ۳۲۵، ایثار ۳۲۵، شجاعت ۳۲۶، تواضع ۳۲۶، مذہبی زندگی ۳۲۶، خانگی زندگی ۳۲۷، مہمان نوازی ۳۲۷، بخل سے نفرت ۳۲۷، تشکر ۳۲۸، رازداری ۳۲۸، رقیق القلبی ۳۲۸، حب رسول ۳۲۹، حب اہل بیت ۳۲۹، عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ ۳۳۰، نظام خلافت ۳۳۱، حکام کے انتخاب میں احتیاط ۳۳۱، حکام کی نگرانی ۳۳۲، مالی انتظام ۳۳۲، فوجی نظام ۳۳۳، ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت ۳۳۴، تحفظ دین ۳۳۴، خدمت حدیث ۳۳۴، محکمۂ افتا ۳۳۵، تین چیزوں کی تمنا ۳۳۵، تین چیزیں آنحضرت صلعم سے پوچھنے کی آرزو ۳۳۵، علمی کمالات۔ خطابت ۳۳۵، طرز ادا ۳۳۶، تعبیر ۳۳۶، نسب دانی ۳۳۶، شاعری ۳۳۷، امامت و اجتہاد، فقاہت ۳۳۷، علم تفسیر ۳۳۸، خلافت صدیق پر اشارات نبویؐ ۳۳۸، جامع المناقب ۳۳۹

محمد شریف، راجہ: سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

(۷) ۲۴۶ — ۲۹۶

نام و نسب ۲۴۶، اسلام ۲۴۷، مکہ کی زندگی ۲۴۷، انتظام دعوت ۲۴۷، ہجرت ۲۴۸، جان نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ۲۴۸،

تعمیر مسجد ۲۴۹، غزوۂ بدر ۲۴۹، حضرت فاطمہؓ سے نکاح
۲۵۰، دعوتِ ولیمہ ۲۵۰، غزوۂ احد ۲۵۰، غزوہ خندق ۲۵۱،
غزوۂ بنو قریظہ ۲۵۱، سریہ فدک ۲۵۱، صلح حدیبیہ ۲۵۱،
غزوہ خیبر ۲۵۲، مکہ کی مہم ۲۵۲، ایک غلطی کا ازالہ ۲۵۳،
غزوہ حنین ۲۵۴، سریہ بنو طے ۲۵۴، اہل بیت کی حفاظت
۲۵۴، تبلیغ فرمانِ رسولؐ ۲۵۴، سریہ علیؓ بسوئے یمن ۲۵۵،
حج الوداع میں شرکت ۲۵۵، صدمۂ عظیمہ ۲۵۵، خلیفۂ
اول کی بیعت، توقف کی وجہ ۲۵۵، عہد فاروقی، دورِ عثمانی،
بیعت خلافت، قاتلانِ عثمانؓ کی تلاش ۲۵۷، امیر معاویہؓ کی
معزولی ۲۵۸، حضرت معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں ۲۵۹،
حضرت عائشہ کی قصاص پر آمادگی ۲۵۹، حضرت علیؓ کی
تیاریاں ۲۶۰، مصالحت کی کوششیں اور سبائیوں کی فتنہ انگیزی
۲۶۱، جنگ جمل ۲۶۲، مرکز خلافت کی تبدیلی ۲۶۳، صلح کی
دعوت ۲۶۴، پھر مصالحت کی کوشش ۲۶۶، معرکہ صفین
۲۶۷، پانی کے لئے کشمکش ۲۶۷، میدان جنگ میں مصالحت کی
کوشش ۲۶۷، مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی ۲۶۷،
لیلۃ الہریر کی فیصلہ کن جنگ ۲۶۸، تحکیم کی تجویز اور حکم کا
انتخاب ۲۷۰، تحکیم کا نتیجہ ۲۷۱، فیصلہ کا اعلان ۲۷۲، خوارج
کی سرکشی ۲۷۳، معرکۂ نہروان ۲۷۴، شام کا قصد اور حیدری
لشکر کی کمزوری ۲۷۵، ابن حضرمی کی بصرہ میں آمد ۲۷۷، خریت
بن راشد کی بغاوت ۲۷۷، امیر معاویہؓ کا طرز عمل ۲۷۷، حجاز
اور عرب کے لئے کشمکش ۲۷۹، فریقین میں مصالحت ۲۷۹، فتوحات ۲۷۹،
بغاوتوں کا استیصال ۲۸۰، حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ۲۸۰،
ازواج و اولاد ۲۸۱، حلیہ ۲۸۲، عہد مرتضوی پر ایک نظر
۲۸۲، نظام خلافت میں اصلاح ۲۸۴، فوجی انتظامات ۲۸۴،
صیغۂ مال ۲۸۴، عمال کی اخلاقی نگرانی ۲۸۴، بیت المال
کی حفاظت ۲۸۵، خراج کی آمدنی کا احتساب ۲۸۶، ذمیوں کے
ساتھ سلوک ۲۸۶، عدل و مساوات ۲۸۷، بازار کی نگرانی ۲۸۷،
مذہبی خدمات ۲۸۷، فضل و کمال ۲۸۷، تفسیر اور علوم القرآن ۲۸۸،
علم حدیث ۲۸۸، فقہ و اجتہاد ۲۸۸، قضا اور فیصلے ۲۸۹، تقریر و
خطابت ۲۹۰، شاعری ۲۹۲، علم نحو کی ایجاد ۲۹۲، اخلاق و
عادات ۲۹۲، عبادت و ریاضت ۲۹۳، انفاق فی سبیل اللہ ۲۹۳،
امانت و دیانت ۲۹۴، شجاعت ۲۹۴، اصابت رائے ۲۹۵،
تواضع ۲۹۵، غذا اور لباس ۲۹۶، سیرۃ المرتضیٰؓ پر ایک جامع
تبصرہ ۲۹۶

محمد شریف، راجہ : سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۳۴۰ – ۴۱۴

نام و نسب اور خاندان ۳۴۰، ولادت اور ابتدائی حالات ۳۴۰،
قبول اسلام ۳۴۱، ہجرت ۳۴۳، اذان – دیباچۂ نماز ۳۴۴،
غزوات و مشاہد ۳۴۴، غزوہ احد ۳۴۵، نکاح حضرت حفصہ
۳۴۶، غزوہ مریسیع تک ۳۴۶، غزوۂ خندق ۳۴۷، غزوۂ
حدیبیہ ۳۴۷، غزوہ خیبر ۳۴۸، سریہ ترسیہ ۳۴۹، فتح مکہ
۳۴۹، غزوہ حنین ۳۴۹، غزوۂ تبوک ۳۵۰، وفات
ابن ابی ۳۵۰، ذوالخویصرہ ۳۵۱، حجۃ الوداع ۳۵۱، وفات
نبی صلعم ۳۵۱، بیعت سقیفہ ۳۵۲، خلافتِ صدیقیؓ – جمع
قرآن کا مشورہ ۳۵۲، حضرت عمرؓ کا استخلاف ۳۵۲، امیر المومنین
کے اعمال عظیمہ ۳۵۳، خلافت اور فتوحات ۳۵۴، فتوحاتِ
عراق ۳۵۴، واقعہ بویب ۱۴ھ ۳۵۵، ایرانیوں کا جوش
۳۵۶، حضرت عمرؓ کی تیاریاں ۳۵۶، اسلامی سفارت ۳۵۷،
جنگِ قادسیہ محرم ۱۴ھ ۳۵۷، ایران کے پایۂ تخت مدائن پر
قبضہ ۳۵۹، جلولا کا معرکہ ۱۶ھ ۳۶۰، حلوان پر قبضہ ۳۶۰،
جزیرہ ۳۶۰، تکریت پر قبضہ ۳۶۰، خوزستان ۳۶۱، عراق

عجم پر فوج کشی ۳۶۲، ایران پر عام لشکر کشی ۳۶۲، اصفہان ۳۶۳، ہمدان کی بغاوت ۳۶۳، رَے وغیرہ کی فتح ۳۶۳، طبرستان ۳۶۳، آذربائیجان ۳۶۴، آرمینیہ ۳۶۴، فارس ۳۶۴، کرمان ۳۶۵، سیستان ۳۶۵، مکران ۳۶۵، خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ ۳۶۶، فتوحات شام ۳۶۷، فتح دمشق ۳۶۷، اردن کی فتح — معرکہ فحل ۳۶۸، حمص وغیرہ کی فتح ۳۶۸، میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ ۳۶۸، مسلمانوں کی تیاریاں ۳۶۹، معرکہ یرموک ۳۶۹، بیت المقدس ۳۷۰، بیت المقدس کا سفر ۳۷۰، حمص میں بغاوت ۳۷۱، حضرت خالد بن ولید کی معزولی ۳۷۱، طاعون عمواس ۳۷۲، قیساریہ کی فتح ۳۷۲، مصر کی فتوحات ۳۷۲، فسطاط کا محاصرہ اور فتح ۳۷۳، اسکندریہ کی فتح ۳۷۳، متفرق فتوحات ۳۷۴، طرابلس الغرب کی تسخیر ۳۷۴، حضرت عمرؓ کی شہادت ۳۷۴، جانشین ۳۷۵، آخری وصیتیں ۳۷۶، وفات ۳۷۶، حلیہ ۳۷۷، مسکن ۳۷۷، ازواج و اولاد ۳۷۷، موالی ۳۷۸، فاروقی کارنامے ۳۷۸، حضرت عمر کا حقیقی کارنامہ ۳۷۹، جمہوری حکومت ۳۷۹، نظامِ حکومت ۳۸۱، عہدہ داروں کا انتخاب ۳۸۱، تنخواہ ۳۸۱، عاملوں کی تحقیقات ۳۸۱، صیغۂ محاصل ۳۸۳، محکمۂ آب پاشی ۳۸۳، اور قسم کی آمدنیاں ۳۸۴، بیت المال ۳۸۴، بیت المال کی حفاظت ۳۸۵، صیغۂ عدالت ۳۸۵، محکمۂ افتا ۳۸۷، فوجداری اور پولیس ۳۸۷، جیل خانہ کی ایجاد ۳۸۷، تعمیرات ۳۸۷، مستعمرات ۳۸۸، فوجی انتظامات ۳۹۰، مذہبی خدمات ۳۹۲، شعبۂ تعلیم — خدمتِ قرآن ۳۹۲، حدیث کی خدمات ۳۹۳، فقہ کی خدمات ۳۹۵، تعمیر مساجد ۳۹۵، اجرا اور احکام ۳۹۵، نماز کی امامت ۳۹۶، امارتِ حج ۳۹۶، متفرق انتظامات ۳۹۷، ذمیوں کے حقوق ۳۹۸، غلامی کا رواج کم کرنا ۳۹۸، سیاست و تدبیر، امن و امان ۳۹۹، امن و امان کی حالت ۴۰۰، انصاف میں مساوات ۴۰۱، علم و فضل ۴۰۲، علم فقہ ۴۰۴، اخلاق و عادات ۴۰۴، خشیت الٰہی ۴۰۴، آیات قرآنی سے تاثر ۴۰۵، حُبّ رسولؐ اور اتباعِ سنت ۴۰۵، حب اہلِ بیت، حُبِ متعلقین رسالت ۴۰۷، حب مدینہ ۴۰۸، زہد و قناعت ۴۰۸، سادگی ۴۰۹، مزاج کی شدت ۴۰۹، شفقت ۴۰۹، غذا و لباس ۴۱۰، جود و سخا ۴۱۰، بخل سے اجتناب ۴۱۱، نظافت ۴۱۱، صلۂ رحمی ۴۱۱، محارم سے اجتناب ۴۱۲، عصمت ۴۱۲، شہادت ۴۱۲، حضرت عمرؓ کی جامعیت ۴۱۲، حضرت عمرؓ کی اولیات ۴۱۳

محمد عبدالحکیم شرف قادری دیکھئے شرف قادری، محمد عبدالحکیم

محمد عبدالمالک دیکھئے عبدالمالک، محمد

محمد عبداللہ سید دیکھئے عبداللہ، سید محمد

محمد عجاج الخطیب، دیکھئے محمد عجاج

محمد مسعود عبدہٗ: جنات بارگاہ نبویؐ میں (۹) ۱۶۹ — ۱۸۲

قرآن مجید میں جنات کا ذکر ۱۶۹، شیاطین پر آگ کے شعلے ۱۷۰، جنات کی ایک جماعت کا مکہ معظمہ میں پہنچنا ۱۷۱، بارگاہِ رسالتؐ میں جنات کی تعلیم ۱۷۱، آپؐ نے جنات کی ایک جماعت میں قتل کا فیصلہ فرمایا ۱۷۲، جن بھی عبادت کے لئے مکلّف ہیں ۱۷۲، جنوں کو تبلیغ دین کے لئے بھیجنا ۱۷۴، جنّوں کی پیدائش ۱۷۴، سیرت النبی از شبلی نعمانی میں جنات کا ذکر ۱۷۶، عرب شعراء کے کلام میں جنّوں کا ذکر ۱۷۶

محمد مسعود عبدہٗ: مدینۃ الرسولؐ بزبان محمد رسول اللہؐ۔ ترجمہ از مسعود مشہدی (۹) ۱۲۹ — ۱۴۰

ارشادات ۱۲۹، مدینہ منورہ کے لئے ضمانت تحفظ ۱۳۱، مدینہ

منورہ کی فضیلت ۱۳۱، مدینہ منورہ کے دوسرے نام ۱۳۲،
حدود حرم مدینہ ۱۳۵، مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور ۱۳۶، مسجد
نبویؐ میں عبادت کا ثواب ۱۳۷، آداب مسجد نبوی ۱۳۸
محمد متین ہاشمی، سید دیکھئے ہاشمی، سید محمد متین
محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی دیکھئے خازن مجددی، محمد نصر اللہ خاں
محمد نیاز عبداللہ دیکھئے عبداللہ، محمد نیاز
محمد یٰسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر دیکھئے مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین
محمد یحییٰ خان شفا دیکھئے شفا، محمد یحییٰ خان
محمد یوسف فاروقی: عہد نبویؐ میں سفارتی ادارہ (۷) ۶۰۱ — ۶۱۰
اسلام سے قبل عربوں کی سفارتی سرگرمیاں ۶۰۱، اسلام کے
بعد رابطوں کی تنظیم ۶۰۲، مدینہ میں پہلا مسلمان سفیر ۶۰۲،
اسلامی مملکت کے بعد سفارتی رابطے ۶۰۳، حضرت دحیہ
کلبی اور قیصر روم ۶۰۳، حکومت فارس کی طرف سفارت
۶۰۴، سفیر رسولؐ نجاشی کے دربار میں ۶۰۵، مملکت مصر
سے سفارتی رابطہ ۶۰۵، بحرین کے لئے سفارت ۶۰۶،
سلطنت عمان کے لئے سفارت ۶۰۶، یمامہ کی طرف ترسیل
سفیر ۶۰۶، دمشق سے سفارتی رابطہ ۶۰۷، دوسری متفرق
سفارتیں ۶۰۷، سفارتی رابطوں کے اثرات ۶۰۷، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیروں کے ساتھ طرز عمل ۶۰۸
مرتضیٰ المطہری، شہید: النبی الامی۔ ترجمہ از نور الٰہی (۷) ۷۲۱ — ۷۵۲
غیر مسلموں کے اعتراضات ۷۲۲، بعثت سے قبل کا دورسا
۷۲۴، بعثت سے بعد کا دور ۷۲۴، عہد رسالتؐ بالخصوص
قیام مدینہ کے دوران ۷۲۶، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خط و کتابت
۷۲۷، صلح حدیبیہ ۷۳۰، ڈاکٹر سید عبداللطیف کا عجیب و
غریب دعویٰ ۷۳۳، لفظ اُمی کا مفہوم ۷۳۶، پہلی تفسیر
۷۳۶، دوسری تفسیر ۷۳۷، تیسری تفسیر ۷۳۸، کلام ہذا پر ناقدانہ
نظر ۷۳۹، آخری قرآنی مقطع ۷۴۶، دوسرا واقعہ (یعنی صلح حدیبیہ
کے واقعہ سے استدلال ۷۴۹، آخری نتیجہ ۷۵۰
مسعود سولیم الشامان دیکھئے الشامان، مسعود سولیم
مسعود مشہدی، سید: شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (جنہوں نے حضورؐ
کے پیغام پر لبیک کہا) (۹) ۲۰۶ — ۲۲۸
سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت ۲۰۶، حضرت یاسر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی شہادت ۲۰۶، حضرت حارث بن ابی ہالہ کی شہادت
۲۰۷، حضرت زیدؓ کی شہادت ۲۰۸، بنو خزاعہ کا قتل ۲۰۸، فتح مکہ
کے دن کے شہید ۲۰۹، شہید کے معنی ۲۰۹، میدان بدر ۲۱۱، بدر کے
شہید ۲۱۲، جبل احد کا تعارف ۲۱۵، غزوہ احد کے شہداء ۲۱۷،
عریف کے شہید ۲۲۱، یوم رجیع کے شہید ۲۲۱، بئر معونہ کے شہداء
۲۲۲، شہید مریسیع ۲۲۲، شہدائے بنو قریظہ ۲۲۲، غزوۂ غابہ کے
شہید ۲۲۲، ذی القصّہ کے شہید ۲۲۳، سریہ وادی القریٰ کا شہید
عرنیین کا شہید ۲۲۳، خیبر کے شہید ۲۲۳، شہید سریہ حزبہ ۲۲۳،
ابن ابی العرجاء ۲۲۳، شہید الطلح ۲۲۳، شہدائے موتہ ۲۲۴، زید
بن حارث بن شرحبیل الکلبی ۲۲۴، جعفر طیار بن ابی طالب بن
عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ۲۲۴، عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ الخزرجی
۲۲۴، شہدائے حنین ۲۲۵، شہدائے طائف ۲۲۵
مسعود مشہدی، سید: جنت البقیع (۹) ۱۶۴ — ۱۶۸
جنت البقیع کا محل وقوع ۱۶۴، اب آیئے اندر چلیں ۱۶۵، جن
ہستیوں کے اجسام کو پہلے اس کے سپرد کیا گیا ۱۶۵، ازواج مطہرات
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶۶، بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۱۶۷، اہل بیت ۱۶۷
مسعود مشہدی (مترجم): عظیم یادیں (جنہیں حضورؐ سے نسبت ہے)
(۹) ۱۸۷ — ۲۰۵
مقامات سجود (نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۸۷، خیمہ گاہ ۱۸۸،

بڑھیا کا گھر ۱۸۸، طویل سجدہ ۱۸۸، لبطن الوادی یا وادی ذی صلب ۱۸۹، مشربۂ اُمّ ابراہیم ۱۸۹، مسجد بنی ظفر ۱۸۹، مسجد الاجابہ ۱۸۹، مسجد احزاب، مسجد اعلیٰ اور مسجد فتح ۱۹۰، بنی حرام الکبیر ۱۹۲، کھف بنی حرام ۱۹۲، مسجد قبلتین ۱۹۲، مسجد سقیا ۱۹۲، ثنیۃ الوداع کے قریب ۱۹۳، مسجد البقیع ۱۹۳، رکن جبل العینین ۱۹۳، مصرع حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یا مسجد العسکر ۱۹۱، مسجد ابی ذر غفاریؓ ۱۹۴، مسجد ابی بن کعب، بنی جدیلہ البقیع ۱۹۴، مسجد مصلی یا مسجد غمامہ ۱۹۴، مسجد ابی بن کعب ۱۹۴، حدود مدینہ منورہ ۱۹۴، مسجد ابی ابن کعب ۱۹۴، مسجد بنی حرام ۱۹۴، مسجد الخربہ ۱۹۵، مسجد بنی غفار ۱۹۵، مسجد بنی زریق ۱۹۵، مسجد بنی ساعدہ ۱۹۵، مسجد بنی حرارہ ۱۹۵، مسجد بنی رائج ۱۹۵، مسجد راتم، مسجد القرصہ ۱۹۵، مسجد حارثہ ۱۹۵، مسجد شیخین یا مسجد البدائع ۱۹۶، مسجد بنی دینار ۱۹۶، مسجد بنی عدی اور مسجد دار النابعہ ۱۹۶، مسجد بنی مازن ۱۹۶، مسجد بنی عمرو ۱۹۶، مسجد بقیع الزبیر ۱۹۶، مسجد صدقہ الزبیر ۱۹۶، مسجد بنی خدرہ ۱۹۶، مسجد بنی حارث و مسجد السُنخ ۱۹۷، مسجد بنی الحبلیٰ ۱۹۷، مسجد بنی بیاضہ ۱۹۷، مسجد بنی خطمہ ۱۹۷، مسجد بنی امیہ الدری ۱۹۷، مسجد بنی واقف ۱۹۷، مسجد بنی انیف ۱۹۷، مسجد دار سعد ابن خیثمہ ۱۹۸، مسجد النورؒ ۱۹۸، مسجد عتبان بن مالک ۱۹۸، مسجد منارتین ۱۹۸، مسجد فیفاء الخبار ۱۹۸، مسجد بین الپتبائہ و مبُشر شداد ۱۹۸، مسجد التوبہ ۱۹۸، انبیاء کرام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیار کردہ راہیں اور قرب وجوار کی مساجد ۱۹۸، مدینہ منورہ تا مکہ معظمہ ۱۹۸، سابقہ انبیاء علیہم السلام بھی انہی راہوں سے گزرے تھے ۱۹۸، مسجد شجرہ ۱۹۹، ذی الحلیفہ ۱۹۹، مسجد آخر بذی الحلیفہ ۱۹۹، مسجد المعرّس ۱۹۹، مسجد شرف الروحاء ۱۹۹، مسجد المنصرف: الغزالہ ۲۰۰، مسجد الرویثہ ۲۰۰، مسجد ثنیۃ الرکوبہ ۲۰۰، مسجد الاثایہ ۲۰۱، مسجد العرج ۲۰۱، مسجد المنبجس ۲۰۱، مسجد لحی جمل ۲۰۱، مسجد السُقیا ۲۰۱، مسجد مدلجہ تعھن ۲۰۱، مسجد الرمادۃ ۲۰۱، مسجد الابواء ۲۰۱، مسجد البیضہ ۲۰۱، مسجد عقبہ ہرشی ۲۰۱، مسجد الجحفہ ۲۰۱، مسجد غدیر خم ۲۰۱، مسجد طرف قدید ۲۰۲، مسجد عند حسرۃ خلیص ۲۰۲، مسجد بطن مر الظہران ۲۰۲، مسجد سرف ۲۰۲، ۲۰۲، مسجد تنعیم ۲۰۲، مسجد عمرات الرسول ۲۰۲، مسجد ذی طویٰ ۲۰۲، موجودہ مجوزہ راہوں پر مساجد ۲۰۳، دبۃ المستعجلۃ ۲۰۳، شعب سیر ۲۰۳، متعدد مساجد ۲۰۳، مسجد الصفراء ۲۰۳، مسجد ثنیۃ المبرک ۲۰۳، مسجد بدر ۲۰۳، مسجد العشیرہ ۲۰۳، مساجد الفرع ۲۰۳، مسجد الاعلیٰ ۲۰۳، مسجد الفیفۃ ۲۰۴، مسجد مقمل ۲۰۴، مسجد العصر ۲۰۴، مسجد الصھباء ۲۰۴، خیبر کے قریب مساجد ۲۰۴، مسجد الشق اور نطاط ۲۰۴، مسجد شمران ۲۰۴، مساجد تبوک ۲۰۴، مسجد کدید ۲۰۴، مسجد شجرۃ بالحدیبیہ ۲۰۴، مسجد ذات عراق ۲۰۵، مسجد الجعرانہ ۲۰۵، مسجد لیلیۃ ۲۰۵، مسجد الطائف ۲۰۵

مسعود مشہدی (مترجم): مدینۃ الرسولؐ بزبان محمد رسول اللہ۔ ترجمہ از مسعود مشہدی (۹) ۱۲۹ — ۱۷۰

مسعود مشہدی، محمد (مترجم): ہجرت نبویؐ (قیام، راہیں، منزلیں) از عبدالقدوس انصاری (۸) ۳۲۱ — ۳۲۶

مطلوب حسین، سید: کائنات، انسان، ضرورتِ نبوت اور ختمِ نبوت کی اہمیت۔ (۸) ۶۸۶ — ۷۳۱

علم کلام کی ایجاد ۶۸۶، مسلمان منکرین کا تصور ارتقاء ۶۸۷، ڈارون کا نظریہ ارتقاء ۶۸۸، جوہر روح ۶۹۱، انسان شاہکار تخلیق ہے ۶۹۱، پروردگار عالم ہستی کا وجود ۶۹۲، منتخب گروہ انبیاءؑ کا ہے ۶۹۵، توحید پرستی یا خدا پرستی کا تصور ۶۹۶، تستری کا نظریہ نور محمدؐ ۶۹۸، بعثت سے قبل کا دور اور بعثت کے بعد کا دور ۷۰۳، تصور الٰہ ۷۰۴، مختلف مذاہب میں تصور الٰہ ۷۰۵، تصور نبوت ۷۰۹، تصور جزا و سزا ۷۱۲، صلوٰۃ ۷۱۸، الزکوٰۃ

۱۸/۷، الصوم ۱۸/۷، الحج ۱۹/۷، الجہاد ۱۹/۷، معاشرے میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا نفاذ ۲۲/۷، خطبۂ حجۃ الوداع سے اقتباس ۲۳/۷، آپؐ نے احسان کا اعلان فرمایا ۲۵/۷، حرفِ آخر ۲۶/۷، مخلوقاتِ عالم پر نظر ڈال کر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت معلوم ہوتی ہے ۲۹/۷، واقعہ معراج کی اہمیت ۳۰/۷

مطلوب حسین، سید: واقعۂ ہجرت کی عالمگیر اہمیت (۸) ۲۰۹ — ۲۲۳

ہجرت کا معنی ۲۰۹، ہجرت کی تاریخ ۲۰۹، انسان کی پہلی ہجرت ۲۱۰، دوسری ہجرت ۲۱۱، حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت ۲۱۱، حضرت یوسفؑ کی ہجرت ۲۱۲، حضرت موسیٰؑ کی ہجرت ۲۱۳، رسولِ خدا کی ہجرت ۲۱۴، ہجرتِ حبشہ ۲۱۶، ہجرتِ مدینہ ۲۲۱، فوری اثرات ۲۲۲، اسلامی اخوت کا درس ۲۲۲، یہودِ مدینہ کے ساتھ معاہدۂ امن ۲۲۲، اہلِ مکہ کے ساتھ نبرد آزمائی اور جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا نفاذ ۲۲۳، عالمگیر اثرات ۲۲۳، تصورات کی دنیا میں انقلاب ۲۲۳، احترامِ آدمی ۲۲۵، معراجِ علم و تحقیق ۲۲۸

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبوی میں تنظیمِ ریاست و حکومت (۵) ۲۴۱ — ۳۲۴

باب اول: ریاست کا ارتقاء ۲۴۲، اسلامی ریاست: منہاج و مقصد ۲۴۳، تاریخی و نظریاتی پس منظر ۲۴۳، پہلا مرحلہ: ہجرت ۲۴۵، دوسرا مرحلہ: امت کی تشکیل ۲۴۹، تیسرا مرحلہ: دستورِ نبویؐ ۲۵۲، متنِ دستورِ نبویؐ ۲۵۳، دستورِ مدینہ کا تجزیہ ۲۵۶، مقامِ رسولِ کریمؐ ۲۶۱، چوتھا مرحلہ: ابتدائی مہمیں ۲۶۴، پانچواں مرحلہ: عظیم جدوجہد کا زمانہ ۲۷۲، چھٹا مرحلہ: اندرونی مخالفت ۲۷۵، ساتواں مرحلہ: قبائلِ عرب کی عداوت ۲۷۸، آٹھواں مرحلہ: اقدام کا آغاز ۲۸۵، نواں مرحلہ: فتوحاتِ عظیم ۲۹۰، دسواں مرحلہ: اوجِ تکمیل و کمال ۲۹۳، باب دوم: قبائلِ عرب اور اسلام ۲۹۸

قریش مکہ ۴۰۰، بنو عبد مناف ۴۱۰، (ا) بنو ہاشم ۴۱۰، (ب) بنو عبد شمس (بنو امیہ ۴۱۴) (ج) بنو المطلب ۴۱۹ (د) بنو نوفل ۴۲۰، بنو مخزوم ۴۲۱، بنو عدی ۴۲۵، بنو تیم ۴۲۸، بنو سہم ۴۲۹، بنو زہرہ ۴۳۰، بنو اسد ۴۳۳، بنو جمح ۴۳۴، بنو عبد الدار ۴۳۶، بنو عامر بن لوی ۴۳۷، بنو حارث بن فہر ۴۳۹، قریش الظواہر ۴۴۰، انصارِ مدینہ ۴۴۱، اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو مزیقیاء ۴۴۳، خزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو مزیقیاء ۴۴۳، اسلام اور بدوی قبائل ۴۴۴، مغربی قبائلِ عرب ۴۴۶، بنو ضمرہ ۴۴۷، بنو مدلج ۴۴۸، بنو غفار ۴۴۸، بنو دئل اور بنو حارث بن عبد مناۃ ۴۴۹، بنو جذیمہ ۴۵۰، بنو لیث ۴۵۰، بنو خزاعہ ۴۵۱، بنو اسلم ۴۵۲، بنو کعب بن عمرو ۴۵۲، بنو مصطلق ۴۵۳، جہینہ ۴۵۴، مزینہ ۴۵۵، ازد شنوءہ، دوس ۴۵۷، مشرقی قبائلِ عرب ۴۵۸، بنو اسد بن خزیمہ ۴۵۹، بنو سُلیم ۴۶۱، بنو غطفان ۴۶۴، بنو اشجع ۴۶۵، بنو فزارہ ۴۶۶، بنو مرہ، بنو عبس ۴۶۹، بنو ثعلبہ ۴۷۰، بنو محارب بن خصفہ ۴۷۰، ہوازن ۴۷۱، بنو عامر بن صعصعہ ۴۷۲، ثقیف ۴۷۵، باہلہ ۴۷۶، ہُذیل ۴۷۷، بنو طے ۴۷۸، شمالی قبائل ۴۸۰، بنو قضاعہ ۴۸۱، بنو بلی ۴۸۲، بنو بہراء ۴۸۳، سعد ہذیم ۴۸۳، بنو کلب ۴۸۴، بنو جذام ۴۸۸، بنو لخم ۴۸۹، بنو غسان ۴۹۰، جنوبی قبائل ۴۹۲، اشعر ۴۹۵، بجیلہ ۴۹۶، خثعم ۴۹۶، ہمدان ۴۹۷، حمیر ۴۹۸، مذحج ۴۹۸، بنو عنس ۴۹۹، بنو مراد ۵۰۰، سعد العشیرہ ۵۰۱، جعفی ۵۰۱، زبید ۵۰۲، رُہاء ۵۰۲، صداء ۵۰۳، نخع ۵۰۳، بنو الحارث بن کعب ۵۰۳، خولان ۵۰۴، نہد ۵۰۵، ازد ۵۰۵، کندہ ۵۰۶، حضرموت / حضارمہ ۵۰۷، الابناء ۵۰۸، قبائل پراگندہ عرب ۵۱۰، عبد القیس ۵۱۱، بنو حنیفہ ۵۱۳، ازد عمان ۵۱۵

مَہرَہ ۵۱۵، تمیم ۵۱۶، وائل ۵۱۷، بنو عنزہ بن وائل ۵۱۸، خلاصۂ بحث ۵۱۹، باب سوم : فوجی تنظیم عہدِ رسالت میں ۵۲۳، امراء سرایا (فوجی مہموں کے قائدین) ۵۲۵، غزوات نبویؐ ۵۳۸، عام نتائج ۵۴۰، اسلامی فوج کی ساخت اور طریق جنگ ۵۴۱، الحرس (محافظ فوج) ۵۴۴، معسکر سالار ۵۴۶، عرض ۵۴۶، اسلامی فوج کے ڈویژن ۵۴۷، شہسوار فوج (الخیل) کا ارتقاء ۵۴۷، صوبائی فوجی تنظیم ۵۴۹، افسرانِ افواج اسلامی کی قبائلی نمائندگی ۵۵۰، علمبردار (اصحاب الالویۃ والرایات) ۵۵۲، طلیعہ (گشتی دستے) ۵۵۶، جاسوس (عیون) ۵۵۸، راہبر (دلیل) ۵۶۱، اموالِ غنیمت اور قیدیوں کے نگران افسر (اصحاب المغانم) ۵۶۳، اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر (اصحاب السلاح والفرس) ۵۶۶، اسلامی ریاست کا رودتر افزوں ذخیرہ حربی ۵۶۷، محافظ جسم فوج یا دستے ۵۷۱، خلاصۂ بحث ۵۷۲، باب چہارم : اسلامی ریاست کا شہری نظم و نسق ۵۷۸، مرکزی شہری نظم و نسق ۵۷۹، مدینہ منورہ میں خلفاء (نائبین) رسولؐ ۵۷۹، مشیرانِ نبوی (المشیرون) ۵۸۲، سیکرٹری (کاتبین) ۵۸۸، حضرت بلال حبشی کا مقام ۵۹۴، سفرانِ نبویؐ (رسل) ۵۹۶، مخصوص افسرانِ نبویؐ (کمشنر) ۶۰۲، شعراء و خطباء (شاعر اور خطیب) ۶۰۴، متفرق ماتحت اور چھوٹے کارکن ۶۰۶، صوبائی انتظامیہ، شہری نظم و نسق ۶۰۸، والی، ولاۃ گورنر ۶۰۹، والیوں، گورنروں کے اختیارات ۶۲۰، مقامی تنظیمیں ۶۲۲، نقیب ۶۲۷، قضاۃ (قاضی) ۶۳۱، بازار کا انتظام اور اس کے افسر ۶۳۲، خلاصۂ بحث ۶۴۳، باب پنجم : اسلامی ریاست کا مالی نظام ۶۴۰، مسلمانوں کی اقتصادی حالت ۶۴۰، اسلامی ریاست کی آمدنی کے ذرائع اور وسائل ۶۴۵ — (الف) عطیات ۶۴۵ (ب) اموالِ غنیمت : نقد و جنس ۶۴۸ (ج) اموالِ غنیمت : جائداد مشتمل بر اراضی ۶۵۴ (د) جزیہ (س) صدقات ۶۶۶، نصاب زکوٰۃ — بھیڑ، بکری ۶۶۷، اونٹ ۶۶۷، گائے ۶۶۷، عمال الصدقات (افسرانِ محصول) ۶۷۰، مرکزی عاملین صدقات ۶۷۲، (افسرانِ محصول) ۶۷۰، مرکزی عاملین صدقات ۶۷۲، مقامی عاملین صدقات ۶۸۱، صدقات کے کاتبین ۶۸۶، خرص اور خارص (پیداوار کا تخمینہ اور اس کے افسر) ۶۸۷، حمیٰ (چراگاہ) کا نظام اور اس کے افسر ۶۹۰، عہدِ نبویؐ میں نظام قطائع ۶۹۳، طعمہ، طُعَم ۶۹۷، باب ششم : عہدِ نبویؐ کا مذہبی نظام ۷۰۲، دعوت اور دعاۃ ۷۰۴، معلمین ۷۰۸، افتاء اور مفتی ۷۱۴، ائمہ مساجد ۷۱۶، موذنینِ رسولؐ ۷۲۰، امورِ حج کی تنظیم ۷۲۲

مقصود احمد بھوپالی : سیر الطیبات [سرور کائنات کی بیٹیوں کا ذکر] (۷) ۱۹۰ — ۲۲۰

حضرت زینبؓ ۱۹۰، نام ۱۹۰، ولادت ۱۹۰، نکاح ۱۹۰، اسلام ۱۹۱، عام حالات ۱۹۱، اولاد ۱۹۴، وفات ۱۹۵، حضرت رقیہؓ ۱۹۶، نام ۱۹۶، ولادت ۱۹۶، نکاح ۱۹۶، اسلام ۱۹۶، حضرت عثمانؓ کا قبول اسلام اور حضرت رقیہؓ سے عقد کا عجیب واقعہ ۱۹۷، ہجرت ۱۹۸، علالت و وفات ۱۹۹، اولاد ۱۹۹، عام حالات ۲۰۰، حسن و جمال ۲۰۰، حضرت اُم کلثومؓ ۲۰۱، نام ۲۰۱، ولادت ۲۰۱، نکاح ۲۰۱، ہجرت ۲۰۲، حضرت فاطمہؓ ۲۰۲، نام ۲۰۲، لقب ۲۰۳، ولادت ۲۰۴، نکاح ۲۰۴، شادی کا حال حضرت علیؓ کی زبان قلم سے ۲۰۵، مہر ۲۰۶، سامان جہیز ۲۰۷، فضائل و مناقب ۲۰۷، آنحضرت صلعم کی سرگوشی و حادثہ جانگداز ۲۱۵، وفات ۲۱۷، مدفن ۲۲۰، شرف فضیلت ۲۲۰

مناظر احسن گیلانی، سید: تدوین حدیث (۶) ۴۳ — ۱۹۱
موضوع بحث کی تشریح ۴۳، حدیث کی حقیقت ۵۲، عام تاریخ اور فن حدیث ۵۴، حدیث کی مدرسی تعریف ۵۶، عام تاریخی ذخیروں سے حدیث کے امتیازات ۵۷، تدوین حدیث کے قدرتی عوامل ۶۳، حدیث کے ابتدائی راویوں کی تعداد ۷۰، کثرت تعداد کا روایتوں کی ثقاہت پر اثر ۷۱، صحابہ کرام حدیث کے زندہ نسخے تھے ۸۱، حدیث کا بہت بڑا حصہ متواتر ہے ۸۲، قرآن کی طرح حدیث کے بھی حفظ کا اہتمام تھا ۸۴، تقریباً سارے محدثین بے مزد خدمت حدیث میں مشغول رہے ۸۶، احتیاط کا حال ۸۹، محدثین کے زہد و تقویٰ کی چند مثالیں ۹۴، حفظ اور کتابت ۱۰۱، کتابت حدیث کی روایات و دلائل ۱۰۸، حکم تحریر حدیث اور عصمت نبویؐ ۱۱۳، حجیت حدیث کے چند قرآنی دلائل ۱۱۷، تاریخ تدوین حدیث ۱۱۸، آنحضرتؐ کے دور میں تدوین حدیث ۱۱۸، آنحضرتؐ سے روایت کرنے والوں کی تعداد ۱۲۴، عہد صدیقی اور تدوین حدیث ۱۲۵، حضرت ابوبکرؓ نے پانسو حدیثیں قلمبند کیں ۱۲۵، تحقیق حدیث کے لئے اصول شہادت کی بنیاد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رکھی ۱۲۷، تدوین حدیث کی تاریخ میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک اور اہم خدمت ۱۳۲، حدیث سے متعلق عہد صدیقی کا ایک اہم وثیقہ اور اس پر مبسوط بحث ۱۴۵، عہد فاروقی اور تدوین حدیث ۱۶۲، حضرت عمرؓ کی روایات کی تعداد ۱۶۳، تدوین حدیث کا خیال، لیکن پھر بربنائے مصلحت تامل ۱۶۹، عہد مرتضوی اور تدوین حدیث ۱۸۱

منصور، فیض اللہ: رسولؐ اللہ کے فیصلے (۷) ۴۸۲ — ۵۹۹
باب الدیات والقصاص ۴۸۲، حضور سید الکونینؐ کے فیصلے ۴۸۲، حدود ۴۹۶، (ا) زنا سے متعلق فیصلے ۴۹۶، قذف لعان اور ظہار ۵۰۷، جناب سید الکونینؐ کے فیصلے ۵۰۸، (ا) قذف ۵۰۸، (ب) لعان ۵۱۰، (ج) ظہار ۵۱۶، باب الحدود (جاری): شراب پینے، پلانے سے متعلق فیصلے / چوری (سرقہ) ۵۱۸، شراب کے لئے حدود ۵۱۸، باب السرقۃ (چوری) ۵۲۲، باب الجہاد ۵۲۷، جناب سید الکونینؐ اور یہود مدینہ ۵۲۸، بنو قینقاع ۵۲۹، بنو نضیر ۵۳۰، غزوہ خندق (ا) بنی غطفان (ب) بنو قریظہ ۵۳۲، غزوہ خیبر ۵۳۷، فتح مکہ ۵۳۹، جاسوس کی سزا کا فیصلہ ۵۴۲، سفراء ۵۴۴، اہل کتاب اور جزیہ ۵۴۳، ابواب النکاح والطلاق ۵۴۴، باب النکاح ۵۴۴، نکاح شغار ۵۵۲، باب الطلاق ۵۵۵، ایلاء ۵۵۸، ابواب الفرائض والاحکام و متفرقات و میراث ۵۶۱، ارشاد باری تعالیٰ ۵۶۱، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۵۶۲، متفرقات ۵۷۳، لقطہ (گری پڑی چیز) ۵۷۹، احکام ۵۸۰، مزارعت ۵۸۳، باب البیوع ۵۸۶، بیع نامہ ۵۸۹، کتابیات ۵۹۹

منصور، فیض اللہ: مکالمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۷) ۷ — ۱۴۳
عالمی ادب میں مکالمات ۷، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات کی خوبیاں ۸، آپؐ کے کلام کی خوبیاں ۹، آپؐ کے مکالمات کی حفاظت ۱۰، رسولؐ خدا کا انداز گفتگو ۱۱، مکالمات نبویؐ کی تاثیر ۱۵، حقیقت وحی ۱۷، بعثت نبویؐ ۱۷، تخلیق آدم ۱۹، اپنے خاندان کے لوگوں کو دعوت ۲۰، قبائل قریش کو دعوت ۲۰، عمرو بن عبسہ ۲۱، قریش کا ردِ عمل، ترغیب و تحریص کے ہتھکنڈے، ذرائع ۲۴، مکالمہ ابوجہل ۲۷، ضماد کا اسلام ۲۸، عبداللہ بن سلام کا اسلام ۲۹، سفرِ طائف ۳۰، ہجرتِ مدینہ ۳۲، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان مکالمات ۳۳، غزوہ بدر الکبریٰ ۳۷، اسیرانِ بدر ۳۹، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ۴۰،

مکالمات بسلسلہ صلح حدیبیہ (فتح مبین) ۴۱، ابوبصیر صاحب
حبس (بسلسلہ حدیبیہ) ۴۷، مکالمات بسلسلہ غزوہ فتح
(فتح مکہ) ۴۹، حاطب بن ابی بلتعہ ۴۹، ابوسفیان
(سے مکالمہ) ۵۱، عثمان بن طلحہ ۵۳، عکرمہ کا معاملہ ۵۶،
غزوۂ حنین وطائف ۵۷، وفد بنی ہوازن ۶۰، بی بی شیماء
۶۲، عام الوفود ۶۳، ضمام بن ثعلبہ ۶۳، وفد عبدالقیس ۶۵،
عدی بن حاتم طائی ۶۷، ثمامہ بن اثال ۶۹، ابورزین عقیلی ۷۱،
ابن المنتفق ۷۲، معاویہ بن حیدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی بات چیت ۷۴، سوید ازدی کا وفد ۷۴، وفد کندہ ۷۵،
وفد اشعریین ۷۵، وفد بنو حارث ۷۶، وفد بنو ثقیف ۷۶،
مکالمہ جبرئیل علیہ السلام ۷۹، فتنوں کا ظہور اور ان سے بچنے
کی تدابیر ۸۱، قصاص ۸۲، بیعت آخر ۸۳، صحف بنی اسرائیل
۸۳، اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت ۸۳، ایک فیصلہ
۸۴، بغیر عمل کے علم بے معنی چیز ہے ۸۵، آسان احتساب
۸۶، بیعت عمرو بن العاص ۸۶، پند و نصائح ۸۶، کبیرہ گناہ ۸۷،
اسلام و ایمان ۸۸، حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے ایک گفتگو
۸۹، قابلِ تعجب ایمان ۹۰، ایمان کی حقیقت ۹۱، شرم و حیا
۹۱، پند و نصائح ۹۱، رسالت مآبؐ مقام تشریح میں ۹۲،
گناہِ عظیم ۹۲، اللہ کا حق ۹۳، قیامت کی علامات ۹۴،
افضل عمل ۹۴، جہاد فی سبیل اللہ ۹۵، بہترین اسلام ۹۵،
مسلم اور مومن ۹۵، مقامات انبیاء کی نشاندہی ۹۶، اعمالِ
حسنہ ۹۷، حقیقت صدقہ ۹۷، پسندیدہ صفات ۹۸، اعمالِ
جنت ۹۸، محبوب و مردود بندے ۹۹، ایک وصیت
(حضرت ابوذر غفاریؓ) ۱۰۰، ایک جامع مکالمہ ۱۰۱، اسوۂ حسنہ
۱۰۲، ایک خاص واقعہ ۱۰۲، خیرات ۱۰۳، حکومت کے طلبگار
۱۰۳، قیامت میں رفیق ۱۰۴، طوالت نماز ۱۰۴، حضرت علی
حیدر اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ ۱۰۴،
یہود سے گفتگو ۱۰۵، تعلیمات ۱۰۶، صدقات، محنت کی کمائی
۱۰۶، انفاق اور توکل ۱۰۷، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر اور
نہ کرنے کا خسارہ ۱۰۷، بہتر صدقہ ۱۰۸، مکالمہ ۱۰۸، اہلِ قرابت
اور صدقہ ۱۰۸، مرنے والوں کی طرف سے صدقہ ۱۰۹، رمضان
کا چاند (شہادت) ۱۰۹، روزے کا کفارہ ۱۱۰، نفل روزے
۱۱۰، یوم عاشورہ کا روزہ ۱۱۲، حضرت عائشہ صدیقہ اور سرورِ
کائنات کے درمیان گفتگو ۱۱۳، احرام ۱۱۳، یوم النحر کی گفتگو
۱۱۳، قربانی ۱۱۴، حرم پاک کی حرمت ۱۱۵، طہارت سے غفلت
۱۱۵، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت
انسؓ بیان فرماتے ہیں ۱۱۶، وضو — ایک مکالمہ ۱۱۷، ایک اعرابی
(کے ساتھ مکالمہ) ۱۱۷، حضرت بلالؓ اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ
علیہ وسلم کے درمیان مکالمہ ۱۱۸، حضور سرورِ عالمؐ کا غسل جنابت
۱۱۹، نماز ۱۱۹، عورتوں کی نماز کا حکم ۱۲۰، نماز باجماعت ۱۲۰،
صحیح نماز ۱۲۱، نماز میں مناسب قرأت ۱۲۲، درود شریف:
کعب بن عجرہؓ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ کے درمیان مکالمہ
۱۲۲، جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود، اور انبیاء کے جسموں
کی حفاظت ۱۲۳، عیدین ۱۲۳، عید قربان ۱۲۳، میت پر گریہ زاری
۱۲۴، رحمت و شفقت ۱۲۴، تعزیت کا ایک خط ۱۲۵،
حضورؐ پر ایمان لانا۔ نجات کے لیے ضروری ہے ۱۲۵،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ۱۲۶، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۱۲۶،
وساوس ۱۲۷، عذاب قبر — ایک تعلیمی مکالمہ ۱۲۸، حیات
بعد الموت ۱۲۹، رویائے باری تعالیٰ عز اسمہ ۱۲۹، زہد اور ترک
دنیا ۱۳۰، دنیاوی لذات کی حقیقت ۱۳۱، ایک اور موقع پر ۱۳۲،
جامع نصیحت ۱۳۳، کتابیات ۱۳۳۔

ن

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (اُردو)، ۱۰۱، ۳۸۹ — ۵۵۷
جن شعراء کا کلام اس میں شامل ہے، ان کے نام یہ ہیں:
امیر مینائی لکھنوی (م ۱۹۰۰ء) ۳۸۹، اسماعیل میرٹھی (م ۱۹۱۷ء) ۳۹۰، عبدالباری آسی (الدنی) لکھنوی (م ۱۹۳۹ء) ۳۹۱، بیدم شاہ وارثی (م ۱۹۴۴ء) ۳۹۲، حسرت موہانی (م ۱۹۵۱ء) ۳۹۳ بہزاد لکھنوی (م ۱۹۵۵ء) ۳۹۴، اقبال سہیل (م ۱۹۵۵ء) ۳۹۵، مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۱۹۵۶ء) ۳۹۶، مولانا حامد حسن قادری (م ۱۹۶۴ء) ۳۹۹، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء) ۴۰۱، یحییٰ اعظمی (م ۱۹۷۲ء) ۴۱۱، یوسف ظفر (م ۱۹۷۲ء) ۴۱۲، آغا شورش کاشمیری (م ۱۹۷۵ء) ۴۱۳، نصراللہ خاں عزیز (م ۱۹۷۶ء) ۴۱۴، ماہر القادری (م ۱۹۷۸ء) ۴۱۵، حفیظ جالندھری (م ۱۹۸۲ء) ۴۱۹، مرزا محمد رفیع سودا (م ۱۷۸۰ء) ۴۲۱، حکیم مومن خاں مومن دہلوی (م ۱۸۵۱ء) ۴۲۴، میر تقی دہلوی (م ۱۷۹۸ء) ۴۳۰، راسخ عظیم آبادی (م ۱۸۳۳ء) ۴۳۱، ناسخ لکھنوی (م ۱۸۳۸ء) ۴۳۲، کرامت علی شہیدی (م ۱۸۴۰ء) ۴۳۳، بہادر شاہ ظفر (م ۱۸۶۲ء) ۴۳۴، خواجہ الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴ء) ۴۳۵، امیر مینائی (م ۱۳۱۸ھ) ۴۳۸، مولانا احمد رضا خاں بریلوی (۱۹۲۱ء) ۴۴۳، محمد ہادی عزیز لکھنوی (م ۱۹۳۶ء) ۴۴۸، مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۸۸۰ء) ۴۵۰، مولانا نعیم الدین مُراد آبادی (م ۱۹۴۸ء) ۴۵۳، محسن کاکوروی (م ۱۹۰۵ء) ۴۵۵، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد (م ۱۹۴۰ء) ۴۶۴، اقبال سہیل (م ۱۹۵۵ء) ۴۶۶، جوش ملیح آبادی (م ۱۹۸۲ء) ۴۷۰، حافظ مظہر الدین (م ۱۹۸۰ء) ۴۷۲، ملا وجہی (۱۶۳۶ء) ۴۷۷، ملا نصرتی (م ۱۶۷۴ء) ۴۷۹، محمد رفیع فتاحی (م دور اندازاً ۱۷۰۸ء) ۴۸۱، امام دکنی (م اندازاً ۱۸۲۸ء) ۴۸۲، مختار (م ۱۷۵۹ء) ۴۸۳، سید شاہ سراج الدین سراج (م ۱۷۶۴ء) ۴۸۴، مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی (م ۱۸۳۱ء) ۴۸۵، سعادت یار خاں رنگین (م ۱۸۳۵ء) ۴۸۶، صبا لکھنوی (م ۱۸۵۵ء) ۴۸۷، عبدالغفور نساخ عظیم آبادی (م ۱۸۸۸ء) ۴۸۸، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد (م ۱۹۱۲ء) ۴۸۹، شوق قدوائی (م ۱۹۲۵ء) ۴۹۱، سلیم احمد (م ۱۹۸۳ء) ۴۹۲، نظیر اکبر آبادی (م ۱۸۳۰ء) ۴۹۳، مولانا حالی (م ۱۹۱۴ء) ۴۹۵، شاد عظیم آبادی (م ۱۹۲۷ء) ۴۹۷، اکبر الہ آبادی (م ۱۹۲۱ء) ۴۹۹، میر انیس (م ۱۸۷۴ء) ۵۰۰، سراج لکھنوی (م ۱۹۶۸ء) ۵۰۲، جگر مراد آبادی (م ۱۹۶۰ء) ۵۰۳، نیاز فتحپوری (م ۱۹۶۶ء) ۵۰۴، جوش ملیح آبادی (م ۱۹۸۲ء) ۵۰۷، احسان دانش (م ۱۹۸۲ء) ۵۰۹، سید آلِ رضا (م ۱۹۷۸ء) ۵۱۱، مولانا الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴ء) ۵۱۳، مولانا شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) ۵۱۶، وحید الدین سلیم (م ۱۹۲۸ء) ۵۱۸، علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) ۵۱۹، خوشی محمد ناظر (م ۱۹۴۰ء) ۵۲۴، آغا حشر کاشمیری (م ۱۹۳۵ء) ۵۲۶، مولانا عبدالباری معنی اجمیری ۵۳۰، علامہ تاجور نجیب آبادی (م ۱۹۵۱ء) ۵۳۵، حکیم احمد شجاع ساحر (م ۱۹۶۹ء) ۵۳۷، مجید امجد ۵۳۹، حفیظ جالندھری (م ۱۹۸۲ء) ۵۴۰، آفتاب صحرا (نظم نعتیہ) از قاضی نذر الاسلام، ترجمہ از یونس احمر ۵۴۱، ظہور نظر ۵۴۵، اطہر نفیس ۵۴۷، مومن خاں مومن دہلوی (م ۱۸۵۱ء) ۵۴۸، علی اوسط رشک لکھنوی (م ۱۸۶۷ء) ۵۵۰، منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی سرگباشی (م ۱۹۱۰ء) ۵۵۱، عبدالمجید سالک (م ۱۹۵۹ء) ۵۵۲، بیان یزدانی (م ۱۹۰۰ء) ۵۵۳، عظیم قریشی ۵۵۵، حکیم احمد شجاع ساحر (م ۱۹۶۹ء) ۵۵۸، ناصر کاظمی (م ۱۹۷۲ء) ۵۵۹، آغا شورش

کاشمیری (م ۱۹۷۵ء) ۵۶۱' رباعیات وقطعات : خواجہ
میر درد ۵۶۳' محسن کاکوروی ۵۶۴' امیر مینائی ۵۶۴'
حسن بریلوی ۵۶۴' مولانا رضا بریلوی ۵۶۴' مرزا سلامت علی
دبیر لکھنوی ۵۶۴' مولانا حالی ۵۶۵' بیان میرٹھی ۵۶۵'
قمر جلالوی ۵۶۵' فراق گورکھپوری ۵۶۶' تلوک چند محروم
۵۶۶' جوشش عظیم آبادی (م ۱۷۷۲ء) ۵۶۷' نوازش
علی شیدا (م ۱۷۷۲ء) ۵۶۸' مولانا محمد باقر آگاہ
(م ۱۸۰۵ء) ۵۶۹' میر ضیاء الدین عبرت (م اندازاً
۱۸۱۶ء) ۵۷۰' آفتاب الدولہ قلق لکھنوی (م ۱۸۱۶ء)
۵۷۱' مولانا کفایت علی کافی (م ۱۸۵۸ء) ۵۷۲' غلام امام
شہید (م ۱۸۷۹ء) ۵۷۳' غلام امام شہید (م ۱۸۷۶ء)
۵۷۴' میرزا دبیر لکھنوی (م ۱۸۷۵ء) ۵۷۵' عبدالقادر
دنا (م ۱۸۸۵ء) ۵۷۷' واجد علی شاہ اختر (م ۱۸۸۷ء)
۵۷۸' مولانا الطاف حسین حالی پانی پتی (م ۱۹۱۴ء) ۵۸۰'
سید محمد فخر الدین حسین سخن دہلوی ۵۸۲' محسن کاکوروی
(م ۱۳۲۳ھ) ۵۸۴' صفی لکھنوی (م ۱۹۵۰ء)
۵۹۴' میر محبوب علی لائق (م اندازاً ۱۹۸۱ء) ۵۹۵'
مولانا حسن رضا خان بریلوی (م ۱۹۰۸ء) ۵۹۶' آغا
حشر کاشمیری (م ۱۹۳۵ء) ۵۹۹' نفیس خلیلی ۶۰۱'
عبدالعزیز فطرت (م ۱۹۶۷ء) ۶۰۲' تاج الدین تاج عرفانی
۶۰۵' امید حیدر آبادی (م ۱۹۶۱ء) ۶۰۹' م حسن لطیفی
۶۱۱' وزیر الحسن عابدی (م ۱۹۷۹ء) ۶۱۶' ڈاکٹر
صفدر حسین صفدر (م ۱۹۸۰ء) ۶۱۹' عبداللہ خاور ۶۲۱'
راجہ محمد عبداللہ نیاز ۶۲۳' محمد قلی قطب شاہ (م ۱۶۱۱ء)
۶۲۵' انعام اللہ خان یقین (م ۱۷۵۶ء) ۶۲۶'
سراج اورنگ آبادی (م ۱۷۶۴ء) ۶۲۷' شاہ حاتم
(م ۱۷۹۲ء) ۶۲۸' قائم چاند پوری (م ۱۷۹۳ء) ۶۲۹'
میر مہدی بیدار (م ۱۷۹۴ء) ۶۳۰' شیخ قلندر بخش
جرأت (م ۱۸۱۰ء) ۶۳۱' معروف دہلوی (م ۱۸۲۶ء)
۶۳۲' مومن خان مومن دہلوی (م ۱۸۵۱ء) ۶۳۳' شاہ غمگین
دہلوی' سید علی (م ۱۸۵۱ء) ۶۳۴' ذوق دہلوی (م ۱۸۵۴ء)
۶۳۵' امانت لکھنوی (م ۱۸۵۸ء) ۶۳۶' ناظم رامپوری (م ۱۸۶۵ء)
۶۳۷' نسیم دہلوی (م ۱۸۶۵ء) ۶۳۸' شیفتہ دہلوی
(م ۱۸۶۹ء) ۶۳۹' مولوی خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی
(م ۱۸۷۳ء) ۶۴۰' قربان علی بیگ سالک (م ۱۸۸۰ء)
۶۴۱' مولا بخش قلق (م ۱۸۸۰ء) ۶۴۲' اسیر لکھنوی
(م ۱۸۸۲ء) ۶۴۳' احمد حسن رسوا (م اندازاً ۱۸۸۲ء) ۶۴۴'
صابر دہلوی (م ۱۸۸۲ء) ۶۴۵' لطف بریلوی (م ۱۸۸۲ء)
۶۴۶' محمد اقبال خان حسین عاشق دہلوی (م دور ۱۸۸۳ء)
مولانا عصمت اللہ النسخ (م ۱۸۸۶ء) ۶۴۸' محمد شجاع الدین
(م دور ۱۸۸۶ء) ۶۴۹' حافظ حضور احمد خان آثم (دور
۱۸۸۶ء) ۶۵۰' فیض الحسن فیض سہارنپوری (م ۱۸۸۷ء)
۶۵۱' نواب کلب علی خان نواب (م ۱۸۸۷ء) ۶۵۲' سرور
لاہوری (م ۱۸۹۰ء) ۶۵۳' مولانا امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی
(م ۱۸۹۲ء) ۶۵۴' سید محمد سلطان عاقل حیدر آبادی (م ۱۸۹۲ء)
۶۵۵' مولوی محمد حسین تمنا مراد آبادی (م ۱۸۹۷ء) ۶۵۶'
میر اعظم علی خان شائق حیدر آبادی (م ۱۸۹۷ء) ۶۵۷' منشی
حسن عطا شوق (م ۱۹۰۰ء) ۶۵۸' امیر مینائی لکھنوی
(م ۱۹۰۰ء) ۶۵۹' زکی دہلوی (م ۱۹۰۲ء) ۶۶۰' مجروح
(م ۱۹۰۰ء) ۶۵۹' زکی دہلوی (م ۱۹۰۳ء)
۶۶۰' مجروح دہلوی (م ۱۹۰۳ء) ۶۶۱'
داغ دہلوی (م ۱۹۰۵ء) ۶۶۳' عالمگیر خان کیف
(م ۱۹۰۶ء) ۶۶۴' محمد آغا داؤد صحو ابو العلائی (م ۱۹۰۶ء)

۶۶۵، حسن بریلوی (م ۱۹۰۸ء) ۶۶۶، مولانا حسن
رضا خان حسن بریلوی (م ۱۹۰۸ء) ۶۶۷، نسیم بھرت پوری
(م ۱۹۰۹ء) ۶۶۸، جلال لکھنوی (م ۱۹۰۹ء) ۶۶۹،
تسلیم لکھنوی (م ۱۹۱۱ء) ۶۷۰، مولوی محمد عمر جنبل (م ۱۹۱۱ء)
۶۷۱، وفا رامپوری (م ۱۹۱۵ء) ۶۷۲، پیارے لال رونق
(م اندازاً ۱۹۱۵ء) ۶۷۳، آسی غازی پوری (م ۱۹۱۶ء)
۶۷۴، محمد مظفر الدین معلّی (م ۱۹۱۷ء) ۶۷۵، رعب انصاری
(م ۱۹۱۸ء) ۶۷۶، منشی شمس الدین امیر حمزہ (م ۱۹۱۹ء)
۶۷۷، مولانا احمد رضا خاں بریلوی (م ۱۹۲۱ء) ۶۷۸،
مولانا احمد خاں بریلوی (م ۱۹۲۱ء) ۶۷۹، ممتاز جہاں
گنگوہی (م ۱۹۲۷ء) ۶۸۰، عزیز صفی پوری (م ۱۹۲۷ء)
۶۸۱، مولانا محمد علی جوہر (م ۱۹۳۰ء) ۶۸۲، فصاحت لکھنوی
(م ۱۹۳۰ء) ۶۸۳، قاضی محمد شوکت شوکت مراد آبادی
(م ۱۹۳۰ء) ۶۸۴، نیر ذرطغرائی (م ۱۹۳۱ء) ۶۸۵،
چوہدری دلورام کوثری (م ۱۹۳۱ء) ۶۸۶، بے نظیر شاہ
(م ۱۹۳۲ء) ۶۸۸، نظم طباطبائی (م ۱۹۳۳ء) ۶۸۹،
محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت (م اندازاً ۱۹۳۴ء) ۶۹۰،
ریاض خیر آبادی (م ۱۹۳۴ء) ۶۹۱، محمد ضمیر الحق قیس
آروی (م ۱۹۳۵ء) ۶۹۲، میرزا عزیز لکھنوی (م ۱۹۳۵ء)
۶۹۳، اصغر گونڈوی (م ۱۹۳۶ء) ۶۹۴، آغا شاعر
قزلباش (م ۱۹۴۰ء) ۶۹۵، سرکشن پرشاد شاد (م ۱۹۴۰ء)
۶۹۶، احسن مارہروی (م ۱۹۴۰ء) ۶۹۷، بیدم شاہ وارثی
(م ۱۹۴۴ء) ۶۹۸، مجذوب سہارنپوری (م ۱۹۴۴ء)
۶۹۹، مولانا سید حسن مرتضیٰ اشفق عماد پوری (م ۱۹۴۴ء)
۷۰۰، نواب بہادر یار جنگ خلق (م ۱۹۴۴ء) ۷۰۱،
سائل دہلوی (م ۱۹۴۵ء) ۷۰۲، جلیل مانک پوری
(م ۱۹۴۶ء) ۷۰۳، جلیل مانک پوری (م ۱۹۴۶ء)
۷۰۴، نظامی بدایونی (م ۱۹۴۷ء) ۷۰۵، اختر شیرانی
(م ۱۹۴۸ء) ۷۰۶، عزیز یار جنگ (م ۱۹۴۸ء) ۷۰۷، صفی
لکھنوی (م ۱۹۵۰ء) ۷۰۸، سیماب اکبر آبادی (م ۱۹۵۱ء)
۷۰۹، آرزو لکھنوی (م ۱۹۵۱ء) ۷۱۰، صوفی محمد اکبر خان اکبر
میرٹھی (م ۱۹۵۳ء) ۷۱۱، پنڈت کیفی دتاتریہ (م ۱۹۵۵ء)
۷۱۲، بے خود دہلوی (م ۱۹۵۵ء) ۷۱۳، وحشت کلکتوی (م ۱۹۵۶ء)
۷۱۴، مولانا ظفر علی خاں (م ۱۹۵۶ء) ۷۱۵، سردار عبدالرب
نشتر (م ۱۹۵۸ء) ۷۱۶، سید علی اختر حیدر آبادی (م ۱۹۵۸ء)
۷۱۷، ہری چند اختر (م ۱۹۵۸ء) ۷۱۸، محی الدین احمد ابوالکلام
آزاد (م ۱۹۵۸ء) ۷۱۹، دل شاہجہانپوری (م ۱۹۵۹ء)
۷۲۰، مولانا غلام محمد ترنم (م ۱۹۵۹ء) ۷۲۱، نوح ناروی
(م ۱۹۶۲ء) ۷۲۲، ہادی مچھلی شہری (م ۱۹۶۲ء) ۷۲۳،
شوکت تھانوی (م ۱۹۶۳ء) ۷۲۴، حاجی مصطفا خاں مصطفا
لکھنوی (م ۱۹۶۳ء) ۷۲۵، فانی جائسی (م ۱۹۶۳ء)
۷۲۶، اثر صہبائی (م ۱۹۶۳ء) ۷۲۷، زائر حرم
حمید صدیقی لکھنوی (م ۱۹۶۵ء) ۷۲۸، یحییٰ تنہا (م ۱۹۶۶ء)
۷۲۹، میر عثمان علی خان نظام دکن (م ۱۹۶۷ء) ۷۳۰،
عبدالعزیز فطرت (م ۱۹۶۷ء) ۷۳۱، میرزا جعفر علی اثر
لکھنوی (م ۱۹۶۷ء) ۷۳۲، استاد سید محمد حسین قمر جلالوی
(م ۱۹۶۸ء) ۷۳۳، شکیل بدایونی (م ۱۹۷۰ء) ۷۳۴،
اختر علی تلہری (م ۱۹۷۱ء) ۷۳۵، افقر مراثی (م ۱۹۷۱ء)
۷۳۶، روش صدیقی (م ۱۹۷۱ء) ۷۳۷، علامہ محی الدین تمنا
عمادی (م ۱۹۷۲ء) ۷۳۸، سراج الدین ظفر (م ۱۹۷۲ء)
۷۳۹، ابر احسنی گنوری (م ۱۹۷۳ء) ۷۴۰، حفیظ ہوشیار پوری
(م ۱۹۷۳ء) ۷۴۱، بہزاد لکھنوی (م ۱۹۷۴ء) ۷۴۲،
یوسف ظفر جمالی انصاری (م ۱۹۷۵ء) ۷۴۳، محوی صدیقی

لکھنوی (م ۱۹۷۵ء) ۷۴۴، نجم آفندی (م ۱۹۷۵ء) ۷۴۵، شفیق کوٹی (م ۱۹۷۶ء) ۷۴۶، ماہر القادری (م ۱۹۷۸ء) ۷۴۷، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (م ۱۹۷۸ء) ۷۴۸، پروفیسر محمد طاہر فاروقی (م ۱۹۷۸ء) ۷۴۹، عرش ملسیانی (م ۱۹۷۹ء) ۷۵۰، جمیل مظہری (م ۱۹۸۰ء) ۷۵۱، حافظ مظہر الدین (م ۱۹۸۰ء) ۷۵۲، فضل احمد کریم فضلی (م ۱۹۸۱ء) ۷۵۳، نیرّ واسطی (م ۱۹۸۲ء) ۷۵۴، احسان دانش (م ۱۹۸۲ء) ۷۵۵

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (فارسی)، (۱۰) ۲۹۴ — ۳۸۸

جن شعراء کا کلام اس انتخاب میں شامل ہے ان کے نام یہ ہیں

فخرالدین گرگانی (م ۴۴۶ھ/۱۰۵۴ء) ۲۹۴، حکیم ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی (م ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء) ۲۹۶، انوری (م ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء) ۲۹۹، استاد جمال الدین اصفہانی (م ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء) ۳۰۰، حکیم خاقانی شروانی (م ۵۹۵ھ/۱۱۹۹ء)، نظامی گنجوی (م ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء) ۳۰۶، فریدالدین عطار نیشاپوری (۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء) ۳۰۸، قطب الدین بختیار کاکی ۶۳۲ھ/۱۲۳۵ء) ۳۱۰، اوحدی کرمانی (۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء) ۳۱۲، خلاق المعانی کمال الدین اسمٰعیل (۶۳۵ھ/۱۲۳۸ء) ۳۱۴، مولانا جلال الدین محمد رومی (۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) ۳۱۷، شیخ فخرالدین ابراہیم عراقی (۶۸۸/۱۲۸۹ء) ۳۱۹، شیخ سعدی شیرازی (۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) ۳۲۱، مخدوم علاءالدین علی احمد صابر کلیری (۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) ۳۲۴، خواجہ ہمام تبریزی (۷۱۳ھ/۱۳۱۲ء) ۳۲۵، امیر خسرو دہلوی (۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) ۳۲۶، خواجو کرمانی (م ۷۴۹ھ/۱۳۴۹ء) ۳۲۹، ضیاء نخشبی بدایونی (م ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) ۳۳۱، عماد فقیہہ کرمانی (م ۷۷۳ھ/۱۳۷۲ء) ۳۳۲، خواجہ جمال الدین سلمان ساوجی (م ۷۷۸ھ/۱۳۷۶ء) ۳۳۳، ابن عماد شیرازی (۸۰۰ھ/۱۳۹۸ء) ۳۳۶، مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) ۳۳۷، مولانا معین الدین معینی (م دسویں صدی ہجری/سولہویں صدی عیسوی) ۳۴۰، فغانی شیرازی (م ۹۲۵ھ/۱۵۱۹ء) ۳۴۲، جمالی دہلوی (۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) ۳۴۳، مولانا وحشی بافقی (۹۹۱ھ/۱۵۳۸ء) ۳۴۵، مولانا کمال الدین محتشم کاشانی (م ۹۹۶ھ/۱۵۸۸ء) ۳۴۶، محمد جمال الدین عرفی شیرازی (م ۹۹۹/۱۵۹۱ء) ۳۴۸، حکیم ابوالفیض فیضی (م ۱۰۰۴ھ/۱۵۹۶ء) ۳۵۱، خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) ۳۵۳، محمد حسین نظیری (م ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء) ۳۵۴، ملکیتی شیرازی (م ۱۶۳۳ء)، میرزا جلال اسیر (م ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء) ۳۵۸، حاجی جان محمد قدسی (م ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء)، سعداللہ مسیحائے پانی پتی (م گیارھویں صدی ہجری/سترھویں صدی عیسوی) ۳۶۱، محمد اکرم غنیمت کنجاہی (م ۱۱۱۰ھ/۱۶۹۸ء) ۳۶۲، میرزا داراب بیگ جویا تبریزی (م ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء) ۳۶۴، میرزا عبدالقادر بیدل (م ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۱ء) ۳۶۵، میر سید علی مشتاق اصفہانی ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۸ء) ۳۶۷، شیخ محمد علی حزیں (م ۱۱۸۰ھ/۱۷۶۶ء) ۳۶۹، حکیم قاآنی (م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) ۳۷۱، اسداللہ خان غالب دہلوی (م ۱۸۶۹ء) ۳۷۴، نواب مصطفیٰ خان حسرتی شیفتہ (م ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء)، محمد حسن شعری (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء) ۳۷۹، نواب ضیاء الدین احمد خان نیرّ رخشاں (رئیس لوہارو) (۱۸۸۳ء) ۳۸۰، خواجہ مستان شاہ کابلی (م ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء) ۳۸۱، علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) ۳۸۳، غلام قادر گرامی جالندھری (م ۱۹۲۷ء) ۳۸۴، علامہ اقبالؒ (م ۱۹۳۸ء) ۳۸۵، سید منظور احمد مہجور مکان شریفی (م ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء) ۳۸۶، جگر مراد آبادی (م ۱۹۶۰ء) ۳۸۸

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (عربی)، (۱۰) ۱۹۳ — ۲۹۳

روضۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف کی جالیوں پر کندہ نعتیہ اشعار ۱۹۵، ہمزیۃ البوصیری (م ۶۹۶ھ/۱۲۹۶ء) ۱۹۳، ابن حجۃ الحموی (م ۸۳۹ھ) ۱۹۵، شیخ عبدالرحیم البرعی (م ۱۴۰۰ء) ۱۹۷، ابن نباتہ مصری (م ۷۶۸ھ) ۲۰۲، شہاب الدین محمود الحلبی ۲۰۴، شیخ جمال الدین الصرصری (م ۱۲۵۸ء) ۲۰۲، عبدالرحمان بن خلدون (م ۱۴۰۶ء) ۲۱۲، علامہ ابن حجر (م ۱۴۴۸ء) ۲۱۵، شیخ عبداللہ شبراوی (م ۱۷۵۸ء) ۲۱۹، شیخ حسین دجانی (م ۱۸۵۲ء) ۲۲۲، شیخ عبدالغنی نابلسی (م ۱۷۳۰ء) ۲۲۳، شیخ احمد تھانیسری (م ۱۴۱۷ء) ۲۲۵، حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب (م ۶۲۰ء)، حضرت عثمان غنی رضؓ (الشہید ۶۵۰ء)، حضرت عمر فاروق رضؓ (الشہید ۶۴۴ء) ۲۳۰، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ (م ۶۳۴ء)، حضرت حمزہ رضؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم (الشہید ۶۲۵ء) ۲۳۲، حضرت فاطمۃ الزہراؓ (م ۶۳۲ء) ۲۳۳، ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ (م ۶۷۷ء) ۲۳۴، ابن العربی ابوبکر محی الدینؒ (الشیخ الاکبر) (م ۱۲۴۰ء) ۲۳۵، حضرت کعب بن زہیر (م ۶۲۲ء) ۲۳۶، اعشیٰ ۲۳۷، محمد جاراللہ السمہودی (قصیدۂ ذو قافیتین) ۲۳۹، حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (۶۴۱ء) ۲۴۱، حضرت عباس رضؓ بن مرداس ۲۴۳، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ (م ۶۲۹ء) ۲۴۴، ابوالعتاہیہ (م ۸۲۶ء) ۲۴۶، حضرت عبداللہ بن زبعری رضؓ ۲۴۹، حضرت کعب بن مالک رضؓ ۲۵۱، حضرت حسان رضؓ بن ثابت انصاری (م ۶۴۰ء) مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ابن شاہ ولی اللہ (م ۱۸۲۴ء) ۲۵۸، علامہ آزاد بلگرامی (م ۱۷۸۶ء) ۲۵۹، احمد شوقی (م ۱۹۳۲ء) ۲۶۳، ابوعلی محمد بن المستنیر بن احمد قطرب (م ۸۲۱ء) ۲۶۹، شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۷۶۲ء) ۲۷۷، حضرت عمر رضؓ (جن) ۲۷۹، حضرت عباس رضؓ بن عبدالمطلب (م ۶۷۳ء) ۲۸۲، حضرت علی المرتضیٰؓ (الشہید ۶۶۱ء) ۲۸۴، مولانا محمد فضل حق خیرآبادی (م ۱۸۶۱ء) ۲۸۶، ابومحمد طاہر سیف الدین (م ۱۹۶۵ء) ۲۸۸، مولانا شاہ رفیع الدینؒ دہلوی ابن شاہ ولی اللہ (م ۱۸۱۸ء) ۲۹۰، امام زین العابدینؒ علی السجاد بن الحسینؓ (م ۷۱۲ء)، امام اعظم ابوحنیفہ کوفی، نعمان بن ثابت رضؓ ۲۹۲۔

نامعلوم۔ حضرت علیؓ اور رسولؐ خدا (۹) ۷۱۳ — ۷۲۲

اس میں ان احادیث کو جمع کیا ہے، جو آپؐ کے فضائل و مناقب کے بارے میں ہیں۔ یہاں پر چند کے متعلق مختصراً اشارہ کیا جاتا ہے، آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا: "تم میرے بھائی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہو" ۷۱۷، آپؐ نے غدیر خم کے مقام پر فرمایا: جس شخص کا میں مولا ہوں، علیؓ اس کا مولا ہے"۔ ۷۱۹، "علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے حاکم ہیں"۔ ۷۲۱، خیبر کے دن سرورِ کائنات نے فرمایا: "میں ایسے مرد کو علم دوں گا، جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور جسے خدا اور رسولؐ دوست رکھتے ہیں" ۷۲۲۔

نثار احمد، ڈاکٹر: شعب ابی طالب (۹) ۲۶۰ — ۲۶۸

شعب ابی طالب کا مقاطعہ کیوں کیا گیا؟ اس کے شرائط ۲۶۱، ترکِ موالات کا معاملہ صرف بنوہاشم کے ساتھ ہی کیوں مخصوص رکھا ۲۶۲، شعب ابی طالب کا محلِ وقوع ۲۶۳، پابندیوں کی تفصیل ۲۶۴، معاشرتی اور معاشی انقطاع ۲۶۶، مقاطعہ کیسے ختم ہوا ۲۶۷۔

نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقا (۵) ۱۱ — ۲۸۴

افتتاحیہ ۱۲، بابِ اوّل: بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کا سیاسی نظام ۱۷، فارس ۲۲، ہندوستان ۲۶، چین ۲۹، دوسرے

ممالک ۲۰، عرب ۲۱، باب دوم: تاسیس ریاست ۴۴، ریاست
کی فکری بنیادیں ۴۴ ۔ (الف) ایمان باللہ ۴۴، (ب) ایمان
بالملائکہ ۴۹، (ج) ایمان بالرسالت (د) ایمان بالکتب ۵۲،
(ہ) ایمان بالآخرت ۵۲، تشکیل معاشرہ ۵۴، تنظیم معاشرہ ۸۴،
(الف) پہلا مرحلہ ۸۷، آغاز ریاست ۹۰، باب سوم: توسیع ریاست
۱۱۲، دور اول (۱ھ تا ۵ھ) ۱۱۳، دور دوم (۶ھ تا ۱۱ھ)، باب
چہارم: استحکام ریاست ۱۶۱، دور اول ۱۶۱، دور دوم (وصال
نبویؐ تک) ۱۷۴، باب پنجم: انتظام ریاست ۱۸۴، مقتدر اعلیٰ
۱۸۴، رئیس مملکت ۱۹۱، صیغۂ خاص ۲۰۱، صیغۂ توقیعات و فرامین
۲۰۲، صیغۂ احتساب ۲۰۲، صیغۂ جات امور داخلہ ۲۰۴، صیغۂ
تعلقات خارجیہ ۲۰۷، صیغۂ ہائے مالیات ۲۰۸ ۔ (الف) غنیمت
۲۱۰ (ب) فے ۲۱۲، (ج) خراج ۲۱۲، (د) جزیہ ۲۱۳ (ہ) زکوٰۃ
۲۱۳، (و) صدقات ۲۱۵، صیغۂ ہائے عسکری ۲۱۶، صیغۂ عدالت
۲۲۰، صیغۂ ہائے تعلیم و تربیت ۲۲۵، صوبائی نظام ۲۲۷، حواشی
باب اول: بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کا سیاسی نظام ۲۳۱، حواشی
باب دوم: تاسیس ریاست ۲۴۴ ۔ تشکیل معاشرہ ۲۴۶، تنظیم
معاشرہ ۲۵۳، حواشی ۔ باب سوم: توسیع ریاست ۲۸۱، حواشی
باب چہارم: استحکام ریاست ۳۰۵ ۔ دور اول ۳۰۵، دور دوم
۳۰۸، حواشی ۔ باب پنجم: انتظام ریاست ۳۱۳، اختتامیہ ۳۲۲،
کتابیات ۳۳۵ ۔ (۱) قرآن اور علوم قرآن ۳۳۵ (ب)
احادیث و تراجم ۳۳۵، (ج) فقہ اور اصول فقہ ۳۳۶، (د)
دیگر کتب ۳۳۶ (ہ) لغات اور معجم وغیرہ ۳۳۸ (د) کتب
اُردو ۳۳۹

نثار احمد، ڈاکٹر: مواخاۃ صحابہؓ (۹) ۵۲۳ ـ ۵۴۲
مواخاۃ کے معنی ۵۲۳، مواخاۃ کا زمانہ ۵۲۴، اس کے
فوائد ۵۲۴، مواخاۃ کے تین پہلو ۵۲۸، پہلی مواخاۃ میں شامل
لوگ ۵۲۹، مواخاۃ مدینہ ۵۳۰، مواخاۃ کا دوسرا پہلو ۵۳۰، اس
کا تیسرا پہلو ۵۳۰، انصار و مہاجرین کی تعداد جن کے درمیان عقدِ
مواخاۃ قائم کیا گیا ۵۳۱، انچاس مہاجرین اور انچاس انصار کے نام
۵۳۳، چودہ مہاجرین صحابہ ۵۴۰

نثار احمد، ڈاکٹر: ہجرت مدینہ کے اسباب و محرکات (۸) ۲۲۴ ـ ۲۴۵
ہجرت کے لغوی معنی ۲۲۵، مہاجرین کے لئے قرآن میں اجر و ثواب
کا ذکر ۲۳۷، ہجرت سے سرفرازی، رفعت اور سربلندی کا حصول ۲۳۹،
راہِ ہجرت کی رکاوٹوں کا دور ہونا ۲۴۱، ہجرت کے لئے ترغیب و
تحریک ۲۴۳، ہجرت کے لئے مکمل رہنمائی ۲۴۴

بخاری، غلام قادر (مترجم): عثمان پر لکھے گئے مراثی کا ذکر
(۹) ۷۰۸ ـ ۷۱۲
ان لوگوں کے نام جنہوں نے آپؓ کی شہادت پر مرثیے کہے ۷۰۸،
کعب بن مالک انصاری ۷۰۹، ولید بن عقبہ ۷۰۹، نضر بن حارث
۷۱۰، حنظلہ بن ربیع تمیمی ۷۱۰، مغیرہ بن اخنس ۷۱۱، عثمانؓ کی
شہادت پر جنات کا نوحہ ۷۱۱، جنوں کے نوحے ۷۱۲

نور الٰہی (مترجم): النبی الامی از شہید مرتضیٰ المطہری
(۷) ۷۲۱ ـ ۷۵۲

نیاز فتحپوری: ہمارے نبیؐ کی قوت عمل (۹) ۴۰۳ ـ ۴۱۰
ترقی کی دو قسمیں ۴۰۴، عالم کے ارتقائی مدارج ۴۰۵، بعثت نبویؐ
کے وقت عالم کی حالت ۴۰۶، تبلیغ رسالت میں مشکلات ۴۰۷، اسوۂ
محمدیؐ میں استقامت ۴۰۸، اسوۂ رسولؐ میں قوتِ عمل کی تعلیم ۴۰۹

و

ولی اللہ دہلوی، شاہ: مآثر و اوصافِ عثمانؓ (۹) ۷۰۲ ـ ۷۰۷
ذوالنورین ۷۰۳، حضرت عثمان کے لئے رسولؐ خدا کی دعا ۷۰۳،
بے نفسی ۷۰۴، تواضع ۷۰۴، صبر ۷۰۴، حیاء ۷۰۴، رفیق نبی
صلی اللہ علیہ وسلم ۷۰۴، مشابہت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۷۰۴،

حضرت عثمانؓ کے حکیمانہ اقوال ۷۰۵، اشاعتِ قرآن کے لئے اہتمام ۷۰۵، آخری نکتہ ۷۰۷

ھ

ہاشمی، سید محمد متین : اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۲۵۷ — ۷۹۵

سنت و حدیث اور ان کی تشریعی حیثیت ۲۵۸، اصطلاحی معنی ۲۵۸، سنت اصطلاحِ فقہا میں ۲۵۸، سنت اصطلاحِ محدثین میں ۲۵۹، سنت اور حدیث ۲۵۹، علوم الحدیث ۲۵۹، اقسامِ حدیث ۲۶۰، مختصر تاریخِ حدیث ۲۶۱، دورِ تابعین ۲۶۲، حدیث کی چند مستند اور مشہور کتابیں ۲۶۳، نامقبول رواۃ ۲۶۳، راوی کے امتیازات خصائص ۲۶۳، مشتبہ احادیث ۲۶۳، سنت کی تشریعی حیثیت ۲۶۴، ارشاداتِ ربانی ۲۶۴،

اعتقادات ۲۶۷، نیت ۲۶۷، ایمان، اسلام، اعتصام (مضبوط پکڑنا) اقتصاد (میانہ روی) ۲۶۷، خدا اور بندے کا ایک دوسرے پر کیا حق ہے ۲۶۸، شفقت کا سب سے زیادہ حق ۲۶۸، کلماتِ زبان کا انجام ۲۶۹، جنتی اور جہنمی فرقہ ۲۷۰، بد مذہب ۲۷۱، ایمان کی تخلیق ۲۷۴، ایمان کا سب سے اعلیٰ اور سب سے ادنیٰ عمل ۲۷۴، تین چار تسمیہ کا بیان ۲۷۴، حلاوتِ ایمان کن کو حاصل ہوتی ہے ۲۷۴، تکمیل ایمان کے ذریعے ۲۷۵، مسلم اور مومن کی صحیح تعریف ۲۷۵، ایمان کی تین بنیادیں ۲۷۵، اقرار توحید کا اثر دنیا میں ۲۷۵، معیزِ اسلام (سات سوالوں کا جواب) ۲۷۶، تفسیر اور تفرق ۲۷۶، سنت اور بدعت ۲۷۸، احکام ایمان اور بیعت ایمان ۲۷۹، عورتوں کے اسلام کا امتحان ۲۷۹، انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے ۲۸۰، ایمان اور عمل کا گہرا تعلق ۲۸۰، دین صحیح کیا ہے ۲۸۰، عجیب و لطیف تمثیل ۲۸۱، پانچ باتیں ۲۸۱، جنت کی کیفیت ۲۸۲، وعظ ۲۸۲، علم اور علمائے کرام ۲۸۵، کتاب و سنت سے وابستگی ۲۸۸، چند وصایائے نبویؐ ۲۸۸، ہر کلمۂ خیر کا سرچشمہ زبان رسالت ہے ۲۸۹، بہترین کلام اور بہترین سیرت ۲۸۹، اقتدائے قرآن کا صلہ ۲۸۹، احیائے سنت نبویؐ کا انعام ۲۹۰، قرآن اور دیگر صحف انبیا پر ایمان ۲۹۰، تھوڑی نیکی نئی بدی سے بہتر ہے ۲۹۰، بدعت پر وعید ۲۹۰، فرقہ بندی کی لعنت اور انتباہ ۲۹۱، تقدیر کا بیان ۲۹۱، آخری بازگشت رحمتِ الٰہی ہے نہ کہ عمل ۲۹۲، دین اسلام میں سہولتیں ہیں نہ کہ سختیاں ۲۹۲، قبر کا عذاب حق ہے ۲۹۲، مصائب میں رحمت کا پہلو ۲۹۵، اسقاط شدہ بچہ شفیع ہوگا ۲۹۶، رقوب اور عدیم کا صحیح مفہوم ۲۹۶، مدینے کے لیے نجار کا انتخاب ۲۹۶، تقدیر و تدبیر ۲۹۷، تقدیر کی صحیح حقیقت ۲۹۷، گریہ و غم ۲۹۸، جنازہ اور رسوم جاہلیت اور ان کی سزا ۲۹۸، حوض کوثر اور شفاعت ۲۹۸، جنت کا بیان ۲۹۹، دوزخ کا بیان ۲۹۹، کتاب الزکوٰۃ ۳۰۰، تبلیغ میں حکمت تدریج اور زکوٰۃ کا مصرف ۳۰۰، قسم ۳۰۱، تصاویر یا ۳۰۱، تصاویر کی خاص نوعیت ۳۰۱، کتاب التفسیر ۳۰۲، رائے کو پابند قرآن ہونا چاہیے نہ کہ قرآن کو پابند رائے ۳۰۲، حقیقتِ قرآن بزبان رسالت ۳۰۲، انبیائے کرام زندہ ہیں ۳۰۳، برأت ۳۰۴، حجر ۔ فراست مومن سے ہوشیار رہو، فرقان، رحمتِ الٰہی اور تکفیر سیآت ۳۰۵، تقدیر، نفع و نقصان اور مشیّتِ الٰہی ۳۰۵، تقدیر و تدبیر کا ملاپ ۳۰۶، قضا و قدر پر بے اطمینانی ۳۰۶، توفیق الٰہی ۳۰۷، اگر مگر کا غلط استعمال ۳۰۷، تقدیر کی جزئیات میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں ۳۰۷، سعادت و شقاوت انسانی ۳۰۹، جف القلم ۳۰۹، تقدیریات پر بحث نہ کرو ۳۰۹، توحید کی نزاکت ۳۱۰، جنت میں نیند نہیں ۳۱۰، دیدارِ الٰہی ۳۱۰

عبادات ۳۱۱، وضو ۳۱۱، حج ۳۱۲، دعا ۳۱۲،
اعمال میں میانہ روی ۳۱۷، سنت نبویؐ کی توضیح اور عبادت
کے غلط تصور کی اصلاح ۳۱۷، سنت کے معنیٰ تقشف کے نہیں
۳۱۸، صائم الدھر ہونا کوئی روزہ نہیں ۳۱۸، تھوڑے عمل میں
مداومت ۳۱۹، اسلام میں تقشف نہیں ۳۱۹، پتے کی بات ۳۱۹،
ہر شے میں اعتدال ۳۱۹، استنجاء ۳۲۰، غسل ۳۲۱، ذکر ۳۲۱،
کتاب طہارت و پاکیزگی ۳۲۲، کھڑے پانی کے اندر پیشاب کرنا
۳۲۲، کتے کا جھوٹا برتن ۳۲۲، تین جگہوں پر رفع حاجت ۳۲۲،
رفع حاجت کے بعد ذکر الٰہی ۳۲۳، سیدھے اور الٹے ہاتھ میں
تقسیم کار ۳۲۴، نماز ۳۲۴، زکوٰۃ ۳۲۶، وضو اور اس کے
متعلقات ۳۲۷، گندگی بھی گناہ ۳۲۷، وضو اور مسواک ۳۲۸،
سو کر اٹھنے کے بعد مسواک ۳۲۸، مسواک کی فضیلت ۳۲۸،
سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ دھونا ۳۲۸، وضو میں پانی کا اسراف
۳۲۹، وضو کے بعد اعضاء کا پونچھنا ۳۲۹، مسح ۳۲۹، دونوں
نیکو کار ہیں ۳۲۹، جماعت ۳۳۰، صلوٰۃ ۳۳۱، کتاب الصلوٰۃ
۳۳۲، نماز سے گناہ دھلنے کی تمثیل ۳۳۲، دو وقت کی نماز بھی
دوزخ سے بچالیتی ہے ۳۳۳، نماز میں پابندی وقت ۳۳۳،
نماز وقت پر ادا ہونی چاہیئے ۳۳۳، تین قسم کی تاخیر سے بچو ۳۳۳،
مسجد ۳۳۴، مقام ستر کا پردہ کرنا ۳۳۵، نماز کے مقام ۳۳۵،
نماز میں مصالح کا لحاظ ۳۳۶، ایک رکعت سے چار رکعات
تک ۳۳۶، اوقات نماز میں موسمی لحاظ رکھنا چاہیئے ۳۳۶،
اول طعام بعدہ کلام ۳۳۶، سحر خیزی اور قرب الٰہی ۳۳۷،
امام اور مؤذن کا مقام ۳۳۷، جمعہ ۳۳۸، نماز میں بات نہیں
کرنی چاہیئے ۳۳۹، مسجد ۳۳۹، حلال کمائی سے تعمیر مسجد کا
انعام ۳۳۹، مسجدوں کو صاف اور معطر رکھو ۳۴۰، عورت
کے لئے سب سے بہتر مقام نماز ۳۴۰، بدبودار چیز کھا کر مسجد
میں نہ آؤ ۳۴۰، استقبال قبلہ ۳۴۱، سمت قبلہ کی وسعت ۳۴۱، کشتی میں
نماز کس طرح ادا کی جائے ۳۴۱، تحیۃ مسجد ۳۴۱، ایک کپڑے میں
نماز ۳۴۱، عید اور بقر عید ۳۴۲، امام کے اوصاف ۳۴۳، مریض
کی نماز ۳۴۴، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی نمازیں ۳۴۵، نماز کے
اندر عبد و معبود کے حصے ۳۴۵، نماز میں جائز و ممنوع افعال ۳۴۷،
نماز میں سترہ ۳۴۶، اونگھتے ہوئے نماز ادا کرنا ۳۴۶،
اجتماعیت کی اہمیت ۳۴۶، غسل و کفن ۳۴۷، صفوں کی ترتیب
۳۴۷، جماعت کے بعض احکام ۳۴۸، دوسری جگہوں میں جا کر امامت
کا شوق نہ کرو ۳۴۸، کس قسم کے لوگوں کی نماز قبول نہیں ۳۴۸،
مقتدی اکتا نہ جائیں (اقتدا کے بعد امامت) ۳۴۹، مقتدیوں کی
رعایت ضروری ہے ۳۴۹، عورت کی رعایت سے نماز میں اختصار
۳۴۹، تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے ۳۵۰، ہر عمل میں حضوری
قلب ضروری ہے، رسولؐ اللہ کو لقمہ دینا ۳۵۰، جنازہ ۳۵۱، جمعہ
کی نماز ۳۵۲، نماز جمعہ ۳۵۴، قربانی چھوٹی سی چھوٹی چیز کی بھی
ہوسکتی ہے ۳۵۴، جمعہ کو حاضر ہونے کا طریقہ ۳۵۴، جمعہ میں کسی
کو "چپ رہو" کہنا بھی بولنا ہے ۳۵۵، نہایت لطیف تشبیہ
(مجمع کو چیرنے والوں کے لیے) ۳۵۵، دوران خطبہ میں نماز یا
گفتگو نہ ہونی چاہیے ۳۵۵، نماز سفر ۳۵۵، تین فرسخ پر قصر نماز
۳۵۵، مسافرت میں نوافل نہ ادا کیے جائیں ۳۵۶، شہید ۳۵۶،
قبروں کی زیارت ۳۵۷، نماز میں کمی کرنا ۳۵۷، رات کی نماز ۳۵۸،
نماز خوف ۳۵۸، صلوٰۃ الخوف کا ایک طریقہ ۳۵۸، صلوٰۃ الخوف
کا دوسرا طریقہ ۳۵۹، نماز عید ۳۵۹، عورتوں میں خطبۂ عید
۳۵۹، اگر جمعے کے دن عید ہو تو جمعہ ضروری نہیں ۳۶۰، ہتھیار بند
ہو کر عید کے لیے نکلنا ۳۶۰، نماز کسوف ۳۶۰، چھ رکعتوں میں
صرف چار سجدے ۳۶۰، کتاب الزکاۃ ۳۶۱، روزہ ۳۶۲،
نماز استسقاء ۳۶۵، توسل ۳۶۵، چاشت و استخارہ ۳۶۶،
صدقے کا وسیع مفہوم ۳۶۶، تین عمل کے خوشگوار مفہوم ۳۶۶،

قیام لیل ۲۶۶، شب زندہ داری کی برکتیں ۲۶۶، نمازِ شب کی تاکید ۲۶۷، مومن کا عزو شرف کس بات میں ہے ۲۶۷، طاعت و معصیت کا مقابلہ ۲۶۷، صدقہ فطر ۲۶۸، اہل و عیال کا خرچ، صدقہ کی فضیلت ۲۶۹، تراویح ۲۷۲، نفل گھر پر ادا کرنا افضل ہے ۲۷۲، نمازِ عشاء کے بعد بے فائدہ گفتگو ۲۷۲، نمازِ عشاء کے بعد مفید باتیں ۲۷۳، فنا فی اللہ ہونے کا مطلب اور ذریعہ ۲۷۳، چند افضل عبادات ۲۷۴، روزہ ۲۷۴، صلۂ رحم ۲۷۸، نمازِ جنازہ ۲۷۹، غائبانہ نمازِ جنازہ ۲۷۹، خودکشی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے ۲۷۹، غیر مسلم کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا ۲۷۹، خونِ شہیداں از آب اولیٰ ترست ۲۸۰، ایک کفن میں کئی مردے ۲۸۰، کتاب الزکوٰۃ ۲۸۰، جس کا سب کچھ اللہ کے لیے وقف ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ۲۸۰، وقت سے پہلے بھی زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے ۲۸۱، زکوٰۃ وصول کرنے میں آسانی کا حکم ۲۸۱، رویتِ ہلال ۲۸۲، نجاست رفع کرنا اور پاک کرنا ۲۸۲، زکوٰۃ کہاں فرض ہے ۲۸۳، زیوروں پر زکوٰۃ ۲۸۳، مالِ یتیم کو تجارت میں لگانے کا حکم اور اس کی مصلحت ۲۸۳، ہر مالِ تجارت پر زکوٰۃ ہے ۲۸۴، صدقۂ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کرنا چاہیے ۲۸۴، زکوٰۃ کس کو دینا جائز نہیں ۲۸۴، ابنائے ہاشم کے لیے صدقہ جائز نہیں ۲۸۴، شبِ قدر ۲۸۵، موت ۲۸۵، صدقے کا وسیع مفہوم ۲۸۸، ردی کھجوروں کا صدقہ ۲۸۸، اعتکاف ۲۸۸، فضائل نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ۲۸۹، متعلقات صدقہ ۲۹۰، تسامحِ عزیز کی مثال ۲۹۰، شوہر اور سوتیلے یتیم فرزند کو صدقہ دینا ۲۹۱، شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا ۲۹۱، اعمال اور اقوال کے فضائل۔ متفرق حدیثیں ۲۹۲، فتنہ و اختلاف وغیرہ ۲۹۳

تلاوت قرآن مجید ۲۹۳۔ کتاب الصوم ۲۹۶، فضائل صوم ۲۹۶، صوم کا لاانتہا اجر اور اس کی قرحتیں ۲۹۶، صوم سپر بھی ہے، بشرطیکہ شگاف نہ ڈالا جائے ۲۹۶، باب الریان ۲۹۷، روزہ کھلوانے کا اجر ۲۹۷، روزہ جسم کی زکوٰۃ ہے اور نصف صبر ۲۹۷، طاعم شاکر اور صائم صابر یکساں ہیں ۲۹۷، مساجد ۲۹۷، ہبہ و وصیت ۲۹۸، کتاب الحج ۲۹۸، روزے کے متعلق چند خاص باتیں ۴۰۰، ایک ہی فتویٰ سب کے لیے نہیں ہوتا۔ احوال و ظروف کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے ۴۰۰، صورتِ افطار کی مگر روح صوم کی ہو سکتی ہے ۴۰۱، معنیً افطار اور صورۃً صوم ۴۰۱، دوسرے کو تکلیف دے کر روزہ نہ رکھا جائے ۴۰۱، یوم عاشورا کا روزہ ۴۰۱، ظاہراً افطار اور حکماً روزہ (روزے داروں کا احترام) ۴۰۲، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان میں رکھے ۴۰۲، صائم الدھر ہونے سے بچو ۴۰۲، جنگ کے موقع پر روزہ رمضان نہ رکھنا چاہیے ۴۰۳، خدمتِ خلق، روزہ رکھنے سے زیادہ ثواب ہے ۴۰۳، سفر میں روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے ۴۰۳، کسی جان کا خیال روزے سے زیادہ ضروری ہے ۴۰۴، روزے میں قوت برداشت کا لحاظ ضروری ہے ۴۰۴، میت کی طرف سے ولی بھی روزے رکھ سکتا ہے ۴۰۴، ولی صوم نذر کو میت کی طرف سے ادا کرے ۴۰۴، مدینہ طیبہ کی حاضری ۴۰۵، کتاب الحج ۴۰۵، پاکیزہ حج کب ہوتا ہے ۴۰۵، آغازِ کار کے بعد موت مانع امر نہیں ۴۰۶، حائض کا حج کس طرح ہو ۴۰۶، خطبۂ حج ۴۰۶، دوسروں کو دھکا دے کر حجرِ اسود کو چومنا ۴۰۶، طواف بھی نماز ہی کی ایک شکل ہے ۴۰۷، کنکریاں چننے میں بھی غلو سے بچو ۴۰۷، رسم حج کی اصلی روح ۴۰۷، قربانی ۴۰۷، صلۂ رحمی عید الاضحیٰ کی قربانی سے زیادہ افضل ہے ۴۰۷، حلال و حرام جانور ۴۰۸، قربانی ۴۰۸، قسم ۴۰۹، مضر قسم

کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیے ۴۰۹، منت ۴۱۰، منت ماننے
کے دو پہلو ۴۱۰، لایعنی منت کو پورا نہ کرنا چاہیے ۴۱۰، ناقابلِ
برداشت منت میں ترمیم ۴۱۰، قسم اور نذر کہاں کہاں غلط ہے ۴۱۱،
کسی کا دل رکھنے کے لئے ایفائے نذر کی اجازت ۴۱۱، عقیقہ
۴۱۲، کتاب الجہاد ۴۱۳، سرحد کی حفاظت ۴۱۳، حفاظتِ سرحد
کی فضیلت ۴۱۳، سمندری سرحد کا پہرہ ۴۱۳، جہاد سے واپسی
۴۱۳، تساہل ۴۱۴، غزوے میں تساہل کرنے کا اثر ۴۱۴، مرنا
یا زخمی ہونا ۴۱۴، راہ خدا میں مرنے اور زخمی ہونے کی قیمت
۴۱۴، جہاد کی بنیاد اور تمنائے نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ۴۱۵،
دو قسم کی آنکھیں آگ سے محفوظ رہیں گی ۴۱۵، درجاتِ جنت
اور جہاد ۴۱۶، جنت کہاں ہے ۴۱۶، راہ خدا میں تیر چلانا ۴۱۶،
جہاد صرف قتال نہیں ۴۱۶، مجاہد کی تیاری ۴۱۷، صحیح مجاہد کی
شان ۴۱۷، خدا کی چار پسندیدہ چیزیں ۴۱۷، شہدا کی فضیلتیں ۴۱۸،
شہید کی تمنا ۴۱۸، شہید کا قرض معاف نہیں ہوتا ۴۱۸، راہِ خدا
میں قتل ہونے سے بندوں کا حق معاف نہیں ہوتا ۴۱۸، ایک
بے عمل مگر خوش نصیب مجاہد و شہید ۴۱۹، صدقِ نیت کا اثر
۴۱۹، شہادت کی اقسام میں وسعت ۴۱۹، جہاد کے آداب و
وجوب ۴۲۰، جہاد و نماز کا غیر معیاری امام اور اجتماعیت کی
اہمیت ۴۲۰، جہاد میں ہر صلاحیت سے کام لینا چاہیے ۴۲۰،
تمنائے جنگ کی ممانعت اور ثابت قدمی کا حکم ۴۲۰، ترکِ جہاد
کا نتیجہ ۴۲۰، جہاد صرف اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ہونا چاہیے
۴۲۱، ایک مخلص خوش نصیب کی داستانِ شہادت ۴۲۱، جنگی
احتیاط ضروری چیز ہے ۴۲۲، مجاہد کا بھروسا اسباب پر نہیں
بلکہ خدا پر ہوتا ہے ۴۲۲، جنگ میں قوانینِ اخلاق ۴۲۳،
جہاد کے ضروری احکام ۴۲۳، عورتوں کی شرکتِ جہاد اور
دوسرے چند مسائل ۴۲۴، مجاہد عورتوں کی خدمات ۴۲۵،
اخلاصِ نیت اور غدر ۴۲۵، شہسواری و تیر اندازی ۴۲۶،
کتاب التفسیر ۴۲۶، تلاوتِ قرآنِ حکیم کی برکات ۴۲۶، قرآن
میں سفر و اقامت کا اجتماع ۴۲۷، انہماکِ قرأت کا اجر ۴۲۷،
قرأتِ قرآن سری و جہری ۴۲۷، روانی کے ساتھ اور اٹک
اٹک کر پڑھنے والے ۴۲۷، قرأت سے متعلق عمدہ تشبیہیں
۴۲۸، قاریِ قرآن غلام کو امیر بنایا گیا ۴۲۸، خانہ خراب کون
ہے ۴۲۹، قرآن پڑھ کر کس سے سوال کیا جائے ۴۲۹، ایمان
بالقرآن کس کا نہیں ہوتا ۴۲۹، کرامتِ قرآنی اور استعارے
کی گفتگو ۴۲۹، برکاتِ قرآنی ۴۳۰، سبع مثانی کیا چیز ہے ۴۳۰،
قرآن سیکھنے والے کی اعلیٰ مثالیں ۴۳۰، فضیلتِ سورۃ بقرہ ۴۳۰،
بعض اور سورتوں کے فضائل ۴۳۱، سورہ بقرہ ۴۳۱، آیتِ طوافِ
صفا و مروہ کی تفسیر ۴۳۱، آیت اطاقتِ صوم کی صحیح تفسیر ۴۳۲،
آیت تزود کی تفسیر ۴۳۲، فضلِ الٰہی کی جستجو کوئی گناہ نہیں ۴۳۲، سورۃ
آلِ عمران ۴۳۳، ایک سوال کا لطیف جواب ۴۳۳، سورۃ النساء ۴۳۴،
بحالتِ امن سفر میں قصرِ نماز کیوں ہے ۴۳۴، جزائے عمل کی ایک
خاص نوعیت ۴۳۴، طٰہٰ ۴۳۵، دین کا مقصد ریاضتِ شاقہ نہیں
۴۳۵، روم ۴۳۵، قرآنِ حکیم میں نمازِ پنجگانہ ۴۳۵، تحریم
۴۳۵، تدبرِ قرآن کا مطلب محض لغوی تحقیق نہیں ۴۳۵،
آدابِ تلاوتِ قرآن وغیرہ ۴۳۶، گر تو قرآن بریں نمط خوانی
۴۳۶، قرأت سے دوسروں کو دق کرنا ۴۳۶، دورِ قرآنی
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۳۶، اذکار اور ادعیہ ۴۳۷،
سو باتوں کی ایک بات ۴۳۷، حسین بدلے ۴۳۷، دنیا کی جنت
۴۳۷، قابلِ رشک اہلِ محبت ۴۳۸، اولیاء اللہ کی پہچان ۴۳۸،
بہترین ذکر اور بہترین روزی ۴۳۸، غافلوں میں یادِ الٰہی کرنے والے
کا درجہ ۴۳۸، ذکرِ الٰہی کس حد تک ۴۳۹، ذکرِ الٰہی اور نجات
۴۳۹، دعا عینِ عبادت ہے ۴۳۹، دعا مغزِ عبادت ہے ۴۳۹،

سب سے بہتر دعا کس چیز کی ہوتی ہے ۴۴۰، دعا کی قبولیت کے کئی انداز ہیں ۴۴۰، دعا مومن کا ہتھیار ہے ۴۴۰، دعا کے اوقات اور کیفیات وغیرہ ۴۴۱، رحمت کی پکار ۴۴۱، اوقاتِ قبولیت ۴۴۱، سجدے میں دعا ۴۴۱، آسائش میں دعا کی برکات ۴۴۱، زور دار التجا اللہ پر دباؤ ڈالنا نہیں ۴۴۲، جامع دعا سے دلچسپی ۴۴۲، عدمِ قبول کا گلہ ۴۴۲، کلماتِ بددعا سے اجتناب کرو ۴۴۲، جو مانگنا ہو اللہ ہی سے مانگو ۴۴۳، ترکِ دعا کی عادت قابلِ ترک ہے ۴۴۳، قبولِ دعا کا انتظار بھی بہترین عبادت ہے ۴۴۳، اُمتی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ ۴۴۳، زیادتی کرنے والے کے لیے بددعا ۴۴۴، اولاد کی دعا کیا اثر رکھتی ہے ۴۴۴، حکیمانہ دعا ۴۴۴، اسمائے حسنیٰ ۴۴۴، اسمائے الٰہیہ ۴۴۴

معاملات : ۴۴۷، جاہلیت کے اقسام نکاح ۴۴۷، تجرد کی زندگی کوئی تقویٰ نہیں ۴۴۸، کتاب البیوع ۴۴۹، حلال روزی ۴۴۹، ایمان، اسلام، اعتصام (مضبوط پکڑنا)، اقتصاد (میانہ روی)، امانت، امرِ معروف (نیک کام کا حکم)، امید، اجل وغیرہ ۴۴۹، کتاب النکاح ۴۵۰، نکاح محافظِ نگاہ و عصمت ہے، مجرد کے لیے روزہ محافظ ہے ۴۵۰، نکاح کا مقصد نسلِ انسانی کی بقا بھی ہے ۴۵۰، زنِ صالحہ کی قدر و قیمت ۴۵۰، اچھا تاجر ۴۵۱، سود کا بیان ۴۵۱، بیع، راستی، امانت، سہولت، زان، حرام چیز کا بیچنا، دھوکا وغیرہ ۴۵۲، رہن اور بیع سلم ۴۵۶، شاہد و اذن ۴۵۶، بغیر گواہوں کے عورت کو خود نکاح کرنا ۴۵۶، بالغہ کا اذن ضروری ہے ۴۵۷، نکاح بلا رضا کو عورت توڑ سکتی ہے، خواہ باپ ہی کیوں نہ کرے ۴۵۷، درخت کا پھل ۴۵۷، قرضدار کو مہلت دینا ۴۵۸

مہر ۴۵۹، صرف اسلام کا مہر ہونا، اُمِ سلیم کی جرأتِ ایمانی ۴۵۹، ام المومنین اُمِ سلمہؓ کا مہر صرف دس درہم تھا ۴۵۹، تین آسانیوں کا شمار عورت کی برکات میں ہے ۴۶۰، مہر ہضم کرنے والوں کا شمار زانیوں میں ہوگا ۴۶۰، تفسیر اور متفرق ۴۶۰، زمین پر [illegible] قبضہ ۴۶۰، ولیمہ ۴۶۱، بدترین طعام ولیمہ ۴۶۱، دعوتِ ولیمہ میں شرکت نہ کرنے والا ۴۶۱، حد (سزا) ۴۶۱، حلالہ ۴۶۱، دین یعنی قرض کی ادائیگی ۴۶۲، کتاب الطلاق ۴۶۲، مسئلہ طلاق میں وقتی حالات کی رعایت ۴۶۲، دماغ قابو سے باہر ہوجائے تو طلاق بے اثر ہے ۴۶۳، سخت غصے کی حالت میں طلاق بے اثر ہے ۴۶۴، عورت کسی کے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کی جاسکتی ۴۶۴، اللہ کی نگاہ میں طلاق سب سے زیادہ قابلِ نفرت مباح ہے ۴۶۵، طلاق ایک ہی سبب سے ہوسکتی ہے ۴۶۵، بلا وجہ عورت کا خود مطالبہ طلاق کرنا ۴۶۵، تین باتوں میں سنجیدگی اور مزاح کا اثر یکساں ہے ۴۶۵، صرف ناپسندیدگی کی وجہ سے عورت مطالبہ خلع کرسکتی ہے ۴۶۵، الولد للفراش ۴۶۶، خلع کی عدت میں صرف ایک حیض کی مثال ۴۶۶، مطلقہ کے فرزند کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ۴۶۷، طلاق ۴۶۷، خرید و فروخت، کسبِ معاش ۴۶۸، علم کے باوجود مالِ مسروقہ کھانا چوری کرنے کے برابر ہے ۴۶۸، غذائے حرام سے پرورش پائے ہوئے جسم کا انجام ۴۶۸، مشتبہات سے بچنا ہی تقاضائے احتیاط ہے، دل کا مقام ۴۶۹، نیکی اور بدی کا فتویٰ اپنے دل سے لو ۴۶۹، جسے اللہ نے واضح کیا اور جس سے سکوت اختیار فرمایا ۴۷۰، سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی ۴۷۰، حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی ۴۷۰، اولاد بھی والدین کی کمائی ہے ۴۷۱، حکومت اسلامیہ کے عمال کے لیے معیارِ زندگی ۴۷۱، خلیفہ کا حق بیت المال میں ۴۷۱، جاگیروں سے زکوٰۃ ۴۷۲،

پانی اور درخت مفادِ عامہ کے لیے ہیں ۴۷۲، سب سے
زیادہ پاکیزہ کمائی ۴۷۲، اجرت فوراً ادا کرنے کا حکم ۴۷۲،
دستکاری کی فضیلت ۴۷۲، سیدنا زکریاؑ بڑھئی کا کام کرتے
تھے۔ سونا چاندی اصل دولت نہیں ۴۷۳، باغبانی باعث
برکت ہے ۴۷۳، بلڈنگیں بنانا کوئی نیکی نہیں ۴۷۳،
ضرورت سے زیادہ مکان بنانا جائز نہیں ۴۷۴، امانت دار
تاجر کی فضیلت ۴۷۴، تاجر اگر نیکوکار نہ ہو؟ ۴۷۴،
تاجرانہ مبالغوں کی تلافی ۴۷۴، تجارت میں جھوٹی قسم
۴۷۴، فراخدل خریدار و فروشندہ ۴۷۵، ناپ
تول میں بے احتیاطی کا نتیجہ ۴۷۵، تاجر کے لیے اسلامی
اصولِ تجارت کا علم ضروری ہے ۴۷۵، وراثت ۴۷۵،
جائز و ناجائز بیع ۴۷۶، حرام اشیاء کی تجارت ۴۷۶،
پھل تیار ہونے سے پہلے بیع کا معاملہ ۴۷۶، اس سے کیوں
روکا گیا ۴۷۷، بعد کے جھگڑوں سے بچنے کے لیے ۴۷۷،
چند اقسامِ بیع کی ممانعت ۴۷۷، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کا نیا حکم ۴۷۸، پانی کی بیع کی ممانعت ۴۷۸، پانی نمک
اور ایندھن کو روک رکھنا ۴۷۸، شکل تجارت ۴۷۹، سکوں
کی بلاضرورت تبدیلی ۴۷۹، چند ناجائز اقسام بیع ۴۷۹،
مال کا نقص ضرور بیان کر دیا جائے ۴۷۹، دھوکے کے لیے
اچھے برے مال کا اختلاط ۴۸۰، بعض ناجائز اقسام بیع
(ڈاک بڑھانا) ۴۸۰، دھوکے کے لیے ڈاک کی بولی زیادہ
دینا ۴۸۰، بعض دیگر اقسام ۴۸۱، خرید و فروخت میں
قیمتیں لگانے میں اعتدال ۴۸۱، کمائی ۴۸۲، ربوٰا
(سود اور اس کی قسمیں) ۴۸۳، آیت الربوٰا ۴۸۳،
بچہ، شکم، شیر پستان، غلام آبق، حصۂ غنیمت
کی بیع ۴۸۳، منڈی میں مال پہنچنے سے پہلے
سودا کر لینا ۴۸۳، ایک بیع میں دو رنگ کی بات ۴۸۴،
حیوان اور بچے کی جداگانہ بیع ۴۸۴، اولاد کی مشابہت اور
نسب کا دعوے ۴۸۴، ناپ تول اور حیوانات میں ربوٰا ۴۸۵،
لعنت سود کی ہمہ گیری ۴۸۵، دو مختلف جنسوں کا مبادلہ بھی
دست بدست ہونا چاہیے ۴۸۵، سود لینے والا اور دینے والا
دونوں یکساں ہیں ۴۸۶، ربوٰا صرف ادھار کی صورت میں ہوتا ہے
۴۸۶، کوالٹی مختلف ہو تو تفاضل ربوٰا نہیں بشرطیکہ نقد النقد
ہو ۴۸۶، دینار کی بجائے ہم قیمت درہم لینے میں یا اس کے برعکس
میں مضائقہ نہیں ۴۸۶، ربوٰا کی بدترین قسم ۴۸۷، نکاح ۴۸۸،
بعض احکام بیع ۴۹۰، لین دین کرنے والوں میں اگر اختلاف
ہو ۴۹۰، دو خریداروں میں سے زیادہ حق کس کا ہے ۴۹۰، اگر
خریدار کے مال پر آفت آ جائے ۴۹۰، منت کا بیان ۴۹۰، شفعہ
۴۹۱، حقِ شفعہ شاملات میں ہوتا ہے، شریک کا اذن مالکِ مشترکہ اور
بھی ضروری ہے ۴۹۱، پڑوسی کا حق ۴۹۲، بیع میں دونوں
فریق کا فائدہ مدنظر ہو، پھل تیار ہونے سے پہلے درخت کی بیع
۴۹۲، احادیث مشترکہ ۴۹۲، ذخیرہ اندوزی ۴۹۳،
احتکار (ذخیرہ اندوزی) ۴۹۳، احتکار کرنے والے کی نفسی
کیفیت ۴۹۳، جرم احتکار کی کوئی تلافی نہیں ۴۹۴، احتکار
اور بھاؤ کی تیزی ۴۹۴، لعنت احتکار کی ہمہ گیری ۴۹۴،
حکومت کی طرف سے بھاؤ کا تعین ۴۹۴، جب بھاؤ کی کمی سے
دوسروں پر اثر ہو ۴۹۴، قرض اور اس کے آداب ۴۹۵،
ادائے قرض کا سامان نہ کرنے کا گناہ ۴۹۵، بدنیت قرضدار
کا حشر ۴۹۵، نیک نیت قرض دار پر فضل ۴۹۵، قرض دینے
والوں کے ساتھ اللہ ہے (عبداللہ بن جعفر کی اکساہ اللہ) ۴۹۶،
ادائے قرض میں ٹال مٹول ۴۹۶، تین قابلِ رشک شخص ۴۹۶،
تقاضے میں نرمی و شرافت کرنے والے کی عاقبت ۴۹۶، تنگ دست

کو مہلت دینے والے کا انعام ۴۹۷، فتح مکہ سے پہلے
اور بعد قرضدار کی نمازِ جنازہ ۴۹۵، قرض دینے کا اجر
۴۹۸، قرض دینے سے خوف نہ کھاؤ ۴۹۸، قرض کا دخول
جنت میں رکاوٹ بننا ۴۹۸، فکرِ حق ۴۹۹، تنگدست
قرض دار کے لیے کشادگی پیدا کرنا ۴۹۹، ادائے قرض کا اجر
۴۹۹، حکومت کی طرف سے دیوالیے کا حکم ۴۹۹، دیوالیے
کا حکم ۴۹۹، عاریت، ہبہ وغیرہ ۵۰۰، کچھ دے کر واپس لینا
۵۰۰، جائز و ناجائز ہدایا ۵۰۰، مبادلۂ ہدایا کی برکت ۵۰۰،
سفارش کی قیمت لینا کیا ہے ۵۰۰، تعلیم دین کی اُجرت
حرام ہے ۵۰۱، العدایہ مشترک ۵۰۱، قرض خواہ کی خاطر
مدارات ۵۰۱، شرکت ۵۰۲، معیت خداوندی، عدم
خیانت سے مشروط ہے ۵۰۲، رہن ۵۰۲، مال مرہونہ
ہر حال میں واپس کیا جائے ۵۰۲، زمین پر قبضہ ناحق ۵۰۲،
زمین کو بٹائی یا کرائے پر دینا ۵۰۳، اُجرت پر زمین دینے
کا جواز ۵۰۳، ملکیت زمین اور افتادہ زمین کی کاشت ۵۰۴،
احیائے زمین (زمین میں کاشت کرنا) ۵۰۶، ملکیت زمین
کی حقیقت (زمین خدا کی اور بندے بھی اسی کے) ۵۰۶،
احیائے زمین کرنے والے کا حق تصرف ۵۰۶، سامانِ
آبپاشی کرنے والے کا اجر ۵۰۷، بلا اجازت کسی کی زمین
میں کاشت کرنا ۵۰۷، عہدۂ قضا اور اس کے احکام ۵۰۷،
قاضی کی بے کسی ۵۰۷، جنتی اور جہنمی قاضی ۵۰۷، عہدۂ
قضا کی خواہش اور اس سے گریز ۵۰۸، عہدۂ قضا کی خواہش
کے بعد ۵۰۸، قاضی کے ساتھ رحمان یا شیطان کی معیت ۵۰۸،
اجتہاد کا اجر ۵۰۸، قاضی ایک طبیب ہوتا ہے ۵۰۹،
رشوت دینے والا اور لینے والا ۵۰۹، قاضی دونوں فریقوں
کا بیان سن کر فیصلہ دے ۵۰۹، غصے کی حالت میں فیصلہ نہ
دیا جائے ۵۱۰، فریقین میں ہر لحاظ سے برابری قائم رکھی جائے
۵۱۰، قاضی بلائے تو جانا ضروری ہے ۵۱۰، فیصلے کے بعد اپنی
مظلومیت کا اظہار غلط ہے ۵۱۱، فیصلے کی تین بنیادیں (کتاب،
سنت اور اجتہاد) ۵۱۱، فیصلہ بیان فریقین کی بنیاد پر ہونا
چاہیے اور "تذکیر" بھی ہو تو بہتر ہے ۵۱۲، دعویٰ، ثبوت اور
گواہی کے احکام ۵۱۳، ثبوت اور قسم کس کے ذمے ہے ۵۱۳،
ایک قسم اور ایک گواہی پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے ۵۱۳، کن لوگوں
کی گواہیاں نامقبول ہیں ۵۱۳، کسی کے خلاف گواہی دینے والا
اسی کی سطح کا ہونا چاہیے ۵۱۴، جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے
۵۱۴، بہترین گواہ کون ہے ۵۱۴، خزیمہ کی ایک عجیب
ادا (ان کی ایک گواہی دو کے برابر ہے) ۵۱۴، کتمانِ شہادت
جھوٹی گواہی کے برابر ہے ۵۱۵، ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی
کا موقع ۵۱۵، ایک ہی عورت کی گواہی کا موقع ۵۱۶، اہل کتاب
کی گواہی (جبکہ کوئی مسلمان نہ ملے) ۵۱۶، مجرم کو حبس میں رکھنا ۵۱۶
صحیح غلط جانے بغیر گواہی دینا اور گواہ ہونے کا مغالطہ دینا
۵۱۷، ظالم کی اعانت گویا ترکِ اسلام ہے ۵۱۷، کارِ خیر میں
زمین وغیرہ کا وقف ۵۱۷، کسی میت کی طرف سے کارِ خیر ۵۱۷،
زمین کو تقسیم نہ کرنا بہتر ہے ۵۱۸، صلح جائز ۵۱۸، ناجائز
شرطوں پر صلح غلط ہے ۵۱۸، امانت داری کے احکام ۵۱۸،
امانت داری ہر ایک سے ہو ۵۱۸، امانت دار خزانچی کی تعریف
اور اس کا درجہ ۵۱۹، لعنت غلامی کو ختم کرنے کے طریقے ۵۱۹،
غلام کا مقام ۵۱۹، قیدی و غلام کو آزاد کرنے کا اجر ۵۲۰،
غلام کو رہا کرنے کا اجر ۵۲۰، قتل کی تلافی غلام کی رہائی سے
۵۲۰، حسنِ سلوک ۵۲۱، احکام وصیت ۵۲۱، وصیت کی تاکید
۵۲۱، سب سے افضل صدقہ وہ ہے، جو تندرستی کی حالت میں
دیا جائے ۵۲۲، زندگی میں ایک درہم دینا مرتے وقت کے سو

درہموں سے بہتر ہے ۲۲ ۵، اہل وعیال کو محتاج نہیں چھوڑنا
چاہیے (بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالنا بھی باعث اجر ہے)
۵۲۲، جن کا کوئی آگے پیچھے وارث نہ ہو ۲۳ ۵، آنحضرت
(صلی اللہ علیہ وسلم) نے مال کی وصیت نہیں فرمائی (وصیت
قرآن) ۵۲۳، وصیت کا اثر نجات پر ۲۳ ۵، حدود اللہ
۵۲۴، حدود اللہ کی ضرورت ۵۲۴، حدود سے بچانے
کے لیے بہانے تلاش کرو ۵۲۴، جرم کی ستر پوشی بہتر ہے
۵۲۵، سفارش مجرم عدالت میں آنے سے پہلے تک ۵۲۵،
تعزیر دس کوڑے سے زیادہ نہ ہو ۵۲۵، حدود اور رحمت
الٰہی ۵۲۶، جائز و ناجائز قتل کے احکام ۲۶ ۵، غاصب
سے کب قتال کیا جائے ۵۲۶، ساحر کی سزا ۵۲۶،
قصاص ۵۲۷، نقصان جان و عضو کے معاوضے کی تین
شکلیں ۵۲۷، قتل خطا کرنے والے مفلس کو معاف کیا
جا سکتا ہے ۵۲۷، اگر ایک بیکس کو کئی آدمی مل کر مار ڈالیں
۵۲۸، قصاص میں آزاد و غلام یکساں ہیں ۵۲۹، قاتل
اگر مجنون ہو ۵۲۹، قصاص سے پہلے کی منزل ۵۲۹، رسم
جاہلیت جو روح اسلام کے خلاف نہ ہو باقی رہ سکتی ہے ۵۲۹
دیت (خون بہا) ۵۳۰، جان اور مختلف اعضا کی دیت (خون بہا)
۵۳۰، قیمت شتر کے تفاوت سے رقم میں فرق ہو جاتا ہے
۵۳۱، دیت کا بعض فرق ۵۳۲، بچہ شکم کی دیت ۵۳۲،
ادائے دیت میں اعانت کا درجہ ۵۳۲، مرتد کے ساتھ سلوک
۵۳۳، مرتد کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے ۵۳۳، سزائے
زانی ۵۳۴، کنوارے زانی کی حد ۵۳۴، بیاہے زانی کی
حد اور ایک مومنہ کی خدا ترسی ۵۳۴، حضرت عثمانؓ کی
اجتہادی غلطی ۵۳۵، کن لوگوں پر قانونی گرفت نہیں ۵۳۵،
سزا بقدر برداشت ہونی چاہیے ۵۳۶، حد لگاتے وقت
چہرے کو بچانا چاہیے ۵۳۶، چوری کی سزا ۵۳۷، چور ماخوذ
ہو تو قاضی کو ایسا انداز اختیار کرنا چاہیے کہ وہ انکار جرم کر دے
۵۳۷، قانون کی نظر میں سب برابر ہیں ۵۳۷، ہر چوری کی سزا
قطع ید نہیں ۵۳۸، صرف مال لینا چوری میں داخل نہیں ۵۳۹،
بعض چوروں پر سزا کی بجائے انعام بھی ہے ۵۳۹، بعض چوری
قابل معافی ہے ۵۳۹، غلام اگر چوری کرے ۵۴۰، فیصلے پر قانون
تنزیلی و دستور ذرائع علم پر مقدم ہے ۵۴۰، غلام کی چوری پر
آقا سے دوگنا ڈنڈ ۵۴۱، خدا کا مال اگر چرا لے ۵۴۰،
محض شبہ سرقہ پر مار نہ چاہیے ۵۴۱، اجرائے حد اور تاوان
دونوں ایک ساتھ نہیں ۵۴۲، اگر کسی نیک نام کے پاس سے مال
مسروقہ برآمد ہو ۵۴۲، سفر میں چوری کی حد نہیں، مے خواری کی
سزائیں ۵۴۳، مے خواری کی سزا اسی درے ۵۴۳، سزا دینے
سے گریز چاہیے ۵۴۳، اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
سے محبت رکھنے والا سزا یافتہ شرابی ۵۴۳، سزا یافتہ شرابی
کے لیے دعائے خیر ۵۴۴، نشہ ۵۴۵، ہر گش گیرا لخ ۵۴۵،
نشہ وہ ہے جو "صلوٰۃ" سے غافل کر دے ۵۴۵، ہر نشے والی
چیز حرام ہے ۵۴۵، نشہ پینے کے پیسے ۵۴۶، نشہ ام الخبائث
ہے ۵۴۶، دائم الخمر مشرک جیسا ہے ۵۴۶، نشے کی بدمستی میں
کیا ہوتا ہے ۵۴۶، دس ملعون ۵۴۶، خمر کی تعریف اور نشہ
مسائل ۵۴۷، نام دوسرا، کام وہی ۵۴۷، شراب چھڑوانے
میں حکمت نبویؐ ۵۴۷، مصلحت پوری ہونے کے بعد حکم کی واپسی
۵۴۸، مشرک کے برتنوں کا استعمال ۵۴۹، لباس و زینت
۵۴۹، تولنے میں فراخدلی چاہیے ۵۴۹، غنیمت اور غلول
۵۴۹، مال غنیمت کا ناجائز استعمال ۵۴۹، دشمن سے بھی
عہد کی پابندی کی تعلیم ۵۵۰،
اخلاقیات ۵۵۱، حسن نیت اور صدق و کذب ۵۵۱،

ایمان کی خصلتیں ۵۵۱، تین خصائل ایمان ۵۵۱، تکمیل ایمان
کا سب سے بڑا ذریعہ ۵۵۲، بہترین اسلام ۵۵۲، احکام
ایمان اور بیعت ایمان ۵۵۲، ایمان کے بعض تقاضے ۵۵۲،
گناہ کرتے وقت ایمان جدا ہو جاتا ہے ۵۵۳، بدکاری کے
وقت ایمان معلق رہتا ہے ۵۵۳، اعمال میں میانہ روی
۵۵۳، اچھی سیرت اور میانہ روی ۵۵۳، کتاب العلم
۵۵۳، عالم اور عابد کی فضیلتوں میں کیا تناسب ہے ۵۵۳،
فقیہہ اور عابد کا فرق ۵۵۴، علم کے طفیل روزی ۵۵۴،
جویان علم کا درجہ اور انبیاء کی میراث ۵۵۴، اہل علم کی اہانت
منافقت ہے ۵۵۵، اہل علم نجوم ہدایت ہیں ۵۵۵،
تعلیم کے اجر میں عمل کا اجر بھی شامل ہو جاتا ہے ۵۵۵،
حصول علم میں لگے رہنا فرض ہے، الٰہی ارادہ خیر تفقہ
فی الدین کی شکل میں ۵۵۶، حکمت مومن کی گمشدہ دولت
ہے ۵۵۶، علم کے ساتھ حکمت بھی ضروری ہے (لقمان حکیم
کی نصیحت) ۵۵۶، علم کی کنجوسی اور اس کی سزا ۵۵۶،
ہدایت کی قدر و قیمت ۵۵۶، علمی سوال و جواب کے آداب
۵۵۷، مواعظ میں سامعین کی اکتاہٹ کا خیال رکھنا ۵۵۷،
فقیہہ کے اوصاف، غور و فکر کی غیر معمولی اہمیت ۵۵۷، گفتگو
میں موقع و محل کی ضروری رعایت اور علم کا حق ۵۵۷، کلام
بے محل ۵۵۸، دو قسم کے حریص ۵۵۸، حقوق علم کی ادائیگی
کی نصیحت کرنا ۵۵۸، تعلیم کا غلط ترین مصرف ۵۵۸، معلم
بے عمل کی لطیف مثال ۵۵۹، لغو مسائل کی تحقیق ۵۵۹، صاف
اور سیدھی بات ۵۵۹، روایت و کتابت حدیث ۵۵۹،
جیسا سنا جائے ویسا ہی بیان کیا جائے ۵۵۹، تعلیم دین
عام نہ کرنے پر تہدید ۵۶۰، علم کس طرح اٹھ جاتا ہے ۵۶۰،
اہل علم کی موت ۵۶۰، جھوٹی روایت سے احتراز اور سچی کو
جھٹلانا ۵۶۱، جھوٹی حدیثیں بیان کرنا ۵۶۱، کتاب طہارت و
پاکیزگی ۵۶۱، نجاست ۵۶۱، ایک نازیبا حرکت کی اصلاح ۵۶۱،
وضو اور اس کے متعلقات ۵۶۲، اکل و شرب سے پہلے ہاتھ دھو
لینا ۵۶۲، مسجد ۵۶۲، تفرد و تفرق کا انجام کیا ہوتا ہے ۵۶۲،
استقبال قبلہ ۵۶۲، حرام کمائی کے کپڑوں میں نماز۔ لباس اور
امانت کی اہمیت ۵۶۲، کتاب الجنائز، امراض میں رحمت ۵۶۳،
مومن کی ہر تکلیف کفارۂ گناہ ہے ۵۶۳، بخار کے فائدے ۵۶۳،
سرخ رو ہوتا ہے انسان آفتیں پانے کے بعد ۵۶۴، تراوتع
۵۶۴، آزمائش میں اللہ کا ایک خاص مقصد ۵۶۴، چھوٹی سے
چھوٹی تکلیف بھی باعث اجر ہے ۵۶۴، اہل آزمائش کا غیر معمولی
درجہ ۵۶۵، تقدیر و تدبیر ۵۶۵، اولاد کے مرنے پر حمد و ارجاع
کا اجر ۵۶۵، دختر کے مرنے پر صبر کا اجر و انعام ۵۶۶،
گذشتہ امتوں کی بعض سخت آزمائشیں اور اہل اسلام کے لیے
خوشخبری ۵۶۶، صبر کا ایک خاص انداز اور اس کا اجر ۵۶۷،
جلوت کی زندگی خلوت کی زندگی سے بہتر ہے ۵۶۷، موت کی
تمنا کرنا ۵۶۷، عیادت مریض ۵۶۸، عیادت مریض کا اجر
۵۶۸، معمولی امراض میں عیادت ضروری نہیں ۵۶۸، مریض کو
تسکین و تسلی دینا چاہیے ۵۶۸، مریض پر بار نہ ہونا چاہیے ۵۶۹،
بندوں کا اتصال خدا سے ۵۶۹، مریض کی خواہش طعام کی ایپل
۵۷۰، موت ۵۷۰، خدا سے اچھی ہی امیدیں رکھنی چاہئیں ۵۷۰،
گریہ و غم ۵۷۱، زبان کا مقام کیا ہے؟ ۵۷۱، جاہلیت کا ماتم
۵۷۱، تین موقعوں پر خاموشی ۵۷۲، نماز جنازہ ۵۷۲، حالات
کے بدلنے سے احکام جنازہ میں تبدیلی ۵۷۲، جنازے کا حق کس
طرح ادا ہوتا ہے ۵۷۳، مشایعت جنازہ ۵۷۳، شہادت
علی الناس کا آغاز اسی دنیا سے ہوتا ہے ۵۷۳، ہمسایوں کی
گواہی کی اہمیت ۵۷۳، تعزیت ۵۷۴، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا جامع تعزیت نامہ ۵۷۴، زیارت قبور کا مقصد آخرت کی
یاد ہے ۵۷۴، کتاب الزکوٰۃ ۵۷۵، منع زکوٰۃ ہلاکتِ مال کا
سبب بن جاتا ہے ۵۷۵، عامل صدقہ کو ہدایات ۵۷۵، محصل
صدقہ کے لئے ضروری تنبیہ ۵۷۵، دیانت دار محصل کی فضیلت
۵۷۶، ادائے زکوٰۃ میں خوش دلی کی دعا کرو ۵۷۶، زکوٰۃ کس
کو دینا جائز نہیں ۵۷۷، غنی اور ہٹے کٹے کے لئے بھی زکوٰۃ لینا
جائز نہیں ۵۷۷، صدقے کے استعمال میں حضرت عمرؓ کی احتیاط
۵۷۷، صدقات یا کارِ خیر ۵۷۷، مالِ طیب کی زکوٰۃ کا فضل
۵۷۷، کپڑا پہنانے کا اجر ۵۷۸، چند نیکیوں کی برکات ۵۷۸،
سخی اور بخیل کا فرق ۵۷۸، چند مستحقین زکوٰۃ ۵۷۹، بال بچوں
پر خرچ کرنا سب سے بہتر خرچ ہے ۵۷۹، اپنے آپ کو کھلانا
بھی صدقہ ہے ۵۷۹، صدقے کے اول مستحق قرابت مند ہیں
۵۷۹، صدقے کا وسیع مفہوم ۵۸۰ کلمہ خیر بھی صدقہ ہے
۵۸۰، مسکین کی جو مدد ہو سکے کرو ۵۸۰، بہترین صدقہ اور اس
کا اول حق دار ۵۸۰، اہم معاملات کے لئے ابھی اذان و نماز
ہوتی تھی ۵۸۱، متعلقات صدقہ ۵۸۲، صدقے کے کئی قابل
لحاظ پہلو ۵۸۲، ید علیا اور ید سفلی کی شرح ۵۸۲، ایسا صدقہ
نہیں چاہیئے جو خود کو مفلس کر دے ۵۸۲، دینا ہے تو بے حساب
دو ۵۸۲، نیکی کا ثواب کافر کو بھی ملتا ہے ۵۸۴، بچ رہنے
کا صحیح مطلب ۵۸۴، ہر کارِ خیر صدقہ ہے اور باعث اجر
۵۸۴، سات اہلِ فضل ۵۸۴، سوال اور قناعت ۵۸۶،
پیشہ ور بھکاری کا انجام ۵۸۶، سوال سے لکڑی کا بوجھ ڈھو
(اٹھا) لینا بہتر ہے ۵۸۶، سوال سے فقر کا دروازہ کھلتا ہے
۵۸۶، سوال کس کے لئے جائز ہے (ایک قابل اقتدا اسوہ) ۵۸۷،
سوال بس خدا ہی سے ہونا چاہیئے ۵۸۸، کامیاب آدمی کون
ہے ۵۸۸، انسان کا دنیا میں اصلی حق کیا ہے ۵۸۸،
سب سے زیادہ قابل رشک کون ہے ۵۸۸، غنا کا تعلق دل
سے ہے نہ کہ مال سے ۵۸۹، ولی مسکین کی صحیح تعریف ۵۸۹، نعمتِ
الٰہی کی تحقیر سے بچنے کا علاج ۵۸۹، بلا سوال اگر کچھ مل جائے تو
اُسے قبول کر لینا چاہیئے ۵۹۰، شیطان خون کے ساتھ دوڑتا ہے
۵۹۰، کتاب الحج ۵۹۱، ادائے قرض ادائے حج پر مقدم ہے ۵۹۱،
مردانگی جہاد میں عجلت نہ کرنے کا نتیجہ ۵۹۱، جانوروں پر رحم کی تعلیم
۵۹۲، خطبۂ حج ۵۹۲، حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت حضرت عمرؓ کا ایک
ضروری انتباہ ۵۹۲، مفادِ عامہ کے لیے کسی کو حج سے روکنا ۵۹۲،
اطاعت امیر کی نادر مثال ۵۹۳، ذخیرہ اندوزی حرم میں خصوصاً
حرام ہے ۵۹۳، قسم ۵۹۳ جھوٹی قسم کا عنداللہ انجام ۵۹۳،
شاہد و اذن ۵۹۴، خدا کی نگاہ میں سب بندے یکساں ہیں فضیلت
صرف تقویٰ سے ہے ۵۹۴، ولیمہ ۵۹۴ بدترین طعام ولیمہ،
دعوت ولیمہ میں شرکت نہ کرنے والا ۵۹۴، غیرتِ الٰہی کا تقاضا
ہے تحریم فواحش ۵۹۵، اگر پرائی عورت پر دفعتہً نظر پڑ جائے
۵۹۵، دوسری بار نظر ڈالنا ۵۹۵، زنانے مرد اور مردانی عورت
۵۹۵، پردے میں کمال احتیاط ۵۹۶، کتاب الطلاق ۵۹۶،
غلط انتساب کی ممانعت ۵۹۶، خرید و فروخت و کسبِ معاش
۵۹۶، درخت لگانا بھی کارِ خیر ہے ۵۹۶، رزقِ الٰہی کو کوئی
روک نہیں سکتا ۵۹۷، روزی موت سے بھی زیادہ ڈھونڈتا ہے ۵۹۷،
خادموں اور ماتحتوں سے سلوک ۵۹۷، خادموں سے درگزر ۵۹۷،
خادموں کی دلداری اور مساویانہ سلوک ۵۹۸، آدابِ طعام
۵۹۸، اسلامی لیڈر کے معیارِ زندگی کا واجب الاتباع نمونہ ۵۹۸،
دوسروں کی خاطر اپنے عیش میں کمی کرو ۵۹۸، جنتی ہونے کے لیے
۵۹۹، لباس و زینت ۵۹۹، چند اچھی اور بُری باتیں ۵۹۹،
ریشم کی جائز مقدار ۶۰۰، ریشم کی اجازت ضرورتاً ۶۰۰، اعمال
کی شکل اور زینت ۶۰۱، سادگی لباس تواضعاً للہ ہونا ۶۰۱،

صفائی و نظافت ۶۰۱، خوشبو کو رد نہ کرنا ۶۰۱، مرنا یا
زخمی ہونا ۶۰۲، دو قسم کے مجاہد ۶۰۲، دو متضاد چیزوں کا
اجتماع ۶۰۲، جنگ میں قوانین اخلاق ۶۰۳، غنیمت اور
غلول ۶۰۳، غلول کرنے والے کے جرم کو چھپانا ۶۰۳،
غلول کرنے والے کا انجام ۶۰۳، لوٹ کا مال حرام ہے
۶۰۴، سورہ آلِ عمران ۶۰۴، راسخ فی العلم کی تفسیر ۶۰۴،
سورۃ النساء ۶۰۵، کفارۂ گناہ کی ایک اور شکل ۶۰۵، سورۃ
الانعام ۶۰۵، فرقے بندی کی بدعت ۶۰۵، رحمت الٰہی کی
وسعت ۶۰۶، مومنون ۶۰۶، دفع بالاحسن کی تفسیر ۶۰۶،
شوریٰ ۶۰۷، لمم کی تفسیر ۶۰۷، چھوٹے گناہوں سے کوئی
بندہ نہیں بچ سکتا ۶۰۷، رحمان ۶۰۸، غدا ز سی تمام گناہوں
کا کفارہ ہے ۶۰۸، حدید ۶۰۸، دل کی زندگی علم و حکمت
سے ہوتی ہے ۶۰۸، تقویٰ ۶۰۹، تقویٰ اور رزق کا تعلق
۶۰۹، نصرت و اخوت و سفارش و تعصب ۶۰۹، ظالم اور مظلوم
کی امداد ۶۰۹، مسلمان کی بے عزتی کے وقت مدد کرنا ۶۱۰،
کسی بھائی کی آبرو کا تحفظ ۶۱۰، عصبیت کی صحیح تعریف ۶۱۰،
خیر خواہی کی جزا اللہ کی طرف سے ہے ۶۱۰، دین اور خیر خواہی
کا ربط ۶۱۱، جماعت مومنین کی مثال ۶۱۱، ہنس مکھ ہونا
اور پڑوسی کا خیال رکھنا ۶۱۲، مرجع خلائق خادم قوم ۶۱۲،
ہدایت یا ضلالت کی طرف بلانے والا ۶۱۲، ایمان و اخلاق
کے تقاضے ۶۱۲، اہل ایمان کے باہمی ربط کی مثال ۶۱۲،
محبت کی اطلاع دینا ۶۱۳، محبت و عداوت میں میانہ روی
۶۱۳، محض اللہ تعالیٰ کے لیے باہمی محبت رکھنا ۶۱۳،
محبت و عداوت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۶۱۳، صرف
اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والوں کا مقام ۶۱۴، حُبّ و
بغض کا فیصلہ پہلے آسمان پر ہوتا ہے ۶۱۴، محب کا حشر
محبوب کے ساتھ ۶۱۵، ارواح کی مختلف ٹولیاں ۶۱۵، اللہ اور
اس کے بندوں کے فیصلے کی یکسانی ۶۱۵، نماز روزے سے بھی
افضل عمل ۶۱۶، حسنِ خلق کی وصیت ۶۱۶، غرضِ بعثتِ نبویؐ
۶۱۶، حسنِ خلق کا عجیب درجہ ۶۱۶، مقیاس ایمان ۶۱۷، خلق حسن
کا وزن ۶۱۷ (رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے زیادہ
پیارا اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت ۶۱۷، اثم (گناہ) کی
قابلِ غور تعریف ۶۱۷، حیا اور بے حیائی کا انجام ۶۱۷، حیا
اور بے حیائی کا اثر دوسری چیزوں پر ۶۱۸، دین اسلام کا قوام
۶۱۸، دوست کا انتخاب ۶۱۸، حلقۂ احباب مقیاس ہے
۶۱۸، عفو و درگزر کی تاثیر ۶۱۸، سوءِ ظن سے بچو ۶۱۸،
دو رُخا پن کا حشر ۶۱۹، اطمینان و سکون کی فضیلت ۶۱۹، کسی
کی تعریف کرنے کا طریقہ ۶۱۹، نرمی سے جو محروم ہو ۶۱۹، امر و نہی
اور خیر خواہی ۶۲۰، درجات ایمان اور اس کے تقاضے (برائی
کو دیکھنے کے بعد) ۶۲۰، ظلم سے نہ روکنے کی سزا ۶۲۰، امر و نہی
ایک دائمی فریضہ ہے ۶۲۰، سب سے بڑا جہاد ۶۲۱، ماحفظ بے عمل
کا حشر ۶۲۱، گمراہی اپنی انتہا کو کس طرح بتدریج پہنچتی ہے ۶۲۱،
تذلیل مومن کے وقت ترک مدد ۶۲۲، آٹے کے ساتھ گھن کیوں
پستا ہے ۶۲۲، امر و نہی کے لیے سو فیصد عمل ہونا ضروری نہیں
۶۲۲، دین ہر ایک کی خیر خواہی کا دوسرا نام ہے ۶۲۳، بیعت
اسلام کی شرط خاص ۶۲۳، حسنِ نیت اور صدق و کذب ۶۲۳،
جہاد کا مقصد ہدایت ہے نہ کہ غنیمت و قتل ۶۲۳، غلط مفتی
اور غلط مشیر ۶۲۴، مشورہ امانت ہے ۶۲۴، اللہ تعالیٰ کی
نظر ظاہر پر نہیں ہوتی ۶۲۴، شک سے اطمینان کی طرف ۶۲۵،
جھوٹ کا اثر ۶۲۵، کسی کو خوش کرنے کیلئے جھوٹ بولنا ۶۲۵،
دروغ گوئی کا بدترین انداز ۶۲۵، سخاوت و بُخل ۶۲۶، سخی و
بخیل کا فرق ۶۲۶، منفق پر خدا کا انفاق ۶۲۶، دولت مند خدا

کی بادشاہت میں کس طرح جا سکتا ہے ۶۲۶، شحّ بدترین خصلت ہے ۶۲۷، جائیداد بنانے سے بچو ۶۲۷، اُمّت کے لیے سب سے بڑا فتنہ ۶۲۷، مال میں مالدار کا اصل حصّہ کتنا ہے ۶۲۷، انسان کا اپنا مال کونسا ہے؟ ۶۲۸، دنیا مومن و کافر کے لیے ۶۲۸، حبِ دنیا انسان کو کیا بنا دیتی ہے؟ ۶۲۸، انسان کی مثال اس دنیا میں ۶۲۸، آخرت کے مقابلے میں دنیا کی ہستی کی مثال ۶۲۸، اخلاق رذیلہ ۶۲۹، بہادر کون ہے ۶۲۹، غصّے کی حقیقت اور اس کا علاج ۶۲۹، ترک غصہ کی نصیحت کی تکرار ۶۳۰، غصّے کا ایک اور علاج ۶۳۰، حکام کے لیے قابل غور ۶۳۰، غیبت کی تعریف اور بہتان سے فرق ۶۳۰، شبہ غیبت پر نوٹس ۶۳۱، مسلمان کی بے حرمتی بھی سُود خواری ہے ۶۳۱، چغل خور کا انجام ۶۳۱، بلیغ تنبیہ لہو و لعب ۶۳۲، کبوتر بازی ۶۳۲، نشانے بازی کی مشق ذی روح پر ۶۳۲، اظہارِ مسرّت کا ایک طریقہ جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا ۶۳۲، لعن طعن ۶۳۲، مومن کی زبان کا منفی پہلو ۶۳۲، مومن کو گالی دینے اور قتل کرنے کا فرق ۶۳۳، کسی کو فاسق و کافر کہنے کا نتیجہ ۶۳۳، کسی چیز پر لعنت کرنے کے بعد ۶۳۳، گالی کا آغاز کرنے والا ۶۳۳، زمانے کو بُرا بھلا کہنا ۶۳۴، ہوا پر ملامت کرنا ۶۳۴، مردود کی بُرائی کرنا ۶۳۴، مردوں کی خوبیاں بیان کیا کرو ۶۳۴، ذمّی پر لعنت ۶۳۴، حسد و بدگمانی و پردہ دری ۶۳۵، حسد و رشک کے دو جائز موقعے ۶۳۵، حسد کا انجام ۶۳۵، بدگمانی، ایک مسلمان دوسرے کے لیے کیا ہو؟ ۶۳۶، تین دن سے زیادہ ترک کلام کیے رہنا ۶۳۶، مومن کی عزت کا قیام ۶۳۷، کسی کی مصیبت پر خوش ہونے کا انجام ۶۳۷، بلیغ انداز تنبیہہ ۶۳۷، تکبر و ریاکاری وغیرہ ۶۳۸، تکبر اور جمال پسندی کا فرق ۶۳۸، ریاکار تقاری کا ٹھکانہ ۶۳۸، پوشیدہ نیکی کے ظاہر ہو جانے پر خوشی ۶۳۸، اکبر الکبائر ۶۳۹، نو کبائر ۶۳۹، علامات نفاق ۶۳۹، جھگڑنا ۶۴۰، مناظرہ قوموں کی بربادی ہے ۶۴۰، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت ۶۴۰، نام اور کنیت ۶۴۰، ناموں میں جمالیاتی رعایت ۶۴۰، شاہنشاہ کا لقب ذلیل ترین نام ہے ۶۴۱، ناموں میں ذوقِ نبویؐ، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طرزِ عمل بُرے ناموں کے ساتھ ۶۴۱، حُسنِ بیان اور اچھے شعر کی قدر افزائی ۶۴۱، شعر کہنا اور سُننا ۶۴۲، لبید کا حقیقت آگاہ مصرعہ ۶۴۲، مضمون کے لحاظ سے نظم و نثر میں کوئی فرق نہیں ۶۴۲، زہد و فقر وغیرہ ۶۴۲، حب جاہ و مال کی قابلِ غور تمثیل ۶۴۲، میانہ روی ۶۴۳، بڑھاپے میں کیا چیز جوان ہو جاتی ہے ۶۴۳، رقائق و مواعظ وغیرہ ۶۴۴، امید و بیم والے کو خوش خبری ۶۴۴، مرکز فکر کے فرق کے نتائج ۶۴۴، محتاجی کیسے ختم ہوتی ہے ۶۴۴، فقیہہ کون ہے ۶۴۵، نصیحت مسیح علیہ السلام ۶۴۵، نصیحت لقمان حکیم ۶۴۵، زمین پر گمنام اور آسمان پر نام آور ۶۴۶، کام کی باتیں ۶۴۶، ذکرِ الٰہی کی قدر و قیمت (عجیب اسوہ) ۶۴۶، حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا ۶۴۷، چار بدبختیاں ۶۴۷، پانچ نصیحتیں ۶۴۷، نو احکام ۶۴۸، بدی کا علاج کس طرح ہو؟ ۶۴۸، شاکر و صابر عند اللہ کون ہوتا ہے ۶۴۸، نجات کی روح کیا ہے ۶۴۹، مومن آپ اپنی تذلیل کب کرتا ہے؟ ۶۴۹، ایک جامع نصیحت ۶۴۹، مومن کون ہے اور فاجر کون ۶۵۰، مومن ایک ہی بار دھوکا کھاتا ہے ۶۵۰، رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تین طرح کے آدمیوں کے خلاف ہوں گے ۶۵۰، بہشت کی ضمانت ۶۵۰، بدترین خصلتیں ۶۵۱، محروم جنت اشخاص ۶۵۱، زیادتی اور فخر کی ممانعت ۶۵۱، فنِ خطابت کا غلط مقصد ۶۵۱، قوم کا بہت زیادہ ماتم

کرنے والے ۶۵۱، غلط اور صحیح تکلف ۶۵۱، اُلفت و اُنس باہمی مومن کی صفت ہے ۶۵۲، گناہ کا ثابت ہونا ۶۵۲، توبہ و مغفرت ۶۵۲، بے پایاں مغفرتِ الٰہی ۶۵۲، عجیب وصیت اور اس کا صلہ ۶۵۳، کتاب الفتن ۶۵۳، ماحول کا اثر اعمال پر ۶۵۳، قاتل و مقتول دونوں جہنم میں ۶۵۴، متکبر کا حشر ۶۵۴، مفلس کون ہے؟ ۶۵۴، بدی کی روک تھام نہ کرنے کا نتیجہ ۶۵۵، آخری نجات یافتہ شخص ۶۵۵، راہ خدا میں تھوڑا وقت اور بہشت کی تھوڑی جگہ کا مرتبہ ۶۵۵، سخی اور بخیل ۶۵۶،

نظامات ۶۵۷، بیمار کی مزاج پرسی ۶۵۷، صحیح معاشی نظام کا اثر کیا ہونا چاہئیے ۶۵۷، کتاب النکاح ۶۵۸، عورت کا اصلی وصف کیا ہے؟ ۶۵۸، تزوج نصف ایمان ہے ۶۵۸، تین باتوں میں اعانت کرنا اللہ پر حق ہوتا ہے ۶۵۸، نکاح سے پہلے عورت کو چھپ کر دیکھنا روا ہے ۶۵۹، نکاح خفیہ نہ ہونا چاہیئے، مسجد میں نکاح، دف اور کھیل ۶۵۹، رخصتی کے وقت دف بجانا اور گانا بہتر ہے ۶۶۰، نکاح سنت رسولؐ ہے ۶۶۰، فرائض زوجین ۶۶۰، اپنے شوہر سے کسی عورت کا ذکر کرنے میں احتیاط چاہئیے ۶۶۰، زوجین کو باحیا رہنا چاہئیے ۶۶۰، اولاد کی پرورش عورت کا جہاد ہے ۶۶۱، زوجین ایک دوسرے کے لئے ۶۶۱، عورت کے لئے شوہر کا مقام ۶۶۱، رضائے شوہر کا صلہ جنت ہے ۶۶۱، بہترین بیوی کے خصائل ۶۶۱، تقویٰ اللہ کے بعد سب سے بڑی نعمت الٰہی ۶۶۲، اختلافِ زوجین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب فیصلہ ۶۶۲، ایک جفاکش اور خدمت گزار عورت (اسماء بنت ابی بکرؓ) ۶۶۳، عورت کے چند فرائض اور اُن کی تکمیل کا صلہ ۶۶۴، عام عورتوں کی

مزاجی کیفیت کی تمثیل اور حسن سلوک کی تاکید ۶۶۴، عورتوں کے حقوق مردوں پر ۶۶۵، مردوں کے لئے سب سے بڑی آزمائش عورتیں ہیں ۶۶۵، اہل ایمان کے لئے ایک غیرت آموز سبق ۶۶۵، اجازتِ شوہر کے بغیر عورت سے ملنا ۶۶۶، خرید و فروخت و کسب معاش ۶۶۶، رفاہِ عام کے لئے مکان اور باغ تیار کرنا بڑا کار خیر ہے ۶۶۶، آدابِ طعام ۶۶۶، اکٹھا کھانے اور بسم اللہ کی برکات ۶۶۷، شیطان نے اپنا کھایا ہوا اگل دیا ۶۶۷، کھانا بھی ذریعۂ مغفرت ہو سکتا ہے ۶۶۷، اجتماع کی برکت ۶۶۸، کم خوری ۶۶۸، صحیح مقدارِ طعام کیا ہے ۶۶۸، دعوت میں آخر کب تک بیٹھنا چاہیئے ۶۶۸، لباس و زینت ۶۶۹، پردے کی حدود ۶۶۹، پھٹیچر رہنا کوئی بزرگی نہیں ۶۶۹، سونے کا دانت ۶۷۰، بال اور ڈاڑھی کو سلجھا کر رکھو ۶۷۰، خلافت و امارت ۶۷۰، تفرقہ پیدا کرنے والے کی سزا قتل ۶۷۰، حکومت اسلامیہ کا نظام ۶۷۱، راعی اور رعایا کی قسمیں ۶۷۱، عادل کا انعام ۶۷۲، خائن راعی کا انجام ۶۷۲، اللہ کے قرب و بُعد کا تعلق امام کے عدل و جور سے ۶۷۲، عہدوں کا نہ ملنا بڑی رحمت ہے ۶۷۲، عہدوں کی طلب چھوڑ دو ۶۷۳، عہدوں کی حرص ۶۷۳، عہدوں کا مطالبہ ۶۷۳، امارت و وزارت کا باہمی تعلق ۶۷۳، خوشامد اور ظلم سے امراء کی اعانت نہ کرو ۶۷۴، مشقت میں ڈالنے والا حاکم ۶۷۴، اولی الامر سے قصاص ظلم لیا جائے گا ۶۷۴، امارت کی سخت ذمے داری ۶۷۵، امت مسلمہ کے قیام کی غرض و غایت ۶۷۵، کسی بے کس کی حاجت روائی امراء سے کرا دینا ۶۷۵، اولی الامر کی اصلی ذمے داری ۶۷۵، اولی الامر کی خیر خواہی اور اس کا طریقہ ۶۷۶، اولی الامر کے سامنے جا کر ۶۷۶، امیر کا بیت المال میں کتنا حق ہے ۶۷۶، حضرت ابوبکرؓ کا عجیب اسوہ ۶۷۷، اطاعتِ امام اور جماعت سے وابستگی ۶۷۷، اطاعت امیر کی حدود ۶۷۷، امیر

طاعت عین خدا اور رسول کی اطاعت ہے ۶۷۷، امام کس
ہوتا ہے؟ ۶۷۸، ترکِ اطاعت کب ہے؟ ۶۷۸، معصیت
الٰہی میں کسی کی اطاعت نہیں ۶۷۸، اولی الامر کی ہر حال میں اطاعت
۶۷۹، بہترین اور بدترین ائمہ ۶۷۹۔ دنیاوی غرض
سے بیعت ۶۷۹، اولی الامر کو کوسنا ۶۸۰،
نظامِ اجتماع سے وابستگی ۶۸۰، ضلالت پر
اجماع نہیں ہوتا ۶۸۰، اجتماع سے انقطاع ۶۸۰، کتاب اللہ
حکومت کے افتراق کے وقت کیا کرنا چاہیے ۶۸۱، اولی الامر
کے سامنے بے خوف حق گوئی ۶۸۱، گمراہ قدریں کیا طرزِ عمل ہو؟
۶۸۲، ظالم امام اور سرکش سفارتی ۶۸۲، معاہدے کے احکام
۶۸۲، معاہد کے ساتھ عدل و رحم کی تاکید ۶۸۲، پابندی
عہد و معاہدہ ۶۸۲، اصول کی محافظت ۶۸۳، عورت کا
درجہ ۶۸۳، بدعہدی کی سزا کیا ہوتی ہے ۶۸۳، مجوس
اہلِ کتاب کی صف ۶۸۳، بدعہدی کی شہرت ۶۸۴، غنیمت
اور غلول ۶۸۴، مرد و زن کے مساوی حصے ۶۸۴، مالِ
غنیمت میں غیر مسلموں کے حصے ۶۸۵، حضرت عثمان غنی
کا حصۂ غنیمت بلا شرکت جہاد ۶۸۵، تعبیرِ خواب وغیرہ ۶۸۵،
خواب کی قسمیں اور بُرے خواب کا علاج ۶۸۵، خواب پریشان
کے اثرات سے بچنے کا طریقہ ۶۸۶، مبشرات ۶۸۶، ام المومنین
عائشہ صدیقہ رض کا ایک خواب اور اس کی تعبیر ۶۸۶، کتاب الطب
۶۸۷، دوا ہر مرض کی موجود ہے مگر حرام دوا نہ ہو ۶۸۷،
بڑھاپے کی دوا نہیں ۶۸۷، معدے کی لطیف مثال ۶۸۷،
جھاڑ پھونک فال وغیرہ ۶۸۸، جبر و قدر کا امتزاج ۶۸۸،
بعض لغو اعتقادات ۶۸۸، سحر و نجوم وغیرہ ۶۸۸، نجوم کی
لغویت ۶۸۸، پیروی علم نجوم کی گمراہی ۶۸۹، کہانت کی
حقیقت ۶۸۹، سلام و مصافحہ وغیرہ ۶۸۹، سلام اور اندر
آنے کی اجازت ۶۸۹، اپنے گھر کے اندر داخل ہونے کے
آداب ۶۹۰، گفتگو سے پہلے سلام ہوتا ہے ۶۹۰، بچوں
کو سلام کرنا ۶۹۰۔
سلام میں جماعت کی نمائندگی ۶۹۰، سلام میں سبقت ۶۹۱،
کبر شکنی کی عجیب تعلیم ۶۹۱، من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد
۶۹۱، لفظ سلام کا مصدر ۶۹۱، سب سے بڑا بخیل ۶۹۲،
مصافحے کے فوائد ۶۹۲، اجرِ مصافحہ ۶۹۲، مصافحے اور ہدایا کی
برکات ۶۹۲، صحابہ رض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑے نہ ہوتے
تھے ۶۹۲، خواہشِ مسند قیام جہنمی ہے ۶۹۳، داخلے کی اجازت
۶۹۳، پہلے سلام پھر اندر آنے کی اجازت ۶۹۳، سعد رض کی
ایک عجیب ادا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مساویانہ برتاؤ ۶۹۳،
اپنے گھر میں اجازت داخلہ لینا ۶۹۴، عین کی ایک عادت
۶۹۵، بلا اجازت اندر گھسنا ۶۹۵، مختلف آداب ۶۹۵،
چھینک اور جمائی کے آداب ۶۹۵، راستے کے حقوق ۶۹۶،
اپنے لیے کسی کو اٹھانا ۶۹۶، بیٹھک کا زیادہ حقدار ۶۹۷،
سب سے زیادہ ضروری ادبِ محفل ۶۹۷، دو آدمیوں کے
بیچ میں بیٹھنا ۶۹۷، صدر نشینی کے شائق پر لعنت ۶۹۷،
نصرت و اخوت و سفارش و تعصب ۶۹۷، مومن پر مومن کے
حقوق ۶۹۷، ایمان و اخلاق کے تقاضے ۶۹۸، گفتگو امانت
ہوتی ہے ۶۹۸، کن بندوں کی تعظیم عین تعظیم الٰہی ہے ۶۹۸،
بوڑھے کی تعظیم کا اجر ۶۹۸، بڑوں کی تعظیم ۶۹۹، خواجہ کی
بندہ نوازی ۶۹۹، حسنِ سلوک کا زبانی جواب ۶۹۹، عطایا کا
جواب ۶۹۹، محسن کی شکر گزاری ۷۰۰، حسنِ نیت اور صدق و
کذب ۷۰۰، ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتے پھرنا ۷۰۰، بچوں
سے غلط گوئی میں احتیاط ۷۰۰، صرف تین جھوٹ کی اجازت
۷۰۰، حسنِ سلوک ۷۰۱، والدین ۷۰۱، خدمت و معیت کا سب سے
زیادہ حق دار ۷۰۱، حسنِ سلوک کے ترتیب وار حق دار ۷۰۱، اولاد
مع اپنے مال کے باپ کی ہے ۷۰۲، سب سے زیادہ بدنصیب
۷۰۲، جہاد اور ہجرت سے پہلے والدین کی خوشنودی ۷۰۲،

جنت ماں کے قدموں کے پاس ۷۰۳، مشرک ماں کی خدمت و امداد ۷۰۳، ماں کی قائم مقام ۷۰۳، والدین کی موت کے بعد بھی حسنِ سلوک ہو سکتا ہے ۷۰۳، رضاعی والدین اور بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک ۷۰۴، ماں یا باپ کی طرف سے حج ۷۰۴، باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور شفقت کا اثر ۷۰۴، اولاد ۷۰۵، اولاد کی نافرمانی کو دور کرنے کا طریقہ ۷۰۵، لڑکی ۷۰۵، بیٹیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا نتیجہ ۷۰۵، سب سے افضل کارِ خیر ۷۰۵، جوانی تک لڑکیوں کی کفالت کا صلہ ۷۰۶، سب سے اعلیٰ عطیہ کیا ہے ۷۰۶، بہترین انسان کون ہے ۷۰۶، یتیم ۷۰۶، کفالتِ یتیم کا اجر ۷۰۶، سخت دلی کا علاج ۷۰۷، سب سے بہتر اور سب سے بدتر گھر ۷۰۷، مسکین ۷۰۷، شادی کا مقصد کثرتِ اولاد نہیں، محتاج و مسکین کی پرورش کا درجہ ۷۰۷، صدقہ (کارِ خیر) ۷۰۸، صدقہ کے اقسام ۷۰۸، ایامِ کفر کی نیکیوں کا اثر ۷۰۸، کافر کی نیکیاں کب نفع بخش ہو سکتی ہیں ۷۰۸، صلہ رحمی ۷۰۹، "رحم" کا اشتقاق اور صلہ رحمی ۷۰۹، کشائشِ رزق اور درازیٔ عمر کا ذریعہ ۷۰۹، قطع رحمی اور جنت ۷۰۹، دنیوی سزا جلدی دلانے والا جرم ۷۰۹، بدی کے جواب میں نیکی کرنے کا انعام ۷۱۰، ذی کرم کو صدقہ دینا ۷۱۰، پڑوسی ۷۱۰، پڑوسی کے حق پر زور ۷۱۰، برے پڑوسی کا غیر متشددانہ اور دلچسپ علاج ۷۱۱، شر انگیز پڑوسی مومن نہیں ۷۱۱، وعیدِ شدید ۷۱۱، پڑوس کی حدودِ اربعہ ۷۱۲، تین شدید مصیبتیں ۷۱۲، زبان اور جنت و دوزخ کا فرق ۷۱۲، رحم و کرم ۷۱۳، زمین کا رحیم آسمان کا مرحوم ۷۱۳، بے رحم مستحقِ رحم نہیں ہوتا ۷۱۳، بچوں کا پیار علامتِ رحم ہے ۷۱۳، رحمتِ خداوندی غضبِ الٰہی پر غالب ہے ۷۱۳، بے پایاں رحمتِ الٰہی۔ رحمت و غضب کا توازن ۷۱۴، داخلے کی اجازت ۷۱۴، حدیث سلام میں حضرت عمرؓ کی احتیاط ۷۱۴، موت ۷۱۵،

سیرت و مناقب ۷۱۶، دفنِ میت ۷۱۶، بر یعنی نیکی۔ ماں، باپ، اولاد، اقارب اور یتیموں کے ساتھ نیک سلوک و متفرق ۷۱۶، سراپائے حبیبؐ ۷۱۷، سراپائے حبیبؐ ایک بوڑھی عورت (ام معبد) کی زبان سے ۷۱۷، روایت و کتابتِ حدیث ۷۱۸، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن خود لکھواتے تھے ۷۱۸، کتابتِ حدیث کی اجازت ۷۱۸، ابن عمرؓ حدیث لکھ لیا کرتے تھے ۷۱۹، دوسری زبان سیکھنے کا حکم ۷۱۹، وضو اور اس کے متعلقات ۷۱۹، گندگی سے پرہیز ۷۱۹، تیمم ۷۲۰، مسجد ۷۲۰، حضورؐ کی شرکت عام کاموں میں اور فن کی حوصلہ افزائی ۷۲۰، فنِ سپہ گری کا معائنہ عورت کے لیے ۷۲۱، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں کیوں دفن کیے گئے ۷۲۱، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص دعا ۷۲۱، استقبالِ قبلہ ۷۲۱، مسرفانہ لباس میں نماز ۷۲۱، مریض کی نماز ۷۲۲، نماز میں ایک ہی آیت کی تکرار ۷۲۲، نماز میں جائز و ممنوع افعال ۷۲۲، تعلیم و تفہیم کا لاجواب طریقہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۷۲۲، نماز جمعہ ۷۲۴، عمل... میں میانہ روی ہونی چاہیے ۷۲۴، خطبہ چھوڑ کر حاجت روائی کرنا ۷۲۴، قیامِ لیل ۷۲۵، قیامِ لیل تقاضائے شکر بھی ہے ۷۲۵، سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آخری اور جامع بات ۷۲۵، "شبینہ" کوئی سنت نہیں ۷۲۵، کتاب الجنائز ۷۲۶، امراض میں رحمت ۷۲۶، آزمائش بمقدارِ دین ہوتی ہے ۷۲۶، موت ۷۲۶، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس مرض میں ہوئی ۷۲۶، روزے کے متعلق چند باتیں ۷۲۷، کتاب الحج ۷۲۷، قائدِ مجاہدین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ۷۲۷، شیطان

بھی مسلمان ہو سکتا ہے ۷۲۷، خطبۂ حج ۷۲۸،
حجۃ الوداع کا ایک خطبہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۷۲۸،
حجۃ الوداع کا ایک اور خطبۂ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)
۷۲۹، قومی جذبات کے احترام کی ایک عجیب مثال ۷۲۹،
جو قربانی نہ دے سکا ہو اس کی طرف سے بھی قربانی ادا ہو
چکی ہے ۷۲۹، نکاح سنت رسولؐ ہے ۷۳۰، زوجین
ایک دوسرے کے لیے ۷۳۰، ایک بہترین جوڑے کی
گھریلو زندگی کا نقشہ ۷۳۰، احکامِ وصیت ۷۳۲، اسلامی
ریاست کے بعض فرائض دربارہ قرض و وراثت ۷۳۲،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ۷۳۲، نبی کا ذریعۂ معاش
نبی کے بعد ۷۳۳، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ترکہ چھوڑا
۷۳۳، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ترکہ ۷۳۳، قصاص ۷۳۳،
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قصاص کا مطالبہ ۷۳۳، آدابِ
طعام ۷۳۴، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا کیسی تھی
۷۳۴، شانِ امتیاز و تکبر کے اظہار سے نفرت (قابلِ غور و
عبرت نمونہ) ۷۳۴، کسی کھانے کی برائی نہ کرنی چاہیے
۷۳۴، ذوق نبویؐ (کھانے کی بعض چیزوں میں) ۷۳۵،
شاہنشاہ کا فقیرانہ لباس ۷۳۵، سیرت رسول صلی اللہ علیہ
وسلم ۷۳۶، آغاز وحی ۷۳۶، آغاز وحی اور اس کی
کیفیات، بیوی کی شہادت وزیر کی ۷۳۶، تبلیغ اور مصائب
پر صبر ۷۳۸، دشمنانِ دین کی ایذا رسانی ۷۳۸، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش و صبر ۷۳۹، شقاوت ابوجہل ۷۴۰،
ہجرتِ حبشہ ۷۴۰، کوائف حبشہ، خطبہ جعفر طیارؓ اور
شہادتِ نجاشی ۷۴۰، ظالموں سے رسولِ رحمت کی توقعات
۷۴۳، اللہ سے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فریاد کا
عجیب انداز ۷۴۴، ہجرتِ مدینہ ۷۴۵، ابوبکرؓ اور رفاقت
سفر الرسول کا مقام ۷۴۵، پیغمبرؐ اور صدیقؓ کے حوصلوں کا فرق
۷۴۵، رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعائے ناز و نیاز
بموقع بدر ۷۴۶، غزوات ۷۴۶، بدر ۷۴۷، صدیقؓ و
فاروقؓ کی تمثیل بزبان رسالتؐ ۷۴۷، بنتِ رسولؐ کے شوہر
کا فدیہ اور عدل رسالت ۷۴۷، اہلِ بدر کی فضیلت ۷۴۸،
اُحد ۷۴۹، غزوات میں عورتوں کا حصہ ۷۴۹، شہادت کے
لیے بےچینی ۷۴۹، ایک شہید کا آخری پیغام ۷۴۹، ایک
مومنہ کا حوصلۂ ایمانی ۷۵۰، رجیع ۷۵۱، خبیبؓ کا اندازِ شہادت
اور پاسِ انسانیت ۷۵۱، خندق ۷۵۲، مجاہدین کا رجز اور
مصائب کی برداشت ۷۵۲، پیغمبری درویشی ہے نہ کہ شاہنشاہی
۷۵۳، حدیبیہ ۷۵۳، شوریٰ میں عورت کا مقام: عہد کی
پابندی ۷۵۳، موتہ ۷۵۴، کلمہ گو کی جان لینے پر حضور صلی اللہ
کی ناراضی ۷۵۴، فتح مکہ ۷۵۵، فتح مکہ کے دن رحمت نبویؐ
کی بارش ۷۵۵، نبوت بادشاہت سے بالکل الگ چیز ہے
۷۵۵، حنین ۷۵۶، انصار کا نصیبہ ۷۵۶، مجاہدہ عورت
(ام سُلیم) ۷۵۷، بنی جذیمہ ۷۵۷، اطاعت صرف معروف
میں ہونی چاہیے ۷۵۷، تبوک ۷۵۸، شرکت جہاد کی صحیح غرض
کیا ہونی چاہیے ۷۵۸، براعت ۷۵۹، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کا تقاضائے رحمت ۷۵۹، یہود و واقعہ و مراسلات وغیرہ
۷۵۹، بعض سورتوں کا اثر حضور صلی اللہ علیہ کی صحت پر ۷۵۹،
شعرا ۷۶۰، مقامِ نبوت کی عجیب تمثیل اور سورۂ لہب کا نزول
۷۶۰، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتے داری کوئی کام نہ
آئے گی ۷۶۱، زمر ۷۶۱، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف
مبشر نہیں منذر بھی ہیں ۷۶۱، ممتحنہ ۷۶۲، رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کا تقویٰ ۷۶۲، کتاب الطب ۷۶۲، نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندہ دلی آخری لمحات میں ۷۶۲، رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے مزاح کی باتیں کرنا ۷۶۲، ایمان و اخلاق کے تقاضے ۷۶۳، حیائے نبویؐ کی فراوانی ۷۶۳، حیاداری کی انتہا ۷۶۳، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحیح پوزیشن ۷۶۴، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف میں مبالغہ ۷۶۴، سخاوت و بخل ۷۶۴، کوئی سائل آپؐ کے در سے کبھی خالی نہ گیا ۷۶۴، مالیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ۷۶۴، کل کے لیے ذخیرہ ۷۶۷، جمع شدہ مال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی ۷۶۷، حوصلہ نبوت ۷۶۸، قابلِ عبرت تأسف ۷۶۸، اخلاقِ رذیلہ ۷۶۸، صحابہؓ کی برائی کرنے پر تنبیہ ۷۶۸، گانا بجانا ۷۶۹، عورتوں کا گانا سننا اور حبشیوں کے کرتب دیکھنا ۷۶۹، گانے والیوں کی اصلاح ۷۷۰، لہو و لعب ۷۷۰، گڑیا کھیلنا ۷۷۰، لعن و طعن ۷۷۰، نبوت کا قابو زبان پر ۷۷۱، بشریتِ رسولؐ کے تقاضوں کی عجیب تلافی ۷۷۱، مزاح ۷۷۱، مزاحِ نبویؐ کا انداز ۷۷۱، مزاحِ نبوی ایک سائلہ ۷۷۲، شعر کہنا اور سننا ۷۷۲، حسان بن ثابت کی عزت افزائی ۷۷۲، رحم و کرم ۷۷۲، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ رحمت ایک اونٹ پر ۷۷۲، چڑیا پر رحم ۷۷۳، مناقب ۷۷۴، ابراہیمؑ ۷۷۴، بہترین مخلوقات کون ہیں ۷۷۴، اسحاق ۷۷۴، ذبیح اللہ کون ہے؟ ۷۷۴، خاتم الانبیاءؑ ۷۷۴، خاتم النبیینؐ کا صحیح مقام ۷۷۴، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ۷۷۵، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت ۷۷۵، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لیے یکساں تھے ۷۷۵، قابلِ اقتدا اسوۂ نبویؐ ۷۷۶، کاشانۂ نبوتؐ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل ۷۷۶، گستاخی کا جواب ۷۷۶، سیرتِ رسول اللہ کی سب سے قوی شہادت ۷۷۷، نبویؐ پیشگوئیاں ۷۷۸، کسریٰ و قیصر کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی ۷۷۸، توکل علی اللہ کی عجیب مثال ۷۷۸، عبداللہ بن سلام کا اسلام اور یہود کا متضاد تبصرہ ۷۷۹، فتح ایران و روم کی خوش خبری ۷۷۹، حضرت ابوبکر صدیقؓ ۷۸۱، حضرت ابوبکر صدیقؓ ۷۸۱، حضرت ابوبکر صدیقؓ ۷۸۱، حضرت عمر فاروقؓ ۷۸۲، حضرت عمر فاروقؓ سے شیطان بھاگتا ہے ۷۸۲، حضرت عثمانؓ ۷۸۳، حضرت علیؓ ۷۸۴، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ۷۸۴، اسامہؓ اور زیدؓ ۷۸۴، اسامہؓ اور زیدؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ۷۸۴، اسامہؓ رسول اللہ کی نظر میں ۷۸۵، ابوذر غفاریؓ ۷۸۵، امتِ محمدیہ کا واحد درویش ابوذر غفاریؓ ۷۸۵، حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ۷۸۶، سید الشہداء کون ہے (حضرت حمزہؓ) ۷۸۶، حضرت ورقہ بن نوفل ۷۸۷، ورقہ بن نوفل کا اسلام ۷۸۷، خدیجہؓ بنت خویلد ۷۸۷، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدیجہؓ سے قلبی تعلق ۷۸۸، مریمؓ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؓ ۷۸۸، چار ممتاز ترین عورتیں ۷۸۸، فاطمہؓ و علیؓ، فاطمہؓ اور علیؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ کی نگاہ میں ۷۸۸، حضرت عائشہؓ ۷۸۹، عائشہؓ کی فضیلتِ علمی ۷۸۹، علمِ عائشہؓ ۷۸۹، زینبؓ، بنتِ جحش ۷۸۹، زینب بنتِ جحش (ام المومنین) ۷۸۹، امت محمدی ۷۹۰، یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے اجر کی تمثیل ۷۹۰، شفاعتِ محمدی ۷۹۱، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اہلِ کبائر کے لیے ہے، شفیع دوسرے بھی ہوں گے ۷۹۱، بنی دوس ۷۹۱، بنی دوس کے لیے دعا (بحالتِ کفر) ۷۹۱، لباسِ نبویؐ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائشیں اور غذا ۷۹۲، صحابہ کی غذائی حالت ۷۹۲، حضور علیہ السلام کی مالی حالت ۷۹۲، پوشاک رسولؐ اللہ کی قلت ۷۹۳، تنگی میں صبر اور فراخی میں بے صبری ۷۹۳، فقر و غنا مال سے ہے یا دل سے؟ ۷۹۳، مال کی موجودگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

بے چینی ۷۹۴، رسولؐ خدا کی غذائی پسند ۷۹۴، ابنِ عمرؓ
کو نصیحت نبویؐ ۷۹۵، خاتم النبیینؐ ۷۹۶،

ہیکل، محمد حسین: عمر فاروقؓ کے عہد میں نظامِ حکومت
(۹) ۶۴۲—۶۶۷

فتوحات ۶۴۲، اسلامی نظام حکومت ۶۴۲،
یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکالنا ۶۴۴، رسول اللہ
کی ہجرت تاریخ و سنین کا نقطۂ آغاز ۶۴۵، نظام شوریٰ ۶۴۷،
مسجد نبویؐ کی توسیع ۶۴۹، عدل فاروقی ۶۵۱، عمال کو ہدایات
۶۵۶، عمال کا محاسبہ ۶۵۷، حضرت معاویہ سے جواب
طلبی ۶۵۸، حضرت عمیر بن سعد کا خراج کے بارے میں جواب
۶۵۹، ابوالدرداءؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کرنا ۶۶۰، شریحؓ
کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا ۶۶۱، آداب قضا ۶۶۱، رجسٹر کو مرتب
کرنے کا نظام ۶۶۴، وظیفوں کا مقرر کرنا ۶۶۴، مراسلت
کا رجسٹر ۶۶۷۔

ی

یسین حسنی، عبداللہ: اقتباساتِ نہج البلاغہ (۹) ۷۲۹ — ۷۵۲
تعارف کتاب ۷۲۹، حمد و نعت ۷۲۹، زمانۂ بعثت ۷۳۰،
خدا رسیدہ ہونے کے کام ۷۳۰، ایمان ۷۳۰، ایمان اصلی و عارضی
۷۳۰، ایمان کے تین رکن ۷۳۰، اوصافِ ایمان ۷۳۱، یقین
کی چار شاخیں ۷۳۱، عدل کے چار شعبے ۷۳۱، جہاد کی چار
قسمیں ۷۳۱، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۷۳۲، دنیا میں ہر طرف
فساد برپا تھا ۷۳۲، قرآن ۷۳۲، مجموعۂ عجائب و غرائب
۷۳۲، افضل ترین حدیث ۷۳۳، بولنے والی کتاب ۷۳۳،
قرآن سراپا حکمت ہے اور اس کی آیتیں ایک دوسرے کی
تفسیر و تصدیق ہیں ۷۳۳، راہ کی تجلی قرآن میں دیکھو ۷۳۳،
راہِ نجات جنت کی کنجی ۷۳۳، قرآن میں سب ہے ۷۳۳،

کتاب ناطق اور شفیق ازلی ۷۳۴، ناصح صادق، ہادی کامل ۷۳۴،
ہر درد کی دوا، ہر مرض کی شفا ۷۳۴، شافع برحق ۷۳۴، ایمان،
عمل، صبر، زہد ۷۳۴، کتاب ناطق کی تشریح ۷۳۵، دین میں راز
نہیں، اسلام ظاہر ہے ۷۳۵، فضائل اوصاف بیشمار
۷۳۵، جماعت کی تعریف، تفرقہ کی مذمت ۷۳۶، قرآن بس ہے ۷۳۶،
قرآن کو مضبوطی سے پکڑو ۷۳۶، ایک ایک لفظ سند ہے
۷۳۶، اسلام ۷۳۷، اسلام ظاہر ہے ۷۳۷، ایک اصول
۷۳۷، خدا کا دین ۷۳۷، ہمہ صفت دین ۷۳۷، اصحاب رسولؐ
۷۳۷، یادِ رفتگان ۷۳۸، اصحاب رسولؐ ۷۳۹، علی اور عثمانؓ
۳۹ ۷۳۹، اگلی امتوں سے عبرت و نصیحت، رازِ عمل ۷۳۹،
خوبیاں ۷۳۹، حضرت علیؓ کا خط معاویہؓ کے نام ۷۴۰،
حضرت عمرؓ کے حق میں دعائے خیر ۷۴۰، مشورہ حضرت علیؓ
حضرت عمرؓ بوقت جنگ فارس ۷۴۰، حضرت عمرؓ کے ساتھ
خیر خواہی اور مشورہ بوقت جنگِ روم ۷۴۱، امام کی نیت
۷۴۱، تسلیم خلافت عثمانؓ ۷۴۱، امام کے دل میں اجماع کا
احترام ۷۴۱، احترام کثرتِ رائے ۷۴۲، اختلاف کی
جڑ ۷۴۲، خیرِ خدا کی شان ۷۴۲، نامراد اور خودغرض ساتھی
۷۴۲، منفرق ساتھی ۷۴۲، نافرمان ساتھی ۷۴۲، ایک اور
دس ۷۴۳، صُمٌّ بُکمٌ عُمیٌ ساتھی ۷۴۳، مایوسی امام ۷۴۳،
جہاد سے جان چرانے والے ۷۴۳، لفظ ائمہ ضلالت ۷۴۴، امام
کے ساتھیوں کی تصویر ۷۴۴، فریقین میں تفاوت ۷۴۴،
امام کے ساتھیوں کا نقشہ ۷۴۴، حسب و نسب پر فخر
بے جا ہے ۷۴۵، حسب و نسب کام نہ آئے گا، عمل کام
آئیں گے ۷۴۵، فرقہ بندی کی مذمت ۷۴۵، محب مفرط،
مبغض مفرط ۷۴۵، فرقہ پرستی گردن زدنی ہے ۷۴۶،
اسلام میں فرقہ بندی نہیں ۷۴۶، ارشادات ۷۴۶، اگلوں

کو گالیاں دینے والے اپنا عیب تو دیکھ ۷۴۶، لاکھ کی
ایک بات ۷۴۶، توحید و اخلاص اور احترام مسلمات
۷۴۶، دوسروں کو چھوڑ پہلے اپنا عیب دیکھ ۷۴۶،
اسلامی شرافت اور گالیاں ۷۴۷، ترکِ دنیا کی مذمت
۷۴۷، نماز کی کسوٹی اعمال ہیں ۷۴۷، زندگی برائے
بندگی ۷۴۷، احادیث کی نسبت رائے ۷۴۷، جھوٹی
حدیثیں ۷۴۷، اقسام محدثین ۷۴۷، وقتی احکام ۷۴۷،
صبر کی تلقین، جزع فزع کی ممانعت ۷۴۷، امام کی آخری
وصیت ۷۴۸، اس امت کے اگلے لوگ ۷۴۹، قرآن
۷۴۹، شیعہ سنی ملاپ ۷۴۹

مقالات

ا

ابوالحسن علی بن حسین علی المسعودی : فاروق خورشید
ترجمہ از اسداللہ (۹) ۷۱ — ۸۳
احادیث میں تمثیلات : جعفر شاہ پھلواروی (۶) ۲۵۵ — ۲۵۶ (د)
ادبِ قبل از اسلام میں ذکرِ رسول ؐ : سید آلِ احمد رضوی
(۹) ۲۶ — ۵۰
اُردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات :
ڈاکٹر شاکر علیمی (۱۰) ۶۴ — ۹۲
اُردو کے نعتیہ گلدستے : ڈاکٹر فضل حق خورشید
(۱۰) ۹۳ — ۱۲۰
اُردو نعت : حنیظ تائب (۱۰) ۱۶۹ — ۱۹۲
ارشاداتِ نبوی ؐ (جوامع الکلم) : ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
(۸) ۵۴۹ — ۵۶۵
اسلام کا نظامِ اقتصاد : محمد ایوب قادری (۹) ۲۲۹ — ۲۵۹
اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصّہ : عبدالعزیز دوری۔
ترجمہ از ظفر الاسلام (۹) ۵۱ — ۷۰
اصحابِ بدر : قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۸) ۱۱۳ — ۲۰۸
اصحابِ صفہ : حافظ ابو نعیم احمد اصبہانی : ترجمہ از حافظ محمد سعداللہ
(۸) ۴۵۱ — ۵۱۷
اقتباسات نہج البلاغہ : سید عبداللہ یٰسین حسنی (۹) ۷۲۹ — ۷۵۲
اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم : سید محمد متین ہاشمی (مرتب)
(۶) ۲۵۷ — ۲۹۶
انتخابِ نعتیہ شاعری (اردو) : حنیظ تائب (۱۰) ۳۸۹ — ۷۵۵
انتخابِ نعتیہ اشعار (عربی) : حکیم محمد یحیٰی خاں شفا (۱۰) ۱۹۳ — ۲۹۳
انتخابِ نعتیہ شاعری (فارسی) : ڈاکٹر عبدالحمید یزدانی (۱۰) ۲۹۴ — ۳۸۸

ب

بارگاہِ رسالت ؐ میں حاضر ہونے والے وفود : ابن ہشام المعافری۔
ترجمہ از محمد عبدالحکیم شرف قادری (۷) ۶۶۰ — ۷۲۰
برِ صغیر میں علمِ حدیث : سید سلیمان ندوی (۶) ۷ — ۴۳
برِ صغیر میں علمِ حدیث کی تاریخ : سید سلیمان ندوی
(۶) ۴۴ — ۴۸
برِ صغیر میں کُتبِ حدیث کی نایابی : سید سلیمان ندوی
(۶) ۴۹ — ۵۲

ت

تقابلِ تقویمین : محمد یحیٰی خاں شفا (۹) ۲۶۹ — ۲۸۵
تدوینِ حدیث : سید مناظر احسن گیلانی (۶) ۵۳ — ۱۹۱
تدوینِ سنت : عبدالغفار حسن (۶) ۱۹۲ — ۲۱۴

ج

جنات بارگاہِ نبوی ؐ میں : محمد مسعود عبدہٗ (۹) ۱۶۹ — ۱۸۲
جنت البقیع : سید مسعود شہدی (۹) ۱۶۴ — ۱۶۸
جوامع الکلم : مفتی سید شجاعت علی قادری (۸) ۵۶۶ — ۵۷۶

ح

حدیث کے ظنی ہونے کا ثبوت : عبدالغفار حسن (۶) ۲۴۶ — ۲۵۴
حدیثوں کی جمع و تدوین : ضیاء الدین اصلاحی (۶) ۲۱۵ — ۲۲۵

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ : راجہ محمد شریف
(۷) ۲۳۰-۲۴۵
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ : راجہ محمد شریف
(۷) ۴۷۳-۴۸۰
حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ : راجہ محمد شریف
(۷) ۲۲۳-۲۲۸
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ : راجہ محمد شریف
(۷) ۴۴۴-۴۷۲
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ : راجہ محمد شریف
(۷) ۲۲۹-۲۳۵
حضرت علیؓ اور رسولِ خداؐ : نامعلوم (۹) ۷۱۳-۷۲۲
حضرت عمرؓ کے آخری لمحات : ابوالکلام آزاد
(۹) ۶۹۶-۶۹۹
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ : راجہ محمد شریف
(۷) ۴۱۵-۴۴۲
حضورؐ بہ حیثیت مظہر تکمیلِ نبوت و رسالت : قدیرالدین احمد
(۸) ۷۳۲-۷۵۱
حضورؐ کی دعائیں : سلیس سلطانہ (۹) ۵۰۸-۵۲۰
حضورؐ کے جوامع الکلم : شرف الدین اصلاحی
(۸) ۵۳۹-۵۴۸

خ

خطباتِ رسولؐ : ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہاشمی (مرتب)
(۸) ۱۱-۱۱۲

د

دنیا کا آخری پیغمبرؐ : قاری خلیل احمد (۹) ۳۳۲-۳۵۲

ر

رحمت للعالمینؐ کی قائم کردہ چراگاہیں : ابنِ حکیم غلام مصطفےٰ
(۹) ۱۸۳-۱۸۶
رسالتِ محمدیؐ کا عقلی ثبوت : ارشد القادری
(۸) ۶۲۷-۶۳۵
رسولِ اکرم اور تعمیرِ انسانیت : غلام احمد حریری۔
(۹) ۳۹۵-۴۰۲
رسولِ اکرمؐ بہ حیثیت مظہر ختم نبوت : شیخ آفتاب حسین
(۸) ۶۶۱-۶۸۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شعر : عبدالوہاب خان عاصم
(۹) ۴۱۱-۴۲۲
رسولِ اکرمؐ کا انتباہ : ڈاکٹر عبدالحی (۹) ۳۷۳-۳۸۲
رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ سیاست : سید اسعد گیلانی
(۷) ۶۱۱-۶۵۹
رسول اللہ کے فیصلے : پروفیسر فیض اللہ منصور
(۷) ۴۸۱-۵۹۹
رسول اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت : شمس بریلوی
(۸) ۳۹۳-۴۴۰
رسولِ اکرمؐ کے کلام کی فصاحت و بلاغت : محمد نصراللہ خان
خازن مجددی (۸) ۴۴۱-۴۴۹

س

سرورِ عالمؐ نازک ترین لمحات کی میزان پہ : سید محمد ریاست علی فارقی
(۸) ۵۷۷-۵۹۹
سرورِ عالمؐ نازک لمحات کی میزان پہ عبدالوہاب حجازی
(۸) ۶۰۰-۶۲۶
سیرت اور مطالعۂ سیرت : ابوالکلام آزاد (۹) ۱۰۹-۱۲۸
سرورِ کائناتؐ کی پیشین گوئیاں : محمد نیاز عبداللہ
(۹) ۳۵۳-۳۷۲

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ: راجہ محمد شریف
(۷) ۲۹۷-۳۲۹

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ: راجہ محمد شریف
(۷) ۲۴۶-۲۹۶

سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: راجہ محمد شریف
(۷) ۳۴۰-۴۱۴

سیرالطیبات [سرورِ کائنات کی بیٹیوں کا ذکر]: مقصود احمد بھوپالی (۷) ۱۹۰-۲۲۰

سیرۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ: محمد حبیب الرحمٰن خان شروانی
(۹) ۵۴۴-۶۴۱

سیرت طیبہ حضورؐ کے اسماء و القاب کے آئینہ میں:
ڈاکٹر سید محمد عبداللہ (۹) ۷-۲۵

سیرت کی چھیالیس مطبوعہ اور قلمی کتابیں: مسعد سویلم الشامان۔
ترجمہ از اجمل اصلاحی (۹) ۸۴-۱۰۸

ش

شانِ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ ۔ حضرت حسانؓ کی نظر میں:
حسان بن ثابتؓ (۹) ۵۴۳

شعب ابی طالب: ڈاکٹر نثار احمد (۹) ۲۶۰-۲۶۸

شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (جنہوں نے حضورؐ کے پیغام پر لبیک کہا): سید مسعود مشہدی (۹) ۲۰۶-۲۲۸

ص

صدرِ اسلام میں حدیث کی کتابت و تدوین: محمد عجاج الخطیب۔
ترجمہ از احمد خاں (۶) ۲۲۶-۲۳۸

ع

عثمانؓ امام صوفیہ: شیخ علی ہجویری ثم لاہوری رح
(۹) ۷۰۰-۷۰۲

عثمانؓ پر لکھے گئے مراثی کا ذکر: غلام قادر نجار (مرتب و مترجم)
(۹) ۷۰۸-۷۱۲

عربی زبان میں نعتیہ کلام: محمد یحییٰ خان شفا
(۱۰) ۱۲۱-۱۴۵

عظیم یادیں (جنہیں حضورؐ سے نسبت ہے): مسعود مشہدی (مترجم) (۹) ۱۸۷-۲۰۵

علم، باب العلم کے الفاظ میں: [مرتب و مترجم: سید جمیل احمد رضوی] (۹) ۷۲۳-۷۲۸

علم و تہذیب کی ترقی میں معارف محمدیؐ کا حصہ: شبیر احمد خان غوری و رضاء اللہ انصاری (۸) ۵۱۸-۵۳۸

عمر فاروقؓ کے عہد میں نظام حکومت: محمد حسین ہیکل
(۹) ۶۳۲-۶۶۷

عہد فاروقی میں تمدنی ترقی: شبلی نعمانی (۹) ۶۶۸-۶۹۵

عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت: ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی
(۵) ۳۴۱-۷۲۴

عہدِ نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء: ڈاکٹر نثار احمد
(۵) ۱۱-۳۴۰

عہدِ نبوی میں سفارتی ادارہ: محمد یوسف فاروقی
(۷) ۶۰۱-۶۱۰

ف

فارسی نعت ۔ ایک سرسری جائزہ: ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی
(۱۰) ۱۴۶-۱۶۸

فصاحتِ نبویؐ: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (۸) ۳۳۷-۳۹۲

ک

کاتبانِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم: حافظ محمد سعد اللہ (مترجم)
(۷) ۱۲۴-۱۸۹

کائنات انسانی ضرورت نبوت اور ختم نبوت کی اہمیت :
ڈاکٹر سید مطلوب حسین (۸) ۶۸۶ – ۷۳۱
کتابت احادیث عہد نبویؐ میں : خلیق نقوی (۶) ۲۲۹ – ۲۴۵

م

مآثر و اوصاف عثمانؓ : شاہ ولی اللہ دہلوی (۹) ۷۰۳ – ۷۰۷
محمد رسول اللہ کی فتح : سید قطب شہید
(۹) ۳۲۰ – ۳۳۱
مدینۃ الرسولؐ بزبان محمد رسول اللہ (۹) ۱۲۹ – ۱۴۰
مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولین اسلامی مملکت :
محمد یحییٰ خان شفا (۹) ۱۴۱ – ۱۶۳
مساوات کا علمبردار : علم الدین سالک (۹) ۲۹۶ – ۳۰۵
معجزات قوت انقلاب کا داعی : خلیق دہلوی
(۹) ۲۸۶ – ۲۹۰
معمولات رسولؐ : سید خورشید احمد گیلانی (۹) ۴۲۳ – ۵۰۷
مقام رسولؐ : ڈاکٹر محمد ذکی (۹) ۳۰۶ – ۳۲۷
مکالمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم : پروفیسر فیض اللہ منصور
(۷) ۷ – ۱۳۳
موجودہ مشکلات اور سیرت رسولؐ : سید حامد علی
(۹) ۳۸۳ – ۳۹۴
مواخاۃ صحابہؓ : ڈاکٹر نثار احمد (۹) ۵۲۱ – ۵۴۲

ن

نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے : سید لعل بادشاہ بخاری
(۸) ۶۳۶ – ۶۵۲
نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے : محمد عبدالمالک
(۸) ۶۵۳ – ۶۶۰
النبی الامیؐ : علامہ شہید مرتضیٰ المطہری - ترجمہ
از نور الٰہی ایڈووکیٹ (۷) ۷۲۱ – ۷۵۲
نعت (لغوی مفہوم) : ڈاکٹر ریاض مجید (۱۰) ۹ – ۶۳

و

واقعۂ ہجرت کی عالمگیر اہمیت : ڈاکٹر سید مطلوب حسین
(۸) ۲۰۹ – ۲۳۳
وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن : شیخ آفتاب حسین
(۹) ۲۹۱ – ۲۹۵

ہ

ہجرت نبویؐ (راہیں، قیام، منزلیں) عبدالقدوس انصاری
ترجمہ و تلخیص از محمد مسعود مشہدی (۸) ۳۲۱ – ۳۳۶
ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم : سید اسعد گیلانی
(۸) ۲۴۶ – ۳۲۰
ہجرت مدینہ کے اسباب و محرکات : ڈاکٹر نثار احمد
ہمارے نبیؐ کی قوت عمل : نیاز فتح پوری (۹) ۴۰۳ – ۴۱۰

موضوعات

ا

آخرت

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب)، خطباتِ رسولؐ
(۸) ۸۰-۸۳، ۹۵
نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقا
(۵) ۵۲-۵۴

ائمہ مساجد

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت
(۵) ۲۱۹-۲۲۰

(حضرت) ابوبکر صدیقؓ

حسان بن ثابت: شانِ حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت حسان کی نظر میں
(۹) ۵۴۳
شروانی، محمد حبیب الرحمٰن خاں: سیرۃ الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۹) ۵۴۴-۶۴۱
محمد شریف، راجہ: سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۹۷-۳۳۹

(حضرت) ابوعبیدہ بن الجراحؓ

محمد شریف، راجہ: حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۳۶-۲۴۵۔

احتساب

نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء
(۵) ۲۰۲-۲۰۳

اخلاقیات

حریری، غلام احمد: رسولِ اکرمؐ اور تعمیرِ انسانیت
(۹) ۳۹۵-۴۰۲
ہاشمی، سید محمد متین: اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۹) ۵۵۱-۶۵۶
یٰسین حسنی، عبداللہ: اقتباساتِ نہج البلاغہ
(۹) ۷۲۹-۷۵۲

ارتقاء دیکھیے نظریۂ ارتقاء

اردو نعت

تائب، حفیظ: اردو نعت (۱۰) ۱۶۹-۱۹۲
نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (اردو)
(۱۰) ۳۸۹-۷۵۵

اردو نعت — انتقاب

شاکر علیمی: اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات۔
(۱۰) ۶۴-۹۲
فضل حق خورشید: اردو کے نعتیہ گلدستے (۱۰) ۹۳-۱۲۰
نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (اردو) (۱۰) ۳۸۹-۷۵۵
نیز دیکھیے: فارسی نعت۔ عربی نعت

(حضرت) اُسامہ بن زیدؓ

محمد شریف، راجہ : حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۴۷۳ — ۴۸۰

اسلام

رفیع الدین ہاشمی، محمد: (مرتب) خطباتِ رسولؐ
(۸) ۱۹، ۳۱، ۳۱ — ۴۶۱

اسلام ۔ سیاست و حکومت

شفا، محمد یحییٰ خان، مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اوّلین اسلامی مملکت (۹) ۱۴۱ — ۱۶۳

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یسٰین : عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۳۴۱ — ۷۲۴

نثار احمد، ڈاکٹر : عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء
(۵) ۱۱ — ۳۴۰

اسلامی انقلاب

خلیق دہلوی : معجزانہ قوتِ انقلاب کا داعی
(۹) ۲۸۶ — ۲۹۰

محمد ذکی : مقامِ رسولؐ (۹) ۳۰۶ — ۳۲۷

نیاز فتح پوری : ہمارے نبیؐ کی قوتِ عمل (۹) ۴۰۳ — ۴۱۰

اسلامی ریاست

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یسٰین : عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۳۴۱ — ۷۲۴

نثار احمد، ڈاکٹر : عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء
(۵) ۱۱ — ۳۴۰

اسلامی مساوات

خلیل احمد: دنیا کا آخری پیغمبرؐ (۹) ۳۳۲ — ۳۵۲

سالک، علم الدین : مساوات کے علمبردار (۹) ۲۹۶ — ۳۰۵

اسلامی معاشرہ، دیکھیے معاشرہ، اسلامی

اسمائے نبویؐ

عبداللہ، سید محمد : سیرتِ طیبہ حضورؐ کے اسماء و القاب کے آئینہ میں (۹) ۷ — ۲۵

اصحابِ بدر

اصحابِ صفہ

ابو نعیم احمد اصبہانی : اصحابِ صفہ۔ ترجمہ از حافظ محمد سعد اللہ
(۸) ۴۵۱ — ۵۱۷

سلیمان منصور پوری، محمد: اصحاب بدر (۸) ۱۱۳ — ۲۰۸

اعجازِ قرآن

شمس بریلوی : رسولؐ اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت
(۸) ۳۹۳ — ۴۴۰

اقتصادیات

محمد ایوب قادری : اسلام کا نظامِ اقتصاد (۹) ۲۲۹ — ۲۵۹

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یسٰین : عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۶۴۰ — ۷۰۱

نثار احمد، ڈاکٹر : عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء
(۵) ۲۰۸ — ۲۱۶

القابِ نبویؐ

عبداللہ، سید محمد، سیرتِ طیبہ حضورؐ کے اسماء و القاب کے آئینہ میں
(۹) ۷ — ۲۵

(حضرت) اُمِّ کلثومؓ

مقصود احمد بھوپالی : سیر الطیبات (سرورِ کائناتؐ کی بیٹیوں کا ذکر)، (۷) ۱۹۰ — ۲۲۰

ب

بدعت

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب)، خطبات رسولؐ (۸)، ۳۷

بعثت نبویؐ ۔ بشارتیں

آل احمد رضوی، سید: ادب قبل از اسلام میں ذکر رسولؐ

(۹)، ۲۶ ـــ ۵۰

بلاغت علیؓ ابن ابی طالب

[جمیل احمد رضوی، سید (مترجم)] علم، باب العلم کے الفاظ میں

(۹)، ۴۲۳ ـــ ۴۲۸

یٰسین حسنی، عبداللہ: اقتباسات نہج البلاغہ (۹)، ۴۲۹ ـــ ۴۵۲

بلاغت نبویؐ

اصلاحی، شرف الدین، حضورؐ کے جوامع الکلم (۸)، ۵۲۹ ـــ ۵۴۸

اظہر، ظہور احمد: ارشادات نبویؐ (جوامع الکلم)

(۸)، ۵۴۹ ـــ ۵۶۵

اظہر، ظہور احمد: فصاحت نبویؐ (۸)، ۳۳۷ ـــ ۳۹۲

جعفر شاہ پھلواری: احادیث میں تمثیلات (۶)، ۲۵۵ ـــ ۲۵۶

خازن مجذوی، محمد نصراللہ خاں: رسول اکرمؐ کے کلام کی فصاحت و بلاغت

(۸)، ۲۴۱ ـــ ۲۴۹

شجاعت علی قادری، سید: جوامع الکلم (۸)، ۵۶۶ ـــ ۵۷۶

شمس بریلوی: رسولؐ اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت

(۸)، ۳۹۳ ـــ ۴۴۰

منصور، فیض اللہ: مکالمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۷)، ۷ ـــ ۱۳۳

(حضرت) بلالؓ

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت

(۵)، ۵۹۴ ـــ ۵۹۵

بیع نامہ

منصور، فیض اللہ: رسولؐ اللہ کے فیصلے (۷)، ۵۸۱ ـــ ۵۹۹

ت

تبلیغ اسلام

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت

(۵)، ۴۰۷ ـــ ۴۱۴

تبلیغ و دعوت

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت

(۵)، ۴۰۷ ـــ ۴۱۴

تجارت

محمد ایوب قادری: اسلام کا نظام اقتصاد

(۹)، ۲۲۹ ـــ ۲۵۹

تقویم

شفا، محمد یحییٰ خاں: تقابل تقویمین (۹)، ۲۶۹ ـــ ۲۸۵

تصاویر

اجتماع میدان عرفات (تصویر) (۱۰)، ۲۷۲ کے بعد

جائے ولادت نبی پاکؐ، جہاں ان دنوں لائبریری ہے (تصویر)

(۷)، ۱۲۸ کے بعد

خانہ کعبہ کا ایک منظر (تصویر) (۹)، ۱۰۴ کے بعد

خانہ کعبہ رات کا منظر (تصویر) (۹)، ۳۸۴ کے بعد

خانہ کعبہ کا منظر (دوسری منزل سے) تصویر (۵)، ۶۵۶ کے بعد

خانہ کعبہ کا منظر، مسجد حرام کی چھت سے (تصویر)

(۱۰)، ۱۲۰ کے بعد

روضۂ رسولؐ کی جالی پر قرآنی آیات کی مینا کاری (تصویر)

(۶)، ۳۲ کے بعد

قافلۂ حج، منیٰ سے عرفات کی جانب، تصویر (۵)، ۶۰۸ کے بعد

گنبد خضریٰ (تصویر) (۹)، ۸ کے بعد

مزدلفہ میں واقع مسجد تصویر (۵)، ۴۰۰ کے بعد

مسجد نبویؐ میں داخلے کا دروازہ (تصویر) (۵) ۸۰ کے بعد
مسجد نبویؐ (اندرونی حصّہ) (تصویر) (۶) ۱۶۰ کے بعد
مسجد نبویؐ کا اندرونی منظر اور گنبد روضۂ رسولؐ (تصویر)
(۵) ۲۴۰ کے بعد
مسجد نبویؐ کا بیرونی حصّہ اور روضۂ رسولؐ کا منظر (تصویر)
(۸) ۲۷۲ کے بعد
مسجد الحرام کا بیرونی حصّہ (تصویر) (۸) ۶۴ کے بعد
مسجد الخیف (منیٰ) ایامِ حج میں (تصویر) (۷) ۳۲۰ کے بعد
میدانِ عرفات اور پاکستانی پرچم (تصویر)
(۰) ۵۴۴ کے بعد

تعبیرِ خواب

خورشید احمد گیلانی، سیّد (مترجم) معمولاتِ رسولؐ
(۹) ۴۲۳ — ۵۰۷

توحید

مطلوب حسین، سیّد: کائنات، انسان ضرورت نبوّت اور ختمِ نبوّت کی اہمیت (۸) ۶۸۶ — ۷۳۱
نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء
(۵) ۴۸ — ۴۹

ج

جزیہ

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبوی میں تنظیمِ ریاست و حکومت (۵) ۶۶۲ — ۶۶۶

جنّات

محمد سعود عبدہٗ: جنّاتِ بارگاہِ نبوی میں (۹) ۱۶۹ — ۱۸۲

جنت البقیع

مسعود شہدی، سیّد: جنت البقیع (۹) ۱۶۴ — ۱۶۸

جہاد

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب): خطباتِ رسولؐ
(۸) ۴۹ — ۵۰، ۶۷ — ۶۸
منصور، فیض اللہ: رسولؐ اللہ کے فیصلے
(۷) ۴۸۲ — ۵۹۹
ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۳۱۱ — ۴۴۶

چ

چراگاہیں

ابنِ حکیم غلام مصطفیٰ: رحمۃ للعالمینؐ کی قائم کردہ چراگاہیں
(۹) ۱۸۳ — ۱۸۶
مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبویؐ میں تنظیمِ ریاست و حکومت (۵) ۶۹۰ — ۶۹۳

ح

حج

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبویؐ میں تنظیمِ ریاست و حکومت
(۵) ۷۲۲ — ۷۲۴

حدود

منصور، فیض اللہ: رسولؐ اللہ کے فیصلے
(۷) ۴۸۱ — ۵۹۹

حدیث، اصول

حسن، عبدالغفار: حدیث کے ظنی ہونے کا ثبوت
(۶) ۲۴۶ — ۲۵۴
ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۲۵۷ — ۲۶۶

حدیث — تاریخ

سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں علم حدیث (۶) ۷ — ۴۳

سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں علم حدیث کی تاریخ
(۶) ۴۴ — ۴۸
سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں کتب حدیث کی نایابی
(۶) ۴۹ — ۵۲
عبدالغفار حسن: تدوین سنت (۲) ۱۹۲ — ۲۱۴
مناظر احسن گیلانی، سید: تدوین حدیث (۶) ۵۳ — ۱۹۱

حدیث — تدوین

اصلاحی، ضیاء الدین: حدیثوں کی جمع و تدوین (۶) ۲۱۵ — ۲۲۵
الخطیب، محمد عجاج: صدر اسلام میں حدیث کی کتابت و تدوین
(۶) ۲۲۶ — ۲۳۸
عبدالغفار حسن: تدوین سنت (۶) ۱۹۲ — ۲۱۴
محمد زبیر صدیقی: کتابت احادیث، عہد نبوی میں، ترجمہ از خلیق نقوی
(۶) ۲۳۹ — ۲۴۵
مناظر احسن گیلانی، سید: تدوین حدیث (۶) ۵۳ — ۱۹۱
سلیمان ندوی، سید: برصغیر میں علم حدیث (۶) ۷ — ۴۳

حشر

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب) خطبات رسولؐ
(۸) ۱۰۵ — ۱۱۰

حقوق اولاد

ہاشمی، سید محمد متین: اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۶۵۷ — ۷۱۴

حقوق العباد

ہاشمی، سید محمد متین: اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۶۵۷ — ۷۱۴

حقوق نسواں

خلیل احمد: دنیا کا آخری پیغمبرؐ (۹) ۳۳۲ — ۳۵۲

حقوق والدین

ہاشمی، سید محمد متین: اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۶۵۷ — ۷۱۴

حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ

محمد شریف، راجہ: حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۲۳ — ۲۲۸

حوض کوثر

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب) خطبات رسولؐ
(۸) ۹۲ — ۹۴، ۱۱۱

خ

(حضرت) خالد بن ولید

محمد شریف، راجہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
(۷) ۴۴۴ — ۴۷۲

خانہ کعبہ (تصویر)

خانہ کعبہ (رات کا منظر) (۶) ۳۸۴ کے بعد
خانہ کعبہ کا منظر دوسری منزل سے (۵) ۶۵۶ کے بعد
خانہ کعبہ کا ایک منظر (۹) ۱۰۴ کے بعد
خانہ کعبہ کا منظر، مسجد الحرام کی چھت سے (۱۰) ۱۲۰ کے بعد

خطابت نبویؐ

شمس بریلوی: رسولؐ اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت
(۸) ۳۹۳ — ۴۴۰

خلافت راشدہ

شبلی نعمانی، عہد فاروقی میں تمدنی ترقی (۹) ۶۶۸ — ۶۹۵
شروانی، محمد حبیب الرحمٰن خاں: سیرۃ الصدیق رضی اللہ عنہ
(۹) ۵۴۴ — ۶۶۱
ہیکل، محمد حسین، عمر فاروقؓ کے عہد میں نظام حکومت
(۹) ۶۴۲ — ۶۶۷

خمر (نشہ)

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۶) ۴۴۷ — ۵۵۰

خیانت

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب): خطباتِ رسولؐ
(۸) ۳۹ — ۴۰

د

دجال

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب) خطباتِ رسولؐ
(۸) ۷۷ — ۷۹

درود و سلام

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (اردو) (۱۰) ۳۸۹ — ۴۱۹

دعا

سلیس سلطانہ: حضورؐ کی دعائیں (۹) ۵۰۸ — ۵۲۰

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۳۱۱ — ۴۴۶

دنیا

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب): خطباتِ رسولؐ
(۸) ۴۱ — ۴۲، ۷۱

ر

(حضرت) رقیہ رض

مقصود احمد بھوپالی: سیر الطیبات [سرورِ کائنات کی بیٹیوں کا ذکر]
(۷) ۱۹۰ — ۲۲۰

روزہ

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۳۱۱ — ۴۴۶

روضۂ رسولؐ (تصویر) (۹)، ۸ کے بعد

محمد شریف، راجہ: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۲۹ — ۲۳۵

محمد شریف، راجہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۴۱۵ — ۴۴۳

محمد شریف، راجہ: سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۹۷ — ۳۳۹

روضۂ رسولؐ کی جالی پر قرآنی آیات کی میناکاری (تصویر)
(۹) ۳۲ کے بعد

مسجدِ نبویؐ کا بیرونی حصّہ اور روضۂ رسول کا منظر
(۸) ۲۷۲ کے بعد

ز

زہری، ابنِ شہاب (م ۱۲۴ھ)

عبدالعزیز الدوری: اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصّہ۔
ترجمہ از ظفر الاسلام (۹) ۵۱ — ۷۰

حضرت زید بن حارثہ رض

محمد شریف، راجہ: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۲۹ — ۲۳۵

(حضرت) زینب رض

مقصود احمد بھوپالی: سیر الطیبات [سرورِ کائنات کی بیٹیوں کا ذکر] (۷) ۱۹۰ — ۲۲۰

س

سپہ سالارانِ اسلام

محمد شریف، راجہ: حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۳۹ — ۲۴۵

محمد شریف، راجہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۴۷۳ — ۴۸۰

محمد شریف، راجہ: حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۲۲ — ۲۲۸

محمد شریف، راجہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۴۴۴ — ۴۷۲

محمد شریف، راجہ: سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
(۷) ۲۴۶ — ۲۹۶

محمد شریف، راجہ: سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۳۴۰ — ۴۴۳

سفارت

محمد یوسف فاروقی: عہد نبویؐ میں سفارتی ادارہ۔
(۷) ۶۰۱ — ۶۱۰

سفیرانِ نبویؐ

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین، عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۵۹۹ — ۶۰۲

سرقہ (چوری)

منصور، فیض اللہ، رسولؐ اللہ کے فیصلے
(۷) ۴۸۲ — ۵۹۹

سنت

رفیع الدین ہاشمی، محمد: (مرتب) خطباتِ رسولؐ
(۸) ۳۷

سیرتِ نبوی

ارشد القادری: رسالتِ محمدی کا عقلی ثبوت
(۸) ۶۲۷ — ۶۳۵
آزاد، ابوالکلام: سیرت اور مطالعۂ سیرت
(۹) ۱۰۹ — ۱۲۸
خلیل احمد: دُنیا کا آخری پیغمبرؐ (۹) ۳۳۲ — ۳۵۲
حجازی، عبدالوہاب: سرورِ عالم نازک لمحات کی میزان پہ
(۸) ۹۰۰ — ۹۲۶
خورشید احمد گیلانی، سید (مترجم): معمولاتِ رسولؐ
(۹) ۴۲۳ — ۵۰۷
ریاست علی فاروقی، محمد: سرورِ عالم نازک ترین لمحات کی میزان
(۸) پ ۵۷۷ — ۵۹۹

عبدالعزیز بیرودری: اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصہ
ترجمہ از ظفر الاسلام (۹) ۵۱ — ۷۰
قطب شہید، سید: محمدؐ رسول اللہ کی فتح (۹) ۳۲۸ — ۳۳۸
محمد ذکی: مقامِ رسولؐ (۹) ۳۰۶ — ۳۲۷
ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۷۱۶ — ۷۹۶

سیرتِ نبویؐ — کتابیات

الشامان، سعد سویلم: سیرت کی چھیالیس مطبوعہ اور قلمی کتابیں۔
ترجمہ از اجمل اصلاحی (۹) ۸۴ — ۱۰۸

سیرتِ نبویؐ اور عصرِ حاضر

حامد علی سید: موجودہ مشکلات اور سیرتِ رسولؐ
(۹) ۳۸۳ — ۳۹۴

سیرتِ نبویؐ اور قرآن

مرتضیٰ المطہری، شہید: النبی الامی۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۷) ۷۲۱ — ۷۵۲

سیرت نگارانِ رسولؐ

عبدالعزیز الدوری: اسلامی تاریخ نگاری میں زہری کا حصہ۔
ترجمہ از ظفر الاسلام (۹) ۵۱ — ۷۰

سیاسیات

اسعد گیلانی، سید: رسولؐ اکرم کی حکمتِ سیاست۔
(۷) ۶۱۱ — ۶۵۹
حجازی، عبدالوہاب: سرورِ عالمؐ نازک لمحات کی میزان پہ
(۸) ۹۰۰ — ۹۲۶
ریاست علی فاروقی، محمد: سرورِ عالمؐ نازک ترین لمحات کی میزان
(۸) پ ۵۷۷ — ۵۹۹
مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۳۴۱ — ۷۲۴

نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء
(۵) ۱۱—۳۴

سود

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۴۴۷—۵۵۰

ش

شعب ابی طالب

نثار احمد، ڈاکٹر: شعبِ ابی طالب (۹) ۲۶۰—۲۶۸

شفاعتِ رسولؐ

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب): خطباتِ رسولؐ
(۸) ۱۰۶—۱۱۰

شوریٰ

نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء
(۵) ۱۹۵—۱۹۸

ہیکل، محمد حسین: عمر فاروق رضؓ کے عہد میں نظامِ حکومت
(۹) ۶۴۲—۶۶۷

شہدائے اسلام

مسعود مشہدی، سید: شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
جنہوں نے حضورؐ کے پیغام پر لبیک کہا،
(۹) ۲۰۶—۲۲۸

ص

صحابہ کرام رضؓ

ابونعیم احمد اصبہانی: اصحابِ صفہ - ترجمہ از حافظ محمد سعد اللہ
(۸) ۴۵۱—۵۱۷ -

سلیمان منصور پوری، محمد: اصحابِ بدر (۸) ۱۱۳—۲۰۸

مسعود مشہدی، سید: شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (جنہوں نے
حضورؐ کے پیغام پر لبیک کہا،
(۹) ۲۰۶—۲۲۸

صدقات

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبویؐ میں تنظیمِ ریاست و حکومت
(۵) ۶۶۶—۶۸۷

صراطِ مستقیم

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب)، خطباتِ رسولؐ (۸) ۲۰

صنعت و حرفت

محمد ایوب قادری: اسلام کا نظامِ اقتصاد
(۹) ۲۲۹—۲۵۹

ط

طلاق

منصور، فیض اللہ: رسول اللہ کے فیصلے
(۷) ۴۸۲—۵۹۹

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۴۴۷—۵۵۰

ظ

ظہار

منصور، فیض اللہ: رسول اللہ کے فیصلے (۷) ۴۸۲—۵۹۹

ع

عبادات

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
(۶) ۳۱۱—۴۴۶

عدل

شبلی نعمانی، عہدِ فاروقی میں تمدنی ترقی (۹) ۶۶۸—۶۹۵

منصور، فیض اللہ، رسول اللہ کے فیصلے
(۷) ۴۸۲—۵۹۹

نثار احمد، ڈاکٹر : عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء
(۵) ۲۲۰—۲۲۵

عربی شاعری

عاصم، عبدالوہاب خاں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شعر
(۹) ۴۱۱—۴۲۲

عربی نعت

ریاض مجید : نعت (لغوی مفہوم)، (۱۰) ۹—۶۳
شاکر علیمی : اُردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات
(۱۰) ۶۴—۹۲
شفا، محمد یحییٰ خاں : عربی زبان میں نعتیہ کلام (۱۰) ۱۲۱—۱۴۵
نامعلوم : انتخاب نعتیہ شاعری (عربی)، (۱۰) ۱۹۳—۲۷۲

عربی نعت — انتخاب

نامعلوم : انتخاب نعتیہ شاعری (عربی)، ۱۹۴—۲۷۲

نیز دیکھیے، نعت

(حضرت) عثمانؓ بن عفان

بخاری، غلام قادر (مترجم) : عثمانؓ پر کہے گئے مراثی کا ذکر
(۹) ۷۰۸—۷۱۲
علی ہجویری، شیخ : عثمان امام صوفیہ (۹) ۷۰۰—۷۰۲
ولی اللہ دہلوی، شاہ : مآثر و اوصافِ عثمانؓ (۹) ۷۰۳—۷۰۷

عقائد

نثار احمد، ڈاکٹر : عہدِ نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء (۵) ۴۸—۵۴
ہاشمی، سید محمد متین : اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۹) ۲۹۷—۳۱۰

علم

[جمیل احمد رضوی، سید (مترجم)] : علمؓ باب العلم کے الفاظ میں (۹) ۷۲۳—۷۲۸

(حضرت) علیؓ ابن ابی طالب

محمد شریف، راجہ : سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
(۷) ۲۴۶—۲۹۶
نامعلوم، حضرت علیؓ اور رسولِ خدا (۹) ۷۱۳—۷۲۲

(حضرت) عمر فاروقؓ

آزاد، ابوالکلام : حضرت عمرؓ کے آخری لمحات
(۹) ۶۹۶—۶۹۹
شبلی نعمانی : عہدِ فاروقی میں تمدنی ترقی
(۹) ۶۶۸—۶۹۵
محمد شریف، راجہ : سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷) ۳۴۰—۴۴۳
ہیکل، محمد حسین : عمر فاروقؓ کے عہد میں نظامِ حکومت
(۹) ۶۴۲—۶۶۷

(حضرت) عمرو بن العاص

محمد شریف، راجہ : حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
(۷) ۴۱۵—۴۴۳

علاماتِ قیامت

عبدالحی : رسول اکرمؐ کا انتباہ (۹) ۳۷۳—۳۸۲

علوم

آفتاب حسین، شیخ : رسولِ اکرمؐ بہ حیثیت مظہر ختمِ نبوت
(۸) ۶۶۱—۶۸۵
شبیر احمد خاں غوری و رضاء اللہ انصاری : علم و تہذیب کی ترقی میں معارفِ محمدیؐ کا حصہ (۸) ۵۱۸—۵۳۸

عیسوی تقویم

شفا، محمد یحییٰ خاں : تقابلِ تقویمین (۹) ۲۶۹—۲۸۵

غ

غزوات

حجازی، عبدالوہاب : سرورِ عالم نازک لمحات کی میزان پہ
(۸) ۶۰ — ۶۲۶
سلیمان منصور پوری، محمد : اصحاب بدر (۸) ۱۱۳ — ۲۰۸
شفا، محمد یحییٰ خاں : مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولین اسلامی مملکت (۹) ۱۴۱ — ۱۶۳
محمد شریف، راجہ : حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۳۹ — ۲۴۵
محمد شریف، راجہ : حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
(۷) ۴۷۳ — ۴۸۰
محمد شریف، راجہ : حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
(۷) ۴۴۴ — ۴۷۲
محمد شریف، راجہ : حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۲۳ — ۲۲۸
محمد شریف، راجہ : حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۲۹ — ۲۳۵
محمد شریف، راجہ : حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
(۷) ۴۱۵ — ۴۴۳
محمد شریف، راجہ : سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۳۴۰ — ۴۴۳
محمد شریف، راجہ : سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) ۲۹۷ — ۳۳۹
محمد شریف، راجہ : سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ
(۷) ۲۴۶ — ۲۹۶

غزوۂ بدر

سلیمان منصور پوری، محمد : اصحاب بدر
(۸) ۱۱۳ — ۲۰۸

ف

فارسی نعت

حمید یزدانی : فارسی نعت — سرسری جائزہ
(۱۰) ۱۴۶ — ۱۶۸
ریاض مجید : نعت (لغوی مفہوم) (۱۰) ۹ — ۶۳
شاکر علیمی : اُردو کی نعتیہ شاعری پہ قرآن و حدیث کے اثرات
(۱۰) ۶۴ — ۹۲
نامعلوم : انتخاب نعتیہ شاعری (فارسی) (۱۰) ۲۹۴ — ۳۸۸

فارسی نعت — انتخاب

نامعلوم : انتخاب نعتیہ شاعری (فارسی) (۱۰) ۲۹۴ — ۳۸۸
نیز دیکھیے نعت اُردو نعت، عربی نعت

(حضرت) فاطمہؓ

مقصود احمد بھوپالی : سیر الطیبات [سرورِ کائنات کی بیٹیوں کا ذکر]
(۷) ۱۹۰ — ۲۲۰

فضائلِ نبویؐ

آل احمد رضوی، سید ادب : قبل از اسلام میں ذکرِ رسولؐ
(۹) ۲۶ — ۵۰

فوجی تنظیم

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین : عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت
(۵) ۵۲۳ — ۵۷۷

ق

قبائلِ عرب

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین : عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت،
(۵) ۳۹۸ — ۵۲۲

قبلہ

رفیع الدین ہاشمی، محمد (مرتب) : خطبات رسولؐ
(۸) ۹۹ — ۱۰۴

قذف

منصورؔ، فیض اللہ: رسول اللہؐ کے فیصلے (۷) ۴۸۹ — ۵۹۹

قرآن

یٰسین حسنی، عبداللہ: اقتباساتِ نہج البلاغہ

(۹) ۷۲۹ — ۷۵۲

قصاص

منصورؔ، فیض اللہ: رسول اللہؐ کے فیصلے (۷) ۴۸۲ — ۵۹۹

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) ۴۴۷ — ۵۵۰

قضا

ہاشمی، سید محمد متین: اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) ۴۴۷ — ۵۵۰

قضاۃ (قاضی)

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبویؐ میں تنظیمِ ریاست و حکومت

(۵) ۶۳۱ — ۶۳۲

ک

کاتبانِ وحی

سعداللہ، حافظ محمد (مترجم): کاتبانِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) ۱۴۴ — ۱۸۹

کاتبینِ نبویؐ

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہدِ نبویؐ میں تنظیمِ ریاست و حکومت (۵) ۵۸۸ — ۵۹۴

گ

گنبدِ خضریٰ (تصویر)

گنبدِ خضریٰ (۹) ۸ کے بعد

ل

لعان

منصورؔ، فیض اللہ: رسول اللہؐ کے فیصلے

(۷) ۴۸۲ — ۵۹۹

لقطہ

منصورؔ، فیض اللہ: رسول اللہؐ کے فیصلے

(۷) ۴۸۱ — ۵۹۹

م

مدینہ منوّرہ

محمد مسعود عبدہٗ: مدینۃ الرسول، بزبان محمد رسول اللہ، ترجمہ از مسعود مشہدی (۹) ۱۲۹ — ۱۴۰

مزارعت

منصورؔ، فیض اللہ: رسول اللہؐ کے فیصلے (۷) ۴۸۱ — ۵۹۹

مساجد

مسعود مشہدی (مترجم): عظیم یادیں (جنہیں حضورؐ سے نسبت ہے) (۹) ۱۸۷ — ۲۰۵

مسجد الحرام (تصویر)

مسجد الحرام کا بیرونی حصہ (۸) ۴ کے بعد

مسجد الخیف (تصویر)

مسجد الخیف (منیٰ) ایام حج میں (۷) ۳۲۰ کے بعد

مسجدِ نبویؐ (تصویر)

مسجدِ نبویؐ (اندرونی حصہ) تصویر (۹) ۱۴۰ کے بعد

مسجدِ نبویؐ

نثار احمد، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء

(۵) ۱۶۳ — ۱۶۴

مسجدِ نبویؐ کا اندرونی منظر اور گنبدِ روضۂ رسولؐ (تصویر)

(۵) ۳۴۰ کے بعد

مسجد نبویؐ کا بیرونی حصہ اور روضۂ رسول کا منظر

(۸) ۲۷۲ کے بعد

مسجد نبویؐ میں داخلے کا دروازہ تصویر (۵) ۸۰ کے بعد

محمد مسعود عبدہٗ: مدینۃ الرسولؐ بزبان محمد رسول اللہؐ، ترجمہ مسعود مشہدی (۹) ۱۲۹—۱۴۰

المسعودی، ابوالحسن علی بن حسین بن علی

فاروق خورشید: ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی۔ ترجمہ از اسد اللہ (۹) ۷۱—۸۳

معاشرہ اسلامی

آفتاب حسین شیخ: دما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین (۹) ۲۹۱—۲۹۴

حریری، غلام احمد: رسول اکرمؐ اور تعمیر انسانیت (۹) ۳۹۵—۴۰۲

عبدالحی: رسول اکرمؐ کا انتباہ (۹) ۳۷۳—۳۸۲

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۲۴۱—۲۲۴

نثار احمد، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں ریاست کا نشوو ارتقاء (۵) ۱۱—۳۴۰

معاملات

ہاشمی، سید محمد متین: اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۶) ۴۴۷—۵۵۰

معجزات

عبداللہ، محمد نیاز: سرور کائنات کی پیش گوئیاں (۹) ۳۵۳—۳۶۲

مکالمات نبویؐ

منصور، فیض اللہ: مکالمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۷) ۷—۱۳۳

مکتوبات نبویؐ

شمس بریلوی: رسول اللہ کے کلام کی فصاحت و بلاغت (۸) ۳۹۳—۴۴۰

مکتبہ مکہ المکرمہ (تصویر)

جائے ولادت نبی پاکؐ جہاں ان دنوں لائبریری ہے۔

(۷) ۱۲۸ کے بعد

مشیرانِ نبویؐ

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۵۸۲—۵۸۸

مناقب صحابہؓ

ہاشمی، سید محمد متین: اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۶) ۷۱۶—۷۹۶

مواخاۃ

نثار احمد، ڈاکٹر: مواخاۃ صحابہ (۹) ۵۲۳—۵۴۲

مواعظ

خورشید احمد گیلانی، سید (مترجم) معمولات رسولؐ (۹) ۴۲۳—۵۰۷

موت

رفیع الدین ہاشمی (مرتب): خطبات رسولؐ (۸) ۸۵—۸۶، ۹۶—۹۹

مؤذنین رسولؐ

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۷۲۰—۷۲۲

میثاق مدینہ

مظہر صدیقی، ڈاکٹر محمد یٰسین: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت (۵) ۲۵۲—۳۶۴

نثار احمد، ڈاکٹر؛ عہد نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء (۵) ۹۰ - ۱۱

میدانِ عرفات (تصویر)

اجتماعِ میدانِ عرفات (۱۰) ۲۷۲ کے بعد

میدانِ عرفات اور پاکستانی پرچم (۷) ۵۴۴ کے بعد

میراث

منصور، فیض اللہ ؛ رسول اللہ کے فیصلے
(۷) ۴۸۲ — ۵۹۹

ن

نبوت و رسالت

آفتاب حسین، شیخ: رسولِ اکرمؐ بہ حیثیت مظہر ختم نبوت
(۸) ۶۶۱-۶۸۵

ارشد القادری: رسالتِ محمدی کا عقلی ثبوت (۸) ۶۲۷- ۶۳۰

عبدالمالک، محمد؛ نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے
(۸) ۶۵۳ — ۶۶۰

قدیرالدین احمد؛ حضور بہ حیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت ۔
(۸) ۷۳۲ — ۷۵۱

لعل شاہ بخاری، سید؛ نبوت و رسالت دلائل عقلیہ سے
(۸) ۶۳۲-۶۵۲

مطلوب حسین، سید: کائنات، انسان، ضرورتِ نبوت اور ختم نبوت کی اہمیت (۸) ۶۸۶ — ۷۳۱

نثار احمد، ڈاکٹر؛ عہدِ نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء
(۵) ۵۰ — ۵۲

النبی الامی

مرتضیٰ المطہری، شہید: النبی الامی - ترجمہ از نور الٰہی
(۷) ۷۴۱-۷۵۲

نظریۂ ارتقاء

مطلوب حسین، سید: کائنات، انسان، ضرورت نبوت اور ختم نبوت کی اہمیت (۸) ۶۸۶ — ۷۳۱

نعت

تائب، حفیظ (۱۰) ۱۶۹— ۱۹۲

حمید یزدانی: فارسی نعت — سرسری جائزہ
(۱۰) ۱۴۶ — ۱۶۸

ریاض مجید: نعت (لغوی مفہوم) (۱۰) ۹ - ۶۳

شاکر علیمی: اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات (۱۰) ۶۴— ۹۲

شفا، محمد یحییٰ خاں: عربی زبان میں نعتیہ کلام
(۱۰) ۱۲۱— ۱۴۵

فضل حق خورشید: اردو کے نعتیہ گلدستے
(۱۰) ۹۳ — ۱۲۰

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (اردو) (۱۰) ۳۸۹ — ۷۵۵

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (عربی) (۱۰) ۱۹۳— ۲۷۲

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (فارسی) (۱۰) ۲۹۴— ۳۸۸

نعت گو شعراء

تائب حفیظ: اردو نعت (۱۰) ۱۶۹— ۱۹۲

حمید یزدانی، خواجہ: فارسی نعت — سرسری جائزہ
(۱۰) ۱۴۶ — ۱۶۸

شاکر علیمی: اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات
(۱۰) ۶۴— ۹۲

شفا، محمد یحییٰ خاں: عربی زبان میں نعتیہ کلام (۱۰) ۱۲۱— ۱۴۵

فضل حق خورشید: اردو کے نعتیہ گلدستے (۱۰) ۹۳— ۱۲۰

نعت گو شعراء (اردو)

نامعلوم: انتخاب نعتیہ شاعری (اردو) (۱۰) ۳۸۹ — ۷۵۵

مقامات

ا

آبل (۹) ۵۹۳

آذربائیجان (۷) ۲۶۴، ۳۶۳—۳۶۴، ۳۸۱ (۹) ۱۷، ۷۵، ۶۶۹

آرمینیہ (۵) ۳۴ (۷) ۲۸۷، ۳۶۴ (۸) ۲۱۵ (۹) ۶۷۸

آسام (۵) ۲۸

آسٹریلیا (۵) ۱۷ (۸) ۷۳۲

آشوریہ (۸) ۳۹۳

آطام (۵) ۶۵۵

آکسفورڈ (۵) ۲۳۶ (۹) ۱۸؛ (۱۰) ۱۰۰

آگرہ (۶) ۱۳—۱۴، ۱۸، ۵۵ (۱۰) ۹۳

آمد (۷) ۴۶۷

اباصوفیا (۹) ۸۵

ابرق (۹) ۵۷۸، ۵۸۰

ابلہ (۷) ۳۲۱، ۳۸۸، ۴۵۶ (۸) ۱۴۷، ۱۹۰ (۹) ۳۹۹، ۵۸۷، ۵۹۰، ۶۹۲

الواء (۵) ۳۶۷، ۵۳۸ (۷) ۵۰، ۲۲۵ (۸) ۱۲۵

ابی سینیا (۶) ۶۴

اٹاوہ ۵۲ (۱۰) ۱۰۱

اٹلی (۹) ۳۴۳

اثابیہ (۹) ۲۰۱

الاجرد (۸) ۳۲۸، ۳۳۶

اجنادین (۷) ۱۸۹، ۲۳۹، ۳۲۳، ۴۲۱

اجیاد (۷) ۱۵۱

اجین (۶) ۱۷

احد (۵) ۱۴، ۱۱۹—۱۲۱، ۱۲۳، ۱۵۷، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۹۷، ۲۱۹، ۲۶۳، ۲۷۹، ۲۸۲، ۲۸۷، ۲۸۹، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۲۱، ۳۷۳ تا ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۸۰، ۴۰۶، ۴۵۶، ۴۶۲، ۵۲۴، ۵۳۸، ۵۴۳—۵۴۵، ۵۴۷، ۵۵۳، ۵۵۶، ۵۷۵، ۵۸۱، ۵۸۳، ۶۰۶، ۶۴۷، (۶) ۳۸۰، ۳۸۶—۳۸۷، ۷۲۳، ۷۴۹، ۷۶۸، ۷ ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۳—۱۴۴، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۶، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۷، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۸۳، ۲۹۴، ۳۴۵، ۳۵۰، ۴۰۰، ۴۴۶، ۵۶۳، ۶۴۵، ۷۲۶، (۸) ۲۵، ۴۱، ۵۰، ۹۱، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۴۱—۱۴۳، ۱۴۶—۱۴۷، ۱۴۹—۱۵۰، ۱۵۶، ۱۶۱—۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۳—۱۷۷، ۱۷۹—۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۴، ۱۹۶—۲۰۰، ۲۰۲—۲۰۸، ۲۹۲، ۲۹۷، ۳۱۶، ۴۷۷، ۴۸۷، ۴۹۱—۴۹۲، ۵۱۱، ۶۰۳

عبدالقدوس انصاری: ہجرت نبویؐ (قیام، راہیں، منزلیں) ترجمہ و تلخیص از محمد مسعود مشہدی (۸) ۳۲۱-۳۳۶

مطلوب حسین سید: واقعہ ہجرت کی عالمگیر اہمیت (۸) ۲۰۹-۲۲۲

نثار احمد، ڈاکٹر: ہجرت مدینہ کے اسباب محرکات (۸) ۲۲۴-۲۴۵

ہجری تقویم

شفا، محمد یحییٰ خاں: تقابل تقویمین (۹) ۲۶۹-۲۸۵

ہیئت

شفا، محمد یحییٰ خاں: تقابل تقویمین (۹) ۲۶۹-۲۸۵

مقامات

ا

آبل (۹) ۵۹۳
آذربائیجان (۷) ۲۶۴، ۳۶۳—۳۶۴، ۳۸۱ (۹) ۷۱،
۷۵، ۶۶۹
آرمینیہ (۵) ۳۴ (۷) ۲۸۷، ۳۶۴ (۸) ۲۱۵
(۹) ۶۷۸
آسام (۵) ۲۸
آسٹریلیا (۵) ۱۷ (۸) ۷۳۲
آشوریہ (۸) ۳۹۳
آلام (۵) ۶۵۵
آکسفورڈ (۵) ۲۳۶ (۹) ۱۸؛ (۱۰) ۱۰۰
آگرہ (۶) ۱۳—۱۴، ۱۸، ۵۵ (۱۰) ۹۳
آمد (۷) ۴۶۷
اباصوفیا (۹) ۸۵
ابرق (۹) ۵۷۸، ۵۸۰
ابلہ (۷) ۳۲۱، ۳۸۸، ۴۵۶ (۸) ۱۴۷، ۱۹۰ (۹)
۳۹۹، ۵۸۷، ۵۹۰، ۶۹۲
الواء (۵) ۳۶۷، ۵۳۸ (۷) ۵۰، ۲۲۵
(۸) ۱۲۵
الی سینیا (۶) ۶۴
اٹاوہ ۵۲ (۱۰) ۱۰۱

اٹلی (۹) ۳۴۳
اثاثیہ (۹) ۲۰۱
الاجرد (۸) ۳۲۸، ۳۳۶
اجنادین (۷) ۱۸۹، ۲۳۹، ۳۲۳، ۴۲۱
اجیاد (۷) ۱۵۱
اجین (۶) ۱۷
احد (۵) ۱۴، ۱۱۹—۱۲۱، ۱۲۳، ۱۵۷، ۱۶۶، ۱۷۰، ۱۹۷،
۲۱۹، ۲۶۳، ۲۷۹، ۲۸۲، ۲۸۷، ۲۸۹، ۳۰۷،
۳۰۸، ۳۲۱، ۳۷۲ تا ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۸۰، ۴۰۶،
۴۵۶، ۴۶۲، ۵۲۴، ۵۳۸، ۵۴۳—۵۴۵،
۵۴۷، ۵۵۳، ۵۵۶، ۵۷۵، ۵۸۱، ۵۸۳،
۶۰۶، ۶۴۷ (۶) ۳۸۰، ۳۸۶—۳۸۷، ۷۲۳،
۷۴۹، ۷۶۸، (۷) ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۳—۱۴۴،
۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۶، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۷، ۲۴۴،
۲۵۰، ۲۸۳، ۲۹۴، ۳۴۵، ۳۵۰، ۴۰۰، ۴۴۶،
۵۶۳، ۶۶۵، ۷۲۶ (۸) ۲۵، ۴۱، ۵۰، ۹۱،
۱۲۵، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۴۱—۱۴۳، ۱۴۶—۱۴۷،
۱۴۹—۱۵۰، ۱۵۶، ۱۶۱—۱۶۲، ۱۶۴، ۱۶۶،
۱۶۸، ۱۷۳—۱۷۷، ۱۷۹—۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۶،
۱۹۴، ۱۹۶—۳۰۰، ۲۰۲—۲۰۸، ۲۹۲، ۲۹۷،
۳۱۶، ۴۷۷، ۴۸۷، ۴۹۱—۴۹۲، ۵۱۱، ۶۰۳

(۹) ۵۵، ۵۷، ۱۳۳، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۹۳—
۱۹۴، ۱۹۶، ۲۱۳—۲۱۴، ۲۱۷، ۲۲۰—
۲۲۱، ۲۲۲—۲۲۴، ۵۰۰، ۵۴۱، ۵۵۳—
۵۵۵، ۵۶۲۔
احمدآباد (۶) ۱۶—۱۷، ۵۰
اخضر (۹) ۲۰۴
اخمیم (۷) ۴۲۹
ادرج (۹) ۱۵۶
اذرح (۵) ۱۵۶، ۳۹۵، ۴۱۳، ۶۶۴—۶۶۵
اذرع (۹) ۱۵۶
اذرعات (۵) ۲۳۹
اران (۵) ۶۹۶
اردشیر خرہ (۹) ۶۶۹
اردن (۷) ۱۸۴، ۲۳۹ — ۲۴۰، ۳۳۲، ۳۶۷،
۳۶۹، ۳۹۱، ۴۶۳
ارکاٹ (۱۰) ۱۱۸
ارم (۷) ۱۹۳
اڈپا (۱۰) ۶۱۲
ازھر (۹) ۵۲۳
اسپارٹا (۵) ۲۴۲
اسپین (۵) ۱۷، ۳۰ (۸) ۱۲۷، ۱۳۶، ۲۷۹
استنبول (۹) ۸۵، ۱۰۵
اسفرائن (۶) ۴۷
اسکندریہ (۵) ۳۰، ۱۵۲، ۱۵۴، ۲۳۴، (۷)
۳۷۳—۳۷۴، ۳۸۹، ۴۲۶، ۴۲۸،
۴۲۹—۴۳۰ (۸) ۱۴۱، ۴۳۰ (۹) ۶۴۹،
۶۹۴—۶۹۵
اسیریا (۵) ۳۱
اشبیلیہ (۸) ۲۳۱
اشعر (۵) ۶۱۶، ۶۸۴
اشوریا (اسیریا) (۵) ۲۳۸
اصطخر (۷) ۲۸۴—۲۸۵، ۳۶۵ (۸) ۱۴۳ (۹) ۷۶
اصطخر شیراز (۹) ۶۶۹
اصفہان (۶) ۴۸، ۵۱ (۷) ۲۹۴، ۳۶۳
(۹) ۶۶۹، ۶۷۲، ۶۹۶
اطالیہ (۵) ۱۷، ۲۰
اعظم گڑھ (۵) ۲۳۶—۲۳۷، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۶۱،
۲۷۲، ۳۱۱، ۳۳۳، ۳۳۹—۳۴۰ (۶) ۳۷ (۹)
۵۲۳، ۵۲۵، ۵۲۷ (۱۰) ۱۱۰، ۱۱۲
افریقہ (۵) ۱۷، ۳۱، ۱۱۰ (۶) ۲۰۰ (۷) ۱۷۳، ۴۳۰ (۸)
۱۳۸، ۲۱۵، ۷۳۷ (۹) ۳۶۱، ۳۶۲
افعی (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵
افغانستان (۶) ۹، ۱۱، ۳۷ (۹) ۳۶۰—۳۶۲، ۳۸۲، ۴۳۲
اقشابیہ (۹) ۸۲
اکالۃ البلدان (مدینہ) (۹) ۱۳۲
اکالۃ القریٰ (مدینہ) (۹) ۱۳۲
اکسوم (۵) ۳۰
الٰہ آباد (۵) ۲۲۶، ۲۶۷ (۶) ۳۰
الیس (۷) ۴۵۶ (۹) ۵۸۸
ام العیال (۵) ۲۷۳ (۹) ۵۲۷
ام القریٰ (۶) ۲۹۹ (۷) ۲۳۷—۲۴۰ (۹) ۶۵۶ (۱۰)
۶۱۱، ۶۲۴

ام وین (۷) ۳۷۳، ۴۲۵
امریکہ (۵) ۱۷، ۳۱۶ (۸) ۲۲۷، ۶۷۹، ۷۳۹ (۹)
۱۷۰، ۳۳۵، ۳۶۴
امنیشیا (۷) ۳۲۲، ۴۵۷
اناطولیہ (۹) ۶۴۲
انبار (۷) ۲۷۷، ۳۲۲ (۹) ۵۸۸
انباط (۸) ۲۱۵
اندلس (۶) ۲۰۰ (۹) ۳۶۰
انطاکیہ (۵) ۲۳۴ (۷) ۱۸۳، ۱۴۰، ۳۶۸، ۳۷۰،
۴۶۲ (۹) ۷۱
انقرہ (۹) ۸۶، ۹۱، ۹۸ — ۹۹، ۱۰۴
انگلستان (۵) ۳۲۸ (۶) ۱۹۶ (۸) ۶۷۹
انگلینڈ (۵) ۳۱، ۳۲۳
اُدتبہ (۹) ۵۸۷
ادطاس (۵) ۵۴۳ (۸) ۴۱۳، ۶۲۳ (۹) ۲۲۴
اورنگ آباد (۶) ۳۱
اہواز (۶) ۴۸ (۷) ۳۶۱ (۹) ۶۶۹، ۶۸۰
اہوازن (۵) ۶۷۳
ایاصوفیا (۹) ۹۰ — ۹۲، ۹۵
ایتھنز (۵) ۲۰
ایذج (۹) ۶۶۹
ایران (۵) ۱۷، ۲۴، ۲۶ — ۲۸، ۳۰، ۳۳ — ۳۴، ۶۳،
۱۲۹، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۹۶، ۲۱۰، ۲۱۲،
۲۱۷، ۲۲۴، ۳۰۱، ۳۹۰، ۴۴۴، ۵۰۸،
۵۷۷، ۵۹۷ — ۵۹۸، ۶۴۴، ۷۰۶ — ۷۰۷
(۶) ۸، ۱۱ — ۴۸، ۵۴، ۶۴، ۹۲، ۷۷۹،
(۷) ۲۸۰، ۲۸۴، ۲۸۷، ۳۲۰ — ۳۲۱، ۳۵۴،
۳۵۷، ۳۶۲ — ۳۶۳، ۳۶۵ — ۳۶۶، ۳۷۸،
۳۸۸، ۴۰۰، ۴۰۷ — ۴۰۸، ۴۵۶، ۷۲۷،
۷۲۳ (۸) ۱۲۲، ۱۴۴، ۱۴۷، ۲۱۴، ۲۵۷،
۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۶، ۳۹۴، ۳۹۸، ۴۲۸، ۴۶۳،
۷۳۷ (۹) ۳۳، ۷۱، ۸۱، ۲۳۸، ۲۸۷، ۳۱۴،
۳۵۴ — ۳۵۵، ۳۶۲، ۵۸۵ — ۵۸۸، ۶۴۶،
۶۵۵، ۶۶۳، ۶۶۷، ۶۷۵ (۱۰) ۱۰۶، ۱۶۳
ایشیا (۵) ۱۷، ۲۷، ۳۲، ۱۱۰ (۸) ۷۳۷ (۹) ۳۱، ۸۱،
۲۸۹ (۱۰) ۵۴۲ -
ایشیائے کوچک (۵) ۳۴
ایلیہ (۵) ۳۸، ۲۰۵، ۲۵۸، ۲۶۰، ۳۹۵، ۶۱۲ — ۶۱۳،
۶۱۹، ۶۶۴ — ۶۶۶، ۷۰۷
ایلچ پُور (۶) ۱۴
ایلیپ (۷) ۴۲۱، ۵۶۱ (۹) ۶۶۹

ب

باب العنبریہ (۱۰) ۶۱۳
بابل (۵) ۳۱ — ۳۲، ۳۶ (۷) ۲۵۹ (۸) ۲۱۴ — ۲۱۵،
۲۶۶، ۳۹۳ — ۳۹۴، ۳۹۶ (۹) ۲۸۷
باذان (۵) ۶۱۷
باذغیس (۹) ۶۶۹
بار (۹) ۵۸۹ — ۵۹۰
البارۃ والبرۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۲
بازنطین (۸) ۷۰۷
باسفورس (۵) ۳۴
باسم (۱۰) ۱۱۱، ۱۱۶

بالقیا (۷) ۳۲۲
باندا (بندیل کھنڈ) (۶) ۴۱
باندہ (۶) ۳۷
بانقیا (۷) ۳۵۴ (۹) ۵۸۹ ... ۵۹۰
بانکی پور (۶) ۵۰
باورد (۹) ۶۶۹
بحران (۵) ۱۲۰، ۵۳۸، ۵۸۱
بحرۃ الزغار (۵) ۲۰۵
البحرۃ والبحیرۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۲
بحرین (۵) ۱۴۴، ۱۵۳، ۲۲۷، ۲۳۹-۲۴۰، ۲۶۰،
۲۹۹، ۳۰۱، ۳۹۳، ۴۵۸، ۵۱۱-۵۱۲،
۵۱۶، ۵۱۸، ۶۱۲، ۶۱۸، ۶۲۵، ۶۶۳، ۶۶۶،
۶۶۹، ۶۷۶، ۶۹۹-۷۰۳، ۷۱۳، ۷۱۸ (۶) ۶۶ (۷)
۱۳۴-۱۳۵، ۱۷۹، ۲۶۴، ۲۸۶، ۳۳۱،
۳۶۴، ۳۸۷، ۶۰۶ (۸) ۲۷۵ (۹) ۲۳۴،
۳۵۸، ۵۸۵، ۵۹۳، ۶۰۷، ۶۵۱، ۶۶۳،
۶۸۷-۶۸۸
بخارا (۶) ۲۳، ۹۶ (۸) ۲۳۱ (۹) ۶۶۹
بدر (۵) ۶۰، ۶۸، ۸۶-۸۷، ۹۰، ۱۰۰-۱۰۲،
۱۰۸، ۱۱۴-۱۲۱، ۱۲۳-۱۲۵، ۱۶۶-۱۶۸،
۱۷۰، ۱۷۳، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۱۱، ۲۱۹، ۲۲۶،
۲۲۹، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۷۹، ۲۸۱-۲۸۷، ۳۳۰،
۳۵۰-۳۵۳، ۳۶۵، ۳۶۹-۳۷۳، ۳۷۵-
۳۷۶، ۳۷۸، ۳۸۶، ۳۹۹، ۴۰۶، ۴۱۲، ۴۱۸،
۴۲۲، ۴۳۴، ۴۳۷، ۴۴۸، ۵۴۲-۵۴۳،
۵۴۵-۵۴۶، ۵۴۹، ۵۵۲، ۵۵۶-۵۵۸،
۵۶۳، ۵۶۷، ۵۷۵، ۵۸۵-۵۸۶، ۶۱۹، ۶۴۵،
۶۴۶، ۶۴۹، ۷۱۴ (۶) ۲۰۸، ۲۴۳، ۲۵۶
الف، ۵۵۰، ۷۳۹، ۷۴۶-۷۴۸، ۷۷۰ (۷)
۳۷، ۳۹-۴۰، ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۵۵،
۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۹۱، ۱۹۹-
۲۰۰، ۲۰۷، ۲۲۵-۲۲۶، ۲۳۲، ۲۴۳، ۲۴۵
۲۴۹، ۲۹۴، ۳۰۸، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۳۸، ۳۴۵-
۳۴۶-۳۶۷، ۳۹۰، ۴۰۳، ۵۲۷، ۵۲۰، ۶۴۵،
۷۴۲ (۸) ۳۲، ۱۱۳-۱۱۴، ۱۱۹-۱۲۲، ۱۲۵،
۱۳۶، ۱۳۹-۱۴۱، ۱۴۳-۱۵۱، ۱۵۳-۱۵۶،
۱۵۸-۱۶۵، ۱۶۷-۱۸۱، ۱۸۴-۲۰۰، ۲۰۲-
۲۰۸، ۲۵۶، ۲۷۷، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۱۵-۳۱۶،
۳۸۹، ۴۷۲-۴۷۳، ۴۷۷، ۴۸۲، ۴۹۱، ۴۹۸،
۵۰۵، ۶۰۶، ۶۰۸، ۶۱۲، ۶۲۰ (۹) ۵۴، ۵۷
۶۲، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۱۰-۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۷،
۲۱۸، ۲۲۳-۲۲۴، ۲۳۴، ۳۰۳، ۳۴۰، ۳۴۹
۴۲۴، ۴۵۰، ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۵۲-۵۵۳، ۵۵۵
۵۹۶، ۶۲۴ (۱۰) ۲۹۵، ۷۲۹
براآ (۹) ۲۰۴
بربر (۸) ۱۳۸
برطانیہ (۵) ۱۹ (۸) ۲۲۷ (۹) ۳۱۲
برقہ (۷) ۳۷۴، ۴۲۹
برک الغماد (۹) ۵۴۷
برلن (۶) ۱۹۸، ۲۲۱
برنطیم (قسطنطنیہ کا قدیمی نام) (۵) ۲۳۱
برہانپور (۶) ۱۴، ۱۶، ۱۷-۱۸، ۲۰، ۳۱

بریل (۶) ۲۳۴
بریلی (۱۰) ۳۳
بڑودہ (۱۰) ۱۰۰
بسطام (۷) ۳۶۳
بشردات (۷) ۴۲۹
بصرہ (۵) ۲۴۳ (۶) ۴۶-۴۸، ۲۰۰، ۲۳۲ (۷) ۱۴۳، ۱۷۹، ۱۸۸، ۲۶۰-۲۶۳، ۲۷۳، ۲۷۷، ۲۸۵، ۳۶۱، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۷ (۸) ۱۱۲، ۱۳۵، ۱۴۲، ۱۶۷، ۱۷۹، ۵۰۵ (۹) ۵۱، ۱۸۵، ۲۳۷، ۲۴۱، ۲۹۹، ۵۸۷، ۶۶۸، ۶۷۱، ۶۸۹، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۴
بصریٰ (۵) ۳۴، ۱۵۴، ۲۳۹، ۶۰۰ (۷) ۲۳۳، ۲۳۹، ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۶۲ (۸) ۲۰۵
بطحا (۶) ۳۲ (۸) ۲۴۴ (۱۰) ۵۶، ۸۵، ۱۴۵، ۱۸۹، ۲۰۶، ۲۸۱، ۲۹۴، ۳۱۱، ۳۴۷، ۳۶۱، ۵۲۷، ۶۲۰، ۷۱۲، ۷۵۱
بطحان (۵) ۲۸۹، ۴۵۴
بطن (۶) ۴۸ ۷
بطن مرالظہران (۹) ۲۰۲
بطن نخلہ (۷) ۲۳۲
بطن منبج (۹) ۲۰۳
بعلبک (۷) ۲۴۰، ۲۷۸ (۹) ۷۶
بغداد (۵) ۲۳۹، ۳۲۲، ۳۳۶ (۶) ۹، ۲۳، ۲۵، ۲۹، ۴۴-۴۸، ۱۶۱، ۲۳۲ (۷) ۲۵۶، ۳۸۹ (۸) ۱۲۷، ۲۳۱ (۹) ۷۱، ۱۰۶، ۱۰۹، ۲۶۰، ۵۸۹ (۱۰) ۶۳۵
بقہ (۷) ۲۲۴

بقیع (۶) ۴۸۶ (۹) ۶۸۹ (۱۰) ۶۱۴
بقیع الزبیر (۹) ۱۹۶
بقیع الغرقد (۷) ۷۱۳
البلاط (مدینہ) (۹) ۱۳۲، ۷۰۶
بکہ (۹) ۴۳
بلبیس (۷) ۳۷۳، ۴۲۵
بلجیم (۹) ۲۹۹
بلخ (۹) ۶۶۹
البلد (مدینہ) ۱۳۲
بلدح (۹) ۲۰۴
بلقاء (۵) ۱۵۲، ۱۵۵، ۳۹۵ (۷) ۱۷۱، ۲۳۳، ۴۵۱، ۴۴۹ (۹) ۲۲۴، ۵۹۳
بلند شہر (۱۰) ۱۰۰
بلوچستان (۹) ۶۹۹
بمبئی (۹) ۷، ۸۶ (۱۰) ۹۳-۹۴، ۹۶، ۹۹-۱۰۰، ۱۰۶، ۱۰۸-۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۷-۱۱۸
بنارس (۵) ۲۳۶ (۶) ۳۷-۳۸
بندنجین (۷) ۲۷۴
بندیل کھنڈ (۶) ۴۱
بنگال (۵) ۲۸ (۶) ۳۷، ۵۰
بنگالہ (۶) ۲۶ (۱۰) ۴۵۵
بنگلور (۱۰) ۹۶
بواط (۵) ۱۷، ۲۸۳، ۳۶۷-۳۶۸، ۳۷۰، ۵۳۸، ۵۸۰ (۸) ۱۲۵
بوقا (۷) ۳۷۰
بورنیو (۹) ۲۴۲

بویب (۷) ۳۵۵
البویلہ (۵) ۶۵۵
بہار (۶) ۲۷، ۳۷، ۴۲
بھکر (۶) ۲۲، ۴۵، ۵۱
بھوپال (۶) ۴۲
بئر ابی الہیثم (۹) ۱۹۵
بئر اریس (۹) ۱۸۸
بئر حجر (۵) ۶۵۵
بئر رومہ (۵) ۶۴۸
بئر سقیا (۹) ۱۹۲
بئر علی (۹) ۱۹۵، ۱۹۹
بئر معونہ (۵) ۱۴، ۱۲۱–۱۲۲، ۲۲۶، ۴۴۶، ۴۵۳،
۴۶۲، ۵۲۲، ۶۰۶، ۷۰۳، ۷۰۶، ۷۱۰ (۷)
۱۶۴ (۸) ۱۵۰، ۱۶۵، ۱۷۸، ۱۹۷، ۲۰۰،
۲۰۲، ۲۰۳ (۹) ۱۴۳–۱۴۴، ۲۲۱
بیت الشلاء (۵) ۶۳، ۷۹، ۱۳۶–۱۳۸، ۱۴۲–۱۴۳،
۱۴۵، ۱۵۹، ۱۸۲ (۶) ۴۰۰، ۴۰۷ (۷) ۴۱،
۴۵، ۴۷، ۵۴، ۵۶، ۶۹، ۸۸، ۲۱۷،
۲۲۹، ۶۵۳، ۶۷۶ (۸) ۲۱۱، ۲۶۱، ۲۹۶،
۳۲۴، ۴۳۳، ۵۹۰، ۶۲۱، ۶۴۸ (۹) ۲۱۹،
۲۶۳، ۴۵۸، ۴۵۹، ۵۵۶–۵۵۷ (۱۰)
۱۷۷، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۷۰–۲۷۱
بیت جبرئیل (۷) ۱۸۹، ۳۷۰
بیت الحیہ (۹) ۹۲
بیت الرسول (مدینہ) (۹) ۱۳۲
بیت العتیق (۷) ۹۷

بیت المقدس (۶) ۲۳، ۴۵، ۱۳۰، ۱۳۱ (۷) ۲۴۲،
۲۵۶، ۳۰۳، ۳۶۸، ۳۷۰–۳۷۱، ۴۰۹، ۴۶۳،
۴۶۵، ۶۰۹، ۶۵۴ (۸) ۱۸۹، ۲۱۳–۲۱۴،
۵۲۱ (۹) ۲۹، ۱۹۲، ۳۶۶، ۴۶۱، ۵۶۱، ۵۹۴
(۱۰) ۵۶۹
بیساپور (۶) ۱۲، ۵۰
بیرحا (۶) ۳۹۰
بیروت (۵) ۲۴۲، ۲۵۲–۲۵۳، ۲۶۴، ۲۶۶،
۲۹۹، ۳۲۲، ۳۳۱، ۳۳۵–۳۳۹ (۶) ۴۶–
۴۷، ۲۶۱ (۷) ۶۲۷، ۶۹۴ (۸) ۵۶۷ (۹)
۱۶۸
بیسان (۷) ۲۳۹، ۴۲۲

پ

پاک دیکھئے پاکستان
پاکستان (۵) ۲۴۵ (۸) ۲۴۰، ۳۹۸، ۶۸۴ (۹) ۷۱،
۲۹۱، ۲۹۴، ۳۶۱، ۳۷۵ (۱۰) ۴۹، ۱۵۶، ۱۸۵
پٹن (۶) ۱۷
پٹنہ (۶) ۲۰–۲۱، ۳۴، ۵۰، ۵۲
پٹھانکوٹ (۵) ۲۷۸، ۳۴۰
پٹیالہ (۱۰) ۱۰۷
پرتگال (۸) ۶۷۹
پشاور (۹) ۳۷۸
پنجاب (۶) ۱۵، ۱۸، ۵۱، ۵۵ (۱۰) ۹۴، ۹۵، ۱۷۰، ۱۷۳، ۴۵۵

ت

تبوک (۵) ۳۵، ۱۵۶–۱۵۹، ۱۸۱، ۲۱۹، ۲۵۸، ۳۰۰،
۳۰۲، ۳۱۳، ۳۹۵، ۴۵۱، ۴۵۵–۴۵۶، ۴۶۷،
۴۸۹، ۴۹۷، ۵۲۹، ۵۴۳–۵۴۴، ۵۴۷،

۵۴۹، ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۷، ۵۷۵، ۵۸۶، ۶۰۳،
۶۱۲، ۶۲۶، ۶۶۴، ۶۸۷، ۷۰۰، ۷۱۹ (۶)
۱۲۵، ۷۵۸، ۷۸۳ (۷) ۷۷، ۸۹، ۱۲۶، ۱۵۱،
۱۵۷، ۱۶۲، ۱۸۰، ۱۸۳، ۲۵۴، ۲۵۸، ۳۱۲، ۳۲۱،
۳۵۰، ۴۵۹، ۴۸۷، ۶۰۴، ۶۲۹، ۶۴۳، ۶۹۶،
۷۱۲ (۸) ۵۲، ۵۴، ۱۲۶، ۱۳۸، ۱۸۷، ۲۰۵،
۴۷۴، ۴۷۰ (۹) ۵۶، ۱۵۱، ۱۵۶، ۲۰۴،
۳۲۶، ۵۶۰—۵۶۱، ۵۹۳، ۶۰۲،
۶۳۵، ۷۲۲ -

تجیب (۷) ۷۰۶
تربہ (۵) ۲۹۱
ترکستان (۶) ۹-۱۱، ۳۰، ۴۴، ۴۸
ترکی (۶) ۴۴ (۹) ۲۶۲
تستر (۹) ۴۷ (۹) ۶۶۹
تسمانیا (۹) ۲۹۸
تکریت (۷) ۳۶۰
تندر (مدینہ) (۹) ۱۳۳
تورس (۷) ۳۷۰
توزی (۷) ۳۷۰
تونہ (۷) ۳۷۴، ۴۲۹
تہامہ (۵) ۲۳۹، ۲۸۷، ۳۰۳ (۹) ۵۹۳ (۱۰) ۲۵۱
تیماء (۵) ۱۴۶، ۲۲۷، ۲۵۸، ۲۶۰، ۳۸۹، ۶۰۹،
۶۱۹، ۶۵۲، ۶۶۰—۶۶۲، ۶۶۴ (۷) ۲۷۸
(۹) ۳۷، ۵۹۳
تیمنس (۷) ۳۷۴، ۴۷۹
تیونس (۹) ۶۴۲

ٹ

ٹونک (۹) ۲۰، ۳۸ (۱۰) ۹۹
ٹھٹھ (۶) ۴۶

ث

ثقیف (۵) ۷۱۵
ثنی (۹) ۵۸۹
ثنیہ (۹) ۵۹۴
ثنیۃ الرکوبہ (۸) ۳۲۸، ۳۳۶
ثنیۃ العایر (۹) ۲۰۰
ثنیۃ الغائر (۸) ۳۳۲
ثنیۃ الرار (۵) ۱۳۵
ثنیۃ المرہ (۸) ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۶
ثنیۃ الوداع (۸) ۳۲۸، ۳۳۴، ۳۳۶ (۹) ۱۹۳، ۲۲۴
(۱۰) ۲۰۷
ثور (بلاد مزینہ) (۹) ۶۰۷

ج

الجابرۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۳
جابیہ (۷) ۱۶۲، ۲۴۳، ۳۷۰، ۳۷۲
جاسوم (۵) ۳۰۲
جبار (۵) ۲۹۱
جبل (۶) ۸۹
جبل ابی قبیس (۹) ۲۱۹
جبل احد (۹) ۲۱۵، ۲۱۹
جبل ثاقل (۸) ۳۳۲
جبل ثور (۷) ۳۲، ۳۰۴ (۸) ۳۲۶، ۳۲۸ — ۳۲۹
۳۳۶

جبل الحساد (۹) ۲۰۰
جبل الحرام (۹) ۲۰۰
جبل راہ (۹) ۲۱۴
جبل طور (۸) ۲۶۶ (۹) ۲۱۹
جبل عینین (۹) ۲۱۴
جبل بستان (۹) ۲۱۹
جبل نور حرا (۹) ۲۱۹
جبل کعبہ (۹) ۲۱۹
جبل ورقان (۹) ۲۱۹
جٹ لینڈ (۵) ۳۱
جثجانہ (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵
جج (۹) ۷۴۸
جحفہ (۸) ۱۱۳، ۳۳۱ (۹) ۱۹۸، ۲۰۱، ۷۴۹
جدہ (۵) ۳۹۶ (۸) ۱۲۳، ۳۲۸، ۳۳۹، ۳۳۴ (۹) ۲۰۴
جرباء (۵) ۱۵۶، ۳۹۵، ۶۱۳، ۶۶۴—۶۶۵
(۹) ۱۵۶
جرجان (۷) ۳۶۳ (۹) ۷۱، ۷۵، ۷۶۹
جرش (۵) ۳۸، ۲۶۰، ۶۸۴ (۷) ۶۸۰، ۷۰۴
جرف (۷) ۲۵۴، ۴۷۵ (۹) ۲۳۱، ۵۷۳—۵۷۴
جرمنی (۵) ۳۱، ۳۱۴ (۹) ۱۹۸، ۲۳۲
الجزائر (۷) ۴۳۰ (۹) ۸۶
جزائر آذربائیجان (۸) ۱۳۵
جزائر برطانیہ (۵) ۳۱
جزائر فلپائن (۹) ۳۶۱
جزائر مالٹا (۸) ۱۳۸

جندع (۹) ۱۹۶
الجزیرہ (۵) ۵۷ (۷) ۱۳۷، ۲۴۲، ۳۶۰، ۳۷۱،
۳۸۱، ۴۶۱ (۹) ۶۶۸، ۶۷۳
جزیرہ سندا (۹) ۳۶۱
جزیرہ شعبیہ (۵) ۳۹۶
جزیرۃ العرب (۵) ۱۲۹ (۷) ۴۰۰، ۶۰۴ (۹) ۸۱، ۱۳۳،
۱۵۸، ۶۴۲، ۶۴۴—۶۴۶، ۶۶۵
جعرانہ (۵) ۳۰۱، ۳۹۳، ۶۷۵ (۷) ۶۹۸ (۸) ۶۲۵
الجحفہ (۵) ۶۹۵
جلگاؤں (۱۰) ۱۰۷
جلولاء (۷) ۳۶۰، ۳۹۳
جمام (۵) ۶۹۶
جمبو شہر (۱۰) ۱۱۴
جموم (۷) ۲۳۲
جنت البقیع (۹) ۱۶۴، ۱۹۴، ۷۰۹، ۷۴۹ (۱۰) ۲۵۹—
۲۶۰
الجنۃ الحصینۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۳
جند (۵) ۲۲۷، ۵۱۸، ۶۱۵—۶۱۶، ۶۸۴ (۷) ۱۸۵
(۹) ۶۰۷
جندیسابور (۹) ۶۶۹
جنوبی اردن (۵) ۳۹۱
جنوبی عرب (۵) ۶۱۳ — ۶۱۶، ۶۱۹، ۶۳۶، ۶۳۸، ۶۸۰
۶۸۱، ۶۸۴—۶۸۵، ۶۸۹، ۷۰۷، ۷۱۳، ۷۱۸
جنوبی ہند (۱۰) ۱۷۲
جنوبی ہندوستان (۹) ۲۴۲
جنوبی یورپ (۵) ۱۷

جماتی (۵)، ۷۱۸
جوانیہ (۶)، ۷۲۳
جونپور (۶)، ۱۴، ۱۷، ۳۱، ۳۷، ۴۱
جور (۷)، ۲۶۵ (۹)، ۶۶۹
جھجر (۱۰)، ۹۳
جھینہ (۵)، ۲۸۲، ۳۶۸ (۷)، ۱۸۳، ۴۷۳
الجیریا (۹)، ۳۶۲
جیزہ (۷)، ۳۸۸-۳۸۹، (۹)، ۶۹۵
الجیل (۹)، ۷۵

چ

چاہ زمزم (۹)، ۴۳
چین (۵)، ۱۷، ۲۹ (۶)، ۵۴ (۸)، ۲۲۰، ۵۳۸، ۷۲۹، ۷۳۷
(۹)، ۷۱، ۲۴۲ (۱۰)، ۴۲۷، ۴۷۰، ۷۰۰

ح

حاجیسہ (۹)، ۱۹۶
حاصنـــد (۷)، ۴۶۴
حبا آلی (۹)، ۲۰۴
حباشہ (۵)، ۶۴۴
حبش (۵)، ۲۶، ۷۰، ۳۷۳، ۵۹۷ (۷)، ۲۱۸، ۴۱۵ (۸)، ۱۳۶
۲۴۸، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۸-۲۸۹، ۳۹۶ (۹)،
۲۹۹، ۵۴۴، ۵۴۷، ۵۸۴
حبشہ (۵)، ۱۷، ۳۰، ۷۲، ۱۵۳، ۲۳۴، ۲۳۷-۲۲۸، ۲۵۲
۲۶۲، ۳۴۷، ۳۷۳، ۳۹۶، ۴۰۴-۴۰۵، ۴۰۷،
۴۱۱، ۴۱۶-۴۱۷، ۴۲۲-۴۲۳، ۴۲۹، ۴۳۱
۴۳۳، ۴۳۶، ۴۳۸-۴۳۹، ۴۴۴-۴۵۷
۵۱۹، ۵۳۷، ۷۰۶ (۶)، ۷۴۰، ۷۸۱ (۷)، ۱۳۹-

۱۴۰، ۱۴۶، ۱۵۱، ۱۶۱، ۱۷۷، ۱۸۷، ۱۹۸-۲۰۰،
۲۳۶، ۳۰۲، ۳۲۶، ۴۳۹، ۶۰۱، ۶۰۵ (۸)، ۱۴۲
۱۴۷، ۱۴۹-۱۵۰، ۱۶۲، ۱۶۴-۱۶۵، ۱۸۶، ۱۹۰
۲۱۷-۲۱۸، ۲۲۱، ۲۴۱، ۲۴۹، ۲۵۷، ۲۷۵، ۲۷۹
۲۸۰، ۲۸۷-۲۸۸، ۲۹۰، ۳۲۰، ۴۲۹، ۴۷۷،
۶۰۰ (۹)، ۵۴، ۵۹، ۲۲۴، ۵۳۹-۵۴۰، ۵۴۷
الجیبتہ (مدینہ) (۹)، ۳۳
حجاز (۵)، ۳۲، ۱۱۶، ۲۵۸-۲۵۹، ۲۹۷، ۳۲۷، ۳۷۸،
۴۵۸، ۴۸۸، ۶۶۰، ۶۶۵ (۶)، ۹، ۱۲، ۱۶-۱۷،
۴۱، ۴۸، ۱۳۸، ۱۶۱، ۲۰۰، ۲۲۴ (۷)، ۱۳۸، ۲۶۴،
۲۷۵، ۲۷۹، ۳۲۰، ۳۷۱، ۷۲۱، ۷۲۶، ۷۳۴،
۷۴۵ (۸)، ۱۲۷، ۱۴۲، ۲۲۱، ۲۴۴، ۲۹۵، ۳۶۴،
۳۶۹، ۴۱۵ (۹)، ۶۱، ۲۰۱، ۵۸۶، ۵۹۲، ۶۰۷،
۶۵۶ (۱۰)، ۱۶، ۱۸۷، ۲۰۹، ۴۷۳، ۵۱۶، ۵۲۲،
۶۱۴، ۷۲۵، ۷۲۹
حجر (۵)، ۳۲، ۲۸۷ (۸)، ۳۹۵ (۹)، ۲۰۴
حجر اسود (۶)، ۴۰۶، ۵۹۲ (۷)، ۲۳۰، ۴۰۷، ۶۱۶ (۸)
۵۸۱، ۶۴۰ (۱۰)، ۴۰۴
حدود اعر (۷)، ۳۲۲
حدیبیہ (۵)، ۱۳۳-۱۳۵، ۱۳۸-۱۴۸، ۱۵۰-۱۵۱، ۱۶۶-
۱۷۷، ۱۷۹، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۷-۲۰۸، ۲۱۹-۲۲۰،
۲۸۲، ۲۹۳-۲۹۴، ۲۹۷-۲۹۹، ۳۵۱، ۳۷۱،
۳۸۰، ۳۸۴-۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۹-۳۹۲، ۴۱۱-
۴۱۲، ۴۱۷-۴۱۸، ۴۲۴، ۴۲۶، ۴۳۵-۴۳۸،
۴۵۰-۴۵۱، ۴۶۷، ۴۷۸، ۴۸۷، ۴۸۹، ۵۱۲-
۵۱۴، ۵۲۳، ۵۳۹، ۵۴۸، ۵۵۷، ۵۶۰، ۵۶۳، ۵۸۷

۵۹۱–۵۹۲، ۵۹۷، ۶۲۰، ۶۸۰، ۷۲۲–۷۲۳
(۶) ۶۴، ۱۸۰، ۲۰۸، ۷۵۳ (۷) ۴۲، ۴۷–
۷۹، ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۵۳، ۱۴۹، ۱۸۶–۱۸۷، ۲۵۱،
۲۷۰، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۴۹، ۳۷۷، ۴۴۶، ۵۰۶،
۶۰۴، ۶۲۵، ۷۳۰، ۷۴۹ (۸) ۱۲۶، ۱۵۱، ۱۶۴،
۲۰۷، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۶۶، ۵۰۴، ۵۸۸–۵۹۰،
۵۹۲–۵۹۶، ۶۱۶–۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۱ (۹)
۵۵–۵۶، ۶۳، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۲۴–۲۲۳،
۲۲۵، ۵۵۶–۵۵۸، ۶۳۵
حرا (۱۰) ۱۷، ۱۹۰، ۴۹۵، ۶۲۳، ۶۹۴، ۷۴۰
حرۃ الوبرہ (۵) ۲۸۹
حرم (۵) ۱۴۰ (۷) ۴۹، ۱۹۳، ۲۳۰ (۸) ۲۶۱،
۵۹۵، (۹) ۳۳ (۱۰) ۱۸۷، ۳۸۱، ۴۳۴،
۴۷۲–۴۷۳، ۴۷۸، ۵۱۷، ۵۵۳، ۶۰۶،
۶۲۱، ۶۳۶، ۶۸۵، ۷۲۷، ۷۲۹، ۷۴۷
الحرم (مدینہ) (۹) ۱۳۳
حرم بیت اللہ (۹) ۲۰۹
حرم رسول اللہ (مدینہ) (۹) ۱۳۳
حرم کعبہ (۵) ۱۳۶، ۱۴۰، ۷۲۱ (۷) ۲۵ (۸) ۲۷۷،
۵۸۱، ۵۸۹ (۹) ۲۰۷، ۲۶۳، ۵۴۶
حرم مکہ (۷) ۱۴۰ (۹) ۲۶۴
حرم نبوی (۷) ۲۶۴ (۹) ۵۷۴
حرۃ (۵) ۶۵۵ (۷) ۳۲۱
حران (۷) ۲۶۴، ۴۶۷
حسمی (۵) ۱۳۲ (۷) ۲۳۳
حسنۃ (۹) ۱۳۳
حصن ناعم (۷) ۵۳۷
حصید (۷) ۴۵۹–۴۶۰ (۹) ۵۸۸
حضرموت (۵) ۳۲، ۳۵–۳۷، ۴۲، ۲۲۷، ۲۳۸، ۲۴۰،
۳۹۴، ۳۹۷، ۵۰۷–۵۰۸، ۶۰۲، ۶۱۴–۶۱۶،
۶۱۹، ۶۲۵، ۶۶۶، ۶۶۸–۶۶۹، ۶۷۲، ۶۷۷،
۶۸۴–۶۸۵، ۷۰۷ (۷) ۱۸۵، ۳۳۱، ۷۱۵–۷۱۶
(۸) ۱۲۷، ۳۹۵، ۴۱۶ (۹) ۴۶۰، ۵۴۷، ۶۰۷
حظیرۃ القدس (۱۰) ۲۶۳
حفیر (۹) ۵۸۸
حلب (۵) ۲۳۴ (۷) ۱۸۳، ۳۷۰، ۶۰۲ (۹) ۸۵
حلوان (۷) ۳۶۰ (۹) ۶۶۹
الحلیفہ (۹) ۱۹۹
حماۃ (۷) ۳۶۸، ۴۶۳ (۸) ۱۳۵
حمرا (قصر) (۱۰) ۵۲۵
حمراء الاسد (۵) ۱۲۱–۱۲۲، ۲۸۸، ۳۷۴، ۵۳۸، ۵۵۶،
۵۶۱، ۵۷۱، ۵۷۵، ۵۸۱، ۵۹۵ (۸) ۱۲۵
حمص (۵) ۲۳۴ (۷) ۲۴۰، ۳۲۲، ۳۶۷–۳۶۸، ۳۹۱،
۴۶۳–۴۶۵، ۴۶۷–۴۶۸ (۸) ۱۳۵ (۹)
۵۹۴، ۶۵۹، ۶۷۲
حمی (۱۰) ۲۲۵، ۲۲۷
حمی الایمن (۹) ۱۸۵
حمی ذی الشری (۹) ۱۸۴
حمی الربذہ (۹) ۱۸۴
حمی الرجیدہ (۹) ۱۸۴
حمی ضریہ (۹) ۱۸۴
حمی النقیع (۹) ۱۸۴
حمی فید (۹) ۱۸۴

حمیر (۵) ۳۶، ۵۹۸ (۷) ۶۸۰ (۸) ۴۹۱

حنین (۵) ۱۴۸ – ۱۴۹، ۱۵۵، ۱۸۱، ۱۹۵، ۳۳۰، ۳۹۲–۳۹۳، ۴۰۹، ۴۱۲، ۴۶۰، ۴۶۳، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۸، ۴۹۰، ۵۱۶، ۵۳۹ – ۵۴۳ – ۵۴۴، ۵۴۷، ۵۵۱، ۵۷۰، ۵۸۵، ۵۹۵، ۶۷۸، ۶۸۲ (۶) ۷۵۶ (۷) ۱۴، ۵۷، ۶۲، ۱۳۸، ۱۵۰ – ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۸۹، ۲۷۴، ۳۴۹ – ۳۵۰، ۴۵۱، ۴۹۱، ۵۴۱، ۶۴۹، ۷۰۱ (۸) ۱۴، ۷۳، ۱۲۶، ۲۹۴، ۶۲۲ – ۶۲۵ (۹) ۵۶، ۲۰۵، ۲۲۵، ۵۵۹، ۶۵۶ (۱۰) ۷۳۹

حران (۵) ۲۳۹

حول (۸) ۴۰۰

حیدرآباد دکن (۵) ۱۴، ۲۳۱ – ۲۳۲، ۲۴۱، ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۶۳، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۵، ۳۲۰، ۳۳۲، ۳۳۵ – ۳۳۶، ۳۳۹ – ۳۴۰ (۶) ۱۱، ۱۴، ۱۶، ۴۰ – ۴۱، ۱۵۴، ۱۹۸، ۲۰۱ (۸) ۲۳۵ (۹) ۵۲۲، ۵۲۶، ۵۸۹ – ۵۹۰ (۱۰) ۷۲، ۹۹، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۷۷، ۱۸۸

حیرہ (۵) ۲۴، ۳۷، ۳۳ – ۳۴، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۳۹، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۵۴، ۳۵۶، ۳۹۸، ۴۰۰، ۴۸۷، ۴۵۸، ۶۴۱ – ۷۲۴ – ۷۲۵ (۸) ۱۹۰، ۴۷۴ (۹) ۳۵۸، ۵۸۷ – ۵۸۸، ۵۹۱ – ۵۹۲ –

خ

خاخ (۵) ۳۱۰ (۷) ۳۵۲

خانہ ارقم (۷) ۲۲۴

خانہ کعبہ (۵) ۳۶، ۳۸، ۶۷، ۱۴۰، ۳۰۳، ۳۸۷، ۴۸۲، ۵۹۵، ۷۱۸، ۷۲۱ – ۷۲۲، ۷۲۴ (۷) ۵۳، ۱۵۰، ۱۹۷، ۲۰۴، ۲۲۳ – ۲۲۴، ۲۴۷، ۲۵۴، ۳۴۰، ۴۴۵ (۸) ۱۹۸، ۲۱۲، ۲۸۲، ۳۹۶، ۳۹۷، ۶۰۱ (۹) ۳۲، ۴۳، ۲۶۳، ۵۵۹، ۷۳۰

خباب (۵) ۳۸۴

ختن (۱۰) ۷۰۰

خثعم (۵) ۶۶۹

خدار (۵) ۲۸۱، ۳۶۷

خراسان (۶) ۹ – ۱۰، ۲۰، ۲۳، ۴۳، ۴۸، ۲۲۴ (۷) ۲۶۴، ۲۶۳، ۳۶۶، ۳۸۱، ۴۰۰ (۸) ۱۳۸

خرتبا (۷) ۲۷۵

خربیہ (۹) ۶۹۲

خضرہ (۵) ۱۹۲

خطی (۹) ۲۰۴

خلیج فارس (۸) ۳۹۵

خلیقہ (۵) ۱۷۹

خانس (۷) ۴۵۹

خوارزم (۶) ۲۲، ۵۱

خورنق (۹) ۶۹۲

خورنگاہ (۹) ۶۹۲

خوزستان (۶) ۴۸ (۷) ۳۶۱ – ۳۶۲ (۹) ۶۶۸، ۶۸۰

خم (۹) ۷۴۹

خولان (۷) ۷۰۷ (۹) ۶۰۷

خیبر (۵) ۴۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۴۵ – ۱۴۶، ۱۸۰ – ۱۸۱، ۱۸۴، ۲۱۱ – ۲۱۲، ۲۱۹، ۲۵۸ – ۲۶۰، ۲۸۲

۲۸۸، ۲۹۳، ۲۹۸، ۳۵۱، ۳۷۹، ۳۹۰، ۳۹۰–۴۱۳،
۴۲۰، ۴۳۵، ۴۴۹، ۴۵۷، ۴۶۵، ۴۶۸، ۴۸۹–
۴۹۰، ۵۲۴، ۵۲۹، ۵۴۳، ۵۴۶، ۵۴۸، ۵۵۷،
۵۶۲–۵۶۳، ۵۶۷–۵۶۸، ۵۸۷، ۵۸۵،
۵۹۵، ۶۱۹، ۶۴۵–۶۴۶، ۶۵۱، ۶۵۶، ۶۵۹–
۶۶۱، ۶۶۴، ۶۷۱، ۶۷۵، ۶۸۸، ۶۹۸، ۷۰۰(۶)
۷۴، ۵۱۸، ۵۳۰، ۶۰۳، ۶۸۴، ۷۲۰، ۷۹۳(۷)
۱۳۴، ۱۵۱، ۱۶۴–۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۱، ۲۲۷،
۲۵۱–۲۵۳، ۲۶۸، ۲۷۴، ۲۹۴، ۲۹۶، ۳۱۷،
۳۴۸–۳۴۹، ۳۸۳–۳۸۴، ۴۹۶، ۵۳۸، ۷۰۳،
۷۰۸، ۷۱۵، (۸) ۱۲۶، ۱۴۰، ۱۵۰، ۱۶۸، ۱۹۸، ۲۰۰،
۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۹۶، ۵۹۱، ۶۰۹ (۹) ۵۶–
۵۷، ۱۶۵، ۲۰۴، ۲۲۳، ۲۳۶، ۴۹۳، ۵۴۰–۵۴۱،
۵۵۸، ۶۴۴، ۷۲۲ (۱۰) ۱۴۲، ۲۵۱، ۲۹۵، ۴۹،
۶۳۷، ۶۸۳

الخیرہ (مدینہ) (۹) ۱۳۳
خیف (۹) ۱۹۸
خیمہ (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵
خیوان (۵) ۷۰۰

د

دارالابرار (مدینہ) (۹) ۳۳
دارابجرد (۷) ۳۶۵
دارالجبرد (۹) ۶۶۹
دارالاخیار (مدینہ) (۹) ۳۳
دارارقم (۵) ۷۳، ۲۸۲، ۴۰۱–۴۰۴، ۴۱۲، ۴۱۶ (۷)
۱۴۶، ۱۴۳ (۸) ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۶۲ (۹) ۵۲۹، ۵۴۱
دارام ہانی (۸) ۲۲۹
دارالانصار (مدینہ) (۹) ۱۳۳
دارالایمان (۸) ۳۳۵ (۹) ۳۳۵
دارالرحمت (۸) ۳۳۵
دارالرسول (۸) ۳۳۵
دارالسنہ (مدینہ) (۹) ۱۳۳
دارالسلام (مدینہ) (۹) ۱۳۴
دارالندوہ (۸) ۲۱۲، ۲۷۶، ۶۰۳
دارالہجرت (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۳۲
دبا (۵) ۳۸، ۴۲ (۷) ۱۴۷ (۹) ۵۷۸
دبیٰ دیکھیے دبا
دخول (۸) ۴۰۰
درب الغائر (۸) ۳۳۱–۳۳۲
درہ خیبر (۶) ۹۰۷–۱۰
دجلہ (۷) ۳۷۴، ۴۲۹
دلوک (۷) ۳۷۰
دلی دیکھیے دہلی
دمشق (۵) ۱۵۳، ۳۰۰ (۶) ۴۴، ۴۶–۴۷، ۹۴–۹۵،
۱۹۸، ۲۰۰، ۲۱۱، ۲۲۳، ۲۳۵–۲۳۷، ۲۴۱–۲۴۲ (۷)
۲۳۹–۲۴۰، ۲۴۲، ۲۵۸، ۲۵۹، ۳۲۲، ۳۶۷،
۳۶۸–۳۶۹، ۳۷۳، ۳۹۱، ۴۲۲–۴۲۳، ۴۳۳،
۴۶۲–۴۶۴، ۶۰۷ (۸) ۱۲۷، ۱۳۵، ۱۴۱، ۵۲۳
(۹) ۶۱، ۱۰۷، ۱۵۱، ۲۵۵، ۶۶۵، (۱۰) ۶۱۳
دمیاط (۷) ۳۷۴، ۴۲۹
دمیرہ (۷) ۳۷۴
دینور (۷) ۱۴۷ (۹) ۶۶۹

دوس (۱۰) ۲۵۱
دومہ (۵) ۶۱۳، ۶۶۶
دومۃ الجندل (۵) ۳۵، ۳۸، ۴۲، ۱۲۵، ۱۵۶، ۲۰۸، ۲۱۵، ۲۸۹،
۳۸۱-۳۸۵، ۳۹۵، ۴۸۱، ۴۸۵، ۴۸۷، ۵۰۶،
۵۳۷-۵۳۸، ۵۶۲، ۵۹۵، ۶۱۲، ۶۲۵، ۶۴۴،
۶۶۲، ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۷۰، ۶۷۷ (۷)
۲۷۱، ۲۷۸، ۳۲۲، ۳۳۴، ۴۵۴، ۴۵۹، ۷۲۵،
(۸) ۱۲۵، ۱۵۴ (۹) ۵۶، ۵۸۸، ۵۹۲، ۶۰۷
دہرن گانو (۱۰) ۱۱۷
دھرن گاؤں (۱۰) ۱۱۸
دلی (۵) ۲۴۵، ۲۴۸، ۲۶۶، ۲۹۱، ۳۰۰، ۳۰۹، ۳۲۰-
۳۲۱، ۳۲۳، ۳۳۶، ۳۳۹-۳۴۰ (۶) ۱۱، ۱۴،
۱۸، ۲۰-۲۱-۲۲-۲۴، ۳۸-۳۹، ۴۲، ۴۵،
۵۰، ۵۶، ۲۱۲، ۲۶۲-۲۶۳ (۹) ۲۸۱،
۳۶۰، ۷۲۹ (۱۰) ۹۳-۹۸، ۱۰۰-۱۰۲، ۱۰۴
۱۵۹-
دیبل (۶) ۴۴-۴۵ (۷) ۳۶۶
دیلم (۹) ۷۵

ڈ

ڈنمارک (۸) ۲۲۷
ڈھاکہ (۶) ۵۰

ذ

ذات الرقاع (۵) ۱۲۵، ۲۸۸، ۳۸۰، ۵۳۸، ۵۵۷ (۷)
۳۴۶ (۸) ۱۲۶، ۱۳۰
ذات السلاسل (۵) ۱۵۵ (۷) ۴۴۲
ذات اطلاح (۵) ۲۹۱
ذات اعشاح (۵) ۶۹۵
ذات الحجر (مدینہ) (۹) ۱۳۴
ذات الحوار (مدینہ) (۹) ۱۳۴
ذات عرق (۹) ۲۰۵
ذات العشیرہ (۵) ۵۸۰
ذات النخل (مدینہ) (۹) ۱۳۴
ذوالحلیفہ (۵) ۱۳۴، ۲۹۳-۲۹۴ (۷) ۳۱۰، ۳۴۷
ذوالجدر (۵) ۶۹۱
ذوسلم (۸) ۳۲۸، ۳۳۶
ذوالعشیرہ (۵) ۱۱۷، ۳۷۰، ۵۳۸ (۸) ۱۲۵
ذوقرد (۵) ۵۳۸
ذوالمجاز (۵) ۴۲، ۶۴۴ (۶) ۷۳۰
ذوالمجنہ (۵) ۴۴۴
ذی اوان (۵) ۳۰۲
ذی حسی (۹) ۵۷۹
ذی الحلیفہ (۶) ۳۵۷ (۹) ۱۹۹، ۲۰۴
ذی خشب (۹) ۲۰۴
ذی سلم (۱۰) ۱۹۵، ۱۹۶
ذی طویٰ (۵) ۱۳۷ (۷) ۱۹۲
ذی القصہ (۷) ۳۳۵ (۹) ۲۲۳
۵۷۸-۵۸۰
ذی المروہ (۵) ۶۹۵ (۹) ۲۰۴
ذی وقار (۷) ۲۶۱

ر

رابغ (۵) ۳۷۱ (۸) ۳۲۸-۳۳۶
راجستان (۱۰) ۹۹

رامپور (۶) ۲۱، ۳۹

رامہرمز (۵) ۱۵۳ (۷) ۲۷۷ (۹) ۶۶۹

رائے پور (۱۰) ۹۲

رباط (۵) ۳۳۸

ربتہ المستعجلہ (۹) ۲۰۳

ربذہ (۵) ۶۹۱ (۶) ۷۸۵ (۷) ۱۸۴، ۶۹۹ (۸) ۱۹۹ (۹) ۱۸۵، ۵۷۹۔

رجیع (۵) ۱۲۱، ۱۳۵، ۲۲۶، ۳۸۱، ۴۴۶، ۵۲۲، ۷۰۰، ۷۰۶، ۷۱۰ (۹) ۱۴۵-۱۴۶، ۲۰۷، ۲۱۲، ۲۲۱-۲۲۲

رچپا (قصبہ) (۱۰) ۱۱۹

رحرحان (۷) ۶۸۷

رفع (۷) ۴۲۴

رقہ (۷) ۲۶۴ (۹) ۲۰۴

رمدہ (۵) ۶۹۶

رمع (۵) ۶۱۶، ۶۸۴، ۷۱۲

رملہ (۷) ۱۷۳، ۱۸۹

روذستان (۹) ۵۹۰

روحاء (۸) ۵۰۴

روڑکی (۱۰) ۱۱۸

روس (۹) ۱۷۰، ۳۱۵ (۱۰) ۴۲۷

روضۂ خاخ (۷) ۴۹

روم (۵) ۱۷-۲۴، ۲۶-۲۸، ۳۰، ۳۲-۳۴، ۳۶-۳۷، ۵۷، ۶۴، ۱۲۵، ۱۵۱-۱۵۷، ۱۸۱، ۱۹۶، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۳۵، ۲۹۹-۳۰۱، ۳۱۱، ۷۰۶ (۶) ۳۰، ۵۴، ۶۴، ۴۳۵، ۷۷۹ (۷) ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۶۵، ۳۱۲، ۳۲۰، ۳۵۰، ۳۶۷، ۳۷۲-۳۷۴، ۳۷۸-۳۷۹، ۴۰۰، ۴۰۷، ۴۲۱، ۴۲۹، ۴۳۲، ۶۰۳-۶۰۴، ۶۰۶، ۶۲۹، ۶۸۰، ۷۲۷ (۸) ۲۲۹، ۳۹۴، ۴۲۷، ۴۷۷، ۴۹۱، ۶۴۴-۶۴۵، ۶۴۷ (۹) ۱۵۲، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۸۶-۲۸۷، ۲۹۹، ۳۱۴، ۳۵۵-۳۵۶، ۳۷۱، ۳۹۹، ۵۶۰، ۵۸۵، ۵۹۲-۵۹۳، ۶۰۶، ۶۴۶، ۶۵۵، ۶۶۷، ۷۴۱ (۱۰) ۹۷، ۶۰۷، ۶۱۶، ۶۲۱

رہا (۵) ۱۲۷، ۱۳۴، ۱۴۷، ۶۴۳ (۹) ۱۵۳، ۲۶۱، ۲۷۱ (۱۰) ۵۰۴

رومہ (۵) ۱۷-۲۲، ۳۰، ۳۲۹ (۸) ۲۱۹

رویثہ (۹) ۲۰۰

رہتک (۱۰) ۹۳

رے (۷) ۱۴۷، ۳۶۳

رے قزوین (۹) ۶۶۹

ز

زبید (۵) ۲۲۷، ۶۱۶، ۷۱۳ (۷) ۱۸۵ (۹) ۶۰۷

زمع (۹) ۶۰۷

زمعہ (۵) ۲۲۷

زمیل (۹) ۵۸۹

زنجان (۹) ۶۶۹

زولیہ (۷) ۴۲۹

زیدپور (۶) ۱۴

زیراو (۹) ۵۹۳

س

سابور (۹) ۶۶۹

ساحل (۷) ۱۸۵
سارنگ پور (۶) ۱۷
سالم (۵) ۲۹۸
سانٹا صوفیہ (۵) ۲۳۲
سائبیریا (۸) ۱۳۸ (۹) ۲۶۲
سبا (موجودہ صنعاء) (۵) ۲۳۸ (۸) ۲۱۵
سباع (وادی) (۷) ۱۵۶
سپین دیکھئے اسپین
سجستان (۸) ۱۳۸ (۹) ۶۹
سنج (۵) ۶۴۴ (۹) ۵۵۱، ۵۶۴، ۶۰۳ — ۶۰۴
السند (۵) ۶۹۶
سدرہ (صادرہ) (۹) ۲۰۵
سدوم (۸) ۲۴۶، ۲۶۶
سدیر (سہ در) (۹) ۶۹۳
سراندیپ (۵) ۲۳۴ (۱۰) ۳۰۵
سرحد (۶) ۱۰، ۳۷ (۸) ۲۴۷
سرخس (۹) ۶۶۹
سرغ (۷) ۲۴۲، ۳۷۲
سرزین (۷) ۳۷۰
سرہند (۶) ۱۸، ۳۶
سری لنکا (۹) ۷۱
سفح وادی (۱۰) ۱۹۶
سفوان (۵) ۱۱۷، ۲۸۱، ۳۶۷، ۳۷۰
سفینہ (۵) ۴۹۷
سقاطیہ (۷) ۳۵۵
سقیا (۸) ۳۳۲ (۹) ۲۰۱

سلع (جبل)، (۵) ۲۸۹ (۸) ۲۹۲ (۹) ۱۹۲ (۱۰) ۱۹۶
السلفة (مدینہ)، (۹) ۱۳۴
سلیمان پور (۱۰) ۱۱۸
سماترا (۹) ۲۴۲
سماہ (۹) ۵۸۹ — ۵۹۰
سمرقند (۶) ۴۷ (۸) ۲۳۱
سمیرا (۹) ۵۷۸
سندھ (۵) ۲۸ (۶) ۷، ۱۷، ۲۰، ۲۲، ۳۰، ۴۵، ۵۱ (۷) ۲۷۹،
۳۶۵ — ۳۶۶ (۹) ۷۵ — ۷۶، ۲۵۱
سواحل (۵) ۲۲۷، ۷۱۳
سواد (۷) ۳۵۶
سوڈان (۹) ۸۱
سواقیہ (۵) ۶۹۵
سوس (۹) ۶۶۹
سوق الاہواز (۹) ۶۷۲
سوق الثمانین (۸) ۲۱۱
سویق (۵) ۱۲۰، ۵۳۸
شوی (۷) ۳۲۲
سہارن پور (۱۰) ۱۱۵
سہسرام (۵) ۳۸
سیالہ (۹) ۱۹۹
سیدة البلدان (مدینہ) (۹) ۱۳۴
سیریہ (۹) ۲۰۳
سیستان (۷) ۲۷۹، ۳۶۳، ۳۶۵، ۴۰۰
سینا (۵) ۳۲ (۸) ۳۹۵ (۱۰) ۵۲۷
سینائی (۵) ۶۲۷

الشافیہ (مدینہ) (۹) ۱۳۴
شام (۵) ۱۷، ۳۲–۳۳، ۳۶، ۵۷، ۸۴، ۱۱۷، ۱۲۳، ۱۳۱–
۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۵۱–۱۵۶، ۲۱۲، ۲۲۸–۲۲۹،
۲۵۹، ۲۸۲–۲۸۴، ۲۹۶–۲۹۷، ۳۰۱–۳۰۳، ۳۴۵–
۳۶۶، ۳۶۹–۳۷۱، ۳۷۶، ۳۹۴، ۳۹۷، ۴۲۷،
۴۴۴، ۴۸۲، ۵۲۳، ۵۶۴، ۵۷۷، ۵۹۸، ۶۲۳،
۶۴۲، ۶۴۴–۶۴۵، ۷۰۶، ۷۲۱، (۶) ۱۲، ۱۷،
۲۹–۳۰، ۴۴، ۴۸، ۵۱، ۶۶، ۹۴، ۱۱۰، ۲۰۰، ۲۹۶–
۲۹۷، ۴۲۳ (۷) ۳۲، ۶۸، ۱۳۵، ۱۵۲–۱۵۳، ۱۶۱،
۱۸۴، ۱۸۸–۱۸۹، ۱۹۳، ۲۳۲–۲۳۳، ۲۳۹–۲۴۲،
۲۴۴–۲۴۵، ۲۵۸، ۲۶۴–۲۶۶، ۲۶۹–۲۷۲، ۲۷۴–
۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۴، ۳۱۰، ۳۱۷–۳۱۸، ۳۲۱–
۳۲۲، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۶۸، ۳۷۰–۳۷۳، ۳۷۹، ۳۸۱،
۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۸، ۳۹۳–۳۹۴، ۴۰۰، ۴۰۶، ۴۰۹،
۴۲۲، ۴۳۲–۴۳۳، ۴۳۹، ۴۵۳، ۴۵۶، ۴۵۹،
۴۶۱–۴۶۲، ۴۶۴–۴۶۵، ۵۶۷–۴۶۸، ۴۷۵،
۷۲۳ (۸) ۱۳، ۳۵، ۱۲۷، ۱۳۶، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۸، ۱۱۴–
۲۱۵، ۲۲۹، ۳۳۲، ۳۹۴، ۳۹۷، ۴۶۳، ۴۷۰، ۴۹۱،
۵۹۳، ۶۹۷، (۹) ۴۰، ۶۱، ۷۱، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۴، ۲۱۱،
۳۵۳، ۳۵۵، ۳۵۹، ۳۶۲، ۴۳۹، ۴۶۰، ۴۸۶–۴۸۷،
۵۴۴، ۵۶۰، ۵۸۱، ۵۹۲–۵۹۴، ۶۰۲، ۶۰۹، ۶۴۲،
۶۴۸–۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۸، ۶۶۴–۶۶۷، ۶۷۱، ۶۷۶،
۶۷۷–۶۷۸، ۶۸۸–۶۸۹ (۱۰) ۹۷، ۷۲۹
شاہجہانپور (۶) ۳۹
شیرہ (۵) ۴۲

شراف (۷) ۳۵۶
شطا (۷) ۳۷۴، ۴۲۹
شعب ابی طالب (۸) ۵۸۲–۵۸۴، ۵۹۹، ۶۰۱ (۹) ۲۶۰، ۲۶۳،
۲۶۴، ۲۶۶
شعب علی (۹) ۲۶۴
شعب مکہ (۹) ۲۶۷
شعب مولد (۹) ۲۶۴
شق (۵) ۲۹۸
شق تارہ (۹) ۲۰۴
شکاکو (۵) ۳۱۳
شمالی افریقہ (۹) ۳۶۰، ۶۴۲
شمالی عرب (۵) ۶۸، ۶۱۸، ۶۲۶ (۹) ۵۹
شمالی ہند (۱۰) ۱۷۲، ۱۷۶
شمالی یورپ (۵) ۱۷
شملہ (۶) ۵۵
شوشق (۹) ۲۰۴
شمولین (۷) ۴۲۹
شوستر (۷) ۳۶۱
شوط (۵) ۱۲۰
شہر زدر (۹) ۶۶۹
شیراز (۶) ۱۳
شیرز (۷) ۳۶۸، ۴۶۲

ص

صامغان (۹) ۶۶۹
مبسلاتہ (۷) ۴۲۹
صحار (۵) ۳۸، ۴۲

صخر (۱۰) ۶۱۳
صخرا (۹) ۲۰۴
صخرة الطولية (۸) ۲۲۸–۲۲۹، ۲۳۶
صدر غازی (۹) ۲۰۴
صدف (کندہ رصدف) (۵) ۲۲۷
صراۃ (۸) ۲۵۶
صعید (۹) ۷۷، ۶۶۹
صغد (۷) ۳۶۶
صعدہ (۱۰) ۶۱۴
صفا (۵) ۶۰، ۲۵۱، ۲۹۹، ۳۰۰ (۶) ۲۵۵، ۴۰۶، ۴۳۱–
۴۳۲ (۷) ۲۰، ۵۴، ۱۴۲، ۲۲۳ (۸) ۲۶۶،
۳۸۵ (۱۰) ۷۱۲
الصفراء (۵) ۶۹۵ (۹) ۱۹۸، ۲۰۳
صفین (۷) ۱۸۸، ۲۶۷، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۳، ۴۲۳
(۸) ۱۵۸، ۱۶۹، ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۷، ۴۹۹
(۹) ۵۹
صقلیہ (۹) ۳۶۰
صلدو (۷) ۶۸۷
صنعاء (۵) ۴۲، ۲۲۷، ۶۱۶، ۶۱۸، ۶۷۶، ۶۸۴، ۷۱۳
(۶) ۹۳ (۷) ۱۸۵، ۳۳۱ (۸) ۱۱۲ (۹) ۵۴۷،
۵۷۶، ۶۰۷
صبار (۹) ۲۰۴
صین (۱۰) ۶۱۲

ض

الضباب (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵
ضجنان (۵) ۷

الغرطہ (۵) ۶۵۵

ط

طابہ (مدینہ منورہ)، (۵) ۲۵۴ (۹) ۱۳۴
طالقان (۹) ۶۶۹
طائف (۵) ۵۸، ۷۲، ۱۴۰، ۱۸۱، ۲۱۹، ۲۲۷، ۲۶۰،
۲۸۲، ۳۰۲، ۳۳۰، ۳۶۸، ۳۹۲–۳۹۳،
۴۰۷، ۴۰۹، ۴۶۳، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۸، ۵۱۶،
۵۲۹، ۵۴۳–۵۴۴، ۵۴۷، ۵۵۱، ۵۷۰، ۵۸۵،
۵۹۸، ۶۱۱، ۶۲۰، ۶۸۸–۶۸۹، ۶۹۲، ۷۱۳، ۷۱۸
(۶) ۲۴۱، ۷۴۴ (۷) ۱۳۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۶۷،
۱۸۷، ۲۳۵، ۲۹۵، ۳۳۱، ۴۲۱، ۴۵۲ (۸) ۶۱،
۱۲۶، ۲۶۳، ۳۰۲، ۳۱۵–۳۱۶، ۵۸۵–۵۸۷،
۶۰۲–۶۰۳، ۶۲۲–۶۲۵ (۹) ۲۰۵، ۲۲۴–
۲۲۵، ۲۳۴، ۲۴۹، ۲۶۷، ۶۰۷، ۶۱۲، ۶۷۱،
۷۱۷۔
طبرستان (۷) ۳۶۲–۳۶۳ (۹) ۶۶۹
طرابلس (۷) ۴۲۹ (۸) ۱۳۸ (۱۰) ۴۹، ۱۸۳
طرابلس الغرب (۷) ۳۷۴
طرخان (۶) ۳۰
طرف (۷) ۲۳۳
طور (۱۰) ۵۱۷، ۵۸۴، ۶۹۱
طوس (۹) ۳۲، ۶۶۹
طوسان (۹) ۷۵
طہران (۹) ۷۳، ۳۶۲
طیبہ (۵) ۲۵۴ (۹) ۱۳۴ (۱۰) ۱۰۱، ۱۹۱، ۱۹۸، ۲۰۱، ۲۱۵،
۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۵۶، ۳۲۹، ۴۰۵، ۴۵۴، ۵۶۲

۶۰۳، ۶۶۷، ۶۹۲، ۶۹۹، ۷۰۴، ۷۰۷، ۷۱۱،
۷۲۰، ۷۳۸، ۷۴۰، ۷۵۲

ظ

ظلیاب (مدینہ) (۹) ۱۳۴

ع

عادل پور (۶) ۳۰
العاصمہ (مدینہ)، (۹) ۱۳۴
العبابیب (۸) ۳۳۲
عدن (۵) ۳۸، ۴۲، ۲۲۷، ۴۹۲، ۷۷۵، ۶۱۴، ۶۱۶، ۶۸۴،
۷۱۳ (۷) ۱۸۵۔
عدوۃ القصوای (بدر کا ایک مقام) (۵) ۱۱۸
عراق (۵) ۱۷، ۲۲، ۳۲-۳۳، ۱۱۷، ۱۴۰، ۱۵۴، ۳۹۴،
۳۹۵، ۳۹۷، ۴۴۴، ۴۵۸، ۵۷۷، ۶۴۴، ۷۶
(۶) ۹، ۱۱، ۲۳، ۲۹، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۶۶،
۲۰۰، ۲۲۴ (۷) ۱۳۶، ۱۵۳، ۱۸۸، ۲۴۲،
۲۶۰-۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۹،
۲۸۵، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۳۵، ۳۵۴-۳۵۶، ۳۶۰-
۳۶۲، ۳۶۷، ۳۷۱، ۳۸۳، ۳۹۳-۳۹۴، ۴۰۹، ۴۵۶،
۴۵۹، ۴۶۱، ۴۶۵، ۶۹۹، ۷۲۱ (۸) ۱۲۷، ۲۱۱، ۲۱۴،
۳۹۴-۳۹۶، ۴۷۲، ۴۹۱، ۴۹۶، ۵۳۲، ۶۹۷
(۹) ۵۱، ۲۰۵، ۲۳۶-۲۳۷، ۲۵۶، ۳۶۲، ۴۶۰،
۵۸۵، ۵۸۷-۵۹۳، ۵۹۵، ۶۰۲، ۶۰۷، ۶۲۸،
۶۴۰، ۶۴۶-۶۴۷، ۶۵۸، ۶۶۷، ۶۷۲-۶۷۵،
(۱۰) ۲۰۹، ۷۲۹
عذیبہ (۹) ۲۰۱
العذراء (مدینہ)، (۹) ۱۳۴
العراء (مدینہ)، (۹) ۱۳۴

عرب (۵) ۱۴-۱۵، ۱۷، ۲۲، ۳۰-۳۳، ۳۵، ۳۸-۴۰، ۴۲-
۴۷، ۵۱-۵۲، ۵۴، ۵۷-۵۹، ۶۱-۶۴، ۶۶، ۶۸-
۷۰، ۷۲، ۷۵، ۷۹، ۸۱، ۹۷، ۱۰۹، ۱۱۲-۱۱۴، ۱۱۶،
۱۱۸-۱۲۰، ۱۲۳-۱۲۵، ۱۲۸-۱۳۰، ۱۳۳-۱۳۴،
۱۳۶-۱۳۷، ۱۳۹-۱۴۰، ۱۴۴-۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۴-
۱۵۹، ۱۶۱، ۱۷۴، ۱۸۱-۱۸۳، ۱۹۶، ۲۰۱-۲۰۲، ۲۰۶-
۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۶-۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۴-۲۲۵، ۲۳۴، ۲۳۸-
۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۵۲، ۲۵۸-۲۶۰، ۲۷۹، ۲۸۵،
۲۹۷، ۳۰۲، ۳۱۱، ۳۳۴، ۳۴۲-۳۴۳، ۳۴۷، ۳۵۱-
۳۵۲، ۳۵۷، ۳۵۹-۳۶۰، ۳۶۵، ۳۶۸-۳۶۹،
۳۷۲-۳۷۳، ۳۷۸، ۳۸۱-۳۸۳، ۳۸۶، ۳۸۸-
۳۹۰، ۳۹۳-۴۰۰، ۴۰۹، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۸، ۴۴۲،
۴۴۴-۴۴۶، ۴۵۹، ۴۶۴، ۴۷۱، ۴۷۶، ۴۸۰، ۴۸۲،
۴۸۵، ۴۸۸، ۴۹۰، ۴۹۳-۴۹۵، ۵۰۳، ۵۰۵-۵۱۲،
۵۱۵-۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۱-۵۲۴، ۵۲۶، ۵۲۸-۵۲۹،
۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۴۳، ۵۴۹، ۵۵۱-۵۵۲،
۵۶۶، ۵۷۱-۵۷۲، ۵۷۴، ۵۷۶-۵۷۸، ۵۸۸،
۵۹۳-۵۹۴، ۵۹۶-۵۹۷، ۵۹۹-۶۰۲، ۶۰۴،
۶۰۹-۶۱۲، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۳-۶۲۴، ۶۲۶،
۶۳۳-۶۳۴، ۶۳۹، ۶۴۲، ۶۴۴-۶۴۵، ۶۵۵-
۶۵۶، ۶۵۹-۶۶۱، ۶۶۴-۶۶۵، ۶۷۵، ۶۷۸،
۶۷۹-۶۸۰، ۶۸۵، ۶۸۹-۶۹۰، ۷۰۰، ۷۰۳-۷۰۸،
۷۱۱-۷۱۲، ۷۱۸-۷۱۹، ۷۲۱ (۶) ۷، ۹، ۱۱-۱۴،
۱۶-۲۰، ۲۲، ۲۵-۲۷، ۳۰-۳۲، ۴۰، ۴۳-۴۵،
۵۰-۵۱، ۶۴-۶۷، ۱۰۵، ۱۲۵، ۱۳۸-۱۴۰، ۱۴۲،
۱۴۸، ۱۸۵، ۲۰۶، ۲۴۲، ۲۴۷، ۲۵۸ (۷) ۲۴، ۲۸، ۴۲،

۴۴ – ۴۵، ۱۳۷، ۱۸۷، ۱۸۹، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۷،
۲۵۱ – ۲۵۲، ۲۵۶، ۲۶۵، ۲۶۸ – ۲۶۹، ۲۷۵،
۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۳، ۲۹۴، ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۱۲، ۳۱۵،
۳۱۹ – ۳۲۱، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۶، ۳۴۱، ۳۴۳،
۳۵۰، ۳۵۶، ۳۶۱ – ۳۶۲، ۳۶۷ – ۳۶۹، ۳۷۳،
۳۷۷، ۳۸۲ – ۳۸۳، ۳۹۲، ۴۰۲، ۴۰۷، ۴۱۴،
۴۱۹ – ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۳۳، ۴۳۹، ۴۴۲، ۴۴۶ –
۴۴۷، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۶، ۴۵۹، ۴۶۱ – ۴۶۲،
۴۶۸، ۶۱۳، ۶۱۵، ۶۲۷، ۶۳۳، ۶۳۵ – ۶۳۷،
۶۴۵ – ۶۴۶، ۶۶۰، ۶۷۳، ۷۰۳، ۷۱۸، ۷۲۱ –
۷۲۲، ۷۲۴، ۷۳۴، ۷۴۶ (۸) ۱۲، ۱۴، ۱۱۷، ۱۲۷ –
۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۴۷، ۲۱۱، ۲۱۴ – ۲۱۶، ۲۱۸،
۲۲۱، ۲۲۴ – ۲۲۶، ۲۲۸ – ۲۳۰، ۲۴۹، ۲۵۲ –
۲۵۳، ۲۵۵، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۷۹، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۱،
۳۰۸ – ۳۰۹، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۴۴ – ۳۴۶، ۳۵۷ –
۳۵۸، ۳۶۴، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۸۴، ۳۹۳ – ۳۹۷،
۳۹۹ – ۴۰۰، ۴۰۲ – ۴۰۳، ۴۰۶ – ۴۰۷، ۴۱۲ –
۴۱۳، ۴۱۸، ۴۲۷ – ۴۳۰، ۴۷۴، ۴۷۷، ۵۲۹، ۵۳۲،
۵۴۰، ۵۵۰ – ۵۵۱، ۵۶۷، ۵۸۵، ۵۹۲، ۵۹۵،
۶۰۹، ۶۱۴، ۶۱۶، ۶۲۲ – ۶۲۳، ۶۲۹ – ۶۳۰،
۶۳۴، ۶۴۶، ۶۵۳، ۷۲۴ (۹) ۱۸، ۲۸ – ۳۲،
۳۷، ۵۳، ۵۹، ۷۱ – ۷۲، ۸۲، ۱۵۱ – ۱۵۳، ۱۵۷،
۱۶۱، ۱۷۵ – ۱۷۷، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۷، ۲۴۹، ۲۶۴،
۲۷۳، ۳۰۴، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۲۵، ۳۳۲، ۳۳۴،
۳۳۶، ۳۳۸، ۳۵۳، ۳۵۵ – ۳۵۷، ۳۵۹،
۳۶۲، ۳۷۱، ۳۹۹، ۴۱۹، ۵۲۷ – ۵۲۹، ۵۴۴ –
۵۴۶، ۵۴۸ – ۵۴۹، ۵۶۰، ۵۶۶ – ۵۶۷، ۵۷۳،
۵۷۵، ۵۷۹، ۵۸۶ – ۵۸۷، ۵۹۲ – ۵۹۳، ۵۹۶،
۵۹۹، ۶۳۷، ۶۴۲ – ۶۴۴، ۶۴۶، ۶۵۵ – ۶۵۶،
۶۶۳ – ۶۶۵، ۶۶۷، ۶۷۲، ۶۷۹ – ۶۸۱، ۶۹۰،
۶۹۳، ۶۹۸، ۷۰۸، ۷۲۰، ۷۵۰ – ۷۵۱ (۱۰) ۲۷،
۴۸، ۵۳ – ۵۴، ۵۶ – ۶۱، ۱۲۱ – ۱۲۲، ۱۴۱، ۱۸۵،
۲۲۳، ۳۰۷، ۳۴۸، ۳۹۱، ۴۱۲، ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۷۷،
۴۸۱، ۴۹۵، ۵۰۱ – ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۷، ۵۰۹،
۵۱۸ – ۵۱۹، ۵۲۳، ۵۴۱ – ۵۴۲، ۵۵۱، ۵۵۴ –
۵۵۶، ۵۵۸، ۵۷۹، ۵۹۲، ۶۰۷، ۶۲۰ – ۶۲۱،
۶۳۰، ۶۵۷، ۶۸۰، ۶۸۷، ۶۹۳، ۷۱۸، ۷۲۹،
۷۳۱، ۷۴۴

عربات (۷) ۴۲۱

عرج (۵) ۵۶۱ (۸) ۳۲۸، ۳۳۶ (۹) ۲۰۰ – ۲۰۱

عرفات (۵) ۳۹۷، ۶۴۴ (۶) ۱۲۴ (۷) ۷۲، ۶۹۸ (۸)
۲۶۱، ۴۳۴ (۹) ۴۵۸، ۵۱۳، ۵۷۶

عرفہ (۸) ۴۹۳

عرق الظبیۃ (۹) ۲۰۰

العقیق (۱۰) ۲۵۹، ۲۶۰

العروض (مدینہ) (۹) ۱۳۴

العریش (۵) ۴۸۹ (۷) ۴۲۴ – ۴۲۵

عریض (۵) ۲۸۷

عرینہ (۵) ۲۲۷

عرنیین (۹) ۲۲۳

عسفان (۵) ۱۳۱، ۱۳۵ – ۱۳۶، ۱۳۸، ۵۴۸، ۶۹۱ (۶)
۷۵۱ (۷) ۹۶ (۸) ۳۲۸ – ۳۲۹، ۳۳۶ (۹) ۲۲۱

عسقلان (۷) ۱۷۳ (۹) ۱۶۸

عسکر مکرم (۶) ۴۷

عصبہ (۸) ۴۸۱

عقبہ (۸) ۱۷۴، ۱۹۶ (۸) ۲۸۲ (۹) ۵۴، ۱۹۷، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۲۴، ۵۳۸-۵۳۹

عقبہ ہرشی (۹) ۲۰۱

عقبیٰ (منیٰ) (۵) ۸۰

عقیق (۵) ۱۲۰، ۲۸۹، ۶۹۵ (۷) ۷۰۰ (۸) ۱۴۴، ۴۵۴

عُکل (۵) ۶۱۶، ۶۸۴

عکاظ (۵) ۴۲، ۴۴۴، ۶۴۴ (۷) ۲۱، ۲۲۹، ۷۰۵ (۸) ۳۴۲ (۹) ۱۷۱

علی گڑھ (۵) ۳۱۳، ۳۴۰ (۹) ۵۲ (۱۰) ۱۸۴-۱۸۵

عمان (۵) ۳۵، ۱۴۴، ۲۲۷، ۲۶۰، ۲۹۹، ۳۰۱، ۲۹۴، ۵۱۵-۵۱۶، ۶۲۵، ۶۶۶، ۶۷۱، ۶۷۸، ۷۰۷، ۷۱۸ (۷) ۱۸۳، ۴۲۰، ۶۰۶ (۸) ۱۲۷ (۹) ۷۱، ۵۸۵، ۵۹۲

عمران الجوف (۵) ۷۰۰

عمرۃ القضاء (۵) ۵۴۸، ۵۵۱ (۷) ۱۵۱، ۱۶۹

عمواس (۷) ۱۸۶، ۳۷۰، ۳۷۳، ۴۲۴ (۸) ۱۴۹

عمیص (۸) ۹۳

عنق الجمل (۸) ۳۲۹

عیر (جبل) (۵) ۲۸۹

العیص (۵) ۳۶۶، ۳۷۱ (۷) ۱۹۲، ۲۳۲ (۸) ۶۱۸

عین التمر (۷) ۲۷۷، ۳۲۲، ۴۵۹ (۹) ۵۸۸

عین شمس (۷) ۴۲۵-۴۲۶

غ

غابہ (۵) ۱۳۲-۵۴۸

غار ثور (۷) ۱۳۶، ۳۰۵ (۸) ۱۲۶، ۲۶۴، ۲۸۵-۲۸۶، ۳۲۷ (۱۰) ۵۱۶

غار حرا (۶) ۲۳۶ (۷) ۱۷-۱۸ (۸) ۲۴۷، ۳۲۱ (۹) ۴۰۸ (۱۰) ۵۲۴، ۷۱۲

غارق (۷) ۳۵۵

غازی پور (۶) ۳۱، ۵۱

الغالبۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۴

غدیر الاشطاط (عقب عسفان) (۵) ۲۹۴ (۷) ۳۱۰

غدیر خم (۸) ۴۳۴ (۹) ۲۰۱-۲۰۲، ۷۱۹، ۷۴۹

الغراء (مدینہ) (۹) ۱۳۴

غران (وادی) (۸) ۳۳۰

غربی طرابلس (۷) ۱۸۳

غرشستان (۹) ۶۶۹

غرناطہ (۸) ۲۳۱

غزنی (۹) ۳۶۰

غسان (۵) ۷۰۷

غسفان (۸) ۱۸۱

غطفان (۵) ۱۲۵، ۵۲۷ (۷) ۳۴۵

الغمر (۵) ۵۵۷

الغمر (۵) ۳۸۰

الغورہ (۵) ۶۹۵

غُوَیر (۱۰) ۱۹۷

غیر (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵

ف

فاران (۱۰) ۵۰۷، ۶۱۷

فارس (۵) ۲۲–۲۶، ۳۳، ۳۶–۳۷، ۱۵۲–۱۵۴، ۲۲۳، ۲۲۵–۲۳۶ (۶) ۴۶ (۷) ۲۶۹، ۲۸۰، ۳۵۷، ۳۶۰–۳۶۱، ۳۶۴–۳۶۵، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۸، ۳۹۳، ۴۵۹، ۶۰۴–۶۰۵، ۶۰۸ (۸) ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۷، ۱۷۹، ۴۲۸، ۴۷۷، ۴۹۱، ۶۲۹، (۹) ۷۶، ۲۲۷، ۲۵۳، ۳۵۵، ۳۵۹، ۵۸۵، ۵۸۷، ۵۸۹، ۵۹۲، ۶۰۶، ۶۶۸–۶۶۹، ۶۷۸، ۶۸۹، ۶۹۲، ۷۴۰

فاریاب (۹) ۶۶۹

الفاضحہ (مدینہ)، (۹) ۱۳۴

فتح پور (۱۰) ۱۱۸

فحل (۷) ۳۶۸، ۴۲۲–۴۲۳، ۴۶۳

فدک (۵) ۳۸، ۱۳۰، ۱۴۶، ۲۲۷، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۹۱، ۲۹۸، ۳۸۴، ۳۸۹، ۳۹۱، ۶۵۲، ۶۶۰–۶۶۱، ۶۶۴، ۶۷۱، (۷) ۳۱۷، ۵۳۸–۵۳۹ (۸) ۳۹۶، (۹) ۵۶، ۲۲۳، ۶۴۴

فرات (۵) ۳۴

فراض (۷) ۳۲۲، ۴۶۱، (۹) ۵۸۹، ۵۹۲

فرانس (۵) ۱۷، ۱۹، ۱۸۷، ۳۱۴–۳۱۵، ۳۳۳ (۸) ۲۲۷، ۶۷۹، (۹) ۳۱۲، ۳۱۵

فرخ آباد (۱۰) ۹۶

فُرع (۹) ۲۰۳

فرغانہ (۷) ۳۶۶

الفُرغین (۵) ۶۹۵

فرما (۷) ۳۷۳، ۴۲۵

فسا (۷) ۳۶۵ (۹) ۶۶۹

فسطاط (۷) ۳۷۳–۳۷۴، ۳۸۸–۳۸۹، ۳۹۱، ۳۹۳، ۴۲۶، ۴۲۹، (۹) ۷۱، ۷۶–۷۷، ۶۹۰، ۶۹۴–۶۹۵

فلالیج (۷) ۳۵۶ (۹) ۵۹۰

فلسطین (۵) ۱۴، ۳۵، ۲۳۳، ۲۵۸–۲۵۹، ۴۴۴، (۶) ۲۰۰ (۷) ۱۸۳، ۱۸۹، ۲۳۹، ۳۲۲، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۸۱، ۳۹۱، ۳۹۳، ۶۸۳ (۸) ۱۳۵، ۱۸۹، ۲۱۲–۲۱۵، ۲۴۶، ۲۶۶، ۲۹۱، ۳۹۴ (۹) ۶۱، ۷۱، ۳۶۱، ۳۶۵، ۵۹۳–۵۹۴، ۶۶۸–۶۶۹، (۱۰) ۷۲۹

فینیشیا (کنعان) (۵) ۳۱

فید (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵

فیفر (۹) ۲۰۵

فیفاء الفحلتین (۹) ۲۰۴

فیوم (۷) ۴۲۹

ق

القاحہ (۸) ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۶ (۹) ۲۰۱

قادسیہ (۷) ۶۹، ۱۵۰، ۳۵۶–۳۵۹، ۳۶۲، ۴۶۱، ۷۱۴ (۸) ۱۳۶ (۹) ۳۵۶–۳۵۷

قادمہ (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵

القاصمہ (مدینہ) (۹) ۱۳۴

قاہرہ (۵) ۲۳۴، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۶۳–۲۶۴، ۲۷۶، ۲۸۰، ۲۸۵، ۲۹۳، ۳۰۰، ۳۱۱، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۱–۳۲۲، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۵–۳۳۹ (۶) ۲۱۰، ۲۲۳–۲۳۴، ۲۳۷، ۲۶۱–۲۶۲ (۷) ۶۰۳، (۸) ۲۳۱، (۹) ۶۵، ۶۷، ۱۰۶–۱۰۸، ۱۷۷، ۵۲۵–۵۲۶، ۵۳۰، ۶۹۰ (۱۰) ۶۱۳

قبا (۵) ۸۷، ۱۳۳، ۲۷۳، ۳۴۸، ۴۲۲، ۱۹۷ (۷) ۱۳۵، ۳۰۶، ۳۲۴، ۲۷۷ (۸) ۲۸۷، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۶، ۴۸۱، ۶۰۵ (۹) ۱۸۷، ۱۹۷ ـ ۱۹۸، ۲۲۳، ۳۴۹، ۵۲۷ (۱۰) ۲۰۷

قبۃ الاسلام (مدینہ)، (۹) ۱۳۴

قرص (۵) ۲۳۴

القبیلہ (۵) ۲۹۲

قدید (۵) ۲۹۱، (۸) ۳۲۸، ۳۳۶ (۹) ۲۰۱ ـ ۲۰۲

قذق (۹) ۶۶۹

قزوین (۹) ۶۴۲

قرطبہ (۸) ۲۳۱

قرارۃ الکدر (۵)، ۱۲۰، قرقرۃ الکدر (۵)، ۱۲۰ (۸) ۱۲۵ (۹) ۵۵، ۵۷

قریٰ عربیہ (۵) ۶۰۹، ۶۱۸، ۶۲۱

قریہ بنی خدرہ (۹) ۲۰۴

قریۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مدینہ)، (۹) ۱۳۴

قرنیطہ (۸) ۱۴۲

قسا (۷) ۳۶۳

قسطنطنیہ (۵) ۱۸، ۲۰، ۳۴، ۲۳۱ (۶) ۷۷ (۷) ۱۳۶، ۲۳۳، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۳، ۴۲۰، ۴۶۸ (۹) ۷۵، ۳۵۶، ۳۶۰، ۶۶۹

قصارہ (۵) ۲۹۸

قصر الشمع (۹) ۶۹۴

قصم (۷) ۳۲۲

قصور (۱۰) ۱۱۹

قطقطانہ (۷) ۲۷۸

قطیف بحرین (۵) ۲۲۷

قلب الایمان (مدینہ)، (۹) ۱۳۴

قلعہ کوٹ کرور (متصل ملتان)، (۶) ۲۳

قم (۹) ۶۶۹

قومس (۵) ۲۹۸ (۷) ۲۵۲

قناۃ (۵) ۲۸۹

قنسرین (۷) ۱۸۳، ۳۷۰، ۴۶۵ ـ ۴۶۶

قنوج (۵) ۲۷، (۹) ۵۷ (۱۰) ۹۳، ۹۶ ـ ۹۷

قونیہ (۹) ۹۱

قیساریہ (۷) ۳۹۲

قینقاع (۸) ۱۲۵

ک

کابل (۷) ۲۷۹ (۸) ۱۳۸ (۹) ۳۶۰، ۳۶۲

کارلہ (۹) ۶۶۹

کاشغر (۸) ۵۱۸ (۱۰) ۷۰۱

کاظمہ (۹) ۵۸۸، (۱۰) ۱۸۳

کاکوری (۶) ۲۶

کانپور (۵) ۳۲۳ (۶) ۲۹۱ (۱۰) ۹۲، ۱۱۲

کانگڑہ (۹) ۲۹۹

کدر (۵) ۳۷۸، ۳۸۱، ۵۲۸

کدید (۵) ۲۹۱ (۹) ۲۰۴

کراچی (۵) ۲۳۵، ۲۴۴، ۲۵۹ ـ ۲۶۰، ۲۶۹، ۲۷۸، ۲۸۶، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۹ ـ ۳۲۰، ۳۳۶، ۳۳۹ ـ ۳۴۰ (۷) ۴۱۰، ۶۹۳ (۹) ۲۰۹، ۲۸۱، ۳۷۵ (۱۰) ۱۹۲

کراع الغمیم (۵) ۱۳۱، ۱۳۵، ۱۳۷ (۶) ۳۶۴

کراکیس (۷) ۳۲۲

کربلا (۷) ۲۸۱ - ۲۸۲ (۸) ۲۵۰ (۹) ۵۹۲ (۱۰) ۹۵، ۴۷۱، ۶۱۹
کردستان (۶) ۲۹
کرمان (۷) ۲۸۰، ۳۶۳، ۳۶۵ (۹) ۶۶۸، ۶۷۸
کرناٹک (۶) ۳۱
کریٹ (۸) ۱۳۸
کریون (۷) ۴۲۶
کسکر (۷) ۲۶۴، ۲۵۴، ۲۵۶، ۴۵۶
کشمیر (۵) ۲۸ (۶) ۱۵، ۲۱ (۹) ۷۵
کعبہ (۵) ۲۹، ۵۷، ۵۹، ۷۵، ۱۳۴، ۱۵۹، ۱۸۲، ۲۱۴، ۳۸۵،
۴۳۵، ۴۳۶ - ۴۴۴، ۴۶۲، ۵۹۵، ۷۲۴ (۶) ۹۳۷،
۶۳۹، ۷۲۹، ۷۳۸ - ۷۳۹ (۷) ۳۰، ۴۱، ۴۳ - ۴۴،
۵۳ - ۵۴، ۲۳۰، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۹۸، ۳۱۰، ۳۴۳،
۴۰۰، ۴۵۳ (۸) ۱۶۸، ۳۴۱، ۳۹۶ - ۳۹۷، ۴۲۳،
۴۵۳، ۵۳۱، ۵۸۱، ۵۸۶، ۵۹۰، ۵۹۲، ۵۹۴، ۵۹۷،
۶۰۱، ۶۰۲، ۶۱۴، ۶۲۱ - ۶۲۲ (۹) ۳۵، ۳۵۸،
۴۲۶، ۴۵۷، ۴۵۹، ۴۶۱، ۵۴۷، ۵۵۸ (۱۰) ۲، ۷، ۱۰۸،
۱۵۰، ۲۲۳، ۲۷۹، ۲۸۱، ۳۰۴، ۳۲۹ - ۳۳۰، ۳۸۹،
۴۰۳ - ۴۰۵، ۴۱۴، ۴۴۳، ۴۵۵، ۴۶۱، ۴۷۲،
۵۲۷، ۵۳۳، ۵۴۱، ۵۸۹، ۵۹۲، ۶۰۹، ۶۴۲، ۶۴۶،
۶۶۰، ۶۶۹، ۶۹۶، ۷۲۳، ۷۴۷
کعبۃ اللہ (۹) ۲۶۳
کلب (۵) ۵۲۷
کلکتہ (۵) ۲۳۶، ۲۸۱، ۳۲۹ (۶) ۲۰۱ (۹) ۳۶۲
(۱۰) ۱۰۰، ۱۲۰
کمبوڈیا (۵) ۳۰
کندہ (۵) ۳۵، ۲۲۷، ۶۱۶، ۶۸۴، ۷۲۱ (۷) ۱۸۵
کنعان (۸) ۲۶۶، ۳۹۴
کوانٹم (۹) ۵۸۸
کوٹ سید موسیٰ قادری (۶) ۳۰
کوفہ (۶) ۱۸۵، ۱۸۸ - ۱۸۹، ۲۰۰، ۲۳۲ (۷) ۱۸۸، ۲۵۸، ۲۶۱،
۲۶۳، ۲۶۶، ۲۷۳ - ۲۷۴، ۲۷۹ - ۲۸۱، ۳۶۱ - ۳۶۲،
۳۸۱، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۷ (۸) ۴۳، ۱۵۳، ۱۹۲،
۴۸۱، ۴۹۸ (۹) ۵۱، ۵۳، ۵۹، ۱۴۵، ۲۴۱، ۵۸۷،
۶۵۱، ۶۶۱، ۶۶۸، ۶۷۱، ۶۸۴، ۶۸۷، ۶۸۹، ۶۹۱،
۶۹۳ - ۶۹۴، ۶۹۶، ۷۴۳
کوکن (بمبئی کا علاقہ) (۷) ۲۷۹
کوہ ثور (۸) ۲۸۵
کوہ احد (۹) ۴۶۰
کوہ اضم (۱۰) ۱۸۳
کوہ طور (۹) ۴۲
کوہاٹ (۱۰) ۱۰۷
کوہستان (۶) ۴۸
کھنبایت (۶) ۱۲
کہف بنی حرام (۹) ۱۹۲
کیتہ (۷) ۵۳۸
کیمبرج (۵) ۲۷۷
کینیڈا (۹) ۲۹۸

گ

گجرات (۶) ۷، ۱۱ - ۱۴، ۱۶، ۵۰، ۱۰۵، ۱۷۰
گازرون (۹) ۶۶۹
گڑھ شتق (۷) ۵۳۸

گورداس پور (۱۰) ۱۱۷

گولڈ کوسٹ (۹) ۳۶۱

گوالیر (۱۰) ۱۰۰

گیامٹی (۱۰) ۱۱۷

ل

لاذقیہ (۷) ۳۶۸

لاروہ (۵) ۶۵۵

لاہور (۵) ۱۵، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۵، ۲۵۷ـ
۲۵۸، ۲۷۰، ۲۷۶ـ۲۷۸، ۲۸۰ـ۲۸۱، ۲۹۳، ۲۹۸،
۳۰۷ـ۳۰۹، ۳۱۸ـ۳۱۹، ۳۲۹، ۳۳۵، ۳۳۹ـ۳۴۰،
(۶) ۸ـ۹، ۱۶، ۱۸ـ۱۹، ۴۵، ۴۷، ۵۲، ۸۸ (۷)
۱۳۳، (۹) ۱۰، ۲۰۹، ۵۰۸، ۵۳۲، (۱۰) ۲۵، ۳۲،
۳۵، ۱۹۲،

لبنان (۹) ۳۷۵

لد (۷) ۳۷۰

لرتہ (۷) ۴۶۷

لکھنؤ (۵) ۲۷۹، ۳۳۶، ۳۴۰، (۶) ۲۰، ۲۶، ۳۶، ۳۹،
۴۲، ۲۶۴ (۱۰) ۲۵، ۴۹۳

لندن (۵) ۱۲ـ۱۳، ۲۳۱ـ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۵۸، ۲۶۱،
۲۶۳، ۲۷۹، ۲۹۲، ۳۱۳، ۳۲۴، (۹) ۵۱، ۱۰۵

لنکا (۹) ۲۴۲

لوی (۱۰) ۲۲۵، ۲۲۷

لیڈن (۹) ۲۲۴ (۹) ۸۳

لیر (۹) ۲۰۵

م

مآب (۷) ۱۷۱

مآرب (۵) ۶۱۶ (۸) ۳۹۵

ماسبذان (۹) ۶۶۹

مالوہ (منڈو) (۶) ۱۲

مالیگاؤں (۱۰) ۱۱۴

ماوراء النہر (۶) ۴۴، ۵۱

المبارکہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵

مبوا الحلال والحرام (مدینہ) (۹) ۱۳۵

مبین الحلال والحرام (مدینہ) (۹) ۱۳۵

متھرا (۱۰) ۴۵۵، ۴۶۳

مجدل (۹) ۱۸۵

المجبتہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵

مجنہ (۵) ۶۴۴

المحبہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵

المحبورۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۵

المحرمتہ (مدینہ) (۸) ۳۳۵

المحفوظتہ (مدینہ) (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۳۵

محمود نگر (۶) ۳۹

المختارہ (مدینہ) (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۳۵

مآر (۹) ۵۸۸

مدائن (۷) ۱۴۷، ۲۶۴، ۲۷۳، ۲۷۷، ۳۶۰ (۹) ۳۲، ۳۵۴،
۳۹۸، ۵۸۸ـ۵۸۹، ۵۹۱، ۶۷۱ـ۶۷۲، ۶۹۳،
(۱۰) ۷۵۱

مدخل الصدق (مدینہ) (۹) ۱۳۵

مدراس (۵) ۱۳، ۳۲۹ (۶) ۳۱ (۱۰) ۱۲۰

مدران (۹) ۲۰۴

مدلجتہ الجاج (۸) ۳۲۸، ۳۳۶

مدلجۃ تعہن (۹) ۲۰۱
مدین (۵) ۳۲ (۸) ۲۱۳، ۲۴۶، ۲۵۶
مدینا دیکھیے مدینہ
مدینہ (۵) ۱۴-۱۵، ۲۵-۲۶، ۳۵، ۳۸، ۷۰-۷۲، ۷۴، ۷۷-۸۴
۸۶-۹۱، ۹۶-۱۰۳، ۱۰۵-۱۱۳، ۱۱۵-۱۳۵، ۱۴۰-
۱۴۱، ۱۴۴-۱۴۶، ۱۴۸-۱۵۰، ۱۵۳-۱۵۵، ۱۶۱،
۱۶۳-۱۶۵، ۱۶۷-۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۴-۱۷۵،
۱۷۷، ۱۸۲-۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۶،
۲۰۸-۲۰۹، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۵-۲۲۷، ۲۴۸،
۲۵۳-۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۳-۲۶۶، ۲۷۰-۲۷۳،
۲۷۵، ۲۷۷، ۲۸۱-۲۸۴، ۲۸۶-۲۹۴، ۲۹۷-
۲۹۸، ۳۰۱-۳۰۳، ۳۰۵، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۲۱-۳۲۳،
۳۲۶، ۳۴۲-۳۴۳، ۳۴۵-۳۵۳، ۳۵۶-۳۵۸،
۳۶۰-۳۷۸، ۳۸۱-۳۸۵، ۳۸۸-۳۸۹، ۳۹۲-
۳۹۵، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۰۷-۴۰۸، ۴۱۲-۴۱۳،
۴۱۶-۴۲۰، ۴۲۲-۴۲۷، ۴۳۰، ۴۳۳-۴۳۵،
۴۳۷-۴۳۸، ۴۴۳، ۴۴۴-۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۰،
۴۵۱-۴۵۶، ۴۵۸، ۴۶۱-۴۶۲، ۴۷۰، ۴۷۲،
۴۷۴، ۴۷۹، ۴۸۳-۴۸۶، ۴۸۹-۴۹۱، ۴۹۳،
۴۹۵-۴۹۶، ۴۹۹-۵۰۲، ۵۰۴-۵۰۵، ۵۰۷،
۵۱۵-۵۱۶، ۵۱۸-۵۱۹، ۵۲۲-۵۲۳، ۵۲۸،
۵۴۳، ۵۴۵، ۵۵۷، ۵۶۴، ۵۶۷-۵۶۸، ۵۷۱،
۵۷۲-۵۷۳، ۵۷۵، ۵۷۸-۵۷۹، ۵۸۶،
۵۹۰، ۵۹۷، ۶۰۸، ۶۱۲-۶۱۴، ۶۲۴-۶۲۵،
۶۲۸، ۶۳۱، ۶۳۳، ۶۳۸-۶۳۹، ۶۴۱-۶۴۵،
۶۴۷-۶۴۸، ۶۵۰، ۶۵۴-۶۵۵، ۶۶۲،
۶۶۴-۶۶۵، ۶۷۷-۶۸۰، ۶۸۴، ۶۸۶، ۶۸۸،
۶۹۰-۶۹۱، ۶۹۳-۶۹۴، ۷۰۰، ۷۰۹، ۷۱۱-۷۱۴،
۷۱۶-۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۳ (۶) ۸، ۱۲، ۱۵، ۱۷-۱۸،
۲۲-۲۳، ۲۸، ۳۰-۳۱، ۳۷، ۴۰-۴۱، ۴۳، ۵۱،
۶۶-۶۷، ۶۹، ۷۲-۷۳، ۷۷، ۷۹، ۱۱۲، ۱۲۴،
۱۳۰، ۱۴۶، ۱۵۷، ۱۸۵-۱۸۶، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۱۶،
۲۲۷، ۲۳۰، ۲۴۲-۲۴۳، ۲۶۲، ۲۹۶، ۳۴۲،
۳۸۷، ۳۹۰، ۴۲۵، ۴۵۷، ۵۳۹، ۵۵۰، ۶۳۲، ۶۸۹،
۷۱۶، ۷۵۴، ۷۷۵ (۷) ۱۲، ۲۳، ۲۹، ۳۲، ۳۷، ۳۹،
۴۷-۴۹، ۵۳-۵۴، ۶۸، ۷۵، ۷۷، ۹۶، ۱۰۲، ۱۱۰،
۱۳۴-۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۲-۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۱-۱۵۳، ۱۵۶،
۱۵۸، ۱۶۴، ۱۷۳-۱۷۴، ۱۷۶-۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۴،
۱۸۷، ۱۹۱-۱۹۴، ۱۹۹-۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۹-
۲۱۰، ۲۲۴-۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۱-۲۳۸، ۲۴۶، ۲۴۹،
۲۵۱-۲۶۱، ۲۶۳-۲۶۴، ۲۷۶، ۲۷۸-۲۷۹،
۳۰۲-۳۰۳، ۳۰۵-۳۰۷، ۳۰۹-۳۱۰، ۳۱۷،
۳۲۱، ۳۲۶، ۳۲۹، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۴، ۳۴۶-
۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۶۱، ۳۷۲-۳۷۳، ۳۷۶-
۳۷۷، ۳۸۱، ۳۸۴-۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۱، ۴۰۰، ۴۰۳،
۴۰۸، ۴۱۳، ۴۱۷-۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۸، ۴۳۲-۴۳۳،
۴۴۷-۴۴۸، ۴۵۲-۴۵۴، ۴۶۷، ۴۷۵-۴۷۶،
۴۸۳، ۴۹۲، ۵۰۲، ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۲۷، ۵۲۸-۵۱۰،
۶۰۱، ۶۰۹، ۶۱۸، ۶۲۱-۶۲۵، ۶۲۸، ۶۳۱، ۶۳۶،
۶۴۳-۶۴۴، ۶۴۹، ۶۷۹، ۶۹۰، ۶۹۲، ۶۹۹،
۷۱۰، ۷۲۶-۷۲۷، ۷۲۹-۷۳۰، ۷۴۲، ۷۵۱،
(۸) ۹، ۱۳، ۲۲، ۴۴، ۵۹، ۸۱، ۸۸، ۱۱۳-۱۱۶،

۱۲۱، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۹، ۱۳۸، ۱۴۲-۱۴۷، ۱۵۱،
۱۵۳-۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۱-۱۶۲، ۱۶۴-
۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۲، ۱۹۵-
۱۹۶، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۱-۲۲۵،
۲۳۰-۲۳۲، ۲۳۴-۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۳-
۲۴۶، ۲۴۹-۲۵۷، ۲۵۹-۲۶۰، ۲۶۳-۲۶۶،
۲۶۸، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۵-۲۸۰، ۲۸۲-۲۸۷،
۲۸۹-۲۹۳، ۲۹۵-۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۰-۳۰۱،
۳۰۳-۳۰۴، ۳۰۸-۳۱۰، ۳۱۳-۳۱۴، ۳۱۶، ۳۲۸،
۳۳۲، ۳۳۴-۳۳۶، ۳۹۶، ۴۲۷، ۴۷۲، ۴۷۴،
۴۸۲، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۵، ۵۹۳، ۵۹۶، ۵۹۸،
۶۰۳، ۶۰۵-۶۰۶، ۶۰۸-۶۱۰، ۶۱۳، ۶۱۷-
۶۱۸، ۶۴۴ (۹) ۲۵، ۳۷، ۳۹-۴۱، ۵۱-۵۲،
۵۴-۵۷، ۹۱، ۱۰۷، ۱۲۹-۱۳۹، ۱۴۱-۱۴۳،
۱۵۰، ۱۵۲-۱۵۳، ۱۵۸-۱۵۹، ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۷۱،
۱۸۵، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۲-۱۹۶، ۱۹۸-۱۹۹، ۲۰۴
۲۱۱، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۱-۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۴، ۲۵۰
۲۹۲، ۲۹۹، ۳۰۴، ۳۵۲، ۳۵۷-۳۵۸، ۳۶۶
۳۹۹، ۴۲۴، ۴۳۰، ۴۴۶، ۴۵۹، ۵۰۰، ۵۲۳
۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۶-۵۴۱، ۵۵۰-۵۵۲، ۵۵۴،
۵۵۶-۵۵۸، ۵۶۰-۵۶۱، ۵۷۳، ۵۷۵-
۵۷۹، ۵۸۱، ۵۸۴-۵۸۵، ۵۸۱، ۵۹۳، ۶۰۲
۶۰۴، ۶۰۶، ۶۱۱-۶۱۲، ۶۳۴، ۶۳۷،
۶۴۰، ۶۴۲، ۶۴۴-۶۴۹، ۶۵۱، ۶۵۶،
۶۶۰، ۶۶۳، ۶۶۵، ۶۶۸، ۶۸۰
۶۹۰-۶۹۲، ۶۹۴، ۶۹۶-۶۹۷، ۷۰۹،
۷۱۹، ۷۴۹ (۱۰) ۲۰-۲۱، ۴۵، ۵۴، ۵۶،
۵۸، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۰۸-۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۸-
۱۲۰، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۹۱، ۲۵۹-۲۶۰، ۳۹۱،
۳۹۴، ۳۹۷، ۴۱۱، ۴۲۶، ۴۳۶، ۴۴۱، ۴۵۳
۴۵۴، ۴۶۳-۴۶۴، ۵۱۶، ۵۴۸، ۵۶۱، ۵۶۶،
۵۷۴، ۵۸۲، ۶۰۸-۶۰۹، ۶۱۳، ۶۴۱، ۶۶۰،
۶۶۷، ۶۶۹، ۶۷۳، ۶۷۵، ۶۸۰، ۶۸۳-۶۸۴
۶۹۱، ۶۹۶، ۶۹۹، ۷۰۲، ۷۰۷، ۷۱۶، ۷۲۰،
۷۲۴-۷۲۶، ۷۲۸، ۷۳۵

مدینۃ الرسول (۵) ۲۵۴ (۸) ۵۸۸، ۵۹۵
مدینۃ المقر (۸) ۳۳۵
مدینۃ النبی (۵) ۱۵۵، ۲۵۵-۲۵۶
مڈغاسکر (۹) ۷۱، ۳۶۱
مذار (۷) ۴۵۶
مذحج (۵) ۷۰۶
مرادآباد (۱۰) ۹۴، ۱۰۹، ۱۱۲
مراکش (۶) ۲۹ (۷) ۴۳
مراکو (۸) ۱۲۷ (۹) ۳۶۱
مربطہ (۵) ۲۹۸
مرج الدیباج (۷) ۲۴۲
مرج راہط (۷) ۳۲۲
المرحومۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۵
مرزبان (۷) ۳۶۵
المرزوقۃ (مدینہ) (۹) ۱۳۵
مرالظہران (۵) ۱۲۴ (۷) ۵۱، ۳۴۹ (۹) ۲۲۱
مرقد بقیع (۹) ۱۶۸
مرو (۶) ۴۴، ۴۸ (۷) ۱۴۳، ۳۶۲، ۳۶۶ (۸) ۱۳۸

مرو شاہجہان (۷) ۳۶۶

مروہ (۶) ۴۰۶، ۴۳۱ - ۴۳۲ (۸) ۲۶۶ (۱۰) ۴۱۲

مریسیع (۵) ۱۳۰، ۲۹۱، ۳۸۳، ۴۵۱، ۴۵۳، ۵۲۸
۵۸۷، ۶۵۰، ۶۹۲ (۷) ۲۳۲ (۹) ۲۲۲ -

مزاحم (۹) ۵۲۷

مزدلفہ (۸) ۲۶۱

مزینہ (۹) ۶۰۷

مساجد الفرع (۹) ۲۰۳

مستعجلہ (۹) ۲۰۳

مسجد آخر بذی الحلیفہ (۹) ۱۹۹

مسجد ابن عدی (۵) ۷۱۷

مسجد الابواء (۹) ۲۰۱

مسجد ابی ذر غفاری (۹) ۱۹۴

مسجد ابی بن کعب (۵) ۷۱۷، (۹) ۱۹۴

مسجد الاثابہ (۹) ۲۰۱

مسجد الاجابہ (۹) ۱۸۹، ۱۹۰

مسجد امیر المومنین علی ابن ابی طالب (۹) ۱۹۲

مسجد بالجیزتین (۹) ۲۰۳

مسجد بذخوان و موضع بذب ذفران المقبل (۹) ۲۰۲

مسجد بدر (۹) ۲۰۳

مسجد بذات اجدال (۹) ۲۰۳

مسجد بطحا (۹) ۱۹۹

مسجد بطن مر الظہران (۹) ۲۰۲

مسجد البقیع (۹) ۱۹۳

مسجد احزاب (۹) ۱۹۰

مسجد اعلیٰ (۹) ۱۹۰، ۲۰۳

مسجد اقصیٰ (۹) ۶۱ (۹) ۲۹، ۴۶۰ (۱۰) ۵۷

مسجد بقیع الزبیر (۹) ۱۹۶

مسجد بنو ابی قبیسلہ (۵) ۷۱۷

مسجد بنو امیہ (۵) ۷۱۷

مسجد بنو بیاضیہ (۵) ۷۱۷

مسجد بنو حبلیٰ (۵) ۷۱۷

مسجد بنو خدرہ (۵) ۷۱۷

مسجد بنو دینار (۵) ۷۱۷

مسجد بنو عصیہ (۵) ۷۱۷

مسجد بنی امیہ الدرکا (۹) ۱۹۷

مسجد بنی انیف (۹) ۱۹۷

مسجد بنی بیاضہ (۹) ۱۹۷

مسجد بنی حارث (۵) ۷۱۷، (۹) ۱۹۷

مسجد بنی حارثہ (۵) ۷۱۷

مسجد بنی الحبلی (۹) ۱۹۷

مسجد بنی حرام (۹) ۱۹۴

مسجد بنی خدرہ (۹) ۱۹۶

مسجد بنی خرارہ (۹) ۱۹۵

مسجد بنی حطمہ (۵) ۷۱۷، (۹) ۱۹۷

مسجد بنی دینار (۹) ۱۹۶

مسجد بنی راتج (۹) ۱۹۵

مسجد بنی زریق (۹) ۱۹۴- ۱۹۵، ۵۳۸

مسجد بنی ساعدہ (۹) ۱۹۵

مسجد بنی سالم (۹) ۵۳۸

مسجد بنی ظفر (۵) ۷۱۸

مسجد بنی عبدالاشہل (۵) ۷۱۸

مسجد بنی عدی (۹) ۱۹۶
مسجد بنی عمرو (۹) ۱۹۶
مسجد بنی غفار (۹) ۱۹۴ — ۱۹۵
مسجد بنی قریظہ (۵) ۷۱۸، (۹) ۱۸۸
مسجد بنی مازن (۹) ۱۹۶
مسجد بنی معاویہ (۵) ۷۱۸
مسجد بنی واقف (۹) ۱۹۷
مسجد بنی وائل (۵) ۷۱۸
مسجد البغیبغہ (۹) ۲۰۱
مسجد بین الجتبا بیہ و بئر شداد (۹) ۱۹۸
مسجد تنعیم (۹) ۲۰۲
مسجد توبہ (۹) ۲۰۴
مسجد ثنیۃ الرکوبہ (۹) ۲۰۰
مسجد ثنیۃ المبرک (۹) ۲۰۳
مسجد الجعرانہ (۹) ۲۰۵
مسجد جہینہ (۹) ۱۹۴، ۱۹۵
مسجد حارثہ (۹) ۱۹۵
مسجد حرام (۵) ۱۸۱، ۷۱۸، (۷) ۵۲، ۲۵۰، (۸) ۵۹۷، ۴۲۱ — ۴۲۲، (۹) ۲۹، ۴۵۷، ۴۶۰ (۱۰) ۷۵
مسجد حرام الکبیر (۹) ۱۹۲
مسجد الحمید (۸) ۲۲۸، ۳۳۶
مسجد الخربہ (۹) ۱۹۴، ۱۹۵
مسجد خلیص (۹) ۲۰۲
مسجد خیف (۹) ۴۵۹
مسجد دار سعد ابن خیثمہ (۹) ۱۹۸
مسجد دار النابغہ (۹) ۱۹۶
مسجد ذات عرق (۹) ۲۰۵
مسجد ذی الحلیفہ (۹) ۱۹۹
مسجد ذی طوٰی (۹) ۲۰۳
مسجد الرایہ (۵) ۲۷۳، (۹) ۵۲۷
مسجد الرمادۃ (۹) ۲۰۱
مسجد الرویثہ (۹) ۲۰۰
مسجد سجدہ (۹) ۱۸۹
مسجد الشیخ (۹) ۱۹۷
مسجد سرف (۹) ۲۰۲
مسجد السقیاء (۹) ۱۹۲، ۲۰۱
مسجد سلع (۹) ۱۹۰
مسجد سلمان فارسی (۹) ۱۹۲
مسجد الشجرہ (۵) ۷۱۸ (۹) ۱۹۹
مسجد شجرہ بالحدیبیہ (۹) ۲۰۴
مسجد شرف الروحاء (۹) ۱۹۹
مسجد الشق اور نطاط (۹) ۲۰۴
مسجد شمران (۹) ۲۰۴
مسجد شمس (۹) ۱۸۸
مسجد شیخین (۹) ۱۹۶
مسجد صدقۃ الزبیر (۹) ۱۹۶
مسجد الصھباء (۹) ۲۰۴
مسجد ضرار (۵) ۱۵۸، ۳۰۲، ۳۹۳، ۳۷۷، ۴۳۶
مسجد الطائف (۹) ۲۰۵
مسجد طرف قدیدیہ (۹) ۲۰۲
مسجد عاتکہ (۵) ۷۱۸
مسجد عتبان بن مالک (۹) ۱۹۸

مسجد العرج (۹) ۲۰۱
مسجد عریش (۹) ۲۱۱
مسجد العسکر (۹) ۱۹۳
مسجد العشیرہ (۹) ۲۰۳
مسجد العصر (۹) ۲۰۴
مسجد عقبہ ہرشی (۹) ۲۰۱
مسجد عمرات الرسول (۹) ۲۰۲
مسجد عند حرۃ خلیص (۹) ۲۰۲
مسجد غدیر خم (۹) ۲۰۱
مسجد غزالہ (۹) ۱۹۸، ۲۰۰
مسجد غمامہ (۹) ۱۹۴
مسجد فتح (۹) ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲
مسجد الفضیخ (۹) ۱۸۸
مسجد الفضیخ (۵) ۷۱۷
مسجد نقیا الخبار (۹) ۱۹۸
مسجد الفیقہ (۹) ۲۰۴
مسجد قبا (۵) ۲۲۶، ۳۰۳، ۷۲۱ (۷) ۳۰۷ (۸) ۳۳۴، ۶۰۵ (۹) ۱۳۷، ۱۵۱، ۱۸۸، ۱۹۸، ۴۵۹—۴۶۰
مسجد قبلتین (۹) ۱۹۲
مسجد القرصہ (۹) ۱۹۵
مسجد کدید (۹) ۲۰۴
مسجد لحی جمل (۹) ۲۰۱
مسجد لیتہ (۹) ۲۰۵
مسجد مدلجۃ تعھن (۹) ۲۰۱
مسجد منازلین (۹) ۱۹۸
مسجد المنبجس (۹) ۲۰۱
مسجد المنزلہ (۹) ۲۰۴
مسجد المنصرف (۹) ۲۰۰
مسجد مصلیٰ (۹) ۱۹۴
مسجد المعرس (۹) ۱۹۹
مسجد مقمل (۹) ۲۰۴
مسجد نابغہ (۵) ۷۱۷
مسجد نبویؐ (۵) ۸۷، ۱۲۷، ۱۶۳—۱۶۴، ۱۷۰، ۱۹۸، ۲۰۴
۲۰۶، ۲۲۱، ۲۲۵—۲۲۶، ۲۷۱—۲۷۲، ۲۸۷
۲۸۹، ۳۰۳، ۳۱۹، ۳۲۴، ۳۴۸، ۵۸۶، ۶۴۷،
۷۱۷، ۷۱۹—۷۲۱ (۶) ۶۶، ۷۳، ۱۳۰، ۲۳۰،
۲۵۸، ۳۰۲—۳۹۰ (۷) ۱۲، ۱۵، ۷۵، ۶۷—۶۸
۱۲۲، ۳۷۷، ۳۸۰، ۳۹۶، ۶۰۹، ۶۱۸، ۶۲۵،
۶۵۳، ۷۰۹، ۷۱۰ (۸) ۹، ۱۳، ۴۴، ۱۲۶، ۱۸۰،
۲۸۷، ۳۴۱، ۳۷۱، ۴۵۲، ۴۵۵، ۴۹۲، ۵۱۴
۶۱۳ (۹) ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۸۷، ۳۰۴، ۳۶۲، ۵۲۳،
۵۲۴، ۵۵۸، ۵۶۶، ۵۷۰، ۵۷۹، ۶۰۰، ۶۰۴،
۶۲۲، ۶۳۳، ۶۳۶، ۷۰۶، ۷۱۲ (۱۰) ۲۱، ۴۵۔
مسجد النور (۹) ۱۹۸
مسجد واقم (۹) ۱۹۵
مسجد وتیم (۵) ۷۱۸
مسجد العلیجہ (۹) ۲۰۲
مسفلہ (۸) ۳۲۹
المسکینہ (مدینہ)، (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۳۵
المسلمہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵
مشرقی عرب (۵) ۶۱۸، ۶۲۶، ۶۸۱
مشقر (۵) ۴۲، ۶۴۴

مشہد جنت المعلیٰ (۹) ۱۶۷
مصر (۵) ۱۷، ۳۰-۳۲، ۳۴، ۳۶، ۱۱۷، ۱۵۲، ۱۵۴،
۲۱۲، ۲۲۱، ۲۲۳ - ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۴۲،
۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۴ - ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۶۰،
۲۶۳-۲۶۴، ۲۶۶، ۲۷۳، ۲۷۹، ۲۹۹،
۳۱۳، ۳۱۷-۳۱۸، ۳۲۱-۳۲۳، ۳۲۵،
۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۵، ۳۳۷-۳۳۹، ۳۹۰،
۴۴۴، ۴۸۹، ۵۹۸، ۶۲۷، ۷۰۶-۷۰۷
(۶) ۱۱-۱۲، ۱۷، ۲۹-۳۱، ۳۴، ۴۶، ۴۸،
۴۹، ۶۶، ۷۷-۷۸، ۹۴، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۹۸،
۲۰۰، ۲۰۲، ۲۳۲-۲۳۳، ۲۳۵-۲۳۶،
۲۵۸-۲۵۹ (۷) ۱۵۵، ۱۷۲، ۱۸۳، ۲۵۶-
۲۵۷، ۲۶۴-۲۶۵، ۲۷۵-۲۷۷، ۲۸۳،
۳۷۲-۳۷۴، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۸۹، ۳۹۱-
۳۹۳، ۴۰۰، ۴۰۸، ۴۲۳-۴۲۶-۴۲۹
۴۳۱-۴۳۹، ۴۴۳ (۸) ۵۴، ۱۲۷، ۱۳۵-
۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۱، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۴۶، ۲۵۶،
۲۶۰، ۲۶۶، ۲۹۳ - ۲۹۴، ۲۹۶، ۲۹۸،
۴۳۰، ۴۹۲، ۶۴۸، ۶۹۷، ۷۲۹ (۹) ۵۹، ۷۱،
۷۶-۷۷، ۸۱، ۸۳، ۸۸، ۹۰، ۱۰۶، ۱۰۹، ۱۱۱، ۲۲۷،
۲۴۱، ۲۸۶-۲۸۷، ۲۹۷، ۳۵۵، ۳۶۰-۳۶۲،
۵۲۳-۵۲۴، ۵۲۶، ۵۳۰، ۵۳۵، ۵۴۰، ۶۶۲،
۶۶۷-۶۶۸، ۶۷۱، ۶۷۵-۶۸۰، ۶۸۹-۶۹۰،
۶۹۶ (۱۰) ۸۹، ۳۱۷، ۵۰۴، ۷۰۱
مصرع حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۹) ۱۹۳
مصلیٰ (۱۰) ۲۰۷
مصنع (۷) ۴۶۰ (۹) ۵۸۸
مضجع الرسول (مدینہ) (۸) ۲۳۵ (۹) ۱۳۵
مضا (۵) ۶۱۳
مضیق الصفراء (۹) ۲۰۳
المطیبہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵
المظلہ (۵) ۶۹۶
معان (۵) ۱۵۳، (۷) ۱۴، ۲۳۴
معبد قزح (۹) ۲۰۴
معرۃ النعمان (۷) ۳۶۸، ۴۶۳
معین (۵) ۲۳۸
مغرب اقصیٰ (۵) ۱۷
مغربی عرب (۵) ۶۲۶، ۶۸۱
مقام ابراہیمؑ (۸) ۵۲۱ (۱۰) ۷۴۷
مقام رکن (۱۰) ۲۷۹، ۲۸۱
المقدسہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵
المقر (مدینہ) (۹) ۱۳۵
مقطم (۷) ۷۳۸
مقنا (۵) ۱۵۶، ۲۰۸، ۲۵۸، ۲۶۰، ۳۹۵، ۶۶۴
مکران (۷) ۳۶۳، ۳۶۵ - ۳۶۶ (۹) ۶۹۶
المکنان (مدینہ) (۹) ۱۳۵
مکہ (۵) ۱۵، ۲۵، ۳۶، ۳۸ - ۴۰، ۴۶، ۵۶، ۵۹، ۶۵، ۷۱،
۷۳ - ۷۵، ۷۹، ۸۱، ۸۴ - ۸۷، ۸۹، ۹۷، ۹۹، ۱۱۳،
۱۱۵ - ۱۱۸، ۱۲۰ - ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۹، ۱۳۳ - ۱۳۷،
۱۳۹ - ۱۴۹، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۶۴، ۱۷۷، ۱۸۱، ۲۰۸،
۲۱۹، ۲۲۴، ۲۲۶ - ۲۲۷، ۲۴۲ - ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۰،
۲۵۶ - ۲۵۷، ۲۶۱ - ۲۶۶، ۲۷۰، ۲۷۹، ۲۸۱ - ۲۸۸،

۲۹۳–۲۹۷، ۳۰۲–۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۲۳–
۳۲۴، ۳۴۴–۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹–۳۵۱، ۳۵۶،
۳۵۸، ۳۶۰–۳۶۱، ۳۶۴–۳۶۶، ۳۶۸–۳۷۵،
۳۷۷–۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۳، ۳۸۵–۳۸۹، ۳۹۱–
۳۹۶، ۳۹۸–۴۰۱، ۴۰۳–۴۱۶، ۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۴–
۴۳۴، ۴۳۶–۴۴۲، ۴۴۴–۴۴۶، ۴۴۸–۴۵۱،
۴۵۴–۴۵۵، ۴۵۷–۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۲، ۴۸۴–
۴۷۵، ۴۷۷–۴۷۸، ۴۸۲، ۴۸۵، ۴۸۷–۴۸۹،
۴۹۱–۴۹۳، ۴۹۷، ۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۷، ۵۱۱،
۵۱۲–۵۱۳، ۵۱۵–۵۱۶، ۵۱۸–۵۲۴، ۵۳۱،
۵۳۳، ۵۳۹، ۵۴۳، ۵۴۷–۵۴۹، ۵۵۱–۵۵۲،
۵۵۴، ۵۵۷، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۹–۵۷۰،
۵۷۵، ۵۷۷، ۵۸۰، ۵۸۵، ۵۸۷–۵۸۸، ۵۹۰،
۵۹۶، ۵۹۹، ۶۰۵، ۶۱۰–۶۱۱، ۶۱۸–۶۲۰،
۶۲۳، ۶۲۷، ۶۳۹، ۶۴۱–۶۴۲، ۶۶۱، ۶۶۵،
۶۶۸، ۶۷۰–۶۷۱، ۶۷۳–۶۷۴، ۶۷۸، ۶۸۲،
۶۸۹–۶۹۱، ۶۹۴–۶۹۵، ۷۰۰، ۷۰۵، ۷۱۱–
۷۱۲، ۷۱۸، ۷۲۱–۷۲۴ (۶) ۱۲–۱۳، ۱۵، ۱۷–۲۰،
۲۹، ۳۷–۳۸، ۴۰، ۴۵–۴۷، ۹۴–۹۵، ۱۲۴،
۱۷۹–۱۸۰، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۳۲، ۲۴۲، ۲۵۵، ۳۳۸،
۳۵۷، ۳۶۸، ۴۳۲، ۴۹۷، ۶۱۵، ۷۱۸، ۷۴۷–
۷۴۸، ۷۵۱، ۷۵۵ (۷) ۱۴، ۲۱، ۲۳–۲۴، ۲۸،
۳۲، ۳۷–۳۹، ۴۱–۴۴، ۴۸–۵۲، ۵۴، ۵۶–
۵۷، ۷۰، ۸۲–۸۳، ۹۶، ۱۱۴–۱۱۵، ۱۳۴، ۱۳۷–
۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۵۰–۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۲،
۱۶۵، ۱۶۸–۱۶۹، ۱۷۲–۱۷۴، ۱۸۳، ۱۸۵،

۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱–۱۹۲، ۱۹۴–۱۹۵، ۱۹۸–۱۹۹، ۲۰۲،
۲۲۳–۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۷–۲۳۸،
۲۴۶–۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۲–۲۵۵، ۲۵۹–۲۶۰،
۲۷۳–۲۷۴، ۲۷۸–۲۷۹، ۲۸۵، ۲۹۷–۲۹۹،
۳۰۱–۳۰۳، ۳۰۷–۳۰۸، ۳۱۱–۳۱۲، ۳۳۱، ۳۴۳،
۳۴۷، ۳۴۹–۳۵۰، ۳۸۱–۳۸۲، ۳۸۸، ۴۱۲،
۴۱۷–۴۱۹، ۴۲۱، ۴۲۴، ۴۳۳، ۴۴۷–۴۴۸،
۴۵۰، ۴۵۲، ۵۶۹، ۶۰۱، ۶۱۷، ۶۱۹–۶۲۲،
۶۲۴، ۶۲۸، ۶۴۹–۶۵۰، ۶۵۳، ۶۶۰، ۷۰۳،
۷۱۱، ۷۱۲، ۷۳۰، ۷۳۷، ۷۳۹ (۸) ۱۰، ۱۴، ۶۴،
۷۳، ۸۰–۸۱، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۲۸–۱۲۹،
۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۶–۱۵۸،
۱۶۱–۱۶۲، ۱۶۴–۱۶۵، ۱۷۲، ۱۸۱–۱۸۳، ۱۹۰،
۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۱۴–۲۱۹، ۲۲۱،
۲۲۴–۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۳۸–۲۳۹،
۲۴۳، ۲۴۸–۲۵۲، ۲۵۶–۲۵۷، ۲۵۹–۲۶۱،
۲۶۳، ۲۶۶–۲۶۸، ۲۷۰–۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۶–
۲۷۸، ۲۸۰–۲۸۱، ۲۸۳–۲۸۵، ۲۸۷، ۲۹۰–۲۹۲،
۲۹۴–۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۱–۳۰۳، ۳۰۶–۳۰۷،
۳۰۹، ۳۱۱–۳۱۲، ۳۱۵، ۳۲۲، ۳۲۴–۳۲۵،
۳۲۷، ۳۲۸–۳۲۹، ۳۳۳، ۳۳۶، ۳۹۶–۳۹۸،
۴۰۱، ۴۰۴، ۴۳۳، ۴۶۲، ۴۶۸، ۴۸۶، ۴۹۸–
۴۹۹، ۵۱۷، ۵۳۱، ۵۳۵، ۵۷۹، ۵۸۵، ۵۸۸–۵۹۵،
۵۹۷–۵۹۹، ۶۰۳–۶۰۶، ۶۱۴–۶۱۷، ۶۱۹–
۶۲۰، ۶۲۲–۶۲۴، ۶۲۹، ۶۴۰، ۶۴۴–۶۴۵،
۶۴۸–۶۴۹، ۶۷۰، ۷۳۰ (۹) ۱۷، ۲۰، ۲۷، ۲۹، ۳۱،

۳۴، ۳۶-۳۷، ۳۹، ۴۳، ۵۶-۵۷، ۶۲،
۱۳۳-۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۶-۱۴۷، ۱۵۶-۱۵۷، ۱۶۸،
۱۷۱، ۱۷۸-۱۷۹، ۱۸۵، ۱۹۳، ۱۹۸-۲۰۲، ۲۰۶-
۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۲۹، ۲۳۴، ۲۴۲،
۲۴۹، ۲۶۳-۲۶۵، ۲۶۷، ۲۹۹، ۳۲۶، ۳۵۵،
۳۶۲، ۳۶۴، ۴۲۰، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۴، ۴۵۶،
۴۵۹، ۴۸۹، ۵۲۹-۵۳۰، ۵۳۹، ۵۴۱، ۵۴۴،
۵۴۷-۵۴۹، ۵۵۱-۵۵۲، ۵۵۵-۵۶۰، ۵۷۵،
۵۸۱، ۶۰۶-۶۰۷، ۶۱۱، ۶۳۴، ۶۵۶، ۶۵۸،
۶۶۳، ۶۶۸، ۶۷۱، ۶۸۷، ۶۹۲، ۷۴۹ (۱۰)
۲۰، ۸۲، ۱۰۱، ۱۹۶، ۴۳۴-۴۳۶، ۵۳۹، ۶۴۹، ۷۲۹

ملتان (۶) ۱۱، ۱۶، ۲۳، ۴۹ (۷) ۶۰۱

ملیبار (۶) ۳۱۷

ملیح آباد (۶) ۳۶

مناۃ الطاغیہ (۹) ۲۰۲

مناذر (۹) ۶۶۹

منبج (۷) ۱۸۳ (۹) ۶۸۱

منبع (۵) ۳۶۷

منڈوا (مالوہ) (۶) ۱۶

منصورہ (۶) ۴۴-۴۵

منگولیا (۹) ۳۶۱

منیٰ (۵) ۴۲، ۴۶۴، ۷۱۳ (۷) ۴۴۴، ۶۸۸ (۸)
۲۹۱، ۳۴۱، ۴۳۴ (۹) ۱۸۵، ۴۵۹

موتا دیکھئے موتہ

موتہ (۵) ۱۵۴-۱۵۶، ۱۸۱، ۲۱۷، ۳۰۱، ۳۹۱، ۳۹۴،
۴۸۳، ۵۳۹، ۵۴۳ (۶) ۷۵۴ (۷) ۱۷۱، ۳۲۲-

۲۳۳، ۲۳۵، ۳۱۸، ۴۴۹، ۴۷۰ (۸) ۸۷، ۱۲۷،
۱۶۴، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۸۳، ۱۸۸-۱۸۹ (۹) ۲۲۴-۲۲۵
۵۷۳، ۵۹۳ (۱۰) ۶۸۳

موصل (۵) ۵۷ (۷) ۲۶۴، ۳۸۸-۳۸۹، ۳۹۱ (۸)
۱۴۵، ۱۴۷ (۹) ۶۷۲، ۶۹۵

موقان (۷) ۳۶۴

مولتاہ (۹) ۷۵

مرو (۹) ۶۶۹

مرو رود (۹) ۶۶۹

الموفیہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵

المومنہ (مدینہ) (۹) ۱۳۵

مہرجان (۹) ۶۶۹

مہروز (۵) ۶۵۵ (۹) ۵۲۷

مہیعہ (۹) ۵۰۰

میڈئین (۹) ۱۴۱

میرٹھ (۱۰) ۱۰۰

میسان (۷) ۱۸۸ (۹) ۶۷۲

میفعہ (بلقاء) (۵) ۵۷

میفعہ (نجد) (۵) ۲۹۱

المیقات المدنی (۹) ۱۹۹

ن

نابلس (۷) ۳۷۰

الناصیہ (مدینہ) (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۳۵

نازیہ (۹) ۲۰۳

ناگ پور (۱۰) ۱۱۵

ناگاساکی (۹) ۱۶۰

نباء (۹) ۲۲۳
نباج (۷) ۴۵۶
نبلاء (مدینہ) (۹) ۱۳۵
نجد (۵) ۱۲۱، ۲۲۶، ۲۹۱، ۳۷۶، ۳۹۱، ۴۵۸، ۴۹۶، ۵۶۴، ۶۶۵ (۶) ۱۳۸، ۲۱۲، ۷۷۸ (۷) ۱۲، ۱۳۴، ۳۵۱، ۶۷۳ (۸) ۱۲۷، ۱۴۵، ۳۶۴، ۳۶۹، ۴۱۵ (۹) ۱۴۴، ۱۸۴، ۲۰۵، ۲۲۳، ۵۷۸، ۵۸۱ (۱۰) ۶۱۳
نجران (۵) ۳۶، ۱۸۱-۱۸۲، ۲۰۸، ۲۲۷، ۳۱۰-۳۱۱، ۳۲۴، ۳۴۱، ۳۹۳، ۳۹۶، ۵۰۴، ۵۰۶، ۵۲۷، ۵۹۱، ۶۱۳-۶۱۴، ۶۱۶، ۶۱۹، ۶۲۵، ۶۶۲-۶۶۴، ۶۶۶، ۶۷۰، ۶۷۲، ۶۷۶، ۶۸۰، ۶۸۴، ۶۸۶، ۷۰۷ (۶) ۴۷، ۳۴۲ (۷) ۱۳۹، ۲۳۸، ۳۴۵، ۴۵۲، ۴۶۸، ۵۴۳-۵۴۴، ۶۰۹، ۷۲۰ (۹) ۵۷، ۶۰۷، ۶۴۴
نجف (۵) ۳۲۱، ۳۳۸ (۸) ۲۹۶ (۱۰) ۹۵، ۶۲۵، ۶۴۲
النجر (مدینہ) (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۳۵
نخب (۹) ۲۰۵
نخلہ (۵) ۱۱۶، ۲۸۲، ۳۶۸، ۳۷۱ (۹) ۱۷۱، ۲۲۲
نصیبین (۷) ۲۷۸
نطاۃ (۵) ۲۹۸ (۷) ۵۳۸
نقا (۱۰) ۲۰۷
نقیوس (۷) ۳۲۶
نوبندجان (۹) ۶۶۹
نوبہ (۹) ۶۴۲
نہاوند (۷) ۱۴۷، ۲۵۶ (۹) ۶۶۹
نہر تیری (۹) ۶۹۹
نہروان (۷) ۲۷۳-۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۹۱، ۴۳۶
نیپال (۵) ۲۸
نیشاپور (۶) ۴۶-۴۷ (۹) ۶۶۹ (۱۰) ۶۲۱
نینوی (۷) ۳۱ (۸) ۳۹۴، ۶۰۲
نیویارک (۵) ۱۲، ۲۳۱، ۳۱۴ (۹) ۳۶۱
نیوفاؤنڈلینڈ (۹) ۲۹۸

و

وادی (۱۰) ۶۱۳
وادی الوامر (۹) ۲۰۱
وادی اجج (۸) ۳۳۰
وادی ایمن (۱۰) ۷۵۱
وادی بطحا (۸) ۴۹۸
وادی بطحان (۹) ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۶
وادی بنی سالم (۹) ۱۹۹
وادی تہامہ (۹) ۲۰
وادی الجزع (۱۰) ۱۹۶
وادی الخرار (۸) ۳۲۸، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۶
وادی الروحاء (۹) ۱۹۹
وادی سلم (الفاحہ) (۸) ۳۳۲
وادی سینا (۹) ۱۴۰
وادی شیفر (۹) ۱۹۹
وادی عقیق (۸) ۳۳۲ (۹) ۱۸۴
وادی قدید (۸) ۳۳۰
وادی القری (۵) ۳۲، ۱۳۲، ۱۴۶، ۲۲۷، ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۹۸، ۳۸۳-۳۸۴، ۳۸۹، ۳۹۱، ۶۱۸، ۶۴۵، ۶۵۱-

۶۵۲، ۶۶۰-۶۶۱، ۶۶۴، ۶۷۱، ۶۸۷، ۶۹۵-
۶۹۶، ۷۰۰ (۷) ۲۳۳، ۴۷۷، ۷۲۵ (۸) ۱۲۶،
۲۹۵-۲۹۶ (۹) ۷۹، ۲۰۴
وادی العقیق (۵) ۱۶۷
وادی لیہ (۹) ۲۰۵
وادی مجاج (۸) ۳۲۸، ۳۳۶
وادی مدلجہ مجاج (۸) ۳۳۲
وادی نیل (۸) ۲۱۵، ۲۱۹
الوبر (وادی) (۷) ۴۵۶
وَدّان (۵) ۱۱۷، ۳۶۷، ۳۷۰، ۵۳۸، ۵۸۰ (۸) ۱۲۵
وراقہ (چراگاہ کا نام) (۹) ۱۸۵
ورقان (۹) ۲۰۰
وسطِ ایشیا (۵) ۱۷
وسطی یورپ (۵) ۱۷
وسکونسن (۹) ۳۶۴
وسیط الغافر (۸) ۳۲۸، ۳۳۶
ولجہ (۷) ۴۵۶-۴۵۷ (۹) ۵۸۸
ومیرہ (۷) ۴۲۹

ہ

ہالینڈ (۸) ۶۷۹
ہائیڈل برگ (جرمنی) (۶) ۲۳۲
ہجر (۵) ۵۱۲، ۶۴۴ (۷) ۶۹۲
ہدان (۷) ۱۸۸
ہدہ (۷) ۴۴۸
الہندرام (مدینہ) (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۳۵
ہرات (۹) ۶۶۹
ہمدان (۵) ۵۹۱، ۶۱۶، ۶۲۰، ۶۲۵، ۶۸۵، ۷۰۶، ۷۱۳،
(۶) ۱۵ (۷) ۱۴۷، ۲۷۷، ۳۶۳، ۶۸۷ (۸) ۴۱۶
ہند (۵) ۲۸ (۶) ۷-۸، ۱۱-۱۲، ۲۰، ۳۰، ۳۲، ۴۵، ۵۸، ۱۵۴
۲۳۴ (۷) ۲۸۰ (۸) ۳۹۹ (۹) ۱۷، ۲۹۶، ۶۹۲
(۱۰) ۴۹، ۷۴، ۹۹، ۱۵۶، ۶۱۲، ۶۸۴، ۶۹۹
ہندوستان (۵) ۱۷، ۲۶-۲۸، ۳۰ (۶) ۷-۸، ۱۰-۱۲،
۱۴، ۱۶، ۱۸، ۲۳-۲۴، ۲۷-۲۹، ۳۳-۳۴،
۳۹، ۴۱، ۴۴-۴۵، ۴۷-۵۱، ۵۸، ۸۳، ۸۸،
۱۵۰، ۱۵۷، ۲۰۵ (۷) ۲۷۹، ۳۶۵-۳۶۶،
۲۸۸ (۸) ۲۲، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۴۶، ۷۰۶،
۷۱۶، ۷۳۷ (۹) ۸۱-۸۲، ۲۲۵، ۲۳۷، ۳۴۳،
۳۴۷-۳۴۸، ۳۵۱، ۳۶۱، ۳۷۵، ۵۸۷، ۶۹۲
(۱۰) ۵۹، ۷۰، ۵۰۴، ۶۱۲
ہوازن (۷) ۲۹۴، ۴۲۱، ۶۵۰ (۹) ۵۶، ۴۲۰
ہیروشیما (۹) ۱۶۰

ی

یابان (۱۰) ۶۱۲
یثرب (۵) ۸۱-۸۲، ۹۱، ۹۲، ۹۶-۹۷، ۹۹، ۲۵۳-
۲۵۶، ۲۶۰، ۲۸۱، ۳۴۵-۳۴۷، ۳۵۳، ۳۵۶،
۵۲۳ (۶) ۳۲ (۷) ۲۴۹، ۶۹۱-۶۹۲ (۸) ۲۵۴-
۲۵۵، ۲۸۲، ۲۹۰، ۲۹۳، ۳۳۵، ۳۹۶، ۶۰۵
(۹) ۴۱، ۱۴۶، (۱۰) ۲۷، ۵۴، ۵۷-۵۸، ۶۰-۶۱،
۱۱۹، ۲۱۴، ۲۱۹، ۲۶۷، ۴۱۱، ۴۳۵-۴۳۶،
۴۶۱، ۵۲۶، ۶۱۱، ۶۱۳-۶۱۴، ۶۲۰، ۷۰۲،
۷۰۵، ۷۲۰، ۷۲۲، ۷۳۱، ۷۳۸، ۷۵۲
یحییٰ گنج (۶) ۳۶

یرموک (۶) ۲۲۹ (۷) ۱۳۵، ۱۳۸ – ۱۳۹، ۱۹۵، ۲۴۱،
۳۶۸ – ۳۷۰، ۳۷۹، ۳۹۲، ۴۲۳، ۴۶۱،
۴۶۳ – ۴۶۴، ۷۱۱ (۸) ۱۳۶ (۹) ۵۹۵،
۵۹۹، ۶۷۲ (۱۰) ۱۸۳

یروشلم (۹) ۶۱

یزن (۵) ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۶۹

ینبع (۹) ۲۰۵

یمامہ (۵) ۳۲، ۴۲، ۱۵۳، ۴۵۸، ۵۱۳ – ۵۱۴، ۵۱۶،
۵۹۸، ۶۹۶ – ۶۹۷، ۷۰۷ (۶) ۶۶، ۲۳۸
(۷) ۲۷، ۱۴۴، ۱۵۷، ۱۸۸، ۳۵۲، ۴۵۴،
۶۷۲ (۸) ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۱ – ۱۵۲، ۱۵۷،
۱۶۰، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۷ – ۱۷۸، ۱۹۱، ۱۹۲،
۱۹۷، ۲۰۴، ۲۰۶ (۹) ۵۸۱ – ۵۸۲، ۵۸۷، ۶۰۷

یمن (۵) ۲۴، ۳۰، ۳۲، ۳۵ – ۳۷، ۴۰، ۱۴۰، ۱۴۴،
۱۵۴، ۱۸۲، ۱۹۶ – ۱۹۷، ۲۰۳، ۲۱۳، ۲۲۴،
۲۲۶ – ۲۲۸، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۴۱، ۲۵۷ –
۲۵۸، ۲۶۰، ۲۹۱، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۲۲،
۳۳۲، ۳۸۴، ۳۹۰، ۳۹۴، ۳۹۶ – ۳۹۷،
۵۰۰، ۵۰۴، ۵۰۶، ۵۰۸ – ۵۰۹، ۵۱۵، ۵۱۸،
۵۴۹، ۵۷۶، ۵۹۸، ۶۰۰، ۶۰۹، ۶۱۴، ۶۱۷،
۶۶۴، ۶۶۸، ۶۷۱، ۶۷۴، ۶۷۸، ۶۸۹، ۷۰۷
(۶) ۹، ۱۲، ۱۷، ۶۶ – ۷۵، ۹۳، ۱۲۸ – ۱۲۹،
۲۰۰، ۲۲۸، ۲۶۲، ۳۰۰، ۴۳۲، ۵۰۹، ۶۹۲
(۷) ۵۶، ۷۵، ۸۹، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۸۵، ۲۱۷،
۲۲۹، ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۷۹، ۲۸۷، ۳۲۰، ۳۵۱،
۳۸۴، ۳۹۲، ۴۵۲، ۴۷۲، ۴۹۵، ۵۲۱،
۵۴۱، ۶۸۲، ۷۰۸، ۷۱۴ – ۷۱۶، ۷۱۹ – ۷۲۰،
(۸) ۱۲۷، ۱۴۹، ۱۵۷، ۲۰۰، ۲۲۱، ۳۶۴،
۳۹۳ – ۳۹۶، ۴۱۶، ۴۹۱ (۹) ۵۷، ۱۵۶،
۲۳۴، ۳۵۳ – ۳۵۴، ۳۵۹، ۴۶۰، ۵۴۴ –
۵۴۵، ۵۴۷، ۵۷۵، ۵۷۷، ۵۸۱، ۵۸۶، ۵۹۳،
۶۰۷، ۶۳۷، ۶۷۱، ۶۹۴، ۷۳۶ (۱۰) ۵۵۷، ۷۲۹

ینبع (۸) ۲۲۸، ۳۲۶

ینبوع (۵) ۳۸، ۱۰۸، ۱۱۷، ۲۸۶، ۳۷۱، ۳۹۰ (۸) ۱۱۳، ۲۰۷

یورپ (۵) ۱۷، ۱۹، ۲۱ – ۲۲، ۲۷، ۳۱، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۸۷، ۱۸۹،
۲۲۲، ۳۱۴ – ۳۱۵ (۶) ۴۲، ۵۰، ۵۵، ۲۴۴ (۸) ۲۲۹،
۲۷۴، ۲۷۷ (۹) ۴۶، ۲۹۹، ۲۹۸، ۳۰۲ – ۳۰۳، ۳۲۵،
۲۹۱، ۲۷۱، ۵۵۹ (۱۰) ۶۱۲

یوگوسلاویہ (۹) ۳۶۱

یونان (۵) ۱۷، ۲۲، ۲۶، ۳۳، ۱۸۷، ۲۴۲ (۶) ۵۴ (۸) ۲۱۵،
۲۲۹، ۳۹۴، ۷۰۶، ۷۲۹، ۷۳۷ (۹) ۸۱، ۳۴۲، ۶۸۲
(۱۰) ۵۰۴، ۶۱۶

کُتب

ا

آثار السنن : شوق نیموی (۶) ۴۲

آثارِ مدینہ منورّہ : عبدالقدوس انصاری (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۸۷

آداب المریدین (۱۰) ۹۸

آرائش محفل : میر شیر علی افسوس (۱۰) ۳۸، ۳۹

آفتاب صحرا : نذر الاسلام (۱۰) ۵۴۱

آفتابِ نبوت : محمد طیب (۹) ۹

آں خنک شہرے : صائم چشتی (۱۰) ۱۹۰

آہ سحرگاہی : بیگم نصرت عبدالرشید (۱۰) ۱۹۱

آہنگِ حجاز : افضل حق (۱۰) ۱۲، ۲۶، ۳۶، ۱۹۰

آئینۂ پیغمبر : حافظ پیلی بھیتی (۱۰) ۱۸۵

آئینۂ نعت (۱۰) ۹۷

ابجد العلوم : صدیق حسن خاں (۶) ۱۵، ۲۸

ابطال FIEROES : کارلائل (۷) ۲۲۲

ابوبکر صدیق اکبر : محمد حسین ہیکل (۷)، ۲۱۷، ۲۲۲

اتحاف البریۃ بمنتقی السیرۃ الحلبیہ : تاج الدین مرفوق نابلسی شافعی م ۱۱۵۵ھ (۹) ۱۰۲

اتحاف النبلاء : صدیق حسن خاں (۶) ۱۷

الاتقان فی علوم القرآن : جلال الدین السیوطی (۵)، ۳۲۵، ۳۳۵ (۶) ۴۰ (۸) ۴۰۸، ۴۱۰، ۵۶۸، ۶۸۵

اتحفۂ دید (۹) ۲۶-۲۷

اثبات الجز : عبدالستار حسن عمرلوری، م ۱۳۲۴ھ (۶) ۲۰۲

احسن التفاسیر (۶) ۴۵

احسن تقویم : عبدالکریم ثمر (۱۰) ۱۹۰

الاحکام : ابن حزم اندلسی (۶) ۲۰۳

احکام السلطانیہ : ماوردی (۵) ۲۱۲، ۲۲۷-۲۲۸، ۳۱۰، ۳۲۵، ۳۳۸

احکام القرآن : ابوبکر جصاص (۵) ۳۲۱، ۳۳۵

احوال الامامہ : المسعودی (۹) ۷۳

احیاء العلوم : امام غزالی (۶) ۱۰، ۲۰۳ (۸) ۳۴۰، ۳۶۵، ۵۵۰

اخبار الاخیار : عبدالحق محدث دہلوی (۶) ۱۳-۱۴، ۱۶-۱۷، ۲۰، ۲۳، ۲۵

اخبار الدول (۷) ۲۳

اخبار الزمان فی اِبادۃ الحدثان : المسعودی (۹) ۷۳-۷۴

اخبار الزمان و اخبار الملوک : المسعودی (۹) ۸۲

اخبار الطوال : ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدینوری (۵) ۲۳۴-۲۳۵، ۲۳۷، ۲۴۰،

الاخبار المرویۃ فی سیرۃ خیر البریہ : نامعلوم (۹) ۹۶

اخبار المرضیہ فی سیرۃ خیر البریۃ : احمد بن احمد حاتمی فیومی (۹) ۱۰۳

اخبار مکہ وما جاء فیہا من الآثار : ابوالولید محمد بن عبداللہ بن الازرقی (۵) ۲۴۲، ۳۲۶، ۶۲۲

اختر شیرانی اور جدید اردو ادب : ڈاکٹر یونس حسنی (۱۰) ۱۶

ادب الحدیث النبوی : بکری شیخ امین (۸) ۳۶۰، ۳۷۲، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۳، ۵۶۰

الادب العربی و تاریخہ (۸) ۳۵۸

ادبی نقوش : شاہ معین احمد ندوی (۱۰) ۲۷

اذان بت کدہ، مرتبہ محمد دین ذوق : دلارام کوثری (۱۰) ۱۸۶

اذکار شوق : ممتاز احمد ممتاز تھانوی (۱۰) ۱۸۵

اربعین : امام نووی (۶) ۳۵

اربعین : شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (۶) ۲۸

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (۵) ۲۵۷، ۳۴۰

اُردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر : اے۔ ڈی نسیم (مقالہ) (۱۰) ۲۵، ۱۳۱

اردو شعراء پر تنقیدیں : اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی (۱۰) ۲۱

اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصّہ : عبدالحق (۱۰) ۱۶۹

اردو کی قدیم منظوم داستانیں : خلیل الرحمٰن داؤدی (مرتب) (۱۰) ۱۵

اُردو کی نعتیہ شاعری : اشفاق احمد (۱۰) ۳۶

اُردو کی نعتیہ شاعری : طلحہ رضوی برق (۱۰) ۱۹۲

اُردو کی نعتیہ شاعری : سید رفیع الدین اشفاق (۱۰) ۱۸، ۵۳-۱۹۲

اُردو کی نعتیہ شاعری : فرمان فتح پوری (۱۰) ۱۶، ۲۵، ۴۴، ۱۸۰، ۱۹۲

اُردو میں نعتیہ شاعری : اشفاق احمد (۱۰) ۲۷، ۴۲، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۰

اُردو میں نعتیہ شاعری : رفیع الدین اشفاق (۱۰) ۱۷۰، ۱۷۴

اُردو نعت : مقبول بیگ بدخشانی (۱۰) ۱۶

اُردو نعت (مقالہ پی ایچ ڈی) : ریاض مجید (۱۰) ۱۶۹، ۱۷۴، ۱۸۰، ۱۸۴، ۱۹۲

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری : قسطلانی (۶) ۲۲ (۸) ۷۴

ارض القرآن : سلیمان ندوی (۵) ۳۱، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۳-۲۵۵، ۳۱۰، ۳۳۹، (۸) ۳۹۴

ارکان اربعہ : عبدالعلی بحر العلوم (۶) ۳۹

ارمغان حرم : اقبال سہیل (۱۰) ۱۸۷

ارمغان حرم : راسخ عرفانی (۱۰) ۱۸۹

ارمغان حرم : سکندر لکھنوی (۱۰) ۱۸۹

ارمغان عقیدت : منظور حسین منظور (۱۰) ۱۸۹

ارمغان نعت : ساجد صدیقی (مرتب) (۱۰) ۱۸۶

ارمغان نعت : شفیق بریلوی (۱۰) ۲۸، ۳۸، ۱۷۸، ۱۸۶

ارمغان نور : نور الحسن چشتی (۱۰) ۱۹۱

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء : شاہ ولی اللہ دہلوی (۶) ۳۲، ۱۴۶، ۱۶۴، ۱۷۳ (۷) ۲۷۵ (۹) ۵۷۲، ۶۰۵، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۱۷، ۶۲۳، ۶۳۵، ۷۱۳

اُس قدم کے نشان : ادیب رائے پوری (۱۰) ۱۹۰

اساس البلاغہ : زمخشری (۵) ۲۷۶، ۳۲۹
الاستذکار لمانی سالف الاعصار : المسعودی (۹) ۱۷
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب : ابن عبدالبر، م ۴۶۳ھ (۵)
۲۴۳، ۲۷۱، ۳۲۲، ۳۳۵، ۴۹۷، ۵۸۹-
۵۹۰ (۷) ۱۳۴-۱۳۶-۱۳۹، ۱۴۱-۱۴۴،
۱۴۶-۱۴۸، ۱۵۰-۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۷-۱۵۸
۱۶۰، ۱۶۷، ۱۷۰-۱۷۴، ۱۷۶-۱۷۷، ۱۷۹-
۱۸۹، ۱۹۴-۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۷-۲۰۹
۲۱۳، ۲۱۷-۲۱۹، ۲۳۵ (۸) ۱۵۳ (۹) ۲۴۳،
۶۱۲، ۶۲۱
اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ : ابن الاثیر، م ۶۳۰ھ (۵)
۴۵۲، ۴۶۴، ۵۴۳، ۵۵۹، ۵۶۴-۵۶۵، ۵۷۰،
۵۹۲، ۵۹۴، ۵۹۹، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۱۵، ۶۱۷،
۶۳۰، ۶۴۷، ۶۷۸، ۶۸۴، ۶۸۸، ۶۹۹، ۷۱۶
۷۱۷، ۷۲۱، ۷۴۳ (۶) ۱۲۵، ۱۴۲، ۲۲۸، ۲۳۵،
۲۴۰، ۲۴۳ (۷) ۱۳۴، ۱۳۶-۱۴۴، ۱۴۶،
۱۵۰، ۱۵۴-۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۲-۱۶۳، ۱۶۶،
۱۷۱-۱۷۳، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۷-۱۸۸،
۱۹۵، ۱۹۹-۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۵-۲۰۹، ۲۱۵-
۲۱۹، ۴۶۷، ۷۳۲
اسرار النجوم (۹) ۲۸۵
اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و فضائل اہل بیت الطاہرین:
ابوالوفاء محمد بن علی الصبان م ۱۲۰۶ھ (۹) ۱۰۳
اسلام اور عربی تمدن : معین الدین ندوی (۵) ۳۴۰
اسلام اور عقلیات : اشرف علی تھانوی (۹) ۳۶۵
اسلام کا نظامِ حکومت : حامد الانصاری غازی (۵) ۱۵، ۳۲۱،
۳۳۰، ۳۴۰
اسلام کے معاشی نظریات : یوسف الدین (۵) ۳۲۷-۳۲۸، ۳۴۰
الاسلام والحضارۃ العربیۃ، ترجمہ از شاہ معین الدین احمد ندوی:
کرد علی (۵) ۳۳۲
اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی :
ابوالاعلیٰ مودودی (۵) ۲۴۵-۲۴۶، ۳۴۰
اسلامی حدود (۷) ۵۰۵
اسلامی ریاست : ابوالاعلیٰ مودودی (۵) ۳۱۴، ۳۱۸، ۳۴۰
اسلامی معاشیات : مناظر احسن گیلانی (۹) ۲۵۱
الاسماء فی تحقیق الدعاء : عبدالحلیم (۶) ۴۱
اشعۃ اللمعات : عبدالحق محدث دہلوی (۶) ۲۰، ۴۰، ۳۲۵
اشکال التاسیس : محمد بن اشرف سمرقندی (۸) ۵۳۴
الاصابہ فی تمییز الصحابہ : ابن حجر العسقلانی (۵) ۲۶۳، ۳۲۶،
۳۳۵، ۶۷۸ (۶) ۷۱، ۷۵، ۸۲، ۱۱۰، ۲۰۱،
۲۳۴، ۲۲۴، ۲۳۸ (۷) ۲۳، ۱۳۴-۱۳۶،
۱۳۸-۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۶-
۱۵۹، ۱۶۱-۱۶۲، ۱۶۵-۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۷۳
۱۷۷-۱۸۰، ۱۸۳-۱۸۹، ۱۹۲، ۱۹۴-۱۹۹،
۲۰۳-۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۱-۲۱۲، ۲۱۵-۲۱۶،
۲۱۸، ۲۲۰، ۴۴۱، ۴۶۹، ۴۶۷، ۴۷۲، ۶۰۶
(۹) ۲۰۷، ۶۱۲، ۶۲۴
اصح السیر : عبدالرؤف داناپوری (۷) ۴۵۰، (۹) ۲۶۷
اصول اقلیدس : عربی ترجمہ از اسحاق بن حنین (۸) ۵۳۴
اصول اقلیدس، عربی ترجمہ از ثابت بن قرہ (۸) ۵۳۴-۵۳۵
اصول قانون : سائمنڈ (۶) ۱۳۴
اضواء علی السنۃ المحمدیہ : ابوریۃ (۶) ۲۳۶

اظہار الحق : رحمۃ اللہ الہندی (۶) ۱۷۲

الاعتذار الی محمد والقرآن : جان ڈیون پورٹ (۷) ۲۲۷

اعجاز احمدی ، نوازش علی شیدا (۱۰) ۱۷۵

اعجاز اسلام یا عمود مادیہ (۱۰) ۹۷

اعجاز سیرت : محمد ذکی (۹) ۳۲۲

اعجاز القرآن : ابوبکر الباقلانی (۸) ۲۲، ۳۷۵، ۳۷۶،

اعجاز القرآن : ابوعبداللہ محمد بن یزید الواسطی (۸) ۴۰۸، ۴۰۸

اعجاز قرآن : فخر الدین رازی (۸) ۴۰۸

اعجاز القرآن : مصطفےٰ صادق الرافعی (۸) ۳۵۳-۳۵۴، ۳۸۶

۳۹۰، ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۱-۴۱۲، ۵۵۱

اعجاز مصطفےٰ : اعجاز رحمانی (۹) ۱۰۰

اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین : ابن طولون

(۵) ۳۰۰، ۳۳۷

اعلام الموقعین : ابن قیم (۵) ۳۲۵ (۶) ۲۰۳، ۲۱۰

اعلام النبوۃ : ابوالحسن الماوردی (۸) ۳۶۴، ۵۶۳-۵۶۴

الاعلان بالتوبیخ لمن ذم لاہل التاریخ : سخاوی (۹) ۵۲-۵۳،

۶۳

اغصان اربعہ : (۶) ۴۰-۴۱

افضل الفوائد : امیر خسرو دہلوی (۶) ۲۴

اقرأ : صبا اختر (۱۰) ۱۹۱

افسان : (۹) ۸۲ الف لیلہ ولیلہ (۹) ۸۲

الفیہ العراقی فی السیرۃ : زین الدین عبدالرحیم بن الحسین

الالمام بالروض وسیرۃ ابن ہشام الملقب بجلاء الافکار بسیرۃ المختار:

ابوالفتح محمد بن ابراہیم بن محمد بن مقبل ..... م ۹۳۷ھ

(۹) ۹۸

امریکن پیپلز انسائیکلوپیڈیا (۹) ۲۸۱

الامصار : جاحظ (۹) ۷۵

امتاع الاسماع بما للرسول من الانباء والاموال والحفدۃ والمتاع:

تقی الدین احمد المقریزی (۵) ۲۷۹، ۳۳۸

انجاح الحاجہ : شاہ عبدالغنی مجددی (۶) ۳۷

انجام محبت (۱۰) ۹۸

انجیل (۵) ۲۴۹، ۳۲۵، ۶۲۸ (۶) ۳۰۸، ۷۳۷ (۷) ۱۲۵،

۳۵۳ (۸) ۲۱۱، ۳۹۳، ۳۹۹، ۶۴۹، ۷۱۲، ۷۱۵

(۹) ۴۵-۴۸، ۲۹۷ (۱۰) ۳۲۲، ۵۲۲، ۵۴۳

-۵۵۴

انجیل برناباس : ترجمہ آسی ضیائی (۹) ۴۹، ۵۰

انحطاط اور زوال : گبن (۹) ۳۵۵

انساب الاشراف : البلاذری (۵) ۸۲-۸۳، ۲۶۲ —

۲۶۳، ۲۶۵ — ۲۶۷، ۴۰۷، ۴۶۸ — ۴۶۹،

۴۷۵، ۴۸۸، ۵۱۴، ۵۳۴، ۵۹۴، ۶۰۰، ۶۰۷،

۶۱۲، ۶۱۵، ۶۱۹، ۶۲۲، ۶۲۸، ۶۴۷-۶۴۸،

۶۶۸، ۶۷۷، ۶۸۸ (۷) ۲۰، ۱۴۶ (۹) ۵۳،

۶۳-۶۴، ۶۹-۷۰

انسان العین : شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۶) ۲۹، ۳۲

انسان کامل : ڈاکٹر علوی (۷) ۵۹۹

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر : ابوالحسن علی ندوی

(۵) ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۳۴۰

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۹) ۶۳، ۱۰۰

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا (۸) ۲۲۷

انصاف، شاہ ولی اللہ دہلوی (۶) ۱۵۰

انقلاب نیم تاریکی (۱۰) ۹۸

انوار احمدی : محمد صاحب لدھیانوی (۱۰) ۲۳

انوارِ طیبہ : بیدل جبل پوری (۱۰) ۱۹۱
انوارِ عقیدت : اختر الحامدی (۱۰) ۱۹۰
انوارِ محمدیہ فی سیرۃ المصطفویہ : محمد ضیاء اللہ قادری
(۱۰) ۱۹
انوار و مفتاح السرور والافکار فی مولد النبی المختار : ابو الحسن
احمد بن عبد اللہ البکری م بعد ۶۹۴ھ
(۹) ۸۹، ۹۰
اوجز السیر لخیر البشر : ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا قزوینی
(۹) ۸۶
الاوسط : المسعودی (۹) ۸۲
اوقات صرف و نحو : کفایت علی کافی (۱۰) ۱۷۸
اہلِ کتاب صحابہ و تابعین : مجیب اللہ ندوی
(۵) ۲۵۸ تا ۲۵۹، ۳۴۰
ایام العرب فی الجاہلیہ : محمد احمد جاد، علی محمد البجاوی اور محمد
ابو الفضل ابراہیم (۵) ۲۶۰، ۳۳۱، ۳۳۸
ایران کی شہزادی (۱۰) ۹۸
ایقاد المصابیح فی صلوٰۃ التراویح : عبد الحلیم (۶) ۴۱
ایضاح المکنون (۹) ۱۰۳، ۱۰۸
اینوریل : ہیزل (۶) ۵۵

ب

بابِ جبریل : حافظ مظہر الدین (۱۰) ۱۸۹
بابِ حرم : مظفر وارثی (۱۰) ۱۹۰
باغ فردوس المعروف گلزار رضوی : ایوب علی رضوی
(۱۰) ۱۸۵
باغ کلام اکبر : صوفی محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی (۱۰) ۱۸۵
بالِ جبریل : علامہ محمد اقبال (۱۰) ۱۷
بامِ عرش : سید منظور احمد مہجور (۱۰) ۱۹، ۲۴، ۳۴، ۳۷
بانت سعاد : کعب بن زہیر (۹) ۴۲۲
بانگِ درا : علامہ محمد اقبال (۱۰) ۱۷
بائبل (۶) ۱۶۸ (۹) ۳۶، ۳۰۷
بائیسکل کا شوقین (۱۰) ۹۸
بحر المعانی : محمد بن مجتبیٰ مہدوی (۱۰) ۱۷۵
بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد : ابن رشد القرطبی
(۵) ۳۲۷، ۳۳۶۔
البدایۃ والنہایۃ : ابن کثیر (۵) ۲۹۹، ۳۲۷ (۶) ۲۱۰ (۷)
۱۳۵، ۱۳۷ – ۱۳۸، ۱۴۱ – ۱۴۲، ۱۵۰ – ۱۵۲، ۱۵۴
۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۴، ۱۷۲ – ۱۷۳، ۱۷۷ – ۱۷۹
۱۸۱ – ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۶ – ۱۸۸، ۶۰۴ – ۶۰۵
(۸) ۶۰۱، ۶۰۳، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۵، ۶۱۸،
۶۲۱، ۶۲۵ (۹) ۱۰۹، ۳۹۹
بحار الانوار : مجلسی (۷) ۷۲۶ – ۷۲۷ – ۷۴۰، ۷۴۸
بحضورِ سرورِ کائنات : اثر صہبائی (۱۰) ۱۸۹
بدر النساء کی مصیبت (۱۰) ۹۸
بزمِ ایمان کلاں (۱۰) ۹۷
بزمِ طرب : کنور اندر سہائے سکینہ علم بدایونی (مرتب) (۱۰)
۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۱،
بزمِ میلاد کلاں (۱۰) ۹۷
بستانِ حرم : حمید صدیقی (۱۰) ۱۸۷
بستان المحدثین : شاہ عبد العزیز (۶) ۳۴
بعد از خدا : طفیل دارا (۱۰) ۱۹۰
بغلی گھونسا (۱۰) ۹۸
بلاغِ مبین : حفظ الرحمان سیوہاروی (۷) ۱۴۳

بلوغ الارب فی احوال العرب : محمود شکری آلوسی
(۵) ۲۲۹، ۳۳۶
بلوغ المرام : ابن حجر (۶)، ۲۰۵
بوستان نعت : سیف کلانوری (مرتب)، (۱۰)، ۱۸۶
بہار احمدی : احمد حسین احمد عشق قادری (۱۰)، ۱۸۵
بہجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل فی تلخیص السیر والمعجزات والشمائل :
ابوزکریا عماد الدین یحییٰ بن ابی بکر عامری تہامی م ۸۹۳ھ
(۷) ۱۷۷، ۱۸۳ (۹) ۹۸
بہشت بریں (۱۰) ۹۸
بھگوت گیتا (۹)، ۲۷
بے مثال : عارف عبدالمتین (۱۰)، ۱۹۱
البیان فی اسماء الائمہ (۹)، ۴۳
بیان القرآن : اشرف علی تھانوی (مترجم) (۵)، ۶۲۷
(۶) ۵۷۳
البیان والتبیین : جاحظ (۸) ۳۲۸، ۳۴۰، ۳۴۳-
۳۴۴، ۳۴۷-۳۴۹، ۳۵۵، ۳۵۸-
۳۵۹، ۳۶۱-۳۶۲، ۳۶۶، ۳۷۰-۳۷۲،
۵۴۹-۵۵۰، ۵۵۲-۵۵۶، ۵۶۲-

پ

پرشین لٹریچر : اسٹوری (۹)، ۸۵، ۱۰۵
پرنس (بادشاہ)، ترجمہ از محمود حسین : میکیاولی
(۵) ۲۷۸، ۳۴۰
(دی) پریچنگ آف اسلام (دعوتِ اسلام)، اردو ترجمہ از
محمد عنایت اللہ دہلوی : سر تھامس آرنلڈ (۵)، ۸۹،
۱۱۱، ۲۷۳، ۲۸۰، ۳۳۹
پنجاب میں اُردو : محمود شیرانی (۱۰)، ۱۴۳
پوتھی رامسنگورام : بیاسی جی مترجمہ تلسی داس (۹)، ۲۹
پھول بن : ابن نشاطی (۱۰)، ۱۷۱
پھول حمد و نعت : طالب حسین طالب (۱۰)، ۱۹۱
پھولوں کا ہار عرف مدینے کی بہار : میاں فیاض الدین
(۱۰) ۵۶
پہلی کرن آخری روشنی : اعجاز رحمانی (۱۰)، ۱۹۰
پیر مغاں (۱۰)، ۹۸
پیراہن یوسفی (۱۰)، ۹۸، ۳۸
پری پیکر (۱۰)، ۹۸
پیغمبر اعظم : طاہر ادوبی (۹)، ۳۹

ت

التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول : منصور علی ناصف
(۵) ۳۲۹، ۳۳۶
تاج العروس : محمد مرتضیٰ الزبیدی (۱۰)، ۹، (۱۰)
۱۱، ۱۲
تاجدار مدینہ : صوفی برکت علی (۱۰)، ۱۹۱
تاریخ : ابن خلدون (۵)، ۲۱، ۲۲-۲۴، ۶۹، ۲۳۱،
۲۳۳-۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۹-۲۴۰، ۲۴۳،
۲۵۷-۲۵۸، ۲۶۴، ۲۷۱، ۳۳۷، ۵۱۴، ۵۴۱،
۵۶۵، ۶۱۵ (۶) ۱۸۵ (۷) ۴۵۵، ۴۶۰
(۹) ۷۷-۷۸، ۵۲۲
تاریخ : خلیفہ (۷)، ۱۳۴، ۱۳۸-۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۸،
۱۷۳، ۱۷۹، ۱۸۶
تاریخ : فرشتہ (۶)، ۲۳-۲۴، ۴۹
تاریخ : یعقوبی (۵)، ۲۶۴، ۳۰۲ (۷)، ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۴۸،
۱۵۰، ۱۶۱، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۸۱، ۱۸۳، ۱۸۶-۱۸۸

۷۲۸، ۷۳۱ (۹)، ۶۱، ۷۰، ۶۶۸ - ۶۶۹

تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ : جرجی زیدان (۹)، ۷۱ - ۷۲

تاریخ ادب اردو : ڈاکٹر جمیل جالبی (۱۰)، ۱۹۲

تاریخ آداب العرب (۸)، ۱۴۱

تاریخ الادب العربی : احمد حسن زیات (۸)، ۳۸۳

تاریخ الادب العربی بروکلمان (۹)، ۷۳ - ۷۴ -

۸۳، ۸۴، ۸۶ - ۹۰، ۹۲ - ۹۳، ۹۹، ۱۰۰

۱۰۲ - ۱۰۳

تاریخ الادب العربی (ذیل ۱) بروکلمان (۹)، ۱۰۶

تاریخ الادب العربی (ذیل ۲) : بروکلمان (۲)، ۹، ۱۰۷ - ۱۰۸

تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید : ترجمہ سید وہاج الدین احمد کنتوری - ایڈورڈ جی براؤن (۱۰)، ۱۵۹

تاریخ اسلام : معین الدین ندوی (۷)، ۲۵۹، ۲۶۲،

۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۱، ۲۸۴ - ۲۸۵، ۲۹۲،

۲۹۶، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۵۴ - ۳۵۶

۳۶۲، ۳۶۷، ۳۷۰ - ۳۷۱، ۳۷۶، ۳۸۰ -

۳۸۱، ۳۸۳ - ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۴ - ۳۹۵

۳۹۸، ۴۰۴، ۴۵۸ - ۴۵۹، ۴۶۲، ۴۶۶،

۴۶۷ -

تاریخ اسلام (منظوم) : سید منیر علی جعفری (۲)، ۱۸۹

تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام : الذہبی (۵)، ۲۶۴،

۳۳۸ (۶)، ۳۳۷ - ۳۳۸

تاریخ الامم : علی بن حمزہ اصفہانی (۵)، ۲۳۳

تاریخ اندلس : ریاست علی ندوی (۵)، ۲۳۷

تاریخ اندلس : ترجمہ از محمد خلیل الرحمٰن : ایس۔پی سکاٹ (۵)،

۲۲۳، ۳۳۹

تاریخ ایران قدیم : ڈاکٹر غلام سرور (۵)، ۲۳۵

تاریخ بابل : ولیم راجرس (۸)، ۳۹۴

تاریخ بغداد : خطیب بغدادی (۵)، ۳۲۲، ۳۳۷ (۶)، ۸۷،

۸۹ - ۹۰، ۹۴، ۹۸، ۱۰۰ - ۱۰۱، ۱۲۴، ۱۹۹

تاریخ بنو سلیم (۸)، ۳۳۵

تاریخ تدوین حدیث : عبدالسلام قدوائی ندوی (۶)، ۲۳۹

تاریخ التراث الاسلامی : فواد سزکین (۹)، ۸۴ - ۸۵، ۹۳،

۹۸، ۱۰۵، ۱۰۷ - ۱۰۸

تاریخ التمدن الاسلامی : جرجی زیدان (۵)، ۳۲۹، ۳۳۷

تاریخ تہذیب : ترجمہ از غلام رسول مہر : کرین برنٹن، جان بی کرسٹوفر، رابرٹ ایل ولف (۵)، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۴۰

تاریخ الخلفاء : جلال الدین السیوطی (۷)، ۲۹۷، ۳۰۳، ۴۵۵،

(۸)، ۱۲۸، ۹۰، ۶۰۸، ۶۱۱ - ۶۱۲، ۶۱۶، ۶۲۳

۶۳۱ -

تاریخ الخمیس : دیار بکری (۷)، ۱۹۹، ۲۰۳

تاریخ دمشق : ابن عساکر (۶)، ۱۰۲

تاریخ دمشق : علی بن حسن حبۃ اللہ (۶)، ۲۳۶

تاریخ الرسل والملوک : ابن جریر الطبری م ۳۱۰ھ (۵)، ۱۵۰،

۲۲۸، ۲۳۳ - ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۵۱، ۲۶۳،

۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۹، ۲۸۷ - ۲۹۰، ۲۹۲ -

۲۹۷، ۲۹۹ - ۳۰۱، ۳۲۰ - ۳۲۳، ۳۲۸،

۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۸، ۳۶۶ - ۳۶۷، ۳۹۹،

۴۱۳، ۴۵۲، ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۹۷، ۵۰۰، ۵۱۴،

۵۱۸، ۵۴۳، ۵۵۶، ۵۶۲، ۵۶۵، ۵۸۳،

۵۸۹، ۵۹۹ - ۶۰۰، ۶۱۵ - ۶۱۷، ۶۲۸،

۶۴۸، ۶۶۰، ۶۷۰، ۶۷۳، ۶۷۷، ۶۷۸، ۷۰۶ -

۷۰۷، ۷۱۳، ۷۲۳ (۶) ۱۹۹ (۷) ۲۰، ۲۲، ۲۷،
۳۱، ۳۳، ۴۰، ۴۸، ۵۷، ۶۳، ۶۹، ۷۹
۱۳۳، ۱۴۱ - ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۶۶ — ۱۶۷، ۱۷۶
۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۵ — ۱۹۶،
۲۵۶، ۲۶۰، ۲۷۲، ۲۷۵ — ۲۷۶،
۲۷۹، ۲۸۱، ۲۱۸، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۶۰،
۳۶۴، ۳۹۱، ۴۳۲، ۴۶۰، ۴۶۴ - ۴۶۵،
۵۰۹، ۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۲ — ۵۳۳، ۵۳۷،
۵۳۹، ۵۴۱، ۵۹۹، ۶۰۳ — ۶۰۵، ۶۴۹
(۸) ۲۰، ۹۰، ۱۶۳، ۲۸۸، ۳۳۵، ۴۲۹ —
۴۳۰ (۹) ۵۳، ۶۰، ۶۳ — ۶۹، ۷۹،
۱۱۵، ۳۲۶، ۳۹۹، ۵۸۲، ۵۸۴، ۵۸۹،
۶۹۱ — ۶۹۲

تاریخ سلطنت روما، ترجمہ از ہاشمی فرید آبادی جے۔بی۔
بیوری (۵) ۲۳۱، ۳۳۹

تاریخ صحافت اُردو : امداد صابری (۱۰) ۹۳

تاریخ علمائے ہند: (۶) ۸، ۱۰، ۱۴،
۱۵، ۲۱، ۲۹، ۳۲

تاریخ فی احوال الرجال : یحییٰ بن معین (۸) ۴۸۵، ۵۱۴

(التاریخ فی) اخبار الامم من العرب والعجم :
المسعودی (۹) ۷۳

تاریخ فیروز شاہی : برنی (۶) ۱۱

تاریخ القرآن : عبدالصبور شاہین (۷) ۱۷۴

تاریخ القرآن : محمد اسلم جیراجپوری (۶) ۲۱۳

تاریخ الکبیر: بخاری (۵) ۵۹۲ (۹) ۲۳۴ (۷) ۱۴۹،
۱۵۶ (۹) ۶۸، ۷۰

تاویل مختلف الحدیث : ابن قتیبہ (۶) ۱۹۴—۲۴۲

تاریخ مدینہ وجدہ (۸) ۳۳۵

تاریخ مکہ : ازرقی (۹) ۲۶۳

تاریخ یورپ : ترجمہ از عبدالماجد وغیرہ۔ الیو تقیچر
(۵) ۳۳۹ -

تجارب الامم : ابن مسکویہ (۷) ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۰ -
۱۴۱، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۳،
۱۶۶، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱ — ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۸۹

تجرید للصحاح الستہ : رزین (۶) ۲۸۱، ۲۸۹ — ۲۹۰،
۳۱۹، ۳۲۴، ۳۴۱، ۳۵۰، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۳۹،
۴۷۸، ۴۹۳ — ۴۹۴، ۵۰۷، ۵۵۲، ۵۵۹،
۵۶۹، ۵۹۰ — ۵۹۱، ۶۰۹، ۶۱۱، ۶۲۲، ۶۲۴،
۶۲۸، ۶۳۹، ۶۴۵ — ۶۴۶، ۶۴۸، ۶۵۵،
۶۵۹، ۶۸۹، ۷۰۱، ۷۰۴، ۷۸۱، ۷۹۱ -

تجلیات : حافظ مظہر الدین (۱۰) ۱۸۹

تجلیات نعت : ضیاء القادری (۱۰) ۱۸۷

تجلیات شمس : شمس پینسوی (۱۰) ۱۹۰

تحائف اشرفی : علی حسین اشرفی (۱۰) ۱۸۵

تحفۂ خیر نخبہ : خدا (۱۰) ۹۷

تحفۂ سبحانی ترجمہ اردو فتح الربانی والفیض الرحمانی ملفوظات حضرت
غوث صمدانی (۱۰) ۹۸

تحریر اصول اقلیدس : محقق طوسی (مرتب) (۸) ۵۳۴

تحریر فی الاصول : ابن ہمام (۶) ۳۹ — ۴۰

تحفۂ اثنا عشریہ : شاہ عبدالعزیز (۶) ۳۴

تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف : حافظ مزی (۶) ۲۰۲

تحفۃ الفضلاء معروف بہ تاریخ علمائے ہند (۶)، ۱۵
التحفۃ النظیفۃ فی بیان سیرۃ الشریفۃ : علاء الدین ابو الحسن علی بن السیفی (۹)، ۱۰۳
تحفۃ العالم فی اخبار سید ولد آدم : عبدالقادر بن مصطفیٰ بن سعید ... البیرونی الحسنی (۹)؟ ۱۰۴
التحفۃ المرسلہ الی النبی : شاہ محمد بن فضل اللہ (۶)، ۱۷
تحقیقات اسلامیہ (۶)، ۲۴۰ — ۲۴۲
تخریج احادیث : ملا علی قاری (۶)، ۱۹
تدریب : جلال الدین سیوطی (۶)، ۱۰۶ — ۱۰۷، ۱۲۴
تدوین حدیث : مناظر احسن گیلانی (۶)، ۲۰۳، ۳۹۹؛ (۷)، ۵۹۹
تذکرۂ اردو مخطوطات : ہاشمی (۱۰)، ۱۷۴
تذکرۃ الاولیا : شیخ عین الدین بیجاپوری (۶)، ۲۳
تذکرۃ الحفاظ : ذہبی (۶)، ۸۶، ۸۸ — ۸۹، ۹۲ — ۹۵، ۹۹، ۱۴۵، ۱۶۱ — ۱۶۲، ۱۹۵، ۲۰۰ — ۲۰۱، ۲۱۳ — ۲۱۴، ۲۳۲، ۲۳۶ — ۲۳۸، ۲۶۲؛ (۷)، ۱۳۶
تذکرہ شعرائے کشمیر (۱۰)، ۱۵
تذکرۃ الشہداء (۱۰)، ۹۸
تذکرہ صابریہ : منشی حافظ اللہ صاحب (۱۰)، ۹۷
تذکرۂ عندلیبان ریاض رسول : نظیر لودھیانوی (۱۰)، ۱۷۸
تذکرہ علمائے ہند (۶)، ۳۰، ۳۶، ۳۸
تذکرہ علمائے فرنگی محل (۶)، ۳۹
تذکرۃ الموضوعات : محمد طاہر فتنی (۶)، ۱۷
تذکرۃ الموضوعات : ملا علی قاری (۶)، ۱۹
التراتیب الاداریہ : کتانی الفاسی (۵)، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۳۴، ۳۲۶ — ۳۲۷، ۳۳۰ — ۳۳۲، ۳۳۸

۴۰۶، ۴۳۰؛ ۵۹۱، ۵۹۶، ۶۰۰، ۶۲۲، ۶۳۱، ۶۶۶، ۶۸۳ — ۶۸۴، ۶۸۸، ۶۹۱، ۷۱۰، ۷۲۱؛ (۶)، ۹۱، ۱۰۵، ۱۸۹ — ۱۹۰؛ (۷)، ۶۰۳
ترتیل : سید اختر حسین اختر (۱۰)، ۱۸۹
ترجمان السنۃ : بدر عالم میرٹھی (۷)، ۲۴، ۲۹، ۳۴، ۳۶، ۴۰، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۱، ۷۳ — ۷۴، ۸۹، ۹۱ — ۹۲، ۹۷، ۱۰۱، ۱۳۳؛ (۹)، ۳۱۹ — ۳۲۰، ۳۲۷
ترجمان القرآن : ابو الکلام آزاد (۷)، ۵۹۹
ترغیب و ترہیب : طبرانی (۷)، ۸۷، ۹۸ — ۹۹، ۱۰۱
تسبیح رعنا : رعنا اکبر آبادی (۱۰)، ۱۹۰
تسکین روح : سکندر لکھنوی (۱۰)، ۱۸۹
التشریع فی الاسلام : صبحی المحمصانی (۵)، ۳۳۶
تصویر کمال محبت : ادیب رائے پوری (۱۰)، ۱۹۰
تعبیر المنبہ : ابن حجر (۶)، ۲۰۲
تعلیقات السندی علی البخاری (۶)، ۲۰۸
تفریح الاذکیا فی احوال الانبیا (۱۰)، ۹۸
تفسیر : جصاص (۶)، ۱۳۳، ۱۵۱
تفسیر درمنثور : سیوطی (۷)، ۵۴۴
تفسیر : طبری (۷)، ۱۵۹؛ (۸)، ۶۹۲
تفسیر القرآن : تستری (۸)، ۶۹۸ — ۷۰۱
تفسیر قرآن : قرطبی (۵)، ۵۸۹
تفسیر القرآن العظیم : ابن کثیر دمشقی (۵)، ۸۲، ۱۹۷، ۲۵۲، ۲۶۶، ۳۲۰ — ۳۲۱، ۳۳۵؛ (۷) ۱۵۹؛ (۸)، ۳۳۵؛ (۹)، ۲۸۵
تفسیر قرآن مجید : یعقوب صرفی (۶)، ۱۵

تفسیر کشاف : ابوالقاسم محمود زمخشری (۱۰) ۱۳۹
تفسیر مظہری : محمد ثناء اللہ پانی پتی (۵) ۳۲۰، ۳۳۵
تفسیر نیشاپوری (۱۰) ۱۹
تفہیم القرآن : ابوالاعلیٰ مودودی (۵) ۱۴۴، ۲۴۸، ۲۵۵،
۲۵۸—۲۶۰، ۲۹۱، ۲۹۸، ۳۰۲—۳۰۵،
۳۰۸—۳۱۱، ۳۴۰، (۷) ۵۰۹، ۵۱۳، ۵۲۸،
۵۹۹، (۹) ۳۲۵
تفسیر کبیر : رازی (۹) ۱۰۹، ۳۶۷
تقدمۃ المعرفۃ الجرح والتعدیل : عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی
(۶) ۲۳۶، ۲۳۷—۲۳۸
تقریب التہذیب : ابن حجر (۶) ۲۱۳
تقویم تاریخی : عبدالقدوس ہاشمی (۹) ۲۸۵
تقویم ہجری و عیسوی : ابوالنصر محمد خالدی (۹) ۲۸۵
التقویمان الہجری والمیلادی : حسام محی الدین الآلوسی
(۹) ۲۸۵
تقیید العلم : خطیب بغدادی (۶) ۲۳۳، ۲۳۵-۲۳۶
تلقیح : ابن جوزی (۶) ۱۴۶، ۱۶۴، ۲۵۳
تمدن عرب ترجمہ از سید علی بلگرامی : گستاؤ لیبان (۵) ۲۴۳
- ۳۴۰
التنبیہ والاشراف : ابوالحسن علی الحسین المسعودی (۵) ۳۲۲—
۳۲۴، ۳۳، (۷) ۱۳۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲،
۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۱، ۱۶۶—۱۶۷، ۱۷۹، ۱۸۶،
۱۸۸، ۷۲۸—۷۲۹، (۹) ۸۲ — ۸۳
توجیہ النظر : طاہر بن صالح الجزائری
(۶) ۲۰۱، ۲۲۳
توریت (۵) ۶۲، ۲۴۹، ۳۲۵، (۶) ۱۱۰، ۱۷۲، ۳۰۷،
۳۰۸، (۷) ۳۵ — ۳۶، ۴۰۰، ۴۸۱، ۴۹۶—
۴۹۸، (۸) ۳۹۳، ۳۹۹، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۶۹
۴۷۰، ۷۰۳، ۷۱۲، ۷۴۵، (۹) ۴۲ — ۴۵،
۴۹۶ (۱۰) ۱۳، ۱۸ — ۱۹، ۳۲۲، ۵۳۲، ۵۳۴،
توشۂ آخرت (۱۰) ۹۷
التوفیقات الالہامیہ فی مقابلۃ التاریخ الہجرۃ : محمد مختار پاشا
(۸) ۳۴۵
تولد نامہ : امین گجراتی (۱۰) ۱۷۱
تہذیب الاسماء واللغات : النووی (۵) ۳۲۲، ۳۲۵، ۳۳۶
(۸) ۱۲۹
تہذیب التہذیب : ابن حجر (۶) ۸، ۱۸۸، ۱۹۸—۲۰۱، ۲۳۴،
۲۳۸، ۲۴۱ (۹) ۶۳ — ۶۹ (۱۰) ۲۴۳
تہذیب الکمال : امام یوسف مزی (۶) ۲۰۱ (۷) ۱۳۷، ۱۴۱،
۱۴۴، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۷۷،
۱۸۱—۱۸۲، ۱۸۷
تیسیر القاری : نورالحق محدث دہلوی (۶) ۲۰
تیسیر الوصول فی احادیث الرسول : (۶) ۵۱

ث

ثقات : ابن حبان (۶) ۸
ثنا : الطاف قریشی (۱۰) ۱۹۱
ثنائے حبیب : بہزاد لکھنوی (۱۰) ۱۸۷
ثنائے خواجہ : حافظ لدھیانوی (۱۰) ۱۹۰

ج

جاپاس نامہ : جاپاس (۹) ۳۳
جام حیات : ساحر صدیقی (۱۰) ۱۸۹
جام طہور : صابر براری (۱۰) ۱۹۰

جامِ طہور : عبدالرحمٰن عاجز (۱۰) ۱۹۰

جامِ کوثر : دردکاکوروی (۱۰) ۱۹۱

جامِ کوثر : انجم وزیرآبادی (۱۰) ۱۹۰

جامِ نور : عزیز حاصل پوری (۱۰) ۱۸۹

جامع : ابن جریج (۶) ۲۰۰، ۲۶۳

جامع : ابن المبارک (۶) ۲۰۰ ۲۶۳

جامع : اوزاعی (۶) ۲۰۰ ؛ ۲۶۳

جامع : جریر ابن عبدالحمید (۶) ۲۶۳

جامع : حماد بن مسلم (۶) ۲۶۳

جامع : سفیان ثوری (۶) ۲۶۳

جامع : معمر (۶) ۲۶۳

الجامع الاحکام القرآن : القرطبی (۵) ۲۳۹، ۳۳۵

الجامع الاخلاق الراوی : خطیب بغدادی (۶)، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۸

جامع الاصول : (۶)، ۳۹

جامع البیان (۱۰) ۱۹

جامع بیان العلم : ابن عبدالبر (۶)، ۷۷ — ۸۰، ۸۵، ۹۳، ۱۱۱، ۱۵۱ — ۱۵۳، ۱۶۲ — ۱۶۳ — ۱۶۵ — ۱۶۶ — ۱۷۱، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۱۱، ۲۳۳ — ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۴۰ — ۲۴۱، ۲۵۸ -

جامع الاخبار النبویہ ولوامع الانوار المصطفویہ : محمد بن ابراہیم الکجی م تقریباً ۳۴۸ھ (۹) ۸۵

جامع ترمذی : ترمذی (۵)، ۳۰۰، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۲۸، ۳۳۱ — ۳۳۲، ۳۳۶، ۶۳۲ — ۶۳۳ (۶) ۲۷، ۳۰، ۴۰، ۵۱، ۱۲۰، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۱۲، ۲۳۵، ۲۴۰ — ۲۴۱، ۲۵۵، ۲۵۶، ب۲۵۶، ۲۶۳،

۲۶۸ — ۲۷۰، ۲۷۵، ۲۷۷ — ۲۷۹، ۲۸۳ — ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸ — ۲۸۹، ۲۹۱ — ۲۹۲، ۲۹۵ - ۲۹۶، ۲۹۸ — ۲۹۹، ۳۰۱ — ۳۱۱، ۳۱۳، ۳۱۵ — ۳۱۷ — ۳۱۹، ۳۲۱ — ۳۲۳، ۳۲۶ — ۳۲۹، ۳۳۲ — ۳۳۶ — ۳۴۰ — ۳۴۴، ۳۴۶ — ۳۵۰، ۳۵۲ — ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۲ — ۳۶۴، ۳۶۷ — ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۷ — ۳۸۲، ۳۸۵ - ۳۸۸، ۳۹۱ — ۳۹۸، ۴۰۰ — ۴۰۳، ۴۰۵ — ۴۰۷، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۶ — ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۲۵، ۴۲۷ - ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۳۷ — ۴۳۸، ۴۴۰ — ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۰ — ۴۵۱، ۴۵۳ — ۴۵۷، ۴۶۲ — ۴۶۵، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۴ — ۴۷۵، ۴۸۱، ۴۸۵، ۴۸۸ — ۴۹۲، ۴۹۶ — ۴۹۷، ۵۰۰، ۵۰۶ — ۵۱۰، ۵۱۲ — ۵۱۴، ۵۱۷ — ۵۱۸ ۵۲۰ — ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۳۴ — ۵۳۵، ۵۳۸ — ۵۳۹، ۵۴۵، ۵۴۷، ۵۵۱ — ۵۶۱، ۵۶۳ - ۵۶۵ — ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۷۶، ۵۷۸، ۵۸۲، ۵۸۴، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۲، ۵۹۴ — ۶۰۲، ۶۰۵، ۶۰۸، ۶۱۰ — ۶۲۱، ۶۲۳ — ۶۳۱، ۶۳۳ — ۶۳۴، ۶۳۶ — ۶۴۴، ۶۴۸ — ۶۵۱، ۶۵۳ — ۶۵۶، ۶۶۰ — ۶۶۱، ۶۶۵ — ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۱ — ۶۷۴، ۶۷۸، ۴۸۴ — ۶۸۸، ۶۹۰ — ۶۹۳، ۶۹۵ — ۷۰۳، ۷۰۵ — ۷۰۶، ۷۰۸ — ۷۱۱، ۷۱۳ — ۷۱۵، ۷۱۸، ۷۲۰، ۷۲۵ — ۷۲۷، ۷۲۹ — ۷۳۱، ۷۳۵، ۷۳۹، ۷۴۶، ۷۵۳، ۷۵۶، ۷۶۰، ۷۶۲،

۷۶۷ — ۷۷۲، ۷۷۴، ۷۷۶، ۷۸۴، ۷۸۸،
۷۹۰، ۷۹۲ — ۷۹۳
۷۹۵ — ۷۹۶ (۷) ۲۰ — ۲۱،
۸۹، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۳۰ — ۱۳۲، ۱۳۷، ۱۴۹،
۲۰۸، ۴۸۲، ۵۴۸، ۵۶۳، ۵۸۶، ۵۹۲،
۵۹۹، ۷۲۸ (۸) ۴۳، ۴۵، ۱۰۹، ۱۲۹ —
۱۳۱، ۱۳۹، ۲۷۵، ۲۷۷، ۳۳۵، ۳۵۹،
۴۱۲، ۴۹۱، ۴۹۹، ۵۳۰، ۵۴۵ — ۵۴۸
۵۶۹ — ۵۷۵ (۹) ۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۴ — ۲۵
۹۵ — ۹۶، ۱۱۷، ۱۷۵، ۵۰۹، ۵۱۱ — ۵۱۲،
۵۱۵ — ۵۲۰، ۶۱۹، ۶۲۰ — ۶۲۲، ۷۰۶،
(۱۰) ۷۶، ۸۸ —
الجامع الصغیر : السیوطی (۹) ۲۱
جامع المسانید : ابنِ جوزی (۹) ۲۷
جانِ جہان : حافظ محمد افضل فقیر (۱۰) ۱۹۱
جانِ رحمت : ہلال جعفری (۱۰) ۱۹۱
جدول مقارنۃ التواریخ الہجریۃ والمیلادیہ : سر ولزلے ہیگ
(۹) ۲۸۱
جذبۂ عشق : کفایت علی کافی (۱۰) ۱۷۷
جزیرۃ العرب : ہمدانی (۸) ۳۳۵
جعل ساز (۱۰) ۹۸
جغرافیہ : بطلیموس (۹) ۸۰
جگر پارہ المعروف بہ ارمغان بیدم : بیدم وارثی
(۱۰) ۱۸۵
جلالین : جلال الدین سیوطی و جلال الدین محلی (۱۰) ۱۹
جلوۂ نعت (۱۰) ۹۷
جمالِ حرم : مسرور کیفی (۱۰) ۱۹۰
جمالِ مدینہ : مرتضیٰ خاور (۱۰) ۱۹۱
جمع بین الصحیحین : حمیدی (۶) ۵۱
جمع الفوائد (۶) ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۸۵ (۹) ۵۱۷
جمہرۃ انساب العرب (۸) ۳۴۳
جمہرۃ خطب العرب فی عصور العربیۃ الزاہرہ احمد زکی صفوت
(۵) ۲۹۹ (۸) ۸۰ (۹) ۲۸۵
جمہرۃ اللغۃ : ابنِ درید (۵) ۲۴۵، ۲۵۲، ۳۳۸
(۸) ۲۳۵
جنگ نامۂ اسلام : منظور حسین منظور (۱۰) ۱۸۹
جلوہ گاہ : حافظ مظہر الدین (۱۰) ۱۸۹
جوامع السیرۃ : ابنِ حزم الاندلسی (۵) ۲۲۷، ۲۶۴،
۲۹۳، ۳۲۲، ۳۲۶، ۳۳۲، ۳۳۶، ۴۰۶، ۴۴۷،
۴۶۱ — ۴۶۲، ۴۷۶، ۴۷۹، ۴۸۸، ۴۹۷،
۵۰۷ — ۵۰۸، ۵۱۷، ۵۱۹، ۶۸۶، ۷۲۳
جوامع الکلم، ترجمہ از احمد فتحی زغلول : گستاؤ لیبان
(۸) ۵۴۰
جوانہ مرگ (۱۰) ۹۸
جوہرِ اقبال : عبدالرحمٰن طارق (۱۰) ۴۷
الجوہر الثمین من تحب سیر الامین : شہاب الدین احمد بن ...
المحسنی م ۷۵۳ ھ (۹) ۹۲
الجہاد فی الاسلام : ابوالاعلیٰ مودودی (۵) ۲۷۸، ۳۲۹، ۳۴۰

چ

چادرِ رحمت : منیر قصوری (۱۰) ۱۹۱
چار دیوان : سعادت یار خاں رنگین (۱۰) ۴۸۶
چالیس جان نثارِ خیر البشر (۷) ۹۰

چالاک عورت (۱۰) ۹۸
چراغ حرا : مسرور کیفی (۱۰) ۱۹۰
چکاوتی سنگھ ناد : ستنا ڈی (۹) ۳۱
چراغ نور : بہزاد لکھنوی (۱۰) ۱۸۷
چرخیات نصرتی (۱۰) ۱۷۵
چشمۂ کوثر : اثر صہبائی (۱۰) ۱۸۹
چشمۂ کوثر : ڈاکٹر ظہیر الدین علوی (۱۰) ۱۹۱
چمن مناقب نعتیہ (۱۰) ۹۷
چمنستان حمزہ : محمد شمس الدین امیر حمزہ (۱۰) ۱۸۶
چمنستان نعت (۱۰) ۹۷
چیندہم عصر : عبدالحق (۱۰) ۲۹، ۳۰
چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج : بدرالدین چینی
(۵) ۲۳۷، ۳۳۹

ح

الحاوی فی الفتاوی : سیوطی م ۹۱۱ھ (۹) ۹۰، ۱۰۶
حاشیہ مشکوٰۃ شریف : سید شریف جرجانی (۶) ۵۱
حبل المتین - (۶) ۱۵۹
حج اکبر : امجد حیدر آبادی (۱۰) ۱۸۶
حجۃ اللہ البالغہ : شاہ ولی اللہ (۵) ۶۱، ۲۴۹ (۶) ۲۰۳
(۸) ۶۹۸، ۷۳۵ (۹) ۲۳۱
حجیت حدیث : ادریس کاندھلوی (۶) ۲۶۴
حدائق بخشش : احمد رضا خاں (۱۰) ۲۱، ۵۱، ۶۲، ۸۸،
۱۸۴
حدیقۂ بخشش : مولوی محمد عرفان (۱۰) ۱۸۵
حدائق الحنفیہ : فقیر محمد جہلمی (۶) ۲۱
حدیث آشنا : اقبال صلاح الدین (۱۰) ۱۹۰
حدیث جاں : راسخ عرفانی (۱۰) ۱۸۹
حدیث دفاع : محمد اکبر (۵) ۲۸۰، ۳۰۵
حدیث شوق : راجا رشید محمود (۱۰) ۱۹۰
حدیث اور قرآن : ابوالاعلیٰ مودودی (مرتب)
(۶) ۲۰۳
حسرت نعت : پروفیسر آسی ضیائی (۱۰) ۱۹۱
حسن کلام : راسخ عرفانی (۱۰) ۱۸۹
حسینۂ گنہگار (۱۰) ۹۸
حصن حصین : جزری (۶) ۲۷ (۱۰) ۸۶
حضرت عمرو بن العاص : محمد فرج (۷) ۴۲۳
الحطۃ فی اخبار صحاح الستۃ : صدیق حسن خان (۶) ۲۲-۲۳،
۳۰-۳۱
حلیۃ الاولیاء : ابونعیم (۶) ۹۰، ۹۴ (۹) ۶۳، ۷۰، ۹۱، ۱۹۸
۶۲۲
حلیہ شریف : کفایت علی کافی (۱۰) ۱۷۷
حطایا : عبدالعزیز خالد (۱۰) ۱۸۹
حمد و نعت : سرور بجنوری (۱۰) ۱۹۱
حمید و امینہ (۱۰) ۹۸
حمید و ریحانہ (۱۰) ۹۸
حیات ولی (شاہ ولی اللہؒ) (۱۰) ۹۸
حواشی الشفاء : برہان حلبی (۵) ۵۸۹
حیاۃ محمدؐ : محمد حسین (۵) ۲۶۳، ۳۳۸

خ

خالد سیف اللہ : ابوزید شلبی (۷) ۴۴۴، ۴۴۸، ۴۵۱،
۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۶۰ - ۴۶۱، ۴۶۳، ۴۶۵، ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱

ختم نبوت : مرتضیٰ مطہری شہید (۸)، ۶۸۵
ختم نبوت کامل : محمد شفیع (۸)، ۱۴۷
خدا کا آخری پیام : خلیل احمد (۹)، ۳۵۹، ۳۶۷، ۵۷۶
خرقۂ امجد : امجد حیدرآبادی (۱۰)، ۱۸۶
خزائن العرفان : محمد نعیم الدین مراد آبادی (۷)، ۴۹۲
خزائن الملوک و سر العالمین : المسعودی (۹)، ۷۳
خزینۃ الاصفیا : مفتی غلام سرور لاہوری (۶)، ۲۱
خزینۂ رحمت : غریب سہارنپوری (۱۰)، ۱۸۶
خزینۂ نعت : ادیب سیمابی (۱۰)، ۱۸۹
الخصائص الکبریٰ : جلال الدین السیوطی (۷)، ۶۰۹ (۸)، ۱۴۱، ۳۴۱،
۵۶۸ (۹)، ۲۳ (۱۰)، ۱۸۰
الخطابۃ العربیۃ (۸)، ۳۵۸
خطبات مدراس : سید سلیمان ندوی (۶)، ۲۲۱
۲۳۹ (۹)، ۱۱
خطط : مقریزی (۵)، ۲۱، ۴۷ (۶)، ۲۳۶ (۹)، ۷۹۷
...خطیب العربی ، (۵)، ۳۲۱، ۳۲۴، ۳۲۸ - ۳۲۹،
۳۳۱ - ۳۳۲
خلاصۃ مطالب قرآن (۷)، ۸۱
خلاصۃ الاخبار فی احوال النبی المختار : عزیزۃ محمود الاسکداری
المعروف بہدائی م ۱۰۳۸ھ (۹)، ۹۹
خلاصۃ الحقائق (۹)، ۳۴
خمخانۂ حمد : قمر یزدانی (۱۰)، ۱۸۹
خمخانۂ زمزم : نیاز زبیری (۱۰)، ۱۹۰
الخوارج : المسعودی (۹)، ۷۳
خوب تر نگ : خوب محمد چشتی (۱۰)، ۱۶۹
خوب تریاق : رضوان مراد آبادی (۱۰)، ۹۷
خون ناحق یا خودکشی (۱۰)، ۹۸
خیر البشر کے حضور میں : ممتاز حسن (۱۰)، ۱۶، ۲۲، ۲۷، ۲۹، ۳۶، ۱۸۲
خیابان فردوس (اردو ترجمہ ترغیب اہل سعادت) : شاہ عبدالحق
(۱۰)، ۱۷۸
خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام (۱۰)، ۹۸
خیر الکلام فی مسائل الصیام : عبدالحلیم (۶)، ۴۱
خیر الوریٰ : ظہیر صدیقی (۱۰)، ۱۹۰

د

دارین : احسان دانش (۹)، ۱۹۰
داستان تاریخ اردو : حامد حسین قادری (۱۰)، ۱۷۸
داستان صادق : کفایت علی کافی (۱۰)، ۱۷۷
الدائرۃ العظیم : السیوطی (۹)، ۲۸۵
دار الثمین (شرح حصن حصین) : ملا علی قاری (۶)، ۵۱
دار المنثور : جلال الدین سیوطی (۶)، ۳۹ - ۴۰ (۷)، ۱۹۱،
۱۹۴ - ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۱۶ - ۲۱۷، ۲۱۹
(۸)، ۷۱
دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ (۷)، ۱۵۷
دربار نبوی کے فیصلے : قرطبی (۷)، ۵۹۹
الدرۃ البیضا (۷)، ۲۱۳، ۲۱۴
درۃ التحقیق : شاہ محمد فاخر الہ آبادی (۶)، ۳۱
درد کا درماں : درد کاکوروی (۱۰)، ۱۹۱
درد نامہ : امین گجراتی (۱۰)، ۱۷۴
الدرر السنیۃ فی السیرۃ الزکیہ : زین الدین عبدالرحیم بن الحسین بن
عبدالرحمن عراقی م ۸۰۶ھ (۹)، ۹۴
الدرۃ المضیۃ فی الہجرۃ النبویہ : شہاب الدین احمد بن عماد الدین
اقفہسی م ۸۰۸ھ (۹)، ۹۵

الدرۃ المنیفہ فی السیرۃ النبویۃ الشریفہ : علی بن عبدالواحد بن محمد بن
عبداللہ انصاری م ۱۰۵۷ ھ (۹)، ۱۰۱
الدرر فی اختصار المغازی والسیر : ابن عبدالبر (۵)، ۲۶۳، ۲۶۹
۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۳۷، (۷)، ۱۶۹
(۹)، ۲۶۸، ۵۳۳–۵۳۴، ۵۳۹–۵۴۰
درگیش نندنی یعنی ایک زمیندار کی لڑکی (۱۰)، ۹۸
درمان غم : بہزاد لکھنوی (۱۰)، ۱۸۷
دساتیر : زرتشت (۹)، ۳۱
دعوتِ دین اور اس کا طریق کار : امین احسن اصلاحی
(۵)، ۲۴۹–۲۵۱، ۳۳۹
دفتر برکات : ممتاز احمد ممتاز تھانوی (۱۰)، ۱۸۵
دکن میں اُردو : نصیرالدین ہاشمی (۱۰)، ۱۷۳
دلائل الاعجاز : عبدالقادر جرجانی (۸)، ۴۰۸
دیارِ نبیؐ : ضیاء القادری (۱۰)، ۱۸۷
الدیباج المذہب (فی معرفۃ اعیان علماء المذہب) :
ابنِ فرحون (۶)، ۹۶
دیوان : حسان بن ثابت (۸)، ۳۳۵، ۳۵۱–۳۵۲، (۹)،
۱۸–۱۹، ۲۴–۲۵، ۲۶۸، ۵۴۳، ۷۰۸
دیوان : حنظلہ بن ربیع تمیمی (۹)، ۷۱۰، ۷۱۱
دیوان : علیؓ (۷)، ۲۹۲
دیوان : مغیرہ بن اخنس (۹)، ۷۱۰
دیوان : امیر مینائی (۱۰)، ۹۸
دیوان : اکبر (۱۰)، ۹۷
دیوان : دوست (۱۰)، ۵۷
دیوان : سائل (۱۰)، ۹۷
دیوان : شاذ (۱۰)، ۹۸
دیوان : شیفتہ (۱۰)، ۹۷
دیوان : شہیدی (۱۰)، ۷۶
دیوان : عزیز (۱۰)، ۹۸
دیوان : غریب سہارنپوری (۱۰)، ۹۸
دیوان : فضل حق (۱۰)، ۹۷
دیوان : کافی (۱۰)، ۱۷۷
دیوان : لطف علی خاں لطف (۱۰)، ۱۷۹
دیوان : معظم (۱۰)، ۹۷
دیوان : محفوظ (۱۰)، ۹۸
دیوان : محمد علی قطب شاہ معانی (۱۰)، ۷۲
دیوان : مضطر (۱۰)، ۹۸
دیوان : ممتاز (۱۰)، ۹۷
دیوان : مہر (۱۰)، ۹۸
دیوان : ناچیز (۱۰)، ۹۸
دیوان : ہما (۱۰)، ۹۷
دیوان : ولی دکنی (۱۰)، ۷۱
دیوان : ہدایت (۱۰)، ۹۷
دیوان پنجم : شور (۱۰)، ۹۸
دیوان نعتیہ : سید افضل شاہ خاں چشتی طوفان (۱۰)، ۱۸۶
دیوان نعتیہ : سید واحد علی وحید ہسوی (۱۰)، ۱۸۵
دیوان نعتیہ : مولوی احمد علی (۱۰)، ۱۸۵

ذ

ذات شریف (۱۰)، ۹۸
ذخائر العلوم وما کان فی سالف الدھور : المسعودی (۹)، ۷۱–۷۳
الذروۃ فی السیرۃ النبویۃ : احمد بن عبداللہ بن محمد ابوالحسن
البکری (۹)، ۸۹

المذروية العليا فی سيرة المصطفیٰ : ظہیر الدین علی بن محمد کازرونی م ۶۹۷ ھ (۹)، ۹۰

الذریعہ الی مکارم الشریعہ : راغب اصفہانی (۵)، ۳۲۱، ۳۳۸

ذکر جمیل : ماہر القادری (۱۰)، ۵۱، ۱۸۷

ذکر حبیب، مرتبہ خالد مینائی : امیر مینائی (۱۰)، ۱۸۱

ذکر خیر : راسخ عرفانی (۱۰)، ۱۸۹

ذکر خیر الانام : حنیف اسعدی (۱۰)، ۱۹۱

ذوق نعت (۱۰)، ۱۸۴

ر

رامائن (۱۰)، ۵۳

راوی دیاں چھلاں : نصیر واکی (مرتب)، (۱۰)، ۱۵

راہ عمل (۷)، ۸۶

الرائد (۱۰)، ۱۲

رباعیات امجد : امجد حیدر آبادی (۱۰)، ۱۸۷

رباعیات مستحسنہ : ممتاز احمد ممتاز تھانوی (۱۰)، ۱۸۵

رد الدارمی علی بشر (۶)، ۲۳۴، ۲۳۶

رحمۃ للعالمین : قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۵)، ۲۷۷، ۲۸۱، ۳۴۰ (۷)، ۱۰، ۱۰۵، ۱۳۳، ۱۳۵، ۳۰۶، ۳۹۷ (۹)، ۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۶

رسالات نبویہ : عبد المنعم (۸)، ۴۲۶

الرسالہ : امام شافعی (۶)، ۱۲۸، ۲۰۳

رسالہ : سمرہ بن جندب (۶)، ۱۹۹

رسالہ السکین (۶)، ۱۵۹

الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ : ابن النفیس م ۶۸۷ ھ (۹)، ۸۹

الرسالۃ المستطرفۃ : محمد بن جعفر الکتانی (۶)، ۲۳۸

رسالہ الناسخ والمنسوخ : ابن الجوزی (۶)، ۱۹۴

رسائل الارکان : بحر العلوم ابی العیاش عبد العلی محمد (۵)، ۲۷۹، ۳۲۶

الرسائل واستذکار ما فی سالف الاعصار : المسعودی (۹)، ۴۳

رسولؐ اکرم کی سیاسی زندگی : ڈاکٹر حمید اللہ (۵)، ۱۵، ۲۴۰، ۲۷۲، ۲۸۶، ۲۸۹، ۲۹۳، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۳۹ (۷)، ۴۱۵، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۵۶ (۹)، ۵۲۶–۵۲۷

رسول اللہ فی القرآن الحکیم : طنطاوی (۹)، ۸

الرسول القائد : محمود شیت خطاب (۵)، ۲۹۴، ۲۹۶–۲۹۸، ۳۳۸

رسولؐ اللہ میدان جنگ میں : احسان بی اے (۵)، ۳۱۰، ۳۳۹

رسول رحمت : آزاد و غلام رسول مہر (۷)، ۲۲۷، ۴۴۵، ۴۴۹

رفاہ المسلمین (اردو ترجمہ مسائل اربعین)، (۱۰)، ۹۸

رگ وید (۹)، ۲۶

روپہلی جوانی (۱۰)، ۹۸

روح کائنات : صائم چشتی (۱۰)، ۱۹۰

روز الجرٹ کال، ریناللہ کے ناول کا ترجمہ (۱۰)، ۹۸

روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی : آلوسی (۵)، ۲۴۰–۲۴۳ (۷)، ۵۷۳

الروض الانف : ابو القاسم عبد الرحمن السہیلی م ۵۱۸ ھ (۵)، ۲۶۴، ۲۷۲، ۳۳۸ (۷)، ۱۳۷، ۴۰۱، ۴۰۶، ۴۶۹–۴۷۰، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۸۹ (۸)، ۲۴۳، ۳۴۴ (۹)، ۳۲۷، ۵۲۴، ۵۳۳

الروس السبعۃ بسیاسۃ العالم واسرارہ : المسعودی (۹)، ۴۳

روشنی : سیف زلفی (۱۰)، ۱۹۰

روضۃ الاحباب : جمال الدین (۶)، ۱۹
روضۃ الاطبار : نوازش علی خاں شیدا (۱۰)، ۱۷
روضۂ اکبر : صوفی محمد اکبر خاں میرٹھی (۱۰)، ۱۸۵
روضۃ الانوار : ملی ویلوری (۱۰)، ۱۷۵
روضۂ رحمۃ للعالمین : م حسن لطیفی (۱۰)، ۱۸۷
رمزات الاشواق : محمد عبدالقدیر صدیقی (۱۰) ۱۸۶
روئداد ادارہ معارف اسلامیہ (۶) ۲۳۹
ریاض احمد : امجد حیدر آبادی (۱۰) ۵۹، ۱۸۷
ریاض معلی : محمد مظفر الدین معلی (۱۰) ۱۸۶
ریاض السیر : غلام محمد حسرت (۱۰)، ۱۷۵
ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین : النوری (۵)، ۳۲۸، ۳۳۶ (۶)، ۲۰۵
الریاض النضرۃ (۹)، ۶۱۲، ۶۲۳، ۶۲۹

ز

زاد راہ (۷)، ۸۷، ۹۷–۹۸
زاد المسیر فی علم التفسیر : ابن الجوزی (۵)، ۸۲، ۲۵۱، ۲۶۶، ۳۳۵
زاد المعاد فی ھدی خیر العباد : ابن قیم (۵)، ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۹۷، ۳۱۱، ۳۲۴، ۳۳۷ (۶)، ۲۰، ۲۰۹ (۷)، ۳۱، ۴۸، ۶۳، ۶۷، ۷۹، ۵۴۴، ۶۰۷، ۶۰۹ (۸)، ۳۰، ۵۲، ۷۴، ۷۸، ۸۱، ۳۶۳، ۴۳۰، ۶۰۵، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۵، ۶۱۸، ۶۲۱، ۶۲۵ (۹)، ۳۴۴، ۵۳۲، ۵۳۶، ۵۳۸
زبدۃ المقادیر : ابو اسمٰعیل یوسف حسین الخانپوری (۹)، ۲۸۵
زبور (۸)، ۳۹۹ (۱۰)، ۵۳۲، ۵۵۴، ۵۸۹
زمزمۂ دل : سرور سہارنپوری (۱۰)، ۱۹۰
الزرقانی علی المواھب اللدنیہ : زرقانی (۵)، ۳، ۷۲، ۲۵۴، ۲۷۱–۲۷۳، ۲۸۲–۲۸۳، ۲۹۳، ۳۰۰، ۳۰۵، ۳۲۲–۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۹، ۳۳۸ (۷)، ۱۹۰–۱۹۱، ۱۹۳، ۶۰۵، ۶۰۷، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۷، ۶۹۹، ۷۱۵، ۷۲۰ (۸)، ۴۲۹، ۴۳۰، ۵۶۷، ۵۶۹ (۹)، ۱۱–۵۳۰، ۵۴۰ (۹)، ۵۳۵

ژ

ژند اوستا : زرتشت (۹)، ۳۱

س

ساز حجاز : سیماب اکبر آبادی (۱۰)، ۱۸۷
سام دید (۹)، ۲۶–۲۷
سبز گنبد : ساغر صدیقی (۱۰)، ۱۹۰
سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد : الصالحی شامی (۹)، ۷، ۸، ۱۱، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵
سپاہی کی دلہن (۱۰)، ۹۸
ستیارتھ پرکاش : سوامی دیانند (۸)، ۲۲۰
سحاب رحمت : سکندر لکھنوی (۱۰)، ۱۸۹
سحر البیان : میر حسن، مرتبہ احسان الحق (۱۰)، ۳۰
سدرہ و طوبیٰ : الم مظفر نگری (۱۰)، ۱۹۱
سر الحیاۃ : المسعودی (۹)، ۴۳
سراج السالکین، اردو ترجمہ منہاج العابدین : امام غزالی (۱۰)، ۹۸
سراج المجالس ترجمہ اردو خیر المجالس ملفوظات حضرت شیخ نصیر چراغ دہلوی، (۱۰)، ۹۸
سراج المنیر (۱۰)، ۱۹
سرور کائنات : ہلال جعفری (۱۰)، ۱۹۱
سرور نور : ماجد صدیقی (۱۰)، ۱۹۰
سعادت الکونین (۱۰)، ۹۷
سعید (ناول)، (۱۰)، ۹۸

سفارت نامہ : محمد بن اجار (۹) ۸۵
سفرنامہ ارض القرآن : محمد عاصم (۹) ۲۶۳
سفرنامہ روم و شام : شبلی نعمانی ۹۷
سفر نگ دسا تیر (۹) ۲۲
سفینۂ نعت (۱۰) ۱۸۶
سلطان صلاح الدین : (۹) ۴۰۱
سلمان الطاھر : ماسینیون (۷) ۲۳۷
سلیم وحیندر کلا (۱۰) ۹۸
السنۃ قبل التدوین : محمد عجاج الخطیب (۷) ۶۰۲
سفر السعادۃ : فیروز آبادی (۶) ۱۴
سند الانام شرح مسند الامام (ابی حنیفہ) : ملا علی قاری (۶) ۱۹
السنۃ النبویۃ : عباس متولی حمادہ (۶) ۲۵۹
سنن : ابن ماجہ (۵) ۳۲۳، ۳۳۱، ۳۳۵ (۶) ۲۷، ۳۰،
۳۷، ۵۱، ۲۰۴، ۲۳۵، ۲۶۳، ۲۸۵، ۲۹۹ —
۳۰۱، ۳۰۳، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۹،
۳۳۶، ۳۴۱ — ۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۹، ۳۵۳
۳۵۵، ۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۵، ۳۶۸ — ۳۶۹،
۳۷۱ — ۳۷۲، ۳۷۵، ۳۹۱ — ۳۹۲، ۳۹۶،
۴۰۵ — ۴۰۶، ۴۰۸ — ۴۱۱، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۲۲
۴۵۰ — ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۶۳،
۴۷۲، ۴۷۶ — ۴۷۸، ۴۸۱، ۴۸۵، ۴۹۱ —
۴۹۲، ۴۹۶، ۵۲۲ — ۵۲۳، ۵۳۸، ۵۵۱، ۵۵۳،
۵۶۷، ۵۸۲، ۵۸۶، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۱۹،
۶۲۳، ۶۳۶، ۶۴۰، ۶۶۰، ۶۷۳، ۶۷۸، ۶۸۶
۶۹۸، ۷۰۲، ۷۱۵، ۷۲۰، ۷۲۹ (۷) ۸۶، ۹۲
۱۱۶ — ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۳، ۱۳۰، ۴۸۲، ۴۸۴
۴۹۰، ۴۹۲، ۵۱۸، ۵۲۷، ۵۴۸، ۵۶۲ — ۵۶۸،
۵۷۴ — ۵۷۷، ۵۷۹ — ۵۸۳، ۵۸۵ — ۵۸۶، ۵۸۸،
۵۹۱ — ۵۹۳، ۵۹۷ — ۵۹۹ (۸) ۱۹، ۲۴، ۳۷،
۶۳، ۶۴ — ۶۷، ۴۴۳، ۵۷۰ (۹) ۱۹، ۲۱ — ۲۲،
۲۴ — ۲۵، ۱۱۳، ۲۲۵، ۵۱۱ — ۵۱۲، ۵۲۰، ۶۲۲
(۱۰) ۱۱، ۷۶
سنن : ابوداود (۵) ۲۴۶، ۲۵۹، ۲۸۱، ۳۰۵، ۳۱۲، ۳۲۰،
۳۲۱، ۳۲۲ — ۳۲۴، ۳۲۷ — ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۴۵
۶۴۶، ۶۷۸، ۶۸۸، ۷۱۶ — ۷۱۷ (۶) ۲۷، ۳۰، ۴۰،
۶۱، ۱۱۴، ۱۴۷، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۱۲، ۲۲۴، ۲۳۴ —
۲۳۵، ۲۴۲ — ۲۴۳، ۲۵۶ الف — ۲۵۶ (ب) ۲۵۶ ژ
۲۶۱، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۶ — ۲۸۹، ۲۹۴، ۲۹۷،
۳۰۳، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۳ — ۳۱۴ — ۳۱۶، ۳۱۸ —
۳۱۹، ۳۲۳ — ۳۲۴، ۳۲۶ — ۳۲۷، ۳۲۹ ——
۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۹ — ۳۴۴، ۳۴۶ — ۳۵۰، ۳۵۲
۳۵۲، ۳۵۵ — ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۶۵،
۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۱ — ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۰
۳۸۴، ۳۸۶ — ۳۸۹، ۳۹۱ — ۳۹۲، ۳۹۶، ۳۹۸
۴۰۰، ۴۰۳ — ۴۰۶، ۴۰۸ — ۴۱۲، ۴۱۷، ۴۲۰
۴۲۲، ۴۲۴ — ۴۲۵، ۴۲۷ — ۴۲۸، ۴۳۰،
۴۳۲ — ۴۳۳، ۴۳۶، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۸،
۴۵۰، ۴۵۴ — ۴۵۷، ۴۶۱ — ۴۶۸، ۴۷۱ —
۴۷۲، ۴۷۵ — ۴۸۳، ۴۸۵ — ۴۸۶، ۴۸۸
۴۹۲، ۴۹۴، ۴۹۶، ۵۰۰، ۵۰۲، ۵۰۵ — ۵۰۶
۵۰۷ — ۵۰۹، ۵۱۰ — ۵۱۹، ۵۱۲، ۵۲۱ — ۵۲۳
۵۲۸ — ۵۲۹، ۵۳۲، ۵۳۵ — ۵۳۸، ۵۴۰،

۵۴۲ - ۵۴۶، ۵۴۹ - ۵۵۱، ۵۵۳، ۵۵۶،
۵۶۷ -، ۵۶۸، ۵۷۲، ۵۷۶، ۵۸۰، ۵۸۲ -
۵۸۳، ۵۸۶، ۵۸۸، ۵۹۱، ۵۹۳ - ۵۹۸، ۶۰۰ -
۶۰۴، ۶۱۰، ۶۱۲ - ۶۱۶، ۶۱۸ - ۶۲۱، ۶۲۳ -
۶۲۵، ۶۲۷، ۶۲۹ - ۶۳۸، ۶۴۰ - ۶۴۱، ۶۵۰
۶۵۱، ۶۵۴، ۶۵۶، ۶۵۹ - ۶۶۰، ۶۶۳، ۶۶۵
۶۶۷، ۶۶۹، ۶۷۲ - ۶۷۵، ۶۷۸، ۶۸۰، ۶۸۲ -
۶۹۸، ۷۰۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۷۰۶ - ۷۱۱ - ۷۱۳
۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۹ - ۷۲۰، ۷۲۴، ۷۳۵، ۷۴۷،
۷۵۲، ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۸، ۷۶۷، ۷۶۹ -
۷۷۰، ۷۷۲ - ۷۷۵، ۷۷۷، ۷۹۶ (۷) ۳۶،
۸۹، ۱۰۸، ۱۱۸ - ۱۱۹، ۱۵۹، ۱۹۱، ۲۰۸ - ۲۰۹، ۲۱۲،
۵۰۱ - ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۵ - ۵۰۷، ۵۱۰، ۵۱۹،
۵۲۰ - ۵۲۱، ۵۲۶، ۵۴۲، ۵۴۵، ۵۴۷ - ۵۴۸
۵۶۲، ۵۷۶، ۵۸۰، ۵۸۲، ۵۸۵، ۵۸۷،
۵۹۲، ۵۹۹، ۷۰۹ (۸) ۳۴، ۶۴ - ۶۶، ۱۰۲
۲۷۵، ۴۰۹، ۴۱۲، ۵۴۷، ۵۷۱ - ۵۷۳ (۹)
۱۷، ۲۴، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۲۱، ۲۳۴ - ۲۳۵، ۵۱۱ -
۵۱۲، ۵۱۵، ۵۲۰ (۱۰) ۸۸

سنن: بیہقی (۶) ۲۰۴، ۲۱۱، ۳۲۵، ۳۳۵، ۳۷۷،
۳۹۵، ۳۹۹، ۴۰۵، ۴۹۹، ۴۵۲، ۴۶۱
(۷) ۱۳۱، ۱۴۴ - ۱۴۵، ۱۵۹، ۱۶۵ - ۱۶۷
(۸) ۱۰۳، ۵۶۷، ۵۶۹

سنن: ترمذی دیکھیے جامع ترمذی

سنن: دارمی (۵) ۳۲۳، ۳۳۶ (۶) ۷۷ - ۷۹، ۱۸۵،
۱۹۹، ۲۰۴، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۷۰

۵۲۰، ۵۵۷ - ۵۵۸، ۶۴۳، ۶۴۶ (۷) ۸۱، ۹۵
(۹) ۱۸، ۲۵، ۱۱۳ (۱۰) ۱۱، ۱۳، ۱۸، ۶۹

سنن: دارقطنی (۶) ۲۰۴، ۲۴۲، ۲۶۲ - ۲۶۳، ۴۰۵
۴۵۲ (۷) ۱۲۱، ۱۲۶ (۸) ۵۷۴

سنن: نسائی (۶) ۲۷، ۳۰، ۴۰، ۱۲۸، ۱۴۷، ۲۳۴ -
۲۳۵، ۲۵۶ ب، ۲۶۳، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۸۰،
۳۰۲، ۳۱۴، ۳۱۷ - ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۲۶، ۳۲۸ -
۳۳۰، ۳۳۲ - ۳۳۳، ۳۳۶، ۳۳۹، ۳۵۰، ۳۵۲
۳۵۶، ۳۵۹، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۷۸ - ۳۷۹، ۳۸۱،
۳۸۳ - ۳۸۴، ۳۸۷، ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۰۲ - ۴۰۳
۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۸، ۴۱۰ - ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۵ -
۴۱۸، ۴۲۰ - ۴۲۱، — ۴۲۲،
۴۳۲، ۴۳۶، ۴۴۱ - ۴۴۲، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۳ -
۴۵۴، ۴۵۷ - ۴۵۹، ۴۶۲ - ۴۶۴، ۴۷۶،
۴۷۸، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵، ۴۸۸ - ۴۹۲، ۴۹۵
۴۹۷، ۵۰۵، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۱۵، ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۲
۲۲، ۵۲۶، ۵۲۸ - ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۳۷ - ۵۴۰
۵۴۲، ۵۴۵، ۵۴۸، ۵۵۱ - ۵۵۳، ۵۶۷ - ۵۶۸
۵۷۰، ۵۷۷، ۵۸۰، ۵۸۲ - ۵۸۳، ۵۸۶، ۵۹۰
۵۹۲، ۶۰۰ - ۶۰۲، ۶۰۴، ۶۱۹، ۶۲۳، ۶۲۵،
۶۲۷ - ۶۲۸، ۶۳۲ - ۶۳۳، ۶۳۶، ۶۴۰
۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۸ - ۶۵۹، ۶۶۲، ۶۶۹ -
۶۷۲ - ۶۷۴، ۶۷۸ - ۶۸۰، ۶۸۶، ۶۹۵،
۶۹۸، ۷۰۲ - ۷۰۳، ۷۰۸، ۷۱۰، ۷۱۵، ۷۲۰
۷۲۲، ۷۲۴ - ۷۲۶، ۷۲۸ - ۷۳۰، ۷۴۹ -
۷۵۰، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۱، ۷۶۷، ۷۶۸ - ۷۶۹

۷۷۷، ۷۸۱، ۷۹۰، ۷۹۳ (۷) ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۱۸،
۱۲۳، ۱۵۹، ۲۱۲، ۴۸۵ - ۴۸۷، ۴۹۱ —
۴۹۶، ۵۰۲، ۵۱۳ - ۵۱۶، ۵۲۱ - ۵۲۷،
۵۴۵، ۵۴۷، ۵۵۵، ۵۵۷ - ۵۵۸، ۵۷۶ -
۵۷۷، ۵۸۰، ۵۸۷، ۵۹۴ - ۵۹۷، ۵۹۹
(۸) ۲۳، ۵۳۰، ۵۷۱ - ۵۷۲ (۹) ۱۱۳، ۱۱۷،
۵۰۹، ۵۱۵ - ۵۲۰

سنن صغریٰ : نسائی (۶) ۲۲۴

سنن کبریٰ : بیہقی (۹) ۱۹، ۳۵۸، ۵۱۶، ۶۲۳

سنن کبریٰ : نسائی (۶) ۲۲۴

سوانح عمری امیر تیمور و حمیدہ بانو بیگم (۱۰) ۹۸

سوانح عمری زیب النساء (۱۰) ۹۸

سوانح عمری حکیم بوعلی سینا (۱۰) ۹۸

سوانح عمری علی حزیں (۱۰) ۹۸

سوانح عمری کلاں (حضرت معین الدین چشتی) (۱۰) ۹۸

سوانح عمری مولانا غلام محمد خاں چشتی (۱۰) ۹۸

سوشل اسٹرکچر آف اسلام : ریوبن لیوی (۵) ۳۵۲

السیاستہ الاسلامیہ فی عہد النبوۃ : عبدالمتعال
الصعیدی (۵) ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۲۷، ۳۳۸

السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیۃ :
ابن تیمیہ (۵) ۱۹۹، ۳۲۱، ۳۳۶

سیاسی وثیقہ جات : محمد حمید اللہ (۸) ۴۲۶

سیاسیات کے اصول : ہارون خاں شیرانی
(۵) ۳۱۳ - ۳۱۴، ۳۴۰

سیدالاذکار یعنی میلاد احمد مختار : محمد بدر الحسن (۱۰) ۵۶، ۵۹

سیر اعلام النبلاء : الذہبی (۷) ۱۳۴، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۶۱ -
۱۶۳، ۱۶۵ - ۱۶۶، ۱۷۹، ۱۸۲ - ۱۸۴، ۱۸۹ (۹)
۵۲۳

سیر انصار : سعید احمد انصاری (۵) ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۷۳، ۳۲۹
(۹) ۵۲۷، ۵۳۸

سیر الاولیاء : میر خورد دہلوی (۶) ۲۴

سیر الصحابہ : (۷) ۲۳۳، ۲۳۸، ۲۴۶ - ۲۴۸، ۲۵۰،
۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۶۴، ۲۶۶ - ۲۶۹،
۲۷۶، ۲۸۰، ۲۸۷ - ۲۸۹، ۲۹۵ - ۲۹۶، ۳۰۱ -
۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۱۴ - ۳۱۷،
۳۱۹ - ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۲۴ - ۳۲۹، ۳۳۲، ۳۳۶،
۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۳،
۳۴۶ - ۳۵۳، ۳۵۶، ۳۶۳، ۳۶۹، ۳۷۱، ۳۷۵ -
۳۷۶، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۴، ۳۸۷، ۳۹۰ -
۳۹۴، ۳۹۶ - ۳۹۸، ۴۰۲ - ۴۰۳، ۴۰۵ -
۴۰۷، ۴۱۰ - ۴۱۱، ۴۱۶ - ۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۱ -
۴۲۲، ۴۲۶، ۴۲۸، ۴۳۰ - ۴۳۲، ۴۳۴،
۴۳۶، ۴۳۸ - ۴۴۲، ۴۴۹، ۴۵۱ - ۴۵۲،
۴۵۷ - ۴۵۹، ۴۶۳، - ۴۶۸، ۴۷۰
۴۷۲، ۴۷۶، ۴۶۵

سیر الصحابیات (۷) ۲۰۴

سیر کبیر : امام محمد (۶) ۴۳

سیرت : ابن اسحٰق (۵) ۹۱، ۱۷۷، ۲۷۲، ۲۹۰، ۲۹۶،
۳۴۴، ۳۴۹، ۳۵۲ - ۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۷ —
۳۶۸، ۳۸۹، ۴۰۲ - ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۹،
۴۱۵ - ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۲۷ - ۴۲۸، ۴۳۰،
۴۳۱، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۹، ۴۴۷ - ۴۵۱

۴۵۳، ۴۵۵، ۴۵۹، ۴۶۲، ۴۶۶، ۴۷۲،
۴۷۵، ۴۹۰، ۵۱۷، ۵۸۰، ۵۸۳، ۵۸۹، ۵۹۴
۶۰۵، ۶۱۱، ۶۱۳، ۶۱۷، ۶۲۸، ۶۳۷، ۶۴۳
۶۵۷-۶۶۰، ۷۰۰، ۷۱۶، ۷۲۳ (۷) ۳۰،
۳۲، ۶۶، ۷۷، ۱۳۹، ۱۴۴-۱۴۵، ۱۶۹،
۱۷۵، ۶۶۰، ۶۶۳، ۶۶۷-۶۶۹، ۶۷۳
۶۷۶، ۶۷۸-۶۷۹، ۶۸۳، (۸) ۲۲
۱۵۱، ۱۴۵، ۱۶۶، ۱۷۳، ۱۷۷،
۱۸۲، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۳، ۲۰۸،
۳۳۵، ۴۰۳، ۴۶۱، ۴۶۳، ۴۹۷، ۵۱۲،
۵۱۷ (۹) ۷۹، ۹۷، ۲۰۳-۲۰۵، ۵۲۴،
۶۱۸
سیرت: ابن ہشام (۵) ۵۶-۵۸، ۶۸، ۷۷، ۸۶، ۹۱،
۱۵۰، ۱۶۸-۱۶۹-۲۳۵، ۲۴۰-۲۴۲،
۲۴۴، ۲۴۷-۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۶۰-
۲۶۶، ۲۶۸-۲۷۱، ۲۷۶-۲۷۹، ۲۸۱-
۲۸۲، ۲۸۶-۳۰۳، ۳۰۵-۳۱۲، ۳۲۰-
۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۶-۳۲۷، ۳۲۹-۳۳۰،
۳۳۲، ۳۳۷، ۳۶۷، ۳۷۳، ۴۵۰، ۵۱۲،
۵۱۷، ۵۸۰، ۵۸۹، ۵۹۷، ۶۱۵، ۷۱۶ (۶)
۲۳۳، (۷) ۱۹، ۲۰-۲۱، ۲۷، ۳۲-۳۳،
۳۶، ۴۰، ۴۸، ۵۷، ۶۳، ۶۷، ۶۹، ۷۵، ۷۷،
۷۹، ۱۳۳، ۱۳۵-۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۵،
۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۹۱-
۱۹۳، ۱۹۶، ۲۲۷، ۲۹۹-۳۰۰، ۵۰۹، ۵۲۸،
۵۳۰، ۵۳۲-۵۳۳، ۵۳۷، ۵۳۹، ۵۴۱،
۵۴۹، ۶۰۷، ۶۰۹، ۶۶۰، ۶۷۱، ۶۷۸، ۶۸۶،
۷۳۱، ۷۴۹ (۸) ۳۳۵، ۴۰۳، ۶۰۱، ۶۰۳،
۶۰۵، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۵، ۶۱۸، ۶۲۱،
۶۲۵ (۹) ۲۰، ۲۳، ۸۴، ۸۶، ۹۰، ۹۳، ۹۷،
۱۰۶، ۲۶۷-۲۶۸، ۲۸۵، ۵۲۳-۵۲۴-۵۳۲-
۵۳۳-۳۳۵-۵۳۶، ۵۳۹-۵۴۰، ۵۵۸
(۱۰) ۴۱، ۲۲۴، ۲۵۲
سیرت: باسورتھ (۶) ۷۲
سیرت: زینی دحلان (۷) ۷۲۷
سیرت حلبی: ابراہیم بن مصطفیٰ ابن ابراہیم حلبی مداری م ۱۱۹۰ھ
(۹) ۱۰۰
السیرۃ الحلبیہ، انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون: ابوالفرج
علی بن ابراہیم بن احمد علی بن نورالدین م ۱۰۴۴ھ
(۹) ۱۰۰
سیرت حلبیہ: علی ابن برہان الدین الحلبی (۵) ۲۹۴-۲۹۶،
۳۰۰، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۳۷ (۷) ۶۰۴-۶۰۹، ۷۴۹
(۹) ۲۶۴
سیرت الرسولؐ: محمد رضوان و انتظام اللہ (۹) ۴۵
سیرۃ رسولؐ: انتظام اللہ شہابی (۹) ۳۶
سیرت رسولؐ: ولیم میورؒ (۹) ۳۰۸
سیرت سرور دو عالم: ابوالاعلیٰ مودودی (۷) ۲۰، ۱۳۳
سیرت صدیق اکبر: محمد رضا (۷) ۳۲۳، ۴۵۸، ۴۶۸،
۴۷۰
سیرۃ عمر بن الخطاب: علی الطنطاوی (۷) ۱۸۱
سیرت المصطفیٰ (۷) ۷۶، ۳۰۳، ۵۴۴
سیرۃ نبوی: زہری (۹) ۵۲
سیرۃ النبی: ابوالسعادات سعد اللہ بن الحسین بن ابی تمام التکریتی
(۹) ۸۷

سیرت نبوی ترکی لٹریچر میں : مسعد سویلم الشامان (۹)، ۸۴

سیرت النبیؐ : سلیمان ندوی (۵)، ۱۵، ۲۳۶ — ۲۳۹، ۲۴۵، ۳۲۴، ۳۴۰ (۶) ۲۳۱، ۲۳۹ (۸) ۷۴۶ (۹)، ۱۱، ۲۰۷، ۳۲۷ (۱۰) ۳۸

سیرت النبیؐ : شبلی نعمانی (۵)، ۱۵، ۲۶۲، ۲۷۱ — ۲۷۷، ۴۴ — ۲۸۶، ۲۹۸، ۳۱۱ — ۳۱۲، ۳۲۷، ۳۴۰، ۳۶۵، ۳۸۵، ۳۹۹ (۷) ۲۵۲، ۳۰۰، ۳۱۱ — ۳۱۴، ۳۲۱، ۳۳۷، ۳۴۲، ۳۴۹، ۳۵۱، ۴۵۰، ۵۳۰، ۶۰۱ — ۶۰۲ (۸) ۲۳۵، ۳۶۲، ۳۶۳، ۷۴۹ (۹) ۳۲۹، ۳۵۵، ۴۲۱، ۵۲۲

السیرۃ النبویہ : ابن کثیر (۵)، ۲۶۳، ۲۶۹، ۲۷۲، ۳۳۷ (۹) ۵۲۵، ۵۳۳، ۵۳۵

السیرۃ النبوۃ : ابوالحسین احمد بن عبداللہ البکری المصری م بعد ۶۹۴ھ (۹)، ۸۹

السیرۃ النبویۃ : محمد بن بسطام بن رستم بن قنبر الحسینی الخونشابی م ۱۰۹۶ھ (۹) ۱۰۲

السیرۃ النبویہ و آثار المحمدیہ : سید احمد الزینی (۸)، ۹۳

سیف الملوک و بدیع الجمال : خواصی (۱۰) ۱۷۱

ش

شاخ سدرہ : عبدالکریم ثمر (۱۰)، ۲۴، ۲۶، ۱۹۰

شاخ طوبیٰ : ادب سیمابی (۱۰) ۱۸۹

شاخ طوبیٰ : آغا صادق (۱۰) ۱۸۹

شانِ مصطفیٰ : شیر محمد ترمذی (۱۰) ۲۳

شاہنامۂ اسلام : حفیظ جالندھری (۱۰)، ۲۶، ۴۰، ۴۸، ۵۰، ۱۸۷

شذرات الذہب : ابن العماد الحنبلی (۶)، ۲۳۷

شرح اربعین نووی : ملا علی قاری (۶)، ۱۹

شرح الفیہ : العراقی (۷)، ۱۳۶ — ۱۳۷، ۱۳۹ — ۱۴۱ — ۱۴۵ — ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲

شرح ثلاثیات بخاری : ملا علی قاری (۶)، ۱۹

شرح تعرف (۹)، ۳۴

شرح حصن حصین : ملا علی قاری (۶)، ۱۹، ۵۱

شرح الدرر فی ہجرۃ سید البشر : شہاب الدین احمد بن عماد الدین اقفہسی م ۸۰۸ھ (۹)، ۹۵

شرح السنہ (۶)، ۳۳۴، ۷۱۶ (۷)، ۷۴۹

شرح شواہد المغنی : ابن ہشام (۱۰)، ۲۴۳

شرح السیر الکبیر : محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی (۵)، ۲۷۲، ۳۳۶

شرح السیرۃ : القطب الحلبی (۷)، ۱۴۸

شرح سیرۃ ابن سید الناس : ابو عز عزالدین عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم بن جماعہ کنانی م ۷۶۷ھ (۹)، ۹۳

شرح شفا قاضی عیاض : ملا علی قاری (۶)، ۱۹

شرح شمائل ترمذی : حاجی دشتایہ حاجی محمدؒ ۶، ۱۵

شرح شمائل ترمذی : ملا علی قاری (۶)، ۱۹

شرح صحیح بخاری : یعقوب صرفی (۶)، ۱۵

شرح صحیح مسلم : امام نووی (۶)، ۲۶، ۳۰۹، ۲۵۴ (۷)، ۲۹۱، ۶۹۳، ۷۰۲

شرح صحیح مسلم : ملا علی قاری (۶)، ۱۹

شرح سفر السعادۃ : عبدالحق محدث دہلوی (۶)، ۲۰

شرح عقائد نسفی : ملا علی قاری (۶)، ۱۹

شرح معانی الآثار : طحاوی (۶)، ۱۴۱، ۱۹۳

شرح موطا امام محمد : ملا علی قاری (۶)، ۱۹

شرح نخبۃ الفکر : ملا علی قاری (۶)، ۱۹، ۲۵۴
شرح نظم السیر النبوۃ : شہاب الدین احمد بن عماد الدین الفقہسی م ۸۰۸ھ (۹)، ۹۵
شرح نہج البلاغہ : سید علی نقی (۹)، ۷۲۹
شرح المواہب (۷)، ۴۷، ۵۴۴
شرح نووی بر حاشیہ مسلم (۶)، ۲۳۳
الشریعۃ : محمد حسین آجری (۹)، ۷۱۱
شش جہت : سعادت یار خاں (۱۰)، ۴۸۶
شعب الایمان : بیہقی (۷)، ۱۰۷
شعر الہند (۱۰)، ۷۰
الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ : قاضی عیاض (۶)، ۳۰، (۷)، ۱۰۵
(۸)، ۳۳۹، ۳۴۱-۳۴۲، ۳۴۴، ۳۶۳-
۳۶۴، ۴۰۷، ۴۱۵، ۴۱۷-۴۱۸، ۵۴۹-
۵۵۰، ۵۵۶، ۵۵۸
شفاء الغرام باخبار البلد الحرام : الفاسی (۹)، ۲۶۳
شمائل : ترمذی (۶)، ۷، ۳۲، ۵۰-۵۲، (۷)، ۲۱، (۸)
۳۶۰، (۱۰)، ۱۲، ۱۸، ۹۷
شمائل النبی : عبد المجید ترین (۱۰)، ۱۷۵
شمس و قمر : قمر میرٹھی (۱۰)، ۱۹۰
شمسی توانائی : سلطان علی (۹)، ۱۰
شمشیر ضیا بار : رحمٰن کیانی (۱۰)، ۱۹
شواہد النبوت : جامی (۹)، ۳۶، ۴۰
شہادت الاقوام : (۹)، ۲۹
شہر آشوب لندن : کامل (۱۰)، ۹۸

ص

صبح الاعشیٰ : قلقشندی (۵)، ۶۳۲، (۹)، ۸۹، ۱۰۶
صبح سعادت : سید یزدانی جالندھری (۱۰)، ۱۹۱
صحاح : جوہری (۹)، ۴۱۳، (۱۰)، ۱۱-۱۲
صحیح : ابن ابی حاتم (۶)، ۲۶۳
صحیح : ابن حبان (۶)، ۲۶۳، (۸)، ۵۳۰، (۹)، ۵۱۱، ۵۲۰
صحیح : ابن خزیمہ (۶)، ۲۶۳
صحیح : ابن عوانہ (۶)، ۲۶۳
صحیح بخاری : محمد بن اسماعیل بخاری م ۲۵۶ھ
(۵)، ۷۰، ۱۴۸، ۲۱۸، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۱، ۲۵۲،
۲۶۱، ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۱،
۲۹۳-۲۹۴، ۲۹۸-۲۹۹، ۳۰۹-۳۱۰، ۳۱۹-
۳۲۴، ۳۲۶-۳۳۲، ۳۳۵، ۴۵۲، ۴۹۵،
۵۸۳، ۵۹۰، ۶۰۷-۶۰۸، ۶۱۵، ۶۲۳، ۶۲۷،
۶۴۴، ۷۰۹-۷۱۰، ۷۱۶-۷۱۷، ۷۲۰، ۷۲۲
(۶)، ۱۲، ۱۴، ۱۹، ۲۰-۲۲، ۲۶-۲۷-۳۰
۳۵، ۳۸، ۴۰، ۴۹، ۵۰-۵۲، ۵۷، ۶۱-۶۲،
۶۴، ۶۷-۶۸، ۷۴، ۸۱، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۱۶،
۱۲۱-۱۲۲، ۱۲۵، ۱۷۳، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۰۱،
۲۰۳-۲۰۴، ۲۰۶-۲۰۸، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۰،
۲۲۴، ۲۳۱، ۲۴۰-۲۴۱، ۲۵۱-۲۵۲،
۲۵۵-۲۵۶، ۲۵۶ ب، ۲۵۶ ھ، ۲۶۱،
۲۶۳، ۲۶۸، ۲۷۵-۲۷۷، ۲۸۰-۲۸۲
۲۸۴، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۱

۳۰۶، ۳۱۰-۳۱۱، ۳۱۸-۳۱۹-۳۲۱، ۳۲۳
۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۹-۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۸،
۳۴۰-۳۴۳، ۳۴۵-۳۴۷، ۳۴۹-۳۵۵
۳۵۷-۳۵۸، ۳۶۰-۳۶۱، ۳۶۴-۳۶۶
۳۶۸-۳۷۰، ۳۷۲-۳۷۵، ۳۷۷-۳۷۹
۳۸۱-۳۸۲، ۳۸۴-۳۹۲، ۳۹۴-۳۹۷
۴۰۰-۴۰۷، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۵-۴۱۷
۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۵، ۴۲۸
۴۳۲، ۴۳۶-۴۳۷-۴۴۲، ۴۴۸، ۴۵۰،
۴۵۳-۴۵۸-۴۶۱-۴۶۳، ۴۶۵-۴۶۶
۴۷۰، ۴۷۴، ۴۷۵-۴۷۸، ۴۸۰-۴۸۱
۴۸۳، ۴۸۵، ۴۸۸-۴۸۹، ۴۹۱-
۴۹۲، ۴۹۶-۴۹۷، ۵۰۲، ۵۰۸، ۵۱۰،
۵۱۲، ۵۱۸-۵۲۵، ۵۳۵-۵۳۸-۵۴۴
۵۴۵، ۵۵۱، ۵۵۲-۵۵۳، ۵۵۶، ۵۵۷
۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۳، ۵۶۵-۵۶۸، ۵۷۰
۵۷۶، ۵۷۸، ۵۸۰، ۵۸۲، ۵۸۶، ۵۸۹
۵۹۱، ۵۹۴-۵۹۷، ۶۰۰، ۶۰۱-۶۰۳،
۶۰۷، ۶۰۹، ۶۱۱-۶۱۵، ۶۱۹، ۶۲۱،
۶۲۳، ۶۲۶-۶۳۶، ۶۳۹-۶۴۳،
۶۵۰، ۶۵۳-۶۵۴، ۶۵۷-۶۵۹، ۶۶۴
۶۶۵، ۶۶۸، ۶۷۱-۶۷۳، ۶۷۷-
۶۷۸، ۶۸۰، ۶۸۶، ۶۸۹-۶۹۰، ۶۹۵
۶۹۶، ۶۹۸، ۷۰۱-۷۰۳، ۷۰۵، ۷۰۸
۷۰۹، ۷۱۱، ۷۱۳-۷۱۵، ۷۱۹-۷۲۱،
۷۲۵، ۷۲۷، ۷۲۹، ۷۳۱-۷۳۳-۷۳۵
۷۳۸-۷۳۹، ۷۴۴، ۷۴۶، ۷۴۹-۷۵۰

۷۵۲، ۷۵۶، ۷۵۸-۷۶۰، ۷۶۲-۷۶۴
۷۶۷-۷۷۲، ۷۷۵-۷۷۶، ۷۷۸، ۷۷۹
۷۸۲-۷۸۳، ۷۸۵، ۷۸۸-
۷۹۰-۷۹۳، ۷۹۵
۷۹۶ (۷) ۱۷، ۱۹، ۲۱، ۳۰، ۴۸، ۵۷،
۶۳، ۶۵، ۶۷، ۷۱-۷۲، ۷۶، ۸۱-۸۳، ۸۵، ۹۰،
۹۳-۹۶، ۱۰۳-۱۰۴، ۱۱۶، ۱۱۸-۱۲۲، ۱۲۴-۱۲۵،
۱۲۷-۱۲۸، ۱۳۱-۱۳۳، ۱۳۷-۱۳۸، ۱۴۰، ۱۵۶،
۱۵۸، ۱۶۰، ۱۸۸، ۲۱۳، ۲۱۷، ۴۸۲-۴۸۶، ۴۸۸،
۴۹۰-۴۹۱، ۴۹۸، ۵۰۰-۵۰۱، ۵۰۳-۵۰۴،
۵۱۳-۵۱۴، ۵۱۸-۵۲۰، ۵۴۲، ۵۴۵-۵۴۶،
۵۵۰-۵۵۱، ۵۵۵، ۵۵۷-۵۶۰، ۵۶۲-
۵۶۴، ۵۶۶-۵۶۷، ۵۶۹-۵۷۱، ۵۷۴،
۵۷۸، ۵۸۰، ۵۸۴-۵۸۵، ۵۸۷، ۵۸۹-
۵۹۱، ۵۹۳-۵۹۴، ۵۹۷-۵۹۹، ۶۵۸، ۶۲۰،
۷۳۱، ۷۴۷-۷۴۹ (۸) ۳۰، ۴۱، ۶۴، ۷۲-۷۴،
۹۱، ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۹، ۱۴۸، ۱۵۳، ۱۶۶، ۱۹۲،
۲۳۵-۲۳۶، ۲۷۷، ۳۲۱، ۳۳۵، ۳۶۰، ۴۲۱،
۴۲۸، ۴۵۲، ۵۴۰، ۵۴۴-۵۴۸، ۵۵۸، ۵۷۰،
۵۷۴، ۶۴۱ (۹) ۷، ۱۴-۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۴-۲۵،
۳۷، ۶۴، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۴۷، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۳۱،
۲۸۵، ۳۵۸، ۳۶۵-۳۶۶، ۴۱۳-۴۱۴،
۴۲۰، ۴۲۲، ۵۱۲، ۵۱۵-۵۱۶، ۵۱۸، ۵۲۰،
۵۲۶، ۵۴۷، ۶۱۸-۶۱۹، ۶۲۲-۶۲۳، ۶۳۱،
۷۰۳ (۱۰) ۶۹، ۷۶، ۸۶-۸۷، ۹۰، ۱۴۳

صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری،

م ۲۶۱ھ (۵) ۲۵۲، ۳۰۰، ۳۲۱، ۳۲۳،
۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۶، ۶۰۸، ۶۴۶، ۶۷۹،
۶۸۷، ۷۲۳ (۶) ۲۰، ۲۷، ۳۱، ۴۰، ۴۹،
۵۱-۵۲، ۶۲، ۱۰۵، ۱۴۳، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۰۴،
۲۰۶-۲۰۷، ۲۱۱، ۲۲۹، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۵۵-
۲۵۶، ۲۵۶ب، ۲۶۳، ۲۶۷-۲۶۸، ۲۷۱-
۲۷۲، ۲۷۵-۲۷۷، ۲۷۹-۲۸۳، ۲۸۵،
۲۹۱-۲۹۲، ۲۹۷-۳۰۱، ۳۰۶-۳۰۷،
۳۱۰-۳۱۱، ۳۱۵، ۳۱۸-۳۱۹، ۳۲۱-۳۲۶،
۳۲۸-۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۸-۳۴۱، ۳۴۶-
۳۵۸، ۳۶۰-۳۶۱، ۳۶۵-۳۶۶، ۳۶۸-
۳۷۵، ۳۷۸-۳۷۹، ۳۸۱-۳۸۲، ۳۸۴،
۳۸۷-۳۹۳، ۳۹۵-۳۹۷، ۴۰۰، ۴۰۱-۴۰۷،
۴۰۹-۴۱۱، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۱۶-۴۱۸، ۴۲۰-
۴۲۱، ۴۲۵، ۴۲۸-۴۲۹، ۴۳۳، ۴۳۷،
۴۴۱-۴۴۲، ۴۵۰-۴۵۱، ۴۵۳-۴۵۴،
۴۵۶-۴۶۱، ۴۶۳-۴۶۴، ۴۷۰، ۴۷۳،
۴۷۵-۴۷۸، ۴۸۰-۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵-
۴۸۶، ۴۸۸-۴۹۲، ۴۹۶، ۵۰۰، ۵۰۸، ۵۱۰،
۵۱۲، ۵۱۴، ۵۱۹-۵۲۳، ۵۲۵، ۵۲۸، ۵۳۰،
۵۳۵، ۵۳۸، ۵۴۵، ۵۴۸-۵۵۳، ۵۵۶-
۵۵۸، ۵۶۰-۵۶۱، ۵۶۳-۵۶۵، ۵۶۷-
۵۷۰، ۵۷۵-۵۷۶، ۵۷۸-۵۸۰، ۵۸۲،
۵۸۵-۵۸۶، ۵۸۸-۵۹۱، ۵۹۴، ۵۹۸،
۶۰۰-۶۰۲، ۶۰۷، ۶۱۱-۶۱۳، ۶۱۵،
۶۱۹-۶۲۱، ۶۲۳، ۶۲۶-۶۳۶، ۶۳۸-
۶۴۳، ۶۵۰، ۶۵۳-۶۵۵، ۶۵۷-۶۵۹،
۶۶۴-۶۶۵، ۶۶۸، ۶۷۱-۶۷۴، ۶۷۸-
۶۸۰، ۶۸۶، ۶۸۹-۶۹۰، ۶۹۵-۶۹۸،
۷۰۰-۷۰۳، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۸-۷۱۱، ۷۱۳-
۷۱۵، ۷۲۰-۷۲۱، ۷۲۴-۷۳۰، ۷۳۲-۷۳۳،
۷۳۵، ۷۳۸-۷۳۹، ۷۴۴، ۷۴۶، ۷۴۹-
۷۵۰، ۷۵۲-۷۶۰، ۷۶۲-۷۶۴، ۷۶۸-
۷۷۱، ۷۷۴-۷۷۸، ۷۸۲-۷۸۳، ۷۸۵،
۷۸۸، ۷۹۰، ۷۹۲-۷۹۳، ۷۹۶ (۷) ۲۴، ۲۹،
۳۵، ۴۱، ۴۸، ۵۷، ۶۳، ۶۵، ۶۷، ۸۱، ۸۳،
۸۵-۸۶، ۹۲، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷-۱۰۹، ۱۱۲،
۱۱۴-۱۲۲، ۱۲۴-۱۳۳، ۱۴۷، ۱۶۰، ۱۸۲، ۱۸۵-
۱۸۶، ۱۸۸، ۴۸۳، ۴۸۶، ۴۹۴، ۴۹۸، ۵۰۱، ۵۰۴-۵۰۵
۵۱۳، ۵۱۵-۵۱۶، ۵۲۱-۵۴۷، ۵۵۱-۵۵۲، ۵۵۵-
۵۵۷، ۵۵۹-۵۶۳، ۵۶۶-۵۶۷، ۵۶۹، ۵۷۵-
۵۷۶، ۵۷۸-۵۸۰، ۵۸۷-۵۸۸، ۵۹۰،
۵۹۳، ۵۹۷-۵۹۹، ۶۹۳ (۸) ۱۸، ۳۸،
۴۰، ۴۹، ۵۹، ۶۴، ۷۰، ۹۲، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۳۰،
۱۴۸، ۱۶۶، ۳۶۳، ۳۸۰، ۴۲۱، ۴۵۲، ۵۴۰،
۵۴۴-۵۴۸، ۵۶۷، ۵۶۹-۵۷۰، ۶۰۳،
۶۶۱ (۹) ۱۷-۲۰، ۲۲، ۲۴، ۹۵-۹۶،
۱۱۷، ۱۱۹، ۱۸۷، ۱۹۷، ۱۹۹، ۳۶۵-۳۶۶،
۴۱۳، ۴۲۲، ۵۰۹، ۵۱۲، ۵۱۵-۵۱۶، ۵۱۸-
۵۱۹، ۵۲۰، ۶۱۲، ۶۲۲ (۱۰) ۸۷، ۹۰

صحیفہ: سعد بن عبادہ (۶) ۱۹۹

صحیفہ: وہب بن منبہ (۶) ۲۳۰، ۲۳۱،

صحیفۂ صادقہ : عبداللہ بن عمرو بن العاص (۶)، ۱۹۷، ۲۲۸، ۲۳۵
الصحیفۃ الصحیحہ موسوم بہ صحیفۂ ہمام بن منبہ م ۱۰۱ھ :
حمیداللہ (مرتب) ۲۳۲ (۶) ۱۹۸— ۱۹۹،
۲۳۳، ۲۳۷
صحیفۂ نور : عزیز حاصل پوری (۱۰) ۱۸۹
صحیفۂ ولا : محمد ہادی عزیز لکھنوی (۱۰) ۱۸۶
صد صلۃ الجرس : عمیق حنفی (۱۰) ۳۱
صدیق اکبر : محمد رضا (۷)، ۴۵۹
صراح (۱۰) ۱۲
صغیر و اختر (۱۰) ۹۸
صفوۃ الصفوہ : ابن جوزی (۶)، ۹۴- ۹۵ (۹)، ۶۳، ۹۸،
۷۰، ۱۹۶، ۴۰۰، ۴۱۳
صل علیٰ : محمد احمد شاد (۱۰) ۱۹۱
صلوا علیہ و آلہٖ : حفیظ تائب (۱۰) ۱۹۰
صلی اللہ علیہ وسلم : راز کاشمیری (۱۰) ۵۱
صواعق محرقہ : ابن حجر مکی (۶)، ۱۴، ۱۶
صواعق مرسلہ : ابن قیم (۶)، ۲۰۳
صہبائے حرم : ساجد صدیقی لکھنوی (۱۰)، ۶۰
صہبائے مدینہ : آثم نظامی (۱۰) ۱۸۹
صید الخواطر : ابن جوزی (۶)، ۹۱
صور من حیاۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم : امین دویدار (۹) ۱۷۷
الصلوۃ السامیہ : مصطفےٰ ابن کمال الدین خلوتی (۹)، ۶۱۲

ض

ضوء الداری : غلام علی آزاد (۶) ۲۲
الضوء اللامع : السخاوی (۶)، ۱۳
ضیاء الانوار : احمد بن عبداللہ بن محمد ابوالحسن البکری (۹)، ۸۹
ضیاء القرآن : کرم شاہ (۸)، ۶۶۱

ط

طاب طاب : عبدالعزیز خالد (۱۰) ۱۸۹
طب النفوس (۹)، ۷۳
طبقات : ابن سعد (۵)، ۳۸، ۸۳، ۱۰۲، ۱۲۶، ۱۳۳، ۱۴۱،
۱۵۰، ۱۵۹، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۸، ۲۵۱، ۲۵۷،
۲۶۲- ۲۷۳، ۲۷۹، ۲۸۱- ۲۸۳، ۲۸۵- ۳۰۶
۳۱۰- ۳۱۲، ۳۲۰- ۳۲۲، ۳۲۵- ۳۲۸، ۳۳۰،
۳۳۲، ۳۳۷، ۳۶۷- ۳۶۸، ۳۸۹، ۳۹۶-
۳۹۷، ۴۰۶- ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۲، ۴۲۱، ۴۲۶
۴۳۱، ۴۳۶- ۴۳۷، ۴۴۷، ۴۴۹- ۴۵۲
۴۵۵- ۴۵۷، ۴۶۱- ۴۶۲، ۴۶۴-
۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۱، ۴۸۸، ۴۹۵،
۴۹۷، ۵۰۳- ۵۰۴، ۵۱۴- ۵۱۵، ۵۱۷- ۵۱۸،
۵۵۷، ۵۶۴، ۵۸۹، ۵۹۸- ۵۹۹، ۶۱۳، ۶۱۵،
۶۲۴، ۶۲۸، ۶۳۳، ۶۵۴، ۶۷۲، ۶۷۵- ۶۷۶،
۶۷۸- ۶۷۹، ۶۹۱، ۷۱۵- ۷۱۷، ۷۱۹- ۷۲۰
(۶) ۷، ۷۵، ۷۹، ۸۱، ۸۵، ۹۵، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۳۱،
۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۵- ۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۸، ۲۱۴، ۲۲۹،
۲۳۴- ۲۳۷، ۲۴۰- ۲۴۳، ۲۶۱ (۷) ۱۳۹، ۱۴۴،
۱۴۷، ۱۵۰- ۱۵۱، ۱۵۳- ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۹، ۱۷۲،
۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۴، ۱۹۰- ۱۹۱، ۱۹۳- ۲۰۷، ۲۱۰-
۲۱۳، ۲۱۵- ۲۱۸، ۲۲۳- ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۸،
۲۳۶، ۲۴۴- ۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۸۱، ۲۸۸،
۲۹۷، ۲۹۹- ۳۰۰، ۳۱۶، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۳۵-
۴۳۸، ۴۴۸- ۴۴۹، ۴۷۵- ۴۷۸، ۴۸۰، ۵۰۶،

۵۷۷، ۵۸۳، ۶۰۷، ۶۰۹ - ۶۱۰، ۶۸۰،
۴۹۴ - ۴۹۸، ۷۰۰ - ۷۲۰، ۷۲۷ (۸) ۱۶۹،
۳۲۵، ۳۴۰ - ۳۴۲، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۸،
۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۸، ۴۲۱، ۴۲۵ (۹) ۷۰، ۹۷، ۵۲۲،
۵۳۱ - ۵۳۳، ۶۸۸

الطبقات: المسلم بن حجاج القشیری (۷) ۱۴۹، ۱۶۶

طبقات الحفاظ (۶) ۲۴۱

طبیعیات، عربی ترجمہ از سلام الابرش: ارسطو (۸) ۵۳۵

طحاوی شریف (۷) ۵۹۹

طرد الاوہام عن اثر الامام الہمام: شیخ الاسلام (۶) ۲۱

الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ: ابن قیم (۵) ۳۲۱، ۳۲۷

طلوع سحر: طفیل جعفری (۱۰) ۱۹۱

طوطی نامہ: غواصی (۱۰) ۱۷۱

طیب الانفاس بمختصر سیرۃ ابن سید الناس: محمد بن عبد اللطیف بن احمد القصری محلی م ۸۷۲ھ (۹) ۹۷

ظ

ظفر علی خاں: غلام حسین ذوالفقار (۱۰) ۳۶

الظفر المبین (۶) ۱۵۹

ظفر الوالہ بمظفر و آلہ: عبداللہ بن محمد بن عمر المکی (۶) ۱۶

ظہور رحمت: شاد عظیم آبادی م ۱۳۴۵ھ (۱۰) ۱۵۴

ظہور قدسی: مفتی انتظام اللہ شہابی (۱۰) ۱۹۱

ظہیر الاسلام (۸) ۵۵۶

ع

عبدہٗ: عبدالعزیز خالد (۱۰) ۱۸۹

العتیق: عبدالحفیظ (۸) ۱۲۸

عبقریۃ محمد: عباس محمود العقاد (۸) ۳۶۲، ۳۶۸، ۳۹۲

العجالۃ شرح الفیہ: العراقی (۷) ۱۳۵، ۱۴۲-۱۴۴، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۴۰ - ۱۴۱، ۱۴۳ - ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۱ - ۱۷۲، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱ - ۱۸۴، ۱۸۷ - ۱۸۹

العجالۃ السنیۃ علی الفیۃ السیرۃ: ثعلبی (۷) ۱۴۸

العجالۃ السنیہ والفیۃ العراقی: الیمری (۷) ۱۳۶، ۱۴۰

عجالۂ نافعہ: شاہ عبدالعزیز (۶) ۳۴

العرب قبل الاسلام: جرجی زیدان (۵) ۲۳۸ - ۲۴۱، ۲۳۷

عرب اور اسلام، ترجمہ از مبارز الدین و محمد معین خاں: حتی (HITTI) (۵) ۲۴۳

عربی اسلامی تہذیب: گوستاف لی بان (۷) ۷۲۲

عزیز مصر (۱۰) ۹۸

عصر النبی: محمد عزۃ دروزۃ (۵) ۲۵۹، ۳۲۸

عطر جذبات: احمد علی اثر ہاپوڑی (۱۰) ۱۹۸

عطیۂ شکریہ (ہدیۂ مہدویہ کا جواب) (۱۰) ۹۸

عظمت حدیث: ضیاء احمد بدایونی (۶) ۲۲۹

عظمۃ الرسول: محمد عطیہ الابراشی (۸) ۳۶۲، ۳۶۹، ۵۴۹

عقائد فخریہ: معروف بہ نظام العقائد (۱۰) ۹۷

العقد الثمین (۷) ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۸۹

العقد الفرید: ابن عبد ربہ (۵) ۲۴۳، ۳۲۷، ۵۹۲ (۸) ۵۵۹ - ۵۶۰، ۵۶۳

عقیدت: محمود اختر کیانی (۱۰) ۱۹۰

عقیدت کے پھول: اسلم جالندھری (۱۰) ۱۹۱

عقیدت کے پھول: محمد عاشق (۱۰) ۱۹۰

عقیدہ الحمویہ: شیخ واسطی (۹) ۱۱۱

علل الشرائع : صدوق (۷) ۷۲۶

علم الحدیث : العمادی (۶) ۲۶۲

العلم الشامخ : (۶) ۱۰۲

علم القلوب : ابوطالب بن محمد (م ۹۴۹ء) (۸) ۶۹۸

العلل : ابن مدینی (۷) ۱۵۷

علوم الحدیث : تقی الدین الشہرزوری (۶) ۲۳۳

علوم الحدیث و مصطلحہ : صبحی صالح (۶) ۲۳۳، ۲۳۷ (۷) ۵۹۹

علی نامہ : نصرتی (۱۰) ۲۷، ۱۷۱

علی ہامش الشفا (۸) ۳۳۹

عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار : احمد بن عبدالحمید العباس (۵) ۲۵۴، ۳۲۸

عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس والحریر : عبدالحلیم (۶) ۴۱

عمدۃ القاری : عینی (۵) ۳۱۰ (۷) ۱۷۱

عمر بن خطاب : طنطاوی (۷) ۳۴۳

عمر فاروق اعظم : محمد حسین ہیکل (۷) ۴۲۴، ۴۲۷، ۴۶۶

عمرو بن العاص : محمد فرج (۷) ۴۲۰، ۴۳۲ – ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۸، ۴۴۳

عہد نبویؐ کے میدان جنگ : محمد حمیداللہ (۵) ۲۸۵، ۳۳۹، ۳۷۶، ۵۵۶

عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی : ڈاکٹر حمیداللہ (۵) ۱۵، ۹۶ – ۹۸، ۱۱۰، ۱۱۷، ۲۲۶، ۲۴۱ – ۲۴۳، ۲۷۵ – ۲۸۰، ۲۸۳، ۳۲۹ – ۳۳۰، ۳۳۲، ۳۳۹ (۹) ۵۲۶

عینی شرح صحیح بخاری (۵) ۷۱۷

عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر : ابن سیدالناس (۵) ۷۳، ۲۵۳، ۲۶۴ – ۲۶۵، ۲۹۵، ۲۷۷، ۳۲۱، ۳۳۷ (۷) ۱۳۵ – ۱۳۷، ۱۳۹ – ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۶۰ – ۱۶۱، ۱۶۳ – ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۷۱ – ۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱ – ۱۸۴، ۱۸۷ – ۱۸۹، ۶۰۵ – ۶۰۷، ۶۰۹ (۹) ۶۴ – ۶۸، ۹۷، ۲۶۴، ۲۶۸، ۵۳۰، ۵۲۳

عیون الاخبار (۸) ۳۴۷، ۳۵۸، ۵۶۱

عیون الاخبار الرضا (۷) ۵۱۷

غ

غایۃ المسئول فی سیرۃ الرسول : عبدالباسط بن خلیل بن شاہین الملاطی بن الوزیر م ۹۲۰ھ (۹) ۹۸

غایۃ الکلام فی بیان الحلال والحرام : عبدالحلیم (۶) ۴۱

غبار حجاز : راسخ عرفانی (۱۰) ۱۸۹

غرور حسن (۱۰) ۹۸

غزلیات غالب (فارسی)، مرتبہ وزیرالحسن عابدی : غالب (۱۰) ۳۷

غنچۂ نور : حافظ الٰہی بخش بسمل (۱۰) ۱۸۵

غیاث اللغات (۱۰) ۱۴

ف

فارقلیط : عبدالعزیز خالد (۱۰) ۴۱، ۴۸، ۶۲، ۱۸۹

الفاروق : شبلی نعمانی (۵) ۳۲۹ (۷) ۳۴۰ – ۳۴۱، ۳۴۴ – ۳۴۹، ۳۵۲، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۱ – ۳۶۲، ۳۶۶ – ۳۶۸، ۳۷۰ – ۳۷۱، ۳۷۵، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۶، ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۲ – ۳۹۳، ۳۹۵، ۳۹۹ – ۴۰۰، ۴۰۸، ۴۲۱، ۴۲۷، ۴۶۲، ۴۶۷ (۹) ۵۵۲

فاکہۃ البستان (۱۰) ۱۲

فتح الباری : ابن حجر (۵) ۳۱۰، ۳۲۵ – ۳۲۶ (۶) ۳۹ – ۴۰، ۵۰، ۱۹۴، ۲۰۹، ۲۲۳ – ۲۲۴، ۲۴۱ (۷) ۷۶، ۱۳۷، ۱۵۸، ۱۷۲، ۵۴۴، ۶۰۴ (۸) ۴۲۱، ۴۲۴ (۹) ۲۵۰

فتح القدیر : ابن ہمام (۶) ۳۹ – ۴۰

الفتح القریب فی سیرۃ الحبیب : فتح الدین محمد بن ابراہیم بن محمد الشہید
النابلسی م ۷۹۳ھ (۹) ۹۴
الفتح المبین (۶) ۱۵۹
فتح المغیث : ابن الجوزی (۶) ۴۲، ۲۳۵، ۲۶۴
فتح الملہم : شبیر احمد عثمانی (۶) ۱۶۷، ۲۰۳، ۲۵۰، ۲۵۳
فتوح البلدان : البلاذری (۵) ۲۵۵، ۲۸۸، ۲۹۶، ۳۰۲،
۳۱۱، ۳۲۴، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۹۶ – ۳۹۷ (۶)
۲۳۴، ۲۴۲ – ۲۴۳ (۷) ۱۳۷، ۱۳۹، ۲۴۰، ۲۷۹،
۳۵۶، ۳۹۲، ۴۲۰، ۴۲۲ – ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۶۳،
۷۲۴، ۷۲۹ (۸) ۲۲۹ (۹) ۶۶ – ۷۰، ۶۸۷، ۶۹۱
الفتوحات السبحانیہ فی شرح نظم الدرر السنیہ للعراقی : عبدالرؤف
مناوی م ۱۰۳۱ھ (۹) ۹۹
فتوحات مکیہ : شیخ اکبر (۶) ۱۴۳
فتوح الشام : واقدی (۹) ۸۵، ۹۰
فجر الاسلام : احمد امین (۵) ۲۴۳، ۳۳۷ (۹) ۸۱
فخر کونین : محشر رسول نگری (۱۰) ۴۸، ۱۸۹
الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ : ابن الطقطقی (۵)
۱۸۵، ۳۱۳، ۳۲۷
فرائد الدرر و فوائد الفکر : ابن بادیس القسطینی م ۷۸۷ھ (۹) ۸۷
فردوس : دیلمی (م ۵۰۹ھ) (۶) ۲۰۵
فردوس : ماہر القادری (۱۰) ۱۸۷
فروغ ابدی نعتیہ : (۱۰) ۹۷
فرہنگ : آنندراج (۸) ۱۴۵ (۱۰) ۱۴
فرہنگ آموزگار : حبیب اللہ آموزگار (۱۰) ۱۴
فرہنگ عامرہ (۱۰) ۱۵
فریاد داغ (۱۰) ۸
الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول : ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر بن کثیر
الدمشقی م ۷۷۴ھ (۹) ۹۳
الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین : شاہ ولی اللہ
(۶) ۳۳
فلسفۃ التشریع الاسلام : صبحی محمصانی (۵) ۳۳۱
فلورا فلورنڈا : شرر (۱۰) ۹۸
فن شعر اور شعراء پر تنقیدیں : اصغر حسین لدھیانوی (۱۰) ۲۶
فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت : عبدالعلی بحرالعلوم (۶) ۳۹ – ۴۰،
۱۲۱ – ۱۲۲
فوائد الفواد : حسن دہلوی (۶) ۲۴
فوائد الفواد (ملفوظات) : نظام الدین اولیاء (۱۰) ۹۸
الفوائد المجموعہ : قاضی شوکانی (۶) ۲۰۲
فوائد المریدین : شرف الدین یحییٰ منیری بہاری (۶) ۲۵
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر : شاہ ولی اللہ (۵) ۳۳۵
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر مع فتح الخبیر، مترجم سید محمد مہدی الحسنی
وحبیب الرحمٰن صدیقی : شاہ ولی اللہ (۵) ۳۰۶
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر وبلیہ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف :
شاہ ولی اللہ (۵) ۳۰۶ – ۳۰۷
فہرس دار الکتب المصریہ (۹) ۱۰۲، ۱۰۹
فہرس الظاہریۃ تاریخ وملحقاتہ : یوسف العش (۹) ۱۰۷، ۱۰۸،
فہرس متحف الطوبقبوسرای (۹) ۹۷
فہرس المخطوطات العربیہ المصورہ (۹) ۸۷
فہرس المخطوطات المصدرہ (۹) ۹۲ – ۹۳، ۹۸، ۱۰۶ – ۱۰۸
فہرست : ابن ندیم (۶) ۸، ۲۳۷ – ۲۳۸ (۷) ۱۵۶، ۲۸۸، ۷۲۵،
۷۲۹ (۹) ۶۴، ۶۹
فہرست الکتب الترکیہ الموجودۃ فی الکتبخانہ خدیویہ : علی حلمی الداغستانی
(۹) ۱۰۶
فہرست کتب فارسی کتب خانہ پٹنہ (۶) ۱۵

فوات الوفیات : ابن شاکر کبتی (۹) ۷۱، ۷۲، ۷۳

فیض الباری شرح صحیح بخاری : (۶) ۱۴

فیضانِ کرم : عابد نظامی (۱۰) ۱۹۱

فیوض الحرمین : محمد عبدالعزیز شوقی (۱۰) ۱۹۰

ق

قاب قوسین : اقبال عظیم (۱۰) ۱۹۰

قاسم خلد : سکندر لکھنوی (۱۰) ۱۸۹

القاموس العصری (۱۰) ۱۲

القاموس المحیط : مجدالدین الفیروز آبادی (۵) ۲۵۳ – ۲۵۴،
۳۳۹ (۱۰) ۱۲

قانون بین الممالک : محمد حمیداللہ (۵) ۱۴، ۳۳۹

قانون الموضوعات : محمد طاہر فتنی (۶) ۱۷

قبالۂ بخشش : صوفی جمیل الرحمٰن قادری رضوی (۱۰) ۱۹۱

قدسی : نفیس خلیلی (۱۰) ۱۸۶

قرآن (۵) ۳۱ – ۳۲، ۳۴، ۳۶، ۴۵، ۴۹ – ۵۰، ۵۳،
۵۸ – ۶۲، ۶۴، ۶۷، ۶۹، ۷۳، ۸۵، ۱۰۱، ۱۰۳،
۱۰۷، ۱۱۸ – ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۴۴،
۱۴۹، ۱۶۰، ۱۶۴ – ۱۶۵، ۱۶۹ – ۱۷۴، ۱۸۲، ۱۸۶،
۱۸۹، ۱۹۲ – ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۹ – ۲۰۰، ۲۰۴، ۲۰۸،
۲۱۱ – ۲۱۵، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۴ – ۲۲۶،
۲۳۷ – ۲۴۰، ۲۴۴، ۲۴۶ – ۲۵۰، ۲۵۴ – ۲۵۷،
۲۶۶، ۲۷۸، ۲۸۳، ۲۸۵ – ۲۸۶، ۲۹۰، ۲۹۹،
۳۰۲ – ۳۰۳، ۳۰۷ – ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۶،
۳۱۸ – ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۳۰، ۳۳۵،
۳۴۴، ۳۴۶، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۹۸،
۴۰۲، ۴۰۷، ۴۱۳، ۴۴۴، ۴۸۶، ۴۹۲، ۵۱۱،
۵۵۷، ۵۸۲، ۵۸۹، ۶۰۳، ۶۱۵، ۶۲۶، ۶۳۱،
۶۲۵، ۶۴۶، ۶۶۶، ۶۷۰، ۶۷۹، ۷۰۸ – ۷۱۳،
۷۱۵ (۶) ۷، ۳۲ – ۳۴، ۳۹، ۴۴، ۵۹ – ۶۲، ۶۴،
۶۹، ۷۲ – ۷۳، ۸۳، ۸۹، ۹۴، ۹۶ – ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۴،
۱۰۹ – ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۴ – ۱۱۷، ۱۱۹ – ۱۲۲، ۱۳۷ –
۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۵ – ۱۵۶، ۱۶۵، ۱۷۱ – ۱۷۳، ۱۷۷،
۱۸۳، ۱۹۲ – ۱۹۵، ۲۱۰ – ۲۱۱، ۲۱۳ – ۲۱۵، ۲۱۷،
۲۲۴ – ۲۲۵، ۲۴۰، ۲۴۲ – ۲۴۳، ۲۴۷ – ۲۵۰،
۲۵۴، ۲۵۶ (الف)، ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۶۵ – ۲۶۶،
۲۷۶، ۳۰۲ – ۳۰۳، ۳۸۰، ۳۹۳ – ۳۹۶، ۴۲۶ –
۴۳۰، ۴۳۵ – ۴۳۶، ۵۰۱، ۵۲۱، ۵۷۲، ۶۲۳،
۷۲۳ (۷) ۱۰، ۱۲، ۲۰، ۴۰، ۵۰، ۶۳، ۱۱۱،
۱۴۰ – ۱۴۱، ۱۵۲ – ۱۵۳، ۱۵۶ – ۱۵۸، ۱۷۰،
۱۷۳ – ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۸۵، ۱۹۷ – ۱۹۸، ۲۱۷،
۲۳۱، ۲۵۶، ۲۶۹، ۳۰۱، ۳۱۹ – ۳۲۰، ۳۲۷،
۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۴، ۳۳۸، ۳۴۱، ۳۵۳،
۳۷۷، ۳۸۵ – ۳۸۶، ۳۹۳ – ۳۹۴، ۳۹۹،
۴۰۳، ۴۱۱ – ۴۱۳، ۴۲۲، ۴۵۵،
۴۶۸، ۶۳۹، ۶۴۸، ۶۵۵، ۶۶۱،
۶۷۲، ۶۸۵، ۶۹۰، ۷۲۱، ۷۲۳،
۷۲۸، ۷۳۴، ۷۳۶، ۷۳۸ – ۷۳۹، ۷۴۱ – ۷۴۳،
۷۴۵ – ۷۴۷، ۷۵۰ – ۷۵۲ (۸) ۹، ۱۳، ۵۲ – ۵۴،
۹۲، ۹۸، ۱۲۶ – ۱۲۹، ۱۳۴ – ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۳،
۱۵۲ – ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۷۵، ۱۸۵، ۱۹۲،
۱۹۶، ۲۰۰ – ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۱۸، ۲۳۰، ۲۳۴ –
۲۴۲، ۲۴۴، ۲۵۳، ۲۶۹، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۹۹،
۳۲۱، ۳۲۳، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۳۹، ۳۴۴ – ۳۴۵،
۳۵۰ – ۳۵۲، ۳۵۴، ۳۶۲، ۳۷۰، ۳۷۳ – ۳۸۱،

۳۸۱–۳۸۳، ۳۸۵–۳۸۷، ۳۸۹، ۳۹۳–۳۹۴،
۴۰۵، ۴۱۱، ۴۱۹، ۴۲۲–۴۲۳، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۵۴،
۴۶۸، ۴۸۱، ۴۸۶–۴۸۷، ۵۰۴، ۵۱۴، ۵۱۹،
۵۲۲–۵۲۴، ۵۲۶–۵۲۷، ۵۲۹–۵۳۰،
۵۳۷–۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۲–۵۴۳، ۵۴۵،
۵۶۳، ۵۶۶، ۵۶۸، ۶۰۴، ۶۰۷، ۶۱۴
۶۲۳، ۶۲۶، ۶۳۴–۶۳۸، ۶۴۳، ۶۴۷–
۶۵۲، ۶۵۹، ۶۶۲–۶۸۳، ۶۸۵، ۶۹۴،
۷۰۰، ۷۰۴–۷۰۵، ۷۰۷–۷۰۸، ۷۱۴، ۷۱۹
۷۲۵–۷۲۷–۷۲۹، ۷۳۱ (۹) ۸–۱۰، ۱۵
۱۶، ۲۵، ۲۸، ۳۰، ۳۸، ۴۱–۴۲، ۵۴، ۵۸–
۵۹، ۱۱۲–۱۱۴، ۱۱۸–۱۲۰، ۱۲۳–۱۲۴، ۱۳۷،
۱۳۶، ۱۶۹–۱۷۴، ۱۸۰، ۱۸۹، ۲۲۴، ۲۲۷–
۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۷۱،
۲۸۵، ۲۸۷، ۲۹۲، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۷،
۳۲۰–۳۲۲، ۳۲۴، ۳۳۲، ۳۳۸، ۳۴۴،
۳۵۲، ۳۶۴–۳۶۵، ۳۶۷، ۳۶۹، ۳۷۲،
۳۹۵–۳۹۶، ۴۱۲، ۴۱۷–۴۱۹–۴۲۱،
۴۵۳، ۴۸۹، ۵۰۲، ۵۰۸، ۵۱۰–۵۱۱، ۵۱۴،
۵۳۸، ۵۴۸–۵۶۳–۵۶۴–۵۷۱–۵۷۲
۵۸۱، ۵۸۲، ۶۰۵، ۶۰۷–۶۰۸، ۶۳۱، ۶۳۹
۶۴۳، ۶۵۶، ۶۸۳–۶۸۴، ۷۰۴–۷۰۶
۷۱۳، ۷۲۹، ۷۳۲–۷۳۷، ۷۳۹، ۷۵۰،
۷۵۱ (۱۰) ۱۲، ۱۷، ۱۹، ۴۴، ۶۴، ۶۸–
۷۰، ۷۲، ۷۴، ۷۶–۸۰، ۸۳–۸۴، ۸۶
۸۸، ۹۹، ۱۲۲، ۱۲۶–۱۲۷، ۱۳۶–۱۷۴،
۱۵۳، ۱۷۰، ۲۳۲، ۲۹۱، ۳۰۳، ۳۱۶،
۳۲۲، ۴۰۵، ۴۰۹، ۴۱۲، ۴۱۴، ۴۳۴،
۴۳۹، ۴۴۱، ۴۷۶، ۴۹۴، ۵۰۳، ۵۱۱
۵۱۲، ۵۲۳، ۵۲۷، ۵۳۲، ۵۶۴–۵۶۵،
۵۶۸، ۵۷۹، ۵۹۵، ۵۹۷، ۶۰۲، ۶۰۶، ۶۰۸،
۶۲۷، ۶۷۵، ۶۸۶، ۷۱۵، ۷۵۵
(دی) قرآن: رچرڈ بیل (۵) ۶۲۷
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں: ابوالاعلیٰ مودودی (۵) ۲۴۴، ۲۴۷
قرۃ العینین فی رفع الیدین: شاہ محمد فاخر الٰہ آبادی (۶) ۳۱
قرون وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب، ترجمہ منشی پریم چند: ہیرا چند
اوجھا دھیوپادھیا تے گوری شنکر (۵) ۲۳۶
قزوینی (۶) (۶) ۲۹۰، ۲۹۵، ۳۲۹، ۳۹۷، ۴۸۰، ۴۸۲–
۴۸۳، ۴۹۰، ۴۹۵–۴۹۶، ۴۹۸، ۵۰۱، ۵۲۴،
۵۴۱، ۵۴۶، ۵۵۵، ۵۷۰، ۵۷۶، ۶۲۴،
۶۶۲، ۶۶۹، ۶۷۸، ۷۰۶–۷۰۷، ۷۲۰،
۷۳۴، ۷۶۳، ۷۸۵، ۷۹۲
قصائد قاسمی: محمد قاسم نانوتوی (۱۰) ۱۸۵
قصائد معجز نظام (۱۰) ۹۷
قصص الانبیاء: قدرتی (۱۰) ۱۷۲
قصص القرآن: حفظ الرحمٰن (۹) ۳۲۷
قصہ بہرام و گل اندام: طبعی (۱۰) ۱۷
قصہ بے نظیر: صنعتی (۱۰) ۱۴۳
قصہ زیتون و محمد حنیف: علی خان (۱۰) ۱۵
قصیدہ بردہ: امام محمد بن سعید بوصیری (۸) ۴۰۲ (۹) ۴۲۲
(۱۰) ۶۷
قصیدہ ہرنی (۱۰) ۱۷۵
قصیدہ معجزہ: جنونی گجراتی (۱۰) ۱۷۵
القضایا والتجاریب: المسعودی (۹) ۷۳

قطب مشتری : ملا وجہی (۱۰) ۱۷۱
قندیل : غافل کرنالی (۱۰) ۱۹۰
قندیل عرش (دربیان معراج) (۱۰) ۹۸
قواعد التحدیث : جمال الدین قاسمی (۶) ۲۰۱، ۱۹۳، ۲۳۶
قوس قزح : شبنم سحابی (۱۰) ۱۹۱
القول الحسن فیما یتعلق بالنوافل والسنن : عبدالحلیم (۶) ۴۱
القویم فی حدیث النبی الکریم : سخاوت علی (۶) ۳۸

ک

الکاشف : ذہبی (۶) ۵۰
الکافی : کلینی (۷) ۲۴۷
کال کوٹھڑی اور جنگ پلاسی (۱۰) ۹۸
کامل : المبرد (۸) ۵۵۴، ۵۶۱
الکامل فی التاریخ : ابن الاثیر (۵) ۲۳۴-۲۳۵، ۲۳۸،
۲۷۹، ۲۹۰، ۲۹۹، ۳۲۰، ۳۲۶، ۳۶۶-۳۶۷،
۴۱۲، ۴۴۰، ۴۴۷، ۴۴۹-۴۵۰، ۴۵۷،
۴۷۱، ۵۷۵، ۶۶۱، ۶۶۵ (۷) ۲۰، ۳۱،
۱۳۵، ۱۴۱، ۱۵۲، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۱، ۴۱۸،
۴۷۹ (۸) ۴۴-۴۵ (۹) ۴۳، ۴۸-۷۰
کتاب الآثار : امام محمد (۶) ۳۲، ۴۲، ۳۰۱
کتاب الاذکار : نووی (۶) ۲۷
کتاب الاشتقاق : ابن درید ازدی (۵) ۴۵۶
کتاب الاعتبار : امام محمد بن موسیٰ حازمی (۶) ۲۰۲
کتاب الاغانی : ابن عبد ربہ (۶) ۳۴۳ (۹) ۴۳-۴۴، ۴۹
کتاب الاحکام : ابوبکر جصاص (۵) ۳۲۰، ۳۲۶
کتاب الام : امام شافعی (۶) ۲۰۳
کتاب الاموال : ابوعبید قاسم بن سلام (۵) ۹۱، ۱۰۴، ۱۸۱،
۲۷۲-۲۷۶، ۲۷۹-۲۸۰، ۲۹۵-۲۹۶،
۳۰۱، ۳۰۲، ۳۱۰، ۳۲۸-۳۲۹، ۳۳۷ (۶)
۲۰۳، ۲۲۳-۲۲۴ (۷) ۵۸۵ (۹) ۲۲۴
کتاب الانساب : سمعانی (۶) ۴۴-۴۸ (۹) ۶۳
کتاب الاوائل : ابوہلال عسکری (۹) ۶۸۵
الکتاب الاوسط : المسعودی (۹) ۷۳
کتاب البر والصلہ : عبداللہ بن مبارک (۶) ۴۶
کتاب التاریخ فی اخبار الامم عن العرب والعجم : المسعودی (۹) ۷۱
کتاب التفسیر : ابن عیینہ (۶) ۴۶
کتاب التمییز : امام مسلم (۶) ۱۰۷
کتاب جرمے النیرین : ارسطرخس (۸) ۵۳۶
کتاب حدیث (۷) ۵۸۳
کتاب الخراج : ابویوسف (۵) ۱۳۷، ۲۱۱، ۲۹۳-۲۹۷، ۳۱۱،
۳۲۰-۳۲۱، ۳۲۷، ۳۲۹، ۳۳۷، ۴۵۵-۴۵۷،
(۶) ۷۴، ۲۰۱، ۲۰۳ (۷) ۲۳۴ (۸) ۲۹۹ (۹)
۲۲۴، ۴۷۴، ۶۹۲-۶۹۳
کتاب الخراج : یحییٰ بن آدم (۵) ۴۵۵، ۶۶۵، ۶۶۸
کتاب الرسائل : المسعودی (۹) ۷۱
کتاب الشجرۃ فی ذکر نسب (فی سیرۃ) النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ
العشرۃ : عزالدین عبدالعزیز احمد بن سعید الدھری الدیرینی
م ۶۹۷ھ (۹) ۹۱
کتاب الثقاۃ : ابن حبان (۹) ۶۹۱
کتاب الفرائض : محمد بن سحنون (۷) ۵۶۳، ۵۶۴
کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ : عبدالرحمٰن الجزیری (۵)
۲۷۹، ۳۳۶
کتاب فیہ مختصر سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ابوالحسین احمد
بن فارس زکریا (۹) ۸۶
الکتاب الکبیر (۹) ۸۰

کتاب اللوامع المینرہ فی جوامع السیرۃ : عمر بن عیسیٰ بن درباس الهدانی المازانی م ۶۰۲ھ (۹) ۸۸

کتاب المجر : ابن حبیب بغدادی (۵) ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۵۳، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۸۱، ۲۹۰، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۳۶، ۳۶۷ - ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۶، ۵۰۷، ۵۱۴، ۵۵۷، ۶۰۸ - ۶۰۹، ۶۱۲، ۶۲۸، ۶۴۴، ۶۵۴، ۷۱۰ (۹) ۵۲۳ - ۵۲۴، ۵۲۹، ۵۳۲ - ۵۳۳، ۵۳۸ - ۵۳۹

کتاب المختصر فی اخبار البشر : عماد الدین اسماعیل ابوالفداء (۵) ۳۳۷

کتاب مرقوم (شرح مثنوی مولانا رومؒ) (۱۰) ۹۸

کتاب المصاحف : ابوداؤد (۷) ۱۵۱، ۱۵۲

کتاب المغازی : ابن اسحاق (۹) ۲۸۵

کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ (۵) ۳۱۹

کتاب بجتہ السیرۃ فی اختصار السیرۃ : تاج الدین ابونصر (۹) ۸۸

کتاب الوسائل الاصحیتہ والرسائل المحمدیہ : عزالدین عبدالعزیز احمد بن سعید الدہری الدیرینی م ۶۹۷ھ (۹) ۹۱

کرامات عزیزی (۱۰) ۹۸

کرم بالائے کرم : بہزاد لکھنوی (۱۰) ۱۸۷

کرشمۂ الفت (۱۰) ۹۸

کرمانی شرح بخاری : (۶) ۵۱

الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل : الزمخشری (۵) ۸۲، ۲۶۶، ۳۳۵

کشف : ابوزید دبوسی (۶) ۱۲۱

کشف : بزدوی (۶) ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶

کشف الحجاب فی سیرۃ النبی المجتبیٰ والاصحاب : احمد بن سلیمان بن عثمان خالدی نقشبندی - م تقریباً ۱۲۷۵ھ (۹) ۱۰۴

کشف الظنون : حاجی خلیفہ (۶) ۷ (۱۰) ۱۴

کشف الغطا عما لزم للمولیٰ عن الاحباء : شیخ الاسلام (۶) ۲۱

کشف المحجوب (۹) ۶۰۹، ۶۳۹، ۷۰۰ - ۷۰۱

کشف المحجوب : شیخ علی ہجویری، ترجمہ ابوالحسنات محمد احمد قادری (۱۰) ۱۴

کشف الظنون : حاجی خلیفہ (۹) ۵۲، ۶۳ - ۶۴، ۹۲، ۹۹، ۱۰۶ - ۱۰۷

الکفایتہ فی علم الروایۃ : خطیب بغدادی (۶) ۸۶، ۱۰۸، ۲۳۳ - ۲۳۴، ۲۳۶ - ۲۳۷

کلام دلدار علی مذاق بدایونی (۱۰) ۹۷

کلچرل سائڈ آف اسلام (۸) ۶۷۴

کلاسیکل ڈکشنری (۹) ۲۸۰

کلیات : احمد خاں ہوش (۱۰) ۹۷

کلیات : امیر خسرو (۱۰) ۴۶

کلیات : سعدی (۹) ۱۲۸

کلیات : سودا (۱۰) ۳۰

کلیات : شائق (۱۰) ۵۳، ۵۴

کلیات : شہید (۱۰) ۱۷۸

کلیات : نظیر اکبر آبادی (۱۰) ۳۹۲

کلیات : محسن (۱۰) ۵۴، ۶۲، ۱۸۲

کلیات : مومن (۱۰) ۱۷۷

کلیات : ولی (۱۰) ۴۷، ۱۷۳

کلیات اقبال اردو : علامہ محمد اقبال (۱۰) ۱۷

کلیات مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی : میر (۱۰) ۱۷۶

کلیات مرتبہ ڈاکٹر محمد حفیظ : قاضی محمود بحری (۱۰) ۱۷۳

کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال : شیخ علی متقی (۶)، ۱۶، ۲۴۲، ۲۶۲ (۷)، ۱۲۰، ۳۸۷ (۸)، ۸۵، ۱۱۲ (۹)، ۵۱۷ – ۵۱۸ (۱۰)، ۷۷ – ۷۸، ۸۵، ۹۱

کنزالمکنون، ترجمہ سرور المحزون : شاہ ولی اللہ (۱۰)، ۹۷

کنورجی لیلے (۱۰)، ۹۸

کیف مسلسل : حافظ لدھیانوی (۱۰)، ۱۹۰

کیف و سرور : بہزاد لکھنوی (۱۰)، ۱۸۷

گ

گل مغفرت : حیدر بخش حیدری (۱۰)، ۳۸

گلبانگِ حرم : حمید صدیقی (۱۰)، ۱۸۷

گلبن نعت (۱۰)، ۹۷

گلدستہ طرب المعروف بہ شمع عرب : سید منظور علی منظور بدایونی (۱۰)، ۱۸۵

گلزار داغ (۱۰)، ۹۸

گلستان : سعدی (۶)، ۱۵۶

گلستان اکبر : صوفی محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی (۱۰)، ۱۸۵

گلشن فرخ معروف بہ سرکار یثرب : بی بی سلطان فرخ (۱۰)، ۱۸۵

گلشن عشق : نصرتی (۱۰)، ۷۲، ۱۷۱

گلگشت بہشت : میر سید شائق دہلوی (۱۰)، ۱۸۵

گنج سخن : ذبیح اللہ صفا (۱۰)، ۱۴ – ۱۵

گنج شریف اردو : سید شرافت نوشاہی (۱۰)، ۱۷۱

گنجینۂ نعت (۱۰)، ۱۸۶

ل

لال کپستان (۱۰)، ۹۸

لسان العرب : ابن منظور الافریقی (۵)، ۲۴۷، ۲۵۴ – ۲۵۵، ۲۷۶ – ۲۷۷، ۲۷۹، ۳۳۹ (۶)، ۲۳۶، ۲۵۸ (۸)، ۵۴۰ (۱۰)، ۱۱ – ۱۳

لسان المیزان : ابن حجر عسقلانی (۹)، ۸۹، ۱۰۶

لغات الحدیث (۱۰)، ۱۲

لغات القرآن : عبدالرشید نعمانی سید عبدالدائم الجلالی (۹)، ۲۰۹

لغات کشوری (۱۰)، ۱۵

لکھنؤ کا دبستان شاعری : ابواللیث صدیقی (۱۰)، ۲۵

اللآلی المصنوعہ : جلال الدین السیوطی (۹)، ۲۰۲

لطائف : ابن حبان (۶)، ۲۷

لمعات اوج : اوج گیاوی (۱۰)، ۱۹۱

لمعاتِ نور : نورالدین نور (۱۰)، ۵۰

لمعات شرح مشکوٰۃ : عبدالحق محدث دہلوی (۹)، ۲۰

اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان : محمد فواد عبدالباقی (۵)، ۲۴۷ – ۲۴۸، ۲۵۰، ۳۳۶

م

مآثر الکرام : غلام علی آزاد (۶)، ۱۹، ۳۰ – ۳۲، ۵۲

ماذ ماذ : عبدالعزیز خالد (۱۰)، ۱۸۹

ماں کی بیٹی (۱۰)، ۹۸

ماہ کامل (۱۰)، ۹۸

مباحثہ عالمگیر (شیخ ابراہیم معدی اور قاضی ابوسعید کے مابین) (۱۰)، ۹۸

المبسوط : سرخسی (۵)، ۲۹۳ (۶)، ۱۷۴ (۹)، ۲۳۱، ۲۴۷، ۵۲۷

متاع عزیز : عزیز لکھنوی (۱۰)، ۱۹۱

مثنوی تجلّی در بار نبی کریمؐ : کفایت علی کافی (۱۰)، ۱۷۷

مثنوی چراغِ کعبہ : محسن کاکوروی (۱۰) ۲۷
مثنوی معنوی : رومی (۹) ۱۱۹
مثنوی مقام محمود : آغا محمد صدیق حسن (۱۰) ۱۸۷
مجالس رنگین : سعادت یار خاں رنگین (۱۰) ۴۸۶
مجمع بحار الانوار : محمد طاہر فتنی (۶) ۱۷ (۱۰) ۱۳
مجمع البیان : طبرسی (۷) ۷۳۷ — ۷۳۸
مجمع الزوائد و منبع الفوائد : نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی (۵)
۲۶۴، ۲۶۶، ۲۹۰، ۳۳۴ (۶) ۱۲۰ (۸) ۲۵
مجموعہ تصوف : خواجہ محمد چشتی (۱۰) ۹۷
مجموعہ خانی (۸) ۱۲۴
مجموعہ قوالی (۱۰) ۹۷
مجموعہ مناجات (۱۰) ۹۷
مجموعہ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ
محمد حمید اللہ (۵) ۲۸۵، ۳۰۰ — ۳۰۱، ۳۱۱، ۳۲۶،
۴۶۴، ۵۸۸، ۵۹۰، ۵۹۲، ۶۶۲،
۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۳ (۶) ۱۹۹، ۲۳۳ (۷)
۱۳۸، ۱۴۱ — ۱۷۲، ۱۴۴، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۶۱،
۱۶۴ — ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۸، ۵۸۳،
۵۹۹
محاضرۃ الاوائل : سیوطی (۹) ۶۳۱
محاضرۃ الاوائل : علاء الدین سکنواری (۹) ۶۳۱
محامد پیغمبری : احمد یار خاں سالک (۱۰) ۱۸۶
محامد خاتم النبیین : امیر مینائی (۱۰) ۸۲، ۹۷
محامد محمدی الموصوف بہ توصیفات مصطفوی :
غلام مصطفےٰ عشقی (۱۰) ۱۸۵
محبوب کائنات : عبدالحمید دہلوی (۷) ۱۳۳

محبوبہ لندن (۱۰) ۹۸
المحدث الفاصل (۶) ۲۳۵ — ۲۳۷
محلی : سلام اللہ (۶) ۲۱
محمد اور یہود : برکات احمد (۵) ۳۵۲، ۳۷۶، ۶۴۹
محمد ایٹ مدینہ (محمد مدینہ میں) منٹگمری واٹ (۵) ۳۸۴،
۴۰۰، ۴۰۶، ۴۳۰، ۴۴۰، ۴۴۶، ۴۴۹،
۴۵۲، ۴۵۸، ۴۹۲، ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۱۳،
۵۲۰، ۵۲۵، ۵۶۸، ۶۹۰ (۸) ۴۱۶
محمد رسول اللہ : محمد رضا (۷) ۴۱۹، ۴۴۸، ۶۰۳
م ص : فدا خالدی (۱۰) ۱۹۱
محمد صلی اللہ علیہ وسلم و بنو اسرائیل : مصطفےٰ کمال وصفی (۵)
۲۸۰، ۳۳۸
محفل گیارہویں (۱۰) ۹۸
محمود و شکیلہ (۱۰) ۹۸
مخزن الحسنات (۱۰) ۹۷
مختار کل : انور فیروز پوری (۱۰) ۱۹۰
مختارہ : ابن ضیاء الدین المقدسی (۶) ۲۶۳
مختصر التاریخ : کازرونی (۹) ۱۰۶
مختصر جامع بیان العلم : ابن عبدالبر (۶) ۱۹۷، ۱۹۹ — ۲۰۰
مختصر سیرۃ ابن ہشام : احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن واسطی
م ۷۱۱ھ (۹) ۹۱
مختصر السیرۃ الحلبیہ : احمد بن محمد بن عبدالغنی البنا دمیاطی م ۱۱۱۷ھ
(۹) ۱۰۲
مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم : ابوالحسین احمد بن فارس
بن زکریا قزوینی (۹) ۸۶
مختصر سیرۃ الرسول وثلاثۃ من خلفاء الراشدین : برہان الدین

ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط البقاعی م ۸۸۵ھ (۹) ۹۷
مختصر سیرۃ النبی : ابوعمر عز الدین عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم بن جماعہ
کنانی م ۷۶۷ھ (۹) ۹۲
مختصر سیرۃ النبویۃ : احمد بن عبداللہ بن محمد محب الدین طبری م
۶۹۴ھ (۹) ۹۰
المختصر الصغیر فی سیرۃ البشیر النذیر : ابوعمر عز الدین عبدالعزیز بن
محمد بن ابراہیم بن جماعۃ کنانی م ۷۶۷ھ (۹) ۹۲
مختلف الحدیث : شافعی (۶) ۲۰۲
مدارج النبوۃ : عبدالحق محدث (۶) ۲۰ (۷) ۲۰۳، ۶۸۹-۶۹۰
مدحت : عاصی کرنالی (۱۰) ۱۹۰
مدحت خیر البشر : راغب مراد آبادی (۱۰) ۱۹۰
مدخل : بیہقی (۶) ۹۱، ۱۶۷
المدونۃ الکبریٰ : امام مالک (۹) ۲۴۷
مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ : غلام رسول (۹) ۳۱
مذہب کا اسلامی تصور : ابوالاعلیٰ مودودی (۵) ۲۴۴، ۳۴۰
مراۃ احمدی (۶) ۱۶-۱۷
مراۃ الجنان : یافعی (۹) ۶۳، ۶۴، ۷۰
مرسلِ آخر : قمر ہاشمی (۱۰) ۱۹۱
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ : ملا علی قاری (۶) ۱۹
مرقع نعت (۱۰) ۹۷
مروج الذہب : المسعودی (۵) ۲۳۴-۲۳۵، ۲۳۸-۲۴۰،
۲۴۳، ۲۸۲، ۳۲۷، ۳۳۸ (۹) ۷۱-۷۴، ۷۶،
۷۷-۷۹، ۸۱-۸۳
مستدرک : حاکم (۶) ۵۹، ۶۱، ۷۶، ۹۱، ۱۱۸، ۲۰۴، ۲۶۳
(۷) ۲۳، ۹۱، ۹۷، ۲۹۲ (۸) ۵۳۰ (۹) ۲۱،
۵۰۹، ۵۱۱، ۵۱۷-۵۱۸، ۵۲۰، ۵۵۴، ۶۲۰،
۶۲۲، ۶۲۹، ۶۳۰
مسٹر بیز کابل (۱۰) ۹۸
مسح المدح : ابن سید الناس (۵) ۴۰۶
مستعذب الاخبار باطیب الاخبار : ابو مدین فاسی م ۱۱۸۱ھ (۹) ۸۷
مسدس : حالی (۱۰) ۴۹، ۸۴، ۱۸۳
مسدس رنگین : سعادت یار خاں رنگین (۱۰) ۴۸۶
مسند : ابن ابی عاصم (۶) ۲۶۳
المسند : ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی (۵) ۳۱۹، ۳۳۶
مسند : ابوحنیفہ (۶) ۲۷، ۴۲
مسند : ابوداؤد (۷) ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۳-۱۲۴، ۱۲۷
مسند : ابویعلیٰ موصلی (۶) ۲۵، ۲۷۴، ۲۹۶، ۳۱۰، ۳۲۸، ۴۲۹،
۴۳۸-۴۴۰، ۴۵۹، ۴۷۰، ۴۹۴، ۴۹۸، ۵۱۹،
۵۴۹، ۵۸۶، ۵۹۹، ۶۸۹، ۷۱۲، ۷۲۶، ۷۳۹،
۷۹۴ (۸) ۴۷ (۹) ۶۲۹
مسند : ابی شیبہ (۷) ۴۸۸
مسند : ابی لیلیٰ (۶) ۲۶۳
مسند : احمد بن حنبل (۵) ۳۱۸-۳۱۹، ۳۳۵، ۶۲۲، ۷۰۹
(۶) ۲۷، ۳۰، ۹۱، ۱۱۲، ۱۳۸، ۱۶۷، ۱۷۸، ۱۸۰-۱۸۴،
۱۹۰، ۱۹۸-۱۹۹، ۲۰۳، ۲۲۴، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۸۸،
۲۳۵، ۲۴۰-۲۴۲، ۲۶۳، ۲۷۰، ۲۷۴، ۲۷۶،
۲۸۰، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۷، ۳۱۲، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۳۱،
۳۶۷، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۹۴، ۳۹۸، ۴۰۸، ۴۱۳،
۴۲۹، ۴۳۸-۴۳۹، ۴۵۲، ۴۵۸، ۴۶۰، ۴۷۰،
۴۷۲، ۴۸۴، ۴۹۴، ۴۹۸، ۵۱۹، ۵۵۵، ۵۶۲،
۵۷۰، ۵۷۲، ۵۷۹، ۵۹۲، ۶۰۸، ۶۲۲، ۶۳۰،
۶۴۳، ۶۴۷، ۶۵۲، ۶۵۷، ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۷۶،

۶۸۱، ۷۰۷، ۷۱۳، ۷۳۰، ۷۴۰، ۷۶۴، ۷۸۶،
۷۹۴ (۷) ۳۴، ۵۷، ۶۵، ۷۱، ۷۲، ۸۶، ۸۹،
۱۰۰، ۱۱۸-۱۲۰، ۱۲۳-۱۲۴، ۱۳۸، ۱۶۴، ۵۰۷،
۵۴۸، ۵۶۳ (۸) ۳۴-۳۵، ۴۵، ۱۰۷، ۱۱۰،
۳۳۵، ۵۳۰، ۵۴۰، ۵۷۳، (۹) ۲۱-۲۲، ۲۴،
۱۱۷، ۱۲۱، ۲۰۲، ۵۱۱، ۵۱۵، ۵۱۹، ۶۱۳، ۶۲۳
(۱۰) ۱۱، ۱۳، ۱۸
مسند: اسحاق ابن راہویہ (۶) ۲۶۳ (۸) ۵۳۰
مسند: امام شافعی (۶) ۲۷، ۲۰۴، ۲۶۳
مسند: امام محمد (۹) ۶۲۹ - ۶۳۰
مسند: بزار (۶) ۲۶۹، ۲۸۰، ۲۸۹، ۲۹۶، ۳۱۰، ۳۲۰، ۳۲۸،
۳۴۰-۳۴۱، ۳۶۷، ۴۱۶، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۴۴،
۴۵۹، ۴۶۵، ۴۷۲، ۴۸۳-۴۸۴، ۴۹۶، ۴۹۸-
۴۹۹، ۵۱۹، ۵۵۲، ۵۶۱، ۵۶۳، ۵۸۴، ۵۹۷،
۶۱۸، ۶۴۷، ۶۵۲، ۶۵۴، ۶۶۱، ۶۷۰، ۶۷۵،
۶۹۱، ۶۹۹، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۳۰، ۷۴۳، ۷۷۴،
۷۸۶-۷۸۷ (۹) ۶۲۴
مسند: بقی بن مخلد (۶) ۱۴۶
مسند: حمیدی (۶) ۲۶۳
مسند: دارمی (۶) ۳۲، ۳۵، ۲۶۳، ۲۸۶-۲۸۷، ۳۱۲،
۳۲۵، ۳۹۴-۳۹۶، ۳۹۸-۳۹۹ (۷) ۴۰۳
مسند: رزین (۶) ۲۶۳
مسند: عبداللہ بن عمرو (۶) ۲۳۵
مسند: علی بن مدینی (۶) ۲۶۳
مسند کبیر: بخاری (۶) ۲۶۳
مسوّی شرح مؤطا: شاہ ولی اللہ (۶) ۱۲۶
مسلک ترمیت: مودودی (۵) ۲۷۸، ۲۸۰، ۳۴۰
مشکل الآثار: امام طحاوی (۶) ۲۰۲
مشارق الانوار: حسن بن محمد صاغانی (۶) ۹-۱۰، ۲۴-۲۵، ۲۷،
۴۹ (۱۰) ۸۸
مشکوٰۃ المصابیح: الخطیب العمری التبریزی (۵) ۲۴۶ (۶)
۱۹، ۲۱، ۲۷، ۲۹، ۳۸، ۳۲، ۳۵، ۳۷، ۵۱، ۱۴۳،
۱۴۷، ۱۹۳، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۱۱، ۲۶۶، ۲۷۰-۲۷۱
۲۷۸-۲۷۹، ۲۸۵-۲۸۸، ۲۹۱-۲۹۲، ۲۹۴-
۲۹۵، ۲۹۸-۳۰۰، ۳۰۳، ۳۱۱، ۳۳۴، ۳۴۲،
۳۶۲، ۳۷۵، ۳۹۸-۳۹۹، ۴۴۹، ۴۵۲، ۴۵۶،
۴۵۸، ۷۱۶، ۷۹۶ (۷) ۲۰، ۸۴، ۹۱، ۹۸، ۱۰۲،
۱۳۳، ۴۸۷، ۵۰۵-۵۰۶، ۵۴۹، ۵۵۱، ۵۵۵-
۵۵۶، ۵۶۴-۵۶۶، ۵۷۱، ۵۷۳، ۵۷۷-
۵۷۸، ۵۸۰، ۵۸۹-۵۹۰، ۵۹۷ (۸) ۲۹، ۲۷۵
(۹) ۳۷۳-۳۷۵ (۱۰) ۷۳، ۷۸، ۸۰، ۸۲-۸۳،
۸۶، ۸۸، ۹۰
مصابیح: بغوی (۶) ۱۰، ۲۷، ۴۹
مصادر التاریخ الاسلامی: سیدہ اسماعیل کاشف (۹) ۷۲، ۸۱، ۸۳
المصباح المضئ: الانصاری (۷) ۱۳۵-۱۳۷، ۱۳۹-۱۴۶،
۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۶، ۱۵۸، ۱۶۰-۱۶۱،
۱۶۳-۱۶۴، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۱-۱۷۲، ۱۷۴،
۱۷۷-۱۷۹، ۱۸۱-۱۸۴، ۱۸۶-۱۸۹، ۶۰۲
المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی: احمد بن محمد بن علی المقری
الفیومی (۵) ۲۵۳، ۳۳۹
مصحف بیدم: بیدم وارثی (۱۰) ۱۸۵
مصنف: ابن ابی شیبہ (۶) ۴۰، ۴۳، ۲۶۳

مصنف : عبدالرزاق (۵) ۷۲۱، (۶) ۴۰، ۲۶۳، (۷) ۲۰،
۴۸۳، ۴۸۹، ۴۹۲، ۵۲۵ — ۵۲۶، ۵۴۵،
۵۴۷ — ۵۴۸
المصنوع فی معرفۃ الموضوع : ملاعلی قاری (۹) ۱۹
مظاہر الاخبار و طرائف الآثار : المسعودی (۹) ۴۳
منظفر ادر ربابائی : عاشق حسین لکھنوی (۱۰) ۹۸
منظر المیلاد : ذریہ علی عاقل (۱۰) ۱۸۵
منظر نور : گوہر ملسیانی (۱۰) ۱۹۱
معارج النبوت : معین الدین معینی م ۹۰۷ھ (۹) ۳۸،
(۱۰) ۱۵۹
المعارف : ابن قتیبہ (۵) ۲۳۹، ۳۳۷، ۴۲۱،
(۹) ۶۳، ۷۰، ۵۴۰
معارف الحدیث : محمد منظور نعمانی (۷) ۸۱، ۱۰۷ — ۱۰۹،
۱۱۶ — ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۱ — ۱۳۳
معارف القرآن : مفتی محمد شفیع (۷) ۵۰۹، ۵۱۳، ۵۲۸،
— ۵۹۹
معالم التنزیل : بغوی (۶) ۴۰، (۸) ۳۱
معالم القرآن : محمد علی صدیقی (۷) ۵۹۹
معانی زجاج (۷) ۵۱۷
معجزات رسالت : مخدوم حسینی (۱۰) ۱۷۵
المعجم الاعظم (۱۰) ۱۲
معجم اوسط : طبرانی (۶) ۲۰۴، ۲۶۳، ۲۸۰، ۳۱۰،
۳۴۰، ۳۶۰، ۳۶۶ — ۳۶۷، ۴۰۶، ۴۶۰،
۴۶۵، ۴۷۲ — ۴۷۳، ۴۷۷، ۴۸۴، ۴۸۷،
۴۹۴، ۴۹۶، ۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۷، ۵۱۵ —
۵۱۷، ۵۱۹، ۵۳۳، ۵۴۶، ۵۴۹، ۵۶۴،
۵۶۵، ۵۶۷، ۵۷۰، ۵۷۴، ۵۷۵،
۵۸۰، ۵۹۷، ۵۹۹، ۶۱۶، ۶۱۸، ۶۲۲ —
۶۲۳، ۶۴۲، ۶۵۲، ۶۵۸، ۶۶۰، ۶۶۳
۶۶۶، ۶۷۵ — ۶۷۶، ۶۸۰ — ۶۸۲، ۶۸۷،
۶۸۹، ۶۹۹، ۷۰۵، ۷۱۸، ۷۲۶، ۷۵۰، ۷۸۷
(۸) ۳۹، ۳۳۵، (۹) ۶۲۳
معجم البلدان : یاقوت الحموی الرومی (۵) ۲۵۳ — ۲۵۴،
۲۵۸ — ۲۵۹، ۲۹۳، ۳۳۹ (۸) ۳۳۵ (۹)
۵۲۷، ۶۹۳
معجم طبرانی (۸) ۴۸، ۶۹، ۸۹، ۴۲ (۹) ۳، ۵۱۱، ۵۱۸،
۵۲۰، ۶۱۸ — ۶۲۰، ۴ (۱۰)، ۵۷۳ — ۵۷۴
معجم صغیر : طبرانی (۶) ۲۰۴، ۲۶۳، ۳۶۶، ۴۶۰، ۴۸۰،
۴۹۹، ۵۶۵، ۶۰۶، ۶۲۳، ۶۵۸، ۶۷۶
معجم العربیہ (۱۰) ۱۲
معجم کبیر : طبرانی (۶) ۲۰۴، ۲۶۳، ۲۷۶، ۲۸۰،
۲۹۰، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۵۵، ۴۰۵،
۴۰۸، ۴۱۹، ۴۳۰، ۴۳۵، ۴۳۸، ۴۴۴،
۴۶۵، ۴۶۸، ۴۷۲ — ۴۷۴، ۴۸۰، ۴۹۸،
۵۰۱، ۵۰۷، ۵۱۵ — ۵۱۷، ۵۴۶، ۵۵۵ —
۵۵۶، ۵۵۸ — ۵۶۰، ۵۷۴، ۵۷۸، ۵۹۷،
۶۰۵، ۶۰۸ — ۶۰۹، ۶۱۲، ۶۱۸، ۶۲۲، ۶۳۰،
۶۳۱، ۶۵۲، ۶۶۱، ۶۶۶، ۶۷۵ — ۶۷۷،
۶۸۰ — ۶۸۲، ۶۸۶، ۶۸۹، ۶۹۱ — ۶۹۲،
۷۱۲، ۷۱۹، ۷۲۹، ۷۳۴، ۷۳۹، ۷۴۳،
۷۴۵، ۷۴۸، ۷۵۶، ۷۸۹، ۷۹۴ (۷) ۳۱، ۸۸
۱۲۵ (۸) ۳۶، ۳۹
المعجم المفہرس (۶) ۲۰۲

المعجم المفہرس الالفاظ الحدیث النبوی (۱۰) ۱۲
المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم : محمد فؤاد عبدالباقی (۵) ۳۵۷، (۸) ۲۳۵
معجم المؤلفین : کحالہ (۹) ۱۰۲، ۱۰۶ – ۱۰۸
المعجم الوسیط (۱۰) ۱۲
معدن المعانی (۶) ۲۶
معراج انسانیت : غلام احمد پرویز (۵) ۲۹۸، ۳۰۹، ۳۳۹
معراج سخن : جلیل حسن جلیل (۱۰) ۱۸۶
معراج مصطفیٰ : ہلال جعفری (۱۰) ۱۹۱
معراج نامہ : امین گجراتی (۱۰) ۱۷۵
معراج نامہ : اعظم دکنی (۱۰) ۱۷۵
معراج نامہ : اعظم بیجاپوری (۱۰) ۱۷۵
معراج نامہ : سید بلاقی (۱۰) ۱۷۲
معراج نامہ : سید میراں ہاشمی (۱۰) ۱۷۲
معراج نامہ : شاہ ابوالحسن قربی بیجاپوری (۱۰) ۱۷۵
معراج نامہ : شاہ کمال الدین کمال (۱۰) ۱۷۵
معراج نامہ : شفیق اورنگ آبادی (۱۰) ۱۷۵
معراج نامہ : مختار (۱۰) ۱۷۲
معراج نامہ : معظم بیجاپوری (۱۰) ۱۷۲
معراج نامہ : نصرتی (۱۰) ۷۳
معرفۃ علوم الحدیث : الحاکم (۶) ۸۵، ۹۴، ۱۰۵ – ۱۰۶، ۲۰۳ (۸) ۴۱۴
معروضہ : محمد الیاس برنی (۱۰) ۵۹، ۱۹۱
معلقات سبعہ (۸) ۳۴۲
مغازی الرسول : محمد بن عمر والواقدی (۵) ۱۳۱، ۲۶۱، ۱۴۱، ۲۸۵ – ۲۹۰، ۲۹۲ – ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۳۸، ۳۶۶ – ۳۶۸، ۳۹۶، ۴۴۷، ۴۵۱، ۴۵۵، ۴۶۶، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۸، ۴۸۳، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۹۸، ۵۰۲، ۵۱۸، ۵۲۶، ۵۴۳، ۵۴۶، ۵۵۰، ۵۵۷، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۹، ۵۸۳، ۵۸۹، ۵۹۴، ۶۴۸ – ۶۴۹ – ۶۵۴، ۶۵۵ – ۶۵۷ – ۶۵۹، ۶۶۵، ۶۶۸، ۶۷۵، ۶۹۸، ۶۹۱، ۷۰۰ – ۷۰۱، ۷۱۹، (۶) ۲۴۱ (۷) ۱۳۹، ۱۴۱ – ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۵، ۲۱۸، ۲۲۰، ۴۶۷، ۷۴۸ – ۷۴۹ (۸) ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۲ – ۱۷۳، ۲۰۰، ۴۷۸، ۵۰۴، ۵۱۴، (۹) ۶۳ – ۶۹، ۷۸ – ۷۹، ۸۴ – ۸۵، ۵۴۱
مغازی النبوۃ : یعقوب صرفی کشمیری (۶) ۱۵
مغربی تہذیب، آغاز و انجام : محمد زکی (۹) ۳۲۱
المغنی عن حمل الاسفار : زین الدین عراقی (۶) ۲۰۲
مغنی اسماء الرجال : محمد طاہر فتنی (۶) ۱۷
مفتاح کنوز السنہ (۶) ۲۰۲
المفردات فی غریب القرآن : راغب اصفہانی (۵) ۵۰، ۲۴۵، ۲۷۷، ۳۱۷، ۳۲۹، ۳۳۵، (۶) ۲۴۸ (۷) ۴۳
مفید الیقین (مولود نامہ) فتاحی (۱۰) ۱۷۱
المقاصد الحسنۃ : سخاوی (۶) ۴۲
المقالات فی اصول الدیانات : المسعودی (۹) ۷۳
مقام حدیث (۶) ۱۹۳
مقامات حریری (۶) ۲۴

الکلام منتقبس من تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۷)، ۱۳۶

المقتضی من سیرۃ المصطفیٰ : بدرالدین بن الحسن بن عمر بن حبیب حلبی م ۷۷۹ھ (۹)، ۹۴

مقدمہ : ابنِ خلدون (۵) ۲۵۲، ۳۲۴، (۷) ۴۶،

مقدمہ : ابن الصلاح (۶) ۱۰۶، ۱۹۴، ۲۰۱، ۲۵۰، ۲۵۳

مقدمہ : نووی (۶) ۲۶۳

مقدمہ تحفۃ الاحوذی : عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری (۶) ۱۹۸، ۲۰۳

مقدمہ ترجمان السنہ : بدرعالم میرٹھی (۶) ۲۰۲

مقدمہ فتح الباری : ابن حجر (۶) ۱۹۱، ۲۰۳

مقدمہ قرآن : رچرڈ بیل (۹) ۳۰۸

مقدمہ المیزان : الشعرانی (۶) ۲۱۰

مکالمات نبوی : ابویحییٰ امام خان نوشہروی (۷) ۱۳۳

مکتوبات : شاہ ولی اللہ (۶) ۱۳۰

مکتوبات : نافع (۶) ۱۹۹

مکتوبات دو صدی (۶) ۲۶

مکہ المدینہ فی الجاہلیہ و عہد الرسول : احمد ابراہیم الشریف (۵) ۲۵۴، ۳۳۸

ملجا و ماویٰ : مسرور کیفی (۱۰) ۱۹۰

الملفوظ : احمد رضا خاں (۱۰) ۲۴

مناقب الخلفاء : نورالحسن خاں (۹) ۶۳۱

مناہج النبوۃ (اُردو ترجمہ مدارج النبوۃ) (۱۰) ۹۸

منبع العلم : نورالحق محدث دہلوی (۶) ۲۰، ۲۱

منتخب التواریخ : بدایونی (۶) ۱۳-۱۵، ۱۸-۱۹

منتخب التواریخ : ضیاءالدین برنی (۵) ۶۳۲ (۶) ۴۹

منتخب اللغات (۱۰) ۱۴

منتقی الاخبار : ابن تیمیہ (۶) ۲۰۵

منتقی : ابن جارود (۶) ۲۶۳

المنتقی فی مولد المصطفیٰ : سعدالدین محمد بن مسعود گازرونی م ۷۵۸ھ (۹) ۹۲

منتہی الارب (۷) ۲۴، (۱۰) ۱۲

منجد : لوئیس معلوف (۸) ۵۴۰ (۹) ۱۸۱، ۲۰۹ (۱۰) ۱۲

منح قصیدہ ہمزیہ (۷) ۲۰۳

منحۃ اللبیب فی سیرۃ الحبیب : شمس الدین محمد بن احمد بن محمد بن احمد باعونی م ۸۷۶ھ (۹) ۹۳

منمنا : عبدالعزیز خالد (۱۰) ۱۸۹

منطقۃ ابردج : محمد بن علی القدوسی (۹) ۲۸۵

المنطلق (۹) ۸۰

منظور حق : منور احمد خاں آثم (۱۰) ۱۸۵

منظوم سیرۃ : زین الدین عراقی (۵) ۵۸۹

المنظومۃ الجلیۃ فی السیرۃ : ابوالولید محمد بن محمد بن محمود بن الشحنہ زین الدین حلبی م ۸۱۵ھ (۹) ۹۵

منور نعتیں : منور بدایونی (۱۰) ۱۸۹

منہاج السالکین ترجمہ اُردو جوگ بسشٹ (۱۰) ۹۷

منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعہ القدریہ : ابن تیمیہ (۵) ۳۱۸، ۳۳۶

منہج : شیخ بھکھاری کاکوروی (۶) ۲۶

مواخاۃ صحابہ : نثار احمد (۵) ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۳

الموافقات : امام شاطبی (۶) ۲۰۳

مواہب الفتحیہ (۸) ۶۱، ۸۴

المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ : شیخ شہاب الدین احمد ابن محمد القسطلانی م ۹۲۳ھ (۶) ۲۴۱ (۷) ۲۰۳، ۶۹۸ (۸) ۲۰ (۹) ۱۱

موجِ تسنیم: عبدالباری معنی اجمیری (۱۰) ۱۸۷
موجِ زمزم: حشر کاشمیری (۱۰) ۱۸۷
موجِ طہور: بہزاد لکھنوی (۱۰) ۱۸۷
موجِ کوثر: اقبال سہیل (۱۰) ۵۱
المورد العذب الہنی فی شرح السیرۃ للحافظ عبدالغنی: عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر حلبی م ۷۳۵ھ (۹) ۹۲، ۹۷
موضح قرآن: شاہ عبدالقادر (۶) ۳۴
موضوعات: سیوطی (۶) ۴۲
مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی: بشیر احمد قادری (مقالہ ایم اے پنجاب یونیورسٹی) (۱۰) ۲۷، ۳۲
مولد محبوب خدا (۱۰) ۹۷
مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم: القرطبی (۷) ۱۴۵، ۱۴۸
مولود بہاریہ بہار خلد: کفایت علی کافی (۱۰) ۱۷۷
مولود حرز ایمان (۱۰) ۹۷
مولود سعیدی (۱۰) ۶۱
مولود شریف: شہید (۱۰) ۱۷۸
مولود طپش (۱۰) ۵۸
مولود لطیف (۱۰) ۹۸
مولود نامہ: مختار (۱۰) ۱۷۱
مولود نامہ: عبداللطیف (۱۰) ۱۷۱
مولود نامہ / تولد نامہ: عبدالملک بھروچی (۱۰) ۱۷۱
مولود نامہ: قاسم (۱۰) ۱۷۱
مہابھارت (۹) ۲۸ (۱۰) ۵۲
مہاجرین: معین الدین (۵) ۲۷۲ (۹) ۵۳۹، ۵۲۵
مومنی عورت (۱۰) ۹۸
مؤطا: امام مالک (۵) ۲۳۶ (۶) ۲۰، ۲۷، ۳۲، ۳۵، ۳۷، ۴۰، ۴۲، ۴۹، ۵۱، ۱۲۶، ۲۰۰، ۲۰۴، ۲۱۲، ۲۵۶ب، ۲۶۲-۲۶۳، ۲۷۴، ۲۹۷، ۳۰۱، ۳۱۳، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۲۲-۳۲۳، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۷، ۳۴۰-۳۴۱، ۳۴۶، ۳۵۳-۳۵۴، ۳۵۸، ۳۷۱، ۳۹۲، ۴۰۵-۴۰۶، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۲۴، ۴۵۳، ۴۵۵، ۴۷۲، ۴۷۶-۴۷۹، ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۴، ۵۰۶، ۵۰۹، ۵۱۴، ۵۲۵، ۵۲۹-۵۳۰، ۵۳۳، ۵۳۸، ۵۴۰-۵۴۱، ۵۴۳، ۵۵۳، ۵۶۲، ۵۶۴-۵۶۵، ۵۶۷، ۵۷۷، ۵۹۰، ۵۹۳، ۵۹۸-۶۰۲، ۶۱۳، ۶۱۶، ۶۱۸، ۶۲۳، ۶۲۹، ۶۳۴، ۶۴۰-۶۴۱، ۶۴۷، ۶۵۱، ۶۵۳، ۶۵۷، ۶۶۸، ۶۷۰، ۶۷۳، ۶۷۸، ۶۸۴، ۶۸۶، ۶۹۲، ۶۹۵، ۶۹۸، ۷۰۲، ۷۲۰-۷۲۱، ۷۲۷، ۷۳۲(۷)۳۳، ۴۸۵-۴۸۶، ۴۹۸-۵۰۰، ۵۱۳، ۵۱۵، ۵۴۷، ۵۷۱-۵۷۲، ۵۷۴(۸)۵۷۰(۹)۲۴، ۵۱۱
مؤطا (مع شرح تنویر الحوالک از سیوطی): امام مالک (۵) ۳۳۱
مہر درخشاں: قمر یزدانی (۱۰) ۱۸۹
مہر عرب: افضل حق ۱۹۰
مہر نبوت: محمد مردان خاں رعنا (۱۰) ۱۸۶
میزان الاعتدال: ذہبی (۶) ۸، ۴۲ (۹) ۲۲۵، ۸۹، ۱۰۶
میلاد اکبر گلزار اکبر: صوفی محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی (۱۰) ۱۸۵
مینائے کوثر: انجم وزیرآبادی (۱۰) ۱۹۰

ن

النبی الخاتم: مناظر احسن گیلانی (۸) ۶۴۲
نجم سحر: ذوقی مظفر نگری (۱۰) ۱۹۱
نذر ساجد: امجد حیدرآبادی (۱۰) ۱۸۷

نسب قریش (۹) ۶۹
نسیم جنت (چہل حدیث کا ترجمہ) : کفایت علی کافی (۱۰) ۱۷۷
نسیم طیبہ: جنگ بہادر خاں تابش (۱۰) ۱۸۶
نشتر (۱۱) ۹۸
نشید حضوری : حافظ لدھیانوی (۱۰) ۱۹۰
نصب الرایہ : حافظ زیلعی (۶) ۲۰۲
نصرتی : عبدالحق (۱۰) ۷۳
نظرۃ عامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی مصے (۶) ۲۲۴، ۲۲۸
نظریہ سیاست ترجمہ از قاضی تلمذ حسین جے ۔ کے بلنچی (۵) ۱۲-۱۳، ۲۳۱، ۲۳۲، ۳۳۹
نظریات سیاسیہ (از منہ قدیم و قرونِ وسطیٰ) ترجمہ از قاضی تلمذ حسین : ولیم آرچ بالڈ ڈننگ (۵) ۲۰، ۲۲۱، ۲۳۲- ۳۳۹ -
نظم القرآن : جاحظ (۸) ۴۰۸
نعت احمد (۱۰) ۱۸۶
نعت حبیب : شیدا وارثی (۱۰) ۱۹۱
نعت حضرت رسولِ اکرمؐ در شعر فارسی : ضیاء الدین دہشیری (۱۰) ۱۵، ۱۵۹
نعت حضورؐ : بہزاد لکھنوی (۱۰) ۱۸۷
نعت خاتم النبیینؐ (۱۰) ۱۸۶
نعت سلطان عرب المعروف بہ بہار یثرب : فضل الدین گکھے زئی (۱۰) ۵۴، ۵۷، ۵۸، ۵۹
نعت سلطان عرب (۱۰) ۱۸۶
نعت سید المرسلینؐ (۱۰) ۱۸۶
نعت کے پھول : محمد احمد شاد (۱۰) ۱۹۱
نعت محمل : اختر الحامدی (۱۰) ۱۹۱
نعت مصطفیٰؐ (۱۰) ۱۸۶
نعت مصطفیٰؐ : قیصر قاسمی (۱۰) ۲۵
نعت مصطفیٰؐ : قیوم نظر (۱۰) ۱۹۰
نعت ہی نعت (۱۰) ۹۷، ۱۸۶
نعتیہ دیوان، بیکس جبل پوری (۱۰) ۱۸۶
نعتیہ دیوان و چمن مناقب کا ، ممتاز جہاں گنگوہی (۱۰) ۱۸۶
نعتیہ قطعات : حافظ لدھیانوی (۱۰) ۱۹۰
نعم : کرم حیدری (۱۰) ۱۹۰
نغماتِ حرم : مرتضےٰ خاور (۱۰) ۱۹۱
نغمۂ بہار جدید : سلطان احمد (۱۰) ۵۷
نغمۂ ربانی : ضیاء القادری (۱۰) ۱۸۷
نغمۂ روح : بہزاد لکھنوی (۱۰) ۱۸۷
نغمۂ فردوس : شکیل بدایونی (۱۰) ۳۹
نغمات ماہر : ماہر القادری (۱۰) ۱۸۷
نغمۂ نور : بہزاد لکھنوی (۱۰) ۱۸۷
نفح الطیب : مقری (۶) ۱۰۵
نقد النثر : (۸) ۳۴۶ — ۳۴۸-۵۵۹
نقش بیاں : ڈاکٹر سید صفدر حسین (۱۰) ۱۸۰
نقش سیرت (۷) ۶۱۶
نقش وفا : وفا ڈبائیوی (۱۰) ۱۸۹
نگینۂ نعت (۱۰) ۱۸۶
نوادر المخطوطات العربیہ فی ترکیا : رمضان ششن (۹) ۸۴، ۹۰، ۹۲، ۱۰۶-۱۰۸
النوادر السلطانیہ (۹) ۴۰۱
نوائے بردہ (ترجمہ قصیدہ بردہ) : فروغ احمد (مترجم) (۱۰) ۱۹۰

نوائے ظہوری : محمد علی ظہوری (۱۰) ۳۶، ۱۹۱

نورِ ایمان (۱۰) ۱۸۶

نور الایمان فی آثار حبیب الرحمٰن : عبدالحلیم (۶) ۴۱

نور الروض : محمد بن ابی بکر بن عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعۃ الکنانی م ۷۶۷ھ (۹) ۹۳

نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس : ابراہیم بن محمد بن سبط العجمی م ۸۴۱ھ (۹) ۹۰، ۹۵

النور السافر : عبدالقادر بن شیخ بن عبداللہ العیدروسی (۹) ۱۲

نور السنہ : شاہ محمد فاخر الٰہ آبادی (۶) ۳۱

نور القاری شرح صحیح بخاری : ملا علی قاری (۶) ۱۹

نور اللغات : نور الحسن کاکوروی (۸) ۱۴۵ (۱۰) ۱۵

نور المعرفت : ولی (۱۰) ۷۴

نور نامہ : احمد (۱۰) ۱۷۲

نور نامہ : سیدی (۱۰) ۱۷۴

نور نامہ : شریف (۱۰) ۱۷۴

نور نامہ : عنایت شاہ قادری (۱۰) ۱۷۴

نور نامہ : ملک خوشنود

نور و نکہت : نیاض احمد کاوش (۱۰) ۱۹۰

نوریز داں : مسرور کیفی (۱۰) ۱۹۰

نہال روضۂ اکبر : محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی (۱۰) ۱۸۵

النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر : ابن اثیر (۶) ۲۰۲، (۱۰) ۱۱، ۱۲، ۱۳

نہایۃ الاقدام فی علم الکلام : شہرستانی (۹) ۱۰۹

نہج البلاغہ : علی ابن ابی طالب (۷) ۲۹۰ - ۲۹۱ (۸) ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۹ (۹) ۲۹ - ۳۰، ۳۲ - ۴۹

نہج الفصاحت : نصیر الاجتہادی (۷) ۱۳۳

نیّر اعظم : محمد اعظم چشتی (۱۰) ۱۹۰

نیرنگ دنیا یا گمشدہ لڑکی (۱۰) ۹۸

نیرنگ فصاحت، ترجمہ نہج البلاغہ : اردو سید ذاکر حسین (مترجم) (۹) ۲۹ - ۳۰، ۳۲ - ۴۹

نیل الاوطار : قاضی شوکانی (۶) ۲۰۵ (۷) ۵۰۵

و

وائی بطحا : عنایت اللہ خاں عنایت (۱۰) ۱۸۹

وثائق السیاسیہ : محمد حمید اللہ دیکھیے مجموعۃ وثائق السیاسیہ : محمد حمید اللہ

وحی الٰہی : سعید اکبر آبادی (۵) ۲۴۵، ۳۳۹

ورفعنا لک ذکرک : راجہ رشید محمود (۱۰) ۲۲، ۲۶، ۳۱، ۳۶، ۱۹۰

الوزراء والکتاب : الجہشیاری (۷) ۱۴۱، ۱۴۸، ۱۴۹ - ۱۵۲، ۱۵۸، ۱۶۶ - ۱۶۷، ۱۷۷، ۱۸۱، ۱۸۶ - ۱۸۸

وزرہ دشماس (۹) ۸۲

الوسیط (۸) ۲۷۰، ۲۷۲

وسیلۃ المتعبدین فی سیرۃ سید المرسلین : عمر بن محمد بن خضر اردبیلی م ۵۷۰ھ (۹) ۸۷

وسیلۃ المتعبدین الی متابعۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم : عمر بن محمد بن ... الموصلی م ۵۷۰ھ (۹) ۴۲۲ کے بعد ۴۲۳

وسیلۂ نجات : محمد عالمگیر کیف ٹونکی (۱۰) ۱۸۶

وفات نامہ : امین گجراتی (۱۰) ۱۷۴

وفات نامہ : عالم گجراتی (۱۰) ۱۷۱

وفات نامہ : عبداللطیف (۱۰) ۱۷۱

وفات نامۂ سرورِ کائنات : امام دکنی (۱۰) ۱۷۵

وفات نامہ سرورِ کائنات : علی بخش دریا (۱۰) ۱۷۴

وفادار عورت (۱۰) ۹۸

وفائے دلبر (۱۰) ۹۸
وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: نور الدین السمہودی (۵) ۲۵۲ - ۲۵۴، ۲۵۷ - ۲۵۸، ۲۳۸، ۲۷۶ (۸) ۳۳۵ (۹) ۱۶۸، ۱۸۵، ۱۸۷، ۴۲۱
وفیات الاعلام: شاہ خوب اللہ (۶) ۳۱
وفیات الاعیان: ابن خلکان (۷) ۴۰، (۹) ۵۲، ۶۳
وید (۱۰) ۵۲

ہ

ہدایہ: برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی (۶) ۲۴ - ۲۵، ۲۰۲ (۷) ۳۱
ہدیۂ شاد: سرکشن پرشاد شاد (۱۰) ۱۸۶
ہدیۃ العارفین: بغدادی (۹) ۱۰۸
ہدیہ عثمانی: عثمان احمد قاسمی (۱۰) ۳۶
ہری خلعت (۱۰) ۹۷
ہشت بہشت: محمد باقر آگاہ (۱۰) ۴۰، ۱۷۵
ہند (۱۰) ۱۲۴
ہوائے طیبہ: قاضی عبدالرحمٰن (۱۰) ۱۹۱
ہیری (ناول) (۱۰) ۹۸
ہیرے کی کنی (۱۰) ۹۸

ی

یا حبیبی مرحبا: عبدالستار نیازی (۱۰) ۱۹۱
یاد ایام: عبدالحی (۶) ۱۲ - ۱۴
یادگار نعت (۱۰) ۹۷
یجر وید (۹) ۲۶، ۲۷
یوسف و دل آرا (رام پور کا سچا واقعہ) (۱۰) ۹۸
یہ ہیں کارنامے رسولؐ خدا کے: راجہ عبداللہ خان نیاز (۱۰) ۱۸۹

انگریزی کتب

A

American Peoples Encyclopaedia (9) 285

Ancient India : R. C. Mujamdar (5) 236

Arab Administration S. Q. Hussani (5) 329

The Arab Civilization : Joseph Hell , Tr. by S. K. Baksh (5) 15, 277.

The Arab Kingdom and its Fall, tr. Margaret Graham Weir : J. Wellhausen (5) 47, 244.

B

A Book of Leadership : R. M. Strgdill (9) 10

C

The Caliphs Last Heritage: Sir Mark Sykes (5) 334

Cografya Yazmalari Katalogu : Turkce Tarih (9) 105 – 106.

D

The Decline and Fall of the Roman Empire : Edward Gibbon (5) 231 – 232.

Descriptive Catalogue of the Garrett Collection (9) 108.

Dictionary of Word Origins : Joseph Shipley T. (5) 12.

A Dictionary of the Social Sciences' (edd), Juluis Gould, William L. Kolle (5) 314 – 315.

E

Encyclopaedia Britannica (5) 237. 213 (9) 285

The Elements of Jurisprudence: Sir Thomas Ershine Gilchrist (5) 13.

F

The First Written Constitution of the World :Muhammad Hamidullah (9) 526.

The Foundations of Political Theory : H. R. G. Graves (5) 13.

G

Great Political Thinkers (Plato to Present) : William Ebenstein (5) 232.

Greek Political Theory: Sir Earnest Barker (5) 12, 13.

Gettles History of Political Thought: Lawrence C. Wanlass (5) 232 – 233.

H

Heroes of Islam: Amir Hasan Siddiqi (9) 10.

The Historians' History of the World : Wellhausen (5)105, 110, 260, 279 – 280.

A History of Civilization in India: R. C. Dutt (8) 220.

A History of Egypt (From the Earliest Times to the Persian Conquest James Breasted (5) 258.

History of India : Mukerji (5) 236.

History of India ; V. A. Smith (5) 236.

History of Mankind (Cultural & Scientific Development) Tr. G. E. F. Chiloq and Sylina Chilver : Luigi Parati (5)236.

A History of Medieval Islam : J. J. Saunders (5) 277.

A History of Political Theory: Sabine (5) 233.

A History of Egypt (From the Earliest Times to the Persian Conquest) : James Breasted (5) 258.

The Holy Roman Empire James Viscount Bryce (5) 231, 232, 236.

The International Critical Commentary, ed. by I. Skinnev (9) 307.

Islam and the Integration of Society : W. Montgomery Watt. (5) 261, 267.

L

Lectures on Jurisprudence : Austin (5) 316.

A Literary History of the Arab: R. A. Nicholson (5)276, 277, 280.

Life of Mohammad : Sprenger (6) 244.

The Life of Mahomet : William Muir (5) 75, 103, 242, 263, 279.

M

The Making of Humanity: Robert Briffault (5) 20, 232 (8) 231.

Masters of Political Thought : W. T. Jones (5) 313.

Mohammedanism: D. S. Margoliouth (5) 292, 298.

Muhammad at Medina ; Montgomery Watt (5) 101, 103 – 104, 278, 286 – 289, 298, 352 – 353, 357–358, 362 – 363.

Muhammad The Holy Prophet: Ghulam Sarwar (5) 279 (9) 532.

Mohammdische Studien : (6) 239, 241–245.

Muslim And Christian Calender: G. S. P. Freeman (9) 281.

O

On the Commonwealth:
Bowen (5) 313.

Origin of Species :
Darwin (8) 688 –689.

The Orient under the Caliphs Tr. S. Khuda Baksh: Van Krener (5) 329.

Oxford English Dictionary
(5) 12.

P

Political Science & Government:
Garner James Walford (5) 314–315, 316.

Popkapi Sarayi Muzesi Kutup: ι
Karatay (9) 106.

Principles of Political Science:
R. N. Gilchrist (5) 13, 314 – 315.

Proceedings of Idara-i-M'arif-i-Islamia (5) 293.

Public Administration in Ancient India Pramathanath Banerjea (5) 236.

R

The Relations Between Arabs and Israelities Prior to the Rise of Islam : D. S. Margoliouth (5) 33, 238, 240 - 241, 243, 257–258.

S

Shorter Encyclopaedia of Islam
(5) 256.

The Shorter Oxford English Dictionary, ed. by William Little, H. W. Fowler, & J. Coulson (5) 12, 13.

The Shorter Oxford English Dictionary on Historical Principles (5) 314.

The Sira in Verse : Arabic & Islamic Studies in Honour of H. A. R. (9) 107.

Sketches from Eastern History, Tr. John Southarland Black: Theodor Noldeke (5)334.

The Social Contract and the Islamic State : Ilyas Ahmad (5) 267.

The Social Contract or Principles of Political Right, Tr. J. Henry Tozier (5) 334.

Sovereignity, Islamic and Modern:
Ilyas Ahmad (5) 313, 314.

The Story of Bible
(9) 307.

W

Webster's Biographical Dictionary (5) 231, 232.

اشاریہ نقوش

رسول نمبر

جلد یازدہم تا دوازدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰ - جنوری ۱۹۸۵ء

مقالہ نگاران

(اور مقالات کے اہم نکات)

ا

ابن اسحٰق: سیرۃ ابن اسحٰق مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث و المغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔
ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۷-۳۵۴
تقدیم از محمد الفاسی ۸
باب ۱: سلسلۂ نسب (از حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تا حضرت آدم علیہ السلام) ۱۰، جناب عبدالمطلب بن ہاشم کا زمزم کو کھودنا ۱۱، زمزم کا محل وقوع ۱۳، حضرت اسمٰعیلؑ اور سیدہ ہاجرہ کی مکہ میں آبادی ۱۴، جناب عبدالمطلب کے اشعار ۱۵، بنو ضیغاء ۱۷، ابو تقاضب اور اس کے بھائیوں کا واقعہ ۱۸۔
باب ۲: (جناب) عبدالمطلب کی نذر ۲۰، قرعۂ فال جناب عبداللہ کے نام ۲۱، جناب عبدالمطلب کے اشعار اور قرعہ فال اونٹوں پر نکلنا ۲۲-۳۲،
باب ۳: (جناب) عبداللہ بن مطلب کی شادی ۳۳، ام قبال بنت نوفل بن اسد کے اشعار ۳۴، رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت اور جناب عبدالمطلب کے اشعار ۳۸-۴۱

باب ۴: رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت ۴۲، حلیمہ بنت حارث کی زبان سے معجزات نبویؐ کا بیان ۴۲، دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ ۴۵،
باب ۵: قبیلہ حمیر کے بادشاہ تبّع اوسط کی حکایت ۴۷، تبّع کی لشکر کشی ۴۸، اس کے اشعار ۴۸،
باب ۶: تبّع کی قتل گاہ ۵۲، رئیس ہمدان (ذو رعین) کے اشعار ۵۲، عبد کلال کے اشعار ۵۲، ابرہہ کا روزبہ کو قتل کرانا ۵۵،
باب ۷: اصحاب الفیل کا واقعہ ۵۶، جناب عبدالمطلب کے اشعار ۵۷، ابرہہ اور جناب عبدالمطلب کی ملاقات ۵۷، مکہ پر چڑھائی کا قصہ ۵۸، نفیل کے اشعار ۵۹، جناب عبدالمطلب کی بددعا ۵۹، لشکر ابرہہ کی تباہی ۶۰، رسول اللہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ۶۱،
باب ۸: آنحضرتؐ کے جد امجد کی وفات ۶۳، امیمہ کے اشعار ۶۳، صفیہ کے اشعار ۶۴، ام حکیم البیضاءؓ کے اشعار ۶۴، برہ کے اشعار ۶۵، اروی بنت عبدالمطلب کے اشعار ۶۵، جناب عبدالمطلب کے اشعار ۶۶،
باب ۹: حصہ دوم، بحیرا راہب کا قصہ ۶۸، (جناب) ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر ۶۸، بحیرا راہب اور جناب ابوطالب کا مکالمہ ۶۹، اس واقعہ کے بارے میں جناب ابوطالب کے اشعار ۷۰، آنحضرتؐ کے اخلاقی فضائل ۷۳،
باب ۱۰: خدیجہؓ بنت خویلد کا واقعہ ۷۶، آں حضرتؐ

کی تجارت اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح ۷۶، حضرت خدیجہؓ کا نسب ۷۷،

باب ۱۱ : رسول اللہؐ کے متعلق علمائے یہود کی بشارت ۷۸، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توراۃ میں ۷۸، اس بارے میں قرآنِ حکیم کی آیات ۷۸، ایک یہودی کی پکار ۸۰، ابوالہیبان یہودی کی بشارت ۸۱،

باب ۱۲ : سلمان فارسیؓ کا اسلام لانا ۸۳، ان کا سفرِ شام ۸۴، موصل کا سفر ۸۴، ان کا نصیبین پہنچنا ۸۵، ان کا عموریہ جانا ۸۵، حضرت سلمان فارسیؓ کا مدینہ آنا ۸۶، غلامی سے نجات ۸۷، مہرِ نبوت ۸۸، دورِ جاہلیت میں قریش کا دین ۸۹۔

باب ۱۳ : آثارِ کعبہ ۹۰، حضرت آدمؑ کا حج ۹۰، حضرت ابراہیمؑ کا حج کا اعلان کرنا ۹۰، خلیل اللہ کا بیت اللہ کو تعمیر کرنا ۹۱، حجرِ اسود ۹۲، دورِ جاہلیت میں حج کا تلبیہ ۹۳، جاہلیت میں مردوں اور عورتوں کے طواف کا طریقہ ۹۳، وقوفِ عرفات اور حمس کا معمول ۹۴، صفا اور مروہ کے درمیان سعی ۹۶، منیٰ میں رمی، جمار ۹۷، عرب میں نسیٔ کا قاعدہ اور تقدیم ۹۷، مناسک حج کی اصلاح ۹۸، حمس اور اس کے معمولات ۹۸۔

باب ۱۴ : تعمیرِ کعبہ ۱۰۱، کعبہ کی تعمیرِ نو ۱۰۱، ابو وہب کے متعلق ایک عرب شاعر کے اشعار ۱۰۲، پرانے کتبوں کی دریافت ۱۰۳، حجرِ اسود پر جھگڑا ۱۰۴، عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار کے اشعار ۱۰۴، وھب بن عبدمناف کے اشعار ۱۰۵، رسول اللہ نے اس نزاع کا فیصلہ کیا ۱۰۶، زبیر بن عبدالمطلب کے سانپ کے بارے میں اشعار ۱۰۷،

ولید بن مغیرہ کے اشعار ۱۰۸، تورات و انجیل اور عرب کاہنوں کے ہاں نبیؐ کا ذکر ۱۰۹، شیاطین کو غیبی خبریں سننے سے روک دینا ۱۱۰،

جنوں کا قرآن سننا ۱۱۱، تاروں کے پھینکے جانے کی وجہ ۱۱۳، نبیؐ کے متعلق ورقہ بن نوفل کا بیان ۱۱۴، ان کے اشعار ۱۱۴، قمیرلؤ کے بعد کعبہ کا حج ۱۱۵، زید بن عمرو بن نفیل کا واقعہ ۱۱۶، زید بن عمرو بن نفیل کے اشعار ۱۱۶، بعثت سے قبل نبیؐ کو زید کی طرف سے بتوں کا ذبیحہ کھانے کی ممانعت ۱۱۸، قریش کا طریقۂ حج ۱۲۰، آں حضرتؐ کے سچے خواب ۱۲۱، غارِ حرا میں حضورؐ کا دورِ تحنث اور نزولِ وحی کی ابتدا ۱۲۱، ورقہ بن نوفل کا بیان ۱۲۳، اس کے اشعار ۱۲۴، نظر لگنے کے بارے میں آنحضرتؐ کا معمول ۱۲۵، انبیاء کا بکریاں چرانا ۱۲۶، نبیوں کے وصی اور اسباط ۱۲۶۔

باب ۱۵ : حصہ سوم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ۱۲۸، سیدنا محمدؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کی مدد کرنے کے لیے انبیاء کا عہد و پیمان ۱۲۸، پہلی وحی کی تاریخ نزول ۱۲۹، اولوالعزم رسولؐ اور سیدنا یونسؑ کا طرزِ عمل ۱۳۱، حضرت خدیجہؓ پہلی مومنہ خاتون ۱۳۱، سچے خواب ۱۳۲، ورقہ بن نوفل سے ملاقات ۱۳۲۔ حضرت خدیجہؓ کا جبرئیلؑ کو شیطان سے ممیز کرنا ۱۳۳، تخلیقِ آدمؑ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ۱۳۴، بعثت کے بعد آنحضرتؐ کے مکہ اور مدینہ میں قیام کی مدت ۱۳۴، طریقِ تبلیغ و دعوت ۱۳۵، نزولِ وحی کے بعد وقفہ ۱۳۶، وضو اور نماز کی تعلیم ۱۳۸۔

باب ۱۶ : حضرت علیؓ بن ابی طالب کا اسلام ۱۴۰، حضرت

علیؓ کی آپؐ کے ساتھ نماز ۱۴۰۔

باب ۱۷: حضرت ابوبکرؓ صدیق کا اسلام لانا ۱۴۲،

باب ۱۸: حضرت ابوذرؓ کا اسلام لانا ۱۴۴، گزشتہ امتوں کی تعداد ۱۴۴، توراۃ میں نبی موعود کی صفت ۱۴۴، نبیؐ کے اسمائے مبارکہ ۱۴۵۔

باب ۱۹: مہاجرین کا اسلام ۱۴۷، قبائل عرب میں سے لوگوں کا ایمان ۱۴۷، دعوت ذوالعشیرہ ۱۴۸، نزول وحی کے بعد آنحضرتؐ کا معمول ۱۵۰، مشرکین کی عداوت ۱۵۱، جناب ابوطالب کے اشعار ۱۵۲، جناب ابوطالب نے آپؐ کی حمایت کا ارادہ کر لیا اور قوم کی مخالفت ۱۵۴، جناب ابوطالب کے اشعار ۱۵۷،

باب ۲۰: مسلمانوں پر ظلم و ستم اور تشدد ۱۵۹، جناب ابوطالب کا کہنا کہ میں آپ کی ہر حال میں حمایت کروں گا ۱۵۹، ان کے حمایتِ رسولؐ میں اشعار ۱۶۰، صفیہ بنت عبدالمطلب کے اشعار ۱۶۲، جناب ابوطالب کے اشعار ۱۶۴، شعب ابی طالب کی محصوری اور بائیکاٹ کی دستاویز ۱۶۶، شعب ابی طالب کے متعلق جناب ابوطالب کے اشعار ۱۶۷، ابوالبختری کے اشعار ۱۶۸، شعب ابی طالب کی دستاویز پر دیمک کا مسلط ہونا ۱۶۹، جناب ابوطالب کے اشعار ۱۶۹، مقاطعہ کی دستاویز کا خاتمہ ۱۷۳، عمارہ بن ولید اور عمرو بن العاص حبشہ میں ۱۷۵، عمرو کے عمارہ کے متعلق اشعار ۱۷۷۔

باب ۲۱: حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کا اسلام لانا ۱۷۹، ان کے اشعار ۱۸۰، ان کے مزید اشعار ۱۸۱۔

باب ۲۲: اصحاب رسولؐ کی ہجرت حبشہ ۱۸۳۔

باب ۲۳: اسمائے گرامی مہاجرین حبشہ۔ پہلا مرحلہ ۱۸۶، قصہ غرانیق ۱۸۷، حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں پر کیا گزری ۱۸۹، عثمان بن مظعون کے اشعار ۱۹۰۔

باب ۲۴: حضرت عمرؓ کا اسلام ۱۹۱، حضرت عمرؓ کا اپنی بہن کے گھر جانا ۱۹۲، سورہ طٰہٰ کی تلاوت ۱۹۳، حضرت عمرؓ کے اشعار ۱۹۴۔

باب ۲۵: مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کی جہری تلاوت کی ابتداء ۱۹۷، حضرت عبداللہ بن مسعود کا مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر تلاوت قرآن کرنا ۱۹۷۔

باب ۲۶: حصہ چہارم، تعذیب اہلِ ایمان ۱۹۹، حضرت ابوبکرؓ کا نہدیہ کو آزاد کرانا ۲۰۱، مکہ کے بتوں کے متعلق حضرت خالد بن ولیدؓ کی رائے ۲۰۳، مشرکین سرداروں کو دھوکا سے قتل کرنے کا قصہ ۲۰۳، مسلمانوں پر ظلم و ستم ۲۰۳، حضرت علیؓ کے مدنی دور کا ایک واقعہ ۲۰۴، نبی اکرمؐ کی مدنی زندگی ۲۰۵، اراشی اور ابوجہل کا واقعہ ۲۰۶۔

باب ۲۷: رسول اللہؐ کے ساتھ مشرکین کی مخاصمت ۲۰۸، مشرکین کے مختلف مطالبے ۲۰۸، ابوجہل کا آپؐ کو پتھر مارنے کا ارادہ ۲۱۱، نضر کے بارے میں قرآن کریم کی آیات ۲۱۲، عقبہ بن معیط کا علمائے یہود کے پاس مدینہ جانا ۲۱۳، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علمائے یہود اور اہلِ کتاب کی رائے ۲۱۴، تورات میں نبیؐ کا ذکر ۲۱۴، سیدنا علیؑ اور قصہ ذوالقرنین ۲۱۵، رسول اللہؐ کی تلاوتِ قرآن کو مشرکین کا چھپ کر سننا ۲۱۶، نبیؐ کثیر السکوت تھے اور آپؐ کا زور سب سے زیادہ زبردست تھا ۲۱۷، نبیؐ کو تبلیغ دین سے روکنے کے لئے مشرکین کے حربے ۲۱۸، عتبہ بن ربیعہ کی جانب سے نبیؐ کی مدافعت ۲۱۹، جناب ابوطالب کے عتبہ بن ربیعہ کی مدح میں اشعار ۲۱۹، بلاد روم و ایران کی

فتح کی بشارت ۲۲۱، ابوجہل کے کافرانہ عزائم ۲۲۲، جناب ابوطالب کے اشعار ۲۲۴۔

باب ۲۸ : سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت ۲۲۶، نجاشی کا مسلمانوں کو گفتگو کے لیے بلانا ۲۲۷، مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالب کا نمائندہ مقرر ہونا ۲۲۷، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گفتگو ۲۲۸، نجاشی کی تاجپوشی ۲۳۰، سیدہ رقیہؓ بنت النبیؐ حبشہ میں ۲۳۱، حبشہ کے نصاریٰ کا وفد ۲۳۲، نجاشی کی نماز جنازہ ۲۳۲، ابن عمرؓ کی آرزو ۲۳۴، نجاشی کے بیٹے کا اسلام لانا ۲۳۴، ہجرت حبشہ کے متعلق عبداللہ بن حارث بن عدی بن سلیم کے اشعار ۲۳۵، جناب ابوطالب کے اشعار ۲۳۶

باب ۲۹ : مہاجرین حبشہ کے اسمائے گرامی۔ دوسرا مرحلہ ۲۳۸، نبیؐ کا مکتوب گرامی بنام شاہ حبش ۲۴۴، عبداللہ بن حارث سہمی کے اشعار ۲۴۴۔

باب ۳۰ : قریش کی رسولؐ اللہ کو ایذا رسانی ۲۴۶، قرآن حکیم کی آیات ۲۴۷۔

باب ۳۱ : اہل عرب کو رسول اللہؐ کی تبلیغ عام ۲۴۹، قبائل عرب کو دعوت ۲۴۹، طارق بن عبداللہ المحاربی کا واقعہ ۲۴۹، جناب ابوطالب کا مطالبہ اور حضرت ابوبکرؓ کا جواب ۲۵۰، کفار کی زیادتیوں کے باوجود نبیؐ کا حلم ۲۵۱، کفار کی حضرت فاطمہؓ بنت النبیؐ کو ایذا رسانی ۲۵۱، نبیؐ اور آپ کے رضاعی بھائی ۲۵۲، مکہ میں حضرت ابوبکرؓ کی اپنے گھر میں مسجد ۲۵۲

باب ۳۲ : سید ابوطالب کی وفات ۲۵۴، جناب ابوطالب کی بنی عبدالمطلب کو وصیت ۲۵۵، ابن عباسؓ کی روایت ۲۵۷، حضرت علیؓ کا جناب ابوطالب کے متعلق مرثیہ ۲۵۸۔

باب ۳۳ : حصہ پنجم، وفات خدیجہؓ بنت خویلد ۲۶۰، جنت میں خدیجہؓ کا گھر ۲۶۰، حضرت خدیجہؓ و عائشہؓ ۲۶۰، حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ساتھ نبیؐ کا حسن سلوک ۲۶۱، دنیا و آخرت کی برگزیدہ عورتیں ۲۶۱، حضرت خدیجہؓ کی اولاد ۲۶۲،

باب ۳۴ : حضرت فاطمہؓ کا نکاح ۲۶۴،

باب ۳۵ : حضرت عمرؓ بن خطاب اور ام کلثومؓ بنت علیؓ کا نکاح ۲۶۶،

باب ۳۶ : سیدہ ام کلثومؓ بنت علیؓ کا عون بن جعفر بن ابی طالب کے ساتھ نکاح ۲۶۸،

باب ۳۷ : حضرت علیؓ اور فاطمہؓ بنت رسولؐ اللہ کی صاحبزادی زینبؓ کا نکاح ۲۷۰،

باب ۳۸ : حضرت عثمانؓ بن عفان کا نکاح ۲۷۲۔

باب ۳۹ : حضرت خدیجہؓ کے علاوہ رسولؐ اللہ کی دیگر ازواج مطہراتؓ ۲۷۴، ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ ۲۷۴، ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ ۲۷۴، ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ ۲۷۶، ام المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہؓ ۲۷۶، ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ۲۷۶، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ ۲۷۷، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ۲۷۸، ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارث ۲۷۹، ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی ۲۸۰، ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ ۲۸۱، اسماء بنت کعب اور عمرہ بنت یزید کے ساتھ رسول اللہؐ کے نکاح ۲۸۲، قبیلہ غفار کی ایک خاتون ۲۸۲، وہ خواتین جنہوں نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لیے ہبہ کیا ۲۸۳، وہ خواتین

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک یمین میں تھیں ۲۸۵ ،
اولاد نرینہ کے عوض کوثر کا عطیہ ۲۸۷ ۔
باب ۴۰ : مذاق اڑانے والوں کا المناک انجام ۲۸۹،
رکانہ بن عبد یزید کا واقعہ ۲۹۲ ،
باب ۴۱ : علامات نبوت ۲۹۳ ، ایک اونٹ کا واقعہ
۲۹۳ ، ایک بچے کی شہادت ۲۹۴ ، دو درختوں کا
باہم مل جانا ۲۹۴ ، ایک عمر رسیدہ اونٹ کی فریاد
۲۹۴ ، بھیڑیئے کا ایک گڈریے سے کلام کرنا ۲۹۶ ،
ایک گائے کا کلام کرنا ۲۹۷ ،
باب ۴۲ : اُمِّ شریکؓ دوسیہ کا اسلام لانا ۳۰۰ ،
باب ۴۳ : قبیلہ دوس کے حضرت ابوہریرہؓ کا اسلام لانا ۳۰۲ ،
باب ۴۴ : عدیؓ بن حاتم اور دیگر چیدہ چیدہ اشخاص
کا اسلام لانا ۳۰۳ - ایک اعرابی کا اسلام لانا ۳۰۶ ، ایک
صحرائی رئیس کا اسلام لانا ۳۰۶ ، جریرؓ بن عبداللہ کا اسلام
لانا ۳۰۷ ، سرزمین ایران کی فتح کی بشارت ۳۰۷ ،
عبدالقیس کے ایک شخص کا اسلام لانا ۳۰۸ ، ایک شخص
جو اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد فوت ہوگیا ۳۰۸ ،
آنحضرتؐ کی بیماری اور ایک یہودی کا اسلام لانا
۳۰۹ ، عبداللہ ذوالبجادین کا اسلام لانا ۳۱۱ ،
باب ۴۵ : واقعہ اسراء — مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ
تک حضورؐ کا لے جایا جانا ۳۱۲ ، آپؐ کی حضرات
ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سے ملاقات ۳۱۳ ، پہلے مؤذن
حضرت بلالؓ تھے ۳۱۶ تحویل قبلہ ۳۱۷ ، قطعۂ ثانی
از مجموعۂ مخطوطات ظاہریہ دمشق ۔ روایت محمد بن سلمہ ۳۱۹
باب ۴۶ : غزوۂ بدر ۳۲۰ ، اس بارے میں قرآنی
آیات ۳۲۰ ، آپؐ کی پانچ امتیازی خصوصیات ۳۲۲ ،
شہدائے بدر ۳۲۴ ، غزوۂ کدر ۳۲۵ ۔
باب ۴۷ : غزوۂ سویق، ابوسفیان کے اشعار ۳۲۷ ،
باب ۴۸ : غزوۂ ذی امر ۳ھ (بجانب نجد) ۳۲۹ ،
غزوۂ بحران ۳۳۰ ، غزوۂ بنی قینقاع ۳۳۰ ، یہود
بنی قینقاع کے بارے میں قرآنی آیات ۳۳۰ ، عبادہ
بن صامت اور عبداللہ بن اُبی کے متعلق سورۂ مائدہ
کی آیات ۳۳۲ ۔
باب ۴۹ : سریۂ زیدؓ بن حارثہ ۳۳۴ ، حضرت حسانؓ
کے اشعار ۳۳۴ ۔
باب ۵۰ : کعب بن اشرف کا قتل ۳۳۶ ، محیصہ کے
اشعار ۳۳۹ ، حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے اشعار ۳۳۹ ،
باب ۵۱ : غزوۂ اُحد ۳۴۱ ، ابوعزہ کے اشعار ۳۴۲
احد کی گھاٹی میں ڈیرہ ڈالنا ۳۴۴ ، حضرت ابو دجانہؓ کی
بہادری ۳۴۵ ، ہندہ بنت عتبہ کے اشعار ۳۴۵ ، آپؐ کا زخمی
ہونا ۳۴۶ ، حضرت مصعبؓ بن عمیر کا جہاد ۳۴۷ ، حضرت
انسؓ بن نضر کی شہادت ۳۴۸ ، حضرت حسانؓ بن ثابت کا
اُبی بن خلف کے متعلق شعر ۳۴۹ ، فرشتوں نے حضرت
حنظلہ کو غسل دیا ۳۵۱ ، ہندہ بنت عتبہ اور اس کی ساتھی
عورتوں کا شہداء کا مثلہ کرنا ۳۵۱ ۔ ابوسفیان کا پہاڑ
پر چڑھ کر اعلان کرنا ۳۵۱ ، حضرت عمرؓ کا جواب ۳۵۱ ،
حضرت علیؓ بن ابی طالب کو تعاقب میں بھیجنا ۳۵۲ ، حضرت
سعد بن ربیع کی شہادت ۳۵۲ ، حضرت حمزہؓ کی لاش
دیکھ کر آپ کا غیظ و غضب ۳۵۳ ، صدقے کا حکم اور مثلہ
سے منع فرمانا ۳۵۴ ،

ح

حمیداللہ، محمد : محاکمہ سیرت ابن اسحٰق (۱۱) ۳۵۵ - ۳۹۶ ،

محمد ابن اسحاق کی کتاب "المبتداء والبعث والمغازی
۳۵۷، اس کتاب میں اشعار ۳۵۷، تاریخ کی کتاب ۳۵۸،
پیغمبرؐ اسلام ۳۵۸، اسلام سے قبل عربوں کے ہاں
تاریخ کا علم ۳۶۱، اہل مکہ میں مجلسیں ۳۶۲، النضر بن حارث
کے پاس تاریخ ایران کے متعلق کتاب ۳۶۳، عہد نبوت
۳۶۳، جزیرۂ عرب میں اسلام کی دعوت ۳۶۴، عہد
رسولؐ اللہ میں تاریخ کی طرف توجہ ۳۶۵، عہد صحابہ
۳۶۵، حضرت انس بن مالک کے پاس پمفلٹوں کی شکل
میں رجسٹر ۳۶۷، مسلمانوں کے ہاں کتب تاریخ کی تالیف
۳۶۸، ابن اسحاق سے پہلے کے مؤرخ ۳۶۹، جن کا
ذکر وسٹنیفلڈ نے نہیں کیا ان میں سے ۳۷۲، یزید بن
ابی حبیب (م ۱۲۸ھ) ابن اسحاق کے مصری استاذ
۳۷۲ معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ) ابن اسحاق کے ہمعصر
۳۷۲، ابن اسحاق کے متعلق خطیب بغدادی کا بیان
۳۷۳ درس و تدریس ۳۷۶، ابن اسحاق کی پیدائش
اور تعلیم ۳۷۶، زہری ان کے استاد ہیں ۳۷۶، ابن اسحاق
کا مصر کی طرف جانا ۳۷۷، ان کا حیرہ میں آنا ۳۷۸،
ابن اسحاق اور امام مالک و ہشام بن عروہ کی منافرت
۳۷۹، امام ابوحنیفہ اور ابن اسحاق کی گفتگو ۳۸۱، ابن
اسحاق اور احمد بن حنبل کے درمیان منافرت ۳۸۲، ان
کا فاطمہ زوجہ ہشام سے روایت کرنا ۳۸۲ ابن اسحاق
کا طریق کار ۳۸۵، تالیفات ابن اسحاق ۳۸۷، ان کی
کتابوں کے راوی ۳۸۸، دیگر نسخے ۳۹۰، شروح و تراجم
کتاب ۳۹۰، اظہار تشکر ۳۹۱، مصادر ۳۹۳۔

حمید اللہ، محمد (مرتب) : سیرۃ ابن اسحٰق مسماۃ بکتاب المبتداء والبعث
والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۷-۳۵۴،

م

محمد حمید اللہ دیکھئے حمید اللہ، محمد۔
محمد یٰسین مظہر صدیقی دیکھئے مظہر صدیقی، محمد یٰسین

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر : عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ ترجمہ از
محمود عالم قریشی (۱۱) ۵۶۷-۶۴۳
باب ۱ : عرب قبل از اسلام۔ نسب نامہ، جغرافیہ، سیاست
۵۶۸، نسب نامہ ۵۶۸، عرب بائدہ، عرب عاربہ، عرب
مستعاربہ ۵۶۸، جغرافیہ ۵۷۰، العربیۃ السعیدہ، العربیۃ الصحراویۃ
العربیۃ الحجریہ ۵۷۰، جزیرہ نمائے عرب کے پانچ خطے،
حجاز، تہامہ، یمن، عروض اور نجد ۵۷۱، سیاسیات
۵۷۱، قدیم عرب بادشاہتیں ۵۷۲، ثمود ۵۷۲، لحیان
۵۷۳، نبطی۔ بطرا ۵۷۳، ترمور ۵۷۴، غسان ۵۷۵،
لخم ۵۷۵، کندہ ۵۷۵، حوالہ جات و تشریحات ۵۷۸،
باب ۲ : قبل از اسلام عرب میں نظام عدل ۵۸۷، سیاسی
نظام ۵۸۷، سرداری ۵۸۷، بادشاہتیں ۵۸۹، وسطی
مغربی عرب میں نظام عدل ۵۸۹، قانون ساز اور مشاورتی
ادارے ۵۹۰، حجاز میں نظام عدل ۵۹۱، قبائل میں مقدمات
کا تصفیہ ۵۹۲، مکہ کی شہری ریاست ۵۹۳، ترقیاتی منصوبے
۵۹۳، البطاح ۵۹۳، ظواہر ۵۹۴، احابیش ۵۹۴،
ان کے بارے میں مختلف نظریات ۵۹۴، تجارت اور کاروبار
۵۹۸، بلدیاتی نظام ۶۰۰، عدلیہ اور انتظامیہ کے اداروں کا
قیام ۶۰۰، قریش کے درمیان سیاسی گروہ بندیاں ۶۰۱
مکہ کی شہری ریاست میں نظام عدل ۶۰۲، عدلیہ کے ادارے
۶۰۲ ضلعی کونسل (دارالاسرہ) ۶۰۲، مجلس اعلیٰ (دارالندوہ)
۶۰۲ مجلس اعلیٰ کا طریق کار ۶۰۳، کثیر المقاصد ادارہ

۶۰۴ مجلس اعلیٰ کی ہیئت ۶۰۴ ، شہری ریاست کا دستور ۶۰۵ ، حلف الفضول (انجمن انصاف) ۶۰۵ ، تحکیم (ثالثی) ۶۰۸ ، کہانت ۶۱۱ ، عراف ، عرافہ ۶۱۲ ، سالانہ میلوں پر انصاف ۶۱۳ ، حوالہ جات اور تشریحات ۶۱۶ ۔

باب ۳ : دستور مدینہ کے تحت عدلیہ ۶۲۱ ، دستور مدینہ ۶۲۲ ، دستور کا مطالعہ ۶۲۹ ، صحت متن ۶۲۹ ، زمانۂ تحریر ۶۳۰ ، تعداد دفعات ۶۳۲ ، یہودی قبائل ۶۳۳ ، اسلامی ریاست کا وفاق ۶۳۴ ، مذہبی اور سماجی خود مختاری ۶۳۴ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ۶۳۵ ، سربراہ ریاست ۶۳۵ ، سپہ سالار ۶۳۵ ، چیف جسٹس ۶۳۵ ، عدالتی نظام ۶۳۶ ، چند مقدمات ۶۳۷ ، مقدمہ کی روداد ۶۳۷ ، ربیون (علماء) کے ساتھ ملاقات ۶۳۷ ، جرح اور حلف ۶۳۸ ، متن پیش کرنا ۶۳۸ ، قانون کو پوشیدہ رکھنے کے اسباب ۶۳۸ ، فیصلہ ۶۳۹ ، قانون میں امتیاز ۶۳۹ ، ایک مسلم اور یہودی کے درمیان جھگڑا ۶۳۹ ، غداری ۶۴۰ ، بنو قینقاع کی مدینہ سے جلا وطنی ۶۴۱ ، بنو نضیر کی غداری ۶۴۱ ، دستور کی پامالی ۶۴۱ ، بنو نضیر کی مدینہ سے جلا وطنی ۶۴۲ ، بنو قریظہ کی غداری ۶۴۲ ، فیصلہ کا اعلان ۶۴۳ ، یہودیت قبول کرنے والوں پر تنازعہ ۶۴۳ ، یہودیوں کے قرضے ۶۴۳ ، دستور مدینہ میں غداری کی سزا ۶۴۷ ، بنو قریظہ کے واقعہ سے چند اہم دستوری نکات ۶۵۰ ، ریاستِ مدینہ کا ضابطہ دیوانی اور پاکستان میں رائج ضابطہ دیوانی ۶۵۲ ، حوالہ جات اور تشریحات ۶۵۴ ،

باب ۴ : قرآنی دستور کے تحت نظامِ عدالت ۶۵۹ ، قرآن کے بنیادی دستوری اصول ۶۵۹ ، عدل ایک خدائی ضابطہ ۶۵۹ ، عدل کا ماخذ ۶۵۹ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ۶۶۰ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض ۶۶۲ ، غیر مسلم خود مختاری ۶۶۳ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات تمیزی ۶۶۴ ، قانون اور انصاف کی بالادستی ۶۶۵ ، قانون کا علم ۶۶۶ ، اس بارے میں قرآن کا حکم ۶۶۷ ، قانون شہادت ۶۶۸ ، چار گواہوں کا لزوم ۶۶۹ ، دو گواہوں کا لزوم ۶۶۹ ، دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ۶۷۰ ، خاوند کی گواہی چار گواہوں کے برابر ۶۷۱ ، ایک گواہ اور قسم ۶۷۲ ، شہری اور بدوی شہادت ۶۷۳ ، عورت کی گواہی ۶۷۵ ، قرض کی دستاویز کی وثیقہ نویسی ۶۷۷ ، قرآن حکیم کی آیت ۶۷۸ ، لفظ "الضلال" کے معانی ۶۷۸ ، مرد اور عورت کی برابر گواہی ۶۸۰ ، قرآن میں گواہ کے لیے لفظ "شاہد" کا استعمال ۶۸۱ ، سنت سے عورت کی پوری گواہی ۶۸۱ ، فقہی مذاہب میں عورت و مرد کی گواہی کی نوعیت ۶۸۳ ، ابن القیم کی رائے ۶۸۳ ، دستاویزی شہادت ۶۸۶ ، گواہوں کے لئے ہدایات ۶۸۷ ، عدلیہ کی دستوری دفعات کی تنفیذ ۶۸۸ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عدالتی طریقِ کار ۶۸۹ ، شہادت کی بالادستی ۶۸۹ ، بطورِ گواہ مسلمانوں میں مساوات ۶۹۱ ، نا اہل گواہ ۶۹۳ ، قرائنی شہادت ۶۹۴ ، تفتیش اور قانونی کارروائی ۶۹۶ ، عدالتی کارروائی ۶۹۹ ، فریقین مقدمہ کی ذمہ داریاں ۶۹۹ ، اقبال جرم ۷۰۰ ، مصالحت ۷۰۱ ، عدالتی حکم کا نفاذ ۷۰۲ ، بے رو رعایت عدلیہ ۷۰۳ ،

حوالہ جات اور تشریحات ۷۰۸،

باب ۵ : عہد رسالت میں صوبائی نظام عدالت ۷۱۰،
تمہید ۷۱۰، قضاۃ اور عمال کی فہرست ۷۱۰، عدالتی
ترتیب ۷۱۴، مدینہ کا مستقل قاضی ۷۱۵، صوبائی اور
ضلعی قاضی ۷۱۷، عتاب بن اسید منتظم مکہ ۷۱۷،
یمن میں نظام عدالت ۷۱۹، یمن میں قانون اور عدلیہ
کے ماہرین کا تقرر ۷۱۹، ابوموسیٰؓ بطور قاضی ۷۲۱،
معاذؓ بن جبل بطور قاضی ۷۲۳، ان کے فیصلے ۷۲۹،
عمروؓ بن حزم کا تقرر ۷۳۰، عدلیہ کے ماہرین کے
فرائض ۷۳۰، یمن کی عدلیہ پر حضرت علیؓ کا تقرر ۷۳۱،
عدالتی طریق سے متعلق ہدایات ۷۳۲، یمن میں حضرت
علیؓ کے فیصلے ۷۳۳، حوالہ جات اور تشریحات ۷۳۷۔

باب ۶ : عہد رسالتؐ کا نظام عدل اور جدید معترضین
و مستشرقین ۷۴۱، علی عبدالرازق اور ایمل تیان
کے دور افتادہ نتائج ۷۴۱، قرآن کی بنیادی قانونی
اور عدالتی اصطلاحات ۷۴۳، پانچ الفاظ — امر،
حکم، قضاء، عدل اور قسط ۷۴۴، امر کے معنی ۷۴۴،
حکم سے مراد ۷۴۵، عدل کا مفہوم ۷۴۷، قضاء کے مختلف
مفاہیم ۷۵۱، قسط کے مختلف معانی ۷۵۴، تیان
کے نظریات پر تبصرہ ۷۵۵، حوالہ جات و تشریحات
۷۶۰،

دو عالم قریشی (مترجم) : عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ
از ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ (۱۱) ۷۶۵ — ۷۶۳
مصطفیٰ سباعی، شیخ : سرور انسانیت علیہ الصلوٰت والتسلیمات
بطور پند و نصائح۔ ترجمہ از نورالٰہی (۱۲) ۳۵۵-۴۹۲
عرض مترجم ۳۵۶، ترتیب مضامین ۳۵۷، عرض

مؤلف ۳۵۸، مقدمہ — ۱۔ سیرت نبوی علیٰ صاحبہا
الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات ۳۶۱، پہلے انبیاء کی سیرت
۳۶۱، آپؐ کی سیرت کے جملہ واقعات موجود ہیں ۳۶۲، آپؐ کی
سیرت ایک کامل ترین انسان کی سیرت ہے ۳۶۳، آپؐ
کی سیرت انسانیت کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہے ۳۶۳،
آپؐ کی سیرت رسالت و نبوت کے لیے دلائل مہیا کرتی ہے
۳۶۴۔

(ب) سیرت نبویہؐ کے مآخذ — ۱۔ قرآن کریم ۳۶۷،
سنت نبویہ صحیحہ ۳۶۸، عہد رسالت کے ہمعصر شعراء کا
کلام ۳۶۹، کتب سیرت ۳۷۰، سیرت ابن ہشام ۳۷۰،
طبقات ابن سعد ۳۷۱، تاریخ طبری ۳۷۱، تالیف سیرت
کے اسلوب میں تبدیلی ۳۷۱۔

فصل اوّل : آنحضرتؐ کی حیات طیبہ قبل بعثت ۳۷۲،
تاریخی واقعات ۳۷۳، پند و نصائح ۳۷۶، شرافت و نجابت
کے حامل داعی کے پیغام کو لوگ بڑے غور سے سنتے ہیں ۳۷۶،
حالت یتیمی کے اثرات ۳۷۷، فطری خصائل کے اثرات ۳۷۷،
داعی کی ذہانت و فطانت ۳۷۸، معیشت میں خود کفیل
ہونا ۳۷۸، قبل از بعثت کی زندگی ۳۷۸، سفر کے تجربات
جمہور کے ساتھ معاشرت، مصائب و مشکلات میں شرکت
۳۷۹، خلوت گزینی ۳۸۰،

فصل دوم : آنحضرتؐ کی حیات طیبہ بعثت سے ہجرت
تک ۳۸۲، ا۔ واقعات ۳۸۲، — ۱۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ۳۸۲۔
ب۔ پند و نصائح، معاشرے میں پھیلی ہوئی گمراہی اور
بگاڑ کے خلاف نفرت ۳۸۸، جبریلؑ کا وحی لے کر آنا
۳۸۸، اعلانیہ دعوت الی اللہ کا مناسب وقت ۳۸۸،

اہلِ عرب کو پیغام اور اس کی نوعیت ۳۸۸، دعوت میں پختہ کاری اور استقامت ۳۸۹، طریقِ دعوت کی تعلیم ۳۸۹، قریبی رشتہ داروں کو دعوت ۳۸۹، مامن کی تلاش ۳۸۹۔

فصل سوم: ہجرت حبشہ سے ہجرت مدینہ تک ۳۹۱، ۱۔ تاریخی واقعات ۳۹۱، انصار کے اسلام کی ابتدا ۳۹۳ بیعت عقبہ ۳۹۳۔ پند و نصائح ۳۹۴، قریبی رشتہ دار کی حمایت ۳۹۴، نیکوکار بیوی ۳۹۴، دعوت میں عزم صمیم ۳۹۵، معجزہ اسراء و معراج کے اسرار و رموز ۳۹۶، دعوت کا طریقِ کار ۳۹۷۔

فصل چہارم: ہجرت سے لے کر مدینہ منورہ میں ٹھکانا حاصل کرنے تک ۳۹۹، ۱۔ تاریخی واقعات ۳۹۹، یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ ۴۰۲، ب۔ پند و نصائح ۴۰۳، عملی جدوجہد کا اعلان ۴۰۳، کسی تحریک کے مخالفین کا طریقِ کار ۴۰۴، قائد کی سلامتی ۴۰۴، آپؐ کی امانت و دیانت ۴۰۴، دار الہجرت کی تلاش ۴۰۴، تحریک میں نوجوانوں کا کردار ۴۰۴، خواتین کے لیے دعوتِ اصلاح کی اہمیت و ضرورت ۴۰۵، خارقِ عادت امور کا ظہور ۴۰۶، تحریک کے سچے مجاہد کی خطرے میں کیفیت ۴۰۶، آپؐ کا توکل علی اللہ ۴۰۷، سراقہ کا واقعہ ۴۰۷، مسجد کی تعمیر ۴۰۸، اسلام میں مسجد کی اہمیت ۴۰۹، عمل اجتماعی ۴۱۰،

فصل پنجم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگی معرکے ۴۱۲، ۱۔ تاریخی واقعات ۴۱۲، غزوۂ بدر کبریٰ ۴۱۲، غزوۂ اُحد ۴۱۶، غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ احزاب ۴۲۳، غزوۂ بنی قریظہ ۴۲۵، غزوۂ حدیبیہ ۴۲۸، غزوۂ خیبر ۴۳۱، غزوۂ موتہ ۴۳۲، فتح مکہ ۴۳۴، غزوۂ حنین ۴۳۶، غزوۂ تبوک ۴۳۸۔ ب۔ پند و نصائح ۴۴۰، قتال کی اجازت ۴۴۱، غزوۂ بدر ۴۴۴، لشکر کی قوت اخلاقی کی اہمیت ۴۴۵، سالارِ لشکر کا اعتماد ۴۴۶، قائد کی زندگی کی اہمیت ۴۴۶، غزوۂ بدر میں فرشتوں کا نازل ہونا ۴۴۶، قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی حکمت ۴۴۶۔ ۴۴۷، قائد کے حکم کی خلاف ورزی کا نتیجہ ۴۴۷، مادی لالچ سے کمزوری اور بزدلی پیدا ہوتی ہے ۴۴۸، مسلمان عورت کا دعوتِ اسلام میں کردار ۴۴۸، غزوۂ اُحد میں مشرکین کا شہداء کے ساتھ سلوک ۴۴۹، مشاورت کی اہمیت ۴۴۹، شورائیت کا اصول ۴۵۰، قائد کے لیے شجاعت اور ثابت قدمی کی اہمیت ۴۵۰، قائد کے حکم کی تعمیل ۴۵۰، ان تجربوں سے استفادہ کرنا جو اُمت اور سوسائٹی کے لیے مفید ہوں ۴۵۲، اسلامی جنگ میں انسانیت کے لیے رحمت ۴۵۳، تحریک کی پیش رفت کے لیے مخلص کارکنوں کی ضرورت ۴۵۴، یہودیوں کے ساتھ حسنِ سلوک فائدہ نہیں دیتا ۴۵۴، فتح مکہ میں پند و نصائح ۴۵۶، اہل مکہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ ۴۵۶، کم وقت میں دعوت کی کامیابی ۴۵۶۔

فصل ششم: فتح مکہ کے بعد سے رسولؐ کی وفات تک کے اہم واقعات ۴۵۸۔ ۱۔ غزوۂ حنین ۴۵۸، مالِ غنیمت ۴۷۱، تالیفِ قلوب کے لیے مالِ غنیمت کا دینا ۴۷۲، آپؐ کا انصار سے خطاب ۴۷۴، بت شکنی ۴۷۶، غزوۂ تبوک ۴۸۱، اس کے اسباب ۴۸۲، حجۃ الوداع ۴۸۵، خطبہ ۴۸۵، جیشِ اسامہ ۴۸۸، رسول اللہؐ کی وفات ۴۹۰۔

منظہر صدیقی، محمد یٰسین: تعلیقات و حواشی (متعلقہ "عہدِ نبوی میں تنظیمِ ریاست و حکومت" بقایا جلد پنجم) (۱۲) ۱۰۰ - ۲۷۹

اہلِ مکہ کے جاسوسی نظام پر بحث ۳۲۹، تعلیقات و حواشی ۳۳۱

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: نبوی غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت (۱۱) ۳۹۷ - ۴۸۰

غزوات و سرایا کے متعلق مستشرقین کی رائے ۳۹۸، ان کی نظر میں یہود مدینہ کے قبائل کی معاشی بہتر حالت اور مسلمانوں کا ان کو تہس نہس کرنا ۳۹۹، مؤرخین اسلام بھی ان کی رائے سے متفق نظر آتے ہیں ۴۰۰، واقدی کے نزدیک غزوات و سرایا کی تعداد ۴۰۰، سریۂ نخلہ میں حاصل شدہ مالِ غنیمت کا تجزیہ ۴۰۱، غزوۂ بدر اور مالِ غنیمت ۴۰۲، اس مال کی تقسیم ۴۰۳، اسیرانِ بدر کا زرِ فدیہ ۴۰۴، بنو قینقاع کے خلاف فوجی کاروائی ۴۰۵، ایک جدید ہندوستانی مؤرخ کی رائے ۴۰۷، غزوۂ سویق ۴۰۸، ۳ ہجری میں مسلمان جانبازوں کی سات مہمیں ۴۰۸، غزوہ الکدر ۴۰۸، سریۂ زید بن حارثہ ۴۰۹، غزوۂ احد ۴۰۹، سریۂ قطن ۴۰۹، بنو نضیر کے خلاف غزوۂ نبوی ۴۱۰، غزوۂ دومۃ الجندل ۴۱۲، بنو مصطلق پر حملہ ۴۱۲، غزوۂ احزاب یا خندق ۴۱۳، غزوہ بنو قریظہ ۴۱۴، سریۂ قرطاء ۴۱۵، سریۂ ذو القصہ ۴۱۵، سریۂ العیص ۶ھ میں غزوات و سرایا ۴۱۶، غزوہ عمرۃ القضاء ۴۱۶، غزوہ خیبر ۴۱۶، خیبر کے منقولہ اموالِ غنیمت ۴۱۸، خیبر کی فے اراضی ۴۱۹، خیبر کے بعد تین یہودی بستیوں پر سیاسی بالادستی ۴۲۰، ۸ھ کی مہمیں ۴۲۱، علاقہ الکدید کا سریہ ۴۲۱، سریہ موتہ ۴۲۲، سریہ ذات السلاسل ۴۲۲، فتح مکہ ۴۲۲، غزوۂ حنین ۴۲۲، غزوۂ حنین میں مالِ غنیمت ۴۲۳، ۹ھ کی مہمیں ۴۲۴، ہجرت کے دسویں برس سریۂ حضرت علی بن ابی طالب یمن کی جانب ۴۲۵، کل اموالِ غنیمت کا عملی تجزیہ ۴۲۵، اس تجزیہ کی روشنی میں معیشت مدینہ پر تبصرہ ۴۲۸، مدینہ کی آبادی ۴۲۹، مذہبی و سیاسی مہمات پر مصارف ۴۳۰، کل مسلمان مجاہدین کی تعداد ۴۳۱، حربی مصارف اور خسارے ۴۳۲، کرز بن جابر فہری کا مدینہ کے قریب ایک چراگاہ پر حملہ ۴۳۲، العریض پر ابوسفیان بن حرب اموی کا حملہ ۴۳۲، مسلم معیشت کے بنیادی عناصر و معالم ۴۳۴، مالِ غنیمت کے متعلق اسلام کا نظریہ ۴۳۵، اموالِ غنیمت میں ملنے والے دینار و درہم سے سرمایہ کاری ۴۳۶، تاجرانِ عرب کا مہموں میں تجارت کا سامان ساتھ لے جانا تاکہ اگر فرصت ملی تو کاروبار کریں گے ۴۳۷، اموالِ غنیمت کی اقتصادی اہمیت کی نوعیت ۴۳۸، تعلیقات و حواشی ۴۴۰ -

ن

نثار احمد، ڈاکٹر: مستشرقین اور مطالعۂ سیرت (۱۱) ۴۸۱-۵۶۵

تعارف ۴۸۲، آغاز کار ۴۸۴، مستشرقین پر کتابیں ۴۸۴، سرسید احمد خاں نے اردو میں آغاز کیا ۴۸۵، ابتدائی جائزہ ۴۸۷، شبلی کی تنقید ۴۸۸، مستشرقین کے متعلق مضامین ۴۹۰، نوعیت مسئلہ ۴۹۱، تحریک استشراق ۴۹۲، استشراق اور مستشرق کی اصطلاحیں ۴۹۳، تحریک استشراق کا آغاز ۴۹۶، اس کا آغاز سولہویں صدی عیسوی میں ہوا ۵۰۲، اس کا آغاز خالص مسیحی مشنری اور کلیسا کی پس منظر میں ہوا ۵۰۲، تحریک کا ارتقاء ۵۰۲، مستشرقین اور ان کی کتابیں ۵۰۳، تحریک استشراق کا عروج ۵۰۹، مشاہیر مستشرقین کا تعارف ۵۱۳، عہد جدید ۵۱۷، مطالعہ سیرت کے حوالے سے اعتدال اور انصاف پسندی کی روایت ۵۱۸، عہد جدید میں نئے رجحانات اور نئی تحریکیں ۵۲۰،

اوّل ۱۰۰، باب دوم ۱۵۴، باب سوم ۲۱۱، باب چہارم ۲۳۰، باب پنجم ۲۵۰، باب ششم ۲۷۲

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم (متعلقہ "عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت")۔ بقایا جلد پنجم (۱۲) ۸-۹۹

ضمیمہ اوّل-۱: امرائِ سرایا (مہموں کے قائدین) ۸، ضمیمہ اوّل-۲: امرائِ خمیس (سالارانِ رسالہ) ۱۲، ضمیمہ اوّل-۳: امرائِ علم/علمبردار (اصحاب الالویۃ والرایات) ۱۴، ضمیمہ اوّل-۴: افسرانِ طلیعہ (گشتی دستے) ۱۸، ضمیمہ اوّل-۵: جاسوس (عیون) ۲۰، ضمیمہ اوّل-۶: راہ بر (دلیل) ۲۱، ضمیمہ اوّل-۷: اموالِ غنیمت اور قیدیوں کے نگران افسر (اصحاب المغانم) ۲۲، ضمیمہ اوّل-۸: اسلحہ اور گھوڑوں کے افسر (اصحاب السلاح والفرس) ۲۴، ضمیمہ اوّل-۹: محافظ دستوں کے افسر۔

ضمیمہ دوم-۱: خلفائے رسولؐ (نوابِ خلفاء) ۲۶، ضمیمہ دوم-۲: مشیرانِ نبوی (المشیرون) ۲۸، ضمیمہ دوم-۳: سیکرٹری (کاتبین رسولؐ) ۳۰، ضمیمہ دوم-۴: سفیرانِ نبوی (رسل الرسول) ۳۲، ضمیمہ دوم-۵: مخصوص افسرانِ نبوی/کمشنر ۳۴، ضمیمہ دوم-۶: شعراء وخطبائے رسولؐ ۳۵، ضمیمہ دوم-۷: متفرق ماتحت کارکن ۳۶، ضمیمہ دوم-۸: والی/ولاۃ نبوی (گورنر) ۳۷، ضمیمہ دوم-۹: مقامی تنظیمیں رؤسا/شیوخ ۳۹، ضمیمہ دوم-۱۰: نقباء/ہیڈ ام

ضمیمہ سوم-۱: مرکزی عاملین صدقات (عمال الصدقات) ۴۲، ضمیمہ سوم-۲: مقامی عاملین صدقات ۴۴، ضمیمہ سوم-۳: پیداوار کے تخمینہ کے افسر (خارص) ۴۶، ضمیمہ سوم-۴: عاملین علی الحمٰی (چراگاہ کے افسر) ۴۷ —

ضمیمہ چہارم-۱: معلمین ومعلمین ۴۸، ضمیمہ چہارم-۲: مفتیان گرامی ۵۰، ضمیمہ چہارم-۳: ائمہ مساجد ونماز ۵۱، ضمیمہ چہارم-۴: مؤذنین رسولؐ ۵۲، ضمیمہ چہارم-۵: افسران امورِ حج ۵۳ —

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: عہد نبویؐ کی ابتدائی مہمیں — محرکات، مسائل اور مقاصد (۱۲) ۲۸۱ — ۳۶۰

پہلی مہم ۲۸۳، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں سیف البحر کی جانب گئی تھی ۲۸۴، مہم بھیجنے کا مقصد ۲۸۵، قبیلہ جُہینہ کے ساتھ دوستی کے تعلقات استوار کرنا ۲۸۵، دوسری مہم حضرت عبیدہ بن حارث کی سرکردگی میں رابغ کے علاقے میں بھیجی گئی ۲۸۶، اس کو بھیجنے کا سبب ۲۸۷، تیسری مہم سریہ خرار تھا جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے زیرکمان خرار نامی علاقے تک گیا تھا ۲۸۸، مہم بھیجنے کی وجہ ۲۸۸، چوتھی مہم غزوہ وَدّان ۲۸۹، پانچویں مہم غزوہ بواط ۲۹۱، چھٹی مہم غزوہ بدر اولیٰ اور غزوہ سفوان کے نام سے معروف ہے ۲۹۲، ساتویں مہم غزوہ ذی العشیرہ کے نام سے موسوم ہے ۲۹۲، اس کا سبب ۲۹۵، آٹھویں مہم مقام نخلہ کو بھیجی گئی ۲۹۶، واقدی کی روایت میں اس مہم کے بارے میں اضافے ۲۹۹، جدید مغربی مؤرخین کی بحث ۳۰۱، اس مہم کا مقصد و محرک ۳۰۲، واٹ کے دلائل ۳۰۵، قریش پر نظر رکھنے کی ہدایت ۳۰۸، یہ حملہ کب ہوا اور کیوں ہوا ۳۱۰، واٹ کی مزید بحث ۳۱۲، اس کے دعوے کی تردید ۳۱۵، قریش کا شام کی جانب کاروان ۳۱۸، نویں اور دسویں مہمیں ۳۱۹، نویں مہم ینبع کے علاقے میں گئی ۳۲۰، آخری تجزیہ ۳۲۱، ان مہموں کے محرکات، مسائل اور مقاصد ۳۲۱، وہ منازل جن کی جانب یہ مہمیں بھیجی گئیں ۳۲۴، فوجی حکمت عملی ۳۲۵،

عہد حاضر کے چند مشاہیر مستشرقین کا تعارف ۵۲۳، تحریک استشراق کے پسِ پردہ اسباب و محرکات ۵۲۷، اعتراضات، الزامات، مفتریات و مہفوات ۵۳۱، نام، حسب و نسب ۵۳۲، تعارف ۵۳۳، نبوت و رسالت ۵۳۴، کارہائے نبوت و رسالت۔ واقعاتِ سیرت ۵۳۶، متفرقات ۵۳۸، اعترافات ۵۴۰، اثر انگیز شخصیت ۵۴۰، ناقابلِ فراموش ۵۴۰، جامعیت کبریٰ ۵۴۱، بے مثال کارنامہ ۵۴۱، تاریخ کی پوری روشنی میں ۵۴۲، انقلاب، انقلاب، انقلاب ۵۴۳، منفرد مقام ۵۴۳، سب سے بڑا انسان ۵۴۳، عظیم و مخلص ۵۴۳، مقام و مرتبہ ۵۴۴، روشنی ۵۴۴، نور ہی نور ۵۴۴، عظیم فاتح ۵۴۵، صاحبِ خلقِ عظیم ۵۴۶، سنجیدگی، اخلاص، وفاداری ۵۴۷، مشن کی سچائی ۵۴۷، سچے رسولؐ ۵۴۸، امتحان سخت سے گزرے ۵۴۸، آسمانوں کی بادشاہت زمین پر ۵۴۸، ہمہ گیر اصلاح ۵۴۹، عظمتوں کے نشان ۵۴۹، صدق و صفا ۵۵۰، اتمام و اکمال ۵۵۰، فہرست مستشرقین ۵۵۰، فہرست مستشرقین حصہ اوّل مع کتب ۵۵۱، فہرست مستشرقین حصہ دوم ۵۶۱،

نورالٰہی (مترجم): سرورِ انسانیت علیہ الصلوات والتسلیمات، بطرز پند و نصائح از شیخ مصطفیٰ سباعی (۱۲) ۳۵۵-۴۹۲ -

نورالٰہی (مترجم): سیرۃ ابنِ اسحٰق مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی، تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ (۱۱) ۷-۳۵۴

مقالات

ت

تعلیقات وحواشی [متعلقہ "عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت" بقایا جلد پنجم] : محمد یٰسین مظہر صدیقی (۱۲) ۱۰۰— ۲۷۹

س

سرور انسانیت علیہ الصلوات والتسلیمات بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی : شیخ مصطفےٰ سباعی (۱۲) ۳۵۵— ۴۹۲

سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی : ابن اسحٰق تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۷— ۳۵۴

ع

عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں۔ محرکات، مسائل اور مقاصد : محمد یٰسین مظہر صدیقی (۱۲) ۲۸۱— ۳۵۴

عہد نبوی میں عدلیہ اور انتظامیہ : محمد یوسف گورایہ، ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱) ۵۶۷-۶۶۳

ض

ضمائم [متعلقہ "عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت" بقایا جلد پنجم] : محمد یٰسین مظہر صدیقی (۱۲) ۸— ۹۹

م

محاکمہ سیرت ابن اسحٰق : محمد حمید اللہ (۱۱) ۳۵۵- ۳۹۶

مستشرقین اور مطالعۂ سیرت : ڈاکٹر نثار احمد (۱۱) ۴۸۱- ۵۶۵

ن

نبوی غزوات وسرایا کی اقتصادی اہمیت : محمد یٰسین مظہر صدیقی (۱۱) ۳۹۷—۴۸۰

موضوعات

ا

اسمائے مساجد

مظہر صدیقی، محمد یسین: ضمائم [متعلقہ "عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۵۱

ابنِ اسحاق (۸۵ھ-۱۵۱ھ)

حمید اللہ، محمد: محاکمہ سیرت ابنِ اسحٰق (۱۱)، ۳۵۷ — ۳۹۶

(حضرت) ابوبکر صدیقؓ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۱۴۲ - ۱۴۳، ۲۰۰ - ۲۰۱، ۲۵۲ - ۲۵۳

(حضرت) ابو ذرؓ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۱۴۴ — ۱۴۶

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۶۳ - ۷۵، ۱۴۷ - ۱۴۸، ۲۱۹ - ۲۲۰، ۲۲۴ - ۲۲۵، ۲۵۰ - ۲۵۱، ۲۵۴ - ۲۵۹

(حضرت) ابو موسیٰؓ

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱) ۴۲۱ - ۴۲۳

(حضرت) ابو ہریرہؓ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۳۰۲

اخلاقِ نبویؐ

مصطفیٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند و نصائح، ترجمہ از نور الٰہی
(۱۲) ۳۵۵ - ۴۸۸

اخلاقیات

مصطفیٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند و نصائح، ترجمہ از نور الٰہی
(۱۲) ۳۵۵ - ۴۸۸

استشراق

نثار احمد، ڈاکٹر: مستشرقین اور مطالعۂ سیرت
(۱۱) ۴۸۱ - ۵۶۵

اسلام، سیاست و حکومت

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱) ۵۶۷ - ۶۶۳

اسلامی ریاست

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ
ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱) ۵۶۷ - ۶۶۳

اسلامی معاشرہ

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱) ۵۶۷-۶۶۳

اسماء بنت کعب جونیہ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۲۸۲

اصحاب الغنائم

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ "عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۲۲-۲۳

اصحاب الفیل

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۵۶-۶۲

افسرانِ امورِ حج

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ "عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۵۳

افسرانِ فوج

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ "عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۸-۱۹

اقتصادیات

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: نبوی غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت (۱۱) ۳۹۷-۴۸۰

(حضرت) اُمِ حبیبہ رض

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۲۷۶

(حضرت) اُمِ سلمہ رض

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۲۷۷-۲۷۸

اُمِ شریک رض دوسیہ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۳۰۰-۳۰۱

اُمِ کلثوم رض بنتِ علی رض

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۲۶۶-۲۶۹

امہات المومنین رض

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۲۷۴-۲۸۸

ب

بُت شکنی

مصطفیٰ السباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند و نصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۱۲) ۴۵۸-۴۸۰

بعثتِ نبویؐ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۱۲۸-۱۳۹

بعثتِ نبویؐ۔ بشارتیں

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۷۸-۸۲

ت

تبع اوسط (قبیلہ حمیر کا بادشاہ)

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۴۷-۵۵

تبلیغ اسلام

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمغازی تحقیق و تعلیق

از محمد حمید اللہ، ترجمہ از نور الٰہی (۱)، ۱۲۵ - ۱۳۶ - ۲۴۹-

۲۵۳ -

مصطفےٰ اسباعی، شیخ: سرور انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۲)، ۳۵۵- ۴۸۸

تبلیغ و دعوت

مصطفیٰ اسباعی، شیخ: سرور انسانیت علیہ الصلوات والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۲)، ۳۵۵- ۴۹۲۔

تجارت

مظہر صدیقی، محمد لیسین: نبوی غزوات و سرایا کی اقتصادی اہمیت (۱)، ۲۹۷- ۴۸۰

ج

(حضرت) جویریہؓ بنت حارث

ابن اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱)، ۲۷۹ — ۲۸۰

جہاد

مصطفیٰ سباعی، شیخ: سرور انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۲)، ۴۱۲ — ۴۵۵ -

مظہر صدیقی، محمد لیسین: عہد نبویؐ کی ابتدائی مہمیں۔ محرکات، مسائل اور مقاصد (۲)، ۲۸۱ — ۳۵۴

ح

حج

ابن اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔ تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱)، ۹۰ — ۱۲۷

مظہر صدیقی، محمد لیسین: ضمائم [متعلقہ "عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲)، ۵۲

(حضرت) حفصہؓ بنت عمرؓ

ابن اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱)، ۲۷۶

(حضرت) حمزہؓ بن عبد المطلب

ابن اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔ تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱)، ۱۷۹ — ۱۸۲

خ

(حضرت) خدیجہؓ بنت خویلد

ابن اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱)، ۷۶-۷۷، ۱۲۲

۱۲۵، ۱۳۱-۱۳۴، ۲۶۰-۲۶۳

خطباتِ رسولؐ

مظہر صدیقی، محمد لیسین: ضمائم [متعلقہ عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت۔ بقایا جلد پنجم] (۱۲)، ۳۵

خلفائے رسولؐ

مظہر صدیقی، محمد لیسین: ضمائم [متعلقہ "عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲)، ۲۶ — ۲۷

د

دستورِ مدینہ

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱)، ۶۲۱ — ۶۵۸

دعوت ذو العشیرہ

ابن اسحٰق، سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔ تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱)، ۱۵۰

ز

زمزم

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتداو المبعث والمغازی۔ تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱)، ۱۰-۱۹

(حضرت) زینبؓ بنت جحش

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتداو المبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱)، ۲۷۸-۲۷۹

(حضرت) زینبؓ بنتِ خزیمہ

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱)، ۲۷۶

س

سریہ زید بن حارث

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتداو المبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱)، ۳۳۴-۳۳۵

سفیرانِ نبویؐ

منظہر صدیقی، محمد یٰسین : ضمائم [متعلقہ عہد نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت " نقایا جلد پنجم] (۱۲)، ۳۲-۳۳

(حضرت) سلمان فارسیؓ

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتداء والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی

(۱)، ۸۲-۸۹

سیرت نبویؐ

مصطفیٰ سباعی، شیخ : سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۱۲)، ۳۵۵-۳۹۲

سیرت نبویؐ - خصائص

مصطفیٰ اسباعی، شیخ : سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی

(۱۲)، ۳۶۱-۳۷۲

سیرت نبوی - قبل از بعثت

مصطفیٰ سباعی، شیخ : سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۱۲)، ۳۷۳-۳۸۱

سیرت نبویؐ - ماخذ

مصطفیٰ سباعی، شیخ : سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی

(۱۲)، ۳۶۱-۳۷۲

سیرت نبویؐ اور غیر مسلم دانشور

نثار احمد، ڈاکٹر : مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

(۱)، ۴۸۱-۵۶۵

سیرت نگارانِ رسولؐ

نثار احمد، ڈاکٹر : مستشرقین اور مطالعۂ سیرت (۱)، ۴۸۱-۵۶۵

سیرت نگاری

نثار احمد، ڈاکٹر : مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

(۱)، ۴۸۱-۵۶۵

سیرت نگاری اور مستشرقین

نثار احمد، ڈاکٹر : مستشرقین اور مطالعۂ سیرت

(۱)، ۴۸۱-۵۶۵

ش

شعب ابی طالب

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی

تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۱۶۶ - ۱۷۵

شعرائے رسولؐ

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ " عہد نبویؐ میں تنظیم
ریاست و حکومت " بقایا جلد پنجم (۱۲) ۳۵

شہادت دیکھئے قانون شہادت

شہدائے بدر

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی۔
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۳۲۴ - ۳۲۵

ص

(حضرت) **صفیہؓ بنت حیی**

ابن اسحاق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۲۸۰ - ۲۸۱

ع

عالم عرب (قبل از اسلام)

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔
ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱) ۵۶۷

عاملین صدقات

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ " عہد نبویؐ میں تنظیم
ریاست و حکومت " بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۳۲

(حضرت) **عائشہؓ بنت ابی بکرؓ**

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۲۷۴ - ۲۷۵

(جناب) **عبد اللہ بن عبد المطلب**

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۲۰ - ۴۰

(حضرت) **عبد اللہ بنؓ مسعود**

ابن اسحٰق، سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۱۹۷ - ۱۹۸

(جناب) **عبد المطلب**

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۱۰ - ۴۱، ۵۶، ۶۷

(حضرت) **عتابؓ بن اُسید**

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ
ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱) ۷۱۷ - ۷۱۸

(حضرت) **عثمانؓ بن عفان**

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۲۴۲ - ۲۴۳

عدل

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہد نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ
ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱) ۵۶۷ - ۷۶۳

عدیؓ بن حاتم

ابن اسحٰق: سیرت، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱) ۳۰۳ - ۳۰۵

عربی شاعری

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی۔
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۹ - ۳۵۴

عربی نعت

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۹ - ۳۵۴

(حضرت) علیؓ بن ابی طالب

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی۔
(۱۱) ۱۴۰ - ۱۴۱، ۲۰۴ - ۲۰۵، ۲۱۵ - ۲۱۶،
۲۶۴ - ۲۶۵

محمد یوسف گورایہ : عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ از
محمود عالم قریشی (۱۱) ۴۳۱ - ۴۳۶

علمبردارِ نبویؐ

منظر صدیقی، محمد یٰسین : ضمائم [متعلقہ عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست
وحکومت " بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۱۴ - ۱۷

(حضرت) عمرؓ بن خطاب

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی۔
(۱۱) ۱۹۱ - ۱۹۶، ۲۶۶ - ۲۶۷

(حضرت) عمرؓ بن حزم

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر : عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔
ترجمہ از محمود عالم قریشی۔ (۱۱) ۴۳۰

عمرۃ بنت یزید

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی،
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی۔
(۱۱) ۲۸۲

عون بن جعفر بن ابی طالب

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی۔
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۲۶۸ - ۲۶۹

غ

غزوات

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۳۲۰ - ۳۳۳، ۳۴۱ - ۳۵۴

مصطفٰی السباعی، شیخ : سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات،
بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۱۲) ۴۱۲ - ۴۵۷

منظر صدیقی، محمد یٰسین : نبویؐ غزوات وسرایا کی اقتصادی
اہمیت (۱۱) ۳۹۷ - ۴۸۰

منظر صدیقی، محمد یٰسین : عہدِ نبوی کی ابتدائی مہمیں — محرکات،
مسائل اور مقاصد (۱۲) ۲۸۱ - ۳۵۴

غزوۂ اُحد

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۳۴۱، ۳۵۴

غزوۂ بحران

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی (۱۱) ۳۴۰

غزوۂ بدر

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱) ۳۲۰ - ۳۲۵

غزوہ بنی قینقاع

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۳۳۰ - ۳۳۳

غزوہ حنین

مصطفیٰ سباعی، شیخ : سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۱۲)، ۴۵۸ - ۴۸۱

غزوہ ذی امر

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ، ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۳۲۹ - ۳۳۰

غزوہ سویق

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۳۲۶ - ۳۲۸

ف

(حضرت) فاطمہؓ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۲۶۴ - ۲۶۵

ق

قانونِ شہادت

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر : عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ
از محمود عالم قریشی (۱۱)، ۶۵۹ - ۷۰۹

قضاۃ

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہدِ نبویؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ
از محمود عالم قریشی (۱۱)، ۷۱۰ - ۷۴۰

ک

کاتبین رسولؐ

مظہر صدیقی، محمد یسین : ضمائم [متعلقہ " عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت"۔ بقایا جلد پنجم] (۱۲)، ۳۰ - ۳۱

کعب بن اشرف

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی
(۱۱)، ۳۳۶ - ۳۴۰

کعبہ

ابنِ اسحٰق : سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی
تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نور الٰہی۔
(۱۱)، ۹۰ - ۱۲۷

م

مالِ غنیمت

مصطفیٰ سباعی : سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نور الٰہی (۱۲)، ۴۵۸ - ۴۹۰

مبلغین ومعلمین

مظہر صدیقی، محمد یسین، ضمائم [متعلقہ " عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت"۔ بقایا جلد پنجم] (۱۲)، ۴۸ - ۴۹

مستشرقین

نثار احمد، ڈاکٹر : مستشرقین اور مطالعۂ سیرت
(۱۱)، ۴۸۱ - ۵۶۵

مشیرانِ نبویؐ

مظہر صدیقی، محمد یسین: ضمائم [متعلقہ عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست و حکومت۔ بقایا جلد پنجم۔ (۱۲)، ۲۸ - ۲۹

(حضرت) معاذؓ بن جبل

محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر: عہدِ نبوی میں عدلیہ اور انتظامیہ۔ ترجمہ از محمود عالم قریشی (۱۱) ۷۲۳ - ۷۲۹

معجزات

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نُورِ الٰہی

(۱۱) ۴۲ - ۴۶ - ۲۹۳ - ۲۹۹

مصطفےٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نورِ الٰہی (۱۲) ۳۹۹ - ۴۱۱

معراج

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نُورِ الٰہی

(۱۱) ۳۱۲ - ۳۱۷

مصطفےٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح، ترجمہ از نورِ الٰہی (۱۲) ۳۹۱ - ۳۹۸

مغتیبات

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ "عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۵۰

مہاجرینؓ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نُورِ الٰہی

(۱۱) ۱۴۷ - ۱۵۸

مہاجرین حبشہ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نورِ الٰہی

(۱۱) ۱۸۶ - ۱۹۰، ۲۳۸ - ۲۴۵

مؤذنین رسولؐ

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ "عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت" بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۵۲

میثاقِ مدینہ

مصطفےٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرز پند ونصائح۔ ترجمہ از نُورِ الٰہی (۱۲) ۳۹۹ - ۴۱۱

(حضرت) میمُونہ بنت حارث ہلالیہ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نُورِ الٰہی

(۱۱) ۲۸۱ - ۲۸۲

ن

نعت

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نُورِ الٰہی

(۱۱) ۹ - ۳۵۴

نقباءِ مدینہ

مظہر صدیقی، محمد یٰسین: ضمائم [متعلقہ عہدِ نبویؐ میں تنظیم ریاست وحکومت۔ بقایا جلد پنجم] (۱۲) ۴۱

نماز

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نُورِ الٰہی

(۱۱) ۱۳۸ - ۱۳۹

و

وحی

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساة بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق وتعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نورِ الٰہی

(۱۱) ۱۲۸ - ۱۳۹، ۱۵۰

مصطفیٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرزِ پند و نصائح۔ ترجمہ از نورالٰہی (۱۲) ۳۸۲ - ۳۹۰

ورقہ بن نوفل

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی، تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نورالٰہی
(۱۱) ۱۲۳ - ۱۲۵، ۱۳۲ - ۱۳۳

وضو

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی، تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نورالٰہی
(۱۱) ۱۲۸ - ۱۲۹

ولادۃِ نبوت (گودنس)

مظہر صدیقی، محمد یسین: ضمائم ؛ متعلقہ "عہدِ نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت"۔ بقایا جلد پنجم ؛ (۱۲) ۲۷ - ۳۸

ہ

ہجرت

مصطفیٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرزِ پند و نصائح، ترجمہ از نورالٰہی
(۱۲) ۳۹۱ - ۳۹۸

ہجرتِ حبشہ

ابنِ اسحٰق: سیرت، مساۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی تحقیق و تعلیق از محمد حمید اللہ۔ ترجمہ از نورالٰہی۔
(۱۱) ۱۸۳ - ۱۹۰، ۲۲۶ - ۲۴۵

ہجرت مدینہ

مصطفیٰ سباعی، شیخ: سرورِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بطرزِ پند و نصائح، ترجمہ از نورالٰہی۔
(۱۲) ۳۹۹ - ۴۱۱

مقامات

ا

آسٹریا (۱۱) ۳۸۷، ۵۱۰

آکسفورڈ (۱۱) ۴۴۳، ۴۹۳، ۵۰۳، ۵۱۴، ۵۱۸، ۵۴۷، ۵۴۹، ۵۸۳، ۵۸۴، ۶۵۵، ۷۶۱، (۱۲) ۱۰۰، ۱۰۳، ۳۳۴،

ابوا (۱۱) ۶۱ (۱۲) ۲۸۷، ۲۸۹ — ۲۹۱، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۳۶،

ایپساوس (۱۱) ۵۵۶

اٹرٹ UTRUHT (۱۱) ۵۵۶

اٹلی (۱۱) ۴۸۵، ۴۸۸، ۵۱۰

اجنادین (۱۱) ۲۴۳

احد (۱۱) ۱۲، ۸۷، ۹۲، ۱۸۶، ۳۳۱، ۳۳۴، ۳۴۱، ۳۴۴، ۳۵۱، ۳۹۰، ۴۲۶، ۴۳۱، ۴۳۳، (۱۲) ۱۴–۱۵، ۱۸، ۲۰–۲۱، ۲۵–۲۶، ۲۸، ۴۱، ۱۱۶–۱۱۷، ۱۲۵–۱۲۶، ۱۳۱، ۱۹۱، ۲۲۱، ۳۴۲–۳۴۳، ۴۱۶–۴۱۷، ۴۲۰، ۴۴۵–۴۴۶، ۴۴۹، ۴۶۳، ۴۷۲، ۵۸۸، ۵۹۶، ۶۳۲، ۶۴۱–۶۴۲، ۶۴۶، ۶۴۹۔

ادیار (۱۱) ۵۵۲

اذرعات (۱۱) ۳۴۰

اردن (۱۱) ۵۷۱، ۷۱۳، ۷۲۸

ازہر (۱۱) ۳۸۴

اسپین (۱۱) ۵۰۹ — ۵۱۰

استنبول (۱۱) ۳۹۴

اسکندریہ (۱۱) ۳۷۶ (۱۲) ۲۴۲

اسلام آباد (۱۱) ۴۹۰، ۵۲۲، ۵۳۰

اشعر (۱۲) ۳۸

اطالینا ITALINA (۱۱) ۵۵۷

اطونا ATONA (۱۱) ۵۵۷

اعظم گڈھ (۱۱) ۴۴۳، ۴۵۱ (۱۲) ۱۰۱، ۲۳۲، ۳۳۴، ۴۸۲، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۳، ۴۹۵، ۴۹۹، ۵۱۱، ۵۱۶، ۵۲۶، ۵۴۳، ۵۸۱

اعوص (۱۱) ۳۵۰

افریقہ (۱۱) ۵۳۰، ۵۳۱

الجیریا (۱۱) ۷۲۸

الہ آباد (۱۱) ۴۹۱، ۵۵۲

ام قرقہ (۱۲) ۹

ام القریٰ (۱۱) ۳۶۱
امریکہ (۱۱) ۴۸۵، ۵۱۰، ۵۹۷، ۷۳۳
اندلس (۱۱) ۳۵۹، ۴۸۵، ۵۰۱، ۵۰۹، ۵۲۸، ۵۲۰
انڈونیشیا (۱۱) ۷۲۸
انگلستان (۱۱) ۴۸۶، ۴۸۸، ۵۰۳، ۵۱۰
اوطاس (۱۲) ۱۳، ۳۴۵
اوہن ہیون AHAN HAVEN (۱۱) ۵۵۳
ایڈنبرا (۱۱) ۵۳۲ (۱۲) ۱۰۴، ۲۴۸
ایڈنبرگ (۱۱) ۷۶۱
ایران (۱۱) ۵۰، ۲۱۲، ۲۲۱، ۲۳۴، ۳۰۷، ۳۶۲ – ۳۶۳،
۳۶۵، ۳۷۳، ۳۷۸، ۳۹۰، ۷۱۹ (۱۲) ۳۲،
۱۴۱، ۱۸۴، ۳۵۰، ۴۰۷، ۴۷۱
ایلطر (۱۱) ۵۵۹
ایشیا (۱۱) ۴۹۴، ۵۰۱، ۵۳۰ – ۵۳۱
ایشیائے کوچک (۱۱) ۵۷۴
ایلہ (۱۱) ۲۸۷ (۱۲) ۳۷، ۱۵۲
ایلیا (۱۱) ۳۱۲
ایمسٹرڈم (۱۱) ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۵۱،
۵۵۳ – ۵۵۴

ب

بابل (۱۱) ۵۷۲
بادیہ (۱۱) ۳۵۹
بازنطین (۱۱) ۵۷۲، ۵۷۵
بالا (۱۲) ۲۹۷
بتاریا BATARIA (۱۱) ۵۶۰
بجران (۱۱) ۳۳۰
بحرین (۱۱) ۷۱۲
بدر (۱۱) ۸۷، ۱۲۹ – ۱۳۰، ۱۸۶، ۲۲۴، ۲۳۸، ۲۴۱،
۳۲۴ – ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۴۱ – ۳۴۲،
۳۵۱ – ۳۵۲، ۳۹۰، ۳۹۹، ۴۰۲، ۴۰۶، ۴۰۸،
۴۱۳، ۴۲۵، ۴۳۲، ۴۳۷ – ۴۳۸، ۴۴۸،
۴۵۰ – ۴۵۲، ۶۰۴، ۶۳۰ – ۶۳۲، ۶۴۰ –
۶۴۱، ۶۴۶، ۶۴۸ – ۶۴۹، ۶۵۶، ۷۰۳،
(۱۲) ۱۲، ۱۴ – ۱۵، ۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۴ – ۱۲۸،
۳۲، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۵ – ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰ – ۱۲۶ –
۱۲۷، ۱۶۰ – ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۶ – ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۳،
۱۹۰، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۱۵، ۲۲۱ – ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۳۸،
۲۴۰، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۸۱، ۲۹۲ – ۳۳۹، ۳۴۱ –
۳۴۴، ۳۴۸ – ۳۴۹، ۳۵۳، ۴۱۲، ۴۱۴ – ۴۱۷،
۴۱۹، ۴۴۴ – ۴۴۶
بحران (۱۲) ۲۶، ۱۲۶، ۱۲۹، ۳۰۰، ۳۰۶، ۳۴۰، ۳۴۲۔
بحرین (۱۲) ۳۲، ۳۷، ۲۰۸، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۶۳
برطانیہ (۱۱) ۴۸۵، ۵۱۷
برلن (۱۱) ۳۷۲، ۳۷۶، ۳۸۶، ۳۸۶، ۳۹۳، ۳۹۵،
۵۱۵، ۵۵۴، ۵۶۰
برلین دیکھئے برلن
بزواء (۱۲) ۳۳۶
بصرہ (۱۱) ۳۷۳، ۳۸۸، ۵۷۶
بصریٰ (۱۱) ۳۷، ۴۵، ۶۸، ۷۰، ۱۱۴، ۳۳۹، ۵۳۶،
۵۷۴ (۱۲) ۳۳، ۳۲، ۱۴۱، ۳۷۶، ۴۳۲ – ۴۳۳
بطحٰی (۱۱) ۶۵
بطراً (۱۱) ۵۷۴، ۵۸۴

بطن اضم (۱۲) ۱۰

بغداد (۱۱) ۳۷۵، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۷، ۳۸۸؛
۵۷۸ (۱۲) ۲۳۱ - ۲۳۲، ۲۳۴ - ۲۳۵

بعیفہ (۱۱) ۲۷۱

بقیع الغرقد (۱۱) ۳۲۷

بلجیم (۱۱) ۵۱۰، ۵۱۹

بلقاء (۱۱) ۱۱۹ (۱۲) ۱۵۱، ۴۳۳، ۴۷۶، ۴۸۸

بلقین (۱۲) ۱۵۰

بلی (۱۲) ۱۵۰

بمبئی (۱۱) ۵۲۱، ۵۴۵، ۵۵۳

بواط (۱۲) ۱۴، ۲۶، ۳۲۴، ۳۳۰

بوڈاپسٹ (۱۱) ۵۵۱، ۵۵۷، ۵۶۰

بئر ابن ضمرہ (۱۲) ۲۴۰

بئر ابن عنبسہ (۱۲) ۳۴۰

بئر ابن المرتفع (۱۲) ۲۴۰

بئر جرم (۱۱) ۴۱۱، ۴۵۸

بئر حجر (۱۱) ۴۱۱، ۴۵۸

بئر صالح (۱۱) ۴۵۸

بئر معونہ (۱۱) ۴۱۱، ۴۳۳، ۴۴۴ (۱۲) ۸، ۱۱۷، ۱۲۶،
۱۲۸، ۱۳۰، ۱۸۷، ۲۷۳، ۲۹۸، ۳۴۰

بئر ہم (۱۱) ۴۵۸

بیت الحرام (۱۲) ۴۷۹

بیت اللہ (۱۱) ۲۴، ۴۱، ۴۹ - ۵۰، ۵۵، ۵۷، ۹۰،
۹۴، ۹۶، ۹۷، ۹۸ - ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۴ - ۱۰۵،
۱۲۱، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۷۴، ۲۵۹، ۳۰۴، ۳۰۷،
۳۰۹، ۳۱۳، (۱۲) ۴۲۸، ۴۳۶، ۴۷۶، ۴۸۰

بیت المدارس (۱۱) ۶۳۸ (۱۲) ۳۹۲، ۴۶۹

بیت المقدس (۱۱) ۳۰۲، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۷، ۶۲۱

بیروت (۱۱) ۴۴۳، ۴۵۳، ۴۶۹، ۵۴۳، ۵۷۸، ۵۸۳،
۵۸۵، ۶۱۶ - ۶۱۷، ۶۱۹، ۷۳۷ (۱۲) ۱۰۰، ۱۱۵،
۱۳۰، ۱۴۳، ۲۱۲، ۲۳۴، ۲۳۶ - ۲۳۷

پ

پاک دیکھئے پاکستان

پاکستان (۱۱) ۳۹۱، ۶۱۸، ۶۵۲ - ۶۵۳، ۶۸۰، ۶۹۲، ۷۱۴

پرتگال (۱۱) ۴۸۵، ۵۱۰

پنجاب (۱۱) ۴۹۷

پیرس (۱۱) ۳۹۲، ۵۰۲، ۵۱۲، ۵۴۱، ۵۵۲، ۵۵۴-۵۵۸،
۵۶۰، ۵۸۵ (۱۲) ۳۳۶

پیڑا (PETRA) (۱۱) ۲۵۹

ت

تبالہ (۱۲) ۱۵۳

ترک (۱۱) ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۳۸، ۴۷۱ (۱۲) ۱۳، ۱۷،
۱۹، ۲۱، ۲۷، ۲۹، ۵۱، ۱۵۰، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۲۲،
۲۴۰، ۲۹۸، ۳۳۱، ۳۴۲، ۳۴۶، ۳۴۸، ۴۳۹،
۴۵۵، ۴۸۱ - ۴۸۲

تدمر (۱۱) ۵۷۰ - ۵۷۱، ۵۷۴، ۵۸۹

تربہ (۱۲) ۹

ترکی (۱۱) ۳۷۲، ۷۲۸

تستر (۱۱) ۶۱

تونس (۱۱) ۷۲۸

تہامہ (۱۱) ۱۹۷، ۳۴۲، ۵۶۹، ۵۷۱، ۵۸۱، ۵۹۵

تھائی لینڈ (۱۱) ۷۲۸

تہران (۱۲) ۱۰۷، ۲۴۹
تیماء (۱۱) ۴۲۰، ۴۲۵–۴۲۶، ۴۶۷، ۵۷۲ (۱۲) ۱۳۷،
۱۴۱، ۲۴۰

ث

ثعلبہ (۱۲) ۹
ثنیۃ المرہ (۱۲) ۲۸۶–۲۸۷، ۳۳۶–۳۳۷
ثقیف (۱۲) ۳۳، ۳۷

ج

الجابیہ (۱۱) ۵۷۵
جُبَر (۱۲) ۱۳۵
جبل حرا (۱۲) ۳۷۶
جحفہ (۱۲) ۱۹۱، ۲۸۷، ۳۳۹، ۳۳۷
جدہ (۱۱) ۱۰۱، ۴۵۲، ۵۶۹ (۱۲) ۳۷
جدیلہ (۱۱) ۷۱۱
جذیمہ (۱۲) ۱۰
جرش (۱۲) ۳۸، ۱۵۳، ۲۴۳، ۴۲۲
جُرَف (۱۲) ۲۹۲
جرمنی (۱۱) ۴۸۵، ۴۸۸، ۵۱۰
جزیرہ (۱۱) ۳۷۸
جعرانہ (۱۲) ۲۳، ۵۲
جلیق (۱۱) ۵۷۵
جمأ (۱۱) ۴۳۲ (۱۲) ۲۹۲
الجمع (۱۲) ۴۷
الجموم (۱۲) ۹
جناب (۱۲) ۹–۱۰، ۱۳۵
جند (۱۱) ۷۱۳، ۷۱۹–۷۲۰، ۷۲۳، ۷۲۱ (۱۲) ۳۷، ۲۴۶

جنوبی عرب (۱۱) ۵۸۴
جنیوا (۱۱) ۵۵۵
جہینہ (۱۲) ۴۴، ۴۸

چ

چین (۱۱) ۳۵۹، ۵۰۱، ۵۷۴
چیکوسلواکیہ (۱۱) ۵۱۰

ح

حبش (۱۱) ۲۴۴، ۲۷۷ (۱۲) ۱۵۸، ۳۸۷، ۳۹۰
حبشہ (۱۱) ۵۴، ۱۶۵، ۱۷۵–۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۶–۱۸۸،
۱۹۱، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۰–۲۳۲، ۲۳۴–
۲۳۵، ۲۳۷–۲۴۰، ۲۴۲–۲۴۳، ۲۷۴، ۲۷۶–
۲۷۷، ۲۸۵، ۳۶۲، ۳۶۵، ۴۴۱، ۵۲۸، ۵۴۲،
۵۹۴–۵۹۵، ۵۹۸–۵۹۹، ۶۰۳، ۷۱۲ (۱۲) ۱۰
۱۵۵، ۱۶۴–۱۶۵، ۱۶۷–۱۶۸، ۱۷۴، ۱۸۷، ۳۵۰،
۳۵۷، ۳۵۹، ۳۸۷، ۳۹۱
حجاز (۱۱) ۱۳، ۲۵، ۴۷، ۱۶۷، ۳۰۴، ۳۳۰، ۴۲۰–
۴۲۱، ۵۶۸، ۵۷۰–۵۷۱، ۵۷۳، ۵۷۵،
۵۷۷، ۵۸۱–۵۸۲، ۵۹۱، ۷۱۰، ۷۱۵ (۱۲)
۱۰۹، ۱۲۳، ۲۰۱، ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۸۸، ۲۹۷، ۳۲۷،
۴۳۸، ۴۵۵۔
حجر (۱۱) ۱۱، ۱۲، ۲۴۴، ۲۴۶۔
حجر اسود (۱۱) ۱۰۳–۱۰۴، ۱۰۵،
حدیبیہ (۱۱) ۲۳۸، ۴۴۹، ۵۹۹، ۶۳۶ (۱۲) ۱۹–۲۱، ۲۵،
۲۷–۲۸، ۳۲، ۵۳، ۱۰۷، ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰،
۱۴۱، ۱۴۳، ۱۵۹، ۱۸۴، ۱۸۷، ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۳۰،
۳۲۷–۳۲۸، ۳۴۶، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۳–۴۳۴، ۴۵۱، ۴

حرائ (۱۱) ۱۱۸
حرۃ العریض (۱۱) ۳۳۸
حرم (۱۱) ۵۶، ۵۸، ۶۷، ۸۵، ۸۸، ۹۳، ۹۵، ۹۹، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۸۹، ۲۲۱، ۵۶۹، ۵۹۴، ۶۱۱ (۱۲) ۵۳، ۴۷۶
حرم مکہ (۱۲) ۵۳، ۲۹۷
حسمٰی (۱۱) ۴۱۵ (۱۲) ۹، ۱۳۵، ۲۰۲
حضرموت (۱۱) ۵۶۸، ۵۷۲، ۵۷۶، ۵۸۹، ۶۱۳، ۷۱۳، ۷۱۹ (۱۲) ۳۷-۳۸، ۴۰، ۴۳، ۲۲۴، ۲۴۶، ۲۶۶
حلیم (۱۱) ۱۰۳، ۲۲۰
حمراء الاسد (۱۲) ۱۵، ۲۱، ۲۵، ۱۱۷، ۲۲۹ -
حمص (۱۱) ۹۴، ۱۱۹
حنین (۱۱) ۴۲۷، ۴۲۲-۴۲۳، ۴۳۱، ۴۷۲، ۴۷۷ (۱۲) ۱۳، ۱۷، ۱۹-۲۰، ۲۳-۲۴، ۲۷، ۲۹، ۱۴۸، ۲۴۱، ۳۴۵، ۴۳۶، ۴۴۵-۴۴۶، ۴۵۴، ۴۶۳، ۴۶۷، ۴۷۳
حوران (۱۱) ۵۷۴
حیدر آباد دکن (۱۱) ۳۹۰، ۳۹۳، ۴۴۳، ۴۵۲، ۴۹۴ (۱۲) ۱۱۵، ۱۳۳، ۱۸۶، ۲۲۱، ۳۳۲-۳۳۴، ۳۳۷، ۳۴۹، ۴۵۳
حیرا (۱۱) ۵۸۵
حیرہ (۱۱) ۲۱۲، ۳۰۳-۳۰۴، ۳۷۸-۳۷۹، ۵۷۵- ۵۷۶، ۵۸۹، ۶۷۷
حیفر (۱۲) ۴۵۳

خ

خانہ کعبہ (۱۱) ۱۲، ۲۷، ۴۹، ۵۸، ۸۹، ۹۳-۹۴، ۱۰۲-۱۰۳، ۱۰۸-۱۰۹، ۱۱۸-۱۱۹، ۱۲۳، ۱۷۹، ۲۲۳، ۲۴۶، ۴۶۹، ۵۳۹ (۱۲) ۵۲-۵۳، ۱۱۵، ۲۷۹، ۴۳۶، ۴۸۰
خبط (۱۲) ۱۰
خرار (۱۲) ۸، ۱۴، ۲۲۴، ۲۳۵، ۲۳۷، ۳۴۵
خراسان (۱۱) ۳۵۹، ۵۴۲
الخط (۱۲) ۲۴۲
خضرہ (۱۲) ۱۰
خولان (۱۲) ۳۹
خیبر (۱۱) ۲۵، ۲۳۷، ۳۸۰، ۴۱۲، ۴۱۹-۴۲۱، ۴۲۵-۴۲۶، ۴۳۸، ۴۵۰، ۴۶۳-۴۶۷، ۴۷۲، ۴۷۷-۴۷۸، ۶۱۲، ۶۹۴-۶۹۶، ۷۱۱-۷۱۲ (۱۲) ۹، ۱۳، ۱۵، ۱۹-۲۱، ۲۳، ۲۷-۲۹، ۳۷، ۴۶، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۳۴، ۲۰۱-۲۰۲، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۷۲، ۳۳۷، ۳۴۶، ۴۲۲، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۴۹، ۴۵۴
خیزران (۱۱) ۳۷۵، ۳۷۶

د

دارالندوہ (۱۱) ۶۰۲ (۱۲) ۴۹۹
داروم (۱۲) ۴۸۸
دبا (۱۲) ۳۷
دما (۱۲) ۲۶۳
دمشق (۱۱) ۲۴۲-۲۴۳، ۳۱۹-۳۲۰، ۳۶۸، ۴۹۹، ۵۷۳، ۵۷۵، ۵۸۳ (۱۲) ۱۳۱، ۴۸۲ -

دومہ (۱۲) ۲۱، ۱۳۱، ۱۵۲

دومۃ الجندل (۱۱) ۴۱۲، ۴۲۶-۴۲۷، ۴۵۸، ۵۷۲، ۶۱۳ (۱۲) ۹-۱۰، ۲۱، ۲۷، ۳۹، ۱۳۱، ۲۱۳، ۲۷۲، ۳۴۶

دوس (۱۲) ۱۰

دہلی (۱۱) ۱۴۱-۴۴۳، ۴۶۵، ۴۷۹، ۶۲۰، ۷۳۹ (۱۲) ۱۰۰، ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۵۴، ۱۵۹-۱۶۰، ۱۶۳، ۲۱۲-۲۱۳، ۲۵۰-۲۵۱، ۳۵۰

دیدان (۱۱) ۵۸۹

دیریاسین (۱۲) ۴۵۳

ڈ

ڈنمارک (۱۱) ۴۸۵، ۵۱۰، ۵۹۰

ذ

ذات اطلاع (۱۲) ۹

ذات الرقاع (۱۲) ۱۸، ۲۵، ۲۳۰

ذات السلاسل (۱۲) ۱۰

ذات اطلاح (۱۱) ۴۴۴

ذات العشیرہ (۱۲) ۱۴، ۲۶، ۱۱۰، ۲۹۳-۲۹۵، ۳۲۴، ۳۳۰

ذوزود (۱۲) ۴۸

ذوالجدر (۱۲) ۴۷

ذوالحلیفہ (۱۱) ۲۹۶ (۱۲) ۱۴۲، ۳۳۶

ذوالخلصہ (۱۲) ۱۱، ۱۴۸

ذوالقصہ (۱۱) ۴۲۶، ۴۳۳ (۱۲) ۷۹، ۱۳۰

ذومران (۱۲) ۴۸

ذی خشب (۱۲) ۲۹۱

ذی المجاز (۱۱) ۲۴۹، ۶۱۳

ذی وقار (۱۲) ۲۱۵

ر

رابغ (۱۲) ۸، ۱۴، ۲۸۷، ۳۲۴، ۳۳۹

رباط (۱۱) ۳۸۹، ۳۹۱ (۱۲) ۱۴۸

ربذہ (۱۱) ۲۵۰

الربیہ (۱۱) ۶۱۳

رجیع (۱۱) ۱۱۴، ۴۴۴ (۱۲) ۸، ۱۳، ۲۰، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۳۱

رضہ (۱۲) ۱۴۳

رکن اسود (۱۱) ۴۹

رمح (۱۲) ۳۸

روحا (۱۱) ۹۲

روم (۱۱) ۸۵، ۲۲۱، ۳۰۳-۳۰۴، ۳۶۲، ۳۶۵، ۵۰۹، ۵۲۸، ۵۵۲، ۵۵۴، ۵۵۶، ۵۵۸-۵۵۹، ۵۹۸ (۱۲) ۳۲، ۱۳۵، ۱۴۱، ۴۳۳، ۴۸۲

روما (۱۱) ۲۲۱، ۵۲۳ (۱۲) ۴۷۱

رُمّہ (۱۱) ۵۷۶

روس (۱۱) ۴۸۵، ۴۱۰، ۵۱۲

رے (۱۱) ۳۷۸-۳۷۹، ۳۸۸

ریاست ہائے متحدہ امریکہ (۱۱) ۴۴۳

ز

زبید (۱۱)، ۷۱۹-۷۲۱، ۷۳۱ (۱۲) ۳۸، ۴۰

زربیہ (۱۲) ۱۴۳

زمزم (۱۱) ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۲۲، ۳۸، ۶۶، ۱۹۷

زمج (۱۱) ۷۱۹

س

ساحل (۱۲) ۳۸

سبا (۱۱) ۵۸۹

سشاک ہام (۱۱) ۵۵۷

سٹگرٹ STUTTGART (۱۱) ۵۵۴، ۵۵۹-۵۶۰

سٹرابو (۱۱) ۵۸۰

سرف (۱۱) ۳۴۹

سسلی (۱۱) ۵۲۸

سفوان (۱۲) ۳۲۴، ۳۳۸

سکاسک (۱۱) ۷۱۲، ۷۱۹

سکورم SUCCORUM (۱۱) ۵۶۰

سکون (۱۱) ۷۱۲، ۷۱۹

سلالم (قلعہ)، (۱۱) ۴۶۴

سنالیٰ (۱۱) ۵۷۱

سواع (۱۲) ۱۰

سوڈان (۱۱) ۳۵۹، ۷۲۸

سویڈن (۱۱) ۴۸۵، ۵۱۰

سوئٹزرلینڈ (۱۱) ۴۸۵، ۵۱۰

سیف البحر (۱۲) ۸، ۱۴

ش

شام (۱۱) ۱۳، ۳۷، ۴۵، ۶۸، ۷۰، ۷۶، ۸۱، ۸۴،
۸۸، ۹۱، ۱۱۹، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۴۱-۲۴۲، ۲۸۷،
۳۱۷، ۳۲۹، ۳۴۰، ۳۵۹، ۳۶۶،
۳۷۳، ۳۹۹، ۴۱۱، ۴۱۴، ۴۲۳-۴۲۴،
۴۳۷، ۴۴۱، ۴۵۸، ۵۲۸، ۵۴۲، ۵۷۰-۵۷۱
۵۸۳، ۵۸۵، ۵۹۸-۵۹۹، ۶۰۳، ۶۱۲، ۶۷۷، ۶
۷۸ (۱۲) ۹، ۳۳، ۱۲۱، ۱۳۱-۱۳۲، ۱۴۲، ۱۵۱،
۱۹۹، ۲۲۳، ۲۳۹، ۲۵۵، ۲۸۷-۲۸۸، ۲۹۲،
۲۲۶، ۳۲۵، ۳۲۷-۳۳۰، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۴۰
۳۵۰، ۳۵۲، ۴۰۵، ۴۳۸، ۴۷۹، ۴۸۲، ۴۸۸، ۴

شعب ابی طالب (۱۱) ۱۶۶

الشق (قلعہ) (۱۱) ۴۲۰، ۴۶۳، ۴۶۵

شکاگو (۱۱) ۴۹۴، ۵۵۱

شمالی افریقہ (۱۱) ۵۲۸، ۵۴۲

شنگھائی (۱۱) ۵۵۸

الشہر (۱۱) ۶۱۳

شوط (۱۱) ۳۴۳

شیراز (۱۱) ۳۹۰

ص

صدا، (۱۲) ۴۰

الصعب (قلعہ)، (۱۱) ۴۱۶، ۴۱۷

صفا (۱۱) ۴۹، ۹۶، ۱۶۹، ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۹۰، (۱۲) ۴۳۶

صفد (۱۲) ۴۵۳

صفراء (۱۱) ۳۲۴

صیفنی (۱۲) ۱۷۸، ۲۰۱

صقلیہ (۱۱) ۵۰۱، ۵۰۹

صنعاء (۱۱) ۵۵، ۶۱، ۲۸۷، ۶۱۳، ۷۱۱، ۷۱۳، ۷۱۹، (۱۲)
۳۷-۳۸، ۱۴۳، ۲۴۵

ض

ضبوعہ (۱۲) ۲۹۳

ضبہ (۱۲) ۲۹۱

ضجرات الیمام (۱۲) ۲۹۳

ط

طائف (۱۱) ۵۶، ۱۱۸، ۱۸۲، ۲۸۹، ۳۹۸، ۴۴۶، ۵۹۱،
۷۱۱ -
(۱۲) ۱۳، ۲۳، ۲۷، ۲۹، ۳۳، ۳۷، ۴۶-۴۷،
۴۹، ۲۰۷، ۲۹۷، ۳۰۸، ۳۴۰، ۳۴۵-۳۴۶
۳۹۱-۳۹۲، ۳۹۵، ۴۷۸

الطرف (۱۲) ۹

طلیبہ (۱۱) ۱۳

ظ

ظفار (۱۱) ۵۰

ع

عالم (۱۲) ۴۸۲

عدن (۱۱) ۶۱۳، ۷۱۱، ۷۱۹ (۱۲) ۳۸

عتدہ (۱۲) ۱۵۰

عراق (۱۱) ۲۰۹، ۳۰۴، ۳۶۶، ۳۷۴، ۳۷۸، ۳۸۰،
۴۱۱، ۵۷۰-۵۷۲، ۵۸۵، ۵۹۹، ۶۷۷، ۷۲۷-
۷۲۸ (۱۲) ۴۷۸

عرب (۱۱) ۲۸، ۵۴، ۵۶، ۶۰، ۷۸، ۸۰، ۸۶، ۹۹، ۱۰۱،
۱۰۳-۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۹، ۱۲۷، ۱۵۰، ۱۵۲، ۱۵۵،
۱۵۶، ۱۷۰، ۱۷۷، ۲۰۸، ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۸۱،
۳۰۲-۳۰۴، ۳۳۶، ۳۵۳، ۲۵۹، ۳۶۲، ۳۶۴،
۳۶۶، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۹۹، ۴۰۱، ۴۰۵، ۴۱۴، ۴۱۴،
۴۲۵، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۵، ۴۳۷، ۴۵۸، ۴۹۰،
۴۹۷، ۵۲۸، ۵۳۲، ۵۳۷-۵۳۸، ۵۴۲-۵۴۳،
۵۴۵، ۵۵۰، ۵۶۸-۵۷۱، ۵۷۴-۵۷۵، ۵۷۷،
۵۷۹، ۵۸۰-۵۸۲، ۵۸۵، ۵۸۷-۵۹۱، ۵۹۵،
۵۹۹، ۶۰۴، ۶۰۷-۶۱۰، ۶۱۳-۶۱۴، ۶۲۱، ۶۳۶،
۶۷۷، ۶۷۹، ۷۱۰-۷۱۱، ۷۱۹، ۷۲۸، ۷۴۳، ۷۵۷،
(۱۲) ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۷-۱۱۸، ۱۲۶، ۱۳۲-۱۳۳،
۱۳۶-۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۸-۱۵۲، ۱۸۴، ۱۸۹،
۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۹، ۲۴۵، ۲۷۲، ۲۸۲، ۳۰۵،
۳۱۵-۳۱۶، ۳۲۰-۳۲۲، ۳۲۹، ۳۴۶، ۳۷۳،
۳۷۷، ۳۸۸، ۴۲۳، ۴۲۸-۴۲۹، ۴۳۳-۴۳۴
۴۳۸، ۴۵۱-۴۵۲، ۴۵۴-۴۵۵، ۴۶۳، ۴۶۷
۴۷۳، ۴۷۶-۴۷۸، ۴۸۰-۴۸۲، ۴۸۵-۴۸۷
۴۹۲

العربیۃ الحجریہ (۱۱) ۵۷۰-۵۷۱، ۵۷۳-۵۷۴،

العربیۃ السعیدہ (۱۱) ۵۷۰-۵۷۱، ۵۷۵ -

العربیۃ الصحراویہ (۱۱) ۵۶۰-۵۷۱، ۵۷۵ -

العرج (۱۲) ۱۰، ۲۱ -

عرفات (۱۱) ۹۴-۹۵، ۹۸-۹۹، ۱۰۹، ۱۲۱، ۴۳۰

عرنہ (۱۲) ۱۰

عروش (۱۱) ۵۷۱

عریض (۱۱) ۳۲۶

عرینہ (۱۲) ۹، ۴۷

عسفان (۱۲) ۱۲۹، ۴۲۸

عقبہ (۱۲) ۱۳، ۱۰۱، ۱۰۷، ۳۹۳

عک (۱۱) ۷۱۹ (۱۲) ۳۸

عکا (۱۲) ۴۵۳

عکاظ (۱۱) ۴۲، ۵۹۲، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۳

العلاء (۱۱) ۵۷۲، ۵۷۳،

علی گڑھ (۱۱) ۴۴۱، ۴۵۹، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۸۰ (۱۲) ۱۰۵،

۱۱۲، ۱۱۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۲۲۸، ۲۶۶، ۳۳۴

عمان (۱۱) ۵۶۸، ۱۳۷ (۱۲) ۳۲-۳۳، ۳۷، ۴۲، ۵۱،
۲۰۹، ۲۴۲، ۲۶۳

عمر (۱۱) ۵۶۹

عموریہ (۱۱) ۸۵

العریض (۱۱) ۴۳۲

العیص (۱۱) ۴۱۵ (۱۲) ۹، ۱۴۲، ۲۸۴-۲۸۵، ۳۲۴-
۳۲۵، ۳۳۵، ۳۵۲

عین التمر (۱۱) ۳۷۲

غ

الغابہ (۱۲) ۱۰، ۴۷

غارثور (۱۲) ۱۰۵، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۶

غارحرا (۱۱) ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، (۱۲) ۳۸۲-۳۸۵، ۳۸۸

غال (فرانس)، (۱۱) ۳۵۹

غدیرخم (۱۳) ۳۳۶

غرب الہند (۱۱) ۳۵۹

غرناطہ (۱۱) ۵۰۹

غسان (۱۱) ۵۷۰، ۵۸۹ (۱۲) ۴۷۷، ۴۸۲

غطفان (۱۲) ۱۲، ۱۵، ۲۱، ۲۶، ۳۲

الغمر (۱۲) ۸

ف

فارس (۱۱) ۸۳، ۲۱۲، ۳۵۹، ۳۸۹، ۵۲۸، ۵۴۲، ۵۷۲،
۵۸۸، ۵۹۸، ۷۱۹

فالکرک FALKIRK (۱۱) ۵۶۰

فدک (۱۱) ۴۰۸، ۴۲۰-۴۲۱، ۴۲۵-۴۲۶، ۴۹۸ (۱۲) ۹-
۱۰، ۲۷، ۴۸، ۱۳۴، ۱۳۱، ۲۴۰

فرانس (۱۱) ۴۸۵، ۴۸۸، ۵۰۷، ۵۱۰، ۵۱۹، ۵۲۷

فرینکفرٹ (۱۱) ۵۵۳

فلپائن (۱۱) ۷۲۸

الفلس (۱۲) ۱۰

فلسطین (۱۱) ۳۵۹، ۴۳۷، ۵۲۸، ۵۷۱، ۵۷۴، ۵۸۵
(۱۲) ۱۳۱-۱۳۲، ۱۵۱، ۳۹۶، ۴۵۳، ۴۸۸

فرع (۱۲) ۳۴۰

فلاڈلفیا (۵) ۵۵۱

فن لینڈ (۱۱) ۵۱۰

ق

قادسیہ (۱۲) ۱۷۴، ۳۰۵، ۳۰۷

قاہرہ (۱۱) ۳۹۵، ۴۴۳، ۴۵۱، ۴۷۸، ۴۸۴، ۵۹۳، ۵۹۸
۶۱۷، ۷۰۷

قاہرہ (۱۲) ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۳۳، ۱۶۵،
۲۱۵، ۲۳۲، ۲۴۲، ۲۶۲، ۲۷۰، ۳۳۴، ۳۴۲

قبا (۱۱) ۴۷، ۸۶ (۱۲) ۵۱، ۱۰۵، ۲۷۶، ۴۰۱، ۴۰۸

قبیہ (۱۲) ۴۵۳

قتبان (۱۱) ۵۸۹

قُدَید (۱۲) ۳۳۶، ۴۷۶

القردہ (۱۲) ۸

القرطا (۱۲) ۸، ۱۰

قرقرۃ الکدر (۱۱) ۳۲۶ (۱۲) ۲۹۲

قزوین (۱۱) ۳۸۹-۳۹۰

قرلی عربیہ (۱۲) ۳۷، ۴۲، ۲۴۰

قسطنطنیہ (۱۱) ۵۷۶ (۱۲) ۳۷۷

قطی (۱۲) ۸

قلعہ ابی (۱۱) ۴۶۴ - ۴۶۵

قلعہ سمران (الشق)، (۱۱) ۴۶۴ - ۴۶۵

قلعہ الزبیر (۱۱) ۴۶۵

قلعہ الشق (۸) ۴۶۶

قلعہ الصعب بن معاذ (۱۱) ۴۶۵ - ۴۶۶

قلعہ مرحب (ناعم)، (۱۱) ۴۶۴ - ۴۶۵

قلعہ النزار (۱۱) ۴۶۴ - ۴۶۵

قموص (۱۱) ۴۱۶، ۴۶۴ - ۴۶۵

ک

الکتیبہ (قلعہ)، (۱۱) ۴۱۷

الکدر (۱۱) ۴۰۸، ۴۲۶ (۱۲) ۱۴، ۲۹۶، ۱۳۱

الکدید (۱۱) ۴۲۱، ۴۲۷ (۱۲) ۹

کراچی (۱۱) ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۹۰، ۵۱۱، ۵۳۹، ۷۶۱ (۱۲) ۳۴۷

کرسٹیانیکا KRISTIANNICA (۱۱) ۵۵۳

کعبہ (۱۱) ۱۱، ۱۵، ۱۹، ۲۰، ۳۳، ۳۸، ۴۹، ۵۵ - ۵۶، ۶۰، ۶۱، ۷۴، ۹۰ - ۹۳، ۹۸، ۱۰۱ - ۱۰۸، ۱۱۵ - ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۳۶، ۱۴۱، ۱۶۵ - ۱۶۷، ۱۶۹ - ۱۷۰، ۱۷۹، ۱۹۶، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۳، ۲۳۲، ۲۸۹، ۳۰۳، ۴۹۷، ۵۷۴، ۵۷۷، ۵۷۹، ۵۹۴، ۶۰۰ - ۶۰۱، ۶۰۶، ۶۰۹، ۶۱۲ - ۶۲۰، ۶۳۱، ۷۳۵ (۱۲) ۵۳، ۳۲۸، ۳۳۶، ۴۷۶

کلکتہ (۱۱) ۴۸۰، ۴۸۶، ۵۶۰ (۱۲) ۲۵۰

کناڈا (۱۱) ۵۲۶

کندہ (۱۱) ۷۱۹ (۱۲) ۴۰

کوشنگن (۱۱) ۴۸۶

کوفہ (۱۱) ۱۴۰، ۳۷۸ - ۳۷۹، ۳۸۱ - ۳۸۲، ۳۸۸

کوہ حرا (۱۲) ۳۷۶

کویت (۱۱) ۳۹۳، ۷۲۸

کیلیفورنیا (۱۱) ۷۰۴

کیمرج (۱۱) ۴۴۳، ۴۸۴، ۵۱۸ (۱۲) ۲۶۱

گ

گجرات (۱۲) ۴۰۵

گروینڈا (GRONADA) (۱۱) ۵۵۱

گوشنگن (۱۲) ۱۸۸

ل

لاسن (LAUSANNE) (۱۱) ۵۵۶

لاہور (۱۱) ۴۴۱ - ۴۴۲، ۴۴۸، ۴۷۴، ۴۷۸، ۴۸۳، ۴۸۶، ۴۸۷ - ۴۹۰، ۴۹۵ - ۴۹۷، ۵۰۱، ۵۰۴، ۵۱۱، ۵۲۱، ۵۳۹، ۵۴۲، ۵۴۷، ۵۵۲، ۵۵۵، ۵۵۸، ۶۵۸، ۷۰۹، ۷۶۱ (۱۲) ۳۳۴

لائیدن (۱۱) ۷۶۰

لحیان (۱۱) ۵۸۹

لخم (۱۱) ۵۷۰ (۱۲) ۴۸۲

لندن (۱۱) ۳۹۶، ۴۴۱، ۴۸۲، ۴۸۴، ۴۹۷، ۵۰۴، ۵۱۸، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۳۲، ۵۳۶، ۵۴۰، ۵۴۴، ۵۴۶ - ۵۴۷، ۵۴۹، ۵۵۱ - ۵۶۰، ۵۷۸، ۵۸۰، ۵۸۳ - ۵۸۴ (۱۲) ۱۰۰ - ۱۰۱، ۱۰۳ - ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۲۴، ۱۵۰، ۱۸۴، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۳۸، ۲۵۱، ۳۳۲ - ۳۳۳

لیبیا (۱۱) ۷۲۸ -

لیپزگ (۱۱) ۳۹۵، ۵۱۴، ۵۲۳، ۵۵۲ - ۵۵۶، ۵۸۰

لیڈ (۱۲) ۲۳۲،
لیدن دیکھئے لیڈن
لیڈن (۱۱) ۳۹۶، ۵۱۴، ۵۶۰، ۵۸۶، ۶۲۰ (۱۲) ۲۴۲

م

مآرب (۱۱) ۵۰، ۳۳۹، ۷۱۹ (۱۲)
ماوراالنہر (۱۱) ۳۵۹، ۵۴۴
ماون (۱۲) ۱۴۳
مدائن (۱۱) ۳۰۴
مدین (۱۱) ۲۴۴، ۵۷۴ (۱۲) ۹
مدینہ (۱۱) ۲۵، ۴۷، ۹۱، ۸۶، ۱۰۷، ۱۳۴-۱۳۵،
۱۸۳-۱۸۶، ۱۹۵، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۳۷-۲۳۸،
۲۵۰، ۲۷۶-۲۷۷، ۲۸۲، ۲۹۲، ۲۹۶، ۳۰۴،
۳۱۱، ۳۱۳-۳۱۵، ۳۱۷، ۳۲۵-۳۲۷، ۳۲۹
-۳۳۰، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۴۲-۳۴۴، ۳۵۲،
۳۵۹، ۳۶۶، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۵-۳۸۱،
۳۸۳، ۳۸۸، ۳۹۹-۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۷
-۴۰۸، ۴۱۰، ۴۱۲-۴۱۴، ۴۲۱-۴۲۲، ۴۲۴
-۴۲۵، ۴۲۸-۴۳۰، ۴۳۲-۴۳۳، ۴۳۵
-۴۳۸، ۴۶۲، ۴۷۴، ۴۷۸، ۵۲۰-۵۲۲،
۵۲۷، ۶۱۲، ۶۲۱، ۶۲۹-۶۳۱، ۶۳۴-۶۳۷، ۶۴۰
-۶۴۹، ۶۵۱-۶۵۴، ۶۵۶، ۶۶۰، ۶۶۳،
۶۹۵، ۶۹۶، ۷۰۱-۷۱۱، ۷۱۵-۷۱۹، ۷۲۳
۷۲۷، ۷۳۰-۷۳۱ (۱۲) ۱۲-۱۳، ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۶،
۲۸-۲۹، ۳۴-۳۶، ۴۱، ۴۶-۵۳، ۱۰۱-۱۰۴
۱۰۷-۱۱۰، ۱۱۲-۱۱۴، ۱۱۷-۱۲۱، ۱۲۳-۱۲۵،
۱۲۹-۱۳۱، ۱۳۴-۱۳۶، ۱۴۲-۱۴۳، ۱۴۵-۱۴۶
۱۴۹-۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۸، ۱۶۲، ۱۶۵-۱۶۶، ۱۶۸،
۱۸۷، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۰۴، ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۳
-۲۲۴، ۲۲۷، ۲۴۰-۲۴۱، ۲۴۳، ۲۵۴-۲۵۶،
۲۶۹، ۲۷۴-۲۷۶، ۲۸۱-۲۸۳، ۲۸۵-۲۸۸،
۲۹۰-۲۹۷، ۳۰۰-۳۰۶، ۳۰۸-۳۱۰، ۳۱۲-
۳۱۳، ۳۱۶، ۳۱۸-۳۱۹، ۳۲۱-۳۲۲، ۳۲۴-۳۳۲
۳۳۴، ۳۳۶-۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۷-۳۴۸، ۳۵۰-
۳۵۲، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۹۱، ۳۹۳، ۳۹۷، ۳۹۹-۴۰۲
۴۰۸-۴۰۹، ۴۱۲-۴۱۸، ۴۲۱-۴۲۳، ۴۲۶، ۴۳۱
۴۳۳-۴۳۵، ۴۴۰، ۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۳، ۴۷۰، ۴۷۶
-۴۷۷، ۴۸۸، ۴۹۰
مراکش (۱۱) ۳۹۱، ۷۲۸
المریطہ (۱۱) ۴۶۵
مرج الصفر (۱۱) ۲۴۲
مروہ (۱۱) ۴۹، ۹۶ -
مریسیع (۱۱) ۴۱۱-۴۱۲، ۴۲۶، ۴۳۸، ۴۷۷ (۱۲) ۱۲، ۱۵،
۲۰-۲۲، ۲۷، ۴۸، ۲۰۸
مز Mizz (۱۱) ۵۵۶
مزدلفہ (۱۱) ۹۴-۹۵، ۹۸، ۱۲۱
مزینہ (۱۱) ۴۷۴
مسجد اقصیٰ (۱۱) ۳۱۲ (۱۲) ۳۹۲-۳۹۳، ۳۹۶، ۴۶۹
مسجد بنی خطمہ (۱۲) ۵۱
مسجد جشم (۱۲) ۵۱
مسجد حرام (۱۱) ۱۴، ۱۶، ۱۶۹، ۱۹۵، ۲۳۲، ۳۱۲، ۶۳۱،
(۱۲) ۵۲، ۲۹۸، ۴۲۸، ۴۳۵
مسجد قبا (۱۲) ۵۲، ۴۰۱

مسجد نبوی (۱۱) ۲۶۷ (۱۲) ۵۱-۵۲، ۱۰۷، ۲۶۹، ۴۰۲،
۴۰۹
المشقر (۱۱) ۶۱۳
مصحیب (۱۲) ۱۰
مصر (۱۱) ۳۵۹، ۳۷۶-۳۷۸، ۳۹۳-۳۹۴، ۴۳۴،
۴۷۸، ۴۸۴، ۴۹۱، ۴۹۷، ۵۱۵، ۵۲۸، ۵۴۲، ۵۷۲،
۵۷۴، ۵۷۸، ۵۸۱-۵۸۲، ۵۸۵، ۶۱۹، ۶۵۵،
۶۵۷-۶۵۸، ۶۶۹، ۶۷۷، ۶۸۵،
۷۰۵، ۷۰۹، ۷۲۷-۷۲۸ (۱۲) ۳۲، ۱۰۸
-۱۰۹، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۶۵
معافر (۱۱) ۴۹
مغربی ہند (۱۱) ۵۴۲
المغمس (۱۱) ۵۷، ۵۹
مقنا (۱۲) ۱۵۲
مکہ (۱۱) ۱۴، ۲۰، ۲۶، ۳۵، ۴۳-۴۴، ۴۸، ۴۹-۵۶،
۵۸، ۶۰، ۶۶، ۷۰، ۷۴-۷۶، ۸۱، ۸۶،
۹۰، ۹۳-۹۴، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۳-۱۰۴، ۱۰۷،
۱۱۸-۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۳۴-۱۳۵، ۱۴۴، ۱۴۷
-۱۴۸، ۱۵۱، ۱۶۴-۱۶۵، ۱۷۴-۱۷۵،
۱۸۴، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۱-
۲۰۳، ۲۰۶، ۲۱۲-۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹،
۲۲۲، ۲۲۶-۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۲، ۲۳۴،
۲۳۷، ۲۵۱-۲۵۳، ۲۷۴، ۲۸۱-۲۸۲، ۲۹۱
-۲۹۲، ۲۹۵، ۳۱۲، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۳۱،
۳۳۶، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹، ۳۵۲، ۳۶۱
-۳۶۲، ۳۶۹-، ۳۷۰، ۳۹۸-۳۹۹، ۴۰۱-
۴۰۲، ۴۰۸، ۴۲۲، ۴۲۷، ۴۲۹-۴۳۳، ۴۳۷،
۴۴۱، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۵۰-۴۵۱، ۴۶۸، ۴۷۲،
۴۷۷-۴۷۸، ۴۹۷، ۵۲۰-۵۲۱، ۵۳۲،
۵۳۷، ۵۴۰، ۵۴۵، ۵۶۹، ۵۷۳، ۵۷۶،
۵۷۹، ۵۸۲، ۵۸۴، ۵۹۱، ۵۹۳-۵۹۹،
۶۰۱-۶۰۳، ۶۰۵-۶۰۶، ۶۱۰، ۶۱۴-۶۱۵،
۶۳۶، ۶۷۷، ۷۱۱، ۷۱۷-۷۱۸، ۷۲۱-۷۲۲،
۷۳۷، ۷۵۸،
(۱۲) ۸، ۱۳، ۱۵-۱۷، ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۷،
۳۲-۳۴، ۳۷، ۴۸، ۵۲-۵۳، ۱۰۵،
۱۱۳-۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۷-۱۴۰، ۱۴۲
-۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۸-۱۶۲،
۱۶۴-۱۶۵، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۴، ۱۸۶،
۱۹۲، ۱۹۸، ۲۰۱-۲۰۲، ۲۰۶، ۲۱۹-۲۲۰،
۲۲۳-۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۸، ۲۴۱-۲۴۲، ۲۵۰
-۲۵۱، ۲۵۳-۲۵۴، ۲۷۸، ۲۸۱-۲۸۲
۲۸۶-۲۸۷، ۲۹۱-۲۹۸، ۳۰۲-۳۰۴،
۳۱۲-۳۱۳، ۳۱۸، ۳۱۹-۳۲۴، ۳۲۷-
۳۲۹، ۳۳۱-۳۳۲، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۰
-۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۸-۳۵۰، ۳۵۲-۳۵۳
۳۵۹، ۳۷۴-۳۷۶، ۳۹۳، ۳۹۵-۳۹۷،
۴۰۰، ۴۱۲-۴۱۳، ۴۱۷، ۴۲۳، ۴۲۹، ۴۳۱،
۴۳۴-۴۳۷، ۴۴۲، ۴۵۶، ۴۵۸،
۴۶۰، ۴۷۶، ۴۷۸-۴۸۰، ۴۸۱
ملائشیا (۱۱) ۷۲۸
ملانو (۱۱) ۵۵۵، ۵۵۷، ۵۵۹،

ممسٹر (۱) ۵۵۸

منقا (۱) ۳۵۰

منیٰ (۱) ۹۸، ۱۳۱، ۱۴۱ (۲) ۴۸

موتہ (۱) ۲۴۲، ۴۲۲، ۴۲۷، ۵۳۸ (۲) ۱۰-۱۱، ۱۳، ۴۱، ۴۶، ۱۴۴-۱۴۶، ۱۵۰، ۱۶۸، ۲۱۱، ۲۱۵، ۴۳۲-۴۳۳، ۴۵۳، ۴۷۷،

موصل (۱) ۸۴ - ۸۵، ۵۸۰

میلفرڈ (۱) ۵۵۹

ن

نبطہ (۱) ۵۸۹

نجد (۱) ۷۶، ۱۲۱، ۱۶۷، ۲۳۲، ۳۲۹، ۳۳۴، ۴۲۶، ۵۷۱، ۵۷۵-۵۷۷، ۵۸۱، ۵۸۸، ۷۱۰ (۲) ۹، ۱۱، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۴۳، ۲۰۸، ۳۴۶-

نجران (۱) ۲۳۲، ۶۰۹، ۷۱۲-۷۱۳، ۷۱۹، ۷۳۰-۷۳۱ (۲) ۱۱، ۳۳، ۳۸، ۴۸، ۱۴۳، ۱۴۹، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۶۵-

نجف (۲) ۲۴۲

نخلہ (۱) ۳۹۸، ۴۰۱، ۴۲۵ (۲) ۱۰، ۱۴۸، ۱۷۱، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۹۴، ۲۹۶-۲۹۷، ۲۹۹، ۳۰۳، ۳۰۶-۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۵-۳۱۶، ۳۱۸، ۳۱۹-۳۲۴، ۳۳۱، ۳۳۵، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۴۵-۳۵۱-

نصیبین (۱) ۸۵

نطاۃ (۱) ۴۱۶، ۴۶۳-۴۶۶ (۲) ۴۳۲

نقیع (۲) ۴۷

نیویارک (۱) ۵۲۰، ۵۲۲، ۵۴۰، ۵۵۱، ۵۵۹، ۵۸۴

و

وادی بطحا (۱) ۱۶۴

وادی سفوان (۲) ۲۹۲

وادی عقیق (۲) ۲۹۲

وادی القریٰ (۱) ۸۶، ۴۲۰-۴۲۱، ۴۲۵-۴۲۶، ۵۷۳، ۷۱۲ (۲) ۱۵، ۲۵، ۲۷، ۳۷، ۳۵، ۱۴۱، ۲۰۱، ۲۳۹-۲۴۰، ۲۶۱، ۴۳۸، ۴۸۲

وادی محصب (۱) ۵۹

وادی عل (۲) ۳۴۱

وادی وج (۱) ۵۶ (۲) ۴۷

وادی ینبع (۲) ۲۹۳

وارسا (۱) ۵۵۲

واشنگٹن (۱) ۴۴۰

ودان (۲) ۱۴، ۲۹، ۱۰۳، ۲۸۷، ۲۸۹-۲۹۰، ۳۲۴-۳۲۶، ۳۳۰، ۳۳۶

الوطیح (قلعہ) (۱) ۴۶۴

ولنسیا L. VALENCIA (۱) ۵۶۰

دوکنگ (۱) ۵۵۸، ۵۶۰

ویانا (۱) ۵۱۵

ہ

ہالینڈ (۱) ۴۸۵، ۴۸۸، ۵۱۰، ۵۱۴، ۵۲۰، ۵۲۴

ہائیڈلبرگ (۱) ۵۰۴

ہیپرلی (۱۱) ۵۵۷
ہجر (۱۱) ۵۷۲ – ۵۷۳، ۶۱۳، ۷۱۲ (۱۲) ۱۰۴، ۱۴۹
ہرسٹ (۱۱) ۵۵۲
ہمبرگ (۱۱) ۵۵۷
ہمدان (۱۱) ۵۲، ۷۱۲، ۷۱۹ (۱۲) ۳۸ – ۳۹
ہمر (۱۱) ۵۵۲
ہند (۱۱) ۹۰ – ۹۲، ۶۱۸، ۷۱۴
ہندوستان (۱۱) ۶۰، ۲۲۴، ۳۹۰، ۴۷۹، ۵۱۲، ۵۷۳، ۵۸۱
ہنگری (۱۱) ۵۱۰
ہنوور (۱۱) ۵۵۹
ہوسٹن (۱۱) ۵۵۴
ہیڈلبرگ (۱۱) ۳۷۱

ی

یافا (۱۲) ۴۵۳
یثرب (۱۱) ۸۰، ۳۲۷، ۵۷۷، ۵۹۱، ۶۲۷ – ۶۲۸ (۱۲) ۱۰۲، ۱۲۴، ۳۲۲، ۳۹۹، ۴۱۸، ۴۲۷
یربوع (۱۲) ۴۵
یروشلم (۱۱) ۳۱۲، ۵۷۵ (۱۲) ۱۲۴
یلملم (۱۲) ۱۰
یمامہ (۱۱) ۲۰۹، ۳۳۷، ۵۸۸ (۱۲) ۳۲ – ۳۳، ۱۰۴، ۲۰۹، ۲۷۴
یمن (۱۱) ۴۷، ۴۹ – ۵۰، ۵۴ – ۵۶، ۵۸، ۸۱، ۱۶۱، ۲۸۷، ۲۹۹، ۳۵۹، ۳۶۵ – ۳۶۷، ۳۷۰، ۴۲۵، ۴۲۷، ۵۷۱، ۵۷۳، ۵۷۶، ۵۸۸ – ۵۸۹، ۵۹۳، ۵۹۸ – ۵۹۹، ۶۰۳، ۶۰۶، ۶۰۹ – ۶۱۰، ۶۱۴، ۶۷۷، ۷۱۰ – ۷۱۳، ۷۱۷، ۷۱۹، ۷۲۱، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۹، ۷۳۱ – ۷۳۵، ۷۳۸، ۷۴۱، ۷۵۷، ۷۶۰ (۱۲) ۹، ۱۱، ۱۳، ۳۲ – ۳۳، ۳۸، ۴۰، ۴۸، ۵۰، ۱۳۵، ۱۴۹، ۱۵۳، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۷، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۵۸، ۲۶۵، ۳۲۵، ۳۵۰، ۴۰۰
ینبع (۱۲) ۳۲۴
ینبوع (۱۲) ۱۴۸
یورپ (۱۱) ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۸۵، ۳۹۳، ۴۷۹، ۴۸۱، ۴۹۷، ۵۰۰، ۵۰۲ – ۵۰۳، ۵۰۷، ۵۰۹ – ۵۱۰، ۵۲۹ – ۵۳۲، ۵۳۴، ۵۹۷، ۶۵۲، ۷۳۳
ییل (۱۱) ۵۵۸

کتب

(دی) آکسفورڈ انگلش ڈکشنری (۱) ۴۹۳، ۴۹۴، ۵۱۲ - ۵۱۳

آؤٹ لائن آف ورلڈ ہسٹری : ایچ جی ویلز (۱۲) ۱۰۵

اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن ، جان ڈیون پورٹ (۱۱) ۴۸۶ ، ۵۱۱

این اپالوجی فار محمدؐ اینڈی قرآن : ڈیون پورٹ (۱۱) ۵۳۹، ۵۴۷، ۵۴۹ -

احکام السلطانیہ : ماوردی (۱۱) ۵۱۵ ، ۶۱۸ ، (۱۲) ۲۷۰ - ۲۷۱

اخبار الطوال : ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری (۱۱) ۵۷۸ - ۵۸۴

اخبار القضاۃ : وکیع (۱۱) ۷۲۲ - ۷۳۸ - ۷۴۰

اخبار مکہ : الازرقی (۱۱) ۴۷۹ ، ۵۹۴ ، ۶۱۷، ۶۱۸ - ۶۲۰ (۱۲) ۱۰۰، ۲۰۴، ۲۱۲، ۲۲۱، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۷۸، ۳۳۷ -

اخلاص محمدؐ : لامنس (۱۱) ۵۱۹ ، ۵۵۸

اراضی مدینہ منورہ : وسٹنفیلڈ (۱۱) ۵۶۰

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (۱۱) ۴۹۷ ، ۵۰۱ ، ۵۰۳، ۵۱۱ - ۵۱۲

اُردو میں سیرت نگاری : سید ابوالخیر کشفی (۱۱) ۴۸۵

ارض القرآن : سید سلیمان ندوی (۱) ۵۸۱

ارلی کرسچنٹی ان اریبیہ : تھامس رائٹ (۱۱) ۴۹۷

اسباب النزول : واحدی (۱۱) ۶۵۷

(دی) اسپرٹ آف اسلام : امیر علی (۱۱) ۴۴۳

الاستبصار : ابن قدامہ (۱۲) ۲۴۰

استعمال ابن اسحاق للاسناد (بزبان انگریزی): (۱۱) روبسن ۹ ، ۳۵۶ -

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب : ابن عبدالبر، م ۴۶۳ھ (۱۱) ۳۸۷ (۱۲) ۱۰۸، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۰، ۱۷۲ - ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۹ - ۱۸۳، ۲۳۷، ۲۴۶، ۲۵۳، ۲۶۳

(دی) اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری : عبدالحق (۱) ۴۹۴

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ : ابن الاثیر، م ۶۳۰ھ (۱۱) ۵۹۸، (۱۲) ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۸، ۲۰ - ۲۲ - ۲۴ - ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴ - ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۶ - ۴۸، ۵۰ - ۵۳، ۱۰۷، ۱۲۰، ۱۴۷، ۱۵۶ - ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۰، ۱۸۳، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۳، ۱۹۶ - ۱۹۹، ۲۰۱ - ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۱۲، ۲۱۶ - ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۶ - ۲۲۹ - ۲۳۰ - ۲۳۵، ۲۳۷ - ۲۴۷، ۲۴۹ - ۲۵۰، ۲۵۲ - ۲۵۳، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۶ - ۲۷۱، ۲۷۳ - ۲۷۹، ۳۳۵ - ۳۳۶، ۳۳۹، ۳۴۲ - ۳۴۳

الاسلام : مونٹے (۱۱) ۵۲۳

اسلام، حال و مستقبل : مونٹے (۱۱) ۵۲۳ -

اسلام اینڈ ویسٹرن اورینٹلسٹ : ابوالحسن علی (۱۱) ۴۹۶

اسلام سے پہلے قبائلِ عرب کی تکوین و ترتیب : کارو الفانسونل لینیز (۱۱) ۵۲۳

اسلام صحرائے عرب میں : صمویل زویمر (۱۱) ۵۲۵

اسلام کا زرعی نظام : محمد تقی امینی (۱۲) ۲۵۰

اسلام کا نظامِ حیات : ابوالاعلیٰ مودودی (۱۲) ۱۱۱

الاسلام و اصول الحکم : علی عبدالرازق (۱۱) ۱۳، ۷۱۳، ۷۳۷، ۷۴۱، ۷۵۷، ۷۶۰

الاسلام والمستشرقون : عبدالجلیل شلبی (۱۱) ۴۸۴

اسلام مدہ تاریخ ومورخلر : شمس الدین (۱۱) ۳۹۴

اسلامک ہسٹری : ایم - اے شعبان (۱۱) ۴۴۳

اسلامی تہذیب : بارتھولڈ (۱۱) ۵۲۵

اشباہ (۱۱) ۶۸۳

اشتقاق : ابن درید (۱۱) ۵۸۴ - ۵۸۵، ۶۱۶، ۶۱۸

الاصابہ فی تمییز الصحابہ : ابن حجر العسقلانی (۱۱) ۴۵۲، ۶۵۷، (۱۲) ۱۰۷، ۱۵۵ - ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۰ - ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۷ - ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۷۲ - ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۴ - ۱۸۶، ۱۹۳، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۱ - ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۰ - ۲۱۱، ۲۴۳، ۲۴۹، ۲۷۱، ۲۷۹، ۳۳۸، ۳۴۳ -

الاعلام : خیرالدین الزرکلی (۱۱) ۵۱۵، ۵۵۰

اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین : ابن طولون (۱۱) ۳۶۷

اعلام الموقعین : ابن القیم الجوزیہ (۱۱) ۶۸۳، ۶۸۴، (۱۲) ۲۴۹

اعلام النساء : عمر رضا کحالہ (۱۱) ۳۸۲

الفیہ : حافظ العراقی (۱۱) ۱۳، ۷۱۳، ۷۳۷

اللہ کی کامن ویلتھ (ALLAH'S COMMEN WEALTT) الیف، ای پیٹیرز (۱۲) ۱۱۱

انجیل (۱۱) ۳۷، ۷۹، ۱۰۹، ۱۲۳، ۳۷۳، ۶۶۳، (۱۲) ۲۴۸، ۳۸۳

انڈیکس اسلامیکس (۱۱) ۵۱۸

انساب الاشراف : بلاذری (۱۱) ۳۵۸، ۳۶۶، ۴۴۳، ۴۴۷ - ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۶ - ۴۵۹، ۴۶۳، ۴۶۷ - ۴۶۹، ۴۷۱ - ۴۷۲، ۴۷۴ - ۴۷۷، ۴۷۹، ۴۹۳، ۵۹۹، ۶۱۷، ۶۱۹ -

انساب الاشراف : بلاذری (۱۲) ۸ - ۹، ۴۲، ۴۸، ۱۰۱ - ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۱ - ۱۲۶، ۱۲۷ - ۱۲۹، ۱۳۶ - ۱۴۰، ۱۴۱ - ۱۴۳، ۱۴۴ - ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۰ - ۱۵۱، ۱۵۳ - ۱۵۴، ۱۵۶ - ۱۵۷، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۸۷ - ۱۹۱، ۱۹۳ - ۱۹۴، ۱۹۶ - ۱۹۷، ۱۹۹ - ۲۰۲، ۲۱۰ - ۲۱۳، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۹ - ۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۹ - ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۱ - ۲۵۸، ۲۶۱ - ۲۶۶، ۲۶۸، ۲۷۳، ۳۳۴، ۳۳۶ - ۳۳۸، ۳۴۱ - ۳۴۲، ۳۴۹ -

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (۱۱) ۵۸۲، ۶۱۷، ۶۲۰، (۱۲) ۱۱۱، ۲۰۹، ۳۴۷ -

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس (۱۱) ۴۹۴

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۱) ۴۹۸، ۵۸۳ - ۵۸۴

اورینٹلزم اینڈ دی سٹڈی آف اسلام ان دی ویسٹ : م - م - احسن، (۱۱) ۴۹۲

ایام العرب فی الجاہلیۃ : محمد احمد جاد المولیٰ بک، علی محمد بجاوی

محمد ابوالفضل ابراہیم (۱۲) ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۵۰

ب

بالِ جبریل : علامہ محمد اقبالؒ (۱۲) ۳۹۶
بانگِ درا : علامہ محمد اقبال (۱۲) ۳۹۷
بائبل (۱۲) ۲۴۸
بائبل ڈکشنری (۱۱) ۵۸۰
بدایۃ المجتہد (۱۱) ۶۷۱
البدایہ والنہایہ : ابن کثیر (۱۱) ۴۴۳ - ۴۴۵، ۴۴۷ - ۴۵۷، ۴۵۹،
۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹ - ۴۷۲،
۴۷۴ - ۴۷۷، ۵۸۲، (۱۲) ۱۰۹
بازنطینی مبلغین تک : مونٹے (۱۱) ۵۲۳
بلادِ عرب : صموئیل زویمر (۱۱) ۵۲۵
بلوغ الارب : النویری (۱۱) ۵۸۵، ۶۱۷، ۶۱۹ - ۶۲۰
بلوغ السول فی اقضیۃ الرسول : صدیق حسن خان بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء)، (۱۲) ۲۴۹

پ

پاکستان میں مسیحیت : محمد نادر رضا (۱۱) ۵۰۱
(دی) پریچنگ آف اسلام : ٹی، ڈبلیو آرنلڈ (۱۲) ۱۰۱، ۱۰۶

ت

تاج العروس : زبیدی (۱۱) ۵۷۹، ۵۹۴، ۶۱۷، ۶۱۹،
۶۵۴ -
تاریخ : ابن خلدون (۱۱) ۳۴۳، ۴۴۵، ۴۴۷ - ۴۴۸،
۴۵۲ - ۴۵۸، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹ - ۴۷۰،
۴۷۴ - ۴۷۵، ۴۷۸، ۵۸۵ - ۵۸۶
(۱۲) ۱۶۵، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۹،
۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۳۶ - ۲۳۸، ۲۴۱ -
۲۳۷، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۸ - ۲۷۴، ۲۸۱، ۳۳۹ -
تاریخ : ابوالفداء (۱۱) ۴۸۶، ۵۱۳ - ۵۱۵، ۵۸۴
تاریخ یعقوبی (۱۱) ۴۰۴، ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۷ - ۴۴۸،
۴۵۱، ۴۵۹ - ۴۶۳، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹ -
۴۷۱، ۴۷۴ - ۴۷۷، ۵۷۶، ۵۷۸، ۵۸۱ -
۵۸۴ - ۵۸۶ - ۵۹۹، ۶۰۹ - ۶۱۰، ۶۱۳، ۶۱۹ -
۶۲۰، ۶۳۴، ۶۵۶ (۱۲) ۲۲۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸،
۲۹۱، ۲۹۳، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۲۳ - ۳۲۴، ۳۳۴،
۳۳۶ - ۳۳۸ - ۳۴۱ -
تاریخ الادب العربی (بزبان جرمن) : بروکلمان (۱۱) ۹، ۳۵۶
تاریخ الادیان : نیان (۱۱) ۵۱۱
تاریخ اسلام : مونٹے (۱۱) ۵۲۳
تاریخ اشراف مکہ : وسٹنفیلڈ (۱۱) ۵۱۵، ۵۶۰
تاریخ اقوام مسلم : کارل بروکلمان (۱۱) ۵۲۵
تاریخ بغداد : خطیب بغدادی (۱۱) ۳۷۳ - ۳۸۰، ۳۸۲ - ۳۸۳،
۳۸۵ - ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۳، ۶۲۹ (۱۲) ۲۴۹، ۲۵۵
تاریخ ترکی : النونس دی لامارٹین (۱۱) ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۱ -
تاریخ ترکستان : بارتھولڈ (۱۱) ۵۲۵
تاریخ الرسل والملوک : محمد ابن جریر الطبری م ۳۱۰ھ (۱۱) ۳۵۹،
۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۴ - ۳۷۵، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۰
۳۹۱، ۳۹۳، ۴۴۳، ۴۴۵، ۴۴۷ - ۴۵۵، ۴۵۸ -
۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۵ - ۴۶۷، ۴۶۹ - ۴۷۲، ۴۷۴ -
۴۷۷، ۵۷۹، ۵۸۲، ۵۸۴ - ۵۸۵، ۵۹۴،
۵۹۶، ۵۹۹، ۶۱۷، ۶۲۰، ۶۲۹، ۶۳۲، ۶۵۷،
۶۵۸، ۷۳۷، ۷۳۹ - (۱۲) ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۸،
۲۰ - ۲۲، ۲۴ - ۲۶، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴ - ۳۷،

۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۳،
۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۲۹،
۱۳۶، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۴۸،
۱۵۰، ۱۵۴، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۹،
۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۱۱،
۲۱۳، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۲،
۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۲،
۲۵۰، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۴،
۲۶۸، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۴،
۲۸۶، ۲۸۹، ۲۹۴، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۶،
۳۱۰، ۳۳۴، ۳۴۲، ۳۵۲، ۳۷۱

تاریخ زوال روما، ایڈورڈ ڈگبن (۱) ۵۰۸ -

تاریخ نیرت، لا منس (۱) ۵۱۹

تاریخ العرب: پرسیوال (۱) ۵۱۱

تاریخ عرب: حتی (۱) ۵۲۶

تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی (۲) ۱۱۵

تاریخ عرب قبل از اسلام: فلالیشر (۱) ۵۱۴

تاریخ الادب وآدابہم: ارثبنوٹ (۱) ۵۵۲

تاریخ فیروز شاہی، مرتبہ سید احمد خان: ضیاء الدین برنی (۲) ۲۵۰

التاریخ الکبیر: امام بخاری (۱) ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۶، ۳۹۳

تاریخ مدینہ: سمہودی (۱) ۴۸۶

تاریخ مدینۃ دمشق، مرتبہ صلاح الدین

المنجد: ابن عساکر (۲) ۲۶۴

تاریخ مکۃ المکرمہ، وسٹنفیلڈ (۱) ۵۱۵، ۵۶۰

تاریخ یمن قبل اسلام، کارلو الفانسونل لینو (۱) ۵۲۳

تبصرۃ الاحکام (۱) ۶۸۲، ۶۸۳

تدریب الراوی: السیوطی (۱) ۷۱۶

تذکرۃ الحفاظ: ذہبی (۱) ۳۷۴، ۳۹۳

التراتیب الاداریہ: عبدالحی کتانی، دیکھئے نظام الحکومۃ النبویۃ المسمّی
التراتیب الاداریۃ: عبدالحی کتانی۔

ترجمہ قرآن: اشرف علی تھانوی (۲) ۲۴۸

ترجمہ قرآن: شاہ عبدالقادر دہلوی (۲) ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۴۰

التشریع الجنائی الاسلامی: عبدالقادر عودہ (۱) ۷۰۷

تفسیر ابن کثیر (۱) ۴۷۸، ۵۹۸، ۷۰۹، ۷۳۷، (۲) ۳۰۶،
۳۱۱، ۳۱۴، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۷

تفسیر: القرطبی (۱) ۵۹۹

تفسیر: محمد ابن جریر الطبری، م ۳۱۰ھ (۱) ۳۸۷، ۳۹۰، ۴۷۸،
۷۱۸، ۷۳۷، ۷۶۳، (۲) ۲۴۸، ۳۱۱، ۳۱۴، ۳۴۲،
۳۴۵، ۳۴۷

تفہیم القرآن: ابوالاعلیٰ مودودی (۲) ۲۴۸، ۳۵۶

تنویر الحوالک (۱) ۷۰۵

تورات دیکھئے توریت

توریت (۱) ۳۷، ۵۰، ۵۱، ۷۲، ۷۹، ۱۰۹، ۱۲۳، ۱۲۸،
۱۴۴، ۱۴۵، ۲۱۳، ۲۱۵، ۳۷۴، ۶۳۷، ۶۳۹،
۶۴۳، ۶۵۱، ۶۶۳، ۶۶۵، ۷۴۶ (۲) ۳۶۱

تہذیب الاحکام: ابن القیم الجوزیہ (۱) ۶۷۵، ۶۸۵،
۶۸۶، ۷۰۷، ۷۲۸، ۷۳۷، ۷۳۹

تہذیب الاسماء: نووی (۱) ۳۶۹

تہذیب التہذیب: ابن حجر (۱) ۳۷۱، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۹،
۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۳

ث

ثمار القلوب: ثعلبی (۱) ۵۹۹، ۶۱۸، ۶۱۹

ج

جامع : ترمذی (۱) ۳۶۷، ۳۷۵، ۳۸۷، ۶۲۹، ۶۸۲، ۶۹۷، ۷۰۵، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۲۴، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۴۰، ۷۵۸، (۲) ۲۴۶، ۲۵۳، ۲۷۷، ۳۶۸، ۳۷۳

جامع بیان العلم : ابن عبدالبر (۱) ۳۶۷

الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہؐ و ایامہ : محمد بن اسمٰعیل بخاری (۱) ۳۶۵

جنزیہ در اسلام : ترجمہ از غلام رسول مہر : ڈینیٹ (۲) ۲۶۲

جغرافیہ : بولیبی (۱) ۵۷۸

جمہرۃ انساب العرب : ابن حزم (۱) ۵۸۵ (۲) ۶، ۱۵، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۶، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۵، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۶، ۲۷۴، ۲۷۹، ۳۳۴

جوامع السیرۃ : ابن حزم (۲) ۱۴۳

ح

حاشیہ متن بخاری : احمد علی سہارنپوری (۱) ۷۲۲

حروب صلیبیہ : ارنسٹ بارکر (۱) ۵۰۰

حماسہ : ابوتمام (۱) ۵۸۲

حیاتِ جاوید : الطاف حسین حالی (۱) ۴۸۵

حیاتِ محمدؐ : صمویل زویمر (۱) ۵۲۵

حیاتِ محمدؐ : کارلو الفانسو نلینو (۱) ۵۲۳

حیاتِ محمدؐ : ترجمہ از ابوالیحیٰی امام خاں نوشہروی۔ محمد حسین ہیکل (۱) ۴۹۰، ۴۹۲، ۴۹۸

حیاتِ محمدؐ : محمد حسین ہیکل (انگریزی) ترجمہ از اسماعیل راجی فاروقی

خ

خالد بن ولید المخزومی : محمود شیت خطاب (۲) ۲۱۲

الخبر عن البشر، المقریزی (۱) ۳۵۹، ۳۶۲

الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرت المحمدیہ، سرسید احمد خاں (۱) ۴۸۵، ۴۸۶

خلافت و ملوکیت : ابوالاعلیٰ مودودی (۲) ۱۰۰، ۲۱۳

خلفائے راشدین : بارتھولڈ (۱) ۵۲۵

د

دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۱) ۳۷۱ ۳۹۴

دُرِمختار (۱) ۶۸۳

دلائل النبوۃ : البیہقی (۲) ۳۱۱

دلائل النبوۃ : ابونعیم (۱) ۳۸۷

دلائل النبوۃ : اصفہانی (۲) ۳۷۱

دنیا میں اسلام : صمویل زویمر (۱) ۵۲۵

دینِ اسلام : گارسن دی تاسی (۱) ۵۱۴

دیوان : اُمیّہ بن ابی صلت (۱) ۵۸۲

دیوان : حسّان بن ثابت (۱) ۵۷۸، ۵۸۴ (۲) ۲۳۸

دیوان شرح البطلیوسی : النابغہ ذبیانی (۱) ۵۷۹

ذ

ذیل المذیل (۱) ۳۹۴

ر

رحمۃ للعالمین : سلیمان منصورپوری (۱) ۳۴۲، ۳۸۷، ۶۵۷، (۲) ۱۵۸ - ۳۳۴-۳۳۸

الرسالات النبویہ : نثار احمد فاروقی (۲) ۱۱۵، ۱۲۹

رسائل : الجاحظ (۱) ۵۹۴، ۵۹۹

رسولِ رحمت : مرتبہ، غلام رسول مہر ، ابوالکلام آزاد (۱) ۴۴۳
الرسول القائد : محمود شیت خطاب ، (۲) ۱۱۴ ، ۱۱۷ ، ۱۱۸
روح المعانی : آلوسی (۱) ۵۸۲
الروض الانف : سہیلی (۱) ۳۷۸ ، ۳۸۷ ، ۳۸۸ ، ۳۹۱ ،
۳۹۳ ، ۶۰۶ ، ۶۱۸ ، ۶۲۰
روض المناظر : (۱) ۳۹۴

ز

زاد المعاد : ابن قیم جوزی (۲) ۳۷۱
الزرقانی علی المواہب اللدنیہ : زرقانی (۲) ۳۷۱
زوال سلطنتِ روما : گبن (۱) ۵۴۸

س

سنن : ابن ماجہ، م ۲۷۳ھ (۱) ۳۷۵ ، ۳۸۷ ، ۶۲۹ ، ۶۷۳ ،
۶۹۷ ، ۷۰۱ ، ۷۰۷ ، ۷۰۹ ، ۷۲۸ ، ۷۲۹ ،
۷۴۰ (۲) ۲۴۳ ، ۳۶۸
سنن : ابوداؤد (۱) ۳۶۷ ، ۳۷۵ ، ۳۸۳ ، ۳۸۷ ، ۴۵۹ ،
۶۲۹ ، ۶۵۵ ، ۶۵۸ ، ۶۷۳ ، ۶۸۵ ، ۶۸۶ ،
۶۹۰ ، ۶۹۴ ، ۷۰۵ ، ۷۰۷ ، ۷۰۹ ، ۷۲۴ ، ۷۳۲ ،
۷۳۹ ، ۷۴۰ (۲) ۵۱ ، ۱۰۹ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۳۳ ،
۲۳۳ ، ۲۳۵ ، ۲۳۹ ، ۲۶۲ ، ۲۶۶ ، ۲۷۴ ،
۲۷۶ ، ۲۷۸ ، ۳۵۰ ، ۳۶۸
سنن : دارمی (۱) ۳۶۷ ، ۶۲۹ -
سنن : علی بن عمر دارقطنی (۱) ۷۰۹ ، ۷۳۷
سنن : نسائی (۱) ۳۷۵ ، ۳۸۷ ، ۶۲۹ ، ۶۸۲ ، ۷۰۸ ، (۲) ۲۶۳ ،
۲۶۵ ، ۲۷۴ ، ۲۷۶ ، ۲۷۸ ، ۳۶۸
سوشل اسٹرکچر آف اسلام : ریوبن لیوی (۲) ۱۰۹ ، ۲۱۵ ، ۲۱۶ ،
۲۲۱ ، ۲۲۸
سیر اعلام النبلاء، تحقیق محمد اسعد طلس : ذہبی (۲) ، ۱۶۵
سیرت : ابن اسحاق (۱) ۸ ، ۹ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۴ ، ۱۷ ، ۲۰ ، ۲۲ ،
۲۳ ، ۲۷ ، ۳۰ ، ۳۳ ، ۳۶ ، ۴۲ ، ۴۵ ، ۴۷ ، ۵۰ ،
۵۲ ، ۵۶ ، ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۳ ، ۶۶ ، ۶۸ ، ۷۳ ، ۷۴ ،
۷۶ ، ۷۸ ، ۸۰ ، ۸۲ ، ۸۸ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۵ ، ۹۷ ، ۹۸ ،
۱۰۱ ، ۱۰۳ ، ۱۰۶ ، ۱۰۹ ، ۱۱۱ ، ۱۲۱ ، ۱۲۳ ، ۱۲۵ ، ۱۲۸ ،
۱۲۹ ، ۱۳۱ ، ۱۳۳ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۳۸ ، ۱۴۰ ، ۱۴۲ ،
۱۴۶ ، ۱۴۹ ، ۱۵۱ ، ۱۵۴ ، ۱۵۵ ، ۱۵۷ ، ۱۵۹ ،
۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۵ ، ۱۶۸ ، ۱۷۳ ، ۱۷۵ ، ۱۷۹ ، ۱۸۱ ،
۱۸۶ ، ۱۸۹ ، ۱۹۱ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۱۹۹ ، ۲۰۶ ، ۲۰۸ ،
۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۱۴ ، ۲۱۶ ، ۲۱۸ ، ۲۱۹ ، ۲۲۱ ، ۲۲۳ ،
۲۲۴ ، ۲۲۶ ، ۲۲۹ ، ۲۳۱ ، ۲۳۴ ، ۲۳۷ ، ۲۳۹ ،
۲۴۲ ، ۲۴۴ ، ۲۴۶ ، ۲۴۷ ، ۲۴۹ ، ۲۵۱ ،
۲۵۲ ، ۲۵۴ ، ۲۵۵ ، ۲۵۷ ، ۲۵۸ ، ۲۶۰ ،
۲۶۲ ، ۲۶۵ ، ۲۷۰ ، ۲۷۲ ، ۲۷۴ ، ۲۸۳ ، ۲۸۵ ،
۲۸۷ ، ۲۹۰ ، ۲۹۲ ، ۲۹۷ ، ۳۰۲ ، ۳۱۱ ، ۳۱۲ ،
۳۱۴ ، ۳۱۷ ، ۳۲۰ ، ۳۲۲ ، ۳۲۶ ، ۳۲۹ ،
۳۳۱ ، ۳۳۷ ، ۳۴۱ ، ۳۴۵ ، ۳۵۹ ، ۳۶۸ ،
۳۷۲ ، ۳۷۴ ، ۳۷۷ ، ۳۸۰ ، ۳۸۲ ، ۳۸۶ ،
۳۸۸ ، ۳۹۱ ، ۴۱۸ ، ۴۲۳ ، ۴۲۹ ، ۴۴۳ ،
۴۴۵ ، ۴۴۷ ، ۴۴۹ ، ۴۵۱ ، ۴۵۳ ، ۴۵۶ ،
۴۶۲ ، ۴۶۴ ، ۴۶۶ ، ۴۶۷ ، ۴۶۹ ، ۴۷۲ ، ۴۷۷ ، ۶۲۹ ، ۶۳۲ ، ۶۳۷ ،
۶۵۴ (۲) ۱۰۰ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۰۸ ، ۱۱۳ ، ۱۲۴ ،
۱۲۶ ، ۱۲۹ ، ۱۳۱ ، ۱۳۵ ، ۱۳۷ ، ۱۴۳ ، ۱۴۶ ، ۱۵۰ ،
۱۵۲ ، ۱۶۱ ، ۱۶۴ ، ۱۶۶ ، ۱۶۸ ، ۱۶۹ ، ۱۷۲ ، ۱۷۶ ،
۱۷۸ ، ۱۸۱ ، ۱۸۳ ، ۱۹۴ ، ۱۹۷ ، ۲۰۱ ، ۲۰۳ ، ۲۰۵ ،

۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۰،
۲۳۲، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۸،
۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۵۵، ۲۵۸، ۲۶۱،
۲۶۴، ۲۶۶، ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۵، ۲۷۷، ۲۷۸،
۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۲،
۲۹۳، ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۹،
۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۳۲،
۳۳۴، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۱،
۳۵۴، ۳۷۰، ۳۸۴۔

ابن کثیر (۱۱) ۴۲۳

سیرت ابن ہشام (۱۱) ۱۰، ۱۱، ۷۷، ۱۳۸، ۱۴۷، ۱۴۸،
۱۶۸، ۲۴۲، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۷۳، ۳۸۰،
۳۸۵، ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۳، ۴۴۳، ۴۴۵،
۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۹، ۴۶۰،
۴۶۲، ۴۶۴، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۱،
۴۷۲، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۸۴، ۵۱۱، ۵۱۴،
۵۱۵، ۵۲۱، ۵۷۸، ۵۹۳، ۵۹۶، ۵۹۸،
۶۰۹، ۶۱۷، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۳۲، ۶۵۴، ۶۵۸،
۷۳۱، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۶۳ (۱۲) ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۸،
۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۷، ۳۹،
۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۳، ۱۰۸،
۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۹، ۱۲۹، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۳،
۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۵۶،
۱۶۱، ۱۶۹، ۱۸۱، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۰۵،
۲۰۸، ۲۱۰، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۱،
۲۴۵، ۲۴۷، ۲۵۰، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۶۸،
۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۸، ۲۸۳، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۲،
۲۹۴، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۷، ۳۲۳، ۳۳۴، ۳۳۵،
۳۳۷، ۳۴۰، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۲،
۳۷۰، ۳۸۴، ۴۰۲، ۴۱۵، ۴۳۳، ۴۵۸،
۴۶۶، ۴۷۸،

سیرت ابن ہشام مع متن وترجمہ لاطینی : جوئنگ بمعاونت دی خویہ
(۱۱) ۵۵۵

سیرت ابن ہشام مع تعلیقات : وسٹنفیلڈ (۱۱) ۵۶۰

سیرت حلبیہ (۱۱) ۵۲۱، ۵۱۹

سیرت رسول اللہ : سید نواب علی (۱۱) ۴۸۵، ۴۸۷

سیرت سرورِ دو عالمؐ : ابوالاعلیٰ مودودی (۱۲) ۳۸۵

سیرت النبیؐ : سید سلیمان ندوی (۱۱) ۵۴۳، ۵۵۰۔
(۱۲) ۱۰۰، ۱۳۲، ۱۴۶،
۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۷۳، ۲۳۴

سیرت النبیؐ شبلی نعمانی (۱۱) ۳۴۴، ۴۵۱، ۴۷۸، ۴۸۶،
۴۸۸، ۴۸۹، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۶، ۵۰۷،
۵۱۰، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۲۰، ۵۲۵، ۵۳۰، ۵۳۲،
۵۳۸، ۵۳۹، ۶۵۸، ۷۳۶
(۱۲) ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶،
۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۳۲،
۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۴، ۱۵۷،
۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۸، ۱۸۴، ۲۱۲، ۲۴۴،
۲۵۰، ۲۵۳، ۲۶۴، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۶، ۳۳۲،
۳۳۴، ۳۳۸، ۳۴۸، ۳۵۰۔

سیرت نبویؐ کی ابتدائی کتابیں اور اُن کے مؤلفین : نثار احمد
فاروقی (۱۲) ۳۴۳

السیرۃ النبویہ: ڈاکٹر شیخ مصطفےٰ اسباعی (۲) ۳۵۶

ش

شباب قریش: عبد المتعال صعیدی (۲) ۱۶۸
شرح البخاری: الکرمانی (۱) ۷۰۷
شرح دیوان: زہیر بن ابی سُلمیٰ (۱) ۵۷۹
شرح دیوان امرأ القیس (۱) ۵۷۹
شرح دیوان لبید بن ربیعہ العامری (۱) ۵۸۵
شرح سنن ابی داؤد: الخطابی (۱) ۷۲۶، ۷۲۷
شرح صحیح الترمذی: ابن العربی المالکی (۱) ۶۹۰، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۵، ۷۳۹
شرح کنز: امام زیلعی (۱) ۶۸۱، ۶۸۳
شرح مسلم: نووی (۱) ۷۰۵، ۷۳۹
شرح مواہب اللدنیہ: زرقانی (۲) ۱۰۴، ۱۲۰، ۱۳۱، ۱۶۱، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۵۳، ۲۶۴، ۲۶۵
شذرات الذہب: ابن العماد (۲) ۱۲۱
شذور العقود، مرتبہ ایل، اے، میئر (۲) ۲۴۲
الشعر العربی قبل الاسلام: رینی باسے (۱) ۵۱۶
الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ ﷺ: قاضی عیاض (۲) ۲۶۵، ۲۷۱
شمائل ترمذی (۲) ۲۳۵، ۳۷۱

ص

الصادقہ: عبد اللہ (۱) ۳۶۷
صبح الاعشیٰ فی صنعۃ الانشاء: ابو العباس احمد بن علی القلقشندی (۱) ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۲، ۵۸۶
الصحیح: ابن حبان (۱) ۷۴۰
صحیح ترمذی: دیکھئے جامع ترمذی۔
الصحابہ: ابن حبان (۱) ۷۳۷
صحیح بخاری: محمد بن اسماعیل بخاری، م ۲۵۶ھ (۱) ۳۷۵، ۳۸۳، ۳۸۷، ۳۵۹، ۶۱۳، ۶۲۰، ۶۲۹، ۶۳۱، ۶۵۵، ۶۵۷، ۶۷۰، ۶۸۲، ۶۹۶، ۷۰۷، ۷۰۹، ۷۲۰، ۷۲۳، ۷۳۸، ۷۳۹، (۲) ۳۱، ۴۳، ۵۱، ۵۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۵، ۱۶۱، ۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۷، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۹، ۲۲۴، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۷۳، ۲۷۹، ۳۳۸، ۳۵۳، ۳۶۸، ۳۷۴، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۹۵، ۴۲۶،
صحیح مسلم: مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، م ۲۶۱ھ (۱) ۳۷۵، ۳۸۷، ۴۷۱، ۵۹۸، ۶۲۹، ۶۵۶، ۶۵۷، ۷۰۵، ۷۰۸، ۷۳۹، (۲) ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۹، ۱۲۱، ۲۳، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۸۹، ۲۱۲، ۲۲۴، ۲۳۳، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۵۲، ۲۵۴، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۷، ۲۷۸
صحیفہ ہمام (۱) ۳۶۸
صفت جزیرۃ العرب: الہمدانی (۱) ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۵

ض

ضحی الاسلام: احمد امین (۱) ۳۷۲، ۳۹۴
ضرب کلیم: علامہ محمد اقبال (۲) ۳۹۷

ط

طب النبوی : جلال الدین ابی سلیمان (۱۱) ۵۱۳
طبقات ابن سعد (۱۱) ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۷،
۳۹۳، ۳۹۶، ۴۱۱، ۴۲۳، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۴۲، ۴۴۷،
۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۶، ۴۵۸، ۴۶۴، ۴۶۶،
۴۶۸، ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۹، ۵۱۵، ۵۲۱،
۵۹۳، ۵۹۹، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۱۷، ۶۱۹، ۶۲۴،
۶۳۲، ۶۵۶، ۶۵۷، ۷۳۴، ۷۳۸،
(۱۲) ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۴،
۲۶، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۲،
۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۳، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۳،
۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۹،
۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۵۶،
۱۵۸، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۱،
۱۹۸، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳،
۲۳۶-۲۳۸، ۲۴۱، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۹،
۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۹،
۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۲، ۳۰۷، ۳۲۴، ۳۲۹،
۳۳۴، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۴۹،
۳۵۲، ۳۵۴، ۳۷۱
طبقات المدلسین (۱۱) ۳۹۴
الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ : ابن القیم الجوزیہ (۱۱) ۶۶۹،
۶۸۳ (۱۲) ۲۶۶

ع

عالم اسلام : بار تھولڈ (۱۱) ۵۲۵
عالم اسلامی : مونٹے (۱۱) ۵۲۳
العبر فی خبر من غبر : ذہبی (۱۱) ۳۷۵، ۳۸۸، ۳۹۳
عرب کنگڈم اینڈ اٹس فال : ولہاوزن (۱۲) ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳
عربک۔ انگلش ڈکشنری : ہنس وہر (۱۲) ۲۴۵
العقد الفرید : ابن عبد ربہ (۱۱) ۳۶۲، ۵۸۴، ۵۸۶، ۶۱۹
(۱۲) ۱۰۰، ۲۱۲، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۹
علم التاریخ : الدوری (۱۱) ۳۹۴
(حضرت) عمر بن عبد العزیز : بار تھولڈ (۱۱) ۵۲۵
عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا : رؤدفر اقبالؒ (۱۱) ۴۴۴، ۴۷۶
عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ (انگریزی) : محمد حمید اللہ (۱۱)
۴۵۲، ۴۶۵، ۴۷۶ (۱۲) ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۰،
۱۲۳، ۲۱۶، ۳۳۳، ۳۴۷، ۳۵۱
عیون الاثر فی فنون المغازی فی السیر : ابن سید الناس (۱۱) ۳۷۸،
۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۵، ۳۸۷،
۳۹۳، ۶۲۹ ۔
عیون الاخبار : ابن قتیبہ (۱۱) ۶۱۹

غ

غربال الزمان (۱۱) ۳۹۴

ف

فاطمہؓ اور دیگر بنات محمدؐ : لامنس (۱۱) ۵۱۹
الفتاوی النبویۃ فی المسائل الدینیہ۔ والدنیویۃ : ابو علی حسین بن
المبارک الموصلی (۱۲) ۲۴۹
فتح الباری : ابن حجر العسقلانی (۱۱) ۶۹۷، ۷۰۷، (۱۲) ۱۴۸،
۲۴۳
فتوح البلدان : بلاذری (۱۱) ۳۵۹، ۴۴۳، ۴۵۳، ۴۷۱،
۴۷۹، ۶۱۸، ۶۲۹ (۱۲) ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۲۰،
۲۲، ۲۴، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۳۷، ۳۹،

۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۰، ۵۳، ۱۰۸، ۱۰۹،
۱۲۰، ۱۲۱، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۳،
۱۹۵، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۳۲، ۲۳۹،
۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۶، ۲۴۸، ۲۵۰، ۲۵۱،
۲۶۶، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۴، ۲۸۶،
۲۸۸، ۲۹۱، ۲۹۳، ۲۹۵، ۳۰۱، ۳۱۴، ۳۳۴،
۳۳۵،

فتوح مصر: واقدی (۱) ۳۸۷

الفصول فی سیرۃ الرسولؐ: ابن کثیر (۱) ۴۲۹، ۴۷۴

فرہنگ عامرہ: محمد عبداللہ خویشگی (۱) ۴۹۵۔

الفہرست: ابن الندیم (۱) ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۵،
۳۸۲، ۳۸۷، ۳۹۳،

فیروز اللغات: فیروزالدین (۱) ۴۹۵

ق

قاموس الاعلام: خیرالدین زرکلی (۱) ۳۹۴

قادۃ فتح العراق والشام، (۲) ۲۱۲

قرآن (۱) ۴۳، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۴۲، ۱۴۳،
۱۴۷، ۱۵۰، ۱۸۳، ۱۹۴، ۱۹۷، ۱۹۹، ۲۱۲، ۲۱۶،
۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۲۵، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۸، ۲۵۱، ۲۵۳،
۲۹۱، ۲۹۲، ۳۱۱، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۱،
۳۶۳، ۳۶۴، ۴۷۸، ۱۸۱، ۴۸۳، ۴۸۸،
۵۰۵، ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۴،
۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۷،
۵۷۳، ۵۸۱، ۵۹۷، ۵۹۸، ۶۱۸، ۶۲۱،
۶۳۰، ۶۳۱، ۶۴۳، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۵۴،
۶۵۶، ۶۵۸، ۶۶۰، ۶۶۲، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۳،
۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۱، ۶۸۴، ۶۸۶،
۶۸۸، ۶۹۳، ۶۹۴، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۷، ۷۰۹،
۷۱۸، ۷۲۰، ۷۲۵، ۷۲۸، ۷۳۰، ۷۳۸، ۷۴۳،
۷۵۱، ۷۵۴، ۷۵۷، ۷۶۱، ۷۶۳، (۲)،
۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۴۷، ۱۵۵، ۱۸۴،
۲۰۳، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۳، ۲۳۸، ۲۴۸،
۲۵۳، ۲۶۴، ۲۷۳، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۱۳، ۳۱۵،
۳۶۲، ۳۶۵، ۳۶۸، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۲،
۳۹۳، ۴۱۲، ۴۱۵، ۴۲۴، ۴۲۶، ۴۳۴،
۴۳۹، ۴۵۲، ۴۶۱، ۴۶۷، ۴۷۶، ۴۷۸، ۴۷۹،
۴۹۱۔

(دی) قرآن: رچرڈ بیل (مترجم) (۲) ۱۰۴، ۱۱۱، ۲۴۸

قرآن، اُردو ترجمہ از شاہ ولی اللہ (۲) ۱۱۱

(دی) قرآن انٹرپریٹڈ (THE QURAN INTERPRETED) آربری (۲) ۱۰۴،

قرآن: ترجمہ ایڈورڈ ہنری پامر (۱) ۵۱۴

قرآن: ترجمہ از مونٹے (۱) ۵۲۳

قصیدہ بردہ: بوصیری (۱) ۵۱۶

قصیدۃ الحمیریہ: نشوان (۱) ۵۱۵

قضاۃ دمشق: ابن طولون (۲) ۲۴۹

قوانین نقفیہ (۱) ۶۸۳

ف

فاطمہؓ و بنات محمدؐ: لامنس (۱) ۵۵۸

ک

الکامل فی التاریخ: ابن اثیر (۱) ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۷، ۴۵۱،
۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۶، ۴۵۹، ۴۶۱، ۴۶۳،

۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۷،
۵۷۸، ۵۸۴، ۵۸۶، ۵۹۴، ۶۱۰، (۱۲) ۱۴۳،
۲۴۲، ۲۴۹، ۲۶۶، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۰۲،
۳۰۷، ۳۳۴، ۴۳۳

کتاب الاحکام ، الکرمانی (۱۱) ۶۹۷، ۷۰۷، ۷۰۸
کتاب الاشتقاق ، مرتبہ وسٹنفیلڈ (۱۲) ۱۸۸
کتاب الاشراف ، المسعودی (۱۱) ۶۳۴، ۶۵۶
کتاب الاصنام : ابن الکلبی (۱۱) ۵۸۲
کتاب الاغانی ، ابوالفرج اصفہانی (۱۱) ۳۷۱، ۳۸۷،
۵۸۴، ۵۹۸، ۶۱۰
کتاب التصنیہ رسولؐ اللہ : ابوبکر بن ابی شیبہ (۱۲) ۲۴۹
کتاب الام : امام شافعیؒ (۱۱) ۶۸۲، ۷۰۵
کتاب الاموال : ابوعبید قاسم بن سلام (۱۱) ۶۵۴، (۱۲) ۱۴۰،
کتاب البخلاء : جاحظ (۱۱) ۶۱۹
کتاب تقدم الآداب الشرقیہ : نیان (۱۱) ۵۱۱
کتاب الخراج : ابویوسف (۱۱) ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۸، (۱۲)
۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۶۹، ۲۷۰
کتاب الخراج : یحییٰ بن آدم (۱۲) ۲۳۲، ۲۴۰، ۲۵۸، ۲۶۳،
۲۶۹، ۲۷۱
کتاب الخلفاء : ابن اسحاق (۱۱) ۳۸۷
کتاب الرسل : نیان (۱۱) ۵۱۱
الکتاب الکبیر : ابن اسحاق (۱۱) ۳۷۸
کتاب المحبر ، محمد بن حبیب البغدادی (۱۱) ۳۹۸، ۴۴۳، ۴۴۴،
۴۵۸، ۴۷۹، (۱۲) ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۳۱، ۱۸۹، ۲۰۷،
۲۰۸، ۲۲۳، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۴۸،
۲۵۰، ۲۵۲، ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۶۸، ۲۷۴، ۲۷۸،

۲۸۳، ۳۱۰، ۳۲۰، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۸،
۳۴۰، ۳۴۹
کتاب المختصر فی اخبار البشر ، ابوالفداء (۱۱) ۵۸۵، ۵۸۶
کتاب المغازی ، ابن اسحاق (۱۱) ۳۷۸
کتاب المنمق فی اخبار ام القری : فاکہی (۱۲) ۲۱۲، ۲۴۱، ۲۷۷،
کتاب السیرۃ والمبتدا والمغازی ، ابن اسحاق (۱۱) ۳۸۷
کتب السیرۃ الاولی ومؤلفوہا (بزبان انگریزی) ہیوروٹس (۱۱) ۳۵۶
کتاب المغازی ، معمر بن راشد (۱۱) ۳۷۲
کتاب المغازی ، موسیٰ بن عقبہ (۱۱) ۳۷۲
کتاب المنمق فی اخبار قریش ، مرتبہ خورشید احمد انصاری ، محمد بن
حبیب البغدادی (۱۲) ۱۱۶، ۱۳۳، ۱۶۴، ۱۷۴،
۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۶، ۲۰۱، ۲۵۰، ۳۳۷، ۳۴۹
کتاب نسب قریش ، مرتبہ لیفی پروفنسال ، مصعب زبیری (۱۲)
۱۱۹، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۵۶، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۰،
۱۷۲، ۱۸۲، ۲۳۳، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۳،
۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۷۹
کتاب الوزراء والکتاب ، جہشیاری (۱۲) ۲۳۴، ۲۳۵،
۲۴۲، ۲۶۲
کتب السیرۃ الاولی ومؤلفوہا (بزبان انگریزی) : ہیوروٹس
(۱۱) ۳۵۶
الکشاف : زمخشری (۱۱) ۵۸۲
کلاسیکل اسلام : گرونی بام (انگریزی ترجمہ کیتھرین واٹسن (۱۲) ۱۰۰،
۱۸۴، ۲۱۲، ۳۳۳
الکمال فی معرفۃ الرجال ، جماعیلی (۱۱) ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۷،
۳۸۶، ۳۹۳
کیمبرج ہسٹری آف اسلام (۱۱) ۵۲۶

گ

گہوارۂ اسلام : لامنس (۱۱) ۵۱۹

ل

لائف آف محمدؐ : مرگولیس (۱۱) ۴۸۹
لائف آف محمدؐ : ولیم میور (۱۱) ۴۸۵ ، ۵۳۲ ، ۵۳۵ ، ۵۳۶ ، ۵۳۷ ، (۱۲) ۱۱۴
لباب فی اسباب النزول : سیوطی (۱۲) ۳۵۰
لسان العرب : ابن منظور (۱۱) ۵۸۲ ، ۶۱۷ ، ۶۱۸ (۱۲) ۱۴۳ ، ۲۴۵ ، ۳۴۱

م

المبسوط : سرخسی (۱۱) ۶۵۸ ، ۶۶۹ ، ۷۰۵
المبشرون والمستشرقون فی موقفہم عن الاسلام : محمد البہی (۱۱) ۴۸۴
المبعث والمغازی : ابن اسحاق (۱۱) ۳۵۷
مجلۃ الاحکام العدلیۃ (۱۱) ۶۸۲ ، ۶۸۳
مجموعۃ الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ : محمد حمید اللہ (۱۱) ۳۰۵ (۱۲) ۱۱۵ ، ۱۳۵ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۱۴۹ ، ۱۵۰ ، ۱۵۲ ، ۱۸۵ ، ۱۸۷ ، ۱۹۰ ، ۱۹۱ ، ۱۹۳ ، ۱۹۶ ، ۱۹۸ ، ۲۱۱ ، ۲۳۳ ، ۲۳۵ ، ۲۳۷ ، ۲۴۳ ، ۲۴۴ ، ۲۴۶ ، ۲۴۷ ، ۲۶۰ ، ۲۶۴ ، ۲۶۶ ، ۲۷۱ ، ۲۷۳ ، ۲۷۵ ، ۳۴۹
محلی : ابن حزم (۱۱) ۶۶۹ ، ۶۷۱ ، ۶۸۳
محمدؐ : ای رائسٹن پائیک (E. ROYSTON PIKE) (۱۱) ۴۴۵
محمدؐ : ظہیر احمد (۱۱) ۴۴۳
محمدؐ : ہیوبرٹ گرم (۱۱) ۶۵۵
محمدؐ ، انگریزی ترجمہ این کارٹر ، مکیم رودنسان (۱۲) ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۱۹
محمدؐ اور فتوحاتِ اسلام : فرانسسکو جبرئیل (۱۲) ۱۰۳
محمدؐ اور فروغ اسلام ، ڈی ، ایس مارگولیتھ (۱۱) ۵۲۰
محمدؐ اور یہود : برکات احمد (۱۱) ۴۱۴ ، ۴۲۸ ، ۴۲۹ ، ۴۵۳ ، ۴۵۴ ، ۴۵۸ ، ۴۶۱ ، ۴۷۴ (۱۲) ۱۰۹ ، ۱۱۲ ، ۱۲۰ ، ۱۲۲ ، ۲۵۱ ، ۲۵۸
محمدؐ ایٹ مدینہ : منٹگمری واٹ (۱۱) ۳۹۹ ، ۴۱۲ ، ۴۴۸ ، ۴۶۵ ، ۴۷۱ ، ۴۷۵ ، ۴۷۸ ، ۶۳۰ ، ۶۳۲ ، ۶۵۵ (۱۲) ۱۰۰ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۲۱ ، ۱۲۵ ، ۱۲۸ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ، ۱۳۹ ، ۱۴۲ ، ۱۴۴ ، ۱۴۶ ، ۱۴۹ ، ۱۵۰ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۱۸۴ ، ۱۸۶ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ ، ۱۹۳ ، ۱۹۴ ، ۱۹۷ ، ۱۹۹ ، ۲۰۵ ، ۲۰۷ ، ۲۱۱ ، ۲۲۷ ، ۲۳۴ ، ۲۴۱ ، ۲۴۴ ، ۲۴۶ ، ۲۴۸ ، ۲۵۰ ، ۲۵۳ ، (۱۲) ۶۵۴ ، ۲۶۱ ، ۲۶۳ ، ۲۶۹ ، ۲۷۰ ، ۲۷۴ ، ۲۸۵ ، ۲۹۲ ، ۲۹۶ ، ۳۰۲ ، ۳۰۳ ، ۳۰۵ ، ۳۰۷ ، ۳۰۸ ، ۳۱۲ ، ۳۱۵ ، ۳۲۶ ، ۳۳۳ ، ۳۳۵ ، ۳۳۸ ، ۳۴۰ ، ۳۴۲ ، ۳۴۴ ، ۳۴۶ ، ۳۵۲
محمدؐ ایٹ مکہ : آرنلڈ (۱۲) ۱۰۳
محمدؐ ایٹ مکہ : منٹگمری واٹ (۱۲) ۱۰۰ ، ۱۰۲ ، ۱۰۵ ، ۱۱۳ ، ۱۵۴ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ ، ۱۶۷ ، ۱۶۸ ، ۱۷۲ ، ۱۷۸ ، ۱۸۲ ، ۱۸۴ ، ۲۵۲ ،
محمدؐ اینڈ دی رائز آف اسلام (انگریزی) : ڈی ، ایس مارگولیتھ (۱۱) ۵۳۲ ، ۵۳۷ ، ۵۵۰ (۱۲) ۱۰۱ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۱۴ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۲۵۱ ، ۲۵۲

محمد اینڈ دی کونکوئسٹ آف اسلام (انگریزی ترجمہ از ورجینیا اور روسو، میک گراہل) (۱۱) ۵۲۲

محمد دی پرافٹ۔ اے سیکنڈ بلیو گرانی : حماسے (۱۱) ۴۹۸، ۵۰۰، ۵۰۳، ۵۰۵، ۵۰۸، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۳۲، ۵۳۶، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۵۰۔

محمد رسول اللہ (انگریزی) محمد حمید اللہ (۱۱) ۴۳۰، ۴۴۳، ۴۴۴، (۱۲) ۱۰۲، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۲۱، ۱۳۱، ۱۸۴، ۲۵۸۔

محمد رسول اللہ : ابوالحسن علی ندوی، انگریزی ترجمہ محی الدین احمد (۱۱) ۴۴۲

محمد القائد : محمود شیت خطاب (۱۲) ۲۱۵

محمد مکہ میں : منٹگمری واٹ (۱۱) ۵۹۴، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۹، ۶۰۵، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۸، ۶۱۹

محدثین مدینہ (۱۱) ۴۸۶

مختصر سنن ابی داؤد : المنذری (۱۱) ۶۷۳، ۶۷۵، ۶۸۲، ۶۸۵، ۷۰۷، ۷۲۶، ۷۲۸، ۷۳۲، ۷۴۰

مدالقاموس : لین (۱۱) ۶۵۴

مرأۃ الجنان : یافعی (۱۱) ۳۸۷

مروج الذہب : مسعودی (۱۱) ۳۶۵، ۴۸۶، ۵۱۶، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۹۴، ۶۱۹

مسالک الابصار : ابن فضل اللہ عمری (۱۱) ۳۸۲

المستشرقون : نجیب العقیقی (۱۱) ۴۸۴، ۴۹۷، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۱۷، ۵۱۹، ۵۲۱، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۵۰

المستشرقون والمبشرون فی العالم الاسلامی : ذکریا ہاشم (۱۱) ۴۸۴، ۵۰۱، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۶، ۱۶۹۔

المستشرقون والاسلام : ذکریا ہاشم (۱۱) ۵۱۷

المستشرقون والاسلام : محمد اللہ دسوقی (۱۱) ۴۸۴

المستشرقون ومشکلات الحضارۃ : دکتورہ عفاف صبرہ (۱۱) ۴۸۴، ۴۹۳، ۴۹۵

مستشرقین اور تحقیقات اسلامی : عبدالقدوس ہاشمی (۱۱) ۵۲۸، ۵۳۰

مسند : احمد بن حنبل (۱۱) ۶۸۳ (۱۲) ۱۴۰، ۲۳۶، ۲۵۲، ۲۷۳

مسند : امام شافعی (۱۱) ۶۸۲، ۷۰۵

مسند : مرتبہ احمد محمد شاکر، احمد بن حنبل (۱۱) ۳۷۰، ۳۸۶، ۴۵۱، ۶۲۹، ۶۵۵، ۶۶۹، ۷۴۰

مصباح اللغات : عبدالحفیظ بلیاوی (۱۲) ۲۳۳، ۲۴۵

مصنف : ابن ابی شیبہ (۱۲) ۱۰۹

المصنف : عبدالرزاق (۱۱) ۶۲۹

مطالعہ تاریخ : ٹائن بی (۱۱) ۵۲۱

المعارف : ابن قتیبہ (۱۱) ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۸، ۳۸۲، ۳۹۳، ۴۸۶، ۵۸۱، ۵۸۴، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۲۰، ۶۸۶ (۱۲) ۱۹۵، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۲۱، ۲۳۴، ۲۴۱، ۲۶۸، ۲۷۷، ۳۴۳

معاشیات اسلام، مرتبہ خورشید احمد : ابوالاعلیٰ مودودی (۱۲) ۲۵۰

معالم السنن : ابوسلیمان الخطابی (۱۱) ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۸۵، ۷۲۶، ۷۳۴

معجم : طبرانی (۱۱) ۳۷۱

معجم الادباء : یاقوت (۱۱) ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۸، ۳۹۳

معجم البلدان : یاقوت الحموی (۱۱) ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۴، ۵۸۵

(۱۲) ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۵۰، ۱۵۱، ۳۳۶، ۳۳۸،
۳۴۰، ۳۴۱
معجم الشعراء (۱۱) ۶۱۶
معجم ما استعجم : البکری (م ۴۸۷ھ) (۱۱) ۳۹۳
المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبویؐ : اے ۔ جے ۔ وینسنک (۱۲) ۱۱۰
المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم : محمد فواد عبدالباقی (۱۲)
۱۱۰، ۲۶۲
معجم المؤلفین : عمر رضا کحالہ (۱۱) ۳۹۴
مغازی الرسولؐ : محمد بن عمر الواقدی، م ۲۰۷ھ (۱۱) ۴۰،
۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۹، ۴۱۱، ۴۱۶، ۴۱۸،
۴۲۳، ۴۲۹، ۴۴۳، ۴۷۹، ۴۸۶، ۵۱۵،
۵۲۵، ۵۸۴، ۵۹۵ (۱۲) ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۵،
۱۸، ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۲۸، ۳۰، ۳۲، ۳۴،
۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۶، ۴۸، ۵۰،
۵۳، ۱۰۳، ۱۰۹، ۱۱۴، ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۳۷،
۱۴۰، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۳، ۱۶۰،
۱۶۱، ۱۶۵، ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۰۸،
۲۱۰، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۴۳،
۲۴۷، ۲۵۰، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۴،
۲۷۶، ۲۷۹، ۲۸۱، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶،
۲۸۸، ۲۹۵، ۲۹۹، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۶، ۳۰۹،
۳۱۱، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۶،
۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۲، ۳۳۴، ۳۴۲، ۳۴۹،
۳۵۲ ـ ۳۵۴
المغنی : ابن قدامہ (۱۱) ۶۶۹، ۶۷۱، ۶۸۳
المفضلیات : المفضل بن محمد الضبی الکوفی (۱۱) ۲۸۱، ۵۸۶
مقاتل الطالبین : ابوالفرج اصفہانی، م ۳۵۶ھ (۱۲) ۱۵۹
مقدمہ : ابن خلدون (۱۲) ۲۱۵
مقدمہ، انگریزی ترجمہ از فرانز روزنتھال : ابن خلدون
(۱۲) ۳۳۲
مقدمہ بر سیرت رسول اللہ از ابن اسحاق : اے ۔ گیوم (۱۲) ۳۳۲
مناقب الامام الاعظم : کردری (۱۱) ۳۸۲
المنتخب المنتقیٰ : ابن ابی مروان اشبیلی (۱۲) ۲۴۹
المنجد : لوئیس معلوف (۱۲) ۳۴۱
منظومۃ الوہبانیۃ : ابن وہبان (۱۱) ۶۸۳
مکاتیب : مرتبہ سید سلیمان ندوی شبلی (۱۱) ۴۸۸، ۴۸۹، ۵۲۰،۵
مکتوبات : سرسید احمد خان، مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی (۱۱) ۴۸۶،
لی ٹیمنٹ اسلام : جالنس (۱۱) ۵۲۴، ۵۲۶، ۵۲۷
مناقب الامام الاعظم : موفق بن احمد مکی (۱۱) ۳۸۲
المنجد فی الادب والعلوم (۱۱) ۵۰۱
منتخبات القرآن (۱۱) ۵۲۳
مواہب اللدنیہ : زرقانی (۱۱) ۶۲۹ (۱۲) ۱۰۷، ۱۴۰،
۳۷۱ ـ
مہد الاسلام : لامنس (۱۱) ۵۵۸
مؤرخین عرب : وسٹنفیلڈ (۱۱) ۳۶۸
مؤطا : امام مالکؒ، م ۱۷۹ھ (۱۱) ۳۷۹، ۳۸۹، ۶۷۵،
۷۰۴، ۷۰۵، ۷۳۹ (۱۲) ۱۷۵، ۲۷۹
میراث اسلام : روڈنسن (۱۱) ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۶، ۵۰۷
میراث اسلام : سرتامس آرنلڈ والفرڈ گیام، اُردو ترجمہ از
عبدالمجید سالک (۱۱) ۴۹۷
میزان الاعتدال ـ ذہبی (۱۱) ۳۷۳ ـ ۳۷۵ ـ ۳۸۲، ۳۸۴،
۳۸۷ ـ ۳۹۳، ۴۰۰،

ن

نساء العرب قبل الاسلام و ما بعد: ڈاکٹر پیرون (۱۱) ۵۱۳

نسب قریش: مصعب زبیری دیکھئے کتاب نسب قریش: مصعب زبیری۔

نصوص علی البردی: نابیہ عبود (۱۱) ۳۸۷

نظام اسلامی مشاہیر اسلام کی نظر میں:۔ خلیل حامدی (مرتب و مترجم) (۱۱) ۴۹۰

نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ: عبدالحی الکتانی، (۱۱) ۱۰۷، ۱۴۷، ۲۲۷، ۲۳۸ (۱۲) ۴۳-۴۶، ۵۲، ۱۰۹، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۳، ۲۷۹، ۳۴۸، ۳۴۹،

نقائض جریر و فرزدق: ابوعبیدہ (۱۱) ۵۶۹، ۵۸۹، ۶۲۰

نقش سیرت: نثار احمد (۱۱) ۵۳۹

النقود الاسلامیہ، مرتبہ محمد السید علی: مقریزی (۱۲) ۲۴۲

النقود العربیۃ: اے۔ کریم کرملی (۱۲) ۲۴۲

نور الیقین فی سیرت سید المرسلین: محمد خضری (۱۲) ۲۷۲، ۴۳۳

نہایۃ الادب: النویری (۱۱) ۵۷۹، ۵۸۵، ۵۸۹، ۵۹۹

نیو ویبسٹرز ڈکشنری آف انگلش لینگوئج (۱۱) ۴۹۴

و

ورثۃ نبوۃ: صمویل زویمر (۱۱) ۵۲۵

(حضرت ولید بن عقبہ اموی ـــ حیات و شخصیت: محمد مظہر الدین صدیقی (۱۲) ۱۴۳، ۱۶۵، ۱۸۸، ۲۶۵

وفاء الوفاء: سمہودی (۱۲) ۱۲۱، ۱۳۳

وفیات الاعیان: ابن خلکان (۱۱) ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۸، ۳۹۳، ۵۱۴، ۶۸۹

ویبسٹرز بائیوگرافیکل ڈکشنری (۱۱) ۴۹۹، ۵۰۳، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۱۱، ۵۱۵، ۵۱۷، ۵۲۰، ۵۲۴، ۵۲۵۔

ہ

(اے) ہسٹری آف انٹلیکچول ڈویلپمنٹ آف یورپ: جان ولیم ڈریپر (۱۱) ۵۴۰

ہسٹری آف سیریا: فلپ کے حتی (۱۲) ۱۵۰

ہسٹری آف دی اسلامک پیوپل (انگریزی ترجمہ): کارل بروکلمن، (۱۲) ۱۰۵

ہسٹری آف دی عربس: فلپ کے حتی (۱۱) ۵۳۶ -

انگریزی کتب

A

An Account of the Rise and Progress of Mohammatanism: Henry Stubbe (11)483,504,551
Ancient Records of Assyria and Babylonia (11) 580
Die Angebliche Sira des Ibn Ishaq M. Hartman (11) 395
Allahe-ilaue Prafeta Parma : Magnami (11) 559
Anacdotes of Hazrat Mohammad: R. W. Karimi (11) 557
Ancient Account of Polmyra and Zenibia with Travels and Adventures in Bashan and the Desert : William Wright (11) 584
Annali dell's Islam : Leone Caetani (11) 444, 557
The Apology of al-kindi : al-Kindi (11) 557
Apology for Mohammad and the Quran : John Davenport (11) 555
An Apology for the Life and Character of the Celebrated Prophet of Arabia Called Mohammad or the Illustrious: Higgins (11) 560
Arab Kingdom and its Fall : Wellhausen (12)350
The Arabian Prophet, a Life of Mohammad from Chinese and Arabic Sources : Lew Che Fi (11) 558
Das Arabische Reich Und Sein Sturx : J. Wellheusen (11) 278, 396
Arabs in History: J. Schacht (11) 526
Archaeological Studies, Published by the Museum of Archaeology of the American University of Beirut (11) 583

B

Die Bedeutung der Beduine in der Geschichte Araber: Warner Caskel (11) 278

The Begger or the Soldier Gautame or Mahomet : Henry Buckle (11) 553
The Bible Dictionary (11) 583
Bibliotheca Historica (11) 580
Das Bilal Muhammeds in Wandel der Zeiten : Hoas Hoas (11) 560
Budha, Muhammad, Jesus O. E. Briem (11) 553

C

The Cambridge Ancient History (11) 583
Classical Islam : G. E. Grunebaum (11) 441, 442
A Comprehensive Arabic English Dictionary : F. Steingass (12) 341
Commentary of Ibn Hisham's Biography of Muhammad (11) 395
Die Commentaren des Ibn Ishaq Und Ibne Scholien : P. Bioenle (11) 395
Comte dp. L. Islam. Impressions et etudes., Henridelse Castries (11) 557
Confutacion del Alovany Secta Muhammetana: Oksegon (11) 551
Contra Lospartalista San Paswal Pedio (11) 554

Conversion and the Poll Tax in Early Islam : Damial C. Dennet (12) 261, 262
The Alcoran of Mahomet : Anare Duryer (11) 555
A Critical Examination of the Life and Teachings of Mohammad : Ameer Ali (11) 487,511

D

The Decline and Fall of the Roman Empire : Edward Gibbon (11) 580, 584
Development of Muslim Theology, Jurisprudence and Constitutional Theory : Duncan B. Macdonald (11) 743, 761
The Dictionary Historical and Critical of Mr. Peter Bayle (Ed) : Pierre Bayle (11)552
A Dictionary of the Bible : William Smith (11) 280
Le Doctorine et les Deviors de La Religion Musulmane : Garcin de Tassy (11) 557

E

The Earliest Biographies of the Prophet and their Authors: J. Horovitz (11) 9, 356
Des Effects de Tareligion de Mohammed : Oelsner (11)551
Encyclopaedia of Religion and Ethics (11) 583
An English Arabic Lexicon : George P. Badger (11) 494
The Era of Mahomet : G. L. Brown (11) 553
Essal sur L. Historire des Arabes; Caussin de Perceval (11) 557
Essays on the Life of Mohammad (11) 486

F

False Divinites : On Moses Christ and Mahomet and Other Religions Deceptives : Moses
Le Fanatisme on Mohammetle Prophete (11) 509
The First State of Mohammentanism , or an Account of the Author and Doctrines of that imposture : Lan Celot Addison (11) 505
The First State of Mahmudifin : Or an Account of the Author and Doctrines of Imposture : Sancelot Addison (11) 440
Founders of Great Religions Being Personal Sketches of the Famous Leaders : Miller Burrows (11) 553
Fra Missionen Blanat Muhammedaners : H. Wellejus (11) 560
Freya Sterk on the Euphrate (11) 584
Fueck, Johann : Muhammad ibn Ishaq (11) 372,376, 388

G

Le Gadenza Religiose de Maometto G. Sacco (11) 556
Geographia Geographike Hyphegesio (11) 580
The Geographic Geography of Starbo (11) 280
Geschte Des Arabischen Schrifttums: Fuad Seizgin (11) 396
Geschichte des Qorans (11) 396
Die Geschichtschiedier der Arber: Terdinand Wuestenfeld (11) 396
Geschichte der arabischen Litteratur, und Supplementbaendei Brockelmann (11) 395
Goudaike Archaeologia and Periton Goidaikon Polemon: Josephus Flavius (11) 583

H

Half Hours With Muhammad: Being a Popular Account of the Prophet of Arabia and of His More Immediate Followers together with a Short Synopsis of the Religion He Founded:

A. N. Wollaston (11)560
Handbuck der Nordsemitischen Epigraphike Nelest Ausgewahlten Inschriften : Mark Libzbarski (11) 583
Hayyey Muhammad : Josef J. Rivin (11) 556
Das Hebsen Muhammads nach der Quellen Popular Largestelt: Noldeke (11) 524
Das Heben Muhammed, snach der Quellen Popular Darquistett: Theodor Noldeke (11) 559
The Hero as Prophet - Mahomet: Thomas Carlyle (11) 545,557
Histoire de la'Organisation Judiciare En Pays D' Islam : ایل تیان (11) 713, 714, 737, 743-744. 755-762
Histoire deca Turquie : Lamartine (11) 541, 542
L Histore Mahometane: Pierre Vattier (11) 560
Historia del Falsay Perverso Profete Mahoma : M. J. Martin (11) 559

The Historical Geography of Arabia : Charles Foster (11) 578, 579
Historia Plantarum (11) 280
The Histonians' History of the World (11) 581
Histore de la Turquire : A. M. Lamartine (11) 558
Historedes Arabes, aved la vie de Mahomet : Boulian Villers (11) 553
Historie de la vie de Mahomet legislative de L Arabic : F. R. Turpin (11) 554
The History of Herodotus (11) 579
History of History Writing in Medieval India : جگدیش نرائن سرکار (12) 332
A History of Islamic Law: Coulson (11) 743, 761
History of Mahomet the Great Imposter : Frederick H. Hillard (11) 560
A History of Medieval Islam : J. J. Saunders (11) 497, 556
The History of Mohammadanism : W. C. Taylor (12) 333
History of Mohametanism and its Sects: W. C. Taylor (11) 554
An History of Muhammedanism: Charles Mills (11) 559
History of religions,Judaism,Christianity, Mohammedanism: G. F. Moore (11) 559
History of the Arabs: P. K. Hitti (11) 441, 442 (12) 333
History of the Islamic Peoples Carl Brockelmann (11) 399, 441, 442, 553
History of the Saracaus: Simon Ockley (11) 507, 551
The Holy Sworel the Story of Islam from Muhan to the present : P. R. S. Payne (11) 554
The 100 : (A Ranking of the Most Influential Persons in History) Michael H. Hart (11) 529, 540

I

Ibn Ishaq's Use of Isnad : J. Robson (11) 9, 356
Islam, Beliefs and Institutions: H. Lammens (11) 440
Islam - Her Moral and Spiritual Value : A. G. Leonard (11) 544, 558
Index Islamicus : J. D. Pearson (11) 484
An Introduction to Islamic Law : Joseph Schacht (11) 743,761
Islam, A Short Study: Archihald Brooks (11) 553

Islam-a Way of Life (11) 441, 442
Islam Mohammad and His Religion

: Arthur Jaffery (11) 554
Islam and Western Orientalists : Abul Hasan Ali Nadvi (11) 492
Islam in History: J. Schacht (11) 526
L' Islam: Mahomet et les Origins de L'Islam: M. Rodinson (11) 556
L. Islam et son Prophet: F. Th. Rink (11) 556
Islam; its History, Character and Relation to Christianity (11) 551
Islam Under the Arabs: R. D. Osbon (11) 551
Islamic Methodology in History: Fazl-ur-Rahman (11) 761

K

The Kings of Kindah : Grunner Olinder (11) 585
Die Kommentare des Soharli in der Sira deo Ibn Hisham (11) 395
The Koran or Al-Coran of Mohammed : George Sale (11) 556

L

The Land of the Messiah, Mohomet and the Pope: John Aiton (11) 551
Leban Muhammad, s des stifters der Muhammadanism religion : J. F. G. Clemens (11) 557
Das Lebas and die Lehredes Mohammad : A. Sprenger (11) 552
Lectures on Arabic Historians: D. S. Margoliouth (11) 396 (12) 332
The Life and Death of Mahomet: W. Raleigh (11) 555
The Life and Death of Mohammad, the Author of the Turkish Religion : L. Addison (11) 505, 551
The Life and Teachings of Muhammad : Annie Besant (11) 552
The Life and Times of Muhammad: John Bagot Glubb (11) 441, 449, 453
Life of Mahomet : Edward Gibbon (11) 558
Life of Mahomet : Sir William Muir (11) 440, 441, 442, 446, 448, 449, 451, 453, 475
Life of Mahomet: Washington Irving (11) 551
The Life of Mahomet, Founder of the Religion of Islam and the Empire of the Saracens: Samuel Green (11) 558
The Life of Mahomet from Original Sources: William Muir (11) 559
Life of Mohammad : A Sprenger (11) 552
The Life of Mohammed: Edward Sell (11) 556
Life of Mohammed: George Bowen (11) 553
The Life of Mohammed: Founder of the Religion of Islam and the Empire of the Saracens: George Bush (11) 553
The Life of Muhammad: محمد حسین ہیکل (11) 443
Des Leban Muhammeds: Buhl (11) 553
The Life and the Religion of Mohamad and the Prophet of Arabia: J. L. Menezes (11) 559
A Literary History of the Arabs: R. A. Nicholson (11) 559

M

Mahoma su vida : Montero (11) 559
Mahomet : Gaudefroy Demomby nes (11) 558
Mahomet : M. Rodinson (11) 556

Vie de Mahomet : R. Lerougue (11) 558
Mehomet, at son Denure : Gold (11) 558
Mahomet, Founder of Islam: G. M. Draycott (11) 555
Mahmomet at les Arabs: Tbeodore Bachelat (11) 552
Vie de Mahomet d apres la tradition Lameiresse (11) 558
Mahomet dauson lemps : Raymond Ducasse (11) 555
Mahomet et ler Origines de L Islamism : Ernest Renan (11) 556
Mahomet in les grand Bommes de orient : A. M. Lamartine (11) 558
Mahomet ne imposter : Magnami (11) 559
Mahomet: La Science chezes Arabs : Alexis Fevrot (11) 557
Mahometanism Unveiled : Charles Forster (11) 557
Mahomometiv ita Rerunque Gestarm Synopsis : Loius Maracci (11) 559
Maishaya Muhammad : Dale Codetrey (11) 555
The Making of Humanity: Robert Briffault (11) 524
Memories of the Life of Mahomet: H. H. Millman (11) 559
Maometton : Burno Ducati (11) 555
Maometto egli Ebrei : Guid Corinalde (11) 557
Maometto eil paradise : Pina Messara (11) 559
Maometto Profeta L' Arabia : Leone Caetani (11) 557
The Messenger: R. V. C. Bodley (11) 441, 543
The Messenger — the life of Mohammed : R. V. C. Bodley (11) 553
Militant Islam . G. H. Jansen (11) 483
Vie de Mohammot J. Gugnier (11) 508
Mohamet Prophete des Arabs : Harri Holma (11) 560
Mohammed : Hoevell (11) 560
Mohammad : R. F. Dibble (11) 555
Mohammed : A. Genery (11) 554
Mohammad (A Benglai Account of the Life of Muhammad) : Rene Vieillard (11) 560
Mohammad, His Biography and the Beginning of the Religion of Islam: Simon Bernfeld (11) 552
Mohammad the Man and His Faith (Tr.) : Tor-And-rae (11) 556
Mohammad a Pegebbi Zsidosag Megitelescben : Dezro Fried (11) 557
Mohammad and Mohammadanism Issac Adamns (11) 551
Mohammad and the Rise of Islam: D. S. Margoliouth (11) 559
Mohammad and Mohammedanism S. W. Koelle (11) 557
Mohammad de prophet sein Ieban and scine lechre : Gustar Weil : (11) 559
Mohammad der prophet : P. Kroppen (11) 557
Mohamad Des Leban Nachden Quellen : Grimm Hubert (11) 558
Mohammad elete estana : Peter Hatala (11) 560
Mohammad Messenger d, Allah : Rene Vieillard (11) 560
Mohammad Prophet and States man : W. Montgomery Watt (11) 549
Mohammad the Man and His Faith : Tor Andre (11) 440
Mohammad und die Seninen : H. Reckender (11) 555
Mohammad und de Seinen : H. C. Beckendarf

E. Sawary (11) 556
Moyammad : Addler
(11) 551
Muhammed : E. Von Trampe
(11) 554
Muhammad, Hans Lefnad beratted
: Carl Kastman (11) 557
Muhammad : Lings Martin
(11) 558
Muhammad, the Prophet — A selected Bibliography :
Mohammad Hamadah (11) 503
Muhammad and His Power : P. Lacy de Johnston (11) 555
Muhammad and Mohammadanism
: R. Bosworth Smith
(11) 521, 542, 543, 552
Muhammad and the Conquests of Islam : Francesco Gabriele
(11) 554
Muhammad at Mecca : W. M. Watt (11) 547, 559
Muhammad at Medina: W. Montgomery Watt (11) 441, 442, 444, 449, 451, 452, 453, 459, 559, 654 - 656
Muhammad Ibn Ishaq : Johann Fueck (11) 395
Muhammad in Selected Works(ed)
: C. S. Hurgronje (11) 560
Muhammad Islam Store profet, Eva Blytt (11) 553
Muhammad Prophet and Statesman : W. M. Watt
(11) 559 (12) 333
Muhammad Skuespiel, the Akter:
C. E. C. Brandes (11) 553
Muhamad the Great Arabian :
Townsend (11) 554
Muhammad und sein werk :
Friechich Wuerz (11) 560
Muhammed's religionaus deen
Koran: H. H. Cludius (11)557
Muhammadanism : G. W. Leitner
(11) 558
Muhammadenism : Gibb
(11) 526
Muhammai Mais Hayake, Pamoje no Haboriza Waslium na Maturuki : A. C. Madan
(11) 558
(11) 552
Mohammad und die welf des Islam
H. S. Rehm (11) 555
Mohammad and Islam . A comparison with Orthodox Christianity
A. S. Bacon (11) 552
Mohammad and the rise of Islam:
D. S. Margoliouth
(11) 440, 445, 451
Mohammad de Profet der Arabieren : Jakob Eigeman
(11) 551
Mohammad of Koramen :
P. Blom (11) 552
Mohammed : Jacob Romro
(11) 556
Mohammed Undder Koran: Rudi Poner (11) 554
Mohammedanism an Historical Survey : H. A. R. Gibb
(11) 558
Mohammad & Islam : Goldziher
(11) 558
Vie de Mohammed : N. Desvergers (11) 555
La vie de Mahomet : C. V. Cheorghur (11) 555
Vie de Mahomet : J. Gagnier
(11) 554
Vie de Mahomet : Boulain
(11) 506, 553
Mohammedis Impos Turae :
W. Bedwell (11) 552
Mohammadein Characrbild : E. P. Georgens (11) 554
Mohammadis Imposturae : Bedwell
(11) 504, 533
Mohammadism : G. W. Leither
(11) 544
Mohammadalis Religious Stifter :
Karl Abrin (11) 551
Moises Jesus, Mahomet: Paul H. Holback : (11) 560
Moise Jesus et Mahomet on les Trios grands : Simon Levy
(11) 558
Mommsan Provinces of the Roman Empire, Rostoutzeff, Caravan Cities (11) 584
Morale de Mahomet : Claude

Muhammadtestics Veritatis Contraseipsum : M. G. Schroeder (11) 556
The Muslim Conduct of State : Muh-Hamid-Ullah (11) 658
Muslim Institutions: Guadefrory Demombyness (11) 544

N

Naturalis Historia (11) 280
Notice Sur Mahomet : J. J. Reinad (11) 556

O

On Understanding Islam : W. C. Smith (11) 483
Organisation of Government under the Prophet : Muhammad Yasin Mazhar Siddiqui (11) 464-465, 470(12)334
Orientalism : Edward W. Said (11) 484, 492, 500, 522-523
An Outline of Islam: C. E. Norlth (11) 559

P

Petra, its History and Monuments: B. W. Kennedy (11) 582,583
Pilgrimage to Mecca and Medina: Burton (11) 554
Portraits of Persian Poets : Arberry (11) 482
The Preaching of Islam: Sir Thomas Arnold (11) 523,551
The Principles of State and Government in Islam : Muhammad Asad (11) 704
Le Problems de Mahomet Regis Blachore (11) 521, 552
Prophet Muhammad and His Mission : الحرشین (11) 442

Q

Quosuccessu Davidros Hymanas Unitatussit Muhammed : Swan (11) 556

R

Reflections on Mohammedenism and the conduct of Mohammed: A. Reeland (11) 555
Refutatco Mohammadis : Nicctas (11) 499
Religio Turcica, Mahometisvita : J. U. Wallich (11) 560
Risalah - Ed. Tien; al-kindi (11) 557
De Religione Mohammedica Libra due : H. Reland (11) 556

S

Sances of the Quien : Tinsdall (11) 554
The Saracens : Arthun Gilman (11) 546, 558
A Short History of the Saracens : Ameer Ali (11) 442
Skizzen : Wellahausen (11) 655, 656
The Speeches and Table Talk of the Prophet Muhammad: Stainley Lane Pool (11) 546
The Social Structure of Islam : Ruben Levy (11) 463
Spanish Islam : R. P. A. Dozy (11) 555
The Speeches and Table Talk of the Prophet Mohammad: Stainley Lane Pool (11) 558
Spiritual Heroes, a Study of Some of the World's Prophets : D. S. Muzzay (11) 559
The Story of Mohammad : Edith Holland (11) 560
The Story of the Nabataeans : N. Glueck (11) 583
Studies in Biography : H. J. Trotter (11) 554
Studies in Relationship Between Islam and Christianity : Loofty Levonian (11) 482
A Study of History : A. J. Toynbee (11) 554

T

The Three Great Prophets of the World: Ronald G. Headley

(11) 560

Talks on Mohammed and His Followers : Theodore Barton (11) 552

A Test Book of North-Semitic Inscriptions Mobite, Hebrew, Phoexician Armaic, Nahat aean , Palmyrene, Jewish: G. A. Cooke (11) 583

U

Uber die Bluctrache beiden Vores-lamisschen Arabern und Mahomeds : Otto Prucksch (11) 554

The Universal Jewish Encyclopaedia (11) 583

V

Veber Muhammed : Brequigny (11) 553

La Vie de Mahomet : Le Counte de Boulain - Villiers (11) 544

La vita di Maometto : Manfredi (11) 559

Vita di Maometto : C. A. Nathene (11) 559

Vita di Maometto : Ram Polde (11) 555

Vizist Muhammad Kuranjanak Ethik Alabiz : S. Ostern (11) 551

Voice le vray Mohammed et Faux Goran : Henna Zakarias (11) 556

W

War and Peace in the Law of Islam : Majid Khadduri (11) 743, 761

Way of the Prophet : An Introduction to Islam : S. A. Brown (11) 553

Webster's Biographical Dictionary (11) 485

Western Views of Islam in the Middle Ages : R. W. Southern (11) 500

The Works of Flavius Gosephus .... : A. R. Shillato (11) 583

صلی اللہ علیہ وسلم

رسول نمبر

نقوش

۱۳

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۱۲ ٹیلی فون نمبر ۵۲۵۲۵

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

رسولؐ نمبر

جلد سیزدہم

شمارہ نمبر ۱۳۰
جنوری ۱۹۸۵ء

مُدیر:
محمد طفیل

اِدارۂ فروغِ اُردو ، لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن : ۱۵۰ روپے

فہرست

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فصلِ اوّل — خلافت کا سوال

حادثۂ فاجعہ ۹

خلافت ۱۰

انصار اور خلافت ۱۴

اصحابِ ثلاثہ ۱۷

اسلام کا پہلا خلیفہ ۲۲

فصل دوم — فتنۂ ارتداد

جزیرۂ عرب میں بغاوت ۲۴

حضرت صدیقؓ کا عزمِ صمیم ۲۸

اسلام کی شمشیرِ برّاں ۳۴

جزیرۂ عرب کے اطراف و جوانب میں مرتدین کا استیصال ۴۱

ارتداد کا پس منظر ۴۸

فصل سوم — اسلام کی یلغار

اسلامی فتوحات کے اسباب ۵۳

عراق میں فتوحات ۵۸

عراق پر اسلام کا تسلط ۶۷

فصل چہارم — شام اور فلسطین میں فتوحاتِ اسلامیہ

شام اور فلسطین میں فتوحات ۷۶

فیصلہ کن معرکہ ۸۴

فصل پنجم — اسلامی سلطنت کا داخلی نظام

سلطنت کا داخلی نظام ۹۰

مسئلۂ خلافت ۹۳

ولاۃ ثلاثہ ۹۷

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمرؓ بن الخطاب ۱۰۱

ایران میں خلفشار اور عراق پر حملوں کی ابتدا ۱۰۶

عراق پر عام لشکر کشی ۱۱۲

قادسیہ ۱۱۸

جنگِ قادسیہ کے تین دن ۱۲۵

ایرانی شہنشاہی موت کے دروازہ پر ۱۳۰

سلطنتِ ایران کا خاتمہ ۱۳۹

فتوحات پر ایک نظر ۱۴۵

شام اور فلسطین پر عربوں کی یلغار ۱۴۸

دمشق کا محاصرہ ۱۵۲

شام اور فلسطین میں پیش قدمی ۱۵۷

فلسطین میں فتوحات ۱۶۲

مصر کی جانب پیش قدمی ۱۶۶

صلح کی بات چیت ۱۷۱

فتح اسکندریہ ۱۷۵

خلافت ... مدینہ ۱۸۰
مصر میں اسلامی فتوحات پر ایک اجمالی نظر ۱۸۲
امیرالمؤمنین اور آپ کے عمّال ۱۹۵
حضرت عمرؓ کے عہد کا عدالتی نظام ۱۹۳
حضرت عمرؓ کا مالی اور ملکی نظام ۱۹۹
امیرالمومنینؓ کے اخلاق و عادات ۲۰۹
واقعۂ شہادت ۲۱۵
اسلامی جمہوریت ۲۲۲

حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیش لفظ ۲۲۹
مقدمۂ مؤلف ۲۴۴
مجلسِ مشاورت ۲۴۸
انتخاب ۲۵۲
انتخاب کا پس منظر ۲۵۸
عہدِ فاروقی ۲۶۰
حضرت عثمانؓ بن عفّان ۲۶۴
آرمینیا میں فتوحاتِ اسلامیہ ۲۷۰
ایران میں فتوحات ۲۷۲
رومی سلطنت میں فتوحات ۲۷۴
اسلام افریقہ میں ۲۷۶
مقابلہ ۲۸۱
جمعِ قرآن کریم ۲۸۴
فتنہ ۲۸۷
مستشرقین اور فتنہ ۲۹۱
قریش میں اختلافات ۲۹۵
عراق اور شام ۳۱۳
حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ۴۱۷
کوفہ میں فتنہ ۳۰۲
بصرہ میں فساد ۳۰۷
مصر میں بے چینی ۳۰۸
شام میں اشتراکیت ۳۱۰
والیوں کا اجتماع ۳۱۴
شورش کا آغاز ۳۱۸
مدینہ کا محاصرہ ۳۲۶
تشویشناک صورتِ حال ۳۳۵
مدینہ ایامِ محاصرہ میں ۳۳۹
حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ ۳۴۵
کیا حضرت عثمانؓ غلطی پر تھے؟ ۳۵۴
حادثۂ فاجعہ ۳۶۱
جائے عبرت ۳۶۷

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بیعتِ خلافت ۳۷۳
علیؓ بن ابی طالب ۳۷۴
قاتل کون ہے؟ ۳۷۷
مملکت میں اختلافات ۳۷۹
اضطراب ۳۸۳
بصرہ کی جانب کوچ ۳۸۷
اہل بصرہ میں اختلافات ۳۹۲
بصرہ کی فتح ۳۹۵
صلح کی کوششیں ۳۹۹
معرکۂ جمل ۴۰۵
حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا تقابل ۴۰۹
حضرت علیؓ کی خلافت کے آخری ایام ۴۷۶
امیرالمومنینؓ کی شہادت ۴۸۰

حضرت عمرو بن العاص ۴۲۴
پانی پر جنگ ۴۲۶
قاصدینِ صلح ۴۲۹
معرکۂ صفین ۴۳۵
صفین کے اسرار ۴۴۰
عہد نامۂ تحکیم کی تکمیل ۴۴۴
فتنۂ خوارج ۴۴۸
اذرح کی مجلسِ مشاورت ۴۵۳
یوم نہروان ۴۶۰
مصر کی نازک حالت ۴۶۶
سرزمینِ مصر پر معاویہؓ کا قبضہ ۴۷۲

حضرت علیؓ کی پریشانی کے اسباب ۴۸۵
خلافتِ راشدہ کے عہد میں سلطنت کا نظم ونسق ۴۹۰
حضرت علیؓ کی ادبی شخصیت ۴۹۸
حضرت علیؓ کے خطبات ۵۰۱
حکیمانہ اقوال ۵۰۴
امیر المومنینؓ کی رائیں اور مزاج ۵۰۸
خطوط اور وصایا ۵۱۲
عربی ماخذ ۵۱۹
فرانسیسی ماخذ ۵۲۰
انگریزی ماخذ ۵۲۱

خلفاءِ محمدؐ (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں عدلیہ اور انتظامیہ

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں نظامِ عدالت

(۱) دستور ۵۲۴
(۲) نفاذِ دستور ۵۲۵
(۳) دستور میں ترمیم کا ایک مسئلہ ۵۲۶
(۴) اعلیٰ عدالت کے فیصلہ پر ادنیٰ عدالت کی نظرثانی کا مسئلہ ۵۲۸
(۵) رسول اللہ کی وراثت کا مقدمہ ۵۳۰
(۶) مدینہ کی عدالت عالیہ کا چیف جسٹس ۵۳۱
(۷) ملزم کی طلبی ۵۳۲
(۸) فیصلہ کا اعلان ۵۳۳
(۹) گواہ ۵۳۴
(۱۰) ایک مسلمان کے قتل کا مقدمہ ۵۳۵
(۱۱) فیصلہ ۵۳۵
(۱۲) یمن کے ایک جج کے فیصلے کے خلاف اپیل ۵۳۶
(۱۳) حضرت ابوبکرؓ کے تحت عدالتی نظام ۵۳۷
(۱۴) حضرت عمرؓ بطور سربراہِ عدلیہ ۵۳۸
(۱۵) حضرت ابوبکرؓ کے تحت صوبائی عدالتیں ۵۴۰
(۱۶) قانون کی حکمرانی ۵۴۱

حضرت عمرؓ کا نظامِ عدالت

(۱) دستور ۵۴۴
(۲) قانون سازی ۵۴۵
(۳) تعلیمِ قانون ۵۴۷
(۴) نظامِ عدالت ۵۴۹
(۵) حضرت عمرؓ بطور جج ۵۵۰
(۶) ملزم پر فردِ جرم اور اس کی عدالت میں گواہی ۵۵۱
(۷) شکایت کنندہ اور گواہوں کے بیانات ۵۵۲
(۸) جرح ۵۵۲
(۹) فیصلہ کا اعلان ۵۵۲
(۱۰) حضرت عمرؓ کے عہد میں عدالتی طریقِ کار ۵۵۴
(۱۱) محدثین اور مورخین کی روایتوں کے تضادات ۵۶۱
(۱۲) ایک سے زیادہ آدمیوں سے سرزد قتل ۵۶۸

مقدمہ کا فیصلہ جس میں وارثوں نے قاتل کو معاف کر دیا ۵۶۸
(۱۴) اسلام میں وکالت ۵۶۸
(۱۵) گواہوں اور قسم کی عدم موجودگی میں فیصلہ ۵۶۸
(۱۶) شکایات اور ان کی تفتیش ۵۶۹
(۱۷) تمام قومی امور پر انصاف کی برتری ۵۷۱
(۱۸) فیصلہ ۵۷۲
(۱۹) حج کے دوران مکہ میں سالانہ عدالت عامہ ۵۷۲
(۲۰) قانون کے سامنے شاہ و گدا کی برابری ۵۷۴
(۲۱) حضرت عمرؓ کے نظامِ عدل میں غیر مسلموں کا مقام ۵۷۴
(۲۲) بلا خوف انصاف ۵۷۹
(۲۳) بلا ڈور رعایت انصاف ۵۸۸
(۲۴) حوالہ جات و تشریحات ۵۹۰

حضرت عمرؓ کا نظامِ عدالت

(۱) زیدؓ بن ثابت ، عدلیہ کے انچارج ۵۹۵
(۲) حضرت عمرؓ اور اُبیؓ زیدؓ کی عدالت میں ۵۹۵
(۳) صوبائی نظامِ عدالت ۵۹۶
(۴) گورنروں اور ججوں کو ہدایات ۵۹۷
(۵) عمرؓ کے مرتبہ عدالتی اصول ۵۹۸
(۶) ابوموسیٰ الاشعریؓ ۶۰۰
(۷) ابوموسیٰؓ بطور قاضی یمن میں ۶۰۰
(۸) ابوموسیٰؓ بطور عامل عراق ۶۰۳
(۹) حضرت عمرؓ کا خط بنام ابوموسیٰ الاشعریؓ ۶۰۵
(۱۰) الجاحظ کے متن کا ترجمہ ۶۱۱
(۱۱) داخلی شہادت ۶۱۶
(۱۲) تشریحات و حوالہ جات ۶۲۱

رسولؐ نمبر کے بارے میں اہلِ علم کی رائے

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق ، ۶۲۸
چیف جسٹس شیخ آفتاب حسین ، ۶۳۱
مولانا سعید احمد اکبر آبادی ، ۶۳۱
میاں طفیل محمد ، ۶۳۲
مولانا نعیم صدیقی ، ۶۳۲
مولانا سید محمد متین ہاشمی ، ۶۳۳
مولانا محمد مالک کاندھلوی ، ۶۳۳
مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل ، ۶۳۴
سید صباح الدین عبدالرحمٰن ، ۶۳۵
سید ابوالحسن علی ندوی ، ۶۳۵
ڈاکٹر محمد حمید اللہ ، ۶۳۶
سید اسعد گیلانی ، ۶۳۶
محمد صلاح الدین ، ۶۳۷
چیف جسٹس قدیر الدین احمد ، ۶۳۷
مولانا عبدالقدوس ہاشمی ، ۶۳۸
ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ، ۶۳۹
ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان ، ۶۳۹
مالک رام ، ۶۴۰
ڈاکٹر غلام جیلانی برق ، ۶۴۰
ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ، ۶۴۰
ڈاکٹر مسعود الرحمٰن ندوی ، ۶۴۱
ڈاکٹر جمیل جالبی ، ۶۴۱
مشفق خواجہ ، ۶۴۲
سید ضمیر جعفری ، ۶۴۲
خالد محمود عارف ، ۶۴۳
جیلانی بانو ، ۶۴۳
ممتاز مفتی ، ۶۴۳
ڈاکٹر حنیف نقوی ، ۶۴۴

...ین مظہر صدیقی ، ۶۴۴ — محمد اکبر الدین صدیقی ، ۶۴۴ — ابو سلمان شاہجہان پوری ، ۶۴۵
مصور سبزواری ، ۶۴۵ — کرنل محمد خان ، ۶۴۶ — پروفیسر ظہیر احمد صدیقی ، ۶۴۷
پروفیسر عبد القوی دسنوی ، ۶۴۸ — ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری ، ۶۵۱ — رضوان اللہ آروی ، ۶۵۲
پروفیسر عبد الرحمٰن عبد ، ۶۵۳ — پروفیسر فیض اللہ منصور ، ۶۵۳ — التماس ، ۶۳۰

اخبارات

روزنامہ نوائے وقت لاہور ، ۶۵۹ — روزنامہ جنگ لاہور ، ۶۷۳ — روزنامہ مشرق لاہور ، ۶۵۵
روزنامہ امروز لاہور ، ۷۰۶ — ہفت روزہ چٹان لاہور ، ۶۹۶ — روزنامہ جسارت کراچی ، ۶۷۳
روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور ، ۷۱۲ — روزنامہ ڈان کراچی ، ۷۱۶ — ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ ، ۷۰۹
ہفت روزہ ہماری زبان دلّی ، ۷۱۰

مندرجہ بالا اخبارات کے مذاکروں میں حصہ لینے والے :۔

سلمان بٹ ، ۶۵۵ — مولانا کوثر نیازی ، ۶۵۸ — بیدار سرمدی ، ۶۵۹
مولانا محمد مالک کاندھلوی ، ۶۵۹ — ڈاکٹر محمد یوسف گورایا ، ۶۶۰ — مولانا نعیم صدیقی ، ۶۶۲
ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ، ۶۶۵ — پروفیسر محمد منوّر ، ۶۶۷ — حافظ سلیم تابانی ، ۶۶۸
اسد اللہ غالب ، ۶۶۹ — ضیاء شاہد ، ۶۷۳ — حسن رضوی ، ۶۷۳
سید اسعد گیلانی ، ۶۷۳ — حفیظ تائب ، ۶۷۵ — ڈاکٹر سلیم اختر ، ۶۷۴
ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ، ۶۷۶ — ارشاد احمد عارف ، ۶۸۳ — رؤف ظفر ، ۶۸۷
ارشد میر ، ۶۸۷ — میرزا ادیب ، ۶۸۸ — خورشید احمد گیلانی ، ۶۸۹
محمد سعید کرمانی ، ۶۹۱ — مولانا سید محمد متین ہاشمی ، ۶۹۳ — مولانا سعید احمد اکبر آبادی ، ۶۹۴
ڈاکٹر محمد افضل وزیر تعلیم ، ۶۹۴ — ڈاکٹر انور سدید ، ۶۹۶ — اسلم کمال ، ۷۰۶
حکیم عبد القوی ، ۷۰۹ — ڈاکٹر خلیق انجم ، ۷۱۰ — محمد طفیل ، ۶۶۹
نقوش کا اشاعتی خاکہ ، ۷۲۲
بابائے اردو مولوی عبد الحق ، ۷۲۱ — ڈاکٹر رام بابو سکسینہ ، ۷۲۱ — ڈاکٹر عبد السلام خورشید ، ۷۲۶

محمد طفیل پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر ادارہ فروغ اردو لاہور سے شائع کیا۔

طلوع

میں موت سے ڈرتا تھا۔

مَیں اپنے علمی، تاریخی اور ادبی کاموں سے مطمئن تھا۔ جنہیں میں نے ۴۳ برس تک عبادت سمجھ کر ادا کیا تھا۔ ۴۳ برس کے مہینوں کا حساب کر لیجئے۔ ہفتوں کا حساب کر لیجئے۔ دنوں کا حساب کر لیجئے۔ منٹوں کا حساب کر لیجئے۔ وہ سارے منٹ، وہ سارے دن، وُہ سارے ہفتے، وہ سارے مہینے، وُہ سارے سال، میرے اسی عشق میں گزرے۔ مگر دل پوری طرح مطمئن نہ تھا، جیسے کوئی کمی ہو۔ ایک دھڑکا سا موجود تھا!

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّينَ ۝ قٰلَ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (سورہ مومنون)

[(گنہگاروں سے) ارشاد ہوگا (کہ اچھا یہ بتلاؤ) تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہو گے ۝ وہ جواب دیں گے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے (اور سچ ہے کہ ہم کو یاد نہیں) سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے (یعنی فرشتوں سے) ۝ ارشاد ہوگا کہ تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے لیکن کیا خوب ہوتا کہ تم یہ بات دنیا میں سمجھتے ہوتے ۝]

بے شک اوّل دن، میرے سامنے قرآن کی یہ آیت نہ تھی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا مگر یہ احساس ضرور تھا کہ یہ جو زندگی ہے، جو اللہ کی دی ہوئی ہے، یہ بے مقصد نہیں ہو سکتی۔ اس کا کوئی مفہوم ہے!

وہ مفہوم کیا ہے؟ وہ مقصد کیا ہے؟

اُسے پانے کے لیے میں ۴۳ برس سے سفر میں ہُوں۔ جب تک حالتِ سفر میں رہوں گا، مجھے موت بھی ڈرا نہ سکے گی۔

میرے نزدیک صرف سجدہ ریزی کو عبادت نہیں گنا جائے گا۔ وہ ایک فرض ہے جو ادا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک عبادت اُسے گردانا جائے گا جس سے خلقِ خدا کو فیض پہنچا ہو، جو فرض کی طرح دُوسرا فرض ہو!

بے شک میری عمرِ مستعار کے منٹوں، گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں کا حساب کر لیجئے۔ میں حالتِ سجدہ مسلسل میں ہُوں!

محمد طفیل

اس شمارے میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرِ فاروقؓ، حضرت عثمانِ غنیؓ پر چار کتابیں عربی زبان میں چھپیں، جنھیں ابوالنصر نے لکھا اور بے پناہ شہرت پائی۔ انھیں ادارۂ نقوش نے رُبع صدی پہلے کتابی صورت میں بھی پیش کیا تھا۔ یہ حوالے کی کتاب ہے جس کی بے حد ضرورت تھی، اسے اب یہاں بھی ایک عرصے کے بعد دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ علمی تشنگی دُور ہو۔

محمد احمد نے مصنف کے خیالات کو اردو میں منتقل کر دیا۔ نظرِ ثانی ہم نے حبیب اشعر دہلوی سے کرائی جو عربی زبان کے عالم تھے۔ ایسا ہم نے اس لیے کیا تاکہ اطمینان ہو کہ نقل مطابقِ اصل ہے۔ ابھی حال ہی میں ہم نے اس کتاب پر دوبارہ نظرِ ثانی مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب (ڈائریکٹر ریسرچ سیل دیال سنگھ کالج ٹرسٹ لائبریری) سے بھی کرائی تاکہ مزید اطمینان حاصل ہو۔

جو پیغام ہمارے خدا کا ہے، ہمارے نبیِ آخر الزماںؐ کا ہے۔ اُسے عملی طور پر پیش کرنے کے لیے حضورؐ کے بعد خلفاء ہی کا نام آتا ہے۔ ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ چاروں اپنی اپنی حیثیت میں یکتائی کا درجہ رکھتے ہیں۔ چاروں ملّت کی بقا کے لیے ناگزیر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عہد میں اسلام دُور دُور تک پھیلا۔ چاروں قرآن کے پیرکار تھے، چاروں ارشاداتِ نبویؐ پر جان دینے والے تھے۔

میرے نزدیک سیرت پر کام، بارھویں جلد تک مکمل ہو گیا ہے۔ میرا منصوبہ تکمیل پذیر ہوا، ورنہ موضوع کی تو اتھاہ ہی نہیں۔ ساری دنیا لکھے، ساری دُنیا کے چھاپے خانے چھاپیں تو بھی حق ادا نہ ہو۔

اس تیرھویں جلد کو جی چاہے تو سیرت کے باب میں شامل کر لیں چاہے نہ کریں، آپ کی مرضی! مگر اتنا کہوں گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ احکاماتِ الٰہیہ کو نافذ کرنے کے مواقع، زیادہ تر خلفاءؓ کے حصے میں آئے، کیونکہ قدرتِ کاملہ نے انھیں زیادہ عرصہ مرحمت فرمایا۔

اگر سیرۃ کے باب میں ایسا کرنا مناسب نہ ہوتا تو علّامہ شبلی نعمانی یا سید سلیمان ندوی سیرۃ النبیؐ کی پہلی دو جلدوں کے بعد باقی پانچ جلدیں پیش نہ کرتے کیونکہ باقی جلدیں شعائرِ اسلام کے ابواب سے متعلق ہیں! بہر حال جو کچھ ہم پیش کر رہے ہیں یہ اتباعِ رسولؐ کا حصہ ہے!
علیہ ہے !

ایک مضمون جو خلفاؓ پر ہے، ابوالنصر کا عربی سے ترجمہ ہے۔ دوسرا مضمون ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ کا انگریزی سے ترجمہ ہے۔ یہ دونوں مضامین آج کے ماحول میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کو تو سپریم کورٹ کے سابق پانچ چیف جسٹسوں نے اتنا سراہا کہ مصنف کو بھی اطمینان نصیب ہُوا ہوگا، اس لیے کہ ہم سب امتحان دیتے ہیں کوئی دعوٰی نہیں کر سکتے۔

قدرت نے مہلت دی تو ان تمام نمبروں کی از سرِ نو ترتیب پر غور ہوگا۔ پھر اہل الرائے حضرات کے مشوروں سے ضروری ترامیم و اضافہ بھی کیا جائے گا۔ یہ ابتدائی کام ہے جس پر مسلسل غور و فکر ہوتا رہے گا، نوک پلک درست ہوتی رہے گی اور یہ سلسلہ زندگی بھر رہے گا ان شاءَ اللہ العزیز!

اہلِ قلم نے میرے ساتھ جتنا تعاون کیا وہ ایک مثال ہے۔ پھر مثال بھی ایسے نامور لکھنے والوں کی طرف سے، جو یہ کہہ سکتے ہیں، ؎

اپنے ہاتھوں میں لیے شمعِ یقیں آئیں گے
اب پیمبر نہیں آئیں گے ہمیں آئیں گے

دنیا نے ابوبکر صدیقؓ، عمرِ فاروقؓ، عثمانِ غنیؓ، علی المرتضیٰؓ جیسے انسان پیدا نہیں کیے، رسول اللہؐ کی کرامات ہی اور ہے!

محمد نقوش

خلفائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلف

عمر ابو النصر

اللہ نے توفیق دی تو ادارۂ نقوش
اسی اہتمام سے قرآن نمبر بھی پیش کرے گا
—— محمد طفیل

تقریظ[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امّا بعد عمرابوالنصر کی کتاب "خلفائے محمدؐ" کا اُردو ترجمہ جو جناب محمد احمد کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے (جس پر نظر ثانی حبیب اشعر دہلوی نے کی تھی) میں نے دیکھا ہے، بالخصوص اس کے وُہ حصّے جن کا تعلق مشاجرات خلفاءؓ وصحابہؓ سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی مؤرّخ کے لیے اسلامی تاریخ کے یہ حصّے پُل صراط کی حیثیت رکھتے ہیں تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک۔ مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے میں ایک مرتبہ کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے سوال کیا تو انھوں نے جو جواب دیا تھا میں سمجھتا ہُوں کہ وُہ جواب پُوری اُمّتِ مسلمہ کے لیے ان معاملات میں دستورالعمل کی حیثیت رکھتا ہے آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہماری تلواروں کو ان کے مقدس خُون سے محفوظ رکھا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی زبانوں کو ان کی بدگوئی میں ملوث کریں وہ تمام حضرات اپنی خُوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہیں اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

غالباً اسی بنا پر اہلسنّت والجماعت کا یہ متفق علیہ عقیدہ ہے کہ:

الصحابة کلھم عدول" (صحابہؓ تمام کے تمام عادل ہیں)

گو کہ ان کے درمیان اختلافات بھی ہوئے اور بعض اوقات دشمنانِ اسلام اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کی بدولت ان کے درمیان خوفناک جنگیں بھی ہوئیں، جن میں ہزاروں کلمہ گو مسلمان شہید ہُوئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا یہ اندوہناک ترین باب ہے۔ تاہم یہ ہمارا منصب نہیں کہ ہم کسی کو موردِ الزام قرار دیں یا مطعون و بدنام کریں خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن سے غلطیاں سرزد ہوئیں وہ اجتہادی غلطیاں تھیں جن پر ملامت روا نہیں۔ دُوسری اہم بات یہ ہے کہ جو شخص بھی بنظرِ غائر اس دور کے حالات کا جائزہ لے گا اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے یہ اکابر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک نہایت سوچی سمجھی سازش کے شکار ہُوئے اور انھوں نے بالارادہ جنگ نہیں کی بلکہ منافقین نے سازش کر کے ان پر جنگ مسلّط کر دی۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جُونہی سازشی عناصر بے نقاب ہُوئے حضرات صحابہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور ان کا وہ ملّی جذبہ

[1] جہاں ضرورت سمجھی ہاشمی صاحب نے حواشی بھی لکھے ہیں۔ (ادارہ)

پیدا کر دیا جیسے نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے فیضانِ صحبت سے ان کے قلوب و اذہان میں راسخ فرمایا تھا۔ ذیل میں علّامہ ابنِ کثیر کی ایک روایت نقل کی جا رہی ہے جس سے امید ہے کہ کافی حد تک مشاجراتِ صحابہؓ کی حقیقت واضح ہو جائے گی (ان شآء اللہ العزیز)۔ البدایہ والنہایہ میں علّامہ فرماتے ہیں :

"جب روم کے بادشاہ نے یہ دیکھا کہ حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہیں تو وہ اس نیّت سے کہ اسلامی ممالک کے بعض حصّوں پر قبضہ کر لے ایک لشکرِ جرّار لے کر آگے بڑھا اور ممالک محروسہ کے قریب پہنچ گیا اس وقت جناب معاویہؓ نے اسے لکھا :

"ملعون! خدا کی قسم! اگر تُو باز نہیں آئے گا اور اپنے ملک کی طرف نہیں لَوٹے گا تو میں
اپنے ابنِ عم (علیؓ) سے صُلح کر لُوں گا اور ہم دونوں مل کر تجھے تیرے ملک سے بھی نکال
باہر کر دیں گے اور تیرے اُوپر زمین تنگ کر دیں گے۔"

شہنشاہِ روم اس خط کو پڑھ کر خوف زدہ ہو گیا اور اپنے مکروہ ارادوں سے باز آ گیا اور اس نے حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کرنے کی درخواست کی۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۹)

خدا کا شکر ہے کہ زیرِ نظر کتاب کے مصنّف عمر ابو النصر کی نگاہ اس حقیقت تک رسائی رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (سوائے چند مبتذل اور موضوع روایات کو نقل کرنے کے) مصنّف کا قلم نہایت محتاط ہے۔ مترجم اس سلسلے میں قابلِ مبارکباد ہے کہ اس نے جس روایت یا رائے کو صحیح مسلک سے ہٹا ہُوا پایا ہے حاشیہ میں اس کی وضاحت کر دی ہے، تا کہ قاری کسی الجھن کا شکار نہ ہو۔ عرصہ ہوا ادارہ نقوش نے اس ترجمہ کو کتابی صورت میں شائع کیا تھا لیکن عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اسے "رسولؐ نمبر" کا حصہ بنا کر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس طرح "خلفائے محمدؐ" کا یہ آبجو "سیرتِ رسولؐ" کے بحرِ ناپیدا کنار کا جُز بن کر کُل میں فنا ہُوا اور ساحلِ مراد کو پہنچ گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک ؎

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

سیّد محمد متین ہاشمی
ڈائریکٹر ریسرچ سیل
دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

ان کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جبکہ ان کو کافروں نے وطن سے نکال دیا تھا جبکہ دو میں سے ایک وہ تھے۔ دونوں (یعنی حضورؐ اور ابوبکرؓ) غار میں (موجود) تھے

(التوبۃ : ۴۰)



حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

فصل اوّل ـــــــ خلافت کا سوال

(۱)

حادثۂ فاجعہ

ابنِ اثیر نے اسد الغابہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے مؤذن حضرت بلالؓ بن رباح کے متعلق لکھا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی فتح سے فراغت پائی تو حضرت بلالؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :

"مجھے شام میں رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔"

حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور حضرت بلالؓ مستقل طور پر شام میں اقامت پذیر ہو گئے۔ مدت کے بعد ایک روز بلالؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ فرما رہے ہیں :

"بلالؓ! یہ کیا ماجرا ہے ؟"

بلالؓ کی آنکھ کھل گئی۔ اب انھیں ایک لمحہ قرار نہ تھا۔ اسی بے چینی کے عالم میں وہ مدینہ روانہ ہو گئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ جب حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ تشریف لائے ہیں تو وہ دونوں آپ کے پاس آئے۔ بلالؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کو دیکھ کر سینے سے لگا لیا اور انھیں پیار کرنے لگے۔ حسینؓ نے آپ سے کہا :

"ہماری خواہش ہے کہ صبح کی اذان آپ دیں۔"

بلالؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشوں کا دل کیسے توڑ ا کر سکتے تھے۔ صبح کی نماز کے وقت مسجد کی چھت پر چڑھے اور اذان دینی شروع کی۔ جس وقت انھوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا اس سرے سے اس سرے تک سارا مدینہ تھرّا اٹھا۔ جب اشھدُ اَن لا الٰہ الا اللہ پر پہنچے تو اہلِ مدینہ کے دل اور بھی بے چین ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب بلالؓ کی زبان سے اشھدُ انّ محمداً رّسُول اللہ نکلا تو مدینہ کا کوئی متنفس نہ تھا جو زار و قطار روتا ہوا گھر سے باہر نہ آگیا ہو، اور کوئی آنکھ نہ تھی جو اپنے محبوب رسولؐ کی جُدائی کے غم میں ساون بھادوں کی طرح نہ برس رہی ہو۔ اس دن مدینہ ایک ماتم کدہ بنا ہوا تھا جہاں ہر طرف آہیں تھیں اور سسکیاں !

اس روایت کو نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد

جب مدینہ والوں کی یہ کیفیت تھی کہ حضرتِ بلالؓ کی اذان سن کر وہ اپنے پیارے آقا کی یاد میں تڑپ اُٹھے، تو اس وقت ان کے حزن وملال کا کیا عالم ہوگا جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم شاہدِ لم یزل سے ہم کنار ہوئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس روز اہلِ مدینہ پر بجلی گر پڑی تھی ان کے دل خون ہو رہے تھے اور شدتِ غم سے ان پر بیہوشی کا عالم طاری تھا۔ مدینہ والوں کی یہ حالت اس لیے تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خدا کے رسول تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے باپ، مومنوں کے رفیق، غریبوں اور کمزوروں کے خادم، اُمت کے معلّم، فقیروں کے ملجا، ضعیفوں کے ماویٰ اور مصیبت زدوں کے مونس وغم خوار تھے۔ آپ عربوں کے لیے حرّیت و آزادی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ان پر موت وارد ہو چکی تھی۔ آپؐ نے انھیں حیاتِ تازہ بخشی۔ وہ قعرِ مذلت میں پڑے ہوئے تھے، آپؐ نے انھیں بامِ عرش پر پہنچا دیا۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں میں زندگی کی جو روح پھونکی تھی، اس نے ان کے دلوں میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا اور یہ اسی انقلاب کا اثر تھا کہ جب وہ عرب کی سرزمین سے نکلے اور ایسے ملکوں میں پہنچے جو فتنہ و فساد اور افتراق و انشقاق کی آماجگاہ تھے۔ جہاں ہر طرف جہالت کا بازار گرم تھا تو انھوں نے اس تعلیم کے اثر سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ملی تھی، وہاں کے باشندوں کی کایا پلٹ دی اور اسلامی اخلاق و آداب، عدل و انصاف اور اخوتِ انسانی کے ایسے شاندار نمونے پیش کیے جن کی نظیر ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔ بالفاظِ دیگر انھوں نے ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کی بنیاد رکھی۔ وہ جو بھیڑوں کے ریوڑ چرایا کرتے تھے، کاروانِ انسانیت کے سالار بن گئے۔

اسلام کا یہ عروج معجزہ سے کم نہ تھا۔ مستشرقینِ یورپ نے ہزار کوشش کی کہ کسی طرح اس کے حقیقی اسباب معلوم کرلیں۔ لیکن آخر الامر انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ عربوں کی یہ ترقی انسانی قوتوں کی حد سے ماورا ہے اور یہ کسی ایک جماعت کے بس کی بات نہیں کہ وہ محض اپنے زورِ بازو سے ایسا انقلاب برپا کردے۔

(۲)

خلافت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بعد کسی شخص کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا اور نہ اس امر کے متعلق کوئی ہدایت دی تھی کہ خلیفہ منتخب کرتے وقت کن کن باتوں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اس لیے آپؐ کی وفات کے بعد جب خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو مختلف طبقوں میں کش مکش پیدا ہوگئی۔ ہر گروہ چاہتا تھا کہ خلیفہ اسی میں سے ہو۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے معاً بعد صحابہ کرام کو ایسے خلیفہ کی ضرورت کا احساس ہوگیا تھا جو مسلمانوں کی ہر پہلو سے نگرانی کرسکے، جنگوں کا سلسلہ بحسن وجوہ جاری رکھ سکے، آپس کے تنازعات کو سلجھا سکے اور اسلامی حکومت کو کما حقہٗ چلا سکے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے ہی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور یہ کوشش کی کہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنالیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو اس کا علم ہوا

وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے اور انصار کے اس ارادہ کی مخالفت کی۔ اب دُو فریق ہو گئے، ایک انصار کا اور دُوسرا مہاجرین کا۔ انصار چاہتے تھے کہ خلافت ان کے حصہ میں آئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک اپنی قوم میں رہ کر اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے۔ لیکن اس مدت میں معدودے چند لوگوں نے آپؐ کی دعوت قبول کی۔ اس کے بعد جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو انصار کثیر تعداد میں آپؐ پر ایمان لائے اور اس طرح اُنھوں نے اسلام کو تقویت پہنچائی۔ وُہ ہر جنگ میں آپؐ کے دوش بدوش لڑے اور کسی دشمن کی یہ مجال نہ ہوئی کہ وہ آپؐ کو نقصان پہنچا سکتا۔ یہاں تک کہ بالآخر سارا عرب آپؐ کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک انصار سے انتہائی خوش تھے اس لیے خلافت کا حق انھی کو پہنچتا ہے۔

اس کے برعکس مہاجرین یہ کہتے تھے کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لاتے جس کی وجہ سے ہمیں شدید ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کوئی ظلم نہ تھا جس کا ہمیں تختۂ مشق نہ بننا پڑا ہو۔ گو ہماری تعداد تھوڑی تھی لیکن ہم نے کسی موقعہ پر بھی گھبراہٹ اور بے دلی کا اظہار نہیں کیا۔ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور آپؐ کے اہلِ خاندان ہیں۔ عرب اگر مطیع ہو سکتے ہیں تو قریش ہی کے مطیع ہو سکتے ہیں اس لیے خلافت کے ہم ہی حقدار ہیں۔

نزاع کو طول پکڑتے دیکھ کر انصار نے تجویز پیش کی کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیے اور ایک مہاجرین میں سے۔ مہاجرین اس تجویز کو منظور کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ بالآخر تھوڑی دیر کی بحث و تمحیص کے بعد سب لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئے اور اسی وقت اور اسی جگہ آپؓ کی بیعت کر لی گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے اس لیے وہ اس اجتماع میں شریک نہ ہو سکے۔ ان کو جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر پہنچی تو اس انتخاب کو انھوں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اب ایک تیسرا فریق اور پیدا ہو گیا جس کا دعویٰ یہ تھا کہ خلافت اہلِ بیت کا حق ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رشتہ دار آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور آپ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ تھے۔ لیکن حضرت عباسؓ ان سابقون الاولون میں سے نہیں تھے جنھوں نے شروع میں ہی حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی تھی۔ وہ غزوۂ بدر میں مشرکین کی طرف سے شریک ہُوئے تھے۔ اُنھوں نے حضورؐ کی بیعت بھی ہجرت کے کئی سال بعد کی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ کی پرورش خود حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ نگرانی ہُوئی تھی۔ حضورؐ پر جو اشخاص سب سے پہلے ایمان لائے حضرت علیؓ ان میں سے ایک تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی شادی آپ سے کر دی تھی۔ جہاں تک علم و فضل اور اسلام کی راہ میں قربانیوں کا تعلق ہے، آپ کا مرتبہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

جو لوگ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ جو شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو وہی خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اس کے علاوہ حضرتِ ابوبکر صدیقؓ کے خاندان کی نسبت خاندان بنو ہاشم زیادہ معزز ہے۔ جہاں تک عربوں کی اطاعت کا سوال ہے وہ خاندانِ بنو ہاشم کی اطاعت کو زیادہ ترجیح دیں گے۔ اگر مہاجرین سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے سامنے یہ حجت پیش کر سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور ہم قبیلہ

ہونے کی بنا پر خلافت کے زیادہ مستحق ہم ہیں تو اہلِ بیت نبوی یہ دلیل کیوں نہیں لا سکتے کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور آپؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اس لیے خلافت پر سب سے زیادہ حق ہمارا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت علیؓ کے استحقاقِ خلافت کا نظریہ زیادہ زور نہ پکڑ سکا نہ صرف اس لیے کہ شیخینؓ کی شخصیتیں بڑی زبردست تھیں بلکہ اس لیے بھی کہ جس قسم کا عدل و انصاف انھوں نے قائم کیا، جاہلی عصبیت کو دبانے میں جو کوششیں اُنھوں نے کیں اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو مناصبِ عالیہ سے دُور رکھنے میں جو احتیاط اُنھوں نے برتی اور اخوت و مساوات کا حقیقی نمونہ پیش کرنے میں جس بالغ نظری کا ثبوت انھوں نے دیا اس نے لوگوں کے دلوں میں ان کی انتہائی قدر و منزلت پیدا کر دی۔ مزید برآں ان کے عہدِ خلافت میں جنگ آزمائیوں اور فتوحات کا سلسلہ کچھ اس طرح جاری رہا کہ کسی کو خلافت کے مسئلہ پر سوچنے اور غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر عصبیت نے پھر زور پکڑ لیا۔ زمانۂ جاہلیت میں عداوت کی جو آگ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان بھڑک رہی تھی اور جسے اسلام کی بارانِ رحمت نے ٹھنڈا کر دیا تھا، وہ پھر لَو دینے لگی اور فتنہ و فساد دوبارہ سر اٹھانے لگا۔ حضرت علیؓ کے حامی کہتے تھے:

"ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ وُہ شخص کتنا ظالم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو جائز نہیں سمجھتا اور اس طرح آپ پر حملہ کرتا ہے۔"

جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے اور زمامِ خلافت حضرت علیؓ کے ہاتھ میں آئی تو ان لوگوں کا مقصد پُورا ہو گیا جو خلافت کو صرف اہلِ بیت کا حق سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اُموی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ الزام رکھتے تھے کہ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں کوتاہی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عثمانؓ بیچارگی کے عالم میں شہید کر دیے گئے اُمویوں کی تائید بعض صحابہؓ نے بھی کی۔ چنانچہ شام کے والی حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت معاویہؓ کے پاس قوت و طاقت زیادہ تھی اور ان کے لشکر میں اتحاد و اتفاق بھی پایا جاتا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کو یہ سہولتیں حاصل نہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حضرت معاویہؓ پر فتح نہ پا سکے۔

شیعہ حضرات کے دعوٰی کی بنیاد اس بات پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ میں کوئی نصِ صریح اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح ارشاد موجود نہیں اسی لیے انصار نے دعوٰی کیا کہ خلافت ان کا حق ہے۔ مہاجرین نے کہا خلافت کے وہی مستحق ہیں، اور حضرت علیؓ کے حامیوں نے کہا کہ سوائے حضرت علیؓ کے اور کوئی بھی خلافت کا حقدار نہیں۔ اگر خلافت کے متعلق کوئی نصِ صریح ہوتی تو کسی گروہ اور کسی شخص کو ضرورت نہ تھی کہ وہ اس پر اپنا حق جتاتا اور اس بارہ میں دلائل دے کر دوسرے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا۔

تاریخ سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ تھوڑی مدت کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ حضرت ابوبکر

... وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ نے ان کی بھی بیعت کر لی اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب خلافت حضرت عثمانؓ کے حصہ میں آئی تو حضرت علیؓ نے اس وقت ان کی بھی بیعت کرلی۔ اگرچہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت عثمانؓ کی بیعت اُنھوں نے ناراضی کی حالت میں کی[1]

جب حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو ان لوگوں کو بہت تقویت پہنچی جو خلافت کو اہل بیت کے لیے مخصوص کرتے تھے ۔ وہ کہنے لگے :

"امامت ایسی چیز نہیں جسے عام مصلحت کے خیال سے امّت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ جسے وُہ چاہے خلیفہ بنا دے بلکہ خلافت دین کا ایک رکن اور اسلام کا ایک ستون ہے۔ کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خلافت کے بارہ میں کوتاہی سے کام لے اور اس کا حل اُمت کے سپرد کر دے بلکہ اس کے لیے کسی امام کا تعین ضروری اور لازمی ہے۔"

امام کے متعلق ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ امام چھوٹے بڑے سب گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر وہ یہ دعوٰی کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت اور خلافت کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو متعین کیا تھا۔ اس بارہ میں وہ کئی حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جنھیں اہل سنّت نہیں مانتے یا اگر مانتے ہیں تو ان کی تاویل کرتے ہیں۔ اس دعوٰی کے ساتھ ہی وصیت کا نظریہ بھی پیدا ہوگیا اور اُنھوں نے حضرت علیؓ کا لقب "وصی" رکھ دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی وصیت کی تھی، اس لیے وہ رسول اللہ کے وصی ہیں۔

آگے چل کر شیعہ حضرات بھی مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئے، جن میں سب سے زیادہ معتدل امامیہ ہیں۔ امامیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ اماموں کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی موجودگی میں خلیفہ بنتے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ان دونوں کی خلافت کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے بھی نہیں دیکھتے۔ وہ کہتے ہیں :

"چونکہ حضرت علیؓ خود شیخینؓ کی امامت پر راضی ہوگئے تھے۔ آپ نے ان کی بیعت کرلی تھی اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اس لیے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اُن کو بُرا بھلا کہیں۔ اور جو کچھ حضرت علیؓ نے کیا اس سے تجاوز کریں۔ چنانچہ ابن ابی الحدید جو ایک اعتدال پسند شیعہ ہے، لکھتا ہے :

---

[1] بیعت ایک مذہبی معاہدہ ہے اور مذہب میں جبر یا سختی یا ناراضی کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں تو یہ ہے کہ من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ اپنی مرضی اور خوشی کی بات ہے۔ لا اکراہ فی الدین کے زرّین اصول کے مطابق حضرت علیؓ جیسا فاضل عالم اور بہادر انسان کس طرح کسی ایسے شخص کی بیعت کر سکتا تھا جس سے وہ ناخوش اور ناراض ہو۔ تاریخ میں جس قدر روایتیں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کی باہمی ناراضی کے متعلق ملتی ہیں ساری کی ساری ناقابلِ اعتماد، قطعاً غلط اور فرضی ہیں۔ ان کی نہ کوئی اصل ہے نہ سند۔ (مترجم)

یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے جب معاویہؓ سے برأت کا اظہار کیا تو ہم نے بھی ان سے برأت کا اظہار کیا۔ جب حضرت علیؓ نے یہ کہا کہ اہلِ شام، عمروؓ بن العاص اور دُوسرے صحابہ جنھوں نے معاویہؓ کا ساتھ دیا ہے غلطی پر ہیں تو ہم نے بھی ان پر ویسا ہی حکم لگا دیا۔ حاصل یہ کہ ہم حضرت علیؓ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سوائے مرتبۂ نبوت کے اور کسی چیز میں فرق نہیں کرتے۔ نبوت کے علاوہ ہم ان دونوں میں تمام باتیں مشترک مانتے ہیں، اس کے علاوہ ہم اکابر صحابہؓ کو بھی بُرا بھلا نہیں کہتے بلکہ حضرت علیؓ نے ان سے جس قسم کا معاملہ کیا ہم بھی ان سے اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ شیعہ اصحاب کے نظریات کی بنیاد اس بات پر ہے کہ صرف حضرت علیؓ خلافت اور امامت کے حقدار تھے اور یہ کہ امام کی اطاعت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ امام عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک مافوق البشر ہستی ہے جو ہر قسم کے گناہوں اور خطا سے پاک ہوتی ہے۔

خلافت کے بارہ میں شیعوں کے نظریہ کو ہم نے اس فصل میں ذرا تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا ہے کہ یہی نظریہ ان حوادث و واقعات کا باعث بنا جو آگے چل کر پیش آئے۔

(۳)

انصار اور خلافت

خلافت کے بارہ میں فرانسیسی مستشرق لامنس کا جدید نظریہ

بعض مستشرقین، جن میں فرانسیسی مستشرق "لامنس" خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ اس نظریہ کے حامی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت ایک خاص گروہ کی کوشش کی مرہونِ منت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد پیدا ہو گیا۔ یہ گروہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ عامرؓ بن الجراح پر مشتمل تھا۔ لامنس اپنے نظریہ کی تائید میں بعض واقعات بھی پیش کرتا ہے۔

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ان تینوں حضرات کے باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے اسی لیے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنایا، اور اگر ابوعبیدہؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انتقال نہ کر جاتے تو حضرت عمرؓ اپنے بعد انہی کو خلیفہ نامزد کرتے، اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کے موقعہ پر ان تینوں میں اس قسم کا سمجھوتہ ہو چکا تھا۔[1]

اس نظریہ میں اگر کچھ صداقت ہے تو بس اتنی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب اس طرح اچانک ہوا کہ پہلے سے کسی کو اس کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اور اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ کہیں کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے اور مسلمان مختلف گروہوں

---

[1] لامنس کا یہ نظریہ محض فرضی ہے۔ ہرگز اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ ان تینوں نفوسِ مقدسہ میں یہ معاہدہ ہوا تھا۔ ہٰذا بہتانٌ عظیم۔ (مترجم)

...یں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت کی خواہش سے کوسوں دُور تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابو عبیدہؓ میں سے کسی کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ وہ ضعیف العمر انسان تھے اور ان کا خیال تھا کہ خلافت کا بار بُوڑھا شخص نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے لیے عمرؓ یا ابو عبیدہؓ جیسے مضبوط انسان کی ضرورت ہے لیکن مسلمانوں میں سے کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سوا اور کسی کی خلافت کو پسند نہ کیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں ان کا جو مقام تھا، اور اسلام میں انھیں جو فضیلت حاصل تھی، اس کے ہوتے ہوئے مسلمان خلافتِ رسولؐ کے لیے کسی اور کو ہرگز منتخب نہ کر سکتے تھے۔

حصولِ خلافت کے لیے انصار کی جدوجہد

انصار دو گروہوں میں منقسم تھے؛ اوس اور خزرج۔ یہ دونوں گروہ جاہلیت کے زمانہ میں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے تھے۔ خزرج تعداد میں زیادہ تھے۔ زمانہ اسلام میں ان کے رئیس سعدؓ بن عبادہ تھے جو بنی ساعدہ میں سے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ انہی کے گھر کے قریب تھا۔

جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہُوئی تو انصار سقیفہ میں جمع ہو کر اس سانحۂ عظیمہ کے متعلق بات چیت اور اس مسئلہ پر غور کرنے لگے کہ رسولؐ اللہ کے بعد کون خلیفہ ہو۔ ان کی خواہش تھی کہ خلافت انہی میں سے کسی کو حاصل ہو۔ اس لیے کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت کی تھی۔ آپؐ کا ہر طرح ساتھ دیا تھا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے حضورؐ کی معیت میں تمام عرب کو اپنی تلوار کے جوہر دکھائے تھے۔

سعدؓ بن عبادہ اس وقت بیمار تھے۔ کچھ لوگ انھیں سقیفہ میں لے آئے۔ لیکن وہ اس قدر کمزور تھے کہ ان کی آواز لوگوں کو سُنائی نہ دیتی تھی۔ اس لیے وہ جو کچھ کہتے تھے ان کے بیٹے قیس بلند آواز سے لوگوں کو سُنا دیتے تھے۔ سعدؓ بن عبادہ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہِ انصار! تمھیں دین میں وہ سبقت اور اسلام میں وہ فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چند سال اپنی قوم میں رہے اور اسے توحید کی طرف بُلاتے اور شرک اور بُت پرستی سے روکتے رہے۔ لیکن بہ استثنائے چند کسی نے آپؐ کی دعوت قبول نہ کی۔ اور جو لوگ ایمان لائے، ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ کفار کے دستِ تعدّی سے آپ کو دُور رکھ سکتے یا دین کو کوئی تقویت پہنچا سکتے یا خود ان مصائب و شدائد سے بچ سکتے، جو مشرکینِ مکہ کے ہاتھوں انھیں پیش آ رہے تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے تمھیں فضیلت دینے اور اپنی نعمت سے بہرہ ور کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے تمھیں ایمان لانے، رسول اللہ کی دعوت قبول کرنے، آپؐ کا اور آپؐ کے حلقہ بگوشوں کا ساتھ دینے اور دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے کی توفیق عطا کی، اور تم اپنے دشمنوں پر ہمیشہ غالب رہے۔ عرب کو طوعاً و کرہاً اسلام قبول کرنا پڑا، تمھاری تلواروں نے سارے عرب کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع بنا دیا۔ حضورؐ اپنی وفات کے وقت تم سے بے حد خوش تھے اس لیے اب تم خلافت کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہو جاؤ کیونکہ یہ تمھارا حق ہے۔"

حاضرینِ مجلس نے سعدؓ کی تقریر کا متفقہ طور پر یہ جواب دیا:

"اگر آپ کی بھی رائے ہے تو ہم اس سے اختلاف نہیں کرتے اور خلافت کے لیے آپ ہی کا نام پیش کرتے ہیں کیونکہ آپ ہم میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں۔"

بات یہاں ختم نہیں ہوئی، اس نے طول کھینچا اور یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ اگر مہاجرین قریش نے اس فیصلہ کو تسلیم نہ کیا اور کہا کہ ہم مہاجرین ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین صحابہؓ میں سے ہیں۔ آپؐ کے اہلِ خاندان ہیں تو پھر کیا ہوگا اور اس وقت انصار کس برتے پر ان کا مقابلہ کریں گے؟

اس پر چند اشخاص کہنے لگے کہ اگر یہ صورت ہوئی تو پھر ہم ان سے کہیں گے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک امیر تم میں سے۔ اس کے بغیر ہم کسی اور بات پر ہرگز رضامند نہ ہوں گے۔

جب سعدؓ نے ان کی یہ باتیں سنیں تو کہا:

"تم نے تو شروع ہی میں کمزوری دکھا دی۔"

انصار کے دلائل کا تجزیہ

انصار کے مندرجہ بالا دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خلافت کے لیے ان کے پاس صرف یہ دلیل تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی قوم نے ایذائیں پہنچائیں اور آپؐ کے اہلِ وطن نے آپ کو گھر سے نکال دیا تو انھوں نے آپ کو پناہ دی اور ہر موقعہ پر آپؐ کی مدد کی۔ لیکن محض اسی دلیل کی بنا پر قبائلِ عرب ان کی سیادت اور حکومت پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہی چیز تھی جس کی وجہ سے انصار طبعاً اپنے تئیں کمزور محسوس کرتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ خلافت کے بارہ میں ہرگز تساہل نہ کرتے اور کبھی یہ نہ کہتے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک مہاجرین میں سے۔ ان کے رئیس سعدؓ بن عبادہ نے بھی شروع میں ہی اس امر کو محسوس کر لیا تھا اور اسی بنا پر انھوں نے یہ فقرہ کہا تھا:

"تم نے تو شروع ہی میں کمزوری دکھا دی۔"

یہ ہو بھی کس طرح سکتا تھا کہ ایک جدید مملکت کے دو امیر ہوں اس سے تو ہمیشہ کے لیے فساد کی ایک راہ کھل جاتی اور مملکتِ اسلامیہ کو کسی صورت میں بھی چین نصیب نہ ہوتا۔

انصار کی باہمی گروہ بندی

پھر جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے انصار دو گروہوں میں منقسم تھے: پہلا گروہ خزرج کا تھا اور دوسرا اوس کا۔ خزرج تعداد میں زیادہ تھے۔ ان کے رئیس سعدؓ بن عبادہ تھے جو چاہتے تھے کہ خزرج کو خلافت مل جائے۔ لیکن اوس، خزرج کے کسی آدمی کو اپنا امیر بنانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان لڑائیوں اور جھگڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ اسلام نے آکر یہ لڑائیاں اور جھگڑے ختم کرا دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باہم شیر و شکر کر دیا۔ لیکن جاہلیت کے دنوں کی یاد دونوں فریقوں کے دلوں میں باقی تھی جس کو خزرج اور اوس دونوں جانتے تھے۔ اسی لیے

سعدؓ بن عبادہ نے ذکر چھیڑا کہ خلافت انصار کا حق ہے تو اسی باہمی اختلاف کی بنا پر ان کو انصار کی کامیابی پر کامل یقین اور وہ متردّد تھے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ چند گھنٹوں کے بعد انصار، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رضامند ہوگئے اور انھوں نے آپ کی بیعت کرلی۔

(۴)

اصحابِ ثلاثہ

خلافت کے بارہ میں لامنس اور دیگر مستشرقین کے نظریے کی تردید

مشہور عیسائی مستشرق لامنس اور اس کی تقلید میں بعض دُوسرے مستشرقین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تینوں نے مل کر اس بات پر اتفاق کرلیا تھا کہ جب ایک شخص کو خلافت مل جائے تو وہ اسے اپنے انتقال کے وقت دوسرے کے نام منتقل کردے اور جب دُوسرے شخص کا وقت آجائے تو تیسرے کے حق میں وصیت کرجائے۔ اس کی دلیل وُہ یہ دیتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب کو زخمی کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا:

"اگر آج ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو خلافت میں ان کے سپرد کردیتا۔"

لیکن جب اس نظریہ کو واقعات اور تاریخ کی کسوٹی پر کسا جاتا ہے تو اس کی غلطی بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اتنی اچانک ہوئی تھی کہ صحابہؓ کو خلافت کے بارہ میں پہلے سے سوچنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا تھا۔ جب حضورؐ نے وفات پائی اور خلافت کا سوال پیدا ہوا تو حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کا نام پیش کیا تاکہ فتنہ نہ پھیلے اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر نہ ہوجائے۔

انصارؓ کا سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع

پچھلی فصل میں بتایا جاچکا ہے کہ انصارؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوکر خلافت کے بارہ میں فیصلہ کرنا چاہا۔ انصار کے اس اجتماع کی خبر سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوئی۔ وہ فوراً مسجد نبویؐ میں پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ کو بلایا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین میں مصروف تھے۔ جب وہ باہر آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا:

"آپ ذرا میرے ساتھ چلیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"میں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین میں مصروف ہوں، آپ کے ساتھ کیسے چل سکتا ہُوں؟"

حضرت عمرؓ نے کہا:

...یسی واقعہ ایسا پیش آگیا ہے کہ آپ کا میرے ساتھ چلنا بے حد ضروری ہے۔
جب حضرت ابوبکرؓ مسجد نبوی سے باہر نکلے تو حضرت عمرؓ نے آپ سے کہا:

"آپ کو کچھ پتا بھی ہے انصارؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور چاہتے ہیں کہ خلافت سعدؓ بن عبادہ کے سپرد کر دی جائے۔ بعض لوگ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیے اور ایک قریش میں سے۔"

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچنا

حضرت صدیقؓ یہ خبر سُن کر بہت مضطرب ہوئے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے۔
راستہ میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح مل گئے اور وُہ بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ آگے چل کر ان تینوں کو ابن عدیؓ اور عویم بن ساعدہؓ ملے اور ان سے کہا:

"آپ حضرات لوٹ جائیے۔ جو کچھ آپ چاہتے ہیں وُہ نہیں ہوگا۔"

لیکن انھوں نے ان کی بات پر کان نہ دھرا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ حضرت عمرؓ نے انصار سے مخاطب ہونا چاہا وہ اپنی تقریر شروع کرنی ہی چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا:

"ذرا ٹھہر جاؤ، میں ان سے کچھ کہہ لوں، اس کے بعد جو تمھارا جی چاہے کہہ لینا۔"

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تقریر شروع کی اور جو کچھ حضرت عمرؓ کہنا چاہتے تھے وہ سب کہہ دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

حضرت ابوبکرؓ کی تقریر

"اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق کی طرف رسول اور اپنی اُمت کے لیے گواہ بنا کر بھیجا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اسی کو اپنا معبود سمجھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مختلف فرضی معبودوں کی پرستش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ معبود ہماری شفاعت کریں گے، ہمیں فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن ان کی حقیقت گھڑے ہوئے پتھروں سے زیادہ نہ تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے:

ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم و لا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ وقالوا ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔[1]

جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے تو عربوں کو اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑنا بڑا دوبھر معلوم ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے خدا تعالیٰ نے اوّلین مہاجرین کو آپؐ کی تصدیق

---

[1] اور اللہ کے سوا ان کو پُوجتے ہیں جو اپنے پُوجنے والوں کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں اور یہ کہ ہم تو ان کی پُوجا صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔

کرنے، آپؐ پر ایمان لانے، آپؐ کی تکالیف دُور کرنے اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کی قوم کے شدید مظالم سہنے کی توفیق بخشی۔ ساری قوم ان کی مخالف تھی اور اس نے متفقہ طور پر ان غریبوں پر ظلم و ستم توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ لیکن یہ لوگ اپنی قلتِ تعداد کے باوجود کبھی ہراساں نہ ہوئے۔ یہی تھے جنھوں نے زمین میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ یہی آپؐ کے مددگار تھے، آپؐ کے اہلِ قبیلہ تھے۔ اور اب یہی لوگ آپؐ کے بعد سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں۔ اس بارہ میں ان سے ظالم شخص ہی جھگڑ سکتا ہے۔ اے گروہِ انصارؓ! تم بھی مہاجرینؓ کی دین میں فضیلت اور اسلام قبول کرنے میں ان کی اوّلیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ تمھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے رسولؐ کا مددگار بنایا۔ اس کے رسولؐ نے تمھاری طرف ہجرت کی۔ آپؐ کی کئی ازواجِ مطہراتؓ اور کئی بڑے بڑے صحابہؓ تمھیں میں سے تھے اس لیے اوّلین مہاجرینؓ کے بعد کوئی شخص تمھارے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر۔ تمھارے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت عمرؓ اور حضرت حبابؓ بن منذر کا جھگڑا

حضرت ابوبکرؓ یہیں تک پہنچے تھے کہ حبابؓ بن منذر بن جموح کھڑے ہوئے اور انھوں نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہِ انصار! خلافت کو اپنے ہاتھ میں رکھو۔ لوگ تمھارے ہی سائے تلے ہیں۔ کوئی شخص تمھاری مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا۔ اور لوگ تمھاری ہی رائے پر چلیں گے۔ تم عزت و ثروت والے ہو، تعداد اور تجربہ کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت رکھتے ہو، صاحبِ عزم و ہمّت اور بہادر ہو۔ سب کی نظریں تمھاری طرف ہیں۔ اس لیے آپس میں اختلاف پیدا نہ ہونے دو۔ اس سے تمھاری رائے کی وقعت جاتی رہے گی۔ باقی رہا مہاجرینؓ کا مسئلہ، تو یہ اس طرح طے ہو سکتا ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر ان میں سے۔"

اب حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

"ایک میان میں دو تلواریں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ خدا کی قسم! عرب کبھی تمھیں امیر بنانے پر راضی نہ ہوں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے نہیں تھے۔ عرب اسی کی اطاعت کریں گے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے ہوگا۔ اس لیے ہمیں دوسروں پر ترجیح حاصل ہے۔ ہم ہی خلافت اور امارت کے حقدار ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور آپؐ کے ہم قوم ہیں۔ ہماری مخالفت وہی شخص کر سکتا ہے جو باطل پر ہو اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنا چاہتا ہو۔"

جب حضرت عمرؓ اپنی تقریر ختم کر چکے تو حبابؓ بن منذر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے :

"اے گروہِ انصار ! تم اپنے ارادوں پر مضبوطی سے قایم رہو اور ان لوگوں کی بات سُنو۔ اگر یہ تمھاری نہیں مانتے تو ان کو یہاں سے جلا وطن کر دو۔ اللہ کی قسم تم ان لوگوں کی نسبت خلافت کے زیادہ حقدار ہو۔ تمھاری تلواروں سے اسلام کو وہ کچھ حاصل ہوا جو اوروں کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکا۔ تم نے ہی اس کی حفاظت کی اور تمھاری وجہ سے ہی اسلام کا درخت پھلا پھولا۔"

اس پر حضرت عمرؓ اور حبابؓ میں کچھ تلخ کلامی ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو عبیدہؓ اُٹھے اور کہنے لگے :

"اے گروہِ انصارؓ ! تم ہی وہ لوگ ہو جو سب سے پہلے اسلام کی مدد کو آئے۔ اب تم ہی اس میں سب سے پہلے تفرقہ ڈالنے والے نہ بنو۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اس موقعہ پر جو تقریر فرمائی وہ اخلاص، سوز و گداز اور تقویٰ سے لبریز تھی۔ آپ نے صرف مہاجرینؓ کی فضیلت ہی کا ذکر نہیں کیا بلکہ انصار کی بزرگی بھی تسلیم کی۔ آپ نے ان کے متعلق تعریفی کلمات کہے اور ان کو بتلایا کہ خلافت کے حقدار رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لانے والے اور آپؐ کے اہلِ قوم ہی ہو سکتے ہیں۔ انصارؓ نے بھی چونکہ اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں سرانجام دی ہیں اس لیے ان کا حق ہے کہ وہ وزیر بنیں۔ لیکن جب حبابؓ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اس معاملہ کا تصفیہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔ تو حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور آپؓ نے فرمایا کہ :

"عرب انصار کی امارت پر کبھی راضی نہ ہوں گے، اور جو شخص اوّلین مہاجرینؓ کی مخالفت کرتا ہے وہ باطل پر ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرانے والا ہے۔"

حبابؓ نے اس کا بہت سخت جواب دیا اور اپنی قوم سے کہا کہ وہ مہاجرینؓ کو مدینہ سے نکال باہر کریں۔ اس پر تکرار شروع ہو گئی۔ جب جھگڑا زیادہ بڑھا تو حضرت ابو عبیدہؓ نے چاہا کہ اس جوش و خروش کو ٹھنڈا کیا جائے۔ آپ نے انصارؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"تم نے اسلام کی سب سے پہلے مدد کی ہے اب تم ہی اس میں سب سے پہلے تفرقہ ڈالنے والے نہ بنو۔"

بشیرؓ بن سعد مہاجرین کی حمایت پر

اس مرحلہ پر اوس نے معاملہ میں دخل دیا۔ جاہلیت میں ان کے اور خزرج کے درمیان عداوت تھی اور کئی بار خونریز لڑائیاں بھی ہو چکی تھیں۔ اس لیے اوس نہیں چاہتے تھے کہ خزرج کو خلافت مل جائے۔ چنانچہ ان کے ایک رئیس بشیرؓ بن سعد بولے :

"اے گروہِ انصارؓ ! خدا کی قسم ہمیں مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے اور اللہ پر ایمان لانے میں پہل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ہم نے اپنے رب کی رضا اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کے لیے کیا تھا ہمیں یہ مناسب نہیں کہ ہم اس کے بدلہ دنیوی شان و شوکت اور جاہ و جلال طلب کریں۔

تعالیٰ ہی ہیں اس کی جزا دینے والا ہے۔ بیشک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے اور آپ کی قوم ہی خلافت کی سب سے زیادہ حقدار ہے خدا نہ کرے کہ میں ان سے اس معاملہ میں کبھی جھگڑوں۔ تم بھی ان کی مخالفت اور ان سے لڑائی جھگڑا نہ کرو۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت

بشیرؓ بن سعد کے ان الفاظ سے انصار کے قبیلہ اوس کا موقف واضح ہو گیا۔ جنھوں نے اپنے قبیلہ کے ایک رئیس کے ذریعہ اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ خلافت کے بارہ میں مہاجرین اوّلین سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تمھارے سامنے عمرؓ اور ابوعبیدہ موجود ہیں، ان دونوں میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو۔"

اس پر ان دونوں نے کہا:

"ہرگز نہیں، خلافت کا آپ سے زیادہ حقدار کوئی نہیں۔ آپ مہاجرینؓ میں سب سے افضل ہیں۔ غارِ ثور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی رہے ہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ سے زیادہ اور کس کا حق ہو سکتا ہے؟ اپنا ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ بشیرؓ بن سعد جلدی سے آگے بڑھے اور سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

جب اوس نے دیکھا کہ بشیرؓ بن سعد نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور یہ بھی دیکھا کہ خزرج سعدؓ بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کہ اگر تم پر خزرج کو ایک بار بھی حاکم بنا دیا گیا تو یہ فضیلت ہمیشہ ان ہی کے پاس رہے گی اور تمھیں کبھی اس سے حصہ نہ ملے گا۔ اُٹھو اور ابوبکرؓ کی بیعت کر لو۔

چنانچہ اوس نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ اب تو بیعت کے لیے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں جلدی سے آگے بڑھ کر بیعت کروں۔ لوگوں کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ انھیں خزرج کے بیمار رئیس سعدؓ بن عبادہ کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ ان کو کچلتے ہوئے بیعت کے لیے آگے بڑھنے لگے۔

چونکہ حضرت علیؓ اور بنو ہاشم کے افراد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ اس لیے نہ تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جا سکے اور نہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہی کر سکے۔ سعدؓ بن عبادہ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور ان کی وفات اسی حالت میں ہوئی۔

(۵)

اسلام کا پہلا خلیفہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت نرم دل اور نیک خُو تھے۔ محبت اور شفقت گویا آپؓ کی فطرت تھی۔ آپ ایمان و یقین کا مجسمہ تھے۔ عزم وہمت اور قول وعمل میں پختگی آپ کی ہر حرکت سے ہویدا تھی۔ اولوالعزمی اور مستقل مزاجی، راستبازی اور نیک خصالی میں کوئی آپ کا نظیر نہ تھا۔ آپ بنی تیم بن مرہ سے تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب مرہ بن کعب بن لوئی پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ام الخیر بنت سلمٰی بنت صخر بن عامر بھی بنی تیم میں سے تھیں۔ آپؓ عام الفیل سے دوسال بعد پیدا ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے آپ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپؓ خاصے امیر تھے۔ لیکن تجارت کے ذریعہ جو کماتے تھے اسے مسکینوں، محتاجوں، غریبوں، مسافروں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ قریش آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ چونکہ آپ میں سخاوت کا مادہ بیحد تھا۔ اس لیے کثرت سے لوگوں کی دیتیں اور خوں بہا ادا کیا کرتے تھے۔ آپ کو عربوں' خصوصاً قریش کا حسب نسب بیان کرنے میں بیحد مہارت حاصل تھی۔ عرب کی تاریخ آپ کو ازبر تھی۔ ہر قوم کے مفاخر ومثالب سے آپ پوری طرح آگاہ تھے۔ جاہلیت اور اسلام میں آپ کا مشغلہ تجارت تھا۔ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کا راس المال چالیس ہزار درہم تک پہنچ گیا آپؓ نے اس میں سے پینتیس ہزار درہم اللہ کی راہ میں دے دیے۔ آپ ان غلاموں کو اکثر خرید لیا کرتے تھے جو قبولِ اسلام کی پاداش میں اپنے آقاؤں کے ہدفِ ستم ہوتے اور جس غلام کو خریدتے اس کو راہِ خدا میں آزاد کر دیتے۔ حضرت بلالؓ بھی انہی غلاموں میں سے ایک تھے جنھیں آپ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کو قبول کیا اور اس کے نتیجہ میں کفار کے مظالم کا نشانہ بنے۔

غور کیا جائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اخلاص اور وفا کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آپ نے سب سے پہلے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہی۔ اس وقت آپ باعتبارِ وجاہت قریش میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ ہر فردبشر آپ کی عزت کرتا تھا۔ آپ مالدار اور آسودہ حال تھے۔ آپ کی شہرت دُور دُور تک پہنچی ہوئی تھی۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ پیغمبروں کی جماعت میں سب سے پہلے وہ لوگ داخل ہوتے ہیں جو اپنی کمزوری اور مفلسی کی بنا پر اپنی قوم میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔ جو لوگ مالدار ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو نہایت شریف اور معزز سمجھتے ہیں وہ بالعموم شروع میں نبی کی بات پر کان دھرنا یا اسے قبول کرنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنی قوم میں مال و دولت کے لحاظ سے بلند اور وجاہت وعزت کے اعتبار سے بے مثل انسان تھے، تاہم آپ نے کسی بات کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی قوم کے مذہب اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو یک قلم ترک کر دیا اور وہ دین اختیار کر لیا جس میں آپ جیسے مالدار اور وجیہہ انسان اور ایک بے بس غلام میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا جاتا تھا اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ دراصل یہی وہ قربانی اور یہی وہ اخلاص کا جذبہ تھا

...صدرِ اوّل کے مسلمانوں میں بھی ملنی ناممکن ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"سوائے ابوبکرؓ کے اور کوئی نہیں جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی ہو اور اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسے قبول کر لیا ہو۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قبولِ اسلام کی بنا پر قریش کے ہاتھوں بے پناہ تکالیف اٹھائیں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ مکہ تک چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ ہجرت کے ارادہ سے جا رہے تھے کہ راستہ میں آپ کو قریش کا ایک رئیس ابن دغنہ ملا اور پوچھا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

جب اسے حقیقتِ حال کا پتا چلا تو اس نے کہا:

"آپ جیسا شخص کسی صورت میں بھی مکہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور ناداروں کی مدد کرتے ہیں، میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں، کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ وہ آپ کو آنکھ بھر کے دیکھ سکے۔"

چنانچہ وہ آپ کو مکہ واپس لے آیا اور قریش نے اس شرط پر آپ کو مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی کہ ابوبکرؓ لوگوں کے سامنے باآوازِ بلند نماز نہ پڑھا کریں۔ چنانچہ آپ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا لی اور وہاں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ آپ انتہائی رقیق القلب تھے۔ خدا کے غضب کا خیال آتا تو زار و قطار رونے لگتے۔ جب کبھی آپ نماز یا قرآن پڑھتے، مشرکوں کی عورتیں اور بچے آپ کے اردگرد جمع ہو جاتے۔ یہ دیکھ کر قریش کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کی عورتیں اور بچے اسلام قبول نہ کر لیں۔ انھوں نے اس کی شکایت ابنِ دغنہ سے کی، اور اس نے آپ کی حمایت و پناہ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ آپؓ نے بالکل پروانہ کی اور خدائے عزّوجلّ کی مدد اور حمایت پر بھروسا کرتے رہے۔ آخر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے اور رفیقِ غار بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ہم نے اس فصل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعض اخلاق و عادات کو بے حد مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فضائل ریت کے ذرّوں کی طرح بے حساب و شمار ہیں۔ اگلی فصلوں میں بھی ہم آپ کے فضائل پر بحث کریں گے لیکن حق یہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گرد کو بھی کوئی نہیں پا سکتا۔ آپ میں جو صفات پائی جاتی تھیں وہ ہر حاکم میں پائی جانی چاہئیں، ہر لیڈر اور سردار میں ان کا پرتو ہونا چاہیے۔

حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے وقت جو خطبہ پڑھا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس خطبہ سے پتا چلتا ہے کہ اسلام کس طرح کا جمہوری نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس خطبہ میں اسلام کے پہلے عظیم الشان خلیفہ نے بتلایا کہ ایک حاکم پر اپنی رعایا اور عوام کے کیا کیا حقوق ہوتے ہیں۔ آج تک جس قوم نے بھی ان اصولوں کو اپنایا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں بیان کیے ہیں، وہ قوم برابر ترقی کے راستہ پر گامزن ہوتی چلی گئی۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"اے لوگو! مجھے تم پر حاکم بنا دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک رستے پر چلوں تو میری مدد کرو۔ اور اگر دیکھو کہ میں غلط رستے پر جا رہا ہوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت! ہر ضعیف اور کمزور میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلوا دوں اور ہر طاقتور میرے نزدیک اس وقت تک ضعیف اور کمزور ہے جب تک میں اس سے مظلوم کا حق نہ لے لوں۔ تم میں سے کوئی جہاد کو ترک نہ کرے۔ کیونکہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم پر ذلت طاری کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ کے احکام کے خلاف جاؤں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ نماز کے لیے اُٹھو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔۔۔۔"

اس خطبہ میں حضرت صدیق اکبرؓ نے لوگوں کے سامنے اپنی سیاست نہایت واضح طور پر بیان کر دی۔ آپ نے ان کو بتلایا کہ مسلمان، مسلمان سب برابر ہیں اور انھیں ایک دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ آپ نے خلیفہ اور مختارِ مطلق ہوتے ہوئے لوگوں سے مدد کی اپیل کی۔ آپ نے ان سے اقرار کیا کہ وہ ہر شخص کو اس کا حق دلائیں گے اور اس کے بدلے میں صرف یہ چاہا کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے خلاف نہ چلیں اس وقت تک ان کی اطاعت کی جائے۔ حریت افکار کی یہ مثال آج کل کی متمدن و مہذب دُنیا میں کہیں نہ ملے گی۔

خلفائے راشدینؓ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ تھے۔ خلافتِ راشدہ کا آغاز ہجرت کے بارھویں سال رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعتِ خلافت سے ہوا، اور ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت پر ختم ہوگیا۔ اس خلافت کا قیام دُوسری دُنیوی بادشاہتوں کی طرح نہ تھا بلکہ اس کی بنیاد روحانیت اور تقویٰ پر تھی۔ اس میں چھوٹے بڑے، غریب امیر، آزاد اور غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ خلیفہ بازاروں میں بغیر کسی پہرہ کے اس حالت میں پھرتا تھا کہ اس کے بدن پر پھٹی ہوئی قمیص اور پاؤں میں ٹوٹا ہوا جوتا ہوتا تھا۔ جب وہ مجلس میں بیٹھتا تھا تو اس کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کا کھانا عام لوگوں کی طرح نہایت سادہ ہوتا تھا۔ اس طرح خلفائے راشدینؓ نے لوگوں کے سامنے قربانی، اخلاص اور مساوات کی ایک مثال قائم کر دی۔ ایسی مثال جس کا نمونہ پیش کرنے سے زمانہ آج تک قاصر رہا ہے۔

حصّہ دوم ———— فتنۂ ارتداد

(۱)

جزیرۂ عرب میں بغاوت

بعض بدوی قبائل میں اسلام سے ارتداد کا فتنہ اتنا زبردست تھا کہ اس نے جزیرۂ عرب کے اطراف و جوانب کو

بلاڈالا اور [illegible] اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اس کے لیے زبردست خطرہ کا موجب بن گیا۔ اگر خدانخواستہ یہ فتنہ کامیاب ہوجاتا تو اسلام کی بنیادیں ہی اُکھڑ جاتیں اور دُنیا کے سامنے جاہلیت کا زمانہ پھر عود کر آتا۔

بعض قبائلِ عرب کا زکوٰۃ دینے سے انکار

صحرائی علاقوں خصوصاً نجد اور یمن میں اسلام کا اثر بعض بدووں پر بہت ہی کم تھا۔ وہ محض نام کے مسلمان تھے۔ دراصل انھیں اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وُہ صرف اسلام کی شان و شوکت دیکھ کر ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے بعض ان فرائض کو ترک کر دینا چاہا جو اسلام نے ان پر عاید کیے تھے۔ انھیں سب سے زیادہ وہ فرائض شاق گزرتے تھے جن کا تعلق مال سے تھا، مثلاً زکوٰۃ وغیرہ۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ زکوٰۃ دراصل ایک قسم کا جزیہ اور ٹیکس ہے جس کی ادائیگی کے لیے ان پر اسی طرح ظلم کیا جاتا ہے جس طرح ایک جابر بادشاہ ٹیکس لینے کے لیے اپنی رعایا کو نشانۂ ستم بناتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے ناآشنا تھے کہ زکوٰۃ کوئی جرمانہ یا تاوان نہیں بلکہ صدقہ ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں کو دیا جاتا ہے۔ اور صرف انھی لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ کے فضل نے مال و دولت کی فراوانی سے نواز رکھا ہو۔ اس کی غرض یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی شخص فقیر اور بھوکا ننگا نہ رہے اور غریب لوگ زندگی کی آسائشوں میں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ یکساں حصہ گیر ہو سکیں۔ لیکن بدوی اس فرق کو نہ سمجھ سکے۔ اُنھوں نے سرکشی اور بغاوت پر کمر باندھ لی اور تہیہ کر لیا کہ وہ کسی صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہ کریں گے۔

جھوٹے نبیوں کا خروج

زکوٰۃ کی عدمِ ادائیگی کے فتنہ کے ساتھ ساتھ ایک اور خوفناک فتنہ نے بھی سر اُٹھایا یعنی عرب میں نبوت کے کئی جھوٹے مدّعی پیدا ہو گئے جنھوں نے کہنا شروع کیا کہ ہمارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ نبوّت کا دعویٰ کرنے والے یہ لوگ تھے:

طلیحہ اسدی، اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور سجاح تمیمیہ

ان مدعیانِ نبوت کے قبائل ان کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور اس طرح سرزمینِ عرب میں ایک زبردست فتنہ پھوٹ پڑا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا عزم و ثبات

گو یہ وقت نازک ترین وقت تھا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ نے ان سب لوگوں سے مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا جنھوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر کے جزوی طور پر اسلام کو ترک کیا تھا، یا مختلف مدعیانِ نبوت کی فرماں برداری اور اطاعت اختیار کر کے کلیتہً اسلام سے رُوگرداں ہو گئے تھے۔

اسامہ رضؓ کے لشکر کی شام کو روانگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عزم و ہمت کے مالک اور صدق و صفا کے پیکر تھے۔ ایمان آپ کی رگ و پے میں رچا ہُوا تھا جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جب آپ نے انتہائی نامساعد اور نہایت ہولناک حالات میں اسامہؓ بن زید کو

...تھا۔ بات یہ تھی کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضورؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ نے غزوۂ موتہ میں رومیوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا۔ حضورؐ کو ان کی وفات کا بے حد رنج ہوا۔ اس جنگ میں قضاعہ کے قبائل نے جو شام کی سرحد پر آباد تھے رومیوں کی مدد کی تھی اور مسلمانوں کے لشکر کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت سے کچھ پہلے ایک لشکر اُسامہؓ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ان کے باپ کی شہادت کا انتقام لینے کے لیے تیار کیا اور اسے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ شامل تھے۔ اسی دوران میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی خبر سُن کر لشکر نے جو مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا اپنی روانگی ملتوی کر دی اور مدینہ سے باہر ہی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت یابی کا انتظار کرنے لگا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور بدوی قبائل نے ارتداد اختیار کیا تو بعض صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ مناسب ہوگا اگر اسامہؓ کے لشکر کی روانگی فی الحال ملتوی کر دی جائے۔ کیونکہ اس وقت انتہائی نازک صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے۔ دشمن کے حملہ کا خطرہ لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا ہے۔ اگر اس وقت اسامہؓ کا لشکر شام چلا گیا تو مدینہ بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو ماننے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

> "نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ لشکر ضرور شام جائے گا، اس لیے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کے دوران میں اس کو بھیجنے کی تاکید کی تھی۔ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا ہوں؟"

جب اسامہؓ کے لشکر کی روانگی کو ملتوی کرنے کا مشورہ سختی سے رد کر دیا گیا تو بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ عرض کیا کہ اسامہؓ کی عمر بہت کم ہے، کسی سن رسیدہ شخص کو اسامہؓ کی جگہ لشکر کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ صدیق کے غصّہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور آپ نے فرمایا:

> "ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر صدیقؓ) کی یہ مجال ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار بنایا ہو وہ اسے معزول کر دے؟"

حضرت عمرؓ انصار کی ترجمانی کرتے ہوئے اس بارہ میں زیادہ اصرار کر رہے تھے۔ جب ان کا اصرار بڑھتا چلا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اُٹھ کر اُن کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا:

> "تمھاری ماں تمھیں روئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کو لشکر کی سرداری سونپی تھی اور تم کہتے ہو کہ میں اسے ہٹا دوں۔"

حضرت صدیقؓ نے اس موقعہ پر لشکر کے ان جذبات کو خوب اچھی طرح بھانپ لیا تھا جو اس کے اندر اکابر صحابہؓ اور قریش کے بڑے بڑے جہاندیدہ آدمیوں پر بست سالہ اسامہؓ کو سردار بنانے کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے، اور آپ نے لوگوں کے

دلوں سے [illegible] کے ان اثرات کو مٹا دینے کا تہیہ کر لیا تھا جن کے تحت وہ سن رسیدہ آدمیوں پر کسی نوجوان سالارِ لشکر کا [illegible] برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس درخواست کو سختی سے رد کر کے اپنی بڑائی اور فضیلت کے جو اثرات ان کے دلوں میں جاگزیں تھے، انھیں محو کر دیا۔

حضرت عمرؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ مگر اس وقت اشد ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ مدینہ میں موجود رہیں تاکہ اس نازک وقت میں حضرت ابوبکرؓ کی مدد کر سکیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ہرگز یہ گوارا نہیں کیا کہ بغیر اسامہؓ کی اجازت کے انھیں بطورِ خود مدینہ میں ٹھہرا لیں۔ انھوں نے باقاعدہ اسامہؓ سے اس امر کی درخواست کی۔ اور جب اسامہؓ نے اجازت دے دی تو حضرت عمرؓ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کو دراصل یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ جس شخص کو کوئی عہدہ دیا جائے تو ضروری ہے کہ اس عہدہ کے اعتبار سے اس کا احترام کیا جائے اور اسے اس کے دائرۂ عمل میں آزاد رکھا جائے۔

جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت اُسامہؓ اور اس لشکر کو جو مدینے کے باہر کھڑا تھا، رخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ پیدل ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ اس پر اُسامہؓ نے کہا:

"یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ میں خود گھوڑے سے اُترتا ہوں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! نہ تم اُترو گے اور نہ میں سوار ہوں گا۔ کیا ہُوا اگر میرے پاؤں اللہ کے رستے میں گرد آلود ہو گئے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے سردار کی جتنی قدر و منزلت کی اس سے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بلند مرتبے کا پتا چلتا ہے۔ اس طرح آپ نے اُمت کو کئی سبق دیے۔ آپ نے لوگوں کو بتانا چاہا کہ جو شخص امیر ہو اس کی عزت کرنی چاہیے، اس لیے آپ نے اسامہؓ کی مشایعت کے لیے پیدل چلنا گوارا فرما لیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ قیادت کو انتہائی مضبوط ہونا چاہیے۔ اس لیے آپ نے اُسامہؓ سے اس امر کی درخواست کی کہ حضرت عمرؓ کو مدینہ میں ہی رہنے دیا جائے، جس کی اسامہؓ نے اجازت دے دی۔

حضرت اُسامہؓ کوئی غیر معمولی نوجوان نہیں تھے آپ اس وقت بچپن کی منزلوں سے نکل کر جوانی کی حدود میں داخل ہُوئے تھے۔ اور آپ کا خلیفہ کے خاص مقربین یا بڑے بڑے بہادروں میں بھی شمار نہیں ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی صدیق اکبرؓ نے چاہا کہ لشکر میں ان کی عزت و تکریم کی جائے اور ان کے ہر حکم پر لبیک کہا جائے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنی اور کرانی چاہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حضرت اسامہؓ کو مہاجرین اور انصار کے اکابر صحابہؓ پر سردار بنایا تھا۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں کو یہ بات جتلا دینا چاہتے تھے کہ بڑائی صرف

...ہوتی اور اسلام کسی قسم کی جاہلی عصبیت اور حسب و نسب میں فضیلت کا روادار نہیں۔

...لشکر کی روانگی کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے مندرجہ ذیل نصیحتیں فرمائیں:

"میں تمہیں مندرجہ ذیل باتوں کی نصیحت کرتا ہوں ان کو یاد رکھنا اور ان کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔ یعنی خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، عہد شکنی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا (یعنی جنگ میں مقتولوں کے اعضا مثلاً ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا) چھوٹے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجوروں اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا نہ جلانا، بھیڑوں بکریوں، گایوں اور اونٹوں کو کھانے کے سوا اور کسی غرض کے لیے ذبح نہ کرنا۔ تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو ترکِ دنیا کرکے گرجاؤں میں بیٹھے ہوں گے، ان سے تعرض نہ کرنا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ تمہارا گزر ایسے لوگوں میں بھی ہوگا جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے لائیں گے۔ جب تم ان کھانوں کو کھاؤ تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ پس خدا کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ، وہ تم کو دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے بچائے۔"

اسامہؓ کے لشکر کی واپسی یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو اسامہؓ کا لشکر مدینہ سے روانہ ہوا۔ شام کی حدود پر پہنچ کر اس نے قضاعہ کے علاقے کو تاخت و تاراج کیا، اور مالِ غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد فتح اور ظفرمندی کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا۔

یہ لشکر بھیجنا مسلمانوں کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ جب مرتدین کو مدینہ سے اس لشکر کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر مسلمانوں کے پاس قوت و طاقت نہ ہوتی تو ایسے وقت میں وہ اپنے لشکر کو غسانیوں کے مقابلہ کے لیے ہرگز نہ بھیجتے۔

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اسامہؓ کے لشکر کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ اس میں مہاجرینؓ اور انصارؓ کی تعداد ڈیڑھ اور دو ہزار کے درمیان تھی۔ باقی لشکر قریش کے قبائل پر مشتمل تھا۔ قریش کے ان قبائل نے اس جنگ میں بھی اور بعد کی جنگوں میں بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور پرچمِ اسلام کو ہر موقعہ پر سربلند رکھا۔

(۲)

حضرتِ صدیقؓ کا عزمِ صمیم

اکثر صحابہؓ کا خیال تھا کہ ان مرتدین سے جنھوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے نرمی کا سلوک کرنا چاہیے۔ ان قبائل کا کہنا تھا کہ ہم نماز پڑھنے کے لیے تیار ہیں مگر زکوٰۃ دینے کے لیے نہیں۔ صحابہؓ کہتے تھے کہ جس حد تک یہ لوگ ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں اس حد تک ان کا تعاون قبول کر لیا جائے اور کچھ دنوں کے لیے ان سے زکوٰۃ لینی بھی ملتوی کر دی جائے تاکہ اس مدت میں اسامہؓ کا لشکر واپس پہنچ جائے اور مسلمان اس قابل ہو جائیں کہ ہر حملہ کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔ لیکن حضرت صدیقؓ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ اس طرح دین کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچتا تھا۔ دین در اصل ایک پتھر

ہے کہ اگر اس کا کوئی ایک کونہ بھی جھڑ جائے تو آخر کار پُورا پتھر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسلام تو ایسا دین ہے کہ ابوبکرؓ ہوں یا کوئی اور اس کے تشریعی عقاید میں سرِمُو بھی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ کوئی شخص خدائی احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں کمی بیشی کا مجاز نہیں۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں جو موقف اختیار کیا وہ آپ کے آہنی عزم پر دلالت کرتا ہے۔ آپ نے مرتدین کے مطالبوں کے سامنے جھکنے سے سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر وہ مجھے اونٹ کی ایک رسّی بھی، جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے، دینے سے انکار کریں گے تو میں اس رسّی کے ٹکڑے کے لیے بھی ان سے لڑوں گا۔"

حضرت صدیقؓ کے اس ارادہ سے آپ کی انتہائی عقلمندی، قوتِ ارادی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے آپ کے عشقِ صادق کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جب انسان کا ایمان مضبوط ہوتا ہے تو وہ دشمن کی طاقت و قوت کو بالکل ہیچ سمجھتا ہے اور خواہ دشمن کا لشکر طاقت و قوت بڑھا چڑھا کیوں نہ ہو وہ بے دھڑک اس یقین کے ساتھ اس کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے کہ فتح و نصرت اور کامرانی اسی کی قسمت میں لکھی ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والے، اس کی راہ میں ایثار و قربانی سے کام لینے والے، دین کی عزت کے لیے کوشاں رہنے والے اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر جدّ و جُہد کرنے والے کو کبھی ذلیل اور رُسوا نہیں کرتا بلکہ ہر موقعہ پر اس کو اپنی مدد اور فتح و نصرت سے نوازتا ہے۔

مُرتدین کا مدینہ کی طرف رُخ کرنا

اُسامہؓ کے لشکر کے چلے جانے کے بعد مدینہ کی حفاظت کرنے والوں کی تعداد بیحد کم رہ گئی تھی[1]۔ اس لیے حضرت صدیقؓ نے تمام حالات کا نہایت دُور اندیشی اور احتیاط سے جائزہ لیا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اسامہؓ کے لشکر کی واپسی سے پہلے مرتدین سے چھیڑ چھاڑ کی جائے۔ اسی لیے آپ نے مختلف طریقوں سے اس بات کی کوشش کی کہ مدینہ کے اردگرد عبس، ذبیان، اسد اور طیؔ کے قبائل کے ساتھ جو مرتد ہو کر اسلام کے دشمن بن کر مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہونا چاہتے تھے، فی الحال جنگ نہ کی جائے۔ بلکہ لڑائی کو اس وقت تک ٹالا جائے جب تک اسامہؓ کا لشکر واپس نہ پہنچ جائے۔ لیکن یہ قبائل بھی جانتے تھے کہ اگر اسامہؓ کا لشکر پہنچ گیا تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اس لیے انھوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا تہیّہ کر لیا۔ چنانچہ مرتدین کا ایک لشکر ذی القصہ اور ایک لشکر ابرقؓ[2] میں اُترا اور وہاں سے اُنھوں نے حضرت صدیقؓ کے پاس ایک وفد بھیجا جس میں پھر اپنی اس پیشکش کو دُہرایا کہ اگر زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو وہ نماز وغیرہ دُوسرے اسلامی ارکان ادا کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی سختی کے ساتھ انکار کر دیا اور ان کو مدینہ سے نکال دیا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس وفد کے مدینہ آنے کی غرض یہ تھی کہ موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے اور مسلمانوں کے لشکر کی صحیح تعداد معلوم کی جائے۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس وفد کے آنے کی غرض یہی ہو۔

---

[1] بعض مؤرخین نے تو ان کی تعداد چند سو لکھی ہے۔

[2] یہ دونوں مقام مدینہ کے قریب واقع ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا یہ جواب سُن کر وفد واپس اپنے لشکر میں چلا گیا اور آپ کے جواب کے ساتھ ساتھ مدینہ کی ساری صورتِ حال، مسلمانوں کی قلتِ تعداد اور ان کی کمزور حالت کا سارا نقشہ بیان کر دیا۔

وفد نے مسلمانوں کی قلتِ تعداد کا حال تو اپنے ساتھیوں کو سُنا دیا۔ لیکن وہ اس حقیقت کو فراموش کر گیا کہ فتح و نصرت کثرتِ تعداد اور قوت و طاقت کی مرہونِ منت نہیں ہوتی بلکہ فتح کا دارو مدار قوتِ ایمان، قوتِ ارادی اور صدقِ یقین پر ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جو طاقتیں سامنے آئیں وہ قوت و تعداد کے نشہ میں چُور ہوتی تھیں۔ انھیں میدانِ جنگ میں اپنے وسیع تجربے کا گھمنڈ ہوتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی ایک پیش نہ گئی اور ہر مرتبہ انھیں ناکامی ہی کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تارکینِ زکوٰۃ کے وفد کو ناکام واپس کرنے کے بعد مدینہ والوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ اور مدینہ کے مسلمانوں کا ایک لشکر مرتب فرما کر لشکر کے مختلف حصّوں کو علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور ابنِ مسعودؓ کی نگرانی میں دے دیا۔ آپ کو خوف تھا کہ کہیں دشمن مدینہ پر شبخون نہ مارے۔ اس لیے آپ نے شہر کے اردگرد ہر اہم ناکے پر فوج کا ایک دستہ متعین فرما دیا۔ باقی لوگ مسجد میں آکر جمع ہو گئے اور اس بات کا انتظام کر دیا گیا کہ اگر دشمن رات یا دن کے کسی حصّہ میں مدینہ پر حملہ کرے تو ناکوں پر متعین دستوں کو مدد مل سکے۔

اسی طرح تین دن گزر گئے۔ تین روز کے بعد عبس، ذبیان، طی اور ان کے مددگاروں نے رات کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ انھوں نے اپنے لشکر کے ایک حصّہ کو "ذی حسیٰ" مقام پر ہی چھوڑ دیا تاکہ ضرورت پڑنے پر اس سے کام لیا جا سکے۔ مدینہ کے ناکوں پر جو دستے متعین تھے انھوں نے کچھ لوگوں کو مدینہ کے اردگرد اور مدینہ سے باہر بھیجا ہوا تھا تاکہ وہ دشمنوں کی حرکات و سکنات کا پتا چلائیں۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ مرتدین رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ کی جانب بڑھے چلے آرہے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو فوراً خبر کر دی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مرتدین پر حملہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوراً اس امر کی اطلاع دی گئی آپ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے اور لشکر کے ساتھ اونٹنیوں پر سوار ہو کر ان لوگوں کے مقابلے کے لیے نکلے اور پہلے ہی حملے میں مرتدین کو شکست دے دی۔ جب مرتدین شکست کھا کر بھاگے تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا شروع کیا۔ حتیٰ کہ وہ ذی حسیٰ مقام تک پہنچ گئے جہاں مرتدین کا بقیہ لشکر موجود تھا وہ مسلمانوں کو دیکھ کر مقابلہ میں نکل آیا۔ اس لشکر نے مسلمانوں کے اونٹوں کے گلوں میں رسّیاں ڈالنی چاہیں تاکہ ان کو پکڑ لیں اور ساتھ ہی مسلمان بھی ان کے قبضہ میں آجائیں۔ لیکن اونٹوں نے فوراً اپنا رُخ پھیر لیا اور مدینہ کی جانب بھاگنے لگے اونٹ اتنی تیزی سے بھاگے جا رہے تھے کہ مسلمانوں کے روکے نہ رُکتے تھے۔ مرتدین کسی ایک مسلمان کو بھی گرفتار نہ کر سکے اور ان کی چال اکارت گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے باقی رات تیاری میں گزاری اور رات کے آخری حصّہ میں مرتدین سے مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی لشکر کے ہمراہ مدینہ سے باہر نکل آئے۔

ادھر مرتدین نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے اونٹ مدینہ کی طرف بھاگے جا رہے ہیں تو وہ دھوکے میں آگئے اور انھوں نے

ذوی القصہ [illegible] انوں کی طرف آدمی بھیجا کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور خود اس امید میں سو گئے کہ کل مدینہ پر حملہ کر کے اسے فتح کرلیں گے۔

لیکن یہاں ان کی بھول تھی۔ صبح ہوتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر ان کے ڈیروں پر پہنچ گئے۔ وہ بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی آواز تک نہ سُنی تا آنکہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے گلوں میں پیوست ہو گئیں۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہونے پایا تھا کہ مسلمان دشمنوں پر فتح پا کر اپنے ساتھ مالِ غنیمت لیے واپس آ گئے۔

اس واقعہ سے قبیلہ عبس میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کو سان گمان بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور ان کے خواب سب ادھورے رہ گئے۔ اس جھنجلاہٹ میں ان سب مسلمانوں کو اُنھوں نے قتل کر دیا، جو ان کے پاس تھے۔ اب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑے اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو لڑائی کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔ اسی اثنا میں اسامہؓ کا لشکر شام سے واپس آ گیا۔ آپ نے اسے مدینہ میں آرام کرنے کا حکم دیا اور اپنے پیچھے اسامہؓ کو مدینہ کا امیر بنا کر خود بنی عبس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہ منت عرض کیا کہ آپ اپنے تئیں خطرہ میں نہ ڈالیں اور مدینہ میں ہی قیام فرمائیں۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ آپ کی ذات کو کسی طرح کا نقصان پہنچ گیا تو اُمّت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ آپ لشکر کی قیادت کے لیے اپنی جگہ کسی اور شخص کو نامزد فرما دیجئے۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے لشکر کے ساتھ سب سے پہلے ابرق پہنچے۔ وہاں عبس اور بنو بکر کو شکست دی۔ کچھ دنوں ابرق میں قیام فرمایا۔ پھر آگے بڑھ کر بنی ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کی زمینیں اور چراگاہیں مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے وقف کر دیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ واپس آ گئے۔ چونکہ مدینہ کے آس پاس بسنے والے دشمن قبیلوں کی سرکوبی ہو چکی تھی۔ اس لئے اب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ مدینہ آئندہ ان لوگوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہے گا۔

مرتدین سے جنگ کرنے کے لیے متعدد لشکروں کی روانگی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسامہؓ کے لشکر کو کچھ دن تک آرام کرنے دیا اور جب وہ تازہ دم ہو چکا تو ارادہ فرمایا کہ عرب کے مرتدین پر ایک بھرپور حملہ کر کے ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ ایک لشکر لے کر مدینہ سے نکلے اور "ذی القصہ" میں جو نجد کی جانب مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے، قیام فرمایا۔ وہاں آپ نے گیارہ جھنڈے بنا کر انھیں گیارہ امیروں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر امیر کو اپنے دستہ کے ساتھ مختلف اطراف و جوانب کو جانے کا حکم دیا۔ پھر ہدایت کی کہ راستے میں جس مسلمان قبیلہ کے پاس سے گزریں اسے اپنے ساتھ مرتدین سے جنگ کرنے کی ترغیب دیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ کچھ لوگ تو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ میدان میں نکل آئیں گے اور کچھ لوگ اپنے مرتد بھائی بندوں کی حمایت کے لیے گھروں میں ہی بیٹھے رہیں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں اور مرتدین کے حامیوں میں امتیاز کرنا آسان ہو جائے گا۔

آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو "بزاخہ" کے مقام پر طلیحہ بن خویلد اسدی کے مقابلہ کے لیے بھیجا اور ہدایت کہ جب وہ اس مہم سے فارغ ہو جائیں تو بطاح میں مالک بن نویرہ کے مقابلہ کے لیے چل کھڑے ہوں۔
عکرمہؓ بن ابوجہل کو یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کے لیے بھیجا اور ان کے پیچھے شرحبیلؓ بن حسنہ کو ان کی امداد و تقویت کے لیے روانہ کر کے حکم دیا کہ مسیلمہ سے فارغ ہو کر قضاعہ کی طرف بڑھیں۔
مہاجرؓ بن ابی اُمیہ کو صنعاء میں اسود عنسی کے مقابلہ پر متعین کیا۔
حذیفہؓ بن محصن کو عمان میں اہلِ دبا کا سر کچلنے کے لیے روانہ کیا۔
عرفجہؓ بن ہرثمہ کو اہلِ مہرہ کی طرف بھیجا۔ ان کو اور حذیفہؓ بن محصن کو حکم دیا کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں اور فرمایا کہ جو، جس کے رقبۂ حکومت میں ہو، اس کے ماتحت رہے (یعنی جب دونوں عمان میں ہوں تو حذیفہؓ امیر ہوں گے اور عرفجہؓ ان کے ماتحت، اور جب مہرہ میں ہوں تو عرفجہؓ امیر ہوں گے اور حذیفہؓ ماتحت)
سویدؓ بن مقرن کو تہامۂ یمن کی طرف بھیجا۔
علاءؓ حضرمی کو بحرین روانہ کیا۔
طریفہؓ بن حاجز کو بنی سلیم اور ان کے ساتھ جو ہوازن شامل ہو گئے تھے ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔
عمروؓ بن العاصؓ کو سرحد شام کی طرف روانہ فرمایا۔

مرتدین کے نام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط

لشکر کے دستوں اور امراء کی تعیین کے بعد آپ نے عرب کے مرتدین کے نام ایک ہی مضمون کے خطوط بھیجے جن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کی وفات کے ذکر کے بعد لکھا:

"مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض لوگ، جنھوں نے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کے احکام پر عمل کرنے لگے تھے، اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ انھوں نے اپنی نادانی اور جہالت سے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور وہ شیطان کے بہکائے میں آ گئے۔ میں نے مہاجرینؓ، انصارؓ اور تابعینؒ کے لشکر کے ساتھ فلاں شخص کو تمھاری طرف بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک جدال و قتال سے اپنا دامن بچائے جب تک تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بُلا نہ لے، جو اس کی بات مان لے گا، اسلام کا اقرار کر لے گا، اپنے ناروا اعمال سے باز آ جائے گا اور نیک کام کرنے لگے گا، اس سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ بلکہ اس کی امداد و اعانت میں ساعی ہو گا۔ لیکن جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں گے ان کے متعلق میں نے حکم دیا ہے کہ ان سے جنگ کی جائے۔ انھیں آگ میں جلا دیا جائے، انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا جائے اور کسی سے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ کیا جائے۔ جس شخص نے ان باتوں کو مان لیا اور اسلام قبول کر لیا تو یہ اس کے لیے بہتر ہو گا۔ لیکن جس نے ایسا نہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز

نہیں کر سکے گا۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے اس خط کو تمہارے مجمع عام میں سنا دے اور نشانی یہ مقرر کی ہے کہ جس بستی کے لوگ اذان دیں ان سے ہاتھ روک لیا جائے اور اگر وہ اسلام کا اقرار کر لیں تو ان کا اقرار قبول کر لیا جائے۔"

یہ خط لکھ کر ہر لشکر کے سپرد کر دیا گیا اور انھیں حکم دے دیا گیا کہ اس خط کو عام مجمعوں میں سنا دیا جائے اور مرتدین کو اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

اُمرائے عساکر کے لیے ہدایتیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امرائے عساکر کے لیے ایک عہد بھی لکھا جس کا مضمون سب امراء کے لیے ایک ہی تھا۔ ہر امیر نے وہ عہد نقل کر لیا اور اس پر کاربند ہونے کا وعدہ کیا۔ اس عہد کی عبارت مندرجہ ذیل تھی:

"یہ عہد ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور فلاں شخص سے لیا جاتا ہے جب کہ وہ ان لوگوں سے لڑنے جا رہا ہے جنھوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ فلاں شخص سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ جہاں تک اس کے امکان میں ہو گا وہ پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا، خدا کی راہ میں ہر طرح کوشاں ہو گا۔ ان لوگوں سے جہاد کرے گا جو اسلام کو چھوڑ کر شیطان کے پیروکار بن گئے ہیں۔ البتہ حجت تمام کرنے کے لیے وہ پہلے انھیں اسلام کی طرف بلائے گا۔ اگر وہ دائرۂ اسلام میں آ جائیں گے تو ان سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ لیکن اگر انکار کریں گے تو ان سے اس وقت تک سرِ جنگ رہے گا جب تک وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان نہ کر دیں۔ اگر مرتدین اسلام قبول کر لیں تو وہ ان تمام حقوق و فرائض سے انھیں آگاہ کر دے گا جو ان پر واجب ہوتے ہیں اور جو حکومت کی طرف سے ان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ ازاں بعد جو فرائض ان کے ذمہ واجب ہوں گے وہ ان کی بجا آوری کا انتظام کرے گا اور جو حقوق ان کے ہوں گے وہ ادا کرے گا۔ حالتِ ارتداد میں ان سے کسی قسم کی رو رعایت نہ کرے گا اور نہ ان سے لڑنے میں پیچھے ہٹے گا جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کا اقرار کرے تو اس کا یہ اقرار قبول کر لے گا اور ہر نیک کام میں اس کی مدد کرے گا۔ لیکن جو شخص حالتِ ایمان کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے انکار پر کمر باندھ لے گا تو اس سے لڑے گا۔ البتہ اگر وہ دوبارہ اسلام کی دعوت قبول کرے گا تو اس سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر وہ اپنے دل میں کوئی اور بات پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس سے خود نپٹ لے گا۔ جو شخص اللہ تعالےٰ کی دعوت پر کان نہیں دھرے گا' اسے' جہاں کہیں وہ ملے گا، قتل کر دے گا اور اس سے اسلام کے سوا اور کچھ قبول نہ کرے گا۔ جو شخص اسلام کی دعوت پر ایمان لے آئے گا اس کا یہ اقرار قبول کر لے گا۔ لیکن جو شخص انکار کرے گا' تو اس سے لڑے گا اور اگر خدا تعالیٰ اسے اس مرتد پر فتح دے گا تو اس کو تلواروں اور آگ کے ذریعہ ہلاک کر دے گا۔ جو مالِ غنیمت حاصل ہو گا اسے سوائے خمس کے' فوج میں

تقسیم کر دے گا۔ خمس ہمارے پاس آنا چاہیے۔ اس شخص سے اس بات کا بھی عہد لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو عجلت اور فساد سے باز رکھے گا۔ کسی غیر کو اپنے لشکر میں داخل نہ ہونے دے گا جب تک کہ اس کو اچھی طرح جان پہچان نہ لے "تاکہ جاسوسوں کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ سفر اور حضر میں مسلمانوں سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرے گا۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھے گا اور مسلمانوں کو بھی اس بات کی تاکید کرے گا کہ وہ نیک صحبت اختیار کریں۔ اپنے ساتھیوں سے نرمی کا سلوک کریں"۔

حقیقت یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمان تباہی اور بربادی کے ہولناک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی اور وہ حضرت ابوبکرؓ جیسے صادق الایمان، آہنی عزم و ارادہ کے مالک، اور اسلام کے عاشقِ زار کو کھڑا نہ کرتا تو مسلمان صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کے مقابلہ میں جس جرأت، دلیری اور سختی کا مظاہرہ کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس وقت جب مدینہ کا ہر متنفس یہ کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیے شاید خدائے تعالیٰ ان کے دلوں کو پھیر دے اور وہ اسلام قبول کر لیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہر ممکن خطرہ کو مول لیتے ہوئے مرتدین سے مقابلہ کرنے اور فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا تہیہ کر لیا۔ اس طرح آپ نے مرتدین کے لیے اس امر کے سوچنے کی گنجائش بھی نہ رکھی کہ اب اسلام کمزور ہو چکا ہے اور انھوں نے سرزمینِ عرب میں جس فتنہ کی بنیاد رکھی ہے اسلام میں اس کے روکنے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر حضرت صدیقِ اکبرؓ اس موقعہ پر بے نظیر جرأت اور بہادری کا مظاہرہ نہ کرتے تو یقیناً سارا عرب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوتا اور مدعیانِ کاذبہ کی طاقت و قوت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا۔ لیکن خدائے تعالیٰ جو دین کا محافظ ہے، ایسا ہونا کس طرح گوارا کر سکتا تھا۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چُنا اور آپ کے ذریعہ مرتدین کا بالکلیہ استیصال کرا دیا۔

(۲)

اسلام کی شمشیرِ براں

حضرت خالدؓ بن ولید اور طلیحہ بن خویلد الاسدی کا باہم مقابلہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو ان دشمنانِ اسلام کی طرف بھیجا جو مدینہ سے قریب تر تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ پہلے طلیحہ بن خویلد الاسدی اور اس کے مددگاروں کا مقابلہ کریں۔ اور اس پر فتح پالیں تو پھر مالک بن نویرہ کے مقابلے کے لیے روانہ ہو جائیں۔

طلیحہ بن خویلد الاسدی اور مالک بن نویرہ دونوں انتہائی طاقت و قوت کے مالک تھے اور حضرت خالدؓ بن ولید کو ان دونوں کے مقابلہ پر بھیجنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت خالدؓ بن ولید کی جرأت اور بہادری پر کتنا اعتماد تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یقین تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں اسلام اپنے دشمنوں پر غالب آ جائے گا

اور پھر پورا عرب اور مدینہ کے گرد و نواح میں دوبارہ امن قائم ہو جائے گا۔

طلیحہ بن خویلد الاسدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہو گئی تو اس نے بیحد طاقت حاصل کر لی اور کئی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ در اصل اس کی خواہش تھی کہ وہ بھی حضورؐ کی سی شان و شوکت حاصل کر سکے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے اپنی قوم بنی اسد کو اپنی نبوت کی طرف بلایا جو فوراً ہی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔ اب اس نے قبیلہ طے کی طرف رُخ کیا۔ چونکہ قبیلہ طے اور بنی اسد کے درمیان دوستی تھی اس لیے طے والے بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ قبیلہ غطفان نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی۔ گو ان قبیلوں کے بارسوخ اور معزز اشخاص طلیحہ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اور انھوں نے اپنے دین کو نہیں بدلا۔ لیکن عوام کثیر تعداد میں اس کے پیروکار ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں اس کے گرد ایک زبردست لشکر جمع ہو گیا۔ اس لشکر کا پڑاؤ سرزمینِ نجد میں طے کے ایک چشمہ بزاخہ پر تھا۔ لشکر کی تعداد چار ہزار جنگجوؤں سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے مقابلہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز نہ تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید حسب الحکم حضرت صدیقؓ طلیحہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گئے۔ عبس اور ذبیان بھی مدینہ سے شکست کھا کر طلیحہ کے پاس بزاخہ پہنچ چکے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ قبیلہ طے کے دو خاندانوں "جدیلہ" اور "غوث" کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں۔ بعض لوگ تو فوراً آکر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ لیکن بعض نے تاخیر سے کام لیا۔

عدیؓ بن حاتم طائی کی کوششوں سے قبیلہ طے کا قبولِ اسلام

ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حاتم طائی کے لڑکے عدیؓ کو اس کے قبیلہ کی طرف بھیجا اور اسے سمجھا دیا کہ تم جا کر اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دینا اور ان سے کہنا کہ وہ خواہ مخواہ فتنہ انگیزی نہ کریں۔ چنانچہ عدیؓ نے ایسا ہی کیا۔ ان کی قوم نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور عدیؓ سے کہا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کے پاس جا کر اسے آگے بڑھنے سے روک دو۔ ہم اپنے ان آدمیوں کو جو طلیحہ کے لشکر میں ہیں، خط لکھتے ہیں کہ وہ واپس آجائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طلیحہ کو ہمارے دوبارہ اسلام قبول کرنے کا پتا چل جائے اور وہ ان لوگوں کو قتل کرا دے۔ چنانچہ عدیؓ حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت خالدؓ نے اس مشورہ کے مطابق دشمن پر کچھ عرصہ کے لیے حملہ ملتوی کر دیا۔ اسی اثنا میں وہ لوگ جو طلیحہ کے پاس تھے، قبیلہ میں واپس آگئے۔ عدیؓ نے ان کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کر لیا۔ اس پر عدیؓ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس گئے۔ اس طرح مسلمانوں کو ایک ہزار جنگجو سوار اور مل گئے۔ اب حضرت خالدؓ بن ولید طلیحہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گئے۔ قریب پہنچ کر آپ نے دو مسلمانوں عکاشہؓ بن محصن اور ثابتؓ بن اقرم انصاری کو طلیحہ کے لشکر کا حال احوال معلوم کرنے بھیجا۔ راستے میں ان دونوں کو طلیحہ کا بھائی حبال ملا جسے ان دونوں نے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر طلیحہ کو ملی تو وہ اپنے ایک اور بھائی سلمہ کے ساتھ ان دونوں کے مقابلے کے لیے نکلا۔ مقابلہ کے وقت طلیحہ نے عکاشہؓ کو اور اس کے بھائی سلمہ نے ثابتؓ کو شہید کر دیا۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید کو ان واقعات کا علم ہوا تو آپ نے اپنے لشکر کو لڑائی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور تھوڑی ہی دیر میں حضرت خالدؓ نے طلیحہ کے لشکر کو شکست دے دی۔ طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ ایمان لے آیا اور مرتے دم تک اسلام پر ہی قائم رہا۔

قبیلہ تمیم میں سجاح بنت حارث کا ورود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم کے مختلف قبائل میں کئی امیر مقرر کیے تھے جن میں زبرقان ابن بدر، قیس بن عاصم، وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ بھی تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان میں سے بعض تو اسی عہد پر قائم رہے جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اور انھوں نے زکوٰۃ کی ساری رقوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ لیکن بعض لوگوں نے زکوٰۃ روک لی اور ارتداد اختیار کر لیا۔ بعض ابھی تذبذب میں ہی تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ جن لوگوں نے ارتداد اختیار کر لیا تھا ان میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔ اس اختلاف نے قبیلہ میں انتشار کی حالت پیدا کر دی تھی۔

اسی اثنا میں اس قبیلہ سے سجاح بنت حارث اُٹھی۔ اس عورت کا والد ایک تمیمی قبیلہ بنی یربوع کی ایک شاخ بنو تغلب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس تعلق کی وجہ سے تمیم نے اس کی مدد کی۔

بنو تمیم میں خانہ جنگی

اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا اور بنو تغلب کے عیسائیوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ سجاح نے ان کے ساتھ مل کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لشکر سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ بنی تمیم میں پہنچی تو اس نے بنو یربوع کے سردار مالک بن نویرہ کو بُلا بھیجا اور اس سے رائے طلب کی۔ مالک بن نویرہؓ نے مشورہ دیا کہ اس وقت ابوبکرؓ سے لڑنے کا خیال چھوڑ دو، بلکہ پہلے بنو تمیم میں اپنے مخالفوں سے نپٹ لو۔ ادھر وکیع بن مالک اور اس کی قوم بھی سجاح کے ساتھ ہو گئی تھی۔ سجاح نے مالک بن نویرہ کے مشورے پر عمل کیا اور اپنے مخالف تمیمی خاندانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس طرح بنو تمیم میں خود لڑائی کی آگ بھڑک اُٹھی اور ان کی توجہ مسلمانوں سے ہٹ گئی۔ اگر بنو تمیم متفقہ طور پر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیتے تو دس ہزار کا عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے مقابلہ پر نکل آتا اور ان کے لیے بڑی مشکل کا سامنا ہو جاتا۔

سجاح کا مسیلمہ کذاب کی طرف جانا

جب سجاح نے دیکھا کہ یہاں اس کی دال گلتی نظر نہیں آتی تو اس نے اپنے لشکر کو، جو ربیعہ اور ایاد وغیرہم قبائل پر مشتمل تھا، بنی حنیفہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بنو حنیفہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ جب مسیلمہ نے سجاح کے لشکر کی آمد کا حال سُنا تو بہت گھبرایا اور اس نے خیال کیا کہ اگر وہ اور اس کی قوم سجاح سے برسرِ پیکار ہو گئی تو ابوبکرؓ کی فوجیں اس پر ٹوٹ پڑیں گی اور اس کے ارد گرد جو قبائل ہیں وہ بھی اس کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن سے اتار پھینکیں گے۔ اس خطرہ کے پیشِ نظر اس نے سجاح کو

کچھ تحائف بھیجے اور اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

سجاح اور مسیلمہ کذّاب کی شادی جب ان دونوں کی ملاقات ہُوئی تو مسیلمہ نے اس سے شادی کی درخواست کی اور بہت کچھ لالچ وغیرہ بھی دیا۔ چنانچہ سجاح کی رضامندی کے بعد دونوں کی شادی ہوگئی۔ تین دن کے بعد سجاح اپنے لشکر میں واپس ہُوئی۔ جب لوگوں نے اس سے حالات پُوچھے تو اس نے کہا:

"میں نے مسیلمہ کو حق پر پایا اس لیے میں نے اس کی تابعداری اختیار کر کے اس سے شادی کر لی۔"

لوگوں نے سجاح سے پُوچھا:

"تم نے کچھ مہر بھی وصول کیا؟"

اس نے کہا:

"نہیں، اس نے مجھے مہر تو نہیں دیا۔"

اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا کہ بغیر مہر وصول کیے شادی کرنا اس کے لیے انتہائی غیر مناسب ہے۔ اس پر وہ مسیلمہ کے پاس واپس آئی اور مہر کا مطالبہ کیا۔ مسیلمہ نے سجاح کے مؤذن شبث بن ربعی الریاحی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اس امر کا اعلان کر دے کہ مسیلمہ نے دو نمازیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے واجب کی تھیں ہٹا دی ہیں۔ اور وہ عشا اور فجر کی نمازیں ہیں۔

مہر کے بارہ میں سجاح اور مسیلمہ کے درمیان یہ تصفیہ ہُوا کہ مسیلمہ یمامہ کی زمینوں کے لگان کی نصف آمدنی سجاح کو بھیجا کرے گا۔ سجاح نے مطالبہ کیا کہ وہ سال آئندہ کی آمدنی میں سے اس کا حصّہ پہلے ہی اسے دے دے۔ جس پر مسیلمہ نے نصف سال کی آمدنی میں سے اس کا حصّہ اسے دے دیا۔ بقیہ حصّہ کی وصولی کے لیے سجاح نے اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا اور خود واپس چلی گئی۔

جب سجاح بنو تمیم میں پہنچی تو مالک بن نویرہ کو افسوس ہُوا کہ اس نے اسلامی حکومت سے بغاوت کیوں کی، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ بنو تمیم کے بقیہ مرتدین اور ان کے امراء کا بھی یہی حال تھا۔ انھوں نے حضرت خالدؓ بن ولید سے اپنی ندامت کا اظہار کیا اور ان کی خدمت میں زکوٰۃ ارسال کر دی۔

مالک بن نویرہ سردار قبیلہ بنی یربوع کا قتل لیکن مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ ادا نہ کی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے قبیلہ بنو یربوع میں حضرت خالدؓ بن ولید اور ان کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اس لیے انھیں منتشر ہونے کا حکم دے دیا۔ جب حضرت خالدؓ بطاح پہنچے تو میدان خالی پڑا تھا اور کوئی متنفس دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فوج کے دستوں کو مختلف اطراف میں ان لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک دستہ بنی یربوع کے کچھ لوگوں کو پکڑ لایا۔ ان میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔ حضرت خالدؓ نے ان سب کو قید کر دیا اور اس کے بعد ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دیے گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کے بعض آدمیوں نے یہ گواہی دی تھی کہ جب بنی یربوع نے مسلمانوں کی اذانوں کی آوازیں سُنی تھیں تو انھوں نے بھی اذانیں دینی شروع کر دی تھیں۔ اسی بنا پر ان کا خیال تھا کہ ان لوگوں کا خون ناحق

PDF-XChange Editor Click to BUY NOW! www.tracker-software.com

بہانا گیا ... اور خلیفہ کے احکام کی صریح موجودگی میں ان کا قتل ہرگز جائز نہ تھا۔ جو لوگ اس خیال کے حامی تھے ان میں حضرت ابوقتادہؓ بھی تھے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ اس وجہ سے یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہوگیا اور معاملہ بہت بڑھ گیا۔

پھر ایک اور بات نے اس امر کو اور زیادہ اہمیت دے دی اور وُہ یہ کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے مالک بن نویرہ کی بیوہ سے شادی کر لی۔ ابوقتادہؓ اس بات کو برداشت نہ کر سکے۔ وہ لشکر کو چھوڑ کر مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور ان سے شکایت کی کہ کس طرح خالدؓ نے آپ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے قتادہؓ کے اس فعل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا کہ وُہ بغیر خالدؓ سے اجازت لیے ان کے لشکر کو چھوڑ کر چلے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، قتادہؓ یا کسی اور کے معاملہ میں اس بات کے روادار نہ تھے کہ فوجی احکام کی خلاف ورزی کی جائے، کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے لشکر میں کمزوری پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس وقت لشکرِ اسلام مخالفینِ اسلام سے برسرِپیکار تھا اور ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کی صفوں میں کامل اتحاد اور اتفاق رہے۔ اسی لیے انھوں نے ابوقتادہؓ کو مجبور کیا کہ وہ دوبارہ خالدؓ کے لشکر میں چلے جائیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل جنگی سیاست کے نقطۂ نگاہ سے انتہائی عقلمندی اور بڑی دُوراندیشی پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو ابوقتادہؓ کو خالدؓ کے لشکر میں واپس کر دیا۔ لیکن مدینہ کے مسلمانوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کے اس فعل پر کثرت سے نکتہ چینی ہونے لگی۔ مالک بن نویرہ کا بھائی متمم بن نویرہ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بھائی کے ساتھ حضرت خالدؓ نے جو سلوک کیا تھا اس کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی حضرت ابوبکرؓ سے خالدؓ کے فعل کی مذمت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

"چونکہ خالدؓ نے ایسے لوگوں پر تلوار چلائی ہے جنھوں نے اذان کا جواب اذان سے دیا تھا۔ اس لیے اگر یہ الزام صحیح ہے تو انھیں قید کر دینا چاہیے۔"

لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"عمرؓ! خالدؓ نے ایک تاویل[1] کی اور اس میں ان سے غلطی ہوگئی اس لیے تم خالدؓ کے بارہ میں اپنی زبان بند کرو۔"

جب حضرت خالدؓ بن ولید حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو انھوں نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے معاملہ میں اپنی معذرت پیش کی۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود مالک بن نویرہ کا خُوں بہا ادا کر دیا۔ بنو یربوع کی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ قبیلہ تمیم بھی سارے کا سارا دوبارہ اسلام لے آیا۔ اور اس بات پر راضی ہوگیا کہ جس طرح وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے اسی طرح وہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی زکوٰۃ ادا کیا کریں گے۔

---

[1] حضرت خالدؓ بن ولید نے یہ تاویل کی تھی کہ ان لوگوں نے قتل کے خوف سے اذانیں دینا شروع کر دی تھیں۔

... سالاروں کو سزا دینے کے متعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پالیسی

حضرت ابوبکر صدیقؓ ... سیاسی ... بڑی دور اندیشی اور حکمت ... اگر فوج کے سالاروں اور عمال سے اثنائے جنگ میں کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو انھیں سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ اگر لڑائی کے دوران میں کسی لشکر کے سردار کو سزا دی جائے تو دوسرے لشکروں کے سرداروں کی پوزیشن بھی نازک ہو جاتی ہے۔ ان کے بارہ میں بھی شکایتیں ہونے لگتی ہیں، ان کے حاسدین کی زبانیں ان کے خلاف مصروفِ عمل ہو جاتی ہیں اور اس طرح فوج کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

آج کل کی متمدن حکومتوں کا بھی یہی طریقہ ہے کہ اگر ان کے افسروں سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ اس کا محاسبہ کرنے میں سُرعت سے کام نہیں لیتیں اور جب تک وُہ اپنی ذمہ داریوں پر متعین رہتے ہیں ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتیں۔ وہ اس وقت تک انتظار کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہتی ہیں جب تک دلوں کے جوش ٹھنڈے اور شکایتوں کے دفتر بند نہ ہو جائیں۔ اگر کوئی ایسا ہی سنگین معاملہ ہوتا ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو وہ ایسے افسروں کا تبادلہ کر دیتی ہیں۔ لیکن اکثر اوقات تبادلہ کے ساتھ ہی ان کے منصب میں ترقی بھی کر دی جاتی ہے تاکہ شکایت کرنے والوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ مل سکے کہ فلاں افسر کا تبادلہ ان کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے یا ان کی شکایت پر عمل میں آیا ہے۔ اس طریقۂ عمل سے نہ صرف یہ کہ مخالفین کے منہ بند ہو جاتے ہیں بلکہ سرکاری ملازمین کے دلوں میں حکومت پر اعتماد بھی بحال رہتا ہے۔

بنو حنیفہ کے ساتھ جنگ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو حنیفہ کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آیا تھا۔ قبیلہ کا سردار مسیلمہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو کچھ عطایا دیے جن میں سے مسیلمہ کو بھی اپنا حصّہ ملا۔ واپس جا کر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے بعد پھر مدینہ آیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا، جس کا مضمون یہ تھا:

"مجھے بھی آپ کے ساتھ امرِ نبوت میں شریک کیا گیا ہے، اس لیے نصف ملک ہمارے لیے ہے اور نصف ملک قریش کے لیے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب میں لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب السلام علی من اتبع الھدٰی اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشآء والعاقبۃ للمتقین۔"

ترجمہ: "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہُوں جو نہایت رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذّاب کے نام، اس پر سلام جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ ساری زمین اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام تو متقیوں ہی کا اچھا ہو گا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عکرمہؓ بن ابوجہل کو مسیلمہ کذّاب سے مقابلہ کرنے کے لیے یمامہ بھیجا اور ان کے پیچھے شرجیلؓ کو ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ اور حکم یہ دیا کہ جب دونوں فوجیں جمع ہو جائیں تب جنگ شروع کی جائے۔ لیکن

عکرمہؓ [...]ں خیال سے کہ جنگ میں کامیابی کا فخر ان ہی کے حصّہ میں آئے۔ اکیلے پہنچ کر بنوحنیفہ پر حملہ کر دیا۔ جب بنوحنیفہ سے لڑائی شروع ہوئی تو عکرمہؓ نے شکست کھائی۔ شرحبیلؓ کو جب اس کا پتا چلا تو وہ جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔ عکرمہؓ نے ساری سرگزشت حضرت ابوبکرؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت ابوبکرؓ کو عکرمہؓ کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا اور آپ نے ان کو جواب میں لکھا:

"نہ میں تمھاری صورت دیکھوں گا نہ تم میری۔ اس وقت واپس نہ ہونا، کیونکہ اس طرح لوگوں میں بددلی پھیل جائے گی۔ تم حذیفہؓ اور عرفجہؓ کو ساتھ لے کر آگے بڑھو اور اہلِ عمان و مہرہ سے جنگ کرو۔ اس کے بعد مہاجرینؓ ابی امیہ کے ساتھ شامل ہو کر یمن اور حضرموت کے مرتدین کی خبر لو۔"

شرحبیلؓ کو آپ نے اس وقت تک انتظار کرنے کا حکم دیا جب تک ان کے پاس دُوسرا حکم نہ پہنچے۔

اس اثنا میں خالدؓ بن ولید بنویربوع کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں یمامہ بھیجا اور کئی اور لشکروں کو بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ کیونکہ یمامہ میں مسیلمہ کا زور بہت بڑھ چکا تھا۔ طبری کی روایت کے مطابق مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اکثر لوگوں نے اس کی اطاعت محض عصبیت اور اپنی قومیت کے تحفظ کی خاطر قبول کی تھی، حالانکہ وہ اس پر مطلق ایمان نہیں لائے تھے اور اس کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کہتے تھے:

"ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ جھوٹا ہے۔ لیکن ربیعہ کا کذاب ہمیں مضر کے صادق سے زیادہ محبوب ہے۔"

حضرت خالدؓ اپنے لشکر کے ہمراہ یمامہ روانہ ہو گئے۔ ادھر شرحبیلؓ نے بھی وہی حرکت کی جو عکرمہؓ سے سرزد ہوئی تھی اور ان کو بھی وہی نقصان اُٹھانا پڑا جو عکرمہؓ کو اٹھانا پڑا تھا۔ اس پر حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو زبردست سرزنش کی۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ پہنچے تو وہاں مسیلمہ کذاب کے پیروؤں سے نہایت شدید جنگ پیش آئی۔ بنوحنیفہ نہایت بے جگری سے لڑے۔ قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جاتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مدد بروقت آ پہنچی اور باحمیت مومنین نے عین موقع پر مسلمانوں کو ابھارا کہ وہ بنوحنیفہ پر ایک تازہ حملہ کریں۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ سیکڑوں اشخاص اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر بنوحنیفہ کے لشکر میں گھس گئے اور ان کو قتل کرنا شروع کیا۔ مسلمان بہادر مسیلمہ تک بھی پہنچ گئے اور اسے قتل کر ڈالا۔ مسیلمہ کو قتل کرنے کا فخر وحشی اور ایک انصاری کے حصے میں آیا۔ وحشی وہی شخص ہے جس نے جنگِ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ جب بنوحنیفہ نے دیکھا کہ ان کا سردار مارا گیا اور مسلمانوں کا حملہ شدت سے جاری ہے تو وہ ہمت ہار بیٹھے اور بھاگ کر اپنے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے جس کا حضرت خالدؓ نے محاصرہ کر لیا۔

جب بنوحنیفہ قلعہ میں پڑے پڑے بہت عاجز ہوئے اور اُنھوں نے کوئی چارۂ کار نہ دیکھا تو ان کا ایک آدمی مجاعہ بن مرارہ خالدؓ بن ولید کے پاس آیا اور آپ سے صلح کر لی۔ صلح نامہ میں یہ شرائط تھیں کہ بنوحنیفہ کے ان لوگوں کی، جنھوں نے لڑائی میں حصہ لیا، جاں بخشی کر دی جائے گی۔ ان کے پاس سونے چاندی اور اسلحہ وغیرہ کے جتنے ذخیرے ہوں گے وہ سب ضبط کر لیے جائیں گے اور ان کے جو لوگ قید کر لیے گئے ان میں سے چوتھائی بدستور مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہیں گے۔

جب صلح نامہ کی شرائط پر اتفاق ہو گیا اور صلح طے پا گئی تو حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس حضرت ابوبکر صدیقؓ کا

خط پہنچا ... انھیں حکم دیا گیا تھا کہ بنو حنیفہ کے تمام لوگ، جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا، قتل کر دیے جائیں۔ لیکن ... معاہدہ ... چکا تھا، اس لیے حضرت خالدؓ نے اپنے وعدہ کو نباہا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سارے حالات لکھ بھیجے۔

جب صلح ہو چکی تو بنو حنیفہ اسلام لے آئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ان لوگوں کا ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا۔

جب یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان سے فرمایا:

"تمھیں کیا ہو گیا تھا؟ تم نے اپنے آپ کو اور ہمیں مصیبت میں کیوں ڈالا؟"

انھوں نے جواب دیا:

"اے رسول اللہؐ کے خلیفہ! جو کچھ ہمارے ساتھ گزری اس کا آپ کو سب پتا ہے۔ جو کچھ ہوا وہ ایسا کام تھا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اور ہمارے لیے منحوس تھا۔ اللہ تعالےٰ ہمارے قصوروں اور ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے مسیلمہ کا کلام سننے کی خواہش کی۔ تعمیلِ حکم میں انھوں نے اس کے بعض کلمات سنائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب یہ کلام سُنا تو ان کو بنو حنیفہ کی جہالت پر بے حد تعجب ہوا اور آپ نے اس امر پر سخت حیرت کا اظہار کیا کہ ان لوگوں کو انتہائی فصیح و بلیغ کلام (قرآن مجید) اور ہزلیات (مسیلمہ کا کلام) میں کچھ بھی فرق محسوس نہیں ہوا۔

بنو حنیفہ کے ساتھ لڑائی میں جہاں مرتدین کا بھاری نقصان ہوا اور ان کے سترہ ہزار آدمی مارے گئے۔ وہاں مسلمانوں کا نقصان بھی ناقابلِ تلافی ہُوا۔ اس جنگ میں ایک ہزار سے زیادہ مہاجرینؓ و انصارؓ اور تابعینؒ شہید ہوئے۔ بنو حنیفہ کو شکست دینے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی ہی ایک وادی میں، جسے وبر کہتے ہیں، ٹھہر گئے اور آئندہ کے لیے خلیفہ کے احکامات کا انتظار کرنے لگے۔

(۴)

جزیرۂ عرب کے اطراف و جوانب میں مرتدین کا استیصال

یمن میں اسود عنسی کا خروج

بنو حنیفہ اور مسیلمہ کذاب کے استیصال کی تفصیلات کے بعد اب ہم اسود عنسی اور یمن میں مرتدین کے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں۔

جس زمانے میں یمن پر ایرانیوں کا قبضہ تھا وہاں "باذان" نامی ایک شخص ایرانیوں کی طرف سے عامل تھا۔ اس نے آخر کار اسلام قبول کر لیا اور اس کی وجہ سے یمن میں بھی اسلام پھیل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو یمن کا حاکم رہنے دیا، اور یہ اپنے انتقال تک اسی عہدہ پر فائز رہا۔ باذان کے انتقال کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے "شہر" کو صنعاء کا والی بنا دیا اور یمن کے باقی حصّوں میں دُوسرے عمّال مقرر کر دیے۔ حضرت معاذؓ بن جبل کو حضورؐ نے اس سارے علاقے کی معلّمی کے فرائض سپرد فرمائے۔ آپؓ ہر ولایت میں جاتے اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کے احکام کی تعلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل، قبائل "قحطان" کی ایک شاخ "عنس" میں ایک کاہن اسود نے نبوت کا دعویٰ کیا جسے یمنی بدوّوں کی ایک جماعت نے قبول کر لیا۔ ان بدوّوں کے ساتھ مل کر اسود عنسی نے نجران پر حملہ کر دیا۔ اور خفیف سے مقابلہ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ وہاں قبیلہ مذحج کے لوگ بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ جس سے اس کی جمعیت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔

اب اسے خیال پیدا ہوا کہ اگر انہی فتوحات پر قناعت کر لی گئی تو معاملہ تلپٹ ہو جائے گا۔ خطرہ یہ تھا کہ اگر مسلمان طاقت حاصل کر کے اس علاقہ کی طرف بڑھے تو اس کی ساری فتوحات پر پانی پھر جائے گا۔ اس نے آگے بڑھ کر مزید علاقہ پر اپنا قبضہ جمانے اور وہاں کے قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کا ارادہ کیا۔ وہ صنعا کی طرف بڑھا۔ صنعاء یمن کے بڑے بڑے شہروں میں سے ایک تھا اور وہاں کے باشندے اپنی دولت مندی کی وجہ سے مشہور تھے۔ صنعا کا عامل "شہر" اپنی ایرانی فوج کو جو ابنا[1] کے نام سے مشہور تھی ساتھ لے کر اسود عنسی کے مقابلہ میں نکلا۔ لیکن شکست کھائی اور میدانِ جنگ میں مارا گیا۔

صنعا کی طرف خروج کرنے اور اس پر قابض ہونے میں اسود عنسی کو صرف پچیس دن لگے۔ شہر فتح کرنے کے بعد اس کے مرحوم گورنر "شہر بن باذان" کی بیوی سے جبراً شادی کر لی۔

اس فتح کی وجہ سے سارے یمن میں اسود عنسی کا شہرہ ہو گیا۔ وہاں کے باشندے دھڑا دھڑ اس کی اطاعت قبول کرنے اور اس کے دین میں داخل ہونے لگے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دل سے اسود عنسی سے نفرت کرتے تھے لیکن وہ برملا اپنی نفرت کا اظہار نہ کر سکے اور جان کے خوف سے خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

یمن کے عمّال نے سارا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعات کی اطلاع پا کر یمن میں "ابنا" کے سرداروں کے نام ایک خط لکھا جس میں انھیں تاکید کی گئی تھی کہ وہ اسلام پر قائم رہیں۔ اور جس طرح بھی ممکن ہو اسلحہ اور قوت سے کام لے کر اسود کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو جائیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔

اسود کے قتل کی سازش

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کیا لیکن جب وہ اسود کے مقابلے پر آئے تو معلوم ہوا کہ اسود کی طاقت و قوت اور اس کے لشکر کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس پر آسانی سے قابو پانا ممکن نہیں۔ اسی اثنا میں ان کو پتا چلا کہ اسود عنسی کے لشکر کا سردار قیس بن لغوث المرادی اسود سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ انھوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور قیس کو اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ انھوں نے اس خدمت کے لیے ایک نہایت ہوشیار شخص کو منتخب کیا، جس نے بہت ہی جلد قیس کو رام کر لیا اور وہ "ابناء" کے ساتھ ہو گیا۔ اس کے بعد انھوں نے اسود عنسی کی بیوی "ازاذ"[2] سے رابطہ پیدا کیا اور اس سے کہا،

---

[1] ابناء۔ نامی فوج ان لوگوں پر مشتمل تھی جو ایرانی النسل تھے لیکن یمن میں پیدا ہوئے تھے۔

[2] "ازاذ" پہلے شہر بن باذان عامل صنعا کی بیوی تھی۔ اسود عنسی نے "شہر" کو قتل کرنے کے بعد اس سے جبراً شادی کر لی تھی۔

"اے میرے چچا کی بیٹی! تجھے معلوم ہے کہ تیرے خاوند نے تیری قوم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے تیرے پہلے خاوند کو قتل کر دیا اور تیری قوم کو بھی قتل و غارت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے ان کو ہر قسم کے مظالم کا نشانہ بنایا اور عورتوں کو ذلیل کیا۔ کیا اب بھی تیرے لیے اس کے وجود میں کوئی کشش باقی ہے؟ اسود کے لیے اب صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو اسے نکال دیا جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے۔"

"ازاد" نے اس کا یہ جواب دیا:

"جو تم کہتے ہو بالکل درست ہے۔ جس قدر مجھے اس شخص سے نفرت ہے، رُوئے زمین پر اور کسی سے نہیں۔ جب تم اس سے لڑنے کا ارادہ کرو تو مجھے اطلاع کر دینا۔"

اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام "ابناء" کے سرداروں اور اہلِ نجران کے نام آیا جس میں انھیں اسود سے جنگ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ چنانچہ وہ اس کے لیے تیار ہو گئے اور صنعا میں جو "ابناء" موجود تھے ان کو بھی لکھا کہ وہ اس موقعہ پر ان کی مدد کریں۔

اسود کا قتل

لیکن وہ زیادہ دیر تک صبر نہ کر سکے۔ چونکہ اسود کی بیوی "ازاد" ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو گئی تھی اس لیے اس کے مشورہ سے ابناء میں سے "فیروز" نامی ایک شخص اسود کے مکان میں چپکے سے داخل ہو گیا اور رات کو موقعہ پا کر اسے قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے اسود کے مکان پر سے اذان دی اور اس کے قتل کا اعلان کر دیا۔ اسود کے ساتھی بھاگ گئے اور وہاں کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قتل کے حالات لکھ بھیجے۔ لیکن جس وقت قاصد مدینہ پہنچا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی۔

یمن میں دوبارہ فتنہ کا خروج

اسود کا فتنہ کوئی معمولی فتنہ نہیں تھا، صنعا سے لے کر سواحلِ یمن تک سارا علاقہ اس کا مطیع ہو گیا تھا۔ اس کی موت کے بعد صنعا اور اس کے گرد و نواح کے مسلمانوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ اب فتنہ دب گیا ہے اور فضا صاف ہو گئی ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ جب اس علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو فتنہ پھر بھڑک اُٹھا۔ اور بعض رؤسا کے کہنے پر وہاں کے لوگوں نے ارتداد اختیار کر لیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو اس کا پتا چلا تو آپ نے ان کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر روانہ کیا اور ان یمنی سرداروں اور رئیسوں کو، جنھوں نے ارتداد اختیار نہیں کیا تھا بلکہ بدستور اسلام پر قایم تھے، کہلا بھیجا کہ جب تک ان کی امداد کے لیے اسلامی لشکر نہیں پہنچ جاتا وہ مرتدین کے مقابلہ پر جمے رہیں۔

اسود عنسی کے لشکر کے سردار قیس بن عبدیغوث کو جو اسود عنسی کے قتل کی سازش میں بھی شریک تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی تو وہ مرتد ہو گیا اور اسود کے پسپا شدہ لشکر کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا۔ اب صنعاء میں اسی کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ "ابناء" کے ایک سردار "فیروز" نے جو اپنے اسلام پر ثابت قدم تھا، قیس سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ایک لشکر مرتب کر کے آگے بڑھا اور قیس سے لڑ کر اسے شکست دی۔ لیکن یہ لوگ صنعا میں داخل نہ ہو سکے۔ انھیں خبر تھی کہ

یمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کا ایک بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اس لیے وہ صنعاً کے قریب ہی مختلف راستوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کا لشکر آ پہنچا اور یہ لوگ اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں کے لشکر کی کمان مہاجرؓ بن ابی امیہ کے ہاتھ میں تھی، جنھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسود عنسی کے لشکر سے لڑنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے عکرمہؓ بن ابو جہل بھی عمان اور قضاعہ کی جنگوں سے فارغ ہو کر آ پہنچے۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر مرتدین پر حملہ کیا اور انھیں شکست دی۔ مرتدین کے سردار قیس اور عمرو بن معدیکرب الزبیدیؓ گرفتار کر لیے گئے اور انھیں مدینہ بھیج دیا گیا۔ مدینہ پہنچ کر ان دونوں نے اپنے گزشتہ افعال پر پشیمانی کا اظہار کیا، ارتداد سے توبہ کی اور معافی چاہی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی جان بخشی فرما دی اور انھیں یمن واپس کر دیا۔ یہ لوگ اپنی توبہ پر قایم رہے اور بعد کو اسلام کی راہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

اہلِ کندہ کا ارتداد

اہلِ کندہ نے بھی ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ ان کے ارتداد کا سبب یہ تھا کہ کندہ میں زیاد بن عبید انصاری زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر تھے انھوں نے ایک شخص شیطان بن حجر اور اس کے بھائی کی ایک اُونٹنی بطور زکوٰۃ وصول کی اور اس پر مُہر لگا دی۔ یہ دونوں اس اونٹنی کو دینا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن زیاد نے اونٹنی دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر شیطان اور اس کے بھائی نے اپنی قوم بنی عمرو بن معاویہ سے امداد طلب کی اور وہ بربنائے عصبیت ان کے ساتھ ہو گئی۔ حضرموت اور سکون کے لوگوں نے زیاد کی مدد کی۔ دونوں فریقوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ مرتدین کا سردار اشعث بن قیس تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے مہاجرؓ بن ابی امیہ اور عکرمہؓ بن ابوجہل کو اہلِ کندہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چونکہ اشعث بن قیس کی جمعیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے مہاجرؓ نے تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ اپنے ہمراہ لیا اور بقیہ لشکر کو عکرمہؓ کی سرداری میں چھوڑ کر بسرعت تمام مجر الزرتان پہنچے، جہاں اشعث بن قیس مقیم تھا۔ مہاجرؓ نے فوراً ہی اشعث بن قیس پر ایک بھرپور حملہ کر دیا۔ اشعث اس ناگہانی حملہ کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ اس لیے فرار ہو کر بحیر میں قلعہ بند ہو گیا۔ تمام مرتدین بھی وہیں پہنچ گئے۔ مہاجرؓ بن ابی امیہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی اثنا میں عکرمہؓ بھی بقیہ لشکر کو اپنے ہمراہ لے کر پہنچ گئے۔ جب اشعث نے دیکھا کہ محاصرہ سختی سے جاری ہے اور مسلمانوں کو مزید کمک بھی پہنچ گئی ہے تو مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ درخواست میں اس نے اپنی قوم کے صرف نو آدمیوں اور ان کے اہل و عیال کے لیے جان بخشی کی خواہش کی۔ مہاجرؓ نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اشعث اس فہرست میں اپنا نام لکھنا بھول گیا تھا۔ چنانچہ ان نو آدمیوں کو چھوڑ کر باقی تمام مرتدین کو مع ان کے اہل و عیال اور اشعث کے گرفتار کر لیا گیا اور انھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ جب یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رُوبرو پیش ہوئے تو اشعث نے توبہ کی اور اپنی جان بخشی کا طالب ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اشعث، بلکہ باقی تمام قیدیوں کو مع ان کے اہل و عیال کے رہا کر دیا۔ اشعث مدینہ میں اس وقت تک رہا جب تک عراق فتح نہ ہو گیا۔

اہلِ بحرین کی سرکوبی

اہلِ بحرین، جن میں ربیعہ کے قبائل شامل تھے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور حضورؐ نے منذر بن ساوی کو ان کا امیر مقرر فرما دیا۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، منذر بیمار تھے اور اسی بیماری میں چند روز کے بعد ان کا

لہ عمرو بن معدیکرب [illegible] کی اطاعت

انتقال ... گیا۔ ساتھ ہی اہلِ بحرین نے دوسرے عرب قبائل کے ساتھ ارتداد اختیار کرلیا۔ اہلِ بحرین میں سے قبیلہ بکر ارتداد پر ... قبیلہ عبدالقیس نے بھی یہ کہہ کر مرتد ہونا چاہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو کبھی وفات نہ پاتے۔ اس قبیلہ میں ایک شخص جارودؓ بن فعلی تھا، جسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور اس کو اسلام کے متعلق کافی معلومات حاصل تھیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم مرتد ہونے لگی ہے تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا:

"اے قبیلہ عبدالقیس! میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں، اگر تمھیں اس کا کچھ پتا ہو تو مجھے جواب دینا، لیکن اگر پتا نہ ہو تو جواب مت دینا۔"

قوم نے کہا:

"پوچھو!"

اس نے کہا:

"کیا تم جانتے ہو کہ گزشتہ زمانوں میں اللہ تعالیٰ انبیاء کو مبعوث فرماتا رہا ہے؟"

اُنھوں نے کہا:

"ہاں!"

جارودؓ نے کہا:

"کیا تمھیں انبیاءؑ کے متعلق صرف علم ہے یا تم نے انھیں دیکھا بھی ہے؟"

انھوں نے جواب دیا:

"نہیں، ہمیں ان کے متعلق صرف علم ہے۔"

جارودؓ نے کہا:

"ان کے ساتھ کیا ماجرا گزرا؟"

انھوں نے کہا:

"وہ وفات پا گئے۔"

جارودؓ نے کہا:

"اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

قبیلہ عبدالقیس کے لوگوں کے دلوں پر اس بات کا بے حد اثر ہوا اور اُنھوں نے کہا:

"ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے جارودؓ! آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں۔"

چنانچہ ربیعہ عبد القیس ارتداد سے بچ گیا۔

جارودؓ اور ان کے قبیلے کے سوا ربیعہ کے باقی تمام قبائل مرتد ہو گئے۔ ان کا ایک وفد کسریٰ شہنشاہِ ایران کے دربار میں حاضر ہوا۔ کسریٰ نے ان لوگوں پر منذر بن نعمان بن منذر کو اپنا نائب مقرر کر دیا اور سات ہزار ایرانی فوج اس کے ساتھ کر دی۔ بنو بکر بن وائل کا سردار حُطم بن ضُبیعہ تھا۔ اس نے اپنے قبیلہ کو گمراہ کرنے کے علاوہ قطیف اور ہجر کے باشندوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے بعد جارودؓ اور قبیلہ عبد القیس سے لڑنے کے لیے مشرکین و مرتدین کا ایک لشکرِ جرّار اکٹھا کیا اور ان پر حملہ بول دیا۔ قبیلہ عبد القیس قلعہ بند ہو گیا اور حُطم بن ضُبیعہ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔

مسلمان، مرتدین کے ہاتھوں سخت ایذائیں اٹھا رہے تھے کہ علاءؓ بن حضرمی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے فوج لے کر بحرین کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ثمامہ بن اثال حنفی اور قیس بن عاصم منقری بنو حنیفہ اور بنو تمیم کی ایک جماعت لے کر ان سے مل گئے۔ اہلِ یمن بھی کثرت سے ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ راستے میں ایک جگہ رات گزارنے کے لیے لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ ابھی وہ اونٹوں پر سے اُترے ہی تھے کہ سارے کے سارے اونٹ مع ساز و سامان کے بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے پاس اب نہ کوئی سواری تھی نہ زادِ راہ، نہ پانی۔ انھیں یقین ہو گیا کہ ہلاکت کے سوا اب ان کے لیے کوئی راہ نہیں ہے۔ اس وقت مسلمان جس پریشانی میں مبتلا تھے اس کا کوئی شخص بھی اندازہ نہیں کر سکتا۔

جس جگہ مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ چٹیل میدان تھا۔ جہاں نہ کسی قسم کی روئیدگی تھی، نہ پانی کا نام و نشان تھا اور نہ کہیں کوئی سایہ دار جگہ نظر آتی تھی۔ ان کی زندگی کا واحد ذریعہ اُونٹ تھے اور وہ بھاگ گئے تھے۔ لیکن علاءؓ بن حضرمی نہایت بہادر اور جری تھے۔ ان کا دل ایمان سے بھرپور تھا۔ انھوں نے رات کو خدا تعالیٰ سے گڑگڑا کر دُعائیں مانگیں۔ جب صبح ہوئی تو لشکرِ اسلام نے دُور سے پانی چمکتا ہُوا دیکھا، وہاں پہنچے، پانی پیا، غسل کیا۔ ابھی دن چڑھا ہی تھا کہ ان کے اونٹ ہر چہار طرف سے آ آ کر پانی پر جمع ہونے لگے۔ لشکر والوں نے اونٹوں کو پکڑ لیا اور ان کو نکیلیں ڈال دیں۔ اس کے بعد ان کو پانی پلایا۔ شاید اونٹوں کے بھاگ کر واپس آ جانے کی وجہ یہ ہو کہ وہ بے حد بھُوکے پیاسے ہوں، پانی اور چارہ کی تلاش میں نکل گئے ہوں۔ رات کے اندھیرے میں انھیں کچھ دکھائی نہ دیا ہو لیکن صبح ہونے پر وُہ پانی اور سبزہ دیکھ کر پھر وہاں پہنچ گئے ہوں۔

علاءؓ بن حضرمی اپنا لشکر لے کر بحرین پہنچے اور حُطم کے لشکر کے قریب ہی خیمہ زن ہو گئے۔ جارودؓ بھی جو عبد القیس کے ساتھ قلعہ میں محصور تھے علاءؓ کے پاس آن پہنچے۔ حُطم نے اپنے لشکر کے اردگرد خندق کھُدوا رکھی تھی۔ دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ لڑائی کا سلسلہ ایک مہینہ تک جاری رہا۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

ایک رات علاءؓ اپنے خیمہ میں لیٹے تھے کہ مرتدین کے لشکر گاہ کی طرف سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں۔ علاءؓ نے خبر لینے کے لیے اپنے جاسوس بھیجے اور انھوں نے تھوڑی دیر میں آ کر خبر دی کہ سارا لشکر شراب میں دھت ہے اور نشہ میں واہی تباہی بک رہا ہے۔ علاءؓ بن حضرمی نے موقعہ کو غنیمت جانا۔ وُہ اپنی فوج کے ساتھ خندق عبور کر کے مرتدین کے لشکر میں داخل ہو گئے اور ان سے گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ مرتدین کا سردار حُطم بن ضبیعہ بھی مارا گیا۔ اسی علاقہ میں کسریٰ کے

...ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا ۔ جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے تھے انھوں نے جزیرہ دارین میں پناہ لی ۔ لیکن علاءؓ ان کا وہاں بھی تعاقب کیا اور انھیں شکست دی ۔ اس طرح تمام بحرین سے مرتدین کا خاتمہ ہو گیا۔

عمان میں مرتدین کا استیصال

اہلِ عمان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ایمان لے آئے تھے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر جلندی کے دو لڑکوں جیفر اور عبد اکو والی بنا دیا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عمان میں ایک شخص لقیط بن مالک ازدی نے نبوت کا دعوٰی کر دیا اور اپنے ارد گرد بڑی جمعیت اکٹھی کر لی ۔ جیفر اور عبدا اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بے بس پاکر پہاڑوں میں چلے گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سارا حال لکھ بھیجا ۔ آپ نے حذیفہؓ بن محصن کو لقیط بن مالک کے مقابلے کے لیے بھیجا اور ان کی مدد کے لیے عرفجہؓ بن ہرثمہ کو روانہ کر دیا ۔ اسی دوران میں عکرمہؓ بن ابوجہل بھی یمامہ سے فارغ ہو چکے تھے ۔ آپ نے ان کو بھی عمان جانے کا حکم دیا ۔

لقیط نے اپنی فوج (دبی) کو اکٹھا کیا ۔ مسلمان بھی پہنچ گئے ۔ لڑائی شروع ہوئی جس میں مرتدین کو شکستِ فاش نصیب ہوئی اور انھیں جانی و مالی طور پر بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

اہلِ مہرہ کا ارتداد اور ان کی سرکوبی

جب عکرمہؓ عمان کی مہم سے فارغ ہوئے تو اپنے لشکر اور قبائل ناجیہ، عبد القیس ، راسب اور سعد کے ساتھ بلادِ مہرہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ کیونکہ اہلِ مہرہ نے بھی ارتداد اختیار کر لیا تھا ۔ مہرہ میں کئی بیرونی قبائل کے لوگ بھی آباد تھے ۔ اہلِ مہرہ سب کے سب مرتد ہو گئے تھے لیکن وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو کر آپس میں دست و گریبان رہتے تھے ۔ ایک گروہ کا سردار سخریت تھا جو خاص اہلِ مہرہ میں سے تھا ۔ دوسرا گروہ مصبح کے جھنڈے تلے تھا جو قبیلہ بنو محارب کا ایک فرد تھا ۔

عکرمہؓ نے مہرہ پہنچ کر سخریت کو خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی ۔ اس خط کا سخریت پر اثر ہوا اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت ایمان لے آیا ۔ لیکن مصبح نے اسلام قبول نہ کیا ۔ عکرمہؓ نے اس پر حملہ کر دیا اور فتح پائی ۔ مصبح مارا گیا ، مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا ۔ چند دن تک عکرمہؓ یہیں ٹھہرے رہے اس انتظار میں کہ اس علاقہ میں سکون ہو جائے اور یہ لوگ اسلام لے آئیں ۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے مہاجرین امیہ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے یمن روانہ ہو گئے ۔

قضاعہ کا ارتداد

حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قضاعہ کے مرتدین سے لڑنے کے لیے مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنایا تھا ۔ عمروؓ بن العاص پہلے بھی ان لوگوں سے غزوہ ذات السلاسل میں جنگ کر کے انھیں شکست دے چکے تھے ۔ اس جنگ میں قضاعہ کے سیکڑوں آدمی مارے گئے تھے ۔ جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے تھے انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب قضاعہ نے دیکھا کہ ہر چہار طرف کے قبائل مرتد ہو رہے ہیں تو انھوں نے بھی ارتداد اختیار کر لیا ۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے قضاعہ میں پہنچ کر اپنی تلوار کے خوب جوہر دکھائے اور ان کو بزور زکوٰۃ کی ادائیگی اور اسلام قبول کرنے پر مائل کیا ۔

ایک سال کی مسلسل جنگوں کے بعد آخر کار لشکرِ اسلامی نے مرتدین پر پُوری طرح قابو حاصل کر لیا۔ مرتدین دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبائلِ عرب جس وحدت اور اخوت سے ہمکنار تھے وہ انھیں دوبارہ حاصل ہو گئی۔ جزیرۂ عرب فتنہ و فساد اور انتشار سے پاک ہو گیا اور ملک کے طول و عرض میں اسلام کا جھنڈا اپنی پُوری شان و شوکت کے ساتھ لہرانے لگا۔

(۵)

ارتداد کا پس منظر

عرب کے قدیم مورخین نے ان لڑائیوں کے اسباب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جو مرتدین سے پیش آئیں اس لیے کہ ان کی غرض صرف واقعات کو جمع کر دینا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں یورپین مورخین نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ ان اسباب پر بحث کی ہے جو ان کے خیال میں ان جنگوں کا باعث بنے۔ لہٰذا ہم بھی تفصیل کے ساتھ ان اسباب پر گفتگو کرتے ہیں۔

محاذِ جنگ کا جغرافیائی لحاظ سے جائزہ

مذکورہ جنگوں کے حقیقی اسباب پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ سارے محاذِ جنگ کا جغرافیائی لحاظ سے جائزہ لیا جائے۔ مرتدین سے جتنی جنگیں ہوئیں وہ سب جزیرۂ عرب میں ہوئیں۔ جس علاقہ میں طرفین کی فوجوں کی نقل و حرکت ہوتی تھی وہ حجاز میں سواحلِ بحرِ احمر سے نجد تک پھیلا ہُوا تھا اور سرزمین دھنا میں ختم ہوتا تھا۔ دھنا، حسا اور عارض و سدیر کے درمیان واقع ہے، اور اس میں شمالی حجاز، جبل شمر اور نجد کے علاقے شامل ہیں۔

یہ سارا علاقہ بالعموم صحرا پر مشتمل ہے۔ یہاں پانی کی انتہائی قلت ہے۔ البتہ کہیں کہیں نخلستان واقع ہیں جہاں کھجور اور دیگر پھلوں کے درخت اُگے ہُوئے ہیں۔ اس منطقہ میں پہاڑ بہت کم ہیں۔ بعض پہاڑ نجد میں ہیں اور بعض شمر کے علاقہ میں۔ ساری زمین ریتلے میدانوں سے بھری پڑی ہے۔ اس علاقہ میں آبادی بھی بے حد کم ہے۔ جہاں کہیں آبادی ہے وہ وادیوں کے درمیان یا ان نشیبی علاقوں میں ہے جہاں بارش کا پانی آکر جمع ہو جاتا ہے۔ ان نخلستانوں میں قابلِ ذکر وادی حمض کے وسط میں مدینہ کا نخلستان، وادی رمہ کے وسط میں بریدہ اور عنیزہ کا نخلستان اور وادی حنیفہ کے گرد پھیلے ہوئے عارض کے نخلستان ہیں۔

ارتداد کے اسباب

محاذِ جنگ کے جغرافیائی جائزہ کے بعد اب ہم ان جنگوں کے اسباب کی طرف آتے ہیں۔ ہم نے پچھلی فصل میں بیان کیا تھا کہ عربوں کے مرتد ہونے کے اسباب میں یہ بات خاص طور پر داخل تھی کہ بعض قبائل کو اسلام کے متعلق مطلق واقفیت نہ تھی۔ ان میں وہ جاہلی عصبیت علیٰ حالہٖ قائم تھی جس کو اسلام مٹانا چاہتا تھا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے یہ قبائل مسلمانوں کی طاقت اور قوت و شان و شوکت کی وجہ سے خاموش رہے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو بعض قبائل کے لوگوں نے قریش کے غلبہ اور دباؤ کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ بالکل مطلق العنان اور آزاد ہو کر اسی طرح زندگی گزاریں جس طرح وہ کچھ عرصہ پہلے گزارتے تھے اور کسی شخص یا

...غلبہ اور سرداری کو قبول نہ کریں۔ بعض لوگوں نے منہ سے اسلام پر قایم رہنے اور نماز پڑھنے کا اقرار تو کر لیا۔ لیکن اس ساتھ ہی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ در اصل زکوٰۃ تاوان ہے جو ہم پر ڈالا گیا ہے اور ہم آزاد منش عربی باشندے اس تاوان کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں نے تاریخ ارتداد کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بات بھی واضح ہو گئی ہو گی کہ اکثر اُن عرب قبیلوں نے اسلام کے خلاف بغاوت کی جو مکّہ اور مدینہ سے دُور رہتے تھے۔ ان میں بعض طاقت ور تھے اور بعض کمزور۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ ہم اسلامی مراکز سے بہت دُور ہیں۔ اس لیے اسلامی فوجیں ہم تک پہنچنے کی جرأت نہ کریں گی، اور اگر کریں گی بھی تو اس عرصہ میں ہم اپنی طاقت اور قوت کو بہت بڑھا لیں گے اور اسلامی لشکر کے لیے ہمیں شکست دینا آسان کام نہ ہو گا۔

پس ارتداد کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عربوں میں ان کی جاہلی عصبیت عود کر آئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ جس طرح جاہلیت کے زمانہ میں وہ آزادانہ زندگی گزارتے تھے اور کسی قوم یا شخص کو ان پر حکومت کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہو۔ یہ جاہلی عصبیت کئی طریقوں سے ظاہر ہوئی۔ بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بعض قبائل میں جھوٹے نبی کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اپنے قبیلوں کو اپنی تائید کے لیے بلایا۔ چنانچہ ان کی بعض ایسے لوگوں نے بھی تائید اور مدد کی جو ان کے دعووں پر مطلق یقین نہ رکھتے تھے اور انھیں جھوٹا سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ انھیں قریش اور انصارِ مدینہ کی ماتحتی گوارا نہیں تھی اس لیے انھوں نے ان جھوٹے نبیوں کو جھُوٹا سمجھتے ہوئے بھی ان کی اطاعت اختیار کر لی۔ کیونکہ وہ ان کے علاقوں کے باشندے تھے اور اپنے علاقہ کے لوگوں کو وہ بہرحال قریش اور انصار سے افضل و برتر سمجھتے تھے۔

یہ بات کسی صورت میں بھی نہیں کہی جا سکتی کہ ارتداد کا سبب عرب کے قبائل کی اسلام سے نفرت تھی۔ بلکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اس کی وجہ وہ قومی عصبیت تھی جس کو یہ لوگ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جس کا اسلام مطلق روادار نہ تھا۔ یہ لوگ قریش اور انصار کی سیادت و سرداری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور اسی وجہ سے وہ اسلامی افواج کے مقابلے پر آئے۔

قبائلِ عرب کی پانچ اقسام

جرمنی کا مشہور مستشرق "کیتانی" لکھتا ہے کہ وہ عرب جن کا تعلق ارتداد کی جنگوں سے ہے پانچ اقسام پر مشتمل ہیں:

پہلی قسم ان اعراب (بدّو) مسلمانوں کی ہے جنھوں نے کامل طور پر مدینہ کی حکومت اور اس کے غلبہ کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مدینہ اور مکّہ کے قریب یا ان دونوں شہروں کے درمیان آباد تھے۔ ان میں مشہور قبائل جہینہ، مزینہ، بلی، اشجع، اسلم، ہذیل اور خزاعہ تھے۔

دُوسری قسم میں وہ قبائل شامل ہیں جنھوں نے گو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مجبور ہو کر عہد و پیمان کر لیے تھے اور حضورؐ کی زندگی کی آخری جنگوں میں شرکت بھی کی تھی۔ لیکن اسلام ان میں پورے طور پر قائم نہ ہوا تھا اور وہ مدینہ کے تسلّط سے آزاد ہونے کے لیے کسی موقعہ کی تلاش میں تھے ان قبائل میں ہوازن، عامر بن صعصعہ، بنی سلیم اور خثعم شامل تھے۔

تیسری قسم ان قبائل کی ہے جو مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں پر واقع تھے جنھوں نے سیاسی طور پر مدینہ کا تسلّط اور غلبہ

اپنے اوپر ... یم کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ اور صدقات بھی بھیجے تھے۔ ان میں سے مشہور قبائل بنو اسد، بنو غطفان اور بنو تمیم تھے جو نجد کے علاقہ میں آباد تھے۔

چوتھی قسم میں وہ قبائل تھے جنھوں نے مدینہ کی حکومت اور غلبہ کو تسلیم نہ کیا تھا اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود بھیجنے اور ظاہری طور پر آپ کی تابعداری اختیار کرنے پر اکتفا کی تھی۔ ان قبائل میں مسلمانوں کی بہت تھوڑی تعداد آباد تھی ان مسلمانوں کی حفاظت کا سارا دارومدار اس امر پر تھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کو قوت و طاقت حاصل رہے تاکہ ان قبائل کے لوگ ان کے خوف سے اپنے ہاں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم نہ ڈھا سکیں۔ ان قبائل میں بنو حنیفہ، عبد القیس، عمان کے ازد اور حضر موت اور یمن کے اکثر قبائل شامل تھے۔ ان قبائل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل کئی معلّمین کو اس غرض کے لیے بھیجا تھا کہ وہ ان میں جا کر لوگوں کو اسلام کی تعلیم اور اسلامی اخلاق کی بنیاد پر ان کی تربیت کا کام سرانجام دیں۔

پانچویں قسم میں وہ قبائل آتے ہیں جو سرے سے اسلام پر ایمان ہی نہیں لائے تھے بلکہ بدستور عیسائیت اور شرک پر قائم تھے۔ یہ وہ قبائل تھے جو عرب کے شمالی حصہ میں مقیم تھے مثلاً بنی کلب، بنی تغلب، غسان، قضاعہ، تنوخ، بکر اور حضر موت و یمن کے بعض قبائل۔

متذبذب قبائل عرب کے بعض قبائل نے فتنۂ ارتداد کے وقت غیر جانبداری کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ قبائل جو مکہ کے مشرق، مغرب اور جنوب میں رہتے تھے انھوں نے ارتداد اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ قبائل کنانہ، ازد، بجیلہ، خثعم، عک، اشعر، حکم وغیرہ تھے۔ جب مرتدین سے جنگیں شروع ہوئیں تو یہ قبائل بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے کسی فریق سے تعرض نہ کیا اور نہ دونوں میں سے کسی کی مدد کی۔

مکہ کے شمال مشرق میں جو قبائل آباد تھے ان میں سے بعض قبائل مثلاً ہوازن، عامر بن صعصعہ، ہذیل اور بنو سلیم نے گو ارتداد اختیار کر لیا تھا لیکن ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔

طے کے قبائل بھی اسی فکر میں تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ بالآخر ان میں سے بعض طلیحہ اسدی کے ساتھ مل گئے۔

مدینہ کے شمال میں قضاعہ کے قبائل نے کھلم کھلا مسلمانوں سے جنگ کی۔

قبائلِ عرب کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کافی حد تک مذبذب تھے۔ بعض لوگ مرتد تو ہو گئے تھے لیکن چونکہ ان کو کامل یقین نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔ اس لیے انھوں نے اپنی نظریں ان جنگوں کی طرف مرکوز رکھیں جو عرب کے اطراف و جوانب میں لڑی جا رہی تھیں۔ وہ اس بات کے انتظار میں تھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ بعض قبائل نے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاملوں کو اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا لیکن مسلمانوں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔

کھلم کھلا جنگ کرنے والے قبائل وہ قبائل جنھوں نے کھلا ارتداد کی جنگوں میں حصہ لیا، مندرجہ ذیل تھے:

...زہ اور غطفان ——— یہ قبائل مدینہ کے مشرق اور نجد کے راستہ میں واقع تھے۔ ان کے رؤسا مدینہ آئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زکوٰۃ معاف کرنے کی درخواست کی۔ لیکن آپ نے ان کو صاف جواب دے دیا۔ اس پر ان لوگوں نے اپنی جمعیت کو مجتمع کیا اور مدینہ پر زبردست حملہ کر دیا۔ ان کا جو حشر ہوا وہ ہم پچھلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔

بنو اسد ——— جو طلیحہ اسدی کے ساتھی تھے۔ یہ لوگ جبل شہر کے جنوب میں حجاز اور نجد کے درمیان سکونت پذیر تھے۔

بنو اسد کے ساتھ بنو فزارہ، غطفان اور طے کے قبائل بھی مل گئے تھے۔

بنو تمیم ——— جو مالک بن نویرہ کے ساتھ تھے۔

بنو حنیفہ ——— جو مسیلمہ کذّاب کے پیرو تھے۔

مرتدین سے مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی جماعتیں

مرتدین کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کی جو جماعتیں میدان میں آئیں وہ انصار کے دونوں قبیلوں اوس وخزرج اور مہاجرین اور مکہ کے قریش پر مشتمل تھیں۔ ان لوگوں میں لڑنے والوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

مہاجرین، انصار اور قریش کے ساتھ وہ قبائل بھی تھے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان سکونت پذیر تھے۔ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام پر لبیک کہا تھا۔ جو بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین سے جہاد کرنے کے لیے ان لوگوں کو دعوت دی تو یہ بڑی خوشی سے ان جنگوں میں شامل ہوئے۔ یہ قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع، جہینہ اور کعب وغیرہ تھے۔ ان قبائل کے لڑنے والوں کی تعداد تین ہزار تھی۔

قبیلہ ثقیف جو مکہ اور طائف کے درمیان تھا وہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی فوج میں شامل تھا۔ اس قبیلہ کے افراد بڑے بہادر اور نہایت جنگجو تھے۔ یہ لوگ بدستور اسلام پر قایم رہے اور مرتدین کے ساتھ جنگوں میں انھوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس قبیلہ میں دو ہزار لڑنے والے موجود تھے۔

جنگہائے ارتداد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بے نظیر جرأت

ان اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اگر کل فوج کو جمع کر لیا جائے تو اس کی تعداد دس ہزار سے متجاوز نہیں تھی۔ اس دس ہزار فوج کو آپ نے بارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ان بارہ حصّوں کو مرتدین سے لڑنے کے لیے عرب کے گوشہ گوشہ میں روانہ کیا۔ اسلامی فوج نے اپنی قلتِ تعداد کی پروا نہ کرتے ہوئے ہر محاذ پر مرتدین کو شکست فاش دی۔ عرب میں امن قایم کیا۔ افتراق پیدا کرنے والوں کی بیخ کنی کی اور اس طرح سرزمینِ عرب میں اسلام کو دوبارہ قایم کیا اور عربوں کے ان زبردست حملوں کے لیے زمین تیار کی جو مرتدین سے جنگ کرنے کے بعد وقوع میں آئے اور جنھوں نے ایک عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ان جنگوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس عزم واستقلال اور جرأت وبہادری کا ثبوت دیا، روئے زمین پر اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ آپ نے اس موقعہ پر دکھا دیا کہ آپ کے قدم مصائب کی شدید آندھیوں، خطرات کے مہیب بادلوں

اور آفات کے زبردست بگولوں کے مقابلہ میں بھی ایک اِنچ پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ آپ کو خدا تعالیٰ پر کامل یقین اور بھروسا تھا کہ وُہ اپنے قائم کیے ہوئے دین کی آپ مدد کرے گا اور اس کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ خدا تعالیٰ پر یہی یقین اور بھروسا تھا جس کی وجہ سے آپ کو ہر میدان میں فتح نصیب ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر جب کہ تمام عرب میں ارتداد کی آگ پورے زور شور سے بھڑک رہی تھی اور قریب تھا کہ وہ سارے جزیرہ کو جلا کر خاک کر دے اور اسلام کا نام ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے، دینِ خدا کی وہ خدمت انجام دی جس نے اسلام کو دوبارہ اس جزیرہ میں زندگی بخشی۔ آپ نے بر وقت اور نہایت جراَت مندانہ طریقہ سے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور جب تک اس فتنہ کی آگ کو کلی طور پر فرونہ کر دیا نہایت عزم و استقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ بظاہر نظر یہ فتنہ انتہائی خوفناک نظر آتا تھا مگر آپ نے اپنی بے نظیر قابلیت کو کام میں لا کر ایک سال سے بھی کم عرصہ میں اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسلام کی ساری تاریخ میں اس قسم کی مثال ملنی ناممکن ہے اور آج تک مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد پیدا نہیں ہُوا جس نے دین اسلام کی ایسی عظیم الشان خدمت کی ہو جیسی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی۔

مرتدین سے جنگوں کے وقت مسلمانوں کی کمزور حالت

مذکورہ بالا جنگوں کے وقت مسلمان جس طرح کمزوری سے دوچار اور مرتدین جس طرح قوت و طاقت کے نشہ میں چُور تھے وہ کوئی ڈھکی چھُپی بات نہیں۔ مزید برآں مسلمانوں کو اپنے گھر میں بیٹھ کر مقابلہ کرنا نہیں پڑا۔ بلکہ پُرہیبت صحراؤں کو عبور کر کے جہاں نہ پانی کا نام و نشان ملتا تھا نہ کسی قسم کے سبزہ کا۔ مرتدین کے علاقوں میں جا کر لڑنا پڑا۔ وہ اپنے مرکز سے دُور تھے۔ راستے بھی نہایت پُرخطر تھے۔ لیکن ان تمام مشکلات اور مصائب کے باوجود اُنھوں نے ہر میدان میں اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور ان کی عظیم الشان جمعیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ انھوں نے مرتدین کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ چھوڑا کہ یا تو وہ اپنے گزشتہ افعال پر ندامت کا اظہار کر کے امن شکن کارروائیوں سے باز آ جائیں یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

جو شخص ان واقعات پر گہری نظر ڈالتا ہے اس کے لیے یہ ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ جو کچھ ہوا وہ سب قوتِ ایمانی کی برکت سے اور جذبۂ قربانی کی بدولت ہُوا۔ اس وقت مسلمانوں کے دل میں اس بات کی شدید تڑپ تھی کہ وہ سر زمینِ عرب سے اس فتنہ کو ملیا میٹ کر دیں جس کی موجودگی میں اس کا شدید خطرہ تھا کہ کہیں جاہلیت کا زمانہ جو ابتری، بدنظمی اور بُت پرستی کا دُوسرا نام تھا، دوبارہ لوٹ کر نہ آ جائے۔ چنانچہ اسی خطرہ کے پیشِ نظر اُنھوں نے اپنی پُوری طاقت سے فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا اور عرب کو پھر سے نئی زندگی بخشی۔ عربوں کی صفوں میں یکجہتی پیدا کی اور انھیں پھر ایک ہی مسلک میں منسلک کر دیا۔

فصل سوم ـــــ اسلام کی یلغار ـــــ عراق کی فتح اور ایران پر حملہ

(۱)

اسلامی فتوحات کے اسباب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا کامل یقین تھا کہ خدا اپنے دین کو ہر میدان میں فتح بخشے گا اور اسے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک غالب کر کے ہی دم لے گا۔ یہی یقین تھا جس کی بدولت آپ نے ایران جیسی عظیم الشان حکومت پر بھی حملہ کرنے میں کسی قسم کا تردد محسوس نہیں کیا آپ کو عربوں کی قوت و طاقت کا اچھی طرح علم تھا۔ آپ جانتے تھے کہ عربوں اور ایرانیوں کا کسی طرح بھی باہم مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تمام عرب فوجوں کو ملا لیا جاتا تب بھی ان کی تعداد ایران کے کسی ایک شہر کی حفاظت کرنے والی فوج کی تعداد کے برابر بھی نہ تھی۔ عرب جس تنگی اور تکلیف سے زندگی بسر کرتے تھے ایرانی اس کا قیاس بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لڑائی کی صورت میں عربوں کو کسی جانب سے بھی مدد ملنے کا امکان نہ تھا۔ لیکن اس کے برعکس ایرانی اپنے وسائل کو کام میں لا کر چند دنوں میں بڑے سے بڑا لشکر جمع کر سکتے تھے۔ زندگی کے کسی شعبے میں عربوں کو ایرانیوں پر کسی قسم کی برتری حاصل نہ تھی اور کسی صورت میں بھی وہ ایرانیوں کے ہم پلہ قرار نہیں دیے جا سکتے تھے۔ فتوحات کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ لشکر کی تعداد وافر ہو۔ اسے دشمن سے لڑنے کے لیے ہر قسم کی آسانیاں مہیا ہوں۔ لیکن عربوں کو ان میں سے کوئی بات بھی میسر نہ تھی۔

ظہورِ اسلام سے پہلے عربوں کے دل و دماغ کے کسی گوشہ میں بھی یہ خیال نہیں آ سکتا تھا کہ وہ کبھی ایران پر چڑھائی کر سکتے اور اس پر اپنا تسلط جما سکتے ہیں۔ ان کے بعض قبائل ایرانیوں کے مطیع تھے۔ عرب کے شمال میں قیاصرۂ روم کی حکومت تھی اور شمال مشرق میں خسروانِ ایران کی۔ روم اور ایران میں باہمی چپقلش رہتی تھی۔ ہوسِ ملک گیری کے باعث دونوں حکومتیں ایک دوسرے کی سرحد پر حملہ کرتی رہتی تھیں۔ فریقِ مخالف کی طرف سے ان حملوں کو روکنے کے لیے طرفین نے اپنی اپنی سرحدوں پر مضبوط قلعے اور چھاؤنیاں تعمیر کیں۔ لیکن جب ان سے کام نہ چلا تو دونوں نے اپنے قرب و جوار کے سربرآوردہ عرب قبائل کے سرداروں کو لالچ دیا۔ ان کے جنگجو اور بہادر لوگوں کو فوج میں بھرتی کیا۔ انھیں قواعدِ جنگ سکھائے۔ آلاتِ حرب سے لیس کیا اور تنخواہیں مقرر کر دیں۔ اس طرح یہ عرب سردار اور ان کے اہلِ قبیلہ روپیہ کے لالچ میں اپنے اپنے مالکوں کے لیے جان دینے اور ان کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنے لگے۔ بالفاظِ دیگر خود وہ عرب جنھیں اپنی آزادی، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری تھی۔ ایران اور روم کی کاسہ لیسی میں مصروف ہو گئے۔

اسلام سے قبل اہلِ عرب ایرانیوں اور رومیوں کو بڑی ہیبت، عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان عظیم الشان سلطنتوں کی سطوت، عظمت اور جبروت سے انتہائی مرعوب تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ان سلطنتوں کے باشندوں کو ہر قسم کا آرام، ہر طرح کا چین نصیب ہے۔ ان کے پاس طاقت اور قوت کے خزانے ہیں۔ ان کی فوجیں جدید ترین آلاتِ حرب سے

... طرح مسلح ہیں۔ اس کے برعکس وہ خود انتہائی کس مپرسی اور ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں، نہ ان کے پاس طاقت ہے، نہ ہتھیار ہیں نہ فوج۔ ہتھیاروں میں لے دے کر ان کے پاس تیر کمان، نیزے اور تلواریں تھیں۔ لیکن یہ چیزیں ایرانیوں اور رومیوں کے جدید ترین اسلحہ کے سامنے کیا کام آسکتی تھیں۔ عربوں کی یہی سقیم حالت تھی جس کے پیشِ نظر اسلام سے قبل ان کے واہمہ میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ وہ اپنے جزیرہ سے اس عزم کے ساتھ نکلیں گے کہ اپنی پڑوسی سلطنتوں پر حملہ کریں اور ان کی طاقت و قوت اور عظمت و جبروت کو آن کی آن میں خاک میں ملا کر رکھ دیں۔

لیکن اسلام نے آکر ان عربوں کے تنِ مُردہ میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک دی تھی اور ان کی حالتوں میں ایک عظیم تغیر، ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اسلام نے عربوں میں اتحاد کی داغ بیل ڈالی، ان کے عزائم کو بلند اور مضبوط کیا۔ انھیں اس بات کا احساس دلایا کہ روئے زمین پر وہی سب سے زیادہ معزز ہیں، پھر انھیں حقیقی آزادی سے ذوق آشنا کیا، جس کے زیرِ اثر بڑی بڑی طاقتیں اور باجبروت بادشاہتیں ان کی نظروں میں ہیچ ہوگئیں۔

جُونہی خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ مرتدینِ عرب کے استیصال سے فارغ ہوئے آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایران اور روم کی بادشاہتوں کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں چند ہزار نفوس پر مشتمل مسلمانوں کا حقیر سا لشکر کم مائیگی، بے بضاعتی، اسلحہ اور سامانِ رسد کی کمی اور ہزارہا مشکلات کے باوجود عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں کو قطع کر کے ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے مقابل صف آرا ہوگیا جو اپنی تہذیب و تمدن، قوت و شوکت اور رعب و دبدبہ کی وجہ سے تاریخ عالم میں اپنے لیے ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔ خلیفہ کے احکام کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ اسلامی لشکر نے ایرانی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ اس کے سامنے ایرانی لشکرِ جرار کی وافر سامانِ جنگ کے باوجود کچھ بھی پیش نہ جا سکی۔ اسی طرح رومی سلطنت بھی اپنی ہیبت اور شکوہ و عظمت کے ساتھ مسلمانوں کے قدموں پر آپڑی اور مسلمان اس کے اکثر حصہ پر قابض ہوگئے۔ اس قبضہ کو ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ایرانی اور رومی سلطنت کے کھنڈروں پر مسلمانوں نے ایک اور عظیم الشان سلطنت کی عمارت تعمیر کر دی جو قوت و طاقت، تہذیب و تمدن، مضبوطی و استحکام اور شان و شوکت کے لحاظ سے گزشتہ سلطنتوں سے کہیں بہتر اور دنیا کی عظیم ترین طاقتوں میں سے ایک تھی۔

مسلمانوں کا یہ عروج مورخین کے لیے انتہائی حیرت و استعجاب کا باعث ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تاریخ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی جس میں ایک خانہ بدوش قوم جسے دنیوی آسائشوں سے کچھ بھی حصہ نہ ملا ہو، جس کا گزارہ اونٹنیوں کے دُودھ اور باسی گوشت پر ہو، جسے رائج الوقت فنونِ جنگ سے مطلق واقفیت نہ ہو، دیکھتے دیکھتے بگولہ کی طرح اُٹھے، اور آن کی آن میں آندھی کی طرح اپنے ہمسایہ ملکوں پر چھا جائے اور وہ ملک اپنے اعلیٰ ترین سامانِ جنگ، اپنی انتہائی شان و شوکت کے باوجود اس بدو قوم کے سامنے خس و خاشاک بن کر بہہ جائیں۔

مورخین نے ان حیرت انگیز واقعات کے دو عوامل بیان کیے ہیں،

ایک یہ کہ اسلام نے عربی قبائل میں وہ تاثیر پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ صحرا سے نکل کر بڑی بڑی عظیم الشان

سلاطین ... کے مقابل صف آراء ہو گئے۔

دُوسرا یہ کہ خود ان ممالک میں بھی، جنھیں عربوں نے فتح کیا تھا، اندرونی طور پر ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے اسلامی فتوحات کے لیے راستہ صاف کر دیا۔

اسلام کا ظہور ان قبائل میں ہوا، جو پراگندگی میں اپنی حد کو پہنچ گئے تھے، بتوں اور غیر اللہ کی پرستش نے ان کی عقلوں پر دبیز پردے ڈال دیے تھے، آپس کی خانہ جنگیوں نے ان میں خطرناک حد تک انتشار پیدا کر دیا تھا لیکن اسلام نے آ کر ان تمام قبائل کو باہم شیر و شکر کر کے ایک روحانی، اجتماعی اور اخلاقی نظام میں جکڑ دیا۔ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ زمانہ اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے انتہائی انحطاط کا زمانہ تھا لوگوں کو ایک لڑی میں پروئے رکھنے اور آدابِ زندگی پر عمل پیرا کرنے کے لیے کسی قسم کے نظام کا وجود نہیں تھا۔ اس وقت صرف عرب ہی کی یہ حالت نہیں تھی بلکہ ایران، شام اور دوسرے ممالک بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ان ممالک میں عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان زبردست جھگڑے پیدا ہو رہے تھے جس کی وجہ سے ان کی ترقی اور خوشحالی پر شدید اثر پڑ رہا تھا اور ان ممالک میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئی تھیں۔

دُنیا کی یہ حالت تھی کہ اسلام کا ظہور ہوا۔ اس نے اپنی تعلیم کی بدولت عرب کے تمام قبائل کو مجتمع اور منظم کر دیا۔ اسلامی تعلیم کی روشنی میں جو قوانین مسلمانوں نے مرتب کیے انھوں نے عربوں پر گہرا اثر ڈالا۔ اسلام نے قبائل کو باہم متحد اور مربُوط کرنے کے لیے جو طریقے استعمال کیے ان میں عقیدۂ توحید سب سے زیادہ موثر ثابت ہوا۔ جب عربوں نے دیکھا کہ ان سب کا معبود ایک ہے تو قبیلہ قبیلہ کا بُت جُدا ہونے کی وجہ سے ان میں باہمی طور پر جو بیگانگی پائی جاتی تھی۔ وہ دور ہونے لگی۔ اسلام نے آ کر لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ سب انسان برابر ہیں اور کسی شخص کو کسی شخص پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اگر کسی قبیلہ کا سردار کوئی جُرم کرتا ہے تو قانون کی نظر میں وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے جس سزا کا مستحق ایک عام آدمی ہے۔ اخوت کا جو سبق اسلام نے آ کر پڑھایا اس نے قبائل کو اسلام کی طرف راغب کیا اور خود اسلام لانے کے بعد انھوں نے باقی دنیا میں اسلام کو پھیلانے کا تہیّہ کر لیا۔ غرض ایک مضبوط نظام جس نے تمام مسلمانوں کو باہم مربوط کر رکھا تھا اور اخوت و مساوات کی تعلیم کا زبردست اثر یہ وہ عوامل تھے جو اوّلین اسلامی فتوحات میں بہت کافی حد تک ممد و معاون ثابت ہوئے۔

اس کے بالمقابل ایران اور روم میں جو کچھ ہو رہا تھا وُہ ان سلطنتوں کو تباہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔ ایران کے اکاسرہ نے یہود و نصاریٰ پر ظلم و ستم توڑنے اور ہر طرح ان کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ادھر قیاصرۂ روم نے جو عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے۔ تمام سلطنت میں یہودیوں اور آزاد خیال مفکرین کو جور و عدوان کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا۔ عین اسی وقت اسلام نے حریّتِ فکر، حریّتِ ضمیر اور حریّتِ عقیدہ کا ببانگِ دہل اعلان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاءؓ نے لشکرِ اسلامی کے سرداروں کو اسی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی پُرزور تاکید کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی اور رومی ممالک کی رعایا کے ایک بہت بڑے حصّہ نے جو ظلم و ستم اور جور و الم کی چکّی میں پس رہا تھا نہ صرف یہ کہ حملہ کے وقت عربوں کی کوئی مزاحمت نہیں کی

بلکہ ہر طرح ان کی تائید اور مدد کی۔

ایرانی اور مشرقی روم کی سلطنتوں کے زوال اور عرب فوجوں کے ہاتھوں ان کی شکست کا ایک سبب ان دونوں حکومتوں کے جابرانہ قوانین بھی تھے۔ رومی قوانین نے اس مشرقی سلطنت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور ان کی وجہ سے رعایا کے مختلف طبقوں میں باہمی منافرت و مخاصمت پیدا ہو گئی تھی۔ سلطنت میں رومی اور غیر رومی دونوں باشندے آباد تھے اور ملکی عہدوں پر ہر ایک کا حق تھا۔ لیکن تمام بڑے بڑے عہدے اور ہر قسم کے اعزاز رومیوں کو ہی دیے جاتے تھے اور غیر رومی رعایا کو سیاسی اور شہری حقوق سے کلیتہً محروم رکھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ طبعی طور پر یہ ہوا کہ غیر رومی رعایا کے دل میں رومیوں کی طرف سے نفرت کے جذبات پیدا ہونے لگے اور اس طرح سلطنت میں کمزوری پیدا ہونے لگی۔ اس زمانہ میں رومی عساکر نے بھی اپنی قومی خصوصیات کو ترک کر دیا تھا اور فوجوں کے سپاہی سلطنت کی بے لوث خدمت کرنے کے بجائے تنخواہوں اور اُجرتوں کا مطالبہ کرنے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ تنخواہ دار سپاہی کسی صورت میں بھی اس طرح خلوص سے میدانِ جنگ میں کام نہیں کر سکتا جس طرح وہ سپاہی جس کے پیشِ نظر صرف اپنے ملک کی خدمت ہوتی ہے، محض جذبۂ قربانی ہی اس کو میدانِ جنگ میں لاتا ہے۔ اور اس کے دل میں تنخواہ اور اُجرت کا خیال بھی نہیں آتا۔ رومی فوجوں کی دیکھا دیکھی ان سرداروں اور ان کی فوجوں نے بھی تنخواہ کا مطالبہ شروع کر دیا جن کو رومی سلطنت نے سرحد پر اس لیے مقرر کیا تھا کہ وہ سلطنت کے خلاف ہر حملہ کو روکیں اور دشمن کو مملکت کی حدود میں قدم نہ رکھنے دیں۔ رومی اور غیر رومی عناصر میں اسی قسم کے جذبات کے اُبھرنے سے سلطنت میں ضعف شروع ہو گیا۔ فوج کی حالت بدل گئی، اور وہ فتوحات جو رومی فوج کے ہاتھوں مسلسل ہوتی رہتی تھیں، رُک گئیں۔

لیکن ان تمام کمزوریوں کے باوجود مسلمانوں کے لشکر ان کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے ہرگز اس قابل نہیں تھے کہ وہ ان منظم رومی اور ایرانی لشکروں کا مقابلہ کر سکتے جو جنگ کے لیے ہر وقت کیل کانٹے سے لیس کھڑے رہتے تھے۔ عربوں کی فتح کا سب سے بڑا سبب وہ دینی جذبہ تھا جس نے موت کو ان کی آنکھوں میں بالکل حقیر کر دیا تھا اور وہ ہر خطرہ سے بے پروا ہو کر، ان سلطنتوں سے لڑنے کے لیے نکل آئے تھے۔ اس جذبہ کے سامنے ایرانیوں کی تنظیم اور رومیوں کی شجاعت بھی کچھ کام نہ آ سکی۔

عربی فوجوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے افسروں اور سرداروں کے احکام کی اطاعت بلا چون و چرا اور آنکھیں بند کر کے کیا کرتی تھیں جس سے ان کی صفوں میں کامل اتحاد اور یک جہتی رہتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ وہ ایک ٹھوس اور سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو گئے تھے جس کو توڑنا ان کے دشمنوں کے بس میں نہ تھا۔ جنگی تیاریوں اور سامانِ رسد میں کمی کی تلافی اس کامل اطاعت اور فرماں برداری سے بھی ہو جاتی تھی، جو عرب سپاہی اپنے افسروں کے لیے روا رکھنا اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔

اولیں عربی فتوحات میں عربی فوجوں کا ایک امتیاز یہ تھا کہ وہ انتہائی پھرتی، تیزی اور چستی سے کام کرتی تھیں جس نے ان کی کامیابی میں بے حد مدد دی۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جنگ جیتنے میں حیرت انگیز پھرتی سے کام لیا، بلکہ فتوحات کے بعد ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مفتوحہ علاقوں کی نئے سرے سے تعمیر شروع کر دی۔ وہاں انتہائی منظم حکومت قائم کر کے، اسلامی قوانین جاری کر دیے اور اپنا تسلط اس طرح جما لیا کہ دشمن کی فوج دوبارہ حملہ کی جرأت نہ کرے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سلطنت میں ایسے لوگ بھی کثرت سے آباد تھے جن پر حکومت کی طرف سے بے انتہا مظالم کیے جاتے تھے۔ ملکی مناصب میں ان کے لیے کوئی حصّہ نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے علاقوں پر رومیوں نے مختلف جنگوں میں قبضہ کر لیا تھا اور وہ لوگ محکومی اور غلامی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے تھے۔ رومی حکومت نے ان کی دل دہی کے لیے کوئی کوشش نہ کی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے وہاں پہنچتے ہی ان سے انتہائی فیاضانہ سلوک کیا۔ اور اس طرح پیش آئے جیسے اپنے بھائیوں سے پیش آتے ہیں۔ اس سلوک کا ان لوگوں پر جو اب تک ظلم و ستم کی چکی میں پستے چلے آ رہے تھے بیحد اثر ہوا اور وہ اس سرزمین میں مسلمانوں کے سب سے بڑے مددگار بن گئے۔

مسلمانوں نے جنگوں میں میانہ روی اور ضبطِ نفس کی بڑی اعلیٰ مثالیں پیش کیں۔ انھوں نے ان وحشیانہ حرکات سے کلی طور پر اجتناب کیا جو اس زمانہ کی لڑائیوں کا طرۂ امتیاز بن چکی تھیں۔ عربوں کے حملہ سے پہلے جب ایرانی اور رومی لشکر اپنے ہمسایہ ملکوں اور علاقوں پر فوج کشی کرتے تھے تو لوٹ مار اور قتل و غارت کا وہ بازار گرم ہوتا تھا کہ الامان و الحفیظ۔ شہروں کو جلانا، آبادیوں کو برباد کرنا، مفتوحہ علاقہ کے باشندوں کو بے دریغ قتل کر دینا اور بقیۃ السیف لوگوں کو شدید تکلیفیں پہنچانا ان کے لیے معمولی باتیں تھیں اور وہ اس میں لذت محسوس کرتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کی فوجیں ان ملکوں میں پہنچیں تو انھوں نے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے انتہائی رواداری اور محبت کا سلوک کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اپنے حاکموں کے ہاتھوں ایذائیں جھیل رہے تھے اور ان کا پچھلا برتاؤ ان کی نظروں کے سامنے تھا، خود مسلمانوں کا استقبال کرنے کھڑے ہو گئے اور ان جنگوں میں جس حد تک ہو سکتا تھا انھوں نے مسلمانوں کی اعانت کی۔

ان عوامل کے علاوہ عرب فوجوں کے سپہ سالاروں کی جنگی مہارت نے بھی فتوحاتِ اسلامیہ میں بہت مدد دی۔ علاوہ دیگر سپہ سالاروں کے مسلمانوں کے پاس ایک ایسا جلیل القدر انسان تھا جس کی گرد کو بھی دوسرے سپہ سالار نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ تھے "سیف اللہ" خالد بن ولیدؓ۔ آپ نے جس عقلمندی، دلیری اور بہادری سے جنگوں میں کام کیا اور جس طرح فوجوں کو ترتیب دے کر انھیں دشمن کے مقابلہ میں بھیجا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عراق مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ سلطنتِ ایران کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور یرموک کی جنگ کے بعد شام اور فلسطین سے رومی سلطنت کا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

ایران اور روم میں مسلمانوں کی کامیابی کے ہم نے جو اسباب گنوائے ہیں، یورپین مستشرقین نے بھی کم و بیش انھی اسباب کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے ہم علٰحدہ علٰحدہ ہر مستشرق کی رائے کو درج کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ البتہ پروفیسر نجار نے متذکرہ بالا اسباب کے علاوہ چند مزید اسباب بھی بیان کیے ہیں جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

نجار لکھتا ہے:

"عربوں کا یہ خاصہ تھا کہ وہ جب بھی باہر نکلتے خواہ سفر کے لیے خواہ جنگ کے لیے، تو اپنے ساتھ کم سے کم سامان لیتے اور بہت ہلکے پھلکے ہو کر نکلتے۔ وہ خانہ بدوش تھے اور ان کا کسی ایک جگہ قیام نہ ہوتا تھا اس لیے لازماً انھیں ایسا کرنا پڑتا تھا، صحرائی علاقہ میں رہنے کی وجہ سے جہاں میلوں تک نہ پانی کا نشان نظر آتا ہے

نہ کسی قسم کی خوراک کا، انھیں بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے کی عادت بھی پڑی ہوئی تھی اور وہ بہت کم غذا پر قانع ہو سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ لمبے سے لمبے سفر کر سکتے اور اپنے دشمن پر اچانک چھاپہ مار سکتے تھے۔ اس کے بالمقابل ایرانی اور رومی فوجیں سامانِ جنگ اور سامانِ رسد وغیرہ کی ایک کثیر مقدار اپنے ساتھ رکھتی تھیں۔ انھیں اپنے عالی شان خیموں کو گاڑنے اور بار کرانے میں ہی کافی وقت لگ جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ نہ تیزی کے ساتھ سفر کر سکتی تھیں اور نہ اچانک دشمن کے سر پر پہنچ کر اسے ہراساں یا مغلوب کر سکتی تھیں۔"

مزید برآں عربی فوجیں فنِ مبارزت میں کافی مہارت رکھتی تھیں۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے فریقِ مخالف کی طرف سے ایک بہادر جس کو اپنی قوت و طاقت پر ناز ہوتا تھا، باہر نکلتا تھا اور اپنے دشمنوں کو چیلنج کرتا تھا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو میرے مقابلے پر آئے؟ جواب میں دوسری طرف سے بھی ایک بہادر نکل آتا تھا اور دونوں میں باہم لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ چونکہ عرب کے گھوڑے ایرانی اور رومی گھوڑوں سے کہیں زیادہ تیز اور چالاک ہوتے تھے اور عرب تلوار کی لڑائی میں خوب مہارت رکھتے تھے اس لیے بالعموم انفرادی جنگ میں عرب شہسوار اپنے مدِمقابل پر غالب آجاتا تھا اور اس کو قتل کر دیتا تھا جس سے فریقِ مخالف کے حوصلے پست ہو جاتے تھے اور وہ مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو جاتا تھا۔

عربوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی پشت کی جانب سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ وہ اس وقت تک کبھی آگے نہ بڑھتے تھے جب تک مفتوحہ علاقہ کا انتظام پوری طرح نہ کر لیتے اور جب تک ان کو اس بات کا پورا یقین و وثوق نہ ہو جاتا کہ دشمن کسی طرح بھی ان پر پیچھے کی جانب سے اچانک حملہ نہیں کر سکتا۔ جنگی نقطۂ نظر سے یہ بات نہایت اہم ہے جس کا جنگ کے دوران میں دشمن پر حملہ کرتے وقت اور پیچھے ہٹتے ہوئے خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ عربوں نے اس اہم نکتہ کو ہمیشہ مدِنظر رکھا اور اس طرح کبھی دشمن کو اپنے اوپر قابو نہ پانے دیا۔

(۲)

عراق میں فتوحات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی دور اندیشی اور دوربینی سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ملک عرب کی مضبوطی نظامِ خلافت کی استواری اور اسلام کی شان و شوکت کے لیے قبائلِ عرب کا ایران اور روم سے برسرِ پیکار ہو جانا ضروری ہے۔ دشمنانِ اسلام

ے روم و ایران پر حملہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ خود یہ دونوں طاقتیں اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو تباہ کر دینے کی عملی تدابیر میں مصروف ہو گئیں۔ چنانچہ جنگِ یرموک میں قیصر نے ایک لاکھ کی جمعیت مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجی تھی۔ اگر صدیقِ اکبرؓ کمال ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ اس فتنہ کا سر نہ کچلتے تو ایران و روم کی فوجیں بہت ہی جلد مدینہ اور مکہ کو تباہ کر کے رکھ دیتیں۔ (محمد احمد)

…ف جنگ ہو کر وہ اپنے باہمی اختلافات بھول جائیں گے اور ان کی ساری کوششیں اپنے دشمنوں کو شکست دینے پر مرکوز ہو جائیں گی۔ حضرت ابوبکرؓ کی سیاست آپ کے کمال تدبّر و فراست پر دلالت کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عرب قبائل کے دل سے ابھی تک دورِ جاہلیت کا اثر پُوری طرح زائل نہیں ہوا تھا۔ وہ لڑائی جھگڑوں کے دلدادہ تھے اور باہمی خانہ جنگی کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خطرہ کو بر وقت بھانپ کر ان کی ساری توجہ دوسری طرف منعطف کر دی اور ان کو آپس کے لڑائی جھگڑوں کے لیے کوئی موقعہ ہی نہ ملا۔

حضرت صدیقِ اکبرؓ کے دل میں یہ خیال اس وقت اور بھی راسخ ہو گیا جب مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید بن قطبہ عجلی نے آپ کو لکھا کہ ایران اس وقت دورِ انحطاط سے گزر رہا ہے وہاں کے حالات بہت جلدی جلدی پلٹا کھا رہے ہیں اور ایرانی قوم میں کمزوری راہ پا چکی ہے۔ ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی کہ وُہ ان دونوں کی مدد کے لیے لشکر روانہ کریں۔ ان لشکروں کی مدد سے وُہ ایران پر چڑھائی کر دیں گے۔ مثنیٰ بن حارثہ اور سوید بن قطبہ دونوں قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن سرحد پر جا کر آباد ہو گئے تھے۔ وہ اکثر عجمی سرزمین پر چھاپے مارا کرتے تھے اور جو کچھ ہاتھ لگتا سمیٹ لایا کرتے تھے۔ لیکن خود کسی کے ہاتھ میں نہ آتے تھے۔ مثنیٰ حیرہ کی جانب سے چھاپہ مارتا تھا اور سوید ابلہ کی جانب سے۔ خیال غالب یہی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے دوران میں بھی ان دونوں کا یہی کام تھا کہ اپنے اردگرد کی زمینوں پر چھاپے مارتے اور جس قدر مال ملتا وہ لے کر چلے آتے۔ دشمن اگر پیچھا کرتا تو اس کی نظروں سے بچ کر عرب کے صحرا میں غائب ہو جاتے اور کسی کے ہاتھ نہ آتے۔

حضرت ابوبکرؓ اسی فکر میں تھے کہ ایسا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے عرب آپس کے لڑائی جھگڑوں میں نہ اُلجھ جائیں۔ کیونکہ مرتدین کے استیصال کے بعد جو سکون وجمود پیدا ہو گیا تھا اس نے اس خطرہ کو اور قریب کر دیا تھا۔ اسی اثنا میں مثنیٰ کا خط پہنچا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کو ایران پر چڑھائی کرنے کا حکم

جس وقت یہ خط حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا تو حضرت خالدؓ بن ولید بنو حنیفہ کی بغاوت کے استیصال سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کو ایران پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا اور کہلا بھیجا کہ اپنی مہم کا آغاز ہند کی سرحد (ابلہ) سے کریں۔ عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ شمال کی طرف سے ایران پر حملہ آور ہوں اور اپنے حملہ کی ابتدا مضیح سے کریں جو شمالی عراق میں واقع تھا۔ آپ نے ان دونوں کو یہ حکم بھی دیا کہ وُہ ایران پر چڑھائی کرنے کے لیے کسی شخص کو مجبور نہ کریں۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس حکم سے کہ صرف انہی اشخاص کو اس مہم میں شامل کیا جاتے جو بطیبِ خاطر اس کے لیے آمادہ ہوں اور کسی شخص کو مہم میں شمولیت پر مجبور نہ کیا جائے۔ آپ کی وقتِ نظر اور دُور اندیشی کا ایک اور ثبوت ملتا ہے۔ آپ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ ایرانیوں سے مقابلہ کے لیے ایسے لوگوں کو بھی ساتھ لے جایا جائے جو اس مہم میں شامل ہونا پسند نہ کرتے ہوں۔ آپ کی یہ رائے ٹھیک اور بالکل درست رائے تھی کہ اسلامی لشکر صرف ان لوگوں پر مشتمل ہونا چاہیے جو اپنی خوشی سے اس مہم میں شمولیت کریں نہ کہ خوف اور جبر کی وجہ سے۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید کو یمامہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مکتوب ملا تو آپ نے ایرانی سرحد کے سپہ سالار اور سردار ہرمز کو ایک تہدیدی خط بھیجا جس میں لکھا :

حضرت خالدؓ بن ولید کا ہرمز کے نام مکتوب

"یا اسلام لے آؤ یا ذمی بن کر ہماری سلطنت میں شامل ہونا اور جزیہ دینا قبول کرو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر بعد میں پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پھر تم اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرنا۔ ہم اپنے ساتھ ایک ایسی قوم کو لا رہے ہیں جو موت سے اسی طرح محبت کرتی ہے جس طرح تم زندگی سے۔"

حضرت خالدؓ بن ولید نے ہرمز کو اپنے لشکر کے متعلق جو کچھ لکھا تھا درحقیقت حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وہی چاہتے تھے آپ کی خواہش تھی کہ لشکر میں صرف ایسے لوگ شامل ہوں جن کی نظروں میں موت کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ ہو اور وہ موت کو انتہائی حقیر شئے سمجھتے ہوں۔ کیونکہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو میدانِ جنگ میں بے جگری سے لڑتے ہیں اور زندگی کی پروا نہ کرتے ہوئے خطرناک سے خطرناک جگہوں میں بے دھڑک گھس جاتے ہیں۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ حکم دے دیتے کہ طوعاً و کرہاً ہر شخص کو لشکر میں شامل کیا جائے تو لشکر میں ضعف اور ابتری پیدا ہو جاتی۔ کیونکہ اب مقابلہ ایسے دشمن سے تھا جو تعداد، قوت، طاقت، سامانِ جنگ، غرضیکہ ہر لحاظ سے عربوں سے برتر تھا اور خود عربوں کو بھی اس کی برتری کا اعتراف تھا۔ مزید برآں مسافت بھی دور کی تھی۔ اس بنا پر مقابلہ کے لیے صرف ایسے ہی اشخاص کی ضرورت تھی جو موت سے ڈرنے والے نہ ہوں اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لے کر نکلیں۔ اگر ایسے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا جاتا جو دل سے اس مہم میں شمولیت پر راضی نہ تھے تو سوائے لشکر میں بد دلی پھیلنے، کمزوری پیدا ہونے اور آخر کار دشمنوں کے ہاتھوں نقصان اٹھانے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی عراق کو روانگی

حضرت خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کو صرف ایک ہی راستہ سے لے کر نہیں چلے بلکہ لشکر کے تین حصے کر کے انھیں تین مختلف راستوں سے یکے بعد دیگرے عراق کے ایرانی صوبہ کی طرف روانہ کیا۔ آپ نے مثنیٰ بن حارثہ کو جو ابلہ کے مقام پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیرِ ہدایت حضرت خالدؓ بن ولید سے آملے تھے سب سے پہلے روانہ کیا۔ اس کے ایک روز بعد عدی بن حاتم کی سرداری میں دوسرا لشکر بھیجا۔ تیسرے روز عاصم بن عمرو کو لشکر کے تیسرے حصے کے ہمراہ روانہ کر دیا اور اس کے بعد خود نکلے۔ لشکر کے تمام حصوں کو مقام حفیر میں مل جانے کی ہدایت تھی تاکہ دشمن پر اجتماعی حملہ کیا جا سکے۔

ادھر جب ہرمز کو حضرت خالدؓ بن ولید کا خط ملا تو اس نے شہنشاہِ ایران کسریٰ اردشیر کو سارے معاملہ کی اطلاع دی۔

---

[1] عراق دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان واقع ہے پرانے زمانہ میں یہ علاقہ عرب کا ایک حصہ تھا اور عرب قبائل ہی یہاں رہتے تھے۔ لیکن ایران نے نہ صرف یہ کہ عرب کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ فرات کے مغرب کی طرف بھی اپنا تسلط جما لیا تھا اور اس علاقہ کی بعض اقوام ایران کی باجگزار ہو گئی تھیں۔ (محمد احمد پانی پتی)

...نوں سے مقابلہ کرنے کے لیے لشکر بھی جمع کیا اور یمامہ کی جانب واقع ایک شہر "کاظمہ" کا رُخ کیا۔ راستے میں پتا چلا کہ مسلمانوں کا لشکر "حفیر" میں جمع ہو رہا ہے۔ یہ سُن کر اس نے لشکر کی باگیں "حفیر" کی طرف موڑ دیں۔

جب حضرت خالدؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ اپنی فوج کو لے کر "کاظمہ" کی طرف روانہ ہو گئے۔ مجبوراً ہرمز کو بھی کاظمہ کا رُخ کرنا پڑا۔ حضرت خالدؓ نے اغلباً حفیر کو چھوڑ کر کاظمہ جانا اس لیے پسند کیا کہ آپ کے خیال میں وہ جگہ لڑائی کے لیے نسبتہً موزوں تھی۔

ہرمز انتہائی عقلمند اور بیحد پُھرتیلا تھا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کاظمہ پہنچے تو ہرمز پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ چونکہ پانی کی جگہ پر ہرمز اور اس کے لشکر نے قبضہ کر لیا تھا، اس لیے حضرت خالدؓ کو مجبوراً ایسی جگہ اترنا پڑا جہاں پانی کا نشان تک نہ تھا۔

غزوہ ذات السلاسل

لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے حضرت خالدؓ بن ولید میدان میں نکلے اور ہرمز کو مقابلہ کے لیے طلب کیا۔ ہرمز میدان میں آیا اور دونوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ ہرمز چاہتا تھا کہ دھوکا دے کر حضرت خالدؓ کو شہید کر دے۔ لیکن اس کی کوئی تدبیر کام نہ آئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے دشمنوں کی صفوں میں گُھس کر ان کو گاجر مُولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد ایرانی لشکر مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس جنگ میں ایرانیوں کو زبردست شکست اٹھانی پڑی۔ یہ لڑائی "ذات السلاسل" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس جنگ میں ایرانی سپاہیوں نے اپنے آپ کو ایک دُوسرے کے ساتھ زنجیروں میں باندھ لیا تھا تاکہ کوئی شخص بھاگ نہ سکے اور سپاہ آخری وقت تک لڑتی رہے۔

قارن کا حضرت خالدؓ بن ولید سے مقابلہ اور شکست

کسریٰ نے ہرمز کی مدد کے لیے "قارن بن قریانس" کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا تھا۔ جب یہ لشکر موجودہ شہر بصرہ سے چار میل دُور شمال میں "مدار" کے مقام پر پہنچا تو ہرمز کی شکست خوردہ فوج اس سے آملی۔ قارن نے اس فوج کو اپنے ساتھ ملا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ مثنیٰ کو جب یہ پتا چلا کہ قارن ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے تو انھوں نے اس کی اطلاع حضرت خالدؓ بن ولید کو دی۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کی اور ولید بن عقبہ کو مالِ غنیمت کا خمس دے کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس مدینہ روانہ کر دیا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ "مثنیٰ" کے مقام پر ایرانی فوجوں کا زبردست اجتماع ہو رہا ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر آپ اپنے تھکے ماندے لشکر کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور "قارن" کے لشکر کے بالمقابل پہنچ گئے۔ لڑائی کا آغاز مبارزت سے ہُوا اور اس کے بعد عام معرکہ شروع ہو گیا۔ اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا، اور ایرانی فوج کی صفیں کی صفیں اُلٹ دیں۔ ہزاروں ایرانی ہلاک ہو گئے اور ان کے بڑے بڑے سردار قارن، انوشجان اور قباذ مارے گئے۔ جب ایرانیوں کو شکست ہو گئی تو وہ مشرقی جانب بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا، لیکن ایرانی کشتیوں میں سوار ہو کر پار نکل گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ آ سکے۔ طبری نے اس جنگ میں کام آنے والے ایرانیوں کی تعداد تیس ہزار لکھی ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے مالِ غنیمت اپنی فوجوں میں تقسیم کیا اور خمس سعید بن نعمان کے ہاتھ فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

جنگِ ولجہ جب کسریٰ کو مدائن میں ایرانی افواج کی ہزیمتوں کی خبر پہنچی تو دربار میں زبردست اضطراب پیدا ہو گیا۔ کسریٰ نے فوراً ایک اور زبردست لشکر "اندرزغر" کی زیرِ قیادت مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ اندرزغر مدائن سے نکل کر "ولجہ" کے مقام پر پہنچا جہاں اس نے عرب کے نصاریٰ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اِدھر کسریٰ نے اس کے پیچھے مدد کے لیے ایک دُوسری فوج بہمن جاذویہ کی سرکردگی میں روانہ کی۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو ان فوجوں کے آنے کا حال معلوم ہُوا تو آپ نے اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ ایرانی کہیں دھوکہ سے لشکر کی پشت پر حملہ نہ کر دیں، سب سے پہلے لشکر کی پشت کے تحفظ کا پُورا پُورا انتظام کیا اور خطِ رجعت کو محفوظ و مامون رکھنے کے لیے جا بجا دستے متعین کر دیے۔ اس کے بعد لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ آپ نے تین اطراف سے حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ دشمن کے دو جانب کمین گاہوں میں اپنی فوج کو چھپا دیا اور لشکر کے ایک حصّہ کو ساتھ لے کر خود سامنے سے حملہ کر دیا۔ لڑائی شروع ہُوئی۔ شدید جنگ کے بعد جب طرفین کے حوصلے پست ہونے لگے تو اسلامی فوج کے جو دستے کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے انھوں نے یکے بعد دیگرے اپنی جگہوں سے نکل کر ایرانی فوج پر دھاوا بول دیا۔ ایرانی فوج اس ناگہانی حملہ کے لیے تیار نہ تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس میں شکست کے آثار پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے ایرانیوں کو اپنی تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ بہت سے ایرانی قتل ہوئے، باقی بھاگ گئے۔ بھاگنے والوں میں لشکر کا سپہ سالار اندرزغر بھی تھا جو صحرا کی طرف نکل گیا اور وہیں پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

معرکۂ الّیس اس جنگ میں بکر بن وائل کے بہت سے عیسائی بھی مارے گئے تھے۔ اس سے ان کے ہم قوم عیسائی جوش میں آ گئے اور انھوں نے دربارِ کسریٰ میں لکھا کہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے ان کی مدد کی جائے۔ خود وہ انبار کے متصل الّیس نامی مقام پر جمع ہونے لگے اور بہمن جاذویہ کا انتظار کرنے لگے جس کو اندرزغر کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اندرزغر کے لشکر کو شکست ہو چکی تھی۔ الّیس کے مقام پر ایک ایرانی سردار "جابان" بھی پہلے سے موجود تھا۔

جب حضرت خالدؓ کو الّیس پر دشمن کے مجتمع ہونے کی خبر ملی تو آپ اپنی فوج کو لے کر تیزی سے روانہ ہو گئے۔ آپ کا خیال تھا کہ دشمن کو کمک پہنچنے سے پہلے ہی اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جب حضرت خالدؓ الّیس پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ دشمن کے سپاہی بے فکر بیٹھے کھانے پینے میں مشغول ہیں۔ اگرچہ دشمن کو پتا چل گیا تھا کہ خالدؓ آ پہنچے ہیں مگر انھوں نے کوئی پروا نہ کی اور بے فکری سے اپنے کاموں میں لگے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ خالدؓ کی فوج تھکی ہوئی ہے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے وہ فوراً حملہ نہ کرے گی بلکہ کچھ سستائے گی۔

حضرت خالدؓ کے لیے دو راستے تھے، یا تو کچھ دیر آرام کرتے اور حملہ کو اگلے روز پر ملتوی کر دیتے، یا فوراً ہلہ بول دیتے۔ لیکن جب آپ نے دشمن کی فوج کو اس حالت میں دیکھا تو مصلحت اسی میں سمجھی کہ حملہ فوراً شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے

...نے کا حکم دے دیا۔ دشمن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ خالدؓ آتے ہی حملہ شروع کر دیں گے۔ وہ گھبرا گئے۔ مسلمانوں نے ایرانیوں اور ان کے حلیفوں پر زبردست حملہ شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ ایرانیوں کو یہ اُمید تھی کہ بہمن جاذویہ ایک زبردست لشکر لے کر ان کی مدد کو آ رہا ہے اس لیے وہ اس آس پر میدان میں جمے رہے لیکن آخر کب تک ؟ ایرانی لشکر میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے لگے اُدھر مسلمانوں نے ایرانیوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دئے۔ تھوڑی دیر میں بھاگڑ مچ گئی۔ بہت سے قتل ہُوئے اور ان کا سارا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس طرح الّیس کی لڑائی بھی دوسری لڑائیوں کی طرح ایرانیوں کی شکست پر منتج ہوئی۔

یہ تمام لڑائیاں جن کا ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے صفر ۱۲ھ میں ہوئیں۔ صرف ابلّہ کی لڑائی محرّم میں ہوئی تھی۔ حضرت خالدؓ کے لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی اور ہر موقعہ پر اسی لشکر کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔

امغیشیا کا حصول الّیس کی لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید "امغیشیا" کی جانب روانہ ہُوئے۔ جب وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سُنی تو وہ شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور تتر بتر ہو گئے۔ امغیشیا حیرہ کی طرح ایک بہت بڑا شہر تھا۔ مسلمانوں کو وہاں اتنا سامان ملا کہ اب تک کسی جنگ میں نہ ملا تھا۔ ایک ایک سوار کے حصّے میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار درہم آئے۔ اس کے علاوہ حضرت خالدؓ نے ان لوگوں کو جنھوں نے لڑائیوں میں غیر معمولی جرأت، دلیری اور بہادری کے مظاہرے کیے تھے مزید بیش قرار انعامات بھی دیے۔ خمس حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا جس کو دیکھ کر آپ بیحد خوش ہُوئے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد حضرت خالدؓ نے اس شہر کو ڈھا دینے کا حکم دیا۔

سقوطِ حیرہ حیرہؔ[1] کے مرزبان (ایرانی حاکم) نے جب "امغیشیا" کا حال سُنا تو ڈرا کہ چند دنوں میں خالدؓ یہاں پہنچ جائیں گے اور پھر اس کی خیر نہیں۔ چنانچہ اس نے لڑائی کی تیاری کی اور اپنے بیٹے کو آگے آگے روانہ کر دیا۔ اس کے پیچھے خود بھی لشکر لے کر حیرہ سے باہر نکل آیا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ حیرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں مرزبان کے لڑکے کی فوج سے مُڈھ بھیڑ ہُوئی۔ حضرت خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دے دی کچھ عرصہ کے بعد ان کا لشکر بھی ان سے آ کر مل گیا اور اس کو ساتھ لے کر حضرت خالدؓ نے حیرہ کا رُخ کیا اور خورنق اور نجف کے درمیان پڑاؤ ڈالا۔

حاکمِ حیرہ "ازاذبہ" کو اپنے بیٹے کا حشر معلوم ہوا اور عین اسی وقت اس نے کسرٰی ازدشیر کی وفات کی خبر بھی سُنی' یہ دونوں باتیں سُن کر اُس کی رُوح خشک ہو گئی۔ اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ حضرت خالدؓ کے حیرہ پہنچنے سے پہلے وہ بغیر لڑے دریائے فرات پار کر کے اندرون ملک میں بھاگ جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ توقع کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید چند روز بعد حیرہ پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ روز تک تو شہر کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ پر ڈٹے رہے۔ لیکن جب محاصرہ نے شدت اختیار کی تو انھوں نے عاجز آ کر اپنے سرداروں کو صلح پر مجبور کیا۔ تمام سردار اپنے اپنے محلات سے نکل کر حضرت

---

[1] اس زمانہ میں حیرہ عراق کے عربی رئیسوں کا جو سلطنت ایران کے باجگزار تھے صدر مقام تھا۔

خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے صلح کی درخواست کی۔ حضرت خالدؓ ہر رئیس سے علٰحدہ علٰحدہ ملے اور ان کو کافی سرزنش کی۔ منجملہ اور باتوں کے آپؓ نے ان سے کہا:

"تم پر افسوس ہے، تم آخر کون ہو؟ کیا عرب ہو؟ اگر عرب ہو تو تم عربوں سے کس بات کا انتقام لیتے ہو؟ کیا عجمی ہو؟ اگر عجمی ہو تو تمہیں انصاف اور عدل کی مخالفت کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟"

پھر آپ نے ان سے فرمایا:

"تمھیں تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی ہوگی:

پہلی بات یہ کہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔ اس طرح جو سہولتیں ہمیں میسر ہوں گی وہی تمھیں بھی ہوں گی اور جو حقوق ہم پر واجب ہوں گے وہی تم سے لیے جائیں گے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تم جزیہ دینا قبول کرو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہمارے مقابلہ میں آجاؤ۔

خدا کی قسم ہم اپنے ساتھ ایک ایسی قوم لائے ہیں جو موت کی اتنی ہی خواہاں ہے جتنے تم زندگی کے۔"

ان سرداروں نے کہا:

ہم جزیہ دینا قبول کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ پر مصالحت ہوگئی۔ حضرت خالدؓ نے فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں وہ تحفے بھی ارسال کر دیے جو سردارانِ حیرہ نے قدیم دستور کے مطابق حضرت خالدؓ کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان تحفوں کو اس شرط پر قبول کیا کہ یہ جزیہ کی رقم میں شمار ہوں گے تحفوں کی حیثیت میں نہیں۔

اہلِ حیرہ کے ساتھ عہد نامہ

حضرت خالدؓ نے اہلِ حیرہ کے ساتھ جو عہد نامہ کیا اس کا مضمون یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؏

یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالدؓ بن ولید نے حیرہ کے رؤسا عدی اور عمر پسرانِ عدی، عمرو بن عبدالمسیح، ایاس بن قبیصہ اور حیری بن کال سے کیا ہے۔ اس معاہدے پر اہلِ حیرہ بھی راضی ہو گئے ہیں اور انھوں نے اس کی منظوری دے دی ہے۔ اس معاہدہ کی رُو سے اہلِ حیرہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے۔ اس کے بدلے ہم مسلمانوں کے ذمہ ان کی حفاظت ہے۔ اگر ہم ان کی محافظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی رقم واجب نہیں۔ اور اگر اہلِ حیرہ قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہم ان سے بری الذمہ ہیں۔ یہ معاہدہ ربیع الاول ۱۲ھ میں لکھا گیا۔"

جب حضرت خالدؓ نے اہلِ حیرہ سے صُلح کر لی تو صلوبا بن نسطونا جو قس ناطف کا رئیس تھا حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس آیا اور آپ سے ایک معاہدہ کیا جس کی رُو سے دریائے فرات کے کنارے اس کی جتنی زمین تھی اس کے بدلے اس نے بارہ ہزار دینار سالانہ دینے کا اقرار کیا۔

جنوبی عراق پر مسلمانوں کا تسلط

ایرانی مرزبان اور دہقان (زمیندار، جاگیردار، رئیس وغیرہ) تمام صورتِ حال کا گہری نظر سے جائزہ لے رہے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ حضرت خالدؓ بن ولید حیرہ والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ حضرت خالدؓ کو ہر جگہ فتوحات ہی نصیب ہو رہی ہیں اور آپ بہت آسان شرائط پر مفتوحہ علاقوں کے لوگوں سے صلح کر رہے ہیں تو فلالیج سے ہرمز جرد تک کے رؤسا نے آکر بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ ان لوگوں کے لیے بھی باقاعدہ عہد نامے لکھے گئے۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے ضرار بن ازور، ضرار بن خطاب، مثنیٰ بن حارثہ، ضرار بن مقرن، قعقاع بن عمرو، بسر بن ابی رہم اور عتیبہ بن نہاس سردارانِ لشکر کو حیرہ کے اطراف و جوانب میں چھوٹے چھوٹے لشکروں کے ہمراہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر راستے میں کسی جگہ مزاحمت کی جائے تو مقابلہ کرو اور اس وقت تک بس نہ کرو جب تک یہ تمام علاقے اسلامی فوجوں کے زیرِ نگین نہ آجائیں۔ ان میں امن قائم نہ ہو جائے۔ اور کوئی جماعت ایسی نہ باقی رہ جائے جو اسلام قبول نہ کرے یا جزیہ نہ دے۔

ایرانی رؤسا اور عراقی امرائے نام حضرت خالدؓ بن ولید کے مکتوب

جب جنوبی عراق پر مسلمانوں کا پُورا تسلط ہو گیا اور دجلہ تک کا تمام علاقہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ پر فتح ہو گیا تو آپ نے ایک آدمی حیرہ کا اور ایک انباط کا بلا بھیجا۔ حیری باشندے کے ہاتھ آپ نے ایک خط ایرانی رؤسا کی طرف روانہ کیا اور انباطی کے ہاتھ ایک خط عراق کے ان امرا کے نام بھیجا جو زمیندار اور جاگیردار تھے اور ابھی تک اُنھوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔

ایرانی رؤسا کے نام مکتوب

ایرانی رؤسا کے نام حضرت خالدؓ بن ولید نے جو خط بھیجا اس کا مضمون یہ تھا:

"خالدؓ بن ولید کی طرف سے ایرانی رؤسا کے نام

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمھارا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔ تمھاری تدبیروں کو بے اثر بنا دیا اور تمھارے اتحاد کو توڑ دیا۔ اگر ہم تمھارے ملک پر حملہ نہ کرتے تو یہ تمھارے حق میں برائی ہوتی۔ اب بہتر یہ ہے کہ تم ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمھیں اور تمھارے ملک کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلے جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اختیار نہ کی تو

تم کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں مغلوب ہونا پڑے گا، جو موت کو اتنا ہی پسند کرتے ہیں جتنا تم زندگی کو۔"

عراقی اُمرا کے نام مکتوب

نبطی کے ہاتھوں عراق کے امرا و رؤسا، زمینداروں اور جاگیرداروں کو جو خط روانہ کیا اس کا مضمون یہ تھا:

"خالدؓ بن ولید کی طرف سے فارس کے زمینداروں اور جاگیرداروں کے نام

خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے تمھاری عزت کو خاک میں ملا دیا۔ تمھارے اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تم اسلام قبول کرو۔ کیونکہ اسی طرح تم امن میں رہو گے یا ہماری حفاظت میں آکر ذمی بن جاؤ اور جزیہ ادا کرو۔ اگر تم نے یہ باتیں قبول نہ کیں تو میں ایسی قوم تمھارے پاس لایا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم شراب پینے کو۔"

حضرت خالدؓ بن ولید کے خطوط پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کو اپنے لشکر پر بہت ناز تھا اور جس کو بھی خط لکھتے تھے اس کو یہ کہہ کر ضرور ڈراتے تھے کہ اس کو ایسی قوم سے مقابلہ کرنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنے تم زندگی کے۔ یہ لکھ کر وہ کسی تعلّی کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ بالکل حق بات کہتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کی فوج جو حضرت خالدؓ کے ساتھ تھی چند ہزار نفوس پر مشتمل تھی اور اسے اپنے وطن اور قوم سے دُور ایک ایسی سلطنت سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا جو جاہ و جلال، قوت و طاقت اور رعب و دبدبہ کے لحاظ سے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ لیکن دشمن کی عظیم الشان قوت، محاذِ جنگ کی انتہائی دُوری اور سفر کے انتہائی تکلیف دہ ہونے کے باوجود اس نے ایک مرتبہ بھی حوصلہ نہیں ہارا، اور حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں میدانِ جنگ میں شجاعت کے وہ وہ جوہر دکھاتے جن کی مثال ملنی ناممکن ہے۔

کسریٰ ازدشیر کی وفات کے بعد ایرانیوں میں اس مسئلہ پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ آئندہ شاہی خاندان میں سے کس شخص کو بادشاہ بنایا جاتے۔ ایک سال تک یہ جھگڑا چلتا رہا۔ اس عرصہ میں نہ اُنھوں نے عربوں سے لڑنے کے لیے کسی سپہ سالار کو بھیجا نہ کوئی لشکر روانہ کیا۔ اور مسلمانوں نے دجلہ تک کے تمام علاقے پر تسلط جما لیا۔

اس دوران میں ایرانیوں نے سوائے "بہرسیر" کے اور کسی جگہ مسلمان فوجوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ "بہرسیر" ایران کا ایک بڑا شہر تھا اور دجلہ کے جنوب مغرب میں اس ایوان کے سامنے تھا جو دریا کی مشرقی سمت واقع تھا۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید کا خط جو رؤسائے ایران کے نام آپ نے لکھا تھا، پہنچا تو ایران میں بڑی تشویش پیدا ہوئی اور اہلِ ایران نے فیصلہ کیا کہ اس موقعہ پر باہمی اختلافات کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک شخص کو جو شاہی خاندان میں سے نہیں تھا اس وقت تک کے لیے چُن لیا جب تک کہ آلِ کسریٰ میں سے کوئی ایسا موزوں شخص نہ مل جائے جسے بادشاہت سونپی جا سکے۔ جس آدمی کو اُنھوں نے چُنا وہ "فرخ زاد خسرو" تھا۔ لیکن اس شخص کے ہاتھ میں زیادہ دیر تک بادشاہی نہ رہی اور اہلِ ایران نے یزدجرد بن شہریار کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس کے بعد اُنھوں نے حضرت خالدؓ اور آپ کے لشکر سے لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

(۳)

عراق پر اسلام کا تسلط

انبار کی فتح حیرہ کی فتح کے بعد جنوبی عراق کا سارا علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگین آگیا۔ اب حضرت خالدؓ بن ولید نے شمالی عراق کا قصد کیا۔ اس علاقہ کی تسخیر کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عیاض بن غنم کو بھیجا تھا۔ لیکن وہ یہاں کوئی کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو مقرر کیا اور اپنے لشکر کو لے کر انبار پہنچ گئے۔ انبار دریائے فرات کے کنارے موجودہ بغداد کے مغرب میں دس فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید انبار پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے قلعہ بند ہو گئے ہیں۔ قلعوں کے اندر خندقیں کھودلی ہیں اور خود فصیلوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے لشکر کو تیر برسانے کا حکم دیا۔ اس طرح سیکڑوں آدمی مارے گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید انتظار میں وقت گنوانے والے نہ تھے اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"میں ایسی قوم کو دیکھ رہا ہوں جسے جنگ کا بالکل سلیقہ نہیں ہے۔ تم تاک تاک کر ان کی آنکھوں میں تیر مارو، اور سوائے آنکھوں کے اور کسی چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔"

چنانچہ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ مورخین کے مطابق ایک دن میں مسلمانوں نے ایک ہزار آدمیوں کو اندھا کر دیا۔

اب حضرت خالدؓ نے اپنی توجہ خندق کی طرف مبذول کی اور اسے پار کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر کار ایک بہت عمدہ تدبیر آپ کو سوجھ گئی۔ آپ نے لشکر کے تمام کمزور اونٹوں کو ذبح کرنے اور ان کو خندق میں پھینکنے کا حکم دیا۔ اس طرح خندق کا ایک حصہ ذبح شدہ اُونٹوں سے پُر ہوگیا، جس کا ایک پُل سا بن گیا۔ اب آپ نے لشکر کو حکم دیا کہ اُونٹوں کے پُل پر سے گزر کر قلعہ پر حملہ کر دے۔ چنانچہ مسلمانوں نے پہلے دمدمہ پر قبضہ کیا اور اس کے بعد فصیل پر پہنچ کر دشمن سے جنگ شروع کر دی۔ گو ایرانیوں نے بڑی بہادری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن کچھ پیش نہ گئی۔ جب ان کے سردار "شیرزاد" نے یہ ماجرا دیکھا تو صلح کی درخواست کی۔ حضرت خالدؓ نے اس شرط پر صلح کی کہ ایرانی قلعہ کو خالی کر دیں اور بغیر کچھ مال و متاع لیے یہاں سے نکل کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور انبار کا قلعہ ایرانیوں سے خالی ہوگیا۔

جنگِ عین التمر جب فتح پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور انبار کے اطراف کے رئیسوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی تو حضرت خالدؓ "زبرقان بن بدر" کو انبار میں چھوڑ کر خود عین التمر روانہ ہوئے جو کوفہ کے مغرب میں انبار کے قریب ایک قصبہ تھا اور جہاں "مہران بن بہرام" ایرانیوں اور عربوں کی ایک بہت بڑی جمعیت لیے پڑا تھا۔ نیز عقہ بن ابی عقہ بھی قبائل تمر، تغلب، ایاد کے نصارائے عرب کو ساتھ لیے موجود تھا۔ جب ان لوگوں نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر سُنی تو عقہ نے مہران سے کہا:

عرب لوگ عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں اس لیے تم ہمیں خالد سے لڑنے دو۔"

مہران نے کہا،

"بے شک تم عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہو جس طرح ہم عجمیوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں۔"

اس زمانہ میں عجمی عربوں کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب اس طرح مہران نے عجمیوں کو عربوں سے علٰحدہ کر لیا تو اس کے بعض آدمیوں نے اس کو ملامت کی جس پر اس نے کہا:

"کوئی فکر نہیں، میں نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہارے فائدے کے لیے اور ان کے نقصان کے لیے کیا ہے کیونکہ اب تمہارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جنھوں نے تمہارے بڑے بڑے رؤسا اور سپہ سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ تمہاری تلواروں کی دھاروں کو کند کر دیا ہے۔ میں نے بڑی ہوشیاری سے تمھیں ان کے حملوں سے بچایا ہے۔ اگر ان لوگوں نے خالدؓ پر قابو پا لیا تو اس فتح میں تمھارا ہی نام ہوگا۔ لیکن اگر ان کو شکست ہوگئی تو خالدؓ کی فوجیں اس وقت تم تک پہنچ سکیں گی جب تک وہ تھک کر چور ہو چکی ہوں گی ہم تازہ دم ہو کر ان کا مقابلہ کریں گے اور ان پر فتحیاب ہوں گے۔"

مہران کی ان باتوں سے اس کی قوم کی تسلی ہوگئی اور یہ لوگ علٰحدہ کھڑے ہو کر دیکھتے رہے کہ عقہ کیا کرتا ہے!

عقہ میدانِ جنگ میں حضرت خالدؓ کے مقابلے کے لیے نکلا۔ مہران اپنی فوج کے ساتھ قلعہ میں تھا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید نے عقہ کو آتے دیکھا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں ہی اس شخص کے ساتھ نبٹ لوں گا، تم علٰحدہ کھڑے دیکھتے رہو۔

عقہ فوجوں کی صفوں کی ترتیب اور درستگی میں مصروف تھا کہ حضرت خالدؓ اس پر اچانک جھپٹے اور اسے زندہ گرفتار کر لیا۔ اس کی فوج اپنے سپہ سالار کو حضرت خالدؓ کے ہاتھوں میں زندہ گرفتار دیکھ کر بھاگی اور اس طرح بغیر لڑائی کے مسلمانوں نے اپنے دشمن عیسائیوں پر فتح پا لی۔

جب مہران کو یہ خبر پہنچی تو اس کے حواس باختہ ہو گئے اور وہ اپنی فوج کو لے کر چپکے سے قلعہ سے کھسک گیا۔ جب عقہ کا شکست خوردہ لشکر قلعہ میں پہنچا تو دیکھا کہ ایرانی فوج وہاں سے جا چکی ہے۔ اس نے قلعہ کے دروازے بند کر لیے اور اندر محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ خالدؓ بھی دوسرے عرب سالاروں کی طرح ہیں جو مالِ غنیمت سمیٹ کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور حضرت خالدؓ نے بدستور ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ خالدؓ انھیں کسی طرح چھوڑنے والے نہیں تو مجبور ہو کر انھوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور قلعہ کے دروازے کھول دیے۔ حضرت خالد بن ولید نے ان کے سرداروں عقہ اور عمرو بن الصعق کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا۔ باقی عیسائی عرب بھی جو قلعہ میں پناہ گزین تھے قتل کر دیے گئے۔ قلعہ میں چالیس بچے بھی ملے۔ ان کو قید کر کے مسلمان فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان بچوں میں فاتح اندلس موسیٰ کے والد نصیر اور محمد بن سیرین کے والد سیرین بھی تھے۔

عیاض بن غنم کی حضرت خالدؓ بن ولید سے استمداد

پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو شمالی عراق فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا اور انھیں حکم دیا تھا کہ خالدؓ کے ساتھ حیرہ کے مقام پر مل جائیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید اس دوران میں فتح پر فتح حاصل کر رہے تھے وہ سرحدی قبائل اور رؤسا کو زیرِ نگین کر کے ایرانی سرداروں اور ایرانی فوجوں سے برسرِ پیکار رہتے تھے لیکن عیاض بن غنم کو ابھی تک عیسائی خود مختار رؤسا سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ جس علاقہ میں وہ مصروفِ جنگ تھے وہ علاقہ ایران، عراق اور شام کی سرحد پر واقع تھا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید عین التمر کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو انھیں عیاض بن غنم کا خط ملا جس میں ان سے مدد طلب کی گئی تھی۔ عیاض بن غنم اس وقت شمالی عراق میں "دومۃ الجندل" کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمان فوج کے لیے اس وقت حالات سخت خطرناک تھے اور اندیشہ تھا کہ کہیں چاروں طرف سے دشمن ان پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ اس لیے انھوں نے حضرت خالدؓ کو اپنی امداد کے لیے خط لکھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو جواب دیا:

"من خالد الی عیاض: ایاك ارید

الیس قلیلاً تاتك الحلائب   یحملن آسادا علیھا القاشب

کتائب یتبعھا کتائب"

[ازجانب خالد بنام عیاض۔ میں تمہارے پاس آرہا ہوں۔
کچھ انتظار کرو، عنقریب تمہارے پاس ایسی اُونٹنیاں پہنچیں گی جن پر خونخوار شیر سوار ہوں گے
تمہارے پاس فوجوں کے بعد فوجیں پہنچیں گی]

حضرت خالدؓ بن ولید کی دومۃ الجندل کو روانگی

حضرت خالدؓ بن ولید نے عین التمر کو عویم بن الکاہل کی نگرانی میں چھوڑا اور خود فوجوں کے ساتھ دُومۃ الجندل روانہ ہو گئے۔ جب باشندگانِ دومۃ الجندل کو حضرت خالدؓ کے آنے کا پتا چلا تو انھوں نے اپنے حلیف عیسائی قبائل عرب بہراء، کلب، غسان، تنوخ، ضجاعم کو اپنی مدد کے لیے بُلایا۔ اس وقت دومۃ الجندل میں جو فوج موجود تھی اس کے دو سردار تھے، ایک اکیدر بن عبد الملک جس کو حضرت خالدؓ نے غزوۂ تبوک میں قید کیا تھا۔ دُوسرا جودی بن ربیعہ۔

اکیدر کو حضرت خالدؓ کی جرأت اور بہادری کا پُورا حال معلوم تھا اس نے اپنی قوم سے کہا:

"میں خالدؓ کو تم سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہُوں ان سے زیادہ مبارک فال اور لڑائی میں تیز دست سپہ سالار میں نے آج تک کوئی نہیں دیکھا۔ کوئی فوج خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اگر خالدؓ کے مقابلہ پر آئے گی تو اس کے لیے سوائے شکست کھانے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ تم میرا کہنا مانو اور مسلمانوں سے صلح کر لو۔"

لیکن اس کی قوم نے اس کی بات نہ مانی جس پر وہ ان کو چھوڑ کر چلا گیا اور راستے میں ہی مارا گیا۔

جنگِ دُومۃ الجندل

حضرت خالدؓ بن ولید دُومۃ الجندل پہنچ چکے تھے۔ مشرکین کی فوجوں کے سردار اس وقت جودی بن ربیعہ اور ودیعہ کلبی تھے۔ حضرت خالدؓ نے عیاض بن غنم کی فوج کے ساتھ مل کر شہر پر حملہ نہیں کیا، بلکہ شہر کے ایک طرف عیاض کو مقرر کیا اور دُوسری طرف اپنا لشکر رکھا۔ اس طرح "دومۃ الجندل" خالدؓ اور عیاضؓ کے لشکر کے بیچ میں آگیا۔ جودی بن ربیعہ اور ودیعہ کلبی کے لشکر حضرت خالدؓ کے مقابلے کے لیے نکلے اور باقی عیاض کے مقابلے کے لیے۔ لیکن مسلمانوں کے آگے مشرکین اور عیسائی فوجوں کی کچھ بھی پیش نہ گئی۔ لشکر میں جتنے بھی مشرک تھے سب کو مسلمانوں نے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ جودی کو حضرت خالدؓ اور ودیعہ کو عُیَینہ بن حصن نے گرفتار کر لیا۔ دونوں طرف کے مفرور بھاگ کر قلعہ میں داخل ہُوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ شکست خوردہ فوجوں میں سے کچھ قلعے میں داخل نہ ہو سکی تھیں باہر ہی رہ گئی تھیں۔ عاصم بن عمرو نے جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا، اس قبیلہ کے حلیف بنو کلب کو امان دے دی تھی اس لیے وہ تو بچ گئے اور باقی جو لوگ قلعہ کے باہر تھے وہ قتل کر دیے گئے۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے اہلِ قلعہ کے رُوبرو جودی کو مار ڈالا۔ پھر قلعہ پر دھاوا بول کر اس کا دروازہ اکھاڑ پھینکا اور اہلِ قلعہ کو قتل کرا دیا۔

جب ایرانیوں اور عرب قبیلوں کو پتا چلا کہ حضرت خالدؓ بن ولید حیرہ سے چلے گئے ہیں تو انھوں نے اس پر دوبارہ حملہ کرنے اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔ حیرہ کے عربی قبائل نے بھی ایرانیوں کی انگیخت پر اپنے سردار عقہ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے جنگ کی تیاریاں کرنی شروع کر دیں۔ دربارِ ایران سے دو نامور سرداروں "زرمہر" اور "روزویہ" کو علٰحدہ علٰحدہ لشکر دے کر بھیجا گیا۔ یہ دونوں حصید اور خنافس کی طرف روانہ ہوئے۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید واپس حیرہ پہنچے اور انھیں تمام حالات کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے لشکر کے بعض سرداروں کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ کسی تدبیر سے دشمن کو ایک جگہ اکٹھا کر دیں تاکہ ان پر ایک ہی دفعہ بھرپور حملہ کر کے ان کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک کر دیا جائے۔ لیکن دشمن ایک جگہ جمع نہ ہُوئے۔ شاید انھیں حضرت خالدؓ کی نیت کا پتا چل گیا تھا اور انھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ان کی اس تدبیر کو کبھی پُورا نہ ہونے دیں گے۔

حضرت خالدؓ کی یہ تدبیر بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس عظیم سپہ سالار میں کتنی جرأت پائی جاتی تھی۔ اسے اپنے نفس پر کتنا اعتماد اور اپنے لشکر کی بہادری پر کتنا یقین تھا۔ لڑائیوں میں عام قاعدہ یہی ہے کہ ہر سپہ سالار اپنی مدِمقابل جماعتوں سے فرداً فرداً لڑنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اسی طرح دشمن کی جمعیت کو منتشر اور پراگندہ کر کے اسے شکست دینا آسان ہوتا ہے۔ لیکن حضرت خالدؓ کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمن کی زبردست جمعیت سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی جرأت اور اعتماد تھا جو ہر میدان میں ان کی کامیابی کا باعث بنا اور فتح و کامرانی ایک کنیز کی حیثیت سے ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلتی رہی۔

جنگِ حصید و خنافس

جب حضرت خالدؓ دشمن کی فوجوں کو یکجا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو آپ نے دو لشکر حصید اور خنافس بھیجے تاکہ وہاں جو فوجیں پڑی ہوئی تھیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔

...سلامی لشکر نے وہاں پہنچ کر ایرانیوں اور عیسائیوں کو زبردست شکست دی جس میں وہ دو زبردست سردار "زر..." مارے گئے جو ایرانی دربار سے بھیجے گئے تھے۔

"مضیح" میں ایرانیوں اور عربی قبائل کی بیخ کنی اس کے بعد حضرت خالدؓ خود لشکر لے کر "مضیح" پہنچے۔ اس جگہ وہ لشکر بھی آکر مل گئے جنھیں آپ نے حصید اور خنافس بھیجا تھا اور یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ وُہ فلاں دن فلاں گھڑی فلاں جگہ بقیہ اسلامی لشکر سے آملیں۔ جب تینوں لشکر اکٹھے ہوگئے تو آپ نے ازسرِنو اپنے لشکر کو ترتیب دیا اور رات کے وقت تین اطراف سے اچانک دشمن پر حملہ کر کے اسے تہ تیغ کر دیا۔

اس معرکہ میں دُو آدمی ایسے بھی مارے گئے جن کے پاس حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ تحریر موجود تھی کہ وہ مسلمان ہیں، انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ لیکن چونکہ وہ لوگ مجبوراً دشمنانِ اسلام کے ساتھ تھے اور دشمنوں میں اس امر کی شناخت نہیں ہوسکتی تھی کہ کون دشمن ہے اور کون مسلمان! اس لیے دُوسرے دشمنانِ اسلام کے ساتھ وہ بھی مارے گئے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کے مارے جانے کا حال معلوم ہُوا تو آپ نے ان کا خُون بہا ادا کر دیا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب پہلے ہی حضرت خالدؓ بن ولید کی بعض کارروائیوں سے ناراض تھے۔ ان کے اس فعل سے انھیں اور غصّہ آیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی شکایت کے جواب میں فرمایا:

"جو شخص حربیوں[1] کے ساتھ ان کے علاقہ میں رہے اس کا یہی انجام ہوگا۔"

"نجار" اس معاملہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"یہ دونوں آدمی یقیناً ایسی جگہوں پر جا کر آباد ہوسکتے تھے جہاں وہ امن و سکون سے زندگی بسر کرتے۔ انھیں ایسے مقام پر جانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی جہاں موت نے اپنے بازو پھیلا رکھے تھے اور جہاں دشمنانِ اسلام اپنی فوجیں لیے پڑے تھے۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ پر اظہارِ ناراضی کا کوئی حق نہیں تھا۔"

ہماری رائے میں نجار کا یہ کہنا بالکل درست ہے۔ ان دونوں کو حضرت خالدؓ نے قتل نہیں کیا۔ بلکہ یہ دونوں خود اپنے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ان کو چاہیے تھا کہ میدانِ جنگ سے بہت دُور ہٹ کر کسی محفوظ جگہ مقیم ہوتے۔ دشمنانِ اسلام میں رہ کر یہ امید رکھنا کہ مسلمانوں کے نیزے انھیں چھوڑ کر دُوسرے لوگوں کو اپنا شکار بنائیں گے، انتہائی بعید از عقل بات ہے۔

مختلف جنگیں مضیح میں ایرانیوں اور عربی قبائل کی بیخ کنی کرنے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کے سرداروں کو کوچ کرنے اور "ثنی" جانے کا حکم دیا جو رصافہ کے قریب ایک موضع ہے اور جہاں

---

[1] کفار میں سے جو شخص مسلمانوں سے برسرِپیکار ہو اُسے حربی کہا جاتا ہے۔

...مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے جمع تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت خالدؓ نے راتوں رات دشمن کا صفایا کر دیا اور ... شخص بھی بچ کر نہ جاسکا۔ "ثنی" سے کچھ دُور ایک مقام "زمیل" میں بھی دشمن کی فوجوں کا اجتماع تھا۔ "ثنی" کی جنگ سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید وہاں پہنچے اور دشمن کی فوجوں کو شکست دی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ "رصافہ" میں ہلال بن عقبہ نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ایک زبردست جماعت تیار کی ہے۔ یہ سُن کر حضرت خالدؓ بن ولید "رصافہ" روانہ ہوگئے۔ مگر جونہی دشمن کو حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر ہوئی وُہ بھاگ کر "رضاب" اور "فراض" چلا گیا۔ یہ دونوں مقامات دومۃ الجندل کے قریب شام، عراق اور عرب کے مقامِ اتصال پر واقع تھے۔

جنگِ فراض

جب مسلمان فراض پہنچے تو رومیوں کو اپنی فکر پیدا ہوئی۔ اُنھوں نے ایک طرف دربارِ ایران سے مدد مانگی اور دُوسری طرف قبائل تغلب، ایاد، نمر کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ اس طرح مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رومی سپہ سالار کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان لشکر جمع ہوگیا۔

فراض دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ دریا کے ایک طرف مسلمانوں کا لشکر تھا اور دُوسری طرف رومیوں کا۔ رومی لشکر نے حضرت خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ یا تو تم دریا عبور کر کے ہماری طرف آجاؤ یا ہم تمھاری طرف آجاتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے جواب بھیجا کہ تم ہی اِدھر آجاؤ۔ چنانچہ رومی لشکر دریا عبور کر کے مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہوگیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ تمام دن بڑی خُون ریز جنگ ہوتی رہی۔ اگرچہ اسلامی لشکر تھکاوٹ سے چُور چُور، اور رومی لشکر مع اپنے حلیفوں کے بالکل تازہ دم تھا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کے آگے رومیوں کی کچھ پیش نہ گئی اور انھیں شکست فاش نصیب ہوئی۔ چونکہ پیچھے دریا تھا اس لیے رومی بھاگ بھی نہ سکے۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ اس معرکہ میں ایک لاکھ رومی کام آئے۔ یہ لڑائی عراق میں حضرت خالدؓ کی آخری لڑائی تھی۔ ماہِ ذی القعدہ ۱۲ھ کے وسط میں ہوئی تھی۔

حضرت خالد بن ولید کا پوشیدہ طور پر حج کرنا

حضرت خالدؓ بن ولید اس لڑائی کے بعد فراض میں دس روز تک مقیم رہے۔ ۲۵ ذی القعدہ کو انھوں نے فوج کو حیرہ واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ فوج کے اگلے حصّہ پر عاصم بن عمرو اور پچھلے حصّہ پر شجرہ بن الاعز کو مقرر کیا۔ اپنے متعلق یہ ظاہر کیا کہ "ساقہ" (فوج کا آخری حصّہ جو اصل لشکر سے بہت پیچھے رہتا ہے) پر رہیں گے۔ لیکن اپنے خاص آدمیوں کو بتلا دیا کہ میں حج کرنا چاہتا ہُوں۔ چنانچہ آپ چند ہمراہیوں کو ساتھ لے کر انتہائی تیزی سے سفر کرتے ہوئے صرف بارہ روز میں فراض سے مکّہ پہنچ گئے اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد اتنی تیز رفتاری سے واپس ہُوئے کہ ابھی لشکرِ اسلام حیرہ پہنچا بھی نہ تھا کہ آپ لشکر کے "ساقہ" میں آکر مل گئے اور سب کے ساتھ حیرہ میں داخل ہوئے۔ اس عرصہ میں لشکر کو سوائے ان لوگوں کے جنھیں آپ نے اپنے ارادہ سے مطلع کر دیا تھا، مطلق پتا نہ چلا کہ آپ حج کو تشریف لے گئے ہیں، جب اُنھوں نے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے سر منڈے دیکھے تب ان کو اس واقعہ کا پتا چلا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت خالدؓ بن ولید لشکر کو چھوڑ کر حج کرنے مکّہ گئے تھے تو آپ کو بے حد تعجب ہُوا۔ آپ نے انھیں اس قسم کے کام کرنے سے منع فرمایا اور کسی قدر ناراضی بھی ظاہر کی کہ ایسے خطرناک موقع پر

...دور کر چلے جانا مناسب نہ تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ واپس آکر بعض ان چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کیا جو باقی رہ گئے

حضرت خالدؓ بن ولید کی شام کو روانگی

جب ایرانیوں کی طرف سے یہ خطرہ دُور ہو گیا کہ کسی وقت وہ مسلمانوں پر فوج کشی کر سکیں گے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اب رومیوں پر چڑھائی کرنی چاہیے۔ آپ نے پہلے بھی شام کی سرحد پر خالدؓ بن سعید کو فوج دے کر بھیج رکھا تھا۔ اب آپ نے خالدؓ بن ولید کو حکم دیا کہ وہ حیرہ سے شام چلے جائیں، وہاں یرموک میں جو مسلمانوں کی فوج ہے اس کی مدد کریں۔ اور عراق میں اپنے پیچھے مثنیٰ بن حارثہ کو نصف فوج کے ساتھ چھوڑ جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں حضرت خالدؓ صفر ۱۳ھ[1] میں عراق سے یرموک (شام) روانہ ہو گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا عراق سے شام تک کا سفر انتہائی تکلیف دہ تھا۔ اس سفر میں آپ نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک ایسے صحرا کو قطع کیا جس میں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا آپ کی فوج کو مسلسل پانچ دن، پانچ رات اس صحرا سے گزرنا پڑا۔ پیاس کی شدت سے فوجیوں کے گلوں میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ لیکن اُنھوں نے بڑے صبر اور بڑے استقلال سے یہ دن گزارے۔

حیرہ سے چل کر آپ "بہراء" پہنچے وہاں کے لوگ اسلامی لشکر کی آمد سے بالکل بے خبر تھے۔ ان کو دیکھتے ہی ان کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے اور وُہ بالکل مقابلہ نہ کر سکے۔ بہراء کو زیر کرنے کے بعد آپ "اراک" پہنچے۔ اراکیوں نے آپ سے صلح کر لی۔ اس کے بعد "تدمر" پہنچے۔ پہلے تو وُہ لوگ قلعہ بند ہو گئے لیکن پھر صلح کر لی۔ تدمر کو فتح کرنے کے بعد وہاں سے کچھ فاصلہ پر "قریتین" آئے۔ وہاں کے لوگوں نے اطاعت قبول نہیں کی۔ جس پر آپ نے ان سے لڑائی چھیڑ دی اور فتحیاب ہُوئے۔ اس جنگ میں مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس کے بعد "قصم" پہنچے۔ وہاں قضاعہ کے ایک قبیلہ بنو شجعہ نے آپ سے صلح کر لی۔ بعد ازاں آپ دمشق کے قریب ایک مقام "ثنیۃ العقاب" پہنچے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سیاہ جھنڈا لہرایا۔ پھر مرج الراہط آئے اور غسانیوں کو زیر کیا۔ اس کے بعد بصریٰ پہنچے۔ وہاں کے باشندوں سے مقابلہ ہوا جس میں حضرت خالدؓ فتحیاب ہوئے اور اہلِ بصریٰ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالدؓ بن ولید اور عراقی فوجوں کے ہاتھوں فتح ہُوا۔ یہاں سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اس کا پانچواں حصہ حسبِ دستور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا اس کے بعد آگے روانہ ہوئے اور ربیع الثانی میں یرموک پہنچ کر وہاں مسلمان فوجوں سے مل گئے۔

مستشرق "دی غوئی" "شام کی فتوحات کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے حیرہ سے شام تک مندرجہ ذیل مقامات فتح کیے؛

عین التمر، قراقر، سوی، اراک، تدمر، قریتین، حوارین[2] اور مرج راہط۔

---

[1] طبری، بلاذری، واقدی [2] حوارین قریتین سے تین گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔

بلاذری کے کہنے کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید دومتہ الجندل سے بھی گزرے تھے۔ لیکن دی غوبی اس سے انکار کرتا ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید مرج راہط سے بصریٰ گئے جہاں آپ تین مسلمان سرداروں سے ملے جو یزید، شرجیل اور ابو عبیدہؓ تھے۔ ان کی مدد سے آپ نے بصریٰ فتح کیا۔ بصریٰ فتح کرنے کے بعد یہ سب سردارانِ فوج وادی عربہ میں حضرت عمروؓ بن العاص کی فوج کی امداد کے لیے پہنچے۔ دی غوبی اور طبری وغیرہ اس کو نہیں مانتے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے بصریٰ اکیلے ہی فتح کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شہر ان مسلمان سرداروں کے ساتھ مل کر فتح کیا جو آپ کی آمد سے قبل ہی اس شہر کا محاصرہ کیے پڑے تھے۔

عراق کی جنگوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کے کارہائے نمایاں

حقیقت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک سال کی قلیل مدت میں عراق کے اندر جو کارہائے نمایاں انجام دیے وُہ تاریخ کے صفحات میں آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس تھوڑے سے عرصہ میں اس قدر تھوڑی سی فوج کے ساتھ ایک زبردست دشمن کو ہر موقع پر شکستِ فاش دینا صرف آپ ہی کا کام تھا۔ آپ کے لشکر کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہ تھی مگر اس کے مقابلہ پر دشمن کی فوج اسلامی فوج سے بیسیوں گُنا زیادہ ہوتی تھی اور پھر ہر قسم کے اسلحہ اور سامانِ جنگ سے پُوری طرح آراستہ بھی۔ اس حالت میں جبکہ اسلامی لشکر انتہائی کمزور اور ایرانی لشکر انتہائی طاقت ور تھا۔ آپ نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں ایرانیوں کی عظیم الشان سلطنت کے ہاتھ سے ابلّہ اور فراض تک کا سارا علاقہ چھین لیا۔ ایرانی، عربی اور رومی افواج سے جب بھی مقابلہ ہوا' حضرت خالدؓ نے اسلامی جھنڈے کو کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیا اور اس وقت تک بس نہیں کیا جب تک دشمن پر مکمل طور پر قابو نہ پالیا۔ آپ کے رُعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ دشمن پر آپ کا نام سُنتے ہی کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ جس جنگ میں آپ شامل ہوتے تھے اس میں مسلمانوں کی فتح کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوتی تھی کہ دشمن جب یہ سُنتا تھا کہ اس فوج کی کمان خالدؓ بن ولید کر رہے ہیں تو وہ ڈر اور ہیبت کے مارے ہمت ہار بیٹھتا تھا اور اس طرح مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جاتی تھی۔

آپ محض فاتح ہی نہیں تھے کہ کسی شہر کو فتح کیا اور آگے چل کھڑے ہُوئے، بلکہ جس شہر کو فتح کرتے تھے اس پر پُوری طرح تسلط جما کر آگے بڑھتے تھے۔ جو شہر آپ کی اطاعت قبول کرتا تھا وہاں آپ عامل مقرر کر دیتے تھے جو وہاں کے شہری نظام کی نگہداشت کرتے تھے۔ ایک امیر وہاں انصاف قایم رکھتا اور شہر کا انتظام کرتا تھا، اور دُوسرا امیر اس شہر کے باشندوں سے ان شرائط کے مطابق خراج وصول کرتا تھا، جو اس شہر کے باشندوں نے قبول کی ہوتی تھیں اور جو باقاعدہ حیزِ تحریر میں آجاتی تھیں۔

حضرت خالدؓ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کسانوں، کاشتکاروں اور پیشہ وروں سے قطعاً بُرا سلوک نہیں کرتے تھے اور انھیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاتے تھے۔ اس کے برعکس ان کے ساتھ انتہائی نرمی سے پیش آتے تھے۔ ہر معاملہ میں ان سے رعایت برتتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتا تو اس کو اس کے ارادے سے

... ۔ آپ کو یقین تھا کہ یہی لوگ قوم کے اصل ستون ہوتے ہیں ۔ اسی نیک سلوک کا نتیجہ تھا کہ یہ لوگ ایرانیوں کے ... کو نظر انداز کرتے ہوتے ہر معاملہ میں مسلمانوں کے احکام پر عمل پیرا ہوتے تھے ، کیونکہ ان کو تجربہ تھا کہ رومی افسر اور فوج کے سردار جب بھی ان کے پاس سے گزرتے تھے ان پر انتہائی سختیاں کرتے ، ان پر ظلم ڈھاتے اور ہر طرح ان کو ذلیل کرتے تھے ۔ لیکن مسلمانوں کی حالت اس کے بالکل خلاف تھی ۔

جہاں خالدؓ ان غریب لوگوں سے انتہائی نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے ۔ وہاں دشمنوں سے ان کا سلوک نہایت سخت تھا ۔ میدانِ جنگ میں ان سے مطلق صبر نہ ہوتا تھا اور دشمن کو دیکھتے ہی اس پر حملہ کر کے اس کا قلع قمع کر دینا چاہتے تھے ۔ اکثر اوقات خود میدانِ مبارزت میں نکل کر دشمن کے لشکر کے سپہ سالار کو اپنے مقابلہ میں بلاتے تھے اور پھر اس طرح جھپٹتے تھے جس طرح باز چڑیا پر جھپٹتا ہے ، اور اس کا تیا پانچا کر کے رکھ دیتے ۔ جب دشمن یہ دیکھتا تھا تو ڈر اور رعب اس کے دل و دماغ پر مسلّط ہو جاتا ، اس میں بزدلی اور کمزوری پیدا ہو جاتی اور وہ شکست کھا جاتا ۔

سنہ ۱۲ھ حضرت خالدؓ بن ولید کی زندگی کا روشن ترین سال تھا ۔ تمام عراق اور ایران کا سرحدی علاقہ گیارہ ماہ سے بھی کم مدت میں حضرت خالدؓ کی تلوار کے اثر سے اسلامی حکومت کے زیرِ نگین آگیا ۔ اس عرصہ میں پندرہ مقامات پر آپ کو فتح نصیب ہوئی ۔ؔ اور کسی ایک موقعہ پر بھی شکست کا مُنہ دیکھنا نہیں پڑا ۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے حضرت خالدؓ بن ولید اپنے دشمنوں کے معاملہ میں بیحد سخت تھے ۔ آپ دشمن کو کبھی بھاگنے کا موقعہ نہ دیتے تھے ۔ نیز اگر کوئی شخص وعدہ کر کے اس سے پھر جاتا تھا تو ہرگز معاف نہ کرتے تھے اور اس کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ہی دم لیتے تھے ۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ خالدؓ تلوار چلانے میں انتہائی شدّت سے کام لیتے ہیں ۔ مطلب یہ تھا کہ آپ اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتے ۔ آپ اس شخص پر مطلق رحم نہ کرتے تھے جو جنگ میں شکست کھا کر بھاگ جاتا تھا ۔ کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ جو شخص آج بھاگ گیا ہے وہ لازماً کل پھر مقابلے میں آئے گا ۔ اس لیے آپ ایسے لوگوں کو اس وقت تک نہ چھوڑتے تھے جب تک انھیں کیفرِ کردار تک نہ پہنچا لیتے تھے ۔ حضرت خالدؓ کی یہ پالیسی اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے انتہائی دُور اندیشی پر مبنی تھی اس زمانہ میں مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں تھے اور یہ بات حکمت اور سیاست سے بہت بعید تھی کہ دشمنوں کو ڈھیل کا کوئی موقعہ بھی دیا جائے کیونکہ اس طرح وہ دوبارہ فوج کشی کر کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا سکتے تھے ۔ اگر حضرت خالدؓ بن ولید عراقی فتوحات میں یہ طریقہ اختیار نہ کرتے تو وہاں کبھی مسلمانوں کا تسلّط برقرار نہ رہ سکتا تھا اور اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی سنگلاخ اور وسیع سرزمین میں کبھی اسلام نہ پھیل سکتا تھا ۔

لہ حضرت خالدؓ بن ولید نے عراق میں مندرجہ ذیل لڑائیاں لڑیں :

(۱) ذات السلاسل (۲) المذار (۳) ولجہ (۴) الیس اور امغیشیا (۵) معرکہ فرات بادقلی (۶) حیرہ (۷) انبار یعنی ذات العیون اور کلواذی (۸) عین التمر (۹) دومۃ الجندل (۱۰) حصید (۱۱) خنافس (۱۲) مصیخ (۱۳) ثنی (۱۴) زمیل (۱۵) فراض

حصہ چہارم ـــــ شام اور فلسطین میں فتوحاتِ اسلامیہ

عربوں اور رومیوں کے درمیان معرکے

(۱)

شام اور فلسطین میں فتوحات

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف جنگ کرنے کے لیے اطراف وجوانب میں اسلامی لشکر بھیجے تھے اس وقت خالدؓ بن سعید کو بھی ایک لشکر کے ساتھ یہ حکم دے کر روانہ فرمایا تھا کہ وہ تیما چلے جائیں اور اس علاقہ کے اردگرد کے عربوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں، لیکن کسی مرتد کو اپنی فوج میں شامل نہ کریں[1] صرف اسی شخص سے لڑیں جو ان سے لڑے، اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہلیں جب تک کوئی دوسرا حکم نہ پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت خالدؓ بن ولید کو منع کرنا چاہتے تھے کہ وہ رومیوں سے لڑنے میں اتنی سرگرمی نہ دکھائیں کیونکہ آپ کو پتا چلا تھا کہ رومیوں نے فلسطین میں عرب کی حدود پر زبردست فوجیں جمع کر لی ہیں۔ سلطنتِ روما کی سرحد پر یہ لشکر بھیجنے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی غرض غالباً یہ تھی کہ آپ رومیوں کو مسلمانوں کی قوت، طاقت اور شجاعت سے مرعوب اور انھیں خبردار کرنا چاہتے تھے کہ وہ آگے بڑھ کر سرزمینِ عرب میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کریں۔ یہ بات بھی یقین کی حد تک کہی جا سکتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ دشمن کو اس طرح غافل رکھ کر درمیانی عرصہ سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ جب عراق، عرب کے زیرِ نگیں آ جائے اس وقت رومی سلطنت کے مقابلے کے لیے زبردست لشکر روانہ کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ہرقل (شہنشاہِ قسطنطنیہ) عرب پر حملہ کرنا، مسلمانوں کی طاقت کو توڑنا، اور اسامہؓ بن زید کی مہم کا، جو رومی سلطنت کی سرحد پر بھیجی گئی تھی، انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے عرب اور روم میں سے اپنے مددگاروں کو تیار بھی کیا تھا۔ اس کے علاوہ عربوں کا رومی سلطنت کے حدود اور اس کے علاقوں پر چھاپے مارنا اور عربی لشکروں کا رومی شہروں کو روندنا ہرقل کے لیے خاص طور پر خطرہ کا الارم تھا اور وہ اس پر کبھی خاموش نہ بیٹھ سکتا تھا۔

خالدؓ بن سعید نے تیما اور اس کے گردونواح سے کافی بڑا لشکر جمع کر لیا تھا۔ جب رومیوں کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے

---

[1] حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین کو اسلامی لشکر میں شامل کرنے یا ان سے مدد لینے کی سختی سے ممانعت کر رکھی تھی کیونکہ ایسا کرنا دینی غیرت وحمیت کے خلاف تھا۔

[illegible] سے پہلے کہ مسلمان اپنے لشکر میں اور اضافہ کریں اور ان عیسائی عرب قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیں جو شام کی سرحد پر آباد ہیں، ان پر ایک زبردست حملہ کرکے ان کی طاقت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنا رومیوں کی دقتِ نظر کی دلیل ہے اور اس امر کا ثبوت بھی کہ انھیں ان عرب عیسائی قبیلوں پر، جو شام کی سرحدوں پر آباد تھے، کلیتہً اعتماد نہ تھا کہ وہ جنگ چھڑنے کی حالت میں رومیوں یعنی اپنے ہم مذہبوں کی مدد اور اعانت کریں گے۔[1]

رومیوں سے لڑنے کے لیے چار قائدین کی مدینہ سے روانگی

جب خالدؓ بن سعید کو رومیوں کے ارادوں کا پتا چلا تو انھوں نے سارے معاملہ کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطلاع دی اور ان سے رومیوں کے مقابلہ میں مدد چاہی۔ اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے روم اور شام کے معاملات پر نہایت سنجیدگی سے غور کیا اور ۱۲ھ کے اواخر میں چار جھنڈے تیار کرائے۔[2] ایک جھنڈا خالدؓ بن سعید کی جگہ یزیدؓ بن ابی سفیان کو دیا اور انھیں دمشق کی طرف روانہ کیا۔ دوسرا شرحبیلؓ بن حسنہ کے سپرد فرمایا اور انھیں وادیِ اردن جانے کا حکم دیا۔ تیسرا عمروؓ بن العاص کو عطا کیا اور اس فرمان کے ساتھ کہ پہلے وہ ساحلِ بحرِ احمر کے متوازی سفر کرتے ہوئے ایلاؔ العقبہ تک پہنچیں، پھر فلسطین میں داخل ہوں۔ چوتھا جھنڈا ابو عبیدہؓ عامر ابن الجراح کو مرحمت فرمایا اور انھیں حمص جانے کا حکم دیا۔

جہاں تک مذکورہ بالا تین سالاروں کے ساتھ ابو عبیدہؓ کو بھیجنے کا تعلق ہے، مورخین کا اس میں باہم اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ساتھ ہی بھیجے گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان تینوں سرداروں کے چلے جانے کے کچھ ماہ بعد ابو عبیدہؓ کو ان کی مدد کے لیے لشکر دے کر روانہ کیا گیا تھا۔[3]

بلاذری وغیرہ مورخین کے لکھنے کے مطابق شروع میں ہر سردار کے ساتھ تین تین ہزار فوج بھیجی گئی۔ طبری کہتا ہے کہ شرحبیلؓ بن حسنہ اور یزیدؓ بن ابی سفیان، ان دونوں کے ساتھ سات سات ہزار فوج تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ چاروں سردار جب شام کی طرف روانہ ہوتے ہوں گے تو کسی کے لشکر کی تعداد تین ہزار سے زاید نہ ہوگی اور بعد میں حضرت صدیقؓ ان کی مدد کے لیے لشکر بھجواتے رہے ہوں گے جن سے آخر میں جا کر طبری کی روایت کے مطابق ان کی تعداد سات سات ہزار

---

[1] سر ولیم میور کا بیان ہے کہ بیزنطینی حکومت عربوں کو روکنے کے لیے زیادہ بے چین نہیں تھی اس لیے کہ شام کے شہر کا چند بہت خوبصورت اور مقدس تھے تاہم وہ عرب سے اتنی دور واقع تھے کہ ان پر آسانی سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے اپنے ملک کا مضبوطی سے دفاع نہیں کیا۔

[2] مورخین کا لشکر بھیجنے کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ طبری کہتا ہے کہ یہ لشکر ۱۳ھ کے اوائل میں روانہ کیے گئے تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ۱۲ھ میں بھیجے گئے تھے۔ بلاذری کہتا ہے کہ یکم صفر ۱۲ھ کو روانہ کیے گئے تھے۔ بعض مورخین نے بلاذری کی تائید کی ہے۔ یورپین مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ لشکر ۱۲ھ کے اوائل میں بھیجے گئے۔

[3] اٹلی کا مستشرق کہتا ہے کہ ابو عبیدہؓ جنگِ یرموک سے پہلے شام میں کبھی دکھائی نہیں دیے۔

تک پہنچ گئی ہوگی۔ اس بات کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس عادت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کسی لشکر کو بھیجنے کے بعد کمک کے طور پر اور فوجیں بھی بھجواتے رہتے تھے۔ یہ کمک جو جزیرۂ عرب کے اطراف سے آتی تھی دفعۃً نہیں آجاتی تھی بلکہ متفرق اوقات میں آتی رہتی تھی۔ جب مختلف اطراف کے مسلمان مدینہ پہنچتے آپ ان کو شام کی سرحد پر اسلامی فوجوں کی امداد کے لیے بھجوا دیتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سفر کے لیے ہر لشکر کا راستہ معین فرما دیا تھا۔ اسی طرح ہر سردار کے لیے وہ ولایت بھی مقرر فرما دی تھی جہاں کا اسے — فتح کے بعد — والی بننا تھا۔ عمرؓو بن العاص کو فلسطین، یزید بن ابی سفیان کو دمشق اور شرحبیلؓ بن حسنہ کو اردن کی ولایت سپرد کی گئی۔ طبری نے اس لشکر کی تعداد جو شام کی طرف بھیجا گیا ستائیس ہزار لکھی ہے۔

بعض مستشرقین خصوصاً دی غوبی نے فتح سے قبل ہی ولایات کی تقسیم پر کافی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اپنی قسم کی پہلی مثال تھی۔ اس طرح گویا حضرت ابوبکرؓ نے ریچھ کو مارنے سے پہلے ہی اس کی کھال بیچ دی۔ لیکن ہمیں اس تقسیم میں کوئی اعتراض کا پہلو نظر نہیں آتا۔ ایسا کرنے سے خلیفہ کی غرض ان علاقوں کی تعیین کرنی تھی جن پر فرستادہ سالاروں کو حملہ کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ جب اس علاقہ کی فتح مکمل ہو جائے تو وہی شخص اس پر حاکم اور اس کی حالت کو سدھارنے، وہاں کے شہری نظام کو درست کرنے کا ذمہ دار ہوگا ایسا کرنا اس زمانہ میں بیحد ضروری تھا۔ کیونکہ خلیفہ کو علم تھا کہ راستے بے حد طویل ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضرورت تھی کہ ڈاک آپ کو وقت پر ملتی رہے تاکہ فتح اور دوسرے امور کی اطلاعات آپ تک باقاعدہ پہنچتی رہیں۔ پس حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایسا کرنا آپ کی غایت احتیاط کی دلیل ہے۔ اس طرح سالار کو اس امر کا اطمینان رہتا تھا کہ اس کے سپرد جو فرائض و واجبات ہیں ان کو پہلے ہی بتا دیا گیا ہے اور اب خلیفہ کی طرف سے اس بارہ میں احکام خلافت کے انتظار میں پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کی قائدین عساکر کو نصیحتیں

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے سالاروں کو رخصت کرتے وقت بعض نصیحتیں کیں جن میں ان کا دستور العمل واضح فرمایا۔ حضرت عمرؓو ابن العاص کو جو نصیحتیں فرمائیں یہ ہیں:

"میں نے تمھیں اس لشکر کی قیادت سونپی ہے۔ لشکر کے اکثر آدمی مکہ، طائف، ہوازن اور بنی کلاب میں سے ہیں۔ تم فلسطین جاؤ اور ابوعبیدہؓ کے ساتھ خط و کتابت کرو۔ جب انھیں تمھاری ضرورت ہو تو اپنی فوج لے کر ان کے پاس پہنچ جاؤ۔ تم جو کام بھی کرو اس میں ان کا مشورہ ضرور حاصل کرلو۔ پوشیدہ اور علانیہ کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو۔ میں نے تم کو ایسے لوگوں پر مقدم کیا ہے جو اسلام لانے میں تم سے مقدم ہیں اور بزرگی کے لحاظ سے بھی تم سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے تم آخرت کے عمال میں سے بنو۔ اپنے اعمال کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو راضی کرو اور ایلیا کے راستے فلسطین پہنچ جاؤ۔"

...لوگوں کی طرف میں نے تمھیں بُلایا ہے ان کے بارہ میں کمزوری مت دکھانا، کمزوری سے ہمیشہ خدا کی پناہ مانگتے رہنا۔ یہ بات کبھی نہ کہنا کہ مجھے ابن قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) نے دشمن کے مقابل کر دیا ہے لیکن مجھ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اے عمروؓ! جان لو، تمھارے ساتھ بدر کی جنگ میں شریک ہونے والے مہاجرین اور انصار ہیں۔ ان کی عزت اور ان کے حق کا اعتراف کرو۔ اپنا غلبہ اور اقتدار ان پر جمانے کی کوشش نہ کرنا۔ دیکھو، تمھارے دماغ میں شیطانی نخوت داخل نہ ہونے پائے اور تم یہ نہ کہنے لگ جاؤ کہ مجھے ابوبکرؓ نے اس لیے والی بنایا ہے کہ میں ان میں سب سے بہتر ہوں۔ نفس کے دھوکوں سے بچتے رہنا اور لشکر کے سپاہیوں کے ساتھ اس طرح رہنا گویا تم انھی میں سے ایک ہو۔ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرنا، نماز کی تاکید رکھنا، جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان دینا، اپنے دشمنوں سے بچتے رہنا اور اپنے ساتھیوں کو چوکس رہنے کا حکم دینا، کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔ رات کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیر تک بیٹھے رہنا، جب تم دشمن کے سامنے جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، اپنے مقدمۃ الجیش کو ہمیشہ اپنے آگے رکھنا۔"

"جب کسی کو نصیحت کرو تو اختصار کے ساتھ۔ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا، اس طرح تمھاری رعایا بھی تم سے ٹھیک ہو جائے گی۔ جب اپنے دشمن کو دیکھو تو آگے ہی بڑھو، پیچھے نہ ہٹو۔ یہ تمھارے لیے فخر کا باعث ہوگا۔ اپنے ساتھیوں کو قرآنِ کریم پڑھنے کی تاکید کرتے رہنا اور جاہلیت کے ذکر اذکار سے منع کرنا۔ کیونکہ اگر جاہلیت کا کچھ بھی اثر ان میں باقی رہ گیا تو یہ ان کے درمیان عداوت کا بیج بو دے گا۔ دنیا کی خوب صورتی سے اعراض کرنا، یہاں تک کہ تم ان لوگوں سے مل جاؤ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان لوگوں میں سے ہونا جن کی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بایں طور تعریف فرمائی ہے،

وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا و اوحينا اليهم فعل الخيرات واقام الصلوٰة و ايتاء الزكوٰة وكانوا لنا عابدين۔

یعنی ہم نے ان کو دنیا کا ایسا پیشوا اور رہبر بنایا ہے جو ہمارے احکام کے بارہ میں لوگوں کو ہدایت دیتے رہتے ہیں۔ ہم نے ان کو نیکی کا کام کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی ہے، اور وہ ہماری ہی عبادت کرتے ہیں۔"

بقیہ سالاروں میں سے ہر ایک کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ نصیحتیں فرمائیں:

"اپنے لشکر کے ساتھ اچھی طرح رہنا، ان سے اچھا سلوک کرنا۔ جب ان کو نصیحت کرو تو اختصار کا خیال رکھنا۔ کیونکہ زیادہ باتیں کرنے سے بعض حصے بھول جاتے ہیں۔ اپنے نفس کی اصلاح کرنا، اس طرح لوگ تم سے بھلائی سے پیش آئیں گے۔ اپنے دشمنوں کے ایلچیوں کی عزت کرنا اور ان کو اتنی

تھوڑی دیر اپنے پاس بٹھانا کہ جب وہ تمہارے لشکر کے باہر نکلیں تو اس کے متعلق انھیں کچھ معلوم نہ ہو سکے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو لشکر کے سب سے شاندار حصّہ میں ان کو ٹھہرانا، اپنے بھید کو چھپانا، تاکہ تمھارا نظام درہم برہم نہ ہو۔ ہمیشہ سچی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔ راتوں کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھنا، اس طرح تم کو ہر قسم کی خبریں مل سکیں گی۔ لشکر میں پہرہ کا انتظام کرنا اور پہرہ والے سپاہیوں کو تمام لشکر میں پھیلا دینا، اکثر اچانک ان کا معائنہ بھی کرنا۔ اگر کسی ایسے شخص کو سزا دو جو اس کا مستحق ہو تو اس میں کسی قسم کا خوف دل میں نہ لانا۔ مخلص اور وفادار ساتھیوں کے ساتھ میل جول رکھنا، جن سے ملو اخلاص کے ساتھ ملنا، بزدلی نہ دکھانا۔ کیونکہ اس طرح دوسرے لوگ بھی بزدلی کا اظہار کرنے لگیں گے۔"

یہ ہدایات منجملہ ان بیشتر ہدایات کے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں اپنے قائدینِ لشکر کو دیں اور جو کتب تاریخ و مغازی میں درج ہیں۔ یہ کہنے میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے قبل لشکر کے کسی سپہ سالار اور کسی امیر کو ایسی واضح، ایسی قطعی اور ایسی شاندار ہدایات کبھی نہیں دی گئی تھیں۔ پھر ان ہدایات کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کارآمد ہو سکتی ہیں۔ ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بے نظیر سیاست، حُسنِ انتظام اور انسانی سرشت کی غایت درجہ معرفت کا پتا چلتا ہے۔ ازمنہ ماضیہ اور عہدِ حاضر کی جنگوں میں فوجوں کے سپہ سالاروں کو جو ہدایات دی جاتی ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایات ان میں ایک خاص اور منفرد درجہ رکھتی ہیں۔

یزیدؓ بن ابی سفیان کی بیزنطینی لشکروں سے مُڈھ بھیڑ

تمام سالارانِ عساکر اپنی اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ یزیدؓ بن ابی سفیان شام جاتے ہُوئے تبوک سے گزرے اور اسے فتح کیا۔ جب وہ فلسطین میں داخل ہُوئے اور روابی پہنچے جو بحیرہ مردار کے جنوب میں وادی عربہ کے سرے پر واقع ہے، تو ان کی مڈھ بھیڑ ایک بیزنطینی لشکر سے ہو گئی جس کی قیادت قنصریہ کا بطریق "سرجیوس" کر رہا تھا۔ بیزنطینی لشکر شکست کھا کر غزہ پہنچا جہاں ایک اور عربی لشکر سے اس کا اچانک سامنا ہو گیا اور اس عربی لشکر نے داثن کے مقام پر، جو غزہ سے تھوڑی دُور واقع ہے، بیزنطینی لشکر کو شکست فاش دے کر بالکل تباہ و برباد کر دیا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ داثن کے مقام پر یزیدؓ نے ہی بطریق کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا اور وادی عربہ میں بیزنطینی فوج کے ساتھ یزیدؓ کا نہیں بلکہ ایک دوسرے شخص کا مقابلہ ہوا تھا۔ یزیدؓ نے ابوامامہ باہلی کو اس لشکر کا مقابلہ کرنے بھیجا تھا' جو وادی عربہ میں پڑا تھا اور جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ چنانچہ ابوامامہ وہاں پہنچا اور اسے شکست دی۔

عرب مورخین نے اس امر کا تذکرہ نہیں کیا کہ داثن کی لڑائی کس تاریخ کو وقوع میں آئی۔ لیکن مستشرقین کہتے ہیں کہ یہ لڑائی ماہ ذی القعدہ ۱۲ھ کے آخر یا ماہِ ذی الحجہ کے شروع میں ہوئی تھی۔

ہرقل کا اسلامی لشکروں پر علٰحدہ علٰحدہ حملہ کرنے کا منصوبہ

حضرت عمروؓ بن العاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایت کے مطابق ایلیا کے راستے فلسطین پہنچے اور عربات پر اُترے۔ جب ہرقل کو اسلامی افواج کے پہنچنے کا پتا چلا تو اس نے کوشش کی کہ اپنے عظیم الشان لشکر کو چار حصوں میں منقسم کر کے مسلمانوں کے لشکروں سے علٰحدہ علٰحدہ بھڑا دے تاکہ اس طرح مسلمانوں کی قوت کمزور ہو جائے اور ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ عمروؓ بن العاص کو جب یہ اطلاع ملی کہ ہرقل کی ایک لاکھ فوج ان کا مقابلہ کرنے آرہی ہے تو انھیں بڑا خطرہ محسوس ہوا کیونکہ ان کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی تاہم انھوں نے تیاری کی۔ جب رومیوں کی فوج اسلامی لشکر کے سامنے پہنچ گئی تو عمروؓ بن العاص نے جھنڈا اور ایک ہزار سوار عبداللہ بن عمرؓ کو دے کر انھیں میدان میں بھیجا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان فوج نے بڑی دلیری سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر لڑتے بھڑتے رومیوں کے سپہ سالار کے پاس پہنچ گئے اور اس کو نیزے سے قتل کر ڈالا۔ اس سے رومیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا ڈر بیٹھ گیا اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کے سامانِ جنگ اور مالِ غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ سیکڑوں قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔[1]

دوسرے روز رومی پہلے سے بھی زیادہ لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آگئے۔ اس لشکر کی تعداد واقدی نے ایک لاکھ لکھی ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ میمنہ پر ضحاک کو مقرر کیا، میسرہ پر سعید بن خالد کو، ساقہ پر ابوالدرداء کو اور خود قلب میں رہے۔ آپ کے ساتھ اہلِ مکّہ تھے۔ آپ نے لوگوں کو قرآنِ کریم پڑھنے کا حکم دیا اور ثوابِ جنت کی ترغیب دے دے کر ان کے دل بڑھانے لگے۔

اس معرکہ میں بھی مسلمان رومیوں پر فتحیاب ہوئے۔ یاد رہے کہ یہ روایت جو ہم نے بیان کی ہے، صرف واقدی کے ہاں ہے۔ طبری میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ ابن اثیر نے بھی اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ واقدی کا شمار ان مورخین میں ہے جن پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جن کی بیان کردہ روایات کی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی۔ دوسرے مورخین نے اس بارہ میں جو کچھ بیان کیا ہے اور جو حقیقت سے قریب تر سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت عمروؓ بن العاص کو یہ پتا چلا کہ رومی زبردست لشکروں کے ساتھ مسلمانوں کی فوجوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں تو اُنھوں نے تمام مسلمان سالاروں کو لکھا کہ اس وقت اسلامی لشکر علٰحدہ علٰحدہ رومیوں کا مقابلہ نہ کریں۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ایک جگہ مجتمع ہو کر، ایک ہی لشکر کی صورت میں رومیوں سے لڑیں۔

ہمارے خیال میں زیادہ قرینِ قیاس بات یہ ہے کہ رومیوں کو جب مسلمان فوجوں کے شام کی طرف کوچ کرنے کا علم ہوا تو انھوں نے ہرقل کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ ہرقل حمص آیا۔ جب اس نے یہ سنا کہ مسلمان فوج علٰحدہ علٰحدہ چار حصوں میں منقسم ہے تو اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنی کثیر التعداد فوجوں کو مسلمانوں کے چاروں لشکروں سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دے اور اس طرح انھیں یکجا نہ ہونے دے۔ چنانچہ اس نے ہر فوج کے مقابلے میں دُگنی فوج بھیج دی

[1] ان واقعات کا طبری نے مطلق ذکر نہیں کیا۔ صرف واقدی نے انھیں "فتوح الشام" میں درج کیا ہے۔

...کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے عقلمندی اور احتیاط سے سارے معاملہ کا جائزہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے انھیں لکھا کہ اس وقت مناسب یہی ہے کہ تمام اسلامی لشکر آپس میں مل جائیں۔ اس لیے کہ اگر ہم ایک جگہ جمع ہو کر مقابلہ کریں گے تو قلتِ تعداد کے باوجود، دشمن ہمیں مغلوب نہیں کر سکتا، لیکن اگر ہم متفرق اور منتشر ہو کر دشمن کے مقابلہ میں آئیں گے تو اس وقت ہم میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہو گا جو دشمن کا دلجمعی سے مقابلہ کر سکے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان کو وہی مشورہ دیا جو حضرت عمروؓ بن العاص نے دیا تھا۔ آپ نے انھیں لکھا:

"ایک جگہ جمع ہو کر ایک ہی لشکر کی صورت اختیار کر لو اور پھر دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرو، تم اللہ کے مددگاروں میں سے ہو۔ اللہ اسی کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے اور اس کو چھوڑ دیتا ہے جو اس سے انکار کرتا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی جو اس وقت عراق میں مصروفِ پیکار تھے لکھا کہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر شام پہنچو اور وہاں مسلمان افواج کے ساتھ مل کر ہرقل کی فوجوں کا مقابلہ کرو۔ چنانچہ حضرت خالدؓ دیگر مسلمان سالاروں سے بصریٰ میں آکر مل گئے۔ جب بصریٰ فتح ہو گیا تو خالدؓ بن ولید مع دیگر سالاروں کے عمروؓ بن العاص کی مدد کو چلے جنھیں فلسطین کی وادی عربہ میں ایک زبردست بیزنطینی لشکر کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن بیزنطینی خود ہی عمروؓ بن العاص سے مقابلہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے اجنادینؑ چلے گئے جہاں دیگر مسلمان سالاروں سے ان کا سامنا ہو گیا۔ ان بیزنطینی افواج کا سالار ہرقل کا سگا بھائی تیودرس (تذارق) تھا۔

بعض عرب مورخین نے اس جنگ کو جنگِ اجنادین کی بجائے جنگِ یرموک کے نام سے یاد کیا ہے۔ لیکن مستشرقین نے اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ معرکۂ یرموک اس تاریخ کے دو سال بعد وقوع میں آیا۔

مورخین میں بیزنطینی لشکروں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بلاذری کہتا ہے کہ ان لشکروں میں ایک لاکھ سپاہی شامل تھے۔ لیکن مستشرق لامنس کہتا ہے کہ وہ اس سے بہت کم تعداد میں تھے تاہم وہ پچاس ہزار سے زیادہ تھے۔ مسلمانوں نے ان لشکروں پر جو فتح عظیم حاصل کی تھی اس کی تصدیق عرب اور فرانسیسی دونوں کرتے ہیں۔

اس معرکہ میں عربی لشکر کے سپہ سالار کی تعیین کے بارہ میں بھی مورخین متفق نہیں ہیں۔ بعض عرب مورخین کہتے ہیں کہ اس سارے لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ بن ولید کو سونپی گئی تھی۔ اور یہ امر بعید از قیاس بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اغلب گمان یہی ہے کہ عراق میں آپ نے جس جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا اس سے متاثر ہو کر سارے قائدین نے آپ کو ہی متفقہ طور پر اپنا سردار تسلیم کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہو۔

ؑ اجنادین کا صحیح محلِ وقوع معلوم نہیں تاہم اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ مقام فلسطین کے ضلع جبرین کے علاقہ میں یا جبرین اور رملہ کے درمیان کسی جگہ واقع تھا۔ (جغرافیہ فلسطین و شام مصنفہ لی۔ اسٹرینج ص ۲۸۱) محمد احمد

اکثر مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہ معرکہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ مطابق ۳۰ تموز (جولائی) ۶۳۴ء کو پیش آیا تھا۔

حضرت خالدؓ کی قیادت کا مسئلہ

یورپین مورخین کا فتوحاتِ شام اور لشکرِ اسلامی کی قیادت کے متعلق بھی عرب مؤرخین سے اختلاف ہے۔ بعض یورپین تو قطعی طور پر اس سے انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے خلافت سنبھالتے ہی خالدؓ بن ولید کو معزول کر دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ خالدؓ بن ولید حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں کافی مدت تک شام میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار رہے۔ وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

۱۔ ۱۴ھ میں دمشق کی فتح کے موقع پر عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا گیا تھا وہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ہی کیا تھا۔ نیسنہ ربیع الثانی ۱۵ھ میں اس دن جب مسلمان جنگِ یرموک کے لیے نکلے تھے تو خالدؓ نے ہی اسقف دمشق کے مطالبہ پر اس معاہدہ کی تجدید کی تھی۔ ابوعبیدہؓ اس معاہدہ کے وقت موجود تھے۔ لیکن ان کو معاہدہ کے متعلق کسی قسم کا اختیار نہیں تھا۔ عربی مورخین میں سے بلاذری نے اس رائے کی تائید کی ہے۔

۲۔ ایک دوسری روایت سے جو ابوعبیدہ القاسم بن سلام سے مروی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خالدؓ بن ولید نے تقریر کی جس میں انھوں نے کہا کہ:

"جب تک جنگی ضروریات متقضی رہیں عمرؓ بن الخطاب نے مجھے شام کا عامل بنائے رکھا۔ لیکن جب حالات تبدیل ہو گئے تو مجھ پر عیب لگانے لگے۔"

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے "سپہ سالارِ اعظم" کے عہدہ پر کسی کو فائز نہیں کیا تھا بلکہ جب رومیوں سے لڑنے کے لیے فوجیں جمع کی تھیں تو ایک کی بجائے چار سپہ سالار مقرر کیے تھے، ان کے لیے چار ہی علَم بنوائے تھے اور ہر سپہ سالار کے لیے اس کا علاقہ مقرر کر دیا تھا جہاں اُسے جانا، فتح کرنا اور بعد میں اس کی ولایت کا انتظام سنبھالنا تھا۔ چنانچہ ہر فرد اپنے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ لیکن جب شام میں حالات کی تبدیلی سے تمام سپہ سالاروں نے متفقہ طور پر یہ رائے دی کہ بیزنطینی رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تمام لشکروں کو یکجا ہو جانا چاہئے تو اس اتحاد کے وقت یہ مشکل درپیش ہوئی کہ ان تمام سپہ سالاروں کی قیادت کس کو سونپی جائے۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی ہدایت نہیں تھی۔ اس لیے ہمارے خیال کے بموجب تمام سپہ سالاروں نے متفقہ طور پر اس ذمہ داری کو حضرت خالدؓ بن ولید کے سر ڈال دیا۔ کیونکہ عراق میں جس جرأت و بہادری اور فنونِ جنگ میں حضرت خالدؓ نے نمونہ پیش کیا تھا اس کو دیکھتے ہوئے اس اہم عہدے کے لیے سب کی نظر حضرت خالدؓ پر پڑی۔

(۲)

فیصلہ کن معرکہ

جنگِ یرموک اور جنگِ اجنادین کے متعلق مؤرخین کا اختلاف مستشرقینِ یورپ کہتے ہیں کہ معرکۂ یرموک ۱۵ھ میں پیش آیا اور جنگِ اجنادین ۱۳ھ میں ہوئی۔ ان کا کہنا ہے: مورخینِ عرب نے اس معاملہ میں غلطی کی ہے کہ جنگِ اجنادین کی بجائے جنگِ یرموک کا ذکر کیا ہے اور اس طرح جنگِ یرموک کے وقوع سے دو سال پہلے ہی اس کا بیان کر دیا ہے۔

جرمنی کا مشہور مستشرق میخائل دی غوئی جو لیڈن یونیورسٹی میں عربی زبان کا پروفیسر رہ چکا ہے۔ اس بارہ میں اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:

"ابنِ اسحاق کہتا ہے کہ اجنادین فلسطین کے علاقہ میں رملہ اور بیت جبرین کے درمیان واقع تھا۔ لیکن بعض لوگوں کے نزدیک وہ رملہ اور خلیل جبرون کے بیچ میں تھا۔ ان شہروں کے درمیان ایک قدیم بستی بھی تھی جس کو یرموث کہتے تھے۔ مشہور سیاح روبنسون کہتا ہے کہ اس بستی کا نام یرموک تھا۔ ان امور کے تسلیم کر لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اجنادین یرموث کے قریب واقع تھا۔ اس لیے مورخین نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ یہی لڑائی جنگِ یرموک تھی (یرموک اور یرموث میں ک اور ث کا فرق ہے اور اس فرق کو مورخین نے نظرانداز کر دیا) حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یرموث کے قریب جو جنگ ہوئی ہے وہ جنگِ اجنادین[1] تھی اور دوسری لڑائی جو وادیِ یرموک میں ہوئی تھی وہ جنگِ یرموک تھی۔"

اس اختلاف کو جو جنگِ اجنادین اور جنگِ یرموک کے بارہ میں مورخین کے درمیان پیدا ہو گیا ہے نظر انداز کرتے ہوئے ہم مورخینِ عرب کے بیان کردہ واقعات کے مطابق جنگِ یرموک کا حال بیان کرتے ہیں کیونکہ اس جنگ کے وقوع میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف صرف اس زمانہ کے متعلق ہے جس میں وہ واقع ہوئی، اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔

جنگِ یرموک حضرت خالدؓ بن ولید مسلمان لشکروں سے اس وقت ملے جب وہ رومیوں اور ان کے حلیف عربوں کے زبردست لشکروں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر چار سالاروں کی قیادت میں چار جگہ بٹا ہوا ہے۔ وہ چار سالار مندرجہ ذیل تھے:

---

[1] اجنادین کے مقام پر بھی ایک جنگ نہیں بلکہ دو جنگیں ہوئی ہیں۔ ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں اور دوسری حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں۔ اس کی مفصل بحث حضرت عمرِ فاروقؓ کی سوانح حیات میں آئے گی۔ (محمد احمد پانی پتی)

ابو عبیدہؓ بن الجراح، یزیدؓ بن ابی سفیان، عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ۔

مسلمانوں کی تعداد رومیوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ بعض مورخین ان کی تعداد چالیس ہزار بتاتے ہیں اور بعض چھیالیس ہزار۔ طبری کی روایت کے بموجب رومیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔ اور ابن اثیر کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ۔ عیسائی پادری مسلسل ایک ماہ تک شہروں میں گشت لگاتے اور رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلا دلا کر لڑائی کے لیے ابھارتے رہے۔ چنانچہ رومی اس کثرت اور اس شان و شوکت کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلے جس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید نے یہ دیکھا کہ مسلمان کسی ایک امیر کے جھنڈے تلے متحد نہیں ہیں بلکہ مختلف قائدین کی سرکردگی میں علٰحدہ علٰحدہ منقسم ہیں، تو آپ کو ڈر پیدا ہوا کہ اگر اسی طرح دشمن سے مقابلہ کی نوبت آگئی، تو مسلمانوں میں کمزوری پیدا ہوجائے گی اور وہ دشمن پر قابو نہیں پاسکیں گے۔ اس لیے آپ نے تمام امراء کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

"یہ دن وہ دن ہے جس میں فخر اور سرکشی مناسب نہیں۔ تمہارا دشمن سے جہاد خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے۔ تم اپنے اعمال سے اپنے خدا کو راضی کرو اور اس کے لیے آج کے دن سے بہتر اور کوئی دن نہیں۔ آج کے بعد یہ موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔ تم ایسی قوم سے، جو شان و شوکت، قوت و طاقت اور تنظیم میں تم سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے، اس انتشار کی حالت میں نہ لڑو، کیونکہ ایسا کرنا قطعاً مناسب نہیں۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس صورتِ حال کا پتا ہوتا تو وہ تمہیں کبھی ایسا نہ کرنے دیتے۔ اس لیے بجائے اس کے کہ تم ان احکام پر عمل پیرا ہو جو بارگاہِ خلافت کی طرف سے تمہیں دیے گئے ہیں، میری رائے پر عمل کرو۔"

تمام امراء نے کہا:

"آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟"

حضرت خالدؓ بن ولید نے کہا:

"اس وقت مسلمانوں پر بہت سخت وقت پڑا ہوا ہے۔ دشمن تنظیم اور ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود ہے لیکن تم متفرق و منتشر ہو۔ تمہارا یہ انتشار تمہارے لیے دشمن کے حملہ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے اور دشمن کے لیے اس کی مدد سے زیادہ مفید ہے۔ ہمیں یہ چاہیے کہ ہم سب ایک امیر کے ماتحت ہوجائیں۔ اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں پڑے گا اور نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خلیفہ کے نزدیک اس کا مرتبہ کم ہوجائے گا۔ رومی ہم پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ اگر آج ہم نے ان کو پیچھے دھکیل دیا تو پھر برابر دھکیلتے ہی چلے جائیں گے۔ لیکن اگر انھوں نے ہمیں شکست دے دی تو پھر ہم کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ ہمیں امارت کے متعلق آپس میں تعاون کرنا چاہیے اس طرح کہ ہم میں سے باری باری ہر ایک شخص امیر ہو۔ ایک شخص آج، دوسرا کل، تیسرا پرسوں، آج کے دن تم مجھے امیر بنا دو۔"

چنانچہ سب سالاروں نے حضرت خالدؓ کی یہ بات مان لی اور اُنھیں متفقہ طور پر اس دن کے لیے اسلامی لشکروں کا متحدہ سپہ سالار چُن لیا گیا۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ رومی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اس سج دھج اور اس شان سے نکلے تھے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے جواب میں حضرت خالدؓ بن ولید بھی اس جرأت اور بہادری کے ساتھ میدان میں آئے کہ ایسا نظارہ عربوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے لشکر کو چھتیس، اور ایک روایت کی رُو سے چالیس دستوں میں منقسم کیا ایک دستہ ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا میمنہ کے دستوں پر عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ، میسرہ کے دستوں پر یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور قلب کے دستوں پر ابوعبیدہؓ متعین ہُوئے۔ اس کے علاوہ ہر دستے پر ایک آزمودہ کار اور بہادر آدمی کو مقرر کیا گیا۔ ابوہریرہؓ کو قاضی اور ابوسفیان کو نقیب بنایا گیا، جو لشکر میں پھر پھر کر لوگوں کو نصیحتیں کرتے تھے، انھیں جوش دلاتے تھے۔ آپ ہر دستے کے سامنے کھڑے ہوتے اور کہتے:

"اللہ اللہ! تم عرب کے نوجوان اور اسلام کے مددگار ہو۔ لیکن تمھارے دشمن روم کے نوجوان اور شرک کے مددگار ہیں۔ یا اللہ! آج کا دن ایک یادگار دن ہے تو اپنے بندوں پر نصرت نازل فرما۔"

جب جنگ شروع ہُوئی تو رومیوں نے مسلمانوں کی صفوں پر شدید حملہ کیا۔ مسلمانوں کی صفیں اس زبردست حملہ کی تاب نہ لا کر ان کے سامنے نہ ٹھہر سکیں اور بعض دستے پیچھے ہٹ گئے۔ ان دستوں پر عکرمہؓ اور ان کے چچا حارث بن ہشام متعین تھے۔ عکرمہؓ نے کہا:

"میں نے ہر موقعہ پر پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا ہے۔ کیا آج کافروں کے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے ہٹ سکتا ہے؟"

پھر آواز دی:

"تم میں سے کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کے لیے بیعت کرتا ہے؟"

اس پر چار سو آدمیوں نے جن میں حارث بن ہشام اور ضرار بن الازور بھی شامل تھے ان کی بیعت کی۔ یہ لوگ حضرت خالدؓ بن ولید کے خیمے کے سامنے جان توڑ کر لڑے اور بہادری کا پُورا پُورا حق ادا کر دیا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں نے جس جرأت، ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا اس کا ذکر تاریخ کے صفحات پر لافانی حیثیت کا حامل بن چکا ہے۔ یزیدؓ بن ابی سفیان رومیوں کے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود اپنے دستہ کو لیے اپنی جگہ پر جمے رہے اور رومیوں کو ہر بار پیچھے ہٹا دیا۔ عمروؓ بن العاص کے دستہ پر بھی رومیوں نے شدید حملہ کیا۔ لیکن وُہ بھی اپنی جگہ ثابت قدم رہا اور بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ میدانِ جنگ خُون سے لالہ زار ہو گیا۔ آخر کار یہ دستہ رومیوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا اور فوج سے علٰحدہ ہو کر عورتوں کے خیمہ گاہ تک پہنچ گیا۔ جب خواتینِ اسلام نے دیکھا کہ عمروؓ بن العاص کا دستہ پیچھے ہٹ رہا ہے تو اُنھوں نے اپنے خیموں کی چوبیں اُکھاڑ لیں اور ان کو مسلمانوں کے سروں پر مارنے لگیں، ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتی جاتی تھیں کہ

...نے ہماری حفاظت نہ کی تو تم ہمارے خاوند کہلانے کے مستحق نہ ہوگے۔ اس پر بھاگنے والوں کو بڑی غیرت آئی ... دوبارہ رومیوں کے سامنے جاکر ڈٹ گئے اور انھیں مار مار کر پیچھے ہٹا دیا۔

حضرت خالدؓ خود میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی سارے محاذِ جنگ پر بھی آپ کی نظر تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک حصہ رومیوں کے حملوں کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹ رہا ہے تو فوراً چند دستوں کو آگے بڑھایا کہ وہ پیچھے ہٹنے والے مسلمانوں کو روکیں اور ان کے قدم مضبوط کریں اسی وقت آپ نے ابوعبیدہؓ کو رومیوں پر ایک زبردست حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پوری طاقت سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ اُدھر عورتیں اپنے خیموں سے نکل نکل کر مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے آکھڑی ہوئیں اور چلا چلا کر کہنا شروع کیا کہ اگر میدان سے قدم پیچھے ہٹایا تو پھر ہمارا مُنہ نہ دیکھنا۔ یہ آوازیں سُن کر مسلمانوں میں پہلے سے بھی زیادہ جوش پیدا ہوگیا اور انھوں نے اتنی شدت اور اتنے جوش سے رومیوں پر دھاوا بولا جس کی تصویر کوئی مورّخ اپنے قلم سے نہیں کھینچ سکتا۔ اس وقت جو رومی بھی سامنے آتا تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ کر نہ جاتا تھا۔ مسلمانوں کے اس اچانک اور زبردست حملہ سے رومی سخت بوکھلا گئے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔ اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ یکایک حضرت خالدؓ بن ولید قلب کے دستوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور اس کی سوار اور پیدل فوج کے درمیان حائل ہوکر تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ سب سے پہلے دشمن کے سواروں نے حضرت خالدؓ کے دستہ سے شکست کھائی اور بھاگنے لگے۔ مسلمان فوج نے ان کو راستہ دے دیا اور وہ اندھا دُھند بھاگتے ہُوئے صحرا کی طرف نکل گئے۔ جدھر جس کو موقع ملا، چلا گیا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ آگے بڑھے اور دشمن کی پیدل فوج پر زبردست حملہ کر دیا۔ دشمنوں کو ایسا معلوم ہُوا جیسے کوئی دیوار ان پر آپڑی ہے۔ وُہ گھبرا کر پسپا ہُوئے۔ پیچھے پہاڑ تھا اس لیے راستہ نہ ملنے کی بنا پر بہت سے مارے گئے۔ اس کے بعد اُنھوں نے وادیِ واقوصہ کا رُخ کیا اور اس میں گر پڑے۔ مصیبت یہ ہُوئی کہ رومیوں میں سے اکثر آدمیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا تاکہ کوئی شخص فوج سے بھاگ نہ سکے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جب چند آدمی وادی میں گرے تو بقیہ لوگ بھی زنجیروں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہی گرتے چلے گئے اور تمام فوج وادی میں غرق ہوگئی۔

طبری نے لکھا ہے کہ وادیِ واقوصہ میں ایک لاکھ بیس ہزار رومی غرق ہوئے۔ جو لوگ میدانِ جنگ میں مارے گئے وہ ان کے علاوہ تھے۔ لیکن اس میں بہت مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ لڑائی تمام دن اور رات کے اکثر حصّہ میں جاری رہی۔ صبح ہُوئی تو حضرت خالدؓ بن ولید رومی لشکر کے سپہ سالار کے خیمے میں بیٹھے تھے اور آپ کو مکمل فتح حاصل ہوچکی تھی۔

رومیوں کے لیے یہ جنگ قہرِ الٰہی سے کم نہ تھی۔ ان کے لشکر کے بڑے بڑے سردار اور بہادر اس جنگ میں مارے گئے۔ مسلمانوں کو بھی اس جنگ میں بہت کافی نقصان اٹھانا پڑا اور ان کے تین ہزار آدمی جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کافی تعداد میں تھے، شہید ہوگئے۔ اندازہ ہے کہ ایک ہزار صحابہؓ نے اس جنگ میں شہادت پائی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات اور حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی

معرکہ ابھی جاری ہی تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس

[حضرت عمرؓ] بن الخطاب کا قاصد آیا اور ایک خط دیا جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کی اطلاع تھی۔ اسی خط میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا تھا کہ اُنھوں نے خالدؓ کو اپنے لشکر کی قیادت سے ہٹا دیا ہے اور ان کی جگہ ابو عبیدہؓ کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ شاید اس سے حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ خالدؓ کو اس لشکر کی قیادت سے الگ کر دیا جائے جو عراق سے ان کے ساتھ آیا تھا اور ان کی بجائے ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار مقرر کر دیا جائے۔

جب حضرت خالدؓ نے حضرت عمرؓ کا خط پڑھا تو مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت، جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اس خط کے مضمون کو عام لوگوں پر ظاہر کیا جائے۔ جب لڑائی ختم ہو گئی تو حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس عکرمہؓ اور ان کے بیٹے عمرؓ لائے گئے جو زخموں سے چُور تھے اور دم توڑ رہے تھے۔ آپ نے عکرمہؓ کا سر اپنی ران پر اور عمرؓ کا سر اپنی پنڈلی پر رکھا اور ان کے حلق میں پانی ٹپکاتے اور ان کے چہروں کو گرد سے صاف کرتے ہُوئے کہا:

"خدا کی قسم! عمرؓ بن الخطاب کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے"

معرکۂ یرموک میں مسلمان عورتوں کی بے نظیر بہادری

اس معرکہ کے ضمن میں ہم نے جو کچھ واقعات بیان کیے ہیں ان میں اس امر کا اور اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اس جنگ میں مسلمان عورتوں نے بھی زبردست بہادری اور جرأت کا ثبوت دیا۔ انھوں نے اپنا ایک الگ دستہ بنا کر مردانگی کے جوہر دکھائے۔ وہ لشکرِ اسلامی کو پانی پلاتی پھرتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ بعض عورتوں نے مسلمانوں کے عزائم کو مضبوط اور ان کے دلوں میں بہادری کا جذبہ پیدا کرنے میں بے حد مدد دی۔ وہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے سے چلاتی تھیں کہ دشمن پر زبردست حملہ کرو۔ جب کسی مسلمان سپاہی کے کان میں کسی عورت کی آواز آتی تھی تو اس کے جوش و خروش اور ولولہ میں اور اضافہ ہو جاتا تھا اور وہ دشمنوں کی صفوں پر اس طرح ٹوٹتا تھا کہ اس کے آگے کوئی تلوار، کوئی نیزہ اور کوئی بڑے سے بڑا بہادر بھی نہ ٹھہر سکتا تھا۔

اسلامی لشکر کے بہت سے سپاہی اپنے ساتھ اپنی بیویوں اور بچوں کو لائے تھے۔ عورتیں لشکر کے پیچھے رہتی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں پتھر ہوتے تھے، جو بھی بھاگنے کی کوشش کرتا وہ اس کے منہ پر پتھر دے مارتی تھیں اور اسے دوبارہ لشکر میں جانے اور دشمنوں سے آخر دم تک لڑنے پر مجبور کرتی تھیں۔

جب رومی زبردست حملہ کر کے آگے بڑھے تو حضرت خالدؓ بن ولید عورتوں کے پاس پہنچے۔ وُہ ایک اونچی جگہ پر کھڑی تھیں، ان کے ساتھ ابوسفیانؓ بھی تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ان عورتوں سے کہا:

"اے خواتینِ اسلام! جو شخص بھی شکست کھا کر تمھارے پاس آئے تم اسے قتل کر ڈالو"

ان وجوہ کی بنا پر ہر مسلمان مجبور تھا کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں آخر دم تک لڑے اور پیچھے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے خواہ ایسا کرنے میں اسے موت کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ یہ امر کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک لشکر جس کی تعداد صرف چالیس ہزار ہے، اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر پر (جسے سامانِ جنگ کی فراوانی، تنظیم اور تہذیب و تمدن کی وجہ سے اپنے

اور نازک ... غالب آجاتا ہے اور لشکر کی زیادتی، سامانِ جنگ کی فراوانی اور عسکری تنظیم دشمن کے کسی کام نہیں آتی۔

اگر کوئی شخص یہ کہے جیسا کہ بعض یورپین مورخین نے اپنی کتابوں میں لکھا بھی ہے کہ عراق اور شام میں اسلامی فتوحات کی وجہ یہ تھی کہ دونوں سلطنتیں اپنے داخلی امور میں پھنسی ہوئی تھیں اس لیے دلجمعی سے مسلمان افواج کا مقابلہ نہیں کر سکیں تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ان داخلی جھگڑوں کی موجودگی کے باوجود ایرانیوں اور رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے عظیم الشان فوجیں اکٹھی کرلیں جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ایرانی اور رومی فوجیں بحر و بر سے اُبل پڑی تھیں۔ آخر یہ داخلی جھگڑے ایرانیوں اور رومیوں کو اس قدر عظیم الشان افواج کو جمع کرنے سے کیوں نہ روک سکے۔

جس امر نے مسلمانوں کی ان جنگوں میں مدد کی وہ ان کی جرأت، قربانی، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور دینِ اسلام پھیلانے کے لیے ان کا جذبہ صادق تھا۔ اس کے علاوہ سالاران (عساکر) کی بے نظیر مہارتِ جنگ اور حُسنِ تدبیر کا بھی ان فتوحات میں بہت بڑا حصہ تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی کا سوال

رہا حضرت خالدؓ بن ولید کو شام کے لشکر کی قیادت سے علٰحدہ کرنے کا معاملہ، تو اس بارہ میں ہماری یہ رائے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو کبھی افواجِ شام کا سپہ سالار مقرر نہیں کیا تھا جو حضرت عمرؓ انھیں معزول کر دیتے۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو صرف شام کی طرف جانے والی فوجوں کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ آپ صرف اپنے اس لشکر کے سردار تھے جو عراق سے شام آیا تھا۔ آپ کی طرح دیگر چار حضرات بھی حضرت صدیقؓ کے حکم سے اپنی اپنی فوج کے سردار تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو یرموک اور اجنادین کے ان تمام سپہ سالاران عساکر نے اپنی مرضی سے ایک دن کے لیے اپنا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس معاملے کا علم ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وُہ یہ کہ حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ خالدؓ اور بقیہ قائدین کی فوجوں کو جو شام میں موجود تھیں علٰحدہ علٰحدہ قیادت کے ماتحت نہ رکھا جائے، بلکہ ایک سپہ سالار کے ماتحت کر دیا جائے۔ اس غرض کے لیے آپ نے ابوعبیدہؓ کو چُنا اور انھیں جنگ کے تمام معاملات طے کرنے اور فوجیں اِدھر سے اُدھر بھیجنے کا اختیار سونپ دیا۔ کیونکہ اس وقت جنگی مصلحتوں کا تقاضا یہی تھا۔

مورخین میں اس کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کس وقت حضرت خالدؓ کو ابوعبیدہؓ کے ماتحت کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگِ یرموک کے دوران میں پیش آیا[1] اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق کی فتح کے بعد[2]۔

تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات جمادی الاخری ۱۳ھ میں ہوئی، البتہ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض ۲۱ جمادی الاخریٰ بتاتے ہیں اور بعض ۲۲ جمادی الاخریٰ۔ بلاذری جو معرکۂ یرموک کو معرکۂ اجنادین کے بعد قرار دیتا ہے، لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو حضرت صدیقؓ کی وفات کی خبر یرموک پر معرکہ یا قوصہ کے دوران میں ملی۔

---

[1] مستشرق لامنس کہتا ہے کہ ابوعبیدہؓ کو خالدؓ کی جگہ لشکر کا سپہ سالار یرموک کے بعد مقرر کیا گیا۔ بکر بھی اسی رائے کی تائید کرتا ہے۔

[2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۴۰ جرمن مستشرق خایل بھی گبن کی کتاب "عروج و زوال سلطنت روما" کے حاشیہ میں اسی کی تائید کرتا ہے۔

فصل پنجم ——— خلیفۂ اوّل کے عہد میں اسلامی سلطنت کا داخلی نظام

(۱)

سلطنت کا داخلی نظام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں چونکہ اسلامی سلطنت زیادہ وسیع نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے سلطنت کا انتظام و انصرام کرنے کے لیے بھی وسیع پیمانے پر انتظامات نہیں کیے گئے۔ اسلامی سلطنت اس شان و شوکت اور تہذیب و تمدن سے بالکل خالی تھی جس کے لیے اس کی ہمسایہ سلطنتیں چار دانگِ عالم میں شہرت رکھتی تھیں۔

حکومت کا سارا انتظام کُلی طور پر خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ ہی حاکم تھے، آپ ہی قاضی تھے۔ جو احکام دئے جاتے تھے وہ سب آپ ہی دیتے تھے۔ جو حدود (سزائیں) قایم کی جاتی تھیں ان کا اجرا آپ ہی کرتے تھے تاہم آپ نے اپنی آسانی کے لیے بعض امور مدینہ کے بعض صحابہؓ کو سپرد کر رکھے تھے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ آپ نے مدینہ کا قاضی حضرت عمرؓ کو مقرر کیا تھا اور شام بھیجنے سے پہلے حضرت ابوعبیدہؓ عامر بن الجراح کو بیت المال کا انچارج بنا رکھا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے لیے کوئی معین کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) مقرر نہیں کیا تھا۔ عموماً خط و کتابت کا کام حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت علیؓ بن ابی طالب سرانجام دیا کرتے تھے۔ جب کبھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کچھ لکھوانے کی ضرورت ہوتی تھی آپ ان تینوں میں سے کسی کو بُلا لیا کرتے تھے۔

چونکہ مملکت کا سارا انتظام خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور آپ اپنی مدد کے لیے کبھی کبھی کسی شخص کو بُلا کر اس کے سپرد کچھ کام کر دیتے تھے۔ اس لیے ان لوگوں کی تنخواہوں کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ بیت المال سے تمام مسلمانوں کا جتنا جتنا وظیفہ مقرر تھا اتنا ہی ان لوگوں کو بھی ملتا تھا۔ ان کے کام کے معاوضہ میں کوئی زاید رقم انھیں نہیں دی جاتی تھی۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں سلطنتِ اسلامی کا نظام صرف جزیرۂ عرب میں قائم تھا کیونکہ عراق اور شام کے وہ علاقے جو اسلامی سپہ سالاروں کے ہاتھوں فتح ہو رہے تھے ان میں باقاعدہ طور پر کوئی حکومت قائم نہیں تھی، وہاں کے داخلی امور پر ابھی تک پوری طرح قابو نہیں پایا جا سکا تھا اور نہ ان علاقوں میں کسی قسم کی کوئی تنظیم قائم کی گئی تھی۔ ان علاقوں کا انتظام اسلامی لشکر کے ان قائدین کے ہاتھوں میں تھا جنھیں دربارِ خلافت کی طرف سے انھیں فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

جزیرۂ عرب کے صُوبوں کے امیر

جزیرۂ عرب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف صوبوں (ولایات) میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر صوبہ پر ایک امیر مقرر فرما دیا تھا، جو نماز پڑھاتا تھا مقدمات کا فیصلہ اور حدودِ شرعی کا نفاذ کرتا تھا۔ وہ خود ہی امیر اور خود ہی قاضی ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں

جزیرۂ عرب [illegible] صوبے اور ان کے امیر مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ مکہ: اس کے والی عتابؓ بن اسید تھے۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ہی مکہ کا والی مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی بدستور یہی حاکم رہے۔
۲۔ طائف: اس کے امیر حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ یہ بھی عہدِ رسالت سے یہیں مقرر تھے۔
۳۔ صنعاء: اس کے والی مہاجرؓ بن ابی امیہ تھے۔ مرتدین کی جنگوں میں آپ نے اسے فتح کیا اور اس کے والی بنائے گئے۔
۴۔ حضرموت: اس کے امیر زیادؓ بن لبید تھے۔
۵۔ خولان: اس کے امیر یعلیؓ بن امیہ تھے۔
۶۔ زبید و رمع (یمن): اس کے امیر ابوموسیٰ اشعریؓ تھے۔
۷۔ جند: اس کے امیر معاذؓ بن جبل تھے۔
۸۔ نجران: اس کے امیر جریرؓ بن عبداللہ تھے۔
۹۔ جرش: اس کے امیر عبداللہؓ بن ثور تھے۔
۱۰۔ بحرین: اس کے امیر علاءؓ بن حضرمی تھے۔

خلیفہ کا گزارہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک کامیاب تاجر تھے۔ خلافت کے بعد بھی آپ کا گزارہ چھ مہینے تک تجارت سے ہی ہوتا رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنے خرچ کے لیے بیت المال سے ایک پائی بھی نہیں لی۔ ایک دن آپ اپنے کندھے پر کمبلوں کی ایک گٹھڑی اٹھائے بازار کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے۔ اُنھوں نے آپ سے پُوچھا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

"بازار جا رہا ہوں۔"

حضرت عمرؓ بولے:

"آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کو تو خلیفہ بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کے تمام معاملات آپ کی نگرانی میں دئے گئے ہیں، آپ ان معاملات کو کس طرح سرانجام دیں گے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

"آخر میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں؟"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

"آپ میرے ساتھ ابوعبیدہؓ (امین بیت المال) کے پاس چلیے۔ وہ بیت المال میں سے آپ کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے۔"

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ دونوں حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس گئے اور انھوں نے آپ کا اتنا ہی وظیفہ مقرر کرایا جتنا باقی مہاجرینؓ کو ملتا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا لباس بھی بیت المال میں سے دیا جانے لگا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے لیے چھ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن جب آپ وفات پانے لگے تو آپ نے بیت المال میں سے جتنا روپیہ لیا تھا وہ سب واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اس غرض کے لیے آپ کے ورثا نے آپ کی زمین بیچی اور اس سے جو روپیہ حاصل ہوا وہ بیت المال میں داخل کر دیا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ شروع سے ہی اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ بیت المال میں سے کچھ لیا جائے اسی لیے آپ نے اپنی زمین بیچنے کا حکم دیا تاکہ جو کچھ آپ نے اپنے عرصۂ خلافت میں بیت المال میں سے لیا ہے وہ سب اس میں واپس پہنچ جائے اور اس طرح دوسرے مسلمانوں کا حق نہ مارا جائے۔

فوجوں کے اخراجات

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں مسلمان سپاہی بغیر کسی تنخواہ کے کام کرتے تھے۔ خلیفہ اور بیت المال پر ان کا کوئی بار نہ تھا۔ وہ اپنے پاس سے سامانِ جنگ خریدتے تھے۔ راستے میں جو کچھ بھی خرچ ہوتا تھا وہ خود ہی برداشت کرتے تھے۔ البتہ جب جنگوں کے بعد مالِ غنیمت ہاتھ آتا تھا تو اس میں سارے سپاہی شریک ہوتے تھے۔ غنیمت کا ⅘ حصہ لشکر کو ملتا تھا۔ البتہ اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں کسی دشمن کو مار گراتا تھا تو مقتول کے بدن پر جو کچھ ہوتا تھا وہ سب اس کے مارنے والے کے حصہ میں آتا تھا۔ عراق اور روم کی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر مالِ غنیمت آیا کہ عربوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جب ان مسلمانوں نے یہ دیکھا جو اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، تو وہ بھی جوق در جوق اپنے بھائیوں سے ملنے میدانِ جنگ میں پہنچنے لگے۔

اموال تقسیم کرنے میں مساوات

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مسلمانوں میں اموال تقسیم کیا کرتے تھے تو سب کا حصہ ایک جیسا مقرر کرتے تھے۔ کسی شخص کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ سے کہا گیا:

"آپ سابقون الاولون اور ان لوگوں کو، جنھوں نے بعد میں اسلام قبول کیا، کس طرح برابر برابر رکھتے ہیں؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا:

"جو لوگ ابتدائً اسلام میں داخل ہوتے انھوں نے یہ کام آخرت کے لیے کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دین میں پہلے داخل ہوئے اس لیے ان کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دے سکتا۔"

مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) زکوٰۃ، صدقہ، ذمیوں کا جزیہ وغیرہ، غرضیکہ جو رقم یا مال آپ کو موصول ہوتا تھا وہ سب آپ بیت المال میں جمع کرا دیتے اور پھر اس میں سے اپنا ماہانہ وظیفہ لیتے تھے۔ اپنے عمال اور ولاۃ کو ان کی تنخواہیں بھیجتے تھے اور باقی مال ان مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے جو مدینہ یا اس کے باہر رہائش رکھتے تھے۔ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور جو جنگِ بدر اور جنگِ اُحد میں شامل ہوئے تھے۔

جمع قرآن کریم قرآنِ کریم کے جمع کرنے کا مہتم بالشان کام بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں سر انجام دیا گیا تھا۔ اس اہم کام کی طرف توجہ اس طرح مبذول ہوئی کہ یمامہ اور مرتدین کی جنگوں میں کئی قاری شہید ہو گئے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر اسی طرح قاری شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآنِ کریم ہی ضائع نہ ہو جائے۔ اس لیے اس کو ایک مصحف میں جمع کر لینا چاہیے۔ آپ نے اس رائے کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا۔ شروع میں تو آپ راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اُسے کس طرح کر سکتا ہوں۔ لیکن آخرکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار سے راضی ہو گئے اور زیدؓ بن ثابت کو اس کام پر مامور فرما دیا۔

صحابہ کرامؓ قرآنِ کریم کو کھالوں، ہڈیوں اور کھجور کے پتّوں پر لکھا کرتے تھے۔ بہت سے لوگ اس کو حفظ بھی کرتے تھے۔ جب بارگاہِ خلافت سے حضرت زیدؓ بن ثابت کو قرآنِ کریم کے جمع کرنے کا کام تفویض ہوا تو آپ نے سب جگہوں سے قرآنِ کریم کی سورتوں اور آیتوں کو جمع کر کے ایک جگہ لکھنا شروع کیا۔ سورۃ توبہ کی دو آیات نہیں ملتی تھیں جو بعد تلاش کے بعد آخر خزیمہؓ بن ثابت کے پاس سے دستیاب ہو گئیں۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے تمام قرآن جمع کر کے اسے ایک مصحف میں ترتیب دیا اور حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کر دیا جو آخری وقت تک آپ ہی کے پاس رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ مصحف حضرت عمرؓ کے پاس آ گیا اور حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس منتقل ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں اسے حضرت حفصہؓ کے پاس سے منگوا کر اس کی مختلف نقلیں کرائیں اور ایک ایک نقل تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھیج دی۔

(۲)

مسئلہ خلافت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ چاہتا تھا کہ خلافت اس کے حصہ میں آئے۔ دوسرا فریق چاہتا تھا کہ خلیفہ اس کے قبیلہ میں سے ہو۔ آخر تھوڑی دیر کی حیص بیص کے بعد تمام مسلمانوں کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو وہ وقت بڑا نازک تھا۔ دشمنانِ اسلام سے جنگیں ہو رہی تھیں۔ آپ کو خوف پیدا ہوا کہ

ل حضرت ابوبکر صدیقؓ ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو بخار سے بیمار ہوئے اور ۱۷ روز بیمار رہنے کے بعد ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی شام کو وفات پا گئے۔ آپ کی مدتِ خلافت دو سال تین مہینے دس دن ہے۔ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے پہلو میں بجانبِ مشرق دفن ہوئے۔

اگر میں نے اپنے جیتے جی مسلمانوں کے لیے کوئی خلیفہ مقرر نہ کر دیا تو میرے بعد ان میں فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس غرض کے لیے آپ نے اپنی نظر تمام صحابہ کرامؓ پر دوڑائی اور ان میں کسی ایک آدمی کو ڈھونڈا جو سختی کے ساتھ سلطنت کا نظام قائم رکھ سکے لیکن اس کی طبیعت میں تندی اور درشتی نہ ہو۔ جو نرم دل ہو لیکن کمزور نہ ہو۔ اس معیار پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ پورے اترتے تھے۔ لیکن جو بات حضرت عمرؓ میں تھی وہ کسی اور میں نہ تھی اور حقیقتاً آپ ہی حضرت ابوبکرؓ کے بعد خلیفہ ہونے کے مستحق تھے۔ یہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کی رائے نہ تھی بلکہ ان تمام لوگوں نے بھی، جن سے حضرت صدیق اکبرؓ نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا یہی رائے دی کہ خلافت کے لیے حضرت عمرؓ سے بہتر اور کوئی آدمی نہیں۔

رفیق بک اعظم مؤلفِ کتاب "اشہر مشاہیر الاسلام" میں لکھتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ میں صرف دو آدمی ایسے تھے جن میں مذکورہ بالا صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں، ایک حضرت عمرؓ بن الخطاب، دوسرے حضرت علیؓ بن ابی طالب۔ لیکن حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ اگر آپ کسی بات کا ارادہ کرتے اور بعد کو اس پر عمل کرنے میں دشواری پیدا ہوتی تو ارادہ ترک فرما دیتے۔ لیکن حضرت علیؓ بن ابی طالب اگر کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرما لیتے تو پھر خواہ اس راہ میں کتنی ہی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتیں آپ اس سے نہ ہٹتے اور اسے پورا کر کے ہی چھوڑتے۔"

ممکن ہے اس امر میں کچھ سچائی ہو۔ لیکن حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پہلی بیعت کے وقت کا رویہ اور آپ کا یہ دعویٰ کہ آپ ہی خلافت کے صحیح حقدار ہیں[1] منجملہ ان اسباب کے تھا جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت علیؓ کے ہاتھ میں زمامِ خلافت دے دینے سے روکا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی نظروں میں خلافت کسی خاص گروہ کا ورثہ نہیں تھی۔ مسلمانوں میں سے جو کوئی خلافت کے معیار پر پورا اترتا اس کو حاصل کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی اسی خواہش کا ذکر فرمایا تھا کہ کاش انصارؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے کہ خلافت میں ان کا حصہ بھی ہوگا یا نہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو سقیفہ بنی ساعدہ والے دن کوئی جھگڑا ہی نہ پیدا ہوتا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آئندہ ہونے والے خلیفہ کا اپنی نظروں میں انتخاب کر لیا تو چاہا کہ صحابہؓ سے بھی اس کی تصدیق کرالی جائے اور ان سے بھی اس امر میں مشورہ حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بلا بھیجا اور حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ انھوں نے عرض کیا:

"آپ کی رائے بالکل درست ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ عمرؓ میں سختی ہے۔"

---

[1] جہاں تک معلوم ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اگر وہ ایسا دعویٰ کرتے تو بقول مؤلفِ کتاب اپنی مستقل مزاجی کی عادت کے مطابق بڑی سختی کے ساتھ اپنے دعوے پر قائم رہتے اور ہرگز تین خلیفوں کی پے در پے بیعت نہ کرتے، بلکہ شروع ہی سے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے۔ (محمد احمد پانی پتی)

...نے کہا:

"عمرؓ کی سختی کا سبب یہ ہے کہ میں نرم طبیعت رکھتا تھا۔ میں نے اندازہ کیا ہے کہ جس معاملہ میں میں نرمی اختیار کرتا تھا اس میں عمرؓ کی رائے سختی کی جانب مائل ہوتی تھی۔ لیکن جن معاملات میں میں نے سختی اختیار کی عمرؓ کی رائے ان میں نرمی کی طرف مائل ہوتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ خلافت ان کو نرم دل بنا دے گی۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ بن عفان سے پوچھا، انھوں نے جواب دیا:

"عمرؓ جیسا انسان ہم میں کوئی نہیں۔"

حضرت عثمانؓ سے پوچھنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دوسرے مہاجرینؓ اور انصارؓ سے بھی حضرت عمرؓ کے بارہ میں دریافت فرمایا سب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو سراہا اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کی حمایت کی۔

جب حضرت صدیقؓ نے دیکھ لیا کہ ان کی رائے کی کسی نے مخالفت نہیں کی تو آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور ان کو وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا۔ آپ نے لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جو ابوبکرؓ بن ابی قحافہ نے مسلمانوں سے کیا ہے۔"

اس کے بعد آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی تو حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے لکھ دیا:

"میں نے تم لوگوں پر عمرؓ بن خطاب کو مقرر کیا ہے اور تم لوگوں کی بہتری اور بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔"

اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہوش آیا اور آپ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے، جو حضرت ابوبکرؓ نے لکھوایا تھا اور جو انھوں نے خود لکھا تھا' سب پڑھ کر سنا دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا اور فرمایا:

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں ڈر تھا کہ اگر اسی بیہوشی کے دوران میں میری موت ہوگئی تو میرے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"خدا تعالیٰ تمھیں اس کی جزا دے۔"

اس طرح حضرت عثمانؓ نے جو کچھ لکھا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی توثیق کر دی۔

طبری کہتا ہے:

"جب یہ تحریر لکھی جا چکی تو آپ اسی شدتِ مرض میں لوگوں کے سامنے آئے۔ آپ کی بیوی حضرت اسماءؓ بنت عمیس آپ کو پکڑے ہوئے تھیں آپ نے لوگوں سے کہا:

"میں نے جس شخص کو تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے، کیا تم اس پر راضی ہو؟ کیونکہ میں نے صرف اپنی ہی رائے سے عمرؓ کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ صائب الرائے لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد بنایا ہے۔ پھر میں نے اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کو بھی خلیفہ منتخب نہیں کیا۔"

لوگوں نے جواب دیا: "ہم آپ کے انتخاب کو بصدقِ دل قبول کرتے ہوئے عمرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"تمھیں چاہیے کہ تم عمرؓ کا کہا مانو اور ان کی اطاعت کرو۔"

سب حاضرین نے اس کا بھی اقرار کیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اے عمرؓ! میں نے تمھیں اپنے بعد خلیفہ بنایا ہے۔ میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا اور وہ کام کرنا جس میں اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ اے عمرؓ! اللہ تعالیٰ کے بعض حقوق رات سے متعلق ہیں ان کو وہ دن میں قبول نہیں کرے گا اور بعض حقوق دن سے متعلق ہیں ان کی مقبولیت رات میں نہ ہوگی۔ جب تک فرائض کی ادائیگی نہ کی جائے اللہ تعالیٰ نوافل قبول نہیں فرماتا۔ اے عمرؓ! قیامت میں وہی لوگ فلاح پائیں گے جن کے نیک اعمال وزنی ہوں گے۔ جن کے نیک اعمال بُرے اعمال کی نسبت کم ہوں گے انھیں مصائب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اے عمرؓ! کامیابی اور نجات قرآن مجید پر عمل اور حق کی پیروی کرنے سے میسر ہوتی ہے۔ اے عمرؓ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ترغیب و ترہیب اور انذار و بشارات کی آیات قرآن مجید میں ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں تاکہ مومن خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ہمیشہ اس سے اپنی مغفرت طلب کرتا رہے۔ اے عمرؓ! جب قرآن مجید میں دوزخیوں کا ذکر آئے تو دعا کرو کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں شامل نہ کریو۔ اور جب جنتیوں کا ذکر آئے تو دعا کرنا کہ اے اللہ! تُو مجھے ان لوگوں میں شامل کر۔ اے عمرؓ! جب تم میری ان وصیتوں پر عمل کروگے تو گویا مجھے اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔"

جب حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس سے چلے گئے تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

"اے اللہ! میری غرض ایسا کرنے سے صرف مسلمانوں کی خیر خواہی ہے۔ مجھے ان میں فتنہ کا ڈر تھا۔ اس لیے میں نے ان کے بارہ میں وہ کام کیا جسے تو بہتر طور پر جانتا ہے۔ میں نے بہت غور کرنے کے بعد لوگوں میں سب سے بہترین، سب سے زیادہ طاقتور اور لوگوں کی بھلائی کے لیے سب سے زیادہ کوشاں رہنے والے انسان کو ان پر مقرر کیا ہے۔ میری موت اب قریب ہے اس لیے تو ہی میرے بعد

مسلمانوں کا نگران بن۔ وہ تیرے بندے ہیں۔ ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اے اللہ! ان کے والیوں کی اصلاح کر۔ عمرؓ کو خلفائے راشدین میں سے بنا اور مسلمانوں کو اس کا مددگار اور معاون بنا دے۔“

(۳)

ولاۃِ ثلاثہ

ہم شروع میں مستشرق ”لامنس“ کا وہ نظریہ بیان کر چکے ہیں جو اس نے اپنی کتاب ”الولاۃ الثلاثہ“ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے بارہ میں قائم کیا ہے۔ اس جگہ ہم اس نظریہ پر ذرا تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں تا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، آپ کی سیاست اور آپ کے اعمال کے تمام پہلو اُجاگر ہو جائیں۔

لامنس نے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرؤوں میں سب سے زیادہ عقلمند، سب سے زیادہ مدبّر اور سب سے زیادہ وسیع النظر تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ ہی سے ان کے دل میں خلافت کے حصول کی خواہش چٹکیاں لے رہی تھی خلافت کی خواہش عمرؓ بن الخطاب اور ابو عبیدہؓ عامر ابن الجراح کے دلوں میں بھی تھی۔ لیکن چونکہ ابوبکرؓ مسلمانوں میں ایک بلند مرتبہ کے مالک تھے اور سارے مسلمان ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ اس لیے ان تینوں حضرات کے درمیان اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ ابوبکرؓ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد پہلے خلیفہ بنیں اور اپنی خلافت کے دوران میں عمرؓ کی خلافت کے لیے راہ ہموار کریں جن کی سختی کی وجہ سے اکثر مسلمان ان کی حکومت سے ڈرتے تھے۔ ابوبکرؓ نے اپنے عہد کا پاس کیا اور اپنے زمانۂ خلافت میں عمرؓ کی خلافت کے لیے راہ ہموار کر لی۔ جب آپ کا آخری وقت نزدیک آیا تو آپ نے لوگوں سے عمرؓ کی خلافت قبول کرنے کا عہد لے لیا۔

ان تینوں کے مبیّنہ باہمی مشورہ کو لامنس نے ”سیاسی سازش“ قرار دیا ہے اور اپنے اس دعویٰ میں جان پیدا کرنے کے لیے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس ”سازش“ میں بعض عورتیں بھی شریک تھیں۔ اس خود ساختہ ”سازش“ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لامنس نے من گھڑت روایات کا سہارا ڈھونڈا ہے جن کا مستند تاریخی کتابوں میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

لامنس نے لکھا ہے کہ اس ”سازش“ میں عائشہؓ شریک تھیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی اور ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں اور ذکاوت، فطانت اور سیاسی سُوجھ بُوجھ میں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک اور بیوی (عمرؓ کی بیٹی) حفصہؓ کو بھی ملایا۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مرض الموت میں مبتلا تھے تو یہ دونوں رسول اللہ کے پاس آ گئیں اور آپ کو مجبور کیا کہ ابوبکرؓ کو حکم دیں کہ وہ آپ کی غیر حاضری میں لوگوں کو نماز پڑھائیں۔[۱]

---

[۱] جو بے سروپا قصہ لامنس نے لکھا ہے وہ بالکل فرضی اور من گھڑت ہے۔ اس کے مقابل طبقات ابنِ سعد میں لکھا ہے کہ

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

لانس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "رسول اللہ ؐ نے ان دونوں کی باہمی سازش کو محسوس کر لیا تھا اور جب ان دونوں نے آپ سے ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لیے بڑے زور سے کہا تو آپ نے اس غرض کے لیے عثمانؓ کا نام لیا۔"

یہ تعجب انگیز امر ہے کہ لانس اپنے دعوے کی تائید میں جو کوئی روایت یا حوالہ پیش کرتا ہے وہ ایسی کتابوں سے پیش کرتا ہے جو نایاب ہوتی ہیں یا پھر اس کا ماخذ وہ نادر مخطوطات ہوتے ہیں جو صرف یورپ کے کتب خانوں ہی میں موجود ہیں اور جن تک پہنچنا یا جن کے متعلق یہ تحقیق کرنا کہ جو کچھ لانس نے ان کتابوں اور مخطوطات کے حوالے سے لکھا ہے، واقعی وہ ان میں پایا بھی جاتا ہے یا نہیں، انتہائی دشوار امر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو خلافت کے لیے اس واسطے ہرگز نامزد نہیں فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان پہلے ہی سے اس کے متعلق کوئی سمجھوتہ ہو چکا تھا بلکہ محض اس وجہ سے کہ آپ کو پورا یقین تھا کہ صحابہؓ میں عمرؓ سے زیادہ اور کوئی اس عظیم اور اہم ذمہ داری کے منصب کا اہل نہیں جیسا کہ بعد کی تاریخ نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جو کچھ خیال تھا وہ بالکل درست تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمتیں سرانجام دیں جن کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔

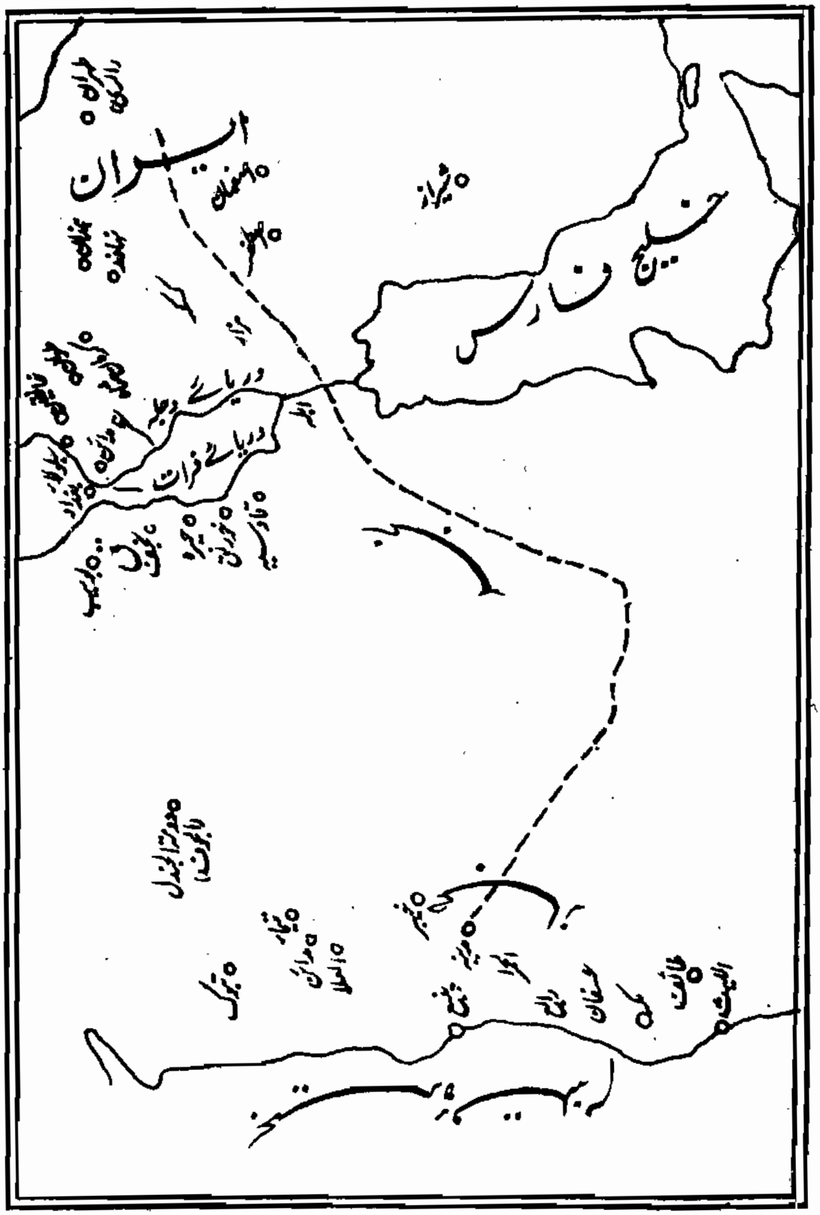
حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کی ساری تاریخ میں ہمیں اس امر کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان لوگوں میں سے تھے جو اقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلافت کی مطلق پروا نہ تھی اور آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کو دنیوی معاملات سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت سنبھالنے کی وجہ سے انصاف کے خلاف کوئی بات آپ سے صادر ہو، جس کے لیے آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے۔ آپ نے اپنی جگہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کو بھی محض اس لیے مقرر کیا کہ آپ کو فتنہ کا شدید خوف تھا آپ چاہتے تھے کہ مسلمان ہر قسم کی کمزوری سے کوسوں دور رہیں۔ آپ کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ مسلمانوں کو ترقی کی شاہراہ سے بھٹکنے نہ دے۔ مسلمان ہر میدان میں فتح اور کامرانی سے مشرف ہوتے رہیں۔ ان میں اقتدار کی خواہش پیدا نہ ہو اور خلافت کے متعلق مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو خواہشات تھیں وہ سب کی سب نہایت احسن طور پر پوری ہو گئیں۔ جس خلیفہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نامزد کیا تھا مسلمان اس پر راضی ہو گئے، اور صحابہؓ اور غیر صحابہ سب نے حضرت صدیقؓ کے انتخاب کو انتہائی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت عائشہؓ اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں۔ آپ نے بیان کیا تھا کہ لوگ کبھی ایسے آدمی کو پسند نہیں کریں گے جو آپ کی جگہ پر آپ کی بجائے نماز پڑھائے کیونکہ مجھے خیال تھا کہ اگر رسول اللہ ؐ کی بیماری میں کسی نے آپ کی جگہ نماز پڑھائی اور رسول اللہ ؐ وفات پا گئے تو لوگ اس پر نحوست کا الزام لگائیں گے اسی لیے میں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کی بجائے کسی اور شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔

ملتِ اسلامیہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور مسلمانوں کے قدم اپنی ہمسایہ سلطنتوں میں برابر آگے ہی بڑھتے گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زندگی میں ہی خلافت کا فیصلہ نہ کر جاتے بلکہ اس امر کو مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیتے اور مسلمانوں کے درمیان خلافت کے بارہ میں باہم اختلاف اور انتشار پیدا ہو جاتا تو مسلمانوں کی تباہی یقینی تھی اس وقت مسلمانوں کی فوجیں روم اور ایران میں پھنسی ہوئی تھیں۔ رومی اور ایرانی اس اختلاف اور عصبیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمان افواج پر پل پڑتے اور نہ صرف یہ کہ ان کو اپنی حدود سے باہر نکال دیتے بلکہ خود آگے بڑھ کر سرزمینِ عرب پر حملہ کر دیتے اور آن کی آن میں اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیتے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی فراستِ ایمانی ، اپنے تدبر اور اپنی دُور اندیشی سے اس خطرہ کو پہلے ہی بھانپ لیا اور اپنی زندگی میں خلیفہ کا انتخاب کر کے تمام مسلمانوں سے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد لے لیا۔ آپ کے اس عمل نے مسلمانوں کو اس تباہی و بربادی سے بچا لیا جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد انتشار و اختلاف کی وجہ سے ان پر نازل ہوتی۔

عراق میں اسلامی فتوحات

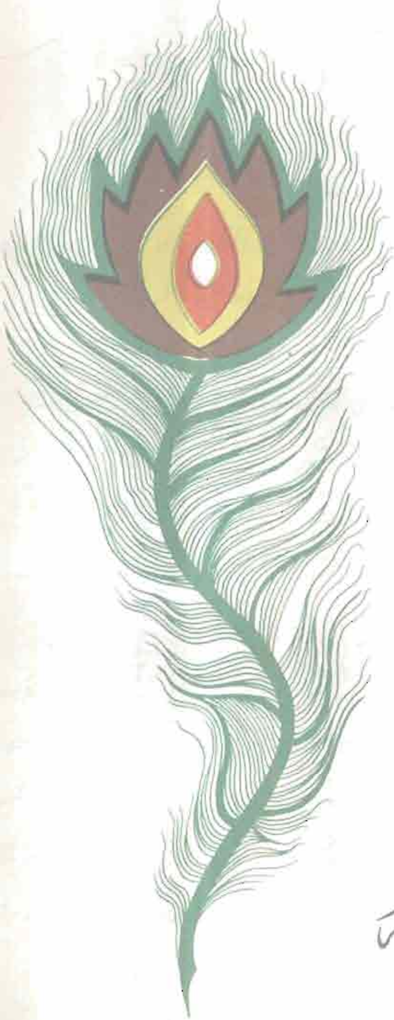


PDF-XChange Editor
Click to BUY NOW!
www.tracker-software.com

أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ

(آپ کے صحابہؓ) سخت ہیں کفار کے مقابلے میں

(الفتح : ۲۹)



حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۱)

عُمرؓ بن الخطاب

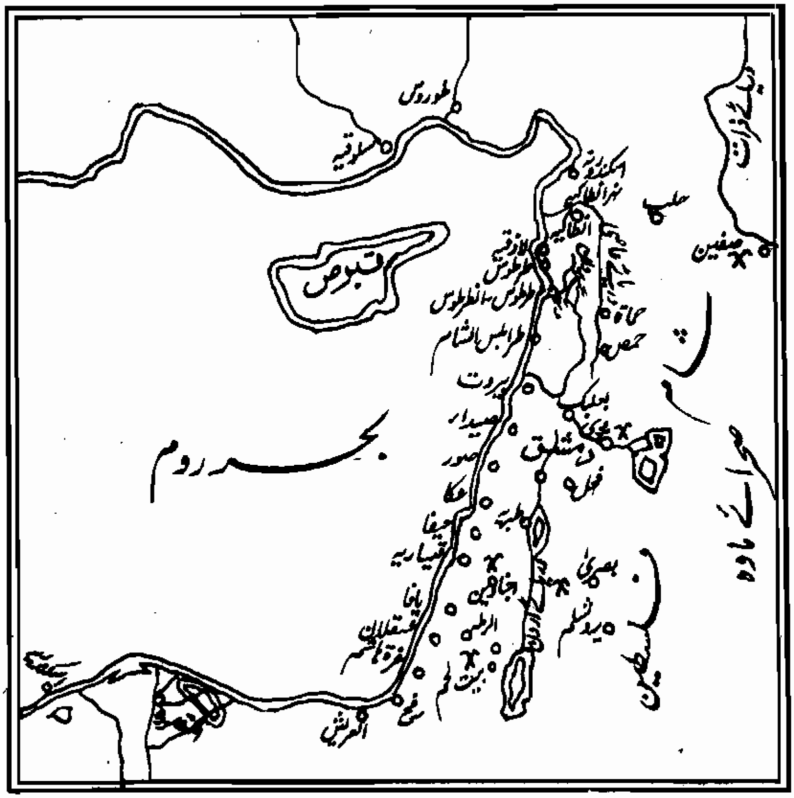
ربیع الاوّل ۱۱ھ کی ۱۲ تاریخ تھی اور پیر کا دن، حضرت عمرؓ بن الخطاب مسجدِ نبویؐ سے نکلے۔ چہرے پر شدید اضطراب اور آنکھوں سے آنسو رواں ــــــ ابھی تھوڑی دیر پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدانِ فانی سے ملاءِ اعلیٰ کی طرف کُوچ فرما گئے تھے۔

اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ کو بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے انتظامات میں شریک ہونا چاہیے تھا لیکن اپنی تمام تر حوصلہ مندی اور مستقل مزاجی کے باوجود وہ زیادہ دیر تک اس جگہ ٹھہرنے کی تاب نہ لاسکے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی اور نہایت بے چینی اور حد درجہ بیقراری کی حالت میں باہر نکل آئے۔

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش ایک زبردست ہنگامہ برپا تھا۔ لوگ رنج و ملال کی تصویر بنے ہُوئے تھے۔ ہر زبان پر اسی جانکاہ حادثہ کا ذکر تھا، لیکن حضرت عمرؓ دنیا و مافیہا سے بے خبر، اپنے تصوّرات میں گُم تھے۔ ماضی کے واقعات ایک ایک کر کے ان کی آنکھوں میں پھر رہے تھے۔ اس وقت قبولِ اسلام کا منظر ان کی نگاہوں میں تھا جب وہ ایک عجیب تصرفِ غیبی کے زیرِ اثر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور تمام خطرات کو پسِ پشت ڈالتے ہُوئے انھوں نے قریش کے سامنے اپنے اسلام کا واشگاف اعلان کر دیا تھا، چھُپ کر نماز پڑھنے کی بجائے دوسرے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر عین خانہ کعبہ کے سامنے ــــــ اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے سامنے ــــــ نماز ادا کی تھی۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر آگئے جب ان کے قبولِ اسلام کے بعد کفارِ قریش کو یہ یقین ہو گیا کہ اگر اسلام کی ترقی کو بزور نہ روکا گیا تو ان کی صفوں میں شدید انتشار پیدا ہو جائے گا اور یہ انتشار ان میں ایک ایسی خانہ جنگی کا آغاز کر دے گا جس کے انجام کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہوگا۔ اس خوف سے انھوں نے مسلمانوں کو شدید تکلیفیں پہنچانے اور اسلام کا کلّی استیصال کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان زیادہ دیر ان تکلیفوں کو برداشت نہ کرسکیں گے

شام اور فلسطین میں اسلامی فتوحات



اور آخر ... میں پھر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹنا پڑے گا۔

وہ تمام مظالم جو مکہ کی زندگی میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ڈھائے گئے، ایک ایک کر کے حضرت عمرؓ کی نگاہوں سے گزرتے گئے، انھوں نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ان مظالم کو سہا اور اُف تک نہ کی۔ آخر جب قریش کے ظلم و ستم کی کوئی حد ہی نہ رہی تو خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم نازل ہوا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے مکّہ سے رخصت ہو گئے :

"اے مکّہ کی سرزمین! تو مجھے دنیا کی سب بستیوں سے زیادہ پیاری ہے، مگر کیا کروں تیرے سپوت مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔"

اب مدینہ کی زندگی حضرت عمرؓ کی نظروں کے سامنے تھی کہ مشرکینِ مکّہ نے یہاں بھی رسول اللہ کو چین نہ لینے دیا۔ بار بار اپنی فوجیں لے کر چڑھائی کی اور ہر بار یہ تہیّہ کر کے آئے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ وہ (عمرؓ) ہر جنگ میں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب کفار کا زور ٹوٹ گیا، مسلمانوں نے مکہ پر قبضہ کر لیا اور سارا عرب اسلام کے زیرِ نگیں ہو گیا۔

آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہیں ہیں۔ وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو چکے ہیں۔ اب مسلمانوں کا کیا بنے گا؟ کون سی طاقت انھیں سنبھالے رکھے گی؟

حضرت عمرؓ انھی افکار و تصورات میں کھوئے ہوئے تھے کہ ایک مہاجر آیا اور کہا :

"انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے میں سے ایک امیر منتخب کرلیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو۔"

ہم اس جگہ سقیفہ بنی ساعدہ کا پورا حال نہیں لکھ سکتے کیونکہ "سیرۃ الصدیق" میں اس کا مفصل حال آ چکا ہے۔ البتہ صرف یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جب واقعۂ سقیفہ کے نتیجہ میں خلافت کا بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر آ پڑا[1] تو حضرت عمرؓ

---

[1] بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلافت کا حاصل ہو جانا مہاجرین کے ایک گروہ کی سازش کا نتیجہ تھا، چنانچہ مشہور مصنف امین سعید اپنی کتاب "نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ" میں اسی نظریہ کی تائید کرتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کسی سوچی سمجھی سازش کے ماتحت نہیں تھی بلکہ اچانک وقوع میں آئی تھی۔ پہلے سے کسی شخص کو اس کا سان گمان بھی نہیں تھا۔ اس موقعہ پر مہاجرین کی کوئی جماعت سوائے تین آدمیوں — حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے موجود نہیں تھی اگر حضرت عمرؓ جرأت سے کام لے کر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں پہل نہ کرتے اور دوسرے لوگوں کو بھی بیعت کی طرف دعوت نہ دیتے تو اس بات کا سخت خطرہ تھا کہ سقیفہ میں یہ جھگڑا طول پکڑ جاتا اور اس طرح ایسے مناقشات کی بنیاد پڑ جاتی جو کسی کے روکے نہ رُکتے اور ان کا نتیجہ اسلام کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔

[...]ے انتہائی وفاداری سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ساتھ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی تمام مدتِ خلافت میں نہایت خلوص سے ان کی خدمت کی اور سلطنتِ اسلامی کے استحکام کے سلسلہ میں نہایت گراں قدر مشورے دیے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو انھیں پورا اطمینان تھا کہ اپنا جانشین وہ ایک ایسے شخص کو مقرر کر کے جا رہے ہیں جو صحابہؓ میں سب سے زیادہ اس کام کا اہل ہے اور اس کے ہاتھوں اسلام کا مستقبل پوری طرح محفوظ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ آپ کے پاس آتے اور عرض کیا کہ:

"اے خلیفۂ رسول! مجھے پتا چلا ہے کہ آپ نے اپنے بعد عمرؓ کو خلیفہ نامزد کیا ہے حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک کیسا ہے۔ جب آپ کی موجودگی میں ان کا یہ حال ہے تو آپ کے بعد تو خدا جانے وہ لوگوں پر کیا قہر ڈھائیں۔ آپ اب اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو رہے ہیں، کیا وہ آپ سے آپ کی رعایا کے متعلق سوال نہیں کرے گا؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"تم مجھے ڈرانے آئے ہو، جب میں اپنے پروردگار سے ملوں گا تو عرض کروں گا کہ اے میرے خدا! میں نے اُمت پر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔"

حضرت طلحہؓ نے عرض کیا:

"اے خلیفۂ رسول اللہ! کیا عمرؓ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں؟"

اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا چہرہ تمتما اُٹھا اور آپ نے بڑے جلال سے فرمایا:

"خدا کی قسم! وہ لوگوں میں واقعی سب سے بہتر ہے۔"

وہ کیا خصوصیات تھیں جن کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بعد عمرؓ ہی کو یہ عظیم ذمہ داری اٹھانے کے لیے منتخب فرمایا؟ حضرت عمرؓ اپنے نفس پر انتہائی قابو پانے والے، سختی کے وقت سختی کرنے والے، نرمی کے وقت نرمی سے پیش آنے والے اور انتہائی صائب الرائے شخص تھے۔ غیر متعلق باتوں سے قطعاً واسطہ نہ رکھتے تھے۔ مصائب اور پریشانیوں کے وقت کبھی ہمت نہ ہارتے تھے بلکہ نہایت خندہ جبینی کے ساتھ ان کا سامنا کرتے اور انتہائی استقلال سے ان کا مقابلہ کرتے تھے۔ آپ کسی دوسرے سے کوئی بات سیکھنے میں قطعاً عار محسوس نہ کرتے تھے۔ جس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے اسے نہایت چابکدستی اور محنت سے سرانجام دیتے تھے۔ کسی معاملہ میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور حق کے مقابلہ میں کسی چیز کی پروا نہ کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلافت سونپ کر فراست اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے اخلاص کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا۔ اگر آپ خلافت کے مسئلہ کو اپنی زندگی ہی میں طے نہ کر جاتے تو یقیناً مسلمان اس مسئلہ میں اُلجھ کر اپنے دشمنوں کی طرف سے غافل ہو جاتے اور اس صورت میں دُنیا کی تاریخ آج کچھ اور ہی

ہوتی ... کے بارے میں اُمتِ مسلمہ کا انتشار، ارتداد کے فتنہ سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوتا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب واقعۂ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔[1] آپ کا شمار معززینِ قریش میں ہوتا تھا۔ جاہلیت میں آپ کے سپرد سفارت کا کام تھا۔ یعنی جب قریش اور کسی دوسرے قبیلہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوجاتا یا آپس میں جنگ چھڑ جاتی تو قریش آپ کو دُوسرے قبیلہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجتے تھے۔ آپ اوائل اسلام ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ آپ سے پہلے چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔[2]

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر جنگ میں شریک رہے۔ ۱۳ھ میں آپ خلیفہ بنے۔ آپ انتہائی پاک سیرت کے مالک تھے۔ خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے اپنے گزارہ کے لیے اتنی ہی رقم لی جتنی دُوسرے لوگوں کو ملتی تھی۔ آپ کے عہد میں خدا تعالیٰ نے شام، عراق اور مصر کو مسلمانوں کے زیرِ نگیں کردیا۔

آپ طویل القامت تھے، جسم بھاری تھا، پیشانی کے بال موجود نہ تھے، رنگ سفید تھا اور دونوں آنکھیں سرخ تھیں۔ آپ انتہائی محنت سے کام کرنے والے تھے۔ آپ کی ہیبت دُور دُور تک پھیلی ہُوئی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ آپ میں درشتی اور سختی پائی جاتی تھی لیکن یہ سختی امورِ مملکت کی سرانجام دہی کے لیے بے حد ضروری تھی۔ اگر آپ سختی سے کام نہ لیتے تو مملکت میں کبھی امن و امان قائم نہ رہتا، اور اعراب جو اپنی سرکشی میں مشہور تھے، کبھی آپ کی اطاعت اور اسلامی حکومت کی فرمانبرداری قبول نہ کرتے۔ ایک شخص کے قول کے مطابق اگر حضرت عمرؓ نہ ہوتے تو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم رہنی بھی مشکل تھی۔[3]

---

[1] آپ کا نسب یہ ہے:

عمرؓ بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب۔

آپ قریش کی شاخ بنی عدی میں سے تھے۔ والدہ کا نام حنتمہ تھا، جو ہاشم ابن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔

[2] الاستیعاب لابن عبدالبر (مطبوعہ ہندوستان)

امین سعید نے اپنی کتاب "نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے انتالیس مردوں اور ایک عورت نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ امر واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے خاندان کی عورتیں جن میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ اور آپ کی صاحبزادیاں تھیں، شروع میں ہی ایمان لا چکی تھیں۔ اس کے علاوہ خود حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بھی حضرت عمرؓ سے پہلے اسلام لا چکی تھیں۔ تعجب ہے کہ گو مؤلفِ کتاب مذکور نے فاطمہؓ کے اسلام کا ذکر کیا ہے۔ لیکن پھر بھی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے صرف ایک عورت رسول اللہ صلعم پر ایمان لائی تھی۔

[3] شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید

(۲)

ایران میں خلفشار اور عراق پر حملوں کی ابتداء

ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان عربی لشکروں کا حال بیان کیا تھا جنھوں نے مہیب صحراؤں کو قطع کر کے فارس اور روم کی سرحدوں پر جا کر دم لیا تھا۔ ساتھ ہی وہ اسباب بھی بیان کیے تھے جنھوں نے مسلمانوں کی فتوحات میں مدد دی تھی۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ عہدِ صدیقی کی فتوحات ابتدائی فتوحات تھیں۔ فتوحات کا پورا زور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں بعض ان باتوں کو جنھیں ہم نے حضرت ابوبکرؓ کے حالات میں اجمالاً بیان کیا تھا قدرے تفصیل سے بیان کر دیں۔ ان میں سب سے اہم وہ واقعات ہیں جو اس زمانہ میں سلطنتِ ایران کے دار الحکومت مدائن میں پیش آ رہے تھے، ان واقعات کو پڑھ کر ایران کے اندرونی حالات کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات سے ہی ایران اپنے اندرونی مناقشات میں گرفتار تھا۔ سب سے پہلے شہنشاہِ ایران کسریٰ پرویز، اس کے بیٹوں اور مملکت کے سربرآوردہ سرداروں کے درمیان اختلافات رونما ہوئے اور ان کی وجہ سے ایران میں ایک خلفشار برپا ہو گیا۔

ان مناقشات کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ولی عہد مملکتِ ایران "شیرویہ" کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا والد اس کی بجائے اپنی دوسری بیوی شیریں کے لڑکے کو ولی عہد مقرر کر رہا ہے، اس پر اس نے اپنے والد کے خلاف سازش شروع کر دی۔ شیریں ایک رومی عیسائی لونڈی تھی جس سے کسریٰ پرویز نے شادی کر لی تھی اور وہ بادشاہ کے دل پر اتنی قابض ہو گئی تھی کہ وہ اس کے کسی مطالبہ کو رد نہیں کر سکتا تھا۔

حقیقی ولی عہد کو معزول کرنا ایران کی شہنشاہیت میں کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ اس سے پہلے بھی ایسی مثالیں موجود تھیں اور بیشتر شاہانِ کسریٰ جائز وارث سلطنت کی بجائے کسی دوسرے کو ولی عہد مقرر کر چکے تھے۔ لیکن اس موقعہ پر ایران کے سرداروں اور بارسوخ اشخاص کو جو بات سب سے زیادہ کھٹک رہی تھی وہ "شیریں" کی عیسائیت تھی۔ یہ بہت مشکل تھا کہ وہ ان جنگوں کو بھول جاتے جو عرصہ دراز سے ایران اور روم کی عیسائی سلطنت کے درمیان ہوتی چلی آ رہی تھیں اور جن میں بے شمار ایرانی کام آ چکے تھے۔

بوڑھے بادشاہ کسریٰ پرویز کے گزشتہ کارنامے جو ایرانی قوم کی سربلندی کی خاطر اس نے سرانجام دئے تھے۔ اور وہ فتوحات جو اس نے اپنے دشمنوں پر حاصل کی تھیں ایسی نہ تھیں کہ ان کو آسانی سے بھلایا جا سکتا۔ لیکن ایرانی سرداروں نے کسی بات کا لحاظ نہ کیا اور اس موقعہ پر ولی عہد کو بادشاہ کے خلاف بھڑکایا۔ چنانچہ اس نے درباریوں اور

[illegible] اپنے بوڑھے باپ کو تخت سے اتار کر قید خانے میں ڈال دیا اور آپ تختِ ایران پر متمکن ہوگیا۔ زمامِ حکومت ہاتھ [illegible] کے بعد پہلے اس نے شیریں کے لڑکے اور اپنے دوسرے سوتیلے بھائیوں کو باپ کے سامنے قتل کرا دیا اور اس کے چند روز بعد اپنے باپ کے قتل کا حکم بھی دے دیا۔

قباذ ثانی (شیرویہ) نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے تمام بھائیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا، اس خوف سے کہ وہ کہیں اس کے خلاف بغاوت برپا نہ کریں۔ لیکن اس کو اپنے ظلم کا بدلہ جلدی ہی مل گیا اور وہ چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ ۶۲۸ء میں اس نے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ آٹھ ماہ بعد اس کا بھی وقت آن پہنچا۔

شیرویہ کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت پر بٹھایا گیا۔ لیکن چونکہ اس کی عمر صرف ایک سال کی تھی اس لیے امرائے ملک نے ایک اور شخص کو عارضی طور پر تخت پر بٹھا دیا۔ اس وقت ایرانی فوجوں کا سپہ سالار شہر بارز تھا جو بیزنطینی حکومت سے جنگ آزما ہو چکا تھا لیکن اب اس نے رومیوں سے گٹھ جوڑ کر کے انھیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اسے تختِ ایران پر قبضہ کرنے میں مدد دیں گے۔ چنانچہ رومیوں کی اس یقین دہانی کے بعد وہ اپنے لشکر کے ہمراہ دار الحکومت کی طرف بڑھا اور بغیر کسی مقابلہ کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کمسن بادشاہ اور نائب السلطنت کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اس کی بادشاہت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ خود اس کے لشکر نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے ٹھکانے لگا دیا۔

اس کے بعد ایران کی سیاسی حالت بے حد ابتر ہوگئی۔ یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ تخت پر آئے۔ سب سے پہلے کسریٰ پرویز کی بیٹی بوران دخت کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اس نے ایک سال چار ماہ حکومت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں یہی ملکہ ایران پر حکمران تھی۔ اس کے بعد کسریٰ پرویز کا چچا زاد بھائی جوان شیر تخت پر بیٹھا لیکن اسے صرف ایک ماہ حکومت کرنے کی مہلت ملی۔ اب کسریٰ پرویز کی دوسری بیٹی "آزرمی دخت" تخت نشین کی گئی لیکن کچھ مدت کے بعد اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک شخص کسریٰ بن مہر جوار دشیر بابکان" کے خاندان سے تھا، تخت پر بیٹھا۔ لیکن اسے بھی چند روز سے زیادہ حکومت کرنی نصیب نہ ہوئی۔ ایرانی امرا نے جب یہ حالت دیکھی اور دوسری طرف انھیں اسلامی افواج ایرانی شہروں پر پے در پے کامیاب حملے کرتی نظر آئیں تو ان کے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی اور انھوں نے بڑی بحث و تمحیص کے بعد شاہی خاندان کے ایک فرد یزدجرد ثالث بن شہریار کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ لیکن ایرانی اقتدار کا وقت آلگا تھا۔ اسی یزدجرد کے عہد میں صحرائے عرب سے وہ زبردست آندھی اٹھی جس نے آن کی آن میں تمام ایوان ہائے کسریٰ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور ایرانی سلطنت ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ گئی۔

سیرتِ صدیقِ اکبرؓ میں بیان ہو چکا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو شام جانے کا حکم دیا تھا تو حضرت خالدؓ آدھی فوج خود لے کر شام روانہ ہوگئے اور آدھی فوج مثنیٰؓ بن حارثہ کے پاس ہی چھوڑ دی تھی جو اس وقت عراق میں ایرانی فوجوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مثنیٰ بڑے بہادر اور بڑے زیرک سپہ سالار تھے۔

آپ ہی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توجہ عراق اور ایران پر حملہ کرنے کی طرف دلائی تھی اور بعد کو پیش آنے والی جنگوں میں صدقِ بصیرت، جرأت اور بہادری کی ایسی مثالیں دکھائی تھیں جن کی وجہ سے وہ لشکر میں بیحد مقبول ہوگئے تھے اور انھیں اس بات کا پُورا اطمینان تھا کہ دشمن سے جنگ کی صورت میں وہ کبھی نقصان نہیں اٹھا سکتے۔

اِدھر یہ حال تھا کہ حضرت خالدؓ کے چلے جانے سے اسلامی لشکر میں معتد بہ کمی واقع ہوگئی تھی لیکن ایرانی لشکر پُورے ساز و سامان اور پُوری طاقت و قوت کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے چلے جانے کے بعد دربارِ ایران کی طرف سے ایک بہت بڑی فوج حیرہ کی طرف بھیجی گئی جہاں مثنیٰ بن حارثہ مقیم تھے۔ اس فوج کا سردار ہرمز تھا۔ "بابل" کے قریب دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہُوئی جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہُوئی۔ مثنیٰ نے مدائن تک ایرانیوں کا پیچھا کیا اور پھر حیرہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ ایرانی ایک اور لشکرِ جرار مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ اسی دوران میں انھیں یہ بھی پتا چلا کہ ایرانی اپنے اندرونی جھگڑوں میں اُلجھے ہُوئے ہیں۔ وُہ فوراً مدینہ پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت بسترِ علالت پر تھے۔ مثنیٰ نے انھیں سارے حالات سنائے اور مزید فوج بھیجنے کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو بلا بھیجا اور جب وہ آئے تو ان سے فرمایا:

"مجھے یقین نہیں کہ میں آج شام تک زندہ رہ سکوں۔ میرے مرنے کے بعد تم کل کا دن ختم ہونے سے پہلے مثنیٰ کے ساتھ لوگوں کو لڑائی پر روانہ کر دینا۔ تم کو کوئی مصیبت تمھارے دینی کام اور حکمِ الٰہی سے غافل کرنے نہ پائے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا کیا تھا، حالانکہ مسلمان اس وقت ایک بہت بڑے ابتلا میں تھے۔ جب اہلِ شام پر فتح حاصل ہو جائے تو اہلِ عراق کو عراق واپس بھیج دینا کیونکہ وہ عراق ہی کے کاموں کو خوب سرانجام دے سکتے ہیں اور عراق ہی میں ان کا دل خوب کھلا ہوا ہے۔"

اس وصیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حالتِ نزع میں بھی مسلمانوں کی بہبود کا خیال رہا اور مرتے وقت بھی آپ دینی امور پر ہی غور کرتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ اگلے روز نمازِ فجر سے پہلے ہی منبر پر کھڑے ہُوئے اور لوگوں کو عراق جانے اور جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔ آپ نے فرمایا:

"اس سرزمین میں پہنچو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمھیں اس کا وارث بنا دے گا۔ چنانچہ اس نے فرمایا ہے:

لیظھرہ علی الدّین کلّہ۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وہ اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے، اسے عزت دینے والا ہے، اور اس کی

والا ہے۔ رُوئے زمین کی وراثت مسلمانوں ہی کی ہے، کہاں ہیں خدا تعالیٰ کے نیک بندے؟"
حضرت عمرؓ کی تقریر کے بعد عراقی لشکر کے سپہ سالار مثنیٰ کھڑے ہُوئے اور آپ نے اپنی تقریر میں ان تمام خدشات کو رفع کیا جو مسلمانوں کے دلوں میں ایرانی سلطنت اور ایرانی حکومت کے متعلق جمے ہوئے تھے۔

آپ نے کہا:

"لوگو! تم ایرانیوں کو خاطر میں نہ لاؤ۔ ہم نے ان کو آزما لیا ہے اور ان کے اوپر غالب رہے ہیں۔ ہم نے ان کے زرخیز علاقے ان کے ہاتھوں سے چھین لیے ہیں اور وہ ہم سے دب گئے ہیں۔"

اس دعوت کے جواب میں عراق جاکر جہاد کرنے کے لیے سب سے پہلے جس شخص نے اپنے آپ کو پیش کیا وہ ابوعبید بن مسعود الثقفی تھے۔ آپ کے بعد اور بھی بہت سے لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ لیکن چونکہ پہل ابوعبید بن مسعود الثقفی نے کی تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے انھیں فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اور مثنیٰ بن حارثہ کو حکم دیا کہ وہ فوراً عراق پہنچیں اور ابوعبید ثقفی کا انتظار کریں۔ جب ابوعبید کا لشکر مدینہ سے روانہ ہونے لگا تو حضرت عمرؓ نے انھیں نصیحت کی کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے رہیں۔ ابوعبید پانچ ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر مدینہ سے حیرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستہ میں آپ جن جن مقامات سے گزرتے تھے وہاں کے لوگوں کو ایرانیوں سے لڑنے پر آمادہ کرتے تھے۔ اس طرح راستہ میں سے بھی سیکڑوں لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے۔

ایرانیوں نے اپنے باہمی جھگڑوں کو ختم کرکے یزدجرد کو بادشاہ تو بنا لیا تھا لیکن انھیں ذہنی سکون کسی دم میسر نہ تھا، کیونکہ انھیں روزمرہ یہ خبریں مل رہی تھیں کہ آج مسلمانوں نے فلاں شہر پر قبضہ کر لیا، آج مسلمانوں نے فلاں علاقہ کی طرف کُوچ کر دیا، آج فلاں ایرانی سردار نے مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھائی اور آج فلاں ایرانی فوج مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑی ہُوئی۔ بادشاہ بھی ان واقعات سے بہت متاثر تھا۔ اس نے اپنے گرد و پیش نظر دوڑائی کہ عربوں سے مقابلہ کے لیے کوئی ایسا سپہ سالار منتخب کیا جائے جو ان کے بڑھتے ہوئے قدم روک لے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد اس کی نظر رستم پر جاکر ٹکی جس کا شمار لشکرِ ایران کے مشہور سرداروں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ یزدجرد نے جتنی فوج اکٹھی ہو سکتی تھی کی اور رستم کو اس کا سپہ سالار بنا دیا۔[1] اس نے رستم کو بطور خاص ہدایت کی کہ جو قدم اٹھائے، احتیاط سے اٹھائے، جلدی ہرگز نہ کرے اور لڑائی یا درمیانی وقفہ میں اپنی فوج کو لطف و مراعات سے نوازتا رہے۔

رستم نے چاہا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مکر و فریب اور دھوکہ سے کام لے۔ چنانچہ اس نے عراق کے

---

[1] "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" کے مولف خضری مرحوم اور "اشہر مشاہیر الاسلام" کے مولف ابن سعید نے اپنی کتابوں میں غلطی سے یہ لکھا ہے کہ رستم کو ایرانی افواج کا سپہ سالار ملکہ "ازرمی دخت" نے بنایا تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ رستم کو ملکہ ازرمی دخت نے نہیں بلکہ خود شاہ یزدجرد نے سپہ سالار مقرر کیا تھا۔

دہاقین اور ان لوگوں کو جن کے شہروں پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا، مسلمانوں کے خلاف فتنہ و فساد اور بغاوت و سرکشی پر اُبھارا کہ اس طرح نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی پیش قدمی روک دی جائے بلکہ انھیں جزیرۂ عرب کی طرف دھکیل دیا جائے۔ یہ لوگ ایرانیوں سے مرعوب تھے اور انھیں یقین تھا کہ ایرانی دیر یا سویر اپنے علاقے عربوں سے واپس لے کر چھوڑیں گے اور اعراب کو ایک نہ ایک دن لامحالہ جزیرۂ عرب ہی میں پناہ لینی پڑے گی۔

دوسرا کام رستم نے یہ کیا کہ نرسی اور جابان کی سرکردگی میں دو لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی اور عراق کا ایک جاگیردار تھا، جابان بھی عراق کا ایک رئیس تھا۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی جانب بڑھے۔ جابان اپنی فوجیں لے کر نمارق[2] پہنچا اور نرسی نے "کسکر" میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ادھر مثنیٰ اور ابوعبید بھی وہاں تک پہنچ چکے تھے۔ ابوعبید نے ایرانیوں پر حملہ کے لیے اپنی قوتوں کو جمع کیا اور جابان سے مقابلہ کرنے نمارق پہنچے۔ دونوں فوجیں نبرد آزما ہوئیں۔ ایرانیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ابوعبید کی فوجوں کے سامنے کوئی پیش نہ جا سکی اور ان کو میدان چھوڑنا پڑا۔

نمارق کی فتح کے بعد ابوعبید "کسکر" کی طرف روانہ ہوئے جہاں نرسی اپنی فوج لیے پڑا تھا۔ جابان کی فوج کے شکست خوردہ سپاہی بھی بھاگ کر نرسی کی فوج میں شامل ہو گئے۔ مقام سقاطیہ میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور نمارق کی طرح یہاں بھی ایرانیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ لیکن ایران کی یہ دونوں فوجیں اس لشکر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہ رکھتی تھیں جو رستم کی سرکردگی میں عراق کی طرف آ رہا تھا۔

جب رستم کو جابان اور نرسی کی شکستوں کا پتا چلا تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے ایک ایرانی سردار بہمن جادویہ کی سرکردگی میں ایک لشکر ابوعبید کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا اور درفش کاویانی[3] اس کے ساتھ کر دیا جو فوج کے سر پر سایہ کیے رہتا تھا۔

دونوں لشکر مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام مروحہ پر صف آرا ہوئے۔ دریا کے اِس طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف بہمن جادویہ کا ایرانی لشکر، دریا پر کشتیوں کا ایک پل بنا ہوا تھا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے بہمن نے پچھوایا کہ تم ہماری طرف آؤ گے یا ہم تمھاری طرف آئیں۔ ابوعبید پہلی فتوحات کے نشہ میں سرشار تھے۔ انھوں نے کہلا بھیجا کہ ہم خود ہی تمھاری طرف آتے ہیں حالانکہ یہ ان کی سخت غلطی تھی۔ لشکر کے دوسرے سرداروں نے انھیں سمجھایا بھی لیکن ابوعبید

---

[1] دیہاتی زمیندار اور تعلقہ دار وغیرہ۔

[2] نمارق کوفہ کے قریب ایک موضع ہے اور حیرہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

[3] درفش کاویانی ایران کا قدیم قومی جھنڈا تھا جو کئی ہزار سال سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا۔ اسے فتح و ظفر کی کلید سمجھا جاتا تھا اور خاص خاص موقعوں پر تبرک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ (مترجم)

بڑھتے کر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

دریا کے اس طرف میدان ناہموار تھا جس کی وجہ سے مسلمان فوج کو ترتیب سے کھڑے ہونے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ علاوہ ازیں ایرانی فوج کے پاس کئی دیو پیکر ہاتھی تھے جن کے گلوں میں بڑی بڑی گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں، اور زور زور سے بج رہی تھیں۔ ان پر بڑی بڑی جھولیں پڑی تھیں جن سے ان کی شکلیں اور بھی خوفناک ہوگئی تھیں۔ عربی گھوڑے ان دیو پیکر ہاتھیوں کو دیکھ کر بھڑک اُٹھے اور پیچھے ہٹے۔ ابوعبید نے جب یہ دیکھا تو وہ خود بھی گھوڑے سے اُتر آئے اور دوسرے گھڑ سواروں کو بھی یہی حکم دیا اور ہدایت کی کہ ہاتھیوں پر جھولیں پڑی ہیں انھیں کھینچ کر فیل بانوں کو نیچے گرا لیں اور قتل کر ڈالیں۔ اس طرح سیکڑوں فیل سوار قتل کر دیے۔ لیکن دُوسری طرف خود ہاتھی مسلمانوں پر پل پڑے تھے اور ان سے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں پر تلواروں سے حملہ شروع کر دیا۔ خود ابوعبید نے "پیل سپید" پر حملہ کیا اور اس کی سُونڈ کاٹ ڈالی۔ "پیلِ سپید" ایک مست ہاتھی تھا اور تمام ہاتھیوں کا سردار، وہ درد سے بیتاب ہو کر آگے بڑھا، اور ابوعبید کو گرا کر ان کے سینہ پر پاؤں رکھ دیا جس سے ان کی پسلیاں چُور چُور ہوگئیں۔

اِدھر ایرانیوں نے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا اور اسلامی فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ بنی ثقیف کے ایک نوجوان عبداللہ بن مرثد ثقفی نے ازراہِ غیرت دریا کا پُل توڑ دیا کہ جب مسلمان اپنے لیے کوئی راہِ فرار نہ پائیں گے تو بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور ایرانی فوج کو پیچھے دھکیل دیں گے لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ مسلمان جب پسپا ہوتے ہوئے دریا پر پہنچے تو پُل موجود نہیں تھا۔ وہ سالارِ لشکر کے مارے جانے اور ایرانی حملہ کی شدت سے پہلے ہی بدحواس ہو رہے تھے، اسی بدحواسی کے عالم میں دریا میں کُودنے لگے اور اس طرح چار ہزار مسلمان پانی میں ڈوب گئے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے جب یہ حالت دیکھی تو دوبارہ پُل بندھوانے کا حکم دیا اور خود مسلمانوں کی حفاظت کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلہ پر کھڑے ہوگئے اور پُل تیار ہو جانے پر ساری فوج کو پار اُتارا اور سب سے آخر میں خود پہنچے۔ حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار فوج باقی رہ گئی ہے۔

یہ لڑائی تاریخ میں "واقعۂ جسر" کے نام سے مشہور ہے اور رمضان المبارک ۱۳ھ میں ہفتہ کے دن پیش آئی۔

بعض مؤرخینِ عرب نے ابوعبید کے اس ناعاقبت اندیشانہ فعل کی مختلف توجیہات کی ہیں، لیکن بعض نے اقرار کیا ہے کہ واقعی اُنھوں نے دریا کو عبور کرنے میں سخت غلطی کی۔ خصوصاً جبکہ مثنیٰ بن حارثہ اور دیگر سردارانِ فوج نے ان کے اس ارادہ کی مخالفت کی تھی اور انھیں ایرانیوں کے حیلہ و مکر اور چھل فریب سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا۔

باقی رہا یہ امر کہ حضرت عمرؓ نے یہ جاننے کے باوجود کہ ابوعبید ایک اچھے سپہ سالار نہیں ہیں، انھیں کیوں اس اہم عہدے پر مقرر کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابوعبید ہی وہ شخص تھے جنھوں نے سب سے پہلے خلیفہ کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہا تھا اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کی جرأت اور اخلاص کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں یہ عہدہ تفویض کر دیا۔ اگرچہ یہ بات بھی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو سب سے پہلے لڑائی کے لیے پیش کرے اس کا زیرک سپہ سالار

... در جنگ جُو ہونا ضروری نہیں ہے۔

واقعہ جسر مسلمانوں کی کھلی شکست اور ایرانیوں کی کھلی فتح تھی لیکن یہ ایرانیوں کی آخری فتح تھی۔ اس کے بعد پھر انھیں فتح و کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ مثنیٰ نے دربارِ خلافت سے مدد مانگی اور وہاں سے فوراً فوجیں روانہ کی گئیں۔ اِدھر مثنیٰ نے بھی عراق کے سرحدی مقامات میں اپنے نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ جب مدینہ سے فوجیں پہنچ گئیں تو مثنیٰ اس ایرانی لشکر کو روکنے کے لیے جو مہران کی سرکردگی میں حیرہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آ رہا تھا، بویب[۱] کی طرف روانہ ہوئے۔

اس موقعہ پر مثنیٰ نے اس غلطی کا اعادہ نہیں کیا جو ابو عبید نے دریا کو عبور کر کے کی تھی بلکہ اُنھوں نے ایرانیوں کو دریا کے اِس پار آنے دیا۔ ایرانی دریا کو عبور کر کے مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو گئے۔

لڑائی شروع ہوئی۔ ایرانی اور مسلمان دونوں بڑی بہادری سے لڑے لیکن اس مرتبہ ایرانی مسلمانوں کے مقابل نہ ٹھہر سکے اور بھاگنا شروع کر دیا۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر دریا کا پُل توڑ دیا۔ ایرانیوں نے پُل ٹوٹا ہوا دیکھا تو مجبوراً پلٹے اور پشت پھیر کر دُوسری طرف بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور دُور تک ان کو قتل کرتے چلے گئے۔ قبیلہ تغلب کے ایک شخص نے ایرانی فوج کے سردار مہران کو قتل کر ڈالا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر پکارا:

"میں ہُوں تغلب کا وہ نوجوان جس نے عجم کے سالار کو قتل کیا ہے"

فتح کے بعد مثنیٰ نے فوج کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایرانی فوج کو روکنے کے لیے میں نے جو پُل کاٹ دیا تھا جنگی نقطۂ نگاہ سے یہ بات ٹھیک نہیں تھی۔ گو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نصرت سے ہمیں فتح عطا فرما دی ہے لیکن دشمن کا راستہ اس وقت تک کبھی نہ روکنا چاہیے جب تک اس کا مقابلہ کرنے کے لیے وافر تعداد میں فوج موجود نہ ہو۔

(۳)

عراق پر عام لشکر کشی

جب ایرانیوں نے یہ دیکھا کہ عرب مسلسل ان کے شہروں پر حملہ کر کے انھیں فتح کرتے چلے جا رہے ہیں تو انھوں نے اپنی پُوری طاقت کے ساتھ عربوں کا مقابلہ کرنے کا تہیّہ کیا۔ مثنیٰ کو یہ معلوم ہُوا تو اُنھوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا جس میں ایرانیوں کے تمام ارادوں کی تفصیل بیان کر کے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اس موقعہ پر سواد عراق کے زمیندار [۱]

---

[۱] بویب، کوفہ کے قریب ایک نہر ہے جو دریائے فرات سے نکلتی ہے۔

...مدد کا زبردست خطرہ ہے۔ ان میں بغاوت اور سرکشی کے آثار پیدا ہونے لگے ہیں ساتھ ہی مدد کی درخواست بھی...

حضرت عمرؓ نے اس خط کے پہنچنے پر مثنّٰی کو لکھا کہ اپنے تمام لشکر کو سمیٹ کر بصرہ سے متصل عراق اور عرب کی سرحد کی طرف چلے آؤ۔ امیرالمومنین کی اس سے غرض یہ تھی کہ اسلامی لشکر جزیرۂ عرب سے اس قدر قریب رہے کہ اگر اس پر کوئی حملہ ہو اور اس میں تابِ مقاومت باقی نہ رہے تو وہ جزیرۂ عرب اور اس کے صحراؤں میں داخل ہو کر اپنا بچاؤ کر سکے اور دشمن کو اپنے اوپر قابو نہ پانے دے۔

اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے بڑے پیمانہ پر تیاریاں شروع کر دیں اور تمام عمّالِ سلطنت کو لکھا کہ جہاں جہاں کوئی بہادر، رئیس، صاحبِ تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے اور ایسا شخص ہو جس کے پاس ہتھیار اور سواری ہو اسے جلد سے جلد میرے پاس بھیج دو۔ یہ ذی الحجہ ۱۳ھ کا واقعہ ہے، حضرت عمرؓ یہ احکام دے کر حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ابھی آپ حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے لشکر پہنچنے لگے۔ جو قبائل مدینہ کے قریب تھے وہ مدینہ میں جمع ہونے لگے اور جو عراق کے قریب تھے وہ مثنّٰی کے لشکر میں پہنچنے لگے۔

جب محرم کا مہینہ آیا تو سارے مدینہ طیبہ میں فوجیں ہی فوجیں تھیں اور اطراف میں بھی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے لشکر ترتیب دیا ہراول پر طلحہؓ، میمنہ پر زبیرؓ اور میسرہ پر عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو مقرر کیا اور خلافت کے جملہ امور حضرت علیؓ کے سپرد کر کے خود اس فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے روانہ ہوئے۔ پہلا پڑاؤ "صرار" پر ہوا جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک چشمہ ہے۔ ابھی تک کسی کو ٹھیک طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ آیا حضرت عمرؓ بنفسِ نفیس فوج کے ساتھ عراق تشریف لے جائیں گے یا اپنی بجائے کسی اور آدمی کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے خود واپس مدینہ چلے جائیں گے۔ صرار پہنچ کر حضرت عمرؓ نے تمام فوج سے اس بارے میں رائے لی۔ خود حضرت عمرؓ کی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقعہ پر دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے تشریف لے جائیں۔ لشکر کے عام لوگ بھی یہی چاہتے تھے لیکن کبار صحابہ کی یہ رائے تھی کہ حضرت عمرؓ کا جانا ٹھیک نہیں۔ آپ کو چاہیے کہ مدینہ طیبہ ہی میں رہیں اور یہاں سے برابر فوجیں اور سامانِ جنگ محاذ پر بھیجتے رہیں۔ جہاد پر جانے سے یہ چیز آپ کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت عمرؓ نے بھی غور و خوض کے بعد اسی رائے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس موقعہ پر جو مشورہ دیا وہ، اصابت رائے کی بہترین مثال تھا۔ اگر حضرت عمرؓ لڑائی کے لیے تشریف لے جاتے اور خدانخواستہ آپ کو کوئی صدمہ پہنچ جاتا تو تمام معاملہ دگرگوں اور اسلام کے اقتدار کا خاتمہ ہو جاتا۔ اب حضرت عمرؓ کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کون شخص اس بارِ گراں کو اٹھانے کے لیے مقرر کیا جائے۔ لشکر میں جتنے لوگ موجود تھے ان میں سے کسی کے متعلق حضرت عمرؓ کو یہ اطمینان نہ تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے پورے طور پر عہدہ برآ ہو سکے گا۔ آپ نے اضلاع اور صوبوں کے عمّال پر نظر ڈالنی شروع کی۔ آخر کبار صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جو ایک جلیل القدر صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ سعدؓ بن ابی وقاص ان دنوں بنی ہوازن میں صدقات کی وصولی پر مامور تھے، حضرت

...انھیں طلب فرمایا اور حکم دیا کہ وہ بہ عجلتِ ممکنہ عراق پہنچیں اور راستہ میں قبائل کو اپنے ساتھ چلنے کی ترغیب دیں۔ چنانچہ سعدؓ لشکر کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں جس قبیلہ کے پاس سے گزرتے، اسے اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد پر چلنے کی دعوت دیتے، اس طرح آپ کے ساتھ ایک زبردست لشکر ہوگیا۔ ابھی سعدؓ راستہ میں ہی تھے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی وفات کی خبر ملی موکۂ جسر میں مثنیٰ کو بعض زخم آئے تھے جو بگڑتے چلے گئے اور آپ جانبر نہ ہو سکے۔ مثنیٰ کی وفات سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور اسلامی لشکر کو سخت صدمہ پہنچا، کیونکہ ان کی موت سے اسلامی لشکر ایک بہادر سپہ سالار سے محروم ہوگیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مثنیٰ ہی تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایرانیوں سے جنگ شروع کرنے کا باعث بنے تھے۔ تدبر اور تجربہ کے ساتھ وہ فنونِ جنگ کے پُوری طرح ماہر تھے فوج سے اپنے احکام منوانے کا انھیں خاص ملکہ تھا۔ جس کام کا ایک بار ارادہ کر لیتے تھے پھر اس کو پُورا کر کے ہی چھوڑتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں انھیں دشمنوں پر فتح دی۔ جنگوں میں وُہ ہمیشہ خالدؓ بن ولید کے طریقوں کی پیروی کرتے تھے اور ان ہی کی طرح میدانِ جنگ میں فوجوں کو ترتیب دیتے تھے۔

جب مثنیٰ نے دیکھا کہ ان کی موت قریب ہے تو سعدؓ کو ایک خط لکھا جس میں عجمیوں کے تمام طور طریقے بیان کیے۔ پچھلے تمام واقعات اور اپنے تمام تجربات سے انھیں آگاہ کیا اور آخر میں لکھا کہ وہ ایرانیوں سے عرب اور عراق کی سرحد پر جنگ کریں۔ اگر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی تو ان کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ کھلا ہُوا ہے لیکن اگر خدانخواستہ شکست کی کوئی صورت پیدا ہوئی تو وہ آسانی کے ساتھ اپنے علاقہ میں واپس آ سکتے ہیں اور وہاں سے مدد لے کر پھر ایرانیوں کے مقابلہ کے لیے نکل سکتے ہیں۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت عرب فنونِ جنگ کے ماہر نہ تھے۔ ان میں ابھی یہ فن ابتدائی حالت میں تھا۔ اسی لیے ابوعبید الثقفی واقعۂ جسر میں صحیح حالات کا اندازہ نہ لگا سکے اور مسلمانوں کو زبردست شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ انتہائی سُوجھ بُوجھ کے مالک تھے، آپ ابوعبید کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ لیکن ابوعبید نے چونکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو جہاد پر جانے کے لیے پیش کیا تھا، اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کی ہمت افزائی اور عام ترغیب و تشویق کی خاطر انھیں فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ جب وہ عراق روانہ ہونے لگے تو ان کو نصیحت فرمائی:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ کی باتوں کو ہمیشہ غور سے سُننا، اُنھیں اپنے مشوروں میں برابر شریک رکھنا۔ جلد بازی سے کبھی کام نہ لینا اور جو قدم اٹھانا پُورے غور و خوض اور معاملہ کا ہر پہلو دیکھ کر اٹھانا۔ یاد رکھو تم لڑائی پر جا رہے ہو اور لڑائی میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو دانشمندی سے ہر کام کا پہلے خوب اچھی طرح جائزہ لے لیتا ہے اور جلد بازی سے کام نہیں لیتا۔"

لیکن چونکہ ابوعبید کو فوجی امور کا پہلے کوئی تجربہ نہ تھا اس لیے انھوں نے حزم و احتیاط اور جنگی چالوں سے کام

...۔ انھوں نے حضرت عمرؓ کی اس نصیحت کو بھی بڑی حد تک نظر انداز کر دیا کہ ہر معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرتے رہیں... وہ صاحبِ تجربہ ہیں اور تمام معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

ابو عبیدہ کی شکست اور اس میں مسلمانوں کے کثیر جانی نقصان سے حضرت عمرؓ کو بیحد رنج ہوا تھا۔ آپ ایک ایک مسلمان کی جان کو قیمتی سمجھتے تھے۔ جنگ میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی آپ کو کسی صورت گوارا نہ تھی۔ چنانچہ اس مرتبہ آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو سپہ سالار بنا کر بھیج تو دیا لیکن لشکر کی تمام مہمات خود اپنے قبضۂ اختیار میں رکھیں۔ آپ مدینہ سے برابر جنگی ہدایات بھیجتے رہتے تھے اور اس طرح آپ نے محاذِ جنگ سے سیکڑوں میل دُور ہوتے ہوئے بھی درحقیقت لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ آپ کی طرف سے سعدؓ کو بطورِ خود آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کی اس وقت تک ممانعت کر دی گئی تھی جب تک دربارِ خلافت سے ان کے پاس کوئی حکم نہ پہنچے۔

جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص لشکر کو لے کر عراق روانہ ہونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں بلایا اور فرمایا:

"میں نے تمھیں عراق میں لڑنے والی فوجوں کا سالار بنایا ہے اس لیے میری یہ نصیحت یاد رکھو کہ تم ایسے کام کے لیے جا رہے ہو جو بہت سخت اور تکلیف دہ ہے۔ اس سے وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو حق و راستی پر ہو۔ اس بنا پر لازم ہے کہ تم خود بھی بھلائی کی عادت ڈالو اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کی تلقین کرو تاکہ فتح تمھارے قدم چُومے۔ اگر کوئی تکلیف تمھیں پیش آئے تو اس پر صبر اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔"

اس کے علاوہ آپ نے انھیں فخر و مباہات سے پرہیز کرنے اور اپنے ساتھیوں پر کسی قسم کی بڑائی جتانے سے منع فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ سب سے پہلے "زرودؔ" پہنچیں۔ اور جب وہاں چاروں طرف سے فوجیں اکٹھی ہو جائیں تو پھر حملہ کے لیے آگے بڑھیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص پہلے "زرود" پہنچے اس کے بعد خلیفہ کے احکام کے مطابق کوچ کر کے "شراف" میں پڑاؤ ڈال دیا اور وہاں اپنی قوتوں کو مجتمع کرنے لگے۔ "شراف" میں حضرت سعدؓ کے پاس تیس ہزار فوج جمع ہو گئی۔ یہاں سعدؓ کے پاس حضرت عمرؓ کا ایک اور فرمان آیا جس میں آپ نے انھیں ہدایت کی کہ تمام فوج کو دس دس سپاہیوں میں بانٹ دیا جائے۔ ہر دس آدمیوں پر ایک امیر ہو جسے عریف کے نام سے پکارا جائے۔ اس کے بعد اسی ترتیب کی بنیاد پر لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کر دیا جاتے اور ان دستوں کو مختلف حصوں میں بانٹ کر ان کے سردار مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ لشکر کے مندرجہ ذیل حصے کر کے ان پر مندرجہ ذیل افسر مقرر کیے گئے:

لہ زرود مدینہ اور کوفہ کے درمیانی راستہ میں کوفہ سے اکتیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

۱۔ ہراول : زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ
۲۔ میمنہ (دایاں حصہ) : عبداللہ بن المعتصم
۳۔ میسرہ (بایاں حصہ) : شرجیل بن السمط
۴۔ ساقہ (پچھلا حصہ) : عاصم بن عمرو التمیمی
۵۔ طلائع (گشت کی فوج) : سواد بن مالک
۶۔ مجرد (بے قاعدہ فوج) : سلمان بن ربیعۃ الباہلی
۷۔ پیدل : حمال بن مالک الاسدی
۸۔ شترسوار : عبداللہ بن ذی السہمین
۹۔ رائد (رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والے) : سلمان فارسی

اس کے علاوہ قاضی عبدالرحمٰن بن ربیعۃ الباہلی کو کاتب زیاد ابی سفیان کو اور مترجم ہلال ہجری کو بنایا گیا۔ اس لشکر کے لیے حضرت عمرؓ نے کئی طبیب بھی بھیجے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے خط میں لکھا:

"ہدایات بالا کے مطابق لشکر کی تقسیم کے بعد جب ہر سپاہی اپنے عریف، ہر عریف اپنے قائد اور ہر دستہ اپنے سردار سے اچھی طرح واقف ہو جائے تو باقاعدہ نظام کے تحت اپنے لشکر کو لے کر چلو اور قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈال دو۔"

آپ نے انھیں یہ بھی لکھا کہ اسلامی لشکر اور صحرائے عرب کے درمیان دریا وغیرہ کی قسم سے کوئی روک نہ ہو۔ آپ نے تحریر فرمایا:

"تم "شراف" سے مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ بھروسا رکھو اور اسی سے اپنے ہر کام میں مدد چاہو۔ اچھی طرح جان لو کہ تمھارا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو کثرتِ تعداد، سامانِ جنگ کی فراوانی اور فنونِ جنگ میں تم سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ جب تمھاری ایرانی فوج سے مُٹھ بھیڑ ہو تو ان سے جنگ شروع کر دو۔ خبردار! ان سے مناظرہ نہ کرنے لگنا، ان کے دھوکے میں نہ آجانا، وہ لوگ بڑے فریبی اور مکار ہوتے ہیں اور ایسے طور طریقے استعمال کرتے ہیں جو تمھارے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتے۔

جب تم قادسیہ[1] پہنچو تو وہاں قیام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین ہو،

---

[1] قادسیہ ایران کا دروازہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں یہ بڑا سرسبز و شاداب علاقہ تھا اور نہروں اور پُلوں کی وجہ سے نہایت محفوظ سمجھا جاتا تھا۔

پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور بیچ میں ریتلا میدان ہو۔ ایک بار مورچے جما کر پھر وہاں سے مت ہٹو۔ جب ایرانی یہ دیکھیں گے تو اپنی پوری جمعیت سے تم پر حملہ آور ہوں گے۔ لیکن اگر تم نے دشمن کے مقابلہ میں پامردی کا ثبوت دیا تو مجھے امید ہے کہ تم ان پر فتحیاب ہو گے۔ یہ ضرب انھیں ایسی کاری پڑے گی کہ اس کے بعد وہ اتنی زبردست طاقت لے کر تم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے۔ لیکن اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو قادسیہ کی سرزمین سے پیچھے ہٹ کر عرب کے پہاڑوں میں چلے آنا جو تمھارے لیے سپر کا کام دیں گے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ پھر تمھیں دوبارہ حملہ کرنے کی توفیق بخشے اور تم ان پر فتح پا سکو۔"

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق ؓ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ برابر اسلامی لشکر اور ایرانی لشکر کے حال احوال دریافت فرماتے رہے۔ جس روز سعدؓ "شراف" سے روانہ ہو رہے تھے اس روز حضرت عمرؓ کا خط ان کے نام پہنچا جس میں لکھا تھا:

"مجھے لکھو کہ ایرانیوں کا لشکر کہاں تک پہنچ چکا ہے؟ تمھارے مقابلہ کے لیے ان کا سپہ سالار کون ہے؟ ساتھ ہی یہ بھی لکھو کہ اسلامی فوج کی منزلیں کون کون سی ہیں اور اسلامی لشکر اور مدائن میں کتنا فاصلہ ہے؟ مدائنؔ کا حال اس طرح تحریر کرو گویا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے موقعہ جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے اور یہ بھی لکھ دیا کہ دربار ایران کی طرف سے رستم کو ہمارے مقابلہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے انھیں لکھا کہ جب تک دشمن پر فتح حاصل نہ کر لی جائے وہ قادسیہ ہی میں ٹھہرے رہیں اور فتح کے بعد ایران کے دار الحکومت مدائن کی طرف بڑھیں۔

ایرانی فوج کے سپہ سالار "رستم" نے حیرہ کو اپنا مستقر بنا رکھا تھا اور حیرہ سے مدائن تک سارے راستے میں بیسیوں چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اس کے قاصد ان چوکیوں پر برابر گشت لگاتے اور لشکر کی خبروں سے شاہ یزدجرد کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ روزانہ جو واقعات پیش آتے تھے ان کی خبر بادشاہ کو مل جاتی تھی۔ سعدؓ نے بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے یہی طریقہ اختیار کیا اور راستہ میں جابجا چوکیاں قایم کر دیں۔ اسلامی لشکر کے قاصد برابر قادسیہ اور مدینہ کے درمیان سرگرم عمل رہ کر حضرت عمرؓ کو تازہ ترین اطلاعات بہم پہنچاتے رہتے تھے۔ اس طریقہ سے حضرت عمرؓ فوج کی نقل و حرکت، حملہ کے بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوجوں کی تقسیم کے متعلق برابر احکام بھیجتے رہتے تھے، گویا مدینہ میں بیٹھے عراق میں فوجوں کی کمان کر رہے تھے۔

۱؎ مؤلفِ کتاب ہذا کو غلطی لگی ہے، حضرت عمرؓ نے مدائن کا نہیں بلکہ قادسیہ کی سرزمین کا پورا نقشہ طلب فرمایا تھا۔ (مترجم)

(۴)

قادسیہ

جنگِ قادسیہ درحقیقت ایرانی سلطنت کے لیے موت کا پیغام تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر میں ستر سے زیادہ بدری صحابہؓ، تین سو سترہ بیعتِ رضوان میں شامل ہونے والے صحابہؓ اور تین سو ایسے صحابہؓ تھے جو فتح مکہ کے موقعہ پر موجود تھے ان کے علاوہ سات سو ایسے تھے جو صحابی تو نہیں تھے مگر صحابہؓ کی اولاد تھے۔

رستم ایک لاکھ بیس ہزار کی سپاہ ساتھ لے کر مدائنؓ سے نکلا اور حیرہ سے باہر "ساباط" کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ سعدؓ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اس کے لشکر کا سارا حال معلوم ہو گیا۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں لکھا کہ تم ایرانی فوج کی کثرت اور سازوسامان کی فراوانی سے قطعاً مرعوب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور اسی پر بھروسا کرو۔ نیز شاہِ ایران کے پاس چند آدمی بھیجو جو اسے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ دعوت قبول کر لے تو فبہا ورنہ اس کا وبال اسی کی گردن پر رہے۔

مؤرخینِ عرب بیان کرتے ہیںؓ کہ سعدؓ نے دربارِ ایران میں بھیجنے کے لیے جن چودہ اشخاص کو منتخب کیا تھا وہ سردارانِ قبائل میں سے تھے اور خوش گفتاری، وجاہت، سیاست اور بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس سفارت میں مندرجہ ذیل اشخاص شامل تھے:

۱۔ عطارد بن حاجب	۲۔ اشعث بن قیس
۳۔ حارث بن حسان	۴۔ عاصم بن عمرو
۵۔ عمرو معدی کرب	۶۔ مغیرہ بن شعبہ
۷۔ معنی بن حارثہ	۸۔ نعمان بن مقرن
۹۔ بسر بن ابی رہم	۱۰۔ حملہ بن جویہ
۱۱۔ حنظلہ بن الربیع التمیمی	۱۲۔ فرات بن حیان العجلی
۱۳۔ عدی بن سہیل	۱۴۔ مغیرہ بن زرارہ

لہ "پرشیا" مصنفہ مسٹر بنجمن ص ۴، ۲۷۔ اسلامی لشکر کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے لیکن مستند روایات کی رُو سے اس کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

لہ یورپین مورخین نے اس واقعہ سے قطعی طور پر انکار کیا ہے۔

مدائن میں یزدجرد شاہِ ایران کو عربی سفیروں کے آنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے دربار کو خوب سجایا اور یہ پہنچے تو انھیں دربار میں طلب کیا۔ عربی سردار جُبّے پہنے، کندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لیے اور موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ انھیں دیکھ کر درباریوں پر ایک ہیبت طاری ہو گئی، خود بادشاہ پر بھی خوف چھا گیا۔

جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو "یزدجرد" اسلامی وفد کے قائد نعمان بن مقرن سے مخاطب ہوا، اور کہنے لگا:

"تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟"

نعمان آگے بڑھا اور کہا:

"اے بادشاہ! کچھ عرصہ پہلے ہم وحشی اور جاہل تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل کیا اور ہماری ہدایت کے لیے ایک رسول مبعوث فرمایا جس نے ہمیں صراطِ مستقیم دکھائی، نیکی کی طرف بُلایا اور بدی کے راستوں سے بچنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں یقین دلایا کہ اگر ہم اس کی دعوت قبول کر لیں گے تو دنیا اور آخرت میں ضرور کامیاب اور کامران ہوں گے۔

ہم نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم دعوت کو اپنی ہمسایہ اقوام تک پہنچائیں اور انھیں بتلائیں کہ اسلام میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ یہ حق کو حق اور باطل کو باطل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

اے بادشاہ! ہم آپ کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر آپ نے اسے قبول کر لیا تو ہم آپ سے مطلق تعرض نہیں کریں گے۔ کتاب اللہ آپ کے حوالے کر دیں گے وہی آپ کی رہنما ہو گی، اور اس کے احکام کی پیروی کرنا آپ کا فرض ہو گا۔ لیکن اگر آپ اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر دو صورتیں ہیں، یا جزیہ دے کر اپنے ملک پر ہمارا اقتدار تسلیم کیجئے اور یہ وعدہ بھی کہ آپ کی سلطنت میں ظلم و تشدد کا دَور دورہ نہ ہو گا اور بُرے کام نہ کیے جائیں گے، یا پھر میدانِ جنگ میں تلوار سے فیصلہ کر لیجئے۔"

جب نعمان بن مقرن اپنی تقریر ختم کر چکے تو یزدجرد بولا:

"اے قومِ عرب! ساری دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت اور کوئی قوم نہ تھی۔ اگر ہم ایک اُونٹ ذبح کر کے بھی تم کو کھلا دیتے تو تم خوش ہو جاتے تھے اور تمھارا سارا شور و شر اور فتنہ و فساد دب جاتا تھا۔ اگر تم کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو ہم سرحد کے زمینداروں اور سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے اور وہ تمھارا سارا کس بَل نکال دیتے تھے۔ میں تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کی ہوس اپنے دل سے نکال دو اور آرام سے اپنے گھروں کو جاؤ۔ تمھیں خواب میں بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ تم ہم پر فتح یاب ہو سکتے ہو۔

اگر دو چار مقامات پر تمھیں فتح حاصل ہوگئی ہے تو اس سے دھوکا نہ کھاؤ اور اگر ضروریات زندگی نے تمھیں لوٹ مار پر مجبور کر دیا ہے تو ہمیں سارے حالات بتاؤ ہم تمھاری ضروریات کا انتظام اور تمھارے اوپر ایسا حکمران مقرر کر دیں گے جو تم سے نرم سلوک کرے گا۔"

بادشاہ کی اس تقریر سے تھوڑی دیر کے لیے سب لوگ خاموش ہو گئے۔ آخر مغیرہ بن زرارہ نے اس سکوت کو توڑا اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"میرے ساتھی رؤسائے عرب میں سے ہیں حلم اور وقار کی وجہ سے زیادہ گفتگو نہیں کر سکتے۔ انھوں نے جو کچھ کہا وہی ان کے لیے مناسب تھا۔ لیکن بعض کہنے کے قابل باتیں رہ گئی ہیں جو میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اے بادشاہ! واقعی ہم ایسے ہی ذلیل اور بدبخت تھے جیسا کہ آپ نے بیان کیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تھے۔ ہم سانپ بچھو ہر قسم کے حشرات الارض اور ہر قسم کے مردار کھا جاتے تھے۔ اون اور چمڑا ہمارا لباس تھا اور زمین کی پشت ہمارا بستر۔ ہم آپس میں کٹ مرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ ہمارا یہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں ایک برگزیدہ رسولؐ پیدا کیا جو حسب ونسب اور اخلاق وعادات میں ہم سب سے ممتاز تھا۔ پہلے پہلے ہم نے اس کو جھٹلایا اور اس کی مخالفت کی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے ہمارے دلوں میں اثر کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار ہم نے اسے قبول کر لیا۔ اس نے آکر ہماری کایا پلٹ دی۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا وہ بھی خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس دین کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں۔ جو اس کو قبول کرلے اس کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں۔ اور جو قبول نہ کرے لیکن جزیہ دینے پر راضی ہو جائے تو ہمارے اوپر اس کی حفاظت فرض ہے۔ مگر جو اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ دینے سے بھی انکاری ہو اس کے لیے تلوار ہے۔ آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ آپ مسلمان ہو جائیں اور اپنی جان اور سلطنت بچالیں ورنہ جزیہ دے کر اسلام کی حمایت میں آجائیں۔ اگر یہ دونوں باتیں آپ کو منظور نہیں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔"

یزدجرد یہ الفاظ سن کر غصے سے بے تاب ہو گیا اور کہنے لگا:

"اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص بھی یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکتا۔ جاؤ میرے پاس تمھارے لیے کچھ نہیں ہے، اپنے سردار سے کہہ دینا کہ رستم آ رہا ہے وہ تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور ان سفراء سے پوچھا کہ تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر

ہیں۔"

یزدجرد نے حکم دیا کہ یہ ٹوکرا عاصم کے سر پر رکھ دیا جائے۔ چنانچہ وہ ٹوکرا عاصم کے سر پر رکھ دیا گیا اور وہ یہ کہتے ہوئے دربار سے باہر نکل گئے:

"شاہِ ایران نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی۔"

یہی بات انھوں نے سعدؓ بن ابی وقاص سے جا کر کہی کہ ایران کی فتح مبارک ہو، دشمن نے خود اپنی زمین ہمیں دے دی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

اس گفتگو کے بعد شاہِ یزدجرد نے رستم کو پیغام بھیجا کہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنی کثیر التعداد فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور مقام کوثا میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ کوثا سے روانہ ہو کر وہ قادسیہ پہنچا اور مسلمانوں کے سامنے مقام "عتیق" میں ڈیرے ڈال دیے۔

رستم لڑنے سے جی چرا رہا تھا اس لیے کہ وہ مسلمانوں سے بے حد مرعوب ہو چکا تھا لیکن شہنشاہِ ایران کی طرف سے برابر احکام آ رہے تھے کہ لڑائی چھیڑ دو۔ پھر بھی اس نے ٹال مٹول میں کئی مہینے لگا دیے، اور صلح کی کوشش شروع کی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے کسی آدمی کو میرے پاس بھیج دو، میں اس سے صلح کی بات چیت کرنی چاہتا ہوں۔ سعدؓ نے ربعی بن عامر کو بھیج دیا۔ رستم نے بڑی شان سے دربار منعقد کیا۔ سونے کا تخت بچھوایا، اس کے چاروں طرف دیباج، حریر اور رومی قالینوں کا فرش کرایا۔ ہر طرف زریں گاؤ تکیے لگوائے۔ ربعی بن عامر نہایت سادہ لباس میں دربار میں پہنچے۔ اس شان و شوکت کا ان پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا اور نہایت بے پروائی سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ اپنی برچھی کی انی کو اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ وہ قیمتی فرش کٹ کٹ کر ناکارہ ہو گیا۔ رستم نے پوچھا کہ تمھارا اس ملک میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ ربعی نے وہی جواب دیا جو اسلامی سفیروں نے شاہِ یزدجرد کو دیا تھا اور جس میں تین باتیں پیش کی گئی تھیں:

قبولِ اسلام یا جزیہ یا تلوار۔

رستم نے یہ بات سن کر کہا:

اچھا میں اپنے مشیروں سے مشورہ کر کے پھر تمھیں مطلع کروں گا۔

دوسرے روز رستم نے پھر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے اپنا سفیر بھیجنے کی درخواست کی۔ اس مرتبہ انھوں نے حذیفہؓ بن محصن کو روانہ کیا۔ حضرت حذیفہؓ رستم کے دربار میں اس شان سے پہنچے کہ اس کے تخت تک اپنے گھوڑے پر سوار گئے۔ رستم نے ان سے پوچھا:

تم ہمیں کتنے روز کی مہلت دے سکتے ہو؟

حذیفہؓ نے کہا: تین روز کی۔

رستم خاموش ہو گیا اور حذیفہؓ اسلامی لشکر میں واپس آ گئے۔

تیسرے روز رستم نے پھر اسلامی سفیر کو بلوایا اب کے سعدؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ کو روانہ کیا۔ مغیرہ گھوڑے سے اتر کر رستم کے تخت کی طرف بڑھے اور اس کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ درباریوں کو اس بیباکی پر بڑا تعجب ہوا اور رستم کے چوب داروں نے بازو سے پکڑ کر حضرت مغیرہؓ کو تخت سے اتار دیا۔

حضرت مغیرہؓ نے تمام درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے سرداران ایران! ہم تمھیں عقلمند سمجھتے تھے لیکن تم نرے بے وقوف نکلے۔ ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھ جائے اور تمام لوگ بندے بن کر اس کے آگے گردن جھکائیں۔ تمھارے لئے مناسب یہ تھا کہ ہمیں پہلے سے مطلع کر دیتے کہ تمھارے ہاں کمزور طاقتوروں کی پرستش کرتے ہیں اور انھیں خدا بنا کر اونچی جگہ پر بٹھاتے ہیں۔ اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی تو میں تمہارے دربار کا کبھی رُخ بھی نہ کرتا۔ لیکن اب کہ میں آگیا ہوں تمھیں صاف طور پر بتلائے دیتا ہوں کہ تمھاری سلطنت کے چند ہی دن باقی رہ گئے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں تم ظلم کی چکی تلے پیس رہے ہو وہی تمھاری سلطنت کو تہ و بالا کر دیں گے۔"

جب مترجم نے اس تقریر کا ترجمہ کیا تو اس سے تمام دربار متاثر ہوا۔ نچلے طبقہ کے لوگ کہنے لگے:

"اس عرب نے واقعی سچی بات کہی۔"

سردار کہنے لگے:

"اس نے ہماری رعایا کو ہمارے خلاف بغاوت پر اکسایا ہے۔ ہماری غلطی تھی کہ ہم اس قوم کو حقیر سمجھتے تھے۔"

رستم بھی شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: یہ چوبداروں کی غلطی تھی۔ میں نے کوئی ایسا حکم نہ دیا تھا۔ پھر اس نے مغیرہؓ کے ترکش سے تیر نکالے اور کہا:

"ان تکلوں سے تمھارا کام کس طرح چلے گا؟"

مغیرہؓ نے جواب دیا:

"آگ کی لو خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو بہر حال آگ ہے۔"

رستم نے ان کی تلوار کی میان کو دیکھ کر کہا:

"کس قدر بوسیدہ میان ہے!"

مغیرہؓ نے جواب دیا:

"میان تو بوسیدہ ہے لیکن تلوار پر دھار ابھی رکھی گئی ہے۔"

اس کے بعد صلح کی بات چیت ہوئی۔ رستم نے چاہا کہ کچھ لالچ دے کر اپنا کام نکالے۔ لیکن مغیرہؓ نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اگر تم قبول اسلام یا جزیہ دینا منظور نہیں کرو گے تو پھر اسی سے فیصلہ ہوگا۔ رستم کو بھی جوش آگیا اور کہنے لگا:

...ج کی قسم ! کل تمام عربوں کو برباد کر دوں گا۔"
مغیرہؓ چلے آئے اور دونوں طرف لڑائی کی بھٹی پُورے طور پر دہکنے لگی۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح یورپین مؤرخین نے شاہ یزدجرد کے پاس اسلامی سفارت بھیجے جانے سے قطعی انکار کیا ہے۔ اسی طرح اُنھوں نے متذکرہ بالا واقعات کو بھی نہیں مانا ہے۔ البتہ شاہنامہ فردوسی میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن اس طرح نہیں جس طرح عرب مؤرخین نے بیان کیا ہے۔

فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں شاہانِ ایران کے کارناموں کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ رستم نے سعدؓ کو ایک خط لکھا جو سیم و زر کے لالچ اور دھمکیوں سے پُر تھا اور جس میں سعدؓ کو ڈرایا گیا تھا کہ اسلامی لشکر کے سپاہی فارس کے بہادروں اور نہاوند اور مدائن کے شہسواروں کا کسی صورت میں بھی مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے جواب میں سعدؓ نے لکھ دیا کہ ہم لوگ کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی مرعوب ہونا نہیں جانتے۔ یا ہم تمھاری سرزمین پر قابض ہو جائیں گے یا مارے جائیں گے۔ تیسری بات کوئی نہیں ہوگی۔ ہم دیباج و حریر پہننے اور مُشک و عنبر استعمال کرنے کے مطلق عادی نہیں ہیں اور نہ کبھی ہم کھانے پینے کی چیزوں پر فخر کرتے ہیں۔ آخر میں اُنھوں نے لکھا کہ تمھارے لیے اب دو ہی راستے ہیں، یا قبولِ اسلام یا جنگ۔

اگرچہ مؤرخینِ عرب نے کسی ایسے خط کا ذکر نہیں کیا، تاہم ممکن ہے کہ رستم نے سعدؓ اور سعدؓ نے رستم کو ایسے خطوط لکھے ہوں بایں ہمہ فردوسی کی روایات پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے اپنے شاہنامہ میں بہت سی ایسی باتیں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت مغیرہؓ کے چلے آنے کے بعد رستم نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان نہرِ عتیق حائل تھی رستم نے سعدؓ کو کہلا کر بھیجا کہ تم نہر کے اس طرف آ ؤ گے یا ہم تمھاری طرف آئیں۔ سعدؓ کو ابو عبید کا واقعہ یاد تھا انھوں نے جواب دیا کہ تم ہی ہماری طرف آ جاؤ۔ چنانچہ رستم نے نہر پر پُل بنانے کا حکم دیا اور ساری ایرانی فوج نہر کے اس کنارے پر پہنچ گئی۔

یورپین مورخین کا کہنا ہے کہ رستم نے نہر کو عبور کر کے اور قادسیہ کے میدان میں آ کر نبرد آزما ہونے میں سخت غلطی کی تھی۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے اس کے لیے یہ مناسب تھا کہ وہ اپنی ہی جگہ رہتا تاکہ عربوں کو مجبور ہو کر نہر کے اس پار جانا پڑتا۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً عربی لشکر کو شکست فاش اٹھانی پڑتی۔ البتہ رستم نے جس طریقہ سے اپنی فوج کو ترتیب دیا تھا، جس طرح ہاتھیوں کو موقعہ بموقعہ کھڑا کیا تھا اور جس بہادری کے ساتھ جنگ کے پہلے روز اس نے مسلمانوں کے دانت کھٹے کر دیے تھے، انھوں نے اس کی بے حد تعریف کی ہے۔ ان مورخین نے جنگِ قادسیہ میں عربوں کی فتح کے اسباب یہ بتائے ہیں کہ ایک تو انھوں نے ہاتھیوں پر حملہ کر کے انھیں بیکار کر دیا۔ دُوسرے یہ کہ دورانِ جنگ میں عربوں کو برابر

...ملک پہنچتی رہی جس سے ان کے حوصلے بلند ہوتے رہے اور وہ بڑی جرأت و دلیری کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں لڑتے رہے تاآنکہ ان پر فتح پائی۔[1]

جب رستم کا تمام لشکر نہر کے دُوسرے کنارے مسلمانوں کے بالمقابل پہنچ گیا تو اس نے باقاعدہ طور پر اس کی تنظیم کی اور لشکر کے ہر حصّہ کے آگے جنگی ہاتھی کھڑے کیے۔ ایک سو ہاتھی قلب میں رستم کے ساتھ تھے۔ پچھتّر ہاتھی میمنہ میں، پچھتر میسرہ، بیس مقدمۃ الجیش میں اور تیس ساقہ میں تھے۔ ان کے اوپر ہودجوں میں فیلبان بیٹھے تھے۔

عربی لشکر کی ترتیب پانچویں روز کے چاند کے مانند تھی۔ لشکر میں خطیب جا بجا لوگوں کو صبر و استقلال کی تلقین کر رہے تھے۔ قرآنِ کریم کی وہ آیات بلند آواز سے پڑھ کر مجاہدین میں ایک نئی روح پھونک رہے تھے جن میں صبر کرنے والوں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ وُہ ان کو بتا رہے تھے کہ وُہ عرب ہیں جنھوں نے کبھی دشمن کے سامنے ذلت برداشت نہیں کی۔ کبھی کسی کے ظلم پر خاموش نہیں بیٹھے اور اب اگر انھوں نے دشمن کے مقابلہ میں کمزوری دکھائی تو یہ بات ان کے لیے انتہائی عار کا موجب ہوگی۔

سعدؓ بن ابی وقاص عرق النساء کی تکلیف کے سبب خود میدانِ جنگ میں موجود نہیں رہ سکتے تھے۔ نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے اس لیے وُہ ایک قدیم شاہی محل میں جو قصرِ عذیب کے نام سے مشہور تھا چلے گئے۔ یہ محل عین میدانِ جنگ کے کنارے واقع تھا۔ آپ اس عمارت کی چھت پر گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اپنی جگہ اسلامی لشکر کا سردار خالد بن عرفطہ کو بنایا۔ بعض لوگوں نے خالد کو نائب سالار بنانے پر اعتراض کیا۔ جب حضرت سعدؓ کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے محل کی چھت پر سے پکار کر معترضین سے کہا:

"خدا تعالیٰ کی قسم! اگر دشمن مقابلہ پر نہ ہوتا تو میں تمھیں سخت سزا دیتے اور دوسروں کے لیے نمونۂ عبرت بنائے بغیر نہ چھوڑتا۔"

اس کے بعد انھوں نے تمام علمبرداروں کے نام اس مضمون کا خط لکھا:

"میں نے اپنی جگہ خالد بن عرفطہ کو تم پر سالار مقرر کیا ہے۔ میں اپنے درد کی وجہ سے مجبور رہوں ورنہ خود میدانِ جنگ میں حاضر رہتا۔ اس لیے تم پر ان کے ہر حکم کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ کیونکہ وہ تمھیں جس امر کی ہدایت دیں گے میرے حکم سے دیں گے اور جو کچھ کریں گے میری رائے سے کریں گے۔"

جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا یہ فرمان لشکر میں پڑھا گیا تو تمام لوگوں نے خالد کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا اقرار کیا۔ اگرچہ کمان خالد بن عرفطہ کے ہاتھ میں تھی لیکن سعدؓ برابر انھیں ہدایات روانہ کرتے رہتے تھے۔ جو حکم دینا ہوتا تھا پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انھی ہدایات کے مطابق عمل کرتے جاتے تھے۔

---

[1] "پرشیا" مصنفہ بنجمن

حضرت سعدؓ نے لشکر کو مطلع کر دیا تھا کہ نمازِ ظہر کے بعد میں تین تکبیریں کہوں گا۔ تیسری تکبیر لڑائی شروع کرنے اور عام حملہ کرنے کی علامت ہوگی۔

جب مسلمانوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو سعدؓ نے تین تکبیریں کہیں۔ تمام لوگوں کی نظریں انہی کی طرف تھیں۔ دونوں طرف کے بہادر مبارزت کے لیے اپنے لشکروں سے باہر نکلے اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہُوئے ایک دُوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ چوتھی تکبیر پر عام حملہ شروع ہوگیا۔

(۵)

جنگِ قادسیہ کے تین دن

سعدؓ کا چوتھی تکبیر کہنا تھا کہ عربوں نے ایرانیوں پر زبردست ہلّہ بول دیا اور عام جنگ شروع ہوگئی۔ لیکن شروع ہی میں عربوں کے گھوڑوں کو ہاتھیوں کا سامنا کرنا پڑا جو ایرانیوں کے ہر حصّہ فوج کے سامنے کھڑے تھے۔ ایرانیوں نے عربوں کے قبیلہ بجیلہ کے مقابلہ کے لیے ہاتھی آگے بڑھائے۔ عربوں کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدکے اور پیچھے کی طرف بھاگے اور کسی کے روکے نہ رُک سکے۔ جب سواروں نے یہ حالت دیکھی تو وُہ اپنے گھوڑوں سے اُتر آئے اور پیدل ہی تلواریں کھینچ کر دشمن کے مقابلہ میں آگئے۔ پیدل فوج بڑی بے جگری سے لڑی، لیکن ہاتھیوں کے مقابلہ میں وہ بے بس تھی۔

سعدؓ محل کے اوپر سے یہ سب ماجرا دیکھ رہے تھے۔ پہلے اُنھوں نے قبیلہ بنی اسد کو بجیلہ کی مدد کے لیے بھیجا جو برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں کے حملہ کا سارا زور اب بنی اسد کی طرف کر دیا اور ان کے پانچ سو آدمی ہاتھیوں کے ریلے میں آکر روندے گئے۔ جب سعدؓ نے یہ دیکھا تو اُنھوں نے بنی تمیم کے سردار عاصم التیمی کو بلا بھیجا اور ان سے پُوچھا کہ کیا تم سے ان ہاتھیوں کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی؟

اُنھوں نے اپنے قبیلہ بنی تمیم کے دو حصّے کیے۔ ایک حصہ کو حکم دیا کہ وہ ہاتھیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں پر تیر چلا کر انھیں مار ڈالیں اور دوسرے حصہ کو حکم دیا کہ وہ قریب جا کر ہاتھیوں کے ہودوں اور عماریوں کو اُلٹ دیں۔

چنانچہ تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کیے اور دوسرے لوگوں نے ہودوں اور عماریوں کو اُلٹ کر ان میں جتنے آدمی تھے ان سب کو قتل کر دیا۔

یہ لڑائی کچھ رات گئے تک جاری رہی۔ جب بالکل ہی اندھیرا چھا گیا تو دونوں فریق میدان سے ہٹے یہ قادسیہ کی لڑائی کا پہلا دن تھا جو "یوم ارماث" کہلاتا ہے۔

تمام رات مسلمان شہیدوں کو دفن کرتے اور زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھا اٹھا کر اپنے خیموں میں لاتے رہے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی عورتوں نے کی جو کثیر تعداد میں اسی غرض کے لیے آئی تھیں۔ محض تھوڑا سا وقفہ فوج کو آرام کے لیے مل سکا۔

جب صبح ہوئی تو پتا چلا کہ شام کی طرف سے مسلمانوں کے لیے کمک آ رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو جو شام میں لڑنے والی فوجوں کے سردار تھے، حکم بھیجا تھا کہ دمشق کی فتح کے بعد عراق کے لشکر کو قادسیہ بھیج دیا جائے تاکہ وہ لڑائی میں سعدؓ کی مدد کر سکیں۔ چنانچہ ابوعبیدہؓ نے چھ ہزار فوج عراق روانہ کر دی۔ اس لشکر کے سردار ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص تھے۔ ہراول دستہ کے امیر قعقاع بن عمرو تھے۔ انھوں نے اپنی طبعی ذکاوت سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو قادسیہ میں فوری امداد کی ضرورت ہے اس لیے وہ اپنے دستہ کو لے کر تیزی سے سفر کرتے ہوئے عین اس موقع پر پہنچ گئے جب مسلمان رومیوں کے لیے مقابلہ کے لیے تیار تھے۔

قعقاع نے ایرانیوں پر رُعب ڈالنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی کہ اپنے لشکر کے دس حصے کر دیے۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے یکے بعد دیگرے یہ دستے میدانِ جنگ میں پہنچتے رہے جس سے رومیوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مسلمانوں کو متواتر اور لامتناہی کمک پہنچ رہی ہے، جس سے ان پر خوف طاری ہو گیا۔

سب سے پہلے قعقاع پہنچے۔ اُنھوں نے آتے ہی ایرانیوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ یکے بعد دیگرے ایرانیوں کے کئی بہادر ان کے مقابلہ کے لیے نکلے مگر سب مارے گئے۔ آخر عام مقابلہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کے دل کمک پہنچ جانے سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ بڑی بے جگری سے آگے بڑھے اور رومیوں کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ البتہ ہاتھیوں سے مفر کی کوئی صورت نہ تھی جو مسلمانوں کے گھوڑوں اور ان کی صفوں پر سیلاب کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ جس طرف بھی جاتے تھے کائی سی پھٹ جاتی تھی۔ ہاتھیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی سونڈ سے کسی آدمی کو پکڑتے اور زور سے سونڈ ہلا کر اسے کسی دوسرے آدمی پر دے مارتے تھے۔ دونوں آدمی زمین پر گر پڑتے تھے اور ہاتھی آگے بڑھ کر دونوں کو اپنے پاؤں تلے کچل دیتا تھا۔

آخر قعقاع کے ساتھیوں کو ایک نئی تدبیر سُوجھی اُنھوں نے فوج میں جتنے اونٹ تھے ان سب کے اوپر بڑی بڑی کالی جھولیں اور بُرقعے ڈال دیے جس سے ان کی صورتیں بڑی مہیب ہو گئیں۔ اس کے بعد ان کو آگے بڑھایا۔ ایرانیوں کے گھوڑوں نے انھیں ہاتھی سمجھا اور وہ بدک کر پیچھے کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور سیکڑوں ایرانیوں کو مار گرایا۔ اس طرح ایرانیوں کو اس دن اسی قسم کی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسی ایک دن پہلے مسلمان اٹھا چکے تھے۔

دُوسرے روز کی لڑائی نصف شب تک جاری رہی۔ اس میں دو ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی مقتول و مجروح ہوئے اگرچہ ایرانیوں نے منہ کی کھائی تھی تاہم فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور لڑائی اگلے دن کے لیے ملتوی ہو گئی۔ یہ دن "یومِ اغواث" کہلاتا ہے۔

تیسرے روز دن چڑھنے سے پہلے ہی قعقاع نے اپنی فوج کے ایک دستہ کو صحرا کی طرف بھیج دیا۔ جب سورج طلوع ہوا تو وہ دستہ تلواریں چمکاتا اور نیزے ہلاتا میدانِ جنگ میں پہنچ گیا۔ ایرانیوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی۔

... کا معرکہ قادسیہ کی جنگ کا سب سے شدید معرکہ تھا ۔ ہاتھی حسبِ معمول پھر میدانِ جنگ میں موجود تھے مسلمانوں کو سب سے زیادہ تکلیف ان ہاتھیوں ہی کی وجہ سے تھی۔ سعدؓ نے چند ایرانیوں کو جو پہلے پارسی تھے مگر بعد میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ، بلایا اور ان سے پُوچھا کہ ان ہاتھیوں کا کیا علاج کیا جائے ۔ اُنھوں نے رائے دی کہ ان کی سونڈیں اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں ۔ تمام ہاتھیوں میں دو ہاتھی بڑے دیو ہیکل اور خوفناک تھے ۔ ایک کا نام ابیض تھا اور دوسرے کا اجرب۔ سعدؓ نے قعقاع اور چند اور آدمیوں کو بلایا اور ان ہاتھیوں کو بیکار کرنے کا کام ان کے سپرد کیا۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور کچھ پیدل ہاتھیوں کے گرد بھیج دیے جنھوں نے ان کو اپنے نرغہ میں لے لیا ۔ پھر وُہ ایک اور آدمی کو اپنے ساتھ لے کر فیلِ ابیض کی طرف بڑھے اور برچھیوں سے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں ہاتھی درد سے بیتاب ہو کر پیچھے ہٹا ۔ یکا یک قعقاع نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر اس کی سونڈ مشک سے الگ کر دی ۔ دو اور آدمیوں نے فیلِ اجرب کا یہی حال کیا ۔ یہ دونوں ہاتھی پیچھے کی طرف بھاگے ان کو دیکھ کر باقی کے تمام ہاتھی بھی اپنی ہی فوج کو کچلتے ہوئے ان دونوں ہاتھیوں کے پیچھے بھاگ کھڑے ہُوئے اور مسلمانوں کو اس مہیب بلا سے نجات ملی ۔

اب لڑائی نے بڑی شدت اختیار کر لی ۔ دونوں فوجیں ایک دُوسرے کی صفوں میں گھس گئیں اور زبردست رن پڑنے لگا ۔ دونوں فوجوں کے نعروں اور ایرانی فوجوں کے طبلوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی ۔ طبل اتنے زور سے بج رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا زمین دہل رہی ہے ۔

رات قریب آ چکی تھی ۔ تھوڑی دیر کے لیے لڑائی بند ہُوئی لیکن پھر دوبارہ شروع ہوگئی ۔ جب دوبارہ لڑائی شروع ہُوئی تو سعدؓ کا حکم تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے تیر برسانے شروع کر دیے ۔ اس پر قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ اپنے جوش میں سعدؓ سے اجازت لیے بغیر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے آگے بڑھے ۔ فوج کے دُوسرے دستوں نے بھی ان کا تتبع کیا اور ساری کی ساری مسلمان فوج میدانِ جنگ میں آ گئی ۔ زبردست مقابلہ شروع ہو گیا ۔ اس رات سوائے گھوڑوں کے ہنہناہٹ اور تلواروں کی کھٹا کھٹ کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا ۔ تمام رات سعدؓ کو کچھ پتا نہ چل سکا کہ لڑائی کا کیا ڈھنگ ہے اور انھوں نے ساری رات انتہائی بے چینی اور بے قراری میں گزاری ۔ صبح ہونے پر پتا چلا کہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا ۔ جنگ کا تیسرا روز " یومِ عماس " کے نام سے پکارا جاتا ہے اور وہ رات " لیلۃ الھریر " کے نام سے ۔

جب سُورج چڑھا تو قعقاع نے بلند آواز سے پکار کر کہا :

" مسلمانو ! تھوڑی دیر کے لیے اور میدان میں جمے رہو ۔ ابھی آدھا دن بھی نہیں گزرے گا کہ ایرانیوں کی شکست یقینی ہے ۔ "

ان کی آواز پر قبائل کے رؤسا قعقاع کے گرد جمع ہو گئے اور مسلمانوں نے پھر ایرانی فوج پر شدت سے حملہ کر دیا ۔ اس حملہ نے ایرانیوں میں مقابلہ کی تاب نہ چھوڑی ۔ فوج کے دونوں بازوؤں کے پاؤں اُکھڑنے لگے ۔ ایک سخت حملہ نے ان کے قلب میں بھی ابتری پیدا کر دی اور سپاہی بھاگنے لگے ۔

ایرانی فوج کا سپہ سالار رستم قلبِ لشکر میں اپنے تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ لشکر میں شکست کے آثار تو پیدا ہو ہی چکے تھے۔ یکایک اس کے تخت کا اگلا حصّہ کھل گیا۔ ایک زبردست آندھی کے جھونکے نے تخت کے شامیانہ کو اڑا کر نہر میں پھینک دیا۔ رستم بدحواس ہو چکا تھا، تخت سے اٹھ کر بھاگا اور نہر میں کُود پڑا۔ لیکن ہلال نامی ایک سپاہی نے نہر میں کُود کر اس کی ٹانگ پکڑ لی اور باہر نکال کر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

جب ایرانیوں کو اپنے سپہ سالار کے مارے جانے کا علم ہوا تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور وہ نہر کی طرف بھاگے۔ لیکن ایرانی فوج کے ایک دستہ نے جو باقی فوج سے پہلے ہی پُل عبور کر کے نہر کے دوسری طرف پہنچ گیا تھا، یہ خیال کر کے کہ کہیں مسلمان ہمارا تعاقب نہ کریں، پُل توڑ دیا تھا۔ ایرانی ہزیمت خوردہ فوج نے جب پُل ٹوٹا ہوا دیکھا تو وہ واپس پلٹی۔ لیکن مسلمانوں نے اس کو اپنی تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا اور دُور دُور تک ان کا تعاقب کر کے انھیں قتل کرتے چلے گئے۔

قادسیہ کی لڑائی پُورے تین دن تک جاری رہی۔ اس دوران میں ساٹھ گھنٹے تک اس طرح لڑائی ہوئی کہ درمیان میں فوجوں کو کچھ آرام کا موقع مل گیا۔ لیکن تیس گھنٹے تک تو یہ عالم رہا کہ ایک منٹ کے لیے بھی لڑائی بند نہ ہوئی۔ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے جو لڑائیاں لڑنی پڑیں، یہ لڑائی ان میں سب سے زیادہ خوفناک تھی، جس کے نتیجہ میں بالآخر آلِ ساسان کی بساط لپیٹ دی گئی اور ایرانی شہنشاہی کا، جس نے صدیوں بڑی شان و شوکت اور دبدبہ کے ساتھ ایران پر حکومت کی تھی، ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

ایران کی مشہور تاریخ "پرشیا" کا مولف بنجمن اپنی کتاب میں اس لڑائی کا حال اس طرح بیان کرتا ہے:

"لڑائی کے تیسرے روز شام کے وقت ایرانی سپہ سالار رستم نے جب دیکھا کہ اس کی فوج کا بُرا حال ہے تو اس نے فوج کو لے کر نہر عتیق عبور کر جانے کا ارادہ کیا۔ اس سے اس کی دو غرضیں تھیں، ایک تو یہ کہ شدید جنگ و جدال کے بعد وہ اپنی فوج کو کچھ آرام دے سکے۔ اور دُوسری یہ کہ یہ نہر اس کے لشکر اور عربی فوج کے درمیان حائل ہو جائے۔

عربوں کو اس کے ارادے کا پتا چل گیا اور اُنھوں نے زبردست حملے کر کے ایرانی فوج کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ تمام رات لڑائی ہوتی رہی، جب صبح ہوئی تو انفرادی حملے ایک عام حملہ میں تبدیل ہو گئے۔ اس وقت موقعہ پا کر بعض ایرانی دستے نہر کو پار کر گئے۔ جب دن نکلا تو یکایک شدید آندھی اُٹھی جس نے ایرانیوں کو اندھا کر دیا اور وہ عربوں کے مقابلہ میں پُورے طور پر جم نہ سکے۔ عربوں نے اس فرصت کو غنیمت جانا اور شدت کے ساتھ ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کی صفیں تتر بتر کر دیں اس کے بعد رستم کی طرف بڑھے جو ایک تخت پر بیٹھا اپنے لشکر کو لڑا رہا تھا۔ رستم نے عربوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو بھاگنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ ہلال بن علقمہ نے تلوار سے اس کا کام

تمام کر دیا اور اس کا سر لے کر تمام لشکر میں پھرایا۔

جب ایرانیوں نے اپنے سپہ سالار کا یہ حشر دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے لیکن چند لوگوں نے میدان چھوڑنا اپنے لیے عار خیال کیا۔ وہ ڈٹے رہے اور نہایت پامردی کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن کب تک ؟ ایک ایک کرکے وہ سارے بہادر مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے۔

بے شک معرکۂ قادسیہ میں ایرانیوں نے شکست کھائی۔ لیکن یہ شکست بھی ان کی سربلندی کی دلیل ہے انھوں نے بزدلی کی وجہ سے شکست نہیں کھائی، بلکہ اپنی پوری طاقت اور پوری جوانمردی سے غنیم کا مقابلہ کیا۔ لیکن تقدیر ہی پلٹ چکی تھی اور تقدیر کے آگے کس کی چل سکتی ہے!"

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بڑی بے چینی کے ساتھ اس جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ انھیں یقین تھا کہ اسلام کا مستقبل اس جنگ سے وابستہ ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس میں فتح پائی تو ایرانی سلطنت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا لیکن اگر خدانخواستہ انھیں شکست اٹھانی پڑی تو نہ صرف یہ کہ پسپا ہونا پڑے گا بلکہ ایرانی اور رومی دونوں سلطنتیں اپنی پوری قوت کے ساتھ عرب پر حملہ کر دیں گی اور عربوں میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ وہ بہ یک وقت ان دونوں طاقتوں کے مقابلہ پر ٹھہر سکیں۔ دوسرے مسلمانوں سے بھی یہ بات پوشیدہ نہیں تھی۔ ہر شخص کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی رہتی تھیں اور وہ بڑی بے چینی سے سعدؓ کے پیغام کے منتظر تھے۔

حضرت عمرؓ کو تو اس قدر بے چینی تھی کہ آپ روزانہ صبح کو مدینہ سے نکل کر قاصد کی راہ دیکھتے رہتے تھے۔ جب دوپہر ہو جاتی تھی تب واپس آتے تھے۔ ایک روز حسبِ معمول آپ مدینہ کے باہر سعدؓ کے قاصد کا انتظار فرما رہے تھے کہ ایک سانڈنی سوار آتا دکھائی دیا۔ آپ آگے بڑھے اور اس سے حال پوچھا۔ اس نے فتح کی خوشخبری دی۔ آپ اس کی اونٹنی کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور اس سے فتح کے حالات پوچھتے جاتے تھے جب مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت قاصد کو معلوم ہوا کہ جو شخص اس کے ساتھ ہے وہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ خود امیرالمومنین ہیں۔ اس نے کہا:

"امیرالمومنین! آپ نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتلایا؟ میرے پاس تو آپ کا ایک خط ہے۔"

چنانچہ اس نے سعدؓ بن ابی وقاص کا خط نکال کر آپ کو دیا۔ آپ نے تمام مجمع میں اسے پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا تھا:

"خدا تعالیٰ نے ہمیں ایرانیوں پر ایک شدید جنگ کے بعد فتح دی ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو دشمنوں کی اس قدر زبردست فوج کا سامنا کرنا پڑا کہ پہلے کبھی ذکر نہ کرنا پڑا تھا۔ لیکن اس زبردست فوج سے ایرانیوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ انھیں شدید ہزیمت اٹھانی پڑی اور وہ بُری طرح قتل ہوئے۔ مسلمانوں میں سے

...ت سے آدمی شہید ہوئے۔ شہدا میں سے بعض کے ناموں کا ہمیں پتا ہے اور بعض کا نہیں . . .“

جب حضرت عمرؓ شہدا کے نام پڑھ رہے تھے تو ان پر رقت طاری تھی اور ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

”میری خواہش ہے کہ لوگوں کی جس قدر بھی ضروریات ہیں وہ سب پوری کر دوں تاکہ ہم سب برابر ہو جائیں میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمھیں غلام بنانا چاہوں، میں خود خدا کا بندہ ہوں۔ میری خوش نصیبی ہوگی کہ میں اس طرح تمھاری خدمت کروں کہ تم بے فکر ہو کر اپنے گھروں میں سوؤ۔ اور میری بدبختی ہوگی اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم آ کر میرے دروازے پر حاضری دو۔ میں تمھیں تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن خالی باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے۔“

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو خط لکھا جس میں انھیں حکم دیا کہ وہ سرحد کے ان زمینداروں کو ان کی زمینیں واپس کر دیں جنھوں نے اس آخری جنگ میں ایرانیوں کا ساتھ دیا۔ آپ کی دلیل یہ تھی کہ بے شک اس موقعہ پر اُنھوں نے ہم سے عہد شکنی کی لیکن اس عہد شکنی پر انھیں مجبور کیا گیا تھا۔ آپ نے سعدؓ کو حکم دیا کہ جو زمیندار یا کاشت کار اپنی زمین پر واپس آ جائے اس پر جزیہ عاید کر کے اس کی زمین اسے واپس کر دی جائے تاکہ وہ اطمینان اور آرام سے اپنے کام میں مصروف ہو جائے۔ لیکن جو واپس نہ آئے اس کی زمین بطورِ غنیمت لے لی جائے۔

اس حکم کا یہ اثر ہوا کہ اکثر زمیندار اور کاشتکار اپنی اپنی زمینوں پر واپس آ گئے اور مسلمانوں کے عدل و انصاف اور احترامِ حقوق و واجبات سے متمتع ہونے لگے۔

اکثر مورخین کا اندازہ ہے کہ جنگِ قادسیہ میں مسلمان شہدا کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ اس کے مقابلہ میں ایرانیوں کا نقصانِ جان مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھا۔ البتہ مسلمانوں کو جو مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا، اس کا کوئی شمار نہ تھا۔ اس غنیمت نے مسلمانوں کو ہکا بکا کر دیا۔ کیونکہ انھوں نے اس سے پہلے اتنا مالِ غنیمت کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ ہر سپاہی کو مالِ غنیمت میں سے ہزاروں درہم کے علاوہ قیمتی سامان اور اسلحہ بھی ملا۔

یہ معرکہ شعبان ۱۴ھ میں پیش آیا۔

(۶)

ایرانی شہنشاہی موت کے دروازہ پر

سعدؓ بن ابی وقاص نے فتح قادسیہ کے بعد دو مہینے تک آرام کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انھیں حکم دیا کہ

مدائن[1] پر چڑھائی کریں۔ چنانچہ وہ اپنی فوجوں کی تنظیم اور سامانِ جنگ کی فراہمی کے بعد قادسیہ سے نکلے اور مدائن ... سے پہلے انھیں "برس"[2] میں ایک ایرانی جمعیت سے مقابلہ پیش آیا جس کی قیادت مشہور ایرانی سردار ہرمزان کر رہا تھا۔ اسلامی لشکر نے ہرمزان کو شکست دی اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ حلہ کے شمال میں بابل کی طرف بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے وہاں بھی اس کا پیچھا کیا اور دوبارہ اس کو شکست دے کر اس کی قوت کو توڑ ڈالا۔

بقیۃ السیف ایرانی سپاہی تین حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک حصہ جنوب میں اہواز بھاگ گیا، دُوسرا حصہ کسریٰ کی فوجوں سے جا ملنے کو مدائن چلا گیا اور تیسرے نے مشرقی جانب نہاوند کا رُخ کیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے کچھ روز بابل میں قیام کیا۔ اس کے بعد ایران کے دار السلطنت مدائن کی طرف روانہ ہُوئے۔

مدائن دریائے دجلہ کے دونوں جانب آباد تھا۔ جو حصہ بائیں کنارے پر تھا اسے مشرقی مدائن اور جو دائیں کنارے پر تھا اسے مغربی مدائن کہا جاتا تھا۔ مغربی مدائن کو "بہرہ شیر"[3] بھی کہتے تھے۔ "بہرہ شیر" پر پہنچ کر عربوں نے شہر کے سامنے منجنیقیں لگا دیں اور شہر کا زبردست محاصرہ کر لیا۔ بادشاہ نے صلح کا ارادہ کیا اور سعدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں مغربی مدائن تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہُوں بشرطیکہ تم آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کرو اور مشرقی مدائن ایرانیوں کے پاس ہی رہنے دو۔ لیکن حضرت سعدؓ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور فوج کو شہر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ سارا شہر خالی پڑا ہے، اور کسی متنفس کا اس میں نشان تک نہیں ملتا۔ معلوم ہوا کہ شہر والے دریا عبور کر کے مشرقی مدائن پہنچ چکے ہیں اور پُل توڑ دیا ہے تاکہ مسلمان دریا عبور نہ کر سکیں۔

جب یزدجرد کو معلوم ہُوا کہ مغربی مدائن مسلمانوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو اس نے اپنے اہل و عیال اور خزانہ کو حلوان بھیج دیا اور خود بھی بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ سعدؓ نے حکم دیا کہ کشتیوں میں بیٹھ کر دریا پار کیا جائے لیکن کوئی کشتی نہ ملی کیونکہ ایرانی بھاگتے وقت انھیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک ایرانی سعدؓ کے پاس آیا اور انھیں مشورہ دیا کہ جس قدر جلد ہو سکے آپ دریا پار کر کے دُوسرے کنارے پہنچ جائیں۔ ساتھ ہی ایک جگہ بھی بتائی جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا تھا لیکن چونکہ دریا بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا اس لیے سعدؓ کو تامل ہُوا۔ وُہ ایرانی دوبارہ سعدؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"آخر آپ ہچکچا کیوں رہے ہیں؛ میں آپ کو صاف صاف بتلائے دیتا ہُوں کہ اگر آپ نے مشرقی مدائن پہنچنے میں ذرا سی دیر بھی کی تو یزدجرد ہر وہ چیز جو مدائن میں ہے، لے کر وہاں سے چلا جائے گا۔"

اس پر سعدؓ کو بھی گھبراہٹ پیدا ہُوئی اور اُنھوں نے لشکر کو جمع کر کے کہا:

"تمھارے دشمن نے دریا کے دامن میں پناہ لی ہے لیکن تمھیں کسی چیز سے بھی، خواہ وہ کتنی ہی خوفناک کیوں نہ ہو،

---

[1] مدائن ایران کا دار الحکومت تھا اور قادسیہ سے بجانب شمال ۱۲۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔

[2] برس قادسیہ اور حلہ کے درمیان ایک بستی ہے۔ [3] تاریخ طبری

...زمانہ چاہیے۔ میری رائے یہ ہے کہ دنیا کمانے سے قبل تم اپنے دشمن سے جہاد کر کے اس کا سارا زور توڑ دو۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس دریا کو عبور کر کے مدائن پر حملہ کیا جائے۔"

سارے لشکر نے بڑی خوشی سے اس بات کو قبول کر لیا۔ سعدؓ نے پوچھا: بتاؤ تم میں سے کون کون شخص اپنے آپ کو اس بات کے لیے پیش کرتا ہے کہ وہ اس دریا کو عبور کرے اور دوسرے کنارے پر جا کر قبضہ جما لے تاکہ باقی لوگ بھی بے خوف ہو کر دریا پار کر سکیں۔ اس غرض کے لیے عاصم بن عمرو اور چھ سو اور آدمیوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ حضرت سعدؓ نے عاصم کو اس فوج کا سردار بنایا اور عاصم نے فوج کو دس حصوں میں منقسم کیا۔ ہر حصہ میں ساٹھ سوار تھے۔ اس کے بعد گھوڑے دریا میں ڈالنے کا حکم دیا، جس کی تعمیل ہر سوار نے کی۔ ایرانیوں نے جو مسلمانوں کو اس طرح دریا پار کرتے دیکھا تو اپنی فوج سے چند سوار منتخب کیے۔ ان سواروں نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے اور مسلمان سواروں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس طرح وہ کنارے سے بہت دور نکل آئے۔

جب ان کی مٹھ بھیڑ پہلے دستے سے ہوئی تو عاصم نے چلا کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار نکال کر ان سے لڑو۔ چنانچہ مسلمان سواروں نے پانی ہی میں ایرانیوں پر حملے شروع کر دیے۔ ایرانی کنارے کی طرف پلٹے۔ ان کے پیچھے پیچھے عاصم بھی اپنے سواروں کو لے کر کنارے پر پہنچ گئے اور قبضہ کر لیا۔ جب سعدؓ نے یہ دیکھا کہ عاصم کی فوج دوسرے کنارے پہنچ چکی ہے تو بقیہ فوج کو بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ سب لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ گھوڑے بطخوں کی طرح تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پہنچ گئے اور ساری فوج سلامتی کے ساتھ دریا پار کر گئی۔

جب ایرانیوں نے دیکھا کہ سعدؓ کا لشکر بڑھتا چلا آ رہا ہے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اب شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ سعدؓ کا سارا لشکر کنارہ پر پہنچتا، مدائن کے سارے لوگ اور یزدجرد کی ساری فوجیں شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور حلوان جا کر پناہ لی، جو ایران کا ایک شہر تھا۔ یزدجرد اور اس کے ساتھی اپنے محلات چھوڑتے وقت ایوانِ کسریٰ کے سارے خزانے اور مال و متاع اپنے ساتھ نہ لے جا سکے۔ سب سے پہلے شہر میں عاصم بن عمرو کا دستہ داخل ہوا اور اس کے بعد قعقاع کا دستہ پہنچا۔ جب سعدؓ شہر میں داخل ہوئے تو انھوں نے حکم دیا کہ بھاگتے ہوئے ایرانی لشکر کا تعاقب کیا جائے۔ اس کے بعد آپ ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے۔ اب سعدؓ کی نظروں کے سامنے عظیم الشان محلات اور شاندار باغات تھے۔ لیکن ان کے مکینوں کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ انھیں یہ دیکھ کر بے حد عبرت ہوئی اور بے اختیار ان کی زبان سے قرآنِ کریم کی یہ آیت نکلی:

کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیھا فاکھین
کذلک واورثناھا قوما اخرین۔

"کافر بہت سے باغات، چشمے، کھیت، عمدہ مکانات اور آرام کا سامان چھوڑ گئے جس میں وہ باتیں بنایا کرتے تھے، یونہی ہونا تھا اور یہ سب سامان ہم نے دوسری قوموں کو عطا کر دیا۔"

آپ نے ایوانِ کسریٰ میں نمازِ شکرانہ ادا کی۔ دیواروں پر بے شمار تصاویر بنی ہوئی تھیں لیکن آپ نے انھیں یوں ہی رہنے دیا، چھیڑا تک نہیں۔ اسی ایوان میں بیٹھ کر شہنشاہ یزدجرد نے اسلامی سفارت کے سامنے عربوں کا نہایت تحقیر آمیز لہجے میں اور شاہانِ کسریٰ کا نہایت فخر و مباہات کے ساتھ تذکرہ کیا تھا۔ وہی ایوانِ کسریٰ اب بھی موجود تھا۔ لیکن یزدجرد اور اس کے مغرور درباریوں کا کہیں پتا نہ تھا اور وہی حقیر و ذلیل عرب اب فاتحین کی حیثیت سے اس میں کھڑے تھے۔

ایوانِ کسریٰ عجائباتِ عالم میں شمار ہونے کے قابل تھا۔ اس میں ایسے ایسے نوادر جمع تھے جن کی نظیر نہیں مل سکتی تھی۔ ایوان میں سب سے اہم حصہ شہنشاہ کا ایوان تھا اس کی بلندی ایک سو اکیس قدم، عرض بیاسی قدم اور طول ایک سو چونسٹھ قدم تھا۔ اس کی چھت پر ایک نیلا گنبد تھا جس میں جواہرات جڑے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اندھیری رات میں آسمان پر لاتعداد ستارے چمک رہے ہوں۔ ایوان کے فرش پر ایک قالین بچھا تھا جو ایرانی کاریگری کا ایک لاثانی نمونہ تھا۔ اس پر ایرانی جس قدر بھی فخر کرتے کم تھا۔ اس میں ہیرے جواہرات سے ایک باغ بنایا گیا تھا۔ اس کی زمین سونے کی، سبزہ زمرد کا، جدولیں پکھراج کی، درخت سونے چاندی کے، پتے حریر کے، پھل جواہرات کے، اور نہریں موتیوں کی بنی ہوئی تھیں۔ سعدؓ نے اس قالین کو خمس کے ساتھ مدینہ بھیج دیا جہاں حضرت علیؓ کے مشورے کے مطابق حضرت عمرؓ نے اسے کاٹ کاٹ کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

مدائن سے عربوں کو جو غنیمتیں حاصل ہوئیں ان کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ سونے چاندی کے پیالے، شاہانِ ایران کے مرصع تاج اور ان کے زرکشی کپڑے کسریٰ کے تخت کے آگے پڑے ہُوئے تھے اور اُن پرشکوہ اور پُرہیبت محلات میں نادرۂ روزگار چیزوں کے سامنے عرب فاتحین مبہوت کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں پھٹی ہُوئی تھیں اور وہ بڑی حیرت کے ساتھ کبھی ان بلند و بالا محلات کی طرف نظر اٹھاتے تھے اور کبھی ان عجیب و غریب اشیاء کی طرف۔

مسلمانوں نے مدائن سے جو غنیمتیں حاصل کی تھیں مورخینِ عرب نے ان میں سے کئی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ انہی چیزوں میں ایک اُونٹنی تھی جو خالص سونے کی بنی ہوئی تھی، ایک گھوڑا تھا جو چاندی کا بنا ہوا تھا۔ مُشک اور دُوسری خوشبوئیں تو اتنی بڑی مقدار میں تھیں جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ چنانچہ کافور کی کثرت کو دیکھ کر عرب یہ سمجھے کہ یہ نمک ہے۔ انھوں نے اسے اپنی ہانڈیوں میں ڈال لیا، جب چکھا تو ساری ہانڈیاں گرانی پڑیں۔ سعدؓ نے تمام مالِ غنیمت ایک جگہ اکٹھا کیا اور خمس نکال کر باقی مال تیس ہزار مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کی رُو سے ہر سوار کے حصہ میں بارہ ہزار درہم آئے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مدائن کی فتح کے موقع پر اکثر مسلمانوں کے پاس اپنے اپنے گھوڑے موجود تھے۔ بہت کم ایسے لوگ تھے جن کے پاس اپنے گھوڑے نہیں تھے۔

ایک اور قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ اگرچہ سارا مدائن عجیب عجیب چیزوں اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہُوا تھا، لیکن کسی مسلمان سپاہی نے ان بیش قیمت چیزوں کو ناجائز طور پر اپنے پاس نہ رکھا، بلکہ جو چیز انھیں ملی انھوں نے لے جا کر اپنے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کی خدمت میں پیش کر دی۔ سعدؓ تو روزانہ ایسے نظارے دیکھتے ہی رہتے تھے لیکن جب کسریٰ کی تلوار، جو ہیروں اور جواہرات سے مزین تھی اور دُوسری بیش قیمت چیزیں، جن کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی تھی،

حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی گئیں، تو جہاں حضرت عمرؓ ان کی خوبصورتی اور جمال پر عش عش کر اُٹھے وہاں آپ کے دل پر اسلامی فوج کی عدیم المثال دیانت کا بھی بیحد اثر ہوا اور آپ نے کھلے مجمع میں اس دیانت و امانت کا اظہار فرمایا۔ اس پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا :

"امیرالمؤمنین ! جب آپ ہر قسم کی بددیانتی سے بچتے ہیں تو رعایا کیوں نہ بچے ؟"

مدائن کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مدائن کے گھر فوج میں تقسیم کر دیئے اور اپنے اور لشکر کے اہل وعیال کو قادسیہ سے بلا کر ان میں ٹھہرایا۔ ایرانیوں کے ہزیمت خوردہ سپاہی مدائن سے جلولاؔ پہنچے اور اپنی قوتوں کو ایک قریبی پہاڑ کے دامن میں مجتمع کرنے لگے وہ جگہ لڑائی کے لیے نہایت ہی موزوں تھی۔ جلوان سے کسریٰ نے بھی انھیں سامان جنگ اور کمک بھیجنی شروع کی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اُنھوں نے ساری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں لکھا کہ وہ ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار فوج دے کر جلولاؔ روانہ کر دیں۔ مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک اور ساقہ پر عمرو بن مرہ کو مقرر کیا جائے۔ چنانچہ ہاشم لشکر لے کر روانہ ہو گئے جس میں مہاجرین، انصار اور دیگر عرب قبائل کے سرکردہ اشخاص شامل تھے۔ جلولاؔ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً شہر سے باہر نکل کر حملہ کرتے تھے، ان حملوں کا سلسلہ دو ماہ تک جاری رہا اور اس مدت میں اَسّی معرکے پیش آئے۔

سعدؓ برابر مسلمانوں کو کمک روانہ کرتے رہتے تھے۔ جب ایرانیوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی جمعیت روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے تو اُنھوں نے اپنے قلعوں سے نکلنے اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ ایرانی فوج باہر نکلی اور مسلمانوں کے سامنے صف آرا ہو گئی۔ قعقاع نے اپنے دستہ کو ایرانیوں پر زبردست حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی شروع ہو گئی۔ شروع میں ایرانیوں نے بڑی بہادری، جرأت اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا لیکن آخر تا بہ کے ؟ — ان کے قدم اُکھڑنے لگے اور اُنھوں نے بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کو "جبال" سے بھی پرے دھکیل دیا۔ مؤرخین کے قول کے مطابق اس لڑائی میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے۔

اس لڑائی میں بے شمار و بے حساب مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ہزاروں ایرانیوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُنھیں آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔

زیاد بن ابیہ مالِ غنیمت کا خمس اور فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ آئے تھے۔ آپ نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ سارا حال امیرالمؤمنین سے بیان کیا کہ کس طرح مسلمانوں کو اس جنگ میں تکالیف اٹھانی پڑیں اور کس طرح خدا تعالیٰ نے

لہ آج کل اس جگہ کو قزل رباط کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بغداد سے چھیانوے میل دُور بجانب مشرق واقع ہے۔ پُرانے زمانہ میں اور موجودہ زمانہ میں بھی اس شہر سے قافلے گزرا کرتے ہیں۔

... مانوں کو فتح عطا فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پُوچھا کہ تم نے جس فصاحت و بلاغت سے فتح کا حال میرے سامنے بیان کیا ہے کیا مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟

زیاد نے جواب دیا:

"امیر المومنین! دنیا میں سب سے زیادہ رُعب جس شخص کا میرے دل میں ہے وُہ آپ ہیں۔ اگر میں آپ کے سامنے یہ حال بیان کر سکتا ہُوں تو دُوسروں کے سامنے کیوں نہیں کر سکتا؟"

چنانچہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے مسجد میں منبر پر کھڑے ہُوئے اور فتح کا تمام حال اس فصاحت و بلاغت سے بیان کیا کہ معرکہ کی تصویر لوگوں کے سامنے کھینچ دی۔

حضرت عمرؓ بے اختیار بول اُٹھے: "خطیب اس کو کہتے ہیں۔"

زیاد نے کہا: "امیر المومنین! ہمارے بہادروں کے کارناموں نے ہماری زبانوں کو کھول دیا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ کاشتکاروں کو ان کے حال پر باقی رہنے دیا جائے، اپنی جگہ سے انھیں ہٹایا نہ جائے، سوائے ایسے لوگوں کے جو مسلمانوں سے لڑیں یا دشمن کی طرف بھاگ جائیں۔ اس حکم سے حضرت عمرؓ کی دُور اندیشی کا پتا چلتا ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ زمین پر ہمیشہ موروثی مزارعین کو آباد رکھا جائے تاکہ وہ اس کی نگہداشت کر سکیں اور مسلمان جو جنگوں میں مشغول رہتے ہیں اور جنھیں کاشت کرنے کے لیے کوئی موقعہ نہیں مل سکتا اس کی پیداوار سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اگرچہ ان پے در پے اسلامی فتوحات سے ایرانیوں پر زبردست خوف و ہراس طاری ہو چکا تھا اور وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اب چند دنوں میں تمام ایران پر عربوں کا قبضہ ہونے والا ہے، تاہم ان میں بہادری، جُرأت اور وطنیت کی رُوح بہت زیادہ تھی۔ اس لیے اُنھوں نے اپنے دارالحکومت اور اپنی سلطنت کے ایک بہت بڑے حصہ پر مسلمانوں کے قبضہ کو نظر انداز کرتے ہُوئے تکریت[1] میں ان کے مقابلہ کی تیاری شروع کی اور وہاں ہتھیار اور لشکر جمع کرنے شروع کیے۔ جب سعدؓ کو پتا چلا تو اُنھوں نے "عبداللہ بن المعتم" کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ایرانی قلعۂ تکریت میں محاصرہ نشین ہو گئے۔ قلعہ میں ایرانیوں کے علاوہ عرب کے عیسائی قبیلوں ایاد، تغلب اور نمر کی بھی ایک بھاری جمعیت موجود تھی۔ عبداللہ نے پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کے نصاریٰ موقعہ بموقعہ قلعے سے باہر نکلتے اور اسلامی لشکر پر حملہ کرتے لیکن ہر بار انھیں ہزیمت اٹھانی پڑتی۔ جب ایرانیوں نے یہ حال دیکھا تو اُنھوں نے قلعہ چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کیا۔ جب اسلامی لشکر کے سالار کو ان کے اس ارادہ کا پتا چلا تو اُنھوں نے عرب عیسائیوں سے خفیہ تعلق قائم کر کے انھیں اپنی طرف مائل کر لیا۔ وہ لوگ اسلام لے آئے اور انھوں نے اسلامی لشکر کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ طے یہ پایا کہ جب مسلمان قلعہ پر حملہ آور ہوں اور ایرانی بھاگنے کا ارادہ کریں

---

[1] عراق کا مشہور شہر ہے اور دجلہ کے دائیں کنارے پر بغداد سے ۱۰۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

تو یہ نوسلم پیچھے سے ان پر حملہ کر دیں اور انھیں بچ کر نکلنے میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ایرانی دو پاٹوں کے بیچ میں پس کر رہ گئے۔ مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے اور اس کی حفاظت کے لیے ایک مضبوط فوج متعین کر دی گئی۔

سعدؓ نے ماسیذان (جسے آجکل کرکوک کہتے ہیں) کے علاقہ کو فتح کرنے کے لیے ضرار بن خطاب کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ انھوں نے اس کو فتح کر لیا ایک اور دستہ جس کے سوار عمر بن مالک تھے۔ قرقیسا اور ہیت کی طرف روانہ ہو گیا اور یہ دونوں مقامات بھی بآسانی فتح ہو گئے۔

ان فتوحات کے بعد عراق میں ایرانی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ایرانی مغرب کی طرف چلے گئے اور فارس و عراق کے درمیانی پہاڑوں میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ اس طرح سارا عراق اسلامی جھنڈے تلے آ گیا۔

جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان جدید فتوحات کی خبر امیرالمومنین کو بھیجی تو انھوں نے حکم دیا کہ وہ ایک دستہ کو ایلہ[۱] فتح کرنے کے لیے بھیجیں تاکہ اس راستے سے ایرانیوں کو کوئی مدد نہ پہنچ سکے۔ جنوبی جانب سے مسلمان فوج کا خطار جعت محفوظ رہے اور اسے کسی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہے۔

سعدؓ نے عتبہ بن غزوان کو ایلہ فتح کرنے بھیجا جنھوں نے اسے فتح کر کے اس کے قریب ہی حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ شہر کی بنیاد رکھی اور اس میں فوجوں کو ٹھہرایا۔ اس طرح بصرہ اہواز[۲] اور خلیج فارس کے علاقہ کے لیے فوجی چھاؤنی بن گیا۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے ہی ۱۷ھ میں عراق میں ایک دوسرے شہر کوفہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس شہر کے بسانے کی وجہ یہ تھی کہ مدائن کی آب و ہوا اسلامی فوجوں کو سازگار نہ آئی وہ وہاں بیحد کمزور ہو گئے اور ان کی صورتیں بدل گئیں۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ کوئی جگہ تلاش کرو جسے بحری اور بری دونوں حیثیتیں حاصل ہوں اور وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا نہ پڑتا ہو۔ انھوں نے اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں آج کل کوفہ آباد ہے۔ یہاں سے فرات ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی منظوری دے دی اور یہاں کوفہ شہر آباد کر کے اسے فرات اور دجلہ کے علاقہ کی فوجی چھاؤنی بنا دیا گیا۔

کوفہ حیرہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اس دوران میں ایرانیوں کا مشہور سردار "ہرمزان" اہواز میں مقیم تھا اور وقتاً فوقتاً اسلامی علاقے پر حملہ کرتا رہتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح فوجی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرتا رہے۔ حضرت عمرؓ نے عتبہ ابن غزوان کو جو بصرہ میں اسلامی فوجوں کے سردار تھے حکم بھیجا کہ ہرمزان سے جنگ کی جائے، اُدھر سعدؓ کو لکھا کہ عتبہ کے پاس کمک بھیجو۔ عتبہ کا مقابلہ ہرمزان سے ہوا، ہرمزان نے شکست کھائی اور اہواز و مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کو دے کر صلح کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد سرحد کی تعیین کے سلسلے میں مسلمانوں اور

---

[۱] ایلہ خلیج فارس کے علاقہ میں ایک مضبوط سرحدی قلعہ اور بندرگاہ تھی۔

[۲] اہواز خوزستان کے صوبہ میں بصرہ کی حدود پر واقع تھا۔

ہرمزان میں اختلاف پیدا ہوا اس نے صلح توڑ دی اور کردوں کو اپنے ساتھ لے کر مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ عتبہ نے امیر المومنین سے دوبارہ ہرمزان سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی اور کچھ کمک بھی روانہ کی۔ چنانچہ عتبہ اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھے اور ہرمزان کو شکست دے کر اہواز کے اکثر علاقہ پر قابض ہو گئے لیکن ہرمزان پھر مسلمانوں کے مقابلہ پر آموجود ہوا۔

جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان اسباب کا پتا چلانا چاہا جن کی وجہ سے ہرمزان دوبارہ نقضِ عہد کا مرتکب ہوا۔ امیرالمومنین کا ذہن اس طرف گیا کہ جب تک ذمی لوگ ہرمزان کے ساتھ بغاوت میں شریک نہ ہوں اس وقت تک ہرمزان نقضِ عہد کی جرأت نہیں کر سکتا اور ذمیوں کی بغاوت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مسلمان فاتحین ان پر ظلم وستم کرتے ہوں گے۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لیے آپ نے کوفہ کے معززین کا ایک وفد طلب فرمایا۔ چنانچہ دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے یہی سوال کیا کہ کیا مسلمان ذمیوں پر ظلم وستم تو نہیں کرتے؟ انھوں نے کہا: "ہرگز نہیں، ہرمزان کی بغاوت بغیر کسی سبب کے ہے اور ذمیوں سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔"

جب حضرت عمرؓ کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو آپ نے عتبہ کو ایک خط لکھا:

"مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھو اور ذمیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری طرف سے کوئی زیادتی ہونے پر اہلِ ذمہ بغاوت اور سرکشی پر کمر باندھ لیں۔ تمھیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وفاءِ عہد کی وجہ سے دیا ہے لہٰذا وفاءِ عہد کا ہمیشہ خیال رکھو اور اہلِ ذمہ کے ساتھ حُسنِ سلوک میں خدا کے احکام پر چلو اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تعالیٰ تمھارا حامی و مددگار رہو گا۔"

واقعہ یہ ہے کہ ہرمزان کی بار بار عہد شکنی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمان ذمیوں پر ظلم کرتے تھے بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ کسریٰ کے بادشاہ یزدجرد کا کس بل ابھی پوری طرح نہیں نکلا تھا وہ مرو میں مقیم تھا۔ عربوں نے تمام مملکتِ ایران پر ابھی قبضہ کیا نہیں تھا۔ وہ برابر ان علاقوں کے لوگوں کو جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا خفیہ خطوط بھیج کر انھیں بغاوت اور عہد شکنی پر ابھارتا تھا اس نے فارس[1] کے سرداروں کو بھی عربوں کے خلاف لڑنے کے لیے آمادہ کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فارس اور خوزستان کے سرداروں نے باہم خط وکتابت کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یزدجرد نے بھی ان کی مدد کے لیے فوج بھیجی۔

حضرت عمرؓ کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفہ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ خط لکھے کہ وہ دو لشکر اہواز روانہ کر دیں۔ کوفہ سے نعمان بن مقرن روانہ ہوئے اور بصرہ سے سہیل بن عدی نعمان بن مقرن رامہرمز پہنچ کر ہرمزان کے مقابل ہوئے اور اس کو شکست دی۔ ہرمزان شکست کھا کر تستر بھاگ گیا۔ نعمان بن مقرن اپنی فوج کو لے کر تستر پہنچے وہاں بصرہ کی فوج بھی ان سے آملی۔ دونوں فوجوں نے مل کر شہر کا محاصرہ کر لیا جو ایک مہینہ تک جاری رہا۔ اس

---

[1] وہ علاقہ جو اصفہان، بحرِ فارس، کرمان اور عراق کے درمیان واقع ہے۔

عرصہ میں ہرمزان اور اسلامی فوجوں کے درمیان برابر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر مسلمان غالب آ گئے اور انھوں نے "تستر" پر قبضہ کر لیا۔ ہرمزان نے اس شرط پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنا منظور کیا کہ اسے امیرالمومنین کے پاس مدینہ پہنچا دیا جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اسے ایک فوجی دستہ کی حفاظت میں مدینہ روانہ کر دیا۔

جب ہرمزان کو حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا:

"تم بار بار معاہدے کر کے انھیں توڑتے کیوں رہے؟"

جواب دینے سے قبل اس نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ چنانچہ اسے پانی کا پیالہ دیا گیا۔ اس نے کہا:

"مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں مَیں پانی پینے کی حالت ہی میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"نہیں، جب تک تم پانی نہ پی لو گے قتل نہیں کیے جاؤ گے۔"

ہرمزان نے پانی کا پیالہ زمین پر رکھ دیا اور کہنے لگا:

"مجھے پانی پینے کی ضرورت نہیں ہے میں تو امان لینا چاہتا تھا۔"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"میں تو تجھے ضرور قتل کروں گا۔"

اس نے جواب دیا:

"آپ تو مجھے امان دے چکے۔"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"تم جھوٹ بکتے ہو۔"

لیکن حاضرینِ مجلس نے کہا:

"امیرالمومنین! آپ نے جو الفاظ اس سے فرمائے تھے ان سے اس کو امان مل گئی۔"

چنانچہ اسے امان دے دی گئی، وہ اسلام لے آیا اور حضرت عمرؓ نے اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

بار بار کے تجربوں سے حضرت عمرؓ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان عراق میں اور حدودِ فارس پر اس وقت تک چین کی نیند نہیں سو سکتے اور انھیں اس وقت تک اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہو سکتا جب تک شاہِ ایران ان کے قرب و جوار میں موجود ہے وہ اپنی قوم کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہے گا اور بغاوتیں پھوٹتی رہیں گی اس لیے آپ نے تہیہ کر لیا کہ یزدجرد کو سرزمینِ ایران سے بھی نکال دیا جائے۔ اسی اثنا میں آپ کو یہ خبر ملی کہ اہلِ نہاوند مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ وہ اپنا لشکر ساتھ لے کر سرزمینِ ایران پر چڑھائی کر دیں اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کُلّی طور پر ایران سے شہنشاہی کا خاتمہ نہ ہو جائے اور فتنہ بیخ و بن سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائے۔

(۷)

سلطنتِ ایران کا خاتمہ

جس زمانہ میں اسلامی فوجیں عراق میں پے در پے فتوحات حاصل کر رہی تھیں، اس زمانہ میں بحرین کے عامل علاؑ بن الحضرمی تھے انھیں ان فتوحات کا حال معلوم ہوا تو خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ان کے دل میں بھی پیدا ہوا اور انھوں نے خلیفہ کی اجازت کے بغیر بحرین سے ایک فوج سمندر کے راستے فارس پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دی۔ لیکن اصطخر پہنچنے پر اس کی فوج کو ایرانیوں کے زبردست لشکر کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ ایرانی فوج کی ایک زبردست جمعیت اسلامی فوج اور مسلمانوں کی کشتیوں کے درمیان حائل ہوگئی۔ خشکی کے راستے بھی سارے مسدود کر دیے اور مسلمان طاؤس کے مقام پر محصور ہو کر رہ گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے امیر بصرہ عتبہ بن غزوان کو حکم بھیجا کہ وہ علاؑ بن حضرمی کی مدد کے لیے لشکر بھیجیں۔ انھوں نے ایک زبردست جمعیت ابوسبرہ کی سرکردگی میں فارس بھیجی۔ اس فوج نے جا کر علاؑ بن حضرمی کی فوج کو ایرانیوں کے محاصرے سے نکالا اور دونوں فوجیں بحرین اور بصرہ واپس آگئیں۔ اس جُرم کی سزا میں حضرت عمرؓ نے علاؑ بن حضرمی کو بحرین کی امارت سے ہٹا دیا۔

حضرت عمرؓ کو عراق کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا تھا لیکن جزیرہ کا صوبہ جو فرات اور دجلہ کے درمیان واقع ہے ابھی تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس کے جنوب میں ربیعہ کے عربی قبائل آباد تھے اور مغرب میں مضر کے قبائل۔ اگر جزیرہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو یہاں سے ایرانی پھر ریشہ دوانی کر کے ان قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھار سکتے تھے۔ اس لیے حُسنِ سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ان عربی قبائل کو تو پورے طور پر جدید اسلامی مملکت میں شامل کر لیا جاتا اور جزیرہ کو مطیع بنا لیا جاتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ جزیرہ کو فتح کرنے کے لیے فوجیں بھیجی جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت سعدؓ نے عیاض بن غنم کو ایک فوج دے کر جزیرہ کی طرف بھیجا یہ وہی عیاض بن غنم ہیں جنھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شمالی عراق پر چڑھائی کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا اور ان کے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید کو جنوبی عراق کی فتح پر مامور کیا تھا۔

حضرت عیاضؓ بن غنم فوج لے کر جزیرہ کی جانب روانہ ہوتے اور رہا پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے اکثر باشندے عیسائی تھے، اُنھوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ رہا کو فتح کرنے کے بعد عیاضؓ حران کی طرف بڑھے اور اسے بھی فتح کر لیا پھر نصیبین پہنچے اور اس پر بآسانی قابض ہوگئے۔ اس کے بعد دیار بکر کا رُخ کیا اور اس علاقہ کو بھی فتح کر لیا۔ دراصل جزیرہ کے عربوں کو اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ ان کے پاس چونکہ طاقت نہیں ہے اس لیے وہ لڑائی میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی متابعت تو قبول کر لی لیکن جزیہ دینے سے معذوری ظاہر کی، اس لیے کہ یہ بات ان کی برداشت سے باہر اور حمیت کے برخلاف تھی کہ وہ اپنے ہم قوم عربوں کو جزیہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی عربی وحدت کو قائم رکھنے اور قبائل عرب کی عصبیت کو تقویت پہنچانے کے لیے یہ منظور فرما لیا کہ ان سے جزیہ کے نام سے کوئی رقم وصول نہ کی جائے۔ لیکن اس کی بجائے جزیہ سے دگنی رقم صدقہ کے نام سے وصول کی جائے گی۔

ان قبائل نے اس شرط کو قبول کر لیا اور حضرت عمرؓ نے انھیں اپنی زمینوں پر واپس آنے اور کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دے دی۔

۲۰ھ تک عربوں اور ایرانیوں میں مقابلہ جبال حمرین کے مغرب میں عراق عرب اور جنوب میں اہواز اور اصطخر کے علاقوں تک محدود رہا۔ حضرت عمرؓ نہ چاہتے تھے کہ اسلامی فوجیں اپنا قدم اور آگے بڑھائیں لیکن یزدجرد شاہِ ایران اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کا زبردست خواہشمند تھا اس لیے وہ قبائل کو عربوں کے خلاف بغاوت کرنے پر برابر اکساتا رہا اور ان کی مدد کے لیے فوجیں بھی بھیجتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ نے اس فتنہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کر لیا۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمان عراق اور اطراف فارس میں اس وقت تک اطمینان سے نہ بیٹھ سکیں گے جب تک یزدجرد اور اس کے لشکر کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔ اسی دوران میں آپ کو یہ خبر بھی ملی کہ نہاوند کے قریب ایرانی فوجوں کا ایک لشکرِ جرّار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہو رہا ہے۔ یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ نے عاملِ بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ آپ کے پاس جتنی فوج ہے اسے لے کر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہو جائیے۔ کوفہ کے عامل حذیفہ بن یمان کو بھی اسی مضمون کا خط لکھا۔ ان دونوں لشکروں کا امیر نعمان بن مقرن کو مقرر کیا اور انھیں لکھا:

> "مجھے خبر ملی ہے کہ ایرانیوں کا ایک کثیر لشکر تمہارے مقابلہ کے لیے نہاوند میں جمع ہوا ہے۔ جب تمھیں میرا یہ خط ملے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر بھروسا کرتے ہوئے اسلامی لشکر کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ دیکھو اپنے ساتھیوں کے ساتھ سختی نہ کرنا جس سے انھیں تکلیف پہنچے۔ کسی کا حق نہ مارنا اور انھیں ہمیشہ خطرناک مواقع سے بچانا، کیونکہ میرے نزدیک ایک مسلمان کی جان، ایک لاکھ دینار سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔"

جب حضرت نعمانؓ کو یہ خط ملا تو وہ تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے لشکر میں کئی بڑے بڑے صحابہؓ اور قبائلِ عرب کے سردار شامل تھے۔ لشکر نے نہاوند کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈال دیے۔ نہاوند جبالِ حمرین[1] کے دامن میں واقع ہے۔ ایرانیوں نے جنگ کی زبردست تیاریاں کی تھیں اور اپنے اردگرد خندقیں کھود لی تھیں۔ نعمانؓ نے اپنے جاسوس کو بھیجا کہ وہ تمام حالات کا پتا چلائیں۔ جاسوس خبر لے کر آئے کہ ایرانیوں نے قلعہ کے چاروں طرف کانٹے بچھا دیے ہیں اور اپنے خیال میں بڑے محفوظ ہو کر بیٹھے ہیں۔

نہاوند میں نعمانؓ کو برابر کمک پہنچ رہی تھی وہ لوگ جو قادسیہ کی جنگ میں حاضر نہیں تھے اور اس میں شرکت کے فخر سے محروم رہ گئے تھے انھوں نے اس داغ کو مٹانے کے لیے دھڑا دھڑ نہاوند پہنچنا شروع کیا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جس طرح جنگِ قادسیہ کے نتیجہ میں عرب عراق کے طول و عرض، فارس کی حدود اور اس کے اطراف و جوانب، حتیٰ کہ دارالحکومتِ ایران

---

[1] جبالِ حمرین موجودہ زمانہ میں عراق اور ایران کی حدِ فاصل ہے۔

...ن ہو گئے تھے اسی طرح جنگِ نہاوند کے نتیجہ میں ان کے لیے تمام ملک ایران کو فتح کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

نعمان نے اپنے لشکر کی تنظیم کی۔ میمنہ پر حذیفہ بن یمان، میسرہ پر سوید بن مقرن، مقدمہ پر نعیم بن مقرن، مجردہ پر قعقاع اور ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو مقرر کیا اور خود قلبِ لشکر کی قیادت سنبھالی۔

ایرانی قلعہ بند تھے کبھی کبھی شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور پھر قلعہ میں گھس جاتے۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مسلمان سرداروں نے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آخر یہ تجویز ہوئی کہ کل صبح مسلمانوں کا ایک دستہ ایرانیوں سے لڑنے کے لیے جائے اور جب لڑائی شروع ہو تو اس طرح آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا رہے جس سے ظاہر ہو کہ اس میں ایرانیوں سے لڑنے کی تاب نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر ایرانی ان پر دباؤ ڈالتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آئیں گے۔ جب وہ اصل اسلامی لشکر کے قریب آجائیں تو چند دستے ان کی پشت پر جاکر ان کا راستہ کاٹ دیں اور پھر ان پر دونوں جانب سے حملہ کر دیا جائے۔ اس طرح ایرانی دونوں طرف سے گھر جائیں گے اور ان کے لیے بھاگنے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔

اس تجویز کے مطابق نعمانؓ نے قعقاعؓ کو ایرانیوں سے لڑنے کے لیے بھیجا اُنھوں نے اسی حکمتِ عملی سے کام لیا اور اپنے دستہ کے ساتھ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے رہے۔ ایرانیوں نے خیال کیا کہ مسلمان ہمارے حملہ کی تاب نہ لاکر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ وہ اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے اپنے قلعہ کی حدود سے باہر نکل آئے۔ قلعہ میں سوائے پہرہ داروں کے اور کوئی باقی نہ رہا۔

قعقاع پیچھے ہٹتے ہوئے اس جگہ تک آ گئے جہاں نعمان کی قیادت میں باقی اسلامی لشکر چھپا ہوا تھا۔ نعمان نے حکم دے دیا تھا کہ جب تک وہ حکم نہ دیں کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ اسلامی لشکر نے اپنے سردار کے حکم کی پُوری پوری تعمیل کی ایرانی برابر تیر برسا رہے تھے اور ان کی تیر باری سے سیکڑوں مسلمان شہید ہو گئے تھے، لیکن جب تک نعمان نے حکم نہ دیا کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد نعمان نے دستور کے مطابق تین نعرے لگائے۔ تیسرے نعرے پر فوج نے ایرانیوں پر زبردست حملہ کر دیا۔ ایرانی فوج دونوں طرف سے مسلمانوں کے نرغہ میں آ گئی تھی لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ دونوں فوجوں میں شدید مقابلہ ہوا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ایسی ہولناک لڑائی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی زوال سے لے کر جھٹپٹے تک اتنے ایرانی قتل ہوئے کہ ان کی لاشوں سے میدان پَٹ گیا اور اس قدر خون بہا کہ سپاہی تو علٰحدہ رہے گھوڑوں تک کے پیر پھسلنے لگے۔ چنانچہ امیرِ لشکر نعمان کا گھوڑا پھسلا اور وہ بھی اس کے ساتھ زمین پر گرے۔ زخموں سے پہلے ہی چُور تھے، جانبر نہ ہو سکے ان کے بھائی سواد نے جب یہ دیکھا تو خود ان کا لباس پہنا۔ جھنڈا حذیفہ بن یمان نے پکڑ لیا۔ اس طرح لوگوں کو نعمان کی شہادت کا پتا نہ چلا اور مسلمان یہ سمجھتے ہوئے کہ ہمارا سردار ہمیں لڑا رہا ہے، بے جگری سے لڑتے رہے رات ہوئی تو جنگ میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری تھا۔ ایرانیوں نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کا بھاگنا بالآخر ان کی طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ قعقاع نے ایرانیوں کا ہمدان تک تعاقب کیا۔

اس فتح نے نہاوند کے آس پاس کی آبادیوں کو سخت خوفزدہ کر دیا۔ اُنھوں نے حذیفہ بن الیمان کی خدمت میں آ کر

امان اور صلح کی درخواست کی۔ مسلمانوں کو نہاوند میں کثیر مال و متاع اور سونے چاندی کے مرصع زیورات ملے۔ یہ مالِ غنیمت امیر المومنین کی خدمت میں خمس ارسال کرنے کے بعد فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ امیر المومنین کو جب نعمان بن مقرن کی شہادت کی خبر ملی تو آپ بے اختیار رو پڑے اور خاصی دیر تک روتے رہے۔ آپ نے اسلامی لشکر کو ہدایات بھیجیں کہ وہ فتح نہاوند پر ہی بس نہ کریں بلکہ سرزمین ایران میں پھیل کر اسے پُوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیں تاکہ فتنہ و فساد کی جڑ پُورے طور پر کٹ جائے اور ہر وہ قوت جو اسلام اور عرب کے مقابلہ پر ہے پُوری طرح نیست و نابُود ہو جائے۔[1]

مورخینِ عرب میں سے مسٹر بجمن اس معرکہ کا حال بایں طور بیان کرتے ہیں:

"معرکۂ جلولا کے بعد یزدجرد شاہِ ایران شمالی ایران کے ایک شہر رَے[2] میں آ کر مقیم ہو گیا اور راسے ایرانی شہنشاہی کا دار الحکومت اور اپنے لشکر کی چھاؤنی بنا لیا۔ اس کے بعد اپنے سرداروں کو، جو پہلے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر بار ہزیمت اٹھا چکے تھے، حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے حملوں کی مدافعت کے لیے اپنی ہر تدبیر بروئے کار لائیں اور حلوان کو آخری دم تک اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ لیکن اس کے سرداروں نے اپنے بادشاہ کے احکام پر مطلق دھیان نہ دیا جس کا خمیازہ انھیں جلدی ہی بھگتنا پڑا اور حلوان جیسا مضبوط شہر مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

اس کے باوجود یزدجرد نے ہمت نہ ہاری اور ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکنے اور ان کے لشکروں کو عرب تک دھکیلنے کی کوشش میں مصروف رہا۔ اس کی ہمت و جرأت نے جنوب میں ہرمزان کو بھی حوصلہ دلایا اور وہ کئی ماہ تک عربوں کے مقابلہ میں ڈٹا رہا۔ کئی مورخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہرمزان اور عربوں کے درمیان جو معرکے ہُوئے ان کی تعداد اسّی تک پہنچتی ہے اور ان معرکوں کے بعد ہی عربوں کے لیے اہواز پر چڑھائی کرنا اور اس پر فتح پانا ممکن ہوا۔

ہرمزان کی شکست کے بعد کسریٰ فارس نے ان عربی لشکروں کے مقابلہ کے لیے جو اب خاص سرزمینِ ایران پر حملہ کرنا چاہتی تھیں، بڑی زبردست قوت جمع کرنی شروع کی۔ اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار نفوس سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لشکر نے نہاوند پہنچ کر خندقیں کھود لیں اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جم کر بیٹھ گیا۔

یزدجرد نے ایرانی فوجوں کا سپہ سالار فیروزان کو مقرر کیا جو قادسیہ کی جنگ میں بھی ایرانی لشکر کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ نہاوند کی طرف سے آنے والے اسلامی لشکر کی قیادت نعمانؓ بن مقرن کے سپرد تھی

---

[1] تاریخ معرکۂ نہاوند

[2] رَے کا شہر موجودہ شہر طہران کے بالکل قریب واقع ہے۔

...اس کی تعداد تیس ہزار تھی۔ نعمانؓ نے نہاوند پہنچ کر اس بات کی کوشش کی کہ فیروزان ان کے لشکر کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلے۔ لیکن فیروزان نے عافیت اور بھلائی اسی میں دیکھی کہ اس کا لشکر اپنے قلعوں میں، خندقوں کے پرے ہی جما بیٹھا رہے اور عرب اس وقت تک چٹیل میدان میں پڑے رہیں، جب تک ان کا زادِ راہ ختم نہ ہوجائے، اور وہ تھک کر چور نہ ہوجائیں۔

لیکن نعمان بھی فنونِ جنگ کی مہارت میں کسی سے کم نہ تھے۔ ان کے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور انھوں نے لشکر میں یہ بات پھیلا دی کہ انھیں خلیفہ کی وفات کی خبر ملی ہے جس سے وہ بے حد مضطرب ہیں اور اب مجبوراً لشکر کو واپس جانا پڑے گا۔

چنانچہ وہ اپنی فوج کو لے کر عراق کی جانب چل پڑے۔ فیروزان بھی اسلامی لشکر کے پیچھے نکل کھڑا ہوا لیکن اس کی فوج نہایت بے ترتیبی اور پراگندگی کی حالت میں تھی۔ نعمان کو ان تمام حالات کا پتا چل گیا۔ تین دن کے بعد اسلامی لشکر ایک وسیع میدان میں پہنچا وہ پُوری طرح منظم اور لڑائی کے لیے ہمہ تن تیار تھا نعمان نے ایرانی لشکر کا انتظار کیا اور جب وُہ بھی اس جگہ پہنچ گیا تو اسلامی لشکر نے پلٹ کر اس پر بڑی شدّت سے حملہ کر دیا جس سے ایرانی لشکر بدحواس ہوگیا۔ فیروزان مارا گیا اور ایرانیوں پر اس قدر رُعب طاری ہُوا کہ وہ بُری طرح واپس بھاگے لیکن اکثر قتل ہُوئے۔ عربوں میں اپنے قائد (نعمان) کی وفات سے اور بھی زیادہ جوش پیدا ہوگیا تھا۔ انھوں نے ہزیمت خوردہ لشکر کا پیچھا کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ہمدان پہنچ گئے۔ ہمدان والوں نے بغیر لڑے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے، اور ہمدان خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔"

تاریخ التواریخ (HISTORIAN'S HISTORY OF THE WORLD) مطبوعہ انگلستان میں فتوحاتِ عربیہ کے باب کا مورخ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ یزدجرد نے نہاوند میں لشکر جمع کیا اور فیروزان کو اس کی قیادت سپرد کی۔ اس کا کہنا ہے کہ عراق میں اسلامی فتوحات اور مدائن کے اسلامی قبضہ میں آجانے کے بعد یزدجرد پہاڑوں میں بھاگ گیا تھا لیکن اس کے لشکر کے سردار اور دوسرے وطن پرست ایرانی بطورِ خود نہاوند میں جمع ہُوئے اور اپنی تہذیب و تمدّن، مذہب اور وطن کو بچانے کی خاطر مسلمانوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ معرکۂ نہاوند نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی۔ اس لڑائی کے بعد عربی لشکر کو ایران میں اور کوئی بڑا معرکہ پیش نہیں آیا۔ اردگرد کے علاقے نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہوتے گئے اور سارے ایران پر قبضہ کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ احنف بن قیس تمیمی خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ مجاشع بن مسعود السلمی نے اردشیر اور سابور کا رُخ کیا۔ عثمان بن ابی العاص الثقفی اصطخر پہنچے ساریہ بن زنیم الکنانی فسا اور دارابجرد کو فتح کرنے میں مشغول ہُوئے۔ سہیل بن عدی کرمان آئے۔ عاصم بن عمرو سجستان اور حکم بن عمیر التغلبی مکران پر قابض ہوگئے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے بعض لوگوں کی امداد کے لیے کوفہ سے لشکر بھی بھیجے۔ چنانچہ سہیل بن عدی کو عبداللہ بن عتبان کو، احنف بن قیس کی امداد کے لیے عبداللہ بن عمیر الاشجعی کو اور حکم بن عمیر کی امداد کے لیے شہاب المخارق کو روانہ کیا۔

لشکروں کی روانگی کے بارے میں اُوپر جو کچھ بیان کیا جاچکا ہے اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ صرف یہی لشکر، جن کا ذکر کیا جاچکا ہے، ایران کی فتح کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ ان لشکروں کے علاوہ بھی اور کئی فوجیں، جو تعداد اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے متذکرۃ الصدر لشکروں سے بڑھ چڑھ کر تھیں، حضرت عمرؓ کے حکم سے ایران پہنچی تھیں۔ بصرہ کا لشکر اہواز اور اصطخر سے عبداللہ بن عتبان کی سرکردگی میں جنوبی سمت سے فوجی سرگرمیاں شروع کرنے کے ارادے سے جنوبی ایران کو فتح کرنے روانہ ہوا۔ سب سے پہلے یہ اصفہان پہنچا اور اسے سر کر لیا اس کے باشندوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ وسط ایران سے نعیم بن مقرن کوفہ کے لشکر کو لیے آگے بڑھے اور خراسان پہنچے قزوین فتح کیا۔ شمالی علاقہ کو فتح کرنے کے لیے جو لشکر روانہ ہُوا اس کے سردار عتبہ بن فرقد موصل سے چلے اور اربیل، روانڈوز کا راستہ اختیار کیا۔ بکیر بن عبداللہ حلوان سے چلے۔ ان دونوں کو آذربائیجان[1] فتح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہ دونوں لشکر اپنے اپنے مقررکردہ راستوں سے گزر کر آپس میں مل گئے۔ ان کا زبردست مقابلہ کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ آکر شریک ہوگئے اور آذربائیجان فتح کر لیا۔

معرکۂ نہاوند کے بعد یزدجرد شاہِ ایران خراسان کے مشہور شہر مروالشاہجان بھاگ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے احنف بن قیس کو خراسان جانے اور اسے فتح کرنے کا حکم دیا۔ جب احنف وہاں پہنچے تو یزدجرد بھاگ کر "مروالروذ" چلا گیا۔ وہاں جاکر اس نے ترکستان کے بادشاہ سے، جو ماوراء النہر میں مقیم تھا، اپنی مدد کے لیے ایک لشکر بھیجنے کی درخواست کی۔ چنانچہ ترکستان کے بادشاہ نے اس کی مدد کے لیے ایک لشکر روانہ کر دیا۔ یزدجرد نے چین کے بادشاہ کو بھی اسی قسم کا ایک خط لکھا۔ جب احنف کو معلوم ہُوا کہ یزدجرد "مروالروذ" میں موجود ہے تو وہ اپنا لشکر لے کر اس طرف چلے۔ یزدجرد وہاں سے بلخ بھاگ گیا۔ لیکن احنف بھی تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ اب یزدجرد کے لیے مقابلہ کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے کچھ ایرانی لشکر جمع کیا اور احنف کے مقابلہ کے لیے میدانِ جنگ میں آگیا۔ لڑائی ہوئی جس میں یزدجرد کی فوجوں نے شکست کھائی۔ کسریٰ دریائے جیحون کی طرف بھاگا اور اپنی بقیۃ السیف فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا۔ یزدجرد نے ابھی دریا عبور کیا ہی تھا کہ ترکستان اور چین سے فوجیں اس کی مدد کے لیے پہنچ گئیں۔ ان فوجوں کو لے کر یزدجرد نے دوبارہ دریا عبور کیا اور احنف کی فوجوں کے سامنے پہنچ کر ڈیرے ڈال دیے۔ دوبارہ لڑائی شروع ہُوئی کئی معرکوں کے بعد تاتاری فوجیں شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہُوئیں اور یزدجرد کو بھی دوبارہ بھاگنا پڑا۔

---

[1] آذربائیجان کا صوبہ بحر خزر (کیسپین) کے مغرب میں ہے۔

اس کے بعد یزدجرد کی ہمت بالکل پست ہوگئی، آئندہ اسے کبھی نیا لشکر مرتب کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ وہ اپنے دور دیارِ غیر میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اس نے کئی بار ایرانیوں کو عربوں کے خلاف اُبھارنے اور بغاوت کرنے کی ترغیب دی لیکن ناکام رہا۔ اگر کہیں بغاوت نے سر نکالا بھی تو اسلامی فوجوں نے اسے فوراً کچل ڈالا۔ یزدجرد دس برس تک اسی جلاوطنی کی حالت میں مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر حضرت عثمانؓ کے عہد میں مار ڈالا گیا۔

(۸)

فتوحات پر ایک نظر

سیرتِ صدیق میں ان اسباب کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو عراق پر فوج کشی کی ضرورت پیش آئی۔ اس طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ سب سے پہلے مثنیٰ بن حارثہ نے مبذول کرائی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے خالدؓ کو جنوبی عراق اور عیاض بن غنم کو شمالی عراق کی طرف بھیج دیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے عراق میں بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور کوئی بھی ایرانی لشکر ان کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ حضرت خالدؓ ابھی عراق ہی میں مصروفِ پیکار تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انھیں شام بھیج دیا اور مثنیٰ بن حارثہ ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لیے اکیلے رہ گئے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو عراق میں اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اسلامی فوجیں ایران کے طول و عرض میں چھا گئیں اور ایران کی شہنشاہی کا بڑے عبرتناک طور پر خاتمہ ہوگیا۔

حضرت عمرؓ کو وحدتِ عربیہ اور قبائلِ عرب کے اتحاد کا بڑا خیال تھا۔ آپ کے نزدیک عربی النسل مسلمانوں اور عیسائیوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ آپ قبائلِ عرب میں خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں، باہمی اتحاد بیحد ضروری سمجھتے تھے کیونکہ اسی طرح ان بیرونی قوتوں کو روکا جا سکتا تھا جو عربوں کو ہر دم استعمار اور غلامی کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔

اگرچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے تمام ایران پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود ہم اس عظیم الشان کام کو کسی صورت میں بھی نظرانداز نہیں کر سکتے جو اس سلسلہ میں حضرت خالدؓ بن ولید نے سرانجام دیا تھا۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو یہ خالدؓ بن ولید کی اوّلین فتوحات ہی کا اثر تھا جس نے ان ایرانیوں کے دل میں عربوں کا رعب پیدا کر دیا تھا جو اس سے پہلے انھیں انتہائی ذلیل قوم سمجھتے تھے اور جن کے واہمہ میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ عربوں جیسی بھوکی ننگی قوم اُن کا مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کر سکتی ہے۔ کجا یہ کہ وہ ان کی ساری سلطنت کو ہی ملیامیٹ کر دیتے۔ خود عرب بھی یہی خیال کرتے تھے کہ کسریٰ اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنا نہ صرف یہ کہ ناممکن ہے بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی کے غار میں گرانا ہے۔ لیکن جب خالدؓ بن ولید کی بے مثل بہادری، جرأت اور قیادت نے ان کے دلوں سے ایرانیوں کا رعب مٹا دیا تو وہ بڑھ چڑھ کر عراقی جنگوں میں حصہ لینے لگے۔

مقابلوں میں عربوں نے جس دلیری اور بہادری سے کام لیا اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ان کے دلوں میں یہ بات راسخ تھی کہ اگر وُہ خدا تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے کام آگئے تو شہیدوں کی موت مریں گے اور آخرت میں ان کو جنت ملے گی۔ جنت، اور اسلام کی راہ میں شہادت، یہی وہ عوامل تھے جنھوں نے عربوں میں بہادری اور شجاعت کے جذبات پیدا کر دیے تھے خواہ کتنا ہی شدید مقابلہ کیوں نہ درپیش ہو وُہ میدانِ جنگ میں ڈٹے رہتے تھے۔ جب حملہ کرنے کا وقت آتا تھا تو اس شدت کے ساتھ حملہ کرتے تھے کہ ساری زمین دہل جاتی تھی۔ بہادری کے جو کارہائے نمایاں انھوں نے دکھائے تاریخ عالم میں ان کی نظیر ملنی دشوار ہی نہیں، ناممکن ہے۔

اس جگہ غنیمتوں کی تقسیم کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضوری ہے۔ جنگی قانون کی رُو سے غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے تھے ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں بیت المال یعنی سلطنت کے خزانہ میں بھیج دیا جاتا تھا جہاں اسے مصالحِ عامہ پر خرچ کیا جاتا تھا۔ باقی چار حصے لڑنے والے فوجیوں میں تقسیم کر دئے جاتے تھے۔ ایران کی جنگوں میں مسلمانوں نے بے حساب مالِ غنیمت حاصل کیا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعض بعض دفعہ مالِ غنیمت میں سے ایک ایک سپاہی کو بادہ بارہ ہزار درہم ملے۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی جو عربوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ وہ کبھی اس قدر کثیر مال و دولت پر قابض ہو سکتے ہیں۔

آج کل کے جنگی نظام کی رُو سے سپاہیوں کے سارے اخراجات حکومت پُورے کرتی ہے، سپاہیوں کے کھانے پینے، لباس وغیرہ کا سارا خرچ حکومت کا خزانہ ادا کرتا ہے۔ لیکن صدرِ اسلام میں سوائے اسلحہ کے، کہ جس شخص کے پاس اسلحہ نہ ہوتے تھے اسے مہیا کر دیے جاتے تھے، باقی تمام اخراجات کا ذمہ دار سپاہی خود ہی ہوتا تھا۔ اگرچہ بے اسلحہ لوگوں کو اسلحہ مہیا کر دیے جاتے تھے تاہم اکثر سپاہیوں کے پاس ان کے اپنے اسلحہ موجود ہوتے تھے۔ ہر سپاہی پر واجب تھا کہ وُہ اپنے گھوڑے کی نگہداشت رکھے۔ اور اس کے لیے خوراک اور زین وغیرہ مہیا کرے۔ سپاہی یہ اخراجات مالِ غنیمت میں سے پُورے کرتے تھے۔ شارع نے بھی یہ قاعدہ بنا دیا تھا کہ غنیمت میں سوار کا حصہ پیدل سے زیادہ ہوگا۔

سیرتِ صدیقؓ میں ہم نے بعض ان اسباب کا ذکر کیا تھا جنھوں نے عربوں کی فتوحات میں مدد دی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ ان فتوحات کا سب سے اہم سبب بہادری کا وہ بے پناہ جذبہ تھا جو ہر عرب سپاہی کے دل میں موجزن تھا۔ یہ درست ہے کہ ایرانی سپاہی تنخواہ دار ہوتے تھے اور یہی ان کی کمزوری کا بڑا سبب تھا۔ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں کہ وُہ سپاہی اس عقیدہ کے راستہ میں جوش و خروش اور خلوص سے لڑ سکے جس پر اسے ایمان نہ ہو، جس کو وہ سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ دیتا ہو۔ وہ لوگ مال و دولت کے لالچ میں لڑتے تھے اور لڑائی میں اسی وقت جم سکتے تھے جب دشمن طاقت و قوت میں ان سے کم تر ہو۔ لیکن اگر مقابلہ سخت ہوتا تو یہ تنخواہ دار سپاہی میدانِ جنگ میں ڈٹے رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگنے کو ترجیح دیتے تھے۔

اس کے علاوہ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں ہے کہ جس زمانہ میں اسلامی
ایرانی علاقہ پر حملہ کیا اس زمانہ میں ایران خود اپنے داخلی تنازعات میں بُری طرح اُلجھا ہُوا تھا۔ اس کے علاوہ ایرانیوں اور رومیوں میں جو شدید جنگیں ہو چکی تھیں انھیں بھی دونوں طاقتوں کو کمزور کرنے میں بہت بڑا دخل تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ بات کسی طرح خیال میں آنے والی نہیں کہ عرب اتنی طاقت کے مالک تھے کہ وُہ ایرانیوں پر غالب آسکتے تھے۔

ایرانی لاکھ کمزور سہی، طاقت و قوت میں ان کا اور عربوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ عرب اپنی تمام کوشش کے باوجود دس ہزار سے زیادہ سپاہی میدان میں نہیں لا سکتے تھے لیکن ایرانی بڑی آسانی سے پچاس پچاس ہزار سپاہی عربوں کے سامنے لاکر کھڑے کر دیتے تھے لیکن طاقت و قوت کے نشہ میں اس قدر سرشار ہونے کے باوجود وہ کمزور اور غریب عربوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور چند سال میں ان کی سلطنت صفحۂ ہستی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نابُود ہو گئی۔

مسلمانوں کو ایران فتح کرنے میں سات سال کا عرصہ لگا۔ اس عرصہ میں وُہ دریائے فرات سے لے کر دریائے جیحون تک، جو آج کل کی طرح قدیم زمانے میں بھی ایران اور افغانستان کی حدِ فاصل تھا، ایرانیوں سے برسرِپیکار رہے اور ایران کا چپہ چپہ فتح کر لیا۔ دریائے جیحون پر آکر وہ رُک گئے کیونکہ حضرت عمرؓ نے انھیں آگے بڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ عہدِ اُموی میں آکر مسلمان دریائے جیحون کو عبور کر کے افغانستان کے علاقے میں داخل ہُوئے اور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑا۔

عرب ایرانیوں اور رومیوں سے ایک ہی وقت میں برسرِپیکار تھے۔ کئی کئی محاذوں پر بیک وقت لڑائی جاری ہوئی تھی۔ مملکتِ ایران کو فتح کرنے میں جو دیر لگی اس کی یہی وجہ تھی۔ اگر عربوں کو صرف ایرانیوں سے ہی لڑائی درپیش ہوتی تو کبھی لڑائی اتنا طُول نہ کھینچتی اور ایرانی اتنے سال تک کبھی عربوں کے لیے دردِ سر نہ بنے رہتے۔

ان جنگوں میں عربی سپہ سالاروں نے جس جرأت اور جس جنگی مہارت کا ثبوت دیا وُہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان سپہ سالاروں میں سب سے ممتاز حضرت خالدؓ بن ولید ہیں۔ یہ آپ کے بے نظیر حُسنِ تدبر ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ جس لشکر میں شامل ہوتے اسے کبھی شکست کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وُہ ہر میدان میں کامیاب رہا۔ خالدؓ بن ولید کے بعد جس دُوسرے سپہ سالار کا نمبر آتا ہے وہ مثنیٰ بن حارثہ ہیں۔ وُہ بھی جرأت، بہادری اور حُسنِ تدبیر میں اپنا جواب آپ ہی تھے۔ اُنھوں نے اپنی وفات کے وقت سعدؓ بن ابی وقاص کو جو مشورے دیے تھے بعد میں وہی مشورے حضرت عمرؓ نے بھی انھیں دئے۔

سعدؓ بن ابی وقاص بھی ایک عظیم سپہ سالار تھے۔ انھوں نے جنگِ قادسیہ کے موقع پر جس طرح لشکر کی تنظیم کی تھی اس نے مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا تھا اور اسی جنگ میں فتح یاب ہونے کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے بے حد بلند ہو گئے اور انھوں نے چند ہی برس میں سارے ایران پر قبضہ کر لیا۔ البتہ یہ بات ضرور تھی کہ وُہ ہر کام میں خلیفہ کی ہدایات کے محتاج تھے۔ جب تک خلیفہ کی طرف سے ان کو احکام موصول نہ ہو جاتے تھے وُہ اپنی مرضی سے کچھ نہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھے اپنے سپہ سالاروں کو آگے بڑھنے، پیچھے ہٹنے، کسی جگہ ٹھہرنے اور دشمن پر حملہ کرنے کے احکام بھیجا کرتے تھے اور فوج ان احکام کے مطابق عمل کر کے ہمیشہ فتح یاب اور مظفر و منصور ہوا کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران کی فتح کا فخر اگر

کسی کے عہد میں آسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت عمرؓ ہی ہیں ۔

(۹)

شام اور فلسطین پر عربوں کی یلغار

سیرتِ صدیقؓ میں ہم نے معرکۂ یرموک کا تفصیل سے ذکر کر دیا تھا۔ اگر بعض عرب مؤرخین کے قول کے بموجب یہ مان بھی لیا جائے کہ یرموک کی جنگ ۱۳ھ میں پیش آئی تھی تب بھی بوجہ اس کے کہ یہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی تھی اس میں مسلمانوں کی کامیابی کا فخر حضرت عمر فاروقؓ کے حصہ میں آتا ہے۔ کیونکہ جن مورخین نے ۱۳ھ میں جنگِ یرموک کا ہونا بیان کیا ہے، اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ لڑائی ابھی جاری ہی تھی کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کی خبر دی گئی تھی۔ یہ لڑائی ایک روز سے زیادہ جاری نہیں رہی[1]۔

---

[1] LAURENCE OLIPHANT اپنی کتاب THE LAND OF GILEAD میں اپنی سیاحتِ فلسطین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اثنائے سیاحت میں اسے شوق پیدا ہوا کہ وُہ یرموک کو بھی جاکر دیکھے جہاں رومیوں اور عربوں کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ ہو چکی تھی۔ چنانچہ وُہ وہاں گیا اور اس دریا کے کنارے بیٹھا جو سرزمینِ یرموک کے برابر سے گزرتا ہے اس کے قریب ہی ایک قدیم شہر کے آثار ہیں جس کا نام یرموث ہے۔

"واقوصہ" اس جگہ کا نام ہے جس میں معرکۂ یرموک پیش آیا۔ اس کو تین اطراف سے دریا محیط ہے اور چوتھی جانب ایک تنگ گھاٹی ہے۔ جنگ کے وقت رومی اسی زمین پر تھے جو دریا سے گھری ہوئی تھی، عربوں نے اس تنگ گھاٹی پر قبضہ کر لیا۔ اب رومی لشکر کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ جب تک عرب فوج کو شکست نہ دے لے اس تنگ گھاٹی سے نکل سکے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو رومیوں نے شکست کھائی اور عرب ان کو دریا کی طرف دھکیلتے چلے گئے جس سے ہزاروں آدمی غرقاب ہو گئے۔[ع]

[عہ جیلمان، تاریخ العرب (انگریزی) ص ۳۱]

معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یرموک شام کی ایک وادی ہے جو غور تک بڑھتی چلی آئی ہے۔ اس کا پانی اردن میں گرتا ہے اور پھر بہہ کر بحیرۂ منتقن (لوط) میں چلا جاتا ہے۔

سیّد امیر علی اپنی کتاب "تاریخِ اسلام" میں یرموک کے متعلق لکھتے ہیں: "یرموک ایک گمنام سا دریا ہے جو دران کی بلندیوں سے نکل کر جھیل طبریہ کے جنوب میں چند میل ورے دریائے اردن سے مل جاتا ہے۔ جائے اتصال سے تیس میل اوپر بجانبِ شمال یہ دریا نیم دائرہ کی شکل میں ایک میدان کے گرد گھومتا ہے جس میں ایک بڑی فوج قیام کر سکتی ہے۔ یرموک کے کنارے ناہموار اور ڈھلوان ہیں چکر کے سرے پر ایک گھاٹی ہے جو میدان کے دروازے کا کام دیتی ہے۔ اس جگہ کو "واقوصہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اسے اسلامی تاریخ میں زبردست اہمیت حاصل ہے۔

معرکۂ یرموک کس طرح پیش آیا؟ ——— جب عربوں نے رومی علاقے پر حملے شروع کیے تو شرو[illegible]
رومیوں نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ معمولی بدوی حملے ہیں اور جب سرحدی شہروں کے باشندے ان کو منہ توڑ جواب دیں گے تو اعراب خود بخود اپنے صحراؤں میں واپس ہو جائیں گے لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ عرب ان کے شہر پر شہر فتح کیے جا رہے ہیں اور مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام کر رہے ہیں تب انھوں نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھا۔ قیصر کے حکم سے ایک زبردست لشکر تیار کیا گیا جسے یرموک میں تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔[1]

جیسا کہ سیرتِ صدیقؓ میں بھی بیان ہو چکا ہے معرکۂ یرموک کی تاریخ میں زبردست اختلاف ہے۔ کوئی اسے سنہ ۱۳ھ میں بتاتا ہے اور کوئی سنہ ۱۵ھ میں۔ جرمنی کے مستشرق نولڈیکی نے اپنی کتاب میں سریانی زبان کی ایک کتاب کے ورق کی عبارت درج کی ہے اور اس کی مدد سے اس مشکل کو حل کرنا چاہا ہے۔ یہ کتاب جس میں شام میں عربوں کی فتوحات کا حال بیان کیا گیا تھا ضائع ہو چکی ہے صرف وہ ورق باقی رہ گیا تھا لیکن وہ بھی مکمل حالت میں نہیں۔

ہم بھی اس ورق کی عبارت کو درج کر دیتے ہیں۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معرکۂ یرموک ۱۲ رجب سنہ ۱۵ھ کو پیش آیا۔

سطریں	عبارت
۱ - ۸	. . . . . . مبہم سطریں
۹ -	. . . . . حمص اور کئی دوسرے شہر برباد ہو گئے اور ان کے رہنے والے موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔
۱۰ -	. . . . . . محمد . . اور کثرت سے لوگ قتل کیے گئے اور قیدی بنائے گئے۔
۱۱ -	. . . . . جلیل سے بیت . . . . تک
۱۲ -	عرب (دمشق کے ؟) اطراف میں پھیل گئے[2]
۱۳ -	اور ہر جانب ہلّہ بول دیا
۱۴ -	اور آئے . . . . . اور . . . . ان کی طرف . . . . . اور . . . . . میں
۱۵ - ۱۶ -	سنہ . . . . . ۲۰ میں لشکر کا ہراول دستہ حمص سے روانہ ہوا اور اس نے بھیڑوں کے ریوڑ کے ریوڑ لُوٹ لیے۔
۱۷ - ۱۸ -	. . . . . "شہر آب" کی دسویں تاریخ کو رومی دمشق سے بھاگ گئے۔

---

[1] معرکۂ یرموک کا مفصل حال "سیرتِ صدیقؓ" میں بیان ہو چکا ہے۔

[2] نولڈیکی کا خیال ہے کہ یہاں "اطراف" سے مراد "دمشق کے اطراف" ہیں۔

۱۹ - ان کی تعداد دس ہزار تھی ۔

۲۰ - ۲۲ - ایک سال کے بعد ۹۴۷ء میں شہر آب کے مہینہ کی بیس تاریخ کو رومی "جابیہ" میں جمع ہوئے لیکن شکست کھائی اور پچاس ہزار کے قریب رومی مارے گئے ۔

۲۴ - ۹۴۷ء میں ...... (۱)

۲۵ - ...... اور منتشر ہو گئے

۲۶ - ... ... خوش ہوئے

۲۷ -

۲۸ -

۲۹ - ...... اور رومی دل شکستہ ہو گئے ۔

نولڈیکی لکھتا ہے کہ جس کتاب کا یہ ورق ہے اس کا مصنف "خلیل" یا "دمشق" کا کوئی راہب ہے ۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا وہ جنگِ یرموک کے موقعہ پر موجود تھا یا اس نے دوسروں کی نقل کی ہوئی روایات ہی پر اکتفا کیا ۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عبارت واقعۂ یرموک کے بالکل قریب لکھی گئی ہے ۔ اس سے معرکۂ یرموک کی تاریخ کا بھی پتا چل جاتا ہے ۔ سریانی مولف نے یہ تاریخ ۲۰ر شہر آب ۹۴۷ء سیلوکیدی (مطابق اگست ۶۳۶ء) لکھی ہے جو سنہ ہجری کے لحاظ سے ۱۲ر رجب ۱۵ھ بنتی ہے ۔

سیلوکیدی سنہ اس زمانہ میں ایشیائے کوچک، عراق، شام اور فلسطین کی کئی قوموں میں رائج تھا ۔ یہ سنہ ۳۲۳ ق م میں سکندر کی وفات کے بعد اس وقت رائج کیا گیا تھا، جب سیلوکس شام میں تخت نشین ہوا ۔ بلاذری نے بھی اپنی کتاب "فتوح البلدان" میں اس سنہ کے مہینوں کا ذکر کیا ہے گو اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سنہ کس طرح رائج ہوا ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بلاذری نے اپنی تمام معلومات کا مرجع واقدی کو ٹھہرایا ہے اور واقدی کو اپنی کتاب تصنیف کرتے وقت اس کا علم نہ تھا ۔

اس سریانی صحیفہ میں ایک بات قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ اس کے موقف نے اکیسویں سطر میں بجائے یرموک کے "جابیہ" پر فوجوں کا اکٹھا ہونا بیان کیا ہے حالانکہ جابیہ دریائے یرموک کے کنارے سے بہت دور واقع ہے ۔ اس کا حل یہ ہے کہ پہاڑوں اور غاروں کے ایک سلسلہ کی وجہ سے جو جابیہ سے لے کر یرموک تک پھیلے ہوئے ہیں، عرب جابیہ کو یرموک کے منطقہ ہی میں شمار کرتے تھے ۔ جابیہ کا ذکر غسانیوں کی تاریخ میں بار بار آتا ہے ۔

شام کی زمین عراق کی زمین سے بہت کچھ مختلف تھی ۔ عراق کی زمین عرب کی طرح ریتلی تھی اس لیے عربوں کو اس پر چلنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہوتی تھی اور وہ بآسانی دشمن کے مقابلہ میں جم سکتے تھے ۔ لیکن شام کی زمین پہاڑی اور سخت تھی عربوں کے لیے ایسی زمین پر چلنا اور اس پر دشمن کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا ۔ علاوہ ازیں شام کے اکثر شہروں کے گرد فصیلیں کھنچی ہوئی تھیں جیسے معان، کرک، بصریٰ، دمشق، حمص وغیرہ ۔

جس وقت عربوں نے شام میں اپنے حملوں کا آغاز کیا تو عرب کے عیسائیوں کو بیحد تشویش ہوئی۔ ہر چند رومی سیاست کو قطعاً پسند نہ کرتے تھے جس کا دائرہ ان کے قبیلوں تک بھی وسیع تھا لیکن اس کے باوجود وہ رومیوں کی اطاعت کا جوا اس وقت تک اپنے سروں سے اتارنے کے لیے تیار نہ تھے جب تک وہ نئے حاکموں کی سیاست اور ان کے عادات و خصائل سے کُلی طور پر واقف نہ ہو جائیں، وہ اس بات کا اطمینان چاہتے تھے کہ نئے حاکم آ کر کہیں انھیں اپنے مظالم کا نشانہ تو نہیں بنائیں گے۔

شروع میں بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مسلمان محض لوٹ مار کی خاطر جنگ کرنے آئے ہیں۔ لیکن جب عربوں نے متعدد شہروں پر قبضہ کر لیا تو ان عرب عیسائیوں کو پتا چلا کہ مسلمان اپنے ساتھ وہ اخلاق، وہ عدل اور وہ نظام لے کر آئے ہیں جس سے وہ آج تک آشنا ہی نہیں تھے اور اس کی مثال بھی رومیوں کے عہد میں ملنی ناممکن تھی۔ جب انھیں مسلمانوں کی طرف سے ہر طرح کا اطمینان ہو گیا اور انھوں نے حقیقی عدل و انصاف کا مزا چکھ لیا تو وہ دل و جان سے مسلمانوں کے حامی ہو گئے اور ہر ممکن طریقہ سے اسلامی لشکر کی مدد کرنے اور انھیں سامانِ خوراک اور مختلف معلومات بہم پہنچانے لگے۔ اکثر لوگوں نے مسلمانوں کے بے نظیر عدل و انصاف، اخلاق اور عملی نظام کو دیکھ کر اسلام بھی قبول کر لیا۔

یہ ٹھیک ہے کہ ایک قوم ہونے کی وجہ سے عرب عیسائیوں کے دل طبعی طور پر عربوں کی طرف مائل تھے۔ لیکن اس تعلق کا اظہار اسی وقت ہوا جب انھوں نے مسلمانوں کی فتوحات کے بعد ان کے عدل و انصاف اور ضبطِ نفس کو بچشم خود دیکھ لیا۔ مختلف ملتوں کے درمیان تعلقات کی استواری محض قومیت کے ایک ہونے پر منحصر نہیں ہوتی۔ قوموں کی زندگی کا دارومدار عصبیت پر نہیں، بلکہ اخلاق، عدل اور حق و انصاف کے اعلیٰ اصولوں کو برقرار رکھنے سے ہوتا ہے۔

تاریخ صدیقؓ میں معرکۂ یرموک کا ذکر ہو چکا ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ کس طرح مسلمانوں نے باوجود قلتِ سامان اور قلتِ تعداد کے رومیوں کے زبردست لشکر کو شکستِ فاش دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں شام پر چڑھائی کرنے والے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصّہ کا ایک سردار مقرر کر دیا تھا۔ ادھر حضرت خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام میں اسلامی لشکروں کی مدد کے لیے جانے کا حکم دیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے خلافت سنبھالی تو یہ مناسب سمجھا کہ لشکرِ اسلامی پانچ سرداروں کی بجائے ایک قیادت کے ماتحت کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو سارے لشکر کا، جس میں حضرت خالدؓ بن ولید کی امدادی فوج بھی شامل تھی سپہ سالار مقرر فرمایا۔

معرکۂ یرموک کے بعد ہرقل نے اور بھی زور شور سے مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان حالات میں مسلمان سپہ سالاروں نے موزوں طریق کار یہ سمجھا کہ جن شہروں کو مسلمان فتح کر چکے ہیں انھیں عارضی طور پر خالی کر دیا جائے۔

ہرقل کے لشکر جنگِ یرموک کے بعد دمشق کی جانب چل پڑے۔ اب کے تیودورس کی جگہ باہان کو رومی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رومی فوجوں نے بیسان کو اپنا مرکز بنایا اور مسلمانوں نے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ فحل ایک محفوظ مقام تھا، جغرافیائی لحاظ سے اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ بحیرۂ طبریہ کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔

معرکۂ فحل میں رومیوں اور عربوں کی تھوڑی تھوڑی فوجوں نے حصہ لیا تھا۔ اس جنگ میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ شامل نہیں تھے۔ واقدی کے کہنے کے مطابق اس جنگ میں سپہ سالار کے فرائض شرحبیل بن حسنہ نے سرانجام دیئے تھے۔ یہ جنگ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳ھ کو ہوئی تھی۔ اس میں رومیوں کو زبردست شکست اٹھانی پڑی اور فحل سے بیسان تک سارے علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہزیمت خوردہ رومی لشکر، مرج الصفر پہنچا لیکن محرم ۱۴ھ میں اسے وہاں سے بھی نکلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب رومی، دمشق پہنچے اور اس کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے۔ اس کے دو ہفتے بعد مسلمانوں نے دمشق کے سامنے پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

(۱۰)

دمشق کا محاصرہ

فتوحاتِ اسلامیہ کے وقت دمشق شام کا ایک مشہور شہر تھا لیکن اس قدر وسیع اور اتنا خوب صورت نہ تھا جتنا آج کل ہے اس کی مساحت کا اندازہ ان فصیلوں کے آثار دیکھ کر ہو سکتا ہے جو آج بھی باقی ہیں۔ ان فصیلوں کی اونچائی بیس قدم اور چوڑائی پندرہ قدم تھی۔ یہ فصیلیں مربع پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ پتھر اتنے بھاری بھاری ہیں کہ بیس پچیس آدمیوں کی ایک جماعت بھی ان کو بمشکل اپنی جگہ سے ہٹا سکتی ہے۔ ان پتھروں کی ہیئت اور بناوٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض رومی زمانہ سے پہلے کے بنے ہوئے ہیں[1]

رومی شہنشاہ دیوکلشیان نے دمشق کو فوجی لحاظ سے مضبوط بنانے اور اس کی دفاعی حیثیت مستحکم کرنے کے لیے کئی ٹھوس تدابیر اختیار کی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ دمشق کو اپنی مشرقی سلطنت کا اہم فوجی مرکز بنا دے تاکہ نہ صرف بیرونی حملوں کا دفاع کیا جا سکے بلکہ یہاں سے ایران اور دوسرے ممالک پر حملہ کرنے کے لیے فوجیں بھی بھیجی جا سکیں۔ جب مسلمانوں نے دمشق پر چڑھائی کی تو اس کی فصیلیں بہت اونچی تھیں۔ اس میں لاتعداد کنگرے بنے ہوئے تھے اور ہر وقت تیر انداز متعین رہتے تھے جو دشمنوں کو فصیلوں کے قریب آنے اور شہر تک پہنچنے سے روکتے تھے۔

فصیل کے چاروں طرف خندق کھدی ہوئی تھی جو ٹھنڈے پانی سے بھری رہتی تھی۔ اس کا عرض دس سے پندرہ قدم تک تھا۔ شہر کے دروازوں اور فصیل کے دوسرے حصوں پر بعض چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے، یہاں وہ لوگ رہتے تھے جن کے ذمہ شہر کی حفاظت کا انتظام تھا۔

دمشق میں داخل ہونے کے کئی راستے تھے جو خندقوں کے اوپر بنے ہوئے تھے۔ ہر راستہ کے آخری سرے پر ایک

---

[1] فان کریمر

ہوتا تھا جس پر لوہا منڈھا ہوا ہوتا تھا تاکہ دشمن اس کو آگ لگانے یا توڑنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب عربوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہے تو ان دروازوں میں سے بعض اچھی حالت میں موجود تھے۔ شہر کے شمالی جانب جو دروازہ تھا اسے باب الفرادیس کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ دروازہ سارے کا سارا پتھروں کا بنا ہوا تھا اور اس پر پُل بھی نہیں تھا[1] مشرقی جانب جو دروازہ تھا اسے بابِ توما[2] کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ توما شاہِ ہرقل کا داماد تھا اور جس وقت مسلمان دمشق کا محاصرہ کرنے پہنچے ہیں وہ ہرقل کی طرف سے اس شہر کا حاکم تھا۔ اغلباً یونانیوں نے دمشق فتح کرنے کے بعد اس دروازہ کا نام "بابِ توما" رکھ دیا تھا۔ مغربی جانب جو دروازہ تھا اسے باب الجابیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

خان کریمر کے لکھنے کے مطابق شہر کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ کی نسبت بہت خوب صورت تھا۔ دمشق کی سب سے اہم سڑک "دربِ مستقیم" تھی جو مغربی دمشق کو مشرقی دمشق سے ملاتی تھی۔ یہ بابِ توما سے لے کر باب الجابیہ تک سیدھی چلی جاتی تھی۔ اس کی چوڑائی پندرہ قدم تھی۔

اسلامی لشکر دمشق کی فصیل کے سامنے ۱۶ محرم الحرام ۱۴ھ کو پہنچا۔ جب اہلِ دمشق نے مقدمۃ الجیش کو آتے دیکھا تو وہ "غوطہ" اور دمشق کے اطراف سے آکر شہر میں جمع ہو گئے اور دروازوں کو بند کر لیا۔ "غوطہ" اور اس کے گرجے مسلمانوں نے بزور اپنے قبضہ میں کر لیے اور اس کے بعد آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

مغربی دروازہ (باب الجابیہ) کے سامنے لشکر کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ عامر بن الجراح ٹھہرے۔ خالدؓ بن ولید نے مشرقی دروازہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔ اس دروازہ کے قریب ہی ایک گرجا تھا جس کا نام "دیرِ صلیبا" تھا لیکن فتح دمشق کے بعد اس کا نام "دیرِ خالد" مشہور ہو گیا۔ شرحبیل بن حسنہ "باب الفرادیس" کے سامنے اُترے۔ یزید بن معاویہ نے جنوبی جانب اس جگہ پڑاؤ ڈالا جو بابِ صغیر اور بابِ کیسان کے درمیان ہے۔ عمرو بن العاص کے متعلق بعض مورخین کہتے ہیں کہ وہ اس وقت فلسطین میں تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ شہر کے شمال مشرق میں بابِ توما کے قریب تھے۔

بعض مستشرقین اس تقسیم سے انکار کرتے ہیں۔ اٹلی کا مشہور عالم اسلامیات "کیتانی" تو یہاں تک کہتا ہے کہ ابو عبیدہؓ اس زمانہ میں شام میں موجود ہی نہیں تھے[3] لیکن چونکہ مستند روایات کی رُو سے اسی تقسیم کا ثبوت ملتا ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان مستشرقین کی روایت کو کوئی اہمیت دی جائے۔

دمشق کے محاصرہ کے متعلق بعض مستشرقین نے عجیب رائے قائم کی ہے "کارل بکر" اس محاصرہ کے متعلق کہتا ہے کہ عربوں کے پاس اتنی طاقت ہی نہیں تھی کہ وہ دمشق جیسے شہر کا کامل محاصرہ کر سکتے۔ نہ وہ محاصرہ کے فن سے واقف تھے اور

---

[1] سر ولیم میور [2] ہارٹمن

[3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۱، خلافت از سر ولیم میور ص ۱۲۶ [4] تاریخ القرون الوسطیٰ ص ۴۴۴، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۹۰۴

نہ ان میں اس کی استعداد تھی[۱]

"لامنس" بھی اسی کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عربوں نے جو محاصرہ کیا تھا وہ بہت نامکمل تھا۔ محاصرہ کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ مسلمانوں کے پاس موجود ہی نہیں تھیں۔ حتیٰ کہ فصیلوں پر چڑھنے کے لیے ان کے پاس سیڑھیاں تک نہ تھیں[۲]

اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے اس خیال سے کہ اہلِ دمشق کو شمال کی طرف سے کسی قسم کی امداد نہ مل سکے یا مسلمانوں پر کسی قسم کا حملہ نہ ہو سکے۔ ابو الدرداء عامر بن عویمر خزرجی کو ایک دستہ دے کر برزہ بھیج دیا جو بعلبک کے راستہ میں واقع ہے حمص کی طرف سے کسی کارروائی کے پیش نظر ذو الکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلہ پر متعین کر دیا۔ چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں وُہ وہیں روک لی گئیں۔ اسی طرح علقمہ بن حکیم اور مسروق عبسی کو بھی دمشق اور فلسطین کے درمیان مقرر کر دیا گیا تاکہ ادھر سے کسی قسم کی کوئی امداد نہ آنے پائے[۳]

محاصرہ کے دنوں میں حاکمِ دمشق کے متعلق مورخین میں بیحد اختلاف ہے۔ طبری کہتا ہے کہ اس کا نام باہان تھا۔ سیف بن عمرو اس کا نام نسطاس بتلاتا ہے، اور ابن اثیر انسطاس۔ ابنِ خلدون کہتا ہے کہ اس کا نام منصور بن سرجون[۴] تھا۔ "لامنس" ابن سرجون کے متعلق لکھتا ہے کہ وُہ دمشق کا ایک بہت معزز شخص اور بیزنطینی عہد میں شہر کے مالی معاملات کا نگران تھا[۵]۔ پروفیسر دی غویی لکھتا ہے کہ منصور بن سرجون ہرقل کا مخالف ہو گیا تھا کیونکہ ہرقل نے اسے حکم دیا تھا کہ اگر وہ شہر کا حاکم رہنا چاہتا ہے تو رومی خزانہ میں ایک لاکھ درہم داخل کرے۔ جب ہرقل نے بیزنطینی فوجوں کو باہان کی قیادت میں مسلمانوں کے حملہ کو روکنے کے لیے دمشق بھیجا تو اس موقعہ پر منصور نے لشکر کے ساتھ عجیب وغریب رویہ اختیار کیا۔ اس نے نہ شہر کے خزانہ میں سے فوج کو ایک درہم دیا اور نہ خوراک ہی مہیا کی[۶]

بہت ممکن ہے کہ یہ حقائق صحیح ہوں، اس زمانہ میں شام کے عیسائی بیزنطینیوں سے حد درجہ بیزار تھے، کیونکہ بیزنطینیوں نے ان کے علاقہ میں لُوٹ کھسوٹ مچا رکھی تھی اور وہاں کے باشندوں پر بڑے ظلم وستم توڑتے تھے۔

جب مسلمانوں نے شامی علاقوں پر حملہ کیا تو وہاں کے باشندے یہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک بادل ہے جو تھوڑے عرصہ کے بعد چھٹ جائے گا اور عرب کچھ مدّت کے بعد اپنے وطن واپس ہو جائیں گے[۷] ہرقل اور اس کے سرداران لشکر بھی یہی خیال کرتے تھے ان کو یہ خیال اس وجہ سے بھی پیدا ہوا تھا کہ عربی لشکر کے پاس ہتھیاروں کی بیحد کمی تھی کسی کے پاس تیر ہیں تو تلوار نہیں ہے،

---

[۱] تاریخ القرون الوسطیٰ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی ص ۳۴۲
[۲] تاریخِ شام از لامنس جلد اوّل ص ۵۵
[۳] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۷
[۴] طبری ص ۲۱۵۱
[۵] تاریخ ابن خلدون جزو دوم ص ۲۲۱
[۶] تاریخِ شام ص ۵۶
[۷] مذکرہ دی غویی ص ۸۸، ۸۹
[۸] خلفاءِ اولین از سر ولیم میور ص ۱۴۶

... پاس نیزہ ہے تو ڈھال نہیں ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے شہنشاہ کو یقین ہو گیا تھا کہ دمشق پر مسلمانوں کا یہ حملہ وقتی بات ہے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ ہی آپ محاصرہ اُٹھ جائے گا۔[1] مسلمانوں کے مقابلہ میں بیزنطینی لشکر ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا۔ رومی فوجوں کی تعداد بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ اگر مسلمانوں میں قوتِ ایمان اور جذبۂ خلوص نہ ہوتا تو ان کے فتح یاب ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں تھی۔

اہلِ دمشق نے قیصر سے مزید فوجیں بھیجنے کی درخواست کی تھی، جس کے جواب میں ہرقل نے سواروں کی ایک فوج بھیجی۔ لیکن ذوالکلاع حمیری نے، جو حمص اور دمشق کے درمیان ایک دستہ کے ساتھ اسی کام پر مامور تھے کہ اگر کوئی رومی فوج اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے آئے تو اسے آگے نہ جانے دیں، اس فوج کو راستہ ہی میں روک لیا اور اسے مجبور ہو کر واپس جانا پڑا۔[2]

گرمی آ چکی تھی اور عرب بڑی سختی کے ساتھ دمشق کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سردی آئی اور محاصرہ پھر بھی شدت کے ساتھ جاری رہا۔ سردی گزر کر دوبارہ گرمی آ گئی لیکن مسلمانوں کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں۔ اس بات کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے کہ عرب محاصرہ ختم کر دیں گے۔ جب اہلِ دمشق نے یہ دیکھا تو انھوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے کے متعلق سوچنا شروع کیا حالانکہ مسلمان فصیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور رومیوں کی قوت و طاقت میں بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

بعض یورپین مؤرخ لکھتے ہیں کہ اثنائے محاصرہ میں بیزنطینی فوجوں نے کئی بار باہر نکل کر مسلمانوں پر حملے بھی کیے تھے[3] لیکن عربی تاریخوں میں اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔

مؤرخین دمشق میں مسلمانوں کے داخلہ کی کیفیت کے بارے میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اکثر مؤرخین عرب کا کہنا ہے کہ اسلامی فوجیں دمشق کے دو دروازوں سے داخل ہوئیں۔ پہلے دروازے سے لڑتی بھڑتی اور دوسرے دروازے سے صلح و اطمینان کے ساتھ۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمان شہر میں گھس گئے ہیں تو دوسرا دروازہ خود بخود اس شرط پر کھول دیا کہ انھیں امان دی جائے گی۔ اکثر مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ خالدؓ بن ولید جو لڑتے بھڑتے شہر کے اندر داخل ہوئے تھے، مشرقی دروازے سے اندر گھسے تھے اور ابو عبیدہؓ جنھوں نے عیسائیوں کو امان دینا قبول کر لیا تھا، باب الجابیہ سے داخل ہوئے تھے۔ شہر کے وسط میں دونوں سرداروں کی ملاقات ہوئی۔ خالدؓ کی رائے یہ تھی کہ ہم نے شہر کو لڑ کر فتح کیا ہے اس لیے شہر والوں کو امان نہیں دینا چاہیے۔ لیکن چونکہ ابو عبیدہؓ امن دینے کی شرط پر صلح کر چکے تھے اس لیے مفتوحہ علاقہ میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کر لی گئیں۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ جب شہر کا بچاؤ کرنے والی فوجوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ تو وہ شہر چھوڑ کر چلی گئیں۔ جب شہر والے مایوس ہو گئے تو انھوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ سقوطِ دمشق شہر کے

---

[1] تاریخ عرب از سیدیو ص ۱۰۶

[2] طبری ص ۲۱۵۲، خلافت از سر ولیم میور ص ۱۴۶

[3] تذکرۃ دی غوبی ص ۸۲، پروفیسر بکر ص ۲۲۳

کسی غداری کی وجہ سے ہوا، اور بعض کہتے ہیں کہ جب شہر والوں نے مسلمانوں سے مناسب شرائط پر صلح کر لی تو انھوں نے خود بخود شہر کے دروازے کھول دیے۔ شہر والوں کی طرف سے شرائط شہر کے اسقف اور منصور بن سرجون نے طے کی تھیں۔

طبری فتح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دمشق کے بطریق کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے خوشی میں جشن منعقد کیا۔ خوب کھانے پکے، شہر والوں نے اتنی شراب پی کہ ان پر مدہوشی طاری ہو گئی اور وہ بے سدھ ہو کر پڑ رہے مسلمانوں میں سوائے خالدؓ کے کسی کو اس واقعہ کی خبر نہ تھی۔ انھیں ان کے جاسوسوں نے بتلا دیا تھا کہ دمشق والے کس شغل میں مشغول ہیں۔ انھوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور رسیوں کی سیڑھیاں تیار کرائیں۔ جب دن نکلنے کے قریب ہوا تو وہ قعقاع بن عمرو اور چند اور ساتھیوں کو ساتھ لے کر شہر پناہ کی طرف گئے۔ شہر پناہ کے محافظ بکثرت شراب نوشی کے سبب مدہوش پڑے تھے۔ خالدؓ اور ان کے ساتھیوں نے پانی سے بھری ہوئی خندق کو ایک جگہ سے عبور کیا اور رسیوں کی سیڑھیوں کی کمندیں بنا کر انھیں فصیل کے کنگروں سے اٹکا دیا اور ان کے ذریعے اوپر چڑھ گئے۔ صبح کا وقت تھا اور رومی غافل پڑے سو رہے تھے۔ مسلمانوں میں سے بعض لوگ تو نگرانی کرنے لگے اور باقیوں نے اندر سے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ لشکر جو باہر منتظر کھڑا تھا نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گیا۔ عیسائی ہڑبڑا کر اٹھے، دیکھا تو مسلمان شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ خالدؓ مشرقی دروازے سے داخل ہوئے تھے۔ رومی فوراً ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے صلح کی درخواست کی جو انھوں نے قبول کر لی۔ رومیوں نے شہر کے باقی دروازے بھی کھول دیے ابو عبیدہؓ وسطِ شہر میں خالدؓ سے ملے اور ان کو بتایا کہ میں نے صلح کر لی ہے اس پر ناچار انھوں نے بھی صلح تسلیم کر لی۔

یہ روایت جو طبری نے سیف بن عمرو سے نقل کی ہے اور اسی قبیل کی اور دوسری روایات کچھ غور و فکر چاہتی ہیں۔ عقل انھیں آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر سکتی، کیونکہ خالدؓ کے حملہ کے معاً بعد دمشق والوں کا ابو عبیدہؓ کے پاس دوڑ کے جانا اور ان سے صلح کی درخواست کرنا بہت ہی بعید از قیاس ہے۔ آخر اتنی سرعت اور اتنی تھوڑی سی مدت میں رومیوں کو یہ خیال کس طرح آیا کہ وہ ابو عبیدہؓ کے پاس جا کر صلح کی درخواست کریں؟ کیا وہ خالدؓ سے، جنھوں نے شہر پر حملہ کیا تھا، صلح کی درخواست نہ کر سکتے تھے؟ پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خالدؓ کے شہر میں داخلہ سے ابو عبیدہؓ بالکل بے خبر کس طرح ہو سکتے تھے اور کیا وہ اتنی جلدی صلح پر رضامند ہو گئے جبکہ انھیں مطلق پتا نہ تھا کہ دوسری طرف ان کی فوج کے ایک افسر کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ خالدؓ دمشق پر حملہ کریں اور ابو عبیدہؓ کو اس کی خبر نہ پہنچیں؟

بعض مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں دو صلح نامے لکھے گئے۔ ایک صلح نامہ خالدؓ کے ساتھ لکھا گیا اور دوسرا ابو عبیدہؓ کے ساتھ۔ لیکن خالدؓ اس وقت اسلامی لشکر کے سپہ سالار نہیں تھے۔ وہ کس طرح بطور خود کوئی معاہدہ کر سکتے تھے؟

واقدیؒ[1] اور بلاذریؒ[2] مندرجہ بالا دونوں روایتوں سے بالکل مختلف روایتیں بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح مستشرقین میں بھی دمشق کی فتح کے بارے میں آپس میں اختلاف ہے۔ سر ولیم میور طبری کی روایت کی تائید کرتے ہیں اور جرمنی کے مستشرق مسٹر ہارٹمن اس کے خلاف واقعہ بیان کرتے ہیں۔

---

[1] فتوح الشام از واقدی ص ۶۲ تا ۷۳ [2] فتوح البلدان از بلاذری ص ۱۲۱

...ں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمان دمشق میں صلح کے بعد داخل ہوئے۔ لڑ بھڑ کر نہیں۔ ... بھی ہماری رائے کی تائید کرتا ہے۔

بلاذری کی روایت کے بموجب اہلِ دمشق سے صلح اس بات پر ہوئی تھی کہ دمشق کے آدھے مکانات اور آدھے گرجے مسلمانوں کے ہوں گے۔ سیف بن عمرو جس سے طبری نے روایت کی ہے اور جس کی انگریزی مستشرق سرولیم میور نے بھی تائید کی ہے یہ کہتا ہے کہ صلح کی بنیاد اموال و جائیداد کی تقسیم پر تھی یعنی عیسائیوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اپنے نصف اموال اور نصف اراضی مسلمانوں کو دے دیں گے۔ میور اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ صلح کی شرائط میں یہ امر بھی شامل تھا کہ عیسائی اپنے مکانات اور گرجے بھی آدھے مسلمانوں کو دے دیں گے۔ البتہ واقدی کہتا ہے کہ صلح نامہ میں نصف مکانات اور گرجے مسلمانوں کے حوالے کرنے کا کہیں ذکر نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ دمشق کی فتح کے بعد وہاں کے اکثر باشندے بھاگ کر انطاکیہ میں ہرقل سے جا ملے، اس طرح شہر کے بہت سے مکانات خالی ہو گئے جن میں مسلمانوں نے رہائش اختیار کر لی۔ اکثر مورخین نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ عیسائی مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ جزیہ کی شرط پر تمام مورخین متفق ہیں لیکن اس کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔ سیف بن عمرو کے قول کے مطابق ہر فرد بشر کے لیے جزیہ کا ایک دینار مقرر ہوا[1] تھا۔ بلاذری بھی ایک روایت میں اسی قول کی تائید کرتا ہے[2] ایک دوسری روایت میں وہ بیان کرتا ہے کہ جزیہ صرف ان لوگوں پر لگایا گیا تھا جو بالغ تھے اور بچوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جزیہ کی شرح کو بھی تبدیل فرما دیا اور ہر شخص پر اس کی مالی حالت کے مطابق جزیہ لگایا گیا۔

ابنِ خلدون کہتا ہے کہ دمشق کی فتح رجب ۱۴ھ (مطابق ستمبر ۶۳۵ء) میں ہوئی تھی اور محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا تھا[3] لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ محاصرہ ستر دن سے زیادہ جاری نہیں رہا۔

(۱۱)

شام اور فلسطین میں پیش قدمی

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ دمشق کو دو بار فتح کیا گیا۔ پہلی دفعہ قبضہ کے بعد جب عربوں کو اس بات کا پتا چلا کہ ہرقل ان کے مقابلے کے لیے ایک اور زبردست لشکر جمع کر رہا ہے تو انھوں نے اسے خالی کر دیا۔ اس روایت کی بعض عرب مورخین مثلاً بلاذری[4] نے بھی تائید کی ہے۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۵۴

[2] بلاذری صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵

[3] یعنی محرم سے رجب ۱۴ھ تک

[4] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۲۳

اس نئے رومی لشکر کی قیادت تھیوڈوسیوس سکلاریوس کے سپرد تھی۔ یہ لشکر جس میں ایک لاکھ سپاہی شامل تھے، ... (جسے بحرمیّت بھی کہتے ہیں) کی جنوبی جانب بڑھا۔ رومی سپہ سالار چاہتا تھا کہ دمشق اور عرب کا درمیانی راستہ کاٹ کر عرب فوجوں کا تعلق عرب سے بالکل منقطع کر دے تاکہ انھیں کسی طرح کی امداد نہ پہنچ سکے۔

ہرقل موسم سرما کے گزرنے کے انتظار میں رہا۔ جب سردیاں گزر گئیں اور گرمیاں آگئیں تو ربیع الثانی ۱۵ھ میں اس کا لشکر اسلامی فوجوں کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ خالدؓ نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے لشکر کے سرداروں کو مشورہ دیا کہ شام کا شمالی حصہ حتیٰ کہ دمشق بھی خالی کر دیا جائے اور جنوب کی طرف جا کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور مسلمان شمالی شام کو چھوڑ کر جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنے قبضہ کے دوران میں مسلمانوں نے مقامی عیسائی آبادی کے ساتھ جس حُسنِ سلوک سے کام لیا تھا اس نے تمام لوگوں کو مسلمانوں کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ اسی حُسنِ سلوک کا اثر تھا کہ جب مسلمان اس علاقہ کو چھوڑ کر جانے لگے تو عیسائی روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے۔[1]

مستشرقین نے بیان کیا ہے کہ اس موقع پر رومیوں اور عربوں میں جو معرکہ ہوا تھا وہ یرموک میں پیش آیا تھا، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ دمشق کی فتح سے پہلے جو لڑائی ہوئی تھی وہ جنگِ اجنادین تھی۔ لیکن معرکۂ یرموک ۱۵ھ میں دمشق کی فتح کے بعد پیش آیا۔ اس بارے میں ہمارا خیال جس کی تائید بعض یورپین مورخین بھی کرتے ہیں، یہ ہے کہ عرب رومیوں سے دو مرتبہ اجنادین میں لڑے۔ پہلا معرکہ بڑا زبردست تھا۔ اس کے بعد یرموک کا معرکہ پیش آیا۔ پھر فتحِ دمشق ہوئی، اس کے بعد دوبارہ اجنادین کا معرکہ پیش آیا۔

دوسری بار ہونے والے معرکۂ اجنادین کی تفصیلات بہت حد تک پردۂ خفا میں ہیں۔ صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ یہ رجب ۱۵ھ میں پیش آیا تھا اور اس میں ہرقل کی فوجوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ معرکۂ اجنادین کے بعد اور بھی کئی معرکے پیش آئے لیکن کسی جگہ رومی لشکر کو فتح کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ قیصر پہلے بھاگ کر انطاکیہ پہنچا۔ اس کے بعد دل شکستہ ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ مسلمان جن علاقوں کو چھوڑ کر گئے تھے واپس آ کر ان پر دوبارہ قابض ہو گئے۔

مورخینِ عرب ذکر کرتے ہیں کہ دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے فلسطین کا رُخ کیا، جہاں رومیوں کی اسّی ہزار فوج موجود تھی۔ طبری اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے یزید بن ابی سفیان کو تو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ دمشق میں چھوڑا اور خود فحل کا قصد کیا جو موجودہ شرقِ اُردن کے علاقہ عجلون میں واقع ہے۔

فلسطین میں رومیوں کے چار جنگی مرکز تھے:

فحل، اجنادین، قیساریہ اور بیت المقدس۔

ان چاروں مرکزوں میں بہ تعدادِ کثیر فوجیں موجود تھیں اور انھوں نے ان شہروں کو مضبوط کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

---

[1] بلاذری بروایت ابوحفص دمشقی و تنوخی، نیز مذکرۃ دی غوئی صفحہ ۱۰۵۔ امام ابویوسف نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اس علاقہ کو خالی کرتے وقت مقامی آبادی سے جتنا جزیہ وصول کیا تھا وہ بھی واپس کر دیا تھا۔ (کتاب الخراج ص ۱۰۴)

مؤرخین میں معرکۂ فحل کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ معرکۂ یرموک کے بعد ۱۳ھ میں ہوا، بعض کہتے ہیں کہ بعد میں پیش آیا تھا۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ اسلامی لشکر نے مجتمع ہو کر فحل پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ حملہ کرنے والے چند دستے تھے۔ یہاں ان کا سخت مقابلہ ہوا۔ بالآخر مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔

جب اسلامی لشکر فحل کی فتح سے فارغ ہو چکا تو ابو عبیدہؓ نے حمص کا رُخ کیا۔ ہرقل نے دو لشکر روانہ کیے، ایک حمص کی طرف بڑھنے والی اسلامی فوج کے مقابلہ کے لیے اور دوسرا دمشق پر قبضہ کرنے کے لیے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ دمشق اسلامی فوجوں سے خالی ہو گیا ہے اور اس پر قبضہ کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے۔

دمشق کے مغربی جانب مرج الروم میں مسلمانوں کی مڈبھیڑ رومیوں کی دونوں فوجوں سے ہوئی۔ ابو عبیدہؓ نے بھی اپنے لشکر کے دو حصے کیے:

ایک حصہ جس کی قیادت وہ خود کر رہے تھے اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنے والی رومی فوج کے سامنے ڈٹ گیا۔ اور دوسرا حصہ جس کی قیادت خالدؓ کے سپرد تھی دمشق جانے والی فوج کے مقابلہ پر آ گیا۔ لیکن رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرا رومی لشکر مسلمانوں کی نظر بچا کر دمشق کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابوعبیدہؓ کو جب یہ خبر ملی تو انھوں نے خالدؓ کو اس لشکر کے پیچھے بھیجا۔

ادھر یزید بن ابی سفیان کو، جنھیں ابو عبیدہؓ نے دمشق میں چھوڑا تھا، جب رومی فوج کے آنے کا پتا چلا تو وہ اپنی مختصر فوج کو لے کر رومیوں کے مقابل آ گئے۔ رومیوں کو یہ پتا نہ تھا کہ خالدؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں، دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں کہ پیچھے سے خالدؓ نے حملہ کر دیا، ادھر یزید نے اپنی فوج کو بڑھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی دونوں جانب سے پس کر رہ گئے۔ بہت کم لوگ بھاگنے میں کامیاب ہو سکے۔ باقی سب مارے گئے۔

ابوعبیدہؓ کا پہلے رومی لشکر سے مقابلہ ہوا جس کی قیادت تیودورس کر رہا تھا۔ لڑائی میں رومی سپہ سالار مارا گیا اور فوج زبردست ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسلامی لشکر نے اس کا تعاقب کیا، بہت سے سپاہیوں کو قید کر لیا، بہت سے مارے گئے۔ بالآخر یہ شکست خوردہ رومی فوج حمص پہنچی۔

ابو عبیدہؓ "بعلبک" کے رستے حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ خالدؓ نے "بقاع" کا رُخ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔

اہلِ بعلبک نے ابو عبیدہؓ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ انھیں امان دی جائے گی۔ ان کے اموال محفوظ رہیں گے اور ان کے گرجاؤں کو چھیڑا نہیں جائے گا۔ ابو عبیدہؓ نے ان کو صلح نامہ لکھ کر دے دیا اور خود حمص کی جانب بڑھے۔ اہلِ حمص کی طرف سے شروع میں زبردست مزاحمت ہوئی۔ شہر میں بعض رومی دستے بھی تھے وہ موقع بموقع شہر سے نکلتے، مسلمانوں سے مقابلہ کرتے اور پھر جھٹ شہر میں جا گھستے اور شہر کے دروازے بند کر لیتے۔

اگرچہ شدید سردی کا موسم تھا اور مسلمانوں نے سردی کی وجہ سے بڑی تکلیف بھی اٹھائی لیکن وہ برابر شہر کا محاصرہ کیے رہے جب حمص والوں نے دیکھا کہ مسلمان کسی طرح بھی محاصرہ اٹھانے کا نام نہیں لیتے تو انھوں نے امان کی شرط پر صلح کی درخواست کی۔

ابو عبیدہؓ نے ان سے انھی شرائط پر صلح کر لی جن شرائط پر اہلِ دمشق کے ساتھ کی تھی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو سب حال لکھ بھیجا اور ان سے مزید ہدایات طلب کیں۔ حضرت عمرؓ نے انھیں لکھا کہ ابھی حمص میں رہ کر ہی اپنی فوج کی تنظیم کرو اور اس علاقہ میں جو عرب آباد ہیں ان کو اپنی فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دو۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں بھی تمہاری مدد کے لیے برابر لشکر روانہ کرتا رہوں گا۔

ابو عبیدہؓ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق حمص ہی میں ٹھہرے رہے اور خالدؓ کو قنسرین کا علاقہ فتح کرنے بھیجا۔ اس علاقہ میں بعض عرب قبیلے آباد تھے اور ایک رومی لشکر بھی موجود تھا۔ جب حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو مقابلہ شروع ہو گیا۔ رومی سردار لشکر مارا گیا اور فوج نے شکست کھائی۔ عربوں نے خالدؓ کے پاس آ کر کہا کہ انھیں اس جنگ میں ان کی مرضی کے خلاف زبردستی شامل ہونے پر مجبور کیا گیا تھا، اس لیے ان سے درگزر کیا جائے۔ حضرت خالدؓ نے اپنی عادت کے بالکل برخلاف ان کا عذر قبول کر لیا اور انھیں امان دے دی۔ کیونکہ انھیں حضرت عمرؓ کی اس سیاست کا علم ہو گیا تھا کہ عربوں کے ساتھ انتہائی نرمی اور محبت کا سلوک کیا جائے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور مسلمان فوج کی تقویت کا موجب بنیں۔ چنانچہ اس قبیلہ کے بھی اکثر لوگوں نے بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے شہر "قنسرین" کا رُخ کیا۔ وہ لوگ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے انھیں کہلا بھیجا کہ اگر تم بادلوں میں بھی چلے جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ یا تو ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمھیں ہمارے سامنے اتار دے گا۔ اس لیے قلعہ بند ہونے سے کوئی فائدہ نہیں، بہتر یہی ہے کہ تم ہتھیار ڈال دو۔

وہاں کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے پاس چونکہ زیادہ طاقت نہیں ہے اس لیے ہتھیار ڈالنا ہی مناسب ہو گا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ حضرت خالدؓ نے ان سے انھی شرائط پر صلح کی جن شرائط پر حمص والوں سے کی گئی تھی۔ قنسرین پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت خالدؓ مرعش پہنچے اور اسے فتح کر کے اس کے باشندوں کو شہر سے نکال دیا۔ مرعش کی فتح کے بعد آپ نے "حدث" کے قلعہ کو فتح کیا۔ کچھ دنوں کے بعد حلب بھی فتح کر لیا گیا۔[1] ہرقل اس زمانے میں انطاکیہ میں مقیم تھا جب اسے خبر ملی کہ حلب پر بھی مسلمان قابض ہو گئے تو وہ ملک شام کی طرف سے مایوس ہو گیا اور قسطنطنیہ کا رُخ کیا۔ جاتے ہوئے جب وہ مقامِ شمشاط پر پہنچا تو ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر شام کی طرف منہ کیا اور نہایت حسرت سے کہا:

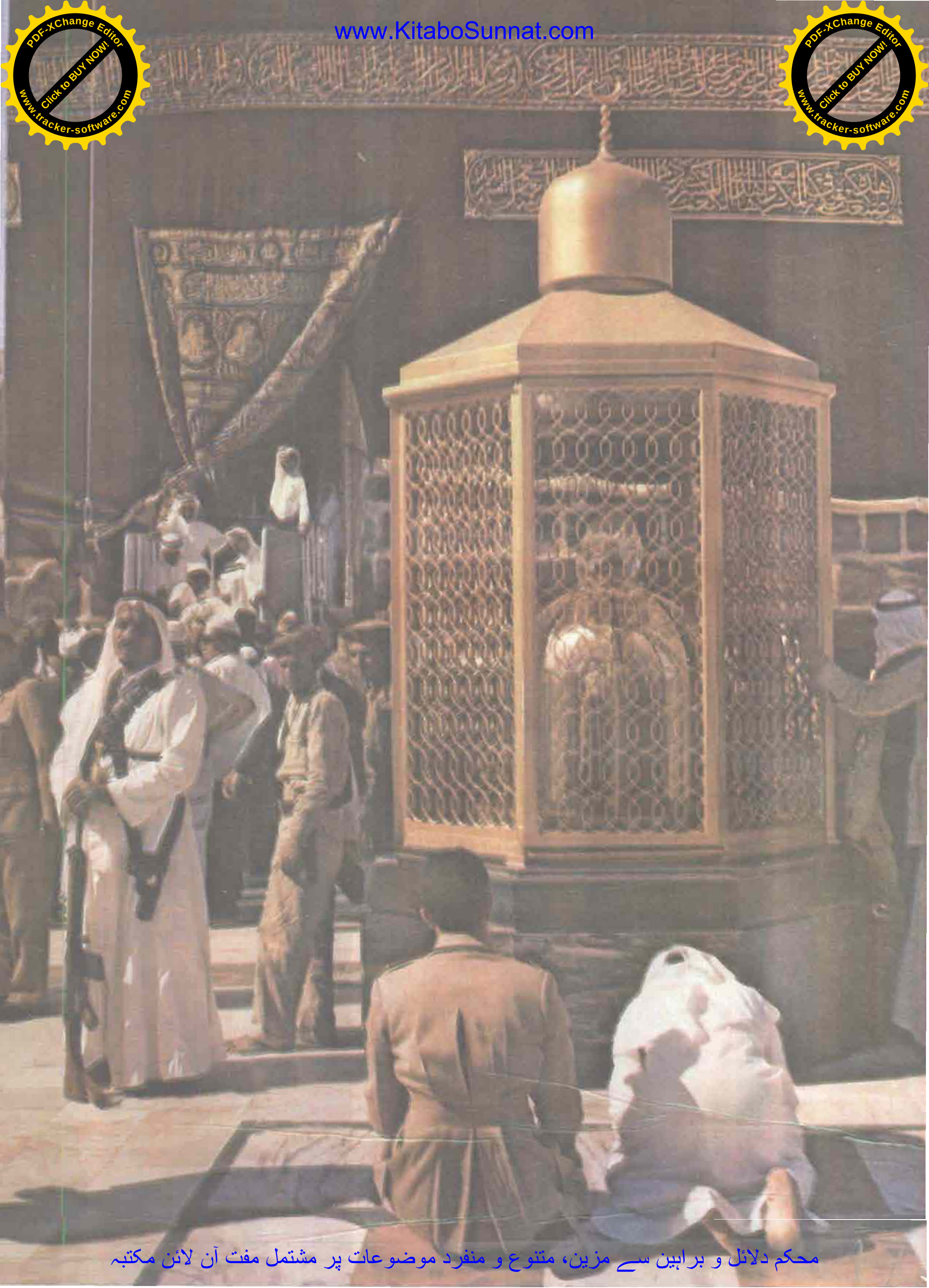
"اے سرزمینِ شام! رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو۔ یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں۔"

جب حضرت عمرؓ کو شمالی شام میں حضرت خالدؓ کے کارناموں کی تفصیل پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"خالدؓ نے اپنے کارناموں سے خود اپنے آپ کو سردار بنا لیا ہے۔ خدا ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرمائے،

---

[1] تاریخ ابوالفدا جلد اوّل ص ۱۶۰



مقام ابراہیم

...مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔[1]

حمص، حماۃ، قنسرین اور حلب کی فتوحات ۱۵ھ میں ختم ہوگئیں اور ان فتوحات سے اسلامی لشکر اس قابل ہو گیا کہ وہ جنوبی عراق میں متعین اسلامی فوجوں سے براہِ راست رابطہ پیدا کر سکتا تھا۔

دمشق اور حلب کے درمیانی شہروں ودما، قطیفہ، نبک، حمص، حماۃ اور معرۃ النعمان کو مطیع کرنے کے بعد اسلامی فوجوں نے شام کے ساحلی علاقہ کو جو شمال میں خلیج اسکندرونہ سے لے کر جنوب میں "صور" کی بندرگاہ تک پھیلا ہوا تھا، فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس علاقہ میں لاذقیہ، طرابلس، بیروت، صیدا اور صور کے مشہور شہر آباد تھے۔

اس علاقہ کو فتح کرنے کے لیے ابو عبیدہؓ حلب سے روانہ ہوئے۔ پہلے "معرہ مصرین" پہنچے۔ اسے فتح کیا۔ اس کے بعد "سرمین" کو زیر کیا جو حلب کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اس کے بعد "بوقا" پہنچے جو شہر لاذقیہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اسے فتح کرنے کے بعد جبلہ، بانیاس، خواب اور طرطوس کو فتح کیا۔ طرطوس، لاذقیہ کے جنوب میں لاذقیہ اور طرابلس الشام کے درمیان ایک شہر ہے۔

اس دوران میں جبکہ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ شمال میں رومیوں سے برسرِ پیکار تھے یزید بن ابی سفیان جنھیں ابو عبیدہؓ نے دمشق میں چھوڑا تھا ساحلِ لبنان پر مصروفِ عمل تھے۔ آپ نے اپنے لشکر کے ساتھ پہلے "بیروت" پر حملہ کیا۔ اس کو فتح کرنے کے بعد ساحل ساحل کوچ کرتے ہوئے "صیدا" پہنچے اور اس پر قبضہ کر لیا اس کے بعد اور آگے بڑھے اور صور پہنچ کر اسلامی لشکر سے مل گئے۔ وہاں سے پھر بیروت واپس آئے اور شمالی جانب بڑھنا اور بستیوں اور شہروں کو فتح کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ "عرقا" پہنچے جو "طرابلس الشام" کے شمال میں اس سے تیرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس زمانہ میں "عرقا" بہت خوبصورت اور آباد شہر تھا۔ عرقا کو فتح کرنے کے بعد آپ اس اسلامی لشکر سے مل گئے جو شمالی جانب سے ساحلی شہروں کو فتح کرتا چلا آرہا تھا۔ اس طرح شام کا سارا ساحلی علاقہ شمال میں لاذقیہ سے لے کر جنوب میں قیساریہ تک عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

تاہم اس منطقہ میں مسلمانوں کی جنگی سرگرمیاں اس وقت تک ختم نہ ہوئیں جب تک مسلمانوں نے کیلیکیہ کو فتح نہ کر لیا کیلیکیہ حلب سے بیالیس میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں منبج اور جرابلس کے درمیان واقع ہے۔ اسے آج کل عمریہ یا معورہ کہتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس طرف میسرہ بن مسروق عبسی کی قیادت میں ایک فوج بھیجی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس کی رومیوں سے لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی۔ لیکن اسلامی لشکر زیادہ دن یہاں نہیں ٹھہرا بلکہ واپس آگیا اور اس علاقہ پر دوبارہ رومیوں کا تسلط ہوگیا۔ یہاں تک کہ فلسطین کی فتح کے بعد ۲۱ھ میں ہاشم بن عتبہ نے پھر کیلیکیہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ دراصل پہلے حملہ کی غرض اس علاقہ پر قبضہ کرنا نہیں تھا بلکہ رومیوں کو ڈرانا تھا کہ وہ شام کی

---

[1] تاریخ طبری، جلد چہارم صفحہ ۱۵۵، ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۲۴۴

...ے یا نئے لشکر بھیجنے کا قصد نہ کریں۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ ۱۹ھ میں ہرقل پھر شام کے علاقہ میں آیا اور "ادرفا" (ادرہا) سے ایک زبردست لشکر صحرا کے راستہ حمص کی طرف مسلمانوں سے لڑنے کے لیے روانہ کیا۔

جب عرب سالاروں کو اس لشکر کے آنے کی خبر ملی تو انھوں نے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان حالات کی اطلاع دے دی۔ انھوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ ابوعبیدہؓ کے پاس کمک روانہ کر دو۔ انھوں نے قعقاع کے ساتھ ایک لشکر ابوعبیدہؓ کی طرف بھیجا۔ خالدؓ قنسرین سے آ گئے۔ اسی طرح دمشق اور دوسری جہات سے بھی فوجیں آ گئیں۔ ان فوجوں کو لے کر ابوعبیدہؓ حمص سے باہر نکلے اور اپنے لشکر کی تنظیم کرنے کے بعد رومیوں کا انتظار کرنے لگے۔ جب رومی پہنچے تو لڑائی شروع ہوئی۔ بڑے گھمسان کا معرکہ پڑا جس میں بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس طرح شام میں فتوحات کی تکمیل ہو گئی۔ شام، عراق اور عرب تینوں علاقے اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گئے اور دولتِ اسلامیہ کی حدود مدینہ سے لے کر شمال میں جبال طوروس کے جنوب تک اور مشرق میں آرمینیہ تک پھیل گئیں۔

(۱۲)

فلسطین میں فتوحات

اب ہم فلسطین کی فتوحات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب شام کی فتح کے لیے چار سپہ سالار منتخب فرما کر روانہ کیے تھے تو حضرت عمروؓ بن العاص کو فلسطین کی طرف بھیجا تھا اور شام میں چونکہ رومیوں نے زبردست تیاریاں کی تھیں اس لیے حضرت عمروؓ بن العاص کو باقی تین سپہ سالاروں کے ساتھ یرموک آنا پڑا تھا۔ یرموک کی جنگ ختم ہو گئی تو حضرت عمروؓ بن العاص فلسطین لوٹ آئے اور یہاں آ کر رومیوں سے مصروفِ پیکار ہو گئے۔ آپ کی کوشش یہ تھی کہ فلسطین کی طرف سے شام میں رومی فوجوں کو کسی قسم کی امداد نہ پہنچ سکے۔ جب مسلمان فتح دمشق اور معرکۂ فحل سے فارغ ہو گئے اور شام میں رومیوں کی طاقت کو پاش پاش کر دیا تو حضرت عمروؓ بن العاص کو منطقۂ فلسطین اور اردن میں عربی لشکروں کی قیادت سپرد کی گئی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد ہی میں آپ کو اس علاقہ پر فوج کشی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ بلقاء یا شرقِ اُردن کے علاقہ میں اسلامی فوج کے قائد شرحبیل بن حسنہؓ آپ کی مدد کر رہے تھے۔ فلسطین اور اردن کے علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ فوج کا بڑا حصہ شمالی شام میں تھا جہاں انھیں رومیوں کی زبردست افواج سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے بالمقابل رومیوں کے پاس بہت زبردست طاقت تھی اور ان کی فوجیں شام اور فلسطین کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ ان کی فوجوں کا ایک

بڑا حصہ جنگِ یرموک میں کام آ گیا تھا لیکن پھر بھی ان کی طاقت اور ان کے دم خم میں فرق نہ آیا تھا۔
سنہ ۱۴ھ میں فحل کی فتح کے بعد مسلمانوں کی فوجیں اردن اور فلسطین کے صوبوں میں پھیل گئی تھیں۔ انھوں نے آگے بڑھ کر فلسطین کے ساحلی شہر "عکا" کو فتح کر لیا، جس سے فلسطین میں مقیم رومی فوجوں کا ان کے دار الحکومت انطاکیہ سے تعلق منقطع ہو گیا۔ اب صرف سمندری راستے سے ہی آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ رومیوں کے پاس سمندری طاقت اچھی خاصی تھی۔
عکا کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اردن اور فلسطین کے دوسرے شہروں کو فتح کرنا شروع کیا۔ یافا اور لُد پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھنا شروع کیا۔ پہلے غزہ کو فتح کیا اس کے بعد جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے فلسطین کی آخری حدود تک پہنچ گئے، جہاں صحرا کی طرف سے مصر کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کا اس جانب سے بھی حجاز سے براہِ راست تعلق قائم ہو گیا۔ اب فلسطین میں صرف چار بڑے شہر ایسے رہ گئے جو مطیع نہیں ہوئے، اور وہ تھے اجنادین، قیساریہ، بیت المقدس اور عسقلان۔

عمرؓو بن العاص نے خود تو اجنادین کا محاصرہ کیا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے، ایک فوج بیت المقدس کا محاصرہ کرنے کے لیے بھیج دی اور تیسری فوج کو معاویہؓ بن ابی سفیان کی قیادت میں قیساریہ کے محاصرہ کے لیے روانہ کر دیا۔
مسلمانوں نے اجنادین کا محاصرہ بڑا زبردست کر رکھا تھا۔ رومیوں کا سردار ان کا ایک مشہور اور زیرک سالار ارطبون تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ کسی طرح حضرت عمرؓو بن العاص کو دھوکہ دے کر مسلمانوں کے لشکر میں تفرقہ ڈال دے لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں بالمقابل آ کھڑی ہوئیں، بڑے معرکہ کا رن پڑا، جس میں بڑی کثرت سے رومی مارے گئے اور ان کو شکست ہوئی۔ ارطبون شکست خوردہ فوج کو ساتھ لے کر بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ بیت المقدس کا پہلے ہی مسلمانوں کی ایک فوج محاصرہ کیے پڑی تھی۔ لیکن اس نے ارطبون کی فوج سے کوئی تعرض نہ کیا اور اسے شہر میں داخل ہونے دیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ رومیوں کی تعداد شہر کے اندر اور باہر اتنی زیادہ تھی کہ مسلمانوں نے فی الحال ان سے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ فتح اجنادین سنہ ۱۵ھ میں ہوئی تھی۔
جب حضرت عمرؓو بن العاص اجنادین کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ نے بیت المقدس کا رُخ نہیں کیا، بلکہ اپنی توجہ ان چھوٹے چھوٹے شہروں کی طرف مبذول کی جو ابھی تک فتح نہ ہوئے تھے۔ مثلاً غزہ، نابلس، بیت جبرین، یافا، لُد، عمواس وغیرہ جب یہ سارے شہر فتح ہو گئے تب آپ نے بیت المقدس کا قصد کیا ارطبون کی قیادت میں بیت المقدس کے اندر رومی لشکر تھا اور باہر مسلمان فوج شہر کا محاصرہ کیے پڑی تھی۔
یہ محاصرہ بہت طویل ہو گیا۔ چاروں طرف سے اسلامی فوجیں آ کر بیت المقدس کا محاصرہ کرنے والی اسلامی فوج سے ملتی جاتی تھیں۔ جب شہر والوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو برابر کمک پہنچ رہی ہے اور قیصر کی طرف سے مدد ملنے کا کوئی امکان نہیں تو وہ مایوس ہو گئے۔ ارطبون بھی ایک رات خاموشی سے مصر کی جانب فرار ہو گیا۔ اس پر شہر والوں کی ہمتیں بالکل

پست ہو گئیں اور انھوں نے ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ اُنھوں نے اسلامی سپہ سالار کو کہلا بھیجا کہ وہ شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کو تیار ہیں، بشرطیکہ خلیفۃ المسلمین خود بیت المقدس تشریف لائیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدۂ صلح پر دستخط کریں کیونکہ بیت المقدس کی شان اور عیسائیوں اور مسلمانوں میں اس کی اہمیت اسی امر کی متقاضی ہے کہ اس موقع پر خلیفۃ المسلمین خود تشریف لائیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے عیسائیوں کی یہ شرط حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہو گئے اور شام میں تمام اسلامی سالاروں کو لکھا کہ وہ جابیہ میں ان سے آکر ملیں۔ چنانچہ یزیدؓ بن ابی سفیان، ابوعبیدہؓ ابن جراح اور خالدؓ بن ولید آپ سے ملنے کے لیے جابیہ پہنچے۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے اور دیباج و ریشم کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ دیکھ کر بے حد رنج ہوا کہ یہ لوگ ابھی سے زینت اور شان و شوکت کے پیچھے پڑ گئے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو گزرے ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے۔ آپ نے ان کو سرزنش کی جس پر انھوں نے کہا کہ انھوں نے اپنے ان کپڑوں کے نیچے ہتھیار پہن رکھے ہیں اور یہ لباس انھیں اس لیے پہننا پڑ رہا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے درمیان ہیں جو شان و شوکت کا بے حد لحاظ رکھتے ہیں اور اگر معمولی کپڑے پہنے جائیں تو ان پر رعب نہیں پڑ سکتا۔ حضرت عمرؓ نے ان کا یہ عذر قبول فرما لیا۔

آپ جابیہ ہی میں تھے کہ اہالی بیت المقدس کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے صلح کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ رومی لشکر کے دونوں سپہ سالار مصر بھاگ گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے صلح نامہ کی تحریر ان کو لکھ کر دی:

> "اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے اہلِ ایلیاؔ (بیت المقدس) کو یہ امان نامہ دیا جاتا ہے۔ اہلِ ایلیاؔ کی جان، مال، گرجوں، صلیبوں سب کو امان دی جاتی ہے۔ بیماروں، تندرستوں اور سب مذاہب کے لوگوں کو یہ امان شامل ہے۔ یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ نہ ان کے عبادت خانوں پر قبضہ کیا جائے گا اور نہ انھیں گرایا جائے گا۔ ان کے دینی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی اور کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔ اہلِ ایلیاؔ کا فرض ہے کہ جزیہ ادا کرتے رہیں اور متحارب رومیوں کو اپنے شہر سے نکال دیں۔ جو رومی شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے گی، حتیٰ کہ وہ اپنے وطن سلامتی سے پہنچ جائے۔ اگر اہلِ ایلیاؔ میں سے کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ بھی جا سکتا ہے، لیکن اگر رومی بھی امن پسندانہ طور پر رہنا چاہیں تو انھیں بھی انہی شرائط کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے۔ اس امان نامہ کی اللہ، اس کا رسول ﷺ، آپ کے خلفاءؓ اور جملہ مومنین ذمہ داری لیتے ہیں بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس معاہدہ پر خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور معاویہؓ بن ابی سفیان گواہ ہیں ـــــ اور یہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔"

معاہدۂ صلح کے بعد حضرت عمرؓ گھوڑے پر سوار ہو کر بیت المقدس کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ کے دونوں جانب

...ران فوج تھے۔ بیت المقدس پہنچ کر آپ اسلامی لشکر میں اتر پڑے اور اس وقت تک وہیں رہے جب تک رومی باہر نہ نکل گئے۔ جب بیت المقدس رومیوں سے بالکل خالی ہو گیا تو آپ بغیر کسی سواری کے شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کے دروازہ پر بطریق اور شہر کے معززین نے آپ کا استقبال کیا۔ شہر کے اندر پہنچ کر آپ نے شہر کے مشہور گرجا "کنیسۃ القیامہ" کو جا کر دیکھا۔ آپ ابھی اس کو دیکھ ہی رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ بطریق نے عرض کیا کہ گرجا ہی میں نماز پڑھ لیجئے مگر آپ نے منظور نہ کیا اور گرجا سے باہر آ کر نماز پڑھی۔ جس جگہ آپ نے نماز پڑھی اس جگہ ایک مسجد بنا دی گئی، جس کا نام جامع عمرؓ ہے۔ مسجد اقصیٰ بعض مورخین کے قول کے بموجب "ہیکل سلیمان" کی جگہ بنی ہوئی ہے۔

ابھی حضرت عمرؓ جابیہ ہی میں مقیم تھے کہ اہالی "رملہ" کے بھی دو نمائندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہی شرائط پر آپ سے صلح کی جن شرائط پر بیت المقدس والوں نے کی تھی[1]۔ اب جنوبی فلسطین میں صرف دو مقام قیساریہ اور عسقلان باقی رہ گئے تھے جہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کر لیا اور ۲۲ھ میں اسے فتح کیا۔ عسقلان ۲۳ھ میں فتح ہوا۔ یہ فلسطین کا آخری شہر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس فتح کے بعد فلسطین کا سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

گو فتوحاتِ شام و فلسطین کا حال تو ختم ہو گیا ہے لیکن ایک اہم واقعہ کا تذکرہ ابھی باقی ہے، اور وہ ہے عمواس کا طاعون جو شام میں ۱۸ھ میں پھیلا اور جس نے امیر المومنین کو دمشق اور شام کے دیگر شہروں کا دورہ کرنے سے روک دیا۔

اس طاعون کا سبب وہ جراثیم تھے جو اس سرزمین پر ہونے والی شدید جنگ نے تمام فضا میں پھیلا دئے تھے۔ غالب گمان یہ ہے کہ عربوں نے اپنے شہیدوں کو تو دفن کر دیا تھا لیکن رومی مقتولوں کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کی لاشیں زمین پر پڑی سڑتی رہیں جس سے تمام فضا زہر آلود ہو گئی اور بڑے وسیع پیمانے پر طاعون پھوٹ پڑا۔ اس طاعون میں تقریباً بیس ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی مثلاً ابو عبیدہؓ قائد لشکر اسلامی، معاذؓ بن جبل اور یزیدؓ بن ابی سفیان شامل تھے۔ یہ وبا اس وقت تک دور نہ ہوئی جب تک کہ حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن العاص کو اس علاقہ کا حاکم مقرر نہ کیا اور انھوں نے لوگوں کو شہر چھوڑ کر پہاڑ پر چلے جانے کا حکم نہ دیا۔ چنانچہ لوگ بھاگ بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے، جب کہیں انھیں اس منحوس وبا سے نجات ملی۔

طاعون دور ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ شام جا کر وہاں کا ملکی نظام درست کریں اور اس وبا کے

---

[1] حضرت عمرؓ نے بیت المقدس پہنچ کر فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جنوبی فلسطین اور شمالی فلسطین۔ جنوبی فلسطین کا صدر مقام بیت المقدس کو بنایا اور اس علاقہ کا حاکم علقمہ ابن محرز کو مقرر کیا۔ شمالی فلسطین کا صدر مقام رملہ کو بنایا اور اس علاقہ کا حاکم علقمہ بن حکیم کو مقرر فرمایا۔

بعد وہاں کے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کریں۔ چنانچہ آپ مدینہ سے شام پہنچے، مصیبت زدہ لوگوں کو پوری پوری امداد بہم پہنچائی، والیوں کا نئے سرے سے تقرر اور مرنے والوں کا سامان ان کے وارثوں میں تقسیم کیا۔

شام میں ایک دن جب نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت بلال رضؓ کو اذان کا حکم دیں۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی خواہش دیکھ کر حضرت بلالؓ سے اذان دینے کی درخواست کی جسے انھوں نے قبول کر لیا اور اذان دینی شروع کی۔

اس اذان کو سن کر تمام لوگ زاروقطار رونے لگے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ زمانہ آ گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور مسجدِ نبوی میں حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اتنا روئے کہ روتے روتے ان کے آنسو خشک اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔

صحابہؓ کو روتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں دیکھا تھا، رونے لگے۔

(۱۴)

مصر کی جانب پیش قدمی

حضرت عمروؓ بن العاص نے زمانۂ جاہلیت میں مصر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ وہاں کی تہذیب و تمدن، دولتمندی اور سرسبزی و شادابی سے بے حد متاثر ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح مصر کو فتح کر لیں جب تک مسلمان عراق اور شام کی فتوحات میں مشغول رہے یہ امر ممکن نہ تھا کہ مصر کی طرف بھی توجہ کی جاتی۔ لیکن جب عراق، شام اور فلسطین کی فتوحات قریب قریب مکمل ہو چکیں تو حضرت عمروؓ بن العاص کے دل میں مصر پر چڑھائی کرنے کا خیال چٹکیاں لینے لگا۔ انھوں نے جابیہ کے مقام پر حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا اور مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت چاہی۔ انھیں تفصیل سے بتایا کہ مصر کو فتح کرنے میں کیا کیا فائدے اور اس علاقے کو چھوڑ دینے سے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اطلاع بھی دی کہ رومی سپہ سالار ارطبون فلسطین سے بھاگ کر مصر پہنچ چکا ہے اور وہاں نئے سرے سے لشکر تیار کر رہا ہے۔ وہ اس بات کے انتظار میں ہے کہ اسے کب موقع ملے، جو وہ فلسطین اور شام پر حملہ کرے۔

حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن العاص کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور جواب میں کہا:

"ہمیں اس فیصلہ کے لیے شام، عراق اور فلسطین کی فتوحات کے نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔"

حضرت عمرؓ کی دلیل یہ تھی کہ عرب ابھی تک شمالی شام کی سرحدوں پر رومیوں سے برسرپیکار ہیں، اِدھر ایران میں ایرانی ابھی تک عربوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس صورت میں ایک نیا محاذِ جنگ کھول لینا عربی قوت کے ضعف کا موجب ہو سکتا ہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص اس وقت تو خاموش ہو رہے لیکن کچھ دنوں کے بعد اُنھوں نے پھر حضرت عمرؓ کے سامنے

... خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ مصر کی فتح کے لیے چار ہزار سے زیادہ فوج درکار نہ ہوگی اور اتنی فوج اگر شام سے مصر ... تو شام میں اسلامی فوجوں کی قوت میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے کہا کہ مصر کو فتح کرنا جنگی نقطۂ نگاہ سے بے حد ضروری ہے کیونکہ جب تک مصر فتح نہ ہوگا عربوں کو ہر وقت اس بات کا خوف لاحق رہے گا کہ کہیں رومی مصریوں کو بھڑکا کر مصر کی جانب سے شام و فلسطین پر حملہ نہ بول دیں۔

اس مرتبہ حضرت عمرؓ نے اس معاملہ کے متعلق سوچنے کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ وہ مدینہ پہنچ کر اس سلسلہ میں انھیں کوئی خط لکھیں گے۔ جب حضرت عمرؓ مدینہ پہنچے تو آپ نے اس مسئلہ میں صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ بعض نے اس رائے کی تائید کی اور بعض نے مخالفت۔ آخر بڑی بحث و تمحیص کے بعد حضرت عمرؓ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مصر کو فتح کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو خط لکھا جس میں انھیں مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے دی، لیکن ساتھ ہی اس بات کی تاکید بھی کر دی کہ وہ اس معاملہ کو بڑی سختی کے ساتھ پوشیدہ رکھیں، کسی کے کان میں اس کی بھنک بھی نہ پڑنے پائے، مصر پر اچانک حملہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک نیا لشکر اس مقصد کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت کے متعلق حضرت عمروؓ بن العاص کو جو خط لکھا تھا وہ ۱۸ھ کے نصف میں لکھا تھا۔

شام سے مصر کے لیے تین راستے تھے۔ سمندر کا راستہ، ساحل کا راستہ اور صحرا کا راستہ۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اغلباً ساحل کا راستہ اختیار کیا جو قیساریہ سے عریش تک تھا۔ ان دونوں شہروں کی باہمی مسافت ایک سو ترپن[۱۵۳] میل ہے۔ یہ راستہ بہ نسبت دوسرے دو راستوں کے زیادہ آسان اور قریب کا تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس چار ہزار کی مختصر سی فوج تھی جو اُنھوں نے نہایت احتیاط سے مرتب کی تھی اور صرف انہی سپاہیوں کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے چُنا تھا جن کی بہادری اور جرأت وہ فلسطین کی جنگوں میں آزما چکے تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص فلسطین سے فصلِ خریف کے اواخر میں روانہ ہُوئے تھے۔ جب آپ عریش پہنچے تو اس کو بغیر لڑے بھڑے فتح کر لیا۔ مصر کا یہ پہلا شہر تھا جس پر اسلامی جھنڈا لہرایا گیا۔ عریش میں ہی اسلامی فوج نے عید الاضحٰی منائی۔ اس جگہ کوئی رومی فوج موجود نہ تھی۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ رومیوں نے حضرت عمروؓ بن العاص اور ان کے لشکر کی آمد کی خبر پا کر شہر چھوڑ دیا ہو کیونکہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی مہم کو اس قدر پوشیدہ رکھا تھا کہ ان کی سپاہ کو بھی یہ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ان کا کیا ارادہ ہے۔ صرف یہی ایک بات ہو سکتی ہے کہ عریش میں سرے سے رومیوں کی کوئی فوج موجود نہ ہو اور اس طرح عربوں کو آسانی سے بغیر لڑے بھڑے یا محاصرہ کیے اسے فتح کرنے کا موقع مل گیا ہو۔

اسلامی لشکر نے کچھ دنوں عریش میں آرام کیا اور اس کی خوشگوار ہوا، شیریں پانی، خوش ذائقہ انگوروں اور لذیذ کھجوروں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس کے بعد "فرما" کی جانب بڑھا۔ اس شہر کا آجکل تو نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ لیکن اس زمانے میں جب حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر حملہ کیا تھا یہ بڑا مضبوط شہر تھا۔ اس کے اردگرد باقاعدہ

[illegible] ہوئی تھی ۔ مشرقی جانب سے یہ مصر کا دروازہ تھا ۔ مسلمانوں نے پہلے اس کا محاصرہ کرلیا اور پھر لڑائی کے بعد اسے فتح کرلیا ۔ "فرما" کو فتح کرنے کے بعد وہ "بابلیون" کی جانب بڑھے ۔ بابلیون ایک مستحکم قلعہ تھا اور مضبوطی میں اسکندریہ کے قلعہ کا مقابلہ کرتا تھا ۔ ان دونوں زبردست قلعوں کو فتح کرلینے کے بعد تمام وادیِ نیل کو فتح کرنا کوئی مشکل امر نہ تھا جو حملہ آور بھی ان دونوں قلعوں پر قابض ہوا وہ لازماً "اُسوان" سے "رشید" تک کے تمام علاقہ پر قابض ہوگیا ۔

رومیوں کی عملداری میں اہلِ مصر پر سخت ظلم توڑے جاتے تھے ۔ جب رومیوں نے مصر کو فتح کیا تو انھوں نے مقامی رسوم و رواج کو مٹا کر اپنے ظالمانہ طریقے رائج کر دیے اور اصلی باشندوں کے حقوق کو بُری طرح پامال کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے قبطیوں[ا] اور حاکم رومیوں کے درمیان ایک دائمی عداوت اور مخاصمت پیدا ہوگئی ۔ رومی سلطنت پر مسلمانوں کے حملہ سے پہلے جب قیصر ہرقل نے اپنے علاقہ سے ایرانیوں کے حملہ کو پسپا کیا تو اپنی مملکت کے استحکام اور مضبوطی کی خاطر یہ ارادہ کیا کہ مملکت کے ہر حصہ میں مقامی مذاہب کو مٹا کر صرف یونانی کلیسا کے عقاید کو باقی رکھا جائے اور تمام رعایا کو یونانی عقیدہ کی اطاعت پر مجبور کیا جائے" تاکہ اس طرح تمام مملکت ایک ہی مذہب کے سانچے میں ڈھل جائے اور اختلاف مذاہب کی وجہ سے جو جھگڑے پیدا ہوتے ہیں وہ باقی نہ رہیں ۔ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہرقل نے "فیرس" کو مصر کا بطریق اور حاکم مقرر کیا اور اسے مصر کے اصلی باشندوں سے من مانا سلوک کرنے کا اختیار دے دیا کہ جس طرح چاہے قبطی مذہب کو فنا کرے ۔ قبطیوں نے اپنے بطریق " بنیامین " کی قیادت میں رومی سیاست کا سخت مقابلہ کیا جو انھیں ان کے مذہب سے ہٹانے کے لیے جاری کی گئی تھی ۔ جب " فیرس " کے مظالم شدت اختیار کرگئے تو قبطیوں کا بطریق بنیامین صحرا کی طرف بھاگ گیا ۔ لیکن مصر کے باقی باشندے اپنے مذہب کی حفاظت کی خاطر برابر رومیوں کے مقابل ڈٹے رہے ۔

رومیوں کا ظلم قبطیوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ یہودیوں پر بھی اسی طرح مظالم توڑے جاتے تھے ۔ فیرس نے ان پر بھی یونانی عیسائیت کے عقاید جبراً ٹھونسنے چاہے اور ان کے انکار پر انھیں طرح طرح کے مظالم کا شکار بنانا شروع کیا ۔ انھیں زندہ آگ میں جلا دیا جاتا ، قتل کر دیا جاتا ، ان کی جائدادیں چھین لی جاتیں ۔ غرض یہ کہ رومیوں نے ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر قبطیوں اور یہودیوں کو اپنا دشمن بنا لیا اور وہ اس بات کے انتظار میں رہے کہ کب ان کو موقع ملے اور وہ رومیوں کے خلاف بغاوت کر دیں ۔ چنانچہ جب عربوں نے مصر پر حملہ کیا تو قبطیوں اور یہودیوں نے ، جو مسلمانوں کے عدل و انصاف کی داستانیں سُن چکے تھے ، ان کو خوش آمدید کہا ، بڑھ چڑھ کر ان سے تعاون کیا اور ان کے زیرِ سایہ رہنے میں خوشی محسوس کی ۔

مصر میں رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی شام اور فلسطین میں تھی ۔ انھوں نے جان بُوجھ کر مصر کی طرف سے

[ا] مصر کے اصلی باشندے

الا ... یں برتی تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اس بات کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ عرب اس قدر سرعت کے ... کی جانب اپنی توجہات مبذول کرلیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ عرب سب سے پہلے شام اور فلسطین میں اپنی حکومت مضبوط کرنے پر زور دیں گے اور ایک لمبے عرصے تک کسی اور ملک کو فتح کرنے کا خیال بھی ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوگا۔

رومیوں کے مصر میں کئی اہم قلعے تھے۔ ان میں اہم ترین قلعے وہ تھے جو انھوں نے اسکندریہ کے اردگرد تعمیر کیے تھے۔ ان قلعوں میں زبردست جنگی آلات موجود تھے جن کے ذریعے قلعے کی حفاظت کا کام لیا جاتا تھا۔ نیز اتنا سامانِ رسد و خوراک بھی موجود تھا جو شہر کی حفاظت کرنے والی پچاس ہزار فوج کے لیے مہینوں کافی ہوسکتا تھا[1]

اسکندریہ کے قلعوں کے علاوہ بابلیون، نقیوس اور کریون کے قلعے بھی بڑی اہمیت رکھتے تھے اور بہت مضبوط تھے۔

جس وقت عرب مصر کی سرحدوں پر پہنچے ہیں تو رومیوں کو ان کے حملہ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ جب اچانک رومی قائدین کو لشکرِ اسلام کے سرحدِ مصر پر پہنچنے کی اطلاع ملی تو ان کے اضطراب اور پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ تاہم رومی حاکم فیرس جلدی جلدی تیاری کرکے اپنے صدر مقام اسکندریہ سے بابلیون کے قلعہ کی طرف روانہ ہوا کہ وہاں پہنچ کر عربوں کے حملہ کو روکے۔ اسی اثنا میں اس کو معلوم ہوا کہ مسلمان فوجوں نے "فرما" کا رُخ بھی کیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک فوج "فرما" کی جانب بھی روانہ کی اس ارادہ سے کہ وہ فرما کی حفاظتی فوج کی مدد کرسکے اور جتنی دیر تک ممکن ہو عربوں کی فوجوں سے اس کو بچائے رکھے۔

"فرما" ایک چھوٹا سا شہر تھا جو عریش سے پچھتر میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جب عربی لشکر نے عریش کو فتح کرلیا تو اُنھوں نے "فرما" کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا۔ عربوں اور شہر کی محافظ فوج میں کئی جھڑپیں ہوئیں، آخر کار عرب شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص "فرما" میں زیادہ عرصہ نہ ٹھہرے بلکہ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھے اور راستے میں کسی مزاحمت کے بغیر "بلبیس"[2] پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ ایک مہینہ تک جاری رہا۔ آخر رومی لشکر کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بلبیس میں رومیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی لیکن عرب تین ہزار چند سو سے زیادہ نہ تھے اس معرکہ میں عربوں کے ہاتھوں تین ہزار سے زیادہ رومی مارے گئے تھے۔ بلبیس پر، جو مصر کے مشرقی حصہ کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا، عربوں کی فتح نے مصریوں کے دلوں پر گہرا اثر ڈالا۔ ایران، شام، فلسطین اور عراق میں مسلمانوں کی فتوحات نے مصریوں کے دلوں کو پہلے ہی مرعوب کر رکھا تھا۔ جب انھوں نے اپنی سرزمین میں بھی انھی واقعات کو

---

[1] فتح مصر از بٹلر

[2] یہ شہر آج بھی موجود ہے اور قاہرہ اور عریش کے درمیان مصر کے مشرقی حصہ میں قاہرہ سے ۳۵ میل اور "فرما" سے ۹۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

رونما ہوتے دیکھا تو عربوں کی تعظیم و تکریم میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ یہ واقعہ ہے کہ مصر میں عربوں کی فتوحات کی بڑی وجہ ان کا اس سرزمین پر اچانک حملہ اور ان کا وہ رعب تھا جو مصریوں کے دلوں میں عربوں کی گزشتہ فتوحات کی وجہ سے پیدا ہوچکا تھا۔

حضرت عمروؓ بن العاص بلبیس میں کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد اپنی فوج کو لے کر مشرقی صحرا کو قطع کرتے ہوئے ام دنین[1] پہنچے۔ اس جگہ ایک رومی فوج موجود تھی۔ مصر میں رومی فوجوں کا سپہ سالار تبدور اس فوج کا سردار تھا۔ اس کے ساتھ ہی مصر کا رومی حاکم قیرس بھی تھا۔ جب ان دونوں نے سنا کہ عرب اس طرف آرہے ہیں تو وہ بڑے پریشان ہوئے۔ مقابلہ کی تیاری کی لیکن بے سود۔ رومی لشکر نے بُری طرح شکست کھائی اور عرب ام دنین پر قابض ہوگئے۔ حضرت عمروؓ نے اس کو اپنے لشکر کے لیے ایک فوجی چھاؤنی بنالیا۔

ام دنین کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص آگے بڑھے اور قلعۂ بابلیون پر پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا۔ اس جگہ رومیوں نے بڑی زبردست فوج اکٹھی کر رکھی تھی کیونکہ ان کو پتا تھا کہ اگر یہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تو مصر سے ان کا اقتدار ختم ہوجائے گا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ فیصلہ کیا کہ قلعہ پر حملہ نہ کیا جائے بلکہ پہلے وسطی مصر کو فتح کیا جائے کیونکہ اس طرح ایک تو رومیوں پر رُعب پڑے گا، دُوسرے رومیوں کی قوت مجتمع نہیں ہوسکے گی بلکہ بٹ جائے گی۔ جب مدینہ سے کُمک پہنچ جائے گی تب اس قلعہ پر بآسانی حملہ کرکے رومیوں کی قوت کو توڑا جاسکے گا۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے پیش قدمی کا پروگرام بہت ہوشیاری سے بنایا تھا۔ وُہ اپنی فوج کو لے کر پہلے "منفیس" پہنچے جو قدیم زمانہ میں فراعنہ کا دارالحکومت تھا۔ اس پر قبضہ کرکے مغربی جانب مُڑے اور شہر "فیوم" کا قصد کیا۔ قریب پہنچ کر پتا چلا کہ "فیوم" میں رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ یہ سُن کر اُنھوں نے "فیوم" پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کرکے "بہنسا" کا رُخ کیا۔ اسے فتح کرنے کے بعد ابھی وہیں مقیم تھے کہ اُنھیں پتا چلا کہ رومی سپہ سالار کچھ فوج لے کر ان کے پیچھے چلا آرہا ہے، وُہ پلٹے اور ان کی فوج کو شکست دی۔

رومیوں نے فیوم میں اس غرض کے لیے بڑی زبردست فوج اکٹھی کر رکھی تھی کہ مسلمان ضرور اس طرف آئیں گے اور وہ بآسانی ان سے نپٹ لیں گے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص وسطی مصر (جیزہ، فیوم، بنی سویف) کے علاقوں میں اپنا رُعب ڈال کر تیزی سے شمالی جانب مُڑ گئے اور رومیوں کو دوبارہ نئے سرے سے اپنے لشکر کی تنظیم کرنی پڑی اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اُنھوں نے جو تیاری کی تھی وہ سب اکارت گئی۔ اس سے ان کو بے حد اضطراب اور ڈر پیدا ہوگیا مسلمان اس تیزی سے مختلف علاقوں میں نقل و حرکت کر رہے تھے کہ رومی حیران تھے کہ آخر کس جگہ مسلمانوں کا جم کر مقابلہ

---

[1] ام دنین دریائے نیل کے مشرقی کنارے بابلیون کے قلعہ کے شمال میں ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جو تباہ و برباد ہوچکا ہے۔ بعد میں اسی علاقہ میں قاہرہ آباد کیا گیا۔

... مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ آج اگر جیزہ میں ہیں تو کل فیوم اور پرسوں کسی اور جگہ۔ اسلامی لشکر کی اس تیزی اور پھرتی نقل و حرکت بھی منجملہ ان اسباب کے تھی جنھوں نے ان کو مصر میں کامیابی کا منہ دکھایا۔

قاہرہ اور فیوم کے علاقوں میں رومیوں کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار نفوس سے کسی طرح کم نہ تھی اور ان کے دفاعی خطوط اور مضبوط قلعوں کا سلسلہ دُور تک چلا گیا تھا۔ لڑائی میں جس جس سامان اور جس رسد کی ضرورت ہوتی وہ ان کے پاس موجود تھی۔ انھیں دشمن سے لڑنے کے لیے دشمن کے علاقہ میں نہیں جانا پڑتا تھا بلکہ وہ خود اپنے علاقہ میں موجود تھے۔ اس کے بالمقابل عربوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ سامانِ جنگ کی ان کے پاس بیحد قلت تھی، ان کو اپنے وطن سے بیحد دور ایک ایسے علاقہ میں دشمن کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا جہاں کی نہ انھیں زبان آتی تھی اور نہ اس علاقہ کا انھیں کچھ علم تھا۔

لیکن بے پناہ دینی جذبہ، موت سے بے خوفی، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی امداد پر بھروسا یہ وہ عوامل تھے جنھوں نے ان کو ہر میدان میں کامیابی بخشی۔ نہ مضبوط قلعے ان کو آگے بڑھنے سے روک سکے اور نہ پہاڑ ان کے سدِ راہ بن سکے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسی قوم کے آگے نہ ٹھہر سکتے جس کے پاس ان لوگوں سے سیکڑوں گنا زیادہ قوت، طاقت، لشکر اور سامانِ جنگ تھا۔

اسلامی لشکر کی یہ نقل و حرکت جو مئی ۶۴۱ء کے آخر میں شروع ہوئی تھی چند ہفتے بڑی تیزی سے جاری رہی۔ جولائی کے مہینے میں حضرت عمروؓ بن العاص کو پتا چلا کہ حضرت زبیر بن العوام کی سرکردگی میں مدینہ سے کمک آ رہی ہے۔ یہ سُن کر وہ ان فوجوں کے استقبال کے لیے "ام دنین" پہنچے۔ ان فوجوں کے آنے سے مصر میں عربی فوجوں کی مجموعی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

(۱۴)

صُلح کی بات چیت

معرکۂ عباسیہ

جب حضرت عمروؓ بن العاص کو کمک پہنچ گئی تو آپ نے اس امر پر غور کرنا شروع کیا کہ آیا قلعۂ بابلیون پر از خود حملہ کر کے اسے فتح کیا جائے یا رومیوں کے قلعہ سے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے آخر کار بہت غور و فکر کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ ابھی کچھ دیر اور انتظار کرنا چاہیے تاکہ اپنی قوت اور لشکر کو مضبوط کرنے کا موقع بھی مل جائے۔ چنانچہ وہ مطریہ میں مقیم ہو گئے۔ کچھ روز تک مسلمانوں اور رومیوں میں چھیڑ چھاڑ نہ ہوئی۔ آخر کار ایک روز حضرت عمروؓ بن العاص کے جاسوسوں نے انھیں خبر دی کہ چالیس ہزار رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے قلعہ سے باہر نکلی ہے۔ اس کے علاوہ دس ہزار فوج اور ہے جو اس خیال سے قلعہ کے اندر چھوڑ دی گئی ہے کہ مسلمان موقعہ پا کر پیچھے سے قلعہ پر حملہ نہ کر دیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے اس عظیم لشکر کے مقابلہ کے لیے جنگی سُوجھ بُوجھ سے کام لینا چاہا۔ آپ نے اپنے لشکر کے تین حصّے کیے، ایک حصّہ کو مغرب میں امّ دنین[1] اور دوسرے حصّہ کو مشرق میں ثنیۃ الجبل کی جانب روانہ کیا اور ان دونوں حصّوں کے

---

[1] یہ جگہ موجودہ قلعۂ قاہرہ کے قریب واقع تھی۔

سرداروں کو ہدایت کی کہ وہ پچھلی جانب سے رومی لشکر کے دونوں بازوؤں پر حملہ کریں حضرت عمروؓ بن العاص خود سامنے کی جانب رومی لشکر کے مقابلہ کے لیے آ گئے۔

رومی لشکر بڑھتے بڑھتے اس جگہ پہنچا جہاں آج کل قاہرہ کا محلہ عباسیہ آباد ہے۔ یہاں اسلامی لشکر پہلے سے موجود تھا صفیں مرتب ہوئیں اور لڑائی شروع ہوگئی۔ شروع میں رومیوں کا پلّہ بھاری تھا۔ ابھی لڑائی جاری ہی تھی کہ اسلامی فوج کا وہ دستہ جو خارجہ بن حذافہ کی زیر سرکردگی پہاڑوں میں چھپا ہوا تھا اپنی کمین گاہوں سے نکلا اور اچانک رومیوں کے دائیں بازو پر آ پڑا۔ رومی اس ناگہانی حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔ ان میں شدید گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوئی اور وہ بائیں جانب ام دنین کی طرف مڑے جہاں عربی فوج کے دوسرے حصہ نے نیزوں اور تلواروں سے ان کا استقبال کیا۔ اب تین جانب سے رومیوں پر حملہ ہو رہا تھا۔ رومی سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح اس حصار سے نکلیں۔ بڑے معرکہ کا رَن پڑا، مسلمانوں نے رومیوں کی صفوں کی صفیں اُلٹ دیں۔ جو لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکے وہ قلعۂ بابلیون پہنچے اور قلعہ میں گھس کر دروازے بند کر لیے۔ بے شمار مالِ غنیمت اور سامانِ جنگ عربوں کے ہاتھ آیا اور وہ مطریہ سے لے کر قلعۂ بابلیون تک سارے علاقے پر قابض ہو گئے۔ جب اس معرکہ کی خبر "فیوم" اور "ابویط" میں مقیم رومی فوجوں کو پہنچی تو ان کے دلوں پر ایسی دہشت سوار ہوئی کہ وہ ان دونوں شہروں کو چھوڑ کر چلی گئیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی فوج کے چند دستے ان کی جانب بھیجے جنھوں نے ان دونوں شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ آپ نے چند اور دستوں کو ارد گرد کے علاقہ میں بھیجا، جنھوں نے جیزہ، منف اور اثریب وغیرہ شہروں کو فتح کیا۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص وسطی مصر کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ نے ماہِ ستمبر ۶۴۰ء میں قلعۂ بابلیون کا پورا طرح محاصرہ کر لیا۔ عباسیہ کا معرکہ جولائی میں ہو چکا تھا۔ قلعہ میں رومی فوجوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہ تھی کیونکہ معرکۂ عباسیہ میں ان کے لشکر کا اکثر حصہ موت کے گھاٹ اُتر چکا تھا۔

تیدور ——— رومی لشکر کا سپہ سالار ——— قلعہ میں موجود رومی فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ مصر کا حاکم اور شہنشاہِ ہرقل کا نائب قیرس بھی وہیں تھا۔ قلعہ میں جتنے لوگ تھے سب پر انتہائی درجہ کا خوف و ہراس طاری تھا کیونکہ وہ اس بات سے قطعاً ناامید ہو چکے تھے کہ عربوں کو قلعہ پر قبضہ کرنے سے روک سکیں گے اور ان کو پیچھے ہٹا دیں گے۔ ان کو اس بات کا بھی یقین کامل ہو گیا تھا کہ شام اور فلسطین کے معرکوں میں رومی لشکر کے بُری طرح شکست کھانے کے بعد اب ہرقل ان کی مدد کے لیے کوئی فوج نہیں بھیج سکے گا۔

ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قیرس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب ہمارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم عربوں سے صلح کر لیں۔ اس کے ساتھیوں نے رضامندی ظاہر کر دی اور اس کو اختیار دے دیا کہ وہ عربوں سے مل کر صلح کی بات چیت کرے۔ چنانچہ قیرس نے چند آدمیوں کا ایک وفد حضرت عمروؓ بن العاص کی خدمت میں بھیجا۔ عربی سپہ سالار نے وفد کی بہت تعظیم و تکریم کی اور بڑے غور سے اس کی باتیں سُنیں۔ رومی وفد کا قائد بابلیون کا اسقف تھا۔ اس نے

...بن العاص سے کہا کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑی زبردست طاقت جمع کر رکھی ہے اور ان کے پاس بے شمار سامانِ جنگ بھی موجود ہے اس لیے مسلمانوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ رومیوں سے صلح کر لیں۔

عربی سپہ سالار نے جواب میں کہا کہ رومیوں اور مصریوں کے لیے صرف تین راستے ہیں، ان میں سے وہ جس راستہ کو چاہیں اپنے لیے چُن لیں۔

پہلا یہ کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے۔ جن فوائد سے اس وقت مسلمان متمتع ہو رہے ہیں انہی فوائد سے وہ بھی متمتع ہوں گے۔ اور جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے وہی ان سے لیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ وہ جزیہ ادا کرنا منظور کریں۔ تیسرا یہ کہ لڑائی کے ذریعہ فیصلہ کر لیا جائے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے رومی وفد کو اپنے لشکر میں دو روز تک ٹھہرائے رکھا۔ اس دوران میں وفد نے اس رُوح کا بغائر مطالعہ کیا جو مسلمانوں میں موجود تھی اور اس جوش و خروش کو بھی دیکھا جو ہر مسلمان سپاہی کے دل میں موجزن تھا۔

جب رومی وفد واپس قلعہ میں پہنچا تو قیرس نے ان سے مسلمانوں کے حالات دریافت کیے۔ انھوں نے جواب دیا:

"ہم نے ایسی قوم کو دیکھا ہے جسے موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے اور تواضع تکبر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ان میں سے کوئی شخص دنیا اور متاعِ دنیا کا حریص نہیں ہے۔ وہ زمین پر بیٹھنے میں عار محسوس نہیں کرتے، وہ بغیر دسترخوان کے کھانا کھا لیتے ہیں، ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے، وہ کسی بات میں ان سے ممتاز نہیں، اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی ان میں کوئی تمیز نہیں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے ایک قطار میں کھڑے ہو کر انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔"

قیرس کی خواہش پر حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی ایک وفد قلعہ میں بھیجا۔ اس وفد نے بھی وہی شرائط رومیوں کے سامنے رکھیں جو حضرت عمروؓ بن العاص نے اسقف کے سامنے رکھی تھیں یعنی اسلام یا جزیہ یا لڑائی۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ان شرائط سے کسی صورت میں بھی عدول نہیں کیا جائے گا۔ لیکن رومیوں نے ان میں سے کوئی شرط بھی نہیں مانی۔ چنانچہ عربوں اور رومیوں کے درمیان سفارتی بات چیت ختم ہو گئی اور عربی وفد نے واپس آ کر حضرت عمروؓ بن العاص کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اس نے قلعہ میں دیکھا یا سُنا تھا۔

یہ سُن کر حضرت عمروؓ بن العاص نے ارادہ کیا کہ اب جبکہ بات چیت ناکام ہو چکی ہے رومیوں سے لڑائی کرنے میں جلدی کی جائے اور بہ قوت تمام قلعہ کو رومیوں کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیا جائے کیونکہ بابلیون اگر رومیوں سے لے لیا گیا تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ وسطی اور بالائی مصر سے رومی سلطنت ختم ہو گئی۔

حضرت عمروؓ بن العاص جنگی تیاریوں اور فوجوں کی ترتیب میں مصروف تھے کہ انھیں قیرس کا پیغام ملا جس میں کہا گیا تھا کہ ایک ماہ کے لیے عارضی صلح کر لی جائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ درخواست مسترد کر دی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ صرف تین دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر اس عرصہ میں تم لوگوں نے ہماری تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط قبول کر لی تو خیر، ورنہ

پھر جنگ کے سوا اور کوئی صورت نہیں رہے گی۔

قبل اس کے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کو رومیوں کی جانب سے کوئی جواب ملتا یا تین روز کی مدت ختم ہوتی رومی فوجیں اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں اس ارادہ سے کہ وہ مسلمانوں پر بے خبری کی حالت میں حملہ کر کے انھیں تباہ و برباد کر دیں گی۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط تھا۔ مسلمان پوری طرح چوکنے اور تیار تھے۔ لڑائی ہوئی اور حسبِ معمول رومی فوج کو شکست فاش اٹھانی پڑی وہ قلعہ کی طرف پلٹی اور دروازہ بند کر لیا۔

اب رومیوں کے کس بل نکل چکے تھے۔ اپنی طاقت اور قوت کے متعلق انھیں جو گھمنڈ تھا وہ خاک میں مل چکا تھا۔ ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ضرور قلعہ پر قابض ہو جائیں گے اور پھر ان کی خیر نہیں۔ چنانچہ انھوں نے دوبارہ صلح کی بات چیت شروع کی۔ اپنے قاصدوں کے ہاتھ اسلامی سپہ سالار کے پاس کہلا کر بھیجا کہ وہ جزیہ دینا اور اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ رہنا قبول کرتے ہیں۔ اس لیے صلح کی بات چیت شروع کی جائے۔ چنانچہ طرفین میں دوبارہ بات چیت شروع ہوئی اور چند شرائط پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ یہ پہلا معاہدہ تھا جو مصر میں رومیوں اور عربوں کے درمیان ہوا۔

معاہدہ کی شرطیں مندرجہ ذیل تھیں :

۱۔ یہ صلح جزیہ پر کی جاتی ہے۔

۲۔ اس صلح کا نفاذ اس وقت ہو گا جب شہنشاہِ ہرقل اس کی منظوری دے دے گا۔

۳۔ اگر ہرقل منظوری نہ دے گا تو صلح باطل سمجھی جائے گی۔

۴۔ ایک مہینے تک دونوں فوجوں میں لڑائی بند رہے گی۔ ہر لشکر اپنی اپنی جگہ پر رہے گا، آگے نہیں بڑھے گا۔

یہ معاہدہ جیزِ تحریر میں آنے کے بعد قیرس قلعہ سے نکل کر اسکندریہ گیا اور وہاں سے شہنشاہِ ہرقل کو معاہدہ کی تمام تفصیلات لکھ بھیجیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ عربوں کو شکست دے کر انھیں سرزمینِ مصر سے باہر نکال دینا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

سلطنتِ روما کے مورخین نے لکھا ہے کہ قیرس کا خط ملنے پر شہنشاہ نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا۔ وہ سمندر کے راستے قسطنطنیہ پہنچا اور شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر مصر کے تمام حالات سے، جو اس نے بچشمِ خود ملاحظہ کیے تھے، ہرقل کو آگاہ کر دیا۔ لیکن شہنشاہ نے قیرس کو خوب سخت سست کہنے کے بعد اس کے عذر کو تسلیم کیا اور معاہدہ کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا اور اسے قسطنطنیہ سے بہت دور نظر بند کرا دیا۔

اِدھر مصر میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان پھر جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ رومی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد قلعہ سے اس امید پر نکلتے کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے انھیں نقصان پہنچا سکیں گے، لیکن ہر بار انھیں منہ کی کھانی پڑتی اور وہ پسپا ہو کر پھر قلعہ میں آ جاتے۔ جب رومی آئے دن کی شکستوں سے تنگ آ گئے، اور قلعہ کا محاصرہ سختی سے سخت تر ہوتا گیا تو سات ماہ کے طویل عرصہ کے بعد انھوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی، جو قبول کر لی گئی۔ حضرت عمروؓ بن

... نے انھیں امان نامہ لکھ کر دے دیا جس میں کہا گیا تھا کہ رومی تین دن کے اندر اندر قلعہ سے نکل جائیں گے، وہ اپنے ساتھ صرف اتنا سامانِ خوراک لے جاسکیں گے جو چند روز کے لیے انھیں کافی ہو۔ قلعہ میں جو سامان اور ذخائر وغیرہ ہیں، انھیں ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ نیز شہر کے باشندوں کو جو اپنے دین پر قائم رہیں گے، جزیہ دینا ہوگا۔

قلعہ پر اسلامی جھنڈا ۶ اپریل ۶۴۱ء بروز جمعہ لہرایا گیا اور رومیوں کے نکل جانے کے بعد ۹ اپریل کو قلعہ پر اسلامی فوجوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ قلعہ کو فتح کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے پہلا کام یہ کیا کہ قلعۂ بابلیون اور روضہ وجیزہ کے درمیان دریائے نیل پر دو پل بنوائے۔ اس طرح عرب فوجوں کے لیے دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر جانے اور نقل وحرکت کرنے میں بے حد آسانی ہوگئی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے قریبی علاقوں میں فوجیں بھیجنی شروع کیں۔ ہر شہر اور بستی کے باشندوں نے انھی شرائط پر مسلمانوں سے صلح کرلی جن شرائط پر قلعۂ بابلیون کے باشندوں نے کی تھی۔ انھوں نے جزیہ دینا اور اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا منظور کرلیا۔ واقعہ یہ ہے کہ محض قلعۂ بابلیون پر قبضہ ہوجانے کی وجہ سے عرب تمام وادیٔ نیل کو اپنے قبضہ میں لانے میں کامیاب ہوگئے اور سارے علاقہ میں ان کا رعب اور دبدبہ قائم ہوگیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص چند روز بابلیون میں قیام پذیر رہے اور شہر کا نظم ونسق درست کرتے رہے۔ یہیں سے حضرت عمرؓ کو فتح کی خوشخبری بھیجی اور دیگر مصری شہروں خصوصاً اسکندریہ کو فتح کرنے کے لیے مزید کمک طلب کی۔ مئی کا مہینہ شروع ہونے سے قبل ہی آپ اپنی فوج کو لے کر قلعۂ اسکندریہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ البتہ فوج کا ایک دستہ عبداللہ بن حذافہ سہمی کی زیرِ قیادت بابلیون کی حفاظت کے لیے یہیں چھوڑ دیا۔

---

(۱۵)

فتح اسکندریہ

حضرت عمروؓ بن العاص مغربی صحرا کے راستے اسکندریہ روانہ ہوئے۔ پہلے فسطاط پہنچے، وہاں سے امیابہ سے آگے، بعد عزبتہ المناشی، پھر طرانہ۔ اس سفر میں آپ کو چند ہفتے (مئی، جون) لگے جس میں رومیوں سے کئی جنگیں بھی پیش آئیں لیکن سب میں مسلمانوں ہی کو فتح نصیب ہوئی۔ ان جنگوں میں سب سے بڑی جنگ "جنگِ کریون" تھی اس جگہ رومیوں نے کثیر تعداد میں فوج جمع کر رکھی تھی اور وہ لڑے بھی بہادری سے۔ عربوں کو انھیں شکست دینے میں بڑی دقت کا سامنا ہوا۔ لیکن بالآخر رومی فوج نے شکست کھائی اور وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قابض کرلیا۔ یہاں سے کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

"کریون" کی فتح اور یہاں کے نظم ونسق کی ترتیب سے فارغ ہو کر حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ پہنچے اور شہر کے سامنے ڈیرے ڈال دیے۔

اسکندریہ کا قلعہ مصر کا مضبوط ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس شہر میں رومی فوجوں کی تعداد پچاس ہزار نفوس سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جن کے پاس بہترین اسلحہ اور وافر مقدار میں سامانِ خوراک موجود تھا۔ شہر کے پچھلی جانب سے سمندر اس کی حفاظت کرتا تھا اور باقی تین اطراف سے مضبوط فصیل۔ اس وجہ سے اس کی فتح کی مہم بے حد کٹھن تھی۔

مسلمانوں نے اسکندریہ کی پوری طرح ناکہ بندی کر رکھی تھی جس سے وہاں کے باشندوں کی تجارت اور معاشی و اقتصادی حالت بالکل تباہ ہوگئی تھی۔ اسکندریہ مصر کا زبردست تجارتی مرکز اور ایک بہت بڑی بندرگاہ تھی اس کی آبادی بھی تین لاکھ سے کم نہ تھی اتنے آدمیوں کا شہر کی فصیل میں کئی مہینے کے لیے محصور ہو جانا ان کے لیے شدید بے چینی کا باعث ہوا۔

حضرت عمروؓ بن العاص قاہرہ اور اسکندریہ کے راستہ میں رومیوں کو شکست دیتے اور ان کے بڑے بڑے مرکزوں اور قلعوں کو فتح کرتے ہوئے اواخر جولائی میں اسکندریہ پہنچے تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اسکندریہ ان پناہ گزینوں سے بھرا ہوا تھا جو تمام اطرافِ نیل سے بھاگ بھاگ کر وہاں آئے تھے۔

اسلامی لشکر نے اپنے ڈیرے قلعہ اسکندریہ کے قریب نہیں بلکہ بہت پیچھے ہٹ کر ڈالے تھے تاکہ وہ قلعہ کی حفاظت کرنے والی فوج کے حملہ سے محفوظ رہ سکے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے تھوڑی سی فوج ساتھ لے کر قلعہ پر ایک معمولی سا حملہ اس غرض سے کیا کہ قلعہ کے کمزور مقامات کا پتا چل سکے اور شہر پر قبضہ کرنے کی کوئی راہ معلوم ہو سکے۔ لیکن قلعہ کی فصیل پر سے رومیوں نے اسلامی فوج پر آگ پھینکی اور منجنیقوں سے پتھر گرانے شروع کیے۔ حضرت عمروؓ بن العاص فوج کو لے کر پیچھے ہٹ آئے اور قلعہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے کسی مناسب وقت کی ٹوہ میں رہے۔

اس دوران میں رومی شہنشاہی پر ادبار کی گھٹائیں چھا چکی تھیں۔ ہرقل کو شام میں جن زبردست شکستوں اور پے درپے ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا تھا، ان سے اس کے دل کو سخت صدمات پہنچے تھے۔ آخر انہی صدمات کی تاب نہ لا کر وہ ۱۴۱ء میں فوت ہوگیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام قسطنطین اور چھوٹے کا کلوناس تھا۔ یہ دونوں سگے بھائی نہیں تھے۔ قسطنطین کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ کلوناس کی والدہ "مرتینہ" زندہ تھی اور قیصر کے آخری زمانہ میں مہماتِ سلطنت میں اس کی شریک رہتی تھی۔ قیصر کی وفات کے بعد اس نے چاہا کہ اس کا بیٹا کلوناس تخت پر بیٹھے تاکہ امورِ سلطنت میں اس کا عمل دخل اسی طرح برقرار رہے جس طرح قیصر کی زندگی میں تھا۔ لیکن چونکہ قسطنطین بڑا لڑکا تھا اس لیے قانوناً اسی کو تخت پر بیٹھنے کا حق پہنچتا تھا۔ چونکہ قسطنطین، کلوناس اور اس کی والدہ میں اقتدار کے حصول کی جنگ شروع ہوگئی تھی اس لیے سلطنت کے امراء اور رؤسا بھی مختلف دھڑوں میں بٹ گئے حالانکہ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ تمام ملک میں مکمل اتحاد ہوتا اور ملک کا ایک ہی قاید اور ایک ہی بادشاہ ہوتا۔

بہرحال قسطنطین تخت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے مصر کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اسکندریہ کے سپہ سالار کو قسطنطنیہ بلایا اور مصر کے جنگی حالات کے متعلق اس سے تبادلۂ خیالات کیا۔ قسطنطین نے سپہ سالار سے وعدہ کیا کہ وہ مصر کی رومی فوجوں کو مزید کمک بھیجے گا۔ لیکن ابھی اس کا ارادہ شرمندۂ تکمیل نہ ہوا تھا کہ اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ کہا جاتا ہے

کہ اس کے چھوٹے سوتیلے بھائی کی والدہ ملکہ مرتینیہ نے اسے ہلاک کرنے کی سازش کی تھی تاکہ زمامِ حکومت اس کے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے اور وہ حسبِ سابق سلطنت کے کاموں میں دخیل ہو سکے۔

قسطنطین کی وفات کے بعد نئے بادشاہ "کلوناس" نے مصر کے سابق حاکم قیرس کو جسے اس کے والد نے جلا وطن کر دیا تھا اپنے عہدہ پر بحال کر دیا اور اسے مصر بھیجا کہ وہ عربوں سے مصالحت کی بات چیت کرے اور وادیٔ نیل میں جنگی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔

قیرس اسکندریہ میں ستمبر ۶۴۱ء کو وارد ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مصر میں رومی فوجوں کا سپہ سالار "تیدور" بھی واپس آیا۔ قیرس کا باشندگانِ اسکندریہ نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ ان کو اس امر کا اطمینان ہو گیا کہ قیرس ان کو تباہی سے بچا لے گا۔

اسکندریہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد ماہِ اکتوبر کے آخر میں، قیرس خفیہ طور پر دریائے نیل کے راستہ حضرت عمروؓ بن العاص سے ملنے فسطاط آیا جو ان دنوں اپنے لشکر کو اسکندریہ کی فصیلوں کے ارد گرد چھوڑ کر کچھ عرصہ کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے قیرس کا اس کے شایانِ شان استقبال کیا اور اس سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آئے۔

اب دونوں قائدین کے درمیان صلح کی بات چیت شروع ہوئی جو ماہ نومبر ۶۴۱ء میں ختم ہوئی۔ آخر مندرجہ ذیل شرائط پر دونوں کا اتفاق ہو گیا:

۱۔ فریقین کے درمیان عارضی صلح گیارہ ماہ تک رہے گی۔

۲۔ عارضی صلح کے دوران میں عرب اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے اور اسکندریہ کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

۳۔ رومی لڑائی سے باز رہیں گے۔

۴۔ اسکندریہ کی محافظ فوج سمندر کے راستے اپنے وطن واپس چلی جائے گی۔ لشکر اپنا سامان واپس لے جاسکے گا، البتہ جو لوگ خشکی کے راستے سفر کریں گے، انھیں جب تک وہ سرزمینِ مصر میں رہیں گے، ہر ماہ اپنے سامان کا کچھ حصہ مسلمانوں کو دینا ہوگا۔

۵۔ رومی لشکر مصر واپس نہیں آئے گا اور نہ یہاں اپنا قدم جمانے کے لیے کسی قسم کی کوئی حرکت کرے گا۔

۶۔ مسلمان مسیحیوں کے گرجاؤں پر قبضہ کرنے اور ان کے دینی امور میں مداخلت کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔

۷۔ جو شخص مصر میں رہنا چاہے اسے جزیہ دینا ہوگا۔

۸۔ یہودیوں کو اسکندریہ میں رہنے کی اجازت ہوگی۔

۹۔ رومی ان شرائط پر قائم رہنے کی ضمانت کے طور پر ۱۵۰ رومی افسل لوگ اور ۵۰ باشندگانِ شہر بطور یرغمال مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

معاہدہ کی یہ شرطیں "حنا نقیوسی" کی بیان کردہ ہیں۔ لیکن مورخینِ عرب کا کہنا ہے کہ فریقین میں صرف اس بات پر اتفاق ہُوا تھا کہ مصریوں کو جزیہ دینا پڑے گا جس کی مقدار پچاس ہزار تھی۔ اس کے سوا کسی عربی مورخ نے دوسرے امور کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ معاہدہ زبانی ہوا تھا، تحریری نہیں۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد قیرس اسکندریہ واپس آگیا اور اس کی اطلاع قسطنطنیہ میں شہنشاہ کو بھیج دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ اس نے معاہدہ کی شرائط منظور کر لی ہیں۔ اِدھر حضرت عمرو بن العاص نے بھی معاویہ بن خدیج کندی کو امیرالمومنین کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا کہ بارگاہِ خلافت سے معاہدہ کی شرائط کی منظوری حاصل ہو سکے۔

مدینہ پہنچ کر معاویہ نے اپنی اُونٹنی مسجدِ نبویؐ کے دروازہ پر بٹھائی، ظہر کا وقت تھا، انھیں امیرالمومنینؓ کی ایک خادمہ نے دیکھا اور ان سے نام پوچھا۔

معاویہ نے کہا کہ وہ عمروؓ بن العاص کے قاصد ہیں۔

خادمہ نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ آپ نے فوراً معاویہ کو بلا لیا اور پُوچھا:

"کیا خبر لاتے ہو!"

معاویہ نے کہا:

"امیرالمومنین! میں ایک خوشخبری لایا ہُوں۔ خدا تعالیٰ نے اسکندریہ کو ہمارے ہاتھوں فتح کرا دیا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے پُوچھا:

"تم آتے ہی مجھ سے کیوں نہیں ملے؟"

معاویہ نے جواب دیا:

"میں اس وقت مدینہ پہنچا تھا جب آپ کے آرام کا وقت تھا۔ میں سمجھا کہ آپ سو رہے ہوں گے اس لیے میں نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"تم نے غلط خیال کیا اگر میں دن میں سو جاؤں گا تو رعایا کا نقصان کروں گا اور اگر رات کو سو جاؤں گا تو اپنا نقصان کروں گا۔ میں ان دونوں اوقات میں کیسے سو سکتا ہوں!"

حضرت عمرؓ فوراً مسجد میں تشریف لاتے اور اذان کا حکم دیا۔ مسلمان مسجد میں جمع ہو گئے۔ آپ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد انھیں خوشخبری سنائی کہ اسکندریہ فتح ہو گیا ہے اور تمام مصر نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے۔

قیرس نے اسکندریہ واپس جا کر معاہدہ کی شرائط کے متعلق سب سے پہلے رومی سپہ سالار تیدور کو مطلع کیا تھا۔ اس نے ان شرائط کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد قیرس نے چاہا کہ نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ معاہدہ کی شرائط پر عمل درآمد شروع کیا جائے۔

عام لوگوں میں دفعتہً اس خبر کی تشہیر کرنی اس نے مناسب نہ سمجھی، کیونکہ اس طرح تمام اسکندریہ میں ایک ہیجان برپا ہوکر [illegible]
امن وامان غارت ہوجاتا، جس کے نتیجہ میں اسے معاہدہ توڑنا پڑتا اور یہ اسکندریہ والوں کے لیے اور بھی تباہ کن ہوتا۔ اس کے لیے
قیرس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب وہ اسکندریہ کے حکام اور فوجی سرداروں کو اس معاہدہ کی شرائط کے متعلق اپنا ہم خیال بنا چکا تو اس
نے ایک عام اجتماع منعقد کرنے کا حکم دیا۔ جب تمام شہر ایک میدان میں اکٹھا ہوگیا تو اس نے تقریر شروع کی جس میں رومی حکومت
کی حالت اور اس کی کمزوری کی تمام تفصیلات بیان کیں۔ اس کے بعد عربوں کے مصر پر حملہ کا تذکرہ کیا اور اشارۃً وکنایۃً اس صلح کا بھی
ذکر کیا جو اس نے اسلامی فوج کے سپہ سالار سے کی تھی۔ اس نے مصلحتاً صلح کی شرائط تو نہیں بتائیں لیکن ان تمام وجوہ و بواعث کا
ذکر کر دیا جن کی وجہ سے صلح کرنی ناگزیر تھی۔ آخر میں اس نے اہلِ اسکندریہ سے اپیل کی کہ جن شرائط پر اس نے مسلمانوں سے صلح
کی ہے وہ اگرچہ مجمع عام میں نہیں بتائی جاسکتیں، تاہم تمام باشندے ان پر قایم رہنے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے وقت کوئی
رکاوٹ نہ ڈالنے کا اقرار کریں۔ کیونکہ جن حالات سے وہ آج گزر رہے ہیں ان کے پیشِ نظر شہر کی سلامتی اور شہر والوں کی جان ومال
محفوظ رکھنے کے لیے جو سب سے بہتر طریقہ ہوسکتا تھا وہ اس نے اختیار کیا ہے۔

تمام حاضرین نے متفقہ طور پر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ بہرصورت صلح کی شرائط پر قایم رہیں گے اور ان کو توڑنے کی کوشش
نہ کریں گے۔

باشندگانِ شہر کی طرف سے اطمینان ہونے پر قیرس نے معاہدہ کی شرائط سے شہنشاہِ روم کو اطلاع دی، جس نے
انھیں منظور کرلیا اور ان پر عمل درآمد شروع کرنے کا حکم دے دیا۔

جب یہ تمام مراحل طے ہوگئے اور شرائط کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو رومی حکام خفیہ طور پر شہر سے باہر مسلمان سرداروں
سے ملے اور ان سے یہ طے کیا کہ اسلامی فوج شہر کی فصیلوں کے نزدیک آجائے۔ شہر کے دروازے کھول دیے جائیں گے، فوج
شہر میں داخل ہوجائے، تمام شہر اطاعت قبول کرلے گا اور جزیہ کی پہلی قسط بھی اسی وقت ادا کر دی جائے گی۔ (جزیہ تین
قسطوں میں دینا قرار پایا تھا)

چنانچہ وقت معین پر عربی لشکر شہر کی فصیلوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ فوراً ہی یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی عامۃ الناس
معاہدہ کی شرائط سے بالکل بے خبر تھے۔ کیونکہ شہر کے حکام نے انھیں شرائط سے مطلع ہی نہیں کیا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ جوق درجوق
فصیل کے برجوں پر پہنچنے شروع ہوئے کہ دیکھیں رومی فوج اور مسلمانوں کے درمیان کس طرح مقابلہ ہوتا ہے، لیکن ان کی حیرت
کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ جونہی مسلمان شہر کے دروازوں پر پہنچے، دروازے کھول دئے گئے اور مسلمان امن و
سلامتی کے ساتھ شہر میں داخل ہونے لگے۔

یہ دیکھ کر کہ سب معاملہ ختم ہوچکا ہے، مسلمانوں کے شہر پر قبضہ نہ ہو سکنے کے متعلق ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر چکا ہے
اور فریقین میں مصالحت ہوگئی ہے، باشندگانِ شہر میں انتہائی اشتعال پیدا ہوا اور وہ قیرس کے محل پر پہنچے۔ قیرس باہر
نکلا اور تفصیل سے تمام واقعات مجمع کے سامنے بیان کیے، اس نے کہا:

اس صلح سے میرا مدعا صرف یہ تھا کہ میری قوم بچ جائے اور اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ عرب اتنے طاقت ور ہیں کہ اب ان کو کوئی چیز آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی۔ ان سے مقابلہ کرنا بے سود ہے۔"

"خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہے کہ وہ مصر کے حاکم بن جائیں اور خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ رومیوں کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ عربوں سے مصالحت کر لیتے، وہ اگر ایسا نہ کرتے تو تباہ ہو جاتے، خون کی ندیاں بہہ جاتیں، ان کے مال و اسباب ان سے چھن جاتے، ان تمام حوادث کے بعد جو لوگ زندہ رہ جاتے وہ مُردوں سے بدتر ہوتے، ان کے پاس کسی قسم کی ثروت اور جائداد نہ ہوتی اور وہ نہایت ذلت سے زندگی بسر کرتے، دنیا میں ان کے لیے کسی جگہ بھی ٹھکانا نہ ہوتا اور وہ خانہ بدوشوں کی طرح اِدھر سے اُدھر مارے مارے پھرتے۔"

"مسلمانوں سے صلح اس بات پر ہوئی ہے کہ اسکندریہ کے باشندوں کی جان و مال اور دین کی حفاظت کی جائے گی۔ اس صلح کے بعد جو چاہتا ہے کہ عیسائی سلطنت میں چلا جائے، اسے اس بات کا اختیار ہے، لیکن جو شخص مسلمانوں کے ماتحت ہو کر مصر ہی میں اپنی زندگی گزارنا چاہے، تو اسے اس بات سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

تقریر کے دوران میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور حاضرین بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ قیرس نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے جو کچھ کیا ہے محض قوم کی خاطر کیا ہے۔ اس کا مقصد صرف اور صرف قوم کی بھلائی اور بہتری تھا۔ اس کی اس تقریر اور ان آنسوؤں نے لوگوں پر بجید اثر کیا۔ ان کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور انھوں نے برضا و رغبت مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ جزیہ کی پہلی قسط بھی انھوں نے فوراً مہیا کر دی۔ قیرس خود رقم لے کر جنوبی دروازے سے مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور مسلمانوں کے حوالے کی۔

اسکندریہ پر مسلمانوں کا رسمی قبضہ یکم محرم ۲۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۶۴۱ء کو ہوا۔ حضرت عمروؓ بن العاص چند روز بعد اپنے پورے لشکر کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے اور حکومت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے کر شہر کے نئے انتظام میں مشغول ہو گئے۔

(۱۶)

کتب خانہ اسکندریہ

بعض مؤرخین حضرت عمرؓ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ جب اسلامی فوجوں نے اسکندریہ کو فتح کیا تو وہاں ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا، جسے حضرت عمرؓ نے جلا دینے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ کتب خانہ بڑی بیدردی سے جلا دیا گیا اور اس طرح دنیا کو

زبردست علمی دولت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ لیکن یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔

اسکندریہ نے مصر میں اس وقت سے علمی شہرہ حاصل کیا۔ جب سے خاندانِ بطالسہ نے اس کو اپنی سلطنت کا دار الحکومت بنایا۔ رفتہ رفتہ یہ شہر دنیا کا علمی مرکز بن گیا۔ علوم و معارف اور فنونِ فلسفیہ کا یہاں دریا بہنے لگا۔ اسی زمانہ میں یہاں ایک کتب خانہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۴۸ ق م تک اس کتب خانہ میں علوم و فنون کی سات لاکھ کتابیں جمع ہو چکی تھیں۔

اسی سال اسکندریہ والوں نے مشہور رومی سپہ سالار جولیس سیزر کے خلاف بغاوت کر دی۔ جولیس سیزر کو کیلو پٹرا نے جو شہنشاہ بطلیموس کی بہن اور امورِ مملکت میں اس کے ساتھ شریک تھی، اپنے بھائی کے خلاف اپنی مدد کے لیے بلایا تھا۔ عوام الناس نے قصر الملوک کا جہاں رومی شہنشاہ مقیم تھا، محاصرہ کر لیا۔ جولیس سیزر نے اس خیال سے کہ کوئی شخص اس تک نہ پہنچ سکے، محل کے چاروں طرف آگ روشن کروا دی اور خود بچ کر نکل گیا۔ اس آگ کے شعلے بڑھتے بڑھتے اس عدیم المثال کتب خانے تک بھی پہنچ گئے اور اس کے بڑے حصہ کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

جولیس سیزر کے بعد جب "مرقص انطونی" کیلو پٹرا کے عشق میں گرفتار ہوا تو اس نے ۴۱ ق م کے لگ بھگ اس مصری ملکہ کو ایشیائے کوچک کے شاہانِ برجوم کے کتب خانہ کی تمام کتابیں تحفہ کے طور پر پیش کیں۔ ان کتابوں کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی۔ اس طرح اس کتب خانے نے وہی حیثیت حاصل کر لی جو اسے آگ لگنے سے پہلے حاصل تھی۔ بعد میں روم اور یونان کے عہدِ بت پرستی کی تالیفات کثرت سے اس میں جمع ہوتی رہیں۔

جب سرزمینِ مصر میں عیسائیت نے اپنا قدم رکھا تو وہاں کی علمی زندگی کو ایک نئے اور خاص رنگ میں ڈھال دیا۔ عیسائیت اور بت پرستی میں مقابلہ شروع ہو گیا اور دورِ بت پرستی کے کتب خانوں کے مقابلہ میں مسیحی کتب خانے قائم ہو گئے۔

جب عیسائی قیصروں نے مصر پر اچھی طرح تسلط جما لیا اور عیسائیت کو خوب اچھی طرح فروغ حاصل ہو گیا تو عہدِ بت پرستی کے اس عظیم الشان کتب خانہ کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا گیا اور اسکندریہ کے دوسرے کتب خانوں میں عیسائی مولفین کی کتابوں، کتبِ مقدسہ اور ان کی شروح کی بھرمار ہونے لگی۔

اس کے بعد شہنشاہ تھیوڈوسس (۳۷۹ء تا ۳۹۵ء) کا عہدِ حکومت آیا۔ یہ بادشاہ نہایت ہی متعصب تھا اس نے مصر کے عہدِ بت پرستی کے تمام عبادت خانوں اور مدرسوں کو گرانے کا حکم دے دیا انہی عبادت خانوں اور مدرسوں میں اسکندریہ کا مشہور معبد "سراپیس" بھی تھا۔ اسکندریہ کا مذکورہ کتب خانہ بطالسہ کے قدیمی محلات کے منہدم ہونے کے بعد اس معبد میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس طرح علم و فن کا وہ بیش بہا خزانہ، جو جولیس سیزر کے عہد کی آتش زدگی کے بعد بچنے والی تصنیفات، مکتبہ برجمیہ کی دو لاکھ کتابوں اور ۳۸۹ء تک اس کتب خانہ میں شامل ہونے والی نئی مؤلفات پر مشتمل تھا، نہایت بے دردی سے ضائع کر دیا گیا۔

۴۱۵ء میں قبطیوں کے آبائی مذہب کے خلاف اسکندریہ میں ایک اور طوفان اٹھا۔ یہ طوفان اسکندریہ کے پیٹریارک کیرلس اکبر نے اس عہد کے ایک بت پرست فلسفی "ہپاتیا" کے خلاف اٹھایا تھا۔ اس شورش میں نہ صرف یہ کہ اس غریب

...ں، بلکہ شہر میں دورِ بُت پرستی کی یادگار جو کچھ علمی کتابیں باقی رہ گئی تھیں، وہ بھی تباہ ہوگئیں۔
۵۲۹ء میں شہنشاہ جوسٹینین (جامع قانون جوسٹینین) نے عیسائیت کے علاوہ ہر مذہب کو کچل دینے کا ارادہ کیا۔
اسی سلسلہ میں اس نے بُت پرستوں کے واحد اور آخری مدرسہ "ایتھنا" کو بند کرنے اور سلطنتِ روما کے طول و عرض میں بت پرستوں کے علماء کی لکھی ہوئی ہر کتاب کو ضائع کر دینے کا حکم دے دیا۔

بار بار کی ان آتشزدگیوں اور مختلف شہنشاہوں کے ہاتھوں کتابوں کی تباہی کے بعد اس کتب خانہ میں کچھ باقی ہی نہیں رہا تھا جسے مسلمان آکر جلاتے۔ اسی کی طرف "انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا" میں اشارہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"ابوالفرج ملطی نے کتب خانہ اسکندریہ کو عمروؓ بن العاص کے ہاتھوں آگ لگا دینے کی جو روایت بیان کی ہے وہ بالکل بے بنیاد اور صریحاً مغالطہ دہی ہے۔ کیونکہ ان آتشزدگیوں کے بعد جن میں اس کتب خانہ کا اکثر حصّہ برباد ہوا اور ۳۸۹ء میں شہنشاہِ تھیوڈوسس کے حکم سے پیٹریارک تیوفیلس کے ہاتھوں اس کتاب خانہ کی تباہی کے بعد اس میں کوئی قابلِ ذکر کتاب باقی نہیں رہی تھی۔"

مسلمانوں کے ہاتھوں کتب خانہ اسکندریہ کی تباہی کی روایت بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ متقدمین عرب و روم کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر قطعاً ناپید ہے۔ مسلمانوں کے مصر فتح کرنے کے چھ سو سال بعد تک کوئی مورخ اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا حالانکہ اس عرصہ میں بیسیوں کتابیں تاریخِ مصر اور مسلمانوں کی فتوحات کے بارے میں لکھی گئیں۔

فرانس کا مشہور مصنف موسیو کرک کہتا ہے:

"فتح اسکندریہ کے وقت کتب خانہ مذکورہ موجود ہی نہیں تھا جسے مسلمان آگ لگاتے۔"

انگریز مورخ بٹلر اس روایت کے متعلق لکھتا ہے:

"میری ہمیشہ سے یہ رائے رہی ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کتب خانہ اسکندریہ کی تباہی بالکل بعید از قیاس ہے، کیونکہ عرب گیارہ ماہ تک شہر اسکندریہ میں داخل نہیں ہوئے۔ صلح نامہ میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ رومی اپنا سارا سامان اپنے وطن لے جا سکتے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں سمندر کا راستہ اُن کے لیے کھلا ہوا تھا۔ اگر کتب خانہ میں کوئی علمی کتاب باقی ہوتی تو رومی اسے ضرور اپنے ساتھ لے جاتے۔"

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ پہلے ہی جلایا جا چکا تھا اور اس میں کوئی ایسی کتاب باقی نہ رہی تھی جس کو عرب آکر جلاتے۔[1]

(۱۷)

مصر میں اسلامی فتوحات پر ایک اجمالی نظر

فسطاط کی آبادی حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ فتح کرنے کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ وہ مصر میں

[1] اس الزام کی تردید کے لیے دیکھیے "ایران اور مصر میں کتب سوزی" از مرتضیٰ مطہری شہید۔ اردو ترجمہ عارف نوشاہی مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی ۱۹۸۱ء (ادارہ)

...پنی فوجوں کے لیے کوئی چھاؤنی بنائیں، جیساکہ عراق میں بصرہ اور کوفہ کو بنایا جا چکا تھا۔ پہلے تو ان کا یہ ارادہ ہوا ...ہی کو فوجی چھاؤنی بنا لیا جائے، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے انھیں منع کر دیا۔ کیونکہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور اسلامی لشکر کے درمیان کوئی دریا حائل ہو۔ تب حضرت عمروؓ بن العاص کی نظر اس میدان پر پڑی جہاں قلعۂ بابلیون کے محاصرہ کے وقت اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہی جگہ ہے جہاں آج کل قاہرہ آباد ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہاں ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام "فسطاط" رکھا۔

فتح کے بعد مسلمانوں نے مصریوں سے انتہائی رحم دلی اور احسان کا برتاؤ کیا۔ مسلمان مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے فتح کی نوعیت کے مطابق برتاؤ کرتے تھے۔ جو شہر جنگ کے ذریعہ فتح کیے جاتے تھے مسلمانوں کو پورا اختیار رہتا تھا کہ اس شہر کے باشندوں کے ساتھ جس قسم کا سلوک مناسب سمجھیں، کریں۔ اس سے ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ شہریوں پر ان کا رعب طاری ہو جائے تاکہ وہ دوبارہ مقابلہ کے لیے نہ اُٹھ کھڑے ہوں اور فاتحین کے راستہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

لیکن جو شہر صلح کے ذریعے مسلمانوں کے قبضہ میں آتے تھے اور وہاں کے باشندے ان سے جنگ کرنے سے احتراز کرتے تھے، ان کا معاملہ جنگ کے ذریعے فتح کیے ہوئے شہروں کے معاملہ سے بالکل مختلف ہوتا تھا۔ اگر وہاں کے باشندے اسلام قبول کر لیتے تھے تو انھیں بالکل مسلمان شہریوں کے سے حقوق دیے جاتے تھے اور اس میں کسی قسم کی تمیز روا نہیں رکھی جاتی تھی، کیونکہ اسلام طبقاتی نظام اور گروہ بندی کا قائل نہیں ہے اور اس کے نزدیک تقویٰ اور اعمالِ صالحہ ہی معیارِ فضیلت ہے، اس کے علاوہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ لیکن اگر مفتوحہ شہر کے باشندے اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے تو انھیں اس کی اجازت تھی لیکن شرط یہ تھی کہ وہ جزیہ ادا کریں اور اسلامی احکام کے آگے سرِتسلیم خم کر دیں۔

جزیہ بھی کسی قسم کا تاوان نہیں تھا بلکہ فی الواقع وہ معاوضہ تھا جو مسلمان، غیر مسلم رعایا سے اس کی حفاظت کے عوض وصول کیا کرتے تھے۔ اس کے بدلے غیر مسلموں کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ شام میں جب اسلامی فوجوں نے بعض شہروں کو خالی کیا تو جتنا جزیہ انھوں نے ان علاقوں کے شہریوں سے وصول کیا تھا وہ سب واپس کر دیا۔ قائدینِ لشکر کی دلیل یہ تھی کہ انھوں نے یہ جزیہ باشندگانِ شہر کے دفاع اور ان کی حفاظت و سلامتی کے معاوضہ میں وصول کیا تھا لیکن اب کے وہ ان کا دفاع کرنے اور ان کی سلامتی برقرار رکھنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہ وصول شدہ جزیہ انھیں واپس کیا جانا چاہیے۔ پھر خود جزیہ بھی اس قسم کا ٹیکس نہ تھا جو مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی کمر توڑ دیتا بلکہ اس کے برعکس ان ٹیکسوں سے بدرجہا کم تھا، جو رومی حکومت کے زمانہ میں مصری باشندوں پر عائد کیے جاتے تھے۔

مزید برآں اکثر شہر، جو جنگ کے بعد فتح کیے گئے، حضرت عمرؓ کے حکم سے وہاں کے باشندوں سے ویسا ہی سلوک کیا گیا جیسا ان شہروں کے باشندوں سے کیا گیا جنھوں نے صلح کے ذریعہ اپنے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیے تھے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو مفتوحہ شہروں کے باشندوں سے پیار محبت اور نرمی کا سلوک کیا جائے تاکہ وہ

ا... کے گرویدہ ہوجائیں نیز شہروں کو تباہی اور بربادی سے بچایا جائے۔ چنانچہ گو قلعۂ بابلیون کو مسلمانوں نے شدید جنگ کے بعد فتح کیا تھا لیکن جب شہر کے باشندے حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس امان طلب کرنے آئے تو آپ نے ان سے مصالحت کرنے، ان کو امان دینے اور ان کے اموال وجائداد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانے کا وعدہ کرنے میں ذرا بھی پس وپیش سے کام نہ لیا۔

صرف قلعۂ بابلیون پر ہی موقوف نہیں حضرت عمروؓ بن العاص نے مصری فتوحات کے سلسلہ میں عام طور پر یہ طریقہ اختیار کیے رکھا کہ آپ باشندگانِ ملک سے نرمی اور ہمدردی کا سلوک کرتے اور سختی سے حتی المقدور اپنا پہلو بچائے رکھتے تھے۔ آپ کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ بات رہتی تھی کہ فتوحاتِ اسلامی ملک کی تباہی اور بربادی کے لیے نہیں کی جارہیں اور نہ ان کا مقصد اس قسم کی شدّت، سختی اور ظلم وجور روا رکھنا ہے جو رومیوں نے اپنی فتوحات کے دوران میں روا رکھی تھیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی اس سیاست کا، جو آپ نے مصر میں اختیار کی اور وہاں کے باشندوں کے ساتھ نرمی اور پیار محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں مصر میں خُوب اچھی طرح جم گئے۔ فتوحات کے دوران میں وہاں کے باشندے مسلمانوں کی برابر امداد کرتے رہے اور ایک کثیر حصہ نے اسلام بھی قبول کر لیا۔

عربوں کو مصر فتح کرنے میں دو سال دو مہینے[1] لگے۔ یہ فتوحات مشرقی مصر کے سرحدی شہر "عریش" میں اسلامی فوجیں داخل ہونے سے شروع ہوئیں۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد ایک سال کے اندر اندر اسلامی فوجوں نے دمیاط، ساحلی علاقہ اور شمالی ڈیلٹا کو بھی فتح کر لیا۔

مصر کو نہایت قلیل فوج کے ساتھ فتح کرنا حضرت عمروؓ بن العاص کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جنگی نقطۂ نظر سے یہ بات بیحد ضروری ہے کہ حملہ آور فوج قلعوں اور فصیلوں کے اندر رہنے والی مدافعتی فوج سے بہت زیادہ ہونی چاہیے اور اس کے مادی ذرائع بھی بہت وسیع ہونے چاہئیں۔ کیونکہ حملہ کی مہم مدافعت کی مہم کے مقابلہ میں بہت زیادہ سخت اور مشکل ہوتی ہے۔ دفاع کرنے والی فوج کو زیادہ قوت وطاقت کی ضرورت نہیں ہوتی خصوصاً جب کہ وہ فوج مضبوط قلعوں، فصیلوں اور بلند وبالا بُرجوں کی پناہ میں ہو۔ چنانچہ عربوں کے مصر پر حملہ کرنے کے وقت مصر میں متذکرہ بالا حفاظتی اقدامات کی کوئی کمی نہ تھی۔ تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کوئی سپہ سالار کسی شہر یا علاقہ کو فتح کرنے نکلا ہو، اس کی فوج مدافعت کرنے والی فوج سے کم ہو اور پھر اس کو ہزیمت نہ اٹھانی پڑی ہو۔ اس کلیہ سے صرف وہ اسلامی سپہ سالار مستثنیٰ ہیں جو شام، مصر اور عراق کو فتح کرنے کے لیے نکلے۔ ان سپہ سالاروں کے لشکروں کے مقابلہ میں جو لشکر آتے، ان میں اور اسلامی لشکروں کی تعداد میں کوئی مناسبت ہی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ایرانی اور رومی فوجوں کے پاس جو بے پناہ وسائل اور مادی ذرائع جنگ جیتنے کے لیے تھے، عربوں کے پاس ان کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان چھوٹے چھوٹے لشکروں

---

[1] ماہِ ذوالحجہ ۱۹ھ سے ۲۲ھ تک

...نے ایران اور رومیوں شہنشاہیتوں کے تختے اُلٹ دیے اور دندانہ ان کے علاقوں میں گھستے اور شہر پر شہر اور علاقہ پر علاقہ فتح کرتے چلے گئے۔

قبطی، رومی اور عرب مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ اس اسلامی لشکر کی تعداد، جو حضرت عمروؓ بن العاص مصر کی جانب لے کر چلے اور جس نے مصر کی مشرقی سرحد پر فتوحات حاصل کیں، چار ہزار سواروں سے زیادہ نہیں تھی۔ ان مورخین کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عربوں کے مقابلہ میں قبطیوں اور رومیوں کے لشکر کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے کسی صورت میں بھی کم نہیں تھی، جو اسکندریہ سے لے کر مصر کے بالائی حصّہ تک اور فرما سے لے کر فیوم تک پھیلا ہوا تھا۔ ان فوجوں نے مصری شہروں کے استحکامات میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ جا بجا قلعے بنے ہوئے تھے اور دفاعی خطوط قائم تھے۔

عرب اس سرزمین میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے جہاں کی کوئی چیز بھی ان کے وطن سے نہ ملتی تھی۔ اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب اور تھا، زبان اور تھی، عادات و خصائل اور تھے۔ عرب اس کے راستوں سے ناواقف تھے۔ لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود اس چھوٹے سے لشکر کے سامنے رومی افواجِ قاہرہ کی کوئی پیش نہ جا سکی اور تمام مصر پر دیکھتے دیکھتے اسلامی افواج کا قبضہ ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مصر کی فتح دنیا کی جنگی تاریخ میں لازوال حیثیت کی حامل ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کے مقابلہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کی عراق و شام میں فتوحات، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی فتحِ قادسیہ اور فتحِ نہاوند کے سوا اور کسی جنگی جرنیل کے کارناموں کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۸)

امیر المومنین اور آپ کے عمّال

پچھلے صفحات میں ان فتوحات کا حال بیان کیا گیا ہے جو مسلمانوں نے عراق، ایران، شام اور مصر میں حاصل کی تھیں اب ہم مختصر طور پر حضرت عمرؓ کی سیاست اور آپ کے جاری کردہ نظام کے متعلق کچھ بیان کریں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حکومت کا طریقہ تقریباً وہی رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔ عہدِ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی سب کچھ تھی۔ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ہی بہ حالتِ جنگ فوج کے سپہ سالار ہوتے تھے، مقدمات سارے آپ کے پاس ہی پیش ہوتے تھے اور اسلامی حکومت کے سربراہ بھی حضور ہی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے۔ جن عمّال اور امرأ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا آپ نے بھی ان ہی کو باقی رکھا۔ البتہ جب خلافت کے امور میں وسعت پیدا ہوئی تو حضرت

...دیق کی آسانی کے لیے حضرت ابوعبیدہؓ نے بیت المال کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور مقدمات فیصل کرنے کا کام حضرت ... فرامین وغیرہ لکھوانے کے لیے کوئی خاص آدمی مقرر نہ تھا بلکہ صحابہؓ میں سے جس سے چاہتے یہ کام لے لیتے۔ آپ کے عہد میں حکومت کا کام بیحد سہل اور سادہ تھا اور کسی نئے انتظام کے وضع کرنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن جب زمامِ خلافت حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئی فتوحات میں وسعت پیدا ہوئی، اسلام مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا تو لازماً حکومت چلانے کے لیے ایک نیا نظام مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ ان نئے شہروں اور علاقوں میں، جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا، ایرانی اور رومی سلطنتوں کا مقرر کردہ نظام نافذ تھا، اور وہاں حکومت کا ہر کام منظم قواعد کے تحت ہوتا تھا۔ اس لیے نئی حکومت کے لیے واجب تھا کہ وہ گزشتہ حکومت کے نظام اور قوانین کی جگہ ایسا نظام اور قوانین مرتب کرے جن سے یہاں کے باشندوں میں بے چینی نہ پیدا ہو اور رعایا کے ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس ہو سکے۔

خلیفہ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ دور دراز تک پھیلے ہوئے شہروں کے کل حالات سے ذاتی طور پر واقف ہو، لازماً ہر شہر کے معاملات اس شہر کے عامل اور امیر کے سامنے پیش ہوتے تھے اور وہی ان سے عہدہ برآ ہوتا تھا۔ یہی عامل حضرت عمرؓ اور آپ کی رعایا کے درمیان واسطہ ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو اس بات کی شدید خواہش تھی کہ آپ کے عمال آپ ہی کی سیرت اختیار کریں، آپ ہی کے طریقوں پر چلیں اور اپنے اخلاق و عادات کو آپ ہی کے اخلاق و عادات کے سانچے میں ڈھالیں۔ اگر کسی عامل سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی تو اس کے ساتھ اپنے آپ کو بھی ذمہ دار قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس بارہ میں خدا تعالیٰ کے سامنے وہی جوابدہ ہوں گے۔ اسی لیے آپ اپنے عمال کی حرکات و اعمال پر کڑی نظر رکھتے اور سختی سے محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ آپ نے سلطنت کے ہر علاقہ میں جاسوس مقرر کر رکھے تھے، جو آپ کو دم بہ دم عمال کے افعال اور ان کی سیاست سے باخبر رکھتے تھے اور بتلاتے رہتے تھے کہ رعایا سے ان کا برتاؤ کیسا ہے؟ آپ اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کی بھی خوب اچھی طرح چھان بین کرتے تھے اور اگر وہ سچی نکلتی تھیں تو عامل سے فوراً جواب طلب کرتے تھے۔ اگر کوئی سنگین معاملہ ہوتا تھا تو اسے اس کے عہدہ سے برطرف کر دیتے تھے، لیکن اگر معمولی غلطی ہوتی تھی تو محض سرزنش پر اکتفا کرتے تھے۔ اگر مخبر کی رپورٹ غلط ہوتی تھی تو پھر اس کو سخت سزا دیتے تھے۔ اس طریقہ سے سلطنت کے ہر حصہ کی خبریں آپ کو ملتی رہتی تھیں اور عمال یا رعایا کی کوئی حرکت آپ سے چھپی نہ رہتی تھی۔ آپ کی ہدایت تھی کہ عمال نہایت سادہ زندگی بسر کریں کھانے پینے اور لباس میں میانہ روی اختیار کریں، فضول خرچی اور شان و شوکت سے قطعاً پرہیز کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ خود انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چونکہ عمال پر آپ کا رعب بے حد تھا اس لیے وہ آپ کے احکام سے سرِمُو تجاوز نہ کرتے تھے اور جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا حضرت عمرؓ کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنا کر سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

جب آپ کسی شخص کو عامل بنا کر کسی جگہ بھیجتے تھے تو اسے رخصت کرنے خود شہر سے باہر تک تشریف لے جاتے تھے اور رخصت کرنے کے وقت اسے بے بہا نصیحتوں سے بھی نوازتے تھے۔ آپ اپنے عمال سے فرمایا کرتے تھے: میں نے تمھیں

...پر اس لیے عامل نہیں بنایا کہ تم اسے اپنی دست درازیوں اور ظلم و ستم کا نشانہ بناؤ بلکہ اس لیے بنایا ہے کہ انھیں ... پڑھاؤ اور عدل و انصاف سے ان کے مقدمات فیصل کرو۔ آپ عمال کو رعایا کے ساتھ حُسنِ سلوک اور نرمی کرنے کی بیحد تاکید کیا کرتے تھے اور انھیں حکم دیا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے کی طرف رغبت دلائیں اور زیادہ احادیث بیان کرنے سے روکیں۔ کیونکہ کثرتِ روایت سے کئی جھوٹی حدیثیں لوگوں میں مشہور ہوگئی تھیں۔

امرائے لشکر کو آپ کی نصیحت تھی کہ وہ اللہ سے ڈریں، زیادتی نہ کریں، دشمن سے مقابلہ کے وقت بزدلی نہ دکھائیں، دشمن پر فتح پانے کے بعد اس کی لاشوں کا مثلہ نہ کریں، کسی بوڑھے، کسی عورت اور کسی بچے کو قتل نہ کریں، جہاد کو مال و دولت کمانے اور لونڈی غلام حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ یہ امرا اپنے پیشِ نظر رکھیں کہ جہاد صرف اسلام کے جھنڈے کو بلند و بالا کرنے اور اس کو عزت اور رفعت دینے کے لیے ہے۔

اگر رعیت میں سے کوئی شخص کسی عامل کی شکایت آپ کے پاس لاتا تھا تو آپ فوراً عامل کو مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے اور اُس سے اس شخص کی شکایت کے بارہ میں جواب طلب فرماتے تھے۔ اگر عامل کے خلاف شکایت مبنی برحق ہوتی تھی تو مظلوم کی دادرسی فرماتے تھے اور عامل کو سزا دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ بار بار اپنے عمال کو یاد دلایا کرتے تھے کہ وہ رعیت کے خادم ہیں، اپنے آپ کو حاکم کبھی نہ سمجھیں۔ آپ کا اعتقاد تھا کہ جو شخص امت کا مال کھاتا ہے، اس کے لیے امت کی خدمت کرنا فرض ہے۔ اس گروہ کا کوئی شخص اگر اُمت کی خدمت سے پہلوتہی اور اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کی حیثیت ایک چور کی سی ہے اسی لیے حضرت عمرؓ رات کو بہت کم سوتے تھے بلکہ رات کا اکثر حصہ مدینہ کی گلیوں میں یہ دیکھنے کے لیے گزار دیا کرتے تھے کہ آیا رعایا مطمئن ہے یا نہیں اور اسے کوئی تکلیف تو نہیں، اگر کسی شخص کو مصیبت یا فقر و فاقہ میں مبتلا دیکھتے تو آپ کی نیند اُڑ جاتی، آپ کا آرام جاتا رہتا۔

آپ نے محمد بن مسلمہ کو سلطنت کے عمال کی تفتیش کا کام سپرد کیا تھا جس شہر سے بھی وہاں کے عامل کی کوئی شکایت موصول ہوتی تھی آپ انھیں بھیج دیا کرتے تھے۔ ان کے کام سے آپ بیحد مطمئن تھے۔ آپ نے انھیں ہدایت دے رکھی تھی کہ عامل کی شکایات کے بارہ میں جا کر عام مجموں میں لوگوں کا اظہار لیں۔ کسی شخص کو یہ ڈر نہیں ہو سکتا تھا کہ اگر میں نے عامل کے خلاف گواہی دی تو عامل بعد میں مجھ سے بازپرس کرے گا اور مجھے نقصان پہنچائے گا کیونکہ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ بہت سخت تھے اور آپ کے ڈر سے کوئی عامل اپنے خلاف گواہی دینے والے شخص کو کوئی سزا نہیں دے سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جب آپ کسی شخص کو عامل بناتے تو تقرر سے پہلے اس کے اموال و اسباب اور جائداد کا جائزہ لیتے۔ اگر بعد میں اس کے مال و اسباب میں غیر معمولی زیادتی ہوتی تو زاید مال کی ضبطی کا حکم دے دیتے یا اس میں سے کچھ حصہ ضبط کر لیتے۔ آپ اس بارہ میں یہ دلیل دیتے تھے کہ عامل امت کے اموال میں سے صرف اتنا حصہ ہی لے سکتا ہے جو اسے کافی ہو۔ اگر اس کے پاس مال و اسباب کی زیادتی ہو جائے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو سکتی ہے۔ یا تو اس نے وہ مال ناجائز طور پر حاصل کیا ہے، اس صورت میں اس کے مال کا بیت المال زیادہ حقدار ہے،

جہاں سے یتیموں، مسکینوں، کمزوروں اور حاجت مندوں کی امداد کی جاتی ہے، یا اس کی تنخواہ، اس کے اصل خرچ سے بہت زیادہ ہے۔ اس صورت میں زاید مال کے مسلمان زیادہ حقدار ہیں۔

عتبہ بن ابی سفیان کو حضرت عمرؓ نے کنانہ کا عامل بنایا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ مدینہ آئے تو ان کے پاس کافی مال تھا۔ حضرت عمرؓ نے پُوچھا:

"تم نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا؟"

انھوں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ کچھ رقم لے گیا تھا، اس سے میں نے تجارت کر کے یہ مال حاصل کیا۔

آپ نے فرمایا:

"عامل ہونے کی وجہ سے تمھیں اس بات کا اختیار نہیں تھا کہ تم تجارت کرتے۔"

اور پھر ان کا مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔

حضرت عمرؓ کو پتا چلا کہ حضرت ابوعبیدہؓ جنھیں آپ نے شام کا عامل مقرر کیا تھا، با فراغت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کی تنخواہ کم کر دی۔ کچھ مدت کے بعد آپ نے ان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ ان کا رنگ متغیّر ہو گیا ہے، کپڑے پھٹ گئے ہیں اور بُرا حال ہے۔ آپ نے فرمایا:

"خدا تعالیٰ ابوعبیدہؓ پر رحم کرے، اُنھوں نے صبر کا بہت اچھا نمونہ دکھایا ہے۔"

اس کے بعد جتنی تنخواہ کم کی تھی، دوبارہ جاری کر دی۔

ایک دفعہ آپ ابوعبیدہؓ کے پاس تشریف لے گئے، ان کے گھر کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی آپ نے ان سے کھانے کے متعلق پُوچھا۔ انھوں نے بہت معمولی کھانا لا کر سامنے رکھ دیا، حضرت عمرؓ رو پڑے اور واپس آ کر ابوعبیدہؓ کو چار سو دینار بھیجے کہ وُہ اپنی حالت درست کر سکیں۔ لیکن انھوں نے وہ تمام رقم شہر کے غربا میں تقسیم کر دی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبل کو بھی چار سو دینار بھیجے تھے۔ انھوں نے بھی اس رقم کا اکثر حصّہ خیرات کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو ان دونوں واقعات کا پتا چلا تو آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اُمتِ محمدیہ میں ان جیسے اخلاق، تقوٰی اور فضیلت رکھنے والے اشخاص موجود ہیں۔

صرف حضرت ابوعبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ پر ہی موقوف نہیں، حضرت عمرؓ کے مقرر کیے ہُوئے اکثر عمال انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اہلِ حمص نے حضرت عمرؓ کے پاس اپنے عامل سعیدؓ بن عامر کی شکایت کی اور انھیں معزول کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ان کی شکایت یہ تھی کہ سعیدؓ جب تک دن اچھی طرح نہیں چڑھ جاتا لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے۔ رات کو اگر کوئی ان سے ملنے آئے تو ملنا تو درکنار جواب بھی نہیں دیتے، مہینہ میں ایک دن گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے۔ جب حضرت عمرؓ نے تحقیق کرائی تو معلوم ہُوا کہ عامل مذکور ہر روز صبح خود آٹا گُوندھتا ہے اور خود ہی روٹی پکاتا ہے۔ اس لیے دن چڑھے تک لوگوں سے مل نہیں سکتا۔ ساری رات عبادت میں گزار دیتا ہے، مہینہ میں ایک دن اپنے کپڑے دھوتا ہے

[حضرت] عمرؓ نے انھیں ایک ہزار دینار بھیجے تاکہ وُہ کسی نوکر کو مقرر کر لیں ۔ لیکن سعیدؓ نے انھیں لشکر میں تقسیم کر دیا ۔

جب سعیدؓ بن عامر مدینہ آئے تو ان کے ساتھ صرف ایک لاٹھی اور ایک پیالہ تھا ۔ جب حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ کیا تمھارے پاس ان دونوں چیزوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ان کے علاوہ اور کسی چیز کی ضرورت بھی کیا ہے ، لاٹھی سے اپنا کھانا باندھ لیتا ہُوں اور پیالہ میں کھا لیتا ہوں ۔

ایک اور عامل عمیر بن سعد تھے ان کے متعلق حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ میری بڑی خواہش ہے کہ میرے پاس عمیر بن سعد جیسے چند آدمی اور ہوں تاکہ میں خلافت کے کاموں کی سرانجام دہی میں ان سے مدد حاصل کر سکوں ۔ ایک مرتبہ عمیر نے حمص میں منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ اسلام اس وقت تک مضبوط رہے گا جب تک اس کا غلبہ برقرار رکھنے میں شدت سے کام لیا جائے گا ۔ لیکن شدت اور سختی لوگوں کو تلوار سے قتل کرنے اور کوڑے مارنے کا نام نہیں بلکہ حق و انصاف سے کام کرنے کا نام ہے ۔ ان دنوں جب عمیر حمص کے عامل تھے حضرت عمرؓ نے انھیں مدینہ طلب کیا ۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے سامنے حاضر ہُوئے تو آپ نے ان سے ان کے کام کے متعلق دریافت کیا ۔ اُنھوں نے کہا :

"جب آپ نے مجھے عامل بنا کر بھیجا تو میں نے شہر کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور انھیں مال جمع کرنے پر مامور کیا ۔ جو کچھ انھوں نے جمع کیا میں نے اسے مناسب مواقع پر خرچ کر دیا ۔ اگر اس میں سے کچھ بچتا تو آپ کے پاس لے کر آتا ۔"

حضرت عمرؓ نے پُوچھا :

"گویا تم کچھ بھی نہیں لائے ؟"

انھوں نے جواب دیا : "نہیں !"

حضرت عمرؓ نے انھیں دوبارہ حمص بھیجنا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا :

"میں اب کبھی یہ کام نہیں کروں گا ، میں نے ایک دن ایک عیسائی کو یہ کہہ دیا اللہ تجھے ذلیل و خوار کرے ۔ اس فقرے پر میں اب تک پچھتاتا ہُوں ۔ اگر آپ مجھے امیر مقرر نہ فرماتے تو میری زبان سے ایسا فقرہ نکلتا ہی کیوں ؟"

چنانچہ اُنھوں نے دوبارہ عامل بننا قبول نہ کیا ۔

حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو کسی شہر کا عامل بناتے تھے تو شہر والوں کے نام اسے ایک پیغام بھی دیتے تھے جو وہ مجمع عام میں سُناتا تھا ۔ اس پیغام میں لکھا ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کو عامل بنایا ہے اور اسے یہ یہ احکام دئے ہیں ۔

جب آپ نے حذیفہ بن یمان کو مدائن کا عامل بنایا تو انھیں شہر والوں کے نام جو پیغام دیا اس میں لکھا تھا :

"حذیفہ بن یمان تمھیں جو کچھ کہیں اسے سُنو اور ان کی اطاعت کرو اور وہ تم سے جو مانگیں وہ انھیں دو ۔"

جب حذیفہ مدائن پہنچے اور شہر کے معززین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ کے فرمان کو پڑھ کر انھوں نے حذیفہ سے کہا :

"جو کچھ آپ کی خواہش ہو ہم حاضر کرنے کو تیار ہیں ۔"

حضرت حذیفہ نے کہا کہ "میں تم سے صرف اتنا مطالبہ کرتا ہوں کہ جب تک میں یہاں رہوں تم میرے لیے اتنا کھانا جو میرے پیٹ بھرنے کو کافی ہو اور میرے گدھے کے لیے چارہ دے دیا کرو۔"

چنانچہ شہر والوں نے اس کا انتظام کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمرؓ نے انھیں مدینہ طلب فرمایا اور وہ مدائن سے روانہ ہو گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو ان کے آنے کی خبر پہنچی تو آپ مدینہ سے باہر نکل کر ان کے راستہ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ جب حذیفہ قریب پہنچے تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کی وہی حالت ہے جو مدینہ سے مدائن روانہ ہونے کے وقت تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ اپنی کمین گاہ سے نکلے اور حذیفہ کے قریب آ کر انھیں چمٹا لیا اور فرمایا:

"تم میرے بھائی ہو اور میں تمھارا بھائی ہوں۔"

حضرت عمرؓ کسی کو عہدہ دیتے وقت اس بات کو خوب اچھی طرح جانچ لیا کرتے تھے کہ وہ شخص زہد و اتقا کے اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے یا نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس امر کو بھی پیش نظر رکھتے تھے کہ وہ جس کو بھی منتخب کریں اس میں انتظامی صلاحیت موجود ہو۔ یہ نہیں تھا کہ دینی اعتبار سے جو شخص بھی نمایاں حیثیت کا مالک ہو، اسے ضرور ہی امورِ سلطنت تفویض کر دیے جائیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو کوئی کام سپرد کر کے ان کی شان کم کروں۔ اکثر اوقات آپ سلطنت کے کسی کام کی سرانجام دہی کے لیے کسی شخص کو مقرر کرتے وقت لوگوں سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ انھیں سلطنت کے ایک کام کی بجا آوری کے لیے کوئی ایسا آدمی بتائیں جو کسی قوم میں ہو لیکن ان کا امیر نہ ہو تو اپنے اعمال کے اعتبار سے ان کا امیر معلوم ہوتا ہو، اور اگر ان کا امیر ہو تو ان ہی کا ایک فرد معلوم ہو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ صفت ربیع بن زیاد الحارثی میں پائی جاتی ہے اسی لیے ہم اسی کی سفارش کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انھیں بلایا اور وہ کام ان کے سپرد کر دیا۔ ربیع نے بالکل حضرت عمرؓ کے حسبِ منشاء کام کیا جس پر آپ نے ان لوگوں کا بحد شکریہ ادا کیا جنھوں نے ربیع بن زیاد کی سفارش کی تھی۔

حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن معدی کرب سے سعدؓ بن ابی وقاص والیِ کوفہ کے متعلق پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا:

"وہ سخاوت کرنے میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں، حسب و نسب کے لحاظ سے بے داغ عربی ہیں، بہادری میں شیر کی مانند ہیں، جب کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو عدل و انصاف سے کرتے ہیں، جب کچھ تقسیم کرتے ہیں تو سب کو پورا پورا دیتے ہیں۔ ہم پر ایسی مہربانی کرتے ہیں جیسی مشفق ماں اپنے بچوں پر مہربانی کرتی ہے، ہمیں ہمارا حق پورا پورا دیتے ہیں۔"

لیکن انھی سعدؓ کی جب اہلِ کوفہ نے شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے انھیں معزول کر دیا اور اس میں کسی قسم کی رُو رعایت روا نہ رکھی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ہمیشہ وہی کام کیا جائے جس میں لوگوں کا فائدہ ہو خواہ وہ کام ان کے عمال میں سے کسی کے ذریعہ انجام دیا جائے۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے شکوہ و شکایت کی کوئی گنجائش نہ رکھی جائے۔

یہی سعدؓ تھے جنھیں صحابہؓ نے متفقہ طور پر ایرانی فوجوں کے مقابلہ کے لیے عراق بھیجنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب یہ چلنے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:

اے سعدؓ! تمھیں یہ بات دھوکہ نہ دے کہ تم رسول اللہ کے ماموں ہو۔ اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا بلکہ نیکی کے ذریعہ مٹاتا ہے۔ اللہ کے اور اس کے بندوں میں سے کسی کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دُنیا کے سب شریف و وضیع اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا پروردگار ہے اور وہ اس کے بندے ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعہ ہی وہ دُوسروں سے فضیلت حاصل کر سکتے ہیں اور خدا تعالےٰ کے انعامات کے وارث ہو سکتے ہیں۔ صرف وہی کام خدا تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہو سکتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے اور دوسروں کو بھی انھیں کرنے کا حکم دیا۔ میری تمھیں یہ نصیحت ہے کہ انھیں کاموں کو اختیار کرنا۔ اگر تم نے انھیں چھوڑ دیا اور ان کی طرف سے بے پروا ہو گئے تو تمھارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم سراسر نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی اس نصیحت کو لفظ بہ لفظ پُورا کیا اور انہی کے ہاتھوں عراق فتح ہوا۔

جہاں حضرت عمرؓ اپنے عمال کا محاسبہ کرنے میں بہت سخت گیر تھے وہاں آپ ان لوگوں سے بھی بہت سختی سے پیش آتے تھے جو سرکشی کرتے تھے یا جن کی طرف سے سرکشی کا شبہ ہوتا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ شہر اور ہر علاقہ کے لوگوں کے دلوں پر اپنے عامل کا پورا رعب اور ہیبت طاری ہونی چاہیے تاکہ عوام و خواص کی طرف سے سرکشی کا کوئی احتمال باقی نہ رہے۔ ایک مرتبہ اہلِ عراق نے اپنے امام کو کنکر مارے حالانکہ حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر پہلے امام کو معزول کر کے دوسرا امام مقرر کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ سُنا تو انھیں بے حد طیش آیا اور اہلِ شام سے فرمایا:

"اہلِ عراق کے لیے ایک لشکر تیار کرو کیونکہ شیطان نے ان پر اپنا تسلط جما لیا ہے اور انھیں اپنی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔"

عتبہ ابن غزوان جو سعدؓ بن ابی وقاص کے ماتحت تھے اپنے افسر سے ناراض ہو کر مدینہ چلے آئے اور حضرت عمرؓ سے ان کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ خاموش رہے، عتبہ نے دُوسری بار پھر شکایت کی۔ حضرت عمرؓ پھر بھی خاموش رہے۔ آخر جب بار بار اُنھوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی شکایت کرنی شروع کی تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:

"عتبہ! تمھیں کیا ہو گیا ہے تم ایسے آدمی کی شکایت کرتے ہو جو قریش میں سے ہے، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے۔"

عتبہ نے جواب دیا:

"کیا میں قریش میں سے نہیں ہوں؟ اور کیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل نہیں ہے؟"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"تمھاری فضیلت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔"

عتبہ نے کہا: "میں تو سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس کبھی نہیں جاؤں گا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تمھیں ضرور جانا ہوگا۔"

چنانچہ آپ نے انھیں دوبارہ سعد بن ابی وقاص کے پاس بھیج دیا لیکن راستہ ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

حضرت معاویہؓ امیر شام نے کسی بات میں عبادۃ بن صامت کے خلاف مرضی کوئی کام کیا۔ حضرت عبادۃ بن صامت نے اس پر احتجاج کیا۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے کوئی پروا نہیں کی بلکہ حضرت عبادہ کو کچھ سخت الفاظ بھی کہہ دیے۔ عبادہؓ نے کہا:

"میں تمھارے ساتھ ایک جگہ کبھی نہیں رہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ مدینہ روانہ ہوگئے۔

جب مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے سارا حال بتا دیا۔ حضرت عمرؓ نے انھیں دوبارہ شام جانے کا حکم دیا۔ البتہ معاویہؓ کو یہ لکھ بھیجا کہ آئندہ عبادہ پر تمھارا کوئی اختیار نہیں ہوگا اور نہ ان پر تمھارا کوئی حکم چلے گا۔

حضرت عمرؓ نے یہ اس لیے کیا کہ آپ نہ تو معاویہؓ کی خدمات کو نظر انداز کر سکتے تھے اور نہ عبادہ کے علم و فضل سے استغنا برت سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ اگرچہ خلیفہ تھے لیکن اپنے لباس، اپنی سواری، اپنی حرکات و سکنات، غرضیکہ کسی چیز میں بھی عام لوگوں سے ممتاز نہیں تھے۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں پر آپ کی زبردست ہیبت اور رعب چھایا ہوا تھا۔ اگر ارباب حکومت سے اور کوئی شخص اس قدر تواضع اور فروتنی سے کام لیتا تو نہ صرف یہ کہ لوگوں پر اس کا رعب و دبدبہ قائم نہ رہتا بلکہ اس کی رعایا خود اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی۔ لیکن یہ حضرت عمرؓ کی سیاست کا کمال تھا کہ انتہائی عاجزی اور مسکینی کے ساتھ زندگی گزارنے کے باوجود کبھی آپ کے رعب و دبدبہ میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ لوگوں کے خوف کی حالت یہ تھی کہ ایک مرتبہ انھوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا کہ آپ حضرت عمرؓ سے کہیں کہ وہ کچھ نرمی اختیار کریں۔ ان کی ہیبت تو ہماری کنواری لڑکیوں پر بھی طاری ہے۔

حضرت عمرؓ کا عہد ایک مثالی عہد تھا۔ آپ کسی صورت میں یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ چند افراد تو خوشحال ہوں لیکن باقی قوم بھوکی مرے۔ چند لوگ تو بلند مرتبے حاصل کر کے ہر طرح کے آرام اور راحت کی زندگی گزاریں اور باقی رعایا تنگ دستی اور غربت کی حالت میں اپنے شب و روز بسر کرے۔ آپ امرا کی مصلحتوں پر عوام کی خواہشات کو قربان نہیں کرتے تھے۔ آپ کی نظر میں ایک والی، عام رعایا جیسا ایک فرد تھا جس پر قانون کا اطلاق اسی طرح ہوتا تھا جس طرح باقی لوگوں پر۔ رعایا کا چھوٹے سے چھوٹا فرد بھی اگر عامل کی شکایت کرتا تھا تو آپ فوراً والی کو جواب دہی کے لیے طلب فرما لیتے تھے اور جب تک مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو جاتا تھا مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ اگر عامل کو قصوروار پاتے تھے تو شریعت کے مطابق جس سزا کا وہ حقدار ہوتا تھا وہ اسے دیتے تھے۔ اگر قصاص لینا ہوتا تھا تو قصاص لیتے تھے۔ اگر جرم کی نوعیت کچھ سخت ہوتی تھی تو اسے اپنے عہدہ سے معزول بھی کر دیتے تھے۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو والی بناتے تھے تو اس کے مال و اسباب کا جائزہ لے لیتے تھے اور اس کے سارے سامان کی فہرست بنا کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے۔ اگر بعد میں اس کے مال و اسباب میں غیر معمولی زیادتی

ہو ... ی توزاید مال ضبط کر لیتے تھے۔ ایک بار آپ ایک عمارت کے پاس سے گزرے جو پتھروں اور چونا گچ سے تعمیر کی گئی تھی، آپ نے پوچھا:

"یہ مکان کس کا ہے؟"

لوگوں نے بتایا کہ یہ عاملِ بحرین کا مکان ہے۔ آپ نے اس کے مال و اسباب کا کچھ حصّہ ضبط کر لیا۔

حضرت عمرؓ کو خبر ملی کہ مصر کے عامل عمروؓ بن العاص کے پاس بہت سا مال و اسباب جمع ہو گیا ہے جو اس وقت، نہیں تھا جب انھیں مصر کی ولایت سپرد کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے عمروؓ سے جواب طلب کیا۔ انھوں نے کہا کہ مصر کی زمین زراعتی زمین ہے اور یہاں تجارت کو خوب فروغ حاصل ہے۔ میرے پاس جو مال و اسباب ہے وہ میں نے اپنے گھوڑوں اور اس مالِ غنیمت کو، جو جنگوں میں حاصل ہوا تھا، بیچ کر حاصل کر لیا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کے زاید مال و اسباب کو ضبط کر کے اسے بیت المال میں داخل کرا دیا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق آپ کو اطلاع ملی کہ ان کے پاس دس ہزار درہم جمع ہو گئے ہیں۔ جب آپ نے بازپرس کی تو انھوں نے کہا کہ میرے گھوڑوں نے بچے دئے تھے۔ مالِ غنیمت بھی کافی جمع ہو گیا تھا۔ نیز میں نے کچھ تجارت بھی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں حکم دیا کہ اپنے اصل مال و اسباب اور اپنے نان و نفقہ کے علاوہ جو زاید مال ہے وہ بیت المال میں داخل کر دیں۔

ایسا کرنے سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ عمال اپنی تمام کوششیں رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیں۔ تجارت اور مال و اسباب کو بڑھانا سلطنت کے عمّال کے لیے مناسب نہیں ہے۔

جن دیگر عمال کے مال و اسباب حضرت عمرؓ نے ضبط کیے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نعمان بن عدی عاملِ میسان،
نافع بن عمرو الخزاعی عاملِ مکہ،
یعلی بن منیہ عاملِ یمن،
سعدؓ بن ابی وقاص عاملِ کوفہ،
خالدؓ بن ولید عاملِ شام۔

(۱۹)

حضرت عمرؓ کے عہد کا عدالتی نظام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قضا کا سارا کام حضورؐ خود انجام دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے

آپ نے یہ کام اپنے اور حضرت عمرؓ کے درمیان بانٹ رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ کے سپرد بس یہ خدمت تھی کہ جو مقدمات دربارِ خلافت میں پیش ہوں وہ ان پر غور و فکر کر کے اپنی رائے بتا دیں، مقدمات کا فیصلہ کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا۔

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو فتوحات میں وسعت پیدا ہونے لگی، نئے نئے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہونے لگے، سلطنت کی وسعت کے ساتھ امورِ خلافت میں بھی زیادتی ہو گئی اور نت نئے مسائل پیش آنے لگے۔ ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ خلافت کے دیگر امور، انتظامِ سلطنت اور دُور دراز تک پھیلی ہوئی فوجوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ قضا کا کام بھی خود ہی سنبھال سکیں۔ اس لیے آپ نے یہ کام بعض کبار صحابہؓ کے سپرد کر دیا۔ ابو الدرداؓ کو مدینہ، شریحؒ کو کوفہ، ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرہ اور قیسؓ بن ابی العاص السہمی کو مصر کا قاضی مقرر کیا۔ باقی شہروں اور صوبوں میں قضا کا کام وہاں کے امرا کے سپرد کیا۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو عام طور پر تفقہ فی الدین کی طرف رغبت دلاتے رہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپ فقہا کو مختلف شہروں میں بھیجتے رہتے تھے تاکہ وہ لوگوں کو علمِ دین سے واقف کرائیں۔ منجملہ دیگر اغراض کے ایک غرض حضرت عمرؓ کی یہ بھی تھی کہ ہر انسان کو اپنے واجبات کا پتا لگ جائے تاکہ وہ دوسرے شخص کے حق پر دست درازی نہ کرے اور اس طرح جھگڑوں اور مقدمات کی نوبت نہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قضاۃ و عمّال کو اپنے خطوط میں قضا کے متعلق جو قوانین لکھ کر بھیجے تھے آج تک وہ عدالتوں میں بنیادی اصولوں کے طور پر رائج ہیں۔ ان تمام خطوط میں سب سے مشہور خط وہ ہے جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھیجا تھا۔ اس خط میں آپ نے اسلامی قضا کے احکام و اصول کو نہایت اعلیٰ پیرایہ میں بیان کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے بعد اگر عدالتوں میں کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو یہ دیکھا جاتا کہ اس قسم کے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے کیا فیصلہ کیا تھا۔

آپ ضروری معاملات میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی رائے لے لیا کرتے تھے اور مشورہ کے بغیر کوئی اہم فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ کا مقولہ تھا :

"اکیلے شخص کی رائے کچے دھاگے کی طرح ہے، دو آدمیوں کی رائے دو مضبوط دھاگوں کی طرح ہے اور تین آدمیوں کی رائے ایک ایسے حکم کی مانند ہے جس سے سرِمو انحراف نہیں کیا جا سکتا۔"

آپ کے زمانہ میں مدینہ ایک مدرسہ کی مانند تھا جس میں سے سیکڑوں قضاۃ، عمال، سپہ سالار اور امرا نکل نکل کر دوسرے ممالک کو جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ جس کسی کو بھی کوئی عہدہ دے کر باہر بھیجتے تھے پہلے اس کی آزمائش کر لیتے تھے اور بہت ہی کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ کی فراست غلط ثابت ہوئی ہو۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں :

کعب بن سور حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے، ایک عورت آئی اور اپنے خاوند کی شکایت کی۔ آپ نے کعب سے فرمایا :

"ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔"

نے جو فیصلہ کیا اس سے حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور انھیں بصرہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا۔ آپ نے ایک گھوڑا خریدنے کی بات چیت کی۔ گھوڑے کا تجربہ کرنے کے لیے اس پر سوار ہوئے۔ لیکن گھوڑے نے چوٹ کھائی۔ آپ نے گھوڑے کے مالک کو اس کا گھوڑا واپس کرنا چاہا۔ لیکن اس نے لینے سے انکار کیا۔ اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لیے شریحؒ کو ثالث مقرر کیا گیا۔ شریح نے کہا:

"امیرالمومنین! دو ہی صورتیں ہیں، یا تو آپ یہ داغدار گھوڑا اپنے پاس رکھیں یا گھوڑے کے مالک کو اس کا گھوڑا اصلی حالت میں واپس دیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"فیصلہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

یہ کہہ کر آپ نے انھیں کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ وہ وہاں ایک طویل عرصہ تک قاضی کے عہدے پر متمکن رہے۔

حضرت عمرؓ کے قاضیوں میں سے مشہور قاضی ابوموسیٰ اشعریؓ، سلمان بن ربیعہ الباہلی، ابوقرۃ الکندی، ابوالدرداؓ، ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عباس وغیرہم تھے۔ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے علم و فضل اور دیانت و تقویٰ کے لحاظ سے چوٹی کا انسان تھا۔

آپ نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ قاضی صرف دولت مند اور معزز آدمی ہی کو بنایا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو آپ نے ایک خط لکھا تھا جس میں اس قاعدے کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ کمزور اور غریب آدمی انصاف ٹھیک طور پر نہیں کر سکے گا بلکہ رشوت کا طالب رہے گا۔ اسی طرح وہ دوسرے بڑے بڑے لوگوں کے رُعب میں بھی آ سکے گا اور بڑے آدمی اپنے رُعب و داب اور اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے حسبِ مرضی فیصلہ کروا سکیں گے۔ لیکن اس کے برخلاف امیر اور معزز آدمی رشوت کا طالب نہیں ہوگا اور نہ کسی کا رعب اور اثر قبول کر سکے گا۔

حضرت عمرؓ سفارش کو سختی سے ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے آپ سے ایک شخص کی سفارش کی اور کہا کہ آپ عاملِ عراق کو لکھ دیجیے کہ جب یہ شخص ان کے پاس پہنچے تو وہ اس کی عزت و تکریم کریں اور اس کا خاص خیال رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے اسے جھڑک دیا اور فرمایا:

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس شخص کے واسطے دُوسرے لوگوں پر ظلم کیا جائے، حالانکہ یہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہے اور اس کا حق بھی اتنا ہی ہے جتنا دُوسرے مسلمانوں کا۔"

ان قضاۃ میں سے جو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائے تھے سب سے مشہور شخصیت ابوموسیٰ اشعریؓ کی ہے۔ علم و فضل کے علاوہ آپ فنونِ جنگ میں بھی بے حد مہارت رکھتے تھے اور ایران کی فتح میں آپ کا بھی بہت بڑا حصّہ ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، آپ کو حضرت عمرؓ نے ایک بہت مشہور خط لکھا تھا جس میں عدالتی نظام و اصول کو نہایت سلیقے سے بیان کیا تھا۔ اس خط کے پڑھنے سے ہمیں وہ تمام اہم اصول معلوم ہو جاتے ہیں جو حضرت عمرؓ نے

عدالتوں کے لیے جاری فرمائے تھے، خط حسبِ ذیل ہے:

"اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا ایک اہم فریضہ ہے جو سنت[1] کے مطابق بجالانا ضروری ہے۔ تمام لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور اور غریب آدمی انصاف سے مایوس نہ ہو اور زبردست طاقت ور آدمی کو تم سے کسی رو رعایت کی امید نہ ہو[2]۔ جو شخص دعویٰ کرے اس کے ذمہ ثبوت بہم پہنچانا ضروری ہے اور جو اپنے خلاف عائد کردہ الزام کی تردید کرے اس پر قسم واجب ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے لیکن ایسی صلح، جو حلال کو حلال رکھے اور حرام کو حرام۔ ایسی صلح جائز نہیں جس سے حرام حلال اور حلال حرام ہو جائے۔ اگر تم نے آج کوئی فیصلہ کیا ہے لیکن مزید غور و فکر اور عقل سے کام لینے کے بعد تمہیں وہ فیصلہ غلط معلوم ہو تو تم بیشک اسے بدل دو۔ کیونکہ سچائی کو برقرار رکھنا ضروری ہے اور باطل پر اصرار کرنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہرحال بہتر ہے[3]۔ جس مسئلہ کے متعلق تمہارے دل میں شبہ پیدا ہو اور کتاب اللہ اور سنتِ نبوی میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر خوب اچھی طرح غور کرو، پھر اس کی مثالوں اور نظیروں کو دیکھو۔ اس کے بعد قیاس لگاؤ اور جو قیاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سنت کے زیادہ قریب ہو اس کے مطابق حکم دو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لیے ایک مدت مقرر کر دو، اس مدت کے اختتام تک اگر وہ اپنا ثبوت بہم پہنچائے تو اس کا حق اسے دلا دو۔ لیکن اگر مدت کے اختتام تک وہ ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو مقدمہ خارج کر دو۔ ایسا کرنے سے شک دور ہو جائے گا[4]۔ سب مسلمان قابلِ اعتبار ہیں، سوائے ان اشخاص کے

---

[1] یہ لکھنے سے حضرت عمرؓ کا منشا یہ ہے کہ فیصلہ کرنے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

[2] یہ حکم اس مساوات کی بنیاد ہے جو اسلام لے کر آیا ہے۔ اس مساوات کے بغیر عدالت کا احترام کسی صورت میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر قاضی طرفین میں سے کسی ایک کی جانب داری کرے گا تو یقیناً چند روز میں بدنام ہو جائے گا اور اس کا نتیجہ اسے آج نہیں تو کل ضرور بھگتنا پڑے گا۔

[3] اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ اگر قاضی نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بہرحال اس پر اڑا رہے خواہ وہ فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو بلکہ ایک مرتبہ فیصلہ کرنے کے بعد اگر بعض شواہد و واقعات کی رو سے، جو بعد میں اس کے سامنے آئیں، اسے اپنا فیصلہ غلط معلوم ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کر دے اور دوبارہ صحیح فیصلہ کرے۔

[4] اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اگر اپنا ثبوت پیش کرنے کے لیے کوئی شخص مہلت طلب کرے اور اس بارہ میں معقول وجوہات عدالت کے سامنے رکھے تو اسے مہلت دے دی جائے۔ مثلاً وہ ایسے گواہوں کو حاضر کرنا چاہتا ہے جن کے پیش ہونے سے عدالت پر اصل حقیقت ظاہر ہو جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس مہلت کو ایک مقررہ مدت کے اندر محدود کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ پابندی نہ رکھی جائے تو مہلت حاصل کرنے والا عدالت کی ہر پیشی پر یہ عذر کر دے گا کہ ابھی ثبوت بہم نہیں پہنچ سکا، اور اس طرح وہ اپنی مہلت کا ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اگر مدت مقررہ تک وہ ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

جن کو حد کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہوں یا جنھوں نے جھُوٹی گواہی دی ہو، یا جن کا نسب مشکوک ہو۔ تنگ دلی کا اظہار نہ کرو۔ فریقینِ مقدمہ کو کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ۔ مقدمے پیش ہونے کے وقت بدخلقی مت دکھاؤ۔ اگر مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کا بہت بڑا اجر دے گا۔"

تمام مسلمان قاضیوں نے، جو حضرت عمرؓ کے بعد آئے اس خط کو عدالتی نظام کے لیے بنیاد قرار دیا اور درحقیقت یہ اس کا مستحق ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فضا نہایت آسان، سہل اور رسمی قواعد و ضوابط سے بالکل آزاد تھی۔ قاضی کے پاس نہ کوئی ایسا شخص ہوتا تھا جو مقدمات کی کارروائی لکھے، نہ اس کے پاس کوئی رجسٹر ہوتا تھا، نہ محاکمات اور جرح وغیرہ کے کوئی اصول تھے لیکن ان باتوں کے باوجود فیصلے نہایت جلدی ہوتے تھے اور ان میں عدل و انصاف کو کسی صورت میں ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا تھا۔

فتوحاتِ اسلامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے کثیر التعداد نئے مسائل پیدا ہونے لگے جو انتہائی بُعدِ نظر اور دقتِ بصیرت کے محتاج تھے۔ ان نئے مسائل میں سے مالی مسائل، لشکروں اور فتوحات کے مسائل، مفتوحین اور فاتحین کے حقوق کے مسائل، مسلمانوں اور غیر مسلموں سے علٰحدہ علٰحدہ لیے جانے والے ٹیکسوں کے مسائل ایسے تھے جن کے متعلق عربوں کو پہلے سے کچھ پتا نہ تھا۔ سلطنت کی وسعت کے نتیجہ میں ایسے جرائم بھی منظرِ عام پر آنے لگے جو عربوں کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہ آئے تھے۔ مسلمانوں کے سامنے اب بہت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ان نئے نئے مسائل سے پیدا ہونے والے حالات سے عہدہ برآ ہونے، نئے نئے جرائم کا انسداد کرنے اور مجرموں کا ارتکاب کرنے والے لوگوں کو سزا دینے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ قرآنِ کریم اور سنّتِ نبوی میں جزوی مسائل کے متعلق احکام بیان نہیں کیے گئے تھے۔ آخر غور و فکر کے بعد یہ قرار پایا کہ قرآن و سنّت سے اگر کسی جزوی مسئلے کے متعلق کوئی حکم معلوم نہ ہو سکے تو اس صورت میں انفرادی رائے پر، جسے "قیاس" کا نام دیا گیا، عمل کیا جائے۔ لیکن یہ قیاس کسی طرح بھی قرآن و سنّت کے احکام کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

اکثر صحابہؓ نے اسی قاعدے پر عمل کیا۔ چنانچہ جہاں کوئی نصِ قطعی نہ پائی جاتی ہو وہاں صحابہ اپنی رائے کو استعمال میں لایا کرتے تھے۔ مؤرخین نے ان کئی مسائل کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے جن میں صحابہؓ نے اپنے قیاس سے فیصلے کیے۔ سب سے پہلا مسئلہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انھیں پیش آیا وہ یہ تھا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہو۔ ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی اور حضرت ابوبکر صدیق کی رائے پر عمل کیا گیا۔ اس کے بعد ان مرتدین سے جنگوں کا مسئلہ پیش آیا جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہتے تھے کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں؟ — لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے اجتہاد کو کام میں لاتے ہوئے فرمایا:

"میں ان لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک کہ یہ مجھے اونٹ کی وہ رسّی بھی زکوٰۃ میں دینے سے انکار کریں گے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے۔"

بعد ازاں جمعِ قرآن کا مسئلہ سامنے آیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کے مشورے کے مطابق قرآنِ کریم

بنانے کا حکم دیا۔ جب وظیفوں اور غنائم کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا تو صحابہؓ میں باہم اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے غنیمتوں کی تقسیم میں برابری کا اصول نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہؐ کی پیروی کرنے کی وجہ سے اپنے وطن اور اپنے اموال کو چھوڑا، ان کو ان لوگوں کے برابر قرار دیا جائے جنھوں نے مجبور ہو کر اسلام اختیار کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دلیل یہ تھی کہ مہاجرین نے اسلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قبول کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کو آخرت میں اس کا اجر دے گا۔ اس دنیا میں انھیں دُوسرے لوگوں کے برابر ہی حصہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غنیمتوں کی تقسیم میں مہاجرین اور غیر مہاجرین میں کوئی فرق روا نہیں رکھا لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے اس اصول کو قائم نہ رکھا بلکہ تفاوتِ درجات کے مطابق غنیمتوں اور وظائف کی تقسیم کی۔

ایک شہر کے عامل نے حضرت عمرؓ کے پاس رپورٹ کی کہ ایک عورت نے اپنے عاشق کے ساتھ مل کر اپنے خاوند کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ ایک شخص کے بدلے دو شخصوں کو قتل کرنے کے بارہ میں متردّد تھے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا:

"اگر کچھ لوگ مل کر ایک اونٹ چرائیں اور اس اُونٹ کو ذبح کر کے آپس میں بانٹ لیں تو کیا آپ چوری کے جرم میں سب کے ہاتھ نہیں کاٹیں گے؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"بے شک سب کے ہاتھ کاٹوں گا۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تب قتل کے اس مقدمہ میں بھی دونوں آدمیوں کو قتل کی سزا ملنی چاہیے۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پر صاد کیا اور اس عامل کو لکھ دیا کہ ان دونوں قاتلوں کو قتل کر دیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر سارے صنعاء والے بھی ایک آدمی کے قتل میں شریک ہوں تو میں سب لوگوں کو قتل کرا دوں۔

حضرت عمرؓ اجتہاد میں دُوسرے سب صحابہؓ سے بڑھے ہُوئے تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اتنی کثرت سے مسائلِ مختلفہ کا سامنا کرنا پڑا کہ نہ آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کرنا پڑا اور نہ آپ کے بعد کسی اور خلیفہ کو۔ آپ کے ہاتھ پر بے شمار فتوحات ہُوئیں۔ ایران اور روم کی باجبروت اور متمدن قومیں اسلام کے سامنے سپر انداز ہوئیں۔ بعد کے زمانہ میں اس قسم کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کو ہزاروں اقتصادی، سیاسی اور عمرانی مسائل درپیش ہوئے۔ ان مسائل کو سلجھانے کے لیے آپ اپنے اجتہاد کو کام میں لائے۔

جب ہم حضرت عمرؓ کے لیے اجتہاد کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے صرف یہ مراد نہیں لیتے کہ آپ صرف اس وقت اجتہاد کو کام میں لاتے تھے جب قرآن کریم اور سنّت میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی نص نہ ملے۔ آپ کا اجتہاد بہت وسیع مطالب پر مشتمل ہے۔ آپ کی سیرت کو پڑھنے سے پتا چلے گا کہ آپ ان معنی میں مجتہد تھے کہ آپ قرآن مجید کی آیات اور احادیث

یں بیان کردہ باتوں کی مصلحتوں کو بھی خوب سمجھتے تھے اور ان مصلحتوں کے مطابق اپنے احکام جاری کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال درج ذیل ہے۔

قرآن کریم میں آتا ہے:

ان الصدقات للفقرآء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم۔

(ترجمہ: یقیناً صدقات فقرأ، مساکین، صدقات وصول کرنے والوں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیفِ قلوب مدِنظر ہو)

اس حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان لوگوں کو، جو نئے نئے اسلام لائے تھے، بطورِ تالیفِ قلوب زکوٰۃ اور صدقات کے اموال سے نوازا، حالانکہ وہ فقرأ اور مساکین میں شامل نہیں تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس قسم کے چند لوگوں کو زکوٰۃ کے اموال میں سے حصہ دیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اب خدا تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی ہے اب وہ کسی کا محتاج نہیں رہا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ "مولفۃ قلوبہم" کے زمرہ والے لوگوں کو زکوٰۃ اُس وقت تک دی جاتی تھی جب تک اسلام ضعف اور کمزوری کی حالت میں تھا۔ لیکن جب اسلام طاقت ور ہو گیا تو یہ مصلحت جاتی رہی اور اب ایسے لوگوں کو دینے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے قحط کے سالوں میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی ممانعت کر دی تھی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس زمانہ میں زیادہ چوریاں اس لیے ہوتی تھیں کہ لوگ بھوکے اور محتاج ہوتے تھے۔

باوجود اس بات کے کہ حضرت عمرؓ کو دین اور شریعت کی بڑی زبردست معرفت حاصل تھی۔ لیکن آپ مختلف مسائل میں اکثر صحابہؓ سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ شعبی روایت کرتے ہیں:

"بسا اوقات جب کوئی قضیہ حضرت عمرؓ کے حضور پیش کیا جاتا تو آپ اس پر مہینہ مہینہ غور فرماتے اور صحابہؓ سے مشورہ کرتے رہتے۔ آخر ایک روز ایک ہی مجلس میں اکٹھے سَو سَو قضیوں کا فیصلہ کر دیتے۔"

(۲۰)

حضرت عمرؓ کا مالی اور مُلکی نظام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک میں حقیقی ثروت کا وجود نہ تھا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی مال جمع نہ کیا۔ نہ کوئی بیت المال بنایا۔ جنگوں میں جو غنیمتیں حاصل ہوتی تھیں انھیں یا تو جنگ کے معاً بعد یا مدینہ واپس آتے ہوئے تمام مہاراسنہ ہی میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ یہی حال اموالِ زکوٰۃ اور صدقات کا تھا۔ جونہی اموال آتے تھے ضرورت مندوں میں

تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ یہ تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے تھے۔ زکوٰۃ میں اکثر اونٹ، گھوڑے اور دیگر مواشی آتے تھے۔ ان پر حضور ایک خاص قسم کا نشان ثبت کرا دیتے تھے تاکہ وہ دُوسرے مویشیوں سے علیٰحدہ رہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اسلامی حکومت کا خزانہ صرف زکوٰۃ کے ان اونٹوں، گھوڑوں اور دیگر مویشیوں پر مشتمل تھا جو مدینہ کے قریب "حمیٰ" کے نام سے پکاری جانے والی چراگاہوں میں موجود تھے[1] ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے نشانات موجود تھے[2]

ان مویشیوں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی[3] زکوٰۃ اور صدقات کے ان اموال سے ان غریب مسلمانوں کو سواری اور ہتھیار مہیا کیے جاتے تھے جن کے پاس سامانِ جنگ نہ ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ یہ اموال فقرا، یتامیٰ اور بیوہ عورتوں پر بھی صرف کیے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اگرچہ مسلمان ایک حکومت کے مالک تھے، لیکن اس وقت تک فوجیوں اور دُوسرے لوگوں کی تنخواہیں مقرر نہیں ہوئی تھیں، نہ حکومت کا کوئی خاص نظام رائج کیا گیا تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور مسلمان دُنیا کو فتح کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تو مدینہ میں اموال کی آمد شروع ہوئی۔ لیکن یہ آمد اتنی زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا تو اتنی کثرت کے ساتھ غنائم آنے لگے کہ تمام مسلمان اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حیرت زدہ ہو گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت فرمایا:

"تم اپنے ساتھ کتنا مال لائے ہو؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

"پانچ لاکھ درہم"۔

یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیرت میں رہ گئے اور فرمایا:

"تمھیں پتا ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟"

انھوں نے جواب میں عرض کیا:

"جی ہاں! میں کہہ رہا ہُوں کہ پانچ لاکھ درہم لایا ہُوں"۔

یہ کہہ کر اُنھوں نے پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کا لفظ بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

"لوگو! ہمارے پاس کثیر مال آیا ہے، اتنا کہ اگر تم چاہو تو تمھیں تول کر دے دیں اور اگر چاہو تو گن کر"[4]

---

[1] الماوردی ص ۱۷۶
[2] البخاری ج ۱ ص ۱۹۰
[3] شرح الموطا نسخہ خطیہ
[4] المقریزی ج ۱ ص ۹۲

جب اموال کی کثرت اور فتوحات میں وسعت ہُوئی تو حضرت عمرؓ نے باقاعدہ ایک دفتر کی بنیاد رکھی اور ہر مسلمان کا وظیفہ اسلام میں سبقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے لحاظ سے مقرر کر دیا۔ اسی طرح عمال اور قاضیوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ مال جمع کرنے کی ممانعت فرمادی۔ مسلمانوں کے لیے جاگیریں حاصل کرنا اور زراعت کرنا ممنوع قرار دے دیا کیونکہ تمام مسلمانوں، ان کے اہل وعیال، خدام اور غلاموں کی روزی کا انتظام بیت المال سے کر دیا گیا۔ زراعت اور جاگیریں حاصل کرنے کی ممانعت کے متعلق حضرت عمرؓ کی دلیل یہ تھی کہ اگر مسلمانوں کو زراعت کی اجازت دے دی گئی تو وہ کھیتی باڑی کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنے اصلی جوہر یعنی شجاعت اور بہادری کو بھول جائیں گے، سپاہیانہ زندگی ترک کر دیں گے، ان میں عیش و آرام کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔ اگر کسی جگہ جہاد کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ اس انتظار میں رہیں گے کہ فصل کٹ لے تو ہم جہاد کے لیے جائیں۔

اگر ذمیوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو اس کی زمین اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دی جاتی تھی بلکہ اس کے گاؤں والوں میں بانٹ دی جاتی تھی۔ اس کے بدلے ان لوگوں کو اس ذمی کا خراج بھی ادا کرنا ہوتا تھا۔ مسلمان ہونے پر اس کا مال و اسباب اور مویشی وغیرہ جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتے تھے، اسے واپس کر دئے جاتے تھے اور اس کے لیے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

ایسا کرنے سے حضرت عمرؓ کی غرض یہ تھی کہ اہلِ ذمّہ اور ان کی زمین سے مسلمان جنگوں کے دوران میں فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے جاگیریں خرید لیں تو اس کا سارا نفع وہ خود ہی حاصل کریں گے اور وہ زمین صرف انہی کی ملکیت بن کر رہ جائے گی لیکن آپ چاہتے تھے کہ مفتوحہ علاقے کی زمین آخری زمانے تک مسلمان مجاہدین کی امداد کے لیے استعمال کی جاتی رہے۔ کیونکہ اس زمانے میں تنخواہ دار سپاہی بھرتی کر کے خاص طور پر فوج تیار نہیں کی جاتی تھی بلکہ سارے مسلمان ہی جنگی خدمت کے لیے تیار رہتے تھے اور جب خلیفہ انھیں جہاد کے لیے بلاتا تھا تو وہ لبیک کہتے ہُوئے اپنے آپ کو پیش کر دیتے تھے اور جہاد کے لیے چل کھڑے ہوتے تھے۔ نہ زراعت ان کے راستے میں حائل ہوتی تھی اور نہ تجارت[1]

جب حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے روزینے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو حسبِ معمول اس بارے میں مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا۔ سب نے حضرت عمرؓ کے خیال کی تائید کی۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں سے مشورہ کیا جو فتح مکّہ کے دن مسلمان ہُوئے تھے۔ باقی سب لوگوں نے تو وہی رائے دی جو حضرت عمرؓ کی تھی، لیکن مکّہ کے ایک معزز شخص حکیم بن حزام نے کہا:

"امیرالمومنین! قریش تاجر لوگ ہیں، اگر آپ ان کے وظیفے مقرر کر دیں گے تو وہ تجارت بند کر دیں گے

---

[1] ابن اثیر - مقریزی - ابنِ عساکر

اور اگر آپ کے بعد کوئی خلیفہ ایسا ہوا جس نے یہ وظیفے بند کر دیے تو قریش کو دو طرفہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تجارت پہلے ہی ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہوگی، وظیفے بھی بند ہو جائیں گے۔"

حکیم بن حزام کی یہ رائے بہت مناسب تھی۔ کیونکہ وظیفے مقرر کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ عرب، جو ہمیشہ زندگی کے میدانِ کارزار میں سرگرمِ عمل رہتے تھے، سُست ہو جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کا کہنا یہ تھا کہ ان وظیفوں سے عربوں کو اپنی تجارت میں مزید وسعت دینے کا موقع ملے گا۔ حضرت عمرؓ کے عہد تک تو بے شک حجاز میں تجارت کو عروج حاصل رہا، لیکن آپ کے بعد آہستہ آہستہ عربوں کے ہاتھ سے تجارت نکلتی گئی۔ انھوں نے انھی وظیفوں پر اکتفا کر لی جو انھیں ماہ بماہ ملتے تھے اور اسی پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے دنیوی نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ آپ خود بھی انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو بھی ایسی ہی سادہ زندگی گزارنے پر مجبور کرتے تھے۔ آپ کی حالت اس فقیر کی سی تھی جس کا گزارہ محض قوتِ لایموت پر ہو اور دنیوی نعمتوں اور عیش و آرام کی زندگی سے وہ قطعاً ناآشنا ہو۔ اگرچہ لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ آپ بھی اپنے لیے بیت المال سے اتنا وظیفہ لیا کریں جتنا دُوسرے لوگ لے رہے تھے، لیکن آپ نے یہ بات منظور نہ کی۔ بیت المال سے آپ کا جو وظیفہ مقرر تھا، وہ اتنا تھوڑا تھا کہ بسا اوقات اس سے آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی ضروریات بھی پُوری نہ ہوتی تھیں۔ لیکن آپ اپنے وظیفہ میں اضافہ کی درخواست کرنے کی بجائے یہ بات بہت بہتر خیال کرتے تھے کہ بیت المال کے افسر سے کچھ رقم قرض لے لیں۔

جب بعض صحابہؓ نے دیکھا کہ امیر المومنین جو رقم اپنے گزارہ کے لیے بیت المال سے لیتے ہیں، وُہ آپ کی ضروریات کو بھی کافی نہیں ہوتی اور آپ بہت تکلیف دہ زندگی بسر کر رہے ہیں، تو باہم صلاح و مشورہ کر کے ام المومنین حضرت حفصہؓ (جو آپ کی صاحبزادی تھیں) کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"آپ امیر المومنین سے عرض کریں کہ وُہ اس تکلیف دہ زندگی کو جو انھوں نے خود اپنے لیے اختیار کر رکھی ہے، ترک کر دیں۔"

چنانچہ حضرت حفصہؓ آپ کے پاس آئیں اور صحابہؓ کی بات آپ کے سامنے دُہرا دی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے سے سختی سے انکار کر دیا اور ان لوگوں کے نام پُوچھے جنھوں نے حضرت حفصہؓ کو یہ صلاح دی تھی۔ حضرت حفصہؓ نے ان لوگوں کے نام بتانے سے انکار کر دیا، اگر وہ بتا دیتیں تو ضرور حضرت عمرؓ انھیں سزا دیتے۔

امیر المومنین نے اپنی بیٹی سے پُوچھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ سے زیادہ کتنے کپڑے پہنتے تھے؟"

حضرت حفصہؓ نے فرمایا:

"دو کپڑے جو آپؐ کسی وفد کے آنے یا کسی تقریب کے موقع پر پہنتے تھے۔"

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے متعلق پُوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ کی خوراک سادہ ہوتی تھی۔ پھر آپ نے رسول اللہؐ کے بستر کے متعلق پُوچھا تو اُنھوں نے کہا کہ حضورؐ کا بستر کُھردرا ہوتا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا:

"ان لوگوں کو، جو تمھارے پاس آئے تھے، یہ بتلا دینا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت پر چلوں گا۔ میری اور میرے پیش رو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کی مثال ان تین آدمیوں کی ہے جنھوں نے ایک راستہ پر سفر کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے پہلا شخص چلا، کچھ زادِ راہ لی اور اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے دُوسرا شخص چلا اور وہی راہ اختیار کی جو پہلے نے کی تھی، چنانچہ وہ بھی صحیح سلامت منزلِ مقصود پر پہنچ گیا ان دونوں کے پیچھے تیسرا شخص چلا۔ اگر وہ ان دونوں کی راہ اختیار کرے گا تو ان تک پہنچ جائے گا اور اپنی منزلِ مقصود کو پالے گا لیکن اگر دونوں کے راستہ کے خلاف کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو کبھی منزلِ مقصود کو نہیں پا سکے گا۔"

حضرت عمرؓ اپنے گھر والوں کو کبھی یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ان چیزوں سے نفع کمائیں جن پر ان کا حق نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبید اللہ بن عمرؓ لشکرِ اسلام کے ساتھ عراق گئے۔ جب واپس ہُوئے تو ان کا گزر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس سے ہوا جو ان دنوں امیرِ بصرہ تھے۔ حضرت ابُو مُوسیٰ اشعریؓ نے ان دونوں کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کو بیت المال سے کچھ رقم اس غرض کے لیے دی کہ وہ اس سے کچھ مال خرید کر مدینہ لے جائیں اور وہاں اسے بیچ کر نفع خود رکھ لیں اور اصل رقم بیت المال میں واپس کر دیں۔ چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے اصل رقم کے ساتھ منافع بھی بیت المال میں داخل کرانا چاہا۔ لیکن بعض صحابہؓ نے مداخلت کی۔ پھر بھی ان دونوں کو آدھا نفع بیت المال میں داخل کرانا پڑا۔

اگر امیر المومنین اس قدر سخت احتیاط نہ برتتے اور خزانہ کے روپیہ کو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر کُھلے دل سے خرچ کرنے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اور آپ کے اہل و عیال خوشحال ہو جاتے، لیکن سلطنت کا انتظام درہم برہم ہو کے رہ جاتا، کیونکہ اگر حاکم، ملک کے خزانہ کی طرف اپنا ہاتھ ناجائز طور پر بڑھائے تو نہ صرف یہ کہ ملک کی دولت میں کمی آ جاتی ہے خزانہ خالی ہو جاتا ہے بلکہ حکومت کے تمام شعبے خلل پذیر ہو جاتے ہیں۔ خیانت کی کثرت سے سارا نظام ابتر ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ جب لوگوں کو کسی کام سے منع فرماتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور ان سے کہتے:

"میں نے لوگوں کو فلاں فلاں کام سے روکا ہے۔ لوگ تمھاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ میں تم میں سے کسی کو یہ کام کرتا نہ دیکھوں، ورنہ خدا کی قسم دوسروں سے دُگنی سزا دُوں گا۔"

گو آپ اور آپ کے اہل و عیال بڑی سختی سے زندگی بسر کرتے تھے لیکن عام لوگوں کو انتہائی سادہ زندگی اختیار

... پر مجبور نہیں کرتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ انھیں خوشحالی اور فارغ البالی نصیب ہو اور وہ دُنیا کی نعمتوں سے متمتع ہوسکیں ... اپنے عمال کو وہ بالکل اپنے راستہ پر چلانا چاہتے تھے تاکہ حکومت کا کام ٹھیک طور پر چلتا رہے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ آپ اپنی رعایا پر بےحد مہربان تھے اور جہاں تک آپ سے بن پڑتا تھا رعایا کی خوشحالی، راحت و آرام اور اطمینان کے لیے سعی کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا ہمیشہ دستور رہا کہ آپ عربوں کو عمل کی تلقین کرتے اور سستی سے نفرت دلاتے رہتے تھے۔ اپنے عمال کو اکثر لکھتے رہتے کہ وُہ اپنے فرائض پُوری توجّہ کے ساتھ انجام دیں اور کبھی آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں، ورنہ بہت سے کام اکٹھے ہوجائیں گے اور ان کا سمیٹنا مشکل ہوجائے گا۔

آپ نے عام لوگوں کو اپنی مجالس میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اس کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ پتا لگ سکے کہ سلطنت کے کام کس طرح سرانجام دیے جاتے ہیں۔ امورِ سلطنت پر کس طرح بحث و تمحیص اور ان پر کیونکر عمل کیا جاتا ہے۔

آپ نے مختلف کاموں کی سرانجام دہی کے لیے بعض خاص خاص ماہرین کو مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اے لوگو! جس کو قرآن کریم کے متعلق پُوچھنا ہو وہ اُبیؓ بن کعب کے پاس جائے، جس کو فرائض اور واجبات کے متعلق پُوچھنا ہو وہ زیدؓ بن ثابت کے پاس جائے، جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے اور جس کو مالی امور کے متعلق کوئی بات سمجھنی ہو وہ میرے پاس آئے۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کے اموال کا خازن اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔"

وظیفے مقرر کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے مردم شماری کرائی تھی اور بربنائے سبقتِ اسلام وظائف مقرر فرمائے تھے تقسیم میں سب سے پہلے ان لوگوں کو رکھا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اس کے بعد اہلِ بدر کے حصّے مقرر کیے تھے۔ پھر ان لوگوں کے جو حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں حاضر تھے، پھر ان لوگوں کے جو بعد میں ایمان لائے اور قادسیہ اور یرموک کی جنگوں میں شریک ہوئے تھے۔ اسی طرح امہات المومنین، بچوں، اماموں، موذنوں، معلموں، قاضیوں اور شاعروں کے علی حسب المراتب حصے مقرر کیے تھے۔ حصّے مقرر کرنے کے بعد آپ نے ایک تقریر کی جس میں فرمایا:

"خدا کی قسم! ان اموال میں سے کسی کا حق دوسرے سے زیادہ نہیں ہے۔ خود میرا حق بھی کسی دُوسرے سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ مسلمانوں میں سے ہر شخص کا، سوائے مملوکہ غلاموں کے، ان اموال میں حصہ ہے لیکن چونکہ کتاب اللہ میں مسلمانوں کے مختلف طبقے مقرر کیے گئے ہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طبقوں کو برقرار رکھا ہے۔ اس لیے ہمیں بھی ان کو مدِّنظر رکھنا ہوگا۔ چنانچہ جو حصّے مقرر کیے گئے ہیں وہ اس بات کو دیکھ کر مقرر کیے گئے ہیں کہ کس شخص نے اسلام قبول کرنے کے بعد زیادہ تکلیفیں اٹھائیں، کون شخص ابتدائی زمانہ میں ایمان لایا، کون شخص مالدار ہے اور کس شخص کی کس قدر ضروریات ہیں۔ خدا کی

"اگر جبل صنعا میں کوئی شخص اپنی بکریاں چرا تا ہوگا تو اسے بھی ان اموال میں سے حصّہ ملے گا۔"

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے چونکہ نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے اور کاروبارِ حکومت بھی وسیع ہو گیا تھا اس لیے حضرت عمرؓ کو بعض نئی چیزیں ایجاد کرنی پڑیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے درہ استعمال کیا تھا اور آپ ہی نے ایران اور روم کے رجسٹروں کی طرز پر رجسٹر تیار کرائے تھے۔ ان رجسٹروں کو عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم نے، جو قریش کے عقلمند ترین لوگوں میں سے تھے اور جنھیں عربوں کے انساب اور تاریخ کا پورا پورا علم تھا، تیار کیا تھا۔

یہ بھی ثابت ہے کہ اسلام میں آپ ہی نے سب سے پہلے قیدخانہ تیار کرایا تھا۔ چنانچہ مشہور شاعر حطیہ کو آپ نے قید کیا تھا اسی طرح ایک اور شخص ضبیع کو بھی آپ نے قیدخانہ میں قید کیا تھا جہاں اسے جسمانی سزا بھی دی گئی۔ اس کے بعد اسے عراق جلا وطن کر دیا گیا اور وہاں کے عامل کو لکھ دیا گیا کہ اسے کوئی شخص منہ نہ لگائے۔ اگر سو آدمی بھی کسی جگہ بیٹھے ہوں اور یہ وہاں پہنچ جائے تو لوگ منتشر ہو جائیں۔ آخر جب اس نے اپنے قصور سے توبہ کی تو حضرت عمرؓ نے اسے معاف کر دیا۔

حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ کوئی شخص نماز کے اوقات کے علاوہ مسجد میں نہ بیٹھا رہے۔ آپ نے مسجد کے کونے میں ایک چبوترہ بھی بنوا دیا تھا جس کا نام "بطیحا" تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی کو کوئی بات کرنی یا شعر پڑھنا یا شور مچانا ہو وہ یہ کام اس چبوترہ پر جا کر کیا کرے۔ آپ کے عہدِ حکومت میں مسجد صرف نماز اور قضا کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ چنانچہ تمام خلفائے راشدینؓ مسجد میں بیٹھ کر ہی مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔

جب فتوحات کا سلسلہ تیز ہو گیا، غیر ممالک کے لوگ جوق در جوق اسلام لانے لگے اور مسلمان بچوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے مدرسے بنانے کا حکم دیا اور چند لوگوں کو اس کام پر مقرر کر دیا کہ وہ بچوں کو دینی علوم سکھائیں اور ان کی تربیت کریں۔

سب سے پہلا رجسٹر جو حضرت عمرؓ نے تیار کرایا وہ خراج اور اموال کا تھا۔ یہ رجسٹر دمشق، بصرہ اور کوفہ میں اسی طرز پر تیار کرائے گئے جس طرز پر پہلے ایرانی اور رومی رجسٹر تیار ہوتے تھے۔ شام کے رجسٹر رومی زبان میں تیار کیے جاتے تھے، عراق کے رجسٹر فارسی زبان میں اور مصر کے رجسٹر قبطی زبان میں۔ ان رجسٹروں کی تیاری کے لیے عیسائی اور مجوسی نوکر رکھے گئے تھے کیونکہ وہ اس کام کو اچھی طرح کر سکتے تھے۔

رجسٹروں اور دفتروں کی تیاری کا باعث یہ ہوا کہ جب حضرت ابوہریرہؓ، جو بحرین کے عامل تھے، پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے مجلسِ شوریٰ منعقد کر کے لوگوں سے رائے پوچھی کہ اس مال کو کس طرح صرف کیا جائے۔ ولید بن ہشام نے جو ایران اور شام کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے، کہا کہ میں نے شام میں دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے ایران اور شام کی طرز پر دفتر مرتب کرنے کا حکم دیا۔ ایک صندوق بھی تیار کیا گیا جس میں تمام دستاویزات اور معاہدات محفوظ طریقے پر رکھے جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت میں چند بڑے بڑے فوجی مرکز بھی قرار دیے جن کا نام 'جند' رکھا۔ یہ مرکز مدینہ،

[illegible]، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، اردن، حمص اور فلسطین تھے۔

فوجیں کوچ کے وقت سارا سامانِ جنگ اپنے ساتھ نہیں لیتی تھیں، بلکہ سامان کا اکثر حصہ ان مرکزوں اور مختلف چھاؤنیوں میں رکھا رہتا تھا اور ضرورت پڑنے پر فوراً فوجوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ لشکروں کی تنخواہیں مدینہ سے نہیں جایا کرتی تھیں بلکہ جہاں کوئی فوج مقیم ہوتی تھی وہیں سے اسے تنخواہ ملتی تھی۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مختلف ممالک سے خراج اور جزیہ کی جو رقم جمع ہوتی تھی وہ ساری کی ساری مدینہ بھیج دی جاتی تھی۔ لیکن یہ غلط ہے۔ مدینہ صرف اتنی ہی رقم بھیجی جاتی تھی جو فوجیوں کو تنخواہیں دینے اور ملکی اخراجات کے بعد باقی بچ جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ ہی نے سب سے پہلے امیرالمومنین کا لقب استعمال کیا۔ آپ ہی نے اسلام میں سب سے پہلے قاضی مقرر کیے۔ سنہ ہجری بھی آپ ہی کی ایجاد ہے۔ اسلام کے بعد سب سے پہلے شہر آباد کرنے کا فخر بھی آپ ہی کے حصہ میں آیا۔ آپ ہی کے عہد میں آپ کے حکم سے بصرہ اور کوفہ دو نئے شہر آباد کیے گئے۔

آپ کی یہ عادت تھی کہ عام مسائل کے متعلق مسجد میں لوگوں سے استفسار فرماتے تھے۔ اس کے بعد اپنی اور کبار صحابہؓ کی رائے مجلسِ شوریٰ میں پیش کرتے تھے۔ اس مجلسِ شوریٰ میں جو رائے پاس ہو جاتی تھی اسی پر عملدر آمد کیا جاتا تھا۔ اس طریقہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کے تمام کام ان صاحب آراء کا نچوڑ ہوا کرتے تھے جو ملک کے اہلِ فہم و دانش طبقہ کی طرف سے آپ کو دی جاتی تھیں اور سلطنت کا نظام اس خوبی سے چل رہا تھا کہ آپ کے علاوہ اور کسی خلیفہ یا بادشاہ کے عہد میں نہیں چلا۔

سلطنت کے مختلف علاقوں میں آپ جو حاکم بھیجا کرتے تھے ان کی تفصیل یہ ہے:

جن لوگوں کے سپرد ملک کا عام انتظام، جہاد کی تیاری اور نماز پڑھانا ہوتا تھا انھیں امیر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

جن لوگوں کے سپرد قضا اور بیت المال کا کام ہوتا تھا انھیں معلّم اور وزیر کہا جاتا تھا۔ مدینہ سے آپ بعض لوگوں کو مفتوحہ علاقے کی پیمائش، خراج کا اندازہ کرنے اور مردم شماری کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے روانہ ہوتے وقت ان لوگوں کو اپنی قیمتی ہدایات سے نوازتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں سے جنھیں آپ نے عراق کی پیمائش کرنے اور وہاں کے باشندوں پر خراج لگانے بھیجا تھا یہ فرمایا تھا:

> "مجھے ڈر ہے کہیں تم عراق کے لوگوں پر اتنا بوجھ نہ ڈال دو جسے وہ اٹھا نہ سکیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھا اور توفیق دی تو میں وہاں کے باشندوں کو اتنا خوشحال بنا دوں گا کہ میرے بعد وہاں کی بیوائیں تک کسی آدمی کی مدد کی محتاج نہ رہیں گی۔"

ایک بار فرمایا:

> "اے اللہ! میں تجھے سلطنت کے امرأ پر اپنا گواہ ٹھہراتا ہوں۔ تو جانتا ہے میں ان کو اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ لوگوں کو دینِ اسلام سکھائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے آگاہ کریں۔ عدل و انصاف قائم رکھیں اور اگر انھیں کسی مشکل کا سامنا ہو تو اسے میرے سامنے پیش کریں۔"

کی تنخواہیں ان کی ضرورت اور شہر کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر مقرر کی جاتی تھیں۔ حمص کے عامل عیاض بن غنم کو ایک دینار، ایک بکری اور دو رطل غذائی اجناس یومیہ ملا کرتی تھیں۔ آپ نے کوفہ میں حضرت عمارؓ بن یاسر کو سرحدوں کی دیکھ بھال کرنے، عثمان بن حنیف کو خراج وصول کرنے اور عبداللہؓ بن مسعود کو بیت المال کی نگرانی کرنے، لوگوں کو قرآن سکھانے اور انھیں دین سے آگاہ کرانے کے لیے بھیجا تھا۔ ان تینوں کے لیے ایک بکری یومیہ مقرر تھی۔ عمارؓ بن یاسر کو نصف بکری ملا کرتی تھی اور باقی نصف بکری میں عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن حنیف شریک تھے۔ عمارؓ بن یاسر کی ماہانہ تنخواہ چھ سو درہم تھی۔ عثمانؓ بن حنیف کی پانچ سو درہم اور عبداللہ بن مسعود کی سو درہم تھی۔ قاضی شریح کی تنخواہ سو درہم ماہانہ اور دس جریب گیہوں تھی۔

حضرت ابوبکرؓ تنخواہیں، وظائف اور عطیات دینے میں کسی کے علم و فضل اور سابقیتِ اسلام کا لحاظ نہیں رکھتے تھے بلکہ سب کو برابر دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:

"جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ اپنا بدلہ خدا تعالیٰ سے آخرت میں پائیں گے موجودہ مال تو دنیا کا مال ہے اسے لینے میں نیک اور فاجر سب برابر ہیں۔ یہ ان کے اعمال کے بدلہ میں نہیں دیا جا رہا۔"

لیکن حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میں اس شخص کو، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لڑا، اس شخص کے برابر ہرگز نہیں رکھ سکتا، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنخواہوں میں جو تفاوت برتا تھا وہ اسی اصول کی بنا پر برتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں پر عصبیت بُری طرح مسلّط تھی۔ ہر عرب حسب و نسب میں اپنے آپ کو دوسرے سے برتر سمجھتا تھا۔ لیکن جب اسلام آیا تو اس نے تمام عربوں کو ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا اور باوجود قبیلوں اور خاندانوں کے اختلاف کے سارے عربوں نے متحد ہو کر ایک قوم اور ایک گروہ کی حیثیت حاصل کر لی۔ ایک دوسرے پر برتری کا احساس جاتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب عجمی ممالک فتح ہونے لگے اور عربوں اور غیر عربوں میں میل جول ہوا تو آپ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں عرب عجمیوں کے ساتھ میل ملاپ میں اپنے قومی خصائل کو نہ بھول جائیں اور اس طرح عربی اتحاد میں فرق نہ آجائے۔ اس لیے آپ نے سختی کے ساتھ اس بات کی نگہداشت رکھی کہ عرب عجمی خصائل اور اخلاق اختیار کرنے نہ پائیں۔ عربوں کی فضیلت کا آپ کو اس حد تک خیال تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"عربوں کے لیے یہ بات بےحد شرم کا باعث ہے کہ کوئی عرب کسی عرب کا غلام ہو۔"

جاہلیت اور اسلام کے زمانہ کے جتنے عرب غلام لوگوں کے پاس تھے آپ نے سب آزاد کرا دیے۔

مسعودی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی عجمی کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔[1] گو یہ بات تو بداہت غلط ہے کیونکہ آپ نے مرزبان اور ابولولو وغیرہ کو جو غیر عرب تھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن شاید مسعودی کا

---

[1] مسعودی جلد اول ص ۲۹

اس روایت سے یہ مطلب ہو کہ آپ نے عجمیوں کی کسی جماعت کو مدینہ میں آباد ہونے کی اجازت نہ دی، اگرچہ آپ بعض اوقات چند خاص خاص لوگوں کو دارالخلافہ میں رہنے کی اجازت دے دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی یہ خواہش تھی کہ عرب میں غیر عرب نہ رہنے پائیں۔ اسی لیے آپ نے خیبر سے یہودیوں کو نکال کر اس کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھی۔ اسی طرح نجران سے بھی یہودیوں کو خارج کر کے کوفہ کی طرف بھیج دیا تھا۔

عربوں کی جانب بڑھی ہوئی توجہ ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ عرب اپنے انساب یاد رکھیں تاکہ ان کی عصبیت برقرار رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اپنے انساب اچھی طرح یاد رکھو۔ کہیں تمھاری حالت عراق کے عجمیوں کی طرح نہ ہو جائے کہ جب تم سے کوئی تمھارا نسب پوچھے تو تم صرف یہ کہہ دو کہ میں فلاں قبیلے سے ہوں۔"[1]

آپ حجاز کے عربوں کو عراق اور شام میں آباد ہونے کی بہت ترغیب دلایا کرتے تھے[2]۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"حجاز ہی کو اپنا مسکن بنا کر نہ بیٹھے رہو بلکہ اس سرزمین میں جاؤ جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تمھیں اس کا وارث بنا دے گا۔"

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عراق اور شام میں بھی عرب آباد تھے اور آپ چاہتے تھے کہ حجاز کے عرب اور عراق و شام کے عرب آپس میں متحد ہو جائیں اور موقعہ پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد اور تائید کریں۔ یہ بات بیشک تھی کہ دونوں علاقوں کے عربوں کے لب و لہجہ میں فرق تھا لیکن چونکہ زبان کے معاملہ میں حجاز کے عرب باقی سب علاقوں کے عربوں سے بڑھے ہوئے تھے، اس لیے حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ حجازیوں کی بولی ہی عراق اور شام کے عربوں کی بولیوں پر غالب آ جائے گی اور آپس کے میل ملاپ سے ایک ایسی متحدہ عرب قوم وجود میں آ جائے گی جو حجاز سے لے کر شام اور عراق کے نخلستانوں تک پھیلی ہوئی ہوگی۔

حضرت عمرؓ کا یہ نظریہ بالکل درست تھا کیونکہ آئندہ چل کر واقعات نے ثابت کر دیا کہ عراقی عرب مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے اور انھوں نے ایرانیوں کی کمزوریوں سے مسلمانوں کو مطلع کیا۔ چنانچہ ابو زبید الطائی، جو عیسائی تھا، معرکۂ جسر میں مسلمانوں کے ساتھ ہو کر لڑا اور قتل ہوا۔ اس کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی وجہ محض قومی حمیت تھی۔ اسی طرح عراق میں واقعۂ بویب کے دن انس بن ہلال نمری، نمر قبیلہ کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کے لیے آیا تھا۔ یہ سب لوگ عیسائی تھے لیکن انھوں نے آ کر کہا کہ ہم اپنی قوم کے ساتھ ہو کر لڑیں گے[3]۔ اسی طرح تغلب اور دیگر عیسائی قبیلوں کا حال تھا کہ انھوں نے جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کی اور اسلامی پرچم کے زیرِ سایہ مسلمانوں کے دشمنوں سے لڑے، حالانکہ وہ سب

---

[1] ابنِ خلدون جلد اول ص ۱۰۹ [2] ابن خلدون جلد اول ص ۲۲۱

[3] ابن اثیر جلد دوم ص ۲۱۵

عیسائی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ لیکن محض عربیت کا اتحاد دوسرے تمام اختلافات پر غالب آ گیا۔ صرف عراقی عربوں ہی کی یہ حالت نہ تھی، شام کے عیسائی عربوں نے بھی اسی طرح مسلمانوں کی ہر موقعہ پر مدد کی۔ اگرچہ "لامنس" ان پر خیانت اور غداری کا الزام لگاتا ہے، لیکن انھوں نے اپنے ہم قوم لوگوں کے سامنے اور کسی کی پروا نہ کی۔

حضرت عمرؓ اس رشتہ کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ جب آپ نے شام اور عراق میں فوجیں بھیجیں اور عراق کے عیسائی عربوں نے مسلمانوں کی مدد کی تو آپ نے "تغلب" ایاد اور نمر کے عیسائی قبیلوں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا۔ ان سے صرف وہی صدقات اور ٹیکس لیے جاتے تھے جو مسلمانوں سے لیے جاتے تھے۔ البتہ ایک شرط رکھی کہ وہ اپنے بعد اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے[1]

(۲۱)

امیرالمومنین کے اخلاق و عادات

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت ملی تو کچھ روز تک آپ بازار جاتے اور تجارت کرتے رہے۔ لیکن جلدی ہی آپ کو احساس ہو گیا کہ خلافت اور تجارت اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے اس کا تذکرہ حضرت عمرؓ سے کیا۔ حضرت عمرؓ نے بعض صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنے اور اہل و عیال کے اخراجات کے لیے بیت المال سے کتنی رقم ملنی چاہیے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھ ہزار درہم سالانہ ملا کریں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوتا رہا۔ جب حضرت ابوبکرؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے فرمایا :

"میرے پاس مسلمانوں کا جو مال ہے وہ سب واپس کر دو کیونکہ میں اس میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اپنے دوران خلافت میں مَیں نے بیت المال سے جو رقم لی ہے اس کے بدلے میری فلاں جائداد فروخت کر دی جائے اور اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔"

آپ کے رشتہ داروں نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا :

"ابوبکر! تم نے اپنے جانشین پر بہت بوجھ ڈال دیا۔"

جس پاک دامنی، جس پاکیزگی اور جس طرز معیشت کا نمونہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں پیش کیا تھا حضرت عمرؓ نے بھی اپنے تمام ایام خلافت میں اسی قسم کا پاک نمونہ دکھایا۔ آپ عدل، پرہیزگاری، حق کے بارہ میں شدت، بڑے بڑے

---

[1] المعارف از ابن قتیبہ ص ۱۹۳

...محنت کرنے اور غریبوں سے انتہائی مہربانی کے ساتھ پیش آنے میں خدا تعالیٰ کا ایک زبردست نشان تھے۔ سادہ زندگی بسر کرنے میں کوئی شخص آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہی اخلاق تھے جن کی وجہ سے آپ کے زمانہ میں سلطنت کو انتہائی عروج حاصل ہوا اور اس کی بنیادیں خوب اچھی طرح مستحکم ہوگئیں۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"مجھ کو تمھارے مال میں اسی طرح کا حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربّی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحبِ حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لئے لوں گا۔"

روایات سے پتا چلتا ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد کافی عرصہ تک حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ایک حبّہ تک نہیں لیا۔ لیکن جب غربت نے بہت ستایا تو آپ نے بعض صحابہؓ کو بلایا اور ان سے کہا کہ وہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے کوئی اور کام کر نہیں سکتے۔ انھیں بیت المال سے کتنا گزارہ لینا چاہیے؟ حضرت عثمانؓ اور حضرت سعیدؓ بن زید نے عرض کیا کہ آپ کے لیے کیا روک ٹوک ہو سکتی ہے جتنا مال چاہیے لے لیجئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ آپ صرف اتنا ہی گزارہ لے سکتے ہیں، جو آپ کی صبح اور شام کی خوراک اور معمولی لباس کے لیے کافی ہو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور صرف اتنا ہی گزارہ لینا منظور کیا جو قوتِ لایموت کے لیے کافی ہو۔

طبقات ابنِ سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے بہت کم گزارہ لیتے تھے۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ گرمیوں میں جو کپڑے کا جوڑا پہنتے تھے وہ اس وقت تک پہنے رہتے تھے جب تک وہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاتا۔ وہ جوڑا بھی نہایت معمولی ہوتا تھا۔ حضرت حفصہؓ نے اس بارہ میں ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا تو انھیں جواب ملا کہ میں اس سے زیادہ عمدہ لباس نہیں پہن سکتا کیونکہ میں جو کچھ پہنتا ہوں مسلمانوں کے مال میں سے پہنتا ہوں۔

آپ ہر روز اپنے اور اپنے اہل و عیال پر صرف دو درہم خرچ کیا کرتے تھے۔ ایک سال آپ نے حج کیا تو اس میں آپ کے سولہ دینار خرچ ہو گئے۔ آپ نے اپنے لڑکے عبداللہ سے فرمایا:

"عبداللہ بن عمر! ہم نے بہت اسراف سے کام لیا۔"

اس زمانہ میں دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زہد و تقویٰ کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے آپ کے گھر والوں کو ایک چٹائی بطور تحفہ دی۔ جب حضرت عمرؓ گھر میں آئے تو آپ نے پوچھا:

"یہ چٹائی کہاں سے آئی؟"

آپ کی بیوی نے جواب دیا:

"یہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے ہمیں بطور تحفہ دی ہے۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس چٹائی کو زمین پر دے مارا اور ابوموسیٰؓ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"تم نے کس تقریب سے یہ چٹائی میری بیوی کو تحفہ میں دی ہے ؟"

یہ کہہ آپ نے وہ ان کے سر پر دے ماری اور فرمایا :

"اسے لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

ایک سال ملک میں بڑا زبردست قحط پڑا، آپ نے اس دوران میں اپنی خوراک انتہائی کم کر دی تھی۔ کئی روایات میں آتا ہے کہ جب تک قحط ختم نہ ہو گیا حضرت عمرؓ نے نہ کوئی لذیذ چیز کھائی، نہ شہد چکھا اور نہ گوشت اپنے منہ میں ڈالا۔ حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ قحط کے سال آپ نے اپنے اوپر گھی حرام کر لیا تھا، صرف زیتون کا تیل استعمال فرماتے تھے۔ لوگوں کی تکالیف نے آپ کو اس حد تک بے چین کر رکھا تھا کہ کھانے پینے کا سامان خود اپنی پیٹھ پر رکھ کر غریبوں کے گھروں تک جاتے تھے اور انھیں تقسیم کرتے تھے۔

عیاض بن خلیفہ کہتے ہیں کہ میں نے قحط کے سال حضرت عمرؓ کو دیکھا آپ کا رنگ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا حالانکہ اس سے پہلے آپ سُرخ و سپید تھے۔ لوگوں نے عیاض سے اس تبدیلی کا سبب پُوچھا تو اُنھوں نے بتلایا کہ پہلے وہ گھی اور دُودھ استعمال کیا کرتے تھے لیکن جب قحط پڑ گیا تو آپ نے یہ تمام چیزیں ترک کر دیں اور محض زیتون کے تیل پر گزارہ کرنے لگے۔ کئی کئی وقت تک آپ کھانا بھی نہیں کھاتے تھے، اسی لیے آپ کا رنگ تبدیل ہو گیا اور صحت خراب ہو گئی۔

کئی لوگوں کی روایت ہے کہ اگر خدا تعالیٰ قحط دُور نہ کرتا تو حضرت عمرؓ ضرور اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے اپنی جان دے دیتے۔

اسی قحط کے زمانے میں ایک دفعہ آپ نے اپنے ایک لڑکے کے ہاتھ میں تربُوز دیکھا۔ جھٹ وہ تربوز اس کے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا :

"تم پھل کھاتے ہو اور رسولؐ اللہ کی اُمت بھُوکی مر رہی ہے۔"

بچہ روتا ہوا باہر چلا گیا۔ آپ نے پتا چلایا کہ لڑکے کو تربوز کہاں سے ملا تو معلوم ہوا اس نے کھجوروں کو بیچ کر ان کے بدلے یہ تربوز لیا تھا۔

قحط کے زمانہ میں آپ روزانہ اپنے دسترخوان پر کئی ہزار لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اپاہج، مریض اور بچے جو آپ کے پاس نہیں آسکتے تھے ان کو کھانا ان کے گھر بھیجا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی۔

ایک مرتبہ آپ پیاسے ایک آدمی کے گھر پہنچے اور اس سے پانی مانگا۔ وُہ شہد لے آیا۔ آپ نے فرمایا :

"یہ کیا ہے ؟"

اس نے عرض کیا کہ "شہد ہے"۔ آپ نے اس کو پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا :

"میں نہیں چاہتا کہ اس کے بدلے قیامت میں میرا محاسبہ کیا جائے۔"

یسار بن نمیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کبھی چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں فرمایا۔

سائب بن یزید کہتے ہیں: "میں نے قحط کے سال حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ کے لباس میں سولہ پیوند لگے ہوئے تھے۔"

اسی طرح حضرت انسؓ بن مالک بھی بیان کرتے ہیں کہ خلافت کے زمانہ میں مَیں نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کی قمیص میں دونوں کندھوں کے درمیان تین پیوند اُوپر تلے لگے ہوئے تھے۔

ابو عثمان نہدی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنی قمیص پر چمڑے کا پیوند لگا رکھا تھا جمعہ کی نماز کا وقت تھا، حضرت عمرؓ دیر تک مسجد میں تشریف نہ لائے۔ جب آئے تو منبر پر چڑھ کر فرمایا: میں اپنی قمیص کو پیوند لگانے میں مصروف تھا کیونکہ میرے پاس اور کوئی قمیص نہیں تھی۔

عامر بن عبیدہ باہلی کہتے ہیں:

"میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے اونی کپڑوں کے بارہ میں پُوچھا، انھوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ نے اونی کپڑے پہنے ہیں، صرف حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے انھیں کبھی استعمال نہیں فرمایا۔"

حضرت عمرؓ اس بات سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ خدا تعالیٰ نے پاک چیزوں کو اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے اور اور اگر وہ اسراف کو کام میں لائے بغیر ان چیزوں کو استعمال کریں تو یہ شرعاً جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے اپنے اوپر جس قسم کی تنگی وارد کر رکھی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ ہر دم ان کے سامنے یہ تصوّر رہتا تھا کہ وہ امیر المومنین ہیں اور یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں کہ رعایا میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں جنھیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہو لیکن ان کا حاکم، جو ان کی ضروریات پُوری کرنے کا ذمہ دار ہے وہ سیر ہو کر کھانا کھائے۔ دُوسرے لوگ اپنے کپڑوں پر چمڑے کے پیوند لگائیں اور وہ اونی کپڑے پہنے۔

حضرت عمرؓ کی سادہ زندگی، زہد، تقویٰ، کھانے پینے میں انتہائی سادگی اختیار کرنے کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ خلیفہ کی اصلی شان یہ ہے کہ وُہ رعایا کے سامنے اپنے آپ کو حاکم کی حیثیت میں نہیں بلکہ خادم کی حیثیت میں پیش کرے اور اسے اپنے اعمال سے یہ بات ثابت کر دینی چاہیے کہ اسے رعایا پر صرف اس کے تقویٰ و طہارت اور اخلاصِ عمل ہی کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ خلفائے راشدین، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وُہ جانتے تھے کہ ان کا فرض امت کی خدمت کرنا ہے اور امت کے ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق انہی کو خدا تعالےٰ کے سامنے جواب دہی کرنی ہوگی۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے:

"اگر کوئی گم شدہ اُونٹ دریائے فرات کے کنارے مرجائے تو مجھے یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ قیامت میں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کے متعلق پُوچھے گا۔"

اسی طرح یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

"اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا ہے اور میں اس ظلم کی تلافی نہ کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے اس شخص پر ظلم توڑا۔"

جب حضرت عمرؓ خلافت کے زمانہ میں حج کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے تو راستہ میں جہاں پڑاؤ کرتے، کوئی خیمہ وغیرہ نہ لگواتے بلکہ چادر بچھا کر کسی درخت کے نیچے پڑ رہتے اور اسی کے سایہ میں آرام کرتے۔

ربیع بن زیاد الحارثی کہتے ہیں:

"میں نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں کہ لذیذ غذا کھائیں، عمدہ سواری پر سوار ہوں اور نرم کپڑے پہنیں۔"

حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر ایک چھڑی اٹھائی اور میرے سر پر دے ماری۔ پھر فرمایا:

"اگر تمھارا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں سُنا کر تم خدا تعالیٰ کا یا میرا قرب حاصل کر سکو گے تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ میری اور میری رعایا کی مثال تو اس جماعت کی ہے جو سفر پر چلی۔ سارے لوگوں نے اپنی چیزیں ایک شخص کے حوالے کر دیں اور اسے اپنی تمام ضرورتیں پُوری کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ تم بتاؤ کیا اس شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دے؟"

میں نے عرض کیا: "نہیں"۔

اس پر آپ نے فرمایا:

"پھر میں اپنے آپ کو دوسرے لوگوں پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں؟"

احنف کہتے ہیں:

"ہم حضرت عمرؓ کے دروازہ پر بیٹھے تھے۔ ایک لونڈی ہمارے پاس سے گزری۔ ہم نے آپس میں کہا "یہ امیر المومنین کی لونڈی ہے"۔ حضرت عمرؓ کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی۔ آپ نے ہمیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا "یہ امیر المومنین کی لونڈی نہیں ہے اور نہ انھیں اللہ کے مال میں سے اس لونڈی کو لینے کا اختیار ہی ہے"۔ ہم نے پُوچھا "آپ کو اللہ کے مال میں سے کیا کیا لینے کا اختیار ہے؟" آپ نے فرمایا: "سُنو، میں تمھیں بتاتا ہُوں مجھے صرف یہ چیزیں لینی جائز ہیں۔ سال میں دو جوڑے، ایک جوڑا گرمیوں کا اور ایک جوڑا سردیوں کا۔ اور اپنے اور اپنے اہل وعیال کے گزارہ کا خرچ، جو قریش کے ایک معمولی آدمی کے لیے کافی ہو۔ میں مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں۔ جو انھیں ملتا ہے مجھے بھی وہی ملنا چاہیے۔ ان سے زیادہ لینے کا مجھے کوئی اختیار نہیں"۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "آپ اپنے والدِ محترم سے کہیں کہ وہ اپنی زندگی میں کچھ نرمی پیدا کریں"۔

چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"تو نے اپنے باپ کو دھوکا دیا"۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عمّال کو رعایا کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنے، عدل وانصاف قائم رکھنے اور سخت سزائیں نہ دینے کی تاکید کر رکھی تھی آپ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ رعایا کے ساتھ بے جا سختی کی جائے۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں:

"میں ایک دفعہ صبح کے وقت اپنے والد کے ساتھ تھا ہم دونوں سوار تھے۔ ہم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ہماری طرف آرہا ہے۔ ہمارے قریب پہنچ کر وہ رونے لگا۔ والد نے اس سے پوچھا: روتے کیوں ہو؟ اگر تم کسی بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہو، تو ہم تمھاری مدد کریں گے۔ اگر خوف زدہ ہو تو تمھیں امن دیں گے۔ البتہ اگر تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے تو اس کے بدلے تمھیں قتل کیا جائے گا۔ اگر تم کسی جگہ رہنا نہیں چاہتے تو ہم تمھیں دوسری جگہ آباد کر دیں گے۔ اس نے عرض کیا: میں بنی تمیم میں سے ہوں، میں نے شراب پی تھی، اس کی سزا میں آپ کے عامل ابوموسیٰ اشعری نے مجھے کوڑے مارے، میرا منہ کالا کر دیا اور مجھے لوگوں کے درمیان گشت کرایا اور انھیں حکم دیا کہ خبردار کوئی آدمی اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے۔ نہ اپنے ساتھ بٹھائے، نہ کھانے پینے میں اپنے ساتھ شریک کرے۔ اس پر میں نے اپنے دل میں تین باتیں سوچیں، یا تو تلوار لے کر ابوموسیٰ کا خاتمہ کر دوں، یا شام چلا جاؤں جہاں کوئی شخص مجھے نہیں جانتا، یا دشمن کے ساتھ مل جاؤں اور ان کے ساتھ کھاؤں پیوں، مزے اڑاؤں۔"

حضرت عمرؓ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا:

"شراب پینا ایک نہایت قبیح فعل ہے اور ایک مسلمان کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ شراب پئے۔ لیکن یہ زنا کی طرح نہیں ہے۔"

آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا جس میں تحریر کیا:

"مجھے فلاں شخص کی زبانی اس اس بات کا پتا چلا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے دوبارہ ایسا فعل کیا تو تمھارا منہ کالا کرا کے تمام شہر میں پھراؤں گا۔ لوگوں سے کہہ دو کہ وہ اس شخص سے برابر میل جول رکھیں اور اگر یہ شخص توبہ کر لے تو اس کی شہادت بھی قبول کر لیا کرو۔"

خود حضرت عمرؓ نے اس شخص کو دو سو درہم دیے۔

مختصر یہ کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اپنی رعایا کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ اس کے فائدہ کے لیے جو بن پڑتا تھا، کرتے تھے۔ آپ نے جو سیاست اختیار کی تھی اس سے لوگ آپ کے بے حد گرویدہ ہو گئے تھے۔ آپ ان کے اموال اپنے ذاتی مصرف میں لانا حرام سمجھتے تھے۔ رعیت کا ہر شخص آپ کی نظر میں مساوی حقوق کا حامل تھا۔ عدل و انصاف آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حکمت آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ جس چیز کا جہاں موقع ہوتا اسے وہیں رکھتے تھے۔ جہاں مصلحت نرمی کا تقاضا کرتی تھی وہاں نرمی اختیار کرتے تھے اور جہاں سختی کا تقاضا کرتی تھی وہاں سختی کو کام میں لاتے تھے۔

عربوں کی ہر خصلت و عادت سے آپ اچھی طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ کون سا کام ان کے لیے مفید ہے اور کون سا مضر۔ اس طرح آپ نے ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا اور انھیں ایک ایسی زندہ قوم بنا دیا جس کی ہیبت سے

...ن کا پتا تھا۔ جو ذلت پر کبھی راضی نہ ہوتی تھی اور جو اپنے اوپر کسی کے ظلم کو برداشت نہ کر سکتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حیرت انگیز اخلاق کے ذریعہ اپنے جانشینوں کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا تھا۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے عرب کو سنبھالا تھا اور کوئی شخص نہ تھا جو اس طرح اسے سنبھال سکتا۔ آپ کے بعد ایسا کون سا انسان تھا جو رعیت کی خاطر اپنی خواہشوں کو قربان اور زندگی کی تکلیفیں برداشت کر سکتا۔ حضرت عمرؓ ایک مافوق البشر انسان تھے، جن کی مثال ان کے بعد اس دنیا میں ملنی ناممکن ہے۔

(۲۲)

واقعۂ شہادت

ماہِ ذوالحجہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے ایک دن حضرت عمرؓ حسبِ معمول فجر کی نماز پڑھانے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں دِرہ تھا جو کبھی آپ سے علٰحدہ نہ ہوتا تھا۔ آپ صفوں کے درمیان سے گزرتے ہُوئے اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔ پہلے صفیں سیدھی کرائیں۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھلی۔ یکایک مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابو لُؤلؤ، جو نمازیوں میں شامل تھا، ایک دو دھاری خنجر لیے آگے بڑھا اور نہایت پھُرتی سے آپ پر چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے لگا۔ امیر المومنین اسی وقت زمین پر گر پڑے۔

یہ حملہ اتنی تیزی سے اور اچانک ہُوا کہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔ صفیں درہم برہم ہوگئیں، لیکن کچھ دیر کے بعد لوگوں کو ہوش آیا اور بعض دلیر آدمی ابو لؤلؤ کو پکڑنے کیلیے آگے بڑھے لیکن اس نے دائیں بائیں خنجر چلانا شروع کر دیا جس سے تیرہ آدمی زخمی ہوکر زمین پر گر پڑے۔ آخر ایک شخص نے آگے بڑھ کر پھُرتی سے اپنا کمبل اس پر ڈال دیا اور اسے قابو میں کر لیا۔ جب ابو لؤلؤ کو یقین ہوگیا کہ اب وُہ بچ کر نہیں نکل سکتا تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔

جب لوگ حضرت عمرؓ کی جانب بڑھے تو دیکھا کہ آپ کے خون سے تمام زمین سُرخ ہو رہی ہے انھوں نے آپ کی مرہم پٹی کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے روک دیا اور فرمایا:

”کیا تم میں عبدالرحمٰن بن عوف موجود ہیں؟“

عبدالرحمٰن لوگوں کو چیرتے آگے بڑھے اور کہا:

”امیر المومنین! میں حاضر ہُوں۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

”آگے جاؤ اور نماز پڑھاؤ۔“

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مختصر سی نماز پڑھائی۔ لوگوں کی نظریں حضرت عمرؓ کی طرف تھیں انھوں نے دیکھا کہ آپ زمین پر ٹیک لگا کر نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔

جب نماز ختم ہوگئی تو لوگ آپ کو اٹھا کر آپ کے گھر لے آئے۔ اس وقت تمام آنکھیں اشکبار تھیں اور سب کے دل خون ہو رہے تھے۔

مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابُو لؤلؤ فیروز نہاوند کا رہنے والا تھا، وہ ایک روز بازار میں امیر المومنین سے ملا اور کہنے لگا:

"میرے آقا نے میری طاقت سے زیادہ مجھ پر محصول مقرر کر رکھا ہے آپ کم کرا دیجئے۔"

حضرت عمرؓ نے پُوچھا،

"تمہارا محصول کیا ہے؟"

اس نے کہا،

"دو درہم روزانہ۔"

آپ نے پوچھا،

"تم کام کیا کرتے ہو؟"

اس نے کہا:

"نجاری، نقاشی، آہن گری۔"

امیر المومنین نے کہا،

"تین پیشے تمہارے ہاتھ میں ہیں، اس حال میں بھی تم شکایت کرتے ہو۔ میرے خیال میں تو یہ رقم تمہارے پیشوں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں ہے۔"

باتوں باتوں میں امیر المومنین نے ابو لؤلؤ سے پُوچھا:

"مجھے پتا چلا ہے کہ تم چکیاں بنانا جانتے ہو۔"

اس نے جواب دیا،

"جی ہاں!"

آپ نے فرمایا،

"تو مجھے ایک چکی بنا دو۔"

ابو لؤلؤ نے جواب دیا،

"اگر میں زندہ رہا تو ایسی چکّی بنا کر دُوں گا جس کی شہرت مشرق و مغرب تک پھیل جائے گی۔"

یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ حضرت عمرؓ کی نگاہوں نے دُور تک اس کا تعاقب کیا اور آپ نے فرمایا،

"اُس غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔"

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ حادثہ سے پہلے رات کو انھوں نے ہرمزان، جفینہ، نصرانی اور ابولؤلؤ کو سرگوشیاں کرتے دیکھا۔ ان لوگوں کی نظر جب آپ پر پڑی تو گھبرا گئے۔ اسی گھبراہٹ میں ان میں سے ایک کے ہاتھ سے ایک خنجر چھُوٹ کر زمین پر گر پڑا جس کی دو دھاریں تھیں۔ یہ خنجر بعینہٖ وہی خنجر تھا جس سے ابولؤلؤ نے امیرالمومنین پر حملہ کیا تھا۔

اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان تینوں نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کی سازش کی تھی ورنہ رات کے اندھیرے میں عجمی ایرانی، عربی عیسائی اور مغیرہ کے غلام کو ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے کی کیا ضرورت تھی حالانکہ ہرمزان نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ ہرمزان ان ایرانی سپہ سالاروں میں سے تھا جنھیں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے شکست دی تھی۔ شکست سے قبل ہرمزان ایرانیوں اور عراق کے زمینداروں اور کاشتکاروں کو مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف تھا۔ اس نے اسلام اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک اس بات کا یقین نہ ہو گیا کہ اس کا قتل یقینی ہے اور بچاؤ کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ اسلام لے آئے۔ اس نے بار بار مسلمانوں سے معاہدے کیے کہ وہ آئندہ ان سے جنگ نہیں کرے گا لیکن ہر بار وہ ان معاہدوں کو پسِ پشت ڈال کر مسلمانوں کے مقابلے پر آتا رہا۔ ایسے لوگ عربوں سے اپنی عداوت کو نہیں چھپا سکتے تھے۔ نہ کبھی یہ بات ان کے ذہن سے محو ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں نے شاہانِ کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت کا تختہ اُلٹ دیا اور ایران کے دیار و امصار پر قابض ہو گئے۔

جفینہ عیسائی نجران کا رہنے والا تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اسے وہاں سے اس لیے لے آئے تھے کہ وہ لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں، جبکہ وہ ایرانیوں اور رومیوں سے مصروفِ پیکار تھے، نجران کے عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال کر اور انھیں نقلِ مکانی کا معاوضہ دے کر شام اور عراق میں آباد کر دیا تھا، اس لیے آپ کو اندیشہ تھا کہ ایسے نازک موقع پر یہ عیسائی نقضِ عہد نہ کر بیٹھیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ہرقل کے لشکروں کو زبردست شکست دی ہرقل عیسائی تھا اس لیے عین ممکن ہے کہ جفینہ عیسائی بھی اپنے دل میں مسلمانوں کے خلاف کینہ لیے ہوئے ہو اور کچھ عجب نہیں کہ وہ ہرمزان کو اپنا حلیف پا کر اس کے ساتھ اس سازش میں شریک ہوا ہو۔

فیروز ایرانی تو قتل کے جرم کا مرتکب ہے ہی۔

ان تین اشخاص کے علاوہ ایک اور شخص بھی ہے جس کے متعلق ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ بھی اس سازش میں شریک تھا۔ اور وہ ہیں کعب الاحبار۔

کعب الاحبار قتل کے واقعہ سے تین روز پہلے امیرالمومنین کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے:

"امیرالمومنین! آپ تین روز کے اندر اندر وفات پا جائیں گے۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا:

تمھیں کس طرح معلوم ہوا!"

اُنھوں نے کہا:

"مجھے کتاب اللہ (توراۃ) سے پتا چلا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"اللہ! عمرؓ کے یہ نصیب کہاں کہ توراۃ میں اس کا ذکر ہو!"

کعب نے کہا:

"یہ بات نہیں ہے لیکن آپ کی صفت اور آپ کے حلیہ کا اس میں ضرور ذکر ہے۔"

اگلے روز وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"امیرالمومنین! آپ کی وفات میں صرف دو روز باقی ہیں۔"

تیسرے روز پھر آئے اور کہا:

"امیرالمومنین! دو روز گزر چکے اب صرف ایک دن اور ایک رات باقی ہے۔ کل صبح آپ کی وفات یقینی ہے۔"

کعب ایک یہودی تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اسلام کو روز بروز ترقی نصیب ہو رہی ہے اور کسی دین، کسی قوت میں اس کے مقابلہ کی تاب نہیں رہی تو انھوں نے اپنی ذکاوت سے اس حقیقت کو پا لیا کہ اب اسلام ہی کا دور دورہ ہونے والا ہے۔ وہ بلند روح، وہ زبردست بہادری اور وہ عظیم الشان قربانیاں، جو اس کے سپوت اس کی راہ میں دکھا رہے ہیں، ان کی بنا پر وہ ضرور تمام دنیا پر غالب آجائیں گے اور مشرق سے مغرب تک سارا عالم ان کے زیرنگین آجائے گا۔ یہ حالات دیکھ کر انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ انھیں یقین تھا کہ ان کے اسلام قبول کرنے سے انھیں وہ عزت نصیب ہو گی جو ان کی اپنی قوم میں انھیں حاصل نہیں ہے۔

کعب ایک عالم آدمی تھے اور تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔ توراۃ کے اشعار ایسی ایسی پیچیدہ عبارتوں سے بھرے پڑے تھے جن کو کوئی عرب، خواہ وہ عبرانی ہی کیوں نہ پڑھا ہوا ہو، سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے کئی من گھڑت باتیں مسلمانوں کے درمیان پھیلا دیں اور ان کے دین اور عقیدہ کی پاکیزگی کو مقدر کر دیا۔

انھوں نے اوائلِ اسلام ہی میں ایک بلند اور ممتاز مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اکثر لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو تورات وہ پڑھتے ہیں اس میں سب چیزوں کا علم موجود ہے اور جو کچھ وہ انھیں بتاتے ہیں وہ بالکل سچ ہے۔ لوگوں کا ان کی نسبت یہ اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا جب انھوں نے تین روز پہلے حضرت عمرؓ کی وفات کی خبر دی اور وہ فی الواقعہ وقوع میں آ بھی گئی۔ بہت سے لوگ ان اسرائیلیات پر جو انھوں نے بیان کیں آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئے اور انھوں نے ان کو تاریخ اور احادیث و تفسیر کی کتابوں میں بھی داخل کر دیا۔ وہ خود بھی اس سے زیادہ ان کی حقیقت سے واقف نہ تھے کہ وہ خود ان کی بنائی ہوئی باتیں تھیں۔ وہ اپنے کلام کی سند تورات میں سے دیتے تھے لیکن تورات ان باتوں سے خالی تھی جو وہ لوگوں سے بیان کرتے تھے۔ آج کل

...ہمارے سامنے ہے ہم اسے پڑھتے ہیں لیکن ان باتوں میں سے ایک بات بھی ہمیں اس میں نہیں ملتی جو کعب الاحبار نے گزشتہ میں بیان کی تھیں۔

ان امور کی موجودگی میں ہمارے لیے یہ شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی اور کوئی آدمی اسے جھٹلا نہیں سکتا کہ کعب نے حضرت عمرؓ سے تین روز پہلے آپ کی وفات کا جو تذکرہ کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنھیں اس تمام سکیم کا پتا تھا جو ابو لوٗلوٗ نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کے لیے تیار کی تھی۔ حضرت عمرؓ کو بتانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی قدر و منزلت مسلمانوں میں زیادہ ہو جائے اور وہ ان کی بیان کردہ روایات اور کہانیوں کو بے دھڑک قبول کر لیں۔

زخم کھانے کے بعد حضرت عمرؓ نے پُوچھا کہ ان کا قاتل کون ہے؟

جب آپ کو پتا چلا کہ قاتل ابو لوٗلوٗ ہے تو آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور فرمایا کہ "الحمد للہ میرا قاتل اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنے والا مسلمان نہیں ہے۔"

مزید اطمینان کے لیے آپ نے ایک صحابی کو پُوچھ گچھ کرنے بھیجا۔ وہ مہاجرین اور انصار سے جا کر پُوچھتے تھے کہ کہیں قاتل ان میں سے تو نہیں؟ وہ روتے ہوئے نفی میں جواب دیتے۔ یہ ہو بھی کس طرح سکتا تھا کہ کوئی مسلمان حضرت عمرؓ بن الخطاب پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کر سکتا۔ آپ ہی نے اسلام کو عزت بخشی، آپ ہی کے عہد میں فتوحات پر فتوحات ہوئیں۔ جن کے ذریعے اسلام کا بول بالا ہوا۔ آپ ہی کے لشکروں نے قیصر اور کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں کو روند ڈالا اور ہر جگہ اسلام ہی کا طوطی بولنے لگا۔

جب لوگ آپ کو مسجد سے اٹھا کر گھر لائے تو طبیب آیا۔ پہلے اس نے کھجوروں کا پانی آپ کو پلایا[1]۔ لیکن وہ زخم کے راستے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد دُودھ پلایا وہ بھی سارے کا سارا باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کو یقین آگیا کہ اب ان کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔

اس یقین کے بعد آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ وُہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مزاروں کے پہلو میں دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

---

[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو کھجوروں کی شراب پلائی گئی تھی۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ عربوں میں دستور تھا کہ وہ رات کو پانی میں کھجوریں ڈال دیتے تھے۔ صبح تک وُہ پانی میٹھا ہو جاتا تھا اور وہ اسے استعمال کر لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو بھی یہی پانی پلایا گیا تھا۔ (مترجم)

"یہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی لیکن میں اسے عمرؓ کے لیے قربان کرتی ہوں۔"

حضرت عمرؓ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے لیکن اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بلا کر فرمایا:

"میں نے حضرت عائشہؓ سے کہلا بھیجا تھا کہ وہ مجھے اپنے دوستوں کے پاس دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں انھوں نے خلافت کے اثر یا تکلف سے اجازت نہ دے دی ہو۔ اس لیے جب میں مرجاؤں تو مجھے غسل اور کفن دے کر میرا جنازہ ان کے دروازہ پر لے جانا اور کہنا:

"عمرؓ اجازت چاہتا ہے کہ اسے آپ کے حجرہ میں اس کے دو محترم رفیقوں کے برابر دفن کیا جائے۔"

اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع لے جانا۔"

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ والد کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد ہم ان کا جنازہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے قریب لے گئے اور ان سے اجازت طلب کی۔ انھوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور وُہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو بہ پہلو دفن کیے گیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے برابر دفن کیے گئے تھے اور حضرت عمرؓ آپ کے پہلو کے متوازی۔

حضرت عمرؓ کی وفات ترسیٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ آپ کو ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ بروز بدھ خنجر مارا گیا اور محرم کی پہلی تاریخ کو بروز اتوار دفن کیا گیا۔ آپ کی کل مدتِ خلافت دس سال پانچ مہینے اور اکیس دن ہے۔

آپ کو تین بار پانی اور بیری کے پتّوں سے نہلایا گیا۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ انھیں مشک سے نہ نہلایا جائے، نمازِ جنازہ مسجد نبویؐ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اور منبر کے درمیان ادا کی گئی۔

نمازِ جنازہ کے وقت حضرت عبداللہ بن سلامؓ حاضر نہیں تھے، وہ اس وقت پہنچے جب نماز ختم ہو چکی تھی، انھوں نے لوگوں سے کہا:

"تم نے میرے آنے سے پہلے نماز پڑھ لی ہے لیکن تم عمرؓ کی تعریف کرنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جا سکو گے۔"

یہ کہہ کر آپ نے کہا:

"اے عمرؓ! تم بہترین اسلامی بھائی تھے۔ حق کے بارہ میں بیحد سخی اور باطل کے بارہ میں بے حد بخیل تھے۔ رضا کے موقع پر راضی ہوتے تھے اور ناراضی کے موقع پر ناراض۔ تمھاری آنکھ عفیف تھی، تمھارا ظرف بہت اعلیٰ تھا۔ نہ تم کسی کے مدّاح تھے اور نہ عیب گو۔"

حضرت علیؓ آپ کے جنازہ پر آئے اور فرمایا:

"دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص تھا جو اس کپڑے میں لپٹا ہوا ہے۔"[1]

---

[1] یہ روایت محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں مختلف اسناد سے الفاظ کے بہت تھوڑے اختلاف کے ساتھ تیرہ مرتبہ بیان کی ہے۔

[illegible] نے آپ کی وفات کے موقعہ پر روتے ہُوئے کہا :

"اب اسلام کمزور ہوگیا۔"

زید بن وہب روایت کرتے ہیں کہ ہم عبداللہؓ بن مسعود کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ کا ذکر چل پڑا جس پر وہ رو پڑے، اور اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی اور آپ نے کہا :

"عمرؓ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے جس میں لوگ داخل تو ہو جاتے تھے لیکن نکلتے نہیں تھے۔ لیکن جب ان کی وفات ہوگئی تو قلعہ کی دیوار میں دراڑ پڑ گئی اور لوگ اسلام سے نکلنے لگے۔"

سعیدؓ بن زید نے حضرت عمرؓ کی وفات کے دن روتے ہُوئے فرمایا :

"آج میں اسلام پر روتا ہُوں۔ عمرؓ کی موت نے اسلام کی عمارت میں ایک ایسی دراڑ ڈال دی ہے جو قیامت تک نہیں بھری جاسکتی۔"

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے حضرت عمرؓ کے بارہ میں فرمایا :

"عمرؓ کی وفات سے اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔"

لوگوں نے پُوچھا :

"کس طرح ؟"

انھوں نے کہا :

"اگر تم زندہ رہے تو میری بات کی صداقت کا تمہیں یقین ہو جائے گا۔ عمرؓ کے بعد اگر کسی شخص کو والی بنایا گیا اور اس نے اسی شدت سے کام لیا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ کا خاصہ تھا تو لوگ اس کی اطاعت نہیں کریں گے لیکن اگر اس نے کمزوری اختیار کی تو اسے قتل کر ڈالیں گے۔"

حضرت حذیفہ کہتے ہیں :

"اسلام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک آنے والے آدمی کی طرح تھا جو برابر قریب ہوتا جاتا ہے لیکن آپ کو شہید کر دینے کے بعد اس کی مثال اس پیچھے ہٹنے والے آدمی کی سی ہو جائے گی جو برابر دُور ہوتا جاتا ہے۔"

ایک شاعر آپ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتا ہے :

"خدا تعالیٰ جزائے خیر دے اس شخص کو جو امیر المومنین ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ برکت ڈالے اس جسم میں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص شتر مرغ کے پروں پر سوار ہو کر بھی یہ کوشش کرے کہ ان اعمال کو پہنچ سکے جو تو نے کیے تھے تو وہ اپنے مقصد میں سراسر ناکام ہوگا۔"

یہ کہنے میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ کوئی امام آج تک ایسا نہیں گزرا جس پر خدا تعالیٰ نے اتنی برکت نازل کی ہو جتنی حضرت

... کی۔ تمام خلفأ اور عادل بادشاہ مل کر بھی وہ کام نہ کر سکے جو حضرت عمرؓ نے اکیلے کیا آپ کا نام آج تک عدل و انصاف ... اور حق پرستی میں ضرب المثل بنا ہوا ہے۔ آپ کے زمانے میں آپ کی ہیبت سے عرب اور عجم کانپتا تھا اور چار دانگِ عالم میں آپ کی شہرت پھیلی ہُوئی تھی۔ آنے والے زمانے میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کا نام تاریخ کے صفحات پر ثبت ہو گیا ہے جو قیامت تک زندہ رہے گا ؎

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(۲۳)

اسلامی جمہوریت

حضرت عمرؓ اپنے کمرے میں چارپائی پر لیٹے تھے۔ مہاجرین اور انصار جوق در جوق آپ کے پاس آ رہے تھے۔ ہر شخص غمگین اور مضطرب تھا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو آنسو نہ بہا رہی ہو۔ امیر المومنین نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے پُوچھا:

"مجھ پر کتنا قرضہ واجب ہے؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

"چھیاسی ہزار درہم۔"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"عبداللہ! اگر میری جائداد سے یہ قرضہ ادا ہو سکے تو بہت بہتر ورنہ بنی عدی بن کعب سے درخواست کرنا کہ وہ اس قرضہ کو اتار دیں، اگر وہ بھی اس قرض کو ادا نہ کر سکیں تو قریش سے درخواست کرنا لیکن ان کے علاوہ اور کسی سے درخواست نہ کرنا[1]۔"

صحابہؓ کی ایک جماعت نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے بعد کسی خلیفہ کو نامزد فرما دیں۔ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے نام لیے اور فرمایا کہ "میں ان لوگوں سے زیادہ اور کسی کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک خوش رہے۔ پس جسے ان میں سے خلیفہ چُن لیا جائے وہی میرے بعد خلیفہ ہو گا۔"

---

[1] یہ قرضہ حضرت عمرؓ کا ایک مکان بیچ کر ادا کیا گیا، جسے حضرت معاویہؓ نے خریدا تھا۔ (خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفٰے مطبوعہ مصر، صفحہ ۱۲۹، ۱۷۹) (مترجم)

حضرت عمرؓ نے اپنے بعد میں ہونے والے خلیفہ کے لیے مندرجہ ذیل وصیت کی:

"میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے، مہاجرینِ اوّلین کے حقوق کی حفاظت کرے، مفتوحہ شہروں میں جاکر بسنے والے عربوں سے اچھا سلوک کرے، دشمنوں سے سختی کے ساتھ مقابلہ کرے، انصار کے حقوق کا خاص لحاظ رکھے۔ کیونکہ یہ لوگ وُہ ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔ انصار تمہارے محسن ہیں ان کے ساتھ احسان کرنا چاہیے اور ان کی خطاؤں سے حتیٰ الامکان درگزر اور چشم پوشی کرنی چاہیے۔ خلیفہ کو اعراب کا بھی بہت پاس کرنا چاہیے کیونکہ یہی لوگ عربوں کی اصل اور مادۂ اسلام ہیں۔ ان کے امیروں سے زکوٰۃ کا مال لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی طرح ذمیوں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کو ملحوظ رکھا جائے۔ ان سے جو وعدہ کیا جائے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ ان کے دشمنوں کو ان سے دُور کیا جائے۔"

ایک روایت آتی ہے کہ سعید بن زید نے حضرت عمرؓ سے کہا:

"اگر آپ خلافت کے لیے کسی آدمی کو نامزد فرما دیں تو بہت ہی اچھا ہو۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں نے اپنے ساتھیوں میں حرص کا مادہ دیکھا ہے، میں اس معاملہ کو ان چھ آدمیوں پر چھوڑے جاتا ہوں جو یہ فیصلہ کر لیں اُمتِ محمدیہ کو وہ منظور رہنا چاہیے۔"

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا:

"اگر ان دو آدمیوں میں سے کوئی آدمی بھی زندہ ہوتا تو میں خلافت اس کے سپرد کر دیتا، ایک ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم اور دوسرے ابوعبیدہؓ عامر بن الجراح۔"

کیونکہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہلِ یمن آئے اور انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کسی ایسے شخص کو ان کے ساتھ کر دیں جو انھیں سُنّتِ نبوی اور اسلام سکھائے۔ تو آپ نے ابوعبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

"یہ اُمّت کا امین ہے میں اسے تمہارے ساتھ بھیجتا ہُوں۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ ہر شخص اپنی خواہش بیان کرے۔ ہر شخص نے کوئی نہ کوئی خواہش بیان کی لیکن حضرت عمرؓ نے کہا:

"میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک گھر ہو جو ابوعبیدہؓ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو۔"

بعض صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو، جبکہ آپ زخم خوردگی کی حالت میں گھر میں پڑے ہوئے تھے، یہ کہتے سنا کہ اگر ابوعبیدہؓ

بن الجراح زندہ ہوتے تو میں کسی سے مشورہ نہ کرتا بلکہ انھیں خلیفہ بنا دیتا۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا:

"میں نے اللہ تعالیٰ کے امین اور رسول اللہؐ کے امین کو خلیفہ بنایا ہے۔"

حضرت ابو عبیدہؓ کی وفات حضرت عمرؓ کے عہد ہی میں ۱۸ھ کی طاعون عمواس میں ہوئی تھی۔ آپ اس وقت شام اور فلسطین میں اسلامی لشکروں کے سپہ سالار تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو عبیدہؓ کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے ان کے خاندان کے ساتھ کچھ احسان کیا ہے، تو آپ نے فرمایا:

"کاش! میں ایک بھیڑ ہوتا۔ میرے اہل و عیال مجھے ذبح کرتے، میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربا پیتے۔"

جب آپ شام میں سپہ سالار تھے تو ایک دن کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے لوگو! میں قریش کا ایک فرد ہوں لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص خواہ وہ سرخ ہو یا سیاہ تقویٰ میں مجھ سے بڑھ جائے تو میری یہ خواہش ہے کہ میں اس کی جلو میں سما جاؤں۔"

سالمؓ جو ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے، معروف النسب نہیں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ابو عبیدہؓ بن الجراح کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم کرا دیا تھا۔

یہ تمام بحث درج کرنے سے ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ زمین میں کوئی قوم بھی ایسی پیدا نہیں ہوئی جس میں جمہوریت اس حد تک پہنچ گئی ہو جس حد تک اسلام میں پہنچی ہے اور اس کی روشن مثال یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے متعلق خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لوکان نبی بعدی لکان عمر۔"

مسلمانوں کی خلافت کو ایک ایسے عجمی غلام کے سپرد کرنے کو تیار رہتے تھے جس کا اصلی نسب غیر معروف ہو، یعنی سالمؓ۔ ادھر امین الامۃ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح فرماتے ہیں کہ وہ قریشی ہیں۔ لیکن وہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ اگر کوئی حبشی تقویٰ اور طہارت میں ان سے بڑھا ہوا ہو تو وہ اس کی جلو میں سما جائیں۔

اسلام میں اصل چیز تقویٰ اور عملِ صالح ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم بھی فرماتا ہے:

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

تقویٰ و طہارت اور اعمالِ صالحہ کے سامنے حسب و نسب، دولت مندی اور عزت و وجاہت کوئی چیز نہیں۔ اس بارہ میں حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ قیامت تک مومنوں کی ہدایت کے لیے کام دیتا رہے گا۔ آپ فرماتے ہیں:

"اگر قیامت کے دن عجمی اعمالِ صالحہ سے مالا مال ہو کر آئے اور عرب بغیر اعمال کے آئے تو خدا کی قسم وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ہم سے زیادہ مستحق ہوں گے۔ اس لیے کوئی آدمی اپنے حسب و نسب کی طرف نہ دیکھے بلکہ اعمالِ صالحہ پر زور دے، جس کے اعمال میں کمی ہو گی اس کا حسب و نسب اس کے کسی کام نہ آئے گا۔"

حضرت عمرؓ نے ان چھ آدمیوں کو بلایا جن کے متعلق آپ نے وصیت کر دی تھی کہ انہی میں سے خلیفہ بنایا جائے ۔ بات صرف حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کی ۔ حضرت علیؓ سے فرمایا :

" اے علیؓ! شاید قوم تمھیں تمہاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ، دامادی کے رشتہ اور تمہارے علم و فضل کی وجہ سے جانتی ہے ۔ اگر تمھیں خلافت مل جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ہر کام کرنا اور بنی ہاشم کو لوگوں کے سروں پہ مسلط نہ کر دینا ۔"

حضرت عثمانؓ سے یہ فرمایا :

" اگر تمہیں خلافت مل جائے تو بنی ابی معیط کو لوگوں کے سروں پہ مسلط نہ کر دینا ۔"

اس کے بعد فرمایا :

" اب اُٹھ کھڑے ہو اور آپس میں مشورہ کر کے ایک شخص کو خلیفہ منتخب کر لو ۔"

پھر حضرت ابوطلحہؓ انصاری کو بلایا اور فرمایا :

" اے ابوطلحہؓ! اپنے ساتھ انصار کے ۴۹ آدمی لے کر ان آدمیوں کے ساتھ رہو ۔ جس گھر میں یہ خلافت کے بارے میں مشورہ کریں اس گھر کے دروازہ پہ اپنے آدمیوں کو لے کر کھڑے رہو اور جب تک یہ مشورے سے فارغ نہ ہو جائیں کسی کو ان کے پاس نہ جانے دو ۔ تین روز تک ، جب تک کہ یہ خلیفہ منتخب نہ کر لیں ، ان کے پاس سے نہ ہٹنا ۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ صہیب لوگوں کو تین روز تک نماز پڑھائیں ۔ اگر کسی شخص پہ اکثریت متفق ہو جائے اور کوئی اور اس کی مخالفت کرے تو اس کی گردن ماردی جائے ۔[1]

---

[1] شوریٰ کا مفصل واقعہ ہم نے اپنی کتاب " عثمانؓ بن عفان " میں بیان کیا ہے ۔

عربی ماخذ

نام کتاب	مؤلف	نام کتاب	مؤلف
فتوح الشام	واقدی	الاستیعاب	ابنِ عبدالبر
السیرۃ النبویہ	ابنِ ہشام	تاریخ دمشق	ابنِ عساکر
الطبقات الکبریٰ	ابنِ سعید	معجم البلدان	یاقوت حموی
الامامۃ والسیاسۃ	ابنِ قتیبہ	الکامل	ابن الاثیر
المعارف	〃	اسدالغابہ	〃
فتوح البلدان	بلاذری	الکامل	مبرد
انساب الاشراف	〃	المختصر فی اخبار البشر	ابوالفدأ
تاریخ الیعقوبی	احمد بن یعقوب	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	ابن حجر عسقلانی
تاریخ الامم والملوک	طبری	صحیح البخاری	حضرت امام بخاریؒ
العقدالفرید للملک السعید	قرطبی	تاریخ الخمیس	دیاربکری
الاغانی	اصفہانی	شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید
تاریخ ابنِ خلدون	ابنِ خلدون	عمرو بن العاص	حسن ابراہیم حسن
انساب القرشیین	مقدسی	فتوحِ مصر واعمالہا	ابنِ اسحاق
وفیات الاعیان	ابنِ خلکان	الاموال	ابنِ سلام
الفخری	ابن طباطبا	کتاب الخراج	حضرت امام ابویوسف
فتوحِ مصر	ابن عبدالحکم	کتاب الخراج	یحییٰ بن آدم
العقدالفرید	ابنِ عبدربہ	فتح العرب للشام	حداد
مختصر تاریخ الدول	ابن العبری	الاخبار الطوال	دینوری

...ظ والاعتبار	مقریزی	تاریخ التشریع الاسلامی	خضری
مروج الذہب	مسعودی	فجر الاسلام	احمد امین
الخلفاءُ الراشدون	عبدالوہاب نجار	حاضر العالم الاسلامی	حواشی امیر شکیب
تاریخ الامم الاسلامیہ	محمد خضری	خطط الشام	محمد کرد علی
التمدن الاسلامی	″	الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب	″

انگریزی ماخذ

مختصر تاریخ العرب	سید امیر علی	عروج و زوالِ سلطنتِ روما	گبن
فتح مصر	الفرڈ بٹلر	تاریخ عام	ولز
تاریخ ایران	سجبین	مختلف مقالات	گب
تاریخ شہنشاہیت بیزنطینیہ	اومان	″	مارگولیوس
تاریخ عرب	جیلیان	انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا	
خلافت	سرولیم میور	تاریخ التواریخ	مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی
تذکرۃ دی غویی	دی غویی	٭	٭

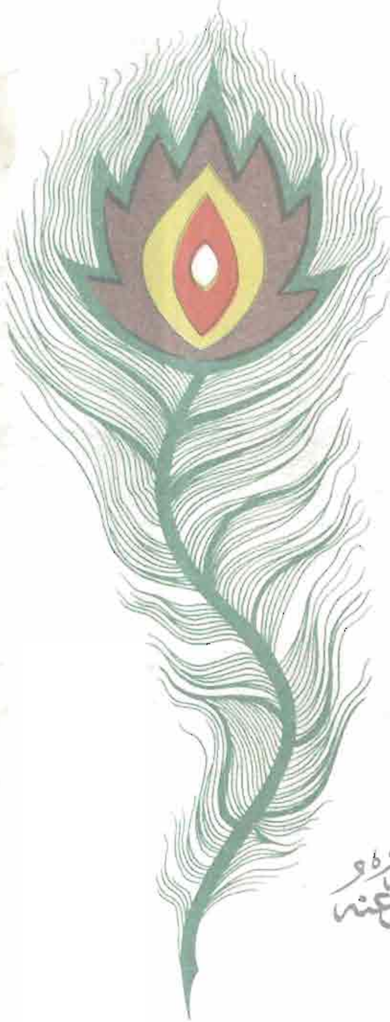
فرانسیسی ماخذ

الثلاثہ	لامنس	رسائل اور مختلف مقالات	ہارٹمن
تاریخ شام	″	″ ″	فان کریمر
تاریخ عرب	ہوار	″ ″	سبرنفر
الاسلام	ماسیہ	″ ″	سترک ہرونیہ
تمدنِ عرب	گستاف لیبان	″ ″	غروسیہ
حیاتِ محمدؐ	درمنغہام	″ ″	ڈوزی
اسلامی عقیدہ اور اس کی شریعت	گولڈسیر	″ ″	دینہ
الاسلام	مونتہ	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	
اولیاتِ اسلام	پرنس کیتانی	دائرۃ المعارف الافرنسیہ	
رسائل اور مختلف مقالات	نولڈیکی	٭	٭

رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ

(آپ کے صحابہؓ) آپس میں مہربان ہیں۔

(الفتح : ۲۹)



حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ

سیرتِ عثمانؓ بن عفّان

پیش لفظ

حضرت عثمانؓ کا عہد تاریخِ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کے زمانہ میں بعض فتنہ پردازوں کی وجہ سے فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا وہ ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی بند نہیں ہو سکا اور مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف کی جو خلیج حائل ہوئی وہ نہ صرف یہ کہ اب تک پاٹی نہیں جا سکی بلکہ اس کی وسعت اور اس کی گہرائی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

اس فتنہ کے اسباب کیا تھے؟ اس کے بھڑکانے میں کس کا ہاتھ تھا؟ اس کے پیدا ہونے میں حضرت عثمانؓ کس حد تک ذمہ دار تھے؟ اکابر صحابہؓ اور عامۃ المسلمین کا اس موقعہ پر کیا رویّہ تھا؟ یہ سوالات ایسے ہیں جو ساڑھے تیرہ سو سال سے لوگوں کے دلوں میں مسلسل پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ اکثر مورخین نے اپنے قلم سے اس عقدہ کو کھولنے کی کوشش کی ہے مگر بہت کم اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ کتاب بھی ہے جس کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے مولفِ کتاب ہٰذا "عمر ابو النصر" نے اس کتاب میں ان تمام آراء کو تو جمع کر دیا ہے جو اس فتنہ کے متعلق مورخین نے وقتاً فوقتاً قائم کی ہیں اور اس میں ان کو انتہائی کاوش اٹھانی پڑی ہے۔ لیکن اپنی طرف سے ان پر کوئی محاکمہ نہیں کیا اور اگر کیا بھی ہے تو وہ ایسا پیچیدہ ہے کہ قارئین کرام اس سے کوئی ٹھوس نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ اور اس طرح ان کو ایک ذہنی اُلجھن میں مبتلا ہونا پڑتا ہے حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ مؤرخین قدیم و جدید کے بیان کردہ واقعات اور ان کی آراء کو درج کرنے کے بعد اس عہد کے مذہبی، تمدّنی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی حالات کو سامنے رکھ کر اس دور پر اپنی طرف سے ایک تبصرہ کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ مورخین نے واقعات بیان کرنے اور رائیں قائم کرنے میں کہاں تک صحیح راستہ اختیار کیا ہے اور کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔

اسی امر کو مدِ نظر رکھ کر میں چاہتا ہوں کہ بعض ضروری اور اہم امور کو پہلے ہی بیان کر دوں تاکہ جب ناظرین ان مقامات پر پہنچیں تو ان کو کسی قسم کی اُلجھن نہ ہو وہ امور یہ ہیں:

۱۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ قطعاً بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

۲۔ کبار صحابہؓ پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے اور انھوں نے فتنہ کے فرو کرنے میں حضرت

عثمانؓ کی کوئی مدد نہیں کی۔ یہ واقعات کے صریح خلاف ہے اور صحابہؓ کے مقدس اور پاکباز گروہ پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔
دراصل یہی وہ امور ہیں جن پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مورخین نے فتنہ کے اسباب و علل تلاش کرنے میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں اور وہ معاملہ کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے ورنہ یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ نہ تھا جس کو محض اپنے خیالات کی غلطی کی وجہ سے پیچیدہ سمجھ لیا گیا۔

ان امور کو زیرِ بحث لانے سے پہلے اس اصل کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ خلافتِ راشدہ کوئی دنیاوی حکومت نہ تھی۔ بلکہ ایک دینی نظام تھا اور قرآنِ کریم کے احکام کے مطابق قائم کیا گیا تھا اور اس کے خلفاء کسی دنیاوی حکومت کے بادشاہ نہیں تھے بلکہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے معلم اور خادم تھے وہ جو کچھ کرتے تھے اپنی خواہش سے نہیں کرتے تھے بلکہ خدا تعالےٰ کے حکم اور اس کے رسول کی ہدایات کے مطابق کرتے تھے اور ان پر بدگمانی کرنا ایک خطرناک غلطی ہے۔
اسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں خلفاء کے متعلق اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اور تمام دوسرے انسانوں کی طرح وہ ان کو بھی گناہ گار اور غلط کار سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ واقعۃً ایسا نہیں ہے۔
حضرت عثمانؓ کے خلاف ان کے مخالفین ایک بہت بڑی فہرست الزامات کی بیان کرتے ہیں، اور تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء، محققین و مورخین ان کو صحیح سمجھے بیٹھے ہیں مگر بادنیٰ تفکر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ ان الزامات سے قطعاً بری ہیں۔

آپ پر جس قدر اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں سے مشہور مشہور الزامات یہ ہیں:

۱۔ سب سے پہلا الزام آپ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے کبار صحابہؓ کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس الزام کو درست مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو اس سے بچا ہوا ہے؟
کیا حضرت عمرؓ پر، جن کی فراست، دُور اندیشی اور عدل و انصاف دنیا بھر میں ضرب المثل ہے، یہ الزام عائد نہیں ہوتا؟ آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید (جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سیف اللہ" کا خطاب دیا تھا) حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا۔ پھر کیا یہ الزام حضرت علیؓ پر عائد نہیں ہوتا جنھوں نے خلافت سنبھالتے ہی حضرت عثمانؓ کے تمام عمال کو معزول کر دیا؟ ان معزول شدہ عمال میں طرابلس، آرمینیہ اور قبرص کے فاتحین بھی شامل تھے۔

حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو معزول کیا وہ مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر
۲۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ
۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والیِ بصرہ
۴۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ

۵۔ حضرت عبداللہ بن ارقم مہتمم بیت المال

۱۔ حضرت عمروؓ بن العاص کو اس بنا پر معزول کیا گیا کہ آپ نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا تھا۔ ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا نیز نئی نہروں کے جاری ہونے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں اضافہ نہ کر سکے۔ لیکن عبداللہ بن ابی سرح کے تقرر کے بعد مالیہ بہت زیادہ آنا شروع ہو گیا تھا۔

۲۔ سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم قرض لی۔ لیکن اس کو وقت پر ادا نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعود مہتمم بیت المال سے جھگڑا بھی ہوا۔

۳۔ ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی کی وجہ یہ تھی کہ آپ رعایا کو خوش نہ رکھ سکے اور وہاں کے لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ابوموسیٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔

۴۔ مغیرہؓ بن شعبہ پر رشوت ستانی کا الزام لگایا گیا۔ اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ سعدؓ بن ابی وقاص کے تقرر کی وصیت کی تھی اس لیے ان کو معزول کر دیا گیا۔

۵۔ عبداللہ بن ارقم مہتمم بیت المال کی معزولی کی وجہ ان کا بڑھاپا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کی معزولی کے وقت جلسۂ عام میں ایک بیان دیا تھا جو یہ ہے:

الا ان عبد اللّٰہ بن ارقم لم یزل علیٰ جرأتکم زمن ابی بکر و عمر الی الیوم وانہ کبر وضعف وقد ولّینا عملہ زید بن ثابت۔

یعنی عبداللہ بن ارقم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے اس وقت تک آپ کے تقسیم وظائف کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن اب وہ بوڑھے اور ضعیف ہو گئے ہیں اس لیے اس خدمت کو زیدؓ بن ثابت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ عمال اور دوسرے عہدیداروں کی معزولی کے جو وجوہ اوپر لکھے گئے ہیں ان پر کسی شخص کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ان امور کی موجودگی میں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے محض ذاتی عناد کی وجہ سے ان بزرگوں کو معزول کر دیا۔

۲۔ دوسرا الزام آپ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہوتا اور آپ کے مقرر کردہ عمال بے راہ رو ہوتے تو جب تفتیش احوال کے لیے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے لوگوں کو اپنی قلمرو کے ہر حصہ میں بھیجا تھا تو وہ لوگ ہرگز یہ رپورٹیں نہ لاتے کہ تمام عمال بہت اچھی طرح کام کر رہے ہیں۔ ان سے رعایا کے کسی فرد کو شکایت نہیں ہے اور انھوں نے عدل و انصاف کو ملک میں پورے طور پر کر رکھا ہے۔ اگر وہ نااہل اور ناتجربہ کار ہوتے تو رعایا کا ایک بہت بڑا حصہ ان کے خلاف ہو جاتا اور شورش برپا کر دیتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے چند فتنہ پردازوں کے جنھوں نے محض اپنی ذاتی اغراض حاصل کرنے کے لیے عمال کے خلاف شور و غوغا بلند کیا تھا، باقی رعایا اس فتنہ سے بالکل علیحدہ رہی۔

بے شک ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن عاص اس بلند پایہ حیثیت کے مالک

ہیں سے جو صحابہ کرامؓ کو حاصل تھی۔ لیکن ان کے انتظامی کارنامے اور بڑی بڑی فتوحات جو عہدِ عثمانی میں انھوں نے کیں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ انھی لوگوں کی ہمت، دلیری اور جرأت سے طبرستان، آرمینیہ، طرابلس، قبرص، ہرات، سجستان اور نیشاپور اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اسلامی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ کیا یہ ساری فتوحات نا اہل اور ناتجربہ کار اہلکاروں کے ہاتھوں سے انجام پاتی رہیں؟

۳۔ تیسرا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

اس الزام کا جواب خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں دیا تھا جس میں بعض صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ "لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں اپنے خاندان کے لوگوں کو کلیدی عہدے دینے میں دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتا ہوں مگر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو باقی اہلِ عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے؟ اور کیا قریش میں سے بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے؟ کیا حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بعض جلد باز نوجوان انصاریوں نے ایک جنگ کے موقع پر یہی اعتراض نہیں کیا تھا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن اموالِ غنیمت مہاجرین (یعنی قریش) سمیٹ کر لے گئے ہیں۔"

درحقیقت ایسے اعتراضات سے خود معترضین کے دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ نے اہم عہدوں پر مقرر کیا وہ درحقیقت ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے اہل بھی تھے یا نہیں؟ اگر وہ لوگ اہل تھے اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھاتے تھے تب یہ اعتراض سراسر باطل ہو جاتا ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ واقعہ یہی ہے کہ آپ نے جن لوگوں کو کلیدی آسامیوں پر مقرر کیا وہ بالعموم امورِ مملکت کو سرانجام دینے کے پورے اہل تھے جب ہی یہ بات تھی کہ گیارہ برس کی طویل مدت میں سلطنت کے کاموں میں کسی طرح کا ضعف نہیں آیا اور ہر کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پاتا رہا، فتوحات بھی ہوتی رہیں اور ملکی انتظام میں بھی کسی قسم کی خرابی واقع نہیں ہوئی۔ اور یہ صورت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عمال، حاکم اور کارکن لائق، قابل اور فرض شناس نہ ہوں۔

۴۔ چوتھا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور اس میں سے اپنے عزیز و اقارب کو کثرت سے دولت عطا کی۔

اس اعتراض کے ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا جاتا ہے وہ یا تو از سرتا پا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے۔

حضرت عثمانؓ ذاتی طور پر نہایت مالدار شخص تھے۔ تجارت سے آپ کو لاکھوں روپے کی آمدنی ہوتی تھی آپ نے ایک کثیر رقم خرچ کر کے مسجد نبوی کی توسیع کی۔ لاکھوں روپے سے جیش عسرت کو آراستہ کیا۔ ہزار ہا روپیہ دے کر بئرِ رومہ کو ایک یہودی سے خریدا اور اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ایسا شخص جو خدا کی راہ میں لاکھوں روپے صرف کرنے سے بھی

... کرے ، اپنے مال میں سے اپنے عزیز و اقارب کو کچھ نہیں دے سکتا تھا ؟

حضرت عثمانؓ کے سامنے بھی معترضین نے یہی اعتراض پیش کیا تھا جس کا جواب حضرت عثمانؓ نے ایک تقریر میں دیا تھا۔ آپ کی یہ تقریر طبری میں درج ہے ہم اس کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں جس کے پڑھنے سے واضح ہو جائے گا کہ اس اعتراض کی کیا حقیقت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا :

"لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح میری فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے لیے۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے عزیزوں کو گراں قدر عطیے دیا کرتا تھا اور اب جبکہ میں اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکا ہوں اور میں نے اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل وعیال کے سپرد کر دیا ہے تو مفسد ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی ایسا بار نہیں ڈالا کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو جو کچھ وصول ہوا وہ انہی لوگوں کی بہتری اور ترقی پہ صرف ہوا۔ میرے پاس خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی میرے لیے کچھ لینا جائز نہیں۔ خدا کے مال میں ایک پیسہ کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ میں اس میں سے کچھ نہیں لیتا، یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے ہی مال سے۔"

اس کے بعد ہم ان واقعات کو لیتے ہیں جن کی بنا پر' طبریؒ نے حضرت عثمانؓ پہ بیت المال کے بے جا اسراف اور اس کے روپے میں سے اپنے عزیزوں کو گراں قدر عطیے دینے کا الزام لگایا ہے۔

۱۔ حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جلا وطن کر دیا تھا، مدینہ آنے کی اجازت دے دی اور بیت المال میں سے اس کو ایک لاکھ درہم عطا کیے اور اس کے لڑکے حارث کو حکم دے دیا کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے عشر وصول کرلے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکم بن العاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن اخیر عہد میں حضرت عثمانؓ کی سفارش سے واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ صاحب اصابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس اجازت کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس اجازت کا علم نہیں تھا اس لیے ان دونوں نے اس کو واپس آنے کی اجازت نہ دی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کو اس کا علم تھا اس لیے آپ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حکم کو واپس بلا لیا اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا اور صلۂ رحم کے طور پہ اپنے پاس سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے نیز لڑکی کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت فرمایا۔

حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔

۲۔ مروان کو طرابلس الغرب کے مالِ غنیمت کا خمس دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ پر یہ بھی ایک بہتان ہے: تاریخ ابنِ خلدون میں لکھا ہے:

"ابن زبیر نے فتح کی خوشخبری اور مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ دار الخلافہ روانہ کیا جس کو پانچ لاکھ دینار پر مروان نے خرید لیا۔"[۱]

ظاہر ہے کہ کسی شخص کو عطیہ دینے اور اس کے ہاتھ فروخت کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

۳۔ بیت المال سے زید بن ثابت کو ایک لاکھ درہم دئے۔

یہ روایت بھی بے بنیاد ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں لوگوں کو وظیفے دینے کے بعد ایک کافی رقم بچ گئی۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت کو جو مہتمم بیت المال تھے حکم دیا کہ اس کو رفاہِ عامہ کے کام پر صرف کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔

۴۔ ایک اور الزام حضرت عثمان پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ کے اطراف میں نقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اس میں اپنے جانور چرانے سے روک دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فوجی اور قومی ضروریات کے لیے چراگاہیں بنوانا ہر حاکم کا فرض ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ نے ایسی چراگاہیں بنوائیں تو اگر حضرت عثمانؓ نے نقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دے دیا تو اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے۔ باقی رہا عوام الناس کو اس سے مستفید نہ ہونے دینا، تو چونکہ یہ چراگاہیں سرکاری خرچ پر بنیار ہوتی تھیں اور فوجی گھوڑے اور زکوٰۃ کے اونٹ اس میں چرتے تھے اس لیے اگر عوام بھی اسے استعمال کرتے تو نقصان کا بھی اندیشہ تھا اور رگڑا بڑ پیدا ہونے کا بھی قوی احتمال تھا اس لیے رفعِ شر کی خاطر حضرت عثمانؓ نے عوام کو اپنے جانور اس میں چرانے سے روک دیا۔

۵۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطرافِ ملک میں بعض نہایت وسیع قطعات دیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عراق میں بہت سی زمین غیر آباد اور بنجر پڑی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اسے قابلِ زراعت بنایا، آپ نے وہی زمین ان کو مرحمت فرما دی۔ فقہ کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ جو شخص ناقابلِ کاشت زمین کو قابلِ کاشت بنائے وہ زمین اسی کی ملکیت تصور ہو گی۔ اسی طرح مملکت میں زیادہ رقبہ کو قابلِ کاشت بنایا جا سکتا ہے اور لوگ شوق سے زراعت کرتے ہیں۔

۶۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ کو خود جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے خود اپنی مرضی سے ربذہ جا کر رہنا پسند کیا تھا۔ حضرت ابوذرؓ صوفی منش آدمی تھے اور لوگوں کو مال و دولت جمع کرنے سے روکتے تھے۔ ان کی

---

[۱] ابنِ خلدون ج ۲ ص ۱۲۹

باتوں سے متاثر ہو کر بعض غریبوں نے امیروں کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر پہنچی تو اُنھوں نے حضرت معاویہؓ کو کہلا بھیجا کہ ابو ذر کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھجوا دو (حضرت ابو ذرؓ ان دنوں شام میں مقیم تھے) چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی بہت عزت و تکریم کی۔ لیکن ان کے پیش کردہ نظریہ سے متفق نہ ہوئے۔ اس پر حضرت ابو ذرؓ نے عرض کیا کہ پھر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کہیں اور چلا جاؤں۔ کیونکہ مدینہ میرے مناسبِ حال نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ کیا آپ اس گھر کو چھوڑ کر اس گھر سے بدتر گھر اختیار کریں گے؟ انھوں نے کہا مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پھیل جائے تو تم مدینہ میں نہ رہنا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے با دلِ ناخواستہ ان کو ربذہ جانے کی اجازت مرحمت فرما دی اور کچھ اُونٹ اور دو غلام ساتھ کر دیے۔

۷۔ ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ والیٔ کوفہ ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں آپ نے غیر معمولی تاخیر کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو الزام ولید پر لگایا گیا تھا اس کا جواب دینے کے لیے حضرت عثمانؓ نے فوراً اس کو مدینہ میں طلب فرمایا اور جب گواہوں کے بیانات سے اس کا شراب پینا ثابت ہو گیا تو آپ نے اس پر حد جاری کی۔ اس سے سزا دینے میں "غیر معمولی" تاخیر کا نتیجہ کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ شریعت کے لحاظ سے گواہی کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے ولید کو سزا دی ورنہ اس پر شراب پینے کا الزام شاید پورے طور پر ثابت نہ تھا۔ واقعہ کی تفصیل تاریخوں میں یہ بیان کی گئی ہے کہ فتنہ کے سرغنوں نے ولید بن عقبہ والیٔ کوفہ کو معزول کرانے کی سازش کی اور چند جاسوس مقرر کیے تاکہ کوئی عیب ولید کا پکڑ کر ان کو اطلاع دیں۔ جاسوسوں نے ایک دفعہ ان کو اطلاع دی کہ ولید اپنے ایک دوست ابوزبید کے ساتھ مل کر، جو عیسائی سے مسلمان ہوا تھا، شراب پیتا ہے۔ اس پر ان مفسدوں نے شہر کے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ، "تمہارا گورنر شراب پیتا ہے۔" عوام الناس جوش سے بے قابو ہو کر ولید کے گھر میں گھس گئے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہ پایا۔ اس پر وہ لوگ ان مفسدوں کو لعنت و ملامت کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ولید نے یہ غلطی کی کہ اس واقعہ کی حضرت عثمانؓ کو کوئی اطلاع نہ دی لیکن ان مفسدوں نے پہلے سے بھی زیادہ جوش سے ولید کو گرانے کی تدبیریں کرنی شروع کیں۔ حضرت عثمانؓ نے ایک وفد بھیجا کہ ولید کو معزول کر دیا جائے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ جب تک اس پر کسی جُرم یا نا اہلی کا الزام ثابت نہ ہو اس وقت تک میں تمہارے مطالبات ماننے سے قاصر ہوں۔ اس پر ان لوگوں نے سازش کی کہ کسی طرح اس پر شراب پینے کا جُرم ثابت کیا جائے۔ ابو زینب اور ابو مورع دو شخصوں نے اس بات کا ذمہ لیا اور اس دن سے ولید کی مجلس میں جانا شروع کر دیا ایک دن موقع پا کر جبکہ کوئی نہ تھا اور ولید سو رہا تھا ان دونوں نے اس کی انگوٹھی آہستہ سے اُتار لی اور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ہم نے ولید کو شراب میں مخمور دیکھا ہے اور اس کا ثبوت یہ انگوٹھی ہے جو ان کے ہاتھ سے نشہ کی حالت میں ہم نے اُتاری ہے اور ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں کے سامنے ولید نے شراب پی تھی؟ اُنھوں نے کہا، نہیں، ہم نے ان کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انگوٹھی اس کا ثبوت موجود تھی اور دو گواہ حاضر تھے۔ کچھ مفسد بھی ان کے ساتھ اس شہادت کو پکا کرنے کے لیے

گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا جنھوں نے اس پر حد جاری کرنے کی صلاح دی۔ چنانچہ ولید کو کوفہ سے بلایا گیا اور شراب پینے کی سزا میں اس کو کوڑے لگائے گئے۔ ولید نے گو تمام واقعہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ شریعت کی رُو سے گواہوں کے بیان کے مطابق سزا تو ملے گی۔ ہاں جھوٹی گواہی دینے والا خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا پائے گا۔

(۸) ایک بڑا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے یہ طے کیا کہ اپنے اپنے شہروں سے حاجیوں کی صورت میں مدینہ چلنا چاہیے اور حضرت عثمانؓ سے بزور اپنے مطالبات منوانے چاہئیں۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا اور چند آدمی باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ بن وقاص اور حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ حضرت عثمانؓ بدانتظامی کے باعث اب خلافت کے قابل نہیں۔ ہم ان کو معزول کرنے آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ان کے بعد اس عہدہ کو قبول کر لیں گے۔ ان سب نے ان کو دھتکار دیا اور یہ ناکام ہو کر اپنے ڈیروں میں واپس چلے گئے۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ و فساد کا دبانا اور لوگوں کی صحیح شکایات کو رفع کرنا بہرحال منظور تھا۔ جب آپ نے ان مفسدین کے آنے کی خبر سنی تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے پوچھیے۔ میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ جس پر ان فسادیوں نے چند گورنروں کو بدل دینے کی درخواست کی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی خواہش کے بموجب مصر کے والی عبداللہ بن ابی سرح کو بدل دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والیِ مصر مقرر کر دیا۔

اس پر یہ لوگ بظاہر خوش ہو کر واپس چلے گئے۔ لیکن چند روز بعد ہی اچانک پھر مدینہ پر چڑھ آئے اور تمام شہر پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے ان سے واپس آنے کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ "ہم واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ صدقہ کے ایک اونٹ پر سوار ہے۔ کبھی ہمارے سامنے آ جاتا ہے اور کبھی پیچھے رہ جاتا ہے۔ ہمارے بعض آدمیوں کو اس پر شک گزرا اور انھوں نے اس کو پکڑ لیا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ تو کس کام کو جاتا ہے تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ اس پر اس کی جامہ تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے حضرت عثمانؓ کا لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا جس میں والیِ مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ جس وقت مصر کا وفد واپس مصر پہنچے تو ان میں سے فلاں فلاں کو قتل کر دینا، فلاں فلاں کو کوڑے مارنا، ان کے سر اور داڑھیاں منڈوا دینا اور جو خط ان کی معرفت تمھارے معزول کیے جانے کے متعلق لکھا ہے اس کو باطل سمجھنا۔" اس بدعہدی کو دیکھ کر اب ہم لوٹ آئے ہیں۔"

اس پر حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ نے فوراً کہا کہ یہ بالکل جھوٹ اور بناوٹی بات ہے۔ جب تم لوگ الگ الگ راستوں پر جا رہے تھے تو تم سب کو یکدم اس خط کی اطلاع کیسے مل گئی؟ جب حضرت عثمانؓ نے یہ واقعہ سُنا تو ان مفسدین اور اکابر صحابہؓ کو اپنے پاس بُلا کر قسم کھائی اور فرمایا کہ نہ میں نے لکھوایا ہی ہے نہ مجھے علم ہے کہ یہ خط کس نے لکھا۔ پھر فرمایا تم لوگ جانتے ہو کہ کبھی جھوٹے خط بھی بنا لیے جاتے ہیں۔ خط سے خط بھی مل جاتا ہے اور مُہر کی نقل بھی بنوائی جا سکتی ہے۔ جب صحابہؓ نے یہ جواب سُنا تو اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کو اس الزام سے بالکل بری قرار دیا۔ لیکن ان مفسدین پر اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر یہی الزام دہراتے رہے۔

بعض لوگ حضرت عثمانؓ کو تو اس الزام سے بری سمجھتے ہیں مگر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ خط آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری مروان بطورِ خود لکھ کر بھیج دیا ہوگا۔ مگر یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے بنانے والے انہی مفسدین میں سے بعض تھے نہ کہ مروان یا کوئی اور شخص، جس کے ثبوت مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یہ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے جھوٹ سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ بارہا ان لوگوں نے اپنے والیوں کے متعلق جھوٹی شکایتیں کیں اور جب ان کی باقاعدہ تحقیقات کی گئی تو سب کی سب جھوٹی ثابت ہوئیں۔

۲۔ ان لوگوں کا اتنی جلدی واپس آجانا اور ایک ہی وقت میں ایک ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ کام ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سازش کے مطابق کیا گیا تھا۔ کیونکہ اہلِ مصر کے بیان کے مطابق اُنھوں نے قاصد کو جو والیِ مصر کے نام خط لے جا رہا تھا بویب کے مقام پر پکڑا تھا۔ بویب مدینہ سے چھ منزل کے فاصلہ پر ہے اور اس جگہ واقع ہے جہاں سے مصر کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ مدینہ سے اہلِ مصر، اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ ایک ساتھ واپس روانہ ہوئے تھے گویا اس وقت تک اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ بھی چھ چھ منزلیں طے کر چکے ہوں گے۔ اہلِ مصر کے واقعہ کی اطلاع باقی دونوں قافلوں کو کم سے کم بارہ تیرہ دن میں مل سکتی تھی۔ اگر ان کے واپس آنے کے دنوں کو شامل کیا جائے تو کم از کم چوبیس دنوں میں یہ لوگ مدینہ واپس پہنچ سکتے تھے۔ لیکن یہ لوگ چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچ گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ پہلے سے ایک منصوبہ بنا کر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے کہ اس تاریخ کو واپس لوٹ کر مدینہ پر قبضہ کر لینا ہے۔ اعتراض سے بچنے کے لیے اُنھوں نے جعلی خط بنایا۔ صدقہ کا اونٹ چرا لیا اور کسی غلام کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

۳۔ یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے کہ ایک اکیلے آدمی کی رفتار قافلہ کی رفتار سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ قاصد اہلِ مصر کو بویب کے مقام پر جو مدینہ سے چھ منزل کے فاصلہ پر ہے ملا، حالانکہ اس وقت تک اس کو مصر پہنچ جانا چاہیے تھا۔

غرض یہ واقعات بتاتے ہیں کہ خط اور خط لے جانے والے کا واقعہ شروع سے آخر تک من گھڑت تھا۔ انہی مفسدوں میں سے کسی (زیادہ تر گمان یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا رئیس المفسدین) نے ایک خط بنا کر ایک شخص کو دیا اور اس کو ہدایت کی کہ وہ قافلہ کے ساتھ اس طرح چلے کہ لوگوں کے دل میں شک پیدا ہو اور وہ شک کی بنا پر اس کی تلاشی لیں تو خط دیکھ کر ان کو یقین ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ نے ان سے (نعوذ باللہ) فریب کیا ہے۔

۴۔ اس خط کے مضمون سے بھی اس کے جعلی ہونے کا پتا چلتا ہے۔ اس خط میں تھا کہ فلاں فلاں کی داڑھی منڈوائی جائے حالانکہ داڑھی منڈوانا اسلام کی رُو سے منع ہے اور اسلامی حکومتوں میں صرف اسلامی احکام کے مطابق ہی سزا دی جا سکتی ہے۔ حضرت عثمانؓ یا آپ کے عمّال نے اس سے پہلے کبھی کسی کو ایسی سزا نہیں دی۔ پس ایسی سزا کا اس خط میں تحریر ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خط کسی ایسے شخص نے بنایا تھا جو اسلام کے احکام سے بالکل نابلد تھا۔

۵۔ اگر حضرت عثمان ایسے ہی سخت ہوتے تو دونوں دفعہ جب یہ مفسد آپ کے پاس آئے تھے آپ ان کو گرفتار اور قتل کرا سکتے تھے۔ سب صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اور اُنھوں نے آپ کو صلاح دی تھی کہ ان کے ساتھ جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ہمیشہ درگزر سے کام لیا اور ان کو سزائیں نہ دیں جن کے یہ پورے پورے مستحق تھے۔

لیکن اس وقت ان سے نرمی کر کے مصر کے گورنر کو لکھنا کہ ان کو سزا دے، ایک بعید از عقل خیال ہے۔

(۶) مروان پر بھی خط لکھنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ حدود کے قیام میں بہت سخت ہیں وہ ایسا خط لکھ کر آپ کی سزا سے محفوظ رہنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ پھر اگر وہ ایسا خط لکھتا بھی تو کیوں صرف مصر کے والی کے نام لکھتا؟ کیوں نہ بصرہ اور کوفہ والوں کے نام بھی وہ ایسے خطوط لکھ دیتا جس سے سب مفسدین کا ایک ہی دفعہ خاتمہ ہو جاتا؛ صرف مصر کے والی کے نام ہی خط کا لکھا جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کوفہ اور بصرہ کے قافلوں میں عبداللہ بن سبا جیسا چالاک کوئی نہ تھا۔

(۷) باوجود اس کے کہ حضرت عثمانؓ نے مطالبہ کیا تھا کہ میرے سامنے گواہوں کو پیش کیا جائے۔ لیکن پھر بھی اس شخص کو سامنے نہیں لایا گیا جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ یہ خط لے کر جا رہا تھا۔ اس سے بھی اس امر کا پتا چلتا ہے کہ یہ سب مفسدین کی اپنی کارروائی تھی۔

(۸) ایک اور امر جس سے اس خط کا صاف جعلی ہونا ثابت ہے، یہ ہے کہ یہ لوگ جعلی خطوط بنانے میں ماہر تھے اور اس واقعہ سے پہلے بھی یہ لوگ فساد کی آگ بھڑکانے کے لیے جعلی خطوط بناتے رہتے تھے۔ ایک علاقے سے دوسرے علاقوں کے لوگوں کو خطوط لکھتے تھے کہ ہم یہاں سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ہمارے عمال ہم پر بہت ظلم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت علیؓ کی طرف سے مفسدین کے سرغنے خطوط بنا کر لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے۔ جن میں یہ لکھا ہوتا تھا کہ تم لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف جوش دلاؤ اور ان خطوط کے ذریعہ عوام الناس میں جوش پھیلایا جاتا تھا۔

جب ان لوگوں نے واپس آنے پر حضرت علیؓ سے مدد کی درخواست کی تو اُنھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر ان لوگوں نے آپ سے کہا کہ پھر آپ ہم سے خط و کتابت کیوں کرتے تھے؛ حضرت علیؓ نے اس امر سے صاف انکار کیا اور خطوط لکھنے سے لاعلمی ظاہر کی۔ اس پر ان لوگوں کو بھی سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ درحقیقت خود ان لوگوں کو بھی دھوکہ دیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ خط جو حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا گیا تھا، اس کے لکھنے والے حضرت عثمانؓ نہ تھے نہ ہی مروان یا کوئی اور شخص تھا، بلکہ مصری قافلہ کا ہی ایک فرد تھا، جو بڑی حد تک عبداللہ ابن سبا ہو سکتا ہے۔

حضرت عثمانؓ پر مندرجہ بالا اعتراضات کے علاوہ اور بھی بعض لایعنی اعتراض کیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم نے ان میں سے مشہور مشہور اعتراضات ہی کو لیا ہے اور ان کے جوابات دیے ہیں۔ ان اعتراضات کی روشنی میں دوسرے اعتراضات کی قلعی بھی کھل جاتی ہے اور یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس قسم کے اعتراضات ہوں گے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم امر جس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کیا صحابہ کرامؓ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے اور انھوں نے فتنہ کے موقعہ پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؛ اکثر مورخین نے صحابہ کرامؓ پر یہ الزام لگایا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ اس موقعہ پر اپنے اختلافات کو بھول جاتے اور متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے اُنھوں نے اُلٹی حضرت عثمانؓ پر ہی طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع کر دی اور جب باغیوں نے مدینہ پر قبضہ کر لیا تو کوئی صحابیؓ حضرت عثمانؓ کی مدد کو نہ آیا۔ مولفِ کتاب ہٰذا نے بھی صحابہ کرامؓ پر لگائے ہوئے اس الزام کو درست تسلیم کیا ہے اور اپنی اس کتاب میں کئی واقعات ایسے بیان کیے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ حضرت عثمانؓ سے سخت ناراض تھے۔ وہ ہر موقعہ پر کھڑے ہو کر آپ پر اعتراضات کرنے لگتے تھے۔ جب آپ سے ملتے تھے تو

آپ کے مرتبہ کا لحاظ کیے بغیر آپ سے سخت کلامی کرنے لگتے تھے اور گستاخی کے مرتکب ہوتے تھے اور ان کی ناراضی کا ثبوت یہ لاتے ہیں کہ اس فتنہ کے موقعہ پر صحابہؓ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور کوئی ایک صحابیؓ بھی آپ کی مدد کو نہ آیا۔

یاد رہے کہ صحابہؓ کے متعلق ایسے قصے گھڑنے والے وہی وقائع نویس اور مورخین ہیں جنھوں نے حضرت عثمانؓ پر بھی نہایت لغو اعتراضات کیے ہیں اور ایسی بے سروپا باتیں آپ کے متعلق بیان کی ہیں کہ کوئی ہوشمند اور ذی عقل انسان کسی صورت میں بھی ان کو صحیح ماننے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔ جب یہ مورخین حضرت عثمانؓ کے متعلق، جو خلیفۃ المسلمین اور نہایت ہی پاکباز اور مطہر انسان تھے ایسی ایسی خرافات بیان کرسکتے ہیں تو صحابہ کرامؓ کے متعلق نہیں بیان کرسکتے؟

ہمیں نہایت ہی افسوس سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بعض قدیم مورخین نے محدثین کی طرح روایات لینے میں جرح و تعدیل کا کوئی معیار برقرار نہیں رکھا۔ انھوں نے یہ کوشش کی ہے کہ جس قدر روایات ان کو مل سکیں وہ جمع کرلیں۔ خواہ ظاہری اعتبار سے وہ کتنی ہی ساقط الاعتبار کیوں نہ ہوں اور ان پر بے شمار اعتراضات ہی کیوں نہ ہوسکتے ہوں۔ روایات لینے میں وہ تحقیق و تدقیق کو کام میں نہیں لائے بلکہ جس قسم کی بھی کوئی روایت ملی بلا تامل اور بغیر تحقیق اس کو اپنی کتاب میں درج کر دیا۔

جیسا کہ کتاب پڑھنے سے پتا چل جائے گا مفسدین کی پوری کوشش اس بات کی ہوتی تھی کہ وہ جھوٹی روایات کے ذریعہ سے عام لوگوں کو حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال سے برگشتہ کرتے رہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے نام سے جھوٹے خط بنا کر مختلف لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے جن میں لکھا ہوتا تھا کہ:

"حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال نے ظلم و تعدی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ حضرت عثمانؓ اور عمال سے چھٹکارا پانے کے لیے عملی جدوجہد کریں اور ہمیں ان کی اس جدوجہد میں ان کے ساتھ ہوں۔"

اسی طرح دوسرے اکابر صحابہؓ کے متعلق بھی وہ لوگوں میں اس قسم کی باتیں پھیلاتے رہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ان پر بہت ظلم توڑ رہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ سب آپ کے سخت خلاف ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ آپ کی خلافت اور آپ کے قائم کردہ عمال سے چھٹکارا پائیں۔

ان حالات کی موجودگی میں ہم کیوں نہ اس بات کا یقین کرلیں کہ مورخین نے انہی مفسدین کی پھیلائی ہوئی باتوں اور روایات کو بغیر تحقیق و تدقیق کے قبول کرلیا اور ان کی تحقیق اور تصدیق کیے بغیر ان روایات کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔

قطع نظر ان روایات کے جو صحابہ کرامؓ کے متعلق کتبِ تواریخ و سِیَر میں موجود ہیں، ہمیں صحابہؓ کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس امر کو معلوم کرنا چاہیے کہ کیا وہ ایسی باتوں کے مرتکب ہوسکتے تھے یا نہیں؟

اس امر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آفرینشِ عالم سے لے کر اب تک کوئی گروہ بھی ایسا نہیں گزرا جو تقویٰ و طہارت اور پاکیزگی کے اس مقام پر پہنچا ہو جس مقام پر صحابہ کرامؓ پہنچے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک زبردست معجزہ ہے کہ آپ نے ایک ایسی قوم کو جو وحشیوں سے بھی بدتر تھی اور جس کے عادات و خصائل درندوں سے مشابہ تھے، ایک ایسی قوم بنا دیا جو اپنے اخلاص، صدق و صفا اور تقویٰ و طہارت کی وجہ سے تمام دنیا کے رہبر بن گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلوں سے

دنیا کی محبت کو بالکل سرد کر دیا تھا اور ان کا ہر عمل خدا تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے اور اس کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنے کے لیے ہوتا تھا۔

خدا تعالیٰ نے بھی ان کے اس صدق و صفا کی قدر کی اور رضی اللہ عنہم کا ابدی خطاب ان کو دیا۔ جس خوش قسمت گروہ کو خود خدا تعالیٰ، رضی اللہ عنہم کا خطاب دے، کیا اس سے کسی طرح بھی کوئی ایسی حرکت سرزد ہو سکتی ہے کہ وہ خلیفۂ وقت کی نافرمانی اور اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے پر تل جائے اور اس سے ایسی گستاخی سے پیش آئے کہ ایک معمولی انسان سے بھی اس کی توقع نہ ہو سکے۔ وہ قدسی گروہ جو محض خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لیے ہر قسم کی دنیاوی خواہشات سے دستبردار ہو گیا تھا اور اس کام کا بیڑا اٹھانے کی خاطر کسی قسم کا کوئی ظلم نہ تھا جو اس نے اپنے اوپر نہ سہا ہو اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی جو اس نے برداشت نہ کی ہو۔ اس سے یہ کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کے افراد محض عمال میں ردّ و بدل اور بعض صحابہؓ کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کرنے کی وجہ سے خلیفہ کے بالمقابل آ گئے ہوں۔ ان کے دلوں میں اس کی طرف سے کینہ اور بغض بھرا ہوا اور فتنہ کے اٹھنے کے وقت وہ اس کی مدد سے کنارہ کش ہو گئے ہوں۔

اگر ان باتوں کو جو صحابہ کرامؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے ان کے دلوں میں کسی قسم کا بھی تغیر پیدا نہیں کیا بلکہ وہ بھی دوسرے گروہوں اور دوسری قوموں کی طرح محض اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے کوشاں رہے اور خلیفہ کے بالمقابل اس وجہ سے کھڑے ہو گئے کہ اس نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو امورِ سلطنت میں کیوں شریک کر رکھا ہے اور کیوں ان کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔ لیکن اس گروہ پر جس کے متعلق خدا تعالیٰ خود کہے،

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اور رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔

اگر لاکھوں مورخین بھی متفقہ طور پر یہ الزام عاید کریں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ سے ہٹ گئے تو ان لاکھوں کی باتوں کو خدا تعالیٰ کی ایک بات کے مقابلہ میں پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

حضرت علیؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوذرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے حالانکہ وہ نہایت پاکباز بزرگ تھے۔ انھوں نے ہر موقعہ پر اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں، ان کے متعلق یہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور اس سے بغض و عناد رکھنے کے گناہِ عظیم کے مرتکب ہوئے ہوں گے اور محض اس ناراضی میں کہ ان میں سے بعض کو معزول کیوں کر دیا گیا اور بعض کو عہدے کیوں نہیں دیے گئے۔ انھوں نے عین اس موقع پر خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا جبکہ خلیفہ کا شہید ہونا صرف ایک فرد کا مارا جانا نہ تھا بلکہ تمام عالمِ اسلام کے لیے ہمیشہ کے واسطے فتنہ کا باعث تھا۔

کتبِ تواریخ وسیر میں حضرت عثمانؓ کے متعلق ان بزرگوں کی طرف جو اعتراضات منسوب کیے جاتے ہیں ان کا باطل ہونا ذرا سے غور و فکر اور تدبر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ تیرہ سو برس بعد پیدا ہونے والے انسان تو عقل سے کام لے کر

...امات کے باطل ہونے پر یقین کر لیتے ہیں۔ لیکن صحابہ کرامؓ جن کے سامنے تمام واقعات رُونما ہو رہے تھے بے دھڑک الزامات پر ایمان لے آتے ہیں، اور نہ صرف ایمان لے آتے ہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کو پیش بھی کرتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی کتنی عجیب و غریب بات ہے کہ وہ خود حضرت عثمانؓ پر الزامات لگاتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ مسجد میں کھڑے ہو کر اپنے اُوپر عائد کردہ الزامات کی تردید کرتے ہیں اور صحابہؓ سے اپنی بات کی تصدیق چاہتے ہیں تو سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کی تصدیق کرنے والے اور ان کو الزامات سے بری قرار دینے والے وہی لوگ تھے جو پہلے ان کو ان الزامات سے ملوث قرار دے چکے تھے۔

پھر کیا ہی عجیب بات ہے کہ جب بلوائیوں نے تمام مدینہ پر قبضہ کر کے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے اپنے لڑکوں کو بھیجنے میں سب سے پیش پیش حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے جن کے متعلق الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے اشد ترین دشمنوں میں سے تھے۔ کیا کوئی شخص اپنے دشمن کی جان بچانے کے لیے اپنے بیٹوں کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو سکتا ہے؟ پھر کیا یہی طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہ صدیقہؓ اور عمروؓ بن العاص نہیں تھے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کا قصاص لینے کی آواز بلند کی؟ کیا کسی دشمن کا بھی قصاص طلب کیا جاتا ہے؟ پھر کیا یہ حضرت علیؓ ہی نہیں تھے جنھوں نے بلوائیوں کو سمجھانے اور حضرت عثمانؓ کے گھر پانی پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور جب وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو اپنا عمامہ اپنے سر سے اُتار کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں پھینک گئے تاکہ آپ کو پتا چل جائے کہ اُنھوں نے حتی المقدور کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر کیا صحابہؓ نے ہر موقع پر حضرت عثمانؓ کی تصدیق نہیں کی؟ کیا بار بار حضرت عثمانؓ کو نہیں سمجھایا کہ آپ ان مفسدین سے نرمی کا برتاؤ نہ کریں بلکہ ان کو عبرت ناک سزائیں دیں؟ کیا اپنے دشمن کو بھی کوئی شخص ایسا مشورہ دے سکتا ہے؟

رہا یہ امر کہ صحابہ نے بلوائیوں کے حملہ کے وقت حضرت عثمانؓ کی مدد کیوں نہ کی اور کیوں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ باغیوں نے جس طریقہ سے مدینہ پر قبضہ کیا تھا اس نے صحابہؓ کے لیے کوئی موقع ہی نہ چھوڑا تھا کہ وہ باغیوں کے مقابلہ میں آتے۔ مفسدین نے یک دم بغیر کسی اطلاع کے مدینہ پر قبضہ کر لیا اور اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بھی ہتھیار لے کر باہر نہ نکلے، جو باہر نکلے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ایسے موقعہ پر منظم مقابلہ آخر کس طرح ہو سکتا تھا؛ لیکن باوجود اس کے صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ سے باغیوں کے خلاف لڑنے کی اجازت چاہی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کسی طرح بھی لڑائی پر راضی نہ ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میری جان بچانے کی خاطر اسلام میں تلوار کشی اور خُونریزی نہ کرو۔ لیکن اس کے باوجود صحابہ حضرت عثمانؓ کی مدد سے غافل نہ رہے۔ اکابر صحابہؓ نے اپنے اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے بھیج دیا اور خود مفسدین کو سمجھانے بُجھانے میں لگ گئے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا، مگر خدائی تقدیر کو کون روک سکتا ہے۔ باوجود صحابہؓ کی کوششوں اور ان کے بیٹوں کے مقابلہ کے حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔

کیا ان امور کی موجودگی میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرنے اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے؟ صحابہ کرامؓ پُورے طور پر

...عثمان رضی اللہ عنہ کے وفادار تھے اور آپ کو چھوڑ دینے کا خیال ایک لمحہ کے لیے بھی ان کے دلوں میں نہیں آسکتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت عثمان کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ آخر دم تک وفاداری سے کام لیتے رہے اور جبکہ کسی قسم کی مدد کرنی بھی ان کے لیے ناممکن تھی تب بھی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آپ کی حفاظت کرتے رہے۔ ان فسادات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب ولاۃ کا بھی کچھ دخل نہ تھا اور نہ گورنروں کے مظالم اس کے باعث تھے کیونکہ ان کا کوئی ظلم ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر خفیہ ریشہ دوانیوں کا الزام بھی بالکل غلط ہے۔ ان تینوں اصحاب نے اس وفاداری اور اس ہمدردی سے اس فتنہ کے دُور کرنے میں سعی کی کہ سگے بھائی بھی اس سے زیادہ تو کیا اس کے برابر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انصار پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ وُہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ناراض تھے، وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انصار کے سب سردار اس فتنہ کو دُور کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

فساد کا اصل باعث یہ تھا کہ دشمنانِ اسلام نے ظاہری تدابیر سے اسلام کو تباہ نہ ہوتے دیکھ کر خفیہ ریشہ دوانیوں کی طرف توجہ کی اور بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی آڑ لے کر چپکے چپکے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہا۔ سرایا فتنہ مجرموں کو اپنے ساتھ ملایا۔ لٹیروں کو تحریص دلائی۔ جھُوٹی مساوات کے خیالات پیدا کر کے انتظامِ حکومت کو کھوکھلا کیا۔ مذہب کے پردہ میں لوگوں کے ایمان کو کمزور کیا اور ہزاروں حیلوں اور تدبیروں سے ایک جماعت تیار کی۔ پھر جھُوٹ، جعل اور فریب سے کام لے کر ایسے حالات پیدا کر دیے جن کا مقابلہ کرنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے مشکل ہوگیا۔

ABNIPT اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اس زمانہ کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جو جو ایک یا دُوسرے فریق سے ہمدردی رکھنے والوں سے خالی ہو اور یہ بات تاریخ کے لیے نہایت مضر ہوتی ہے کیونکہ جب سخت عداوت یا نا واجب محبت کا دخل ہو تو روایت کبھی بعینہٖ نہیں پہنچ سکتی۔ اگر راوی جھُوٹ سے کام نہ بھی لیں تب بھی ان کے خیالات کا رنگ روایت پر ضرور چڑھ جاتا ہے اور پھر تاریخ کے راویوں کے حالات ایسے ثابت شدہ بھی نہیں ہیں جیسے کے احادیث کے ہیں۔ پس اس معاملہ میں بہت احتیاط اور جرح و تعدیل کی ضرورت ہے۔

اس سلسلۂ واقعات کو مدِنظر رکھنے کے بغیر کسی زمانہ کی تاریخ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتی۔ تاریخ کی تصحیح کا یہ زریں اصول ہے کہ واقعاتِ عالم ایک زنجیر کی طرح ہیں کسی منفرد واقعہ کی صحت معلوم کرنے کے لیے اسے زنجیر میں پرو کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کڑی ٹھیک اپنی جگہ پر پروئی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ غلط اور صحیح واقعات میں تمیز کرنے کے لیے یہ ایک نہایت ہی کارآمد بات ہے۔

اس کتاب کی ترتیب میں مؤلف نے کافی محنت اٹھائی ہے اور بیسیوں کتابوں کی چھان بین کر کے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ کتاب کے آخر پر ان سب کتابوں کے نام درج کر دیے گئے ہیں جن سے مؤلف نے مدد لی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق جو جو رائیں مؤلف کو مل سکیں، وہ اس نے اس میں درج کر دیں تاکہ لوگوں کو پتا چل سکے کہ آپ کے متعلق لوگوں کے خیالات کیا کیا ہیں اور مورخین نے کس کس نہج پر واقعات کو بیان کیا ہے اور ان سے کیا کیا نتیجے نکالے ہیں؛ لیکن سب سے بڑی کمی جو اس کتاب میں رہ گئی ہے وُہ یہی ہے کہ مؤلف نے اس میں اپنی رائے کو بہت کم دخل دیا ہے اور اس بات کی بہت کم کوشش

... مختلف آراء کو ملا کر ان سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہو وہ کھول کر لکھ دیں۔ حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ... بڑے بڑے اعتراضات کے جوابات میں نے اس تمہید میں دے دئے ہیں اور کتاب کے دوران میں بھی جہاں کہیں ایسے مواقع آئے ہیں حاشیے میں ان کی وضاحت کرنے یا جواب دینے کی کوشش کی ہے تاکہ ناظرین کے سامنے تصویر کا صرف ایک ہی رُخ نہ آئے بلکہ وہ دوسرے پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھ کر غور و فکر کر سکیں۔

میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ جو اُلجھنیں پڑھنے والوں کو اس کتاب میں پیش آئیں ان کو دُور کر دوں۔ خدا کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔

محمد احمد پانی پتی

مقدمۂ مؤلّف

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو فتنہ اُٹھا وُہ ایسا تھا کہ اس کے افسوسناک نتائج آج تک اُمتِ محمدیہ کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ وحدتِ اسلامی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ اُمتِ محمدیہ سیکڑوں فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے ممالکِ اسلامیہ کی اپنی ذاتی آزادی بھی بہت حد تک سلب ہو چکی ہے۔ اس فتنہ کے اسباب و نتائج کے متعلق متقدمین میں باہم شدید اختلاف ہے لیکن ان سب سے ہٹ کر ہم نے اس کے بارے میں بالکل جدید طرز سے بحث کی ہے اور ایک نئے طریقہ سے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

اس عہد کی تاریخ لکھنا اور اس پر بحث کرنا کوئی آسان کام نہیں، وہ شخص جس کو تاریخ لکھنے کا اہم کام سپرد کیا جائے اُس کا فرض ہے کہ وہ یہ نہ دیکھے کہ لوگ کیا کہتے ہیں اور ان کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے یا اس کا مختلف افراد اور جماعتوں پر کیا اثر پڑے گا، بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وُہ اپنے قارئین کے سامنے وہی واقعات پیش کرے جن کے متعلق اس کو یقین واثق ہو کہ وہ ٹھیک اور درست ہیں خواہ ان واقعات کے بیان کرنے سے لوگ خوش ہوں یا ناراض، خواہ اس کی رائے قارئین کی رائے کے مطابق ہو یا اس کے خلاف۔ ایسا کرنے میں اُس کو بہت ہی پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اسے اپنے لیے ایک ایسی راہ متعین کرنی پڑتی ہے جو حدِ اعتدال کے اندر اور حقیقی واقعات کے بالکل مطابق ہو۔

اسی اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے اپنی کتاب میں اپنے لیے دوسرے تمام مورخین سے الگ ایک راستہ مقرر کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس فتنہ کی حقیقی تصویر قارئین کرام کے سامنے کھینچ دیں تاکہ ان کو اس عہد کے سیاسی اور اجتماعی واقعات سے پوری پوری آگاہی ہو جائے اور وہ تاریخِ اسلام کے اس پُرآشوب زمانہ کی مختلف جماعتوں اور گروہوں کے متعلق اس طرح مفصل معلومات حاصل کر سکیں کہ ان واقعات پر یکجائی نظر ڈالتے ہی فتنہ کے اصل اسباب کی تہ تک پہنچ جائیں۔

ہمیں اس امر سے انکار نہیں کہ ہم نے جہاں تک ہمارے امکان میں تھا حضرت عثمانؓ کو ان الزامات سے بری کرنے کی کوشش کی ہے جو مختلف گروہوں اور لوگوں کی طرف سے ان پر لگائے جاتے ہیں۔ بشری کمزوریاں ہر انسان میں ہوتی ہیں اور ان سے کوئی فردِ بشر خالی نہیں۔ حضرت عثمانؓ میں بھی کمزوریاں ہوں گی لیکن اس امر میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ نے اسلام کی شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ نے اسلام کی خدمت کرنی اس وقت بھی ترک نہ کی جب آپ پر بُرے دن آ چکے تھے اور ہر طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ رہے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے آپ کی یہ قدیم الفت و محبت ہی تھی جس کی وجہ سے آپ کی دردناک موت کے وقت اس زمانہ کے لوگوں میں انتہائی درجہ کا حُزن و ملال اور رنج و الم پیدا ہوا اور آج بھی جب ہم ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو

انتہائی درجہ کا رنج و الم ہماری رُوحوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کو بہت بُری طرح شہید کیا گیا۔ مفسدین نے اپنے انتقام کی پیاس بُجھانے کے لیے ہر طرح کی کمینگی کا مظاہرہ کیا۔ تین روز تک کوئی شخص بھی آپ کو دفن کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور کسی کو بھی آپ کے فضائل اور آپ کے اعمال صالحہ کا پاس نہ ہوا۔ رنج اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ مورخین اور غیر مورخین آپ کی اس دردناک شہادت پر بالکل خاموش ہیں اور اتنی سال تک انتہائی پاکیزہ زندگی بسر کرنے اور تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی بے لوث خدمات کو دیکھتے ہُوئے ان سے یہ نہ ہو سکا کہ اگر بالفرض محال حضرت عثمانؓ سے بعض کمزوریاں صادر ہو بھی گئی تھیں تو ان کی توجیہات کر لیتے اور ان پر عفو و درگزر کا پردہ ڈال دیتے۔

ہم لوگ جو چاہتے ہیں کہ اپنی قومی میراث کی، چاہے قدیم ہو یا جدید، عزت و توقیر کریں تو ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے بزرگوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اگر واقعات ہمیں اس بات کی اجازت دیں تو ان کو ان کی غلطیوں پر متہم کرنے کی بجائے ان کی توجیہات کر لیں تاکہ یہ قدیم واقعات کہیں ملتِ اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب نہ بن جائیں اس اصول کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اگر ہم اس مسئلہ کا بنظرِ انصاف جائزہ لیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ خلفاءُ میں سے ایک خلیفہ پر اس کی رعیت کے بعض لوگ ناراض ہو گئے، بعض اپنے دل میں اس کے متعلق بُرے ارادے لئے ہوئے تھے اور بعض کے دلوں میں بُرے ارادے تو نہیں تھے، لیکن وہ ان لوگوں کے پیچھے لگ گئے تھے جو مفسدہ پرداز تھے۔ اس کے بعد وہ خلیفہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہُوئے اور اسے شہید کر دیا۔ اس پر ہم یہی حکم لگا سکتے ہیں کہ اُنھوں نے انتہائی قابلِ شرم حرکت کی۔ اب وُہ سب خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہیں وہ جو چاہے ان سے معاملہ کرے۔ ان حالات میں جب کہ واقعات میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم محض یقینی باتوں کو بیان کر دیں اور مشتبہ واقعات و اشخاص کے متعلق بحث نہ کریں، جن کو گزرے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے اور جن کے متعلق کوئی یقینی بات ہمیں معلوم نہیں۔

قارئین کرام دیکھیں گے کہ ہم نے اس کتاب میں فتنہ کے سرغنوں اور سرکردہ باغیوں کی تائید نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم مورخین نے حضرت عثمانؓ کے والیوں کی غلطیوں کے بارے میں بہت ہی زیادہ اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے جو ان کے متعلق مورخین میں پیدا ہوا ہے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جب ہم کو ان کے متعلق کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہے تو جہاں تک ہو سکے ہم ان والیوں کی غلطیوں کی توجیہہ کریں۔ کیونکہ اگر شک کی بنا پر ایک مجرم اور قاتل کو بھی بری کیا جا سکتا ہے تو ان عمال اور گورنروں کو کیوں نہیں کیا جا سکتا جن کے بارے میں قدیم مورخین کی بڑی بڑی ضخیم کتب میں اختلاف کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن ان کو بالکل بری الذمہ اور ہر قسم کے الزامات سے پاک و صاف بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اگر وُہ ایسے ہی عقلمند ہوتے اور ان کی سیاست نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوتی تو ان کے علاقوں میں بالکل سکون رہتا اور یہ مفسد اور فتنہ پرداز کبھی لوگوں کو بغاوت پر اکسانے اور مدینہ چل کر خلیفۃ المسلمین سے ان کی شکایتیں کرنے پر آمادہ نہ کر سکتے۔

عبداللہ بن سبا مصر، کوفہ اور بصرہ میں تو اپنا زہر پھیلا دیتا ہے۔ لیکن دمشق اور شام میں اس کو ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اگر حضرت عثمانؓ کے تمام والی حضرت معاویہؓ کی طرح عقلمند اور بہترین سیاستدان ہوتے تو کبھی اس مخلوق کو یہ موقع نہ دیتے کہ وہ اُمتِ محمدیہ میں اس طرح فساد کا بیج بو دیتی۔ اگر وُہ ایسے ہی عقلمند ہوتے تو بیماری کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی ملیا میٹ کر دیتے اور فساد پیدا ہوتے ہی اس کی جڑ کو اکھاڑ پھینکتے۔ لیکن اُنھوں نے سُستی برتی اور اس طرف پُوری توجہ نہ کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ فتنہ پورے زور شور سے اٹھا۔ مدینہ کا محاصرہ ہُوا اور آخر میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ چنانچہ جب مفسدین نے آپ پر زور ڈالا کہ آپ اپنے عمال کو برطرف کردیں تو آپ نے یہ دیکھ کر کہ وُہ کوئی قابلِ مواخذہ بات نہیں کرتے اور نہ انھوں نے امن عامہ میں خلل ڈالا ہے (سوائے ولید کے معاملہ کے کہ جو کچھ اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وُہ سچ تھا) یہ مناسب نہ جانا کہ انھیں ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا جائے۔ اگرچہ ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ کو جیسا کہ مشہور ہے اپنے اعزہ و اقرباء سے بہت محبت تھی، آپ ان سے احسان کا سلوک کرتے اور ان کو ملک کی خدمت کے مواقع بہم پہنچاتے رہتے تھے۔ لیکن ہماری نظر میں یہ کوئی ایسا جُرم نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے بلادِ اسلامیہ میں بغاوت پھیلانا، مدینہ پر حملہ کرنا اور خلیفہ کو شہید کرنا جائز سمجھا جائے۔ اسی امر نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم اپنی اس کتاب میں فتنہ کے سرغنوں کے متعلق سخت رویّہ اختیار کریں۔ ہمیں کوئی ایسی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم ان کے فتنہ و فساد کو، خلیفہ کے خلاف بغاوت کو اور اس طرح ملّتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے کو کسی صورت میں بھی جائز قرار دے سکیں۔ یہ فتنہ اتنا دُور رس ثابت ہوا کہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی آج تک اس میں ویسی ہی تازگی پائی جاتی ہے جیسی اس کے رونما ہونے کے وقت تھی۔ مورخین نے اندازہ کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد سے لے کر آج تک لڑائیوں اور فتنہ و فساد میں لاکھوں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور فتنہ و فساد کا یہ دروازہ ابھی تک بند نہیں ہُوا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے اس فتنہ کے رونما ہونے کے وقت رومی خود کمزوری کی حالت میں نہ ہوتے تو ضرور وہ شام کے اسلامی علاقے پر حملہ کر دیتے اور آن کی آن میں اسے فتح کر لیتے۔

ہم نے یہ دکھانے کی خاطر کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست اور اس فتنہ کے اسباب کے متعلق مختلف مورخین کے کیا کیا خیالات ہیں اختصار کے ساتھ ان کی آرا اور ان کے اقوال بھی درج کر دیے ہیں لیکن جہاں جہاں ہم نے اس فتنہ کے اسباب پر بحث کی ہے وہاں درمیانی راستہ اختیار کیا ہے اور بحث میں حدِ اعتدال کے اندر رہنے کی کوشش کی ہے کیونکہ نفرت زدہ دلوں کو ایک دُوسرے کے قریب لانے کا یہی ایک ذریعہ ہے اور اگر ہم حقیقی آزادی کی لذتوں سے بہرہ ور ہونا اور اپنے لیے ایک شاندار مستقبل وضع کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسے طریقوں سے کلیتہً اجتناب کرنا پڑے گا جن سے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت و حقارت بڑھے اور اُمت کا شیرازہ بکھر جائے۔

ان سطور کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم پُرانی تقلیدوں اور گمراہ کن راستوں کو بالکل ترک کر دیں۔ اس بڑھتی ہُوئی دوزخ اور اس اختلافِ عظیم سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور اپنی زندگیوں کے لیے ایک ایسا لائحہ عمل تجویز کریں جو گزشتہ صدیوں کی زندگیوں سے بالکل مختلف ہو۔ ہم اپنے قابلِ رشک آباؤ اجداد کی زندگیوں کو اپنے آیندہ اور شاندار مستقبل کی بنیاد رکھنے کے لیے مشعلِ راہ بنائیں۔ ہمیں اپنے نوجوانوں سے یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہیں ہے کہ یہ بات ان کے لیے انتہائی شرم کا موجب ہوگی۔ اگر وہ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ کسی قسم کی خیر، بھلائی اور نیک ذکر اپنے پیچھے چھوڑ کر نہ جائیں، بلکہ ہمیں یہ اصول ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ : ؎

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے
گاہ کوئی نہ کوئی یاد کرے

ہمیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ ہم اس وقت تک کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے جب تک ہمارا بچہ بچہ بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی چاہیے۔ ایک ٹھوس اور سیسے کی پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح بن کر دُنیا کے سامنے آنا چاہیے۔ ہم میں سے ہر شخص کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ وہ وطن کا سپاہی ہے اور ایک سپاہی کے لیے یہ بات انتہائی ننگ کا باعث ہے کہ وہ شکست کھا جائے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔ آج ہمارے سامنے جو معرکہ درپیش ہے وہ اقوامِ عالم کے درمیان اپنی صحیح حیثیت اور پوزیشن قائم کرنا ہے۔ اس کے لیے ہم سب کو اتحاد اور تنظیم کے ساتھ مسلسل کام کرنا پڑے گا تاکہ ہم ایک بار پھر رُوئے زمین پر اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ سکیں۔

۴ شعبان ۱۳۵۴ھ
۳۰ جنوری ۱۹۳۵ء

عمر ابو النصر

(۱)

مجلسِ مشاورت

۲۳ھ (۶۴۴ء) کی ایک صبح عالمِ اسلام کے دارالخلافہ مدینہ میں زبردست ہیجان بپا تھا۔ سارے شہر پر رنج و غم کے گھرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہر شخص اضطراب کے عالم میں مسجدِ نبوی کی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ اس وقت کے سب سے بڑے انسان اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کو —— جس کی ہیبت و جلال سے قیصر و کسریٰ کے تخت لرزہ بر اندام تھے —— ایک مجوسی غلام نے، فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے، خنجر مار کر زخمی کر دیا تھا۔

مدینہ کی زندگی ان دنوں بہار در آغوش تھی۔ وہاں دم بدم شام، مصر اور ایران کی فتح کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ مدینہ والے جب اپنے سپوتوں، اپنے نوجوانوں اور بوڑھوں کے محیّر العقول کارنامے سُنتے کہ کس طرح انھوں نے رُوئے زمین کو اپنے گھوڑوں کے سُموں سے رَوند ڈالا اور کس طرح پُرہیبت اور پُرشکوہ بادشاہتوں کو پلک جھپکتے میں زیر و زبر کر دیا، تو اُنھیں ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اس وقت عالمِ حقیقت میں نہیں بلکہ خوابوں کی دُنیا میں ہیں مجاہدینِ اسلام تائیدِ ایزدی سے ہر لحہ بہرہ یاب ہو رہے تھے اور فتح و ظفر، لونڈی غلاموں کی طرح ان کے آگے آگے چل رہی تھی۔

ان دنوں مدینہ والوں کا معمول ہوگیا تھا کہ ان کی اکثریت قاصدوں کی زبانی، لڑائیوں کے حالات اور فتح کی خوش خبری سُننے کے لیے شہر کے باہر مضافات میں چلی جاتی اور جب کوئی قاصد نظر آجاتا تو شوق اور بے تابی کے ساتھ اس کی طرف لپکتی۔ ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی کہ سب سے پہلے وہی خبر سُنے۔ اُنھیں کامل یقین ہوتا کہ قاصد فتح و ظفر کی نوید کے سوا اور کوئی خبر لا ہی نہیں سکتے۔ اس پر بھی ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ بار بار فتح کی خبریں سُنتے لیکن سیر نہ ہوتے تھے۔

غرض مدینہ کے باشندوں کا اس زمانہ میں عجیب عالم تھا۔ وہاں کی زندگی بڑی رُوح پرور اور راحت افزا تھی۔ ہر چھوٹے بڑے کو اطمینانِ قلب حاصل تھا۔ عدل و انصاف کے بارے میں وہ زمانہ ہمیشہ کے لیے ضرب المثل بن چکا ہے۔ حق و صداقت کے جو مظاہرے اس وقت دُنیا نے دیکھے ان کی نظیر لانے سے زمانہ اب تک قاصر رہا اور شاید ہمیشہ قاصر رہے۔

جس زمانہ کا یہ ذکر ہے وہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد تھا۔

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کلیتہً وقف تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں آپ کو اپنی جان کا بھی ہوش نہ رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو آنے والی رات اہلِ مدینہ کے لیے ایک مہیب ترین خونیں رات تھی۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو اُن کی آنکھوں سے اُمڈا چلا آتا تھا۔ ایک ناقابلِ بیان اضطراب تھا جو ان کے دلوں پر محیط ہو چکا تھا۔ ان کو کسی بات کی سُدھ نہ تھی اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا!

خلافت کا جو رعب اور دبدبہ حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا تھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس زمانہ میں رعایا کے حکومت سے اور حکومت کے رعایا سے جو حیرت انگیز خوشگوار تعلقات تھے وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ آپ اپنے فرائضِ خلافت کی انجام دہی میں جتنے سرگرمِ عمل تھے وہ آپ ہی کا حصّہ تھا۔ ان ذمّہ داریوں کے شدید احساس سے، جن کا بارِ خلافت کے منصبِ عظیم نے آپ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا۔ آپ ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے کہ مبادا آپ کے قدم غلط راستے پر پڑ جائیں اور اس طرح خدا نخواستہ ملک و قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ عدل و انصاف کے قیام، مظالم کی روک تھام اور حدود و شریعت کی نگہداشت کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

جب آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور صحابہؓ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک ایسے آدمی کو مقرر فرما دیں جو آپ کے بعد خلافت کا بار اپنے دوش پر اٹھائے تو آپ نے اس معاملہ پر غور کیا۔ لیکن آپ کی نظر میں کوئی ایسا آدمی نہ جچا جو اس بارِ عظیم سے عہدہ برآ ہونے کی پوری پوری قابلیت رکھتا ہو، جو ہر قسم کے پیش آمدہ خطرات کا استقلال کے ساتھ مقابلہ اور ملک پر پُوری طاقت سے کنٹرول کر سکتا ہو۔ رہ رہ کر اُن کی نظر حضرت علیؓ پر پڑتی تھی اور وُہ سمجھتے تھے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی شخص کو یہ عہدہ تفویض کیا جا سکتا ہے تو وہ علیؓ ہیں۔ مگر حضرت علیؓ کے دل میں اہلِ بیت کی جو غیر معمولی وقعت تھی اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں میرے بعد علیؓ بنی ہاشم کو عامۃ المسلمین کے سروں پر مسلط نہ کر دیں اور حکومت جو جمہور کا حق ہے وُہ بنی ہاشم ہی میں محدود ہو کر نہ رہ جائے اور اس طرح ایک ایسی فضا قائم ہو جائے جس کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وجود تک نہ تھا۔

انتہائی غور و فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ خلافت کسی ایک شخص کو تفویض نہیں کرنی چاہیے۔ یہ حق ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے جنھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بابرکت زمانہ پایا اور جن میں سے اکثر نہایت زیرک اور معاملہ فہم تھے۔ وہ فیصلہ کریں کہ اس عہدہ کا مستحق صحیح معنیٰ میں کون ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی دلیل یہ تھی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کوئی جانشین مقرر کیے بغیر وفات پا گئے۔ صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو اپنا خلیفہ چُن لیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات پانے لگے تو اُنھوں نے صحابہؓ کے مشورہ سے عمرؓ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا، تو عمرؓ کو یہ حق کیوں حاصل نہیں کہ وُہ خلافت کو کسی ایک شخص تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کو مشورہ کے لیے ایک مجلس کے سپرد کر دے اور وہ مجلس یہ فیصلہ کرے کہ کون شخص خلافت کا حقدار ہے۔ اس طرح اس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنّت پر عمل کرنے کا موقعہ بھی مل جائے گا کہ آپ نے اپنے بعد کسی خاص شخص کو خلافت کے لیے مقرر نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کو جمہور پر چھوڑ دیا۔

بیشک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب صحابہؓ میں سے حضرت عمرؓ کو اس کام کا پوری طرح اہل سمجھا اور ان کو نامزد کر دیا۔ لیکن

حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کی نظروں میں اس اہم ترین عُہدہ کے لیے موزوں ہو۔ بے شک حضرت علیؓ کو باقی صحابہؓ پر فوقیت حاصل تھی۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے' اہلِ بیت کے متعلق' اپنے قبیلہ بنو ہاشم کے متعلق اور والی سلطنت کے حقوق و اختیارات کے متعلق ان کے خیالات ایسے تھے جن سے حضرت عمرؓ متفق نہ ہو سکتے تھے۔ لہٰذا اس وقت بہترین طریقہ آپ کو یہی نظر آیا کہ مسلمانوں کو اس امر میں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس کو چاہیں خلافت کے لیے چُن لیں۔

جب حضرت عمر فاروقؓ اپنی رائے کے تمام پہلوؤں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو آپ نے صحابہؓ اور قریش کے معزز اشخاص کو بُلا کر کہا: "اُن اصحابؓ کے متعلق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وُہ جنتی ہیں:

۱ - علیؓ بن ابی طالب
۲ - عثمانؓ بن عفان
۳ - عبدالرحمٰنؓ بن عوف
۴ - سعدؓ بن ابی وقاص
۵ - زبیرؓ بن العوام
۶ - طلحہؓ بن عبیداللہ

تم آپس میں مشورہ کر کے ان میں سے جس شخص کو چاہو خلافت کے لیے چُن لو اور جو شخص خلیفہ منتخب ہو جائے خلوص و نیک نیتی کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی مدد کرو۔ خلیفہ بننے والے شخص کو میری نصیحت یہ ہے کہ جس کے سپرد یہ امانت کی جائے وہ اس امانت کا حق بطریقِ احسن ادا کرے۔"

اسی وقت حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ تم مجوزہ چھ آدمیوں کی کمیٹی میں شامل نہ ہو۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا: "میری یہ مجال نہیں ہے کہ میں خلیفۂ وقت کے احکام کو ٹھکراؤں اور وُہ مجھ سے جو توقع رکھتے ہیں اس کے خلاف کروں۔"

اس پر حضرت عباسؓ نے ان سے کہا: "تمھاری مرضی۔ لیکن اس کا نتیجہ تمھارے حق میں اچھا نہ نکلے گا اور آخر الامر تمھیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

حضرت عباسؓ کی حضرت علیؓ کو یہ نصیحت ذرا تفصیل اور تشریح کی محتاج ہے۔ حضرت عباسؓ نہایت زیرک، دانا اور معاملہ فہم انسان تھے۔ جو بات کہتے تھے پُورے سوچ بچار کے ساتھ اور حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے کہتے۔ اگر انھیں یہ محسوس نہ ہوتا کہ قوم حضرت علیؓ کو نظر انداز کر کے کسی دُوسرے شخص کو اپنا امیر اور حاکم بنا لے گی، تو وہ کبھی حضرت علیؓ سے یہ بات نہ کہتے۔ وُہ جانتے تھے کہ اگر مجلسِ شوریٰ نے باہم فیصلہ کر کے کسی دُوسرے شخص کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا اور حضرت علیؓ بھی اس مجلسِ شوریٰ کے ممبر ہوئے تو یہ براہِ راست ان پر ایک حملہ ہوگا اور اس بات کا ثبوت کہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان حضرت علیؓ کو اس لائق نہیں سمجھے کہ وُہ بارِ خلافت

کو اپنے کندھوں پر اٹھائیں۔ اس وقت یہ بات حضرت علیؓ کے لیے انتہائی رنج والم کا باعث ہوگی۔ لیکن اگر وہ اس مجلس سے علٰحدگی اختیار کرلیں اور صحابہؓ حضرت علیؓ کے علاوہ کسی اور شخص کو منتخب کرلیں۔ تب معاملہ کی صورت اور ہو جائے گی۔ اس صورت میں نہ حضرت علیؓ کی طرف سے کُھلم کھلا ایثار کا اظہار ہوگا نہ صحابہؓ پر صاف طور سے جانب داری کا الزام لگایا جا سکے گا اور نہ اس وقت حضرت علیؓ ہی کو شدید رنج والم سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسی لیے حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے لیے احتیاطاً اسی میں سمجھی کہ وہ مندرجہ بالا طریق اختیار کریں اور مجلس شوریٰ میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کرلیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔[1]

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام کو بلایا اور ان سے کہا کہ میں نے بہت کچھ غور و فکر کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تم لوگ عوام الناس میں امتیازی حیثیت کے مالک ہو۔ اس معاملہ کا فیصلہ اب مل جل کر تمھیں کو کرنا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت تم سب سے خوش تھے۔ اگر تم درست فیصلہ کرو اور لوگ اس کی مخالفت کریں تو مجھے اس کا ڈر نہیں۔ لیکن اگر اندیشہ ہے تو اس بات کا کہ کہیں تم ہی آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنے لگو اور تمھاری دیکھا دیکھی عوام الناس بھی مختلف دھڑوں میں بٹ جائیں اور علٰحدہ علٰحدہ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔ تم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں چلے جاؤ، وہاں آپس میں مشورہ کرو اور اپنے میں سے کسی آدمی کو خلیفہ منتخب کرلو۔

کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مشورہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں نہیں بلکہ کسی قریبی جگہ کیا جائے تاکہ انھیں جلد جلد حالات کا علم ہوتا رہے اور ضرورت پڑے تو مشاورتی مجلس ان سے بھی مشورہ کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ان کا اس دوران میں انتقال ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ تین روز تک مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ اس عرصہ میں صہیبؓ (رومی غلام) امامت کے فرائض سرانجام دیں گے۔[2] لیکن بغیر خلیفہ کے چوتھا روز نہ ہونے پائے۔ عبداللہ بن عمرؓ کو شریکِ مشورہ کیا جائے۔ لیکن وہ خلیفہ نہیں بنائے جا سکتے۔[3] طلحہؓ بن عبید اللہ اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے

---

[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رائے سے اس لیے اتفاق نہیں کیا کہ نہ ان کو ایک لمحہ کے لیے خلافت کی آرزو پیدا ہوئی تھی اور نہ ان کی نیک اور صالح طبیعت ایک منٹ کے لیے یہ گوارا کر سکتی تھی کہ خلیفۂ وقت کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے خواہ اس کے نتیجہ میں ان کی اپنی ذات کو نقصان پہنچے۔ علیؓ وہ مقدس انسان تھا جس نے آنحضرتؐ کی گود میں پرورش پائی تھی پس کس طرح ممکن ہے کہ ایسا شخص خلافت کا متمنی ہو۔ یا اس کے دل کے کسی گوشے میں خلیفہ کے حکم سے انحراف کا خیال پیدا ہو۔

[2] اسلام نے غلاموں کو جو اسلام سے پہلے بدترین مخلوق سمجھے جاتے تھے جس بلند اور اعلیٰ درجہ پر پہنچایا یہ واقعہ اس کی ایک روشن مثال ہے کہ ایک رومی غلام کو خلیفہ اسلام نے تمام معززینِ قریش کے مقابلہ میں امام الصلوٰۃ مقرر فرمایا مگر کسی ایک نے بھی چوں نہیں کی اور برابر تین روز تک اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ یہ تھا مساوات کا شاندار نمونہ۔

[3] یہ واقعہ سوچنے کے والے کے لیے اپنے اندر بڑا سامانِ بصیرت رکھتا ہے۔ فاروقِ اعظمؓ کو اگر ذرا سی بھی خلافت کی خواہش ہوتی۔ یا وہ اسے کچھ بھی اپنے لیے عزت اور آمدنی کا ذریعہ سمجھتے یا دنیوی شہرت کی ان کو چاہ ہوتی یا عام بادشاہوں کی طرح وہ ایک بادشاہ ہوتے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

متعلق یہ حکم دیا کہ اگر وہ تین روز کے اندر اندر آجائیں تو ان کو بھی شریکِ مشورہ کر لیا جائے۔ لیکن اگر اس عرصہ میں وہ نہ آئیں تو ان کے بغیر ہی فیصلہ کر لیا جائے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق آپ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ان دو میں سے کسی ایک کے متعلق فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر عثمانؓ منتخب ہو گئے تو وہ نرم آدمی ہیں اور اگر علیؓ چُن لیے گئے تو وہ خوش خلق آدمی ہیں اور لوگوں کو صحیح راہ پر چلانے کے ہر طرح قابل۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ، ابو طلحہؓ انصاری کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: "اے ابو طلحہؓ! کسی وقت اللہ تعالیٰ اسلام کو تمہارے ذریعہ سے عزت دے گا۔ اگر یہ لوگ کوئی فیصلہ نہ کر سکیں تو انصار میں سے پچاس اشخاص لینا اور ان کو مجبور کرنا کہ اپنے میں سے کسی شخص کو منتخب کر لیں۔"

حضرت مقدادؓ بن اسود سے یُوں مخاطب ہُوئے کہ "جب تم مجھے دفنا چکو تو ان لوگوں کو ایک گھر میں جمع کرنا تاکہ وہ کسی کو خلافت کے لیے چُن لیں۔ عبداللہؓ بن عمرؓ بھی مجلسِ مشاورت میں شامل ہوں۔ ان کے پاس کھڑے رہنا۔ اگر پانچ آدمی کسی شخص پر اتفاق کر لیں۔ لیکن ایک شخص اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دے تو اس کا سر اُڑا دینا۔ اگر چار ممبران کسی ایک کو منتخب کر لیں اور دو اس فیصلے کو نہ مانیں تو تلوار سے ان دونوں کی گردنیں کاٹ دینا۔ اگر تین آدمی ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو عبداللہ بن عمر کو حَکم بنانا اور جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ دیں وہ فریق اپنے میں سے کسی ایک فرد کو منتخب کر لے۔ لیکن اگر وہ عبداللہ بن عمر کا فیصلہ تسلیم نہ کریں تو جس فریق میں عبدالرحمن بن عوف ہوں اس کے ساتھ ہو جانا اور دُوسرے لوگ اگر فیصلہ قبول نہ کریں تو انھیں قتل کر ڈالنا۔"

(۲)

انتخاب

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص کی مجلس ہُوئی۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ مدینہ سے باہر تھے۔ وہ آخر وقت تک شرکت نہ کر سکے۔ البتہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو حضرت فاروق کے اس حکم کے بموجب کہ "ان کو مشورہ میں شریک کر لیا جائے لیکن خلیفہ نہ بنایا جائے" مشورہ میں شریک کر لیا گیا۔

پہلا دن خصوصیت سے بڑا سخت تھا۔ ارکانِ مجلس کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ ہر شخص کی رائے دُوسرے سے مختلف تھی۔ ہر ایک یہ جانتا تھا کہ خلافت کے حق دار صرف دو اشخاص ہیں:

۱۔ حضرت علیؓ اور

۲۔ حضرت عثمانؓ

(بقیہ حاشیہ ص گزشتہ) تو ضرور اپنے بیٹے کے حق میں وصیت کر جاتے جبکہ بیٹا ہر طرح نہایت لائق و فائق بھی تھا۔ مگر انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے بیٹے کے حق میں وصیت نہ کی بلکہ مجلس شوریٰ کے ممبران کو حکم دے دیا کہ "ابن عمرؓ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے۔" (مترجم)

...جودگی میں کوئی اور خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے حضرت علیؓ کے طرفدار حضرت علیؓ کی تائید میں لگ گئے اور حضرت عثمانؓ کے طرفدار آپ کے پروپیگنڈے میں معروف ہو گئے۔ پروپیگنڈے اور اختلاف کا طوفان اتنے زور شور سے جاری تھا کہ یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا، اس افتراق و اختلاف کے ہوتے کسی بات کا فیصلہ ہوسکے گا۔[1]

اس وقت حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو یہ بات سُوجھی کہ اپنے تئیں درمیان سے نکال لیں اور خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہوجائیں۔ اس فیصلہ میں ان کے اس یقین کو بھی دخل تھا کہ خلافت ان کے حصہ میں ہرگز نہیں آسکتی۔ اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لینے کے بعد وہ مجلسِ شورٰی کے ارکان سے ملے اور ان سے اس طرح گفتگو شروع کی:

"تم میں سے کون خلافت سے دست بردار ہونے اور اپنے حق کو اپنے سے بہتر و افضل انسان کے لیے چھوڑ دینے پر تیار ہے؟"

اس پر سب خاموش رہے اور کسی نے جواب نہ دیا۔ تب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا:

"میں دست بردار ہوتا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور کہا:

"اس بات پر سب سے پہلے میں راضی ہوں۔"

باقی لوگوں نے بھی یہی کہا "ہم راضی ہیں۔"

صرف حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

"ابوالحسن! تم کیا کہتے ہو؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ ہمیں حق کی پیروی کرنی چاہیے۔ خواہشاتِ نفسانی کو بالکل ترک کر دینا چاہیے۔ رشتہ داری کا مطلقاً لحاظ نہیں کرنا چاہیے۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا:

"اگر تم لوگ مجھ سے اس بات کا پکا عہد کرو کہ تم میرے فیصلہ کو بخوشی مان لو گے اور جو میں کہوں گا اس پر بلا چون و چرا عمل کرو گے، تو میں اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں کسی رشتہ داری کا لحاظ اور کسی دوستی کا پاس نہیں کروں گا۔ محض قوم کی بھلائی کو پیشِ نظر رکھ کر اس معاملہ میں صحیح فیصلہ دُوں گا۔"

---

[1] بیشک اس موقعہ پر دونوں بزرگوں کے طرفدار اپنے اپنے ممدوح کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ مگر ایک منٹ کے لیے بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک نے ان لوگوں سے اپنے پروپیگنڈے کے لیے کہا ہو۔ کیونکہ ان کی مقدس روحیں ان آلائشوں سے بالکل پاک تھیں۔ بطورِ خود جس کا جس نے چاہا پروپیگنڈہ کیا۔ (مترجم)

اس پر تمام رضامند ہو گئے کہ عبدالرحمٰنؓ جو چاہے فیصلہ کردیں انھیں یہ فیصلہ بلا چون وچرا منظور رہو گا اور جس کو وہ نامزد کردیں اسے اپنا خلیفہ مان لیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی ان کے سامنے اس بات کا عہد کیا کہ وہ خلیفہ نامزد کرتے وقت رشتہ داری اور دوستی کا ذرہ بھر لحاظ کیے بغیر، جس کا حق ہوگا، اسی کو تفویض کریں گے۔

جو کام پہلے پوری مجلس شوریٰ کے سپرد تھا اب اس کا سارا بوجھ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر آپڑا۔ ان کے ذمہ خلافت کے لیے ایک ایسے شخص کو نامزد کرنا تھا، جو اربابِ شوریٰ میں سب سے بہتر اور افضل ہو۔

سب سے پہلے وہ تنہائی میں حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے اس طرح گفتگو چھیڑی:

"اپنے دینی مرتبہ اور ہر نیک کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی وجہ سے آپ خلافت کے حقدار ہیں۔ لیکن بالفرض اگر کسی وجہ سے آپ کا انتخاب نہ ہو سکے تو پھر آپ کے نزدیک ان لوگوں میں ترجیح کے لائق کون ہے؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"اس صورت میں میرے نزدیک عثمانؓ کا حق سب سے زیادہ ہے۔"

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت عثمانؓ سے ملے اور کہتے تھے۔

"آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔ حضورؐ نے اپنی دو لڑکیوں کی شادی یکے بعد دیگرے آپ سے کی۔ اور یہ وہ فضیلت ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں۔ اس لیے خلافت کے معاملہ میں آپ کو ترجیح حاصل ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ آپ خلافت کے لیے منتخب نہ ہو سکیں تو پھر آپ کے نزدیک ان لوگوں میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "علیؓ!"

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ، زبیرؓ بن العوام اور سعدؓ بن ابی وقاص سے ملے اور ان سے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ ان دونوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی۔

حضرت علیؓ نے بھی محسوس کر لیا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ سعدؓ سے ملے اور ان سے اپنے حق میں رائے دینے کی اپیل کی[1]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اب راتوں کو مہاجرینؓ، انصارؓ، صحابہ کرامؓ، فوج کے اعلیٰ افسروں اور معززینِ شہر سے

---

[1] مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں اور نہ کسی مستند ذریعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ نہ مصنف نے اپنے بیان کی توثیق میں کوئی حوالہ دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ہرگز سعدؓ سے یا اور کسی سے اپنے حق میں رائے دینے یا کوشش کرنے کے لیے نہیں کہا۔ بھلا جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سایہ پرورش پائی ہو۔ جس کی تربیت شروع سے آنحضرتؐ نے خود کی ہو۔ اور جس نے اپنے آقا کا یہ فرمان بار ہا سنا ہو کہ "جو شخص کسی عہدہ کا طلبگار ہو وہ عہدہ اسے نہ دیا جائے"۔ وہ بھلا کس طرح اس قسم کی ناواجب خفیہ کارروائیاں کر سکتا تھا؟ (مترجم)

مشورہ کرنا شروع کیا۔ جس سے ملتے وہی حضرت عثمانؓ کی حمایت کرتا۔ جب وُہ رات آئی جس کی صبح کو آخری فیصلہ ہونا تھا تو عبدالرحمٰن، مسور بن مخرمہ کے گھر پہنچے۔ ان کو سوتے سے جگایا اور کہا:

"زبیرؓ اور سعدؓ کو بلاؤ۔"

وہ ان دونوں کو بلا لائے۔ اس وقت جب عبدالرحمٰنؓ نے زبیرؓ سے اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی تو اُنھوں نے کہا،

"اب میری رائے یہ ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کو تفویض کرنی چاہیے۔"

سعدؓ نے بھی یہی کہا۔

اگر مورخین کے بیان کردہ واقعات صحیح مان لیے جائیں تو اس وقت زبیرؓ اور سعدؓ دونوں نے اپنی رائے بدل لی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد انھیں حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ زیادہ صلاحیتوں کے مالک نظر آئے ہوں۔ کیونکہ حضرت علیؓ اپنی سیرت میں حضرت عمرؓ سے بہت مشابہ تھے۔ ان میں بھی حق و صداقت کے بارے میں وہی سختی اور وہی شدت تھی جو حضرت عمرؓ میں تھی۔ یہ بھی دنیا سے اسی طرح دُور بھاگتے تھے جس طرح حضرت عمرؓ۔ دُوسری طرف حضرت عثمانؓ کے مزاج میں نیکی اور نرمی کا پہلو غالب تھا جس کی وجہ ان کا بڑھاپا تھا[1]۔ بڑھاپے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ تنہا کام بھی نہ کر سکتے تھے۔ انھیں دُوسرے کی مدد اور مشورہ کی ضرورت پڑتی تھی[2]۔

شاید ان دونوں کو یہ بھی خیال تھا کہ مددگار صحیح طور پر کام نہیں کر سکتے۔ اور مشیر ضروری نہیں کہ صحیح مشورہ ہی دیں۔ اس لیے ان کے مشورہ پر کلیتہً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ بعید نہیں کہ جن اسباب نے ان دونوں کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کیا تھا، ان میں یہ خوف بھی شامل ہو کہ کہیں حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور نرم خوئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی امیہ کو یہ موقع نہ مل جائے کہ وُہ ملک پر اپنا تسلط جما لیں اور امورِ حکومت میں انہی کا غلبہ ہو جائے۔

شروع میں اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں جو رائے دی تھی اس وقت ان کا خیال یہ ہو گا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت کی سختی کے بعد اب کسی نرم اور رقیق القلب خلیفہ کی ضرورت ہے لیکن غور و فکر کے بعد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہو کہ امورِ سلطنت کو انجام دینے، اسلام کو صحیح طور پر قائم رکھنے اور اس کو چار دانگِ عالم میں پھیلانے کے لیے حضرت عمرؓ جیسی سخت گیری ہی کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت سعدؓ سے جو اپیل کی تھی اس کا ان پر اثر ہوا ہو اور انھوں نے اس

---

[1] نیکی اور نرم مزاجی حضرت عثمانؓ کے مزاج میں بڑھاپے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وُہ شروع ہی سے نہایت درجہ نیک فطرت اور نرم دل واقع ہوئے تھے۔

[2] ضرورت پڑنے پر دُوسرے شخص سے مدد لینا یا اس سے مشورہ کرنا اگر کمزوری کی علامت ہے تو اس سے کوئی بھی خلیفہ بچا ہوا نہیں۔ صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ سے مشورہ لیتے تھے اور فاروقِ اعظمؓ ہر بات حضرت علیؓ سے پُوچھ کر کرتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں، لَوْ لَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔ (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو گیا ہوتا)۔ مترجم

اثر کے ماتحت اپنی رائے تبدیل کر لی ہو۔

رات کے آخری حصہ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو بلا بھیجا اور ان سے بڑی لمبی گفتگو کی۔ باتیں کرتے کرتے صبح ہوگئی۔ صبح کی نماز کے بعد اراکینِ مجلسِ مشاورت جمع ہوئے۔ ادھر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مہاجرین اور انصار کے اہلِ علم اور صاحبِ فضل حضرات کے ساتھ ساتھ افسرانِ فوج کو بھی بلا بھیجا۔ چنانچہ سب جمع ہوئے اور مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس مسئلہ خلافت پر لوگوں کی آراء طلب کیں۔ حضرت عمارؓ بن یاسر نے کہا:

"اگر یہ بات مدِ نظر رکھی جائے کہ مسلمانوں میں تفرقہ اور اختلاف پیدا نہ ہونے پائے تو سب سے بہتر بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی بیعت کر لی جائے۔" مقدادؓ بن الاسود نے اس کی تائید کی۔

اس کے بعد عبداللہؓ بن ابی سرح کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

"اگر یہ بات مدِ نظر ہو کہ قریش میں اختلاف و انشقاق پیدا نہ ہو تو حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنی چاہیے۔"

عبداللہ بن ابی ربیعہ نے اس کی تائید کی۔ اس پر عمارؓ نے ابن سرح سے کہا کہ تم مسلمانوں کو نصیحت کرنے والے کہاں سے آئے!

اس مرحلہ پر بنی ہاشم اور بنی امیہ کے کچھ لوگ آپس میں تکرار کرنے لگے۔ بنی ہاشم کی خواہش تھی کہ حضرت علیؓ کی بیعت کی جائے۔ اور بنی امیہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کو خلافت سپرد کی جائے۔ اس پر ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اب سعدؓ بن ابی وقاص بولے:

"عبدالرحمٰن! اس سے پہلے کہ لوگ فتنہ میں پڑیں، تم اس کام سے فراغت حاصل کر لو۔ بہتر ہے کہ تم اپنا فیصلہ سنا دو۔"

چنانچہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اُٹھے اور کہنے لگے:

"میں نے بہت غور و فکر سے کام لیا ہے اب میں جو فیصلہ دُوں گا لوگوں کو چاہیے کہ وہ بغیر کسی انقباض کے کھلے دل سے قبول کریں اور اس بارے میں میری طرف سے کسی قسم کی بدگمانی کو اپنے دل میں راہ نہ پانے دیں۔"

اس کے بعد انھوں نے حضرت علیؓ کو بلایا اور ان سے کہا کہ اگر آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے تو کیا آپ کتاب اللہ، سنّت رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"ان شاء اللہ میں حتی المقدور اس پر پُوری طرح عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور جو بات حضرت علیؓ سے کہی تھی وہی ان سے کہی۔ حضرت عثمانؓ نے بھی وہی جواب دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ان کی بیعت کر لی اور اپنا ہاتھ جو عثمانؓ کے ہاتھ میں دیا ہوا تھا چھت کی طرف اٹھایا اور کہنے لگے:

"اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اس وقت تک جو کچھ میرے اختیارات تھے میں نے وہ عثمانؓ کی طرف منتقل کر دیے ہیں۔"

اس پر حضرت علیؓ کہنے لگے کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمیں گرانے کی کوشش کی ہے اچھا ہم صبر کرتے ہیں اور سارا معاملہ خدا پر چھوڑتے ہیں۔"[1]

[1] ہرگز یقین نہیں آتا کہ علیؓ جیسے متقی، پرہیزگار، کامل الایمان اور دنیا سے دل برداشتہ انسان کے منہ سے ایسے کلمات نکلے ہوں۔ (مترجم)

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا:

"علیؓ! اپنے دل میں اس کے متعلق کوئی خیال نہ لاؤ۔ میں نے اس معاملہ میں بہت سوچا، لوگوں سے تفصیلی مشورہ کیا اور خوب غور و فکر اور صلاح و مشورہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلافت کا بار عثمانؓ ہی کو سونپا جائے۔ عامۃ المسلمین بھی زیادہ تر عثمانؓ ہی کے حق میں تھے۔"

حضرت علیؓ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے:

سیبلغ الکتاب اجلہ [1]

مقدادؓ نے کہا:

"عبدالرحمٰن! تم نے علیؓ کو چھوڑ دیا حالانکہ علیؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ حق کے مطابق فیصلہ کرتے اور عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔"

عبدالرحمٰن نے جواب دیا:

"مقداد! میں نے جس شخص کو مسلمانوں کے لیے بہتر پایا اسی کو نامزد کیا۔ تم اس وقت چپ رہو، خدا سے ڈرو، کیونکہ ایسی باتوں سے فتنہ و فساد پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے۔"

بعض روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علیؓ تھوڑی دیر بعد ہی مسجد میں تشریف لے آئے تھے اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کر لی تھی۔

طبری میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت میں توقف کیا تھا جس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی:

ومن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ومن اوفیٰ بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجراً عظیما۔ (فتح)

یعنی جو شخص اپنے اقرار کو توڑے گا، اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اللہ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا۔

اس پر حضرت علیؓ بھیڑ کو چیرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور ان کی بیعت کر لی [2]

---

[1] یہ محض من گھڑت قصہ ہے اور حضرت علیؓ کے کسی دشمن کی اختراع ہے۔ جب شروع ہی میں مجلس شوریٰ کے تمام ممبروں نے کہہ دیا تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف جو فیصلہ کر دیں ہمیں منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا یہ طرزِ عمل سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

[2] اس موقعہ پر سوال صرف یہ ہے کہ کیا یہ آیت علیؓ جیسے ہوشمند، واقف علم القرآن اور وارث علوم نبوی کے ذہن میں پہلے سے نہ تھی وعدہ کا ایفا تو معمولی شخص بھی ضروری سمجھتا ہے علیؓ کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ (مترجم)

(۴)

انتخاب کا پس منظر

گزشتہ صفحات میں قارئین کرام کسی قدر تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کو خلیفۃ المسلمین منتخب کرنے کے سلسلہ میں مجلسِ مشاورت کے ارکان نے کیا کچھ کیا۔ ان واقعات کے بعد اب ہم وہ اسباب بیان کرتے ہیں جن کے زیرِ اثر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔

اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ممکن ہے انھوں نے حضرت عثمانؓ کی بیعت اس وجہ سے کر لی ہو کہ حضرت عبدالرحمٰن رشتہ میں ان کے بہنوئی تھے[1]۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کثرتِ رائے حضرت عثمانؓ کے حق میں ہو (اور جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں وجہ یہی تھی) اس کا بھی امکان ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو حضرت عثمانؓ کے عہد و پیمان سے اس بات کا اطمینان ہوگیا ہو کہ وہ بنی امیہ کو عامۃ المسلمین کے سروں پر مسلط نہیں کریں گے۔ بعض لوگ اس کی وجہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سمجھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ اپنے بعد انھیں خلیفہ نامزد کر دیں گے[2]۔ خلافت ملنے کے وقت حضرت عثمانؓ بہت بوڑھے ہوچکے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے بیعتِ عثمانؓ کے بعد مسجد میں اپنے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا۔

اگرچہ یقینی طور پر اس روایت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے قریش کے معاملے میں اتنی سختی سے کام لیا تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی دنیوی جاہ و حشمت اور مال و منال میں خاطر خواہ حصہ یاب نہ ہوسکا۔ حضرت علیؓ بھی عزم و استقلال، عدل و انصاف، دنیوی اغراض سے بے تعلقی اور دینی احکام پر بہ شدت عمل پیرا ہونے میں حضرت عمرؓ کی مثال تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ میں رواداری پائی جاتی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ ان صفات کی وجہ سے حضرت عثمانؓ لوگوں میں ہر دلعزیز ہوگئے ہوں اور یہی امر ان کی خلافت کا باعث بنا ہو۔ لوگوں کو یہ خیال ہوگا کہ اب ان کو حضرت عمر فاروقؓ کی سی سخت گیر پالیسی سے سابقہ نہیں پڑے گا۔ وہ آسانی سے دنیا کما سکیں گے۔ اس کے لذائذ سے بہرہ ور ہوسکیں گے اور انھیں اسلامی فتوحات سے خاطر خواہ متمتع ہوجانے کا موقعہ مل سکے گا۔ کوئی تعجب نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی لوگوں کی اس رائے میں ان کے شریک ہوں اور یہ بھی مستبعد نہیں کہ وہ شروع ہی سے یہ سوچ کر حضرت عثمانؓ کی طرفداری کر رہے ہوں کہ یہ تو اب بوڑھے ہوچکے ہیں۔ ان کے مزاج میں اگر در خور حاصل کر لیا جائے تو آئندہ خلافت کے سلسلہ میں اپنے لیے راہ ہموار کی جا سکتی ہے[3]۔

یہ بات صاف ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یقین ہوگیا کہ خواہ کوئی صورت ہو جب تک حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امّ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے شادی کی تھی۔ ام کلثوم حضرت عثمانؓ کی بہن ہیں، ان کی والدہ کی طرف سے۔

[2] مصنف کا یہ قول غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ بیان کردہ اس وجہ کا کوئی تاریخی یا کتابی ثبوت موجود نہیں۔

[3] ایک جلیل القدر صحابی کے متعلق، جس نے از خود اپنے آپ کو خلافت سے الگ کر دیا ہو، ایسا خیال کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ (مترجم)

موجود ہیں وُہ خلافت حاصل نہیں کر سکتے تو انھوں نے اپنے آپ کو خود ہی امیدوارانِ خلافت سے علٰحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کر دی کہ وُہ حق و انصاف کی رُو سے مسلمانوں کے لیے خلیفہ منتخب کرنے کو تیار ہیں، جس کو قبول کر لیا گیا۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ ان کے رشتہ دار تھے لیکن پھر بھی ان کے انتخاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس لیے کہ وُہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے اور مسلمانوں میں نہایت اعلیٰ پوزیشن کے مالک۔ مزید برآں وُہ نہایت نرم دل انسان تھے اور حضرت فاروقؓ کی طرح سختی کا جذبہ ان میں نہ تھا حضرت عمرؓ کے بعد مسلمان چاہتے تھے کہ انھیں اس سخت گیری سے چھٹکارا ملے، جو خلیفۂ ثانی کے عہدِ خلافت میں ان کو برداشت کرنی پڑتی تھی، اور ان دنیوی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملے جن سے وہ آج تک محروم تھے۔ وُہ اپنے آپ میں بھی اس تہذیب کے جلوہ گر دیکھنے کے خواہشمند تھے جس کی چمک عظیم الشان تہذیب و تمدن رکھنے والی حکومتوں کو فتح کرنے کے بعد وُہ دیکھ رہے تھے لیکن اس سے حقیقی فائدہ حاصل کرنے کا ان کو موقع نہ مل سکا تھا۔

مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف پہلی دو راتوں کو لوگوں کے پاس جا جا کر اس مسئلہ میں ان سے مبادلۂ خیال کرتے رہے۔ وہ بھیس بدل کر مدینہ کی گلیوں میں گشت لگاتے اور لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتے۔ کوئی مہاجر، کوئی انصاری یہاں تک کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی ایسا باقی نہ رہا جس سے انھوں نے اس بارہ میں پُوچھا نہ ہو یا مشورہ نہ لیا ہو۔ اہل الرائے حضرات کے پاس وہ مشورہ طلب کرنے والے کی حیثیت سے جاتے رہے اور دُوسروں سے وہ ایک عام آدمی کی طرح پُوچھتے رہے کہ تمہارے خیال میں حضرت عمرؓ کے بعد کون خلیفہ ہونا چاہیے؟ جس شخص سے بھی انہوں نے مشورہ طلب کیا یا اس بارہ میں کچھ پُوچھا اس نے حضرت عثمانؓ ہی کے حق میں جواب دیا۔ جب انھوں نے حضرت عثمانؓ کے متعلق عامۃ الناس کا اتفاق دیکھا تو لوگوں کی رائے کا احترام کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ ہی کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔[1]

حضرت عثمانؓ کے بارہ میں جمہور کے اتفاق کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ لوگوں کا یہ خیال ہو کہ اگر قریش کے دوسرے خاندانوں میں خلافت رہے گی تو وہ کسی ایک خاندان سے مخصوص ہو کر نہیں رہے گی۔ لیکن اگر وہ بنی ہاشم میں چلی گئی تو پھر نا ممکن ہے کہ بنی ہاشم اسے اپنے ہاتھوں سے نکلنے دیں۔

غرضیکہ ہماری نظر میں یہی عوامل ہیں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں معین ہوئے۔

حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں قریش اور عامۃ المسلمین میں نہایت ہر دلعزیز تھے۔ لوگ طبعی طور پر دنیوی نعمتوں سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے کی تنگی ترشی اٹھانے پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت حسن بصری حضرت عثمانؓ کے اوائل خلافت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"میں نے حضرت عثمانؓ کو خطبہ دیتے ہُوئے سُنا۔ میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ

---

[1] اس صورت کے موجود ہوتے ہوئے پھر کیوں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی نیت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے آیندہ فائدہ اٹھانے کے لیے حضرت عثمانؓ کو نامزد کیا۔ (مترجم)

پاک وصاف اور آپ کے چہرے سے زیادہ حسین چہرہ نہیں دیکھا۔آپ فرماتے :

"اے لوگو! تم غریبوں کے واسطے عطیے اور صدقے لاؤ۔"

اور لوگ آپ کے سامنے عطیوں اور صدقوں کا ڈھیر لگا دیتے۔ آپ فرماتے کہ :

"لوگو! غربا کے لیے کپڑے لاؤ۔"

لوگ کثرت سے آپ کے پاس کپڑے لاتے اور آپ ان کو غربا میں بانٹ دیتے۔ آپ فرماتے کہ :

"لوگو! غربا کے لیے خوشبوئیں لاؤ۔"

تو لوگ ہر قسم کی خوشبوئیں عطر، مشک اور عنبر وغیرہ آپ کی خدمت میں لاتے اور آپ ان کو غربا میں تقسیم فرما دیتے۔"

جنگوں کی تکلیف اور لڑائیوں کی شدت کے بعد اسی قسم کی چیزیں لوگ چاہتے تھے اور اسی قسم کی چیزیں حضرت عثمانؓ ان کو دیتے بھی تھے[1]

(۴)

عہدِ فاروقی

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں عام مسلمانوں کی جو حالت تھی وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت سے بالکل مختلف تھی حضرت عمرؓ کے دور میں اسلام ضعف و ناتوانی کی حالت سے نکل کر طاقت، قوت اور شوکت کے دور میں داخل ہو چکا تھا۔ تمام جزیرۂ عرب میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو عرب میں کُلّی اقتدار حاصل ہو چکا تھا اور ان کی حکومت اچھی طرح مضبوط ہو چکی تھی۔ جاہلیت میں افتراق و انشقاق، قتل و غارت اور لڑائی جھگڑوں کی جو کیفیت عربوں پر طاری تھی وہ ایک قصۂ پارینہ بن چکی تھی۔ جہالت کے جو تاریک پردے ان کی آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے ملکی نظم و نسق میں حصہ لینے کی وجہ سے وہ دور ہو چکے تھے۔ رسومِ جاہلیت مٹ چکی تھیں۔ وہ قوم جو اپنی جہالت اور درندگی کی وجہ سے بالکل وحشیوں کی مانند تھی اب اعلیٰ درجہ کی مدبّر اور مہذب قوم بن چکی تھی۔ بلند پایہ سیاست دانوں، اہلِ بصیرت، ماہرینِ قانون اور مذہبی لحاظ سے ممتاز لوگوں کی ان میں کمی نہ تھی۔ یہ بھوکی اور ننگی قوم جس کا گزارہ محض اونٹنیوں کے دودھ اور صحرا کی کھجوروں پر تھا چند ہی دنوں میں ترقی کے اس مرتبہ پر پہنچ گئی تھی کہ نہ گزشتہ قومیں اس کی مثال پیش کرسکیں اور نہ معاصر طاقتیں ترقی کی دوڑ میں اس کی گرد کو پا سکیں۔

عربوں کے تنِ مُردہ میں از سرِ نو جان پڑ چکی تھی۔ ان کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے لگا تھا۔ قوم کا ہر فرد بشر قومی اتحاد کے

---

[1] آہ! یہ کیسے انسان تھے جنہوں نے ایسے نیک دل، اتنے غریب نواز اور اس قدر فرشتہ صفت بزرگ کے خلاف فساد برپا کرکے خدا کی ناراضی حاصل کی۔ (مترجم)

...سرشار تھا۔ ان کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ چکی تھی کہ آج دنیا کی کوئی قوم سربلندی اور رفعت و شان میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آئندہ چل کر ہماری قوم ہی سب قوموں کی رہبر بنے گی۔ ہمیں کو اصلی طاقت، شوکت اور قوت حاصل ہوگی اور ہم ہی دنیا کے سردار تسلیم کیے جائیں گے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے ان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ عرب کے قریبی ملکوں یعنی فارس و روم کی طرف ان کی افواج قاہرہ کا ایک سیلابِ عظیم اُمڈ پڑا تھا۔ ان کے گھوڑوں نے ایسے ایسے شہروں کو اپنی ٹاپوں تلے روند ڈالا تھا جن کے نام بھی ان کے ذہنوں میں پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رُوئے زمین کا بہت بڑا حصہ ان کے زیرِ نگین آ گیا۔ بڑی باجبروت بادشاہتوں سے (جن کی طرف پہلے کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی) عرب ٹکرائے اور ان کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ تاریخِ عالم کا یہ عجیب و غریب ورق اور کتابِ زندگی کی یہ ایک حیرت ناک داستان ہے جس نے آج تک مورخین کو حیران و ششدر کر رکھا ہے۔ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کی تہ کو اب تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔

ایران پر عرب کے لوگ آندھی کی طرح چھا گئے۔ آلِ ساسان کو اُنھوں نے اس بُری طرح تباہ کیا کہ پھر ان میں اٹھنے کی سکت بالکل نہ رہی۔ سلطنتِ روما کی طرف رُخ کیا تو اس کو پامال کرتے ہُوئے گزر گئے۔ الجزیرہ، شام، آرمینیہ، مصر اور برقہ میں رومی اقتدار کو ملیامیٹ کر کے وہاں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ان کے قدم ہر لحظہ آگے ہی کی طرف اُٹھتے تھے اور فتح و نصرت قدم قدم پر انہیں کے پاؤں چُومتی تھی۔ بڑے بڑے لشکر، جو اس وقت کے جدید ترین آلاتِ حرب سے لیس تھے، اپنی طاقت اور تعداد کے نشہ میں چُور، مسلمانوں کی بے سروسامان فوج کے مقابلے میں آئے۔ لیکن ان کی طاقت و تعداد، اور ان کا غرور و تکبر ان کے کسی کام نہ آیا۔ ہر بار ان کو منہ کی کھانی پڑی اور کبھی انھیں فتح مندی اور کامرانی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

عرب کے ہمسایہ ممالک میں مطلق العنان بادشاہوں کے ہاتھوں جور و استبداد کی بنیادیں بہت گہری ہو گئی تھیں۔ غلامی وہاں کے باشندوں کی قسمت بن گئی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایرانیوں اور رومیوں میں خود اپنے اوپر سے اعتماد اُٹھ چکا تھا اور شخصی آزادی کی محبت کے وہ شعلے ان کے دلوں میں سرد پڑ چکے تھے، جو زندگی کی راہوں میں انھیں سرگرمِ سفر رکھ سکتے تھے۔ اس کے برخلاف عرب طبعاً شخصی آزادی کے بے حد دلدادہ تھے۔ آزادیٔ رائے اور حریتِ افکار کا عشق ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ انھیں یہ تک گوارا نہ تھا کہ ان کا حاکم اور امیر بھی ان سے کسی چیز میں فوقیت اور برتری رکھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے امراء پر بہت سخت احتساب قایم کر رکھا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

"اگر کسی شخص پر اس کے حاکم نے ظلم کیا تو وہ حاکم ہرگز حکومت کرنے کا اہل نہیں ہے۔"

عرب نہ صرف خود آزادی کے نشہ میں سرشار تھے بلکہ اُنھوں نے مفتوحہ ممالک کے لوگوں میں بھی ایک نئی رُوح پھونک دی تھی اور ان کو بھی شخصی آزادی کی حلاوت و شیرینی سے ذوق آشنا کر دیا تھا۔ اُنھوں نے مفتوحین کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ شہری حقوق میں ان کا مرتبہ کسی طرح بھی امراء کے مرتبہ سے کم نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ایک مصری کو حضرت عمرو بن العاص گورنرِ مصر سے کچھ تکلیف پہنچی۔ وہ شخص مدینہ آیا اور حضرت عمرو بن العاص کے لڑکے سے ملا۔ انھوں نے اپنے والد اور ان کے مرتبہ و بزرگی کا لحاظ کیے بغیر اس شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا دیا۔ جہاں انھوں نے اس کی معروضات سنیں،

اور دادرسی فرمائی۔

رعایا کا ہر فرد حقیقی مساوات کی لذت سے بہرہ اندوز تھا۔ اس وسیع اسلامی سلطنت میں رہنے سہنے والے انسان کو اس بات کا کامل احساس تھا کہ سوائے اس شخص کے جو اعمالِ صالحہ اور تقویٰ و طہارت میں اس سے ممتاز ہے، اور کوئی شخص کسی حیثیت سے اس پر فضیلت نہیں رکھتا۔

جب عرب ان اقوام سے ملے جو ان کے لیے بالکل اجنبی تھیں تو انھوں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان مملکت ان کے سامنے ہے۔ ان کی آنکھیں ایک جدید تہذیب کی روشنی سے آشنا ہوئیں جس نے عربوں کو، ان کے فاتح ہونے کے باوجود مرعوب کر دیا اور ان کے دلوں میں اس تہذیب کو اپنا لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ اُنھوں نے اخلاق و عادات میں اپنے ہمسایہ ممالک کی تقلید شروع کر دی اور اس طرح زندگی کے میدانِ کارزار میں ان کا دُوسری اقوام سے مقابلہ شروع ہوا۔

عربوں کو سب سے پہلے جن چیزوں کی تقلید کرنے کا خیال پیدا ہُوا وہ لڑائیوں کے نت نئے ڈھنگ اور وہ جدید آلاتِ حرب تھے جن سے رومی اور ایرانی جنگوں میں کام لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ امورِ سیاست اور ملکی انتظام کی طرف متوجہ ہوئے اور جو طریقے انہوں نے اپنی مفتوحہ قوموں سے سیکھے تھے وہی اپنی مملکت میں رائج کرنے شروع کر دیے۔ روم اور ایران کی حکومتوں میں جو دفتری نظام رائج تھا اسے سامنے رکھ کر حضرت عمرؓ نے بھی ہر محکمہ کا علٰحدہ دفتر قایم کیا۔ اس کے بعد آپ نے ولایات کی ترتیب، تقسیم کار، عمّال کے انتخاب اور وظیفوں کے تعین کی طرف توجہ مبذول کی۔ مفتوحہ ممالک سے جو خراج آتا تھا اس کو خرچ کرنے کے بہتر سے بہتر طریقے اختیار کیے۔ امن اور عدل و انصاف کے قیام کی طرف توجہ دی۔ ٹیکس کے اصول اس طرح وضع کیے کہ نہ رعایا پر کوئی بار پڑے اور نہ حکومت کے خزانہ کو کوئی نقصان پہنچے۔ مملکت کے طول و عرض میں فارغ البالی اور خوشحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ فاتحینِ اسلام پر مال و دولت کے دروازے کُھل گئے اور ہر قسم کا آرام ان کو میسّر آ گیا۔

یہ سب کچھ تھا لیکن اس پر بھی حضرت عمرؓ کے خوف اور ان کے شدید احتساب کی وجہ سے لوگوں کو کھانے پہننے کے معاملہ میں اپنے اوپر بعض سختیاں عائد کرنی پڑتی تھیں اور زندگی گزارنے کے لیے حدِّ اعتدال میں رہنا پڑتا تھا۔ حضرت عمرؓ اسراف اور فضول خرچی کو کسی صورت سے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس بارے میں وہ بہت سختی سے کام لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں عربوں کو اس بات کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ عیش و عشرت، آرام و راحت، شان و شوکت اور سکون و طمانیت کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ جتنی تیزی سے وہ مدنی زندگی اور شہری معیشت اختیار کرتے جا رہے تھے اتنی ہی تیزی سے لڑائیوں کے محاذ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت بھی اس امر کی تھی کہ لڑائیوں کی طرف اپنی پُوری توجہ مبذول کر کے دشمن پر فتح پائی جائے۔ اگر اس طرف سے وُہ ذرا بھی غفلت برتتے تو دشمنوں کی فوجیں موقع سے فائدہ اٹھا کر سارے عرب کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتیں۔ لہذا مسلمان اپنے عیش و آرام سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن اسی طرف متوجہ ہو گئے اور عیش و آرام کو کسی اور مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھا۔ حضرت عمرؓ کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی سیاست کا یہ اثر تھا کہ آپ کے جیتے جی ملّت میں افتراق و انشقاق، بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کو کوئی راہ نہ

...ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد موتیوں کی طرح ایک لڑی میں منسلک تھے جو کوئی اس لڑی کو کھولنے اور اس کے دانے بکھیرنے کی کوشش کرتا تھا اس کی سزا موت تھی۔

لڑائیوں کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے اور مسلمانوں کے ملکوں ملکوں پھیل جانے سے ایک بڑا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ یہ امر لازمی تھا کہ پہلے مسلمانوں کے دلوں میں دین خوب اچھی طرح راسخ ہو جاتا اور عوام کو اسلام اور اس کے اصولوں سے اچھی طرح روشناس کرا دیا جاتا تاکہ بعد کو ان کے ایمان میں کمزوری راہ نہ پا سکتی، ان میں کسی قسم کی بے راہ روی نہ پھیل سکتی۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن تھا جبکہ مسلمان ہر قسم کے تفکرات اور مہمات سے آزاد ہو کر اپنی اپنی جگہ ٹکے رہتے اور دینی تعلیمات سے فیض یاب ہوتے رہتے۔ پر ایسا نہ ہوا بلکہ اس سے پہلے کہ دین ان کے دلوں میں اچھی طرح جاگزین ہوتا وہ فتوحات کی غرض سے دُور دراز ممالک میں پھیل گئے اور صحیح طور پر دینی تربیت حاصل نہ کر سکے۔

اسلام کا بڑا مقصد دنیا سے بُت پرستی کو مٹانا اور خدا کی وحدانیت کو صحیح طور پر دنیا میں قایم کرنا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کہ مفتوحہ ممالک کے باشندے بکثرت دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں ——— اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ——— بہت سی مشرکانہ رسوم موجود تھیں اور شرک کا کلی طور پر استیصال نہ ہوا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں ——— خصوصاً عجمی مسلمانوں ——— میں عقاید کے لحاظ سے اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ بدعتیں پھیلنے لگیں اور اس سے فائدہ اٹھا کر کئی منافق اور بدطینت لوگوں نے بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔

بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کا پہلے یہ خیال ہو کہ اول اول ان فتوحات سے فراغت حاصل کر لی جائے جو انتہائی ضروری ہیں تاکہ اس فتنہ و فساد کا بالکل خاتمہ ہو جائے جس کا فرو کرنا ان متحارب اقوام پر قابو پائے بغیر ناممکن تھا۔ دُوسرے میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی جو تڑپ اور امنگ عربوں کے دلوں میں مدتوں سے تھی وہ پُوری ہو جائے۔ تیسرے ان تمام معاند جماعتوں کا سدِباب کر دیا جائے جو جزیرۂ عرب کے اطراف میں آباد تھیں اور جن کے متعلق اندیشہ تھا کہ اگر ان پر فتح حاصل نہ کی گئی تو ان کے جھگڑے سرکشی اور بغاوت کا رنگ اختیار کر لیں گے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ دشمن قوت حاصل کر سکے اور اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو مجتمع کر کے عربوں پر غلبہ پا سکے، سب سے پہلا کام یہی کیا گیا کہ اس کا سر کچل دیا گیا۔ جب یہ مدعا پُورا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اب فتوحات میں میانہ روی اختیار کی جائے اور ان عربوں کو جو سالہا سال سے جنگوں میں مصروف تھے کچھ آرام کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ لیکن ابھی ان کا یہ ارادہ شرمندۂ تکمیل نہ ہونے پایا تھا کہ انھیں بروقت اس امر کا احساس ہُوا کہ متحارب اقوام جن سے عربوں نے معاہدات کیے تھے اپنے معاہدات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے صریح عہد شکنیوں پر اتر آئی ہیں اور انھیں اپنے وعدہ اور قول و قرار کا پاس نہیں رہا۔ اب مسلمانوں کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ایران پر مکمل طور سے قبضہ کر لیں اور رومیوں کو شام کی حدود سے پرے دھکیل دیں۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت عمرؓ کی یہ دلی خواہش تھی کہ عرب ان ہی فتوحات پر اکتفا کریں جو شروع میں انھوں نے ایران و روم میں حاصل کی تھیں، مزید فتوحات کا خیال چھوڑ دیں۔ اطمینان سے اپنی اپنی جگہ ٹک کر زراعت و تجارت وغیرہ کا

...اختیار کریں اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جائیں تاکہ ان کے اندر اسلام کی صحیح رُوح پیدا ہو جائے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پورے طور پر جذب کر سکیں اور اس طرح بدعت و ضلالت اور فتنہ و فساد کے خیالات کی ان کے ذہنوں تک رسائی نہ ہو سکے۔

یہ تھے وہ عوامل جو حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے وقت ملک میں کارفرما تھے۔ ہم نے ان کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کیونکہ یہ آیندہ ابواب کے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو سامنے رکھے بغیر حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں صحیح طور سے تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۵)

حضرت عثمانؓ بن عفّان

حضرت عثمانؓ اموی تھے اور بنی عبد الشمس بن عبد مناف سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی تھا۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصیٰ القرشی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب آپ سے عبد مناف پر جا کر ملتا ہے۔ آپ کی کنیتیں تین تھیں:

۱۔ ابو عبد اللہ

۲۔ ابو عمرو

۳۔ ابو لیلیٰ

آپ اصحاب الفیل کے واقعہ کے چھ سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس بن عبد مناف۔

اروی کی والدہ البیضا اُم حکیم بن عبد المطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور آنحضرتؐ کے چچا حضرت ابو طالب کی سگی بہن تھیں۔

حضرت عثمانؓ تاجر تھے۔ آپ تجارت کے سلسلہ میں اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ خدا نے آپ کی تجارت میں بڑی برکت دی تھی اور آپ کا شمار قریش کے نہایت مالدار اشخاص میں ہوتا تھا۔ لوگ آپ کو ملک التجار کہتے تھے۔

باوجود مالدار ہونے کے آپ میں کبر و نخوت اور غرور و تکبر نام کو نہ تھا بلکہ آپ بڑے خوش اخلاق، پاکیزہ سیرت، انتہائی عفیف اور پرہیزگار انسان تھے۔

آپ کو ان چند خوش قسمت صحابہؓ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے جو اوائلِ اسلام میں ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمان ہوئے ... آپ کی غلامی کا طوق اپنے گلوں میں ڈال چکے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ساتھ گہرے تجارتی تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان مضبوط رشتۂ مودت و اخوت بھی قائم ہو گیا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان پر کامل اعتماد اور بھروسا ہونے کی بنا پر انھوں نے اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا اور حلقہ بگوشانِ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا نمبر چوتھا تھا۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اخلاق و عادات اس قدر پسند آئے کہ آپ نے ان کے اسلام لانے کے بعد اپنی صاحبزادی رُقیہؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ جب قریش نے مسلمانوں کو تکالیف پہنچانی شروع کیں تو آپ حضرت رُقیہؓ کو لے کر حبشہ ہجرت کر گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس مکہ تشریف لے آئے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہُوا تو یہ بھی حضرت رقیہؓ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئے۔ حضرت رقیہ نے عین اسی دن وفات پائی جس دن اللہ تعالیٰ نے معرکۂ بدر میں مسلمانوں کو کفار پر فتحِ عظیم دی تھی (سنہ ۲ھ) حضرت عثمانؓ اس جنگ میں حاضر نہیں تھے لیکن حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مالِ غنیمت میں سے اتنا ہی حصہ دیا جتنا جنگِ بدر میں شریک ہونے والوں کو ملا تھا۔

حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثومؓ کا نکاح بھی انھی سے کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفر و حضر، جنگ و صلح غرضیکہ کسی حالت میں بھی علٰحدہ نہ ہوتے تھے۔ صُلح حدیبیہ کے موقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا کیونکہ حضورؐ کو معلوم تھا کہ قریش ان کے حُسنِ اخلاق کی بنا پر ان کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ آپ انتہائی پاکیزہ اخلاق کے مالک اور بڑے سخی تھے۔ خدا کی راہ میں اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے آپ ہر موقع پر اپنا مال و اسباب بے دریغ لٹاتے رہتے تھے۔ جیش العسرۃ کے موقع پر لشکر کی تیاری کے لیے آپ نے اتنا خرچ کیا کہ اور کوئی اس کی مثال پیش نہ کر سکا۔ آپ نے اس موقع پر ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے۔ روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ مع ایک ہزار دینار کے یہ سارا سامان لیے ہُوئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو آپؐ نے فرطِ مسرت سے دیناروں کو الٹنا پلٹنا شروع کیا اور فرمایا کہ آج کے بعد عثمانؓ جو کریں گے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اللہ کی رضا جوئی کے لیے اس کی راہ میں کس طرح کھلے دل سے روپیہ خرچ کرتے تھے۔

مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا جو بئرِ رومہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا اور وُہ اس کا پانی اہلِ مدینہ کے ہاتھوں بڑی گراں قیمت پر فروخت کرتا تھا جس کے باعث مسلمان بڑی تکلیف میں تھے۔ ایک روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بئرِ رومہ خرید لے اور اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دے تو میں اس کے لیے جنّت کا

وعدہ فرمایا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ فوراً اُس یہودی کے پاس گئے اور اس سے بئرِ رومہ کے متعلق بات چیت کی۔ اس نے سارا کنواں بیچنے سے تو انکار کر دیا لیکن نصف بیچنے پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار دینار میں آدھا کنواں خرید کر اس کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ معاملہ اس شرط پر ہوا تھا کہ ایک روز یہودی کو پانی بھرنے کا حق ہوگا اور دوسرے روز عثمانؓ کو۔ جب حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تو مسلمان دُو روز کا پانی اکٹھا بھر لیا کرتے اور دُوسرے روز یہودی کے پاس کوئی پانی خریدنے نہ آتا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر یہودی بہت گھبرایا اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ بقیہ نصف کنواں بھی آپ ہی خرید لیں۔ چنانچہ آٹھ ہزار درہم میں اس کا بھی معاملہ ہو گیا اور حضرت عثمانؓ نے وُہ کنواں مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عثمان کاتبِ وحی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں آپ ان کے امین اور کاتب یعنی پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تو مجلسِ شورٰی نے آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ یہ یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء اتوار کے دن کا واقعہ ہے۔

حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے سارے مدینہ میں ہیجان برپا ہو گیا حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان سابق حاکمِ ایران اور ایک عیسائی غلام جفینہ کو اپنے والد کو شہید کرنے کے شبہ میں قتل کر دیا۔ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کو پتہ چلا تھا کہ ہرمزان سابق حاکمِ فارس (جس نے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی) اور جفینہ نصرانی حضرت عمرؓ کے شہید کیے جانے سے پہلے ایک دن آپ کے قاتل ابو لؤلؤ کے ساتھ خاص سرگوشی میں مصروف تھے اس پر انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ دونوں ان کے والد کی شہادت میں شریک تھے ان دونوں کو طیش کی حالت میں قتل کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ان تینوں کو ایک جگہ آپس میں سرگوشی کرتے دیکھا، یہ ان کے پاس گئے۔ ان کو دیکھ کر وُہ تینوں کھڑے ہو گئے اور گھبراہٹ میں ایک دو دھاری خنجر ان کے کپڑوں میں سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ جب اس خنجر کو دیکھا گیا جس سے حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تھا تو وہی خنجر تھا جو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے دیکھا تھا جب حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے یہ واقعہ سنا تو اُن کو یقین ہو گیا کہ ان کے والد کی شہادت ان تینوں کی سازش اور اشتراکِ عمل سے ہوئی ہے۔ جب تک حضرت عمرؓ زندہ رہے ابنِ عمر ضبط کیے رہے۔ لیکن جب آپ کی وفات ہو گئی تو شمشیر بدست پہلے ہرمزان کے پاس گئے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جفینہ کے پاس گئے اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص نے مداخلت کر کے زبردستی ان کو روکا اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھین کر انھیں ان کے گھر میں بند کر دیا۔ جب حضرت عثمانؓ کی بیعت ہو چکی تو آپ نے عبیداللہ بن عمر کو بلایا اور ایک مجلس میں جہاں مہاجرین و انصار بیٹھے تھے، پوچھا:

"بتلاؤ اب ابنِ عمر کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو قتل کر دیں۔"

اس پر بعض مہاجرین کہنے لگے کہ حضرت عمرؓ کل شہید کر دیے گئے اور ان کے بیٹے کو آج قتل کر دیا جائے، یہ کس طرح

...ہے؟

حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا:

"امیر المومنین! اگر یہ واقعہ آپ کے عہدِ حکومت میں ہوتا تو آپ کو بیشک انھیں قصاص میں قتل کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن اب ایسی صورت نہیں ہے۔ یہ واقعہ آپ کے عہدِ حکومت میں نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے اب آپ بری الذمہ ہیں۔"

یہ بات حضرت عثمانؓ کے دل کو بھی لگ گئی آپ نے فرمایا کہ:

"میں ان مقتولوں کا ولی ہوں اس لیے ان کی دیت اپنے ذمہ لیتا ہوں اور اپنے مال میں سے ادا کردوں گا۔"

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ حضرت عبید اللہ بن عمر شرعی نقطۂ نگاہ سے قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے یہ فعل قصاص کے طور پر کیا تھا کیونکہ یہ بات تب کہی جا سکتی تھی جب وہ اصل قاتل کو قتل کرتے لیکن انھوں نے ان لوگوں کو قتل کیا جو حضرت عمرؓ کے قاتل نہیں تھے۔ کوئی ایسا شرعی ثبوت بھی موجود نہیں ہے جس سے ان کا اس قتل میں اشتراک ثابت ہو۔ قصاص تب واجب ہوتا ہے جب قتل کے تمام و کمال ثبوت موجود ہوں۔ قاتل اپنی زبان سے اقرار کرے اور حاکمِ وقت قصاص کا حکم دے۔ لیکن ان قرائن سے جو اس وقت پائے گئے ہرگز قصاص واجب نہیں ہوتا اور نہ شریعت ان قرائن کی موجودگی میں حد جاری کرتی اور سزا دیتی ہے۔ اس لیے ان حالات و واقعات کی موجودگی میں عبید اللہ بن عمرؓ سے قصاص لینا واجب تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کا اس امر کی طرف اشارہ کرنا کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کی حکومت سے پہلے ظہور پذیر ہوا تھا۔ عبید اللہ بن عمرؓ کی بریت کے لیے کافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے اور ان کے سامنے ان کے بیٹے یہی حرکت کرتے تو وہ ان پر لازماً شرعی حد جاری کرتے اور اس میں کسی رُو رعایت کو دخل نہ دیتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ بعض مہاجرین کی طرح یہ نہ چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے شہید کیے جانے کے معاً بعد ان کا لڑکا بھی قتل کر دیا جائے اور ان کی خلافت کا آغاز گزشتہ خلیفہ کے لڑکے کے قتل سے ہو۔ اس واسطے اُنھوں نے اس اُلجھن سے نکلنے کے لیے حضرت عمرو بن العاص کی رائے پر عمل کیا۔ حضرت عمرو بن العاص ایسے معاملات میں بڑے مدبر اور اس قسم کی الجھنوں کے حل کرنے میں بڑے ماہر تھے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہرمزان کو مشتبہ حالت میں دیکھا گیا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس کی سرشت میں بدعہدی سرایت کر چکی تھی اور اس قسم کے کئی واقعات اس سے پہلے اس سے سرزد ہو چکے تھے، پھر اس کے متعلق جو کچھ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بیان کیا تھا، ان سب کی روشنی میں اس بات کے یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہرمزان، ابو لؤلؤ اور جفینہ اس قتل میں برابر کے شریک تھے اور اگرچہ خاص واقعۂ قتل میں تینوں کا حصہ نہ بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس ناپاک ارادہ سے بے خبر نہیں تھے اور ان کو تمام سازش کا پوری طرح علم تھا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کی بیعت ہو چکی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ اُنھوں نے خطبہ دینا چاہا مگر ان کی زبان نے یاوری نہ کی اور وہ خطبہ نہ دے سکے۔

خلیفہ بننے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مملکتِ اسلامیہ کے سب امراء اور عمال کے نام ایک خط لکھا جس کی عبارت

یہ تھی:

اما بعد فان اللہ امر الائمه ان یکونوا رعاة ولم یتقدم الیهم ان یکونوا جباة - و ان صدر هذه الامة خلقوا رعاة ولم یخلقوا جباة - ولیوشکن ائمتکم ان یصیروا جباة ولا یکونوا رعاة - فاذا عادوا کذالك انقطع الحیاء والامانة والوفاء - الا وان اعدل السیرة ان تنظروا فی امور المسلمین وفیما علیهم فتعطوهم مالهم وتاخذوهم بما علیهم ثم تعتنوا بالذمة فتعطوهم الذی لهم وتاخذوهم بالذی علیهم ثم العدو الذی تنتابون فاستفتحوا علیهم بالوفاء۔

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے حاکموں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ امت کے نگہبان بنیں۔ محض خراج جمع کرنے والے نہ بنیں۔ اوائل اسلام کے لوگ نگہبان تھے، محض خراج جمع کرنے والے نہیں تھے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ نگہبانی امت کے فرائض کو چھوڑ کر کہیں صرف خراج جمع کرنے میں نہ لگ جاؤ۔ اگر ایسا ہوا تو حیا، امانت اور وفا سب تم سے رخصت ہو جائے گی۔ بہترین عدل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے امور میں غور کرو۔ جو ان کا حق تم پر ہے وہ انھیں دو اور جو تمہارا حق ان پر ہے وہ ان سے لو۔ پھر ذمیوں کا جو حق تم پر ہے وہ انہیں دو اور تمہارا جو حق ان پر ہے ان سے لو۔ اس کے بعد دشمن کی طرف متوجہ ہو اور اس پر فتح پاؤ لیکن جو اس سے وعدہ کرو وہ ضرور پورا کرو۔"

سرحدوں پر فوجیں پڑی تھیں ان کے افسروں کو یہ خط لکھا:

اما بعد فانکم حماة الاسلام وذادتهم وقد وضع لکم عمر ما لم یغب عنا بل کان عن ملأ منا - ولا یبلغنی عن احد منکم تغییر ولا تبدیل فیغیر اللہ بکم ویستبدل بکم غیر- فانظروا کیف تکونون فانی انظر فیما الزمنی اللہ النظر فیه والقیام علیه۔

(ترجمہ) "تم اسلام کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچانے والے اور اس کے محافظ ہو۔ حضرت عمرؓ نے تمہارے لیے جو ضابطہ مقرر کیا تھا وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خبردار! مجھے تم میں سے کسی کے متعلق یہ خبر نہ پہنچے کہ اس کی سرشت میں تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ تمہاری بجائے دوسرے بہترین آدمیوں کو لے آئے گا۔ تم اپنی حالتوں پر نظر کرتے رہا کرو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ کیا ہے میں اس کی نگہداشت کروں گا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہوں گا۔"

عمالِ خراج کو اس مضمون کا خط لکھا:

اما بعد فان اللہ خلق الخلق بالحق فلا یقبل الا الحق خذوا الحق واعطوا الحق به والامانة بالامانة - قوموا علیها ولا تکونوا اول من یسلبها فتکونوا شرکاء من بعدکم

الی ما اکتسبتم والوفاء بالوفاء۔ لاتظلموا الیتیم ولا المعاھد فان اللہ خصم لمن یظلمھم۔

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے۔ حق لو اور اس کے بدلے میں حق ہی دو۔ امانت، امانت کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس پر مضبوطی سے قایم رہو اور ان لوگوں میں سے نہ بنو جو امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اس طرح تم اپنے بعد آنے والے خائنوں کے ساتھ شریک ہوگے۔ وفا وفا کے ساتھ ہوتی ہے تم یتیم پر اور جس کے ساتھ معاہدہ کیا ہو اس پر ظلم نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دشمن ہے جو ان لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

عامۃ المسلمین کو یہ پیغام دیا:

اما بعد فانما بلغتم ما بلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتنکم الدنیا عن امرکم فان امر ھٰذہ الامۃ صائر الی الابتداع بعد اجتماع ثلاث فیکم۔ تکامل النعم۔ و بلوغ اولادکم من السبایا۔ وقراءۃ الاعراب والاعاجم القرآن و قد قال رسول اللہ "الکفر فی العجمۃ فاذا استعجم علیھم امر تکلفوا وابتدعوا۔"

(ترجمہ) "تمہیں اقتدا اور اتباع کا حکم ہے مجھے ڈر ہے کہ تمہیں دنیا کی محبت تمہارے فرائض سے ہٹا نہ دے۔ کیونکہ تین چیزوں کے جمع ہوجانے کے بعد یہ اُمت بدعتوں کی طرف راغب ہونا شروع کردے گی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں:

۱۔ نعمت کا کامل ہونا۔

۲۔ تمہاری اولادوں کا کنیزوں کے بطن سے ہونا۔

۳۔ اعرابیوں اور عجمیوں کی علٰحدہ قرأت۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، عجمیت میں کفر کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جب عجمیت مسلمانوں پر غالب آ جائے گی تو وہ تکلف اور بدعتیں کرنے لگیں گے۔"

حضرت عمرؓ کے اواخر عہد اور حضرت عثمانؓ کے اوائل عہد میں سلطنت اسلامیہ کے مختلف شہروں کے مندرجہ ذیل امیر تھے:

جزیرۂ عرب:

مکہ: نافع بن عبدالحارث الخزاعی

طائف: سفیان بن عبداللہ الثقفی

صنعاء: یعلیٰ بن منبہ

جند: عبداللہ بن ابی ربیعہ

بحرین اور اس کا متعلقہ علاقہ: عثمان بن ابی العاص الثقفی

کوفہ : مغیرہ بن شعبہ } عراق
بصرہ : ابوموسیٰ اشعری }
دمشق : معاویہ بن ابی سفیان } شام
حمص : عمیر بن سعد }
مصر : عمرو بن العاص

(۶)

آرمینیا میں فتوحاتِ اسلامیہ

حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں اسلامی فوجیں ایران میں داخل ہو رہی تھیں۔ سلطنتِ روما پر حملہ کر رہی تھیں۔ مصر پر دھاوا بول رہی تھیں۔ لیکن ان فتوحات میں سے کوئی بھی تکمیل کو نہ پہنچی تھی۔ ایک نہ ایک لشکر اسلامی فوج کو دیارِ فارس میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتا تھا۔ شام اور اطرافِ اناطولیہ کا بھی یہی حال تھا اور افریقہ کی فتوحات تو ابھی تھیں ہی ابتدائی حالت میں۔

عہدِ فاروقی میں مسلمانوں نے تمام شام کو فتح کر لیا تھا یہاں تک کہ وہ اناطولیہ (ٹرکی) اور آرمینیا[1] کی حدود تک پہنچ گئے تھے مورخینِ عرب کہتے ہیں کہ عربی لشکر نے آرمینیا پر دوبار فوج کشی کی۔ پہلی بار حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور دوسری بار حضرت عثمانؓ کے عہد میں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں آرمینیا کی فتح ۲۰ھ میں ہوئی تھی اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۲۶ھ میں۔

ایک ضروری امرِ قابلِ ذکر یہ ہے کہ بکیر بن عبداللہ اور عتبہ بن فرقد نے خلافتِ عمرؓ کے زمانہ میں آذربائیجان کو فتح کر لیا تھا جو آرمینیا کے مشرق میں واقع ہے۔ بکیر نے حضرت عمرؓ کو فتح کی خوشخبری بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ بن عمرو کو باب اور دربند پر چڑھائی کرنے اور حبیب بن سلمۃ الفہری کو سراقہ کی (جو اس وقت جزیرہ میں تھے) مدد کے لیے حکم دیا۔ جب سراقہ باب کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ نے امراء اور سالارانِ افواج کو آرمینیا کے اردگرد کے علاقے کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ بکیر بن عبداللہ کو مرقان کی طرف۔ حبیب بن سلمہ کو تفلیس کی طرف۔ حذیفہ بن یمان کو بلادِ قوقاز اور کوہستانِ قوقاز کی طرف ان علاقوں کے لوگوں نے

---

[1] آرمینیا کا محلِ وقوع حسبِ ذیل ہے۔ شمال میں بحرِ متوسط اور گرجستان، مشرق میں گرجستان اور ایران کا کچھ حصہ۔ جنوب میں کردستان اور مغرب میں ایشیائے کوچک۔ یہ محلِ وقوع آج کل کے جغرافیہ کے لحاظ سے ہے۔ لیکن ابتدائی ایام میں بعض اور علاقے بھی آرمینیا میں شامل تھے۔ چنانچہ عربوں نے بلادِ قوقاز اور کردستان کے ایک حصّہ کو بھی آرمینیا میں شامل کر رکھا تھا۔ اسی وجہ سے مورخینِ عرب نے قائم کی فتح کی طرح قوقاز کی فتح کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو آرمینیا ہی میں شامل سمجھا۔

اسلامی افواج کا مقابلہ کیا لیکن بے سُود۔ اس کے بعد سالارانِ عساکر مغربی آرمینیا اور آئیبیریا کی طرف (جو موجودہ گرجستان کا ایک حصّہ ہے) متوجہ ہوئے۔ حبیب بن سلمہ نے تفلیس اور اس کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لیے۔ اسی اثنا میں سراقہ کی وفات ہو گئی اور ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو مقرر کیا گیا۔ ان کو حضرت عمرؓ نے باب کی سرحد پر ٹھہر جانے اور ترکوں سے لڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وُہ شہر باب سے گزرتے ہُوئے شمال کی طرف بڑھتے چلے گئے اور بحیرۂ خزر کے ساحل پر اکثر کوہستانی شہروں نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں انھوں نے شہادت پائی۔ ان کی فتوحات کا دائرہ مشرقی آرمینیا میں قوقاز کے شمالی علاقہ تک وسیع ہو گیا تھا۔

یہ سب فتوحات حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۸ھ سے لے کر ۲۰ھ تک مکمل ہو گئیں مگر یہ فتوحات پائیدار اور مضبوط بنیادوں پر نہ تھیں۔ بلکہ ان علاقوں کے رہنے والوں نے جزیہ دینے کی شرط قبول کر لی تھی اور سلطنتِ اسلام کے مطیع ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ ان پر مکمل قبضہ کر کے وہاں امن بحال کر سکتے اور صرف اپنی ہی عملداری قایم کر سکتے۔

باقی رہا ان علاقوں کو مطیع کرنے کا سوال، تو اس کی غرض صرف یہ تھی کہ ان اقوام کو مرعوب کیا جائے جو عرب کے اردگرد آباد تھیں تاکہ وہ اسلامی شہروں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ایسا پہلے ہو بھی چکا تھا کہ دریائے ترک پر خزری جماعتوں نے سر اٹھایا اور چونکہ عربوں کی تعداد یہاں بہت کم تھی اس لیے انھوں نے ان کو آرمینیا سے نکال دیا۔ لیکن مسلمان ۲۶ھ مطابق ۶۴۶ء میں ایک زبردست جمعیت کے ساتھ پھر حملہ آور ہوئے اور اس علاقہ پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے ان شہروں کو، جو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے، اسلامی مقبوضات میں شامل کرنے اور آرمینیا اور قوقاز کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے حبیب اور سلمان کو بھیجا تھا۔ چنانچہ ان دونوں نے تمام چِھنا ہوا علاقہ دوبارہ اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا۔ گو درمیان میں تھوڑے عرصہ کے لیے وہاں بغاوت کی آگ بھڑکی لیکن پھر مسلمانوں کی سلطنت اس علاقہ میں خوب مستحکم ہو گئی۔

جب حضرت عثمانؓ کے عہد میں آرمینیا میں بغاوت ہوئی تو ۲۵ھ (۶۴۶ء) میں آپ نے حضرت معاویہ بن سُفیان کو جنھیں آپ شام اور جزیرہ کا گورنر بنا چکے تھے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آرمینیا پر چڑھائی کریں۔ حضرت معاویہ نے حبیب بن مَسْلَمَۃ الفہری کو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی آرمینیا پر چڑھائی کر چکے تھے، چھ ہزار فوج دے کر وہاں بھیجا۔ حبیب بن مَسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کر لیا۔ جب شہر والوں کو ہر طرف سے مدد پہنچنی بند ہو گئی تو وُہ مجبوراً اس شرط پر صلح کے طالب ہوئے کہ اگر ان کو امان دے دی گئی تو وہ جزیہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ یہ شرط قبول کر لی گئی۔ قالیقلا کو سر کر لینے کے بعد وہاں کے کئی باشندوں کو جلاوطن کر دیا گیا کیونکہ وُہ سخت فتنہ پرداز اور فسادی تھے۔

حبیب نے قالیقلا کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے نظم و نسق کی درستی اور اپنی پوزیشن کے استحکام کی طرف توجہ دی۔ اسی اثنا میں انھیں یہ خبر پہنچی کہ آرمینیا کے بطریق "موریان" نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے زبردست فوج اکٹھی کی ہے۔ حبیب نے حضرت عثمانؓ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو حکم دیا کہ شام اور جزیرہ کے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر حبیب کی مدد کے لیے بھیجو۔ چنانچہ اُنھوں نے دو ہزار آدمی بھیجے جن کو حبیب نے قالیقلا میں ٹھہرایا اور ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ حضرت عثمانؓ نے سعید بن عاص امیرِ کوفہ کو بھی لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ کی سرکردگی میں ایک لشکر حبیب کی

مدد کے لیے بھیجیں۔ سلمان بڑے بہادر، صاحبِ عزم و ہمت اور جنگی چالوں کے زبردست ماہر تھے۔ وُہ کوفہ سے چھ ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر چلے اور دریائے فرات پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

ادھر جب حبیب کے پاس کمک پہنچنے میں دیر ہُوئی تو انھوں نے سوچا کہ دشمنوں پر شبخون مارنا چاہیئے تاکہ ان کے حملہ سے قبل انہیں مرعوب کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ شبخون مار کر دشمن کو تہس نہس کر دیا اور رومیوں کے سردار کو قتل کر ڈالا۔

اس معرکہ میں عورتوں نے بھی بہادری اور جوش و ہمت کے زبردست کارنامے سرانجام دیئے۔ چنانچہ جب رات لشکرِ اسلام نے رومی لشکر پر شبخون مارا تو حبیب کی بیوی اُمّ عبداللہ کلبیہ نے اپنے خاوند سے پُوچھا:

"اب کہاں کا قصد ہے؟"

حبیب نے جواب دیا:

"موریان بطریق روم کے خیمہ کا یا جنت کا۔"

حبیب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب وہ بطریق کے خیمہ پر پہنچا تو اپنی بیوی کو وہاں موجود پایا۔

عورتوں کی شجاعت کی یہ ایک مثال نہیں ہے بلکہ عربوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ میں عورتیں ہر جنگ میں مردوں سے پیش پیش رہتی تھیں اور مردوں کو بہادری، جرأت، اخلاص اور قربانی کے سبق سکھاتی تھیں۔

اس معرکہ کے بعد کوفہ کی فوجیں بھی حبیب کی مدد کے لیے پہنچ گئیں۔ اب حبیب نے سوچا کہ وہ اپنے لشکر کو مغربی آرمینیا کی فتح کے لیے آگے بڑھائیں۔ ادھر سلمان نے مشرقی آرمینیا کو فتح کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ ان دونوں کی ہمت و کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ حبیب شمالی آرمینیا میں قوقاز کے علاقہ تک پہنچ گئے اور مسلمانوں نے مشرقی آرمینیا میں بحرِ خزر (جس کو بحرِ طبرستان بھی کہا جاتا ہے) تک پہنچ کر دم لیا۔

(۷)

ایران میں فتوحات

ایران کی حدود خلفائے راشدین کے عہد میں موجودہ ایران کی حدود سے بہت وسیع تھیں۔ اس زمانہ میں بلوچستان، افغانستان، آذربائیجان، کردستان اور مشرقی آرمینیا کا وُہ حصّہ جو بحر قزوین سے ملتا ہے سب مملکتِ ایران میں شامل تھے۔ مسلمانوں نے اس کے اکثر حصّہ کو فتح کر لیا تھا اور ان علاقوں میں جو عرب کی سرحد سے ملتے تھے مسلمانوں کی پائدار سلطنت قائم ہو گئی تھی لیکن وُہ علاقے جو عرب کی سرحد سے دُور تھے وہاں مسلمانوں کا قبضہ اور تسلّط مستحکم نہ تھا۔ بعض حصّے ایسے بھی تھے جہاں عہدِ فاروقی میں مسلمان پہنچے بھی نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے تیسرے سال کُردوں نے بغاوت کی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بغاوت کو فرو کرنے

...ں کو مغلوب کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی لیکن ساتھ ہی یہ کام بھی کیا کہ اپنا سارا مال و متاع خچروں پر بار کر لیا۔

اہلِ بصرہ یہ دیکھ کر کہ ہمارے حاکم کے پاس اس قدر ساز و سامان ہے، بہت سیخ پا ہوئے اور ان کے ایک وفد نے حضرت عثمانؓ سے جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ابو موسیٰؓ کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر قرشی کو مقرر کیا جو اس وقت پچیس سال کے تھے نیز ابو موسیٰ اور عثمان بن ابی العاص والیِ عمان و بحرین کا سارا لشکر عبداللہ بن عامر کی زیرِ سرکردگی کر دیا۔ عبداللہ نے عبیداللہ بن معمر کو خراسان سے ہٹا کر فارس بھیج دیا، اور خراسان کا والی عمر بن عثمان بن سعد کو بنا دیا۔ یہ تبدیلیاں کرنے کے بعد انھوں نے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر پیش قدمی شروع کی اور بڑھتے بڑھتے فرغانہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے امراء کو بھی انہوں نے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور اس طرح مسلمانوں کا لشکر چین کی حدود تک جا پہنچا۔

کچھ عرصہ بعد اہلِ فارس نے عبیداللہ بن معمر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اصطخر کے مقام پر دونوں فریقوں کا مقابلہ ہوا، جس میں عبیداللہ مارے گئے۔ جب یہ خبر ابنِ عامر کو پہنچی تو وہ ایک لشکر لے کر فارس کی طرف روانہ ہو گئے۔ اصطخر کے مقام پر ایرانیوں کی فوجوں سے ان کا مقابلہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اصطخر کو فتح کرنے کے بعد ابن عامر نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور جور کے شہروں کو فتح کیا۔ اس اثنا میں اصطخر والوں نے پھر بغاوت کر دی۔ ابن عامر لوٹے اور اصطخر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔ آخر منجنیقوں کے ذریعہ شہر پر سنگ باری کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اس جنگ میں ہزاروں ایرانی مارے گئے۔

ان فتوحات سے فارغ ہو کر ابنِ عامر بصرہ واپس ہوئے۔ ابھی وہ بصرہ پہنچے بھی نہ تھے کہ انھیں خراسان میں بغاوت کی خبریں ملیں۔ وہ زیاد کو بصرہ میں اپنا قایم مقام بنا کر خراسان کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ سجستان کو فتح کرنے کے لیے ربیع بن زیاد حارثی کو اور کرمان کو مغلوب کرنے کے لیے مجاشع بن مسعود سلمی کو مقرر کیا۔ اس کے بعد نیشاپور روانہ ہوئے۔ ہراول دستہ پر احنف بن قیس کو متعین کیا۔ سب سے پہلا مقابلہ "طبسین" پر ہوا۔ یہ دو قلعے تھے اور خراسان کے لیے دروازوں کا کام دیتے تھے۔ ان کو فتح کرنے کے بعد فوج کے سرداروں کو نیشاپور کے علاقوں کی طرف روانہ کیا اور انھوں نے اس کے ارد گرد کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔

احنف بن قیس طخارستان کی طرف چلے۔ پہلے سواد بجرو پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے تین ہزار درہم پر صلح کر لی۔ پھر مرو الروز کی طرف رُخ کیا۔ پہلے تو وہاں کے باشندے مقابلہ میں آئے۔ لیکن پھر صلح کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے بلخ نامی قصبہ پر قبضہ کر لیا۔

جب اہلِ طخارستان نے دیکھا کہ احنف بڑھتے ہی چلے آتے ہیں تو انہوں نے ایرانیوں اور ترکوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا۔ احنف نے ان کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد وہ بلخ کی طرف روانہ ہوئے جو طخارستان کا دار الحکومت تھا اور اس کو بھی فتح کر لیا۔

باقی سردارانِ فوج میں سے مجاشع بن مسعود سلمی کرمان گئے۔ پہلے انہوں نے دار الحکومت سیرجان کو فتح کیا۔ اس کے

[اِرد]گرد کے شہروں اور علاقوں پر حملے کرنے شروع کیے۔ ربیع بن زیاد حارثی سجستان پہنچے اور تمام علاقہ فتح کر لیا۔ عبداللہ بن حازم نے قارن کا رُخ کیا اور اسے فتح کر لیا۔

اہلِ جرجان اور اہل طبرستان خلفاء راشدین کے تمام عہدِ حکومت میں یہاں تک کہ دولت امویہ کے اوائلِ عہد تک بغاوتوں اور سرکشیوں میں مصروف رہے۔ ان کو سلیمان بن عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں یزید بن مُہَلَّب نے پُوری طرح مطیع کیا۔

ابنِ عامر اتنی بڑی فتح حاصل کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کے اس احسان کے شکریہ کے طور پر حج کے لیے روانہ ہوئے اور سارا راستہ پیدل طے کیا۔

عہدِ عثمانؓ کا ایک قابلِ ذکر واقعہ ایران کے یزدجرد کسریٰ کا قتل ہے۔ وہ مسلمانوں کے لشکروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا تھا اور دوبارہ اپنی فوجوں کو اسلامی لشکر پر حملہ کرنے اور اپنے آباؤ واجداد کا ملک واپس لینے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل کی وجوہ میں مورخین کا زبردست اختلاف ہے۔ سیدیو کہتا ہے کہ شہنشاہِ چین نے پہلے تو یزدجرد کی مدد کی۔ لیکن پھر اس کو مرغاب کے کنارے قتل کرا دیا۔

یزدجرد کے قتل سے اس ساسانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا جس نے ایران پر تین سو انتیس سال تک بڑی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کے ساتھ حکومت کی تھی۔

(۸)

رومی سلطنت میں فتوحات

مشرقی روم میں اسلامی فتوحات کچھ عرصہ تک رُکی رہیں۔ رومی لوگ اس درمیانی وقفہ میں اور حضرت عمرؓ کی شہادت سے پہلے زبردست تیاریوں، سرحدوں کو مضبوط اور اپنے اندرونی خلفشار کو دور کرنے میں لگے رہے، اس خوف سے کہ کہیں فتوحاتِ اسلامیہ اناطولیہ کا رُخ نہ کر لیں۔ مسلمانوں نے بھی اپنے دشمن کے خوف و خطر اور تیاریوں کو بھانپ لیا لیکن خاموش رہے۔ انھیں تیاری کا پورا موقع دیا اور اس دوران میں ایران و آرمینیا کی طرف اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔

۲۵ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے جو اس وقت شام کے گورنر تھے روم کے دو صُوبوں قبادو قیا (جو ایشیائے کوچک کے مشرقی حصہ میں آرمینیا کے متصل واقع ہیں) اور فریجیا پر (جو ایشیائے کوچک کے درمیانی حصہ میں واقع ہے) چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے عموریہ کو جو ایک بڑا شہر تھا اور اناطولیہ کے راستہ میں واقع تھا فتح کر لیا۔ لیکن اس خیال سے کہ رومیوں نے اپنے شہروں کے دفاع کے لیے اس علاقہ میں بڑی زبردست قوت جمع کر رکھی ہے نیز یہ علاقے ان کے دارالحکومت سے بہت قریب واقع ہیں اور رومی بڑی آسانی سے ان کے علاقے پر چڑھائی کر سکتے ہیں، اپنے حملہ میں زیادہ شدت اختیار نہ کی اور اس کو زیادہ طول نہ دیا۔

حضرت معاویہؓ قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بہت زیادہ خواہشمند تھے۔ لیکن راستوں کی ناہمواری، پہاڑوں کی کثرت اور آمدورفت کے مسدود ہونے کی وجہ سے انھوں نے یہ خیال کیا کہ اس علاقہ پر سمندر کی طرف سے حملہ کرنا زیادہ سودمند ثابت ہوگا۔
ان کا یہ خیال حضرت عمرؓ کے زمانہ سے تھا۔ انھوں نے حضرت عمرؓ سے قبرص فتح کرنے کی اجازت بھی مانگی تھی اور آپ کو لکھا تھا: چونکہ یہ ساحل پر واقع ہے اس لیے بڑی آسانی سے فتح ہوسکتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال کی سخت مخالفت کی تھی اور انہیں جواب میں لکھا تھا کہ آج کے بعد اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لانا۔

حضرت معاویہؓ اس وقت تو چُپ ہوگئے مگر اس علاقہ کی فتح کا خیال ان کے دل میں برابر چٹکیاں لیتا رہا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہُوئے تو انہوں نے آپ سے اجازت طلب کی اور حضرت عثمانؓ نے ان کو سمندر کے راستے رومیوں پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت معاویہؓ نے ساحلِ شام پر ایک جنگی بیڑا تیار کرایا اور اس وقت کے عاملِ مصر حضرت عبداللہ بن ابی سرح کو ایک اور بیڑا تیار کرنے کے لیے لکھا۔ جب یہ دونوں بیڑے تیار ہوگئے تو ان کی مدد سے قبرص پر حملہ کردیا۔ اہلِ قبرص نے مسلمانوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اس نئے عربی بیڑے کا مقابلہ کرنا ان کی طاقت سے باہر ہے تو انھوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر مسلمانوں سے صُلح کرلی۔ صلح کے ساتھ ہی مسلمانوں نے یہ شرط بھی پیش کی کہ دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے انھیں قبرص سے گزرنے اور اس کو استعمال کرنے کی بھی اجازت ہوگی۔

اب قبرص نے بحرِ ابیض میں مسلمانوں کی ایک جنگی چھاؤنی اور اہلِ شام اور ان کے جنگی بیڑوں کے درمیان جنہوں نے اب اس سمندر میں گشت شروع کردیا تھا خطِ اتصال کی حیثیت اختیار کرلی۔ ان کے جنگی بیڑے اب بوقتِ ضرورت قبرص میں پہنچ کر بڑی آسانی سے لنگرانداز ہوسکتے تھے۔

برّی لحاظ سے تو مسلمان اس وقت دنیا میں سب سے زبردست قوم تھے ہی مگر ۲۸ھ میں قبرص فتح کرلینے کے بعد بحری لحاظ سے بھی ان کی دھاک تمام یورپ اور افریقہ میں بیٹھ گئی۔ ایسی مملکت کے لیے جو اس قدر وسیع ہو، اپنے ساحلی علاقوں کی حفاظت اور ان کو رومیوں کے حملوں سے بچانے کے لیے ایک ایسی قوم کی حمایت کی ضرورت تھی جو بیچ سمندر میں آباد ہو اور بوقتِ ضرورت وہاں مسلمانوں کا جنگی بیڑہ آکر ٹھہر سکے۔ قبرص کی فتح سے مسلمانوں کا یہ بڑا مقصد پُورے طور پہ حاصل ہوگیا۔

عبداللہ بن قیس حارثی وہ پہلے امیر البحر تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ کے تیار کیے ہوئے جنگی بیڑے کی قیادت کی۔ یہ بہادری اور جرأت میں عدیم المثال تھے۔ انہوں نے تقریباً پچاس بحری جنگیں لڑیں لیکن اس دوران میں نہ ان کے لشکر کا کوئی سپاہی غرق ہوا اور نہ کسی جہاز کو نقصان پہنچا۔ ان کی شہرت ان کی زندگی میں سواحلِ روم اور بحرِ ابیض کے تمام کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس باب میں ان کثیر علاقوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کے زیرِ تسلط علاقے میں بڑھا دئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں معاویہؓ صرف دمشق اور اردن کے حاکم تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے حمص، قنسرین اور اس کے بعد فلسطین اور جزیرہ کا کچھ حصّہ بھی ان کی نگرانی میں دے دیا اور ان علاقوں کے زیرِ تسلط آجانے کی وجہ سے ان کی حکومت تمام شام

[illegible] وسیط ہوگئی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں امیر معاویہؓ اپنی مہمات، سیاست اور ہر قسم کے امور کی انجام دہی میں تقریباً مختارِ کل تھے۔ ان کا شمار ان والیوں میں نہ ہوتا تھا جن کو ہر کام کی انجام دہی میں بارگاہِ خلافت سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو اپنی سلطنت کا نصف حصّہ سپرد کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس خوش اسلوبی سے حکومت چلائی اور اپنے حُسنِ انتظام، عقلمندی اور ذکاوت کی وجہ سے اہلِ شام کے دل میں اتنا گھر کر لیا کہ وہ ان کی بجائے کسی اور والی کا وجود اور کسی دوسرے حاکم کے احکام کی تعمیل برداشت نہ کر سکتے تھے۔

(۹)

اسلام افریقہ میں

حضرت عمروؓ بن العاص، جیسا کہ مورّخینِ عرب بیان کرتے ہیں، نہایت نڈر اور بے خوف شخص تھے۔ جب وہ مصر پر قابض ہو گئے اور رومیوں کو وہاں سے ہٹتے ہی بن پڑی تو انہوں نے اپنی توجہ صحرا اور بلادِ مغرب کی طرف مبذول کی، اور تھوڑی سی فوج لے کر ریگستان قطع کرتے ہوئے برقہ تک پہنچ گئے جو مغربی جانب، مصر کی آخری حد ہے، اور اس پر حملہ کر کے تین ہزار دینار سالانہ جزیہ پر وہاں کے باشندوں سے صلح کر لی۔

برقہ کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے عقبہ بن نافع کو برقہ کے اردگرد کے علاقہ میں بھیجا اور وہ زویلہ تک جا پہنچے۔ اس کے بعد عمروؓ بن العاص خود ۲۲ھ میں طرابلس[1] پہنچے۔ اس کی فصیلیں برقہ کی فصیلوں سے کہیں زیادہ مضبوط تھیں اور یہاں فوج بھی بھاری تعداد میں موجود تھی جس نے برابر ایک مہینہ[2] تک عربوں کو روکے رکھا تاہم اہلِ طرابلس زیادہ محاصرہ کی تاب نہ لا سکے اور بھوک سے نڈھال ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے سمندر کی جانب سے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص اردگرد کے قبائل کو مطیع کر کے برقہ واپس آ گئے۔

بعد ازاں انہوں نے تیونس پر چڑھائی کرنے کی ٹھانی۔ لیکن حضرت عمرؓ کے ڈر سے پہلے اجازت کے لیے لکھا جو منظور نہ ہوئی اور حکم ملا کہ جہاں ہو وہیں ٹھہرے رہو۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اسلامی فوج مصائب و مشقت سے محفوظ رہے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان اپنی حالت کو بہتر بنائیں۔ نئی فتوحات سے پہلے اپنے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق درست کریں۔ ان کے خیال میں حضرت

---

[1] بلاذری اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: طرابلس کے معنی ہیں "تین شہر"۔ "طر" کے معنی "تین" اور "بلس" کے معنی "شہر"۔ یہ سمندر کے کنارے واقع ہے اور اس کی فصیل پتھر کی ہے۔

[2] یاقوت حموی "معجم البلدان" میں تین ماہ کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن ابنِ خلدون ایک ماہ بیان کرتا ہے۔

عمروؓ بن العاص کا اس وسیع علاقہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ آور ہونا محض اپنی قوت کو ختم اور اپنی فوج کو کمزور کرنا تھا۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اوّلاً مصر کو رومیوں کے حملوں سے محفوظ کیا جاتا۔ کیونکہ رومی یہ سننے کے بعد کہ حضرت عمروؓ بن العاص مصر چھوڑ کر صحرا میں داخل ہو گئے ہیں مصر کو دوبارہ ہتھیانے کے لیے اپنی قوتیں جمع کر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب عمروؓ بن العاص کو صحرا میں داخل ہونے، تیونس پر حملہ کرنے اور اس طرح مصر کو خالی چھوڑ دینے سے منع کیا تھا تو ان کے پیشِ نظر یہی باتیں تھیں۔ وُہ جانتے تھے کہ رومی مصر کو آسانی سے چھوڑنے والے نہیں۔ اِدھر مصر میں بھی ایک ایسا گروہ تھا جس نے اپنی امید کا دامن رومیوں کے دامن سے باندھ رکھا تھا اور وُہ کسی مناسب موقعہ کے انتظار میں تھا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان رومیوں نے، جو اسکندریہ میں مقیم تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھا اور شہنشاہِ قسطنطنیہ کو لکھا: یہ موقع اچھا ہے اسکندریہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے ایک ہزار لڑنے والوں سے زیادہ یہاں موجود نہیں ہیں اور وہ آسانی سے ختم کیے جا سکتے ہیں۔ پھر جب یہاں کے مسلمان باشندے رومیوں کے جہاز دیکھیں گے تو ان کے ہوش اُڑ جائیں گے اور وُہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

شہنشاہِ روم اس امر کی دلی خواہش رکھتا تھا کہ وہ اس وسیع، سرسبز و شاداب علاقے کو دوبارہ اپنی حکومت میں شامل کر لے۔ اس نے فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ طیح الکنمان میں اسکندریہ سے جنگ کرنے کے لیے ایک بحری بیڑا بھی موجود تھا۔ رومی اپنے بیڑوں کی وجہ سے بحرِ متوسط کے بحری سردار شمار ہوتے تھے۔ عربوں کو سمندر کی طرف سے کسی حملے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اس علاقہ میں نہ اپنا کوئی بیڑا تیار کر رکھا تھا اور نہ کوئی فوجی انتظام کیا تھا۔

رومی بیڑا تین سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت ایک بطریق مانویل کے سپرد تھی۔ یہ بیڑا ۶۴۵ء میں طیح الکنمان سے چلا اور اسکندریہ کی بندرگاہ میں رات کو داخل ہو کر لنگر انداز ہو گیا۔ رومی اسکندریہ کے عیسائی باشندوں کی مدد سے شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے عربی فوج اور ان کے مددگاروں پر حملہ کیا اور عربوں کے بہت کم آدمی زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکے۔

مانویل سکندریہ پر تسلط قایم کرنے اور اس کو اپنا فوجی اڈہ بنانے کے بعد اس کے قریبی علاقوں کی طرف متوجہ ہوا اور رومیوں اور اپنے مددگاروں کی اعانت سے ان پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن قبطی باشندے مسلمانوں کے عدل و انصاف کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص کے متعلق بعض مورخین کہتے ہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد مصر چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہُوا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس حملہ کے وقت وہ مصر میں ہی موجود تھے۔ انہوں نے ہی اس فتنہ کا سر کچلا تھا اور اس کے شعلوں کو بجھایا تھا۔

حکومت روما کی تاریخ بیان کرنے والے بعض مورخین رومی لشکر کے قائد، بطریق مانویل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے ایک قیمتی موقعہ محض اپنی سُستی اور ناتجربہ کاری کی بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ وُہ لکھتے ہیں اس کو چاہیے تھا کہ وہ بابلیون

... پر حملہ کر کے اس عظیم جنگی مرکز پر قبضہ کر لیتا۔ جس کی وجہ سے وہ تمام زیریں مصر پر اپنا تسلط بہت آسانی کے ساتھ رکھ سکتا تھا لیکن بجائے اس کے کہ وہ سکندریہ کے قریبی علاقوں کو فتح کرنے میں لگا رہا جن کی کوئی جنگی اہمیت نہ تھی اور عربوں کو اس بات کا کافی موقعہ دے دیا کہ وہ اپنی طاقت کو مجتمع کر لیں اور دوبارہ منظم ہو جائیں۔

قلعہ بابلیون کی فوجوں کے سردار خارجہ بن حذافہ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مشورہ دیا کہ دشمن کو بابلیون تک پہنچنے کا موقعہ نہ دیا جائے بلکہ خود آگے بڑھ کر اور سکندریہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی رائے نہ مانی۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ رومی آگے بڑھیں اور قبطیوں سے ان کا تصادم ہو۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رومی قبطیوں کو عربوں کی حمایت کے جرم میں ضرور نشانہ ستم بنائیں گے۔ چنانچہ ان کا خیال ٹھیک نکلا۔ رومیوں نے قبطیوں کے اموال اور قیمتی چیزیں لوٹ لیں جس سے وہ اور بھی ان کے خلاف بھڑک اٹھے اور رومیوں سے اُن کی نفرت میں دُگنا چوگنا اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے وہ کھلم کھلا عربوں کی مدد کرنے اور رومیوں کے راستے میں روڑے اٹکانے لگے۔

جب فسطاط میں یہ خبر پہنچی کہ رومی قلعہ بابلیون کی طرف بڑھتے چلے آتے ہیں اور نقیوس کے قلعہ کے بالکل قریب ہیں تب حضرت عمروؓ بن العاص ان سے مقابلہ کے لیے تیار ہوئے اور پندرہ ہزار فوج لے کر ان سے لڑنے کے لیے نکلے نقیوس کے قلعہ کے قریب بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔ حضرت عمرو بن العاص اپنے گھوڑے کی گردن کاٹ کر بڑی بے جگری سے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ بطریق مارا گیا۔ رومی فوج اسکندریہ کی طرف بھاگی اور وہاں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔

حضرت عمرو بن العاص نے ان کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ قریبی دیہات کے قبطی بھی اپنی استطاعت کے مطابق ان کی ہر ممکن مدد کرتے تھے آخر کار وہ اسکندریہ پہنچے اور اس کا دوبارہ محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے اس کی فصیلوں کو منہدم کرنا چاہا۔ لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

محاصرہ نے کچھ زیادہ طول نہ کھینچا۔ مسلمان سخت مقابلہ کرنے کے بعد شہر پر قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور رومیوں کو انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ پر قبضہ کر چکے اور وہاں کی فصیلوں کو منہدم کرا چکے تو یکایک حضرت عثمانؓ کا پروانہ آیا جس میں ان کو بطور افسرِ خراج معزول کر دیا گیا تھا اور ان کی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس حکم کی مخالفت کی کیونکہ وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص مصر کے معاملات اور اس کے نظم و نسق میں ان کا شریک ہو۔ اس وقت انہوں نے یہ مشہور فقرہ کہا:

انا اذاً كماسك البقرة بقرنيها والأخر يحلبها۔

"ایسی صورت میں تو گائے کے دونوں سینگ پکڑ کر اس کا بچا کھچا دودھ دوہنے والا بنوں گا۔"

اس امر میں مورخین کا اختلاف ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص ولایتِ مصر سے کس طرح معزول ہوتے؟ انھوں نے بطور خود علٰحدگی اختیار کر لی تھی یا حضرت عثمانؓ نے انھیں اس لیے معزول کر دیا تھا کہ عبداللہ بن ابی سرح کے حاکم خراج مقرر کیے جانے سے

...کرتے تھے اور اس لیے انہوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا؛ لیکن عام خیال یہی ہے کہ انہوں نے بطورِ خود ... اختیار کر لی تھی اور مصر سے واپس آکر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

جب عبداللہ بن ابی سرح کا مصر پر پورا اقتدار قایم ہو گیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے افریقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مانگی جو انھیں مل گئی۔ اس پر انہوں نے بڑے زور شور سے تیاری شروع کر دی۔ تیاری مکمل ہونے پر وہ مصر سے نکلے اور تیونس کی حدود پر جا کر دم لیا۔ مصر اور تیونس کا درمیانی فاصلہ ساحل کے راستے سوا تین سو میل کا ہے۔ لیکن صحرائی راستہ کی مسافت بہت کم ہے۔ اس واسطے عبداللہ نے اسی راستے کو اختیار کیا اور صحرا سے گزر کر اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

عبداللہ بن ابی سرح نے بغیر سوچے سمجھے ہی چڑھائی نہیں کر دی بلکہ پورے غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے پہلے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے تاکہ رومیوں کی طاقت کا اندازہ ہو سکے۔ جب لڑائی ٹھن گئی تو رومیوں کے سردار غریغوار نے اپنی فوج میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص ابن ابی سرح کو قتل کرے گا میں اپنی بیٹی کی شادی اس سے کروں گا اور اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔

جب ابن ابی سرح کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے لشکر میں یہ منادی کرا دی کہ جو شخص غریغوار کو قتل کرے گا میں اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا اور اس کی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں گا۔

صبح کے وقت سبیطلہ کے قریب رومیوں اور عربوں کے درمیان زبردست معرکہ شروع ہوا۔ سبیطلہ جنوبی تیونس کے مشرقی علاقہ کا مشہور شہر ہے جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر واقع ہے۔ رومیوں کی تعداد عربوں سے کہیں زیادہ تھی لیکن مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور بڑے حوصلہ اور جواں مردی سے میدان میں ڈٹے رہے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ لڑائی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے اور ہماری فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو ابنِ زبیر نے ابنِ ابی سرح کو یہ صلاح دی کہ فوج کا ایک حصہ میدانِ جنگ سے ہٹا لیا جائے اور باقی فوج دشمن سے لڑتی رہے۔ جب دشمن کی فوج تھک جائے تب بقیہ تازہ دم فوج کو میدان میں لایا جائے اور اس طرح دشمن کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

ادھر ابنِ زبیر نے رومی سپہ سالار پر تاک لگائی اور چند سواروں کو اپنے ساتھ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس اچانک حملہ سے سنبھل نہ سکا اور ابنِ زبیر کے نیزے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے رومیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور مسلمانوں کے حوصلے پہلے سے بھی بلند ہو گئے۔ انہوں نے رومیوں پر فوراً ایک زبردست حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ رومی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا میلوں تعاقب کیا۔ سیکڑوں رومیوں کو قتل اور ہزاروں کو قیدی بنا لیا۔ اس طرح عربی لشکر سبیطلہ اور اس کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔

فتح حاصل ہونے کے بعد بھی عبداللہ بن ابی سرح سبیطلہ ہی میں ٹھہرے رہے اور اسے اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر شمالی جنوبی اور مشرقی علاقوں میں فوجیں بھیجنی شروع کر دیں۔ ان کے لشکر قفصہ، سبت اور غمنت کے قلعوں تک پہنچ گئے۔ ابنِ زبیر نے ساحل کا رخ کیا وہاں پہنچ کر سوسہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کیا۔

رومی کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ انہوں نے اپنے انجام پر نظر کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ابنِ ابی سرح کو یہ پیشکش کی جائے کہ وُہ ان سے تین سو قنطار سونا لے کر ان کے علاقہ سے دست بردار ہو جائیں۔ چنانچہ ابتدائی بات چیت کے بعد دونوں فریقوں کی صلح کانفرنس ہوئی جس میں مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:

۱۔ رومی تاوانِ جنگ ادا کریں گے جس کی مقدار تین سو قنطار[1] سونا ہوگی۔

۲۔ مسلمان ان کے شہروں سے اپنا قبضہ ہٹالیں گے اور اس علاقہ سے نکل جائیں گے۔

۳۔ مسلمانوں نے صلح سے قبل جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہوگا وہ انہی کے پاس رہے گا۔ لیکن صلح کے بعد اگر انہوں نے کچھ حاصل کیا ہوگا تو وہ لوٹانا ہوگا۔

مندرجہ بالا شرائط پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان صلح کے بعد شمالی افریقہ سے نکل گئے تھے۔ لیکن ابن جریر اور طبری اس کی تائید نہیں کرتے۔

ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ ابنِ ابی سرح نے انہی لوگوں میں سے ایک شخص کو ان کا والی مقرر کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابنِ ابی سرح نے ان کو دولتِ عربیہ کی زیرِ نگرانی اندرونی خود مختاری عطا کی تھی۔

اس معرکہ میں عربی لشکر نے بہت زبردست مالِ غنیمت حاصل کیا تھا۔ جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فوج کے ہر سوار کو مالِ غنیمت میں سے تین ہزار اور پیدل کو ایک ہزار دینار حصہ ملا تھا۔ ابنِ ابی سرح نے اپنے لیے خمس (۱/۵ حصہ) رکھ لیا تھا اور بقیہ ۴/۵ حضرت عثمانؓ کو فتح و ظفر کی خوشخبری کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

مسلسل چودہ مہینے جنگ آزمائیوں میں مصروف رہنے کے بعد عبداللہ بن ابی سرح شمالی افریقہ سے مصر کے دارالحکومت اور اپنی جنگی کارروائیوں کے مرکز فسطاط واپس ہوئے۔ اس کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں اسلامی لشکر اور سلطنتِ روما کے مابین لڑائیاں ختم ہو گئیں۔ ان لڑائیوں میں سلطنتِ روما کے مشرقی علاقہ میں سے جبال طورس سے طنجہ تک کے سب علاقے رومیوں کے ہاتھ سے چھن گئے۔ اس وسیع علاقہ میں مندرجہ ذیل صوبے شامل تھے۔ کیلیکیہ، شام، لبنان، شرق اردن، فلسطین، مصر، برقہ، مغربی طرابلس، تیونس، الجزائر اور مغرب اقصیٰ، مسلمانوں نے چند ہی سال کے اندر اندر ان تمام علاقوں کے تہذیب و تمدن کو عربی تہذیب و تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا۔ عربی زبان کو رائج کیا اور اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا۔

---

[1] واقدی کے بیان کے مطابق پچیس لاکھ بیس ہزار دینار۔

(۱۰)

مقابلہ

مسلمانوں اور عرب کی ہمسایہ حکومتوں کے درمیان سب سے پہلا مقابلہ ۵ھ میں ہوا جبکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس مسلمانوں کی ایک جمعیت لے کر دومۃ الجندل تشریف لے گئے جو رومی سلطان کے ماتحت تھا۔ اس کے تقریباً بیس برس بعد تک اسلامی لشکر فتوحات پر فتوحات حاصل کرتا رہا اور کبھی اسے شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ اس عرصہ میں کبھی کسی مسلمان کو یہ خوف دامنگیر نہ ہوا کہ اس کا کوئی مومن بھائی تلوار لے کر خود اس کے مقابلہ پر آئے گا۔ لیکن جب یہ حالت ختم ہوئی اور مسلمان تلواریں لے لے کر خود اپنے ہی بھائیوں کے مقابلہ میں آنے لگے تو اس وقت سے فتنہ و فساد اور باہمی تفرقہ انگیزی کا دروازہ کھل گیا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں رومی شہنشاہیت پر عربوں کا سب سے پہلا حملہ ایک ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ۵ھ میں ہوا تھا جس کی قیادت خود حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اس کے بعد جنگِ موتہ ہوئی جس میں تین ہزار عربی سپاہیوں نے شرکت کی تھی۔ بعد ازاں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ یہ آخری غزوہ تھا جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے مقابلہ کے لیے تیار ہوئے۔ اس میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ لیکن وہ بغیر جنگ کیے واپس آ گئے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند ہی روز پہلے جنگِ موتہ کے شہداء کا بدلہ لینے کے لیے ایک لشکر رومیوں سے مقابلہ کے واسطے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں تیار کیا تھا۔ لیکن اسی اثناء میں حضورِ پُر نور کی وفات ہوگئی۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ اس لشکر کو روانہ کیا۔ چنانچہ وہ شام کی سرحد پر پہنچا۔ لیکن وہاں کوئی زبردست مقابلہ پیش نہ آیا اور لشکر واپس مدینہ آ گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک مسلمان مرتدین کے مقابلہ میں مصروف رہے۔ جب اس فتنہ سے نجات ملی تو پھر لشکروں کی روانگی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ مسلمانوں نے عراق اور شام پر بیک وقت حملہ کیا اور اس کے بعد ایران اور رومی شہنشاہیت پر ان کے حملے شروع ہو گئے۔ لیکن ان میں کوئی بھی حملہ ایسا نہیں تھا جس میں مسلمانوں کی تعداد اپنے حریفوں کے برابر یا ان سے زیادہ ہو۔ ان کی تعداد ہمیشہ اپنے دشمنوں سے بہت کم ہوا کرتی تھی، خصوصاً رومی سلطنت کے لیے، جو ایک وسیع علاقے پر قایم تھی اور اس کے باشندوں کی تعداد پانچ کروڑ تک پہنچتی تھی، عربوں سے کئی سو گنا فوج لانا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن مسلمان اس تعداد کو کبھی خاطر میں نہ لاتے۔ انہوں نے بے دھڑک اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔

انسان جب ان محیّر العقول کارناموں کو پڑھتا اور سُنتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان اس قدر بے سروسامانی اور اس درجہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود کس طرح باجبروت بادشاہتوں اور کثیر التعداد لشکروں کے مقابلہ میں ایک ہیبت ناک سیلاب کی طرح آئے اور آن کی آن میں ان بادشاہتوں کی عظمت و جبروت کو ایک تنکے کی

طرح بہا کر رکھ دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ان جنگوں میں رومیوں اور عربوں کے درمیان کسی لحاظ سے بھی کوئی نسبت نہیں تھی۔ رومی پوری طرح ان جدید آلاتِ حرب سے آراستہ تھے جو اس زمانہ میں رائج تھے۔ لیکن عربوں کے پاس صرف وہی دقیانوسی ہتھیار تھے جو ان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملے تھے۔ مثلاً تلوار، نیزے، تیر کمانیں وغیرہ۔ رومیوں کو عربوں پر نہ صرف لشکروں، ہتھیاروں، تعداد اور تیاری کے لحاظ سے برتری حاصل تھی بلکہ ان شہر پناہوں، قلعوں اور حصاروں کے لحاظ سے بھی رومی ہر طرح عربوں سے بڑھ چڑھ کر تھے جن کی شام، فلسطین، مصر، افریقہ میں کثرت تھی۔ ان فصیلوں اور قلعوں نے عربوں کے راستے میں ہر طرح کی مشکلات حائل کیں، ہر قسم کے روڑے اٹکائے، حملوں میں رکاوٹیں پیدا کیں، ان کی قوتوں کو کمزور کیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عربوں نے ہمیشہ ان پر فتح حاصل کی۔ کوئی دیوار اور شہر پناہ ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکی اور کوئی قلعہ ان کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکا۔

رومیوں کے ساتھ جتنی جنگیں ہوئیں وہ ہمیشہ رومیوں کی سرزمین میں ہی لڑی گئیں جس کے چپہ چپہ سے وہ واقف ہوتے تھے اور وہاں کی ہر بات کا ان کو پتا ہوتا تھا۔ وہ اپنے مددگاروں اور حلیفوں کے ساتھ ہو کر لڑتے تھے۔ لیکن ان کے برعکس عرب ایسی سرزمین میں جا کر لڑتے تھے جس کے متعلق وہ بالکل لاعلم ہوتے تھے۔ ان کا سامنا ایسے لشکروں سے ہوتا تھا جن کی مدد کے لیے اسی سرزمین کے اشخاص موجود ہوتے تھے اور جن کو ہر جگہ سے ہر قسم کی مدد بآسانی مہیا ہو سکتی تھی اور ہو جاتی تھی۔

رومیوں کے پاس مال و دولت کی بھی کمی نہ تھی لیکن عرب اپنی اوّلین فتوحات کے زمانہ میں مال و دولت جمع کرنے سے بالکل مستغنی تھے۔ عربی لشکر کو اپنی ضروریات کا خود ہی کفیل ہونا پڑتا تھا۔ عرب سے ان کو کسی قسم کی امداد نہ پہنچ سکتی تھی کیونکہ جو علاقہ خود اپنا کفیل اور خود اپنا مکتفی نہ ہو وہ دوسروں کی مدد کس طرح کر سکتا تھا۔

ان امور پر غور کرنے سے صاف طور پر پتا چل جاتا ہے کہ وہ کون سی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے رومیوں کو عربوں پر امتیاز حاصل تھا؛ اگر ان واقعات کی صحت پر واضح دلائل اور قرائن موجود نہ ہوتے تو مورخین کے لیے انھیں تسلیم کرنا ناممکن ہوتا کیونکہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ عربی لشکر جیسا حقیر لشکر جس کی تعداد کسی صورت میں بھی کبھی پچاس ہزار سے آگے نہ بڑھی ہو وہ رومی لشکر جیسے عظیم الشان لشکر پر غالب آجاتے اور اس کو بُری طرح برباد کر کے اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی وسیع سلطنت چھین لے۔ چنانچہ اس زمانہ کے بعد سلطنت روما کا کوئی جھنڈا شام، مصر اور افریقہ میں بلند نہ ہو سکا اور رومیوں کے لیے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ عربوں سے اپنا چھینا ہوا علاقہ واپس لے سکیں، حالانکہ عربوں کے علاوہ اگر اور کوئی طاقت ان سے لڑتی تھی اور ان کے ہاتھوں سے کوئی علاقہ چھین لیتی تھی تو زیادہ عرصہ نہ گزرنے پاتا تھا کہ رومی اس سے وہ علاقہ واپس لے لیتے تھے بلکہ اس کے بھی کثیر علاقہ پر قبضہ جما لیتے تھے۔

وہ کون سے عوامل تھے جنھوں نے موت کو عربوں کی نظر میں نہایت حقیر شے بنا دیا تھا۔ جن سے متاثر ہو کر وہ اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر لیے پھرتے تھے اور اقوامِ عالم سے لڑتے لڑتے انھوں نے ایک جہان چھان مارا تھا؛ صرف اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں لڑنے کا جذبہ ہی تھا جس نے ان کو ہر میدان میں کامیابی بخشی اور ہر قوم پر فتح و نصرت عطا کی۔ اس کے

...سپہ سالاروں کی حیرت انگیز لیاقت وجرأت، افرادِ سیاست کی سیاسی سُوجھ بُوجھ، اسلامی جمہوریت کے حیرت ا... واقعات، فاتحین کا عدل وانصاف، حملہ آوروں کا مفتوح باشندوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا سلوک، یہ سب باتیں ایسی تھیں جنھوں نے اسلامی فتوحات کو دوسری فتوحات سے بالکل نمایاں کر دیا اور عام فتوحات کے رنگ کو بالکل بدل ڈالا۔ ظلم وجور کی جگہ ایک پائدار نظام اور حقیقی امن نے لے لی۔ اس عدل وانصاف اور محبت وشفقت کی پھواریں مفتوحہ علاقوں کے باشندوں پر پڑیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ پرانے جور واستبداد اور بے اطمینانی کے زمانہ کی جگہ ایک عدل وانصاف اور طمانیت قلب سے بھرپور دور نے لے لی ہے جس کی نظیر گزشتہ زمانوں میں سے کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔

سب سے زیادہ عجیب بات جو عربی فتوحات میں ہمیں نظر آتی ہے وہ مقبوضہ ومفتوحہ علاقوں اور شہروں کی زبردست حفاظت تھی۔ ان عربی شہروں پر جن کو عربوں نے رومیوں سے چھینا کئی فاتحین نے غلبہ حاصل کیا لیکن وُہ اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ ان حملہ آوروں میں آخری حملہ آور ایرانی تھے لیکن اُن کے غالب آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد رومی ان پر آ پڑے۔ انہیں مار مار کر ان کے مفتوحہ علاقوں سے باہر نکال دیا اور مدائن پہنچا کر ہی دم لیا جہاں انہوں نے نہایت ہی کڑی شرائط کے ساتھ ان سے معاہدۂ صلح لکھوایا۔

رومیوں نے اس نسخہ کو عربوں پر بھی آزمانا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف شام پر حملہ کیا اور دُوسری طرف اسکندریہ پر قابض ہو کر اردگرد کے علاقہ میں بڑھتے بڑھتے نقیوس تک پہنچ گئے۔ لیکن جب حضرت عمروؓ بن العاص ان کے مقابلہ کے لیے اٹھے تو اُن کو بُری طرح بھاگتے ہی بن پڑی اور وہ مصر واسکندریہ سے باہر نکال دیے گئے۔ اسی طرح حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو شام اور اطرافِ اناطولیہ سے نکال باہر کیا۔ اور وُہ علاقے جن کو عربوں نے فتح کیا تھا اب تک عربی علاقے ہی شمار ہوتے ہیں۔

عربی فتوحات کا ایک اثر یہ ہُوا کہ عرب سے بے شمار قبائل نکل کر مفتوحہ علاقوں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کچھ نے شام میں رہائش اختیار کر لی، کچھ مصر میں آباد ہو گئے اور کچھ شمالی افریقہ میں جا بسے اور جیسا کہ مورخین نے بیان کیا ہے قبائلِ عرب نے اہلِ فرات سے لے کر اطلس کے کناروں تک پھیل گئے۔ ان کا وہاں کے اصلی باشندوں سے میل ملاپ ہو گیا اور انہوں نے ان علاقوں اور ملکوں میں اسلام پھیلا کر عربی زبان کی ترویج اور آپس میں شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کر کے نیز اقتصادی اور زراعتی امور میں اشتراکِ عمل کے ذریعہ ان کی طبائع کو بھی عربی طبائع میں رنگ دیا۔

یہ چیز رومیوں اور دیگر فاتحین میں نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان علاقوں میں سیاسی، عسکری، اقتصادی غرضیکہ ہر لحاظ سے عربیت غالب آ گئی اور اس طرح عربوں کی حکومت کو ان علاقوں میں استحکام حاصل ہو گیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شام، مصر اور افریقہ میں عربی فتوحات اپنی نظیر آپ ہیں۔ تاریخ ابتدائے آفرینش سے اب تک کسی ایسی قوم کی مثال پیش نہیں کر سکی جو حد درجہ قلیل التعداد، مفلس وقلاش اور پرانے وقیانوسی ہتھیاروں سے مسلح ہونے کے باوجود ایک بڑے علاقہ اور ان وسیع وعریض شہروں پر حملہ کرے جو شہر پناہوں کے ذریعہ خوب مضبوط بنائے گئے ہوں۔ جنگی اسلحہ کی وہاں کمی نہ ہو اور ان میں اتنے زبردست لشکر موجود ہوں کہ فاتح قوم کا لشکر ان کے عشرِ عشیر بھی نہ ہو۔ لیکن ان سب باتوں کے

باوجود وہ قوم اپنی حریف قوموں پر غلبہ حاصل کرکے ان کو شکست فاش دے اور ایک قلعہ کے بعد دُوسرے اور دُوسرے کے بعد تیسرے قلعہ پر قبضہ کرتی چلی جائے جو علاقوں کے علاقے فتح کرکے پہلے ان میں اپنا اثر و رسوخ قایم کرے اور پھر مفتوح قوم کو اپنی قومیت میں مدغم کرلے۔ اپنے دین اور اپنی زبان کو اس میں پُوری طرح رواج دے کر مغایرت کے کسی رشتہ کو بھی اپنے اور اس کے درمیان باقی نہ رہنے دے۔

اگر لوگوں کا ان روحانی اور غیبی قوتوں پر اعتقاد نہ ہوتا جو عربوں کو ان کی فتوحات میں مدد دیتی اور جنگوں میں ان کو تقویت پہنچاتی رہیں تو یقیناً ایسے امور دنیا ئے خواب وخیال کی باتیں سمجھے جاتے۔

(۱۱)

جمعِ قرآنِ کریم

اکثر مستشرقین حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہی قرآنِ کریم کی جمع و تدوین کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید کے نسخے مصحفِ عثمانی کے مطابق نہیں ہیں وہ مصحف ضائع ہوچکا ہے اور موجودہ مصحف اس پرانے مصحف کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت کچھ تحریف ہوچکی ہے۔ خلفائے راشدین نے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اس میں زیادتی اور کمی کرلی (نعوذ باللہ)۔ لیکن یہ سب محض ظنی اور خیالی باتیں ہیں حقیقت کا ان سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید بیشتر صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ تھا اور اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا امکان نہ تھا۔ جب یمامہ میں مرتدین سے جنگ ہُوئی اور اس میں کئی صحابہؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اس جنگ میں کئی قاری شہید ہوگئے ہیں، اگر اسی طرح جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور صحابہؓ ان میں شہید ہوتے رہے تو قرآنِ کریم کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ آپ کو چاہیے کہ قرآنِ کریم کو ایک جگہ جمع کرادیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جس بات کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کرسکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایک انتہائی ضروری چیز ہے حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ برابر مجھ سے اس بارہ میں اصرار کرتے رہے تا آنکہ خدا تعالیٰ نے میرے سینے کو کھول دیا اور میں نے بھی عمرؓ کی رائے سے اتفاق کرلیا۔

ایک دُوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو بلایا۔ حضرت عمرؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرکے زیدؓ سے کہا: "انھوں نے مجھ سے ایک کام کرنے کو کہا ہے لیکن میں نے انکار کردیا۔ تم کاتبِ وحی ہو اگر تم بھی ان کی رائے سے اتفاق کرو تو میں اس کام کو شروع کردوں گا۔ لیکن اگر تم نے اتفاق نہ کیا تو پھر میں بھی یہ کام نہیں کروں گا۔" اس کے بعد انھوں نے حضرت عمرؓ کی رائے انہیں بتائی۔ شروع میں تو زیدؓ اس سے متفق نہ ہُوئے اور کہنے لگے کہ آپ وُہ کام کس طرح کرسکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ لیکن جب حضرت

...نہ کہ میرے خیال میں یہ کام اُمّت کے لیے بھلائی کا موجب ہے، تو وُہ مان گئے اور قرآنِ کریم کے جمع کرنے کا کام شروع ہُوا۔ پتوں، ٹھیکروں، کھالوں، ہڈیوں اور لکڑی کے ٹکڑوں پر سے قرآنی آیات نقل کی گئیں اور لوگوں کو جو اکثر سورتیں یاد تھیں ان سب کو جمع کیا گیا۔ جو کچھ جمع ہوا اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق تھا۔ صرف سورۃ توبہ کی دو آیات ایسی تھیں جو اکیلے حضرت خزیمہؓ بن ثابت کو یاد تھیں اور کسی صحابی کو یاد نہ تھیں۔

جب قرآنِ کریم جمع ہوگیا تو وہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کو منتقل ہوگیا۔ آپؓ کی شہادت کے بعد آپ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کی تحویل میں چلا گیا۔

جب آیاتِ قرآنی نازل ہوتی تھیں بعض صحابہؓ بطورِ خود یا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھ لیا کرتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب ہونا بڑا مشکل تھا اس لیے صحابہؓ قرآنِ کریم کو کھجور کے پتوں، پتھر کے ٹکڑوں، کپڑے کی دھجیوں، کھالوں، ہڈیوں اور ہر اس چیز پر جو ان کو اس مقصد کے لیے میسر آجاتی تھی لکھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح تمام قرآنِ کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی جمع کر لیا گیا تھا، بلکہ ایک جماعت اسی کام کے لیے مقرر تھی جس میں حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت زیدؓ بن ثابت شامل تھے۔ وُہ نسخے جن کو سب سے زیادہ قابلِ اعتماد سمجھا جاتا تھا، تین تھے:

۱۔ مصحفِ ابن مسعود
۲۔ مصحفِ ابی اور
۳۔ مصحفِ زید۔

یہ تینوں قاری تھے اور اپنی اپنی قرأت کے نمونے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر چکے تھے۔ زیدؓ نے اپنی قرأت کا نمونہ سب سے آخر میں اس سال پیش کیا تھا جس سال حضورِ انورؐ کی وفات ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار کر لیا اور آپ سے سُن کر باقی مسلمانوں نے بھی۔

ابو الفدا لکھتا ہے ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کے سامنے قرآنِ کریم کے بارے میں اہلِ عراق کا ایک جھگڑا پیش ہوا، وُہ کہتے تھے ہماری قرأت اہلِ شام کی قرأت سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ وُہ ہم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے سیکھی ہے۔ اہلِ شام کہتے تھے ہماری قرأت زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہمیں حضرت مقداد بن الاسود نے پڑھایا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ صرف اسی مصحف کو رائج کیا جائے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں لکھا گیا تھا اور جو حضرت حفصہؓ کے پاس امانتاً رکھا ہوا ہے۔ اس کے سوا دُوسرے تمام نسخے جلا دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس مصحف سے اور مصحف نقل کیے گئے اور ہر شہر میں ایک نسخہ بھیج دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ مصحف اور اس کی نقلیں حضرت عثمانؓ کے حکم سے تیار کیں ان میں زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیر، سعیدؓ بن العاص اور عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام مخزومی شامل ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا تھا:

ان اختلفتم فی کلمۃ فاکتبوھا بلسان قریش فانما نزل القرآن بلسانھم۔
یعنی اگر تمہیں کسی کلمہ میں اختلاف ہو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں اُترا تھا۔
مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مصحفِ عثمانی کے لکھنے والے زیدؓ بن ثابت اور لکھوانے والے سعیدؓ بن عاص ہیں اس لیے کہ سعیدؓ بن عاص اپنے زمانے کے سب سے بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ یہ باور کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کو سارا قرآن مجید حفظ یاد تھا۔ کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ لکھ چکنے کے بعد وہ سعیدؓ بن عاص کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ انہوں نے مصحف میں ایک آیت کم پائی جس پر انہوں نے مہاجرین و انصار سے اس کے متعلق دریافت کرنا شروع کیا۔ حضرت خزیمہؓ بن ثابت کے پاس وُہ آیت مل گئی۔ دُوسری بار سنانے پر یہ آیت نہ پائی:

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم۔

انہوں نے پھر اس کی تلاش کی اور ایک آدمی کے پاس ان کو وہ آیت مل گئی۔ جب تیسری بار سنایا تو اس بار کوئی آیت کم نہ پائی۔ جب اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ والے نسخہ سے ملایا گیا تو اس کو بالکل مکمل پایا۔ تب ان کا دل مطمئن ہو گیا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس نسخہ سے دوسرے نسخے نقل کریں۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان نسخوں کو باہر بھیج دیا، جن کی تعداد سات بیان کی جاتی ہے۔ یہ نسخے مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھیجے گئے تھے اور ایک مدینہ میں رکھ لیا گیا تھا۔ اس مصحف کو "امام" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ مصاحف جو حضرت عثمانؓ کے مصحف سے قبل لکھے گئے تھے ان کی سورتوں کی ترتیب وہ نہیں تھی جو آج کل پائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ترتیب حضرت عثمانؓ کی دی ہوئی ترتیب ہے[1]۔ حجاج کے زمانہ میں قرآن کریم کو تیس جزو میں تقسیم کیا گیا تھا۔ باقی رہا اس سے

---

[1] مصنف کا یہ بیان ہرگز صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے قرآن کریم میں سُورتوں اور آیتوں کی ترتیب بالکل وہی تھی جو حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمائی تھی۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کاتب کو بلا کر فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں لکھ لو۔ پھر حضور ختم المرسلینؐ حضرت جبریلؑ کے ساتھ قرآنِ کریم کا دَور کیا کرتے تھے اور جس سال حضور علیہ السلام کا وصال ہوا ہے اس وقت دُو مرتبہ دَور کیا۔ اگر سُورتوں کی ترتیب نہیں تھی تو دَور کس طرح ہوتا تھا اور اگر ترتیب تھی تو بعد کے لوگوں کو اس ترتیب کے بدلنے کا کیا اختیار تھا اور کس کی مجال تھی کہ رسول اللہؐ کی ترتیب کو بدل کر اپنی ترتیب قائم کرتا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سُورۃ میں لکھ لو۔ اس واضح حکم کے بعد کوئی گنجائش کسی انسان کے لیے باقی نہیں رہتی کہ وُہ حضورؐ کے حکم سے سرتابی کر کے بطورِ خود نئی ترتیب قایم کرے۔ نہ حضرت عثمانؓ خود ایسا کر سکتے تھے اور نہ کوئی صحابیؓ انہیں ایسا کرنے دیتا۔

(مترجم)

...عنہ تو روایت ہے کہ جب کوئی سُورۃ اُترتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے کاتبِ وحی کو بلا کر کہتے کہ اس سُورۃ ... فلاں فلاں جگہ رکھ دو۔ اس طرح قرآن مجید کی آیات تو پہلے ہی سے مرتب شدہ تھیں لیکن وہ کتابی صورت میں جمع نہیں تھا۔ مصحفِ عثمانؓ کی ترتیب حضرت زیدؓ بن ثابت نے دی تھی اور یقین ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذہن میں بھی وہی ترتیب تھی جو انہوں نے دی اور اس کی حضورؐ نے ان کو اجازت دے دی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ متعدد صحابہ کرامؓ نے قرآنِ کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا اور لوگوں کے سامنے لاکھوں بار وہی پڑھا گیا تو یہ بات قطعی محال ہے کہ انہوں نے اس میں تحریف و تبدل یا زیادتی و کمی کر دی ہو۔ چنانچہ اس بات میں قطعاً شک کی گنجائش نہیں کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ باقی رہا قرآت میں اختلاف تو یہ ایک دُوسرا معاملہ ہے جو نفسِ کلامِ الٰہی کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کی قرآت سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے کہ عربوں کے لہجے آپس میں بہت مختلف تھے اور ان لہجوں کے اختلاف سے قرأتوں میں اختلاف پیدا ہوجانا ایک لازمی امر تھا۔

(۱۲)

فتنہ

حضرت عثمانؓ کے عہد میں باغیوں کا جو فتنہ اُٹھا وہ اتنا زبردست تھا کہ اس نے اسلامی اتحاد کو ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا اور اگر اللہ کا خاص فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو اسلام اس صدمۂ عظیمہ سے ہرگز جانبر نہ ہو سکتا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر تھا کہ رومی شاہنشہی اور ایرانی بادشاہت حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی اور جو کچھ ان دونوں میں دم درود باقی تھا وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ختم ہو گیا تھا۔ اگر خدا نخواستہ ان دونوں طاقتوں کے خاتمہ سے پہلے اسلام میں یہ فتنہ نمودار ہو جاتا تو یقین تھا کہ ان دونوں عظیم سلطنتوں کی فوجیں بلادِ عربیہ پر دھاوا بول دیتیں اور اسلامی سلطنت کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مہاجرین قریش کے ممتاز لوگوں پر بغیر اجازت مفتوحہ علاقوں کے دیار و امصار میں جانے پر پابندی لگادی تھی جس پر انہوں نے ناراضی کا اظہار کیا اور آپ سے اس پابندی کی شکایت کی۔ لیکن حضرت عمرؓ پر اس ناراضی اور اس شکایت کا کوئی اثر نہ ہُوا اور آپ نے ان کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں نئے نئے شہروں میں جا کر ان پر عصبیت غالب نہ آجائے اور یہ پھر اپنی قدیم جاہلی عصبیت پر نہ اُتر آئیں۔

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے وہ احتیاط نہ برتی جو حضرت عمرؓ نے برتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ مدینہ جوق در جوق دُوسرے ملکوں اور شہروں میں جانے لگے۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک جدید دنیا اور سر تا پا نئی چیزیں دیکھیں۔

ان کا ایسی زندگی اور ایسی معاشرت سے واسطہ پڑا جس سے وہ بالکل ناآشنا تھے۔ ان نئی چیزوں، نئی معاشرت اور نئے تمدن نے انھیں ایسا لُبھایا کہ وہ وہیں کے ہو رہے۔ مفتوحہ ملک کے باشندے جنہیں اسلام میں کوئی سبقت کوئی فضیلت حاصل نہ تھی ان کے پاس آنے لگے۔ ان سے راہ و رسم بڑھانے اور ان کے فاتح ہونے کی وجہ سے ان کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس چیز نے ان کے دماغوں میں بڑائی اور بزرگی کا احساس پیدا کر دیا۔ یہ پہلی کمزوری تھی جو اسلام میں ظاہر ہوئی اور عصبیت کا پہلا مظاہرہ تھا جس نے اس اسلامی مساوات کے اصول کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا جس کی رُو سے تمام مسلمان ایک ہی لڑی میں منسلک تھے اور کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔

شعبی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں قریش بہت اُکتا گئے تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ سے باہر جانے سے منع کر رکھا تھا اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے اس بات سے بہت ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم لوگ شہروں میں جا کر منتشر نہ ہو جاؤ۔ اگر ان مہاجرین میں سے جن کو آپ نے مدینہ میں روکا ہوا تھا کوئی شخص آپ سے جنگ میں جانے کی اجازت چاہتا تو آپ اس سے کہتے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں جو حصہ لیا تھا وہی تمہارے لیے کافی ہے اور اب تمہارے لیے جنگ سے زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ نہ تم دُنیا کو دیکھو اور نہ دنیا تمہیں دیکھے۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈھیل دی اور وہ دوسرے ملکوں میں پھیل گئے تو وہاں کے باشندے ان کے پاس آنے جانے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ قریش کے ان لوگوں نے ان شہروں میں اپنی جائدادیں بنا لیں۔ چونکہ لوگ ان کے پاس کثرت سے آتے تھے اور فاتح ہونے کی وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے اس لیے ان میں جاہلیت کی پرانی باتیں پھر عود کر آئیں اور پرانی عصبیت پھر اُبھر آئی، حالانکہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سخت منع فرمایا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قریش کو روکنے کی پالیسی نہایت دُور اندیشی پر مبنی تھی کیونکہ سنّتِ بشری کے مطابق ایک فاتح قوم کے افراد کی طرح ان کی بھی یہ خواہش تھی کہ وہ بھی کسی دن خلافت کی کرسی پر متمکن ہو جائیں۔ لیکن اس وقت کا رائج الوقت جمہوری نظام ان کی اس خواہش میں سب سے بڑی روک تھا۔ مدینہ کا ماحول ایسا تھا کہ ان کے لیے خلافت کے خلاف کوئی سازش یا ہنگامہ برپا کرنا ممکن نہ تھا۔ نہ مدینہ میں کسی ایسے شخص کے داخل ہونے ہی کی گنجائش تھی جو وہاں کے باشندوں میں تفرقہ اور فساد ڈلوا سکے۔ لیکن دُوسرے شہروں میں یہ بات بڑی آسانی سے میسر آ سکتی تھی اور وہاں فساد کے بیج بونے، لوگوں کو بغاوت پر اُکسانے اور مختلف علاقوں کے عمّال پر نکتہ چینی کرنے کا موقع ہر وقت پیدا کیا جا سکتا تھا۔

قریش اس زمانہ میں اپنے آپ کو سارے جہان سے افضل سمجھتے تھے۔ اپنے علاوہ کسی اور کی امارت ان کو سخت ناگوار تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ حکومت میں ان کا حق اپنے امیر سے کسی صورت میں بھی کم نہیں بلکہ وہ اس سے زیادہ امارت کے مستحق ہیں۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت اور آپ کی زندگی میں ناممکن تھا۔ اس زمانہ میں کسی قریشی یا غیر قریشی کو سر اٹھانے یا بغاوت برپا کرنے کا خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ نرم دل تھے اور اسی نرم دلی اور کمزوری سے بدطینت لوگوں نے فائدہ اٹھا کر ملّتِ اسلامیہ میں تفرقہ انگیزی اور افتراق و انشقاق کے بیج بو دئے۔

حضرت عثمانؓ نے قریش کو نہ صرف مختلف ممالک میں جانے کی اجازت ہی دی جس پر حضرت عمرؓ نے پابندی لگا رکھی تھی بلکہ اس کام میں ان کی مدد بھی کی۔ حضرت عثمانؓ کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر کہیں کوئی فتنہ نمودار ہوا اور تفرقہ کی آگ بھڑکی تو ان کے ذریعہ سے اس فتنہ کا سر کچلنے، اس آگ کو بجھانے اور حکومت کو مضبوط کرنے کا کام لیا جا سکے گا۔ لیکن ان کا یہ پہلا خیال ہی غلط نکلا۔

اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ۳۰ھ میں آپ کو سعیدؓ بن العاص نے یہ رپورٹ بھیجی کہ کوفہ میں بے چینی پھیل رہی ہے اور وہاں کے باشندے فتنہ و فساد کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے ان لوگوں کو تیار کرنا شروع کیا جنھوں نے عراق کی فتوحات میں حصہ لیا تھا اور عراق کے اموال میں ان کا حصہ ہونے کے علاوہ وہاں ان کی جاگیریں بھی تھیں۔ لوگ بہت خوش ہوئے خدا نے ان کے باہر جانے کے لیے ایسا سامان کر دیا تھا جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

اس موقعہ سے بعض قریش نے بھی فائدہ اٹھایا اور اس کو غنیمت جانتے ہوئے ان لوگوں سے جن کی عراق میں جائدادیں تھیں اپنی حجاز والی جائدادوں کا تبادلہ کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ طلحہؓ بن عبیداللہ نے اپنی خیبر اور حجاز کی جائداد کا تبادلہ ایک ایسے شخص سے کیا جس کی قادسیہ اور مدائن میں جائداد تھی لیکن اس نے عراق میں رہنے کی نسبت مکہ میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی۔ مروان کو جو جاگیر حضرت عثمانؓ سے ملی تھی اس کا بھی اس طرح تبادلہ ہو گیا۔ اس طرح یہ سلسلہ چل نکلا اور سیکڑوں لوگوں نے اپنی جائداد کے تبادلے دوسرے ممالک کے لوگوں کی جائدادوں سے کر لیے۔ اس طرح قریشیوں کو اپنے گھروں سے نکلنے اور دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہونے کا موقع مل گیا۔

جب اس طرح بڑے بڑے قریشی دوسرے شہروں میں جا کر آباد ہوئے تو جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے وہاں کے باشندے ان کے پاس آنے جانے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس علاقے کے باشندے اپنے والیوں اور عمال سے متنفر ہونے لگے اور اپنا تعلق ان نو واردین سے بڑھانے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انھوں نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے علاقوں کے عمال کی شکایات کر کے ان کی جگہ دوسرے عمال مقرر کرالیں۔ چنانچہ اہلِ بصرہ حضرت طلحہؓ کو، اہلِ کوفہ حضرت زبیرؓ کو اور اہلِ مصر حضرت علیؓ کو اپنا والی بنانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے مصر میں نہ کوئی گھر بنایا تھا اور نہ کبھی وہاں گئے تھے لیکن ان کا ایک نہایت ہی قریبی رشتہ دار محمد بن ابوبکرؓ وہاں پہنچ گیا۔ محمد بن ابوبکرؓ حضرت علیؓ کا ربیب تھا کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد محمد کی والدہ سے حضرت علیؓ نے شادی کر لی تھی۔ محمد اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کی پرورش کی۔ اس لیے محمد بن ابوبکر کو حضرت علیؓ سے خاص تعلق تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ فتنے جو مختلف شہروں میں پھوٹے اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والیوں کے خلاف جو شورشیں برپا ہوئیں یہ سب اس بات کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے قریش کے بڑے بڑے لوگوں اور ان کے اعوان و انصار کو مختلف ملکوں میں چلے جانے کی اجازت دے دی تھی اور وہاں کے لوگوں نے جو حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والیوں کو پسند نہ کرتے تھے ان لوگوں کے پاس آمد و رفت شروع کی اور اپنے والیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے یہ چاہا کہ خلافت انہی کی طرف منتقل

ہو جاتے اور ان کی ولایت بھی انہی میں سے کسی کو مل جائے۔ لیکن چونکہ ہر علاقے کے باشندے علٰحدہ علٰحدہ اشخاص کے حق میں تھے اور ایک آدمی پر ان کا متفق ہونا ناممکن تھا اس لیے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت علیؓ برسرِ اقتدار آئے اور عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں سنبھالی تو اگرچہ مصریوں نے ان کی زبردست حمایت کی تھی لیکن دوسرے علاقوں کے لوگ حضرت علیؓ کی خلافت کو برداشت نہ کرسکے اور آپ کی زبردست مخالفت کی۔ آپ کے خلاف بغاوتیں شروع کر دیں اور اسی وجہ سے کئی جنگیں بھی ظہور پذیر ہوئیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان انشقاق و افتراق کے معنوں سے بھی واقف نہ تھے اور تفرقہ کے اسباب موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ آپس میں بھی کسی بات کی مخالفت نہ کرتے تھے۔ عربوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں کا سب سے بڑا سبب ان کے رؤسا و امرا کی باہمی چپقلش اور اختلاف تھا۔ اور اس وقت کوئی ایسا زبردست ہاتھ نہ تھا جو ان معاملات کو بزور اپنی حد کے اندر رکھتا اور آگے نہ بڑھنے دیتا۔ حضرت عمرؓ کی ذات ایسی تھی جن کو نہ مصائب و آلام متاثر کرسکتے تھے نہ پریشانیاں ڈرا سکتی تھیں۔ آپ کبھی کسی عظیم شخصیت کے سامنے اس کی عظمت کی بنا پر نہ جھکے اور نہ کسی غریب اور کم حیثیت شخص کو اس کی کم مائیگی کی وجہ سے حقیر جانا۔ کوئی فتنہ ہوتا تو آپ اس کے نشوونما پانے سے پہلے ہی اس کے اصل بانی پر ہاتھ ڈال کر اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتے تھے۔ اگرچہ عام لوگوں کے لیے آپ رحیم و کریم اور شفیق و مہربان تھے لیکن رؤسا و امرا اور وہ لوگ جو عہدوں اور اقتدار کے خواہشمند تھے آپ سے حد درجہ خائف رہتے تھے اور آپ کے ڈر سے جھگڑے یا فساد کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لا سکتے تھے۔

حضرت عثمانؓ میں شرم و حیا اور نرمی بہت زیادہ تھی۔ آپ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں اپنی حیا کی وجہ سے بے حد مشہور رہے اور یہ فطری بات ہے کہ جو شخص بہت زیادہ شرمیلا ہو وہ اگر اپنی خلافِ مرضی بھی کوئی بات دیکھے تو شرم کی بنا پر اس سے اغماض اور پہلوتہی برتتا ہے اور اگر اس کو خود بھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی خلقی کمزوری کے سبب وہ اس کا کچھ خیال نہیں کرتا اور کوشاں رہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث بنے اور اس سے کسی کو رنج پہنچے۔ یہ بات اگرچہ عام اخلاقی لحاظ سے کسی قدر اچھی کیوں نہ ہو لیکن ملکی سیاست میں کسی عنوان فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکتی[1] خلافت کی ہیبت اور اس کا ڈر لوگوں کے دلوں پر اس طرح مسلط ہونا چاہیے کہ وہ انہیں ایک خاص حد سے باہر نہ نکلنے دے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں میں جو باہمی الفت و محبت اور اتحاد تھا اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ جہاد میں مشغول رہتے تھے اور ایک علاقہ کے بعد دوسرے علاقہ کو فتح کرنے کے لیے نکل جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ جو قوم ہر وقت جنگوں میں ہی مشغول رہے گی اس کی ساری توجہ ان نتائج و عواقب پر ہی مرکوز رہے گی جو جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور اس صورت میں آپس میں افتراق و انشقاق کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اگر حضرت عثمانؓ کے وقت میں بھی فوجیں جنگ میں مشغول

---

[1] اگرچہ یہ بات ٹھیک ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے معاملہ میں بہت نرم دل انسان تھے اور جہاں تک آپ کا بس چلتا تھا نرمی اور عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ لیکن شرعی حدود کے قائم کرنے میں بہت سخت تھے اور اس میں کسی کی رو رعایت نہ کرتے تھے۔ (مترجم)

رہتیں اور قوم کی ساری توجہ انہی جنگوں کی طرف مبذول رہتی تو فتنہ و فساد پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

ابن خلدون کی رائے اس معاملہ کے متعلق یہ ہے کہ جب فتوحات ختم ہو گئیں اور ملّتِ اسلامیہ کو اکثر ممالک میں اقتدار حاصل ہو گیا تو عرب اپنے اپنے علاقوں سے نکل کر بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان لوگوں میں صحابہ کرامؓ بھی تھے اور مہاجرین و انصار بھی۔ قریش بھی تھے اور اہلِ حجاز بھی۔ اور یہ سب وُہ لوگ تھے جن کے ہاتھوں یہ ممالک مفتوح ہوئے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے علاوہ عرب کے قبائل بنی بکر بن وائل، عبدالقیس، ربیعہ، ازد، کندہ، تمیم، قضاعہ وغیرہ اس صحبت سے بہرہ ور نہیں تھے جس صحبت سے صحابہ کرام بہرہ ور تھے۔ لیکن ان لوگوں کا فتوحات میں بہت بڑا حصّہ تھا۔ ان لوگوں نے چاہا کہ ہمیں ہماری خدمات کا پُورا پُورا معاوضہ ملے اور ان ممالک پر ہمارا ہی دبدبہ اور ہماری ہی حکمرانی ہو۔ ادھر ان لوگوں میں حقیقی طور پر اسلام بھی نہ پھیلا تھا اور یہ لوگ نبوت، نزولِ وحی اور نزولِ ملائکہ کے مسئلہ میں بڑے تردّد اور شش و پنج میں تھے۔

جب دشمن ہر طرح مطیع و منقاد ہو گیا اور متعدد ممالک مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگئے تو جاہلیت کی رگ پھر ان میں پھڑکنے لگی اور جا بجا عصبیت کے مظاہرے ہونے لگے۔ خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ مہاجرین، انصار اور قریش ہی ان پر حکمران ہیں تو ان حکمرانوں سے ان کی بیزاری کا یہ جذبہ یہاں تک بڑھا کہ وُہ کھلم کھلا عمال اور والیوں کے خلاف جھُوٹی باتیں منسوب کر کے انھیں بدنام کرنے، ان کے احکام ماننے سے انکار کرنے اور حضرت عثمانؓ سے بار بار ان کو بدلنے اور معزول کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ انہوں نے عمّال اور ولاۃ کے فرضی مظالم کے افسانے کثرت سے گھڑ گھڑ کر پھیلانے شروع کیے۔ جب مدینہ میں یہ خبریں پہنچیں تو حقیقتِ حال سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ پر زور دینا شروع کیا کہ وہ ان امراء کو جن کی برطرفی پر زور دیا جا رہا ہے معزول کر دیں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شکایت کرنے والے اپنی شکایتوں اور الزامات میں سچے ہیں۔ لیکن صورتِ حال اس کے بالکل برعکس تھی کیونکہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کرنے والوں کو ان علاقوں میں تفتیش کے لیے بھیجا تو انہوں نے وہاں کے باشندوں پر مبینہ مظالم اور سختیوں کا نام و نشان تک نہ پایا بلکہ خود وہاں کے لوگ انہیں فساد پر کمربستہ اور بغاوت پر آمادہ نظر آئے۔ وہ کھلم کھلا افتراق و انشقاق پھیلا رہے تھے، بغاوت کی تیاریوں میں مشغول تھے اور اپنا اقتدار قایم کرنے اور اس وقت کے حاکموں کا اقتدار خاک میں ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

(۱۳)

مستشرقین اور فتنہ

مستشرقین کا اسلام میں پیدا شدہ فتنوں کے بارہ میں یہ خیال ہے کہ ان کے محرک در اصل پرانے جھگڑے اور اختلافات تھے جو زمانۂ جاہلیت میں عرب کے مختلف قبائل میں موجود تھے۔ اسلام کے بعد جو عربی حکومتیں قائم ہوئیں ان کے زوال کا واحد سبب بھی یہی باہمی جھگڑے اور اختلافات تھے۔

ڈوزی کہتا ہے: "قبائلِ عرب کے یہ باہمی جھگڑے ہی، جو زمانۂ جاہلیت سے چلے آرہے تھے حکومتِ اندلس (جس کو بجا طور پر ہم عربی حکومتوں میں طاقت وقوّت اور شان وشوکت کے اعتبار سے سب سے بڑی حکومت کہہ سکتے ہیں) کے زوال کا باعث ہوئے۔ یہی موروثی اختلافات تھے جو قبیلوں اور خاندانوں میں وراثتاً جاری تھے اور ان ہی کی بدولت بڑی بڑی بادشاہیاں اور حکومتیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ بنو ہاشم کی حکومت کو بنو امیہ نے ختم کر دیا اور بنو امیہ کی حکومت کو خاندانِ عباسیہ نے مٹا دیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ حتّٰی کہ جب یورپین اقوام نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی پھیلی ہوئی ہے تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ایک دوسرے کی پلیٹھ ٹھونک کر ان کو ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رکھا۔ رفتہ رفتہ اسی خانہ جنگی اور طوائف الملوکی میں خلافت عربوں کے ہاتھ سے نکل گئی اور اندلس یورپین اقوام کے زیرِ تسلط آگیا۔"

ڈوزی اپنے بیان کی تائید میں مثالیں دیتا ہوا پہلے یمنیوں اور معدیوں کے اختلافات کا ذکر کرتا ہے پھر خوارج اور شیعوں کے درمیان جنگ وجدل کے واقعات بیان کرتا ہے۔ پھر کلبیوں اور قیسیوں کے باہمی جھگڑوں کو مثال میں پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ اسی خانہ جنگی کی بدولت عبدالرحمٰن اوّل کو اندلس پر قابض ہونے کا موقع ملتا ہے اور اس طرح اندلس میں دولتِ امویہ قائم ہوجاتی ہے۔

ڈوزی دولتِ امویہ کے قیام کے بعد بھی اندلس میں عربی قبائل کے باہمی اختلافات کا جائزہ لیتا ہوا یورپین اقوام کے ہاتھوں اس عظیم عربی شہنشاہی کی بربادی تک پہنچتا ہے۔ کاش! اگر ان میں یہ موروثی اختلافات نہ ہوتے تو ان کو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

جب یہ اختلافات صحراؤں اور سمندروں کو قطع کر کے تہذیب وتمدن کی آماجگاہ سرزمینِ اندلس تک پہنچ سکتے ہیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان کیوں نہیں ہو سکتے[1] حالانکہ عربی عصبیت کا زور اس وقت بہت شدید تھا اور جاہلیت کی آگ بجھی نہ تھی۔

ڈوزی ایک اور کتاب میں اسلام کی نشاۃِ اولیٰ، مدینہ میں خلافت کے قیام اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے واقعات پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اگرچہ اسلام کو اپنی متواتر فتوحات اور کامیابیوں کے دوران میں کوئی سخت مقابلہ پیش نہیں آیا۔ پھر بھی مکہ کے سرداروں اور عرب میں شخصی حکومت کے حامیوں نے اس نئے دین کے مددگاروں کی ان کامیابیوں کو کبھی معاف نہیں کیا جو مسلمانوں نے ان پر حاصل کی تھیں اور انہوں نے کبھی صدقِ دل سے اس غلبہ کو قبول نہیں کیا جو توحید پرستوں نے ان پر قائم کیا تھا۔

---

[1] اس امر میں کوئی صداقت نہیں کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں کوئی اختلاف تھا۔ حضرت علیؓ نے ہر موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی مدد کی ہے اور باغیوں کے مقابل ہر دفعہ حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا ہے۔ پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس فتنہ کے بھڑکانے میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا اور وہ درپردہ حضرت عثمانؓ کے خلاف باغیوں کی امداد کیا کرتے تھے؟ (مترجم)

[illegible] قبائل اور خاندانوں میں کسی بات پر جھگڑے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ظاہر تو یہ کیا جاتا تھا کہ یہ جھگڑے محض شخصی [illegible] ہیں [illegible] سے قوم کے اتفاق اور اتحاد میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا یہ جھگڑے کسی خاص غرض کو سامنے رکھ کر کیے جاتے تھے اور اسی غرض اور مدعا کے گرد تمام تنازعات چکر لگاتے تھے۔

اس امر کا علانیہ ظہور اس وقت ہوا جب حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد سنہ ۲۴ھ میں زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کی عمر ستر سال کی تھی۔ وہ بہت حلیم، نرم مزاج اور ضعیف الارادہ تھے۔ مکہ کی ممتاز شخصیتوں، ان کے خاندانوں اور بنو امیہ پر ان کا بہت زبردست اثر تھا۔ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے بیس سال تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی تھی اور آخر کار مجبور ہو کر اسلام لائے تھے۔ ان کے ایمان کا کوئی بھروسا نہ تھا۔ لیکن ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں بڑے بڑے عہدے حاصل کیے اور جس دن آپ شہید کیے گئے وہ دن ان کے لیے سخت ماتم کا دن تھا۔"

انگریزی مورخ سر ولیم میور لکھتا[1] ہے:

"حضرت عثمانؓ نے بارہ سال تک حکومت کی۔ عربی مصنفین بالاتفاق یہ بات لکھتے ہیں کہ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال نہایت اطمینان اور آرام کے تھے لیکن آخری چھ سال بڑے اضطراب اور پریشانیوں میں کٹے۔ کسی حد تک یہ بات ٹھیک بھی ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کراہت اور بغاوت کے اسباب حضرت عثمانؓ کی ابتدائے خلافت ہی سے کارفرما تھے اور اس کے محرکات حسب ذیل تھے:

۱۔ وہ دشمنی جو تمام عربی قبائل اور قریش کے درمیان قائم تھی۔

۲۔ بغض و عداوت کی وہ آگ جو ہمیشہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں بھڑکتی رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ اموی اور بنو امیہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔

عربی فوجیں جو اپنی عظمت کے نشہ میں چور تھیں اور فتح و نصرت کے ثمرات سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اب تمام سلطنت میں پھیلی پڑی تھیں۔ شام میں ان کی باگ ڈور کلی طور پر حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی اور ان کی مرضی کے خلاف فوج کچھ نہ کر سکتی تھی۔ حضرت معاویہؓ کے اثر و اقتدار اور قوت کا اصل باعث ان کے وہ زبردست اہلِ وطن تھے جو مکہ اور مدینہ کو چھوڑ کر دمشق اور اس کے مضافات میں آباد ہو گئے تھے لیکن بقیہ علاقوں اور شہروں کی حالت اس کے برعکس تھی۔ وہاں کوئی ایسا زبردست ہاتھ نہ تھا جو عربی قبائل کو تھامے رکھتا۔ وہ طاقت اور حکومت کے گھمنڈ اور نشہ میں تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص بھی ان پر حکمرانی اور برتری کا دعویٰ نہ کرے۔ کوفہ اور بصرہ میں تو خصوصاً عصبیت اور فتنہ انگیزی کی روح ترقی پذیر تھی۔ یہی دو شہر تھے جہاں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سب سے پہلے عصبیت اور افتراق و انشقاق کی یہ روح پیدا ہوئی اور حضرت عمرؓ بھی اس سرکشی اور کج روی کی روک تھام نہ کر سکے۔ وہ لوگ اس منظم حکومت سے تنگ آ چکے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اسلام کی کامیابی ان کی تلواروں سے

---

[1] "خلافت" از سر ولیم میور صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰

[illegible] اپنی فتوحات کا ثمر حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے اس لیے کہ اسلام نے اخوت اور مساوات کی آواز اٹھا کر مومن خصوصاً ان لوگوں کو جن کی رگوں میں عربی خون دوڑ رہا تھا ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں دی تھی۔ اسلام نے ان لوگوں کو جو حقوق عطا کیے تھے ان کی رُو سے کسی مسلمان کو کسی پر برتری جتانے کی اجازت نہیں تھی۔

خلفائے نبی علیہ السلام کے جانشین ہونے کی وجہ سے اپنے کام میں آزاد تھے۔ وہ کسی دستوری حکومت کے ماتحت نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ رائے عامہ کی قدر کرتے تھے اور اس کے آگے جھک جاتے تھے۔ وہ نہ صرف اپنے اردگرد کے سرکردہ اشخاص سے ہر موقعہ پر مشورہ لیتے تھے بلکہ اپنے عمال کو بھی اس بات پر مجبور کرتے تھے کہ وُہ سرکردہ اشخاص سے مشورے طلب کرتے رہا کریں اور ان کی رائے پر چلا کریں۔ لیکن عرب قبائل ان امتیازات کو برداشت نہ کر سکے اور یہی چیز کوفہ اور بصرہ میں فساد و فتنہ بھڑکانے کا باعث بنی۔ اس طرح ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی جو حکومت اور قریشی اقتدار سے عناد و عداوت سے بھرپور تھی۔

دُوسری وجہ اگرچہ اسلام کو زیادہ نقصان پہنچانے والی نہیں تھی لیکن خلافت اور خصوصاً حضرت عثمانؓ کی شخصیت کے لیے بہت زیادہ خطرہ کا باعث تھی۔ اگر قریش تختِ خلافت کے گرد وفاداری سے مجتمع رہتے تو ضرور وہ عربی عصبیت کی روح کو پیدا ہوتے ہی فنا کر ڈالتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور اپنے رشتہ داروں کی طرفداری نے بنی ہاشم میں حسد کی رُوح پھونک دی اور انھوں نے حضرت علیؓ اور خاندانِ رسولؐ کے حقوق کے تحفظ کی آواز بلند کرنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی وُہ بنوامیّہ کی اس شاخ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگے جس سے حضرت عثمانؓ تعلق رکھتے تھے۔ یہ شاخ بدقسمتی سے بنوامیہ کی وُہ شاخ تھی جس نے سب سے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ انھی لوگوں کو داد و دہش سے نوازا کرتے اور ان پر انعامات کی بارش کیا کرتے تھے جو اوائل اسلام میں اسلام کے بدترین دشمن تھے اور اس کے مقابلے میں آچکے تھے۔ ان لوگوں کی دشمنی کے زمانہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے متعلق جو باتیں فرمائی تھیں وہی باتیں لوگ پھر ان کے متعلق کرنے لگے۔ اس طرح جہاں ان لوگوں کی خفت اور رسوائی ہونے لگی وہاں حکومت بھی ندامت و بدنامی سے نہ بچ سکی جس نے ان لوگوں کو طاقت اور عزت بخشی تھی۔ اس طرح قریش ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ رقابت نے ان کے اثر و نفوذ کو کمزور کر دیا اور حضرت عثمانؓ ان لوگوں کی مدد سے محروم ہو گئے جو شوریدہ سری اور بغاوت کی اس رُوح کو کچل سکتے تھے جس نے دور کے شہروں میں اپنا اثر قایم کر لیا تھا۔"

"ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ" میں (جو دنیا بھر کی تاریخی معلومات کا ایک نہایت ضخیم مجموعہ ہے) لکھا ہے:

"شروع سے لے کر اب تک بلادِ اسلامیہ شخصی اور جابر حکومتوں کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ خلفاء راشدین کی حکومت بالکل جمہوری طریقوں سے کام کرتی تھی اور تمام مسلمان رعایا حقوق و واجبات میں برابر تھی۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر شخص کو حکومت میں عمل دخل تھا وہ اس طرح کہ خلفائ بغیر اہل الرائے سے مشورہ لیے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ نظامِ حکومت کے ٹھوس بنیادوں پر قایم رہنے کے امکانات نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بہترین سیاست اور حضرت عمرؓ کی سخت گیری نے اس نظام کو مضبوطی سے قایم رکھا لیکن حضرت عثمانؓ ان صفات

... ر پر متصف نہیں تھے جن صفات سے ان کے دونوں پیشرو بہرہ ور تھے۔ ان صفات کی غیر موجودگی میں ناممکن تھا کہ اس زمانہ میں عرب میں کامل طور پر امن بحال رہ سکتا اور مضبوط حکومت قائم ہو سکتی۔

حضرت عثمانؓ کی اس کمزوری کی وجہ سے جو خلافت کے زمانہ میں آپ سے ظاہر ہوئی، ملک میں گروہ بندیاں قایم ہوگئیں۔ ہر گروہ نے ایک نئے والی اور نئے خلیفہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ان گروہوں میں کئی صحابہ اور کئی بااثر و بارسوخ آدمی بھی شامل تھے۔[1]

اس کے بعد یہ مولف اس بغاوت کا ذکر کرتا ہے جو بلادِ اسلامیہ میں رونما ہوئی۔ اور بتلاتا ہے کہ کس طرح مختلف علاقوں کے باشندے مدینہ پر چڑھ آئے اور خلیفہ کو اپنے مطالبات منظور کر لینے پر مجبور کرنے لگے۔ پھر ان لوگوں نے دار الخلافہ پر چڑھ آنے کے بعد حکومت کی کمزوری کو محسوس کیا اور اپنی قوت اور حکومت کی کمزوری کے احساس کے سبب انھوں نے کس طرح سرکشی اور فساد پر کمر باندھ لی۔ مؤلف لکھتا ہے کہ اگر مدینہ کی حکومت بزور ان کو مدینہ سے نکال دیتی، ان کے سرغنوں کو جلاوطن کر دیتی اور ان فسادیوں اور باغیوں کو منتشر کرنے میں تلوار کا استعمال کرتی تو یہ مفسدہ پرداز، صحابہ اور باشندگانِ مدینہ کی نظروں کے سامنے کبھی حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرنے کی جرآت نہ کرتے اور معاملہ خلیفہ کی شہادت اور حکومتِ اسلامیہ کی تباہی تک نہ پہنچتا۔

(۱۴)

قریش میں اختلافات

ہم نے پچھلے ابواب میں اختلاف کے مختلف اسباب پر جو بحث کی ہے اس سے ناظرین کافی حد تک اس بدنظمی سے روشناس ہوگئے ہوں گے جو اس زمانہ میں رونما ہوئی تھی اور ان حالات کا علم انہیں اچھی طرح ہو چکا ہوگا جو قریش کے باہمی اختلافات سے پیدا ہوئے تھے۔

یہ قریش کا باہمی اختلاف ہی تھا جو اس اضطراب کے پیدا ہونے اور بغاوت کے پھیلنے کا بنیادی سبب بنا۔ اگر قریش متحد ہوتے، ان کی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہوتا۔ ان کے کینے دبے رہتے تو یہ ناممکن تھا کہ باغی مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیتے اور اپنے اغراض و مطالبات کو قوت اور طاقت کے بل پر خلیفہ، اہلِ شوریٰ اور کبار صحابہؓ کے سامنے پیش کرتے۔

سب سے پہلے اختلاف کا اظہار جس نے قریش کو ٹکڑے ٹکڑے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا اس وقت ہوا جب ان کی ممتاز شخصیتوں کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کے لیے کش مکش اور عداوت پیدا ہوئی۔ حضرت عثمان رضؓ نے

---

[1] یہ غلط ہے۔ نہ کسی صحابی نے نئے خلیفہ کا مطالبہ کیا، نہ باغیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور نہ فتنہ و فساد کو ہوا دی۔ (مترجم)

...بعض عمّال کو بدل دیا تھا اور بعض کو معزول کر دیا تھا۔ مثلاً حضرت سعدؓ بن وقاص کو کوفہ سے، حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر سے، حضرت ابُو موسیٰ اشعری کو بصرہ سے واپس بلالیا تھا اس سے ان کے دلوں میں جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا[1] اور انہوں نے حضرت عثمانؓ اور ان کے مقرر کیے ہُوئے عمّال کے خلاف پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو بھی ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور وُہ ان کی ہاں میں ہاں ملا نے لگے۔

اگر امّت کے ممتاز اشخاص باہمی عداوت سے باز رہتے اور مصالح عامہ کے پیشِ نظر آپس میں تعاون سے کام لیتے تو ان کا اتحاد کبھی یہ فسادات اور بغاوتیں برپا نہ ہونے دیتا لیکن جب دلوں میں کینے گھر کر جائیں، محبت کی جگہ عداوت اور نفرت لے لے، ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے حسد پیدا ہو جائے تو فتنوں، فسادات، اضطراب اور بے چینی کے لیے آپ سے آپ راہیں کھل جاتی ہیں۔ یہی حال مدینہ کا بھی ہُوا۔ اگر ان حالات کی چھان بین کی جائے اور حضرت عثمانؓ کے حق میں جو باتیں وہاں کے سربرآوردہ لوگ آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے کرتے تھے ان پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے نفرت میں حد سے بڑھے ہُوئے تھے اور بعض نے تو آپ کا لقب ہی "نعثل" رکھ دیا تھا۔ (نعثل ایک مصری تھا جس کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ اس سے حضرت عثمانؓ کو مشابہت محض آپ سے نفرت اور ناگواری کی وجہ سے دی جاتی تھی) اور تو اور بڑے بڑے صحابہؓ بھی ایسی باتیں علانیہ عام لوگوں کے سامنے کہتے تھے[2] ظاہر ہے کہ یہ باتیں اضطراب، بے چینی اور بغاوت کو بڑھانے والی ہی ہوتی تھیں۔ انہوں نے حکومتِ اسلامیہ کو جسے اس وقت حضرت عثمانؓ اور آپ کے والی اور عمال چلا رہے تھے، سخت نقصان پہنچایا۔

حضرت عمروؓ بن العاص اپنی معزولی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ سے بہت ناراض تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اپنے دل میں کینہ و بغض لیے مصر سے آئے اور جب مدینہ پہنچے تو آپ سے ملنے گئے۔ اس وقت وہ ایک یمنی جُبّہ پہنے ہوئے تھے جس کے اندر روئی بھری تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ:

"تمہارے جُبّے میں کیا ہے؟"

---

[1] ایسے جلیل القدر صحابہؓ کے متعلق یہ الزام محض ایک اتہام ہے اور تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ فتنہ بھڑکانے میں ان حضرات کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ فتنہ بھڑکانے میں کوئی مدد نہیں کی بلکہ ہر موقعہ پر فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کی اور باغیوں کو سخت ترین سزائیں دینے کے متعلق حضرت عثمانؓ پر زور دیا۔

[2] صحابہؓ پر حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا اتہام کسی صورت میں بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر موقعہ پر انہوں نے نہایت جاں نثاری سے حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا۔ ان کی تصدیق کی اور انہیں باغیوں کا سر کچلنے کا مشورہ دیا۔ حتیٰ کہ مدینہ پر باغیوں کے قبضہ کے بعد اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر ان کا مقابلہ کیا۔ کیا ایسے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا مخالف قرار دیا جا سکتا ہے؟ سبحانك هذا بهتان عظيم۔ (مترجم)

انہوں نے جواب دیا:

"عمروؓ بن العاص۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"میں نے یہ تو نہیں پوچھا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہیں یا کچھ اور؟"

اس کے بعد حضرت عثمان نے ان سے پوچھا کہ تم عبداللہ بن ابی سرح کو، جسے میں نے مصر میں تمہارا نائب بنا کر بھیجا تھا کس حالت میں چھوڑ آئے ہو!

انہوں نے جواب دیا:

"جس طرح آپ نے چاہا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"کیا مطلب؟"

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:

"اپنے بارے میں خوب مضبوط، اللہ کے بارے میں کمزور اور ضعیف۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"میں نے تو اسے حکم دیا تھا کہ وہ تمہاری اطاعت کرے۔"

انہوں نے جواب دیا:

"آپ نے اسے ناحق اتنی ناقابلِ برداشت تکلیف دی۔"

اس گفتگو سے حضرت عمروؓ بن العاص کی حضرت عثمانؓ اور مصر کے جدید والی سے شدید ناراضی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور زیادہ تجربہ کار خیال کرتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص ایک ذکی اور انتہائی ہوشیار انسان تھے۔ انہوں نے اپنی ذکاوت سے اس اضطراب اور بے چینی کو معلوم کر لیا جو حضرت عثمانؓ کے خلاف پیدا ہو رہی تھی۔ وہ مدینہ سے چلے گئے۔ فلسطین میں جا کر رہائش اختیار کر لی اور وہاں انتظار کرنے لگے کہ دیکھیے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ وہ مدینہ کے بار بار چکر لگاتے رہتے تھے تاکہ حالات کا بنظرِ غائر مطالعہ کر سکیں۔ حضرت عثمانؓ ان کی ذکاوت اور پیش بینی کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی وہ مدینہ آتے آپ ان سے معاملاتِ حکومت میں مشورہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے ملکی حالات کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا:

"میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان باغیوں سے بہت نرمی کا سلوک کر رہے ہیں اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے حالانکہ آپ کو چاہیے کہ اپنے پیشرو کا طریقہ اختیار کریں اور سختی کے موقعہ پر سختی اور نرمی کے موقعہ پر نرمی

...وں کے ساتھ سختی ضرور کرنی چاہیے جو لوگوں کے ساتھ برائی کرنے سے باز نہ آئیں۔ اور ان لوگوں سے نرمی برتی چاہیے جو سارے کام صلح و صفائی سے طے کرنا چاہیں۔ لیکن آپ ہر ایک سے نرمی برت کے سب کے ساتھ یکساں سلوک کر رہے ہیں۔"

ایک دن حضرت عثمانؓ نے پھر حضرت عمروؓ بن العاص سے اس فتنہ کے متعلق ان کی رائے معلوم کی جو بلادِ اسلامیہ میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔

انہوں نے جواب دیا:

"آپ نے بنی امیہ کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دیا ہے۔ میں بھی کہتا ہوں اور لوگ بھی کہ آپ بھی اصل راستے سے ہٹ گئے ہیں اور آپ کے عمّال و شرکا بھی۔ آپ میانہ روی اختیار کیجئے اور ان کو معزول کر دیجئے۔ لیکن اگر آپ یہ نہیں مانتے تو اپنے ارادہ پر قائم رہئے اور جس طرح کام چلتا ہے اسے چلتا رہنے دیجئے۔"

طبری کی روایت ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص اپنی معزولی کے بعد سے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرنے لگے تھے۔ جب حضرت عثمانؓ نے سنا تو انہیں بلا بھیجا اور اس طرح گفتگو کی:

"میں نے سنا ہے تم مجھ پر اعتراض کرتے رہتے ہو۔ میرے سامنے تمہارا طرزِ عمل اور ہوتا ہے اور میرے پیچھے اور!"

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:

"لوگ تو اسی طرح باتیں بنایا اور اپنے والیوں کی ذات سے ایسی ہی جھوٹی باتیں منسوب کیا کرتے ہیں۔ امیر المومنین! آپ کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

لہ قابلِ غور امر اس جگہ یہ ہے کہ جو شخص باغیوں کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو اس کی نسبت یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کا مخالف تھا۔ اگر حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عثمانؓ کے مخالف ہوتے اور ان کو اپنے معزول کیے جانے کے متعلق حضرت عثمانؓ سے کینہ ہوتا تو کیا وہ باغیوں کا سر کچلنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ ایسا شخص تو خدا سے چاہتا ہے کہ فتنہ و فساد کا کوئی موقعہ پیدا ہو، اس شخص کے خلاف بغاوت کھڑی ہو اور میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ اگر حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت عثمانؓ سے کینہ اور مخالفت ہوتی تو وہ اس موقعہ پر باغیوں کا ساتھ دیتے اور ان کو اپنے ساتھ ملا کر فتنہ کی آگ کو اور زیادہ بھڑکاتے۔ نہ یہ کہ وہ حضرت عثمانؓ کو ان کا سر کچلنے کا مشورہ دیتے۔ اس روایت کی موجودگی میں دوسری روایتوں کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل روایات میں اتنا تناقض ہو گیا ہے کہ ایک انسان کو اصل حقیقت معلوم کرنی سخت دشوار ہو گئی ہے اس موقعہ پر ہمیں صحابہؓ کے متعلق نیک ظنی ہی سے کام لینا چاہیے اور ان بے سرو پا روایتوں پر قطعاً یقین نہیں کرنا چاہیے۔ جن لوگوں کے متعلق خود خدا تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرمایا ہے کیا وہ ایسی باتیں کر سکتے ہیں جن سے نہ صرف ان پر بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرف آتا ہے کہ نعوذ باللہ آپؐ صحابہ کی تربیت ٹھیک طور پر نہ کر سکے اور وہ محض اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے ایک دوسرے کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے بن گئے۔ (مترجم)

...نے باوجود تمہاری تنگ نظری کے تمہیں عامل بنائے رکھا حالانکہ تمہارے خلاف اکثر شکایتیں مجھے موصول ہوتی رہتی تھیں۔"
عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:
"میں تو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد سے عامل تھا اور جس وقت ان کی وفات ہوئی وہ مجھ سے خوش تھے۔"
حضرت عثمانؓ نے کہا:
"اگر میں بھی اسی قسم کا سلوک کرتا جو حضرت عمرؓ نے تم سے کیا تھا تو تم ٹھیک رہتے۔ لیکن میں نے تم سے نرمی کی تو اب تم الٹا مجھے الزام دیتے ہو۔ کیا جاہلیت میں اور کیا خلیفہ ہونے سے پہلے، میں تو حسب کے اعتبار سے تم پر فوقیت رکھتا تھا۔"
عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:
"ان باتوں کو چھوڑیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیں ایمان لانے اور آپ کے ذریعہ ہدایت پانے کی توفیق دی۔ البتہ آپ نے عاص بن وائل اور اپنے والد عفان کو ضرور دیکھا ہے اور عاص آپ کے والد سے زیادہ معزز تھے۔"
حضرت عثمانؓ نے کہا:
"ہمیں جاہلیت کی باتوں کو یاد ہی نہیں کرنا چاہیے۔"
غرضیکہ اسی قسم کی باتیں ان دونوں کے درمیان ہوئیں اور حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عثمانؓ کے پاس سے ناراض ہو کر آپ پر اور آپ کی سیاست پر اعتراض کرتے ہوئے چلے آئے۔[1]
اسی طرح کا اختلاف حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں بھی پیدا ہو گیا اور ان دونوں کے درمیان سخت خط و کتابت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمانؓ کے عہد ہی میں وفات پا گئے۔
حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے شروع میں ان صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے مشیر تھے اور ولایات کے سلسلہ میں ان والیوں کی رائے پر اعتماد کرتے تھے جو حضرت عمرؓ کے عمال تھے۔ لیکن پھر انہوں نے اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کے مشوروں پر ہی انحصار کرنا شروع کر دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جب انہوں نے بعض علاقوں میں اٹھتے ہوئے فتنہ کی خبریں سنیں تو یہ خیال کیا کہ ان کے اہل و عیال اور اہلِ خاندان ہی ان کے مددگار اور دوسروں سے زیادہ مخلص ثابت ہوں گے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی اس سیاست نے ان قریشیوں کو جو بنی اُمیّہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے سخت ناراض کر دیا۔ حضرت عثمانؓ

---

[1] جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے صحابہؓ سے یہ بات بعید ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجا ہو وہ ایسی معمولی باتوں پر کسی صورت میں جھگڑ نہیں سکتے۔ اس قسم کی ساری روایتیں بالعموم ان لوگوں کی ہیں جنہوں نے حالات کا غلط مطالعہ کیا، یا پھر ان سے غلط نتائج اخذ کیے یا جنہوں نے اپنے دل میں خواہ مخواہ اس بات پر یقین کر لیا کہ حضرت عثمانؓ کمزور خلیفہ تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ واقعی ایسے کمزور تھے تو سارے جھگڑے اور ساری بغاوتیں ان کی خلافت کے اوائل ہی میں کیوں نہ رونما ہو گئیں اور کیوں نو دس برس تک انہوں نے نہایت اطمینان سے خلافت کی! (مترجم)

...ہ پر متمکن ہوئے تو حضرت علیؓ اور آپ کے ساتھی آپ سے انتہائی ناراض تھے[1]۔ اور جیسا کہ کتاب "فجر الاسلام" میں لکھا ہے ان کی ناراضی اور بھی بڑھی جب حضرت عثمانؓ نے امویوں کی پُشت پناہی کرنی شروع کر دی اور اکثر عمّال انہی میں سے بنائے۔ آپ کا کاتب اور پرائیویٹ سیکرٹری مروان بن الحکم بھی اموی تھا۔ اسلام نے جاہلی عصبیت کے خلاف جو میدان تیار کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جس کی غور و پرداخت میں اپنا سارا وقت صرف کیا تھا اس کو اسی مروان اور اس کے ساتھیوں نے ملیا میٹ کر ڈالا[2]۔ اور انہوں نے اس طرح حکومت کرنی شروع کی کہ گویا حکومت امویوں کی ہے عربوں کی نہیں۔ اس طرزِ عمل نے اس پرانی دشمنی کو دوبارہ زندہ کر دیا جو جاہلیت کے زمانہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تھی۔ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد میں بعض ایسی چھوٹی چھوٹی جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں جو بار بار لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے معزول کرنے اور آپ کی جگہ کسی اور کو خلیفہ مقرر کرنے پر اکساتی رہتی تھیں۔ بعض ایسی جماعتیں بھی تھیں جو حضرت علیؓ کی خلافت کا پروپیگنڈہ کرتی رہتی تھیں۔ ان کا سب سے مشہور سردار عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ یمنی یہودی تھا جو بعد میں محض دنیا کے دکھاوے کو اسلام لے آیا تھا۔ یہ شخص بصرہ، کوفہ، شام اور یمن میں پھرتا رہتا تھا، اور کہتا تھا:

"ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اب اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا نہ کرے اور آپؐ کے وصی کا حق غصب کرلے۔"

یہ شخص ان لوگوں کا سب سے بڑا سرغنہ تھا جنہوں نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف ابھارا، حتّٰی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا۔

یعقوبی کہتا ہے کہ:

"حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابت داروں کو ترجیح دی، اپنے خاندان والوں کی ہر معاملہ میں پشت پناہی کی اور اللہ اور مسلمانوں کے اموال سے گھر اور جائداد بنائی اور دولت و ثروت جمع کی۔ حضرت ابوذر غفاری صحابی اور عبدالرحمٰن بن حنبل کو جلا وطن کر دیا۔ حکم بن ابی العاص اور عبداللہ بن ابی سرح کو جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھٹکارے ہوئے تھے پناہ دی۔ ہرمزان کے قتل کو جائز قرار دے کر عبیداللہ بن عمر کو اس کے قصاص کے طور پر قتل نہ کرایا۔ ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا دیا جس نے نماز میں بدعتیں

---

[1] حضرت علیؓ جیسے مقدس انسان پر یہ الزام کہ وہ اقتدار حاصل کرنے کے خواہشمند تھے اور اسی بنا پر خدا کے خلیفہ سے بھی وہ ناراض تھے، محض ایک اتہام ہے۔ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ (ابن سعد جزو ۳ صفحہ ۴۳)

[2] یہ امر کہ حضرت عثمانؓ نے سارا کام مروان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تھا، ایک ایسا الزام ہے جس کی کسی طرح بھی تصدیق نہیں ہوتی۔ بیشک مروان حضرت عثمانؓ کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا لیکن امورِ سلطنت کا سارا کام حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں تھا اور آپ سختی کے ساتھ ہر بات کی نگرانی کرتے تھے۔ اگر مروان وغیرہم میں سے کوئی بے راہ روی کا مرتکب ہوتا تو آپ اس کو بھی ضرور سزا دیتے۔ اگر مروان کے ہاتھ ہی میں سب کچھ تھا تو جو عمال حضرت عثمانؓ نے برطرف کیے وہ کس طرح برطرف ہوسکتے تھے! (مترجم)

شروع کردیں لیکن ان بدعتوں سے بھی اس کو منع نہ کیا۔"[1]

یعقوبی ایک اور جگہ حضرت عائشہؓ کی حضرت عثمانؓ سے کشیدگی کا بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جو وظیفہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ملتا تھا حضرت عثمانؓ نے اس میں کمی کر دی تھی۔ حضرت عائشہؓ موقعہ کی تلاش میں رہیں۔ چنانچہ ایک روز جبکہ حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چادر لوگوں کو دکھائی اور فرمایا:

"اے لوگو! یہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے جو اب تک میلی نہیں ہوئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے آپ کی سنت کو بدل ڈالا۔"

جب فتنہ کھڑا ہوا اور معاملہ انتہائی نازک مرحلہ پر پہنچ گیا تب بھی حضرت عائشہؓ نے آپ کے اور باغیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس موقعہ پر مروان آپ کے پاس گیا اور آپ سے دونوں فریقوں میں صلح کرانے کی درخواست کی۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے معذوری ظاہر کی اور کہا میں توحج کو جا رہی ہوں۔ مروان نے کہا اگر آپ نے صلح کرا دی تو حضرت عثمانؓ آپ کو ایک درہم کے بدلہ میں جو آپ اس سلسلہ میں خرچ کریں گی، دو درہم دیں گے۔

اس پر حضرت عائشہؓ نے جواب دیا:

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں عثمانؓ کے معاملہ میں کسی شک میں ہوں۔ خدا کی قسم میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اگر مجھ میں ان کے اٹھانے کی طاقت ہو تو انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں۔"[2]

---

[1] یہ ایک انتہائی متعصب آدمی کی رائے ہے۔ اس نے جو الزامات اور اتہامات حضرت عثمانؓ پر لگائے ہیں وہ بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی قسم کی تحقیقات کے لگائے ہیں اور ان کا رد ہم اپنے پیش لفظ میں کر چکے ہیں۔

[2] تعجب ہے کہ مورخین کس بے تکلفی کے ساتھ اور بغیر تحقیق کے اس قدر سخت الزام جلیل القدر صحابہؓ پر کس طرح لگا دیتے ہیں جن کے ثابت کرنے کے لیے نہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہوتی ہے اور نہ نقلی۔ وہ حضرت عائشہؓ جو یہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ تم کو خلافت کا جامہ پہنائے تو تم اس کو اپنی خوشی سے نہ اتارنا (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۶۳) وہ کس طرح یہ کہہ سکتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدل ڈالا۔ یاد رہے کہ حضرت عائشہؓ کی حضرت عثمانؓ سے کشیدگی کی روایت یعقوبی کی بیان کردہ ہے جو حضرت عثمانؓ کا سخت دشمن تھا۔ اس امر کی موجودگی میں اس کی روایت کا کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو حضرت عثمانؓ سے کسی قسم کی کدورت نہ تھی اور کوئی اختلاف آپ کو ان سے نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کا حج کے سفر میں باغیوں کے ایک سرغنہ محمد بن ابی بکر کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرنا صاف ثابت کر رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ دل سے چاہتی تھیں کہ کسی طرح اس فتنہ کی شدت کم ہو۔ انہوں نے محمد بن ابی بکر کو سمجھایا بھی کہ تم اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ مگر وہ نہ مانا۔ خود حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے تذکرہ میں فرمایا:

"خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمانؓ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو۔ اگر کیا ہو تو ویسی ہی حالت میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں، اور اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں۔ اے عبیداللہ بن عدی (ان کے باپ حضرت

(باقی برصفحہ آئندہ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ اور بیت المال کے خزانچی کے درمیان بھی چپقلش اور منافرت تھی۔ نقاد اس جھگڑے کو بھی آپ کی مالی سیاست پر اعتراض کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ جھگڑا آپ کے اور بیت المال کے خزانچی کے درمیان اس مال کے بارہ میں تھا جو بیت المال کی حفاظت کے لیے اس کو ملا کرتا تھا۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ حضرت عثمانؓ نے اس سے کہا:

"تو ہمارا خزانچی ہے۔ جب ہم تجھے دیں تو تو لے لیا کر۔ لیکن جب ہم نہ دیں تو خاموش رہا کر۔"

خزانچی نے جواب دیا:

"ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کا خزانچی نہیں ہوں اور نہ آپ کے خاندان کا۔ میں تو مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔"

جمعہ کے روز جب حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے تو وہ بیت المال کی کنجیاں لے کر آیا اور کہنے لگا کہ عثمانؓ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کا اور ان کے خاندان کا خزانچی ہوں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں یہ لو اپنے بیت المال کی کنجیاں۔

یہ کہہ کر اس نے وہ کنجیاں سامنے پھینک دیں۔ حضرت عثمانؓ نے اٹھا کر زیدؓ بن ثابت کے حوالے کر دیں[1]۔

ان سب باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دلوں میں کس قسم کے کینے اور بغض بھرے ہوئے تھے۔ یہی باتیں اس بغاوت کا باعث ہوئیں جس کی تفصیل ذکر ہم آئندہ فصول میں کریں گے۔

(۱۵)

کُوفہ میں فتنہ

کوفہ فساد کا گڑھ تھا۔ فساد کی چنگاریاں سب سے پہلے یہیں سے اُٹھی تھیں۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

علیؓ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکا نہ دے اصحابِ رسول کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہُوا جس نے حضرت عثمانؓ پر طعن کیا۔ اس نے وہ کہا جو نہیں کہنا چاہیے تھا، وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہیے تھا اس طرح نماز ادا کی جس طرح ادا نہیں کرنی چاہئے تھی۔ ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہؓ کے کمال کے قریب تک نہ تھے۔" (یہ پوری تقریر حضرت امام بخاریؒ نے جُزء خلق افعال العباد میں نقل کی ہے صفحہ ۷۶، مطبع انصاری دہلی)

یہ روایت حضرت امام بخاریؒ نے نقل کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کی نقل کردہ روایت اور دوسرے لوگوں کی نقل کردہ روایتوں میں سے لازماً حضرت امام بخاریؒ کی روایت کو ہی ترجیح حاصل ہوگی۔

[1] اس الزام پر بحث ہم پیش لفظ میں کر آئے ہیں۔ (مترجم)

عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا والی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے امیر بیت المال عبداللہ بن مسعود کے ذریعہ بیت المال سے کچھ رقم قرض لی۔ جب ادائے قرض کا وقت آیا تو ابنِ مسعود ان کے پاس آئے اور اس رقم کا مطالبہ کیا۔ لیکن سعد کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ وہ رقم ادا کر سکتے۔ انہوں نے معذوری ظاہر کی۔ ان کے درمیان بات بڑھ گئی۔ ابنِ مسعودؓ اور سعد بن ابی وقاص دونوں نے لوگوں کو اپنے اپنے ساتھ ملا لیا۔ بعض لوگوں نے سعد کو قرض کی ادائیگی میں دیر کرنے پر ملامت شروع کی اور بعض نے ابنِ مسعود کو قرض وصول کرنے میں سختی اور شدت کرنے پر برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضرت عثمانؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے ان دونوں کو سزا دینی چاہی۔ لیکن اس کے بعد صحیح حالات کی تحقیق کرنے پر سعد بن ابی وقاص کو ولایتِ کوفہ سے معزول کر دیا اور ابنِ مسعود کو خراج وصول کرنے پر بدستور مقرر کیے رکھا۔ سعد کی جگہ آپ نے ولید بن عقبہ کو والی مقرر کیا جو حضرت عمرؓ کے عہد میں الجزیرہ کا عامل تھا۔ ولید نے آتے ہی لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ پانچ سال اس نے گزارے لیکن اس کے گھر کی ڈیوڑھی تک نہ تھی۔

ولید کی ولایت کے اثنا میں یہ واقعہ ہوا کہ کوفہ کے کچھ نوجوانوں نے ایک گھر میں نقب لگائی اور گھر کے مالک کو قتل کر دیا۔ اس کا پڑوسی یہ سب واقعہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے پولیس کے محافظوں کو مدد کے لیے پکارا۔ پولیس آئی اور ان ڈاکوؤں کو جن میں زہیر بن جندب ازدی، مورع بن ابی مورع اسدی اور شبیل بن ابی ازدی شامل تھے گرفتار کر لیا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور قتل کا جرم ثابت ہونے پر وہ قتل کر دیے گئے۔ ان کے والدین کے دلوں میں ولید کے خلاف کینہ پیدا ہو گیا اور وہ اس سے انتقام لینے کے لیے کسی موقعہ کی تاک میں لگے رہے۔ ولید کے پاس بعض داستان گو تھے جو رات کو اسے قصے اور داستانیں سنایا کرتے تھے۔ ان میں ایک شخص ابو زبید الطائی بھی تھا۔ یہ شخص پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہو گیا۔ شراب پینے میں مشہور تھا۔ جب ولید کوفہ کا والی مقرر ہوا تو ابو زبید اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے پاس آیا۔ یہ شاعر بھی تھا۔ ولید نے اس کو اپنے داستان گویوں میں شامل کر لیا۔ چنانچہ یہ اس کے پاس آنے جانے لگا۔ ایک روز اسی ٹولی کا ایک شخص جس کے بیٹوں کو ولید نے قتل کرا دیا تھا، اپنی ٹولی میں آیا اور کہنے لگا:

"تمہیں کچھ اور بھی خبر ہے؟ ولید ابو زبید کے ساتھ بیٹھا ہوا شراب پی رہا ہے۔"

ان لوگوں کو اور کیا چاہیے تھا۔ انہوں نے یہ بات تمام شہر میں پھیلا دی اور ہر طرف اسی کا چرچا ہونے لگا۔ بعض بیوقوف اس ٹولی کے ساتھ ہو لیے اور یہ سب مل کر اسی وقت ولید کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ ولید اس وقت ابو زبید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا لیکن شراب کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اب ان بیوقوفوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ان فسادیوں کو لعنت ملامت کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ولید نے اس بات کو چھپائے رکھا اور خلیفہ تک کو اس کی خبر نہ کی۔ لیکن اس کے دشمن اپنی کارروائیوں سے باز نہ آئے وہ ابنِ مسعود کے پاس پہنچے اور انہیں اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ ابنِ مسعود نے کہا:

"اگر کوئی شخص اپنی باتیں ہم سے چھپانا چاہتا ہے تو ہمارا یہ کام نہیں کہ ان کی ٹوہ میں رہیں۔ وہ جانے اور اس کا کام۔"

...نے پر دازوں کے متعلق ان کی رائے طلب کی حضرت عثمانؓ نے لکھا :

"اگر رؤسائے کوفہ متفق ہوں تو ان فسادیوں کو شام میں معاویہ کے پاس بھیج دو۔"

چنانچہ سعید نے ایسا ہی کیا اور ان کو کوفہ سے نکال کر حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ ابتداءً حضرت معاویہ ان سے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے۔ ان کی عزت و تکریم کی اور انہیں اپنی گفتگو کے دوران میں فتنہ و فساد سے دامن بچانے کی تلقین کرتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھ لیا کہ سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلے گا اور یہ لوگ اب تک اپنے آپ کو کوفہ میں سمجھ رہے ہیں تو انہوں نے انہیں سخت ڈانٹ پلائی اور کہا :

"یاد رکھو! یہ کوفہ نہیں شام ہے۔ اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو شام والے تم سے اس بُری طرح پیش آئیں گے کہ جہاں ان کا والی اور امام ہوتے ہوئے بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا اور وہ تمہاری تکا بوٹی کر کے رکھ دیں گے۔"

اس کے بعد امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں کی اصلاح کرنے سے بالکل عاجز آ گئے ہیں اور شام میں ان کا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو حمص عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی طرف چلتا کر دیں۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ دمشق سے نکلے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوفہ کا رُخ تو کرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ وہ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ ہم سے ہنسی ٹھٹھا کریں گے اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے عراق اور شام کو چھوڑ کر جزیرہ چلو۔ چنانچہ وہ جزیرہ چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو جو حمص میں تھے ان کے آنے کا حال معلوم ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کو بلایا اور کہا :

"یاد رکھو اگر تم نے یہاں فتنہ و فساد کی ذرا بھی کوشش کی تو میں تمہیں اتنی سخت سزا دوں گا کہ سب قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔ مجھے پتا نہیں تم عرب ہو یا عجمی۔ خدا مجھے ذلیل کرے اگر میں تمہیں ٹھیک نہ کر دوں۔ خبردار! مجھے معاویہ نہ سمجھنا، میں خالد بن ولید کا بیٹا ہوں۔ اس شخص کا بیٹا جس نے فتنۂ ارتداد کو دور کیا تھا۔ اس شخص کا بیٹا جو بڑے بڑے امتحانوں میں کامیاب نکلا تھا۔ اے صعصعہ بن ذل (ان مفسدین میں سب سے بڑا فتنہ پرداز شخص) اچھی طرح کان کھول کر سُن لے کہ اگر تیرے ساتھیوں میں سے کسی نے کسی شخص کے سامنے فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کی تو تجھے اتنی شدید سزا دوں گا کہ تیرے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی۔"

اس کے بعد سے عبدالرحمٰن نے یہ دستور بنا لیا کہ جب کبھی دورہ پر جاتے ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ جب کبھی ان کے پاس سے گزرتے ان سے کہتے :

"اب تو تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔"

اس پر وہ توبہ تلا کرتے اور اپنے کرتوتوں کی معافی چاہتے۔ کچھ عرصہ کے بعد اشتر حضرت عثمانؓ کے پاس گیا اور نادم و تائب ہونے کے بعد، آپ سے اپنے ساتھیوں کے لیے معافی کا خواستگار ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو کوفہ واپس بھیج دینا چاہا۔ لیکن وہ رضامند نہ ہوئے اور جزیرہ ہی میں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔

اسی اثنا میں سعید نے اپنے عمّال اور امرا، کو فارس کے قریبی علاقے میں پھیلا دیا۔ اس طرح کوفہ رؤسا و اشراف اور مخلص لوگوں سے خالی ہو گیا۔ ادھر سعید کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ بلا بھیجا۔ اب لوگ انھی مفسدین کے زیرِ اثر رہنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کو جو موقع ملا تو پھر اسی سرکشی، بغاوت اور فساد پر اُتر آئے۔ جب سعید نے کوفہ واپس آنے کا ارادہ کیا تو جرعہ کے مقام پر مفسدین ان سے ملے اور انھیں اپنا امیر ماننے سے انکار کر کے واپس کر دیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بجائے اس کے کہ سختی اور شدت سے کام لیتے، اہلِ کوفہ کے مطالبہ کو مانتے ہوئے ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔

مندرجہ بالا واقعات سے کوفہ کا مکمل حال معلوم ہو جاتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ کس طرح وہاں مفسد غالب آ گئے۔ حکومت کے کام میں ضعف پیدا ہو گیا، اطاعت کا نام و نشان تک نہ رہا اور قوم حاکموں کے اثر سے بالکل آزاد ہو گئی۔

(۱۶)

بصرہ میں فساد

بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ ایک وقت میں تو یہاں کے لوگ سرکشی اور حکّام کی خلاف ورزی میں کوفہ کے لوگوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے پہلے عامل ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا بیان گزر چکا ہے۔ بصرہ والوں نے جب حضرت عثمانؓ سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی جگہ کسی نئے عامل کے تقرر کا مطالبہ کیا تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا ابن عامر کی فتوحات اور ایران میں ان فتوحات کے اثرات بیان ہو چکے ہیں۔ ابن عامر کی امارت بصرہ اور بحرین کے اعمال پر مشتمل تھی۔ اپنی امارت کے تیسرے سال ان کو پتا چلا کہ قبیلہ عبد القیس میں حکیم بن جبلہ کے ہاں ایک شخص آ کر اترا ہے حکیم بن جبلہ دراصل ایک ڈاکو تھا جس کا کام لوٹ مار کرنا، ذمیوں کو ستانا اور فساد پھیلانا تھا۔ تنگ آ کر ذمیوں اور اس کے علاقے کے باشندوں نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو حکم دیا کہ وہ حکیم اور اس کے ساتھیوں کو بصرہ میں نظر بند کر دیں اور اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک ان کو اس بات کا پختہ یقین نہ ہو جائے کہ اب اس نے اپنی عادتوں سے توبہ کر لی ہے۔ چنانچہ ابنِ عامر نے ایسا ہی کیا اور حکیم کو نظر بند کر دیا۔

اسی اثنا میں بصرہ میں ایک شخص آیا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا اور کنیت ابن السوداء۔ عبداللہ بن سبا اسی حکیم کے ہاں آ کر اترا۔ یہ دراصل یہودی تھا لیکن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ وہ ان سے کہتا پھرتا تھا کہ عجیب بات ہے لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے تو قائل ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ آئیں گے۔ لوگ اس کی باتوں کو بہت توجہ سے سُنتے تھے کیونکہ ناواقف لوگ دین کی باتوں کو سمجھنے اور ان پر غور و فکر کرنے کے عادی نہ تھے۔ پھر وہ ان سے کہتا تھا:

"مسلمانو! تعجب ہے کہ تم میں اہلبیت موجود ہیں پھر بھی مناصبِ حکومت میں ان کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا اور ان کو بالکل پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔"

وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا جن کو سُن کر سادہ لوح اشخاص اس کے معتقد ہو جاتے تھے۔ اس کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت سے انتہائی محبت و عقیدت ہے۔ لیکن درپردہ وہ لوگوں کو خلافت سے نفرت دلانے کی کوشش کرتا رہتا تھا جو اس کا خاص مقصد تھا۔

جب ابنِ عامر کو یہ خبریں پہنچیں تو انہوں نے اس کو بلایا اور پوچھا:

"تم کون ہو؟"

اس نے کہا:

"میں پہلے یہودی تھا، اب اسلام لے آیا ہوں اور آپ کے سایۂ عاطفت میں رہتا ہوں۔"

ابنِ عامر نے اس کو بصرہ سے نکال دیا، وہاں سے وُہ کوفہ آیا اور وہاں سے بھی نکالا گیا۔ پھر وُہ شام اور شام سے مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے لیے میدان سازگار پایا اور فساد کے بیج بونے لگا جو آگے چل کر خُوب برگ و بار لائے۔

(۱۷)

مصر میں بے چینی

مصر میں عراق سے بھی بدتر حال تھا۔ کیونکہ عبداللہ بن سبا نے یہاں آتے ہی فتنہ کی آگ بھڑکانے اور اپنی گمراہ کن تعلیمات لوگوں میں رائج کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ بصرہ اور کوفہ کے اکثر باشندوں کو وُہ پہلے ہی گمراہ کر چکا تھا۔ وہ کہتا تھا، مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہیں آئیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ان الذی فرض علیك القرآن لرآدك الی معاد۔ (وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن مجید نازل کیا ہے وُہ ضرور تجھے تیرے لوٹنے کی جگہ پر واپس لائے گی) اس لیے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عیسٰی علیہ السلام سے زیادہ دنیا میں واپس آنے کے مستحق ہیں۔"

اور اس طرح وہ تناسخ کا گمراہ کن عقیدہ ان میں رائج کرنے لگا۔ وہ ان سے یہ بھی کہتا کہ "ہزاروں نبی ہوئے ہیں، ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پُورا نہ کرے اور رسولِ کریمؐ کے وصی کا حق چھین لے۔"

حضرت عثمانؓ کے متعلق وُہ کہتا تھا:

"عثمانؓ نے خلافت بغیر کسی حق کے ہتھیا لی ہے اور وصی رسول اللہ کا حق چھین لیا ہے۔ تم لوگ اس معاملہ کو آگے لاؤ۔ سب سے پہلے امراء پر اعتراضات شروع کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دو۔ اس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو اور

... طرف ان کو بلاؤ۔"

جب اس نے دیکھا کہ مصری اس کی دعوت قبول کرنے پر تیار ہیں اور اس کی باتوں کی تائید کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں تو اس نے اپنے والیوں کو تمام ملک میں پھیلا دیا اور ان لوگوں سے جو شہروں میں فساد برپا کرنا چاہتے تھے خط وکتابت شروع کر دی۔ اس کے حواری مختلف شہروں کے باشندوں کو، ان شہروں کے والیوں کی برائیاں خوب بڑھا چڑھا کر لکھتے اور اس طرح فتنہ کی آگ بھڑکاتے۔ جب یہ خبریں مدینہ پہنچیں تو صحابہؓ میں بہت اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔

مدینہ مہاجرین، انصار اور خلافت کا مرکز تھا۔ ہر چہار طرف سے مختلف علاقوں کے لوگ اپنی شکایات لے کر مدینہ میں ہی آتے تھے اور یہاں کے لوگوں سے ہی ظلم وستم کے ازالہ کے لیے مدد مانگتے تھے۔ اہلِ مدینہ بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ جب اس فتنہ کی خبریں اور سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت عمّال کی شکایات کثرت سے اہلِ مدینہ کو پہنچنے لگیں تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے پوچھا:

"امیرالمومنین! کیا آپ کو بھی وہ اضطراب انگیز خبریں پہنچ رہی ہیں جو ہمیں پہنچتی ہیں؟"

انہوں نے حیران ہو کر کہا:

"نہیں، مجھے تو خیر و عافیت کی خبریں ہی مل رہی ہیں۔"

اس پر اہلِ مدینہ نے سارے معاملہ کی آپ کو اطلاع کی اور مشورہ دیا کہ آپ ہر علاقہ میں لوگوں کو بھیجیں جو وہاں جا کر حالات کی اچھی طرح تفتیش کریں اور پتا چلائیں کہ ان شکایتوں میں کہاں تک صداقت ہے جو عمّال کے متعلق کثرت سے پہنچ رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ایسا ہی کیا اور مختلف اشخاص کو سلطنت کے تمام صوبوں میں حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ محمدؓ بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہؓ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمر کو شام اور عمارؓ بن یاسر کو مصر بھیجا۔ اسی طرح اور دوسرے علاقوں میں بھی لوگ بھیجے۔ کچھ عرصہ کے بعد عمارؓ کے سوا باقی سب واپس آ گئے اور انہوں نے آکر بیان کیا کہ ہم نے ان خبروں میں کوئی صداقت نہیں پائی جو مدینہ میں پہنچ رہی تھیں۔ ان علاقوں کا نظم ونسق بالکل ٹھیک ہے اور ان کہانیوں میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے کہ امرا لوگوں پر ظلم کرتے اور ان کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔

صرف حضرت عمارؓ بن یاسر ہی ایسے تھے جن کو اہلِ مصر نے بہلا پھسلا کر اپنے حق میں کر لیا تھا۔ انہوں نے ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ ان لوگوں میں پیش پیش عبداللہ بن سوداء، خالد بن ملجم، سودان بن حمران وغیرہم تھے۔ مصر میں حضرت عثمانؓ کے سب سے زیادہ دشمن دو شخص تھے:

ایک تو محمد بن ابی حذیفہ، جس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ اس نے حضرت عثمانؓ سے کسی علاقہ کی ولایت طلب کی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا تھا۔

دوسرا محمد بن ابی بکر، یہ اپنے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے بہت بڑی شخصیت سمجھتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک موقعہ پر اس کے ساتھ سختی کی تھی جس پر یہ آپ کا سخت دشمن ہو گیا اور اس کے دل میں آپ کی طرف سے کینہ بیٹھ گیا۔

اس وقت سے یہ آپ کو معزول کرنے کی فکر کرنے لگا۔ عمارؓ بن یاسرؓ کا زیادہ وقت انہی دو آدمیوں کے ساتھ گزرنے لگا۔ ان کو بھی حضرت عثمانؓ سے کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ان پر عباس بن عتبہ بن ابی لہب پر حملہ کرنے کی وجہ سے حد جاری کی تھی۔

(۱۸)

شام میں اشتراکیت

دوسرے شہروں کے برخلاف شام کی حالت بالکل پُرسکون اور اطمینان بخش تھی کیونکہ حضرت معاویہ کا زبردست اقتدار وہاں بغاوت کے جراثیم کو پھلنے پھولنے کی مہلت قطعاً نہیں دے سکتا تھا۔ حضرت معاویہ میں عقلمندی، حزم و احتیاط، ضبط اور سختی انتہا درجہ کی تھی اور ان کی ان صفات سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔

مفسدین نے سلطنت کے ہر علاقہ میں فساد کے بیج بونے اور عام رعایا کو اپنے والیوں اور خلیفہ کے خلاف اُبھارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ لیکن شام اس فتنہ سے بالکل محفوظ تھا۔ حضرت معاویہ کی بے نظیر سیاست کی وجہ سے اس وسیع علاقے کے باشندوں کی اطاعت اور وفاداری میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ معاویہ ان کو جس رستے پر چلانا چاہتے تھے وہ اسی رستے پر چل پڑتے تھے۔ وہ اپنی سیاست میں مختارِ مطلق تھے۔ ان پر کوئی شخص حرف گیری نہیں کر سکتا تھا اور اِلا ما شاءاللہ ہر شخص ان کی مرضی کے موافق کام کرتا تھا۔

ابنِ سبا شام میں بھی آیا۔ وہ خباثت اور عقلمندی کا پتلا تھا۔ ہر علاقے میں وہاں کے حالات کے مطابق اس کا طرزِ عمل بالکل جُداگانہ ہوتا تھا۔ اس کی دُوربین نظر ایسے آدمیوں کو فوراً تاڑ لیتی تھی جو اس کی مرضی کے موافق کام کر سکتے تھے یا کسی نہ کسی رنگ میں اس کے مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ شام میں بھی اس نے ایک ایسے ہی آدمی کو تاڑا۔ وُہ تھے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ۔ آپ نہایت پرہیزگار اور متقی انسان تھے۔ آپ نے نہایت فقیرانہ اور غریبانہ طرزِ زندگی اختیار کر رکھی تھی اور مال جمع کرنے کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ ابنِ سبا ان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"حضرت! دیکھیے کیا غضب ہے، معاویہ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کہتے ہیں۔ کیا ہر چیز اللہ کی ہی نہیں ہوتی؟ دراصل اس سے معاویہ کا مقصد یہ ہے کہ بیت المال کے اموال کو مسلمانوں پر خرچ نہ کیا جائے اور اس پر سے مسلمانوں کا نام اٹھا کر خود ہی خرچ کر لیا جاتے۔"

حضرت ابوذرؓ بیچارے سیدھے سادے آدمی تھے۔ ان کو کیا خبر کہ اس سے ابن السوداء کا کیا مطلب ہے۔ وہ اس کے کہنے میں آ کر حضرت معاویہ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں؟"

معاویہ کہنے لگے :

"ابوذر! خدا آپ پر رحم کرے، کیا ہم اللہ کے بندے نہیں ہیں اور تمام مال اسی کا نہیں ہے؟ کیا تمام مخلوقات اسی کی مخلوق نہیں ہے اور کیا تمام جہان میں اسی کا حکم نہیں چلتا؟"

ابوذرؓ کہنے لگے :

"خیر، پھر بھی احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ آیندہ اس کو اللہ کا مال نہ کہیں۔"

معاویہ نے جواب دیا :

"میں یہ تو ہرگز نہیں مانوں گا کہ بیت المال کے اموال اللہ کے اموال نہیں ہیں۔ لیکن محض آپ کی خاطر آیندہ ان کو اموال المسلمین کہا کروں گا۔"

حضرت ابوذرؓ سے اپنا کام نکلوانے کے بعد ابن السوداء ابوالدرداءؓ کے پاس پہنچا اور ان سے بھی اسی طرح کی باغیانہ باتیں کیں۔ مگر وہ اس کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آئے اور اس کی دال وہاں بالکل نہ گل سکی۔ لیکن اس کی باتوں نے حضرت ابوذرؓ میں ایک خاص جوش پیدا کر دیا جس کی بنا پر آپ نے شام میں اس قسم کی تقریریں کرنی شروع کر دیں۔

"اے امیروں کے گروہ! اور غریبوں پر ظلم کرنے والو! ان لوگوں کو "بشارت" ہو جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔ قیامت کے روز اسی چاندی اور اسی سونے کو گرم کر کے ان کے چہروں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے۔"

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ غریبوں اور مسکینوں میں ان باتوں سے جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے امیروں پر دست درازیاں شروع کر دیں۔ امراء نے حضرت معاویہ سے اس نئے مذہب کی شکایت کی جو ابوذرؓ لوگوں کے درمیان، خصوصاً طبقۂ فقراء و مساکین میں پھیلا رہے تھے۔

اس پر حضرت معاویہؓ کو خطرہ کا احساس ہوا۔ چونکہ حضرت ابوذرؓ، حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور سابقون الاولون میں سے تھے اس لیے وہ براہِ راست ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس معاملہ کی رپورٹ حضرت عثمانؓ کو بھیجی۔ آپ نے جواب دیا :

"معلوم ہوتا ہے فتنہ اب پھوٹ پڑنے کو ہے۔ تم ابوذرؓ کو نہایت احترام کے ساتھ میرے پاس مدینہ روانہ کر دو۔"

چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت ابوذرؓ کو مدینہ روانہ کر دیا۔ جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ سے پوچھا:

"ابوذر! یہ کیا بات ہے اہلِ شام آپ کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟"

ابوذرؓ نے سارا واقعہ تبلایا اور کہا کہ بیت المال کے اموال کو اموال اللہ نہیں کہنا چاہیے اور امیروں کو یہ مناسب نہیں کہ وہ مال جمع کریں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا :

"ابوذرؓ! رعایا کے جو فرائض مجھ پر عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرنا اور رعایا پر جو حقوق واجب ہوتے ہیں ان کو طلب کرنا میرا کام ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں لوگوں کو ترکِ دنیا پر مجبور کروں۔ میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ انھیں میانہ روی اور خدمتِ دین کی تعلیم دوں۔"

اس پر حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا :

"آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں مدینہ چھوڑ دوں اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ربذہ کی بستی میں جا کر بود و باش اختیار کر لوں۔"

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو ربذہ جانے کی اجازت دے دی اور ان کے لیے گزارہ بھی مقرر کر دیا۔ حضرت ابوذرؓ کی وفات ۳۲ھ میں ربذہ ہی میں ہوئی۔

اس تمام احترام کو برقرار رکھتے ہوئے جو حضرت ابوذرؓ کا ہمارے دل میں ہے پھر بھی ہمیں اس بات کے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ انہوں نے اشتراکیت کا جو راستہ اختیار کیا تھا اس کا اسلام نے قطعاً کوئی حکم نہیں دیا اور نہ ان کے لیے یہ مناسب ہی تھا کہ وہ اس کی تائید میں وہ طریقے استعمال کرتے جو انہوں نے کیے۔ اسلام نے تفریط اور ایسے امور اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جو انسانی طاقت سے باہر ہوں بلکہ اس نے میانہ روی کو ہی ہر جگہ مقدم رکھا ہے۔ اگر مسلمان اسلام پر پوری طرح عامل ہوں اور اس کی صحیح تعلیمات کے مطابق احکامِ اسلامی کا نفاذ کریں تو وہ کسی صورت میں بھی اس راستہ کو اختیار نہیں کر سکتے جس کو حضرت ابوذرؓ نے اختیار کر لیا تھا۔ اس اشتراکیت کے خدوخال بظاہر تو بہت اچھے نظر آتے ہیں لیکن دراصل وہ بالکل ناممکن العمل ہے۔ اسلام اشتراکیت کے راستہ کو چھوڑ کر ایک درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے جسے صحیح طور پر اپنا لینے سے نہ غریب آدمی غربت میں بڑھتا چلا جا سکتا ہے اور نہ امیر آدمی امارت میں۔

واقعہ یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اس اشتراکیت سے بالکل مختلف ہے اور اس کے اصول ان اشتراکی اصولوں سے بالکل علٰحدہ ہیں جن کے داعی آج کل روس اور اس کے ساتھی ممالک ہیں۔ اسلام کے اصول اشتراکیت کے اصولوں سے بہت زیادہ مضبوط، سُودمند اور پائدار ہیں اور مسلمانوں کے لیے صرف وہی اصول کارآمد ہو سکتے ہیں جو اسلام نے پیش کیے ہیں۔ کیونکہ یورپ اور دنیا کے دوسرے ممالک میں تو انسان آپس میں بیٹھ کر قانون بناتے ہیں لیکن اسلام کے احکام تو الٰہی احکام ہیں اور مسلمان رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انہی احکام کا نفاذ ہو اور انہی پر عمل بھی کیا جائے۔ زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قرآنِ کریم میں اکثر جگہ اس کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے۔ اگر مسلمان شرعی مقدار کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں تو روئے زمین پر ایک مسلمان بھی ایسا باقی نہ رہے جس کو فقیر کہا جا سکے۔ بجائے اس کے کہ اشتراکیت کے داعی مسلمانوں میں اس کی تبلیغ کریں، اس کے جراثیم حکومت سے بغض و عداوت پیدا کرنے اور طبقاتی جنگ کو بھڑکانے کے لیے لوگوں میں پھیلائیں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کے اس ضروری رکن زکوٰۃ کو قائم کرنے کے لیے ضروری تدابیر اختیار کریں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک نظام کے ماتحت اس کو جمع اور خرچ کیا جائے اور اسلامی سلطنتیں اس بارہ میں ضروری اقدامات روا رکھیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو مسلمانوں میں فقر و غربت کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ طبقاتی امتیازات فنا ہو جائیں گے۔ غریب اور امیر کے درمیان

کوئی تفریق نہ باقی رہے گی۔ اونچے طبقہ کی طرف سے نچلے طبقہ پر کیے جانے والے ظلم اور زیادتیاں بالکل ختم ہو جائیں گی۔ کیونکہ جس طرح نماز مسلمانوں کو یہ سکھلاتی ہے کہ خدا کے دربار میں غریب وامیر سب برابر ہیں اور نماز میں ایک بادشاہ کے ہم پہلو ایک غریب مفلس اور قلاش کو کھڑے ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی ایک امیر کے دل میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ یہ کوئی خیرات نہیں جو میں اپنے غریب بھائی کو دے رہا ہوں بلکہ یہ غریبوں کا حق ہے کہ وہ حکومت کی وساطت سے میرے مال میں شریک رہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کے مال میں شریک ہو اس سے حقارت کا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ برابری کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

لیکن ہم افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سوائے شاذونادر افراد کے باقی سب نے زکوٰۃ کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور وہ دین کے اہم ترین فرض سے بے توجہی اور لاپروائی برت رہے ہیں۔ اس لیے ہر دم اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ اشتراکیت کی گود میں نہ جا گریں۔ ان کو اس عظیم خطرہ سے بچانے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ صحیح اسلامی شریعت کو قائم کیا جائے اور زکوٰۃ کا نظام ایک پروگرام کے تحت شرعی حدود کے ساتھ قایم کیا جائے۔ اگر مسلمانوں نے اسلام کے اس ضروری اور مقدس فرض کو پوری طرح قایم کر لیا تو یقیناً وہ اشتراکیت کے تباہ کن سیلاب سے بچ جائیں گے۔

(۱۹)

والیوں کا اجتماع

سعید بن العاص والیِ کوفہ کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ بلایا تھا اس سے پہلے سعید رؤساء کوفہ کو مختلف شہروں میں عمال بنا کر بھیج چکے تھے۔ جب سعید بن العاص بھی مدینہ چلے گئے تو فتنہ کے سرغنوں نے موقع کو غنیمت سمجھا اور ان پر بالکل بے بنیاد اور شرمناک الزامات لگا کر لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے لگے اور انہیں اس بات پر اکسایا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ سینکڑوں آدمیوں کا ایک جتھا اسی غرض کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ ان کو سعید بن العاص ملے جو کوفہ واپس جا رہے تھے۔ ان لوگوں نے ان سے کہا:

"مہربانی کر کے آپ بطور والی کوفہ میں داخل نہ ہوں"

سعید نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ ایک آدمی کو روکنے کے لیے ہزار آدمی نکلیں۔ یہ کافی تھا کہ ایک آدمی میری طرف بھیج دیتے اور ایک آدمی خلیفہ کی طرف"

اس کے بعد وہ واپس آ گئے۔ ان لوگوں نے ان کے غلام کو قتل کر دیا۔ مدینہ واپس آ کر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو تمام معاملہ کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا "وہ کس کو چاہتے ہیں؟"

سعید نے کہا، "ابو موسیٰ اشعریؓ کو"
حضرت عثمانؓ نے کہا :

"ہم نے ابو موسیٰ کو ان کا والی مقرر کر دیا۔ خدا کی قسم ہم ان کو کسی عذر کا موقع نہ دیں گے۔ کوئی حجت، کوئی دلیل ان کے ہاتھ نہ آنے دیں گے۔ میں ان کی باتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کروں گا، یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جس کا یہ ارادہ کرتے ہیں"

جب حضرت عثمانؓ نے یہ محسوس کیا کہ اب فتنہ شدت اختیار کرتا جا رہا ہے تو انہوں نے تمام والیوں کو مدینہ بلا بھیجا۔ جو والی مدینہ پہنچے وہ حسبِ ذیل تھے :

۱۔ معاویہؓ بن ابی سفیان والیِ دمشق ،
۲۔ عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر ،
۳۔ سعید بن العاص والیِ کوفہ ۔ (ان کو کوفہ والوں نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی نکال دیا تھا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں)
۴۔ عبداللہ بن عامر والیِ بصرہ و بحرین ،
۵۔ عمرو بن العاص (جو مدینہ میں ہی موجود تھے)

جب یہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"ہر آدمی کے وزیر اور مشیر ہوتے ہیں۔ تم لوگ میرے وزیر اور مشیر ہو۔ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، سب تمہیں معلوم ہے۔ وہ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں اپنے عمّال کو معزول کر دوں۔ ان تمام لوگوں کو جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں واپس بلا لوں اور جن لوگوں کو وہ پسند کرتے ہیں ان کو ان معزول شدہ گورنروں کی جگہ بھیج دوں۔ اب آپ سب مجھے اس بارہ میں اپنی رائے بتائیں۔"

عبداللہ بن عامر نے کہا :

"امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو جہاد کا حکم دیں۔ اس طرح ان کی توجہ بٹ جائے گی۔ جب وہ جنگوں میں مشغول رہیں گے تو خود بخود آپ کے مطیع ہو جائیں گے، ان کو صرف اپنی ہی فکر ہو گی۔ فتنہ و فساد کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔"

سعید بن العاص نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا :

"اگر آپ ہماری رائے لینا چاہتے ہیں تو اصل بیماری کو اپنے سے دور کیجئے اور جو کانٹے آپ کی راہ میں حائل ہیں ان کو ہٹا دیجئے اور میری رائے پر عمل کیجئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً فتنہ و فساد کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے پوچھا :

"وہ کیا رائے ہے؟"

انہوں نے جواب دیا : "ہر گروہ کا ایک سردار اور رہبر ہوتا ہے، اگر وہ ہلاک ہو جائے تو تمام گروہ منتشر ہو جاتا ہے اور

[ا]ن میں کسی قسم کی طاقت اور جرأت باقی نہیں رہتی۔ پس آپ کو چاہیے کہ اس فتنہ کے بانیوں اور سرغنوں کا سر کچل دیں، یہ فتنہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"رائے تو بہت صحیح ہے لیکن میں ناحق مسلمانوں کا قتلِ عام نہیں کرنا چاہتا۔"

حضرت معاویہ نے ان الفاظ میں رائے دی:

"امیرالمومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے عمّال کو ان کے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ کر دیجئے اور ہر عامل کو اپنی ولایت میں امن وامان قایم رکھنے کا ذمہ دار بنائیے۔ میں خود شام میں امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوں گا۔"

عبداللہ بن ابی سرح بولے:

"امیرالمومنین! یہ لوگ لالچی ہیں ان کو بیت المال سے کچھ دے دیجئے۔ پھر کیسا فتنہ اور کہاں کا فساد۔ سب دھواں بن کر اڑ جائے گا اور ان کے دل آپ کی طرف مائل ہو جائیں گے۔"

اگر حضرت عثمانؓ میں ذرا بھی سختی ہوتی تو وہ عبداللہ بن عامر یا سعید بن عاص کی رائے پر ضرور عمل کرتے۔ لیکن ان کی کمزوری اور نرمی نے ان کو کسی رائے پر عمل نہ کرنے دیا حالانکہ ان دونوں کی رائیں بہترین رائیں تھیں اور ان میں سے کسی رائے پر عمل کرنے سے فتنہ کا قلع قمع ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ بجائے ان مشوروں پر عمل اور اکابر مفسدین کا قلع قمع کرنے کے خود مفسدین کے آگے جھک گئے اور انہوں نے کوفہ میں اس شخص کو مقرر کر دیا جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کو سیاست کی اچھی مثال نہیں کہا جا سکتا۔ نہ اس سے حکومت کا وقار ہی قائم ہو سکتا تھا۔ اہلِ کوفہ کے نام حضرت عثمانؓ نے جو خط لکھا تھا اس سے بھی حضرت عثمانؓ کی کمزوری کا پتا چلتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اثر واقتدار حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور آپ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں بےبس ہو کر رہ گئے تھے۔[1]

اہلِ کوفہ نے جب اپنے والی کو لوٹا دیا۔ اس کے غلام کو قتل کر دیا اور اس کی بجائے ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنا والی بنانے کی درخواست کی تو حضرت عثمانؓ نے ان کو لکھا:

"جس کو تم نے چاہا میں نے تمہارا والی مقرر کر دیا ہے اور سعید کو جسے تم ناپسند کرتے تھے واپس بلا لیا ہے۔ خدا کی قسم جب تک

---

[1] دراصل حضرت عثمانؓ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ باغی راہِ راست پر آ جائیں۔ آپ کو ڈر تھا کہ اگر ان پر سختی کی گئی تو فتنہ کا ایک دروازہ کھل جائے گا۔ اسی ڈر سے آپ نے ان سے نرمی کا سلوک کیا اور ان کے ایسے مطالبوں کو جن کو پورا کرنے سے شریعت کے احکام کو ٹھیس نہیں لگتی تھی پورا کر دیا، اس امید میں کہ شاید اس سے متاثر ہو کر اپنی کرتوتوں سے باز آ جائیں اور جو شورش انہوں نے برپا کر رکھی ہے اس کو چھوڑ کر پُرامن شہریوں کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہ امر حضرت عثمانؓ کی رحم دلی اور آپ کے قلب کی صفائی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت عثمانؓ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں بےبس ہو کر رہ گئے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ہر قسم کی طاقت تھی اور اس کو کام میں لا کر آپ دم بھر میں ان کی طاقت کو نیست و نابود کر سکتے تھے۔ (مترجم)

مجھ میں طاقت ہے میں محض تمہاری بھلائی کی خاطر اپنی ذلت گوارا کر لوں گا، صبر کرتا رہوں گا اور اس بات کی پوری کوشش کروں گا کہ جس طریقے سے بھی ہو تمہاری اصلاح کروں اور اس غرض سے ہر وہ چیز تمہیں دے دوں گا جو تم مجھ سے مانگو گے بشرطیکہ اس سے احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو میں ہر طرح تمہیں مطمئن کرنے کی سعی کروں گا تاکہ بعد کو مجھ پر کوئی الزام نہ آئے۔"

اسی طرح کے خطوط انہوں نے دوسرے شہروں میں بھی لکھے یہ کمزوری اور ضعف کی ایک جدید مثال تھی۔ جس کا لوگ حضرت عمرؓ کے وقت میں گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک شریف آدمی پر تو یہ باتیں اثر کر سکتی ہیں لیکن کمینہ آدمی ایسی باتوں کو کمزوری اور خوف پر محمول کرتا ہے اور فتنہ و فساد برپا کرنے میں اور بھی تن دہی سے کوشش کرنے لگتا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر شہر میں مفسدین اور فتنہ پردازوں کی ایک جماعت موجود تھی جو ہر ممکن طریقہ سے جھوٹی خبروں کی اشاعت کرنے، خلافت سے نفرت دلانے، ظنون و شبہات میں لوگوں کو مبتلا کرنے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں ہر وقت مشغول رہتی تھی۔

یہ بات مستبعد نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی اسی قماش کا ایک گروہ موجود ہو جو اس آگ کو بھڑکاتا اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوششوں میں مشغول رہتا ہو۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو ضروری ہے کہ ایسی باتوں کی اشاعت سے جو کثرت سے مدینہ کے لوگوں کو پہنچتی رہتی تھیں، علاوہ اور لوگوں کے خود صحابہ کرامؓ بھی حضرت عثمانؓ سے بدظن ہو گئے ہوں۔ آپ پر جرح و قدح اور اعتراضات کرنے لگے ہوں اور آپ کی مدد اور مدافعت سے دست کش ہو گئے ہوں۔ چنانچہ اسی قبیل کا ایک واقعہ تاریخوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور آپ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے غصہ سے حضرت علیؓ کی باتیں سنیں اور فرمایا:

"کاش تم میری جگہ ہوتے، میں نہ کبھی تم پر غصہ کا اظہار کرتا ہوں، نہ تم پر کوئی عیب لگاتا ہوں۔ ہمیشہ صلہ رحمی کرتا ہوں اور قرابت کو کبھی نہیں توڑتا۔ لوگوں کی حاجت براری کرتا ہوں۔ میں بھی والی مقرر کرنے میں انہی خصوصیات کو ملحوظ رکھتا ہوں جن خصوصیات کو عمرؓ ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ کیا عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو والی نہیں بنایا تھا حالانکہ وہ ان کے رشتہ دار تھے۔ پھر اگر میں نے اپنے رشتہ دار اور قرابتی عبداللہ بن عامر کو والی بنا دیا تو مجھ پر اعتراض کیوں کرتے ہو؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"عمرؓ جب کسی شخص کو والی بناتے تھے اور انہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ان کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ اس سے بہت سختی کا معاملہ کرتے تھے۔ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ اپنے اقربا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"تم جانتے ہو کہ معاویہ عمرؓ کے تمام زمانۂ خلافت میں والی رہے، اگر میں نے بھی ان کو والی بنائے رکھا تو کون سا جرم کیا؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پُوچھتا ہُوں کہ کیا آپ کو پتا نہ تھا عمرؓ کا خوف معاویہ کے دل پر کس قدر مسلط رہتا تھا؟"
حضرت عثمانؓ نے فرمایا:
"ہاں مجھے خوب پتا ہے۔"
حضرت علیؓ نے کہا:
"لیکن اب معاویہ آپ سے پُوچھے بغیر سلطنت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ آپ کو بھی اس امر کا پتا ہے۔ لیکن لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ عثمانؓ کے حکم سے کر رہا ہوں۔ آپ کو یہ باتیں پہنچتی ہیں لیکن آپ معاویہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے۔"[1]
اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو حضرت عثمانؓ کی باتوں میں کوئی وزن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ کسی کو والی مقرر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا، یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس طرح سے رشتہ داروں اور اہلِ خاندان کا بھلا ہو۔ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں بنی ہاشم میں سے کبھی کسی کو والی یا عامل نہیں بنایا حالانکہ وہ آپکے قرابتی اور رشتہ دار تھے۔ یہی طرزِ عمل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا بھی رہا۔ خصوصاً حضرت عمرؓ کے تو خاندان میں ایسے شخص موجود تھے جو والی بنائے جانے کے مستحق تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی اپنے رشتہ داروں کو کسی اعتبار سے بھی دوسروں پر ترجیح نہیں دی۔ اسی طرح وُہ کبھی کسی عامل کی غلطی، برائی اور قصور پر خاموش نہیں بیٹھے، بلکہ ہر غلطی پر اس کو سخت تنبیہہ کی۔ یہی امور تھے جن کی وجہ سے آپ نے اپنے عہد میں حکومت کو اوجِ ترقی پر پہنچا دیا تھا اور اس زمانہ میں چمنستانِ اسلام پر بہار آئی ہوئی تھی۔
لیکن یہ بھی واقعہ ہے جس سے مورخ کبھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمانؓ کا دل بالکل صاف اور آپ کا ضمیر بالکل پاک تھا، آپ نفاق، بدظنی اور فساد کی راہوں سے کوسوں دُور تھے۔ اس لیے اگر آپ اپنے عزیز و اقارب کی نسبت حسنِ ظن رکھتے تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں آپ سے اخلاص کا برتاؤ کریں گے، امورِ سلطنت کو اچھی طرح سرانجام دیں گے اور قرابت کی وجہ سے آپ کے بہترین مددگار ثابت ہوں گے تو ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے رشتہ داروں پر دوسروں کی نسبت زیادہ اعتماد کرنا ایک فطری بات ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔
طبری میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ نے شام جاتے ہُوئے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ:
"اے امیر المومنین! قبل اس کے کہ فتنہ پھُوٹ پڑے آپ میرے ساتھ شام چلیے، شام ان فتنوں سے بالکل محفوظ ہے۔"
حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ:
"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا قرب کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا خواہ اس میں میری گردن ہی کیوں نہ ماری جائے۔"
حضرت معاویہؓ نے پھر کہا کہ "اگر یہ صورت آپ کو قبول نہیں تو پھر میں شام سے ایک لشکر آپ کی حفاظت اور فتنہ کا مقابلہ

---

[1] واقدی، ابن اثیر، طبری

کرنے کے لیے مدینہ بھیج دوں۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ:

"میں ایک لشکر کی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رہنے والے مہاجرین اور انصار کی زندگی اجیرن نہیں کر سکتا اور ان کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"پھر تو آپ کی جان ہر وقت خطرہ میں ہے۔"

حضرت عثمانؓ کا جواب صرف یہ تھا:

"حسبی اللہ ونعم الوکیل۔"

جب حضرت معاویہؓ سفر کے لیے نکلے تو انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو راستہ میں کھڑا پایا۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور ان سے فرمایا:

"حکومت ایک ایسی چیز ہے جس پر قدیم زمانہ سے لوگ لڑتے مرتے چلے آئے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ دین اسلام کا روشن آفتاب چمکا اور اپنی شعاعوں سے ظلمت کدۂ کفرستان کو روشن کر دیا تو لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس وقت قدامت اور سابقیت اسلام کا لحاظ کیا گیا۔ علم و اجتہاد کا پاس رکھا گیا اور اب تک یہی طریقہ جاری ہے۔ اگر لوگ اسلامی طریقہ پر قائم رہیں اور اس پر عمل کریں تو یہ خلافت انہی بزرگوں میں رہے گی اور باقی لوگ ان کے تابع ہوں گے لیکن اگر یہ دُنیا کی طرف جُھک گئے اور بزور خلافت پر قبضہ کرنا چاہا تو یہ نعمت ان سے سلب کر لی جائے گی اور حکومت و ریاست خداوند تعالیٰ دوسروں کو دے دے گا۔ اللہ تعالیٰ حاکمِ حقیقی ہے۔ وُہ تغیر و تبدل پر ہر طرح قادر و توانا ہے۔ کوئی امر اس کو مشکل نہیں۔ میں آپ لوگوں میں ایک بوڑھے اور بزرگ شخص کو چھوڑے جاتا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ خیر خواہی کریں اور ہر طرح ان کے شریکِ حال رہیں۔ آپ کو اس کام کے عوض سعادت نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ آپ سے خوش ہوگا۔ آپ خدا کے خلیفہ کی نصرت کریں گے خدا آپ کی نصرت کرے گا۔"

یہ نصیحت کر کے حضرت معاویہؓ شام روانہ ہو گئے۔

(۲۰)

شورش کا آغاز

جب تمام علاقوں کے امیر مدینہ میں مشورہ کے لیے آئے ہوئے تھے فتنہ کے سرغنوں نے تمام علاقوں میں یکدم بغاوت کر دینے کا فیصلہ کیا لیکن سوائے کوفہ کے وہ کہیں اپنے ان ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اہلِ کوفہ یہ بہانہ بنا کر کہ وُہ مدینہ اپنے عامل

... عاملوں کو تبدیل کرانے کی نیت سے جا رہے ہیں، مدینہ روانہ ہو گئے۔ جرعہ کے مقام پر جو مدینہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے ان کی مڈھ بھیڑ سعید سے ہوئی اور سعید کو مدینہ واپس ہونا پڑا۔ اہلِ کوفہ نے سعید کی جگہ ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو عامل بنانے کا مطالبہ کیا جس کو حضرت عثمان رضؓ نے منظور کر لیا۔

جب تمام امرا اپنے اپنے علاقوں میں واپس پہنچ گئے تو فتنہ پردازوں کے لیے بغاوت برپا کرنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے ہم خیال لوگوں سے اس سلسلہ میں خط و کتابت شروع کی اور فیصلہ کیا گیا کہ تمام علاقوں سے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں مدینہ پہنچیں اور وہاں اپنے آئندہ طریقِ کار کے متعلق صلاح و مشورہ کریں۔ لوگوں پر یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کی بہبودی کی خاطر مدینہ جا رہے ہیں۔ مدینہ پہنچ کر وہ حضرت عثمان رضؓ سے چند سوال کریں۔ عمال اور امرا کی بے راہ روی اور ظلم و ستم کی ان سے شکایت کی جائے پھر ان باتوں کو تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیلا دیا جائے تاکہ عامۃ المسلمین کو خلافت اور امرا کے خلاف بھڑکایا جا سکے اور لوگوں کو یقین ہو جائے کہ حضرت عثمان رضؓ اور عمال کے خلاف جو الزام لگائے جاتے ہیں وہ سب درست ہیں۔ چنانچہ تین شہروں کوفہ، بصرہ اور مصر سے تین وفد اس غرض کے لیے مدینہ کی طرف چلے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو ان کی آمد کا علم ہونے پر حضرت عثمان رضؓ نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ ان کے آنے کی غرض و غایت کا پتا لگایا جائے۔ فتنہ کے سرغنوں نے ان کو دیکھ کر خیال کیا کہ یہ بھی انہی میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ ان کے دل میں تھا بلا کم و کاست ان پر ظاہر کر دیا کہ خلیفہ سے ان امور کے سلسلہ میں بات چیت کرنے مدینہ جا رہے ہیں جن کو وہ پہلے ہی مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیلا چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے علاقوں میں واپس جا کر لوگوں کو یہ بتائیں گے کہ ہم نے خلیفہ سے ان امور کے متعلق بات چیت کی۔ خلیفہ نے انکار تو نہیں کیا لیکن ان سے توبہ بھی نہیں کی۔ اس کے بعد ہم اگلے سال حج کے مہینہ میں بہ تعدادِ کثیر مکہ میں جمع ہوں گے اور ظاہر یہ کریں گے کہ ہم حج کی غرض سے آئے ہیں۔ مکہ پہنچ کر ہم حضرت عثمان رضؓ کا محاصرہ کر لیں گے، ان پر ترکِ خلافت کے لیے زور دیں گے اور اگر انھوں نے انکار کیا تو ان کو قتل کر دیں گے۔

ان دونوں آدمیوں نے حضرت عثمان رضؓ کے پاس جا کر ساری باتیں دہرا دیں۔ آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہنے لگے:

"یا اللہ! ان لوگوں کو گمراہی سے بچا لے۔ اگر تو نہ بچائے گا تو یہ لوگ برباد ہو جائیں گے۔"

پھر آپ نے کوفیوں اور اہلِ بصرہ کو بلا بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ کو بھی جمع کر لیا۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ کھڑے ہوئے اور تمام واقعات سنائے۔ اس کے بعد وہ دو اشخاص جو ان مفسدین کے پاس بغرضِ تحقیق بھیجے گئے تھے کھڑے ہوئے اور ان کی باتیں حرف بحرف بیان کر دیں۔ اس پر تمام صحابہ رضؓ نے متفقہ طور پر حضرت عثمان رضؓ کو یہ صلاح دی کہ ان سب کو قتل کر دیجئے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ایسے وقت میں کہ لوگوں میں ایک امام موجود ہو، اگر کوئی شخص اپنی اطاعت یا کسی اور کی اطاعت کے لیے لوگوں کو دعوت دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ تم اس کو قتل کر دو۔"

لیکن حضرت عثمان رضؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"نہیں ہم عفو و درگزر سے کام لیں گے۔ ان کے عذر قبول اور ان کو راہِ راست پر لانے کی پوری کوشش کریں گے اور جب تک ان میں سے کوئی کسی حدِ شرعی کو نہ توڑے یا کفر کا اظہار نہ کرے اس کی مخالفت نہ کریں گے۔"

اس کے بعد آپ نے وہ تمام باتیں بیان کیں جن کی بنا پر وہ آپ سے ناراض تھے اور جو انہوں نے عامۃ الناس میں پھیلا رکھی تھیں۔ ساتھ ہی آپ نے ان کے جواب بھی دئے۔ یہ باتیں ایسی تھیں جنہیں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی مثلاً آپ کا سفر میں نماز پوری پڑھنا، سرکاری چراگاہ سے عوام کو روک دینا، حکم کو مدینہ واپس بلا لینا۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف بھیج دیا تھا۔

یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ ان پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ ان کے علاوہ کچھ اہم باتیں بھی حضرت عثمانؓ نے ان سے کہیں۔ ان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

حضرت عثمانؓ نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے نوجوانوں کو عامل بنایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے صرف ایسے لوگوں کو عامل بنایا جو اس کام کے پورے طور پر اہل تھے۔ نیک صفات اور نیک اطوار سے بہرہ ور تھے۔ مجھ سے پہلے بھی میرے پیشرووں نے میرے مقرر کردہ والیوں سے زیادہ نوعمر لوگوں کو والی بنایا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسامہ بن زید کو فوج کا سردار بنانے کی وجہ سے مجھ سے زیادہ اعتراضات کیے گئے تھے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

صحابہؓ نے جواب دیا:

"بالکل یہی بات ہے۔"

پھر حضرت عثمانؓ نے کہا:

"یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے غنیمت کے مال میں سے ابنِ ابی سرح کو کچھ مال دیا۔ حالانکہ میں نے اس کو خمس میں سے ایک ہزار درہم دئے تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی بعض لوگوں کو اسی طرح دے دیا کرتے تھے لیکن پھر بھی جب میں نے محسوس کیا کہ لشکر نے اس پر برا منایا ہے تو یہ مال انہی کو واپس کر دیا۔ حالانکہ یہ ان کا حق نہیں تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

صحابہؓ نے جواب دیا:

"بالکل یہی بات ہے!"

پھر آپ نے فرمایا:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو عطیات دیتا ہوں۔ محبت کے متعلق تو یہ بات ہے کہ یہ ایک طبعی امر ہے۔ اس کو کون روک سکتا ہے۔ لیکن میں ظلم کے معاملہ میں کبھی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ اور جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں وہ پورے پورے وصول کر لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا ان کو عطیات دینا تو میں جو کچھ ان کو دیتا ہوں اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کے اموال کو نہ میں اپنے اوپر خرچ کرنا جائز سمجھتا ہوں نہ کسی اور پر، میں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم،

مروان اور بنی امیہ آپ کو جس طرف چاہتے پھیر دیتے تھے۔ آپ ان لوگوں سے وعدے کرتے تھے لیکن جب اپنے گھر آتے تو مروان آپ کی رائے کو بدل ڈالتا تھا اور آپ کو اپنے وعدے سے منحرف کرا دیتا تھا[1] کیونکہ اس کو خیال تھا کہ فوجیں مختلف شہروں سے حضرت عثمانؓ کی مدد کو چل چکی ہیں اور مدینہ پہنچا ہی چاہتی ہیں۔ اب فکر کس بات کا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ سُلجھایا جاتا اور فسادیوں کو بھڑکنے کا موقعہ نہ دیا جاتا تاکہ وُہ فوجیں اچانک آکر اہلِ فتنہ وفساد کا سر کچل سکتیں۔ بنی امیہ کے لوگوں پر حضرت عثمانؓ انتہائی بھروسا کرتے تھے اس سے عام لوگوں میں بہت ناراضی پھیلتی تھی اور ان کو ان لوگوں کا اثر و اقتدار بہت ہی ناگوار گزرتا تھا ادھر فسادی حضرت عثمانؓ کے کسی عذر کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ حکومت چھوڑ دیں اور پھر مسلمان باہمی مشورہ سے کسی اور کو خلیفہ بنا لیں۔ اور دُوسرا یہ کہ حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں میں سے ان اشخاص کو جو ان کے خاص رازدار تھے اور امورِ سلطنت میں انہی کا عمل دخل تھا ان کے حوالے کر دیں تاکہ وُہ ان سے اس خیانت کا بدلہ لے سکیں جو انہوں نے مسلمانوں سے اور خود خلیفہ سے کی ہے وہ خیانت ان کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ کے نام سے عبداللہ بن ابی سرح امیرِ مصر کو ایک خط لکھا تھا جس میں بعض مصری رؤساء کو قتل کرنے، کوڑے لگانے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم دیا تھا[2]۔

بنو امیہ خطرے کو بالکل اپنے سر پر کھڑا دیکھتے تھے۔ ادھر موت حضرت عثمانؓ کا انتظار کر رہی تھی۔ مفسدین کسی صورت میں بھی اپنے ارادوں کو ترک کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اہلِ مدینہ خاموشی اور سکون سے تمام حالات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے کو بالکل تیار نہ تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ گزشتہ زمانہ میں خلافت نے ان کو شکنجہ میں کسا ہوا تھا۔ ڈر اور خوف ہر وقت مسلمانوں کے سروں پر مسلط رہتا تھا جس کی وجہ سے خلافت کے نام سے بھی ان کو وحشت ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں خلافت ضعف اور کمزوری کا دوسرا نام ہو گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ مفسدین کو یہ جرأت ہو گئی تھی کہ وہ علی الاعلان سیکڑوں لوگوں کے سامنے مسجد میں خطبہ پڑھتے ہوئے خلیفہ پر پتھر برسائیں[3]۔

بنی امیہ کے لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؓ کا اس فتنہ میں بہت بڑا ہاتھ ہے، اس لیے ایک دُوسرے کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات اُبھرنے لگے۔ جو باتیں دلوں میں چھپی ہوئی تھیں وہ زبانوں پر آنے لگیں۔ اپنے مفادات کے لیے ان لوگوں نے مسلمانوں کے مجموعی مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا اور آپس میں ہی ایک دُوسرے کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ حالت

---

[1] ایک خلیفہ کے متعلق جس کو خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہو اور جس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہو کہ خدا تمہیں ایک قمیص (خلافت) پہنائے گا تم اس کو مت اتارنا، اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کے کہنے میں آن کر لوگوں سے وعدہ خلافیاں کرتا تھا، کس قدر بعید از قیاس اور دور از عقل بات ہے۔

[2] یہ واقعہ سرے سے غلط ہے جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں۔

[3] صحابہؓ پر حضرت عثمانؓ کی مدد نہ کرنے کا الزام قطعی بے بنیاد ہے اور ہم شروع میں اس پر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔ (مترجم)

یہاں تک پہنچی کہ حضرت علیؓ فتنہ کے ان ایام میں مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اگرچہ ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ محض اپنی ذاتی سعی و کوشش سے اس فتنہ و فساد کا قلع قمع ہرگز نہ کر سکتے تھے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو بھول جاتے۔ کیونکہ جس فتنہ سے وُہ دوچار تھے اس کی اہمیت اس سے بہت زیادہ تھی کہ ہر فریق دُوسرے فریق کے عیوب گنوائے۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر مسلمانوں کے سربرآوردہ اشخاص اس وقت متفق ہوتے تو وہ ضرور اس سیلاب کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکتے تھے جو انتہائی ہولناکی کے ساتھ ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا لیکن دلوں میں باہمی محبت و الفت کی جگہ نفرت و حقارت نے لے لی تھی۔ نادان اور حقیقت ناشناس لوگ آگے آگئے تھے اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ دنیا کے سامنے ہے۔

سب سے بڑی غلطی جو حضرت عثمانؓ نے کی وُہ یہ تھی کہ جب فساد کے بانی اور فتنہ کے سرغنے آپ کے پاس لائے گئے اور آپ نے ان پر ثابت کر دیا کہ وہ محض فساد اور بغاوت کے لیے آئے ہیں تو آپ نے ان کو بغیر کوئی سزا دئے چھوڑ دیا حالانکہ آپ کو چاہیے تھا کہ ان کو عبرت ناک سزائیں دیتے جس سے فتنہ کا قلع قمع ہو جاتا اور پھر کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا موقع بھی دیا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب تمام صوبوں کے والیوں نے متفقہ طور پر آپ کو مشورہ دیا تھا کہ سانپ کے پھن اٹھانے سے پہلے ہی اس کو مار ڈالنا چاہیے۔ اس وقت آپ کو کوئی مضبوط قدم اٹھانا چاہئے تھا اور اس معاملہ میں کمزوری نہیں دکھانی چاہیے تھی لیکن آپ نے ان کی باتوں کی پروانہ کی اور ان کے مشورہ کو نہ مانا بلکہ اس ڈر سے نرمی کا پہلو اختیار کیا کہ کہیں آپ ہی فتنہ کا دروازہ کھولنے کا باعث نہ بنیں۔ نہ صرف یہ بلکہ آئندہ بھی جب کبھی وُہ آپ کے پاس آئے یا انہوں نے آپ پر اعتراضات کیے تو آپ نے محض اپنی پوزیشن صاف کرنے اور اپنی بے گناہی واضح کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ لیکن کوئی عملی قدم ان کے خلاف نہ اٹھایا، حالانکہ ان مفسدین کی جماعت پر معقول باتوں اور براہینِ قاطعہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا وعظ و نصیحت سے ان کے دل بالکل نہ پسیجتے تھے۔ کیونکہ ان کا مقصد صرف فتنہ و فساد پیدا کرنا اور بغاوت پھیلانا تھا۔ ایسی جماعتیں صرف قوت سے ڈرتی ہیں۔ سختی اور قہر کے سامنے سر جھکاتی ہیں اور قوت و سختی ہی سے مغلوب ہو سکتی ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو ڈھیل دے کر ان میں جرأت و دلیری پیدا کر دی۔ یہ فسادی وعظ و نصیحت پر کان دھرنے والے اور دلائل کی رُو سے اپنے کاموں سے باز آنے والے نہیں تھے بلکہ محض فتنہ و فساد پیدا کرنے کے خواہشمند تھے۔ آپ کی نرمی اور کمزوری نے ان کو فتنہ و فساد پر جرأت دلائی۔

اس فتنہ کے متعلق مورخین کی رائیں الگ الگ ہیں۔ ہر مورخ نے اس کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے اپنا علٰحدہ نظریہ قائم کیا ہے۔ لیکن آج کا مؤرخ، جس کے سامنے پچھلے مورخین کی تمام رائیں موجود ہیں۔ اس فتنہ کے اسباب پر بحث کرنے سے پہلے محسوس کرتا ہے کہ مؤرخینِ سلف نے اپنی بحث کو حدِ اعتدال پر نہیں رکھا بلکہ یا تو وہ کلیتہً ایک فریق کے حق میں ہو گئے ہیں یا دوسرے فریق کے، اس لیے ضروری ہے کہ اس معاملہ پر تفصیلی بحث کی جائے، اتنی مکمل بحث جس کے پیشِ نظر قارئینِ کرام اس فتنہ کے متعلق ایسی محکم رائے قائم کر سکیں جو واقعات کے بالکل مطابق ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مفسدین جو مدینہ میں خلیفہ کا محاصرہ کیے بیٹھے تھے ان کا شروع میں صرف یہ مطالبہ تھا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے معزول ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ مطمئن ہو کر اپنے شہروں کو واپس چلے جاتے۔ کیونکہ ان کی بات پوری

ہوجائیں۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں حضرت عثمانؓ کے اموی رازداروں خصوصاً مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ کو ایسا کرنے سے روکا اور اس امید پر اس معاملہ کو ڈھیل دی کہ کچھ عرصہ کے بعد فوجیں حضرت عثمانؓ کی مدد کو پہنچ جائیں گی اور سختی کے ساتھ مفسدین کو کچل کر فتنہ فرو کر دیں گی۔ اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اگر شامی فوجیں وقت پر مدینہ پہنچ جاتیں تو مفسدین کا پتا بھی نہ ملتا۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ مفسدین نے جو مختلف شہروں سے اکٹھے ہوکر آئے تھے، اگرچہ اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ مدینہ والوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر پھر مدینہ واپس آگئے تھے۔ مصریوں نے آتے ہی یہ دعویٰ کیا تھا کہ عبداللہ بن ابی سرح والیِ مصر نے ان کے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جو حضرت عثمانؓ کے پاس ابنِ ابی سرح کی شکایت لے کر آیا تھا اور وہ حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ کے پاس اس کی شکایت لے کر آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت عثمانؓ سے پورا پورا انصاف کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

"کسی ایسے آدمی کا نام تجویز کرو جس کو ابنِ ابی سرح کی جگہ تمہارا والی مقرر کیا جائے۔"

انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ کا نام تجویز کیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے مطالبہ پر اس کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ جب حضرت علیؓ، محمد بن مسلمہ وغیرہ مہاجرین اور انصار کے سرکردہ اشخاص نے ان لوگوں سے جا کر کہا کہ خلیفہ نے ان کے کہنے پر چلنے کا وعدہ کر لیا ہے اس لئے تم اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ تو انہوں نے یہ بات قبول کر لی اور چلے گئے۔ لیکن فوراً ہی مدینہ واپس آگئے اور بہانہ یہ بنایا کہ مصریوں نے ایک قاصد پکڑا ہے جو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس یہ پیغام لے کر جا رہا تھا کہ ان لوگوں میں سے بعض کو قتل اور بعض کو جلا وطن کر دو وغیرہ وغیرہ۔ قاصد حضرت عثمانؓ کا ایک غلام تھا جس کو آپ نے اپنے اونٹوں کا نگہبان بنایا ہوا تھا۔ خط کی طرزِ تحریر بھی حضرت عثمانؓ سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ جو مہر اس پر لگی ہوئی ہے وہ بھی حضرت عثمانؓ کی ہے۔ اس وجہ سے اب ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیں۔ اہلِ کوفہ و بصرہ اپنے مصری بھائیوں کی مدد اور پشت پناہی کے لیے آئے ہیں۔

اسی جگہ ایک دوسری روایت محمد بن مسلمہ کی درج کی جاتی ہے جس کو طبری نے نقل کیا ہے:

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں "میں چند لوگوں کے ہمراہ مصریوں کے پاس پہنچا ان کے چار سردار تھے:

۱۔ عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی

۲۔ سودان بن حمران المرادی

۳۔ عمرو بن الحمق الخزاعی

۱؎ لیکن یہ کس طرح ہو سکتا تھا، خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمانؓ کو تو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر فرمایا تھا کہ "ایک قمیص خدا تعالیٰ تمہیں پہنائے گا، لوگ وہ قمیص اتارنا چاہیں گے مگر تم مت اتارنا۔" اس میں مروان بن الحکم اور آپ کے اموی رازداروں کے روکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مترجم)

۴۔ابن النباع۔

وہ اپنے اپنے خیموں میں تھے میں نے ان کو سمجھایا بجھایا، فتنہ کا خوف دلایا اور ان کو بتلایا کہ اگر خدانخواستہ حضرت عثمانؓ قتل کر دئے گئے تو امت میں ایک انتشار برپا ہو جائے گا جو پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھلے گا۔ تم اپنی ان حرکتوں سے باز آجاؤ اور فتنہ پیدا کرنے والے نہ بنو۔ اس کے بدلے میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اس جھگڑے میں تم جس جس شخص کو ناپسند کرتے ہو میں اس کو برطرف کرا دوں گا۔"

انہوں نے کہا،

"اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟"

میں نے جواب دیا:

"پھر تم جاننا اور تمہارا کام۔"

وہ اس پر راضی ہو گئے اور میں لوٹ آیا۔

واپس مدینہ آکر میں حضرت عثمانؓ سے ملا اور تنہائی میں ان سے کچھ باتیں کرنی چاہیں، وہ مجھے تنہائی میں لے گئے۔

میں نے ان سے کہا،

"آپ اپنے بارہ میں کچھ خوف کیجئے۔ یہ قوم آپ کے خون کی پیاسی ہے۔ موقعہ پڑنے پر آپ کے ساتھی نہ صرف یہ کہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے بلکہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کریں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے میری بات سے اتفاق کیا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ میں اُن کے پاس سے چلا آیا۔

کچھ دیر کے بعد حضرت عثمانؓ مسجد میں گئے اور وہاں خطبہ پڑھا جس میں بیان کیا کہ،

"مصری ایک کام کے لیے آئے تھے لیکن یہاں آکر ان کو اس کے بالکل برعکس باتوں کا سامنا کرنا پڑا تو وہ لوٹ گئے۔"

میں نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ سے احتجاج کروں مگر خاموش ہو گیا۔ اسی دوران میں یہ خبر پہنچی کہ مصری واپس آگئے ہیں اور وہ سویداء تک پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مجھ کو بلا بھیجا اور فرمایا:

"ابو عبدالرحمٰن! یہ لوگ پھر آگئے ہیں تمہاری ان کے بارہ میں کیا رائے ہے؟"

میں نے جواب دیا،

"مجھے کچھ پتا نہیں۔ ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ کوئی نیک ارادہ لے کر نہیں آئے۔"

آپ نے فرمایا: "پھر جاؤ اور ان کو لوٹا دو۔"

میں نے جواب دیا،

"میں تو یہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

آپ نے فرمایا: "کیوں؟"

میں نے جواب دیا:

"اس لیے کہ میں نے ان لوگوں کو آپ کی طرف سے چند باتیں چھوڑ دینے کی ضمانت دی تھی۔ لیکن وہ باتیں آپ نے نہیں چھوڑیں۔"

آپ نے اس پر صرف یہ فقرہ کہا:

واللہ المستعان ۔ (اللہ ہی مدد کرنے والا ہے)

اس کے بعد ابن عدیس میرے پاس آیا اس کے ساتھ سودان بن حمران اور اس کے دو ساتھی تھے۔ وہ کہنے لگے:

"ابو عبدالرحمٰن! آپ ہمارے پاس آئے تھے اور ہم سے کچھ وعدے کر کے ہم کو لوٹا دیا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ حضرت عثمانؓ ان باتوں کو چھوڑ دیں گے جو ہم ناپسند کرتے ہیں!"

میں نے کہا: "بے شک!"

اس پر انھوں نے ایک چھوٹا سا خط نکالا اور کہنے لگے: "ہمیں راستہ میں صدقہ کا ایک اونٹ ملا جس پر حضرت عثمانؓ کا غلام سوار تھا ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہ خط پایا، اس خط میں لکھا ہوا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جب تمہارے پاس عبدالرحمٰن بن عدیس آئے تو اس کو سو کوڑے مارو۔ اس کا سر اور داڑھی منڈوا دو، اور جب تک میرا دوسرا حکم نہ پہنچے اس کو قید میں رکھو۔ یہی سلوک عمر بن الحمق، سودان بن حمران اور عروہ بن النباع کے ساتھ کرنا۔"

میں نے ان سے کہا:

"کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ خط لکھا ہے؟"

انہوں نے کہا:

"اگر یہ خط حضرت عثمانؓ نے اپنی مرضی سے نہ بھی لکھا ہو تو مروان نے ان پر زور ڈال کر لکھوایا ہے۔"

پھر وہ کہنے لگے:

"تم ہمارے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس چلے چلو ہم نے حضرت علیؓ سے بھی بات کی ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ نماز ظہر کے بعد وہ ان سے گفتگو کریں گے۔"

انہوں نے یہ بھی کہا کہ:

"ہم نے کئی اور صحابہؓ سے بھی اس معاملہ کے متعلق بات کی تھی لیکن انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کچھ کہنے کے متعلق معذوری ظاہر کی۔"

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں:

"چنانچہ میں اور حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا "مصری دروازہ پر کھڑے ہیں آپ ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیں۔" اس وقت مروان بھی آپ کے پاس بیٹھا تھا وہ کہنے لگا:

"آپ مجھے اجازت دیجئے میں ان سے بات کروں گا۔"

اس پر حضرت عثمانؓ نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں اس معاملہ میں بولنے کا کوئی اختیار نہیں۔ تب مروان وہاں سے چلا گیا۔
حضرت علیؓ نے آپ کو خط والا سارا معاملہ بتایا۔ حضرت عثمانؓ نے قسم کھائی کہ انہوں نے یہ خط نہیں لکھا نہ انہیں اس خط کے لکھے جانے کا علم ہے۔ محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی تصدیق کی۔

اس پر حضرت علیؓ نے کہا:

"تو پھر ان کو اپنے پاس بلا لیجئے تاکہ وہ آپ کا عذر سُن لیں۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میری مروان سے رشتہ داری اور قرابت داری ہے۔ تم خود ہی جا کر ان سے بات کر لو کیونکہ وہ تمہاری بات مانتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مجبوراً حضرت عثمانؓ کو انہیں بلانا پڑا۔ وُہ آئے اور سلام کیا۔ ابنِ عدیس نے بات کرنی شروع کی۔ پہلے اس نے وہ سب کچھ تبلایا جو ابنِ سعد نے مصر میں کہا تھا۔ پھر کہا کہ ہم مصر سے یہ ارادہ لے کر چلے تھے کہ یا تو آپ کو قتل کر دیا جائے یا آپ خلافت چھوڑ دیں۔ لیکن محمد بن مسلمہ نے ہمیں اس شرط پر لوٹا دیا تھا کہ جو کچھ ہم نے مطالبہ کیا تھا وہ آپ پورا کر دیں گے (محمد بن مسلمہ نے اس کی تصدیق کی)

پھر کہنے لگے:

"ہم واپس اپنے شہروں کو جا رہے تھے، جب ہم بویب پہنچے تو وہاں آپ کا ایک غلام ملا۔ ہم نے اس کے پاس سے آپ کا ایک خط جس پر آپ کی مُہر بھی لگی ہوئی تھی، اور جو عبداللہ بن سعد کے نام لکھا گیا تھا برآمد کیا۔ اس خط میں آپ نے عبداللہ کو ہمیں کوڑے لگانے، سزائیں دینے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیجئے! یہ ہے وہ خط۔"

حضرت عثمانؓ کہنے لگے:

"خدا کی قسم! نہ میں نے یہ لکھا، نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا، نہ اس قسم کا خط لکھنے کا میری طرف سے کسی کو اشارہ ہوا، نہ مجھے اس کے لکھے جانے کا علم ہے۔"

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے اور حضرت علیؓ نے کہا:

"یہ بالکل سچ ہے۔"

اس پر مصری کہنے لگے:

"تو پھر یہ خط کس نے لکھا؟"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "مجھے معلوم نہیں۔"

وہ کہنے لگے:

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مروان آپ کے نام سے ایک خط لکھے، آپ ہی کے غلام کو وہ خط دے کر بھیجے، مسلمانوں کے صدقات کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اس کو بطور سواری دے، آپ ہی کی مہر اس پر لگائے، آپ کے عمال کو اتنی بڑی

بھی ... حکم دے اور آپ کو اس بات کا علم تک نہ ہو؟"

آپ نے فرمایا: "بے شک ایسا ہو سکتا ہے!"

وہ کہنے لگے:

"ہم نے آپ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا، آپ خلافت چھوڑ دیجئے۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"میں وہ قمیص ہرگز نہیں اتار سکتا جو خدا نے مجھے پہنائی ہے۔"

اس پر طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں، شور و شغب بہت زیادہ ہو گیا۔ میں یہ خیال کرنے لگا کہ کہیں یہ سچ مچ حضرت عثمانؓ پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت علیؓ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ہی میں بھی کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مصریوں سے کہا:

"اب یہاں سے نکلو۔"

چنانچہ وہ وہاں سے نکل گئے۔ میں اپنے گھر آ گیا۔ حضرت علیؓ اپنے گھر چلے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اس وقت تک نہ ہٹے جب تک آپ کو شہید نہ کر دیا۔

اگر یہ روایت صحیح ہو تو مورخ یہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کا یہ غلام مدینہ میں موجود تھا اور صدقہ کا وہ اونٹ بھی جس پر غلام سوار تھا اور جس کو مصریوں نے پکڑا تھا تو پھر حضرت عثمانؓ نے اس غلام سے اس شخص کے بارہ میں کیوں نہیں پوچھا جس نے اس کو وہ خط دیا تھا؟

آپ نے اس غلام سے یہ کیوں نہ دریافت کیا کہ اس کا مصر جانے کا مقصد کیا تھا؟

آپ نے اس سے یہ سوال کیوں نہ کیا کہ صدقہ کا اونٹ اس کو کس نے دیا تھا؟

آپ نے اونٹوں کے رکھوالے سے جواب طلب کیوں نہ کیا کہ میری اجازت کے بغیر یہ اونٹ غلام کے حوالے کر دینے کا تمہیں کیا اختیار تھا؟

اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ کام کس کا ہوگا اور غلام کو مصر کس نے بھیجا ہوگا اور اس کے بعد مصری بھی بدلہ لینے میں حق پر تھے۔

لیکن ایک اور چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ واقعہ جس کو اکثر مورخین نے نقل کیا ہے اگر صحیح ہو (اور ہمیں اس کے صحیح ماننے میں کوئی شک بھی نہیں کیونکہ متفقہ طور پر سب مورخین اسے نقل کرتے چلے آئے ہیں) اور مصریوں نے قاصد کو اسی حالت میں پایا ہو جس کا انہوں نے ذکر کیا، تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب کام حضرت عثمانؓ کے پس غیبت اور آپ کے علم کے بغیر کیا گیا۔ خصوصاً جب کہ ایک دوسری روایت بھی ہے کہ جب انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ:

"کیا ہم محمد بن مسلمہ کے اس وعدہ پر مدینہ سے نہیں چلے گئے تھے کہ آپ نے جو زیادتیاں کی ہیں ان سب سے دست بردار ہو جائیں گے اور جو چیزیں ہمیں ناپسند تھیں وہ چھوڑ دیں گے اور آپ نے خود بھی اس امر کا اقرار کر لیا تھا۔" تو حضرت عثمانؓ نے کہا:

"میں اب بھی اسی بات پر قائم ہوں۔"

وہ کہنے لگے:

"تو پھر آپ نے وہ خط کیوں اپنے عامل کو بھیجا جس کو ہم نے آپ کے قاصد کے قبضہ سے برآمد کیا؟"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کا نہ مجھے علم ہے اور نہ میں نے ایسا کیا۔"

انہوں نے کہا:

"آپ کا قاصد آپ کے اونٹ پر تھا طرزِ تحریر آپ کے کاتب کی تھی اور اس پر آپ کی مُہر لگی ہوئی تھی۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

"اُونٹ کو چُرایا جا سکتا ہے، طرزِ تحریر نقل کی جا سکتی ہے اور مُہر بھی دُوسری بنوائی جا سکتی ہے۔"

وُہ کہنے لگے:

"پھر ہم آپ کے خلاف کچھ نہیں کہتے لیکن آپ اپنے فاسق عمال کو برطرف کر دیجئے اور ان کی جگہ ایسے عامل مقرر کیجئے جو ہم سے انصاف کریں اور ہمارے مطالبات مانا کریں۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

"اگر میں تمہاری خواہشات پر عمل کرنے لگوں، جس کو تم عامل بنانا چاہو اسی کو عامل بناؤں، جس کو تم معزول کرنا چاہو اس کو معزول کر دُوں تو میری حکومت کہاں رہی تمہاری حکومت ہو گئی۔"

وُہ کہنے لگے:

"آپ کو ایسا ضرور کرنا پڑے گا ورنہ دو صورتیں ہیں، یا آپ معزول ہو جائیے اور یا قتل ہونے کے لیے تیار رہیے۔ اب جو کرنا ہو وہ سوچ لیجئے۔"

آپ نے فرمایا:

"میں وہ قمیص اتارنے کے لیے ہرگز تیار نہیں جو خدا نے مجھے پہنائی ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ اس خط کے معاملہ میں ہم کسی شک میں نہیں اور ہمیں یقین ہے حضرت عثمانؓ اس خط کے اتہام سے بالکل بری ہیں آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ یہ خط یقیناً مروان یا حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے لکھا تھا اور حضرت عثمانؓ کی مرضی اور علم کے بغیر لکھا تھا۔ بنی امیہ کی یہی سیاست تھی[1]

---

[1] شروع میں ثابت کیا جا چکا ہے نہ یہ خط حضرت عثمانؓ نے لکھوایا اور نہ مروان یا حضرت عثمانؓ کے قریبی آدمیوں میں سے کسی نے لکھا، بلکہ یہ ان مفسدین کا خود بنایا ہوا تھا۔ (مترجم)

(۲۲)

تشویشناک صورتِ حال

جس وقت مفسدین، حضرت عثمانؓ کا عاملِ مصر کے نام خط لے کر دوبارہ مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت علیؓ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں مقیم ہو گئے۔ وہ حضرت عثمانؓ سے اس بات پر ناراض تھے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی رائے پر اپنے مشیروں کی رائے کو ترجیح دی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے، بنی اُمیّہ ان کی مدافعت سے بالکل عاجز آ گئے ہیں اور اہلِ مدینہ نے ان کو چھوڑ دیا ہے تو حضرت علیؓ کو بلانا چاہا اور انہیں ایک خط لکھا۔ اس خط کو ابو العباس المبرد صاحبِ کامل نے اس طرح نقل کیا ہے:

"اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ لوگ میری جان کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک وہ میرا خون نہ بہا لیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

ساتھ ہی ایک شعر بھی نقل کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر واقعی میں ایسی چیز ہوں جس کو کھا لینا ہی مناسب ہے تو آپ ہی آ کر اس کو کھانے والے بنیں ورنہ پھر میری مدد کیجئے۔ ایسا نہ ہوا تو میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاؤں گا۔"

ادھر حضرت علیؓ کی غیر موجودگی میں طلحہ بن عبیداللہ ان لوگوں کی خواہشات کا مرکز بن گئے تھے۔ شاید وہ خود اپنے لیے خلافت کے خواہشمند تھے[1] لوگ چھپ چھپ کر ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جب حضرت علیؓ آئے اور حضرت عثمانؓ نے ان سے لوگوں کے ہٹانے کو کہا تو وہ طلحہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

"طلحہ! یہ کیا بات ہے تم اس معاملہ میں کیوں پھنس گئے؟"

اس کے بعد وہ بیت المال میں گئے اور لوگوں کو کچھ مال دیا جس پر انہوں نے طلحہ کو چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے علیحدگی میں یہ سارا حال کہہ دیا۔ طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس معافی مانگنے آئے تو آپ نے ان سے کہا:

---

[1] حضرت طلحہؓ پر یہ الزام لگانا قطعاً درست نہیں۔ آپ نے اپنے دونوں لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت اور باغیوں سے مقابلے کے لیے اس حالت میں بھیجا کہ باغی ہزاروں کی تعداد میں ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھے اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے مقابلہ کرنے کے لیے پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ اس صورت میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کا اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے بھیجنا صریحاً ان کو موت کے منہ میں دھکیلنا تھا۔ کیا ایسا شخص جس کو کسی شخص سے بغض و عناد ہو وہ اس کی حفاظت کے لیے اپنے بچوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے؟ یہ کام صرف انتہائی جاں نثاروں کا ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ مورخین نے ایسی باتیں جو عقل و قیاس سے کوسوں دور ہیں اپنی تاریخوں میں بلا سوچے سمجھے درج کر دیں۔ (مترجم)

"خدا کی قسم تم درحقیقت معافی مانگنے نہیں آئے ہو بلکہ صرف اس وجہ سے آئے ہو کہ تم مغلوب ہو چکے ہو۔"

ہمارے پاس اس امر کا بیّن ثبوت موجود ہے کہ طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے شدید ترین مخالفوں میں سے تھے اور حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے:

"اے اللہ! مجھے طلحہ کے شر سے بچا۔"

آپ یہ بھی کہا کرتے تھے:

"میں نے طلحہ کو بے شمار مال و دولت سے نوازا لیکن وہ میرے خون کا پیاسا ہے اور لوگوں کو میرے خلاف ابھارتا ہے۔ اے اللہ! تو اس کو کچھ نہ دے اور اس کی سرکشی کا مزا اس کو چکھا۔"

وہ لوگ جو "واقعہ دار" کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ اس دن طلحہ نے اپنے آپ کو کپڑوں میں چھپا رکھا تھا اور وہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر آپ کے گھر میں تیر مارتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب محاصرین حضرت عثمانؓ کے گھر میں دروازے کی راہ سے داخل نہ ہو سکے تو یہ طلحہ ہی تھے جنہوں نے ان کو صلاح دی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پیچھے ایک انصاری کے گھر میں داخل ہو کر اور اس کی دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو اس مکان پر چڑھانے میں مدد بھی دی۔

زبیر بن العوام بھی اگرچہ حضرت عثمانؓ کے مخالفین میں سے تھے۔ لیکن ان کے بیٹے عبداللہ نے حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ان غوغائیوں کا مقابلہ کیا اور ان کو وہاں سے ہٹا دیا۔[1]

جب ہم یہ واقعات دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ دونوں صاحبان خلافت کے متمنی تھے اور ان کو یقین تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد خلافت کے یہی وارث ہوں گے۔ ان کو یہ خیال بھی تھا کہ جب حضرت علیؓ خلافت سے پہلی، دوسری اور تیسری مرتبہ محروم ہو چکے ہیں تو اس موقعہ پر بھی وہ خلافت حاصل نہیں کر سکیں گے اور چوتھی مرتبہ بھی ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

یہ بات یقینی ہے کہ جب فتنہ شدت اختیار کر چکا تو اس وقت یہ امر حضرت علیؓ کی طاقت سے باہر ہو چکا تھا کہ وہ ان مفسدین کو مدینہ سے باہر نکال دیتے۔ اگر ایسا کرنا آپ کے امکان میں ہوتا تو آپ ضرور ایسا کرتے خصوصاً جب حضرت عثمانؓ

---

[1] کیا عجیب مخالفت ہے کہ اپنے دشمن کی حفاظت کے لیے اپنے لڑکے کو بھیجا جا رہا ہے۔ اگر ان کو خلافت کی خواہش ہوتی تو کون سا امر مانع تھا کہ وہ باغیوں کے ساتھ مل جاتے لیکن بجائے باغیوں کے ساتھ ملنے کے، جو ان کی مطلب برآری کا سہل ترین ذریعہ تھا، وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ مل جاتے ہیں جن سے ان کو از حد دشمنی تھی اور ان کی حفاظت کے لیے اپنے لڑکوں کو بھی تلواروں کی دھاروں پر رکھ دیتے ہیں۔ کیا ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہؓ کے خلاف یہ الزامات محض اتہام کی صورت رکھتے ہیں اور اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے اور وہ حضرت عثمانؓ کی اعانت و امداد سے دست کش ہو گئے تھے۔ (مترجم)

محاصرہ اور بھی سخت ہو گیا اور محاصرین نے آپ کے لیے پانی بھی بند کر دیا۔ حضرت علیؓ نے پیاس کی شدت سے بے قرار ہو کر حضرت علیؓ اور ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ان کو پانی پہنچائیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ایک بیوی حضرت اُمِ حبیبہؓ نے جو حضرت معاویہؓ کی شقیقہ (بہن) تھیں، چاہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پانی لے کر جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکیں۔ محاصرین نے ان کو لوٹا دیا۔ تلوار سے ان کے خچر کے پالان کی رسّی کاٹ ڈالی جس سے اس کی زین اُلٹ گئی اور حضرت اُمِ حبیبہ اس پر سے گر پڑیں۔ اگر بعض لوگ جھپٹ کر حضرت اُمِ حبیبہؓ کو بچا نہ لیتے تو وہ بھی شہید ہو جاتیں۔

جب حضرت عائشہؓ نے یہ دیکھا تو حج کی تیاری شروع کر دی اور اپنے بھائی محمد بن ابی بکر سے بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حضرت عائشہؓ اہلِ مصر کے سخت خلاف تھیں کیونکہ وہ حضرت علیؓ کو چاہتے تھے اور حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے نفرت کرتی تھیں[1]۔ جب مروان بن الحکم آپ کے پاس آیا اور آپ سے حضرت عثمانؓ کی مدد کے لیے مدینہ میں ہی ٹھہرنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

"کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو اُمِ حبیبہؓ کے ساتھ کیا گیا۔ اگر میرے ساتھ ایسا کیا گیا تو مجھے تو کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں آتا جو میری مدد کو پہنچے۔"

البتہ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس پانی جانا بالکل بند ہو گیا ہے تو وہ ایک رات محاصرین کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"اے لوگو! تم تو وہ کام کر رہے ہو جو مومنوں کو بالکل زیب نہیں دیتا۔ حتّٰی کہ کافر بھی یہ کام نہیں کرتے۔ تم کیوں عثمانؓ کا کھانا پینا بند کر رہے ہو۔ رومی اور فارسی بھی جب کسی کو قید کرتے ہیں تو اس کو کھانا پانی دیتے ہیں۔ اس شخص نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم نے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور اس کے قتل کے درپے ہو؟"

لیکن انہوں نے حضرت علیؓ کی بات بھی ماننے سے انکار کر دیا اور آپ سے صاف صاف کہہ دیا کہ "ہم کھانے یا پینے کی کوئی چیز عثمانؓ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

اس پر حضرت علیؓ اپنا عمامہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں پھینک کر چلے گئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ آئے تھے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس سلوک کا علم ہوا جو مفسدین نے حضرت علیؓ اور اُمِ حبیبہؓ کے ساتھ کیا تھا تو وہ بھی مجبوراً اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور پانی پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کی[2]۔

---

[1] یہ الزام بھی ویسا ہی غلط ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا حضرت عثمانؓ کے خلاف ہونے کا الزام۔ واقعہ یہی ہے حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ سے کسی قسم کی کدورت نہ تھی۔

[2] یہ عجیب تماشا ہے کہ ایک طرف تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خلافت کے اس درجہ متمنی ہیں کہ حضرت عثمانؓ جیسے (باقی بر صفحہ آئندہ)

محاصرہ کے دوران میں ہی حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو امیرالحج بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد ان کو ایک خط ارسال کیا اور کہلا بھیجا کہ اس خط کو حج اکبر کے دن حاجیوں کے مجمع میں پڑھ کر سنا دیں۔ اس خط میں آپ نے اس سخت محاصرہ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ لوگ آپ کے خون کے پیاسے ہیں اور آپ کی جان لیے بغیر ٹلنے والے نہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ان کی مدد کے لیے مدینہ پہنچیں۔

آپ کا یہ دل دہلا دینے والا پیغام حجاج کے عظیم الشان مجمع میں سنا دیا گیا جس سے لوگوں میں زبردست جوش پھیل گیا اور تمام حاجی حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ پہنچنے کے لیے تیار ہونے لگے۔

محاصرہ کی اس شدت کے دوران میں دار آلِ حزم سے تھوڑا بہت پانی لوگوں کی آنکھ بچا کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا دیا جایا کرتا تھا جب باغیوں کو اس کا پتا چلا تو وہ آل حزم کے گھروں کی بھی کڑی نگرانی کرنے لگے۔

جب بہت ہی سختی ہونے لگی تو آپ چھت پر چڑھے اور باغیوں سے فرمایا :

"میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے "بئر رومہ" اپنے مال سے نہیں خریدا تھا اور کیا میرا اس میں اتنا بھی حصہ نہیں ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا ؟"

انہوں نے جواب دیا : "بے شک !"

آپ نے فرمایا :

"تو پھر مجھے اس سے پانی کیوں نہیں لینے دیا جاتا ؟"

اس کے بعد آپ نے ان سے پوچھا :

"میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ زمین اپنے پاس سے خرید کر مسجد نبوی کی توسیع نہیں کی تھی ؟"

انہوں نے کہا : "یقیناً !"

آپ نے فرمایا :

"کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ کبھی میری طرف سے اس میں کسی کو نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہو ؟"

اس کے بعد آپ نے اسی قسم کے کچھ اور امور کا ذکر کیا لیکن ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

محاصرہ شدت پکڑتا گیا۔ جب باغیوں کو معلوم ہوا کہ حج ختم ہو چکا ہے اور حضرت عثمانؓ کی مدد کے لیے مکہ سے فوجیں چل پڑی ہیں تو ان میں سخت گھبراہٹ پھیل گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر جلدی نہ کی گئی تو ان کی خیر نہیں۔ اس پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جلیل القدر صحابیؓ کی دشمنی تک انہوں نے اپنے دل میں پال رکھی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے گھروں میں صرف اس لیے بیٹھ جاتے ہیں، حضرت عثمانؓ کو محض اس لیے پانی نہیں پہنچا سکتے کہ حضرت علیؓ اور حضرت اُمّ حبیبہؓ کے ساتھ باغیوں کا ناروا سلوک انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (مترجم)

...دہ کر لیا۔ جب وہ اس مقصد کے لیے آپ کے گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت حسنؓ بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت طلحہ... دونوں لڑکوں اور کئی اور صحابہؓ نے جو حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے، ان کا سخت مقابلہ کیا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو لڑنے سے روک دیا اور ان کو ان کے گھروں پر بھیج دیا۔

یہ ایک اور مضبوط دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت عثمانؓ نے ہرگز وہ خط نہیں بھیجا تھا جو مصریوں کے ہاتھ لگا تھا۔ اگر خلیفۂ ثالث ان لوگوں میں سے ہوتے جو فتنہ کے سرغنوں کا سر کچلنا چاہتے تھے تو کبھی آپ اپنے اعوان و انصار کو مدافعت کرنے سے نہ روکتے اور ان کو ان کے گھر واپس نہ بھیجتے۔ حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا وہ اس وجہ سے کیا کہ کہیں فتنہ نہ پھوٹ پڑے۔ اس فتنہ کا آپ کو اپنے تمام ایام خلافت میں بڑا خوف تھا۔ آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ فتنہ آپ کے زمانہ میں، آپ کے ہاتھوں اور آپ کے حکم سے پھوٹے۔

(۲۳)

مدینہ ایامِ محاصرہ میں

ہم نے فتنہ کے اسباب، اس کے پیدا ہونے اور بڑھنے کے متعلق کافی وضاحت سے بحث کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے معاملہ کے ہر پہلو کا جائزہ لے کر ایک بہت بڑے فرض کو انجام دیا ہے۔ مورخین نے فتنہ کے اسباب کے بیان میں بحث کو طول نہیں دیا اور وضاحت سے اس معاملہ پر روشنی نہیں ڈالی۔ ہم نے تاریخ کے جدید اصولوں کو پیش نظر رکھ کر تمام جماعتوں اور گروہوں کے خیالات و افکار اور رائے عامہ کے عواطف و جذبات پر بحث کی ہے۔ کیونکہ ہم اس کتاب کو محض حضرت عثمانؓ کی سوانح حیات بنا دینا نہیں، بلکہ ملت مسلمہ کی تاریخ اور اس کی پراگندہ حالی کی نفسیاتی تصویر کا درجہ بھی دینا چاہتے تھے۔

اہلِ مدینہ نے اس بغاوت کے وقت عجیب و غریب روش اختیار کر لی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے اور اس بغاوت کا سر کچلتے، انہوں نے اپنی اس عجیب و غریب روش کی بنا پر مفسدین اور باغیوں کے ہاتھ مضبوط کر دئے۔ اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ اہلِ مدینہ بھی حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور قتل میں بالواسطہ شریک تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بالکل چھوڑ دیا اور محاصرہ کی تمام مدت میں بالکل خاموش رہے۔ انہوں نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں کوئی مدد نہیں کی اور ان شورہ پشت لوگوں کے کچلنے میں کوئی کارنامہ سر انجام نہیں دیا۔[1]

مستشرقین کہتے ہیں کہ اس کی اصل وجہ ایک لمبے عرصہ تک مخفی رہنے کے بعد جاہلی عصبیت کا دوبارہ پیدا ہو جانا اور حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور لوگوں کا علی الاعلان آپ کے خلاف متحدہ محاذ بنا لینا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب نے کس حد تک اسلام کا اثر قبول کیا۔ عربوں کے ایک نئے دین میں داخل ہو جانے سے جاہلیت کے تمام جھگڑے ختم ہو گئے تھے۔

---

[1] اس الزام کا جواب ہم پیش لفظ میں دے چکے ہیں۔ (مترجم)

یہ بات یقینی ہے کہ قدیم و جدید، موروثی مذہب اور نئے دین (اسلام) کا باہمی نزاع اگرچہ کافی دیر تک چلا لیکن پھر بھی عربوں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود جاہلیت کی باتوں کو پوری طرح کچلا نہ جا سکا۔ جاہلی جھگڑے وقتاً فوقتاً ہوتے رہے اور یہ دشمنی ایک لمبے عرصے تک جاری رہی۔

اسلام قبائلی اور جنسی تعصب کو مٹانے آیا تھا۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ تمام انسان برابر ہیں۔ وہ بلند آواز سے یہ اعلان کرتا تھا:

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان واضح طور پر کھلے الفاظ میں بیان کر دیا تھا:

انما المؤمنون اخوۃ۔

(تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں)

مسلم میں ایک روایت آتی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص عصبیت کو ابھارتا، عصبیت کی طرف بلاتا یا عصبیت کو ابھارنے میں مدد کرتا ہے اور اسی مقصد کے لیے لڑتا اور مارا جاتا ہے، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔"

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کو پیشِ نظر رکھ کر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کرادی تھی حالانکہ قریشیوں اور اہلِ مدینہ میں دیرینہ دشمنی اور قدیم عداوت چلی آتی تھی۔ لیکن پھر بھی جاہلی عصبیت کلی طور پر مٹ نہ سکی اور اگر کسی نے اس کو بھڑکانا چاہا تو اس نے پھوٹ پڑنے کے لیے زور لگایا۔ لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں اس کو بالکل مٹا دیا اور اس کے ابھرنے کی کوئی راہ نہ چھوڑی۔ یہی کام حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کیا۔ لیکن جب خلافت حضرت عثمانؓ کے پاس آئی تو چونکہ حضرت عثمانؓ کمزور اور ضعیف تھے اس لیے عصبیت اپنے پورے زور سے ظاہر ہوئی۔ بنو امیہ اسلام میں بھی اسی طرح اپنا تسلط قایم کرنے کے ارادے کرنے لگے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا دستور تھا۔ قبائل نے بھی ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اپنی پرانی سرشت اختیار کر لی اور پرانے جھگڑے قصے پھر ابھرنے لگے۔

اس منحوس عصبیت نے سب سے پہلے عراق میں اپنا رنگ جمایا۔ عرب، عراق میں قبائلی عصبیت کو ساتھ لے کر داخل ہوئے اور اس کا پہلا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ بصرہ اور کوفہ مختلف قبائل میں بٹ گئے، کوفہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا: ایک شرقی اور ایک غربی۔ شرقی حصہ میں یمنی تھے اور غربی میں نزاری۔ ہر فریق نے قبائل کے لحاظ سے زمین کی تقسیم کر لی شعبی کہتا ہے کہ کوفہ میں یمنی نزاریوں سے زیادہ تھے۔ یمنی بارہ ہزار تھے اور نزاری آٹھ ہزار۔ اس عصبیت نے شدید نزاع کی صورت اختیار کر لی۔ کوفہ اور بصرہ کے عربوں میں جب لڑائی ٹھنی تب بھی یہ تفریق قائم رہی۔ ہر شہر کے ہر قبیلہ نے دوسرے شہر کے اسی قبیلہ کے ساتھ لڑائی کی جو اس کا مدِمقابل تھا کوفہ کے یمنی بصرہ کے یمنیوں سے لڑتے تھے، کوفہ کے ربیعہ بصرہ کے ربیعہ سے جنگ کرتے تھے اور کوفہ کے نضر بصرہ کے نضر سے برسرِ پیکار ہوتے تھے۔

عصبیت کو بھڑکانے والی ایک چیز اور بھی تھی اور وہ یہ کہ عراق کے اکثر باشندے فارس سے آئے ہوئے تھے۔ عرب

...ت کرتے تھے۔ موالی جن پر جزیہ واجب ہوتا تھا، پانچ لاکھ سے بھی زیادہ تھے۔ یہ ان لوگوں کے علاوہ تھے جو ایرانیوں میں سے لائے گئے تھے یہ موالی عربوں کے حلیف تھے اور ان کی ولایت میں ان کی حمایت کی وجہ سے داخل ہوئے تھے وہ عربوں کو اپنا سردار تصور کرتے تھے۔ ان موالیین میں سے ہر قوم اسی قبیلہ کی حمایت کرتی تھی جس کے وہ موالی اور حلیف تھے۔ اسی وجہ سے عراق مختلف گروہوں اور قبائل میں بٹ گیا تھا۔ ہر گروہ اپنی اپنی ذاتی اغراض اور اپنے اپنے مخصوص مصالح کے مطابق عمل کرتا تھا۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس وقت مدینہ کی حالت بھی بالکل وہی تھی جو عراق اور شام کی تھی۔ مدینہ کے باشندوں میں سے بنو ہاشم حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اور بنو امیہ حضرت عثمانؓ کے۔ ان کے درمیان انصار نے عجیب و غریب رویہ اختیار کر رکھا تھا عموماً ان کا موقف یہ تھا کہ مہاجرین نے ان کا حق غصب کر لیا ہے اور تمام سلطنت پر خود ہی قابض ہو گئے ہیں۔ یہ یقینی امر ہے کہ مدینہ میں بنو ہاشم و بنو امیہ، اور مہاجرین و انصار کے درمیان اختلاف جو جاہلی عصبیت کی ایک نشانی تھا، وہی سب سے بڑا سبب اس بات کا تھا کہ مدینہ کے باشندے حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے ایام میں بالکل الگ تھلگ رہے انہوں نے خلیفہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا لیکن خاموش بیٹھے رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف قوم کو جرأت اسی لیے ہوئی کہ آپ میں حد درجہ نرمی تھی۔ نیز بڑھاپے کی کمزوری اور بعض ایسی باتوں نے جن کو آپ سے پہلے خلفاء نہیں کیا کرتے تھے، جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ مہاجرین اور انصار میں اس امر کی طاقت نہ تھی کہ اگر وہ سب معاملات پر سنجیدگی سے غور کرتے، آپ کی سیاست پر راضی رہتے، جاہلی عصبیت ان کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرتی اور مصریوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تو مصری جن کی تعداد ایک ہزار آدمیوں سے زیادہ نہیں تھی، ہرگز اہل مدینہ اور ان کے ساتھ مہاجرین و انصار پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

اہلِ مدینہ اکثر شکایات کرنے والوں کی شکایتوں پر بہت کان دھرا کرتے تھے اور جو کچھ وہ لوگ حضرت عثمانؓ سے شکایتیں کرتے تھے اہلِ مدینہ ان کی ہمدردی میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ اکثر اوقات وہ حضرت عثمانؓ اور بنی اُمیہ پر اس سلسلہ میں اعتراضات بھی کیا کرتے تھے اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے۔ اس طرح وہ خلافت کے نام کی بے عزتی کرتے تھے جس کا احترام کرنا ہر مسلم کا فرض تھا[1]

مختلف شہروں کے مفسدین اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ حضرت عثمانؓ پر بعض اعتراضات کیا کرتے تھے جن میں سے کچھ ہم گزشتہ فصلوں میں بتا آئے ہیں وہ تمام اعتراضات ہم یک جائی طور پر نیچے حاشیہ میں درج کرتے ہیں[2]۔ یہ وہ امور تھے

---

[1] صحابہؓ پر ان الزامات کے متعلق پیش لفظ میں بحث ہو چکی ہے۔ (مترجم)

[2] حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ منیٰ اور عرفہ میں پوری نماز پڑھنا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشین وہاں نماز قصر پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ جمعہ کے دن زوراء کے مقام پر تیسری اذان کی زیادتی کرنا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

جن کے بارہ میں مہاجرین، انصار اور اہلِ مدینہ بھی حضرت عثمانؓ کو قصور وار ٹھہراتے تھے اور فتنہ کے سرغنوں کے ہاتھوں میں تو یہ اعتراضات ایک زبردست حربہ تھے ہی جس سے کام لے کر وہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے۔ یہی امور اہلِ مدینہ کے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دینے کا باعث بنے۔

حضرت عثمانؓ نے بھی ایامِ محاصرہ میں اہلِ مدینہ کے سکوت اور ان کی دست کشی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہی باتیں فتنہ انگیز گروہ کو جرأت دلا رہی ہیں کہ وہ جتنی سختی آپ پر کر سکیں کریں اور آپ کے خلاف گندگی پھیلانے اور آپ پر اعتراضات کرنے میں جس قدر بڑھنا چاہیں بڑھ جائیں۔ اگر اہلِ مدینہ کے دل آپ کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ وہ آپ کی مدد کے لیے آتے اور امیر المومنین اور خلافت کے دفاع میں تلوار اٹھاتے۔

آپ کی امامت اور سیاست پر بے شمار اعتراضات کیے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ نے ایک خط کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۳۔ حضرت ابوذرؓ کو شام سے نکال کر مدینہ اور مدینہ سے نکال کر ربذہ بھیج دینا۔

۴۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا ان کے ہاتھ سے نکل کر اریس نامی کنویں میں گر پڑنا۔

۵۔ اپنے اہل وعیال اور اپنے چچا زاد بھائیوں میں ولایات تقسیم کر دینا اور ولید بن عقبہ کو شراب پینے کی سزا دینے میں تاخیر کرنا۔

۶۔ اپنے اہل وعیال اور چچیرے بھائیوں میں جائدادیں تقسیم کر دینا اور ان کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دینا۔

۷۔ صرف اپنے رشتہ داروں کی رائے اور مشورہ پر چلنا اور مہاجرین و انصار کو مشورہ اور امورِ سلطنت میں شریک نہ کرنا۔

۸۔ مروان کو افریقہ کے غزوہ کا خمس (پانچواں حصہ جو خلیفہ کے لیے مخصوص ہوتا ہے) دے دینا۔

۹۔ عبداللہ بن خالد بن اسید کو چار لاکھ درہم دے دینا۔

۱۰۔ حارث بن الحکم کو مدینہ میں ایک جگہ دے دینا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عطا فرما دی تھی۔

۱۱۔ حارث بن الحکم سے اپنی بیٹی عائشہ کا نکاح کر دینا اور اپنے داماد کو ایک ہزار درہم بیت المال میں سے دے دینا۔

۱۲۔ ابوسفیان بن حرب کو دو ہزار درہم دے دینا۔

۱۳۔ مدینہ کے اردگرد سرکاری چراگاہ بنا دینا لیکن بنی امیہ کو اس میں داخل نہ ہونے سے مستثنیٰ کرنا۔

۱۴۔ حکم بن ابی العاص کو جسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا مدینہ واپس بلا لینا اور اس کو ایک ہزار درہم دے دینا۔

۱۵۔ خیزران کو کوڑے مارنا۔

۱۶۔ اونچی اونچی عمارتیں بنانا آپ نے مدینہ میں سات گھر بنائے، اپنی بیوی نائلہ کو ایک گھر اور اپنی بیٹی عائشہ کو ایک گھر دیا۔ اور ان کے علاوہ اپنے اہل وعیال اور ہر بیٹی کو ایک ایک گھر دیا۔

۱۷۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو اتنا پیٹا کہ ان کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ (مؤلف)

تیار کیا، جس میں آپ کے خلاف مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے :

حضرت عثمانؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف کام کیے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں بنوائی ہیں۔ ولایات اور حکومت کا سارا کام اپنے اہل وعیال اور چچیرے بھائیوں میں تقسیم کر دیا ہے جو ابھی ناتجربہ کار اور بچے ہیں جن کو نہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی ہے اور نہ امورِ سلطنت کا کوئی تجربہ ہے۔ حد یہ ہے کہ ولید بن عقبہ امیرِ کوفہ صبح کی نماز نشہ کی حالت میں پڑھاتا ہے اور بجائے دو کے چار رکعتیں پڑھا دیتا ہے اور نماز پڑھا کر مقتدیوں سے کہتا ہے کہ اگر تم ایک رکعت اور زیادہ پڑھنا چاہو تو میں وہ بھی پڑھا دوں۔ لیکن آپ نے اس پر حد جاری نہیں کی اور فرمایا کہ اس پر حد اس وقت لگائی جائے گی جب یہ شہادت دی جائے کہ یہ شخص شراب پیتا ہے اور بار بار پیتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس مہاجرین اور انصار کو بالکل عضوِ معطّل کی طرح چھوڑ رکھا ہے، کوئی کام بھی ان کے سپرد نہیں کیا جاتا۔ ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا جاتا اور اپنی رائے کو ان کی رائے پر مقدم کیا جاتا ہے۔ مدینہ کے اردگرد چراگاہ بنائی ہوئی ہے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے۔ جاگیریں، وظیفے، عطیے ان لوگوں کو دیے جاتے ہیں جن کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحبت نہیں رہی اور وہ لڑائیوں اور مہموں میں بھی کوئی حصہ نہیں لیتے۔ خیزران کو بے تحاشا کوڑے مارے اور آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کی پیٹھوں پر کوڑے برسائے (ان امور کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں) اس خط کا مسودہ تیار ہونے پر یہ طے کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں پہنچا دیا جائے۔

جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے یہ خط تیار کیا تھا وہ عمار بن یاسر اور مقداد بن الاسود سمیت دس صحابہ تھے۔ جب یہ لوگ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس چلے تو خط تو عمار کے ہاتھ میں دے دیا اور خود آہستہ آہستہ کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر میں صرف عمار باقی رہ گئے۔

انہوں نے پروا نہ کی اور خط لیے حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کے پاس مروان بن الحکم اور آپ کے اہل وعیال موجود تھے۔ حضرت عمار نے یہ خط حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے پڑھا اور کہنے لگے:

"تم نے یہ خط لکھا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہاں!"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"تمہارے ساتھ اور کون شریک تھا؟"

انہوں نے جواب دیا:

"میرے ساتھ چند لوگ تھے جو آپ کے ڈر کی وجہ سے آپ کے پاس نہ آسکے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "وہ تھے کون؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "پھر تم نے یہ جرأت کیوں کی؟"

مروان کہنے لگا:

"امیرالمومنین! یہ سیاہ غلام (عمار) لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کر دیں تو دوسرے اس کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑیں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "اس کو مارو۔"

دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ عمار کا پیٹ پھٹ گیا اور ان پر غشی طاری ہو گئی۔

اس کے بعد لوگوں نے انہیں گھسیٹ کر گھر کے دروازہ پر ڈال دیا۔ بنو مغیرہ جو عمار کے حلیف تھے یہ دیکھ کر طیش میں آ گئے۔

عمارؓ بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشورہ کی مجلس میں آپ کو شریک کرتے تھے۔ آپ کی کئی فضیلتیں مروی ہیں۔ آپ کا مرتبہ مسلمانوں میں بیحد بلند تھا۔

حضرت عمارؓ کے ساتھ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنے میں پیش پیش تھے انہوں نے حضرت علیؓ کی بے انتہا خدمت کی اور صفین میں شہید ہوئے۔[1]

خلاصہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کئی عوامل کام کر رہے تھے۔ ایک تو باغی، کہ جو کچھ ان کے سر میں سما جاتا تھا اس کے کرنے پر تل جاتے تھے اس لیے کہ وہ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کے لیے سخت خطرہ تھا۔ دوسرے اہلِ مدینہ جو حضرت عثمانؓ کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس معاملہ میں بالکل خاموش تھے۔ ان میں سے بعض خاموشی کی حد سے گزر کر حضرت عثمانؓ کے خلاف آمادۂ پیکار بھی تھے۔ تیسرے بنو امیہ جو چاہتے تھے کہ معاملہ کو یہاں تک ڈھیل دی جائے کہ فوجیں مدینہ پہنچ جائیں۔ اگر حضرت عثمانؓ کوئی وعدہ کرتے تو وہ اسے تڑوا دیتے۔[2] اگر آپ لوگوں کے مطالبات کو ماننے کا ارادہ کرتے بھی تو وہ آپ کو اس ارادہ سے پھیر دیتے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ انہی کے کہنے پر چلیں اور خلافت سے معزول ہونے سے بالکل انکار کر دیں۔[3]

---

[1] تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے شدید ترین دشمنوں سے بھی عفو اور درگزر کا سلوک کیا اور باوجود عمال کے بار بار اصرار کرنے کے آپ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی حالانکہ آپ بڑی آسانی سے ان کو عبرت ناک سزائیں دے سکتے تھے اور کوئی شخص بھی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک معمولی سی بات پر حضرت عمارؓ کے ساتھ یہ سلوک کرتے؟ اس واقعہ پر غور کرنے کے ساتھ خط کی اصلیت بھی سمجھ میں آ جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ محض ایک من گھڑت واقعہ ہے اور اصلیت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔

[2] حضرت عثمانؓ جیسے مقدس اور پاکباز انسان پر یہ الزام لگانا خود الزام لگانے والوں کے خبثِ باطنی کی دلیل ہے۔ حضرت عثمانؓ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔

[3] جس صورت میں کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو خلعتِ خلافت اتارنے سے منع فرمایا تھا تو بنی امیہ کے کہنے سے معزول ہو جانے یا معزول ہونے سے انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مترجم)

...عوامل حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث ہوئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ دوسروں کی رائے پر نہ چلتے تھے ۔ اگر آپ دوسروں کے مشوروں پر چلتے تو آپ کی زندگی بچ جاتی ۔ مغیرہ بن شعبہ نے آپ کے بچانے کی ایک تدبیر سوچی ۔ وہ حالتِ محاصرہ میں آپ سے ملے اور کہنے لگے :

"امیرالمومنین ! آپ لوگوں کے امام ہیں، آپ پر جو مصیبت پڑی ہوئی ہے وہ ظاہر و باہر ہے ۔ میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں :

۱ - پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نکل کر ان کا مقابلہ کریں ۔ آپ کے پاس فوج اور قوت کافی ہے ۔ آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، اس لیے فتح آپ ہی کی ہوگی ۔

۲ - دُوسری یہ کہ ہم آپ کے لیے ایک چور دروازہ گھر کے دروازہ کے علاوہ بنا دیتے ہیں آپ اس دروازہ سے نکل جائیے اور سواری پر بیٹھ کر مکہ چلے جائیے وہاں آپ ان کے ہاتھوں سے بالکل محفوظ ہوں گے اور وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے ۔

۳ - اگر یہ دونوں باتیں آپ کو منظور نہ ہوں تو پھر آپ شام چلے جائیے وہاں معاویہ جیسا زبردست شخص موجود ہے اور یہ لوگ وہاں آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے ۔"

لیکن حضرت عثمانؓ نے مغیرہ کے مشورہ کو نہ مانا ۔ واقعہ یہ ہے کہ مغیرہ کی تدبیریں دُور اندیشی اور معقولیت کے لحاظ سے بہت بڑا مرتبہ رکھتی تھیں ۔ اگر حضرت عثمانؓ ان پر عمل کرتے تو کبھی وہ نہ ہوتا جو ہُوا[1]

(۲۴)

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ

ابو جعفر بن مکی الحاجب کہتے ہیں :

"میں نے محمد بن سلیمان سے جو ایک ظریف الطبع ادیب اور نہایت عقلمند شخص تھا اور ریاضیات اور فلسفہ کا ماہر تھا، حضرت علیؓ

---

[1] پہلی بات تو حضرت عثمانؓ نے اس لیے نہیں مانی کہ وُہ اپنی ذات کے لیے مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور ان کا کشت و خون کرانا نہیں چاہتے تھے جیسا کہ بعد کے لوگوں نے کرایا اور نتیجہ سوائے بربادی اور تباہی کے کچھ نہ نکلا ۔

دوسری ترکیب انتہائی بزدلی پر دلالت کرتی تھی اس لیے رسول اللہ کا جانشین اسے کس طرح منظور کر سکتا تھا ۔

تیسری تجویز کو آپ نے اس لیے قبول نہ کیا کہ حضرت امیرالمومنین عثمانؓ بن عفان کسی صورت اور کسی حالت میں بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کو چھوڑ کر کہیں باہر جانا پسند نہیں فرماتے تھے خواہ اس میں ان کی جان ہی چلی جائے ۔

اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے بھی حضرت امیرالمومنین کے سامنے تقریباً یہی تجاویز پیش کی تھیں مگر آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کو مسترد کر دیا تھا ۔ (مترجم)

حضرت عثمانؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا:

یہ ایک بہت پُرانی عداوت تھی جو عبدالشمس اور بنی ہاشم میں چلی آ رہی تھی۔ حرب جو بنی امیہ کا ایک ممتاز فرد تھا عبدالمطلب بن ہاشم سے نفرت رکھتا تھا۔ ابوسفیان، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور کئی بار آپ سے جنگ وجدال بھی کر چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اور دوسری بیٹی کا حضرت عثمانؓ سے۔ لیکن جو تعلق حضور علیہ السلام کو حضرت علیؓ سے بیاہی ہوئی بیٹی فاطمہؓ سے تھا وہ حضرت عثمانؓ سے بیاہی ہوئی اپنی دونوں بیٹیوں سے نہیں تھا۔ حضرت فاطمہؓ سے زیادہ تعلق کی ایک وجہ حضرت علیؓ بھی تھے کیونکہ حضرت علیؓ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور اخلاص میں بھی بہت بڑھ چڑھ کر تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ سے ایسا کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کو یہ بات بہت محسوس ہوتی اور دونوں بہنوں میں بھی کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی۔ پھر یہ بھی اتفاق ہوا کہ حضرت علیؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی جنگوں میں بنی عبدالشمس کے بے شمار لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اس لئے دشمنی اور بھی بڑھ گئی۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند نفوس پر مشتمل ایک جماعت حضرت علیؓ کے پاس آئی جن میں حضرت عثمانؓ نہ تھے۔ آپ فاطمہؓ کے گھر ان لوگوں کے ساتھ بھی نہ آئے جنہوں نے خلافت کی بیعت نہ کی تھی۔ حضرت علیؓ کو خلافت کی خواہش تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کا اظہار آپ کے لیے ممکن نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب چھ آدمیوں پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا تو اس وقت حضرت علیؓ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور جو کچھ آپ کے دل میں پوشیدہ تھا وہ ظاہر کر دیا۔

ان دونوں کے درمیان اختلافات بڑھتے ہی چلے گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ حضرت علیؓ نے جب بھی آپ کو ٹوکا بجا طور پر ٹوکا اور کسی کام سے آپ کو منع نہیں کیا جب تک وہ کام شریعت کی رُو سے منع کیے جانے کے قابل نہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ اپنی ذات سے بہت کمزور اور ضعیف تھے، آپ نے تمام کاروبارِ سلطنت مروان کے سپرد کر دیا، وہ آپ کو جس طرف چاہتا پھیر دیتا۔ دراصل خلافت پر قابض وہی تھا صرف نام حضرت عثمانؓ کا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کیے ہوئے وعدہ کو پسِ پشت ڈال دیا تو حضرت علیؓ کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے علٰحدگی اختیار کر لی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے بعد میں معذرت چاہی بھی لیکن اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہ تھا اور معاملہ اتنا بگڑ گیا تھا کہ پھر کسی کے بنائے نہ بن سکا۔[1]"

جعفر کہتے ہیں میں نے محمد بن سلیمان سے کہا: "کیا آپ کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد کی نسبت زیادہ تکلیفیں اٹھائیں؟"

---

[1] یہ محض ایک شخص کی ذاتی رائے ہے اور انہی واہی تباہی خیالات کا عکس جو عوام کالانعام کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے بدترین مخالفوں اور مفسدینِ امت کے پھیلائے ہوئے تھے۔ نہ ان میں سے کوئی بات سچ ہے نہ الزامات کا کوئی سر پیر ہے۔ بازار میں بیٹھ کر جو باتیں محمد بن سلیمان نے سُنیں اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر انہی کو جعفر سے روایت کر دیا۔ ایسی حالت میں اس کے بیان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو مذکورہ بیان سے صاف ہوتا ہے کہ یہ نظریات کافی حد تک ایک منافق کے نظریات سے مشابہ ہیں۔ کیونکہ اس شخص نے درپردہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زبانِ طعن دراز کی ہے (العیاذ باللہ) (ہاشمی)

سلیمان نے کہا :

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے حضرت عثمانؓ تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلے میں کوئی چیز ہی نہیں تھے۔ اگر وہ دونوں نہ ہو چکے ہوتے تو حضرت عثمانؓ کو خلافت کسی صورت میں بھی نہ مل سکتی۔ حضرت عثمانؓ کو بھی پہلے خلافت کی خواہش نہ تھی، نہ ان کے ذہن میں پہلے کبھی یہ بات آئی تھی لیکن ایک امر کی وجہ سے حضرت عثمانؓ ان کے مقابلے میں اقتدار حاصل کرنے کے خواہشمند تھے وہ یہ کہ دونوں بنی عبد مناف سے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ انسان اپنے دور کے رشتہ دار کے مقابلہ میں اپنے قریبی رشتہ دار سے اقتدار حاصل کرنے میں زیادہ مقابلہ کرتا ہے۔"

جعفر کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سلیمان سے پوچھا :

"اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ خلافت چھوڑ دیتے اور قتل نہ کیے جاتے تو حضرت علیؓ آسانی کے ساتھ خلافت کا کام سرانجام دے سکتے تھے، اگر حضرت عثمانؓ کے معزول ہونے کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت کی جاتی ؟"

انہوں نے کہا :

"نہیں ! یہ کس طرح ہو سکتا تھا بلکہ حضرت عثمانؓ کے زندہ ہونے کی صورت میں معاملات اور بھی زیادہ بگڑ جاتے کیونکہ حضرت عثمانؓ کو ہر دم اس بات کی اُمید ہوتی کہ کبھی نہ کبھی خلافت پھر ان کے پاس آ جائے گی اور وہ ہمہ وقت اس امر کے لیے کوشاں رہتے۔ اگر وُہ قید میں ہوتے تو معاملات انتہائی نازک صُورت اختیار کر لیتے کیونکہ آپ کے حمایتی برابر آپ کا نام لے کر لوگوں کو بھڑکاتے رہتے اگر قید میں نہ ہوتے، آزاد رہتے تو وہ اس بات کا خوب پروپیگنڈا کرتے کہ میں مظلوم ہوں اور مجھ سے بالجبر خلافت چھین لی گئی ہے۔ اس طرح لوگ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حضرت علیؓ کے خلاف مجتمع ہو جاتے اور فتنہ شدت اختیار کر لیتا۔"

جعفر نے ان سے پھر پوچھا :

"آپ کا امامت کے بارہ میں کیا خیال ہے اور اس کے اصل اور منبع کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے ؟"

وہ کہنے لگے :

"میں اس کی اصل کے متعلق صرف دو باتیں جانتا ہوں۔ ایک یہ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے سلسلہ میں کوئی تصریح نہیں فرمائی اور نہ کسی شخص کا اس معاملہ میں نام ہی لیا بلکہ اس کو مبہم رکھا اور رمز و کنایہ میں ایسی باتیں کہیں جن سے کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہوتی تھی اور حضرت علیؓ ان کو پیش کر کے اپنا حق کسی طرح بھی نہیں منوا سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ نے سقیفہ والے دن اپنے لیے کوئی نص صریح موجود نہ ہونے کی بنا پر کسی قسم کا جھگڑا نہ کیا بلکہ خاموش ہو رہے۔ بادشاہ جب اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنا جانشین بناتے ہیں تو فرمان جاری کر کے اور منبروں پر خطبے پڑھ کر اس امر کا بڑے واضح الفاظ میں اعلان کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے اس ارادہ سے مملکت کا بچہ بچہ واقف ہو جائے، تاکہ بعد میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو سکے۔ خلافت کا معاملہ ایسا آسان اور چھوٹا سا معاملہ نہیں تھا جو اس طرح اشتباہ میں رہتا۔ شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاملہ کو اس طرح مبہم رکھنے میں یہ مصلحت ہو کہ کہیں منافقین کی طرف سے شور و غوغا اور فساد برپا نہ ہو کہ یہ نبوت کا ہے کہ ہوئی بادشاہت ہو گئی

لہ جو بدبخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ناپاک الزام لگائے کہ معاذاللہ حضورؐ نے منافقین کے ڈر سے امرِ خلافت کو (باقی صفحہ آئندہ پر)

جسے نبی نے اپنے بعد اپنی اولاد اور خاندان کو سونپ دیا ہے۔ چونکہ آپ کی اولاد میں سے بوجہ صغرسنی کے کوئی حکومت سنبھالنے کا اہل نہیں اس لیے حکومت کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے سر ڈال دی ہے لیکن درحقیقت یہ حضرت فاطمہؓ کے لیے جو آپ کی بیٹی ہیں اور ان کی اولاد کے لیے ہے۔ پس حقیقۃً بات یہ ہے کہ آپ نے محض اشاروں اور کنایوں میں اپنے بعد اپنے جانشین کا ذکر کیا مثلاً حضرت علیؓ کو کہا:

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی۔

(تو مجھ سے وہی درجہ رکھتا ہے جو موسٰی کے بعد ہارون کا تھا)

من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ۔

(جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کا دوست ہے)

لافتٰی الّا علی لا سیف الّا ذوالفقار۔

(حضرت علیؓ کے مانند کوئی نوجوان نہیں اور ذوالفقار سے بہتر کوئی تلوار نہیں)

لیکن ان اشاروں کنایوں سے کوئی واضح بات معلوم نہیں ہوتی جس کی بناء پر حضرت علیؓ اپنا حق خلافت پر قایم کرسکتے اور اپنے مدِمقابل کو خاموش کر سکتے۔

دُوسرا امر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مشورہ کے لیے کچھ آدمیوں کی ایک کمیٹی قایم کی لیکن خلافت کے لیے کسی ایک آدمی کی تخصیص نہیں کی۔ اس لیے اس کمیٹی کا ہر ممبر یہی خیال کرنے لگا کہ وہی خلافت کے لیے موزوں ہے اور ملک و سلطنت کا انتظام کرنے کا وہی حقدار ہے۔ یہی خیالات ان کے دل و دماغ میں چکر لگانے لگے اور اسی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان مخالفت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

مبہم رکھا، کیا وہ اس قابل ہوسکتا ہے کہ اس کی رائے کی کوئی قدر کی جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے:

یٰاَیھا الرسول بلّغ ما انزل الیك من ربّك و ان لم تفعل فما بلّغت رسالتہ۔ (مائدہ ع ۱)

(یعنی اے رسول! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اتارا ہے وہ تو لوگوں تک پہنچا دے، اگر تُو نے ایسا نہ کیا تو تُو نے پیغامِ رسالت پہنچانے کا فرض ادا نہ کیا)

لیکن اس آیت کی موجودگی میں یہ شخص نہایت بے تکلفی سے کہہ دیتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافتِ علیؓ کو منافقوں کے ڈر سے مبہم رکھا انّا للہ وانّا الیہ راجعون محمد بن سلیمان کی یہ رائے نہ صرف اس کی بدظنی پر دلالت کرتی ہے بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں جن آراء کا اظہار کیا ہے کہ اس قابل بھی نہیں کہ ان پر غور کیا جائے۔

(مترجم)

...ا ہو گئی جو ... عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوئی[1]

... آپ کی شہادت کا بڑا سبب حضرت طلحہ کی مخالفت تھی ان کو یہی خیال تھا کہ حضرت عمرؓ کے بعد کئی وجوہات کی بنا پر خلافت انہی کا حق ہے۔ ایک یہ کہ وہ سابقون الاوّلون میں سے تھے۔ دُوسرے یہ کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوبکرؓ کی اس زمانہ کے لوگوں میں بہت بڑی عزت اور قدر و منزلت تھی، تیسرے یہ کہ وہ بہت سخی تھے وہ خود حضرت عمرؓ سے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جھگڑتے تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے بعد کاروبارِ خلافت انہی کو تفویض کر دیں۔ جب حضرت عثمانؓ تختِ خلافت پر متمکن ہوگئے تو ان کے دل میں ان کے خلاف کدورت پیدا ہوگئی اور انہوں نے اہلِ مدینہ، بدوؤں اور ان فسادیوں کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور انھیں شہ دینے لگے۔ اس کام میں حضرت زبیرؓ نے بھی ان کی مدد کی۔ وہ بھی اپنے لیے خلافت چاہتے تھے۔ خلافت حاصل کرنے کا زیادہ موقعہ انہی دونوں کو تھا۔ حضرت علیؓ کو اتنا نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی طاقت کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے پاش پاش کر دیا تھا[2] اور لوگ ان کو بالکل بھلا بیٹھے تھے۔ جن لوگوں کو ان کے اصلی جوہر اور خصائص کا پتا تھا وُہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی وفات پا چکے تھے اور آپؐ کے بعد حضرت علیؓ کا پالا ایسے لوگوں سے پڑا تھا جن کو آپ کی حقیقی قدر و منزلت کا پتا نہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ آپ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپؐ کے داماد ہیں۔ مزید برآں ان کو قریش کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ قریش کی مخالفت سے سوائے آپ کے اور کسی کو بھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ قریش کو جتنا بغض آپ سے تھا اتنا ہی تعلق حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے تھا۔ یہ دونوں حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں قریش سے بہت میل ملاپ رکھتے تھے اور انعام و اکرام کے وعدہ سے ان کو پھسلاتے رہتے تھے۔ خود اپنے اور لوگوں کے خیال میں دراصل یہی دونوں خلیفہ تھے اگرچہ ظاہری طور پر ان کو خلافت حاصل نہ تھی۔

جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے تو حضرت طلحہؓ نے خلافت پر قابض ہو جانا چاہا اور اگر اشتر اور اس کے ساتھ یہ مفسدین نہ ہوتے تو حضرت علیؓ خلافت حاصل نہ کر سکتے۔ جب طلحہؓ اور زبیرؓ خلافت پر قابض نہ ہو سکے تو انہوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ مقابلہ کی ٹھانی۔ حضرت عائشہؓ کو اپنے ساتھ ملایا[3] اور عراق کا قصد کیا جہاں ان کے مددگار موجود تھے وہاں انہوں نے فتنہ کو ہوا دی جس کے نتیجہ میں جنگِ جمل اور دُوسری لڑائیاں ہوئیں۔

اس اختلاف کے متعلق جو حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوا اور جو آپ کے بعد اُٹھا، یہ ایک بڑے[4] آدمی کی رائے ہے جس کو ہم نے اس لیے بیان کیا ہے کہ ہم قارئین کو تفرقہ اور فتنہ کے کچھ اسباب اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان اختلاف و

---

[1] ہم پہلے بھی کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ جلیل المرتبت صحابہ کرامؓ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ خود خلافت کے خواہشمند تھے اور اپنے آپ کو اس کے لیے موزوں سمجھتے تھے، صرف ایسے ہی شخص کے لیے موزوں ہو سکتا ہے جسے عقل و خرد سے حصہ نہ ملا ہو یا جسے واقعاتِ تاریخی کا صحیح علم نہ ہو اور یا پھر اسے صحابہؓ سے للّٰہی بغض ہو مگر واقعات کی موجودگی میں کوئی صحیح الدماغ انسان ایسے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا۔ [2] یہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی دیانت و امانت اور للّٰہیت پر مصنف کا کھلا حملہ ہے اور وہ بھی بلا دلیل۔ [3] مذکورہ بالا تمام بیانات خالص مفسدانہ نظریات پر مبنی ہیں اور ان میں جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں وہ قطعاً غلط اور بے سند و بے اصل ہیں۔ [4] تعجب ہے کہ مصنف محمد بن سلیمان جیسے شخص کو بڑا آدمی سمجھتا ہے جسے نہ مزاجِ نبوت کی شناخت ہے نہ مقامِ صحابہ کی۔ محمد بن سلیمان کے قول کو مستند قول سمجھ کر پیش کرنا تنقیدی نظر کے فقدان پر دلالت کرتا ہے۔ (ہاشمی)

خصومت کے کچھ پہلو دکھا سکیں جس نے مسلمانوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے افتراق و انشقاق کا بیج بو دیا اور ان کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف کی ایک ایسی گہری خلیج حائل ہوگئی جو آج تک نہ پاٹی جا سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف کبھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اور نہ لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ خود حضرت عثمانؓ نے بھی آپ پر اس قسم کا کبھی کوئی الزام نہیں لگایا اور ان باتوں میں سے کبھی کوئی بات آپ کی طرف منسوب نہیں کی۔ حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے سلطنت کا تمام کام بنی امیہ کے سپرد کر دیا تھا اور انہی کو مناصب اور اعلیٰ مراتب سے نوازا تھا۔ ہم پچھلی فصلوں میں ان تمام باتوں کا ذکر کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ کس طرح حضرت عثمانؓ ان لوگوں پر بھروسا اور اعتبار کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ اگر چاہتے تو دوسرے مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ مل سکتے تھے جو بنی امیہ کے لوگوں سے زیادہ ولایات کے حقدار تھے اور عطیات و اموال حاصل کرنے کے بھی۔

جو لوگ کتب سیر و اخبار خصوصاً ابن حدید کی شرح نہج البلاغہ کا مطالعہ کریں ان کو پتا چلے گا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا یہ اختلاف فتنہ یا بغاوت سے متعلق نہیں تھا اور حضرت علیؓ پر فتنہ پھیلانے اور فسادیوں کی مدد کرنے کا الزام کسی صورت میں عائد نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ نے جو روش اس موقعہ پر اختیار کی تھی وہ یہ تھی کہ آپ اس معاملہ سے بالکل علیحدہ اور خانہ نشین ہو گئے تھے اور کسی سے کوئی تعلق باقی نہ رکھا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو کئی مفید مشورے دیئے ——————— اور باوجود وعدوں کے ان باتوں کی اصلاح نہ کی جن کی اصلاح کرنے کا آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے صلاح کار حضرت عثمانؓ کو وہ باتیں قبول کرنے سے روکتے ہیں جو یہ فسادی چاہتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اصلاح حال کی جو ذمہ داریاں حضرت عثمانؓ پہ عاید ہوتی تھیں ان کو پورا کرنے میں روک بنتے ہیں تو اس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو آئندہ کوئی مشورہ دینا بالکل چھوڑ دیا[1]

جب ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے واسطے خلافت چاہتے تھے اور اس امر میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے تو ہمارا مطلب اس سے یہ ہے کہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں آپ کو خلافت کی خواہش تھی لیکن آپ نے شیخین کے عہد میں جمہور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف کوئی بات نہیں کی اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اس کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی آپ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی کوشش نہیں کی اور اس کے لیے آواز نہیں اٹھائی اگرچہ ان کا خیال یہی تھا کہ وہ خلافت کے لیے حضرت عثمانؓ سے زیادہ حقدار ہیں[2]۔ جب حضرت عثمانؓ کے آخر عہد میں فتنہ و فساد اور بغاوت پھوٹی اور جب آپ نے یہ دیکھا کہ بنو امیہ اور خصوصاً مروان ابن الحکم نے حضرت عثمانؓ پر پورا تسلط پا لیا ہے وہ ان کی رائے کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے اور صرف انہی کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر علیحدگی اختیار کر لی۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اسباب پر بحث کرتے ہیں وہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ آپ کی شہادت کا سب سے بڑا سبب آپ کا اپنے ناعاقبت اندیش صلاح کاروں

---

[1] قطعاً بے بنیاد بات ہے۔ [2] ہم اس کا جواب دے چکے ہیں کہ حضرات صحابہؓ اس طرح کی خواہشات اور طلب سے پاک تھے۔ (ہاشمی)

...کے اشا... پر چلنا اور ان کی باتوں اور مشوروں کو قبول کرنا تھا۔ ان کا سردار مروان بن الحکم تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی شخص تھا جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو جامِ شہادت پینا پڑا۔

زبیر بن بکار حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں:

"میں نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں اپنے والد سے کبھی کچھ نہیں سُنا۔ نہ وہ آپ پر کوئی تہمت لگاتے تھے نہ آپ پر لگائے ہُوئے اعتراضات کا رد کرتے تھے میں نے بھی اس ڈر سے کہ کہیں کوئی ناگوارِ طبع بات نہ ہو جائے ان سے اس بارہ میں کچھ نہ پُوچھا۔

ایک دفعہ ہم رات کو بیٹھے ہُوئے کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ آگئے اور ہمارے ساتھ کچھ کھانا بھی کھایا۔ کھانے کے بعد انہوں نے میرے والد سے حضرت علیؓ کی شکایت کی کہ انھوں نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

حضرت عباس نے کہا کہ آپ کے متعلق صرف علیؓ ہی اکیلے نہیں کہتے بلکہ دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں۔ آپ لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں اور لوگ آپ پر تہمت لگاتے ہیں۔ آپ ان کے بدخواہ ہیں وہ آپ کے، پس جو کچھ آپ ان سے کرتے ہیں وہی آپ سے کرتے ہیں پھر گلہ کس بات کا؟

اس پر حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ:

"آپ اس معاملہ میں پڑ کر میرے اور لوگوں کے درمیان صُلح کرا دیں"۔

عباس نے کہا:

"کیا میں یہ بات لوگوں کو آپ کی طرف سے کہہ دوں؟"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

"ہاں بے شک کہہ دیں۔"

یہ کہہ کر وہ لَوٹنے لگے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد پھر واپس آئے اور کہنے لگے:

"ابھی لوگوں سے اس کا تذکرہ نہ کریں۔"

ہم نے دروازہ پر جو نظر کی تو مروان بن الحکم دروازہ میں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا اور وُہی تھا جس نے ان کو ان کی پہلی رائے سے پھیر دیا تھا۔

ابو العباس المبرد اپنی کتاب "کامل[1]" میں حضرت علیؓ کے غلام "قنبر" سے روایت کرتے ہیں:

---

[1] اس جگہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ کتاب "کامل" کوئی باقاعدہ تاریخی کتاب نہیں بلکہ ایک بلند پایہ ادبی کتاب ہے جس میں بعض تاریخی واقعات بھی درج کر دیے گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایک اہم معاملہ کے متعلق کسی ادبی کتاب میں درج کی ہوئی رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ (مترجم)

"میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس گیا۔ ان دونوں نے چاہا کہ تنہائی میں کچھ باتیں کریں۔ حضرت علیؓ نے میری طرف اشارہ کیا اور میں وہاں سے کچھ دُور چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر ناراض ہو رہے تھے اور حضرت علیؓ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا:

"آخر آپ بولتے کیوں نہیں؟"

حضرت علیؓ کہنے لگے کہ:

اگر میں کچھ کہوں گا تو آپ کو بُرا لگے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ سے کچھ باتیں کروں تو وہ آپ کی ناراضی کا موجب نہ ہوں بلکہ ایسی باتیں ہوں جن کو آپ پسند کرتے ہوں۔"

ابو العباس کہتے ہیں:

"اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے بھی آپ کے ساتھ اتنی ہی زیادتی کی ہے جتنی آپ نے مجھ پر کی تو اس صورت میں آپ مجھ پر ناراض ہوں گے اور میں یہ نہیں چاہتا، کیونکہ مجھے آپ کی ناراضی اور عتاب منظور نہیں۔"

واقدی کتاب الشورٰی میں ابنِ عباس سے روایت کرتا ہے:

"ایک دن حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر ناراض ہو رہے تھے، میں بھی وہیں تھا۔ وہ حضرت علیؓ سے کہہ رہے تھے کہ آپ نے فتنۂ تفرقہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ حالانکہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اسی طرح اطاعت کیا کرتے تھے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تھے۔ میں ان دونوں سے الگ نہیں ہوں۔ اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں تو میں بھی آپؐ کا داماد ہوں اور اس بنا پر کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں میرے ساتھ بیاہی تھیں، میں آپ سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتا ہوں۔ اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ خلافت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کے واسطے مخصوص کر دی تھی جیسا کہ آپ نے حضورؐ کی وفات کے بعد اس بات کو پیش کیا تھا تو پھر آپ نے شیخین کی بیعت کیوں کر لی تھی؟ اگر وہ دونوں اس مرتبہ کے لائق نہیں تھے تو آپ نے ان کی اطاعت کا جوا اپنے کندھوں پر کیوں رکھ لیا تھا۔ اگر وہ اس مرتبہ کے لائق تھے تو میں ان دونوں سے دین میں، حسب میں اور قرابتِ رسولؐ میں کسی طرح سے کم نہیں ہوں پھر آپ میرے ساتھ ویسا ہی سلوک کیوں نہیں کرتے جیسا ان دونوں کے ساتھ کرتے تھے؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"پہلی بات یہ ہے کہ اگر میں تفرقہ کا دروازہ کھول رہا ہوں اور اس کے لیے راہ صاف کر رہا ہوں تو اس امر سے مَیں خدا کی پناہ چاہتا ہوں لیکن میں آپ کو اس بات سے روکتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ روکتا ہے اور آپ کو ہدایت کی طرف راہ دکھاتا ہوں۔ باقی رہا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا معاملہ تو اگر انہوں نے وُہ کچھ لے لیا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے مقرر کیا تھا تو اس کا آپ کو اور دُوسرے مسلمانوں کو بھی پتا ہو گا۔ مجھے تو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے اس معاملہ کو طول ہی نہیں دیا۔ اگر وہ میرا حق نہیں تھا بلکہ مسلمان ہی مل کر خلافت کا فیصلہ کرنے والے تھے تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ لیکن اگر وہ میرا حق تھا اور دُوسروں کا نہیں تھا تو میں نے صدق دلی اور خوشی سے وہ انہی کو عطا کر دیا اور ملّت کی اصلاح چاہنے کے لیے میں نے خلافت بہ

ناپسند نہیں کیا۔ باقی رہا میرے، آپ کے اور ان دونوں کے درمیان برابری کا معاملہ، تو آپ ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ان کے سپرد ملک و ملت کا انتظام کیا گیا تھا اور انہوں نے اس کو بہت خوش اسلوبی سے چلایا اور اپنی ذات کے لیے کوئی نفع بھی حاصل نہ کیا۔ لیکن آپ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ کی عمر تھوڑی رہ گئی ہے۔ کب تک آپ زندہ رہیں گے آخر ایک دن خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ بنی امیہ کو لوگوں کی عزتیں اور مال و دولت لوٹنے سے روکئے۔ خدا کی قسم! اگر آپ کے عمال میں سے کوئی عامل کسی پر ظلم کرتا ہے تو اس کے گناہ میں آپ بھی اس کے برابر کے شریک ہیں۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"آپ کی مرضی! اگر آپ کا یہی خیال ہے تو میرے عمال میں سے جس جس کو آپ اور دوسرے مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس کو معزول کر دیجئے۔"

جب حضرت علیؓ چلے گئے تو مروان بن الحکم نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا "لوگ آپ پر زیادتی کریں گے، آپ ان میں سے کسی کو معزول نہ کیجئے۔"

ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اگرچہ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے اور آپ کی سیاست کو بالکل پسند نہ کرتے تھے لیکن آپ فتنہ کے حق میں نہ تھے۔ آپ نے نہ اس کی کوشش کی اور نہ کبھی اس کے متعلق کوئی اشارہ کیا۔ مفسدین میں سے جو لوگ آپ کی تائید اور مدد حاصل کرنے آپ کے پاس آتے تھے آپ ان سے بہت سختی اور شدت سے پیش آتے تھے اور ان کو مایوس لوٹا دیتے تھے آپ نے کئی مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ حضرت عثمانؓ کو فتنہ فرو کرنے اور مفسدین کو ان کے شہروں میں لوٹانے کے لیے ان کے کچھ مطالبات مان لینے میں کچھ تامل نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن حضرت عثمانؓ ان سے وعدہ کرتے تھے کہ وہ انہی کے کہنے پر عمل کریں گے اور جن جن عمال کو وہ ہٹانا چاہیں گے ہٹا دیں گے اور مروان اور اس کے بھائی بند آپ کو اس وعدہ سے منحرف کروا دیتے تھے۔ اس طرح حضرت علیؓ کی عزت پر حرف آتا تھا اور آپ کو اس بات کا سخت رنج ہوتا تھا کہ حضرت عثمانؓ ان کی رائے کو مروان کی رائے کے مقابلہ میں بے وقعت سمجھتے ہیں۔

ایک اور چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے کبھی بھی حضرت علیؓ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ فتنہ کی تائید کر رہے ہیں اور ان کے خلاف لوگوں کو بھڑکا رہے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ پر صرف یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ ان کی تائید میں بہت ہی سستی سے کام لے رہے ہیں۔ ادھر حضرت علیؓ کا جواب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ ان کی نصیحت کو نہیں سنتے۔ وہ ان سے وعدہ کرتے ہیں اور زبان دیتے ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو اس سے انکار کر دیتے ہیں اور اپنے وعدہ سے منکر ہو جاتے ہیں[1] جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مفسدین حضرت علیؓ پر الزام لگاتے اور تہمت دھرتے ہیں کہ وہ بھی امیر المومنین کے شریک ہیں۔ اس چیز سے حضرت علیؓ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کے متعلق یہ نہ کہا جائے

---

[1] مندرجہ بالا اعتراضات کی حقیقت حضرت عثمانؓ پر بے بنیاد اتہام سے قطعاً زیادہ نہیں۔ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفۂ رسول اللہ کے متعلق وعدہ خلافی کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (مترجم)

کہ انہوں نے وعدہ کیا لیکن ایفا نہ کیا۔ زبان دی لیکن اس سے پھر گئے۔

(۲۵)

کیا حضرت عثمانؓ غلطی پر تھے ؟

کتب سیر کے قدیم مؤلفین نے اس بحث میں بڑا اختلاف کیا ہے۔ بعض نے حضرت عثمانؓ پر تنقید کی ہے اور بعض نے ان کو غلطیوں سے مبرّا قرار دیا ہے، اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے سرے سے ان کی ساری سیاست سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور ان کی کمزوری، نرمی اور رقیق القلبی کو اس فتنہ کا باعث ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ ہی تھے جنہوں نے اسلام کے لیے وہ حالات پیدا کر دیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو مسلمان ہلاکت کے گڑھے میں گر کر ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو جاتے۔ لیکن بعد کے مصنفین میں سے اکثر نے حضرت عثمانؓ کا دفاع کیا اور جو کمزوریاں ان سے صادر ہوئی تھیں ان کے لیے عذر تلاش کیے ہیں۔ ہم نے بھی جہاں تک ممکن ہوا یہی راستہ اپنے لیے منتخب کیا ہے[1]

مرتضیٰ جو متقدمین علمائے اسلام میں سے ہے حضرت عثمانؓ کی سیاسی غلطیوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"وہ شخص جو حضرت عثمانؓ کو بری الذمہ قرار دیتا ہے اس کی اس بات میں کوئی وزن نہیں کہ حضرت عثمانؓ کو اپنے ان فاسق عمّال کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا جن کو آپ نے مختلف ولایات میں مقرر کیا تھا، اس لیے آپ پر اس بارہ میں کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ نے بےخبری میں ایسا کیا، یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ جن جن ایسے فاسق لوگوں کو آپ نے والی مقرر کیا وہ پہلے ہی بے حیائی، بدکاری اور دین سے استہزاء کرنے میں مشہور تھے۔ اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ ولید بن عقبہ کے شراب پینے اور دین کے ساتھ استہزاء کرنے کا الزام کوفہ کا والی ہونے کے بعد نہیں لگایا گیا بلکہ پہلے ہی اس کی تمام عادات و خصائل عام لوگوں میں مشہور تھیں تو حضرت عثمانؓ سے جو اس کے بہت ہی قریبی رشتہ دار تھے وہ کس طرح مخفی رہ سکتی تھیں!

کوفہ میں اس کا شراب پینا اور نشہ میں مدہوش ہو جانا، لوگوں کا وہاں آ جانا اور اس کے ہاتھ سے بےخبری میں انگوٹھی اتار لینا کوئی راز نہیں ہے۔ لیکن جب لوگ یہ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس جاتے ہیں تو حضرت عثمانؓ اس کو اس وقت تک کوڑے لگانے اور معزول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جب تک پورا مقدمہ ان کے سامنے پیش نہ ہو۔ مدعی اور مدعا علیہ دونوں بیان دیں، جرح ہو اور پھر فیصلہ کیا جائے[2] اگر حضرت علیؓ آپ پر سخت زور نہ دیتے تو آپ کبھی اس کو معزول نہ کرتے۔"

---

[1] صحیح اور درست اور ٹھیک راستہ یہی ہے کہ جو غلط، بیہودہ اور نامعقول اعتراضات مخالف، مفسد اور فتنہ انگیز لوگوں نے حضرت خلیفۂ ثالث پر لگائے ان کا دلائل اور براہین سے رد اور دفعیہ کیا جائے اور ان کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔

[2] یہ امر حیرت انگیز ہے کہ اس معاملہ میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا بغیر تحقیقات کسی شخص پر حد قایم کرنا اور اسے ولایت سے معزول کر دینا انصاف کہلایا جا سکتا ہے؟ (مترجم)

"پھر لوگ صرف اس وجہ سے حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے کہ آپ نے اپنے اقارب کو محض اقارب ہونے کی بنا پر مختلف علاقوں کی تولیت سپرد کر دی بلکہ اس وجہ سے ناراض تھے کہ وہ عامل عامۃ المسلمین پر مختلف شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے اور قسم قسم کی تہمتیں ان پر لگاتے تھے اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے عزیز و اقارب کو کوئی عُہدہ دینے سے ڈرتے تھے"

"سعید بن العاص نے کوفہ میں کہا :

سواد قریش کا باغ ہے اور ان کو یہ حق ہے کہ وہ اس میں سے جتنا چاہیں پھل لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں"

اس پر لوگوں نے کہا :

وہ چیز جو خدا نے ہمیں دی ہے اس پر آپ اپنا اور اپنی قوم کا قبضہ کس طرح جما سکتے ہیں؟"

جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ کوفہ والوں نے سعید کو مدینہ سے آتے ہوئے کوفہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ لوگوں کی حضرت عثمانؓ سے بھی اس بارہ میں بڑی گرم گرم گفتگو ہوئی، جس کے نتیجہ میں وہ حضرت عثمانؓ کو بھی تختِ خلافت سے اتارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے مجبور ہو کر ابو موسیٰ کو وہاں کا والی بنایا۔

حضرت عثمانؓ نے سعید کو اپنی مرضی سے ولایت سے علٰحدہ نہیں کیا۔ وُہ تو کبھی ایسا نہ کرتے، بلکہ اہلِ کوفہ نے اپنے زور سے اس کو علٰحدہ کرایا۔"

"باقی رہا یہ امر کہ لوگوں نے ان پر عاملِ مصر کو خط لکھنے کا الزام لگایا لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا۔ تو آپ کے واسطے ضروری تھا کہ اس تمام معاملہ کی تحقیقات کرتے، اس قاصد کو طلب کرتے اور اس سے تمام واقعہ کی تفصیل پُوچھتے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرتے۔ پھر جب ان کو معلوم ہُوا تھا کہ مروان نے یہ کام کیا ہے اور اس نے بعض مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا تھا تو آپ کا فرض تھا کہ اس کو قرار واقعی سزا دیتے اور آیندہ کے لیے اس کو اپنا قرب کسی طرح بھی نہ بخشتے۔"[1]

"یہ بھی غلط ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کا قتل ضروری ہی تھا تو یہ کسی صورت میں جائز نہیں تھا کہ عوام اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے۔ کیونکہ جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا وہ آپ کے قتل کے ارادہ سے ہرگز نہیں آئے تھے بلکہ اس امر کے ثابت ہونے کے بعد کہ آپ نے اپنے فرائض میں کوتاہی کی ہے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر لوگوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو مجبور کرنے لگے کہ آپ خلافت چھوڑ دیں۔ آپ اپنے گھر میں مقیم ہو گئے اور بنی امیہ کے اوباش آپ کے پاس جمع ہو کر آپ کی مدافعت کرنے لگے[2] جو شخص آپ کے گھر کے قریب آنا چاہتا اس کو پتھر مارتے، اس پر

---

[1] خط کا واقعہ سراسر فرضی اور من گھڑت ہے۔ اس پر ہم پہلے تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ نہ یہ خط مروان نے لکھا نہ حضرت عثمانؓ کا غلام اس خط کو لے کر گیا۔ اگر ایسا تھا تو باغی اس غلام کو لا کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کرتے اور عرض کرتے کہ اس سے پوچھئے۔

[2] نہ معلوم اس مورخ کے ذہن سے یہ بات کس طرح فراموش ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرنے میں حضرت علیؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ کے لڑکے بھی شامل تھے۔ (مترجم)

بتدریج لڑائی، دنگا، فساد اور بالآخر آپ کے قتل تک نوبت پہنچی۔ لیکن دراصل مقصود لڑائی اور قتل نہ تھا بلکہ معاملات نے آہستہ آہستہ یہ صورت اختیار کی۔ یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی ظالم کسی انسان کے مال و متاع پر قابض ہو جائے تو مغلوب کے لئے یہ ضروری ہے کہ وُہ اپنے مال کو بچانے کے لیے کچھ جدّوجہد کرے۔ البتہ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال بچانے کے ساتھ ساتھ اس کو قتل بھی کر ڈالے۔ لیکن اگر بغیر قصد اور ارادہ کے معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ مال کے ساتھ اس کی جان کو بھی خطرہ ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے اگر اس غاصب کو قتل بھی کرنا پڑے تو مجبوراً اس کو یہی کرنا چاہیے۔ جب حضرت عثمانؓ کی طرف سے محاصرین کے مطالبات کو ماننے میں دیر ہُوئی تو انہیں یہ خوف لاحق ہُوا کہ اگر جلدی فیصلہ نہ کیا گیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنی مدد کے لیے سلطنت کے مختلف حصّوں میں جو خطوط لکھے تھے اور اس کے نتیجہ میں جو فوجیں آپ کی مدد کے لیے آ رہی تھیں وُہ مدینہ پہنچ جائیں گی اور قتلِ عام شروع ہو جائے گا۔ اس صورت میں زبردست فتنہ کا احتمال ہے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔"[1]

"حکم ابن ابی العاص کو مدینہ واپس بلانے میں حضرت عثمانؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی سفارش کی۔ لیکن آپؐ نے سفارش رد کر دی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کے واپس بلانے کی سفارش کی لیکن آپ نے بھی اس کو رد کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہُوئے تو انہوں نے پھر اس کی سفارش کی، اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے تو اس کو نکالا ہے اور آپ مجھے اس کے بلانے کو کہتے ہیں۔ آج کے بعد آپ اس کام کے لیے میرے پاس تشریف نہ لائیے گا۔"

جب حضرت عثمانؓ خود خلیفہ ہُوئے تو آپ نے اس کو اور اس کے اہل و عیال کو واپس بلا لیا۔ کبار صحابہ کو یہ بہت ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس اس کی شکایت کی تو آپ نے کہا:

"وہ میرا رشتہ دار ہے اور میں اب اس کو واپس نہیں کر سکتا۔"

اس پر وُہ بہت ناراض ہُوئے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کو مدینہ واپس بلا لیا ہے جس کو خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کیا تھا اور اس پر لعنت بھیجی تھی حتیٰ کہ اس کا نام بھی مطرید رسول اللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دھتکارا ہوا) پڑ گیا تھا اور آپ نے اس کی عزّت و تکریم کے ساتھ اس کو مال و دولت سے بھی نوازا ہے۔"

مرتضیٰ نے اپنی تنقید میں حضرت عثمانؓ کے عمال میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا جس میں کیڑے نہ نکالے ہوں۔ اس نے

---

[1] ظاہر ہے کہ اس بیان کا مصنف حضرت عثمانؓ کا بہت ہی بڑا دشمن اور معاند ہے اور مفسدوں کا نہایت معاون اور ہمدرد۔ جس نے مفسدین پر سے فساد کی ساری ذمّہ داری ہٹا کر حضرت عثمانؓ پر ڈالنی چاہی ہے اور وہ بھی بڑے مضحکہ خیز طریقہ سے۔ میں کہتا ہوں باغیوں کو کب یہ حق تھا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر یوں فتنہ برپا کرتے! پھر اس دوران میں جو نامعقول اور بیہودہ حرکات انہوں نے کی ہیں کیا کوئی شریف اور امن پسند انسان ایسی حرکات کر سکتا ہے؟! انہی حرکات سے ان کی شرافت کا پول کھل جاتا ہے۔ (مترجم)

گیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اہلِ بیت کو بے شمار مال و دولت عطا کی تھی جو دراصل مسلمانوں کا مال تھا۔ اس نے ... گیا ہے کہ حارث بن کلدہ کے غلام زیاد بن عبید اللہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری والیِ بصرہ نے کافی مال واسباب دے کر بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنے بیٹوں اور اہل و عیال میں تقسیم کر دیا۔ جب زیاد نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ رو پڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سے پُوچھا: "تم کیوں روتے ہو؟"

زیاد نے کہا:

"میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو بھی خلیفہ ہونے کی حالت میں دیکھا ہے۔ ان کے ایک بیٹے نے بیت المال کی کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑک دیا اور لڑکا روتا ہُوا باہر نکل گیا اور آپ نے اپنے بیٹوں کو یہ سارا مال تقسیم کر دیا ہے۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا:

"حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کچھ نہیں دیا کرتے تھے اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لیے اپنے اہل و عیال، بیٹوں اور قرابت داروں کو مال و دولت سے نوازتا ہوں۔"

مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعودؓ کو سزا دینے، ابوذر غفاریؓ کو مدینہ سے ربذہ بھیج دینے اور وہاں ان کے غریب الوطنی کے عالم میں وفات پا جانے کا بھی ذکر کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے معاویہ کو حکم دیا تھا کہ ابوذر کو بڑی تکلیفیں دے کر شام سے مدینہ بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا حالانکہ مسلمانوں میں ان کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا وہ ایک جلیل القدر صحابی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب تھے[1]

حضرت عثمانؓ کے خلاف مرتضیٰ کی تنقید پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہم پہلے ہی ان امور کے بارہ میں بحث کر چکے ہیں البتہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک گمراہ شخص کی رائے حضرت عثمانؓ کی خلافت اور سیاست کے بارہ میں ہے (اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص حضرت عثمانؓ کے متعلق جو کہے وہ تھوڑا ہے۔ ایسے لوگ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں ان کے دلوں میں اس سے زیادہ بغض بھرا ہوا ہے)

بعض قدیم مؤرخین حضرت عثمانؓ کو بالکل بری الذمہ قرار دیتے ہیں اور آپ کی سیاست اور آپ کے عمال کو نکتہ چینی سے بالکل مبرا سمجھتے ہیں۔ جو جو اعتراض آپ پر کیے جاتے ہیں انہوں نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ بایں ہمہ ہر تنقید کو فضول قرار نہیں دیا جا سکتا اور ہر اعتراض کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس وقت جب کہ کوئی بھی حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور بنو امیّہ کو رعایا پر مسلّط کر دینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ بعض صحابہ پر سختی کرنے کی کوئی معقول وجہ تلاش بھی کر لی جائے لیکن اس امر سے وُہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ آپ بہت نرم دل تھے اور آپ کی نرمی سے فائدہ اٹھا کر بنو امیہ لوگوں کے سروں پر مسلط ہو گئے تھے جس سے حضرت

---

[1] ان اعتراضات کے جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ (مترجم)

عمر فاروق بہت ڈرا کرتے تھے [1]

معاصر مؤرخین حضرت عثمان رض کی سیاست کے متعلق ایک جدید نظریہ قائم کرتے ہیں جو قدما کے نظروں سے کافی مطابقت رکھتا ہے۔ اس موضوع پر بعض معاصر مؤرخین کی آرا درج ذیل کی جاتی ہیں۔

خضری مرحوم یہ رائے ظاہر کرتے ہیں :

"مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ عرب عدل اور مساوات کے بھی بہت دلدادہ تھے۔ حضرت عمر رض نے ان کو آزادی، عدل اور مساوات کی شیرینی چکھا دی تھی۔ عبداللہ بن سبا نے ان کی خلقی کمزوریوں کو بھانپ لیا۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اہل بیت کی بہت تعظیم ہے، لوگوں میں حضرت علی رض کے متعلق پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ جس طرح ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اسی طرح حضرت علی رض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور چونکہ وہ حق پر ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ان کا حق ان کو دیا جائے اور جو شخص ان کا حق چھینتا ہے وہ ظالم اور غاصب ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حضرت علی رض کی تعریف کے پل باندھنے شروع کر دیے اور آپ کے درجہ کو اتنا چڑھایا کہ الوہیت کا مرتبہ دے دیا۔ ظاہر ہے کہ خود حضرت علی رض اس کے نظریات سے کسی طرح موافقت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کو اس سے کیا غرض تھی، اسے تو اپنا مطلب نکالنا تھا۔ اس طرح لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت بہت بڑھ گئی اور اس کے لیے اپنے نظریات لوگوں میں پھیلانا بہت آسان ہو گیا۔ اس شخص کو ان لوگوں سے خدا واسطے کا بیر تھا جن کے ہاتھوں میں خلافت و سلطنت کے امور تھے۔ چنانچہ اس نے پہلے اپنا اعتبار قائم کر کے ان عمال کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔ اس کے لیے اس نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ عرب عدل و مساوات کے بہت دلدادہ تھے، اور جمہور کو یہ کہہ کر بڑی آسانی سے بھڑکایا جا سکتا تھا کہ فلاں شخص کے ہاتھوں تمہاری آزادی خطرہ میں ہے تم اس سے عدل و انصاف کی امید بالکل نہ رکھو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمان رض اور آپ کے عمال کے خلاف اس طرح پروپیگنڈہ شروع کیا کہ کبھی تو کہا عمال نوجوان ہیں انھیں معاملات سلطنت کی کچھ خبر نہیں اور وہ بالکل ناتجربہ کار ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ وہ حضرت عثمان رض کے قریبی رشتہ دار ہیں، کبھی یہ کہا کہ وہ ظالم ہیں اور لوگ ان کے ہاتھوں نالاں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتیں کر کے اس نے ہر شہر میں اپنا ایک گروہ بنا لیا۔ اب لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ ہر شہر کا گروہ دوسرے شہر کے لوگوں کو ان فرضی مظالم کی تفصیل بھیجنے لگا جو اس شہر کے عامل نے وہاں کے مسلمانوں پر کیے۔ یہ خطوط عامۃ المسلمین میں اعلانیہ پڑھے جاتے تھے۔ سادہ لوح مسلمانوں کو جب ان فرضی مظالم کا پتا چلتا جو ان کے خیال میں ان کے بھائیوں پر وہاں کے ظالم عمال نے روا رکھے ہوئے تھے، تو ان کے دلوں میں ان عمال کے خلاف نفرت کے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے رحم کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور وہ کہتے تھے :

ہم توان مظالم سے امن میں ہیں جن میں ہمارے دوسرے مسلمان بھائی مبتلا ہیں "۔
ان کو پتا تھا کہ دوسرے شہروں میں ان کے بھائی ان کے لیے درد اور ترحم کے جذبات اپنے اندر رکھتے ہیں اور خود شکر کرتے ہیں کہ وہ ہر مصیبت اور ظلم سے محفوظ ہیں۔ غرضیکہ ان خطوط نے عامۃ المسلمین میں عمال کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر دیے لیکن جو کچھ ان خطوط میں لکھا جاتا تھا اس میں کسی قسم کی سچائی نہ ہوتی تھی اور وہ سو فیصدی جھوٹ کا پلندا ہوتے تھے۔

وہ لوگ حضرت معاویہ میں کیڑے ڈالتے تھے حالانکہ انہیں حضرت عثمانؓ نے والی مقرر نہیں کیا تھا بلکہ ان کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے ولایت ملتی چلی آئی تھی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو ولایت سے نوازا۔ بہت ہی کم عمال ایسے ہیں جو حضرت عمرؓ کی ساری زندگی میں اپنے عہدہ پر قائم رہے ہوں۔ لیکن حضرت معاویہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ سے لے کر آخر زمانہ تک والی بنے رہے۔ تمام ولایات میں سب سے زیادہ پُرسکون اور سب سے زیادہ عدل سے بہرہ ور ولایت شام کی تھی۔ حضرت معاویہؓ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ سوائے ابوذر والے اعتراض کے سب ایسے ہیں جو انتہائی لایعنی اور فضول ہیں اور ان پر بحث کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ لیکن ابوذر والے معاملہ میں بھی اگر ایک منصف مزاج شخص غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ حضرت ابوذر کا عمل اور آپ کی دعوت بالکل ناقابلِ عمل تھی بلکہ اس پر عمل کرنے سے ملت میں انشقاق و افتراق برپا ہو جاتا۔ لوگوں کو مجبور کیا جاتا کہ وہ تمام عیش و آرام پر لات مار کر فقیرانہ زندگی بسر کریں اور مال و دولت کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ لوگ عبداللہ بن ابی سرح پر اعتراض کرتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ ظالم تھا بلکہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم دے دیا تھا کیونکہ وہ مرتد ہو کر کفار سے جا ملا تھا جو آپؐ سے برسرِ جنگ تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کی سفارش کی اور وہ خود بھی تائب ہو کر بحیثیت مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو معاف کر دیا۔ اب سوچیے کہ جس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا تو پھر کس شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس پردہ کو ہٹانے کی کوشش کرے؟

عبداللہ بن سعد ہرگز ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ لوگ ان پر الزام لگاتے ہیں جو اس وقت بچے تھے اور عبداللہ بن سعد سے عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ لوگ حضرت عثمانؓ پر ولید بن عقبہ کو والی بنانے کی وجہ سے الزام لگاتے ہیں حضرت عثمانؓ نے اس کو والی نہیں بنایا تھا بلکہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ہی جزیرہ کا والی تھا۔ حضرت عثمانؓ نے صرف یہ کیا تھا کہ اس کو جزیرہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔ جب وہ کوفہ میں آیا تو لوگوں کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی اور اس نے بہت اچھی طرح حکومت کی لیکن پھر اس پر شراب پینے کا الزام لگا کر شور و شغب برپا کر دیا گیا اور اس کے خلاف شہادت دی گئی۔ یہ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ لوگ اپنی شہادت میں سچے تھے یا جھوٹے۔ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے شہادت دینے کے بعد اس پر حد قائم کی اور اسے معزول کر دیا۔ ان واقعات کی روشنی میں معلوم نہیں لوگ خواہ مخواہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کیوں شور برپا کرتے ہیں۔

مفسد بن سعید بن العاص پر عیب لگاتے ہیں حالانکہ اہلِ کوفہ کو خود اس بات کا اعتراف تھا کہ سعید بہترین عامل، عادل

... مزاج شخص تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان الزامات میں جو یہ لوگ عمال پر لگاتے تھے اور ظلم و جور کی ان داستانوں میں جو مفسدین ہر چہار طرف پھیلاتے تھے کسی قسم کی سچائی نہیں تھی۔ ان کے پھیلانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں بُرا اثر پیدا کیا جائے۔ اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے، کیونکہ لوگ ان اقوال اور الزامات کو بغیر کسی شک و شبہ کے قبول کر لیتے تھے اور ان کی تصدیق میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہ سمجھتے تھے کیونکہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ ادلّہ و براہین، عقلی حجتیں اور منطقی نتائج جماعتوں اور مجموعوں کو متاثر نہیں کرتے۔

اس فتنہ کے بڑھنے میں اصحاب الرائے اور بڑے بڑے لوگوں نے بہت مدد دی کیونکہ انہوں نے فتنہ کو بڑھنے سے پہلے نہیں روکا اور اس کے انسداد کی کوئی فکر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کے نائبین امراء ایسا کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے کیونکہ خلیفہ نے ان کے ہاتھوں کو اس ڈر سے پکڑا ہوا تھا کہ اگر سختی کی گئی تو فتنہ کا ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کے متعلق آپ نے انتہائی کوشش کی تھی کہ وہ بند رہنے دیا جائے"

پروفیسر نجّار کا یہ خیال ہے کہ "حضرت عثمانؓ کا بھی اس فتنہ میں کسی دوسرے سے کم حصّہ نہیں ہے۔ جب ان کو معلوم تھا کہ وُہ بہت کمزور اور نرم طبیعت ہیں تو ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جاتے اور اپنے قتل سے اُمت کو ایک مصیبتِ عظمٰی میں مبتلا نہ کرتے[1]۔

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص ان حوادث کی تفصیل پڑھے جو حضرت عثمانؓ کے قتل سے پہلے رونما ہُوئے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وُہ قریش کے سربر آوردہ لوگوں کو ہر قسم کے الزامات سے بری قرار دے سکے۔ اگرچہ یہ بھی مشکل ہے کہ ان پر فسادیوں کے ساتھ کسی حقیقی عملی قدم اٹھانے کا الزام لگایا جا سکے۔ مگر وہ غفلت کے مجرم ضرور تھے۔ چنانچہ سب سے بڑا اعتراض جو ان پر آتا ہے وُہ یہی ہے کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں انتہائی لاپرواہی سے کام لیا اور آپ کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کیے جو حضرت عثمانؓ جیسے انسان کے مرتبہ سے بعید تھے۔ ایسے الفاظ انتہائی نازک زمانہ میں اور فتنہ کے سرغنوں کے سامنے کہے گئے جن کو وہ لوگ اپنی بغاوت کی تائید اور اپنے اٹھائے ہُوئے فساد کے جواز میں استعمال کرتے تھے۔"

مصنف 'اشہر مشاہیر الاسلام' لکھتا ہے :

"بنی امیہ کو تمام معاملاتِ حکومت سپرد کر دینا، انہی کو اپنا مشیر اور راز دار بنا لینا ایک ایسا امر تھا جس نے مہاجرین کو بہت بر انگیختہ کر دیا تھا اور دُور اندیش لوگوں کو اس بات کا ڈر پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں حکومتِ اسلامیہ اموی رنگ میں نہ رنگ جائے۔ وہ کہتے تھے کہ حکومت ان لوگوں کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تمام مسلمانوں کا اور خصوصاً سابقون الاوّلون اور مہاجرین کا حق ہے لیکن

---

[1] یہ لایعنی الزام لگاتے ہُوئے نہ معلوم مصنفین کو وہ مشہور حدیث کیوں بھول جاتی ہے جس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے یہ فرمایا تھا کہ "خدا تعالیٰ تمہیں ایک قمیص (خلافت) پہنائے گا تم اس کو مت اتارنا"۔ تو حضرت عثمان کس طرح اس قمیص کو اتار کر حضور علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتے تھے ؟ (مترجم)

حضرت [illegible] چاہتے تھے کہ اپنے رشتہ داروں کو ان کے عہدوں سے ہٹادیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے اُمت کے مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا (یہ کہنا ظلم ہے کہ آپ نے امت کے مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اہلِ فتنہ کے مطالبوں کا کوئی جواب نہ دیا) اس اصرار کی دُو وجوہ ہوسکتی ہیں :

۱۔ ان کی قوم (بنو امیہ اور ان کے رشتہ داروں) نے ان کو کمزور پاکر ان پر غلبہ حاصل کرلیا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کو یہ ڈر ہوا کہ اگر وُہ اپنی قوم سے الگ رہے اور اپنے اہل وعیال اور خاندان سے علٰحدگی اختیار کرلی اور عمال نے آپ کے خلاف بغاوت کردی تو ان کے خاندان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو باغیوں کے مقابلہ میں آپ کی طرف سے کھڑا ہوسکے۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے رشتہ داروں کو ہی ہر معاملہ میں ترجیح دی اور مختلف علاقوں پر انھی کو والی اور حاکم بنایا۔ جب اس طرزِ عمل کے خلاف شور و غل برپا ہوا، حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو معزول کرنے کے لیے آوازیں اٹھانی شروع کیں تو حضرت عثمانؓ کو بہت فکر پیدا ہُوا اور یقین ہُوا کہ میرا خدشہ صحیح ثابت ہُوا۔ انہوں نے ان شکایتوں پر کان نہ دھرا، ولایات پر اپنے رشتہ داروں کو ہی باقی رکھنے پر اصرار کیا اور انہی کے مشوروں پر اعتماد کیا۔ اس پر عامۃ المسلمین اور صحابہ میں بڑا ہیجان برپا ہوگیا اور باغیوں نے اسی بات کو لے کر آپ سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا۔ یہی چیز تھی جو فتنہ کی آگ بھڑکانے کا موجب ہُوئی اور آگے چل کر اس آگ نے ایسی شکل اختیار کرلی جس کا بجھانا کبار صحابہ اور اُمت کے بڑے بڑے آدمیوں کی طاقت سے بھی باہر ہوگیا۔ اب لوگ پچھتائے کہ کاش وُہ پہلے ہی سے ایسا انتظام کرتے جس سے یہ فتنہ بڑھنے نہ پاتا لیکن اس وقت ان کا پچھتاوا بالکل بے سُود تھا۔"

(۲۶)

حادثۂ فاجعہ

مفسدین نے دیکھا کہ اگر خلیفہ کا محاصرہ زیادہ طویل ہوگیا تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں گے اور فوجیں آکر ہمارا کام تمام کردیں گی۔ شروع میں ان کا یہ خیال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا دیکھیں گے تو وہ خلافت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔ لیکن جب دن گزرتے چلے گئے، محاصرہ جاری رہا۔ حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں مقیم ہوگئے اور آپ کے اعیان و انصار نے آپ کو ان ظالموں کے پنجہ سے چھڑانے کے لیے تدابیر اختیار کرنی شروع کیں تو ان کو معلوم ہُوا کہ اگر اب وُہ کوئی یقینی فیصلہ کیے بغیر یہاں سے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے تو حضرت عثمانؓ کے عمّال انہیں جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو شہید کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وُہ دروازہ سے حملہ آور ہُوئے اور اس کو جلادیا۔ اس پر گھر میں جو اشخاص جمع تھے انہوں نے حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے باوجود ان کا زبردست مقابلہ کیا۔ ان لوگوں میں سے قابلِ ذکر یہ ہیں :

مغیرہؓ بن الاخنس بن شریق، حسنؓ بن علیؓ، محمدؓ بن طلحہؓ، عبداللہؓ بن زبیرؓ، مروان، ابوہریرہؓ۔

دونوں فریقوں میں زبردست جنگ ہُوئی اور یہ مفسدین دروازے کی راہ سے حضرت عثمانؓ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

جب ان محاصرین نے دیکھا کہ دروازہ کی راہ سے گھر میں داخل ہونا ان کو بہت مہنگا پڑے گا تو انہوں نے کسی اور راہ سے گھر میں داخل ہونے کی ٹھانی۔ چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے پڑوسی عمرو بن حزم کے گھر میں داخل ہو کر اور اس کی دیوار پھاند کے حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دروازہ پر جو لوگ موجود تھے ان کو اس کا علم ہی نہ ہو سکا۔ جو شخص سب سے پہلے آپ کے گھر میں داخل ہوا اس نے آپ سے خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا اور وعدہ کیا کہ اگر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو محاصرین آپ سے بالکل تعرض نہ کریں گے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اس قمیص کو اتارنے کے لیے تیار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ اس پر وہ شخص آپ کے پاس سے چلا گیا۔

اس کے بعد محمد بن ابی بکر آپ کے پاس پہنچا اور آپ کی ریش مبارک کو پکڑ کر کہنے لگا:

"اے نعثل! خدا تجھے ذلیل کرے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"میں نعثل نہیں ہوں بلکہ میں عثمانؓ اور امیر المومنین ہوں۔"

اس نے کہا:

"معاویہ اور فلاں فلاں آپ کے کیا کام آسکتے ہیں؟"

اس دوران میں وہ آپ کی داڑھی کو برابر پکڑے رہا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا:

"اے میرے بھتیجے! اگر تیرا باپ اس وقت یہاں ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا۔"

اس نے جواب دیا:

"اگر میرا باپ آپ کو ایسے کام کرتے دیکھتا تو ضرور آپ کے خلاف کھڑا ہو جاتا۔ اور میں تو داڑھی پکڑنے سے بھی زیادہ سخت کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا:

"میں تیرے خلاف خدا ہی سے مدد چاہتا ہوں۔"

اس پر اس نے داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے نکل گیا۔

اس کے بعد آپ پر قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی نے حملہ کیا۔ غافقی نے لوہے کی ایک سلاخ آپ کے سر پر ماری اور حضرت عثمانؓ کے سامنے جو قرآن شریف پڑا ہوا تھا اس کو لات مار کر لڑھکا دیا[1]۔ وہ قرآن مجید لڑھک کر آپ کے پاس آگیا اور

---

[1] قرآن کریم کی اس صریح توہین کے بعد مرتضیٰ جیسے مصنف ہی کہہ سکتے ہیں کہ مفسدین کی نیت نیک تھی۔ ایسا کام تو شریف غیر مسلم بھی نہیں کرتے جو نام کے مسلمانوں نے کیا۔
(مترجم)

آپ کے خون کے قطرے اس پر گر پڑے۔ اس کے بعد سودان آپ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا لیکن آپ کی بیوی نائلہ بیچ میں آگئیں۔ اس پر اس نے تلوار سے وار کیا اور اس کی تین انگلیاں کاٹ دیں[1]۔ جس شخص کے وار سے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اس کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سودان بن حمران تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ کنانہ بن البشر التجیبی تھا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کا ایک غلام آپ کی مدد کے لیے کچھ لوگوں کو لے کر اندر آیا اور سودان پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس پر قتیرہ نے اس غلام کو مار ڈالا اور گھر میں جو کچھ تھا اس کو لوٹ کر باہر نکل گئے۔

جب یہ لوگ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے آپ کے کمرہ سے باہر نکلے تو حضرت عثمانؓ کے ایک غلام نے قتیرہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ باہر نکلتے وقت انہوں نے گھر میں جو کچھ تھا وہ لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ عورتوں کے بدن پر جو زیور تھا وہ بھی اتار لیا۔ کلثوم تجیبی نے حضرت نائلہ کی چادر اتار لی تھی[2]۔ حضرت عثمانؓ کے ایک اور غلام سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور اس نے اس کو قتل کر دیا۔ اسی دوران میں عمرو بن الحمق حضرت عثمانؓ کے کمرہ میں داخل ہوا۔ حضرت عثمانؓ میں ابھی کچھ جان باقی تھی وہ آپ کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور آپ پر سات وار کیے۔ ان لوگوں نے آپ کا سر بھی کاٹ لینا چاہا جس پر عورتوں نے چلانا شروع کر دیا اور ابن عدیس نے کہا: "چھوڑ دو۔" عمر بن ضابی نے آکر آپ کی ایک پسلی توڑ ڈالی اور کہا:

"اس نے میرے باپ کو قید میں ڈال دیا تھا اور وہ قید ہی میں مر گیا تھا۔"

اب ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں میں منادی کرا دی کہ بیت المال کی طرف چلو اور جو کچھ اس میں ہے لوٹ لو۔ بیت المال کے محافظ خزانہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بیت المال میں سونے کی صرف دو تھیلیاں تھیں جو ان لوگوں نے لوٹ لیں[3]۔

حضرت عثمانؓ ١٣ ذی الحجہ ٣٥ھ کو بروز جمعہ شہید کیے گئے[4]۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ محاصرین نے حضرت عثمانؓ سے مروان کو ان کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ محاصرین میں سے بعض لوگ بنی زہرہ میں سے تھے جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے طرفدار بن کر آئے تھے۔ اس لیے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں سزا دی تھی اور عبداللہ بن مسعود ان کے حلیفوں میں سے تھے۔ بعض لوگ بنی مخزوم اور ان کے حلیفوں میں سے تھے جو عمار بن یاسر کی وجہ سے آئے تھے۔ بعض لوگ غفار اور ان کے حلیفوں میں سے تھے جو ابوذر کی وجہ سے آئے تھے۔ تیم بن مرۃ کی شمولیت

---

[1] عورتوں پر حملہ کرنے والے بھی مرتضیٰ کے نزدیک امن پسند انسان تھے۔

[2] ملاحظہ فرمایا آپ نے، ایسے گمراہ لوگ بھی مرتضیٰ کے نزدیک دین کے حامی اور ملت کے غمخوار ہیں۔

[3] دشمنی میں آدمی کتنا بے اصول ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ کو قتل کرنے اور مسلمانوں کے بیت المال کو لوٹنے والے سنگدلوں کو مرتضیٰ جیسے مصنف اپنے مطالبے اور اپنے افعال میں حق بجانب سمجھتے ہیں اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو عثمانؓ سے خدا واسطے کا بَیر ہے۔

[4] عیسوی تاریخ ١٧ جون ٦٥٦ء تھی۔ (مترجم)

محمد بن ابی بکر کی وجہ سے تھی۔

جب حضرت علیؓ کو یہ خبر پہنچی کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ اور اپنے غلاموں کو ہتھیار دے کر حضرت عثمانؓ کے گھران کی مدد کے لیے بھیج دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ اور حضرت طلحہؓ نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی اسی مقصد کے لیے بھیجا۔ اسی طرح سے اکثر صحابہؓ نے اپنے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کی مدد کے لیے بھیج دیا[1]۔ چنانچہ انہوں نے دروازہ پر حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کو دروازہ کی راہ سے گھر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اسی مقابلہ میں حضرت حسنؓ، حضرت علیؓ کا غلام قنبر اور محمدؓ بن طلحہؓ زخمی ہو گئے۔ حملہ آوروں نے کچھ لوگوں کو دروازہ پر مقابلہ کے لیے چھوڑا اور کچھ لوگ ایک انصاری پڑوسی کے مکان میں داخل ہو کر اور دیوار پھاند کے حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے ان لوگوں میں محمد بن ابی بکر اور دو آدمی اور تھے۔ حضرت عثمانؓ کے پاس آپ کی بیوی، اہل و عیال اور آپ کے آزاد کردہ غلام تھے جو لڑائی میں مشغول تھے۔ محمد بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر آپ کی داڑھی پکڑلی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا "اے محمد! اگر تیرا باپ اس وقت موجود ہوتا تو کبھی تیرے اس فعل کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا۔"

اس نے شرمندہ ہو کر داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا۔ محمد بن ابی بکر کے بعد وہ دونوں آدمی آپ کے پاس پہنچے اور آپ کو شہید کر دیا۔ آپؓ کے سامنے اس وقت قرآن شریف رکھا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی بیوی چیخنے چلانے لگیں کہ امیر المومنین شہید کر دئے گئے۔

جب یہ آواز دروازہ پر ان لوگوں کو پہنچی جو فتنہ پردازوں کا مقابلہ کر رہے تھے تو وہ اندر بھاگے اور آکر دیکھا کہ آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ جب صحابہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بے تحاشہ آپ کے گھر کی طرف بھاگے۔ حضرت علیؓ نے گھر میں آ کر اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ:

"جب تم دروازہ پر تھے تو لوگوں کو امیر المومنین کے شہید کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

اور آگے بڑھ کر حسنؓ کو ایک طمانچہ مارا اور حسینؓ کو بھی۔ محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بھی بُرا بھلا کہا۔ حضرت علیؓ نے آپ کی بیوی حضرت نائلہ سے پُوچھا:

"آپ تو ان کے پاس ہی تھیں ان لوگوں میں سے کس نے انھیں شہید کیا؟"

انہوں نے کہا "دو آدمی آپ کے پاس آئے تھے انہوں نے ہی یہ کام کیا۔" اور ساتھ ہی محمد بن ابی بکر کا واقعہ بھی بیان کیا اس پر[2]

---

[1] ان واقعات کی روشنی میں صحابہؓ پر یہ الزام کس قدر غلط ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی مدد سے دست کش ہو گئے تھے۔ انسان اپنے آپ خطرہ میں پڑنا گوارا کر لیتا ہے مگر یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی اولاد کو کسی طرح کی تکلیف پہنچے۔ ان بزرگوں کے اپنے جگر گوشوں کو موت کے منہ میں دھکیل دینے سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سارے بزرگ جن پر ناسمجھ اور کم سواد مصنف حضرت عثمانؓ سے رنجش کے الزامات لگاتے ہیں درحقیقت خلافت اور خلیفہ کے نہایت درجہ جاں نثار تھے۔

[2] اللہ اللہ! اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ عثمانؓ کا مخالف تھا اور ان سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ (مترجم)

حضرت علیؓ نے متعجب ہوئے بغیر کہا:

"میں اس کو قتل کرنے گیا تھا لیکن اس کی باتیں سن کر میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ باقی دو آدمیوں کا مجھے پتا نہیں۔ خدا کی قسم حضرت عثمانؓ کی شہادت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے اور وُہ میری بے خبری میں شہید کر دیے گئے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ کے گھر میں بنی امیہ کے اٹھارہ اور آدمی بھی قتل کیے گئے تھے۔

آپ کی شہادت سے متاثر ہو کر حضرت حسانؓ بن ثابت نے کئی پُر درد مرثیے لکھے جن میں حضرت عثمانؓ کی شہادت پر اظہارِ رنج و الم کرنے کے علاوہ ان لوگوں کے رویہ پر افسوس ظاہر کیا گیا تھا جنھوں نے اس نازک وقت میں حضرت عثمانؓ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا، اور بے فکر ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ ان مراثی میں سے چند کا ترجمہ درجِ ذیل ہے:

"حضرت عثمانؓ کو انصار نے آپ کی موت کے قریب ذلیل و خوار کیا۔
حالانکہ انصار آپ کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے۔
آپ کو بلوائیوں میں تنہا مصیبت و بلا کے حوالے کر دیا گیا جو تمام اہلِ شہر کے لیے نہایت درجہ باعثِ ننگ ہے۔
اس وقت اہلِ حیا کہاں چلے گئے تھے جب آپ پر پانی بند کیا گیا؟
زبیرؓ اور طلحہؓ کی طرف سے کون عذر کر سکتا ہے؟
پھر محمد بن ابی بکر اور ان کے پیچھے عمار اعلانیہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچ گئے۔
اور حضرت علیؓ اپنے گھر میں بیٹھ کر صرف لوگوں سے حال دریافت کرتے رہے۔"[1]

ایک اور مرثیہ میں کہتے ہیں:

"جو موت کا طالب ہو اور موت اس کو محبوب ہو وہ حضرت عثمانؓ کے دروازے پر آ کر دیکھ لے۔
اگر تم بروزِ شہادت خلیفۃ اللہ کی عزت اور مرتبہ پر نظر کرتے تو کیوں ایسے بُرے کام میں مشغول ہوتے؟

---

[1] ان مرثیوں میں جنھیں حضرت حسانؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے انصار، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کی مدد نہ کرنے کا الزام لگایا گیا ہے حالانکہ انصار نے باغیوں کے حملہ کے وقت حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر عرض کیا تھا کہ وہ انھیں مقابلہ کرنے اور باغیوں سے لڑنے کی اجازت دے دیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مسلمانوں میں خونریزی ہو۔ مجبور ہو کر صحابہ واپس چلے گئے۔ اگر ان کو اجازت مل جاتی تو وہ ضرور آپ کے ساتھ ہو کر باغیوں سے لڑتے۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ نے باوجود حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے اپنے بیٹوں کو دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر بھیج دیا۔ اس صورت میں انصار اور حضرات طلحہؓ، زبیرؓ و علیؓ پر کس طرح کوئی الزام آ سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں کسی نے یہ اشعار کہہ کر حضرت حسانؓ کی طرف منسوب کر دیے ہیں جس طرح "نہج البلاغہ" میں حضرت علیؓ کی طرف کئی اقوال منسوب کر دئے گئے ہیں لیکن دراصل وہ ان کے نہیں۔ حضرت حسانؓ سب باتیں دیکھتے ہوئے ایسے اشعار کبھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ (مترجم)

عثمان رضؓ بڑے استقلال اور پورے صبر سے کام لیتے ہوئے مقتول ہوئے۔
میری ماں اور اس کی تمام اولاد آپ پر سے قربان ہو۔
کیا ہم اہلِ شام اور ان کے امیر سے ان کی غفلت پر کبھی راضی ہو سکتے ہیں؟
باوجودیکہ وہ خیر خواہ تھے مگر آپ کی مدد کو نہ آئے۔
میں توضرور ان لوگوں کو الزام دُوں گا جب تک زندہ ہوں اور میرا نام حسان ہے۔
اگرچہ وہ لوگ غائب ہوں یا حاضر، بہت جلد اپنے ملکوں میں سُن لیں گے۔ اللہ اکبر!
اے قاتلینِ عثمانؓ! جس شخص کے سر پر سفید بال (یعنی اسلام میں عمر گزاری اور بوڑھے ہوئے) اور پیشانی پر سجدے کے نشان تھے اور راتیں تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ قرآن میں گزارتا تھا افسوس تم نے ایسے بزرگ شخص کو قربانی بنا کر ذبح کر ڈالا۔"

پھر مفسدین کے سرگروہ آدمیوں اور لشکروں کے ان لوگوں کی جنہوں نے مدینہ میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ اس طرح ہجو بیان کرتے ہیں:

"تم نے کفار اور دشمنانِ خدا کی لڑائی اور جہاد ترک کیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے پاس ہم سے لڑے۔
تم نے یہ بُری راہ اختیار کی اور مسلمانوں کے طریقہ کو چھوڑ دیا اور یہ بُرا کام تو بدکار اور عمداً امرِ بد کے مرتکب ہونے والے کا ہے۔
اصحابِ رسولِ خدا بروزِ شہادت قربانیوں کی طرح مسجد کے دروازہ پر مذبوح پڑے تھے۔
میں ابو عمرو (حضرت عثمانؓ) کی مصیبت پر روتا ہوں جو بقیع غرقد[1] میں ابدی نیند سوئے پڑے ہیں۔"

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کیے گئے تو حضرت علیؓ مسجد میں تھے۔ چنانچہ ابن عبدالبر ابو جعفر انصاری سے روایت کرتا ہے:

"میں مصریوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے مکان میں گیا تھا۔ جب انہوں نے آپ پر حملہ کیا تو میں دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا، وہاں ایک گوشہ میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ وہ مجھے اس طرح ہانپتا کانپتا ہوا دیکھ کر بولا کہ "کیوں ایسے بدحواس ہو رہے ہو؟" میں نے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ اس شخص نے کہا: "تم پر قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی۔" میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت علیؓ تھے۔"

حضرت عثمانؓ کی مدتِ خلافت بارہ دن کم بارہ سال تھی۔ آپ کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں چھتیر سال تھی اور بعض کا خیال ہے نوّے سال تھی۔

---

[1] بقیع غرقد وہ مقام ہے جہاں حضرت عثمانؓ کا مزار ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو تین دن تک دفن نہیں کیا جا سکا۔ آخر تیسرے روز حکیم بن حزام قریشی اور جبیر بن مطعم نے اس بارہ میں حضرت علیؓ سے بات چیت کی۔ جب فسادیوں نے یہ سُنا تو وہ راستہ میں پتھر لے کر بیٹھ گئے۔ آخر چند لوگوں کی مدد سے جن میں زبیرؓ، حسنؓ، ابوالجہم بن حذیفہ اور مروان تھے۔ حضرت عثمانؓ کے جنازہ کو رات کے وقت جنت البقیع سے باہر حش کوکب میں لایا گیا اور نمازِ جنازہ کے بعد آپ کے جسم کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جب معاویہ کا زمانہ آیا تو یہ جگہ جنۃ البقیع میں شامل کر دی گئی اور انہوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی قبر کے اردگرد دفن کیا جائے۔

حضرت نائلہ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ کو خط لکھا جس میں بیان کیا کہ کس طرح باغی حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوئے اور کس طرح ان کو شہید کیا۔ محمد بن ابی بکر نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا بھی سارا حال لکھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ کی پھٹی ہوئی خون آلود قمیص بھی بھیجی۔ اپنے بال بھی قمیص کے بٹنوں میں لگائے اور اپنی کٹی ہوئی انگلیاں بھی اسی کے ساتھ لٹکا دیں۔ یہ سب چیزیں انہوں نے نعمان بن بشیر انصاری کو دیں کہ وہ انہیں معاویہ کے حوالے کر دیں۔ نعمان شام جاتے ہوئے یزید بن اسید سے ملے جس کو حضرت معاویہ نے حضرت عثمانؓ کی مدد کے لیے چار ہزار آدمی دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے ان کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سنائی جس کو سن کر یہ لوگ شام لوٹ گئے۔ ان کے ساتھ ہی نعمان بن بشیر بھی حضرت معاویہ کو یہ چیزیں حوالے کرنے شام چلے گئے۔

حضرت عثمانؓ خوب صورت، گندم گوں، چوڑے چکلے شانوں والے تھے۔ آپ کے سر پر گھنے بال تھے اور داڑھی بھرواں اور طویل تھی۔

باقی رہا ہمارا اس فتنہ کے بارہ میں موقف تو اس کے متعلق حضرت انسؓ بن مالکؓ سے زیادہ بے نظیر فقرہ اور کسی نے استعمال نہیں کیا۔ جب آپ سے کسی نے کہا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی تو آپ نے جواب دیا:

"تم جھوٹ بولتے ہو، خدا کی قسم ہمارے دل میں ان دونوں کی محبت مجتمع ہے۔"

اس جملہ پر ہم اس داستانِ غم کو ختم کرتے ہیں۔

(۲۷)

جائے عبرت

جب ہم متذکرہ بالا حالات پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں شرم و ندامت سے نیچی ہو جاتی ہیں کہ مسلمانوں نے اس زمانہ میں فتوحات کو وسعت دینے، فتح و ظفر کا سلسلہ جاری رکھنے، اسلام کو پھیلانے اور اپنی تہذیب کے نقوش اُبھارنے کی بجائے اپنی قوتیں ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے اور فتنے برپا کرنے میں ضائع کر دیں۔ یہ دیکھ کر اور زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ کے اسباب اب بھی اسی طرح کارفرما ہیں۔

ہماری اور ہمارے اسلاف کی حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا ہے۔ آج کے مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو قرونِ سابقہ کے مسلمانوں جیسا ہو۔ وہ اخلاق و اعمال میں بلند درجہ رکھتے تھے مگر ہم نہ اخلاق میں بہتر ہیں نہ اعمال میں۔ وہ دنیا بھر کے حاکم اور سردار تھے، ہم جگہ جگہ دھکے کھاتے پھر رہے ہیں اور ساری دنیا کی نظروں میں ذلیل ہیں۔ ہمارے اسلاف نے ایک عظیم الشان حکومت قائم کر کے دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ ایک جہان ہماری عملداری میں تھا۔ لیکن یہ عملداری اسی وقت تھی جب تک کہ عربوں اور مختلف قبائل اور خاندانوں میں کُلی طور پر اتحاد و اتفاق تھا۔ اور جب یہ اتحاد و اتفاق ' افتراق و انشقاق میں تبدیل ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ خود ہی تباہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اس عظیم الشان اسلامی سلطنت اور اس جلیل القدر تہذیب و تمدن کو بھی مٹا کے رکھ دیا جس نے یورپ تک اپنی روشنی پھیلا دی تھی۔

عربوں کے افتراق کا یہ نتیجہ ہوا کہ زمین و آسمان بدل گئے۔ ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت بیسیوں ٹکڑوں میں بٹ کر بالآخر خاتمہ کے قریب پہنچ گئی اور فاتحینِ عالم کی اولاد اپنے ہی ملکوں، اپنے ہی شہروں میں ذلیل و خوار بن کر رہ گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ا۔ عربی مآخذ

(جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی ہے)

نام کتاب	مؤلف	نام کتاب	مؤلف
۱۔ فتوح الشام	واقدی	۱۹۔ الکامل	مبرد
۲۔ سیرۃ النبویہ	ابنِ ہشام	۲۰۔ المختصر فی اخبار البشر	ابوالفداء اسمٰعیل
۳۔ الطبقات الکبریٰ	ابنِ سعد	۲۱۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ	ابنِ حجر عسقلانی
۴۔ الامامۃ والسیاسۃ	ابنِ قتیبہ	۲۲۔ صحیح البخاری	بخاری
۵۔ المعارف	ابنِ قتیبہ	۲۳۔ تاریخ الخمیس	دیار بکری
۶۔ فتوح البلدان	بلاذری	۲۴۔ شرح نہج البلاغۃ	ابنِ ابی الحدید
۷۔ انساب الاشراف	بلاذری	۲۵۔ عمرو بن العاص	حسن ابراہیم حسن
۸۔ تاریخ الیعقوبی	احمد بن یعقوب	۲۶۔ فتوح مصر و اعمالہا	ابنِ اسحاق
۹۔ تاریخ الامم والملوک	طبری	۲۷۔ وفیات الاعیان	ابنِ خلکان
۱۰۔ العقد الفرید للملک السعید	قرطبی	۲۸۔ الفخری	ابنِ طبا طبا
۱۱۔ الاغانی	اصفہانی	۲۹۔ فتوحِ مصر	ابنِ عبدالحکم
۱۲۔ تاریخ ابنِ خلدون	ابنِ خلدون	۳۰۔ العقد الفرید	ابنِ عبدربہ
۱۳۔ انساب القرشیین	مقدسی	۳۱۔ مختصر تاریخ الدول	ابن العبری
۱۴۔ الاستیعاب	ابنِ عبدالبر	۳۲۔ المواعظ والاعتبار	مقریزی
۱۵۔ تاریخِ دمشق	ابنِ عساکر	۳۳۔ مروج الذہب	مسعودی
۱۶۔ معجم البلدان	یاقوت حموی	۳۴۔ الخلفاء الراشدون	عبدالوہاب النجار
۱۷۔ الکامل	ابنِ اثیر	۳۵۔ تاریخ الامم الاسلامیہ	محمد الخضری
۱۸۔ اسد الغابہ	ابنِ اثیر	۳۶۔ التمدن الاسلامی	جرجی زیدان

۳۷۔ الاموال	ابنِ سلام	۴۹۔ عہد المامون	رفاعی
۳۸۔ کتاب الخراج	ابی یوسف	۵۰۔ مسند حنبل	احمد بن حنبل
۳۹۔ کتاب الخراج	یحییٰ بن آدم	۵۱۔ المؤطا	انس بن مالک
۴۰۔ فتح العرب للشام	حداد	۵۲۔ الملل والنحل	شہرستانی
۴۱۔ الاخبار الطوال	دینوری	۵۳۔ الفصل فی الملل والنحل	ابن حزم
۴۲۔ تاریخ التشریع الاسلامی	خضری	۵۴۔ الفرق بین الفرق	بغدادی
۴۳۔ فجر الاسلام	احمد امین	۵۵۔ رسائل اخوان الصفاؔ	
۴۴۔ حاضر العالم الاسلامی (مع ضمیمہ جات حواشی)	امیر شکیب	۵۶۔ انتصار	خیاط المعتزلی
۴۵۔ خطط الشام	محمد کرد علی	۵۷۔ عیون الاخبار	ابنِ قتیبہ
۴۶۔ الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب	محمد کرد علی	۵۸۔ الحیوان	جاحظ
۴۷۔ البیان والتبیین	جاحظ	۵۹۔ منہاج السنۃ	ابنِ تیمیہ
۴۸۔ دیوان حسان بن ثابت	حسان بن ثابت	☆	☆

ب ۔ انگریزی مآخذ

۱۔ مختصر تاریخِ عرب	امیر علی	۸۔ تاریخ التواریخ	مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی
۲۔ فتح العرب والمصر	الفریڈ بٹلر	۹۔ وجہۃ الاسلام	مختلف مصنفین
۳۔ تاریخِ فارس	سنجمن	۱۰۔ عروج وزوال سلطنتِ روما	گبن
۴۔ تاریخ شہنشاہیتِ قسطنطنیہ	اومان	۱۱۔ التاریخ العالم	ولز
۵۔ تاریخ العرب	جیلان	۱۲۔ المحمدیہ	مارگولیتھ
۶۔ الخلافۃ تقدمہا وسقوطہا	سر ولیم میور	۱۳۔ مقالاتِ مختلفہ	گب
۷۔ مذکرہ دی غوبی	دی غوبی	۱۴۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا	

ج - فرانسیسی مآخذ

۱- الثلاثة	لامنس	۱۲- رسائل و مقالاتِ مختلفہ	نولڈیکے
۲- تاریخِ شام	〃	۱۳- 〃 〃	ہارٹمین
۳- معاویہ	〃	۱۴- 〃 〃	فان کریمر
۴- یزید	〃	۱۵- 〃 〃	سپرنغر
۵- تاریخ العرب	ہوار	۱۶- 〃 〃	سترک ہرونیہ
۶- الاسلام	ماسیہ	۱۷- 〃 〃	غروسہ
۷- الاسلام	مونتہ	۱۸- 〃 〃	ڈوزی
۸- تمدن العرب	لیبان	۱۹- 〃 〃	دینہ
۹- حیاتِ محمد	درمنغہام	۲۰- دائرۃ المعارف الاسلامیہ	
۱۰- عقیدۃ الاسلام و شریعۃ	گولڈسیہر	۲۱- دائرۃ المعارف الافرنسیہ	
۱۱- اولیات الاسلام	پرنس کیتانی	٭	

تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا

آپ انھیں (صحابہؓ) دیکھیں گے کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ (الفتح : ۲۹)



حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(۱)

بیعتِ خلافت

مدینہ کی فضا پر ظلمت کے بادل چھا رہے تھے۔ اہلِ مدینہ اسلام کی شان و شوکت کی پرانی داستانیں اور عظیم الشان فتوحات بھول چکے تھے۔ ہر طرف یاس و ناامیدی کا غلبہ تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت جو کسی زمانے میں موتیوں کی طرح ایک لڑی میں پروئی ہوئی تھی اب منتشر ہو چکی تھی۔ مفسدہ پرداز عنصر نے بغاوت پھیلا کر فتنہ کو عروج پر پہنچا دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ دارالخلافہ میں شہید کیے جا چکے تھے۔ اب مسلمانوں کو اپنا مستقبل نہایت تاریک اور بھیانک نظر آ رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ خلیفہ کی مدد سے کوتاہی کر کے اور باغیوں کو مدینہ پر غلبہ پانے کا موقع دے کر انہوں نے بڑی زبردست غلطی کی ہے۔ جب یہ خیال ان کے دل میں آتا تھا کہ خلیفہ کی لاش بیعتِ خلافت میں بے گور و کفن پڑی ہے اور کسی میں یہ ہمت نہیں کہ وہ جائے اور غسل دے کر میت کو دفن کر سکے، تو ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔

آخر وہ مسجدِ نبوی میں جمع ہوئے اور آئندہ ہونے والے خلیفہ کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی رائے دی۔ چنانچہ وہ اکٹھے ہو کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے بیعت لینے کی درخواست کی۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"خلیفہ مقرر کرنا تمہارا حق نہیں، اہلِ شوریٰ اور اہلِ بدر کا حق ہے۔ جس کو وہ پسند کریں وہی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ ہم سب مل کر غور کریں گے اور پھر کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ خلیفہ کے انتخاب میں کچھ دیر لگے۔ کیونکہ اس وقت زبردست فتنہ پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے شہروں سے آئے ہوئے باغی مدینہ میں موجود تھے اور من مانی کر رہے تھے۔ اس لیے آپ کی خواہش تھی کہ جوش و خروش ٹھنڈا ہو لے، فتنہ دب جائے اور غبار چھٹ جائے تو خلافت کے مسئلہ کو چھیڑا جائے۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر اس وقت اس مسئلہ کو چھیڑ دیا گیا تو نئے خلیفہ کو سوائے پریشانیوں کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ لیکن باغی چاہتے تھے کہ خلافت کا فیصلہ فوراً ہو جائے، تاخیر ان کے لیے سخت خطرہ کا باعث تھی۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ ایک شخص نے کہا:

"حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر جلد ہی تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیل جائے گی۔ جب مسلمان سنیں گے کہ خلیفہ کو اس طرح قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ ابھی تک کوئی اور خلیفہ منتخب نہیں ہوا تو ہر شخص انتقام کے لیے کھڑا ہو جائے گا۔ اس صورت میں ہماری

ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس چلو اور ہر قیمت پر اُن سے بیعت کر لو۔ اس طرح لوگ اطمینان اور سکون سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں گے۔ چنانچہ وُہ لوگ حضرت علیؓ کے پاس پہنچے۔ اشتر جو باغیوں کا سردار تھا آپ کے پاس آیا اور کہا :

" اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔"

حضرت علیؓ نے کچھ تردّد کیا لیکن اشتر نے کہا کہ :

" مصلحت اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ جلد از جلد بیعت لے لیں۔ کیونکہ جب یہ خبر اسلامی شہروں میں پہنچے گی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیے گئے اور ابھی تک کسی شخص کی بیعت نہیں کی گئی تو ہر عامل اپنی ولایت میں خود مختاری کا اعلان کر دے گا۔ اسلامی مملکت میں انتشار پھیل جائے گا اور اسلامی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔"

یہ سُن کر حضرت علیؓ نے بیعت لینے پر آمادگی ظاہر کر دی اور اشتر کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے بیعت کر لی۔ اس کے بعد یہ لوگ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور ان کو اپنے ساتھ لاتے ان دونوں نے آکر بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ کے خیال میں بھی ان دونوں کی بیعت ضروری تھی۔ کیونکہ یہ اہلِ شوریٰ میں سے تھے۔ ان کو خود بھی خلافت کی خواہش تھی اور باغیوں میں سے کچھ لوگ بھی ان کی تائید میں تھے۔

طبری نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی بیعت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ان دونوں کو اپنی بیعت کے لیے بلایا تو شروع میں انہوں نے تردّد کیا لیکن اشتر نے اپنی تلوار کھینچ لی اور حضرت طلحہؓ سے کہا :

"یا تو بیعت کر لو ورنہ ابھی تمہاری گردن مار دُوں گا۔"

اس پر انہوں نے اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کر لی۔

چند انصار نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی جن میں حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن مالک، زیدؓ بن ثابت اور نعمان بن بشیر شامل تھے۔

بنو امیہ کے اکثر افراد شام کی طرف بھاگ گئے اور انہوں نے بھی بیعت نہیں کی۔

(۲)

علیؓ بن ابی طالب

مختصر حالات حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کے والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنتِ اسد تھا۔ آپ ہجرت سے اکیس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی غربت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؓ کو اپنے گھر میں پرورش کیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت علیؓ آپ پر ایمان لانے والے اوّلین اشخاص میں سے تھے۔ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی

ہجرت فرمائی، حضرت علیؓ خطرات کو جانتے بوجھتے حضورؐ کے بستر پر سو گئے اور اس طرح قربانی کی ایک بے نظیر مثال پیش کی۔ جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچ کر نکل گئے ہیں تو انہیں بڑا طیش آیا اور انہوں نے حضرت علیؓ کو قتل کر دینا چاہا۔ لیکن وُہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی امانتیں ان کے اصل مالکوں کو پہنچا کر خود بھی مدینہ تشریف لے آئے۔ مدینہ میں آپ کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے کر دی۔ حضرت علیؓ سوائے غزوہ تبوک کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر جنگ میں شریک رہے۔ تمام غزوات میں آپ نے بے نظیر شجاعت، بہادری اور دلیری کا ثبوت دیا۔ دشمنوں کی صفوں میں بے دھڑک گھس جاتے تھے اور اس بے جگری سے حملہ کرتے تھے کہ مقابل کو پیچھے ہٹتے ہی بن پڑتی تھی۔

مسلمانوں میں خلافت کی ضرورت کا احساس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خلیفہ نامزد کیے بغیر ہی اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد لوگوں کو خلافت کی ضرورت کا احساس ہوا لیکن اس بارے میں ہر گروہ کی رائے الگ تھی۔ انصار چاہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو اور مہاجرین کہتے تھے خلافت ہمارا حق ہے۔

انصار کی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے ہر موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی مدد کی ہے۔ وُہ ہر جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش لڑتے رہے ہیں یہاں تک کہ سارا عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہو گیا۔ آپ اس دُنیا سے رخصت ہوتے وقت انصار سے بے حد خوش تھے۔

انصار کے مقابلہ پر مہاجرین کی دلیل یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان پر بھی مظالم توڑے گئے لیکن انہوں نے ہر تکلیف پر صبر اختیار کیا۔ وُہ اپنی قلتِ تعداد کے باوجود کبھی کفار سے مرعوب نہیں ہوئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور ہم خاندان ہیں۔ وہ قریش میں سے ہیں اور عرب ان کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکائیں گے اس لیے خلافت انہی کا حق ہے۔

ان دلائل کو سُن کر جب انصار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے، تو مہاجرین نے اس تجویز کو سختی سے ٹھکرا دیا۔ قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے نکل آتیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے اور دونوں فریق حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر راضی ہو گئے۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت ہو چکی تو حضرت علیؓ نے جو اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے، بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ:

"خلافت صرف اہلِ بیت کا حق ہے۔ بنی ہاشم کا خاندان ابوبکرؓ کے خاندان سے زیادہ معزز ہے اور عرب بھی بنو ہاشم ہی کے مطیع ہو سکتے ہیں۔ اگر انصار کے سامنے مہاجرین اپنی خلافت کے لیے یہ دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں تو اس صورت میں آلِ نبی دوسروں سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں اور ان سے خلافت چھیننا بہت بڑا

خلافت کے بارے میں شیعوں کا نظریہ

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان فتوحات میں مشغول تھے اس لیے کسی کو خلافت کے بارے میں غور کرنے کا خیال ہی پیدا نہیں ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسلمان اندرونی مناقشات میں مبتلا ہو گئے۔ آپؓ کی شہادت کے بعد جب زمامِ خلافت حضرت علیؓ کے ہاتھ میں آئی تو آپ کے حامیوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس نے یہ کہنا شروع کیا کہ امامت مصالحِ عامہ میں سے نہیں ہے جس کو امت کی صوابدید کے لیے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ مسلمانوں کی جماعتوں کو خلیفہ کے انتخاب کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ امامت دین کا ایک رُکن اور اسلام کا ایک ستون ہے۔ نبی اس سے غفلت نہیں برت سکتا اور امت کے سپرد یہ معاملہ نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود امام کی تعیین کرے۔ امام چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ وہ امام ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا ہے۔"

اس نظریہ کے حاملین اپنی دلیل میں کئی احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اسی نظریہ سے وصیت کا نظریہ بھی پیدا ہوا اور حضرت علیؓ کا لقب "وصی" قرار دیا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اپنے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے وصیت کی تھی اس لیے حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

اسی نظریہ کے تحت حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ کی بیعت کی گئی۔ جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کا ارادہ کیا تو اسی نظریہ کے پیشِ نظر حضرت امام حسینؓ اپنے بڑے بھائی پر ناراض ہوتے۔ آخر یہی نظریہ حضرت امام حسینؓ کے یزید کی بیعت سے انکار کرنے اور مسلمانانِ عراق کو اپنی بیعت اور تائید و نصرت کے لیے بلانے کا موجب ثابت ہوا۔

خُلفاءِ ثلاثہ کی نظروں میں حضرت علیؓ کا مقام

ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی آخری وقت میں حضرت علیؓ ہی کی خلافت کے لیے سوچتے تھے اور جانتے تھے کہ علیؓ آپ کے بعد لوگوں کی راہ نمائی اسی طریق پر کریں گے جس طریق پر حضرت ابُوبکرؓ اور وُہ خود کر چکے تھے۔ آپ نے حالتِ نزع میں اس امر کی طرف اشارہ کیا بھی تھا لیکن حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرنا آپ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ خلافت کے معاملہ کو چھ آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ آپ کا غالب گمان یہی تھا کہ قوم حضرت علیؓ ہی کو خلافت کے لیے منتخب کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے حق میں قوم کا اتفاق ہو گیا۔

تینوں خلفاءؓ کے عہد میں حضرت علیؓ ان سے بے حد قریب تھے اور تینوں کو ان پر بے حد اعتماد تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ آپ کے خاص مشیروں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ ہر اہم معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے اور احکامِ شرعیہ میں ان سے استفتاء فرماتے تھے۔ سلطنت کے کاموں میں حضرت علیؓ پُوری طرح دخیل تھے۔ آپ کے مشوروں کی قدر کی جاتی تھی۔ آپ کی رائے بڑے غور سے سُنی جاتی اور اس پر عمل کیا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں بھی حضرت علیؓ امورِ سلطنت میں اسی طرح

دخل[illegible] جس طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے بنی امیہ کو مناصبِ جلیلہ سے نوازنا شروع کو حضرت علیؓ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور اس کے بعد اس دلچسپی سے ملکی معاملات میں حصّہ نہیں لیا جس طرح پہلے لیتے تھے۔

قریش کی مخالفت یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قریش حضرت علیؓ کی حکومت و خلافت کو ناپسند کرتے تھے۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی حضرت علیؓ سے قریش کی مخالفت کا علم تھا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے خلافت کا مسئلہ مجلسِ شوریٰ کے سپرد کر دیا۔ اگر قریش کی مخالفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کر جاتے کیونکہ حضرت علیؓ دوسروں کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔

(۳)

قاتل کون ہے؟

قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام کا مطالبہ اور حضرت علیؓ کا جواب بیعتِ خلافت کے بعد حضرت علیؓ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اللہ عزّ وجل نے ہماری ہدایت کے لیے ایک کتاب اتاری جس میں خیر اور شر سب کچھ مذکور ہے۔ شر کو چھوڑ دو تم پر اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کیے ہیں وہ ادا کرو، تمہیں جنّت ملے گی۔ خدا تعالیٰ نے زمینِ حرم کو محترم قرار دیا ہے اور مسلمان کی جان کو ہر چیز سے زیادہ قیمتی ٹھہرایا ہے۔ مسلمانوں کو اخلاص و اتحاد کی بڑی تاکید کی ہے۔ مسلمان وُہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ بجز اس صورت کے کہ کسی پر کوئی شرعی حق واجب ہو مسلمان کو دُکھ دینا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ قانوناً اسے سزا دی جائے۔ خدا کے بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے خدا سے ڈرو۔ قیامت کے روز زمینوں اور مویشیوں کے متعلق بھی تم سے باز پرس کی جائے گی۔ اللہ عزّ وجلّ کی اطاعت کرو اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو۔ جہاں کہیں کوئی بھلائی کی بات دیکھو اسے قبول کرو اور جہاں بدی نظر آئے اس سے پرہیز کرو۔ اس زمانہ کو یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے اور کمزور تھے۔"

اس خطبہ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ رعایا کا ہر شخص دوسروں سے قطع نظر کر کے صرف اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لوگ فتنہ سے نبٹنے اور حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کی باتیں چھوڑ دیں۔ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے انتشار اور اختلاف پھیلے۔ دنیا کی حرص و آرزو ترک کر کے خالصتہً خدا تعالیٰ کے ہو جائیں۔ جو کچھ خلیفہ حکم دے اس کو بجا لائیں اور جس چیز سے وُہ منع کرے اس سے باز آ جائیں۔

لیکن آپ لوگوں سے ایک امرِ محال کی توقع فرما رہے تھے۔ اُن سے اس چیز کا مطالبہ کر رہے تھے جس کا دینا ان کی

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ جواب نہایت معقول اور مدلل تھا۔ اول تو ٹھیک طور پر یہی معلوم نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قاتل کون ہے، لیکن اگر پتا لگ بھی جاتا تب بھی اس سے قصاص لینا یا ان مفسدین کے خلاف کوئی کارروائی کرنا قطعاً ناممکن تھا۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اس وقت مفسدین اپنی من مانی کر رہے تھے اور ان کے سامنے کسی کو چون وچرا کرنے کا حق نہ تھا۔ اس صورت میں حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے قاتل سے قصاص لینا چاہتے بھی تو یہ مفسدین شمشیر بدست آپ کے مقابلہ میں آ جاتے۔ اس کے نتیجہ میں اتنا فتنہ عظیم برپا ہوتا اور اس قدر قتل وغارت ہوتا کہ اس کے سامنے لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی بھول جاتے۔

(۴)

مملکت میں اختلافات

عہدِ عثمانی کے عمال کی برطرفی

حضرت علیؓ نے خلافت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ عہدِ عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر دیا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت علیؓ کا فوراً ہی ان عمال کو معزول کر دینا ایک زبردست غلطی تھی۔ سیاست ملکی کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو اس وقت تک اپنے عہدوں پر برقرار رکھا جاتا جب تک وہ آپ کی بیعت نہ کر لیتے۔ جب تمام عمال آپ کے مطیع ہو جاتے تب آپ جس کو چاہتے معزول کرتے اور جس کو چاہتے معزول شدہ عامل کی جگہ نیا عامل بناتے۔ لیکن یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ حضرت علیؓ جس وقت خلیفہ بنے ہیں، باغی مدینہ پر مسلط تھے اور مدینہ والے ان کے سامنے زبان تک نہ ہلا سکتے تھے۔ ان باغیوں کا حضرت عثمانؓ سے بڑا مطالبہ یہی تھا کہ آپ اپنے عمال کو برطرف کر دیجئے۔ اور جب ان کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو بڑھتے بڑھتے فتنہ نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ اب ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی جانب اپنی توجہ مبذول کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے تمام عمال کو برطرف اور ان کے تمام مددگاروں کو امورِ سلطنت سے بے دخل کر دیجئے۔ اگر حضرت علیؓ ان کے اس مطالبہ کو نظرانداز کر دیتے اور عہدِ عثمانی کے عمال کو اپنے علاقوں میں برقرار رہنے دیتے تو یہ مفسدین حضرت علیؓ سے بھی وہی سلوک کرتے جو اس سے پہلے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کیا تھا پھر ذاتی طور پر حضرت علیؓ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان عمال کو برقرار رکھا جائے۔

جب حضرت علیؓ نے عہدِ عثمانی کے عمال کو معزول کرنے کا ارادہ کیا تو مغیرہؓ بن شعبہ آپ کے پاس آئے اور کہا:

"عمال کو معزول کرنے میں جلدی نہ کیجئے بلکہ فی الحال معاویہؓ، ابنِ عامرؓ اور دیگر عمال کو ان کی جگہوں پر برقرار رہنے دیجئے۔ جب وہ آپ کی اطاعت قبول کر لیں اور فوجوں کی بیعت کی خبر بھی آ جائے تب آپ کو اختیار ہے خواہ ان کو معزول کر دیں یا بحال رکھیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"اچھا میں سوچوں گا۔"

دوسرے روز وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"میں نے کل آپ کو جو مشورہ دیا تھا آج اس کے خلاف دیتا ہوں۔ آپ عمال میں جو ردّوبدل کرنا چاہتے ہیں جس قدر ممکن ہو کر دیجئے تاکہ آپ کو ہر طرف سے اطمینان ہو جائے۔"

ابھی مغیرہؓ بن شعبہ حضرت علیؓ سے باتیں کر ہی رہے تھے کہ عبد اللہؓ بن عباسؓ مکہ سے مدینہ پہنچے۔ حضرت علیؓ کے مکان پر جا کر پتا چلا کہ مغیرہؓ ان سے باتیں کر رہے ہیں۔ وُہ ان کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب مغیرہؓ باتیں کر کے باہر نکلے تو عبد اللہؓ حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور پُوچھا کہ:

"مغیرہ کیوں آئے تھے؟"

حضرت علیؓ نے سارا واقعہ سُنایا۔ انہوں نے کہا:

"مغیرہ نے کل آپ کو نصیحت کی تھی لیکن آج آپ کو دھوکا دیا۔"

حضرت علیؓ نے پُوچھا:

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ کل انہوں نے مجھے نصیحت کی اور آج دھوکا دیا؟"

عبد اللہؓ بن عباس نے جواب دیا:

"آپ جانتے ہیں کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھی دنیا دار ہیں۔ اگر آپ اُن کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھیں گے تو انہیں اس امر کی کوئی پروا نہیں ہوگی کہ کون شخص خلافت کی گدّی پر متمکن ہوا۔ لیکن اگر آپ انہیں معزول کر دیں گے تو وُہ جھٹ کہہ دیں گے کہ خلافت کا معاملہ بغیر شورٰی کے آپس ہی میں طے کر لیا گیا اس لیے علیؓ کی خلافت جائز نہیں۔ وہ آپ پر یہ الزام لگائیں گے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے میں حصہ لیا۔ اس طرح ایک فتنہ برپا ہو جائے گا اور اہلِ شام و عراق آپ کے خلاف ہو جائیں گے مجھے طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں یہ آپ کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔"

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"ایک دُنیادار تو یہ کر سکتا ہے کہ بر بنائے مصلحت ان عمال کو برقرار رہنے دے لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں اُن میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہیں رکھوں گا۔ اگر وہ میرے احکام کی اطاعت کریں گے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا ورنہ پھر تلوار سے ان کا علاج کیا جائے گا۔"

حضرت ابنِ عباسؓ نے دوبارہ حضرت علیؓ کو سمجھایا اور کہا:

"اگر ایسا کیا گیا تو سارا عرب آپ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوگا اور آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔ عمال آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے اور انتقامِ عثمانؓ کے مطالبے کے بہانے آپ کے مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں گے۔"

لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ قبول نہ کیا بلکہ فرمایا:

"تم شام جاؤ، میں نے تمہیں وہاں کا والی مقرر کر دیا ہے۔"

حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا:

آپ جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک نہیں ہے۔ معاویہؓ بنی امیہ کے ایک فرد، حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی اور شام کے عامل ہیں۔ ان کو زبردست طاقت حاصل ہے۔ اگر میں وہاں گیا تو وہ حضرت عثمانؓ کے بدلہ میں میری گردن اڑا دیں گے۔ نرم سے نرم سلوک اگر انہوں نے میرے ساتھ کیا تو وہ یہ ہوگا کہ مجھے قید کر دیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ پہلے ان کو بیعت کے لیے خط لکھیں۔"

نئے عمّال کا تقرر

لیکن حضرت علیؓ نے یہ منظور نہ کیا اور نئے عمّال کو ان کے مقرر کردہ علاقوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمّارہ بن شہاب کو کوفہ، عبیداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر اور سہل بن حنیف کو شام کی طرف روانہ کیا۔

شام کے نئے عامل سہل بن حنیف جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو انہیں حضرت معاویہؓ کے سواروں کا ایک دستہ ملا۔ انہوں نے ان سے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

سہل نے جواب دیا:

"میں شام کا نیا امیر ہوں۔"

ان سواروں نے کہا:

"اگر تمہیں حضرت عثمانؓ نے بھیجا ہے تب تو خیر، ورنہ جس نے تمہیں بھیجا ہے اسی کے پاس واپس چلے جاؤ۔"

سہل بن حنیف نے ان سے کہا:

"تمہیں پتا بھی ہے کہ مدینہ میں کیا کچھ ہو چکا ہے؟"

انہوں نے کہا:

"ہمیں سب کچھ پتا ہے۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم حضرت علیؓ کے پاس واپس چلے جاؤ۔"

چنانچہ مجبور ہو کر وہ واپس ہو گئے۔

مصر کے نئے عامل قیس بن سعد مصر روانہ ہوئے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ "ایلہ" کے مقام پر انہیں بھی سواروں کا ایک دستہ ملا جس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟

اُنہوں نے اس وقت ٹھیک ٹھیک حالات بتانے مناسب نہ سمجھے اور یہ کہا کہ میں قاتلینِ عثمانؓ میں سے ہوں اور پناہ کا طالب ہوں۔

وہ سوار اُن کو لے کر مصر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اصل واقعہ بتایا، اس وقت وہاں تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے غیر مشروط طور پر ان کی امارت قبول کر لی۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ اگر حضرت علیؓ نے قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لیا تو ہم ان کے ساتھ ہیں ورنہ ہمارا اور ان کا کوئی تعلق نہیں۔ تیسرے گروہ نے کہا کہ ہم حضرت علیؓ کے ساتھ اس وقت تک ہیں جب تک کہ وہ قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام نہ لیں۔ کیونکہ قاتلینِ عثمانؓ ہمارے عزیز ہیں۔

قیس نے یہ تمام حالات حضرت علیؓ کو لکھ بھیجے۔
عثمان بن حنیف کو جو بصرہ کے والی مقرر کیے گئے تھے، کسی نے نہیں روکا اور وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ مصر کی طرح یہاں بھی تین جماعتیں بن گئیں:

ایک جماعت نے غیر مشروط طور پر ان کی امارت قبول کر لی۔
ایک جماعت قاتلینِ عثمانؓ کی ہمدردی کا دم بھرنے لگی۔
تیسری جماعت نے کہا:

"ہماری نظریں اہلِ مدینہ پر ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کریں گے وہی ہم بھی کریں گے۔"

کوفہ کے نئے والی عمارہ بن شہاب جب کوفہ کے قریب پہنچے تو انہیں طلیحہ بن خویلد اسدی ملا جو اس مطالبہ کا سرگرم حامی تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لیا جائے۔ اس نے عمارہ سے کہا کہ:

"اہلِ کوفہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے سوا کسی کی امارت تسلیم نہ کریں گے، اس لیے بہتر ہے کہ مدینہ واپس چلے جاؤ ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"

چنانچہ وہ کوفہ میں داخل نہ ہو سکے اور واپس مدینہ آ گئے۔
عبیداللہ بن عباس یمن میں آئے۔ یہاں آ کر انہیں پتا چلا کہ سابق امیر یعلیٰ بن امیہ بیت المال کی ساری رقم لے کر اُن کے آنے سے پہلے مکہ روانہ ہو چکے ہیں۔ عبیداللہ نے بغیر کسی مخالفت کے یمن کی امارت سنبھال لی۔
سہل بن حنیف شام سے مایوس ہو کر واپس مدینہ آ چکے تھے۔ حضرت علیؓ نے حجاج بن غزیہ کے ہاتھ ایک خط حضرت معاویہؓ کو بھیجا جس میں انہیں بیعت کی دعوت دی۔ حضرت معاویہؓ نے اس خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تین ماہ بعد انہوں نے بنی عبس کے ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ اس نے آ کر کہا:
"میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں، انہوں نے حضرت عثمانؓ کی قمیص جس پر خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں، نیزوں پر اٹھا رکھی ہے اور قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔"
اس سے حضرت علیؓ کو پتا چل گیا کہ معاویہؓ ان کی خلافت کو کسی طرح بھی تسلیم نہ کریں گے اور بغیر اُن سے لڑے اُن پر قابو نہیں پایا جا سکے گا۔

(۵)

اضطراب

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بیعت فسخ کرنے کے اسباب

بعض مؤرخین حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کے بیعت توڑنے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ بیعت کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ میرا ان کی شہادت میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ اب باہمی مشورہ کے بعد مجھے خلافت سپرد کی گئی ہے اس لیے جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو اہلِ شام سے میرے لیے بیعت لیجئے اور میرے پاس شام کے معزز لوگوں کا وفد بھیجئے۔

جب حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا مذکورہ بالا خط ملا تو انہوں نے بنی عبس کے ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ انہوں نے اسی قاصد کو حضرت زبیرؓ بن العوام کے نام بھی ایک خط دیا جس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

معاویہؓ بن ابی سفیان کی طرف سے امیرالمومنین عبداللہؓ الزبیر کے نام۔ بعد سلام کے واضح ہو کہ میں نے آپ کے لیے اہلِ شام سے بیعت لے لی ہے۔ اُنھوں نے بڑی خوشی سے آپ کو امیرالمومنین مان لیا ہے۔ اب آپ کو چاہیے کہ کوفہ اور بصرہ والوں کو اپنے ساتھ ملائیں کیونکہ اگر ان دو شہروں کے لوگوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تو آپ کے لیے راستہ بالکل صاف ہے۔ آپ کے بعد میں نے طلحہؓ بن عبیداللہ کے لیے بیعت لی ہے۔ اب آپ کو چاہیے کہ علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کریں اور لوگوں کو اپنی طرف بلائیں۔ آپ دونوں کی طرف سے اس معاملہ میں پُوری کوشش اور جلدی ہونی چاہیے۔ خدا تعالیٰ آپ دونوں کو کامیاب اور آپ کے دشمنوں کو خائب و خاسر کرے۔"

جب یہ خط حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا تو وہ بیحد خوش ہوئے اور طلحہؓ کو بھی یہ خط دکھایا۔ حضرت معاویہؓ نے جو کچھ انھیں لکھا تھا انہوں نے اس میں کسی قسم کا شک نہیں کیا اور معاویہؓ کی نصائح پر عمل کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے اور اپنی بیعتیں توڑ دیں[1]۔

ہمیں پورے طور پر اس خط کی صحت کا یقین نہیں، یہ ہو نہیں سکتا کہ معاویہؓ ان کو ایسا خط تحریر کریں جو بعد میں اُن کے خلاف بطور رجعت استعمال کیا جا سکے۔ لیکن حضرت معاویہؓ سے یہ بعید نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کو حضرت علیؓ سے لڑنے کے لیے اکساتے

---

[1] شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۷۷

اور اپنی مدد کا یقین دلاتے ۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان دونوں حضرات نے حضرت علیؓ کی بیعت خوشی سے نہیں کی بلکہ بالجبر کی تھی اور ان دونوں کی تائید میں دو گروہ بھی تھے جو ان کی خلافت چاہتے تھے ۔

بظاہر ان دونوں کے بیعت فسخ کرنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی جگہ کے والی بن جائیں۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ حضرت علیؓ انہیں بڑے بڑے صوبوں میں سے کسی صوبہ کا والی بنا دیں گے ۔ لیکن جب انھیں اس میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے بیعت فسخ کرنے کا ارادہ کیا ۔ وہ دونوں حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے :

"اے علیؓ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے آپ کی بیعت کس چیز پر کی تھی "

حضرت علیؓ نے جواب دیا :

" آپ نے بیعت اس چیز پر کی تھی کہ آپ میری اطاعت کریں گے جس طرح آپ نے حضرت ابوبکرؓ ، عمرؓ اور عثمانؓ کی اطاعت کی تھی ۔"

ان دونوں نے کہا :

" نہیں ، ہم نے بیعت اس بات پر کی تھی کہ آپ امورِ خلافت میں ہمیں بھی شریک کریں گے ۔"

حضرت علیؓ نے ان کی اس بات کو سختی سے رد کر دیا جس پر یہ ناراض ہو کر آپ کے پاس سے چلے آئے ۔[1]

جب حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو اس کا پتا چلا تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا :

" میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ولایت کے طالب ہیں ۔ آپ زبیرؓ کو بصرہ کا والی مقرر کر دیجئے اور طلحہؓ کو کوفہ کا ۔"

حضرت علیؓ ہنسے اور کہنے لگے :

" کیا میں عراقین میں ان جیسے آدمیوں کو والی مقرر کر سکتا ہوں جن سے وہاں کے لوگوں کو کسی بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی ۔ اگر میں کسی سے ڈر کر ہی اسے عامل مقرر کرتا تو معاویہؓ ہی کو شام کا عامل نہ بنا دیتا ۔ میں نے ان دونوں کی بھلائی کے لیے ایک تدبیر سوچی تھی لیکن ان دونوں نے ولایت کے لالچ میں اس موقع کو بھی کھو دیا ۔"[2]

اس کے بعد طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے :

" امیر المومنین ! ہم عمرہ کے لیے جا رہے ہیں ۔ اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے ۔"

حضرت علیؓ نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور فرمایا :

" تمہارا اصل مقصد عمرہ کرنا نہیں ہے بلکہ مجھ سے غداری کرنا اور اپنی بیعت توڑنا ہے ، جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ ۔"

---

[1] ابن قتیبہ

[2] ابن ابی الحدید یہ کہتا ہے کہ وہ شخص جس نے حضرت علیؓ کو ان دونوں کو بصرہ اور کوفہ کی ولایت سپرد کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ مغیرہؓ بن شعبہ تھے ۔

چنانچہ وہ مدینہ سے چلے گئے۔[1]

شام پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں

جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات کی خبریں مدینہ میں پھیلیں تو ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ اب کیا ہوگا۔ حضرت معاویہؓ بڑی طاقت اور قوت کے مالک تھے۔ سارا شام ان کے زیرِ نگیں تھا۔ ایسے شخص کا دربارِ خلافت سے باغی ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لوگ حضرت علیؓ کے آئندہ اقدام کے منتظر تھے خصوصاً جب سے انہوں نے یہ سُنا تھا کہ حضرت حسنؓ نے اپنے والد کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ان والیوں سے جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی کوئی تعرض نہ کریں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ عرب ہزار چکر کھائیں گے پھر پھرا کر آپ ہی کے پاس آئیں گے۔ اس وقت سے لوگوں کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا تھا کہ دیکھیے آئندہ کیا ظہور میں آتا ہے۔ آخر انہوں نے زیاد بن حنظلہ کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔

جب زیاد حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے کہا:

---

[1] اس باب میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ محض اتہام ہے اور کسی مستند تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ باقی رہی ان دونوں کی حضرت علیؓ سے مخالفت، تو جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد بھی مدینہ میں امن وامان قائم نہ ہو سکا۔ باغی مدینہ میں موجود تھے اور فتنہ وفساد کی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ جاہل بدوی جو لوٹ مار کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہتے تھے وہ بھی ان مفسدین کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو مدینہ سے نکال دیا جائے لیکن انہیں اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ (تاریخ طبری ص ۳۰۸۱) حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ جو دونوں جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے پہلے تو انتظار کرتے رہے کہ حالات ٹھیک ہو جائیں اور فتنہ وفساد رفع ہو جائے لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مدینہ اسی طرح ان مفسدین کی آماجگاہ بنا رہا۔ ان دونوں نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے لیکن حضرت علیؓ بھی مجبور تھے انہوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ آخر جب ہر طرف سے مایوسی ہو گئی تو وہ خود علاوہ اس شورش کو رفع کرنے کے لیے مکہ روانہ ہو گئے تاکہ فوجوں کی امداد حاصل کر کے ان باغیوں کا قلع قمع کریں۔ حضرت عائشہؓ بھی مدینہ میں شورشوں کا حال سُن کر مکہ میں مقیم تھیں۔ یہ دونوں اس شورش کو فرو کرنے کے سلسلہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان الفاظ میں مدینہ کی بدامنی کا نقشہ کھینچا: انا تحملنا بقلیتنا ھرابا من المدینۃ من غوغاء اعراب وفارقنا قوماً حیاری لا یعرفون حقا ولا ینکرون باطلا ولا یمنعون انفسھم۔ (تاریخ طبری ص ۳۰۹۹)

یعنی ہم اعراب کے شور و شر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں۔ ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے اور نہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مشوروں کے بعد ایک لشکر تیار کیا گیا لیکن ایسا کرنے سے ان تینوں کا مقصد حضرت علیؓ سے بغاوت کرنا نہ تھا بلکہ محض اس شورش کو جو مفسدین کی فتنہ پردازی سے تمام عالمِ اسلام میں پھیل گئی تھی، رفع کرنا تھا۔

(مترجم)

"زیاد! تیاری کرو۔"

اس نے پوچھا:

"امیرالمومنین! کس چیز کی تیاری؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"شام پر چڑھائی کرنے کی۔"

زیاد نے لوگوں کو آکر بتایا کہ جنگ کی تیاری ہو رہی ہے۔

حضرت علیؓ نے اسی وقت سے جنگی تیاری شروع کر دی۔ لشکر کو منظم کیا۔ اپنے بیٹے محمد الحنفیہؒ کو جھنڈا سپرد کیا۔ عبداللہ بن عباسؓ کو میمنہ پر، عمر بن سفیان کو میسرہ پر اور ابولیلیٰ عمر بن الجراح کو مقدمہ پر مقرر کیا اور مدینہ میں اپنا قائم مقام قثم بن عباس کو بنایا۔

جب لشکر کی تنظیم ہو چکی تو آپ اہلِ مدینہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور انھیں خلافت کے باغیوں سے جنگ کرنے کے لیے چلنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا:

"اللہ عزوجل نے اپنے رسولؐ کو ایک ناطق کتاب کے ساتھ ہدایت دے کر اور ایک واضح اور قائم امر کے ساتھ بھیجا۔ جس سے کوئی شخص سوائے اس کے کہ اس کی قسمت میں ہلاکت ہو ہلاک نہیں ہوتا۔ بدعات اور شبہات انسان کو ہلاک کرنے والے ہیں سوائے اس شخص کے جس کو اللہ اپنی حفاظت میں رکھے۔ تم اس کے خلیفہ کے احکام کی اطاعت بلا چون و چرا کرو۔ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسلام کے غلبہ کو تم سے دور کر دے گا اور پھر کبھی تمہیں وُہ غلبہ نصیب نہ ہوگا۔ ایسی قوم سے مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ جو تمہارے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتی ہے۔ شاید تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس فساد کو جو آفاقیوں نے ڈال دیا ہے، دور کر دے۔"

حضرت عائشہؓ کی بصرہ کو روانگی ابھی حضرت علیؓ مدینہ سے شام کی طرف خروج کی تیاریاں کر ہی رہے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ نے قصاصِ عثمانؓ کے نام پر مکہ میں ایک فوج جمع کر لی ہے۔ آپ نے اس تمام صورتِ حال سے اہلِ مدینہ کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ جب تک وہ لوگ مدینہ پر حملہ نہیں کریں گے ہم خاموش رہیں گے اور ان لوگوں سے تعرض نہیں کریں گے۔ اگر ان لوگوں نے ہم سے لڑائی نہ چھیڑی تو ہم بھی ان سے لڑائی نہیں چھیڑیں گے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر بصرہ کی جانب روانہ ہو گیا ہے۔ اس پر آپ بھی اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر ان کی طرف چلے۔ آپ کو حضرت عائشہؓ کی لشکر کشی کا بے حد رنج تھا۔ آپ فرماتے تھے:

"اگر ان لوگوں نے ہم سے لڑائی چھیڑ دی تو مسلمانوں کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔"

جب اہلِ مدینہ کو معلوم ہُوا کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے نکلی ہیں تو ان میں سے اکثر نے حضرت علیؓ کے ساتھ جانے سے معذوری ظاہر کی۔ ان کا کہنا تھا:

ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا کریں، کیونکہ معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ ایک جانب امیر المومنین ہیں اور ایک جانب اُمّ المومنین۔ ہم اس وقت تک مدینہ ہی میں مقیم رہیں گے جب تک حالات کھل کر ہمارے سامنے نہیں آ جائیں گے۔"

اس طرح حضرت علیؓ اہلِ مدینہ میں سے بہت کم لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر سکے۔ اہلِ بدر میں سے صرف چھ آدمی آپ کے ساتھ تھے۔

ان حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنی خلافت کے اوائل ہی میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہر طرف سے یہ خبریں آ رہی تھیں کہ فلاں قبیلہ نے بیعت سے انکار کر دیا، فلاں عامل نے بیعت سے انکار کر دیا۔ کوفہ اور بصرہ میں مختلف جماعتیں بن گئی تھیں۔ بعض جماعتیں حضرت علیؓ کی اطاعت پر راضی تھیں۔ بعض سرے سے آپ کی خلافت کو قبول کرنے ہی سے منکر تھیں۔ دوسری جگہوں کا بھی یہی حال تھا۔ اس لیے کوئی بعید نہیں کہ حضرت علیؓ کی اطاعت اور آپ کو خلیفہ ماننے کے سوال پر سلطنت کے ہر حصہ میں جو اختلافات پیدا ہو رہے تھے ان کی موجودگی میں اہلِ مدینہ نے حضرت علیؓ کی اس وقت تک مدد کرنے سے انکار کر دیا ہو جب تک حالات کُلّی طور پر حضرت علیؓ کے حق میں سازگار نہیں ہو جاتے۔

(۶)

بصرہ کی جانب کُوچ

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کا مکہ پہنچنا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مدینہ سے نکل کر مکّہ پہنچے اور وہاں جا کر اعلان کر دیا کہ ہم سے حضرت علیؓ کی بیعت بجبراً کرائی گئی تھی اس لیے ہم نے ان کی بیعت توڑ دی ہے۔

گو ہم حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے موقف پر تنقید کرنا تو نہیں چاہتے لیکن اتنا ضرور کہتے ہیں کہ ان دونوں نے جو کچھ کیا اس سے اسلام کو بے حد نقصان پہنچا اور وحدتِ اُمت پارہ پارہ ہو گئی۔ اگر یہ حضرت علیؓ کے ساتھ رہ کر دین کی خدمت کرتے تو اسلام ایک زبردست فتنہ سے بچ جاتا۔ دُوسرے شہروں کو خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کی جرأت نہ ہوتی اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان آپس میں تلوار نہ چلتی۔ وہ ایسا نہ کرتے تو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اسلام کو جو زبردست نقصان پہنچا تھا اس کی کافی حد تک تلافی ہو جاتی اور مسلمان پھر وہی شان و شوکت حاصل کر لیتے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کو حاصل تھی۔

حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لیے حضرت عائشہؓ کا اہلِ مکّہ کو اُبھارنا ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے حج کے لیے مکّہ تشریف لائی تھیں۔ جب حج کر کے واپس جانے لگیں تو حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت کی خبر ملی۔ یہ خبر سن کر آپ مکّہ واپس ہو گئیں۔ راستہ میں تو کچھ نہ بولیں لیکن جب کعبہ کے دروازہ پر پہنچیں اور لوگ ارد گرد جمع ہو گئے تو کھڑی ہوئیں اور اس طرح خطاب کیا:

"لوگو! مختلف مقامات کے مفسدین نے اہلِ مدینہ کے غلاموں کی مدد سے حضرت عثمانؓ کو مظلوم شہید کر دیا۔ ان لوگوں نے پہلے حضرت عثمانؓ پر کچھ الزامات لگائے اور جب انھیں ثابت نہ کر سکے تو بغاوت کر دی۔ جس خون کو خدا نے حرام کر دیا تھا اسے بہایا۔ بلدِ حرام (مدینہ) اور شہرِ حرام (ذوالحجہ) کی تقدیس کو توڑا۔ انہوں نے حرام مال لوٹا۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان بلوائیوں کی ساری دُنیا سے زیادہ محترم ہے۔ یہ فتنہ ابھی دبتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس لیے تم لوگ خلیفۂ مظلوم کا خون رائگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔"

جب لوگوں نے حضرت عائشہؓ کی تقریر سُنی تو اُن میں حضرت عثمانؓ کے قصاص کا زبردست جوش پیدا ہوا۔ سب سے پہلے عبداللہ بن عامر الحضرمی جو مکّہ میں حضرت عثمانؓ کا عامل تھا، کھڑا ہوا اور اعلان کیا:

"سب سے پہلے میں حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا مطالبہ کرتا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ سے بنی امیّہ کے اکثر لوگ بھاگ کر مکّہ آ گئے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو اپنے لیے بہت غنیمت سمجھا اور جوق در جوق حضرت عائشہؓ کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ مروان، ولید بن عقبہ، عبداللہ بن عامر امیر بصرہ، یعلی بن امیہ امیر یمن بھی حضرت عائشہؓ سے آ کر مل گئے۔ یعلی بن امیہ یمن سے بہت سا مال و اسباب لے کر آئے تھے۔ اسی دوران میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مدینہ سے آ کر حضرت عائشہؓ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہُوا کہ بصرہ کی طرف کوچ کیا جائے۔ حضرت عائشہؓ لوگوں کے دل یہ کہہ کر اُبھارتی جاتی تھیں:

"لوگو! اسلام اس وقت زبردست فتنہ سے دوچار ہے۔ ہمارا مقصد اصلاحِ اُمّت ہے۔ تم اپنے بھائیوں کے پاس چلو اور ان کو اس کارِ خیر میں شامل ہونے کی ترغیب دو۔ شاید اس طرح خدا تعالیٰ حضرت عثمانؓ کا انتقام مفسدین سے لے لے۔"

حضرت عائشہؓ کا بصرہ کی جانب کوچ کرنا

طبری اور ابنِ اثیر نے اس فوج کے بصرہ کی جانب کوچ کرنے کی تفصیل اس طرح لکھی ہے:

حضرت عائشہؓ کی دعوت پر سب سے پہلے عبداللہ بن عامر اور بنی امیہ نے لبیک کہا جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ سے مکّہ بھاگ آئے تھے۔ پھر ابنِ عامر امیر بصرہ اور یعلی بن امیّہ امیر یمن بھی اپنی معزولی کی خبر سُن کر آپ سے آ کر مل گئے۔ یعلی بن امیّہ اپنے ساتھ چھ سو اُونٹ اور کثیر مال و دولت لائے تھے۔ لشکر مقامِ ابطح میں ٹھہرایا گیا۔ اسی دوران میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مدینہ سے مکّہ پہنچے اور حضرت عائشہؓ سے ملے۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے مدینہ کا حال احوال دریافت فرمایا۔ ان دونوں نے کہا:

"ہم مدینہ سے بدوؤں اور شور و شر کرنے والے لوگوں کے خوف سے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے وہاں لوگوں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ حیران و سرگردان ہیں نہ حق کو پہچان سکتے ہیں، نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔"

یہ سُن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا :

"باہم مشورہ کر لو اور پھر اس شورش کو دبانے کے لیے جس طرف مناسب ہو کوچ کرو۔"

بعض لوگوں نے شام چلنے کا مشورہ دیا تاکہ وہاں سے اس مقصد کے لیے مدد حاصل کی جاتے۔ لیکن عبداللہ بن عامر نے کہا :

"شام میں اس غرض کے لیے معاویہؓ کافی ہیں۔ وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہمیں بصرہ چلنا چاہیے اور وہاں سے مالی اور فوجی مدد حاصل کرنی چاہیے۔"

حضرت عائشہؓ کی رائے مدینہ چلنے کی تھی لیکن جب بعض اور لوگوں نے بھی بصرہ چلنے کا مشورہ دیا تو حضرت عائشہؓ مجبور ہو گئیں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواجِ مطہرات کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے منظور نہ کیا اور مدینہ واپس جانے کو ترجیح دی۔

فوج کے لیے سازوسامان کی بھی ضرورت تھی۔ یعلی بن امیہ اور ابنِ عامر اپنے اپنے علاقوں سے بہت کچھ مال و اسباب لائے تھے جو انہوں نے فوج کے سازوسامان پر خرچ کیا۔ ایک آدمی مکہ میں منادی کرتا پھرتا تھا :

"لوگو! اُم المومنینؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ بصرہ کی جانب کوچ کر رہے ہیں جو شخص اسلام کی سربلندی کے لیے مفسدین سے لڑنا اور حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس سواری اور ہتھیار نہیں ہیں وہ ہمارے پاس آئے۔ ہم اسے سب چیزیں مہیا کر دیں گے۔"

جب مکہ سے روانگی ہوئی تو تقریباً دو ہزار کا لشکر جو مکہ اور مدینہ کے لوگوں پر مشتمل تھا حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھا۔ راستے میں بدو بھی فوج کے ساتھ ملتے جاتے تھے۔ جب یہ لشکر بصرہ پہنچا تو اس کے افراد کی تعداد تین ہزار ہو چکی تھی۔[1]

جب یہ لشکر مکہ سے چلا تو اُم الفضل بنتِ حارث نے قبیلہ جُہینہ کے ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا جس میں مکہ کے تمام واقعات اور اس لشکر کے تمام حالات، اس کی تعداد اور اس میں شامل ہونے والے لوگوں کی تفصیلات درج تھیں۔

بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بصرہ کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنی آمد کی غرض سے اطلاع دی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کارِ خیر میں اُن کی مدد کریں۔

لشکر جب بصرہ کے قریب پہنچا تو سعیدؓ بن العاص اور مغیرہؓ بن شعبہ ان لوگوں سے ملے۔ سعیدؓ بن العاص نے حضرت عائشہؓ سے پُوچھا :

"اُم المومنین! کہاں کا قصد ہے؟"

انہوں نے کہا :

"بصرہ کا۔"

سعیدؓ نے پُوچھا :

---

[1] ابن اثیر

"بصرہ جا کر آپ کیا کریں گی؟"

انہوں نے جواب دیا:

"میں عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کروں گی۔"

سعیدؓ بن العاص نے کہا:

"عثمانؓ کے قاتل تو آپ کے ساتھ ہیں۔"

یہ کہہ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے بعد سعیدؓ مروان کے پاس آئے اور اس سے پوچھا:

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے کہا:

"بصرہ!"

سعیدؓ نے پوچھا:

"بصرہ جا کر کیا کرو گے؟"

مروان نے کہا:

"ہم وہاں یہ مطالبہ کریں گے کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے سپرد کیا جائے۔"

سعیدؓ نے کہا:

"عثمانؓ کو ان دونوں آدمیوں (طلحہؓ اور زبیرؓ) نے قتل کیا۔ یہ دونوں خلافت اپنے لیے چاہتے تھے۔ جب یہ اپنی سازش میں کامیاب ہو چکے تو اب ایک خون کو دوسرے خون کے ذریعہ اور ایک گناہ کو توبہ کے ذریعہ دھونا چاہتے ہیں"[1]

ابنِ اثیر یہ لکھتا ہے کہ جب یہ لشکر مقام ذات عرق میں پہنچا تو سعیدؓ بن العاص آئے اور انہوں نے مروان بن حکم اور اس کے ساتھیوں سے کہا:

"تم کہاں جا رہے ہو حالانکہ جن لوگوں سے تمہیں انتقام لینا ہے وہ تو تمہارے ساتھ اونٹوں پہ سوار ہیں ان کو قتل کرو اور اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔"

مروان نے جواب دیا:

"ہم اس لیے جا رہے ہیں کہ عثمانؓ کے تمام قاتلوں کو قتل کریں۔"

مروان سے باتیں کرنے کے بعد سعیدؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا:

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ

"اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو کسے خلیفہ بناؤ گے؟"
ان دونوں نے کہا :

"ہم اپنے میں سے جس کو چاہیں گے خلیفہ بنا لیں گے۔"

سعیدؓ نے کہا :

"حضرت عثمانؓ کے کسی بیٹے کو خلیفہ کیوں نہیں بناؤ گے حالانکہ تم حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے نکلے ہو؟"

ان دونوں نے کہا :

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم مہاجرین کے معززین کو چھوڑ کر یتیموں کو خلیفہ بنا لیں؟"

سعیدؓ نے کہا :

"معلوم ہو گیا کہ اس لشکر کشی کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم دونوں میں سے ایک کی خلافت کا راستہ صاف ہو جائے۔"

یہ کہہ کر وُہ اپنی قوم کے چند آدمیوں اور حضرت عثمانؓ کے دو بیٹوں ابان اور ولید کو لے کر واپس چلے گئے۔

امیر بصرہ کے قاصدوں کے سامنے حضرت عائشہؓ کی تقریر

جب عثمانؓ بن حنیف امیر بصرہ کو اس لشکر کے آنے کا حال معلوم ہُوا تو اس نے دُو آدمیوں عمران بن حصین اور ابو الاسود دؤلی کو تحقیقِ احوال کے لیے بھیجا۔ وُہ دونوں حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور ان کے آنے کی غرض پُوچھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تقریر کی :

"خدا کی قسم میرے رتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے۔ اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے اصل حقیقت چھپا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ گردوں نے مدینہ پر جو حرم محترم تھا حملہ کیا اور وہاں فتنے برپا کیے۔ انہوں نے فتنہ پردازوں کو پناہ بھی دے رکھی ہے۔ اس بنا پر وہ خدا اور رسولؐ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے بے گناہ خلیفۃ المسلمین کو قتل کیا، معصوم خون کو حلال جان کر بہایا، جس مال کا لینا انہیں جائز نہ تھا اس کو لوٹا، حرم محترم نبوی کی بے عزتی کی، ماہِ مقدس کی توہین کی، لوگوں کی آبرو ریزی کی، مسلمانوں کو بے گناہ مارا پیٹا، اور ان لوگوں کے گھروں میں زبردستی اُتر پڑے جو ان کو ٹھہرانے کے روادار نہ تھے۔ نقصان دہ رہے نفع رساں نہیں۔ نیک دل مسلمانوں میں نہ اُن سے بچنے کی قدرت ہے اور نہ وہ ان کے ہاتھوں مامون ہیں میں مسلمانوں کو لے کر لوگوں کو یہ بتانے نکلی ہوں کہ عام مسلمانوں کو جنہیں میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں، ان سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ کن جرائم کے مرتکب ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :

لا خیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس۔

(یعنی ان کی سرگوشی میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں لیکن یہ کہ خیرات یا عام نیکی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرائیں،

ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں جس کا خدا اور رسولؐ نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے ۔
یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔"

امیرِ بصرہ کے قاصدوں کا حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس آنا حضرت عائشہؓ سے رخصت ہو کر یہ لوگ حضرت طلحہؓ کے پاس گئے اور پوچھا کہ "آپ کے آنے کی غرض و غایت کیا ہے ؟"

انہوں نے جواب دیا :

"عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ !"

والیِ بصرہ کے قاصدوں نے پوچھا :

"کیا آپ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی ؟"

انہوں نے جواب دیا :

"ہاں ، لیکن تلوار میری گردن پر رکھی ہوئی تھی ۔"

حضرت طلحہؓ کے پاس سے اُٹھ کر یہ دونوں حضرت زبیرؓ کے پاس آئے ، انہوں نے بھی ان کو وہی جواب دیا جو حضرت طلحہؓ نے دیا تھا۔

تمام حالات سے اطلاع پا کر یہ دونوں قاصد عثمانؓ بن حنیف کے پاس واپس آگئے اور جو کچھ سُنا تھا اُسے بتا دیا ۔

(۷)

اہلِ بصرہ میں اختلاف

عاملِ بصرہ کی طرف سے مقابلہ کا عزم جب حضرت عائشہؓ کا لشکر بصرہ کے قریب پہنچا تو وہاں کے عامل عثمانؓ بن حنیف نے اس تازہ صورتِ حال کے متعلق لوگوں سے مشورہ لیا ۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ ان کا مقابلہ کیا جائے ۔ بعض نے کہا بہتر یہ ہے کہ ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور اس طرح فتنہ بڑھنے کا موقع نہ دیا جائے ۔ لیکن عثمان نے کہا کہ : "میں ان کو بصرہ میں داخل ہونے سے اس وقت تک روکے رکھوں گا جب تک کہ امیر المومنین یہاں نہیں پہنچ جاتے ۔"

عاملِ بصرہ کی تقریر اس نے مسجد میں ایک تقریر بھی کی جس میں کہا :

"اے لوگو! تم نے اللہ کی بیعت کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھوں کے اوپر ہے ۔
جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا وہ اپنا نقصان آپ کرے گا ۔ لیکن جو شخص اللہ سے اپنے کیے ہوئے وعدہ کو پورا

کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اجرِ عظیم دے گا۔ خدا کی قسم اگر علیؓ کے علاوہ اور کوئی شخص خلافت کا حقدار ہوتا تو علیؓ کبھی خلافت قبول نہ کرتے۔ اگر لوگ علیؓ کے علاوہ کسی اور شخص کی بیعت کر لیتے تو علیؓ کو بھی اس کی بیعت میں کوئی عذر نہ ہوتا، وہ نئے خلیفہ کی پورے طور پر اطاعت کرتے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے کوئی پرخاش نہیں۔ ان دونوں (حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ) نے علیؓ کی بیعت کی تھی لیکن اس سے ان کی غرض خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنا نہ تھا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کی بجائے بندوں سے ثواب حاصل کرنا چاہا۔ اب یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بیعت مجبوری کی حالت میں کی تھی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کدھر ہیں۔ جدھر عامۃ المسلمین ہیں ادھر ہی ہدایت ہے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عامۃ المسلمین نے علیؓ کی بیعت کر لی ہے۔ کیا اب بھی حق کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی رہا؟"

حکیم بن جبلہ کی تقریر

عثمان بن حنیف کے بعد حکیم بن جبلۃ العبدی کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

"اگر یہ لوگ بصرہ میں داخل ہوئے تو ہم ان سے لڑیں گے۔ اگر سارے لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ دیں تو میں ان سے اکیلا لڑوں گا۔ مجھے حق و انصاف کے راستہ میں کسی روک کی پروا نہ ہوگی۔ جو شخص ان لوگوں سے لڑائی کرتے ہوئے مارا جائے گا وہ یقیناً شہادت کا درجہ حاصل کرے گا۔"

اہلِ بصرہ میں اختلاف

تاہم تمام اہلِ بصرہ متفقہ طور پر عثمان بن حنیف کے ساتھ نہیں تھے۔ بعض کہتے تھے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی جس مقصد کے لیے کھڑے ہوئے ہیں وہ بالکل درست ہے۔ بعض کہتے تھے: نہیں، خواہ کچھ بھی ہو حضرت علیؓ کی بیعت پر قائم رہنا چاہیے۔ اس طرح اہلِ بصرہ میں آپس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض اشخاص حضرت عائشہؓ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ وہ شہر میں ضرور داخل ہوں۔ ان کے مقابلہ میں ایک جماعت امیر المومنین حضرت علیؓ کے مقرر کردہ عامل کے ساتھ بایں عزم کھڑی ہو گئی کہ حضرت عائشہؓ کے لشکر کو شہر میں داخل ہونے سے بہر حال روکا جائے گا خواہ اس غرض کے لیے تلوار چلانا اور جنگ کرنا ہی کیوں نہ پڑے۔

عاملِ بصرہ کا مقابلہ کے لئے نکلنا

بہر کیف عثمان بن حنیف اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ سے باہر نکلا اور مقام مربد کے بائیں جانب قیام کیا۔ حضرت عائشہؓ بھی اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھیں اور مربد کے دائیں جانب قیام فرمایا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئے تو حضرت طلحہؓ آگے بڑھے اور دونوں فوجوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ ان کے فضائل بیان کیے، ان کی مظلومیت کے واقعات دہرائے۔ اس کے بعد لوگوں کو ان کے خون کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ حضرت طلحہؓ کے بعد حضرت زبیرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی تقریر کی جس قسم کی حضرت طلحہؓ نے کی تھی۔ جب یہ دونوں اپنی تقریریں ختم کر چکے تو دائیں طرف سے ان کے ساتھیوں نے پکار کر کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا بالکل درست اور سچ کہا۔ لیکن بائیں طرف سے ان کے مخالفین کی آوازیں آئیں کہ جو کچھ کہا بالکل غلط کہا۔ آپ لوگوں نے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کی اور پھر اُس کو توڑ کر ان کے

...اف محاذ قائم کر لیا۔

اس طرح ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، ہر طرف سے شور و غل مچنے لگا۔ آخر اُم المومنین حضرت عائشہؓ کھڑی ہوئیں۔ آپ کی آواز کافی بلند تھی۔ آپ نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کو کہا۔ جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو آپ نے حمد و ثنا کے بعد یہ تقریر کی:

حضرت عائشہؓ کی تقریر

"لوگ عثمانؓ پر اعتراض اور ان کے عُہدہ داروں کی برائیاں کرتے تھے۔ وہ مدینہ آ کر ہم سے صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی نسبت جب ہم ان لوگوں کی شکایتوں پر غور کرتے تھے تو انہیں بے گناہ، پرہیز گار، راست گفتار اور ان ہنگامہ کاروں کو گنہگار، غدار اور دروغ گو پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ اور تھا اور زبان پر کچھ اور۔ جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو بے قصور اور بلا سبب عثمانؓ کے گھر میں گھس گئے اور جس خون کا بہانا جائز نہ تھا اس کو بہایا۔ جس مال کا لینا درست نہ تھا اس کو لوٹا۔ جس سرزمین کا احترام ان پر فرض تھا اس کی بے حرمتی کی۔

وہ کام جو ہمیں اب کرنا ہے، جس کے خلاف ہمارا ہر قدم ناجائز ہو گا وہ عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کلامِ الٰہی کے احکام کا مضبوطی سے اجرا ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولّٰی فریق منھم وھم معرضون۔

(یعنی کیا تم ان کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا کہ کتابِ الٰہی کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کرے۔ پھر یہ حال ہے کہ ان کا ایک فرقہ اعراضانہ اس سے منحرف ہوتا ہے)"

عاملِ بصرہ کے بعض ساتھیوں کا حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو سمجھانا

جب لوگوں نے حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر سُنی تو عثمان بن حنیف کے ساتھی دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ نے کُھلم کُھلا حضرت عائشہؓ کی طرفداری شروع کر دی۔ دوسرا حصہ بدستور مخالف رہا۔ آخر ان دونوں فریقوں میں باہم تکرار شروع ہو گئی جس کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ پیچھے ہٹ آئیں اور اپنی فوج کو بھی پیچھے ہٹا لیا۔ عثمان بن حنیف کی فوج کا وہ حصہ جو حضرت عائشہؓ کی تقریر سُن کر ان کا حامی بن گیا تھا کچھ دیر کی تکرار کے بعد حضرت عائشہؓ کے لشکر سے آ ملا۔ عثمان کے بعض حامی بھی حضرت عائشہؓ کو سمجھانے بجھانے کے لیے آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک شخص جاریہ بن قدامۃ العبدی تھا اس نے آ کر حضرت عائشہؓ سے کہا:

"ام المومنینؓ! خدا کی قسم عثمانؓ کی شہادت اس سے بہت کمتر ہے کہ آپ جیسی شخصیت مسلمانوں سے لڑنے اپنے گھر سے نکلے۔ آپ نے اس پردہ کو جو خدا تعالیٰ نے آپ کے لیے بنایا تھا ہٹا دیا۔ اور اس حرمت کو جو خدا تعالیٰ نے آپ کے لیے مقرر کی تھی توڑ دیا۔ آپ یہ تو سوچیے کہ جو شخص آپ سے لڑنے کا ارادہ کرے گا وُہ ضرور آپ کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کرے گا۔ آپ ان تمام باتوں پر غور کیجیے اگر آپ اپنی مرضی سے اس لشکر کے ساتھ آئی ہیں تو اب آپ کے لیے یہ بہتر ہے کہ واپس مدینہ تشریف لے جائیں، اور

...لوگوں نے آپ پر جبر کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ہے تو اس کے خلاف آپ لوگوں سے مدد طلب کیجئے میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔"

بنی سعدؓ کا ایک نوجوان حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس آیا اور ان سے پُوچھا :

"اے زبیرؓ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے اور اے طلحہؓ! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ کو اپنے ہاتھ پر روکا تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ امّ المومنینؓ تمہارے ساتھ ہیں کیا تم اپنی عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لائے ہو؟"

ان دونوں نے جواب دیا :

"نہیں!"

اس پر اس شخص نے کہا :

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنی عورتوں کی تو حفاظت کی لیکن اپنی ماں (حضرت عائشہؓ) کو میدانِ جنگ میں تلواروں، نیزوں اور بھالوں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور ان کی عزت و حرمت کا کوئی خیال نہ کیا۔ کیا یہی انصاف ہے!"

(۸)

بصرہ کی فتح

والیٔ بصرہ کی طرف سے لڑائی کا آغاز جب اس طور پر دونوں فریقوں میں جوش پیدا ہو گیا اور دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور غصہ کے جذبات بھر گئے تو بعض شر پسندوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور عامۃ المسلمین کو بھڑکا کر جنگ کی بھٹی دہکا دی۔ لڑائی عثمان بن حنیف والیٔ بصرہ کے ساتھیوں کی طرف سے شروع ہوئی۔ ان میں سب سے پیش پیش حکیم ابن جبلہ تھا۔ اسی نے حملہ کی ابتدا کی اور حضرت عائشہؓ کی فوج پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں نے صرف مدافعانہ پہلو اختیار کیا اور حکیم کے دستے کے حملوں کو روکتے رہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی پہل نہ کی۔ جب رات آگئی تو دونوں فوجیں علٰحدہ علٰحدہ ہو گئیں اور دوسرے دن کی لڑائی کے لیے تیاریاں کرنے لگیں۔

دوسرے دن عثمان بن حنیف اور حکیم بن جبلہ اپنی فوج کو لے کر باہر نکلے۔ حکیم حضرت عائشہؓ کی نسبت ناشائستہ کلمات کہہ رہا تھا۔ قبیلہ عبدالقیس کے ایک مرد اور ایک عورت نے اس کو ٹوکا۔ حکیم نے طیش میں آ کر دونوں کو قتل کر ڈالا اور حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کی طرف سے برابر اس امر کا اعلان ہوتا رہا کہ جنگ بند کر دی جائے اور صلح کی شرائط طے کر لی جائیں۔ لیکن عثمان اور حکیم لڑائی سے باز نہ آئے۔ دن بھر جنگ ہوتی رہی جس میں حضرت عائشہؓ کا پلّہ بھاری رہا اور عثمان کی فوج کے کثیر آدمی مقتول ہوئے۔ جب سورج چھپ گیا تو لڑائی بند ہوئی۔

لڑائی کا اختتام اور فریقین کے درمیان شرائطِ صلح حضرت عائشہؓ کی جانب سے اس وقت بھی صلح کی پیشکش کی گئی جس کو عثمان نے

قبول کر لیا۔ یہ طے پایا کہ عثمان ایک قاصد مدینہ بھیجے گا جو وہاں کے لوگوں سے تمام حالات دریافت کرے گا۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو حضرت علیؓ کی بیعت کرنے پر زبردستی مجبور کیا گیا تھا تو عثمان ان سے کوئی تعرض نہیں کرے گا اور بصرہ ان کے حوالے کر کے خود وہاں سے نکل جائے گا۔ لیکن اگر یہ پتا چلا کہ ان دونوں نے اپنی مرضی سے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی تب انھیں بصرہ چھوڑ کر جانا ہوگا۔

شرائطِ صلح کے مطابق قاضیٔ بصرہ کا مدینہ پہنچنا اس معاہدہ کے بموجب قاضیٔ بصرہ کعب بن سور مدینہ روانہ ہوئے آپ جمعہ کے روز وہاں پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی میں گئے۔ انہوں نے مسجد میں داخل ہو کر بآوازِ بلند لوگوں سے خطاب کیا:

"اے اہلِ مدینہ! میں بصرہ کے لوگوں کی جانب سے تمہاری طرف سفیر ہو کر آیا ہوں اور تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا طلحہؓ اور زبیرؓ کو زبردستی حضرت علیؓ کی بیعت پر مجبور کیا گیا تھا یا ان دونوں نے اپنی خوشی سے بیعت کی تھی؟"

یہ سُن کر تمام حاضرین چُپ رہے صرف حضرت اسامہؓ بن زید اُٹھے اور اُنھوں نے کہا:

"ان دونوں کو زبردستی بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا"

ان کا یہ کہنا تھا کہ سہل بن حنیف اسامہؓ پر ٹوٹ پڑے۔ دیگر صحابہؓ کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں سہل اسامہؓ کو قتل نہ کر دیں۔ وہ اسامہؓ کی مدد کے لیے اُٹھے۔ حضرت صہیبؓ بن سنان، حضرت ابو ایوبؓ بن زید اور حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے اُٹھ کر اسامہؓ کے قول کی تصدیق کی اور انہیں سہل کے ہاتھوں سے بچایا۔ کعب بن سور نے واپس بصرہ آ کر تمام حالات سے عثمان کو اطلاع دے دی۔

اس تمام قصہ میں یہ بات سب سے عجیب ہے کہ والیٔ بصرہ کا سفیر دار الخلافہ میں آتا ہے جو حضرت علیؓ کے حامیوں اور مددگاروں سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن کسی شخص کو اس وقت تک اس کے آنے کا پتا نہیں چلتا، جب تک کہ وہ مسجد نبوی میں داخل نہیں ہو جاتا۔ نہ کوئی شخص اسے اس بات ہی پر ٹوکتا ہے کہ ایسے اہم معاملہ میں خلیفہ سے مشورہ لیے بغیر اسے مجمع سے خطاب کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ نہ حضرت علیؓ ہی اسے اپنے پاس بُلاتے ہیں۔ پھر ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بصرہ کے عامل کو اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ وہ خلیفۃ المسلمینؓ کو ان تمام حالات کی اطلاع دے جو اس کے شہر میں پیدا ہو چکے تھے حالانکہ یہ اتنے اہم واقعات تھے کہ ان کے متعلق خلیفہ کو اطلاع دینا والی کا سب سے پہلا کام تھا۔ ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ حکیم بن جبلہ کو حضرت عائشہؓ کی فوج سے لڑنے کی اجازت دے دیتا ہے، حالانکہ اس کا فرض تھا کہ جب تک اس امر کے متعلق خلیفہ کا کوئی واضح حکم نہ آ جاتا وہ لڑائی سے باز رہتا جبکہ خود حضرت عائشہؓ بھی لڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

شرائطِ صلح پر حضرت علیؓ کی ناراضگی جب حضرت علیؓ کو عثمان بن حنیف کے اس معاہدے کا پتا چلا جو اس نے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے کیا تھا۔ تو آپ کو بے حد

غصہ آیا اور آپ نے اس سے لکھا:

"اگر طلحہؓ اور زبیرؓ پر جبر بھی کیا گیا تھا تو یہ جبر مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے تھا نہ کہ متفرق کرنے کے لیے۔ اگر ان کا ارادہ بیعت توڑنے کا ہے تو ان کا کوئی عذر نہ سُنا جائے اور اگر اس کے علاوہ ان کا کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور و فکر کیا جا سکتا ہے اور ان سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔"

والیٔ بصرہ کا شہر خالی کرنے سے انکار کرنا والیِ بصرہ کے نام حضرت علیؓ کا خط اور کعب بن سور قاضیِ بصرہ، دونوں بصرہ ساتھ ساتھ پہنچے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے عثمان بن حنیف پر زور دیا کہ وہ حسبِ معاہدہ شہر خالی کر دے۔ لیکن اس نے انکار کیا، اور حضرت علیؓ کا خط پیش کر کے کہا کہ اس پہلو کی طرف ہماری نظر نہیں گئی تھی، میں شہر خالی نہیں کر سکتا۔

والیٔ بصرہ کی گرفتاری اس پر رات کو حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے آدمیوں نے عثمان بن حنیف کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور گھر میں داخل ہو کر اسے قید کر لیا۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور اجازت دی جائے کہ وہ جہاں چاہے چلا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل میں اسے رہا کر دیا گیا اور وہ مدینہ چلا گیا۔

بصرہ کی فتح عثمان کے ساتھیوں کو جب اس واقعہ کا پتا چلا تو انہوں نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کا سردار حکیم بن جبلہ تھا۔ یہ شخص اور اس کے ساتھی اس فتنہ میں شریک تھے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف برپا کیا گیا تھا۔ ان کو پتا تھا کہ اگر انہوں نے حضرت عائشہؓ کے لشکر کو نہ روکا تو وہ ضرور حضرت عثمانؓ کے قصاص میں قتل کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ وہ جی توڑ کر لڑے۔ لیکن شکست کھائی۔ حضرت عائشہؓ کے لشکر نے ان لوگوں کو خصوصیت سے اپنی تلواروں کا نشانہ بنایا جو حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش میں شریک تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک شخص حرقوص بن زہیر کے جسے اس کے قبیلہ نے پناہ دے دی تھی اور کوئی شخص بھی بچ کر نہ جا سکا۔

جب لڑائی ختم ہو گئی تو چُن چُن کر ایسے لوگوں کو لایا گیا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل یا آپ کے خلاف سازش میں حصہ لیا تھا اور اُن کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ آخری معرکہ ۲۴ ربیع الثانی ۳۶ھ کو پیش آیا۔

جب بصرہ فتح ہو گیا تو حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اہلِ شام کو ایک خط لکھا جس میں بصرہ کے تمام حالات درج کیے، اس خط میں لکھا تھا:

اہلِ شام کے نام حضرت عائشہؓ کا مکتوب "اما بعد ہم تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی یاد دلاتے ہیں۔ کتابِ الٰہی کو اس کے احکام کے اجراء سے قائم رکھو۔ خدا سے ڈرو اور اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو۔ ہم نے بصرہ آ کر بصرہ کے لوگوں کو کتابِ الٰہی کی اقامت کی دعوت دی صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کر لی لیکن شریروں اور مفسدوں نے ہماری مخالفت کی۔ انہوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا اور کہا کہ ہم تمہیں بھی عثمانؓ کے

ساتھ روانہ کر دیتے ہیں، دشمنی اور عداوت سے انہوں نے ہمیں کافر بنایا۔ ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں۔ ہم نے ان کو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر سُنائی:

الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتٰب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولّی فریق منھم وھم معرضون۔

(یعنی کیا تم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا۔ ان کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے لیکن پھر ان میں سے ایک فریق اس سے منہ موڑ لیتا ہے اور وہ اعراض کرتے ہیں)

یہ سُن کر لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی۔ اور بعض نے اختلاف کیا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمارے ساتھیوں پر تلواریں چلائیں۔ بصرہ کے والی عثمان بن حنیف نے انہیں قسم دی کہ وہ ہم سے لڑیں لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے ذریعہ ہماری مدد کی۔ ہم نے چھبیس روز تک ان کو کتاب الٰہی کے احکام کی دعوت دی یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ دوسرے بے گناہوں کی خونریزی سے احتراز کیا جائے۔ انہوں نے ہمارے خلاف دلائل قائم کئے۔ پھر بھی ہم نے صلح کر لی لیکن انہوں نے ازراہِ بدعہدی وخیانت فوج جمع کی۔ خدا نے عثمانؓ کے قصاص کا سامان کر دیا اور ایک شخص حرقوص بن زہیر کے سوا ان مفسدین اور شورش پسندوں میں سے اور کوئی نہیں بچا۔ خدا نے قیس۔ باب اور ازد کے قبیلوں کے ذریعہ ہماری اعانت فرمائی۔ دیکھو! عثمانؓ کے قاتلوں کے سوا جب تک خدا ان سے اپنا حق نہ لے لے اوروں سے اچھی طرح پیش آؤ لیکن ان خیانت کاروں کی طرف داری نہ کرنا، نہ ان کی حفاظت کرنا، نہ اُن لوگوں سے جو سزائے الٰہی کے مستوجب ہیں، رضامندی ظاہر کرنا کہ ایسا نہ ہو تمہارا شمار بھی انہی ظالموں میں ہو جائے۔"

(اسی طرح کے خطوط اہلِ کوفہ، اہلِ یمامہ اور اہلِ مدینہ کے نام بھی لکھے گئے۔

جب ہم ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو ہمارے لیے سوائے افسوس کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا دعویٰ لے کر اُٹھے تھے خواہ وہ بنی امیہ تھے یا دُوسرے قبائل کے لوگ، اور جن میں طلحہؓ اور زبیرؓ بھی شامل تھے، یہ چاہتے تھے کہ ہر وہ شخص جو حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والے مفسدین کے ساتھ مدینہ میں آیا تھا واجب القتل ہے۔ چنانچہ اس کا عملی تجربہ انہوں نے بصرہ میں کیا۔ گویا وُہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلے تین ہزار اہل قبلہ کا خون بہائیں۔ اگر ان لوگوں میں اُن مدینہ والوں، ان کے غلاموں اور دیگر بدوی لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جنہوں نے قاتلینِ عثمانؓ اور مفسدین کے ساتھ مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی، تو ایسے لوگوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اکثریت یہ چاہتی تھی کہ ان سب کو قتل کیا جائے۔ لیکن ان کا یہ خیال خدا تعالیٰ کے احکام اور اس کی

شریعت کے قطعاً مخالف تھا۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :

و من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل۔

(یعنی جو شخص مظلوم قتل کر دیا جائے ہم اس کے ولی کو قصاص کا اختیار دیتے ہیں لیکن وہ قصاص لیتے وقت قتل میں شدت اختیار نہ کرے)

لیکن یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ یقیناً اسراف فی القتل تھا جس کی اللہ تعالیٰ کبھی اجازت نہیں دیتا۔ ان باتوں کے علاوہ سب سے بڑا نقصان جو اُمتِ محمدیہ کو پہنچ رہا تھا، یہ تھا کہ اس طرح مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی پھیل گئی تھی اور وُہ لوگ جو کبھی اپنی تلواروں کو دشمنانِ اسلام کے خلاف استعمال کرتے تھے اب اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے لیے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام کا نام لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے تھے، ہرگز یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کا مقابلہ کرتے، امتِ محمدیہ کو پارہ پارہ کرتے اور ایسا فتنہ پھیلاتے جس کے متعلق ہر شخص جانتا تھا کہ اس کا نتیجہ بدامنی اور افتراقِ اُمت کی صورت میں نکلے گا۔

(۹)

صلح کی کوششیں

حضرت علیؓ کو شام آنے سے روکنے کے لیے حضرت معاویہؓ کی تدبیر

حضرت علیؓ نے سب سے پہلے شام جانے کا ارادہ کیا تھا تاکہ حضرت معاویہؓ کو بیعت پر مجبور کیا جائے اور جب معاویہ کو حضرت علیؓ کے اس ارادہ کا پتا اپنے ان جاسوسوں کے ذریعہ چل گیا جو مدینہ میں اس لیے مامور تھے کہ وہ یہاں کے واقعات سے حضرت معاویہؓ کو خفیہ طور پر اطلاع دیتے رہیں۔ انھوں نے دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ایسی تدابیر اختیار کرنی شروع کیں جن سے حضرت علیؓ کی توجہ ان سے ہٹ جائے اور وہ شام میں داخل نہ ہو سکیں۔ چنانچہ خطوط بھیج کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کیا۔ انھیں خلافت اور ملک کا لالچ دیا اور ان سے وعدہ کر لیا کہ شام ان کی بیعت کر لے گا۔ چنانچہ وُہ دونوں ام المومنین کو لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

ان تمام واقعات کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے۔

حضرت علیؓ کا مدینہ سے چل کر ربذہ میں قیام

جب حضرت علیؓ کو پتا چلا کہ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بصرہ کا قصد کیا ہے تو انھوں نے شام کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور پہلے اس جدید انتشار کو دُور کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کی فوج کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس کے مقابلہ پر پہنچ جائیں لیکن جب آپ 'ربذہ' پہنچے تو آپ کو پتا چلا کہ بصرہ پر حضرت عائشہؓ کا

قبضہ ہو چکا ہے اور اب ان کی فوج نے کوفہ کا قصد کیا ہے۔ یہ خبر سُن کر آپ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اہلِ کوفہ کو اُن سے بہت محبت اور تعلق ہے۔ آپ نے اہالیانِ کوفہ کے نام ایک خط لکھا۔

اہالیانِ کوفہ کے نام حضرت علیؓ کا خط

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! میں نے تمہیں منتخب کیا ہے اور میں تم ہی میں آکر اُتروں گا۔ کیونکہ تم خدا تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور مجھ سے محبت رکھتے ہو۔ جو شخص میری مدد کرے گا وہ حق و صداقت کی پیروی کرے گا اور اس ذمہ داری کو پورا کرے گا جو اس کے سر ہے۔"

حضرت علیؓ کا اپنے سفیروں کو کوفہ کی جانب روانہ کرنا

ساتھ ہی امیر المومنینؓ نے یہ بھی ارادہ کیا کہ وہ چند قابلِ اعتماد آدمیوں کو کوفہ بھیجیں تاکہ ان کے ذریعہ پتا لگ سکے کہ کوفہ والوں کا موقف کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن عوف کو اس غرض کے لیے بھیجا اور خود 'ربذہ' میں مقیم رہ کر لڑائی کی تیاری کرتے رہے۔ مدینہ بھی کہلا کر بھیجا کہ جو شخص ہم سے آکر ملنا چاہے وہ آجائے۔ اس طرح کئی ہزار کی جمعیت آپ کے گرد اکٹھی ہو گئی۔ ایک دن آپ کھڑے ہوئے اور مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

فوج کے سامنے حضرت علیؓ کی تقریر

"بے شک ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، ہمارا مرتبہ بلند کیا ہے، ہمیں ذلت، قلت، نفرت و حقارت اور دُوری کے بعد بھائی بھائی بنایا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا لوگ اسی راستہ پر چلتے رہے۔ اسلام ان کا دین تھا۔ حق ان کے درمیان تھا اور کتاب اللہ ان کی رہبر تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ ان مفسدہ پرداز لوگوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے جن کو شیطان نے اس لیے منتخب کیا تھا کہ ان کے ذریعہ اُمت میں تفرقہ انگیزی پیدا ہو جائے۔ ضروری ہے کہ اس امت میں اسی طرح تفرقہ پھیلے جس طرح پہلی امتوں میں پھیلا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے آئندہ ہونے والے شر کے لیے پناہ مانگتے ہیں لیکن جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اور یہ اُمت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ جو کچھ ہوا وہ تم نے دیکھ لیا۔ اس لیے تم اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایت کو اختیار کرو۔ آپ کی سنّت کی پیروی کرو، جہاں کہیں تمہیں کوئی مشکل پیش آئے اس کا حل قرآنِ کریم میں تلاش کرو اور جو چیز قرآن سے معلوم ہو اسے اختیار کرو اور جس چیز سے قرآنِ کریم انکار کرتا ہو اس کو رد کر دو۔ اللہ تعالیٰ کے پروردگار، اسلام کے سچے دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور قرآنِ کریم کے حکم و امام ہونے پر راضی رہو۔"

یہ خطبہ دینے کے بعد آپ اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھے اور مقام "ذی قار" میں پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں آپ کو عاملِ بصرہ عثمان بن حنیف ملا اور ان تمام واقعات سے آگاہ کیا جو بصرہ میں پیش آئے تھے۔

اہلِ کوفہ کی حمایت حاصل کرنے میں حضرت علیؓ کے قاصدوں کی ناکامی

حضرت علیؓ کے دونوں قاصد کوفہ پہنچے اور عاملِ کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں پہنچ کر حضرت علیؓ کا خط انہیں دیا۔ وہ دوسرے لوگوں سے بھی ملے کر انہیں حضرت علیؓ کی حمایت پر کمربستہ کرتے رہے۔ آخر شہر کے چند معززین حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ باہر نکلنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ یہ ایک فتنہ ہے جس سے بالکل الگ رہنا چاہیے۔ اس میں سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی اس رائے سے ان معززین نے پورا اتفاق کیا اور کوئی شخص باہر نکل کر حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس پر حضرت علیؓ کے قاصدوں کو بڑا طیش آیا اور انہوں نے حضرت ابوموسیٰؓ کو بہت کچھ سخت سُست کہا۔ جس پر انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم حضرت عثمانؓ کی بیعت کا طوق میری گردن میں ہے۔ حضرت علیؓ بھی ان کی بیعت کر چکے تھے۔ اگر لڑنا ضروری ہی ہے تو ہم اس وقت تک کسی سے نہیں لڑیں گے جب تک تمام قاتلینِ عثمانؓ سے خواہ وہ کہیں ہوں انتقام نہ لے لیں۔"

حضرت علیؓ کا دوبارہ اپنے قاصدوں کو کوفہ روانہ کرنا

محمد بن ابی بکر اور محمد بن عوف کوفہ والوں سے ناامید ہو کر مقام 'ذی قار' میں حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور تمام حالات سے ان کو آگاہ کر دیا۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ اور اشتر کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو ان کی مدد پر آمادہ کر سکیں لیکن وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر آپ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسر کو بھیجا۔ یہ دونوں کوفہ آ کر حضرت ابوموسیٰؓ سے ملے۔ لیکن ابوموسیٰؓ برابر اپنی اس رائے پر قائم رہے کہ جب تک فتنہ دور نہ ہو جائے لڑائی سے اجتناب کرنا اور تلواروں کو میانوں میں ڈالے رکھنا چاہیے۔

اس پر کوفہ کے ایک شخص قعقاع بن عمر نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

کوفہ میں قعقاع کی مؤثر تقریر

"اے اہلِ کوفہ! ہمارے امیر (ابوموسیٰ اشعریؓ) نے جو کچھ کہا ہے وہ تو ٹھیک ہے لیکن نظامِ خلافت کا باقی رہنا بھی بیحد ضروری ہے۔ اگر نظامِ خلافت کا وجود نہ ہو تو نہ ظالم سے انتقام لیا جا سکتا ہے، نہ مظلوم کی مدد کی جا سکتی ہے اور نہ ملکی انتظام برقرار رہ سکتا ہے۔ حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا جا چکا ہے وہ تمہیں اصلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں تمہیں اس دعوت کو قبول کرنا چاہیے، ان کی مدد کے لیے چلنا چاہیے اور دل وجان سے ان کی پیروی کرنی چاہیے۔"

قعقاع کے بعد حضرت حسنؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو امیر المومنین کی مدد کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ ہم کل روانہ ہوں گے جو لوگ ہمارے ساتھ چلنا چاہیں وہ چلیں۔ جو لوگ خشکی کے راستہ جانا چاہیں وہ خشکی کے راستہ جائیں اور

جو دریا کے راستہ جانا چاہیں وہ دریا کے راستے حضرت علیؓ کی فوجوں تک پہنچیں۔

نو ہزار اہلِ کوفہ کا حضرت علیؓ کی مدد کو پہنچنا

چنانچہ آپ کے ساتھ نو ہزار آدمی ہو گئے۔ کچھ لوگ خشکی کے راستہ اور کچھ دریا کے راستے مقام "ذی قار" میں حضرت علیؓ سے جا کر مل گئے۔ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا:

"میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ تم اہلِ بصرہ کے مقابلہ میں میرا ساتھ دو۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اصلاح کی کوشش کروں۔ اگر اہلِ بصرہ باز آ گئے تو میرا مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن اگر انہوں نے کج اختیار کی اور اپنی ضد پر قائم رہے تو بھی ہم ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں گے اور لڑائی سے اس وقت تک گریز کریں گے جب تک وہ ظلم اور لڑائی کی ابتدا نہ کریں۔ ہم اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے اور ہر حال میں فساد کے مقابلہ میں اصلاح کو ترجیح دیں گے۔"

بصرہ کی جانب سفیر کا روانہ کرنا

امیر المومنینؓ کی یہ رائے ہوئی کہ بصرہ والوں کی جانب ایک سفیر روانہ کیا جائے جو انہیں فتنہ کے نتائج و عواقب سے خبردار کرے اور ان کو دربارِ خلافت کی اطاعت اور اتحاد بین المسلمین کی دعوت دے۔ چنانچہ آپ نے قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ کے معززین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے تھے بلایا اور ان سے کہا:

"طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس جاؤ اور ان کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ افتراق کی کوششوں کو ترک کر دیں تاکہ مسلمان اکٹھے ہو کر پیار محبت کے ساتھ رہ سکیں۔"

قعقاع نے رضامندی ظاہر کی۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا:

"اگر ان دونوں سے گفتگو کرنے کے دوران میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آ جائے جس کے متعلق میں نے تمہیں کوئی ہدایت نہ دی ہو تو اس موقع پر تم کیا کرو گے؟"

قعقاع نے جواب دیا:

"ہم ان سے انہی معاملات کے متعلق گفتگو کریں گے جن کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات پیش آ گئی جس کے متعلق آپ کی رائے ہمیں معلوم نہ ہوئی تو ہم اجتہاد سے کام لیں گے اور وہی بات ان سے کہیں گے جو مناسب اور ضروری ہو گی۔"

حضرت علیؓ کے سفیر کا حضرت عائشہؓ و طلحہؓ و زبیرؓ سے ملنا اور انہیں مصالحت کے لیے آمادہ کرنا

حضرت علیؓ نے اس جواب پر اطمینان کا اظہار فرمایا اور قعقاع بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ بصرہ پہنچ کر وہ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے ملے اور ان سے پوچھا:

"آپ کا اس شہر میں آنے کا مقصد کیا ہے؟"

انہوں نے فرمایا: "میرا یہاں آنے کا مقصد لوگوں کی اصلاح ہے۔"

قعقاع نے درخواست کی کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی اپنے پاس بلوا لیجئے تاکہ آپ میری اور ان کی باتیں سُن سکیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ جب وُہ آئے تو قعقاع نے ان سے کہا:

"میں نے اُم المومنینؓ سے پُوچھا کہ آپ کا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرا یہاں آنے کا مقصد لوگوں کی اصلاح کرنا ہے۔ کیا آپ دونوں کو اس مقصد کے بارے میں اُم المومنینؓ سے اتفاق ہے؟"

دونوں نے کہا:

"ہم ام المومنینؓ سے پُوری طرح متفق ہیں۔"

قعقاع نے پُوچھا:

"مجھے بتایئے کہ اس اصلاح کی کیا صورت ہے تاکہ اگر وُہ مناسب ہو تو ہم بھی اس پر عمل کریں۔"

دونوں حضرات نے جواب دیا:

"اصلاح کی صرف یہ صورت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قتل کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو پسِ پشت ڈال دیا۔ قرآن کا احیاء اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لے لیا جائے۔"

قعقاع نے کہا:

"تم نے بصرہ کے ان لوگوں کو جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا قتل کرنا شروع کیا۔ لیکن اگر تم اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو تمہارا دعویٰ زیادہ مضبوط ہوتا۔ تم نے یہاں کے پانچ سو نناوے آدمیوں کو حضرت عثمانؓ کے قتل کے جرم میں قتل کیا جس کی وجہ سے چھ ہزار آدمی تمہارے مخالف ہو گئے اور انہوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ تم نے ایک آدمی حرقوص بن زہیر کو جس پر تمہارا قابو نہ چل سکا تھا گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن چھ ہزار آدمی اس کی حمایت میں تمہاری مزاحمت کے لیے کھڑے ہو گئے جس پر مجبور ہو کر تمہیں اس کی گرفتاری اور قتل کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ کیا تمہارا اسے چھوڑنا تمہارے قول کے مطابق قرآن کو ترک کرنا نہیں ہے؟ کیا تم نے اسے چھوڑ کر خود بخود اپنے اس دعویٰ کو ترک نہیں کر دیا جو تم لے کر کھڑے ہوئے ہو؟ اگر تم اس ایک آدمی کے لیے ان سے لڑتے ہو تو وہ یقیناً تم پر غالب آ جائیں گے اور اس چیز سے تم بچنا چاہتے ہو۔"

قعقاع کی یہ تقریر سُن کر حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے پُوچھا:

"تب اس فتنہ کا سدِباب کس طرح کیا جائے؟"

قعقاع نے جواب دیا:

"اس فتنہ کے سدِباب کی صرف یہ صورت ہے کہ سکون پیدا کیا جائے۔ جب سکون پیدا ہو جائے گا تو ہر قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر تم حضرت علیؓ کی بیعت کر لو تو یہ اُمت کی بہتری، اس کی عافیت اور سلامتی کے لیے ایک نیک فال ہوگی اور اس طرح حضرت عثمانؓ کا قصاص بھی لیا جا سکے گا۔ لیکن اگر تم نے بیعت سے انکار کیا اور اپنے مطالبہ پر اڑے رہے تو یہ نہ صرف اُمت کی بدبختی کا موجب ہوگا بلکہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینا بھی ناممکن ہو جائے گا اس لیے آپ وُہ راستہ اختیار کیجئے جس میں اُمت کی بھلائی اور عافیت ہو اور

ایسی روش اختیار کیجئے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں اور نہ آپ۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اُمت تباہ ہو جائے گی۔"

قعقاع کی یہ بات ان تینوں کے دل کو لگی اور انہوں نے اس سے پورا اتفاق کیا۔ انہوں نے کہا:

"آپ کی باتیں مناسب اور درست ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کی بھی یہی رائے ہے جو آپ کی ہے تو یہ معاملہ بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے اور مصالحت بڑی آسانی سے ہو جائے گی۔"

حضرت علیؓ کا اپنی فوج کو بصرہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دینا قعقاع واپس حضرت علیؓ کے پاس آئے اور سارا ماجرا انہیں سنایا۔ حضرت علیؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ اب مصالحت کی راہ آسان ہو گئی۔ آپ نے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"میں کل بصرہ کی جانب کوچ کر رہا ہوں۔ تم سب میرے ساتھ چلو۔ لیکن جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل میں کسی قسم کا بھی حصّہ لیا ہے انھیں چلنے کی ضرورت نہیں۔"

اس طرح جنگ کے وُہ بادل جو کئی مہینے سے افقِ عرب پر چھائے ہوئے تھے چھٹنے شروع ہو گئے۔ قبائلِ بصرہ کے کئی وفود کوفہ کے قبائل کے پاس آئے اور ان کو یقین دلایا کہ وُہ ان کے خلاف جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

مصالحت کی خبروں سے قاتلینِ عثمانؓ میں گھبراہٹ اس موقع پر صرف ایک گروہ ایسا تھا جس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔ یہ وُہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ان کو شہید کر دیا تھا۔ جب حضرت علیؓ نے یہ اعلان کیا کہ وہ لوگ ہمارے ساتھ نہ چلیں جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل میں کسی قسم کا بھی حصّہ لیا ہے تو وہ بڑے گھبرائے۔ ان کو معلوم تھا کہ اگر حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان صلح ہو گئی تو ان کی خیر نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جن میں عبداللہ بن سباؑ، ابن سوداء، اشتر وغیرہ شامل تھے ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ ابنِ سبا نے کہا کہ اگر مسلمانوں میں باہم صلح ہو گئی تو یہ صلح ہمارے لیے موت کا پروانہ ہو گی۔ بعض لوگوں نے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کو شہید کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن دُوسروں نے کہا کہ اس سے زیادہ بیوقوفی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طرح تمام عالمِ اسلامی کے مسلمان ہمارے خلاف متحد ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی قتل ہونے سے بچ نہیں سکے گا۔

مصالحت کو ناکام بنانے کے لیے قاتلینِ عثمانؓ کی سازش آخر ابن السوداء نے ایک تجویز پیش کی۔ اس نے کہا: "ہمارے لیے بہترین طریق کار یہ ہے کہ ہم حضرت علیؓ کے لشکر کے ساتھ ساتھ لگے رہیں۔ اگر حضرت علیؓ کی طرف سے اعتراض کیا جائے تو یہ جواب دے دیں کہ ہم آپ کے ساتھ اس لئے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے مصالحت کی گفتگو ناکام ہو جائے تو ہم آپ کے کام آ سکیں۔ جب دونوں فریق ملیں تو ہماری طرف سے اس امر کی پُوری کوشش ہونی چاہیے کہ دونوں میں صلح کی بات چیت کامیاب نہ ہونے پائے تاکہ اس طرح جنگ کی صورت پیش آ جائے اور علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ آپس میں مصروفِ پیکار ہو جائیں۔ اس طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

ابن السوداء کی اس رائے کو سب فتنہ پردازوں نے پسند کیا اور اُٹھ کر اپنے اپنے خیموں میں آ گئے، دُوسرے لوگوں کو پتا بھی نہ تھا کہ یہ مفسدین کیسا ناپاک کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(۱۰)

معرکۂ جمل

حضرت علیؓ کی بصرہ کو روانگی امیر المومنین حضرت علیؓ کا لشکر "الطف" کی جانب سے بصرہ کی طرف بڑھا۔ سب سے آگے ایک ہزار سواروں کا ایک دستہ تھا۔ یہ دستہ انصار کا تھا۔ اس کی قیادت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوبؓ انصاری کر رہے تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے، ٹوپی اور سفید کپڑے پہنے ہوئے جھنڈا ہاتھ میں اور تلوار کمر میں حمائل۔ اس دستہ کے بعد ایک ہزار سواروں کا ایک دستہ اور تھا جس کی قیادت خزیمہ بن ثابت انصاری کر رہے تھے۔ آپ زرہ و عمامہ اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس دستہ کے بعد ایک ہزار سواروں کا ایک اور دستہ تھا۔ اس کی قیادت عمار بن یاسر کر رہے تھے۔ آپ سیاہ عمامہ اور سفید کپڑوں میں تھے۔ اس دستہ میں کئی مہاجر و انصار صحابہؓ اور ان کے بیٹے شامل تھے۔ اس کے بعد قیس بن سعد بن عبادہ کا دستہ تھا۔ قیس کے بعد عبداللہ بن عباس کا دستہ تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی دستے تھے۔ سب سے آخر میں حضرت علیؓ تھے۔ آپ کے اردگرد آپ کے تین بیٹے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور محمدؒ بن الحنفیہ۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور بنی ہاشم کے نوجوان تھے۔ ان کے پیچھے وُہ صحابہؓ تھے جو بدر کی جنگ میں شامل ہو چکے تھے۔

صلح کی بات چیت کا شروع ہونا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اپنے لشکر کو لے کر بصرہ سے نکلے۔ حضرت علیؓ نے انہیں کہلا کر بھیجا کہ قعقاع کی زبانی جو گفتگو ہوئی اگر آپ لوگ اس پر قائم ہیں تو آ جائیے اور سب معاملات طے کر لیجئے۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے جواب گیا کہ ہم اس گفتگو پر قائم ہیں۔ چنانچہ دونوں طرف سے سفیر ایک دوسرے کے لشکر میں آنے لگے اور صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔ تمام لوگوں کو خیال تھا کہ اب صلح ہونے میں دیر نہیں لگے گی اور تمام معاملات باحسن الوجوہ طے ہو جائیں گے۔

حضرت علیؓ بصرہ کے قریب "زاویہ" کے مقام پر ٹھہرے تھے۔ آپ نے وہاں نمازیں پڑھیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وُہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا خون بہانے سے محفوظ رکھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی اس بات کی تاکید کر دی کہ وہ اپنی طرف سے ہرگز ہرگز جنگ شروع نہ کریں اور ایک تیر تک نہ چلائیں۔

قاتلینِ عثمانؓ کا حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ اس موقعہ پر ان لوگوں میں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصّہ لیا تھا سخت گھبراہٹ پیدا ہُوئی۔ انہوں نے پہلے ہی سازش کر رکھی تھی۔ جب رات آئی تو ان لوگوں نے حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے لشکر پر بے خبری میں حملہ کر دیا اور لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا۔

اور زبیرؓ کے آدمیوں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور اس طرح دونوں فریقوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ہر فریق یہی سمجھتا تھا کہ دوسرے فریق نے اس پر زیادتی کی ہے اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر بے خبری میں اس پر حملہ کر دیا ہے۔ اس طرح گو لڑائی کی آگ تو بھڑک اٹھی لیکن اس میں کسی کو شبہ نہیں کہ نہ حضرت علیؓ نے جنگ میں پہل کی اور نہ حضرت عائشہؓ نے، جو کچھ ہوا ان مفسد پرداز لوگوں کی سازش سے ہوا جنہوں نے یہ سمجھ کر کہ اب ان کی خیر نہیں، جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا۔

جنگِ جمل جب لڑائی شروع ہوئی تو حضرت علیؓ نے اپنا جھنڈا اپنے بیٹے محمدؒ کے حوالے کیا اور ان سے کہا "حملہ کرو!" لیکن انہوں نے کچھ توقف کیا۔ حضرت علیؓ نے پھر کہا "حملہ کرو!"۔ انھوں نے کہا "اباجان! آپ دیکھتے نہیں دوسری طرف سے بارش کی طرح تیر برس رہے ہیں اس صورت میں حملہ کیسے کیا جا سکتا ہے!" آپ نے ان کے سینے میں مُکا مارا، جھنڈا ان کے ہاتھ سے چھین کے خود آگے بڑھ کر حملہ کیا اور بصرہ کے لشکر کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد آپ لوٹے اور محمد کے ہاتھ میں دوبارہ جھنڈا دے کر کہا کہ اب حملہ کرو، انصار تمہارے ساتھ ہیں۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور پے در پے حملے کر کے بصرہ والوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

لڑائی کے دوران میں حضرت علیؓ اپنے لشکر سے آگے بڑھے اور حضرت زبیرؓ کو آواز دے کر بلایا۔ حضرت زبیرؓ اپنے لشکر سے نکلے اور ایک دوسرے سے اتنے قریب ہو گئے کہ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ سے کہا:

"زبیرؓ! بتاؤ تو سہی آخر تم کس بنا پر میرے مقابلہ کے لیے آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے!"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میں قاتلینِ عثمانؓ پر لعنت بھیجتا ہوں۔ لیکن یہ تو بتاؤ کیا تمھیں وہ واقعہ یاد نہیں جب ہم دونوں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم علیؓ سے لڑو گے لیکن تمہاری یہ لڑائی حق و انصاف پر مبنی نہیں ہو گی۔"

حضرت زبیرؓ نے جواب دیا:

"واقعی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یاد آ گیا۔ اگر مجھے یہ واقعہ پہلے یاد آ چکا ہوتا تو میں کبھی آپ کے مقابلے کے لیے نہ نکلتا۔"

چنانچہ وہ اپنے لشکر میں لوٹ آئے اور واپسی کا ارادہ کرنے لگے۔ جب اُن کے بیٹے عبداللہؓ بن زبیرؓ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو روکنے کی کوشش کی اور آپ پر بزدلی کا الزام لگایا۔ یہ سُن کر حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے لشکر پر چند بار حملے کئے اور اپنے بیٹے سے کہا:

"کیا بزدل اسی طرح حملے کیا کرتے ہیں !"

یہ کہا اور لشکر چھوڑ کر باہر نکل آئے اور مکہ کی راہ لی لیکن راستے میں بنی تمیم کے ایک شخص عمرو بن جرموز نے آپ کو شہید کر دیا[1]

لڑائی شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ اس دوران میں حضرت عائشہؓ اپنے ہودج پر سوار تھیں جسے چاروں طرف سے زرہوں سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ صرف اتنی جگہ چھوڑ دی گئی تھی کہ آپ لڑائی کا منظر دیکھ سکتی تھیں۔ اہلِ بصرہ اور بڑے بڑے بہادر لوگ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے چاروں طرف کھڑے آپ کی حفاظت کر رہے تھے کہ کہیں خدانخواستہ آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچ جائے۔ حضرت عائشہؓ کی حفاظت کرتے ہوئے کئی آدمی جاں بحق ہو گئے لیکن کسی نے ہٹنے کا نام نہ لیا۔

جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ میدانِ جنگ میں کھڑا ہے اور لوگ پروانہ وار اس کے اردگرد نثار ہو رہے ہیں تو آپ نے سوچا کہ جب تک اونٹ کو درمیان سے نہ ہٹایا جائے گا، لڑائی بند نہ ہو سکے گی۔ حضرت عائشہؓ کی حفاظت کے لیے لوگ برابر کٹتے چلے جائیں گے لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعض ساتھیوں کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں ——— ان لوگوں نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی پشت پر جا کے اس کی کونچیں کاٹ دیں جس سے وہ سینہ کے بل گر پڑا۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علیؓ کی فوج کے ساتھ تھے اور عمارؓ بن یاسر نے حضرت عائشہؓ کے ہودج کو اونٹ سے الگ کیا اور آپ کو اتار کے میدانِ جنگ سے باہر لے گئے۔

حضرت عائشہؓ کی فوج کی پسپائی

اب اہلِ بصرہ میدانِ جنگ میں بغیر کسی سردار کے رہ گئے۔ زبیرؓ پہلے ہی جا چکے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو بھی میدانِ جنگ سے ہٹا دیا گیا۔ طلحہؓ شہید ہو چکے تھے۔

اہلِ بصرہ میں بھی اتفاق نہ تھا۔ ان کا ایک فریق حضرت علیؓ کا حامی تھا اور دوسرا فریق حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ تھا۔ احنف بن قیس کی سرکردگی میں ایک فریق نے جنگ سے علٰحدگی اختیار کر لی تھی۔ ان حالات کو دیکھ کر وہ لوگ دل چھوڑ بیٹھے اور پسپا ہو گئے۔ میدانِ جنگ تھوڑی دیر میں فوجوں سے خالی ہو گیا۔ البتہ دونوں فریق دس ہزار لاشیں اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔

یہ لڑائی ۲۰ جمادی الثانی ۳۶ھ جمعرات کے دن پیش آئی۔

لڑائی کے خاتمہ پر جب سورج غروب ہو رہا تھا حضرت علیؓ نے میدانِ جنگ کا ایک چکر لگایا۔ اکابر صحابہؓ اور اسلام کے جانباز سپاہی جنہوں نے کبھی دشمنانِ اسلام کے مقابلہ پر اپنی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیا تھا اب آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھوں خاک و خون میں لتھڑے پڑے تھے۔ حضرت علیؓ یہ نظارہ دیکھ کر سخت متاثر ہوئے۔ چلتے چلتے آپ حضرت طلحہؓ کی لاش کے پاس پہنچے آپ نے فرمایا "ان کو بٹھاؤ"۔ لوگوں نے انہیں بٹھایا۔ حضرت علیؓ نے اس وقت یہ فرمایا:

---

[1] بعض مورخین نے حضرت زبیرؓ کی لشکر سے واپسی کے متعلق ایک اور روایت بیان کی ہے لیکن کسی نے بھی آپ کی واپسی کے متعلق اختلاف نہیں کیا۔

اے ابو محمد! مجھے یہ بات سخت ناپسند تھی کہ میں تمہیں آسمان کے ستاروں کے نیچے اس وادی میں خون میں لتھڑا ہوا دیکھوں۔ خصوصاً اس حالت میں جب کہ تم جہاد فی سبیل اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں قابلِ قدر اور نمایاں حصہ لے چکے تھے۔"

اس کے بعد آپ نے سب مقتولین کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور پھر ان سب کو دفن کرنے کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ کا بصرہ میں داخل ہونا

جنگ کے بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے۔ بصرہ کے بیت المال میں جس قدر خزانہ تھا وہ سب آپ نے لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ کل فوج بارہ ہزار تھی ہر شخص کو پانچ پانچ سو درہم ملے۔ ایک شخص جو لڑائی میں حاضر نہ تھا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اے امیر المومنینؓ! میں دل سے آپ کا شریک تھا، گو میرا جسم لڑائی میں حاضر نہ تھا۔ آپ مالِ غنیمت میں سے مجھے بھی کچھ عنایت فرمائیں۔"

چنانچہ آپ نے اسے بھی کچھ مال دیا۔

حضرت علیؓ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ اہلِ بصرہ نے چونکہ ہتھیار اٹھائے ہیں اور وہ امامِ وقت سے برسرِ جنگ ہوئے ہیں اس لیے انہیں غلاموں کے طور پر فوج میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن حضرت علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ انہوں نے کہا:

"آپ نے ان کا خون تو ہم پر حلال کر دیا تھا، اب انھیں قید کرنے اور غلام بنانے سے کیوں منع فرما رہے ہیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میں دار الاسلام میں تمہیں غریب مسلمانوں کو غلام بنانے کی اجازت کیونکر دے سکتا ہوں، اہلِ بصرہ میدانِ جنگ میں جو مال و اسباب اور ہتھیار تمہارے خلاف لڑنے کے لیے لے گئے تھے وہ تو مالِ غنیمت میں شامل ہو سکتا ہے لیکن وہ مال و اسباب جو انہوں نے اپنے گھروں میں چھپا لیا ہے وہ انھی کا حق ہے اس میں سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔"

حضرت عائشہؓ کی مدینہ کو روانگی

بصرہ میں جس مکان میں حضرت عائشہؓ مقیم تھیں حضرت علیؓ وہاں گئے اور آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ حضرت عائشہؓ کے مدینہ روانہ ہونے کا سامان کیا جائے۔ چنانچہ حکم کے بموجب تمام تیاری کی گئی۔ جب حضرت عائشہؓ روانہ ہونے لگیں تو حضرت علیؓ خود ان کی مشایعت میں بصرہ سے کچھ دُور تک تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہؓ نے روانہ ہوتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم! میرے اور علیؓ کے درمیان خاندانی شکر رنجیوں کے سوا کوئی دشمنی نہ تھی، میں انہیں بہترین انسان سمجھتی ہوں۔"

حضرت علیؓ نے بھی اس کے جواب میں فرمایا:

لوگو! ام المومنینؓ نے سچ فرمایا۔ میرے اور ان کے درمیان معمولی خاندانی شکر رنجیوں سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ہیں۔"

حضرت عائشہؓ یکم رجب ۳۶ھ کو ہفتہ کے دن رات کے وقت بصرہ سے روانہ ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے ایک منزل تک اپنے بیٹوں کو ان کے ساتھ بھیجا۔

حضرت علیؓ کا اہلِ بصرہ کو امان دینا

اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے اہلِ بصرہ سے کچھ تعرض نہ کیا۔ ان سے بیعت لی۔ عبداللہؓ بن عباسؓ کو وہاں کا والی مقرر کیا اور خراج اور بیت المال کا افسر زیاد بن ابی سفیان کو بنایا۔

مروان بن الحکم، عبداللہ بن زبیرؓ اور بنی امیہ کے دوسرے اشخاص بصرہ کے ایک گھر میں چھپ گئے تھے۔ حضرت علیؓ کو اس کا پتا چل گیا لیکن آپ بالکل خاموش رہے اور ان کو امان دے دی۔ جنگ کے روز بھی آپ کا ایک آدمی منادی کرتا پھر رہا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اسے امان دے دی جائے گی اور جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان دے دی جائے گی۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ مروان بن الحکم نے ہی حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر شہید کر دیا تھا کیونکہ اسے پتا چلا تھا کہ حضرت طلحہؓ میدانِ جنگ چھوڑ کر واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۱۱)

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا تقابل

تاریخِ اسلام کے جس دور کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ انتہائی افسوسناک دور تھا۔ وہ مسلمان جن کی تلواریں کبھی دین کو سربلند کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں اب اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانے کے لیے استعمال ہو رہی تھیں۔ مسلمان جو کبھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھے جسے کوئی طاقت کمزور کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتی تھی اپنے باہمی اختلافات کی بنا پر مختلف گروہوں میں بٹ کر اپنی طاقت کھو چکے تھے۔ گو ہر فریق اپنے اپنے حق میں دلائل دے رہا تھا لیکن کامل طور پر کسی کو اپنے برحق ہونے کا یقین نہ تھا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام نے ایک دفعہ لوگوں میں خطبہ دیا اور اس میں اس فتنہ کا بھی ذکر کیا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا:

"تعجب ہے آپ موجودہ حالات کو فتنہ سے تعبیر کر رہے ہیں اور خود اس میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔"

انہوں نے جواب کہا:

"خدا کی قسم! میں نے آج تک کسی کام میں اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک مجھے یقین نہیں ہو گیا کہ حق

کی طرف ہے، لیکن موجودہ واقعات کے متعلق مجھے اب تک یقین نہیں کہ حق کس طرف ہے!"

حضرت طلحہؓ سے بھی ایک ایسی روایت مروی ہے انہوں نے ایک دفعہ فرمایا:

"میں وثوق کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ آیا میں حق پر ہوں یا ناحق پر"

یہی سبب تھا جس نے کئی جلیل القدر صحابہؓ کو اس نزاع سے بالکلیہ علٰحدہ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے نہ حضرت علیؓ کی بیعت کی اور نہ آپ کے خلاف کسی قسم کی کوئی سرگرمی دکھائی بلکہ عزلت اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی۔ ان لوگوں میں سے مشہور یہ صحابہؓ ہیں:

حضرت عبداللہؓ بن عمر بن الخطاب، حضرت محمدؓ بن مسلمہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ، حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہؓ بن سلام۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرمایا کرتے تھے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو میں اپنی تلوار کو لے کر مدینہ سے باہر نکلوں اسے اُحد پہاڑ پر مار مار ٹکڑے کر دوں۔ اس کے بعد گھر واپس آ کر گوشہ نشینی اختیار کر لوں اور مطلق باہر نہ نکلوں۔ یہاں تک کہ میرا جنازہ ہی گھر سے باہر نکلے"

پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح حضرت علیؓ کے خلاف حضرت عثمانؓ کے انتقام کے نام سے تحریک اٹھی، جنگِ جمل میں کس طرح حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے لشکر کو شکست ہوئی اور کس طرح حضرت عائشہؓ کی مدینہ کو واپسی عمل میں آئی اور وہ اس کے بعد کبھی جنگ کے لیے باہر نہیں نکلیں۔

اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ کی بہادری اور جرأت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میدانِ جنگ میں آپ پر اور آپ کے اونٹ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن آپ نے کسی قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا بلکہ نہایت دلیری سے اپنے ساتھیوں کو مقابلہ کے لیے اُبھارتی اور جرأت دلاتی رہیں۔ جنگ کے دوران میں آپ کے مخالفوں کا سارا زور آپ کی طرف تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی حفاظت کی خاطر آپ کے گرد و پیش ستر بہادر مارے گئے لیکن آپ نہایت بے خوفی سے میدانِ جنگ میں ڈٹی رہیں۔

لیکن باوجود بہادری کے ایسے شاندار مظاہرہ کے آپ کو حق بجانب نہیں کہا جا سکتا۔ مشہور مؤرخ نجار اپنی کتاب "الخلفاء الراشدون" میں لکھتا ہے:

حضرت عائشہؓ کے لیے یہ مناسب[1] نہ تھا کہ وہ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیتیں اور حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لئے خود کھڑی ہو جاتیں۔ انھیں پتا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے کئی رشتہ دار موجود تھے جو آپ کے خون کا انتقام لینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ شام میں حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ انھیں حق تھا کہ آپ کے قصاص کا مطالبہ کرتے اور وہ ایسا کرنے پر قادر بھی تھے لیکن حضرت عائشہؓ ان لوگوں میں سے نہیں تھیں جنہیں خدا تعالیٰ نے ایسا مطالبہ کرنے کا اختیار دیا ہو۔ وہ حضرت عثمانؓ کی رشتہ دار نہیں تھیں۔ اگر آپ اس قضیے میں دخل نہ دیتیں تو یہ سارا جھگڑا خود بخود تھوڑے دنوں کے بعد بصرہ ہی میں ختم

[1] یہ حضرت عائشہؓ کی اجتہادی غلطی کہی جا سکتی ہے اور کسی اُمتی کو ان پر تنقید کرنے کا حق نہیں ہے۔ مزید آنکہ دونوں حضرات سازش کے شکار ہو [illegible]

اور مسلمانوں کو ایک خونریز جنگ، تفرقہ اور اختلاف سے دوچار ہونا نہ پڑتا۔

یہی حال حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا تھا وہ بھی حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں میں سے نہ تھے اور انہیں حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے اور اس غرض کے لیے آواز اٹھانے کا کوئی اختیار نہ تھا۔" [1]

اب ہم حضرت علیؓ کی عظیم الشان شخصیت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کو مختلف دبیز پردوں میں اس طرح چھپا دیا گیا ہے کہ تاریخ دان کے لیے اس کے صحیح خدوخال متعین کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ آپ کے متعلق کئی مبالغہ آمیز اور جھوٹی باتیں مشہور کر دی گئی ہیں، آپ کی توصیف اور تنقیص دونوں میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ فتنہ کو فرو کرنے میں آپ نے پوری حکمتِ عملی سے کام نہیں لیا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو راضی کر کے انھیں بصرہ اور کوفہ کی ولایت سپرد کر دیتے۔ ایسا کرنے میں خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی بھی نہ ہوتی اور رعایا بھی پوری طرح مطیع رہتی۔ اس طرح فتنہ اُٹھنے کا کوئی امکان ہی نہ رہتا۔ اگر حضرت علیؓ کو اس بات کا ڈر تھا کہ ان دونوں کو اگر بصرہ اور کوفہ کی ولایت سپرد کی گئی تو کہیں یہ وہاں کے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکا نہ دیں تو اس کا آسان علاج یہ تھا کہ شروع میں حکمتِ عملی سے کام لے کر ان دونوں کو ان کے حسبِ منشأ ولایت سونپ دی جاتی۔ لیکن جب حضرت علیؓ کی خلافت خوب مستحکم ہو جاتی تو ہٹا دیا جاتا۔ اس طرح یہ دونوں حضرت علیؓ کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکتے۔

لیکن ان مؤرخین کا یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ امیر المومنینؓ نے ان دونوں کو کوفہ اور بصرہ کی ولایت سپرد نہ کر کے کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ اگر آپ عراقین (کوفہ اور بصرہ) کی ولایت انہیں سپرد کر دیتے تو یہ علاقے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل جاتے اور یہ دونوں وہاں اپنی من مانی کرتے۔ انھیں روکنے والا کوئی نہ ہوتا۔ ان کی حمایت میں پہلے ہی ایک گروہ وہاں موجود تھا۔ ادھر شام سے معاویہؓ بھی انہیں انگیخت دلا رہے تھے۔ اس صورتِ حال کی موجودگی میں امیر المومنینؓ پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

البتہ یہ کہنے سے باز نہیں رہا جا سکتا کہ حضرت علیؓ کا دباؤ اپنی فوجوں پر اس سختی کے ساتھ نہیں تھا جس سختی کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا ذریعۂ اطلاعات بھی بہت کمزور تھا، اکثر باتوں کا آپ کو علم ہی نہ ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب مدینہ میں بیٹھے ہوئے عراق، ایران، آرمینیا، شام، مصر اور روم میں پڑی ہوئی فوجوں کے تمام حالات سے مکمل طور پر آگاہ رہتے تھے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آپ سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ لیکن ادھر حضرت علیؓ کی زیرِ کمان فوج میں ایک بہت بڑا عنصر فتنہ پردازوں کا موجود تھا۔ ان لوگوں کے باقاعدہ اجتماع ہوتے تھے، سازشیں ہوتی تھیں، مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مختلف تدبیروں کے بارے میں مشورے ہوتے تھے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ حضرت علیؓ ان سب باتوں سے بالکل بے خبر تھے اور آپ کو مطلق پتا نہ تھا کہ خود آپ کے لشکر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اگر آپ کا ذریعۂ اطلاعات مضبوط ہوتا، فوج پر آپ کا دباؤ کمزور نہ ہوتا تو یہ مفسدین کبھی اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکتے اور مسلمانوں کے درمیان وُہ خوں ریزی نہ ہوتی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

---

[1] ان تمام باتوں کے باوجود یہی سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سے اجتہادی غلطی صادر ہوئی۔ اس سلسلے میں مورخ نجار کے ریمارکس مناسب نہیں ہیں۔ (ہاشمی)

خضری مرحوم اپنی کتاب "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" میں لکھتے ہیں :

"ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں فریقوں کو غلطیوں سے بالکل مبرا ٹھہرا سکیں ۔ حضرت طلحہؓ ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ یہ مطالبہ لے کر اُٹھے کہ حضرت عثمانؓ کے خونِ ناحق کا بدلہ لیا جائے ۔ لیکن تعجب ہے کہ ان کی نظروں سے یہ حقیقت کس طرح پوشیدہ ہو گئی کہ ایسے معاملات انفرادی طور پر طے نہیں کیے جاتے بلکہ امام کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں صرف امام ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ معاملات کی اچھی طرح چھان بین کرے اور جس پر چاہے حد قایم کرے اور جس کو چاہے چھوڑ دے ۔

اگر عامتہ المسلمین یہ دیکھتے کہ حضرت علیؓ خلافت اور امامت کا کام ٹھیک طور پر بجا نہیں لا رہے تو اس صورت میں کبار صحابہؓ کا یہ فرض تھا کہ وہ دُوسرے معاملات کو چھوڑ کر سب سے پہلے امر خلافت کی طرف متوجہ ہوتے اور اس شخص کو خلافت تفویض کرتے جس پر سب لوگوں کا اتفاق ہو جاتا۔ اس کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کے انتقام کا سوال اٹھاتے ۔ لیکن اس کے برعکس اُمت کے معزز ترین افراد بطورِ خود انتقام لینے کے لیے کھڑے ہو گئے لوگوں کو اپنی طرف بُلایا لیکن امام کی طرف رجوع نہ کیا ۔ تعجب ہے کہ اپنی سابقیتِ اسلام اور بے نظیر علم و فضل کے ہوتے ہوئے یہ ضروری امر اُن سے کس طرح پوشیدہ ہو گیا ۔

ان لوگوں سے قطع نظر جب ہم حضرت علیؓ کی طرف اپنی نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ ان میں وہ حکمتِ عملی نہیں تھی جس سے کام لے کر وہ اس زبردست انتشار کو جو امت میں پیدا ہو گیا تھا دُور کرتے ۔

اس فتنہ کو بھڑکانے میں سب سے زیادہ حصّہ ان لوگوں کا ہے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصّہ لیا تھا ۔ یہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ امت کو کسی قسم کی بھلائی سے حصّہ مل سکے ۔ انہوں نے مختلف تدابیر اختیار کر کے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا اور عین اُس وقت جبکہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی انہوں نے اپنی فتنہ پردازی کو کام میں لا کر اور دونوں کو ایک دُوسرے سے برگشتہ کر کے ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا ۔ ہر گروہ یہی سمجھتا تھا کہ دُوسرے نے غدّاری اور دھوکا بازی کی ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی ۔

سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے اُن کو اپنی فوج میں رکھا اور اُن سے مدد لی ۔ حالانکہ ہر طرف سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا ۔ یہ لوگ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے درمیان اتفاق ہو گیا تو پھر ان کی خیر نہیں ۔ اسی لیے ان لوگوں کی پُوری کوشش اس بات کے لیے تھی کہ صلح کی کوئی بات چیت پروان نہ چڑھ سکے اور کسی طرح دونوں لشکر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں محض ان لوگوں کا حضرت علیؓ کی فوج میں رہنا ہی لوگوں کے اس یقین کے لیے کافی تھا کہ حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کا خون بہانے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک تھے ۔ اگرچہ حضرت علیؓ اس الزام سے قطعی طور پر انکار کرتے تھے اور واقعی ان کا انکار بالکل صحیح تھا لیکن اس موقعہ پر جب دلوں میں جوش بھرا ہوا تھا حضرت علیؓ کی باتوں کا کوئی

یقین کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس جنگ کی ذمہ داری دونوں فریقوں پر عائد ہوتی ہے۔ کسی فعل سے کسی شخص کی برأت کے لیے محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ اس نے یہ فعل نہیں کیا بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر ایسی چیز سے مجتنب رہے جو شک و شبہ پیدا کرنے والی ہو۔ اسی طرح کسی رئیس اور سردار کے مرکز کی مضبوطی کے لیے یہ امر کافی نہیں ہوتا کہ اس کے پاس اتنی قوت ہو جس سے وہ اپنے مخالفین پر غالب آجائے، بلکہ قوت کے ساتھ ساتھ اسے مختلف تدابیر اور حکمتِ عملی سے بھی کام لینا چاہیے تاکہ جو فتنہ ایک بار اس کے خلاف اُٹھے وہ دوبارہ اُٹھ ہی نہ سکے۔"

جنگِ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ کی سیرت کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ آپ جنگ کے بعد اپنے مخالفین سے نہایت نرمی اور حلم سے پیش آئے۔ نہ کسی کو قتل کیا، نہ کسی کا مال چھینا اور نہ کسی کو قید کیا۔

اگر دیکھا جائے تو جنگِ جمل دراصل اہلِ بصرہ پر اہلِ کوفہ کی فتح تھی۔ اپنی کتاب "عثمانؓ بن عفان" میں ہم نے دونوں شہروں کے باشندوں کے درمیان جاہلی عصبیت کے اثر کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ قریش کے سرداروں میں سے تھے ان دونوں کی شہادت نے قریش کے باقی قبائل کی سرداری پر بہت بُرا اثر ڈالا ان کی حیثیت دوسرے قبائل کے مقابلے میں بہت گر گئی اور ان کی قوت کو بہت نقصان پہنچا۔ جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کی کامیابی قریش کی حضرت علیؓ سے نفرت اور اہلِ کوفہ کی جانب سے حضرت علیؓ کی امداد ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علیؓ اپنا مرکز مدینہ سے کوفہ منتقل کرنے پر مجبور ہو گئے تاکہ آپ قریش کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں اور کوفہ میں رہ کر وہاں کے باشندوں کی مدد ہر وقت حاصل کر سکیں۔

(۱۲)

عراق اور شام

جنگِ جمل کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علیؓ نے اپنا دارالخلافہ مدینہ کی بجائے کوفہ کو بنا لیا۔ دارالحکومت کی یہ تبدیلی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سات ماہ بعد وقوع میں آئی۔ خلافت کے ابتدائی چار ماہ آپ نے مدینہ میں گزارے اور بقیہ تین مہینے اس سفر میں جس میں جنگِ جمل وقوع میں آئی تھی۔ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے کوفہ کا دورہ تک نہ کیا تھا۔ جب حضرت علیؓ نے اسے اپنا دارالخلافہ بنانے کا فیصلہ کیا تو وہاں کے باشندوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو ماسینیون کوفہ کے متعلق اپنے ایک مضمون میں بیان کرتا ہے کہ زمانۂ اسلام میں پہلا شہر جو آباد کیا گیا وہ مدینہ منورہ تھا۔ لیکن تہذیب و تمدن کے لحاظ سے کوفہ نے جو ترقی کی اس کا مقابلہ مدینہ نہیں کر سکتا۔ کوفہ کو اس وقت دارالخلافہ بنایا گیا جب مسلمان ایران پر قابض ہو کر ایرانیوں کے تہذیب و تمدن کو اپنا چکے تھے۔

موسیو ماسینیون لکھتا ہے کہ کوفہ کو آباد کرنے میں سب سے زیادہ حصہ اہلِ یمن کا تھا۔ یمنیوں نے اس سے پہلے بھی کئی شہر آباد کیے ہوئے تھے۔ یمن نہایت سرسبز علاقہ ہے زراعت کے لیے موزوں ہے اور عرب کے دیگر حصوں کے مقابلہ میں زیادہ آباد ہے۔ اسلام سے کافی عرصہ پیشتر اہلِ یمن، تہذیب و تمدن کے میدان میں بہت ترقی کر چکے تھے۔ جن لوگوں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ اہلِ یمن کا عربی تہذیب و تمدن کو نشو و نما دینے میں بہت زیادہ حصہ ہے۔ مصر میں انہوں نے اس تہذیب و تمدن کو جِلا دی، فسطاط کی آباد کاری میں حصہ لیا اور اندلس میں اس تہذیب کو پروان چڑھایا۔

کوفہ نے علم و ادب کے میدان میں بہت ترقی کی۔ اس میں ہر قبیلہ کا علٰحدہ علٰحدہ محلہ تھا۔ یہاں علم الانساب کو بے حد عروج حاصل ہُوا۔ سیکڑوں نسّاب کوفہ میں موجود تھے جو مختلف قبیلوں سے وابستہ تھے اور اپنے اپنے قبیلہ کو اس کے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

یہاں عالمِ اسلامی کے ممتاز عالم اور رہنما موجود تھے۔ کئی صحابہؓ بھی یہاں آکر آباد ہو گئے تھے جس کی وجہ سے یہاں علومِ دینیہ کا بے حد چرچا تھا۔

سیاسیات میں بھی اہلِ کوفہ جوش و خروش سے حصہ لیتے تھے۔ یہاں کے لوگ حضرت علیؓ کے پُرجوش حامی تھے۔

کتابت اور خوشنویسی میں یہاں کے بعض لوگوں کو کمال حاصل تھا۔ چنانچہ "خطِ کوفی" اب تک مشہور ہے اور قرآن مجید زیادہ تر اسی خط میں لکھا جاتا ہے۔

نحو یہاں پروان چڑھی۔ چونکہ اس شہر کے منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ اپنے فصیح و بلیغ خطبے دیا کرتے تھے اس لئے فصیح و بلیغ نثر کو بھی یہیں عروج حاصل ہُوا۔

اپنے مضمون کے خاتمہ پر موسیو ماسینیون کوفہ کی موجودہ حالت کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتا ہے کہ اب کوفہ کی شان و شوکت جو اُسے ابتدائی زمانۂ اسلام میں حاصل تھی ختم ہو چکی ہے۔ اب یہ عراق کا ایک معمولی قصبہ ہے اور دُوسرے شاندار اور بڑے بڑے شہروں کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں لیکن علم و ادب کے میدان میں اس نے جو ترقی کی اس کی یاد آج تک لوگوں کے دلوں سے محو نہیں ہوئی اور یہاں کے علماء کے تذکرے اب تک زبان زد خلائق ہیں۔

شہر کوفہ جہاں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ترقی پذیر تھا۔ وہاں اس شہر میں ایسے لوگ کثرت سے موجود تھے جو حضرت علیؓ کے پُرجوش حامی تھے۔ یہی دیکھ کر حضرت علیؓ نے اسے اپنا دار الخلافہ بنانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو اہلِ حجاز پر پُورا بھروسا نہیں تھا کہ وُہ جان و دل سے آپ کی حمایت کریں گے۔ اس کے برخلاف اہلِ عراق سے آپ مطمئن تھے کہ وہ آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد کریں گے۔ اسی لیے آپ حجاز کو چھوڑ کر عراق تشریف لے آئے۔

لیکن اعرابِ عراق کے متعلق حضرت علیؓ کی توقعات غلط ثابت ہوئیں۔ یہ لوگ نہایت سرکش تھے اور ہمیشہ حکومتِ وقت کی مخالفت پر کمربستہ رہتے تھے، بدوی اخلاق و عادات ان پر غالب تھے۔ ان لوگوں نے عراق کی فتوحات، ایران اور آرمینیا کی تسخیر میں قابلِ قدر حصہ لیا تھا۔ ان کی کئی شاخیں تھیں ان میں سے اکثر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد

اختیار کر لیا تھا لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف سخت گیر پالیسی اختیار کی تو یہ لوگ دوبارہ اسلام لے آئے۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کبھی فوجی خدمت نہ لی۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں عراق اور ایران کی تسخیر کے لیے اسلامی فوجیں جا رہی تھیں اور لڑنے والے لوگوں کی سخت ضرورت تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپ ایسے لوگوں سے مدد لیں جو ایک مرتبہ پہلے مسلمانوں کو دھوکا دے چکے تھے اور انہوں نے ایک انتہائی نازک وقت میں ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے آپ سے سفارش کی کہ اس وقت لوگوں کی شدید ضرورت ہے ایرانیوں نے ہمارے مقابلے کے لیے زبردست لشکر تیار کئے ہیں اس لیے ان لوگوں کو فوج میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے اور ان لوگوں کو اسلامی لشکر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے لوگوں کو عراق کا رُخ کرنے اور دشمنانِ اسلام سے لڑنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق اسلامی لشکر میں شامل ہونے شروع ہوئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے ایسے لوگوں کو، جنہوں نے ارتداد اختیار کیا تھا، لیکن بعد میں اپنے فعل پر پشیمان ہوئے تھے اور اب تک ان سے خلافِ اسلام کوئی فعل صادر نہیں ہوا تھا، اسلامی لشکر میں شامل کر لیا۔ لیکن انہیں فوج کا کوئی عہدہ سپرد نہیں کیا گیا۔ فوج کے سالاروں کو ہدایت تھی کہ وہ ان لوگوں کو فوج کا امیر اور سردار نہ بنائیں۔

جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو ان لوگوں کو زیادہ آزادی ملی اور یہ کثرت سے فوج میں جانے لگے۔ چنانچہ لڑائیاں زیادہ تر عراق کے اطراف و جوانب میں ہو رہی تھیں اس لیے ان لوگوں کو عراق میں جانے کا موقع ملا اور اس علاقہ میں ان کے پاؤں اچھی طرح جم گئے۔ بصرہ اور کوفہ پر بھی ان کا تسلط ہو گیا۔ یہ لوگ آزاد منش تھے۔ پہلے بھی خلیفہ کے مقابلہ میں سرکشی دکھا کر اسلام سے ارتداد اختیار کر چکے تھے۔ ان کی یہ خُو عرصہ گذر جانے پر بھی نہ گئی۔ قریش کی ولایت اور حکومت انہیں دل سے ناپسند تھی اس لیے یہ جا و بے جا طور پر عمّال اور والیوں پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ کوئی امیر ایسا نہ تھا جس کی شکایتیں انہوں نے دربارِ خلافت میں نہ کی ہوں، کوئی والی ایسا نہ تھا جس پر انہوں نے طرح طرح کے جھوٹے سچے الزامات نہ لگائے ہوں۔ ان کا ہر شخص اپنی غرض کا بندہ تھا اور دوسرے کے تسلط کو ناپسند کرتا تھا۔ اس طرح اس علاقہ میں ایک انتشار برپا ہو گیا۔ گروہ بندیاں قائم ہو گئیں اور عراق شر پسندوں کا مسکن بن گیا جن کے درمیان کسی قسم کا اتحاد نہ تھا۔

اہلِ عراق کے مقابلہ میں اہلِ شام میں مکمل اتحاد تھا۔ شام ان دنوں چار صوبوں میں منقسم تھا:

۱۔ فلسطین

۲۔ اردن

۳۔ دمشق

۴۔ حمص

جزیرہ اور آرمینیا کے علاقے بھی شامیوں کے تسلط میں تھے۔ شام میں بھی عراق کی طرح مہاجرین، انصار اور قبائل عرب موجود تھے جنھوں نے اس علاقہ کو فتح کیا تھا اور اب وہ اس کی سرحدوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ عراق کی طرح یہاں بار بار امیر اور والی بدلے نہیں جاتے تھے بلکہ ان کے امیر حضرت عمرؓ کے بعد سے حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان ہی تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں چار صوبوں کی ولایت سپرد کی تھی۔ جزیرہ اور آرمینیا کی ولایت پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مقرر فرمایا۔ حضرت معاویہؓ کی اطاعت اہلِ شام نے نہایت فرمانبرداری سے کی اور کسی شخص کے دل میں ان پر اعتراض اور تنقید کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے سیاستدان تھے۔ نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے تمام صوبہ کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا، اور کسی شخص کو ان سے کسی قسم کی شکایت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں دوسرے والی تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد تبدیل کر دیے جاتے تھے حضرت معاویہؓ کی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ بہت طویل عرصہ تک اسی علاقہ کے والی بنے رہے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ بات میسر نہ تھی آپ مدینہ چھوڑ کر عراق تشریف لے آئے تھے یہاں کے لوگ زبان سے تو آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے اور آپ کی ہمدردی کا دم بھرتے تھے لیکن درپردہ آپ کی مخالفت کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہائی درجہ کے خود غرض تھے جب کبھی طوعاً و کرہاً انہیں حضرت علیؓ کا کوئی حکم بجا لانا پڑتا اور آپ کی اطاعت کرنی پڑتی تو یہ ظاہر کرتے کہ ایسا کر کے انہوں نے حضرت علیؓ پر زبردست احسان کیا ہے اور انہیں بیش بہا انعامات سے نوازا ہے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ انہیں اپنے ہر کام میں شریک کریں اور حکومت میں ان کا بھی حصّہ ہو۔ حضرت علیؓ کی کسی اپیل کا اس وقت تک جواب نہیں دیتے تھے جب تک آپ انہیں اپنے خفیہ اور ضروری امور سے مطلع نہ کرتے تھے اور مشورہ کرتے وقت انہیں بھی شریک نہ کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا لشکر کبھی بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا اور دشمن پر کبھی فتح یاب نہیں ہو سکتا کیونکہ فتح کی پہلی شرط یہ ہے کہ فوج اپنے افسروں کے احکام کی بلاچون وچرا اور آنکھیں بند کر کے اطاعت کرے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ باوجود اس کے کہ ان کا پایہ مسلمانوں میں اتنا بلند نہیں، کس طرح حضرت علیؓ پر فتح یاب ہو گئے اور حضرت علیؓ اسلام میں سابقیت اور فضیلت حاصل ہونے کے باوجود کس طرح ان کے مقابلے میں بے بس ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ اہلِ عراق کی سرشت اور رگ رگ سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنے اس علم سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی یقینی بھی تھی کیونکہ اتحاد، یک جہتی اور امیر کی آنکھیں بند کر کے اطاعت کرنا کامیابی اور فتح وظفر کے زبردست عوامل ہیں۔

حضرت علیؓ عراقیوں اور شامیوں کی سرشت سے بالکل ناواقف تھے انھیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں تھا کہ شامیوں کے دلوں میں حضرت معاویہؓ کی کتنی قدر و منزلت ہے۔ حضرت معاویہؓ کے لیے ایک اور بات بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی وہ یہ کہ آپ مدت مدید سے شام کے تمام ضلعوں پر حاکم تھے۔ اگر آپ صرف دمشق کے علاقہ پر حاکم ہوتے تو کبھی آپ کو وہ طاقت حاصل نہ ہوتی

[illegible] کے تمام ضلعوں کے اپنے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوئی۔ اگر آپ صرف ایک علاقہ کے حاکم ہوتے تو حضرت [illegible] کے مقابلہ میں آپ کو کبھی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔

حضرت معاویہؓ کی کامیابی کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اہلِ شام کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل میں شریک تھے اور چونکہ حضرت عثمانؓ کا خون حضرت علیؓ کی گردن پر ہے اس لیے اُن سے لڑنا واجب ہے۔ لوگوں کو جوش دلانے کے لیے حضرت معاویہؓ کے پاس چند چیزیں ایسی بھی پہنچ گئی تھیں جن کا آپ کو وہم و گمان بھی نہ تھا یعنی حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہؓ کی انگلیوں کی نمائش ایک سال تک دمشق کے منبر پر کی۔ آپ موقعہ بموقعہ یہ چیزیں لوگوں کو دکھاتے، ان کے دلوں میں جوش پیدا کرتے تھے اور انہیں اس بات کا یقین دلاتے تھے کہ علیؓ خلافت کے غاصب اور مظلوم خلیفہ کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کی وجہ سے واجب القتل ہیں۔ ان چیزوں سے بہتر اور کون سی چیز لوگوں کو جوش دلانے کی ہو سکتی تھی۔ ذرا اپنے ذہن میں خلیفہ کی خون آلود قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کا منظر لائیے جو ہر وقت لوگوں کی نظروں کے سامنے رہتی تھیں اور پھر اس جوش کا اندازہ کیجئے جو ان چیزوں کے دیکھنے سے اہلِ شام کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے پاس کوئی ایسا وسیلہ نہ تھا جس سے کام لے کر اپنے ساتھیوں کے دلوں میں جوش پیدا کرتے اور اس طرح ان کی بہادری کو کام میں لاتے۔

یہ امور حضرت معاویہؓ کی تقویت کا زبردست موجب ثابت ہوئے۔ انھوں نے آپ کی قوت اور رسوخ کو بڑھایا اور آپ کو کسی قسم کی مخالفت پیش نہ آئی۔ برخلاف اس کے حضرت علیؓ کو اپنے لشکر میں وہ "نفوذ" حاصل نہ ہو سکا جو حضرت معاویہؓ کو اپنے لشکر میں تھا۔

حضرت علیؓ اہلِ عراق کی شرارتوں اور ان کی خواہشات سے بالکل ناواقف تھے۔ اہلِ عراق میں کسی قسم کا اتحاد اور اتفاق نہ تھا۔ ان کے حالات میں ابتری پیدا ہو رہی تھی۔ اسی لیے آپ کو ان کی اطاعت حاصل کرنے میں سخت دشواری پیش آئی اور حضرت معاویہؓ کے لیے یہ بات بہت آسان ہو گئی کہ وہ مختلف حیلوں سے کام لے کر اہلِ عراق کو حضرت علیؓ کی امداد سے روک دیں۔

(۱۳)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

پچھلی فصل میں ہم نے ان واقعات کا تجزیہ کیا تھا جو شام اور عراق میں رُونما ہو رہے تھے۔ اور بتایا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین تنازعات میں شام اور عراق والے کیا پارٹ ادا کر رہے تھے۔ اس فصل میں ہم حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اخلاق و عادات پر بحث کریں گے۔

ایک مورّخ کے لیے ان اسباب کا معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان خصومت و عداوت کا موجب بنے۔ اسی طرح وہ اسباب ظاہر و باہر ہیں جن کی بنا پر عرب کے بعض قبائل اور جماعتوں نے امامِ وقت اور خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا جنہیں علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری میں حضرت علیؓ سے کوئی نسبت نہ تھی۔

وُہ جماعتیں جو اسلامی فتوحات کی کثرت اور مغلوب قوموں کے خزانوں کے عرب میں منتقل ہو جانے کے بعد عیش و عشرت کی زندگی گزارنا اور غلبہ و اقتدار حاصل کرنا چاہتی تھیں وہ حضرت علیؓ میں اپنے لیے کوئی کشش نہیں پاتی تھیں۔ حضرت علیؓ ان کی خواہشوں اور آرزوؤں کو پُورا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ آپ کا مطمحِ نظر حق و انصاف قائم کرنا تھا۔ آپ کسی کمزور و بے کس کو غریب جان کر اس کے حقوق کی طرف سے پہلو تہی نہ کرتے تھے اور نہ بڑے آدمیوں اور امیر کبیر انسانوں کے متعلق یہ برداشت کر سکتے تھے کہ وہ دولت و ثروت کے نشہ میں چُور ہو کر کسی قسم کی بدعنوانی کریں۔ عام انسانوں کے ساتھ ہی آپ کا یہ حال نہ تھا بلکہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں، دوستوں اور مددگاروں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک اسی قسم کا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے بھائی حضرت عقیلؓ نے ایک دفعہ بیت المال سے کچھ رقم لینی چاہی جس کے وہ حقدار نہ تھے۔ حضرت علیؓ نے رقم دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر وہ آپ کو چھوڑ کر معاویہؓ سے جا ملے۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ انہیں تین لاکھ دینار دے دیے جائیں۔ حضرت عقیلؓ نے اس وقت یہ فقرہ کہا:

ان اخی خیر لی فی دینی و معاویۃ خیر لی فی دنیای۔

"دین کے لحاظ سے میرے بھائی (علیؓ) میرے لیے بہترین آدمی ہیں اور دنیا کے لحاظ سے معاویہؓ میرے لیے بہترین شخص ہیں۔"

ظاہر ہے کہ جو شخص اس سیرت کا مالک ہو اس کی طرف لالچی اور صاحبِ اغراض لوگ جنہیں دنیا کمانے سے غرض ہوتی ہے توجہ نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس قسم کے تمام لوگ حضرت معاویہؓ سے جا ملے اور ان کی مدد کرنے، ان سے مل کر حضرت علیؓ کے خلاف جنگوں میں شریک ہونے لگے۔ اس کے بدلہ میں حضرت معاویہؓ نے ان پر داد و دہش کی بارش شروع کر دی اور انہیں آپ کے پاس سے وُہ کچھ حاصل ہوا جو امیر المومنین حضرت علیؓ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت علیؓ میدانِ سیاست کے شہسوار نہیں تھے۔ لیکن آپ زُہد و ورع، تقویٰ اور خدا ترسی کے لحاظ سے ایک بے مثل انسان تھے۔ فقہی مسائل کے استخراج میں آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ شریعت کے احکام کی بجا آوری میں آپ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ نفسانی خواہشات کے پاس تک نہ پھٹکتے تھے۔ جرأت، دلیری اور بہادری میں طاق تھے۔ دنیا بنانے سے پہلے آخرت سدھارنے کی فکر کرتے تھے اور بندوں کو خوش کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی تدابیر اختیار کرتے تھے۔ غرضیکہ آپ اسلامی اخلاق کے کامل مظہر اور حقیقی طور پر دینی مصلح تھے۔

عدی بن حاتم آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ جو بات کہتے تھے میزانِ عدل پر پُوری اُترتی تھی۔ جو فیصلہ کرتے تھے محکم دلائل پر مبنی ہوتا تھا۔ حکمت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور علم کے چشمے آپ کے دل سے ہمیشہ پھُوٹتے رہتے تھے آپ دنیا اور اس کی شان و شوکت سے دُور بھاگتے تھے اور رات اور اس کی دہشت ناکی سے اُنس کرتے تھے۔ آپ بحید آنسو بہانے والے اور خوب غور و فکر کرنے والے تھے۔ تنہائی میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اپنی پچھلی زندگی پر افسوس (اگرچہ وہ انتہائی پاکیزہ تھی) آپ کا لباس نہایت معمولی اور کھانا نہایت سادہ ہوتا تھا۔ گزارہ کے لیے اتنا ہی لیتے تھے جو آپ کو بمشکل کافی ہوتا تھا۔ وہ ہم لوگوں سے کسی طرح کا امتیاز نہ رکھتے تھے۔ اہلِ علم اور اہلِ دین کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ مسکینوں اور محتاجوں سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ کسی طاقتور آدمی کی شرارتوں اور ظلم سے ڈرتے نہ تھے اور آپ کے دربار سے کوئی کمزور آدمی مایوس ہو کر نہ لوٹتا تھا۔ میں نے ایک دن آپ کو کافی رات گئے مسجد کی محراب میں اس حالت میں کھڑا دیکھا کہ آپ کے آنسو ٹپ ٹپ آپ کی داڑھی پر گر رہے تھے اور اسے تر کر رہے تھے۔ آپ زار و قطار رو رہے تھے اور بار بار کہہ رہے تھے:

"اے دنیا! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، میں تیری طرف کسی صورت میں بھی مائل نہیں ہوسکتا۔"

جہاں آپ اپنے نفس کا شدت سے محاسبہ کرتے تھے وہاں اپنے عمّال کی بھی سختی سے بازپرس کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اکثر عمّال آپ سے ناراض ہو کر آپ کی حمایت اور مدد سے دست کش ہو گئے۔ ایسے لوگوں میں مصقلہ بن ہبیرۃ الشیبانی اور آپ کے چچازاد بھائی عبداللہؓ بن عباسؓ بھی تھے، حالانکہ عبداللہؓ بن عباسؓ شروع میں آپ کے زبردست حامیوں اور مددگاروں میں تھے۔ آپ کے بے لاگ ہونے نے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کو آپ سے ناراض کر دیا حالانکہ اگر آپ کوشش کرتے تو وہ آپ کے حامیوں میں شامل ہوسکتے تھے۔ اسی طرح آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کی اور انھیں اپنا مخالف بنا لیا۔ ابنِ عباسؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ معاویہؓ، ابنِ عامر اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کیے ہُوئے دُوسرے عمّال کو اس وقت تک معزول نہ کریں جب تک وہ آپ کی بیعت میں شامل نہ ہو جائیں اور لوگوں کا موجودہ جوش و خروش ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

"میں دین میں مداہنت سے کام لینا نہیں چاہتا۔"

اس پر انھوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کو اسی پہ اصرار ہے تو کم از کم معاویہؓ کو ان کی جگہ پر رہنے دیں باقیوں کو بیشک معزول کر دیں، کیونکہ معاویہؓ بڑی جرأت والے شخص ہیں۔ شام پر ان کا پورا تسلط ہے اور شامی ان کی بات بہت مانتے ہیں، مزید برآں، انھیں حضرت عمرؓ نے شام کی ولایت سپرد کی تھی۔ لیکن آپ ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے ارادہ پر مضبوطی سے قائم رہے اور فرمایا:

"خدا کی قسم! میں معاویہؓ کو دو دن کے لیے بھی عامل نہیں رہنے دُوں گا۔"

اگر آپ چاہتے تو ڈپلومیسی سے کام لے کر انھیں شروع میں ان کے عہدہ پر برقرار رہنے دیتے اور جب آپ کی حکومت اچھی طرح مستحکم ہو جاتی تو معزول کر دیتے، لیکن حیلے اور دھوکے آپ کے مذہب میں داخل نہ تھے۔ آپ جس بات کو حق سمجھتے تھے، برملا کہہ دیتے تھے اور یہ نہ دیکھتے تھے کہ اس کا اثر کیا ہوگا۔

ایک دفعہ دشمنوں سے ایک خونریز لڑائی کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:
"کسی بھاگتے ہوئے آدمی کا پیچھا نہ کرو، کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ اور کسی شخص کا مال نہ چھینو۔"

اس فرمان کا اثر یہ ہوا کہ میدانِ جنگ میں آپ کی فوج نے کثیر مقدار میں سونا چاندی اور مال و متاع پایا لیکن کسی شخص نے سوائے دشمنوں کے ہتھیاروں اور سواریوں کے اور کسی چیز کو چھوا تک نہیں۔ جب آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے کہا:

"امیرالمومنین! یہ کیا بات ہے آپ نے ہمارے لیے ان سے لڑنا تو جائز قرار دیا، لیکن انہیں قید کرنا اور ان کے اموال لوٹنا ناجائز ٹھہرا دیا۔"

تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

"ان لوگوں کا قید کرنا اور ان کے اموال لوٹنا ہرگز جائز نہیں جو ایک خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ تمہارے لیے صرف ان کی سواریاں اور ہتھیار جائز ہیں۔ جس چیز کا تمہیں پتا نہیں اس کے تجسس میں نہ رہو، بلکہ جو حکم تمہیں دیا جائے اس کی پیروی کرو۔"

آپ کی نرمی اور رحم دلی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اہلِ شام نے آپ کو دریا پر اترنے اور اس کا پانی استعمال کرنے سے روک دیا تھا، لیکن اس کے باوجود جب آپ کو اسی قسم کا موقعہ ملا تو آپ نے انہیں دریا سے پانی لینے سے مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ اسی طرح آپ نے اپنے ساتھیوں کو تاکید کر دی تھی کہ کوئی شخص معاویہؓ اور ان کے مددگاروں کو گالیاں نہ دے۔ آپ کو پتا چلا کہ حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق حضرت معاویہؓ کو گالیاں دیتے اور اہلِ شام پر لعن طعن کرتے ہیں۔ آپ نے فوراً ان دونوں کو بلا بھیجا اور فرمایا:

"جب میں نے تمہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا تو تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

انہوں نے جواب میں کہا:

"امیرالمومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بنو۔ ایسا کرنے کی بجائے ان کے لیے یہ دعا کرو:
"اے اللہ! تو انہیں اور ہمیں ایک دوسرے کا خون بہانے سے روک دے، ہمارے اور ان کے درمیان صلح کرا دے، انہیں ہدایت دے کہ وہ حق کو پہچان لیں اور بھٹکے ہوئے راستہ سے سیدھے راستہ پر آ جائیں۔"

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آپ اپنے نفس اور اپنے عمال کا شدید محاسبہ کرتے تھے۔ نفس کا محاسبہ تو اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اس کی وضاحت کی احتیاج نہیں۔ باقی رہا عمال کا محاسبہ، تو اس کا ثبوت مصقلہ بن ہبیرۃ الشیبانی اور یزید بن حجیۃ التیمی کے آپ سے کنارہ کشی کر کے حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ جانے سے مل جاتا ہے۔ یزید بن حجیہ کو "رے" کا حاکم بنایا تھا اس نے وہاں کا خراج معمول سے تیس ہزار دینار کم بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اسے خط لکھ کر اپنے حضور بلوایا اور فرمایا کہ غبن شدہ رقم حاضر کرو۔ اس نے کہا میں نے ایک درہم بھی نہیں لیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس کی بات کا یقین نہ کیا، اسے درے لگوائے اور اپنے غلام سعدؓ کو حکم دیا کہ اسے قید کر دو۔ یزید قید خانہ سے کسی طرح چھوٹ کر شام میں حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ وہ

اس وقت ... شام ہی میں مقیم رہا جب تک سارا عرب حضرت معاویہؓ کے زیرِ نگین نہ ہو گیا۔ جب حضرت معاویہؓ عراق آئے تو اسے بھی ساتھ لیتے آئے اور عراق کا والی بنا دیا۔

حضرت معاویہؓ کے اخلاق و عادات

حضرت علیؓ کے عادات و خصائل کو اختصار سے بیان کرنے کے بعد اب ہم حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یزید بن ابی سفیان کی وفات کے بعد شام کی ولایت ان کے بھائی حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں آئی۔ حضرت معاویہؓ نے وہاں اپنا غلبہ و اقتدار بڑھانا اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ شام کا تعلق دارالخلافہ سے برائے نام رہ گیا اور اگرچہ وہ اسلامی مملکت کا ایک صوبہ شمار ہوتا تھا۔ لیکن دُوسرے صوبوں سے اس کا ارتباط بہت ہی معمولی تھا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ بلا شرکتِ غیرے شام کے مالک اور بااختیار حاکم بن بیٹھے۔

حضرت معاویہؓ انتہائی زیرک اور بلند نظر انسان سمجھے جاتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا جب انہیں شام کی ولایت سے معزول کر دیا جائے گا اور ان کے تمام پچھلے کاموں کا محاسبہ کیا جائے گا۔ وہ بڑی احتیاط سے تمام حالات کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اپنی عقل و فکر کو کام میں لا کر ایسے ذرائع تلاش کرنے میں لگے رہتے تھے جن سے وُہ اپنے دشمنوں سے زیر اور انہیں اپنے ارادوں میں ناکام کر سکیں۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں تو ان کی حاکمیت کو کوئی خطرہ پیدا نہ ہوا اور وہ بڑی شان سے شام پر حکومت کرتے رہے۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ بنے تو انہیں پہلی بار خطرہ کا احساس ہوا۔ وہ حضرت علیؓ کے خلیفہ بنتے ہی جان گئے کہ حضرت علیؓ انہیں کبھی شام پر قابض رہنے کی اجازت نہیں دیں گے بلکہ انہیں معزول کر کے کسی ایسے آدمی کو یہاں کا والی مقرر کریں گے جس پر انہیں پورا اعتماد و بھروسا ہو گا۔ اس خطرہ سے بچنے کے لیے انہوں نے ایک طرف بعض سربرآوردہ اشخاص کو حضرت علیؓ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ شروع کر دیا۔ انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنے ساتھ ملا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ حضرت علیؓ نے انتہائی نازک موقعہ پر حضرت عثمانؓ کا ساتھ چھوڑ دیا، جس کا نتیجہ باغیوں کے ہاتھوں ان کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ علیؓ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لیتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور آپ کی اہلیہ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر لٹکا دیں جس کا بڑا زبردست اثر ہوا۔ ہزاروں آدمی منبر کے ارد گرد جمع ہو کر ان چیزوں کو دیکھتے، دھاڑیں مار مار کر روتے اور خدا کی قسم کھاتے کہ وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لے کر رہیں گے۔ اس طرح حضرت معاویہؓ نے اہلِ شام اور عامۃ العرب کی تائید حاصل کر کے اپنے لیے راستہ ہموار کر لیا۔

حضرت معاویہؓ نے نہ صرف قصاصِ عثمانؓ کا نعرہ بلند کر کے لوگوں کی تائید حاصل کی بلکہ مال و زر خرچ کر کے بھی عرب کے بہت سے قبائل کو مطیع و منقاد کر لیا۔ اس غرض کے لیے انہوں نے بے دریغ دولت لٹائی۔

یہ بات کہ آیا حضرت معاویہؓ کی حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی حقیقی وجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تھی اور آپ خلوصِ دل کے ساتھ قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام لینا چاہتے تھے، یا اس بغاوت کا سبب اپنے لیے ملک حاصل کرنا تھا۔ تو اس کا فیصلہ

کر نے کے لیے وہ گفتگو کافی ہے جو آپ کے اور حضرت عثمانؓ کی لڑکی عائشہ کے درمیان ہوئی۔

جب تمام عرب حضرت معاویہؓ کا مطیع ہوگیا اور آپ مدینہ تشریف لائے تو حضرت عثمانؓ کے گھر بھی پہنچے۔ وہاں حضرت عثمانؓ کی بیٹی عائشہؓ موجود تھیں وُہ انہیں دیکھ کر بلند آواز سے "ہائے ابا جان" کہہ کر رونے لگیں مطلب یہ تھا کہ ان کے والد کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اس وقت حضرت معاویہؓ نے یہ الفاظ فرمائے:

"اے میری بھتیجی! لوگوں نے ہمیں اور ہم نے لوگوں کو امان دی۔ ہم نے ان سے نرمی کا سلوک کیا حالانکہ ہمارے دلوں میں ان کے خلاف آگ بھڑک رہی ہے۔ انہوں نے ہماری اطاعت کا اقرار کیا لیکن ان کے دلوں میں بدستور ہمارے لیے کینہ موجود ہے۔ ہر شخص کے پاس اپنی تلوار موجود ہے اور وُہ اپنے مددگاروں کی تلاش میں ہے۔ اگر ہم ان سے وُہ عہد، جو انہیں امان دینے کے متعلق ہم نے کیا تھا توڑ دیں، تو وُہ بھی اپنے قول و قرار پسِ پشت ڈال دیں گے۔ پھر نہ معلوم کیا نتیجہ ہوگا۔ ہم غالب ہوں گے یا وُہ!"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے سارے عرب کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور تمام وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا آپ کے قابو میں آ گئے تو آپ نے اپنے دعووں کے علی الرغم ان سے قصاص نہ لیا اور انہیں بالکل چھوڑ دیا۔

حضرت معاویہؓ کی سیاست اور حکمتِ عملی کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ان کا یہ مقولہ کافی ہے:

"میں اس وقت تک کبھی تلوار نہ اٹھاؤں گا جب تک میرا کوڑا کام دیتا رہے گا۔ میں اس وقت تک اپنا کوڑا نہ اٹھاؤں گا جب تک میری زبان کام دیتی رہے گی۔ اگر میرے ہاتھ میں ایک دھاگہ ہو جس کا دوسرا سرا لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو یہ دھاگہ کبھی نہیں ٹوٹ سکے گا۔ کیونکہ جب دوسرے لوگ اسے کھینچیں گے تو میں ڈھیلا چھوڑ دوں گا۔ اور جب دوسرے لوگ ڈھیلا چھوڑ دیں گے تو میں کھینچ لوں گا۔"

آپ کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ آپ بڑے حلیم، زیرک سیاستدان اور مشکلات کے وقت اپنے اعصاب پر قابو پانے والے شخص تھے۔

حضرت معاویہؓ نے اپنی سیاسی زندگی جس طریقے سے گزاری اس کو دیکھتے ہوئے آپ پر شعبی کا یہ قول بالکل صادق آتا ہے:

"آپ ایک ایسے اونٹ کی مانند ہیں کہ اگر اسے کچھ نہ کہا جائے تو چلتا رہتا ہے، لیکن جب اس پر سختی کی جائے تو ٹھہر جاتا ہے۔"

آپ بڑے مردم شناس تھے۔ ہر شخص کی فطری صلاحیتوں کو پہچان لینے کا آپ میں بڑا ملکہ تھا۔ اپنی اس صلاحیت سے آپ نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ آپ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لیے انہیں اس قسم کی مشکلات میں مبتلا کر دیتے تھے جن سے نکلنا ان کے لیے آسان نہ ہوتا تھا۔ اس طرح وہ ان پر فتح پا لیتے۔ آپ کے حلم اور بُردباری کی مثالیں زبان زد خلائق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بُردباری میں بہت کم لوگ آپ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

...یاسی قابلیت آپ میں انتہائی درجہ کی تھی، اسی قابلیت سے کام لے کر آپ بسااوقات بغیر لڑے بھڑے اپنے مقاصد کی تکمیل کر لیتے تھے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب آپ کے لڑکے حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے انہیں ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

"خلافت کے حقدار آپ ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے بھی خلافت آپ ہی کا حق ہے۔ اگر مجھے اس بات کا یقین ہو تا کہ آپ خلافت کا کام بخوبی چلا سکیں گے اور اُمتِ محمدیہ کو ہر قسم کے خطرات سے نجات دلا سکیں گے تو میں ضرور آپ کی بیعت کر لیتا۔ اس لیے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ امت کے مفاد کی خاطر خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اس کے بدلے آپ جو چاہیں گے میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

اس خط کے ساتھ حضرت معاویہؓ نے ایک سفید کاغذ، جس پر مہر کے علاوہ اور کچھ بھی لکھا ہوا نہیں تھا۔ حضرت حسنؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اس کاغذ پر آپ اپنے مطالبات لکھ دیجئے۔ چنانچہ حضرت حسنؓ ان کی خواہش کے مطابق خلافت سے دستبردار ہو گئے اور جس قدر مال واسباب اور جائداد کی ضرورت تھی اس کاغذ پر لکھ دی۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے وعدہ کے بموجب وہ تمام چیزیں حضرت حسنؓ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔

حضرت معاویہؓ مختلف علاقوں کے حاکم چُننے میں بھی بہت عقلمندی اور ذکاوت سے کام لیتے تھے۔ جو حاکم آپ نے مقرر کیے تھے وہ خود بھی اپنی عقلمندی اور ذکاوت میں مشہور تھے۔ جیسے حضرت عمروؓ بن العاص، زیاد بن ابیہ اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہم۔ ان والیوں نے حضرت معاویہؓ کی حکومت کے استحکام میں بہت مدد دی۔ حضرت معاویہؓ کے خصائل اختیار کر کے انہوں نے بھی اپنے مخالفوں کو بآسانی زیر کر لیا۔

زیاد کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ اسے ایک مرتبہ پتا چلا کہ ابو الخیر نامی ایک شخص بہت بہادر اور جری ہے اور اس سے بوقتِ ضرورت مفید کام لیا جا سکتا ہے لیکن عقاید کے لحاظ سے وہ خارجی ہے اور معاویہؓ کا شدید مخالف۔ زیاد نے اسے بلا کر نیشاپور کی ولایت سپرد کر دی اور چار ہزار درہم تنخواہ مقرر کی۔ اس طرح اسے اپنا ممنونِ احسان بنا لیا اور وہ حضرت معاویہؓ کے لیے ایک بہت کار آمد وجود ثابت ہوا۔

اسی طرح مغیرہؓ بن شعبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص حجر بن عدی نے ان پر کنکر پھینکے۔ مغیرہؓ جلدی سے منبر پر سے اُتر کر محل میں چلے گئے اور وہاں سے حجر کو پانچ ہزار درہم بھجوا دیے۔ حجر بن عدی شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ بعد میں کسی شخص نے مغیرہؓ سے پوچھا کہ:

"آپ نے اس سے ایسا سلوک کیوں کیا حالانکہ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حجر آپ کا مخالف ہے۔"

مغیرہؓ نے جواب دیا:

"میں نے اسے درہم بھجوا کر قتل کرا دیا ہے، اب وہ میری مخالفت کرنے کی کبھی جرأت نہ کرے گا۔"

حضرت معاویہؓ کے جو خصائل اوپر بیان کیے گئے ہیں انہوں نے آپ کی حکومت کی تاسیس میں بے حد مدد دی۔ آہستہ آہستہ آپ کی حکومت تمام مملکتِ اسلامیہ پر محیط ہوگئی۔

آپ نے خود بھی حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کی بعض وجوہ بتائی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے کہا:

"میں چار خصلتوں کے سبب علیؓ بن ابی طالب پر غالب ہوا؛ علیؓ اپنا بھید کسی سے نہیں چھپاتے، لیکن میں اپنے بھیدوں کی پوری طرح حفاظت کرتا ہوں۔ وہ مصائب سے بچنے کے لیے دوڑتے ہیں اور مصائب ان کو اچانک آلیتے ہیں، لیکن میں خندہ پیشانی سے مصائب کا سامنا کرتا ہوں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مجھ پر اثر نہیں کرتے۔ ان کے لشکر میں بُرے سے بُرے لوگ اکٹھے ہوگئے ہیں اور وہ اتفاق و اتحاد کی نعمت سے بھی محروم ہے، لیکن مجھے ان کی نسبت قریش کی زیادہ تائید حاصل ہے اور میرے لشکر میں کسی قسم کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ میں جو چاہتا ہوں حاصل کرلیتا ہوں۔ لیکن علیؓ اپنے حسبِ منشا اپنی خواہشات پوری نہیں کرسکتے۔"

حضرت علیؓ بھی حضرت معاویہؓ کی بے مثل عقلمندی، ذکاوت اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے خداداد ملکہ کے قائل تھے اور کئی بار آپ نے اس کا اظہار بھی اپنی زبان اور خطوط کے ذریعہ کیا۔ چنانچہ آپ نے زیاد بن ابیہ کو، اس زمانہ میں جب کہ وہ آپ کا مطیع و فرمانبردار تھا اور آپ نے اسے ایک علاقہ کا والی مقرر کیا ہوا تھا، ایک دفعہ لکھا تھا:

"معاویہؓ کی شخصیت اتنی زبردست ہے کہ اُن کے آگے، اُن کے پیچھے، ان کے دائیں اور ان کے بائیں ہر چہار طرف سے لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔"

(۱۴)

حضرت عمروؓ بن العاص

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت حضرت عمروؓ بن العاص فلسطین میں تھے اور وہاں بنظرِ غائر تمام حالات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ وہیں انہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت، جنگِ جمل اور حضرت معاویہؓ کی خودمختاری کی خبریں ملیں انہوں نے سوچا کہ حضرت علیؓ کے پاس جانے اور ان کی حمایت کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی سابقیت کے دعوے کی بنا پر امورِ سلطنت میں کسی اور کی شرکت گوارا نہیں کریں گے، اگر فائدہ ہوسکتا ہے تو حضرت معاویہؓ کے پاس جانے اور ان کی حمایت کرنے سے۔ وہ اس بات سے مطمئن تھے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی بیعت کبھی نہ کریں گے۔ ان کے ذہن میں ان تمام جھگڑوں کی یاد باقی تھی جو اسلام میں اور اسلام سے قبل بنو ہاشم اور بنو امیہ میں ہوتے رہتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو امیہ میں قریش کی سرداری حاصل کرنے کے لیے زبردست مقابلہ رہتا تھا۔ اب جبکہ بنو امیہ کو شام میں

... ہو چکا تھا اور وُہ شام کے اطراف وجوانب پر قابض بھی ہو چکے تھے، یہ امر ناممکن تھا کہ وہ آسانی سے اس خطہ کو بنو ہاشم کے لیے خالی کر دیتے لورا انہیں اس پر قابض ہونے کی اجازت دے دیتے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنے پاس بلایا یا عمروؓ بن العاص خود معاویہؓ کے پاس گئے، اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ شیعہ مورخ یعقوبی اس بارے میں یہ بیان کرتا ہے:

"حضرت علیؓ بن ابی طالب نے جنگِ جمل کے بعد کوفہ کا رُخ کیا۔ کوفہ پہنچ کر انہوں نے جریر بن عبداللہ البجلی کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ وہ ان کی بیعت لے کر آئیں۔ آپ نے ان کو معاویہؓ کے نام ایک خط بھی دیا جس میں لکھا کہ اکثر مہاجرین اور انصار ان کی بیعت پر متفق ہو گئے ہیں اس لیے انہیں بھی ان کی بیعت کر کے ان کی اطاعت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ حضرت معاویہؓ نے جریر بن عبداللہ کو کچھ دن کے لیے اپنے پاس ٹھہرا لیا اور عمروؓ بن العاص کو یہ خط لکھا:

"حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا۔ اب علیؓ نے جریر بن عبداللہ کے ہاتھ مجھے کہلا کر بھیجا ہے کہ میں ان کی بیعت کر لوں۔ میں اس امر کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں اسی لیے میں نے جریر کو ٹھہرا لیا ہے۔ آپ جتنی جلدی ہو سکے میرے پاس پہنچے۔"[1]

حضرت معاویہؓ کا خط پہنچنے پر حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے بیٹوں محمد اور عبداللہ سے مشورہ کیا کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ بہت کچھ بحث و تحمیص کے بعد فیصلہ یہی ٹھہرا کہ انہیں معاویہؓ کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ چنانچہ عمروؓ بن العاص دمشق پہنچے اور حضرت معاویہؓ سے تنہائی میں ملے۔ معاویہؓ نے انہیں تمام حالات سُنائے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت علیؓ سے برابر حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کرتے رہیں اور اگر وہ یہ مطالبہ قبول نہ کریں تو شامی لشکر کو اپنے ساتھ لے کر ان کا مقابلہ کریں۔"[2]

یعقوبی یہ بھی کہتا ہے کہ عمروؓ بن العاص نے معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کی بیعت بھی کر لی تھی۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے ان کو لوگوں سے بیعتِ خلافت لینے کا مشورہ دیا وہ ان کے مقرر کردہ عامل حمص شرحبیل بن السمط تھے۔ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ کا یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ لوگوں سے بیعتِ خلافت لیں۔ بلکہ انہوں نے صرف اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے میں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ بعد میں جب حضرت علیؓ کا قاصد جریر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا اور شرحبیل کو پتا چلا کہ حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے جریر کو معاویہؓ کے پاس بھیجا ہے تو وہ جریر سے عداوت کی بناء پر

---

[1] الیعقوبی جلد اوّل ص ۳۱۵ [2] طبری

معاویہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے:

"امیر المومنین حضرت عثمانؓ ہمارے خلیفہ تھے۔ اگر آپ ان کے خون کا بدلہ لینے پر قادر ہیں تب تو ہم آپ کو اپنا امیر ماننے کے لیے تیار ہیں ورنہ نہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ان کی بیعت کر لی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بیعت کی، جس کا بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے، تصدیق ہونی بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جبکہ حضرت معاویہؓ کو پتا تھا کہ حضرت علیؓ کی بیعت اصحابِ شوریٰ اور مہاجرین و انصار نے کر لی ہے اور یہی لوگ ہیں جن پر کسی شخص کی بیعت کی بنیاد ہو سکتی ہے، تو معاویہؓ اپنے لیے شرحبیل اور عمروؓ جیسے اشخاص کی بیعت پر کس طرح رضامند ہو سکتے تھے جنہیں نہ اسلام میں سابقیت کا شرف حاصل تھا اور نہ ان کا ان کے قبائل میں کوئی اثر تھا، جس کے سبب ان پر بھروسا کیا جا سکتا۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ یہ معاملہ اس حد سے آگے نہیں بڑھا کہ حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

حضرت علیؓ کا قاصد واپس کوفہ آگیا اور حضرت علیؓ کو بتلا دیا کہ کس طرح لشکرِ شام ان سے مقابلہ اور حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ انھوں نے یہ بھی عرض گزار کر دیا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کے منبر پر لٹکا دی ہیں۔ اہلِ شام جوق در جوق مسجد میں آتے ہیں اور انھیں دیکھ کر دھاڑیں مار مار کے روتے ہیں۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ یا تو وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لیں گے ورنہ خود کو فنا کر دیں گے۔

جب حضرت علیؓ کو یقین ہو گیا کہ معاویہؓ تلوار کے سوا اور کسی طرح مطیع ہونے والے نہیں تو انہوں نے فوج کو شام جانے کے لئے تیاری کرنے کا حکم دے دیا۔

(۱۵)

پانی پر جنگ

حضرت علیؓ کا حضرت معاویہؓ کے مقابلہ کے لیے نکلنا

امیر المومنین حضرت علیؓ اپنی فوج کو لے کر کوفہ سے نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ نخیلہ میں آپ نے لشکر کو مرتب کیا اور جزیرہ کے راستہ شام میں داخل ہوئے۔ جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص سے مشورہ کیا انہوں نے رائے دی کہ دمشق سے باہر نکل کر حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ بھی فوج لے کر باہر نکلے۔

حضرت علیؓ نے رقہ پہنچ کر دریائے فرات کو عبور کیا اور آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت معاویہؓ کا لشکر وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔

صفین میں مسلمانوں کی اس قدر زبردست افواج جمع ہوئی تھیں جن کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔ تاریخِ اسلام پر نظر دوڑانے سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غزوۂ حنین کے موقع پر، جبکہ مسلمان اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں تھے، اسلامی فوج کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے بعد جب مسلمان ایران کو فتح کرنے اور رومیوں سے مقابلہ کرنے نکلے تو ان کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی رہی۔ جنگِ یرموک کے موقع پر مسلمان چھیالیس ہزار کی تعداد میں تھے اور قادسیہ اور نہاوند میں ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ لیکن جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کا لشکر ستر ہزار اور حضرت معاویہؓ کا نوّے ہزار سے کم نہ تھا۔

حضرت معاویہؓ اپنا لشکر لے کر صفین میں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے لیے دریائے فرات کے متصل ایک وسیع و عریض میدان منتخب کر لیا تھا جہاں سے پانی لینا بہت آسان تھا۔ اس جگہ کے علاوہ جہاں حضرت معاویہؓ کی فوج نے قیام کیا تھا اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے پانی لینا ممکن ہوتا۔ کیونکہ وہ علاقہ پہاڑی تھا اور دریا کے دونوں طرف اونچی اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ دریا بھی اس جگہ بہت گہرا اور تیز تھا۔

حضرت معاویہؓ کی غرض اس جگہ کے منتخب کرنے سے یہ تھی کہ دونوں فوجوں میں باقاعدہ مقابلہ ہونے سے پہلے ہی حضرت علیؓ کی فوج کو پیاسا مار کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کا خیال تھا کہ اس طرح اوّل تو مقابلہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور اگر آئی بھی تو پیاس سے نڈھال ہونے والی فوج زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے اپنی مخالف فوج کی قوت کا اندازہ غلط لگایا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بآسانی حضرت علیؓ کی فوج کو پانی لینے سے روک سکیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ ستر ہزار فوج پانی کو اپنے بالکل سامنے دیکھ کر کسی طرح صبر نہیں کر سکے گی اور اگر اسے پانی لینے کی اجازت نہ ملی تو وہ تلوار سے کام لے کر اپنے دشمن کو اپنے راستہ سے ہٹانے اور خود پانی پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گی۔

جب حضرت علیؓ اپنے لشکر کو لے کر صفین کے میدان میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر نے نہایت مناسب جگہ پر پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور پانی پر اسی کا قبضہ ہے۔ جب آپ کے آدمیوں نے پانی لینے کے لیے دریا کی طرف بڑھنا چاہا تو دشمن کے سپاہی راستہ میں روک بن کر کھڑے ہو گئے اور انہیں دریا کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

حضرت علیؓ کی عادت تھی کہ آپ جس حد تک ممکن ہوتا تھا اپنے لشکر کو جنگ کرنے سے روکتے تھے چنانچہ یہاں بھی آپ نے صلح صفائی سے کام لینا چاہا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس وقت تک کسی شخص سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں جب تک وہ پانی کے بارے میں معاویہؓ کو خط نہ لکھیں اور وہاں سے جواب موصول نہ ہو جائے۔ آپ کی فوج کو پیاس نے بیحد تنگ کر رکھا تھا۔ اس نے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی جہاں سے پانی لینے میں آسانی ہو۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک خط لکھا جس میں اپنی فوج کے لیے دریا سے پانی لینے کی اجازت طلب کی لیکن حضرت معاویہؓ نے صاف انکار کر دیا۔ اب حضرت علیؓ کی فوج کے لیے لڑنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔

جو خط حضرت علیؓ نے صعصعہ بن صوحان کے ہاتھ حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا اس کا مضمون یہ تھا:

تم نے اپنے گھوڑے آگے بڑھائے اور قبل اس کے کہ ہم تم سے لڑتے، تم ہم سے لڑے۔ تم نے ہمارے ساتھ جنگ میں ابتدا کی۔ اب تم نے ہمیں پانی سے روک دیا ہے۔ یہ بات تمہارے لیے اچھی نہیں ہے۔ تم ہمیں پانی لینے دو ورنہ پھر ہم مجبور ہوں گے کہ تم سے لڑیں اور خود پانی پر قبضہ کر لیں۔"

صعصعہ یہ خط لے کر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ خط دکھا کر مشورہ طلب کیا۔ بعض لوگوں نے کہا:

"ان لوگوں کو پانی ہرگز نہیں لینے دینا چاہیے کیونکہ یہ لوگ پہلے خود حضرت عثمانؓ پر پانی بند کر چکے ہیں۔"

البتہ عمروؓ بن العاص نے یہ رائے دی کہ انہیں پانی سے روکنا نہیں چاہیے۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی رائے کی پروا نہ کی اور حضرت علیؓ کی فوج کو بدستور پانی لینے سے روکے رکھا۔

اس پر حضرت علیؓ کی فوج میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑنے کا ارادہ کر لیا، تاہم حضرت علیؓ نے جہاں تک ممکن ہوا ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ رات کو آپ گشت کرتے کرتے مذحج قبیلہ کے خیموں کی طرف جا نکلے وہاں ایک آدمی شعر پڑھ رہا تھا:

"کیا یہ قوم ہمیں دریائے فرات کے پانی سے روک سکے گی؟ حالانکہ ہمارے پاس تلواریں اور نیزے ہیں اور ہمارے درمیان علیؓ ہیں جن کو مصائب و آفات آ کر ڈراتی ہیں تو وہ ڈرتے نہیں۔"

حضرت علیؓ آگے بڑھے اور کندہ کے خیموں میں پہنچے۔ وہاں اشعث بن قیس آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"کیا یہ لوگ ہمیں فرات کے پانی سے روک سکیں گے حالانکہ آپ ہمارے درمیان ہیں اور تلواریں ہمارے ہاتھوں میں ہیں!"

آخر حضرت علیؓ نے فوج کو حکم دے دیا کہ وہ تلواریں ہاتھ میں لے لے اور دشمن کو پانی کی جگہ سے بزور ہٹا دے۔ چنانچہ اشعث نے لوگوں میں جنگ کی منادی کرنی شروع کی۔ کندہ اور قحطان کے بارہ ہزار سپاہی تلواریں سونت سونت کر باہر نکل آئے۔ ان کی قیادت اشعث کر رہے تھے۔ یہ لوگ آگے بڑھے اور اہل شام سے جا کر بھڑ گئے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ جانبین کو برابر اپنی اپنی طرف سے امداد پہنچ رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بارہ ہزار ساتھی گھوڑوں سے اتر پڑے اور اہل شام کی صفوں میں گھس کر انہیں تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ شامیوں کو شکست ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ کی فوج کو مجبوراً دریا سے بہت دور جا کر پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ حضرت علیؓ کا لشکر آگے بڑھا اور اس وسیع و عریض میدان پر قابض ہو گیا جو چند گھنٹے پیشتر حضرت معاویہؓ کی فوج کے قبضہ میں تھا اور جس کے برابر دریائے فرات بہہ رہا تھا۔

اب حضرت معاویہؓ کے لشکر کی وہی حالت تھی جو اس سے پہلے حضرت علیؓ کے لشکر کی تھی۔ وہ پانی سے دور تھے اور پانی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہ تھا۔ لشکر کے ہر شخص کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کے آدمی انہیں کبھی پانی نہیں لینے دیں گے لیکن

حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا :

"میرا خیال ہے کہ وُہ ہمیں پانی لینے سے ہرگز نہیں روکیں گے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص کا یہ خیال بالکل ٹھیک نکلا ۔ کیونکہ جب حضرت معاویہؓ کے آدمی پانی لینے کے لیے دریا کی طرف بڑھے اور حضرت علیؓ کے آدمیوں نے انہیں روکنا چاہا تو حضرت علیؓ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ہمارا دین اور ہمارا خلق اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنے دشمن سے ایسا ہی سلوک کریں جو اس نے ہم سے کیا تھا۔

جب آپ کے ساتھیوں نے آپ سے کہا :

"امیرالمومنین ! جس طرح انہوں نے ہمیں پانی لینے سے روکا تھا ہم بھی انہیں کیوں نہ روکیں ؟"

تو حضرت علیؓ نے فرمایا :

"نہیں ، انہیں پانی لینے کے لیے راستہ دے دو ۔ میں جاہلوں کا سا کام نہیں کروں گا ۔ ہم ان کے سامنے کتابِ الٰہی پیش کریں گے اور انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے ۔ اگر انہوں نے ہماری دعوت کو قبول کر لیا تو خیر ، ورنہ پھر ہمارے اور ان کے درمیان تلوار کی دھار فیصلہ کرے گی ۔"

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا کہ اہلِ عراق اور اہلِ شام دونوں ایک گھاٹ سے پانی لے رہے ہیں اور کوئی ایک دُوسرے سے تعرض نہیں کر رہا ۔

اس جگہ ہر شخص کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت علیؓ کی یہ کارروائی ٹھیک تھی ؟ کیا حضرت علیؓ کو نہیں چاہیے تھا کہ وُہ بھی اپنے دشمن سے اسی قسم کا سلوک کرتے جو وہ ان سے کر چکا تھا ؟

جنگی نقطۂ نظر سے خواہ حضرت علیؓ کا اپنے دشمنوں سے یہ برتاؤ ٹھیک ہو یا غلط ، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا یہ کارنامہ آپ کی شرافت ، بزرگی اور اخلاق کی بلندی کی ایک زندہ مثال ہے ۔

(۱۶)

قائدینِ صلح

حضرت علیؓ کا پیغام حضرت معاویہ کے نام یہ واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ شام میں لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے ۔ جب آپ کے لشکر نے اہلِ شام کو دریائے فرات سے ہٹا دیا تو آپ نے تین آدمیوں کو حضرت معاویہؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ عامتہ المسلمین کی طرح آپ کی بیعت کر لیں ۔ یہ تین آدمی مندرجہ ذیل تھے :

بشیر بن عمرو الانصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شبث بن ربعی التمیمی۔

یہ لوگ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور بشیر بن عمرو نے حضرت معاویہؓ سے کہا:

"اے معاویہؓ! عنقریب تم اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں جانے والے ہو جہاں خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور جو کام تم نے اس دنیا میں کیے ہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اُمت میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور مسلمانوں کے خون سے اپنا دامن بچاؤ۔"

معاویہؓ نے کہا:

"یہاں آنے سے پیشتر آپ نے علیؓ کو یہ نصیحتیں نہ کیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"علیؓ تمہاری طرح نہیں ہیں۔ وہ اپنی فضیلت، دینی عظمت، اسلام میں سبقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنا پر بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔"

حضرت معاویہؓ نے پوچھا:

"پھر وہ کیا کہتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم نے ان کی دعوت قبول کر لی تو یہ تمہارے لیے دنیاوی لحاظ سے بھی مفید ثابت ہوگی اور تم آخرت میں خدا تعالیٰ کے سامنے سُرخرو بھی ہو سکو گے۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"کیا ہم عثمانؓ کا خون چھوڑ دیں گے؟ خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

اس پر شبث بن ربعی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

"اے معاویہ! جو کچھ تمہارا ارادہ اور مطلب ہے وہ ہم سمجھ گئے ہیں۔ تمہارے پاس کوئی ایسا حربہ نہیں تھا جس سے تم لوگوں کو گمراہ کر سکتے اور انہیں اپنے ڈھب پر لا سکتے۔ اس پر تم نے ان کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کیا کہ تمہارا امام مظلوم قتل کیا گیا ہے اور ہم اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔ اس پر بیوقوف لوگ تمہارے پیچھے چل پڑے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے جان بُوجھ کر حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں دیر کی اور دل سے یہ چاہا کہ انہیں شہید کر دیا جائے تاکہ تم وہ کچھ حاصل کر سکو جو تمہارا مدعا ہے۔ لیکن یاد رکھو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کام لے کر ایسے لوگوں کو نامراد کر دیتا ہے اور بعض دفعہ ان لوگوں کو ان کی خواہشات اور آرزوؤں سے بھی بڑھ کر دیتا ہے۔ لیکن تمہارے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام رہے تب تو ظاہر ہے کہ تم سے زیادہ بدبخت عربوں میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر کامیاب ہو گئے تب بھی جہنم کی آگ کی لپیٹ سے نہیں بچ سکتے۔ اس لیے اے معاویہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے موجودہ رویہ کو ترک کر کے خلافت کے

[illegible] ملامت کرو۔"

شبث کی یہ تیز گفتگو حضرت معاویہؓ کو بے حد ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا:

"اے سخت مزاج گنوار! تُو نے سراسر جھوٹ بولا ہے۔ جاؤ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔"

چنانچہ یہ وفد ناکام لوٹ آیا اور حضرت علیؓ کی خدمت میں سب باتیں گوش گزار کر دیں۔

ہلکے پیمانہ پر لڑائی کی ابتدا حضرت علیؓ نے کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر اپنی فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ سازو سامان سے لیس ہو کر میدانِ جنگ میں آ گئی۔ عراقیوں اور شامیوں کے تصادم سے ہر شخص ڈرتا تھا۔ کیونکہ سب کو یہ خطرہ تھا کہ اس طرح بڑے پیمانہ پر اتلافِ جان ہو گا۔ اس ناگوار صورتِ حال سے بچنے کے لیے ہر لشکر کا ایک ایک دستہ باری باری آگے آ کر لڑتا تھا۔ لڑائی کی یہ صورت ذی الحجہ ۳۶ھ تک جاری رہی۔ جب محرم کا چاند دکھائی دیا تو دونوں فوجوں میں لڑائی بند ہو گئی۔

صلح کی کوششیں اب دونوں فریقوں نے چاہا کہ باہم صلح و مصالحت ہو جائے۔ اس غرض کے لیے دونوں طرف قاصدوں کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس جگہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عقلمند اور تجربہ کار انسان ایسے قاصدوں کو چُنتا ہے جو فریقِ مخالف کے کیمپ میں جا کر اس کی ترجمانی نہایت اچھے طریق سے کریں۔ تمام معاملات سے پُوری طرح واقف ہوں۔ اپنی ذکاوت سے بگڑی ہوئی بات کو بھی بنا لیں اور اپنی تقریر سے فریقِ مخالف پر اچھا اثر ڈالیں۔ لیکن اگر قاصدوں کے انتخاب میں بد احتیاطی سے کام لیا جائے اور ایسے قاصد چُنے جائیں جنہیں نہ بات کرنے کا ڈھب آتا ہو نہ سفارتی آداب کا کوئی خیال ہو اور نہ صورتِ حال سے آشنا ہوں تو اس طرح بنی ہوئی بات بھی بگڑ جاتی ہے اور ان قاصدوں کے ہاتھوں جو نقصان اٹھانا پڑتا ہے وہ دشمن کے ہاتھوں پہنچنے والے نقصان سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے جب ہم حضرت علیؓ کے قاصدوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قاصد اپنی گفتگو کو حدِ اعتدال میں رکھنے کے عادی نہیں تھے۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صلح کی نہیں بلکہ جنگ کی بات چیت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ جب بات چیت شروع کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دشمنی کی آگ بھڑکانے اور سوئے ہوئے فتنے جگانے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے صُلح کی صرف ایک شرط پیش کی جاتی تھی اور وُہ یہ کہ معاویہؓ غیر مشروط طور پر ان کی اطاعت قبول کر کے ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ حالانکہ ایسا کرنا خود ان کے لیے بے حد نقصان دِہ تھا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ پر بہت ناگوار اثر پڑتا تھا اور وہ کسی طرح حضرت علیؓ کی شرطیں ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔

حضرت علیؓ نے صلح کی بات چیت کے لیے عدی بن حاتم، یزید بن قیس الارحبی، زیاد بن حفصہ اور شبث بن ربعی کو بھیجا۔ شبث بن ربعی پہلی سفارت میں بھی شامل تھے اور ان کی خشونت بھی بات چیت کی ناکامی کا ایک سبب بنی۔

جب یہ لوگ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے تو عدی نے بات چیت شروع کی۔ انہوں نے کہا:

"اے معاویہؓ! ہم تمہارے پاس اتفاق اور اتحاد کی دعوت لے کر آئے ہیں۔ اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو مسلمانوں کے درمیان صلح ہو جائے گی، ان کے آپس کے جھگڑے مٹ جائیں گے اور ان میں خون خرابہ نہ ہو گا۔ دیکھو! حضرت علیؓ تمہارے چچازاد بھائی، مسلمانوں کے سردار، امت میں سب سے افضل اور سابقون الاولون میں ہیں۔ تمام لوگوں نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح راستہ دکھایا ہے۔ لیکن تم نے ان کی دعوت قبول نہیں کی اور انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ اے معاویہ! اپنی ہٹ سے باز آ جاؤ، کہیں تمہارے ساتھ بھی وہی نہ ہو جو 'اہلِ جمل' کے ساتھ ہو چکا ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا:

"اے عدی! افسوس تم مجھے دھمکانے آئے ہو یا صلح کی بات چیت کرنے! خدا کی قسم! میں "ابنِ حرب" (زبردست جنگجو) ہوں۔ جنگ سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں شامل ہو۔ تم سے بھی ان کا قصاص لیا جائے گا۔ اور تم بھی ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کیے جاؤ گے جنہیں اللہ عز و جل قتل کرے گا۔"

گفتگو کا یہ رنگ دیکھ کر شبث اور زیاد نے کہا:

"ہم تمہارے پاس صلح کی بات چیت کرنے آئے تھے مگر تم نے اس بات کو چھوڑ کر دوسری باتیں کرنی شروع کر دیں۔ ان باتوں کو چھوڑو جن سے کوئی فائدہ نہیں اور وہ بات کرو جس سے مصالحت کی صورت پیدا ہو، جو فریقین کے لیے سودمند ہو سکے۔"

یزید بن قیس کہنے لگے:

"ہم آپ کو وہ پیغام پہنچانے آئے ہیں جس کے لیے ہمیں بھیجا گیا ہے۔ جو کچھ آپ سے سنیں گے وہ اپنے خلیفہ کو پہنچا دیں گے البتہ ہم آپ کو نصیحت کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ اور وہ یہ کہ آپ حضرت علیؓ کی بیعت کر کے امت کی شیرازہ بندی میں مدد دیں۔ حضرت علیؓ کی فضیلت کو آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں اور امید ہے کہ آپ سے یہ امر بھی پوشیدہ نہیں ہو گا کہ اہلِ دین اور اہلِ فضیلت کبھی حضرت علیؓ کی اطاعت سے انحراف نہیں کر سکتے۔ اس لیے اے معاویہؓ! آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور حضرت علیؓ کی مخالفت نہ کریں۔ خدا کی قسم! ہم نے کوئی شخص حضرت علیؓ سے زیادہ متقی، پرہیزگار اور صفاتِ حسنہ سے متصف نہیں دیکھا۔"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا:

"تم نے مجھے علیؓ کی اطاعت اور جماعت میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے۔ جس جماعت کی طرف تم مجھے بلاتے ہو آخر وہ کون سی جماعت ہے؟ باقی رہا علیؓ کی اطاعت، تو مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ انہوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا، جماعت میں تفرقہ پیدا کیا۔ عثمانؓ کے قاتلین کو پناہ دی۔ علیؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے عثمانؓ کو قتل نہیں کیا۔ ہم ان کی یہ بات مان لینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ جن لوگوں نے ان کے قتل میں حصہ لیا وہ ان کی فوج میں شامل ہیں اور ان کے یار و مددگار بنے ہوئے ہیں۔ مصالحت کی صرف یہی صورت ہے کہ علیؓ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے حوالہ کر دیں ہم انہیں قتل کریں گے، اس کے بعد علیؓ کی اطاعت اور ان کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔"

اس پر شبث نے کہا: "معاویہ! کیا تمہیں اس بات سے خوشی ہو گی کہ تم عمار جیسی شخصیت کو پکڑ لو اور انہیں قتل کر دو۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا :

"کیوں عمار بن یاسر میں کیا خاص بات ہے جو انہیں قتل نہ کیا جائے ؟ خدا کی قسم ! اگر میں ابنِ سمیہ پر قابو پا لوں تو عثمانؓ کے قصاص میں تو انہیں قتل نہ کروں لیکن حضرت عثمانؓ کے غلام نائل کے قصاص میں ضرور قتل کر دوں ۔"

شبث نے کہا :

"خدا کی قسم ! یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ گردنیں جسموں سے جُدا نہ ہو جائیں اور زمین کی پشت اور آسمان کا سینہ تمہارے لیے تنگ نہ ہو جائے ۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا :

"اگر ایسا ہونا ہی ہے تو پہلے تمہارے لیے ہوگا ۔"

اس طرح یہ سفارت بھی ناکام ہوگئی ۔ حالانکہ اگر فریقین خلوصِ نیت سے صلح کی بات چیت کرتے اور ایک دوسرے کو کچھ مراعات دے دیتے تو اس امر کا کافی امکان تھا کہ مسلمانوں کے یہ دونوں گروہ باہم اتفاق رائے سے ایسے فیصلے پر پہنچ جاتے جو تمام مسلمانوں کے لیے یکساں مفید ہوتا ۔ لیکن اس سفارت میں بھی منجملہ دوسری سفارتوں کے اسی شدت اور سختی کا مظاہرہ کیا گیا، جس سے دلوں میں اور بھی زیادہ بگاڑ پیدا ہوگیا اور دونوں گروہ ایک دوسرے سے پہلے سے بھی زیادہ دُور ہو گئے ۔

حضرت معاویہؓ کی طرف سے سفارت کا سلسلہ

اب تک حضرت علیؓ کی جانب سے سفیر آ رہے تھے اب معاویہؓ نے اپنی طرف سے حبیب بن مسلمۃ الفہری، شرحبیل بن السمط اور معن بن یزید بن الاخنس کو حضرت علیؓ سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا ۔ یہ تینوں حضرت علیؓ کے پاس پہنچے ۔ حبیب نے گفتگو شروع کی ۔ انہوں نے کہا :

"حضرت عثمانؓ بن عفان خلیفۂ برحق تھے ۔ کتاب اللہ عزّ وجل پر عمل کرتے تھے ۔ خدا تعالیٰ کے احکام کے پابند تھے ۔ تم نے ان کی زندگی کو پسند نہ کیا اور ان کو ظلم کے ساتھ شہید کر دیا ۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم حضرت عثمانؓ کے قتل سے بری ہو تو ان کے قاتلین کو ہمارے سپرد کر دو ۔ ہم انہیں حضرت عثمانؓ کے قصاص میں قتل کر دیں گے ۔ پھر مسلمان جمع ہو کر باہم اتفاق رائے سے جسے چاہیں گے اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے ۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"کیا خوب ! تم اور مجھے معزول کرو ۔ خاموش رہو ۔ تم اس معاملہ میں بولنے کے اہل نہیں ہو ۔"

حبیب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا :

"تم مجھے اس حالت میں دیکھو گے جو تمہیں پسند نہیں ہوگی ۔"

حضرت علیؓ نے کہا :

"تم میرا کر ہی کیا سکتے ؟ چاہے تم جتنی کوشش کر لو اپنے مقصد میں ناکام رہو گے ۔"

شرجیل بن السمط بھی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے :

"میں بھی وہی کچھ کہوں گا جو میرے ساتھی کہہ چکے ہیں۔ کیا اس کے سوا بھی آپ کے پاس کوئی اور جواب ہے ؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"بے شک !"

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی ۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اُمت کی ہدایت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ :

"پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ۔ حضرت ابو بکرؓ آپ کے بعد خلیفہ ہوئے اور نہایت اچھی طرح خلافت کا کام سرانجام دیا ۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہُوئے اور انہوں نے بھی خلافت کا کام بڑی خوبی سے نبھایا ۔ ان دونوں نے اپنے اپنے عہدِ خلافت کو بہت اچھی طرح گزارا اور امت میں عدل و انصاف قائم کیا ۔ چونکہ ہم آلِ رسول ہیں اور خلافت کا حق سب سے زیادہ ہمارا تھا اس لیے اگرچہ ہمیں ان سے خلافت کے بارہ میں اپنی حق تلفی کی شکایت تھی لیکن ہم نے ان کو معاف کر دیا ۔ ان دونوں کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے ۔ انہوں نے چند ایسے کام کیے جنہیں لوگوں نے ناپسند کیا ۔ انہوں نے بغاوت کی اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ۔ اس کے بعد لوگ میرے پاس آئے ۔ میں ان کے معاملات سے بالکل الگ تھا ۔ انہوں نے مجھ سے بیعت لینے کے لیے کہا لیکن میں نے انکار کر دیا ۔ انہوں نے پھر بیعت لینے کے لیے کہا اور کہا کہ امتِ محمدیہؐ آپ کے سوا اور کسی شخص کی خلافت پر راضی نہیں ہوگی اور اگر آپ نے خلافت قبول نہ کی تو امت میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا ۔ تب میں نے ان کی بیعت لی ۔ پہلے طلحہؓ اور زبیرؓ نے بیعت کرنے کے بعد میری مخالفت کی اور اب معاویہؓ میری مخالفت میں پیش پیش ہیں ۔ حالانکہ نہ انہیں اسلام میں سابقیت کا شرف حاصل ہے اور نہ انہوں نے اسلام کی کوئی مخلصانہ خدمت سرانجام دی ہے ۔ وہ اور ان کے والد ہمیشہ اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے دشمن رہے ۔ وہ دونوں اسلام میں بھی داخل ہُوئے تو مجبور ہو کر ۔ اس لیے تعجب ہے کہ تم ان کا ساتھ دیتے ہو اور اہلِ بیت کی مخالفت کرتے ہو ۔ تمہیں میری مخالفت کرنا اور میرے مقابلہ میں کسی اور کو لانا زیب نہیں دیتا ۔ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنّتِ نبویؐ کی طرف دعوت دیتا ہُوں اور باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ کرنے کی ہدایت کرتا ہُوں ۔"

شرجیل نے یہ سُن کر کہا :

"آپ یہ گواہی تو دیجئے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے ۔"

حضرت علیؓ نے کہا :

"میں نہ یہ کہتا ہُوں کہ وہ مظلوم قتل کیے گئے اور نہ یہ کہتا ہُوں کہ وہ ظالم ہونے کی حالت میں قتل کیے گئے ۔"

اس پر ان تینوں قاصدوں نے کہا :

"جو شخص حضرت عثمانؓ کی مظلوم شہادت کو تسلیم نہیں کرتا ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ۔"

یہ کہہ کر وہ تینوں واپس چلے گئے ۔ حضرت علیؓ نے اس وقت یہ آیت پڑھی :

فانك لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعآء اذا ولوا مدبرین وما انت بھٰدی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من یؤمن بأیتنا فھم مسلمون ۔

(تو نہ مُردوں کو کچھ سنا سکتا ہے اور نہ بہروں کو جب وہ پیٹھ پھیرلیں، تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے نجات نہیں دلا سکتا۔ تو اپنی باتیں انہی لوگوں کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لائیں اور تابعداری اختیار کریں)

صلح کی بات چیت کی ناکامی ہم نے صلح کی بات چیت کو ذرا تفصیل سے یہ دکھانے کے لیے بیان کر دیا ہے کہ حضرت علیؓ صلح کے کس قدر خواہشمند تھے۔ حضرت علیؓ اپنا لشکر لے کر صفین کے میدان میں ذی الحجہ ۳۶ھ کے اواخر میں پہنچے تھے۔ جب محرم شروع ہو گیا تو دونوں فریق "اشہر الحرام" کے دوران میں صلح کرنے پر رضامند ہو گئے۔ امیر المومنینؓ کو امید تھی کہ اس عرصہ میں معاملات سلجھ جائیں گے اور بغیر جنگ کے مسلمان آپس میں متحد ہو جائیں گے۔ انہیں حضرت معاویہؓ کی طرف سے کسی بھلائی کی امید نہ تھی اور انہیں معلوم تھا کہ تلوار کے علاوہ اور کسی طریق سے وہ شام کی حکومت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ البتہ انہیں اس امر کی توقع تھی کہ وہ پند و نصائح سے حضرت معاویہؓ کے بعض مددگاروں کو اپنی طرف مائل کر لیں گے۔ اسی لیے حضرت علیؓ کے قاصد حضرت معاویہؓ کے پاس آتے رہے لیکن انہوں نے اس ضمن میں کوئی اچھا کام سرانجام نہیں دیا۔ حضرت علیؓ کے قاصدوں نے حضرت معاویہؓ کے سامنے اور حضرت معاویہؓ کے قاصدوں نے حضرت علیؓ کے سامنے اس طرح گفتگو کی جس سے باہمی نفرت اور بھی زیادہ ہو گئی اور کامیابی کی اُمید جاتی رہی۔ ان قاصدین کی گفتگوؤں سے پتا چلتا ہے کہ انھیں سیاست کی کچھ شدبد نہ تھی۔ وہ صلح سے زیادہ جنگ کی طرف مائل تھے۔ اس طرح یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور صلح کی تمام بات چیت ناکام ہو گئی۔

(۱۷)

معرکہ صفین

دونوں فریق اپنے اپنے کیمپوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ اس عرصہ میں دلائل و براہین کے ساتھ مخالفین کو قائل کر لیا جائے گا اور شمشیر زنی کی نوبت نہ آئے گی۔ لیکن جب محرم گزر گیا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اب صلح کی مزید گفت و شنید بیکار ہو گی تو آپ نے ایک سالار کو حکم دیا کہ وہ فوج میں دوبارہ لڑائی شروع ہونے کی منادی کرا دے تاکہ تمام لوگ تیار ہو جائیں۔ تاہم آپ اس بات کے لیے تیار نہ ہوئے کہ اپنے ارادہ کا فریقِ مخالف پر اظہار کرنے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دیں۔ اس لیے آپ نے اپنے ایک آدمی کو اہلِ شام میں اس اعلان کے لیے بھیجا:

"امیر المومنینؓ تمہیں مطلع کرتے ہیں کہ انہوں نے تم کو حق کی طرف رجوع کرنے اور سرکشی سے باز آ جانے کے لیے کافی مہلت دی، تمہارے سامنے کتاب اللہ پیش کی اور تمہیں اس کی طرف بلایا۔ لیکن تم اپنی سرکشی سے

باز نہ آئے اور حق و صداقت کو قبول نہ کیا اب ہم تم سے دُو بدُو مقابلہ کریں گے؟"

جب حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت علیؓ کے ارادہ کا پتا چلا تو انہوں نے بھی اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔ لڑائی سے پہلے حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تک فریقِ مخالف کی طرف سے حملہ شروع نہ ہو تم حملہ نہ کرنا۔ اگر وہ شکست کھا جائے تو کسی بھاگتے ہوئے کو قتل نہ کرنا، کسی زخمی کو نہ مارنا، کسی مُردہ کا مثلہ نہ کرنا۔ جب تم ان لوگوں کے خیموں کے پاس پہنچو تو کسی عورت کی بے پردگی نہ کرنا، گھروں میں داخل نہ ہونا، کسی کا مال نہ لُوٹنا۔ عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھانا خواہ وہ تمہاری بے عزتی کر رہی ہوں اور تمہارے امرا اور بزرگوں کو گالیاں دے رہی ہوں۔ کیونکہ وہ کمزور جانوں میں شمار ہوتی ہیں۔"

شروع میں جزوی مقابلے ہوتے رہے۔ طرفین کی جانب سے فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے کے مقابلہ کے لیے میدانِ جنگ میں آ جاتے اور آپس میں مقابلہ شروع ہو تا۔ رات ہونے پر یہ دستے اپنے اپنے کیمپوں میں واپس چلے جاتے۔ ان مقابلوں میں قتل ہونے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ رات کو جب سپاہی ہتھیار اتارتے تو اکثر اوقات ایک دوسرے کے خیموں میں بھی چلے جاتے اور آپس میں بھائیوں کی طرح پیار محبت کی باتیں کرتے۔ دُوسرے دن پھر ایک دوسرے کے مقابلہ میں میدان میں نکل آتے۔ ایک ہفتہ تک لڑائی اسی ڈھنگ پر جاری رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر حضرت علیؓ نے پُورے لشکر کے ساتھ عام حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ۸ صفر ۳۷ھ کی رات کو آپ نے اپنی فوج میں ایک پُرجوش خُطبہ دیا اور اسے جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔

اگلے روز دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں نے جدید اصولوں کے مطابق اپنے اپنے لشکر کو مرتب کیا تھا۔ سب سے پہلے امیرالمومنین حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کے دائیں بازو کو آگے بڑھایا جس نے حضرت معاویہؓ کے لشکر کے بائیں بازو پر حملہ کر دیا۔ اس حصّۂ لشکر کے سالار عرب کے مشہور بہادر عبداللہؓ بن بدیل تھے۔ یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر کے پاؤں ڈگمگانے لگے اور اسے قلب کے سپاہیوں سے مدد لینی پڑی۔ اب حضرت معاویہؓ کے میسرہ کا پلہ بھاری ہو گیا اور انہوں نے حضرت علیؓ کے میمنہ پر جوابی حملہ کر کے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ صرف میمنہ کا سالار اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ ثابت قدم رہا اور جی توڑ کر لڑتا رہا۔ جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ ان کا میمنہ غیر متوقع طور پر پیچھے ہٹ گیا ہے تو وہ قلب کو ساتھ لے کر حضرت معاویہؓ کے میسرہ کے عین مقابل آ گئے لیکن قلب بھی اس حملہ کو نہ روک سکا۔ جب میسرہ نے یہ حالت دیکھی تو اس کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے آگے بڑھ کر حضرت معاویہؓ کے میسرہ کے حملہ کو روکنا شروع کیا۔ حضرت علیؓ بھی ان کے ساتھ تھے اور بنفسِ نفیس لڑائی میں حصّہ لے رہے تھے۔

اس وقت حضرت علیؓ اشتر نخعی کے پاس سے گزرے اور فرمایا:

"اہلِ میمنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تم موت سے بچ کر کہاں تک بھاگو گے؟"

اشتر نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ پیچھے ہٹنے والی فوج کے پاس پہنچا اور اپنی طلاقتِ لسانی کی وجہ سے ان کے دلوں میں نیا جوش

... وہ لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ انہیں لے کر وہ میدانِ جنگ میں پہنچا اور بڑی شدت کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی فوج پر حملہ کیا۔ معاویہؓ کے سپاہی اشتر کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ آہستہ آہستہ اشتر حضرت معاویہؓ کے خیمے کے قریب تک پہنچ گیا۔ معاویہؓ کے سپاہیوں نے جرأت سے کام لیا اور ایک مرتبہ پھر انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اسی روز حضرت عمارؓ بن یاسر شہید ہوئے۔

رات آ چکی تھی اور دونوں لشکر میدان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے۔ کوئی لشکر دوسرے لشکر پر قابو نہ پا سکا اور کسی کو کسی پر فتح حاصل نہ ہوئی۔ رات کو بھی یہ لڑائی بند نہ ہوئی۔ ہر فریق فتح و ظفر کی امید رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ لڑائی کو جاری رکھ کر وہ جلد از جلد فتح حاصل کرے۔ یہ رات اپنی شدت میں قادسیہ کی "لیلۃ الہریر" سے مشابہ تھی۔ اس رات طرفین کے کثیر آدمی قتل ہوئے۔

مورخین اس ہولناک رات اور اس کے بعد آنے والی صبح کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اس لڑائی میں دونوں فریقوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے آدمیوں کی حالت نہایت پتلی تھی۔ انہوں نے پہلے تیروں اور پتھروں سے کام لیا۔ جب وہ ختم ہو گئے تو نیزے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے۔ جب وہ بھی ٹوٹ گئے تو تلواریں نکال لیں۔ اس وقت میدانِ جنگ میں سوائے تلواروں کی کھٹا کھٹ کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ اشتر کبھی میمنہ والوں کے پاس جاتا اور کبھی میسرہ والوں کے پاس اور اپنی جوشیلی تقریروں سے ان کی ہمت بڑھاتا تھا۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ لیکن لڑائی اسی طرح جاری رہی۔ حضرت علیؓ کی فوج کے حوصلے خوب بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے حضرت معاویہؓ کی فوج کی صفوں کی صفیں تتر بتر کر دیں۔ حضرت علیؓ بھی برابر میدان میں ڈٹے ہوئے تھے اور اپنے سپاہیوں کو جوش دلا رہے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس وقت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا:

"ابن العاصؓ! کوئی تدبیر بتاؤ ہم تو ہلاک ہو گئے۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"تمہارے آدمی حضرت علیؓ کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ صرف ایک تدبیر سے ان کا حملہ رک سکتا ہے اور وہ یہ کہ تم ان کو کتاب اللہ کی طرف بلاؤ کہ وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے۔ اس طرح ردّ و قبول دونوں صورتوں میں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے گا۔"

مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ جنگِ صفین کے آخری دن حضرت علیؓ نے اپنی تلوار سے پانچسو آدمی قتل کیے۔ جب کبھی وہ دشمن پر حملہ کر کے واپس آتے تھے تو ان کی تلوار مڑی ہوتی تھی۔ وہ اسے اپنے آدمیوں کو دیتے جو اسے سیدھا کرتے اور پھر آپ وہ تلوار ان سے لے کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے۔

جب لڑائی نے انتہائی شدت اختیار کر لی اور حضرت معاویہؓ کی فوجوں کی صفیں تتر بتر ہو گئیں تو حضرت معاویہؓ نے اپنے آدمیوں کو فوج کے آگے بھیجا جو نیزوں کے سروں پر قرآن مجید اٹھائے ہُوئے تھے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوجوں کے سامنے قرآن مجید پیش کرنے کا فیصلہ رات ہی کو ہو چکا تھا۔ کیونکہ جب صبح ہوئی تو حضرت معاویہؓ کے آدمی قرآن مجید اٹھائے ہوئے تھے اور پکار رہے تھے :

" اے اہلِ عراق ! اگر تم ہمیں قتل کر دو گے تو ہمارے بال بچّوں کا کیا بنے گا اور اگر ہم تمہیں قتل کر دیں گے تو تمہارے بال بچّوں کا کیا بنے گا ؟ اس لیے لڑائی سے باز آجاؤ۔"

دمشق کے مصحفِ اعظم کو دس آدمی نیزوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور وُہ پکار رہے تھے :

" کتاب اللہ کے فیصلہ کو اپنے اور ہمارے درمیان قبول کرو۔"

ابو الاعور السلمی ایک سفید خچر پر سوار تھا اور اپنے سر پر قرآن مجید اٹھائے ہوئے پکار پکار کر کہہ رہا تھا :

" اے اہلِ عراق ! یہ خدائے عزّ و جل کی کتاب ہے۔ اپنے اور ہمارے درمیان اس کے فیصلہ کو منظور کرو۔ اگر اہلِ شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور اگر اہلِ عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کس طرح ممکن ہوگی ؟"

حضرت علیؓ نے جنگ بند کرنے میں توقف کیا۔ آپ کو پتا تھا کہ یہ چال ہے جو دشمن نے اپنی شکست کو قریب آتے دیکھ کر ہمیں دھوکہ دینے کے لیے چلی ہے۔ لیکن اس سوال پر حضرت علیؓ کی فوج میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض لوگ جن میں اشتر بھی شامل تھا یہ کہتے تھے کہ ہمیں مقابلہ جاری رکھنا چاہیے اور جب تک ہم دشمن پر فتح نہ پالیں میدان چھوڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن اشعث بن قیس تحکیم قبول کرنے کے حق میں تھا، جس نے دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کے لیے فوج کے ایک دستہ کی قیادت کی تھی اور فتح پائی تھی، وہ کہنے لگا ،

" امیر المومنینؓ ! آج ہم آپ سے وُہ بات کہتے ہیں جو کل معاویہؓ سے کہتے تھے۔ اہلِ شام آپ کو کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ ان کی اس بات کو قبول کریں۔ اب لوگ لڑائی سے اکتا چکے ہیں اور مزید لڑائی جاری نہیں رکھ سکتے۔"

حضرت علیؓ نے کہا :

" اس معاملہ میں خوب غور و فکر کی ضرورت ہے۔"

لیکن ہر طرف سے تحکیم قبول کرنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا :

" میں قرآن مجید کا فیصلہ سب سے پہلے قبول کرنے کے لیے تیار ہُوں۔ لیکن معاویہؓ، عمروؓ بن العاص، ابن ابی معیط اور ابنِ ابی سرح نہ دین کا علم رکھتے ہیں نہ قرآن کا۔ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہُوں۔ لڑکوں میں یہ سب سے بُرے لڑکے تھے اور جوانوں میں بدترین جوان۔ یہ لوگ جو بات کہتے ہیں وہ تو سچ ہے۔ لیکن اس سے ان کی مراد جھوٹ ہے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ دھوکا اور مکر و فریب ہے۔ تُم تھوڑی دیر اور میدانِ جنگ میں ٹھہرو۔ فتح بہت قریب ہے اور ظالموں کی جڑ کٹنے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے۔

اس پر آپ کی فوج کے بیس ہزار آدمی زرہ بکتر پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ کے پاس آئے ان کی پیشانیاں سجدوں کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھیں۔ ان لوگوں میں پیش پیش مسعر بن فدکی اور زید بن حصین تھے جو بعد میں خارجی ہو گئے تھے۔ انہوں نے آپ کو امیرالمومنین کہنے کے بجائے آپ کے نام سے پکارا اور کہا:

"اے علیؓ! آپ کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف آئیے جبکہ آپ کو اس کی طرف بلایا جا رہا ہے اور لڑائی بند کرنے کا حکم دیجئے ورنہ ہم آپ کو بھی اسی طرح قتل کر دیں گے جس طرح ہم نے عثمانؓ بن عفان کو قتل کیا تھا۔"

اس کے بعد انہوں نے مطالبہ کیا کہ اشتر کو، جو حضرت معاویہؓ کی فوجوں سے لڑ رہا تھا اور اہلِ شام پر تقریباً غالب آچکا تھا واپس بلا لیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی اشتر کو بلانے بھیجا۔ اشتر نے اس سے کہا:

"اس وقت مجھے یہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ہے۔ امید ہے کہ میں تھوڑی دیر میں فتح حاصل کر لوں گا۔ اس لئے جلدی نہ کرو۔"

اس آدمی نے واپس آکر حضرت علیؓ کو اشتر کا یہ پیغام سُنا دیا۔ اس پر زبردست شور و غل برپا ہوا اور لوگ حضرت علیؓ سے کہنے لگے:

"یا تو اشتر کو واپس بلائیے ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے۔"

حضرت علیؓ نے اسی آدمی سے کہا:

"اشتر سے کہو کہ فوراً آجائے کیونکہ خود اپنی جماعت میں فتنہ پھوٹ پڑا ہے۔"

چنانچہ اشتر بادلِ ناخواستہ واپس آگیا۔

حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو حضرت معاویہؓ کے پاس یہ معلوم کرنے بھیجا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ جب اشعث ان کے پاس پہنچا تو معاویہؓ نے اس سے کہا:

"آؤ ہم اور تم اس فیصلہ کی طرف رجوع کریں جس کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے۔ ایک آدمی تم اپنی طرف سے مقرر کرو اور ایک آدمی ہم اپنی طرف سے مقرر کرتے ہیں اور پھر ان سے عہد لیں کہ وہ کتاب اللہ سے باہر نہ جائیں گے۔ پھر قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ دونوں ہمارے نزاع کا فیصلہ جس صورت سے کریں اسے ہم قبول کر لیں۔"

اشعث نے اس تجویز پر صاد کر دیا اور حضرت علیؓ کے پاس واپس آکر معاویہؓ کی تجویز سے آپ کو مطلع کر دیا۔ لوگوں نے کہا:

"ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے اپنی طرف سے عمروؓ بن العاص کو حَکَم تجویز کیا۔ اشعث اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ہماری طرف سے ابوموسیٰؓ اشعری حَکَم ہونے چاہئیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تم نے میری پہلی بات بھی نہیں مانی۔ اس امر میں میری رائے کے خلاف نہ چلو۔ مجھے ابو موسیٰ اشعریؓ پر اعتماد نہیں ہے۔" لیکن لوگوں نے ابو موسیٰؓ ہی کو حکم بنانے پر اصرار کیا جس پر مجبوراً حضرت علیؓ کو ان کی بات ماننی پڑی۔[1]

(۱۸)

صفین کے اسرار

تحکیم پر راضی ہونے کے بعد دونوں فریق اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے۔ اہلِ شام کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ کیونکہ وہ ایک زبردست شکست سے بال بال بچے تھے۔ اِدھر اہلِ عراق انتہائی پژمردہ تھے۔ انہیں ایک عظیم فتح حاصل ہونیوالی تھی لیکن یکایک پانسہ پلٹ گیا اور اہلِ شام کی چالاکی سے انہیں مات کھانی پڑی۔ ان میں باہمی اختلاف پیدا ہوگیا تھا اور ان میں سے ہر ایک دُوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور اسے موردِ الزام قرار دے رہا تھا۔

زمانۂ حاضر کا مؤرخ یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے حضرت علیؓ کی فوج کو اتنا زبردست صدمہ اٹھانا پڑا۔ اسے ان ظاہری اسباب سے اطمینان نہیں ہوسکتا جو قدیم مؤرخین نے اپنی تالیفات میں اس اختلاف کے سلسلہ میں بیان کئے ہیں۔

ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس فتنہ کا کیا سبب تھا جو بغیر کسی سان گمان کے دفعتہً پھُوٹ پڑا۔ جس نے حضرت علیؓ کے تمام لشکر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جس کے پھیلانے والے حضرت علیؓ کو دھمکیاں دینے لگے کہ اگر انہوں نے دشمن کا کہا مان کر جنگ بند نہ کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کی نازل کردہ کتاب کا فیصلہ قبول نہ کیا تو وہ ان سے ویسا ہی سلوک کریں گے جیسا وہ قبل ازیں حضرت عثمانؓ سے کر چکے ہیں۔

ان واقعات کی چھان بین کرنے سے جو جنگِ صفین کے درمیان پیش آئے، پتا چلتا ہے کہ یہ فتنہ خود بخود نہیں پھُوٹ پڑا بلکہ اس کے لیے پہلے سے زمین ہموار کی گئی اور اس کے تار ہلانے والے پس پردہ موجود تھے۔ ہمارا یقین ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کامیابی حاصل کرنے اور اپنی اغراض کی تکمیل کے لیے اثناءِ جنگ میں کئی حیلوں سے کام لیا اور جو چاہتے تھے وہ حاصل کر لیا۔ یہ امر یقینی ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں کئی لوگ ایسے تھے جو حضرت معاویہ کی طرف سے کام کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بلند کر کے لڑائی بند کرانے کی تدبیر کامیاب ہوگئی۔ یہ محض خیال نہیں بلکہ امرِ واقعہ ہے۔ کیونکہ لڑائی کے اثنا میں بار بار ایسی آوازیں آتی تھیں لیکن چُونکہ ابھی تک پوری طرح سازش برُوئے کار نہیں لائی گئی تھی اس لیے ان ابتدائی تدبیروں کا پوری طرح اثر نہیں ہوا۔

---

[1] صفین کا معرکہ دس دن تک جاری رہا۔ لیکن شدت کی لڑائی آخری تین روز یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ صفر ۳۷ھ کو ہوئی جبکہ دونوں لشکر کامل تین روز تک برابر لڑتے رہے۔

...لڑائی کے دوران میں ازد کا ایک بوڑھا شخص اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کا، جو حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے، ماتم کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا:

"خدا کی قسم! ہم اپنے ہاتھوں کو خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہے ہیں اور اپنے بازوؤں کو خود اپنی تلواروں سے قطع کر رہے ہیں۔"

لیکن یہ آواز کمزور اور دھیمی تھی اس لیے زیادہ لوگوں نے اُسے نہ سُنا اور یہ دلوں پر زیادہ اثر نہ ڈال سکی۔

ربیعہ کا سردار بھی حضرت معاویہؓ سے ملا ہوا تھا۔ جنگ کے دوران میں ربیعہ کے لوگوں نے بزدلی دکھائی اور ان کا سردار بھی ان کے ساتھ پسپا ہو کر بھاگ نکلا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کے دُوسرے ساتھی جوش و خروش سے لڑ رہے ہیں اور دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں تو واپس ہوا اور بھاگنے کی توجیہ یہ بیان کی کہ میں تو پسپا شدہ فوج کو واپس لانے کے لیے گیا تھا۔

ان حالات میں ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ ایسا تھا جو لڑنا نہیں چاہتا تھا اور جسے فتح کی بالکل پروا نہ تھی۔ حضرت معاویہؓ کو یہ حال معلوم تھا اور آپ ان کی پشت پناہی کر رہے تھے اور کوئی عجب نہیں کہ حضرت علیؓ سے ان کو برگشتہ کرنے کے لیے آپ اپنے آدمیوں کو ان کے پاس بھیج کر مال و زر کی طمع بھی دلاتے ہوں۔

چونکہ حضرت علیؓ کی شخصیت ایسے حیلے بہانوں سے بالاتر تھی اور آپ کو اپنے حق و صداقت پر ہونے کا پُورا یقین تھا اس لیے آپ نے اپنے لشکر میں پیدا شدہ اس اختلاف کی طرف کوئی توجہ نہ دی آپ کے لشکر کے بعض سرداروں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ لیکن آپ نے اس طرف بھی اپنی توجہ مبذول نہ کی اور ان کے جھگڑوں کو طے کرنے کی کوئی کوشش نہ فرمائی۔

لشکر کے دو قائدین کی آپس میں مخالفت اور مناقشت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ صفین میں حضرت علیؓ کے لشکر کی فتح عین آخری وقت شکست سے بدل گئی، جس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کے مؤقف کو سخت نقصان پہنچا۔ یہ دو قائد اشعث بن قیس اور اشتر نخعی تھے۔

اشعث بن قیس حضرت عثمانؓ کے عہد میں آذربائیجان کا عامل تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے اسے اسی جگہ پر قائم رکھا اور دیگر عمال کی طرح اسے برطرف نہیں کیا۔ اشتر جو عراق کا مشہور اور با اثر رئیس تھا، عراق میں حضرت عثمانؓ کے مقرر کیے ہوئے عمال کے سخت خلاف تھا۔ اس نے ان کے خلاف ایک زبردست بغاوت کے بیج بوئے جس سے ان عاملوں کے لیے کام کرنا مشکل ہو گیا۔ جن لوگوں نے مدینہ آ کر حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی اور آپ کا محاصرہ کیا تھا، اشتر ان کے سرغنوں میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اشتر کا اثر و رسوخ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اسی نے حضرت علیؓ کو خلافت قبول کرنے پر تیار کیا۔ خلافت کے بعد جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو کر بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دئے۔ وہ فوج کے بڑے بڑے سالاروں میں سے ایک تھا اور اپنی رائے کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جب حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو اپنی فوج کا ایک سالار مقرر کیا تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ حضرت عثمانؓ کا ایک عامل ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں اس کی طرف سے بغض بھرا ہوا تھا۔

جب حضرت علیؓ عراق سے آ کر صفین کے میدان میں مقیم ہوئے تو یہ اشعث ہی تھا جس نے شامیوں کو دریائے فرات سے ہٹا کر ان کے منصوبوں کو، جن کے ذریعہ وہ حضرت علیؓ کی فوج کو پیاسا مار دینا چاہتے تھے، خاک میں ملا دیا تھا۔ یوم الہریر کی

... یہ فتح کا فخر صرف اشعث کے حصہ میں آتا ہے۔ اس کے بعد ہر شخص یہ امید کرنے میں حق بجانب تھا کہ جنگِ صفین کے دوران بھی اشعث اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھاتا اور سب سے پہلی صف میں شامل ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دس روز تک لڑائی رہی لیکن اشعث نے اس دوران میں ایک بھی قابلِ فخر کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ البتہ اشتر اپنی بہادری کے جوہر نمایاں طور پر دکھاتا رہا اور فتح و نصرت بھی ہر جگہ اس کے قدم چُومتی رہی۔

آخر اشعث بن قیس ان دس ایام میں کہاں تھا؟ آخر کیوں اس نے اس دوران میں وُہ بہادری، جرأت اور ہمت نہیں دکھائی جو 'یوم النہر' کے موقع پر دکھائی تھی؟ یہ سوالات ہیں جو ہر شخص کے دل میں قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔

اس سوال کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں؛

ایک یہ کہ اشعث نے اشتر سے ناراضگی، بغض و عداوت اور حسد کی وجہ سے جنگ میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔

دوسرے یہ کہ وُہ درپردہ معاویہؓ سے مل گیا اور معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی مدد ترک کرنے کے بدلہ میں اسے مال و منال اور سیم و جواہر سے نوازنے کا وعدہ کر لیا۔

شعبی صعصعہ سے روایت کرتا ہے[1] کہ جس رات حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی فوجوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا اور "لیلۃ الہریر" کی یاد تازہ ہو گئی۔ اس رات اشعث کے منہ سے چند الفاظ ایسے نکلے جو حضرت معاویہؓ تک بھی پہنچ گئے۔ معاویہؓ نے ایسے وقت میں ان الفاظ کو بہت غنیمت جانا اور فوراً ان کے ذہن نے ان کو ایک تجویز سُجھا دی۔ وہ الفاظ کیا تھے؟ اشعث اس رات قبیلہ کندہ کے سامنے کھڑے ہُوئے اور حمد و ثنا کے بعد یہ تقریر کی:

"اے مسلمانو! تم نے دیکھا آج کے دن تم پر کیا گزری اور عربوں کی کس قدر کثیر تعداد میدانِ جنگ میں ماری گئی۔ میں بوڑھا ہو گیا ہُوں مگر خدا کی قسم میں نے جس قدر ہولناک نظارہ آج کے دن دیکھا ہے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ دیکھو جو شخص میری بات سُن رہا ہے وُہ دوسرے شخص کو پہنچا دے کہ ہمیں یہ تہیہ کر لینا چاہیے کہ ہم کل نہیں لڑیں گے کیونکہ عرب کثرت سے مارے جا رہے ہیں اور ناحق مسلمانوں کا خُون ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم! میں یہ باتیں جنگ سے ڈر کر یا بزدلی سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں پر ترس آ رہا ہے۔ اگر کل ہم مارے گئے تو ان غریبوں کا کیا حال ہو گا؟"

حضرت معاویہؓ کے جاسُوسوں نے اشعث کی یہ تقریر انہیں پہنچا دی۔ اُنہوں نے کہا:

"اشعث نے ٹھیک کہا ہے۔"

اُس کے بعد انھوں نے مصاحف کو نیزوں سے باندھنے کا حکم دیا اور اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا کہ کل جب لڑائی شروع ہو تو نیزوں سے لٹکے ہوئے یہ مصحف حضرت علیؓ کی فوج کو دکھانا اور ان سے کہنا کہ:

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ج ۱ ص ۱۸۵

اگر ہم میدانِ جنگ میں مارے گئے تو رومی شام پر چڑھ آئیں گے اور ہماری عورتوں کی عزتیں برباد کر دیں گے اور اگر ہم مارے گئے تو ایرانی عراق پر چڑھ آئیں گے اور تمہاری عورتوں کی ناموس لُوٹ لیں گے۔ اس لیے غور و فکر سے کام لو اور لڑائی بند کر دو۔"

ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے اور وُہ یہ کہ اشعث ان لوگوں میں پیش پیش تھا جو جنگ بند کرانا اور تحکیم قبول کرنا چاہتے تھے، حالانکہ اسے اچھی طرح پتا تھا کہ اشتر نے اہلِ شام کی صفوں کی صفیں اُلٹ دی ہیں اور شامیوں کی شکست اب چند لمحوں کی بات ہے۔ لیکن یہ معلوم ہونے کے باوجود اس نے حضرت علیؓ پر دباؤ ڈالا کہ اشتر کو فوراً واپس بُلایا جائے جس پر حضرت علیؓ کو مجبوراً اشتر کو جنگ بند کرکے واپس آنے کا حکم دینا پڑا اور اشتر کو بھی با دلِ ناخواستہ اپنی طبیعت پر سخت جبر کرکے واپس آنا پڑا۔ واپس آکر جب اسے اشعث کی کارستانی کا پتا چلا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی مگر اب کر کیا سکتا تھا؟

صرف یہی نہیں بلکہ جب حَکم بنانے کا سوال پیش ہوا تو اشعث نے اہلِ عراق کی طرف سے ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کر دیا۔ حضرت علیؓ نے چاہا کہ عبداللہؓ بن عباسؓ کو حَکم مقرر کیا جائے۔ لیکن اشعث اور اس کی جماعت نے حضرت علیؓ کی ایک نہ سُنی اور کہا:

"ہم ابوموسیٰ کے سوا اور کسی شخص پر راضی نہیں ہوں گے۔"

حضرت علیؓ کی دلیل یہ تھی کہ ابوموسیٰؓ قابلِ اعتماد شخص نہیں ہیں اور وہ ہماری طرف سے جنگ میں بھی شامل نہیں ہوئے۔

لیکن اشعث برابر اپنے انکار پر قائم رہا۔ آخر حضرت علیؓ نے کہا:

"اگر تم ابنِ عباسؓ کو حکم بنانا نہیں چاہتے تو اشتر کو بنا لو۔"

اس پر اشعث کو بہت جوش آیا اور کہنے لگا:

"یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ ہم تو اشتر کے حکم کے نیچے ہی دبے ہوئے ہیں۔"

حضرت علیؓ نے کہا:

"اشتر کا کیا حکم ہے؟"

اشعث نے کہا:

"یہی کہ ہم ایک دُوسرے کی گردن ماریں اور ہو وہی جو آپ چاہیں اور وُہ چاہے۔"

ظاہر ہے کہ جنگ کے پہلے دن اشعث کی یہ حالت نہ تھی۔ وہ کیا چیز تھی جس نے اسے دس دن کے اندر اندر بالکل بدل دیا اور وہ حضرت علیؓ اور اشتر کا زبردست مخالف بن گیا؟ حضرت علیؓ کی اس نے ایک نہ سُنی اور اپنی من مانی کی اور اشتر کے ساتھ ایسا رویّہ اختیار کیا جیسے وُہ اس کا زبردست دشمن ہو۔

بہت ممکن ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اسے اس دوران میں ترغیب و تحریص سے اپنی طرف ملا لیا ہو اور حضرت معاویہؓ کی

عقلمندی اور حضرت عمروؓ بن العاص کے تدبر سے یہ بات کوئی بعید نہیں۔ کیونکہ متقدمین و متاخرین مورخ متفق ہیں کہ تمام عرب میں کوئی شخص سیاست، عقلمندی، بُعدِ نظر، حُسنِ بصیرت اور ذکاوت میں ان دونوں سے بڑھ کر نہیں تھا۔

اس طرح اشعث اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور یہ کامیابی اہلِ شام کی فتح اور اہلِ عراق کی شکست تھی۔

(۱۹)

عہد نامہ تحکیم کی تکمیل

حضرت علیؓ نے تحکیم قبول اور لڑائی بند کرکے بہت زبردست غلطی کی۔ اس سلسلہ میں آپ کا عذر یہ تھا کہ آپ نے انتہائی لاچاری اور مجبوری کی حالت میں ایسا کیا۔ کیونکہ آپ کے اکثر مددگاروں نے لڑائی سے ہاتھ اٹھا لیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر تحکیم قبول نہ کی گئی تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ مضبوطی سے اپنے فیصلہ پر قائم رہتے اور لڑائی جاری رکھتے تو اشعث بن قیس اور اس کی جماعت کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ باغیانہ روش اختیار کرکے آپ کے احکام سے سرتابی کرسکتے۔

تاہم آپ کا یہ عذر کسی حد تک تو قابلِ قبول ہوسکتا ہے لیکن یہ عذر قطعاً قابلِ قبول نہیں ہوسکتا کہ جب عہد نامۂ تحکیم لکھا جانے لگا تو آپ نے اس میں سے امیر المومنینؓ کا لقب حذف کرنا منظور کرلیا۔ آپ کی بیعت شرعی لحاظ سے بالکل ٹھیک تھی۔ اس کے ٹھیک ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا۔ اس حالت میں عہد نامہ سے امیر المومنینؓ کا لفظ حذف کر دینا ایک زبردست سیاسی غلطی تھی جس کا اثر بہت دُور دُور تک پہنچا۔[1]

جب عہد نامۂ تحکیم لکھا جانے لگا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے اس بات پر اصرار کیا کہ عہد نامہ میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین کا لقب نہ لکھا جائے۔ حضرت علیؓ نے اس پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ احنف نے یہ مشورہ دیا کہ وہ امیر المومنین کا لقب ہرگز حذف نہ کریں کیونکہ آگے چل کر اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے۔ لیکن اشعث بن قیس نے اصرار کیا کہ

---

[1] مؤلف کتاب ہذا کا یہ خیال ٹھیک نہیں۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مسلمانوں اور کفار کے مابین معاہدہ لکھا جانے لگا اور کاتب نے جو اتفاقاً حضرت علیؓ ہی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک محمد کے ساتھ رسول اللہ لکھا تو کفار نے رسول اللہ کا لفظ حذف کرنے پر اصرار کیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو لڑائیاں کیوں ہوتیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی اور خود اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کر سکتے تھے تو حضرت علیؓ کے لیے ایسا کرنے میں کیا روک تھی؟ آپ کا مدِمقابل فریق بھی یہی کہتا تھا کہ اگر ہم حضرت علیؓ کو امیر المومنین مانتے تو یہ لڑائیاں ہی کیوں ہوتیں۔ حضرت علیؓ نے بھی اس کی بات مانتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ حذف کرنا منظور کر لیا اور آپ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ (مترجم)

امیر المؤمنین کا لقب ضرور حذف کیا جائے۔ آخر بڑے تردد کے بعد حضرت علیؓ نے اس کی بات مان لی اور صلح نامہ لکھا گیا جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

عہد نامہ تحکیم

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علیؓ بن ابی طالب نے اہلِ کوفہ اور ان کے ساتھیوں اور معاویہؓ بن ابی سفیان نے اہلِ شام اور ان کے حامیوں کی طرف سے اتفاق کیا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ ہم دونوں فریق خدا اور اس کے کلام کے فیصلہ کو منظور کریں گے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان فیصلہ کن ہو گی۔ وہ جس بات کا حکم دے گی ہم اس کی تعمیل کریں گے اور جس بات سے منع کرے گی اس سے رک جائیں گے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن قیس اور عمروؓ بن العاص حکم مقرر کیے گئے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ جامعہ کی طرف جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو گا رجوع کریں گے۔

علیؓ اور معاویہؓ کی طرف سے دونوں حکموں کو ان کی جان و مال کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جاتا ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ ان کے فیصلہ کو نافذ کرنے میں اُمت ان کی مدد گار ہو گی۔ انہیں فیصلہ کرنے کے لیے رمضان تک مہلت دی جاتی ہے۔ وہ اپنے فیصلہ کا اعلان کسی ایسے مقام پر کریں گے جو عراق اور شام کے وسط میں ہو۔ تا فیصلہ جنگ بند رہے گی۔ فریقین آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں گے آ جا سکیں گے۔ اگر مزید مدّت کی ضرورت ہو تو حکم باہمی فیصلہ سے تاخیر بھی کر سکتے ہیں ان کو جس کسی کی شہادت کی ضرورت ہو گی وہ ان کے طلب کرنے پر حاضر کر دیا جائے گا اور شہادتیں قلمبند کی جائیں گی۔ جو متفقہ فیصلہ ہو گا اس پر فریقین کو عمل کرنا ہو گا۔ اگر حکم یہ چاہیں گے کہ ان کے فیصلہ کے وقت مجمع عام نہ ہو تو وہ صرف خاص اشخاص کو اس موقع کے لیے طلب کریں گے۔ اگر فیصلہ سے قبل کسی حکم کی وفات ہو جائے تو اس کی بجائے اس کا فریق دوسرے شخص کو منتخب کر کے بھیج دے گا۔"

یہ عہد نامہ ۱۵ صفر ۳۷ھ کو اور طبری کے بیان کے مطابق ۱۳ صفر کو لکھا گیا اور اس پر فریقین کے دستخط ثبت کیے گئے۔ یہ عہد نامہ مکمل نہ تھا کیونکہ نہ اس میں فیصلہ کی مقررہ حدود بیان کی گئی تھیں اور نہ کھلے الفاظ میں کوئی ایسا طریقہ کار بتایا گیا تھا جس سے حکمین کو فیصلہ کرنے میں مدد ملتی۔ عہد نامہ میں اس امر کی صراحت بھی نہیں تھی کہ اگر دونوں حکم یا ایک حکم کتاب اللہ اور سنت نبوی کے فیصلوں کو ترک کر دے یا ان دونوں کے درمیان باہمی اختلاف رونما ہو جائے تو کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ مزید برآں جس امر پر کتاب اللہ کا فیصلہ معلوم کرنا مطلوب تھا اسے بھی عہد نامہ میں نہایت مبہم طور پر بیان کیا گیا تھا اور اس کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔

[illegible]

فریقین میں مصالحت کی ناکامی کے اسباب

اس صلح نامہ پر صفین کا واقعۂ ہائلہ اختتام پذیر ہوا جس میں نوے ہزار مسلمانوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ مقتولین کی یہ تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اس وقت تک کی تمام لڑائیوں کے شہداء کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔ اگر خدانخواستہ لڑائی اور طول کھینچتی تو مسلمانوں کی طاقت بالکل ہی ختم ہو جاتی اور تمام مفتوحہ ممالک ان کے ہاتھ سے نکل جاتے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ جنگ کسی دینی مقصد کے پیشِ نظر نہیں لڑی گئی تھی بلکہ اس کا مدعا ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر فتح پانا اور اسے زیر کرنا تھا۔ حضرت علیؓ کے مددگار آپ کی حمایت اس لیے کرتے تھے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے اور حضرت معاویہؓ کے مددگار ان کی اس لیے مدد کرتے تھے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار اور آپ کا انتقام لینے کے مطالبہ کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو تنازعات پیدا ہوئے ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے خیالات میں کُلی تباین تھا۔ حضرت علیؓ اپنی ذاتی فضیلت، اسلام میں سبقت، قرابتِ رسول کی وجہ سے اپنے آپ کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے ——— حضرت معاویہؓ کو وہ بہت ہی حقیر اور طلیق[1] بن طلیق سمجھتے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی اور بار بار آپ کے مقابلہ کے لیے آئے۔ فتح مکہ کے بعد جب کوئی اور چارہ کار نہ دیکھا تو مجبوراً دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس حالت میں یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ ان کے مطالبہ کی بنا پر خلافت سے دستبردار ہو جاتے۔

جب آپ حضرت معاویہؓ کے متعلق کوئی بات بیان کرتے یا ان کو کوئی مراسلہ لکھتے تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کے دل میں معاویہؓ کی حقارت اور اپنی بزرگی کا احساس ہے۔ جب معاویہؓ کے قاصدوں سے ملاقات کرتے تو بہت سخت الفاظ میں خطاب کرتے۔ یہی حال آپ کے قاصدوں کا تھا جو معاویہؓ کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ آپ نے یہ بات نظر انداز کر دی تھی کہ معاویہؓ نے امتِ اسلامیہ کے نصف دلوں کو اپنا گرویدہ کر رکھا تھا۔ دنیا کی ساری نعمتیں انہیں میسر تھیں۔ ہر قسم کا اقتدار ان کے پاس تھا پھر جاہلیت میں بھی وہ سیاست، عزت اور شرف کے مالک تھے جو اسلام میں بھی اسی طرح باقی رہے۔

حضرت علیؓ کے بالمقابل معاویہؓ اپنے آپ کو عظمائے قریش میں سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ قریش کے سب سے بڑے اور معزز رئیس ابوسفیان کے بیٹے تھے۔ پھر ذاتی شرافت اور حسب و نسب کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے ثلاثہ کو آپ پر بے حد اعتماد تھا اور انہوں نے شام کا پورا علاقہ جو عراق کے بعد اسلامی حکومت کا سب سے بڑا صوبہ شمار ہوتا تھا ان کے حوالے کر دیا تھا۔ رومیوں کے حملوں کی روک تھام کرنے کی وجہ سے آپ کا عز و وقار بھی لوگوں کے دلوں میں بہت بڑھ گیا تھا۔

---

[1] طلیق آزاد کردہ غلام کو کہا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کے تختِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت معاویہؓ کو معلوم ہو گیا کہ علیؓ ان سے وہ سلوک نہیں کریں گے جو پہلے خلفائے ان کے ساتھ روا رکھا تھا۔ کیونکہ سب سے پہلا کام جو حضرت علیؓ نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ ان کو شام کی امارت سے معزول کر دیا تھا۔ اس لیے ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر وہ حضرت علیؓ کی خلافت قبول کر لیں اور ان کی اطاعت کا جوا اپنے گلے میں ڈال لیں تو حضرت علیؓ ان کو اس بلند مرتبے سے ہٹا دیں گے اور نہ معلوم ان کی اس اہانت کے بعد ان کا کیا حال ہو۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر انہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ایسی پیدا ہو گئیں جنہوں نے اس مخالفت کو وسیع کر دیا۔ وہ باتیں یہ تھیں ،

۱۔ حضرت علیؓ نے اپنی بیعت کے متعلق ان سے مشورہ نہیں کیا حالانکہ وہ معززینِ قریش میں سے تھے اور مملکت کے ایک بہت بڑے صوبہ کے والی، جس کے تحت مسلمانوں کی دو لاکھ فوج کام کر رہی تھی۔

۲۔ کئی صحابہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی اور اگر کی تو پھر اسے فسخ کر دیا۔

۳۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے آپ کی بیعت کی، جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش و بغاوت اور انھیں شہید کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔

۴۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والوں اور آپ کے قاتلوں کو جن سے قصاص لینا فرض تھا اپنے لشکر میں نہ صرف پناہ دے رکھی تھی بلکہ بڑے بڑے عہدے بھی دے رکھے تھے۔

ظاہر ہے کہ جو دو اشخاص ایک دوسرے کو اس نظر سے دیکھتے ہوں وہ مسلمانوں کے سروں سے اس وبال کو دور کرنے کے لئے، جو فتنۂ بابلہ سے کسی طرح کم نہ تھا، کیسے آپس میں صلح کر سکتے تھے اور کسی فیصلہ پر باہم متفق کس طرح ہو سکتے تھے۔ مزید براں دونوں طرف سے جو سفیر آتے تھے ان کی بات چیت فریقین کی باہمی صلح و صفائی کے جذبہ پر مبنی نہ ہوتی تھی حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے بیعت کا مطالبہ کرتے تھے اور اس سے کم کسی صورت میں راضی نہ ہوتے تھے۔ جو قاصد حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے تھے وہ آپ سے حقارت آمیز لہجہ میں گفتگو کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت معاویہؓ یہ مطالبہ پیش کرتے تھے کہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلین کو ان کے حوالہ کیا جائے۔ اس کے بعد شوریٰ کے ذریعہ خلافت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ان دونوں صورتوں کو حضرت علیؓ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ قاتلینِ عثمانؓ کو وہ اس لیے معاویہؓ کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے کہ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے حامی حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر دیتے اور لشکر دو حصوں میں منقسم ہو جاتا اسی طرح وہ خلافت کو چھوڑنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ آپ اپنے تئیں جائز خلیفہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ قوم نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ آپ کسی شخص کو خواہ دنیوی لحاظ سے اس کی حیثیت کتنی ہی بڑی اور دینی اعتبار سے اس کا پایہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، اس بات کا مستحق نہیں سمجھتے تھے کہ وہ آپ کی خلافت پر اعتراض کرے۔ اس صورت میں وہ معاویہؓ کو کیوں خاطر میں لاتے !

صورتِ حال کو نازک تر بنانے میں بڑا ہاتھ ان فتنہ پردازوں کا تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں

حصہ لیا تھا اور جو حضرت علیؓ کے لشکر میں کثرت سے موجود تھے۔ ان کی مصلحت اسی میں تھی کہ طرفین میں صلح نہ ہونے پائے، اس لیے وہ ہمیشہ فتنہ کی آگ بھڑکاتے رکھتے تھے۔

(۲۰)

فتنۂ خوارج

امیر المومنینؓ جب کوفہ میں داخل ہوئے تو ہر گھر سے آہ و بکا اور شور و شیون کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ کوفہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد اس جنگ میں کام نہ آگیا ہو۔ عورتیں اپنے گھروں سے باہر نکل نکل کے اپنے عزیزوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ کسی کا خاوند کام آگیا تھا کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی مارا گیا تھا، کسی کا عزیز۔

اگر اس معرکہ میں حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہو جاتی تو اس رنج و الم میں بہت حد تک کمی ہو جاتی لیکن لشکر ناکام واپس ہوا تھا اور ہر شخص یہ خیال کر رہا تھا کہ اسے دوبارہ جنگ کے لیے جانا پڑے گا۔

مستشرقین اس معرکہ کو حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کی واضح فتح خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کا واسطہ دے کر لڑائی بند کرنے کی تدبیر جو ان دونوں نے اختیار کی تھی، پوری طرح کامیاب ہو چکی تھی اور حضرت علیؓ کا لشکر اس حالت میں واپس ہوا تھا کہ اس میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا اور مختلف گروہ قائم ہو چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا لشکر گو مکمل شکست کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا لیکن اس کی صفوں میں مطلق انتشار نہ تھا۔ جب وہ واپس ہوا تو اس میں کوئی جھگڑا، کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔

حضرت علیؓ کی فوج میں اختلاف حضرت معاویہؓ تو اطمینان سے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے لیکن حضرت علیؓ کی فوج میں تفرقہ پڑ چکا تھا۔ بعض لوگوں کو خیال تھا کہ جو کچھ ہو گیا ٹھیک ہو گیا۔ لیکن ایک جماعت نے جس کے اکثر لوگ بنی تمیم میں سے تھے اس فیصلہ کی سخت مخالفت کرنی شروع کر دی۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی شخص کو کتاب اللہ کے بارہ میں حَکَم نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لیے تحکیم کا فیصلہ سراسر غلط ہے۔ امارت کے بارہ میں خدا تعالےٰ کا واضح حکم قرآن شریف میں موجود ہے۔ لیکن اگر تحکیم قبول کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ محاربین کے ہر فریق کو اس امر میں شک ہے کہ آیا وہ حق پر ہے یا نہیں۔ لیکن حضرت علیؓ کے آدمیوں کے لیے یہ شک کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ یقیناً حق و صداقت پر ہیں اور ان کا دشمن یقیناً گمراہی کے راستہ پر چل رہا ہے۔ ان لوگوں نے اپنا ایک نعرہ بھی ایجاد کر لیا، جو لا حکم الا للّٰہ تھا۔

صلح کی شرائط لکھے جانے کے بعد اشعث بن قیس مختلف قبیلوں میں اسے سنانے کے لیے مقرر کیے گئے۔ جب وہ

...نے سناتے قبیلہ بنی تمیم کے پاس پہنچے تو اس کے ایک سردار عروہ بن اُدیہ نے کھڑے ہو کر کہا :

" قرآن کے فیصلہ میں تم نے آدمیوں کو کیوں ثالث مانا ؛ ہم سوائے اللہ کے اور کسی کا حکم نہیں مانیں گے ۔"

اس کے بعد اس نے اشعث پر تلوار کا وار کیا جس سے اشعث کے گھوڑے کی پیٹھ پر معمولی زخم آیا ۔ یہ دیکھ کر اشعث کے قبیلہ والوں کو، جو یمن سے تعلق رکھتے تھے جوش آگیا اور وہ اشعث کی حمایت میں کھڑے ہو گئے ۔ بنی تمیم نے یہ دیکھ کر کہ جھگڑا بڑھ جائے گا اشعث سے معافی مانگ لی ۔ اس طرح یہ جھگڑا رفع دفع ہو گیا ۔ اس کے بعد لشکر نے کوفہ کا رُخ کیا ۔

حضرت علیؓ جس وقت اہلِ عراق کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوئے تھے، فوج کے سارے آدمی متحد اور متفق تھے لیکن جب واپس ہوئے تو ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن بنے ہوئے تھے ۔ انہوں نے راستہ بھی آرام سے طے نہ کیا بلکہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی ۔ اکثر لڑائی اور بدزبانی ہو جاتی تھی ۔ کبھی کبھی کوڑوں سے مارپیٹ تک نوبت پہنچ جاتی تھی ۔

خوارج، جو تحکیم کے سخت خلاف تھے، یہ کہتے تھے :

" اے اللہ کے دشمنو ! تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں مداہنت کی اور انسانوں کو اپنا حکم بنا لیا ۔"

اس کے جواب میں حضرت علیؓ کے حامی، جنہوں نے تحکیم قبول کر لی تھی، کہتے تھے :

" تم نے ہمارے امام کو چھوڑ دیا اور ہماری جماعت میں تفریق پیدا کی ۔"

جب حضرت علیؓ کوفہ کے قریب پہنچے اور " حروراء" کے مقام پر آئے تو بارہ ہزار خوارج نے آگے جانے سے انکار کر دیا اور وہیں ٹھہر گئے ۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہمارا امیرِ لشکر شبث بن ربعی التمیمی ہو گا (یہ وہی شخص تھا جو حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس بطور سفیر بھیجا گیا تھا، وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ درشت کلامی سے پیش آیا تھا اور اس نے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کیوں نہیں کی ۔ حالانکہ آپ مسلمانوں کے سردار اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں) اور امیرِ صلوٰۃ عبداللہ بن الکوا الیشکری ۔ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا مانا جا سکتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا فرض ہے ۔

ابنِ عباسؓ کی خوارج سے بحث

حضرت علیؓ نے عبداللہؓ بن عباسؓ کو ان کے پاس بھیجا اور انہیں نصیحت کی کہ جب تک میں نہ پہنچ جاؤں ان کو جواب دینے اور بحث مباحثہ کرنے میں جلدی نہ کرنا لیکن جب ابنِ عباسؓ ان کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ان سے بحث شروع کر دی جس پر ابنِ عباسؓ خاموش نہ رہ سکے اور کہنے لگے :

" آخر دو آدمیوں کو حَکَم مقرر کرنے میں تمہیں اعتراض کیوں ہے ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے :

وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما ۔

(اگر تمہیں میاں بیوی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم شوہر کے کنبہ میں سے اور ایک حَکَم بیوی کے کنبہ میں سے مقرر کرو ۔ اگر دونوں حَکَم چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ تعالیٰ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کرے گا)

جب میاں بیوی کے جھگڑے کو دُور کرنے کے لیے حَکَم مقرر کیے جا سکتے ہیں تو اُمتِ محمدیہ کے جھگڑوں کو دور کرنے کے لیے کیوں نہیں مقرر کیے جا سکتے؟"

خوارج نے کہا:

"جس جگہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا ہے وہاں انہیں خود فیصلہ کرنا چاہیے لیکن جہاں اس نے حکمِ قطعی بیان کر دیا ہے وہاں بندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس حکمِ قطعی کے بارہ میں غور و فکر کریں۔"

ابنِ عباسؓ نے جواب دیا: خدا تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے:

یحکم به ذوا عدل منکم۔

(احرام کی حالت میں جو شخص شکار کرے اس کا فیصلہ دو عادل آدمی کریں)

خوارج کہنے لگے:

"صید و شکار اور میاں بیوی کے جھگڑوں پر باغیوں کے معاملہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ خدا تعالیٰ نے باغیوں کے متعلق قطعی حکم دیا ہے مسلمانوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں رکھا۔ معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر بغاوت اختیار کی۔ ان کے متعلق خدا تعالیٰ کا ایک ہی حکم ہے کہ یا وہ توبہ کریں یا انہیں قتل کیا جائے۔ ہم نے ان کو کتاب اللہ کی طرف بلایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد تم نے معاہدہ کر لیا اور تم دونوں میں صلح ہو گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور اہلِ حرب کے درمیان اس وقت سے کہ آیت "براءۃ" نازل ہوئی ہے معاہدہ اور صلح کو ناجائز قرار دیا ہے، سوائے اس صورت کے کہ وہ جزیہ کا اقرار کریں۔"

حضرتِ علیؓ کا خوارج سے خطاب

یہ بحث و مباحثہ جاری ہی تھا کہ حضرت علیؓ پہنچ گئے۔ آپ نے ابنِ عباسؓ سے فرمایا:

"خاموش ہو جاؤ، کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ بحث و مباحثہ نہ کرنا!"

اس کے بعد آپ نے ان لوگوں سے پوچھا:

"تم لوگ میرے خلاف کیوں ہو گئے؟"

انہوں نے کہا:

"اس لیے کہ آپ نے یومِ صفین کے موقع پر اللہ کے حکم کو چھوڑ کر انسانوں کو حَکَم مانا۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے تحکیم قبول کرنے سے تمہیں نہیں روکا تھا لیکن تم نے میری رائے نہ مانی اور مجھے تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا۔ تاہم ہم نے دونوں ثالثوں سے یہ عہد لے لیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تو ہم اسے قبول کر لیں گے ورنہ نہیں۔"

خوارج نے کہا :

"ہمیں بتائیے کیا آپ خون کے بارے میں انسانوں کا فیصلہ قبول کرلیں گے ؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"ہم نے انسانوں کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا، قرآنِ کریم کے فیصلہ کو قبول کیا ہے۔ البتہ قرآن کے فیصلہ کا اعلان دو حکم کریں گے۔ قرآنِ کریم ایک کتاب ہے ، وہ کتاب خود نہیں بول سکتی۔"

انہوں نے کہا :

"پھر اس فیصلہ کے لیے مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"تاکہ عالم اور جاہل سب قرآنِ کریم کے حکم کو سمجھ لیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اس صلح کو مسلمانوں کے حق میں بہتر بنا دے اور لوگ صحیح راستہ پر آجائیں، اس لیے تم میری مخالفت چھوڑ دو اور ہمارے ساتھ کوفہ چلو۔"

خوارج نے کہا :

"ہم نے تحکیم قبول کرکے کفر کا ارتکاب کیا، ہم اس کے لیے خدا تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں۔ آپ بھی ہماری طرح توبہ کیجیے۔ تو ہم آپ کا حکم ماننے کو تیار ہیں ورنہ ہم آپ کے مخالف ہیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"صرف چھ ماہ کی بات ہے شہر میں چلو۔ اس دوران میں خراج کی وصولی بھی ہو جائے گی اور گھوڑے وغیرہ بھی موٹے تازے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلیں گے۔"

چنانچہ آپ انہیں سمجھا بجھا کر کوفہ لے آئے۔

تحکیم کے متعلق خوارج کا نظریہ خوارج کا نظریہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ امام برحق تھے۔ ان کی بیعت بالکل صحیح طریقہ پر کی گئی تھی اور جس نے آپ کی بیعت سے انکار کیا وہ سرکشی اور بغاوت کا مرتکب ہوا۔ ساتھ ہی ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر وہ یہ کہتے تھے کہ معاویہؓ نے امامِ عادل کے خلاف بغاوت کرکے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے ، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے جنگ کریں، قرآنِ کریم میں خاص سزا مقرر کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں جو حدود اور سزائیں مقرر کی گئی ہیں ان میں تحکیم کے کوئی معنی ہی نہیں۔ چونکہ ان کی نظروں میں معاویہؓ اور ان کے ساتھی خدا کی مقرر کردہ سزا کے مستحق تھے اس لیے ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا اور احکامِ خداوندی کے بارے میں انسانوں کو حکم بنانا خدا تعالیٰ کے دین کی تحقیر کرنے کے مترادف تھا۔ ایسا کرنا ان کی نظر میں جُرم تھا اور ایسا کرنے والا گمراہ۔ گمراہ کو چونکہ مسلمانوں کی خلافت نہیں سونپی جا سکتی ، اس لیے وہ کہتے تھے کہ حضرت علیؓ کی خلافت برقرار نہ رہی اور ان سے لڑنا واجب ہو گیا۔ اس طرح ان کی نظروں میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں برابر ہو گئے۔

خوارج کے نظریہ کا بطلان

لیکن منطقی لحاظ سے خوارج نے غلط مقدمات کو ترتیب دے کر اس سے غلط نتیجہ نکالا تھا۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ سرکشی، بغاوت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کی سزا قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ لیکن یہ امر کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھی واقعتہً باغی تھے محتاجِ ثبوت ہے۔ یہ لوگ خود حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق ہی شک میں تھے کہ آیا اس کا صحیح طور پر انعقاد ہوا ہے یا نہیں۔ اس صورت میں لوگوں کو ثالث بنانا ناجائز نہ تھا۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کے دین میں غلط اندازی کرنے کا الزام نہیں آتا اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ اشخاص کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا۔ کیونکہ حَکم بنانے کا منشا صرف اس قدر تھا کہ حکمین یہ متعین کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان پر صادق آتا ہے یا نہیں۔

اس کی مثال اس طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ اس جج سے جس کے پاس کسی چوری کا مقدمہ آتا ہے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ مبینہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں۔ بلکہ مقدمہ یہ معلوم کرنے کے لیے اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ چور نے چوری کی ہے یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہوجائے تو جج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو قانون کے مطابق سزا دے۔

خوارج کا یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ تحکیم قبول کر لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو خود اپنی امامت میں شک تھا اور ایسے مشکوک امر کو منوانے کے لیے انہوں نے ناحق مسلمانوں کی کثیر جانیں میدانِ جنگ میں ضائع کرائیں۔ کیونکہ صاحبِ حق اپنے آپ کو بہرحال حق پر سمجھتا ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس کے حق پر ہونے سے انکار کرے تو اپنا حق ثابت کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ اس کے پاس نہیں رہتا کہ اپنے مقدمہ کو عدالت میں لے جائے یا اس معاملہ کو دو ثالثوں کے سپرد کر دے۔

اس طرح اس نئے گروہ نے اپنے دعوے کی بنیاد غلط مقدمات پر رکھ کر امت کے لیے ایک اور فتنہ کا سامان مہیا کر دیا۔ جہاں پہلے مسلمانوں کے دو گروہ تھے، اب تین ہو گئے، جن میں سے ہر گروہ دوسرے کا خون بہانا ناجائز سمجھتا تھا۔ حضرت علیؓ کو اب دوہری مشکل ہوگئی۔ پہلے آپ کو صرف اہلِ شام کا مقابلہ درپیش تھا۔ اب خوارج سے نبٹنا بھی ضروری ہوگیا۔ حالانکہ یہ لوگ کل تک آپ کے ساتھی تھے اور آپ کو سید المسلمین اور بہ اعتبارِ علم و فقہ سب لوگوں سے بدتر سمجھتے تھے۔ لیکن آج یہ آپ کو برا بھلا کہنے اور آپ سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھے۔

خوارج کے عجیب وغریب نظریات

خوارج حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے کیونکہ ان کا انتخاب صحیح طریقہ پر ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت بھی، جہاں تک اس خلافت کے ابتدائی سالوں کا تعلق تھا، ان کے نزدیک صحیح تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ جب انہوں نے اپنی پہلی سیرت بدل دی اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے نقشِ قدم پر چلنا چھوڑ دیا تو ان کا معزول کرنا واجب ہوگیا۔ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے بھی منکر نہ تھے۔ لیکن یہ کہتے تھے کہ انہوں نے تحکیم قبول کر کے سخت غلطی کی جس نے ان کو (نعوذ باللہ) کفر کے درجہ تک پہنچا دیا۔ وہ اصحابِ جمل یعنی حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی برا بھلا کہتے تھے اور ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمروؓ بن العاص پر انہوں نے کفر کا فتویٰ لگا رکھا تھا۔

مختصر یہ کہ ان کی باتیں خلفاؓ اور ان کے ساتھیوں کے اعمال کی تشریح تک ہی محدود ہوتی تھیں اور ان کی بحث و تمحیص کا موضوع یہ ہوتا تھا کہ خلیفہ بننے کا مستحق کون ہے؟ کسے مومن سمجھا جائے اور کسے نہ سمجھا جائے!

خلافت کے بارہ میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلیفہ مسلمانوں کے انتخاب سے بننا چاہیے۔ جس شخص کی خلافت پر عامۃ المسلمین متفق ہو جائیں اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی صورت میں بھی تحکیم قبول نہ کرے۔ ان کے نزدیک خلیفہ کا قریش میں سے ہونا ضروری نہیں۔ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں سے بھی خلیفہ ہو سکتا ہے خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ جب کوئی شخص خلیفہ منتخب ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر اس وقت تک اس کی پوری پوری اطاعت کرنی واجب ہے جب تک وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہے۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کے جرم کا مرتکب ہو تو مسلمانوں پر اسے معزول کر دینا فرض ہو جاتا ہے۔

خوارج کے متعلق حضرت علیؓ کی نصیحت اکثر خوارج بدو عرب تھے اور وہ اپنے عقیدہ پر نہایت خلوص سے قائم تھے اپنے عقیدہ کی حفاظت کے لیے انہوں نے لڑائی سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان کے عقیدہ کا خلوص ہی تھا، جس کی بنا پر بہت سے لوگوں نے ان سے نرمی اور محبت کا سلوک کیا۔ حضرت علیؓ اگرچہ اپنے عہد میں ان سے لڑے اور ان کی طاقت کو پاش پاش کر دیا تاہم آخری عمر میں آپ نے ان کے متعلق فرمایا:

"میرے بعد خوارج سے نہ لڑنا کیونکہ وہ شخص جو حق و صداقت کے حصول کے لیے کوشش کرتا ہے لیکن اسے نہیں پا سکتا، اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو باطل کے حصول کے لیے کوشش کرتا ہے اور اسے پا لیتا ہے۔"

آپ کا یہ مطلب تھا کہ خوارج نے حصولِ حق کے لیے کوشش کی اور اپنے عقیدہ کو محفوظ رکھنے کے لیے ہم سے لڑے، گو وہ اپنے اس طریقِ کار میں غلطی پر تھے۔ لیکن معاویہؓ نے کبھی حق کو طلب کرنے کی خواہش نہیں کی بلکہ ان کا مقصود باطل کو طلب کرنا تھا۔ وہ باطل کی حمایت میں لڑے اور انہیں وہ سب کچھ مل گیا جو وہ چاہتے تھے۔

(۲۱)

اذرح کی مجلسِ مشاورت

دومۃ الجندل کی بجائے اذرح میں حکمین کا اجتماع مورخین کا حکمین کے مقامِ اجتماع کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ اجتماع دومۃ الجندل میں ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اذرح میں ہوا تھا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اذرح میں ہوا تھا[1]۔ اذرح، تبراور معان کے درمیان واقع ہے۔ قریش کے تجارتی قافلے شام جاتے ہوئے یہاں اُترا کرتے تھے۔ پہلے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ حکمین دومۃ الجندل کے مقام ہی پر جمع ہوں لیکن بعد میں یہ اجتماع دومۃ الجندل کی بجائے اذرح میں اس لیے ہوا کہ اس جھگڑے کی وجہ سے جو حضرت علیؓ اور خوارج کے درمیان پیدا

---

[1] طبری، ابنِ اثیر، طبقات ابنِ سعد

ہو گیا تھا، وقتِ مقررہ پر حکمین کا اجتماع نہ ہو سکا۔ کوفہ اور شام کے درمیان خط و کتابت ہوئی اور دونوں فریق دوسرے وقت کی تعیین پر رضامند ہو گئے۔ ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی ہوا کہ اجتماع دومۃ الجندل کی بجائے اذرح میں ہو۔

وقتِ مقررہ پر حضرت علیؓ نے چار سو آدمی روانہ کیے جن کا امیر شریح ابن ہانی الحارثی کو بنایا اور امام الصلوٰۃ ابنِ عباسؓ کو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے بھی چار سو آدمیوں کے ساتھ عمروؓ بن العاص کو بھیجا۔ دونوں حکم اذرح میں جمع ہوئے۔

اہلِ عراق کی بے تدبیری

حضرت معاویہؓ کے خطوط حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس برابر آیا کرتے تھے۔ لیکن خط لانے والے قاصد تک کو ان خطوط کے مضمون کا پتا نہ ہوتا تھا۔ نہ اہلِ شام ہی کو اس بات کی جستجو ہوتی تھی کہ ان خطوط میں کیا لکھا ہے۔ لیکن جب حضرت علیؓ کا کوئی خط حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس پہنچتا تھا تو اہلِ عراق آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور پوچھتے کہ امیر المومنینؓ نے کیا لکھا ہے۔ اگر ابنِ عباسؓ چھپانا چاہتے تو مختلف قسم کے قیاس اپنے دلوں میں قائم کر لیتے اور کہتے ہمارا تو یہ خیال ہے کہ امیر المومنینؓ نے یہ لکھا ہوگا۔

آخر حضرت ابنِ عباسؓ نے ان سے کہا :

"آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں کہ معاویہؓ کا قاصد آتا ہے اور کسی کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کس مضمون کا خط لایا ہے وہ واپس جاتا ہے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کیا خط لے کر گیا ہے۔ نہ وہاں شور ہوتا ہے نہ شغب۔ ایک تم ہو کہ مجھے چین نہیں لینے دیتے۔"

اس موقع پر مندرجہ ذیل مشہور صحابہؓ بھی موجود تھے :

حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن الحارث بن ہشام مخزومی، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔

حکمین کی گفتگو

جب دونوں ثالث پہلی مرتبہ ملے تو ان کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی :

عمروؓ بن العاص : کیا آپ کو یقین ہے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے؟

ابو موسیٰؓ : بے شک مجھے یقین ہے کہ آپ مظلوم شہید کیے گئے۔

عمروؓ بن العاص : کیا آپ جانتے ہیں کہ معاویہؓ اور آلِ معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کے ولی ہیں؟

ابو موسیٰؓ : بے شک!

عمروؓ بن العاص : اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔

(جو شخص مظلوم قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو صاحبِ اختیار کیا ہے۔ وہ بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے۔ اگر وہ ہمارے حکم پر چلے گا تو ضرور فتح یاب ہو گا)

پھر حضرت معاویہؓ کو امیر بنانے میں آپ کے لیے کیا امر مانع ہے؟ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ولی اور قریش کے ایک معزز گھرانے کے فرد ہیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ معاویہؓ کو خلیفہ بنا دینے میں لوگوں کو یہ اعتراض ہو گا کہ انہیں اسلام میں سبقت کا شرف حاصل نہیں اس لیے وہ خلیفہ نہیں بنائے جا سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مظلوم و شہید خلیفہ حضرت عثمانؓ کے ولی ہیں اور حسنِ سیاست اور حسنِ تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِ حبیبہؓ کے بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی رہے ہیں۔ یاد رکھئے اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو آپ کی انتہائی تعظیم کریں گے اور آپ کے ساتھ اتنا بہتر سلوک کریں گے کہ آج تک کسی خلیفہ نے نہ کیا ہو گا۔

ابو موسیٰؓ: عمروؓ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ معاویہؓ اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت کی وجہ سے اس بات کے حقدار نہیں بن جاتے کہ انہیں خلافت سپرد کر دی جائے۔ خلافت کے لیے دین اور تقویٰ کی فضیلت چاہیے۔ اگر محض خاندانی شرافت ہی خلافت کے لیے کافی ہو تو اس صورت میں بھی حضرت علیؓ ہی خلافت کے حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ قریش میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کے ولی ہیں۔ لیکن یہ چیز ان کو خلافت کا مستحق نہیں بنا دیتی۔ میرے تو ذہن میں بھی مہاجرینِ اولین کو چھوڑ کر معاویہؓ کو خلیفہ بنانے کا خیال نہیں آ سکتا۔ باقی تم نے مجھے تعظیم اور مال و منال کا جو لالچ دیا ہے تو خدا کی قسم! اگر میرے ہاتھ سے وہ کچھ بھی نکل جائے جو میرے قبضہ میں ہے تو بھی میں معاویہؓ کو خلیفہ نہ بناؤں۔ میں رشوت کبھی نہیں لوں گا۔ البتہ اگر تم چاہو تو ہم حضرت عمرؓ بن خطاب کے نام کو زندہ کریں (اور ان کے لڑکے عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنا لیں)

عمروؓ بن العاص: اگر آپ ابنِ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو میرے بیٹے کی بیعت کرنے سے آپ کو کیا امر مانع ہے، حالانکہ آپ اس کی فضیلت اور صلاحیت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ: تمہارے بیٹے کی صلاحیتوں سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس نے فتنہ میں پڑ کر اپنے آپ کو آلودہ کر لیا ہے۔"

اس مناقشہ اور گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکمین اس بات پر رضامند ہو گئے تھے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں میں سے کوئی شخص بھی خلیفہ نہ ہو۔ البتہ دونوں کا اختلاف اس امر میں تھا کہ ان کی جگہ اور کون شخص خلیفہ ہو اور کسے مسلمانوں پر حکومت کے سارے اختیارات تفویض کیے جائیں۔ لیکن کوئی شخص بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان دونوں نے خدا تعالیٰ کی کتاب کے کس حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کس ارشاد کے ماتحت یہ رضامندی ظاہر کی تھی۔ ان کا فرض یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کے مطابق ان دونوں میں فیصلہ کرتے اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے:

وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احدٰهما على الاخرى فقاتلوا التى تبغى حتى تفئ الى امر الله۔

(اگر مومنوں کی کوئی جماعت کسی دوسری جماعت سے جھگڑ پڑے تو ان دونوں جماعتوں کے درمیان صلح کرا دو۔ لیکن اگر اس پر بھی کوئی جماعت اپنے عہد کو توڑ کر دوسرے سے لڑائی شروع کر دے تو تمام مسلمان مل کر اس لڑائی شروع کرنے والی جماعت سے لڑیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف رجوع کرے)

عمروؓ بن العاص نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا:

"آخر آپ کی کیا رائے ہے؟"

ابو موسیٰؓ نے کہا:

"میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں شخصوں کو معزول کر دیں۔ اس کے بعد مسلمان آپس میں مشورہ کر کے جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"میری بھی یہی رائے ہے۔"

اس بات چیت میں عمروؓ بن العاص کا یہ طریقہ تھا کہ وہ پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ کو بولنے کا موقع دیتے تھے اور ہر بات میں ان کو مقدم رکھتے تھے۔ آپ ان سے کہتے تھے:

"آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں، مجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں۔ اس لیے پہلے آپ بولئے اس کے بعد میں کچھ عرض کروں گا۔"

حکمین کے فیصلہ کا مجمع عام میں اعلان

ایسا کرنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو پہلے کلام کرنے کا موقع دے کر ان کی زبان سے حضرت علیؓ کو معزول کرنے کا لفظ نکلوا لیا جائے۔ چنانچہ ان کی یہ غرض پوری ہو گئی، صرف لوگوں میں اس بات کا اعلان کرنا باقی رہ گیا تھا جو ان دونوں میں طے پا چکی تھی، چنانچہ عمروؓ بن العاص نے حسب معمول پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ کو کھڑا کیا۔ وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے:

"اے لوگو! ہم نے اس معاملہ میں خوب غور و خوض کیا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ امت کی فلاح و بہبود کے لیے اس سے زیادہ آسان راہ اور کوئی نہیں کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور یہ معاملہ امت پر چھوڑ دیں کہ وہ جس کو چاہے خلیفہ منتخب کرے سو میں نے علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کر دیا ہے۔ اب معاملہ تمام مسلمانوں کے سپرد ہے کہ وہ جس کو خلافت کا اہل سمجھیں خلیفہ مقرر کریں۔"

جب ابو موسیٰؓ اپنی تقریر ختم کر چکے تو عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہنے لگے:

"ابو موسیٰؓ نے جو کچھ کہا وہ آپ سب لوگوں نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے صاحب (علیؓ) کو معزول کر دیا۔

میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں۔ لیکن اپنے صاحب (معاویہؓ) کو قایم رکھتا ہوں، کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے ولی اور ان کے اچھے جانشین ہیں۔"

اس پر دونوں کے مابین کچھ تلخ کلامی ہوئی۔ دونوں فریقوں نے ہتھیار اٹھا لیے اور آپس میں الجھ پڑے۔ شام کے لوگوں نے چاہا کہ ابوموسیٰؓ کو پکڑ لیں لیکن انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا رُخ کیا اور شامیوں کے ہاتھ نہ آئے۔

روایات میں تضاد "طبری" نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب ابوموسیٰؓ حکمین کے باہمی فیصلہ کا اعلان کرنے کے لیے مجمع عام میں جانے لگے تو انہوں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ ہم دونوں خلافت کے امر پر متفق ہو گئے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اس فیصلہ سے اُمت کا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ عمروؓ بن العاص نے مجھے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اس پر ابن عباسؓ کہنے لگے:

"عمروؓ بن العاص کی بات کا اعتبار نہیں، بیشک انہوں نے آپ کو تو متفقہ طور پر طے کیے ہوئے فیصلہ کی منظوری دے دی ہے، لیکن جب آپ لوگوں میں کھڑے ہوں گے تو وہ آپ کی مخالفت کریں گے۔"

ابوموسیٰؓ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے کہنے لگے:

"اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی جب ہم دونوں ایک فیصلہ پر رضامند ہو گئے ہیں تو پھر مخالفت کے کیا معنی!"

لیکن ان روایتوں کے برعکس مسعودی نے لکھا ہے کہ ابوموسیٰؓ نے کوئی خطبہ وغیرہ نہیں دیا تھا بلکہ باقاعدہ ایک تحریر لکھی تھی جس میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے اور مسلمانوں کے باہمی فیصلہ سے کسی شخص کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ درج کیا گیا تھا۔

مسعودی کے بیان کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا تھا:

"مسلمانوں کے افتراق نے بہت نازک شکل اختیار کر لی ہے۔ اب ہمیں کوئی ایسا فیصلہ کرنا چاہیے جس سے مسلمانوں میں پھر باہمی الفت و محبت پیدا ہو جائے اور وہ آپس میں صلح و صفائی سے رہ سکیں۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا:

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے درمیان طے ہوتا جائے اسے کاتب لکھتا جائے تاکہ بعد میں کوئی بھول چوک نہ ہو سکے۔"

ابوموسیٰؓ نے کہا: "ٹھیک ہے۔"

چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک کاتب بلوا لیا، جو ان کا ایک غلام تھا اور اسے ہدایت کی کہ جس بات پر ہم دونوں حَکَم متفق ہو جائیں وہی لکھے۔ چنانچہ ان دونوں نے لکھوانا شروع کیا۔

حکمین کا باہمی معاہدہ

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ فیصلہ ہے جس پر عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعریؓ) اور عمروؓ بن العاص متفق ہو گئے ہیں۔ ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ خدا تعالیٰ کے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دیں خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔"

اس کے بعد عمروؓ بن العاص نے کہا:

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُٹھا نہیں لیا آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنّت پر عمل کرتے رہے اور اپنے اس حق کو جو آپ کے ذمہ تھا پوری طرح ادا کرتے رہے۔"

حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا:

"ٹھیک ہے لکھو۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے یہی باتیں حضرت عمرؓ کے متعلق بھی کہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد عمروؓ بن العاص نے کاتب سے کہا: لکھو:

"حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے اجماع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مشورہ کے بعد خلیفہ ہوئے اور وہ مومن تھے۔"

حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا:

"ہم اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے اکٹھے نہیں ہوئے۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"خدا کی قسم! یا تو وہ مومن ہوں گے یا کافر۔"

حضرت ابوموسیٰ نے کہا:

"اچھا لکھو۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"کیا وہ ظالم قتل کیے گئے یا مظلوم؟"

ابوموسیٰؓ نے کہا: "وہ مظلوم قتل کیے گئے۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"کیا خدا تعالیٰ نے مظلوم شخص کے ولی کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ اس کے قصاص کا مطالبہ کرے؟"

ابوموسیٰؓ نے کہا:

"بے شک!"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"تو کیا معاویہؓ کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا، خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں مطالبہ کریں؟"

ابوموسیٰؓ نے کہا:

"بے شک!"

عمروؓ بن العاص نے کاتب سے کہا: یہ لکھ لو۔

ابوموسیٰؓ نے بھی تائید کی۔ چنانچہ اس نے یہ لکھ لیا۔

اب ابوموسیٰؓ نے عمروؓ بن العاص سے کہا:

"ان اختلافات کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ بہت مشکلات میں گرفتار ہو چکی ہے۔ ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جمع ہوئے ہیں اس لیے آؤ ہم دونوں مل کر کوئی ایسی صورت نکالیں جس میں اُمت کی بہبودی مضمر ہو۔"

عمروؓ بن العاص نے پوچھا:

"وہ صورت کیا ہو سکتی ہے؟"

ابوموسیٰؓ نے کہا:

"تمہیں پتا ہے کہ اہلِ عراق کبھی معاویہؓ کو خلیفہ بنانا پسند نہیں کریں گے اسی طرح اہلِ شام کبھی علیؓ کی خلافت پر راضی نہیں ہوں گے۔ اس لیے ہم ان دونوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیں اور عبداللہؓ بن عمرؓ کو خلیفہ بنا لیں۔"

عمروؓ بن العاص نے اس امر میں تو ابوموسیٰؓ سے اتفاق کیا کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا جائے لیکن عبداللہؓ بن عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے سے اختلاف کیا۔ انہوں نے عبداللہؓ بن عمرؓ کی جگہ کئی اور صحابہؓ کے نام خلافت کے لیے تجویز کیے لیکن ابوموسیٰؓ کا اصرار حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ ہی پر رہا۔ اس طرح کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

آخر عمروؓ بن العاص نے کاغذ لپیٹا اور حکمین کی گفت گو ختم ہو گئی۔

محاکمہ اگرچہ اکثر مؤرخین نے پہلی روایت بیان کی ہے، لیکن مؤخر الذکر روایت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر عمروؓ بن العاص چالاکی سے بھی کام لیتے اور ابوموسیٰؓ کے کہنے کے بموجب حضرت علیؓ کو معزول قرار دیتے، اور معاویہؓ کو باقی رکھتے تو ان کی یہ چالاکی حضرت معاویہؓ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ لیکن جس بات پر دونوں فریقوں کا اتفاق ہوا تھا وہ یہ تھی کہ قرآن کریم کے مقتضیٰ کے ماتحت دونوں حکم جس بات پر متفق ہوں گے، فریقین کو اسے قبول کرنا ہوگا۔ یہ شرط نہ تھی کہ اگر کوئی ایک

حکم کسی بات پر راضی ہو جائے تو اس بات کو واجب العمل قرار دیا جائے۔ یہ بات کسی تاریخ میں نہیں ملتی کہ ابو موسیٰؓ کسی وقت بھی حضرت معاویہؓ کی خلافت پر رضا مند ہو گئے تھے۔

معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص کی فتح یابی

حکمین کی گفت گو اور فیصلہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عمروؓ بن العاص اس معرکہ میں فتح یاب ہو گئے تھے اور اسی فتح یابی کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کے قدم شام اور شام کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی اچھی طرح جم گئے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب انہیں آسانی سے خلافت حاصل ہو جائے گی حالانکہ اس سے پہلے انہیں خلافت کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔

مزید برآں اس فیصلہ کی وجہ سے عمروؓ بن العاص نے معاویہؓ کے لیے کافی وقت فراہم کر دیا جس میں وُہ اپنے لشکر کی تنظیم کر سکتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اپنے لشکر کو خوب منظم اور اچھی طرح مسلح کر لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت علیؓ نے دوبارہ شام پر حملہ کیا تو حضرت علیؓ کی فوج کی حضرت معاویہؓ کے سامنے کچھ پیش نہ جا سکی۔

معاویہؓ اس مقصد میں بھی کامیاب ہو گئے کہ حضرت علیؓ کو خلافت سے خواہ برائے نام ہی سہی ہٹا دیا جائے اور مسلمان دوبارہ مشورہ سے نئے خلیفہ کا انتخاب کریں۔ اس طرح حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ایک سطح پر آ گئے اور حضرت علیؓ کے لیے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور اسلام میں سبقت کے شرف کے اور کوئی وجہِ فضیلت نہ رہی۔

جہاں تک ابو موسیٰؓ کا تعلق ہے ان کی سادہ لوحی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ انتہائی مُتقی اور دین کی حفاظت کرنے والے شخص تھے۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے میں بہت شدید تھے۔ فتنوں سے طبعاً کراہت کرتے تھے اور امت کی بھلائی کی فکر میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن چونکہ انہیں سیاسی امور سے کوئی تعلق نہ تھا اس لیے حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ان سے بعض ایسی باتیں منوا لیں جنہیں کوئی ہوشیار سیاستدان ہرگز قبول نہ کرتا۔

(۲۲)

یومِ نہروان

حضرت ابن عباسؓ اور شریح حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور اذرح کے تمام واقعات انھیں سنا دیے۔ حضرت علیؓ کو احساس ہوا کہ اب معاملہ حد سے گزر چکا ہے اور ان کی بجائے معاویہؓ کا پلّہ بھاری ہو گیا ہے۔ انہوں نے سوچا اس سے پہلے کہ معاویہؓ ان کے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں، وہ خود پہل کر کے معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ کے لیے نکلیں اور فتنہ کو بڑھنے سے روکیں۔ لیکن خوارج کی بغاوت ان کی راہ میں مزاحم ہو گئی اور حضرت علیؓ کو معاویہؓ سے لڑنے کی بجائے خوارج کا قلع قمع کرنا پڑا۔

تحکیم سے قبل خوارج کا حضرت علیؓ سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ تحکیم قبول کرنے کی بنا پر اپنی غلطی بلکہ اپنے کفر کا اعلان کریں اور

...ساتھ جو شرائط انہوں نے طے کی ہیں ان پر عمل نہ کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت علیؓ نے ان کی بات مان لی تو وہ دوبارہ ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور ان سے مل کر لڑیں گے۔ لیکن حضرت علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور درحقیقت آپ کا انکار کرنا بالکل درست تھا۔ آپ اس معاہدہ سے جسے دونوں فریقوں نے منظور کر لیا تھا کس طرح پھر سکتے تھے جبکہ اسلام وفائے عہد کا حکم دیتا ہے۔ اگر آپ بفرضِ محال اپنے معاہدہ سے پھر جاتے تو آپ کے اکثر ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ پھر آپ اپنے کفر کا کس طرح اقرار کر سکتے تھے جبکہ آپ نے اپنی تمام عمر میں کبھی شرک نہیں کیا تھا۔

لاحکم الا اللہ کا نعرہ خوارج نے "لاحکم الا اللہ" کا نعرہ ایجاد کیا تھا۔ انہوں نے اسے جا بجا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جب حضرت علیؓ مسجد میں خطبہ دے رہے ہوتے تو خطبہ کے دوران ہی میں حضرت علیؓ کی بات کاٹ کر کوئی شخص "لاحکم الا اللہ" کا نعرہ لگاتا اور پھر ساری مسجد اس نعرے سے گونجنے لگتی۔

خوارج کی غلط فہمی جب حضرت علیؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر کوفہ لائے تھے تو ان لوگوں کا خیال تھا کہ امیر المومنینؓ بھی اب ان کی طرح فیصلۂ تحکیم کو ناپسند کرنے لگے ہیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کا ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا :

"لوگ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے کفر سے توبہ کر لی ہے۔"

یہ خبر حضرت علیؓ کی جماعت میں بھی پھیل گئی اور لوگ آپ کے متعلق مختلف افواہیں گرم کرنے لگے۔ آخر حضرت علیؓ نے چاہا کہ لوگوں پر اپنا موقف واضح کر دیں تاکہ کسی غلط فہمی کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے وقت آپ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں خوارج اور ان کی ریشہ دوانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اس پر خوارج بھڑک اُٹھے اور مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر چلانے لگے : "لاحکم الا اللہ"

حضرت علیؓ نے یہ سُن کر فرمایا :

"اللہ اکبر! بات تو ان کی سچی ہے۔ لیکن یہ لوگ اس سے جو مطلب نکال رہے ہیں وہ غلط ہے۔ دیکھو جب تک تم ہمارے ساتھ ہو ہم پر تمہارے تین حق ہیں :

ہم تمہیں اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکیں گے تاوقتیکہ تم ان میں خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔

ہم تمہیں مالِ غنیمت حاصل کرنے سے منع نہیں کریں گے تاوقتیکہ تم ہمارے ساتھ مل کر لڑتے رہو۔

ہم تم سے اس وقت تک نہیں لڑیں گے جب تک تم ہم سے لڑائی شروع نہ کر دو۔"

خوارج کا نہروان پر اجتماع جب خوارج حضرت علیؓ کی طرف سے مایوس ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ امیر المومنینؓ ان کی رائے کو ہرگز قبول نہیں کریں گے تو وہ عبد اللہ بن وہب الراسبی کے مکان میں جمع ہوئے۔ عبد اللہ نے اس موقع پر ایک تقریر کی جس میں انہیں کوفہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا۔ اس نے اپنی تقریر

میں، کہا :

"خدا کی قسم! ایسی قوم کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہو اور قرآن کے احکام پر عمل کرتی ہو، یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور قولِ حق کو چھوڑ کر دنیا کو ترجیح دے۔ اس لیے اس بستی سے، جس کے رہنے والے ظالم ہیں، کسی پہاڑ یا کسی دُوسرے شہر کی طرف نکل چلو اور اس بدعت وضلالت کے خلاف کمرِ ہمت کس لو۔"

تمام حاضرین نے اسی وقت عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر چُن لیا اور فیصلہ کیا کہ شہر سے اکٹھے نکلنے کی بجائے وہ ایک ایک کر کے نکلیں تاکہ کسی کو پتا نہ چلے۔ منزلِ مقصود "نہروان" کا پُل قرار پایا۔ عبداللہ بن وہب نے بصرہ میں اپنے ساتھیوں کو سارا حال لکھ بھیجا اور انہیں ہدایت کی کہ وُہ بھی نہروان کے پُل پر آ کر ملیں۔ چنانچہ بصرہ کے خارجی بھی نہروان پہنچ گئے۔

حضرت علیؓ کا شام کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ

امیر المومنینؓ کا اوّلاً ارادہ یہ ہوا کہ اپنے ساتھیوں کو شام چلنے کی ترغیب دیں۔ چنانچہ آپ نے کوفہ میں ایک خطبہ پڑھا، جس میں، فرمایا :

"امام کی نافرمانی کا نتیجہ حسرت اور ندامت ہوتا ہے۔ میں نے تمہیں آگاہ کیا تھا کہ شامیوں کے دھوکے میں نہ آؤ اور تحکیم قبول نہ کرو لیکن تم لوگوں نے اپنی خود سری کے آگے میری ایک نہ سُنی اور مجھے مجبوراً تحکیم قبول کرنی پڑی۔ لیکن ان دو آدمیوں نے جنہیں تم نے حَکَم مقرر کیا تھا قرآنِ کریم کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس چیز کو زندہ کیا جسے قرآن مار چکا تھا۔ ہر شخص نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے برعکس اپنی رائے اور خواہش پر عمل کیا ان دونوں نے بغیر کسی حجتِ مبیّنہ کے اپنا فیصلہ دیا۔ پھر اصل فیصلہ میں بھی دونوں متفق نہیں ہُوئے ایک کچھ کہتا تھا دوسرا کچھ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ان لوگوں کے فیصلہ سے بری ہے۔ سو تم شام چلنے کی تیاری کرو۔"

ساتھ ہی آپ نے خوارج کو بھی شام چلنے کی دعوت دی۔ آپ کو یہ امید تھی کہ یہ لوگ چونکہ تحکیم کے سخت خلاف تھے اس لیے اب وہ خوشی خوشی آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کی دعوت کا جواب یہ دیا :

"آپ نے اپنے رب کی خاطر حکمین سے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ اپنے نفس کی خاطر کیا ہے۔ آپ نے اپنے کفر پر شہادت دے دی ہے۔ اگر آپ توبہ کریں تو ہم اپنے اور آپ کے تعلقات پر دوبارہ غور کریں گے ورنہ ہمیں آپ کی کوئی پروا نہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔"

حضرت علیؓ نے جب یہ خط پڑھا تو آپ کو خوارج کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی اور آپ نے انھیں ان کے حال پر چھوڑتے ہُوئے شام جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ لشکر لے کر کوفہ سے نکلے اور مقام "نخیلہ" میں پڑاؤ ڈالا۔ "نخیلہ" سے آپ نے حضرت ابنِ عباسؓ کو بصرہ خط لکھا کہ جس قدر لشکر مہیا ہو سکے اسے لے کر "نخیلہ" پہنچ جائیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے مسجد میں کھڑے ہو کر لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کی تلقین کی لیکن آپ کی آواز پر صرف پندرہ سو آدمیوں نے لبیک کہی جب حضرت ابن عباسؓ

... دیکھی تو اور زیادہ سختی سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ اب کے سترہ سو آدمیوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس وقت بصرہ کے جنگی رجسٹر میں ساٹھ ہزار ایسے اشخاص کا اندراج تھا جو لڑنے کے قابل تھے۔ ان کے بیٹے اور غلام ان کے علاوہ تھے۔ لیکن ابنِ عباسؓ کے ساتھ صرف تین ہزار دو سو آدمی تھے۔ وہ انہیں لے کر نخیلہ پہنچے۔

جب حضرت علیؓ نے یہ حال دیکھا تو کوفہ کے رؤسا کو بلا کر انہیں اہلِ بصرہ کی افسوسناک روش سے آگاہ کیا اور فرمایا' اب صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ ایسے لوگوں کو جو لڑائی میں شامل ہو سکتے ہیں، ایسے بچّوں کو جو بلوغت کے قریب پہنچ گئے ہوں اور انہیں لڑائی کے فنون سے کچھ واقفیت حاصل ہو اور غلاموں کو کوفہ سے بلا لیا جائے تاکہ اس طرح لشکر میں تقویت کا کچھ سامان بہم ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی دعوت پر چالیس ہزار جنگ کے قابل افراد' سترہ ہزار قریب البلوغت لڑکے اور آٹھ ہزار غلام کوفہ سے آ گئے۔

جب بصرہ، کوفہ اور مدائن سے لشکر جمع ہو گیا تو حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ لشکر کے بعض افراد یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں پہلے حروریوں (خوارج) سے نبٹنا چاہیے اور انہیں شکست دے کر ان کا کس بل نکالنا چاہیے۔ ان سے فارغ ہو کر ہم اطمینان سے شام کی جانب کوچ کر سکیں گے۔ حضرت علیؓ نے یہ سُن کر ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے شام چلنا اور معاویہؓ سے لڑنا زیادہ اہم ہے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ اس سے پہلے حضرت علیؓ کے احکام کی خلاف ورزی کا کتنا تباہ کن نتیجہ نکل چکا ہے، اس لیے وہ کہنے لگے :

"امیر المومنینؓ! آپ جہاں چاہیں ہمیں لے چلیں۔ ہمیں کوئی عذر نہ ہوگا۔"

عبد اللہ بن خباب کا قتل

اسی دوران میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہُوا کہ ایک بزرگ عبد اللہ بن خباب اپنی حاملہ بیوی کو ساتھ لیے چلے جا رہے تھے کہ خوارج سے ان کا سامنا ہو گیا۔ ان لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ یہ قرآن جو آپ کے گلے میں لٹکا ہوا ہے آپ کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ عبد اللہ بن خباب نے کہا میں تو مسلمان ہُوں اور میرا نام عبد اللہ بن خباب ہے۔ خوارج نے کہا ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ کے والد کی سند سے آپ تک پہنچی ہو۔ آپ نے فرمایا :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب ایک فتنہ نمودار ہو گا جس میں آدمی کا دل اس طرح مر جائے گا جس طرح اس کا بدن مر جاتا ہے۔ وہ رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اُٹھے گا اور صبح کو کافر ہو گا تو شام کو مومن۔"

انہوں نے پُوچھا :

"آپ کا حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

انھوں نے آپ کی بڑی تعریف کی۔ پھر حضرت عمرؓ کے بارہ میں دریافت کیا۔ انہوں نے ان کے متعلق بھی توصیفی کلمات کہے۔ اس کے بعد پُوچھا کہ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی اور آخری عہد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا :

"وہ اپنے ابتدائی اور آخری زمانوں میں حق و صداقت پر قائم تھے۔"

آخر میں انہوں نے پوچھا کہ :

"حضرت علیؓ کے متعلق تحکیم سے قبل و بعد آپ کی کیا رائے ہے ؟"

عبداللہ نے جواب دیا :

"علیؓ تمہارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔"

خوارج نے کہا :

"خدا کی قسم تم اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کر کے یہ شہادت دے رہے ہو اور لوگوں کو ان کے کاموں کی بجائے ان کے ناموں کی وجہ سے فضیلت دیتے ہو، اس لیے ہم تمہیں قتل کریں گے اور اس طرح قتل کریں گے کہ آج تک کسی اور کو قتل نہ کیا ہو گا۔"

چنانچہ وُہ آپ کو نہر کے کنارے لے گئے اور ذبح کر دیا۔ اسی طرح آپ کی بیوی کا پیٹ چاک کر کے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ قبیلہ طیؔ کی تین عورتوں اور ام سنان صیداویہ کو بھی ان ظالموں نے پکڑ کر مار ڈالا۔

ان کی باطنی شقاوت کا تو یہ حال تھا لیکن ظاہری پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ انہی عبداللہ بن خباب نے ایک خارجی کو دیکھا کہ نخلستان میں ایک کھجور درخت سے گر پڑی، اس نے اسے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ دوسرے خارجیوں نے یہ دیکھ کر اسے لعنت ملامت کرنی شروع کی کہ اس نے بغیر مالک کی اجازت کے اور بغیر قیمت دئے یہ کھجور اپنے منہ میں کیوں ڈال لی۔ اسی طرح ان کے ایک شخص نے ایک سؤر مار ڈالا اور وُہ اسے بُرا بھلا کہنے لگے کہ ذمیوں کے مال کا اتلاف کیوں کرتا ہے۔

جنگِ نہروان

جب حضرت علیؓ کو عبداللہ بن خباب اور طیؔ کی تین عورتوں کے قتل کی خبر ملی تو آپ نے اپنے ایک قاصد کو صحیح خبر لانے کے لیے بھیجا۔ لیکن انہوں نے اس قاصد کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب قاصد کے قتل کی خبر لشکر میں پہنچی تو حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے آپ سے کہا :

"امیرالمومنینؓ ! اگر ہم نے ان خارجیوں کو چھوڑ دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمارے پیچھے ہمارے اہل و عیال پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں اور ہمارے مال و اسباب لوٹ لیں۔ اس لیے ہمیں پہلے ان کا سر کچلنا چاہیے۔ جب ہم ان سے فارغ ہو جائیں گے تب شام چلیں گے۔"

حضرت علیؓ کے لیے بھی اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ پہلے خوارج کا قلع قمع کریں۔ چنانچہ آپ لشکر لے کر نہروان کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر آپ نے انھیں پیغام بھیجا کہ ہمارے بھائیوں کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم ان کو قصاص میں قتل کریں گے اور تمہیں چھوڑ کر اہلِ شام سے مقابلہ کے لیے چلے جائیں گے۔ شاید اس عرصہ میں خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کو پھیر دے اور تمہیں پھر انہی نیکیوں کی توفیق مل جائے جو تم پہلے بجا لاتے تھے۔

انہوں نے حضرت علیؓ کے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا :

"ہم سب نے انھیں قتل کیا ہے اور ہم سب ان کا اور تمہارا خون بہانا حلال سمجھتے ہیں۔"

تاہم حضرت علیؓ نے پند و موعظت کے ذریعہ انھیں سمجھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن جب حضرت علیؓ ان سے خطاب کرتے وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور بڑے تکبر اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے۔ آخر ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو ایک سفید جھنڈا دے کر بھیجا اور اعلان کرا دیا:

"تم میں سے جس نے عبد اللہ بن خباب اور دوسرے مسلمانوں کے قتل میں حصّہ نہیں لیا اگر اس جھنڈے کے نیچے آجائے تو وہ امن میں ہے۔ جو شخص کوفہ یا مدائن چلا جائے اور اس جماعت کو چھوڑ دے وہ بھی مامون ہے۔ میں یہ اعلان اس لیے کر رہا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرنا اور ان کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔"

حضرت علیؓ کا یہ اعلان سُن کر ایک جماعت خوارج کو چھوڑ کر چلی گئی اور ایک جماعت حضرت علیؓ کے جھنڈے تلے آگئی۔ اب ابنِ وہب کے پاس چار ہزار میں سے دو ہزار آٹھ سو کے قریب آدمی رہ گئے۔ آخر کار جنگ شروع ہوئی اور تمام دن جاری رہی۔ اس جنگ میں ابنِ وہب اور اس کے اکثر ساتھی مارے گئے۔ خوارج کے زخمیوں کی تعداد چار سو تھی۔ حضرت علیؓ نے انہیں علاج کے لیے ان کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا اور فرمایا:

"انھیں لے جاؤ اور جب یہ ٹھیک ہو جائیں تو اپنے ساتھ کوفہ لے کر چلو۔"

ابنِ اثیر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"خوارج اتنے تھوڑے وقت میں قتل کیے گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ان سے کہا 'مر جاؤ' اور وہ مر گئے۔"

حضرت علیؓ کے ساتھیوں کا شام کی طرف جانے سے انکار

جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ خوارج کا فتنہ کلیۃً ختم اور لوگ ان کے شور و شر سے بالکل محفوظ ہو چکے ہیں تو آپ نے شام جانے کا قصد کیا لیکن آپ کے ساتھی شام جانے کے لیے تیار نہ تھے وہ کہنے لگے:

"امیر المومنینؓ! ہمارے تیر ختم ہو گئے ہیں۔ ہماری تلواریں کند پڑ گئی ہیں۔ ہمارے نیزوں کے پھل ٹوٹ چکے ہیں اس لیے فی الحال تو ہمیں واپس ہی لے چلیے تاکہ پہلے سے بھی زیادہ تیاری کر کے ہم اہلِ شام کے مقابلہ کے لیے نکل سکیں اور تازہ دم ساتھیوں کی مدد حاصل کر سکیں۔"

ان لوگوں میں جو واپس جانے کے لیے بیتاب تھے اشعث بن قیس پیش پیش تھا۔ جنگِ صفین کے واقعات میں ہم اس کا تذکرہ تفصیل سے کر چکے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص حضرت معاویہؓ کے مؤیدین اور ساتھیوں میں سے ہو اور حضرت علیؓ کے ساتھ رہنے سے اس کا مقصد محض آپ کو نقصان پہنچانا ہو۔ کیونکہ اگر یہ واقعۃً لڑائی کا خواہشمند نہ تھا تو حضرت علیؓ کے ساتھ نکلنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے!

جب حضرت علیؓ نے لشکر کی یہ حالت دیکھی تو مصلحت اسی میں سمجھی کہ فوج کو شام لے جانے پر اصرار نہ کیا جائے بلکہ بعد میں جب اس کے حوصلے بڑھ جائیں لشکر کشی کی جائے۔ چنانچہ آپ لشکر لے کر "نخیلہ" آگئے اور وہاں قیام فرمایا۔ آپ نے حکم دے دیا کہ کوئی شخص لشکر سے باہر نہ نکلے اور اپنی بیویوں اور بیٹوں سے بہت کم ملے۔ کچھ دنوں تک فوج نے آپ کے حکم پر

عمل کیا لیکن آہستہ آہستہ لوگ کھسکنے اور کوفہ میں داخل ہونے لگے۔ آخر صرف لشکر کے سردار اور امیر ہی باقی رہ گئے باقی سارا لشکر خالی ہو گیا۔ جب حضرت علیؓ نے یہ دیکھا تو آپ بھی کوفہ تشریف لے آئے۔ کچھ روز تک تو آپ خاموش رہے، آخر ایک دن لشکر کے رؤسا اور امراء کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ شام پر لشکر کشی کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے؟

اس کے جواب میں آپ کو کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ ہر شخص لڑائی سے گریز کرنا چاہتا تھا اور کسی شخص میں بھی جوش و خروش کا کوئی جذبہ نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے یہ حالت دیکھی تو آپ نے فرمایا:

"اللہ کے بندو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ جب میں تمہیں کوچ کرنے کا حکم دیتا ہوں تو تمہارے پاؤں من من بھر کے ہو جاتے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آخرت کی زندگی کے بدلے ذلت اور بزدلی کی زندگی پر رضامند ہو گئے ہو؟ جب کبھی میں تمہیں جہاد کے لیے بلاتا ہوں تمہاری آنکھیں اس سے پتھرا جاتی ہیں جیسے تم پر موت کی حالت طاری ہو اور تمہاری کیفیت بالکل گو مڑیوں کی سی ہو جاتی ہے۔ مصیبت کی گھٹائیں تم پر چھا رہی ہیں لیکن تم خوابِ غفلت میں مدہوش پڑے سو رہے ہو۔"

حضرت علیؓ نے انتہائی کوشش کی کہ ان کی بہادری اور شجاعت کے جذبات کو ابھارا اور ان کی حمیت کو بھڑکایا جائے لیکن آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی جتنا زیادہ آپ ان کو جنگ کے لیے ابھارتے اتنا ہی وہ اس سے گریز کرتے۔ آخر مایوس ہو کر حضرت علیؓ نے شام جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

(۲۳)

مصر کی نازک حالت

مصر کی ولایت پر قیس بن سعد کا تقرر حضرت علیؓ نے خلافت سنبھالتے ہی صوبوں کے عاملوں کو برطرف کر کے ان کی جگہ نئے عامل مقرر کیے تھے۔ مصر کا عامل آپ نے قیس بن سعد کو مقرر کیا تھا۔ تقرری کے وقت آپ نے اسے بلایا اور فرمایا:

"میں نے تمہیں مصر کا عامل بنایا ہے تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور اپنے ساتھ چند قابلِ اعتماد آدمیوں اور فوج کے ایک دستہ کو لے جاؤ تاکہ تمہارے مخالفین پر تمہارا رعب قائم ہو اور وہ تمہارے خلاف کوئی منصوبہ بندی اور شرارت نہ کر سکیں۔ جب تم مصر پہنچ جاؤ تو وہاں کے عوام و خواص سے نرمی اور محبت کے ساتھ پیش آؤ۔ البتہ جو لوگ سرکشی دکھائیں ان پر سختی کرو اور ضرورت پیش آنے پر طاقت استعمال کرنے سے بھی دریغ نہ کرو۔"

قیس نے اس کے جواب میں کہا:

"امیر المومنینؓ! خدا آپ پر رحم فرمائے، جو کچھ آپ نے فرمایا وہ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ لیکن آپ نے فوج کا دستہ

ساتھ لے جانے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے ۔ میں اپنے ساتھ فوج لے کر نہیں جانا چاہتا ۔ اس وقت آپ کو ایک ایک سپاہی کی ضرورت ہے ۔ اگر میں فوج کو اپنے ساتھ لے گیا تو آپ کی طاقت و قوت میں فرق آجائے گا ۔ اس لیے میں صرف اپنے اہل و عیال سمیت مصر جاؤں گا ۔ باقی آپ نے وہاں کے باشندوں سے نرمی، محبت اور احسان کا سلوک کرنے کی جو ہدایات فرمائی ہیں ان پر میں ان شاء اللہ حتی المقدور عمل کروں گا ۔"

چنانچہ قیس بن سعد اپنے ساتھ صرف سات آدمیوں کو لے کر مصر پہنچے ۔ وہاں پہنچ کر آپ منبر پر چڑھے اور سب سے پہلے ایک آدمی سے کہا کہ اہلِ مصر کو حضرت علیؓ کا وہ خط سنا دے جو امیر المومنینؓ نے ان کے نام لکھا تھا ، خط یہ تھا :

اہلِ مصر کے نام حضرت علیؓ کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب کی طرف سے ہر اس مومن کے نام ہے جس تک اس کی عبارت پہنچے ۔ تم سب لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو ۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے حُسنِ تقدیر و تدبیر سے کام لے کر دینِ اسلام ہی کو اپنے لیے اور اپنے ملائکہ اور اپنے رسولوں کے لیے اختیار کر لیا ۔ اسی دین کی اشاعت کی خاطر اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا ۔ اس امت کو اعزاز و اکرام دینے اور اسے فضیلت سے مختص کرنے کے لیے اس پاک پروردگار نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ۔ آپ نے تشریف لا کر لوگوں کو کتاب ، حکمت ، فرائض اور سنّت کا درس دیا تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں ۔ آپ نے انھیں ایک جگہ جمع کیا تاکہ وہ متفرق نہ ہو جائیں ۔ آپ نے انہیں پاکیزگی کا درس دیا تاکہ وہ ہر قسم کی کدورتوں کو اپنے دل سے نکال پھینکیں ۔ آپ نے انہیں نیکی اور تقویٰ کی نصیحت فرمائی تاکہ وہ بدی کے راستوں سے ہٹ کر نیکی کی راہ پر گامزن ہو جائیں ۔ جب آپ اپنا فرض بجا لا چکے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا ۔ آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے دو پاکباز انسانوں کو یکے بعد دیگرے اپنا خلیفہ منتخب کیا ۔ ان دونوں نے کتاب و سنّت پر پورا پورا عمل کیا اور لوگوں کے سامنے اپنا نیک نمونہ دکھا کر ایک مثال قائم کر دی ۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اٹھا لیا تو ایک اور شخص خلیفہ منتخب ہوئے ۔ بعض لوگوں نے ان کے خلاف بغاوت کر کے انہیں شہید کر دیا ۔ ان کی وفات کے بعد لوگ میرے پاس آئے اور میری بیعت کر لی ۔ میں خدا تعالیٰ سے ہدایت پر چلنے اور حصولِ تقویٰ کی دعا مانگتا ہوں ۔ سب لوگ اس امر سے آگاہ رہیں کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنّت پر عمل کریں ۔ خدا تعالیٰ کے احکام بجا لائیں ۔ اس کے رسول کی سنّت کا تم پر نفاذ کریں اور ہمیشہ تمہاری خیر خواہی میں لگے رہیں ۔ میں نے قیس بن سعد بن عبادہ کو تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے ۔ تم ان کی مدد کرو ۔ ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ان کے حکم کی تعمیل کرو ۔ میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ احسان

کرنے والوں کے ساتھ احسان اور سرکشی دکھانے والوں کے ساتھ سختی کریں۔ عوام و خواص کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں۔ میں خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہُوں کہ وہ ہمیں اور تمہیں نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رحمت سے حصّہ وافر عطا کرے۔ آمین! اس خط کو عبیداللہ بن ابی رافع نے صفر ۳۶ھ میں لکھا۔"

جب حضرت علیؓ کا یہ خط اہلِ مصر کو سنایا جا چکا تو قیس بن سعد منبر پر کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا:

"اے لوگو! ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جو اس وقت سب سے افضل انسان ہے۔ اس لیے تم بھی میرے ہاتھ پر اس شخص کی بیعت کرو۔ البتہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنّت پر عمل نہ کریں تو پھر یہ بیعت قایم نہ رہے گی۔"

اہلِ خربتا کے سوا باقی اہلِ مصر کی اطاعت

چنانچہ لوگوں نے قیس کے ہاتھ پر حضرت علیؓ کی بیعت کی۔ قیس نے مصر کے تمام حصّوں میں نظم و نسق درست کرنے کے لیے حکام بھیجنے شروع کیے۔ چند ہی روز میں تمام مصر قیس کی زیرِ نگرانی آ گیا اور اہلِ مصر نے اپنے نئے حاکم کی اطاعت قبول کر لی۔ صرف "خربتا" میں ایک جماعت ایسی تھی جس نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کو بہت بُری طرح محسوس کیا تھا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے بعد وہ منتظر تھے کہ آئندہ کیا ظہور میں آتا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی اطاعت تو نہیں کی لیکن ان کی مخالفت پر بھی کمربستہ نہیں ہُوئے اور قیس کو کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی مخالفت کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن فی الحال ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ ہم پیش آمدہ حالات کی بنا پر اپنے لیے کوئی راہ معین کر سکیں۔ اسی طرح مسلمہ بن مخلد نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ انہوں نے قیس سے وعدہ کر لیا کہ جب تک وہ مصر کے والی رہیں گے وہ ان کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے۔ مسلمہ بن مخلد جنگِ جمل کے اختتام تک مصر ہی میں رہے اور انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق قیس کی کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔ اس طرح تمام مصر میں قیس کی حکومت اچھی طرح قائم ہو گئی۔

قیس کی حکومت سے حضرت معاویہؓ کو خطرہ

حضرت معاویہؓ کے دل میں یہ بات بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ ان کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے حضرت علیؓ کی جانب پیشقدمی کی تو پیچھے سے کہیں اہلِ مصر شام پر چڑھائی نہ کر دیں۔ اس خطرہ سے بچنے کے لیے انہوں نے قیس کو اپنے ساتھ ملانے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے انہیں ایک خط لکھا جس میں حضرت عثمانؓ کا واقعۂ شہادت بیان کیا اور حضرت علیؓ کو اس میں ملوّث قرار دیتے ہوئے قیس کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ حضرت علیؓ سے علٰحدگی اختیار کر لیں۔ اس کے بدلہ میں حضرت معاویہؓ نے ان سے وعدہ کیا کہ عراق کی فتح کے بعد وہ انہیں وہاں کا والی بنا دیں گے اور ان کے خاندان کے کسی شخص کو حجاز کی ولایت سپرد کر دیں گے۔ اس کے علاوہ وہ جس قدر مال و متاع چاہیں گے انھیں دے دیا جائے گا۔

معاویہؓ کے مقابلہ میں قیس کی دُور اندیشی

جب قیس کے پاس حضرت معاویہؓ کا یہ خط پہنچا تو انہوں نے بہت غور و فکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ معاویہؓ سے بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہیے۔

انہوں نے جواب میں لکھا :

"حضرت علیؓ کے متعلق آپ نے جو باتیں لکھی ہیں میں خیال نہیں کرتا کہ انہوں نے کی ہوں گی اور نہ مجھے کسی ایسی بات ہی کا پتا چلا ہے۔ آپ نے مجھے حضرت علیؓ کی اطاعت ترک کرنے اور اپنی اطاعت اختیار کرنے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے میں اس پر غور کروں گا۔ لیکن یہ کوئی اتنا اہم معاملہ نہیں ہے جسے فوری طور پر طے کرنا ضروری ہو۔ البتہ آپ میری طرف سے بے فکر رہیے۔ میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو آپ کو ناگوار گزرے اور جس سے آپ کے لیے کسی قسم کی پریشانی پیدا ہو۔"

اس سے قیس کی غرض یہ تھی کہ وہ معاویہؓ کو اپنی طرف سے اطمینان دلا دیں تاکہ وہ ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں اور اس دوران میں درپردہ تیاری کرتے رہیں اور جب موقع آئے تو معاویہؓ پر حملہ کر دیں۔ اگر قیس جنگِ صفین تک مصر ہی میں رہتے تو حضرت علیؓ کی زبردست پشت پناہ ثابت ہوتے۔ اس وقت حضرت معاویہؓ دو چکیوں کے پاٹ میں ہوتے۔ ان کی طاقت بالکل ختم ہو جاتی اور شام بھی حضرت علیؓ کے قبضہ میں آجاتا۔

جب حضرت معاویہؓ کے پاس قیس کا خط پہنچا تو وہ فوراً بھانپ گئے کہ اس سے قیس کی غرض کیا ہے۔ انہوں نے قیس کو لکھا :

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ یاد رکھو مجھ جیسے شخص کو کوئی انسان دھوکا نہیں دے سکتا بلکہ دھوکا دینے والے کا مکر و فریب خود اسی پر اُلٹ کر پڑتا ہے۔"

اب قیس جان گئے کہ ٹال مٹول کی پالیسی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے جو کچھ ان کے دل میں تھا انہوں نے ظاہر کر دیا اور معاویہؓ کو نہایت سخت الفاظ میں ایک خط لکھا جس کو پڑھ کر حضرت معاویہؓ کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ تاہم وہ ہار ماننے والے نہیں تھے انہوں نے ایک اور تدبیر اختیار کی۔

قیس کو زک دینے کے لیے معاویہؓ کی تدبیر

انہوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ قیس بھی ان کے تابعداروں اور مددگاروں میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کے اور قیس کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کے مطالبہ کو جائز اور برحق ٹھہرایا ہے۔ حضرت علیؓ کو یہ باتیں محمد بن ابی بکرؓ، محمد بن جعفر اور شام میں آپ کے جاسوسوں نے پہنچائیں۔ آپ کو یہ خبریں سن کر بہت فکر ہوا اور آپ نے اس کے متعلق اپنے دونوں بیٹوں اور عبداللہ بن جعفر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے قیس کو معزول کرنے کی رائے دی۔ لیکن حضرت علیؓ فوری طور پر یہ قدم اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔

اسی دوران میں قیس بن سعد کا خط آیا جس میں "خربتا" کے لوگوں کا مفصل حال تھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ اگرچہ انہوں نے بیعت تو نہیں کی لیکن وہ آپ کی مخالفت کرنے کا بھی کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ حضرت علیؓ کے مشیروں نے یہ سمجھا کہ یہ دراصل قیس کی علحدگی کی تمہید ہے۔ انہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ انہیں اہلِ خربتا سے لڑنے کا حکم دیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے انہیں لکھا کہ اہلِ خربتا سے بزور بیعت لی جائے۔ لیکن قیس نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ

کو لکھا :

" اگرچہ اہلِ خربتا اس وقت غیر جانبدار ہیں لیکن وقت پڑنے پر وہ آپ ہی کی مدد کریں گے ۔ اس لیے ان سے تعرض نہ کرنا چاہیے ۔"

قیس کی معزولی اس خط سے حضرت علیؓ کے قریبی ساتھیوں کے شک کو اور تقویت پہنچی اور انہوں نے بڑے زور سے قیس کو معزول کرنے کا مشورہ دیا ۔ آخر حضرت علیؓ کو ان کا مشورہ ماننا پڑا اور قیس کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا والی بنا کر بھیج دیا ۔ قیس کو بہت غصہ آیا ۔ وہ مصر سے حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور تمام حالات انہیں سنائے ۔ حضرت علیؓ نے ان کا بیان سُن کر ان کے عذرات قبول کر لیے ۔

حضرت معاویہؓ کی کامیابی اس طرح معاویہؓ کی حُسنِ تدبیر سے ان کی راہ کا ایک کانٹا نکل گیا ۔ وہ مصر کی طرف سے مطمئن ہو کر جنگِ صفین کے لیے تیاری کرنے لگے ۔ اگر قیس مصر میں رہتے تو جنگ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا ۔ اس وقت معاویہؓ اپنی پوری فوج کو صفین نہ بھیج سکتے بلکہ فوج کا ایک حصہ انہیں مصر کی جانب بھی رکھنا پڑتا ۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کے لیے یہ بہت آسان تھا کہ وہ اس سے پہلے کہ کسی شخص کے ذہن میں مصحف بلند کرنے اور تحکیم کا خیال آتا شام کے لشکر کو شکستِ فاش دے سکتے ۔

قیس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کا تقرر اپنے مشیروں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے قیس بن سعد کو مصر کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو وہاں کا والی بنا دیا تھا محمد بن ابی بکرؓ کو مصر آئے ہوئے ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس نے "خربتا" کے غیر جانبدار لوگوں کو لکھا کہ یا تو وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں ورنہ مصر سے نکل جائیں ۔

انہوں نے جواب دیا :

" ہم اس وقت تک تمہاری اطاعت قبول نہیں کریں گے جب تک حالات کا پورے طور پر مشاہدہ نہ کر لیں گے ۔

تم ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو اور ہم سے جنگ کرنے میں جلدی نہ کرو ۔"

لیکن محمد بن ابی بکر نے ان کا عذر قبول نہ کیا اور چڑھائی کر دی ۔

قیس بن سعد یہ معلوم ہونے پر کہ ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنایا گیا ہے اس سے جا کر ملے تھے اور مصر کے تمام حالات سے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا :

" میری معزولی مجھے تمہیں نصیحت کرنے سے نہیں روکتی ۔ مجھے مصر کے حالات سے پوری طرح آگاہی ہے اور میں ان لوگوں کی سرشت سے خوب اچھی طرح واقف ہوں ۔ جب تک میں وہاں رہا معاویہؓ عمروؓ بن العاص اور اہلِ خربتا سے کھلا مقابلہ کرنے کی بجائے مختلف تدابیر اختیار کر کے انہیں اپنا مخالف بنانے سے روکتا رہا ۔ میں تمہیں بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ میرے طریق پر چل کر ان سے کھلا مقابلہ نہ کرنا بلکہ دوسرے طریقوں سے ان کو زک دینا ۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو سخت نقصان

محمد بن ابی بکرؓ کی بے تدبیری

لیکن محمد بن ابی بکر نے ان نصیحتوں پر مطلق کان نہ دھرا اس نے یہ سمجھا کہ چونکہ قیس کو معزول کر دیا گیا ہے اس لیے وہ نصیحت کے پردے میں مجھے زک پہنچانا اور انتقام لینا چاہتا ہے اس لیے اس نے ہر بات میں قیس کے خلاف کیا اور اہلِ خربتا سے جنگ چھیڑ دی ۔ وُہ بھی جان توڑ کر لڑے اور اسے شکست دے دی ۔

جب حضرت معاویہؓ کو اہلِ خربتا کے ہاتھوں محمد بن ابی بکر کی شکست کا پتا چلا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ اسی اثنا میں مصر میں بھی ایک شخص معاویہ بن خدیج السکونی کھڑا ہو گیا جس نے حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا مطالبہ شروع کر دیا ۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ کر لیا ۔ اس طرح محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں مصر کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا ۔ جب حضرت علیؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی اور آپ نے فرمایا :

" مصر کی حالت صرف دو آدمیوں کے ذریعہ درست ہو سکتی ہے یا قیس کے ہاتھوں یا اشتر کے ہاتھوں ۔"

محمد بن ابی بکرؓ کی جگہ اشتر کا تقرر

اشتر اس زمانہ میں جزیرہ میں حضرت علیؓ کا عامل تھا ۔ آپ نے اسے کہلا بھیجا کہ مصر محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے ۔ وہ ناتجربہ کار نوجوان ہے اور اس کے ذریعہ مصر کی حالت درست ہونی بہت مشکل ہے اس لیے کسی قابلِ اعتبار اور موزوں آدمی کو اپنی جگہ چھوڑو اور میرے پاس پہنچو ۔

حکم کی تعمیل میں اشتر حضرت علیؓ کے پاس پہنچا ۔ آپ نے اسے مصر کی ولایت کا پروانہ لکھ دیا اور فرمایا :

" اگر میں تمہیں نصیحت بھی کروں تو مجھے امید ہے کہ تم وہاں جا کر خود ہی مناسب تدابیر اختیار کرو گے تاہم اس بات کا خیال رکھنا کہ ہر مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہنا ۔ وہاں کے باشندوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا سلوک کرنا ۔ سختی صرف اس وقت کرنا جب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو ۔"

حضرت معاویہؓ کی تدابیر سے اشتر کی ہلاکت

چنانچہ اشتر مصر کی جانب روانہ ہو گیا ۔ حضرت معاویہؓ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یہ خبر مل گئی ۔ آپ نے سوچا کہ اشتر مصر پر قابض ہو گیا تو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ انہوں نے ایک شخص " جایستار " کو بلایا جو اہلِ خراج میں سے تھا اور اس سے کہا :

" اشتر کو مصر کا والی بنایا گیا ہے ۔ اگر تم کسی طرح اسے مصر میں داخل ہونے سے روک دو تو میں تمہارا بقیہ خراج معاف کر دوں گا ۔"

" جایستار " نے ہامی بھر لی اور جب اشتر مصر کی حدود میں داخل ہونے لگا تو وہ اس سے ملا اور کہنے لگا :

" میں ایک خراجی ہوں ۔ یہ میرا گھر ہے ۔ یہاں تشریف رکھیے اور ما حضر تناول فرمائیے ۔"

اشتر" جالیستار" کے کہنے میں آگیا اور اس کے گھر اُتر پڑا۔ وہ شہد کا ایک پیالہ لایا جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ اشتر نے اسے پیا اور زہر کے اثر سے ہلاک ہوگیا۔

جالیستار حضرت معاویہؓ کے پاس آیا اور انہیں اشتر کی موت کی خبر دی۔ انہوں نے کہا:

"علیؓ بن ابی طالب کے دو بازو تھے۔ ایک بازو (عمارؓ) تو جنگِ صفین کے دن کٹ گیا اور دوسرا (اشتر) آج قطع ہوگیا۔"

محمد بن ابی بکرؓ کی بحالی محمد بن ابی بکر کو مصر کی ولایت سے معزولی بہت ناگوار گزری تھی۔ جب حضرت علیؓ کو اشتر کی ہلاکت اور محمد بن ابی بکر کی ناراضگی کا پتا لگا تو آپ نے اسے لکھا:

"میں نے تمہیں کسی ناراضگی یا قصور کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ میں اشتر کو صرف اس لیے مصر کا حاکم بنانا چاہتا تھا کہ وہ بہت زیادہ تجربہ کار تھا اور مصر کے بگڑے ہوئے حالات کو قابو میں لا سکتا تھا۔ اب جبکہ وہ اپنی زندگی کے دن پورے کرکے خدا کے دربار میں حاضر ہو چکا ہے، میں تمہیں بدستور مصر کا حاکم باقی رکھتا ہوں تم دشمن کا مقابلہ اچھی طرح کرو۔ لڑائی سے کبھی پہلو تہی نہ کرو۔ لوگوں کو نصیحت بہت اچھے پیرائے میں کرو۔ خدا تعالیٰ کے ذکر میں اپنا اکثر وقت گزارو۔ اسی سے مدد طلب کرو اور اسی سے ڈرو۔ اگر تم نے ان باتوں پر عمل کیا تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ بڑے بڑے مشکل کام آسان ہو جائیں گے اور ہر وقت خدا تعالیٰ کی نصرت تمہارے شاملِ حال رہے گی۔"

محمد بن ابی بکر کی ناراضگی حضرت علیؓ کا یہ خط پڑھ کر دور ہوگئی اور اس نے جواب میں آپ کو یہ خط لکھا:

"امیرالمومنینؓ کا خط پہنچا۔ جو کچھ آپ نے اس میں لکھا تھا وہ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ امیرالمومنینؓ سے زیادہ اور کوئی شخص مجھے عزیز نہیں ہے اور آپ کی رائے کا پاس مجھ سے زیادہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کی بیعت کے لیے میں نے اہلِ خربتا کو بہت سمجھایا لیکن انہوں نے پیہم انکار کیا۔ آخر میں نے ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ اس کے باوجود میں نے ہر شخص کو امان دے دی تھی۔ صرف اسی شخص سے لڑائی کی تھی جس نے خود مجھ سے لڑنا چاہا۔ بہرحال میں امیرالمومنینؓ کا تابعدار ہوں اور ان کا ہر حکم بسر و چشم قبول کرنے کے لیے تیار۔"

(۲۴)

سرزمینِ مصر پر حضرت معاویہؓ کا قبضہ

محمد بن ابوبکرؓ کے مقابلہ کے لیے حضرت معاویہؓ کی اہلِ خربتا سے استمداد اہلِ شام صفین سے واپس آ کر حکمین کے فیصلہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اذرح میں حکمین کے اجتماع کے بعد اہلِ شام نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ جس سے حضرت معاویہؓ کی

...ت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ دُوسری جانب اہلِ عراق کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک فریق حضرت علیؓ کے حق میں تھا اور ایک ان کے خلاف۔ اس طرح نہ صرف عراق میں خلفشار برپا ہوگیا بلکہ حضرت علیؓ کی قوت میں بھی بہت کمی آگئی۔ حضرت معاویہؓ کو صرف مصر کی طرف سے فکر تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہیں مصر پر حضرت علیؓ کا مکمل تسلط نہ ہوجائے اور آپ مصریوں کی مدد سے شام پر حملہ نہ کر دیں۔

اگرچہ مصریوں کا حضرت عثمانؓ کی شہادت میں بہت بڑا حصہ تھا تاہم وہاں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو حضرت علیؓ کی مخالف تھی۔ حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کی مدد حاصل کی جائے اور ان کے ذریعہ مصر پر اپنا تسلط جمایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اہلِ خربتا کے دو سرداروں مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہؓ بن خدیج کندی کو لکھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک عظیم الشان کام کے لیے انتخاب کیا ہے اور وہ عظیم الشان کام یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذمہ دار ہیں۔ اگر تم اس کے لیے تیار رہو تو میں تمہاری مدد کے لیے فوج بھیج سکتا ہوں۔

اہلِ خربتا محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں پہلے ہی تنگ تھے۔ اُنہوں نے حضرت معاویہؓ کی پیشکش کو بڑی خوشی سے قبول کرلیا اور انھیں لکھ بھیجا کہ ہم جنگ کے لیے بالکل تیار ہیں، لیکن آپ کو جو مدد بھیجنی ہے وہ جلدی بھیجئے کیونکہ یہاں کا حاکم پہلے ہی ہم سے برسرِ پیکار ہے اور ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اب تک تو ہم اس کے حملوں کو روک رہے ہیں لیکن اندیشہ ہے کہ مبادا ہم بالکل مغلوب ہوجائیں۔ البتہ اگر آپ کی طرف سے مدد پہنچ گئی تو ان شاء اللہ ہم ضرور فتح یاب ہوں گے۔

اہلِ خربتا کی مدد کے لیے عمروؓ بن العاص کا پہنچنا جب یہ خط حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو چھ ہزار کی جمعیت دے کر مصر روانہ کیا اور انہیں نصیحت کی کہ اپنے مخالفین سے بہت نرمی سے پیش آئیں۔ پہلے انھیں صلح و اتحاد کی دعوت دیں اور اگر وہ یہ دعوت قبول نہ کریں تو صرف انہی سے لڑیں جو ان کے مقابلے کے لیے آئیں۔ لیکن جو لڑائی سے گریز کریں ان سے کسی قسم کی باز پُرس نہ کریں۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص مصر پہنچے تو اہلِ خربتا ان سے آملے۔ آپ نے محمد بن ابوبکر کو یہ خط لکھا:

"اے ابنِ ابوبکرؓ! تم اپنے خون کو مجھ سے بچاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تمھیں میرے ہاتھوں شکست کھانی پڑے۔ اہلِ مصر تمہاری پیروی کرنے سے نادم ہیں اور وہ تمہارے خلاف ہوچکے ہیں اس لیے یہی بہتر ہے کہ تم مصر سے نکل جاؤ۔ یاد رکھو میں تمہارا خیر خواہ ہُوں۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے خط کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا ایک خط بھی روانہ کیا۔ اس خط میں حضرت معاویہؓ نے محمد بن ابوبکرؓ کو لکھا تھا:

"بغاوت اور ظلم کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے اور ناحق خُون بہلانے والا دنیا ہی میں اپنی سزا کو پہنچ جاتا ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی وہ اس کے علاوہ ہوگی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم حضرت عثمانؓ کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ تم نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کا خون بہانے والوں

میں بھی تم پیش پیش تھے۔ تم نے یہ خیال کر لیا کہ میں تم سے غافل ہوں اور تمہارے سارے کرتوت میری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ اسی لیے تم نے خوشی خوشی مصر کی ولایت قبول کر لی لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مصر والے میرے ساتھ ہیں اور میری بات مانتے ہیں۔ وہ تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ تمہارا خون بہا کر اور تم سے جہاد کر کے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ وہ تمہیں قتل کر کے تمہارا مثلہ کریں گے۔ اگر انھوں نے تمہارے قتل کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو میں تمہیں نہ ڈراتا۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ تمہارے ظلم، سرکشی اور حضرت عثمانؓ کے قتل میں حصہ لینے کی وجہ سے تمہیں قتل کریں البتہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ قریش کے کسی شخص کا مثلہ کیا جائے۔ یاد رکھو! تم کہیں بھی چلے جاؤ خدا تعالیٰ تم سے بدلہ لے کر چھوڑے گا۔"

محمد بن ابی بکرؓ کی حضرت علیؓ سے مدد کی درخواست

جب محمد بن ابی بکر کو یہ دونوں خط ملے تو اس نے انہیں اپنے ایک خط کے ساتھ حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس خط میں اس نے لکھا:

"عمروؓ بن العاص مصر کے زیریں حصہ میں پہنچ گئے ہیں اور اس علاقہ کے جتنے لوگ معاویہؓ کے حامی تھے وہ ان سے مل گئے ہیں عمروؓ بن العاص کے ساتھ بھاری لشکر ہے لیکن میرے بعض ساتھیوں میں بزدلی پائی جاتی ہے۔ اگر آپ کو سرزمینِ مصر کا کچھ بھی فکر ہے تو فوراً میری مدد کے لیے فوج روانہ کیجئے۔"

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں محمد بن ابوبکر کو ایک تسلی آمیز خط بھیجا جس میں عمروؓ بن العاص کی چڑھائی کو معمولی بات قرار دیا اور لکھا کہ یہ چڑھائی خود اس کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گی۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ کسی صورت میں بھی بزدلی نہ دکھائے اور پوری طاقت سے ہر شہر اور ہر بستی کی حفاظت کرے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ وہ جلدی ہی اس کی امداد کے لیے ایک فوج روانہ کریں گے۔

حضرت علیؓ کا جواب پہنچنے پر محمد بن ابوبکر کو کچھ اطمینان ہوا اور اس نے حضرت معاویہؓ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا:

"آپ کا خط مجھے ملا جس میں آپ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذیل میں میرا تذکرہ بھی کیا ہے اور مجھے ان کے قتل میں شریک ٹھہرایا ہے۔ میں اس کے متعلق کسی قسم کا عذر پیش کرنا نہیں چاہتا۔ آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں مصر چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں، گویا آپ میرے بڑے ناصح ہیں۔ آپ مجھے مثلہ سے ڈراتے ہیں، گویا آپ میرے بڑے مشفق ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جنگ میں آپ کو شکستِ فاش نصیب ہو گی اور آپ کی فوجوں کا تہس نہس ہو جائے گا۔"

ایک خط حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی اسی مضمون کا لکھا:

"تم اپنے خیال میں اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ مجھے تمہارے مقابلہ میں شکست ہو۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم

ہوں کہ تم اپنے اس خیال میں سراسر غلطی پر ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ تم میرے ناصح مشفق ہو۔ حالانکہ تم سے زیادہ مجھے نقصان پہنچانے والا آدمی اور کوئی نہیں ۔ تمہیں گمان ہے کہ اہلِ مصر نے میرا ساتھ چھوڑ کر تمہاری پیروی اختیار کرلی ہے اور وہ میرا ساتھ دینے پر نادم ہیں ۔ اگر یہی بات ہے تو وہ لوگ تمہیں اور شیطان کو مبارک ہوں"

لڑائی کا آغاز اور محمد بن ابو بکر کا قتل یہ دونوں خط بھیجنے کے بعد محمد بن ابو بکر لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔ اس نے لوگوں کو لڑائی کے لیے ابھارنا شروع کیا۔ آخر کنانہ بن بشر کی سرکردگی میں اس نے دو ہزار فوج عمروؓ بن العاص کے مقابلہ کے لیے بھیجی ۔ اُدھر سے عمروؓ بن العاص بھی پہنچ گئے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو کنانہ نے بڑے زور شور سے عمروؓ بن العاص کی فوج پر حملہ کیا اور اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ جب عمروؓ بن العاص نے یہ صورتِ حال دیکھی تو معاویہ بن خدیج السکونی سے مشورہ کیا۔ معاویہ بن خدیج فوراً اہلِ خربتا کو میدان میں لے آئے اور کنانہ بن بشر کی فوج کو گھیر لیا۔ اب شامیوں نے زبردست حملہ کیا اور کنانہ کی فوج کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کنانہ بھی میدانِ جنگ میں کام آئے ۔ جب محمد بن ابو بکر کے ساتھیوں کو کنانہ کی فوج کی حسرت ناک شکست کا پتا چلا تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے اور محمد اکیلا رہ گیا۔ آخر مایوس ہو کر وہ شہر سے باہر نکلا اور ایک کھنڈر میں پناہ لی ۔ معاویہ بن خدیج، محمد کی تلاش میں تھا۔ بعض قبطیوں نے اسے محمد کا پتا بتا دیا۔ معاویہ بن خدیج کھنڈرات میں پہنچا اور محمد کو باہر نکال کر قتل کرنا چاہا۔ یہ دیکھ کر محمد کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ جو عمروؓ بن العاص کے لشکر میں تھے ، برداشت نہ کر سکے ۔ انہوں نے عمروؓ بن العاص سے کہا :

" کیا تم میرے بھائی کو قتل کر ڈالو گے ؟"

عمروؓ بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو کہلا بھیجا کہ وہ محمد کو زندہ پکڑ کر ان کے پاس لے آئیں ۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ محمد پیاس سے مرا جا رہا تھا اس نے التجا کی کہ مجھے پانی کا ایک پیالہ پلا دو پھر بیشک قتل کر ڈالنا۔ لیکن معاویہ نے کہا:

"خدا تعالیٰ مجھے پانی کا ایک گھونٹ نہ پلائے اگر میں تمہیں پانی پلاؤں۔ تم نے حضرت عثمانؓ کو پانی سے قطعاً محروم کر دیا تھا اور وہ شدتِ پیاس کی حالت میں شہید کیے گئے ۔ اے ابنِ ابو بکرؓ ! میں تمہیں ضرور قتل کروں گا آخرت میں خدا تعالیٰ تمہیں گرم پانی پلائے گا۔"

چنانچہ معاویہ نے محمد کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا۔

جب حضرت عائشہؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے معاویہ اور عمروؓ بن العاص کے حق میں بددعا کی اور محمد کے اہل و عیال کو اپنے پاس بلا لیا۔

حضرت علیؓ نے بہت مشکل سے دو ہزار کی جمعیت محمد بن ابو بکرؓ کی مدد کے لیے فراہم کی تھی۔ اس لشکر نے ابھی تھوڑی مسافت ہی طے کی تھی کہ محمد کے قتل اور مصر پر حضرت معاویہؓ کے قبضہ کی خبر آگئی۔ اس پر یہ لشکر راستہ ہی سے واپس ہوگیا۔

جب حضرت علیؓ کو محمد کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت رنج ہوا ۔ البتہ معاویہؓ اور اہلِ شام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی ۔

مصر کی ولایت دوبارہ عمروؓ بن العاص کے ہاتھوں میں عمروؓ بن العاص نے فتح کے بعد فسطاط جا کر اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ صفر ۳۸ھ کا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے عمروؓ بن العاص کو مصر کی ولایت سونپ دی اور اس طرح عمروؓ بن العاص دوبارہ مصر کے والی ہو گئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص کو اگرچہ مصر کی ولایت مل گئی تھی لیکن وہ اکثر شام آتے رہتے تھے۔ معاویہؓ بھی ان کے مشورہ اور رائے کے بغیر کوئی اہم کام سرانجام نہیں دیتے تھے۔ طبری نے ذکر کیا ہے کہ جس روز حضرت امام حسنؓ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی ہے اس دن عمروؓ بن العاص بھی معاویہؓ کے پاس موجود تھے۔ البتہ اس دوران میں ان کا کوئی بڑا کارنامہ نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر کی ولایت کے دوران میں حضرت عمروؓ بن العاص وہاں کی سیاسی حالت سدھارنے اور عام نظم و نسق درست کرنے میں مصروف رہے۔ انہیں جنگوں میں حصہ لینے کی فرصت نہ مل سکی۔ مصر پر حکومت کرتے ہوئے انہیں ابھی چار سال ہی ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ پہنچا اور ۴۳ھ میں یہ عظیم الشان سیاستدان دنیا سے اٹھ گیا۔

(۲۵)

حضرت علیؓ کی خلافت کے آخری ایام

۳۸ھ سے ۴۰ھ تک

پریشانی کے ایام حضرت علیؓ کی خلافت کے آخری ایام ان کے لیے نہایت پریشانی کے تھے۔ آپ کے بیشتر ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ بڑے بڑے مددگار اور حامی جو ہمیشہ آڑے وقت میں آپ کے کام آتے تھے مثلاً اشتر، عمار اور محمد بن ابی بکر، آپ کے سامنے ہی راہی ملکِ عدم ہو چکے تھے۔ آپ کے اردگرد جو لوگ باقی رہ گئے تھے نہ ان میں بہادری تھی اور نہ آپ کی مدد اور حمایت کا جوش۔ جب آپ ان لوگوں کو مدد کے لیے بلاتے تھے وہ پس وپیش کرنے لگتے تھے اور آپ کی آواز پر مطلق کان نہ دھرتے تھے۔ اس کے بالمقابل حضرت معاویہؓ کے ساتھی ان کی ایک آواز پر اپنا فرض بجا لانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے اور کسی خطرہ کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔

جب حضرت علیؓ نے یہ حالات دیکھے اور اپنے اور حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں کا موازنہ کیا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ معاویہؓ نے تمام عالمِ اسلام پر حکومت کرنے کا جو خواب دیکھا ہے وہ بالآخر پورا ہو جائے گا اور وہ اپنے ساتھیوں کی غداری، کم ہمتی اور بزدلی کی وجہ سے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس صورتِ حال کا ان کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا اور ان پر انتہائی پژمردگی چھا گئی۔ آپ نے باہر نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا بہت کم کر دیا۔ جب عاملِ بصرہ حضرت ابنِ عباسؓ کو حضرت علیؓ کی اس حالت کا پتا چلا تو وہ آپ کی ہمت بڑھانے اور معاویہؓ کے مقابلہ میں کوئی کارگر حربہ اختیار کرنے کے لیے کوفہ روانہ ہوئے۔

عبداللہ بن حضرمی کا بصرہ پر تسلط جب حضرت معاویہؓ کو یہ معلوم ہوا کہ ابنِ عباسؓ بصرہ چھوڑ کر کوفہ گئے ہیں تو انہوں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور عبداللہ بن حضرمی کو اپنے حق میں پروپیگنڈا کرنے کے لیے بصرہ بھیجا اور اس سے کہا کہ بصرہ کے باشندوں کی ایک کثیر تعداد حضرت علیؓ کی مخالف ہے تم جا کر انھیں اپنے ساتھ ملاؤ۔ چنانچہ ابنِ حضرمی بصرہ پہنچا۔ وہاں جا کر اس نے بنوتمیم اور مضر کو اپنے ساتھ ملا کر انہیں انتقامِ عثمانؓ کے مقابلہ کے لیے کھڑا کر دیا۔

ابنِ عباسؓ زیاد بن ابیہ کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ انہوں نے جو یہ صورتِ حال دیکھی تو حضرت علیؓ کے حامی قبیلہ ربیعہ سے پناہ طلب کی اور بصرہ کا سارا خزانہ بھی وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں سے انہوں نے حضرت علیؓ کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور ان سے مدد طلب کی۔ حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ انہوں نے بصرہ جا کر ابنِ حضرمی کا مقابلہ کیا۔ وہ اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ بصرہ کے ایک مکان میں پناہ گزین ہو گیا۔ لیکن جاریہ نے اس مکان کو جلا ڈالا اور ابن حضرمی اور اس کے ستر ساتھی آگ میں جل کر ہلاک ہو گئے۔

خریت بن راشد کا فتنہ معرکۂ نہروان کے بعد اگرچہ خوارج کا فتنہ دب گیا تھا لیکن اس کا پُورے طور پر استیصال نہ ہو سکا تھا اور کبھی کبھی موقعہ پا کر یہ فتنہ سر اُٹھا لیتا تھا۔ خریت بن راشد ایک خارجی نے اہواز، فارس اور کرد کے علاقوں میں حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور حضرت علیؓ کے عمّال کو ان علاقوں سے باہر نکال دیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے مقابلہ کے لیے بصرہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس نے جا کر خریت کے زور کو توڑا اور اس کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس علاقہ میں پورے طور پر امن قائم کرنے اور خریت کے فتنہ کے آثار مٹانے کے لیے حضرت علیؓ نے زیاد بن ابیہ کو وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا۔ زیاد نے فارس پہنچ کر تمام حالات کا جائزہ لیا۔ نہایت ہوشمندی سے کام لے کر وہاں امن قائم کیا اور قبائلی سرداروں کو بیش قیمت عطایا اور مال و منال کا لالچ دے کر اپنی اطاعت کرنے پر مجبور کر دیا اس طرح فارس کے تمام علاقے میں زیاد کی حکومت اچھی طرح مستحکم ہو گئی۔

حضرت معاویہؓ کے جارحانہ حملے جب حضرت معاویہؓ کو خوارج کے اس فتنہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر مختلف اطراف میں اپنے لشکر بھیجنے شروع کر دیے۔ نعمان بن بشیر کو عین التمر کی طرف بھیجا۔ وہاں حضرت علیؓ کی طرف سے مالک بن عوف حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو امداد کے لیے لکھا۔ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے عین التمر جانے کے لیے ارشاد فرمایا لیکن اہلِ کوفہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کو شدید غصہ آیا اور آپ نے فرمایا:

"تمہیں کیا ہوا؟ کیا تمہاری آنکھوں پر بجلی گر پڑی ہے کہ وہ اندھی ہو گئی ہیں یا زبانوں پر فالج کا اثر ہو گیا ہے کہ ان میں نام کو حرکت باقی نہیں رہی یا کانوں نے جواب دے دیا ہے اور وہ بہرے ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

لیکن اہلِ کوفہ خاموش بیٹھے رہے اور دربارِ خلافت سے مالک کو کوئی امداد نہ پہنچ سکی۔ آخر مالک نے خود ہی نعمان کا مقابلہ کیا اور اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت معاویہؓ نے چھ ہزار کا ایک اور لشکر سفیان بن عوف کی سرکردگی میں ہیت، انبار اور مدائن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ سفیان پہلے ہیت پہنچا۔ لیکن یہاں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی فوج موجود نہ تھی۔ وہاں سے وہ انبار آیا یہاں ایک فوج مقابلہ کے لیے موجود تھی۔ سفیان نے لڑائی شروع کر دی اور فتح یاب ہوگیا۔ اسے یہاں سے جس قدر مال و اسباب مل سکا وہ لے کر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ گیا۔

عبداللہ بن مسعدہ کو تیماء کی طرف بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ بدویوں سے بہ جبر صدقہ وصول کرے اور جو شخص مزاحمت کرے اسے قتل کر دے اس کے بعد مکہ اور مدینہ کا رُخ کرے۔ حضرت علیؓ نے عبداللہ کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی جس کے نتیجہ میں عبداللہ آگے نہ بڑھ سکا اور شام کی طرف لوٹنے پر مجبور ہوگیا۔

ضحاک بن قیس کو اطرافِ بصرہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جس نے وہاں پہنچ کر قتل و غارت کا بازار خوب گرم کیا۔

بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت دے کر حجاز اور یمن کی طرف روانہ کیا۔ بسر سب سے پہلے مدینہ آیا اور شہر پر قبضہ کر کے اہلِ مدینہ سے حضرت معاویہؓ کی بیعت لی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ مکہ پہنچا اور وہاں کے لوگوں سے بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت لی۔ مکہ سے وہ یمن پہنچا۔ یمن میں اس وقت حضرت علیؓ کی جانب سے عبیداللہ بن عباس والی تھے۔ انہوں نے جب بسر کے آنے کی خبر سُنی تو کوفہ چلے گئے۔ بسر نے آکر یمن پر قبضہ کر لیا اور عبیداللہ بن عباس کے دو کم سن بچوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔

بسر نے حضرت علیؓ کے حامیوں کی ایک کثیر تعداد کو قتل کر دیا۔ مکہ اور مدینہ کے بہت سے گھروں کو مسمار کرا دیا۔ جب حضرت علیؓ کو بسر کے ظلم و ستم سے آگاہی ہوئی تو آپ نے اس کے مقابلے کے لیے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن سعود کو دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ جب بسر کو ان دونوں کے آنے کی اطلاع ملی تو ڈر کر شام بھاگ گیا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ کی شہادت واقع ہوگئی۔ اس خبر کو سُن کر جاریہ نے اہلِ یمن سے حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت امام حسنؓ کی بیعت لی۔ یمن سے وہ مکہ آئے اور مکہ سے مدینہ پہنچے اور علی الترتیب ان دونوں شہروں سے بھی حضرت امام حسنؓ کے لیے بیعت لی۔

حضرت علیؓ کے آخری دورِ خلافت کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دن حضرت علیؓ کے لیے انتہائی پریشانی کے تھے۔ حکومت کا تمام نظام درہم برہم ہوگیا تھا اور سلطنت کے ہر حصہ میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کی طاقت و قوت بڑھ رہی تھی اور ان کی سلطنت کو استحکام حاصل ہو رہا تھا۔

(۲۶)

امیر المومنینؓ کی شہادت

سنہ ۴۰ھ کا ذکر ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر التمیمی، تین مشہور خارجی ایک جگہ سر ے

[illegible] اور عالمِ اسلام کی ناگفتہ بہ حالت کا تذکرہ کرنے لگے۔ بات چیت کے دوران میں جنگِ نہروان کا بھی ذکر چھڑ گیا۔ یہ تینوں دردانگیز الفاظ میں اپنے مقتولین کا ذکر کرنے اور کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کے قتل کے بعد زندگی کا کوئی مزا نہیں رہا۔ اب ہمارے لیے یہی ایک راستہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تمام عالمِ اسلام میں ایک فساد برپا کر رکھا ہے، قتل کر دیں اس طرح جہاں ہم مسلمانوں کو ایک عظیم فتنہ سے نجات دلا دیں گے وہاں اپنے بھائیوں کا انتقام بھی لے لیں گے۔

ابنِ ملجم نے، جو اہلِ مصر میں سے تھا، کہا کہ میں علیؓ کو قتل کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ برک بن عبداللہ نے معاویہؓ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی اور عمرو بن بکر نے عمروؓ بن العاص کو قتل کرنے کی ہامی بھری۔

ان تینوں نے باہم عہد و پیمان کیے اور قسمیں کھائیں کہ اپنے اپنے مفوضہ کام سے کسی طرح پیچھے نہیں ہٹیں گے اور یا تو ان تینوں کو قتل کر دیں گے یا خود مارے جائیں گے۔ اس کام کے لیے رمضان کی سترہ تاریخ مقرر ہوئی۔ قول و قرار کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں زہر میں بجھائیں اور تینوں اپنا اپنا کام سرانجام دینے کے لیے کوفہ، دمشق اور مصر روانہ ہو گئے۔

ابنِ ملجم کوفہ آیا اور بنو کندہ میں ٹھہرا جو درپردہ خوارج کے حامی تھے۔ لیکن اس نے اس ڈر سے اپنے ارادہ کا کسی شخص پر اظہار نہ کیا کہ کہیں بات نکل نہ جائے۔ ایک دن اس نے قبیلہ بنی تیم رباب کے چند لوگوں کو دیکھا۔ حضرت علیؓ نے تیم رباب کے دس آدمیوں کو جنگِ نہروان میں قتل کیا تھا۔ یہ ان سے ملا اور ان کے مقتولوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اسی خاندان کی ایک انتہائی حسین و جمیل عورت "قطام" تھی۔ اس کے باپ اور بھائی کو بھی حضرت علیؓ نے جنگِ نہروان میں قتل کیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے دل میں حضرت علیؓ کی طرف سے شدید عداوت بھری ہوئی تھی۔ قطام کو دیکھ کر ابنِ ملجم اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور اس نے اسے نکاح کا پیغام دے دیا۔ قطام نے کہا:

"مجھے تم سے نکاح کرنے میں کوئی عذر نہیں لیکن مہر وہ ہو گا جو میں مقرر کروں گی۔"

ابنِ ملجم نے کہا: "وہ کیا ہو گا؟"

قطام نے کہا:

"تین ہزار درہم، ایک غلام۔ ایک لونڈی اور علیؓ بن ابی طالب کا قتل۔"

ابنِ ملجم نے کہا:

"تمہارا مہر مجھے منظور ہے۔ میں تو خود ہی علیؓ کو قتل کرنے کوفہ آیا ہوں۔"

قطام نے ابنِ ملجم کو نصیحت کی کہ وہ حضرت علیؓ پر اچانک حملہ کرے، اگر وہ بچ گیا تو دونوں آرام کی زندگی بسر کریں گے ورنہ آخرت کا عیش و آرام اس کے لیے اس دنیا کے عیش و آرام سے بدرجہا بہتر ہو گا۔ اپنے قبیلہ کے ایک شخص وردان کو بھی اس نے ابنِ ملجم کے ساتھ کر دیا۔

ابنِ ملجم قطام کے پاس سے اٹھ کر قبیلہ اشجع کے ایک شخص شبیب بن بجرہ کے پاس آیا اور اس سے پوچھا:

"کیا تم دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

اُس نے پُوچھا :
"وہ کس طرح ؟"
ابنِ ملجم نے کہا :
"علیؓ بن ابی طالب کو قتل کر کے۔"
شبیب نے یہ سُن کر کانوں پر ہاتھ دھرا اور کہنے لگا :
"یہ کیسے ہوسکتا ہے ؟"
ابنِ ملجم نے کہا :
"میں مسجد میں چھُپ کر بیٹھ رہوں گا۔ جب علیؓ فجر کی نماز پڑھانے مسجد میں آئیں گے تو ہم دونوں اچانک ان پر حملہ کر کے انھیں قتل کر دیں گے۔ اگر ہم بچ نکلے تو اپنے مقصد میں پُوری طرح کامیاب ہوجائیں گے اور اپنے مقتولین کا انتقام لے لیں گے، لیکن اگر بچ نکلنا ہمیں نصیب نہ ہوا تو آخرت کا اجر تو بے حساب ہمیں ملے گا ہی۔"
شبیب نے کہا :
"علیؓ نے اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ اسلام لانے میں ان کو سابقیت کا شرف حاصل ہے۔ میں تو اس کام میں تمہارا ساتھ نہیں دُوں گا۔"
ابنِ ملجم نے کہا :
"کیا تمھیں معلوم ہے کہ علیؓ نے جنگِ نہروان میں خدا تعالیٰ کے سینکڑوں نیک اور پاکباز بندوں کو قتل کیا تھا ؟"
شبیب نے اثبات میں جواب دیا۔
ابنِ ملجم نے کہا :
"تب علیؓ کو اپنے بھائیوں کے بدلہ میں کیوں نہ قتل کریں !"
اس طرح اس نے بہلا پھسلا کر شبیب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ تینوں حسبِ قرارداد ۱۷ رمضان کو فجر کی نماز کے وقت مسجد میں جا کر اس دروازہ کے سامنے بیٹھ گئے جہاں سے حضرت علیؓ نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت علیؓ نماز کے لیے تشریف لائے تو سب سے پہلے شبیب نے اپنی تلوار سے آپ پر حملہ کیا لیکن اس کی تلوار دروازہ پر جا کر لگی۔ اس کے بعد ابنِ ملجم نے وار کیا۔ اس کی تلوار آپ کے سر پر لگی۔ وردان وار نہ کر سکا اور بھاگ گیا۔
وردان نے اپنے گھر آکر یہ واقعہ ایک شخص کو سنایا جس پر اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ شبیب موقع پا کر ہجوم میں گھس گیا اور بچ گیا۔
حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان کے قاتل کو پکڑا جائے۔ لوگوں نے ابنِ ملجم کو پکڑ لیا اور اس کی مُشکیں کس کر حضرت علیؓ کے سامنے حاضر کیا۔

حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا:

"اے اللہ کے دشمن! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیا تھا؟"

اس نے جواب دیا:

"بے شک!"

آپ نے فرمایا:

"پھر کس بات نے تجھے مجھ پر حملہ کرنے کے لیے مجبور کیا؟"

ابنِ ملجم نے اس بات کا تو کوئی جواب نہ دیا، البتہ یہ کہا:

"میں نے اپنی اس تلوار کو چالیس روز تک تیز کیا ہے، کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اس کے ذریعہ بدترین مخلوق کو قتل کروں گا۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"اس تلوار سے تجھی کو قتل کیا جائے گا اور دُنیا میں تُو ہی بدترین مخلوق ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

"اگر میں فوت ہوگیا تو اس شخص کو قتل کردینا اور اگر میں زندہ رہا تو اس سے خود ہی سمجھ لُوں گا۔"

حضرت علیؓ کی بیٹی اُمّ کلثوم نے، جو اپنے والد کی حالت دیکھ کر رو رہی تھیں، ابنِ ملجم سے کہا:

"اے اللہ کے دشمن! میرے باپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا اور تُو اپنے مقصد میں ناکام ہوگا۔"

ابنِ ملجم نے کہا:

"اگر تمہارے باپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟ میں نے اپنی تلوار ایک ہزار درہم میں خریدی تھی اور ایک درہم خرچ کرکے میں نے اسے زہر میں بجھایا تھا۔ اگر اس کی ضرب تمام اہلِ شہر پر بھی پڑے تو بھی کوئی شخص زندہ نہ بچے۔"

آخری وقت جندب بن عبداللہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا:

"کیا ہم آپ کے بعد آپ کے بیٹے حسنؓ کو خلیفہ بنا لیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"نہ میں تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیتا ہُوں اور نہ منع کرتا ہُوں، جو تم مناسب سمجھو، کرو۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہُوں۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا، دنیا سے کبھی دل نہ لگانا، کسی ایسی چیز کی خواہش نہ کرنا جو تمہاری دسترس سے باہر ہو، ہمیشہ سچ بولنا، یتیم پر رحم کرنا، بیکس کی مدد کرنا، اپنی آخرت

سنوارنے کی کوشش کرنا، ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا، مظلوم کی مدد کرنا، قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنا، اللہ تعالیٰ کی تعمیلِ احکام کے سلسلہ میں لومۃ لائم کی پروا نہ کرنا۔"

حسنؓ اور حسینؓ کو یہ نصیحت کرنے کے بعد آپ اپنے تیسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :

"میں نے تمہارے بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں تم نے اچھی طرح انھیں گوش گزار کر لیا ہے ؟"

انہوں نے کہا :

"جی ہاں !"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"تم بھی انہی نصیحتوں پر عمل کرنا۔ ساتھ ہی میں تمہیں یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ تم اپنے بڑے بھائیوں کی توقیر اور تعظیم کرنا۔ کیونکہ ان کا تم پر بہت بڑا حق ہے۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر عمل کرنا اور ان کے کسی حکم کی بجا آوری میں دیر نہ کرنا۔"

آپ نے اپنے پسماندگان سے فرمایا :

"اے بنی عبد المطلب ! خبردار، تم میرے بعد مسلمانوں کا خون بہانے کے درپے نہ ہو جانا اور میرے قاتل کے سوا اور کسی کو قتل نہ کرنا۔"

خاص طور پر حضرت حسنؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

"حسنؓ ! اگر میں مر جاؤں تو میرے قاتل کا تلوار سے ایک دفعہ ہی خاتمہ کر دینا۔ اس کا مثلہ نہ کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے :

"مثلہ سے بچو خواہ باؤلا کتا ہی کیوں نہ ہو۔" زخم لگنے کے دو روز بعد حضرت علیؓ نے وفات پائی۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت حسنؓ کے سامنے ابنِ ملجم کو حاضر کیا گیا۔ ابنِ ملجم نے ان سے عرض کیا :

"میں نے خدا تعالیٰ سے خانۂ کعبہ میں عہد کیا تھا کہ میں یا تو علیؓ اور معاویہؓ کو قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ عہد کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں، میں معاویہ کو جا کر قتل کر آؤں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بچ کر نکل آیا تو خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

حضرت حسنؓ نے ابنِ ملجم کی یہ درخواست رد کر دی اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ قتل کے بعد اسے آگ میں جلا دیا گیا۔

برک بن عبد اللہ بھی حسبِ قرارداد، اسی رات کو جس رات حضرت علیؓ پر حملہ کیا گیا۔ حضرت معاویہؓ کی گھات میں بیٹھ گیا۔ جب وہ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ تلوار ان کی ران میں لگی اور وہ انہیں قتل نہ کر سکا۔ برک کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے حضرت معاویہؓ کی خدمت میں عرض کیا :

"میں آپ کو ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا :

وہ کیا ؟"

اس نے کہا :

"میرے ایک بھائی نے اسی رات علیؓ کو قتل کر دیا ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا :

"شاید وُہ بھی تمہاری طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا ہوگا۔"

اس نے کہا :

"نہیں وہ ضرور کامیاب ہو گیا ہوگا کیونکہ علیؓ کے ساتھ پہرہ دار نہیں ہوتے۔"

برک کو تو حضرت معاویہؓ نے قتل کرا دیا اور ساعدی نامی ایک طبیب کو بلایا۔ طبیب نے زخموں کا اچھی طرح معاینہ کیا اور کہا :

"آپ پر زہر کی بجھی ہُوئی تلوار سے حملہ کیا گیا ہے۔ میں اس کے دو ہی علاج کر سکتا ہوں، ایک تو لوہا گرم کر کے زخم کی جگہ لگاؤں یا ایک دوائی آپ کو پلاؤں۔ لیکن اس دوائی کا اثر یہ ہوگا کہ آپ کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا :

"گرم لوہے کے لگوانے کی تو مجھ میں تاب نہیں۔ باقی رہا اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جانے کا سوال تو میرے لیے یزید اور عبداللہ ہی کافی ہیں۔"

چنانچہ طبیب نے انہیں دوائی پلائی اور وہ اچھے ہوگئے۔ بعدازاں ان کے کوئی اولاد نہیں ہُوئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہؓ نے مسجد میں مقصورہ بنانے کا حکم دیا اور پہرہ دار مقرر کیے، جو نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

عمرو بن بکر بھی اسی رات حضرت عمروؓ بن العاص کی گھات میں بیٹھ گیا۔ عمروؓ بن العاص بیمار تھے اس لیے نماز کے لیے نہ آسکے اور اپنی جگہ خارجہ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ چونکہ اس وقت تک روشنی نمودار نہ ہوئی تھی اس لیے عمرو بن بکر کو پتا نہ چل سکا کہ عمروؓ بن العاص کی جگہ خارجہ بن حذافہ نماز پڑھانے کے لیے آئے ہیں۔ اس نے عمروؓ بن العاص کے دھوکے میں خارجہ بن حذافہ پر حملہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ لوگوں نے جھٹ اسے پکڑ لیا اور اسے حضرت عمروؓ بن العاص کی خدمت میں لے گئے۔

عمرو بن بکر نے لوگوں سے پوچھا :

"یہ کون ہیں ؟"

لوگوں نے جواب دیا :

"عمروؓ بن العاص !"

اس نے کہا :

"میں نے کسے قتل کر ڈالا ؟"

لوگوں نے کہا :

"خارجہ بن حذافہ کو۔"

اس پر وہ حضرت عمرؓو بن العاص سے کہنے لگا :

"میں نے تو اپنے خیال میں تم پر حملہ کیا تھا۔"

عمرؓو بن العاص کہنے لگے :

"تو نے میرے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ میری جگہ خارجہ مارے جائیں ۔ اچھا اب اپنے کیے کی سزا بھگت!"

انہوں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے فوراً قتل کر دیا گیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ اسلام کی تاریخ کے ایک درخشندہ باب کا خاتمہ ہو گیا۔ دینی خدمات ، اعلائے کلمۃ الحق ، زہد و قناعت اور دنیوی عیش و آرام سے نفرت کے لحاظ سے حضرت علیؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر تھے ، تفقہ فی الدین اور شریعت کی اصل روح کے علم میں آپ شیخین سے بڑھے ہوئے تھے ۔ البتہ جہاں تک تدبیرِ مملکت ، سیاست کی باریکیوں کو سمجھنے ، قوم کے تمام حالات کا علم رکھنے ، فتنہ و فساد کی تمام راہوں کو بند کرنے اور فرماں روائی کا تعلق ہے حضرت علیؓ کو وہ مقام حاصل نہیں تھا جو شیخین کو تھا ۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت علیؓ سے سیاست اور حکومت کے بارہ میں ایسے اقوال مروی ہیں جن پر عمل کرنے سے مملکت میں کوئی ابتری پیدا نہیں ہو سکتی ۔ لیکن اصل چیز یہ ہوتی ہے کہ اقوال کو عملی جامہ پہنایا جائے اور یہ چیز حضرت علیؓ کو میسر نہ ہو سکی۔

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر زمانہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیتا اور اُمت میں تفرقہ پیدا نہ ہو جاتا تو آپ اپنے عہد میں عالمِ اسلام میں عدل و انصاف کا وہ نمونہ قایم کرتے اور فتوحاتِ اسلامی کو اتنی وسعت دیتے کہ عہدِ صدیقؓ و فاروقؓ کا سماں لوگوں کی نظروں میں چھا جاتا ۔ حضرت علیؓ کے تقویٰ اور پرہیزگاری ، سادہ زندگی اور دنیوی مال و منال سے نفرت کرنے کا یہ عالم تھا کہ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس سوائے سات درہم کے اور کچھ نہ تھا ۔ حالانکہ آپ کے زمانہ میں آپ کی رعایا میں ہزاروں لوگ ایسے تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں درہم موجود تھے خود آپ کے مدِمقابل معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے ۔ لیکن حضرت علیؓ کی زندگی نہایت سادہ تھی ۔ آپ کا لباس اور کھانا پینا نہایت معمولی ہوتا تھا ۔ دنیوی شان و شوکت کے آپ کبھی پاس بھی نہ پھٹکتے تھے ۔

آپ نے سب سے پہلی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے کی ۔ ان کی زندگی میں آپ نے اور کوئی شادی نہیں کی ۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے دو لڑکے حسنؓ اور حسینؓ اور دو لڑکیاں زینبؓ اور اُمِ کلثوم پیدا ہوئیں ۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے کئی شادیاں کیں ۔ آپ کے جن پانچ صاحبزادوں سے نسل کا سلسلہ جاری رہا ، ان کے نام

یہ ہیں :

حسنؓ ، حسینؓ ، محمد بن الحنفیہؒ ، عباسؓ ، عمرؓ ۔

(۲۷)

حضرت علیؓ کی مشکلات کے اسباب

ایک مورخ بڑی حیرت سے یہ پوچھتا ہے کہ قریش نے شیخین کی اطاعت کس طرح قبول کر لی پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ قبیلہ بنی تیم بن کعب سے تھے اور دُوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ بنی عدی سے۔ لیکن قریش نے نہ صرف یہ کہ ان کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ ان کی کامل فرمانبرداری بھی اختیار کی۔ ان کے عہد میں ساری قوم نے پُوری یک جہتی کا ثبوت دیا اور کسی طرف سے بھی مخالفت کی کوئی آواز نہ اُٹھی۔ لیکن جب خلافت بنی عبد مناف کے ہاتھ آئی اور آخری دو خلیفہ قریش کے اس معزز ترین خاندان میں سے ہوئے تو پہلے خلیفہ کو اس کی زندگی کے آخری دَور میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور قریش کی نظروں کے سامنے اس نے جامِ شہادت نوش کیا اور دوسرے خلیفہ کی ابتدا ہی سے مخالفت شروع کر دی گئی اور ساری عمر اسے اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ ان کا خاندان جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں قریش کا سب سے برتر خاندان رہا ہے اور یہ وہ خصوصیت تھی جو پہلے دو خلفا کو حاصل نہ تھی۔ خاندانی بزرگی کے علاوہ خود حضرت علیؓ کی اپنی ذاتی شخصیت انتہائی ارفع و اعلیٰ تھی۔ علم و فضل میں آپ کا کوئی ہم پایہ نہ تھا۔ پھر یہ کیا ہوا کہ آپ کی ساری زندگی تلخیوں کا مرقع بنی رہی اور زمانہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ رہا!

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت علیؓ انتہائی شجاع اور بہادر انسان تھے۔ کسی خطرہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں بے دھڑک گھس جانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ موت کی پروا آپ کو بالکل نہ تھی۔ شجاعت کا سب سے پہلا نمونہ آپ نے اس رات کو دکھایا جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ آپ بالکل بے خوف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے، حالانکہ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج کی رات حضورؐ کے بستر پر لیٹنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لیکن آپ نے کوئی پروا نہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بلا چون و چرا بجا لائے۔

اس کے بعد جب جنگوں کا زمانہ شروع ہوا تو آپ نے اپنی بہادری کے ایسے حیرت انگیز نمونے دکھائے، جن کی مثال

لانے سے زمانہ قاصر ہے۔ دشمن کی جس صف کے مقابل ڈٹ جاتے تھے وہ آپ کے سامنے کھڑی نہ رہ سکتی تھی اور آپ کے حملہ کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہونے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ فتح و کامرانی ہر دم آپ کے قدم چومتی رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چوبیس سال تک آپ نے اپنی تلوار کو میان میں رکھا۔ لیکن جب آپ کی خلافت کا دور آیا تو دنیا نے ایک مرتبہ پھر آپ کی تلوار کے جوہر دیکھے اور آپ کے دشمنوں پر آپ کا رعب اور آپ کی ہیبت چھا گئی۔

آپ کے علم و فضل اور تفقہ فی الدین سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ابتدا سے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور آپ سے علمِ قرآن حاصل کیا۔ دینی احکام کے استنباط میں آپ کو جو کمال حاصل تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اکثر اوقات آپ سے مشورہ لیتے رہتے تھے۔ اگر کسی معاملہ میں حضرت علیؓ کو ان بزرگوں سے اختلاف ہوتا تھا تو بالآخر حضرت علیؓ کی رائے پر ہی فیصلہ کیا جاتا تھا۔

فصاحت و بلاغت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور اس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

ان صفاتِ عالیہ کے ساتھ ساتھ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ خدا تعالیٰ نے جن صفات اور جن فضائل سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا وہ ناقابلِ انکار ہیں۔

تاہم حضرت علیؓ یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے خواہ دوسرے لوگ موافقت کریں یا مخالفت۔ اسی وجہ سے وہ کسی شخص سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے اور صرف اپنی رائے پر عمل کرتے تھے۔ یہ ایسی چیز تھی جس کو قریش کے بڑے بڑے آدمی، جو اسلام میں بھی ایک خاص پوزیشن کے مالک تھے، برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

آپ کی بیعتِ خلافت کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے یہی شکایت حضرت علیؓ سے کی اور کہا کہ وہ ان سے کوئی مشورہ لیتے ہیں اور نہ اپنے معاملات میں ان کو شریک کرنے اور ان کی مدد حاصل کرنے کے روادار ہیں۔ اس شکایت کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تم نے جس بات پر اظہارِ ناراضگی کیا ہے وہ بہت معمولی ہے۔ تم مجھے بتاؤ تو سہی، تمہارا کون سا حق تھا جسے میں نے تمہیں دینے سے انکار کر دیا ہو؟ یا کسی اور مسلمان کا ایسا کون سا حق تھا جو میں اسے دینے سے قاصر یا بے خبر رہا ہوں؟ یا میں نے اس کے ادا کرنے میں غلطی سے کام لیا ہو؟ خدا کی قسم! مجھے خلافت اور حکومت کی مطلق خواہش نہیں تھی، لیکن تم لوگوں نے مجھے خود ہی اس کی دعوت دی اور مجھے خلافت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ اب جبکہ میں یہ ذمہ داری قبول کر چکا ہوں تو ہر امر کے متعلق کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام تلاش کروں گا اور انہی کے مطابق عمل کروں گا۔ مجھے تمہاری یا کسی اور کی رائے کی ضرورت نہیں۔ نہ مجھے کسی ایسے مسئلہ ہی کا سامنا کرنا پڑا جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے میں قاصر رہا اور مجھے تمہاری یا دوسرے مسلمانوں

کے مشورہ کی ضرورت پڑی":

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور ہرمزان کے قتل کے سلسلہ میں عبیداللہ بن عمرؓ کا مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کی رائے کے خلاف فیصلہ دیا اور حکم فرمایا کہ اس کی دیت ادا کی جائے۔ یہ دیت بھی آپ نے اپنے مال سے ادا کی۔ یہ فیصلہ صحیح تھا یا غلط، بہرحال ایک خلیفہ کا فیصلہ تھا اور اس کا احترام کرنا ضروری تھا۔ لیکن جب خلافت حضرت علیؓ کے پاس آئی تو آپ نے عبیداللہ کو قتل کرنا چاہا، حالانکہ اس قضیہ کو طویل مدت گزر چکی تھی۔ عبیداللہ کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بھاگ کر معاویہؓ سے مل جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جنگِ صفین کے موقعہ پر وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ پر حضرت معاویہؓ کے بڑے بڑے سالاروں میں سے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے دوران میں کئی لوگوں کو زمین کے قطعات مرحمت فرمائے تھے حضرت علیؓ نے سب واپس لے لیے۔ اس سے لوگوں میں ناراضگی کا مزید جذبہ پیدا ہو گیا گو کہ ٹھیٹھ اسلامی اصولوں کے تحت ان کا یہ اقدام غیر مناسب نہیں تھا۔

جس وقت آپ نے خلافت سنبھالی، مملکت کے مختلف حصوں کے والی قریش کے سربرآوردہ اشخاص تھے جن کی ذہانت، ذکاوت اور عقلمندی میں کسی شخص کو کلام نہیں تھا۔ آپ کے خیرخواہ مشیروں نے آپ کو یہ رائے دی کہ آپ ان والیوں کو اس وقت تک معزول نہ کریں جب تک آپ کی حکومت اچھی طرح مستحکم نہ ہو جائے۔ لیکن آپ نے کسی کی ایک نہ سُنی، بلکہ سب والیوں کے نام معزولی کے احکام بھیج دئے۔ اس پر ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت ان کے لیے مصیبت کا پیغام لے کر آئی ہے چنانچہ وہ سب آپ کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے۔

اہلِ عراق پر زبردست دباؤ کی ضرورت تھی، لیکن حضرت علیؓ نے ایسا نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے وہ دلیر تو ہو ہی چکے تھے اب شیر ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت محض انہی کی رہینِ منت ہے۔ اگر وہ ان کی مدد نہ کرتے تو حضرت علیؓ کبھی خلافت حاصل نہ کر سکتے۔ اس بنا پر وہ حضرت علیؓ کے احکام کو نظرانداز کرنے اور آپ سے اپنی مرضی منوانے لگے۔ چنانچہ جنگِ صفین کے موقعہ پر انہوں نے آپ سے کہا کہ یا تو آپ تحکیم قبول کریں، ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی کریں گے جو پہلے حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر چکے ہیں۔ اس طرح خلافت کی ہیبت اور جلال لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا۔

معاملہ صرف اسی حد تک نہیں رہا بلکہ آپ کے کاموں پر نکتہ چینیوں تک پہنچ گیا۔ جب آپ نے حضرت ابنِ عباسؓ کو بصرہ کا والی بنایا تو وہاں کے لوگ کہنے لگے:

"قثم بن عباس کو حجاز کا والی بنا دیا گیا۔ عبیداللہ بن عباس کو یمن کی ولایت سونپ دی گئی اور عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی حکومت دے دی گئی۔ اگر یہی کچھ ہونا تھا تو ہم نے حضرت عثمانؓ کو کیوں قتل کیا؟"

حضرت علیؓ کی ان سے اور ان کی حضرت علیؓ سے بیزاری بڑھتی ہی چلی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خلافت کی عزت اور حکومت کا ڈر ان لوگوں کے دلوں میں بالکل باقی نہ رہا۔ حضرت علیؓ انہیں اپنی مدد کے لیے بلاتے تھے لیکن وہ چپ سادھے بیٹھے رہتے تھے اور کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ آپ انہیں پکارتے تھے اور وہ سُنی اَن سُنی کر دیتے تھے۔

آپ کے مقابل جو لشکر آتے تھے ان کی قیادت قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ وہ لشکر اپنے سالاروں کے احکام کی بلا چون وچرا تعمیل کرتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ کی فوج اس صفت سے کلی طور پر محروم تھی۔ اس طرح طرفین کے درمیان توازن برقرار نہ رہا تھا اور حضرت علیؓ کی حالت بے بسی والی تھی۔

حضرت معاویہؓ فوج کے سالاروں اور قبائل کے سرداروں کی غلطیوں پر چشم پوشی اور عفو و درگزر سے کام لیتے تھے مزید برآں ان کو انعام واکرام سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کی گردنیں حضرت معاویہؓ کے سامنے جھکی رہتی تھیں۔ لیکن حضرت علیؓ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ والیوں اور فوج کے سالاروں سے رتی رتی کا حساب لیتے تھے، جس سے ان کے دلوں میں ناراضگی پیدا ہوتی تھی۔ اوروں کا تو کیا ذکر ہے ان کے خاص معتمد علیہ ابن عباسؓ اسی بات پر حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئے اور ان کا ساتھ چھوڑ کر بصرہ سے مکہ آ گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت عمرؓ بھی اپنے عمال سے سخت محاسبہ کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حالات میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ساری اُمت تھی اور تمام عمال پر آپ کا رعب قایم تھا لیکن حضرت علیؓ کے ساتھ ساری امت نہیں تھی بلکہ ایک اچھا خاصا حصہ آپ کے خلاف ہی تھا۔ اس وجہ سے آپ کا رعب بھی لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گیا تھا۔

مختصر یہ کہ حضرت علیؓ کی دشواریوں کے بڑے بڑے اسباب یہ تھے:

۱- آپ کا اپنے متعلق یہ عقیدہ کہ آپ اُمت میں سب سے افضل اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

۲- قریش کے سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں کی رایوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنا۔

۳- امراء لشکر اور والیوں سے سختی سے پیش آنا اور انہیں انعام واکرام سے محروم رکھنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ اپنی پرہیزگاری اور عفت کی وجہ سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان حیلوں، دھوکوں اور دوسرے ناواجب طریقوں سے کام نہیں لے سکتے تھے جن سے آپ کے دشمن آپ کے مقابلہ میں کام لے رہے تھے لیکن اس وقت کی سیاسی حالت اتنی اضطراب انگیز ہو گئی تھی کہ جن طریقوں کو حضرت علیؓ استعمال کرنا چاہتے تھے اور کر رہے تھے ان سے کسی قسم کے فائدہ کی امید نہ ہوسکتی تھی۔

سلطنت کے انتظام کے لیے حضرت علیؓ کی اپنے عمال کو ہدایات

سلطنت کا انتظام کرنے کے لیے حضرت علیؓ نے اپنے عمال کو جو ہدایات دیں وہ تقریباً وہی تھیں جو آپ سے پہلے خلفاء خصوصاً حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اپنے عمال کو دے چکے تھے۔ جب آپ کسی شخص کو عامل بناتے تھے تو اسے نہایت سادہ زندگی بسر کرنے اور رعایا کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیتے تھے۔

جب آپ نے اشتر نخعی کو مصر کا حاکم بنایا تو اسے مندرجہ ذیل ہدایات دیں، یہ اور بات ہے کہ وہ ان ہدایات کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اور مصر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

"خراج کا اس طور پر انتظام کرنا جو صوبہ کے باشندوں کے لیے آسانی اور راحت کا موجب ہو۔ تمہاری

...ش یہ ہونی چاہیے کہ زمینیں آباد رہیں۔ محض خراج وصول کرنا تمہارا مطمحِ نظر نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ خراج تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب زمینیں آباد رہیں۔ جو شخص باشندوں سے خراج تو وصول کرے گا لیکن زمین کی آبادی کی طرف کوئی توجہ نہیں دے گا۔ وہ ملک میں تباہی و بربادی لانے اور باشندوں کو شدید مصیبت میں ڈالنے کا سبب ہوگا اور اس کی حکومت زیادہ دیر تک نہ چل سکے گی۔"

"تم اپنے افسروں کے کاموں پر کڑی نظر رکھو۔ جن لوگوں کو کوئی عُہدہ سپرد کرو اچھی طرح جانچ پڑتال اور تجربہ کے بعد سپرد کرو۔ تمام افسروں کو اپنے کام کا تجربہ ہونا چاہیے، وہ نیک گھرانوں کے افراد ہونے چاہئیں اور اسلام میں ان کو سبقت حاصل ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایسے لوگ ہی با اخلاق ہوتے ہیں۔ حرص کا مادہ ان میں بہت کم ہوتا ہے۔ سلطنت کے کاموں پر ان کی نظر بہت وسیع ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی تنخواہیں کافی مقرر کرو، کیونکہ کافی تنخواہیں مقرر ہونے سے وہ اپنی ظاہری حالت کو بہتر بنا سکیں گے اور رشوت وغیرہ لینے سے باز رہ سکیں گے۔ ان کے کاموں کی جانچ پڑتال اور چھان بین کے لیے قابلِ اعتبار اشخاص کو مقرر کرو جو خفیہ طور پر ان حاکموں کے کاموں کی رپورٹیں تمہیں بھجوائیں، اگر کسی حاکم کی بدعنوانیوں کا ان جاسوسوں کے ذریعہ پتا چل جائے اور وہ بدعنوانیاں پایۂ ثبوت کو بھی پہنچ جائیں تو اسے بلا تامل سزا دو۔"

جن لوگوں کو آپ صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کرتے تھے ان کو مندرجہ ذیل ہدایات دیتے تھے:

"جب تم اپنے کام کی انجام دہی کے لیے نکلو تو تقویٰ سے کام لو۔ کسی مسلمان کو ناحق پریشان نہ کرو اور ان کو یہ احساس نہ ہونے دو کہ تمہارے جانے سے ان پر مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ ان کے اموال میں سے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حصہ کے سوا اور کچھ وصول نہ کرو، جس قبیلہ میں جاؤ، انتہائی سکینت اور وقار سے جاؤ اور ان سے کہو:

"اے اللہ کے بندو! خدا تعالیٰ کے خلیفہ نے مجھے تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں تمہارے اموال میں سے خدا تعالیٰ کا حق وصول کروں۔ بتلاؤ تم میں سے کون کون ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔"

"اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر زکوٰۃ واجب نہیں تو اس کی بات کا یقین کر لو کسی شخص کو ڈرانے دھمکانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو شخص زکوٰۃ دینے پر آمادگی ظاہر کرے تو سونے چاندی کی جتنی مقدار وہ دے دے لے لو اور اس سے تکرار مت کرو۔ اگر کسی شخص کے پاس اونٹ یا بھیڑ بکریاں ہوں جن کی زکوٰۃ واجب ہو تو مالک کی اجازت کے بغیر ان جانوروں کے پاس مت جاؤ۔ کیونکہ ایک قلیل حصہ کے سوا باقی تمام مال اسی کا ہے۔ زکوٰۃ کے لیے جانور منتخب کرنے کا حق مالک کو دو۔ جو جانور وہ منتخب کرے اس پر اعتراض نہ کرو البتہ ایسے جانور نہ لو جو بہت بوڑھے ہوں، ان کا کوئی عضو ناکارہ ہو، بیمار ہوں یا ان میں کسی اور قسم کا عیب موجود ہو۔"

جہاں آپ اپنے عمال کو رعایا سے نرمی اور محبت کا سلوک کرنے کی تاکید کرتے رہتے تھے وہاں مجرموں کے لیے آپ کے دل میں رحم کی کوئی گنجایش نہ تھی۔ آپ اس بات کو برداشت نہ کرسکتے تھے کہ سلطنت میں قانون شکنی پھیلے اور سماج دشمن عناصر کے ہاتھوں رعایا کے جان و مال کو خطرہ پیدا ہو۔

آپ کی اسی خصلت کو بیان کرتے ہوئے یعقوبی لکھتا ہے :

"حضرت علیؓ نے بعض دفعہ بڑے عجیب احکام دیئے۔ زندیقوں کی ایک جماعت کو آپ نے زندہ آگ میں جلوا دیا۔ بعض دفعہ چوروں کے ہاتھوں کی انگلیوں کو کٹوا دیا۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں کو فسق و فجور کی بنا پر ایک دیوار کے نیچے کھڑا کرکے اس دیوار کو ان پر گرا دیا اور وہ دب کر مر گئے۔"

آپ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجرموں کے لیے میرے دل میں رحم کی کوئی گنجایش نہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے لوگوں کو اہلِ قبلہ سے لڑنا سکھایا۔

حضرت علیؓ کے فرمودہ احکام سے، جو اوپر بیان ہو چکے ہیں، پتا چلتا ہے کہ آپ کے پیشِ نظر وہی راستہ تھا جس پر آپ کے تین پیشرو گامزن تھے۔ لیکن حوادثِ زمانہ اور آئے دن کے فتنے حضرت علیؓ کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے راستہ میں روک بن کر کھڑے ہو گئے اور مملکت کا امن باغیوں کے ہاتھوں بالکل غارت ہو گیا۔

(۲۸)

خلافت راشدہ کے عہد میں سلطنت کا نظم و نسق

حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کی سوانح حیات میں ہم عہدِ خلفائے راشدین کے تہذیب و تمدن، سیاستِ ملکی اور طریقِ حکومت پر تفصیل سے بحث کرچکے ہیں۔ یہاں ہم اس نظام کی تھوڑی سی جھلک دکھانا چاہتے ہیں جو خلفائے راشدین نے اپنے اجتماعی امور میں رائج کیا خواہ وہ اندرونی اصلاحات سے تعلق رکھتے ہیں یا بیرونی محاربات سے۔

اسلامی مدنیت کا پہلا مظہر اس سیاسی نظام کا قیام تھا جس پر امت کا کاربند ہونا ضروری تھا۔ اس غرض کے لیے خلافت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ خلافت جہاں ایک دینی ریاست تھی وہاں دنیوی ریاست بھی تھی، اس کی بنیاد دینِ اسلام پر رکھی گئی تھی اور اس کی غرض یہ تھی کہ نصوصِ قرآنیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہر قسم کی صلاح و فلاح کی طرف اُمتِ محمدیہ کی عملی رہنمائی کرے۔

خلافتِ راشدہ میں تشریع کی بنیاد قرآنِ کریم اور سنتِ معروفہ پر تھی۔ اگر خلفاءؓ کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا جس کے بارہ میں قرآنِ کریم اور سنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو وہ اشباہ و نظائر اور امثال پر قیاس کرکے اس مسئلہ کا حکم نکالتے تھے۔

اُمت پر خلیفہ کے احکام کی اطاعت لازم تھی۔ البتہ اس امکان کی صورت میں کہ وہ کوئی ایسا حکم دے دے جو خلافِ قرآن و

...ہو، اس کے احکام کی اطاعت واجب نہیں تھی۔ خلیفہ استنباط مسائل اور اجتہاد میں دُوسرے مجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہ رکھتا تھا۔ اکثر اوقات وہ خود اپنے اجتہاد میں دوسرے صحابہؓ سے مدد لیتا تھا اور ان کے بتاتے ہوئے مسئلہ پر عمل کرتا تھا۔

خلیفہ کا انتخاب مشورہ سے کیا جاتا تھا۔ جمہوریت کی بنیاد در اصل اسی وقت سے پڑی۔

خلفائے راشدین میں شاہانہ تمکنت اور امارت کا غرور مطلق نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو عام آدمیوں کی طرح سمجھتے تھے اور سوائے خلافت کے ان میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ حضرت عمرؓ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ آپ کے عمال اور رعایا کے درمیان کوئی روک ہو، جس سے رعایا اپنا حال احوال آسانی سے عامل تک نہ پہنچا سکے۔ خلیفہ اور رعایا کے درمیان اصل حجاب خلفائے بنی امیہ کے عہد میں پیدا ہوا۔

صیغۂ قضا

قضاء کا کام خلیفہ کے فرائض میں سے سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے خلفاء اس کام کے لیے خود اپنی طرف سے نائب مقرر کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ہر شہر کا عامل ہی قضا کا کام بھی کرتا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کے لیے ایک جداگانہ محکمہ قائم کر دیا اور مختلف شہروں میں قاضی مقرر کیے قاضی اپنی رائے اور حکم دینے میں آزاد ہوتے تھے۔ انہیں یہ ہدایت تھی کہ جو حکم بھی وہ دیں، قرآن و سنت کے احکام کے مطابق دیں۔ علاقہ کے حاکم کا قاضی پر کوئی دباؤ یا اثر نہ ہوتا تھا۔ قاضی کی تعیین خلیفہ خود کرتا تھا۔ کبھی خلیفہ کسی شہر کے حاکم کو بھی قاضی مقرر کرنے کا اختیار دے دیتا تھا۔ قاضیوں کو بیت المال سے بیش قرار تنخواہیں دی جاتی تھیں تاکہ وُہ رشوت کی طرف مائل نہ ہو سکیں۔

ذیل میں حضرت علیؓ کا ایک خط درج کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قضاۃ کے تقرر میں کتنی احتیاط ملحوظ رکھتے تھے:

"لوگوں کے مقدمات فیصل کرنے کے لیے ایسے معزز لوگوں کو مقرر کرو جن کے فیصلہ کو لوگ بلا چُون و چرا مان لیں اور کسی میں ان پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ طمع سے پاک اور کسی شخص کی حیثیت سے مرعوب ہونے والے نہ ہوں۔ ہر قسم کے معاملات پر ان کی نظر گہری ہو۔ شُبہ کے موقعوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں فریقین کے دلائل سے گھبرائیں نہیں۔ معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے انتہائی احتیاط اور غور و فکر سے کام لیں اور جب کسی فیصلہ پر پہنچ جائیں تو اسے مضبوطی سے عملی جامہ پہنانے اور نافذ کرنے والے ہوں۔ کسی قسم کی سفارش اور کسی قسم کے عہدے اور مرتبہ کو اپنے فیصلوں کی راہ میں حائل نہ ہونے دیں۔ اگرچہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن قاضی کو انہی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ جب تم کسی شخص کو قضا کا عہدہ تفویض کرو تو اس کی تنخواہ بیش قرار مقرر کرو تاکہ اس کے اخراجاتِ زندگی اسے رشوت لینے پر مجبور نہ کر دیں۔ اس کی قدر و منزلت تمہارے دل اور تمہاری مجالس میں اتنی ہونی چاہیے کہ کوئی شخص اس کے خلاف تمہارے کان بھرنے کی جرأت نہ کر سکے۔"

قاضیوں کے علاوہ ہر شہر میں ایک ایسی جماعت بھی موجود رہتی تھی، جس نے احکامِ فقہی کے استخراج اور استنباطِ احکام میں خوب ملکہ پیدا کر لیا تھا۔ جب قاضیوں کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو وہ ان لوگوں سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس وقت سب سے مشکل یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث باقاعدہ کسی کتاب میں مدوّن نہیں ہوئی تھیں بلکہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ کسی کو کوئی حدیث یاد تھی اور کسی کو کوئی۔ ساری احادیث کسی شخص کو بھی یاد نہیں تھیں۔ جب قاضیوں کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور انھیں اس بارہ میں حدیث کی ضرورت پیش آتی تو وہ مختلف لوگوں سے پوچھتے تھے کہ آیا انہیں اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا پتا ہے یا نہیں۔ کسی کو کوئی حدیث مل جاتی تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا۔ لیکن اگر کسی کو اس قسم کی حدیث نہ مل سکتی تو وہ اجتہاد سے کام لے کر کسی دوسرے نتیجہ پر پہنچتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر اوقات ایک ہی معاملہ کے متعلق قاضیوں کے فیصلے باہم مختلف ہو جاتے تھے۔ اس زمانہ میں قاضیوں نے جو فیصلے کیے تھے ان کو بھی ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ اس طرح بعد میں آنے والے قاضی اپنے پیشروؤں کے فیصلوں کے علم سے محروم رہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں قضا کا سارا دارومدار محض اجتہاد پر تھا، کوئی معین قانون موجود نہیں تھا۔ لیکن یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اجتہاد صرف قانونِ شرعی کے معلوم کرنے اور اسے زمانہ کے مخصوص حالات و واقعات پر منطبق کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ قانون میں تفصیل موجود نہیں ہوتی بلکہ اصولی قواعد درج ہوتے ہیں۔ وہ قوانین جو ایک مختصر عرصہ کے لیے نہیں بلکہ مدتِ دراز تک کے لیے ہوں یقیناً ایسے ہی ہونے چاہئیں تاکہ انہیں ہر زمانہ میں اور ہر جگہ استعمال کیا جا سکے۔

قضاۃ کے تقرر کے باوجود خلفاء اس امر کے پابند نہیں تھے کہ وہ خود بھی رعایا کے باہمی جھگڑوں پر غور و فکر کر کے ان کا فیصلہ نہ کر سکیں۔ بسا اوقات خلفاء جھگڑوں کا فیصلہ خود ہی کر دیا کرتے تھے۔ قاضی صرف نائبین کا کام سرانجام دیتے تھے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے، قاضیوں کے پاس فیصلوں کے اندراج کے لیے کسی قسم کا رجسٹر موجود نہیں ہوتا تھا، اور نہ فیصلوں کی نقلیں ہی فریقین کو دی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تنفیذ کا سارا کام بھی قاضی ہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ وہی فیصلہ سناتا تھا اور وہی فیصلہ کا نفاذ کرتا تھا۔ اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ قاضیوں کو فیصلہ کی تنفیذ میں کوئی دقت پیش آئی ہو۔ کیونکہ جونہی وہ حکم سناتا تھا محکوم علیہ فوراً اس کے فیصلہ کی تعمیل کر دیتا تھا۔ اس طرح فریقین کی حیثیت محض مستفسر کی ہوتی تھی۔ جب ان کو اپنے معاملہ میں قاضی سے کسی شرعی حکم کا پتا چل جاتا تھا وہ بلا چون و چرا اس حکم کی تعمیل کر دیتے تھے۔

خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں قاضیوں کا کام صرف باہمی جھگڑوں کو طے کرانا اور ان کے متعلق فیصلے صادر کرنا تھا۔ قصاص اور حد کا اجرا صرف خلیفہ یا صوبہ کے امراء کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ کسی قاضی کے متعلق بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے کسی شخص کو قتل کے الزام میں سزا دی ہو یا چوری کرنے اور شراب پینے کی وجہ سے حد لگائی ہو۔ تمام تادیبی سزائیں، جن میں قید کرنا بھی شامل تھا، صرف خلیفہ یا اس کے نائب صوبہ کے امیر کے حکم سے دی جا سکتی تھیں۔ اس طرح قضا کا دائرہ

بہت کم تھا۔

یہ امر بھی ثابت نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں قاضی مقرر کیے گئے ہوں۔ قاضی صرف بڑے بڑے شہروں میں مقرر کئے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں باہمی تنازعات بہت کم ہوتے تھے۔

صیغۂ دفاع لشکروں کی اصل قیادت خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضور خود فوجوں کی قیادت فرمایا کرتے تھے، لیکن جب سلطنت کے کاموں نے وسعت اختیار کی تو خلفاً اپنی جگہ ایسے لوگوں کو جو بہادری میں یکتا اور شجاعت میں طاق ہوتے تھے، سپہ سالار مقرر کرنے لگے۔ ان کی اطاعت اسی طرح واجب تھی جس طرح خلیفہ کی اطاعت واجب تھی۔ فتح کے بعد جب حالات پُرسکون ہو جاتے تھے تو ان سپہ سالاروں کی ذمہ داری فوج کے امور کی نگہداشت اور آئندہ کے لیے انہیں جنگ کی ٹریننگ دینے تک محدود ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ساری فوج رضا کارانہ تھی۔ اس کے نام کسی رجسٹر میں درج نہیں تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وقت میں سب سے پہلے سپاہیوں کے نام درج رجسٹر کیے گئے۔ اس طرح باقاعدہ فوج کی صورت پیدا ہوئی۔ فوجیوں کے نام درج رجسٹر کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اگر کوئی سپاہی فوج سے بھاگ جاتا تھا یا پیچھے رہ جاتا تھا تو فوراً اس کے نام کا پتا چل جاتا تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے حضرت عمرؓ نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ اسے اس کے قبیلہ کی مسجد میں کھڑا کر کے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ یہ شخص فوج سے بھاگا ہوا ہے یا اس نے جہاد سے جان چرائی ہے۔ یہ توبیخ اعراب کی نظروں میں گردن اُڑا دینے سے بھی زیادہ سخت تھی۔ کیونکہ انہوں نے اقوامِ عالم میں اپنی بے نظیر شجاعت اور حیرت انگیز دلیری کی وجہ سے جو نام پیدا کیا ہوا تھا، اس کے پیشِ نظر کسی شخص پر بزدلی کا الزام لگنا اور وہ بھی اس طرح علانیہ، اس کے لیے موت سے بھی زیادہ سخت تھا۔ یہ الزام لگنے کے بعد اس شخص کو کسی محفل میں مُنہ دکھانے کی جگہ نہ رہتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام فوجیوں کی بیت المال سے تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔ اس سے پہلے ان کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں بلکہ مالِ غنیمت میں جو کچھ آتا تھا وہ ان میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں تمام فوجیوں کی تنخواہیں یکساں نہ تھیں بلکہ اسلامی فضیلت کے لحاظ سے ان کی تنخواہیں مختلف رکھی گئی تھیں۔ البتہ حضرت علیؓ نے اپنے عہد میں تنخواہوں کے فرق کو مٹا کر تمام فوجیوں کی یکساں تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔

ہر لشکر میں ہر دس آدمیوں پر ایک "عریف" مقرر ہوتا تھا۔ تمام لشکر کی تنخواہیں "عریفوں" کے سپرد کر دی جاتی تھیں وہ انہیں سپاہیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

لشکروں کی تنظیم میں خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں بہت ترقی ہوئی۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ یہ تھا کہ دشمن کے سامنے کبھی بے ترتیب اور کبھی صف بند ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک دو دو بہادر نکل کر لڑتے تھے، پھر عام حملہ کرتے تھے، پھر بھاگتے تھے۔ پھر پلٹ کر بغیر کسی نظام اور ترتیب کے دشمن پر حملہ کرتے تھے۔

جب مسلمانوں کو ایران اور شام کی منظم افواج کا مقابلہ کرنا پڑا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ پرانا فوجی نظام اُن منظم قوموں کے مقابلہ میں کام نہیں دے گا۔ اس لیے انھوں نے نئے سرے سے اپنی فوجوں کو ترتیب دیا۔ باقاعدہ صفیں منظم کی جاتیں کوئی شخص صفوں سے آگے پیچھے نہ ہو سکتا تھا۔ لشکر کو پانچ دستوں میں منقسم کیا جاتا۔ وُہ دستہ جو سب سے آگے ہوتا تھا اسے "مقدمہ" کہا جاتا تھا۔ یہ دستہ سب سے پہلے لڑائی شروع کرتا تھا۔ درمیانی دستہ کو "قلب" کہا جاتا تھا۔ امیرِ لشکر اسی دستہ میں ہوتا تھا۔ دائیں دستہ کا نام "میمنہ" اور بائیں دستہ کا نام "میسرہ" تھا۔ پچھلے دستہ کو "ساقہ" کہا جاتا تھا۔

جب لشکر ان پانچوں دستوں پر مشتمل ہوتا تھا تو اسے "خمیس" کہا جاتا تھا۔ پانچوں دستوں کے علٰحدہ علٰحدہ امیر بھی ہوتے تھے، جو سالارِ لشکر کے احکام کے مطابق اپنے دستہ کو حرکت میں لاتے تھے۔ سواروں کا خاص طور پر ایک علٰحدہ امیر ہوتا تھا۔ خطِ رجعت کی حفاظت کے لیے بھی مسلمان خاص اقدام کرتے تھے تاکہ دشمن موقعہ پاکر پیچھے سے ان پر نہ ٹوٹ پڑے رات کو بھی لشکر کی حفاظت اور دشمن کے شبخون سے بچنے کے لیے خاص طور پر انتظامات کیے جاتے تھے۔ مسلمانوں کا جاسوسی نظام بھی بہت اعلیٰ تھا اور دشمن کے بیشتر ارادوں کا انہیں پہلے سے علم ہو جایا کرتا تھا۔

محاصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے خراج کی وصولی کے لیے مستقل اور جداگانہ عامل مقرر کیے جاتے تھے، بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ صوبوں کے امرأ کو خراج کا انتظام سپرد کیا گیا ہو۔ جو خراج وصول ہوتا تھا اسے خلیفہ کے احکام کے تحت فوج کی تنخواہ اور مصالح عامہ کے دوسرے کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ جو رقم بچ جاتی تھی اسے دار الخلافہ بھیج دیا جاتا تھا۔

اس زمانے میں محصول کی دو قسمیں تھیں:

۱۔ مستقل

۲۔ غیر مستقل

مستقل محصول خراج، زکوٰۃ، عشر اور جزیہ تھے اور غیر مستقل مالِ غنیمت۔

خراج: جن زمینوں پر مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو گئے تھے وہاں کی تمام زمینیں ان کے مالکوں ہی کے ہاتھوں میں رہنے دی گئی تھیں۔ البتہ پیداوار کے لحاظ سے ان پر کچھ مالگزاری مقرر کر دی گئی تھی۔ اس مالگزاری کو خراج کہتے تھے۔ اور یہ زمین کے کرایہ کے طور پر لیا جاتا تھا۔ اس کی دو صورتیں تھیں، یا تو رقم معیّن کر دی جاتی تھی، جیسا حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق میں کیا تھا، یا پیداوار کا کوئی حصّہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

عشر: جن زمینوں کے مالکوں نے اسلام قبول کر لیا تھا یا جس سرزمین پر مسلمان قابض ہو گئے تھے لیکن وہاں کے لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا (مثلاً عرب کے بُت پرست) ایسی زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور ان کی پیداوار کا دسواں حصّہ حکومت وصول کر لیا کرتی تھی۔ عشری زمینوں میں وہ زمینیں بھی شامل تھیں جن پر مسلمان بزور قابض ہو گئے تھے اور انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس طرح وُہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی تھیں۔

جب حضرت عمرؓ کے عہد میں سوادِ عراق اور شام فتح ہوا تو آپ نے مفتوحہ زمینوں کے متعلق اپنے مشیروں سے رائے دریافت فرمائی۔ اکثر نے یہی رائے دی کہ ان زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"اس صورت میں آئندہ آنے والی نسلوں کی حق تلفی ہوگی۔ کیونکہ اگر اس وقت زمینیں تقسیم کر دی گئیں تو ان کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بولے:

"زمین اور لونڈی غلام انہی لوگوں کو مل سکتے ہیں جن کی قوتِ بازو سے شہر فتح ہوئے۔ دُوسرے لوگ مفت کس طرح پا سکتے ہیں؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

"یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن یاد رکھو میرے بعد کبھی اس قدر فتوحات نہیں ہوں گی جن میں مسلمانوں کو اس قدر مال و دولت اور زمین ہاتھ آئے جس قدر اب آ رہی ہے۔ اکثر فتوحات بجائے فائدہ کے مسلمانوں پر بوجھ ہوں گی۔ اگر عراق اور شام کی زمینوں کو ان کے مالکوں کے ہاتھوں سے چھین کر اور مفتوحین کو غلام بنا کر مسلمان فاتحین میں تقسیم کر دیا جائے تو سرحدوں کی حفاظت کس طرح کی جا سکے گی۔ کیونکہ مسلمان تو کاشتکاری میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ یتیموں اور بیواؤں کی نگہداشت بھی نہیں ہو سکے گی۔"

حضرت عمرؓ کی اس تصریح کے باوجود لوگوں نے یہی کہنا شروع کیا کہ دوسرے لوگوں کو، جو ان جنگوں میں حاضر نہیں ہوئے اور ان کی اولادوں کو، ان زمینوں سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے۔ حق صرف ہمارا ہے جنہوں نے اپنی تلواروں سے ان ملکوں کو فتح کیا ہے۔

آخر حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ کے متعلق مہاجرینؓ اور انصارؓ سے باقاعدہ مشورہ لینا چاہا۔ سب سے پہلے آپ نے مہاجرین اولینؓ سے اس بارہ میں رائے دریافت کی۔ مہاجرینؓ کی رائے میں اختلاف تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تو برابر مُصر تھے کہ یہ زمینیں فاتح مسلمانوں کا حق ہیں اور انہی میں تقسیم کر دینی چاہئیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت ابنِ عمرؓ حضرت عمرؓ کی رائے کے حامی تھے۔

مہاجرین سے مشورہ لینے کے بعد حضرت عمرؓ نے دس جلیل القدر انصاری صحابہؓ کو بُلا بھیجا ان میں سے پانچ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور پانچ قبیلہ خزرج سے۔ جب یہ بزرگ جمع ہو گئے تو آپ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے آپ لوگوں کو ایک اہم معاملہ پر غور و خوض کرنے کے لیے تکلیف دی ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ لوگ ضرور میری رائے پر ہی صاد کریں۔ آپ لوگوں کے پاس کتاب اللہ موجود ہے جس کی مدد سے آپ خود صحیح رائے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

انہوں نے کہا:

"فرمائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :

"آپ لوگوں نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان کے حقوق پر چھاپہ مارا ہے۔ لیکن میں اس امر سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میں کوئی ایسی چیز، جس پر عام مسلمانوں کا حق ہو، ان سے چھین کر دوسرے لوگوں کو دے دوں جن کا اس پر حق نہیں ہے، تو واقعی میں بہت بڑا ظالم ہوں لیکن یہاں یہ بات نہیں۔ مجھے یہ بات دکھائی دے رہی ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کی فتح کے بعد ایسی عظیم الشان فتح اب مسلمانوں کو حاصل نہیں ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں کے اموال اور زمینیں عطا کی ہیں ہم ان لوگوں سے جس قسم کا چاہیں سلوک کر سکتے ہیں۔ میں نے خمس نکال کر باقی مالِ غنیمت تو فاتح مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ زمین کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ میں اسے ملک کے باشندوں کے پاس ہی رہنے دوں اور اس کے بدلہ ان پر خراج عائد کردوں۔ اس طرح جو کچھ خراج وصول ہوگا وہ درحقیقت مسلمانوں کی فوجوں، ان کی اولادوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے بطور غنیمت کے ہوگا۔ کیا آپ لوگوں کی نظریں ان وسیع سرحدوں کی طرف نہیں جاتیں؟ ضروری ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں جو ان کی حفاظت کریں۔ ان علاقوں کی حفاظت کے لیے یہاں فوجیں متعین رہنی ضروری ہیں اور فوجوں کا خرچ بھی لازمی ہے۔ اگر یہ زمینیں تقسیم کر دی گئیں تو مسلمان کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں گے۔ پھر ان علاقوں کی حفاظت کے لئے فوجوں کا انتظام کیسے ہوگا؟ اور اگر ہو گیا تو ان کے لئے خرچ کہاں سے آئے گا؟"

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر سُن کر سب لوگوں نے متفقہ طور پر کہا :

"واقعی آپ کی رائے بالکل ٹھیک ہے۔ اگر یہ سرحدیں اور یہ شہر فوجوں سے خالی ہو گئے تو ان علاقوں کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہو سکے گا اور کافر دوبارہ ان شہروں پر مسلط ہو جائیں گے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :

"یہ معاملہ تو صاف ہو گیا۔ اب مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو سارے عراق کی پیمائش کر سکے تاکہ خراج کا تعین ہو سکے۔"

لوگوں نے اس کام کے لیے عثمان بن حنیف کا نام لیا۔ چنانچہ آپ نے انہیں عراق کی پیمائش کا کام سپرد کیا۔ عثمان بن حنیف نے یہ کام بڑی محنت اور جانفشانی سے کیا۔ پیمائش کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے ایک سال قبل سوادِ کوفہ کا خراج ایک کروڑ درہم تک پہنچ گیا۔

جب شام فتح ہوا تب بھی لوگوں نے حضرت عمرؓ سے یہی مطالبہ کیا کہ اس کی زمینوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ مطالبہ کرنے میں سب سے پیش پیش حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت بلالؓ بن ابی رباح تھے۔ اس وقت بھی حضرت عمرؓ نے یہی جواب دیا :

"اگر ایسا کر دیا گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہے گا۔"

چنانچہ آپ نے عراق کی طرح شام کی زمینیں بھی وہاں کے باشندوں کے پاس ہی رہنے دیں اور اس کے بدلہ ان سے خراج وصول کیا جانے لگا۔"

حضرت عمرؓ کی یہ رائے کہ مفتوحہ علاقہ کی زمینیں فاتحین میں تقسیم نہ کی جائیں بلکہ انہیں ملک کے باشندوں کے پاس ہی رہنے دیا جائے کہ وہ ان میں کاشت کریں اور ان کا خراج ادا کریں، نہایت دُور اندیشی پر مبنی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان اپنے اصلی فرض کو بھول کر کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاتے۔ سپہ گری کا فن ان کے ہاتھوں سے جاتا رہتا۔ دوسری بڑی خرابی یہ ہوتی کہ اس علاقے کی حفاظت کرنے والی اور دوسرے ملکوں میں لڑنے والی اسلامی فوجوں کے اخراجات کا کہیں سے انتظام نہ ہو سکتا۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر ایرانی اور رومی سردار جو اپنے علاقوں پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے تھے، دوبارہ اپنے علاقوں پر قابض ہو جاتے اور مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑتا۔

جزیہ : جزیہ وہ رقم تھی جو ذمیوں سے ان کی حفاظت کے بدلہ اور ان کو دشمنوں سے بچانے کے معاوضہ میں وصول کی جاتی تھی۔ یہ رقم صرف بالغ اور تندرست مردوں سے وصول کی جاتی تھی۔ عورتیں، بچے، مفلس اور اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت عمرؓ نے تو بعض مفلس ذمیوں کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا تھا۔ جزیہ مرد کی مالی حالت کے مطابق لگایا جاتا تھا۔ اس کی مقدار ۱۲ درہم سے کم اور ۴۸ درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو ذمیوں سے نیکی کرنے، ان سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے، ان کی حفاظت کے لیے لڑنے اور انہیں ان کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہ دینے کی وصیت بھی کر دی تھی۔

زکوٰۃ : مسلمانوں کے ہر قسم کے اموال، چرنے والے مویشیوں، نقدیوں اور زمین کی پیداوار پر قرآن مجید کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔

عشور : مسلمان تاجر جب اپنا مال لے کر روم کے شہروں میں جایا کرتے تھے تو ان سے مال کا دسواں حصہ بطور محصول وصول کیا جاتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا پتا چلا تو آپ نے حکم دیا کہ جو رومی تاجر ہمارے ملک میں مال لے کر آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول وصول کیا جائے جتنا وہ ہمارے تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ذمی تاجروں سے نصف عشر اور مسلمان تاجروں سے مال و اسباب کا چالیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ البتہ اگر دو سو درہم سے کم قیمت کا مال ہو تو اس میں سے کچھ وصول نہ کیا جائے۔

زیاد بن حدیر عشور کے نگران مقرر کیے گئے تھے۔ ایک مرتبہ بنی تغلب کا ایک عیسائی تاجر ایک گھوڑا لے کر آیا۔ انہوں نے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار درہم لگائی اور اس سے ایک ہزار درہم وصول کر لیے۔ سال کے اندر ہی وہ تاجر وہی گھوڑا لے کر پھر گزرا انہوں نے پھر اس سے ایک ہزار درہم کا مطالبہ کیا۔ تاجر نے کہا :

"ایک بار آپ مجھ سے ایک ہزار درہم لے چکے ہیں۔ کیا جس بار بھی میں گزروں گا آپ مجھ سے ایک ہزار درہم وصول کریں گے؟"

زیاد نے کہا :

"بے شک !"

وہ تغلبی تاجر حج کے موقع پر حضرت عمرؓ سے مکہ میں ملا اور ان کو سارا قصہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے صرف اتنا فرمایا :

"میں اس کا بندوبست کروں گا۔"
اس کے علاوہ اور کچھ نہ کہا۔ وہ یہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ نے سرسری بات کہہ دی ہے۔ اب پھر ایک ہزار درہم دینے ہوں گے کیونکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ یہ سوچتے ہوئے جب وہ واپس سرحد پر پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ کا حکم عامل کو پہنچ چکا تھا جس میں لکھا تھا کہ جس چیز پر ایک بار عشور وصول کر لیا جائے اگلے سال کی اسی تاریخ تک دوبارہ اس پر کچھ نہ لیا جائے سوائے اس کے کہ اس چیز کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔

اس پر اس نصرانی نے زیاد سے کہا کہ میں ارادہ کر کے آیا تھا کہ ایک ہزار درہم ادا کروں گا اب میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اسی شخص کے دین پر ہوں جس نے تجھے یہ حکم بھیجا ہے۔

بعد میں بھی مسلمانوں نے تعشیر کا وہی طریقہ رائج رکھا جو حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا۔

سکّہ عرب میں اسلام سے قبل سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکّے رائج تھے۔ ان کا اپنا سکّہ کوئی نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی سکّے چلتے رہے۔ ایران کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے چاہا کہ درہم کا وزن مقرر کیا جائے۔ کیونکہ ایرانی سکّے مختلف وزن کے ہوتے تھے۔ بعض درہم بیس قیراط کے، بعض بارہ قیراط کے اور بعض دس قیراط کے۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں اوزان کا مجموعہ لے کر اس کا ثلث یعنی ۱۴ قیراط درہم کا وزن قرار دیا۔ اس طرح دس درہم کا وزن سات مثقال ہو گیا۔

مقریزی کہتا ہے کہ ۱۸ھ میں کسروی دراہم کے نمونے پر درہم ڈھالے گئے۔ بعض کا نقش الحمد للہ، بعض کا نقش محمد رسول اللہ اور بعض کا نقش لا الٰہ الا اللہ قرار دیا گیا۔ بعض پر عمر لکھ دیا گیا۔ ہر دس دراہم کا وزن سات مثقال قرار دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب دراہم ڈھالے گئے تو ان پر صرف اللہ اکبر کے الفاظ ہی کندہ کیے گئے۔

بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض امراء نے رومی دیناروں کی طرز پر بھی سکّے ڈھالے اور اپنے نام ان پر کندہ کرالئے۔

قرآنِ کریم اس فصل کا اختتام ہم قرآنِ کریم کے ذکر پر کرتے ہیں۔ قرآن کریم کے نزول سے پہلے عرب جاہل محض تھے۔ لیکن قرآنِ کریم کے نزول کے بعد اس کی ترویج اتنی زبردست ہوئی کہ قرآنِ کریم کی آیات ہر شخص کی زبان پر رہنے لگیں۔ ہر گھر میں اس کی تلاوت کی جانے لگی۔ خلفاءِ راشدین کے عہد میں سوائے قرآنِ کریم کے اور کوئی علم مدوّن نہیں ہوا، حتیٰ کہ احادیث کی تدوین بھی نہیں کی گئی۔

(۲۹)

حضرت علیؓ کی ادبی شخصیت

حضرت علیؓ کی شخصیت پر تاریخ نے بڑے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں، جس سے آپ کے صحیح خدوخال متعین کرنا بہت

متشکل ہوگیا ہے۔ جہاں دشمنوں نے آپ کی سیرت کو مسخ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں معتقدین نے بھی آپ کی مبالغہ آمیز مدح و توصیف میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

البتہ آپ کے اقوال، آپ کے خطبات اور آپ کے احکام پر نظر ڈالنے سے آپ کی حقیقی شخصیت معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور پتا چلتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حیرت انگیز دماغ ودیعت ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہونے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر آپ کا پُرمعارف کلام سُنتے رہنے کی وجہ سے فصاحت و بلاغت آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ آپ کی زبانِ مبارک سے ہر وقت فصاحت و بلاغت کے چشمے پھوٹتے رہتے تھے۔ حکمت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور خطابت میں کوئی شخص آپ کا ہم پلّہ نہ تھا۔ کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو آپ بے تکان اس پر گھنٹوں لیکچر دے سکتے تھے۔ لوگوں کو جہاد پر ابھارنے کے لیے آپ کے خطبے، حضرت معاویہؓ کے نام آپ کے خطوط، امراء اور عمال کے متعلق آپ کے احکام عربی ادب کے معجزات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نہج البلاغہ حضرت علیؓ کی بہترین ادبی یادگار "نہج البلاغہ" ہے۔ نہج البلاغہ ان خطبوں، خطوط اور مواعظ کا مجموعہ ہے جو حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں وقتاً فوقتاً دیئے۔ ان خطبوں، خطوط اور مواعظ کو شریف رضی نے مرتّب کر کے کتابی صورت دی تھی اور اس مجموعہ کا نام "نہج البلاغہ" رکھا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کتاب میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب کا سب حضرت علیؓ کا فرمودہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں میں سب سے پیش پیش ابنِ خلکان ہے۔ ابنِ خلکان کی تقلید میں بعض دوسرے لوگوں نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے، لیکن حقیقت یہی ہے کہ نہج البلاغہ کا اکثر حصہ حضرت علیؓ ہی کے فرمودات اور ارشادات پر مبنی ہے۔ یہ کتاب آپ کی زندگی، آپ کے عہدِ خلافت، آپ کی جنگوں اور غزوات اور آپ کی دنیا سے بے رغبتی کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ بعض خطب و رسائل غلط طور پر حضرت علیؓ سے منسوب ہیں تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "نہج البلاغہ" میں آپ کے جو خطبات اور رسائل درج کیے گئے ہیں ان سے حضرت علیؓ کی رفیع الشان شخصیت، جو ایمان و یقین سے بھرپور اور حق و صداقت کے سلسلہ میں انتہائی مضبوط تھی، ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

مسعودی "نہج البلاغہ" کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً پانچ سو خطبات دیئے تھے۔ لوگ ان خطبات کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ یاد کرنے کا یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ کئی سو سال تک چلتا رہا۔ آخر شریف رضی نے آپ کے تمام خطبوں، مواعظ اور رسائل کو کتابی صورت میں مرتب کیا اور اس کا نام "نہج البلاغہ" رکھا۔ شریف رضی اس کتاب کی تالیف سے سنہ ۴۰۰ھ میں فارغ ہوا۔ اس نے ہر باب کے آخر میں کچھ خالی صفحات اس غرض سے چھوڑ دیے تھے کہ اگر بعد میں کچھ معلوم ہو تو اسے اپنے موقعہ اور محل پر درج کر دیا جائے۔ شریف رضی حضرت علیؓ کی نسل ہی میں سے تھا وہ سنہ ۹۶۹ء میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۰۱۵ء میں وفات پائی، اسے مرتضیٰ کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس کا شمار اس زمانے کے مشہور ادیبوں میں تھا۔ نہج البلاغہ کے علاوہ اس نے اشعار کا ایک دیوان بھی اپنی یادگار چھوڑا ہے۔

نہج البلاغہ کی تالیف کے بعد علماء، فقہاء اور ادباء کی ایک جماعت نے اس کتاب کی شرحیں لکھنے کی طرف اپنی توجہات

مبذول کیں۔ اندازہ ہے کہ اب تک اس کی چھبیس شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ قدیم شارحین میں سے سب سے مشہور شخص عبدالحمید بن ابی الحدید معتزلی ہیں۔ وہ سنہ ۱۱۹۰ء میں پیدا ہوئے تھے اور سنہ ۱۲۵۸ء میں وفات پائی۔ ان کی شرح بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ متاخرین میں سب سے مشہور شارح مصر کے علامہ مفتی محمد عبدہٗ ہیں، آپ نے سنہ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

شریف رضی کتاب کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

"حضرت علی علیہ السلام کا تمام کلام تین اصناف پر مشتمل ہے:

۱۔ خطبات و اوامر

۲۔ خطوط و رسائل

۳۔ حکم و مواعظ

میں نے بھی اسی ترتیب سے اپنی کتاب میں سب سے پہلے آپ کے خطبات کو درج کیا ہے، ان کے بعد آپ کے خطوط کو اور آخر میں آپ کے حکیمانہ اقوال کو۔"

علامہ مفتی محمد عبدہٗ نہج البلاغہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک خطیب اور ایک ادیب کے کلام میں جتنی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس میں ادبی پیرایہ میں مدح بھی ہے اور ذم بھی۔ نیک باتوں کی ترغیب بھی ہے اور بری باتوں سے نفرت کا اظہار بھی۔ سیاسی چپقلش کے نمونے بھی ہیں اور جنگ و جدل کا حال بھی۔ رعایا پر حاکم کے حقوق کی تفصیل بھی ہے اور حاکم پر رعایا کے حقوق کا بیان بھی۔ شہریت کے اصول بھی درج ہیں اور عدالت کے قواعد بھی۔ شخصی نصائح بھی ہیں اور عمومی مواعظ بھی۔ مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کلام سے کمتر اور بندوں کے کلام سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

حضرت علیؓ کی جانب ایک دیوان بھی منسوب کیا جاتا ہے جو پندرہ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ لیکن اکثر مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دو اشعار کے سوا اور کوئی شعر نہیں کہا۔

نہج البلاغہ میں درج کیے جانے والے خطوط اور حکیمانہ اقوال کے علاوہ بعض اور خطوط اور حکیمانہ اقوال بھی آپ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں لیکن ان کے بارہ میں مؤرخین کو شک ہے کہ آیا وہ واقعی حضرت علیؓ ہی کے ہیں یا دوسروں کے اقوال آپ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔

ہم نے اس فصل میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے قارئین کو اس وقت تک حضرت علیؓ کی ادبی شخصیت کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک آپ کے خطبوں، خطوط و رسائل اور حکیمانہ اقوال کے کچھ نمونے ان کے سامنے پیش نہ کیے جائیں۔ اس غرض سے صفحاتِ آئندہ میں آپ کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، اسے پڑھ کر حضرت علیؓ کی ادبی، مذہبی اور سیاسی شخصیت کا کافی حد تک اندازہ ہو سکے گا۔

(۳۰)

حضرت علیؓ کے خطبات

حضرت معاویہؓ کے حکم سے سفیان بن عوف الغامدی نے انبار پر چڑھائی کی تھی، اس موقعہ پر حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے مندرجہ ذیل خطبہ پڑھا تھا اور انھیں دشمن کا مقابلہ کرنے کی غیرت دلائی تھی۔ آپ نے فرمایا:

"یاد رکھو جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جس شخص نے جان بوجھ کر اس سے روگردانی کی اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔ مصائب کا پہاڑ اس کے سر پہ ٹوٹ پڑے گا۔ خواری کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور اسے اپنے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ میں تمہیں شامیوں سے لڑنے کے لیے شب و روز بلاتا رہا، میں تم سے بار بار کہتا رہا کہ قبل اس کے کہ یہ لوگ تم پر حملہ کریں تم ان پر چڑھائی کر دو۔ کیونکہ جس قوم پہ حملہ کیا جاتا ہے اور جس کے علاقہ میں اس کے دشمنوں کے پاؤں پہنچ جاتے ہیں وہ ذلیل اور رسوا ہوئے بغیر نہیں رہتی لیکن تم نے میری بات پر مطلق کان نہ دھرا اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔ میری نصیحتیں تمہیں گراں گزرتی تھیں اور میری باتوں کو تم ہنسی میں اڑا دیتے تھے۔ اس لاپروائی کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ اب تمہارے سامنے ہے۔ تمہارے علاقوں پہ دشمن نے چڑھائی کر دی۔ سفیان بن عوف غامدی کے گھوڑے انبار تک پہنچ گئے اور تمہیں اپنے گھوڑوں کو پیچھے ہٹاتے ہی بن پڑی۔ تمہارے کئی بہادر جان سے مارے گئے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان اور ذمی عورتوں کے کنگن، پازیب اور بالیاں تک اتار لیں۔ انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار خوب گرم کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس گئے لیکن ان کے کسی آدمی کو خراش تک نہ آئی۔ اس کے بعد اگر کوئی مسلمان افسوس اور رنج کے مارے اپنی جان گنوا دیتا ہے تو میرے نزدیک وہ ملامت کے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی موت کا قرار واقعی مستحق ہے۔ کیا ہی تعجب ہے کہ ایک قوم باطل پر ہونے کے باوجود، اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے پوری جدوجہد کرتی ہے اور تم حق پر ہونے کے باوجود بزدلی دکھاتے ہو۔ افسوس تم دشمنوں کا نشانہ بن گئے، جس پر وہ جی بھر کر تیر چلاتا ہے۔ تم مالِ غنیمت بن گئے جس کو وہ جی بھر کر لوٹتا ہے لیکن تمہاری غیرت کی حس بالکل مُردہ ہو چکی ہے۔ تمہارے علاقوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ لیکن تم خاموش بیٹھے رہتے ہو۔ تم پر چڑھائی کی جاتی ہے لیکن تم میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا ولولہ بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ علی الاعلان اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے لیکن تمہارے دلوں میں قطعاً درد پیدا نہیں ہوتا۔ جب میں تمہیں گرمی میں شام کی طرف کوچ کرنے کو کہتا ہوں تو تم یہ عذر کر دیتے ہو کہ اب سخت گرمی ہے۔ ہمیں کچھ مہلت دیجئے۔ جب گرمی گزر جائے گی تب ہم چلیں گے۔ لیکن

جب سردی آتی ہے تو تم سخت سردی کا عذر کر کے کہہ دیتے ہو کہ ہمیں مہلت دیجئے، جب سردی گزر جائے گی تب ہم چلیں گے۔ نہ تم گرمی کی تاب لا سکتے ہو نہ سردی کی۔ جب تمہاری یہ حالت ہے کہ تم گرمی اور سردی تک سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم تلوار سے تو ضرور ہی بھاگو گے۔ اے وہ لوگو! جو مردوں کے مشابہ ہو لیکن مرد نہیں ہو، میری خواہش ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے تمہارے درمیان سے اٹھا لے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری صورتیں بھی مجھے دکھائی نہ دیں اور مجھے تم سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو۔ خدا کی قسم میں ندامت سے حیران ہوں۔ تم نے میرے دل کو غیظ و غضب سے بھر دیا ہے۔ تم نے مجھے موت کے گھونٹ پلانے چاہے ہیں۔ تم نے مجھ سے سرکشی کر کے، میرے احکام کی سرتابی کر کے اور مجھے چھوڑ کر میری تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اسی وجہ سے قریش یہ کہنے لگے کہ ابنِ ابی طالب شجاع تو ہے لیکن اسے جنگ کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ خدا ان کا بھلا کرے، ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ جنگ کا ماہر اور تجربہ کار نہیں ہے جتنا لمبا تجربہ جنگ کا مجھے حاصل ہے اور کسی شخص کو حاصل نہیں۔ میں ابھی بیس برس کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ مجھے جنگ کی پوری مہارت حاصل ہو گئی تھی اب میں ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں، لیکن جب تک کسی رائے اور تجربہ پر عمل نہ کیا جائے محض رائے اور تجربہ کا کوئی فائدہ نہیں۔"

ایک خطبہ میں اپنے دشمنوں کا بایں الفاظ ذکر کرتے ہیں:

"انہوں نے اپنے کاموں میں شیطان کو شریک بنا لیا ہے۔ شیطان نے ان کے سینوں میں انڈے بچے دیے ہیں اور وہ ان کی عقلوں پر پوری طرح قابض ہو گیا ہے۔ اب ان کی آنکھوں سے شیطان دیکھتا ہے اور ان کی زبانوں سے شیطان بولتا ہے وہی ان سے گناہوں کا ارتکاب کرا رہا ہے اور بری باتوں کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کر رہا ہے۔"

اہلِ بصرہ کی مذمت میں خطبہ ارشاد فرماتے ہیں:

"تم ایک خاتون[1] کا لشکر ہو، اور ایک حیوان[2] کی پیروی کرنے والے۔ جب وہ جانور آواز نکالتا ہے تو تم اس کو جواب دیتے ہو لیکن جب اس کی کونچیں کاٹ ڈالی جاتی ہیں تو بھاگ جاتے ہو۔ تمہارے اخلاق نہایت گرے ہوئے ہیں، تمہارے وعدے جھوٹے ہیں، تمہارا دین نفاق پر مبنی ہے۔ میں تمہاری مسجد میں اس کشتی کی مانند ہوں جو قیامت خیز طوفان میں بہہ رہی ہو۔ جو شخص اس کشتی میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا اور جو شخص سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا۔"

ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا [2] اونٹ۔ حضرت علیؓ اس خطبہ میں جنگِ جمل کا ذکر فرما رہے ہیں۔

ہر قسم کی تعریف ہے اس اللہ کے لیے جو اوّل بھی ہے اور آخر بھی، جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کے علاوہ ہر عزیز ذلیل ہے، ہر قوی ضعیف ہے، ہر مالک مملوک ہے، ہر عالم متعلّم ہے، ہر قادر عاجز ہے، ہر سمیع بہرہ ہے کیونکہ وہ لطیف آوازوں کو نہیں سُن سکتا۔ ہر بصیر اعمٰی ہے کیونکہ وہ مخفی رنگوں اور لطیف اجسام کو نہیں دیکھ سکتا۔ ہر ظاہر باطن ہے اور ہر باطن ظاہر۔ جو چیز اس نے پیدا کی ہے اسے پیدا کرنے کی اور کسی میں قدرت نہیں۔ اسے زمانہ کے عواقب خوف زدہ نہیں کر سکتے، اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تمام مخلوق اسی کی پروردہ ہے۔ تمام بندے اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ کسی چیز میں حلول نہیں ہے تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ وہ فلاں چیز میں پایا جاتا ہے، وہ کسی چیز سے منفصل نہیں ہے تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ وہ فلاں چیز سے علیحدہ ہے۔ اسے کسی چیز کے پیدا کرنے میں مشقت، تکلیف اور عجز کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ جو کچھ گزر گیا اور جو کچھ آئندہ پیش آنے والا ہے اس میں اس کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ اس کی قضا یقینی، اس کا علم محکم اور اس کا حکم مبرم ہے جو کسی صورت میں ٹلنے والا نہیں۔"

استسقاء کی دُعا:

”اے اللہ! ہمارے پہاڑ خشک ہو گئے ہیں، ہماری زمین پر خاک اڑنے لگی ہے، ہمارے جانوروں کے حلق پیاس کی وجہ سے خشک ہو چکے ہیں، وہ بڑی بے تابی سے اپنے احاطوں میں کھڑے، نہایت دردناک آوازوں سے چیخ رہے ہیں۔ وہ بار بار چارے اور پانی کی تلاش میں چراگاہوں میں پھرتے ہیں اور گھاٹ پر جاتے ہیں لیکن ناکام واپس آتے ہیں۔

اے اللہ! گڑگڑانے والوں کی گڑگڑاہٹ پر رحم فرما۔ اے اللہ! ان جانوروں پر رحم فرما جو چراگاہوں میں حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں اور اپنے باڑوں میں دردناک آوازوں سے چیخ رہے ہیں۔

اے اللہ! ہم تیرے حضور اس وقت حاضر ہوئے ہیں جب کہ قحط سالی کی انتہا ہو چکی ہے۔ آسمان پر بارش برسانے والے بادلوں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ ایسے وقت میں تُو ہی مایوس لوگوں کی امید اور عاجزی سے دُعا مانگنے والوں کی دعا قبول کرنے والا ہے۔ ہم تجھے اس وقت پکار رہے ہیں جب تیری مخلوق بارش سے ناامید ہو چکی ہے۔ بادلوں کا کہیں وجود نہیں ہے۔ مویشی ہلاک ہو رہے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمارے اعمال کی پاداش میں ہمیں نہ پکڑ، تو ہمارے گناہوں کے بدلے ہمیں سزا نہ دے، تُو ہم پر اپنی رحمت کا سایہ نازل فرما، تو ہمارے لیے پانی سے بھرپور بادل بھیج، جو آکر کثرت سے بارش برسائیں اور مری ہوئی زمین کو دوبارہ زندہ کر دیں۔

اے اللہ! تو ایسی بارش برسا جو بابرکت ہو۔ روئیدگی اور سبزہ پیدا کرنے والی ہو۔ جس سے تیرے ضعیف اور کمزور بندے فرحت اور توانائی حاصل کریں۔ جس سے مُردہ علاقے پھر تروتازہ اور سرسبز ہو جائیں اور ہمارے مویشی بافراغت چارہ حاصل کر سکیں۔

اے اللہ! اپنی غریب اور کمزور مخلوق اور بے زبان جانوروں کو اپنے کرم سے نواز اور ان پر اپنی بے پایاں برکات نازل فرما۔ تو اپنی رحمت سے ہمارے لیے ایسا بادل بھیج جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور جو آ کر موسلا دھار بارش برسائے۔ ایسا بادل نہ بھیج جس کی کڑک، گرج اور چمک ہمیں دھوکا دے اور جو پانی سے بالکل خالی ہو۔

اے اللہ! خشک زمین کو سیراب کر اور قحط زدہ لوگوں کو آرام اور چین مرحمت فرما۔"

(۳۱)

حکیمانہ اقوال

۱۔ جب دنیا کسی پر مہربان ہوتی ہے تو دوسرے شخص کے محاسن بھی اسی کو دے دیتی ہے اور جب اس سے منہ موڑتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

۲۔ لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھو تاکہ جب تم مر جاؤ تو وہ تم پر روئیں اور جب تک تم زندہ رہو وہ تم سے محبت کا برتاؤ کرتے رہیں۔

۳۔ اگر تم اپنے دشمن پر قابو پالو تو قابو پانے کے شکریہ میں اسے معاف کر دو۔

۴۔ وہ شخص ناکام ہے جو اپنے بھائیوں کی دوستی حاصل نہ کر سکے، لیکن سب سے زیادہ ناکام وہ شخص ہے جو اپنے بھائیوں کی دوستی حاصل کرنے کے بعد پھر اسے کھو دے۔

۵۔ اگر تم منعم کا شروع ہی میں شکریہ ادا نہ کرو گے تو آئندہ حاصل ہونے والی نعمت کو ہاتھ سے کھو دو گے۔

۶۔ تم صاحبِ مروّت لوگوں کی لغزشوں کو نظر انداز کر دیا کرو۔ کیونکہ ان میں جو شخص لغزش کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاتھ سے اٹھاتا ہے۔

۷۔ بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ یہ ہے کہ مظلوموں کی دادرسی کی جائے اور مصیبت زدوں کی تکالیف دُور کی جائیں۔

۸۔ کوئی شخص کسی بات کو خواہ کتنا ہی کیوں نہ چھپائے لیکن کبھی نہ کبھی وہ بلا ارادہ بلا سوچے سمجھے اس کی زبان یا اس کے چہرے سے ظاہر ہو ہی جائے گی۔

۹۔ جب تک بیماری کی حالت میں کام ہو سکتا ہے کام کیے جاؤ۔

۱۰۔ بہترین زہد یہ ہے کہ اپنے زہد کو چھپایا جائے۔

۱۱۔ سخی بنو لیکن فضول خرچ نہ بنو۔ میانہ روی اختیار کرو لیکن کنجوس نہ بنو۔

۱۲۔ عاقل کی زبان اس کے دل کی تابع ہوتی ہے اور احمق کا دل اس کی زبان کے تابع ہوتا ہے۔[1]

---

[1] اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ عاقل جو کچھ کہتا ہے خوب سوچ سمجھ کر کہتا ہے۔ بے احتیاطی سے کوئی لفظ نہیں نکالتا۔ لیکن احمق بے سوچے سمجھے جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔ حضرت علیؓ سے اسی قسم کا ایک اور فقرہ بھی مروی ہے جو یہ ہے "احمق کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عاقل کی زبان اس کے دل میں"۔

غلطی سے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ غلطی اس نیکی سے اچھی ہے جس سے تم مغرور ہو جاؤ۔

۱۴۔ نیک دل انسان کے حملے سے ڈرو جب وہ بھوکا ہو، اور کمینے شخص کے حملہ سے ڈرو جب وہ سیر ہو۔

۱۵۔ جب تک تیرا بخت یاور ہے تیرا عیب بھی چھپا ہوا ہے۔

۱۶۔ عفو و درگزر کرنے کے لائق سب سے زیادہ وہ شخص ہے جسے سزا دینے میں کوئی روک نہ ہو۔

۱۷۔ سخاوت وُہ ہے جو بلا مانگے کی جائے۔ مانگنے پر سخاوت، سخاوت نہیں ہوتی بلکہ حیا اور تذمّم[1] ہوتی ہے۔

۱۸۔ عقل سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہیں، جہالت سے بڑھ کر اور کوئی فقر نہیں۔ ادب سے بڑھ کر اور کوئی میراث نہیں۔ مشورہ سے بڑھ کر اور کوئی مددگار نہیں۔

۱۹۔ صبر دو قسم کا ہوتا ہے:

ایک صبر اس چیز پر جسے تو ناپسند کرتا ہے اور ایک صبر اس چیز پر جسے تُو پسند کرتا ہے۔

۲۰۔ قناعت وہ مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

۲۱۔ مال شہوات کا مادہ و مبتدا ہے۔

۲۲۔ جس شخص نے تجھے ڈرایا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تجھے خوشخبری دی۔

۲۳۔ کسی حاجت مند کو تھوڑی چیز دینے سے نہ شرماؤ کیونکہ بالکل ہی نہ دینا اس سے بدتر ہے۔

۲۴۔ ناشکری فقر کا زینہ ہے اور شکر دولتمندی کا زینہ۔

۲۵۔ جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو کلام گھٹ جاتا ہے (یعنی عاقل لوگ بہت کم کلام کرتے ہیں)

۲۶۔ جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے امام کے طور پیش کرے اسے چاہیے کہ دُوسرے لوگوں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے نفس کو تعلیم دے۔ لوگوں کو اپنی زبان کے ذریعہ ادب سکھانے سے پہلے اپنی سیرت اور نمونہ کے ذریعہ ادب سکھائے۔ اپنے نفس کا معلّم اور مؤدب لوگوں کے معلّم اور مؤدب سے زیادہ عزّت اور تکریم کا مستحق ہے۔

۲۷۔ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے، اس لیے اگر حکمت منافقوں کے پاس بھی ملے تو وہاں سے بھی حاصل کرو۔

۲۸۔ کسی شخص کی قیمت وہی ہوتی ہے جو وہ خود اپنے لیے مقرر کرتا ہے۔

۲۹۔ جس شخص نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین معاملہ درست رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان بھی معاملہ درست ہی رکھے گا۔ جس شخص نے اپنی آخرت سُدھار لی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا بھی سدھار دے گا۔ جس شخص کا نفس اسے نصیحت کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔

۳۰۔ دل اُسی طرح اُکتا جاتے ہیں جس طرح جسم تھک جاتے ہیں۔ تم ان کی اکتاہٹ اور تھکاوٹ کو دُور کرنے کے لیے حکیمانہ اور

---

[1] تذمّم کے لغوی معنے مذمّت سے بچنے کے ہیں۔

پُرلطف باتیں بیان کیا کرو۔

۳۱۔ اپنے جسموں کی آغاز سرما میں خوب نگہداشت کرو۔ کیونکہ سردی جسموں پر وہی عمل کرتی ہے جو درختوں پر کرتی ہے۔ شروع میں انھیں جلا دیتی ہے اور آخر میں انہیں سرسبز کر دیتی ہے۔

۳۲۔ کوئی دوست اس وقت تک دوست نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ تین موقعوں پر اپنے بھائی کی بُرائی کرنے سے باز نہیں رہتا۔ اس کی نکبت اور افلاس کے وقت، اس کی غیر حاضری میں اور اس کے مرنے کے بعد۔

۳۳۔ تفکرات آدھا بڑھاپا ہوتے ہیں۔

۳۴۔ اپنے بھائی پر احسان کر کے اس پر ناراض ہو اور اس پر انعام و اکرام کر کے اس کے شر کو لوٹا دو۔

۳۵۔ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے۔

۳۶۔ جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہے وہاں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں۔

۳۷۔ اکثر اوقات ایک لقمہ کئی لقموں کو روک دیتا ہے۔

۳۸۔ جب تُو اپنے دل سے بدی کو مٹا دے گا تو دُوسرے شخص کے دل سے بھی بدی کا قلع قمع کر دے گا۔

۳۹۔ جس طرح جہالت کی بات کہنے میں کسی قسم کی بھلائی نہیں ہے اسی طرح حکمت کی بات پر خاموش رہنے میں بھی بھلائی نہیں ہے۔

۴۰۔ اے ابنِ آدم! تُو اپنی مقررہ روزی سے زیادہ جو کچھ کمائے اس میں تیرے بھائی تیرے شریک ہیں اور تو اس مال پر صرف نگہبان کی حیثیت رکھتا ہے۔

۴۱۔ ہر برتن ان چیزوں سے بالآخر بھر جاتا ہے جو اس میں ڈالی جاتی ہیں۔ لیکن علم کا برتن نہیں بھرتا، جتنا جتنا علم اس میں ڈالا جاتا ہے اتنا اتنا وہ بڑھتا جاتا ہے۔

۴۲۔ تکلیف کو برداشت کر، کیونکہ جو شخص تکلیف برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساری عمر ملول ہی رہتا ہے۔

۴۳۔ اکثر انسانوں کی عقلیں سیم و جواہر کی چمک دیکھ کر جاتی رہتی ہیں۔

۴۴۔ نیک دل انسان کا بہترین کام یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کے ان عیوب سے چشم پوشی کرے جو اس کے علم میں آئیں۔

۴۵۔ وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی کسی غرض کو مدِ نظر رکھ کے کرتے ہیں وہ تاجروں کی سی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی عبادت کرتے ہیں وہ غلاموں کی سی عبادت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکریہ میں اس کی عبادت کرتے ہیں وہ آزاد بندوں کی سی عبادت کرتے ہیں۔

۴۶۔ جو چھوٹے ہاتھ سے سخاوت کرتا ہے اسے لمبے ہاتھ سے دیا جاتا ہے [۱]

---

[۱] اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص نیکی کے راستہ میں اپنا مال خواہ وہ کتنا تھوڑا ہی کیوں نہ ہو خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے (باقی بر صفحہ آئندہ)

... تلخی آخرت کی شیرینی ہوتی ہے اور دنیا کی شیرینی آخرت کی تلخی۔

۴۸۔ جب تم غریب ہو جاؤ تو صدقہ کے بدلے اللہ تعالیٰ سے تجارت کا سودا کرو۔

۴۹۔ تھوڑا کام جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے اس بڑے کام سے بہتر ہے جو انسان کو تھکا دے اور آخر اسے چھوڑنا پڑے۔

۵۰۔ احمق کے کبھی ساتھی نہ بنو۔ کیونکہ وُہ اپنے کام کو تمہاری نظروں میں اچھا دکھانے کی کوشش کرے گا اور یہ بھی چاہے گا کہ تم بھی اسی جیسے بن جاؤ۔

۵۱۔ تیرے دوست تین ہیں اور تیرے دشمن بھی تین۔ تیرے دوست یہ لوگ ہیں:

۱۔ تیرا دوست

۲۔ تیرے دوست کا دوست

۳۔ تیرے دشمن کا دشمن

اسی طرح تیرے دشمن یہ لوگ ہیں، (۱) تیرا دشمن (۲) تیرے دوست کا دشمن (۳) تیرے دشمن کا دوست۔

۵۲۔ انسان ابنائے دنیا ہیں اور وہ اپنی ماں سے محبت کرنے کی بنا پر ملامت کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

۵۳۔ انسان اپنے بیٹے کے کھوئے جانے پر تو سو سکتا ہے لیکن اپنا مال ضائع ہونے پر نہیں سو سکتا۔[1]

۵۴۔ پتھر کو جہاں سے وُہ آیا ہے وہیں لوٹا دو۔ کیونکہ برائی برائی سے ہی دُور کی جاسکتی ہے۔

۵۵۔ تیری آنکھ کا پانی (شرم) اس وقت تک باقی رہ سکتا ہے جب تک تُو سوال نہ کرے۔ جونہی تُو سوال کرے گا یہ پانی ڈھل جائے گا۔

۵۶۔ جو شخص بغاوت کی تلوار سونتتا ہے وہ اسی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے۔ جو شخص سخت محنت کرتا ہے بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔ جو شخص گہرے پانی میں گھستا ہے غرق ہو جاتا ہے۔ جو شخص برائیوں کے اڈوں میں جاتا ہے وہ بھی بدی سے متہم ہو جاتا ہے۔

۵۷۔ جو شخص دُوسرے لوگوں کے عیب دیکھ کر اُنہیں بُرا جانتا ہے لیکن پھر خود وہی عیب اختیار کر لیتا ہے اس سے بڑھ کر احمق اور کوئی نہیں۔

۵۸۔ جو شخص باتونی ہوگا زیادہ غلطیاں کرے گا۔ جو زیادہ غلطیاں کرے گا اس کی شرم کم ہو جائے گی۔ جس کی شرم کم ہو جائے گی اس کی پرہیزگاری میں فرق آجائے گا۔ جس کی پرہیزگاری میں فرق آجائے گا اس کا دل مرجائے گا اور جس کا دل مرجائے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بہت بڑھ چڑھ کر دیتا ہے۔ اس جگہ ہاتھوں سے مراد نعمتیں ہیں۔ حضرت علیؓ نے اس فقرہ میں بندہ کی نعمت اور خدا تعالیٰ کی نعمت کا مقابلہ کیا ہے اور بندے کی دی ہوئی نعمت کو چھوٹی نعمت اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو بڑی نعمت بتایا ہے۔

[1] مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی اولاد کی موت پر تو صبر کر سکتا ہے لیکن مال کے چھن جانے پر صبر نہیں کر سکتا۔

۵۹ - جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق کوئی لفظ زبان سے نہ نکال ۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر اس چیز کے متعلق بھی جس کا تجھے پتا ہے زبان نہ کھول ۔

۶۰ - جس نے حق کا مقابلہ کیا وہ شکست کھائے گا ۔

۶۱ - عہدے اور منصب لوگوں کے مضامیر ہیں ۔[1]

۶۲ - دو شخص کبھی سیر نہیں ہوتے ۔ علم کا طالب اور مال کا طالب ۔

۶۳ - جو شخص چار باتیں کرے گا چار چیزوں سے کبھی محروم نہیں رہے گا ۔ دُعا کرنے والا راستی سے ، توبہ کرنے والا قبولیت سے ، استغفار کرنے والا مغفرت سے اور شکر کرنے والا زیادتی سے ۔

۶۴ - تین چیزیں جنت کے خزانوں میں سے ہیں :

(۱) بیماری کا چھپانا (۲) صدقہ و خیرات کا چھپانا (۳) مصیبت کا چھپانا

۶۵ - اے ابنِ آدم ! جب تو یہ دیکھے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ تجھے برابر اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے اور تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے تو خدا تعالیٰ سے ڈر ۔

۶۶ - امیری میں سفر بھی وطن ہے اور غریبی میں وطن بھی سفر ۔

۶۷ - کتنی عقلیں ہیں جو حاکموں کی خواہشات کے نیچے دبی ہوتی ہیں ۔

(۳۲)

امیرالمومنینؓ کی رائیں اور مزاح

ایک شخص نے آپ سے پُوچھا کہ کیا ہمارا شام چلنا قضائے الٰہی کے تحت ہے ؟

جواب میں آپ نے فرمایا :

" شاید تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہر چیز قضا و قدر سے وابستہ ہے اور خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ ٹل نہیں سکتی ۔ اگر ایسا ہوتا تو ثواب و عذاب کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ نیک عمل کرنے والوں کو جنت کے وعدے اور بدی پر کمربستہ رہنے والوں کو جہنم کے ڈراوے نہ دیئے جاتے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اچھے بُرے کام کرنے کا اختیار دیا ہے اور ان کے کاموں پر ہی جزا و سزا کا دار و مدار ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے دین میں بہت آسانی رکھی ہے اور اپنے بندوں کو صرف انہی باتوں کا مکلف کیا ہے جو وہ آسانی سے کر سکتے ہیں ۔ اس نے تھوڑے عمل کے بدلے بہت بڑے انعام کا

[1] مضامیر ان جگہوں کو کہتے ہیں جہاں گھوڑوں کو گھوڑ دوڑ کے لیے تیار کیا جاتا ہے ۔ حضرت علیؓ کے اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو عہدے اور منصب مل جاتے ہیں دوسرے لوگوں سے ان کی سابقیت اور فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے ۔

وعدہ کیا ہے۔ اس نے انبیاء کو تفریحاً نہیں بھیجا۔ قرآن کریم کو بندوں کے لیے بیکار نازل نہیں کیا۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اسے یوں ہی پیدا نہیں کیا۔ یہ خیال صرف کافروں کا ہے اور کافروں کے لیے آگ ہی ٹھکانا ہے۔"

ایک شخص نے آپ سے ایمان کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

"ایمان چار ستونوں پر قائم ہے، صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ صبر کی بنیاد بھی چار چیزوں — شوق، خوف، زہد اور انتظار — پر ہے۔ جو کوئی جنت کا خواہشمند ہے وہ شہوات سے کنارہ کشی اختیار کرے گا۔ جس کو دوزخ کا خوف ہے وہ محرمات سے بچے گا۔ جو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے گا اسے مصائب کی کوئی پروا نہ ہوگی اور جو شخص موت کا انتظار کرتا رہے گا وہ نیک کاموں میں عجلت سے کام لے گا۔

یقین کی بنیاد بھی چار باتوں — زیرکی، دقت رسی، عبرت اندوزی اور سنت الاولین — پر ہے۔ جو شخص زیرکی اختیار کرے گا اسے حکمت کی دقیق ترین باتوں کا علم ہو جائے گا اور جسے حکمت کی دقیق ترین باتوں کا علم ہو جائے گا وہ دوسرے لوگوں سے ضرور عبرت حاصل کرے گا اور اس طرح وہ گویا پہلے لوگوں ہی کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا۔

عدل کی بنیاد بھی چار باتوں پر ہے۔ اچھی طرح سمجھنے پر، کسی چیز کے ظاہر و باطن کو باریک نظر سے دیکھنے پر، حکمت اور علم پر۔ جو شخص علم کو اچھی طرح سمجھ لے گا وہ اس کے ظاہر و باطن کو لازماً باریک نظر ہی سے دیکھے گا، اور جو شخص علوم ظاہری و باطنی کو باریک نظر سے دیکھے گا وہ حکیمانہ باتیں ہی کرے گا۔ جو شخص حلم اور بردباری اختیار کرے گا وہ کبھی زیادتی سے کام نہ لے گا اور لوگوں کے درمیان نہایت اچھے طریقہ سے زندگی بسر کرے گا۔

جہاد کی بنیاد بھی چار باتوں پر ہے۔ امر بالمعروف پر، نہی عن المنکر پر، لڑائی کے موقعہ پر ثابت قدم رہنے پر اور فاسقوں سے دشمنی رکھنے پر۔ جو شخص لوگوں کو نیک کاموں کی تلقین کرے گا وہ مومنوں کی قوت کو مضبوط کرے گا۔ جو شخص لوگوں کو بدی کے کاموں سے روکے گا وہ کافروں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے گا۔ جو شخص لڑائی کے موقعہ پر ثابت قدم رہے گا وہ فتح یاب ہوگا۔ جو شخص فاسقوں سے دشمنی رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ہی ان سے ناراض ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی خاطر اس کے دشمنوں سے ناراض ہوگا اور قیامت کے دن اسے اپنی رضا کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور کرے گا۔"

"ایمان دل کے یقین، زبان کے اقرار اور ارکان اسلام پر عمل کرنے کا نام ہے۔"

"کفر بھی چار ستونوں پر قائم ہے:

۱۔ اوہام کے اتباع پر

۲۔ لڑنے جھگڑنے پر

۳۔ کجی پر

۴۔ مخالفت اور دشمنی پر

جو شخص اوہام کی پیروی اختیار کرے گا اسے حق کی جانب رجوع کرنے کی توفیق نہ ہوگی۔ جو شخص اکثر از راہ جہالت لڑتا جھگڑتا رہے گا حق و صداقت کی جانب سے ہمیشہ اس کی نظریں ہٹی رہیں گی۔ جو شخص کجی اختیار کرے گا وہ نیکی کو برائی سمجھے گا اور برائی کو نیکی سو وہ

ضلالت اور گمراہی کے نشہ میں مدہوش ہو جائے گا۔ جو شخص ہمیشہ دوسروں کی مخالفت اور دشمنی پر کمر بستہ رہے گا وہ دائماً اپنے مخالف کے راستہ کے اُلٹ راستہ اختیار کرے گا۔ اس لیے ہمیشہ گمراہی میں پھنسا رہے گا اور اس سے نکلنا اس کے لیے انتہائی دشوار ہو گا۔"

"شک کی بنیاد چار باتوں پر ہے ؛

۱۔ ناحق جھگڑنے پر

۲۔ دہشت پر

۳۔ تردّد پہ

۴۔ تابعداری پر

جس نے ناحق جھگڑنے کی عادت کو اپنا لیا وہ شک کے اندھیرے سے کبھی یقین کی روشنی تک راہ نہ پا سکے گا۔ جو شخص اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر دہشت زدہ رہے گا وہ بالآخر اُلٹے پاؤں واپس ہو جائے گا۔ جو شخص متردّد رہے گا، شیطان اس پر قابو پالیں گے۔ جو شخص اپنی دنیا اور آخرت کی تباہی پر راضی ہو جائے گا وہ دنیا میں بھی ہلاک ہو گا اور آخرت میں بھی۔"

ایک شخص نے آپ کے سامنے کہا: "استغفراللہ" (میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں)۔ آپ نے اس سے فرمایا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ استغفار کیا ہوتا ہے ؟ استغفار کا حق علیین کو ہے۔ چھ باتیں کرنے کے بعد پھر استغفار کرنے کا درجہ آتا ہے ؛

اوّل ؛ جو گناہ تم سے سرزد ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرو۔

دوم ؛ برائی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا عزم کرو۔

سوم ؛ مخلوق کو ان کے حقوق آخر وقت تک ادا کرو اور خدا تعالیٰ کے حضور بالکل پاک صاف ہو کر حاضر ہو۔

چہارم ؛ یہ کہ ہر اس فریضہ کی طرف متوجہ ہو جو تم سے چھوٹ گیا تھا اور اسے ادا کرو۔

پنجم ؛ یہ کہ اس گوشت کی طرف توجہ کرو جو حرام کی کمائی کی وجہ سے تم پر چڑھ گیا ہو اور رنج و غم کی گرمی سے اس کو یہاں تک پگھلاؤ کہ گوشت کا نام و نشان باقی نہ رہے کھال ہڈیوں سے چمٹ جائے اور ہڈیوں اور کھال کے درمیان نیا گوشت پیدا ہو جائے۔

ششم ؛ یہ کہ تم اپنے جسم کو اطاعت کا اتنا مزا چکھاؤ جتنا تم نے اسے معصیت کا مزا چکھایا تھا۔ اس وقت تم کہہ سکتے ہو "استغفراللہ"۔"

مزاح

"عورت ساری کی ساری بُری ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے وُہ بھی بُرا ہوتا ہے۔"

"عورت بچھو ہے جس نے شیرینی کا لباس پہن رکھا ہے۔"

"عورتوں کی تین اچھی خصلتیں مردوں کی بُری خصلتیں ہوتی ہیں یعنی تکبّر، بُزدلی اور بُخل۔ اگر عورت مغرور ہوتی ہے تو طبعی طور پر ہوتی ہے جان بُوجھ کر نہیں ہوتی۔ اگر وہ بخیل ہوتی ہے تو اپنے مال کی حفاظت بھی کرتی ہے اور اپنے شوہر کے مال کی

حفاظت بھی اور اگر بزدل ہوتی ہے تو ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہے جو اس کے سامنے آتی ہے۔"

جنگِ جمل کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا :

"اے لوگو! عورتیں ناقص الایمان اور ناقص العقل ہوتی ہیں۔ بُری عورتوں سے تو لازماً بچو ہی۔ نیک عورتوں سے بھی پرے پرے ہی رہو۔ اچھی بات میں بھی ان کی اطاعت نہ کرو تاکہ وہ بُرائی کے کاموں کی طرف تمہیں متوجہ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں۔"

ایک مرتبہ آپ نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے فرمایا :

"اے جابر! دنیا چار قسم کے لوگوں کے سہارے قائم ہے :

۱۔ عالم، جو اپنے علم کو برابر استعمال میں لاتا رہتا ہے۔

۲۔ جاہل، جو علم سیکھنے کو بُرا نہیں سمجھتا۔

۳۔ امیر، جو کبھی بخل نہیں کرتا۔

۴۔ فقیر، جو اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے بدلے بیچ نہیں ڈالتا۔

اگر عالم اپنے علم کو ضائع کر دے گا تو جاہل علم سیکھنے کو بُرا سمجھنے لگے گا اور اگر امیر بخل کرے گا تو فقیر اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے بدلے بیچ دے گا۔

اے جابر! جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہتات ہو جاتی ہے حاجتمند لوگ بھی اس کے پاس کثرت سے جانے لگتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو دوام اور بقا عطا کر دیتا ہے۔ لیکن جو شخص انہیں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال نہیں کرتا اور اپنے واجبات کو فراموش کر دیتا ہے تو وہ نعمتیں کم ہوتے ہوتے آخر بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔"

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے کوئی مشکل مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا :

"جو کچھ پوچھنا ہے وہ تفقہ اور مزید علم حاصل کرنے کے لیے پوچھو، محض تنگ کرنے اور اعتراض کے لیے نہ پوچھو۔"

آپ سے دریافت کیا گیا کہ عاقل کی صفت بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا :

"عاقل وہ ہے جو چیز کو اس کے موقعہ اور محل پر رکھتا ہے۔"

پھر کہا گیا کہ جاہل کی صفت بھی بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا :

"اس کی صفت میں نے بیان کر دی ہے۔"

اوباش لوگوں کی تعریف آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی :

"اوباش وہ لوگ ہیں کہ جمع ہوں تو نقصان پہنچائیں اور منتشر ہو جائیں تو فائدہ۔"

لوگوں نے کہا کہ ہمیں ان کے اجتماع کی مضرت کا تو پتا چل گیا لیکن ان کے منتشر ہونے کی وجہ سے فائدہ حاصل ہونے کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

آپ نے فرمایا:
"جب وہ لوگ منتشر ہو جائیں گے تو مزدور اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں گے۔ معمار عمارتیں بنانے میں، جولاہے کپڑا بُننے میں اور نانبائی روٹیاں پکانے میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس طرح لوگوں کو اوباشوں کے منتشر ہونے سے فائدہ حاصل ہو جائے گا۔"

آپ نے ایک دفعہ پُرانی اور پھٹی ہوئی قمیص پہن رکھی تھی۔ جب لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:
"اس طرح دل خشوع و خضوع کی طرف مائل ہوتا ہے، نفس تذلل اختیار کرتا ہے اور مومن اس کی پیروی کرتے ہیں۔"
آپ نے ایک خارجی کو تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:
"یقین کی نیند شک کی نماز سے بہتر ہے۔"
ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا تو آپ نے فرمایا:
"جو کچھ تم میرے متعلق کہتے ہو میں اس سے کم تر ہوں لیکن جو کچھ تمہارے دل میں میرے متعلق ہے اس سے برتر ہوں۔"

(۳۴)

خطوط اور وصایا

واقعہ جمل کے بعد آپ کا خط حضرت معاویہؓ کے نام

"سلام علیک۔ واضح ہو کہ مدینہ میں میری بیعت ہو جانے سے تمہارے لئے شام میں میری بیعت کرنی ضروری ہوگئی ہے کیونکہ میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور اسی بات پر کی ہے جس بات پر میرے سے پہلے خلفاؓ کی کی تھی۔ بیعت کے بعد کسی ایسے شخص کے لئے، جو اس موقعہ پر حاضر تھا، یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میری بجائے کسی اور کا نام خلافت کے لیے تجویز کرے اور نہ کسی ایسے شخص کے لیے، جو اس موقعہ پر حاضر نہیں تھا، یہ جائز ہے کہ وہ اس بیعت کو رد کر دے۔ شوریٰ کا حق صرف مہاجرینؓ اور انصارؓ کا ہے۔ جب وہ کسی شخص پر متفق ہو کر اس کا نام امامت کے لیے تجویز کر دیں تو اس مشورہ کو اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اس فیصلہ سے کوئی شخص انحراف کرتا ہے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بزور اسے خلیفہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل کریں۔ اگر وہ برابر انکار ہی کرتا چلا جائے تو اس سے لڑیں۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے پہلے میری بیعت کی اور بعد کو پھر گئے۔ ان کا بیعت توڑ دینا بیعت سے انکار کرنے کے مترادف تھا۔ میں نے ان پر حجت تمام کر کے ان سے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ حق ظاہر ہو گیا اور خدا تعالیٰ کی مشیت ان کی ناراضگی کے باوجود پوری ہوئی۔ میں تمہیں بھی اسی بات کی طرف بلاتا ہوں جسے دوسرے مسلمانوں نے قبول کر لیا ہے اور وہ

یہ ہے کہ تم میری بیعت میں داخل ہو جاؤ۔ تم قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام لینے کے متعلق بہت شور مچا رہے ہو۔ اگر تم میری بیعت میں داخل ہو جاؤ اور پُوری طرح میری اطاعت کرو تو میں تم سے بھی اور ان لوگوں سے بھی کتاب کے مطابق سلوک کروں گا۔ تم اپنے لیے ولایت چاہتے ہو لیکن یہ محض دھوکا ہے۔ تم اگر اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر اپنی عقل کو کام میں لاؤ تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں تمام قریش میں سب سے زیادہ حضرت عثمانؓ کے خُون سے بری الذمہ ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم آزاد کردہ قیدیوں میں سے ہو[1]، جن کے لیے نہ خلافت جائز ہوتی ہے اور نہ انہیں شوریٰ میں شریک کیا جا سکتا ہے۔ میں جریر بن عبداللہؓ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہُوں جو اہلِ ایمان اور مہاجرین میں سے ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ تم ان کی بیعت کرو۔ ولا قوۃ الا باللہ[2]"

حضرت معاویہؓ کے نام ایک اور خط

"تمہارا خط پہنچا۔ اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط کسی ایسے شخص کا ہے جس کی نظر نے کام کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے اور اب وہ سیدھے راستے پر چل ہی نہیں سکتا۔ نہ اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہے جو اسے سیدھے راستے پر چلائے۔ نفسانی خواہشات کے زیرِ اثر ہی اس نے یہ جواب دیا ہے اور نفسانی خواہشات ہی اس کی راہبر ہیں اور وہ بلا سوچے انہی کے پیچھے چلا جا رہا ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ عہد شکنی کی اور انہیں شہید کروا دیا۔ خدا کی قسم میں تو عام مہاجرین میں سے ایک فرد ہوں۔ جس طرح دوسرے مہاجرین نے کیا میں نے بھی کیا۔ خدا تعالیٰ انہیں ضلالت اور گمراہی پر اکٹھا نہیں کر سکتا اور نہ ان کی آنکھوں ہی کو اندھا کر سکتا ہے۔

---

[1] یہ کہنے سے حضرت علیؓ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیان فتح مکہ کے دن دراصل قیدی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان کر کے انہیں آزاد کر دیا۔

[2] حضرت معاویہؓ نے اس خط کا یہ جواب دیا:

"سلام علیک۔ اگر آپ کی بیعت ان لوگوں نے کر لی ہے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے اور آپ حضرت عثمانؓ کے خون سے بھی بری ہیں تو آپ کا مرتبہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے برابر ہے۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ آپ نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے قتل پر اکسایا اور انصار کو چھوڑ دیا۔ آپ کی اطاعت جاہلوں نے کی ہے اور جو لوگ کمزور تھے وہ آپ کی بدولت قوی بن گئے ہیں۔ اہلِ شام اس وقت تک آپ سے جنگ کرتے رہنے کا ارادہ کر چکے ہیں، جب تک آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ان کے حوالے نہیں کر دیتے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو پھر خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے باہم مشورے سے طے کیا جائے گا۔ اہلِ حجاز ہی لوگوں کے حاکم ہیں۔ حق بھی انہی میں ہے۔ اگر وہ شوریٰ سے علیحدہ ہو جائیں تب اہلِ شام لوگوں کے حاکم ہیں۔ اہلِ بصرہ کی طرح اہلِ شام آپ کے مطیع نہیں ہیں اور آپ ان پر کسی قسم کی حجت قائم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرح میں آپ کا تابع نہیں ہوں۔ ان دونوں نے آپ کی بیعت کی تھی اس لیے ان پر تو آپ حجت قائم کر سکتے ہیں لیکن مجھ پر آپ حجت قائم نہیں کر سکتے۔ رہی اسلام میں آپ کی فضیلت اور آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت، تو اس سے میں انکار نہیں کرتا۔"

میرے سپرد کوئی عہدہ نہیں تھا جس کی وجہ سے مجھ پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد ہو سکتی۔ نہ میں نے ان کو شہید ہی کیا تھا جس کی بنا پر مجھے قصاص کا خطرہ ہو۔ تمہارا یہ قول کہ اہلِ شام اہلِ حجاز کے حاکم ہیں تو شامی قریشیوں میں سے کوئی ایک شخص ایسا پیش کرو جسے مجلسِ شوریٰ میں قبول کر لیا جائے یا اس کے لیے خلافت جائز ہو۔ اگر تم کسی ایسے شخص کا نام پیش کر بھی دو گے تو مہاجرینؓ اور انصارؓ بالاتفاق تمہیں جھٹلائیں گے۔ ہاں ہم حجازی قریشیوں میں سے ایسے نام پیش کر سکتے ہیں جو مندرجہ بالا معیار پر پورے اُتریں۔ تم نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دو تو تم اس معاملہ میں بولنے والے کون ہوتے ہو! یہاں حضرت عثمانؓ کے بیٹے موجود ہیں وہ اس بات کے حقدار ہیں کہ یہ مطالبہ کریں۔ تم نے اہلِ شام اور اہلِ بصرہ اور اپنے اور طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان تمیز کی ہے۔ لیکن اس کا کوئی سوال نہیں ہے اگر کسی شخص یا فریق نے میری بیعت نہیں کی تو اس وجہ سے وہ بری الذمہ نہیں ہو جاتا۔ جب عام بیعت ہو گئی تو پھر کسی اور شخص کو بولنے کا اختیار نہیں رہتا۔ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور اسلام میں سبقت کے فخر کو اگر تم مٹا سکتے ہو تو مٹا دو۔"

حضرت معاویہؓ کے نام ایک اور خط

" تم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا فضیلت میں تیسرا درجہ ہے (یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد) اگر وہ محسن ہوں گے تو قیامت کے دن ربِ شکور کے حضور حاضر ہوں گے جو نیکیوں کا بدلہ بہت بڑھا چڑھا کے دینے والا ہے۔ وہ انہیں بیش قرار انعامات سے نوازے گا۔ اگر ان میں کچھ برائیاں ہوں گی تو قیامت کے دن وہ ربِ غفور کے سامنے حاضر ہوں گے جو اپنی رحمت سے ان کے گناہوں کو بخش دے گا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام میں سب سے بڑا حصہ ہمارا یعنی اہلِ بیت کا ہے۔ تم نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں نے خلفاء کی بیعت کرنے میں دیر کی۔ میں نے ان سے حسد کیا اور ان کے خلاف بغاوت کی۔ حالانکہ بغاوت سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ تم نے میرے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے سرکشی اختیار کی اور ان سے قطع رحم کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا وہ بھی تمہیں معلوم ہے اور لوگوں نے ان سے جو سلوک کیا اس کا بھی تمہیں پتا ہے۔ تمہیں یہ بھی علم ہے کہ میں اس سارے قضیہ سے بالکل الگ تھلگ رہا۔ اگر اس پر بھی تم مجھ پر اتہام لگاتے ہو تو تمہیں اختیار ہے، جو چاہو کہو اور جو چاہو کرو۔ تم نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا ذکر کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ انہیں تمہارے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے اس معاملہ میں بہت غور کیا اور آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ میں انہیں نہ تمہارے حوالے کر سکتا ہوں اور نہ کسی اور کے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو تمہارے والد ابوسفیان میرے پاس آئے اور کہا، "اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ ہی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔" لیکن میں نے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کے اندیشہ کی بنا پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تمہارے والد تم سے زیادہ میرے مرتبہ اور میرے حق سے واقف تھے۔ اگر تم بھی اپنے والد کی طرح میرے مرتبہ اور میرے حق کو

پہچان لو تو یقیناً راہِ راست پر آجاؤ۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو ہم تمہارے بارہ میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ نے ایک دفعہ آپ کو لکھا کہ آپ شام کی حکومت ان کے قبضہ ہی میں رہنے دیں اور عرب کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچائیں۔ اس خط میں انہوں نے لکھا کہ فریقین کی قوت برابر کی ہے اور کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ ہونا بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی فخر کا اظہار کیا کہ وُہ بنی امیہ میں سے ہیں اور بنو امیّہ اور بنو ہاشم کا سلسلہ نسب ایک ہی ہے۔ حضرت علیؓ نے ان کے خط کا جواب ان الفاظ میں دیا:

"تم نے اپنے لیے شام کا مطالبہ کیا ہے لیکن جس چیز کو میں نے کل دینے سے انکار کر دیا، آج اسے کس طرح دے سکتا ہوں۔ تم نے لکھا ہے کہ جنگ نے عرب کو کھا لیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو حق نے کھا لیا ہے وہ جنت میں جائے گا۔ تم نے جنگ میں فریقین کی برابری کا ذکر کیا ہے۔ تم اپنے متعلق شک میں ہو اس لئے ضرور ہارو گے۔ چونکہ میں اپنے متعلق یقین پر ہوں اس لیے میں ضرور جیتوں گا۔ اہلِ شام دنیا کے اتنے حریص نہیں ہیں جتنے اہلِ عراق آخرت کے حریص ہیں۔ رہا تمہارا یہ قول کہ "ہم بنو عبد مناف ہیں" تو تمہاری طرح ہم بھی بنو عبد مناف ہیں۔ لیکن امیہ کا مقابلہ ہاشم سے، حرب کا مقابلہ عبدالمطلب سے، ابوسفیان کا مقابلہ ابوطالب سے، مہاجر کا مقابلہ آزاد کردہ قیدی سے، صحیح النسب کا مقابلہ اس شخص سے جو اپنے نسب کو کسی دوسری قوم کے نسب سے ملاتا ہو، حق پر قائم رہنے والے کا مقابلہ باطل پر رہنے والے شخص سے اور مومن کا مقابلہ مفسد سے نہیں کیا جاسکتا۔"

حضرت معاویہؓ کے نام ایک اور خط

"سبحان اللہ! تم اپنی باطل خواہشات پر کس مضبوطی سے قائم ہو۔ حالانکہ واقعات و حقائق سراسر تمہارے برخلاف ہیں۔ تم حضرت عثمانؓ کے انتقام کے متعلق بڑا واویلا کر رہے ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم نے حضرت عثمانؓ کی مدد اس وقت کی جب ان کی مدد تمہارے لیے فائدہ مند تھی۔ لیکن جس وقت انہیں تمہاری مدد کی ضرورت تھی اس وقت تم نے ان کی مدد سے کنارہ کشی اختیار کی۔"[1]

منذر بن جارود عبدی کو آپ نے ایک علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس نے بیت المال کے اموال میں کچھ خیانت کی۔ جب آپ کو اس کا پتا چلا تو آپ نے اسے مندرجہ ذیل خط لکھا:

"تمہارے باپ کی نیکی نے مجھے تمہارے متعلق دھوکے میں رکھا۔ میرا خیال تھا کہ تم اپنے باپ کی تقلید کرو گے

---

[1] حضرت علیؓ کا یہ لکھنے سے مطلب یہ ہے کہ اب جبکہ تم ان کے انتقام کا نعرہ لگا کر سیاسی فائدہ حاصل کر سکتے ہو تمہیں ان کا انتقام لینے کا بہت جوش ہے لیکن ان کی زندگی میں جب انہیں تمہاری حقیقی مدد کی ضرورت تھی تم نے ان کی کسی قسم کی مدد نہ کی۔

اور اسی کے راستہ پر چلو گے۔ لیکن مجھے تمہارے متعلق جو خبریں ملی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ تم نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیا میں عیش و آرام حاصل کرنے کے لیے اپنی آخرت کو تباہ کر لیا اور اس کے لیے کسی قسم کا زادِ راہ تیار نہ کیا۔ مجھے تمہارے متعلق جو خبریں ملی ہیں اگر وہ سچ ہیں تو تمہارے گھر کے اونٹ اور تمہاری جُوتی کے تسمے تم سے بہتر ہیں۔

تم جیسا کوئی شخص ہرگز اس بات کا اہل نہیں ہے کہ اسے سرحدوں کی حفاظت کے لیے چھوڑا جائے، اسے کوئی مرتبہ دیا جائے، اس کی عزت اور قدر و منزلت کی جائے، اسے امانت میں شریک کیا جائے یا اسے قابلِ اعتماد سمجھا جائے۔

جونہی میرا یہ خط تمہیں پہنچے اسی وقت مجھ سے ملنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔"

عثمان بن حنیف انصاری عاملِ بصرہ کے متعلق آپ کو یہ خبر ملی کہ انھیں ولیمہ کی ایک دعوت میں بلایا گیا اور وُہ چلے گئے۔ اس پر آپ نے انھیں مندرجہ ذیل خط لکھا:

"اے ابنِ حنیف! مجھے پتا چلا ہے کہ اہلِ بصرہ میں سے ایک شخص نے تمہیں دعوت میں بُلایا اور تم وہاں چلے گئے۔ اس وقت تمہیں یہ خیال کیوں نہ آیا کہ جس دعوت میں تمہیں مدعو کیا گیا ہے اس میں امیروں کو تو بلایا گیا ہے لیکن غریبوں کو نہیں بلایا گیا۔ آئندہ اس بات کا سختی سے خیال رکھو کہ جو دعوت تمہارے نزدیک مشکوک ہو اس میں مت جاؤ۔ البتہ جس دعوت کے متعلق تمہیں یہ یقین ہو جائے کہ وُہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی مخالفت کر کے منعقد نہیں کی گئی، اس میں شریک ہو سکتے ہو۔"

زیاد بن ابیہ کے نام ایک خط

"اسراف کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ کل کا دھیان آج ہی کرو اور بقدرِ ضرورت اپنا مال بچاؤ۔ خرچ کرنے کے بعد جو مال بچ جائے اسے آئندہ کی ضروریات کے لیے رکھ چھوڑو۔

کیا تمہیں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منکسر المزاج لوگوں کے زمرہ میں شامل کرے گا، اگرچہ اس کے نزدیک تمہارا شمار مغرور لوگوں میں ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں اسی ثواب سے متمتع کیا جائے گا، جو صدقات دینے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ اگرچہ دولت کی افراط کے باوجود تم اسے کمزوروں اور یتیموں اور بیواؤں پر خرچ نہ کرو۔ یاد رکھو ہر انسان کو آخرت میں اسی کام کا اجر دیا جائے گا جو اس نے اس دنیا میں کیا ہو گا۔ اسے وہاں وہی کچھ ملے گا جو وہ اس دنیا میں چھوڑ گیا ہو گا۔"

ایک عامل کے نام خط

"تمہارے علاقہ کے غیر مسلم زمینداروں نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم ان سے سختی کرتے ہو اور نفرت و حقارت سے پیش آتے ہو۔ ان کے شرک کی وجہ سے میں انھیں اس بات کا اہل تو نہیں سمجھتا کہ تم انھیں مسلمانوں کی طرح اپنے قریب کر لو۔ لیکن چونکہ وہ معاہد ہیں اس لئے ان سے زیادہ دوری بھی اچھی نہیں۔ نہ تم ان سے حد سے زیادہ نرمی سے پیش آؤ اور نہ حد سے زیادہ سختی سے، بلکہ نرمی اور سختی، قرب اور دُوری کے مابین ان سے معاملہ کرو۔"

اپنے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ کو نصیحتیں فرماتے ہیں

اپنے پیچھے دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دینا، کیونکہ وہ چیز لازماً دو آدمیوں میں سے ایک کے پاس جائے گی، یا تو اس کے پاس، جو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے راستہ میں خرچ کرے گا اور اس طرح اس چیز سے فائدہ حاصل کرے گا جو تمہارے کام نہ آئی۔ یا پھر اس آدمی کے پاس، جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے گا اور اس طرح تم اس کی نافرمانی میں اس کے مددگار بنو گے۔ یہ دونوں آدمی اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ تم ان کو اپنے آپ پر ترجیح دو۔

بیٹا! چار باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو:

۱۔ اصل دولت مندی عقل کی دولتمندی ہے۔

۲۔ سب سے بڑا فقر حماقت ہے۔

۳۔ سب سے زیادہ وحشت تکبر اور خود پسندی ہے۔

۴۔ سب سے معزز حسب نیک خلقی ہے۔

میرے بیٹے! احمق کی دوستی سے بچنا۔ کیونکہ وہ اپنے خیال میں تو تمہیں فائدہ پہنچائے گا لیکن در اصل نقصان پہنچانے کا موجب بنے گا۔ بخیل کی دوستی سے بچنا، کیونکہ جن چیزوں کی تمہیں اشد ضرورت ہو گی وہ ان کو تم سے دُور کر دے گا۔ فاجر کی دوستی سے بچنا، کیونکہ وہ ایک معمولی چیز کے بدلے تمہیں بیچ دے گا۔ جھوٹے کی دوستی سے بچنا، کیونکہ وہ سراب کی طرح ہے۔ دُور کو نزدیک دکھاتے گا اور نزدیک کو دُور۔"

کمیل بن زیاد نخعی کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب نے میرا ہاتھ پکڑا اور صحرا میں ایک قبرستان کی طرف تشریف لے گئے بہت دُور نکل جانے کے بعد آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور فرمایا:

"اے کمیل! یہ دل در اصل برتن ہیں تم ان میں پاک چیزیں ڈالو اور جو کچھ میں کہتا ہوں غور سے سنو۔ انسان تین قسم کے ہیں:

۱۔ ربانی عالم

۲۔ نجات حاصل کرنے کے لیے علم سیکھنے والے۔

۳۔ احمق، جوان چرواہوں کی طرح ہیں کہ ہر بھیڑ کی آواز پر اس کی طرف بھاگتے ہیں۔ جس طرف کی ہوا ہوتی ہے اسی طرف چلے جاتے ہیں۔ نہ وہ علم کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور نہ کسی مضبوط چیز کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تُو مال کی حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے لیکن علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ جو شخص مال کے بل بوتے پر عزت حاصل کرتا ہے اس کی عزت مال کے ختم ہونے تک باقی رہتی ہے، جونہی مال ختم ہوا اس کی عزت بھی ختم ہو گئی۔ لیکن جو شخص علم کے

بل بوتے پر عزّت حاصل کرتا ہے اس کی عزّت ہمیشہ رہتی ہے۔

اے کمیل! علم کے ذریعہ انسان زندگی میں بھی ناموری حاصل کر لیتا ہے اور اس کی وفات کے بعد بھی اس کا ذکر باقی رہتا ہے۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔

"میں تمہیں پانچ نصیحتیں کرتا ہوں :

۱۔ سوائے خدا کے اور کسی سے امید نہ رکھو۔

۲۔ سوائے اپنے گناہ کے اور کسی سے نہ ڈرو۔

۳۔ اگر تم سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا تمہیں علم نہ ہو تو یہ کہتے ہوئے نہ شرماؤ کہ "میں نہیں جانتا"۔

۴۔ اگر تمہیں کسی بات کا علم نہ ہو تو اسے معلوم کرنے میں تکلّف نہ کرو۔

۵۔ صبر اختیار کرو، کیونکہ صبر کا تعلق ایمان سے ایسا ہی ہے جیسا سر کا تعلق بقیہ جسم سے۔ اس جسم کا کوئی فائدہ نہیں جس کا سر نہ ہو۔

اسی طرح اس ایمان سے کوئی فائدہ نہیں جس کے ساتھ صبر نہ ہو۔"

عربی ماخذ

نام کتاب	نام مصنف	نام کتاب	نام مصنف
فتوح الشام	واقدی	الکامل	مبرد
السیرۃ النبویہ	ابنِ ہشام	المختصر فی اخبار البشر	ابو الفدا
الطبقات الکبریٰ	ابنِ سعد	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	ابنِ حجر عسقلانی
الامامۃ والسیاسۃ	ابنِ قتیبہ	صحیح البخاری	امام بخاری
المعارف	ابنِ قتیبہ	تاریخ الخمیس	دیار بکری
فتوح البلدان	بلاذری	شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید
انساب الاشراف	بلاذری	عمروؓ بن العاص	حسن ابراہیم حسن
تاریخ الیعقوبی	احمد بن یعقوب	فتوح مصر واعمالہا	ابن اسحاق
تاریخ الامم والملوک	طبری	وفیات الاعیان	ابنِ خلکان
العقد الفرید للملک السعید	قرطبی	الفخری	ابنِ طباطبا
الاغانی	اصفہانی	فتوح مصر	ابن عبد الحکم
مقاتل الطالبیین	اصفہانی	العقد الفرید	ابن عبد ربہ
تاریخ ابن خلدون	ابنِ خلدون	مختصر تاریخ الدول	ابن العبری
انساب القرشیین	مقدسی	المواعظ والاعتبار	مقریزی
الاستیعاب	ابنِ عبد البر	مروج الذہب	مسعودی
تاریخِ دمشق	ابنِ عساکر	الخلفاء الراشدون	عبد الوہاب نجار
معجم البلدان	یاقوت حموی	تاریخ الامم الاسلامیہ	محمد خضری
مختصر الدول	ابن العبری	التمدن الاسلامی	جرجی زیدان
وقعۃ صفین	نصر بن مزاحم	الاموال	ابن سلام
الکامل	ابنِ اثیر	کتاب الخراج	امام ابو یوسف
اسد الغابہ	ابنِ اثیر	کتاب الخراج	یحییٰ بن آدم

الاخبار الطوال	دینوری	الفصل فی الملل والنحل	ابن حزم
تاریخ التشریع الاسلامی	خضری	الفرق بین الفرق	بغدادی
فجر الاسلام	احمد امین	رسائل اخوان الصفا	
حاضر العالم الاسلامی (حواشی)	امیر شکیب ارسلان	الانتصار	خیاط المعتزلی
خطط الشام	محمد کرد علی	عیون الاخبار	ابن قتیبہ
الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب	محمد کرد علی	الحیوان	جاحظ
البیان والتبیین	جاحظ	منہاج السنہ	ابن تیمیہ
عصر المامون	رفاعی	المجمل فی تاریخ الادب العربی	
مسند حنبل	امام احمد بن حنبل	تاریخ الادب العربی	زیات
المؤطا	امام انس بن مالک	الوسیلۃ الادبیہ	مرصفی
الملل والنحل	شہرستانی	علی رضی ابن ابی طالب	

فرانسیسی ماخذ

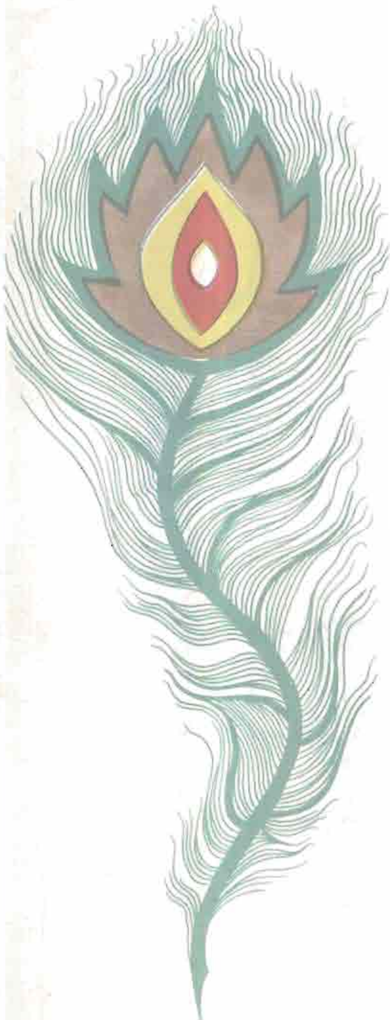
الثلاثہ	لامنس	رسائل اور مضامین مختلف	نولڈیکے
تاریخ شام	لامنس	رسائل اور مضامین مختلف	ہارٹمین
معاویہ	لامنس	رسائل اور مضامین مختلف	فان کریمر
یزید	لامنس	رسائل اور مضامین مختلف	سپرنغر
تاریخ عرب	ہوار	رسائل اور مضامین مختلف	سترک ہرونیہ
اسلام	ماسیہ	رسائل اور مضامین مختلف	غروسہ
اسلام	مونتہ	رسائل اور مضامین مختلف	ڈوزی
تمدن عرب	گستاف لیبان	رسائل اور مضامین مختلف	وینہ
اسلامی عقائد اور شریعت اسلام	گولڈ سیر	دائرۃ المعارف الاسلامیہ	
اسلامی اولیات	پرنس کیتانی	دائرۃ المعارف الافرنسیہ	

انگریزی ماخذ

مختصر تاریخ العرب	سید امیر علی	تاریخ التواریخ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی	
فتح العرب لمصر	الفرڈ بٹلر	وجہۃ الاسلام	
تاریخ فارس	بنجمن	تاریخ زوالِ روما	گبن
تاریخ شہنشاہیت بیزنطینیہ	اومان	تاریخ العالم	ولز
تاریخ عرب	جیلیان	المحمدیہ	مارگولیس
خلافت، اس کا عروج و زوال	سر ولیم میور	مختلف مقالات	گیب
مذکرۃ دی غوبی	دی غوبی	انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا	

وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح : ۲۹)

اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلے میں (اور) مہربان ہیں آپس میں۔



خلافتِ راشدہ میں عدلیہ اور انتظامیہ

خلفاء محمدؐ (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے عہد میں عدلیہ اور انتظامیہ

مصنّف

ڈاکٹر محمد یُوسف گورایہ

مترجم

محمود عالم قریشی

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں نظامِ عدالت

دستور

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دینی اور سیاسی طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیئے ہوئے دستور سے پابند تھے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کی بھی پھر اگر کسی امر میں تم باہم تنازعہ کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔

مندرجہ بالا دستوری دفعہ کے ضوابط" اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول" (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو)" فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ والرسول" (تو اس امر کو اللہ تعالیٰ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو) سب سے پرزور انداز میں مومنوں سے اُن کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں قرآن اور سنت کی پابندی کا تقاضا کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلے فرد تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر سیاسی اقتدار حاصل کرتے ہی ان دستوری دفعات پر عمل کیا۔ قرآنی دستور کی بنیادی اہمیت کے پیش نظر حضرت ابو بکرؓ نے اس کی پابندی کا اعلان عوام کے سامنے اپنے پہلے خطبہ میں حکومت کی بنیادی حکمت عملی کے طور پر کیا :-

اے لوگو! مجھے تم پر اختیار دیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین انسان نہیں ہوں۔ اگر میں حق پر رہوں تو میری حمایت کرنا اور اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے حق کی راہ پر لگانا۔ حق وفاداری ہے اور جھوٹ، بغاوت اور غداری ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہیں وہ میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور رہیں گے جب تک میں ان کا حق انھیں دلاؤں اور طاقتور میرے نزدیک کمزور رہیں گے جب تک میں ان سے اس کا حق نہ چھین لوں۔ اگر کوئی قوم راہ خدا میں جہاد چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ انھیں ذلت میں مبتلا کر دے گا۔ کسی قوم میں وسیع پیمانہ پر برائی پھیلنے پر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرماتا ہے میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اللہ یا اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر کوئی اطاعت واجب نہیں۔ نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر

رحم کرے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے دستور کی پابندی کا واشگاف اعلان ہے۔ دستور کی یہ شق "اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ۔ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعت لی علیکم"۔ میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں) قرآن کی آیت سے مطابقت رکھتی ہے:

" اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو)

حضرت ابوبکرؓ کا یہ خطبہ کئی دستوری دفعات کا حامل ہے۔ سب سے پہلی دفعہ میں آپ نے ثابت کیا کہ اسلام میں انتقالِ اقتدار کا طریقہ یہ ہے کہ امت مسلمہ اختیارِ حکمرانی اپنے آزادانہ انتخاب کے ذریعے اپنے میں سے اہل ترین شخص کے سپرد کرے۔ کیونکہ اختیارِ حکمرانی اللہ نے پوری امت مسلمہ کو تفویض کیا اگر کوئی شخص امت کی رضا حاصل کئے بغیر اقتدار پر قابض ہو جائے تو وہ غاصب ہے۔ اختیارِ حکمرانی پوری امت کی امانت ہے جسے وہ خود سپرد کرے وہ آئینی طور پر جائز حکمرانی ہے غاصبانہ قبضہ کرنے والا غاصب اور امانت میں خیانت کرنے والا ہے حضرت ابوبکر نے دوسری دفعہ میں بتایا کہ اختیارِ حکمرانی حکمران کے پاس امانت ہے یہ امانت اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کے ساتھ مشروط ہے اگر حکمران اس اطاعت سے انحراف کرے تو امت جو اختیارِ حکمرانی کی مالک ہے اُسے اختیار ہے کہ حکمران کو سیدھا کرے۔ حکمران کو سیدھا کرنے کی ذمہ کے تحت مسلمانوں کو اختیار حاصل ہوا کہ وہ قانون سازی کریں جو حکمران کو آئین کا پابند رکھے اور اگر وہ انحراف کرے تو آئینی اور قانونی نظام کے تحت اس کے خلاف کارروائی کی جا سکے۔ حکمران سے وفاداری کا عہد اس وقت تک قابلِ عمل ہے جب تک حکمران آئین کے تابع ہے اگر وہ آئین سے غداری کرے تو اس کے ساتھ اطاعت کا عہد خود بخود ختم ہو گیا۔ غدار حکمران کی اطاعت اور حمایت بذاتِ خود غداری ہے۔ قوی ظالم کی سرکوبی اور ضعیف مظلوم کی حمایت اسلامی عدلیہ کا نمایاں ترین پہلو ہے جس پر اسے بجا طور پر فخر ہے۔ ضعیف مظلوم کی حمایت جلد سستے اور صحیح انصاف سے ہی ممکن ہے خلافت راشدہ کا نظام عدالت انھیں اصولوں پر قائم تھا۔

نفاذِ دستور

دو سال سے کچھ زائد کی مدت جو حضرت ابوبکرؓ کو بطور خلیفہ میسر آئی زبردست شہادت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے کہ خلیفہ نے ان اصولوں کے مطابق حکومت کی اور انھوں نے دستور کے الفاظ اور اُن کی روح کی سختی سے پابندی کی:

" ایک جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن سیرین حضرت ابوبکر کے حکمت عملی کے خطبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد سے اب تک ابوبکرؓ سے زیادہ بارعب کوئی دوسرا شخص نہیں پایا گیا اور ان کے بعد حضرت عمرؓ سے زیادہ رعب والا کوئی نہیں پایا گیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس کا حل انھیں قرآن میں نہ ملتا یا سنت رسول میں بھی نہ ملتا تو وہ فرماتے" میں اپنے اجتہاد پر عمل کروں گا اگر یہ درست ہو تو اس کو من جانب اللہ سمجھا جائے گا۔ اگر یہ غلط ہو تو یہ میری طرف سے تصور ہو گا۔ اور میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں[۱۲]۔"

دستور میں ترمیم کا ایک مقدمہ

اسلامی ریاست کا اولین فرض قرآن میں دیئے گئے مندرجہ ذیل دستوری ضابطہ کا نفاذ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝[۴]

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں نیک کام کو کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

مندرجہ بالا ضابطہ میں زکوٰۃ کا نظام (اٰتَوُا الزَّكٰوةَ) اسلامی ریاست کی بنیادی حکمتِ عملی کے طور پر بیان ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکومت سنبھالنے کے بعد ایک مقدمہ قرآن کے دستوری ضابطہ زکوٰۃ کی ترمیم کا آپ کے سامنے پیش ہوا۔ مقدمہ کی کارروائی مندرجہ ذیل ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر تقریباً تمام عرب قبائل سوائے قریش مکہ اور طائف میں ثقیف کے حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ کے قبائل جو مدینہ کے نزدیک آباد تھے، نے دستور قرآن میں ایک ترمیم چاہی، ان کا کہنا تھا:

وہ نماز جاری رکھیں گے مگر زکوٰۃ ادا نہ کریں گے (یقیمون الصلوٰۃ ویمنعون من اداء الزکوٰۃ)[۵]۔ ان میں سے کچھ لوگ اصولاً زکوٰۃ کی ادائیگی تسلیم کرتے تھے مگر وہ حضرت ابوبکرؓ کو ادا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

(امتنع من دفعها الى الصديق)[۶]

اپنی اس بات کی حمایت میں انہوں نے قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کا حوالہ دیا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْؕ[۷]

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کردیں گے۔ اور ان کے لیے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان (قلب) ہے۔

جو لوگ زکوٰۃ کو اسلام کا جزو لاینفک تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے وہ دلیل دیتے تھے کہ اس آیت "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً" (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے) کا حکم خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتا ہے۔ اور آپ کے انتقال کے بعد یہ قابلِ عمل نہیں رہا۔ اور ان کے بعد کسی کو زکوٰۃ اکٹھا کرنے کا حق نہیں۔ بعض لوگ اس حکم کو قرآنی دستور کا مستقل ضابطہ تو تسلیم کرتے تھے مگر وہ حضرت ابوبکرؓ (مرکزی حکومت) کو ادا کرنے کے قائل نہ تھے وہ اپنی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل حکم سے دیتے تھے:

زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے لی جائے اور ان کے غرباء میں بانٹ دی جائے[۸]

اس حکم سے یہ دلیل لیتے تھے کہ مدینہ کی مرکزی حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں۔ ترمیم منظور کرانے کے لئے انہوں نے درج ذیل دباؤ کا حربہ استعمال کیا: انہوں نے اپنے قبائل سے وفود مرتب کئے اور انھیں مدینہ بھیجا تاکہ وہ رائے عامہ ان کے حق میں ہموار کریں۔ وہ معززین مدینہ کے پاس ٹھہرے (وجوہُ الناس) سوائے حضرت عباسؓ کے (جنہوں نے ان میں سے کسی کو بھی قبول کرنے سے انکار کردیا) وہ اپنے میزبانوں کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئے اور خلیفہ کے سامنے اپنے مقدمہ کی وکالت کے لیے بھی انھیں تیار کرلیا۔ بہت بڑے سیاسی بحران اور انتہائی نامساعد حالات میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کو درپیش تھے۔ منکرین زکوٰۃ کے میزبان معززین مدینہ نے ان کے وکیل کی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ الطبری کے بیان کے مطابق مسلم معززین (وجوہ المسلمین) نے اس غرض کے لیے منعقد کی گئی ایک غیر رسمی مجلس (اجتمع ملاء من انزلهم على قبول ذالک[9]) میں ایک قرارداد منظور کی۔ وہ خلیفہ کے حضور پیش ہوئے اور ترمیم کے حق میں بحث کی۔ انہوں نے یہ عذر بھی پیش کیا کہ منکرین کا یہ مطالبہ اسلام کے لیے ان کے دل جیتنے کی خاطر مان لیا جائے "تاوقتیکہ دین کی جڑیں ان کے دلوں میں قائم ہوں (تبأ لفهم حتى يتمكن الايمان فى قلوبهم)[10]

یہ عذر قرآن کے ایک ضابطے کے حوالہ سے تھا[11]۔ بحران جس کے تحت ترمیم پیش کی گئی اس کی شدت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مرتبے کے شخص نے بھی منکرین کے مقدمہ کی حمایت کی اور خلیفہ کو یوں مخاطب کیا:

"کیا آپ ان لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میں لوگوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اسے قبول کرلیں تو میری طرف سے ان کی جانوں اور مالوں کو امن ہے سوائے اس کے جو اس میں سے قابلِ ادائیگی ہے۔"[12]

فیصلہ

حضرت ابوبکرؓ نے ریاست مدینہ کے سربراہ عدلیہ کی حیثیت سے مقدمہ کی سماعت اور دلائل سننے کے بعد فیصلہ سنایا۔ انہوں نے جو دلائل پیش کئے تھے ان میں سے ہر ایک کا جواب دیا اور اسے رد کیا۔

منکرین زکوٰۃ کا آیت "خذ من اموالهم صدقة" پر اعتماد اور ان کی توضیح کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی زکوٰۃ وصول کرنے کے مجاز تھے کیونکہ حکم الٰہی کا خطاب انھیں سے تھا اور ان کے انتقال کے بعد حکم ساقط اور ناقابل عمل ہوگیا ہے، احمقانہ بات تھی۔ پورا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور امت میں سے کوئی بھی اس وحی میں شریک نہ تھا البتہ تمام مسلمانوں پر پورے قرآن کی پابندی لازم تھی۔ یہی جواب اس حدیث کا تھا جس کا حوالہ انہوں نے دیا تھا۔ دونوں احکام الفاظ "خذ" اور "تو خذ" بے شک ابتداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کہے گئے لیکن قرآن کے دیگر قوانین کی طرح ان سے مراد اسلامی ریاست کی مرکزی حکومت کے سربراہ سے ہے۔

مسلم وکلاء کا عذر کہ منکرین زکوٰۃ کو ان کے دل جیت لینے (مؤلفة قلوبهم) والی قرآنی آیت کی رعایت دی جائے اس مقدمہ میں برمحل نہ تھی۔ مذکورہ رعایت نومسلموں کو قبول اسلام کے وقت دی گئی تھی اور غالباً فتح مکہ کے وقت ان کا قبول اسلام اور مسلم افواج کی حنین کے مالدار عربوں کی طرف پیش قدمی ایک جزو تھا۔ زیر بحث مقدمہ میں منکرین زکوٰۃ باغی تھے۔ ان کو علیحدہ ایک گروہ تصور نہیں کیا جاسکتا تھا وہ مرتدین کی عام بغاوت کا ایک حصہ تھے۔ بغاوت فرو کرنا ضروری تھا اور ایک آہنی ہاتھ سے باغیوں کی سرکوبی لازمی تھی۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کی دلیل کا تعلق ہے کہ جو خدا کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم تسلیم کیا تھا اور ان کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی تھی حضرت ابوبکرؓ نے ان کی یہ دلیل بھی مترد کردی۔ یہ مراعات ایسے لوگوں کو دی جاسکتی تھیں جو پہلے دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے اور حال ہی میں اسے قبول کیا تھا منکرین زکوٰۃ کی صورتِ حال اس سے مختلف تھی۔ وہ پہلے اسلام قبول کرچکے تھے اور اس وقت سے ریاست کے واجبات ادا کرتے رہے تھے۔ پہلے اسے ریاست کا استحقاق قبول کرلینے کے بعد حکومت کے واجبات روک لینے سے وہ قانون سے منحرف ہوئے تھے اور کسی ہمدردی کے مستحق نہ تھے۔ وہ ترمیم اس لیے نہیں چاہتے تھے کہ انہوں نے اسلام کو سمجھا نہ تھا یا ان کی مالی حالت کمزور تھی۔ ان کی طرف سے یہ کھلی شرارت تھی انہوں نے دستور میں تبدیلی کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا تھا کہ ان کے اندازہ کے مطابق سارے جزیرہ نما میں بغاوت اور مدینہ کے بیشتر مسلمانوں کے اُسامہ بن زید کی فوج میں جو شام کی سرحد پر بھیجی گئی تھی شرکت اور روانگی کے باعث ریاست کی حالت مخدوش تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مزید کہا کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ ایک دوسرے کے تکمیلی جزو ہیں۔ اس لیے ان میں کسی رعایت اور ترمیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا دلائل سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنایا:

> خدا کی قسم! اگر وہ اونٹ کی ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں گے[۱۳] جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اسے روک لینے پر ان کے خلاف اعلان جنگ کردوں گا۔ زکوٰۃ مال میں ایک حق ہے۔ خدا کی قسم میں ان کے خلاف اعلان جنگ کردوں گا جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے۔[۱۴]

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ میں دیئے گئے دلائل سننے کے بعد حضرت عمرؓ مطمئن ہوگئے تھے۔ انہوں نے تسلیم کرلیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ درست تھا اور اللہ نے انھیں اس کی صداقت مان لینے کی توفیق دی تھی (فما هو الا ان رأيت الله قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق۔[۱۵])

اعلیٰ عدالت کے فیصلہ پر ادنیٰ عدالت کی نظر ثانی کا مسئلہ

حضرت ابوبکرؓ کے عدالتی نظام کی بنیاد ان کے ابتدائی خطبہ کی اس شق پر تھی: "والضعيف فيكم قوى عندى حتى اخذ له حقه والقوى ضعيف عندى حتى اخذ منه الحق۔"[۱۶] (تم میں سے جو کمزور ہیں وہ میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور ہوں گے جب تک میں ان کا حق انھیں دلا دوں اور طاقتور میرے نزدیک کمزور رہیں گے جب تک میں ان سے اس کا حق نہ چھین لوں)۔ یہ رہنما اصول

ان ... ونی اور سیاسی فیصلوں میں کارفرما نظر آتا ہے ۔ کبھی طاقتور کے آگے نہیں جھکتے تھے جب انھیں اس سے کسی کا حق لینا ہوتا اور فریاد کی شکایت دور کرنا ہوتی۔ وہ اس بات میں بہت حساس تھے کہ کسی اعلیٰ عدالت کے فیصلہ پر نظرثانی کی جائے ۔ پہلا اہم ترین معاملہ جو فیصلہ کے لیے ان کے سامنے پیش ہوا وہ حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کی کمان میں فوجوں کی روانگی تھی ۔ اس مقدمہ کی تفصیل یوں ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ذرا پہلے ایک فوج تیار کی تاکہ زیدؓ بن حارثہ، جعفرؓ بن رواحہ اور دوسرے جو رومی اتحادیوں کے ہاتھوں مؤتہ کی جنگ میں شام کی سرحد پر شہید ہوئے تھے ان کی شہادت کا بدلہ لیں ۔ اور آپ نے اس فوج کو حضرت اسامہؓ بن زید کی کمان میں دیا ۔ فوج کی روانگی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ۔ اس کے بعد بعض صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ موجودہ حالات میں اس مہم پر عمل کرنا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منصوبہ بنایا تھا عقلمندی نہیں ۔ معاملہ فیصلہ کے لئے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا ۔ جو فوج کی روانگی کے خلاف تھے انہوں نے دلائل دیئے :

عرب عوام اور عرب قبائل کے معززین مرتد ہو گئے ہیں ۔ ریا کاری ابھر آئی ہے ۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے سر اٹھایا ہے اور گردن بڑھائی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمان ایک برسات کی رات کی بھیڑوں کی طرح ہیں کیونکہ وہ تعداد میں کم ہیں اور دشمن کی تعداد زیادہ ہے ۔ لوگوں نے آپؓ سے سوال کیا کہ فوج مسلمانوں کی اکثریت ہے اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ عرب کس بات پر تلے ہوئے ہیں انہوں نے آپ کی اطاعت کی قسم توڑ دی ہے لہٰذا آپؓ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ مسلمانوں کی کثیر جماعت سے خود کو دور کر لیں۔[۱۷]

فوجوں کے کمانڈر حضرت اسامہؓ بن زیدؓ جیسے شخص نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے جو ان کی فوج میں سپاہی تھے کہا وہ شام کی طرف کوچ کرنے کے بجائے مدینہ میں قیام کریں ۔ حضرت اسامہؓ نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ لوگوں میں سے اہم اور معزز آدمی ان کے ساتھ جا رہے ہیں اور انھیں خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا اطمینان نہیں ۔[۱۸]

انصار نے ایک اور نکتہ اٹھایا جو وہ خلیفہ سے اس صورت میں طے کرانا چاہتے تھے کہ وہ فوج کی روانگی پر اصرار کریں ۔ انہوں نے بھی حضرت عمرؓ کو خلیفہ کے روبرو اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لیے تیار کیا ۔ انہوں نے دلیل دی کہ اگر خلیفہ اسامہ کی درخواست مسترد کر دیں اور ہمیں روانگی پر مجبور کریں تو ان سے التجا کی جائے کہ کسی اور کو جو اسامہؓ سے زیادہ معمر ہو ان کا کمانڈر مقرر کر دیں ۔[۱۹]

حضرت عمرؓ، حضرت اسامہؓ اور متذکرہ بالا دوسرے گروہوں کے وکیل کی حیثیت سے دار الخلافہ روانہ ہوئے اور خلیفہ کے روبرو پیش ہوئے ۔ آپ نے ان کے مقدمہ کی پیروی کی اور ان کو حضرت اسامہؓ کا پیغام پہنچا دیا ۔ دلائل سننے کے بعد خلیفہ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سنا دیا :

"اگر کتے اور بھیڑیئے مجھے گھسیٹ لے جائیں تو بھی میں وہ فیصلہ واپس نہیں لوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا (لو خطفتني الكلاب والذئاب لم ارد قضاءً قضاه رسول الله)"[۲۰]

جب حضرت عمرؓ نے آپ کو انصار کی التجا پیش کی کہ حضرت اسامہؓ کی جگہ کسی اور کو فوج کا کمانڈر بنا دیں تو خلیفہ نے درج ذیل فیصلہ سنایا :

حضرت ابوبکرؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑ کر بولے:

"تمہاری ماں تمہیں کھودے اے ابن الخطاب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (اسامہ کو) مقرر کیا تھا اور تم مجھ سے چاہتے ہو کہ اسے معزول کر دوں (استعملہ رسول اللہ وتأمرنی ان انزعہ)[21]

مقدمہ کی مندرجہ بالا کارروائی عدل کے درج ذیل بنیادی اصول ظاہر کرتی ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے مقرر کئے:

۱۔ آپ نے یہ سب سے بنیادی اصول قائم کیا کہ جس مقدمہ کا فیصلہ کوئی اعلیٰ عدالت کر دے اس پر چھوٹی عدالت کو نظر ثانی کا اختیار نہیں۔

۲۔ عدالت کے فیصلہ کے بعد انتظامیہ کے پاس کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بجز اس کے کہ وہ ہر قیمت پر اسے نافذ کرے خواہ حکومت کو اس کے نفاذ کے وقت کتنے ہی مخالف حالات کا سامنا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مقدمہ

حضرت ابوبکرؓ کی عدلیہ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ مختلف قانونی، سماجی اور سیاسی تنازعوں میں بے رو رعایت فیصلے کئے گئے۔ سب سے نازک اور حساس قانونی مسئلہ جو تصفیہ کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا گیا وہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا دعویٰ تھا۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی وارث ہونے کا دعویٰ کیا اور آپؐ کے ورثہ میں سے اپنا اپنا حصہ مانگا۔ دونوں نے خصوصاً آپؐ کی زرعی زمین جو فدک اور خیبر میں تھی اس پر حق جتایا۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ کا دعویٰ اور ان کے دلائل پوری ہمدردی اور پورے صبر و تحمل کے ساتھ سنے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مقدمہ کی نزاکت اور حساسیت کو محسوس کیا انہوں نے قانون کو ایک طرف پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے لیے اپنے جذبات کو دوسری طرف دیکھا۔ تاہم ایک جج کی حیثیت سے ان کا غیر متعصب غیر جانبدار اور آزاد رائے ہونا ضروری تھا۔ انہوں نے آئین و قانون اسلام کے مطابق اپنے فیصلہ کا اعلان دعوے داروں کے دعویٰ کے خلاف کیا اور بے رو رعایت انصاف کے اصول قائم رکھے۔ اپنے فیصلہ میں انہوں نے لکھا کہ آپؐ نے مقدمہ زیر غور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنا ہے اور اسی کو قائم رکھیں گے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا۔

ہم (انبیاء) کی وراثت نہیں ہوتی۔ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے (لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ)[22]۔ البخاری نے ایک اور بیان تحریر کیا ہے۔ میرے ورثا دینار تقسیم نہیں کریں گے۔ میں اپنی بیویوں کے نفقات اور اپنے منتظم کی کفالت سے فالتو جو ترکہ چھوڑوں گا وہ صدقہ ہوگا (لا یقتسم ورثتی دیناراً ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومعونۃ عاملی فھو صدقۃ[23])

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا حکم بیان کرنے کے بعد انہوں نے طے کیا:

اللہ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے انحراف نہ کروں گا جس کا میں گواہ ہوں۔ میں اسے نافذ کروں گا
(واللہ لا ادع امراً رایت رسول اللہ یصنعہ الا صنعتہ)[۲۴]

الطبری کے مطابق حضرت ابوبکرؓ دعویداروں کے احتجاج کے باوجود اس فیصلہ پر قائم رہے۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت علیؓ نے چاہا کہ خلیفہ سے ان کے تعلقات بہتر ہو جائیں۔ بنو ہاشم کے ایک اجتماع میں جو مصالحت کے لئے بلایا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ایک بار پھر انہیں یاد دلایا کہ جائیداد کے دعوے سے متعلق ان کا فیصلہ محض نیک نیتی (الخیر) پر مبنی تھا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا تھا:

ہماری وراثت نہیں ہوتی۔ جو ترکہ ہم چھوڑتے ہیں ایک صدقہ ہوتا ہے۔ اللہ کی پناہ! اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر عمل نہ کروں[۲۵]

مدینہ کی عدالت عالیہ کا چیف جسٹس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت ہی منظم و مربوط عدالتی نظام چھوڑا تھا۔ آپؐ مدینہ کی عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس تھے۔ آپ نے ان صوبوں میں جو مدینہ کی مرکزی حکومت کے دائرۂ اختیار میں آ گئے تھے صوبائی اور ضلعی جج مقرر فرمائے۔ حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے جانشین کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور انہوں نے حکومت اسی طرح چلائی جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت پائی تھی۔

جو فیصلے اوپر بیان ہوئے ہیں: آئین اسلام میں ترمیم کرنے کا مسئلہ، ایک اعلیٰ عدالت کے فیصلہ پر ادنیٰ عدالت کی نظر ثانی کا مقدمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مقدمہ ظاہر کرتے ہیں کہ کس نوعیت کے مقدمات حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ عام طور پر ان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کو پیش آنے والے دستوری مسائل سے تھا۔ ان کا تعلق قرآن کے ساتھ ساتھ دوسرے منبع قانون کی حیثیت سے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعین تھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے بحیثیت خلیفہ وہ پیچیدہ نوعیت کے مقدمے بھی سنے جو فوجی کمانداروں، صوبائی اور ضلعی ججوں کے دائرۂ اختیار سے باہر تھے۔ بعض ایسے اہم مقدمات پر ذیل میں بحث کی جاتی ہے جن کا فیصلہ حضرت ابوبکرؓ نے کیا۔

سپہ سالارِ اعظم کے خلاف ایک مقدمہ

حضرت ابوبکرؓ کے تحت عدلیہ معاشرہ کے ہر طبقہ کو سستا انصاف مہیا کرتی تھی۔ تمام نسلوں، علاقوں اور مذاہب کے لوگ خلافت کے کسی بھی رکن کے خلاف اس کی معاشرتی اور سرکاری حیثیت سے قطع نظر اپنی شکایات کا ازالہ حاصل کر سکتے تھے۔ ایک عام سپاہی مسلم افواج کے سپہ سالارِ اعظم کے خلاف شکایات یا دعویٰ دائر کر سکتا تھا۔ مندرجہ بالا بیان کی تصدیق میں درج ذیل مقدمہ بیان کیا جاتا ہے:

خالدؓ بن ولید کی فوج کے ایک سپاہی ابوقتادہ نے ان پر مالک بن نویرہ کے قتل کا الزام لگایا۔ دونوں نے دلائل دیئے مگر ایک دوسرے کو مطمئن نہ کر سکے۔ اس کے بعد ابوقتادہ نے مقتول کے ایک بھائی متمم بن نویرہ کے ساتھ مل کر مدینہ کی عدالت میں خالدؓ بن ولید

کے خلاف دعویٰ دائر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے قتل کا مقدمہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا۔ دارالخلافہ میں قیام کے دوران انہوں نے حضرت عمرؓ سے بھی بات کی۔ جنہوں نے فریقین مقدمہ کو نہیں سنا تھا کیونکہ خالد کو ابھی عدالت نے طلب نہیں کیا تھا اس لیے ان کی یہ رائے کہ خالد کو معزول کر دیں کیونکہ اس کی تلوار ظلم و تشدد کے لیے بے نیام ہوگئی ہے (ان یعزله ان فی سیفه رهقا)[26] عدالت سے باہر غیر سرکاری ذاتی رائے تھی حضرت ابوبکر مدعیوں کے ظاہری بیان سے مطمئن نہ تھے۔

ملزم کی طلبی

حضرت ابوبکرؓ کبھی بھی مدعی اور مدعا علیہ کو اپنا اپنا مؤقف تفصیلاً پیش کرنے کا موقع دیئے بغیر فیصلہ نہ کرتے تھے۔ پس آپؓ نے خالدؓ بن ولید کو بذات خود آپ کی عدالت میں پیش ہونے کے لیے طلب فرمایا (کتب ابوبکر الی خالد ان یقدم علیه)[27] اور اپنے خلاف قتل کے الزام میں اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے کہا۔ طلبی کے جواب میں سپہ سالارِ اعظم خود عدالت میں پیش ہونے کے لیے خود مدینہ حاضر ہوئے۔ یہ بات اس اہم عدالتی اصول کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے نظامِ عدالت میں اتنا استحکام اور پختگی موجود تھی کہ شکایت اور الزام کی صورت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی عدالت میں موجودگی اور حاضری لازمی تھی مدعی اپنا دعویٰ مدعا علیہ کی موجودگی میں پیش کرے اور مدعا علیہ خود جرم خود سنے پھر مدعا علیہ اپنے خلاف فرد جرم کا جواب خود دے۔ اسی قاعدہ اور اصول کو آج کل نیچرل جسٹس کا نام دیا گیا ہے تحقیق کا یہ بنیادی اصول ہے کہ کوئی نظریہ، اصول، قاعدہ ضابطہ یا قانون کب بنا یہ وقت اس اصول و قانون کی اولیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ عہدِ رسالتؐ اور عہدِ خلافتِ راشدہ کے نظامِ عدالت کا یہ مسلمہ عدالتی طریقِ کار تھا کہ مدعی، مدعا علیہ کی حاضری ضروری قرار دی گئی تھی، گواہ گواہی دیتے تھے۔ گواہوں پر جرح ہوتی تھی اور فیصلہ ظاہری شہادت پر دیا جاتا تھا۔ جو لوگ اس عہد کے نظامِ عدالت کی تفصیلات سے ناواقف نہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نیچرل جسٹس کا یہ عدالتی طریقِ کار عہدِ حاضر کی پیداوار ہے ہم نے وافر دلائل سے ثابت کیا کہ یہ طریقِ کار عہدِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ کی عدالتوں کا معمول تھا۔ اس عہد میں عدل و انصاف کا معیار ملحوظ رکھنا ضروری ہے وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس وسیع پیمانے پر بغاوت ہوئی تھی اس کی تفصیلات سب جگہ موجود ہیں، اس بغاوت کو فرو کرنے پر خالد بن ولید مامور تھے اس نازک صورت میں ان پر قتل کا الزام لگا اب یہ موقع تھا کہ ایک شہری شکایت کو نظر انداز کر دیا جاتا اور سپہ سالارِ اعظم کو ریاست کی اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا موقع دیا جاتا مگر اسلام عدل کے تقاضوں کو پورا کرنا باقی تمام فرائض سے مقدم سمجھتا ہے اس لئے سپہ سالارِ اعظم کو محاذِ جنگ سے عدالت میں پیش ہونے کا حکم ہوا۔ غالباً تاریخ میں یہ نادر واقعہ ہے یہ ہے اسلامی نظامِ عدالت۔

ملزم کا بیان

خالدؓ بن ولید نے مندرجہ ذیل بیان دیا جس میں انہوں نے مقدمہ کی تفصیلات بتائیں:

بنو ثعلبہ بن یربوع کے مالک بن نویرہ اور جنگجوؤں کا ایک گروہ مسلم افواج نے گرفتار کیا اور ان کے مظالم کے خلاف فیصلہ کے لیے انھیں سپہ سالارِ اعظم کے سامنے پیش کیا۔ گرفتار کرنے والے فوجیوں میں اس بات پر اختلاف تھا کہ انہوں نے اذان کا جواب دیا تھا اور نماز ادا کی یا نہیں۔ ایک گرفتار کرنے والے سپاہی ابوقتادہ کا کہنا تھا کہ انہوں نے جواب دیا اور نماز پڑھی تھی گروہ دیگر نے اسکی تردید کی

...میں تضاد ... اسکا۔ پس فیصلہ ملتوی کر دیا گیا اور قیدیوں کو بعض سپاہیوں کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ یہ بہت ٹھنڈی رات تھی ... بڑھتی ... سپہ سالار خالدؓ نے پکارنے والے کو حکم دیا جس نے اعلان کر دیا" اپنے قیدیوں کو گرم رکھو (ادفئوا اسرکم) بعض فوجیوں کی بولی میں اس کا مطلب تھا" اپنے قیدیوں کو مار ڈالو"۔ قیدیوں کے محافظ یہی بولی بولتے تھے انہوں نے سوچا کہ سپہ سالار نے انھیں مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ پس انہوں نے ان کو مار ڈالا۔ ضرار بن الازور نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا۔ خالدؓ نے شور و غوغا سنا اور بھاگ کر اپنے خیمہ سے نکلے۔ اس وقت تک وہ انھیں مار چکے تھے۔ انہوں نے آہ بھری" جو اللہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے"[۲۸]۔ لوگوں نے ان کے متعلق مختلف خیال ظاہر کیا۔ ابو قتادہ نے ساری ذمہ داری خالدؓ کے کاندھوں پر ڈال دی[۲۹] جس نے انھیں سرزنش کی اور ان پر ناراض ہوئے۔ اس پر ابو قتادہ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ کے حضور شکایت پیش کی وہ بھی ابو قتادہ پر ناراض ہوئے۔ اس پر اس نے حضرت عمرؓ سے بات کی جنہوں نے کہا کہ خالدؓ کی تلوار ظلم و تشدد کے لیے بے نیام ہو گئی ہے۔ آپؓ نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ الزام درست نہیں تب بھی انھیں (خالد کو) قابو میں رکھنا ضروری ہے اور انہوں نے اس پر اصرار کیا۔[۳۰]

خالد کے بیان کا ایک اور متن یوں بیان کیا گیا ہے:

جب مالک بن نویرہ اور اس کے نوجی قید کر کے لائے گئے تو مسلمان افواج کے سپہ سالار اعظم نے مالک سے پوچھا:

" تم جانتے ہو کہ ادائے زکاۃ نماز کے ساتھ کس قدر مربوط ہے"۔ مالک نے جواب دیا" یہ تمہارے سربراہ (خلیفہ) کا نظریہ ہے"۔ پھر خالدؓ نے پوچھا۔" کیا وہ صرف ہمارے سربراہ ہیں تمہارے نہیں؟ اے ضرار! اس کا سر قلم کر دو"۔

اس کا سر قلم کر دیا گیا۔[۳۱]

فیصلہ کا اعلان

مستغیث اور ملزم نے عدالت میں اپنے بیان دیئے۔ انھیں پوری شہادت جو ان کے پاس تھی پیش کرنے کا پورا موقع دیا گیا۔ بیانات اور شہادت کو عدالت نے پرکھا ضروری عدالتی کارروائی مکمل کرنے کے بعد خلیفہ نے اپنے فیصلہ کا یوں اعلان کیا:

"میں وہ تلوار نیام میں نہ رکھوں گا جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے بے نیام کر دی ہے (لم اکن لاشیم سیفاً سلّه الله على الكافرين)[۳۲] خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو مارنے کے معاملہ میں اپنی قوت فیصلہ (اجتہاد) سے کام لیا اور ایسا کرنے میں غلطی کا مرتکب ہوا۔ ایسے ہی ایک مقدمہ میں ایک اعلیٰ عدالت کا فیصلہ موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ بن ولید کو بنو جزیمہ (عرب کا ایک قبیلہ) کی طرف بھیجا۔ اس قبیلہ کے قیدی خالدؓ کے سامنے لائے گئے۔ اپنی برئیت کے لیے قیدیوں نے کہا" ہم نے مذہب ترک کر دیا ہے"۔ (صبأنا صبأنا) اور واضح طور پر یہ نہیں کہا" ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے"۔ (اسلمنا)۔ خالدؓ کی نظر میں قیدیوں کا بیان ارتداد کے مترادف تھا۔ پس آپ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ جب یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فیصلہ کیا کہ یہ قیاس کی غلطی تھی اور خالدؓ قتل کا ذمہ دار قرار نہ دیا گیا۔ اور نہ ہی انھیں معزول کیا گیا تھا۔ تاہم چونکہ یہ قرار پا چکا تھا کہ قیدی اپنے اسلام کا واضح طور پر اظہار نہ کر سکے تھے اس لیے انکا خونبہا ریاست کی طرف سے ادا کر دیا گیا تھا۔[۳۳]

اس نظیر کے پیش نظر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی حضرت ابو بکرؓ نے حکم دیا کہ زیر نظر مقدمہ میں خالد نے اپنی

قوت فیصلہ سے کام لیا اور غلطی کا مرتکب ہوا۔ (تَاوَلَ فَاخطا)[۳۴] پس وہ مالک بن نویرہ کے قتل کا ذمہ دار نہیں۔ مگر آپ کے خیال میں مستغیث کو نقصان پہنچ چکا تھا اس لئے آپ نے مقتول کا خون بہا اس کے بھائی متمم بن نویرہ کو ادا کر دیا۔[۳۵]

گواہ

مندرجہ بالا مقدمہ میں ابوقتادہ، الحارث بن ربعی جو انصار مدینہ میں سے بنو سلمہ[۳۶] کے بھائی عدالت میں بطور گواہ پیش ہوئے تھے۔ وہ ان فوجیوں میں سے تھے جنہوں نے مالک بن نویرہ کو گرفتار کیا تھا اور اس کو اور اس کی فوج کو قیدی بنا کر لائے تھے۔ تمام فوج نے اس امر کی گواہی دی کہ قیدیوں نے نہ اذان دی نہ نماز ادا کی (انھم لم یؤذن ولا صلوا)[۳۷]۔ ابوقتادہ واحد شخص تھے جو کہتے تھے کہ "انہوں نے نماز ادا کی"۔ (فشھد ابوقتادہ الحارث بن ربعی الانصاری انھم اقاموا الصلوٰۃ)[۳۸]۔

ابوقتادہ کے متعلق بتانے والی اہم بات یہ ہے کہ وہ ان انصار میں سے تھے جنہوں نے بنو تمیم اور سجاح بنت الحارث کے خلاف کامیاب معرکہ آرائی کی۔ مگر اس مہم کے بعد انہوں نے مالک بن نویرہ کے خلاف آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جو اپنی فوجوں کے ساتھ البطاح کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ ان کا انکار مذہبی یا نظریاتی بنیادوں پر نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جو کام خلیفہ نے ان کے سپرد کیا تھا وہ البزاخہ کی مہم کے بعد مکمل ہو چکا تھا۔ اور انہیں مزید احکامات نہیں ملے تھے۔ (قالوا ماھذا بعھد الخلیفۃ الینا ان الخلیفہ عھد الینا ان نحن فرغنا من البزاخہ واستبرأنا بلاد القوم ان نقیم حتی یکتب الینا)[۳۹]۔

خالد نے انھیں مطلع کیا: "اگر یہ حکم تمھیں ملا تھا، تو خلیفہ نے مجھے آگے بڑھنے کے احکام بھیجے اور میں سپہ سالار ہوں تازہ احکام میرے پاس آتے ہیں۔ مزید یہ کہ اگر مجھے ان کا کوئی خط یا حکم نہ بھی آیا ہو اور میں محسوس کروں کہ باغیوں کی سرکوبی کا اچھا موقع ہے تو میں اس کا فائدہ اٹھاؤں گا۔ پس میں مہاجرین اور تابعین کے ہمراہ پیش قدمی کر رہا ہوں اور میں تمھیں مجبور نہیں کرتا اور وہ آگے بڑھ گئے۔ انصار شرمندہ ہوئے اور بڑبڑائے۔ انہوں نے کہا اگر فوج کے ہاتھ مال غنیمت لگا تو وہ اس سے محروم رہ جائیں گے اور اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تو ان پر (انصار پر) فرار کا الزام عائد ہوگا۔ تب وہ خالد کے ساتھ جا ملنے کو تیار ہو گئے اور انھیں ایک پیغام رک جانے کے لیے بھیجا۔ پھر وہ ان سے جا ملے۔

مالک بن نویرہ کے خلاف مہم کا مندرجہ بالا پس منظر ظاہر کرتا ہے کہ ابوقتادہ اور اس کے ساتھی ابتداً اس کے حق میں نہ تھے مہم میں ان کی شمولیت مجبوری کے عالم میں خارجی وجوہ سے تھی۔

جہاں تک حضرت عمرؓ کی طرف سے خالدؓ کی مخالفت کا تعلق ہے، جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے، ان کو ان حالات کا پورا علم نہ تھا جن کے تحت مالک بن نویرہ قتل ہوا۔ دوسری چیز جس نے ان کے ظن میں اضافہ کیا اور طیش بڑھایا وہ مالک بن نویرہ کی بیوہ ام تمیم[۴۰] سے خالدؓ کی شادی تھی۔ آپ نے اس بات پر خالد کو مدینہ آمد پر سخت سست بھی کہا تھا۔

اسلام میں عدلیہ کی بالادستی کی یہ بہترین مثال ہے ایک سپہ سالار اعظم کے خلاف قتل کا الزام لگتا ہے جبکہ وہ ریاست کی سلامتی کی جنگ لڑ رہا ہے۔ مگر اسلام میں عدلیہ کا تصور یہ ہے کہ افواج، اموال، وسائل و ذرائع دولت سب کے سب انسانی عزت و شرف کی حفاظت، جان و مال

... آبرو کی نگہداشت کے لیے ہیں۔ عدلیہ کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ان اعلیٰ مقاصد اور اقدار کی بالادستی قائم کرے۔ عدل و انصاف کے قیام کی راہ میں حکومت کا سربراہ افواج کا سربراہ، عدلیہ کا سربراہ مقننہ کا سربراہ انتظامیہ کا سربراہ رکاوٹ نہیں بن سکتے، چونکہ ملک و قوم کی بقا کا دار و مدار عدل و انصاف پر ہے اس لئے عدل ملکی بقا سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ نظریہ ہی غلط ہے کہ ملکی بقا بے انصافی اور ظلم پر قائم ہو سکے جس ملک کا قیام اور بقا ظلم و عدوان پر مبنی ہو۔ اس کا قائم نہ رہنا قائم رہنے سے بہتر ہے۔ عدل میں جو قوت ہے وہ ظلم میں نہیں۔ اس لیے جو حکومت عدل کو ترجیح دیتی ہے وہ دراصل ملکی بقا کا انتظام کرتی ہے اور جو حکومت ظلم کے ذریعے ملکی قیام و بقا کی کوشش کرتی ہے وہ دراصل ملک کے ساتھ دشمنی کرتی ہے۔ یہی راز تھا اس فیصلہ کا کہ اگرچہ خلافت کو سنگین ترین ملکی بقا کا مسئلہ درپیش ہے مگر خلیفہ کی نظر میں اس کا حل یہ تھا کہ سپہ سالار اعظم کو عدالت انصاف میں پیش کر کے گواہی و شہادت کے مطابق فوری طور پر فیصلہ کر دیا جائے اس سے ملکی دفاع کی قوت میں مزید اضافہ ہوا۔ اگر حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے خلاف اسی حکمت عملی سے کام لیتے تو تاریخ اسلام کی موجودہ شکل مختلف ہوتی۔

ایک مسلمان کے قتل کا مقدمہ

دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا ان کے پاس حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے امن نامہ بھی تھا۔ انھیں قتل کر دیا گیا۔ وہ عبدالعزیٰ بن ابی رہم اور لبید بن جریر تھے۔ اول الذکر کو جریر بن عبداللہ البجلی نے قتل کیا تھا اور دوسرے کو کسی دوسرے مسلم فوجی نے قتل کیا تھا۔ فوجی حکام اس کا فیصلہ نہ کر سکے کیونکہ شاید یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جو اس قسم کی مہم کے دوران پیش آیا۔ اس لئے مقدمہ مدینہ میں خلیفۃ المسلمین کے حضور بھیج دیا گیا۔ پہلی اطلاع کے ساتھ نہ ثبوت موجود تھا اور نہ دلائل اور نہ ہی تفتیشی معلومات دستیاب تھیں۔ حضرت عمرؓ نے بادی النظر میں حضرت خالد پر شک کا اظہار کیا۔ ایک اہم اصول یہ تھا کہ عدالتی طریق کار کے مطابق ادنیٰ عدالتیں اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کرتی تھیں۔ اہم ترین قاعدہ یہ بھی تھا کہ سول اور فوج کے لیے علیحدہ علیحدہ عدالتی نظام قائم نہ تھا۔ ریاست کے تمام شہری برابر تھے خواہ وہ کسی حیثیت میں سول انتظامیہ یا فوجی انتظامیہ میں کسی بھی عہدے پر کام کرتے ہوں۔

فیصلہ

حضرت ابوبکرؓ نے مقدمہ کے متعلق جملہ حالات واقعات اور معلومات کا جائزہ لیا۔ مقدمہ کی پوری تفصیلات سننے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد آپؓ نے قرار دیا:

ان لوگوں کو ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو دشمنانِ اسلام کے علاقہ میں قیام کریں (کذالک یلقی من ساکن اهل الحرب فی دیارهم)[۱]۔ آپ نے بہرحال مقتولین کا خون بہا ادا کر دیا اور ان کے بال بچوں کی نگہداشت کے لیے حکم بھیج دیا[۲]۔

اس سے ثابت ہوا کہ فیصلے جلد بازی اور بے سوچے سمجھے نہیں کئے جاتے تھے گواہی شہادت تفتیشی معلومات کی بنیاد پر فیصلے ہوتے تھے

یمن کے ایک جج کے فیصلے کے خلاف اپیل

یمن کے ایک شخص پر چوری کا الزام لگا۔ تفتیش کرنے اور شہادت پر غور کرنے کے بعد متعلقہ ضلع کے جج نے حکم دیا کہ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا جائے۔ ملزم نے یمنی جج کے فیصلے کے خلاف مدینہ میں خلیفۃ المسلمین کے حضور اپیل دائر کر دی۔

حضرت ابوبکرؓ نے مستغیث کو عدالت میں طلب کیا اس کا بیان سنا اور فیصلہ محفوظ رکھا جس کا اعلان بعد میں ہونا تھا۔ مقدمہ آپ کے سامنے زیر تجویز تھا اور وہ شخص مدینہ میں مقیم تھا۔ رات کو اس شخص نے ایسی جگہ نماز ادا کرنا شروع کی کہ اسے دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ "ان کا چوری کی بات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے (ایسا نیک آدمی کیونکر چوری کر سکتا ہے)" بعد میں حضرت ابوبکرؓ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس کے زیورات چوری ہو گئے۔ تحقیقات اور تفتیش کی گئی۔ وہ آدمی بھی تلاش کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ وہ ادھر ادھر گھوم رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "اللہ! جس آدمی کو اس نیک گھر والوں نے پناہ دی ہے اسے حفاظت میں رکھنا" تفتیش کے نتیجہ میں زیورات ایک سنار کے پاس پائے گئے۔ سنار پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس نے بیان دیا کہ ہاتھ کٹا آدمی زیورات اس کے پاس لایا تھا اور اس کے ہاتھ فروخت کئے تھے۔ ملزم پر مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمہ کے دوران اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اقبال جرم کیا۔ اس چوری نے اس شخص کے کردار پر روشنی ڈالی اور اس کی پہلی شکایت جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس زیر غور تھی اس کا بھی تصفیہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ سنا دیا جس کے مطابق چور کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا گیا۔ آپؓ نے تبصرہ کیا کہ "خدا کی قسم! اس شخص کی اللہ سے حفاظت کی دعا مجھ پر اس کی چوری سے زیادہ گراں بار ہے" [43]

زنا کا مقدمہ

امام مالکؒ نے اپنی المؤطا میں اور البیہقی اپنی سنن میں زنا کے ایک مقدمہ کا ذکر کیا ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش ہوا تھا۔ مقدمہ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

" حضرت ابوبکر الصدیقؓ مسجد مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آپؓ کے سامنے آیا وہ عدالت انصاف میں اپنی شکایت پیش کرنا چاہتا تھا۔ وہ مبہم گفتگو کر رہا تھا اور پریشان نظر آتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مستغیث کو ہدایت کی کہ اپنا مقدمہ عدلیہ کے سربراہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش کرے چنانچہ آپ کی ہدایت پر یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا۔

شکایت کنندہ نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں درج ذیل بیان دیا:

" ایک مہمان اس کے یہاں آیا اور اس کے گھر ٹھیرا۔ قیام کے دوران اس نے اس کی بیٹی سے زنا کیا۔ شکایت کنندہ کا بیان سن کر حضرت عمرؓ نے افسوس کے ساتھ اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا" اللہ تجھے برباد کرے۔ تو نے اپنی بیٹی کی عزت کی حفاظت کیوں نہیں کی؟ (تو نے اس واقعہ پر پردہ کیوں نہ پڑا رہنے دیا۔)"

حضرت عمرؓ نے مستغیث کا بیان لیا۔ اس پر جرح ہوئی گواہی و تحقیقاتی معلومات کے نتیجے میں زنا کا ارتکاب ثابت ہو گیا حضرت

... فیصلہ سنایا اور مجرموں کو سزا کے لئے انتظامیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جس پر اس آدمی اور عورت کو کوڑے لگائے گئے۔ اس کے بعد ان دونوں نے آپس میں شادی کر لی اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیئے گئے (یہ زنا کی سزا کا حصہ ہے)

ہم نے مندرجہ بالا مقدمات کی مثال یہ ثابت کرنے کے لیے دی ہے کہ اول تو ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات عدلیہ کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض بہت سنگین نوعیت کے تھے اور بعض قانونی پیچیدگی کے حامل تھے۔ یہ بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ عدالتی فیصلوں کا نفاذ انتظامیہ کی طرف سے فوری طور پر کیا جاتا تھا۔ آخر میں یہ بات قابل غور ہے کہ مثبت اور صفائی قانون کی روایات مدینہ کی منظم حکومت کے تحت تیزی سے ترقی کر رہی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کے تحت عدالتی نظام

ایک مثالی عدالتی نظام آفاقی اور ہمہ گیر عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ اہم ترین اصول یہ ہے کہ وہ ایک واضح آئین کے تحت قائم ہو۔ حضرت ابوبکرؓ کا نظام عدالت ایک واضح آئین کے تحت قائم تھا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ مدعی، مدعا علیہ، مستغیث اور ملزم کو ثبوت اور صفائی کے مساوی مواقع حاصل ہوں، فیصلے ظاہری شہادت پر ہوتے ہوں عدالتی طریق کار آسان سستا اور جلد انصاف فراہم کرنے والا ہو۔

عدالتی تاریخ کے مؤرخین اور ماہرین قانون، عدالت انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کو نظام عدالت کی پختگی، غیر جانبداری اور فراہمی انصاف کے لیے بنیادی اصول قرار دیتے ہیں۔ اس کتاب کے تیسرے، چوتھے اور پانچویں ابواب میں ان عدالتی مسلمہ اصولوں کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا جا چکا ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ یہ اصول اسلامی عدالت میں کارفرما رہے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ حکومت، عدلیہ اور مقننہ تھے مگر یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ آپؐ کا نظام امت کی اجتماعی رائے شوریٰ کے اصول اور جمہوری اقدار پر مبنی تھا مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ تھے۔ ان تمام مناصب کے باوجود آپؐ نے انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کے اصول کی اہمیت واضح فرمائی۔ اپنے ساتھ مدینہ میں حضرت عمرؓ کو عدلیہ کا سربراہ مقرر کر کے آپؐ نے اس عدالتی اصول کو عملی شکل دی۔ صوبوں میں قضا کا نظام قائم کیا اور قاضی مقرر کئے۔ یمن میں حضرت علیؓ صوبائی عدلیہ کے سربراہ تھے حضرت معاذؓ، حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری، حضرت عمروؓ بن حزم اپنے اپنے علاقہ کے قاضی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے خلیفہ راشد تھے آپ انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کے اصول سے پوری طرح سے باخبر تھے۔ اس کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ تھے۔ جلیل القدر صحابہ کرام بھی اس اصول کی عدالتی ضرورت کو خوب سمجھتے تھے۔ جماعت صحابہ نے عدالتی نظام کے اس اہم اور مرکزی اصول کو حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جس طرح نافذ کیا اس کی تفصیل یہ ہے:۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے حکومت سنبھالی تو پورا جزیرہ نما عرب ریاست مدینہ میں شامل ہو چکا تھا۔ ارتداد کی جنگ جو آپؓ کی حکومت کی ابتداء میں شروع ہوئی تھی ٹھنڈی پڑ چکی تھی اور جزیرہ نما عرب ریاست کے پوری طرح قابو میں آ چکا تھا۔ عراق اور شام کے بڑے حصے فتح کے بعد اسلامی ریاست میں شامل ہو چکے تھے۔ گذشتہ صفحات میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت پر عمل کے لیے انتہائی پرجوش اور مخلص تھے اور آپؐ کی حکمتِ عملی پر پورے خلوص کے ساتھ مکمل طور پر عمل پیرا تھے۔ انہوں

نے وہی عدالتی نظام قائم رکھا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج پایا تھا۔ انہوں نے خود دار الخلافہ میں بطور سربراہ ریاست اپنا منصب سنبھالا اور اکثر و بیشتر انھیں صوبائی اور ضلعی گورنروں اور ججوں کو برقرار رکھا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا۔

حضرت عمرؓ بطور سربراہ عدلیہ

اس کتاب کے باب پنجم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کے بطور جج تقرر پر بحث ہو چکی ہے۔ جس میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ اس عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت عدلیہ کے سربراہ تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت آپ کی شخصیت امت میں آپ کے مرتبہ و مقام کے سبب اس عہد میں کسی دوسرے شخص کی حیثیت اس کے منصب اور مقام کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جہاں تک انتظامیہ اور عدلیہ میں علیحدگی کے اصول کا تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس علیحدگی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ آپ اس کی تشریح و تعبیر کرتے تھے، اور قرآنی احکام کے مطابق عدالتی فیصلے کرتے تھے بایں ہمہ آپ نے اپنے بعد اس علیحدگی کے اصول کی تعلیم دینی تھی اس لئے آپ نے اپنے عہد ہی میں حضرت عمر کو عدلیہ کا سربراہ مقرر کر کے اس اصول کی اہمیت ثابت کر دی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی حضرت عمرؓ کو عدلیہ کے سربراہ کے منصب پر قائم رکھا۔ ابن سعد اور الطبری بیان کرتے ہیں کہ اقتدار سنبھالنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے نظام حکومت کے مختلف شعبوں کے سربراہ مقرر کرنے پر غور کیا تو حضرت عمرؓ کو عدلیہ کا سربراہ بنایا ابو عبیدہ کو خزانہ (بیت المال) پر تعینات کیا۔ ان کے تقرر پر آپؓ نے انھیں یہ کہتے ہوئے مخاطب کیا "میرے کام میں میری مدد کرو"[45] ایک اور بیان میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ نے خود اپنی خدمات پیش کی تھیں "قال له ابو عبیدة انا اکفیک المال یعنی الجزاء وقال عمر انا اکفیک القضاء"[46] حضرت ابو بکرؓ نے ان کی خدمات قبول کر لیں اور انھیں بالترتیب عدلیہ اور خزانہ کے عہدے دے دیئے" جعل ابو بکر عمر قاضیا فی خلافته" الطبری گیارہویں ہجری کے اختتام پر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو عدلیہ پر مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے پورے دور خلافت میں عدلیہ کے سربراہ رہے: (واستقضا ابو بکر فیها عمر بن الخطاب فکان علی القضاء ایام خلافته کلها) اسلامی فقہ و قضا کے چوٹی کے مورخین ابن سعد، الطبری، وکیع، ابن حجر العسقلانی نے مستند روایات میں حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں حضرت عمرؓ کو عدلیہ کا سربراہ ثابت کیا ہے۔ یہ اسلامی نظام عدالت کی تاریخ میں اولیت ہے کہ اس میں انتظامیہ اور عدلیہ میں علیحدگی شروع ہی سے تھی، جسے صدیوں بعد مغرب نے اب اپنایا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس کا اعتراف نہیں کیا۔ یہاں اس روایت کی تشریح ضروری ہے کہ حضرت عمرؓ ایک سال تک اس عہدے پر رہے (فمکث عمر سنة) اور کوئی فریق مقدمہ ان کے پاس نہیں لایا (لا یاتیه رجلا) اور (لم یخاصم الیه احداً) یہ ایک موضوع روایت ہے اور اپنی ظاہری حیثیت میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ تاہم جو دلائل اس کے دفاع میں دیئے جاتے ہیں ان میں ایک نکتہ ہے۔ اکثر یہ شکایت کی جاتی ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے مقدمات براہ راست سربراہ حکومت کے پاس لے جانے کے عادی تھے۔ انہوں نے یہی طریقہ حضرت ابو بکرؓ کے دور میں بھی قائم رکھا۔ اس نظریہ کو اس قرآنی حکم سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں اعتقاداً مومنوں

تنازعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانے کو کہا گیا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝[۴۲]

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرائیں پھر اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

اس حکم کے پیش نظر یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے عدالتی طریق کار کی پیروی میں زیادہ تر متنازعہ فریق اپنے مقدمات براہ راست خلیفہ کو پیش کرتے ہوں۔ تاہم اس بیان کے دفاع میں درج ذیل دلائل غلط ہیں: حضرت ابوبکرؓ کا دور پیغمبر کے دور کے فوراً بعد کا تھا۔ لوگ عام طور پر نیکی اور راست روی کی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ ان میں احساس ذمہ داری اور خدا کی ناراضگی کا خوف بہت تھا اس لیے وہ بہت ہی کم جرائم کرتے تھے اور لڑائی جھگڑے کے مقدمات بھی بہت کم ہوتے تھے جیسا کہ پہلے، بیان کیا جا چکا ہے یہ نظریہ معیاری نہیں ہمیں بالتحقیق معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مختلف قسم کے بہت سے مقدمے تصفیہ کے لیے آپ کے پاس آئے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ معاشرہ کا اخلاقی معیار حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بلند تھا۔

تاہم ایک بات یقینی ہے اور یہ تاریخی شواہد سے بھی ثابت ہے۔ مدینہ کی بیشتر آبادی پہلے ارتداد کی جنگ میں اور پھر عراق اور شام کی فتوحات میں مصروف رہی۔ خلیفہ کے اہم ترین مشیر اور عمال ریاست مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ وہ زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بزرگ صحابی تھے۔ یقیناً ایسے لوگوں کا اخلاقی معیار اعلیٰ ترین تھا۔ مدینہ کی باقی آبادی زیادہ تر خواتین، بوڑھوں اور معذور افراد پر مشتمل تھی جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ ان حالات میں یہ ممکن ہے کہ جرائم کی تعداد کم ہو گئی ہو اور خلیفہ کے پاس بہت کم مقدمات تصفیہ کے لیے آتے ہوں جنہیں وہ خود عام طور پر سہولت سے طے کر سکتے ہوں۔

باوجود مندرجہ بالا بحث کے ہم نے اوپر ثابت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں مقدمات پیش ہوئے جن میں وہ مقدمہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جو خود حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے سپرد کیا تھا۔ اس مقدمہ کا تعلق زنا سے تھا حضرت عمرؓ نے مستغیث کے بیان، گواہی، جرح و دیگر تحقیقاتی معلومات کی بنیاد پر اس کا فیصلہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے بحیثیت سربراہ انتظامیہ کے اس فیصلے کو نافذ کیا تھا۔ اسلامی تاریخ کے نامور مورخ الطبری نے بارہ ہجری کے آخر میں، اپنے وقائع میں بیان کیا ہے کہ حج کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ مقدمات کے فریقین کو ہدایت کرتے جاتے تھے کہ وہ اپنا مقدمہ تصفیہ کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس لے جائیں:

(اذهبوا بهما الى عمر لينظر فان كان الجارح قد بلغ فليقد منه)

اس روایت نے شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی کہ عہد ابوبکرؓ میں عدلیہ انتظامیہ سے علیحدہ ہو چکی تھی۔ حج کے موقع پر صوبائی عدلیہ کے خلاف وفاقی عدلیہ کے سربراہ اپیلوں کی سماعت کرتے، نئے مقدمات سنتے اور فیصلہ کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا یہ اعلان صاف طور پر ثابت کر رہا ہے کہ حضرت عمرؓ عدلیہ کے سربراہ تھے حج کے موقع پر پوری خلافت کے لوگوں کو اس کے تقرر سے متعارف کر دا دیا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے تحت صوبائی عدالتیں

حضرت ابوبکرؓ نے صوبوں میں وہی عدالتی نظام قائم رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔ گورنروں اور ججوں کو پورے انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل تھے۔ الطبری نے ان میں سے چند کا ذکر کیا ہے:

عتاب بن اسید مکہ میں۔ عثمان بن ابی العاص طائف میں۔ المہاجر بن امیہ صنعا میں، زیاد بن لبید حضرموت میں، یعلا بن امیہ خولان میں۔ ابوموسیٰ الاشعری زبید اور زمع میں۔ معاذ بن جبل الجند میں، العلا بن الحضرمی بحرین میں، جریر بن عبد اللہ نجران میں۔ عبد بن ثور جرش میں، عیاض بن غنم الفہری دومۃ الجندل میں، ابوعبیدہ، شرجیل بن حسنہ، یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص شام کے چار بڑے صوبوں کے سپہ سالار، گورنر اور جج تھے اور خالدؓ بن ولید شام میں مجموعی طور پر فوج، انتظامیہ اور عدلیہ کے سربراہ تھے۔[48] اوپر جن قاضیوں اور ججوں کی تفصیل دی گئی ہے وہ اپنے اپنے صوبے، ضلعے اور علاقے کی عدلیہ میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرتے جب انھیں کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا وہ اس کو ہدایات اور رہنمائی کے لیے عدلیہ کے سربراہ کے پاس مدینہ بھجوا دیتے۔ جب مستغیث یا مدعا علیہ ضلعی یا صوبائی عدالت کے فیصلے سے غیر مطمئن ہوتا تو وہ ایسے فیصلہ کے خلاف سربراہ عدلیہ کی عدالت میں اپیل دائر کر دیتا۔ اگر خلیفہ کے علم میں آتا کہ کوئی غلط فیصلہ ماتحت عدالت نے کیا ہے تو وہ اس مقدمہ کو اپنی عدالت میں منتقل کرنے کا حکم دیتے یا متعلقہ عدالت کو اپنی ہدایات کے مطابق مقدمہ کی سماعت کرنے کو کہتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے تحت صوبائی عدلیہ کے طریق عمل کی وضاحت کے لیے درج ذیل دو مقدمات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مہاجر بن امیہ صنعا کے قاضی تھے۔ دو گانے والیاں ان کی عدالت میں لائی گئیں۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے کی مجرم تھی۔ ظاہری شہادت سے ثابت تھا کہ ملزمہ نے جرم کیا ہے باقاعدہ سماعت کے بعد جرم ثابت ہو گیا تھا۔ جج نے سزا کا حکم سنا دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے اور سامنے کے دانت اکھاڑ دینے کا حکم دیا۔ بعد میں اس فیصلہ کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو دی گئی۔ آپؓ نے ضلعی جج کو مندرجہ ذیل مشورہ ارسال کیا تھا:

"تم نے ان عورتوں کے متعلق جو فیصلہ دیا ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالی والے گانے گائے تھے میرے علم میں آ چکا ہے۔ اگر تم اس فیصلے کا حکم دے نہ چکے ہوتے تو میں تمھیں ان کے قتل کا حکم دیتا کیوں کہ پیغمبروں کی شان میں گستاخی عام سزا کی مستحق نہیں یعنی اگر کوئی مسلمان ایسا جرم کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر یہ امت کے کسی ایسے فرد سے سرزد ہوا ہو جسے مسلمانوں کی پناہ حاصل ہو تو وہ باغی اور غدار قرار پاتا ہے۔"[49] اس فیصلے سے چند آئینی اور عدالتی نکات سامنے آتے اول قاضی کے سامنے ایسا مقدمہ پیش ہوا جس پر کوئی واضح قانون موجود نہ تھا۔ قاضی نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کر دیا۔ جسے اعلیٰ عدالت نے برقرار رکھا۔ دوم صوبائی قاضی کا فیصلہ اعلیٰ عدالت کے سامنے پیش ہوتا۔ سوم نئے درپیش حالات کے تحت قانون سازی کی ضرورت پڑتی۔ چہارم پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے مرکزی حکومت قانون سازی کرتی۔ پنجم گستاخ رسولؐ کی سزا موت مقرر ہوئی [illegible]

کا مرتکب ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو جاتا ہے اسے سزائے موت دی جائے گی منعتم اگر معاہد گستاخی رسالت مرتکب ہو تو وہ عہد شکن ہو کر غداری کا مرتکب ہوتا ہے اس لئے سزائے موت کا مستوجب قرار پاتا ہے۔

دوسری گانے والی نے اپنے گانوں میں مسلمانوں کی مذمت کی تھی۔ اس کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے مہاجرؓ کو لکھا تھا:

"میرے علم میں آیا ہے کہ تم نے اس عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالے ہیں جو مسلمانوں کی مذمت میں گاتی تھی اور اس کے سامنے کے دانت اکھاڑ دیئے ہیں۔ اگر وہ عورت مسلمان تھی تو تمھیں چاہیے تھا اسے سزا دیتے اور مزید کارروائی کے لیے اسے میرے پاس بھیج دیتے تمھیں نہیں چاہیے تھا کہ اسے مسخ کرتے اگر وہ ذمی تھی تو میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ تم نے اس کی غداری کو برداشت کیا جو اس کے مسلمانوں کی مذمت سے بھی زیادہ بڑا جرم تھا۔ اگر میں نے تمھیں پہلے اس معاملہ میں کچھ ہدایات بھیجی ہوتیں تو تمھیں میری طرف سے کچھ ناخوشگوار بات پہنچی ہوتی۔ پس مزاج ٹھنڈا رکھو اور لوگوں کو مسخ نہ کرو کیونکہ یہ یقیناً گناہ ہے اور ناپسندیدہ فعل ہے سوائے قانون کے تحت کی گئی کارروائی کے"۔[۵۰]

یہ فیصلہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا نظام حکومت قانون کی حکمرانی کے اصول پہ قائم تھا" رول آف لاء" اسی عہد کے نظام حکومت اور نظام عدالت کی بنیاد تھا۔ اس فیصلے کا آخری حصہ انتہائی اہم ہے اس میں یہ قاعدہ اور قانون وضع کیا گیا ہے کہ کسی شہری کے خلاف قانون کے بغیر کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی، کسی شہری کو قانون سے زیادہ سزا نہیں دی جا سکتی۔ قانون کی حکمرانی کی یہ بہترین مثال ہے۔

۲۔ حضرت ابوبکرؓ کے تحت گورنر اور جج حضرت خالدؓ بن ولید کو ایک پیچیدہ عدالتی مسئلہ پیش آیا۔ ایک شخص ان کی عدالت میں لایا گیا جو لواطت کا مرتکب ہوا تھا۔ یہ جرم ثابت ہو گیا تھا۔ خالدؓ ایسے جرم کی سزا کے متعلق واضح نہ تھے۔ اس لئے انھوں نے مقدمہ مدینہ میں اعلیٰ عدالت سے مشورہ کے لیے بھیج دیا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اس جرم کی سزا کے متعلق واضح نہ تھے۔ لہٰذا آپ نے اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شوریٰ بلائی اور اس مسئلہ میں ان سے مشورہ لیا۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب ان سب میں فصیح ہونے کے باعث بولے:

"بے شک یہ ایک ایسا گناہ ہے جو ایک قوم کے سوا کسی سے سرزد نہیں ہوا۔ اور آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ اللہ نے ان کے ساتھ کیا کیا۔ پس ہم خیال کرتے ہیں کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیں۔ اس پہ تمام اصحاب متفق تھے۔ لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ کو اسے جلا کر مار ڈالنے کا حکم دیا"۔[۵۱]

پہلا مقدمہ اس بات کا اہم نمونہ ہے کہ اسلامی ریاست کے ابتدائی زمانہ میں بھی انصاف عجلت سے غلط سلط نہیں کیا جاتا تھا خصوصاً جب ایسے انصاف کا تعلق کسی کی زندگی یا عزت سے ہوتا۔ عدالت اس کو بہت سنجیدہ مسئلہ خیال کرتی اور ایسے مقدمات میں پورا پورا انصاف کرنے کی کوشش کرتی۔ ریاست نے اپنے عدالتی افسر مقرر کئے ہوئے تھے جو صوبائی اور دیگر عدالتوں کی نگرانی کرتے تھے۔ جب کبھی ماتحت عدالت کوئی متعصبانہ یا غلط فیصلہ کرتی تو مرکزی حاکم اپنے نظر ثانی اور اپیل کے اختیارات استعمال کرتے ہوئے صوبائی قاضی کے خلاف نکتہ چینی کرتا۔

قانون کی حکمرانی

حضرت ابوبکرؓ کے تحت عدلیہ اور انتظامیہ کو "قانون کی حکمرانی" قرار دیا جا سکتا ہے لوگوں پر کسی فرد کی آمرانہ رائے کی نہیں

بلکہ قانون کی حکمرانی تھی ۔ قانون اور غیر جانبداری کے اصول قائم تھے ۔ اور بلالحاظ مرتبہ، دولت یا سرکاری منصب ہر ایک پر مساوی طور پر قانون کا اطلاق ہوتا تھا ۔ اسلامی قانون کے بنیادی اصول اور قواعد وکلیات پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرتب کر دیئے گئے تھے ۔ اور جو مقدمات فیصلہ کے لیے عدالت میں لائے جاتے ان پر اطلاق کے ضابطے بھی وضع کئے جا چکے تھے ۔ خلیفۂ اوّل نے اپنے نظام حکمرانی سے ثابت کر دیا تھا کہ لوگوں کو عدل و انصاف کی فراہمی کی ضمانت حاصل ہے ۔ گو عدالتیں ان کی زندگی، عزت و آبرو اور مال کی حفاظت کے لیے ہیں اور جج جو انصاف کے محافظ تھے بلا رو رعایت اپنے فرائض انجام دیتے تھے ۔ ریاست کی طرف سے شہریوں کے حقوق میں کوئی مداخلت نہ کی جاتی تھی ۔ کوئی بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جہاں انتظامیہ نے عدلیہ کے فرائض میں مداخلت کی ہو ۔ کوئی مظلوم خواہ وہ مسلمان ہوتا یا غیر مسلم اپنے تنازعے طے کرانے کے لئے عدالتوں سے رجوع کر سکتا تھا ۔ تاریخ نویسوں نے بہت سے واقعات بیان کئے ہیں جن میں گورنر اور متعلین پر ججوں نے مقدمے چلائے تھے جبکہ شکایت کنندگان غیر مسلم تھے ۔

حوالہ جات و تشریحات

۱۔ قرآن ۴ : ۵۹

۲۔ ابن ہشام، السیرہ، ۱۳۵۶ھ قاہرہ جلد چہارم، صفحہ ۳۴۰، ۳۴۱ - ابن سعد، طبقات، بیروت، ۱۳۷۷ھ جلد سوم صفحہ ۱۸۳، الطبری، تاریخ، جلد سوم، صفحہ ۲۰۳ - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحہ ۲۴۸ - ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء ۱۳۸۵ھ جلد دوم، صفحہ ۳۳۲ -

۳۔ ابن سعد طبقات، بیروت، ۱۳۷۷ھ جلد ہفتم و سوم صفحہ ۱۷۸ -

۴۔ قرآن ۲۲ : ۴۱ -

۵۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ، بیروت۔ ریاض جلد چہارم صفحہ ۳۱۱ -

۶۔ ایضاً ۷۔ ۹ : ۱۰۳ -

۸۔ البخاری، الصحیح جیسا کہ ابن حجر العسقلانی نے حوالہ دیا ہے، فتح الباری، مطبع خیریہ ۱۳۱۹ھ جلد سوم صفحہ ۲۳۲ -

۹۔ الطبری، التاریخ متذکرہ بالا، جلد سوم، صفحہ ۲۳۰ - ۱۰۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ، جلد ششم، صفحہ ۳۱۱ -

۱۱۔ قرآن ۹ : ۶۰ - والمؤلفة قلوبهم (اور لوگوں کے دل جیتنے کے لیے)

۱۲۔ ابن کثیر، البدایہ متذکرہ بالا جلد ششم، صفحہ ۳۱۱ -

۱۳۔ ایضاً۔ ایک اور بیان میں لفظ عَنَق (بکری) کی بجائے عقال (اونٹ باندھنے کی رسی) کے استعمال ہوا ہے۔

۱۴۔ ایضاً - ۱۵۔ ایضاً -

۱۶۔ الطبری تاریخ متذکرہ بالا، جلد سوم، صفحہ ۲۰۳ - ۱۷۔ ایضاً - ۱۸۔ ایضاً -

۱۹ ۔ ایضاً ۔ ۲۰ ۔ ایضاً ۔ ۲۱ ۔ ایضاً ۔

۲۲ ۔ الطبری، تاریخ متذکرہ بالا، جلد سوم، صفحہ ۲۰۲ ۔ الشافعی، المسند، مصر جلد دوم، صفحہ ۱۲۳ ۔ البخاری، صحیح، کانپور، ہندوستان، جلد دوم، صفحہ ۲۰۲ ۔ المسلم، صحیح، کراچی ۱۳۴۹ھ جلد دوم، صفحہ ۹۱ ۔ ابوداؤد، السنن، کانپور، جلد اول صفحہ ۵۷ ۔ احمد، مسند، مصر جلد اول صفحات ۴، ۵ ۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مصر ۱۳۵۶ھ جلد ششم صفحہ ۲۸۵ ۔

۲۳ ۔ الطبری، تاریخ جلد سوم متذکرہ بالا صفحہ ۲۰۲ ۔ ۲۴ ۔ البخاری الصحیح، الوصایا، نفقات القیم ۔

۲۵ ۔ الطبری، تاریخ جلد سوم متذکرہ بالا، صفحہ ۲۰۲ ۔

۲۶ ۔ ایضاً صفحہ ۲۴۲ ۔ ۲۷ ۔ ایضاً ۔ ۲۸ ۔ ایضاً ۔

۲۹ ۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابوقتادہ گرفتار کرنے والے عساکر کے ساتھ تھے ۔ وہ واحد آدمی تھے جو یہ خیال کرتے تھے کہ قیدیوں نے اذان کا جواب دیا اور نماز ادا کی ۔ باقی عساکر اس سے اختلاف کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ انہوں نے اذان کا جواب دیا نہ نماز ادا کی ۔

۳۰ ۔ الطبری، جلد سوم، صفحہ ۲۴۲ ۔ ۳۱ ۔ ابن کثیر، البدایہ متذکرہ بالا، جلد ششم صفحہ ۳۲۲ ۔

۳۲ ۔ الطبری متذکرہ بالا، جلد سوم، صفحہ ۲۴۲ ۳۳ ۔ ابن کثیر، البدایہ متذکرہ بالا، جلد ششم صفحہ ۳۲۳ ۔

۳۴ ۔ الطبری متذکرہ بالا، جلد سوم، صفحہ ۲۴۲ ۳۵ ۔ ایضاً ۔

۳۶ ۔ الطبری، متذکرہ بالا ۔ جلد سوم، صفحہ ۲۴۳ ۔ ۳۷ ۔ ابن کثیر، البدایہ، متذکرہ بالا، جلد ششم صفحہ ۳۲۲

۳۸ ۔ ایضاً ۔ ۳۹ ۔ الطبری، متذکرہ بالا، صفحہ ۲۴۱

۴۰ ۔ ایضاً صفحہ ۲۴۲ ۔ ۴۱ ۔ ایضاً جلد چہارم، صفحات ۲۴، ۲۵ ۔

۴۲ ۔ ایضاً صفحہ ۲۴ ۔ ۴۳ ۔ الشافعی، مسند، جلد دوم، صفحہ ۸۵ ۔

۴۴ ۔ مالک، الموطاء، مصر ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء جلد دوم صفحہ ۸۲۶ ۔ البیہقی، السنن، جلد ششم صفحہ ۲۲۳ ۔

۴۵ ۔ البیہقی، السنن، جلد ہشتم، صفحہ ۸۷ ۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، حیدرآباد دکن ۱۳۳۶ھ جلد دوم، صفحہ ۴۱۷

۴۶ ۔ ابن سعد طبقات جلد سوم صفحہ ۱۸۴ ۔ الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۵۰ ۔ وکیع، اخبار القضاۃ جلد اول صفحہ ۱۰۴ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، جلد چودہ صفحہ ۹۹ ۔

۴۷ ۔ قرآن ۴ : ۶۵ ۔ ۴۸ ۔ الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحات ۵۰، ۵۱ ۔

۴۹ ۔ ایضاً جلد سوم صفحہ ۲۷۷ ۔ ۵۰ ۔ ایضاً ۔

۵۱ ۔ البیہقی، السنن الکبریٰ جلد سوم صفحہ ۲۳۲ ۔ مندرجہ کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے :

ڈاکٹر محی الدین "ابوبکر اور ان کا دور" ریفرنس سنز، بندر روڈ ۔ کراچی ——— معین الدین ندوی "خلفاء راشدین" دار المصنفین اعظم گڑھ (ہندوستان) ۱۹۵۴ء

حبیب الرحمٰن خان شیروانی، حضرت ابوبکرؓ، شیخ ایم اشرف، لاہور ۱۹۶۹ء، ترجمہ از ڈاکٹر معین الحق ۔ سعید احمد اکبرآبادی ۔ صدیق اکبر، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۷ء

حضرت عمرؓ کا نظام عدالت

دستور

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ اسلام کے دوسرے خلیفہ مقرر ہوئے۔ ان کی حکومت کا دستور الکتاب[1] اور رہنما قرآن تھا![2]

اسلامی ریاستوں کے سربراہوں کا فرض ہے کہ وہ قرآن کی دفعات کے مطابق فیصلے کریں[3]۔ تمام مسلمانوں کو قرآن کی پیروی لازم ہے اور انھیں اس کی بنیاد پر کئے گئے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیے[4]! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) حضرت عمرؓ کے سامنے قرآنی دستور کے نفاذ کا عملی نمونہ تھا[5]۔

قرآنی دفعات اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری حضرت عمرؓ کی حکومت کی بنیادی پالیسی تھی۔ اپنے مختلف فرامین، اعلانات اور اقرار ناموں میں آپؓ نے قرآن اور سنت کی بنیادی اہمیت پہ زور دیا۔ آپ نے اس ضمن میں اپنے فوجی کمانداروں، صوبوں کے گورنروں اور ججوں کے تقرر ناموں میں ایک شق شامل کی۔ آپ نے اپنے فوجی افسروں کو تحریری ہدایات بھیجیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں۔ مشہور ترین اور معروف عدالتی منشور جو آپؓ نے ایک گورنر اور صوبائی عدالتوں کے سربراہ حضرت ابوموسیٰ الاشعری کو بھیجا اس میں درج ذیل شق شامل ہے:

"خوب فہم و فراست سے کام لو جس مسئلہ میں خلجان ہو اور کتاب اللہ اور سنت رسول ؐ تمھیں نہ پہنچی ہو[6]۔"

اپنے صوبائی گورنروں اور ججوں کے فرائض اور ذمہ داریوں پر بحث کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپؓ نے فرمایا:

"اے خدا صوبائی گورنروں کے تقرر میں تو میرا شاہد ہے۔ بےشک میں نے انھیں لوگوں کو دینی تعلیم دینے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھانے، ان کے درمیان انصاف کرنے، مالِ غنیمت تقسیم کرنے اور جو مشکل مسائل ان کو درپیش ہوں ان میں مجھ سے رجوع کرنے کے لئے بھیجا ہے[7]۔"

تاریخ میں متعدد مقدمات درج ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی مستند حدیث کا حوالہ دیا جاتا جو مسئلہ سے متعلق ہوتی تو حضرت عمرؓ اس کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دیتے۔ فتح عراق کے موقع پر آپ کو مجوسیوں کا مقدمہ درپیش تھا مسئلہ یہ تھا کہ مجوسیوں کو اہلِ کتاب شمار کیا جائے یا نہیں۔ آپؓ نے یہ مسئلہ مدینہ میں شوریٰ کی ایک مجلس کے سامنے یوں رکھا:

"میں نہیں جانتا کہ مجوسیوں سے کیا سلوک کروں۔"

عبدالرحمٰنؓ بن عوف جو شوریٰ کے رکن تھے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آئی جو انہوں نے یوں بیان کی:

میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے ساتھ اسی طرح سلوک کرو جس طرح تم اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے ابن عوف کا بیان تسلیم کیا اور اسی کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دیا۔ چونکہ یہ مقدمہ ان کے پاس دست میسان (ایک صوبہ جو بصرہ اور بغداد کے درمیان واقع تھا) کی صوبائی عدلیہ نے بھیجا تھا آپؓ نے مندرجہ ذیل عدالتی حکم کے ساتھ فیصلہ قاضی کو بھیج دیا:

"ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لو۔"[۸]

شام کی فتح کے بعد صوبہ میں طاعون پھوٹ پڑی۔ حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے سرحدوں پر تعینات فوجی کمانڈروں کی مجلس طلب کی۔ سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کی آبادی کو کس طرح محفوظ رکھا جائے۔ مختلف آراء کا اظہار ہوا۔ بعض وہاں رکنا چاہتے تھے اور بعض وہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بزرگ صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ نے یہ بیان دیا:

"مجھے اس کا صحیح علم ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے:

جب تم سنو کہ کسی علاقہ میں یہ وبا پھیل گئی ہے تو اس کی طرف پیش قدمی نہ کرو اور اگر وبا پھیل چکی ہو اور

تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے پناہ کے لیے مت بھاگو۔"

حضرت عمرؓ نے ابن عوف کی یہ شہادت قبول کر لی اور اس کے مطابق معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔ آپؓ نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور مدینہ کو لوٹ گئے۔[۹]

قانون سازی

عدالتی منشور کی وہ شق جو اُوپر بیان ہوئی ہے جس میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری کو ہدایات دی ہیں ظاہر کرتی ہے کہ خلافت کی جغرافیائی توسیع کے پیش نظر اور نئے نئے سماجی، قانونی اور عدالتی مسائل سامنے آنے کے باعث ریاست کو ایسے مسائل کے حل کے لیے نئی قانون سازی اور تفسیر قرآن و سنت کی ضرورت پڑی۔ یہ دوسرا اہم اور مشکل مسئلہ تھا۔ یہ کام حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں کرنا پڑا۔ اس میں ایک طرف اجتہاد کی ضرورت تھی اور دوسری طرف اس پر مسلم امہ کا اجماع درکار تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کام کا بیڑا اٹھا لیا اور آپؓ اس پر لگ گئے۔ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ اُنہوں نے اس چیلنج کا کامیابی سے مقابلہ کیا۔

قانون سازی کے بنیادی اصول تو دستورِ قرآن میں دیئے ہوئے تھے۔ سب سے بنیادی اصول تھا "باہم مشورے سے حکومت چلانا"۔ (امرھم شوریٰ بینھم) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا گیا تھا۔ "وشاورھم فی الامر"

لوگوں سے حکومت کے معاملات میں مشورہ کرو۔ حضرت عمرؓ نے اپنی حیات میں اس دستوری دفعہ پر عمل کیا تاریخی مواد کا جائزہ لینے اور حدیث و فقہ کے مطالعہ کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ غیر الہامی معاملات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے ان کے حل میں مشاورت کے قرآنی اصول کی سختی سے پابندی کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے قرآنی اصولوں پر مبنی مشاورتی جمہوری قانون ساز ادارہ قائم کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے سوانح نگاروں کا یہ عمومی بیان ہے کہ ان کے فیصلے ان کے ذاتی تفکر و اجتہاد پر مبنی تھے۔ تاریخی شواہد سے اس نظریہ کو تقویت نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں حضرت عمرؓ نے بہت سے نئے قوانین کی ابتدا کی اور کئی نئے اور تعمیری نظریوں کو جنم دیا۔ لیکن ان کے نفاذ کے لیے انھیں مہاجرین اور انصار کی اکثریت کو قائل کرنا پڑا۔ اس طرح انھیں اپنے اجتہاد کو قانون کا درجہ دینے سے پہلے مقننہ کے اجماع کی شکل دینی پڑی حضرت عمرؓ کی عظمت بحیثیت قانون ساز ان کی اس قابلیت میں مضمر ہے کہ انہوں نے نئے مسائل چھیڑے اور ان کو قانون ساز دل کی اکثریت سے مؤثر طریقوں اور قائل کرنے والے دلائل کی قوت سے منظور کرایا۔ مندرجہ بالا طریق کار کی وضاحت کے لیے ایک مسئلے کی قانون سازی کا حوالہ دیا جاتا ہے:

عراق کی فتح پر سواد کا ایک بڑا زرخیز علاقہ مسلم افواج کے قبضہ میں آیا۔ فوج کے افسران خصوصاً مہاجرین کی خواہش تھی کہ زمین اور کاشت کار ان میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس نظریہ کے سب سے زیادہ بلند آواز حامی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت بلالؓ تھے۔[1] حضرت عمرؓ اس نظریہ سے متفق نہ تھے۔ آپؓ زمین کو ریاست کی ملکیت رکھنا چاہتے تھے اور فوج کے افسروں اور سپاہیوں کو ایک مقررہ شرح سے ادائیگی کرنا چاہتے تھے۔ اس مسئلہ پر شوریٰ کے مختلف اجلاسوں میں بحث و تمحیص ہوئی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ مسئلہ انصار کے زعماء پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے جو خاص طور پر اس غرض سے تشکیل دی جائے۔ دونوں فریقوں نے اپنے اپنے نظریے کمیٹی کے سامنے پیش کئے۔ حضرت عمرؓ کا بیان جیسا کہ ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں روایت کیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"تم نے ان لوگوں کے دلائل سن لیے ہیں۔ شاید یہ سوچتے ہیں کہ میں انھیں ان کے حقوق سے محروم کرنا چاہتا ہوں میں نے منقولہ مال غنیمت ان میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ زمین اور کاشت کار ایک مشترکہ وقف کی حیثیت میں ریاست کے کنٹرول میں رہیں۔ کاشت کار زمین پر ایک مقررہ رقم کا خراج ادا کریں اور فی کس کے حساب سے جزیہ دیں۔ خراج اور جزیہ مسلمانوں کے لیے ایک مستقل ذریعہ آمدنی بن جائے۔ فوج، بچے اور آئندہ نسلیں اس مشترکہ وقف سے مستفید ہوں ہمیں اپنی سرحدوں کی نگرانی کے لیے ایک مستقل فوج رکھنے کی ضرورت ہے۔ مختلف مفتوحہ علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کرنا ہیں۔ اگر زمین اور کاشت کار ان لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے تو پھر ان منصوبوں پر خرچ کے لیے رقم کہاں سے آئے گی۔"

اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے مخالفین کے نظریات کا رد بھی کیا۔ اور بعض آیات قرآنی کے مطالب جو وہ پیش کر رہے تھے اُن کا جواب دیا۔ آپؓ نے کہا:

"یہ لوگ صرف وہی آیات قرآن پیش کرتے ہیں جو ان کا مقصد پورا کرتی ہیں اور ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو میرے نظریہ کی حمایت کرتی ہیں۔ پھر آپؓ نے سورۃ الحشر سے متعلقہ آیت کا حوالہ دیا " وما افا الله علیٰ رسوله منهم " اور کہا کہ یہ یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جو اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اور اب اس آیت کا اطلاق عام زمینوں پر ہوتا ہے۔ پھر آپؓ نے اسی سورہ الحشر کی آیات (۷ اور ۸) کا حوالہ دیا اور اس بات پر زور دیا کہ یہ لوگ (انصار) جن کا ذکر اس آیت میں ہے ایسی زمینوں سے استفادہ کے برابر کے حقدار ہیں (و الذین تبوؤ الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجرالیهم)

آیت کا ابتدائی جملہ (و الذین جاؤ و امن بعدهم) "آنے والی نسلیں" ان کی فیصلہ کن دلیل تھی (انی قد وجدت حجة) حضرت عمرؓ نے اپنی دلیل یہ کہتے ہوئے ختم کر دی : یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم زمین صرف موجودہ نسل میں بانٹ دیں اور آنے والی نسلوں کو اس سے محروم کر دیں"[13]

فریقین کے بیانات اور دلائل سننے کے بعد کمیٹی نے اپنے متفقہ فیصلہ کا اعلان کیا (فقالوا جمیعاً)

یا امیرالمومنین آپ کا نظریہ درست ہے۔ آپ کی رائے حق پر مبنی ہے۔ آپ کی رائے سب سے صائب ہے اور حالاتِ حاضرہ میں سب سے انسب ہے۔ اگر فوج شہروں اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے نہ رکھی جائے تو دشمن (اہل الکفر) دوبارہ ان پر قبضہ کر لیں گے"[14]

مندرجہ بالا فیصلہ دونوں فریقوں نے قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دو آدمی (حضرت عثمان بن حنیف اور حضرت حذیفہ بن الیمان) جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے تجربہ کار تھے مقرر کئے کہ زمین کی پیمائش کریں اور خراج و جزیہ کی رقم کا تعین کریں۔

مندرجہ بالا مقدمہ اس بات کی کافی شہادت پیش کرتا ہے کہ قوانین جو حضرت عمرؓ کے دور میں بنے قرآنی اصولوں اور باہمی مشورہ (شوریٰ بینهم) پر مبنی تھے۔ مہاجرین اور انصار کو مسلم اُمّتہ کی رائے عامہ کا نمائندہ تسلیم کیا گیا تھا۔ انھیں قانون سازی کی مجلس میں طلب کرنے کے لیے نماز کے لیے اکٹھے ہونے کا اعلان کر کے کیا جاتا تھا (الصلوٰة جامعة) اس طلبی پر اراکین مسجد نبوی میں جمع ہو جاتے اور دو رکعت نماز خلیفہ کے ساتھ ادا کرتے اس کے بعد حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہو جاتے اور درپیش معاملہ مجلس کے سامنے بیان فرماتے"[15]

ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بزرگ چھ صحابی مجلس مشاورت (مجلس شوریٰ) کے مرکزی رکن تھے جن سے حضرت عمرؓ اکثر و بیشتر مشورہ کرتے تھے۔ یہ عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، اُبیؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت تھے"[16]

تعلیمِ قانون

"قانون سے ناواقفیت کوئی عذر نہیں" ایک ایسا مقولہ ہے جسے مغرب کے ترقی یافتہ ممالک نے حال ہی میں اختراع کیا ہے

اور وہ اس پر زور دیتے ہیں۔ اس کے برعکس عوام میں قانونی تعلیم عام کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ کسی بے گناہ شخص کو سزا دینا ظلم ہے جن لوگوں کو قانون سے ناواقف رکھا جائے اور حکومت ان کی قانونی تعلیم کا کوئی بند و بست نہ کرے اسلام ان کو قصور وار نہیں گردانتا ایسے "معصوموں" کو سزا دینا ظلم ہے۔ مغرب نے عدالتوں کے ذریعہ اس مقولہ پر عمل کرنے سے پہلے اپنے شہریوں کو قانونی واقفیت بہم پہنچانے کا اہتمام نہیں کیا۔ اسلام اس نظریہ کا حامی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین فرض لوگوں کو قانونِ الٰہی کی تعلیم دینا اور انہیں اپنے قانونی فرائض سے آگاہ کرنا تھا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [17]

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

یہاں یعلمھم الکتاب (وہ ان کو کتاب کی تعلیم دیتے ہیں) کو لوگوں کو قانون الٰہی (الکتاب) سکھانے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ایک اور آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا قانونِ الٰہی کی تعلیم کا فریضہ زیادہ واضح الفاظ میں یاد دلایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ [18]

اے رسولؐ جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو ہدایت نہ دیں گے۔

اسلام متعلقہ شخص کو ناواقفیت کے سبب قصور وار نہیں ٹھہراتا اس صورت میں خاص طور پر جب ریاست کے ادارے لوگوں کو تعلیم دینے سے متعلق اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو پورا نہ کریں — اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کو جوابدہ ٹھہرایا ہے جن کو اس نے پیغمبر بھیج کر اپنا پیغام پہنچایا ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ [19]

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے جو کہ تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔ سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں۔

سزا دینے سے پہلے تعلیم سے متعلق ادارے اپنا محاسبہ کریں گے کہ کیا انہوں نے حقیقتاً قانونی تعلیم دی ہے اور یہ تحقیق کر لی گئی ہے کہ ملزم یہ تعلیم پا چکا ہے۔

كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا

نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ [20]

جب اس میں (دوزخ میں) کوئی گروہ ڈالا جاوے گا تو اس کے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) آیا تھا سو ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا اور تم بڑی غلطی میں پڑے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری تعلیم نافذ کی۔ آپ نے نومسلموں میں استاد بھیجے کہ ان کو قانونِ الٰہی سے واقف کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی سختی سے آپؐ کی پیروی کی۔ انہوں نے اپنے فوجی کمانداروں کو خصوصی واضح احکام دیئے کہ کسی کو سزا دینے سے پہلے یہ تحقیق کر لیں کہ اسلام کا پیغام مناسب طور پر دشمن کو پہنچ چکا ہے اور انہوں نے دانستہ اس سے انحراف کیا ہے۔ اگر کسی کو غلطی سے یا اس تک اسلامی تعلیم پہنچائے بغیر سزا دے دی جاتی تو اس کو مناسب معاوضہ دیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے عدلیہ کے ان اصولوں کو اداروں کی شکل دی اور مفتی (ماہرینِ قانون) خلافت کے مختلف صوبوں میں مقرر کئے تاکہ لوگوں کو ملکی قانون کی تعلیم دیں مبادا وہ ناواقف رہ جائیں۔ مندرجہ ذیل علما مشہور ماہرینِ قانون تھے جن کی خدمات لوگوں کی تعلیم کے لیے موجود تھیں:

[21]
حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذؓ بن جبل، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، اُبیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، ابوہریرہؓ اور ابودرداءؓ۔
شاہ ولی اللہ نے نشاندہی کی ہے کہ صرف حکومت کی طرف سے مقرر کردہ افراد ہی قانونی رائے (فتویٰ) دے سکتے تھے اور دیگر افراد کو حکومت کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے کی ممانعت اور اس سے گریز کرنے کی ہدایت تھی۔[22] مقررہ ماہرینِ قانون کی مناسب طور پر تشہیر کی گئی تھی اور لوگوں سے کہا گیا تھا کہ ان سے قانونی رائے لیں۔ حضرت عمرؓ نے جابیہ میں عوام کے ایک اجتماع میں اس کا اعلان کیا تھا۔[23]

نظامِ عدالت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب کے حدود میں عدالتی نظام قائم کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے تحت عراق اور شام کے کچھ علاقے بھی فتح کر لیے گئے تھے اور ان کی عدلیہ کے دائرۂ اختیار میں آگئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی عدلیہ کی حدود پورے عراق، ایران، شام، فلسطین اور مصر کی فتح کے بعد ان پر پھیلا دی تھیں۔ جب فتوحات کا زور تھما اور امن و امان قائم ہوا تو حضرت عمرؓ کو مفتوحہ علاقوں میں رومیوں اور ایرانیوں کے قائم کردہ دو بڑے نظامہائے قانون و عدل کا سامنا کرنا پڑا۔ انھیں مختلف النسل، علاقائی اور مذہبی گروہوں سے بھی سابقہ پڑا۔ یہ ایک بڑا چیلنج تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے قبول کیا اور انتہائی کامیابی سے اس پر قابو پایا۔ آپؓ نے اس عدالتی نظام کو وسعت دی اور اس کی تفصیلات مرتب کیں جو انھیں اپنے پیشروؤں سے ملا تھا اور اپنے دور کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک مؤثر اور قابل عدلیہ قائم کی۔

اسلامی ریاست کی تیز توسیع اور بے شمار مسائل کے رونما ہونے سے آپؓ کے زمانہ میں عدالتی نظام ضرورتاً زیادہ باقاعدگی اختیار کرنے لگا۔ آپ نے عدلیہ کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی عہدِ رسالت اور عہدِ حضرت ابوبکرؓ

میں معرضِ وجود میں آچکی تھی آپ نے اُسے زیادہ وسعت دی عدلیہ اور انتظامیہ کی کلیتہً علحدگی اچھی بات ہے جس کے لیے اب دنیا کوشاں ہے کیسی تہذیب کی عظمت کا اندازہ ہمیشہ اس کے قانونی نظام کی خود مختاری سے ہوتا ہے جس پر اس تہذیب کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس پہلو سے عدلیہ کو انتظامیہ کے برے اثرات سے بچانے کی حضرت عمرؓ کی کوششیں نہ صرف قابلِ ستائش ہیں بلکہ ان کے عصر میں قبل از وقت بھی ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کا کہنا ہے کہ اسلامی قانون نے اصولی اور عملی طور پر حضرت عمرؓ کے تحت اتنی وسعت اختیار کی کہ بعد کے بیشتر فقہا خصوصاً چاروں فقہی مکاتبِ فکر کے بانیوں نے آپؓ کے فیصلوں، اصولوں اور طریق کار کو اپنے مطالعے کا اصل موضوع بنایا[۲۴] حضرت عمرؓ کے دور کے عدالتی فیصلوں نے بڑی حد تک اسلامی قانونی نظام کی ترقی میں حصہ لیا کیونکہ عدالتی اصولوں اور نظریوں کے لیے وہ ایک معتبر بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ بطورِ جج

یہ بیان ہو چکا ہے کہ عہدِ رسالتؐ ہی میں عدلیہ اور انتظامیہ میں علحدگی ہو چکی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص عدلیہ کا سربراہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے آپ ہی چیف جسٹس کے منصب پر فائز تھے۔ اگرچہ صوبوں میں صوبائی اور ضلعی قاضی مقرر کیے جا چکے تھے۔ عہدِ رسالتؐ میں حضرت عمرؓ کا عدالتی امور پر مقرر ہونا ثابت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامیہ اور عدلیہ کو علحدہ کرنے کا عملی طور پر انتظام فرما دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے واضح طور پر علحدہ کر دیا تھا عدلیہ کی سربراہی کے لیے باقاعدہ طور پر حضرت عمرؓ کو پیش کش کی جو انہوں نے منظور کی۔ اس کی تفصیل گذشتہ باب میں گزر چکی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں عدلیہ اور انتظامیہ کی علحدگی کے اصول کو مزید وسعت دی حضرت زیدؓ بن ثابت کو عدلیہ کا سربراہ مقرر کیا جس کی تفصیل اسی باب کے آئندہ اوراق میں آ رہی ہے۔ عدلیہ اور انتظامیہ کی علحدگی کے سلسلے میں ایک امر کی وضاحت ضروری ہے اس علحدگی کے باوجود خلیفہ وقت بھی عدالتی مقدمات کی سماعت کرتے اور صوبائی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنتے تھے۔ جہاں تک عدلیہ کا تعلق ہے اس کا سربراہ علحدہ مقرر تھا۔ حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے تمام مفتوحہ صوبوں میں اسلامی نظامِ عدالت کو توسیع دی انصاف مہیا کرنے کے لئے جج وقاضی مقرر کئے۔ صوبائی اور ضلعی قضاۃ عدلیہ نے بہت سے مشکل اور پیچیدہ مقدمات مدینہ میں وفاقی عدلیہ کو مشورہ کے لیے بھیجے۔ تاریخ میں بہت سے مقدمات قلمبند ہیں جن کا فیصلہ حضرت عمرؓ نے کیا اور بہت سے فیصلوں پر نظرِ ثانی کی۔ فوجی کمانداروں اور دیوانی حکام کی بدعنوانیوں اور قانونی زیادتیوں کے خلاف اپیلیں اور رٹیں بھی آپؓ کے سامنے پیش ہوئیں۔ آپؓ نے بڑے سے بڑے افسر کے خلاف بلا رو و رعایت فیصلے کئے۔ حضرت عمرؓ کے دور کے عدالتی طریق کار کی وضاحت کے لئے ایک مقدمہ کی کارروائی اور اس کا فیصلہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایک زنا کا مقدمہ — ابوبکرہ بنام مغیرہؓ

الطبری نے اپنی تاریخ میں ۱۷ھ کے واقعات کے تحت یہ مقدمہ درج کیا ہے علاوہ ازیں محدثین وفقہا نے اُسے

...طرق سے اس کی روایت کی ہے۔ فقہ اور تاریخ کے ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر نے الطبری کی تاریخ میں درج واقعہ کو ہی اپنی روایت اور استنباط کی بنیاد بنایا ہے جس پر ہم بعد میں تبصرہ کریں گے۔ الطبری کی روایت کے مطابق مغیرہ بن شعبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بصرہ کے گورنر تھے۔ ربیع الاول ۱۷ھ میں شہر کے ایک باشندہ ابوبکرہ نے گورنر کے خلاف تحریری شکایت حضرت عمرؓ کو پیش کی۔

ملزم پر فردِ جرم اور اس کی عدالت میں طلبی

شکایت میں بدیہی شہادت کی بنیاد پر عدالت نے محسوس کیا کہ مقدمہ سماعت کے لیے قانونی شرائط پوری کرتا ہے۔ ملزم حضرت مغیرہؓ پر فردِ جرم عاید کر دی گئی اور انہیں گورنری سے معزول کر کے عدالت میں طلب کر لیا گیا۔ نئے مقرر کردہ گورنر بصرہ حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری کو حضرت مغیرہؓ کی معزولی کا حکم دے کر بصرہ بھیج دیا گیا تاکہ وہ حضرت مغیرہؓ سے عہدہ سنبھال لیں اور انہیں عدالتی تحقیقات کیلئے مدینہ بھیج دیں۔

معزولی کا حکم پا کر حضرت مغیرہؓ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری کو عہدہ سونپ دیا۔ اس کے بعد عدالت کے حکم کی تعمیل میں ملزم اور شکایت کنندہ مع اپنے گواہوں کے مدینہ روانہ ہو گئے تاکہ خلیفہ کی عدالت میں پیش ہوں۔

مقدمہ کی کارروائی

عدالت نے ملزم کو بلایا اور اسے فردِ جرم دی اور اسے اپنی حیثیت بیان کرنے کے لیے کہا۔ حضرت مغیرہ نے جرم سے انکار کیا اور عدالت سے استدعا کی کہ شکایت کنندہ اور گواہوں پر مندرجہ ذیل نکات پر جرح کا موقع دیا جائے یہ نکات مقدمہ کے لیے تیار کردہ تنقیحات تھیں اور ان پر بحث ہوئی۔

پہلا سوال تھا: انہوں نے مجھے (ملزم کو) کس طرف سے دیکھا میرے چہرے کی طرف سے یا میری پشت کی طرف سے؟ (سل هولاء الاعبد كيف رأوني مستقبلهم او مستدبرهم؟) دوسرا سوال تھا: انہوں نے عورت کو کیسے دیکھا اور اسے کیسے پہچانا؟ (وكيف رأوا المرأة او عرفوها؟) اگر وہ میرے سامنے کی طرف تھے تو فعل مباشرت ان سے کیسے پوشیدہ نہ تھا؟ (فان كانوا مستقبلي فكيف لم استتر؟) اگر وہ میری پشت کی طرف تھے تو کس حکم سے انہیں اجازت ملی کہ وہ میرے گھر میں میری بیوی پر مجھے دیکھیں (او مستدبري فباي شئ استحلوا النظر الي في منزلي على امرأتي؟)

بخدا میں نے اپنی بیوی کے سوا کسی کے ساتھ مباشرت نہیں کی میری بیوی ملزمہ عورت (ام جمیل) سے مشابہ ہے (واللہ ما اتيت الا امرأتي وكانت شبهها)

شکایت کنندہ اور گواہوں کے بیانات

ملزم کی تشریح کے بعد شکایت کنندہ ابوبکرہ نے سب سے پہلے بیان دیا (فبدأ ابوبكرة فشهد عليه) اس نے

اسے (مغیرہ) کو ام جمیل کے پاؤں کے درمیان دیکھا اور وہ (عضو کو) سرمہ دانی میں سلائی کی طرح ڈال اور نکال رہا تھا (انه را مبین رجلی ام جمیل وهو یدخله ویخرجه کالمیل فی المکحلة) حضرت عمرؓ نے پوچھا: تو نے انھیں کس طرف سے دیکھا (کیف رأیتهما؟) اس نے کہا انھیں پیچھے سے دیکھا (قال مستدبرهما) حضرت عمرؓ نے پوچھا: تو نے اس کا سر (چہرہ) کیسے پہچانا (کیف استثبت رأسها) اس نے کہا میں نے (اس کے اُٹھنے کا) انتظار کیا (تحاملت) پھر دوسرے گواہ شبل بن معبد کو بلایا گیا اس نے بھی اس کی طرح گواہی دی (فشهد بمثل ذلك) حضرت عمرؓ نے پوچھا: تو نے انھیں پیچھے سے دیکھا یا آگے سے (استدبرتهما او استقبلتهما) اس نے کہا میں نے انھیں آگے سے دیکھا (استقبلتهما) تیسرے گواہ نافع نے بھی ابوبکرہؓ کی طرح گواہی دی (وشهد نافع بمثل شهادة ابی بکرة) چوتھے گواہ زیاد نے ان جیسی گواہی نہ دی (ولم يشهد زیاد بمثل شهادتهم) اس نے بیان کیا: میں نے اسے ایک عورت کے پاؤں کے درمیان دیکھا میں نے رنگین پیر گرتے دیکھے اور ننگے سُرین دیکھے اور چڑھی ہوئی سانسیں سنیں (رأیته جالسا بین رجلی امرأة فرأیت قدمین مخضوبتین تخفقان واستین مکشوفتین وسمعت حفزانا شدیدا) حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا تو نے سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا (هل رأیت کالمیل فی المکحلة) اس نے کہا، نہیں (لا) حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا تو اس عورت کو پہچانتا ہے (فهل تعرف المرأة) اس نے کہا، نہیں (لا) مگر وہ اس کے مشابہ تھی (ولکن اشبهها) حضرت عمرؓ نے کہا: اب ہٹ جاؤ (فتنح) جج نے تین کے متعلق حکم سنایا اور انھیں کوڑوں کی حد لگی (وامر بالثلاثة فجلدوا الحد) اور انہوں نے یہ آیت پڑھی: فاذ لم یاتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكذبون (النور ۱۳) پھر جب نہ لائے گواہ تو یہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔

اس پر مغیرہؓ نے کہا، مجھے ان غلاموں سے بچائیے (اشفنی من الاعبد)

حضرت عمرؓ نے کہا، چپ رہو اللہ تمھیں چپ کرے تجھے موت دے (اسکت اسکت الله نأمتك) بخدا اگر شہادت پوری ہو جاتی تو میں تجھے سنگسار کر کے رہتا (اما والله لو تمت الشهادة لرجمتك باحجارك)[۲۷]۔

(تاریخ الطبری واقعات سال ۱۷ ہجری جلد ۴ صفحہ ۲۰۵ - ۲۰۷)

فیصلہ کا اعلان

قرآن کے قانون شہادت کے مطابق زنا کے مقدمہ میں ثبوت کے لیے چار گواہ درکار ہیں[۲۵]۔ اگر شکایت کنندہ چار گواہ پیش نہ کر سکے تو جھوٹی تہمت لگانے پر انھیں سزا دی جائے گی:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[۲۶]

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو۔ اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

...مہ کی کارروائی سے واضح ہے کہ چوتھے گواہ زیاد نے شکایت کنندہ اور اس کے دو ساتھیوں کی شہادت کی ...
نہیں کی ۔ اس لیے شہادت مکمل نہ تھی ۔ قرآنی قانون شہادت کے مطابق انھیں جھوٹے گواہ قرار دیا گیا اور ہر ایک کو اسی کوڑے
کی سزا دی گئی (و آمَرَ با لثلاثۃ فجلدوا الحد)[۲]

حضرت عمرؓ کے عہد میں عدالتی طریق کار

ہم نے مندرجہ بالا مقدمہ کی کارروائی تفصیل سے بیان کی ہے تاکہ حضرت عمرؓ کے عہد میں وضع کردہ اور زیر عمل عدالتی طریق کار اور قواعد و ضوابط کا عملی نمونہ اور نقشہ پیش کیا جا سکے ۔ مندرجہ بالا مقدمہ اور فیصلہ سے درج ذیل عدالتی اصول اور بنیادی نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں :

۱ ۔ انصاف بلالحاظ مرتبہ ، نسل اور علاقہ فریقین مہیا کیا جاتا ۔

۲ ۔ ایک عام آدمی بھی اپنے صوبہ کے گورنر کے خلاف استغاثہ دائر کر سکتا تھا اور اپنی شکایات کا ازالہ کر سکتا تھا ۔

۳ ۔ مدینہ کی عدالت کے دروازے خلافت کے تمام شہریوں کے لیے کھلے تھے جہاں بلا وقت اور بلا خرچ انصاف مہیا کیا جاتا تھا ۔

۴ ۔ شکایت موصول ہونے پر اس کے مندرجات کی تفتیش کی جاتی اور انھیں جانچا پرکھا جاتا تھا ۔ مقدمہ کی بظاہر شہادت کی بنا پر فرد جرم تیار کی جاتی اور ملزم پر جوابدہی کے لئے عائد کی جاتی ۔

۵ ۔ اگر جرم کسی فوجی یا سول افسر سے سرزد ہوا ہوتا تو اسے اپنے عہدہ سے معزول کر دیا جاتا تاکہ وہ عدالت کی کارروائی پر نہ تو اثر انداز ہو سکے اور نہ دباؤ ڈال سکے ۔

۶ ۔ ملزم کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع دیا جاتا کہ وہ اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کی صفائی پیش کرے ۔

۷ ۔ حالات اور تنقیحات جو ملزم اپنے بیان میں اٹھاتا ان کو مناسب اہمیت دی جاتی اور مقدمہ کی کارروائی کے دوران انھیں پیش نظر رکھا جاتا اور گواہوں پر جرح کے دوران بھی ان پر نظر رہتی ۔

۸ ۔ شکایت کنندہ اور گواہ اصل حالات بیان کرنے اور عدالت کو حقیقت حال دریافت کرنے میں مدد دینے کے لیے آزاد تھے ۔

۹ ۔ جرح کے دوران شکایت کنندہ اور گواہ تمام سوالوں کے جواب دینے اور جن حالات میں جرم سرزد ہوا تھا ان کی تفصیل بتانے کے پابند تھے ۔

۱۰ ۔ شہادت لینے اور فیصلہ دینے میں قرآنی قانون کو بالا ترین مقام حاصل تھا ۔ اگر شکایت کنندہ اور گواہ قرآنی قانون شہادت پر پورے نہ اترتے تو انھیں جھوٹے گواہ ہونے کی قرآنی سزا دی جاتی اور ملزم کے لئے ضروری نہیں تھا کہ وہ اس سلسلہ میں عدالت میں علیحدہ مقدمہ درج کرائے ۔

اس مقدمہ کے دائر ہونے، فردِ جرم تیار کرنے، ملزم پر عائد کرنے، سماعت اور جرح کی کارروائی، مستغیث کو ثبوت پیش کرنے کی آزادی اور ملزم کو صفائی پیش کرنے کا موقع، شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کا اعلان، فیصلہ پر عمل درآمد ایسے واضح اور صاف معاملات ہیں کہ ان کا مطالعہ کرتے وقت بالکل ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ عہد حاضر کی کسی جدید ترین اور ترقی یافتہ عدالت کی کارروائی ہے اس مقدمہ کی تفصیلات سے اگر حضرت عمرؓ اور ان کے عہد کا ذکر حذف کر دیا جائے تو اس کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص بلا تکلف سمجھے گا کہ یہ انتہائی ترقی یافتہ اور عہد حاضر کے عدالتی نظام کا عدالتی طریقِ کار ہے۔

اس مقدمہ میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ مغیرہ بن شعبہ پر جس عورت (ام جمیل) سے زنا کرنے کا الزام لگا اسے عدالت نے طلب نہیں کیا فردِ جرم میں اس کا نام موجود تھا۔ گواہی اور جرح کے دوران اس کا نام آیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ ملزم نفس الزام سے انکاری ہے یہ مقدمہ اس مقدمہ سے مختلف ہے جس میں ایک لڑکا ایک شخص کے ہاں اجرت پر کام کرتا تھا اور وہ اس کی بیوی سے زنا کا مرتکب ہو گیا لڑکے کے باپ نے سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اس شخص کو راضی کیا مگر جب یہ مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا: "اما غنمك وجاريتك فرد عليك" "تیری بکریاں اور تیری لونڈی تجھی کو واپس اور پھر آپؐ نے زانی اور زانیہ دونوں پر حد جاری فرما دی۔ اس کا تفصیلی ذکر اس کتاب کے باب چہارم میں ہے۔ اس مقدمہ میں ملزم نے زنا کا اقرار کیا۔ عدالت نے تفتیشی افسر بھیجا جس کے سامنے عورت نے بھی اعتراف کر لیا۔ مقدمہ زیرِ غور میں ملزم مغیرہ زنا کے الزام سے انکار کر رہا ہے اس لیے عورت کو عدالت نے طلب نہیں کیا۔

اس مقدمے کا دوسرا بڑا اہم پہلو یہ ہے کہ اگر زنا کے گواہوں میں اختلاف ہو جائے یا اور کسی وجہ سے ان کی شہادتوں سے جرم ثابت نہ ہو تو کیا الٹے گواہ جھوٹے الزام کی سزا پائیں گے؟ اس سوال کے دو پہلو ہیں پہلا یہ کہ چاروں گواہ ثقہ ہوں مگر گواہی دیتے وقت ان میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ گواہ تزکیۃ الشہود کی شرائط پوری نہ کرتے ہوں اگرچہ وہ تعداد میں پورے ہوں۔ دوسری صورت میں فقہاء کی دو رائے ہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر ایک شخص زنا کے مقدمے میں چار فاسق گواہ پیش کرے تو نہ قاذف پر حد جاری ہو گی اور نہ گواہوں پر حد واجب ہو گی۔ کیونکہ قرآن چار گواہوں کا تقاضا کرتا ہے اور اس شخص نے یہ تقاضا پورا کر دیا۔ "وهذا قد اتى باربعة شهداء فلا يلزمه الحد ولان الفاسق من اهل الشهادة وقد وجدت شرائط شهادة الزنا من اجتماعهم عند القاضي الا انه لم تقبل شهادتهم لاجل التهمة فكما اعتبرنا التهمة فى نفى الحد عن المشهود عليه فكذلك وجب اعتبارها فى نفى الحد عنهم" (امام رازی التفسیر الکبیر ج ۱۳، ص ۱۵۹) مگر امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق ان پر حد جاری ہو گی۔ کیونکہ وہ معتبر شرائط سے متصف نہیں۔ وہ گواہوں کے زمرے سے خارج ہو گئے اور محض قاذف رہ گئے: "انهم غير موصوفين بالشرائط المعتبرة فى قبول الشهادة فخرجوا عن ان يكونوا شاهدين، فبقوا محض القاذفين (رازی ۱۵۹)

مقدمہ مغیرہ میں چار گواہوں کی تعداد بھی پوری ہے اور ان میں سے کوئی فاسق بھی نہیں۔ ان پر پہلی صورت کا اطلاق ہوتا ہے جس کے مطابق چار معتبر گواہوں کے درمیان گواہی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایسی صورت میں زنا کی گواہی دینے والوں پر قذف کی حد کیوں جاری ہو؟ قرآن کے قانونِ شہادت کے مطابق زنا کے مقدمہ میں چاروں گواہوں کا متفق الرائے

ضروری ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ نفس واقعہ کی بنیادی شرائط شہادت کے بارے میں چاروں گواہوں کا مشاہدہ اور علم ذاتی ہو۔ وہ خارجی اثر کے تحت واقعات بیان نہ کریں۔ اس شکل میں چاروں گواہوں میں اختلاف پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر چاروں گواہوں میں سے بعض بعض کے زیرِ اثر گواہی دیں تو دورانِ گواہی ان میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اختلاف کی وجہ سے چار کا نصاب پورا نہیں ہوتا اور عدم تکمیل نصاب مستوجب قذف قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اگر چاروں گواہ متفق الرائے ہو کر گواہی دے دیں تو ملزم کو رجم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ معتبر ہیں اس اصول کے پیش نظر ہم تحقیق کرتے ہیں کہ آیا مغیرہ کے خلاف چاروں گواہ ابتدا ہی سے متفق الرائے تھے؟ ان چاروں کا مشاہدہ اور علم ذاتی تھا یا ان میں سے بعض خارجی اثر کے تحت گواہی پہ آمادہ ہوئے تھے؟

یہ مقدمہ مختلف طرق سے روایت ہوا ہے۔ بعض روایات میں جزوی اختلاف ہے اور بعض میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مقدمہ کی روایت میں دوسرا نمایاں پہلو محدثین اور مورخین کی روایت میں اختلاف ہے محدثین میں سے امام حاکم نے المستدرک میں یہ روایت تفصیل سے بیان کی ہے اور مؤرخین میں سے امام طبری نے اسے تفصیل سے نقل کیا ہے۔ طبری کی روایت کا وہ حصہ جو عدالت کی کارروائی سے متعلق تھا اُسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس کے دوسرے حصہ پر بعد میں بطورِ تقابل تبصرہ کیا جائے گا۔ ہم پہلے امام حاکم کی المستدرک سے یہ مقدمہ نقل کرتے ہیں: (ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم النیسا پوری (۴۰۵ھ)، الجزء الثالث مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۴۱ھ صفحات ۴۴۸،۴۴۹)

(حدثنا) ابو بکر محمد بن داود بن سلیمان الزاهد ثنا عبد الله بن محمد بن قحطبة بن مرزوق الطلحی ثنا محمد بن نافع الکرابیسی البصری ثنا ابو عتاب سهل بن حماد ثنا ابو کعب صاحب الحریر عن عبد العزیز بن ابی بکرة قال کنا جلوسا عند باب الصغیر الذی فی المسجد یعنی باب غیلان ابوبکرة واخوه نافع و شبل بن معبد فجاء المغیرة بن شعبة یمشی فی ظلال المسجد و المسجد یومئذ من قصب فلنتهی الی ابی بکرة فسلم علیه فقال له ابوبکرة ایها الامیر ما یخرجك من دار الامارة قال اتحدث الیکم فقال له ابوبکرة لیس لك ذلك الامیر یجلس فی داره و یبعث الی من یشاء فتحدث معهم قال یا ابا بکرة لا بأس بما اصنع فدخل من باب الاصغر حتی تقدم الی باب ام جمیل امرأة من قیس قال و بین دار ابی عبد الله و بین دار المرأة طریق فدخل علیها قال ابوبکرة لیس لی علی هذا صبر فبعث الی غلام له فقال له ارتق من غرفتی فانظر من الکوة فانطلق فنظر فلم یلبث ان رجع فقال وجدتهما فی لحاف فقال للقوم قوموا معی فقاموا فبدأ ابوبکرة فنظر فاسترجع ثم قال لاخیه انظر فنظر قال ما رأیت قال رأیت الزنا ثم قال ما رابك انظر فنظر قال ما رأیت قال رأیت الزنا محصنا قال اشهد الله علیکم قالوا نعم قال فانصرف الی اهله وکتب الی عمر بن الخطاب بما رأی فاتاه امر فظیع صاحب رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فلم یلبث ان بعث ابا موسی الاشعری امیرا علی البصرة فارسل ابو موسی الی المغیرة ان اقم ثلاثة ایام انت فیها امیر نفسك فاذا کان الیوم الرابع فارتحل انت وابوبکرة وشهوده فیا طوبی لك ان کان مکذوبا علیك وویل لك ان کان مصدوقا علیك فارتحل القوم ابوبکرة وشهوده والمغیرة

بن شعبة حتى قدموا المدينة على امير المؤمنين فقال هات ما عندك يا ابابكرة قال اشهد اني رأيت الزنا محصنا ثم قدموا ابا عبدالله اخاه فشهد فقال اشهد اني رأيت الزنا محصنا ثم قدموا شبل بن معبد البجلي فسأله فشهد كذلك ثم قدموا زيادا فقال ما رأيت فقال رأيتهما في لحاف وسمعت نفسا عاليا ولا ادري ما وراء ذلك فكبر عمر وفرح اذ نجا المغيرة وضرب القوم الا زياد۔

حاکم کی روایت کے بنیادی نکات مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ ابوبکرۃ اس کا بھائی نافع اور شبل بن معبد مسجد کے باب الصغیر (باب غیلان) کے پاس بیٹھے تھے۔

۲۔ مغیرۃ خود ان کے پاس آئے۔ ابوبکرہ نے پوچھا کہ مغیرۃ گورنر ہیں انھیں دارالامارت سے نکل کر خود ان کے پاس آنے کی کیا حاجت تھی وہ انھیں وہیں طلب کر سکتے تھے۔

۳۔ ابوبکرۃ سے باتیں کرنے کے بعد مغیرہ باب الاصغر ہی سے گزر کر ام جمیل کے گھر میں داخل ہو گئے۔

۴۔ اس پر ابوبکرۃ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انہوں نے اپنے غلام کو بھیجا کہ وہ کمرے کی کھڑکی ہی سے دیکھے۔

۵۔ غلام نے تھوڑی دیر بعد واپس آکر بتایا کہ اس نے ان دونوں کو ایک لحاف میں پایا ہے۔

۶۔ ابوبکرہ نے دوسروں کو اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ وہ گئے۔

۷۔ ابوبکرہ نے پہلے خود دیکھا پھر اپنے بھائی کو دیکھنے کے لیے کہا جس نے دیکھا ابوبکرۃ نے اس سے پوچھا کیا دیکھا اس نے جواب دیا میں نے زنا دیکھا۔

۸۔ ابوبکرہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اس سے دوبارہ پوچھا "ما رابك" تجھے کس چیز نے شک میں ڈالا ہے؟ پھر دیکھو اس نے پھر دیکھا اس نے پوچھا کیا دیکھا اس نے جواب دیا میں نے زنا محصن دیکھا۔

۹۔ ابوبکرہ نے انھیں کہا کہ تم اللہ کے لیے شہادت دوگے انہوں نے کہا ہاں۔

۱۰۔ ابوبکرہ نے گھر آکر یہ واقعہ حضرت عمر کو لکھ بھیجا۔

۱۱۔ حضرت عمرؓ نے اسے صحابی رسولؐ کے لیے افسوسناک امر قرار دیا مغیرہ کو معطل کر کے ابوموسیٰ الاشعری کو گورنر بصرہ مقرر کر دیا۔ ملزم مغیرہ اور شکایت کنندہ ابوبکرۃ مع گواہوں کے مدینہ عدالت میں پیش ہوئے۔

۱۲۔ حضرت عمر کے سامنے ابوبکرہ نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے زنا محصن دیکھا ہے پھر اس کے بھائی ابوعبداللہ (نافع) نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے زنا محصن دیکھا ہے۔ پھر شبل بن معبد نے بھی ویسا ہی بیان دیا۔ پھر زیاد کو بیان دینے کے لیے کہا گیا اس نے کہا "میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا اور پھولی ہوئی سانس سنی۔ اس کے آگے کیا تھا مجھے معلوم نہیں"۔ رأيتهما في لحاف و سمعت نفسا عاليا ولا ادري ما وراء ذلك"

۱۳۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تکبیر کہی اور خوش ہوئے کیونکہ مغیرہ کو نجات ملی۔

۱۴۔ زیاد کے سوا باقی گواہوں پر حد جاری ہوئی۔

اب ہم تاریخ طبری کی روایت نقل کرتے ہیں

ذکر خبر عزل المغیرۃ عن البصرہ وولایۃ أبی موسی :

قال : وفی ھذہ السنۃ ولّی عمر أبا موسی البصرۃ ، وأمرہ أن یشخص إلیہ المغیرۃ فی ربیع الأول فشھد علیہ — فیما حدثنی معمر، عن الزھری، عن ابن المسیب — ابوبکرۃ ، وشبل بن معبد البجلی ، ونافع بن کلدۃ وزیاد ۔

قال ، وحدثنی محمد بن یعقوب بن عتبۃ عن أبیہ ، قال : کان یختلف إلی أم جمیل ، امرأۃ من بنی ھلال وکان لھا زوج ھلک قبل ذلک من ثقیف ، یقال لہ الحجاج بن عبید فکان یدخل علیھا ، فبلغ ذلک أھل البصرۃ فأعظموہ ، فخرج المغیرۃ یوماً من الایام حتی دخل علیھا ، وقد وضعوا علیھا الرصد فانطلق القوم الذین شھدوا جمیعاً ، فکشفوا الستر وقد واقعھا فوفد[1] أبوبکرۃ إلی عمر فسمع صوتہ وبینہ و بینہ حجاب ، فقال أبوبکرۃ ؟ قال : نعم ، قال ، لقد جئت لشر ، قال : إنما جاء بی المغیرۃ ثم قص علیہ القصۃ ، فبعث عمر أبا موسی الأشعری عاملا ، وأمرہ أن یبعث إلیہ المغیرۃ ، فأھدی المغیرۃ لأبی موسی عقیلۃ ، وقال ، إنی رضیتھا لک فبعث أبوموسی بالمغیرۃ الی عمر

قال الواقدی ، وحدثنی عبد الرحمن بن محمد بن أبی بکر بن محمد ابن عمرو بن حزم ، عن أبیہ ، عن مالک بن أوس بن الحدثان ، قال ، حضرت عمر حین قدم بالمغیرۃ ، وقد تزوج امرأۃ من بنی مرۃ ، فقال لہ ، إنک لفارغ القلب ، طویل الشبق فسمعت عمر یسأل عن المرأۃ فقال یقال لھا الرقطاء ، وزوجھا من ثقیف ، وھو من بنی ھلال ۔

قال أبوجعفر : وکان سبب ما کان بین أبی بکرۃ والشھادۃ علیہ — فیما کتب إلی السری ، عن شعیب عن سیف ، عن محمد والمھلب وطلحۃ وعمرو باسنادھم ، قالوا : کان الذی حدث بین أبی بکرۃ والمغیرۃ بن شعبۃ أن المغیرۃ کان یناغیہ ، وکان أبوبکرۃ ینافرہ عند کل ما یکون منہ ، وکانا بالبصرۃ ، وکانا متجاورین بینھما طریق وکانا فی مشربتین متقابلتین لھما فی داریھما فی کل واحدۃ منھما کوۃ مقابلۃ الأخری ، فاجتمع إلی أبی بکرۃ نفر یتحدثون فی مشربتہ ، فھبت ریح ، ففتحت باب الکوۃ ، فقام أبوبکرۃ لیصفقہ ، فبصر بالمغیرہ ، وقد فتحت الریح باب کوۃ مشربتہ ، وھو بین رجلی امرأۃ ، فقال للنفر ، قوموا فانظروا فقاموا فنظروا ثم قال : اشھدوا ، قالوا : من ھذہ ؟ قال : أم جمیل ابنۃ الأفقم — وکانت أم جمیل إحدی بنی عامر بن صعصعۃ ، وکانت غاشیۃ للمغیرہ ، وتغشی الأمراء والأشراف — وکان بعض النساء یفعلن ذلک فی زمانھا — فقالوا : إنما رأینا أعجازاً ولا ندری ما الوجہ ؟ ثم انھم صمموا حین قامت ، فلما خرج

---

[1] ط : "فکتب" وانظر الیعقوبی ۲ : ۱۴۲

المغيرة إلى الصلاة حال أبوبكرة بينه وبين الصلاة وقال: لا تصل بنا فكتبوا إلى عمر بذلك، وتكاتبوا، فبعث عمر إلى أبي موسى، فقال: يا أبا موسى، إني مستعملك، إني أبعثك إلى أرض قد باض بها الشيطان وفرّخ، فالزم ما تعرف، ولا تستبدل فيستبدل الله بك. فقال: يا أمير المؤمنين أعنّي بعدة من أصحاب رسول الله من المهاجرين والأنصار، فإني وجدتهم في هذه الأمة وهذه الأعمال كالملح لا يصلح الطعام إلا به فاستعن بمن أحببت فاستعان بتسعة وعشرين رجلا منهم أنس بن مالك وعمران بن حصين وهشام بن عامر ثم خرج أبوموسى فيهم حتى أناخ بالمربد وبلغ المغيرة أن أبا موسى قد أناخ بالمربد فقال والله ما جاء أبوموسى زائراً ولا تاجراً، ولكنه جاء أميراً. فإنهم لفي ذلك، إذ جاء أبوموسى حتى دخل عليهم، فدفع إليه أبوموسى كتاباً من عمر وإنه لأوجز كتاب كتب به أحد من الناس أربع كلم عزل فيها، وعاتب، واستحث وأمر أما بعد فإنه بلغني نبأ عظيم، فبعثت أبا موسى أميراً فسلم إليه[1] ما في يدك[2] والعجل، وكتب إلى أهل البصرة: أما بعد، فإني قد بعثت أبا موسى أميراً عليكم، ليأخذ لضعيفكم من قويكم، وليقاتل بكم عدوكم وليدفع عن ذمتكم[3] وليحصي لكم فيئكم ثم يقسمه بينكم، ولينقي لكم طرقكم[4]

وأهدى له المغيرة وليدة من مولدات الطائف تدعى عقيلة، وقال إني قد رضيتها لك — وكانت فارهة — وارتحل المغيرة وأبوبكرة ونافع بن كلدة وزياد وشبل بن معبد البجلي حتى قدموا على عمر فجمع بينهم وبين المغيرة، فقال المغيرة: سل هؤلاء الأعبد كيف رأوني مستقبلهم أو مستدبرهم؟ وكيف رأوا المرأة أو عرفوها؟ فإن كانوا مستقبلي فكيف لم أستتر[5]، أو مستدبري فبأي شيء استحلوا النظر إلي في منزلي على امرأتي! والله ما أتيت إلا امرأتي — وكانت شبهها[6] — فبدأ بأبي بكرة، فشهد عليه أنه رآه بين رجلي أم جميل وهو يدخله ويخرجه كالميل في المكحلة، قال كيف رأيتهما؟ قال مستدبرهما قال فكيف استثبت[7] رأسها؟ قال: تحاملت ثم دعا بشبل بن معبد، فشهد بمثل ذلك. فقال: استدبرتهما أو استقبلتهما؟ قال استقبلتهما وشهد نافع بمثل شهادة أبي بكرة، ولم يشهد زياد بمثل شهادتهم. قال: رأيته جالساً بين رجلي امرأة، فرأيت قدمين مخضوبتين تخفقان، واستين مكشوفتين، وسمعت حفزاناً شديداً. قال: هل رأيت كالميل في المكحلة؟ قال لا، قال: فهل تعرف المرأة؟ قال: لا، ولكن أشبهها، قال: فتنح، وأمر بالثلاثة فجلدوا الحد، وقرأ: ﴿فإذ لم

---

1. من ابن الاثير والنويرى
2. س، ابن الاثير: "بيديك"
3. ابن الاثير، "دينكم"
4. ابن الاثير، "طريقكم"
5. ابن كثير، "لم يستتروا"
6. ابن الاثير وابن كثير والنويرى: "تشبهها"
7. س: "استبنت".

...بِالشُّهَدَاءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ[1]

فقال المغيرة : اشفنى من الأعبد، فقال : اسكت أسكت الله نأمتك! أما والله لو تممت الشهادة لرجمتك بأحجارك[2]

تاریخ طبری کی روایت کے بنیادی نکات مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ ابوبکرۃ اور مغیرہ کے درمیان پہلے سے باہمی منافرت مغیرہ کے خلاف ابوبکرۃ کی شہادت کا سبب تھی مغیرۃ ابوبکرۃ کی تحقیر کیا کرتے اور ابوبکرہ مغیرہ کے ہر کام کے خلاف منافرت پھیلاتے تھے ۔

۲۔ دونوں پڑوسی تھے ۔ دونوں کے بالاخانوں کی کھڑکیاں بالمقابل تھیں ۔

۳۔ ابوبکرہ اپنے بالاخانہ میں ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے ہوا سے کھڑکی کا دروازہ کھلا جسے بند کرنے کے لیے ابوبکرہ اُٹھے اچانک مغیرہ کو دیکھا ۔ جس کی کھڑکی کا دروازہ بھی ہوا سے کھل گیا تھا ۔

۴۔ مغیرہ ایک عورت کے پاؤں کے درمیان تھے ۔

۵۔ ابوبکرہ نے لوگوں سے کہا اٹھو دیکھو وہ اُٹھے اور دیکھا ۔

۶۔ ابوبکرہ نے انھیں کہا گواہ بنو ۔

۷۔ انہوں نے پوچھا یہ عورت کون ہے ۔

۸۔ ابوبکرہ نے بتایا یہ ام جمیل بنت افقم ہے ۔

۹۔ انہوں نے کہا ہم نے تو صرف سُرین دیکھے ہیں ہمیں چہرے کے متعلق کچھ معلوم نہیں پھر جب وہ اٹھی تو وہ آمادہ ہو گئے ۔

۱۰۔ انہوں نے یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا جنہوں نے مغیرہ کو معزول کر کے ابوموسیٰ الاشعری کو گورنر مقرر کر دیا ۔

۱۱۔ مغیرہ اور ابوبکرہ مع گواہان عدالتِ عمرؓ میں حاضر ہوئے ۔

۱۲۔ مغیرہ نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ان غلاموں سے یہ سوال کئے جائیں : انہوں نے مجھے کیسے دیکھا پیچھے سے یا آگے سے انہوں نے عورت کو کیسے دیکھا اور کیسے پہچانا اگر یہ لوگ میرے آگے کی طرف تھے تو میں کیسے پوشیدہ نہ رہا (لم یستتروا (ابن کثیر) وہ کیسے پوشیدہ رہے) اگر وہ میرے پیچھے تھے تو کس حکم سے انھیں اجازت ملی کہ وہ میرے گھر میں میری بیوی پر مجھے دیکھیں ۔ بخدا میں نے اپنی بیوی کے سوا کسی کے ساتھ مباشرت نہیں کی ۔ میری بیوی اس عورت سے مشابہ ہے ۔

۱۳۔ ابوبکرہ نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے مغیرہ کو ام جمیل کے پاؤں کے درمیان دیکھا وہ اپنا عضو سرمہ دانی میں سلائی کی طرح ڈال اور نکال رہا تھا ۔ ابوبکرہ نے مغیرہ کو پیچھے سے دیکھا جب عورت اٹھی تو اسے پہچانا دوسرے گواہ شبل نے باقی گواہی تو ابوبکرہ کی طرح دی مگر یہاں اختلاف کیا کہ اس نے مغیرہ کو پیچھے کی بجائے آگے سے دیکھا ۔ تیسرے گواہ نافع نے ابوبکرہ کی طرح گواہی دی ۔

۱۴۔ چوتھے گواہ زیاد نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے مغیرہ کو ایک عورت کے پاؤں کے درمیان دیکھا رنگے پیر گرتے اور

---

[1] سورہ النور۔ ۱۳

ننگے سُرین دیکھے پھولی ہوئی سانسیں سنیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تو نے سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا اس نے کہا نہیں حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تو نے عورت کو پہچانا اس نے کہا نہیں۔ مگر وہ اس کے مشابہ تھی۔

۱۵۔ حضرت عمرؓ نے تین پر کوڑوں کی حد جاری کی۔

۱۶۔ مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا "مجھے ان غلاموں سے بچائیے جس پر حضرت عمرؓ نے کہا" چپ رہ اللہ تمہیں چپ کروسے تجھے موت دے بخدا اگر شہادت پوری ہو جاتی تو میں تجھے سنگسار کر کے رہتا "

محدثین اور مؤرخین کی روایتوں میں تضادات

محدث (حاکم) اور مورخ (طبری) کی روایتوں میں چند بنیادی تضاد پائے جاتے ہیں جن کو سمجھے بغیر حضرت عمرؓ کے فیصلے کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے:

۱۔ سب سے بڑا اور بنیادی تضاد یہ ہے کہ طبری کی روایت کے مطابق یہ واقعہ مغیرہؓ کے اپنے گھر کے بالا خانہ میں پیش آیا جبکہ حاکم کی روایت کے مطابق یہ واقعہ ام جمیل کے گھر میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ اتنا بڑا تضاد ہے کہ اگر دیگر قرائن موجود نہ ہوں تو فی نفسہ واقعہ کا وقوع پذیر ہونا مشکوک قرار پاتا ہے۔

۲۔ دوسرا تضاد یہ ہے کہ طبری کی روایت کے مطابق ابوبکرہ دیگر حضرات کے ساتھ اپنے بالا خانے میں تھے۔ ابوبکرہ اور مغیرہ کے بالا خانوں کی کھڑکیاں اچانک ہوا سے کھل گئیں جہاں سے ابوبکرہ اور دیگر حضرات نے یکے بعد دیگرے یہ کھلم کھلا واقع بغیر کسی حجاب کے دیکھا۔ حاکم کی روایت کے مطابق ابوبکرہ دیگر افراد کے ساتھ مسجد کے باب الصغیر (غیلان) کے پاس بیٹھے تھے وہاں سے انہوں نے مغیرہؓ کو ام جمیل کے گھر داخل ہوتے دیکھا۔ ابوبکرہ نے اپنا غلام نگرانی پر مقرر کیا جس نے آکر اطلاع دی کہ اس نے ان دونوں کو ایک لحاف میں پایا اس اطلاع پر ابوبکرہ دیگر حضرات کے ساتھ بالاخانے میں گئے اور یکے بعد دیگرے یہ واقعہ دیکھا۔

ان روایتوں میں بنیادی تضاد یہ ہے کہ طبری کے مطابق ابوبکرہؓ اور دیگر حضرات نے یہ واقعہ غلام کی نگرانی کے بغیر خود دیکھا جب کہ حاکم کے مطابق نگرانی پر مقرر کردہ غلام کی اطلاع پر یہ سب لوگ اُٹھ کر بالا خانہ میں گئے اور وہاں سے دیکھا۔

۳۔ تیسرا بڑا تضاد یہ ہے کہ حاکم کی روایت کے مطابق خود ابوبکرہ نے اپنے غلام کو نگرانی پہ مقرر کیا جس نے اطلاع دی کہ اس نے ان دونوں کو ایک لحاف میں پایا "وجدتهما فی لحاف" اس سے آگے اس نے نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ بتایا۔ اور یہی بیان زیاد نے دیا۔ جس نے کہا "رأيتهما فی لحاف و سمعت نفساً عاليا ولا ادری ما وراء ذلك" میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا اور پھولی ہوئی سانس سُنی اس سے آگے کیا تھا مجھے معلوم نہیں۔ اس کے برعکس طبری کے مطابق ابوبکرہ کا بیان یہ تھا کہ اس نے مغیرہ کو ام جمیل کے کھڑے پاؤں کے درمیان اس حالت میں دیکھا کہ وہ سرمہ دانی میں سلائی کی طرح ڈال اور نکال رہا تھا۔ یہ مشاہدہ بجز اس کے ممکن نہیں کہ لحاف وغیرہ کے حجاب کے بغیر براہ راست کیا گیا ہو۔ مگر حاکم کی روایت کے مطابق واقع یوں ہے کہ جب ابوبکرہ نے اپنے بھائی ابوعبداللہ (نافع) کو دیکھنے کے لیے کہا اور اس نے دیکھ کر جس انداز میں اس کا اظہار کیا اس

[رو]ایت ہوتا ہے کہ اس نے بھی ان دونوں کو لحاف میں دیکھا۔ ابوبکرہ کے استفسار پر اس نے فقط یہ کہا "رأیت الزنا" میں نے زنا دیکھا یہ بیان اس کے ذاتی علم اور مشاہدے کے مطابق تھا۔ مگر اس سے سرمہ دانی میں سلائی کی طرح والی بات ثابت نہیں ہوتی اور زنا کے مقدمہ میں شہادت مشکوک قرار پاتی ہے یہ خدشہ ابوبکرہ کو لاحق ہوا جس نے اپنے بھائی پر زور دے کر کہا "ما رابک" تجھے کس چیز نے شک میں ڈالا ہے۔ جس کے بعد نافع نے کہا کہ اس نے زنا محض دیکھا۔ اب ذرا تامل سے معمولی عقل و فہم کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ منظر اسی طرح تھا جس طرح ابوبکرہ نے بے حجاب اور کھلم کھلا بیان کیا ہے تو اس کے بھائی نافع کو بھی پہلی ہی نظر میں اسی طرح نظر آنا چاہیے تھا۔ جو شک و شبہ سے بالکل بالا ہوتا۔ مگر ایسا نہیں نافع نے اپنے ذاتی علم و مشاہدہ کی بنا پر جو کچھ دیکھا وہ شک و ریب سے بالا نہیں تھا۔ جس سے یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ نافع کا دوسرا بیان اپنے بھائی ابوبکرۃ کے زیرِ اثر تھا۔ حاکم کی روایت میں ابوبکرۃ کے بھائی نافع کے بعد شبل بن معبد اور زیاد کا موقعہ زنا دیکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ عدالت میں انہوں نے بیان دیا۔ اگر نافع کی طرح موقع واردات پر شبل اور زیاد اپنے مشاہدات کا اظہار کرتے تو اس سے واضح ہو سکتا تھا کہ ان کا مشاہدہ ابوبکرہ کی طرح بلا حجاب تھا یا نافع کی طرح مشکوک تھا۔

ان تضادات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابتدا ہی سے مدعی اور گواہوں کے درمیان متفق علیہ نہ تھا صاف طور پہ نظر آ رہا تھا کہ نافع نے اپنے بھائی ابوبکرۃ کے زیرِ اثر اپنا پہلا بیان بدلا تھا۔ نافع اور شبل کے ابوبکرہ کے زیرِ اثر ہونے کا سب سے مضبوط قرینہ یہ ہے کہ ابوبکرہ کا غلام اس واقعہ کا سب سے پہلا اور موقعہ کا گواہ ہے درحقیقت اس کی ابتدائی رپورٹ ہی اس پورے واقعہ کی بنیاد ہے۔ اس کی رپورٹ بغیر کسی شک و شبہ کے یہ ہے کہ اس نے ان دونوں کو ایک لحاف میں پایا اس سے آگے نہ اس نے کچھ دیکھا اور نہ بیان کیا۔ اگر اس نے لحاف وغیرہ کے حجاب کے بغیر یہ منظر دیکھا ہوتا تو وہ یقیناً اس کا ذکر کرتا۔ یہ ابوبکرہ کے اپنے غلام کا بیان ہے۔ جو صریحاً ابوبکرہ کے اپنے بیان کے خلاف ہے۔ چوتھے گواہ زیاد کا بیان حدیث اور تاریخ کی تمام کتب میں ایک ہی ہے۔ اس میں نہ موقع واردات پر کوئی تضاد پایا جاتا ہے اور نہ عدالت میں بیان دیتے وقت کوئی تبدیلی کی گئی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ اس نے مغیرہ کو ایک عورت کے ساتھ ایک لحاف میں دیکھا نہ اس نے سرمہ دانی میں سلائی کی طرح والی کیفیت دیکھی اور نہ وہ عورت کو پہچانتا تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس نے اپنے مشاہدے کے مطابق بیان دیا جو ابوبکرۃ کے زیرِ اثر نہ تھا۔

اس پورے واقعہ میں اہم ترین بات یہ ہے کہ دو آدمیوں کے مشاہدات اور بیان بالکل یکساں ہیں۔ ایک ابوبکرہ کے غلام کا بیان۔ دوسرے زیاد کا بیان۔ دونوں ایک دوسرے کے زیرِ اثر نہ تھے۔ بلکہ غلام تو ابوبکرۃ کا تھا اس لئے اس کے بیان میں اگر کوئی میلان والی بات ہو سکتی تھی تو وہ ابوبکرہ کی تائید ہی میں ہو سکتی تھی اس کے مخالف نہیں ہو سکتی تھی مگر امر واقعہ یہ ہے کہ اس کی ابتدائی رپورٹ اور ابوبکرہ کا بیان باہم متضاد ہیں۔ زیاد کا مشاہدہ اور بیان وہی ہے جو ابوبکرہ کے غلام کا تھا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ غلام اور زیاد کے بیان ذاتی علم اور مشاہدے پر مبنی تھے اور ابوبکرہ کے اثر سے بالا تھے۔ غلام کو زیرِ اثر لانے یا اپنے مطابق بیان دینے کی نوبت اس لئے نہ آئی کہ اسے نہ عدالت میں پیش کرنا تھا اور نہ زنا کے ثبوت میں قاضی کے سامنے اس کا بیان

ہونا تھا۔ زیاد اگر بصرہ میں موقع واردات پر ابوبکرہ کے زیرِ اثر آ گیا ہو تو یہ ممکن ہو سکتا ہے مگر عدالت میں قاضی کے تنبیہ کرنے پر کہ وہ خدا کو حاضر ناظر جان کر صحیح اور درست بیان دے اور یہ بات سمجھ کر بیان دے کہ اس کے صحیح یا غلط بیان پر ایک صحابیِ رسولؐ پہ رجم یا نجات کا دار و مدار ہے تو زیاد اپنے ایمان اور مشاہدے پر اعتماد کرتے ہوئے وہی بیان دیتا ہے جو اس کے ذاتی علم اور مشاہدے کا تقاضا تھا۔

ہم نے محدثین اور مورخین کی روایت کا خاص طور پر تقابل اس لیے کیا ہے تاکہ اصل حقائق سامنے لائے جا سکیں۔ امام حاکم نے "المستدرک" اس دعوے کے ساتھ مدون کی ہے کہ اس میں وہی روایات جمع کی گئی ہیں جو صحیحین (بخاری اور مسلم) کی روایات کے پائے کی ہیں۔ نامور محدث اور حدیث کی پرکھ کے نقاد امام الذہبی نے "المستدرک" کی تلخیص تیار کی اس کے ساتھ دوسرا یہ کارنامہ انجام دیا کہ امام المستدرک کے دعویٰ صحت کو اصولِ حدیث اور امام بخاری اور امام مسلم کے اصولوں کے مطابق پرکھا۔ امام الذہبی کی تحقیق کے مطابق "المستدرک" کی دو تہائی روایات ان کے دعویٰ کے مطابق امام بخاری اور امام مسلم کے معیار کے مطابق ہیں۔ مگر ایک تہائی روایات اس معیار پر پوری نہیں اتریں۔ مغیرہ کے بارے میں "المستدرک" کی روایت امام الذہبی کی تحقیق کے مطابق ان روایات میں سے ہے جو بخاری اور مسلم کے معیار کی نہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ مغیرہ کے بارے میں امام حاکم کی روایت محدثین کے ہاں صحیح اور مستند روایت ہے امام حاکم کے علاوہ اور محدثین نے بھی مغیرہ والی روایت بیان کی ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الشہادات میں اسے تعلیقاً بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے اپنی "فتح الباری" الجزء الخامس دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور الباکستان ص۲۵۶ پر، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی نے اپنی "السنن الکبریٰ" الجزء العاشر الطبقہ الاولی المطبعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ بحیدر آباد الدکن الہند ۱۳۵۵ھ ص۱۵۲ پر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶ تا ۲۱۱ھ) نے اپنی "المصنف" الجزء الثامن حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (م ۸۰۷ھ) نے اپنی "مجمع الزوائد و منبع الفوائد" الجزء السادس دار الکتاب، بیروت لبنان صفحہ ۲۸۰ پر، حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۲۶۰ تا ۳۶۰ھ) نے اپنی "المعجم الکبیر" الجزء السابع مطبعہ الوطن العربی الطبقہ الاولی ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء ص۳۷۲ پر یہ روایت بیان کی ہے۔

صحیح بخاری میں اگرچہ یہ روایت تعلیقاً بیان ہوئی ہے مگر اس کی صحت کا ثبوت یہ ہے کہ امام حاکم نے امام بخاری کے معیار کے مطابق اس کی پوری سند بھی بیان کر دی ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں الطبرانی اور البیہقی کی روایتوں کی تخریج کے بعد رکھا ہے کہ "واسنادہ صحیح" اس کی اسناد صحیح ہیں۔ مجمع الزوائد کے مدون نے الطبرانی کی روایت نقل کرنے کے بعد اپنی تحقیق لکھی ہے کہ "ورجالہ رجال الصحیح" اس کے رجال صحیح ہیں۔ ہم نے محدثین کی بیان کردہ روایت کو تحقیق اور تفصیل کے ساتھ اس لیے لکھا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ امت میں اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی ماخذ "سنت" اس مقدمہ کے بارے میں کیا روشنی ڈالتا ہے۔ بہرحال اس سے واضح ہو گیا کہ مغیرہ کے بارے میں صحیح روایت وہی ہے جو محدثین نے اور بالخصوص حاکم اور الطبرانی نے بیان کی ہے۔

اب ہم مورخین کی طرف لوٹتے ہیں۔ مورخین نے اپنے اپنے رنگ میں اس روایت کو بیان کیا ہے ہم طبری کی روایت کا حوالہ دے چکے ہیں۔ اس پر مختصر بحث مفید رہے گی ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴ تا ۳۱۰ھ) نے اپنی کتاب "تاریخ الرسل والملوک" الجزء الرابع سنۃ ۱۷ھ میں "ذکر جز عزل المغیرۃ عن البصرۃ وولایۃ ابی موسیٰ" کے تحت اس واقعہ پر چار روایتیں نقل کی ہیں۔ پہلی روایت معمر، زہری اور ابن المسیب کے حوالے سے ہے جس میں فقط اتنا ذکر ہے کہ ابو بکرہ شبل بن معبد البجلی، نافع بن کلدہ اور زیاد نے مغیرہ کے خلاف گواہی دی۔ دوسری روایت محمد بن یعقوب بن عتبہ عن ابیہ کی سند سے نقل ہے یہ حاکم کی "المستدرک" والی روایت کے تقریباً مطابق ہے تیسری ایک مختصر روایت الواقدی کے حوالے سے ہے۔ چوتھی روایت "السری" کے ایک خط پر مبنی ہے جو اس نے الطبری کو لکھا اور الطبری نے ویسے کا ویسا نقل کر دیا۔

پہلی تینوں روایتیں محدثین کی بیان کردہ روایتوں سے ملتی جلتی ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ الطبری نے صحت کے نقطہ نظر سے انہیں ترتیب وار نقل کیا ہے۔ مگر چوتھی روایت الطبری نے "السری" کے خط کی شکل میں بیان کی ہے جس کے شروع میں وہ لکھتا ہے "فما کتب الی السری" السری نے جو سند بیان کی ہے اس میں غیر معتبر راوی سیف بن عمر موجود ہے۔ الذہبی نے اسے متروک قرار دیا ہے اسلامی اصول حدیث، اصول فقہ اور اصول تاریخ کے مطابق یہ روایت انتہائی ناقابل اعتبار ہے کیونکہ اس کے رجال غیر معتبر ہیں۔ خود الطبری کی ترتیب کے مطابق یہ آخری درجے کی روایت ہے۔ الطبری نے جو روایت دوسرے نمبر پر بیان کی ہے۔ وہ روایت اور درایت کے مطابق درست معلوم ہوتی ہے اس میں بالکل صاف اور واضح طور پر ذکر ہے کہ یہ واقعہ ام جمیل کے گھر پر پیش آیا اس روایت کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ ابو بکرہ وغیرہ نے نگران مقرر کر کے خفیہ نگرانی کرائی "وقد وضعوا علیہا الرصد" مگر السری کے حوالے سے جو چوتھی روایت نقل کی ہے اس میں یہ واقعہ خود مغیرہ کے اپنے گھر میں وقوع پذیر دکھایا گیا ہے۔ یہ تضادات اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ اصل روایت وہی ہے جو خود الطبری نے اس واقعہ کے آغاز میں بیان کی ہے۔ جو محدثین کے اصول کے مطابق ہے اور یہ آخری روایت غلط غیر مستند اور وضعی ہے جسے غیر معتبر اور متروک راویوں نے بیان کیا ہے۔ الطبری نے بطور محقق اور مفسر اس واقعہ کو اپنی تفسیر میں سورۃ النور میں قذف کے مقام پر نقل کیا ہے۔ وہاں انہوں نے اسی روایت سے استناد کیا ہے جو محدثین نے روایت کی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ الطبری کی اپنی تحقیق کے مطابق، السری اور سیف والی روایت ناقابل اعتبار ہے۔

السری اور سیف والی روایت میں منجملہ دیگر غلط بیانیوں کے یہ بہت بڑا تضاد ہے کہ ابو بکرہ جب دوسرے افراد کو دعوت نظارہ دیتے ہیں تو وہ افراد ابو بکرہ سے پوچھتے ہیں یہ عورت کون ہے "من ھذہ" ابو بکرہ بتلاتے ہیں کہ وہ ام جمیل بنت افقم ہے وہ افراد پھر کہتے ہیں کہ ہم نے تو صرف سُرین دیکھے ہیں ہم نہیں جانتے چہرہ کس کا ہے؟ "انما رأینا الاعجاز ولا ندری ما الوجہ" جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ابو بکرہ کے علاوہ تینوں گواہ عورت کو نہیں پہچانتے تھے۔ پہچاننے کی صورت میں سوال بے معنی اور بے موقع تھا یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے ذاتی علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ ابو بکرہ کے زیر اثر عورت کو ام جمیل سمجھا فیصلہ اور سزا پر عمل درآمد کے بعد جب حضرت عمرؓ نے انہیں توبہ کرنے کے لیے

کیا تو وہ توبہ پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے توبہ کی - ان دونوں کا یہ فعل ظاہر کرتا ہے - ملزمہ عورت کو پہچاننے جیسے بعض بنیادی امور کے بارے میں وہ ذہنی طور پر مطمئن نہ تھے اور وہ ابوبکرہ کے زیرِ اثر گواہی دینے پر آمادہ ہوئے تھے - ہو سکتا ہے کہ گواہی دینے تک وہ اس خارجی اثر پر مطمئن ہوں مگر زیاد نے اپنے ذاتی مشاہدے اور علم کی بنیاد پر جو مضبوط اور قوی مؤقف اختیار کیا تھا اس سے متاثر ہو کر وہ بھی اپنے ذاتی مشاہدہ اور علم پر انحصار کرنے پر مائل ہو گئے ہوں - اس سے ان کی بدنیتی ثابت نہیں ہوتی ہے البتہ ذاتی علم اور مشاہدہ کی بجائے خارجی اثر پر انحصار معلوم ہوتا ہے - مگر یہ بات شہادت کے اسلامی اصولوں کے منافی ہے بالخصوص زنا جیسے مقدمات میں جن کی شہادت کا نصاب پورا ہونے کی صورت میں ملزم کو رجم کی سزا دی جاتی ہے جو حدود میں سنگین ترین حد ہے - یہی اسباب تھے جن کے تحت حضرت عمرؓ نے انھیں قذف کی سزا دی۔ بعد کے مؤرخین نے زمانے کی طوالت کے برابر اس میں طول طویل رنگ آمیزیاں کیں صحیح اور غلط روایتوں پر مبنی جن مؤرخین نے اس واقع کا ذکر کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے :-

الطبری تاریخ ج ۴ صفحات ۶۹ تا ۷۲ سنہ ۱۷ھ ذکر خبر عزل المغیرہ، سنہ ۵۱ھ ذکر قتل حجر بن عدی -

ابن خلکان - تاریخ وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان ج ۲ صفحہ ۲۹۴ ذکر یزید بن زیاد بن ربیعہ -

ابن الاثیر - الکامل فی التاریخ ذکر سنہ ۱۷ھ ج ۲ صفحہ ۲۲۴، ج ۳ صفحہ ۲۴۷ ذکر قتل حجر بن عدی -

الذہبی - تاریخ اسلام ج ۲ صفحہ ۲۵۰ ذکر مغیرہ

ابوالفداء تاریخ ابوالفداء ذکر سنہ ۱۷ھ ص ۱۹۲ -

ابن الکثیر البدایۃ والنہایۃ ج ۸ صفحات ۴۹ - ۵۱ ذکر مغیرہ

یعقوبی تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۴۶

شرح ابن ابی الحدید ج ۳ صفحہ ۲۳۶ ذکر مطاعن عمرؓ، طعن نمبر ۴

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفۂ اثنا عشریہ باب المطاعن میں طعن نمبر ۶ کے تحت باب ۱۱ صفحہ ۲۹۷ پر مغیرہ کے زنا پر جا اعتراضات و تنقیحات ہیں ان کا جواب دیا ہے مفتی محمد قلی ایک شیعہ مصنف نے تحفۂ اثنا عشریہ از عبدالعزیز کے جواب میں ایک جامع اور مبسوط کتاب بعنوان :" تشئید المطاعن " لکھی اس میں طعن ششم پر شیعہ نقطۂ نظر سے بڑی مفصل بحث کی ہے یہ بحث از صفحہ ۶۹۵ تا ۷۰۰ پر پھیلی ہوئی ہے یہ کتاب فقہ جعفریہ کی جامع المنتظر کے کتب خانہ میں موجود ہے

بعد کے مؤرخین نے زمانے کی طوالت کے برابر اس میں طول طویل رنگ آمیزیاں کیں اور اسے اس حد تک بنیاد سے دور لے گئے کہ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کی امانت، دیانت، عظمت اور عدالت بھی محفوظ نہ رہنے دی - کہا یہ گیا کہ حضرت عمرؓ نے زیاد کو جو یہ کہا کہ " فجاء زیاد فقال عمر جاء رجل لا یشھد الا بحق " (الطبرانی، المعجم الکبیر الجزء السابع صفحہ ۳۱۴) " زیاد پیش ہوا حضرت عمرؓ نے کہا یہ شخص آیا ہے جو صرف وہی گواہی دے گا جو حق ہے " - اس سے زیاد نے منحرف ہونے کا اشارہ پایا یہ بہتان عظیم ہے کہ حضرت عمرؓ نے مغیرہ کی خاطر گواہ کو اشارہ دیا - یہ اتنی بڑی تہمت ہے کہ یہ خود قذف کی متقاضی ہے - اس وقت

کے لئے عدالت کا یہ عدالتی طریق کار تھا کہ مدعی، مدعا علیہ، گواہوں سب کو اللہ کا خوف دلا کر حق بیان کرنے کو کہا جاتا تھا۔ عہد رسالت کا وہ واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو کہا تھا کہ تم میں سے جو زیادہ بولنے والا ہے اگر میں نے اس کے حق میں فیصلہ دیا تو وہ یوں سمجھے جیسے اُسے جہنم کا ٹکڑا دیا گیا ہے جس سے متاثر ہو کر دونوں نے صلح کر لی۔ مقدمہ زیرِ غور میں تو قاضی نے صرف یہ کہا ہے کہ "رجل لایشہد الا بحق" یہ شخص صرف وہی گواہی دے گا جو حق ہے۔ حق کی گواہی دینے کے لیے کہنے کو کس اصول یا قانون یا قاعدے کے مطابق اصل بیان سے منحرف ہونے کا اشارہ قرار دیا جا سکتا ہے اسی طرح مغیرہ نے اس موقع پر زیاد سے کہا "یا زیاد اذکر اللہ تعالیٰ واذکر موقف یوم القیامۃ فان اللہ تعالیٰ وکتابہ ورسولہ وامیر المومنین" (القاضی احمد الشہیر بابن خلکان، تاریخ وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان، الجزء الثانی صفحہ ۳۹۴) زیاد! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جب تم روزِ قیامت کھڑے ہو گے اللہ تعالیٰ اس کی کتاب، اس کا رسولؐ اور امیر المومنین موجود ہوں گے۔ جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس سے تجاوز کر کے اس کی طرف مت جا جو تم نے نہیں دیکھا بخدا اگر تم میرے پیٹ اور اس عورت کے پیٹ کے درمیان ہوتے تو پھر بھی میرے عضو تناسل کو اس کے اندر داخل ہوتا نہ دیکھ سکتے تھے۔" فواللہ لو کنت بین بطنی وبطنہا ما رأیت ان یسلك ذکری فیہا۔" (ابن خلکان صفحہ ۳۹۴) عدالت میں ایک گواہ سے اگر یہ کہا جائے کہ وہ اللہ، اس کے رسولؐ، اس کی کتاب اور روزِ آخرت کو یاد کر کے سچی اور صحیح گواہی دے تو کیا یہ احقاق حق کی رغبت دلانا نہیں ہو گا کیا اس سے گواہ کو یہ اشارہ ملے گا کہ وہ اپنے سچے۔ اصل اور حقیقی بیان پر قائم رہے یا اس سے منحرف ہو جائے۔ حقیقت وہی ہے کہ جب واقع مؤرخین کے ہاتھ آیا تو انہوں نے نہ تو اسلامی تاریخ نگاری کے اصولوں کو مدنظر رکھا اور نہ صحابہ کی عزت و حرمت کے تقدس کا خیال کیا حتیٰ کہ وہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت و عدالت تک جا پہنچے۔ ورنہ جہاں تک صحت واقعہ کا تعلق ہے اسے محدثین نے بیان کر دیا ہے اور وہی درست ہے۔ ہم امام حاکم کی روایت کے ضمن میں امام الذہبی کا ذکر کر آتے ہیں۔ الامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (۷۴۸ھ-۱۳۴۷ء) نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" مؤسسہ الرسالہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۱ھ-۱۹۸۱ء میں ابوبکرہ، نافع، شبل، زیاد اور مغیرہ بن شعبہ کے حالات بڑی تحقیق سے لکھے ہیں۔ سب جگہ اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے مگر ایک محقق اور محدث کے اصولوں کے مطابق حالات قلمبند کیے ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر العسقلانی اور دیگر محدثین نے صحابہ کے حالات پر کتابیں مرتب کی ہیں۔ ان میں یہ واقعہ موجود ہے ان میں نہ تضاد ہے اور نہ غلط بیانی۔

مغیرہ اور ابوبکرہ کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے تعلقات پہلے سے کشیدہ تھے دونوں کا تعلق طائف سے تھا جو مشہور عرب قبیلہ بنو ثقیف کا گڑھ تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب طائف کا محاصرہ کیا تو عین محاصرے کے دوران ابوبکرہ بنو ثقیف کو چھوڑ کر سیڑھی کے ذریعے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے۔ اسلام قبول کیا اور امت مسلمہ میں شامل ہو گئے۔ طائف میں یہ غلام تھے بنو ثقیف نے آنحضرت سے اپنا غلام واپس مانگا مگر آپ نے اسے

واپس کرنے کی بجائے آزاد کر دیا۔ ان کا اصل نام نفیع تھا محاصرے کے دوران فصیل سے سیڑھی کے ذریعے اترنے کی وجہ سے آپ ابوبکرہ کہلائے۔ تدلی من الحصن ببکرۃ فحن یومئذ کنیتی بابی بکرۃ (الذھبی سیر اعلام النبلاء ج ۳، ص۶)
ان کی ماں سمیہ بنو ثقیف میں سے مشہور عرب طبیب حارث بن کلدہ کی لونڈی تھی اور ابوبکرہ اس کے غلام تھے۔ "کان عبداً للحارث بن کلدہ فاستلحقه وسمیة ھی مولاۃ الحارث" (ابن عساکر بحوالہ الذھبی سیر اعلام النبلاء ج ۳، ص۶)

ابوبکرہ کا بھائی نافع اور زیاد بھی اسی سمیہ کے بیٹے تھے۔ اس طرح مقدمہ مغیرہ میں مدعی اور گواہ ایک ہی لونڈی سمیہ کے بیٹے اور آپس میں بھائی تھے۔ "والجمیع اولاد سمیة المذکورۃ فھم اخوۃ لام" (ابن خلکان ج ۲، ص۴۹۳) یہ ہے وہ سماجی پس منظر جس کے تحت مغیرہ ان سب کو اس مقدمہ کے دوران بار بار "غلاموں" کے حقیر نام سے پکارتا ہے مغیرہ بنو ثقیف کے معزز خاندان سے تھے اپنے آپ کو عالی نسب سمجھتے تھے۔ جب مغیرہ اور یہ گواہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوئے تو اس وقت مغیرہ نے کہا "سل ھولاء الاعبد کیف رأونی" (الطبری تاریخ ج ۴، ص۷ سنۃ ھ) ان غلاموں سے پوچھیے" انہوں نے مجھے کس حالت میں دیکھا" اسی طرح جب عدالت نے فیصلہ سنا دیا اور گواہوں کو قذف کی سزا ہو چکی تو حضرت مغیرہؓ نے پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا "اشفنی من الاعبد" مجھے ان غلاموں سے بچائیے (الطبری ج ۴ ص۷۲) جس پہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اسکت اسکت الله فاک اما والله لو تمت الشهادۃ لرجمتك باحجارك (الطبری ایضاً ص۷۲)
چپ رہ اللہ تجھیں چپ رکھے تمھیں موت دے بخدا اگر گواہی پوری ہو جاتی تو میں تمھیں سنگسار کر کے رہتا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ اور ابوبکرہ کے درمیان پہلے سے کشیدگی موجود تھی اور وہ موقع بموقع ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے۔ انھیں اسباب کے تحت بعض مؤرخین نے اس مقدمہ میں مغیرہ اور ابوبکرہ کی باہمی منافرت اور عداوت کو مغیرہ کے خلاف ابوبکرہ کی شہادت کے اسباب میں شمار کیا ہے چنانچہ ابوجعفر الطبری نے اس مقدمہ کی تفصیل نقل کرنے سے پہلے اپنی طرف سے ذیلی عنوان تحریر کیا ہے "وکان سبب ما کان بین ابی بکرۃ والشهادۃ علیه" مغیرہ کے خلاف شہادت کا سبب وہ چیز تھی جو ابوبکرہ اور مغیرہ کے درمیان تھی۔ اس کے بعد تعلقات کی کشیدگی کا سبب بیان کیا گیا ہے: کان الذی حدث بین ابی بکرہ والمغیرہ بن شعبه ان المغیرہ کان ینا غیه، وکان ابوبکرۃ ینافرہ عند کل ما یکون منه" (ابوجعفر الطبری۔ تاریخ ج ۴ ص۶۹ سنۃ ھ) ابوبکرہ اور مغیرہ کے درمیان جو واقعہ پیش آیا اس کا سبب یہ ہے کہ مغیرہ ابوبکرہ کی تحقیر کرتا تھا اور ابوبکرہ کی روش یہ تھی کہ مغیرہ کا جو کام کرتا تھا وہ اس کے خلاف منافرت پھیلاتا تھا۔ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کی باہمی منافرت کا اس مقدمے کی ابتدا میں کافی دخل موجود تھا۔ ان مباحث کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ فی نفسہ واقعہ درست ہو۔ یہ واقعہ محدثین کی صحیح روایت کے مطابق ام جمیل کے گھر پیش آیا ہو۔ ابوبکرہ اور اس کے بھائیوں نے مغیرہ اور ام جمیل کو ایک لحاف میں دیکھا ہو۔ اگرچہ لحاف کے بغیر بے حجاب اور کھلم کھلا سرمہ دانی میں سلائی کی طرح کی حالت میں انہوں نے مشاہدہ نہ کیا ہو مگر ابوبکرہ کے زیر اثر دوسرے گواہ ابوبکرہ کے ہمنوا ہو گئے ہوں۔ زیاد عدالت میں اپنے مشاہدے پر قائم رہا ہو۔ ان واقعات کے مطابق حضرت عمرؓ کا فیصلہ عدل و انصاف اور قرآن کے قانون شہادت کے عین مطابق ہے۔ اس صورت میں ابوبکرہ اور دو گواہوں پر قذف کی سزا بالکل درست ہے۔ لہٰذا یہ درست نہیں کہ اگر چار گواہوں میں سے ایک گواہ مختلف بیان دے تو تین کو قذف کی سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ اس سے کوئی گواہ عدالت میں نہ جائے گا۔

قدمے کی مندرجہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاروں گواہ شروع ہی سے متفق نہ تھے۔ انھیں اپنے علم ومشاہدہ کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ اس لیے یہ مقدمہ اس واقعہ سے بالکل مختلف ہے جس میں چاروں گواہوں نے اپنے علم ومشاہدہ کی بنیاد پر آزادانہ گواہی دینے کا فیصلہ کیا ہو۔ اگر دیگر قرائن شہادت دیں کہ چاروں گواہوں نے آزادانہ طور پر اپنے ذاتی علم ومشاہدہ کی بنیاد پر گواہی دینے کا فیصلہ کیا تھا اس کے باوجود ان میں کوئی ترغیب یا ترہیب کا شکار ہو گیا تو ایسی صورت میں قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ منحرف گواہ کو سزا دے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری معلوم ہوتا ہے اس مقدمے کی تفصیلات سامنے آچکی ہیں۔ اور یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مآخذ اصلیہ دو ہیں ایک قرآن اور دوسرا سنت۔ قرآن محفوظ مصئون اور مکمل موجود ہے۔ سنت کا علم صرف صحیح حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ امت کا اجماعی فیصلہ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ مورخین کی بیان کردہ وہی روایات قابلِ استناد ہیں جو اصولِ حدیث کے معیار پر پوری اترتی ہوں۔ جو روایات "صحیح" نہ ہوں انھیں استنباط مسائل کی بنیاد بنانا درست نہیں یعنی غیر معتبر ضعیف متروک جھوٹے راویوں کی روایات سے بلا سوچے سمجھے استنباط، استدلال اور اجتہاد کرنا صحیح نہیں۔ ہمیں آخر میں اس مسلمہ امر کی طرف اس لیے متوجہ کرنا پڑا کیوں کہ اس مقدمہ کی تحقیق کے دوران ہم نے دیکھا کہ چند مفسرین نے محدثین کی روایت کی بجائے مورخین کی روایت پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی۔ جس سے ظاہر ہے کہ استنباط، استدلال اور اجتہاد کا نتیجہ درست نہیں ہو سکتا۔

مفسرین میں سے اس واقعہ کو ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف با بن العربی نے اپنی تفسیر" احکام القرآن القسم الثالث دارا حیار الکتب العربیہ الطبع الاول ۱۳۷۷ھ۔ ۱۹۵۸ء" میں سورۃ النور کی آیت " والذین یرمون المحصنات" کی تفسیر کے تحت درج کیا ہے۔ اور اپنے استنباط کی بنیاد السری اور سیف بن عمر کی روایت کو بنایا ہے۔ جس پر مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اسی طرح دورِ حاضر کے بعض مفسرین جن میں ابوالاعلیٰ مودودی شامل ہیں انہوں نے بھی اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے مسائل کا استنباط کیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دورِ حاضر اسلام کے بنیادی اصولوں اور مستند مآخذ کی نئی تفسیر، تشریح اور تعبیر کا دور ہے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن درپیش مسائل کے حل میں اسلام کے مسلمہ مصادر اور مآخذ اصلیہ کو ملحوظِ خاطر رکھنا از بس ضروری ہے ــــ حضرت عمرؓ نے بہت سے مقدمات فیصل کئے جو مدینہ اور خلافت کے دوسرے صوبوں سے ان کے پاس آئے۔ چند اور مثالیں ذیل میں دی جاتی ہیں:

ایک سے زیادہ آدمیوں سے سرزد قتل

پانچ آدمیوں نے ایک غیر معروف شخص کو یمن کے ضلع صنعا میں قتل کر دیا۔ مقامی عدلیہ نے مقدمہ مدینہ کی عدالت میں بھیج دیا حضرت عمرؓ نے مقدمہ اور وہ حالات جن میں قتل ہوا تھا سُنے۔ شہادت سے ظاہر ہوا کہ پانچوں کے پانچوں آدمی قتل کے ذمہ دار تھے اس لیے آپؓ نے پانچوں کو سزائے موت دے دی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر صنعا کے تمام باشندوں نے اس کے قتل میں حصہ لیا ہوتا تو وہ سب پر یہی سزا نافذ کرتے۔[۲۸]

ایک مقدّمہ قتل کا فیصلہ جس میں وارثوں نے قاتل کو معاف کر دیا

ایک قتل ہو گیا اور مقدمہ حضرت عمرؓ کو بھیج دیا گیا تاکہ فیصلہ کر دیں۔ سماعت کے بعد ملزم کو قتل کا مجرم قرار دے دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا جس میں قاتل کو سزائے موت دے دی گئی تھی۔ فیصلہ کے اعلان پر مقتول کے ورثاء میں سے ایک نے اعلان کیا کہ اس نے قاتل کو معاف کر دیا ہے اور دعویٰ میں اپنے حصّہ سے دستبردار ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ بہرحال اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ ایک قانونی ماہر اور فقیہہ عبد اللہ بن مسعودؓ اس وقت عدالت میں موجود تھے۔ عدالت کی اجازت سے اُنھوں نے اپنی رائے یُوں ظاہر کی :

"تمام ورثاء قاتل کے خلاف اپنا حق رکھتے ہیں۔ اگر ایک اپنے حق سے دست بردار ہو جائے اور دوسرے نہ ہوں تو سب کے اتفاق رائے کے بغیر فیصلہ نافذ نہیں ہو سکتا۔"

اُن کی رائے سُن کر حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا "زیرِ غور مقدمہ کس طرح فیصل ہو ؟" اُنھوں نے عرض کیا "قاتل ورثاء کو خون بہا ادا کرے۔ اور جس نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے اس کا حصّہ مجرا کرے۔" حضرت عمرؓ نے اُن کی رائے قبول کر لی۔ اس کے مطابق حکم دے دیا اور پہلا فیصلہ واپس لے لیا۔[۲۹]

اسلام میں وکالت

مندرجہ بالا مقدمہ قتل کی کارروائی ظاہر کرتی ہے کہ اسلامی عدلیہ کے سربراہ حضرت بن الخطاب نے ایک ماہر قانون کو عدالت کے روبرو اپنی رائے دینے کی اجازت دی۔ ماہر قانون نے اپنی آزادانہ رائے کے مطابق قانون کی تشریح کی اور اپنی رائے ظاہر کی۔ عدالت نے اس کی رائے قبول کر لی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ مستند ماہر قانون (ایڈووکیٹ) عدالتہائے انصاف میں پیش ہونے اور عدالت کے سامنے مقدمہ کے قانونی نکات کی وضاحت اپنے نظریہ کے مطابق کرنے میں عدالت کی مدد کرنے کے مجاز ہیں؟ خلافت راشدہ میں ایسے بہت مقدمات کا ذکر موجود ہے جن میں قاضی نے ماہرین قانون و فقہ سے ماہرانہ رائے طلب کی اور مقدمات کے مختلف پہلوان ماہرین کی رائے سے اُجاگر ہوئے۔ اگر موجودہ وکالت کے پیشے میں مناسب تبدیلیاں کر دی جائیں تو وکالت کا ادارہ مفید نتائج برآمد کر سکتا ہے۔

گواہوں اور قسم کی عدم موجودگی میں فیصلہ

سعد بن لیث کے قبیلہ کے ایک شہسوار نے دوڑ میں جہینہ قبیلہ کے ایک شخص کا پنجہ کچل دیا۔ چوٹ موت کا باعث ہو گئی اور وہ شخص فوت ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی عدالت میں مقدمہ درج ہو گیا۔ آپؓ نے سعد کے کچھ آدمیوں کو طلب کیا۔ اُن سے قسم اُٹھانے کے لیے کہا گیا کہ وہ شخص اس زخم کے باعث فوت نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے قسم اُٹھانے سے انکار

…ریقوں کے انکار پر حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا کہ ملزم ستم زدہ فریق کو نصف خون بہا ادا کرے[۳۰]۔

شکایات اور ان کی تفتیش

شکایات کی مناسب تفتیش انصاف کی پہلی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ اس کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفتیش کے محکمہ کی بنیاد رکھ دی تھی۔ جس کو حضرت عمرؓ نے ترقی دی۔ آپؓ نے مدینہ میں ایک مستقل دفتر تفتیش قائم کر دیا تھا۔ آپؓ نے محمد بن مسلمہ الانصاری کو اس محکمہ کا سربراہ مقرر کیا۔ اس دفتر کے ذریعہ عوام کی ان شکایات کی تفتیش کی جاتی جو گورنروں اور اعلیٰ عہدیداروں کے خلاف ہوتیں جو خلافت کے صوبائی دارالحکومتوں میں تعینات ہوتے۔ شکایت موصول ہونے پر محکمہ تفتیش کے سربراہ محمد بن مسلمہ کو خلیفہ حکم دیتا کہ متعلقہ صوبائی دارالحکومت جائیں اور پوچھ گچھ کریں۔ تفتیش کے طریقہ کار کے طور پر وہ دارالحکومت جامع مسجد میں بعد نماز اجتماع منعقد کرتے اور شکایت کے متعلق جلسہ عام میں پوچھ گچھ کرتے۔ ہر شہری کو اپنی رائے دینے کا اختیار تھا اور وہ معاملہ کے خلاف یا اس کے حق میں جرح کر سکتا تھا۔ وضاحت کے لیے چند واقعات درج ہیں:

۱۷ھ میں کوفہ کا نیا شہر آباد ہوا۔ سعد بن ابی وقاص اس کے گورنر تھے۔ انھوں نے ایک گورنر ہاؤس تعمیر کیا اور ایک دروازہ اس کے دفتر کے سامنے رکھا۔ اس دروازہ کا پس منظر یہ تھا کہ گورنر ہاؤس شہر کے مرکز میں واقع تھا جو گنجان آباد تھا۔ بازار اور تجارتی مراکز گورنر ہاؤس کے آس پاس واقع تھے۔ گورنر ہاؤس کے باہر شور و غل کے باعث سعد اپنا سرکاری کام امن و سکون سے نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے دفتر کے سامنے دروازہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس ایک شکایت دائر کی گئی کہ سعدؓ نے ایک محل بنا لیا ہے جس کا نام اُن کے نام پر قصرِ سعد رکھا گیا ہے۔ اور جس کے سامنے ایک دروازہ بنوایا ہے۔ اس سے شکایت کنندگان کو براہِ راست اس کے سامنے حاضر ہونے میں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شکایت موصول ہونے پر خلیفہ نے فوراً محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر معاملہ کی تحقیقات کریں۔ انھیں مزید ہدایت دی گئی کہ اگر شکایت کے مندرجات درست پائے جائیں تو دروازہ جلا ڈالا جائے۔ انھیں سعد کے نام ایک خط بھی دیا گیا جس میں لکھا تھا:

> "مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے ایک محل بنوا لیا ہے۔ تم اسے ایک قلعہ کے طور پر استعمال کرتے ہو، یہ قصرِ سعد کہلاتا ہے۔ تم نے ایک دروازہ بنایا ہے تاکہ لوگوں کو خود سے دُور رکھ سکو۔ اس سے نیچے اُتر داور اُسے بند کر دو۔ لوگوں کا اپنے پاس آنا روکنے کے لیے اپنے محل میں دروازہ نہ بناؤ، اور اس طرح ان کے حقوق پامال نہ کرو۔ (تنفیھم بہ عن حقوقھم) یہ اہم ہے تاکہ وہ تمھاری مجلس میں اور تمھارے گھر سے چلتے وقت تمھارے برابر ہوں[۳۱]۔"

مندرجہ بالا احکام کے ساتھ محمد بن مسلمہ کوفہ روانہ ہو گئے۔ انھوں نے معاملہ کی تحقیقات کی اور دیکھا کہ سعدؓ کے محل کے سامنے ایک دروازہ کھڑا ہے۔ انھوں نے جلانے کی لکڑی خریدی، محل گئے اور اس کا دروازہ جلا ڈالا۔ اس کی اطلاع سعد کو ملی۔ اس نے تحقیقاتی افسر کے پاس ایک ایلچی بھیجا۔ اور اُن سے اپنے دفتر میں آنے کی درخواست کی۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ پھر سعدؓ نے ان کو اخراجات سفر پیش کیے۔ انھوں نے رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا اور سعدؓ کو حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا خط دے دیا۔ خلیفہ کی ہدایت کے مطابق کارروائی مکمل کر کے محمد بن مسلمہ فوراً دارالخلافہ لوٹ گئے۔ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ان کے پاس رقم ختم ہو گئی تھی۔ انھیں درختوں کی چھال پر گزارہ کرنا پڑا۔ اس حالت میں وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اُنھوں نے اپنی کارروائی کی مکمل رپورٹ پیش کر دی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم نے سعدؓ سے سفر خرچ کیوں نہ قبول کیا؟" اُنھوں نے جواب دیا "اگر آپؓ یہ چاہتے تھے تو آپؓ مجھے تحریری اجازت دیتے یا آپؓ نے مجھے زبانی اجازت دی ہوتی۔" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "سب سے اعلیٰ نظریہ کے حامل وہ لوگ ہیں جو متعلقہ حاکم کے ایک حکم کی عدم موجودگی میں انتہائی احتیاط سے عمل کرتے ہیں۔"

عہد حاضر کی انتظامیہ کے لیے دروازے پر دربان کی عدم موجودگی ناقابل فہم معلوم ہو گی۔ کیونکہ اس کا پورا فلسفہ اور عمل دربار اور دربان پر استوار ہے۔ یہ نوکر شاہی ہے جو دفتریت کے فلسفے پر قائم ہے۔ حکومتی اور عوامی مسائل اُلجھانے اور نپٹانے میں اتنا وقت صرف کر دیا جاتا ہے کہ لوگ پریشان ہو کر نیچے سے اُوپر تک دفتروں کے چکر کاٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پھر عوام کے ہجوم کو روکنے کے لیے دربانوں کا جواز پیدا کیا جاتا ہے۔ خلافت راشدہ ذمہ دار نظام حکومت تھی۔ ہر سطح کے افسران اپنی سطح پر فیصلہ کرنے اور نافذ کرنے کے مجاز اور مختار تھے۔ بہت کم مسائل گورنر یا خلیفہ تک پہنچتے تھے۔ اکثر نچلی سطح پر اطمینان بخش طریقے سے حل ہو جاتے تھے، جو چند ایک شکایتیں گورنر یا خلیفہ تک پہنچتی تھیں۔ اگر اُن کی راہ میں بھی دربان کھڑے کر دیئے جاتے تو اسلامی فلسفۂ انتظامیہ مجروح ہوتا، چونکہ اسلامی دفاتر میں عوامی ہجوم کا تصور ہی ناقابلِ فہم ہے اس لیے دربار اور دربان کی ضرورت بے معنی چیز تھی۔

مندرجہ بالا سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہمیشہ شکایت کنندگان اور ستم رسیدہ کے آرام و سہولت کو اولیت دیتے تھے۔ اور ہر وہ منصورہ رکاوٹ جو اُن کے خیال میں تکلیف پیدا کرتی دُور کر دیتے۔ شکایت قبول کرنے میں تاخیر اور فیصلوں میں دیر تصوّرِ انصاف کے منافی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک تاخیر کا مطلب "حقوق سے انکار" تنفیھو بہ عن حقوق قھم" جلد اور صحیح فیصلہ کسی بھی عدالتی نظام کی اہلیت، قابلیت اور ترقی کا اندازہ لگانے کے لیے بنیادی اور اہم ذرائع ہیں۔ حضرت عمرؓ کے عدالتی نظام کا کسی جدید نظام سے تقابل ظاہر کرے گا کہ حضرت عمرؓ کا نظام مقدمہ کی ضروریات پوری کرنے، شکایتیں وصول کرنے اور اُنھیں ٹھیک فیصل کرنے کے معاملہ میں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ ایک بہترین مثال محمد بن مسلمہ کے کردار میں مسلمان افسروں کے لیے ملتی ہے جو سرکاری خرچ پر دورے کرتے ہیں۔

تمام قومی امور پر انصاف کی برتری

حضرت عمرؓ کے عدالتی نظام کا اولین اصول تھا کہ لوگ اصولوں کی پابندی کریں اور کوئی بھی شخص قانون کی دسترس سے باہر نہ ہو۔ ذاتی مفاد ریاست کے مفاد کے تحت ہوں گے۔ کوئی شخص نظریاتی، سیاسی اور سماجی طور پر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو انصاف سے بالا نہیں۔ اسلامی سیاق و سباق میں مسلمان قوموں اور افراد کو اسلام پر قربان کیا جا سکتا ہے۔ صرف انہی لوگوں کو سرکاری عہدے خصوصاً عدلیہ کے عہدے دیئے جا سکتے ہیں جو بے داغ کردار کے حامل ہوں۔ اگر کسی سرکاری عہدے دار پر کوئی الزام عاید ہو تو الزام کی پوری پوری تحقیقات ہونا چاہیے کسی ہنگامی حالت کو جواز بنا کر انصاف کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈالا نہیں جا سکتا۔ یہ ضروری ہے۔ کیونکہ صرف بے داغ کردار اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل افراد ہی مشکل میں پھنسی ہوئی قوم کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔ مذکورہ اصول کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم المرتبت صحابی اور انتہائی باعزت گورنر اور حضرت عمرؓ کے دور کے فاتح کے خلاف ایک مقدمہ ذیل میں دیا جاتا ہے جس کی باضابطہ تحقیقات محمد بن مسلمہ نے کی تھی۔

کوفہ سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور انھوں نے خلیفہ حضرت عمرؓ کے پاس حضرت سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ کی شکایت پیش کی۔ انھوں نے سخت احتجاج کیا اور اس کے خلاف شدید الزامات لگائے۔ کوفہ میں اس وقت ہنگامی حالات تھے پارسیوں نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج فارس کے تمام علاقوں اور صوبہ سندھ، خراسان اور حلوان سے نہاوند میں خلافت کے ساتھ ایک فیصلکن جنگ لڑنے کے لیے جمع کر لی تھی۔ سعد بن ابی وقاص کوفہ کے گورنر اور عراق و ایران میں مسلم افواج کے سپہ سالار تھے۔ وہ افرادی اور اسلحی قوت مجتمع کرنے میں بےحد مصروف تھے اور نہاوند کے میدانِ جنگ کی طرف کوچ کرنے کی تیاری کر رہے تھے اس نازک مرحلہ پر حضرت عمرؓ نے مسلم افواج کے سپہ سالار کے خلاف شکایت قبول کی۔ خلیفہ نے الجراح بن سنان شکایت کنندگان میں سے ایک کو مخاطب کیا اور کہا بظاہر شہادت اور ہنگامی حالات تمہاری شکایت کے حق میں نہیں۔ تاہم خدا کی قسم یہ ہنگامی حالت مجھے تمھارے اس معاملہ کی تحقیقات سے باز نہ رکھ سکے گی (وایم اللہ لا یمنعنی ذالک من النظر فیما لدیکم) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر معاملہ کی تحقیقات اور چھان بین کریں۔[۳۴]

محمد نے سعدؓ سے کہا جب تک افواج نہاوند کو روانہ ہوں وہ ان کے ساتھ اہل کوفہ کے درمیان ایک چکر لگائیں۔ وہ انھیں کوفہ کی تمام مسجدوں میں لے گئے۔ انھوں نے معاملہ کی پوچھ گچھ خفیہ طور پر نہیں کی کیونکہ معاملہ خفیہ نوعیت کا نہیں تھا۔ ہر مسجد میں وہ مجمع عام میں کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے سعد کے متعلق پوچھا۔ ہر جگہ لوگوں نے کہا "ہم سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتے۔ ہم ان کی عہدہ سے برطرفی نہیں چاہتے۔ ہمارے پاس اس معاملہ میں کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔" الجراح بن سنان اور اس کے ساتھی خاموش رہے۔ نہ انھوں نے سعدؓ کے خلاف کچھ کہا اور نہ اس کی تصدیق کی جو کچھ لوگ کہہ رہے تھے انھوں نے دانستہ (سعد کی) اس تعریف پر پردہ ڈالا۔ جو اس وقت لوگ کر رہے تھے۔ آخر تحقیقاتی ٹیم بنو عبس میں پہنچی۔ محمد نے کہا "خدا کی قسم کھا کر کہو کہ تم اس شخص کے متعلق سچ کے سوا کچھ نہ کہو گے۔" اسامہ بن قتادہ نے کہا

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سعد برابر برابر تقسیم نہیں کرتے (بالسویہ) اور یہ لوگوں پر انصاف سے حکمرانی نہیں کرتے (ولا یعدل فی الرعیہ) اور جنگ کے لیے باہر نہیں جاتے (ولا یغزو فی السریہ) بنواسد نے بھی الزام لگایا کہ سعد نماز احسن طریقے سے نہیں پڑھتے۔ (لا یحسن یصلی)۔

شکایت کنندگان اور اُن کے حامیوں کے بیانات سننے کے بعد محمد بن مسلمہ نے اپنی تفتیش مکمل کر لی اور سعد اور شکایت کنندگان کے ہمراہ مدینہ روانہ ہو گئے تاکہ انھیں مدینہ میں عدالت کے رُو برو پیش کر سکیں۔ افسر تحقیقات نے اپنی تفتیشی رپورٹ خلیفہ کو پیش کر دی۔ محمدؐ سے شکایت کی تفصیلات سن کر حضرت عمرؓ نے سعد سے بعض سوالات کیے تاکہ معاملہ مزید واضح ہو سکے۔ آپؓ نے دریافت کیا "اے سعد تمھاری شامت آئے! تم نماز کس طرح ادا کرتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا "میں پہلی دو رکعت میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور بعد کی دو رکعت میں چھوٹی سورتیں" حضرت عمرؓ نے کہا "تم سے اسی کی توقع تھی"۔ پھر آپ نے فرمایا "اگر احتیاط کا تقاضا نہ ہوتا تو ان کا راستہ بالکل صاف تھا (لولا الاحتیاط لکان سبیلھم بینا)۔

فیصلہ

"تفتیشی رپورٹ ملاحظہ کرنے اور شکایت کنندگان اور ان کے حامیوں کے بیانات سننے اور ملزم پر جرح کرنے کے بعد خلیفہ نے سعد کو کوفہ کی گورنری سے ہٹا دینے کا فیصلہ کیا۔ آپؓ نے دریافت کیا "کوفہ میں تمھارا نائب کون ہے اے سعد؟" انھوں نے جواب دیا "عبداللہ بن عتبان" حضرت عمرؓ نے اس کی توثیق کر دی اور اُسے گورنر مقرر کر دیا۔[۲۵]

مصر کے گورنر عیاض بن غنم کے خلاف ایک شکایت موصول ہوئی۔ اُن پر نفیس کپڑے پہننے اور دروازہ پر پہرہ دار بٹھانے کا الزام تھا۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ سے کہا کہ مصر روانہ ہو جائیں اور عیاض کو مصر میں جس حالت میں پائیں اسی میں لے آئیں۔ مصر پہنچنے پر محمد نے اسے نفیس کپڑوں میں ملبوس پایا۔ انھوں نے اُسے اسی حالت میں پکڑا اور مدینہ لے آئے اور اُسے خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے اُس کے نفیس کپڑے اُتروا دیئے اور کمبل سے بنی ہوئی پوشاک پہننے پر مجبور کر دیا۔ آپؓ نے بکریوں کا ایک ریوڑ بھی طلب کیا اور حکم دیا "یہ چرواہے کا ڈنڈا پکڑو اور ان بکریوں کو چراؤ"۔ عیاض انکار کی جرأت نہ کر سکا۔ تاہم وہ کہتا رہا "موت اس سے بہتر ہے"۔ (والموت خیر من ھذا) اس پر حضرت عمرؓ نے کہا "تم اس سے نفرت کیوں کرتے ہو۔ تمھارا باپ غنم کہلاتا تھا کیونکہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔[۲۶]

حج کے دوران مکہ میں سالانہ عدالت عالیہ

حضرت عمرؓ کے عہد کی عدلیہ کی نمایاں خصوصیات یہ تھیں۔ اولاً فوجداری شکایات کی وصولی اور تصفیہ اور دیوانی مقدمات کے فیصلہ میں تاخیر برداشت نہ کی جاتی تھی۔ دوم آپ کی خلافت میں قانون کے سامنے ہر فرد برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور کسی کے

... مرتبہ، سماجی حیثیت یا مذہبی عقائد سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ مدینہ میں ان کی عدالت کے دروازے دن رات کھلے رہتے اور شکایت کا ازالہ نہایت اہلیت سے کیا جاتا اور ملزم کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع دیا جاتا اور اگر وہ مجرم ثابت ہوتے تو انھیں سزا دی جاتی۔ شکایت کنندگان کی مزید سہولت اور آسانی کے لیے اور یہ اہتمام کرنے کے لیے کہ تمام خلافت میں حق و انصاف قائم ہے۔ آپؓ دورانِ حج مکہ میں ایک باقاعدہ سالانہ عدالت عامہ قائم کرتے۔ الطبری نے اپنے وقائع میں حضرت عمرؓ کے پہلے سال حکومت کے اختتام پر لکھا ہے کہ ہر سال خلیفہ خود حج میں شریک ہوتے۔ سوائے پہلے سال کے جب کہ آپؓ نے اپنی جگہ عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا[۳۷]۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ حج کے موقع پر عدالت لگاتے اور مختلف فریقین کے بیچ کھیچ جھگڑے طے کرتے اور ان کی شکایات کا ازالہ کرتے جو عام حالات میں کسی نہ کسی وجہ سے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا نہیں سکتے تھے[۳۸]۔ حضرت عمرؓ نے اس طریق میں خاطر خواہ اصلاح کی۔ آپؓ نے اپنے گورنروں کو حکم دیا کہ ہر سال حج پر حاضر ہوں۔ آپؓ اپنی عدالت کعبہ کے قریب لگاتے۔ اور لوگوں کو کسی بھی گورنر یا جابر کے خلاف شکایت پیش کرنے کی دعوت دیتے[۳۹]۔ ان موقعوں پر چھوٹی چھوٹی شکایات بھی پیش کی جاتیں اور موقع پر ہی ان کا ازالہ کر دیا جاتا۔ ایک مرتبہ آپؓ نے حج کے دوران جلسۂ عام بلایا اور لوگوں کو مخاطب کیا:

"اے لوگو! میں نے تم پر اپنے گورنر اس لیے مقرر نہیں کیے کہ وہ تمھارے تماچے لگائیں، تمھاری عزت پر دھبّہ لگائیں اور تمھارے اموال خورد برد کریں۔ میں نے انھیں اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ تمھیں تمھارے رَبّ کی کتاب اور سُنّتِ رسولؐ کی تعلیم دیں۔ پس اگر ان میں سے کوئی اس سے تجاوز کرے تو مظلوم اس کی زیادتی کی شکایت مجھ سے کرے تاکہ میں اس کی شکایت کا ازالہ کر سکوں۔"

اس موقع پر عمروؓ بن العاص برہم ہو گئے اور بولے:

"اے امیر المومنینؓ! آپؓ کیا خیال کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی گورنر مقرر کر دیا گیا ہو اور وہ ان میں سے کسی کو سزا دے تو کیا آپؓ اس کی شکایت کی بھی تلافی کریں گے؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

"ہاں! یقیناً میں اس کی تلافی کروں گا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے خلاف بدلہ دیتے دیکھا ہے۔"

اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا "آپؓ کے گورنر نے مجھے سو دُرّے مارے ہیں۔" حضرت عمرؓ نے حکم دیا: کیا تم گورنر کو سو دُرّے لگاؤ گے؟ آؤ دُرّے لگاؤ۔" عمرو بن العاص کھڑے ہو گئے اور بولے "اے امیر المومنین! اگر آپؓ اپنے گورنروں کے خلاف یہ دروازہ کھول دیں گے تو ان کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ یہ ایک نظیر بن جائے گی جس پر آپؓ کے بعد عمل ہو گا۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ میں کیوں بدلہ نہ دلاؤں جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے خلاف بدلہ دیتے دیکھا ہے۔ عمرو بن العاص نے بمشکل اس شخص کو آمادہ کیا کہ وہ ہر دُرّے کے بدلے دو درہم لے لے[۴۰]۔

قانون کے سامنے شاہ وگدا کی برابری

مکہ میں ایک سالانہ عدالت عالیہ کے دوران ایک بادشاہ اور ایک عام آدمی کا مقدمہ فیصلہ کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ جبلہ بن ایہم جو شام کی سرحد پر غسانی نسل کا بادشاہ تھا، اُس نے اسلام قبول کر لیا اور حج ادا کرنے مکہ آیا۔ طواف کعبہ کے دوران اس کی چادر کا ایک کونہ ایک بدو کے پاؤں تلے آگیا۔ جبلہ نے اسے ایک تھپڑ مارا۔ جواباً بدو نے بھی اسے ایک تھپڑ مارا۔ غصہ اور توہین سے جبلہ برہم ہو گیا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور بدو کی شکایت کی۔ واقعہ کی تفصیل سن کر حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا "تم نے اپنے عمل کا بدلہ پا لیا"۔ فیصلہ سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا اور بولا "ہم لوگ اتنے مرتبہ والے ہیں کہ اگر کوئی ہم سے بدتمیزی کرے تو وہ ختم کر دیا جاتا ہے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ صورتِ حال دورِ جاہلیت میں تھی۔ اسلام نے بلند رتبہ اور کم رتبہ والوں کو برابر کر دیا ہے"۔ آخری فیصلہ سن کر جبلہ نے کہا "اگر اسلام ایسا مذہب ہے جو اعلیٰ اور ادنیٰ میں فرق تسلیم نہیں کرتا تو میرے لیے اس سے وفاداری مشکل ہے"۔ اس کے بعد وہ چپکے سے قسطنطنیہ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے قانون اور انصاف کی بالادستی قائم رکھی اور ایک اہم شخص کی خاطر قانون نہیں بدلا۔[۴۱]

حضرت عمرؓ کے نظام عدل میں غیر مسلموں کا مقام

ایرانی سلطنت اور رومی سلطنت کے تمام ایشیائی و افریقی علاقے حضرت عمرؓ کی خلافت میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ دنیا کی بڑی جدید اور ترقی یافتہ سلطنتیں تھیں۔ یہ وسیع علاقہ ؛ عراق، شام، فلسطین، مصر ـــ بہت سے قدیم مذاہب اور نظامہائے قانون کا نقطۂ آغاز اور مرکز تھا۔ قدیم مجموعہائے قوانین کا آغاز یہیں ہوا اور یہیں انھوں نے ترقی کی اور ان پر عمل ہوا۔ ان علاقوں کے بڑے بڑے قانونی سلسلے جن میں قوانین حمورابی، آشوری قوانین، حتی قوانین، حتی ہدایات، جدید بابلی قوانین، معاہدہ مصر، دستاویزات مصر، میسوپوٹامیہ کی قانونی دستاویزات، سمیری قوانین، اکادی، آرامی، فونیشی، عبرانی، عربی اور حبشی شامل تھے۔ ان مجموعوں کے متون تلاش اور کھدائی کے ذریعہ جو مصر، میسوپوٹامیہ، ایشیا کوچک اور شام میں ہوئی دستیاب ہو گئے ہیں۔ خط میخی کے مطالعہ نے ان متون کی اہمیت واضح کر دی ہے۔ جیمز بی پریچارڈ نے ایک عظیم کتاب Ancient Near Eastern Texts Relating to the Old Testament, کے نام سے مرتب کی ہے۔ مندرجہ بالا مجموعے اور قوانین اس کتاب کے دوسرے حصہ جس کا نام "Legal Texts" ہے[۴۲] میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعے اور قوانین ان انتظامی، قانونی اور عدالتی اداروں کا قدیم پس منظر فراہم کرتے ہیں جو ان علاقوں میں رومیوں اور ایرانیوں نے قائم کیے تھے۔ یہ ابتدائے اسلام میں موجود تھے۔ رومی سلطنت کی بیشتر آبادی عیسائی ہو چکی تھی اور سلطنت فارس کے باشندوں کو مجوسی مذہب قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ یہودیوں کی ایک بڑی اقلیت بھی ان ممالک میں رہتی تھی اور باقی آبادی کافر و ملحد تھی۔

باوجود قیمتی قانونی ورثہ اور حاکموں کا مذہب قبول کر لینے کے ان سلطنتوں کے عوام سے یکساں برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا۔ محض ٹیکس ادا کرنے والے تھے، اور اگر ٹیکس کی وصولی سے حاکم مطمئن نہ ہوتا تو انھیں سخت سزا دی جاتی۔ قانونی اور عدالتی ادارے زیادہ تر ٹیکس نا دہندگان کو سزا دینے کے لیے تعزیری ادارے بن کر رہ گئے تھے اور رعایا کے حقوق پر کم ہی توجہ دیتے تھے۔[۴۳]

حاکموں کے ظلم اور عوام کے لیے بنیادی حقوق کی نفی نے خاص طور پر ان علاقوں میں اسلام پھیلانے اور لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اس کو قبول کرنے میں مدد دی۔ اسلام نے بنیادی انسانی حقوق کا ایک واضح اور مفصل ضابطہ بلالحاظ مذہب، نسل اور علاقہ کے عطا کیا۔ خلافت نے اس ضابطہ کے محافظ کی حیثیت سے اس پر سختی سے عمل کیا اور مسلم افواج اور فوجی مشینری عمل میں آجاتی اگر رومی یا ایرانی شہنشاہ اپنی رعایا میں اسلام کے پھیلاؤ اور اس اسلامی ضابطۂ حقوق انسانی کے قبول سے اپنی ظالمانہ حکومت کی تباہی کا خطرہ محسوس کر کے اس اسلامی نظریہ کی ابھرتی لہروں کو روکنے کی کوشش کرتے۔ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے فوراً امہ میں شامل کر لیے جاتے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بلا امتیاز برابر کے حقوق حاصل کر لیتے جو فوراً اسلام کے دائرہ میں داخل نہ ہو پاتے۔ وہ بھی اسلامی ضابطہ حقوق انسانی سے مستفید ہوتے۔ ان کی جان مال، عزت یا مذہب کے خلاف زیادتی کی صورت میں وہ ایک مؤثر اور اہل وغیر جانبدار نظام عدالت سے رجوع کر سکتے تھے۔

قرآنی ضابطۂ حقوق انسانی کے علاوہ غیر مسلموں کو ان کے حقوق اور مذہب کی حفاظت کی تحریری ضمانت بھی دی جاتی۔ ایسے معاہدے بہت مقدس خیال کیے جاتے۔ ان کو برقرار رکھا جاتا اور ان کی حفاظت بالکل اسی طرح کی جاتی جیسے خلافت کے دستور کی۔ اس طرح خلافت میں غیر مسلموں کو تمام دستوری حقوق حاصل تھے جب کہ اس سے قبل وہ رعایا تصور ہوتے اور حاکم کے رحم وکرم پر تھے۔ مندرجہ بالا کو ثابت کرنے کے لیے حضرت عمرؓ کا غیر مسلموں کے حقوق کا ایک ضابطہ جو ایلیا (یروشلم) کے لوگوں کے لیے ان کے ہتھیار ڈالتے وقت ۱۵ھ میں منظور کیا گیا تھا مثالاً درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

یہ ایک دستاویز امن ہے جو اللہ کے خادم عمرؓ امیر المومنین نے ایلیاء کے لوگوں کے لیے منظور کی۔

وہ انھیں جان، مال، گرجا، صلیب، بیمار و صحت مند اور ہر مذہبی فرقہ کو امان دیتے ہیں۔ ان کے گرجا قبضہ میں نہ لیے جائیں گے۔ نہ انھیں منہدم کیا جائے گا۔ وہ کم نہیں کیے جائیں گے نہ ان کی وسعت کم کی جائے گی۔ نہ ان کی صلیبیں نہ کوئی اور چیز ان کی جائیداد میں سے کم کی جائے گی۔

مذہب کے معاملہ میں ان پر زبردستی نہیں کی جائے گی۔ ان میں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ کوئی یہودی اہل ایلیاء کے ساتھ نہیں رہے گا۔ اہل ایلیاء اسی طرح جزیہ ادا کریں گے جس طرح دوسرے شہروں کے لوگ کرتے ہیں۔ وہ ایلیاء سے رومیوں اور بت پرستوں کو نکال دیں گے۔ ان میں سے جو چلے جائیں گے ان کے جان و مال اس وقت تک محفوظ

ہوں گے جب تک وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچیں اور اُن میں سے جو ٹھہریں گے وہ امن میں ہوں گے۔ وہ اہل ایلیا کی طرح جزیہ دیں گے۔ اہل ایلیا میں سے وہ لوگ جو اپنے جان و مال کے ساتھ رومیوں کے ساتھ جائیں گے اور اپنے گرجے اور صلیبیں خالی کر دیں گے۔ وہ اپنے جان و مال، گرجوں اور صلیبوں کے ساتھ اس وقت تک محفوظ رہیں گے جب تک وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچیں۔ غیر ملکیوں میں سے جو ایلیا میں کوئی قتل کئے بغیر رہ رہے ہیں۔ اگر رہنا چاہیں تو اہل ایلیا کی طرح جزیہ ادا کریں گے۔ جو ایسا کرنا چاہیں وہ رومیوں کے ساتھ جا سکتے ہیں۔ جو اپنی قوم میں واپس جانا چاہیں۔ ان سے اس وقت تک کچھ نہیں لیا جائے گا جب تک اُن کی فصلیں کاٹی جائیں۔

اس معاہدہ کے مندرجات پر اللہ، اس کے رسولؐ، ان کے جانشینوں اور تمام مومنین کی ضمانت ہے۔ اس وقت تک جب تک وہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان گواہ تھے، حضرت عمرؓ نے اسے مکمل کیا اور ۱۵ھ میں اس پر دستخط کیے۔

مندرجہ بالا دستاویز میں غیر مسلموں کے بنیادی حقوق و مراعات درج ہیں۔ انھیں اپنے مذہب، سماج اور قومی معاملات میں زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی گئی تھی اور انھیں جان و مال اور مذہب کی امان دی گئی تھی۔ ان کے گرجوں اور صلیبوں کو دستوری و قانونی حفاظت فراہم کی گئی تھی۔ ان کی پرستش کی جگہوں کی تعداد قائم رکھنے کی واضح ذمہ داری تھی اور ان کے گرجوں کی حدود میں قبضہ مخالفانہ کے خلاف بھی ضمانت تھی۔ اللہ کے وعدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت کے ساتھ ان کو مکمل آزادی حاصل تھی اور مذہب کے معاملہ میں ان پر کوئی زبردستی نہیں کی جاتی تھی۔ غالباً یہ عیسائیوں کی واضح یا مبینہ خواہش تھی کہ معاہدہ میں ایک شق یہود کے انخلاء کی رکھی گئی کیونکہ عیسائی صدیوں سے حضرت عیسیٰ کو یروشلم میں مصلوب کرنے کی بناء پر ناراض تھے۔ ان کی شکایت دُور نہیں ہوئی تھی۔ یہ دنیا میں ایک منفرد دستاویز حقوق و مراعات ہے جو کسی فاتح نے مفتوح کو دی۔

جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے یہ دستاویز مثالاً پیش کی گئی ہے ورنہ ایسی ضمانت مختلف علاقوں اور شہروں کے اُن غیر مسلموں کو دی گئی جنھوں نے افواجِ اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ تمام ایسی ضمانتیں، معاہدے اور دستاویزات روشن ضمیری کے ساتھ ٹھیک ٹھیک پوری کی گئیں۔ کسی موقع پر اگر مسلمان اہلِ اقتدار اپنے اختیار سے باہر حالات کے باعث اس حیثیت میں نہ تھے کہ غیر مسلموں کی جان، مال، آبرو اور مذہب کی حفاظت کر سکیں تو انھوں نے ان کی حفاظت کی جو رقم (جزیہ) وصول کی تھی وہ لوٹا دی۔ ایک مثال نمونۃً پیش کی جاتی ہے:

حمص (حمص، قدیم ایمیسا، مرکزی شام کا ایک شہر) کی ابوعبیدہ کے ہاتھوں فتح کے بعد رومی شہنشاہ نے اپنی تمام فوج انطاکیہ (انتوخ) میں مسلمانوں سے آخری جنگ کے لیے جمع کر لی۔ حمص مسلم افواج کے لیے ایک اچھی جگہ نہ تھی، جہاں وہ رومیوں کی متحدہ فوجی قوت کا مقابلہ کر سکتے۔ ان حالات میں ابوعبیدہ، کمانڈر افواجِ اسلام نے فوجی شوریٰ کا جلسہ طلب کیا تاکہ صورتِ حال پر غور کر سکیں۔ مجلس میں یہ طے پایا کہ حمص سے پیچھے ہٹ جائیے اور دمشق میں خالد بن ولید سے مل جایا جائے۔ ان حالات میں پسپا ہوتی افواج سنگین زیادتیاں کرتی ہیں اور مفتوح لوگوں سے زیادہ سے زیادہ

... وصول کرنے کی کوشش کرتی ہیں، خاص طور پر جب وہ دشمن کے مذہب کے پیرو ہوں۔ دوسری طرف الوعبیدہ کمانڈر اسلامی افواج حمص کی عیسائی آبادی کے حقوق و مراعات کے بارے میں متفکر تھے۔ انھوں نے اُنھیں ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دی تھی۔ درپیش مرحلہ میں وہ اپنے وعدہ پر قائم رہنے کے قابل نہ تھے۔ اس نازک مرحلہ پر گورنر شام اور افواج اسلامی کے سپہ سالار کا مندرجہ ذیل فیصلہ تاریخ میں ثبت ہے۔

الوعبیدہ نے اپنے خزانچی حبیب بن مسلمہ کو بُلایا اور یُوں حکم دیا۔ جزیہ یا خراج ایک ٹیکس ہے۔ جو عیسائیوں سے دشمنوں کے خلاف ان کی حفاظت کے لیے لیا جاتا ہے۔ موجودہ نازک حالات میں ہمارے لیے ان کی حفاظت ممکن نہیں۔ پس جو کچھ ان سے اکٹھا کیا ہے لوٹا دو اور اُن سے کہہ دو کہ ہم ان کا اب بھی بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ کیونکہ موجودہ حالات میں ہم تمھیں موعودہ حفاظت فراہم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جزیہ جو تمھاری حفاظت کا معاوضہ ہے تمھیں واپس کیا جاتا ہے۔ (ردانکم فقد اشترطتم علینا ان نمنعکم انا لا نقدر علی ذالك وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم) خزانچی نے الوعبیدہ کے اس حکم کی تعمیل کی لاکھوں کی رقم عیسائیوں اور یہودیوں کو لوٹا دی۔ وہ مسلمانوں کے اس جذبۂ انصاف سے اس قدر متاثر ہوئے کہ رو دیئے اور جذبات سے پکار اُٹھے۔ "خدا انھیں واپس لائے"۔ یہودی زیادہ متاثر ہوئے اور بولے۔ "ہم تورات کی قسم کھاتے ہیں جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکے گا"۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے قلعہ کے دروازے بند کر دیئے اور اہم جگہوں پر پہرے دار مقرر کر دیئے[۴۵] الوعبیدہ کا مندرجہ بالا فیصلہ دوسرے شہروں میں بھی نافذ ہوا جہاں سے مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ دوسرے علاقوں کے سالاروں کو ایک حکم نامہ جاری کر دیا گیا تھا جس میں انھوں نے عیسائیوں اور یہودیوں سے جمع کیا ہوا جزیہ اپنے علاقہ سے پسپائی سے قبل اُنھیں واپس کر دینے کے لیے کہا گیا تھا۔[۴۶]

عیسائیوں کے ساتھ سب سے زیادہ انصاف کا سلوک کیا گیا خواہ ان میں سے بعض باغی ہو گئے تھے۔ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کر چکے تھے۔

شام اور ایشیا کوچک کے درمیان ایک سرحدی شہر عربسوس مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ اس کی عیسائی آبادی سرحد کی دوسری جانب اپنے ہم مذہبوں کے لیے مخبری میں ملوث ہوئی۔ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی تھی۔ عمیر بن سعد اس علاقہ کے گورنر نے اس بے وفائی کی اطلاع مدینہ میں خلیفہ کو دی۔ یہ ایک اہم معاملہ تھا اور سزائے موت کا مستوجب تھا۔ تاہم حضرت عمرؓ نے ان سے نرمی کا سلوک کیا۔ محض اس لیے کہ وہ ذمی تھے۔ آپؓ نے امیر کو مندرجہ ذیل حکم بھیجا:

اُن کی جائیداد اور املاک زمین، مویشی اور اموال کی ایک فہرست تیار کرو۔ ہر چیز کی دوگنی قیمت اُنھیں دے دو اور اُنھیں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جانے کا حکم دے دو۔ اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوں تو انھیں سال کی مہلت دے دو اور پھر جلاوطن کر دو۔ کیونکہ انھوں نے تنبیہ پر عمل نہ کیا اس لیے جلاوطنی کے احکامات نافذ کر دیئے گئے۔[۴۷]

ایسے مقدمات بیان کیے گئے ہیں جن میں ذمیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر سمجھا گیا۔ الشافعیؒ

ـے حضرت عمرؓ کا مندرجہ ذیل فیصلہ قلم بند کیا ہے :

قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا ۔ علاقہ کے جج نے حضرت عمرؓ سے مشورہ طلب کیا جو اسلامی عدلیہ کے سربراہ تھے ۔ حضرت عمرؓ نے مندرجہ ذیل عدالتی حکم بھیجا :

قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دو ۔ اس حکم کی تعمیل میں قاتل کو حنین کے سپرد کر دیا گیا جو مقتول کا وارث تھا ، اُس نے اُسے قتل کر دیا۔[۴۸]

شام سے ایک ذمی مدینہ آیا اور خلیفہ سے شکایت کی کہ اپنی پیش قدمی کے دوران مسلم افواج نے اس کی فصل تباہ کر دی ہے ۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا اور اپنے افسرِ خزانہ کو کہا کہ اُسے معاوضہ میں ایک ہزار درہم ادا کر دے۔[۴۹]

عمرو بن العاص کی انتظامی اور عدالتی عملداری میں ایک ذمی عیسائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے ایک صحابی عرفہ کی موجودگی میں گالی دی ۔ عرفہ یہ برداشت نہ کر سکے اور اُسے ایک تھپڑ مارا ۔ عیسائی نے عمروؓ بن العاص کے سامنے شکایت کی ۔ عرفہ کو عدالت انصاف میں طلب کیا گیا ۔ اور معاملہ کی تحقیقات کی گئیں ۔ عرفہ نے سارا واقعہ بیان کیا ۔ عمروؓ نے اُنھیں معاہدہ کی متعلقہ شق یاد دلائی جس میں ذمیوں کو پناہ دی گئی تھی ۔ عرفہ نے عرض کیا "خدا معاف کرے! اُنھیں سرِعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کی اجازت نہیں دی گئی ۔ معاہدہ میں اُنھیں آزادی گفتار اور اپنے گرجا میں عبادت کی آزادی دی گئی ہے ۔ اُنھیں دشمنوں کے خلاف پناہ بھی دی گئی ہے اور یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ مسلمان ان کی طرف سے دشمنوں سے لڑیں گے ۔ ان سے یہ بھی وعدہ کیا گیا ہے کہ ان پر کوئی ناقابلِ برداشت بوجھ نہیں ڈالا جائے گا" ۔ عمرو بن العاصؓ نے عیسائی کی شکایت ہمدردی سے سُنی اور عرفہ کے دلائل پر بھی توجہ دی ۔ اس کے بعد اُس نے فیصلہ کیا کہ عرفہ نے معاہدہ کی کسی شق کی خلاف ورزی نہیں کی تھی ۔ یہ شکایت کنندہ خود ہی تھا جس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ اسلام کو گالیاں دی تھیں۔[۵۰]

مندرجہ بالا سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں غیر مسلموں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری حاصل تھی اور اگر انھیں کوئی شکایت ہوتی تو وہ عدالت سے رجوع کر سکتے تھے اور عدالتیں اُن کی شکایت کا ازالہ انتہائی اہلیت اور انصاف سے کرتیں ۔ ہم اس بحث کو اس قاعدہ پر ختم کرتے ہیں جو خالد بن الولید سپہ سالار مسلم افواج نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دوران مقرر کیا تھا اور جس پر حضرت عمرؓ کے عہد میں ساری مملکت میں عمل ہوتا رہا ۔ ریاست کے معاملات میں مسلم اور غیر مسلم مساوی تصور ہوتے تھے ۔ ایک مسلم کو غیر مسلم کے بدلہ میں قتل کر دیا جاتا تھا ۔ مسلمانوں کو ڈانٹا جاتا ۔ اگر اُنھوں نے غیر مسلموں کو ڈانٹا ہوتا ۔ معذور اور محتاج مسلمان اور غیر مسلم ریاست کے خزانہ سے گھر بیٹھے وظیفہ حاصل کرنے میں برابر کے حق دار تھے ۔ متعلقہ قاعدہ مندرجہ ذیل تھا :

میں نے اُنھیں یہ استحقاق دیا ہے کہ ایسے بوڑھے شخص کے معاملہ میں جو معذور ہو چکا ہو یا جس پر کوئی آفت آ گئی ہو یا وہ امیر تھا ، پھر وہ غربت میں مبتلا ہو گیا تھا اور اس کے ہم مذہبوں نے اسے خیرات دی ۔ ایسا شخص جزیہ سے مستثنیٰ ہو گا۔

...ے لواحقین مسلمانوں کے خزانہ سے اُس وقت تک وظیفہ پائیں گے جب تک وہ دار الہجرہ (مدینہ) اور دار الاسلام (خلافت) میں رہیں گے۔ اگر وہ دار الہجرہ اور دار الاسلام ہجرت کر جائیں تو مسلمان انھیں وظیفہ دینے کے پابند نہ ہوں گے۔[۵۱]

اس قاعدہ کی حمایت میں اپنے دورِ خلافت میں حضرت عمرؓ نے قرآن کا حوالہ دیا۔ آپ نے حکم جاری کیا اور وہ افسرِ خزانہ کو بھیجا۔ قرآن کے ضابطہ میں، اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ (صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا) لفظ الفقرآء مسلمانوں پر حاوی ہے۔ اور المسٰکین میں اہلِ کتاب بھی شامل ہیں۔ یہودی، عیسائی (والفقرآء هم المسلمون وهٰذا من المسٰكين من اهل الكتاب) مندرجہ ذیل واقعہ اور اُس پر حضرت عمرؓ کا فیصلہ اس حکم کا پس منظر تھا۔[۵۲]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک غیر مسلم بھکاری دیکھا۔ آپؓ نے اس سے پوچھا "تم بھیک کیوں مانگتے ہو؟" اس نے جواب دیا "جزیہ ادا کرنے، دیگر ضروریاتِ زندگی کے لیے اور بڑھاپے کے باعث" (اسئلُ الجزيه والحاجه والسن) حضرت عمرؓ اُسے اپنے گھر لے گئے اور اُسے کچھ رقم دی۔ اس کے بعد آپؓ نے ایک حکم جاری کیا اور اُسے بیت المال کو بھیج دیا۔ آپؓ نے حکم دیا تھا "اس آدمی کو دیکھو اور اس جیسے دوسروں کو۔ بخدا ہم نے اس سے انصاف نہیں کیا ہے۔ ہم نے اس کی جوانی کھالی اور بڑھاپے میں اُسے ذلیل کیا" حضرت عمرؓ نے اسے اور اُس جیسے دوسروں کو جزیہ معاف کر دیا۔[۵۳]

بلا خوف انصاف

حضرت عمرؓ کی انتظامیہ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپؓ بلا خوف و رُو رعایت انصاف کرتے تھے۔ ان کے غیر جانبدار انصاف کی مثالیں اگلے حصہ میں دی جائیں گی۔ جہاں تک اُن کے بلا خوف انصاف کا تعلق ہے۔ یہ کہہ دینا کافی ہے کہ نہ سب سے طاقتور شخص اور نہ کوئی ہنگامی حالت کبھی اُن کی خلافت میں اُن کے دماغ میں کسی پریشانی یا بیقراری کا باعث ہوئے۔ مقدمات کے صحیح فیصلہ پر پہنچنے میں اور احکام جاری کرنے میں۔ اُن کے بلا خوف انصاف کی ایک نمایاں مثال خلافت میں ہنگامی حالات کے دوران وہ مقدمہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صحابی سعد بن ابی وقاص[۵۴] گورنر کوفہ اور ایران و عراق میں سپہ سالار افواج اسلامی پر غنائم برابر سے تقسیم نہ کرنے اور لوگوں میں انصاف نہ کرنے اور جنگ میں حصہ نہ لینے کا الزام تھا۔ (فانه لا يقسم بالسويه ولا يعدل فى الرعيه ولا يغزو فى السريه)[۵۵]

شکایت کنندگان نے حضرت عمرؓ کے پاس نازک وقت میں شکایت کی جبکہ شہنشاہ ایران نے ساری سلطنت سے ساری فوجیں نہاوند میں جمع کر لی تھیں تاکہ مسلمانوں سے آخری معرکہ لڑے۔ حضرت عمرؓ کے حکم پر سعد بن ابی وقاص سپہ سالار مسلم افواج شہنشاہ کے مقابلہ کے لیے پوری تیاری کے بعد کوفہ سے کوچ کر رہے تھے۔ اس ہنگامی حالت نے آپؓ کے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں ہونے دیا اور انصاف کا پرچم بلند رکھنے کے لیے آپؓ نے حکم دیا کہ سعد بجائے نہاوند کے میدانِ جنگ کی طرف کوچ کرنے کے مدینہ کی عدالت انصاف کی طرف چل پڑیں۔ اس ہنگامی صورتِ حال میں حضرت عمرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم! یہ مجھے تمھارے معاملہ کی چھان بین سے نہیں روک سکتا" (وايم الله لا يمنعنى ذلك

من النظر فی مالدیکم)[۵۶] اس پر حضرت عمرؓ نے محکمہ تفتیش کے سربراہ محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر ابتدائی تفتیش کریں۔ بظاہر شہادت کی بناء پر مقدمہ ایسا تھا کہ خلیفہ اس کی سماعت کریں۔ چنانچہ سپہ سالار جو ملزم تھا اُس کو حکم دیا گیا کہ عدالت میں حاضر ہو کر صفائی پیش کرے۔ سماعت ہوئی۔ گو سائلان کوئی محکم ثبوت اپنی حمایت میں پیش نہ کر سکے تب بھی حضرت عمرؓ نے سپہ سالار کو اس کے عہدے سے برطرف کرنے کا فیصلہ کیا۔[۵۷] اس طرح سعد بن ابی وقاص کی قوت، مقبولیت اور شہرت اور ہنگامی حالت جو اعلانِ جنگ کے باعث تھی اور سعد کی انتہائی اہمیت جو ایرانیوں کے خلاف قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ کا فاتح تھا اور جس نے موجودہ جنگ کے لیے آدمی اور سامان بھی فراہم کر لیا تھا۔ سب کے باوجود حضرت عمرؓ نے اس پر مقدمہ چلایا اور انھیں ان کے عہدہ سے برطرف کر دیا۔ کیا کوئی قوم بلاخوف انصاف کی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟

مشہور کمانداروں، فاتحوں اور طاقت ور گورنروں اور منتظمین جیسے مغیرہ بن شعبہ[۵۸]، عیاض بن غنم[۵۹] کی مثالیں پہلے اُوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ ابو موسیٰ الاشعری کو بھی ان کے خلاف ایک شکایت کے سلسلہ میں مدینہ طلب کیا گیا تھا اور اُن پر مندرجہ ذیل الزامات پر مقدمہ چلایا گیا تھا:۔

۱۔ اُس نے جنگی قیدیوں میں سے ساٹھ شہزادے چُن لیے ہیں اور اُن پر قبضہ کر لیا ہے۔

۲۔ اُس نے اپنے انتظامی اختیارات زیاد بن سمیہ کو سونپ دیئے ہیں اور وہی مختارِ کل ہے۔

۳۔ اس کی ایک لونڈی کو اعلیٰ خوراک دی جاتی ہے۔ جو عموماً مسلمانوں کو میسّر نہیں۔

ابو موسیٰ نے عدالت میں اپنا بیان دیا جس میں اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ حضرت عمرؓ نے خود یہ بیان قلم بند کیا۔ مقدمہ کی سماعت کے بعد اور ملزم کے بیان اور شہادتوں کا جائزہ لے کر حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا۔ آپؓ کے مطابق پہلا الزام بے بنیاد تھا اس لیے وہ چھوڑ دیا گیا۔

دوسرے الزام پر ابو موسیٰ نے بیان کیا تھا: زیاد ایک طباع (جوہرِ قابل) اور بڑا مدبر ہے۔ اس لیے میں نے اُسے اپنا مشیر مقرر کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے زیاد کو طلب کیا اور اُس کا بیان لیا۔ وہ واقعی ایک لائق آدمی تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے خود اُسے گورنر بصرہ کا مشیر مقرر کیا۔

تیسرے الزام پر ابو موسیٰ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا اس لیے وہ لونڈی اُن سے لے لی گئی۔[۶۰]

بلاخوف انصاف کی معیاری مثال حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ ہے جو خالد بن الولید کے خلاف شکایت پر کیا تھا۔ فردِ جرم میں مندرجہ ذیل الزامات[۶۱] خالد پر ان کی شام کے علاقہ قنسرین میں سالارِ افواجِ اسلامی کی مدّتِ ملازمت کے دوران لگے تھے:

۱۔ ابو عبیدہ جو شام میں مسلم افواج کے سپہ سالار تھے انھوں نے فتح حمص کے بعد خالد بن الولید کو قنسرین میں علاقائی سالار مقرر کیا۔ الحاضر کے مقام پر رومی سپہ سالار اور ہرقل کے بعد رومیوں میں چوٹی کے آدمی نے خالد کی فوج پر

کر دیا۔ میناس قتل ہو گیا اور رُومیوں کا مکمل قلع قمع ہو گیا۔ الحاضر کے لوگوں کا گروہ جو رومیوں کے ساتھ مسلمانوں سے جنگ کرتا رہا، مقامی عرب عیسائیوں پر مشتمل تھا۔[۶۲] اپنی شکست کے بعد اُنھوں نے مندرجہ ذیل معذرت خالد کو بھیجی :

"وہ عرب ہیں۔ وُہ دوسروں کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ وہ جنگ میں حصہ لینے کے لیے رضامند نہ تھے۔ (انهم عرب وانهم انما حشروا ولم يكن من رأيهم حربه۔[۶۳]

خالد بن الولید نے یہ معذرت قبول کر لی اور انھیں چھوڑ دیا (فقبل منهم وتركهم)۔[۶۴]"

خالد بن ولید کا مندرجہ بالا عمل اسلامی فوجی قوانین کے خلاف تھا۔ قوانین میں اسے معاہدہ کی جو بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیں (صلحًا) والے دشمن سے کیا جائے شرائط مقرر تھیں۔ اس میں ایسے دشمن سے مختلف شرائط دی تھیں جو مسلمانوں سے لڑے اور شکست کھا جائے (عنوةً) مندرجہ بالا عرب عیسائیوں نے درحقیقت شدید جنگ (قتالاً شديداً) میں مسلمانوں کے خلاف حصہ لیا تھا اور شکستِ فاش سے دوچار ہوئے تھے۔ خالد نے اس معاملہ میں بالفعل جنگ کرنے والوں اور سرِ جنگ کرنے والوں کے لیے مقرر شرائط میں سے کوئی شرط بھی عاید نہ کی۔ ایسا رویہ اسلامی فوجی قوانین میں ناقابلِ معافی تھا۔[۶۶] لڑنے والے دشمن کو شکست کے بعد جنگی قیدی بنانا ضروری تھا اور اسی کے مطابق سلوک کرتے ہوئے قوانین میں مقررہ شرائط عائد کرنا چاہیے تھیں۔ ان کو پاسداری یا معاوضہ پر چھوڑ دینا ریاست کے سربراہ کا خصوصی استحقاق تھا۔ خالد نے فوجی قانون پر عمل نہیں کیا اس لیے اس کی خلاف ورزی پر مورد الزام ٹھیرایا :

۱۔ جب خالد کے عمل کی خبر حضرت عمرؓ کو ملی، آپؓ نے اس پر الزام عاید کیا : "خالد نے اپنے آپ کو مختار بنا لیا ہے۔" (امر خالد نفسه[۶۷])

۲۔ اس کی قنسرین کی کامیاب مہم کے بعد خالد فرصت اور تفریح کے موڈ میں غسلخانہ میں داخل ہوا اور شراب (خمر) آمیز سیال اپنے بدن پر ملا۔ یہ اطلاع ملنے پر حضرت عمرؓ نے خالد کو لکھا : مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم نے شراب (خمر) کی مالش کی جبکہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی ظاہر خاصیت اور باطن خاصیت اور اس کی مالش منع کر دی ہے۔ پس اپنے جسموں پر اس کی مالش نہ کرو (بلغني انك تدلكت بخمر وان الله قد ظاهر الخمر وباطنه ومسه فلا تمسوا اجسادكم[۶۸]) الزام کے متعلق خالد کے جواب سے حضرت عمرؓ کی تسلی نہیں ہوئی۔ آپؓ نے اپنی ناراضی کا اظہار یہ کہہ کر کیا "مغیرہ کے بیٹے (خالد کے دادا) دائمی نفرت کی طرف مائل ہیں۔ اللہ انھیں اس پر فنا نہ کر دے"[۶۹]

۳۔ فتح قنسرین کی تکمیل پر خالد بن الولید کو غنیمت کا بہت بڑا حصہ ملا۔ بہت سے لوگوں نے اس کی داد و دہش سے فیض پایا (فانتجع خالداً رجال من اهل الآفاق) الاشعث بن قیس ان فیض پانے والوں میں سے ایک تھا جس کو اس نے دس ہزار درہم دیئے تھے (کان الاشعث بن قیس ممن انتجع خالداً

یقشرین ناجازۃ بعشرۃ الاف) یہ حضرت عمرؓ کو بتایا گیا۔ آپؓ نے اسے مندرجہ ذیل ہدایات بھیجیں:
تم کسی کو ایک بکری یا ایک اونٹ میری پیشگی منظوری کے بغیر نہ دو گے (کتب الی خالد ان لا تعطی شاۃ ولا بعیرا الا بامری)۔

یہ صدر مقام سے ہدایات پا کر خالد نے ان پر عمل کرنے کے بجائے جواب دیا: یا مجھے تنہا چھوڑ دیا جائے اور اپنی مرضی سے آزادانہ کام کرنے دیا جائے یا آپ اپنی کارروائی فرمائیں۔ ابن حجر نے ایک بیان کا حوالہ دیا ہے جو صاف صاف کہتا ہے کہ خالد کی معزولی اس کی بے ضابطگی کے سبب تھی۔ یعنی غنائم تقسیم کرنے کے بعد وہ عادتاً اس کا حساب خلیفہ کو پیش نہ کرتا تھا (وکان سبب عزل عمر خالد" اما ذکرہ الزبیر بن بکار قال کان خالد اذا سار الیہ المال قسمہ فی اھل الغنائم ولم یرفع الی ابی بکر حسابا)۔

مندرجہ بالا پس منظر کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے خالد بن الولید پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ آپؓ نے ایک پیام رساں کو بلایا اور اسے مندرجہ ذیل تحریری حکم دیا جو ابوعبیدہ شام میں اسلامی فوج کے سپہ سالار کے نام تھا:

"خالد کو کھڑا ہونے کو کہو اسے اسکی پگڑی سے باندھو۔ اس کے سر سے اُس کی ٹوپی اُتار دو۔ جب تک وہ تمہیں وہ ذرائع نہ بتائے جن میں سے اس نے الاشعث کو انعام دیا۔ کیا اُس نے یہ ذاتی ملکیت میں سے دیا یا ریاست کے مال میں سے جو بطور غنیمت اس کے ہاتھ لگا تھا (من مالہ ام من اصابۃ اصابھا) اگر وہ یہ کہے کہ اُس نے یہ ریاست کے مال میں سے دیا ہے تو اس نے اپنی خیانت قبول کر لی۔ اگر وہ کہے کہ اس نے اپنے ذاتی مال میں سے دیا تو اُس نے فضول خرچی کی ہے۔ (فقد اقر بخیانۃ وان زعم انھا من مالہ فقد اسرف) اسے ہر دو صورت میں معزول کر دو اور اس کے کام کو سنبھال لو (واعزلہ علی کل حال وضمم الیک عملہ)"

ابوعبیدہ نے خالد کو عدالت میں حاضری کے لیے طلب کیا۔ اس کی آمد پر ابوعبیدہ نے لوگوں کا جلسۂ عام بلایا۔ ان کے درمیان وہ خود منبر پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ کا ایلچی (بلالؓ) کھڑا ہوا اور خالد سے پوچھا "اس نے کہاں سے الاشعث کو دس ہزار (درہم) عطا کیے" خالد نے جواب نہ دیا۔ ابوعبیدہ خاموش تھے اور کچھ نہیں بولے تھے۔ اس پر بلال کھڑا ہو گیا اور بولا "امیر المومنین نے تمھارے معاملہ میں یہ یہ حکم دیا ہے" اس نے اس کی پگڑی اُتاری خالد نے اس کی مزاحمت نہ کی کیونکہ حکم "سننے اور تابعداری کرنے" کا تھا۔ اس نے اس کی ٹوپی بھی اُتار دی۔ پھر اس نے اُسے کھڑا کیا اور اس کی پگڑی سے باندھ دیا اور پوچھا "تم نے الاشعث کو تحفہ کہاں سے دیا؟" کیا تم نے یہ اپنی ملکیت میں سے دیا یا ریاست کے مال میں سے جو تمہارے پاس تھا۔ اس نے اقبال جرم کیا "اپنے مال میں سے" اُس نے اُسے رہا کر دیا اور اُس کی ٹوپی اس کے سر پر دوبارہ رکھ دی اور اس کی پگڑی بلال نے خود اپنے ہاتھ سے باندھ دی۔ اس پر وہ بولا:

"... کی بات سُنتے ہیں اور مانتے ہیں اور اپنے اہلِ اقتدار کی عزّت کرتے ہیں اور اُن کی خدمت کرتے ہیں[۵]۔"

مقدّمہ کی سماعت کے بعد خالد کو حضرت عمرؓ کی طرف سے اپنی برطرفی کا حکم ملا جس میں اسے ان کے سامنے مدینہ میں پیش ہونے کی ہدایت بھی تھی۔ اس کے بعد وہ قنسرین لوٹ گیا اور وہاں سے حمص جہاں اُس نے لوگوں کو ایک الوداعی خطاب کیا اور مدینہ روانہ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ نے خالد کے خلاف الزامات کی تحقیق کا حکم دیا اور عدالتی کارروائی کی تفتیش کے نتیجہ میں خالد کو اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔ تفتیش اور عدالتی کارروائی نہایت غیر جانبداری اور بے خوفی سے کی گئی۔ خالد کو اپنے خلاف الزامات کے سلسلہ میں اپنی صفائی کا پورا موقع دیا گیا۔ ان کی توجیہہ قابلِ قبول نہ سمجھی گئی۔ پھر ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور اسے ذمہ دار قرار دے دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے بلا خوف، عدالت کا فیصلہ نافذ کیا۔

اپنے مقدمہ کی سماعت کے وقت خالد اپنی قوت مقبولیت اور شہرت کے عروج پر تھا۔ وہ جنگِ مُوتہ کا ہیرو تھا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی تھی جس پر اُسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "سیف اللہ" کا لقب دیا گیا تھا۔ وہ ارتداد کی لڑائی کا فاتح تھا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد عرب میں پھیل گئی تھی۔ وہ عراق میں اور پھر شام میں سپہ سالار مقرر رہا تھا۔ وہ شام کی فیصلہ کُن جنگ یرموک و دمشق کا ہیرو تھا اور بہت مقبول تھا اور حمص و قنسرین کی فتح میں اپنے سپاہیوں کا منظورِ نظر تھا۔ مندرجہ بالا مردانگی کے کام، فتوحات اور اُن کے نتیجہ میں خالد کی طاقت، مقبولیت اور شہرت ایک طرف تھی اور نفاذ انصاف اور اُس کی بالادستی کا قیام دوسری طرف تھا۔ خالد سرکاری اور سماجی مرتبہ اور فوج میں اُس کی مقبولیت نے جب ان کے پاس اس کی شکایت پیش کی گئی حضرت عمرؓ کے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں کیا۔ آپؓ نے خالدؓ کے خلاف اپنا فیصلہ نافذ کیا جب اُس کے خلاف الزام ثابت ہو گیا تھا۔

مندرجہ بالا بحث ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور خالدؓ کے تعلقات کے متعلق غلط فہمیوں کا حوالہ دیا جائے جو بعض مؤرخین کے متعصب بیانات کے مطابق حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی غیر جانبداری میں شک پیدا کرتے ہیں۔ الطبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے مندرجہ ذیل بیان قلمبند کیا ہے:

حضرت عمرؓ نے خالد کو ان باتوں کی بناء پر برطرف کیا جو اُن کے خلاف اس کی کہی ہوئی سمجھی جاتی ہیں حضرت عمرؓ اس سے ناراض رہے اور اس کے اعمال کو حضرت ابو بکرؓ کے پورے عہد میں ناپسند کرتے رہے۔ ناپسندیدگی کی وجہ خالد کا وہ طرزِ عمل تھا جو اُس نے ابن نویرہ اور اس کے خلاف جنگ میں اختیار کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو ان کا پہلا حکم خالدؓ کی برطرفی تھا، آپؓ نے کہا "وہ (خالد) میرے تحت کسی عہدہ پر نہیں رہے گا" اس پر حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو لکھا "اگر خالد اقبالِ جرم کرے تو وہ اپنے موجودہ عہدہ پر برقرار رہے گا۔ اگر وہ اقبالِ جرم نہ کرے تو تم اس کا عہدہ سنبھالو گے۔ اس کے بعد اس کی پگڑی اس کے سر سے اُتار دو اور اُس کی جائیداد آدھی آدھی کر دو جب

ابو عبیدہ نے یہ حکم خالد کو پہنچایا اُس نے کہا "مجھے اجازت دو کہ میں اپنے معاملہ میں اپنی بہن سے مشورہ کر لوں۔" ابو عبیدہؓ نے اسے ایسا کرنے کی اجازت دے دی۔ خالد اپنی بہن فاطمہ بنت الولید زوجہ الحارث بن ہشام کے پاس گیا اور اُسے صورت حال بتائی اُس نے کہا "خدا کی قسم! حضرت عمرؓ تمھیں پسند نہیں کرتے وہ چاہتے ہیں کہ تم اقبال جرم کر لو، تاکہ وہ تمھیں برطرف کر سکیں۔ اُس نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور کہا "خدا کی قسم! تم نے سچ کہا ہے۔" اُس نے اپنی راہ عمل طے کی اور اقبال جرم سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت بلالؓ کھڑے ہو گئے اور ابو عبیدہ کی طرف بڑھے اور کہا خالد کے متعلق ان کا کیا حکم تھا؟ اُس نے جواب دیا "میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اس کی پگڑی اُتار لو اور اس کی جائیداد کے حصے کر دو۔" اس نے اس کی ہر چیز سوائے جُوتوں کے تقسیم کر دی۔ ابو عبیدہ نے کہا "یہ معاملہ صرف اس سے ہی فیصل ہو گا۔" اس پر خالد نے کہا "آگے بڑھو میں کوئی چیز نہ رکھوں گا جو میری امیر المومنین کی نافرمانی کا باعث ہو ضروری کارروائی پوری کرو" اس نے اس کا ایک جُوتا لے لیا اور دوسرا اُسے دے دیا۔ اپنی برطرفی کے بعد خالد حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ روانہ ہو گئے۔[۲]

مندرجہ بالا بیان کی سچائی پر سب سے اہم اعتراض یہ ہے کہ یہ دو متضاد متون میں بیان ہُوا ہے۔ پہلے متن کے مطابق یہ حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا حکم تھا۔ جب وہ ۱۳ھ میں خلیفہ بنے۔ دوسرا متن کہتا ہے کہ یہ واقعہ اُن کی خلافت کے پانچویں سال ۱۷ھ میں ہُوا۔[۱] ابن الاثیر مقدمہ کی روداد اور برطرفی بیان کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ اس وقت خالدؓ علاقائی سالار تھا۔ قنسرین میں مقیم تھا۔ جہاں سے اُس نے وہ جائیداد حاصل کی جو اُس نے شاعر کو دی۔ جس کے لیے اس پر مقدمہ چلا۔ ساتھ ہی وہ کہتا ہے وہی واقعہ ۱۳ھ میں حضرت عمرؓ کا پہلا حکم تھا۔ جو جنگ یرموک اور فتح دمشق سے بھی پہلے تھا۔ حمص اور قنسرین کا تو ذکر ہی کیا جو پانچ سال بعد ۱۷ھ میں زیر نگیں آئے۔

خالدؓ سے حضرت عمرؓ کی ناراضگی اور خالدؓ کے افعال کی ان کے پورے دور حضرت ابوبکرؓ میں ناپسندیدگی کی بُنیاد خالد کا مالک بن نویرہ کے قتل سے متعلق طرز عمل تھا اور خالدؓ کی اس کی بیوہ سے شادی بھی تھا۔ کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ صرف شکایت کنندہ مالک کے بھائی کا بیان سُن کر ناخوش ہوئے تھے اور خالدؓ کے مدینہ آپؓ کی عدالت میں حاضری کے لیے آنے پر اپنی برہمی کا اظہار بھی کیا تھا۔ لیکن جونہی عدالت نے مسئول الیہ کا بیان سُننے اور واقعہ کی تفصیل جاننے کے بعد ملزم کو باعزت بری کر دیا تو حضرت عمرؓ بھی مطمئن ہو گئے تھے۔ اس کے بعد خالدؓ جزیرہ نما عرب، عراق اور شام میں بڑے بڑے فوجی عہدوں پر رہے اور بہت اہم اور فیصلہ کن فوجی معرکوں میں کامیابی اور عزت سے حصہ لیتے رہے لہٰذا حضرت عمرؓ کا انھیں اس الزام پر برطرف کرنا جو پہلے ہی حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں غلط ثابت ہو چکا تھا بالکل بے بُنیاد ہے۔

اس بیان کی جعلی حیثیت اس حقیقت سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خالدؓ نہایت ذمہ دار اور بلند فوجی عہدوں پر پانچ سال (۱۳ھ تا ۱۷ھ) حضرت عمرؓ کے تحت برقرار رہے جبکہ محولہ بیان میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ مذکور ہے،

… کے تحت کبھی کوئی عہدہ نہ پا سکے گا"۔ (لا یلی لی عملاً ابداً[۷۸]) مندرجہ ذیل حقائق اس بیان کی صداقت کی نفی کرتے ہیں۔ سنہ ۱۳ھ کی ابتداء میں حضرت ابوبکرؓ نے شام کے مختلف علاقوں میں مندرجہ ذیل سالار روانہ کیے[۷۹]۔

خالد بن السعید بن العاص تیماء، یزید بن ابی سفیان، دمشق، ابوعبیدہ بن الجراح حمص، عمرو بن العاص فلسطین، شرحبیل بن حسنہ اردن، ہرقل رومی شہنشاہ نے بڑی افواج اکٹھی کیں۔ پوری شامی آبادی کو تیار کیا اور مندرجہ بالا سالاروں کے تحت مختلف چھوٹی چھوٹی مسلم افواج کے خلاف لڑنے کے لیے روانہ کیا۔ رومیوں کی جنگی حکمت عملی کی اطلاع پا کر حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ شام کی تمام مسلح افواج متحد ہو جائیں۔ آپؓ نے خالد بن الولید کو بھی حکم دیا کہ عراق میں ایرانی محاذ پر اپنا جانشین مقرر کرے اور متحد اسلامی افواج کی کمان شام میں رومیوں کے خلاف سنبھال لے۔ اسی حکم میں اسے خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ شام میں اپنا کام مکمل کر کے عراق لوٹ آئے (فاذا فرغ عاد الی عمله بالعراق[۸۰])

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خالد کا تقرر بطور سپہ سالار متحدہ افواج مستقل نہ تھا۔ شام میں فوجی کارروائی مکمل کر لینے کے بعد وہ تقرر کی شرائط کے مطابق سپہ سالار نہیں رہتا تھا۔ یہی حقیقت میں ہوا بھی۔ اس کی فتح یرموک کے بعد وہ سپہ سالار نہ رہا۔ جو واحد تبدیلی حضرت ابوبکرؓ کی وفات پر اور حضرت عمرؓ کے اختیار سنبھالنے پر ہوئی وہ یہ تھی کہ شام میں تقرر کے شرائط کے مطابق اسے عراق واپس آنا تھا جب کہ حضرت عمرؓ نے اسے شام میں ہی رکھا اور اسے ابوعبیدہ سے منسلک کر دیا (فانه ضم خالداً الی ابی عبیدة[۸۱]) اس مشترکہ سالاری میں خالد نے فتح دمشق، حمص اور قنسرین میں پورے اختیارات استعمال کیے۔ مندرجہ بالا شہادت اس بیان کا جعلی ہونا ثابت کرنے کے لیے کافی ہے جو کہتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کی ابتدا ہی میں فیصلہ کر لیا تھا کہ خالد کو کوئی عہدہ نہ دیں گے۔

یہ بیان حضرت عمرؓ کے اس حکم کا حوالہ بھی دیتا ہے کہ آپؓ نے خالدؓ کو اقبال جرم یا انکار کا حکم دیا (ان خالدا اکذب نفسه فهو امیر علی ما هو علیه وان هو لم یکذب نفسه فانت الامیر علی ما هو علیه[۸۲]) یہ تاریخ کی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ حکم حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ میں قنسرین کی فتح کے بعد دیا تھا لہٰذا سنہ ۱۳ھ میں روایت زیر بحث میں اس کا ذکر اس کا کذب ثابت کرتا ہے۔

عدالتی طریق کار کی تفصیل جیسا کہ روایت میں دی گئی ہے۔ انتہائی غیر مبہم طریقہ سے ظاہر کرتی ہے کہ حضرت بلالؓ نے ساری تفتیش قنسرین کی فتح کے بعد کی۔ وہ بڑی رقم جو کہا جاتا ہے کہ خالدؓ نے الاشعث کو بخشی اس کے قبضہ میں قنسرین کی مہم کے بعد ہی آئی تھی اس سے پہلے نہیں۔ (فما صاب اموالا عظیمة[۸۳]) اس کے بعد جعلی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت اس کا آخری جملہ ہے جس میں ذکر ہے کہ جب عمرؓ نے اسے برطرف کر دیا تو خالدؓ حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ روانہ ہو گیا (ثم قدم خالد علی عمر المدینة حین عزله[۸۴]۔) جب کہ یہ واقعہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ خالدؓ کو سنہ ۱۳ھ میں نہ برطرف کیا گیا تھا اور نہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس روانہ ہوا تھا۔ درحقیقت وہ پانچ سال شام میں ہی قیام پذیر رہا۔ فوجوں کی کمان کرتا اور حضرت عمرؓ کے تحت علاقہ پر علاقہ فتح کرتا رہا۔

معروضہ روایت کے بے بنیاد ہونے کا حتمی ثبوت وہ دلیل ہے جو ابن حجر نے اپنی اصابہ میں بیان کی ہے۔ ابن حجر بیان کرتا ہے کہ خالد کی برطرفی کے بعد اُسے ایک بار پھر حضرت عمرؓ نے اپنے فرائض سنبھال لینے کی دعوت اس شرط پر دی کہ وہ اسلامی فوجی ضابطہ قانون اور غنائم کی تقسیم سے متعلق قواعد کی پابندی کرے گا۔ خالدؓ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اُسے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا (فعزله ثم کان یدعوه الی ان یعمل فیأب الا ان یخلیه یفعل ما شاء فیأب عمر[85])

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کی غیر جانبدار اور آزاد عدلیہ کو بدنام کرنے کے لیے یہ کہانی گھڑی گئی کہ پہلا حکم جو حضرت عمرؓ نے اقتدار سنبھالتے ہی جاری کیا وہ انصاف اور اصول معدلت پر مبنی نہیں تھا۔ اس کی بنیاد داخلی تھی اور ذاتی بغض و رنجش پر مبنی تھی[86] (انما نزع عمر خالداً فی کلام کان خالد تکلم به فیما یزعمون ولم یزل عمر علیه ساخطًا ولامره کارهافی زمان ابی بکر کله[87]) یہ درست نہیں یہ من گھڑت ہے۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں خالد کو برطرف کیا۔ جب وہ پہلے پانچ سال آپؓ کے ماتحت کام کر چکا تھا۔ وہ بہت ذمہ دارانہ اور اونچے فوجی عہدوں پر رہا اور اس فوج کا سالار تھا جس نے رومیوں کو شکست دی۔ یرموک کی فیصلہ کن جنگ کے بعد حضرت عمرؓ نے جنگ کا ایک منصوبہ تمام شام کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا جس کے مطابق شرحبیل بن حسنہ اور عمرو بن العاص کو اُردن اور فلسطین بھیجا گیا تھا اور سب سے اہم اور سرد (برداً شدیداً) علاقہ جو شام کے رومی مقبوضات کے ساتھ ساتھ تھا یعنی حمص اور قنسرین ابوعبیدہ اور خالد بن الولید کے تحت دیئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے احکامات تھے: "فنصرف انت وخالد الی حمص[89]" (خالد کے ساتھ حمص کی طرف پیشقدمی کرو) حمص کی کامیاب مہم کے بعد تنہا خالد کو قنسرین کی فتح کے لیے بھیجا گیا تھا۔ بعث ابوعبیدہ کے بعد حمص خالد بن الولید الیٰ قنسرین[90]۔ البقا بھی خالد نے فتح کیا تھا: ان ابا عبیده بعث خالد بن الولید الی البقا فتحه بالسیف[91]۔ حضرت عمرؓ خالدؓ کی عزت کرتے تھے اور آپؓ نے اسے اسلامی فوج ضابطہ کے مطابق معاہدے کرنے کا اختیار دیا تھا: صلحه اهل بعلبك وکتب لهم کتابا[92]۔ شام میں فحل کی مہم کے دوران خالد ہراول دستہ کا سالار تھا۔ تدجعل علی المقدمه خالد بن الولید[93]۔

مندرجہ بالا تاریخی شہادت پوری قوت سے ثابت کرتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو خالد بن الولید سے کوئی ذاتی کد نہ تھی۔ لہٰذا یہ کہانی جو خالد کی برطرفی حضرت عمرؓ کے پہلے ہی حکم میں ظاہر کرتی ہے بالکل کھوکھلی اور بے بنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ کے تحت خالدؓ کو عزت حاصل تھی۔ جیسا کہ اُوپر بیان ہوا۔ جب اس کے خلاف بعض شکایات پہنچیں تو مناسب تفتیش کی گئی اور اس کے مطابق کارروائی کی گئی تھی۔ یہ سب سے منصفانہ کارروائی تھی جو تمام قانونی اور عدالتی تقاضے پورے کرنے کے بعد ہوئی تھی۔ خالدؓ اور اُس کے خاندان کے تعلقات حضرت عمرؓ کے ساتھ خالدؓ کی برطرفی کے بعد بھی پُر تپاک و پُر جوش رہے۔ مدینہ میں آمد پر خالدؓ نے مایوس شخص کا باغیانہ رویہ نہیں اپنایا تھا۔ اُس نے صرف اپنے احساسات بیان

... مسلمانوں میں اپنی برہمی آپ پر ظاہر کرتا ہوں۔ خدا کی قسم! اے عمرؓ آپؓ میرے معاملہ میں مجمل نہیں رہے۔ (لقد شكوتك الى المسلمين وبالله انك فى امرى غير مجمل يا عمر[۹۴]) حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا "یہ دولت کہاں سے آئی؟" (من اين هذا الثرى) خالدؓ نے جواب دیا: غنیمت اور حصّوں میں سے (من الانفال والسهمان ادعلى الستين الفا فلك) حضرت عمرؓ نے ان کے سامان کا جائزہ لیا۔ بیس ہزار زیادہ پائے گئے جو اس نے بیت المال میں جمع کرا دیئے۔ اس پر خالدؓ کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا:—

اے خالد! خدا کی قسم! تم میرے نزدیک باعزت ہو اور مجھے بہت عزیز ہو۔ تم آج کے بعد مجھے کسی بات کے لیے موردِ الزام نہ ٹھہراؤ گے۔ (يا خالد والله انك على لكريم وانك الىّ لحبيب ولن طعتبنى بعد اليوم على شئ[۹۵])۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک واضح حکم تمام صوبوں کو بھیجا جس میں خالدؓ کی برطرفی کے متعلق شکوک، اور غلط فہمیاں دُور کر دی گئیں۔ گشتی مراسلہ میں تھا: "میں نے خالدؓ کو بغض یا خیانت کی وجہ سے برطرف نہیں کیا ہے بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ حرص کو جگہ دے رہا ہے اور مجھے ڈر تھا کہ وہ اس پر اعتماد کرنا نہ چھوڑ دیں۔ اس کے لیے اس نے تکلیف اُٹھائی۔ میں اُن کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اللہ ہی تقدیر بنانے والا ہے اور اُنھیں کوئی مصیبت پیش نہ آئے (كتب عمر الى الامصار انى لم اعزل خالداً عن سخطة ولا خيانة ولكن الناس فتنوا به فخفت ان يوكلوا اليه ويبتلوا به فاحببت ان يعلموا ان الله هو الصانع وان لا يكونوا بارض فتنة[۹۶])۔

حضرت عمرؓ اور خالدؓ کے درمیان خیر سگالی کے تعلقات کا سب سے بڑا فیصلہ کن ثبوت خالدؓ کی بہن فاطمہ بنت الولید کی حضرت عمرؓ سے شادی ہے۔ فاطمہ کا شوہر الحارث بن ہشام اس طاعون کا شکار ہو گیا تھا جو ۱۸ھ میں شام میں مسلم افواج میں پھوٹی تھی[۹۷]۔ الحارث کی موت کے بعد حضرت عمرؓ نے ۱۸ھ میں فاطمہؓ سے شادی کی تھی۔ (فيها تزوج عمر فاطمه بن الحارث وهى اخت خالد بن الوليد[۹۸])۔ خالدؓ اپنی بہن کی حضرت عمرؓ سے شادی کے وقت زندہ تھا اور ایک سال بعد ۲۱ھ میں فوت ہوا[۹۹]۔

اگر حضرت عمرؓ نے خالدؓ کو اپنی دشمنی اور بُغض کی بنا پر برطرف کیا ہوتا تو خالدؓ اپنی بہن کو اپنے دشمن سے شادی نہ کرنے دیتا اور نہ ہی فاطمہ نے اپنے بھائی کے دشمن سے شادی کی ہوتی۔ یہ شادی اسلام کے ان دو عظیم فرزندوں کے درمیان پُرتپاک تعلقات کا واضح ثبوت ہے۔ یہ بے بُنیاد کہانی کو اُڑا کر رکھ دیتا ہے اور اس روایت کا جھوٹ ظاہر کرتا ہے۔ جو بعض غیر معتبر افراد نے ملی بھگت سے تیار کی تھی الجو کہتی تھی۔ خالدؓ نے ابوعبیدہ سے اپنی بہن سے مشورہ کرنے کی اجازت چاہی۔ ابوعبیدہ نے اُسے اجازت دے دی۔ وہ اپنی بہن کے پاس گیا اور اس سے اپنے معاملہ میں مشورہ کیا۔ اس نے

کہا: خدا کی قسم! حضرت عمرؓ تمہیں پسند نہیں کرتے۔ اس نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور کہا: خدا کی قسم تم ... ! (واللہ لا یمہلک عمر ابدًا وما یرید الا ان تکذب نفسک ثم تنزعک فقبّل رأسہا وقال صدقت واللہ)[1]۔ یہ تعجب خیز ہے کہ مندرجہ بالا بیان میں فاطمہ اپنے بھائی کو عمرؓ کی زیرکی سے ہوشیار رہنے کے لیے متنبہ کرتی ہے اور خالدؓ نے اس پر اس کے سر کو بوسہ دیا اور دوسری طرف وہی فاطمہؓ حضرت عمرؓ سے شادی کر لیتی ہے اور خالدؓ بخوشی اُسے ایسا کرنے کی اجازت دے دیتا ہے کس قدر تضاد! دراصل یہ کہانی حضرت عمرؓ کے فیصلوں کی غیر جانبداری اور آزادی پر حملہ کی بدنیّت سے گھڑی گئی جس کا مقصد پورا نہ ہو سکا۔

عربوں کی قبائلی عصبیت سے اُمّت کی تشکیل کی صورت میں حالیہ تبدیلی ایک اور اہم جزء ہے جس کو خالدؓ کی برطرفی کے سلسلہ میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ سب سے زیادہ چوکس اور محتاط، فرض شناس اور کسی ایسے واقعہ یا کارروائی کا نوٹس لینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ جو اُن کے خیال سے قبائلی عصبیت کا کوئی رجحان رکھتا ہو۔ قبائلی ضابطہ میں سردارا ور افراد قبائل کسی فوجی ضابطہ کے پابند نہ تھے۔ وہ مردوں، عورتوں اور بچّوں کو بلا امتیاز اور بلا جواز قتل کر سکتے تھے۔ زندہ یا مُردہ کو دوران جنگ یا حملہ یا اس کے بعد مسخ کرنا، جنگی قیدیوں سے غیر انسانی سلوک اور عورتوں کو مال تجارت تصوّر کرنا بہادری کے کام اور قابل فخر کارنامے سمجھے جاتے تھے۔ اسلام نے ایک واضح فوجی ضابطہ دیا۔ سالار اور سپاہی کا فرض تھا کہ اس کے قاعدوں پر عمل کریں۔ اس کی کسی شق کی خلاف ورزی ایک سنگین جرم تصور ہوتی تھی اور مجرم سے امتیاز اس کی سرکاری یا سماجی حیثیت کے قانون اور انصاف کے مطابق سلوک ہوتا تھا۔ اس سماجی مذہبی پس منظر کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ کیوں حضرت عمرؓ نے معمولی فروگزاشت چھوٹے جرائم یا سالاروں، گورنروں اور دیگر عمال حکومت کی بے ضابطگیوں کا اتنا خیال کیا۔ مالک بن نویرہ سے متعلق واقعات، اس کی بیوی، غنائم کا حساب پیش کرنے پر اصرار، الاشعث پر غنائم کی وہش اور آخر میں خالدؓ کی برطرفی کا کھلا مقدمہ چلانے کو حضرت عمرؓ کی مندرجہ بالا حکمتِ عملی کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

بلا رُو رعایت انصاف

حضرت عمرؓ ایک منظم عدلیہ قائم کرتے اور اس کے کامیاب انتظام میں بھی اس لیے کامیاب ہوئے کہ وہ ہمیشہ خود کو قانون کا تابع تصوّر کرتے اور قانونی اور عدالتی طریق کار کے لیے جب بھی ضرورت ہوتی خود کو اُس کے تحت دے دیتے۔ ایک بار ایک بدّو نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ یمنی کپڑے کی چادر سے بنی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ جو چادر حضرت عمرؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حصّہ میں ملی تھی۔ ایک چادر حضرت عمرؓ کے ناپ کی قمیص کے لیے ناکافی تھی۔ بدّو نے حضرت عمرؓ کو عوام کے سامنے تقریر کے دوران روک دیا اور یہ جاننا چاہا کہ حضرت عمرؓ کے لیے اپنے حصّہ کی ایک چادر میں سے اپنے ناپ کی قمیص پہننا کیونکر ممکن ہوا؟ حضرت عمرؓ نے اپنا خطبہ روک دیا اور اپنے بیٹے

عمر رضؓ سے کہا کہ بدّو کے سوال کا جواب دیں۔ ابن عمر رضؓ نے بتایا کہ حضرت عمر رضؓ کے حصّہ کی چادر ان کی قمیص بنانے کے لیے کافی نہ تھی اس لیے اس نے اپنے حصّہ کی چادر بھی انھیں دے دی اس طرح ان کی قمیص مکمل ہوگئی تھی۔ اس پر بدّو مطمئن ہوگیا تھا اور خلیفہ کو تقریر جاری رکھنے دی[101]۔ غصّہ میں حضرت عمر رضؓ نے ایک بدّو کو کئی دُرّے رسید کیے۔ وہ ظالم کے خلاف اپنا انصاف طلب کرتا آیا۔ حضرت عمر رضؓ نے پشیمانی ظاہر کی اور بدّو سے اتنے ہی دُرّے انھیں لگانے کو کہا، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمر رضؓ مندرجہ ذیل خود کلامی کرتے گھر لوٹے:

اے خطاب کے بیٹے! تم عاجز تھے اور اللہ نے تمھیں مرتبہ دیا۔ تم بھٹکے ہوئے تھے اور اللہ نے تمھیں ہدایت دی۔ تم کمزور تھے اللہ نے تمھیں طاقتور بنایا۔ پھر اُس نے تمھیں لوگوں پر حاکم بنایا اور جب اُن میں سے ایک تمھاری مدد طلب کرتا آیا تو تم نے اُسے مارا۔ اس کے سامنے کس چیز نے تمھیں روکا؟[102]

حضرت عمر رضؓ نے کبھی اپنے متعلقین اور قریبی رشتہ داروں کو حکومت کی انتظامیہ میں مداخلت نہ کرنے دی۔ اگر اُن کے خاندان کے کسی فرد نے کوئی نامناسب حرکت کی یا کوئی جُرم کیا فوراً قانونی کارروائی کی گئی۔ ان کا بیٹا عبیداللہ شراب پینے کا مرتکب ہوا اُسے دُرّے لگائے گئے (ضرب عمر ابنہ عبید اللہ واصحابہ فی شراب شربه[103]) وہ دُرّوں کی ضرب سے مرگیا۔ (فضربه عمر الحد فی الشراب فمات)

عبداللہ اور عبیداللہ حضرت عمر رضؓ کے دو بیٹے ایک مرتبہ مسلم افواج کے ساتھ عراق میں تھے۔ ابوموسیٰ الاشعری گورنر بصرہ نے اُنھیں کچھ رقم بیت المال سے قرض دی۔ اُنھوں نے رقم کسی کاروبار میں لگا دی اور اس پر کچھ نفع کمایا۔ جب یہ بات حضرت عمر رضؓ تک پہنچی تو آپ رضؓ نے دونوں بیٹوں کو اپنے سامنے طلب کیا۔ آپ رضؓ نے اُن سے پوچھا "کیا ابوموسیٰ نے ایسا قرض ہر سپاہی کو دیا تھا یا صرف تمھیں؟" اُنھوں نے جواب دیا "صرف ہمیں"۔ حضرت عمر رضؓ نے کہا "اُس نے یہ رقم تمھیں خاص طور پر دی تھی کیونکہ تم امیرالمومنین کے بیٹے تھے" اور حکم دیا اصل رقم مع تمام نفع کے جو اس پر حاصل ہوا بیت المال میں جمع کرا دیں۔ فیصلہ کے اعلان پر عبداللہ خاموش رہے لیکن عبیداللہ نے درخواست کی:

"اے امیرالمومنین! آپ رضؓ کو یہ مقدمہ یوں فیصل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نقصان کی صورت میں ہم پوری رقم بیت المال لوٹانے کے ذمہ دار تھے۔" حضرت عمر رضؓ نے اس عذر پر کوئی توجہ نہ دی اور صرف اپنا پہلا فیصلہ دوہرا دیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور یہ قانونی مشورہ دیا "اے امیرالمومنین! کیا اس کو شراکت کا کاروبار تصوّر نہیں کیا جاسکتا؟" حضرت عمر رضؓ نے اس کی رائے منظور کرلی اور حکم دیا کہ آدھا منافع بیت المال میں جمع کرا دیا جائے اور آدھا عبداللہ اور عبیداللہ کو دے دیا جائے۔[104] اس مقدّمہ کی کارروائی سے وکالت کے ادارے کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

قدامہ بن مظعون، حضرت عمر رضؓ کا برادرِ نسبتی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا صحابی شراب نوشی کے الزام میں گرفتار ہوگیا۔ حضرت عمر رضؓ نے بلاجھجک اُس کی سزا کا حکم دے دیا اور اُسے دُرّے لگائے گئے[105]۔ (عزل قدامه بن مظعون عن البحرين وحده فی شرب الخمر)[106]۔

حوالہ جات و تشریحات

۱۔ کتاب ایک تحریر ہے جو خود مکمل ہے۔ سامی مذاہب میں الکتاب سے مراد قانون الٰہی، ضابطۂ حیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیا۔ "اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا۔" (قرآن ۱۷ : ۲)

ابراہیمؑ پر نازل ہونے والے صحف (۱۹ : ۴۱) اسمٰعیلؑ پر (۱۹ : ۵۴) ادریسؑ پر (۱۹ : ۵۶) اور یہودیوں کے لیے ہدایات الکتاب کہلائیں۔ یہ کتابیں یقیناً ان پیغمبروں کی اُمتوں کے لیے ہدایت اور دستور تھیں۔ چونکہ ان کے پاس یہ کتابیں تھیں اس لیے قرآن نے بار بار ان کا حوالہ بطور "الکتاب" دیا ہے۔

۲۔ قرآن (۲ : ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں عمرؓ سب سے مقدم متقیوں میں سے تھے۔

۳۔ ایضاً (۴ : ۱۰۵)　۴۔ ایضاً (۴ : ۵۹ اور ۶ : ۱۵۶)　۵۔ ایضاً (۳۳ : ۲۱)

۶۔ الجاحظ، البیان والتبیین، قاہرہ ۱۹۴۸ء۔ ۱۳۶۷ھ جلد دوم صفحہ ۴۸۔ پوری بحث کے لیے ذیل میں زیرِ عنوان "حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ عدالتی اصول" ملاحظہ ہوں۔

۷۔ ابن سعد، طبقات، جلد دوم، صفحہ ۳۳۶

۸۔ ابو یوسف، کتاب الخراج (ایڈیشن بلاق، مصر، ۱۳۰۲ھ) صفحہ ۷۴

۹۔ البخاری، الصحیح، کتاب الطب۔ مالک بن انس، الموطا، باب الطاعون۔

۱۰۔ قرآن (۴۲ : ۳۸)　۱۱۔ ایضاً (۳ : ۱۵۸)

۱۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج متذکرہ بالا صفحہ ۲۰

۱۳۔ ایضاً صفحہ ۱۳، ۱۴، ۱۵　۱۴۔ ایضاً صفحہ ۱۴، ۱۵

۱۵۔ ابن سعد، طبقات، ایڈیشن حیدر آباد (ہندوستان) جلد سوم صفحہ ۱۳۴۔ الطبری۔ تاریخ پرانا ایڈیشن صفحہ ۲۷۵۴۔ شبلی نعمانی، الفاروق ایڈیشن مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، جلد دوم، صفحہ ۲۸۳

۱۶۔ ابن سعد، طبقات ایڈیشن حیدر آباد (ہندوستان) جلد سوم، صفحہ ۱۳۴

۱۷۔ قرآن (۶۲ : ۲)　۱۸۔ ایضاً ۵ : ۷۶

۱۹۔ ایضاً ۵ : ۱۹　۲۰۔ ایضاً ۷۶ : ۸، ۹

۲۱۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، صفحہ ۱۳۰　۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً۔ شبلی متذکرہ بالا جلد دوم، صفحہ ۳۴۴

۲۴۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء، جلد دوم فقہ عمرؓ کے حوالے سے، ابو یحییٰ امام خان نوشہروی لاہور ۱۹۵۲، صفحہ ۲

۲۵۔ قرآن ۲۴ : ۴　۲۶۔ ایضاً

۲۷ - الطبری، تاریخ، جلد چہارم، صفحات ۲۰۷، ۲۰۸، زیر ۱۷ھ
۲۸ - مالک، الموطأ
۲۹ - الشافعی بحوالہ فقہ عمرؓ (صفحہ : ۲۳۲)
۳۰ - مالک، الموطأ
۳۱ - ایضاً ۳۲ - ایضاً ۳۳ - ایضاً
۳۴ - ایضاً صفحہ ۲۳۵، ۲۳۶ - وکان محمد بن مسلمۃ ھو صاحب العمال الذی یقتص آثار من شکی زمان عمر۔
۳۵ - ایضاً صفحہ ۲۳۶
۳۶ - ابو یوسف، کتاب الخراج متذکرہ بالا صفحہ ۶۶ - شبلی، الفاروق، متذکرہ بالا صفحہ ۲۱۶
۳۷ - الطبری، تاریخ زیر واقعات ۱۳ھ جلد چہارم، صفحہ ۸۲۔
۳۸ - الطبری نے اپنے وقائع (تاریخ) میں لکھا ہے: ۱۲ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے حج کیا۔ حج کے دوران ایک مقدمہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش ہوا۔ آپؓ نے مقدمہ حضرت عمرؓ کو بھیج دیا اور فریقین کو ان کے سامنے پیش ہونے کو کہا: اذھبوا بھما الی عمر فلینظر فان کان الجارح قد بلغ فلیقد منہ۔ (جلد چہارم، صفحہ ۲۷، اختتام ۱۲ھ)
۳۹ - الطبری، جلد چہارم زیر واقعات ۱۳ھ
۴۰ - ابو یوسف، کتاب الخراج متذکرہ بالا صفحہ ۶۶ - ابن سعد، طبقات، جلد دوم، صفحہ ۳۵۹ - وکیع، جلد اوّل، صفحہ ۱۰۸۔
۴۱ - شبلی، الفاروق متذکرہ بالا جلد دوم صفحات ۲۶۷، ۲۶۸
۴۲ -

James B. Pritchard, Ancient Near Eastern Texts Relating to the Old Testament, Princeton, New Jersey, Princeton University Press U.S.A., 1955, pp. 159 to 222.

۴۳ - شاہ ولی اللہ دہلوی، ازالۃ الخفاء، مطبع صدیقی، بھوپال - ۱۲۸۶ھ صفحہ ۱۲۹ - مناظر احسن گیلانی، اسلام اور نظام جاگیرداری و زمینداری مدوّن محمد یوسف گورایہ، علماء اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور ۱۹۷۵ء صفحات ۳، ۴،
۴۴ - الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم زیر واقعات ۱۵ھ صفحات ۱۵۹، ۱۶۰
۴۵ - البلاذری، فتوح البلدان، صفحہ ۱۳۷ - ابو یوسف، کتاب الخراج متذکرہ بالا صفحہ ۸۱ - ازدی، فتوح الشام صفحہ ۱۲۸ شبلی، الفاروق - ایڈیشن مکتبہ رحمانیہ، لاہور، جلد اوّل، صفحات ۱۳۰، ۱۳۱ زیر عنوان یرموک۔
۴۶ - ایضاً
۴۷ - البلاذری، متذکرہ بالا صفحہ ۱۵ بحوالہ شبلی متذکرہ بالا جلد دوم صفحہ ۲۸۷۔
۴۸ - الدرایہ فی تخریج الہدایہ ایڈیشن دہلی صفحہ ۳۶۰ بحوالہ شبلی، الفاروق متذکرہ بالا جلد دوم صفحہ ۲۸۴ -
۴۹ - ابو یوسف، کتاب الخراج، صفحہ ۶۸
۵۰ - ابن حجر العسقلانی اسد الغابہ، زیر سوانح عرفہ۔ نیز ملاحظہ ہو شبلی، الفاروق متذکرہ بالا جلد دوم صفحہ ۲۸۴
۵۱ - ابو یوسف، کتاب الخراج صفحہ ۸۵ - شبلی الفاروق،

متذکرہ بالاصفحات ۴۴۰ - ۴۴۱ ۔ ۵۲ - قرآن ۹ : ۶۰

۵۳ - ابویوسف، متذکرہ بالاصفحہ ۲۷ ، شبلی متذکرہ بالاصفحات ۴۴۱ - ۴۴۲

۵۴ - اس موقعہ پر سعد نے خود اسلام کے لیے اپنی خدمات گنوائی ہیں "میں پہلا شخص ہوں جس نے مشرکین کا خون بہایا (اللہ کی راہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے والدین کا اکٹھے نام لیا اور آنحضورؐ نے کسی اور کے لیے ایسا نہیں کیا تھا (الطبری، تاریخ، جلد چہارم صفحہ ۲۲۶ زیرِ واقعات ۲۱ھ) ابن کثیر نے احمد بن حنبل کی سند پر سعد سے روایت کی ہے "یومِ اُحد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری خاطر اکٹھے اپنے ماں، باپ کا نام لیا۔" سعد کے دوسرے بیان میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُحد کے دن کہا "سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان" (ارم سعد فداک امی و ابی) (ابن کثیر، البدایہ، جلد ہشتم صفحہ ۷۴)

۵۵ - الطبری، تاریخ، جلد چہارم، متذکرہ بالا صفحہ ۲۳۶

۵۶ - ایضاً صفحہ ۲۳۵ ۔ ۵۷ - ایضاً صفحہ ۲۳۶

۵۸ - اُوپر ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰ تا ۳۰ ۔ ۵۹ - اُوپر ملاحظہ ہو صفحہ ۴۴

۶۰ - الطبری صفحات ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۲ شبلی الفاروق متذکرہ بالاصفحات ۳۰۴، ۳۰۵

۶۱ - متن میں درج چار الزام معلوم ہوتا ہے یکے بعد دیگرے لگائے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے سر ز دہونے پر اس کا نوٹس لیا۔ آخر کار ان کی بنیاد پر سماعت ہوئی۔

۶۲ - الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۱۵۴ زیرِ عنوان "حدیث قنسرین"، ۱۷ھ کے واقعات میں۔ ابن کثیر نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے "نصاریٰ العرب" (عرب عیسائی) البدایہ متذکرہ بالا جلد ہفتم صفحہ ۵۲

۶۳ - التاریخ متذکرہ بالا، جلد چہارم صفحہ ۱۵۵ زیر "حدیث قنسرین"

۶۴ - ایضاً ۔ ۶۵ - ابن کثیر البدایہ متذکرہ بالا جلد ہفتم صفحہ ۵۲

۶۶ - زیرِ بحث مقدمہ کے مثل مقدمات میں اسلامی فوجی ضابطہ کی حدود قرآن کی مندرجہ ذیل آیت پر مبنی ہیں "پس جب تم کافروں سے میدانِ جنگ میں ملو اُن کی گردنیں اُڑا دو۔ اگر تم اُن پر حاوی آ جاؤ اُنھیں قیدی بنالو اور اس کے بعد اُن سے حسنِ سلوک یا فدیہ سے حتیٰ کہ لڑائی ختم ہو" (سورہ محمدؐ ۴۷ : ۴)

۶۷ - الطبری، تاریخ متذکرہ بالا زیر "حدیث قنسرین" جلد چہارم صفحہ ۱۵۵

۶۸ - ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ ایڈیشن بیروت (۱۹۶۵ء، ۱۳۸۵ھ) جلد دوم صفحہ ۵۳۶

۶۹ - ایضاً ۔ ۷۰ - الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۲۰۵ ۔ ابن الاثیر جلد دوم صفحہ ۵۳۶ ۔

۷۱ - ابن حجر العسقلانی الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دار صادر، بیروت، آفسٹ چھپائی مصری ایڈیشن ۱۳۲۸ھ جلد اوّل صفحہ ۴۱۵

ابن کثیر، البدایہ متذکرہ بالا جلد ہفتم صفحہ ۱۱۵۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ زیر نظر ہدایات پہلے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے ایماء پر خالد کو دی تھیں لہٰذا "تک" کا مطلب حضرت ابوبکرؓ سے ہے۔ یہی اس موقعہ پر حضرت عمرؓ نے بھی اسے بھیجیں۔

۷۲۔ ایضاً ۷۳۔ ابن حجر متذکرہ بالا جلد اوّل صفحہ ۴۱۴

۷۴۔ الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۲۰۵۔ ابن کثیر متذکرہ بالا۔ جلد ہفتم صفحہ ۱۱۵ ۷۵۔ ایضاً

۷۶۔ الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۵۶۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ متذکرہ بالا جلد دوم صفحہ ۴۲۷۔ ابن کثیر البدایہ متذکرہ بالا جلد ہفتم صفحہ ۱۸۔

۷۷۔ الطبری نے اس کا تضاد جلد چہارم میں صفحہ ۵۶ پر ۱۳ھ کے تحت بیان کیا ہے۔ اور صفحہ ۲۰۵ پر ۱۷ھ کے تحت۔ ابن الاثیر جلد دوم، صفحہ ۴۲۷ اور پھر صفحہ ۳۶ ۵ پر ۱۷ھ کے تحت۔

۷۸۔ الطبری، تاریخ جلد چہارم صفحہ ۵۶۔

۷۹۔ ابن کثیر البدایہ متذکرہ بالا جلد ہفتم صفحہ ۳ ۸۰۔ ایضاً

۸۱۔ الطبری متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۵۶ ۸۲۔ ایضاً

۸۳۔ ایضاً صفحہ ۲۰۵ ۸۴۔ ایضاً صفحہ ۵۶

۸۵۔ ابن حجر الاصابہ جلد اوّل ۴۱۵

۸۶۔ ابن کثیر باوجود اپنی محتاطی کے اور بوصف اپنی روایت پسندی۔ اس نے آگے چل کر الاسمعی کا ایک غیر مستند بیان بھی لکھا ہے جس میں وہ ذکر کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور خالدؓ کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ کیونکہ بچپن میں ایک دوسرے سے کشتی کے دوران خالدؓ نے حضرت عمرؓ کا گھٹنہ توڑ دیا تھا اور یہی وجہ اُن کی دشمنی کی تھی۔ (البدایہ جلد ہفتم صفحہ ۱۱۵۔)

۸۷۔ الطبری متذکرہ بالا جلد ۵۶

۸۸۔ ایضاً صفحہ ۱۵۳

۸۹۔ ایضاً صفحہ ۵۷

۹۰۔ ایضاً جلد چہارم صفحہ ۱۵۴

۹۱۔ ابن کثیر متذکرہ بالا جلد ہفتم صفحہ ۲۱

۹۲۔ ایضاً صفحہ ۲۰

۹۳۔ ایضاً

۹۴۔ الطبری، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۲۰۵۔ ابن الاثیر الکامل متذکرہ بالا جلد دوم صفحہ ۵۳۷۔

۹۵ ۔ ایضاً
۹۶ ۔ ایضاً صفحات ۲۰۵ ، ۲۰۶
۹۷ ۔ ابن الکثیر البدایہ متذکرہ بالا جلد ہفتم صفحہ ۹۳
۹۸ ۔ ایضاً صفحہ ۱۰۱
۹۹ ۔ ایضاً صفحہ ۱۱۳
۱۰۰ ۔ الطبری متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۵۶
۱۰۱ ۔
۱۰۲ ۔ فلپ کے حتی ، دی عربز، لندن ۱۹۶۰ء صفحہ ۵۷ ۔
۱۰۳ ۔ الطبری ، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۱۵۲۔ محمد حسین ہیکل الفاروق ، قاہرہ ۱۳۴۶ھ صفحہ ۲۱۷
۱۰۴ ۔ ابن قتیبہ، المعارف ایڈیشن دار الکتب صفحہ ۱۸۸ ، ابن قتیبہ نے ملزم کی نشاندہی اس کے خاندانی نام ابو شحمہ سے کی ہے ۔
۱۰۵ ۔ مالک بن انس ، الموطاء ، جلد دوم ۔
۱۰۶ ۔ الطبری ، تاریخ متذکرہ بالا جلد چہارم صفحہ ۲۳۱ زیر سنہ ۲۱ھ ؛

حضرت عمرؓ کا نظامِ عدالت

حضرت عمرؓ کو وقت اور موقع ملا کہ وہ عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ رکھنے کے اصول کو مزید ترقی دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شعبے الگ الگ کر دیئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ابتدائی عہد میں جزیرہ نما عرب میں عام بغاوت اور ارتداد کی جنگ کے باوجود اس اصول پر مناسب توجہ دی گئی۔ حضرت عمرؓ کے عہد تک عرب میں امن و امان قائم ہو چکا تھا اور عراق، ایران، شام، فلسطین اور مصر کی کامیاب فوجی مہموں نے ایک موافق اور سازگار ماحول پیدا کر دیا تھا جس کے تحت تمام خلافت میں مناسب انتظامی اور عدالتی مشینری قائم کی جاسکے۔

زید بن ثابت ۔ عدلیہ کے انچارج

پہلا قدم جو حضرت عمرؓ نے انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کے لیے اٹھایا وہ مدینہ میں حضرت زیدؓ بن ثابت کا بطورِ جج تقرر تھا۔ آپؓ نے زیدؓ کے لیے ایک رقم بطورِ تنخواہ بیت المال سے مقرر فرمائی۔[1] اس تقرر کے بیان اور حالات کی نوعیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیدؓ بن ثابت کو صرف مدینہ کا جج ہی مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ اکثر خلیفہ اس سے عدالتی معاملوں میں مشورہ کرتے تھے۔ اس سے ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ خلافت کی عدلیہ ان کے سپرد تھی۔ یہ اس حقیقت سے واضح ہے کہ جب آپؓ کے پاس اہم مقدمات آتے تو آپ اکثر انھیں تصفیہ کے لیے زیدؓ کے سپرد کر دیتے۔ زیدؓ انصار میں سے تھے۔ اور اپنی عدالتی سوجھ بوجھ اور تجربہ اور زیرکی کے باعث خلیفہ نے ان کی غیر معمولی تعریف کی انہوں نے کہا کہ عدلیہ انصار کا حصہ ہے۔[2] حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے کبھی کسی کو عدالتی معاملات میں زید بن ثابت پر ترجیح نہیں دی۔[3] انہوں نے مدینہ میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے پورے دورِ خلافت میں اور حضرت معاویہؓ کے عہد کے ابتدائی پانچ سال تک بطورِ جج خدمات انجام دیں۔ ان کا انتقال ۴۵ھ میں ہوا۔[4]

زیدؓ بن ثابت نے عدلیہ میں ایسا امتیاز حاصل کیا کہ ان کے بہت سے اہم فیصلوں کا ذکر مورخین نے کیا ہے۔ عہد خلافت راشدہ میں عدلیہ کی علیحدگی اور آزادی اس حد تک تھی کہ سربراہِ حکومت کو عدالت میں طلب کیا جاتا تھا چنانچہ خود حضرت عمرؓ ان کی عدالت میں حاضر ہوئے۔ زیدؓ کی عظمت درستی اور غیر جانبدارانہ انصاف کرنے میں تھی۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر ہم ایک مقدمہ درج کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ اور اُبیؓ زیدؓ کی عدالت میں

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور اُبیؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ وہ اپنا تنازعہ چکانے کے لئے خلافت کی عدلیہ کے جج زیدؓ بن

ثابت کی عدالت میں حاضر ہوئے ۔ ان کی آمد پر زیدؓ نے از راہِ عزت خلیفہ کو نشست پیش کی حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم نے پہلے ہم ظلم سے ابتدا کی ہے ۔ میں تمہارے پاس ایک سائل کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں ۔ اور پھر حضرت عمرؓ ان کے سامنے اپنے فریق مخالف اُبیؓ کے برابر بیٹھ گئے ۔ سماعت شروع ہوئی ۔ اُبیؓ نے اپنا حق طلب کیا اور حضرت عمرؓ نے اپنا دفاع پیش کیا ۔ زیدؓ نے مدعی اُبیؓ سے دو صادق گواہ مانگے اس نے کہا کہ اس کے پاس کوئی شہادت موجود نہیں ۔ پھر زیدؓ نے حضرت عمرؓ سے قسم اُٹھانے کے لیے کہا ۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ قسم اٹھاتے زیدؓ اُبیؓ کی طرف متوجہ ہوئے ان سے امیر المومنین کو قسم اٹھانے سے معاف کر دینے کے لیے کہا ۔ حضرت عمرؓ نے مداخلت کرتے ہوئے زیدؓ سے کہا "کیا تم تمام لوگوں کے درمیان یونہی فیصلہ کرتے ہو؟"

زیدؓ نے جواب دیا "نہیں"۔

حضرت عمرؓ نے کہا "ہمارے درمیان اسی طرح فیصلہ کرو جیسے دوسروں کے درمیان کرتے ہو"۔

تب زیدؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا "قسم کھایئے اے امیر المومنین"۔

حضرت عمرؓ بڑبڑائے "سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز میرے نزدیک خدا کی قسم کھانا ہے" پھر آپ نے ان الفاظ میں قسم کھائی :

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کا کوئی ہمسر نہیں اُبیؓ کا میری زمین پر کوئی حق نہیں"۔ چونکہ مدعی کے حق میں کوئی شہادت موجود نہ تھی مقدمہ اس کے خلاف فیصل ہو گیا ۔ عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے مقدمات سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین خود عدالتوں میں حاضر ہوئے جس سے انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی ثابت ہوتی ہے دوسرا اصول یہ ثابت ہوتا ہے کہ سربراہ حکومت اور عام شہری میں عدالتی مساوات تھی ۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا ۔ تیسرا اصول یہ تھا کہ فیصلہ شہادت اور ثبوت پر ہوتا تھا ۔

صوبائی نظام عدالت

حضرت عمرؓ نے مرکزی عدلیہ کے استحکام اور خلافت کے جج کے تقرر کے بعد ججوں کے ایسے ہی تقرر اپنی خلافت کے صوبائی دار الحکومتوں میں بھی کئے ۔ یہ صوبائی جج خود مختار تھے اور صرف مرکز عدلیہ کے ماتحت تھے وہ صوبائی گورنروں کے بجائے براہِ راست مرکزی عدلیہ کے تحت فرائض انجام دیتے تھے ۔ خلافت کے بعض علاقوں میں انصاف مہیا کرنے سے متعلق کچھ بے ترتیبی ظاہر ہوئی تھی ۔ بزرگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ان مقامات پر سرکاری کام سے یا ذاتی حیثیت میں گئے ہوئے تھے ان سے مقامی لوگ اپنے تنازعوں میں مشورہ لیتے ، اس طرح یہ اصحابؓ عملاً عدالتیں بن گئے تھے ۔ جن کو حکومت نے مقرر نہیں کیا تھا ۔ پس ایک طرف ان سے اور دوسری طرف سرکاری طور پر مقرر ججوں سے متضاد فیصلے صادر ہوئے ۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ایک حکم جاری کیا جس میں ایسے اقدام سے منع کیا گیا اور لوگوں کو مطلع کیا گیا کہ انصاف کرنا صرف ریاست

...ہے۔ اس طرح بہت اہم اصحابؓ مثلاً عبداللہؓ بن مسعود کو بھی ان معاملات میں جو ان کے پاس لائے جائیں فیصلہ کرنے سے باز رکھا گیا۔ مندرجہ بالا حکم سے عدلیہ اور زیادہ واضح شکل میں نمودار ہوئی اور صوبائی نظامِ عدالت مستحکم ہوا۔ مندرجہ ذیل اہم جج تھے جن کا تقرر حضرت عمرؓ نے مختلف صوبوں میں کیا تھا۔

ابو قرۃ کو کوفہ کا پہلا جج مقرر کیا گیا تھا۔ ان کے بعد قاضی شریح بن الحارث الکندی آئے۔ قاضی شریح اس عہدہ پر مختلف وقفوں میں ۷۸ھ تک تعینات رہے۔ وہ ایک ممتاز اور ذہین قاضی تھے گو وہ صحابیٔ رسولؐ نہ تھے پھر بھی حضرت عمرؓ نے کوفہ جیسے اہم صوبہ کی عدلیہ کی ذمہ دار آسامی انھیں سونپی۔

عبادہ بن صامت فلسطین کے قاضی تھے وہ ان پانچ صحابہ میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کے تقویٰ، علم اور عدالتی معاملوں میں عمیق نظری کے باعث ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ابودرداؓ ایک بڑے اور ذی عزت صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کے قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ صحابہ آپ کی بڑی عزت و عظمت کرتے تھے اور آپ زہد کی عدل اور ذہانت کے لیے مشہور تھے۔

ایاس بن صبیح ابومریم کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا تھا اور کعب بن سوار الازدی ان کے جانشین ہوئے تھے۔ ابوموسیٰؓ الاشعری کے بطورِ عامل بصرہ تقرر پر ابومریم کو ماتحت قاضی مقرر کر دیا تھا۔ اور خلیفہ نے ابوموسیٰ کو ابومریم کے فیصلوں کی نگرانی کرنے کے لیے لکھا۔ صوبائی قاضی عدالتی امور اور فراہمیٔ انصاف میں آزاد اور خود مختار انتظامی امور میں وہ عامل صوبہ سے رابطہ رکھتے ابوموسیٰؓ جیسی عظیم فقہی اور عدالتی شخصیت مقدمات میں قانونی اور عدالتی مددگار بھی ثابت ہوتی تھی۔ یہ مشہور اور اہم قاضی تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے مختلف صوبوں میں مقرر کیا۔ اس عہد کی ان عظیم ہستیوں کے تقرر سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت عمرؓ عدالتی نظام کو ریاست کا بہت اہم فریضہ تصور کرتے تھے اور آپؓ نے اس کام کے لیے سب سے اہل ہستیوں کو مقرر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان ایماندار اور قابل ججوں کے تحت عدلیہ نے غیر مسلموں میں بھی ایک وقار حاصل کیا۔

گورنروں اور ججوں کو ہدایات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی میں حضرت عمرؓ نے گورنروں اور ججوں کو متعدد ہدایات جاری کیں۔ آپ انھیں تقرر نامے جاری کرتے جن کی توثیق ایک کمیٹی کرتی تھی۔ آپؓ کی یہ ہدایت تھی کہ سرکاری عمال اپنے اپنے صوبوں کے صدر مقام پہنچنے پر شہریوں کے مجمع عام میں اپنے تقرر کا خط پڑھ کر سنائیں تاکہ وہ ان کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جائیں۔ اس کے بعد اگر کوئی اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کی کوشش کرتا یا لوگوں پر ظلم و ستم کرتا تو وہ اسے روک سکتے تھے اور اگر عامل نہ رکتا تو وہ خلیفہ سے اس کی شکایت کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے عمال کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا۔

"ہوشیار رہو! میں نے تمھیں جابر و ظالم بنا کر مقرر نہیں کیا۔ میں نے تمھیں خدا ترس رہنما مقرر کیا ہے تاکہ تم مسلمانوں کے حقوق محفوظ کرو اور ادا ہوں۔ انھیں ظالمانہ طریقہ سے مار و مت کہیں وہ بزدل نہ بن جائیں۔ بہتات سے ان کی بیجا تعریف نہ کرو

کہیں وہ مغالطہ میں نہ پڑ جائیں۔ ان پر اپنے دروازے بند مت کرو کہیں وہ غریبوں کے حقوق غصب نہ کرنے لگیں خود دینے نہ دو کہیں وہ ان پر ظلم کرنے لگیں۔"[11] یہ سب احتیاطی تدابیر تھیں تاکہ ظلم اور جبر کو روکا جا سکے اور غیر جانبدار انصاف صحیح طور پر اور آزادی سے فراہم ہو سکے۔ تصور یہ تھا کہ عمال ریاست کے عطا کردہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہ کریں۔ گورنروں اور قاضیوں کی روانگی پر آپؓ خود ان کے ہمراہ ہدایت کرتے چلتے:

"اپنے اختیارات سے ہوشیار رہو۔ میں نے تمھیں مسلمانوں کے سروں پر ان کا خون بہانے کے لیے مقرر نہیں کیا اور نہ ان کی عزتوں کی بے حرمتی کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ میں نے تمھیں صرف اس لیے مقرر کیا ہے کہ نماز قائم کرو، ان کے درمیان غنائم تقسیم کرو، ایمانداری سے ان میں انصاف کرو" پھر آپؓ انھیں حکم دیتے:

"تم ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرو گے۔ تم نفیس و اعلیٰ پوشاک نہیں پہنو گے نہ باریک پسا آٹا کھاؤ گے اور تم اپنے دروازہ پر پہرہ دار مقرر نہیں کرو گے۔ تم ضرورت مندوں کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھو گے۔"[12]

اپنا عہدہ سنبھالنے کے لیے روانگی کے وقت آپؓ گورنروں اور ججوں کی املاک اور دولت کی فہرست تیار کرتے اور وقتاً فوقتاً یہ دیکھتے کہ انھوں نے ناجائز ذرائع سے اپنی املاک میں اضافہ تو نہیں کیا۔ ایک مرتبہ خالد بن اسحاق نے خلیفہ کو اطلاع دی کہ بعض گورنر آپؓ کے احکامات کی تعمیل نہیں کر رہے۔ تفتیش شروع ہوئی اور جو مجرم پائے گئے ان کی آدھی املاک ضبط کر لی گئیں۔ اور بیت المال میں جمع کرا دی گئیں۔"[13] اس کے بعد خلیفہ نے دارالخلافہ سے متعدد ہدایات گورنروں اور قاضیوں کو انصاف کرنے کے لیے بھیجیں آپؓ نے بہت سی تقاریر عوام کے سامنے کیں جن میں عوام کو تعلیم دی اور ان کے حقوق بتائے اور اپنے گورنروں اور قاضیوں کو ان کے فرائض یاد دلاتے ہوئے خطوط لکھے۔ ان میں سے ایک خط ابو موسیٰؓ الاشعری کو لکھا تھا یہ بہت جامع خط تھا جس میں عدلیہ کے بنیادی اصول طریقِ کار اور قواعد و قوانین موجود تھے۔"[14] یہ خط اس عہد کے عدالتی نظام کی اصل تصویر ہے۔ قرآن تمام عدالتوں کے لیے بنیادی کتاب قانون ہے۔ لیکن اعصار و امصار میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کے حل کے لیے اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ درپیش مشکلات قرآنی ہدایات کی روشنی میں آسان بنائی جائیں۔ اس لیے قانون الٰہی کی وضاحت کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے حضرت عمرؓ نے بہت سے خط اپنے ججوں کو لکھے۔ وہ خط جو آپ نے اپنے مشہور قاضی شریح کو لکھا تھا اس میں تحریر تھا: مقدمات کا فیصلہ کرنے میں قرآن کی پیروی کرو۔ اگر کسی مسئلہ میں قرآن میں کوئی وضاحت نہ ملے تو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر سنت میں بھی کوئی حل نہ ملے تو اجماع کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر اجماع میں بھی کچھ نہ ملے تو اپنے اجتہاد سے کام لو۔"[15]

عمرؓ کے مُرتّبہ عدالتی اُصول

تمہید

دستیاب تاریخی مواد اور تازہ تحقیق کے مطابق حضرت عمرؓ نے خلیفہ کی حیثیت سے ۲۵ اہم خطوط اپنے صوبائی گورنروں

[illegible] سالاران فوج ، بڑے شہروں کے معززین مختلف علاقوں کے سرداروں کو لکھے اور ان میں سے بعض رومی شہنشاہ کے نام بھی ہیں [1] ابوموسیٰؓ الاشعری کو تقریباً ستر مکتوب ملے جو حضرت عمرؓ کے عمال کو ملنے والے خطوط میں سب سے بڑی تعداد ہے۔ خلیفہ کے لکھے ہوئے خطوط کے تقابلی مطالعہ سے پتا چلتا ہے اور یہی نظریہ ابن الجوزی کا بھی ہے کہ ابوموسیٰ کے نام خطوط مواد کے لحاظ سے سب سے قیمتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم موضوعات عدالتی، قانونی، انتظامی، اخلاقی اور سیاسی پر بحث ہے اور ان میں متنوع مفصل مباحث ہیں۔

ان خطوط میں سب سے اہم اور مشہور ترین وہ خط ہے جو حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ الاشعری کو لکھا تھا۔ ابن الحدید، النویری اور ابن الفقیہ کے مطابق ابوموسیٰ اس وقت بصرہ کے گورنر عامل اور قاضی تھے [11] یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا انتہائی اہم صوبہ تھا۔ یہ خط جو انصاف کے نفاذ اور طریقہ سے متعلق ہدایات پر مبنی ہے اس موضوع پر دنیا بھر میں اپنی نوعیت کی یہ اہم ترین دستاویز ہے جو اسلامی ادب عدلیہ میں ملتی ہے۔ اس نے تمام قدیم مسلم فقہاءٔ کی توجہ حاصل کی ہے۔ اس پر اکثر تبصرہ ہوا ہے اور مشہور ماہرین قانون نے اس کا تجزیہ کیا ہے۔ مثلاً ابن القیم نے اپنی بسیط کتاب اعلام الموقعین کا بہت بڑا حصہ اس کے مطالعہ پر مخصوص کیا ہے۔ اسی طرح ابن فرحون نے اس دستاویز کا تفصیلی تجزیہ اپنے تبصرۃ الحکام میں کیا ہے اور اس کے مشمولات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ خط اسلامی ادبی دور کی ابتداء سے اسلامی لٹریچر کے ہر میدان میں نقل ہوا ہے خواہ وہ تاریخی ہو یا قانونی، عدالتی یا ادبی مضامین کے مجموعے ہوں۔

اس مکتوب کی اس اہمیت نے ماضی قریب میں مستشرقین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے۔ انہوں نے اس کے تنقیدی مطالعہ پر خاصا وقت صرف کیا ہے اور اس کے متن کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔ ہر قسم کی تحقیقی تکنیک اور طریق تصنیف، تاریخی، اشتقاقی، قانونی، عدالتی اور ادبی استعمال کرتے ہوئے تقریباً سب نے متفقہ طور پر اس کی صحت پر شبہات ظاہر کرکے اسے مشتبہ قرار دینے کی کوشش کی۔ ان کا مقصد دوہرا معلوم ہوتا ہے: اول وہ حضرت عمرؓ کی ذات کی عظمت کے خلاف ہیں مگر ان کی طرف سے یہ اہم اور قیمتی مکتوب دیکھ کر ان کے لیے کوئی راہ فرار باقی نہیں رہتی دوسرے انھیں اس بات کا ثبوت درکار ہے کہ ابتدائی تاریخ اسلام میں سرے سے کوئی عدالتی نظام تھا ہی نہیں وہ کم و بیش ایک وحشیانہ نظام تھا اور یہ کہ یہ مکتوب بہت بعد میں گھڑا گیا اور مسلمان فقہاء اور مؤرخین نے اسے زمانہ قدیم کا ظاہر کرکے حضرت عمرؓ سے منسوب کر دیا تاکہ اسلام کی شان بڑھا سکیں۔ امیل تیان جو بیروت یونیورسٹی میں شعبہ قانون و اقتصادیات کے پروفیسر ہیں اس نظریہ کے سب سے نمایاں وکیل ہیں۔ اس نے اپنی کتاب

"Histoire De L' Organisation Judiciaire En Pays D' Islam" (Leiden E J. Brill, 1960)

میں بہت سی دلیلیں بعض جدید مسلم مصری لکھنے والوں سے مستعار لی ہیں مثلاً محمود بن محمد بن عرنوس اور علی عبدالرازق نے جو شکوک و شبہات پیدا کیے وہ مستشرقین کے لیے بے حد مرغوب ہیں۔

* مؤخر الذکر نے اپنی کتاب "الاسلام و اصول الحکم" میں یہ پُرزور دعویٰ کرتے ہوئے کہ ریاست قائم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کامنصب نہیں تھا اور بہت تعزر جو آپؐ نے گورنروں اور ججوں جیسے عہدوں پہ کئے ان کا انکار کرتے ہوئے ابوموسیٰ الاشعری کے یمن میں بطور گورنر و جج تقرر پر شک ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح عزنوس نے دعویٰ کیا ہے کہ ابوموسیٰ کو کوفہ میں حضرت عمرؓ نے نہیں حضرت عثمانؓ نے گورنر مقرر کیا تھا۔ اس لیے اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ خط کبھی بھی حضرت عمرؓ کی طرف سے ابوموسیٰ الاشعری کو نہیں لکھا گیا۔ یوں ان مصنفین نے تیاں اور دوسروں کے لیے اس دعوے کا جواز پیدا کیا ہے کہ ابوموسیٰ ، حضرت عمرؓ کے اس مکتوب کا مکتوب الیہ عدالتی اور قانونی تجربہ نہ رکھتا تھا۔ اور اس لیے اس خط کے تکنیکی نکات اور اس کے مضمرات سمجھنے اور ان کا اطلاق کرنے کا پوری طرح اہل نہ تھا۔

مندرجہ بالا پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے منطقی طور پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مکتوب پر تفصیلی بحث کرنے سے پہلے ابوموسیٰ الاشعری کا کردار بیان کرنے کے لیے کچھ وقت صرف کیا جائے۔ تاکہ دیکھا جاسکے کہ آیا وہ اسلامی عدالتی ادب کی اس اہم دستاویز کا مکتوب الیہ ہونے کے لیے ضروری قانونی اور عدالتی علمیت اور تجربہ رکھتا بھی تھا یا نہیں۔

ابوموسیٰ الاشعری

ابوموسیٰ کا پورا نام عبداللہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن عامر بن عذر بن وائل بن نخیہ بن الجمہر بن الاشعر تھا۔ اپنے وطن یمن سے ابوموسیٰ ایک مرتبہ مکہ آیا جہاں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی بابت سنا انہوں نے نیا دین مسلمانوں کی پہلی ہجرت حبشہ سے پہلے ہی قبول کر لیا۔[19] اسلام کے وہ ابتدائی ایام مومنوں کے لیے سخت ترین تھے خصوصاً مکہ میں غیر ملکیوں کے لیے تو انتہائی اذیت ناک تھے۔ باوجود ان تمام مصائب کے ابوموسیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سعید بن العاص بن امیہ کی پناہ میں ٹھیرنے کا فیصلہ کیا۔ یوں انہوں نے مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں بیٹھ کر اسلام کی بنیادی تعلیم حاصل کی۔ جب مکہ والوں کی ہر لمحہ بڑھتی ہوئی دشمنی مومنین کی ایذا رسانی پر منتج ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر ابوموسیٰ پہلی ہجرت حبشہ میں شامل ہوئے۔ کچھ عرصہ نجاشی کے ملک میں ٹھیرنے کے بعد انہوں نے اپنے وطن واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ اپنے قیام یمن کے دوران انہوں نے اپنا تمام وقت تعلیم و تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ وہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح خیبر کے موقع پر آن ملے۔ اس کے بعد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہ کر قانونِ اسلامی کے اہم مسائل سیکھتے اور ان پر بحث کرتے رہے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے اپنے آپ کو صفِ اول کے فقیہ کے طور پر صحابہ رسولؐ میں نمایاں کر لیا اور امت مسلمہ کے چھ بہترین قانون دانوں میں شمار ہونے لگے۔ ساتھ ساتھ وہ ایک نمایاں سپاہی بھی تھے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگی لقب "سید الفوارس" عطا ہوا جو ان کی بہادری کی علامت اور اعتراف تھا۔

ابوموسیٰ بطورِ قاضی یمن

باذان گورنر یمن کی موت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کو دس علاقوں میں بانٹ دیا اور ہر علاقہ کا ایک الگ

مقرر کیا۔ کیونکہ یمن مسلم ریاست کا بہت نمایاں اور اہم صوبہ تھا صفِ اوّل کے چھ اسلامی قانون کے فقہا میں سے معاذ بن جبل، علی بن ابی طالبؓ اور ابو موسیٰ الاشعری اس کے تین علاقوں میں مقرر ہوئے۔ ابو موسیٰ الاشعری جو بہت ممتاز فقیہہ اور اسلامی قانون کے نمایاں عالم تھے ان کو مأرب کا علاقہ دیا گیا۔ عدالتی اور انتظامی مقدمات جن کا فیصلہ ابو موسیٰ نے یمن میں بطورِ قاضی کیا ان کی اعلیٰ قانونی مہارت، عدالتی طریق کار اور ہنرمندی کے ساتھ ساتھ ان کا اسلامی قوانین کے مأخذ کا مکمل علم ظاہر کرتے ہیں۔

بعض جدید محققین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامی اور عدالتی اقدامات واضح معلوم نہیں ہوتے۔ خصوصاً علی عبدالرازق اور ایمل تیان جیسے مصنفین مطمئن نہیں۔ علی عبدالرازق تفصیل سے معاذ بن جبل اور علی ابن ابی طالب کے تقرر پر بحث کے بعد نشاندہی کرتا ہے کہ ایک ہی شخص کے سپرد مختلف فرائض عامل، قاضی، مبلغ وغیرہ بیک وقت تھے۔ لہٰذا ان بیانات کو متضاد تصور کرتے ہوئے اس نے پوری طرح انھیں مسترد کر دیا ہے۔ اس کے خیال سے یہ تقرر کبھی ہوا ہی نہیں۔ لہٰذا وہ مشہور آئینی اور عدالتی مکالمہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور معاذ بن جبل کے درمیان مؤخر الذکر کے تقرر کے وقت اس کو اسلامی قانون کے مأخذ بتاتے ہوئے اور نئے ابھرتے مسائل میں قرآن اور سنت رسولؐ سے استنباط کے اصول سمجھاتے ہوئے ہوا تھا۔ ایک تاریخی فسانہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ علی عبدالرازق کے اس دعویٰ سے تیان نے اخذ کیا ہے کہ چونکہ ابو موسیٰ الاشعری کا تقرر بطورِ قاضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا اس لیے اسے کوئی عدالتی تجربہ نہ تھا۔ لہٰذا ابو موسیٰ کو سب سے اہم دستاویز جس میں انتہائی تکنیکی عدالتی ہدایات تھیں ملنے کا کوئی جواز ہی نہیں

لیکن کسی واقعہ یا حقیقت کو مسترد کرنا کیونکہ اس کے متعلق متضاد بیانات ہیں تاریخی تحقیق کے تمام اصولوں اور علمی اعتراضات کے قاعدوں کے منافی ہے۔ بہت سے تاریخی واقعات نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ دوسری جگہ بھی ہیں جن کے متعلق خلط ملط کرنے والے بیانات ہیں لیکن ان کو بطورِ واقعات مسترد نہیں کیا گیا ہے۔ کسی تاریخی واقعہ کا ابطال اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کے خلاف حد سے زیادہ شہادت دستیاب ہو ورنہ اس کی تشریح کرنا ضروری ہے۔

موجودہ معاملہ میں کوئی مشکلات نہیں۔ ہم یمن میں اس انتظامی بندوبست کے حقائق پہلے ہی بیان کر چکے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ایک ہی شخص کو مختلف فرائض سونپے گئے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تضاد کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ ریاست کے انتظام کے ابتدائی دنوں میں انتہائی کفایت شعاری، جو کسی اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ان خصوصیات کے حامل بہت سے افراد حاصل نہیں ہو سکتے لہٰذا کئی بڑے مناصب ایک ہی شخص کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ یہی کچھ ابتدائے بازنطینی حکومت میں ہوا اور یہی کچھ ابتدائے اسلام میں بھی ہوا۔ کسی علاقہ کے عامل کو اکثر دفاعی اہتمام، امن و امان قائم رکھنے، انصاف کرنے اور ٹیکس وصول کرنے کے لیے کہا جا سکتا تھا۔ لیکن چونکہ اسلامی ریاست ایک مذہبی تحریک کے نتیجہ میں وجود میں آ چکی تھی ان عاملوں کو اکثر مبلغ بنا کر بھی بھیجا جاتا تھا اور ان کے فرائض کے اس گوشہ کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت و عزت دی جاتی تھی۔

اب یہ ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ معاذؓ بن جبل، علیؓ بن ابی طالبؓ اور ابو موسیٰؓ الاشعری رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ترین صحابہ تھے ۔ وہ دور دور تک اپنے تقویٰ علم اور قانونی مہارت کے لیے مشہور تھے۔ اس لئے اگر یہ لوگ بیک وقت کئی فرائض پر یمن کی انتظامیہ میں مامور کئے گئے تو اس میں کوئی الجھن یا تعجب کی بات نہیں۔

فی الوقت ہم ابتداً اسلام میں قانونی معمولات اور اداروں کے ارتقا پر غور کر رہے ہیں پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاذؓ اور ابو موسیٰؓ الاشعری کے یمن میں تقرر کا انکار اپنے ساتھ پہلے سے سوچا سمجھا نتیجہ رکھتا ہے کہ چونکہ یہ واقعات درست نہیں تھے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی معاذؓ سے عدالتی طریق کار کے متعلق گفتگو نہیں فرمائی اور نہ ہی ابو موسیٰ کو عدالتی نظام کا کوئی تجربہ اپنے تقرر بطور قاضی بصرہ سے پہلے تھا۔ لیکن تاریخ گھڑی نہیں جا سکتی اور ایک ثابت شدہ واقعہ کو جھٹلانا تاکہ دوسرا ثابت شدہ واقعہ غلط کہا جا سکے ناقابلِ معافی ہے ۔ ہذا ہم ثابت کرتے ہیں کہ یہ تینوں افسران یقیناً یمن کی عدلیہ میں مامور کئے گئے تھے اور مختلف فرائض ادا کرتے رہے تھے اور اکثر اپنے منصبی فرائض کے علاوہ ذمہ داریاں نباہتے رہے جو مابعد کی تاریخ میں الگ عمال کو سونپے گئے ۔

ایسے ججوں کے تقرر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ہدایات دیتے تھے کہ مقدمہ کا فیصلہ کس طرح کریں، طریقہ کار کیا ہونا چاہیئے اور مختلف قسم کے لوگوں سے مختلف علاقوں میں کس طرح نبٹا جائے ۔

ابن ہشام اور بخاریؒ بیان کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل کے یمن میں تقرر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی: "ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور تشدد نہ کرنا۔ ان کو خوش روئی سے مائل کرنا اور بدمزاجی سے انھیں دور نہ کرنا۔ تم جلد ہی ایک اہل کتاب قوم کی طرف جا رہے ہو جو تم سے پوچھیں گے کہ جنت کی کنجی کونسی ہے" انہیں بتانا: یہ شہادت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں جس کا کوئی شریک نہیں[۲۰]۔

ایک اور بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ سے کہا :

"جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوگا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟"

معاذؓ نے جواب دیا "میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "اگر کتاب اللہ میں تمھیں اس کے متعلق کچھ نہ ملے پھر؟"

معاذؓ نے جواب دیا: "تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا "اگر تمھیں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کچھ نہ ملے اور نہ کتاب اللہ میں پھر؟"

معاذؓ نے جواب دیا "میں اپنی اجتہادی رائے استعمال کروں گا اور اس کے لیے پوری طرح غور کروں گا۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا اور فرمایا: "الحمد للہ کہ اس نے پیغامبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا با اصول بنایا جو رسول خدا کی مرضی کے مطابق ہے[۲۱]۔"

یمن کے ایک اور صوبہ میں حضرت علیؓ کے تقرر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نصیحت کی اور مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

" لوگوں کو قرآن اور اسلامی قوانین کی تعلیم دینا اور ان کے تنازعے طے کرنا ۔ دینی مالی واجبات کی جو رقم یمن کے عمال اکٹھی کریں اسے ایک جگہ جمع کرنا ۔ جب دو شریک نزاع تمہارے پاس آئیں تو اس وقت تک فیصلہ مت کرنا جب تک تم دونوں فریق کے دلائل نہ سن لو

...صاف صاف نہ کہہ جاؤ۔"

ابو موسیٰ بطورِ عامل عراق

یمن میں عامل اور جج کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اپنے تقرر کے وقت سے ابو موسیٰ اپنی انتظامی اور عدالتی ذمہ داریاں تقریباً دس سال تک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے تحت پوری کرتے رہے۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوا ہے کہ کسی عامل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اعتماد اتنے طویل عرصہ تک حاصل رہا ہو۔ دراصل اپنے عہدہ پر ان کا اتنے عرصہ قیام بذاتِ خود ہی ابو موسیٰ کی عدالتی اور انتظامی امور میں دیانت، ایمانداری، اہلیت اور قابلیت کا بڑا اعتراف ہے ۱۷ھ میں ایک بہت قابل اور تجربہ کار گورنر مغیرہؓ بن شعبہ کی بصرہ کی گورنری سے برطرفی پر حضرت عمرؓ کو مغیرہ کا جانشین تلاش کرنے میں دشواری پیش آئی۔ طویل غور و خوض اور مشاورت کے بعد ابو موسیٰ الاشعری ہی واحد آدمی نظر آیا جو بصرہ کے معاملات سے نپٹ سکتا تھا، امن و امان قائم رکھ سکتا تھا، کمزوروں کے حقوق کا طاقتوروں کے مقابلہ میں تحفظ کر سکتا تھا اور اہواز اور اصفہان فتح کرنے کیلئے جہاد کر سکتا تھا۔

ابو موسیٰ کو مکمل انتظامی اور عدالتی اختیارات دیئے گئے تھے۔ اپنے تقرر پر اسے ایک خط دیا گیا تھا جس میں اس کے تقرر کی شرائط درج تھیں۔ ایک بہت تجربہ کار عامل اور مشہور فقیہہ اور اسلامی قوانین کا عالم ہونے کے باعث ابو موسیٰ نے اس نئے صوبہ کا انتظام بڑی قابلیت اور حکمت و تدبیر سے کیا اور لوگوں سے ایسا سلوک کیا کہ وہی عراقی جنہوں نے ان کے پیش رو کو زنا کے الزام میں برطرف کرا دیا تھا ابو موسیٰ سے اس قدر خوش اور اس کے وفادار ہو گئے تھے کہ انہوں نے اس کی جگہ عمار بن یاسر کا تقرر پسند نہیں کیا اور خلیفہ پر زور دیا کہ ابو موسیٰ کو ان کے عامل کے طور واپس لائیں۔ وہ اپنے عہدہ پر حضرت عمرؓ کے سارے دور میں رہے اور اس دوران حضرت عمرؓ نے انھیں مشہور خط لکھا جس میں ہدایت تھی کہ عدالتی معاملات کس دستور کے مطابق نپٹائیں۔

یہ مختصر حالات ابو موسیٰ کی اہم شخصیت کا خود واضح ثبوت ہیں۔ اس نے اپنی زندگی کا آغاز مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنجیدہ شاگرد کی حیثیت سے کیا۔ اور جلد ہی خود کو صحابہ رسولؐ میں نمایاں کر دیا اور قانون اسلامی کے پہلے چھ ماہرین میں شمار ہونے لگے۔ رسول اللہؐ نے انھیں یمن کے ایک اہم صوبہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں ان کے عہدہ پر برقرار رکھا۔ خلیفہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں وہ عدالتی عہدہ پر یمن ہی میں تھے۔ جب عراق فتح ہوا اور کوفہ و بصرہ جیسے بڑے شہر آباد ہوئے تو امن و امان قائم رکھنے کے لیے ان نئے صوبوں میں اہل آدمیوں کی ضرورت تھی۔ کوفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معتمد صحابی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اس علاقہ کے فاتح کی عملداری میں تھا۔ بصرہ، مغیرہ بن شعبہ کو سونپا گیا تھا اور ان کی برطرفی کے بعد خلیفہ کی نظر میں واحد اہل آدمی ابو موسیٰ الاشعری تھا۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر حضرت عمرؓ کے وقت تک انتظامیہ اور عدالتی نظام کا تجربہ تھا۔ ایک ذہین اور سمجھ دار آدمی ہونے کے باعث اس وسیع تربیت اور تجربہ نے اسے حضرت عمرؓ کی خلافت کا سب سے اہل اور قابل ترین عامل اور جج بنا دیا تھا۔ ابتدائی دور خلافت کے اختتام تک ابو موسیٰؓ عوام کی نظر میں اخلاقی دیانت داری اور عدالتی غیر جانبداری کے لیے مقبول ہو چکے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پرشورش زمانہ میں وہ کوفہ کے گورنر ہی رہے اور باوجود اہم سیاسی اختلافات

گئے جو ساری خلافت میں پھوٹ پڑے تھے ابو موسیٰ اپنے عہدے پر رہے اور انہوں نے نہ صرف اپنی شہرت ایک ایماندار خادم اسلام کے طور قائم رکھی اور اپنے علاقہ میں امن رکھا بلکہ بڑی ذمہ داری اور احساسِ انصاف و معدلت کے ساتھ انصاف کرتے رہے۔

جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور امت کئی گروہوں میں بٹی ہوئی تھی اس دوران وہ ان سب سے الگ رہے انہوں نے یہ علیحدگی سادہ لوحی کے باعث نہیں بلکہ اپنی عظیم دانائی اور احساسِ انصاف کے باعث اختیار کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ، زبیرؓ بن عوام اور طلحہؓ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے انہیں برطرف کر دیا۔ کسی اور گروہ میں شامل ہونے کے بجائے وہ حجاز چلے گئے اور سیاسی فضا صاف ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

اتفاقاً یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے دومۃ الجندل کی مشہور ثالثی عدالت میں اپنے مقدمہ میں انہیں نمائندہ بنانے سے انکار کر دیا تھا[۲۱] انہیں خوف تھا کہ کہیں ابو موسیٰؓ ان کے خلاف نہ ہو جائیں۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں کوفہ کی گورنری سے اپنی برطرفی کے بعد معاویہؓ نے ان کے بیٹوں کو دو اہم صوبوں کی گورنری کی پیش کش کی اور ایک اعلیٰ عہدہ خود ان کو پیش کیا۔ بشرطیکہ وہ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ لیکن اپنی اخلاقی دیانتداری اور عدالتی غیر جانبداری کے باعث انہوں نے یہ پیش کش مسترد کر دی اور کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں جس کی پیش کش تم نے کی ہے"۔

لہٰذا یہ مؤرخین کی بڑی بے انصافی ہے کہ ابو موسیٰؓ کے کردار کو مسخ کر کے انہیں ایک سادہ لوح اور حکمت و تدبر سے عاری ظاہر کریں جو فن سفارت اور سیاسی اونچ نیچ کو سمجھنے کے قابل نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عراقیوں کو یقین تھا کہ ابو موسیٰؓ کی صلاحیت کا آدمی ہی جو عدالتی نظام کا وسیع تجربہ رکھتا تھا اور لوگوں کے معاملات سے بخوبی واقف تھا صورت حال سے صحیح نپٹ سکتا تھا اور بنو امیہ کی ساز باز میں مزاحم ہو سکتا تھا۔ رائے عامہ ریاستی سفارت کے اہم امور کی انجام دہی کے لیے کسی گوشہ نشین کو نہیں چن سکتی۔ ابو موسیٰ جیسے ذہین، احساسِ عدل کے مالک اور سیاسی سوجھ بوجھ کے شخص کے لیے اس سے بڑا کیا خراج ہو سکتا ہے جو اسے حضرت علیؓ کے سب سے وفادار ساتھیوں میں سے ایک نے اس وقت دیا جب مصالحت کی دستاویز پر صفین میں دستخط ہوئے۔

آخر میں یہ قابلِ غور ہے کہ حضرت عمرؓ نے کیوں ابو موسیٰؓ کو اپنے ماتحت کام کرنے والے تمام نمایاں ججوں میں سے عدالتی طریق پر ان کی مشہور ہدایات پانے کے لیے چنا تھا۔ اس کا جواب تلاش کرنا مشکل نہیں۔ ابو موسیٰؓ عہدِ رسالت میں قبول اسلام کے بعد مستقلاً حضرت عمرؓ کے عہد کے دوران ریاست کی نمایاں شخصیت رہے۔ عمروؓ بن العاص کی شہادت موجود ہے کہ وہ ایک بزرگ اور موقر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں یمن کے ایک اعلیٰ عہدہ کے لیے چنا۔ پھر حضرت عمرؓ نے انہیں ایک تجربہ کار اور اپنے عہد کے آزمودہ شخص کی حیثیت سے چنا ایسا شخص جو اپنی سیاسی فراست، عدالتی باریک بینی اور اخلاقی دیانتداری کے لیے شہرت عام رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں مختلف اوقات میں دو اہم شہروں کوفہ اور بصرہ پر اختیار دیا گیا۔ اس دور میں یہ یکتا عزت تھی ان کی مستقل شہرت، اخلاقی اور ذہنی خوبیوں نے ہی بظاہر وہ بہترین شخص قرار دیا جو خلیفہ کی خصوصی توجہ حاصل کرے اور جن کے ذریعہ آپؓ نے اہلِ عراق کو عدالتی طریق کار اور نظام پر اہم اصولوں کی دستاویز ارسال کی۔ اسی نوعیت کے مختصر خطوط دوسرے گورنروں اور ججوں کو بھی لکھے گئے لیکن مکمل اور مفصل ہدایات صرف ابو موسیٰؓ الاشعری ہی کو بھیجی

کی ہیں یوں کہ وہ انھیں بہتر سمجھ سکتے تھے اور ان پر عمل کر سکتے تھے۔
ابو موسیٰؓ الاشعری کے کردار کے تفصیلی بیان کے لئے تشریحات ملاحظہ کیجیے۔[۲۴]

حضرت عمرؓ کا خط بنام ابو موسیٰ الاشعریؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے وقتاً فوقتاً اپنے تمام گورنروں اور ججوں کو ہدایات جاری کیں۔ وہ ہدایت کا خط جو خلیفہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ الاشعری کو اس وقت بھیجا جب انھیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا سیکڑوں مکاتیب اور ہدایت ناموں میں ایک ہے جو حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں اور ججوں کو بھیجے۔

حضرت عمرؓ کا عدالتی اصول اور طریق کار سے متعلق ہدایات کا خط جو ابو موسیٰ الاشعری کے نام تھا ابتدائی اسلامی تاریخ قانون اور مآخذ میں ملتا ہے۔ گو تمام مآخذ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض اہم ابتدائی مصنفین نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم ان باتوں پر ہم اس وقت بحث کریں گے جب ہم اس خط کی داخلی و خارجی شہادت کے مواد پر غور کریں گے۔ فی الحال یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اس دستاویز کا ذکر شروع کے مصنفین کی بڑی تعداد نے کیا ہے۔ اس کا سب سے پہلا حوالہ مالک بن انس (۹۷ھ) کی موطا کتاب ۳۶ باب ۲ میں اور پھر ابو یوسف (۱۱۳-۱۸۲ھ) کی کتاب الخراج (صفحہ ۶۲، ایڈیشن قاہرہ ۱۳۰۲ھ) میں ملتا ہے گو صرف چند متعلقہ جملے ہی درج کئے گئے ہیں۔ مکمل شکل میں خط کا متن تاریخی ترتیب سے مندرجہ ذیل کتب میں دیا گیا ہے۔[۲۵]

الجاحظ (۱۵۰-۲۲۵ھ) البیان والتبیین، جلد دوم صفحہ ۴۸ ایڈیشن قاہرہ ۱۹۴۸ء - ۱۳۶۷ھ۔

المبرد (۸۵-۲۱۰ھ) کامل، جلد اول صفحہ ۱۴ ایڈیشن مصر ۱۳۵۶ھ۔

ابن قتیبہ (۲۷-۲۱۳ھ) عیون الاخبار، جلد اول صفحہ ۶۶ ایڈیشن قاہرہ ۱۳۴۳ھ۔

البلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) مخطوطہ (رئیس الکتاب، استنبول) انساب الاشراف جلد دوم صفحہ ۶۲۳۔

الوکیع (متوفی ۳۰۶ھ) اخبار القضاۃ، جلد اوّل صفحہ ۷۰ ایڈیشن ۱۳۶۶ھ قاہرہ۔

ابن عبد ربہ (۲۴۶-۳۲۸ھ) عقد الفرید، جلد اوّل صفحہ ۱۰۰ ایڈیشن ۱۳۵۹ھ قاہرہ۔

ابو الحسن علی البغدادی الدارقطنی (متوفی ۳۸۵ھ) سنن الدارقطنی ۲ : ۵۱۲

الماوردی (۳۶۴-۴۵۰ھ) الاحکام السلطانیہ صفحات ۱۱۹-۱۲۱ ایڈیشن ENGER

ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) النبذ فی اصول الفقہ الظاہری صفحات ۵۱-۵۲، الاحکام فی اصول الاحکام جلد ہفتم

ابو بکر البیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) سنن الکبریٰ جلد دہم صفحہ ۱۱۹

ابن عبد البر (متوفی ۴۶۳ھ) جامع بیان العلم جلد دوم صفحہ ۶۶

الشیرازی (متوفی ۴۷۶ھ) طبقات الفقہا، صفحہ ۷ ایڈیشن بغداد ۱۳۵۶ھ

السرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) المبسوط جلد ۱۷، صفحہ ۲۸

ابن ابی الحدید (متوفی ۶۵۵ھ) شرح نہج البلاغہ۔
النویری (متوفی ۷۳۲ھ، نہایۃ الارب، جلد ششم صفحہ ۲۵۷۔
ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ) اعلام الموقعین ۱: ۳۰۔
الزیلعی (متوفی ۷۶۲ھ) نصب الرایہ ۴: ۶۳۔
ابن خلدون (۷۳۲-۸۰۶ھ) مقدمہ صفحہ ۲۲۱ ایڈیشن بیروت ۱۹۰۰ء۔
القلقشندی (متوفی ۸۲۱ھ) صبح الاعشیٰ ۱۰: ۱۹۳۔
علی المتقی (متوفی ۹۷۵ھ) کنز العمال جلد سوم۔

خط کا حوالہ متعدد دیگر مؤرخین، محدثین اور فقہا نے بھی اپنی کتب میں دیا ہے۔ بعض متون میں غیر محتاط کمی بیشی ہے لیکن مصنفین کی ایک بڑی تعداد کا متن کم و بیش یکساں ہے خصوصاً ابتدائی مصنفین کی تصنیفات میں اس کا التزام ہے۔ ان کے درمیان بھی اختلاف ہیں لیکن وہ لفظی نوعیت کے ہیں اور مطلب و انداز کے لحاظ سے کوئی بڑا فرق نہیں۔ ان متون میں سے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد جاحظ، مبرد اور ابن قتیبہ کے ہیں۔ مارگولیتھ نے ابن قتیبہ کا متن استعمال کیا ہے"۔ تاہم موجودہ مصنف کے نزدیک جاحظ کا متن زبان، عدلیہ اور دیگر نظریات کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ ذیل میں ہم یہ متن اور اس کا ترجمہ دے رہے ہیں اور جہاں مناسب اور ضروری ہوگا ہم اس کے مختلف متن بھی دیں گے:۔

رسالة عمر رضی الله عنه الی ابی موسی الاشعری

رواها ابن عیینة و ابوبکر الهذلی و مسلمة بن محارب، رووها عن قتادة۔ و رواها ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، عن عبید الله بن (ابی) حمید الهذلی عن ابی الملیح بن اسامة الهذلی ان عمر بن الخطاب کتب الی ابی موسی الاشعری :—

بسم الله الرحمن الرحیم ۔ اما بعد :

فان القضاء فریضة محکمة، و سنة متبعة ۔

فافهم ۱، اذا ادلی الیک ۲، فانه لا ینفع تکلم بحق لا نفاذ له ۳ ۔

آس بین الناس ۴، فی مجلسک و وجهک ۵، حتی لا یطمع شریف فی حیفک، و لا یخاف ۶ ضعیف من جورک ۔

البینة ۷ علی من ادعی و الیمین علی من انکر ۔

والصلح جائز بین المسلمین ۸ الا صلحا ۹ حرم حلالا او احل حراما ۱۰ ۔

ولا يمنعنک ۱۱ قضاء قضيته بالامس ۱۲ فراجعت ۱۳ فيه نفسک ۱۴ ، و هديت فيه ۱۵ لرشدک ، ان ترجع عنه ۱۶ الى الحق فان الحق ۱۷ قديم ، و مراجعة ۱۸ الحق خير من التمادى فى الباطل -

الفهم الفهم عند ما يتلجلج ۱۹ فى صدرک ، مما لم ۲۰ يبلغک فى كتاب الله ولا فى سنة النبى صلى الله عليه وسلم - اعرف ۲۱ الامثال والاشباه ، وقس الامور ۲۲ عند ذلک ، ثم اعمد ۲۳ الى احبها الى الله واشبهها ۲۴ بالحق فيما ترى ۲۵ -

واجعل للمدعى حقا غائبا او بينة ، امدا ۲۶ ينتهي اليه ، فان احضر بينته اخذت ۲۷ له بحقه ، و الا وجهت ۲۸ عليه القضاء ، فان ذلک انفى للشک ، و اجلى للعمى ، و ابلغ فى العذر -

المسلمون ۲۹ عدول بعضهم على بعض ، الا مجلودا فى حد ، او مجربا ۳۰ عليه شهادة زور ، او ظنينا فى ولاء او قرابة ؛

فان ۳۱ الله قد تولى منكم السرائر ، و درأ عنكم بالبينات و الأيمان -

ثم اياک و القلق و الضجر ، و التاذى بالناس ، و التنكر ۳۲ للخصوم فى مواطن الحق ۳۳ ، التى يوجب الله بها الا جر ، و يحسن بها الذخر -

فانه من يخلص نيته فيما بينه و بين الله تبارک و تعالى ۳۴ ، ولو على نفسه ، يكفه الله ما بينه و بين الناس ، و من تزين للناس بما يعلم الله منه خلاف ذلک هتک الله ستره ، و ابدى فعله ۳۵ -

فما ظنک بثواب غير الله فى عاجل رزقه ، و خزائن رحمته -
و السلام (عليک)

VARIOUS READINGS

A = Ibn ‘Abd Rabbihī
B = Balādhurī
D = Dārquṭnī
K = Ibn Khaldūn
M = Mubarrad
Ma = Māwardī
Q = Ibn Qutaybah

ويفهم	1. B.
الخصم	2. A adds
وانفذ الحق اذ وضح لک	3. B.
و آس بين الخصوم	4. B.
فی وجہک و عد لک و مجلسک	M. Ma.
فی مجلسک و وجہک و عد لک	5. B. D.
فی وجہک و مجلسک و عد لک	K.
ولاییاس ضعیف من عد لک	6. B. K. M. Ma. Q.
واعلم ان البينة علی من ادعی واليمين علی من انکر	7. B.
والصلح جائز بين الناس	8. B. Q.
الا ان يکون صلحا	9. B.
احل حراما او حرم حلالا	10. A. D. K. M. Ma. Q.
ولا يمنعک	11. A. D. K. Ma.
امس	K. Ma.
ثم راجعت	A.
اليوم	12. B. M.
راجعت	13. D.
فراجعت اليوم فيه عقلک	K.
فراجعت فيه عقلک	14. M. Ma.
وهديت لرشدک	15. B. Q.
ان تراجع فيه الحق	B.
ان تراجع الحق	D.
فان الحق قديم لا يبطله شئی	B.
ان	B. adds
ان تراجع الی الحق	16. K. M. Ma.
ان ترجع الی	Q.
ان ترجع عنه	A.
ان الحق لا يبطله شئی	17. Q.

18.	واعلم ان مراجعة الحق خير من التمادی فی الباطل
A.	والرجوع الیہ خیر من التمادی علی الباطل
Ma. Q.	فیما تلجلج
B.	ممالیس فی قرآن ولا سنة ممالم یبلغک بہ کتاب الله ولا سنتہ نبیہ صلی الله علیہ وسلم
Ma.	ممالیس فی کتاب الله تعالی ولا سنة نبیہ
19. D.	فیما یختلج فی صدرک
20. Q.	مما لیس فیہ کتاب ولا سنة
K. M.	مما لیس کتاب ولا سنة
D.	مما لم یبلغک فی الکتاب او السنة
21. M. Q.	و اعرف الاشباہ و الامثال
D. Q.	و in place of ثم
D.	اعمد before ثم in place of ف
M.	فقس
M.	ثم اعمد الی اقربها الی الله
D.	فاعمد الی احبها الی الله
22. B.	عند ذلک و قس الامور
K. Ma.	و قس الامور بنظائرها
23. Q.	ثم اعمد لاحبها الی الله
A.	ثم اعمد الی احبها عند الله و رسولہ
K. Ma, Omit the whole sentence and omit	فیما تری
Omits	او بینة
A Omits	حقا غائبا او بینة
D.	بینتہ in place of بینة
24. B. M. A.	واشبهها بالحق
25. Q.	اجعل لمن ادعی حقا غائبا
B. D. add	غالیة

K. Ma.	اجعل لمن ادعى حقا غائبا او بينة
26. D. Q.	فان احضر بينة اخذ بحقه
D.	وجهت القضاء عليه
B. adds	فان اعجز عنها استحللت عليه القضية
Ma.	و الا استحللت القضية عليه
27. Q.	و الا استحللت
M.	الا استحللت عليه القضية
K.	و استحللت القضاء عليه
B. Omits	فان ذلک انفى للشک
A. D. Omit	انفى للشک
D. adds	مجلود في حد او مجرب في شهادة زور
M. Ma.	او نسب
A. adds	او نسب
B. adds	تبارک و تعالى
K. Ma. for the whole sentence	عفا عن الأيمان و درأ بالبينات
28. Q. Omits the whole sentence	
K. M. Ma Omit	وابلغ في العذر
29. Q.	والمسلمون عدول في الشهادة
30. B.	او مجربة عليه
Instead of	قرابة
31 A. B. D. M. Q. Omit	قد
D. Q. Omit	ان of
K.	في نسب او ولاء
K. adds	سبحانه
D. Q. Omit	و الأيمان
D. Q.	ثم in place of و
Instead of	بالناس
M.	والخلق

A. Omits	والقاق والضجر
32. Q. B.	بالخصوم والغضب
and بالخصوم in place ef	بالناس
K. Ma.	والتاقف
B.	عند تناقر الخصوم والتنكر بهم
A.	في مواطن الحقوق
D.	و يحسن بها الذكر
33. Q. Omits	بها and والتنكر للخصوم
M.	فان الحق في مواطن الحق يعظم الله به
K.	فان استقرار الحق في مواطن الحق يعظم الله به الاجر و يحسن به الذكر
B.	فان ترک الغضب في مواطن الحکم مما يوجب الله به الا جر و يحسن به الذخر
34. Q.	فانه من صلحت سريرته فيما بينه و بين الله اصلح الله ما بينه و بين الناس
B.	فمن خلصت نيته لربه كفاه ما بينه و بين الناس
M.	و من صحت نيته و اقبل على نفسه كفا الله ما بينه و بين الناس
35. Q.	و من تزين للدنيا بغير ما يعلم الله منه شانه الله
D.	غير ذلک يشنه الله
B.	انه ليس في قلبه شانه الله تبارک و تعالى ـ فان الله لا يقبل من عبده الا ما كان خالصا
M.	و من تخلق للناس بما يعلم الله انه ليس من نفسه شانه الله
D. Omits	منه خلاف ذلک هتک الله ستره و ابدى فعله فما ظنک بثواب and ولو على نفسه غير الله في عاجل رزقه و خزائن رحمته ـ

K. Ma. Omits the last the two sentences; Q. Omits the last one sentence.

الجاحظ کے متن کا ترجمہ

قضاء محکم فرضِ الٰہی اور قابلِ اتباع سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر کوئی دعویٰ تمہارے سامنے پیش ہو تو اس کا فیصلہ پورے غور وخوض کے بعد کرو (اسے نافذ بھی کرو) کیونکہ صحیح فیصلہ کا اعلان بغیر اس کے نفاذ کے بے سود ہے۔

اپنی عدالت اور مجلس میں لوگوں سے یکساں برتاؤ کرو تاکہ اعلیٰ نسب والا تم سے ناانصافی کی توقع نہ کرے اور کمزور تمہارے ظلم سے خوف زدہ نہ ہو۔

بارِ ثبوت مدعی پر ہے اور منکر پر قسم ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام، حلال اور حلال حرام نہ ہو جائے

اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج پوسے مقدمہ پر غور، ہدایت اور رُشد کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو کیونکہ انصاف قدیم ہے اور حق کی طرف ... بہتر۔

جن معاملات میں شبہ ہو اور قرآن اور سنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حکم نہ پاؤ تو ان پر بار بار غور کرو۔ ان کی امثال اور اشباہ پہچانو اور قیاس سے کام لو اس پر اعتماد کرو جو تمہاری نظر میں اللہ کو پسندیدہ اور حق کے مشابہ ہو۔

حق مدعی التوا میں رکھو یا مقررہ میعاد میں ثبوت طلب کرو۔ اگر وہ ثبوت پیش کرے تو اس کا حق دو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ دو، کیونکہ شبہ دور کرنے کا یہ بہتر طریقہ ہے۔ اندھیروں کو چھانٹو اور عذر طلب کرو۔

تمام مسلمان باہم عدول ہیں سوائے مجلود فی الحد کے یا مجرب جھوٹے گواہ کے یا سرپرستی یا قرابت میں مشکوک کے اللہ کو تمہارے دلی بھیدوں سے تعلق ہے اور ثبوت اور قسم پر سزا موقوف رکھتا ہے فریقین کی موجودگی میں عدالت میں بے چینی، بے ہمی، جھلاہٹ اور تنکر سے احتراز کرو اس کا اجر اللہ پر واجب ہے یہ بموجب اجر الٰہی اور انعام آخرت ہے۔

جو اپنے اور اللہ کے مابین معاملات میں مخلص ہو خواہ وہ اس کے اپنے ہی خلاف ہو اللہ اسے ان معاملات میں کافی ہوگا جو اس کے اور لوگوں کے مابین ہیں۔ جو لوگوں سے بناوٹ کرے جبکہ اس کے مخالف اللہ اصلیت جانتا ہو تو وہ راز فاش اور فعل آشکارا کر دے گا تم اللہ کے ثواب کے متعلق کیا سوچتے ہو جو وہ یہاں رزق اور آخرت میں اپنی رحمت کے خزانے دیتا ہے والسلام (علیک)

تبصرہ

کسی بھی قدیم تاریخی دستاویز کا اصل متن ثابت کرنا مشکل ہے۔ تاریخ اسلام اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یونان اور روم کی تاریخ کی مشہور دستاویزات جو قدیم و جدید مصنفین کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں اگر حسابی قاعدہ سے دیکھا جائے تو اصل نہیں ہیں۔ کوئی بھی شخص ایک بھی ایسی قدیم دستاویز پیش نہیں کر سکتا جس کے متن میں اختلاف نہ ہو۔ تاریخی واقعات جزو ایمان نہیں ہوتے اس لئے وہ احتیاط سے محفوظ نہیں رکھے جاتے لہٰذا جب مؤرخین ہمیں کوئی زمانہ بعید کی تاریخی دستاویز پیش کرتے ہیں تو بیشتر اوقات اس کا متن سو فی صد خالص نہیں ہوتا البتہ اس کا مضمون اکثر درست اور قابل اعتماد ہوتا ہے۔ مسلمہ تاریخی تنقید کے اصول حضرت عمرؓ کے خط پر نافذ کرتے ہوئے ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اسے جعلی اور بناوٹی قرار دیں۔ خط کے متن میں ہم نے اس کے متن کے اختلافات اور اس کی شقوں کی ترتیب، طرز بیان اور مضمون میں اختلافات دے دیتے ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ یہ اختلافات دراصل زبان اور تکنیکی اصطلاحات کے اختلافات ناقابل ذکر ہیں اور یہ گزشتہ صفحات میں واضح کیا جا چکا ہے۔

ہم نے خارجی اور داخلی تنقید کے اصولوں کا اس خط کے مطالعہ پر اطلاق کیا ہے اور پورے طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ خط میں چند الفاظ کی دوسری دستاویزات کے الفاظ، کلمات اور جملوں سے مماثلت دراصل اس کے سوا کچھ ثابت نہیں کرتی کہ عدالتی نظام کے بعض تصورات اور اصول حضرت عمرؓ سے پہلے ہی جنم لے چکے تھے اور امت کی سماجی و سیاسی زندگی میں جاری و ساری تھے حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک بیان کا تعلق ہے بڑے بڑے ادیبوں کو گزشتہ علمی اور ادبی سرمایہ پر انحصار کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر وہ نئی زبان ایجاد کریں تو کوئی بھی ان کی بات نہ سمجھے گا۔ کم و بیش یہی صورت تاریخ تصورات کی ہے۔ تمام معنی جو کوئی شخص اپنے خیالات اور ارادہ کو دیتا ہے قطعاً نئے نہیں ہوتے اس کا بیشتر حصہ ورثے میں حاصل ہوا ہے۔

مزید بر کہ اگر کوئی کسی تاریخی تحریک کی نمائندگی کرے یا کوئی عالمی نظریہ پیش کرے یا کسی پرانے فلسفہ یا سنت کو جاری رکھے یا اسے ترقی دے، صورت حال کے باعث، اسے بہت سے خیالات مستعار لینا پڑیں گے جو پہلے سے ایک معیار کی حیثیت سے جاری اور قابل قبول تھے۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے اہم صحابی اور آپ کے دوسرے جانشین ہونے کی حیثیت سے دانستہ اور استقلال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی پیروی ہر اس اصول اور عمل میں کی جو آپ نے کہا اور کیا تھا۔ لہٰذا جب آپؓ نے گورنروں اور ججوں کو ہدایات کے خطوط بھیجے تو یقیناً آپؓ کے ذہن میں اصول اور طریق عدل کے مسلمہ اصول رہے ہوں گے جو آپؓ کے پیشروؤں نے اسلامی ریاست کی انتظامیہ میں نافذ کئے تھے۔ ہم نے متعدد مشابہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی انتظامیہ سے دے کر یہ حقیقت پوری طرح ثابت کر دی ہے"[۲۷] اسی طرح اگر حضرت عمرؓ کے خط کے بعض بیانات کی نقل حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ یا دوسرے بعد کے آنے والوں نے کی تو یہ ایک فطری عمل تھا۔ ان بیانات کی حضرت عمرؓ سے پہلے یا بعد کسی مضمون یا دستاویز میں موجودگی یہ ثابت نہیں کرتی کہ وہ حضرت عمرؓ کے خط میں واقع نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر ہم ارتقائے تاریخ میں سماجی اصول قبول کریں تو ان دونوں امکانات کو ناقابلِ اعتراض تسلیم کرنا ہوگا۔

یہ مسئلہ کہ خط میں مختلف تصورات علیحدہ اور بے جوڑ ٹکڑے ہیں جو حضرت عمرؓ سے پہلے اور بعد کے ماخذ سے چن لیے گئے ہیں اور بعد کے مسلم مؤرخین کی سازش سے ایک مشہور تاریخی دستاویز کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں تاکہ حضرت عمرؓ کی ذات نمایاں ہو سکے اسلامی تاریخ سے بغض و عناد کی حیثیت رکھتا ہے"[۲۸]

ــــ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی عظمت کا انحصار محض اس خط پر نہیں۔ آخر یہ لوگ یہ تسلیم کرنے سے کیوں انکار کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک وسیع اور دور دراز مملکت کے حاکم ہوئے اور اپنے ماتحت سینکڑوں گورنر، جج اور فوجی سالار رکھتے ہوئے ایسا مواد پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کر سکتے تھے خواہ وہ ان کے اپنے دل سے ہو یا گذشتہ تاریخ اور نمونہ عمل سے فراہم ہوا ہو۔ کیا وہ اتنے ذہین نہیں تھے کہ اس قسم کا خط لکھ سکتے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ یہ خط واحد تحریری دستاویز نہیں بہت سی اور بھی اسی نوع اور مضمون کی حامل ان کی تحریریں ہیں جو انہوں نے اپنے ماتحت عمال عدالت کو تمام سلطنت میں لکھیں۔

اور اس دعویٰ کی کسی معقول شہادت سے حمایت نہیں کی جا سکتی کہ دستاویز میں دیئے گئے کئی حقائق در اصل بعد کی تاریخ سے متعلق ہیں[۲۹] خط میں اجتماعی عدل کے بنیادی تصورات ہیں جو عالمی حیثیت کے ہیں جو قرآن و سنت میں حضرت عمرؓ سے پہلے موجود تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ احساس عدل فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ پس جہاں اجتماعی زندگی ابھرتی ہے وہاں حصول انصاف کی کوئی نہ کوئی شکل پیدا ہوتی ہے۔ متمدن سوسائٹی میں یہ بنیادی تصورات زیادہ منظم و متشکل ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف دو دہائیوں میں اسلامی سلطنت کے معجزانہ ارتقا سے ایک اہل انتظامی نظام کی تنظیم لازمی ہو گئی اور اس بات پر زور دینے کی ضرورت نہیں کہ نظام عدالت کسی بھی حکومت کا سب سے بڑا فریضہ ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ تھا کہ عدالتی طریقِ کار کے نظائر اور اصول اتنی ہی تیزی سے ارتقا پذیر ہوئے جتنی تیزی سے خود خلافت پھیلی۔ اس لئے یہ نہ صرف ممکن بلکہ اغلب ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو ایک بڑی ریاست کے سربراہ تھے اپنے ایک صوبائی جج کو یہ خط لکھا ہو۔ کم از کم اس

...یت کا اعتراف بازنطین اور ایران کی تہذیبوں نے کیا ہے جو حضرت عمرؓ کے تحت آگئی تھیں اور اس طرح انہوں نے ایک اعلیٰ نظام مع انصاف کے ارتقا کی ضرورت پیدا کی۔ اگر حضرت عمرؓ نے کوئی عارضی انتظام کیا تھا تو مفتوحہ اقوام جو بہتر تہذیب کی حامل کہی جاتی ہیں آپ کے تابع نہ ہوتیں نہ آپؓ کی دیانت اور انصاف کی تعریف کرتیں جو انہوں نے اکثر کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ بعد کے زمانہ کے مقابلہ میں جب حضرت عمرؓ کا دور گزر چکا تھا اور ان کا مثالی عدل اپنی حیثیت کھو چکا تھا اور جب اس دستاویز کی جعل سازی کی کوئی تاریخی اہمیت نہ رہی تھی سوائے چند غیر معتبر مورخوں کی ذاتی خوشی کے اس خط کی تحریر کا وقت وہی زیادہ مناسب اور موزوں تھا جب اسے عہدِ فاروقی میں لکھا گیا۔

اس خط کے اصلی ہونے سے متعلق تمام مناقشہ صرف اس پہ ایک بعد کے مصنف کے بہت بڑے ناقابلِ اعتماد تبصرہ سے پیدا ہوا۔ ابن حزم (متوفی ۴۵۶ھ) نے اس کی اصلیت پر شک کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔ وہ صرف اس لیے اس کی اصلیت سے منکر ہے کہ یہ قیاس اور اجتہاد کو اسلامی قانون کے ماخذ بنانے میں دلیل فراہم کرتا ہے جبکہ وہ ظاہری مکتبِ فکر سے تعلق کے سبب ان مزید ماخذ قانون کو قبول نہیں کرتا۔ اس لئے وہ ایک اہم تاریخی دستاویز کو کسی تاریخی شہادت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے مکتبِ فکر کے تعصب کی حمایت میں مسترد کرتا ہے ۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ابنِ حزم انتہائی کٹر اور تند مزاج تھا اس لئے وہ جب کسی خیال کی مخالفت کرتا ہے تو بڑی شدت سے کرتا ہے ۔ در اصل اسلامی فقہ کے ارتقا کے قدیم زمانہ میں کسی نے بھی اس خط کی اصلیت پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ ابنِ حزم تنہا مصنف ہے جس نے اس کی اصلیت پر اعتراض کیا۔ ابنِ حزم تاریخ میں اس وقت نمودار ہوا جب اسلامی فقہ کا ارتقا عروج کو پہنچ چکا تھا۔ وہ پانچویں صدی ہجری کے وسط میں فوت ہوا۔ اس سے پہلے اس دستاویز کے متعدد حوالے ملتے ہیں جیسا کہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ ابن حزم کے بعد کے عہد میں بھی اس خط کی اصلیت پر کبھی اعتراض نہیں کیا گیا۔ البتہ ابھی حال میں بعض مستشرقین اور ایک مسلم عالم محمود بن محمد بن عرنوس اس سے مستثنیٰ ہیں۔[30]

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت عمرؓ کے خط بنام ابو موسیٰ الاشعری پر یہ اعتراض اصلی ہے یا نہیں صرف ابنِ حزم کی تنقید کے گرد گھومتا ہے ۔ ابنِ حزم کے خیالات اور دلائل پر عنقریب اگلے صفحات پر تفصیل سے بحث ہوگی۔

فی الحال ہم جدید مسلم عالم محمود بن محمد بن عرنوس کے اعتراض پر مختصراً غور کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ ابنِ حزم سے اتفاق کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا جعلی خط ہے ۔ واحد نئی دریافت جو وہ کرتا ہے یہ ہے کہ بقول ابن خلدون شریح کو حضرت عمرؓ نے قاضی بصرہ کا اور ابو موسیٰؓ کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔[31] لیکن دیگر روایات کے مطابق عرنوس کے خیال میں ابو موسیٰ کو کبھی بھی کوفہ میں مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ خط انہیں نہیں لکھا جا سکتا تھا۔[32] اولاً ابن خلدون واحد مورخ ہے جو کہتا ہے کہ یہ خط کوفہ بھیجا گیا تھا ابن الحذاء النویری اور ابن القفیہ سب نے اس جگہ کا نام جہاں خط بھیجا گیا بصرہ لکھا ہے ۔ پس ابن خلدون کی سند قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ بہت بعد میں ۸۰۸ھ میں فوت ہوا ۔ دوسرے معتد بہ شہادت موجود ہے کہ ابو موسیٰؓ الاشعری نے ایک سال تک کوفہ میں حضرت عمرؓ کے تحت خدمت انجام دی۔[33] اس لئے یہ امکان مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے یہ عدالتی ہدایات اس عرصہ میں وصول پائی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ابن خلدون نے اپنے بیان میں غلطی کی ہو اور شریح اور ابو موسیٰ کی جگہ اُول بدل دی ہو کیونکہ شریح تمام

نہ ہی میں تعینات رہے اور ابو موسیٰؓ نے اپنی بیشتر مدت بصرہ میں گزاری۔ اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ ابن خلدون کا مضمون مسخ شدہ نہیں۔ بہرحال غلط فہمی کی کوئی بھی وجہ ہو عزنوس کے دلائل کو نہ تاریخ کی حمایت ہے نہ استدلال کی۔ وہ محض ایک گذشتہ عظیم شخصیت سے مرعوب ہوگیا تھا جو اپنے مخالفین کو جھٹلانے میں اپنی تلخی اور شدت میں بے مثال ہے۔

تاہم یہ حیران کن ہے کہ یہ آج کے نقاد اپنے نظریہ کی بنیاد تقریباً پوری پوری ابن حزم کے دلائل پر رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر ابن حزم کی تنقید کا مناسب جواب دے دیا جائے تو سارے مناقشہ کو منطقی اختتام تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

ابن حزم نے اس خط پر اپنی کتاب "النبذ فی اصول الفقہ الظاہری"[۳۴] میں مختصر بحث کی ہے اور اس کا تفصیلی مطالعہ اپنی مشہور کتاب "الاحکام فی اصول الاحکام"[۳۵] میں کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں اس نے اتفاقاً اس خط پر اس وقت بحث کی ہے جب وہ زیادہ اہم مسئلہ قیاس پر بحث کر رہا تھا۔ چھوٹی کتاب میں وہ اس کے متعلق زیادہ کچھ نہیں کہتا سوائے اس کے کہ اس کے خیال میں یہ محض جعلی ہے کیونکہ دو متروک راوی اس کے بیان کرنے والے ہیں اور اس لئے بھی کہ دوسرے ذرائع سے معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے مماثلت پر قیاس کرنے سے منع کیا تھا۔ وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ نہ صرف حضرت عمرؓ بلکہ تمام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیاس کی مخالفت پر متفق تھے۔ یہاں قیاس کے ایک ماخذ فقہ اسلامی ہونے سے متعلق مناقشہ میں قدم رکھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ابن حزم کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً قیاس کو اسلامی قانون کا ایک ماخذ مانتے تھے۔[۳۶]

عین بحث کے دوران ابن حزم نے ایک ایسی حقیقت سے انکار کیا ہے جو تاریخ سے صاف ثابت ہے۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ خلافت کے ابتدائی ایام میں ہزاروں مواقع پر خلفاء اور ان کے نمائندے روزانہ اس وقت کی پیچیدہ معاشرت میں ابھرتے لاتعداد مسائل حل کرنے کے لیے قیاس سے کام لیتے تھے۔ اس نکتہ کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ظاہری مکتبِ فکر بھی جس سے ابن حزم کا تعلق تھا صحابہ کے قیاس پر یقین رکھتا ہے۔ اگر مسلمانوں کی ایک نسل کو قانون سازی کے لیے اجماع کی اجازت تھی تو کون سے اخلاقی یا عدالتی اصول دوسری نسلوں کو اسی عمل سے روک سکتے ہیں؟ مزید یہ کہ اجماع اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس سے قبل قیاس کا طویل عمل نہ ہو۔ لیکن یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا کبھی صحابہ کے قیاس پر ان کے اپنے عہد میں اس وجہ سے اعتراض ہوا کہ یہ بدعت تھی اور مذہب سے باہر قانون سازی تھی۔

الاحکام[۳۷] میں ابن حزم حضرت عمرؓ کے مکتوب پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور اس پر زیادہ عمیق تنقید کرتا ہے۔ اس کے اعتراضات دو قسم کے ہیں جو دستاویز کی خارجی اور داخلی شہادت پر مبنی ہیں۔ جہاں تک خارجی شہادت کا تعلق ہے اس کی دلیل وہی ہے جو پہلی کتاب میں ہے یعنی کہ دونوں راوی جنہوں نے یہ خط بیان کیا ہے علماء کے ہاں متروک ہیں۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ابن حزم پانچویں صدی کے وسط میں یہ دعویٰ کرتا ہے جبکہ اس مکتوب سے متعلق بہت سی شہادت پہلے ہی جمع ہو چکی تھی۔ دراصل راویوں کے دو سلسلے جن کا ذکر وہ کرتا ہے اس دستاویز سے متعلق سب سے کم معروف سلسلے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دانستہ یہ دو سلسلے چنے تاکہ اپنی تنقید کا رخ ان کی طرف کر سکے۔ ان سلسلوں کے ساتھ بھی اس نے پورا انصاف نہیں کیا۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ پہلے سلسلہ کے آخری دو راوی عبدالملک اور اس کا باپ متروک ہیں گو کہ دیگر عظیم محدثین نے انہیں تسلیم کیا ہے۔[۳۸]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا خط اٹھارہ دیگر سلسلہائے رواۃ سے روایت کردہ ہے جن میں بشیتر معروف اور مشہور ہیں اور ان میں بعض ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں[۹] ۔ ابنِ حزم جیسے عالم کو یہ سب معلوم ہوں گے ۔ اس کا ان سلسلوں کو نظر انداز کر دینا اس بات پر مبنی کہا جاسکتا ہے کہ وہ قیاس کی بنیاد ختم کرنا چاہتا تھا اور اس عمل میں ہر اس چیز کو گرا دینا چاہتا تھا جو راستہ میں آئے دوسری بات جو ہمیں زیادہ محسوس ہوتی ہے وہ اس کا حضرت عمرؓ کے قاضی شریح کے نام ایک اور خط کو قبول کر لینا ہے ۔ اس مکتوب میں حضرت عمرؓ انھیں قرآن اور سنّت کے احکام کی پابندی اور سلف کے فیصلوں کی پیروی کی ہدایت فرماتے ہیں اور اگر ان ماخذ سے کوئی رہنمائی نہ ملے تو یہ اس پر تھا کہ وہ معاملہ کو آگے بڑھائے اور کوئی فیصلہ کرے یا اسے ملتوی رکھے[۱۰]

اس دستاویز کا حوالہ دینے کے بعد ابنِ حزم بیان کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا بیان حتمی طور پر قیاس کے اصول کو تباہ کر دیتا ہے ۔ لیکن یہ ایک واضح مغروضہ ہے کیونکہ یہ دوسرا خط اس دعویٰ کے بالکل الٹ بات ثابت کرتا ہے ۔ جب سلف (قضاۃ یا فقہاء) نے ذاتی فیصلہ کیا انہوں نے لازماً اپنا ذاتی فیصلہ اور استدلال استعمال کیا یہ اجتہاد ہے جس کی ایک خاص شکل قیاس ہے مزید برآں قاضی شریح کو ان مقدمات میں جہاں پہلے تین ماخذ کام نہ آئیں تو اپنا ذاتی استدلال استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی تھی یہاں پھر واضح طور پر قیاس کے استعمال کی بات آئی ۔ پس اگر حضرت عمرؓ ایک خط میں اجتہاد اور قیاس پر عمل کی ہدایت کرسکتے تھے تو کون سی چیز مانع تھی کہ وہ ایسی ہی ہدایات ان دوسرے خطوط میں نہ دیں جو انہوں نے اپنے گورنروں اور ججوں کو لکھے ۔ اس لیے اگر پہلی روایت کے رواۃ غیر معتبر ہیں تو دوسری روایت کے سلسلے خود اس کے مطابق معتبر ہیں اور اس سے وہی مقصد پورا ہوتا ہے جو پہلی روایت سے ہوسکتا تھا اگر وہ ابنِ حزم کے خیال میں درست ہوتی ۔ نتیجہ یہ ہے کہ کسی محض غیر معتبر سلسلہ روایت کا دانستہ چناؤ کہ مقصد حاصل ہوسکے وجہ جواز نہیں ہوسکتا جس سے ایک اہم تاریخی دستاویز مسترد کر دی جائے ۔

داخلی شہادت

اب ہم اس عبارت کا جائزہ لیں گے جس کی منطقیت پر ابن حزم نے اعتراض کیا ہے ۔ پہلے حصہ میں حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں کی جاسکتی جس کو شراب نوشی یا زنا کی سزائے حد دی جاچکی ہو ۔ ابنِ حزم بحث کرتا ہے کہ آپؓ کا نظریہ ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے نظریہ کے خلاف ہے ۔ انہوں نے ایسے شخص کی شہادت کی اجازت دی ہے اگر وہ تائب ہوچکا ہو ۔ وہ مزید کہتا ہے کہ فقہاء کے اس نظریہ پر کوئی اجماع نہیں ہے کیونکہ اوزاعی ایسے شخص کی شہادت کی اجازت نہیں دیتے جسے کسی جرم میں کوڑے لگ چکے ہوں[۱۱] ۔ اس سے ابنِ حزم یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ یہ تمام متضاد نظریات ہیں اس لیے ان میں سے کوئی بھی حضرت عمرؓ سے منسوب نہیں کیا جاسکتا ۔

دوسرے حصے میں حضرت عمرؓ کسی رشتہ دار یا آقا کی شہادت سے منع فرماتے ہیں ۔ جبکہ فقہاء نے بھائی یا آقا کے لیے اس کے غلام کی شہادت کی اجازت دی ہے اور ان لوگوں کو قانون کی نظر میں غیر معتبر قرار نہیں دیا ۔ فقہاء ایک منصف باپ کی شہادت بیٹے کے خلاف بھی قبول کرتے ہیں ۔ پس یہاں بھی اس مسئلہ پر کوئی اجماع نہیں کیونکہ بعض فقہاء ایسے اشخاص کی شہادت کی اجازت دیتے ہیں

اور دو ... اجازت نہیں دیتے ۔ اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قانون کی نظر میں سب لوگ سچے ہیں جبکہ فقہاء کسی مسلمان غلام کی شہادت قبول نہیں کرتے [۱۲] ابنِ حزم بحث کرتا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ نے واقعی یہ ہدایات دی ہوتیں تو فقہاء کبھی بھی آپؓ سے اختلاف نہ کرتے ۔

اولاً یہ غور کرنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے صوبوں میں عدالتی طریق کار سے متعلق تفصیلی قواعد و ضوابط نہیں بھیجے تھے ۔ آپؓ نے مختصر مگر ضروری ہدایات بطور سربراہ ریاست صوبائی ججوں اور گورنروں کو بھیجیں ۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہی ان ہدایات کا جامع اور خاص مسئلہ پر برمحل ہونا لازمی تھا ۔ کیونکہ کسی ایسے شخص کی سچائی اور دیانت داری مشکوک ہو جاتی ہے جسے کسی جرم میں سزا مل چکی ہو لہٰذا حضرت عمرؓ نے اپنے ججوں کو عام ہدایت دے دی کہ ایسے شخص کی شہادت قبول نہ کریں ۔ لیکن قرآن کے مطابق اگر وہ توبہ کرلے تو ایسے شخص کی شہادت اتنی ہی معتبر ہو جاتی ہے جتنی کسی دوسرے مسلمان کی ہوتی ہے [۴۳] اس لیے فقہائے عملاً یہ محسوس کیا کہ توبہ کر لینے والے شخص کو یہ رعایت دی جائے ۔ لیکن چونکہ ایسے شخص کی دیانت داری پر ہر وقت شک کیا جا سکتا ہے اس لیے بعد کے دور کے بعض فقہاء یہ رعایت دینے کو تیار نہیں تھے یوں کسی جرم میں سزا پانے والے کی شہادت کی قبولیت میں اختلاف رائے پیدا ہوا ۔ اس اختلاف سے زیادہ سے زیادہ اس نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ جہاں تسلیم شدہ مآخذ خاموش ہوں وہاں مسائل کے حل کے لیے فقہاء کے ذاتی اجتہاد اور قیاس کی اجازت ہے ۔ حضرت عمرؓ کے احکامات فرمانِ الٰہی نہ تھے ۔ ان کی عزت زیادہ تر اس لیے کی جاتی تھی کہ ان میں بیشتر قرآن و سنت کی روح پائی جاتی تھی ۔ لیکن فقہاء ان احکامات کی لفظی پابندی پر مجبور نہ تھے ۔ انہوں نے دیکھا کہ ان ہدایات میں وسیع گنجائش ہے دوسرے یہ کہ وہ خود محدود طور پر قرآن و سنت کے مطالب اخذ کرنے کے لیے اتنے ہی آزاد تھے جتنے حضرت عمرؓ مجاز تھے ۔ لہٰذا جیسا کہ بعد کی کتب فقہ میں درج ہے فقہاء کے اختلافات یقیناً اس دستاویز کی جعلسازی کا کوئی ثبوت نہیں ہیں ۔

ایک مزید دلیل کے طور پر ہم آسانی سے ثابت کر سکتے ہیں کہ دوسرے بہت سے مسائل میں جن کا ذکر اس خط میں نہیں بعد کے فقہائے نے حضرت عمرؓ سے واضح اختلاف کیا ہے ۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ بیک وقت تین اعلانِ طلاق تین طلاق تصور ہوں گی تاہم بعد کے بعض فقہائے نے اس رائے کو قبول نہیں کیا ۔ حقیقت یہ ہے قانون کی وضاحت کے لیے اسلام نے ان تمام مومنین کو انفرادی آزادی عطا کی ہے جو اس کے اہل ہیں ۔ لہٰذا یہ دلیل دینا کہ حضرت عمرؓ کا خط جعلی ہے کیونکہ اس کے بعض مشتملات کو بعد کے فقہاء نے قبول نہیں کیا کوئی منطق نہیں ۔

دوسرے حصے سے متعلق اعتراض کا جواب بھی وہی ہے ۔ یا احتیاط سے غور کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے تمام صوبوں کے عدالتی فیصلوں کی مکمل یکسانیت ہم تک نہیں پہنچی ہے ۔ حضرت عمرؓ کی ہدایات کے باوجود ایک مسئلہ پر مختلف فیصلے خلافت کے مختلف علاقوں میں حضرت عمرؓ کے ججوں کے عمل سے آسانی اور بہتات سے پیش کئے جا سکتے ہیں ۔ مثلاً ابن مقفع کے "رسالہ فی الصحابہ"۔ ابو یوسف کی کتاب " الرد علی سیر الاوزاعی" ۔ الشافعی کی کتاب "الام" یا الطبری کی کتاب " اختلاف الفقہاء" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ۔ ان مجموعوں میں لاتعداد مثالیں ملیں گی جہاں قضاۃ اور فقہاء نے ایک ہی مسئلہ پر مختلف فیصلے دیئے ایسا اس لئے ہوا کہ مختلف علاقوں میں حالات مختلف تھے اور ججوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ تمام حالات پر غور کریں ۔

خط کے تیسرے ٹکڑے میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر جج کو کسی فیصلہ میں تذبذب ہو تو وہ ایسا فیصلہ دے جو حق سے قریب اور اللہ کو پسند ہو؟ ابنِ حزم بحث کرتا ہے کہ ایک واقعہ یا سچ ہو سکتا ہے یا جھوٹ یہ کہنا منطقی تضاد ہے کہ ایک سچ زیادہ سچ کی طرح ہے کیونکہ آدھا سچ، سچ نہیں اور ایسا بیان حضرت عمرؓ سے منسوب نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک بزعم خود غلط دلیل ہے کیونکہ یہ عام آدمی کا بھی تجربہ ہے کہ کسی معاملہ کی پوری حقیقت اس کے ذہن میں ہمیشہ بیک وقت منکشف نہیں ہوتی لیکن درپیش مسئلہ متقاضی ہوتا ہے کہ وہ کوئی فیصلہ کرے۔ لازماً ایک ایماندار اور ذمہ دار جج ایسا فیصلہ دیتے ہوئے ہچکچائے گا جس پر وہ سو فی صد یقین نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا اسے اپنا فیصلہ اپنے بہترین علم اور سمجھ بوجھ کے مطابق دینا ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس صورتحال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خط کی ایک اور شق میں آپؓ فرماتے ہیں کہ اگر فیصلہ دینے کے کچھ عرصہ بعد تم محسوس کرو کہ تم سے غلطی ہوئی ہے تو اپنے فیصلہ سے رجوع کرو اور حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نیا فیصلہ دو۔ یہ غلطی ہی کے امکان کی وجہ سے ہے کہ تمام نظامہائے قانون میں اعلیٰ عدالتوں میں اپیل کی اجازت ہے۔ حضرت عمرؓ کی نیت صرف جج کو خود فریبی سے متنبہ کرنے کی تھی اور جہاں تک خود جج کا تعلق ہے ہو سکتا ہے اولاً مسئلہ اس کے ذہن میں واضح نہ ہو لیکن جوں جوں وہ گہرائی میں جاتا جائے معاملہ کے مختلف پہلو اس پر روشن ہوتے جائیں اور یہ پہلو پریشان کن اور متضاد ہوں۔ ایسی صورت میں جو چیز ایک ایماندار جج کی رہنمائی کر سکتی ہے وہ محض سچ کی خالص محبت اور خوف خدا ہے اور اسی سے کام لینے کے لئے حضرت عمرؓ نے کہا ہے۔

در اصل یہ خط اپنی اہمیت کے اعتبار سے ابتدائے اسلام اور عدالتی نظام کے تشکیلی دور کا ابتدائی تین سو سالوں میں موجود رہا جب فقہا، قانونی طرزِ عمل اور عدالتی نظام پر بحث کرتے تو اکثر اس کا حوالہ دیا جاتا اور اس پر بحث ہوتی اور مؤرخین جب حضرت عمرؓ کے نظام حکومت پر بحث کرتے تو اس کی نشاندہی کرتے۔ اور بھی بہت سے معاملات حضرت عمرؓ سے متعلق ہیں جنہیں مؤرخین اور فقہاء دونوں کی زیادہ توجہ حاصل ہوئی جب ان سب کو ایک منظم اکائی میں دیکھا جائے تو حضرت عمرؓ کی صلاحیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ ان میں اس خط کو بھی کافی اہمیت حاصل ہے۔

اس مکتوب کو سب سے پہلے خصوصی توجہ ابن قیم سے حاصل ہوئی جس نے اپنی مشہور کتاب "اعلام الموقعین" میں اس پر انتہائی جامع اور مفصل بحث کی۔ ابن القیم، ابن تیمیہ کے نقش قدم پر چل کر امت کو اسلام کے بنیادی ماخذ کتاب و سنت کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ تک ملوکیت کے تحت ثانوی ماخذ نے اصلی ماخذ پر فوقیت حاصل کر لی تھی۔ خلافت کے بعد ملوکیت کے تحت جو نظام عدالت قائم ہوا اس کے اصول و قواعد ملوکیت کی چھاپ سے مبرا نہ تھے۔

یقیناً یہ خط ابو یوسف اور مالک بن انس کے علم میں تھا۔ ابو یوسف نے اپنی کتاب الخراج میں اس پر مختصر بحث کی ہے۔[5] حقیقت یہ ہے کہ خط کے مشمولات ابو یوسف کے زمانہ تک عام ہو چکے تھے پس تفصیلی تبصرہ کی ضرورت نہ رہی تھی۔

حضرت عمرؓ کے اسی مضمون کے بعض دوسرے خطوط کا ذکر بھی ابو یوسفؒ نے کیا ہے۔ ان کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ ابتدائے اسلام میں انصاف کس طرح ہوتا تھا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابو یوسفؒ کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا۔ وہ ایک ایسے دور میں زندہ رہے جبکہ اسلامی دنیا میں فن

تحریر اور تعلیم ... ہی شروع ہی ہوا تھا۔ کتاب الخراج سے پہلے کے زمانہ کی بہت کم کتابیں دریافت کی جاسکتی ہیں۔ موطا، کتاب الخراج کی پیش رو ہے جس میں اس خط کا اقتباس موجود ہے۔ ان چند کتابوں کے سوا جو پہلے لکھی گئیں زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے متعلق ہیں لہذا ان میں حضرت عمرؓ کے مکتوب کا حوالہ دینے کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن چونکہ خط ایک اہم نوعیت کا تھا یہ سینہ بہ سینہ زبانی روایت ہوتا رہا جیسا کہ دوسرے اہم اسلامی "تاریخی مواد" کے ساتھ ہوا۔ خلافت راشدہ کی "تاریخ"، بنو امیہ اور ابتدائے بنو عباس کی تاریخ تیسری صدی ہجری کے بعد کے حصہ میں مدون ہونا شروع ہوئی اس کا بیشتر حصہ اصلی مانا گیا ہے۔ الطبری کی مفصل "تاریخ" چوتھی صدی ہجری تک پھیلی ہوئی ہے یہ معتبر ہے۔ حضرت عمرؓ کا مکتوب اس عظیم "تاریخی مواد" میں موجود ہے۔ اگر ہم ایک پہاڑ کو تسلیم کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی ایک اہم چٹان کو قبول نہ کریں۔

یہ درست ہے کہ ابو یوسفؒ کے بعد بعض مستند لکھنے والوں نے اس خط کا ذکر نہیں کیا[۴۶]۔ لیکن اولاً ان لوگوں کی یہ فروگذاشت اس دستاویز کو مسترد کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ ابن سعد نے حضرت عمرؓ کی زندگی کے متعلق بعض اہم حقائق نظر انداز کر دیئے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے متعلق وہ ارتداد کی جنگوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا[۴۷]۔ اس لئے اس دستاویز سے متعلق اس کی خاموشی کو کیونکر یہ معنی پہنائے جا سکتے ہیں کہ اس کے نزدیک یہ وجود ہی نہ رکھتی تھی۔ حقیقت میں ابن سعد محض "تاریخ" نہیں لکھ رہا تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین نسلوں تک اسلام کے عظیم اور پاکیزہ افراد کے سوانح مرتب کر رہا تھا۔ جہاں اس نے سیاسی شخصیتوں کی زندگی سے بحث کی ہے وہاں اس نے بعض واقعات بھی بیان کئے ہیں جو عاملین سے عام دلچسپی کے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس میں اسلام کے ابتدائی دور کی اہم شخصیات کیوں شامل ہیں۔

جہاں تک ابو یوسفؒ کے بعد کی بعض دوسری اہم "تاریخی اور قانونی کتب" میں حوالہ کی کمی کا سوال ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کمی عام نہیں یہ صرف تھوڑی تعداد کے ماخذ میں شامل نہیں جہاں ہم اس کی توقع کرتے تھے۔ لیکن کوئی یہ کیوں فرض کرے کہ جہاں کہیں حضرت عمرؓ کا ذکر آئے گا اس خط کا حوالہ بھی لازماً ہوگا۔ کسی تاریخی دستاویز کا حوالہ صرف وہیں دیا جاتا ہے جہاں اس کی ضرورت ہو۔ لیکن ابو یوسفؒ کے بعد کا تمام ادب اس نوعیت کا نہیں جس میں لازماً اس مکتوب کے حوالہ کی ضرورت ہو۔ اس لیے آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بعض جگہوں پر اس کے حوالہ کی کمی اس لیے نہیں ہے کہ اس خط کا وجود نہیں تھا البتہ اس کا ذکر ضروری نہ تھا۔ بہرحال چند ایک فروگذاشت کی دلیل کمزور ترین ہے جو کسی "تاریخی نظریہ" کے لیے پیش کی جا سکتی ہے۔

ابن حزم کے بعد اس دستاویز سے متعلق پہلا شبہ ہمارے زمانہ میں ایک مستشرق، مارگولیتھ نے ظاہر کیا ہے۔ اس کی پشت پناہی بیک وقت دوسرے مستشرقین خصوصاً امیل تیان نے کی ہے۔ کیونکہ ہم نے تفصیلاً ان کے اعتراضات مسترد کر دیئے ہیں[۴۸] ہم انھیں یہاں نہیں دہرائیں گے تاہم یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ مستشرقین اس مکتوب کی غیر موجودگی ثابت کرنے پر کیوں اتنا زور لگاتے ہیں۔ یہ خط ابتدائے اسلام میں عدلیہ کے اصول اور عمل کے ارتقاء کا مختصر ریکارڈ ہے لہذا اس کی تاریخی حیثیت سے انکار سے یہ ناقد کہنا چاہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں کوئی قابل ذکر عدالتی نظام نہیں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کا دور محض ایک سیاسی اور فوجی مالشی کا دور تھا۔ انصاف ایک شائستہ تصور ہے جو صرف مہذب سوسائٹی میں جنم لے سکتا ہے لیکن جدید مستشرقین اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ

...لام کے بانی اور ان کے نامور جانشینوں نے مہذب ماحول پیدا کیا تھا۔ لہٰذا اس سادہ اسلامی سوسائٹی میں بہترین عدا... بقول ان کے ناممکن تھی۔ تاہم حضرت عمرؓ کا خط صاف طور پر واضح کرتا ہے کہ ایسا معاشرہ موجود تھا۔ لہٰذا اس دستاویز کی موجودگی سے انکار اسلام کی شاندار ابتدا کا وقار گھٹانے کی ایک شاطرانہ چال ہے۔ اس کتاب کے پہلے آٹھ ابواب اس کا مسکت جواب ہیں کہ عہد رسالتؐ اور خلافت راشدہ میں ایک عظیم الشان عدالتی نظام قائم ہوا تھا جس کی روایات رہتی دنیا تک مشعل راہ رہیں گی۔

حالیہ زمانہ میں مغربی علم و فضل میں ابتدائی اسلامی تاریخ کے بہت سے بنیادی اور عالمی سطح پر مسلمہ حقائق کو غیر مستند کہہ کر مسترد کرنے کی ایک نمایاں روش نظر آتی ہے۔ مثلاً منٹگمری واٹ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی غیر ملکی بادشاہ کو خط لکھا تھا جس میں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ اگر ایسے خطوط اصلی مان لیے جائیں تو وہ پریشان ہوتا ہے کیونکہ پھر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کہ وہ تمام اقوام کے لیے رسول ہیں سچ ہو جائے گا۔" اس کی منشا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعویٰ کو ثابت کرنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ اقوام عالم کے رسول ہیں۔"[٤٩]

آر۔ بی۔ سارجینٹ انکار کرتا ہے کہ دستور مدینہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت مرتب ہوا ایک جامع دستاویز ہے۔[٥٠] ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کے خط کی اصلیت کا بطلان بھی بلاشبہ ایسی ہی ایک کوشش ہے۔ تاہم تاریخ سے محض اس لیے نہیں کترایا جا سکتا کہ بعض لوگ اس سے آنکھیں چراتے ہیں۔ یقیناً تنقید کا ایک منصب ہے اور یہ تاریخ کو داستان گوئی سے الگ کرنا ہے لیکن اگر تنقید کی جگہ عصبیت لے لے تو وہ اصل تاریخ کا تو پتا نہ لگا سکے گی۔ البتہ وہ ایک افسانہ کو ضرور جنم دے گی۔

سیرت کے مطالعہ کا مستند مواد محدثین نے امت مسلمہ کے اجماعی فیصلے کے مطابق صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابو داؤد ابن ماجہ میں جمع کر دیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کے بعد اسلام پر سب سے مستند لٹریچر ان چھ کتابوں میں موجود ہے لہٰذا مسلمانوں کے لیے اس اصول کو مان کر کتب حدیث سے سیرت کا مطالعہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مگر غیر مسلموں کے لیے اس اصول کو تسلیم کرنا آسان نہیں۔ کیونکہ ان کی تحقیق کا پیمانہ دوسرا ہے جسے وہ تاریخیت کا نام دیتے ہیں۔ جس کے مطابق جو واقعہ تاریخی طور پر پہلے لکھی گئی کتاب میں درج ہے وہ بعد میں لکھی جانے والی کتاب میں درج ہونے کی نسبت صحیح ہے۔

مثلاً ان کے نزدیک السدیؔ، سیف بن عمر واقدی، ابن اسحاق کی کتابیں بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی ابو داؤد و ابن ماجہ سے زیادہ معتبر ہیں کیونکہ اوّل الذکر کے مصنف پہلے پیدا ہوئے اور مؤخر الذکر محدثین بعد میں پیدا ہوئے۔ اسلامی تحقیق کے معیار میں یہ بنیادی اختلاف اس وقت سیرت کے مواد کے حق و باطل کو سمجھنے میں حائل ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے سیرت کے مطالعہ کے لیے جو اصول بنائے ان کے مطابق وہ تمام مواد مسترد ہو گیا جو اس معیار پر پورا نہیں اترتا مگر مستشرقین کے لیے مسلمانوں کا یہی مسترد کردہ مواد مرغوب روایات فراہم کرتا ہے دورِ حاضر کے مسلمان مستشرقین کی اس ہوشیاری سے ناواقف ہیں اس لیے مغربی زبانوں میں جدید تحقیقی تکنیک اور اسلوب کے تحت مرتب کی ہوئی انگریزی، فرانسیسی، اطالوی، المانوی زبانوں میں کتب سیرت کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ سیرت کے بارے میں کتب کا دوسرا المیہ یہ ہے کہ خود بعض مسلمان واعظوں اور ذاکروں نے لاعلمی یا بددیانتی سے مسلمان محدثین اور محققین کا مسترد کردہ مواد اپنے وعظوں اور مجلسوں میں پیش کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ سیرت مقدسہ کا مستند اور تحقیقی مواد دب کے رہ گیا ہے۔ عہد حاضر کے محققین

کا فرض ہے کہ وہ سیرت کا مستند مواد دنیا کے سامنے لائیں جس سے ایک طرف مغربی مستشرقین کے "نظریہ تاریخیت" کا پول کھلے اور دوسری طرف غیر ذمہ دار واعظوں اور ذاکروں سے امت مسلمہ کو نجات حاصل ہو۔

تشریحات و حوالہ جات

۱۔ ابن سعد، طبقات، جلد سوم، صفحہ ۳۳۶۔ وکیع، اخبار القضاۃ، جلد اول، صفحہ ۱۰۸۔

۲۔ وکیع جلد اول صفحہ ۱۰۸۔

۳۔ ابن سعد، جلد دوم، صفحہ ۳۵۹۔

۴۔ ابن سعد، جلد دوم صفحہ ۳۵۹۔

۵۔ وکیع، جلد اول، صفحات ۱۱۰۔

۶۔ بغوی بحوالہ فقہ عمر از شاہ ولی اللہ مدونہ امام خان نوشہروی، صفحہ ۲۱۱۔

۷۔ الطبری، تاریخ، جلد چہارم صفحہ ۳۲۵۔

۸۔ ابن حجر العسقلانی، اصابہ فی تمییز الصحابہ، ابن عبد البر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ زیر سوانح عمری کعب بن سور الازدی۔

۹۔ وکیع، متذکرہ بالا، جلد اول، صفحہ ۲۷۰۔

۱۰۔ الطبری، متذکرہ بالا، جلد چہارم صفحہ ۲۴۷۔ ابن حجر، اصابہ، متذکرہ بالا۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ، فی تذکرہ حذیفہ بن یمان۔

۱۱۔ ابو یوسف، الخراج، ص ۶۲۔

۱۲۔ ابو یوسف، صفحہ ۲۶۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار، جلد اول صفحہ ۵۴۔

۱۳۔ البلاذری، فتوح البلدان، صفحہ ۲۱۹۔

۱۴۔ ابو یوسف، الخراج، ایڈیشن مصر ۱۳۰۲ھ صفحہ ۶۲۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار جلد اول صفحہ ۶۶۔ المبرد، الکامل جلد اول، صفحہ ۱۴۔ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، جلد اول۔

۱۵۔ الوکیع، اخبار القضاۃ، جلد اول، صفحہ ۱۰۰ زیر عنوان شریح۔

۱۶۔ ملاحظہ ہو خورشید احمد فارق، حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط (اردو)

۱۷۔ محمد حمید اللہ کے مطابق: "زیر بحث مکتوب ابو موسیٰ کی گورنری کے ابتدائی ایام میں لکھا گیا معلوم ہوتا ہے اور کعب بن سور کے بطور قاضی تقرر سے پہلے (جو بقول ان کے ۱۸ھ میں قاضی مقرر ہوا تھا)

Administration of Justice under early caliphate, Journal of the Pakistan Historical Society, Karachi, January, 1971, Vol. XIX, Part I, p.2.)

۱۸۔ Emile Jyan, Histoire De L'Organisation Judiciaire En pays D'Islam, Leiden, E. J. Brill, 1960, pp. 77 - 82.

۱۹۔ یہ خیال تسلیم کرنا مشکل ہے کہ یہ ستر کی بات ہے کہ وہ اپنے قبیلہ کے پچاس افراد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور مدینہ میں رہ پڑا (حمید اللہ، متذکرہ بالا، صفحہ ۳)

۲۰۔ ابن ہشام، سیرۃ، جلد چہارم، صفحہ ۲۶۰۔ بخاری، کانپور (ہندوستان ۱۳۰۹ھ، جلد دوم، صفحہ ۱۰۶۳)۔

۲۱۔ i۔ ابن سعد، طبقات، بیروت ۱۲۷۷ھ، جلد دوم، صفحہ ۵۸۴۔

ii۔ جامع الترمذی، کانپور، جلد اول، صفحہ ۱۷۷، ۱۰۱

iii۔ سنن ابوداؤد، کانپور، جلد اول صفحہ ۱۴۹، کتاب القضاء

iv۔ ابو وکیع، اخبار القضاۃ، جلد اول صفحہ ۹۸۔

v۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، جلد اول، صفحہ ۱۳۸، حیدر آباد ۱۳۳۶ھ

۲۲۔ وکیع، اخبار القضاۃ، قاہرہ، ۱۳۶۶ھ صفحات ۸۶ - ۸۷۔

۲۳۔ یہ بتایا گیا ہے کہ مصالحت پر ابوموسیٰ کا تقرر اس حقیقت کی بنا پر تھا کہ علیؓ کی فوج بیشتر یمنی نژاد رضاکاروں پر مشتمل تھی اور یہ ان کے اصرار پر تھا کہ علیؓ نے بے دلی سے اسے اپنے اور معاویہ کے درمیان تحکیم میں نمائندہ نامزد کیا۔ ابن عبدالبر مصالحتی فیصلہ میں (علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو برطرف کرنے میں) ابوموسیٰ کے رویہ اور علیؓ کے خلاف اس کے بغض میں کوئی تعلق پاتا ہے (حمید اللہ، متذکرہ بالا، صفحہ ۴) ۔

۲۴۔ i۔ ابن سعد، طبقات جلد چہارم، صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶، جلد ششم، صفحہ ۱۶۔

ii۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب ۱۳۳۶ھ، جلد اول صفحہ ۳۸۰۔

iii۔ احمد بن حنبل، مسند، جلد چہارم صفحہ ۳۹۶۔

iv۔ وکیع، اخبار القضاۃ، جلد اول صفحہ ۱۰۵۔

v۔ ابن ہشام، السیرہ، جلد چہارم صفحہ ۸۷۔

vi۔ طبری، تاریخ، جلد سوم صفحہ ۲۱۴۔

vii۔ بخاری، الصحیح، مصر ۱۳۱۲ھ جلد پنجم صفحہ ۱۶۱۔

viii۔ ابو یوسف، الخراج ۱۳۰۲ھ صفحہ ۶۲۔

ix۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، جلد اول صفحہ ۲۴۔

x۔ الجاحظ، البیان جلد اول صفحہ ۱۳۴۔

xi۔ المبرد، کامل جلد اول صفحہ ۱۴۔

(xii) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحات ۲۳۵-۲۳۶ -

۲۵- حمید اللہ نے مخطوطات سے مزید شہادت پیش کی ہے معمر بن راشد البصری (متوفی ۱۵۳ھ) اپنی جامع (مخطوطہ) عن قتادہ متوفی ۱۱۷ھ) محمد الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) اپنی الاصل (مخطوطہ) عبدالرزاق بن ہمام (متوفی ۲۰۱ھ) اپنی مصنف (مخطوطہ) عن معمر عن قتادہ۔

عبدالملک بن حبیب القرطبی (متوفی ۲۳۸ھ) الواضحہ میں -

ابوبکر الخصاف (متوفی ۲۶۱ھ) اپنی ادب القاضی میں -

البزاز (متوفی ۲۹۲ھ) اپنی مسند میں (مخطوطہ) -

الحاکم المروزی الشہید (متوفی ۳۴۴ھ) اپنی المختصر الکافی میں (مخطوطہ) -

الجصاص الرازی (متوفی ۳۷۱ھ) اپنی شرح ادب القاضی للخصاف میں

الباقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) اپنی اعجاز القرآن میں -

الحلوانی (متوفی ۴۴۸ھ) اپنی المبسوط میں (مخطوطہ) -

ابن مازہ (متوفی ۵۳۶ھ) اپنی شرح ادب القاضی الخصاف میں مخطوطہ) -

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) اپنی تاریخ دمشق میں (مخطوطہ) -

الکسانی (متوفی ۵۸۷ھ) اپنی بدائع صنائع میں

ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) اپنی تاریخ عمرؓ میں -

۲۶- Marglìouth, The Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain 1910, pp.307-326.

۲۷- اُوپر کے ابواب V IV V VI کا حوالہ دیا جاتا ہے -

۲۸- یہ تبصرہ ایمل تیاں نے اپنی کتاب Histoire De L'Organisation JU Judiciaire En Rays D'Islam, Leiden E.J.Brill, 1960 میں کیا ہے

ایمل تیاں کے علاوہ دوسرے مستشرقین جنہوں نے وستاویز کی سند پر شک پیدا کیا یہ ہیں:

Louis Milliot, Charles Pellat and Vincent Monteil

ہم تیاں کے اعتراضات پر متن میں بحث کر چکے ہیں مارگولیتھ نے مندرجہ ذیل نکات اٹھائے ہیں:

i - 'قس' ایک یہودی لفظ ہے جو حضرت عمرؓ نے دستاویز میں استعمال کیا لہٰذا کوئی یہودی قانون داں حضرت عمرؓ کا مشیر تھا -

ii - تمام سلاق قابلِ اعتماد گواہ نہیں ہو سکتے - iii - الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے -

۲۷أ- الماوردی کی تنقید- تنہا جاحظ ہی اسناد دیتا ہے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے یہ اعتراضات غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ "قس"، قیاس سے صیغۂ امر ہے اور حضرت عمرؓ سے پہلے بھی عرب اسے اکثر استعمال کرتے تھے۔ یہی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دیگر اصحاب کے ساتھ ہے۔ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے جاحظ کے علاوہ ہم نے اور بہت سی سندیں پیش کی ہیں۔ مسلمانوں کے معتبر ہونے کے متعلق حضرت عمرؓ نے ایک عام اصول مقرر فرمایا تھا۔ مستثنیات بہرحال ہوتی ہی ہیں۔ جب مفہوم میں کوئی فرق نہ ہو مترادفات سے دستاویز کے مستند ہونے میں لازماً کوئی شک پیدا نہیں ہوتا۔ مارگولیتھ نے اس نکتہ کی جو الماوردی نے اٹھایا پوری تحقیق نہیں کی۔ اس نے دراصل بعض باتیں ظاہر کی ہیں جو وہ دستاویز میں دیکھنا چاہتا تھا۔

Louis Milliot نے اس دستاویز کا ذکر (i) Introduction a l'Etude droit Musulman میں پیرس ۱۹۵۳ء صفحہ ۶۹۳ اور Bulbtin des Etudes Arabes الجیریا ۱۹۴۸ صفحہ ۱۴۳ اس نے صرف ایمل تیاں کے دلائل دہرائے ہیں۔

Charles Pellat نے اپنی کتاب Le millieu basreen de Jahiz پیرس ۱۹۵۳ء میں کہا ہے کہ یہ دستاویز صرف ایک سلسلہ رواۃ سے منقول ہے جو جاحظ کی کتاب میں ہے۔ Pellat کو چاہئے تھا کہ کم از کم ان سلسلہ ہائے روایت ہی پر غور کرتا جو خود جاحظ نے لکھے ہیں اگر ان پر نہیں تھا جو ہم نے اوپر درج کئے ہیں۔

Vincent Monteil نے اپنے ترجمۂ مقدمہ ابن خلدون میں صفحہ ۴۲۸ پر مارگولیتھ اور روزنتھال کے علاوہ Gottheil and D. Santillana کے حوالہ سے کہا ہے کہ یہ دستاویز جعلی ہو لی جا ہیے۔ gotheil نے عربی کتاب "تاریخ قضاۃ مصر" کے تعارف صفحہ vii viii پر ایک لفظ بھی دستاویز کے خلاف نہیں لکھا۔ اور یہی حال D. Santillane کا- اپنی کتاب Istituzioni di Diracto musulmano malichita جلد دوم میں ہے صفحہ ۵۶۹۔

۲۹- تیاں ایضاً۔

۳۰- محمود بن محمد بن عرنوس "تاریخ القضاء" اردو ترجمہ از محمد احمد ۱۹۶۰ء لاہور صفحہ ۴۴۔

۳۱- ابن خلدون، مقدمہ، بیروت ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۲۱۔

۳۲- محمود بن محمد بن عرنوس متذکرہ بالا۔ ۳۳- الطبری التاریخ جلد چہارم صفحات ۲۱۴-۲۶۲۔

۳۴- ابن حزم النبذ صفحات ۵۱، ۵۲۔ ۳۵- ابن حزم الاحکام جلد ہفتم، مصر ۱۳۴۷ھ صفحہ ۱۴۶۔

۳۶- ملاحظہ ہو مضمون تفصیلی مطالعہ ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم جلد دوم صفحہ ۵۵۔

۳۷- ابن حزم الاحکام جلد ہفتم صفحہ ۱۴۶۔ ۳۸- یحییٰ بن معین، ابن حجر العسقلانی تہذیب، جلد ششم صفحہ ۴۲۸

۳۹- خط کے مختلف سلسلہ اسناد ذیل میں دیئے جاتے ہیں:-

أ- ابو یوسف، عبیداللہ بن ابی حمید غالب الہذلی عن ابوالملک الہذلی۔

[illegible]حظ عن ابی یوسف، عبیداللہ بن ابی حمید غالب الہزلی عن ابی ملیح الہزلی -

iii - ابوالحسن علی بن عمر عن ابی جعفر محمد بن سلیمان النعمانی عن عبداللہ بن ابی الصمد بن ابی خدکش عن عیسٰی بن یونس عن عبید اللہ بن ابی حُمید الہزلی عن ابی الیلیح -

iv - الجاحظ عن سفیان بن عیینہ عن قتادہ -

v - الجاحظ عن ابی بکر الہزلی عن قتادہ -

vi - الجاحظ عن مسلمہ بن محارب عن قتادہ -

vii - محمد بن خلف الوکیع عن علی بن محمد بن عبدالملک بن ابی الشوارب عن ابراہیم بن بشر عن سفیان بن عیینہ عن ادریس العودی عن سعد بن ابی بردۃ -

viii - ابوبکر البیہقی عن ابی الطاہر الفقیہہ عن ابی حمید بن بلال عن یحیی بن الربیع عن سفیان عن ادریس العودی عن ادریس العودی عن سعد بن ابی بردۃ -

ix - ابوبکر عن ابی طاہر الفقیہہ عن احمد بن محمد بن یحیی بن الربیع عن سفیان بن عیینہ عن ادریس العودی عن سعد بن ابی بردہ -

x - سفیان بن عیینہ عن ادریس العودی عن سعد بن ابی بردہ -

xi - ابن قتیبہ عن کثیر بن ہشام عن جعفر بن برقان -

xii - ابوعبید القاسم بن سلام عن کثیر بن ہشام عن جعفر بن برقان -

xiii - ابونعیم الفضل بن دکین عن جعفر بن رقان عن معمر البصری عن ابی العوام -

xiv - ابوبکر البیہقی ابوعبداللہ الحافظ عن ابی ا یاسں محمد بن یعقوب عن محمد بن اسحاق الصنعانی عن ابن کنانہ عن جعفر بن برقان عن معمر البصری عن ابی العوام -

xv - البلاذری عن ابراہیم بن مسلم الخوارزمی عن دکیع عن سفیان عن قبیلہ شیبی کا ایک شخص -

xvi - احمد بن حنبل عن سفیان عن ادریس العودی عن سعد بن ابی بردہ -

۴۰ - ابن حزم، الاحکام جلد ہفتم صفحہ ۱۴۷ -　　۴۱ - ابن حزم ایضاً -

۴۲ - ایضاً -　　۴۳ - القرآن ۲۴: ۴ و ۵ -

۴۴ - ابن حزم متذکرہ بالا -

۴۵ - مالک بن انس نے اپنی موطا میں حضرت عمرؓ کا حوالہ اس مضمون کے سلسلہ میں دیا ہے (ملاحظہ کیجیے موطا: کتاب ۳۶ باب ۲ ایڈیشن ۱۹۵۱ء-۱۳۷۰ھ -

۴۶ - الشافعی نے اس کا حوالہ اپنی الام میں دیا ہے، جلد ہفتم صفحات ۱۱، ۳۵، ۹۷ -

۴۷ - ابن سعد، طبقات، جلد سوم -　　۴۸ - مندرجہ بالا تشریح نمبر ۱۲ ملاحظہ کیجیے -

منٹگمری واٹ، ا۔ Muhammad At Medina آکسفورڈ ۱۹۵۶، صفحہ ۳۴۵ -

۵۰ - R.B. Serjeant, The 'Constitution of Medina' The Islamic Quarterly A Review of Islamic Culture January - June, 1964. The Islamic Culture Centre, Regents' Lodge, 146 Park Road, London N.W.8 انگلینڈ - وہ دعویٰ کرتا ہے" بظاہر یہ ایک ہی دستاویز سمجھی جاتی ہے - حالانکہ میری ساری دلیل اس نظریہ پر مبنی ہے کہ دراصل یہ واضح طور پر الگ الگ دستاویزات کا مجموعہ ہے" تاہم وہ اس کی صحت کو تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے "یہ دستاویز اتنی ہی دلچسپ بلکہ ابتدائی تاریخ اسلام کے لیے اہم بھی ہے۔ جتنا قرآن خود اور یہ بلاشک وشبہ مستند ہے"

یہ دیکھنا دلچسپی کا باعث ہے کہ مستشرقین اپنی مخصوص مذہبی مشنری ذہنیت کے تحت مختلف نظریے کسی اسلامی تاریخی مسئلہ پر تخلیق کرتے رہتے ہیں۔ واٹ کا ان خطوط کی صحت سے انکار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو لکھے کسی تاریخی شہادت پر مبنی نہیں بلکہ صرف اس کی اس پریشانی پر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام اقوام عالم کے لیے بھیجے گئے تھے (ملاحظہ ہو MUHAMMAD AT MEDINA صفحہ ۳۴۶) دیگر حالات میں SERJEANT ان خطوط کے مستند ہونے پر بہت مصر ہے اور انھیں بلاشک وشبہ مستند مانتا ہے سو وہ کہتا ہے: دیگر دستاویزات جو اتنی ہی یا تقریباً دستور کے لیے اتنی ہی تاریخی اہمیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خط وکتابت میں سے وہ خطوط ہیں جو ابھی تک ہمارے لئے محفوظ ہیں "۔ (The Constitution of Medina p.1).

رسولؐ نمبر

ایک دستاویز، جو زندہ رہے گی

۱۲ ربیع الاوّل کے مبارک مواقع پر
صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاءُ الحق صاحب
کی تقاریر کے وُہ حصّے جو رسالہ نقوش سے متعلق ہیں

اس سال جو کتابیں چُنی گئی ہیں، اُن کے علاوہ نقوش کے رسول نمبر پر بھی انعام (ایک لاکھ) دیا گیا ہے۔ یہ نقوش کے لیے خصوصی انعام تھا، جو مدیرِ نقوش محمد طفیل کی کوششوں کے اعتراف میں دیا گیا ہے۔ ماہرین کی نظر میں جیسا کہ آپ نے ابھی سُنا، اُن کے شائع کردہ رسول نمبر کی چار جلدیں ادبِ سیرت میں ایک گراں قدر اضافہ ہیں۔ اس کارنامے پر جناب طفیل صاحب کو دِلی مبارکباد پیش کرتا ہُوں اور دُعا کرتا ہوں کہ وُہ اپنے منصوبے کے مطابق رسول نمبر کی دسّ ضخیم جلدیں چھاپنے میں کامیاب ہو جائیں۔

۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء

○

سیرتِ طیّبہ کے سلسلے کی ایک اور کاوش جس کا مَیں بہ طورِ خاص ذکر کرنا چاہتا ہُوں وہ نقوش کا رسول نمبر ہے۔ یہ دسّ جلدوں پر مشتمل ایک ناقابلِ فراموش تالیف ہے جس کے پہلے چار حصّے پچھلے سال مکمل ہو گئے تھے اور آخری چھ جلدیں اب مکمل ہُوئی ہیں۔ نقوش کے مدیر جناب محمد طفیل صاحب نے اگلے روز مجھے اس یادگار نمبر کا ایک سیٹ پیش کیا۔ مَیں انھیں اس کامیاب کاوش پر دِلی مبارکباد پیش کرتا ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نمبر سیرت پر کام کرنے والوں کے لیے ایک قابلِ قدر حوالہ یا REFERENCE WORK ثابت ہو گا۔

جس طرح سر سیّد احمد خاں نے کہا تھا: "اگر خدا نے مجھ سے پُوچھا کہ دُنیا سے کیا لائے ہو؟ تو مَیں جواب دُوں گا، مولانا حالی سے مسدس لکھوائی"۔۔۔ اسی طرح اگر مجھ سے سوال ہوا تو مَیں کہوں گا رسول نمبر لایا ہُوں۔ گویہ کام طفیل صاحب نے کیا ہے، مگر اس میں کچھ میرا بھی حصّہ ہے!

۱۸ دسمبر ۱۹۸۳ء

○

ابتدائیہ

میں نے جب بھی کوئی نمبر پیش کیا، بڑی محنت سے پیش کیا، موضوع کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ وہ افسانہ نمبر ہو، غزل نمبر ہو، شخصیات نمبر ہو، طنز و مزاح نمبر ہو، مکاتیب نمبر ہو، آپ بیتی نمبر ہو، ادب عالیہ نمبر ہو، لاہور نمبر ہو، ادبی معرکے نمبر ہو، میر تقی میر نمبر ہو، غالب نمبر ہو، اقبال نمبر ہو، غرض جو نمبر بھی ہو، جو موضوع بھی ہو، میں نے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ اور میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہُوا۔ ایسا خیال صرف میرا نہیں، سبھی کا ہے۔ علماً کا بھی، دانشوروں کا بھی، ادباء کا بھی، شعراء کا بھی اور قارئین کا بھی!

رسولؐ نمبر کا قصہ یہ ہے کہ یہ موضوع میرے دل کی گہرائیوں کا موضوع تھا اور ہے۔ اس نمبر پر میں نے اپنے تمام نمبروں سے زیادہ محنت کی۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے جُملہ نمبروں پر اتنی محنت نہیں کی جتنی کہ اس پاک موضوع پر، تو یہ دعویٰ غلط نہ ہوگا۔ آپ مانیں یا نہ مانیں، میرا خدا تو جانتا ہے، وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔

جن نمبروں پر میں نے کم محنت کی اُن نمبروں کے بارے میں ڈنکے کی چوٹ کہہ سکتا ہُوں کہ حق ادا ہُوا۔ یہ نمبر جس پر میں نے جُملہ نمبروں سے زیادہ محنت کی اس کی بابت تکمیل کار کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جو یہ کہے کہ وہ اس موضوع کا حق ادا کر سکتا ہے وہ شخص عالم ہو سکتا ہے، وہ شخص سچا نہیں ہو سکتا۔

بہرحال مَیں نے دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ، جو رسولؐ نمبر پیش کیے وُہ اہلِ علم کے نزدیک معتبر ٹھہرے۔ وہ اہلِ صحافت کے نزدیک قابلِ ستائش ٹھہرے۔ وہ آراء جو ایک عرصے کے بعد گُم ہو جاتیں اُنھیں میں نے حد درجہ ممنونیت کے ساتھ بہ طور گواہی یکجا کر دیا ہے۔

میرے نزدیک گواہی کی بڑی اہمیّت ہے۔ ہمارے رسولؐ اپنے آخری خطبہ میں تین بار فرماتے ہیں: اے لوگو! گواہ رہنا، اے لوگو! گواہ رہنا، اے لوگو! گواہ رہنا!!

محمد طفیل

التماس

۱۹۲۰ء کی بات ہے کہ مولانا محمود حسن نے شاہ عبدالقادر کی تفسیر پر نظرثانی کرتے وقت لکھا:

"حضرت شاہ صاحب (شاہ عبدالقادرؒ) کے اصل ترجمہ کا احسن التراجم اور انفع التراجم ہونا تو اِن شاء اللہ ایسا نہیں کہ اہلِ علم و دیانت میں کوئی اس کا منکر ہو۔ ہاں احقر نے جو اس کی خدمت اور ترمیم کی ہے، اس کی نسبت ضرور ہم کو خلجان ہے۔ اس لیے اہلِ علم و انصاف کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر یہ ترجمہ شائع ہو کر کسی وقت آپ حضرات تک پہنچے تو اس کی حاجت ہے کہ ایک نظر اس کو ملاحظہ فرما کر جو امور قابلِ اصلاح ہوں ان سے ہم کو مطلع فرمانے میں تامل نہ فرمائیں اور اگر کوئی صاحب بالاستقلال ترمیم فرمانا زیادہ پسند کریں تو وہ بالاستقلال اس خدمت کو انجام دینے میں سعی فرمائیں۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ یہ عمدہ اور مفید ترجمہ جو اہلِ علم اور عوام دونوں کو مفید ہے ایک تھوڑے سے بہانے سے نظروں سے نہ گر جائے اور ہم اس کے فیض سے محروم نہ رہ جائیں اور ایک صدقہ جاریہ میں خلل اور نقصان نہ آ جائے۔ جس طرح ہو اور جو کوئی اس کی تلافی اور تدارک بہتر سے بہتر کر سکے وہ اس میں کوتاہی نہ کرے۔"

۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ کے بارے میں لکھا:

"سیرۃ نبوی جلد اوّل طبع اوّل کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے اس اثنا میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکسارانِ دارالمصنفین کے لیے فخر و نازش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدردانوں نے اس کو جان و دل سے خریدا، اور امراء اور والیانِ ملک نے اس کی خدمت کو سعادتِ دارین سمجھا، بلکہ خواص اور علماؒ کے طبقہ نے بھی اس کی قدرشناسی کی۔

ہندوستان میں اہلِ علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس نے اپنے اپنے فن کی میزانِ نقد میں سیرۃ کے مضامین و تحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اس کی آیاتِ قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اُس کی حدیثیں جانچیں، ادیبوں نے اُس کے عربی اشعار اور ترجموں پر نقد کیا۔ علمائے انساب نے اسماء کی تنقیح کی، منجموں اور حساب دانوں نے اس کے زائچوں اور تاریخوں پر نظرثانی کی، اہلِ تاریخ و سیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی، اور ہم ممنون ہیں کہ نہایت خلوص و محبت سے انھوں نے اپنے نتائجِ افکار سے ہم کو مطلع کیا اور ہم نے اُن سے فائدہ اٹھایا۔"

۱۹۸۱ء کی بات ہے کہ فدوی محمد طفیل نے بھی پوری دردمندی کے ساتھ اپیل کی تھی:

جو خواہش مولانا محمود حسن کی تفسیر کے بارے میں تھی ویسی ہی خواہش میری اس نمبر کے بارے میں ہے۔ وہ عالم سہی مَیں طالب علم سہی، وہ برگزیدہ سہی مَیں گنہگار سہی۔ اس کے باوجود خواہش میری بھی وہی ہے کہ اس کام کو بھی بہتر سے بہتر بنایا جائے۔ لہٰذا اس نیکی میں آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا (تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کی جا سکے) ـــــ جیسا کہ سیرۃ النبیؐ کے سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کا ساتھ دیا تھا۔

محمد طفیل

جسٹس شیخ آفتاب حسین

مکرمی جناب محمد طفیل صاحب،

سلام مسنون!

مجھے بجید خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے مجھے سیرت طیبہ پر مشتمل نقوش کا رسول نمبر ارسال فرمایا۔ اس گرانقدر اور علمی تحفہ پر میں آپ کا تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی تمام انسانیت کے لیے ایسی مکمل اور جامع رہنمائی کی حامل ہے کہ انسانی حُسنِ کردار کی تمام تاریخ اس کے سامنے ایک پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتی، بالخصوص دورِ جدید کی انسانیت کی فلاح سیرتِ طیبہ کو نمایاں کرنے ہی میں مضمر ہے۔ اس لیے ناگزیر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا جائے اور خُوب سے خوب تر اسالیب اور پیشکش کے جدید حسین زاویوں کے ساتھ منظرِ عام پر لایا جائے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس سمت میں نہایت موزوں، بروقت اور صحیح قدم اٹھایا ہے۔

نقوش کا رسول نمبر بلاشبہ بہت قیمتی علمی مواد پر مشتمل ہے اِن شاءُ اللہ یہ نمبر قبولِ دوام کی مسند پر فائز ہوگا۔

والسلام علیکم

آپ کا مخلص

آفتاب حسین چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

دارالعلوم، دیوبند، انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبِ مکرم و محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

چند روز ہوئے، پہلے آپ کے ماہنامہ نقوش کا رسول نمبر دارالعلوم دیوبند کے نام پہنچا تھا اس کے بعد اس نمبر کا پُورا سیٹ

میرے نام وصول ہُوا۔ بڑے ولولہ اور شوق و اشتیاق کے ہاتھوں سے پارسل کھولا تو رسولؐ نمبر پر نظر پڑتے ہی جی باغ باغ ہو گیا۔ سبحان اللہ، صلِ علیٰ، آپ نے کیا اور کس درجہ عجیب و غریب اور دلکش و دل آفرین نمبر شائع کیا ہے، اسے نمبر کیوں کہئے یہ سیرتِ طیبہ کی انسائیکلو پیڈیا اردو زبان کی ہے۔ آپ نے "نقوش" کے بڑے بڑے اور عظیم الشان نمبر شائع کر کے جس عالی حوصلگی، عزم بلند و جرأت بے باک کا مظاہرہ کیا ہے۔ اب اس نمبر کے بعد ان اوصاف و کمالات پر حرارتِ ایمانی، عشقِ رسولؐ اور سوز و گداز قلب کا بھی اضافہ ہوا۔ اس پر آپ دلی مبارکباد کے مستحق ہیں، نہ صرف میری اور مسلمانوں کی طرف سے بلکہ ہر محبِ انسانیت و شرافت کی طرف سے۔ فجزاکم اللہ جزاءً کثیراً۔

'برہان' میں ان شاء اللہ عنقریب "باب التقریظ و الانتقاد" کے زیرِ عنوان اس پر مفصل تبصرہ شائع ہوگا۔ خدا کرے آپ بہمہ وجوہ بخیریت و عافیت ہوں۔

والسلام مع الاکرام
مخلص سعید احمد اکبر آبادی

میاں طفیل محمد

محترمی و مکرمی مدیرِ نقوش جناب محمد طفیل صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کی طرف سے آپ کے موقر جریدہ نقوش کے رسولؐ نمبر کی پہلی چار جلدیں موصول ہوئیں۔ آپ کی اس نوازش اور گراں قدر ہدیہ کے لیے تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔ آپ کی یہ پیشکش ظاہر و باطن دونوں لحاظ سے نہایت لائقِ تحسین ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اپنے پیشِ نظر اس مقدس منصوبہ کی کماحقہٗ تکمیل کے لیے ضروری وسائل و ذرائع، ذوق و شوق اور مہلت عطا فرمائے۔ آخر میں اس ہدیہ کے لیے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خاکسار
طفیل محمد

مولانا نعیم صدیقی

برادرم طفیل صاحب! السلام علیکم

کوہکنی اس کا پیشہ ہے، قلم اس کا تیشہ ہے! وہ ہمیشہ شیریں نہر کی سرمستیِ شوق میں ایک نہ ایک پہاڑ کھودتا ہے اور ایک نئی جُوئے علم و ادب بہا نکالتا ہے کہ تشنگانِ معنی صدیوں سیراب ہوتے رہیں ——— کون؟ طفیلِ نقوش۔

ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اردو بازار سے اٹھا اور اس انسانِ اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آرام گاہ تک جا پہنچا، جس کے دم سے

ہمت کے صحرا میں نُور کی ندیاں رواں ہوگئی تھیں، وہاں سے فیضیاب ہوکر لوٹا تو خامۂ مژگاں سے جگر کاوی کرکے ایک چشمۂ زمزم جاری کردیا ـــــ یہ ہے "نقوش" کا رسولؐ نمبر۔

آج سے دس برس پہلے کوئی یہ تصور بھی نہ کرسکتا تھا کہ جس "نقوش" کا دائرہ شعر و افسانہ اور ادبی تحقیق و تنقید ہے وُہ کبھی رسولِ برحق کی سیرت کو بھی موضوع بنائے گا اور بنائے گا بھی اس شان سے کہ قدیم و جدید نامور سیرت نگاروں کی فراموش شدہ اور تازہ تحریروں کو چمن در چمن سمیٹ کر ایک شاندار گلدستۂ معرفتِ رسالت مآبؐ تیار کرے گا جس کے ہفت رنگ پھولوں سے طرح طرح کی خوشبوئیں نکل کر ضم ہوں گی اور قلب و نظر کی فضاؤں میں پھیلیں گی۔

چار ضخیم جلدیں، اکتیس سو صفحات پر پھیلی ہوئیں، طباعت اور اشاعت حُسن سے آراستہ سامنے ہیں۔ سرسری طور پر ورق گردانی کے لیے بھی وقت چاہیے، ابھی تو دس جلدیں پوری ہونی ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی نے سیرت نگاری کے میدان میں ایک سنگِ میل قایم کیا تھا، اب ویسا ہی دوسرا سنگِ میل ـــــ شاید کچھ زیادہ بڑا اور اونچا ادارہ "نقوش" نے قائم کیا ہے۔ آج اردو زبان کے ذخیرۂ سیرتِ پاک میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا۔

مولانا سید محمد متین ہاشمی

حمداً وسلاماً

محمد طفیل کو اللہ تعالیٰ نے کام کرنے کا ایک خاص سلیقہ اور ذوق دیا ہے۔ ایک دن جب طفیل صاحب نے مجھ سے سیرۃ نمبر کا تذکرہ کیا اور اس کا پلان پیش کیا تو میرے وجدان نے باطن سے آواز دی کہ دنیائے ادب کے اس مسافر کو دربارِ نبوت سے طلب کرلیا گیا ہے اور الحمد للہ کہ ویسا ہی ہوا جیسا میں سمجھ رہا تھا۔

"نقوش" کے سیرت نمبر کی چار ضخیم جلدیں میرے سامنے ہیں، مزید چھ جلدیں متوقع ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ سیرتِ پاک سے متعلق مواد کا ایسا گلدستہ اور مجموعۂ اردو تو کیا، دنیا کی کسی زبان میں نہیں ملے گا ـــــ ان چار جلدوں کو دیکھ کر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد طفیل صاحب کو حیاتِ دراز، صحت و عافیت اور ذوق و شوق چند در چند عطا فرمائے کہ یہ اس عظیم کام کو پُوری دل جمعی سے پورا کرسکیں۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

برادرِ محترم مولانا محمد طفیل صاحب کی عظیم تالیف 'نقوش' کا رسولؐ نمبر سیرۃ نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موضوع پر ایک عظیم ترین خدمت ہے۔ اس کی زیارت و مطالعہ سے یہ ناچیز مشرف ہوا۔ اس پر جو تاثرات قلب میں پیدا ہوئے تعبیر و بیاں کی محدود

وسعت میں وہ نہیں سما سکتے۔ میں صرف اس قدر کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ تاریخِ اسلام میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پر علماء، ربانیین، محققین و مورخین نے جو کچھ علمی خدمت کی ہے نقوش کا رسولؐ نمبر ان تمام سابقہ خدمات کا مجموعہ ہے اور ساتھ ہی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ مبارکہ، آپؐ کے محاسنِ اخلاق، علمی و عملی فضائل و کمالات کا صحیح ترجمان ہے۔ آثارِ نبویؐ کا بلند پایہ مظہر ہے۔ ہر مسلمان کے لیے خاتم الانبیاءؐ و المرسلین کی معرفت اور آپؐ کی ذاتِ اقدس سے تعلق ضروری بلکہ عین مقتضائے ایمان ہے کیونکہ ہر مومن کا ایمان آپؐ ہی کے آفتابِ نبوت کی تجلیات و انوار کا فیض ہے تو جس طرح روشنی کی معرفت آفتاب کی معرفت پر موقوف ہے اسی طرح ہر مومن کو اپنی معرفت بھی بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کے ممکن نہیں۔ وہ اپنے وجودِ ایمانی میں سراپا محتاجِ پیغمبر ہے۔ تو اس بلند پایہ خدمت نے ہر مسلمان کے واسطے یہ سعادتِ عظمیٰ مہیا کر دی ہے کہ وُہ اپنے وجودِ ایمانی کو پہچانے۔ اور ساتھ ہی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و محاسن کی معرفت حاصل ہو اور یہ جانے کہ آپ کا وجود باجود اُمت کے لیے بلکہ تمام عالم کے لیے قدرِ عظیم اور بلند پایہ نعمت ہے۔ انعام کمال اور محاسن کا علم ذریعہ محبت ہے۔ ہر منعم و محسن اور باکمال کے ساتھ قلب کی وابستگی انسانی فطرت کا تقاضا ہے تو رسولؐ نمبر میں مرتب کردہ مضامین ایک طرف کمالاتِ نبویہ کی معرفت کا ذریعہ ہیں تو دوسری طرف مومن کے قلب میں محبتِ رسولؐ پیدا ہونے کا باعث ہیں جو دین و دنیا کی جملہ سعادتوں کا ضامن ہے۔ رسولؐ نمبر میں جمع کردہ مضامین، بلند تحقیقی مقالے اور مستند مضامین ہیں۔ سلف صالحین اور ائمہ متکلمین کے مسلک اور ان کی تحقیق کے مطابق ہیں۔

دعا ہے کہ خداوندِ عالم اس علمی گرانقدر سرمایہ سے اُمت کو زیادہ سے زیادہ مستفیض فرمائے اور حضرت مولف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

والسلام

ناچیز محمد مالک کاندھلوی

مولانا سیّد مرتضیٰ حسین فاضل

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر! صبحِ صادق کی روشنی پھیل رہی ہے، مؤذنوں کی آوازوں اور اذانوں کی گونج اور سرد ہوا نگاہ اور دل و دماغ کو نورو سرور کے عالم میں لیے جا رہی ہے۔ کل ماہِ بہار عارفین ربیع المیلاد کی پہلی تاریخ تھی اور طفیل محمد، محمد طفیل کی قسمت کا ستارہ نئے اُفق سے اُبھر رہا تھا۔

دس سال گردن جھکائے، کچھ کریدتے، غوطے لگاتے، قلم چلاتے رہے۔ موتی پرو دیے، پتھر جمع کیے، ان کے رنگ ڈھنگ دیکھے اور پھر انھیں جوڑا۔ چمن چمن گئے، کیاری کیاری سے پھول توڑے اور بڑے بڑے گلدستے بنائے رنگین اور مہکتے ہوئے۔

نقوش کا رسولؐ نمبر تین ہزار صفحات سے متجاوز یکم ربیع الاول ۱۴۰۳ھ کو طفیل صاحب نے چھاپ کر بارگاہِ پروردگارِ عالم میں پیش کر دیا۔ اللہ اُن کی سعی مشکور قرار دے۔ وہ نئے اُفق میں داخل ہو گئے۔

محمد طفیل صاحب کی عاجزانہ اور منکسرانہ پیشکش کا سلیقہ اور طریقہ اُن کی عقیدت اور حقیقت، ان کا عشق اور جذبہ رنگ لایا ہے وہ ان کے چہرے اور لبوں پر بول رہا ہے۔ یہ کامیابی اور بہت بڑی کامیابی، یہ سُرخ رُوئی اور گل فشانی مبارک ہو اور یہ ہدیہ قبول ہو۔

(۲)

میں پُوچھوں کہ مزاجِ مبارک ؟ تو آپ کہیں گے ہم اس کے ہیں ہمارا پُوچھنا کیا۔ ہاں صاحب ! آپ کو یہ کہنے کا حق ہے آپ انھیں کے طفیل خوش و تندرست رہیں اور انھیں کے لیے کام کریں اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے !

ہمیں مدرسے میں ادب کے نام سے خدا جانے کیا کیا پڑھایا جاتا تھا۔ جب ہم پُوچھتے تھے کہ حریری کا فائدہ ؟ تو اساتذہ فرماتے تھے یہ مقدمات میں ہے، عربی کے رنگا رنگ پہلو، زبان اور کلمات کے استعمالات اس لیے پڑھائے جاتے ہیں کہ کلام اللہ شریف و حدیث مبارک سمجھنے میں آسانی ہو، ذوالمقدمہ وہ پاک کلام ہے۔

نقوش کے سب نمبر مقدمہ اور یہ نمبر ان تجربوں کے بعد ایک اساسی کام ہے۔ مبارک باد اور دعائیں توفیق مزید اور پیش قدمی کی آرزو ہے۔

مرتضیٰ حسین از ایران۔ تہران

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

مکرمی والمحترم۔ السلام علیکم

نقوش کے سیرت نمبر کی چار جلدیں موصول ہُوئیں۔ دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ کیا عجب کہ یہ آپ کے لیے عاقبت میں زادِ راہِ سفر ہو جائے۔ ظاہری اور معنوی حیثیت سے یہ دیدہ زیب اور راحتِ دل ہے۔ آپ کے اس نمبر کے ساتھ لوگوں کا مطالعہ ہمارے یہاں کی سیرت ہفتم کا بھی ہو جائے گا۔

آپ نے نقوش کے بہت سے نمبر نکالے ہیں۔ یہ سارے نمبر آپ دار المصنفین کے کتب خانے کے لیے بھیج دیں۔

نقوش کے نمبر ہر کتب خانے کے لیے باعثِ زینت ہیں۔

خدا کرے آپ کا مزاج گرامی ہر طرح مع الخیر ہو۔

والسلام

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

سید ابوالحسن علی ندوی

مکرمی ! زید لطفہٗ — السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے دونوں عنایت نامے نظر نواز ہوئے۔ میں نے پہلے ہی خط کے جواب میں رسولؐ نمبر کی رسید دے دی تھی۔

عجب ہے کہ میرا خط آپ کو نہیں ملا۔ بہرحال اس مبارک، قیمتی، قابلِ قدر اور تاریخی نمبر کے ذریعے آپ نے سعادتِ دارین کا اچھا سامان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت بخشے اور آپ کی محنت ٹھکانے لگے۔

خدا کرے آپ ہر طرح بخیر و عافیت ہوں۔

والسلام

مخلص ابو الحسن علی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

رسول نمبر کی چاروں جلدیں کل شام پہنچیں۔ عنایت کے بوجھ سے گھل گیا۔ خدا آپ کو حسناتِ دارین سے نوازے۔

(۲)

ابھی ابھی شام کی ڈاک میں مرسلہ گراں مایہ تحفہ پہنچا۔ یعنی رسالہ نقوش کا رسول نمبر جلد ۵ تا ۱ ——— میں کہہ نہیں سکتا کتنا متاثر ہوا، اور آپ نے کتنی محنت اٹھائی ہے! اللہ آپ کو حسناتِ دارین عطا فرمائے۔

سید اسعد گیلانی

برادرِ مکرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

نوازش نامہ ملا، ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت، حوصلہ اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ سر سیدؒ نے جب یہ لکھا کہ میں سر ولیم میور کی ظالمانہ کتاب (جس میں اس نے حضور اکرمؐ کے بارے میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے تھے) کا جب تک جواب نہ دوں گا میرے لیے چین حرام ہے چاہے مجھے حضور اکرمؐ کی آبرو کی خاطر کاسۂ گدائی لے کر نکلنا پڑے۔ اس کے ان الفاظ نے میرے دل کی ساری کدورتیں اللہ کے اس بندے کے بارے میں صاف کر دیں اور میرا نقطۂ نظر اس کے بارے میں بدل گیا مجھے اس کے مقصد میں اخلاص کا یقین ہو گیا۔

اور آپ تو رسولِ اکرمؐ کے بارے میں نقوش کی ۱۰ جلدیں اور اپنا سارا آرام چین تج کر اور حضور اکرمؐ کی خاطر "اپنی انا کو ڈبیہ میں رکھ کر نکل کھڑے ہوئے ہیں آپ کے خلوص میں کون شبہ کر سکتا ہے اور خلوص کا جواب خلوص ہی ہوتا ہے"۔ آپ مطمئن رہیے اِن شاء اللہ جو میرے بس میں ہو گا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر حامی و ناصر ہے۔

(۲)

نوازش نامہ ملا۔ اس سے پہلے چار جلدیں نقوش کے رسولؐ نمبر کی مل چکیں جس کی میں نے رسید ارسال کر دی تھی۔

... کی ورق گردانی کی اور آپ کے دیباچوں کو بھی دیکھا ہے۔ جس خلوص و محبت اور عشقِ رسول اکرمؐ کی کیفیت ان میں پائی جاتی اس سے دل پر بہت اثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوفِ خدا اور عشقِ رسولؐ کی وافر مقدار عطا فرمائے ۔ بس یہی زندگی کا حاصل ہے باقی جو کچھ ہے وہ کباڑ کا ڈھیر ہے۔

اتنے عمدہ مضامین آپ چن چن کر لائے ہیں۔ ان کو گلدستہ کی مانند اپنے معروف سلیقے سے سجایا اور گلدستۂ حُبِ نبویؐ بنایا ہے کہ بے ساختہ آپ کو دربارِ رسول مقبولؐ کی بہترین نشست گاہ کا اہل سمجھنے لگا ہوں۔

آپ تشریف لائیں تو سر آنکھوں پر، اپنے ہاں بلائیں تو بسر و چشم حاضر ہونے کو تیار رہوں۔ سیرت کے حوالے سے آپ کی سرفرازی ہزار مبارکباد کی مستحق ہے ۔

آپ کا مخلص بھائی اسعد گیلانی

محمد صلاح الدین

محترم محمد طفیل صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

نقوش کے "رسولؐ نمبر" کی چار جلدیں موصول ہوئیں، اس متبرک ہدیہ کا شکریہ اور اس عظیم سعادت کے حصول پر آپ کو مبارک باد۔

مجھے آپ کا پیکیٹ یکم جنوری کو موصول ہوا۔ اس لیے اس ہفتے صرف مولانا نعیم صدیقی صاحب کا تبصرہ شائع ہو سکے گا جمعہ ۱۴ جنوری کو ادبی صفحہ پر ان شاءاللہ سیر حاصل تبصرہ شائع ہو گا۔ آپ کے لیے ایک اور مبارکباد بھی واجب ہے، یعنی ایک لاکھ روپے کا نقد انعام جو آپ نے صدرِ مملکت جناب محمد ضیاءالحق صاحب سے وصول کیا۔ یہ اس آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام کا ادنیٰ سا تحفہ ہے جس سے آپ حقیقی، ابدی اور ناقابلِ تصور اجر و انعام وصول پائیں گے۔ خدا آپ کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آمین والسلام

آپ کا بھائی

محمد صلاح الدین مدیر روزنامہ جسارت کراچی

قدیر الدین احمد ریٹائرڈ چیف جسٹس

جناب محمد طفیل صاحب

السلام علیکم

آپ کے خط مورخہ ۵/۱ کا عبوری جواب میں نے دے دیا تھا امید ہے کہ آپ کو ملا ہو گا۔ اس وقت تک رسولؐ نمبر کی

چار جلدیں مجھے نہیں ملی تھیں۔ اب میں نے ان کو دیکھا ہے اچھی طرح مطالعہ نہیں کیا ہے۔ وہ تو بہت دیر طلب کام ہے، تاہم آپ کی فرمائش کے مدِ نظر اپنی رائے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے تو ان چار جلدوں کی شان و شوکت کا ذکر کر دوں۔ ماشاءاللہ بہت دیدہ زیب سیٹ ہے اور حجم بھرپور ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے مضامین کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ چاروں جلدوں میں بہت کچھ وہی شامل ہے جس کو ان میں شامل ہونا چاہیے تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ دس جلدوں میں کیا کچھ آئے گا اور کیا رہ جائے گا۔ ابھی تو پانچویں جلد کے مضامین کی بھی خبر نہیں ہے۔

تیسرا تاثر مجھ پر یہ مرتب ہوا ہے کہ اکثر مصنفین پایہ کے ہیں اور مضامین عالمانہ ہیں۔ البتہ سب ایک معیار کے نہیں ہیں۔ بعض بعض بہت اعلیٰ درجہ کے ہیں مگر یہ فرق ناگزیر ہے۔ نفسِ مضامین کے متعلق یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ توہمات نگاری سے اجتناب پایا جاتا ہے جو اس زمانہ کے لیے بڑی خوبی کی بات ہے۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

خیر طلب قدیرالدین احمد

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

مکرم و محترم جناب محمد طفیل صاحب مدیر نقوش زید اخلاصہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گرامی نامہ پرسوں ہی مل گیا تھا۔ آج کی ڈاک سے نقوش رسولؐ نمبر کی چار جلدیں وصول ہوئیں۔ صمیم قلب سے اس عنایت و کرم کے لیے شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس بے مثال دینی و علمی کارنامہ کو قبول فرمائے اور آپ کو دنیا و آخرت میں اس عمل صالح کی بہترین جزا عطا فرمائے۔

نقوش کے پچھلے سارے خاص نمبر بہتر سے بہتر اور اچھے سے اچھے تھے۔ لیکن یہ رسولؐ نمبر تو حقیقۃً بے مثال کارنامہ ہے۔ اس قدر ظاہری اور باطنی خوبیوں کے ساتھ اتنا وسیع اور کامل مجموعہ کہ جسے سیرۃ طیبہ پر ایک وسیع دائرۃ المعارف ہی کہا جا سکتا ہے۔ آپ کی ہمت، اخلاص اور وسیع مطالعہ کا آئینہ دار ہے۔ آخر میں پھر اس قیمتی ہدیہ پر شکریہ پیش کرتا ہوں۔ جزاک اللہ خیراً۔

مخلص دعاگو

عبدالقدوس ہاشمی

ظہور احمد اظہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی و محترمی محمد طفیل صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سب سے پہلے تو میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیے کہ آپ نے "نقوش" کا شاندار رسولؐ نمبر شائع کرکے اردو ادب کے ساتھ ساتھ اردو صحافت کی بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ یہ نمبر بلاشبہ اہل علم کی قدردانی کا مستحق ہے اور ان شاءاللہ آپ کے لیے توشۂ آخرت بھی ہوگا۔ اس کے بعد آپ کا شکریہ بھی واجب ہے کہ مجھ جیسے کم علم انسان کو نوازا۔ یہ آپ کا کرم ہے ورنہ من آنم کہ من دانم!

آپ نے اس نمبر میں سیرت نبویؐ کے بہت سے گوشوں کے متعلق نہایت وقیع، مفید اور مستند معلومات جمع کر دی ہیں، تاہم اس بحرِ بیکراں کے لیے تو سفینہ چاہیئے! اگر آئندہ بہت سے نمبر آپ اس کے لیے مختص کر دیں تو نہ صرف یہ کہ اردو زبان میں آپ سیرۃ نبویؐ پر ایک وسیع ذخیرۂ معلومات یکجا کر جائیں گے بلکہ یہ بات دوسروں کے لیے ایک قابلِ فخر و قابلِ تقلید مثال بن جائے گی۔ دنیا کے مختلف گوشوں میں متعدد زبانوں میں چودہ صدیوں کے دوران جو کچھ لکھا گیا ہے اگر اس کی ایک جامع فہرست شائع ہو سکے تو یہ سیرت نبویؐ کا ایک ناقابل فراموش اور عظیم الشان کارنامہ ہوگا۔ اگر کسی خدمت کے قابل سمجھا جاؤں تو باعثِ سعادت سمجھوں گا۔ "فصاحتِ نبویؐ" کے عنوان سے میری کتاب چند روز تک منظرِ عام پر آ رہی ہے ہدیہ کروں گا۔

مخلص ظہور احمد اظہر

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

جناب محترم و مکرم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

"نقوش" کا رسولؐ نمبر (چار حصے) موصول ہوا۔ آپ نے عقیدت اور علمی خدمت کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ پاک آپ کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت، شفقت اور شفاعت نصیب فرمائے اور آپ جیسے نیک بندوں کے طفیل مجھ جیسے سیاہ کار کی بھی آخرت میں شرم رکھ لے۔ آمین ثم آمین!

ایک نعتیہ رباعی کا مصرع ہے:

دیر آمدہ ز دور آمدہ

یہ نعتیہ نمبر بھی اسی طرح خطاب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شکر ہے کہ میری زندگی میں شائع ہو گیا۔ جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزا۔

احقر غلام مصطفیٰ

مالک رام

عزیزی! آداب

چند دن ہُوئے نقوش کا رسولؐ نمبر (چار جلدیں) موصول ہوا۔ کیا بتاؤں کر اسے دیکھ کر کتنی خوشی ہُوئی۔ میں اس کے لیے ایک مضمون "رحمۃ للعالمین" لکھنا چاہتا تھا لیکن چونکہ جس نہج پر لکھنا چاہتا ہُوں اس کے لیے پورا مطالعہ نہ کر سکا، نہ مواد جمع ہوا۔ اس لیے آج تک اسے قلمبند نہیں کر سکا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میں اس نمبر میں شامل ہونے سے رہ جاؤں گا۔ میں آپ کا شکر گزار ہُوں کہ آپ نے ایک پرانا مضمون کہیں سے ڈھونڈ نکالا، کم از کم کامل محرومی سے بچ گیا۔ جو مضمون زیرِ غور ہے اِن شآءُ اللہ وہ بھی مکمل ہو جانے پر حاضر کروں گا۔ وما توفیقی الّا باللہ العظیم۔

والسلام والاکرام

خاکسار مالک رام

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ

میرے فاضل دوست!

السلام علیکم۔

میں فالج کا مریض بن کر علاج کے لیے تین ماہ سے راولپنڈی میں ہُوں۔ آپ کا مکتوب گرامی جو ۲ ۵/۸۴ کو لاہور سے چلا تھا ۲/۱۰ کو مجھے یہاں ملا۔ ظاہر کہ میری خاموشی کی وجہ معقول تھی۔ اور اس لیے قابلِ معافی۔

آپ نے رسولؐ نمبر اس شان و شوکت سے نکال کر مسلمانانِ عالم پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اگر تمام مسلمان مل کر بھی آپ کا شکریہ ادا کریں تو بھی پُوری طرح حق ادا نہ ہو۔ بہر حال آپ کی نجات کے لیے رسُولؐ نمبر کے چند صفحات کافی تھے۔ پورا نمبر تو یقیناً آپ کو حضورؐ کی ہمسائیگی میں پہنچا دے گا۔ آپ میری صحت کے لیے دُعا کریں۔

نیاز مند برقؔ

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

برادرِ گرامی سلام و رحمۃ

نقوش رسولؐ نمبر کی چھ جلدیں مل گئی تھیں مجھے خود بھی رنج ہُوا کہ ان میں میری ایک سطر بھی نہ آ سکی۔ اس کے دو اسباب ہیں ایک تو میں نقوش کے لیے کچھ لکھتا ہُوں تو بہت محتاط رہتا ہوں، اس میں چھپنے کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ نظر کے سامنے جائے گا ایسا نہ ہو کہ بجائے سُرخ رُوئی کے شرمندگی کا سامنا ہو۔ دوسرے جب سے مجھے شعبے کی صدارت ملی ہے کام بہت بڑھ گیا ہے۔

... مصروف رہتا تھا، اب تو بُرا حال ہے۔ پھر بھی قرآنِ کریم سے متعلق باقی جلدوں کے لیے ایک مفصل مضمون لکھنا شروع کر دیا ہے خدا کرے اس سے کچھ تلافی ہو جائے۔ والسلام

آپ کا نثار احمد فاروقی

ڈاکٹر مسعود الرحمٰن ندوی

محترم گرامی جناب محمد طفیل صاحب زید لطفکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"نقوش" کے ریکارڈ توڑ نمبروں میں "رسولؐ نمبر" تو ظاہری باطنی ہر لحاظ سے سب سے بڑھ چڑھ کر رہا، اور ابھی تو اصل منصوبہ کے مطابق نصف نمبر ہی سے بھی کم سامنے آئے ہیں، جلدیں مکمل ہو جائیں گی تو آپ کو کن الفاظ میں مبارکباد دی جائے گی! کیا

ثبت است بر جریدۂ عالم "نقوشِ" ما

کا مصرع اس وقت تک کے لئے محفوظ رکھوں؟

(۲)

سال بھر کے انتظار کے بعد رسولؐ نمبر کی بقایا چھ جلدیں موصول ہُوئیں، دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی، خاص کر اس لیے کہ موجودہ جلدوں کا معیار نقشِ اوّل سے بہتر اور بلند تر ہے، اور ہونا بھی چاہیے تھا، کیونکہ آپ نے جس والہانہ محبت و تعلق کے ساتھ اس نمبر پر محنت کی ہے وہ نادر ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی خواہش پُوری ہو اور یہ نمبر آپ کی دُنیوی اور اُخروی سعادت کا ذریعہ بنے۔

مزید دو ایک جلدوں کی لالچ نے آتشِ شوق کو اور بھڑکا دیا ہے، خاص کر لیسین صاحب کی کتاب کے ضمائم اور حواشی نے۔

آپ کا مسعود الرحمٰن

ڈاکٹر جمیل جالبی

مجی محمد طفیل صاحب! سلام مسنون

ڈاک سے نقوش کا رسولؐ نمبر موصول ہُوا جس کے لیے آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں۔ ماشاءاللہ، کیا نمبر نکالا ہے! دیکھ کر رُوح تازہ ہو گئی۔ کل سے اس نمبر کو پڑھ رہا ہُوں۔ آپ نے اس موضوع کو نیا تناظر دیا ہے، خدا آپ کو خوش و خرم رکھے اور دین و دنیا کی دولت سے مالا مال کرے۔

(۲)

نقوش کے رسولؐ نمبر کی جلد پنجم، ششم، ہفتم اور ہشتم موصول ہوئیں۔ سبحان اللہ! کیا کام کیا ہے۔ خدا آپ کو اجرِ عظیم دے۔

یہ کام آپ ہی کر سکتے تھے ۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے ۔

آپ کا مخلص
جمیل جالبی

مشفق خواجہ

محترمی و مکرمی ! سلام مسنون

گرامی نامہ ملا اور پھر نقوش کا سیرت نمبر۔ ان عنایات کے لیے ممنون ہوں۔ سیرت نمبر ہر اعتبار سے ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ تین دن سے یہ رسالہ ہے اور میں ہوں۔ یقین کیجئے کہ یہ کام صرف دولت کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتا تھا، اگر عشقِ صادق رہنما نہ ہوتا تو آنا شاندار نمبر شائع نہیں ہو سکتا تھا۔ واقعی آپ کام کرتے ہیں، اور کام بھی زندہ رہنے والا۔

آپ کی درازیِ عمر، صحت اور شادمانی کی دُعا کرتا ہُوں کہ آپ بڑے بڑے کام انجام دیتے رہیں۔

(۲)

سیرت نمبر کے چھ مزید شمارے ملے۔ سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہُوں کہ اس عظیم کام کو آپ ہی انجام دے سکتے تھے۔ خدا آپ کو صحت و شادمانی کی دولت سے مالا مال کرے تاکہ آپ پُوری توجّہ اور یکسوئی کے ساتھ ایسے بڑے بڑے کام تا دیر انجام دیتے رہیں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ

سیّد ضمیر جعفری

محمد نقوش کی طرف سے نقوشِ محمدؐ کا تحفہ مل گیا۔ شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ کہاں سے لاؤں! میرا دل کہتا ہے آپ کی یہ سوغات حضورؐ کی بارگاہ میں قبول ہو گی۔ آپ نے اپنی بخشش کا پروانہ جیب میں رکھ لیا۔

آپ کا اپنا
ضمیر

لیفٹیننٹ جنرل کے ۔ ایم ۔ عارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ! السلام علیکم ۔

آپ نے تو "رسولؐ نمبر" سے میرا گھر بھر دیا ۔ پچھلے سال اس تاریخی "رسولؐ نمبر" کی پہلی چار جلدیں ملیں اور کل اس کی آخری چھ جلدیں موصول ہوئیں ۔ اب دس جلدوں کا یہ متبرک سیٹ میری ذاتی لائبریری کا موقر ترین حصہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین !

میں اس گرانقدر تحفے کے لیے آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں ۔

آپ کا خیر اندیش

عارف (خالد محمود عارف)

جیلانی بانو

بھائی ! آداب عرض ۔

ابھی رسولؐ نمبر کی چھے جلدیں ملیں ۔ یہ نایاب ، عظیم تحفہ پا کر آپ کے لیے دل سے دُعا نکلی ۔

ادا کیا کروں ؟

پہلے والی چار جلدیں ابھی تک پڑھے جا رہی ہوں ۔ اب ان چھے جلدوں کی روشنی ملے گی ۔ انور تو بہت خوش ہُوئے ۔ اپنے ڈپارٹمنٹ لے گئے لوگوں کو دکھانے (اسلامک سٹڈیز والے ہیں نا) ۔ انور کا خط آپ کو مل گیا ہوگا !

آپ نے ایک سے ایک بھاری بھرکم نمبر نکالنے کی روایت ڈالی ۔ مگر اب تو آپ اردو ادب سے باہر پاؤں رکھ چکے ہیں ، رسولؐ نمبر تو عالمی ادب میں جگہ پائے گا ۔ سیرت پر اتنا مواد کیسے اور کہاں اکٹھا مل سکتا ہے !

آپ کی بہن بانو

ممتاز مفتی

محترمی ۔ ایک وہ زمانہ تھا جب میں تم سے محبت کیا کرتا تھا ۔ جب محبت کا عالم ہو تو شکریہ ادا کرنے کی نہ ضرورت ہوتی ہے نہ گنجائش ۔ اب محبت تو تم نے کاٹ کر رکھ دی ، اب میں تم سے عقیدت رکھتا ہوں اور تمہارا احترام کرتا ہوں ۔ میرا بس چلے تو احترام نہ کروں مجبوری میں کرتا ہوں ۔ وجہ یہ ہے کہ تم نے بحیثیت مصنف اور ایڈیٹر جو جو کارہائے عظیم کر دکھائے ہیں ، انھیں تسلیم نہ کرنا ناممکن العمل ہے ۔ بہرحال لبِ لباب یہ ہے کہ تم نے رسولؐ نمبر بھیجا ، میں بیحد شکر گزار ہوں ۔ اللہ تمھیں خوش رکھے ۔ میں بھی ایک چھوٹی سی کتاب " یا ترا " بھیج رہا ہوں ، شرم آتی ہے ، اونٹ کے منہ میں زیرہ والی بات ہے ۔

ممتاز مفتی

ڈاکٹر حنیف نقوی

مکرمی ! سلام مسنون ۔

پندرہ سولہ دن قبل رسولؐ نمبر کی چھ جلدیں موصول ہوئیں ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی اس نوازش بے پایاں اور کرم بے نہایت کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں ۔ جس طرح خاص نمبروں کی ترتیب و اشاعت کے معاملے میں اردو صحافت کی تاریخ میں آپ خود ہی اپنی مثال ہیں ۔ اسی طرح اپنے نیاز مندوں کے ساتھ اس حسنِ سلوک میں بھی کوئی آپ کا نظیر نہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے تاکہ آپ اسی طرح اردو صحافت کی تاریخ میں نت نئی روایتیں قائم کرتے رہیں اور آپ کی ان مساعیِ جمیلہ کے نتیجے میں اردو زبان و ادب کا دامن مالا مال ہوتا رہے ۔ آمین

مخلص
حنیف نقوی

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

برادر گرامی قدر ۔ سلام مسنون ۔

آپ کے بھیجے ہوئے رسولؐ نمبر کے بقایا شاہکار ملے ۔ سیرت نبویؐ پر آپ نے جو کام پیش کر دیا ہے وہ مدتوں اُردو کے لئے سرمایۂ افتخار رہے گا ۔ اور آئندہ جو بھی اس مقدس موضوع پر کام کیا جائے گا وہ آپ کے عظیم و شاندار کارنامے کی بنیاد پر ہی ہوگا ۔ مقدس موضوع ، قیمتی مواد ، بیش از بیش تحقیقات اور اس پر آپ کا سلیقہ ، پیش کرنے کا حسین و دلنواز انداز ۔ اُردو میں آپ کا کارنامہ یقیناً سیرتِ نبویؐ کے شایانِ شان ہے ۔ سچ مانئے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور ملا ۔

ابھی پروردگارِ عالم آپ سے سیرتِ رسولؐ اور اپنے کلامِ پاک کی خدمت لینا چاہتا ہے ۔ اس لیے مجھے یقین ہے اور بارگاہِ ربّ العزت میں دُعا بھی ہے کہ وُہ آپ کو ہمارے درمیان تا دیر بہ صحت و توانا قائم و دائم رکھے گا ۔ آپ کی بیماری دراصل صدقہ ہے آپ کی جان کا ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر بڑے کام کے بعد اسی طرح نظرِ بد کے اثرات سے بچاتا ہے ۔

خدا آپ کو خوش رکھے کہ آپ نے اب قرآن نمبر کا بیڑا اٹھایا ہے ۔

محمد یٰسین مظہر صدیقی

محمد اکبر الدین صدیقی

محترمی و معظمی ! السلام علیکم ۔

نقوش کا رسولؐ نمبر چار جلدوں میں بہ احتیاطِ تمام بغیر کسی گزند کے وصول ہوا ۔ سراپا سپاس ہُوں ۔ دنیا کی کسی زبان میں بھی سیرت پر اس قدر مواد نہیں ۔

پینتیس سال قبل ایک چھوٹے سے مقام پر میں امتحان کے نگران کار کی حیثیت سے گیا تھا وہاں ایک ساٹھ سالہ

... اردو سیکھ کر اردو دانی کا امتحان دے رہے تھے۔ میں نے ان سے پُوچھا کہ اس عمر میں آپ نے یہ زحمت کیوں کی تو کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ مذہب اسلام کے تعلق سے جتنا مواد اُردو میں ملتا ہے اور کسی زبان میں نہیں، میری مادری زبان کنڑی ہے، اردو سیکھ کر اپنی مذہبی کتابیں خصوصاً قرآن کے تراجم پڑھوں گا۔

سیرتِ رسولؐ پر نقوش کا رسولؐ نمبر سب کتابوں سے بے نیاز کر دے گا۔ خدا آپ کو ہمت دے اور تندرست رکھے کہ اسلام کی اس قدر عظیم خدمت فرما رہے ہیں۔ ادب کی بھی آپ نے کچھ کم خدمت نہیں کی۔

محمد اکبر الدین صدیقی

ابو سلمان شاہجہانپوری

باسمہ

حضرت مخدومی! آپ جس طرح ایک دُور افتادہ نیاز مند طالب علم کو جس طرح اپنی بے غرضانہ نوازشوں سے نوازتے ہیں اس کا شکریہ ادا کرنے کا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہُوں کہ وہ اسے آپ کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی و سُرخ رُوئی کا وسیلہ بنائے اور جس اسمِ سامیؐ کو آپ نے دنیا میں روشن کیا ہے آخرت میں اسی وجود قدسی کا قرب و معیت نصیب ہو۔

رہا آپ کے اس عظیم الشان کارنامے کا تو لیس کمثلہ شئ۔

جس طرح سیرت طیبہ کا ہر گوشہ اور اس کا ہر نکتہ دُنیا کے تمام اخلاقی اقدار، جامعیت کے خصائص اور فضائل و محاسن کے بلند سے بلند معیارات سے بلند تر ہے اور کوئی انسانی ذہن اس بلندی کا تصوّر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح نقوش کا رسولؐ گرامی نمبر علم و تحقیق کے بلند سے بلند معیار اور جامعیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ خصائص سے ماوراٗ ہے۔ مجلاتی صحافت کی کسی زبان کی تاریخ میں تصنیف و تالیف کی کوئی ایسی مثال اور حسنِ جامعیت کا کوئی ایسا نمونہ موجود نہیں کہ تبلیغ و تفہیم کے لیے اس کا نام زبان پر لایا جائے۔ اگر کوئی مثال ہے تو یہی نقوش کا رسولؐ نمبر۔ آپ نے یہ نمبر شائع فرما کر علم و تحقیق اور دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اللہ مبارک کرے۔

خاکسار، ابو سلمان شاہجہانپوری

مصوّر سبزواری

برادرِ محترم محمد طفیل صاحب! آداب و نیاز!

سوچتا ہُوں کہ پاکستان بننے کے بعد کئی دہائیوں سے نقوش کے بے نظیر اور ضخیم ادبی نمبر نکال کر آپ نے جو گرانمایہ خدمات انجام دی ہیں وہ اگلی نسلوں کے لیے ناقابلِ یقین ہوں گی اور پھر چُپ چاپ یہ جان لیوا اہتمام۔ کوئی شکوہ نہ کساد بازاری کا نہ عدم ترسیلیت کا۔ جتنے آج کے ادبی جرائد کے مدیرانِ کرام شاکی رہتے ہیں اور کبھی کبھی تو ادب میں جمود اور

موت کی افواہ تک اڑا دیتے ہیں۔ خدا آپ کے کاروانِ عزم کو اسی طرح جاری رکھے۔ آپ کے بارے میں ایک بار شاید جمیل ملک یا اشفاق احمد نے ستائشی انداز میں کہا تھا کہ محمد طفیل صاحب کی رازداری کی یہ صفت ہے کہ جو کرنا چاہتے ہیں اسے بتاتے نہیں اور جو بتاتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں۔

نیاز کیش

مصور سبزواری

کرنل محمد خاں

جناب طفیل صاحب! السلام علیکم۔

کولمبس نے ساری زندگی میں ایک دُنیا ڈھونڈی تھی، آپ ہر سال ایک نئی دنیا دریافت کرتے ہیں۔ آپ کی ادبی معرکوں کی دنیا کی سیر سے ابھی سیر نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے ایک اُتنی ہی وقیع اور قابلِ دید دنیا ——— عصری ادب کی ——— بنا سجا کر پیش کر دی۔ ایں کار از تو آید و ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شاید آپ کو احساس نہ ہو' ان کارناموں کی بدولت آپ نے زندگی میں ہی ایک تاریخی اہمیت اور مقام حاصل کر لیا ہے اور بجا طور پر کہ یہ آپ کی اپنی محنت، ذہانت اور دیانت کا ثمرہ ہے۔ بے شک رحمتِ خداوندی آپ کے ساتھ ہے لیکن جیسا کہ وہ کہتے ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے جو خود آپ اپنی مدد کرتے ہیں۔ اردو زبان کے ساتھ آپ کا نام اسی طرح لازم ملزوم ہو گیا ہے جیسے بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا۔ آپ اُردو کے دوسرے بابا ہیں! اس دُنیا میں جب تک ایک اردو داں بھی باقی ہے آپ کا نام زندہ رہے گا۔

خدا آپ کو لمبی عمر اور کامل صحت عطا کرے۔ آمین

خیر اندیش، محمد خاں

(۲)

محمد طفیل، مدیر نقوش بلاشبہ ایک ممتاز ادیب ہیں اور خاکہ نگاری میں تو اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں لیکن آج سے بہت عرصہ پہلے جب میں نے ان کے کمال کا اعتراف کیا تھا تو بحیثیتِ مدیر کیا تھا کہ بطور ادیب آپ کا مقام بلند سہی، بحیثیتِ مدیر بلند تر ہے۔ لیکن بخدا اُس وقت مجھے اُن کی مدیرانہ عظمت کا وہ اندازہ نہ تھا جو نقوش کا رسول نمبر دیکھ اور پڑھ کر ہوا ہے۔

گزشتہ تیرہ صدیوں میں صدہا عاشقانِ رسولؐ نے سیرتِ طیبہ پر لکھا' یا لکھوایا ہے، لیکن جو سعادت مدیرِ نقوش کے حصے میں آئی ہے وہ معدودے چند ہی ہستیوں کو نصیب ہوئی ہے۔ اس جلیل و جمیل صحیفے کے متعلق حرفِ توصیف کہنے سے پہلے سر جھک جاتا ہے!

سرسید علیہ الرحمۃ نے حالی سے ایک مسدس لکھوا کر اپنی عاقبت کا سامان پیدا کر لیا تھا۔ ذرا اس اجر کا اندازہ کریں جو مدیرِ نقوش کو بیسیوں شبلیوں کے گلہائے عقیدت جمع کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کرنے پر ملے گا۔ اور کیا یہ اُس مرتبہ دانِ محمدؐ کے فیض کا اشارہ نہیں کہ جس طرح محمد طفیل اِس دُنیا میں ماشاءاللہ کامیاب و کامران ہے، اگلی دنیا میں بھی ان شاءاللہ سُرخرو و

رہے گا۔

مدیرِ نقوش کو اس قابلِ رشک حال و مستقبل پر ہزار مبارکباد دیں۔ محمد خان

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی

برادرِ مکرم طفیل صاحب! سلام مسنون

اللہ سے امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کا عطیہ نقوش کے رسولؐ نمبر کی صورت میں موصول ہوا۔ یہ نمبر ۵ سے ۱۰ تک ہیں۔ میں بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے اتنا نفیس تحفہ عنایت کیا۔ بڑے ذوق و شوق سے پورا گھر ان نمبروں کو پڑھ رہا ہے۔ اس کارِ خیر کے لیے خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے ہم سب کی عزت حضورِ اکرمؐ کی بارگاہ میں رکھ لی۔ خدا کرے کہ آپ کی یہ مساعیٔ جمیلہ بارگاہِ رسالت سے سندِ خوشنودی پائے۔

جذبات کی شدت نے چند اشعار کہے ہیں جو روانہ کر رہا ہوں۔ خدا کرے کہ آپ کو پسند آئیں۔ اگر یہ اشعار پسند آئے تو آپ ضرور مجھے خط لکھیں گے، معلوم نہیں کیوں مجھ کو اس کا یقین ہے۔

آپ نے رسولؐ نمبر کی چھ جلدیں (۵ تا ۱۰) روانہ فرمائیں۔ شروع کی چار جلدوں سے کیوں محروم رہا؟ آپ نے مژدہ سنایا ہے کہ دو جلدوں کی ترتیب کا کام جاری ہے، خدا کرے کہ وہ جلد شائع ہوں۔ آپ کا، ظہیر احمد صدیقی

(۲)

نقوش

(رسولؐ نمبر)

موقر اتنا کوئی جریدہ نہ پہلے نکلا کبھی نہ نکلے
نقوش کا یہ رسولؐ نمبر طفیل کا شاہکار بھی ہے
میں سوچتا ہوں کہ اس کی ترتیب کب تھی فانی بشر کے بس کی
ضرور اس پیشکش میں شامل نوازشِ کردگار بھی ہے

یہ حسنِ تحقیق کا مرقع جِلا ہے ایماں کے آئنوں کی
نگاہِ اہلِ نگاہ و دل میں ہے درس عرفان و آگہی کا
ہر ایک پہلو، ہر اک رُخ سے کیا ہے اس شان سے احاطہ
کہ گوشہ گوشہ ہوا ہے روشن حیات و شخصیتِ نبیؐ کا

یہ ہے وُہ قاموسِ خیر و برکت کشاکش و کشمکش میں جس کو
حیاتِ نو کا پیام کہیے فلاح کی اک سبیل کہیے
یہ راہ گم کردہ راہیوں کو شعورِ منزل عطا کرے گا
یہ پیش کش ہے عظیم اس کو مجلّہ کیوں سنگِ میل کہیے

چہار جانب سے آ رہی ہیں صدائیں تبریک و تہنیت کی
طفیل صاحب بڑے سلیقہ سے حقِ سیرت ادا کیا ہے
نقوش کا یہ رسولؐ نمبر ہے بابِ سیرت میں حرفِ آخر
حقیقتاً شبلی و سلیمان کی مساعی کا تکملہ ہے

معارف کا خزینہ بھی، ارمغانِ نیاز بھی ہے
صحیفہ حسن قبول پائے گا موجبِ منزلت بھی ہو گا
منائیں گے اس جشنِ اجرا ملائک و جن و انس مل کر
رسولؐ نمبر طفیل صاحب کو توشۂ آخرت بھی ہو گا

پروفیسر عبد القوی دسنوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے محترم، مکرم، معظم بھائی طفیل

السلام علیکم، خوش رہیے، جُگ جُگ جیئے۔

کچھ اور کام کیجئے نہ کیجئے، نقوش کے ضخیم شمارے اور عظیم نمبر مسلسل پیش کرتے جائیے اور اُن سے اردو زبان و ادب کا ایک ایسا قلعہ تعمیر کیجئے جو وسعت و رفعت میں بے مثال ہو اور غیروں کے لیے قابلِ تقلید تو بن جائے، قابلِ تسخیر نہ بن سکے اور اس کے ایوانِ عام میں تختِ پر بیٹھ کر آپ بہ آوازِ بلند کہئے:

مملکتِ اُردو کے رہنے والو! آپ کو اور کیا چاہیے؟ میں نے شخصیات نمبر دیئے، منٹو نمبر دیئے، غزل نمبر دیئے، افسانہ نمبر دیئے، مکاتیب و خطوط نمبر دیئے، آپ بیتی نمبر دیئے، غالب سے متعلق عظیم نمبر دیئے، انیس نمبر دیئے، ادبی معرکہ نمبر دیئے، عصری ادب نمبر حال میں پیش کر چکا ہوں، اقبال نمبر کے ڈھیر لگا رہا ہوں، میر نمبروں میں اضافہ کر رہا ہوں، تنقید نمبر

زاویے سے پیش کرنا چاہتا ہوں، شعر نمبر ایک نئے انداز سے لانے کی فکر کر رہا ہوں۔

اردو عوام میں سے کوئی عبدالقوی دسنوی اُٹھ کر صدا بلند کرتا ہے: عالی مرتبت، شہنشاہِ مملکتِ آداب! زبان و قلم کی امان ہو تو عرض کروں۔

نہایت نرم و شیریں لہجہ میں ایک آواز فضا میں لہراتی ہے:

ارشاد، کیا کہنا چاہتے ہیں؟ فرمائیے!

اور پھر دُوسری آواز لرزتی ہوئی فضا میں گونج اٹھتی ہے:

آپ نے ہم اردو والوں کو جتنے قیمتی نمبر عنایت کیے ہیں ان سب کو ہم جان و دل کی طرح عزیز رکھتے ہیں، ان سے ہم نے اپنے دل و دماغ کے مختلف گوشوں کو سجا رکھا ہے اور ان سے کسی لمحہ غافل نہیں رہے ہیں اور بیشک ان نمبروں کے لیے ہم ہمیشہ سے سپاس گزار ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن اس خبر نے ہمیں بیحد مسرور کیا ہے کہ اب آپ "رسول نمبر" پیش کرنے جا رہے ہیں، جس کے ابتدائی دو نمبر تقریباً مکمل ہونے کو آئے ہیں اس کی جلدوں کا انتظار رہے اور بہت زیادہ انتظار رہے۔

اس کے ساتھ ہی البتہ یہ سوچ کر اطمینان ہو گیا ہے کہ سر سیّد بارگاہِ خداوندی میں "مدو جزرِ اسلام" ہاتھوں میں لیے پہنچے، شبلی اپنے اور سیّد سلیمان ندوی کے کاندھوں پر سیرت النبیؐ کی جلدیں سنبھالے ہوئے عرشِ معلّٰی تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی، اور اب ہم آپ کے عہد کے اردو والے، کتنے خوش نصیب ہیں کہ قطار اندر قطار، بادشاہ سے رعایا تک سب کے سب نقوش کے رسول نمبر کی جلدیں اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں گے اور کہیں گے کہ ہم تیرے لیے محمد طفیل کے رسول نمبر لے کر حاضر ہو رہے ہیں۔

ہم نے ان کا مطالعہ کیا ہے، ہمارے دل و دماغ روشن ہوئے ہیں، چہرے کبھی تمتمائے ہیں، کبھی شگفتہ ہوئے ہیں، آنکھیں کبھی چمکی ہیں، کبھی اشکبار ہو کر دامن کو تر کر گئی ہیں۔

یہی سب لے کر، ہم سب حاضر ہوئے ہیں کہ ان کے طفیل ہماری بھی بخشش ہو جائے، اور اُس بادشاہ کی بھی جس کی ایک ادا نے محمد طفیل کی ہمتوں کو بلند اور حوصلوں کو سوا کر دیا ہے، انھیں بادشاہ کے لیے اقبال کے یہ اشعار لب تک آئے ہیں:

آہ وہ مردانِ حق! وہ عربی شہ سوار ——— حاملِ "خُلقِ عظیم" صاحبِ صدق و یقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب ——— سلطنت "اہلِ دل" فقر ہے شاہی نہیں

جاتے جاتے اپنے عزیز بھائی محمد طفیل کا بہت بہت شکریہ کہ نقوش کا "عصری ادب نمبر"، کیا بھیجا، عصری افکار کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ سچ ہے کہ عظیم نمبروں کو نہایت وقار کے ساتھ پیش کرنے کا سلیقہ اللہ نے مدیر نقوش کو ہی عطا کیا ہے۔

بہت ساری اچھی اچھی دعاؤں کے ساتھ رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں، اس خواہش کے ساتھ کہ کبھی کبھی اپنی تحریروں کو بھی آنکھوں سے لگانے کا موقع دیجیے۔ آپ کا ہمیشہ مخلص

عبدالقوی دسنوی

(۲)

یوُں تو آپ نے نقوش کے بہت سے شمارے اور تقریباً تمام نمبر عنایت کر کے جس طرح کی نیکی میرے ساتھ کی ہے میں نہ تو بیان کر سکتا ہُوں نہ اس کا حساب کتاب کرنے کی اہلیت رکھتا ہُوں لیکن رسولؐ نمبر بھیج کر آپ نے مجھے مزید ایک بڑی دولت اور نعمت سے مالا مال کیا ہے اس کو تحریر میں لانا میرے لیے اس وجہ سے ممکن نہیں رہا کہ میرے دل میں سچے جذبات جو آپ کے لیے پیدا ہو رہے ہیں ان کا ساتھ نہ الفاظ دے سکتے ہیں نہ زبان ترجمانی کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔ بس اتنا جان لیجئے کہ جب سے چار حصّے رسولؐ نمبر (نقوش) کے ڈاکیہ دے گیا ہے آپ کو تو بار بار دُعائیں دے ہی رہا ہُوں اس ڈاکیہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہُوں جو نہایت سلیقہ سے ان نمبروں کا پیکیٹ میرے گھر پہنچا گیا ہے۔ اگرچہ یہ اس کا فرض تھا لیکن نہ جانے مجھے ایسا لگا کہ اس نے بھی میرے لیے بہت بڑا کام کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اب تک نقوش کے مختلف شمارے بھیج کر آپ میری اس دنیا کو سنوّارنے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن اس قیمتی نمبر کو شائع کر کے آپ نے اپنی دونوں دُنیا تو سنواری ہی ہیں، مجھے اِس نمبر کو عنایت کر کے میری بھی دونوں دنیا بنانے میں مدد کی ہے۔ اور میری طرح ہزاروں لوگ جو اس عظیم نمبر کا مطالعہ کریں گے نہ جانے کس کس طرح سے اپنی زندگیوں کو فیض پہنچائیں گے اور اس طرح آپ مسلسل اور طویل مدّت تک اس کی برکت سے ثواب حاصل کرتے رہیں گے۔ اس کے ساتھ یہ کہنا بھی بجا ہے کہ:

آپ نے اس نمبر کی اشاعت سے

اُردو کی خدمت کی ہے، اس کا وقار بنایا ہے۔

انسانیت کی خدمت کی ہے، اس کا احترام بڑھایا ہے۔

اسلام کی خدمت کی ہے، اس کی عظمتوں اور صداقتوں سے ایک دنیا کو روشناس کیا ہے۔

جب سے یہ نمبر آیا ہے بہت سے حضرات محض دیکھنے کے لیے میرے غریب خانے پر تشریف لا چکے ہیں اور بہت سے شائقین دیکھنے کے لیے تڑپ رکھتے ہیں۔ جس نے بھی دیکھا وہ مسرور بھی ہوا متحیّر بھی، اور جب رخصت ہُوا تو آپ کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا تعریف وتحسین کی صدائیں بلند کرتا ہوا رخصت ہوا۔

واقعی چار حصّوں پر مشتمل یہ عظیم رسولؐ نمبر کتابت، طباعت، کاغذ، حُسنِ ترتیب، تزئین، مقالات، مواد، تصاویر ہر اعتبار سے شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ نمبر معلومات کا اس قدر زبردست خزانہ ہے جس پر اردو صحافت ہی نہیں اُردو دُنیا بجا طور پر فخر کرتی رہے گی۔ اُردو دُنیا نے عقیدت کا اتنا قیمتی سرمایہ کبھی نہیں پیش کیا۔ یہ بات جو میں لکھ رہا ہُوں سچ ہے کسی کے کام کو نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں ہے نہ ایسے کام کے سلسلے میں اس طرح کا خیال ذہن میں جگہ پا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نقوش کا یہ علمی، ادبی، تاریخی، سوانحی، سیاسی، سماجی، مذہبی اور روحانی تحفہ اس قدر اہم ہے کہ اس کی مثال شاید ہی کسی دوسری زبان میں مل سکے۔ اس لیے ہم سب اردو والے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ہماری زبان میں نقوش جیسے بڑے رسالے کا

رسول نمبر نکالنے والے قابلِ صد احترام اسلام کے فرزند محمد طفیل موجود ہیں۔ اس لیے ہم سب اپنے پیارے رسولؐ سے محبت کرنے والے اپنے محمد طفیل کو گلے لگا کر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور بارگاہِ خداوند میں اس کی درازیِ عمر اور اس کے ہاتھوں سے اس طرح کے عظیم کام بار بار انجام پانے کے لیے دُعائیں کرتے ہیں۔

حصّہ پنجم کا انتظار ہے۔ باقی پانچ نمبر قارئین پر چھوڑ کر کس طرح کا شائع کرنا چاہتے ہیں، آگاہ کیجئے گا۔

جب سے رسولؐ نمبر آیا ہے ایک خواہش بار بار پیدا ہو رہی ہے کہ کاش ایک حصّہ صرف نعتیہ کلام کے لیے مخصوص کیا جائے تاکہ اُردو میں جو کچھ نعتیہ کلام ہے اس کا بہترین انتخاب اس میں شائع کیا جا سکے، ساتھ ساتھ نعت گوئی کے فن پر اس میں چند اچھے مضامین بھی شامل کر دئے جائیں۔

آپ کا اپنا، عبدالقوی دسنوی

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

میرے کرم فرما جناب محمد طفیل صاحب

آداب و تسلیمات

حضور والا! عشقِ رسولؐ ہو تو ایسا ہی ہو، جس کا مظاہرہ آپ نے رسولؐ نمبر کی چار جلدوں میں کیا ہے۔ آج سے کئی سال پہلے میں نے نقوش میں رسولؐ نمبر کا اشتہار دیکھا تھا۔ جب اس کے بارے میں پھر کچھ نہیں معلوم ہوا تھا تو گمان ہوا تھا کہ شاید اب آپ اسے شائع نہیں کریں گے۔ میرا گمان صرف رسولؐ نمبر کی ایک ہی جلد تک محدود تھا۔ دس سال کے بعد آج جو بھاری بھر کم رسولؐ نمبر کی چار جلدوں کا پیکٹ کشمیر "جنّت بے نظیر" کی ٹھنڈی ہوائیں کھا کر لکھنؤ پہنچا تو آنکھوں میں تراوت اور دل میں ایک روحانی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ واللہ! رسولؐ نمبر معجزے سے کم نہیں۔

طفیل صاحب! اب آپ اور کیا چاہتے ہیں! دنیا تو پہلے ہی آپ کے قدموں میں حاضر تھی اب عاقبت کے لیے بھی وسیلۂ نجات کا بے پناہ سرمایہ ہاتھ آیا ہے۔ مزید کس چیز کی آرزو ہے؛ بخدا! آپ بڑے خوش قسمت اور اقبال مند ہیں کہ حدیثِ رسولؐ کے پیشِ نظر دنیا اور عقبیٰ دونوں آپ کے نصیب میں آ گئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آخرت کی بخشش کے لیے رسولؐ نمبر کافی ہے۔ اس معرکہ آرا اور صبر آزما کام سے آپ نے یقیناً خدا اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کی ہے۔

"طلوع" کی تحریروں سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں، تصویریں بے حد حسین ہیں۔

طفیل صاحب! آپ کی طرف سے ابھی تک میرے خط (مورخہ ۲۴ دسمبر ۸۲ء) کا جواب نہیں آیا ہے۔ میں لاہور میں نقوش کے خصوصی شماروں کا ایک جائزہ بھی مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ نقوش پر کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے کچھ شمارے میرے پاس ہیں، بہت نہیں ہیں، اگر سبھی شمارے ہوتے تو میں نے ایک ضخیم کتاب آپ کے کارناموں پر مرتب کی ہوتی۔ والسلام

خاکسار

اکبر حیدری

رضوان اللہ آروی

۴۸۶

"نقوش کے ذریعہ دلوں پر مہرِ خلوص کا نقش ثبت کرنے والے، محترم محمد طفیل صاحب!

ہدیۂ سلام و خلوص

محسن انسانیتؐ کی سوانح مبارکہ پر دس ضخیم جلدیں پیش کر کے آپ نے ملتِ اسلامیہ پر جو احسانِ عظیم کیا ہے، یقیناً وہ اپنے آخری سفر تک اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ کیا مضائقہ ہے اگر میں آپ کو "محسنِ ملتِ اسلامیہ" کا خطاب دوں کہ نقوش کے رسول نمبر کے بعد آپ اس خطاب کا استحقاق حاصل کر چکے ہیں۔

آپ نے اب تک نقوش کے مختلف نمبر پیش کیے ہیں۔ میر نمبر، اقبال نمبر، غالب نمبر، میر انیس نمبر، اور جانے کون کون سے نمبر۔ لیکن میں سوچتا ہوں، وہ ساعت کس قدر پُر سعادت و مبارک ہوگی جب آپ نے "بریدہ از ہمہ سو بستہ ام بسوئے رسولؐ" کے مصداق ہر دو عالم سے رشتۂ امید منقطع کر کے، باعثِ ایجادِ دو عالمؐ سے اپنی آس کی ڈوری باندھی تھی۔ خفیف سے تصرف کے ساتھ حافظ کا یہ شعر آپ کو مخاطب کر کے پڑھا جا سکتا ہے: ؎

چہ مبارک سحری بود و چہ فرخندہ شبی
آں شبِ قدر کہ ایں تازہ براتت دادند

اور پھر معاً مجھے یہ خیال آیا کہ رسول نمبر کی دس جلدیں اور عشرۂ مبشرہ کی دس ہی کی تعداد۔ اگر قرونِ اولیٰ میں دس خوش نصیب صحابیوں کو آنحضورؐ نے اپنی زبان مبارک سے جنت کی لفظی بشارت عطا کی تھی تو آج رسولؐ نمبر کی دس جلدیں آنحضرتؐ کی معنوی بشارت کا ثبوت ہیں۔ عشرۂ مبشرہ کی تعداد سے رسول نمبر کی تعداد پر حسین مماثلت عنداللہ و عندالرسولؐ اس کی مقبولیت کا پتا دے رہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ سیرۃ پر مختلف زبانوں میں قابلِ قدر کوششیں کی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں۔ دیگر زبانوں سے قطع نظر اُردو زبان کا بھی "سیرتی ادب" مالا مال ہے۔ ان میں علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی کی مشترکہ کاوش "سیرۃ النبیؐ" کی کئی ضخیم جلدیں خاص طور پر لائقِ ذکر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعد کا آنے والا کوئی بھی سیرۃ نگار اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتا اور یقیناً رسول نمبر کو ترتیب دیتے وقت آپ کے پیشِ نظر بھی یہ کتاب رہی ہوگی۔ لیکن ان سب اعترافات کے باوجود، یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ سیرت کی ان ساری کتابوں کے درمیان آپ کی کاوش منفرد بھی ہے اور عظیم بھی۔ بلاشبہ نقوش کا رسولؐ نمبر آنحضرتؐ کی سوانح حیات پر ایک دائرۃ المعارف (ENCYCLOPEDIA) کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ آنحضرتؐ کی بے مثل شخصیت کے لیے نئے پہلو سامنے آتے رہیں گے اور یہ دریا جتنا امنڈے گا تشنگی اتنی ہی بڑھے گی۔ تاہم اس حقیقت کے باوجود، میں سمجھتا ہوں کہ نقوش کے رسول نمبر کے بعد سیرتی ادب پر مستقبل قریب میں مزید اضافے کا کوئی امکان نہیں۔

آپ کا اپنا، رضوان اللہ آروی

پروفیسر عبدالرحمٰن عبد

محترمی مکرمی جناب محمد نقوش صاحب!

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

نقوش کے "رسول نمبر" میرے مطالعے میں اکثر رہتے ہیں کیونکہ میں خود سیرت کے ایک پہلو پر لکھ رہا ہوں۔ آپ نے جس محنت اور محبت سے رسول نمبر کی دس جلدیں تیار کی ہیں اس پر دل سے آپ کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو احسن الجزاء عنایت فرمائے۔ آمین۔ آپ نے حُبِ رسول کی صد ہزار شمعیں جلا کر چراغاں کر دیا ہے۔

ہزار خامیوں کے باوجود میں بھی اسی راہ کی ایک معمولی کنکری ہوں جس کا آپ ہمالہ ہیں، دل میں تمنا بیدار ہوتی ہے کاش دس سال قبل میں اس کام کے ضمن میں آپ سے منسلک ہوتا۔ میں بھی کچھ، صرف پروف ریڈنگ جیسا ہی بے شک، کام کر کے اس نیکی کے دریا میں سے چند گھونٹ پی سکتا۔

بہر حال آپ کو اس عظیم کارنامے پر بہت بہت مبارکباد۔

فقط والسلام

عبدالرحمٰن عبد

پروفیسر فیض اللہ منصور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر مکرم! السلام علیکم۔

ان مجلدات کو دیکھ کر بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے تائیدِ ایزدی سے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جو ان شاءاللہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ یہ نمبر آپ کی شب و روز کی محنت، حُبِ رسول اور خلوصِ نیت کا آئینہ دار ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عمرِ خضر عطا فرمائے، عزائم ہمیشہ بلند اور فکر جوان رہے تاکہ سیرت پاک پر مزید کام جاری رہے۔ آمین ثم آمین۔

آپ نے چھ جلدیں ارسال فرما کر مجھ پر جو احسان فرمایا ہے اس کو الفاظ کا جامہ دینے سے قاصر ہوں۔ اور دلی کیفیت الفاظ میں متشکل بھی تو نہیں ہو سکتی۔

آپ کا بھائی

فیض اللہ منصور

رسولؐ نمبر کی ۱۳ جلدیں چھپ چکی ہیں
مزید دو جلدیں چھپیں گی۔ اس طرح کل
۱۵ جلدیں ہوں گی، جن کے مجموعی صفحات

12,000

سے زائد ہوں گے، اِن شاءَ اللہ العزیز!
آخری ۲ جلدیں تمام عالمِ اسلام کے
سیرتی ادب سے متعلق ہوں گی

○ محمد طفیل (خاکہ) ——— سلمان بٹ

ہمارے ہاں دادا جان کے وقتوں کا ایک تالا تھا اس میں خاص بات یہ تھی کہ بڑی مشکل سے کھلتا تھا۔ ایک بار کھلنے کے بعد اسے دوبارہ بند کرنے کے لیے بھی خاصی جدو جہد کرنی پڑتی تھی۔ محمد طفیل صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی تو خاصی لمبی نشست کے باوجود ان کے منہ سے چار چھ جملے ہی نکلے ہوں گے باقی خانہ پُری میں اور اسرار زیدی کرتے رہے۔ طفیل صاحب بس کڑک مرغی کی طرح پھولے پھولے سے سنا بیٹھے رہے۔ ہولے ہولے پتا چلا کہ اجنبیوں سے ذرا دیر میں کھلتے ہیں۔ ایک بار بے تکلف ہو جائیں تو پھر لذت گفتار سے گھنٹوں نوازتے رہتے ہیں۔

دراصل محمد طفیل صاحب مجلسی آدمی نہیں ہیں گفتگو کے ذریعے کسی پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کرتے بالواسطہ طور پر بھی اپنی اہمیت نہیں جتاتے۔ لگتا ہے کہ وہ لوگوں کی توجہ سے بالکل بے نیاز ہیں یا شاید وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرانے کے فن سے ناواقف ہیں۔ یا ممکن ہے وہ اسے سرے سے فن تسلیم ہی نہ کرتے ہوں۔ محفل آرائی کے شوقین لوگ بالعموم کام سے دامن بچاتے ہیں۔ جبکہ محمد طفیل کی ساری زندگی کام سے عبارت ہے۔ محفل کبھی کبھار ان کے ہاں بھی ضرور جمتی ہے لیکن کام کے بعد۔ ان کے ہاں کام کا نمبر پہلے آتا ہے طعام و کلام کا بعد میں اور آخر میں سلام کا۔

محمد طفیل عرف محمد نقوش کام زیادہ کرتے ہیں بولتے کم ہیں اور وہ بھی نرم اور آہستہ لہجے میں۔ بعض اوقات تو ان کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ انھوں نے کبھی تھوڑا کام کر کے نعرہ نہیں لگایا۔ نعرہ تو وہ بڑے سے بڑا کام کرنے کے بعد بھی نہیں لگاتے۔ کام کے انجام کو ہی انعام سمجھتے ہیں۔ لہٰذا دوسروں کی تعریف و توصیف کے محتاج نہیں ہیں۔ ہاں البتہ تعریف و توصیف سن کر بُرا بھی نہیں مناتے۔ کون ہے جس کے فن کو سراہا جائے تو وہ خوش نہ ہو! یہ انسانی فطرت ہے۔ انسان ہونے کے ناطے جہاں محمد طفیل کے حصّے میں بہت سی خوبیاں آئی ہیں وہاں چند کمزوریوں کا ہونا بھی لازمی امر ہے۔

محمد طفیل نے اردو ادب کی بے پایاں خدمت کی ہے کاتب کی حیثیت سے، مدیر کی حیثیت سے، ادیب کی حیثیت سے اور ایک ناشر کی حیثیت سے ان کی مثال ایک زرخیز قطعۂ زمین کی سی ہے۔ جو ایک بھرپور فصل کے بعد دوسری بھرپور فصل کے بیجوں کی پرورش شروع کر دیتا ہے۔ سُنا ہے کہ کسان لوگ ایک زمین سے چند فصلیں لینے کے بعد ایک موسم کے لیے اس میں کچھ نہیں بوتے تاکہ کھیت کی کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جائے۔ لیکن محمد طفیل انسان ہے کھیت نہیں وہ متواتر بڑی بڑی

نسلیں دے رہا ہے لیکن اس کی توانائی میں کمی نہیں آئی۔

محمد طفیل نے آج تک جو کچھ پیش کیا ہے وہ مقدار، معیار اور سلیقے کے اعتبار سے بہت بوجھل ہے۔ ان کے کام کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے تو دنیا کا بلند ترین مینار بن سکتا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ مینار "کے۔ ٹو" کی ہمسائیگی میں جا پہنچے۔ ان کے پورے کام کا تصور کرتے ہی دل پر ہیبت سی چھا جاتی ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایک شخص نے بغیر کسی باقاعدہ ٹیم کے یہ موٹے موٹے نقوش نمبر کیسے نکال لیے اور وہ تمام مراحل جو ایسی بھاری بھاری تخلیقات کے تصور سے لے کر اشاعت تک کے راستے میں آتے ہیں انھوں نے کیسے طے کیے!

حال ہی میں انہوں نے نقوش کا جو "رسول نمبر" پیش کیا ہے اس قسم کے پراجیکٹ کو مکمل کرنے کے لیے بظاہر ایک بہت بڑے ادارے کی ضرورت ہوتی جس میں کئی بورڈ اور کمیٹیاں دن رات کام کرتیں تو سالوں میں جا کر کہیں یہ منصوبہ مکمل ہوتا۔ محمد طفیل نے تنِ تنہا یہ کام کیسے سرانجام دیا میری عقل یہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے یُوں لگتا ہے کہ محمد طفیل دراصل الہ دین کا جنّ ہے جو انسان کا بھیس بدل کر ادب کی سرزمین پر قابض رہے۔

بڑے بڑے کاموں کے ڈھیر لگا دینے کے بعد محمد طفیل کو تھک جانا چاہئے تھا۔ اُن کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بیسیوں بار راہیِ ملکِ عدم ہو چکا ہوتا۔ لیکن محمد طفیل کے ارادے "تھک" نظر نہیں آتے۔ ان کے چہرے پر عمر رفتہ کے آثار تو ہولے ہولے مرتسم ہو رہے ہیں لیکن تھکاوٹ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ اُن کے دماغ میں اب بھی بہت کچھ ہے، بڑے بڑے منصوبے باندھتے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ اُنھیں پورا بھی کر دکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص ان کی منصوبہ بندی کا قائل ہے۔

وہ زیادہ تر اپنے پریس میں پائے جاتے ہیں، جس کمرے میں اُن کا دفتر ہے وہاں دن بھر پریس کی مشینری سے متعلقہ بھیانک قسم کی آوازیں آتی رہتی ہیں، وہاں مسلسل بیٹھنا ہی جان جوکھوں کا کام ہے چہ جائیکہ وہاں بیٹھ کر تخلیقی کام بھی کیا جا سکے میں تو جب بھی وہاں گیا ہُوں واپس آکر سر درد کی ٹکیہ ضرور کھائی ہے لیکن محمد طفیل صاحب اسی ماحول میں اتنے بڑے بڑے کام کیسے کر لیتے ہیں۔ کم از کم میری سمجھ سے تو بالاتر ہے۔ اسی باعث تو مجھے شبہ گزرتا ہے کہ وُہ انسان نہیں بلکہ جنّ ہیں۔ اور جنّ بھی نہایت طاقتور نسل کے۔

محمد طفیل صاحب سگریٹ نہیں پیتے، چائے ضرور پیتے ہیں۔ روایتی عشق و محبت کے سلسلے میں ان کی کتابِ حیات کے متعلقہ اوراق کورے ہیں حالانکہ ضرورت سے زیادہ قبول صورت اور خوش رنگ ہونے کے سبب وہ اُس میدان میں بھی معرکہ آرائی کر سکتے تھے، لیکن شاید یہ اُن کا میدان نہیں تھا۔ اور اگر کبھی وُہ بھولے سے اسی میدان میں داخل ہُوئے بھی ہوں تو اب بالکل انکاری ہیں۔ انھیں اپنی شہرت کا بڑا خیال رہتا ہے، اپنی تحریروں میں جہاں کہیں موقع ملتا ہے اپنی پاک دامنی کی گردان شروع کر دیتے ہیں۔

نقوش کے خاص نمبروں کا فن ایجاد کر کے طفیل صاحب نے اُردو زبان اور اردو ادیبوں پر جو احسان کیا ہے اس کے بوجھ سے ادب اور ادیب دونوں کی گردنیں کبھی اُوپر نہ اُٹھ سکیں گی۔

افسانہ نمبر، غزل نمبر، خطوط نمبر، شخصیات نمبر، طنز و مزاح نمبر، آپ بیتی نمبر، مکاتیب نمبر، لاہور نمبر، ادب عالیہ نمبر، پطرس نمبر، منٹو نمبر، شوکت نمبر، غالب نمبر، میر تقی میر نمبر، ادبی معرکے نمبر اور رسولؐ نمبر (دس جلدوں میں) وہ جو پطرس بخاری نے کہا تھا نقوش پر بالکل صادق آتا ہے کہ :

"اس کا ہر نمبر خاص نمبر ہوتا ہے اور عام نمبر خاص خاص موقعوں پر ہی شائع کیا جاتا ہے"۔

محمد طفیل صاحب بڑی آہستہ روی سے کسی کے قریب آتے ہیں، لیکن قریب آنے کے بعد دُور نہیں جاتے۔ تعلق نبھانا خُوب جانتے ہیں، ماہ و سال کی گردش ان کے رویوں پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن ان کی محبت کا رکھ رکھاؤ وہی رہتا ہے، ان کی اپنی زندگی میں بھی اُسی قسم کے ٹھہراؤ کا احساس ہوتا ہے جو بلندیوں پر پرواز کرنے والے طیاروں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو محسوس ہوتا ہے، محمد طفیل کی زندگی بھی ایسی ہی ہے، پرسکون، ٹھہری ہوئی، جس کے سکوت کو پریس کی مشینوں کی آواز بھی توڑنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

طفیل صاحب نے زندگی کی ابتدا کاتب کی حیثیت سے کی، لیکن اپنی بے پناہ قوتوں کے بل بوتے پر زندگی کی ہر نعمت کو مسخر کرلیا۔ آج ان کے پاس سب کچھ ہے لیکن یہ سب کچھ ان کے لیے کبھی طعنہ نہیں بنا، اس لیے کہ سب جانتے ہیں کہ محمد طفیل نے کس طرح خون اور پسینے کی تمیز ختم کر کے یہ سب کچھ حاصل کیا۔ وہ شاید اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں لیکن وہ مادی خواہشات کو بے لگام نہیں ہونے دیتے۔

طفیل صاحب ایک سیدھے سادے، محنتی، مخلص اور جنون کی حد تک مستقل مزاج انسان ہیں ان کی کامرانیوں پر جہاں بہت سے لوگ رشک کرتے ہیں، وہاں شاید کچھ لوگ حسد بھی کرتے ہوں۔ لیکن طفیل صاحب رشک و حسد سے بے نیاز صرف اپنا کام کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔

طفیل صاحب ایک چونکا دینے والے مصنف بھی ہیں۔ ان کے خاکوں کے مجموعے "صاحب"، "جناب"، "آپ"، "محترم"، "مکرم"، "محبی" اردو خاکہ نگاری کی روایت میں بڑا ہی خوبصورت اور انوکھا اضافہ ہیں۔ میں ان سب مجموعوں کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتا رہا ہُوں۔ یہ مجموعے ایک ایسا آئینہ خانہ ہیں، جس میں متعلقہ اشخاص کو اپنی شخصیت کے وُہ خم اور گوشے بھی نظر آجائیں گے، جن پر خود ان کی نظر بھی نہیں گئی ہوگی۔

طفیل صاحب کی ایک اور دلچسپی پاکستان رائٹرز گلڈ سے ان کا لگاؤ ہے، گلڈ کے ذریعے انھوں نے ادیبوں اور شاعروں کی قابلِ قدر خدمت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ انہیں ہمیشہ اردو کے ادیبوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل رہتا ہے۔ گویا انہوں نے ادیبوں کی علمی خدمت کے ساتھ ساتھ مادی خدمت بھی کی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ صرف اپنے لیے نہیں سوچتے بلکہ سب کے لیے سوچتے ہیں، نہ صرف سوچتے ہیں بلکہ عملاً کر دکھاتے ہیں۔

طفیل صاحب تحریر و تقریر کے انداز میں کسی قسم کی تلخی نہیں آنے دیتے۔ اگر کبھی مجبوری کے تحت چھری چلانی پڑ جائے تو میٹھی چھری کا انتخاب کرتے ہیں ورنہ وُہ اگر کسی کو کند چھری سے بھی ذبح کرنا چاہیں تو کوئی اُن کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔

کام سے ان کی بے پناہ لگن دیکھ کر یُوں لگتا ہے کہ یہ چاہتے ہیں جب میں دُنیا سے رخصت ہُوں تو ایک مثالی دبدبہ میرے سر پر ہو اور ہاتھوں پر "نقوش" کے ضخیم نمبر لدے ہُوئے ہوں اور ان کے استقبال کے لیے سرسید، حالی، شبلی، غالب اور اقبال جیسے بزرگ باہیں پھیلائے کھڑے ہوں۔

○ (روزنامہ مشرق لاہور، ۲۷ر اپریل ۱۹۸۴ء)

○ قابلِ قدر دینی اور علمی خدمت ـــــ مولانا کوثر نیازی

بعض لوگ اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں۔ وہ بجائے خود محشرِ خیال کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی زمرے میں ہمارے دوست جناب محمد طفیل مدیرِ نقوش آتے ہیں جنہوں نے تنِ تنہا ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں کہ بڑی بڑی اکیڈیمیاں اور ادارے بھی ان کا تصور نہ کر سکیں۔ "نقوش" کے جو معرکۃ الآراء ادبی نمبر طفیل صاحب نے نکالے تھے انھی کو دیکھ کر بڑے بڑوں کے ہوش اُڑ جاتے تھے کہ اب انھوں نے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ اردو تو اردو، دنیا کی کسی بھی زبان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ کارنامہ "نقوش" کا "رسولؐ نمبر" ہے جو دس جلدوں اور ۶۰۰۰ صفحات پر پھیلا ہُوا ہے۔ اسے دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں۔

یہ نمبر پاس ہو تو آپ نے گویا ہر وہ تحریر پڑھ لی جو ان تمام صدیوں میں آنحضورؐ پر لکھی گئی ہے۔ سیرت میں جملہ کتابوں کی تلخیص نہیں تو کم سے کم ان کی خصوصیات کا تعارف تو آپ کو مل ہی جائے گا۔ سچ کہتے ہیں کسی کے ظاہر پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔ طفیل صاحب کو کم سے کم تیس سالوں سے ہم بھی جانتے تھے مگر کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ یہ شخص اتنا بڑا عاشقِ رسول بھی ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب صورت بات کہی ہے:

"دعویٰ کرنے والے دعویٰ کرتے ہیں میرا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں تو صرف عاشقانِ رسولؐ کی صف میں کھڑا ہونا چاہتا ہُوں، وہ بھی سب سے آخر میں۔"

پہلی جلد شائع کی تو لکھا:

"میں نے آج تک جتنے نمبر شائع کیے وہ سب فخریہ انداز میں پیش کیے مگر یہ نمبر انتہائی عاجزی کے ساتھ پیش کر رہا ہُوں۔ یہ معاملات دل کے ہیں، کبھی اِس طرح خوش، کبھی اُس طرح خوش۔"

محمد طفیل اُردو کے صاحبِ طرز نثر نگار ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے، سلیس اور سادہ فقروں میں بلا کی کاٹ ہوتی ہے مگر جو تاثیر ان کے ان مختصر اداریوں میں ہے جو انہوں نے ہر جلد کے شروع میں لکھے ہیں اس کی تو بات ہی اور ہے۔ ایک مختصر سے اداریے کا مختصر سا اقتباس:

"ہاتف نے کہا: حد ادب کا مقام ہے۔"

"ہوں۔"

حد ادب کا مقام ہے۔"

"یا الٰہی! میں کیا کروں؟ حضورؐ! میں کیا کروں؟"

میری التجا پر دوبارہ غیبی آواز آئی:

"آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے رسولِ خدا کے بارے میں لکھا ہو اور ان کا حق ادا کیا ہو۔"

میں ایک بار پھر سناٹے میں آگیا، جھرجھری لی تو میں کہہ رہا تھا:

"میں حضورؐ کا اُمتی ہوں، میں اس کام کے لیے خود حضورؐ سے اجازت لے کر آیا ہوں۔"

اس پر ہاتف نے کہا:

"تو پھر لکھو۔"

جسم تھر تھر کانپنے لگا۔

تب میں نے گھر والوں سے کہا:

"مجھے چادر اُڑھا دو کہ یہ سنت میرے رسولؐ کی ہے۔"

رسولؐ نمبر ابھی مکمل نہیں ہوا، اس کی دسویں جلد عربی، اردو اور فارسی کے مرحوم شعراء کی منتخب نعتوں پر مشتمل ہے۔ ابھی دو جلدیں اور آئیں گی جن میں سے ایک زندہ شعراء کی نعتوں کے لیے وقف ہوگی۔ کتابت، طباعت، کاغذ، جلد، سرورق سب کچھ اتنا اُجلا اور دیدہ زیب ہے کہ گھنٹوں دیکھتے رہئے اور طبیعت پھر بھی سیر نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کام حکومتیں نہ کر سکی تھیں سیرت کی خدمت کا وہ کام ایک درویش منش انسان نے کر دکھایا ہے۔ ○ (روزنامہ جنگ لاہور ۳ جون ۱۹۸۴ء)

○ نوائے وقت فورم کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے مذاکرے کی تفصیلات

بیدار سرمدی: یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ایسے حوالے سے گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں جو محترم محمد طفیل نے اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا ہے۔ میری مراد نقوش کے رسولؐ نمبر سے ہے۔ دس جلدوں پر مبنی اس نمبر پر گفتگو کرنا سعادت کا باعث بھی ہے اور خیر و برکت کا باعث بھی۔ اس نمبر کی پہلی چار جلدیں جونہی منظرِ عام پر آئی تھیں ان پر اہلِ علم اور اہلِ نظر نے خراجِ عقیدت پیش کیا تھا اب ان کے مشن کے بڑے مرحلے کی تکمیل پر ہم ان کا انٹرویو بھی شائع کر چکے ہیں اور آپ حضرات کی رائے بھی اب سامنے آئے گی۔ میں سب سے پہلے مولانا مالک کاندھلوی سے گزارش کروں گا کہ وہ گفتگو کا آغاز فرمائیں۔

مالک کاندھلوی: میں اس مبارک تقریب میں اپنی حاضری کو مبارک سمجھتا ہوں۔ محترم محمد طفیل کا یہ کارنامہ تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہنے والا کارنامہ ہے۔ حضورؐ کی سیرت پر جس انداز میں محمد طفیل نے خدمت انجام دی ہے میں حضورؐ کے ارشاد کی روشنی میں اس کا ذکر کروں گا کہ:

"اللہ اس کو شاداب اور آباد رکھے جس نے میری بات کو محفوظ رکھا اور دوسروں تک پہنچایا۔"

حضور اکرمؐ کی سیرت مبارکہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام جہانوں کے لیے راہنما لائحۂ عمل اور ضابطۂ ہدایت ہے۔ میں حیران ہوں کہ مولف نے انتہائی محنت کے ساتھ سیرت کے موتیوں کو جمع کیا۔ سیرت نمبر میں اخلاق اور عقاید' اور اخلاق سے لے کر معیشت، معاشرت، نظامِ سلطنت اور نظامِ حکومت تک کے مسائل اتنی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اس وقت دنیا جن فتنوں اور مصائب میں مبتلا ہے اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ حضورؐ کی سیرت پر عمل کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپ کی سیرت کی روشنی میں جہاں ہمیں اپنے انفرادی اخلاق کو بہتر بنانے کے راہنما اصول ملتے ہیں وہاں اجتماعی اصلاح اور خوشحالی کا سامان بھی میسر ہے۔ اس دور میں ہر شخص ذاتی اغراض میں لگا ہے اجتماعی مفاد کے تقاضوں سے غافل ہے اس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ بحر و بر پر فساد ظاہر ہو رہا ہے۔ اس دور میں اس انداز سے حضورؐ کی سیرت کو پیش کرنا گویا دنیا کو مصائب سے نکالنے کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔ اس میں یقیناً مؤلف کی یہ علمی خدمت تاریخ میں روشن مثال تو ہے ہی' اس کے ساتھ ساتھ اصلاحِ معاشرہ تمدن کی کامیابی اور نظامِ مملکت کی کامیابی کے لیے بھی بہترین سامان جمع کیا گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا مؤلف کی یہ کوشش کامیاب کرے۔ میں اس بات سے متاثر ہُوا ہُوں کہ طویل عرصے کی کوششوں کے بعد نقوش کا رسولؐ نمبر مرتب ہوا ہے اور مولف کو اس نیک مشن میں اپنی صحت اور مال کی قربانی بھی دینا پڑی ہے۔ یہ جذبہ حضورؐ سے تعلق اور محبت کی نشانی ہے۔ اس رسولؐ نمبر میں سیرت پاک کے حوالے سے جو ذخیرہ جمع کیا گیا ہے میرے خیال میں وہ مستند اور معتمد ہے اور خاص طور پر محدثین کے جو اصول ہیں ان کی روشنی میں سیرت پاک کے تمام ابواب کو ترتیب دے کر اس نمبر کو صحیح معنوں میں مکمل کر کے پیش کیا گیا ہے۔

بیدار سرمدی: اب ڈاکٹر محمد یوسف گورایا سے گزارش ہے کہ وُہ نقوش کے رسولؐ نمبر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

ڈاکٹر محمد یوسف گورایا: نقوش کا رسولؐ نمبر دس جلدوں میں چھپ کر ہمارے سامنے آگیا ہے اسے ہم قومی فخر سمجھیں پاکستان کے محققین کی طرف سے مرتب کو ہدیۂ تبریک پیش کریں اس اعتبار سے بھی اس کو دیکھا جائے کہ یہ انتہائی قابلِ قدر خدمت ہے جو انجام دی گئی ہے۔ رسولؐ نمبر کی جن باتوں نے مجھے متاثر کیا ہے ان میں سے پہلی بات اس کا تکمیلی پہلو ہے۔ اب تک اس موضوع پر جو خدمات بھی انجام دی گئی ہیں بالخصوص پاک و ہند میں ان میں سب سے جامع اور سب سے بڑی خدمت مولانا شبلیؒ کی ہے جو سیرت النبیؐ کی صورت میں ہمارے سامنے آئی تھی۔ اس کی چھ جلدیں چھپی تھیں۔ بہت کم اہلِ علم کو اس بات کا علم تھا کہ اس کی ایک ساتویں جلد بھی ہے۔ نقوش کے اس نمبر سے نہ صرف اس بات کا ہمیں علم ہوا بلکہ وہ پوری کی پوری ساتویں جلد اس میں شامل کر لی گئی جس سے ایک عظیم سیرۃ النبی پر لکھی ہوئی کتاب کی تکمیل بھی ہو گئی۔ اس طرح تکمیل کے بعد جو پہلو خاص طور پر متاثر کرتا ہے وہ اس کا اضافہ ہے۔ جو اب تک کام ہوئے ان میں بہت سے پہلو رہ گئے تھے۔ ضرورت تھی کہ ان پر کام کیا جائے۔ اس رسولؐ نمبر کے آنے سے ان پر معتد بہ کام ہوا ہے اور بہت سے اضافے کیے گئے ہیں۔ ایک اور پہلو جو قابلِ ذکر ہے وہ اس کی جدّت ہے۔ اس کا مطلب میں یوُں بیان کروں گا

کو بالکل ہی مختلف سٹائل اور اسلوب سے اسے پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے قدیم سکالرز، محققین، مصنفین نے جو کام کیے وہ اپنے عہد کو سامنے رکھ کر کرتے تھے۔ اب تک ترتیب اور تدوین کا جو اسلوب ہمارے سامنے آیا ہے ان میں امام بخاری رحؒ کا ذکر اہم ہے۔ انھوں نے موضوعات عنوانات مقرر کیے۔ پھر تلاش کی کہ کون سی مستند صحیح احادیث ان کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔ آج بھی ضرورت تھی کہ ہم مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا حل سیرتِ رسولؐ میں تلاش کیا جائے۔ اس لیے پہلا تقاضا یہ تھا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ وہ مسائل کیا ہیں۔ رسول نمبر کو (جو دس جلدیں شائع ہو چکی ہیں) پیشِ نظر رکھا جائے تو اس میں مبالغہ نہیں ہے کہ مرتب نے ملک و ملّت اور معاشرے کو درپیش مسائل کا احاطہ کیا ہے اور پھر بڑی بات یہ ہے کہ ان مسائل کا صرف احاطہ ہی نہیں کیا بلکہ کوشش یہ کی ہے کہ جو مستند اور قابلِ قدر لوگ موجود ہیں ان سے ان مسائل کا حل سیرتِ نبوی کی روشنی میں تحریر کروایا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد میں انھیں بہت حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے، اور انھوں نے نئے نئے عنوانات اور موضوعات کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ قوم کے مسائل کو حل کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔ ایک اور بات جو بڑی قابلِ قدر ہے یہ ہے ایک موضوع پر مختلف اہلِ بصیرت اور اہلِ دانش نے لکھا ہے۔ اس بات سے بہت سی دشواریاں ختم ہو گئی ہیں۔ مثلاً ہجرت کا موضوع لے لیجیے۔ اب تک سیرت پر جتنی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں سیرت نگار نے کوشش کی ہے کہ اپنے علم اور فضل سے اس موضوع پر لکھے۔ ایک انسان کی کوشش بہرحال محدود کوشش ہوتی ہے لیکن اسی موضوع پر جب مختلف اہلِ علم و فضل قلم اٹھاتے ہیں تو وہ موضوع جامع بن جاتا ہے، اس میں تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ ہر موضوع کی بنیادی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ اگر اسی موضوع اور اصطلاح کو مختلف مصنف اپنے اپنے انداز اور علم سے پیش کرتے ہیں تو قاری کے لیے آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ بہت سے محققین نے مل کر ایک موضوع پہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے جس سے نہ صرف سابقہ تحقیق کو جمع کرنے میں مدد ملتی ہے بلکہ آئندہ کے لیے ایک جامع اور مفصل مواد فراہم ہو جاتا ہے۔ پھر ایک اور بات جس سے میں متاثر ہوا ہوں یہ ہے کہ سیرت کے ایک واقعہ کو ایک مصنف پیش کرتا ہے تو ظاہر ہے وہ اس کو اپنی فکر کے مطابق پیش کرے گا اسی کو جب بہت سے مصنفین مل کر لکھیں گے تو اس کی تعبیر اور ان کی تشریح اور بیان سے اس واقعہ کے جہاں تک ممکن ہو سکے جملہ پہلوؤں کا احاطہ ممکن ہو جاتا ہے اس سے وہ واقعہ پوری طرح کھل کر سامنے آجاتا ہے اور سیرت کے تمام پہلو اُجاگر ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر انسائیکلوپیڈیا لکھے گئے ہیں (اور اس رسولؐ نمبر کو اگر انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا) مثلاً انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ہے اس میں اسلام کے تمام پہلوؤں کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے ایک پہلو جیسا کہ سیرت کا ہے اس پر اس رسولؐ نمبر کی طرح ایک جگہ اتنا بڑا کام نہیں ہوا۔ میں کئی زبانوں کا طالب علم رہا ہوں میں کہہ سکتا ہوں کہ کسی زبان میں اتنا جامع، اتنا مکمل کام نہیں ہوا ہے۔ ایک بڑی بات یہ ہے کہ سیرت پر گزشتہ کچھ عرصے سے جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں ان میں کوشش کی جا رہی ہے کہ آپ کی ولادت، غزوات اور جو بہت ہی نمایاں پہلو تھے ان سے ہٹ کر بھی کام کیا جائے مگر اس سے پہلے جو چیز سیرت کی کتابوں میں غالب رہی ہے وہ غزوات، معجزات وغیرہ تک محدود تھی موجودہ رسولؐ نمبر نے ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس میں حضور اکرمؐ کی سیرت کے ساتھ ساتھ آپؐ کی تعلیمات بھی بیان کی گئی ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کو جو مسئلہ درپیش ہے وہ اقتصادیات کا استحکام، اصلاحِ معاشرہ، تعلیم و تمدن اور عدالتی نظام کو بہتر بنانے کا ہے اور سیرت کے پہلوؤں کے حوالے سے ان پہلوؤں پر بہت کم کام ہوا تھا۔ ہمارے سامنے موجودہ مسائل کے حل کے لیے رسول اللہؐ کی زندگی سے مثالیں ایک جگہ جمع نہیں کی گئی تھیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ آج کی زبان اور محاورے میں آپؐ کی تعلیمات کو اس طرح پیش کیا جائے کہ آج کا عام پڑھا لکھا نوجوان مسلمان اسے نمونے کے طور پر سامنے رکھ سکے۔ نقوش کے رسولؐ نمبر میں اس ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جو بات مجھے اور نظر آئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی روشنی میں سیرت نگاری، یہ ایک ایسا موضوع تھا جو اہلِ علم میں ہمیشہ زیرِ بحث رہا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کے بقول سیرت ہے ہی قرآن۔ لیکن قرآن پر مبنی سیرت کی کوئی مفصل کتاب موجود نہیں ویسے کہنے کو تو پورا قرآن آپ پر نازل ہوا اور ہے بھی حقیقت۔ لیکن قرآن پر مبنی کوئی علیحدہ کتاب تدوین نہیں کی جا سکتی تھی اب نقوش کے سیرت نمبر میں غلام مصطفیٰ خاں کا مضمون "ہمہ قرآن درشانِ محمدؐ" ایک اچھوتے موضوع کے طور پر شامل کیا گیا ہے اس کو میں نے شروع سے آخر تک مفصل طور پر دیکھا ہے انہوں نے الحمد سے والناس تک پورے قرآن کو سیرت کے نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے۔ جتنے بھی واقعات قرآن پاک کی سورتوں میں آئے ہیں اس کا مرکزی اور محوری نقطہ سیرت کے ساتھ ملا کر پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا مستند طریقہ ہے جو بہت کم اس سے پہلے منظرِ عام پر آیا۔

اسی طرح ماخذات پر جو کام ہوا ہے مثلاً مستشرقین نے بھی کام کیا۔ یہ تحقیق ہوئی کہ سیرت پر اب تک کیسی کیسی کتابیں لکھی گئیں مگر ان کی محنت اس لحاظ سے مشکوک ٹھہرتی ہے کہ وہ غیر مسلم تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے سیرت نگاری پر جو کام کیا وہ صحت کے اعتبار سے مسلمانوں کے اطمینان پر پورا نہیں اترتا۔ نقوش کے رسولؐ نمبر میں جتنے مضامین جامعیت کے ساتھ یکجا کیے گئے ہیں۔ یہ محققین کے لیے عظیم سرمایہ ہے۔ میں "البرڈ گیون" کا مقدمہ دیکھ رہا تھا جو اس نے ابنِ ہشام کی کتاب کا انگریزی ترجمہ کرتے وقت لکھا تھا نقوش کے رسولؐ نمبر میں اس مقدمے کا ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے مضامین ہیں جو سیرت پر ماخذات اور سیر نگاری کی تاریخ پر لکھے گئے ہیں۔ بعض اور پہلوؤں کا ذکر ضروری ہے۔ مثلاً اصحابِ صفہ پر ایک بڑا جامع مضمون پیش کیا گیا ہے۔ ہم ان کا ذکر پڑھتے رہے ان کی قدر و منزلت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ لیکن ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اہم تفصیلات مرتب کے اس رسولؐ نمبر کے ذریعے ہمارے سامنے آئی ہیں۔ میری ایک تجویز بھی ہے کہ ہجرت کا واقعہ مختلف مقامات پر دیا گیا ہے۔ دوبارہ اشاعت کے دوران تمام واقعات کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو زیادہ اچھا رہے گا۔ پھر اگر ایک اتنے بڑے کارنامے کی تفصیلات کو جاننے کے لیے مضامین کی الگ فہرست شائع کر دی جائے تو لائبریریوں میں مطالعہ کے سلسلے میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔

بیدار سرمدی: محترم نعیم صدیقی صاحب تشریف رکھتے ہیں خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ خود بھی سیرت نگار ہیں اب ان سے گزارش ہے کہ وہ اظہارِ خیال فرمائیں۔

نعیم صدیقی: میں چھوٹی سی تمہید سے بات شروع کروں گا۔ غالباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے میں میو ہسپتال میں آنکھ کا آپریشن کروا کر لیٹا تھا جو اہلِ قلم وہاں پہنچے میری نظر میں اُن میں سب سے اہم شخصیت محمد طفیل صاحب کی تھی

مجھے احساس ہوا کہ ایسے شخص نے کیسے وقت نکالا جو رات دن اتنا مصروف ہے۔ اس سے کچھ پہلے یا بعد میں طفیل صاحب کی طرف سے بات چھڑی کہ ان کا ارادہ رسولؐ نمبر شائع کرنے کا ہے۔ مجھے تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی کہ کام کی ایک مخصوص لائن پر مصروف شخص نے اچانک ایک نیا مشن شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن دُوسری طرف بہت زیادہ خوشی بھی ہوئی کہ بہرحال اس دائرے میں جو کام جس طرح سے بھی ہو جائے وُہ امت کے لیے دین کی سربلندی کے لیے باعثِ خیر و برکت ہے۔ چنانچہ آپس میں کچھ باتیں ہوتی رہیں کچھ روبرو اور کچھ خطوط کی شکل میں مشاورت ہُوئی یہ ممکن ہے کہ محمد طفیل اس طرح کی چیزوں کو راز میں رکھتے ہوں اور یہ راز ہی رہتا لیکن دو باتوں کے حوالے سے مجھے سب کچھ کہنا پڑا۔ میرا جذبہ یہ تھا کہ وہ اس نمبر کا اس نیت سے آغاز کریں کہ یہ سرمایۂ آخرت ہے۔ باقی ساری چیزیں ایک طرف ڈال دیں یہ کام اتنی بڑی سعادت ہوگا کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اب میں نے ان کی تحریروں میں جذبہ دیکھا ہے "رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضری دینے والوں کی آخری صف کا آخری آدمی بھی محمد طفیل ہو تو یہ میری سعادت ہوگی۔ اس طرح میں نے محسوس کیا کہ سچا جذبہ ان کے دل کی گہرائیوں میں کارفرما ہے۔ دُوسری بات میں نے یہ کی تھی کہ تنوع کے جذبے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کوشش سے ایسی چیزیں جمع ہو جائیں جو ہمارے ذہنوں کو بکھیر دیں، سیرتِ رسولؐ ہی ایسی چیز ہے جو ہمیں متحد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ساری چیزیں ہمیں بکھیرتی ہیں۔ میں نے کہا کہ اس بات کو پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ سیرت کو اسی جذبے سے پیش کیا جائے۔ جب مجھے یہ تحفۂ عظیم ملا تو میں نے ایک بڑی بات یہ محسوس کی کہ آج جب کہ عالمِ اسلام عالمِ مغرب اور دنیا کے دوسرے حصّوں میں بھی اسلام کی تحریک اور مسلمانوں کو ایک بار پھر جگانے کی تحریک جاری ہے۔ ایسے میں جب پیغامِ حق کی پیاس پائی جاتی ہے اور نوجوان نسل مغربی مرعوبیت سے نکل کر اسلامی تعلیمات کی رہنمائی حاصل کرنا چاہتی ہے تاکہ وُہ نئی دنیا تعمیر کر سکے۔ میں سمجھتا ہُوں کہ یہ سارا کام جو ہوا ہے مذکورہ ضرورت کو پُورا کرنے کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ اس کام کا سیرت کی کتابوں سے تقابل بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بجائے خود جو سرمایہ ہے وہ انتہائی قابلِ فخر ہے۔ اگر اردو زبان کے حوالے سے دیکھا جائے تو ایک بڑی کوشش سلمان منصور پُوری نے کی ہے، اس میں جذبۂ روحانیت کو بڑی حد تک سمو یا گیا ہے۔ علاّمہ شبلی کے ہاں کسی حد تک عقلیت کا رجحان نمایاں ہے، مغرب کے اثرات بھی سامنے رکھے گئے ہیں۔ جسٹس امیر علی نے تو گویا مغرب کی ضروریات اور مغرب زدہ ذہن کو ہی سامنے رکھ کر سب کچھ لکھا ہے۔ یہ کام تو اب تک ہمارے سامنے ہے لیکن میں ایک کتاب کا ذکر کروں گا جس کا ذکر عام گفتگو میں کم ہوا ہے، وہ مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی کتاب ہے۔ میں تمام مکاتبِ فکر کی کتابیں پڑھتا ہُوں کہ یہ کتاب اپنے اندر صحیح انداز کا جذبہ رکھتی ہے اس کے علاوہ ایسی بہت کتابیں ہیں۔ حالیہ ہی میں "انسانِ کامل" کی بڑی اہمیت ہے خالد علوی کی کتاب بھی قابلِ ذکر ہے۔ میں اپنے کام کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ ان سب کتابوں کے ساتھ ساتھ میں نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی کتاب کو سند کے لحاظ سے بہت اہم پایا ہے۔ ان سب لوگوں نے ٹھوس کام کیا ہے۔ اسی طرح عربی میں سیرت ابنِ ہشام میرے سامنے رہی ہے اور بھی کتابیں دیکھی ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہُوں کہ ان تمام کتابوں کے بعد نقوش کا رسولؐ نمبر اس دَور کی ضروریات کو سمجھنے کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ آج کے نوجوان طبقے کی فکری رہنمائی

میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ مجھے اس بات پر بہت خوشی ہے کہ بعض موضوعات مثلاً عدلیہ اور ریاست کے پس منظر میں تحریر کی ایک ایک سطر کے لیے حوالہ دیا گیا ہے۔ پھر لکھنے والے بڑے لوگ ہیں۔ آج کی مثالی اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے اس نمبر سے مکمل رہنمائی مل سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد طفیل کا یہ کام چند تعریفی کلمات سے بہت بڑا کام ہے۔ یہ اپنی تحسین آپ ہے۔ اسے کئی نسلوں تک کام دینا ہے۔ اصحابِ صُفّہ، کاتبانِ وحی، وفود کی تعداد جیسے اہم موضوعات کے حوالے سے بات ہوئی ہے کہ وُہ اس نمبر کی بدولت ہمارے سامنے آئے۔ ان کی عادت مجھے معلوم ہے یہ مولانا سلیمان ندوی کے الفاظ میں چیونٹیوں کے منہ میں سے شکر کا ایک ایک دانہ نکال کر جمع کرتے ہیں اور مٹھاس کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ انہوں نے اس طرح خاموشی سے ریزہ ریزہ جمع کر کے لاہور نمبر نکالا اور اب لاہور پر کوئی شخص لکھے گا تو دیکھا جائے گا۔ میں نے سیرت نمبر کی دس جلدوں میں سے چھٹی اور دسویں جلد کو خاص طور پر سامنے رکھا ہے۔ چھٹی جلد میں تو مجموعۂ احادیث ہے جو مولانا متین ہاشمی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ حدیث کے مسائل کے ضمن میں جو مقالات ہیں ان پر مجھے تفصیلی بات نہیں کہنی ہے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ میں انہیں پڑھ کر بہت مطمئن ہُوا۔ معلومات اور مسائل کی حد تک ان میں بہت سی چیزیں آگئی ہیں۔ دسویں جلد (نعت) میں نعتوں کے اردو حصّہ کو میں نے سرسری طور پر دیکھا اور محسوس ہوا کہ تقریباً تمام اہم نام آ گئے ہیں۔ فارسی کے حصّے کو میں نے زیادہ توجہ سے نہیں دیکھا عربی کے حصّے کے حوالے سے البتہ مجھے کچھ کہنا ہے (اگرچہ میں عربی دان نہیں ہُوں) میں تھوڑا بہت ان چیزوں کو پڑھتا رہا ہوں، ایک بات مجھے محسوس ہوئی ہے کہ قصیدہ بُردہ کیسے رہ گیا!

محمد طفیل: یہ قصیدہ رسول نمبر کی دوسری جلد میں آگیا ہے۔

نعیم صدیقی: اچھا، میں دسویں جلد میں دیکھتا رہا ہُوں۔ خیر، جناب ابو طالب کے جو اشعار دیے گئے وہ کیسے منتخب کیے گئے؟ ان کا ایک زوردار نعتیہ قصیدہ وُہ ہے جس کی جھلک حالی کی مدوجزر اسلام میں ملتی ہے۔ اس قصیدے میں زورِ بیان انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انتخاب کرنے والے نے یہ سوچا کہ قصیدے کے جس حصّے میں براہِ راست حضور پاکؐ کی ذاتِ مبارکہ کے بارے میں اشعار ہیں وہ لے لیے جائیں۔ بہرحال نعت کی خاص فضا بنتی ہے۔ ایک اور خاص بات جو میں نے نوٹ کی ہے وُہ یہ ہے کہ مستشرقین کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کا ٹھوس جواب پیش کیا جائے۔ دارالمصنفین کے مہتمم سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن تشریف لائے۔ ان کا انٹرویو شائع ہوا ہے۔

آپ مولانا سلیمان کے براہِ راست شاگرد ہیں انہوں نے وہاں فروری ۱۹۸۲ء میں اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر سیمینار کرایا۔ سیمینار میں مستشرقین پر جو مقالات پیش کیے گئے ان میں بتایا گیا کہ پہلے تو پادری وغیرہ کام کرتے رہے تھے۔ مگر آٹھویں صدی میں بشپ جان آف دمشق کے ذریعے علمی مہم کا آغاز ہوا اور تب سے منٹگری واٹ تک مختلف مستشرقین نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کام کیا ان سازشوں کا ٹھوس جواب ریکارڈ پر رکھنا ضروری ہے۔ میری خواہش یہ ہے کہ نقوش کے اس سیرت نمبر کی ایک جلد خاص اس کام کے لیے مخصوص کر دی جائے۔

محمد طفیل: اس موضوع پر مقالات لکھوائے جا چکے ہیں اور ان شاءاللہ سیرت نمبر کی زیرِ تکمیل جلدوں میں انہیں پیش کیا جائے گا۔

نعیم صدیقی : بہر حال میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے ایک جلد مقرر کی جائے۔
محمد طفیل : دراصل مستشرقین نے جو اعتراضات اٹھائے ہیں وہ انتہائی جذباتی نوعیت کے ہیں اور مسلمان تو ویسے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

مولانا مالک کاندھلوی جذباتی چیزیں تو ہیں مگر ہم ان کا ضابطہ تمہید کے طور پر مرتب کر کے کھلے انداز سے ان کی ان چیزوں کو جمع کریں جن سے وہ اسلام سے متنفر بناتے ہیں ان کا مزاج تو جیسا کہ صدیقی صاحب نے کہا بالکل یہی ہے کہ وہ ہر بات کو اس انداز کے ساتھ پیش کریں گے جیسے کہ وُہ بظاہر اسلام کی صداقت کو تسلیم کر رہے ہیں مگر درمیان میں ایک جملہ یا لفظ ایسا استعمال کر جائیں گے جو ذہنوں کو انتشار کا شکار بنا دیتا ہے۔
نعیم صدیقی : بہر حال اس پر جامع اور الگ جلد کی صورت میں کام سامنے لانا چاہیے۔
بیدار سرمدی : ڈاکٹر معین الرحمان فاضل دانشور ہیں اب ان سے گزارش ہے کہ وہ نقوش کے سیرت نمبر پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

ڈاکٹر معین الرحمان : آج کی نشست نقوش کے رسول نمبر کے حوالے سے منعقد کی گئی ہے جو دس جلدوں پر مشتمل ہے ابھی محمد طفیل اس موضوع پر دو تین جلدیں مزید بھی پیش کریں گے۔ میں سمجھتا ہُوں کہ یہ ایک بڑی علمی خدمت ہے۔
ستائش اور تحسین درحقیقت نقوش کے بارے میں واقعاتی باتیں ہیں۔ محمد طفیل کا یہ کارنامہ ۱۹۸۲ء میں چار جلدوں کی صورت میں پہلی بار سامنے آیا تھا۔ نقوش سے محمد طفیل کا تعلق دو چار برس کی بات نہیں ہے بلکہ یہ رشتہ ایک تہائی صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ ۵۰ء سے محمد طفیل شعر و ادب کے میدان میں ہیں۔ رسالہ نقوش کی ادارت کی بھی ایک تاریخ ہے۔ جب رسالہ نقوش سے محمد طفیل منسلک ہوئے تو وہ چھبیس ستائیس برس کے جوان رعنا رہے ہوں گے۔ ۱۴ اگست ۱۹۲۳ء ان کی تاریخ پیدائش ہے۔ جب انھوں نے نقوش کے رسول نمبر کا سلسلہ شروع کیا تو وہ ۵۸ برس کی پختہ کار شخصیت تھے۔ اب جب نقوش کی رسول نمبر کی وسش جلدیں انھوں نے پیش کی ہیں تو وہ ۶۰ برس سے تجاوز کر چکے ہیں۔ اب تک انھوں نے ادبی میدان میں جو کچھ کیا گویا وُہ تربیتی عرصہ تھا اور وہ کام آغاز کر رہے تھے۔ جیسا کہ مولانا نے فرمایا تمام راستے ادھر کو ہی جاتے ہیں۔ نقوش کی پیشانی پر ہمیشہ یہ درج رہتا :
زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا ترجمان۔
زندگی آمیز ادب افسانے میں، شعر و ادب کی شخصیات میں، مکاتیب میں، خطوط میں بھی نظر آتا ہے۔ اور پھر اردو ادب کی چار اہم شخصیات میرانیس، میر تقی میر، غالب اور اقبال پر نقوش کے خصوصی نمبر شائع ہوئے اور وہ یادگار ہیں۔
پھر معاصر شخصیتوں پر بھی انہوں نے خصوصی نمبر نکالے۔ آپ بیتی نمبر اور شخصیات نمبر الگ ہیں۔ یہ ساری تیاری اور منصوبہ بندی ایک بڑے منصوبے کے لیے تھی جواب رسول نمبر کی صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ رسول نمبر کی دسویں جلد کو لے لیجئے اس میں بھی انھوں نے اپنا راستہ ہٹ کر نکالا ہے۔ اب تک کے مجموعے عام طور پر زمانی ترتیب کے لحاظ سے ہوتے تھے۔ محمد طفیل صاحب نے زمانی ترتیب کو بھی قائم رکھا اور انھوں نے ہیئت کے اعتبار سے بھی کام کیا۔ مثلاً درود و

سلام، مثنوی، مسدس، نظمیں، آزاد نظم، رباعیات جیسے عنوانات قائم کئے اور پھر زمانی ترتیب بھی پیش نظر رکھی۔

جناب یوسف گورایہ نے اہم کام کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے مضامین پر مشتمل ایک الگ فہرست شائع کی جائے۔ میرا خیال ہے یہ درست ہے کہ موضوع وار ایک اشاریہ مرتب کر دیا جائے اور یا پھر اسماء الرجال کے حوالے سے اشاریہ دے دیا جائے۔

بیدار سرمدی: اب تک رسولؐ نمبر کی معنوی خوبیوں پر بات ہوئی ہے۔ نقوش کے اس رسولؐ نمبر کا ایک بصری حسن بھی ہے اور بصری حسن معنوی حسن تک رسائی کا پہلا زینہ اور پہلا معیار سمجھا جاتا ہے۔ میں مولانا مالک کاندھلوی سے گزارش کروں گا کہ وہ رسولؐ نمبر کے اس پہلو پر بھی اظہارِ خیال فرمائیں۔

مولانا مالک کاندھلوی: نقوش کا بصری حسن بھی یقیناً مثالی ہے دینی خدمت کے لیے باطنی محاسن کے ساتھ ظاہری محاسن کا ہونا بھی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ انسان کی پہلی نظر ظاہری محاسن کی طرف ہی اٹھتی ہے۔ اس نمبر کی کتابت، طباعت اور دوسرے پہلو لائقِ تحسین ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اتنے بڑے ذخیرے سے اتنے محاسن کا انتظام کرنا اور نبھانا بڑی کامیابی ہے۔ بعض محدثین نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ،

قرآن پاک کو اس طرح لکھا جائے کہ الفاظ ترتیب سے ہوں۔

گویا ظاہری محاسن اور حُسنِ ترتیب بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

بیدار سرمدی: ایک اور پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ ایک شخص نے اس پر عمر کا اتنا سرمایہ خرچ کیا اور ایک قیمتی دستاویز تیار کی تو ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ اس کے پھیلانے اور عام قارئین تک پہنچانے کی اجتماعی کوششیں بھی ہوں۔ آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

مولانا مالک کاندھلوی: میں سمجھتا ہوں کہ سرکاری سطح پر تو اس نیک کام کے پھیلاؤ کے لیے جو کچھ ہو گا سو ہو گا عام علمی اور دینی اداروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس نمبر کو خریدیں۔ لائبریریاں اپنے ہاں اسے رکھیں۔ اس طرح ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔

ڈاکٹر یوسف گورایہ: یہ کتاب صورت اور سیرت دونوں اعتبار سے قابلِ قبول ہے۔ جب ہر شخص اس سے استفادے کی کوشش کرے گا تو اس کا پھیلاؤ شروع ہو جائے گا۔ صوبائی اور مرکزی حکومت کو بھی خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ کوئی قصبہ ایسا نہیں جہاں سکول اور کالج نہیں اور کوئی سکول اور کالج ایسا نہیں جہاں لائبریری نہ ہو ان اداروں میں ہر سال کتابیں خریدی جاتی ہیں اور ان کے مخصوص فنڈ ہیں۔ اس کے علاوہ ملک سے باہر سفارتخانوں میں اسے پہنچایا جائے۔ پھر باہر جو اردو دان طبقہ ہے اس تک اسے پہنچایا جائے۔

بیدار سرمدی: نقوش کے رسولؐ نمبر کو اردو زبان سے دوسری زبانوں میں منتقل کرنے سے اس کی افادیت کے نئے دروازے کھل سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر یوسف گورایہ : میرے خیال میں اسے دوسری زبانوں میں ضرور منتقل ہونا چاہیے۔ لیکن اس وقت جب محمد طفیل صاحب تمام جلدوں کی تدوین اور ترتیب کے بارے میں تمام کام مکمل کرلیں۔

ڈاکٹر معین الرحمان : میں سمجھتا ہوں کہ اس کے نفع بخش مضامین اور مندرجات کی بنا پر ترجمہ کرنے والے خود اس کی طرف رجوع کریں گے۔

بیدار سرمدی : پروفیسر محمد منور علم و ادب کی نامور اور ممتاز شخصیات میں سے ہیں اُنھوں نے سیرتِ رسولؐ کے حوالے سے مختلف تصنیفات کو دیکھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب وُہ نقوش کے رسولؐ نمبر کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

پروفیسر محمد منور : نقوش کی تمام جلدوں کا مکمل مطالعہ تو بہت مدت کا متقاضی ہے۔ میں نے اب تک جو کچھ دیکھا اور پڑھا ہے اس کی روشنی میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ نمبر سیرت کی حد تک دائرۃ المعارف بن گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ سیرت ایسا موضوع ہے کہ اس پر قلم اٹھانے والا مثالی اوصاف کا مالک ہو۔ چنانچہ سید بدرالدین علوی، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، محمد اجمل، مولانا ابوالحسن ندوی جیسے اہم نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سیرت رسولؐ پر جتنا کچھ عربی میں لکھا گیا اتنا فارسی میں نہیں لکھا گیا اور جتنا اردو میں لکھا گیا اتنا عربی فارسی میں ملا کر نہیں لکھا گیا۔ علامہ شبلی یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ اردو ہمیں اس لیے عزیز ہے کہ اس میں اتنا دینی سرمایہ ہے جو کسی زبان میں نہیں ہے حالانکہ اردو زبان کو شروع ہوئے ابھی اتنا عرصہ نہیں ہوا۔ اب یہ نقوش کا رسولؐ نمبر سامنے رکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اردو زبان میں بھی ہم کئی قدم آگے بڑھے ہیں۔ بعض موضوعات کے سلسلے میں پڑھنے والوں کی پیاس نئے انداز سے بجھی ہے۔ مثلاً غزوات اور مہمات کو علیحدہ علیحدہ ایک حد تک ہم نے پڑھا ہوگا لیکن ایک جگہ، سے زیادہ پہلے ہمارے سامنے نہیں آئے۔ پھر حضورؐ کے سپہ سالارِ غزوۂ بدر کے اصحاب اور اس طرح دوسری تفصیلات اس رسولؐ نمبر میں ملیں گی۔ چونکہ محمد طفیل صاحب کا کہنا ہے کہ ابھی وہ اس پر مزید کام کر رہے ہیں۔ اس لیے حضورؐ کے فقیہ صحابہ اور ان سے فقہ کے مختلف سلسلوں کی تفاصیل آئیں گی۔ حضورؐ کے اقوال، حضورؐ کی مختلف جہلوں میں بڑی بات کہنے کا فن، حضورؐ کے معصر شا ہوں، شیوخ اور قبائل کی تفصیلات اس میں ملیں گی۔ نئے دور میں لوگ وقت کی کمی کے بحران میں مبتلا ہیں رسولؐ نمبر کی موجودگی میں کم وقت میں حضورؐ کے عہد کا معاصر نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ میں کچھ باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ رسولؐ نمبر کی آنے والی جلدوں میں انڈونیشیا، ملائشیا، چین، روسی ترکستان، ترکی اور ایسے ہی دوسرے ممالک میں نعت اور سیرت پر ہونے والے کام کو جمع کیا جائے۔ میں نے برازیل میں آباد مسلمانوں کی نعتیں دیکھی ہیں۔ اس تمام کام کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات اپنی جگہ مسلّمہ ہے کہ اس نمبر میں عربی، فارسی اور اردو نعت کے تقریباً تمام اہم اور بڑے نام آ گئے ہیں اور یہ بات اطمینان بخش اور قابلِ ستائش ہے۔

بیدار سرمدی : اس وقت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جو باتیں ہو رہی ہیں اس دھارے میں آپ کی نظر میں رسولؐ نمبر کیا اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

پروفیسر محمد منور: اس دور کے مسائل پر بھی ہمارے معاصر اکابر نے بحث کی ہے۔ اب تو کہا نہیں جا سکتا کہ رسول نمبر نصاب میں شامل کیا جائے۔ کیونکہ یہ عملاً مشکل ہوگا۔ لیکن ایسا اہتمام تو ہو سکتا ہے کہ نوجوانوں کو اس کے پڑھنے کی طرف لایا جائے۔ یہ کتاب پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل کرنے کی غرض سے مکمل کی جا رہی ہے کم از کم جو پڑھے وہ اپنائے تو سہی اور اپنائے بھی اس طرح کہ دوسروں کو اس کے کردار میں سیرت کی خوشبو آئے۔ محمد طفیل صاحب نے جو اتنا بڑا کام کیا ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسا کام کرنے والے کو حضورؐ کا دامانِ رحمت میسر نہ ہو۔

بیدار سرمدی: اس پاک کاوش کے پھیلاؤ کے سلسلے میں پہلے بھی باتیں ہوئی ہیں۔ مثلاً تعلیمی اداروں کی لائبریریوں میں اور ایسے دوسرے علمی مراکز پر اس کی دستیابی ممکن ہو آپ مزید کیا تجویز پیش کریں گے؟

حافظ سلیم تابانی: میں سمجھتا ہوں کہ یہ نمبر طلبہ اور مدارس کی ضرورت ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے علماء کی بھی ضرورت ہے۔ آج کی تفرقہ بازی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ علماؑ میں سے بعض سیرتِ رسولؐ پر توجہ نہیں دیتے۔ اور یہ کتاب ان میں اتحاد اور ان کے مطالعہ میں برکت کا باعث بن سکتی ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر علیٰحدہ علیٰحدہ ہو سکتی ہے لیکن سیرت پاک ایسا پہلو ہے جس میں تفرقہ بازی نہیں ہو سکتی۔ میری رائے میں تمام علماء کو خصوصی طور پر اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

بیدار سرمدی: صدرِ مملکت پہلے بھی اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے بہت کچھ کر رہے ہیں اب یہ کام بھی وہی کر سکتے ہیں کہ ملک بھر کی لائبریریوں اور دوسرے مراکز تک رسولؐ نمبر پہنچانے کے لیے ذاتی دلچسپی لیں۔

تحفے تحائف اور جہیز کے لیے نقوش کے رسولؐ نمبر کی روایت شروع کرنا ثواب کے ساتھ ساتھ اس کے پھیلاؤ کا باعث بن سکتا ہے۔ پھر مختلف انعامی مقابلوں میں اسے انعام کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

پروفیسر محمد منور: میں کسی عزیزہ یا عزیز کی شادی میں جاتا تھا تو مسدس حالی دیا کرتا تھا۔ وہ ناپید ہوگئی تو پھر اس طرح کی کوئی اور کتاب دینا شروع کر دی اب وہ لوگ جن کے پاس استطاعت ہے وہ یقیناً رسولؐ نمبر دے سکتے ہیں۔

بیدار سرمدی: اگرچہ رسولؐ نمبر کا دس جلدوں کا سیٹ ایک ہزار کا ہے تو میں اپنے تجربے کی بنیاد پر کہنا چاہتا ہوں کہ یہ اس قیمت پر تین گنا سستا ہے اور یہ بھی محمد طفیل صاحب کی بڑی ہمت ہے۔

پروفیسر محمد منور: میں تو بنکوں، تجارتی اداروں اور انشورنس کمپنیوں کو بھی اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر ہمارے سارے بورڈ مختلف مضامین میں اوّل آنے والوں کو کتابیں دیتے ہیں تو وہ اس کو کیوں نہ پیش کریں۔

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ جنوری ۱۹۸۴ء)

○

○ سوالات اسد اللہ غالب کے، جوابات محمد طفیل کے

اسد اللہ غالب : رسولؐ نمبر کی اشاعت کا خیال کیسے آیا ؟

محمد طفیل : شاعر اور ادیبوں کا تو یہ ہے کہ وہ خیال کے بادشاہ ہوتے ہیں اگر آپ مجھے بھی چھوٹا سا ادیب سمجھ لیں تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے زندہ رہنے کی ایک تدبیر سوچی تھی، ایسی تدبیر، جس میں میرے لیے راحتیں ہی راحتیں تھیں، سکون ہی سکون تھا۔ مثلاً میں نے سوچا، افسانہ نمبر، غزل نمبر، طنز و مزاح نمبر مجھے کب تک زندہ رکھ سکیں گے ؟ جواب ملا : دس بیس برس۔ اسی طرح مکاتیب نمبر، آپ بیتی نمبر، شخصیات نمبر تیس چالیس برس، غرض اقبال نمبر، غالب نمبر اور میر نمبر میں سے کسی نمبر نے مجھے چالیس پچاس برس سے زیادہ زندہ رہنے کی نوید نہ سنائی۔ مگر میں چالیس پچاس برس کی عمر میں فوت ہونا نہیں چاہتا تھا میں تو لمبی عمر چاہتا تھا۔

" بہت خوب ! لمبے منصوبے۔ "

" جی ہاں ! لمبے منصوبے۔ مگر کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا، سوچ سوچ کر بُوڑھا ہو گیا، بالآخر روشنی ملی۔ قدرت نے میری مدد کی۔ منزل کی نشان دہی کر دی : " رسولؐ نمبر چھاپو، صدیوں زندہ رہو گے۔ " یہ تو طے ہو گیا کہ رسولؐ نمبر چھاپنا چاہیے۔ مگر کیسے ؟ یہ کام تو علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے کیا تھا۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے کیا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے کیا تھا۔ سوال پیدا ہوا کہ یہ ہیچمدان اگر اس کام کو کرے تو کیسے ؟ ایسا محسوس ہوا جیسے مور نے اپنے پاؤں نہ دیکھے ہوں، رنگ برنگے پر دیکھ لیے ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جتنے رنگ کے پَر ملے وہ سب میں نے اکٹھا کر لیے۔ اپنے ارد گرد سیرت کی کتابوں کا ڈھیر لگا لیا۔ ہر کتاب نے مجھ سے کہا میری اس خُوبی کو نوٹ کر لو، میری اس خوبی کو نوٹ کر لو۔ میری اس خوبی کو نوٹ کر لو۔ چنانچہ یادداشتیں جمع ہوتی رہیں، دماغ میں کمپیوٹر لگ گیا۔ "

" اچھا، یہ بتائیے یہ کمپیوٹر امریکہ کا ہے یا روس کا ؟ "

" یہ کمپیوٹر نہ امریکہ کا ہے نہ روس کا، اس کمپیوٹر پر مُہر ہے مدینہ کی، اور اس کمپیوٹر کو بنے چودہ سو سال گزر چکے ہیں مگر اس میں نہ کوئی فرق آیا ہے اور نہ آئے گا۔ یہ قیامت تک سچی گواہیاں دے گا۔ "

" قیامت کی بات پر، یہ پُوچھ لوں، اس نمبر کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں کیا کیا قیامتیں ٹوٹیں ؟ "

" اس نمبر کے سلسلے میں قیامت کا لفظ استعمال نہ کریں۔ اس مہم میں جو کچھ پیش آیا اسے مشکلات کا نام نہ دیں۔ وہ سب راحتوں کے مرحلے تھے وہ سب قربِ حضوری کی منزلیں تھیں۔ میں تو راہِ حبیب میں دوڑتا چلا گیا۔ منزل قریب آ گئی، میں نے ایسے ایسے تن آسان علماؑ سے مضامین لکھوا لئے جو ایک لفظ لکھنے کے بعد اللہ میاں سے پُوچھا کرتے تھے دُوسرا لفظ لکھوں یا نہ لکھوں۔ یقین جانیے مجھے تو ایسے لگا جیسے میرے ہاتھ اسمِ اعظم لگ گیا ہو۔ میں نے

جو چاہا وہ ہوگیا۔ یہ سب برکتیں موضوع کی تھیں۔"

"پہلی بار چار جلدوں کے سلسلے میں جو آپ کی پذیرائی ہوئی اس سے آپ مطمئن ہیں؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے یہ کام کسی دنیاوی لالچ کی خاطر نہیں کیا تھا بلکہ میرا تو یہ خیال تھا کہ اتنا ضخیم کام میری زندگی میں چھپ نہ سکے گا، بے شک میں نے یہ کام تیرہ برسوں میں انجام دیا۔ ان تیرہ برسوں میں جن کے مہینے ۱۵۶، دن ۴۷۴۵، گھنٹے ۱۱۳۸۸۰ اور منٹ ۶۸۳۲۸۰۰ ہوتے ہیں۔ یہ حساب میں نے اس لیے کیا کہ میں نے یہ کام منٹوں کو ذہن میں رکھ کر کیا۔ برسوں کو نہیں، اگر ایسا نہ کرتا تو یہ کام نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے زندگی کے معمولات بدل ڈالے جن تقریبات کو چھوڑ سکتا تھا وہ چھوڑیں۔ جن رشتہ داروں کی شادیوں میں عدمِ شرکت سے گزارہ ہوسکتا تھا، وہ وقت بچایا۔ بلکہ یہاں تک کہ اس عرصہ میں جو مجھے چھوٹے موٹے عارضے لاحق ہوئے ان پر بھی میں نے خدا سے کہا: مجھے رسول نمبر چھاپنے کی مہلت دیجئے، اس کے بعد تیری رضا۔ مجھ سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا کہ جس کی آرزو اس کی زندگی میں پوری ہوگئی، وہ بھی سب سے بڑی آرزو۔ اہلِ علم نے بھی دل کھول کر داد دی۔ میں ان سب کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔ پاکستان کے دینی اداروں نے بھی داد دی اور ہندوستان کے دینی اداروں نے بھی۔ مثلاً دار المصنفین اعظم گڑھ (شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ چھاپنے والا ادارہ) ندوۃ المصنفین لکھنؤ، دار العلوم دیو بند، یہ سب کچھ میرے لیے حد درجہ فخر کی بات ہے۔ یہ فخر کی بات پاکستان کے لیے بھی ہے۔

اہلِ علم نے نہ صرف داد دی بلکہ مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ ان کی روشنی میں جو نئے نمبر چھپیں گے ان کی بات ہی اور ہوگی۔ بغرض اس کام کو سب نے اپنا کام سمجھ لیا ہے۔ وہ سوچتے ہیں اگر کسی وجہ سے ہم سیرت کے فلاں موضوع پر کام نہیں کر سکے تو وہ کام نقوش کے ذریعہ سامنے آجاتے۔ میں نے بھی سیرت کے کام کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے کہ ان نمبروں کو مزید بہتر بنانا ہے۔ کیونکہ یہ نمبر جس ذاتِ اقدس کے بارے میں ہیں یا جن کے حضور پیش کرنا ہیں، یہ ان کے شایانِ شان تو ہوں یا انسانی کوششوں کی انتہا تو ہوں۔"

"حکومت نے آپ کو پہلی چار جلدوں پر ایک لاکھ کا انعام دیا۔ کیا آپ کا حق ادا ہوگیا؟"

"آپ کے خیال میں کتنا انعام ملنا چاہیے تھا؟"

"علماء کا طبقہ اسے سیرت پر انسائیکلو پیڈیا قرار دے رہا ہے۔ ماضی میں بھی ایسے بھرپور کام کی کوئی مثال نہ تھی۔ کم از کم آپ کو پانچ لاکھ روپیہ ملنا چاہیے تھا۔"

"نہ نہ، ایسا نہ کہیں۔ سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے۔ ہم لوگ محض کارندے ہیں۔ جو کچھ مجھ سے کرانا مقصود تھا وہ میں کر رہا ہوں، جو کچھ دوسرے سے کرانا مقصود ہے وہ دوسرا کر رہا ہے۔ ہم لوگ اپنی اپنی ڈیوٹی پر ہیں۔"

"جدید عصری تقاضوں کے مطابق آپ نے خاص طور پر کن موضوعات کا انتخاب کیا؟"

"میرے نزدیک آپ کا یہ سوال، بنیادی سوال ہے کہ اتنی سیرت کی کتابوں کی موجودگی میں، آخر اس نمبر کی

... یا تھی؛ میرے نزدیک ضرورت یہ تھی اور ہے کہ میرے ملک کا معاشرہ بگڑ رہا ہے (یاد رہے یہ منصوبہ میں نے ۱۹۷۰ میں بنایا تھا حالات آج بھی جُوں کے توں ہیں) اسے سیرت النبیؐ کی روشنی میں سنوارنے کی ضرورت ہے۔ یہ ملک کی خدمت کا بامعنی منصوبہ ہے۔ ملکی منصوبوں میں، یہ سب سے بڑا منصوبہ ہے کہ قوم کی سوچ کا چلن بدلا جائے اور وہ چلن وہ ہو جس کا درس ہمیں محمد رسول اللہؐ نے دیا تھا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ میں نے جو عنوانات سوچے وہ میری سوچوں کی ترجمانی کریں گے۔ مثلاً ایک عنوان ہے: "اصلاحِ معاشرہ اور سیرۃ نبویؐ"، دوسرا "عظمتِ انسانی کا نقیب ہمارے رسولؐ"، تیسرا "فلاحی معاشرہ اور اقتصادی نظام"، چوتھا "اخلاقی اصلاح اور ہمارے رسولؐ"۔ پھر جدید ذہن کو مطمئن کرنے کے لیے "علوم انسانی کے فروغ پر ہمارے رسولؐ کا اثر"، "علم و تہذیب کی ترقی میں معارفِ محمدیؐ کا حصہ"، "رسالت محمدیؐ کا عقلی ثبوت"، ایسے عنوانات سیرت کی کتابوں میں یا تو موجود نہیں یا برائے نام ہیں۔ ان پر سیر حاصل مواد موجود نہیں۔ ہم نے تو ایسے عنوانات پر آٹھ آٹھ دس دس مضامین لکھوائے تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور وقت کے تقاضے پُورے ہوں۔

آپ نے یہ موضوع چھیڑ دیا ہے تو یہ بھی سُن لیں کہ ہم نے سیرت کے ایسے پہلو ڈھونڈے اور انھیں موضوع بنایا، جن پر سیرت کی سابقہ کتابیں چُپ ہیں۔ اجازت ہو تو عرض کروں۔ مگر یہ دیکھ لیجئے آپ کے پاس وقت ہے؟"

"ضرور بتائیے، بھلا اس کام کے لیے وقت کیوں نہ ہوگا! اس طرح ہمارے قارئین کو آپ کی سوچ کے ہر پہلو سے آگاہی ہوگی۔"

"مناسب ہوگا پہلے ہم سیرت کی اہم کتابوں کو ذہن میں رکھ لیں۔ مثلاً "سیرۃ النبیؐ" اور "رحمۃ للعالمینؐ" کو! ان میں سے کسی کتاب میں اصحابِ صفہ پر مواد ملے گا؟ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ اس عنوان کے تحت بے شک چند سطریں، چند صفحے ملیں گے مگر نام بہ نام تذکرہ نہ ملے گا۔ ہم نے ۸۹ اصحاب کا ذکر کیا ہے۔ کاتبانِ وحی پر چند سطریں ملیں گی مگر نام بہ نام تذکرہ نہ ملے گا۔ ہم نے ۴۸ اصحاب کا ذکر کیا ہے۔ واقعۂ ہجرت سیرت کا بنیادی موضوع ہے مگر اس پر چند صفحات ملیں گے زیادہ تفصیل نہ ملے گی۔ ہم نے اسباب و محرکات پر گفتگو کی، راہیں، قیام اور منزلوں کا ذکر کیا پھر اس کی عالمگیر اہمیت پر گفتگو کی۔ ہم نے اس موضوع کے لیے ۱۴۷ صفحات مختص کیے۔ یہ بھی عرض کردوں ہمارے پاس بنیادی کتاب سیرتِ ابن ہشام ہے۔ اس میں خدمتِ اقدس میں پہنچنے والے جتنے وفود کا ذکر کیا ہے۔ ہم نے بعد تحقیق اس میں اضافہ کیا۔ ہمارے ہاں ۱۰۱ وفود کا ذکر ملے گا۔ یہ ہے وہ تھوڑی سی تفصیل، جس سے ہمارا کام، سیرت کی دوسری کتابوں سے الگ نظر آئے گا۔ یہاں ایک بات کی صراحت کردوں، وُہ یہ کہ میرے اس سب کچھ بیان کر دینے سے سیرت کی متذکرہ کتابوں کی اہمیت نہ کم ہو سکتی ہے اور نہ ہوگی۔ یہ تو سیرت کے موضوع پر مینارۂ نور ہیں اور میں بات نئے موضوعات کی کر رہا ہوں۔ غرض رسولؐ نمبر کی اشاعت کے سلسلے میں میرے ذہن میں صرف یہی باتیں تھیں۔ پہلی یہ کہ یہ نمبر سیرت کی کتابوں کے مختلف نہج پر ترتیب دیا جائے اور یہ کہ سیرت کے نئے موضوعات کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا جائے۔ دُوسرے حضورؐ کی زبان سے جو کچھ نکلا ہو یا جو کچھ کیا ہو اسے یکجا کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ معاشرہ کو

سیرتِ رسولؐ کی روشنی میں سنوارا جائے۔"

"رسولؐ نمبر کی دس جلدوں پر کیا آپ کا ابتدائی منصوبہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے یا آپ اس کام کو مزید جاری رکھیں گے؟"

"میرا خیال ہے کافی باتیں ہو گئی ہیں باقی پھر پر اٹھا رکھیے!"

"بس دو ایک باتوں کا اور جواب دے دیجئے۔"

"بات یہ ہے کہ میں نے ساری عمر خاموشی سے کام کیا ہے۔ میرا وجود عمل سے قائم ہے باتوں سے نہیں۔ اس لئے بہ خوشی یہ سب کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ زندگی بھر یہ چاہا کہ میں نہ بولوں میرا کام بولے۔ مگر میں منصوبہ کی تکمیل والی بات کا جواب عرض کیے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہ موضوع ایسا ہے کہ جتنا لکھیے، جتنا پڑھیے، جتنا سوچیے، اتھاہ نہیں ملتی۔ جب میں نے پہلی چار جلدوں میں قسط پیش کی تھی تو اس وقت عرض کیا تھا: "قارئین نے اگر میرے کام کی پذیرائی کی تو اور جلدیں پیش کروں گا، ورنہ اپنی مرضی سے ایک جلد تو مزید پیش کروں گا کیونکہ وہ ناگزیر ہے۔ وہی بات دس جلدیں پیش کرنے کے بعد بھی عرض کر رہا ہوں اگر حالات نے اجازت دی تو اور جلدیں پیش کروں گا ورنہ ایک جلد تو اور پیش کروں گا کیونکہ وہ پہلے ہی کی طرح ناگزیر ہے۔ انہی دس جلدوں کا وہ تکملہ ہے۔"

"حکومت آپ کے لیے کچھ کر رہی ہے؟ بس یہ ذرا سا سوال ہے۔"

"میں اپنا کام کر رہا ہوں، حکومت اپنا فرض ادا کرے گی، خاص طور پر صدرِ مملکت کو اس موضوع سے بے حد دلچسپی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ کام مکمل ہو جائے۔ وہ اس موضوع سے ربطِ خاص رکھتے ہیں۔"

"یہ باتیں تو تھیں رسولؐ نمبر کے بارے میں، ایک سوال آپ کی سابقہ ادبی زندگی کے بارے میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ رسولؐ نمبر کی اشاعت کے بعد، ارفع منزل پر پہنچنے کے بعد کیا آپ دوبارہ شعر و ادب کی لایعنی دنیا میں واپس آئیں گے؟"

"دوست! آپ نے ادب کی خدمت کو لایعنی قرار دیا۔ یہ آپ نے ظلم کیا، مجھے تکلیف پہنچائی۔ ادب و شعر کے ذریعہ ملک کے ذہین طبقہ کی تربیت کو بھی میں عبادت ہی سمجھتا ہوں، مدارج کا فرق بے شک ہے۔"

"کوئی پیغام؟"

"مجھے اپنے اہلِ وطن سے یہ کہنا ہے کہ ابتداً سے لے کر اب تک میں نے زندگی ان کے نام لکھ دی تھی اب وہ میرے لیے دعا کریں کہ مجھے میرا مقصود ملے۔ وہ یہ کہ دربارِ رسالت کی آخری صف میں جو آخری آدمی کھڑا ہو وہ محمد طفیل ہو۔"

○ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۸۴ء)

○ جنگ فورم کے تحت ایک خصوصی نشست کی روداد ——— تحریر و میزبانی: ضیا شاہد، حسن رضوی

میزبان: آج کی نشست "نقوش کے "رسولؐ نمبر" کے بارے میں ہے یوں تو نقوش نے ہمیشہ ہی بڑے وقیع نمبر دیئے ہیں، تاہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ پر اب تک نقوش کی دس جلدیں چھپ چکی ہیں اور محمد طفیل صاحب کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کا بطورِ خاص تذکرہ ضروری ہے۔ جس ترتیب سے آپ حضرات یہاں تشریف فرما ہیں اس اعتبار سے آغا سہیل صاحب گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

آغا سہیل: یہاں پر مجھ سے سینیئر حضرات اور علمائے کرام موجود ہیں نقوش کے رسولؐ نمبر کی بات کرتے ہوئے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اس جریدے نے اصنافِ ادب پر مختلف قسم کے نمبر شائع کیے ہیں اور شاید ہی کوئی ایسی صنف باقی ہو جس پر نقوش کا کوئی نمبر نہ نکلا ہو۔ یہ بات بخوبی کہی جا سکتی ہے کہ محمد طفیل مدیر نقوش بذاتِ خود ایک اکیڈمی کے برابر ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ شاید کوئی اکیڈمی بھی اتنی لگن اور اتنی محنت سے وہ کام سرانجام نہ دے سکتی جو محمد طفیل صاحب نے انجام دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے حوالے سے نقوش کا یہ نمبر اردو ادب ہی میں نہیں بلکہ کسی بھی زبان کے ادب میں ایک گراں قدر اضافہ قرار پائے گا۔ حال ہی میں نقوش کے اس نمبر کی پانچویں جلد سامنے آئی ہے جس میں اسلامی ریاست کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اس نمبر کے مندرجات کو ایک نظر دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس قدر عرق ریزی سے موضوعات کا انتخاب کیا گیا۔ مثال کے طور پر "بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کا سیاسی نظام" یہ ایک مضمون کا عنوان ہے اور آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی دلچسپ تحقیق ہے کہ اس وقت کے عالمی منظر کا احاطہ کرتی ہے۔ اسی طرح کا ایک اور مضمون تاسیسِ ریاست کے سلسلے میں "ریاست کی فکری بنیادیں" ہے جس میں اسلام کے نقطۂ نظر سے ریاست کے جتنے بھی گوشے ہو سکتے ہیں ان سب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تاسیس ریاست سے توسیع ریاست تک اور استحکام ریاست سے انتظامِ ریاست تک کتنے ہی موضوعات ہیں جو انتہائی سلیقے سے اس نمبر کی زینت بنائے گئے ہیں۔ اس ایک جلد کے علاوہ دیگر جلدوں کے مندرجات بھی میں نے جستہ جستہ دیکھے ہیں۔ مثلاً ایک پوری جلد میں انتخابِ نعت ہے۔ اتنی اہم جلدوں پر ایک ہی نشست میں بات کرنا بھی مشکل ہے البتہ میں نے محض اس لیے ہامی بھر لی کہ اس گفتگو میں شرکت میرے لیے باعثِ سعادت ہوگی۔

اسعد گیلانی: آغا صاحب نے درست فرمایا ہے۔ اس قدر بھرپور کام کے بارے میں چند جملوں میں کچھ کہنا ممکن نہیں بہرحال مختصراً یہ عرض ہے کہ اردو ادب میں اب تک جتنے نمبر بھی نکلے ہیں، جتنے رسائل نے خصوصی اشاعتیں شائع کی ہیں ان سب کے مقابلے میں نقوش کا یہ رسولؐ نمبر اس اعتبار سے سرِ فہرست ہے کہ اب تک دس ضخیم جلدوں میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور کام کے بارے میں کسی نے ایسی کاوش نہیں کی۔ فی الحقیقت یہ ایک طرح کا انسائیکلو پیڈیا بن گیا ہے جو لائبریریوں میں محفوظ رہ سکتا ہے اور اہلِ علم صدیوں تک اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جہاں تک

اس کام کی عظمت کا تعلق ہے میں صرف یہ کہوں گا کہ دار المصنفین ایک ایسا ادارہ ہے جو بھارت میں اب تک کام کر رہا ہے اس ادارے نے سیرت کے موضوع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے چھ جلدیں لکھی ہیں جو اب تک اس سلسلے کا سب سے وقیع اور ضخیم کام سمجھی جاتی تھیں حالانکہ یہ چھ جلدیں بھی سب کی سب سیرت پر نہیں ہیں بلکہ ڈیڑھ جلد کا مواد سیرت پر ہے اور باقی ساڑھے چار جلدیں عبادات وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ گویا مکمل چھ سات سو صفحات سیرت پر ہیں اس کے مقابلے میں نقوش کا دس جلدوں پر مواد کم وبیش ۶۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اردو ادب میں اب تک اتنا مواد کہیں پر جمع نہیں ہوا۔

اس کام کا ایک پہلو جو قابلِ غور ہے میں کچھ اس طرح سے بیان کروں گا کہ نقوش نے اس سے پہلے بھی نمبر نکالے ہیں نمبر طنز و مزاح پر ہو، غالب پر ہو، مکاتیب پر ہو، آپ بیتی پر ہو، محمد طفیل صاحب نے ان کے ذریعے ادب کے میدان میں اپنا سکہ بٹھایا اور وہ حوالے کی کتاب بن گیا۔ ان میں سے دو ایک نمبر یقینی طور پر حرفِ آخر نہیں تو ریفرنس کے طور پر ہمیشہ زندہ رہنے والی دستاویز ضرور ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ اس بات کی کم ہی توقع تھی کہ ادب کے میدان کا یہ شہسوار جسے نقوش کہتے ہیں پلٹ کر سیرت جیسے دینی موضوع پر آئے گا اور یہاں بھی اپنے جھنڈے گاڑ دے گا۔ سیرت کا میدان بہت کٹھن اور نازک ہوتا ہے اس کا تعلق صرف علم یا تحقیق سے نہیں بلکہ اس کے لیے جذبہ، جذبے کی گہرائی اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے محبت چاہیے۔ تب ہی سیرت کا حق ادا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ سب خصوصیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ یہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہیں جو ہر کس و ناکس کو نہیں ملتی قدیم کتابوں کے ڈھیر سے مواد مرتب کرنا کسی اور موضوع کے بارے میں تو آسان ہو سکتا ہے مگر سیرت کے موضوع پر نہیں کیونکہ محض قینچی چلا کر مواد مرتب کر لیا جائے تو نہ اس میں جان ہوگی نہ اثر۔ پھر نقوش کے اس نمبر کی جلدوں کو دیکھیں تو احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے منٹو نمبر یا پطرس نمبر مرتب کیے تھے اس لیے کہ ان نمبروں کی ادبی حیثیت کچھ بھی ہو رسولؐ نمبر کے مقابلے میں وہ سارے کچھ بھی نہیں اس کام کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اب تک جو کچھ شائع ہو چکا ہے یہ نمبر اس مواد سے نہیں بلکہ تازہ اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے اور یکسر مضامین اور نئے موضوعات اس نمبر کی بہت بڑی خوبی ہیں۔ سیرت کا موضوع ویسے بھی قابلِ فخر ہے لیکن اردو ادب اس ایک نمبر کے بارے میں فخر کر سکتا ہے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک پہلو "حکمت کلام" پر ایک کتاب کی ترتیب و تدوین کے لیے گزشتہ دنوں بہت سی کتابیں کھنگالیں اب محسوس کرتا ہوں کہ جتنی کتابیں میں نے دیکھی تھیں یہ نمبر ان سے کہیں زیادہ ہے جس طرح سیرت کو بیان کرنے میں ایک لذت ہے اسی طرح اس نمبر کی خوبیاں بیان کرنے میں بھی ایک لطف ہے اور محمد طفیل صاحب کی درازیِ عمر کی دعا کرتے ہوئے امید رکھنی چاہیے کہ جیسا کہ انھوں نے رسولؐ نمبر کے دیباچوں میں لکھا ہے وہ اس کام کو جاری رکھیں گے۔

ڈاکٹر سلیم اختر: ہم سب جانتے ہیں کہ اب تک محمد طفیل صاحب کے نقوش کی شہرت ادب کے حوالے سے تھی۔ گزشتہ بیس پچیس برسوں میں انہوں نے بہت سے وقیع نمبر شائع کیے۔ مجھے معلوم ہے کہ جب محمد طفیل کسی خاص اشاعت کا منصوبہ بناتے ہیں وہ کئی برس تک اس پر سوچتے ہیں اور شدید محنت کرتے ہیں۔ سیرت نمبر پر کام بھی انھوں نے دس بارہ

... شروع کیا تھا۔ ایک اور خصوصیت ان کے کام کی ہے کہ وُہ اپنے ہر سابقہ کام سے کہیں زیادہ محنت کرتے ہیں کہ اگلا پہلے سے بہتر ہو۔ جہاں تک سیرت پر نقوش کی حالیہ اشاعت کا تعلق ہے اس کی دس جلدیں جواب تک آئی ہیں وہ ایک معرکۃ الآرا کام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ایسی اشاعت نہیں ہے کہ رات کو سونے سے پہلے ایک آدھ مضمون پڑھ لیا اور بس۔ اس کے مضامین اس کے موضوعات اور اس کی تحقیق کاوشیں تو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کی حیثیت رکھتی ہیں اور لائبریریوں میں، تعلیمی اداروں میں اور علم و ادب کے متوالوں کے ساتھ ساتھ سیرتِ رسولؐ کے مشتاق پڑھنے والوں کے لیے بھی ایک گراں قدر تحفہ ہیں۔ رات میں " نقوش " کی ان اشاعتوں کو دیکھ رہا تھا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قولِ مبارکہ پر نظر پڑی کہ " اسلام کی بنیاد عقل پر ہے " یہ ایک حدیث مجھے نہ جانے کہاں لے گئی اور میں نے صدیوں سے جو کچھ ہو رہا تھا ایک نئے رنگ سے دیکھا۔ پھر مذہب کے نام پر آج کل جو کچھ سوچا جاتا ہے یا کہا جاتا ہے وُہ اپنے اصل رنگ میں سامنے آیا اور وقتی مصلحتوں کے پردے اُٹھ گئے۔ جو دین میں روشنی دینے والا تھا اسے نہ جانے کیا رنگ دیا جاتا رہا ہے۔ آج پاکستان، ایران اور دوسرے ملکوں میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے جو کام ہو رہا ہے اس سلسلے میں نقوش کا یہ نمبر ایک زبردست " کانٹری بیوشن " ہے اس لیے نہیں کہ یہ محض سرورِ کائناتؐ سے عقیدت کی چیز ہے بلکہ اس لیے کہ اس نمبر میں آج کے حوالے سے زندگی کے مختلف مسائل کو حل کرنا آسان ہو جاتا ہے اور یہ دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اب تک محمد طفیل نے جو کچھ کیا تھا وہ ان کی دُنیا کے لیے تھا اور یہ کام انھوں نے اپنی عاقبت کے لیے کیا ہے۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ کام ایسا ہے کہ صرف ان کی نہیں بلکہ ان بے شمار پڑھنے والوں کی عاقبت بھی اس نمبر سے سنورے گی جنہیں اس کی تحریروں سے روشنی ملے گی۔

حفیظ تائب : بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے جب محمد طفیل کو محمد نقوش کہا تھا تو ان کے پیشِ نظر یقیناً یہ بات ہو گی کہ نقوش ہی محمد طفیل کی روحِ رواں ہے اور ان کی تمام توانائیاں نقوش پر ہی صرف ہوتی ہیں۔ افسانہ نمبر، شخصیات نمبر، مکاتیب نمبر، جنگ نمبر، غزل نمبر، طنز و مزاح نمبر، شوکت تھانوی نمبر، پطرس نمبر، منٹو نمبر، ادب عالیہ نمبر، میر تقی میر نمبر، غرض ہر نمبر اپنی جگہ ایک مستند دستاویز ہے جسے ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا لیکن رسولؐ نمبر شائع کرکے انہوں نے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ اس نمبر کی تیاری کے وقت محمد طفیل صاحب کے سامنے یہ بات رہی ہے کہ عہدِ موجود میں رسولؐ کی سیرتِ مبارکہ سے کس کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ یُوں تو سیرتِ نبیؐ پر اب تک جو مواد شائع ہو چکا ہے اسے ایک جگہ جمع کر دینا بھی کم اہم کام نہیں ہے لیکن طفیل صاحب کی مہم جو طبیعت نے اس موضوع پر اس قدر عظیم و وقیع اضافے کیے ہیں کہ زبان پر ماشاء اللہ کے الفاظ آ جاتے ہیں اور مرتب کی خواہش یہ معلوم ہوتی ہے کہ نبی اکرمؐ کی شخصیت کے زیادہ سے زیادہ پہلو سامنے آ جائیں اور پڑھنے والا ان کے زیادہ سے زیادہ احاطے میں کامیاب ہو جائے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خاص مضامین کا ذکر کر دیا جائے۔ پہلی جلد میں سیرت نگاروں کے بارے میں مواد بہت خاص چیز ہے۔ دُوسری جلد میں سیرتِ نبویؐ کے سلسلے میں ایک قدم آگے بڑھ کر بات کی گئی ہے حقیقتِ توحید و وحی اور مکہ مکرمہ کی قدیم تاریخ پر اتنے تفصیلی مضامین ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اس جلد میں سیرت پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی

کتاب محمد رسول اللہ کا ترجمہ بھی شامل ہے تاکہ مربوط حالات سامنے آسکیں۔ احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اس مستند کتاب کے بعض حصّے اس لیے حذف کر دیے گئے کہ بعض طبائع کی آزردگی کا اندیشہ تھا۔ تیسری جلد کے اہم حصّے اصلاحِ معاشرہ، فلاحی معاشرہ اور اقتصادی نظام پر مشتمل ہیں۔ چوتھی جلد علومِ انسانی پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر اور اخلاقی ابواب پر مشتمل ہے۔ پانچویں جلد میں عہدِ نبویؐ میں اسلامی ریاست کی نشو و نما کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دو بنیادی مقالات ایسے ہیں جن کے بارے میں طفیل صاحب کا اپنا تاثر یہ ہے کہ اگر انھوں نے اور کچھ بھی نہ کیا ہوتا اور صرف یہ دو غیر مطبوعہ مقالے پیش کیے ہوتے تو میرے اطمینان کے لیے کافی تھے۔ یہ مقالے ڈاکٹر نثار احمد اور ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر کے قلم سے ہیں۔ چھٹی جلد فنِ حدیث اور اقوالِ رسولؐ پر ہے جو مولانا محمد متین ہاشمی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اہلِ علم بخوبی جانتے ہیں کہ سیرۃ ابنِ ہشام میں ۱۵ وفود کا ذکر ہے جو حضورِ اکرمؐ سے آکر ملے تھے لیکن نقوش کی ایک جلد میں ایسے ۱۱۰ وفود کا ذکر ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے ملاقات کے لیے آئے تھے۔ آٹھویں جلد میں واقعۂ ہجرت کے اسباب و محرکات، سفر کی راہوں اور صعوبتوں تک کا تذکرہ آگیا ہے اردو میں اس سفر کی اس قدر تفصیل کم از کم پہلے کسی جگہ نہیں ملتی۔ اصحابِ صُفّہ میں سے ۹۰ صحابہ کا تذکرہ بھی اس جلد کی اہم چیز ہے فصاحت و بلاغت پر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا مضمون بھی اس جلد کی ایک خصوصی تحریر ہے۔ نویں جلد آٹھویں جلد کا تکملہ ہے۔ دسویں جلد نعتِ رسولؐ پر ہے۔ جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ ان مختصر گزارشات کا مقصد یہ ہے نقوش کے رسولؐ نمبر میں جن موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے اس کی طرف اشارہ کیا جائے ورنہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا کسی ایک نشست میں اس نمبر کی محض فہرست اور مضمون نگاروں کے نام ہی کو بیان کرنا مشکل ہے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر : اہلِ علم نے اب تک جو کچھ کہا میں اس میں صرف یہ اضافہ کروں گا کہ میرا تعلق ایک سے زائد زبانوں سے رہا اردو کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی میں جو کچھ شائع ہوتا ہے کوشش ضرور کرتا ہُوں کہ اسلامی دُنیا سے متعلق ہے تو اسے ایک نظر دیکھ لُوں۔ میں یہ بات پُورے وثوق سے کہہ سکتا ہُوں کہ صرف اردو نہیں بلکہ اسلامی دنیا میں کسی بھی دُوسری زبان میں سیرت کے موضوع پر اس قدر وسیع معلومات کا ذخیرہ کسی ایک جگہ موجود نہیں۔ اس اعتبار سے اردو زبان کو یہ فخر ملا ہے اور اس کا وسیلہ محمد طفیل صاحب ہیں کہ اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت پر اس قدر عمدہ مواد ایک جگہ جمع کیا اور اپنے مجلّے کے لیے ہی نہیں بلکہ اُردو زبان کے لیے ایک باعثِ توقیر کام کیا اور اس زبان کی عزّت بڑھائی۔ اس نمبر میں جو معلومات جمع کی گئی ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :

اوّل جو مواد پہلے سے اردو میں تھا اسے سامنے رکھ کر مرتّب کر دایا، جو مواد دوسری زبانوں میں تھا اسے اردو میں ترجمہ کر دایا۔

دوسرے حصّے میں وہ تحریریں آتی ہیں جو مختلف موضوعات پر اب تک سامنے نہیں آئے تھے مختلف اہلِ قلم حضرات سے لکھوائی گئی ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ محمد طفیل صاحب نے سیرت نبویؐ کو آج کے انسان تک اس طرح پہنچایا ہے کہ اس دعوے

...یں ہو سکتی ہے کہ واقعی قرآن کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مسلمانانِ عالم کے لیے ایک نمونہ ہے۔ اس اعتبار سے محمد طفیل صاحب کا یہ کام انتہائی قدر و منزلت کا حامل ہے۔

سید محمد متین ہاشمی : نقوش کے رسولؐ نمبر کی پہلی جلد سے دسویں جلد تک جو کچھ پیش کیا گیا ہے میں اس کے بارے میں ایک بات، خاص طور پر کہنا چاہوں گا کہ اس کام کا اجر محمد طفیل صاحب کو دنیا میں تو مل نہیں سکتا، ہاں آخرت میں ضرور ملے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ پر کچھ لکھنا پل صراط پر چلنا ہے ذرا سا بھی لغزش کھا جائے تو اسفل السافلین میں شامل ہو۔ سیرت میں غور و فکر میں غلو سے کام لے تو شریعت کی حدود سے نکل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علما نے ابنِ ہشام سے قاضی عیاضؒ یا مولانا جامی یا شاہ ولی اللہ وغیرہم تک اس سلسلے میں بہت احتیاط برتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ محمد طفیل صاحب کی کون سی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آئی کہ انھوں نے اتنا بڑا کام شروع کیا اور پھر خوش اسلوبی سے ختم بھی کر لیا۔ میرا تعلق تحقیقی شعبے سے ہے اور اردو کے علاوہ بھی سیرت سے متعلق کتابیں نظر سے گزرتی رہتی ہیں۔ سیرت کے سلسلے میں سب سے مشکل کام اس عظیم شخصیت کے تمام گوشوں کا احاطہ کرنا ہے لہٰذا جو بھی کام ہوگا وہ نامکمل ہوگا۔ اس طرح نقوش کا موجودہ نمبر بھی حرفِ آخر نہیں کیونکہ قیامت تک لوگ لکھتے رہیں گے مگر کام مکمل نہ ہوگا البتہ کام کی قدر اس اعتبار سے کی جاتی ہے کہ لکھنے والے یا جمع کرنے والے نے کس قدر کامیابی حاصل کی ہے۔ اس معیار پر نقوش کے رسولؐ نمبر کو واقعی اب تک جو کام ہوا ہے اس کی روشنی میں انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے کیونکہ میں نے خود کسی زبان میں اتنا جامع کام نہیں دیکھا۔ جب بھی میں نے کسی مضمون کی طرف اشارہ کیا کہ فلاں جگہ موجود ہے محمد طفیل صاحب نے کہا: ہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔ یہ نمبر پڑھ کر رُوح خوش ہو جاتی ہے اور دل سے ان کے لیے دُعا نکلتی ہے۔ صرف دو باتیں اور کہوں گا۔ یہ کہا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالے سے نقوش کی دو جلدیں اور باقی ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہونا چاہیے، دو جلدیں کیوں؟ اس کے بعد کیوں نہیں؟ محترم طفیل صاحب! اس کام پر لگے رہیے، جب تک زندگی ہے کرتے رہیے، یہ تو کبھی نہ ختم ہونے والا کام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی ادارہ ہمت کرے تو اس نمبر کے مضامین کا دوسری زبانوں میں ترجمہ ہونا چاہیے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ کسی بھی زبان میں اس کا ترجمہ اس زبان کو ذکرِ رسولؐ سے مالا مال کر دے گا اور مضامین اتنے مستند اور وقیع ہیں کہ ہم انہیں اعتماد اور اطمینان کے ساتھ پوری دُنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

ضیاءٔ شاہد : نقوش کے رسولؐ نمبر کے بارے میں اب تک علماء اور دانشور حضرات نے جو گفتگو کی اس کے بعد مزید کسی گفتگو کی شاید ضرورت نہ ہو تاہم جیسا کہ ابھی ایک دوست نے ذکر کیا کہ سیرت کے ذیل میں اس قدر وقیع کام جو انجام دیا گیا ہے اس کے تذکرے میں حصّہ لینا بھی ایک سعادت ہے۔ لہٰذا اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے اس نشست میں گفتگو کے خاتمے اور آپ حضرات کا شکریہ ادا کرنے سے پہلے دو تین باتیں عرض کروں گا۔

ذاتی طور پر میرا تعلق عربی زبان اور اسلامی علوم سے ایک بے خبر طالب علم کا سا رہا ہے اور میں نے نقوش کے اس خاص نمبر کے جو شمارے جستہ جستہ دیکھے ہیں ان سے یہ احساس ہوتا ہے کہ ایسا مواد جمع کیا گیا ہے یا مرتب

کیا گیا ہے جو سب مکاتب فکر کی نظر میں مسلّمہ ہے۔ میں اس نکتے کو کچھ اس طرح بھی بیان کر سکتا ہوں کہ دینی موضوعات پر قلم کرتے وقت یہ مشکل بالعموم پیش آتی ہے کہ صدیاں گزرنے کے باعث تشریح کے ذیل میں مختلف مکاتب فکر پیدا ہو چکے ہیں جن میں سے بعض کا نقطۂ نظر دوسروں سے بہت حد تک مختلف ہو گیا ہے اور اکثر تحریریں خواہ ان میں تحقیق کا مادہ کتنا ہی قابل قدر کیوں نہ ہو، اس کڑے امتحان میں آ کر اپنی افادیت کم کر دیتی ہیں کہ وہ کسی ایک یا دوسرے مکتب فکر کے نزدیک قابلِ توجہ نہیں ہوتیں۔ اس تلخ حقیقت کی روشنی میں نقوش کا یہ نمبر اس اعتبار سے گراں قدر ہے کہ اسے پوری قوم کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان موضوعات پر سب کا اجماع ہے اس طرح آج کے انتشار میں جہاں مذہب اور دین کی بھی ایسی ایسی تشریحات پیش کی جاتی ہیں کہ انسان اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ نقوش کی یہ جلدیں پڑھے لکھے طبقوں میں اتحاد و یگانگت کا باعث بنیں گی اور ان کے قدم اجماع کی طرف بڑھیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عصر حاضر میں سیرت کا مطالعہ کرنے سے قبل یہ محسوس ہوتا تھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کی باتیں برحق لیکن ان کی شخصیت کے بالعموم ان گوشوں کی بات زیادہ ہوتی تھی جن کا تعلق شخصی عقیدت و احترام سے ہے۔ جی چاہتا تھا کہ آج کے مسائل کے لیے بھی ان کے اقوال و شخصیت سے روشنی مل سکے۔ یہ چیزیں یقیناً موجود تو تھیں مگر اس طرح ایک جگہ واضح طور پر جمع نہیں تھیں۔ محمد طفیل صاحب نے انھیں ایک جگہ پیش کر دیا ہے اور اس طرح دنیا کے مسلمان ممالک میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی جو تحریک شروع ہوئی ہے نقوش نے اس تحریک میں فعال ترین کردار ادا کیا ہے کہ دین کی سچی اور بھرپور تصویریں اور تحریریں پیش کی ہیں۔ اس اعتبار سے مولانا متین ہاشمی صاحب کی یہ تجویز قابلِ غور ہے کہ اس کام کا ترجمہ عربی اور دوسری زبانوں میں ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں چونکہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب یہاں موجود ہیں جنھوں نے نسیم حجازی کے دو ناولوں کا اردو سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اگر وہ خود یا کوئی بورڈ یا اکیڈمی بنا کر نقوش کے ان نمبروں کو عربی زبان میں منتقل کروانے کا کام شروع کر سکیں تو بہت اچھا ہو گا۔

تیسری بات جس کی طرف میں اشارہ کروں گا وہ نقوش کے رسول نمبر کی مختلف جلدوں کا صوری حسن ہے کتابت سے طباعت تک اور اس نمبر کے لائبریری ایڈیشن کے کاغذ اور مضبوط جلد اور سلائی تک ہر کام بہت معیاری ہے اور واقعی اس جذبے اور خلوص کے ساتھ کیا گیا ہے کہ صدیوں تک لائبریریوں میں محفوظ رہ سکے کیونکہ آفسٹ پیپر جس پر نقوش کا یہ نمبر چھپا ہے بہت مضبوط ہوتا ہے اور بوسیدہ نہیں ہوتا۔ پھر اسلم کمال صاحب کے طغرے، اور جا بجا مقاماتِ مقدسہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے حوالے سے ان آثار اور مقامات کی تصویریں اس میں شامل کی گئی ہیں جن کی موجودگی کے باعث پڑھنے والے کو دیکھنے کے لئے بھی بہت کچھ ملتا ہے۔ اور یوں لگتا ہے وہ دور منتقل ہو کر سامنے آ گیا ہے اور جو کچھ پڑھا ہے وہ ایک طرح سے دیکھا بھی ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ میں محمد طفیل صاحب کو جو آج کی نشست کے مہمانِ خصوصی بھی ہیں" جنگ" کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اُنھوں نے یہ عظیم کام سرانجام دیا اللہ تعالیٰ انھیں طویل عمر عطا فرمائے تاکہ وہ اس کام کو جاری رکھ سکیں۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۱۴ ؍ جنوری ۱۹۸۴ء)

محمد طفیل سے گفتگو ——— سوالات : حسن رضوی

حسن رضوی : طفیل صاحب! حال ہی میں نقوش کے معرکۃ الآرا رسولؐ نمبر کی دس جلدیں مکمل طور پر شائع ہوئی ہیں اس نمبر کی اشاعت بلاشبہ ہر اعتبار سے ایک بہت بڑا کارنامہ ہے ادبی و مذہبی حلقوں میں اس نمبر کی جو پذیرائی ہوئی ہے اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ ہم آج آپ سے اس خصوصی نمبر کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو آپ یہ فرمائیں کہ نقوش کی ابتدا کب ہوئی؟ یہ کون سا مبارک سال تھا؟

جواب : اجرا ۱۹۴۸ء میں ہوا، ۱۹۵۱ء سے بندۂ عاجز اس کا مدیر ہے۔

سوال : اب تک کتنے خصوصی نمبر شائع ہوئے، موضوع اور سن وار بتائیے تاکہ آپ کی سوچوں کا نہج معلوم ہو۔

جواب : میں نے عام شماروں کو بھی خاص نمبر بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ عام شماروں میں بھی ٹھکانے کی تحقیقات ملیں گی میں پاک و ہند کے تمام لکھنے والوں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میرے خوابوں کو تعبیر بخشی۔ بہر حال خاص نمبروں کے نام عرض کئے دیتا ہوں:

(۱) افسانہ نمبر ۱۹۵۲ء	(۲) پنج سالہ نمبر ۱۹۵۳ء
(۳) افسانہ نمبر ۱۹۵۴ء	(۴) غزل نمبر ۱۹۵۴ء
(۵) شخصیات نمبر ۱۹۵۵ء	(۶) منٹو نمبر ۱۹۵۵ء
(۷) افسانہ نمبر ۱۹۵۵ء	(۸) شخصیات نمبر ۲ ۱۹۵۶ء
(۹) مکاتیب نمبر ۱۹۵۷ء	(۱۰) دس سالہ نمبر ۱۹۵۸ء
(۱۱) طنز و مزاح نمبر ۱۹۵۹ء	(۱۲) پطرس نمبر ۱۹۵۹ء
(۱۳) ادب عالیہ نمبر ۱۹۶۰ء	(۱۴) افسانہ نمبر ۱۹۶۰ء
(۱۵) غزل نمبر ۲ ۱۹۶۰ء	(۱۶) لاہور نمبر ۱۹۶۲ء
(۱۷) شوکت تھانوی نمبر ۱۹۶۲ء	(۱۸) آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء
(۱۹) جنگ نمبر ۱۹۶۶ء	(۲۰) خطوط نمبر ۱۹۶۸ء
(۲۱) افسانہ نمبر ۱۹۶۸ء	(۲۲) غالب نمبر ۱۹۶۹ء
(۲۳) غالب نمبر ۲ ۱۹۶۹ء	(۲۴) غالب نمبر ۳ ۱۹۷۱ء
(۲۵) افسانہ نمبر ۱۹۷۴ء	(۲۶) اقبال نمبر ۱۹۷۷ء
(۲۷) اقبال نمبر ۲ ۱۹۷۷ء	(۲۸) اقبال نمبر ۳ ۱۹۷۷ء
(۲۹) میر نمبر ۱۹۸۰ء	(۳۰) میر نمبر ۲ ۱۹۸۰ء
(۳۱) ادبی معرکے نمبر ۱۹۸۱ء	(۳۲) انیس نمبر ۱۹۸۱ء

(۳۴) عصری ادب نمبر ۱۹۸۲ء (۳۴) رسولؐ نمبر چار جلدیں ۱۹۸۲ء

(۳۵) میر نمبر ۳ ۱۹۸۳ء (۳۶) رسولؐ نمبر چھ جلدیں ۱۹۸۳ء

— یہ ان خاص نمبروں کی فہرست ہے جو میری ادارت میں شائع ہوئے عام شمارے الگ ہیں۔

— خاص نمبروں اور سالناموں کو فہرست میں درج نہیں کیا ان کی تعداد آٹھ ہے۔

— میری ادارت میں نقوش کے ذریعہ جتنے صفحات اہلِ قلم تک پہنچے ان کی تعداد پچاس ہزار سے زائد ہے یعنی ۵۰۵۲۵ صفحات۔

سوال: آپ ادب کے آدمی تھے مذہب کی طرف کیسے نکل گئے؟ کوئی خاص واقعہ محرک بنا؟

جواب: خوب سے خوب ترکی جستجو میری زندگی کا چلن ہے۔ میری کوشش رہی ہے کہ موضوع کا حق ادا کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے نمبر سے لے کر آخری نمبر تک آپ یہ محسوس کریں گے کہ ان کا مرتب تازہ دم ہے نڈھال نہیں ہوا۔ اسی سبب سے میں پہلی مہم کے بعد دوسری مہم پر روانہ ہوتا رہا۔ مہم جوئی کی اسی روش نے مجھے دربارِ حبیبؐ تک پہنچایا، بے شک اس سفر میں تیرہ برس گزرے اس کے باوجود ہر لمحہ طمانیتِ قلب کا باعث رہا۔ میں راستوں کے پیچ و خم سے ناواقف تھا، یہی وجہ تھی کہ ہر قافلہ سالار سے پوچھا: دربارِ حبیبؐ کتنی دور ہے؟ اب یہ آپ بتائیں کہ میں کتنے فاصلے پر کھڑا ہوں!

سوال: اتنے بڑے منصوبے میں آپ کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب: مشکلات بے شک مشکلات ہوتی ہیں آدمی بددل ہو جاتا ہے مگر یہ موضوع سکون آمیز اور روح پرور تھا کہ دشواریاں بھی راحتوں کی اوٹ میں چلی گئیں۔ ہر مشکل نے یہ سمجھایا فکر نہ کر، نیکیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ گناہ گار ایسی تھپکیوں سے سرشار ہوتا رہا، میری کیفیتوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

سوال: رسولؐ نمبر مرتب کرتے ہوئے کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہو تو وہ ہمارے قارئین کو بھی بتائیں۔

جواب: دیکھیے جناب میری رسوائی کا سامان نہ کریں مذہب میں بعض مرحلے ایسے بھی آتے ہیں کہ آدمی دنگ رہ جاتا ہے، عقل پیچھے رہ جاتی ہے، واقعہ آگے بڑھ جاتا ہے، ایک ایسے ہی واقعہ کا ذکر میں نے رسولؐ نمبر میں کیا ہے۔ مثلاً ایک دن عجیب واقعہ ہوا میں نے دیکھا کئی بزرگ ہستیاں میرے سامنے کھڑی ہیں کمرہ بھر گیا میں کرسیاں ڈھونڈنے لگا، بتایا گیا ڈیوڑھی میں بھی آدمی کھڑے ہیں باہر سڑک پر بھی کھڑے ہیں حدِ نگاہ تک ایسا ہی تھا۔

میں نے پوچھا: "میرے لیے حکم؟"

"رسولؐ نمبر دیکھا تھا دُعا مانگنے آگئے ہیں۔"

"کون تھے وہ لوگ؟"

"میں کون ہوں؟"

شاید ایک گواہ۔

سوال : طفیل صاحب ! یہ فرمائیں کہ پہلی چار جلدیں اور بعد کی چھ جلدیں الگ الگ وقفوں سے کیوں چھاپیں ؛ کیا کوئی مالی مسئلہ تھا یا کوئی اور وجہ ؟

جواب : میرا منصوبہ یہ تھا کہ بارہ برس تک اس نمبر کو مرتّب کروں گا بعد کے بارہ برسوں میں اسے چھاپوں گا ہر سال ایک جلد۔ بیچ میں یہ منصوبہ بدلا، سوچا اگر اتنی مہلت نہ ملی تو کیا ہوگا ! بے قراری بڑھنے لگی۔ چنانچہ اپنے سارے وسائل کو نچوڑا تب پہلی چار جلدیں منظرِ عام پر آسکیں (ان وسائل میں اپنی کوئی ڈھائی لاکھ کی مشینیں بیچنا بھی شامل ہے) اسی طرح دوسرے سال چار جلدیں چھاپیں، مرتّب ہونے کے باوجود دو جلدیں آخر میں چھاپیں۔ یعنی دس جلدیں ایک طرح سے تین مرحلوں میں چھپیں، غرض اپنے وسائل کے اعتبار سے ایک اَن ہونا کام ہوگیا۔ یہ کرشمہ ہے موضوع کا !

سوال : حکومت نے آپ کو انعام سے نوازا، کیا رسولؐ نمبر کی فروخت میں بھی مدد دی ؟

جواب : وزارتِ مذہبی امور ہر سال سیرت کی کتابوں پر انعام دیتی ہے پچھلے برس مجھے بھی دیا۔ حکومت سیرت کے موضوع سے خاص دلچسپی رکھتی ہے جو شخص یا جو ادارہ اچھا کام کرے گا اسے حکومت کی سرپرستی حاصل ہوگی، وہ زید بھی ہوسکتا ہے وہ بکر بھی ہوسکتا ہے۔

سوال : طفیل صاحب ! کن کن ادیبوں نے آپ کی رسولؐ نمبر کے سلسلے میں مدد کی ؟

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ سارے پاکستان اور سارے ہندوستان کے علمأ و فضلأ نے جس کا ذکر میں نے اپنے ادارتی نوٹ میں کیا ہے ایسا میں نے ہر نمبر کے بارے میں لکھا البتہ یہ ہے کہ ہر شخص ہر موضوع کا پارکھ نہیں ہوتا اس لیے میرے کرم فرماؤں کا حلقہ متنوع اور وسیع ہے جو بڑھ کر اب ساری دنیا پر محیط ہوگیا ہے۔

سوال : یہ موضوع نازک تھا آپ نے مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں کو کیسے مطمئن کیا ؟

جواب : یہ موضوع قطعاً نازک نہیں بشرطیکہ نیت میں ٹیڑھ نہ ہو۔ میں نے پرچہ مرتّب کرتے وقت یہ طے کیا تھا کہ کسی بھی فقہی سوچ کے خلاف کچھ نہیں چھاپنا۔ یہی انداز میرا ادب میں رہا پھر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب کے رسول ہیں کوئی انھیں صرف اپنی سوچوں کی حد تک محدود کیوں کرے ! وہ کیوں دوسروں کے جذبات کا احترام نہ کرے !

سوال : آئندہ کے عزائم کے بارے میں کچھ فرمائیں گے ؟

جواب : عزائم تو بہت سے ہیں بات توفیق کی ہے، حالات نے اجازت دی تو دس جلدوں کے بعد مزید تین جلدیں پیش کروں گا ورنہ انہی دس جلدوں کو مزید بہتر بناتا رہوں گا ان میں ہر دم اضافے کرتا رہوں گا تاآنکہ ایسی چیز بن جائے جو سب کے لیے قابلِ فخر ہو، میرے لیے، آپ کے لیے، ملک کے لیے۔

سوال : طفیل صاحب ! پہلی چار جلدوں کے بارے میں اہلِ علم نے جو کچھ فرمایا ہے اس سے ہمیں بھی آگاہ کریں۔

جواب : اس سلسلہ میں آپ اخبارات و رسائل میں بہت کچھ پڑھ چکے ہوں گے کچھ اہلِ علم کی آرا میں پیش کیے دیتا ہوں :

○ شیخ آفتاب حسین (چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت) نے لکھا:
"نقوش کا رسولؐ نمبر بلاشبہ قیمتی علمی مواد پر مشتمل ہے ان شاء اللہ یہ نمبر قبولِ دوام کی مسند پر فائز ہو گا۔ آپ نے اس سمت میں نہایت موزوں، بروقت اور صحیح اقدام اٹھایا ہے۔"

○ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے لکھا:
"اسے نمبر کیوں کہئے یہ تو اردو زبان کی سیرت طیبہ پر انسائیکلو پیڈیا ہے۔ سبحان اللہ! آپ نے کیا دلکش اور دل آفریں نمبر شائع کیا ہے۔"

○ مولانا نعیم صدیقی نے لکھا:
"علامہ شبلی اور سلیمان ندوی نے سیرت نگاری کے میدان میں ایک سنگِ میل قائم کیا تھا اب ویسا ہی دوسرا سنگِ میل شاید کچھ زیادہ بڑا اور اونچا آپ نے قائم کیا۔"

○ مولانا سید محمد متین ہاشمی نے لکھا:
"سیرت پاک سے متعلق مواد کا ایک ایسا گلدستہ اور مجموعہ اردو تو کیا' دنیا کی کسی زبان میں نہیں ملے گا۔ ان جلدوں کو دیکھ کر آپ کے لیے دل سے دُعا نکلتی ہے۔"

○ شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی نے لکھا:
"نقوش کا رسولؐ نمبر سیرت نبوی کے موضوع پر ایک عظیم ترین خدمت ہے۔ اس میں جمع کردہ مضامین مستند اور بلند پایہ تحقیقی مضامین ہیں۔"

○ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے لکھا:
"رسولؐ نمبر دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی، کیا عجب کہ آپ کے لیے عاقبت میں زادِ راہ سفر ہو جائے۔ یہ نمبر ظاہری اور معنوی حیثیت سے بھی راحتِ دل ہے۔"

○ سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا:
"اس مبارک، قیمتی، قابلِ قدر اور تاریخی نمبر کے ذریعہ آپ نے سعادتِ دارین کا اچھا سامان کیا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبولیت بخشے اور آپ کی محنت ٹھکانے لگے۔"

○ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے فرمایا:
"رسولؐ نمبر کی چاروں جلدیں کل شام پہنچیں، عنایت کے بوجھ سے کچل گیا خدا آپ کو حسناتِ دارین سے نوازے۔" (آمین)

○ مولانا سید مرتضیٰ حسین نے لکھا:
"محمد طفیل کی عاجزانہ اور منکسرانہ پیشکش کا سلیقہ اور طریقہ' ان کی عقیدت و محبت، ان کا عشق اور جذبہ جو

...رنگ لایا ہے وہ ان کے چہرے اور لبوں سے بول رہا ہے۔ یہ سرخروئی مبارک ہو۔"

○ (روزنامہ جنگ لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۸۴ء)

○ نقوش رسولؐ نمبر کی تعارفی تقریب ـــــ ارشاد احمد عارف

نقوش کا نام اور محمد طفیل کا کام ادبی حلقوں میں ہمیشہ معتبر سمجھا گیا ہے لیکن اب کے محمد طفیل نے "نقوش" کو جو نئی جہت عطا کی ہے اس سے بہت سوں کو حیرت اور مسرت ہوئی ہے۔ نقوش، شعروادب کے حوالے سے برصغیر پاک و ہند میں ایک معتبر نام تھا لیکن رسولؐ نمبر کے حوالے سے وہ عالمِ اسلام کا مشترکہ اثاثہ کہلانے کا مستحق ہے ہماری اس رائے کو مزید تقویت اس تقریب میں جو پاکستان رائٹرز گلڈ کی جانب سے ایک مقامی ہوٹل میں منعقد ہوئی، متعدد اہل علم کی ان آراء سے ملی جس میں انھوں نے وثوق کے ساتھ بتایا کہ عربی، انگریزی، اردو اور فارسی زبان میں سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر لکھی جانے والی کوئی کتاب نقوش رسولؐ نمبر سے زیادہ وقیع، جامع اور مکمل نہیں۔

۲۸ مارچ کی شام وفاقی وزیرِ تعلیم ڈاکٹر محمد افضل کی صدارت میں منعقد ہونے والی اس تقریب کے مہمانِ خصوصی بھارت سے آئے ہوئے ممتاز عالمِ دین اور "برہان" دہلی کے مدیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تھے۔ جناب محمد طفیل بھی تقریب کے دُولھا بنے سٹیج پر بیٹھے تھے۔ معروف ادیب اور ڈرامہ نگار جناب مرزا ادیب نے نقوش کی ادبی خدمات کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا اور مکاتیب نمبر سے اقبال نمبر تک ان بیسیوں خصوصی شماروں کا ذکر کیا جو ناقابلِ فراموش بھی ہیں اور زندہ جاوید بھی۔ انھوں نے کہا محمد طفیل نے اردو ادب کو بہت کچھ دیا ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا گیا ہے لیکن انھوں نے اب جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ ان کے لیے باعثِ فخر ہی نہیں ابدی سعادت بھی ہے اور انہوں نے نہایت عجز کے ساتھ یہ ہدیہ اس بارگاہ میں پیش کیا ہے جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ بھی تابِ سخن نہیں رکھتے، نقوش صوری اور معنوی خوبیوں کا مرقع ہے نقوش کی دس جلدیں شائع ہو چکی ہیں لیکن محمد طفیل کی بلند حوصلگی ھل من مزید کا نعرہ لگا رہی ہے اور وہ نئے افق کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ رسولؐ نمبر کی دسؔ جلدیں پھولوں کے دس گلدستوں کی مانند ہیں جن کا حُسن اور مہک دیوانہ بنائے دیتا ہے۔
انھوں نے ہر جلد میں شامل مضامین کا مختصر تعارف پیش کیا۔

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی نے بتایا کہ محمد طفیل نے تین سال پہلے نقوش کے رسولؐ نمبر کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں ہونے والے کام سے مجھے آگاہ کیا تھا تو مجھے ایک گونہ مسرت اور ایک گونہ حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ طفیل صاحب سلیقے کے آدمی ہیں انہوں نے نقوش کا جو بھی نمبر نکالا یادگار بنا ڈالا۔ وہ رسولؐ نمبر مرتب کریں گے تو یقیناً ایک زمانہ اس سے فیض پائے گا۔ حیرت اس بات پر تھی کہ وہ ادب کے آدمی، سیرتِ نبویؐ کا پُل صراط کیسے عبور کریں گے۔ آج نقوش کی دس جلدیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس نمبر کی ترتیب میں اپنا سارا سلیقہ اور قرینہ نچوڑ کر رکھ دیا ہے انھوں نے یہ نمبر پیش کر کے جیتے جی اپنی بخشش کا سامان کر لیا ہے۔ طفیل صاحب اسے اپنا کارنامہ نہیں سمجھتے وہ نہایت

عجز سے کہتے ہیں۔ اس کا حُسنِ ترتیب حسنِ سیرت سے مستعار ہے اور اس کی تکمیل توفیق ایزدی کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسولؐ نمبر کی جامعیت، معنویت، تنوع، خوبصورتی، معیار، گہرائی اور ثقاہت دیکھتے ہُوئے پُورے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں سیرت پر ہونے والا کوئی کام رسولؐ نمبر سے استفادہ کیے بغیر مستند نہیں کہلا سکے گا۔ انھوں نے کہا ایک ایسے وقت میں جب حکومت کی کئی کمیٹیاں، کونسلیں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں سرگرم عمل ہیں نقوش کے رسولؐ نمبر سے استفادہ کیا جانا چاہیے کہ اس میں نظامِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک واضح جھلک موجود ہے۔ انھوں نے مدیرِ نقوش کو اس عظیم پیشکش پر مبارکباد پیش کی۔

علامّ اکیڈمی کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ نے نقوش کو ایک انسائیکلو پیڈیا قرار دیا اور کہا کہ مدیر نے ایک جریدے کو انسائیکلو پیڈیا بنا کر نئے لوگوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے انھوں نے نقوش میں شامل کئے گئے مضامین و مقالات کو تحقیق اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار دیا۔ ماخذ کے اعتبار سے رسولؐ نمبر ایک اہم دستاویز سیرت کے بارے میں یہ اردو کی مفصل کتاب اور موضوع کے لحاظ سے بہترین کوشش اور تخلیقی کام ہے۔ اس میں نظامِ حکومت کے بارے میں بھی واضح مواد موجود ہے۔ اور اگر اس سے استفادہ کیا جائے تو موجودہ دور کے کئی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ذخیرۂ معلومات یکجا ہو گیا ہے جس سے وہ آسانی سے استفادہ کر سکتے ہیں پاکستان اور اہلِ پاکستان کو اس پر فخر کرنا چاہیے کہ سیرت پر جامع ترین کتاب اس دھرتی کے ایک سپوت نے شائع کی ہے۔

اورینٹل کالج کے استاد اور عربی کے ممتاز سکالر جناب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اپنی تقریر میں کہا ہمارا یہ ایمان ہے کہ علم، معرفت اور ادب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دین ہے۔ آپ کی آمد سے قبل تاریکی تھی آپؐ تشریف لائے تو اجالا ہو گیا، علم پھیلا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ نقوش کا یہ کام بھی ادبی نوعیت کا ہے اور فارسی اور عربی ادب میں ہونے والے کام سے نقوش بازی لے گیا ہے۔ نقوش کو ایک لاثانی مقام ملا ہے ادبیات عالیہ میں اس کا بلند مقام ہے۔

جناب احمد سعید کرمانی وزیر بھی رہے اور سفیر بھی، تحریکِ پاکستان میں انھوں نے قائداعظم کے زیرِ سایہ کام کیا۔ "نقوش" کے رسولؐ نمبر پر اظہارِ خیال کرتے ہُوئے اُنھوں نے کہا: رسولؐ نمبر ایک پاکیزہ دستاویز ہے اس لیے پاکباز لوگوں کو اس پر اظہارِ خیال کا حق پہنچتا ہے لیکن میرے خیال میں طفیل صاحب نے سوچا ہو گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں گناہ گار لوگ بھی ہیں اس لیے انھوں نے مجھے گناہگاروں کی نمائندگی کے لیے منتخب کیا۔

انھوں نے کہا کہ طفیل صاحب نے اسلام کی بروقت خدمت کی ہے۔ دنیائے اسلام اس وقت نئے مسائل سے دوچار ہے، جب تک ان کا تسلی بخش حل نہیں نکلتا اور بھی مشکلات پیدا ہوں گی۔ جناب کرمانی نے بتایا کہ میں طفیل صاحب کو شعر و سخن کی وادی کا آدمی سمجھتا تھا لیکن ان سے مل کر میرے خیالات تبدیل ہوئے اور نقوش پڑھ کر میری زندگی تبدیل ہو گئی اب میں رات گئے جب دنیا محوِ خواب ہوتی ہے اور فضا پرسکون نقوش کا مطالعہ کرتا ہوں۔ انھوں نے بتایا کہ حضرت علامہ اقبال نے "محمّدی پرافٹ" نامی کتاب کے مصنف کا ماتھا چوما تھا اگر علاّمہ آج زندہ ہوتے تو نقوش کی اشاعت پر محمد طفیل کا ماتھا چُومتے اور گلے سے لگا لیتے۔

...ں نے جنون کی حد تک کام کیا ہے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ حکومت اور محکمہ تعلیم کی تمام لائبریریوں کو نقوش رسول نمبر کی خریداری کا قانوناً پابند کیا جائے۔

جناب سید اسعد گیلانی، حکمت انقلاب نبوی کے مصنف کی حیثیت سے سیرت نگاروں کی صف میں شامل ہو چکے ہیں انہوں نے رسول نمبر کی تدوین کو موجودہ دور کا کارنامہ قرار دیا اور کہا جو کام اس نمبر کی شکل میں کیا گیا ہے اسے دیر تک آگے نہیں بڑھایا جا سکے گا۔ انھوں نے بتایا کہ رسول نمبر میں ایک ہزار سے زاید موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مدیر نقوش کا یہ کام افراد تو کیا کسی اکیڈمی کے بس کی بات بھی نہیں کوئی ادارہ بھی ان کے اس اعزاز میں برابری نہیں کر سکتا۔ انہوں نے ترتیبِ نو کی ضرورت پر زور دیا اور تجویز پیش کی سیرت کی ایک اٹلس مرتب کی جانی چاہیے جس سے دورِ نبوت کی جغرافیائی، سیاسی، معاشی حیثیت کا ادراک ہو سکے انھوں نے طفیل صاحب سے کہا کہ وہ یہ کام کر سکتے ہیں۔

دیال سنگھ لائبریری کے ریسرچ سکالر اور معروف عالمِ دین مولانا محمد متین ہاشمی نے کہا " جس بارگاہ میں قدسیوں کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں وہاں محمد طفیل یہ دعوٰی نہیں کر سکتے کہ انھوں نے کوئی بڑا کام کیا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کے عقیدت بھرے کام کی نسبت جس ذات سے ہے اس کے طفیل کام وقعت اختیار کر گیا ہے"۔ انھوں نے کہا یہ کام جاری رہنا چاہیے کہ زندگی کا سرمایہ یہی ہے۔

مدیرِ نقوش محمد طفیل نے حاضرین کو بتایا کہ میں ہزاروں صفحات پر مشتمل رسالہ چھاپتا ہوں مگر اپنی بات ایک صفحہ میں کرتا ہوں آج بھی اپنی اس روش کو نہ چھوڑوں گا اصل میں مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ رسول نمبر میں کہہ چکا ہوں۔ ایک پرانی بات یاد آئی ۱۲ جولائی ۱۹۷۲ء کو لاہور ریڈیو اسٹیشن سے نقوش کے سلسلے میں ایک مذاکرہ ہوا تھا اس میں مجھ سے (۱۲ برس قبل) پوچھا گیا تھا کہ مستقبل میں کیا کچھ کرنے کی ٹھان رکھی ہے؟ میرا جواب یہ تھا کہ اگر قدرت نے مجھے مہلت دی تو میں سیرۃ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک نمبر پیش کرنا چاہتا ہوں میری خواہش اور کوشش ہوگی کہ علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ کے ساتھ ساتھ اگر اردو ادب کے پاس کوئی اثاثہ ہو تو وہ نقوش کا رسول نمبر ہو۔

اب جبکہ وہ نمبر پیش ہو چکا ہے اس کے بارے میں جو کچھ کہنا ہے آپ نے کہنا ہے مگر جو کچھ میں نے سُنا یا پڑھا اس میں اہلِ علم نے بتایا کہ " سیرت نبویؐ پر اس سے جامع اور وقیع دستاویز " دنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں۔ میں اس لائق نہ تھا جس لائق بنایا گیا یہ سب کچھ تائیدِ ایزدی سے ہوا انسان کوئی دعوٰی نہیں کر سکتا اس فکری اور دینی معجزے میں میرے لئے خوشی کا جو پہلو ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں انسانوں میں سے اس کام کے لیے جسے منتخب کیا وہ محمد طفیل ہے۔

مجھ سے ایک اخبار نویس نے پوچھا تھا اہلِ ملک کے لیے کوئی پیغام؟

میرا جواب یہ تھا: مجھے اپنے اہلِ وطن سے یہ کہنا ہے کہ ابتدا سے لے کر اب تک میں نے زندگی ان کے نام لکھ دی تھی اب وہ میرے لیے دُعا کریں کہ مجھے میرا مقصود ملے وُہ یہ کہ دربارِ رسالتؐ کی آخری صف میں جو آخری آدمی کھڑا ہو، وہ محمد طفیل ہو!

تقریب کے مہمان خصوصی مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے جذباتی انداز میں مدیرِ نقوش کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ بھارت میں رہتے ہوئے ہماری تمنا تھی کہ زندگی میں ایک بار اس شخص کو دیکھنا نصیب ہو (انھوں نے زیارت کا لفظ استعمال کیا) جس نے سیرت کا یہ بے بہا ذخیرہ جمع کرکے اردو زبان و ادب کو پوری دنیا میں قابلِ فخر مقام دیا ہے نہ صرف یہ کہ ہماری یہ تمنا بر آئی بلکہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس تقریب میں شرکت اور اپنے جذبات کے اظہار کا موقع بھی ملا۔

انھوں نے کہا: انسانی خدمت کے مختلف طریقے ہوتے ہیں لیکن سب سے بڑی خدمت عالمِ انسانیت کی یہ ہے کہ ایسی چیز اس کے سامنے پیش کی جائے جو اس کی زندگی سنوارنے کا کام دے بنی نوع انسان کی اس بڑی خدمت کے لیے سب سے بڑا ذریعہ اس محسنِ انسانیتؐ کے اسوۂ حسنہ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے کیونکہ یہی اسوۂ حسنہ تھا جس نے عرب کے بدوؤں کو تاریکی کے متوالوں کو اجالوں کا پیامبر اور پوری دنیا کا رہنما بنا دیا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات مجسم قرآن ہے، اس لیے یہ دراصل اسوۂ حسنہ کی تصویر ہی نہیں قرآن پاک کی تفسیر بھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ دینی خدمت بھی ہے، اُخروی سعادت بھی۔

وفاقی وزیرِ تعلیم ڈاکٹر محمد افضل نے اپنے صدارتی خطبے میں نقوش رسولؐ نمبر کی ترتیب و تدوین کو موجودہ دور کا زندہ معجزہ قرار دیا اور کہا کہ یہ ایک ایسا کام ہے جس کے لیے کسی تنظیم یا ادارے کی انتھک کوششیں درکار تھیں لیکن محمد طفیل نے اکیلے یہ کام کرکے ہمیں شرمندہ کر دیا ہے اُنھوں نے کہا یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبّت کی شاندار مثال ہے حیاتِ طیبہ پر اس سے جامع کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ یہ دینی ادب اور اردو ادب میں شاندار اضافہ بھی ہے انھوں نے کہا لوگوں کو اس کام پر حیرت ہے جب کہ مجھے ندامت ہے کہ یہ کام تو ہماری یونیورسٹیوں کو کرنا چاہئے تھا۔ انھوں نے کہا کہ اسے انسائیکلوپیڈیا کی طرز پر ہونا چاہئے تھا لیکن اب ایک انڈکس کے ذریعے اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ یہ کام کا اختتام نہیں آغاز ہونا چاہئے اور اسے جاری رہنا چاہئے۔ انھوں نے احمد سعید کرمانی کے اس مطالبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہ نقوش کو سرکاری لائبریریوں کے لیے خریدا جائے۔ کہا کہ ہماری وزارت یہ کام کرے گی اور میں اس کی ہدایت کروں گا۔ لیکن میرے خیال میں کوئی بھی لائبریری اس وقت تک لائبریری کہلانے کی مستحق نہیں جب تک رسولؐ نمبر اس میں موجود نہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ نقوش قرار واقعی زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ ہے رسولؐ نمبر کی وجہ سے اُردو زبان کو وسعت ملی ہے۔ رسولؐ نمبر علم التاریخ میں بھی گرانقدر اضافہ ہے۔ نوجوان نسل اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتی ہے۔

اس موقع پر گورنمنٹ کالج شعبہ اردو کے سربراہ ڈاکٹر معین الرحمٰن نے محمد نقوش کے نام سے محمد طفیل کی شخصیت اور خدمات پر ایک کتاب پیش کی اور نقوش ادبی ایوارڈ کا اعلان کیا گیا۔

(روزنامہ جنگ لاہور ۳ را پریل ۱۹۸۴ء) ○

○ رسولؐ نمبر کی تعارفی تقریب

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ محمد طفیل جہدِ مسلسل کا دُوسرا نام ہے اور اسی وجہ سے "نقوش" کا ہر شمارہ ایسے نقوش مرتب کرتا ہے جنہیں لازوال حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ حال ہی میں نقوش کا رسولؐ نمبر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ لوگوں تک پہنچا ہے۔ اس سلسلے میں گزشتہ دنوں پاکستان رائٹرز گلڈ کے زیرِ اہتمام ایک خصوصی تقریب بھی منعقد ہوئی وفاقی وزیرِ تعلیم ڈاکٹر محمد افضل صدرِ مجلس تھے جبکہ دیوبند کے علامہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مہمانِ خصوصی تھے۔ ممتاز دانشور میرزا ادیب، سید خورشید احمد گیلانی، ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ارشد میر، ڈاکٹر معین الرحمٰن، مولانا متین ہاشمی اور کالعدم جماعتِ اسلامی لاہور کے صدر سید اسعد گیلانی نے اظہارِ خیال کرتے ہُوئے رسولؐ نمبر کے سلسلے میں محمد طفیل کی مخلصانہ اور عاشقانہ کاوشوں کو بجد سراہا اور کہا کہ یہ کام عشقِ رسولؐ کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ وفاقی وزیر ڈاکٹر محمد افضل نے کہا کہ مدیر نقوش نے ناقابلِ فراموش کارنامہ انجام دیا ہے اس اہم دستاویز کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں رکھنے کے احکامات جاری کیے جائیں گے۔ علامہ سعید احمد اکبر آبادی نے کہا کہ یہ وہ کام ہے جو بڑے بڑے اداروں یا یونیورسٹیوں سے برسوں میں مکمل نہیں ہوتا۔ یقیناً "نقوش" کا رسولؐ نمبر سیرتِ نبویؐ کے سلسلے میں ایک سنگِ میل ہے۔

(روزنامہ امروز لاہور ۵ اپریل ۱۹۸۴ء)

○

○ نقوش کا رسولؐ نمبر ———— رپورٹ: رؤف ظفر

سیرتِ نبویؐ پر ادارہ نقوش نے رسولؐ نمبر کے عنوان سے دس ضخیم جلدیں پیش کی ہاں۔ سیرتِ نبویؐ پر یہ عہدِ حاضر کا عظیم کارنامہ ہے، جس پر مدیر نقوش جناب محمد طفیل کو نہ صرف پاکستان بلکہ متعدد اسلامی ممالک کی طرف سے خراجِ تحسین پیش کیا جا رہا ہے اس عظیم الشان کارنامے کے حوالے سے گزشتہ دنوں پاکستان رائٹرز گلڈ کے زیرِ اہتمام ایک تقریب کا انعقاد ہوا۔ جس کی صدارت ڈاکٹر محمد افضل وفاقی وزیرِ تعلیم نے کی۔ مقررین میں ڈاکٹر محمد یُوسف گورایہ، مولانا سید اسعد گیلانی، مولانا سید محمد متین ہاشمی، سید احمد سعید کرمانی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اور میرزا ادیب شامل تھے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر رسالہ "برہان" دہلی مہمانِ خصوصی تھے۔ مقررین نے اس خیال کا اظہار کیا کہ دُنیا کی کسی زبان میں سیرتِ رسولِ اکرمؐ پر ایک جگہ اتنا کام نہیں ہوا۔ ذیل میں اس تقریب کی روئیداد پیش کی جا رہی ہے۔

ارشد میر

پاکستان رائٹرز گلڈ کی سلور جوبلی کے موقع پر آج اس پاکیزہ نشست کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میں پاکستان رائٹرز گلڈ اور ادارہ نقوش کی جانب سے خیر مقدم کرتا ہُوں۔ رسالہ نقوش ایک رسالہ نہیں ایک تحریک ہے۔ محمد طفیل ایک فرد نہیں بلکہ ایک

ادارہ ہیں۔ آج سے پہلے نقوش کے کئی ایک ضخیم رسالے اردو ادب کے حوالہ سے شائع ہُوئے۔ ان کی ترتیب و تدوین اور محنت پر حیرت ہوتی ہے۔ لیکن اس بار محمد طفیل ہمارے سامنے ایک نئے رنگ میں آئے ہیں۔ انھوں نے عرق ریزی اور دیدہ ریزی سے دس جلدوں میں رسول نمبر کی تدوین و ترتیب کی ہے۔ یہ ان کی ایک ناقابلِ فراموش خدمت ہے۔ ایک لحاظ سے انھوں نے آخرت کا سامان کر لیا ہے۔ میں اس تقریب کے مقررین سے درخواست کرتا ہُوں کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

میرزا ادیب

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ماہِ نو جب چودھویں کا چاند بن جاتا ہے تو حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہُوں کہ ایک ادبی مجلّے کا حدِ کمال یہ ہے کہ وہ نقوش بن جائے۔ نقوش اب تک بیسیوں خصوصی نمبر شائع کر چکا ہے۔ بعض نمبر ناقابلِ فراموش ہیں۔ مثلاً آپ بیتی نمبر، مکاتیب نمبر، افسانہ نمبر، منٹو نمبر، اقبال نمبر اور ایسے کئی نمبر ہمہ گیری کے اعتبار سے بے مثال ہیں۔ لیکن نقوش کے رسول نمبر کی چار جلدیں گزشتہ سال منظرِ عام پر آئی تھیں اب چھ جلدیں مزید سامنے آئی ہیں جس کے ساتھ یہ عظیم کام پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا ہے۔ میں ان تازہ چھ جلدوں پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں مگر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک وسیع و عریض باغ میں جا نکلا ہُوں، جہاں قدم قدم پر رنگا رنگ پھُول کھلے ہیں اور میں ہر پودے پر ایک لمحہ کے لیے نگاہ ڈال کر آگے چل دیتا ہُوں۔ پانچویں جلد ۴۲ ،صفحات پر مشتمل ہے اور اس اہم موضوع پر بحث کرتی ہے کہ عہدِ نبوی میں ریاست کی نشوونما اس انداز سے ہوئی تھی اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کن امور کو پیشِ نظر رکھا تھا۔ حضورؐ کے نظام کے تجزیہ سے پیشتر ہندوستان، چین، عرب اور گردوپیش کے دوسرے ممالک کے سیاسی معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ یہ جاننا نہایت ضروری تھا کہ اس وقت عرب کے قریبی ممالک کی حالت کیا تھی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی تاسیس فرمائی۔ ایک فقید المثال باب میں ریاست کے ترکیبی عناصر پر روشنی ڈالی گئی۔ ہر باب نہایت اہم ہے۔ دیگر ابواب بتاتے ہیں کہ زندگی کے کن کن شعبوں میں کس طرح اسلام ہماری رہنمائی کرتا ہے، مکالماتِ رسولؐ، کاتبانِ وحی، عہدِ نبویؐ کے نامور سپہ سالار، رسول اللہؐ کے فیصلے، رسولِ اکرمؐ کی حکمتِ سیاست اور دیگر اہم موضوعات کو ایک اور جلد میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ ۵۱ ،صفحات کی جلد ہشتم میں خطباتِ رسولؐ کے بارے میں انتہائی قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ حضورؐ کے ان جاں نثار ساتھیوں کا ذکر بھی ہے جو جنگِ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ جلد نہم ۵۲ ،صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کا ہر باب دوسری جلدوں کے ابواب کی طرح اہم ہے اور اس میں ان آثار کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جن کا تعلق براہِ راست حضور پاکؐ سے ہے۔ مثلاً مدینۃ الرسولؐ، مدینۃ النبیؐ، جنت البقیع وغیرہ۔ جلد دہم ۵۶ ،صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں نعتیہ ادب کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلا باب مقالات کے لیے وقف ہے جس میں نعتیہ شاعری پر لکھا گیا ہے ان میں غیر ملکی (عربی، اردو، فارسی) زبانوں میں لکھی گئیں نعتیں بھی شامل ہیں۔

جیسا کہ میں نے ابتدا میں کہا تھا، نقوش کی ہر جلد اپنے مضامین کی جامعیت کے اعتبار سے اس بات کا مطالبہ

اس پر ایک جامع اور وسیع مقالہ لکھا جائے۔ نقوش کے رسولؐ نمبر کی مجموعی جلدوں کے مجموعی صفحات کی تعداد ۹۱۴۱، ہے۔ دنیا کی کوئی بھی زبان ایسی مثال پیش کرنے سے یکسر قاصر ہے جو فقط ہماری قومی زبان کو حاصل ہے۔ اس میں سیرت پاک پر سب سے زیادہ، سب سے اہم اور سب سے مفید کام ہوا ہے۔ جس کا کریڈٹ یقیناً جناب محمد طفیل کو جاتا ہے گزشتہ کئی صدیوں میں سیرت پاک پر بہت کام ہوا ہے اور تقریباً ہر پہلو پر لکھا گیا ہے۔ لیکن نقوش کی دس جلدوں میں جتنی معلومات سمیٹ دی گئی ہیں ان کی دستیابی کہیں سے ممکن نہیں ہے۔ یہ مواد جتنا وسیع ہے اتنا ہی قیمتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا تمام نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ نقوش کے مقالہ نگاروں کی یہ ہمت ہے کہ انہوں نے دنیا کے کونے کونے سے مواد حاصل کر کے اسے وسعتِ نظر سے کام لے کر پیش کیا ہے۔ ان جلدوں میں ہمارے سیکڑوں مقالہ نگاروں نے الگ الگ موضوع پر اپنا حاصلِ مطالعہ پیش کیا ہے۔ طفیل صاحب نے حسن ظن کی جو روایات قایم کی ہیں وہ بذاتِ خود ایک تاریخی درجہ رکھتی ہیں۔ نقوش رسولؐ نمبر کی جلد اوّل میں انہوں نے لکھا تھا کہ "اس نمبر کی اشاعت میرے لیے وہ سعادت ہے کہ جس کی طلب ایک عرصہ سے میرے دل میں تھی۔ میں نے اس نمبر کے لیے بڑی محنت کی ہے اور محنت سے زیادہ اللہ کی بارگاہ میں دعائیں کی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس قابل ہوا ہوں۔ میں نے آج تک جتنے نمبر پیش کیے ہیں سب فخریہ انداز میں پیش کیے، مگر یہ نمبر نہایت عاجزی کے ساتھ پیش کرتا ہوں"۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ طفیل صاحب کی دعائیں قبول ہوگئی ہیں۔ وہ جتنا شاندار کارنامہ پیش کرنے کا خواب دیکھتے تھے اس سے کہیں زیادہ عظیم الشان کام انہوں نے انجام دیا ہے۔ ان کا یہ ناقابلِ فراموش کارنامہ ایک تاریخ بن گیا ہے۔ یہ دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں اور جس میں ہمارے ساتھ طفیل صاحب بھی ہیں، اس لحاظ سے یاد رکھا جائے گا کہ نقوش کا رسولؐ نمبر عالمِ اسلام کے علم و ادب کے افق پر ایک ستارہ بن کر چمکا۔

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

لگ بھگ تین سال پہلے کی بات ہے جناب طفیل محمد صاحب میرے ہاں تشریف لائے اور فائل کھول کر میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ میں نقوش کا رسولؐ نمبر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ اس صدی کا عظیم اور تاریخی نمبر ہوگا۔ یہ سُن کر مجھے یک گونہ حیرت اور مسرت ہوئی۔ مسرت اس لیے کہ طفیل صاحب سلیقے اور قرینے کے آدمی ہیں۔ نقوش کا جو نمبر نکالا یادگار بنا ڈالا۔ نقوش کا اگر رسولؐ نمبر پیش کیا تو اس سے ایک زمانہ فیض پائے گا۔ حیرت اس بات پر کہ ایڈیٹر نقوش ایک ادبی شخصیت، اور نقوش ایک ادبی مجلّہ، سیرت نبویؐ کا نازک پُل صراط کیسے عبور کریں گے! آپ سے پتا چلا کہ آج سے کئی برس پہلے اس پر خاموشی سے کام شروع کر رکھا ہے اور قریب قریب دس ضخیم جلدیں پیش کرنے کا ارادہ ہے اور آج وہ تاریخی کام سب کے سامنے ہے۔ اس دن کے مقابلے میں آج مسرت زیادہ ہے۔ طفیل صاحب نے اپنا سارا سلیقہ اور قرینہ نچوڑ کر اس رسولؐ نمبر میں سمو دیا ہے۔ پہلے دن کی طرح حیرت آج بھی فزوں تر ہے کہ غالب نمبر، لاہور نمبر، میر نمبر، انیس نمبر پیش کرتے ہوئے طفیل صاحب نے رسولؐ نمبر کی کتنی حسین اور پیاری سوغات عشق و محبت کے متوالوں کے حوالے کی ہے البتہ ہم سب کے لیے

حیرت اور مسرت کے ساتھ ساتھ ایک اور کیفیت کا اضافہ کر دیا گیا ہے جسے رشک کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ نمبر پیش کر کے جیتے جی اپنی بخشش کا حتمی سامان کر لیا ہے۔ سُن رکھا ہے کہ جنّت کے آٹھ دروازے ہیں طفیل صاحب رسولؐ نمبر کی ایک ایک جلد ہاتھ میں لے کر جنّت کے ایک ایک دروازے سے داخل ہونے کے حقدار نظر آتے ہیں طفیل صاحب! ہم آپ کو اس سرفرازی اور سُرخروئی پر تہِ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ رسولؐ نمبر کی ترتیب کے دوران اور بعد میں بھی طفیل صاحب سے کہا گیا کہ آپ نے موضوع کا حق ادا کر دیا تو انہوں نے سراپا انکسار بن کر جواب دیا کہ اس کا حسنِ ترتیب حسنِ سیرت سے مستعار ہے۔ نقوش کو بارگاہِ رسالت مآبؐ سے اس درجہ فیض ہے کہ اب نقوش پڑھا نہیں جائے گا بلکہ اس کی تلاوت کی جائے گی لیکن اگر سراپا زیبائی و رعنائی کا تذکرہ حسن نہ ہو تو کیا ہو۔ قلم اس کی عظمتوں کو خراجِ عقیدت پیش نہ کرے تو کس کی عقیدت کا دم بھرے! یہی وُہ جذبۂ صادق اور ارادہ خالص تھا جو طفیل صاحب کو اس کُوچے میں لے گیا اور وہ شیفتگی، شہرت، نیک نامی اور محبّت کی خیرات سے اپنا کشکول بھر کر باہر لائے۔ جب گئے تھے تو ہاتھ میں کاغذ کے چند پُرزے تھے، آئے تو دامن میں رسولؐ نمبر کی دس جلدیں تھیں ۱۹۷۲ء میں کتابت شروع ہُوئی اور ۸۲ ۱۹ء میں طباعت کا آغاز ہوا۔ اور یہ دس سال عمر بھر کا سرمایہ بن گئے۔ نقوش کے ہر نمبر کے عنوانات اگر مرتب کیے جائیں تو یہ پُوری ایک کتاب بن جاتی ہے۔ یہ کہنا تو مبالغہ ہے اور طفیل کا دعویٰ بھی نہیں کہ کام سیرت پر حرفِ آخر ہے۔ تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مستقبل میں سیرتِ رسولؐ پر ہونے والا کوئی کام، نقوش کے سیرت نمبر کے حوالے کے بغیر مستند اور مکمل نہیں کہلا سکے گا۔ جب میں رسولؐ نمبر کی جامعیت، خوب صورتی، معیار، گہرائی، تعاہت اور معنویت پر نظر ڈالتا ہُوں تو ذہن سرورِ کائناتؐ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ جس عظیم ہستی کا کاغذی پیرہن اتنا دیدہ زیب ہو اس کی اپنی شخصیت کس درجہ دلنواز، جامع، خوبصورت، معیاری، گہری اور لاجواب ہوگی۔ اس وقت ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا چرچا عام ہے۔ اگر یہ ادارے محض گزر اوقات کے لیے نہیں تو ان کی بجائے نقوش کا رسولؐ نمبر حکومت کو وہ سب کچھ دے سکتا ہے جو ایک اسلامی حکومت کا ناک نقشہ دکھانے کے لیے کافی ہے۔ اس میں اسلامی انقلاب کا تذکرہ ہے۔ دستورِ عمل بھی درج ہے اور نظامِ مصطفیٰؐ کا جائزہ موجود ہے۔ زمانہ اور اس کے تمام تجربات تسلیم کر چکے ہیں کہ انقلاب محمدیؐ ان سب سے زیادہ جامع، موثر، طاقتور اور مکمل انقلاب تھا جس نے ظلم کا خاتمہ کر کے میزانِ عدل قائم کیا اور اخوت و مساوات کا نمونہ پیش کیا۔ مطلق العنانی کی حوصلہ شکنی کی۔ رنگ نسل زبان اور وطن کے جھمیلوں سے آزاد کر کے بین الاقوامیت اور آفاقیت سے آشنا کیا۔ پاکستان کا موجودہ معاشرہ زمانۂ جاہلیت کی عرب سوسائٹی سے زیادہ خراب نہیں کہ یہاں نظامِ مصطفیٰؐ اپنے پُورے حیات بخش ثمرات ارضی و سماوی برکات کے ساتھ برپا نہ ہو سکے۔ اس مثالی نظامِ حیات کی جھلکیاں نقوش کے رسولؐ نمبر میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ جذبۂ خلوص۔ طلبِ صادق، لگن، محنت۔ عزمِ مصمم، دلسوزی۔ یقینِ محکم، حسنِ ذوق اور عقیدت دس معنوی کیفیات نقوش کے رسولؐ نمبر کی دس جلدیں بنتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ

طفیل صاحب نقوش کو پرچہ کہتے ہیں جبکہ میں اسے ایک انسائیکلو پیڈیا کہتا ہُوں۔ طفیل صاحب نے نقوش کو

انسائیکلو پیڈیا بنا کر پرچہ نکالنے والوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ جہاں تک نقوش رسولؐ نمبر کا تعلق ہے موضوع کے اعتبار سے یہ ایک نہایت کامیاب کوشش ہے اس میں تنوع، وسعت، جامعیت بدرجہ کمال ہے۔ اس میں سیرتِ رسولؐ کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ اس کی ایک اور بہت بڑی خصوصیت مختلف مکاتبِ فکر کا حسین امتزاج ہے۔ رسولؐ نمبر میں وسعت تدبر اور وسعت فکری سے مختلف مکاتب فکر کے افکار و نظریات کو اپنے دامن میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے یہ راہ نکالی ہے کہ اختلاف میں اتحاد کی صورت کیسے پیدا ہوتی ہے جہاں تک رسولؐ نمبر کے نام کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس میں بھی طفیل صاحب نے ایک انفرادیت پیدا کی ہے۔ حیاتِ طیبہ کے جملہ تمام پہلوؤں پر یہ نمبر محیط ہے۔ اس نمبر کی اشاعت سے تحقیق و ریسرچ کے ضمن میں ضرورت پڑنے والے مواد کی کمی پوری ہوگئی ہے۔ موضوعات میں تنوع نے آئندہ محققین کے لیے نئے مضامین اور عنوانات فراہم کر دیے ہیں اردو زبان کو اس بات پر فخر ہے کہ اس میں سیرت پر جامع ترین، وسیع ترین کتاب موجود ہے۔ پاکستان کو بھی اس بات پر فخر ہے کہ اس دھرتی سے دنیا کی جامع ترین سیرت پر کتاب دنیا کے سامنے آئی ہے۔ رسولؐ نمبر کے مختلف ابواب اور عنوانات کو جب دیکھا جائے تو سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت طیبہ کے جملہ پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں، جس کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی، سیاسی اور اجتماعی زندگی کو کیسے اسلوب میں ڈھالیں کہ جسے اُسوۂ حسنہ قرار دیا جائے۔ رسولؐ نمبر کے مختلف ابواب میں ایسی باتوں کو پوری طرح تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جو نظامِ زندگی سے بحث کرتی ہیں۔ سیرت نگاروں نے حضور صلعم کے رہن سہن کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

میں وقت کی مناسبت سے صرف دو باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہوں گا جن کا تعلق طفیل صاحب کے اس عظیم کارنامے کے دفاع سے ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں بعض دوستوں کے اس نقطۂ نظر سے متفق نہیں ہوں کہ طفیل صاحب اور ان کے رسالے نقوش نے ادب کی خدمات انجام دیں اور یکایک اس راستے کو چھوڑ کر سیرت رسولؐ اللہ کو اپنے اس رسالے میں سجانے کے لیے تیار ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نقوش رسولؐ نمبر شائع کر کے حقیقی معنوں میں ادب کی دنیا میں نہایت اونچے اور بلند مقام پر پہنچ گیا ہے۔ اس لیے کہ ہمارا پختہ ایمان ہے کہ دنیائے انسانیت میں علم اور معرفت اور ادب، سرورِ کائناتؐ کے طفیل سے آیا آپؐ کے آنے سے پہلے تاریکی ہی تاریکی تھی آپؐ کے آنے کے بعد اُجالے ہوتے چلے گئے۔ ہمارے نقطۂ نظر سے سیرتِ پاک کا فارسی، عربی اور اردو ادب میں نہایت بلند مقام ہے۔ اس لحاظ سے طفیل صاحب کی ہر کوشش ان کے رسالے کو ادب کی دنیا میں غیر فانی مقام عطا کرتی ہے۔

احمد سعید کرمانی

سچ پوچھیے تو طفیل صاحب نے اسلام کی بروقت خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے اس وقت دنیائے اسلام میں

عجیب قسم کے مسائل اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں جب تک ہم ان کا حل نہ پیش کریں خطرہ ہے کہ ہم مزید کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ میں ایک دن ہمت کر کے طفیل صاحب کے پاس پہنچا اور غالباً پہلی بار دیکھا ان کے بارے میں رائے تھی کہ وہ شعر و ادب کی محفل کے عادی ہیں۔ لیکن جب چند لمحات کے لیے بیٹھا تو اپنے خیالات کو یکسر بدلنے پر مجبور ہو گیا مجھے محسوس ہوا کہ میں جس شخص کے قریب بیٹھا ہوں وہ رسول پاکؐ کے عشق میں سرشار ہے اس کا باطن پاک و صاف ہے اگر آج علامہ اقبال زندہ ہوتے تو ان کا ماتھا چُومتے۔ اور سید سلیمان ندوی زندہ ہوتے تو وہ بھی ان کے ہاتھ چُومتے۔ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ہر پہلو کو اُجاگر کرتا ہو اس کا یہ مقام کیوں نہ ہو۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ طفیل صاحب نے جنون کی حد تک محنت کی ہے اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس کو بھی یکجا کر دیا ہے ترتیب دینا اور انتخاب کرنا بھی ایک فن ہے طفیل صاحب نے جنون کے سہارے پر بغیر کوئی ڈگری حاصل کیے وہ کام کر دکھایا ہے جو یورپ میں اعلیٰ ڈگریوں والے کرتے ہیں دراصل طفیل صاحب کا ارادہ ہے (اور خدا کرے وُہ کامیاب ہوں) کہ وہ چھ جلدیں اور مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ دُنیا میں اردو جاننے والے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے انہوں نے حضورؐ کی زندگی کے ہر پہلو کو نہایت خوبی کے ساتھ اردو دان لوگوں کے لیے پیش کیا ہے اور اگر یہ رائے تسلیم کر لی جائے کہ اردو دان مسلمانوں کی تعداد عربی جاننے والوں سے زیادہ ہے تو پھر یہ ایک ایسی سعادت ہے کہ جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے بلاشبہ اس سے پہلے بھی سیرت پر کتب لکھی گئیں لیکن طفیل صاحب نے تمام پھولوں کو یکجا کر کے قوم کے سامنے ایک ایسا خوشنما گلدستہ پیش کر دیا ہے کہ اس کو بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔

میں اپنی مختصر تقریر کو اس کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اے اللہ! طفیل صاحب کو اتنی ہمّت دے، اتنی مہلت دے، اتنی صحت دے، اتنا جنون دے کہ باقی چھ جلدیں بھی مکمل کر دیں۔ قوم طفیل صاحب کی مشکور رہے اور آنے والی نسل آپ کو عقیدت اور محبت سے یاد کرے گی، آپ کا یہ احسان کوئی چھوٹا نہیں آپ نے وہ کر دکھایا ہے جو بڑوں سے نہ ہو سکا۔

مولانا سید اسعد گیلانی

مجھے اس سیرت نمبر کے ساتھ ایک طویل مدت تک قربت اور ذہنی مطابقت حاصل رہی ہے اور میں نے بڑی حیرت کے ساتھ اس سارے کارنامے کو دیکھا ہے نصف صدی کے بعد اب کہیں جا کر سیرت کا بحرِ اوقیانوس ہمارے سامنے آیا ہے اور یہ طفیل صاحب کی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری اور عشقِ رسولؐ کا نتیجہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس فخر سے سرفراز فرمایا ہے یہ سیرت کی جلدیں ۶ ہزار ۹ سو ۶ صفحات مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے آئی ہیں اس سے پہلے سیرت کا اتنا مسلسل اور ضخیم مجموعہ ہمارے سامنے کوئی نہیں ہے اس میں ایک ہزار چھ سو ستاسی چھوٹے بڑے موضوعات کو زیر بحث لایا گیا ہے اور اس طرح سے یہ اردو ادب میں سیرت کا ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اتنا بڑا کام ہمارے اردو ادب میں موجود نہیں ہے یہ ان کا وہ امتیاز ہے جو ان کو حاصل ہے۔ طفیل صاحب ایک طویل مدت سے بہتر کام کرنے والی شخصیتوں کو اُجاگر کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر بار ان کی نظر اونچی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ ان کی نظر اس پاک ہستی تک

پہنچ جسے عالمِ انسانیت میں سب سے اونچا مقام حاصل ہے اس کے بعد اور کوئی اونچا مقام نہیں یہ وہ توفیق ہے جو بڑے ادیب کو مل سکتی ہے۔ اگر مزید چھ جلدیں شامل ہو جاتی ہیں تو اس کے بعد ایک بورڈ بیٹھے جو ان تمام موضوعات کا انتخاب کرے اور ان کی کتابی اور تاریخی نوعیت بنائے۔ اس کے بعد اس کی نوعیت ایسی ہو جائے گی کہ سیرت میں کام کرنے والے لوگ اس کام سے آئندہ صدی تک استفادہ کرتے رہیں گے۔ اس کا ایک ایسا انڈکس بنانے کی ضرورت ہے جو سیرت کا کام کرنے والوں کے لیے جلد کی صورت میں رہنمائی کا کام دے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ قوم کے نوجوان اور نونہال اس سیرت پاک سے استفادہ کریں گے اور بالآخر اس مقام پر پہنچ جائیں گے جس مقام پر ایک مسلمان کی زندگی کو ہونا چاہیے۔

مولانا سید محمد متین ہاشمی

طفیل صاحب کا نقوش سیرت رسولؐ نمبر ایک بہت بڑا کارنامہ ہے میں بھی شریکِ مشورہ رہا ہوں۔ میں نے طفیل صاحب سے ایک بات کہی، اور وہ یہ کہ میری صرف یہ دعا ہے کہ زندگی کے آخری لمحے تک آپ اس بحرِ زخار میں غوطہ زن رہیے کرنے کا جو کام ہے وہ میں نے کہہ دیا ہے دس جلدیں نہیں، پندرہ جلدیں نہیں، بیس جلدیں نہیں، اپنے کام کو حضور صلعم کے نام پر وقف کرو جتنا لکھوانا ہو لکھواؤ میں آپ سے پوری ذمہ داری سے یہ عرض کرتا ہوں کہ صرف اردو زبان میں ہی نہیں جیسا کہ یہاں کہا گیا ہے بلکہ اردو، انگریزی، عربی، فارسی کسی زبان میں اتنا بڑا مجموعہ نہیں لکھا گیا۔

آپ دعا کریں صرف اس بات کی کہ طفیل صاحب کی اس خدمت کو اللہ تعالیٰ مدینے والے کی بارگاہ میں قبول کرلے، اور اس خدمت کے طفیل ہمیں بھی آقائے نامدارؐ کی شفاعت بخشے۔

محمد طفیل

میں ہزاروں صفحات پر مشتمل رسالہ چھاپتا ہوں، مگر اپنی بات ایک صفحہ میں کرتا ہوں۔ آج بھی اپنی اس روش کو نہ چھوڑوں گا اصل میں مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ رسولؐ نمبر کے اداریے میں کہہ چکا ہوں جو جولائی ۱۹۷۲ء کو لاہور ریڈیو سٹیشن سے نقوش کے سلسلے میں ایک مذاکرہ ہوا تھا اس میں مجھ سے ۱۲ برس پہلے پوچھا گیا تھا کہ مستقبل میں کیا کچھ کرنے کے ارادے ہیں میرا جواب یہ تھا کہ اگر قدرت نے مہلت دی تو میں سیرتِ رسولؐ پر ایک نمبر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش اور کوشش ہوگی کہ علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ کے ساتھ ساتھ اگر کوئی طویل مدت کے بعد کوئی ایسا اضافہ ہو تو یہ نقوش کا رسولؐ نمبر ہو۔ اب جبکہ وہ نمبر پیش ہو چکا ہے اس کے بارے میں جو کچھ کہنا ہے آپ نے کہنا ہے۔ میں نے جو کچھ پڑھا یا سنا اس میں اہلِ علم نے بتایا کہ سیرتِ نبویؐ پر اس سے زیادہ ضخیم و دستاویز دنیا کی کسی زبان میں نہیں لکھی گئی۔ میں اس لائق نہ تھا اس لائق بنایا گیا، انسان کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا یہ سب کچھ تائیدِ ایزدی ہے۔ اس فکری معجزے میں میرے لیے خوشی کا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں انسانوں میں سے اس کام کے لیے جسے منتخب کیا وہ میں ہوں۔ مجھ سے ایک اخبار نویس نے پوچھا تھا:

اہلِ ملک کے لیے کوئی پیغام ؟" میرا جواب یہ تھا کہ مجھے اہلِ وطن سے یہ کہنا ہے کہ ابتداءً سے لے کر اب تک میں نے اپنی زندگی ان کے نام لکھ دی ہے اب وہ میرے لیے دعا کریں مجھے میرا مقصود ملے اور یہ کہ دربارِ رسالت ﷺ کی آخری صف میں جو آخری آدمی کھڑا ہو وہ محمد طفیل ہو۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

آپ کو معلوم ہے کہ انسان کی خدمت کے مختلف پہلو ہوتے ہیں کہ لوگ مختلف قسم کے فلاحی کام کرتے ہیں لیکن سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ وُہ چیز لوگوں کے سامنے پیش کی جائے جس سے کہ وہ شرفِ انسانیت کے اعلیٰ معیار تک پہنچ سکیں وہ ظاہری اعتبار سے بھی اور باطنی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے بھی اور دنیاوی اعتبار سے بھی، اس عالم فانی کے اندر بھی اور عالم بالا میں بھی، وہ عزت و شرف کے اس کمال کو حاصل کر سکے جو ایک انسان کا مبنیٰ مقصود ہے اس خدمت کے لیے سب سے بڑا ذریعہ وہ کتاب ہے جس نے اس دنیا کو ایک انقلاب سے روشناس کرایا۔ اس اعتبار سے نوعِ انسانی کی سب سے بڑی خدمت یہ ہو سکتی ہے کہ قرآن کو پیش کیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن و سیرت میں فرق کیا ہے؟ قرآن ایک کتاب ہے جبکہ مجسمہ قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ قرآن درحقیقت سدابہار پھول ہے جس سے ساری دنیا معطر ہو سکتی ہے اور حضورؐ کی ذات مبارک اس کی خوشبو ہے۔ اس خوشبو کو پھیلانے کے لیے نسیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ جس طرح سے ہمارے سیرت نگار اس خوشبو کو پھیلانے کے لیے اس ثواب کے اندر شریک ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی اس ثواب میں شریک ہیں جو اسے شائع کرتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہم دیکھیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہمارے طفیل صاحب نے ایک بہت بڑی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے فقط مسلمانوں کی نہیں، اسلام کی نہیں، کسی فرقے کی نہیں بلکہ نوع انسانی کی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ اس کی اُمت دنیا میں سربلند نظر آئے۔ اسلام بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ مسلمان اس دنیا میں باعزت اور باوقار زندگی گزاریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسلام کو بے پناہ وسائل سے نوازا ہے۔ جہاں ان چیزوں میں خدا کا فضل ہے وہاں کتابت و طباعت کے معاملے میں ہمارے ہاں معیاری کتابوں کی اشاعت ہو اور ہیئت، کتابت طباعت اس قدر اعلیٰ ہو کہ ہم یہ کہہ سکیں یہ ہمارا معیار ہے اور اس بنا پر ہم اپنے آپ کو کسی دوسرے سے کمتر نہ سمجھیں۔

ڈاکٹر محمد افضل

اس وقت تک رسولؐ نمبر کے متعلق جو کچھ کہا جا چکا ہے میرے خیال میں اس میں کوئی گرانقدر اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پہلے میری بھی حیرت و استعجاب کی ملی جلی کیفیت تھی کہ ایک شخص اتنا بڑا کام کیسے سرانجام دے سکتا ہے۔ یقین جانیے کہ جتنا عرصہ یہاں بیٹھا رہا ہوں میرا سر ندامت سے جھکا رہا کہ جو کام بڑے بڑے اداروں نے کرنا تھا اور یونیورسٹی نے انجام دینا تھا وہ محض ایک شخص کی ہمت سے سرانجام پا گیا۔ یہ یقیناً طفیل صاحب کا ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں

○ لاثانی شخصیت کو لاثانی انداز میں پیش کیا

ہمارے کرم فرما جناب چودھری محمد طفیل صاحب نے جو اب زیادہ تر محمد نقوش کے نام سے جانے جاتے ہیں جس بھی موضوع پر نقوش کا خاص نمبر نکالا اس کے باب میں ایک لائبریری سے بے نیاز کر دیا، وہ افسانہ نمبر ہو، مکتوبات نمبر ہو، غزل نمبر ہو، پطرس بخاری نمبر ہو خواہ شوکت تھانوی نمبر، یہی حال ادبی معرکوں والے شمارۂ خاص کا ہے۔ "آپ بیتی نمبر" اپنے انداز کا انوکھا تجربہ تھا۔ ہر فرد فہرست اپنی داستانِ حیات خود سنا رہا تھا۔ مسلمانانِ پاک و ہند کے اکابر علم و ادب میں ان کے پیغمبر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر شامل ہوتے۔ حضور رسالتمآبؐ تو ہر شخص سے زیادہ اہلِ اُمت کے دلنشین تھے اور ہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کی شان ہی اور ہے۔ چنانچہ اس لاثانی شان کو لاثانی انداز میں پیش کرنے کے لیے طفیل صاحب کو لاثانی کوشش کرنی پڑی۔

اُردو ادب میں سیرتِ نبویؐ پر بہت کچھ لکھا گیا۔ چھوٹی بڑی درجنوں کتب موجود ہیں۔ عربی سے ترجمہ ہونے والی کتبِ سیرت کی تعداد بھی قابلِ لحاظ ہے، بعض انگریزی کتب بھی ترجمہ ہوئیں۔ اس ضمن میں جدید ترین مثال ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب ہے جو انگریزی سے ترجمہ ہو کر پہلی بار نقوش کے رسولؐ نمبر میں شامل و شائع ہوئی۔ اردو ادب کو حضرت شبلی اور سید سلیمان ندوی کی مرتب کردہ سیرۃ النبیؐ پر فخر ہے۔ ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ خود عربی زبان میں بھی جس میں کہ قرآن کریم نازل ہوا اردو زبان میں تصنیف پانے والی "سیرت النبیؐ" جیسی مربوط و مضبوط کوئی کتاب نہیں۔ یہاں میں حدیث کی باتیں نہیں کر رہا، اس لئے کہ حدیث کا مسئلہ بالکل جُدا ہے اور اس میں اہلِ عرب نے اور ان اہلِ عجم نے بھی جنہوں نے عربی میں لکھا کمال کر دکھایا۔ اس شمارے میں ان جملہ کاوشوں پر بحث موجود ہے ——— سیدھی سی بات ہے کہ حدیثِ نبویؐ کی حیثیت سیرت سے بیشتر فقہی ہے اس لیے جس قدر احتیاط حدیث کے ضمن میں لازم ہے وہ عیاں ہے۔ یہی باعث ہے کہ اسماء الرجال کا ایک شعبہ کھُل گیا۔ اس شعبے نے مختصر شخصیت نگاری کے فن کا عربی زبان میں آغاز کیا۔ اس سے علمِ تاریخ کو بے بہا مدد ملی۔ اسماء الرجال اور تاریخ و سیرت مسلمانوں کا خاص موضوع ہے ——— حدیث شریف کی بدولت اصحاب، تابعین، اتباعِ تابعین اور رواۃِ مابعد اور اسی طرح رواۃ الرواۃ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا کہ لاکھوں افراد کا ذکر و کردار محفوظ ہو گیا۔

طفیل صاحب نے بڑی کاوش سے مقالے جمع کیے، ایک مقالہ جو سَو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے اور جو جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا مصنفہ ہے حضورِ اکرمؐ کے قرآنِ کریم میں آمدہ ذکر پر مشتمل ہے سُورِ قرآنی کی ترتیب کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے بڑی عقیدت اور محنت و کاوش کے ساتھ "آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است" کی حقیقت کا مفہوم واضح کیا ہے۔ اسی طرح وُہ مقالہ جس میں حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم نے قرآن کی روشنی میں سیرۃِ نبویؐ پر روشنی ڈالی ہے اُمتِ مُسلمہ کے حضور میں ایک بیش بہا تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی کاوش مولانا قاری محمد [illegible] صاحب نے فرمائی۔

○ لاثانی شخصیت کو لاثانی انداز میں پیش کیا

ہمارے کرم فرما جناب چودھری محمد طفیل صاحب نے جو اب زیادہ تر محمد نقوش کے نام سے جانے جاتے ہیں جس بھی موضوع پر نقوش کا خاص نمبر نکالا اس کے باب میں ایک لائبریری سے بے نیاز کر دیا، وہ افسانہ نمبر ہو، مکتوبات نمبر ہو، غزل نمبر ہو، پطرس بخاری نمبر ہو خواہ شوکت تھانوی نمبر، یہی حال ادبی معرکوں والے شمارۂ خاص کا ہے۔ "آپ بیتی نمبر" اپنے انداز کا انوکھا تجربہ تھا۔ ہر فردِ فہرست اپنی داستانِ حیات خود سنا رہا تھا۔ مسلمانانِ پاک و ہند کے اکابر علم و ادب میں ان کے پیغمبر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر شامل ہوتے۔ حضور رسالتمآبؐ تو ہر شخص سے زیادہ اہلِ اُمّت کے دلنشین تھے اور ہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کی شان ہی اور ہے۔ چنانچہ اس لاثانی شان کو لاثانی انداز میں پیش کرنے کے لیے طفیل صاحب کو لاثانی کوشش کرنی پڑی۔

اُردو ادب میں سیرتِ نبویؐ پر بہت کچھ لکھا گیا۔ چھوٹی بڑی درجنوں کتب موجود ہیں۔ عربی سے ترجمہ ہونے والی کتبِ سیرت کی تعداد بھی قابلِ لحاظ ہے، بعض انگریزی کتب بھی ترجمہ ہوئیں۔ اس ضمن میں جدید ترین مثال ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب ہے جو انگریزی سے ترجمہ ہو کر پہلی بار نقوش کے رسولؐ نمبر میں شامل و شائع ہوئی۔ اردو ادب کو حضرت شبلی اور سید سلیمان ندوی کی مرتب کردہ سیرۃ النبیؐ پر فخر ہے۔ ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ خود عربی زبان میں بھی جس میں کہ قرآن کریم نازل ہوا اردو زبان میں تصنیف پانے والی "سیرت النبیؐ" جیسی مربوط و مضبوط کوئی کتاب نہیں۔ یہاں میں حدیث کی باتیں نہیں کر رہا۔ اس لئے کہ حدیث کا مسئلہ بالکل جُدا ہے اور اس میں اہلِ عرب نے اور ان اہلِ عجم نے بھی جنہوں نے عربی میں لکھا کمال کر دکھایا۔ اس شمارے میں ان جملہ کاوشوں پر بحث موجود ہے ——— سیدھی سی بات ہے کہ حدیثِ نبویؐ کی حیثیت سیرت سے بیشتر فقہی ہے اس لیے جس قدر احتیاط حدیث کے ضمن میں لازم ہے وہ عیاں ہے۔ یہی باعث ہے کہ اسماء الرجال کا ایک شعبہ کھُل گیا۔ اس شعبے نے مختصر شخصیت نگاری کے فن کا عربی زبان میں آغاز کیا۔ اس سے علمِ تاریخ کو بے بہا مدد ملی۔ اسماء الرجال اور تاریخ و سیرت مسلمانوں کا خاص موضوع ہے ——— حدیث شریف کی بدولت اصحاب، تابعین، اتباعِ تابعین اور رواۃِ مابعد اور اسی طرح رواۃ الرّواۃ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا کہ لاکھوں افراد کا ذکر و کردار محفوظ ہو گیا۔

طفیل صاحب نے بڑی کاوش سے مقالے جمع کیے، ایک مقالہ جو سَو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے اور جو جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کا مصنفہ ہے حضورِ اکرمؐ کے قرآنِ کریم میں آمدہ ذکر پر مشتمل ہے سُورِ قرآنی کی ترتیب کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے بڑی عقیدت اور محنت و کاوش کے ساتھ "آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است" کی حقیقت کا مفہوم واضح کیا ہے۔ اسی طرح وُہ مقالہ جس میں حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادی مرحوم نے قرآن کی روشنی میں سیرۃ نبویؐ پر روشنی ڈالی ہے اُمتِ مُسلمہ کے حضور میں ایک بیش بہا تحفے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی کاوش مولانا قاری محمد عبد اللہ سلیم صاحب نے فرمائی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے پندرھویں صدی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی تبلیغ کے لیے اور امت کی تقویت کے لیے دس نقاط پیش فرماتے ہیں ——— حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے سیرت نگاری میں عمومی رجحانات پر روشنی ڈالی ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی صاحب نے قرآن کریم کے آئینے میں حضور سید الانامؐ کی جس طرح زیارت کی اس کا نقشہ پیش کیا ہے۔ سید بدر الدین علوی صاحب نے ترتیب قرآن بعصر نبی آخر الزمان پر جاندار تحریر پیش کی ہے۔

جناب عبداللہ قدسی اور عبدالحمید صدیقی اور حبیب احمد کے مقالات قبل اسلام کے عرب کے احوال پر روشنی ڈالتے ہیں ان کے مطالعے سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام کس تہذیبی، فکری اور اخلاقی ماحول کے ظہور کا باعث ہوا۔ سیرت کے مصادر و منابع پر محمد اجمل اصلاحی کے مضمون کا جو ترجمہ خلیل ابراہیم صاحب کے ہاتھوں عمل میں آیا قابلِ ستائش ہے۔ اسی طرح پروفیسر تحسین فراقی صاحب نے مسٹر گلامے کی تحریر کا جو ابن اسحاق کے متعلق ہے بڑی محنت سے ترجمہ کیا ہے ابنِ اسحاق کے احوال سے آگاہی ہر طالبِ مطالعہ سیرت کو مطلوب تھی۔ ابن ہشام اور یعقوبی وغیرہما سے متعلق بھی تحقیقی مقالے موجود ہیں۔

سیرت نبویؐ کے ضمن میں حضرت ابوالکلام مرحوم کے بھی نصف درجن سے زیادہ مقالات موجود ہیں اور نظر نوازی کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر اسرار احمد، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، مولانا اسحاق النبی، سید امیر علی، بریگیڈیر گلزار احمد، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، حضرت مولانا اشرف علیؒ، مولانا ماہر القادری، پروفیسر خورشید احمد، اور پھر کس کس عالم اور محقق کا ذکر کیا جائے ——— حق یہ ہے کہ سیرت نبویؐ، قرآن، قرآنی اور اسلامی علوم، اسلامی تاریخ وسیرت کے اصول، اسلامی تعلیم کے اصول، اسلامی اخلاق کے آداب، خصوصاً مولانا ابوالحسن علی ندوی کے حوصلہ افزا معانی پر مشتمل یہ مجلدات درجنوں اسلامی مضامین و موضوعات پر ایک لائبریری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر لکھنے والے حضرات مجلّہ بلند پایہ عالم اور ادیب بھی ہیں لہٰذا یہ چاروں مجموعے اردو زبان کے علمی ذخیرے میں ایک گراں مایہ اضافہ قرار دیے جا سکتے ہیں جس کے لیے اردو زبان ممنون رہے گی ——— اور پھر خیال آتا ہے کہ اگر ان چار جلدوں میں یہ کچھ ہے تو باقی چھ جلدیں جو ابھی آنے والی ہیں وہ کیا کیا دینی و علمی گلدستہ ہائے رنگ و بو لائیں گی۔ یہ بڑی تقطیع کے باریک تحریریں تقریباً پونے چار ہزار صفحات ہیں، جو عام کتابی صورت میں چھپیں تو ایک درجن مجلّدات کو شامل ہوں۔ دس جلدیں جب مکمل ہوں گی تو امید ہے کہ وہ سیرت کے ضمن میں ہر ضرورت اور طلب پوری کریں گی۔

طفیل صاحب نے اَن تھک محنت سے کام لیا ہے، اتنا بڑا کام لگن کے بغیر نہیں ہوتا۔ ہم سب طفیل صاحب کے شکر گزار ہیں اور جب دس مجلّدات مکمل ہوں گے تو اردو زبان کا دامن بیحد وسیع ہوجائے گا۔ لہٰذا اردو زبان تمام دنیا کی زبانوں کو سیرت کے باب میں چیلنج کرنے کی بجا طور پر مستحق ہو گی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دل سے لینے والا اور حضورؐ کے ذکرِ جمیل کو عام کرنے والا کوئی بھی فرد نور، رحمت، ہدایت، برکت اور شفا سے محروم نہیں رہتا۔ طفیل صاحب نے تو یہ جملہ انعامات یقیناً جھولیوں سمیٹ لیے ہیں۔

کوئی ان کی خوش نصیبی پر جس قدر بھی رشک کرے کم ہے۔ اللّٰھم بارکہُ وبارکنا، اللّٰھم ارحمہُ وارحمنا۔

۱۰ جنوری ۸۳ء
(پروفیسر) مرزا محمد منوّر
صدر شعبۂ اقبالیات، جامعۂ پنجاب، لاہور

نقوش، رسولؐ نمبر ایک نظر میں

میرزا ادیب

"قیامت میں جب خدائے تعالیٰ مجھ سے پُوچھے گا کہ ہمارے واسطے کیا لایا؟ تو میں کہوں گا: مسدسِ حالی"

حضورِ دہر میں آسُودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گُل ہیں ریاضِ ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بُو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اِک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تیری امت کی آبرو اِس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اِس میں

پہلا نثری فقرہ سرسید احمد خاں کا ہے، وہ اپنے پیدا کرنے والے کے لیے مسدسِ حالی کا تحفہ لے کر قیامت کے روز بارگاہِ ایزدی میں پہنچے ہیں۔ اس نثری ٹکڑے کے بعد جو اشعار دیے گئے ہیں وہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے ہیں جو ان کی نظم "حضورِ رسالت مآبؐ میں" سے لیے گئے ہیں۔

جب حکیم الامت پر ہنگامۂ زمانہ گراں گزرتا ہے تو وہ رختِ سفر باندھ روانہ ہو جاتے ہیں اور فرشتے انھیں بزمِ رسالتؐ میں لے جاتے ہیں، حضورؐ پوچھتے ہیں:

نکل کے باغِ جہاں سے تو مثلِ بُو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تُو آیا

اور علامہ اقبالؒ جو تحفہ لے کر گئے ہیں وہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔

میں سوچتا ہُوں اگر خدا تعالیٰ نے قیامت کے روز پُوچھا: ہمارے لیے کیا لایا؟ تو کیا وہ یہ جواب نہیں دیں گے:

"آج میں جو کچھ لے کر حاضر ہو رہا ہوں یہ توفیق میں انعام ہے، اور یہی انعام تحفے کے طور پر پیش کر رہا ہُوں:"

"یہ انعام کیا ہے؟"

نقوش کا رسولؐ نمبر۔

مجھے یقین واثق ہے اُس وقت بارگاہِ ایزدی بارگاہِ رحمت بن جائے گی۔ اس سے بڑا تحفہ خدا نے رسول کو نیا دیا جا سکتا ہے کہ اس میں رسولِ خدا کی مقدس زندگی کا ایک ایک نقش اپنے تمام تر جذبات کے ساتھ موجود ہے۔ مگر یہ معاملہ خدا اور اس کے ایک بندے کے درمیان ہے۔ میں خدا کا معاملہ خدا پر چھوڑتا ہُوں اور یہ دیکھنے کی کوشش

... انھوں کو محمد طفیل نے رسولؐ نمبر کی صورت میں ہمیں کیسا تحفہ دیا ہے؟ یہ تحفہ کیا ہے؟ اس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ آئیے طفیل کے ماضی پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔

علامہ نیاز فتحپوری نے ایک بار لکھا تھا کہ طفیل نے اب تک جتنے نمبر شائع کیے ہیں اگر انھیں کسی جگہ یکجا کر دیا جائے تو ایک اچھی خاصی لائبریری بن سکتی ہے۔ اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ علامہ مرحوم کے اس فقرے میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے۔ خیال رہے کہ نیاز کا انتقال اس زمانے میں ہُوا تھا جب طفیل کا سفرِ شوق بڑی تیزی سے جاری تھا۔ نیاز مرحوم کے انتقال کے بعد بھی نقوش کے کئی بڑے وقیع پرچے چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

طفیل نے اپنے ان انسائیکلوپیڈیائی قسم کے پرچوں کی وساطت سے اردو ادب کو اتنا کچھ دیا ہے اور ایسے متنوع انداز میں دیا ہے کہ ایک طویل سے طویل اور مبسوط سے مبسوط مقالے میں بھی اس کا تجزیاتی مطالعہ ممکن نہیں ہے۔ پطرس بخاری نے بالکل درست کہا تھا کہ نقوش کے مطالعہ کے لیے جس عمر کی ضرورت ہے میں اس سے محروم ہُوں۔

طفیل نے جس موضوع کو بھی چھیڑا ہے اس پر "حرفِ آخر" کا حکم تو نہیں لگایا جا سکتا کہ دنیا میں نہ آج تک ایسا ممکن ہوا ہے اور نہ آیندہ ہوگا مگر ہر پرچے میں موضوعاتی جامعیت کا اس درجہ اہتمام کیا ہے کہ بظاہر کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ لاہور نمبر، مکاتیب نمبر، آپ بیتی نمبر، شخصیات نمبر، جنگ نمبر، میر نمبر، پطرس نمبر، شوکت تھانوی نمبر اور متعدد افسانہ نمبر۔ اور حال ہی میں انھوں نے عصری ادب نمبر بھی دیا ہے۔

ان نمبروں اور ان نمبروں کے علاوہ دوسرے نمبروں کی بنا پر "نقوش" اردو ادب کی آبرو کہلانے کا مستحق ہو چکا ہے لیکن ان سب نمبروں کے پیچھے وہ چیز ہے جسے ہم اپنی زبان میں دنیا کہتے ہیں۔ ان کی اشاعت عبارت ہے اُس عملی جدّوجہد سے جس کا تعلق دنیا سے ہے مگر آج ہم "محمد نقوش" کو اس راستے پر جادہ پیما نہیں دیکھتے جس پر وہ اب تک بڑی مستعدی کے ساتھ گام زن رہے ہیں۔ آج انھوں نے اپنا راستہ بدل دیا ہے۔ آج ان کا سفرِ شوق پہلے راستے سے بالکل الگ ایک نئی راہ پر اپنا آغاز کر رہا ہے۔ آج نقوش کے وہ نقش نہیں ہیں جن سے ہم مانوس ہیں، جن میں دلفریب رنگوں کی ایک دنیا آباد دیکھتے چلے آئے ہیں۔

آج محمد طفیل نے کوئی دنیاوی کارنامہ نہیں، ایک دینی کارنامہ انجام دیا ہے۔

آج ان کے دامن میں ادبی خزانہ نہیں، دینی خزانہ ہے۔ آج انھوں نے ادبی گلدستے نہیں سجائے، خاکِ مکہ و مدینہ کی خوشبوئیں لے کر آئے ہیں۔ آج وہ آسمانِ رسالتؐ سے ان تاروں کی روشنی لائے ہیں جس سے ہر کلمہ گو کا دل منوّر ہے۔ آج وہ اس ادب گاہ سے چند جلوے لے کر آئے ہیں جو عرش سے بھی نازک تر ہے اور جہاں جنید و بایزید بھی نفس گم کردہ حالت میں آتے ہیں۔

نقوش کا رسولؐ نمبر چار جلدوں میں ہے صفحات کی مجموعی تعداد ۳۰۰۶ ہے۔

اگر میں انتہائی اختصار کے ساتھ اس کام کا ذکر کرنا چاہُوں تو کہہ سکتا ہُوں کہ نقوش کا رسولؐ نمبر حقیقتہً "دائرۂ معارفِ نبویہ" ہے

یہ بھی ... لازوال کارنامہ ہے کیونکہ اس کی نسبت ایک لازوال ہستی سے ہے ۔

جہاں تک سیرت نگارانِ رسولؐ کا تعلق ہے حضرت عروہ بن الزبیرؓ کو اولیت کا شرف حاصل ہے ۔ ان کے بعد کوئی دور، کوئی زمانہ، کوئی عہد ایسا نہیں گزرا جس میں سیرت کی کتابیں نہیں لکھی گئیں ان کتابوں کی تعداد ہزاروں سے اُوپر ہے، اور اب تک ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے ۔ ہماری اپنی قومی زبان اور علاقائی زبانیں سیرت کی کتابوں سے محروم نہیں ہیں ۔ ان میں شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل رہی ہے اور آج یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ سیرت النبیؐ کے عالی مقام مصنفوں نے اپنے شاہکار کے ذریعے جو قابلِ صد فخر روایات قائم کی تھیں نقوش کا رسولؐ نمبر اسے بہت آگے لے گیا ہے بلحاظ معلومات کے بھی، مضامین کی افادیت کے بھی اور تحریروں کی جامعیت کے بھی ۔ پہلی جلد کو لے لیجئے یہ جلد ۷۱۶ صفحات کو محیط ہے ۔

اس میں سب سے پہلے پندرھویں صدی کا ذکر ہے ماضی و حال کے آئینہ میں ۔ اور مصنف ہیں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔ اس عالمانہ مقالے میں پچھلی صدیوں کے اجمالی بیان کے ساتھ ساتھ موجودہ صدی ہجری میں عالمِ اسلام کے لیے دس نکاتی پروگرام پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔ تکنیک کے باب میں سیرت نگاری کے بنیادی اصولوں، بعض اہم پہلوؤں اور سیرت نگاری کی ذمے داریوں تک کی گفتگو کی گئی ہے ۔

اس نہایت اہم باب کے بعد جو سلسلہ شروع ہوتا ہے اس کا عنوان ہے : ہم قرآن در شانِ محمدؐ ۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور نے اپنے ایک مضمون میں فرمایا ہے : نبی مکرمؐ کی سیرت کے لیے قرآن کافی ہے ۔ حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ کیا تھے ۔ یہ قرآن کے گہرے مطالعہ سے اخذ کیے جا سکتے ہیں ۔

مولانا کا اپنا ارادہ تھا کہ وہ یہ کام کر کے دنیا سے رخصت ہوں مگر نہ کر سکے ۔

قرآن مجید رسولِ پاکؐ کی ذات برگزیدہ کی عملی تفسیر ہے ۔ اللہ نے جو کچھ کہا وہ قرآن پاک میں ہے اور رسولِ خدا نے فرمُوداتِ حق کے مطابق جو کچھ کیا وہ سیرتِ پاک میں ہے ۔ اس جلد میں سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ الناس تک، پُورے فرقانِ حمید میں اللہ نے اپنے رسولؐ کو جس جس انداز سے مخاطب کیا ہے، جس جس طریقے سے ان کا ذکر کیا ہے یا جو جو باتیں بتائی ہیں ان سب کو معرضِ تحریر میں لایا گیا ہے ۔

اس کے علاوہ سیرت کے دورِ اوّل اور سیرتِ نبویؐ کی اوّلین کتابوں کے احوال و کوائف درج ہیں ۔

دوسری جلد میں مولانا نعیم صدیقی کا ایک مبسوط اور تفصیلی مقالہ شاملِ اشاعت ہے ۔ عنوان ہے ؛ رسولؐ اللہ ایک نظر میں ۔ ایک باب ہے سیرتِ نبویؐ کی توقیت، ایک باب الرسالات النبویہ کا احاطہ کرتا ہے ۔ حقیقتِ توحید اور حقیقتِ وحی کی مفصل بحث دو الگ الگ ابواب میں ملتی ہے ۔ سید سلیمان ندوی کی زیرِ ترتیب سیرۃ النبیؐ کی ساتویں جلد کا غیر مطبوعہ مواد بھی دعوتِ مطالعہ دیتا ہے ۔ اس جلد کو یہ سعادت اور امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی انگریزی کتاب "محمد رسول اللہ" کا پہلا اُردو ترجمہ چھپ رہا ہے ۔ یہ ترجمہ بڑے سلیقے سے نذیر حق نے کیا ہے ۔ مزید برآں مکے اور مدینے کی تاریخ بھی شریکِ اشاعت ہے ۔

تیسرے ... میں مکّے اور مدینے کی قدیم تاریخ کو پھیلایا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے عالمِ بشریت کی کیا کیفیت تھی، عربوں کے کیا تصورات، معتقدات اور رسوم و رواج تھے۔ دوسرے باب میں رحمۃ للعالمینؐ کی اس حیثیت پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کا تعلق انسانِ کامل سے ہے۔ اصلاحِ معاشرہ میں حضورؐ کا کردار کیا تھا! اس پر گفتگو ایک الگ باب میں کی گئی ہے۔ نبی اکرمؐ حقیقی معنوں میں عظمتِ انسانی کے نقیبِ اوّل تھے، اس کو بھی موضوعِ فکر بنایا گیا ہے اور اس کے بعد جو باب شامل ہے اس میں معاشرے پر حضورؐ کے اثرات واضح کیے گئے ہیں۔ یہ اثرات سیاسی لحاظ سے کیا تھے، اقتصادی اعتبار سے ان کی نوعیت کیا تھی اور انہوں نے عربوں کی مجلسی اور تہذیبی زندگی کو کس کس طرح متاثر کیا تھا، اور ان اثرات کی بدولت جو معاشرہ وجود پذیر ہوا تھا اس کے نمایاں خدّوخال کیا تھے؟

ان سوالوں کا جواب بڑی خوش اسلوبی سے دیا گیا ہے۔

چوتھی جلد کے عنوانات پر ایک نظر ڈالیے۔

ایک عظیم انقلاب کا بانی و رہبر ـــــ علومِ انسانی کے فروغ پر ہمارے رسولؐ کا اثر ـــــ اخلاقی اصلاح ـــــ ہمارے رسولؐ بہ حیثیت سپہ سالار (تمام غزوات کی تفصیل) ـــــ ہمارے رسولؐ غیر مسلموں کی نظر میں ـــــ متعلقاتِ سیرت۔

ہر عنوان متعلقہ موضوع کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔

یہ نقوش کے رسولؐ نمبر کی چار ضخیم جلدوں کی محض چند جھلکیاں ہیں اور یہ بھی نامکمل۔ اصل میں قصہ یہ ہے، ع

ذوق ایں بادہ نہ دانی تا نہ چشی

جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں یہ نمبر دائرۂ معارفِ نبویہ ہے اور واقعتاً یہ سیرتِ رسولؐ کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

'نقوش' کے بڑے بڑے مہتم بالشان نمبر شائع ہوتے رہے ہیں اور محمد طفیل بڑی خاموشی، بڑی استقامتِ طبع اور بڑے خلوص کے ساتھ اس نمبر کی ترتیب میں منہمک رہے ہیں۔ ویسے تو یہ نمبر ان کی دس سالہ محنت کا نتیجہ ہے مگر میں سمجھتا ہوں وہ اس مدّت سے بہت پہلے اس کی تیاریوں میں ذہنی طور پر مصروف ہو گئے تھے۔

پہلی جلد میں "اس شمار رہے میں" کے تحت انھوں نے جو افتتاحی سطریں لکھی ہیں ان میں ایک جگہ کہا ہے:

"میں نے آج تک جتنے نمبر پیش کیے وہ سب فخریہ انداز میں پیش کیے مگر یہ نمبر انتہائی عاجزی کے ساتھ پیش کر رہا ہوں یہ معاملات دل کے ہیں، کبھی اس طرح خوش، کبھی اس طرح خوش۔"

یہ نمبر طفیل صاحب نے انتہائی عاجزی کے ساتھ پیش کیا ہے اور کرنا بھی چاہئے تھا۔ اگرچہ یہ اس ہستی کے بارے میں ہے جس پر یہ مصرع بالکل بجا طور پر منطبق ہوتا ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن جو خود کو اللہ کا ایک عاجز بندہ تصور کرتا ہے اور جس کے انکسار کا یہ عالم ہے کہ جب وہ فتح کے بعد مکے میں داخل ہوتا ہے تو وہ گھوڑے پر بیٹھ کر اس قدر جھکا ہوا ہے کہ اس کی ٹھوڑی گھوڑے کی گردن سے جا لگی ہے۔

فخرِ موجودات اور یہ فروتنی !
یہی ہمارے رسولؐ کی شان ہے ۔
محمد طفیل بڑے خوش نصیب انسان ہیں —— انھوں نے جو خواب دیکھا تھا آج اسے عملی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ ایک لازوال کارنامہ ہے —— جس پر آنے والی صدیاں چُپ چاپ سایہ ڈال کر گزر جائیں گی اور یہ اسی طرح شاداب، تابناک اور زندہ و تابندہ رہے گا !!

میرزا ادیب

○

○ نقوش کا رسولؐ نمبر —— ڈاکٹر انور سدید

نقوش کا رسولؐ نمبر پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر، لامثال شخصیت پر ایک عظیم کام ہے۔

نقوش کا رسولؐ نمبر دیکھیں تو سب سے پہلے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان نے بالعموم اور لاہور نے بالخصوص حضور نبی اکرمؐ سے اپنی عقیدت کا اظہار " نقوش " کا رسولؐ نمبر چھاپ کر بھی کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس گئے گزرے دور میں جبکہ آزاد فکری اور آزاد خیالی کی تحریکیں مذاہب کی گرفت اور مذہبی راہنماؤں سے محبت کے زاویوں کو کمزور کر رہی ہیں محمد طفیل نے یہ نمبر مرتّب کر کے اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر باور کرایا ہے کہ حضور رسالتمآبؐ ہی پاکستانیوں کے دلوں کا اُجالا ہیں۔ چنانچہ نقوش کا رسولؐ نمبر محض انسانی محنت کا عظیم کارنامہ نہیں بلکہ یہ اس جذبے کا ثمر ہے جو ایمانیات کے صدق و ثبات سے اُبھرتا ہے۔

رسولؐ نمبر کو پندرھویں صدی ہجری کے ادب کی ایک اہم ترین دستاویز شمار کیا گیا ہے۔ اس کی چار جلدوں کے تین ہزار چھہتر (۳۰۷۶) صفحات کے ہر لفظ میں محمد طفیل کی حُبِ نبوی کے چراغ روشن ہیں۔ ایمان یہ کہتا ہے کہ انھیں یہ روشنی اگر اپنے بطون میں نظر نہ آتی تو شاید " رسولؐ نمبر " بھی مرتب نہ ہوتا۔ شاید محمد طفیل اس طمانیت میں ہی زندگی بسر کر ڈالتے کہ انھوں نے غزل نمبر شائع کیا ہے۔ آپ بیتی نمبر چھاپا ہے، شخصیات نمبر، خطوط نمبر، میر نمبر، اقبال نمبر، غالب نمبر، لاہور نمبر، پطرس نمبر، منٹو نمبر، اقبال نمبر، ادبِ عالیہ نمبر وغیرہ وغیرہ نہ جانے کتنے ہمہ گیر موضوعات پر ہمہ گیر نمبر مرتب کیے ہیں۔ ان میں سے ہر نمبر اس کے مرتّب کی ذاتی لگن، استقلال اور ادب دوستی کا معجزہ ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑے کام کی تڑپ ان کے دل میں موجود تھی۔ اور نقوش کا رسولؐ نمبر ایک ایسا ہی کارنامہ ہے جس کو دیکھ کر پڑھنے والوں کے دلوں کی دھڑکن بھی تیز ہو جاتی ہے اور بطونِ دل سے دُعا نکلتی ہے کہ محمد طفیل کا وہ جذبہ تر و تازہ رہے جس نے ان سے یہ عظیم الشان کارنامہ عملی صورت میں سرانجام دلایا ہے۔ یہ جذبہ فزوں تر ہو، یہ جذبہ خونِ گرم کی طرح زندہ رہے اور انھوں نے رسولؐ نمبر کی دس جلدوں کی ترتیب و تدوین کا جو منصوبہ بنایا ہے وہ اشاعت کی تمام منزلیں حُسن و خوبی سے طے کر لے۔

نقوش کے رسولؐ نمبر کی اشاعت کسی ہنگامی یا اضطراری خیال کا نتیجہ نہیں بلکہ محمد طفیل نے اس اہم کام پر برسوں سوچا ہے۔

مجھے [illegible] کہ دس بارہ سال قبل میں نے "سیارہ" کے نعت نمبر کے لیے اردو نعت کا ایک جائزہ لکھا تو اس کی بِھنک [illegible] محمد طفیل کے کان میں بھی پڑ گئی، پھر شومئ قسمت "سیارہ" کا نعت نمبر شائع نہ ہو سکا تو محمد طفیل صاحب نے میرا یہ مضمون نقوش کے رسولؐ نمبر کے لیے محفوظ کر لیا۔ گزشتہ دس سال کے عرصے میں ان سے جب بھی ملاقات ہوتی تو یہی کہتے:

"رسولؐ نمبر کی ترتیب میں مصروف ہُوں۔"

لیکن عالم یہ تھا کہ کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ اس نمبر کا ڈول کس طرح ڈال رہے ہیں اور غواصی کے کس عمل میں مبتلا ہیں۔ زندگی کے اس ہنگامۂ دار و گیر میں بھی ان کا جنون آرام طلبی سے واقف نہیں ہُوا، اس دس سال کے عرصے میں بھی انہوں نے نادر و نایاب نمبر چھاپے، رائٹرز گلڈ کے محاذ پر کام کیا، ادیبوں اور ناشروں کے جھگڑے چکائے، سیکڑوں کتابیں شائع کیں، خاکے لکھے اور شائع کیے۔ بچّوں کی شادیاں کیں، دوستوں کی دعوتیں کیں۔ خود تقریبات منعقد کرائیں اور ادیبوں کے جلسوں میں شریک ہوئے، غرض کوئی ایک جہت ہو تو اس کا ذکر تفصیل سے کیا جائے، محمد طفیل کی مصروفیات اتنی تھیں کہ اجمال سے بھی ذکر ہو تو موضوع پھیلتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اب رسولؐ نمبر سامنے آیا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ کام خود نہیں کیا کسی ہاتفِ غیبی نے ان کی مدد کی ہے۔

یہاں مجھے اپنے ایک مخلص دوست احمد حسین رشک ترابی یاد آ رہے ہیں۔ رشک صاحب اہلِ بیت کے مدح خواں ہیں مرثیہ لکھتے ہیں اور اس قدر ڈوب کر جیسے کربلا کے تمام مناظر ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر چکے ہوں، قادر الکلام ایسے کہ صرف ایک رات میں سَو ڈیڑھ سَو بندوں کا مرثیہ لکھنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں اور اس امتحان سے بار ہا کامیاب گزرے ہیں ایک دفعہ میں نے پُوچھا:

"رشک صاحب! اتنے طویل مرثیے آپ کیوں کر لکھ لیتے ہیں؟"

رشک صاحب نے انگشتِ شہادت آسمان کی طرف کھڑی کی اور عجز و انکسار سے بولے:

"انور سدید صاحب! اپنا کمال تو کچھ بھی نہیں، کوئی اَن دیکھی طاقت ہے جو مجھ پر اشعار کی بارش کرنے لگتی ہے میں تو بس بارش کے قطروں کو سمیٹتا چلا جاتا ہُوں۔ حضرت نبی اکرمؐ اور نواسۂ رسولؐ کے اسمائے گرامی پر ارتکاز ذہن کرتا ہُوں، اشعار اُترنے لگتے ہیں۔ اور جس دن نان و نفقے کا فکر لاحق ہو اس دن ایک شعر بھی نازل نہیں ہوتا۔"

میں نے محمد طفیل سے اس قسم کا کوئی سوال نہیں کیا بلکہ جب سے انہوں نے رسولؐ نمبر چھاپا ہے ان سے بالمشافہ تفصیلی ملاقات بھی نہیں ہُوئی، ہاں اس کا ایک پرتو رسولؐ نمبر کے اداریہ میں موجود نظر آیا ہے اور وہ اُنھیں کے الفاظ میں سُنیے:

"میں نے آج تک جو کچھ بھی کیا ہے اس کی بھی توفیق نہیں تھی، اس لیے کہ اہلِ نظر نے جو کچھ دیکھا وہ بھی میری سعی کا نہیں، تائید کا نتیجہ ہے۔"

میرے حصّے میں کیا آیا! حیرانی اور صرف حیرانی۔

آج بھی جو کچھ لے کر حاضر ہو رہا ہوں، یہ توفیق نہیں انعام ہے.....

میں تو اپنی ذات میں نارسائیوں کی پوٹ ہوں اور کچھ بھی نہیں ہوں۔

نقوش کا رسولؐ نمبر اسی انکسار کی نہایت ہے لیکن محمد طفیل کی "نارسائیوں" کے امکانات جس انداز میں سامنے آئے ہیں ان کا تذکرہ اجمالی طور پر کرنا ضروری ہے۔ وضاحت اور تفصیل اس لیے نہیں کہ مجھے اپنی تنگ دامانی کا احساس زیادہ ہے۔

محمد طفیل نے رسولؐ نمبر دس برسوں میں مرتب کیا ہے اسے پڑھنے کے لیے مزید دس سال مجھے درکار ہیں۔

رسولؐ نمبر کا بنیادی موضوع بلاشبہ نبی اکرمؐ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ تاہم محمد طفیل نے اس مرکزی موضوع سے قرینے اور سلیقے سے بہت سے نئے زاویے تراشے ہیں۔ چنانچہ پہلی جلد میں سیرت نگاری کی تکنیک، سیرت نبویؐ کا بنیادی مواد، سیرت کے دورِ اوّل کے اہم سیرۃ نگاروں کا جائزہ اور سیرۃ نبویؐ کی اوّلین کتابوں اور ان کے مولفین کے بارے میں جملہ معلومات جمع کرنے کی کاوش کی گئی ہے۔ سیرت کی جامعیت کے بنیادی اصولوں پر قاری محمد طیب صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر سیّد معین الحق اور ندیم الواجدی صاحب نے ان دشواریوں کا جائزہ لیا ہے جو سیرۃ نگاری میں بالعموم پیش آتی ہیں اور اکثر اوقات غلط اور گمراہ کن نتائج کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔ ڈاکٹر معین الحق کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ:

"خود ہمارے مصنفوں نے بھی سیرت اور مغازی پر ایسی روایتیں جمع کر دی ہیں جو کسی صورت میں بھی تاریخی شہادت کے جدید معیار پر پوری نہیں اُتر سکتیں۔"

ان دشواریوں کی روشنی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرت نگاروں کی ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا مقالہ حضورؐ کی حیات طیبہ کا استشہاد قرآن کی آیات سے کرتا ہے۔ حضورؐ کی سیرت کے اس ماخذ کی تشریح قاری محمد طیب، محمد عبداللہ سلیم، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا عبدالماجد دریا بادی، ڈاکٹر اسرار احمد، تمنا عمادی، بدرالدین علوی کے گرانقدر اور عالمانہ مضامین سے ہوتی ہے۔ سیرت نگارانِ رسولؐ میں عروہ بن الزبیر، ابن اسحاق، ابن ہشام، ابنِ سعد، ابنِ حزم الاندلسی، ابن عبدالبر، قاضی عیاض، ابنِ کثیر، علّامہ یوسف، ابن الجوزی وغیرہ کا ذکر اور ان کے کام کا تجزیہ محبّت کے زاویے سے کیا گیا ہے۔ اس حصّے میں بہت سے تراجم شامل ہیں اور قیاس یہ ہے کہ اردو دان طبقے کے سامنے یہ مواد پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے۔

رسولؐ نمبر کی دُوسری جلد مکّہ اور مدینہ کی قدیم تاریخ کے علاوہ سیّد سلیمان ندوی کی سیرت النبیؐ کی ساتویں جلد کے تین اہم مضامین بھی جو فخرِ موجوداتؐ کی مکّی اور مدنی زندگی کا احاطہ کرتے ہیں شاملِ اشاعت ہیں۔ معنوی طور پر اس جلد کا موضوع حضورؐ کی سیرت ہے اور یہ فریضہ جناب نعیم صدیقی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، مولوی اسحٰق النبی علوی نے ادا کیا ہے۔ حضورؐ کے مکتوبات و فرامین کا اردو ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے کیا ہے اور اس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب "الوثائق السیاسیہ" سے استفادہ کا ذکر بھی درج ہے۔ حقیقتِ توحید پر ایک فاضلانہ مضمون مولانا امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے اور اس میں توحید کے کثیر الجہت معانی کو استدلال سے روشن کیا ہے۔ اسی جلد میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب محمد رسول اللہ

کا ترجمہ نذیر حق نے کیا ہے۔ اس سے حضورؐ کی سیرت نگاری کا ایک نیا زاویہ سامنے آتا ہے۔ اس سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے کام کے لیے تحسین کا زاویہ بھی نمایاں ہوتا ہے۔

تیسری جلد کا غالب موضوع رحمۃ للعالمینؐ کی معاشرتی زندگی اور حضورؐ کا اُسوہ حسنہ ہے۔ اس میں اسلام سے پہلے کے عالم بشریت کا جائزہ نو سیر حاصل مضامین میں لیا گیا ہے اور لکھنے والے ہیں حافظ مظہر الدین صدیقی، سید امیر علی (ترجمہ محمد ہادی حسین) عبداللہ قدسی، عبدالحمید صدیقی، سید شمس اللہ قادری اور حبیب احمد وغیرہ۔ اسی جلد میں ابوالکلام آزاد اور خلیفہ عبدالحکیم کے متعدد مضامین کو زیب و آرائش سے جگہ دے کر ان اربابِ علم کی اسلامی خدمت اور حُبِّ نبویؐ کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے حضورؐ کی سیرت سے عصرِ حاضر کے نام پیغام اخذ کیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے حضورؐ کی نجی اور گھریلو زندگی کے نقوش مرتب کیے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے حقوقِ اُمت کا جائزہ لیا ہے۔ اس حصے پر نادر و نایاب مقالہ حضورؐ کی سیرۃِ طیبہ پر قائدِ اعظم محمد علی جناح کا ہے۔ اور یہ مقالہ اس موضوع کو ایک جُدا گانہ زاویہ عطا کرتا ہے۔

رسولؐ نمبر کی چوتھی جلد گویا سابقہ تین جلدوں کے مضامین اور حضورؐ کی ذاتِ طیبہ پر محاکے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں بحث سابقہ مطالعوں کی روشنی میں ابھاری گئی ہے اور اس میں سید قطب شہید، سید ابوبکر غزنوی، عبدالرحمٰن عزام بک، ڈاکٹر احمد شلبی، حفیظ اللہ پھلواروی، محمد توفیق حسین اور متعدد دوسرے فضلاء نے حصہ لیا ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے مہماتِ رسول کا عالمانہ جائزہ لیا ہے اور پروفیسر عبدالصمد صارم نے قرآن، اسلام اور رسول کے بارے میں غیر مسلموں کے تاثرات جمع کیے ہیں۔ کارلائل کا مشہور مضمون "محمد ـــ پیغمبرِ انسانیت" کا ترجمہ بھی اسی حصے میں شامل ہے۔

اس اجمال سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ محمد طفیل نے نقوش کے رسولؐ نمبر کے لیے اوّل درجے کا مواد حاصل کرنے کے لیے زمانی اور مکانی طنابوں کو آپس میں ملا دیا ہے۔ انہوں نے قدیم اور جدید کی قدغن کو بھی قبول نہیں کیا اور دنیا کے جس کتب خانے سے اور جس زبان میں بھی گراں قدر مواد ملا ہے اسے نقوش کے رسولؐ نمبر میں سمیٹ لیا ہے۔ چنانچہ اسے نقوش کا ہی نہیں محمد طفیل کا رسولؐ نمبر کہا جائے تو بالکل موزوں ہوگا۔

نقوش میں درج ہے کہ محمد طفیل کو اس نمبر کی اشاعت کے لیے اپنے پریس کا آدھا حصہ فروخت کرنا پڑا۔ اخبارات نے لکھا ہے کہ صدرِ مملکت نے اس گرانقدر اشاعت پر محمد طفیل کو ایک لاکھ روپے کے انعام سے نوازا ہے۔ یہ دونوں زاویے محمد طفیل کی حُبِّ نبویؐ اور تحسین سخن شناس کے مظہر ہیں۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ نقوش کا رسولؐ نمبر شائع کر کے محمد طفیل نے اپنے لیے سامانِ آخرت جمع کیا ہے۔ وہ آرزو پوری کی ہے جو برسوں ان کے دل میں سُلگتی رہی اور اب وہ بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ:

"حضورؐ سے میری بھی کوئی نسبت ہے"

اور اس نسبت کے سامنے دُنیا کی تمام چیزیں اور تمام انعامات ہیچ ہیں۔

چٹان، لاہور

○ دس دروازوں والا شہر ——— اسلم کمال

کیلنڈر پر آج سے دو تین دن بعد ۱۹۸۳ء کی جگہ ۱۹۸۴ء لکھا جائے گا۔ یہ دو تین دن گویا اس سال کے غروب کے آخری دو تین لمحے ہیں۔ یا یُوں کہہ لیجیے، تاریخ کے ایک صفحے کی آخری سطر کے آخری دو تین الفاظ زیرِ مطالعہ ہیں جن کے بعد اگلے صفحے پر لکھا ہوا آنکھ پڑھے گی۔

جریدہ 'نقوش' کے رسولؐ نمبر کی دس جلدیں مکمل ہو گئی ہیں۔ نقوش کے مدیر محمد طفیل عرف محمد نقوش نے اس طرح جریدۂ عالم کو اپنا نقشِ دوام پیش کر دیا ہے۔ نقوش کی یہ دس جلدیں محمد طفیل کا وہ دیرینہ خواب ہے جس کو حقیقت میں بدلنے کے لیے وہ گزشتہ بارہ برس سے مصروفِ کار رہے۔ ساڑھے سات ہزار صفحات پر مشتمل نقوش کا رسولؐ نمبر وہ دس دروازوں والا دیارِ عشق ہے جسے محمد طفیل کے عشق نے دستِ کارکشا و کارساز سے تعمیر کیا ہے۔

ہر شخص کسی شہر میں بستا ہے۔

ہر شخص کے ذہن میں ایک شہر ہوتا ہے۔ زندگی کے ایک ایک لمحے میں وہ اسی ایک شہر کی جانب محوِ سفر رہتا ہے۔ کسی بھی سمت کو یا کسی بھی جہت میں اس کے قدم اُٹھیں اور وہ کوئی سا بھی راستہ اختیار کرے اُس راستے کی انتہا پر اس کی نظر بس اُسی ایک اپنے شہر کو شاد اور آباد دیکھتی ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

بغداد شہر دی کیہ نشانی اُچیاں لمیاں چیراں ہُو
تن من میرا پُرزے پُرزے جیوں درزی دیاں لیراں ہُو
ایہناں لیراں دی گل کفنی پا کے رلساں سنگ فقیراں ہُو
بغداد شہر دے ٹکڑے منگساں کرساں میراں میراں ہُو

جیسے کوئی شاعر کوئی شعری ترکیب ذہن میں بچا کر رکھ لیتا ہے کسی خاص لمحۂ تخلیق کے لیے، یا کوئی مصور کوئی پرتوِ رنگ اٹھا رکھتا ہے کسی چہرے کے لیے، یا کوئی بھکاری دل میں کوئی صدا چھپا کر رکھتا ہے کسی درِ آستاں کے لیے۔ اسی طرح محمد طفیل نے دبا رکھی تھی اپنے نہاں خانۂ روح میں ایک تمنّا' ایک دُعا روضۂ رسولؐ کے لیے۔ اس کا بخت یاور ہوا تو اس نے عرض کی حضرت علامہ اقبال کی زبان میں:

(ترجمہ) "ہم حضورؐ کے دل مبارک میں چھپا ہُوا بھید تھے، حضورؐ نے نعرۂ بے باکانہ لگایا تو ہم نمایاں ہو گئے۔
میری خامشی نے میں حضورؐ کے عشق کا شور ہے، میرے پہلو میں سیکڑوں نغمے تڑپ رہے ہیں۔
مسلمانوں کا وجود حضورؐ کی تجلی گاہ ہے آپؐ کی گردِ راہ سے قدم قدم پر طُور پیدا ہوتے ہیں۔
ہمارے پیکر کا وجود آپؐ کے آئینے سے پیدا ہُوا۔ آپؐ کے سینے کے سُورج سے ہماری صبح نمودار ہُوئی ہے۔

ہر آپؐ کے عشق میں تڑپتے رہنا میرا کام ہے میری شام صبحِ قیامت سے بھی زیادہ گرم ہے۔
آپؐ ابرِ بہاراں ہیں اور میں اس کے لیے باغ ہوں۔ میرے انگور کی شاخ آپؐ کی بارش سے ہری ہے۔
میں نے محبت کے کھیت میں اپنی آنکھ بوئی اور اس سے نظارہ اور دید کا سرمایہ حاصل کیا۔"

محمد طفیل کی دُعا کو شرفِ قبولیت کے پَر لگ گئے کہ مانگنے والوں کی گردِ راہ کے ذرّوں کو بھی مہ و نجوم کا مقدر بخشا جاتا ہے، یہ اُس درِ پاک کی زندہ روایت ہے۔ محمد طفیل نے واپسی پر کہا:

" اسلم کمال! میں نے جو جو مقامات دیکھے اور جہاں جہاں گیا ہوں ہر ہر لمحہ اور ایک ایک ساعت یہ میرا گمان نہ تھا یقین تھا کہ یہ سفر دُہرایا گیا ہے، میرے قلب و رُوح پر تازہ کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ میں پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا ہوں میرے آقا و مولاؐ کی رحمت مجھ پر اِس قدر ....."

اور پھر محمد طفیل کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ میں نے بیس سال سے زائد عرصہ کی رفاقت میں محمد طفیل کی آنکھوں کا یہ فعل پہلی بار دیکھا تھا۔ محمد طفیل کی آنکھ کے اس فعل نے اربوں کھربوں آنکھوں کے ذوقِ دید کے لیے دیارِ عشق کی منظر کشائی کا سامان کر دیا ہے۔

پہلے دروازے سے اس شہر میں داخل ہوں تو سیرت النبیؐ کے لیے بنیادی مواد ملتا ہے۔ سیرت نگارانِ رسولؐ کا یہ کوچۂ خوش اطوار ہے۔ سیرتِ رسولؐ پر اوّلیں کتابوں کے بارے میں تفصیلی معلومات ملتی ہیں۔

اس شہر میں دُوسرے دروازے سے اندر جائیں تو سیرۃ رسولؐ کا حقیقی مطالعہ حقیقتِ توحید اور حقیقتِ وحی کا علم حاصل ہوتا ہے۔

تیسرے دروازے سے اصلاحِ معاشرہ، فلاحی معاشرہ اور سیاسی نظام پر اثرات کی تفصیل ملتی ہے۔

چوتھے دروازے سے اس شہر میں جائیں تو اخلاقی اصلاح اور علمِ انسانی پر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر و نفوذ سامنے آتا ہے۔

اس شہر میں پانچویں دروازے سے داخل ہوں تو عہدِ نبویؐ میں ریاست کا نشو و ارتقاء، عہدِ نبویؐ میں تنظیمِ ریاست و حکومت کا نقشہ ملتا ہے۔

چھٹے دروازے سے اندر جائیں تو اقوالِ رسولؐ، تدوینِ حدیث اور علمِ حدیث پر تحقیق و جستجو کا کارِ خیر دکھائی دیتا ہے۔

ساتویں دروازے سے کاتبانِ وحی کے حالات، دربارِ رسالتؐ کے فیصلے اور مکالماتِ رسولؐ گوشِ ساعت کو نوازتے ہیں۔

آٹھویں دروازے سے یہ شہر اصحابِ صُفّہؓ کے احوال، حضورؐ کی فصاحت و بلاغت اور حضورؐ کے خطباتِ رشد و ہدایت کی کرنیں بانٹتا ہے۔

نویں دروازے سے، پہلی تحریروں کی تکملہ والی صورت سامنے آتی ہے۔

دسویں دروازے سے اس شہر میں نعت پر ابتدائی کام کی بہم رسانی اور نئے موضوعات کا آغاز اپنی خوش نوائی سے نوازتا ہے۔

دس دروازوں والا شہر جس کی جانب محمد طفیل انجانے طور پر زندگی کے ہر لمحے میں سرگرم سفر رہا۔ وہ اس شہر کی جانب چلتا بھی رہا اور اس کی تعمیر بھی کرتا رہا۔ یہ شہر شوقِ طلب اور ذوقِ تعمیر کی صناعی کا نادر نمونہ ہے۔

دس دروازوں والے اس شہر کی آب و ہوا علاجِ خاطرِ آشفتہ حالاں ہے۔ یہاں ذرّے کو آفتاب بنایا جاتا ہے۔ یہاں بدر و حنین اور خندق و تبوک کے معرکے اور رزم گاہیں بھی ہیں۔ اس شہر کے مکین بلالِ حبشیؓ اور ایوب انصاریؓ بھی ہیں۔ یہاں صدیق اکبرؓ ہیں جن پر بنائے عشق و محبت ہے استوار۔ یہاں فاروقِ اعظمؓ ہیں جن کے دل کو قرار جوششِ حق سے ملا۔ یہاں عثمان غنی ذوالنورینؓ ہیں اور خیبر شکن علیؓ ابنِ ابی طالب بھی ہیں۔ اس شہر میں آقائے دوجہاںؐ کو شبستانِ حرا کی یاد آتی ہے تو اُحد پہاڑ نیاز مندی میں بچھ بچھ جاتا ہے۔ یہاں شمعِ رسالت کے پروانوں پر ظلم و ستم کی دلخراش خبریں بھی آتی ہیں اور دُور دراز سے فتوحات کی خوشخبریاں بھی ملتی ہیں غرض اس دس دروازوں والے شہر میں مکہ مدینہ ہو گیا تو مدینہ مکہ ہو گیا ہے۔

کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جب انسان عدل نہیں مانگے گا، انصاف نہیں چاہے گا، محبت کا پیاسا نہیں ہوگا، خلوص کی تلاش نہیں کرے گا۔ انسان کا اجتماعی شعور جب بھی ہدایت مانگے گا اور رنگ و نسل، حسب و نسب اور رشتہ و پیوند کی زنجیریں توڑ کر میثاقِ آدمیت پر دستخط کر کے ایک انسانی مملکت کی تشکیل کرے گا تو اس مملکت کا دار الخلافہ میرا، آپ کا اور سب کا یہی دس دروازوں والا شہر ہوگا۔

اس شہر کے سب رستے، ساری گلیاں، تمام کوچہ و بازار، ہر آنگن، ہر محفل، ہر خلوت، ہر جلوت میں شوخیِ نقشِ پا حضورؐ کے نزاہِ عفت مآب کی گواہی دیتی ہے۔ اس شہر کی زمین کے ذرّے، کنکر اور خار و خس اور آسمان کے آفتاب و ماہتاب اور ستارے سارے کے سارے حضورؐ کی سیرتِ پُر انوار کا ذکر کرتے ہیں۔ اس شہر کے سب کھیت کھلیان، سبزہ و گُل، حجر، شجر، باغ و راغ حضورؐ کے کردارِ رحمت شعار کی بات کرتے ہیں۔ اس شہر کے تمام ذی نفس ذی روح جن و انس و ملک سب کے سب یہی کہتے ہیں۔ حضورؐ عدل پرور، انصاف گستر، بے مثال، بے نظیر، بے حد کریم، برابر حلیم خلقِ عظیم اور سراسر رؤف و رحیم تھے۔ یتیموں کے والی، غلاموں کے مولاؐ تھے۔

دس دروازوں کے اس شہر میں چلے آیئے اور ملّا جامیؒ کے ہمنوا ہو جایئے : ؎

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست

جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

امروز ہفت روزہ اشاعت ۳۰ دسمبر ۱۹۸۳ء

○

لاہور کے ادبی مجلّہ "نقوش" نے اپنے ضخیم خاص نمبروں کے لحاظ سے بجا طور پر لاثانی شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ اس کے پچھلے نمبر تمام تر ادبی موضوعات سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً شخصیات نمبر، افسانہ نمبر، اقبال نمبر، غالب نمبر، مکاتیب نمبر، آپ بیتی نمبر وغیرہ۔

لیکن یہ خاص نمبر، ان سب سے جُدا ایک دینی موضوع پر اور موضوع بھی ایسا جو ہر مسلمان کے لیے باعثِ کشش اور اس کے ذوقِ ایمانی کو تازہ کرنے والا ہے یعنی سیرۃِ رسولؐ اور اس کے مبادیات و متعلقات پر، حُسنِ طباعت و کتابت کے ساتھ شائع ہوا ہے اور اردو کے اعلیٰ ادبی معیار کو بھی اس میں پچھلے خاص نمبروں کی طرح قائم رکھا گیا ہے۔ اس کے ذریعہ محمد طفیل صاحب مدیر رسالہ نے جواب تک صرف ادبِ اردو کے خادم کی حیثیت رکھتے تھے دین کی بھی ایک بڑی اور سدا بہار خدمت انجام دے ڈالی۔

یہ خاص نمبر، سیرتِ نبوی کے موضوع پر صحیح معنی میں انسائیکلو پیڈیائی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے سبھی مضامین مستند، جچے تلے اور لائقِ استفادہ ہیں۔ ان چار ضخیم نمبروں کی تفصیلی مطالعہ کے لیے ہفتوں نہیں مہینوں کی نوبت درکار ہے۔ حصہ اول کی تفصیلی فہرست مضامین تقریباً چار صفحوں میں آئی ہے۔

پہلے حصہ کے مضامین سیرتِ طیبہ کے مبادیات اور اوّلیات اور سیرت نگاری کی تکنیک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ اہلِ علم کے علم میں اضافہ کرنے والا ہے۔ بعض مضامین عام قارئین کے لیے بھی بڑے کارآمد ہیں خصوصاً "ہمہ قرآن در شانِ محمدؐ" کے عنوان سے جس میں فاضل مقالہ نگار ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے پورے قرآن یعنی سورۂ فاتحہ سے لے کر سورہ والناس تک کا بہترین خلاصہ پیش کر کے یہ دکھایا ہے کہ "قرآن اپنے لانے والے (نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کو کس رنگ میں پیش کرتا ہے"۔

جلد اول کا پہلا مقالہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے "پندرھویں صدی ہجری، ماضی و حال کے آئینہ میں" بڑا ہی موثر اور ایمان آفریں ہے۔

دوسرا فاضلانہ مضمون مولانا قاری محمد طیب صاحب کے قلم سے "سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول" اس سے قبل یہ کراچی کی ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں پڑھا جا چکا اور اہلِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔

مولانا ابوالحسن علی کا ایک اور اہم مضمون "سیرت نگاری کی ذمہ داریاں" بھی اس نمبر کی زینت ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا ایک مضمون "نبوتِ محمدیؐ پر قرآن میں استدلال" کلامی نقطۂ نظر سے بہترین ہے اور اس میں مستشرقین اور ان کے مقلدین کے اعتراضات کے بھی مدلل جوابات موجود ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم مدیر صدقِ جدید کے مدراس کے قرآنی لکچر جو سیرتِ نبویؐ قرآنی یا خطباتِ ماجدی

کے نام سے دوبارہ شائع ہو چکے تھے وہ بھی اس خاص نمبر میں "سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں" کے زیرِ عنوان درج ہیں۔

مولانا محمد حنیف ندوی کا مضمون "قرآن حکیم میں اطاعتِ رسولؐ" خاص طور سے قابلِ مطالعہ ہے اس میں بعض نام نہاد مدعیانِ علم کے اس دعوے کی پوری تردید قرآن سے کی گئی ہے کہ پیغمبر کی حیثیت محض مبلّغ اور شارح کی ہے شارع کی نہیں، اور اس بنا پر ان صاحبان کا نقطۂ نظر یہ ہے:

"ہر دَور کے اہلِ علم کو یہ حق ہے کہ وہ معاشرے کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے طور سے کتاب اللہ کی تشریح کریں۔"

عہدِ نبویؐ میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین پر سید بدرالدین علوی کا مضمون موضوع کے حق کو پوری طرح ادا کرتا ہے۔

"سیرت نگارانِ رسولؐ" کے زیرِ عنوان پہلے سیرۃ نگار حضرت عروہ بن زبیرؓ پر خلیل ابراہیم صاحب کے عربی مضمون کا اردو ترجمہ محمد اجمل اصلاحی صاحب کے قلم سے اور ابنِ اسحاق کی سیرتِ رسولؐ پر مشہور مغربی مستشرق الفریڈ گیوم کے مضمون کا ترجمہ پروفیسر تحسین فراقی کے قلم سے بڑے پُر معلومات ہیں۔

اس بڑے عنوان کے تحت اس قسم کے دوسرے محققانہ مضامین سیرت کی قدیم عربی کتب سیرت ابن ہشام، طبقات ابنِ سعد، تاریخ یعقوبی وغیرہ سے متعلق اہلِ علم کے بڑے کام کے ہیں۔

آخری طویل مضمون "سیرت نبویؐ کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین" پر ایک جرمن مستشرق جوزف ہیرووتس کا لکھا ہوا ہے جس کے انگریزی و عربی تراجم کو سامنے رکھ کر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اسے اردو کا لباس پہنایا ہے۔

اس نمبر کے دوسرے مضمون نگاروں میں مولانا تمنا عمادی مرحوم، ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ بھی شامل ہیں۔

یہ خاص نمبر اردو کے سیرتی لٹریچر میں نہایت وقیع و قابلِ قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے اور محمد طفیل صاحب اس اہم دینی خدمت کے لیے مستحق مبارکباد اور اس سے کہیں زیادہ مستحق اجر ہیں۔ مدیرِ صدقِ جدید' مولانا دریا بادی کاش آج زندہ ہوتے تو یقیناً وہ طفیل صاحب کی اس خدمتِ دین کی صحیح داد اپنی مخصوص انشاء میں دیتے۔ (صدق جدید۔ لکھنؤ)

نقوش کا رسولؐ نمبر ——— ڈاکٹر خلیق انجم،

"نقوش" اردو کا واحد رسالہ ہے جس نے اہم موضوعات پر ضخیم نمبر شائع کر کے اردو صحافت ہی نہیں بلکہ اردو ادب کی تاریخ میں ممتاز اور نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ نقوش کے اب تک بیس پچیس اہم نمبر شائع ہو چکے ہیں، جن میں غزل نمبر، طنز و مزاح نمبر، شخصیات نمبر، مکاتیب نمبر، آپ بیتی نمبر، اقبال نمبر، غالب نمبر، ادبی معرکے نمبر، خطوط نمبر اور منٹو نمبر وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

ان سب میں کئی نمبر ایسے ہیں جو دو دو جلدوں میں شائع ہوئے ہیں اور جن میں متعلقہ موضوع کے ہر ممکن پہلو کا احاطہ کیا گیا تھا۔ حال ہی میں "نقوش" کا رسولؐ نمبر شائع ہوا ہے۔ یہ غالباً ۱۴ یا ۱۵ جلدوں میں مکمل ہوگا۔ فی الحال اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں جو ۳۰۷۶ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان چاروں جلدوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت رسول اللہ

ی اللہ علیہ وسلم کے سوانح، شخصیت، سیرت اور انسانیت اور ان کے دین کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو کہ دنیا کی کسی بھی زبان میں کسی رسالے نے آنحضرتؐ پر اتنا ضخیم نمبر ابھی تک شائع نہیں کیا۔ پہلی جلد میں "پندرھویں صدی ہجری، ماضی اور حال کے آئینے میں" ہمارے عہد کے جیّد عالم مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا تحقیقی مقالہ ہے جس سے عالم انسانیت میں آنحضرتؐ کی اہمیت کا اور ان کے اعلیٰ ترین مقام کے وجوہ کا مکمل اندازہ ہوتا ہے۔ چار مختلف مقالوں میں سیرت نگاری کے فن پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان میں "سیرت نگاری کی ذمہ داریاں" بہت اہم مقالہ ہے۔ اس کے مصنّف بھی مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی ہیں۔ یہ مقالہ صرف مذہبی شخصیتوں کی سیرت نگاری کے لیے ہی نہیں بلکہ مختلف فنون کے ماہرین کی شخصیت اور سیرت نگاری میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

ایک بہت طویل مقالے میں بتایا گیا ہے کہ قرآن شریف میں کہاں کہاں آنحضرتؐ کا ذکر آیا ہے اور قرآن شریف کی اس آیت کا سیاق و سباق کیا ہے اور اس آیت سے آں حضرتؐ کی شخصیت اور سیرت پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

مولانا قاری محمد طیب نے "رسول اللہ قرآن کریم کی عملی تفسیر" کے عنوان سے مقالہ لکھا ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ کی پوری زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی کا مقالہ "سیرت رسولؐ قرآن کی روشنی میں" بہت عالمانہ اور تحقیقی انداز میں لکھا گیا ہے۔

مختلف حضرات نے ان بزرگوں پر مقالے لکھے ہیں، جنھیں درجہ اول کے سیرت نگار کہا جاتا ہے۔ یہ مقالے بھی بہت تحقیق اور جستجو سے لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد سیرۃ نبویؐ کی اوّلین کتابوں اور ان کے مصنّفین کا جائزہ لیا گیا ہے۔

طفیل صاحب نے اردو کے سلسلے میں اتنا کام کیا تھا کہ ہمیں خیال تھا کہ انھوں نے اپنی مغفرت کا انتظام کر لیا ہے اب رسولؐ نمبر کے بعد یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انھوں نے اپنی آخرت سنوار لی ہے۔

(ہماری زبان۔ دہلی)

○

'NAQOOSH: RASOOL NUMBER MONUMENTAL WORK OF HOMAGE

by Khaled Ahmed

FOUR volumes (800 pages average) of 'Rasool Number' have been published by 'Naqoosh', Lahore's prestigious literary journal. At least six more volumes are in preparation to encompass a lifetime's interest of Muhammad Tufail, the Edifor, in the life and work of the Holy Prophet (peace be on him). As an anthology of research and a treasury of sources, these volumes will be a most valuable contribution to the literature of the 15th Centry Hijra.

When Maulana Shibli undertook his gigantic 'Seerat' in 1933, the Begum of Bhopal was among the patrons who gave 50,000 rupees for the great biography. Tufail has had to sell a part of his press to finance the first four volumes, each priced at Rs. 100 (library edition) and Rs. 60 (readers' edition). Calligraphy on them began in 1972 and has been completed in 1982, giving proof of Tufails's steadfastness and devotion to the divine subject. His contribution to the literature of the Prophet's (peace be on him) life is the excellent arrangement of themes and careful selection of rare and high-quality material. Once again 'Naqoosh' will be a collector's delight.

Islamic scholarship follows the trinity of priorities established over hundred of years: Seerat–Hadith–Tafseer. Volume One deals with the entire known sources of the Prophet's (peace be upon him) biographies. Maulana Syed Abdul Hassan Ali Nadvi looks forward to the 15th Century Hijra in the light of our past and lays down a 10-point programme for a successful revival of Muslim for tunes. Qari Muhammad Tayyab raises some basic issues in the 'Seerat' scholarship and explains the main trends in early writings.

Maulana Nadim-ul-Wajidi states that 'Seerat' was traditionally taken to include accounts of the Prophet's (peace be on him) life from birth to demise including accounts of his Companions' lives. A lot of biographical material was produced during the lifetime of the Prophet (peace be on him) and the most authoriative 'life' was the one chronicled by Ibne Ishaq. But a 'life' is different from 'Hadith' as the latter is confirmed in its careful assessment of truth while the former is an inclusive record with aspects not scientifically acceptable as truth. He points to Ibne Ishaq's tendency to record 'week' sources and Waqidi's lack of authority as in 'Hadith'.

Dr. Syed Moeenul Haq's essay on the 'Seerat' literature discusses the challenges of Western orientalism which must be accepted by us and praises Sir Syed Ahmad for establishing a tradition by correcting William Muir's biography of the Prophet (peace be on him) Maulana Syed Abul Hassan Ali Nadvi sets down the minimal obligations of the writer of 'Seerat'.

Dr. Ghulam Mustafa Khan discusses the first source of information on 'Seerat', the Quran. Qari Muhammad Tayyab studies the life of the Prophet (peace be on him) as an exegesis of the Quran and Qari Muhammad Abdullah Saleem examines the personality of the Prophet (peace be on him) as explained by Allah, Maulana Muhammad Haneef Nadvi's essay attempts to discover how the Quran explains prophethood. The same author contributes

insight into the concordance of 'Seerat' and the Quran. A classic research paper by Maulana Abdul Majid Daryabadi studies the life of the Prophet (peace be on him) in the light of the Quran. Dr. Israr Ahmad's paper on the purposes of the Prophethood as explained in the Quran Tammana Ammadi's study of the trinity of 'Muhammad–Quran–Allah', and Syed Badruddin Alvi's dicussion of the compilation of the Quran in the lifetime of the Prophet (peace be on him) complete the introduction to the art of writing the 'Seerat'.

The scholarship on sources is represented by Muhammad Ajmal Islahi (translated by Khalil Ibrahim) who discusses the earliest writer Urwah bin Zubair of Medina. Tehseen Firaqi does an admirable job of translating Guillaume on Ibne Ishaq and also introduces the author, an important detail usually omitted by our scholars. One learns about the extent of Ibne Ishaq's reliability as a source: Iman Hanbel accepted his account but did not rely on it for the adjudication of issues Muhammad Ajmal Islahi writes about Ibne Hisham whose edition of Ibne-Ishaq only has survived. Hisham excised a lot of indecent and defamatory poems from the original and added what he thought was worthy.

Dr. Nisar Ahmad Farooqi has written an interestingessay on Ibn Saad and his 'Tabaqat'; Dr. Muhammad Yasin Siddiqi on Yaqubi is equally engaging. A very modern paper on Ibne Hazm has come from Palestinian scholars Dr. Ahsan Abbas and Dr. Nasiruddin Assad ably translated by Ajmal Islahi The same translator has rendered Dr. Shauqi Zaif on Abdul Barr. The most comprehensive Arab scholar of the 8th Century A.D., Ibne Kathir is satisfactorily examined by Dr. Masoodur Rahman Nadvi. A recent source, Allama Yusuf bin Ismael (1848) is studied by Abdul Hakeem Sharaf Qadiri while Ghulam Jilani Barq

writes informatively about the 13th century A.D. writer of 'Seerat' Ibne Jauzi of Baghdad. The final essay in the volume is the admirable study of early 'life' made by Joseph Horovitz, translated into English by Pickthall and now rendered into Urdu by Dr. Nisar Ahmad Farooqi.

Volume Two takes us from issues of methodology to the actual substance of 'Seerat'. A hundred pages are devoted to the central question of the chronology of the life of Muhammad (peace be on him) and give us an authentic graded glimpse into the internal and external nature of the divine personality. Articles by Maulvi Ishaq-ul-Nabi on the subject enrich this section. Dr. Nisar Ahmad Farooqi has compiled the next section on the correspondence of the Holy Prophet (peace be on him) a most absorbing glimpse into the intellect of the greatest of then.

Three hitherto unpublished articles of Syed Sula-i-man Nadvi are offered in the section on actual niography. Together with Shibli, Maulana Nadvi is the pride of South Asian scholars on the subject closest to the heart of Muslims. Tufail's admiration of a 'life' written in English by Dr. Hamidullah causes it to be included in the next section, another 'first' in Urdu.

Volume Three contains 64 articles of excellent research on the Holy Prophet (peace be on him). This is actual biography, the crux of the whole effort made by Tufail whose uncanny grasp and discrimination in the corpus of literature produced in the 20th century is put to proof. Befittingly, the article on the pre-Islamic World is from Syed Ameer Ali. Half a dozen essays by Abdul Kalam Azad bring out the profound insight into the history and inspiration of Muhammad (peace be on him) which the Maulana possessed. More philosophical and exact is the pen of Khalifa Abdul Hakeem whose share also runs to more than six articles. Tufail's preference about authority is immaculate: it mixes literature with highclass research.

It is a pleasant surprise to see a very able essay penned by the Quaid-i-Azam on the Holy Prophet (peace be on him). There is Maulana Ashraf Ali Thanvi on the duties imposed upon us by our devotion to the Prophet (peace be on him), Dr. Syed Abdullah on the contemporary application of the example of the Prophet's life, the Late Justice S.A. Rahman on the concept of justice as epitomised by the Prophet (peace be on him). Writers include Abdul Majid Daryabadi, Dr. Khursheed Ahmad, Dr. Israr Ahmad, Raees Ahmad Jafri, Mulla Vahidi and many other luminaries.

Volume Four continues the inquiry into the most remarkable personality the world has even known. The discussion is thrown open by the great Arab scholar Syed Qutb Shaheed and is joined by a dozen scholars, of the stature of Dr. Hamidullah and Abdul Rahman Azzam, on the subject of 'Uloom': sciences, social sciences, eduction, medecine and mathematics--all inspired by the personality of Muhammad (peace be on him) Hafiz Mufti Muhammad Anwarul Haq leads the discussion of ethics under the Holy Prophet (peace be on him) with a full-length paper and is followed by Maulana Ashraf Ali Thanvi, Pir Karam Ali Shah and Abdul Haleem Mahmood (rector of Cairo's Al Azhar).

Brig. Gulzar Ahmad and Tahir Farooqi write on the battles fought by Muhammad (peace be on him) as a commander of the faithful. Ghulam Jilani Barq has compiled a comprehensive list, with commentary, of all the 'ghazwaat' which makes very good reading. This is followed by a devotional article by Munshi Ragunath Rao and a collection of quotes about the Holy Prophet (peace be on him) by a number of well-known non-Muslim personalities. Carlyles famous essay on Muhammad Ipeace be on him) as a hero of humanity is included; so is the one by Dr. Allama Iqbal on the importance of the Prophet's birthday.

Tufail had published a number of 'Naqoosh' about world biography in 1964. All the personalities of the world meriting a note were included and the volums comprised 1964 pages. In 1982, Tufall is presenting the life of a single man and the four volumes now published have surpassed 3,000 pages. And that is not even one-third of the material he has on his desk! The institution of 'Naqoosh' has paid a worthy tribute to the last Prophet (peace be upon him) and, in so doing, has reached the fulfilment dreamed of by this one-man literary show, Muhammad Tufail.

A HISTORIC FEAT

By M. A. Siddiqui

NAQOOSH'S RASOOL NUMBER is undoubtedly a document of great importance. Only four volumes of the contemplated 10-volume package have managed to see the light of day so far but it is already being talked about as Mohammad Tufail's labour of love which has added yet another laurel to Mohammad Naqoosh's cap.

Mohammad Tufail and Urdu language could justly pride on the achievement. No other journal – literary or religious – has ever attempted such a tribute to the Prophet of Islam. One feels and not quite unjustly that Michael H. Hart's much-talked-about book "The 100 – A Reading of the Most Influential Persons in History" (A&W Publishers Inc. 1978) is only eminently right in according Prophet Muhammad the first place in the List of Honours.

Mohammad Tufail plans to bring out ten volumes. The first four volumes, so far published, unfold a creative format, and to those who might be justly recalling Allama Shibli's contribution to **Seeratnigari** (which is mainly the work of Allama Syed Sulaiman Nadvi) would be rightly happy to know that the volume II of this Number includes the late Sulaiman Nadvi's mamoth work. We should be grateful to Mohammad Tufail for having procured this document from Dr Salman Nadvi, son of the late Allama Sulaiman Nadvi, who is teaching at Durban University at the moment and is in his own right prominent scholar.

The first volume deals with the holy Quran, books on Seerat (Prophet's life) and the science of Seerat It is a 816-page document and contains the authoritative writings from eminent scholars like Syed Abul Hasan Ali Nadvi, Qari Mohammad Tayyab, Dr Nisar Ahmed Farooqi, Dr. Masood-ur-Rahman Khan Nadvi, Ghulam Jeelani Burq. The exhaustive article **Hama Quran Dar Shan-i-Mohammad** and the translation of Joseph Horovitz's writing about the early books on Prophet Muhammad, besides Maulana Syed Abul Hasan Ali Nadvi's **Pandarwhin Sadi Hijri – Mazi Aur Hal Ke Aaine Mein**, are marvellous pieces. One gets the impression that it is not articles but concise books. that one is going through, written with tremendous power of authority.

The second volume (760 pages) deals with Prophet's life. The section on Seerat's **Tauqeet** (chronological account of Prophet's life) is a beautiful summation. Prophet Muhammad's letters are another attraction.

This volume is an important document. It looks like a familiar path often trodden. But a painstaking feat of editing has made the effort so rewarding that we start feeling an affiinity with the whole approach.

The other articles which merit our attention in the second volume deal with the ancient history of Makkah and Medina. The most rewarding exercise is the translation of Dr M. Hameedullah's famous book **Mohammad Rasulullah** which runs from pages 515-760. Dr Hameedullah is a scholar of international repute and it is a good decision to have this book translated into Urdu.

And now we move to the third volume. It deals with the pre-Islamic times, the personality of the Prophet and his role as a human being and Prophet. The 748-page volume is, I believe, a marvellous effort and one is amazed at the painstaking research articles contributed by some of the eminent writers.

The one writer who could be regarded as one of the main contributors of this Number is Dr. Nisar Ahmed Farooqui. He is a well-known Urdu critic and research scholar, teaching Arabic at the University of Delhi. His work on Mir, Ghalib and other classical poets has met with unreserved praise but it is for the first time that he has acquitted himself admirably well in a field which demands complete command over the Arabic language, social dynamics of Islam and the whole field of historiography.

Mohammad Tufail has spotted a scholar which until now was known as an authority on Mir and Ghalib. This is what makes religious topic attain a new dimension. Scholars like Shibli, Maulana Abdul Majid Daryabadi, Abul Hasan Ali Nadvi, Sulaiman Nadvi, Saeed Ahmed Akbarabadi, Ghulam Rasul Mehr, Ghulam Jeelani Burq have become or are in the process of becoming a thing of the past. Nisar Ahmed Farooqi is perhaps the only writer – in his forties – well set on following into the foot steps of those writers whose knowledge of religion and literature was simply marvellous. It is rather surprising that all those scholars who approached religion and literature with equal ease were eminently tolerant persons. Shibli's example is heart-warming. So is Sulaiman Nadvi's loving preface to Jigar Morabadi's Shola-i-Toor,

Saeed Ahmed Akbarabadi's paternalisti treatment ot Khyyam, Maulana Ashraf Ali Thanvi's defence of Hallaj, Abdul Hasan Ali Nadvi advocacy of Iqbal besides Sabahuddin Abdur Rahman's work on Ghalib.

Naqoosh's Rasul Number is an important document cementing the bonds between literature and religion and we come across many a literary and religious luminary providing pleasant proofs of their catholicity.

The fourth volume, comprising 752 pages, covers yet another aspect and quite thoroughly. This is the portion on **Aswa-i-Husna.** Many pieces of sound scholarship enchant us. Prophet Muhammad's role as the great revolutionary and his influence on human knowledge and wisdom has been ably discussed. Some of the pieces worth mentioning in particular are : **Uloom-i-Insani Ke Faroogh Per Hamare Rasool Ka Asar, Hamara Rasool Ba Haisiat Sipah Salar** and **Hamare Rasool Ghair Muslimon Ki Nazar Main.** Each section of this volume, like all other volumes, is so exhaustive that the whole effort could be treated as the compendium of some important books and articles grouped together under a well-thought-out scheme. The editing part of the effort is important in that it is the editor who, helped by his advisers, exhibits a rare determination to approach the subject with a feeling that major part of literature on Islam is about the Prophet and there could be no paucity of excellent material. Therefore, the norms of selection have to be exacting.

The humility and sense of pride which courses through Mohammad Tufail's opening lines preceeding each volume are perfectly understandable and justified. It is not without some rhyme and reason that he has most humbly solicited his readers, cooperation in pointing out all lapses which might come to their knowledge. A work of this size and importance could not aspire for being error-free but the way Mohammad Tufail has pain-stakingly tri d to do justice to the theme is commendable and he deserves an unreserved commendation for this document of historic importance.

۲

نقوش نے ادب کی دُنیا میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔

نقوش کا ہر نمبر، تاریخِ ادبِ اُردو کا زرّیں باب ہے۔

⊙

ادارۂ نقوش

نے

۵۳۰۰۰ سے زاید صفحات چھاپے۔

۱۰۰۰۰ صفحات سیرت پر پیش کیے۔

دُنیا کا کوئی ادبی اور مذہبی رسالہ **نقوش** کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

کیونکہ

ادبی صفحات کو سراہنے والوں میں : بابائے اُردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر رام بابو سکسینہ، نیاز فتچپوری، امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود، رشید احمد صدیقی، مالک رام، فراق گورکھپوری، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، عبدالمجید سالک، پطرس بخاری۔

مذہبی صفحات کو سراہنے والوں میں : ڈاکٹر محمد حمیداللہ، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، سید محمد متین ہاشمی، مولانا محمد مالک کاندھلوی، میاں طفیل محمد، مولانا نعیم صدیقی، ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، صباح الدین عبدالرحمٰن، مولانا سید اسعد گیلانی

ایسے بڑے نام شامل ہیں

بابائے اردو مولوی عبدالحق:

مکرمی محمد نقوش صاحب سلمہٗ

"نقوش" (شخصیات نمبر) : یہ پوٹ کی پوٹ، اکٹھے سات سو صفحے، خدا کی پناہ! اسے رسالہ کون مسخرہ کہتا ہے، یہ تو ابوالرسائل ہے۔ اس پر اظہار رائے آسان نہیں۔ اتنی ساری شخصیتیں اور ان پر لکھنے والوں کی شخصیتیں اور ان پر مقالے ایک طومار ہے۔ یہ نمبر دراصل قاموس شخصیات ہے جو مدتوں یادگار رہے گا اور لوگ حوالے اور استناد کے لیے اسے ڈھونڈا کریں گے آپ کا ہر نمبر کسی خاص موضوع پر ہوتا ہے اور یہ آپ کا کمال ہے کہ ہر موضوع پر اچھے اچھے لکھنے والے آپ کو مل جاتے ہیں مگر تازہ شخصیات نمبر سب پر بازی لے گیا۔ اب صرف ایک شخصیت رہ گئی ہے جو عجیب و غریب ہے۔ اس کا لکھنے والا ایک نہیں ہو سکتا، کئی ہوں گے عجب نہیں کسی روز پورا نمبر آپ ہی کی شخصیت پر نکلے۔

(۲)

رام بابو سکسینہ:

"The Nuqoosh has made history for Urdu Journalism. It is a veritable mine of information. There is no parallel in Urdu, or in most of the languages of India for such varied, useful and monumental numbers. Only the genius of the compiler and organiser, Mohammad Tufail, could achieve the miracle. The "MAKATIB NUMBER" is a veritable feast and offers variegated fare of high quality. I congratulate all concerned on the splendid achievement. All lovers of Urdu owe a debt of gratitude to this master spirit."

Dr. RAM BÀBU SAKSENA
Member Sahitya Academy India.
(مصنف تاریخ ادب اُردو)

نقوش

کا اشاعتی خاکہ

شمارہ نمبر	سنہ		موضوع	صفحات
۱۹ - ۲۰	اپریل ۱۹۵۱ء		عام شمارہ	۲۳۲
۲۱ - ۲۲	مئی ۱۹۵۲ء		عام شمارہ	۲۶۴
۲۳ - ۲۴	جولائی ۱۹۵۲ء		عام شمارہ	۲۴۰
۲۵ - ۲۶	ستمبر ۱۹۵۲ء	○	افسانہ نمبر	۴۰۰
۲۷ - ۲۸	نومبر ۱۹۵۲ء		عام شمارہ	۲۴۰
۲۹ - ۳۰	فروری ۱۹۵۳ء	○	پنج سالہ نمبر	۴۰۸
۳۱ - ۳۲	مئی ۱۹۵۳ء		عام شمارہ	۲۰۸
۳۳ - ۳۴	اگست ۱۹۵۳ء		عام شمارہ	۲۰۸
۳۵ - ۳۶	اکتوبر ۱۹۵۳ء		عام شمارہ	۲۴۸
۳۷ - ۳۸	جنوری ۱۹۵۴ء	○	افسانہ نمبر	۵۰۶
۳۹ - ۴۰	مارچ ۱۹۵۴ء		عام شمارہ	۲۱۶
۴۱ - ۴۲	مئی ۱۹۵۴ء	○	غزل نمبر	۴۸۰
۴۳ - ۴۴	جولائی ۱۹۵۴ء	○	ضمیمہ غزل نمبر	۲۵۶
۴۵ - ۴۶	ستمبر ۱۹۵۴ء		عام شمارہ	۲۶۴
۴۷ - ۴۸	جنوری ۱۹۵۵ء	○	شخصیات نمبر	۷۰۰
۴۹ - ۵۰	۱۹۵۵ء	○	منٹو نمبر	۳۸۴
۵۱ - ۵۲	جولائی ۱۹۵۵ء		عام شمارہ	۲۴۸

پہلے ۱۸ شمارے جناب احمد ندیم قاسمی، محترمہ ہاجرہ مسرور اور جناب سید وقار عظیم نے مرتب کیے تھے یہاں پر محمد طفیل کی ادارت میں شائع ہونے والے نمبروں کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

۵۳-۵۴	دسمبر ۱۹۵۵ء	○ افسانہ نمبر (دو جلدیں)	۱۰۹۰
۵۵-۵۶	مارچ ۱۹۵۶ء	عام شمارہ	۲۰۸
۵۷-۵۸	جون ۱۹۵۶ء	عام شمارہ	۲۴۶
۵۹-۶۰	اکتوبر ۱۹۵۶ء	○ شخصیات نمبر حصہ دوم	۸۱۶
۶۱-۶۲	جنوری ۱۹۵۷ء	سالنامہ	۳۸۴
۶۳-۶۴	جون ۱۹۵۷ء	عام شمارہ	۳۱۲
۶۵-۶۶	نومبر ۱۹۵۷ء	○ مکاتیب نمبر (دو جلدیں)	۱۰۴۸
۶۷-۶۸	اگست ۱۹۵۸ء	○ دس سالہ نمبر	۴۵۴
۶۹-۷۰	اکتوبر ۱۹۵۸ء	عام شمارہ	۲۷۲
۷۱-۷۲	فروری ۱۹۵۹ء	○ طنز و مزاح نمبر	۹۲۸
۷۳-۷۴	مئی ۱۹۵۹ء	عام شمارہ	۳۵۲
۷۵-۷۶	ستمبر ۱۹۵۹ء	○ پطرس نمبر	۶۴۰
۷۷-۷۸	دسمبر ۱۹۵۹ء	○ خاص نمبر	۳۹۴
۷۹-۸۰	اپریل ۱۹۶۰ء	○ ادب عالیہ نمبر	۱۲۷۰
۸۱-۸۲	جون ۱۹۶۰ء	عام شمارہ	۲۸۰
۸۳-۸۴	اگست ۱۹۶۰ء	عام شمارہ	۲۵۶
۸۵-۸۶	نومبر ۱۹۶۰ء	○ افسانہ نمبر	۷۰۴
۸۷	فروری ۱۹۶۱ء	عام نمبر	۳۱۲
۸۸	مئی ۱۹۶۱ء	عام نمبر	۲۴۶
۸۹	جنوری ۹۶۰ء	○ غزل نمبر (اضافہ شدہ)	۷۵۲
۹۰	اکتوبر ۱۹۶۱ء	عام نمبر	۲۶۴
۹۱	دسمبر ۱۹۶۱ء	عام نمبر	۳۰۴
۹۲	فروری ۱۹۶۲ء	○ لاہور نمبر	۱۲۰۴
۹۳	مئی ۱۹۶۲ء	عام شمارہ	۳۲۸
۹۴	جولائی ۱۹۶۲ء	عام شمارہ	۳۰۶

۹۵	اکتوبر ۱۹۶۲ء	عام شمارہ	۳۱۲
۹۶	جنوری ۱۹۶۳ء	○ سالنامہ	۶۰۸
۹۷	مارچ ۱۹۶۳ء	عام شمارہ	۳۰۸
۹۸	جون ۱۹۶۳ء	عام شمارہ	۴۰۸
۹۹	ستمبر ۱۹۶۳ء	○ شوکت تھانوی نمبر	۶۲۴
۱۰۰	جون ۱۹۶۴ء	○ آپ بیتی نمبر (دو جلدیں)	۱۹۶۴
۱۰۱	نومبر ۱۹۶۴ء	عام شمارہ	۵۶۸
۱۰۲	مئی ۱۹۶۵ء	عام شمارہ	۵۰۰
۱۰۳	ستمبر ۱۹۶۵ء	عام شمارہ	۵۵۲
۱۰۴	جنوری ۱۹۶۶ء	عام شمارہ	۵۱۰
۱۰۵	اپریل ۱۹۶۶ء	○ سالنامہ (تین جلدیں) (جنگ نمبر)	۱۲۲۴
۱۰۶	اکتوبر ۱۹۶۶ء	○ خاص نمبر	۶۱۲
۱۰۷	مئی ۱۹۶۷ء	عام شمارہ	۴۲۶
۱۰۸	ستمبر ۱۹۶۷ء	○ خاص نمبر	۶۲۰
۱۰۹	اپریل ۱۹۶۸ء	○ خطوط نمبر (تین جلدیں)	۱۷۲۰
۱۱۰	نومبر ۱۹۶۸ء	○ افسانہ نمبر	۶۷۶
۱۱۱	فروری ۱۹۶۹ء	○ غالب نمبر ۱	۸۴۰
۱۱۲	اگست ۱۹۶۹ء	عام شمارہ	۳۲۲
۱۱۳	اکتوبر ۱۹۶۹ء	○ غالب نمبر ۲	۳۸۸
۱۱۴	جولائی ۱۹۷۰ء	عام شمارہ	۳۹۲
۱۱۵	دسمبر ۱۹۷۰ء	عام شمارہ	۴۴۸
۱۱۶	ستمبر ۱۹۷۱ء	○ غالب نمبر ۳	۶۱۲
۱۱۷	مئی ۱۹۷۲ء	عام شمارہ	۴۲۴

۱۱۸	جولائی ۱۹۷۳ء	○ سالنامہ	۵۲۸
۱۱۹	ستمبر ۱۹۷۴ء	○ افسانہ نمبر	۵۷۸
۱۲۰	جنوری ۱۹۷۶ء	○ سالنامہ	۶۲۰
۱۲۱	ستمبر ۱۹۷۷ء	○ اقبال نمبر ۱	۵۵۷
۱۲۲	نومبر ۱۹۷۷ء	○ اقبال نمبر (نیرنگِ خیال)	۶۰۰
۱۲۳	دسمبر ۱۹۷۷ء	○ اقبال نمبر ۲	۶۵۴
۱۲۴	جنوری ۱۹۷۹ء	○ سالنامہ	۵۳۰
۱۲۵	اکتوبر ۱۹۸۰ء	○ میر نمبر ۱	۶۳۲
۱۲۶	نومبر ۱۹۸۰ء	○ میر نمبر ۲	۶۴۰
۱۲۷	ستمبر ۱۹۸۱ء	○ ادبی معرکے نمبر (دو جلدیں)	۱۲۸۴
۱۲۸	نومبر ۱۹۸۱ء	○ انیس نمبر	۷۲۸
۱۲۹	ستمبر ۱۹۸۲ء	○ عصری ادب نمبر	۸۶۰
۱۳۰	دسمبر ۱۹۸۲ء	○ رسولؐ نمبر[1] (دو جلدیں)	۱۵۷۶
۱۳۰	جنوری ۱۹۸۳ء	○ رسولؐ نمبر (دو جلدیں)	۱۵۰۰
۱۳۰	دسمبر ۱۹۸۳ء	○ رسولؐ نمبر (دو جلدیں)	۱۵۲۰
۱۳۰	جنو[illegible] ۱۹۸۴ء	○ رسولؐ نمبر (چار جلدیں)	۳۰۱۲
۱۳۰	[illegible]ری ۱۹۸[illegible]ء	○ رسولؐ نمبر (تین جلدیں)	۲۱۰۰
۱۳۱	جولائی ۱۹۸۳ء	○ میر نمبر ۳	۵۷۲
۱۳۲	دسمبر ۱۹۸۴ء	○ سالنامہ	۴۸۰

جنوری ۱۹۸۵ء تک کُل صفحات ۵۳,۰۰۵

[1] اس موضوع پر کم از کم ۱۵ جلدیں پیش کی جائیں گی، ان شاءاللہ!

مجلّاتی صحافت میں "نقوش" کا مقام

ڈاکٹر عبد السّلام خورشید (صدر شعبۂ صحافت)

ہم قومی سطح پر سوچیں، یا بین الاقوامی سطح پر، جب مجلّاتی صحافت کی اصطلاح سامنے آتی ہے تو تصوّر کے پردے پر صرف ادبی رسائل نمودار نہیں ہوتے، بلکہ وہ تمام عوام پسند ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہانہ اور سہ ماہی رسائل بھی جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ جو اگرچہ علم و ادب کے فروغ میں مدد دیتے ہیں۔ لیکن ایسا خیال افروز مواد بہت کم پیش کرتے ہیں جو اہلِ دانش اور اہلِ علم کے لیے بھرپور علمی غذا کا کام دے، بہرحال اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجلّاتی صحافت میں عوام پسند رجحانات نے خالص علمی اور ادبی رسائل کو پسپائی پر مجبور کر دیا ہے۔ ایسے رسائل دُنیا کے ہر حصّے میں موجود ہیں اہلِ علم انہیں ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ لیکن اہلِ علم کی تعداد ہر معاشرے میں کم ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے رسائل کی اشاعت بھی محدود ہوتی ہے۔ اس سے یہ مطلب اخذ کرنا درست نہیں کہ اشاعت کم ہونے کی وجہ سے ان کا دائرۂ اثر بھی محدود ہے۔ چونکہ ان کے قارئین اہلِ علم اور اہلِ دانش ہوتے ہیں اور وہی معاشرے میں رہنمائی کا فرض سرانجام دیتے ہیں اس لیے محدود اشاعت کے باوجود ان رسائل کا اثر ذہنوں پر بہت گہرا ہوتا ہے۔

مجلّاتی صحافت میں "نقوش" کے مقام کا تعین کرنے کے لیے ہمیں اس کا مطالعہ عوام پسند رسائل کی روشنی میں نہیں، خواص پسند رسائل کی روشنی میں کرنا ہوگا۔ ایسے رسائل کے لیے دُنیا میں مختلف اصطلاحات رائج ہیں۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں ان رسائل کے لیے "کوالٹی میگزین" کی اصطلاح رائج ہے اور اشتراکی دُنیا میں "کلچرل میگزین" کی بعض مغربی ممالک میں انھیں HIGH - BROW ہائی برو میگزین بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ رسالے جو بلند ذہنی سطح کے لوگ پڑھتے ہیں۔ اپنے ہاں رسمی طور پر ایسی تمیز کا اعلان نہیں کیا جاتا۔ لیکن جاننے والے لوگ جانتے ہیں کہ کون سے رسالے عوام پسند ہیں اور کون سے خواص پسند۔ کون سے کم و بیش تفریحی مواد پیش کرتے ہیں اور کون سے خیال افروز تحریریں مہیّا کرتے ہیں۔ پس اس مقالے میں مَیں صرف خیال افروز علمی و ادبی صحافت کی روشنی میں یہ دیکھنے کی کوشش کروں گا کہ "نقوش" کا مقام کیا ہے۔

برِّعظیم میں مجلّاتی صحافت کا آغاز خالص علمی رسائل سے ہوا جو کم و بیش سوا سو سال پہلے

اجنبی راج کی سرپرستی میں جاری ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ برِعظیم کے پڑھے لکھے لوگوں کو بتایا جائے کہ جس اجنبی طاقت کے زیرِ سایہ وہ زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ ایک علمی نشاۃِ ثانیہ کی نقیب ہے۔ ہمارا پہلا آزاد رسالہ "تہذیب الاخلاق" تھا۔ جسے سر سیّد نے جاری کیا۔ اور اس کے ذریعے سے نہ صرف اسلامی معاشرے میں علمی تجدد کو فروغ دیا بلکہ اُردو زبان میں ایک ایسے مقصدی ادب کی بنیاد رکھ دی جس نے آگے چل کر اُردو ادب میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور اُسے جمود سے نجات دلا کر اس قابل کر دیا کہ وہ نئے خیالات اور نئے اسالیب کو اپنے آپ میں سموئے۔ اور اس طرح معاشرے کی خدمت کا فرض سرانجام دے "تہذیب الاخلاق" کی تقلید میں کئی رسالے نکلے اور انہوں نے اپنے اپنے دائرۂ اثر میں اس تحریک کو آگے بڑھایا۔

ہماری مجلاتی صحافت میں "مخزن" کو دوسرے سنگِ میل کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ بھی محض ایک رسالہ نہیں بلکہ ایک تحریک کا علمبردار تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ اُردو ادب کو نئی اصناف سے آشنا کیا جائے نثر اور شاعری میں نئے تجربے کیے جائیں اور مغربی ادب کے شہ پارے اُردو میں منتقل کیے جائیں۔ اس دَور میں کچھ اور رسائل بھی نکلے۔ جن میں عبد الحلیم شررؔ کا "دلگداز"، اکبر شاہ نجیب آبادی کا "عبرت" محمد دین فوق کا "کشمیری میگزین"، اور مولانا ظفر علی خان کے دو رسالے "دکن ریویو" اور "پنجاب ریویو" نمایاں تھے۔

اس صدی کے آغاز میں جب سیاست منظرِ عام پر آئی تو چند ایسے رسائل نکلے جو ادب اور سیاست کا امتزاج پیش کرتے تھے۔ وہ ادب کی کلاسیکی روایات کے عکاس تھے اور سیاست کے جدید رجحانات کے علمبردار تھے ان میں حسرتؔ موہانی کا "اُردوئے معلّٰی" بدر الزماں بدرؔ کا "شمسِ بنگالہ" ظفر الملک علوی کا "الناظر" دیا نرائن نگم کا "زمانہ" سید سلیمان ندوی کا "معارف" اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کا "جامعہ" اور انجمن ترقی اُردو کا "اُردو" شامل ہیں۔ مؤخر الذکر رسالہ سیاست سے خالی تھا لیکن باقی رسائل میں سے بعض میں سیاست نمایاں تھی اور بعض میں علم السیاست، تاریخ اور عمرانیات، ان رسالوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں ایک تو نئی کتابوں پر ٹھوس تبصرے کیے جاتے تھے، دوسرے علمی اور تہذیبی خبریں بڑے سُلجھے ہوئے انداز میں پیش کی جاتی تھیں۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد عوام پسند ادبی رسائل کا دَور دَورہ ہوا۔ ان میں "کہکشاں"، "ہزار داستان" "خیالستان"، "رومان" اور بعض دوسرے رسالے تو شعلۂ مستعجل ثابت ہوئے، لیکن "نگار" "ساقی" "نیرنگِ خیال"، "عالمگیر" "ہمایوں"، "ادبی دنیا" اور "ادبِ لطیف" نے طویل زندگی پائی اور ماشاء اللہ

ان میں سے چند رسائل اب بھی زندہ ہیں، ان رسائل نے نئے ادیبوں کے فن کو نکھارنے اور اُن کی حوصلہ افزائی میں اتنا نمایاں کردار ادا کیا کہ نہ صرف مجلاتی صحافت کی تاریخ میں بلکہ اُردو ادب کی تاریخ میں بھی اُنھیں کبھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ یہ رسالے صرف عوام پسند نہیں تھے خیال افروز بھی تھے اور یہ علم و ادب کا ایک ایسا امتزاج پیش کرتے تھے کہ اہلِ دانش اُنھیں قدر کی نظروں سے دیکھتے رہے۔

اسی دَور میں یہ کوشش ہوئی کہ رسالوں کے خاص نمبر نکالے جائیں۔ جن میں کسی مخصوص موضوع پر بھرپور مواد پیش کیا جائے۔ "نیرنگِ خیال" سے سالناموں کا آغاز ہوا۔ جو اگر اُس زمانے کی پروڈکشن کے معیار کی روشنی میں دیکھے جائیں تو ایک عظیم کارنامے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی مخصوص موضوع پر خاص نمبر کا آغاز بھی "نیرنگِ خیال" سے ہوا جس نے پہلی مرتبہ "بانگِ درا" کے سائز میں تین ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل "اقبال نمبر" شائع کیا۔ "زمانہ" نے ایک ضخیم "پریم چند نمبر" چھاپا۔ "عالمگیر" نے "روسی ادب نمبر" پیش کیا اور "ہمایوں" نے "روسی ادب نمبر" اور "فرانسیسی ادب نمبر" شائع کیے۔ اور لاہور سے مجید الملکی مرحوم نے "نرگس" کا "نظم نمبر" مرتب کرکے ایک اور طرح ڈال دی۔

میرے نزدیک "نقوش" کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جو کام پہلے اِکّا دُکّا رسالہ کبھی کبھی اور نامکمل اور غیر جامع انداز میں کرتا تھا۔ وہ اس نے ایک بہت بڑے پیمانے پر، ایک منظم انداز میں اور جامعیت کے تمام تقاضوں کے ساتھ کرکے مجلاتی صحافت کو ایک انسائیکلوپیڈیائی رنگ بخش دیا۔ شخصیات نمبر، مکاتیب نمبر، طنز و مزاح نمبر، لاہور نمبر، پطرس نمبر، شوکت تھانوی نمبر، سعادت حسن منٹو نمبر اور اسی قسم کے دوسرے نمبر ایسے اہم اور نادر مواد پر مشتمل ہیں جو اکٹھا نہ ہوتا تو اُردو ادب کا بہت بڑا ضیاع ہوتا۔ ان نمبروں کی ترتیب میں جس ریاض سے کام لیا گیا ہے مجلاتی صحافت میں اس کی مثال نہیں ملتی اور اس کا ایک خوش گوار پہلو یہ ہے کہ محققین کا کام آسان ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اُنھیں جتنا مآخذی مواد "نقوش" کے خصوصی نمبروں میں ایک جگہ اور اچھی اور مستند صورت میں مل جاتا ہے۔ اتنا بے شمار کتابوں، دستاویزوں اور فائلوں میں بھی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ "نقوش" نے جن موضوعات پر خاص نمبر چھاپے ہیں اُن پر مزید تحقیق کا کام سہل ہو گیا ہے۔ اور اس کے لیے محققین یقیناً "نقوش" کے احسان مند ہیں۔

یہ نمبر اپنے اپنے موضوع پر انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں ضخامت کو محدود کرنے کی کوئی شعوری کوشش کی جاتی تو ان کی جامعیت میں فرق آ جاتا۔ ضخامت اور مواد کے اعتبار سے یہ

مستقل تصانیف اور تالیفات کا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ جو کام "نقوش" نے کر دکھایا ہے وہ ایک معجزے سے کم نہیں۔ کتاب، انسائیکلوپیڈیا اور مجلّے کو ایک جگہ سمو کر اور اُسے حُسن بخش کر "نقوش" نے مجلّاتی صحافت کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور ثابت کر دکھایا ہے کہ کام کرنے کی نیت ہو، خلوص اور لگن ہو، تو جو کام بڑے بڑے ادارے نہیں کر سکتے وہ فردِ واحد سر انجام دے سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں "نقوش" کے عام نمبر بھی خاص نمبر ہوتے ہیں اور وسیع ضخامت کی وجہ سے اس میں طویل مختصر افسانے، ناولٹ، طویل مقالے اور کلاسیکی شہپارے بغیر کسی تکلف کے دیئے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ لکھنے والے تنگ دامانی کی قید سے آزاد ہو کر لکھتے ہیں اور اس طرح اپنے موضوع سے پورا انصاف کرتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ رسم اب چل نکلی ہے۔ پہلے مولانا صلاح الدین احمد مرحوم نے "ادبی دُنیا" کو یہی رنگ دیا اور اب "اوراق" اور "فنون" بھی اسی خصوصیت کے حامل ہیں۔

"نقوش" کی ایک اور ادا جو مجھے بھائی ہے، یہ ہے کہ یہ صرف ادب پیش نہیں کرتا۔ علم کے ہر شعبے پر سیر حاصل مواد پیش کرتا ہے۔ یہ ہماری مجلّاتی صحافت کی کلاسیکی روایت ہے جسے بعد کے ادوار میں بہت سے رسالوں نے ترک کر رکھا تھا۔ حالانکہ نصف صدی قبل کے مقابلے پر آج اس بات کی اور بھی ضرورت ہے کہ مجلّاتی صحافت محض سکّہ بند ادب کی ہو کر نہ رہ جائے بلکہ آج کے زمانے کے اہلِ دانش کی دوسری ذہنی ضروریات کی تکمیل کا بھی سامان فراہم کرے۔

"نقوش" کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ مجلّہ کسی ایک دبستانِ ادب یا دبستانِ خیال سے وابستہ نہیں۔ ہر دبستانِ خیال کا ادیب اور شاعر اس کے صفحات پر اظہارِ خیال کر سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ "نقوش" کو کلاسیکی روایات عزیز ہیں لیکن یہ تجدّد کا مخالف نہیں۔ لہٰذا یہ کلاسیکی اور جدید روایات کے درمیان ایک پُل کا کام دیتا ہے۔

چونکہ ہمارے ہاں نئی باتیں عام طور پر مغربی ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں اس لیے میں نے سوچا شاید "نقوش" نے جو رنگ لے رکھا ہے وہ بھی کسی دوسرے ملک کی تقلید پر مبنی ہو۔ چنانچہ میں نے مقالہ لکھنے سے پہلے مختلف ممالک کی مجلّاتی صحافت پر کتابیں اور مقالے پڑھے اور برطانیہ، امریکہ، سوویت یونین، فرانس اور جرمنی کے بہت سے علمی اور ادبی رسالے دیکھے اور مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اتنی جامعیت اتنی خصوصیات کے حامل اور اتنی ضخامت کے رسائل دُنیا کے کسی ملک میں موجود نہیں ہیں۔ اس لیے میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ "نقوش" دُنیا بھر میں اپنی قسم کا پہلا مجلّہ ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ میں نے اس مقالے میں دیدہ و دانستہ طفیل صاحب کا ذکر نہیں کیا۔ اس

کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بہت شرمیلے ہیں اور تعریف سے اور بھی شرمائیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جب کسی کی تعریف کی جائے تو وہ "خلیفہ" بن جاتا ہے اور محض ماضی کے سہارے زندہ رہنا چاہتا ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ محمد طفیل "خلیفہ" نہ بنیں۔ تیسری وجہ یہ ہے خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے کسی کی تعریف کی جائے لوگ تعریف کرنے والے سے محرکات وابستہ کرتے ہیں اور میری ذات سے پہلے ہی مختلف امور میں اتنے محرکات وابستہ کر دیئے گئے ہیں کہ مزید محرکات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی یہ پرانی ریت ہے کہ ہم کسی شخصیت کی اُس کی زندگی میں تعریف نہیں کرتے۔ مبادا کہ ہماری اپنی عظمت میں فرق آجائے۔ پس ان حالات میں معذرت خواہ ہوں کہ جناب طفیل کی خدمت میں کوئی خراجِ تحسین ادا نہیں کر سکا۔

(نقوش پریس۔ لاہور)